تخریج وجدید نظرثانی شدہ

زبان وبیان کے نئے اسلوب میں

مظاہر حق جدید

شرح

مشکوٰۃ شریف اردو

از افادات

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی رحمہ اللہ

تخریج وترتیب جدید

مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری (فاضل دیوبند)

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

جدید نظر ثانی شدہ کمپیوٹر ایڈیشن

زبان و بیان کے نئے اسلوب میں

مظاہر حق جدید

شرح

مشکوۃ شریف اردو

جلد پنجم

از افادات

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ و ترتیب جدید

مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری (فاضل دیوبند)

دار الاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : مارچ ۲۰۰۲ء شکیل پریس کراچی۔
ضخامت : صفحات ۱۰۰۴

مصححین : مولانا محمد شفیق صاحب فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن
مولانا محمد اصغر مغل صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
مولانا دلشاد صاحب مدرس دارالعلوم حسینیہ شہداد پور

﴿..........ملنے کے پتے..........﴾

ادارۃ المعارف کورنگی کراچی نمبر۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور
ادارۃ القرآن 437/D گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
کشمیر بک ڈپو، چنیوٹ بازار فیصل آباد
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 نابھ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار راولپنڈی
الفیصل تاجران کتب اردو بازار لاہور
ادارہ اسلامیات اردو بازار کراچی

فہرست ـــــ مظاہر حق جدید (جلد پنجم)

بَابُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ

قیامت کی علامتوں کا بیان

شَرْط: (را کے جزم کے ساتھ) کے معنی ہیں۔ کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ وابستہ کرنا یا کسی چیز کا لازم کرنا جیسا کہ یوں کہا جائے اگر ایسا ہو تو ایسا ہوگا! اس کی جمع "شروط" آتی ہے اور "شرط" (را کے زبر کے ساتھ) کے معنی ہیں علامت، یعنی وہ چیز جو کسی وقوع پذیر ہونے والی چیز کو ظاہر کرے! اس کی جمع "اشراط" ہے پس یہاں "اشراط" سے مراد وہ نشانیاں اور علامتیں ہیں جو قیامت کے وقوع پذیر ہونے کو ظاہر کریں گی۔ ویسے لغت میں "شرط" کے معنی کسی چیز کا اول، مال کا زوال اور چھوٹا و کمتر مال" لکھے ہیں۔

"ساعة" شب و روز کے اجزاء میں سے کسی بھی ایک جز کو کہتے ہیں یہ لفظ "موجودہ وقت" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ پس قیامت یا قیامت کے آنے کو ساعت اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ جب اس کا وقت غیر معلوم ہے تو وہ کسی بھی وقت آسکتی ہے یہاں تک آنے والا ہر لحہ یہ احتمال رکھتا ہے کہ اسی وقت قیامت نہ آجائے۔

علماء نے وضاحت کی ہے کہ اشراط ساعت یعنی قیامت کی علامتوں سے مراد وہ نسبتاً چھوٹی چیزیں ہیں جو قیامت آنے سے پہلے وقوع پذیر ہوں گی اور جن کو لوگ قیامت کی علامتیں تسلیم نہیں کریں گے مثلاً لونڈی کا اپنے مالک کو جننا، فلک بوس عمارتیں بنانا اور ان پر فخر کرنا، جہل و نادانی، زنا کاری اور شراب خوری کی کثرت، مردوں کی کمی اور عورتوں کی زیادتی، امانتوں میں خیانت و بددیانتی، لڑائیوں اور فتنہ و فساد کی زیادتی اور اس طرح کی دوسری برائیاں کہ جن کا ذکر اس باب میں آئے گا۔ "اشراط" کی وضاحت اس معنی کے ساتھ اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ بڑی علامتیں کہ جو قیامت کے بالکل قریب ظاہر ہوں گی اور جن کا ذکر اگلے باب میں ہوگا، ان چھوٹی علامتوں کے علاوہ ہیں! رہی یہ بات کہ لوگ مذکورہ بالا چیزوں کو قیامت کی علامتیں تسلیم کرنے سے کیوں انکار کریں گے؟ تو اس کی وجہ اصل میں یہ ہوگی کہ اس طرح کی چیزیں اس دنیا میں ہمیشہ سے چلی آرہی ہیں، پس لوگ یہ سمجھتے رہیں گے کہ یہ چیزیں تو دنیا میں ہمیشہ ہوتی ہی رہتی ہیں، اب ان میں کیا خصوصیت پیدا ہوگئی ہے کہ ان کو قیامت کی علامتیں کہا جائے۔ واضح رہے کہ مذکورہ چیزوں کا محض وجود قیامت کی علامت نہیں ہے بلکہ ان چیزوں کا کثرت کے ساتھ وقوع پذیر ہونا اور ان برائیوں کا غیر معمولی طور پر پھیل جانا، قیامت کی علامت ہے! ایک بات اور بتادینی ضروری ہے کہ اس باب میں حضرت امام مہدیؓ کے ظاہر ہونے کا بھی ذکر ہے، جب کہ ان کا ظاہر ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال کے پیدا ہونے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، لہٰذا اس بارے میں کوئی اشکال واقع نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس باب میں حضرت مہدیؓ کے ظاہر ہونے کا ذکر، لڑائیوں اور فتنوں کے ذکر کے ضمن میں ہوا ہے نہ کہ مستقل طور پر! اس سلسلہ میں مزید وضاحت اگلے باب میں ہوگی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

قیامت کی علامتیں

(۱) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يُّرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَكْثُرَ الْجَهْلُ وَيَكْثُرَ الزِّنَا وَيَكْثُرَ شُرْبُ الْخَمْرِ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ حَتّٰى يَكُوْنَ لِخَمْسِيْنَ اِمْرَاَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَقِلَّ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ۔ (متفق علیہ)

"حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ "بلاشبہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا

جائے گا (یعنی حقیقی عالم اس دنیا سے اٹھ جائیں گے یا یہ کہ علماء کی قدر و منزلت اٹھ جائے گی) جہالت کی زیادتی ہو جائے گی (یعنی ہر طرف جاہل و ناداں ہی نظر آنے لگیں گے جو اگرچہ علم و دانش کا دعویٰ کریں گے مگر حقیقت میں علم و دانش سے کوسوں دور ہوں گے) زنا کثرت سے ہونے لگے گا (کیونکہ لوگوں میں شرم و حیا اور اور غیرت کم ہو جائے گی) شراب بہت پی جائے گی (اور پھر شراب خوری کی زیادتی، آبادیوں اور لوگوں میں فتنہ و فساد پھیلنے کا باعث ہوگی) مردوں کی تعداد کم ہو جائے گی (جن کے دم سے عالم کا نظام استوار و مستحکم ہوتا ہے) عورتوں کی تعداد بڑھ جائے گی (کہ جن کے ذریعہ ضروری اور اہم امور سرانجام تو کیا پاتے البتہ ان کی وجہ سے تفکرات اور پریشانیوں اور مال و دولت حاصل کرنے کا غم ضرور برداشت کرنا پڑتا ہے) یہاں تک کہ پچاس عورتوں کی خبر گیری کرنے والا ایک مرد ہوگا (اس سے یہ مراد نہیں کہ ایک ایک مرد کی پچاس بیویاں ہوں گی بلکہ یہ مراد ہے کہ ایک ایک مرد پر پچاس پچاس عورتوں کی کفالت و خبر گیری کا بوجھ ہوگا جن میں مائیں، خالائیں، دادیاں، بہنیں، پھوپھیاں وغیرہ ہوں گی۔"

اور ایک روایت میں (یرفع العلم ویکثر الجھل) یعنی علم اٹھا لیا جائے گا اور جہل کی زیادتی ہوگی، کے بجائے) یوں ہے کہ علم کم ہو جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی۔

قیامت کی ایک خاص علامت

(۲) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ بَيْنَ يَدِي السَّاعَةِ كَذَّابِيْنَ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ "قیامت آنے سے پہلے جھوٹوں کی پیدائش بڑھ جائے گی، لہٰذا ان سے بچتے رہنا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "جھوٹوں" سے مراد یا تو وہ لوگ ہیں جو جھوٹی حدیثیں گھڑیں گے، یا وہ لوگ مراد ہیں جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کریں گے اور زیادہ تر وہ لوگ مراد ہیں جو بدعتیں رائج کریں گے، اپنے غلط سلط عقائد و خیالات اور اپنی جھوٹی اغراض و خواہشات کو صحیح اور جائز ثابت کرنے کے لئے ان کی نسبت صحابہؓ اور اگلے بزرگوں کی طرف کریں گے۔

ابن ملکؒ نے شرح مشارق میں لکھا ہے فاحذروھم کا جملہ صحیح مسلم میں مذکور نہیں ہے البتہ اس کے علاوہ دوسری روایتوں میں یہ جملہ یقیناً موجود ہے، بلکہ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ یہ جملہ اصل حدیث یعنی حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کا جزء نہیں ہے بلکہ حضرت جابرؓ کا اپنا قول ہے! نیز جامع میں یہ روایت بعینہٖ اس طرح منقول ہے جس طرح یہاں مشکوٰۃ میں نقل کی گئی ہے اور صاحب جامع نے کہا ہے کہ اس روایت کو امام احمدؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت جابر ابن سمرۃؓ سے نقل کیا ہے۔

(۳) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ اِذْجَآءَ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ اِذَا ضُيِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ قَالَ كَيْفَ اِضَاعَتُهَا قَالَ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ صحابہ سے (کسی سلسلہ میں) باتیں کر رہے تھے کہ اچانک ایک دیہاتی (مجلس نبوی میں) آیا اور کہنے لگا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب امانت، تلف کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرنے لگنا۔" دیہاتی نے پوچھا کہ امانت، کیونکر تلف کی جائے گی اور یہ نوبت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا۔ "جب حکومت و سلطنت کا کام نااہل لوگوں کے سپرد ہو جائے تو (سمجھنا کہ یہ امانت کا تلف ہو جانا ہے اور اس وقت) قیامت کا انتظار کرنا۔" (بخاریؒ)

تشریح: امانت سے مراد شریعت کی طرف سے عائد کی جانے والی ذمہ داریاں اور دین کے احکام ہیں جیسا کہ قرآن کریم کے ارشاد اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ میں امانت کا یہی مفہوم ہے یا "امانت" سے لوگوں کے حقوق اور ان کی امانتیں مراد ہیں۔ حاصل یہ کہ حضور ﷺ نے

اس دیہاتی کے پوچھنے پر یہ واضح فرمایا کہ قیامت کا متعین وقت عالم الغیوب کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا اور نہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو وہ ذریعہ بتایا ہے جس سے قیامت کا متعینہ وقت جانا جا سکے، ہاں اس نے ایسی علامتیں ضرور مقرر کی ہیں جو قیامت سے پہلے ظاہر ہوں گی اور جو اس امر کی نشانیاں ہوں گی کہ اب قیامت قریب ہے چنانچہ ان علامتوں میں سے ایک علامت امانتوں کا ضائع کرنا ہے کہ لوگ امانتوں میں خیانت کرنے لگیں گے۔

"نا اہل" سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے اندر حکومت و سیادت کی شرائط نہ رکھنے کی وجہ سے حکمراں بننے کا استحقاق نہ رکھتے ہوں گے، جیسے عورتیں، بچے جہلاء، فاسق و بدکار، بخیل اور نامرد وغیرہ، اسی طرح جو شخص قریش النسل نہ ہو وہ بھی اس باب میں "نا اہل" ہی کے زمرہ میں شمار ہوگا خواہ وہ سلاطین کی نسل سے کیوں نہ ہو، لیکن اس شرط کا تعلق خاص طور پر خلافت سے ہے! حدیث کے اس جزء کا حاصل یہ ہے کہ اگر دین و دنیا کے امور کا نظم و انتظام ایسے شخص کے ہاتھوں میں آجائے جو اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو یقیناً ان امور کا صحیح طور پر انجام پانا ممکن نہیں ہوگا اور طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگوں کے حقوق ضائع و پامال ہونے لگیں گے اور ہر شخص بے چین و مضطرب رہے گا۔

"وُسِّدَ" بصیغہ مجہول اور سین کی تشدید کے ساتھ یا تشدید کے بغیر۔ اصل میں "وسادۃ" سے مشتق ہے، جس کے لغوی معنی تکیہ کے ہیں، چنانچہ جس شخص کے سپرد کوئی کام کیا جاتا ہے تو گویا اس کام کے اعتبار سے اس شخص پر تکیہ کیا جاتا ہے۔

مال و دولت کی فراوانی قرب قیامت کی دلیل ہے

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكْثُرَ الْمَالُ وَيَفِيْضَ حَتّٰى يُخْرِجَ الرَّجُلُ زَكَاةَ مَالِهٖ فَلَا يَجِدُ اَحَدًا يَقْبَلُهَا مِنْهُ وَحَتّٰى تَعُوْدَ اَرْضُ الْعَرَبِ مُرُوْجًا وَاَنْهَارًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ قَالَ تَبْلُغُ الْمَسَاكِنُ اِهَابَ اَوْيِهَابَ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک مال و دولت کی فراوانی نہیں ہو جائے گی، اور فراوانی بھی اس طرح کی ہو جائے گی کہ ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے گا لیکن وہ کوئی ایسا شخص نہیں پائے گا جو اس کے زکوٰۃ کا مال لے لے (کیونکہ مال و دولت کی فراوانی کسی شخص کو محتاج اور ضرور تمند نہیں چھوڑے گی اور کوئی آدمی اس طرح کے مال لینے پر تیار نہیں ہوگا اور قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی) جب تک کہ عرب کی سرزمین باغ و بہار اور نہر والی (یعنی بے حساب مال و دولت فراہم کرنے والی بن جائے۔ (مسلمؒ) اور مسلم ہی کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ (قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ) عمارتوں اور آبادی کا سلسلہ اہاب یا یہاب تک نہ پہنچ جائے گا۔"

تشریح: "وَيَفِيْضَ" اصل میں عطف تفسیری ہے، یعنی مال و دولت کی وہ فراوانی اس طرح ہوگی کہ چاروں طرف پانی کی مانند بہتی پھرے گی اور لوگ اپنی ضرورت و حاجت سے کہیں زیادہ دولت کے مالک ہوں گے۔

اہاب اور یہاب (اور ایک نسخہ میں ی کے زبر کے ساتھ یعنی یہاب) یہ دونوں جگہ کے نام ہیں جو مدینہ کے نواح میں واقع ہیں! اہاب او یہاب میں حرف او تنویع کے لئے ہے دوسری روایت کے ان الفاظ کی مراد یہ واضح کرنا ہے کہ آخر زمانہ میں مدینہ میں اس قدر عمارتیں بنیں گی کہ ان کا سلسلہ شہر کے ارد گرد نواحی علاقوں تک پہنچ جائے گا؟۔

حضرت شیخ عبدالحقؒ نے لکھا ہے کہ لفظ اہاب الف کے زبر کے ساتھ سحاب کے وزن پر ہے، اور یہ مدینہ سے چند کوس کے فاصلہ پر ایک موضع کا نام ہے نیز یہ لفظ الف کے زیر کے ساتھ بھی منقول ہے۔

حضرت امام مہدیؒ کے بارے میں پیشگوئی

⑤ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ خَلِيْفَةٌ يَقْسِمُ الْمَالَ وَلَا يَعُدُّهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ اُمَّتِيْ خَلِيْفَةٌ يَحْثِى الْمَالَ حَثْيًا وَّلَا يَعُدُّهٗ عَدًّا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "آخر زمانہ میں ایک خلیفہ (یعنی سلطان برحق) پیدا ہوگا جو ضرورت مندوں، مستحقین کو خوب مال تقسیم کرے گا اور اس کو شمار نہیں کرے گا۔ یعنی لوگوں میں بے حساب مال و دولت تقسیم کرے گا۔" اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میری اُمت کے آخری زمانہ میں ایک خلیفہ پیدا ہوگا جو لوگوں کو مٹھی یا چلو بھر کر (یعنی بہت زیادہ) مال و دولت دے گا اور اس کو شمار نہیں کرے گا جیسا کہ شمار کیا جاتا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "خلیفه" سے مراد حضرت امام مہدیؒ ہیں جو آخر زمانہ میں ظاہر ہوں گے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ان کے نظام حکومت کی مالی حالت بہت زیادہ اچھی ہوگی، فتوحات اور مال غنیمت وغیرہ کے ذریعہ ان کی آمدنی کا کوئی حساب نہیں ہوگا، لیکن وہ اس مال و دولت کو اپنی شان و شوکت بڑھانے اور اپنی زندگی کو پر عیش بنانے پر خرچ نہیں کریں گے یا جمع کر کے اپنے خزانوں میں بند کر کے نہیں رکھیں گے. جیسا کہ ہمارے زمانہ کے حکمراں اور بادشاہوں کا دستور ہے، بلکہ وہ اس دولت کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی ضروریات میں خرچ کریں گے اور اپنی طبعی سخاوت کی وجہ سے دونوں ہاتھ بھر بھر کر یہ دولت لوگوں میں تقسیم کریں گے۔

دریائے فرات سے خزانے نکلنے کی پیشگوئی

⑥ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ الْفُرَاتُ اَنْ يَّحْسُرَ عَنْ كَنْزٍ مِّنْ ذَهَبٍ فَمَنْ حَضَرَ فَلَا يَاْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جلدی وہ زمانہ آنے والا ہے جب دریائے فرات سونے کا خزانہ برآمد کرے گا (یعنی اس کا پانی خشک ہو جائے گا اور اس کے نیچے سے سونے کا خزانہ برآمد ہوگا) پس جو شخص اس وقت وہاں موجود ہو اس کو چاہئے کہ اس خزانہ میں سے کچھ نہ لے۔" (بخاری و مسلمؒ)

تشریح: اس خزانہ میں سے کچھ لینے کی ممانعت اس بنا پر ہے کہ اس کی وجہ سے تنازعہ اور قتل و قتال کی صورت پیش آئے گی جیسا کہ اگلی حدیث میں وضاحت کی گئی ہے! اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس خزانہ میں سے کچھ بھی لینا اس لئے ممنوع ہے کہ خاص طور پر اس خزانہ میں سے کچھ حاصل کرنا آفات اور بلاؤں کے اثر کرنے کا موجب ہوگا اور ایک طرح سے یہ بات قدرت الٰہی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے! نیز بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ وہ خزانہ مغضوب اور مکروہ مال کے حکم میں ہوگا جیسا کہ قارون کا خزانہ، لہٰذا اس خزانہ سے فائدہ حاصل کرنا حرام ہوگا۔

⑦ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَحْسُرَ الْفُرَاتُ عَنْ جَبَلٍ مِّنْ ذَهَبٍ يَقْتَتِلُ النَّاسُ عَلَيْهِ فَيُقْتَلُ مِنْ كُلِّ مِائَةٍ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ وَيَقُوْلُ كُلُّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ لَعَلِّيْ اَكُوْنُ اَنَا الَّذِيْ اَنْجُوْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ دریائے فرات سونے کا پہاڑ برآمد نہ کرے گا! لوگ اس کی وجہ سے (یعنی اس دولت کو حاصل کرنے اور اپنے قبضہ میں لینے کے لئے) جنگ اور قتل و قتال کریں گے، پس ان لوگوں میں سے ننانوے فیصد مارے جائیں گے، اور ہر شخص یہ کہے گا کہ شاید میں (زندہ بچ جاؤں اور) مقصد میں کامیاب

ہو جاؤں، یعنی ہر شخص اس توقع پر لڑے گا کہ شاید میں ہی کامیابی حاصل کرلوں اور اس دولت پر قبضہ جمالوں چنانچہ ننانوے فیصد لوگ اس توقع میں اپنی جان گنوا بیٹھیں گے۔" (مسلمؒ)

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی بات کو دو مختلف موقعوں پر مختلف الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے، لہٰذا دونوں حدیثوں کا خلاصہ یہ نکلے گا کہ دریائے فرات کے نیچے سے سونے کا ایک عظیم خزانہ برآمد ہوگا جس کی مقدار پہاڑ کے برابر ہوگی۔ تاہم یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں حدیث میں پہاڑ کے برابر سونے کے جس خزانہ کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ اس خزانہ کے علاوہ ہوگا جس کا ذکر پہلی حدیث میں کیا گیا ہے اور "سونے کے پہاڑ" سے مراد سونے کی کان ہو۔

جب زمین کا سینہ اپنے خزانوں کو باہر اگل دیگا

(۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقِيْءُ الْاَرْضُ اَفْلَاذَ كَبِدِهَا اَمْثَالَ الْاُسْطُوَانِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ فَيَجِيْءُ الْقَاتِلُ فَيَقُوْلُ فِيْ هٰذَا قَتَلْتُ وَيَجِيْءُ الْقَاطِعُ فَيَقُوْلُ فِيْ هٰذَا قَطَعْتُ رَحِمِيْ وَيَجِيْءُ السَّارِقُ فَيَقُوْلُ فِيْ هٰذَا قُطِعَتْ يَدِيْ ثُمَّ يَدَعُوْنَهُ فَلَا يَاْخُذُوْنَ مِنْهُ شَيْئًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "(قیامت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ) زمین اپنے جگر کے ٹکڑوں کو نکال کر کے باہر پھینک دے گی جو سونے چاندی کے ستونوں کے مانند ہوں گے۔ پس ایک شخص کہ جس نے محض مال حاصل کرنے کے لئے قتل کا ارتکاب کیا ہوگا آئے گا اور کہے گا کہ (کیا) اسی کے لئے میں نے لوگوں کو قتل کیا ہے، اور ایک شخص کہ جس نے ناطہ توڑا ہوگا (یعنی جس نے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان و سلوک نہیں کیا ہوگا) آئے گا اور کہے گا کہ (کیا) میں نے اسی مال کے لئے اپنے رشتہ داروں سے ناطہ توڑا ہے، اور پھر چور آئے گا اور کہے گا کہ (کیا) اسی مال کے لئے میرا ہاتھ کاٹا گیا ہے (یعنی ان سب کے کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ مال و دولت ایسی چیز ہے جس کی محبت میں اور جس کو حاصل کرنے کے لئے ہم نے ایسے ایسے گناہ کئے اور ایسی ایسی پریشانیوں سے دوچار ہوئے لیکن اب جب کہ یہ مال و دولت ہمارے سامنے اور ہمارے اختیار میں ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی ہے اور ہمیں اس کی کوئی حاجت و ضرورت محسوس نہیں ہوتی) چنانچہ وہ سب لوگ اس مال و دولت کو یوں ہی چھوڑ دیں گے کہ کوئی بھی اس میں سے کچھ نہیں لے گا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "افلاذ" اصل میں "فَلْذَة" کی جمع ہے جس کے معنی کسی چیز کے اس ٹکڑے کے ہیں جس کو لمبائی میں کاٹا گیا ہو اور قاموس میں لکھا ہے کہ فِلذ (ف کے زیر کے ساتھ) کے معنی ہیں اونٹ کا جگر، جب کہ فِلذة (یعنی ۃ کے ساتھ، کے معنی ہیں جگر کا ٹکڑا، سونے یا چاندی کا ٹکڑا، اور گوشت کا ٹکڑا۔

واضح رہے کہ زمین کے جگر کے ٹکڑے سے مراد زمین کے نیچے چھپے ہوئے خزینے یعنی معدنیات ہیں اور معدنیات کو "جگر کے ٹکڑوں" سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے، زمین کا خلاصہ اور جوہر اصل میں معدنیات ہی ہیں جیسا کہ اونٹ کی سب سے اصل چیز اس کا جگر ہوتا ہے نیز معدنیات، زمین کی چیزوں میں سے سب سے زیادہ قابل اعتناء اور سب سے زیادہ پسندیدہ چیز ہے جیسا کہ پیٹ کے اندر کی چیزوں میں سے جگر ہی سب سے اعلیٰ چیز ہے۔

بہرحال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آخر زمانہ میں زمین کا سینہ بڑی فراخ دلی کے ساتھ اپنے اندر چھپے ہوئے خزانوں کو باہر اگل دے گا ہر طرف معدنیات کا کام زور شور کے ساتھ جاری ہوگا اور ایک ایک ملک میں مختلف قسم کی مفید و کارآمد اور قیمتی چیزیں کانوں کے ذریعہ نکالی جائیں گی جس کے ذریعہ نسل انسانی مال و دولت کی فراوانی میں غرق ہو جائے گی۔

آخری زمانہ کے بارے میں ایک پیشگوئی

(۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمُرَّ الرَّجُلُ عَلَى الْقَبْرِ فَيَتَمَرَّغُ عَلَيْهِ وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَكَانَ صَاحِبِ هٰذَا الْقَبْرِ وَلَيْسَ بِهِ الدِّيْنُ اِلَّا الْبَلَاءُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "قسم ہے اس ذات کی) جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ دنیا اس وقت تک اختتام پذیر نہیں ہوگی جب تک کہ ایسا زمانہ نہیں آجائے گا کہ آدمی قبر کے پاس سے گزرے گا اور پھر لوٹ کر قبر پر آئے گا اور (حسرت سے) کہے گا کہ کاش! میں اس قبر والے کی جگہ ہوتا۔ اور یہ اس کا دین نہیں ہوگا بلکہ بلا ہوگی۔" (مسلمؒ)

تشریح: علماء نے حدیث کے آخری جملہ۔ "اور یہ اس کا دین نہیں ہوگا...... الخ۔" کے دو مطلب بیان کئے ہیں، ایک تو یہ کہ "دین" سے مراد عادت ہے اور ویسے "دین" عادت کے معنی میں آتا بھی ہے، لہٰذا مراد یہ ہے کہ وہ شخص جب قبر کے پاس سے گذرے گا اور پھر لوٹ کر قبر پر آئے گا اور اپنی مذکورہ خواہش و آرزو کا اظہار کرے گا تو اس کا وہ لوٹنا اور اس کا آرزو کا اظہار کرنا اس کی کسی عادت کے مطابق نہیں ہوگا بلکہ اس فتنہ وبلا کی وجہ سے ہوگا جس میں وہ گرفتار ہوگا! دوسرا مطلب یہ ہے کہ "دین" سے مراد اس کے مشہور معنی دین ومذہب ہیں اس صورت میں اس جملہ کی وضاحت یہ ہوگی کہ اس کا قبر پر لوٹ کر آنا اور وہاں کھڑے ہو کر مذکورہ خواہش و حسرت کا اظہار کرنا کسی ایسے فتنہ وبلا میں گرفتار ہونے کی وجہ سے نہیں ہوگا جو اس کے دین اور اس کے آخری معاملات کو نقصان پہنچانے یا تباہ کرنے کا سبب بنا ہو بلکہ کسی ایسی مصیبت وبلا میں گرفتاری کی وجہ سے ہوگا جس نے اس کی دنیا کو نقصان پہنچایا یا تباہ کیا ہوگا! ان دونوں وضاحتوں کے علاوہ ایک اور وضاحت یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ اس کا قبر پر لوٹ کر آنا اور مذکورہ حسرت کے اظہار کی صورت میں گویا موت کی آرزو کرنا ایک ایسے وقت کی بات ہوگی جب کسی فتنہ وبلا کے سبب اس کا دین جاتا رہا ہوگا اور اس وقت اس کے پاس اس فتنہ وبلاء کے مضر اثرات کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔

ایک آگ کے بارے میں پیشگوئی

(۱۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَخْرُجَ نَارٌ مِّنْ اَرْضِ حِجَازٍ تُضِيْءُ اَعْنَاقَ الْاِبِلِ بِبُصْرٰى۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ حجاز سے ایک آگ نہ بھڑک لے گی جو بصری کے اونٹوں کی گردنوں کو روشن کردے گی۔" (بخاری ومسلمؒ)

تشریح: "بصری" ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے جو دمشق سے تین منزل کی مسافت کے فاصلہ پر واقع ہے اور "حجاز" جزیرۃ العرب کے اس علاقہ کو کہا جاتا ہے جس میں مکہ اور مدینہ بھی شامل ہیں! اس حدیث میں جس آگ کا ذکر کیا گیا ہے اس کے متعلق تواتر کے ساتھ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ اس آگ کے نمودار ہونے کا حادثہ پیش آچکا ہے اور ان روایات سے معلوم ہوتا ہے اگرچہ اس آگ کے زیر اثر آنے والا زیادہ تر حصہ مدینہ منورہ ہی کے علاقہ پر مشتمل تھا مگر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سرور کائنات ﷺ کی برکت سے مدینہ کے شہریوں کو اس آگ کی آفت وتباہ کاری سے محفوظ و مامون رکھا بیان کیا جاتا ہے کہ ۳ جمادی الثانی ۶۵۰ھ جمعہ کے دن وہ آگ نمودار ہوئی اور ۲۷ رجب ۶۵۰ھ بروز اتوار تک یعنی مسلسل بارہ دن تک ظاہر رہی! راویوں نے اس کی کیفیت یہ لکھی ہے کہ اچانک حجاز کی جانب سے وہ آگ نمودار ہوئی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آگ کا ایک پورا شہر ہے جس میں قلع یا برج اور کنگورے جیسی چیزیں موجود ہیں اور انسانوں کا اژدہام اس شہر کو کھینچے چلا آرہا ہے، اس آگ کا سلسلہ جس پہاڑ تک پہنچتا اس کو شیشے اور موم کی طرح پگھلا کر رکھ دیتا تھا، اس

کے شعلوں میں بجلی کی کڑک جیسی آواز اور دریا کے تموج جیسا جوش تھا، اور یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کے اندر سے سرخ اور نیلے رنگ کے دریا نکل رہے ہوں، وہ آگ اس کیفیت کے ساتھ مدینہ منورہ تک پہنچی مگر عجیب تر بات یہ تھی کہ اس کے شعلوں کی طرف سے جو ہوا مدینہ تک آرہی تھی وہ ٹھنڈی تھی! علماء نے لکھا ہے کہ اس آگ کی لپٹیں مدینہ کے تمام جنگلوں تک کو منور کیے ہوئے تھیں یہاں تک کہ حرم نبوی اور مدینہ کے تمام گھروں میں سورج کی طرح روشنی پھیل گئی تھی، لوگ رات کے وقت اسی کی روشنی میں اپنے سارے کام کاج کرتے تھے بلکہ ان دنوں میں اس پورے علاقہ پر سورج اور چاند کی روشنی معطل اور ماند ہو گئی تھی، مکہ معظمہ کے بعض لوگوں نے یہ شہادت دی کہ انہوں نے وہ روشنی یمامہ اور بصری تک دیکھی۔ اس آگ کی عجیب خصوصیات میں سے ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ وہ پتھروں کو تو جلا کر کوئلہ کر دیتی تھی مگر درختوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جنگل میں ایک بہت بڑا پتھر پڑا تھا جس کا آدھا حصہ حرم مدینہ کی حدود میں تھا اور آدھا حصہ حدود حرم سے باہر تھا آگ نے پتھر کے اس آدھے حصہ کو جلا کر کوئلہ کر دیا جو حدود حرم سے باہر تھا لیکن جب اس آدھے حصہ تک پہنچی جو حدود حرم میں تھا تو ٹھنڈی پڑ گئی اور پتھر کا وہ آدھا حصہ بالکل محفوظ رہا! بہر حال اس عجیب وغریب ہیبتناک آگ نے اہل مدینہ پر بڑا خوف وہراس طاری کر دیا، لوگوں نے رو رو کر خدا سے اس آتشی فتنہ کے دفعیہ کے لئے دعا کی اپنی عملی اور دینی کوتاہیوں کی طرف متوجہ ہوئے جس کے ذمہ جس کا جو حق تھا وہ اس کی ادائیگی میں لگ گیا صدقہ وخیرات اور غلاموں کو آزاد کرنا شروع کر دیا اور جمعہ کی رات میں تمام اہل مدینہ یہاں تک کہ عورتیں اور بچے حرم شریف میں جمع ہو گئے اور سب لوگ حجرۂ شریف (روضۂ اقدس) کے چاروں طرف ننگے سر بیٹھے روتے اور گڑگڑاتے رہے اور اللہ تعالیٰ سے حفظ وامان کی دعائیں مانگتے رہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آگ کا رخ شمال کی جانب پھیر دیا اور مدینہ منورہ کو اس سے محفوظ و مامون کر دیا علماء لکھتے ہیں کہ اس آگ کا نمودار ہونا قدرت الٰہی کی ایک عبرت انگیز نشانی تھی، اس سال تمام دنیا میں مختلف قسم کے عجیب وغریب حادثات وواقعات کا ظہور ہوا اور اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد مختلف علاقوں میں خون ریز جنگ اور قتل وقتال کی وہ مہیب آگ بھڑکی جس نے بغداد جیسے عظیم شہر کو تاراج کر دیا اور تاتاریوں کے فتنہ کی صورت میں عالم اسلام کو سخت نقصان سے دوچار کیا۔

قیامت کی پہلی علامت

(۱۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ نَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ اِلَی الْمَغْرِبِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "قیامت کی علامتوں میں سے پہلی علامت وہ آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہانک کر لے جائے گی۔" (بخاریؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو علامتیں قیامت کے بالکل قریب ظہور پذیر ہوں گی ان میں سب سے پہلی علامت وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہانک کر لے جائے گی، ورنہ ظاہر ہے کہ اس آگ کو قیامت کی سب سے پہلی علامت کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے جب کہ حضور ﷺ نے اس آگ کو بھی قیامت کی علامتوں میں سے شمار کیا ہے، جس کا ذکر اوپر کی حدیث میں گذرا اور جو روایت کے مطابق ۶۵۰ھ میں نمودار بھی ہو چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

زمانہ کی تیز رفتاری، قیامت کی علامتوں میں سے ہے

(۱۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَتَقَارَبَ الزَّمَانُ فَتَکُوْنَ السَّنَۃُ کَالشَّھْرِ

وَالشَّهْرُ كَالْجُمُعَةِ وَتَكُوْنُ الْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ وَيَكُوْنُ الْيَوْمُ كَالسَّاعَةِ وَتَكُوْنُ السَّاعَةُ كَالضَّرْمَةِ بِالنَّارِ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ زمانہ قریب نہ ہو جائے گا (یعنی زمانہ کی گردش تیز نہ ہو جائے گی اور دن ورات جلد جلد نہ گذرنے لگیں گے اور زمانہ کی تیز رفتاری اس کیفیت و حالت کے ساتھ ہوگی کہ) سال مہینہ کے برابر، مہینہ ہفتہ کے برابر ہو جائے گا، اور ایک گھنٹہ اتنا مختصر ہو جائے گا جیسے آگ کا شعلہ (گھاس کے تنکے پر) سلگ جاتا ہے (یعنی جھٹ سے جل کر بجھ جاتا ہے۔" (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آخر زمانہ میں دنوں اور ساعتوں میں برکت کم ہو جائے گی، وقت اس قدر جلد اور تیزی کے ساتھ گزرتا معلوم ہوگا کہ اس کا فائدہ مند اور کارآمد ہونا معدوم ہو جائے گا یا یہ مراد ہے کہ اس زمانہ میں لوگ تفکرات اور پریشانیوں میں گھرے رہنے اور اپنے دل و دماغ پر بڑے بڑے فتنوں، نازل ہونے والے مصائب و آفات اور طرح طرح کی مشغولیتوں کا شدید تردباؤ رکھنے کی وجہ سے وقت کے گذرنے کا ادراک و احساس تک نہیں کر پائیں گے، اور انہیں یہ جاننا مشکل ہو جائے گا کہ کب دن گذر گیا اور کب رات ختم ہوگئی خطابیؒ نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے زمانہ اور وقت کی جس تیز رفتاری کا ذکر فرمایا ہے اس کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدیؓ کے زمانہ میں ہوگا۔

بہ تبہ سے دارالخلافہ کی منتقلی ایک بری علامت ہے

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَوَالَةَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَغْنَمَ عَلٰى اَقْدَامِنَا فَرَجَعْنَا فَلَمْ نَغْنَمْ شَيْئًا وَّعَرَفَ الْجُهْدَفِي وُجُوْهِنَا فَقَامَ فِيْنَا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْهُمْ اِلَيَّ فَاَضْعُفَ عَنْهُمْ وَلَا تَكِلْهُمْ اِلٰى اَنْفُسِهِمْ فَيَعْجِزُوْا عَنْهَا وَلَا تَكِلْهُمْ اِلَى النَّاسِ فَيَسْتَاْثِرُوْا عَلَيْهِمْ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ عَلٰى رَاْسِيْ ثُمَّ قَالَ يَا ابْنَ حَوَالَةَ اِذَا رَاَيْتَ الْخِلَافَةَ قَدْ نَزَلَتِ الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ فَقَدْدَنَتِ الزَّلَازِلُ وَالْبَلَابِلُ وَالْاُمُوْرُ الْعِظَامُ وَالسَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنَ النَّاسِ مِنْ يَدِيْ هٰذِهٖ اِلٰى رَاْسِكَ۔ (رواہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن حوالہؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے ہمیں جہاد کرنے کے لئے بھیجا تاکہ ہم مال غنیمت حاصل کر سکیں اور اس کے ذریعہ اپنی ضروریات پوری کریں) ہمارا وہ سفر پیدل تھا (یعنی چونکہ ہمارے پاس سواری کا کوئی انتظام نہیں تھا اس لئے ہمیں سفر جہاد میں پیدل ہی روانہ ہونا پڑا) اور (جب) ہم اس جہاد سے (باعافیت و سلامت) واپس ہوئے تو ہمارے ساتھ کچھ بھی مال غنیمت نہیں تھا (جس کا ہمیں غم و افسوس تھا) چنانچہ حضور علیہ السلام ہمارے چہروں پر اداسی اور مایوسی دیکھ کر۔ ہمیں تسلی دینے اور ہمارے حق میں دعا کرنے کے لئے) ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور (بطور دعا) فرمایا کہ۔ "پروردگار! ان لوگوں کو میرے سپرد فرما، ایسا نہ ہو کہ میں ان کی خبرگیری کی طاقت نہ رکھوں۔ ان کو خود ان کے سپرد فرما کیونکہ یہ اپنے امور کی انجام دہی سے عاجز ہوں گے، اور نہ ان کو دوسرے لوگوں کے سپرد فرما اور دوسروں کا محتاج بنا کیونکہ لوگ ان کی حاجتوں اور ضرورتوں پر اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو مقدم رکھیں گے۔" (حضرت عبداللہ ابن حوالہؓ کہتے ہیں کہ) اس کے بعد حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا اور فرمایا۔ "اے ابن حوالہ (جب تم دیکھو کہ خلافت ارض مقدس میں پہنچ گئی ہے (یعنی مسلمانوں کا دارالخلافہ مدینہ سے منتقل ہو کر ملک شام پہنچ گیا ہے) تو سمجھ لینا کہ زلزلے بلبلے، اور (وہ بڑے بڑے حادثے (کہ جن کا تعلق قیامت سے ہے) قریب آپہنچے ہیں اور اس دن قیامت لوگوں سے اتنی قریب ہوگی جتنا میرا ہاتھ تمہارے سر سے قریب ہے۔"

تشریح: "تاکہ ہم مال غنیمت حاصل کر سکیں۔" بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن حوالہؓ اور ان کے ساتھیوں کی مالی حالت بہت سقیم ہوگی اور وہ لوگ سخت غریب اور افلاس کا شکار ہوں گے، لہٰذا اس جہاد کے لئے حضور ﷺ نے بطور خاص ان لوگوں کا

انتخاب فرمایا ہوگا تاکہ اس جہاد میں جو مال غنیمت حاصل ہو اس کے ذریعہ یہ لوگ اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرسکیں) غالباً اسی بنا پر غذا کا صریح ذکر نہیں فرمایا بلکہ مال غنیمت ہی کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔

"ان لوگوں کو میرے سپرد نہ فرما۔" کا مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ غربت وافلاس کا شکار ہیں اور میں نے ان کی اسی غربت وافلاس کی بنا پر ان کو جہاد میں بھیجا تھا تاکہ جہاد کا فریضہ بھی انجام پا جائے اور حاصل ہونے والے مال غنیمت کے ذریعہ ان کو اپنی ضرورت و احتیاج کو دور کرنے کا وسیلہ بھی فراہم ہو جائے، مگر ان کی قسمت کی بات کہ ان کو اس جہاد میں مال غنیمت ہی حاصل نہیں ہوسکا، پس اے خدا! اب تو ہی ان کی ضروریات کے تکفل کا کوئی اور وسیلہ پیدا فرمادے، ان کی ذمہ داری میرے اوپر نہ ڈال کیونکہ میں ان کی غمخواری اور ان کی خبرگیری کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا! واضح رہے کہ حضور ﷺ نے یہ بات اس حقیقت کے پیش نظر فرمائی کہ انسان اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی طاقت و قوت نہیں رکھتا اگر خدا کی طرف سے اس کو وسائل وذرائع حاصل نہ ہوں تو وہ خود اپنی ذات کی خبر گیری سے عاجز وبے بس رہتا ہے چہ جائیکہ کسی دوسرے کی خبرگیری کا بوجھ اٹھاسکے اسی لئے ایک دعا میں حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض رسا ہوئے اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ یعنی اے اللہ! پلک جھپکنے کے برابر بھی مجھ کو خود میرے سپرد نہ فرما بلکہ میری حفاظت وضمانت بس تو اپنے ہی ذمہ رکھ) نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (یعنی اے محمد کہدیجیئے کہ اپنی ذات کے تئیں نہ میں نفع کا مالک ہوں اور نہ نقصان کا، علاوہ اس چیز کے جو اللہ کو (میرے حق میں) منظور ہو! اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے کمال عبدیت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو عاجز سمجھے اور یہ اعتراف واظہار کرے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد وتوفیق اور اس کے حکم وفیصلہ کے بغیر کوئی بڑے سے بڑا شخص بھی کسی چھوٹی سی چھوٹی ذمہ داری کو پورا کرنے کی طاقت وقدرت نہیں رکھتا، چنانچہ توحید کامل یہی وہ سبق ہے جو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ میں مذکور ہے اور جس کو ہر بندہ اپنی زبان سے دہرانے اور اس پر یقین رکھنے کا پابند بنایا گیا ہے! ابن عدیؒ نے کتاب کامل میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام ہر سال کسی نہ کسی وقت ملتے ہیں، چنانچہ جب ان کے ملنے کا وقت آتا ہے تو ان میں سے ہر ایک، دوسرے کو تلاش کرتا ہے اور پھر ملاقات کے بعد دونوں ہی یہ کلمات کہتے ہوئے جدا ہوتے ہیں بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا يَسُوْقُ الْخَيْرَ اِلَّا اللّٰهُ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا يَصْرِفُ السُّوْٓءَ اِلَّا اللّٰهُ مَا شَآءَ اللّٰهُ مَا كَانَ مِنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ!

چونکہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی جناب باری تعالیٰ میں سب سے زیادہ قرب رکھتی ہے اس لئے آپ ﷺ نے ان لوگوں کی ذمہ داری نہ سونپے جانے کی دعا سب سے پہلے اپنی ذات کے تئیں فرمائی اس کے بعد اس دعا میں دوسرے لوگوں کو بھی شامل فرمایا کہ جس طرح میں اپنی کمزوری اور عجز کی بنا پر شاید ان کی خبرگیری کی ذمہ داری کا انجام نہ دے سکوں اسی طرح دوسرے لوگ خود اپنی ذات کے نفع نقصان کو ترجیح دینے کے سبب ان کی خبرگیری نہیں کرسکیں گے، چنانچہ حقیقت بھی یہی ہے کہ جو لوگ خود غرضی کا شکار ہوتے ہیں اور صرف اپنی ذات کے نفع نقصان سے مطلب رکھنے کی عادت میں گرفتار ہوتے ہیں وہ کسی دوسرے کی بڑی سے بڑی ضرورت وحاجت کو اپنی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت وحاجت پر بھی ترجیح نہیں دیتے اور اگر ان کے سپرد کوئی ذمہ داری ہوتی ہے تو وہ اس کی انجام دہی میں ہر مرحلہ پر اپنی ذات کے فائدے کو مقدم رکھتے ہیں! بہرحال حضور ﷺ کی پوری دعا کا حاصل یہ تھا کہ اے پروردگار! ان لوگوں کی ذمہ داری میرے سپرد نہ فرما کیونکہ میں ان کی کفالت وخبرگیری کی ذمہ داری انجام دینے کی طاقت وقدرت نہیں رکھتا اس لئے تو خود ان کی ذات کو ان کی کفالت کا ذمہ دار بنا کیونکہ اول یہ لوگ ذاتی وسائل وذرائع نہ رکھنے کی وجہ سے اپنی ذات کی کفالت کا بوجھ بھی برداشت کرنے کے قابل نہیں ہیں، دوسرے ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ خواہشات نفس کی زیادتی اور بے راہ روی کا شکار ہو جائیں اور اپنی معاشی وسماجی زندگی کی خوش حالی کے لئے ایسے راستوں پر لگ جائیں جو ان کے دین وآخرت کے لئے نقصان وتباہی کا سبب بن جائے۔ اسی طرح اے پروردگار! ان کی ذمہ داری دوسرے لوگوں کے سپرد نہ فرما اور ان کو کسی کا محتاج نہ بنا کیونکہ وہ دوسرے، اپنی ذاتی اغراض اور اپنے خود کے

مفلہ کو ان کے مفاد پر ترجیح دیں گے اور ان کی خبر گیری کا حق ادا نہیں کریں گے جس سے یہ اور زیادہ پریشان و تباہ ہو جائیں گے۔ پس اے خدا یہ تیرے بندے اور تیرے نام لیوا ہیں، تو ان کو اپنا ہی محتاج بنا اور ان کے ساتھ وہی معاملہ فرما جو آقا اپنے غلاموں کے ساتھ کرتا ہے۔

اس وضاحت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس دعا سے آنحضرت ﷺ کا اصل مقصد امت کو اس امر کی تعلیم و تلقین کرنا ہے کہ بندے کو چاہئے کہ وہ اپنا ہر کام اور اپنا ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے، یعنی اپنی تدبیر و سعی اور ظاہری وسائل و ذرائع پر بھروسہ کرنے کے بجائے اپنے پروردگار کی مشیت و مرضی پر بھروسہ کرے، اسی کی ذات پر یقین و اعتماد رکھے، اس کے علاوہ کسی اور پر بھروسہ و اعتماد نہ رکھے، کسی دوسرے کی ذات سے امید وابستہ نہ کرے کیونکہ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا ہے اور اسی کی ذات پر یقین و اعتماد رکھتا ہے اللہ تعالیٰ یقیناً اس کا کارساز بنتا ہے اور اس کے ہر کام و معاملہ کو، خواہ وہ دینی ہو یا دنیاوی، بہتر انجام اور کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ یعنی جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

"زلزلہ" کا مطلب زمین کا ہلنا، بھونچال آنا ہے، اسی لئے بلبلے سے مراد مختلف قسم کے غم و آلام اور تفکرات اور پریشانیاں ہیں، اور گویا یہ چیزیں قیامت کے اس سب سے بڑے زلزلے کے آنے کی علامت اور مقدمہ ہونگی جس کے نتیجہ میں یہ پوری کائنات زیر و زبر ہو کر رہ جائے گی اور دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا اور جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دی ہے اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا واضح رہے کہ مذکورہ باتیں بالکل آخر زمانہ میں واقع ہوں گی جب کہ بیت المقدس فتح ہوگا اور اس پر مسلمانوں کا کامل تسلط ہو جائے گا۔

مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں لفظ رواہ کے بعد جگہ خالی ہے لیکن جزریؒ نے اس لفظ کے بعد اس عبارت کو شامل کیا ہے ابوداؤد واسنادہ حسن ورواہ الحاکم فی صحیحہ (یعنی اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور اس کی اسناد حسن ہے، نیز اس روایت کو حاکم نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

قیامت کی علامتیں

(۱۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اتُّخِذَ الْفَيْءُ دُوَلاً وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ وَ اَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَاَدْنٰى صَدِيْقَهٗ وَاَقْصٰى اَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَارْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَاٰيَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ قُطِعَ سِلْكُهٗ فَتَتَابَعَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جب مال غنیمت کو دولت قرار دیا جانے لگے، اور جب زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے، اور جب علم کو دین کے علاوہ کسی اور غرض سے سکھایا جانے لگے، اور جب مرد بیوی کی اطاعت کرنے لگے اور جب ماں کی نافرمانی کی جانے لگے، اور جب دوستوں کو تو قریب اور باپ کو دور کیا جانے لگے اور جب مسجد میں شور و غل مچایا جانے لگے اور جب قوم وجماعت کی سرداری، اس قوم و جماعت کے فاسق شخص کرنے لگیں اور جب قوم و جماعت کے زعیم و سربراہ اس قوم و جماعت کے کمینہ اور مرذیل شخص ہونے لگیں اور جب آدمی کی تعظیم اس کے شر اور فتنہ کے ڈر سے کی جانے لگے اور جب لوگوں میں گانے والیوں اور سازو باجوں کا دور دورہ ہو جائے اور جب شرابیں پی جانی لگیں اور جب اس اُمت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا کہنے لگیں اور ان پر لعنت بھیجنے لگیں تو اس وقت تم ان چیزوں کے جلدی ظاہر ہونے کا انتظار کرو سرخ یعنی تیز و تند اور شدید ترین طوفانی آندھی کا، زلزلہ کا، زمین میں دھنس جانے کا، صورتوں کے مسخ و تبدیل ہو جانے کا، اور پتھروں کے برسنے کا، نیز ان چیزوں کے علاوہ قیامت اور تمام نشانیوں اور علامتوں کا

انتظار کرو، جو اس طرح پے در پے وقوع پذیر ہوں گی جیسے (مثلاً موتیوں کی) لڑی کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور اس کے دانے پے در پے گرنے لگیں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اس حدیث میں کچھ ان برائیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اگرچہ دنیا میں ہمیشہ موجود رہی ہیں اور کوئی بھی زمانہ ان برائیوں سے خالی نہیں رہا ہے، لیکن جب معاشرہ میں یہ برائیاں کثرت سے پھیل جائیں اور غیر معمولی طور پر ان کا دور دورہ ہو جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ خدا کا سخت ترین عذاب خواہ وہ کسی شکل و صورت میں ہو، اس معاشرہ پر نازل ہونے والا ہے اور دنیا کے خاتمہ کا وقت قریب تر ہو گیا ہے۔

دُوَلْ اصل میں دَوْلَة یا دُوْلَة کی جمع ہے جس کے لغوی معنی انقلاب زمانہ کے ہیں اور ہر اس چیز کو بھی "دولت" کہتے ہیں جو کبھی کسی کے لئے ہو اور کبھی کسی کے لئے اسی وجہ سے اس لفظ کا مال وزر اور حلیہ و اقتدار پر ہوتا ہے! نیز بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ لفظ دُوْلَة (دال کے پیش کے ساتھ) تو اس چیز کا اسم ہے جو از قسم مال کسی شئے کو حاصل کرے یعنی مال غنیمت اور دال کے زبر کے ساتھ یعنی دَوْلَة کے معنی ہیں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پلٹنا یعنی سختی و پریشانی اور تنگدستی کی حالت کا ختم ہو جانا اور اطمینان و راحت اور خوشحالی کا آجانا بہرحال مال غنیمت کو دولت قرار دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کے ذریعہ دشمنوں سے جو مال حاصل ہوتا ہے اور جس کو "مال غنیمت" کہا جاتا ہے وہ شرعی طور پر تمام غازیوں اور مجاہدوں کا مشترک حق ہے اور اس مال کو ان تمام حقداروں پر، خواہ وہ کسی بھی حیثیت وحالت کے ہوں، تقسیم کرنا واجب ہے، لیکن اگر اسلامی لشکر و سلطنت کے اہل طاقت و ثروت اور اونچے عہدے دار اس مال غنیمت کو شرعی حکم کے مطابق تمام حقداروں کو تقسیم کرنے کے بجائے خود اپنے درمیان تقسیم کر کے بیٹھ جائیں اور محتاج و ضرورت مند اور چھوٹے لوگوں کو اس مال سے محروم رکھ کر اس کو صرف اپنے مصرف میں خرچ کرنے لگیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ اس مال غنیمت کے تمام حقداروں کا مشترکہ حق نہیں سمجھتے بلکہ اپنی ذاتی دولت سمجھتے ہیں۔

"امانت کو مال غنیمت شمار کرنے" سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس امانتیں محفوظ کرائی جائیں وہ ان امانتوں میں خیانت کرنے لگیں اور امانت کے مال کو غنیمت کی طرح اپنا ذاتی حق سمجھنے لگیں جو دشمنوں سے حاصل ہوتا ہے۔

"زکوٰۃ کو تاوان سمجھنے" کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا لوگوں پر اس طرح شاق اور بھاری گذرنے لگے گا کہ گویا ان سے ان کا مال زبردستی چھینا جا رہا ہے اور جیسے کوئی شخص تاوان اور جرمانہ کرتے وقت سخت تنگی اور بوجھ محسوس کرتا ہے۔

علم کو دین کے علاوہ کسی اور غرض سے سکھانے کا مطلب یہ ہے کہ علم سکھانے اور علم پھیلانے کا اصل مقصد دین و شریعت کی عمل اور اخلاق و کردار کی اصلاح و تہذیب انسانیت اور سماج کی فلاح و بہبود اور خدا اور رسول کا قرب و خوشنودی حاصل کرنا نہ ہو بلکہ اس کے ذریعہ دنیا کی عزت، مال و دولت، جاہ و منصب اور ایوان اقتدار میں تقرب حاصل کرنا مقصود ہو۔

"مرد کا بیوی کی اطاعت کرنا" یہ ہے کہ خاوند، زن مرید ہو جائے اور اس طرح بیوی کا حکم ماننے اور اس کی ہر ضرورت پوری کرنے لگے کہ اس کی وجہ سے خدا کے حکم و ہدایت کی صریح خلاف ورزی ہو۔

"ماں کی نافرمانی کرنے" سے مراد یہ ہے کہ ماں کی اطاعت و فرمانبرداری کا جو حق ہے اس سے لاپرواہ ہو جائے اور کسی شرعی وجہ کے بغیر اس کی نافرمانی کر کے اس کا دل دکھائے واضح رہے کہ یہاں صرف ماں کی تخصیص اس اعتبار سے ہے کہ اولاد کے لئے چونکہ باپ کی بہ نسبت ماں زیادہ مشقت اور تکلیف برداشت کرتی ہے اس لئے وہ اولاد پر باپ سے زیادہ حق رکھتی ہے۔

"دوستوں کو قریب اور باپ کو دور کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ اپنا وقت باپ کی خدمت میں حاضر رہنے، اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور اس کی دیکھ بھال میں صرف کرنے کے بجائے دوستوں کے ساتھ مجلس بازی کرنے، ان کے ساتھ گپ شپ اور سیر و تفریح کرنے میں صرف کرے اور اپنے معمولات و حرکات سے ایسا ظاہر کرے کہ اس کو باپ سے زیادہ دوستوں کے ساتھ تعلق و موانست ہے۔

"مسجد میں شور و غل کرنے" سے مراد یہ ہے کہ مسجدوں میں زور زور سے باتیں کی جائیں، چیخ و پکار کے ذریعہ مسجد کے سکون میں

خلل ڈالا جائے اور اس کے ادب و احترام سے لاپرواہی برتی جائے! واضح رہے کہ بعض علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ مسجد میں آواز کو بلند کرنا حرام ہے، خواہ اس کا تعلق ذکر اللہ ہی سے کیوں نہ ہو۔

"کسی قوم و جماعت کا سردار اس قوم کے فاسق کے ہونے۔" سے مراد یہ ہے کہ قیادت و سیادت اگر ایسے لوگوں کے سپرد ہونے لگے جو بدکردار، بدقماش اور بے ایمان ہو تو یہ بات پوری جماعت اور پوری قوم کے لئے تباہی کی علامت ہوگی! واضح رہے کہ قوم، جماعت کے حکم میں شہر اور گاؤں اور محلہ بھی شامل ہیں! اسی طرح اگر کسی قوم و جماعت کے زعما ان لوگوں کو قرار دیا جانے لگے جو اپنی قوم و جماعت کے کمینہ، بے کردار اور رزیل ترین ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس قوم و جماعت کی تباہی کے دن آگئے ہیں۔

"آدمی کی تعظیم، اس کے فتنہ و شر کے ڈر سے کی جائے" کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی تعظیم و احترام کا معیار اس کی ذاتی فضیلت و عظمت نہ ہو بلکہ اس کی برائی اور اس کے شر کا خوف ہو۔ یعنی کسی شخص کی اس لئے تعظیم کی جائے کہ وہ دوسروں کو نقصان پہنچانے یا ستانے کی طاقت رکھتا ہے، جیسے کسی فاسق و بدقماش شخص کو اقتدار و غلبہ حاصل ہو جائے اور لوگ اس کی عزت اور اس کی تعظیم کرنے پر مجبور ہوں۔

"گانے والیوں" سے مراد کنچنیاں، ڈومنیاں اور نائنیں وغیرہ ہیں! اور "قَيْنَاتٌ" قنة کی جمع ہے، جس کے اصل معنی گانے والی لونڈی کے ہیں، اسی طرح "باجوں" سے مراد ہر قسم کے ساز و باجے اور گانے بجانے کے آلات ہیں جن کو شرعی اصطلاح میں "مزامیر" کہا جاتا ہے جیسے ڈھولک، ہارمونیم، طبلہ، سارنگی اور شہنائی وغیرہ۔

"شرابوں" جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ یہاں شراب کی تمام انواع و اقسام اور دیگر دوسری نشہ آور اشیاء بھی مراد ہیں۔

"جب اس اُمت کے پچھلے لوگ، اگلے لوگوں کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔" میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ برائی اسی اُمت کے ساتھ مخصوص ہے، گذشتہ امتوں کے لوگوں میں اس برائی کا چلن نہیں تھا۔ چنانچہ مسلمانوں میں سے رافضی لوگ اس برائی میں مبتلا ہیں کہ وہ ان گذرے ہوئے اکابر یعنی صحابہؓ تک کے بارے میں زبان لعن و طعن دراز کرتے ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے۔

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔

"جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی، خدا ان سب سے خوش ہے!۔"

اور ایک آیت میں یہ فرمایا کہ:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

"(اے محمد ﷺ) جب مؤمن آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوا۔"

کس قدر بدنصیبی اور شقاوت کی بات ہے کہ جن بندگان خاص سے اللہ تعالیٰ راضی و خوش ہوا ان سے ناراضگی و ناخوشی ظاہر کی جائے اور ان کے خلاف ہفوات کیے جائیں۔؟ ان بندگان خاص کے مناقب و فضائل سے قرآن و حدیث بھرے ہوئے ہیں، وہ پاک نفوس ایسی عظیم ہستیاں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے خدا کے دین کو قبول کیا، قبول ایمان میں سبقت حاصل کی، نہایت سخت اور صبر آزما حالت میں خدا کے نبی ﷺ کی مدد حمایت کی، اللہ کے دین کا پرچم سربلند کرنے کے لئے اپنی جانوں کی بازیاں لگائیں، جہاد کے ذریعہ اسلام کی شوکت بڑھائی، بڑے بڑے شہر اور ملک فتح کئے، کسی واسطہ کے بغیر سید الامام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دین کا علم حاصل کیا، شریعت کے احکام و مسائل سیکھے، دین کی بنیاد یعنی قرآن کریم کو سب سے زیادہ جانا اور سمجھا، اور مقدس، ہستیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قران کریم کے ذریعہ امت کے تمام لوگوں کو یہ تلقین فرمائی کہ ان کے حق میں یوں گویا ہوں۔

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ۔

"اے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش جنہوں نے قبول ایمان میں ہم پر سبقت حاصل کی ہے۔"

لیکن اس (رافضیوں) کے وہ لوگ کہ جو یا تو ایمان کی روشنی کھو چکے ہیں، یا دیوانے ہو گئے ہیں، ان مقدس، ہستیوں اور اُمت کے سب سے افضل لوگوں کے بارے میں صرف زبان لعن وطعن دراز کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ محض اپنے گندے خیالات و نظریات اور سڑے ہوئے فہم کی وجہ سے یہ کہہ کر ان پاک نفسوں کی طرف کفر کی بھی نسبت کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ نے بلا استحقاق خلافت پر قبضہ کیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کے اصل مستحق علیؓ تھے۔ خدا ان عقل کے اندھوں کو چشم بصیرت دے، آخر وہ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ اس اُمت کے اگلے پچھلے تمام لوگوں نے اس بات کو غلط اور باطل قرار دیا ہے، اور قرآن و سنت میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس سے یہ صراحت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت اول حضرت علیؓ کا حق تھا نیز صحابہؓ میں سے جن لوگوں نے حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں ان سے اختلاف کیا، انہوں نے نعوذ باللہ کسی بری غرض کے تحت حضرت علیؓ کی مخالفت نہیں کی بلکہ ان کا اختلاف ان کی اجتہادی رائے کے تحت تھا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ خطاء اجتہادی میں مبتلا ہو گئے تھے، لیکن اس کی وجہ سے بھی ان پر لعن کرنا، اور ان کے حق میں گستاخانہ باتیں منہ سے نکالنا نہایت ناروا، بلکہ صریح زیادتی ہے، بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ ان میں سے کسی نے بھی حضرت علیؓ کی مخالفت راہ حق سے بھٹک جانے کی وجہ سے کی اور وہ "فسق" کے مرتکب ہوئے تو بھی ان کو آخر کس بنا پر برا بھلا کہا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے انہوں نے مرنے سے پہلے اپنی غلط روی سے توبہ کر لی ہو یا اگر توبہ بھی نہ کی ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ غالب امید رکھنی چاہئے کہ وہ اپنی رحمت کے صدقہ میں اور ان کی گذشتہ خدمات کے بدلے میں ان کو مغفرت سے نواز دے گا چنانچہ ابن عساکرؒ نے حضرت علیؓ سے یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) میرے (بعض) صحابہؓ (اگر) ذلت یعنی لغزش کا شکار ہوں گے (تو) اللہ تعالیٰ ان کو میری صحبت اور میرے ساتھ تعلق رکھنے کی برکت سے بخش دے گا۔" اس بات کو اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہم لوگ اکثر و بیشتر صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود اپنے پروردگار کی رحمت اور آنحضرت ﷺ کی شفاعت کے امیدوار رہتے ہیں تو کیا وہ لوگ جو اُس اُمت کے سب سے افضل اور سب سے بڑے لوگوں کے زمرہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ ان کے حق میں یہ نیک گمان رکھا جائے کہ اگر ان سے کوئی لغزش ہوئی بھی ہوگی تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے درجہ کی عظمت اور ان کے شرف صحابیت کی برکت سے ان سے درگذر فرمائے گا؟ مرتبہ صحابیت کے تقدس و شرف کو داغدار کرنے والے نادانو! سوچو کہ تم اپنی زبان کو کن مقدس ہستیوں کی شان میں گستاخی کر کے گندا کر رہے ہو، اور تمہارا یہ طرز عمل رحمۃ للعلمین ﷺ کو کس قدر تکلیف پہنچا رہا ہوگا!؟ کیا تم اس بات سے بے خبر ہو کہ نیک بخت وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے خود کے عیوب ان کو دوسروں کی عیب جوئی سے باز رکھیں؟ کیا تم اس فرمان رسالت ﷺ کی صداقت کے منکر ہو کہ اپنے مرے ہوئے لوگوں کو برائی کے ساتھ یاد نہ کرو۔" کیا رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی نہیں ہے کہ جب تمہارے سامنے میرے صحابہؓ کا ذکر ہو تو اپنی زبان کو قابو میں رکھو؟ اگر تم ذرا بھی ایمان و عقل کا دعویٰ رکھتے ہو تو سنو کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے۔ "ابوبکرؓ عمرؓ کی محبت، ایمان کی ایک شاخ ہے اور ان دونوں سے بغض و عداوت رکھنا کفر کی علامت ہے) انصارؓ کی محبت ایمان کی ایک شاخ ہے اور ان سے بغض و عداوت، کفر ہے، اہل عرب کی محبت، ایمان کی ایک شاخ ہے اور ان سے **بغض و عداوت کفر ہے جس نے میرے صحابہؓ کو برے الفاظ سے یاد کیا وہ اللہ کی لعنت کا مستوجب ہوا اور جس نے** ان کے بارے میں میرے حکم کی پاسداری کی، میں قیامت کے دن اس کی پاسداری کرونگا۔" ! اے خدا بس تو ہی ان لوگوں کو عقل سلیم اور چشم بصیرت عطا کر کے راہ ہدایت دکھا سکتا ہے، جو جہالت و نادانی اور تعصب کی وجہ سے تیرے محبوب نبی ﷺ کے محبوب صحابہؓ اور ساتھیوں کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور ان کے حق میں زبان لعن وطعن دراز کر کے خود کو دوزخ کی آگ کا ایندھن بناتے ہیں۔

(۱۵) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِيْ خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ وَعَدَّ هٰذِهِ الْخِصَالَ وَلَمْ يَذْكُرْ تُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ قَالَ وَبَرَّ صَدِيْقَهٗ وَجَفَا أَبَاهُ وَقَالَ وَشُرِبَ الْخَمْرُ وَلُبِسَ الْحَرِيْرُ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب میری اُمت ان پندرہ باتوں میں (کہ جن کا ذکر اوپر کی حدیث میں ہوا) مبتلا ہوگی تو اس پر (وہ) آفتیں اور بلائیں نازل ہوں گی (جو اوپر حدیث میں مذکور ہوئی ہیں) پھر آنحضرت ﷺ نے ان پندرہ باتوں کو شمار فرمایا (یعنی ان باتوں کی تفصیل بیان فرمائی جیسا کہ گذشتہ حدیث میں گذرا) لیکن حضرت علیؓ نے اس روایت میں یہ بات نقل نہیں کی کہ جب علم کو دین کے علاوہ کسی دوسری غرض سے سکھایا جانے لگے۔" (نیز ان دونوں حدیثوں کے الفاظ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ) حضرت علیؓ نے (اس جملہ ادنی صدیقہ کہ جب آدمی اپنے دوست کو تو اپنے قریب کرنے لگے الخ کے بجائے) یہ نقل کیا ہے کہ جب آدمی اپنے دوست کے ساتھ احسان و مروت اور اپنے باپ کے ساتھ جور و جفا کرنے لگے اور انہوں نے (جب شرابیں پی جانے لگیں" کے بجائے) جب شراب پی جانے لگے (یعنی "شراب" کو جمع کے صیغہ کے بجائے واحد کے صیغہ کے ساتھ) نقل کیا ہے اسی طرح (جب علم کو دین کے علاوہ کسی دوسری غرض سے سکھایا جانے لگے" کے بجائے جب ریشمی کپڑا پہنا جانے لگے۔" نقل کیا ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: وعدهذه الخصال (پھر آنحضرت ﷺ نے ان پندرہ باتوں کو شمار فرمایا) کے الفاظ صاحب مصابیح کے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ ترمذیؒ نے دو قولی حدیثیں یکے بعد دیگرے نقل کی ہیں اور الگ الگ دونوں ہی حدیثوں میں ان پندرہ باتوں کو نقل کیا ہے صاحب مختصر نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کی اس روایت میں ولبس الحریر (جب ریشمی کپڑا پہنا جانے لگے) کے الفاظ۔ "جب علم دین کے علاوہ کسی دوسری غرض سے سکھا جانے لگے۔" کی جگہ نہیں ہیں، بلکہ۔ "جب اس اُمت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا بھلا کہنے لگیں۔" کی جگہ منقول نہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت علیؓ کی روایت میں۔ "جب اس اُمت کے پچھلے لوگ الخ کے الفاظ مذکورہ مذکور ہیں لہٰذا صحیح یہی ہے کہ حضرت علیؓ نے ولبس الحریر کے الفاظ تعلم لغیر الدین کے بجائے نقل کئے ہیں۔ اس کے مطابق پندرہ باتوں کا ذکر دونوں روایتوں کے متعلق صحیح ہو جاتا ہے۔ لہٰذا طیبیؒ نے جو یہ کہا ہے بالکل صحیح کہا ہے کہ۔ "مذکورہ پندرہ باتوں کا ذکر دونوں روایتوں کے متعلق صحیح ہو جاتا ہے۔ لہٰذا طیبیؒ نے جو یہ کہا ہے بالکل صحیح کہا ہے کہ۔ "مذکورہ پندرہ باتوں کا ذکر دونوں روایتوں میں سے ہر ایک میں ہے، اور صاحب مختصر کا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ پندرہ باتوں کا ذکر مجموعی طور پر دونوں روایتوں میں ہے۔ تاہم پہلی حدیث میں مذکورہ باتوں کی تعداد پندرہ نہیں بلکہ سولہ ہے۔

امام مہدیؓ کے بارے میں پیشگوئی

(۱۶) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اسْمُهٗ اِسْمِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوٗدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ قَالَ لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا يَوْمٌ لَطَوَّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَتّٰى يَبْعَثَ اللّٰهُ فِيْهِ رَجُلًا مِنِّيْ أَوْمِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اسْمُهٗ اِسْمِيْ وَاسْمُ أَبِيْهِ اِسْمَ أَبِيْ يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا۔

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "دنیا اس وقت تک اختتام پذیر نہیں ہوگی جب تک کہ عرب پر ایک شخص قبضہ نہ کر لے گا جو میرے خاندان میں سے ہوگا اور اس کا نام میرے نام پر ہوگا۔" (ترمذیؒ ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ""اگر دنیا کے اختتام پذیر ہونے میں صرف ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو طویل و دراز کر دے گا، یہاں تک کہ پروردگار میری نسل میں سے یا یہ فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو بھیجے گا جس کا نام میرے نام پر اور جس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر ہوگا اور وہ تمام روئے زمین کو (عرب کی سرزمین کو) عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح اس وقت سے پہلے تمام روئے زمین ظلم و جور سے بھری تھی۔"

تشریح: اس حدیث میں جس ذات گرامی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس سے حضرت امام مہدیؓ مراد ہیں چنانچہ ان کا اصل نام تو "محمد" ہو گا، اور لقب "مہدی" ہو گا، نیز آنحضرت ﷺ کی پشت سے تعلق رکھتے ہوں گے البتہ اس بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ آیا وہ حضرت امام حسنؓ کی اولاد میں سے ہوں گے یا حضرت امام حسینؓ کی اولاد میں سے؟ لیکن بظاہر یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ وہ باپ کی جانب سے تو حسنی ہوں گے اور ماں کی جاب سے حسینی! حضور ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ ان کا تعلق صرف نسبی اور نسلی نہیں ہو گا بلکہ روحانی اور شرعی بھی ہو گا، یعنی ان کا طور طریقہ، اور ان کے عادات و معمولات حضور ﷺ کے طور طریقے اور آپ کے عادات و معمولات کے مطابق ہوں گے۔

واضح رہے کہ حدیث میں حضرت امام مہدیؓ کی طرف صرف عرب کی نسبت (کہ ان کا قبضہ عرب پر ہو گا) محض ان کی نسلی و وطنی عظمت اور شرف فضیلت کی بنا پر ہے، ورنہ دوسری احادیث میں آیا ہے کہ ان کا تسلط و قبضہ پوری دنیا پر ہو گا خواہ عرب علاقے ہوں یا غیر عرب لیکن یہ توجیہ زیادہ مناسب ہے کہ محض عرب کے ذکر پر اکتفا کرنا اس اعتبار سے ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان روحانی طور پر عرب ہی کے تابع ہیں، لہٰذا عرب پر ان کا تسلط و اقتدار بالواسطہ طور سے تمام دنیا کے مسلمانوں پر تسلط و اقتدار کے مترادف ہے۔" اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دنیا کا ہر مسلمان روحانی طور پر عربی ہے۔

اس موقع پر ایک خاص بات یہ بتادینی ضروری ہے کہ حضور ﷺ نے امام مہدیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو یہ فرمایا ہے کہ اس کا نام میرے نام پر اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر ہو گا۔" تو اس بات سے شیعہ لوگوں کی اس بات کی تردید ہو جاتی ہے کہ مہدی موعود قائم و منتظر ہیں اور وہ حسن عسکری کے بیٹے محمد ہیں۔

وہ تمام روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے زیر تسلط علاقوں میں رہنے والے لوگوں کو پوری طرح عدل و انصاف سے نوازیں گے اور کسی بھی شخص کے ساتھ بے انصافی اور خلاف عدل کوئی سلوک نہیں ہو گا! جاننا چاہئے کہ "یقسط" اور عدل دونوں کے معنی قریب قریب ایک ہی ہیں جیسا کہ "ظلم" اور "جور" کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں چنانچہ صراح میں لکھا ہے کہ "قسط" کے معنی ہیں داد و انصاف اور "عدل" کے معنی ہیں داد یعنی انصاف اور داد و انصاف کرنا۔

اسی طرح "جور" کے معنی ہیں کسی کو ایسا حکم دینا جس سے اس پر ظلم و ستم ہو اور اصل کے اعتبار سے "جور" اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھا جائے۔ پس حدیث میں دونوں جگہوں پر ایک ہی معنی کے حامل دو لفظوں کا استعمال محض تاکید و تکرار کے لئے ہے یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے دونوں لفظوں کو دو الگ الگ معنی میں استعمال فرمایا ہے مثلاً قسط سے مراد انصاف چاہنے والوں کو انصاف دینا ہے اور "عدل" سے مراد حقوق میں برابری اور مساوات ملحوظ رکھنا ہے اسی طرح ظلم سے مراد انصاف چاہنے والوں کو انصاف ملنا ہے اور "جور" سے مراد حقوق میں عدم مساوات اور نا برابری ہے۔

حضرت امام مہدیؓ حضور ﷺ کی اولاد میں سے ہوں گے

(۱۷) وَعَنْ اُمِّ سَلْمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمَهْدِيُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مِنْ اَوْلَادِ فَاطِمَةَ۔

(رواہ ابوداؤد)

"حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ "مہدیؓ میری عترت میں سے اور فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہوں گے۔" (ابوداؤد)

تشریح: "عترت" کے معنی ہیں نسل جماعت اور قریبی رشتہ دار۔ چنانچہ کسی شخص کے ان قریبی رشتہ داروں کو جو پہلے گذر چکے ہوں یا آئندہ پیدا ہوں عترت سے تعبیر کیا جاتا ہے صراح میں بھی یہی لکھا ہے کہ "عترت" کسی شخص کے رشتہ دار اور لواحقین کو کہتے ہیں نہایہ میں

لکھا ہے کہ "عترت" کے معنی ہیں عزیز ورشتہ دار چنانچہ آنحضرت ﷺ کی "عترت سے مراد حضور ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی اولاد ہے جب کہ بعض حضرات نے "عترت" کا اطلاق حضور ﷺ کے نزدیکی اہل بیت پر کیا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ تمام قریش حضور ﷺ کی نسبت ہیں اور مشہور قول یہ ہے کہ "عترت" سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو زکوٰۃ کا مال لینا حرام ہے یعنی اولاد ہاشم۔

بہرحال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت مہدیؓ کا نسلی تعلق آنحضرت ﷺ سے ہوگا اور وہ حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہوں گے۔

(۱۸) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمَھْدِیُّ مِنِّیْ اَجْلَی الْجَبْھَۃِ اَقْنَی الانف یَمْلَاءُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا یَمْلِكُ سَبْعَ سِنِیْنَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ مہدیؓ میری اولاد میں سے ہوں گے روشن وکشادہ پیشانی اور اونچی ناک والے، وہ روے زمین کو انصاف وعدل سے بھر دیں گے، جس طرح کہ وہ ظلم وستم سے بھری تھی وہ (یعنی مہدیؓ) سات برس تک روے زمین پر برسر اقتدار اور قابض رہیں گے۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس روایت میں "سبع سنین" کے بعد راوی نے او ثمان سنین اور تسع سنین (یا آٹھ برس یا نو برس) کے الفاظ بھی بیان کئے ہیں جو راوی کا اپنا قول ہے اور اس کے شک کو ظاہر کرتا ہے، لیکن یہاں ان الفاظ کو نقل کیا گیا، کیونکہ مصنف کتاب کو "سات برس" کے الفاظ پر یقین حاصل ہو گیا ہو گا جیسا کہ حضرت اُم سلمہؓ سے منقول ابوداؤد کی اس روایت سے "سات برس" ہی کے الفاظ کی تائید ہوتی ہے جو آگے آرہی ہے، لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ "سات برس یا آٹھ برس یا نو برس" کے درمیان شک موجود تو ہو لیکن مصنف کتاب کے نزدیک زیادہ یقینی الفاظ "سات برس ہی ہوں گے، اس لئے انہوں نے شک کو ظاہر کرنے والے الفاظ کو نقل کرنے کے بجائے صرف یقینی الفاظ ہی کو نقل کرنے پر اکتفا کیا۔

حضرت امام مہدیؓ کی سخاوت

(۱۹) وَعَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ قِصَّۃِ الْمَھْدِیِّ قَالَ فَیَجِیْءُ اِلَیْہِ الرَّجُلُ فَیَقُوْلُ یَا مَھْدِیُّ اَعْطِنِیْ اَعْطِنِیْ قَالَ فَیَحْثِیْ لَہٗ فِیْ ثَوْبِہٖ مَا اسْتَطَاعَ اَنْ یَّحْمِلَہٗ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ نبی کریم ﷺ سے حضرت امام مہدیؓ کے واقعہ کے سلسلہ میں یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (ان کے عدل وانصاف کا ذکر کرنے کے بعد) یہ فرمایا کہ مہدیؓ (کے جود وسخاوت کی یہ حالت ہوگی کہ ان) کے پاس ایک شخص آئے گا اور کہے گا کہ مجھے کچھ عطا کیجئے، مجھے کچھ عطا کیجئے۔ چنانچہ مہدیؓ اس کو دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر اتنا دیں گے جتنا کہ وہ اپنے کپڑے میں بھر کر اٹھا سکے اور لے جا سکے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: حضرت مہدیؓ سوال کرنے والے کی حرص کو دیکھ کر اس کو بے حساب روپیہ پیسہ اور مال واسباب دیں گے تاکہ وہ آئندہ کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے اور اپنے دل میں کوئی تنگی اور غم محسوس نہ کرے۔

امام مہدیؓ کے ظہور کی پیشگوئی

(۲۰) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَکُوْنُ اخْتِلَافٌ عِنْدَ مَوْتِ خَلِیْفَۃٍ فَیَخْرُجُ رَجُلٌ مِّنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ ھَارِبًا اِلٰی مَکَّۃَ فَیَاْتِیْہِ نَاسٌ مِّنْ اَھْلِ مَکَّۃَ فَیُخْرِجُوْنَہٗ وَھُوَ کَارِہٌ فَیُبَایِعُوْنَہٗ بَیْنَ الرُّکْنِ وَالْمُقَامِ وَیُبْعَثُ اِلَیْہِ

يُبْعَثُ مِنَ الشَّامِ فَيُخْسَفُ بِهِمُ الْبَيْدَآءَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَإِذَا رَأَى النَّاسُ ذٰلِكَ اَتَاهُ اَبْدَالُ الشَّامِ وَعَصَائِبُ اَهْلِ الْعِرَاقِ فَيُبَايِعُوْنَهُ ثُمَّ يَنْشَأُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ اَخْوَالُهُ كَلْبٌ فَيَبْعَثُ اِلَيْهِمْ بَعْثًا فَيَظْهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ وَ ذٰلِكَ بَعْثُ كَلْبٍ وَيَعْمَلُ فِي النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِيِّهِمْ وَيُلْقِي الْاِسْلَامُ بِجَرَانِهِ فِي الْاَرْضِ فَيَلْبَثُ سَبْعَ سِنِيْنَ ثُمَّ يُتَوَفّٰى وَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت اُم سلمہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ (آخر زمانہ میں) جب خلیفہ (یعنی اس وقت کی حکومت کے سربراہ) کا انتقال ہوگا تو (دوسرے سربراہ کے انتخاب یا نامزدگی کے سوال پر اصحاب الرائے لوگوں کے درمیان) اختلاف ونزاع اٹھ کھڑا ہوگا، اسی دوران اہل مدینہ میں سے ایک شخص (مدینہ سے) نکل کر مکہ کی طرف بھاگ جائے گا، مکہ کے لوگ (جب اس شخص کے مرتبہ وحیثیت کو پہچانیں اور جانیں گے تو) اس کے پاس آئیں گے اور اس کو (گھر سے) باہر نکال کر لائیں گے (تاکہ اس کو اپنا سربراہ اور حاکم بنائیں) وہ شخص اگرچہ (فتنہ کے خوف سے) یہ منصب قبول کرنے کو پسند نہیں کرے گا مگر لوگ (منت سماجت کر کے اس کو تیار کریں گے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے، یہ بیعت (خانہ کعبہ میں) حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان عمل میں آئے گی، اس کے بعد اس کے مقابلہ پر شام (کے بادشاہ) کی طرف سے ایک لشکر بھیجا جائے گا لیکن وہ لشکر مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع مقام بیداء پر زمین میں دھنسا دیا جائے گا، اور پھر جب لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ (شام کا لشکر مکہ پہنچنے سے پہلے ہی زمین بوس کر دیا گیا ہے، تو ملک شام کے ابدال اور عراق کے عصائب اس شخص کی خدمت میں پہنچیں گے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے پھر قریش میں سے ایک شخص اٹھے گا جس کی ننھیال قبیلہ کلب میں ہوگی اور وہ بھی اس شخص کے اور اس کے تابعداروں کے خلاف ایک لشکر بھیجے گا (اور اپنی ننھیال یعنی قبیلہ کلب کی مدد حاصل کرے گا) لیکن اس شخص کا لشکر اسی قریشی کے لشکر پر غالب آجائے گا پھر وہ شخص لوگوں کے درمیان ان کے پیغمبر (محمد رسول اللہ ﷺ) کی روش اور ان کے طریقہ کے مطابق (ملک وملت کا) نظم ونسق چلائے گا اور مسلمانوں کا دین اپنی گردن زمین پر رکھدے گا وہ شخص سات سال تک قائم وبرقرار رہے گا، پھر جان بحق ہو جائے گا) اور مسلمان اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔" (ابوداؤد)

تشریح: حدیث میں جس ہستی کا ذکر کیا گیا ہے اس سے حضرت امام مہدیؓ کی ذات گرامی مراد ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوداؤد نے اس روایت کو باب المہدی میں نقل کیا ہے۔

مدینہ سے مراد یا تو مدینہ طیبہ ہے، یا وہ شہر مراد ہے جہاں مذکورہ خلیفہ یا سربراہ حکومت کا انتقال ہوگا اور اس کے جانشین کے انتخاب پر لوگوں میں اختلاف ونزاع پیدا ہو جائے گا اس موقع پر حضرت امام مہدیؓ کا مکہ بھاگ جانا، مذکورہ اختلاف ونزاع کے فتنہ سے بچنے کے لئے ہوگا، اور مکہ چلے جانے کو ترجیح اس لئے دیں گے کہ وہ شہر مقدس نہ صرف یہ کہ ہر اس شخص کے لئے جائے امن ہے جو اس میں پناہ لینے کا طالب ہو بلکہ سکون وعافیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنے کی سب سے بہتر جگہ بھی ہے۔

بیداء اصل میں جنگل اور ہموار زمین کو کہتے ہیں اور مکان پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے لیکن یہاں حدیث میں بیداء سے ایک مقام مراد ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔

شام کے لشکر سے مراد سفیانی کا لشکر ہے، نیز اس لشکر کا امام مہدیؓ کے خلاف محاذ آرائی کے لئے آنا در اصل سفیانی حکومت کا پیدا کردہ ایک فتنہ ہوگا جو حضرت امام مہدیؓ کے ظاہر ہونے کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے اس بارے میں تقریباً تواتر کے ساتھ متعدد احادیث منقول ہیں ان میں سے ایک صحیح حدیث وہ ہے جس کو امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس طرح نقل کیا ہے کہ۔" وہ سفیانی (جو آخر زمانہ میں شام کے علاقوں پر قابض وحکمراں ہوگا) نسلی طور پر خالد ابن یزید ابن معاویہ ابن ابوسفیان کی پشت سے تعلق رکھتا ہوگا، وہ بڑے سر اور چیچک زدہ چہرے والا ہوگا، اس کی آنکھ میں ایک سفید دھبہ ہوگا، دمشق کی طرف اس کا ظہور ہوگا اس کے تابعداروں کی جماعت زیادہ تر قبیلہ کلب سے تعلق رکھنے والے لوگوں پر مشتمل ہوگی، لوگوں کا خون بہانا اس کی خاص عادت ہوگی، یہاں تک کہ وہ

حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے بچوں کو ہلاک کر دیا کرے گا، وہ جب حضرت امام مہدیؒ کے ظہور کی خبر سنے گا تو ان سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکر بھیجے گا جو شکست کھا جائے گا، اس کے بعد وہ سفیانی بذات خود ایک لشکر لے کر حضرت امام مہدیؒ کے مقابلہ کے لئے چلے گا لیکن وہ مقام بیداء پر پہنچ کر اپنے تمام لشکر والوں کے ساتھ زمین میں دھنس جائے گا اور کوئی بھی شخص زندہ نہیں بچے گا، صرف ایک وہ شخص بچ جائیگا جو حضرت امام مہدیؒ کو سفیانی اور اس کے لشکر کے عبرتناک حشر کی خبر پہنچائے گا۔

"ابدال" اولیاء اللہ کے ایک گروہ کو کہتے ہیں جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کائنات کے نظام کو برقرار اور استوار رکھتا ہے دنیا میں کل ابدال کی تعداد ستر رہتی ہے، اس میں چالیس ابدال تو شام میں رہتے ہیں اور تیس ابدال باقی ملکوں میں ان اولیاء اللہ کو ابدال اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی ادلی بدلی ہوتی رہتی ہے، یعنی جب ان میں سے کوئی مرجاتا ہے تو اس کے بدلے میں کوئی دوسرا مقرر کر دیا جاتا ہے یا ان کو ابدال اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ ایسی مقدس ہستیاں ہیں جو عبادت و ریاضت کے ذریعہ اپنے اندر سے تمام بری عادتیں اور ناپسندیدہ خصلتیں ختم کر دیتے ہیں اور ان کے بدلے میں اچھی عادتیں اور اعلیٰ اخلاق پیدا کر لیتے ہیں! اس مقدس گروہ کے بارے میں احادیث میں ذکر آیا ہے گو سیوطیؒ نے سنن ابوداؤد کی شرح میں لکھا ہے کہ ابدال کا ذکر صحاح ستہ میں نہیں آیا ہے علاوہ ابوداؤد کی اس حدیث کے جو یہاں نقل ہوئی ہے، اس حدیث کو حاکم نے بھی نقل کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے، تاہم سیوطی نے صحاح ستہ کے علاوہ دوسری مستند و معتبر کتابوں سے ایسی بہت سی احادیث کو جمع الجوامع میں نقل کیا ہے جن میں ابدال کا ذکر ہے، ان میں سے اکثر احادیث میں چالیس کا عدد مذکور ہے اور بعض میں تیس کا انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ابدال نے جو یہ اعلیٰ درجہ پایا ہے وہ بہت زیادہ نماز روزہ کرنے کی وجہ سے نہیں پایا ہے اور نہ ان عبادتوں کی وجہ سے ان کو تمام لوگوں سے ممتاز کیا گیا ہے بلکہ انہوں نے اتنا اعلیٰ درجہ سخاوت نفس، سلامتی دل اور مسلمانوں کی خیر خواہی رکھنے کی وجہ سے پایا ہے نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ علی! میری اُمت میں ایسے لوگوں کا وجود کہ جو ابدال کی صفت کے حامل ہوں، سرخ گندھک سے بھی زیادہ نادر ہے یعنی جس طرح سرخ گندھک بہت کمیاب چیز ہے اسی طرح دنیا میں ابدال بھی کم ہیں۔" ایک اور حدیث میں، جو حضرت معاذ بن جبلؓ سے منقول ہے، یہ فرمایا گیا ہے کہ جس شخص میں تین صفتیں یعنی رضا بالقضاء، ممنوعات سے کلی احتراز اور خدا کے دین کی خاطر غصہ کرنا، پائی جائیں اس کا شمار ابدال کی جماعت میں ہوتا ہے؟ نیز امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے کہ جو شخص روزانہ تین مرتبہ یہ دعا پڑھنے کا التزام رکھے اس کے لئے ابدال کا درجہ لکھا جاسکتا ہے، دعا یوں ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّةِ مُحَمَّدٍ. اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ. اَللّٰهُمَّ تَجَاوَزْ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ.

"اے اللہ! اُمت محمدی کی مغفرت فرما، اے اللہ اُمت محمدی پر رحم فرما، اے اللہ اُمت محمدی کے گناہوں سے درگذر فرما۔"

حاصل یہ کہ جو شخص اپنے اندر سے تمام انسانی و اخلاقی برائیاں بدل ڈالے اپنے نفس کو پوری طرح پاکیزہ اور مہذب بنالے اور مخلوق خداوندی کا خیر خواہ ہو جائے، تو اس کا شمار ابدال کی جماعت میں ہوگا۔

"عصائب" بھی اولیاء اللہ کے ایک گروہ کا نام ہے جیسا کہ ابدال! حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ ابدال شام کے ملک میں رہتے ہیں، عصائب عراق کے ملک میں اور نجبا مصر کے ملک میں (ابدال اور عصائب کی طرح نجباء بھی اولیاء اللہ کی قسموں میں سے ایک قسم ہے) نیز بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ "عصائب" ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اپنے معاشرہ میں سب سے زیادہ، عابد و زاہد اور نیک ہوں یہ وضاحت غالباً لغوی معنی کے اعتبار سے ہے، کیونکہ لغت میں "عصب القوم" "قوم کے نیک ترین لوگوں کو کہتے ہیں۔

قبیلہ کلب کی لشکر آرائی اور اس کی طرف سے قتل و قتال کا واقع ہونا آخر زمانہ میں ایک "فتنہ" کے طور پر ظاہر ہوگا اور یہ فتنہ بھی حضرت امام مہدیؒ کے ظہور کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔

"اور مسلمانوں کا دین اپنی گردن پر رکھ دے گا" کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام قائم اور پائیدار ہو جائے گا، شریعت کی فرمانروائی

پورے سکون واطمینان کے ساتھ جاری ہو جائے گی اور تمام مسلمان آسودگی واطمینان کے ساتھ زندگی گذاریں گے واضح رہے کہ "جران" اونٹ کی گردن کے اس اگلے حصہ کو کہتے ہیں جو ذبح کی جگہ سے نحر کی جگہ تک ہوتا ہے، اونٹ جب چلتے چلتے ٹھہر جاتا ہے اور آرام لینے کے لئے بیٹھتا ہے تو اپنی گردن کے اس حصہ کو زمین پر دراز کر دیتا ہے جس سے اس کو بہت راحت ملتی ہے پس یہاں دین کو اونٹ کی گردن سے تشبیہ دینے کا مقصد اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ حضرت امام مہدیؑ کے زمانہ میں اسلام کو ثبات وقرار مل جائے گا کہ مسلمانوں کے درمیان کوئی خلفشار نہیں ہوگا، باہمی مخالفت ومناقشت اور جنگ وجدال کا نام ونشان تک مٹ جائے گا، دین واسلام کی برتری، احکام سُنّت کی پابندی اور ملی نظام کی خوشحالی واستحکام کا دور دورہ ہوگا۔

مہدویت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کی تردید

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ مہدیؑ ہیں ان میں سے بعض لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے "مہدی" کے لغوی معنی "ہدایت کرنے والا" مراد لیتے ہوئے اپنے کو "مہدی" کہایا کہلوایا ہے، ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے بارے میں کوئی تردیدی بات نہیں کہی جا سکتی، کیونکہ اگر وہ واقعۃً ہدایت وراستی کی روشنی پھیلانے والے تھے اور ان کے ذریعہ مخلوق خدا دین وآخرت کی صحیح رہنمائی حاصل کرتی تھی تو لغوی طور پر ان کو "مہدی" کہا جا سکتا ہے لیکن وہ لوگ کہ جنہوں نے محض دنیا والوں کو فریب میں مبتلا کرنے اور اپنی شخصیت کو غلط طور پر لوگوں کا مرجع ومقتدا بنانے کے لئے خود کو "مہدی موعود" کہایا کہلوایا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بالکل جھوٹے اور مکار تھے، چنانچہ ایسے لوگوں نے مکر وفریب کے جال پھیلا کر اور سادہ لوح مسلمانوں کو ورغلا کر اپنے تابعداروں کی جماعت تیار کی، اور بعضوں نے تو اوباش اور بدقماش افراد تک کو خرید کر اپنے گرد جمع کیا اور ان کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ اپنے "مہدی موعود" ہونے کا پروپیگنڈہ کرایا بلکہ بعض شہروں اور ملکوں میں فتنہ وفساد پھیلایا، لڑائی جھگڑا کرایا اور آخر کار ان کا انجام بہت برا ہوا کہ صحیح العقیدہ مسلمانوں نے ان کی بھرپور مدافعت کی اور انہیں تہ تیغ کر کے ان شہروں اور ملکوں کے لوگوں کو ان کے فتنہ وفساد سے نجات دلائی! خود ہمارے ہندوستان میں ایسے ہی گمراہ لوگوں کی ایک جماعت پیدا ہو چکی ہے جو اپنے کو "مہدویہ" کہلاتی تھی اس جماعت کے لوگ بہت جاہل اور پست خیال تھے ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ "مہدی موعود" ہمارے پیشوا کی صورت میں ظاہر ہوا پھر وفات پا گیا اور خراسان کے ایک شہر میں دفن کر دیا گیا! ان کی گمراہیوں میں سے ایک بڑی گمراہی، ان کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ جو شخص ہمارے نظریہ وخیال کا عقیدہ نہ رکھے اور ہماری بات سے متفق نہ ہو وہ کافر ہے۔ اسی بنا پر اس زمانہ میں مکہ کے چاروں مسلک کے علماء نے متفقہ طور پر یہ فتویٰ دیا تھا کہ صاحب اقتدار مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ان گمراہ لوگوں کو قتل کر دیں اسی طرح شیعہ حضرات کا یہ اعتقاد اور قول بھی بالکل فاسد ہے کہ "مہدی موعود" دراصل محمد ابن حسن عسکری ہیں جنؒ کا انتقال نہیں ہوا ہے بلکہ وہ نظروں سے پوشیدہ ہو گئے ہیں، وہ امام زماں ہیں اور اپنے وقت پر ظاہر ہو کر اپنی امامت اور حاکمیت کا اعلان کر دیں گے اہل سُنّت والجماعت کے نزدیک یہ قول بھی سرے سے غلط اور باطل ہے، نیز اس کی تردید میں علم کلام کی کتابیں دلائل سے بھری ہوئی ہیں، علاوہ ازیں کتاب عروۃ الوثقی میں یہ وضاحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ حضرت محمد ابن حسن عسکری کا انتقال ہو گیا تھا۔

(۲۱) وَعَنْ اَبِی سَعِیْدٍ قَالَ ذَکَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلَاءً یُصِیْبُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ حَتّٰی لَا یَجِدَ الرَّجُلُ مَلْجَأً یَلْجَأُ اِلَیْہِ مِنَ الظُّلْمِ فَیَبْعَثُ اللّٰہُ رَجُلًا مِّنْ عِتْرَتِیْ وَاَھْلِ بَیْتِیْ فَیَمْلَأُ بِہِ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا یَرْضٰی عَنْہُ سَاکِنُ السَّمَآءِ وَسَاکِنُ الْاَرْضِ لَا تَدَعُ السَّمَآءُ مِنْ قَطْرِھَا شَیْئًا اِلَّا صَبَّتْہُ مِدْرَارًا وَلَا تَدَعُ الْاَرْضُ مِنْ نَبَاتِھَا شَیْئًا اِلَّا اَخْرَجَتْہُ حَتّٰی یَتَمَنَّی الْاَحْیَآءُ الْاَمْوَاتَ یَعِیْشُ فِیْ ذٰلِکَ سَبْعَ سِنِیْنَ اَوْ ثَمَانَ سِنِیْنَ اَوْ تِسْعَ سِنِیْنَ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے (انسان کو سخت مصیبت اور پریشانیوں میں مبتلا کرنے والی) ایک بلاو آفت کا ذکر کیا جو اس اُمت کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی یہاں تک کہ کسی شخص کو کوئی ایسی پناہ گاہ نہیں ملے گی جہاں وہ (اس آفت وبلا کی صورت میں رونما ہونے والے) ظلم وستم سے پناہ حاصل کر سکے پھر (جب ظلم و ستم اور ناانصافی کا وہ دور اپنی حد کو پار کر جائے گا تو) اللہ تعالیٰ میری اولاد اور میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو (کہ جو عدل وانصاف اور علم ودانائی میں یکتا ہوگا اور جو "مہدی" کے لقب سے ملقب ہوگا، امامت کے منصب سے سرفراز کرکے اس دنیا میں) بھیجے گا، وہ شخص زمین کو اس طرح عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی تھی، اس سے آسمان والے بھی خوش ہوں گے (یعنی فرشتے اور انبیاء (کی روحیں) اور (تمام) زمین کے رہنے والے بھی راضی و مطمئن ہوں گے (خواہ وہ کسی جنس اور نوع سے تعلق رکھتے ہوں، یہاں تک کہ جنگل کے جانور اور پانی کی مچھلیاں بھی) آسمان اپنے مینہ کے قطروں میں سے کچھ باقی رکھے بغیر کثرت سے (پانی) برسائے گا اور زمین اپنی روئیدگی میں سے کچھ باقی رہے بغیر سب کچھ اگادے گی یہاں تک کہ زندہ لوگ مردوں کی آرزو کرنے لگیں گے وہ شخص (یعنی مہدیؓ) اس خوشحال و کامرانی کے ساتھ سات برس یا آٹھ برس یا نو برس زندہ رہے گا۔"

تشریح: "آسمان اپنے مینہ کے قطروں میں سے..... الخ" کا حاصل یہ ہے کہ حضرت مہدیؓ کے زمانہ میں خیر و برکت کا یہ حال ہوگا کہ بارش وقت اور ضرورت کے مطابق بھرپور طور سے ہوا کرے گی، زراعتی پیداوار اور زمین سے حاصل ہونے والی چیزیں نہایت فراوانی کے ساتھ پیدا ہوں گی اور اس طرح ہر طرف خوشحالی اور چین و راحت کا دور دورہ ہوگا اور لوگ نہایت پر مسرت اور شاد کام زندگی گذاریں گے۔

زندہ لوگ مردوں کی آرزو کرنے لگیں گے۔" کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ کے لوگ اس قدر پر مسرت اور خوش حال زندگی گزاریں گے کہ مرے ہوئے لوگوں کے وجود اور حیات کی تمنا کرنے لگیں گے اور کہیں گے کہ کاش وہ لوگ ہمارے زمانہ میں ہوتے تو انہیں بھی اس پر مسرت اور خوشحال زندگی کے دن دیکھنا نصیب ہوتے! واضح رہے کہ بعض لوگوں نے لفظ "احیاء" کو الف کے زیر کے ساتھ یعنی مصدر پڑھا ہے جس کے معنی ہیں زندہ کرنا! اس صورت میں اس جملہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ خود مردے یہ آرزو کرنے لگیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ زندگی بخش کر دنیا میں بھیجدے تاکہ وہ بھی مسرت و خوشحالی کا دور دیکھ لیں لیکن یہ بات اظہار مبالغہ کے لئے ایک ناممکن چیز کو ممکن فرض کرنے کے طور پر ہے بشرطیکہ احیاء یعنی الف کے زیر کے ساتھ) والی روایت ثابت ہو، ورنہ اس بات کی ایک احتمال سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں۔

"یا آٹھ یا نو برس۔" کے الفاظ یا تو راوی کے شک کو ظاہر کرنے کے لئے ہیں کہ یہ روایت نقل کرتے وقت راوی کو صحیح طور پر یاد نہیں تھا کہ حضور ﷺ نے یہاں سات سال کا عدد ذکر فرمایا تھا یا آٹھ کا یا نو کا یا یہ الفاظ خود حضور ﷺ کے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو ارشاد فرماتے وقت تک آپ ﷺ کو بھی مبہم طور ہی پر معلوم تھا، جس کو آپ ﷺ نے سات یا آٹھ یا نو برس" کے ذریعہ بیان فرمایا لیکن پھر بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو تعین کے ساتھ سات سال کی مدت بتائی گئی، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے بعد احادیث میں صرف "سات سال" کا ذکر فرمایا ہے۔

"مشکوٰۃ" کے اصل نسخے میں لفظ رواہ کے بعد جگہ خالی ہے، البتہ بعد میں یہ عبارت شامل کی گئی ہے الحاکم فی مستدرکہ و قال صحیح یعنی اس روایت کو حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

ایک پیشنگوئی

(۲۲) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ وَّرَاءِ النَّهْرِ يُقَالُ لَهُ الْحَارِثُ حَرَّاثٌ عَلٰى

مُقَدِّمَتِهٖ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ مَنْصُوْرٌ يُوَطِّئُ اَوْيُمَكِّنُ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا مَكَّنَتْ قُرَيْشٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَبَ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ نَصْرُهٗ اَوْقَالَ اِجَابَتُهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "ماوراء النہر(کے کسی شہر میں ایک (پاک بازو صالح) شخص ظاہر ہوگا جس کا نام حارث حراث ہوگا، اس کے لشکر کے اگلے حصہ پر ایک شخص ہوگا جس کا نام منصور ہوگا، وہ حارث، محمد ﷺ کی اولاد کو جگہ یا ٹھکانہ دے گا جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو قریش کے لوگوں نے ٹھکانا دیا تھا(پس) ہر مسلمان پر واجب ہوگا کہ اس شخص کی مدد تائید کرے یا یہ فرمایا کہ (ہر مسلمان پر واجب ہوگا کہ) کہ اس شخص کو قبول کرے۔" (ابوداؤد)

تشریح: "ماوراء النہر" کے معنی ہیں "وہ علاقے جو نہر کے پیچھے ہیں" اور اس سے مراد وہ خطہ ہوتا ہے جس میں بخارا اور سمرقند وغیرہ شہر واقع ہیں! حارث حراث میں "حارث" تو اصلی نام ہے اور حراث اس کی صفت ہے یعنی کھیتی کرنے والا۔

یوطن او یمکن (جگہ یا ٹھکانا دے گا) میں حرف او یا تو راوی کے شک کو ظاہر کرنے کے لئے ہے، یا "اور" کے معنی ہیں ہے اس صورت میں اس جملہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ شخص محمد ﷺ کی اولاد کو اپنی طرف سے مال واسباب، ہتھیار، اسلحہ اور روپیہ پیسہ فراہم کرے گا، ان کی حکومت و خلافت کو پائیدار اور مستحکم بنائے گا، مختلف ذرائع اور طریقوں سے ان کو تقویت پہنچائے گا اور اپنے لشکر کے ذریعہ ان کی مدد کرے گا۔

"محمد ﷺ کی اولاد" سے مراد عمومی طور پر حضور ﷺ کی تمام ذریت اور آپ کے اہل بیت ہیں اور خصوصی طور پر حضرت امام مہدیؓ کی ذات مراد ہے یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ "محمد کی اولاد" کا لفظ تو زائد ہے اور "محمد ﷺ" سے مراد حضرت امام مہدیؓ ہیں۔

"قریش کے لوگوں" سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے ایمان قبول کیا تھا اور تن من دھن سے حضور ﷺ کی مدد واعانت کی تھی جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ وغیرہ تاہم رسول اللہ ﷺ کو ٹھکانا دینے والوں میں ابوطالب بھی شامل ہیں اگرچہ انہوں نے ایمان قبول نہیں کیا تھا "یا یہ فرمایا کہ اس شخص کو قبول کرو" کے الفاظ راوی کی طرف سے اس شک کے اظہار کے لئے ہیں حضور ﷺ نے اس موقع پر یا تو نصرہ کا لفظ ارشاد فرمایا تھا یا اجابتہ کا لفظ نیز اس حدیث کے سیاق سے اور اس سلسلہ میں منقول دوسری احادیث کے اسباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے جس شخص کے ظاہر ہونے کی پیشن گوئی فرمائی ہے وہ اپنی امامت و خلافت کے دعوے کے ساتھ ظاہر ہوگا یعنی اس کا ظہور سربراہ حکومت کی صورت میں ہوگا، اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری مسلمانوں پر واجب ہوگی اور منصور نامی شخص اس کی فوج کا کمانڈر ہوگا ویسے بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حضور ﷺ نے "منصور" نام کے جس شخص کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کا ظہور ہو چکا ہے، اور وہ مشہور عالم حضرت ابو منصور ماتریدی تھے، جن کا درجہ، حنفی فقہ کے اصول کے مدون کی حیثیت سے حنفیہ میں امام کا سمجھا جاتا ہے! اور ان کی ذات حنفی اصول فقہ کی مدار ہے۔

(۲۳) وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُكَلِّمَ السِّبَاعُ الْاِنْسَ وَحَتّٰى تُكَلِّمَ الرَّجُلَ عَذَبَةُ سَوْطِهٖ وَشِرَاكُ نَعْلِهٖ وَيُخْبِرُهٗ فَخِذُهٗ بِمَا اَحْدَثَ اَهْلُهٗ بَعْدَهٗ۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک درندے آدمیوں سے ہمکلام نہ ہونے لگیں گے اور جب تک آدمی کے کوڑے (چابک) کا پھندنا اور اس کے جوتے کا تسمہ اس سے باتیں نہ کرنے لگے گا، اور (یہی نہیں بلکہ) انسان کی ران اس کو یہ بتایا کرے گی کہ اس کے اہل وعیال نے اس کی عدم موجدگی میں کونسے نئے کام اور کیا نئی بات کی ہے۔" (ترمذیؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

قیامت کی علامتیں کب سے ظاہر ہوں گی؟

(۲۴) وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاٰیَاتُ بَعْدَ الْمِائَتَیْنِ۔ (رواہ ابن ماجہ)

"حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "نشانیاں دو سو برس کے بعد ظہور میں آئیں گی۔" (ابن ماجہ)

تشریح: حضور ﷺ کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ جن چیزوں اور جن باتوں کو قیامت کی علامتیں اور نشانیاں قرار دیا گیا ہے، ان کا ظاہر ہونا اور پیش آنا پورے دو سو برس کے بعد سے شروع ہو جائے گا! رہی یہ بات کہ یہ دو سو برس کس وقت سے مراد تھے؟ ہجرت نبوی کے وقت سے، یا اسلام کی روشنی کے ظہور کے وقت سے اور یا وفات نبوی ﷺ کے وقت سے دو سو برس کی مدت مراد تھی اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ لفظ المأتین پر حرف لام عہد کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کی علامتیں دو سو برس کی اس مدت کے بعد ظاہر ہونا شروع ہوں گی جس کی ابتدا ہزار سال کے بعد سے ہوگی، مزید وضاحت کے لئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ "دو سو برس" سے گویا بارہ سو برس مراد ہیں، اور یہ وہ زمانہ ہوگا جب قیامت کی چھوٹی نشانیاں ظاہر ہو چکی ہوں گی اور بڑی نشانیاں جیسے حضرت مہدیؓ کے ظہور، حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول، دجال کے نکلنے اور دوسری پے در پے علامتوں کے ظاہر ہونے یعنی سورج کے مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہونے، دابۃ الارض کے نکلنے اور یاجوج ماجوج کے ظاہر ہونے وغیرہ وغیرہ کا وقت قریب تر آجائے گا اور اہل علم محسوس کرنے لگیں گے کہ دنیا اپنی عمر کی آخری حدوں کو پہنچ گئی ہے۔

ایک ہدایت

(۲۵) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّایَاتِ السُّوْدَ قَدْ جَآءَتْ مِنْ قِبَلِ خُرَاسَانَ فَأْتُوْھَا فَاِنَّ فِیْھَا خَلِیْفَةَ اللّٰہِ الْمَھْدِیَّ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ۔

"اور حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جب تم خراسان کی جانب سے سیاہ نشان آتے دیکھو تو اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، کیونکہ اس میں خدا کا خلیفہ مہدیؓ ہوگا۔" اس روایت کو امام احمدؒ نے اور دلائل النبوۃ میں بیہقی نے نقل کیا ہے۔"

تشریح: "سیاہ نشان" سے بظاہر مراد حارث اور منصور کا لشکر ہے جس کی طرف سے پیچھے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا تھا اور "متوجہ ہونے" سے مراد اس لشکر میں شامل ہونا اور آنے والوں کے امراء و حکام کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا ہے! "مہدی" سے مراد اس کے لغوی معنی ہیں یعنی وہ خلیفہ یا سربراہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہوگا بلکہ خدا کی طرف سے ہدایت پایا ہوا اور لوگوں کو ہدایت اور راستی کی راہ پر لگانے والا ہوگا، جس کی سربراہی کو قبول کرنا اور اس کی اطاعت کرنا واجب ہوگا۔ لہٰذا اس ارشاد گرامی میں "مہدی" سے نہ تو حضرت مہدیؓ مراد ہیں اور نہ اس سے اس بات کا تضاد لازم آتا ہے کہ مہدیؓ کا ظہور حرمین شریفین سے ہوگا۔

امام مہدیؓ، حضرت امام حسن کی اولاد میں سے ہونگے

(۲۶) وَعَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ قَالَ قَالَ عَلِیٌّ وَنَظَرَ اِلَی ابْنِہِ الْحَسَنِ وَقَالَ اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ سَمَّاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَسَیَخْرُجُ مِنْ صُلْبِہٖ رَجُلٌ یُسَمّٰی بِاسْمِ نَبِیِّکُمْ یُشْبِھُہٗ فِی الْخُلُقِ وَلَا یُشْبِھُہٗ فِی الْخَلْقِ ثُمَّ ذَکَرَ قِصَّةً یَمْلَاُ الْاَرْضَ عَدْلًا رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ وَلَمْ یَذْکُرِ الْقِصَّةَ۔

"اور ابواسحاقؒ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے صاحبزادے امام حسنؓ کی طرف دیکھ کر کہا کہ میرا بیٹا جیسا کہ

رسول کریم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا، سردار ہے، عنقریب اس کی پشت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام تمہارے نبی ﷺ کے نام پر (محمد) ہوگا، وہ باطنی سیرت یعنی اخلاق وعادات میں حضور ﷺ کے مشابہ ہوگا گو ظاہری شکل وصورت میں آپ کے مشابہ نہیں ہوگا اس کے بعد حضرت علیؓ نے وہ جملے بیان کئے جن میں فرمایا گیا ہے کہ وہ شخص زمین کو عدل وانصاف سے بھردیگا۔" اس روایت کو ابوداؤدؒ نے نقل کیا ہے لیکن انہوں نے زمین کو عدل وانصاف سے بھردینے والی بات نقل نہیں کی ہے!۔"

تشریح: جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے" کہ ذریعہ حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کی طرف اشارہ فرمایا ابنی هٰذا سید ولعل اللّٰہ ان یصلح بہٖ بین فئتین عظیمتین من المسلمین یعنی میرا بیٹا سید (سردار) ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان مصالحت ومفاہمت کرائے گا۔

ظاہری شکل وصورت میں آپ ﷺ کے مشابہ نہیں ہوگا۔" یعنی حضرت مہدیؓ سب چیزوں میں اور ہر اعتبار سے حضور ﷺ کی ظاہری شکل وصوت کے مشابہ نہیں ہوں گے، ویسے بعض اعتبار سے ان کا حضور ﷺ کی ظاہری مشابہت رکھنا ثابت ہے جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت امام مہدیؓ حضرت امام حسنؓ کی اولاد میں سے ہونگے، اور حضرت امام حسینؓ کی طرف ان کی نسبت ماں کی طرف سے ہوگی! نیز اس سے شیعہ حضرات کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ امام مہدیؓ دراصل محمد ابن حسن عسکری ہیں جو اس دنیا میں موجود ہیں لیکن نظروں سے پوشیدہ ہوگئے ہیں اور اپنے وقت پر ظاہر ہوں گے شیعوں کا یہ قول اس لئے صحیح نہیں ہوسکتا کہ محمد ابن حسن عسکری، بالاتفاق حسینی ہیں وہ حضرت امام حسن کی اولاد میں سے نہیں ہیں اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علیؓ نے امام حسنؓ کی اولاد میں سے جس شخص کے پیدا ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، ہوسکتا ہے اس سے مراد امام مہدیؓ کے علاوہ کوئی اور شخص ہو تو یہ بات بھی خلاف حقیقت ہوگی، کیونکہ زمین کو عدل وانصاف سے بھردینے والی بات اس کی تردید کرتی ہے، چنانچہ کسی بھی روایت میں حسنی یا حسینی سادات میں سے کسی بھی ایسے شخص کا ذکر نہیں ملتا ہے جس کی طرف زمین کو عدل وانصاف سے بھردینے والی بات کی نسبت کی گئی ہو، سوائے اس کے کہ یہ صفت مہدیؓ موعود کے بارے میں نقل کی جاتی ہے۔

ٹڈیوں کا مکمل خاتمہ قیامت کی علامات میں سے ہے

(۲۷) وَعَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ فَقَدَ الْجَرَادُ فِیْ سَنَۃٍ مِنْ سِنِیْ عُمَرَ الَّتِیْ تُوُفِّیَ فِیْھَا فَاھْتَمَّ بِذٰلِکَ ھَمًّا شَدِیْدًا فَبَعَثَ اِلَی الْیَمَنِ رَاکِبًا وَرَاکِبًا اِلَی الْعِرَاقِ وَرَاکِبًا اِلَی الشَّامِ یَسْئَلُ عَنِ الْجَرَادِ ھَلْ اُرِیَ مِنْہُ شَیْئًا فَاَتَاہُ الرَّاکِبُ الَّذِیْ مِنْ قِبَلِ الْیَمَنِ بِقَبْضَۃٍ فَنَثَرَھَا بَیْنَ یَدَیْہِ فَلَمَّا رَاٰھَا عُمَرُ کَبَّرَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ خَلَقَ اَلْفَ اُمَّۃٍ سِتُّمِائَۃٍ مِنْھَا فِی الْبَحْرِ وَاَرْبَعُ مِائَۃٍ فِی الْبَرِّ فَاِنَّ اَوَّلَ ھَلَاکِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ الجراد فَاِذَا ھلک الجراد تتابعت الْاُمَمُ کَنِظَامِ السِّلْکِ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

"اور حضرت جابر ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے جس سال وفات پائی ہے اس سال کا ذکر ہے کہ ٹڈیاں کم ہوگئیں، (یعنی خلافت عمر کے آخری سال مدینہ اور اس کے گردونواح میں ٹڈی دل پیدا نہیں ہوا) حضرت عمرؓ (نے اس کو خاص طور سے محسوس کیا اور) ٹڈی دل نہ آنے سے سخت غمگین ہوگئے (کہ کہیں ٹڈیوں کا مکمل خاتمہ تو نہیں ہوگیا) پھر انہوں نے ایک سوار یمن کی طرف، ایک سوار عراق کی طرف اور ایک سوار شام کی طرف بھیجا تاکہ وہ پہنچ کر لوگوں سے دریافت کریں کہ آیا کسی شخص نے کہیں کچھ ٹڈیاں دیکھی ہیں یا نہیں؟ چنانچہ جس سوار کو یمن بھیجا گیا تھا وہ ایک مٹھی ٹڈیاں لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا، اور ان کے سامنے وہ ٹڈیاں ڈال دیں، حضرت عمرؓ نے ٹڈیاں دیکھیں تو (خوشی سے) اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور پھر فرمایا کہ (میں ٹڈیوں کے مکمل خاتمہ کے خوف سے اس لئے متفکر اور

پریشان ہو گیا تھا کہ) میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے خداوند بزرگ و برتر نے حیوانات کی ہزار قسمیں پیدا کی ہیں، ان میں چھ سو دریا میں ہیں (یعنی بحری حیوانات) اور چار سو جنگل میں (یعنی خشکی کے حیوانات) ہیں اور (جب قیامت آنے کو ہوگی تو) ان میں سب سے پہلے ٹڈیاں ہلاک ہونگی، چنانچہ جب ٹڈیاں ہلاک ہوں گی تو پھر حیوانات کی دوسری قسمیں بھی) اس طرح پے بہ پے ہلاک ہونا شروع ہو جائیں گی جس طرح موتیوں کی لڑی کھل جاتی ہے اور موتی پے درپے گر گر بکھرنے لگتے ہیں۔" (اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔"

بَابُ الْعَلَامَاتِ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ وَذِكْرُ الدَّجَّالِ

قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی نشانیوں اور دجال کے ذکر کا بیان

اس باب میں بالکل آخر زمانہ کی ان نشانیوں اور علامتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو قیامت کے بالکل قریب ظاہر ہوں گی جیسا کہ پچھلے باب میں چھوٹی نشانیوں اور علامتوں کا ذکر تھا۔

چاہئے تو یہ تھا کہ حضرت امام مہدیؓ کے ظاہر ہونے کا ذکر بھی اسی باب میں ہوتا کیونکہ ان کے وجود کا تعلق حضرت عیسی علیہ السلام اور دجال کے ساتھ جڑا ہوا ہے لیکن چونکہ حضرت مہدیؓ کا ذکر پچھلے ابواب کی ان احادیث میں ہو چکا ہے جن میں ایسے فتنوں اور لڑائیوں کا ذکر تھا جو حضرت امام مہدیؓ کے ظاہر ہونے سے پہلے وقوع پذیر ہوں گی اور ان کے ظاہر ہونے کے بعد ختم ہو جائیں گی اس لئے اس باب میں ان کا ذکر نہیں ہوا۔

قیامت سے پہلے جن دس نشانیوں اور علامتوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور جن کو مولف کتاب نے یہاں نقل کیا ہے ان کے ظاہر اور واقع ہونے کی جو ترتیب احادیث و روایات میں منقول ہے ان میں باہم اختلاف ہے کہ کسی حدیث و روایت میں ان کو کسی اور ترتیب کے ساتھ نقل کیا ہے اور کسی حدیث و روایت میں کچھ اور ترتیب منقول ہے اور شارحین نے ان کے درمیان مطابقت اور موافقت پیدا کرنے کے لئے بہت کچھ لکھا ہے جس کا کچھ حصہ احادیث کی تشریح کے ضمن میں مذکور ہوگا تاہم یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ ان دس نشانیوں اور علامتوں میں سے سب سے بڑی نشانی اور علامت اور سخت ترین بلاء دجال کا ظاہر ہونا ہے جس کے سلسلے میں بہت زیادہ مشہور تر احادیث منقول ہیں۔

دجال اور مسیح کے معنی: "دجال" کا لفظ دجل سے نکلا ہے جس کے معنی خلط، مکر اور تلبیس کے ہیں، چنانچہ جب کوئی شخص صحیح بات کو غلط بات کے ساتھ خلط (گڈمڈ) کرتا ہے اور فریب دیتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ دجل الحق بالباطل (اس نے حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کر دیا) ویسے "دجل" کے معنی کذب یعنی جھوٹ کے بھی آتے ہیں چنانچہ دجال کی ذات میں اس دونوں معنوں کا پایا جانا بالکل ظاہر بات ہے اس کے علاوہ قاموس وغیرہ میں دجال کی اور بھی وجہ تسمیہ مذکورہ ہیں۔

"مسیح" ایک ایسا مشترک نام ہے جو حضرت عیسی علیہ السلام اور دجال دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب یہ لفظ دجال کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس کو فقط دجال کے ساتھ مقید کر دیتے ہیں یعنی "مسیح دجال" کہتے ہیں اور جب حضرت عیسی علیہ السلام کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس لفظ کو مطلق استعمال کرتے ہیں یعنی صرف "مسیح" کہتے ہیں۔ حضرت عیسی علیہ السلام کو "مسیح" اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ جس اندھے یا کوڑھی (اور یا کسی بھی بیمار) پر ہاتھ پھیر دیتے تھے وہ چنگا ہو جاتا تھا یا آپ علیہ السلام کا پاؤں چونکہ عام لوگوں کی طرح نہیں تھا بلکہ ہموار اور بے خم تلوے کا تھا اس لئے آپ ﷺ کو مسیح کہا جاتا ہے یا یہ کہ حضرت عیسی علیہ السلام ماں کے پیٹ سے بالکل ممسوح یعنی پونچھے پانچھے پیدا ہوئے تھے، پیدائش کے وقت بچے جس آلائش کے ساتھ ماں کے پیٹ سے باہر آتے ہیں وہ ان

کے ساتھ نہیں تھی، بالکل صاف ستھرے ماں کے پیٹ سے باہر آئے تھے۔ اس اعتبار سے ان کو مسیح کہا جانے لگا بعض حضرات کے نزدیک "مسیح" کے معنی "صدیق" کے ہیں اس اعتبار سے آپ علیہ السلام کو مسیح کہا جانا بالکل ظاہر بات ہے! ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ آپ علیہ السلام زمین کے فاصلے بہت طے کرتے تھے لہٰذا مساحت کی مناسبت سے آپ کو مسیح کہا جانے لگا، دجال کو بھی مسیح کہنے کی ایک وجہ یہی ہے کہ وہ تقریباً ساری زمین کی سیر کرے گا اور تمام دنیا میں گھومتا پھرے گا، نیز اس ملعون کو مسیح کہنے کی کچھ اور وجوہ بھی ہیں ایک تو یہ کہ اس کی آنکھ غائب ہوگی اور ایک طرف کا چہرہ ممسوح ہوگا، دوسرے یہ کہ وہ ایک ایسی ذات ہوگی جس سے خیر و بھلائی کو الگ اور دور کر دیا گیا ہوگا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات سے بدی اور برائی کو الگ اور دور کر دیا گیا ہے پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مسیح اللہ ہیں اور دجال ملعون مسیح الضلالت ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ دجال کے لئے مسیح کا لفظ ہے جس کے معنی بدشکل اور بدصورت کے ہیں اور حضرت عیسیٰ کے لئے مسیح کا لفظ ہے تاہم بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ دجال کے لئے "مسیخ" کا لفظ ہے تو یہ بات غلط ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

قیامت آنے کی دس بڑی نشانیاں۔

① عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ اُسَيْدِ الْغِفَارِيِّ قَالَ اطَّلَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ فَقَالَ مَا تَذْكُرُوْنَ قَالُوْا نَذْكُرُ السَّاعَةَ قَالَ اِنَّهَا لَنْ تَقُوْمَ حَتّٰى تَرَوْا قَبْلَهَا عَشْرَ اٰيَاتٍ فَذَكَرَ الدُّخَانَ وَالدَّجَّالَ وَالدَّآبَّةَ وَطُلُوْعَ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا وَنُزُوْلَ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ وَيَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ وَثَلَاثَةَ خُسُوْفٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَاٰخِرُ ذٰلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ اِلٰى مَحْشَرِهِمْ- وَفِيْ رِوَايَةٍ نَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدْنٍ تَسُوْقُ النَّاسَ اِلَى الْمَحْشَرِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِي الْعَاشِرَةِ وَرِيْحٌ تُلْقِي النَّاسَ فِي الْبَحْرِ- (رواہ مسلم)

"حضرت حذیفہ ابن اسید غفاری کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم لوگ آپس میں (قیامت کا) ذکر کر رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ ہماری طرف آنکلے اور پوچھا کہ تم لوگ کس چیز کا ذکر کر رہے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں تب آپ ﷺ نے فرمایا "یقیناً قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیوں کو نہ دیکھ لوگے، پھر آپ ﷺ نے (ان دس نشانیوں کو اس ترتیب سے) ذکر فرمایا ① دھواں ② دجال ③ دابۃ الارض ④ سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا ⑤ حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نازل ہونا ⑥ یاجوج و ماجوج کا ظاہر ہونا اور (چھٹی، ساتویں اور آٹھویں نشانی کے طور پر، آپ ﷺ نے تین خسوف کا (یعنی تین مقامات پر زمین کے دھنس جانے کا) ذکر فرمایا ایک تو مشرق کے علاقہ میں، دوسرے مغرب کے علاقہ میں اور تیسرے جزیرۂ عرب کے علاقہ اور دسویں نشانی، جو سب کے بعد ظاہر ہوگی، وہ آگ ہے جو یمن کی طرف سے نمودار ہوگی اور لوگوں کو گھیر ہانک کر زمین حشر کی طرف لے جائے گی اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ وہ ایک ایسی آگ ہوگی جو (یمن کے مشہور شہر عدن کے آخری کنارے سے نمودار ہوگی اور لوگوں کو ہانک کر زمین حشر کی طرف لے جائے گی نیز ایک اور روایت میں دسویں نشانی کے طور پر یمن کی طرف سے یا عدن کے آخری کنارے سے آگ کے نمودار ہونے کے بجائے) ایک ایسی ہوا کا ذکر کیا گیا ہے جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی۔" (مسلم)

تشریح: حدیث میں قیامت کی جن دس بڑی نشانیوں اور علامتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں پہلی نشانی کے طور پر دھوئیں کا ذکر ہے، چنانچہ وہ ایک بڑا دھواں ہوگا جو ظاہر ہو کر مشرق سے مغرب تک تمام زمین پر چھا جائیگا اور مسلسل چالیس روز تک چھایا رہے گا اس کی وجہ سے تمام لوگ سخت پریشان ہو جائیں گے، مسلمان تو صرف دماغ و حواس کی کدورت اور زکام میں مبتلا ہوں گے مگر منافقین و کفار بیہوش ہو جائیں گے اور ان کے ہوش و حواس اس طرح مختل ہو جائیں گے کہ بعضوں کو کئی دن تک ہوش نہیں آئے گا واضح رہے کہ قرآن کریم میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ الخ تو حضرت حذیفہ اور ان کے تابعین کے قول کے مطابق اس آیت میں اسی

دھویں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن حضرت ابن مسعود اور ان کے تابعین کے نزدیک اس آیت میں دھویں سے مراد غلہ کا وہ قحط ہے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قریش مکہ پر نازل ہوا تھا اور جس کا حقیقی سبب رسول کریم ﷺ کی یہ بددعا تھی کہ اے خدا! تو ان لوگوں پر (جو سرکشی اور اسلام دشمنی میں حد سے بڑھ گئے ہیں سات سال کا قحط نازل فرما جیسا کہ تو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصریوں پر نازل فرمایا تھا، چنانچہ اس بددعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو سخت ترین غذائی قحط میں مبتلا کیا یہاں تک کہ وہ چمڑے، و مردے اور دوسری الابلا چیزیں کھانے لگے تھے اس عرصہ میں انہیں فضا میں دھویں کی مانند ایک چیز نظر آتی تھی جس کو وہ اپنے اوپر منڈلاتے ہوئے دیکھا کرتے تھے جیسا کہ کوئی بھوکا ضعف و کمزوری کی شدت کے سبب اپنی آنکھوں کے آگے تاریکی محسوس کرتا ہے اور فضا میں بھری ہوئی ہوا اس کو دھویں کی شکل میں دکھائی دیتی ہے، ویسے بھی جب کسی علاقہ میں قحط سالی پھیل جاتی ہے تو بارش نہ ہونے کی وجہ سے پورے ماحول میں خشکی اور گرد و غبار کی جو کثرت ہو جاتی ہے وہ فضا کو اس طرح مکدر کر دیتی ہے کہ چاروں طرف دھویں کی صورت میں اندھیرا معلوم ہونے لگتا ہے۔

"دابۃ الارض" سے مراد ایک عجیب الخلقت اور نادر شکل کا جانور ہے جو مسجد حرام میں کوہ صفا و مروہ کے درمیان سے برآمد ہوگا اور جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ان الفاظ واخرجنا لھم دابۃ من الارض کے ذریعہ کیا گیا ہے! علماء نے لکھا ہے کہ وہ جانور چوپایہ کی صورت میں ہوگا جس کی درازی ساٹھ گز کی ہوگی، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس عجیب الخلقت جانور کی شکل یہ ہوگی کہ چہرہ انسانوں کی طرح پاؤں اونٹ کی طرح گردن گھوڑے کی طرح دم چیل کی طرح سرین ہرن کی طرح سینگ بارہ سنگے کی طرح اور ہاتھ بندر کی طرح ہوں گے! نیز اس کے نمودار ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ کوہ صفا جو کعبہ کی مشرقی جانب واقع ہے، یکایک زلزلہ سے پھٹ جائیگا اور اس میں سے یہ جانور نکلے گا، اس کے ایک ہاتھ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا اور دوسرے ہاتھ میں حضرت سلیمان کی انگشتری ہوگی تمام شہروں اور علاقوں میں اس تیزی کے ساتھ دورہ کریگا کہ کوئی فرد بشر اس کا پیچھا نہ کر سکے گا اور دوڑ میں اس کا مقابلہ کر کے اس سے چھٹکارا نہ پا سکے گا جہاں جہاں جائیگا ہر شخص پر نشان لگاتا جائیگا جو صاحب ایمان ہوگا اس کو حضرت موسیٰ کے عصاء سے چھوئے گا اور اس کی پیشانی پر "مؤمن" لکھ دے گا اور جو کافر ہوگا اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری سے سیاہ مہر لگا دے گا اور اس کے منہ پر کافر لکھ دے گا! بعض حضرات نے کہا ہے کہ دابۃ الارض تین مرتبہ نکلے گا ایک دفعہ تو حضرت امام مہدیؒ کے زمانہ میں پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اور پھر آخری دفعہ آفتاب کے مغرب کی جانب سے طلوع ہونے کے بعد۔

آفتاب کے مغرب کی طرف سے نکلنے کے سلسلے میں وضاحت آگے آنے والی ایک حدیث کی تشریح میں بیان ہوگی! آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول حضرت امام مہدیؒ کے ظہور کے بعد ہوگا، چنانچہ آپ ایک دن شام کے وقت آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی سفید منارہ پر اتریں گے اور پھر دجال کو تلاش کر کے اس کو دروازہ لد پر قتل کریں گے "لد" شام میں ایک موضع کا نام ہے اور بعض حضرات نے اس کو فلسطین کے ایک موضع کا نام بتایا ہے واضح رہے کہ یہاں حدیث میں جن دس نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کی ترتیب کے بارے میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ان میں سے سب سے پہلے جس نشانی کا ظہور ہوگا وہ دھواں ہے، اس کے بعد دجال نکلے گا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے، پھر یاجوج ماجوج نکلیں گے، پھر دابۃ الارض نکلے گا، اور پھر آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع ہوگا یہ بات اس لئے کہی جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تمام روئے زمین پر اہل ایمان کے علاوہ کوئی نہیں ہوگا کیونکہ سارے کفار مسلمان ہو جائیں گے اور ان کا ایمان مقبول ہوگا، اس کے برخلاف اگر یہ کہا جائے کہ مغرب کہ جانب سے آفتاب کا طلوع ہونا، دجال کے نکلنے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے سے پہلے ہوگا تو ظاہر ہے کہ جو کفار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مسلمان ہوں گے ان کا ایمان مقبول قرار نہ پائے کیونکہ آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع ہونے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائیگا اور اس وقت کسی کافر کا ایمان قبول کرنا معتبر نہیں ہوگا جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایمان قبول کرنے والے تمام لوگوں کا

ایمان معتبر ہو گا اور وہ مسلمان مانے جائیں گے! پس حدیث میں مذکورہ نشانیوں کو جس ترتیب کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے وہ ان نشانیوں کے وقوع پذیر ہونے کی اصل ترتیب نہیں ہے اور نہ یہاں اصل ترتیب کا ذکر کرنا مراد ہے بلکہ اصل مقصد ان نشانیوں کو ایک جگہ ذکر کرنا ہے سو بلا لحاظ ترتیب ان کو ایک جگہ ذکر کر دیا گیا لہٰذا یہ اشکال وارد نہیں ہو سکتا کہ جب حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول آفتاب کے مغرب کی جانب سے طلوع ہونے کے واقعہ سے پہلے ہو گا تو یہاں نزول آفتاب کے بعد کیوں ذکر کیا گیا۔

"یاجوج وماجوج" دراصل دو قبیلوں کے نام ہیں جو یافث ابن نوح کی اولاد میں سے ہیں، یہ دونوں قبیلے بہت وحشی مگر طاقتور تھے ان کا خاص مشغلہ لوٹ مار اور زمین پر فتنہ وفساد پھیلانا تھا، یہ قبیلے جس گھاٹی میں رہا کرتے تھے اس کو ذوالقرنین نے ایک ایسی دیوار سے جس کی بلندی اس گھاٹی کے دونوں طرف کے پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچتی ہے اور موٹائی ۶۰ گز کی ہے، بند کرا دیا تھا تاکہ لوگ ان قبیلوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہ سکیں، جب قیامت آنے کو ہوگی اور یاجوج وماجوج کے نکلنے کا وقت آئے گا تو دیوار ٹوٹ جائیگی۔

آپ ﷺ نے تین خسوف کا ذکر فرمایا" کے بارے میں ابن مالک" نے کہا ہے کہ عذاب الٰہی کے طور پر زمین کا دھنس جانا مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں واقع ہو چکا ہے لیکن احتمال ہے کہ یہاں حدیث میں جن تین خسوف کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ پہلے واقع ہو چکنے والے خسوف کے علاوہ ہوں گے اور ان سے بھی زیادہ سخت ہوں گے۔

"اور لوگوں کو ہانک کر زمین حشر کی طرف لے جائیگی" میں زمین حشر سے مراد ملک شام کا وہ علاقہ ہے جہاں وہ آگ لوگوں کو لے جا کر چھوڑے گی بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس آگ کی ابتداء ملک شام سے ہوگی، یا یہ کہ ملک شام کو اس قدر وسیع وفراخ کر دیا جائیگا کہ پورے عالم کے لوگ اس میں جمع ہو جائیں گے، بہر حال حدیث کے اس جملہ کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اس آگ کا لوگوں کو ہانکنا، حشر کے بعد ہو گا، اگر زمین حشر سے مراد میدان حشر لیا جاتا تو یقیناً یہ مفہوم پیدا ہوتا اور اس پر اعتراض بھی واقع ہوتا، لیکن جب یہاں "میدان حشر" مراد ہی نہیں ہے تو پھر کوئی اعتراض بھی پیدا نہیں ہو سکتا! نیز ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ وہ آگ حجاز کی سرزمین سے نمودار ہوگی، جب کہ یہاں حدیث میں اس کا یمن کی جانب سے نمودار ہونا بیان کیا گیا ہے) لہٰذا قاضی عیاض" نے یہ کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ قیامت کی نشانی کے طور پر جس آگ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایک نہیں بلکہ دو ہوں گی، اور وہ دونوں، لوگوں کو گھیر ہانک کر زمین حشر (یعنی ملک شام) کی طرف لے جائیں گی۔ یا یہ کہ وہ آگ تو ایک ہی ہوگی جو ابتداء میں یمن کی جانب سے نکلے گی لیکن اس کا ظہور حجاز کی سرزمین سے ہو گا۔ اس موقع پر اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں بخاری کی جو روایت ہے اس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے سب سے پہلی علامت وہ آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق کی طرف سے گھیر ہانک کر مغرب کی طرف لے جائے گی جب کہ حقیقت میں وہ آگ سب سے آخری علامت ہوگی جیسا کہ یہاں حدیث میں مذکور ترتیب سے بھی واضح ہوتا ہے، پس اس تضاد کو اس تاویل کے ذریعہ دور کیا جائیگا کہ آگ کا سب سے آخری نشانی ہونا تو ان مذکورہ نشانیوں کے اعتبار سے ہے کہ یہاں حدیث میں جن نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سب سے آخری نشانی مذکورہ آگ ہوگی، اور بخاری کی روایت میں آگ کو جو سب سے پہلی نشانی قرار دیا گیا ہے تو وہ اس اعتبار سے کہ آگ، قیامت کی ان نشانیوں میں سے سب سے پہلی نشانی ہوگی جن کے بعد دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی بلکہ ان نشانیوں کے وقوع پذیر ہونے کے ساتھ ہی صور پھونکا جائیگا، ان کے برخلاف یہاں حدیث میں جن نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے ہر ایک نشانی کے بعد بھی دنیا کی چیزیں باقی رہیں گی۔

ایک ایسی ہوا کا ذکر کیا گیا ہے جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی" یہ روایت بظاہر اس روایت کے خلاف ہے جس میں آگ کا ذکر ہے پس ان دونوں روایتوں کے درمیان مطابقت ویکسانیت پیدا کرنے کے لئے یہ کہا گیا ہے کہ اس دوسری روایت میں لفظ ناس (لوگوں) سے مراد کفار ہیں، اور ان کو ہانکنے والی آگ ہوا کے سخت جھکڑ کے ساتھ ملی ہوئی ہوگی تاکہ ان کفار کو سمندر میں دھکیلنے کا عمل زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ پورا ہو، نیز مذکورہ آگ جس کا پانی آگ کی صورت میں تبدیل ہو جائے گا، چنانچہ قرآن کریم کے ان الفاظ وَإِذَا الْبِحَار

سے جرت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ تبدیل ہو جائے گا، چنانچہ قرآن کریم کے ان الفاظ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے برخلاف مومنین کے لئے جو آگ ہوگی وہ محض ان کو ڈرانے کے لئے ہوگی اور کوڑے کی طرح اس کا کام یہ ہوگا کہ انہیں ہانک کر زمین حشر اور موقف اعظم کی طرف لے جائے۔

قیامت کی وہ چھ نشانیاں جن کے ظاہر ہونے سے پہلے زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ اختیار کرلو"

(۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ سِتًّا الدُّخَانَ وَالدَّجَّالَ وَدَابَّةَ الْاَرْضِ وَطُلُوْعَ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا وَاَمْرَ الْعَامَّةِ وَخُوَیْصَةَ اَحَدِکُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "چھ" چیزوں کی بناء پر تم اعمال صالحہ کی طرف پیش قدمی کرلو (اور وہ چھ چیزیں یہ ہیں) دھواں، دجال، دآبہ الارض، مغرب سے طلوع آفتاب، امر عامہ، (یعنی وہ فتنہ عام جو تمام لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے) اور فتنہ خاص (کہ جو تم میں سے کسی کے ساتھ مخصوص ہو)۔" (مسلم)

تشریح: "چھ چیزوں کی بناء پر الخ کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کی ان چھ نشانیوں کے ظاہر ہونے اور ان کے آپہنچنے سے پہلے پہلے جس قدر زیادہ ہو سکے نیک کام کرلو کیونکہ ان چیزوں کے بعد یا تو نیک کام کرنا نہایت دشوار ہو جائے گا یا اگر کوئی نیک کام کیا بھی جائیگا تو اس کا اعتبار ہی نہیں ہوگا امر عامہ" سے مراد برائی اور دین سے بیزاری کا وہ ہمہ گیر فتنہ ہے جو اجتماعی طور پر تمام لوگوں کو گھیرے گا اور پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آجائے اور فتنۂ خاص" سے مراد وہ مخصوص مسائل و آفات ہیں جو انفرادی طور پر کسی بھی شخص کو اس طرح پریشان حال اور پراگندہ خاطر کر دیتے ہیں کہ وہ دین و آخرت کے معاملات کی طرف زیادہ توجہ دینے سے باز رہتا ہے جیسے اپنے یا اپنے اہل وعیال اور مال و جائیداد کے بارے میں مختلف قسم کی پریشانیاں اور مشغولیتیں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں امر عامہ سے مراد قیامت اور فتنہ خاص سے مراد موت ہو اس صورت میں کہا جائیگا کہ حدیث کا مقصد چونکہ لوگوں کو قیامت کی علامتوں سے ڈرانا اور چوکنا کرنا ہے اس لئے ان علامتوں کے ضمن میں خود قیامت اور قیامت صغری یعنی موت) کے آنے سے بھی ڈرایا گیا ہے۔

قیامت کی سب سے پہلی علامت

(۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ الْاٰیَاتِ خُرُوْجًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا وَخُرُوْجُ الدَّآبَّةِ عَلَی النَّاسِ ضُحًی وَاَیُّهُمَا مَاکَانَتْ قَبْلَ صَاحِبَتِهَا فَالْاُخْرٰی عَلٰی اَثَرِهَا قَرِیْبًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ظاہر ہونے کے اعتبار سے قیامت کی نشانیوں میں سب سے پہلی نشانی آفتاب کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت لوگوں پر دابۃ الارض کا نکلنا اور ان سے اس کا بات کرنا ہے ان دونوں مذکورہ نشانیوں میں سے جو نشانی پہلے ظاہر ہوگی اس کے جلد ہی بعد دوسری ظاہر ہو جائے گی۔" (مسلمؒ)

تشریح: طیبیؒ نے اس حدیث کی وضاحت میں کہا ہے کہ اگر یہاں اشکال پیدا ہو کہ آفتاب کا مغرب کی طرف سے نکلنا، قیامت کی سب سے پہلی نشانی نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے تو دھویں اور دجال کا ظہور ہو چکا ہوگا؟ تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ جن چیزوں کو قیامت کی نشانیاں قرار دیا گیا ہے ان کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ نشانیاں ہیں جو قیامت کے وقت قریب آجانے کی علامت ہیں، اور دوسری نشانیاں ہیں جو قیام قیامت کے وجود اور اس کے آجانے پر دلالت کریں گی پس پہلی قسم کی نشانیوں سے سب سے پہلی نشانی تو آنحضرت ﷺ کی بعثت ہے اور پھر آخری کی باقی نشانیوں میں سے دھواں، دجال کا نکلنا اور اس طرح کی دوسری علامتیں ہیں دوسری قسم

کی نشانیوں میں سے آفتاب کا مغرب کی طرف سے نکلنا، زلزلہ اور اس آگ کا نمودار ہونا ہے جو لوگوں کو گھیرہانک کر محشر کی طرف لے جائے گی، چنانچہ مغرب کی طرف سے آفتاب کے طلوع ہونے کو سب سے پہلی نشانی اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ اسی نشانی سے دوسری قسم کی نشانیوں کی ابتداء ہوگی۔

وخروج الدابة علی النّاس میں لفظ خروج کا عطف طلوع الشمس پر ہے جو لفظ اول کی خبر ہے، اس صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ سب سے پہلی نشانی، ایک سے زائد ہو، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہوگا، لہٰذا ابن مالکؒ نے کہا ہے کہ خروج میں حرف واؤ شاید کہ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، اس صورت میں عبارت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ "قیامت کی نشانیوں میں سے سب سے پہلی نشانی آفتاب کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا یا چاشت کے وقت لوگوں پر دابة الارض کا نکلنا اور ان سے اس کا بات کرنا ہے" یہ وضاحت نہ صرف یہ کہ حدیث کے آخری الفاظ ایهما ما کانت الخ کے مطابق ہے بلکہ اس کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں یوں ہے کہ او خروج الدابة علی الناس۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں نشانیوں کے واقع ہونے کے درمیان جو وقفہ ہوگا وہ دوسری نشانیوں کے درمیانی وقفوں کی بہ نسبت بہت کم ہوگا، چنانچہ اگر مغرب کی طرف سے آفتاب کا طلوع ہونا پہلے ہوا تو دابة الارض کا نکلنا اس کے فوراً بعد ہوگا اور اگر پہلے دابة الارض نکلے گا تو مغرب کی طرف سے آفتاب کا طلوع ہونا اس کے فوراً بعد ہوگا! واضح رہے کہ ان دونوں علامتوں کی ترتیب اور تقدم و تاخر کے سلسلے میں تعین کے ساتھ وحی نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ اس بات کو مبہم چھوڑ دیا گیا تھا البتہ اتنا بتا دیا گیا تھا کہ یہ دونوں علامتیں اپنی نوعیت کی اور دوسری علامتوں سے پہلے ظاہر ہوں گی! نیز اس موقع پر یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ جس حدیث میں یہ منقول ہے کہ..... اِنَّ اَوَّلَهَا خُرُوْجُ الدَّجَّالِ (یعنی قیامت کی علامتوں میں سے سب سے پہلی علامت دجال کا نکلنا ہے) تو وہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

قیامت کی وہ تین علامتیں جن کا ظاہر ہونا یقینی ہے

④ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ اِذَا خَرَجْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَالدَّجَّالُ وَدَابَّةُ الْاَرْضِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تین باتیں جب ظہور میں آجائیں گی تو پھر کسی ایسے شخص کا ایمان لانا (اور کفر سے توبہ کرنا) کہ جس نے اس سے پہلے ایمان قبول نہیں کیا ہوگا، کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ اس شخص کا اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل کرنا فائدہ مند ہوگا اگر اس نے اس سے پہلے وہ نیک عمل نہ کیا ہوگا (یعنی اس وقت گناہوں سے توبہ کرنا بھی معتبر نہ ہوگا) اور وہ تین باتیں یہ ہیں، آفتاب کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا، دجال اور دابة الارض کا نکلنا۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ان نشانیوں کو دیکھ کر چونکہ قیامت کا آنا متعین ہو جائے گا، اور اس وقت اس دنیا کی پر فریب زندگی کا پردہ اس طرح چاک ہو جائیگا کہ آخرت کی زندگی اور وہاں کے احوال، نظر و مشاہدہ میں آجائیں گے اس لئے اس وقت کفر اور گناہوں سے توبہ کرنا اور ایمان قبول کرنا معتبر نہیں ہوگا کیونکہ ایمان تو وہی معتبر ہے جو غیب پر یقین کے ساتھ ہو۔

یہاں حدیث میں مغرب کی طرف سے آفتاب کے طلوع ہونے کو باقی دونوں سے پہلے ذکر کیا گیا ہے جب کہ وقوع پذیر ہونے کے اعتبار سے اس کا نمبر بعد میں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کے قبول نہ ہونے کا اصل مدار اسی پر ہے یعنی توبہ اور ایمان کا قبول نہ ہونا اسی وقت ہوگا جب آفتاب مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا، لہٰذا پہلے اس کو ذکر کیا گیا اور اس کے ساتھ دو اور نشانیوں یعنی دجال اور دابة الارض کے نکلنے کو بھی ملا دیا گیا۔

جب آفتاب کو مغرب کی طرف سے طلوع ہونے کا حکم ملے گا

⑤ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ اَتَدْرِیْ اَیْنَ تَذْھَبُ ھٰذِہٖ قُلْتُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّھَا تَذْھَبُ حَتّٰی تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَسْتَاْذِنُ فَلَا یُؤْذَنُ لَھَا وَیُقَالُ لَھَا ارْجِعِیْ مِنْ حَیْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَّغْرِبِھَا فَذٰلِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا قَالَ مُسْتَقَرُّھَا تَحْتَ الْعَرْشِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) جب کہ آفتاب غروب ہو رہا تھا رسول کریم ﷺ (مجھ سے) فرمانے لگے، جانتے ہو یہ آفتاب کہاں جا رہا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا یہ آفتاب جاتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے پہنچ کر سجدہ کرتا ہے، پھر حضور رب العزت میں حاضری کی اجازت مانگتا ہے، اس کو اجازت عطا ہوتی ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ مشرق کی طرف لے جائے اور وہاں سے طلوع کرے اور (یاد رکھو) وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے جب آفتاب (اپنے معمول کے مطابق) سجدہ کرے گا لیکن اس کا سجدہ قبول نہیں ہوگا، اور اجازت چاہے گا لیکن اس کو اجازت عطا نہیں ہوگی اور یہ حکم دیا جائے گا کہ جس طرف سے آیا ہے اسی طرف لوٹ جا چنانچہ وہ مغرب کی طرف سے طلوع کرے گا، اور یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا (یعنی آفتاب اپنے مستقر کی طرف چلا جاتا ہے نیز آنحضرت ﷺ نے (آفتاب کے "مستقر" کی وضاحت میں) فرمایا ہے کہ آفتاب کا مستقر یعنی اس کے ٹھہرنے کی جگہ عرش کے نیچے ہے۔" (بخاری)

تشریح: بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث میں فانھا تذھب حتی تسجد تحت العرش کے الفاظ قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف نہیں ہیں جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ حَتّٰی بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَھَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَۃٍ کیونکہ اس آیت کی مراد در اصل حد نظر کو بیان کرنا ہے، جب کہ یہاں حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سورج ڈوبنے کے بعد عرش کے نیچے پہنچ کر سجدہ کرتا ہے۔

خطابیؒ نے یہ احتمال بیان کیا ہے کہ عرش کے نیچے پہنچ کر آفتاب کے سجدہ کرنے کی جو بات فرمائی گئی ہے اس کی مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آفتاب عرش کے نیچے پہنچ کر مستقر ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کے مستقر ہونے کی کیفیت و حقیقت کیا ہوتی ہے تو اس کا ادراک و اظہار انسانی علم کے احاطہ سے باہر ہے۔

لفظ تَسْتَاْذِنُ میں استیذان سے مراد "حضور حق میں حاضری کی اجازت چاہنا۔" لیا گیا ہے، لیکن اس لفظ کا زیادہ واضح مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ آفتاب عرش کے نیچے سجدہ ریز ہونے کے بعد اپنے معمول کے مطابق طلوع کرنے کی اجازت چاہتا ہو اور اس کو وہ اجازت عطا ہوتی ہے۔

آفتاب کا مستقر عرش کے نیچے ہے" کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد عرش کے نیچے جاتا ہے اور وہاں سجدہ کرتا ہے پھر وہ اجازت طلب کرتا ہے جس پر اس کو اجازت دی جاتی ہے واضح رہے کہ مذکورہ آیت والشمس تجری لمستقر لھا کی تفسیر میں بیضاوی نے "مستقر" کے کئی معنی بیان کیے ہیں، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے "مستقر" کی اس وضاحت کو قطعاً ذکر نہیں کیا ہے جو بخاری و مسلم کی مذکورہ بالا حدیث میں بیان ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے اور جس سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ "مستقر" سے کیا مراد ہے۔

فتنہ دجال سے بڑا کوئی فتنہ نہیں

⑥ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا بَیْنَ خَلْقِ اٰدَمَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ اَمْرٌ اَکْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمران ابن حصین ؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آدم کی پیدائش سے لے کر قیامت کے دن تک (یعنی کائنات انسانی کے پورے زمانہ میں ابتلاء واختلال اور استدراج کے اعتبار سے) دجال کے فتنہ سے بڑا کوئی فتنہ نہیں۔" (مسلم)

⑦ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِاَعْوَرَ وَاِنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ اَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنٰى كَاَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر مخفی نہیں ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے جب کہ مسیح دجال داہنی آنکھ سے کانا ہوگا۔ اور اس کی وہ آنکھ ایسی ہوگی جیسے وہ انگور کا ایک پھولا ہوا دانا ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: اللہ تعالیٰ تم پر مخفی نہیں ہے" یہ جملہ دراصل آگے کی عبارت "اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے الخ" کی تمہید کے طور پر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کی بتائی ہوئی باتوں کی روشنی میں تم اللہ تعالیٰ کی حقیقت سے آگاہ ہو اور اس کی ذات کو تم نے اس کی صفات کاملہ کے ساتھ پہچان رکھا ہے، لہٰذا جب دجال کا ظہور ہو اور وہ اپنی شعبدہ بازیوں اور فریب کاریوں کے ذریعہ تمہیں تمہارے رب کے بارے میں گمراہ کرنا چاہے تو تم گمراہ نہ ہونا۔

اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے" کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی نقصان وعیب کی نفی کرنا مراد ہے نہ کہ اس کی ذات کے لئے کوئی جسمانی عضو کو صحیح وسالم ثابت کرنا مراد ہے گویا اصل مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی جنس سے نہیں ہے اور نہ اس کی آدمیوں جیسی آنکھ ہے چہ جائیکہ وہ کانا ہو۔

لفظ طافیۃ یہاں توئی کے ساتھ منقول ہے ویسے بعض روایتوں میں یہ لفظ ہمزہ کے ساتھ بھی نقل کیا گیا ہے، اس کے لغوی معنی "بلند" کے ہیں لہٰذا عنبۃ طافیۃ کا مفہوم ہے انگور کا پھولا ہوا دانا واضح رہے کہ دجال کی آنکھ کے سلسلہ میں یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ انہالیت بناتئۃ ولا حجراء یعنی اس کی وہ آنکھ نہ ابھری ہوئی ہوگی اور نہ دھنسی ہوئی اور دونوں روایتوں کے درمیان منافات اس اعتبار سے نہیں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں باتیں اس کی آنکھوں میں پائی جائیں، یعنی اس کی ایک آنکھ تو اس طرح کی کانی ہوگی جیسے انگور کا پھولا دانا اور دوسری آنکھ اس طرح کی ہوگی کہ نہ تو وہ ابھری ہوئی ہوگی اور نہ دھنسی ہوئی تور پشتی نے کہا ہے کہ وہ دجال کی جسمانی حالت خصوصاً آنکھ کے بارے میں جو احادیث منقول ہیں ان سب میں بہت زیادہ باہمی تضاد وتعارض ہے اور بسا اوقات ان کے درمیان مطابقت پیدا کرنا مشکل ہو جاتا ہے مثلاً یہاں جو حدیث نقل ہوئی ہے اس میں تو یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اس کی آنکھ طافیہ (بلند) ہوگی جیسا کہ انگور کا کوئی پھولا ہوا دانا ہوتا ہے، ایک حدیث میں یہ ہے کہ وہ جاحظ العین یعنی ابھری ہوئی آنکھ والا ہوگا اور ابھری ہوئی آنکھ بھی اس طرح کی ہوگی جیسے کوئی کوکب یعنی ستارا رکھا ہوا ہو اور ایک اور روایت میں، جس کا اوپر ذکر ہوا ہے، یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اس کی آنکھ نہ تو ابھری ہوئی ہوگی اور نہ دھنسی ہوئی ہوگی پس ان تمام روایات میں مطابقت کے لئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس کی آنکھ کی جو مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں ان کا تعلق دونوں آنکھوں کے ایک دوسرے سے مختلف ہونا ہے یعنی ایک آنکھ اس طرح کی ہوگی اور ایک اس طرح کی اس کی تائید عبداللہ ؓ کی مذکورہ بالا روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں دجال کا دائیں آنکھ سے کانا ہونا نقل کیا گیا ہے اس سلسلہ میں جو روایت حضرت حذیفہ ؓ سے منقول ہے اس میں یہ ہے کہ وہ ممسوح العین (یعنی مٹی ہوئی آنکھ والا ہوگا) اور اس کی آنکھ پر موٹا ناخنہ ہوگا، نیز ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ بائیں آنکھ سے کانا ہوگا ان روایتوں کے درمیان مطابقت کرنے کے لئے بھی یہی کہا جائے گا کہ اس کی آنکھ کے عیب دار ہونے کی جو مختلف نوعیتیں بیان کی گئیں ہیں وہ الگ الگ دونوں آنکھوں کے اعتبار سے ہیں یعنی اس کی ایک آنکھ تو بالکل غائب ہوگی اور دوسری بھی عیب دار ہوگی۔ اس طرح سے اس کی دونوں آنکھوں پر "عور" کا اطلاق ہو سکتا ہے کیونکہ عور کے اصل معنی عیب کے ہیں لہٰذا اس کی دائیں آنکھ بھی عیب دار ہوگی اور بائیں آنکھ بھی۔

ہر نبی علیہ السلام نے اپنی اُمّت کو دجال سے ڈرایا ہے

⑧ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْ نَّبِیٍّ اِلَّا قَدْ اَنْذَرَ اُمَّتَہُ الْاَعْوَرَ الْکَذَّابَ اَلَا اِنَّہٗ اَعْوَرُ وَاِنَّ رَبَّکُمْ لَیْسَ بِاَعْوَرَ مَکْتُوْبٌ بَیْنَ عَیْنَیْہِ ک ف ر۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ایسا کوئی نبی علیہ السلام نہیں گزرا جس نے اپنی اُمّت کو جھوٹے کانے (یعنی دجال سے نہ ڈرایا ہو آگاہ رہو، دجال کانا ہوگا اور تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے، نیز اس (دجال) کی دونوں آنکھوں کے درمیان ک ف ر (یعنی کفر کا لفظ) لکھا ہوا ہوگا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "ایسا کوئی نبی نہیں گزرا" الخ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دجال کے ظاہر ہونے کا متعینہ وقت کسی پر بھی ظاہر نہیں فرمایا، بس اس قدر معلوم ہے کہ وہ قیامت سے پہلے ظاہر ہوگا اور چونکہ قیامت آنے کا تعین وقت کسی کو نہیں معلوم ہے اس لئے دجال کے ظاہر ہونے کا تعین وقت بھی کسی کو نہیں معلوم۔

ک ف ر سے کفر کا لفظ مراد ہے، چنانچہ مصابیح اور مشکوٰۃ کے نسخوں میں یہ تینوں حرف اسی طرح علیحدہ علیحدہ لکھے ہوئے ہیں اور اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ گویا دجال کے چہرے پر کفر کا لفظ اسی طرح لکھا ہوگا نیز اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ دجال دراصل تباہی وہلاکت یعنی کفر کی طرف بلانے والا اور کفر کے پھیلنے کا باعث ہوگا نہ کہ فلاح و نجات کی طرف بلانے والا ہوگا، اس سے بچنا اور اس کی اطاعت نہ کرنا واجب ہوگا در حقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اُمّت کے حق میں ایک بڑی نعمت ہے کہ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان کفر کا لفظ نمایاں ہوگا جس سے ہر صاحب ایمان کو اس کے مکروفریب سے بچنے میں آسانی ہوگی۔

دجال کی جنّت اور دوزخ

⑨ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا عَنِ الدَّجَّالِ مَاحَدَّثَ بِہٖ نَبِیٌّ قَوْمَہٗ اِنَّہٗ اَعْوَرُ وَاِنَّہٗ یُجِیْءُ مَعَہٗ بِمِثْلِ الْجَنَّۃِ وَالنَّارِ فَالَّتِیْ یَقُوْلُ اِنَّھَا الْجَنَّۃُ ھِیَ النَّارُ وَاِنِّیْ اُنْذِرُکُمْ کَمَا اَنْذَرَ بِہٖ نُوْحٌ قَوْمَہٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "آگاہ رہو میں تمہیں دجال کے بارے میں ایسی بات بتاتا ہوں جو کسی اور نبی علیہ السلام نے اپنی قوم کو نہیں بتائی ہے، (اور وہ بات یہ ہے کہ) دجال کانا ہوگا اور وہ اپنے ساتھ جنّت و دوزخ کی مانند دو چیزیں لائے گا، پس وہ جس چیز کو جنّت کہے گا حقیقت میں وہ آگ ہوگی لہٰذا میں تمہیں اس (دجال) سے ڈراتا ہوں جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا تھا۔" (بخاری ومسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دجال کے پاس چونکہ بڑی زبردست طلسماتی طاقت ہوگی اس لئے وہ اپنے ساتھ ایک بہت بڑا باغ اور آگ کا پھندا لئے پھرے گا جس کو وہ اپنی جنّت اور دوزخ سے تعبیر کرے گا یا جنّت سے مراد آسائش وراحت کے سامان یا اس کے الطاف و عنایات ہیں اور دوزخ سے مراد رنج وکلفت کی چیزیں اور اس کی ایذا رسانیاں ہیں۔

"حقیقت میں وہ آگ ہوگی۔" کی وضاحت ایک شارح نے یہ کی ہے کہ کسی شخص کا دجال کی اس جنّت میں داخل ہونا اور اس کو قبول کرنا در حقیقت عذاب خداوندی میں گرفتار ہونا اور دوزخ میں جانے کا راستہ اختیار کرنا ہے اسی پر قیاس کرکے دوسرا جزیوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ دجال جس چیز کو دوزخ کہے گا حقیقت میں وہ بہشت ہوگی، یعنی جو شخص اس کی اطاعت نہیں کرے گا اور اس کی وجہ سے وہ اس کو اپنی دوزخ میں ڈالے گا وہ شخص در حقیقت دجال کی تکذیب کرنے اور اس کے آگے جھکنے سے انکار کردینے کے سبب بہشت میں

داخل ہوگا! ایک وضاحت تو یہ ہے، لیکن زیادہ قریبی مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ دجال جس چیز کو اپنی جنت اور جس چیز کو اپنی دوزخ بتائے گا اور ان میں جن لوگوں کو داخل کرے گا وہ دونوں کے لئے بالکل برعکس ثابت ہوں گی اور ان کا فعل الٹا ہو جائیگا یعنی جن لوگوں کو تکلیف واذیت میں مبتلا کرنے کے لئے اپنی دوزخ میں ڈالے گا وہ ان کے لئے رنج و تکلیف کے بجائے اطمینان وراحت کی جگہ بن جائے گی اور جن لوگوں کو عیش وراحت دینے کے لئے اپنی جنت میں داخل کرے گا وہ اس کے لئے عیش وراحت کے بجائے رنج و تکلیف کی جگہ بن جائے گی اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النار (قبر یا تو جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے) یعنی قبر کا ماحول اور اس کا فعل بندوں کے اعتبار سے مختلف ہو جاتا ہے، جس بندے سے خدا خوش ہوتا ہے اس کے لئے اس کی قبر رنج و کلفت کی آلام گاہ ہو جاتی ہے اور اس کے قبیل سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یانار کونی بردا وسلاما علی ابراهیم (اے آگ تو ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا سبب بن جا) نیز یہی حال اس مکدر دنیا کا ہے جس کو "قید خانہ" کہا گیا ہے لیکن یہی قید خانہ اپنی تمام تر سختیوں اور تنگیوں کے باوجود ان عارفین اور اہل اللہ کے لئے "جنت" کا روپ اختیار کر لیتا ہے جو مقام رضا پر فائز ہوتے ہیں اور خدا کی خوشنودی کی خاطر یہاں کی ہر تنگی و سختی کو صبر و عزیمت اور خوش دلی کے ساتھ برداشت کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولمن خاف مقام ربه جنتن۔ کہ ان مردان حق آگاہ کے لئے دو جنتیں ہیں، ایک تو یہی دنیا ان کے لئے جنت بن جاتی ہے اور ایک جنت انہیں عقبیٰ میں ملے گی اسی لئے عارفین کی نظر میں دنیا بالکل برعکس معلوم ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک دنیا کی نعمت وراحت در حقیقت نقمت یعنی عذاب ہوتی ہے اور یہاں کی نقمت حقیقت میں نعمت ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ حدیث کا اصل مقصد چونکہ لوگوں کو دجال کی فریب کاریوں سے ڈرانا ہے اس لئے اس موقع پر صرف پہلے جز، یعنی دجال کی جنت کی حقیقت کے ذکر پر اکتفا فرمایا گیا، اگرچہ بعض دوسری حدیثوں میں دوسرے جزء یعنی اس کی دوزخ کی حقیقت کو بھی صریح بیان فرمایا گیا ہے پس مفہوم کے اعتبار سے اس موقع پر پوری عبارت گویا یوں ہوگی کہ "پس وہ جس چیز کو جنت کہے گا حقیقت میں وہ آگ ہوگی اور جس چیز کو دوزخ کہے گا حقیقت میں وہ جنت ہوگی۔

دجال کے سلسلے میں پہلے عمومی طور پر ہر نبی علیہ السلام کا ذکر کرنے کے بعد پھر آخر میں خاص طور پر حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کرنا اس حقیقت کی بناء پر ہے کہ مشاہیر انبیاء میں انہی کی ذات مقدم ہے۔

دجال جس شخص کو مصیبت میں ڈالے گا وہ در حقیقت راحت میں ہوگا

(۱۰) وَعَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الدَّجَّالَ يَخْرُجُ وَاِنَّ مَعَهُ مَآءً وَنَارًا فَاَمَّا الَّذِيْ يَرَاهُ النَّاسُ مَآءً فَنَارٌ تُحْرِقُ وَاَمَّا الَّذِيْ يَرَاهُ النَّاسُ نَارًا فَمَآءٌ بَارِدٌ عَذْبٌ فَمَنْ اَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَلْيَقَعْ فِي الَّذِيْ يَرَاهُ نَارًا فَاِنَّهُ مَآءٌ عَذْبٌ طَيِّبٌ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ وَاِنَّ الدَّجَّالَ مَمْسُوْحُ الْعَيْنِ عَلَيْهَا ظَفَرَةٌ غَلِيْظَةٌ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ يَقْرَءُهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ كَاتِبٍ وَغَيْرِ كَاتِبٍ۔

"اور حضرت حذیفہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا دجال اس حالت میں ظاہر ہوگا کہ اس کے ساتھ پانی ہوگا اور آگ ہوگی، تاہم لوگ جس چیز کو پانی سمجھیں گے وہ حقیقت میں جلانے والی ہوگی اور جس چیز کو لوگ آگ سمجھیں گے وہ حقیقت میں ٹھنڈا اور شیریں پانی ہوگا پس تم میں سے جو شخص اس کو (یعنی دجال کو یا اس کی فریب کاریوں کی مذکورہ چیزوں کو) پائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس چیز میں گرنا پسند کرے جس کو وہ آگ کی صورت میں دیکھے (یعنی دجال اس کی تکذیب سے ناراض ہو کر اس کو اپنی آگ میں ڈال دے گا) کیونکہ حقیقت میں وہ (آگ نہیں ہوگی بلکہ نہایت شیریں اور پسندیدہ پانی ہوگا۔" (بخاری ومسلم) اور مسلم نے اپنی روایت میں یہ الفاظ مزید نقل کیے

ہیں کہ۔" دجال ممسوح العین ہوگا (یعنی اس کی ایک آنکھ کی جگہ پیشانی کی طرح بالکل سپاٹ ہوگی کہ وہاں آنکھ کا کوئی نشان بھی نہیں ہوگا) اور اس پر (یعنی دوسری آنکھ پر) بھاری ناخنہ ہوگا گویا اس کی ایک آنکھ تو بالکل غائب ہی ہوگی اور دوسری آنکھ پر بھی گوشت یا کھال کا ایک موٹا ٹکڑا ہوگا، یا یہ معنی ہیں کہ اس غائب آنکھ پر ناخنہ ہوگا) اور اس کی آنکھوں کے درمیان کافر" کا لفظ لکھا ہوگا۔ اور اس لفظ کو ہر مؤمن پڑھے گا خواہ وہ لکھنا (اور پڑھنا) جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔"

تشریح: "اس کے ساتھ پانی ہوگا" میں "پانی" سے مراد اسباب عیش و راحت میں سے وہ چیز ہے جس کا بظاہر بہت قریبی تعلق پانی سے ہوگا اور جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو اپنی اتباع کی طرف مائل کرے گا۔ اسی طرح "آگ" سے مراد وہ چیز ہے جو بظاہر اذیت و تکلیف میں مبتلا کرنے والی ہوگی ورنہ حقیقت کے اعتبار سے ان لوگوں کو کوئی تکلیف و اذیت نہیں پہنچائے گی جو اس (دجال) کو جھٹلائیں گے اور اس کی اتباع کرنے سے انکار کردیں گے۔

لوگ جس چیز کو پانی سمجھیں گے الخ کا مطلب یہ ہے کہ دجال جن چیزوں کو ان لوگوں کی نظر میں عیش و راحت کی چیزیں کر کے دکھائے گا یا جن چیزوں کو وہ اذیت و تکلیف پہنچانے والے اسباب ظاہر کرے گا وہ حقیقت کے اعتبار سے برعکس ہوں گی مثلاً جن کو اپنی اتباع کرنے کے صلہ میں اس پانی سے نوازے گا آخر الامر وہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آگ میں جلیں گے اسی طرح وہ جن لوگوں کو اپنی نافرمانی کی سزا کے طور پر آگ کے سپرد کرے گا اس آگ کو اللہ تعالیٰ ٹھنڈک اور راحت پہنچانے کے لئے، پانی کی تاثیر عطا کردے گا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے نمرود کی آگ کو ٹھنڈا اور باعث راحت بنادیا گیا تھا پس حاصل یہ نکلا کہ جو چیزیں دجال کے ذریعہ ظاہر ہوں گی اور فتنہ کا باعث بنیں گی ان کی حقیقت وہ نہیں ہوگی جو بظاہر نظر آئے گی بلکہ وہ طلسماتی اور خیالی چیزیں ہوں گی جیسا کہ طلسم جاننے والے اور شعبدہ باز اپنے کرتب دکھاتے ہیں لیکن جیسا کہ پہلے بتایا گیا، یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے ذریعہ ظاہر ہونے والی چیزیں حقیقی ہی ہوں گی مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے حکم سے ان کی تاثیر الٹی ہوجائے گی کہ پانی تو جلائے گا اور آگ ٹھنڈک پہنچائے گی۔

کیونکہ وہ نہایت شیریں اور پسندیدہ پانی ہوگا۔" یعنی بظاہر آگ نظر آنے والی چیز یا تو حقیقت کے اعتبار سے یا ماہیت بدل دیئے جانے کے اعتبار سے اور یا آخری مآل و انجام کے اعتبار سے، پانی ہوگا جو ٹھنڈک و راحت پہنچانے کا باعث بنے گا! واضح رہے کہ حدیث میں اس موقع پر اختصار سے کام لیا گیا ہے اور صرف ایک ہی جزء کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے، ورنہ حقیقت میں یہاں اس دوسرے جزء کا مفہوم بھی پوشیدہ ہے کہ اور اس کو چاہئے کہ وہ اس کے پانی (یعنی اس کے اسباب عیش و راحت کی طرف مائل ہو کر اس (دجال) کی تصدیق و اتباع نہ کرے کیونکہ حقیقت میں وہ پانی نہیں ہوگا بلکہ ایک طرح کا عذاب و حجاب ہوگا۔

"دجال ممسوح العین ہوگا الخ" کے سلسلہ میں، جیسا کہ ترجمہ کے دوران وضاحت کردی گئی ہے، یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ناخنہ کا تعلق اسی آنکھ سے ہے جس کو ممسوح فرمایا گیا ہے حالانکہ یہ بات موزوں نہیں ہے کیونکہ) ممسوح العین کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس آنکھ کی جگہ سرے سے آنکھ اور بھویں نہ ہوں بلکہ وہ جگہ بالکل سپاٹ ہو پس جب وہ آنکھ ہی نہیں ہوگی تو اس پر ناخنہ ہونے کے کیا معنی لامحالہ یہی کہا جائے گا کہ ناخنہ اس کی آنکھ پر ہوگا جو دوسری جانب ہوگی، ہاں اگر "ممسوح" سے مراد محض "عیب" لیا جائے تو اس صورت میں حدیث کے الفاظ اپنے ظاہری معنی پر محمول ہوسکتے ہیں۔

دجال کی پہچان

(۱۱) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّجَّالُ اَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُسْرٰى جُفَالُ الشَّعْرِ مَعَهٗ جَنَّتُهٗ وَنَارُهٗ فَنَارُهٗ جَنَّةٌ وَجَنَّتُهٗ نَارٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ دجال کی بائیں آنکھ کانی ہوگی، اس کے بہت کثرت سے بال ہوں گے اور اس

کے ساتھ اس کی جنت ہوگی اور اس کی آگ ہوگی، لیکن اس کی آگ حقیقت میں جنت ہوگی اور اس کی جنت حقیقت میں آگ ہوگی۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ دجال کی بائیں آنکھ کانی ہوگی جب کہ اس سلسلے میں پہلے جو حدیث گذری ہے اس میں یہ ذکر ہے کہ وہ دائیں آنکھ سے کانا ہوگا اور اس کی ایک آنکھ بالکل غائب اور سپاٹ ہوگی۔ لہٰذا ان دونوں حدیثوں کے درمیان جو ظاہری تضاد ہے اس کو ختم کرنے کے لئے یہ کہا جائے گا کہ اس کی آنکھ بالکل غائب ہوگی اور دوسری جانب کی آنکھ عیب دار ہوگی، اس اعتبار سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کی ہر ایک آنکھ کو "اعور" کہا جائے کیونکہ "اعور" کے اصل معنی عیب کے ہیں بعض حضرات نے ان احادیث کے درمیان یہ کہہ کر مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ دجال کا اعور ہونا لوگوں کے فرق کی نسبت سے ہوگا یعنی کچھ لوگ تو اس کو بائیں آنکھ کا عیبی دیکھیں گے اور کچھ لوگ دائیں آنکھ کا عیب دار دیکھیں گے اور یہ اس لئے ہوگا تاکہ اس کا جھوٹا اور فریبی ہوجانا بالکل ظاہر ہوجائے کیونکہ جب تمام لوگوں کی نظر میں اس کی اصل حیثیت و حالت نہیں آئے گی بلکہ وہ آنکھوں کے اعتبار سے کبھی کسی طرح کا اور کبھی کسی طرح کا دکھائی دیگا تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ یہ جادوگر اور شعبدہ باز ہے اور اپنی کرتب بازیوں کے ذریعہ مختلف روپ اختیار کرتا رہتا ہے۔

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں سے کسی ایک حدیث کے راوی کو سہو ہوگیا ہو کہ اس نے دائیں آنکھ کے بجائے بائیں آنکھ یا بائیں آنکھ کے بجائے دائیں آنکھ کا ذکر کردیا ہو۔

دجال کے طلسماتی کارناموں اور یاجوج وماجوج کا ذکر

(۱۲) وَعَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنْ يَّخْرُجْ وَاَنَا فِيْكُمْ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ دُوْنَكُمْ وَاِنْ يَّخْرُجْ وَلَسْتُ فِيْكُمْ فَامْرُءٌ حَجِيْجُ نَفْسِهٖ وَاللّٰهُ خَلِيْفَتِيْ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اِنَّهٗ شَابٌّ قَطَطٌ عَيْنُهٗ طَافِيَةٌ كَاَنِّيْ اُشَبِّهُهٗ بِعَبْدِ الْعُزَّى بْنِ قَطَنٍ فَمَنْ اَدْرَكَهٗ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ فَوَاتِحَ سُوْرَةِ الْكَهْفِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ بِفَوَاتِحِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ فَاِنَّهَا جَوَازُكُمْ مِنْ فِتْنَتِهٖ اِنَّهٗ خَارِجٌ خَلَّةً بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ فَعَاثٍ يَمِيْنًا وَّعَاثٍ شِمَالًا يَا عِبَادَ اللّٰهِ فَاثْبُتُوْا قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا لُبْثُهٗ فِي الْاَرْضِ قَالَ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا يَوْمٌ كَسَنَةٍ وَّيَوْمٌ كَشَهْرٍ وَّيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ وَّسَائِرُ اَيَّامِهٖ كَاَيَّامِكُمْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَسَنَةٍ اَيَكْفِيْنَا فِيْهِ صَلٰوةُ يَوْمٍ قَالَ لَا اَقْدُرُوْا لَهٗ قَدْرَهٗ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا اِسْرَاعُهٗ فِي الْاَرْضِ قَالَ كَالْغَيْثِ اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيْحُ فَيَاْتِيْ عَلَى الْقَوْمِ فَيَدْعُوْهُمْ فَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ فَيَاْمُرُ السَّمَآءَ فَتُمْطِرُ وَالْاَرْضَ فَتُنْبِتُ فَتَرُوْحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَتُهُمْ اَطْوَلَ مَا كَانَتْ ذُرًى وَّاَسْبَغَهٗ ضُرُوْعًا وَّاَمَدَّهٗ خَوَاصِرَ ثُمَّ يَاْتِي الْقَوْمَ فَيَدْعُوْهُمْ فَيَرُدُّوْنَ عَلَيْهِ قَوْلَهٗ فَيَنْصَرِفُ عَنْهُمْ فَيُصْبِحُوْنَ مُمْحِلِيْنَ لَيْسَ بِاَيْدِيْهِمْ شَيْءٌ مِّنْ اَمْوَالِهِمْ وَيَمُرُّ بِالْخَرِبَةِ فَيَقُوْلُ لَهَا اَخْرِجِيْ كُنُوْزَكِ فَتَتْبَعُهٗ كُنُوْزُهَا كَيَعَاسِيْبِ النَّحْلِ ثُمَّ يَدْعُوْا رَجُلًا مُّمْتَلِئًا شَبَابًا فَيَضْرِبُهٗ بِالسَّيْفِ فَيَقْطَعُهٗ جَزْلَتَيْنِ رَمْيَةَ الْغَرَضِ ثُمَّ يَدْعُوْهُ فَيُقْبِلُ وَيَتَهَلَّلُ وَجْهُهٗ يَضْحَكُ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيْحَ بْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَآءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرُوْدَتَيْنِ وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلٰى اَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ اِذَا طَاْطَاَ رَاْسَهٗ قَطَرَ وَاِذَا رَفَعَهٗ تَحَدَّرَ مِنْهُ مِثْلُ جُمَانٍ كَاللُّؤْلُؤِ فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَجِدُ مِنْ رِيْحِ نَفَسِهٖ اِلَّا مَاتَ وَنَفَسُهٗ يَنْتَهِيْ حَيْثُ يَنْتَهِيْ طَرْفُهٗ فَيَطْلُبُهٗ حَتّٰى يُدْرِكَهٗ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلُهٗ ثُمَّ يَاْتِيْ عِيْسٰى قَوْمٌ قَدْ عَصَمَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ فَيَمْسَحُ عَنْ وُجُوْهِهِمْ وَيُحَدِّثُهُمْ بِدَرَجَاتِهِمْ فِي الْجَنَّةِ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذَا اَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى عِيْسٰى اَنِّيْ قَدْ اَخْرَجْتُ عِبَادًا لِّيْ لَا يَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ فَحَرِّزْ عِبَادِيْ اِلَى الطُّوْرِ وَيَبْعَثُ اللّٰهُ يَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ فَيَمُرُّ اَوَائِلُهُمْ عَلٰى بُحَيْرَةِ طَبَرِيَّةَ فَيَشْرَبُوْنَ مَا فِيْهَا وَيَمُرُّ اٰخِرُهُمْ فَيَقُوْلُ لَقَدْ كَانَ بِهٰذِهٖ مَرَّةً مَّآءٌ ثُمَّ يَسِيْرُوْنَ حَتّٰى يَنْتَهُوْا اِلٰى جَبَلِ الْخَمَرِ وَهُوَ جَبَلُ بَيْتِ

الْمَقْدِسِ فَيَقُوْلُوْنَ لَقَدْ قَتَلْنَا مَنْ فِي الْاَرْضِ هَلُمَّ فَلْنَقْتُلْ مَنْ فِي السَّمَآءِ فَيَرْمُوْنَ بِنُشَّابِهِمْ اِلَى السَّمَآءِ فَيَرُدُّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ نُشَّابَهُمْ مَخْضُوْبَةً دَمًا وَّيُحْصَرُ نَبِيُّ اللّٰهِ وَاَصْحَابُهُ حَتّٰى تَكُوْنَ رَاْسُ الثَّوْرِ لِاَحَدِهِمْ خَيْرًا مِّنْ مِّائَةِ دِيْنَارٍ لِاَحَدِكُمْ الْيَوْمَ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَاَصْحَابُهُ فَيُرْسِلُ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِيْ رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُوْنَ فَرْسٰى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَاَصْحَابُهُ اِلَى الْاَرْضِ فَلَا يَجِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ اِلَّا مَلَاَهُ زَهَمُهُمْ وَنَتْنُهُمْ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَاَصْحَابُهُ اِلَى اللّٰهِ فَيُرْسِلُ اللّٰهُ طَيْرًا كَاَعْنَاقِ الْبُخْتِ فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَآءَ اللّٰهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ تَطْرَحُهُمْ بِالنَّهْبَلِ وَيَسْتَوْقِدُ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ قِسِيِّهِمْ وَنُشَّابِهِمْ وَجِعَابِهِمْ سَبْعَ سِنِيْنَ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا لَا يَكُنُّ مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ فَيَغْسِلُ الْاَرْضَ حَتّٰى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ ثُمَّ يُقَالُ لِلْاَرْضِ اَنْبِتِيْ ثَمَرَتَكِ وَرُدِّيْ بَرَكَتَكِ فَيَوْمَئِذٍ تَاْكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّمَّانَةِ وَيَسْتَظِلُّوْنَ بِقِحْفِهَا وَيُبَارَكُ فِي الرِّسْلِ حَتّٰى اَنَّ اللِّقْحَةَ مِنَ الْاِبِلِ لَتَكْفِي الْفِئَامَ مِنَ النَّاسِ وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْبَقَرِ لَتَكْفِي الْقَبِيْلَةَ مِنَ النَّاسِ وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْغَنَمِ لَتَكْفِي الْفَخِذَ مِنَ النَّاسِ فَبَيْنَا هُمْ كَذٰلِكَ اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ رِيْحًا طَيِّبَةً فَتَاْخُذُهُمْ تَحْتَ اٰبَاطِهِمْ فَتَقْبِضُ رُوْحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَّكُلِّ مُسْلِمٍ وَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ يَتَهَارَجُوْنَ فِيْهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ فَعَلَيْهِمْ تَقُوْمُ السَّاعَةُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ اِلَّا الرِّوَايَةَ الثَّانِيَةَ وَهِيَ قَوْلُهُ تَطْرَحُهُمْ بِالنَّهْبَلِ اِلٰى قَوْلِهِ سَبْعَ سِنِيْنَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت نواس ابن سمعان ؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے دجال (کے نکلنے) اس کی فریب کاریوں اور اس کے فتنہ میں لوگوں کے مبتلا ہونے) کا ذکر کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر دجال نکلے اور (بالفرض) میں تمہارے درمیان موجود ہوں تو میں اس سے تمہارے سامنے جھگڑوں اور دلیل کے ذریعہ اس پر غالب آؤں) اور اگر دجال اس وقت نکلا جب میں نہ ہوں گا تو پھر تم میں سے ہر شخص اپنی ذات کی طرف سے اس سے جھگڑنے والا ہوگا اور میرا وکیل و خلیفہ ہر مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ ہے دجال جوان ہوگا اس کے بال گھونگریالے ہوں گے اور اس کی آنکھ پھولی ہوئی ہوگی گویا میں اس کو قطن کے بیٹے عبدالعزیٰ سے تشبیہ دے سکتا ہوں پس تم میں سے جو شخص اس کو پائے اس کو چاہئے کہ وہ اس کے سامنے سورۂ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے" اور مسلم ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس کو چاہئے کہ وہ اس کے سامنے سورہ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے کیونکہ وہ آیتیں تمہیں دجال کے فتنہ سے مامون و محفوظ رکھیں گی (جان لو) دجال اس راستہ سے نمودار ہوگا جو شام اور عراق کے درمیان واقع ہے اور دائیں بائیں فساد پھیلائے گا (پس) اے اللہ کے بندو! (اس وقت جب کہ دجال نکلے) تم (اپنے دین پر) ثابت قدم رہنا" راوی کہتے ہیں کہ) ہم نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ کتنے دنوں زمین پر رہے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا چالیس دن، (اور زمانہ کی طوالت کے اعتبار سے ان میں سے) ایک دن تو ایک سال کے برابر ہوگا اور ایک دن ایک مہینے کے برابر ہوگا اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی دن تمہارے دنوں کے مطابق (یعنی ہمیشہ کے دنوں کی طرح) ہوں گے" ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان دنوں میں سے جو ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا اس روز ہماری ایک دن کی نماز کافی ہوگی؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ نماز پڑھنے کے لئے ایک دن کا حساب لگانا ہوگا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ زمین پر کتنا زیادہ تیز چلے گا (یعنی اس کی تیز رفتاری کی کیا کیفیت ہوگی؟) آپ ﷺ نے فرمایا وہ اس مینہ یعنی ابر کی مانند تیز رفتار ہوگا جس کے پیچھے ہوا ہو! وہ ایک ایک قوم کے پاس پہنچے گا اور اس کو اپنی دعوت دے گا (یعنی اپنی اتباع کی طرف بلائے گا اور برائی کے راستہ پر لگائے گا) لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے یعنی اس کے فریب میں آکر اس کی اتباع کرنے لگیں گے) پھر وہ (اپنے تابعداروں کو نوازنے کے لئے) ابر کو بارش برسانے کا حکم دیگا تو ابر بارش برسائے گا اور زمین کو سبزہ اگانے کا حکم دے گا تو زمین سبزہ اگائے گی۔ پھر جب شام کو اس قوم کے (وہ) مویشی آئیں گے جو چرنے کے لئے صبح کے وقت جنگل و بیابان گئے تھے تو ان کے کوہان بڑے بڑے ہو جائیں گے اور ان کی کوکھیں (خوب کھانے پینے کی وجہ سے) تن جائیں گی پھر اس کے بعد دجال ایک اور قوم کے پاس پہنچے گا اور اس کو اپنی دعوت دے گا (یعنی اپنی خدائی کی

طرف بلائے گا اور کہے گا کہ مجھے اپنا پروردگار تسلیم کرو) لیکن اس قوم کے لوگ اس کی دعوت کو رد کر دیں گے (یعنی وہ اس کی بات کو قبول نہیں کریں گے اور اس پر ایمان لانے سے انکار کریں گے، اور وہ ان کے پاس سے چلا جائیگا (یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اس قوم کی طرف سے پھیر دے گا) پھر اس قوم کے لوگ قحط وخشک سالی اور تباہ حالی کا شکار ہو جائیں گے یہاں تک کہ وہ مال واسباب سے بالکل خالی ہاتھ ہو جائیں گے، اس کے بعد دجال ایک ویرانہ پر سے گزرے گا اور اس کو حکم دے گا وہ اپنے خزانوں کو نکال دے چنانچہ وہ ویرانہ دجال کے حکم کے مطابق اپنے خزانوں کو اگل دے گا اور) وہ خزانے اس طرح اس کے پیچھے پیچھے ہولیں گے جس طرح شہد کی مکھیوں کے سردار ہوتے ہیں، پھر دجال ایک شخص کو جو جوانی سے بھرپور یعنی نہایت قوی وتوانا جوان ہوگا اپنی طرف بلائے گا اور (اس بات سے غصہ ہو کر کہ وہ اس کی الوہیت سے انکار کر دے گا، یا محض اپنی طاقت وقدرت ظاہر کرنے اور اپنے غیر معمولی کارناموں کی ابتداء کے لئے) اس پر تلوار کا ایسا ہاتھ مارے گا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے جیسا کہ تیر نشانے پر پھینکا جاتا ہے (یعنی اس کے جسم کے وہ دونوں ٹکڑے ایک دوسرے سے اس قدر فاصلہ پر جا کر گریں گے جتنا فاصلہ تیر چلانے والے اور اس کے نشانے کے درمیان ہوتا ہے اور بعض حضرات نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اس کی تلوار کا ہاتھ اس کے جسم پر اس طرح پہنچے گا جس طرح تیر اپنے نشانہ پر پہنچتا ہے) اس کے بعد دجال اس نوجوان (کے جسم کے ان ٹکڑوں) کو بلائے گا، چنانچہ وہ زندہ ہو کر دجال کی طرف متوجہ ہوگا اور اس وقت اس کا چہرہ نہایت بشاش، روشن اور کھلا ہوا ہوگا غرضیکہ دجال اسی طرح کی فریب کاریوں اور گمراہ کرنے والے کاموں میں مشغول ہوگا کہ اچانک اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کو نازل فرمائے گا جو دمشق کے شرقی جانب کے سفید منارہ پر سے اتریں گے، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوں گے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے (آسمان سے نازل ہونگے وہ جس وقت اپنا سر جھکائیں گے تو پسینہ ٹپکے گا اور جب سر اٹھائیں گے تو ان کے سر سے چاندی کے دانوں کی مانند قطرے گریں گے جو موتیوں کی طرح ہوں گے، یہ ناممکن ہوگا کہ کسی کافر تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی ہوا پہنچے اور وہ مر نہ جائیں (یعنی جو بھی کافر ان کے سانس کی ہوا پائے گا مر جائے گا) اور ان کے سانس کی ہوا ان کی حد نظر تک جائے گی پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ وہ اس کو باب لد پر پائیں گے اور قتل کر ڈالیں گے، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے دجال کے مکر وفریب اور فتنہ سے محفوظ رکھا ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے چہروں سے گرد وغبار صاف کریں گے اور ان کو ان درجات ومراتب کی بشارت دیں گے جو وہ جنت میں پائیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی حال میں ہوں گے کہ اچانک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس یہ وحی آئے گی کہ میں نے اپنے بہت سے ایسے بندے پیدا کیے ہیں جن سے لڑنے کی قدرت وطاقت کوئی نہیں رکھتا۔ لہٰذا تم میرے بندوں کو جمع کر کے کوہ طور کی طرف لے جاؤ اور ان کی حفاظت کرو، پھر اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کو ظاہر کرے گا جو ہر بلند زمین کو پھلانگتے ہوئے اتریں گے اور دوڑیں گے، (ان کی تعداد اتنی زیادہ ہوگی کہ جب ان کی سب سے پہلی جماعت بحیرۂ طبریہ سے گزرے گی تو اس کا سارا پانی پی جائے گی، پھر جب اس جماعت کے بعد آنے والی جماعت وہاں سے گزرے گی تو بحیرۂ طبریہ کو خالی دیکھ کر) کہے گی کہ اس میں کبھی پانی تھا اس کے بعد یاجوج وماجوج آگے بڑھیں گے یہاں تک کہ جبل خمر تک پہنچ جائیں گے جو بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے (اور ظلم وقتل، غارت گری، اذیت رسانی اور لوگوں کو پکڑنے قید کرنے میں مشغول ہو جائیں گے اور پھر کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو ختم کر دیا ہے، چلو آسمان والوں کا خاتمہ کر دیں، چنانچہ وہ آسمان کی طرف اپنے تیر پھینکیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلود کر کے لوٹا دے گا (تاکہ وہ اس بھرم میں رہیں کہ ہمارے تیر واقعۃً آسمان والوں کا کام تمام کر کے واپس آئے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ڈھیل دے دی جائے گی، اور یہ احتمال بھی ہے کہ وہ تیر فضا میں پرندوں کو لگیں گے اور ان کے خون سے آلودہ ہو کر واپس آئیں گے، پس اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ دجال کا فتنہ زمین ہی تک محدود نہیں رہیں گا بلکہ زمین کے اوپر بھی پھیل جائے گا) اس عرصہ میں خدا کے نبی اور ان کے رفقاء یعنی حضرت عیسیٰ اور اس وقت کے مؤمن کوہ طور پر روکے رکھے جائیں گے، اور (ان پر اسباب معیشت کی تنگی وقلت اس درجہ کو پہنچ جائے گی کہ) اس

کے لئے بیل کا سر تمہارے آج کے سو دیناروں سے بہتر ہوگا (جب یہ حالت ہو جائے گی تو) اللہ کے نبی حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کے ساتھی یاجوج ماجوج کی ہلاکت کے لئے دعا وزاری کریں گے، پس اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں نغف یعنی کیڑے پڑ جانے کی بیماری بھیجے گا جس کی صورت میں ان پر خدا کا قہر اس طرح نازل ہوگا کہ سب کے سب ایک ہی وقت میں موت کے گھاٹ اتر جائیں گے) اللہ کے نبی حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کے ساتھی (اس بات سے آگاہ ہو کر) پہاڑ سے زمین پر آئیں گے اور انہیں زمین پر ایک بالشت کا ٹکڑا بھی ایسا نہیں ملے گا جو یاجوج ماجوج کی چربی اور بدبو سے خالی ہو (اس مصیبت کے دفعیہ کے لئے) حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تب اللہ تعالیٰ بختی اونٹ کی گردن جیسی لمبی لمبی گردنوں والے پرندوں کو بھیجے گا جو یاجوج ماجوج کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی وہاں پھینک دیں گے" اور مسلمان یاجوج ماجوج کی کمانوں، تیروں اور ترکشوں کو سات سال تک جلاتے رہیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ایک زوردار بارش بھیجے گا جس سے کوئی بھی مکان خواہ وہ مٹی کا ہو یا پتھر کا اور خواہ صوف کا ہو، نہیں بچے گا وہ بارش زمین کو دھو کر آئینہ کی مانند صاف کر دے گی پھر زمین کو حکم دیا جائے گا کہ اپنے پھلوں "یعنی اپنی پیداوار کو نکال اور اپنی برکت کو واپس لا، چنانچہ (زمین کی پیداوار اس قدر بابرکت اور بافراط ہوگی کہ) دس سے لے کر چالیس آدمیوں تک کی پوری جماعت ایک انار کے پھل سے سیر ہو جائے گی اور اس انار کے چھلکے سے لوگ سایہ حاصل کریں گے، نیز دودھ میں برکت دی جائے گی (یعنی اونٹ اور بکریوں کے تھنوں میں دودھ بہت ہوگا) یہاں تک کہ دودھ دینے والی ایک اونٹنی لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگی، دودھ دینے والی ایک گائے لوگوں کے ایک قبیلہ کے لئے کافی ہوگی اور دودھ دینے والی ایک بکری آدمیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے لئے کافی ہوگی۔ بہرحال لوگ اسی طرح کی خوش حالی اور امن وچین کی زندگی گزار رہے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک خوشبودار ہوا بھیجے گا جو ان کی بغل کے نیچے کے حصہ کو پکڑے گی (یعنی اس ہوا کی وجہ سے ان کی بغلوں میں ایک درد پیدا ہوگا) اور پھر وہ ہوا ہر مؤمن اور ہر مسلمان کی روح قبض کر لے گی اور صرف بدکار شریر لوگ دنیا میں باقی رہ جائیں گے جو آپس میں گدھوں کی طرح مختلط ہو جائیں گے اور ان ہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔

اس پوری روایت کو مسلمؒ نے نقل کیا ہے علاوہ دوسری روایت کے ان الفاظ تطرحهم بالنهبل تاسبع سنين کے کہ اس کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے۔

تشریح: "تو میں اس سے تمہارے سامنے جھگڑوں۔" میں اس طرف اشارہ ہے کہ بالفرض اگر آنحضرت ﷺ کی حیات میں دجال کا ظہور ہوتا تو آنحضرت ﷺ دلیل وحجت کے ذریعہ اس پر غالب آنے کے لئے اپنی امت میں سے کسی معاون ومددگار کی مدد کے محتاج نہیں تھے! بہرحال مذکورہ بالا جملہ کی وضاحت کے سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ یہ بات خود حضور ﷺ کو معلوم تھی کہ دجال کا ظہور زمانہ نبوی کے بعد ہوگا جیسا کہ دوسری احادیث اور دیگر دلائل وقرائن سے واضح ہے لیکن اس کے باوجود حضور ﷺ کا مذکورہ جملہ ارشاد فرمانا دراصل دجال کے ظاہر ہونے کی حقیقت کو زیادہ یقین کے ساتھ بیان کرنے اور موکد کرنے، اس کے ظہور کے وقت کے مبہم ہونے کی طرف اشارہ کرنے اور جن لوگوں کا دجال سے سابقہ پڑنے والا ہے ان کو اس کے فتنہ سے چوکنا کرنے کے پیش نظر تھا۔

"تو پھر تم میں سے ہر شخص اپنی ذات کی طرف سے اس سے جھگڑنے والا" کا مطلب یہ ہے کہ دجال کے ظاہر ہونے کے وقت جو مسلمان اس دنیا میں ہوں گے ان میں سے ہر ایک کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس کے شر سے بچنے کے لئے شرعی وقطعی اور عقلی دلائل کے ذریعہ اس سے بحث ومباحثہ کرے اور اس پر غالب آئے لیکن یہ بات فرض کر لینے کے بعد کہ دجال بحث ومباحثہ کو سننے اور دلائل کو تسلیم کرنے والا ہوگا ورنہ اس جملہ کے اصل معنی یہ ہوں گے کہ اس وقت ہر مؤمن کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ دجال کی تکذیب کرے، اس کی بات کو قبول کرنے اور اس کو تکلیف واذیت پہنچانے کی صورت اختیار کر کے اس کے شر سے اپنے کو بچائے۔

"میرا وکیل وخلیفہ ہر مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ ہے" میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ میرے بعد اللہ تعالیٰ ہر مؤمن ومسلمان کا حافظ وناصر ہوگا اور دجال کے فتنہ سے بچنے میں مدد دے گا پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کامل یقین رکھنے والا مؤمن ہمیشہ مدد ونصرت

پاتا ہے اگرچہ ان کے درمیان نبی ﷺ وامام موجود نہ ہو، اس اعتبار سے حدیث فرقہ امامیہ کے خلاف مضبوط دلیل ہے۔

"دجال جوان ہوگا۔" سے یہ ثابت ہوا کہ ابن صیاد پر دجال کا اطلاق کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، ان الفاظ سے اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ سفید بالوں کی صورت میں کسی شخص کو جو وقار حاصل ہوتا ہے اس سے دجال محروم ہوگا۔

"عبدالعزی ابن قطن" ایک یہودی کا نام تھا، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی مشرک تھا کیونکہ "عزی" ایک بت کا نام ہے۔ اس کی طرف عبد یعنی بندہ کی نسبت رکھنے والا مشرک ہی ہوسکتا ہے، اس کی تائید بعض حضرات کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ عبدالعزی قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص تھا جو زمانہ جاہلیت میں مرچکا تھا آنحضرت ﷺ نے دجال کو عبدالعزی کے ساتھ جو تشبیہ دی تو اس میں جزم کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ "گویا" کا لفظ اظہار شک کے مذکورہ تشبیہ کو تاکیدی انداز میں بیان کرنے کے لئے ہے، چنانچہ ملا علی قاریؒ نے بھی وضاحت کی ہے کہ کانی یعنی گویا کا لفظ اظہار شک کے لئے نہیں ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یعنی عبدالعزی، اس کا تعارف آپ ﷺ کو عالم کشف یا خواب میں حاصل ہوا تھا اس لئے اس کے ساتھ دجال کو تشبیہ دیتے وقت آپ ﷺ نے کانی کا لفظ استعمال فرمایا جیسا کہ کسی خواب کو بیان کرنے کا یہی اسلوب معتبر ہے۔

سورۂ کہف کی ابتدائی آیتوں سے مراد شروع سے ان یقولون الا کذبا تک کی آیتیں ہیں آیتوں کو دجال کے سامنے پڑھنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ ان میں جو مضامین مذکور ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت، اس کی کتاب اور آیات بینات کے ثبوت اس کے رسول ﷺ کی صداقت، اور رسول کی اس اعجازی شان پر دلالت کرتے ہیں جس کی برکت سے دجال کے محیر العقول کارنامے ملیامیٹ ہوکر رہ جائیں گے اور اس کی اتباع کرنے والے ہلاکت وتباہی کے علاوہ اور کچھ نہیں پائیں گے! طیبیؒ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ سورۂ کہف کی ابتدائی آیتیں یہ خاصیت رکھتی ہیں کہ ان کا پڑھنے والا دجال کے فتنہ سے امن وحفاظت میں رہے گا جیسا کہ اصحاب کہف نے اپنے زمانے کی سب سے بڑی طاقت سے شر وفتنہ سے امان ونجات پائی تھی واضح رہے کہ بعض احادیث میں ان آیتوں کو رات میں سوتے وقت بھی پڑھنا منقول ہے! مسلم کی دوسری روایت میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ فانھا جوار کم من فتنۃ (کیونکہ وہ آیتیں تمہیں دجال کے فتنہ سے محفوظ ومامون رکھیں گی) تو اکثر صحیح نسخوں میں "جوار" کا لفظ جیم کے زیر اور آخر میں رَ کے ساتھ ہے، جس کے معنی ہمسائیگی اور امان کے ہیں، لیکن بعض نسخوں میں یہ لفظ جیم کے زبر اور آخر میں زَا کے ساتھ، یعنی "جواز" منقول ہے، جس کے معنی اس پروانہ راہ داری کے ہیں جس کی بنیاد پر کوئی شخص سفر کرتا ہے اور راستہ میں اس کو کوئی روک ٹوک نہیں کرتا پھر بعض شروح میں "جوار" کا جیم زبر اور پیش کے ساتھ بیان کیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ جیم کے زیر کے ساتھ ہی فصیح ہے اس موقع پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ حصن حصین میں سورہ کہف کے تعلق سے متعدد روایتیں منقول ہیں مثلاً ایک روایت میں یہ ہے کہ جس شخص نے سورۂ کہف پڑھ لی اس کو اس کے پاس سے لے کر مکہ مکرمہ تک کی نورانیت حاصل ہوتی ہے اور جس شخص نے اس سورۃ کی آخری دس آیتیں پڑھیں اور پھر اس کے زمانہ میں دجال نکل آئے تو دجال اس پر تسلط پانے میں ناکام رہے گا ایک اور روایت میں یہ ہے کہ جس شخص نے سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں یاد کرلیں وہ دجال سے محفوظ ہوگیا ایک روایت میں یوں فرمایا گیا ہے کہ جس شخص نے سورہ کہف کی ابتدائی تین آیتیں پڑھ لیں وہ دجال سے محفوظ ہوگیا ان آخری دونوں روایتوں میں دس آیتوں اور تین آیتوں کی صورت میں جو ظاہری تضاد ہے اس کو ختم کرنے کے لئے یوں تو بہت سے اقوال ہیں لیکن زیادہ واضح قول یہ ہے کہ سورۂ کہف کا کم سے کم حصہ کہ جس کا پڑھنا دجال کے شر سے محفوظ رکھے گا تین آیتیں ہیں اور ان تین آیتوں کو حفظ کرلینا اولی ہے لہٰذا یہ بات زیادہ حصہ مثلاً دس آیتوں کے پڑھنے یا اس اس کو حفظ کرنے کے منافی نہیں ہے۔

"اور وہ دائیں بائیں فساد پھیلائے گا۔" سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ دجال جن شہروں اور علاقوں سے گزرے گا صرف انہی جگہوں پر فتنہ وفساد پھیلانے پر اکتفا نہیں کرے گا بلکہ وہ اپنے دائیں بائیں اور ادھر ادھر، جہاں خود نہیں جاسکے گا اپنے لشکر اور اپنے تابعداروں کی جماعت بھیجے گا، اس طرح اس کے فتنہ وشر سے کوئی مؤمن امن میں نہیں ہوگا اور ایسی کوئی جگہ باقی نہیں بچے گی

جہاں اس کا فتنہ نہ پہنچے۔

اے اللہ کے بندو، تم ثابت قدم رہنا۔" یہ خطاب ان مؤمنین سے ہے جو دجال کے زمانہ میں ہوں گے، یا آپ ﷺ نے یہ بات اپنے صحابہؓ سے فرمائی کہ اگر بالفرض تم دجال کا زمانہ پاؤ تو اس وقت دین پر مضبوطی سے قائم رہنا۔

"چالیس دن" کے سلسلے میں یہ ملحوظ رہے کہ یہاں مسلم کی روایت میں تو دجال کی مدت قیام چالیس دن فرمائی گئی ہے جب کہ آگے آنے والی ایک حدیث میں یہ مدت چالیس سال بیان کی گئی ہے پس بغویؒ نے شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ چالیس سال بیان کرنے والی حدیث صحت واستناد کے اعتبار سے اس درجہ کی نہیں ہے کہ اس کو مسلم کی اس روایت کے معارض قرار دیا جاسکے، اور اگر بالفرض اس کو اس درجہ کی صحیح حدیث بھی تسلیم کرلیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ ان دونوں حدیثوں میں جو الگ الگ دو مدتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک مدت تو وہ ہے جس میں دنیا والوں پر اس کا ظہور ہی نہیں ہوگا بلکہ اس دنیا میں اس کی موجودگی غیر معلوم ہوگی اور دوسری مخصوص مدت ہے جس کے دوران دنیا والوں پر ظاہر رہے گا اور انہیں تعین کے ساتھ اس کی موجودگی کا علم ہوگا۔

"نماز پڑھنے کے لئے ایک دن کا حساب لگانا ہوگا۔" کا مطلب یہ ہے کہ جب طلوع فجر کے بعد اتنا وقت گزر جائے جو عام دنوں کے اعتبار سے فجر اور ظہر کے درمیان ہوتا ہے تو اس وقت ظہر کی نماز پڑھی جائے اور جب ظہر کے بعد اتنا وقت گزر جائے جو عام دنوں میں ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا ہے تو اس وقت عصر کی نماز پڑھی جائے اور جب عصر کے بعد اتنا وقت گزر جائے، جو عام دنوں میں عصر مغرب کے درمیان ہوتا ہے تو اس وقت مغرب کی نماز پڑھی جائے۔ اسی حساب سے عشاء و فجر کی نماز پڑھی جائے۔ غرضیکہ پانچوں نمازیں اس اندازے اور حساب سے پڑھی جائیں گی یہاں تک کہ وہ دن، ایک برس کے برابر ہو کر گزر جائے نیز یہی اندازہ اور حساب ان دنوں میں اختیار کیا جائے گا جو ایک مہینہ اور ایک ہفتہ کے برابر ہوں گے واضح رہے کہ مذکورہ دنوں کی طوالت کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ حقیقت میں اتنے ہی طویل ہوں گے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ شب و روز کی گردش کو مختصر سے مختصر اور طویل سے طویل کر سکتا ہے اس بارے میں بعض حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ وہ دن حقیقت میں اس قدر طویل نہیں ہوں گے بلکہ ہجوم افکار اور کثرت آلام کی بنا پر اس قدر طویل معلوم ہوں گے تو یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے اس کی سب سے بڑی دلیل صحابہؓ کا آنحضرت ﷺ سے مذکورہ سوال کرنا اور آنحضرت ﷺ کا انہیں یہ جواب دینا ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے ایک دن کا حساب لگانا ہوگا نیز بعض حضرات جو یہ اشکال ظاہر کرتے ہیں کہ نماز تو وقتوں یعنی سورج کے طلوع و غروب وغیرہ کے اعتبار سے مقرر ہوتی ہے اور جب ان طلوع و غروب وغیرہ کا وقت ہی نہیں ہوگا تو نمازیں کس طرح پڑھی جائیں گی؟ تو یہ اشکال بالکل لغو ہے، حقیقت یہ ہے کہ اصل چیز شارع کا حکم ہے جب شارع علیہ السلام نے اس مخصوص دن کے لئے مذکورہ حکم ارشاد فرمادیا ہے تو پھر کسی کو چون وچرا کی کیا گنجائش ہے تورپشتیؒ وغیرہ نے اس موقع پر مذکورہ اشکال کے اور جواب بھی لکھے ہیں، اہل علم مرقات میں دیکھ سکتے ہیں۔

"ان کے کوہان بڑے بڑے ہو جائیں گے۔" میں کوہان "ذری" کا ترجمہ ہے جو "ذروہ" کی جمع ہے، جس کے اصل معنی بلندی، بلند جگہ کے ہیں، اسی اعتبار سے اونٹ کے کوہان پر بھی ذروۃ کا اطلاق ہوتا ہے اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ جو جانور چرنے کے لئے جنگل گئے ہوں گے وہ بہت فربہ ہو کر واپس آئیں گے۔

"پھر اس قوم کے لوگ قحط و خشک سالی اور تباہ حالی کا شکار ہو جائیں گے" کے ذریعہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ مؤمن چونکہ دجال کی بات کو قبول کرنے اور اس کی پیروی سے انکار کردیں گے اس لئے وہ دجال کی طرف سے طرح طرح کی سختیوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیے جائیں لیکن وہ ان تمام سختیوں اور مصائب کو صبر وشکر کے ساتھ براشت کریں گے اور اپنے دین و عقیدہ پر قائم رہیں گے، اور یہ اس وجہ سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی ﷺ کی برکت سے ان مؤمنوں کو اولیاء کاملین کی صفات و خصوصیات عطاء فرمادے گا۔

فتتبعہ کنوزھا کیعاسیب النحل (وہ خزانے اس طرح اس کے پیچھے پیچھے ہو لیں گے جس طرح شہد کی مکھیوں کے سردار ہوتے ہیں "یعاسیب" اصل میں "یعسوب" کی جمع ہے جس کے معنی ہیں شہد کی مکھیوں کا سردار، حاصل یہ کہ جس طرح "یعسوب" آگے

ہوتا ہے اور شہد کی مکھیاں اس کے ساتھ پیچھے پیچھے ہوتی ہیں اس طرح دجال کے ساتھ خزانے اس کے پیچھے پیچھے ہوں گے اور سردار کے تعلق کی مناسبت سے قوم و جماعت کے سربراہ کو بھی "یعسوب" کہا جاتا ہے، جیسا کہ دیلمیؒ نے حضرت علیؓ کے بارے میں یہ مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ علي يعسوب المؤمنين والمال يعسوب المنافقين یعنی علیؓ مؤمنوں کے سردار ہیں کہ تمام مؤمن ان کی اتباع کرتے ہیں اور ان کی امان و پناہ میں رہتے ہیں) اور مال منافقوں کا سردار ہے (کہ منافق مال و زر کے پیچھے رہتا ہے اور اس کی امان و پناہ میں رہنا چاہتا ہے) نیز حضرت ابوبکرؓ کی مدح میں بھی منقول ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کے مرثیہ میں فرمایا تھا کنت للدين يعسوب (یعنی اے ابوبکرؓ آپ تو دین کے رئیس اور سردار تھے۔

"جو دمشق کے مشرقی جانب کے سفید منارہ پر اتریں گے۔" اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں اتریں گے، لیکن ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ بیت المقدس میں، ایک روایت میں اردن میں اترنا منقول ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے اجتماع گاہ میں اتریں گے واضح رہے کہ جس روایت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیت المقدس میں اترنا منقول ہے وہ ابن ماجہؒ کی ہے اور اسی کو راجح قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ حقیقت میں یہ دوسری روایتوں کے منافی نہیں ہے اس وجہ سے کہ بیت المقدس، دمشق کے جانب مشرق میں واقع ہے، بیت المقدس مسلمانوں کا اجتماع گاہ بھی ہے اور بیت المقدس اردن ہی کا علاقہ ہے، صرف ایک چیز رہ جاتی ہے اور یہ کہ بیت المقدس میں سفید منارہ نہیں ہے، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے سے پہلے المقدس میں منارہ بھی بن سکتا ہے۔

بين مهزودتين (اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوں گے) میں لفظ مہزودتین دال سے بھی منقول ہے اور ذال سے بھی اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ آسمان سے اترنے کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم پر جو دو کپڑے ہوں گے وہ زعفران سے یا عصفر (زرد رنگ کی ایک گھاس) سے رنگے ہوئے ہوں گے۔

واذا رفعه تحدر منه مثل جمان اللؤلؤ۔ (اور جب سر اٹھائیں گے تو ان کے بالوں سے چاندی کے دانوں کی مانند قطرے گریں گے جو موتیوں کی طرح ہوں گے) کا مطلب یہ ہے کہ ان سے ٹپکنے والے پسینہ کے قطرے اس قدر صاف اور سفید ہوں گے جیسا کہ موتیوں کی طرح چاندی کے دانے ہوتے ہیں۔ نہایہ میں لکھا ہیں کہ لفظ جمان عذاب کے وزن پر ہے اور اس کے معنی ہیں چاندی کے بنے ہوئے بڑے بڑے موتی اس کا واحد جمانتہ ہے! طیبیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پسینہ کے قطروں کو پہلے تو بڑائی میں جمان کے ساتھ تشبیہ دی اور پھر صفائی اور خوشنمائی کے اعتبار سے جمان کو موتی کے ساتھ تشبیہ دی! اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ لفظ "جمان" میم کی تشدید کے ساتھ تو چھوٹے موتی کو کہتے ہیں اور جمان جیم کی تشدید کے بغیر، ان دانوں کے کہتے ہیں جو چاندی کے بنائے گئے ہوں، اور یہاں یہی دوسرے معنی مراد ہیں اور حاصل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اپنا سر جھکائیں گے تو ان کے سر کے بالوں میں نورانی قطرے ظاہر ہونگے اور جب سر اٹھائیں گے تو وہ قطرے ٹپک پڑیں گے یہ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شادابی و تازگی اور ان کے جمال و طراوت سے کنایہ ہے۔

"یہ ناممکن ہوگا کہ کسی کافر تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی ہوا پہنچے اور وہ مر نہ جائے" اس جملہ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حکم میں خود دجال شامل کیوں نہیں ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دجال کو اس حکمت و مصلحت کے پیش نظر اس حکم سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہو اور وہ اس کے خون سے آلود اپنا نیزہ لوگوں کو دکھائیں تاکہ مؤمنین کے ذہن میں دجال کا ساحر و فریب کار ہونا ظاہر ہو اور اپنی آنکھوں سے اس کے فریب کا پردہ چاک ہوتے دیکھ لیں یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سانس کی ہوا سے کافروں کا مر جانا ان کی ایک ایسی کرامت ہوگی جو ان کے آسمان سے اترنے کے وقت یا اس کے کچھ بعد تک ظاہر رہے گی اور پھر جب وہ دجال کی طرف متوجہ ہوں گے تو یہ کرامت اٹھالی جائے گی، چنانچہ کسی کرامت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ

ہمیشہ اور ہر وقت ظاہر رہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ کرامت ان کے معمول کے مطابق ہر آنے والے سانس کی نہیں ہوگی بلکہ اس کا تعلق صرف اس مخصوص سانس سے ہوگا جس سے کسی کافر کو مارنا مقصود ہوگا سبحان اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اعجازی شان کے کیا کہنے، ایک وہ وقت تھا جب وہ اپنی پھونک سے مردہ کو زندہ کر دیتے تھے اور ایک وہ وقت ہوگا کہ ان کے سانس کی ہوا سے زندہ لوگ موت کے گھاٹ اتریں گے۔

لد (لام کے پیش اور دال کی تشدید کے ساتھ) شام کے ایک پہاڑ کا نام ہے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ لد بیت المقدس کے ایک گاؤں کا نام ہے اور بعض حضرات کے نزدیک وہ فلسطین کے ایک گاؤں کا نام ہے۔

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے چہروں سے گرد و غبار صاف کریں گے" ہو سکتا ہے کہ چہروں سے گرد و غبار کا صاف کرنا اپنے ظاہری معنی پر محمول ہو، کہ واقعۃً حضرت عیسیٰ علیہ السلام ازراہ لطف و کرم ان لوگوں کے چہروں سے گرد و غبار صاف کریں گے، یا اس جملہ کے ذریعہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے دلوں سے دجال کا خوف دور کریں گے اور ان کو راحت و اکرام کے اسباب فراہم کر کے ان کی تعب و کلفت کو ختم کریں گے۔

"بحیرۂ طبریہ" اضافت کے ساتھ ہے، اور لفظ "بحیرہ" اصل میں بحرۃ کی تصغیر ہے جس کے معنی اس جگہ کے ہیں جہاں پانی جمع ہوتا ہے جیسے سمندر یا بڑا دریا، چنانچہ بحیرہ کے معنی چھوٹے دریا یعنی جھیل کے ہیں، بحیرۂ طبریہ اس جھیل کو کہتے ہیں جو دس کوس لمبی ہے اور شام کے علاقہ طبریہ میں واقع ہے۔

"جبل خمر" ایک پہاڑ کا نام ہے خمر اصل میں گھنی جھاڑی کو کہتے ہیں یا اس زمین کو کہتے ہیں جو درختوں اور جھاڑیوں میں چھپی ہوئی ہو، چنانچہ اس پہاڑ پر درخت اور گھنی جھاڑیاں بہت ہیں اس لئے اس کو جبل خمر کا نام دیا گیا۔

"ان کے لئے بیل کا سر تمہارے آج کے سو دیناروں سے بہتر ہوگا" کے ذریعہ اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ لوگوں کو اشیاء کی قلت اور بے تحاشا گرانی اس طرح گھیرلے گی کہ معمولی چیز بڑی سے بڑی قیمت پر مشکل سے دستیاب ہوگی۔ مثلاً جانور کے تمام اعضاء میں سب سے سستا کلہ کا گوشت سمجھا جاتا ہے مگر اس وقت ان لوگوں کے نزدیک اسی کلہ کا گوشت ایک سو دینار میں بھی بہت غنیمت معلوم ہوگا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دوسرے اجزاء کے گوشت کی اہمیت ان کے نزدیک کیا ہوگی اور وہ کس قدر بیش قیمت ہوں گے۔

"وہ پرندے ان کی لاشوں کو "نہبل" میں ڈال دیں گے) یہ لفظ نون کے زبر، ہ کے جزم اور بے کے زبر کے ساتھ "نہبل" ہے، اور مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں اسی طرح منقول ہے، یہ دراصل ایک جگہ کا نام ہے جو بیت المقدس کے علاقہ میں واقع ہے، لیکن مجمع البحار میں کرمانیؒ سے منقول ہے کہ یہ لفظ میم کے ساتھ "منہل" ہے جس کے معنی زمین میں گہرے گڑھے کے ہیں! قاموس میں لام کے باب اور میم کی فصل میں لفظ "منہل" کے معنی پہاڑ سے گر پڑنے کے لکھے ہیں نیز کہا ہے کہ ترمذیؒ نے دجال سے متعلق حدیث میں فطرحہم بالنہبل (یعنی "نہبل" کا لفظ ذکر کیا ہے جب کہ زیادہ صحیح میم کے ساتھ "منہل" ہے۔

جس نے کوئی بھی مکان خواہ وہ مٹی کا ہو یا پتھر اور خواہ صوف کا ہو نہیں بچے گا۔" میں مٹی اور پتھر کے مکان سے شہری علاقے اور صوف (یعنی خیموں اور چھپر) کے مکان سے دیہاتی اور جنگلی علاقے مراد ہیں، حاصل یہ کہ وہ بارش ہر جگہ اور ہر علاقہ میں برسے گی، ایسی کوئی جگہ نہیں ہوگی جہاں اس بارش کا پانی نہ پہنچے اور کوئی دیوار و خیمہ وغیرہ اس پانی کو کسی بھی جگہ پہنچنے سے روک نہیں سکے گا! واضح رہے کہ لفظ "لایکن" تیٰ کے زبر اور کاف کے پیش کے ساتھ کُنَّ سے بھی منقول ہے اور تیٰ کے پیش کاف کے زبر کے ساتھ "اکنان" سے بھی نقل کیا گیا ہے، ویسے دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی حفاظت و پوشیدگی۔

"اور اس انار کے چھلکے سے لوگ سایہ حاصل کریں گے۔" کے بارے میں ایک شارحؒ نے کہا ہے کہ "چھلکے" سے انار کے اوپر کا آدھا چھلکا مراد ہے اصل میں "قحف" اس گول ہڈی (یعنی کھوپڑی) کو کہتے ہیں جو دماغ کے اوپر ہوتی ہے، اور لکڑی کے پیالہ کو بھی "قحف"

کہتے ہیں لہٰذا اس مشابہت کی وجہ سے حدیث میں انار کے چھلکے کو "قحف" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

"الفئام من النّاسِ" (لوگوں کی ایک بڑی جماعت) میں لفظ "فئام" دجال کے وزن پر ہمزہ کے ساتھ ہے، اور عام بول چال میں ہمزہ کو ئ سے بدل دیتے ہیں، بہر حال یہ لفظ "آدمیوں کی جماعت۔" کے معنی میں ہے اور یہاں اس سے مراد لوگوں کی اتنی بڑی جماعت ہے جس پر "قبیلہ" سے زیادہ لوگوں کا اطلاق ہو، جیسا کہ "قبیلہ کا اطلاق، لوگوں کی اس جماعت پر ہوتا ہے جو "فخذ" سے زیادہ ہو اور "فخذ" یہاں فَ کے زبر اور خ کے جزم کے ساتھ ہے، جس کے معنی صرف عزیز و اقربا کی جماعت کے ہیں، اور اس کا اطلاق لوگوں کی اس جماعت پر ہوتا ہے جو "بطن" سے کم ہو اور "بطن" کا اطلاق "قبیلہ، سے بھی کم جماعت پر ہوتا ہے! ویسے فخذ "خ" کے زیر کے ساتھ بلکہ خ کے جزم کے ساتھ بھی) کے معنی "ران" کے آتے ہیں۔

"اور پھر وہ ہوا ہر مؤمن ہر مسلمان کی روح قبض کرلے گی" میں ہوا کی طرف روح قبض کرنے کی نسبت مجازی ہے، حقیقت میں روح کو قبض کرنے کا کام ملک الموت (یعنی موت کے فرشتے) کا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ارواح قبض کرتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ بیان ہو چکی ہے کہ مؤمن اور مسلم دونوں ایک ہی ہیں، جو مؤمن ہے وہ مسلمان ہے اور جو مسلمان ہے وہ مؤمن ہے، البتہ ان دونوں کے درمیان جو لطیف فرق علماء نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ مؤمن تو تصدیق قلبی کے اعتبار سے کہتے ہیں جس کا تعلق باطن سے ہوتا ہے اور مسلمان ظاہری انقیاد و اطاعت کے اعتبار سے کہتے ہیں، لہٰذا یہاں ان دونوں کو الگ الگ بیان کرنے سے مراد تاکید بھی ہے اور تعمیم بھی اس حکم کے دائرے سے کوئی بھی باہر نہ رہے۔

"جو آپس میں گدھوں کی طرح مختلط ہو جائیں گے" کے بارے میں بعض شارحین نے کہا ہے کہ یہاں اختلاط سے مراد جماع کرنا یعنی وہ لوگ بے حیا اور بے لحاظ ہو کر علانیہ لوگوں کے سامنے جماع کریں گے جیسا کہ گدھے کرتے ہیں چنانچہ "ھرج" کا لفظ جماع کے معنی میں بھی آتا ہے۔

"اور انہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی" کا مطلب یہ ہے کہ جب قیامت آئے گی تو اس وقت اس دنیا میں صرف وہی بدکار و اشرار لوگ (یعنی کفار و فجار ہوں گے، ان کے برعکس اچھے یعنی مؤمنین و صالحین نہ اس وقت اس دنیا میں موجود ہوں گے اور نہ ان پر قیامت قائم ہوگی چنانچہ آگے ایک حدیث آرہی ہے اس میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ روئے زمین پر اللہ اللہ کہنا بند نہ ہو جائے گا (یعنی قیامت اسی وقت آئے گی جب روئے زمین پر ایک بھی اللہ کا نام لیوا باقی نہیں رہے گا۔

دجال کے کارناموں کا ذکر

(۱۳) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فَيَتَوَجَّهُ قِبَلَهٗ رَجُلٌ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَيَلْقَاهُ الْمَسَالِحُ مَسَالِحُ الدَّجَّالِ فَيَقُوْلُوْنَ لَهٗ اَيْنَ تَعْمِدُ فَيَقُوْلُ اَعْمِدُ اِلٰى هٰذَا الَّذِیْ خَرَجَ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَهٗ اَوَمَا تُؤْمِنُ بِرَبِّنَا فَيَقُوْلُ مَا بِرَبِّنَا خَفَاءٌ فَيَقُوْلُوْنَ اقْتُلُوْهُ فَيَقُوْلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اَلَيْسَ قَدْ نَهٰكُمْ رَبُّكُمْ اَنْ تَقْتُلُوْا اَحَدًا دُوْنَهٗ فَيَنْطَلِقُوْنَ بِهٖ اِلَى الدَّجَّالِ فَاِذَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ هٰذَا الدَّجَّالُ الَّذِیْ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَيَاْمُرُ الدَّجَّالُ بِهٖ فَيُشَبَّحُ فَيَقُوْلُ خُذُوْهُ وَشُجُّوْهُ فَيُوْسَعُ ظَهْرُهٗ وَبَطْنُهٗ ضَرْبًا قَالَ فَيَقُوْلُ اَوَمَا تُؤْمِنُ بِیْ قَالَ فَيَقُوْلُ اَنْتَ الْمَسِيْحُ الْكَذَّابُ قَالَ فَيُؤْمَرُ بِهٖ فَيُؤْشَرُ بِالْمِيْشَارِ مِنْ مَفْرِقِهٖ حَتّٰى يُفَرَّقَ بَيْنَ رِجْلَيْهِ قَالَ ثُمَّ يَمْشِی الدَّجَّالُ بَيْنَ الْقِطْعَتَيْنِ ثُمَّ يَقُوْلُ لَهٗ قُمْ فَيَسْتَوِیْ قَائِمًا ثُمَّ يَقُوْلُ لَهٗ اَتُؤْمِنُ بِیْ فَيَقُوْلُ مَا ازْدَدْتُ فِيْكَ اِلَّا بَصِيْرَةً قَالَ ثُمَّ يَقُوْلُ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَا يَفْعَلُ بَعْدِیْ بِاَحَدٍ مِنَ النَّاسِ قَالَ فَيَاْخُذُهُ الدَّجَّالُ لِيَذْبَحَهٗ فَيُجْعَلُ مَا بَيْنَ رَقَبَتِهٖ اِلٰى تَرْقُوَتِهٖ نُحَاسًا فَلَا يَسْتَطِيْعُ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ فَيَاْخُذُ بِيَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَيَقْذِفُ بِهٖ فَيَحْسَبُ النَّاسُ اِنَّمَا قَذَفَهٗ اِلَى النَّارِ وَاِنَّمَا اُلْقِیَ فِی الْجَنَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا اَعْظَمُ النَّاسِ شَهَادَةً عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ (رواہ مسلم)

"اور ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دجال نکلے گا تو مسلمانوں میں سے ایک شخص (اس کا شر رفع کرنے کے لئے)

اس کی طرف روانہ ہوگا (راستہ میں) اس شخص کو کچھ مسلح لوگ ملیں گے جو دجال کے محافظ ہوں گے، یہ لوگ اس مسلمان سے پوچھیں گے کہ کہاں جارہے ہو؟ وہ کہے گا کہ میں اس شخص کی طرف جارہا ہوں جو وہاں (فتنہ وفساد پھیلانے کے لئے) نکلا ہے یعنی دجال! آنحضرت ﷺ نے فرمایا (یہ سن کر) دجال کے محافظ اس سے کہیں گے کہ تو ہمارے رب (دجال) پر ایمان کیوں نہیں لے آتا وہ شخص جواب دے گا کہ ہمارے پروردگار کی صفات کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں دجال کے آدمی (یہ سن کر آپس میں کہیں گے کہ اس شخص کو مار ڈالو (جو ہمارے رب پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں ہے) لیکن بعض لوگ آپس ہی میں پھر یہ کہیں گے کہ کیا ہمارے رب دجال نے اس سے منع نہیں کیا کہ ہم کسی کو اس کے حکم کے بغیر نہ ماریں آخر کار وہ لوگ اس مسلمان شخص کو دجال کے پاس لے جائیں گے) اور وہ علامات کے ذریعہ اس کو پہچان لے گا تو کہے گا کہ لوگو! جان لو، یہ وہی دجال ہے جس کا ذکر رسول کریم ﷺ نے (اپنی احادیث کے ذریعہ) فرمایا تھا (کہ فلاں فلاں علامتوں کے ساتھ آخر زمانے میں نکلے گا) آنحضرت نے فرمایا "دجال اس شخص کی بات سنتے ہی آگ بگولا ہو جائے گا اور اس کو چت لٹانے کا حکم دے گا (اور بعض حضرات نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ زمین پر پیٹ کے بل یعنی اوندھا لٹانے کا حکم دے گا جیسا کہ مجرم کو سزا کے مارنے کے لئے اوندھا لٹا دیا جاتا ہے) چنانچہ اس شخص کو چت لٹا دیا جائے گا پھر دجال از راہ تاکید و تشدید) کہے گا کہ اس کو پکڑو اور اس کا توڑ ڈالو چنانچہ اس شخص کی پیٹ پر اس قدر ضربیں لگائی جائیں گی اور مارا جائے گا کہ اس کی پیٹھ اور پیٹ پلپلا ہو جائے گا اور پھیل جائے گا آنحضرت نے فرمایا، اس کے بعد دجال کہے گا کہ کیا تو اب بھی مجھ پر ایمان نہیں لائے گا؟ وہ شخص کہے گا کہ (ہرگز نہیں) تو جھوٹا مسیح ہے پھر (دجال کی طرف سے اس شخص کو چیرنے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دینے) کا حکم دیا جائے گا اور (اس حکم کے مطابق) اس کو آرے سے سر کی طرف سے چیرا جائے گا یہاں تک کہ اس کے دونوں پیروں کے درمیان سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں گے آنحضرت ﷺ نے فرمایا دجال (اپنے کارنامہ پر اتراتا ہوا، ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان ٹہلتا پھرے گا اور پھر کہے گا کہ کھڑا ہو جا، وہ مسلمان شخص (زندہ ہو کر) بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے گا تب دجال کہے گا کہ اب تو مجھ پر ایمان لے آئے گا؟ وہ شخص جواب دیگا کہ (ہرگز نہیں) اب تو میرا یقین اور پختہ ہو گیا اور میری بصیرت اور زیادہ بڑھ گئی ہے (یعنی تو نے جس طرح مجھے پہلے تو قتل کیا اور پھر دوبارہ زندہ کر دیا اس سے مجھے کامل یقین ہو گیا ہے تو جھوٹا دجال ہی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔" اس کے بعد وہ مسلمان شخص (وہاں موجود لوگوں کو مخاطب کر کے) کہے گا کہ لوگو! اچھی طرح جان لو) اس دجال نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے (یعنی پہلے قتل کرنا اور پھر دوبارہ زندہ کر دینا) اب کسی دوسرے آدمی کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا پھر دجال اس شخص کو پکڑ کر ذبح کرنا چاہے گا مگر ہنسلی کی ہڈی تک اس کی گردن کو تانبے کا بنا دیا جائے گا (یعنی اس کی پوری گردن تانبے کی طرح سخت اور ٹھوس ہو جائے گی تاکہ اس پر تلوار وغیرہ اثر انداز ہی نہ ہو سکے، شرح السنہ میں معمرؒ کا یہ قول ہے کہ مجھ تک جو روایت پہنچی ہے اس میں یوں ہے کہ اس شخص کی گردن پر تانبے کا تختہ رکھ دیا جائے گا) جس کی وجہ سے وہ اس کو قتل نہیں کر سکے گا، اس کے بعد جھنجھلا کر) اس شخص کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر پکڑ کر اس کو اٹھائے گا اور (اپنی آگ میں) پھینک دیگا، لوگ تو یہی خیال کریں گے کہ اس کو آگ میں پھینکا گیا ہے لیکن حقیقت میں وہ جنت میں پھینکا گیا ہو گا (یہ بیان کرنے کے بعد) رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ شخص اللہ رب العلمین کے نزدیک شہادت کے اعتبار سے بہت بڑے درجہ کا حامل ہو گا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "مسلمانوں میں سے ایک شخص، کے بارے میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے! اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور اس دنیا میں موجود ہیں، تاہم اس مسئلہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، چنانچہ فقہاء و محدثین کی اکثریت اور بعض صوفیا کا قول یہ ہے کہ وہ مر چکے ہیں، جب کہ صوفیاء کی اکثریت اور بعض فقہا کا کہنا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور نووی نے کہا ہے کہ یہی بات صحیح ہے۔

لفظ "مسالح" (میم کے زبر اور لام کے زیر کے ساتھ) اصل میں "مسلحۃ" کی جمع ہے جس کے لغوی معنی سرحد دیدبانی کی جگہ کے ہیں اور عرف عام میں اس کا اطلاق ان ہتھیار بند اور مسلح لوگوں پر ہوتا ہے جو اپنی سرحدوں اور آقاؤں کی حفاظت کرتے ہیں، چنانچہ یہاں

یہی معنی مراد ہیں۔

"ہمارے پروردگار کی صفات کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ اس کے رب ہونے کی دلیلیں بالکل ظاہر اور واضح ہیں جیسے پیدا کرنا اور رزق دینا وغیرہ، نیز وہ تمام کمال کی صفات رکھتا ہے کہ ان میں کسی بھی طرح کے نقص اور عیب کا شمہ برابر شائبہ تک نہیں جب کہ دجال میں نقص وعیب کی چیزیں ہیں اور اس کا ناقص وعیب دار ہونا بالکل ظاہر ہے، لہٰذا جس ذات میں ربوبیت اور کمال کی واضح دلیلیں موجود ہوں اور اس کا شریک بندۂ ناقص کیسے ہو سکتا ہے اور اس اعتبار سے رب ہونا صرف اسی ذات پاک کو سزاوار ہے نہ کہ اس کے علاوہ کسی اور کو۔

فیشج فیقول خذوہ شجوہ فیوسع ظہرہ وبطنہ ضربا۔ (چنانچہ اس شخص کو چت لٹا دیا جائے گا الخ) میں لفظ "یوسع" واؤ کے جزم اور سین کے تخفیف کے سات) وسع سے ہے اور بعض نسخوں میں اس لفظ کو واؤ کے زبر اور سین کی تشدید کے ساتھ "توسیع" سے مشتق ہونا صحیح قرار دیا گیا ہے اسی طرح "یشج" کا لفظ "تشبیج" سے مجہول کا صیغہ ہے جس کے اصل معنی کسی چیز کو چوڑا کرنے کے ہیں، اسی مناسبت سے اس کا ترجمہ "چت یا پیٹ کے بل لٹانا" کیا گیا ہے، نیز لفظ "شجوہ" (جیم کی تشدید کے ساتھ امر کا صیغہ ہے جس کے معنی سر کو زخمی کرنا ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم کی شرح میں کہا گیا ہے یہ قول زیادہ صحیح ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ جس طرح "یشج" کے لفظ "تشبیج" سے مشتق کہا گیا ہے اس طرح "شجوہ" بھی اسی باب سے امر کا صیغہ ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ "یشج" اور "شجوہ" دونوں لفظ "شج" سے مشتق ہیں جو سر کے زخم" کے معنی میں ہے۔

"اس کے دونوں پیروں کے درمیان سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں گے" یعنی اس کو سر سے لے کر پیر تک چیر کر پورے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں گے! واضح رہے کہ لفظ "فیوشر" کے بارے میں احتمال ہے کہ ہمزہ کے ساتھ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ واؤ کے ساتھ ہو اسی طرح "میشار" کا لفظ ہمزہ کے ساتھ منقول ہے اور یٰ کے ساتھ بھی دونوں صورتوں میں اس کے معنی "آرہ" کے ہیں یعنی وہ آلہ جس کے ذریعہ کسی چیز کو چیر کر ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا ہے، ویسے "منشار" یعنی نون کے ساتھ بھی نقل کیا گیا ہے! الفظ مفرق کے معنی ہیں سر کا وہ حصہ جو بیچوں بیچ ہو جس کو "مانگ" کہتے ہیں۔

"اب کسی دوسرے آدمی کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔" یہ گویا اس بات کی اطلاع ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے اس (دجال) کو ڈھیل دینے کے لئے جو اتنی زبردست طاقت وقدرت عطا کر دی تھی کہ وہ جس کو چاہے مار دے اور پھر دوبارہ اس کو زندہ کر دے تو وہ طاقت وقدرت اس سے سلب کر لی گئی ہے لہٰذا اب کسی کو اس سے ڈرنے اور خوف زدہ رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

"لیکن حقیقت میں وہ جنت میں پھینکا گیا ہوگا" میں "جنت" سے مراد یا تو دنیاوی وجسمانی راحت وسکون کی جگہ ہے جیسے کوئی باغیچہ وآرامگاہ وغیرہ، یا یہ مراد ہے کہ دجال اس شخص کو اس آگ میں پھینکے گا جو وہ اپنے ساتھ لئے پھرے گا لیکن وہ آگ اس شخص کے لئے ٹھنڈی ہو جائے گی اور سلامتی کا باعث بن جائے گی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے نمرود کی آگ ٹھنڈک وراحت پہنچانے کا ذریعہ بن گئی تھی، بہر صورت مطلب یہ ہے کہ دجال کے ہاتھوں اس شخص کی دوبارہ موت واقع نہیں ہوگی خواہ وہ کتنی ہی کوشش کرے۔

"یہ شخص اللہ رب العلمین کے نزدیک شہادت کے اعتبار سے بہت بڑے درجہ کا حامل ہوگا" میں اس شخص کو شہید اس کی اس پہلی موت کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے جو دجال کے ہاتھوں (آرہ سے چیرے جانے کی صورت میں) واقع ہوگی اگرچہ بعد میں وہ زندہ ہو جائے گا یا وہ اس اعتبار سے شہید ہوگا کہ دجال اس کو ذبح کرنے کا قصد کرے گا اگرچہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "شہادت" حق تعالیٰ کے نزدیک حاضر ہونا اور گواہی دینا مراد ہو۔

دجال کے خوف سے لوگ پہاڑوں پر بھاگ جائیں گے

(١٤) وَعَنْ اُمِّ شَرِيْكٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَفِرَّنَّ النَّاسُ مِنَ الدَّجَّالِ حَتّٰى يَلْحَقُوْا بِالْجِبَالِ

قَالَتْ اُمُّ شَرِيْكٍ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَيْنَ الْعَرَبُ يَوْمَئِذٍ قَالَ هُمْ قَلِيْلٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت اُمّ شریکؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "لوگ دجال (کے مکرو فریب اور فتنہ وفساد کے خوف) سے بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپیں گے" اُمّ شریک کہتی ہیں کہ میں نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یارسول اللہ ان ایام میں عرب کہاں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (ان دنوں) عرب بہت کم ہوں گے اور دجال سے جہاد و مقابلہ کرنے کی طاقت وقدرت نہیں رکھیں گے۔" (مسلمؒ)

تشریح: فاین (کہاں ہوں گے) میں حرف فَ شرط محذوف کی جزا ہے، یعنی پورا جملہ گویا یوں ہے کہ جب لوگ دجال کے خوف سے بھاگتے اور چھپتے پھریں گے تو اس وقت اہل عرب کہاں ہوں گے، جن کا کام خدا کی راہ میں جہاد کرنا اور دین کو نقصان پہنچانے والے ہر فتنہ فساد کو دفع کرنا ہے۔

دجال کے تابعدار یہودی ہوں گے

(۱۵) وَعَنْ اَنَسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَتْبَعُ الدَّجَّالَ مِنْ يَهُوْدِ اِصْفَهَانَ سَبْعُوْنَ اَلْفًا عَلَيْهِمُ الطَّيَالِسَةُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اصفہان کے ستر ہزار یہودی دجال کی اطاعت و پیروی اختیار کریں گے جن کے سروں پر طیلسائیں ہوں گی۔" (مسلمؒ)

تشریح: لفظ "یتبع" یؔ کے زبر، تؔ کے جزم اور بؔ کے زیر سے ساتھ ہے جس کے معنی ہمراہ ہونے کے ہیں۔ لیکن ایک شارح نے کہا ہے کہ یہ لفظ اتّباع (ت کی تشدید کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں پیروی کرنا! اصفہان (الف کے زبر اور زیر دونوں کے ساتھ ایک مشہور شہر کا نام ہے جو ایران میں واقع ہے ایک روایت میں "ستر ہزار" کے بجائے نوے ہزار" کے الفاظ ہیں لیکن مشہور روایت کے مطابق زیادہ صحیح ستر ہزار ہی ہے! لفظ طیالسۃ اصل میں "طیلسان" کی جمع ہے جو عرب میں ایک مشہور کپڑے کا نام ہے اور یہ چادر کی صورت میں ہوتا ہے۔ عیاضؒ وغیرہ نے یہ نقل کیا ہے کہ طیلسان کا لفظ معرب ہے، یعنی اصل میں یہ لفظ "تالسان" تھا جس کو عربی میں "طیلسان" کر دیا گیا ہے واضح رہے کہ بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ طیلسان ایک ناپسندیدہ کپڑا ہے، ان حضرات نے حضرت انسؓ کی اس روایت کو بھی اپنے قول کی تائید میں پیش کیا ہے کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو طیلسان اوڑھے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ لوگ خیبر کے یہودی جیسے معلوم ہوتے ہیں تاہم حقیقت یہ ہے کہ طیلسان میں کوئی برائی نہیں ہے اور اس کو استعمال کرنا کوئی قباحت نہیں رکھتا بلکہ سر کو چادر سے ڈھانکنے کے طور پر طیلسان کا استعمال مسنون بھی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ سے متعلق بہت سی حدیثیں منقول ہیں گو یہ ہوسکتا ہے کہ کسی زمانہ میں طیلسان صرف یہودیوں کے مخصوص لباس سے تعلق رکھتی ہو اور حضرت انسؓ اسی اعتبار سے اس کے استعمال کو پسندیدہ نظر سے نہ دیکھا ہو، یا انہوں نے اس سبب سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہو کہ ان لوگوں نے اس وقت جو طیلسان اوڑھ رکھی تھی اُن کا رنگ زرد تھا اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ طیلسان کے سلسلہ میں علماء کے درمیان جو اختلاف ہے وہ صرف اس کے چادر کے طور پر اس طرح اوڑھنے کے متعلق ہے کہ اس کا پلہ سر کے اوپر اوڑھا جائے اور اس کے کناروں کو کاندھے پر ڈال لیا جائے جس کو "تقنع" اور قناع بھی کہا جاتا ہے! بہرحال جو حضرات طیلسان کے استعمال کے خلاف ہیں ان کا کہنا ہے کہ طیلسان اوڑھنے کے بارے آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ سے جو کچھ منقول ہے اس کا تعلق خاص حالات اور ضرورت سے ہے، کہ حضور ﷺ اور صحابہؓ نے کسی خاص ضرورت کے تحت مثلاً کسی وقت دھوپ سے بچنے کے لئے طیلسان کو اپنے سر پر ڈال لیا ہو گا لیکن جمہور علماء نے طیلسان کے اوڑھنے اور استعمال کرنے کو بلا کراہت مطلق جائز قرار دیا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ سر کو طیلسان سے ڈھانکو، کیونکہ چادر اوڑھنا اہل عرب کا پہناوا ہے اور "اقتناع" (یعنی طیلسان کو مذکورہ بالا طریقہ سے اوڑھنا) اہل ایمان کا پہناوا ہے

ایک اور حدیث میں یوں آیا ہے کہ طیلسان سے سر کو ڈھانکنا، دن میں نفقہ ہے اور رات میں زینت نیز ایک روایت میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ قناع کو بہت اختیار فرماتے تھے۔ اسی طرح صحابہؓ سے بھی "تقنع" کا اختیار کرنا منقول ہے اور اس بارے میں کافی آثار واخبار ثابت ہیں۔

دجال مدینہ میں داخل نہیں ہوگا

(۱۶) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْتِی الدَّجَّالُ وَھُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْہِ اَنْ یَّدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِیْنَۃِ فَیَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخِ الَّتِیْ تَلِی الْمَدِیْنَۃَ فَیَخْرُجُ اِلَیْہِ رَجُلٌ وَّھُوَ خَیْرُ النَّاسِ اَوْمِنْ خِیَارِ النَّاسِ فَیَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنَّکَ الدَّجَّالُ الَّذِیْ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَدِیْثَہٗ فَیَقُوْلُ الدَّجَّالُ اَرَاَیْتُمْ اِنْ قَتَلْتُ ھٰذَا ثُمَّ اَحْیَیْتُہٗ ھَلْ تَشُکُّوْنَ فِی الْاَمْرِ فَیَقُوْلُوْنَ لَا فَیَقْتُلُہٗ ثُمَّ یُحْیِیْہِ فَیَقُوْلُ وَاللّٰہِ مَاکُنْتُ فِیْکَ اَشَدَّ بَصِیْرَۃً مِنِّی الْیَوْمَ فَیُرِیْدُ الدَّجَّالُ اَنْ یَّقْتُلَہٗ فَلَا یُسَلَّطُ عَلَیْہِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "دجال (جب دنیا میں) آئے گا یعنی ظاہر ہوگا (تو مدینہ منورہ کی جانب بھی رخ کرے گا تاکہ اس شہر مقدس میں داخل ہو کر فتنہ وفساد پھیلائے) لیکن مدینہ کے راستوں میں اس کا داخل ہونا ممنوع ہو جائے گا (یعنی اللہ تعالیٰ اس شہر کی حفاظت فرمائیں گے اور دجال اس میں داخل ہونے پر قادر نہیں ہو سکے گا) آخر وہ مدینہ کے قریب کی کھاری زمین میں ٹھہر جائے گا پھر اس کے پاس ایک شخص آئے گا (جو اس زمانہ کے) بہترین لوگوں میں سے ہو گا وہ شخص (دجال سے) کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی خبر ہمیں رسول کریم ﷺ نے اس کے احوال وعلامات بیان کرنے کے ذریعہ دی ہے دجال (یہ سن کر اپنے اردگرد کے لوگوں سے) کہے گا کہ بتاؤ اگر میں اس شخص کو قتل کر کے دوبارہ زندہ کردوں تو کیا پھر بھی تم میرے (خدا ہونے) کے بارے میں شک وشبہ کرو گے وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم کو پھر کوئی شک وشبہ نہیں رہے گا! پس دجال اس شخص کو جان سے مار ڈالے گا اور پھر اس کو زندہ کر دے گا (اور وہی سوال کرے گا جو گزشتہ حدیث میں گزرا) تب وہ شخص کہے گا کہ خدا کی قسم تیرے بارے میں بصیرت اور میرا یقین اب پہلے سے بھی زیادہ پختہ ہے (یعنی پہلے تو صرف علم وخبر کی بنیاد پر تیرے دجال ہونے کا یقین تھا مگر اب اس تجربہ سے کہ تو نے مجھے پہلے جان سے مارا اور پھر زندہ کر دیا یہ یقین اور زیادہ بڑھ گیا ہے کہ تو جھوٹا دجال ہی ہے اور تیرا خدائی دعویٰ سراسر باطل ہے دجال (یہ سن کر) چاہے گا کہ اس شخص کو قتل کر دے مگر وہ اس پر قادر نہیں ہو سکے گا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: تو وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم کو پھر کوئی شک وشبہ نہیں رہے گا۔" اس جملہ میں "لوگوں سے مراد اگر وہ لوگ ہیں جو دجال کے گرویدہ وتابعدار ہوں گے تو یہ جملہ بالکل واضح ہے اور اپنے اصل معنی ہی پر محمول ہے لیکن اگر "لوگوں" سے اہل ایمان کو بھی مراد لیا جائے تو پھر اس جملہ کی تاویل یہ ہوگی کہ ان لوگوں کا مذکورہ جواب دینا دراصل از راہ خوف اور دفع الوقتی کی بناء پر ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد بطریق توریہ اور کنایہ دجال کے جھوٹ اور فریب کاری شک وشبہ نہ کرنا ہو۔

مگر وہ اس پر قادر نہیں ہو سکے گا" میں اس بات کی دلیل ہے کہ دجال کو ڈھیل دینے کے لئے جو مافوق الفطرت طاقت وقدرت دی جائے گی وہ صرف شروع میں کچھ عرصہ کے لئے ہوگی، بعد میں اس سے وہ طاقت وقدرت سلب کر لی جائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو اس پر قادر نہیں پائے گا کہ جو چاہے کر گزرے۔

(۱۷) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَاْتِی الْمَسِیْحُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ ھِمَّتُہُ الْمَدِیْنَۃُ حَتّٰی یَنْزِلَ دُبُرَ اُحُدٍ ثُمَّ تَصْرِفُ الْمَلٰئِکَۃُ وَجْھَہٗ قِبَلَ الشَّامِ وَھُنَالِکَ یَھْلِکُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا مسیح دجال مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے ارادہ

سے مشرق کی طرف سے آئے گا یہاں تک کہ وہ احد پہاڑ کے پیچھے (جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے) آکر رکے گا، پھر (مذکورہ شخص کے واقعہ کے بعد) فرشتے اس کا منہ شام کے علاقہ کی طرف پھیر دیں گے تاکہ جہاں سے آیا ہے وہیں چلا جائے) اور وہ دجال وہاں (یعنی شام میں) ہلاک کر دیا جائے گا (جیسا کہ پیچھے گزرا کہ حضرت عیسی علیہ السلام دجال کو شام کے ایک گاؤں باب لد میں قتل کریں گے۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "فرشتے اس کا منہ شام کے علاقہ کی طرف پھیر دیں گے" یہ بات دجال کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے ایک بڑی دلیل بنے گی اور اس کے عجز و نقصان کی علامت ہوگی کہ وہ اپنی اتنی زبردست طاقت و قدرت کے دعوے کے باوجود اس شہر مقدس میں داخل ہونے پر قادر نہیں ہو سکے گا جس میں سید الوری آرام فرما ہیں اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ دجال جب مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکے گا تو حرم پاک مکہ مکرمہ میں بدرجہ اولی داخل نہیں ہو پائے گا۔"

(۱۸) وَعَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْمَدِیْنَةَ رُعْبُ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ لَهَا یَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ عَلٰی كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوبکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اہل مدینہ دجال کے رعب و خوف سے محفوظ رہیں گے، اس دن جب کہ دجال مدینہ میں داخل ہونے کے ارادہ سے آئے گا) مدینہ کے سات دروازے ہونگے اور ہر دروازے پر دو فرشتے مامور ہوں گے (جو دجال کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔" (بخاریؒ)

تشریح: سیوطیؒ نے کہا ہے کہ لوگوں میں جو یہ مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد حضرت جبرئیل کا روئے زمین پر آنا موقوف ہو گیا ہے تو یہ بالکل بے اصل بات ہے، اس غلط خیال کی تردید کے لئے وہ روایت کافی ہے جس کو طبرانیؒ نے نقل کیا ہے، کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر اس مؤمن کی موت کے وقت تشریف لاتے ہیں جو طہارت و پاکیزگی کی حالت میں ہوتا ہے ایک اور روایت ابونعیمؒ نے نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب دجال مدینہ کے قریب سے گزرے گا تو اس وقت اچانک اس کی مڈبھیڑ ایک بہت عظیم ہستی سے ہوگی، دجال پوچھے گا کہ تو کون ہے وہ ہستی جواب دے گی کہ میں جبرئیل (علیہ السلام) ہوں مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے تاکہ میں تجھے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم سے دور رکھوں۔"

دجال کا ذکر

(۱۹) وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ سَمِعْتُ مُنَادِیَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُنَادِی الصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَخَرَجْتُ اِلَی الْمَسْجِدِ فَصَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضٰی صَلَاتَهٗ جَلَسَ عَلَی الْمِنْبَرِ وَهُوَ یَضْحَكُ فَقَالَ لِیَلْزَمْ كُلُّ اِنْسَانٍ مُصَلَّاهُ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ لِمَ جَمَعْتُكُمْ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِنِّیْ وَاللّٰهِ مَا جَمَعْتُكُمْ لِرَغْبَةٍ وَّلَا لِرَهْبَةٍ وَلٰكِنْ جَمَعْتُكُمْ لِاَنَّ تَمِیْمًا الدَّارِیَّ كَانَ رَجُلًا نَصْرَانِیًّا فَجَآءَ وَاَسْلَمَ وَحَدَّثَنِیْ حَدِیْثًا وَّافَقَ الَّذِیْ كُنْتُ اُحَدِّثُكُمْ بِهٖ عَنِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ حَدَّثَنِیْ اَنَّهٗ رَكِبَ فِیْ سَفِیْنَةٍ بَحْرِیَّةٍ مَعَ ثَلٰثِیْنَ رَجُلًا مِّنْ لَخْمٍ وَّجُذَامٍ فَلَعِبَ بِهِمُ الْمَوْجُ شَهْرًا فِی الْبَحْرِ فَاَرْفَأُوْا اِلٰی جَزِیْرَةٍ حِیْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ فَجَلَسُوْا فِیْ اَقْرُبِ السَّفِیْنَةِ فَدَخَلُوا الْجَزِیْرَةَ فَلَقِیَتْهُمْ دَآبَّةٌ اَهْلَبُ كَثِیْرُ الشَّعْرِ لَا یَدْرُوْنَ مَا قُبُلُهٗ مِنْ دُبُرِهٖ مِنْ كَثْرَةِ الشَّعْرِ قَالُوْا وَیْلَكِ مَآ اَنْتِ قَالَتْ اَنَا الْجَسَّاسَةُ قَالُوْا وَمَا الْجَسَّاسَةُ قَالَتْ اَیُّهَا الْقَوْمُ انْطَلِقُوْآ اِلٰی هٰذَا الرَّجُلِ فِی الدَّیْرِ فَاِنَّهٗ اِلٰی خَبَرِكُمْ بِالْاَشْوَاقِ قَالَ لَمَّا سَمَّتْ لَنَا رَجُلًا فَرِقْنَا مِنْهَا اَنْ تَكُوْنَ شَیْطَانَةً قَالَ فَانْطَلَقْنَا سِرَاعًا حَتّٰی دَخَلْنَا الدَّیْرَ فَاِذَا فِیْهِ اَعْظَمُ اِنْسَانٍ مَا رَاَیْنَاهُ قَطُّ خَلْقًا وَّاَشَدُّهٗ وَثَاقًا مَجْمُوْعَةٌ یَدَاهُ اِلٰی عُنُقِهٖ مَا بَیْنَ رُكْبَتَیْهِ اِلٰی كَعْبَیْهِ بِالْحَدِیْدِ قُلْنَا وَیْلَكَ مَا اَنْتَ قَالَ قَدْ قَدَرْتُمْ عَلٰی خَبَرِیْ فَاَخْبِرُوْنِیْ

مَآ اَنْتُمْ قَالُوْا نَحْنُ اُنَاسٌ مِّنَ الْعَرَبِ رَكِبْنَا فِي سَفِيْنَةٍ بَحْرِيَّةٍ فَلَعِبَ بِنَا الْبَحْرُ شَهْرًا فَدَخَلْنَا الْجَزِيْرَةَ فَلَقِيَتْنَا دَآبَّةٌ اَهْلَبُ فَقَالَتْ اَنَا الْجَسَّاسَةُ اِعْمِدُوْا اِلٰى هٰذَا فِي الدَّيْرِ فَاَقْبَلْنَا اِلَيْكَ سِرَاعًا وَفَزِعْنَا مِنْهَا وَلَمْ نَأْمَنْ اَنْ تَكُوْنَ شَيْطَانَةً فَقَالَ اَخْبِرُوْنِيْ عَنْ نَخْلِ بَيْسَانَ قُلْنَا عَنْ اَيِّ شَاْنِهَا تَسْتَخْبِرُ قَالَ اَسْئَلُكُمْ عَنْ نَخْلِهَا هَلْ تُثْمِرُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اَمَآ اِنَّهَا تُوْشِكُ اَنْ لَّا تُثْمِرَ قَالَ اَخْبِرُوْنِيْ عَنْ بُحَيْرَةِ الطَّبَرِيَّةِ قُلْنَا عَنْ اَيِّ شَاْنِهَا تَسْتَخْبِرُ؟ قَالَ هَلْ فِيْهَا مَآءٌ قُلْنَا هِيَ كَثِيْرَةُ الْمَآءِ قَالَ اَمَا اِنَّ مَآءَهَا يُوْشِكُ اَنْ يَّذْهَبَ قَالَ اَخْبِرُوْنِيْ عَنْ عَيْنِ زُغَرَ قُلْنَا عَنْ اَيِّ شَاْنِهَا تَسْتَخْبِرُ؟ قَالَ هَلْ فِي الْعَيْنِ مَآءٌ وَهَلْ يَزْرَعُ اَهْلُهَا بِمَآءِ الْعَيْنِ قُلْنَا نَعَمْ هِيَ كَثِيْرَةُ الْمَآءِ وَاَهْلُهَا يَزْرَعُوْنَ مِنْ مَّآئِهَا قَالَ اَخْبِرُوْنِيْ عَنْ نَّبِيِّ الْاُمِّيِّيْنَ مَا فَعَلَ قُلْنَا قَدْ خَرَجَ مِنْ مَّكَّةَ وَنَزَلَ يَثْرِبَ قَالَ اَقَاتَلَهُ الْعَرَبُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ كَيْفَ صَنَعَ بِهِمْ فَاَخْبَرْنَاهُ اَنَّهُ قَدْ ظَهَرَ عَلٰى مَنْ يَّلِيْهِ مِنَ الْعَرَبِ وَاَطَاعُوْهُ قَالَ اَمَآ اِنَّ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّهُمْ اَنْ يُّطِيْعُوْهُ وَاِنِّيْ مُخْبِرُكُمْ عَنِّيْ اِنِّيْ اَنَا الْمَسِيْحُ الدَّجَّالُ وَاِنِّيْ يُوْشِكُ اَنْ يُّؤْذَنَ لِيْ فِي الْخُرُوْجِ فَاَخْرُجَ فَاَسِيْرَ فِي الْاَرْضِ فَلَا اَدَعَ قَرْيَةً اِلَّا هَبَطْتُهَا فِيْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً غَيْرَ مَكَّةَ وَطَيْبَةَ هُمَا مُحَرَّمَتَانِ عَلَيَّ كِلْتَاهُمَا كُلَّمَآ اَرَدْتُّ اَنْ اَدْخُلَ وَاحِدًا مِّنْهُمَا اسْتَقْبَلَنِيْ مَلَكٌ بِيَدِهِ السَّيْفُ صَلْتًا يَصُدُّنِيْ عَنْهَا وَاِنَّ عَلٰى كُلِّ نَقْبٍ مِّنْهَا مَلٰئِكَةً يَّحْرُسُوْنَهَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَعَنَ بِمِخْصَرَتِهٖ فِي الْمِنْبَرِ هٰذِهٖ طَيْبَةُ هٰذِهٖ طَيْبَةُ هٰذِهٖ طَيْبَةُ يَعْنِي الْمَدِيْنَةَ اَلَا هَلْ كُنْتُ حَدَّثْتُكُمْ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ اَلَا اِنَّهُ فِيْ بَحْرِ الشَّامِ اَوْ بَحْرِ الْيَمَنِ لَا بَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ وَاَوْمَاَ بِيَدِهٖ اِلَى الْمَشْرِقِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) میں نے رسول کریم ﷺ کے موذن کی یہ آواز الصلوۃ جامعۃ نماز جمع کرنے والی ہے) سن کر مسجد پہنچی اور پھر میں نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے اس وقت (حسب عادت آپ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے جہاں نماز پڑھی ہے وہیں بیٹھا رہے یعنی کوئی شخص مسجد سے نکل کر ابھی جائے نہیں سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں، پھر فرمایا کہ کیا تم لوگ جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا۔ "خدا کی قسم میں نے تمہیں نہ تو کسی مرغوب چیز کے لئے جمع کیا ہے اور نہ کسی دہشت ناک چیز کے لئے یعنی تمہیں یہاں روکنے کا مقصد نہ تو تمہیں کوئی چیز دینا ہے اور نہ کسی دشمن وغیرہ سے ڈرانا ہے بلکہ میں نے تمہیں اس لئے جمع کیا ہے کہ تمیم داری، جو ایک نصرانی (عیسائی) شخص تھا، آیا اور مسلمان ہوا اور اس نے مجھ کو ایک ایسا واقعہ سنایا جو مسیح دجال کے بارے میں ان باتوں کے مطابق ہے جو میں تمہیں بتایا کرتا ہوں" چنانچہ میں نے مناسب جانا کہ تمیم داری کا وہ واقعہ تمہیں بھی سنا دوں تاکہ دجال کے بارے میں تمہارا یقین اور زیادہ پختہ ہو جائے اور میری بتائی ہوئی باتیں مشاہدہ کے قرین ہو جائیں تو سنو مجھ سے تمیم داری نے بیان کیا کہ وہ ایک (دن) قبیلہ جذام کے تیس آدمیوں کے ساتھ ایک بحری کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہوا تو پانی کی موج ایک مہینہ تک کشتی کے سواروں سے کھیلا کی (یعنی کشتی سمندر کی ایک ایسی موج میں گھر گئی جو مسلسل ایک مہینہ تک اس کو ادھر ادھر لئے پھری اور اس نے سواروں کو منزل مقصود تک نہ پہنچنے دیا) یہاں تک کہ اس موج نے کشتی کو (ایک دن) غروب آفتاب کے وقت ایک جزیرہ کے قریب پہنچا دیا اور سارے سوار ان چھوٹی کشتیوں میں کہ جو بڑی کشتی کے ساتھ تھیں بیٹھ کر اس جزیرہ میں پہنچ گئے، وہاں انہیں ایک ایسا چوپایہ ملا جو بہت بالوں والا تھا اور ان کی کثرت کی وجہ سے لوگوں کو اس کا آگا پیچھا معلوم نہیں ہوتا تھا یعنی اس چوپایہ کے جسم پر اتنے زیادہ بال تھے کہ پورا جسم چھپ کر رہ گیا تھا اور لوگ نہیں پہچان سکتے تھے کہ اس کا اگلا حصہ کونسا ہے اور پچھلا کونسا) لوگوں نے (اس کو دیکھ کر بڑی حیرت سے) کہا کہ تجھ پر افسوس، تو کون ہے۔ اور کیا ہے؟ یعنی آخر تیری اصل و ماہیت کیا ہے تو کوئی جن ہے یا انسان ہے؟) اس چوپایہ نے جواب دیا کہ میں جاسوس اور خبر رساں ہوں تم لوگ میرے ساتھ اس شخص کے پاس چلو جو دیر میں ہے کیونکہ اسے تمہاری خبریں سننے کا بہت شوق ہے تمیم داریؓ نے بیان کیا کہ جب اس چوپایہ نے ہم سے ایک شخص کا ذکر کیا (اور ہمیں اس کے پاس چلنے کو کہا) تو

ہمیں بڑا ڈر لگا کہ وہ شخص کہیں انسان کی شکل و صورت میں شیطان نہ ہو، بہر حال ہم تیزی کے ساتھ چل پڑے اور جب دیر میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک سب سے بڑے ڈیل ڈول والا اور نہایت خوفناک آدمی موجود ہے، اسی جیسی شکل و صورت کا آدمی ہم نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، وہ نہایت مضبوط اس طرح بندھا ہوا تھا کہ اس کے ہاتھ گردن تک اور گھٹنوں کے درمیان سے ٹخنوں تک لوہے کی زنجیر سے جکڑے ہوئے تھے ہم نے (اس کو دیکھ کر بڑی حیرت کے ساتھ) کہا کہ تجھ پر افسوس ہے، تو کون ہے اور کیا ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ جب تم نے مجھ کو پالیا اور معلوم کر ہی لیا ہے (اور یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہو تو اب میں تم سے اپنے بارے میں کچھ نہیں چھپاؤں گا اور سب کچھ بتا دوں گا لیکن پہلے) مجھے اپنے بارے میں بتاؤ (اور جو کچھ تم سے پوچھوں اس کا جواب دو) کہ تم کون ہو (اور کہاں سے آئے ہو؟) ہمارے لوگوں نے اسے بتایا کہ ہم عرب کے لوگ ہیں بحری کشتی میں سوار ہوئے تھے۔ (اور اپنی منزل مقصود کی طرف جا رہے تھے) کہ سمندری طوفان نے ہمیں ایک مہینہ تک گھیرے رکھا (اور ہماری کشتی کو یہاں لا چھوڑا) ہم اس جزیرہ پر اتر گئے، یہاں ہمیں ایک بالوں والا چوپایہ ملا اور اس نے کہا کہ میں جاسوس ہوں تم لوگ اس شخص کے پاس جاؤ جو دیر یعنی بڑے محل میں موجود ہے چنانچہ ہم بڑی تیزی کے ساتھ تیرے پاس چلے آئے اس نے کہا کہ اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ بیسان میں کھجوروں کے جو درخت ہیں ان پر پھل آتے ہیں یا نہیں؟ ہم نے کہا کہ ہاں پھل آتے ہیں! اس نے کہا کہ جان لو جلد ہی وہ زمانہ آنے والا ہے جب بیسان کے کھجور کے درختوں پر پھل نہیں آئیں گے (گویا اس نے اس طرف اشارہ کیا کہ قیامت جلد ہی آنے والی ہے) اس نے کہا کہ اب مجھے بحیرۂ طبریہ کے بارے میں بتاؤ کہ آیا اس میں پانی ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا کہ اس میں تو بہت پانی ہے اس نے کہا یقیناً عنقریب اس کا پانی ختم ہو جائے گا پھر اس نے پوچھا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ زغر کے چشمہ میں پانی ہے یا نہیں اور وہاں کے لوگ اس چشمہ کے پانی کے ذریعہ کھیتی باڑی کرتے ہیں؟ ہم نے کہا کہ ہاں اس چشمہ میں بہت پانی ہے اور وہاں کے لوگ اسی پانی سے کھیتی باڑی کرتے ہیں اس کے بعد اس نے کہا کہ اب مجھے اُمیوں یعنی اہل عرب کے نبی (ﷺ) کے بارے میں بتاؤ اس نے کیا کیا؟ ہم نے کہا کہ انہوں نے مکہ کو چھوڑ دیا ہے اور اب یثرب (یعنی مدینہ) کو ہجرت کر گئے ہیں اس نے پوچھا کہ کیا عرب کے لوگ ان سے لڑے ہیں؟ ہم نے کہا کہ ہاں! پھر اس نے پوچھا کہ انہوں نے اہل عرب سے کیا معاملہ کیا؟ ہم نے اس کو بتایا کہ وہ نبی ﷺ ان عربوں پر غالب آ گئے ہیں جو ان کے قریب ہیں اور انہوں نے ان کی اطاعت اختیار کر لی ہے اس نے کہا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان لوگوں کا ان کی اطاعت کرنا ہی ان کے لئے بہتر ہے اور اب میں تمہیں اپنے بارے میں بتاتا ہوں، میں درحقیقت مسیح یعنی دجال ہوں، وہ زمانہ جلد ہی آنے والا ہے جب مجھ کو نکلنے کی اجازت مل جائے گی، اس وقت میں نکلوں گا اور چالیس دنوں تک زمین پر پھروں گا یہاں تک کوئی آبادی ایسی نہیں چھوڑوں گا جس میں داخل نہیں ہوں گا، سوائے مکہ اور طیبہ یعنی مدینہ کے کہ یہ دونوں شہر مجھ پر حرام قرار دیئے گئے ہیں یعنی ان دونوں شہروں میں میرا داخلہ ممنوع ہوگا (اور اس ممانعت کی صورت یہ ہوگی کہ) جب میں ان دونوں شہروں میں سے کسی شہر میں داخل ہونا چاہوں گا تو میرے سامنے ایک فرشتہ آ جائے گا جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہوگی وہ فرشتہ مجھ کو اس شہر میں داخل ہونے سے روک دے گا، حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک شہر کے تمام راستوں پر فرشتے مامور ہیں جو اس شہر کی نگہبانی کرتے ہیں" راوی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (تمیم داری ؓ کا یہ پورا واقعہ بیان کرنے کے بعد صحابہ ؓ پر اپنی یہ خوشی ظاہر کرنے کے لئے کہ دیکھو دجال کے بارے میں تمہیں جو کچھ بتایا کرتا تھا اس کی پوری پوری تصدیق و تائید اس واقعہ سے ہو جاتی ہے، نیز آپ ﷺ نے تمام شہروں پر مدینہ کی فضیلت و بڑائی کو ظاہر کرنے کے لئے جوش میں) اپنا عصاء مبارک منبر پر مار کر (تین مرتبہ) یہ فرمایا کہ یہ ہے طیبہ، یہ ہے طیبہ یعنی مدینہ (پھر فرمایا) یاد رکھو، کیا میں تمہیں یہی بات نہیں بتایا کرتا تھا (جو دجال کے بارے میں اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے؟) صحابہ ؓ نے کہا کہ ہاں (آپ ﷺ ہمیں اسی طرح کی بات بتایا کرتے تھے اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا" جان لو دجال شام کے سمندر میں ہے یا یمن کے سمندر میں، نہیں بلکہ وہ مشرق کی جانب سے نکلے گا، یہ فرما کر آپ ﷺ نے ہاتھ سے مشرق کی جانب اشارہ کیا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "الصلوۃ جامعۃ" کا جملہ لوگوں کو متوجہ کرنے اور نماز کے لئے بلانے کے واسطے ہے تاکہ لوگ یہ سن کر ایک جگہ پہنچ جائیں

اور جمع ہو جائیں جیسا کہ زمانہ نبوی ﷺ میں کسوف اور خسوف کی نماز کے لئے لوگوں کو جمع کرنے کے لئے اس جملہ کے ذریعہ پکارا جاتا تھا! "سفینة" کو بحریة کی اضافت کے ساتھ ذکر کرنے کا مقصد اس بات سے احتراز کرنا ہے کہ ذہن خشکی کی کشتی یعنی اونٹ کی طرف منتقل نہ ہو کیونکہ اونٹ کو "سفینة البر" (خشکی کی کشتی) کہا جاتا ہے، ویسے بعض حضرات نے کہا ہے "سفینہ بریہ" سے مراد بڑی سمندری کشتی ہے جس کو "پانی کا جہاز" بھی کہا جاسکتا ہے۔

لفظ "اَقرُبْ" اصل میں قَارِبْ کی جمع ہے اور قارب اس ڈونگی یعنی چھوٹی کشتی کو کہتے ہیں جو بڑی سمندری کشتی (پانی کے جہاز) میں رکھی رہتی ہے اور ساحل پر آنے جانے اور ان کاموں میں استعمال ہوتی ہے جو بڑی کشتی یا جہاز کے ذریعہ انجام نہیں پا سکتے۔

اس عجیب الخلقت جانور نے اپنا نام جساسۃ یعنی جاسوسی کرنے والا اس اعتبار سے بتایا کہ وہ دجال کو خبریں اور معلومات پہنچایا کرتا تھا، واضح رہے کہ قرآن شریف میں جس "دابۃ الارض" کا ذکر آیا ہے وہ یہی جانور ہے۔

"دَیر" اصل میں عیسائیوں کی عبادت گاہ یعنی "گرجا" کو کہتے ہیں ویسے لغت کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ "دَیر" راہبوں کے رہنے کی جگہ کو کہتے ہیں، بہرحال یہاں حدیث میں "دَیر" سے مراد وہ بڑی عمارت ہے جس میں دجال تھا۔

"بیسان" ملک شام میں ایک بستی کا نام ہے یا یمامہ میں ایک جگہ کا نام ہے، لیکن مشرق الانور میں لکھا ہے کہ حدیث جسار میں (جو یہاں نقل ہوئی ہے) مذکور "بیسان" حجاز کے ایک شہر کا نام ہے اور دوسرا "بیسان" شام کے علاقہ میں واقع ہے۔

جیسا کہ پیچھے بھی ایک موقع پر بیان کیا جا چکا ہے "بحیرہ" اصل میں "بحر" کی تصغیر ہے یعنی چھوٹا سمندر، جس کو جھیل سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے اور "طبریہ" اردن کے ایک قصبہ کا نام ہے، فن حدیث کے مشہور امام طبرانی اس قصبہ کے رہنے والے تھے۔

"زغر" ایک شہر کا نام ہے جو ملک شام میں واقع ہے، اس علاقہ میں روئیدگی بہت کم ہوتی ہے۔

"مجھے امیوں یعنی اہل عرب کے نبی کے بارے میں بتاؤ" میں دجال نے حضور کی نسبت صرف اہل عرب کی طرف ازراہ طنز کہ وہ خاص طور پر اہل عرب کے نبی ہیں یا یہ کہ یہ جملہ تعزیکی پیرایہ بیان ہے یعنی اس جملہ کے ذریعہ اس ملعون دجال کے اس باطل خیال کی ترجمانی مقصود تھی کہ آپ ﷺ نادانوں اور جاہلوں کے نبی ہیں۔

ان لوگوں کا ان کی اطاعت کرنا ہی ان کے لئے" دجال کی زبان سے اس بات کا نکلنا گویا اس کی طرف سے حضور ﷺ کی عظمت و فضیلت کا اقرار تھا۔ گویہ اقرار اضطرارًا بھی تھا اور اس کے سبب سے بھی تھا کہ اس وقت کفر کے اظہار اور دین سے انکار کی کوئی غرض بھی اس کے سامنے نہیں تھی، لہٰذا اس نے اپنے کفر و عناد کو پوشیدہ رکھنا ہی مناسب سمجھا، یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس جملہ میں "بہتری" سے اس کی مراد دنیاوی بھلائی و بہتر اور امن و سلامتی ہو۔

لا بل من قبل المشرق ما ھو (نہیں بلکہ وہ مشرق کی جانب سے نکلے گا) میں حرف ما، نفی کے لئے نہیں ہے بلکہ زائد ہے! اس جملہ کی وضاحت یہ ہے کہ قیامت آنے کا وقت چونکہ خدا تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے اور تعیّن کے ساتھ نہیں بتایا کہ قیامت کب آئے گی بلکہ قیامت کی علامتوں اور نشانیوں کے ظاہر ہونے کے زمانوں اور اوقات کو بھی متعین نہیں فرمایا اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی متعین طور پر وہ جگہ نہیں بتائی جہاں دجال مقید ہے، صرف تردد و ابہام کے طور پر مذکورہ تین مقامات کی طرف اشارہ فرمایا البتہ آخری مقام کو ظن غالب کے ذریعہ ظاہر فرمایا لیکن اس کو بھی متعین نہیں کیا سوائے اس کے کہ کسی خاص جگہ و علاقہ کے تعیّن کے بغیر اس سمت کی طرف اشارہ فرما کر چھوڑ دیا۔ پس مذکورہ جملہ سے پہلے دو احتمال کی نفی اور تیسرے احتمال کا جو اثبات ہوتا ہے اس کے یہی معنی ہیں! ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلی دو جگہوں کا ذکر فرما کر پھر ان کی جو نفی فرمائی تو اس کا سبب یہ تھا کہ دجال کا قید خانہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا ہوگا! اور تورپشتیؒ نے "بلکہ وہ مشرق کی جانب سے نکلے گا" کی وضاحت میں کہا ہے کہ احتمال ہے کہ یہ جملہ خبر دینے کے طور پر ہو، یعنی دجال مشرق کی جانب سے نکلے گا نیز اشرف نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ دجال کے

قید خانہ کی جگہ کے تعین میں شک رکھتے تھے، آپ ﷺ کے گمان میں تھا کہ وہ ان جگہوں میں سے کسی نہ کسی جگہ مقید ہے، چنانچہ جب آپ ﷺ نے اپنے اس شک کی بنا پر جب شام کے سمند اور یمن کے سمندر کا ذکر کیا تو اسی وقت وحی کے ذریعہ آپ ﷺ کو یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا یا آپ ﷺ کو ظن غالب ہوا کہ اس کا قید خانہ مشرق کی سمت میں کسی جگہ واقع ہے، اس وجہ سے آپ ﷺ نے پہلی دونوں جگہوں کی نفی فرمادی اور ان سے اعراض کر کے تیسری جگہ یعنی جانب مشرق کا اثبات فرمایا۔

دجال کا حلیہ

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ رَاَیْتُنِی اللَّیْلَۃَ عِنْدَ الْکَعْبَۃِ فَرَاَیْتُ رَجُلاً اٰدَمَ کَاَحْسَنِ مَا اَنْتَ رَآءٍ مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ لَہٗ لِمَّۃٌ کَاَحْسَنِ مَا اَنْتَ رَآءٍ مِنَ اللِّمَمِ قَدْ رَجَّلَھَا فَھِیَ تَقْطُرُ مَآءً مُتَّکِئًا عَلٰی عَوَاتِقِ رَجُلَیْنِ یَطُوْفُ بِالْبَیْتِ فَسَاَلْتُ مَنْ ھٰذَا فَقَالُوْا ھٰذَا الْمَسِیْحُ بْنُ مَرْیَمَ قَالَ ثُمَّ اِذَا اَنَا بِرَجُلٍ جَعْدٍ قَطَطٍ اَعْوَرِ الْعَیْنِ الْیُمْنٰی کَاَنَّ عَیْنَہٗ عِنَبَۃٌ طَافِیَۃٌ کَاَشْبَہِ مَنْ رَاَیْتُ مِنَ النَّاسِ بِابْنِ قَطَنٍ وَاضِعًا یَدَیْہِ عَلٰی مَنْکِبَیْ رَجُلَیْنِ یَطُوْفُ بِالْبَیْتِ فَسَاَلْتُ مَنْ ھٰذَا فَقَالُوْا ھٰذَا الْمَسِیْحُ الدَّجَّالُ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ فِی الدَّجَّالِ رَجُلٌ اَحْمَرُ جَسِیْمٌ جَعْدُ الرَّاْسِ اَعْوَرُ عَیْنِ الْیُمْنٰی اَقْرَبُ النَّاسِ بِہٖ شَبَھًا ابْنُ قَطَنٍ وَ ذُکِرَ حَدِیْثُ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِھَا فِیْ بَابِ الْمَلَاحِمِ وَسَنَذْکُرُ حَدِیْثَ ابْنِ عُمَرَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی النَّاسِ فِیْ بَابِ قِصَّۃِ ابْنِ صَیَّادٍ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میں نے آج کی رات اپنے آپ کو (خواب میں یا کشف کی حالت میں) کعبہ کے پاس دیکھا، وہاں مجھ کو ایک ایسا گندم گوں شخص نظر آیا جو کسی ایسے آدمی کی طرح تھا جس کو تم گندمی رنگ کا سب سے بہتر اور خوب صورت دیکھتے ہو، اس کے (سر پر) بہت بال تھے جو کاندھوں تک لٹکے ہوئے تھے اور بالوں کے اعتبار سے بھی وہ کسی ایسے شخص کے مشابہ تھا جس کو تم اس قسم کے بال رکھنے والوں میں سب سے خوبصورت دیکھتے ہو، اس کے بالوں میں کنگھی کی گئی تھی اور بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، وہ شخص دو آدمیوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا! میں نے (اس شخص کو دیکھ کر طواف کرنے والوں سے) پوچھا کہ یہ کون ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ مسیح ابن مریم ہیں! اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے فرمایا پھر اچانک میری نظر سے ایک شخص گزرا جس کے بال گھونگریالے اور بہت کھڑے تھے، وہ داہنی آنکھ سے کانا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اس کی آنکھ انگور کا پھولا ہوا دانہ یا بے نور ہے، جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہے ان میں سے وہ ابن قطن کے بہت مشابہ تھا، وہ شخص بھی دو آدمیوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، میں نے اس کے بارے میں بھی پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ یہ مسیح دجال ہے" بخاری ومسلم) ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضور ﷺ نے دجال کے بارے میں فرمایا کہ "وہ ایک ایسا شخص ہے جس کی آنکھیں سرخ ہیں، سر کے بال گھونگریالے ہیں، داہنی آنکھ سے کانا ہے، مشابہت کے اعتبار سے لوگوں میں ابن قطن اس کے بہت قریب ہے۔"

اور حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث لا تقوم الساعۃ حتی تطلع الشمس من غربھا الخ باب الملاحم میں نقل کی جاچکی ہے نیز حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی النَّاسِ... الخ کو انشاء اللہ ہم ابن صیاد کے قصہ کے باب میں نقل کریں گے۔

تشریح: "بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔" میں پانی سے مراد یا تو وہ پانی ہے جو نہانے کے بعد بالوں میں لگا رہتا ہے اور کنگھی کرنے کے بعد بالوں سے ٹپکنے لگتا ہے اور وہ پانی بھی مراد ہو سکتا ہے جس میں کنگھی کو بھگو کر بال سنوارتے ہیں، یا پانی کے قطرے ٹپکنے سے

مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انتہائی پاکیزگی ولطافت اور تروتازگی کو کنایۃ بیان کرنا ہے۔

"جیسے اس کی آنکھ انگور کا پھولا ہوا دانا ہے۔" کے بارے میں قاضی عیاضؒ نے یہ لکھا ہے کہ دجال کی داہنی آنکھ تو بالکل سلپٹ یعنی ہموار ہوگی (کہ اس جگہ آنکھ کا نام ونشان بھی نہیں ہوگا) اور بائیں آنکھ موجود تو ہوگی لیکن اس میں بھی پھولا ہوا ٹینٹ ہوگا۔

"ابن قطن" سے مراد عبدالعزی ابن قطن یہودی ہے جس کے بارے میں پیچھے بھی بیان ہو چکا ہے! لفظ "کاشبہ" میں کاف زائد ہے جو اظہار مبالغہ کے لئے استعمال ہوا ہے! دجال کو ابن قطن کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ شاید ابن قطن کا جسمانی حلیہ کچھ اس طرح کا رہا ہوگا جیسا کہ دجال کا ہوگا یا اس اعتبار سے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس کی آنکھ میں بھی ٹینٹ یعنی پھلی تھی۔

دجال جن دو آمیوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے طواف کرتا نظر آیا تھا بظاہر ان سے مراد وہ دو شخص ہیں جو اس (دجال) کے رفیق ومددگار ہوں گے جیسا کہ ان دو شخصوں سے مراد کہ جن کے کاندھے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہاتھ رکھے ہوئے طواف کرتے ہوئے نظر آئے تھے، وہ دو شخص ہیں جو حق کے راستہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معین ومددگار ہوں گے اور شاید وہ دونوں حضرات خضر علیہ السلام اور حضرت مہدیؒ ہوں! اس موقع پر اشکال واقع ہوتا ہے کہ دجال کافر ہے، اس کو طواف کی حالت میں دکھایا جانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ مذکورہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے مکاشفات میں سے ہے، جس کا تعلق خواب سے ہے اور اس کی تعبیر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس خواب میں گویا یہ دکھایا گیا کہ ایک وہ دن آئے گا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دین اور مرکز دین کے ارد گرد رہیں گے تاکہ دین کو قائم کریں اور فتنہ وفساد سے اس کی حفاظت کریں اور دجال بھی دین اور مرکز دین پر منڈلاتا پھرے گا تاکہ گھات لگا کر دین کو نقصان پہنچادے اور فتنہ وفساد پھیلانے میں کامیاب ہو جائے بعض حضرات نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ مکہ مکرمہ پر اسلام کا غلبہ ہونے اور مشرکوں کو مسجد حرام کے قریب جانے کی مخالفت نافذ ہونے سے پہلے بہر حال کافر ومشرک بھی خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے، پس اگر دجال بھی طواف کرتا ہو تو اس میں اشکال کی کیا بات ہے ایک یہ بات بھی ہے کہ حضور ﷺ کے اس مکاشفہ یا خواب سے، موجودات کی دنیا میں کسی کافر کا طواف کرنا ہرگز لازم نہیں آتا، جب کہ کفار اور مشرکین کے لئے خانہ کعبہ کے طواف کی ممانعت کا تعلق موجودات کی اس دنیا سے ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دجال کا ذکر

(۲۱) عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ فِيْ حَدِيْثِ تَمِيْمِنِ الدَّارِيِّ قَالَتْ قَالَ فَاِذَا اَنَا بِامْرَأَةٍ تَجُرُّ شَعْرَهَا قَالَ مَا اَنْتِ قَالَتْ اَنَا الْجَسَّاسَةُ اِذْهَبْ اِلٰى ذٰلِكَ الْقَصْرِ فَاَتَيْتُهٗ فَاِذَا رَجُلٌ يَجُرُّ شَعْرَهٗ مُسَلْسَلٌ فِي الْاَغْلَالِ يَنْزُ فِيْمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَقُلْتُ مَنْ اَنْتَ قَالَ اَنَا الدَّجَّالُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت فاطمہ بنت قیسؓ تمیم داریؓ کی حدیث کے سلسلہ میں بیان کرتی ہیں کہ تمیم داریؓ نے کہا کہ (جب میں جزیرہ میں داخل ہوا تو) اچانک میرا گزر ایک عورت پر ہوا جو اپنے بالوں کو گھسیٹتی تھی (یعنی اس کے بال بہت بڑے بڑے تھے جو زمین پر گھسٹتے رہتے تھے) تمیمؓ نے کہا (میں نے اس عورت کو دیکھ کر پوچھا کہ) تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں جاسوسی کرنے والی ہوں (اور دجال کو خبریں پہنچاتی ہوں) تو اس محل کی طرف چلا جا! تمیمؓ کا بیان ہے کہ میں اس محل میں آیا تو وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ہے جو اپنے بالوں کو گھسیٹتا ہے۔ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور طوق پڑے ہوئے ہیں اور آسمان وزمین کے درمیان اچھلتا کودتا ہے میں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں دجال ہوں۔" (ابوداؤد)

تشریح: روایت کے جزو کا حاصل یہ ہے کہ تمیم داریؓ کے مذکورہ واقعہ کے سلسلہ میں مسلمؒ نے جو حدیث حضرت فاطمہؓ سے نقل کی ہے

اور جو پیچھے گزری ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تمیم داریؓ اور ان کے ساتھی اس جزیرہ میں داخل ہوئے تو فلقیتھم الدابۃ یعنی وہاں ان کو ایک چوپایہ ملا لیکن انہی فاطمہؓ کی جو روایت ابوداؤدؒ نے نقل کی ہے اس میں چوپایہ کے بجائے ایک عورت کے ملنے کا ذکر ہے پس ان دونوں روایتوں میں تو یا یہ تضاد ہوا کہ مسلمؒ کی روایت میں تو جساسہ کو دابہ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس کو عرف عام میں چوپایہ کہتے ہیں اور یہاں ابوداؤدؒ کی روایت میں "عورت" کہا گیا ہے؟ اس تضاد کو دور کرنے کے لئے کہی جاتی ہیں، ایک تو یہ کہ شاید دجال کے دو جاسوس ہونگے، ایک دابہ اور دوسری، عورت، یا یہ کہ دابہ کے اصل لغوی معنی چلنے والے یعنی زمین پر چلنے والے کے ہیں، اس لفظ کا اطلاق جو صرف چوپایہ پر کیا جاتا ہے وہ عرف عام کے اعتبار سے ہے، قرآن مجید میں لفظ دابہ کا زیادہ استعمال اس کے اصل لغوی معنی ہی میں ہوا ہے، جیسے ومامن دابۃ فی الارض الاعلی اللّٰہ رزقھا (یعنی روئے زمین پر چلنے والا ایسا کوئی جاندار نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو پس اس معنی میں دابہ کا اطلاق عورت پر بھی ہوسکتا ہے کہ مسلمؒ کی روایت میں "جو دابہ" کا لفظ ہے اس سے "عورت" مراد ہے، ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ جساسہ یعنی جاسوسی کرنے والی ہستی اصل میں شیطان تھا جو کبھی تو "دابہ" کی صورت میں ظاہر ہوا اور کبھی "عورت" کی صورت میں! یہ بات زیادہ قرین قیاس بھی ہے اور موزوں تر بھی کیونکہ جاسوسی کا جو اصل مقصد ہوسکتا ہے یعنی دنیا بھر کی خبریں جمع کرنا اور دجال تک پہنچانا اس کا انجام پانا کسی دابہ، یا عورت کی ذات سے بعید ہے، الا یہ کہ جاسوسی اور خبریں حاصل کرنے کا تعلق دنیا بھر سے نہ ہو بلکہ صرف ان جہازوں اور کشتیوں سے ہو جو اس جزیرے کے آس پاس سے گزرتے ہوں۔

ان دونوں روایتوں کے درمیان ایک اور تضاد بھی نظر آتا ہے، وہ یہ کہ مسلمؒ کی روایت میں سائل اور مخاطب کے طور پر شخص واحد کا نہیں بلکہ پوری جماعت کا ذکر ہے، جب کہ ابوداؤدؒ کی روایت میں سوال وجواب شخص واحد یعنی صرف تمیم داریؓ کی ذات کے ساتھ مختص رکھا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے، کہ سائل اور مخاطب پوری جماعت تھی لیکن اس جماعت میں چونکہ تمیم داریؓ بھی شامل تھے اس لئے سوال وجواب کی نسبت صرف ان کی طرف کرنا بھی درست ہے یا یہ کہ سوال وجواب کرنے والے صرف تمیم داریؓ ہی ہوں گے لیکن انہوں نے وہ سوال وجواب چونکہ پوری جماعت کے ترجمان کی حیثیت میں کیا ہوگا اس لئے اس سوال وجواب کی نسبت پوری جماعت کی طرف کرنا بھی درست ہے، چنانچہ عرف عام میں رائج ہے کہ جب کسی جماعت کا کوئی فرد کوئی کام کرتا ہے تو کبھی اس کی نسبت صرف اسی شخص کی طرف کی جاتی ہے اور کبھی پوری جماعت کی طرف مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں گروہ نے فلاں شخص کو مار ڈالا تو اگرچہ مارنے والا ایک ہی شخص ہوتا ہے مگر اس کی نسبت پورے گروہ کی طرف کی جاتی ہے۔

دجال کا حلیہ

(۲۲) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّیْ حَدَّثْتُكُمْ عَنِ الدَّجَّالِ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ لَّا تَعْقِلُوْا اَنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ قَصِيْرٌ اَفْحَجُ جَعْدٌ اَعْوَرُ مَطْمُوْسُ الْعَيْنِ لَيْسَتْ بِنَاتِئَةٍ وَلَا حَجْرَاءَ فَاِنْ اُلْبِسَ عَلَيْكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبادہؓ ابن صامت رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "میں نے تم لوگوں سے دجال کا حال اس اندیشہ سے (بار بار) بیان کیا ہے کہ کہیں تمہاری سمجھ میں نہ آئے، (تو اچھی طرح سمجھ لو کہ) دجال پستہ قد ہے، پھڈا ہے، اس کے بال مڑے ہوئے ہیں (ایک آنکھ سے) کانا ہے اور (دوسری) آنکھ سلپٹ یعنی بالکل مٹی ہوئی ہے، اس کی آنکھ نہ ابھری ہوئی ہے اور نہ اندر کو دھنسی ہوئی۔ اس کے بعد بھی اگر تم شبہ میں پڑ جاؤ (یعنی میں نے دجال کا جو حلیہ بیان کیا ہے وہ بھول جانے کے سبب اور اس کے مافوق الفطرت کے کارناموں کی وجہ سے اس کا دعویٰ الوہیت اگر تمہیں کسی درجہ میں شبہ میں مبتلا بھی کردے تو) اتنی بات یاد رکھنا کہ تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: "کہ کہیں تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔" کا مطلب یہ ہے کہ میں جو بار بار اور مختلف انداز میں دجال کا حال تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دجال کی حیثیت و حقیقت تمہارے ذہن میں اچھی طرح راسخ ہو جائے، ایسا نہ ہو کہ جب دجال ظاہر ہو تو تم باتوں کو بھول جاؤ جو اس کے حق میں میں نے بتائی ہیں یا تمہارا دل و دماغ اس کی حقیقت سے نا آشنا رہے! اور طیبیؒ نے کہا ہے کہ انی حدثتکم عن الدجال حَتّٰی خشیت الخ میں لفظ "حَتّٰی" دراصل "حدثتکم" کی غایت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے دجال کے سلسلہ میں اتنی زیادہ اور اس قدر متفرق طور پر احادیث بیان کی ہیں کہ مجھے یہ خدشہ ہو گیا ہے کہ کہیں تم التباس کا شکار نہ ہو جاؤ اور تمہارا ذہن اس طرح نہ الجھ جائے کہ دجال کی حیثیت و حقیقت اور اس کے احوال کی تفصیل تمہارے فہم و ادراک کی گرفت سے باہر ہو جائے، پس تم پر لازم ہے کہ دجال کے احوال کو خوب اچھی طرح سمجھ لو اور اپنے آپ کو اس بارے میں شکوک و شبہات اور التباس سے بچاؤ۔

دجال پستہ قد ہے، یہ بات بظاہر اس روایت کے مخالف ہے جس میں دجال کو سب سے بڑے ڈیل ڈول والا بتایا گیا ہے لیکن اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ان دونوں باتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ پستہ قد ہونا بڑے ڈیل ڈول والا ہونے کے منافی نہیں ہے، چنانچہ ہو سکتا ہے کہ دجال ٹھگنے قد کا بھی ہو اور چپٹیل بھاری جسم والا بھی، اور یہ بات اس کے انتہا پر افتنہ پرواز ہونے کے اعتبار سے اس کی فطرت اور اس کی حقیقت کے مطابق بھی ہے! اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے خروج کے وقت اس کو متغیر کر دے یعنی اس وقت تو وہ بہت بڑے ڈیل ڈول والا ہے لیکن جب اس کے ظاہر ہونے کا وقت آئے گا تو ٹھگنا ہو جائے گا۔

"پھڈا" "افحج" کا ترجمہ ہے، یعنی ایسا شخص یا جانور جس کے چلنے کا یہ غیر معمولی انداز ہو کہ پاؤں کے سرے یعنی پنجے تو زمین پر قریب قریب پڑیں مگر دونوں ایڑیاں، پھیلی ہوئی پنڈلیوں کے ساتھ ایک دوسرے سے دور پڑیں اور نہایہ میں یہ لکھا ہے کہ "افحج" کے معنی ہیں دونوں رانوں کے درمیان معمول سے زیادہ فاصلہ ہونا۔

"اس کی آنکھ نہ ابھری ہوئی ہے اور نہ اندر کو دھنسی ہوئی۔" یہ جملہ منفیہ موکدہ ہے جس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اس کی ایک آنکھ بالکل مٹی ہوئی ہوگی، پس یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اس کی دوسری آنکھ انگور کے دانہ کی طرح پھولی ہوئی ہوگی اس کی وضاحت پیچھے کی جا چکی ہے۔

"اتنی بات یاد رکھنا کہ تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے۔" یعنی ایک مسلمان و مؤمن کی حیثیت سے تمہارے اوپر صفات ربوبیت میں سے جس چیز کا سب سے پہلے پہچاننا واجب ہے وہ یہ ہے کہ وہ (تمہارا رب) حدوث و عیوب اور خصوصاً ظاہری نقائص سے بالکل پاک ہے پس اگر یہ بنیادی عقیدہ تمہارے دل و دماغ میں مستحضر رہے گا تو تم دجال کو کانا دیکھ کر فوراً سمجھ جاؤ گے کہ یہ عیب دار ذات ہرگز خدا نہیں ہو سکتی خواہ وہ اپنی خدائی کے اظہار کے لئے اور تمہیں شک و شبہ میں ڈالنے والے کتنے ہی مافوق الفطرت کارنامے کیوں نہ دکھائے۔

ایمان پر ثابت رہنے والوں کو دجال سے کوئی خوف نہیں ہوگا۔

(۲۳) وَعَنْ اَبِیْ عُبَیْدَۃَ ابْنِ الْجَرَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّہٗ لَمْ یَکُنْ نَبِیٌّ بَعْدَ نُوْحٍ اِلَّا قَدْ اَنْذَرَ الدَّجَّالَ قَوْمَہٗ وَاِنِّیْ اُنْذِرُکُمُوْہُ فَوَصَفَہٗ لَنَا قَالَ لَعَلَّہٗ سَیُدْرِکُہٗ بَعْضُ مَنْ رَاٰنِیْ اَوْسَمِعَ کَلَامِیْ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَکَیْفَ قُلُوْبُنَا یَوْمَئِذٍ قَالَ مِثْلُھَا یَعْنِی الْیَوْمَ اَوْ خَیْرٌ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت عبیدہ بن الجراحؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا" حقیقت یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد ایسا کوئی نبی نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈرایا ہو اور میں بھی (بار بار مختلف مواقع پر دجال کے احوال مکرر بیان کر کے) تمہیں اور اس کی

حقیقت و حیثیت کو بیان کر کے) تمہیں اس سے ڈراتا رہتا ہوں" اس کے بعد حضور ﷺ نے ہمارے سامنے دجال کے (کچھ) احوال بیان کیے اور پھر فرمایا "شاید ان لوگوں میں سے کہ جنہوں نے مجھے دیکھا ہے یا میرا کلام سنا ہے، کوئی شخص اس (کے زمانہ) کو پائے" صحابہؓ نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس وقت ہمارے قلوب کی (یعنی اہل ایمان کے قلوب کی) کیا حالت ہوگی؟" فرمایا بالکل ایسی ہی جیسے آج کے دن ہے یا اس سے بھی بہتر۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا تھا! پس "نوح علیہ السلام کے بعد" سے مراد یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی ڈرایا اور ان کے بعد آنے والے تمام انبیاء نے بھی ڈرایا۔

"ان لوگوں میں سے کہ جنہوں نے مجھے دیکھا ہے الخ" یہ بات حضور ﷺ نے یہ فرض کر کے فرمائی کہ دجال کا ظہور اگر جلد ہی ہو جائے! اور بعض لوگوں نے اس جملہ کا مشار، الیہ حضرت خضر علیہ السلام کو قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ خضر علیہ السلام کے اس دنیا میں موجود ہونے کی دلیل ہے! یا "میرا کلام سنا ہے" اس کے حکم میں ہر وہ اہل ایمان آجاتا ہے جس تک دجال کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی احادیث پہنچیں، اگرچہ اس کا زمانہ آنحضرت کے زمانہ سے کتنے ہی بعد کیوں نہ ہو بہر حال اس پورے جملہ کا مطلب گویا یہ تھا کہ دجال کا وجود اور اس کا ظاہر ہونا یقینی امر ہے، البتہ اس وقت کا تعین کے ساتھ علم نہیں ہے کہ وہ کب ظاہر ہوگا، لہذا اگر ایسا ہو کہ میرے صحابہؓ میں سے کوئی اس کا زمانہ پائے تو فبہا ورنہ جو اہل ایمان بعد میں آئیں گے وہ دجال کا زمانہ پائیں گے ان تک چونکہ میری احادیث پہنچیں گی اور میں نے دجال کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کو وہ سنیں اور پڑھیں گے اس لئے ان کو چاہئے کہ وہ یقین پر قائم رہیں اور دجال کے مکر و فریب میں نہ آئیں۔

جیسے آج کے دن ہے یا اس سے بھی بہتر" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص (یعنی اہل ایمان) اپنے ایمان و عقیدہ پر ثابت و قائم رہے گا اس کا دل بھی اپنی جگہ مضبوط رہے گا کہ اس میں دجال کے خوف کا گزر تک نہیں ہوگا اور اس کے مکر و فریب سے کوئی خدشہ نہیں رہے گا، جس طرح کوئی اہل ایمان اس وقت دجال کا منکر و مخالف ہے اسی طرح اس وقت بھی منکر و مخالف ہوگا بلکہ اس کے احوال اور اس کے مکر و فریب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے سبب اس انکار و مخالفت میں کہیں زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔

دجال خراسان سے نکلے گا

(۲۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ اَبِيْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدَّجَّالُ يَخْرُجُ مِنْ اَرْضٍ بِالْمَشْرِقِ يُقَالُ لَهَا خُرَاسَانُ يَتْبَعُهُ اَقْوَامٌ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَّقَةُ. (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عمرو ابن حریث، سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے ہم سے بیان کیا اور فرمایا کہ "دجال روئے زمین کے ایک ایسے حصّہ سے نکلے گا جو مشرق میں واقع ہے اور جس کو خراسان کہا جاتا ہے، اس کے ساتھ لوگوں کے کتنے ہی گروہ ہوں گے اور ان لوگوں کے چہرے تہہ بہ تہہ پھولی ہوئی ڈھال کی مانند ہوں گے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "خراسان" ایک مشہور شہر ہے جو ماوراء النہر کے علاقہ میں واقع ہے اور ایران کی مملکت میں شامل ہے اور ان لوگوں کے چہرے الخ کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے چہرے چوڑے چکلے اور رخسار ڈھال کی طرح ابھرے ہوئے ہوں گے لفظ مطرقہ کی وضاحت کتاب الفتن میں تفصیل سے بیان ہو چکی ہے۔

دجال سے دور رہنے کی تاکید

(۲۵) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ بِالدَّجَّالِ فَلْيَنْأَ مِنْهُ فَوَاللّٰهِ اِنَّ

الرَّجُلَ لَيَاتِيْهِ وَهُوَ يَحْسِبُ اَنَّهُ مُؤْمِنٌ فَيَتَّبِعُهُ مِمَّا يُبْعَثُ بِهِ مِنَ الشُّبُهَاتِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عمران ابن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص دجال کے نکلنے کی خبر سنے اس کو چاہئے کہ وہ اس سے دور رہے خدا کی قسم، آدمی دجال کے پاس آئے گا اور اس کا گمان تو یہ ہوگا کہ میں مؤمن ہوں لیکن وہ ان چیزوں کی وجہ سے شبہات میں پڑ کر کہ جو دجال کو دی گئی ہوں گی (جیسے سحر و شعبدہ بازی اور مردہ کو زندہ کر دینے کی قدرت وغیرہ اس کی اطاعت قبول کرے گا اور اس پر ایمان لے آئے گا۔" (ابوداؤد)

تشریح: "اس کو چاہئے کہ اس سے دور رہے" کا حاصل یہ ہے کہ برائی کے قریب جانا خطرہ و خوف سے خالی نہیں ہوتا جب کہ اس سے دور رہنا بہتری و بھلائی کا ضامن ہوتا ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ لہٰذا جب دجال ظاہر ہو تو اس وقت جو بھی اہل ایمان ہو اس کو چاہئے کہ وہ دجال سے دور رہے۔

ظاہر ہونے کے بعد روئے زمین پر دجال کے ٹھہرنے کی مدت

(۲۶) وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ بْنِ السَّكَنِ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْكُثُ الدَّجَّالُ فِي الْاَرْضِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً اَلسَّنَةُ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرُ كَالْجُمُعَةِ وَالْجُمُعَةِ كَالْيَوْمِ وَالْيَوْمُ كَاضْطِرَامِ السَّعَفَةِ فِي النَّارِ۔ رواه في شرح السنة۔

"اور حضرت اسماء بنت یزید بن سکنؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا روئے زمین پر دجال چالیس سال تک رہے گا، (اس وقت) سال مہینہ کے برابر ہوگا، مہینہ ہفتہ کے برابر اور ہفتہ ایک دن کے برابر ہوگا اور ایک دن اتنی دیر کا ہوگا جتنی دیر میں کھجور کی خشک شاخ آگ میں جل جاتی ہے اس روایت کو بغویؒ نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: پہلے ایک حدیث گزر چکی ہے جس میں روئے زمین پر دجال کے پھرنے کی مدت چالیس رات بتائی گئی ہے اور یہاں چالیس سال کی مدت بیان کی گئی ہے؟ پس ان دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لئے یہ کہا جائے گا کہ پہلی حدیث میں جس مدت کو بیان کیا گیا ہے اس سے وہ مخصوص مدت مراد ہے جس کے دوران وہ روئے زمین پر فتنہ و فساد پھیلائے گا اور لوگوں کو گمراہ کرے گا، اور یہاں جو مدت بیان کی گئی ہے اس سے وہ مطلق مدت مراد ہے جس میں وہ روئے زمین پر رہے گا۔

"سال مہینہ کے برابر ہوگا الخ" سے مراد وقت کی تیز رفتاری کو ظاہر کرنا ہے کہ اس وقت دن بہت جلد جلد گزریں گے رہی اس حدیث کی بات جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اس وقت ایک دن ایک سال کے برابر گزرے گا تو اس سے مراد تعلق و شدت کو بیان کرنا ہے کہ اس وقت فتنہ و فساد کی کثرت اور دینی و دنیاوی مصائب و آلام کی زیادتی کی وجہ سے ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے زمانہ کی رفتار دھیمی ہو گئی ہے اور دن پہاڑوں کی طرح کٹ رہے ہیں لیکن حقیقت میں وہ دن تیز رفتاری کے ساتھ گزریں گے۔

"اور ایک دن اتنی دیر کا ہوگا الخ" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کسی سوکھی پتی کو آگ میں جلایا جائے تو وہ آگ بھک سے جل کر ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔

دجال کی اطاعت کرنے والے

(۲۷) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْبَعُ الدَّجَّالَ مِنْ اُمَّتِيْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا عَلَيْهِمُ السِّيْجَانُ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار افراد کہ جن کے سروں پر سیجان پڑے ہوں گے دجال کی اطاعت اختیار کر لیں گے" (اس روایت کو بغویؒ نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔)"

تشریح : سیجان اصل میں ساج کی جمع ہے جیسا کہ تاج کی جمع تیجان آتی ہے اور ساج بھی طیلسان کی طرح سبز یا سیاہ چادر کو کہتے ہیں۔

"میری امت" میں اُمت سے مراد اُمت اجابت یعنی ملت اسلامیہ بھی ہو سکتی ہے اور اُمت دعوت یعنی غیر مسلموں کی قوم بھی ہو سکتی ہے لیکن زیادہ صحیح، آخری مراد یعنی غیر مسلموں کی قوم ہی ہے، جیسا کہ پیچھے کی ایک حدیث میں بیان ہو چکا ہے کہ دجال کے اطاعت کرنے والے ستر ہزار لوگ، اصفہان کے یہودی ہوں گے۔

دجال اور قحط سالی

(۲۸) وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِيْ فَذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ ثَلٰثَ سِنِيْنَ سَنَةٌ تُمْسِكُ السَّمَآءُ فِيْهَا ثُلُثَ قَطْرِهَا وَالْاَرْضُ ثُلُثَ نَبَاتِهَا وَالثَّالِثَةُ تُمْسِكُ السَّمَآءُ ثُلُثَيْ قَطْرِهَا وَالْاَرْضُ ثُلُثَيْ نَبَاتِهَا وَالثَّالِثَةُ تُمْسِكُ السَّمَآءُ قَطْرَهَا كُلَّهُ وَالْاَرْضُ نَبَاتَهَا كُلَّهُ وَلَا يَبْقٰى ذَاتُ ظِلْفٍ وَلَا ذَاتُ ضِرْسٍ مِّنَ الْبَهَآئِمِ اِلَّا هَلَكَ وَاِنَّ مِنْ اَشَدِّ فِتْنَتِهٖ اَنَّهٗ يَاْتِي الْاَعْرَابِيَّ فَيَقُوْلُ اَرَاَيْتَ اِنْ اَحْيَيْتُ لَكَ اِبِلَكَ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَيُمَثِّلُ لَهُ الشَّيْطَانُ نَحْوَ اِبِلِهٖ كَاَحْسَنِ مَا يَكُوْنُ ضُرُوْعًا وَاَعْظَمِهٖ اَسْنِمَةً قَالَ وَيَاْتِي الرَّجُلَ قَدْ مَاتَ اَخُوْهُ وَمَاتَ اَبُوْهُ فَيَقُوْلُ اَرَاَيْتَ اِنْ اَحْيَيْتُ لَكَ اَبَاكَ وَاَخَاكَ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَيُمَثِّلُ لَهُ الشَّيَاطِيْنُ نَحْوَ اَبِيْهِ وَاَخِيْهِ قَالَتْ ثُمَّ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهٖ ثُمَّ رَجَعَ وَالْقَوْمُ فِي اهْتِمَامٍ وَّغَمٍّ مِّمَّا حَدَّثَهُمْ قَالَتْ فَاَخَذَ بِلَحْمَتَيِ الْبَابِ فَقَالَ مَهْيَمْ اَسْمَآءُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ خَلَعْتَ اَفْئِدَتَنَا بِذِكْرِ الدَّجَّالِ قَالَ اِنْ يَّخْرُجْ وَاَنَا حَيٌّ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ وَاِلَّا فَاِنَّ رَبِّيْ خَلِيْفَتِيْ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاللّٰهِ اِنَّا لَنَعْجِنُ عَجِيْنَنَا فَمَا نَخْبِزُهٗ حَتّٰى نَجُوْعَ فَكَيْفَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَئِذٍ قَالَ يُجْزِئُهُمْ مَا يُجْزِئُ اَهْلَ السَّمَاءِ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّقْدِيْسِ۔ (رواہ)

"اور حضرت اسماء بنت یزید ابن سکنؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ نے دجال کا ذکر کیا اور فرمایا۔ "دجال کے ظاہر ہونے سے پہلے تین سال ایسے ہوں گے کہ (ان میں برکت جاتی رہے گی اور لوگوں کے معاشی حالات میں ابتری پیدا کرنے والے مختلف حالات رونما ہوں گے چنانچہ) پہلے سال تو آسمان تہائی بارش کو اور زمین تہائی پیداوار کو روک لے گی (یعنی اور سالوں کے معمول کے خلاف اس سال بارش ایک تہائی کم ہوگی اسی طرح زمین کی پیداوار میں بھی ایک تہائی کمی ہو جائے گی اگرچہ بارش کے پانی کے علاوہ دوسرے طریقوں سے زمین کی آبپاشی کی جائے گی) پھر دوسرے سال آسمان دو تہائی بارش کو اور زمین دو تہائی پیداوار کو روک لے گی اور پھر تیسرے سال آسمان تمام بارش کو اور زمین اپنی تمام پیداوار کو روک لے گی "یہاں تک کہ جس وقت دجال ظاہر ہوگا تو تمام روئے زمین پر قحط پھیل چکا ہو گا صرف انسان سخت ترین معاشی وغذائی بحران میں مبتلا ہوں گے بلکہ مویشیوں اور چوپایوں میں بھی بھکری پھیل چکی ہوگی) چنانچہ نہ تو کوئی کھروالا جانور باقی رہے گا اور نہ وحشی جانوروں میں سے کوئی دانت والا بلکہ سب ہلاک ہو جائیں گے اور اس کے برعکس اس وقت خزینے اور دفینے دجال کے تسلط میں ہوں گے اور غذائی ضروریات کی تکمیل اور آسائش وخوشحالی کے دوسرے ذرائع اس کے پاس ہوں گے، اس طرح لوگوں میں اپنی خدائی کا سکہ جمانے اور گمراہی کا سخت ترین فتنہ پھیلانے کے لئے وہ ان چیزوں کو استعمال کرے گا) چنانچہ اس کا سخت ترین فتنہ یہ ہوگا کہ وہ علم ودانائی سے بے بہرہ ایک دیہاتی کے پاس آئے گا اور اس سے کہے گا کہ مجھے بتا، اگر میں تیرے ان اونٹوں کو زندہ کر دوں (جو قحط کی وجہ سے مر گئے ہیں) تو کیا تو یہ تسلیم کرے گا کہ میں تیرا پروردگار ہوں" دیہاتی جواب دے گا کہ ہاں میں تجھے اپنا پروردگار مان لوں گا) تب دجال اس دیہاتی کے اونٹوں کی مانند شکل وصورت بنا کر لائے گا (یعنی اپنے تابعدار جنات اور شیاطین کو حکم دے گا کہ وہ اونٹوں کی شکل وصورت میں اس دیہاتی کے سامنے آجائیں، چنانچہ شیاطین اونٹ بن کر سامنے آجائیں گے) اور وہ اونٹ تھنوں کی درازی اور کوہانوں کی بلندی کے اعتبار سے اس کے اونٹوں سے بہتر معلوم ہوں گے" آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"(دجال کا اسی طرح کا ایک سخت ترین فتنہ یہ ہوگا کہ) پھر وہ ایک شخص کے پاس آئے گا جس کا باپ اور بھائی مر گئے ہوں گے۔ اور اس سے کہے گا کہ مجھے بتا، اگر میں تیرے (مرے ہوئے) بھائی اور باپ کو زندہ کردوں تو کیا تو تسلیم کرے گا کہ میں تیرا پروردگار ہوں؟ وہ شخص جواب دے گا کہ ہاں! (میں تجھے اپنا پروردگار مان لوں گا) تب دجال (شیاطین کو) اس شخص کے بھائی اور باپ کی شکل وصورت میں پیش کر دے گا۔" حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ یہ فرما کر کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد مجلس میں تشریف لے آئے اس وقت حاضرین مجلس (دجال کے یہ حالات سن کر) فکر وغم کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے حضرت اسماء کہتی ہیں کہ یا رسول اللہ آپ ﷺ نے تو (دجال کا ذکر کر کے) ہمارے دل نکال لئے ہیں (یعنی اس کا یہ حال سن کر ہمارے دل سخت مرعوب زدہ ہو گئے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا اگر (دجال نکلے اور فرض کرو) میں زندہ رہوں تو دلائل وحجت سے اس کو رفع کردوں گا، اور اگر وہ اس وقت نکلا جب میں دنیا میں موجود نہ ہوں گا تو یقیناً میرا پروردگار ہر مؤمن کے لئے مراد وکیل وخلیفہ ہوگا (یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ ہر صاحب ایمان کا حامی ومددگار ہوگا اور اس کے فتنہ وفساد سے محفوظ رکھے گا)" پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، بھوک کے وقت انسان کی بے صبری کا عالم تو یہ ہوتا ہے کہ ہم آٹا گوندھتے ہیں اور اس کی روٹی پکا کر فارغ بھی نہیں ہوتے کہ بھوک سے ہم بے چین ہو جاتے ہیں، تو (ایسی صورت میں اس وقت جب کہ قحط سالی پھیلی ہوئی ہوگی، غذائی اشیاء دجال کے تسلط میں ہوں گی اور کھانے پینے کی چیزیں صرف وہی شخص پاسکے گا جو دجال کی اتباع کرے گا) آخر مؤمنین کا کیا حال ہوگا (یعنی وہ اپنی بھوک پر کس طرح قابو پائیں گے اور انہیں صبر وقرار کس طرح ملے گا؟) حضور ﷺ نے فرمایا۔ "ان کے لئے وہی چیز کافی ہوگی جو آسمان والوں یعنی فرشتوں کو کافی ہوتی ہے یعنی حق تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس۔"

تشریح: فاخذ بلحمتی الباب آنحضرت ﷺ نے دروازے کے دو جانب پکڑ لئے) میں لفظ "لحمة" مشکوۃ اور مصابیح کے تمام نسخوں میں ل کے زبر اور ح کے جزم کے ساتھ منقول ہے جو "جانب" کے معنی میں لیا گیا ہے لیکن صحاح وقاموس اور لغت کی دوسری کتابوں میں یہ لفظ اس معنی میں مذکور نہیں ہے چنانچہ طیبیؒ نے کہا ہے کہ یہ اصل میں "ملجفتی الباب" ہے یعنی ح کی جگہ ج ہے اور م کی جگہ ف ہے، جس کے معنی دروازے کے بازو کے ہیں! لیکن بعض شارحین نے طیبیؒ کی اس بات سے اتفاق نہ کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ چونکہ مشکوۃ و مصابیح کے تمام ہی نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح منقول ہے جس طرح یہاں حدیث میں نقل کیا گیا ہے لہذہ لازم ہے کہ "بلحمتی الباب" ہی کو صحیح مانا جائے اور اس معنی کے سلسلہ میں یہ تاویل کی جائے کہ چونکہ قاموس میں لحمہ کے معنی گوشت کا ٹکڑا لکھے ہیں اس لئے اس معنی میں سے صرف ٹکڑے کو اختیار کیا جائے اور کہا جائے کہ "بلحمتی الباب" میں "دونوں ٹکڑوں" سے مراد دروازے کے دونوں کواڑ ہیں اور دونوں کواڑ اس اعتبار سے "ٹکڑے" ہی کہے جاسکتے ہیں کہ وہ الگ الگ ہوتے ہیں، کہ کبھی تو (دروازہ بند ہونے کی صورت میں) مل کر ایک ہو جاتے ہیں اور کبھی "دروازہ کھلنے کی صورت میں" ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں! یہ تاویل یقیناً اس بات سے زیادہ بہتر اور مناسب ہے کہ حدیث کے الفاظ میں کتابت کی غلطی یا روایت کے سہو کا احتمال نکالا جائے۔

"ان کے لئے وہی چیز کافی ہوگی الخ کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس قدر صبر واستقامت اور نفس پر قابو عطا فرما دے گا کہ وہ کھانے پینے کی احتیاج ہی محسوس نہیں کریں گے جیسا کہ فرشتے کھانے پینے کے محتاج نہیں ہوتے اور ان کی اصل غذا تسبیح ہوگی جیسا کہ فرشتوں کی غذا تسبیح وتقدیس ہے واضح رہے کہ بعض حضرات نے حضرت اسماءؓ کے ان الفاظ یا رسول اللہ (ﷺ) آپ (ﷺ) نے تو ہمارے دل نکال لئے الخ" کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ دجال سے ہمارا تو واسطہ بھی نہیں پڑا ہے، اس کا صرف ذکر ہی سن کر ہمارا یہ عالم ہے کہ ہم روٹی پکانے کے لئے آٹا گوندھتے ہیں اور جونہی دجال کی ان باتوں کا خیال آجاتا ہے جو آپ ﷺ نے ذکر فرمائی ہیں اور جو ہمارا دل نکالے لیتی ہیں تو خوف ودہشت اور فکر وصدمہ کی وجہ سے ہم روٹی پکانا چھوڑ دیتے ہیں اور بھوکے رہ جاتے ہیں، تو آخر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اس زمانہ کے سخت ترین حالت سے دوچار ہوں گے اور جن کا واسطہ دجال سے پڑے گا" لیکن طیبیؒ نے اس معنی کو بعید قرار دیا ہے ویسے اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو اس صورت میں حضور ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تسبیح وتقدیس

کی برکت سے ان کو صبر و استقامت اور ان حالات کا مقابلہ کرنے کی قوت و طاقت عطا فرمائے گا! نیز احتمال تو یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ نے یہ بات اس مجلس کے بعد کسی وقت خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی ہوگی ویسے "فَقُلْتُ" میں حرف ف بظاہر اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ انہوں نے یہ بات اسی مجلس میں دجال کا ذکر سن کر کہی تھی اور ان کے وہ الفاظ جن میں آٹا گوندھنے اور بھوک کا ذکر ہے، وہ انہوں نے زمانہ آئندہ کے اعتبار سے کہی۔

مشکوۃ کے اصل نسخہ میں رواہ کے بعد جگہ چھوٹی ہوئی ہے، لیکن پھر بعد میں کسی نے احمد و ابوداؤد والطیالی کے الفاظ کا الحاق کیا ہے اور بعض حضرات نے اس طرح کہا ہے رواہ احمد عن عبدالرزاق عن معمر عن قتادۃ عن شھر بن حوشب عنھا و انفرد بہ عنھا

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اہل ایمان کو دجال سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں

(۲۹) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ مَاسَأَلَ اَحَدٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّجَّالِ اَكْثَرَ مِمَّا سَأَلْتُهُ وَ اِنَّهُ قَالَ لِيْ مَايَضُرُّكَ قُلْتُ اِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ مَعَهُ جَبَلَ خُبْزٍ وَّنَهَرَ مَآءٍ قَالَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ دجال کے بارے میں جس قدر میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا ہے اتنا کسی اور نے نہیں پوچھا! چنانچہ (ایک دن) آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ "دجال تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گا یعنی تمہارے اوپر چونکہ حق تعالیٰ کی عنایت و حمایت کا سایہ ہوگا اس لئے دجال تمہیں گمراہ نہیں کر سکے گا" میں نے عرض کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ (یعنی پہاڑ کے بقدر غذائی ضروریات کا ذخیرہ) ہوگا اور پانی کی نہر اس وقت جب کہ لوگ قحط سالی کا شکار ہوں گے اگر کوئی شخص بھوک و پیاس سے اضطرار کی حالت کو پہنچ جائے تو وہ کیا کرے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ دجال اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "اس سے زیادہ ذلیل ہے" کا مطلب یہ ہے کہ دجال اپنی طاقت و قوت کے جو مظاہر پیش کرے گا وہ سب بے حقیقت ہونگے کہ ان چیزوں کی حیثیت شعبدہ بازی، فریب کاری اور نظر بندی سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوگی وہ خدا کے نزدیک اس قدر ذلیل و بے حیثیت ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے اس کو اتنی زیادہ طاقت و قدرت عطا نہیں ہو سکتی اور وہ اس بات پر قادر ہی نہیں ہو سکتا کہ اپنے عقیدہ و عمل پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اہل ایمان کو گمراہ کر سکے لہٰذا اہل ایمان دجال کی اس مافوق الفطرت طاقت کو دیکھ کر، کہ جو صرف ظاہر میں طاقت نظر آئے گی اور حقیقت میں دھوکہ کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا! ہرگز خوفزدہ نہیں ہوں گے بلکہ وہ تو اس کی شعبدہ بازیوں اور اس کے محیر العقول کارناموں کو دیکھ کر اس کے دجل و فریب اور جھوٹ پر اپنے یقین کو اور زیادہ پختہ کریں گے۔

دجال کی سواری گدھا ہوگا

(۳۰) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ عَلٰى حِمَارٍ اَقْمَرَ مَابَيْنَ اُذُنَيْهِ سَبْعُوْنَ بَاعًا رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "دجال ایک سفید گدھے پر سوار ہو کر نکلے گا اور اس گدھے کے دونوں کانوں کے درمیان ستر باع چوڑا فاصلہ ہوگا" اس روایت کو بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: "باع" دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کی مقدار کو کہتے ہیں! حاصل یہ کہ دجال کی سواری کا وہ گدھا اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے دونوں کانوں کے درمیان کا فاصلہ دونوں ہاتھوں کے ستر پھیلاؤ کے بقدر ہوگا۔

بَابُ قِصَّةِ ابْنِ صَيَّادٍ

ابن صیاد کے قصہ کا بیان

مشکوۃ کے اکثر قابل اعتماد نسخوں میں یہاں ابن صیاد ہی لکھا ہے، لیکن بعض نسخوں میں "ابن الصیاد" نقل کیا گیا ہے۔

ابن صیاد کی حقیقت: ابن صیاد کا اصل نام "صاف" تھا اور بعض حضرات نے "عبداللہ" کہا ہے وہ ایک یہودی تھا جو مدینہ کا باشندہ تھا یا اصل باشندہ تو کہیں اور کا تھا لیکن مدینہ آکر وہاں کے یہودیوں میں شامل ہو گیا تھا! ابن صیاد سحرو کہانت کا زبردست ماہر تھا اور اس وجہ سے اس کی شخصیت بڑی پر اسرار بن کر رہ گئی تھی اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے اس کی حقیقت کو مختصر طور پر یوں ظاہر کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایک بڑا فتنہ تھا جس میں مسلمانوں کو مبتلا کر کے ان کا امتحان لیا گیا تھا اس کے حالات بڑے مختلف تھے اور اس بنا پر صحابہؓ کے درمیان بھی اس کی حیثیت کے تعین میں اختلاف تھا، چنانچہ کچھ صحابہؓ کا خیال یہ تھا ابن صیاد وہی دجال ہے جس کے بارے میں خبر دی گئی ہے کہ وہ دنیا میں ظاہر ہوگا اہل ایمان کو گمراہ کرے گا لیکن اکثر حضرات کا کہنا یہ تھا کہ ابن صیاد وہ بڑا دجال تو نہیں ہے لیکن ان چھوٹے دجالوں میں سے ایک ضرور ہے جو مختلف زمانوں میں پیدا ہوتے رہیں گے اور جن کا اصل مقصد فتنہ وفساد پھیلانا اور لوگوں کو گمراہ کرنا ہوگا! جیسا کہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ اس اُمت میں دجال پیدا ہوتے رہیں گے، جو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے آخر الذکر حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ابن صیاد اگرچہ پہلے کافر کاہن تھا لیکن آخر میں مسلمان ہو گیا تھا، پھر اس نے حج بھی کیا مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا! اس کے اولاد بھی ہوئی اور وہ مدینہ و مکہ میں رہا کرتا تھا جب کہ دجال کافر ہوگا اور کفر ہی کی حالت میں مارا جائے گا اس کے اولاد نہیں ہوگی، اور مکہ و مدینہ میں اس کا داخلہ تک ممنوع ہوگا چہ جائیکہ وہ ان مقدس شہروں میں بودو باش اختیار کرے حضرت تمیم داریؓ کی اس حدیث کو بھی ان حضرات کی پوری دلیل قرار دیا جاسکتا ہے جو دجال کے سلسلہ میں پیچھے گزر چکی ہے! بہرحال ابن صیاد کی حیثیت و حقیقت مبہم تھی، اس کے بارے میں تعین و یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے، خود آنحضرت ﷺ پر بھی اس بارے میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے آپ ﷺ نے بھی اس کی اصل حیثیت پر سے پردہ نہیں اٹھایا بلکہ اس کو مبہم رکھا جیسا کہ اس باب میں منقول احادیث سے معلوم ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

ابن صیاد کے ساتھ ایک واقعہ

① عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ انْطَلَقَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَهْطٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ قِبَلَ ابْنِ صَيَّادٍ حَتّٰى وَجَدُوْهُ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ فِيْ اُطُمِ بَنِيْ مَغَالَةَ وَقَدْ قَارَبَ ابْنُ صَيَّادٍ يَوْمَئِذٍ الْحُلُمَ فَلَمْ يَشْعُرْ حَتّٰى ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظَهْرَهٗ بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ اَتَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَنَظَرَ اِلَيْهِ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ الْاُمِّيِّيْنَ ثُمَّ قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ اَتَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَرَصَّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِرُسُلِهٖ ثُمَّ قَالَ لِابْنِ صَيَّادٍ مَاذَا تَرٰى قَالَ يَاْتِيْنِيْ صَادِقٌ وَكَاذِبٌ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِّطَ عَلَيْكَ الْاَمْرُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ خَبَاْتُ لَكَ خَبِيْئًا وَخَبَاَ لَهٗ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ فَقَالَ هُوَ الدُّخُّ فَقَالَ اخْسَاْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ قَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَاْذَنُ لِيْ فِيْهِ اَنْ اَضْرِبَ عُنُقَهٗ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ يَّكُنْ هُوَ لَا تُسَلَّطُ عَلَيْهِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ هُوَ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِيْ قَتْلِهٖ قَالَ ابْنُ عُمَرَ انْطَلَقَ بَعْدَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ الْاَنْصَارِيُّ يَؤُمَّانِ النَّخْلَ الَّتِيْ فِيْهَا ابْنُ صَيَّادٍ فَطَفِقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّقِيْ

بِجُذُوْعِ النَّخْلِ وَهُوَ يَخْتِلُ اَنْ يَّسْمَعَ مِنِ ابْنِ صَيَّادٍ شَيْئًا قَبْلَ اَنْ يَّرَاهُ وَابْنُ صَيَّادٍ مُضْطَجِعٌ عَلٰى فِرَاشِهٖ فِيْ قَطِيْفَةٍ لَّهٗ فِيْهَا زَمْزَمَةٌ فَرَاَتْ اُمُّ ابْنِ صَيَّادٍ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَّقِيْ بِجُذُوْعِ النَّخْلِ فَقَالَتْ اَيْ صَافِ وَهُوَ اسْمُهٗ هٰذَا مُحَمَّدٌ فَتَنَاهٰى ابْنُ صَيَّادٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ تَرَكَتْهُ بَيَّنَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَاَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنِّيْ اُنْذِرُكُمُوْهُ وَمَا مِنْ نَّبِيٍّ اِلَّا قَدْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ لَقَدْ اَنْذَرَ نُوْحٌ قَوْمَهٗ وَلٰكِنِّيْ سَاَقُوْلُ لَكُمْ فِيْهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهٖ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ اَعْوَرُ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِاَعْوَرَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) حضرت عمر فاروقؓ ابن خطاب صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت میں شامل ہو کر رسول کریم ﷺ کے ساتھ ابن صیاد کے پاس گئے اور انہوں نے اس کو (یہودیوں کے ایک قبیلہ) بنو مغالہ کے محل میں بچوں کے ساتھ کھیلتا ہوا پایا، وہ اس وقت سن بلوغ کے قریب ہو چکا تھا، ابن صیاد ان سب کی آمد سے بے خبر (اپنے کھیل میں مصروف) رہا یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ نے اس کی پشت پر ہاتھ مارا اور (جب وہ متوجہ ہوا تو آپ ﷺ نے) اس سے سوال کیا کہ کیا تو اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابن صیاد نے (یہ سن کر بڑی غصیلی نظروں سے) آپ ﷺ کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم امیوں یعنی ناخواندہ لوگوں کے رسول ہو اور پھر اس نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے اس کو (پکڑ لیا) اور پھر خوب زور سے بھینچا اور فرمایا "میں خدا پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا" اس کے بعد آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ (اچھا یہ بتا) تو کیا دیکھتا ہے یعنی غیب کی چیزوں سے تجھ پر کیا منکشف ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا کبھی تو میرے پاس سچی خبر آتی ہے اور کبھی تو میرے پاس سچا فرشتہ آتا ہے اور کبھی جھوٹا شیطان رسول کریم ﷺ نے اس کا یہ جواب سن کر) فرمایا کہ تیرا معاملہ سب گڈمڈ ہو گیا" پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تیرے لئے اپنے دل میں ایک بات چھپائی ہے اور جو بات آپ ﷺ نے ابن صیاد کے لئے چھپائی تھی وہ یہ آیت یوم تاتی السمآء بدخان مبین ۝ تھی اس نے جواب دیا کہ وہ پوشیدہ بات (جو تمہارے دل میں ہے) "دُخ" ہے آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا دور ہٹ! تو اپنی اوقات سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکے گا" حضرت عمر فاروقؓ نے (یہ صورت حال دیکھ کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ (ﷺ) مجھے اجازت دیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ابن صیاد اگر وہی دجال ہے (جس کے آخر زمانہ میں نکلنے کی اطلاع دی گئی ہے) تو پھر تم اس پر مسلط نہیں ہو سکو گے یعنی اس کو قتل کرنے پر قادر نہیں ہو سکو گے کیونکہ اس کو قتل کرنا تو صرف حضرت عیسی علیہ السلام کے لئے مقدر ہے) اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو پھر اس کو قتل کرنے میں تمہارے لئے کوئی بھلائی نہیں) حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد (ایک اور دن) رسول کریم ﷺ کھجور کے ان درختوں کے پاس تشریف لے گئے جہاں ابن صیاد تھا اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابی ابن کعب انصاریؓ بھی تھے، رسول کریم ﷺ (وہاں پہنچ کر) کھجور کی شاخوں کے پیچھے چھپنے لگے تاکہ ابن صیاد (اپنے قریب آپ ﷺ کی موجودگی سے) بے خبر رہے اور آپ ﷺ اس کے دیکھنے سے پہلے اس کی کچھ باتیں سن لیں اور اس طرح چھپ کر ابن صیاد کی باتوں کو سننے سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ خود آپ ﷺ بھی اور صحابہؓ بھی جان لیں کہ وہ آخر ہے کیا آیا کوئی کاہن ہے یا جادوگر یا کچھ اور؟ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص سے فتنہ پردازی کا خوف ہو اس کی حقیقت کو ظاہر کرنا اور لوگوں پر اس کے احوال منکشف کرنا جائز ہے) اس وقت ابن صیاد ایک چادر میں لپٹا ہوا لیٹا تھا اور اس چادر کے اندر سے گنگنانے کی آواز آ رہی تھی (جس کا کوئی مفہوم سمجھ میں آتا تھا) اتنے میں ابن صیاد کی ماں نے نبی کریم ﷺ کو کھجور کی شاخوں میں چھپا ہوا دیکھ لیا اور کہا، ارے، صاف یہ ابن صیاد کا نام تھا (دیکھ) یہ محمد (ﷺ) کھڑے ہیں ابن صیاد نے (سن کر) گنگنانا ترک کر دیا (یعنی وہ بالکل خاموش ہو گیا اور جو ہلکی ہلکی سی آواز آ رہی تھی وہ بھی بند ہو گئی (یہ دیکھ کر) رسول کریم ﷺ نے (صحابہؓ سے) فرمایا۔ "اگر ابن صیاد کی

ماں اس کو نہ ٹوکتی (اور میری موجودگی سے باخبر نہ کرتی) وہ اپنی حقیقت کو ظاہر کر دیتا (یعنی اس کی باتوں سے یہ معلوم ہو جاتا وہ کون ہے اور کیا ہے) حضرت عبداللہ (ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب) رسول کریم ﷺ (خطبہ دینے کے لئے) لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی جو اس کو سزاوار ہے، پھر دجال کا ذکر کیا (بایں احتمال کہ شاید ابن صیاد دجال ہو یا آپ ﷺ نے اس کی فتنہ پردازی اور اس حقیقت کے پیش نظر کہ اس میں دجال کی بعض خصلتیں پائی جاتی تھیں دجال کا ذکر کرنا اور اس کے احوال سے آگاہ کرنا مناسب جانا) اور فرمایا میں تمہیں دجال سے ڈراتا ہوں، اور نوح کے بعد کوئی نبی علیہ السلام ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈرایا ہو اور (ان انبیاء سے پہلے) نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ہے لیکن میں تم سے دجال کے بارے میں ایک ایسی بات اور ایک ایسی علامت بتاتا ہوں جو کسی اور نبی علیہ السلام نے اپنی قوم سے نہیں بتائی ہے، سو تم جان لو کہ دجال کانا ہو گا اور یقیناً اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: امیوں" سے اس کی مراد اہل عرب تھے، کیونکہ اس زمانہ میں اکثر اہل عرب پڑھے لکھے نہیں ہوتے تھے! اور اصل بات یہ ہے کہ یہودیوں میں سے ایک طبقہ کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی رسالت کے منکر تو نہیں تھے لیکن آپ ﷺ کو صرف اہل عرب کا رسول مانتے تھے بہر حال یہ بات (یعنی ابن صیاد کا حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی اس طرح دینا) اس کی ان لغو و باطل باتوں میں سے ایک تھی جو شیطان کاہنوں کو القا کیا کرتا ہے، ویسے منطقی طور پر بھی اس کے یہ الفاظ زبر دست تضاد و تناقض کے حامل تھے کیونکہ نبی علیہ السلام ہر حال میں سچا ہوتا ہے خواہ وہ کسی ایک قوم و علاقہ میں مبعوث ہوا ہو یا پوری نوع انسانیت کے لئے) اور جب آنحضرت ﷺ نے اپنی نبوت عامہ کا اعلان کیا۔ اور تمام نوع انسان کو اپنی رسالت کی دعوت دی تو آپ ﷺ کی نبوت کو صرف اہل عرب کے ساتھ مخصوص کرنا سراسر باطل ٹھہرا "آنحضرت ﷺ نے اس کو خوب زور سے بھینچا" میں بھینچا" لفظ رص کا ترجمہ ہے جو ر کے زبر اور ص کے ساتھ ہے اور جس کے اصل معنی" دو چیزوں کو استوار کرنا اور آپس میں ایک دوسرے سے جوڑنا ملانا" ہے" اسی لئے مضبوط اور استوار بنیاد کو بنائے مرصوص کہا جاتا ہے حاصل یہ کہ حضور ﷺ نے ابن صیاد کو پکڑ کر اور اس کے اعضاء جسم کو ایک دوسرے سے ملا کر زور سے بھینچا اور نوویؒ نے یہ لکھا ہے کہ ہمارے علاقہ میں کتاب کے جو صحیح نسخے ہیں ان میں یہ لفظ فرفضہ، یعنی ف اور ض کے ساتھ ہے، جو رفض سے ہے اور جس کے معنی" چھوڑنے" کے ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ آپ ﷺ نے اس کے سوال و جواب اور اس کی کٹ حجتی سے صرف نظر کر لیا۔

میں خدا پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا کا مطلب یہ تھا کہ میں یقیناً اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور نبیوں پر ایمان لایا ہوں اور یہ بھی یقینی ہے کہ تو ان میں سے نہیں ہے) ہاں اگر بفرض محال تو بھی ان میں سے ہوتا تو میں تجھ پر بھی ایمان لاتا! لیکن یہ فرض کرنے والی بات اسی صورت میں جائز ہو گی جب یہ کہا جائے کہ حضور ﷺ نے یہ بات اپنے خاتم النبیین ہونے کے علم سے پہلے کہی تھی، اگر اس وقت آپ کا خاتم النبیین ہونا آپ ﷺ کے علم میں تھا تو یہ بفرض محال والی بات مراد نہیں لی جا سکتی اس مسئلہ کی نزاکت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص نبوت کا دعوی کرے اور کوئی اور شخص اس سے معجزہ کا مطالبہ کرنے کے باوجود اس کو اس لئے قتل نہیں کیا کہ اول تو وہ بہت چھوٹی عمر کا تھا اور چھوٹی عمر والوں کو قتل کرنا حضور ﷺ کے لئے ممنوع تھا، دوسرے یہ کہ یہودی ان دنوں ذمی تھے اور حضور ﷺ سے انہوں نے اس بات پر صلح کر رکھی تھی کہ ان کے حال پر رہنے دیا جائے گا، اور ظاہر ہے کہ ابن صیاد بھی یہودیوں ہی کا ایک فرد تھا ان کے خلیفوں میں سے تھا، اس لئے اس کو قتل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"کبھی تو میرے پاس سچی خبر آتی ہے اور کبھی جھوٹی خبر۔" کے بارے میں بعض شارحین نے کہا ہے کہ ابن صیاد سے حضور ﷺ کے سوال کا حاصل یہ تھا کہ جو شخص تیرے پاس آتا ہے وہ تجھ سے کیا کہتا ہے اور اس کی کہی ہوئی باتیں تیرے لئے کیسی ثابت ہوئی ہیں؟ ابن صیاد نے مذکورہ جملہ کے ذریعہ اس سوال کا جو جواب دیا اس کا حاصل یہ تھا کہ ایک آنے والا مجھے کچھ باتیں بتاتا جاتا ہے، ان میں سے کوئی

بات سچی ہو جاتی ہے اور کوئی جھوٹی چنانچہ کاہنوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ شیطان ان پر جھوٹی سچی، ہر طرح کی خبریں القا کرتا ہے۔

"تیرا معاملہ سب گڈنڈ ہو گیا" مطلب یا تو یہ تھا کہ تیرے پاس چیزوں اور اطلاعات کا جو ذخیرہ ہے وہ سب بیکار اور لاحاصل ہے کیونکہ ان میں سے سچی باتیں بھی جھوٹ باتوں کے ساتھ مل کر کرنا قابل اعتبار ہو گئی ہیں یا یہ مطلب تھا کہ تیری حیثیت اور تیرے احوال کو ناقابل اعتماد بنا دیا گیا ہے کیونکہ تیرے پاس تو شیطان آتا ہے جو تجھے جھوٹی سچی خبریں سنا جاتا ہے اس بات کے ذریعہ گویا حضور ﷺ نے اس کے دعویٰ رسالت کو جھوٹا قرار دیا کیونکہ کسی رسول کے پاس جھوٹی خبریں نہیں آیا کرتیں جب کہ اس نے خود اپنی زبان سے اس کا اقرار کیا، لہٰذا آپ ﷺ نے واضح کر دیا کہ تو صرف کاہن ہے اور کاہنوں کا یہی حال ہوا کرتا ہے۔ تو رسول و نبی ہرگز نہیں ہو سکتا۔

"میں نے تیرے لئے دل میں ایک بات چھپائی ہے" یعنی تجھے اگر یہ دعویٰ ہے کہ تجھ پر خدائی راز تک منکشف ہو جاتے ہیں اور کوئی شخص آکر تجھے غیب کی باتیں بتا جاتا ہے تو ذرا یہ بتا کہ اس وقت میرے دل میں کیا ہے، میں نے تیرے تعلق سے ایک بات اپنے دل میں رکھی ہے؟ اس بات کے ذریعہ حضور ﷺ نے ابن صیاد کا امتحان لیا تاکہ صحابہ پر اس کی حقیقت واضح ہو جائے اور وہ جان لیں کہ یہ نرا کاہن ہے شیطان اس کے پاس آکر اس کو جھوٹی سچی باتیں سکھا جاتا ہے۔

"وہ پوشیدہ بات درخ ہے" د کے پیش اور زبر اور خ کی تشدید کے ساتھ درخ" کے معنی دھوئیں کے ہیں! ابن صیاد اس پوری آیت کو تو بتانے میں کامیاب نہیں ہو سکا جو آنحضرت ﷺ نے اپنے دل میں سوچ رکھی تھی، البتہ اس نے اس آیت کا ایک ناقص لفظ ضرور بتا دیا اس بات سے بھی اس کا کاہن ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ کہانت میں یہی ہوتا ہے کہ شیطان کسی بات کا کوئی ایک ادھورا اور ناقص جز اڑا کر لے آتا ہے اور اس کو کاہنوں کے دل میں ڈال دیتا ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت آہستہ سے صحابہؓ کو بتایا ہو کہ میں نے یہ آیت اپنے دل میں سوچی ہے اور شیطان نے بھی یہ بات سن لی ہو اور پھر اس نے ابن صیاد کو اس کا القا کر دیا ہو۔

"دور ہٹ تو اپنی اوقات سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکتا" "دور ہٹ" لفظ اخساء کا ترجمہ ہے جس کے ذریعہ اہانت و حقارت کا اظہار کیا جاتا ہے اور عام طور پر کتے اور سور کے ملئے اس کا استعمال ہوتا ہے کہ کسی کتے اور سور کو ہانکنے اور لوگوں سے دور ہٹانے کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے، بہرحال جب ابن صیاد کی حقیقت واضح ہو گئی کہ اس کا حال وہی ہے جو کاہنوں کا ہوتا ہے کہ وہ شیطان کے القا کرنے کے سبب کچھ ادھوری باتیں معلوم کر لیتے ہیں اور اس کی بنیاد پر اپنی غیب دانی کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں تو حضور ﷺ نے اس سے فرمایا کہ جا بھاگ، تیری اوقات معلوم ہو گئی، تو بس کاہن ہی ہے اور کاہن ہی رہے گا اس سے آگے تو ہرگز نہیں بڑھ سکتا، اپنی حد میں رہنا اور آئندہ رسالت کا دعویٰ کرنے کی جرأت نہ کرنا کہ وہ میرا مقام ہے۔

"اس کو قتل کرنے میں تمہارے کوئی بھلائی نہیں ہے" کا مطلب یہ تھا کہ یہ چونکہ ذمی ہے اور ان یہودیوں میں سے ہے جو اہل ذمہ ہیں، علاوہ ازیں ایک نابالغ اور چھوٹی عمر کا بھی ہے اس لئے اس کو قتل کرنا کوئی فائدہ کی بات نہیں ہے چونکہ بعض قرائن ابن صیاد کے دجال ہونے پر دلالت کرتے تھے اس لئے آپ نے بطور شک یہ بات ارشاد فرمائی "کہ یہ اگر واقعی دجال ہے تو تم اس کو قتل کرنے پر قادر نہیں ہو سکو گے اور اگر یہ دجال نہیں ہے تو پھر اس کو قتل کرنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

اور یقیناً اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے" یعنی وہ دوسرے سے حاسہ بینائی ہی سے پاک و منزہ ہے چہ جائیکہ اس کی ذات میں کانے پن جیسا کوئی عیب ہو واضح رہے کہ حضور ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ کسی نبی نے اپنی قوم کو یہ نہیں بتایا کہ دجال کانا ہے تو اس بارے میں یہ احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی کو دجال کے احوال کا اتنا تفصیلی علم ہی نہیں تھا کہ دجال کانا ہوگا یا کیسا ہوگا؟ یا یہ کہ یہ علم تو ہر نبی کو ہوگا مگر کسی نے اپنی قوم کو یہ نہیں بتایا کہ دجال کانا ہوگا۔

ابن صیاد کاہن تھا

(۲) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ لَقِیَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ یَعْنِی ابْنَ صَیَّادٍ فِیْ بَعْضِ

طُرُقِ الْمَدِیْنَۃِ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَشْھَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَقَالَ ھُوَ اَتَشْھَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ مَاذَا تَرٰی قَالَ اَرٰی عَرْشًا عَلَی الْمَآءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَرٰی عَرْشَ اِبْلِیْسَ عَلَی الْبَحْرِ قَالَ وَمَا تَرٰی قَالَ اَرٰی صَادِقَیْنِ وَکَاذِبًا اَوْکَاذِبَیْنِ وَصَادِقًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لُبِسَ عَلَیْہِ فَدَعُوْہُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ، ان سب کی ملاقات مدینہ کے ایک راستہ میں ابن صیاد سے ہوگئی، رسول کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابن صیاد نے جواب میں کہا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا۔ "میں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا (اس کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا کہ اچھا یہ بتا) تو کیا چیز دیکھتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایک تخت کو پانی پر دیکھتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "تو ابلیس کے تخت کو سمندر پر دیکھتا ہے! پھر فرمایا۔ "اس کے علاوہ اور کیا دیکھتا ہے؟ ابن صیاد نے کہا کہ دو سچوں کو دیکھتا ہوں (جو سچی خبریں لایا کرتے ہیں) اور ایک جھوٹے کو دیکھتا ہوں (جو جھوٹی خبریں لایا کرتا ہے) یا دو جھوٹوں کو دیکھتا ہوں اور ایک سچے کو اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے (صحابہؓ سے مخاطب ہوکر) فرمایا اس کے لئے صورت حال (یعنی کہانت) کو گڈمڈ کر دیا گیا ہے، اس کو چھوڑ دو (یعنی یہ تو ٹھیک ٹھیک بات کرنے کے بھی قابل نہیں ہے کہ اس کا کوئی جواب دیا جائے۔" (مسلم)

تشریح: "تو ابلیس کے تخت کو سمندر پر دیکھتا ہے۔" کے ذریعہ حضور ﷺ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا کہ ابلیس پانی کے اوپر اپنا تخت بچھا کر اس پر اپنا دربار قائم کرتا ہے اور وہیں سے اپنے چیلوں اور اپنے ساتھیوں کی ٹولیوں کو دنیا بھر میں فتنہ و فساد پھیلانے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے روانہ کرتا ہے اس کا ذکر کتاب کے شروع میں باب الوسوسہ میں گزر چکا ہے۔

یا دو جھوٹوں کو دیکھتا ہوں اور ایک سچے کو یہ یا تو راوی نے اپنا شک ظاہر کیا ہے کہ اس موقع پر روایت کے الفاظ اس طرح ہیں یا یہ کہ خود ابن صیاد ہی نے اس شک کے ساتھ بیان کیا ہو میں یا تو دو سچوں اور ایک جھوٹے کو دیکھتا ہوں یا دو جھوٹوں اور ایک سچے کو اور یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس کا معاملہ جس طرح خلط و احتمالات میں گھرا ہوا تھا اور اس کے احوال جس طرح نظام و استقلال اور استقامت و یقین سے خالی تھے اس کا تقاضا ہی یہ تھا کہ اس کو کسی بھی صورت جزم و یقین حاصل نہ ہوا چنانچہ وہ کبھی اس طرح دیکھتا تھا اور کبھی اس طرح۔

جنت کے بارے میں آنحضرت سے ابن صیاد کا سوال

(۳) وَعَنْہُ اَنَّ ابْنَ صَیَّادٍ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ تُرْبَۃِ الْجَنَّۃِ فَقَالَ دَرْمَکَۃٌ بَیْضَآءُ مِسْکٌ خَالِصٌ۔ (مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ابن صیاد نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ جنت کی مٹی کیسی ہے تو آپؐ نے فرمایا "وہ میدہ کی مانند سفید اور مشک خالص کی مانند خوشبودار ہے۔" (مسلم)

دجال کے بارے میں ایک پیش گوئی

(۴) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ لَقِیَ ابْنُ عُمَرَ ابْنَ صَیَّادٍ فِیْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِیْنَۃِ فَقَالَ لَہٗ قَوْلًا اَغْضَبَتْہُ فَانْتَفَخَ حَتّٰی مَلَاَ السِّکَّۃَ فَدَخَلَ ابْنُ عُمَرَ عَلٰی حَفْصَۃَ وَقَدْ بَلَغَھَا فَقَالَتْ لَہٗ رَحِمَکَ اللّٰہُ مَا اَرَدْتَّ مِنِ ابْنِ صَیَّادٍ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا یَخْرُجُ مِنْ غَضْبَۃٍ یَغْضَبُھَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت نافع کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت ابن عمرؓ کی ملاقات مدینہ کے ایک راستہ میں ابن صیاد سے ہوگئی تو انہوں نے اس سے ایک ایسی بات کہدی جس سے وہ غضبناک ہوگیا اور جوش غضب سے اس کی رگیں پھول گئیں اس کے بعد جب ابن عمرؓ (اپنی بہن) اُم المؤمنین حضرت حفصہؓ کے ہاں گئے، جن کو اس واقعہ کی خبر پہنچ چکی تھی، تو انہوں نے فرمایا۔ ابن عمرؓ! خدا تم پر اپنی رحمت نازل کرے، تم نے ابن صیاد سے کیا چاہا تھا (کہ اس کو اس قدر غضبناک کردیا) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا۔ دجال کسی بات پر غضبناک ہو کر نکل پڑے گا۔" (مسلم)

تشریح: یعنی دجال کسی بات پر غصہ ہوگا اور وہ غصہ اس کو اتنا مشتعل کرے گا کہ وہ نکل پڑے گا اور یکدم نبوت یا خدائی کا دعوی کر بیٹھے گا پس اے ابن عمرؓ! تم ابن صیاد کو غضبناک و مشتعل نہ کرو اور اس سے کوئی بات نہ کرو تاکہ وہ خروج نہ کرے اور دنیا والے اس کی فتنہ پردازی سے محفوظ رہیں حضرت حفصہؓ نے ابن عمرؓ کو جو اس طرح منع کیا تو بظاہر اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ انہوں نے سوچا کہ شاید ابن صیاد ہی دجال ہو اور آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق کہیں ابن عمرؓ ہی اس کے خروج کا ظاہری سبب نہ بن جائیں، بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت حفصہؓ اس کے دجال ہونے کا یقین ہی رکھتی ہوں۔

ابن صیاد کا دجال ہونے سے انکار

⑤ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ صَیَّادٍ اِلٰی مَکَّةَ فَقَالَ لِیْ مَالَقِیْتُ مِنَ النَّاسِ یَزْعُمُوْنَ اَنِّی الدَّجَّالُ اَلَسْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّہٗ لَا یُوْلَدُ لَہٗ وَقَدْ وُلِدَلِیْ اَلَیْسَ قَدْقَالَ ھُوَ کَافِرٌ وَّاَنَا مُسْلِمٌ اَوَلَیْسَ قَدْقَالَ لَا یَدْخُلُ الْمَدِیْنَةَ وَلَا مَکَّةَ وَقَدْ اَقْبَلْتُ مِنَ الْمَدِیْنَةِ وَاَنَا اُرِیْدُ مَکَّةَ ثُمَّ قَالَ لِیْ فِیْ اٰخِرِ قَوْلِہٖ اَمَا وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ مَوْلِدَہٗ وَمَکَانَہٗ وَاَیْنَ ھُوَ وَاَعْرِفُ اَبَاہُ وَاُمَّہٗ قَالَ فَلَبَسَنِیْ قَالَ قُلْتُ لَہٗ تَبًّا لَّکَ سَآئِرَ الْیَوْمِ قَالَ وَقِیْلَ لَہٗ اَیَسُرُّکَ اَنَّکَ ذَاکَ الرَّجُلُ قَالَ فَقَالَ لَوْعُرِضَ عَلَیَّ مَاکَرِھْتُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میرا اور ابن صیاد کا مکہ کے سفر میں ساتھ ہوگیا، اس نے مجھ سے اپنی اس تکلیف کا حال بیان کیا جو لوگوں سے اس کو پہنچی تھی، وہ کہنے لگا کہ لوگ مجھ کو دجال سمجھتے ہیں یا کہتے ہیں، (اور تم جانتے ہو کہ یہ بات خلاف حقیقت ہے) ابوسعیدؓ! کیا تم نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ دجال کے اولاد نہیں ہوگی، جب کہ میرے اولاد ہے، کیا آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ دجال کافر ہوگا، جب کہ میں مسلمان ہوں، کیا یہ آپ کا ارشاد نہیں ہے کہ دجال مدینہ اور مکہ میں داخل نہیں ہوسکے گا، جب کہ میں مدینہ سے آرہا ہوں اور مکہ میں جارہا ہوں۔ ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ ابن صیاد نے آخری بات مجھ سے یہ کہی کہ یاد رکھو! خدا کی قسم میں دجال کی پیدائش کا وقت جانتا ہوں اور اس کا مکان جانتا ہوں (کہ وہ کہاں پیدا ہوگا اور یہ بھی جانتا ہوں وہ (اس وقت) کہاں ہے اور اس کے ماں باپ کو بھی جانتا ہوں ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ میں ابن صیاد کی یہ باتیں سن کر) شبہ میں پڑگیا میں نے کہا، تو ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ اس وقت موجود لوگوں میں سے) کسی نے ابن صیاد سے کہا کہ کیا تجھ کو یہ اچھا معلوم ہوگا کہ تو خود ہی دجال ہو ابن سعید کہتے ہیں کہ اس نے (یہ سن کر) جواب دیا کہ ہاں، اگر لوگوں کو گمراہ کرنے، فریب میں ڈالنے اور شعبدہ بازی وغیرہ کی وہ تمام چیزیں مجھے دیدی جائیں جو دجال میں ہیں تو میں برا نہ سمجھوں۔" (مسلم)

تشریح: "میں شبہ میں پڑگیا" کے ذریعہ ابوسعیدؓ نے گویا یہ بیان کیا کہ پہلے تو میں یہ یقین رکھتا تھا کہ ابن صیاد وہی دجال ہے لیکن اب اس نے جو اپنے دجال ہونے سے انکار کیا تو میں شک و شبہ میں پڑگیا کہ اس کو دجال سمجھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ اس نے پہلے تو دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ میں خود دجال نہیں ہوں لیکن اس نے آخر میں جو یہ کہا کہ میں دجال کا مولد و مسکن وغیرہ جانتا ہوں تو کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس نے یہ بات بطور تعرض کہی ہو اور ان آخری الفاظ سے مراد خود اس کی اپنی ذات ہو "تو میں برا نہ سمجھوں" کے ذریعہ ابن

صیاد نے گویا یہ اقرار کیا کہ ایسی صورت میں دجال بننا میں قبول کرلوں گا اور راضی ہو جاؤں گا پس یہ بات اس کے کفر کی واضح دلیل ہے۔

ابن صیاد کا ذکر

⑥ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَقِيْتُهٗ وَقَدْ نَفَرَتْ عَيْنُهٗ فَقُلْتُ مَتٰى فَعَلَتْ عَيْنُكَ مَآ اَرٰى قَالَ لَآ اَدْرِىْ قُلْتُ لَا تَدْرِىْ وَهِىَ فِىْ رَاْسِكَ قَالَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ خَلَقَهَا فِىْ عَصَاكَ قَالَ فَنَخَرَ كَاَشَدِّ نَخِيْرِ حِمَارٍ سَمِعْتُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن سرراہ) میری ملاقات ابن صیاد سے ہوگئی، اس وقت اس کی آنکھ سوجی ہوئی (ورم آلود تھی. میں نے پوچھا کہ تیری اس آنکھ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں (یعنی ورم) یہ کب سے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا کب سے ہے میں نے کہا "تجھ کو نہیں معلوم، حالانکہ آنکھ تیرے سر میں ہے" اس نے کہا کہ اگر خدا چاہے تو آنکھ کو تمہارے عصا میں پیدا کردے ابن عمر کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) ابن صیاد نے اپنی ناک سے گدھے کی اتنی سخت آواز کی مانند کہ جو میں نے سنی ہے) ایک آواز نکالی۔" (مسلمؒ)

تشریح: "آنکھ کو تمہارے عصا میں پیدا کردے" اس جملہ سے ابن صیاد کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ جمادات (یعنی بے حس و حرکت اشیاء جیسے پتھر اور لکڑی وغیرہ) میں سے کسی چیز میں آنکھ لگادے اور پھر اس آنکھ میں درد پیدا ہو جائے تو اس چیز کو نہ آنکھ کا احساس ہوگا اور نہ آنکھ کے اس درد کا، تو اسی طرح یہ عین ممکن ہے کہ کسی ایسے انسان کی آنکھ میں تکلیف کی کوئی علامت پیدا ہو جائے جو ہر وقت ذہنی (جسمانی طور پر مشغول و مستغرق رہتا ہو تو اس کو کثرت اشتغال اور ہجوم افکار کی وجہ سے اس درد و تکلیف کا احساس نہ ہوگا]۔

ابن صیاد، دجال ہے

⑦ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ رَاَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَحْلِفُ بِاللّٰهِ اَنَّ ابْنَ صَيَّادِ الدَّجَّالُ قُلْتُ تَحْلِفُ بِاللّٰهِ قَالَ اِنِّىْ سَمِعْتُ عُمَرَ يَحْلِفُ عَلٰى ذٰلِكَ عِنْدَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُنْكِرْهُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت محمد ابن منکدر تابعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر ابن عبد اللہؓ کو دیکھا وہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابن صیاد دجال ہے، میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ اللہ کی قسم کھا رہے ہیں! (حالانکہ ابن صیاد کا دجال ہونا صرف ظنی ہے نہ کہ یقینی) انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمر فاروق کو سنا، وہ اس بات پر نبی کریم ﷺ کے سامنے قسم کھاتے تھے کہ ابن صیاد دجال ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار نہیں فرمایا (اگر یہ بات یقینی نہ ہوتی تو یقیناً آنحضرت ﷺ حضرت عمرؓ کی اس بات کا انکار کرتے۔" (بخاری ومسلمؒ)

تشریح: ہوسکتا ہے کہ حضرت جابرؓ اور حضرت عمرؓ کا قسم کھانا اس بات پر ہو کہ ابن صیاد، ان دجالوں (یعنی جھوٹوں اور غریبوں میں سے ایک ہے جو وقتاً فوقتاً اس اُمت میں پیدا ہوتے رہیں گے اور اپنی نبوت کا دعوی کر کے لوگوں کو گمراہ کریں گے اور شکوک و شبہات میں مبتلا کریں گے گویا ان دونوں کی قسم کا تعلق اس بات سے نہیں تھا کہ ابن صیاد واقعۃً دجال ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ابن صیاد کے معاملہ کو مبہم رکھ کر گویا اس بات کی تردید فرمادی تھی کہ وہ یقینی طور پر دجال ہے! لیکن روایت کے الفاظ میں مطلق دجال کا ذکر ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک دجال معہود ہی مراد تھا، اس صورت میں ان دونوں کی قسم کو غلبہ ظن کے وقت قسم کھا لینے کے جواز پر محمول کیا جائے گا، نیز آگے دوسری فصل میں حضرت ابن عمرؓ کی جو روایت آرہی ہے اس میں انہوں نے صراحۃً بیان کیا ہے کہ ابن صیاد، دجال معہود تھا، پس ہوسکتا ہے کہ ابن عمرؓ کا مسلک بھی یہی رہا ہو بہر حال یہ بات پہلے ہی بیان کی جاچکی ہے کہ ابن صیاد کے سلسلہ میں صحابہؓ کے درمیان اختلاف و اشتباہ تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

ابن عمرؓ کے نزدیک ابن صیاد، مسیح دجال تھا

⑧ عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَا اَشُكُّ اَنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ ابْنُ صَيَّادٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ۔

"حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم مجھ کو اس میں کوئی شک نہیں کہ مسیح دجال، ابن صیاد ہی ہے اس روایت کو ابوداؤد نے اور بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں نقل کیا ہے۔"

ابن صیاد واقعہ حرہ کے دن غائب ہو گیا تھا

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ فَقَدْنَا ابْنَ صَيَّادٍ يَوْمَ الْحَرَّةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے واقعہ حرہ کے دن ابن صیاد کو غائب پایا تھا۔" (ابوداؤد)

تشریح: اگر الفاظ حدیث کے ظاہری معنی مراد ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ ابن صیاد حرہ کے واقعہ میں غائب ہو گیا تھا اور ایسا غائب ہوا کہ پھر کسی کو معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں گیا اور اس کا کیا حشر ہوا اس صورت میں یہ روایت اس روایت کے منافی و متضاد ہو گی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ مدینہ میں اس کا انتقال ہوا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی! اور اگر اس حدیث میں "غائب" سے مراد اس کا عام مفہوم ہو کہ جس میں "موت" بھی شامل ہے تو پھر ان دونوں روایتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں رہے گا اس صورت میں حاصل یہ ہوگا کہ "غائب" ہو جانے سے مراد اس کا مرجانا ہے یعنی وہ واقعہ حرہ کے دن مدینہ میں مر گیا تھا۔

"واقعہ حرہ کے دن" سے مراد وہ دن ہے جب ابن معاویہؓ کی فوج نے اہل مدینہ پر یلغار کر دی تھی اور نہایت خونریز جنگ اور جان و مال کی زبردست تباہی مچا کر ان کو مغلوب کر لیا تھا۔

ابن صیاد اور دجال

⑩ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْكُثُ اَبَوَا الدَّجَّالِ ثَلٰثِيْنَ عَامًا لَا يُوْلَدُ لَهُمَا وَلَدٌ ثُمَّ يُوْلَدُ لَهُمَا غُلَامٌ اَعْوَرُ اَضَرُّ شَيْءٍ وَاَقَلُّهُ مَنْفَعَةً تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ ثُمَّ نَعَتَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَوَيْهِ فَقَالَ اَبُوْهُ طِوَالٌ ضَرْبُ اللَّحْمِ كَاَنَّ اَنْفَهُ مِنْقَارٌ وَاُمُّهُ امْرَاَةٌ فِرْضَاخِيَّةٌ طَوِيْلَةُ الْيَدَيْنِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرَةَ فَسَمِعْنَا بِمَوْلُوْدٍ فِي الْيَهُوْدِ بِالْمَدِيْنَةِ فَذَهَبْتُ اَنَا وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى اَبَوَيْهِ فَاِذَا نَعْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِمَا فَقُلْنَا هَلْ لَكُمَا وَلَدٌ فَقَالَا مَكَثْنَا ثَلٰثِيْنَ عَامًا لَا يُوْلَدُ لَنَا وَلَدٌ ثُمَّ وُلِدَ لَنَا غُلَامٌ اَعْوَرُ اَضَرُّ شَيْءٍ وَاَقَلُّهُ مَنْفَعَةً تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ قَالَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمَا فَاِذَا هُوَ مُنْجَدِلٌ فِي الشَّمْسِ فِيْ قَطِيْفَةٍ وَلَهُ هَمْهَمَةٌ فَكَشَفَ عَنْ رَاْسِهِ فَقَالَ مَا قُلْتُمَا قُلْنَا وَهَلْ سَمِعْتَ مَا قُلْنَا قَالَ نَعَمْ تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے فرمایا "دجال کے والدین تیس سال اس حالت میں گزاریں گے کہ ان کے کوئی لڑکا نہیں ہوگا، پھر ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو بڑے دانتوں والا یعنی کچلیوں والا ہوگا۔ (بعض حضرات نے کہا ہے کہ "اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دانتوں سمیت پیدا ہوگا۔ وہ بہت کم فائدہ پہنچانے والا ہوگا (یعنی جس طرح اور لڑکے گھر کے کام کاج میں فائدہ پہنچاتے ہیں وہ کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا) اس کی دونوں آنکھیں سوئیں گی لیکن اس کا دل نہیں سوئے گا۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے

ہمارے سامنے اس کے ماں باپ کا حال بیان کیا اور فرمایا۔ "اس کا باپ غیر معمولی لمبا اور کم گوشت والا یعنی دبلا ہوگا اس کی ناک مرغ جیسے جانور کی) چونچ کی طرح (لمبی اور پتلی) ہوگی اور اس کی ماں موٹی چوڑی اور لمبے ہاتھ والی ایک عورت ہوگی۔" ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ کے یہودیوں میں ایک (عجیب و غریب) لڑکے کی موجودگی کے بارے میں سنا تو میں اور زبیر بن العوامؓ (اس کو دیکھنے چلے گئے) جب ہم اس لڑکے کے والدین کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بالکل اسی طرح کے ہیں جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے ہم سے ان (والدین) کے بارے میں بیان کیا تھا، ہم نے ان دونوں سے پوچھا کہ کیا تمہارے کوئی لڑکا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم نے تیس سال اس حالت میں گزارے کہ ہمارے کوئی لڑکا نہیں تھا، پھر ہمارے ہاں ایک کانا لڑکا پیدا ہوا جو بڑے دانتوں والا اور بہت کم فائدہ پہنچانے والا ہے، اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن اس کا دل نہیں سوتا۔ ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ ہم دونوں (ان کی یہ بات سن کر) وہاں سے چلدیئے اور پھر اچانک ہماری نظر اس لڑکے (یعنی ابن صیاد) پر پڑی جو دھوپ میں چادر اوڑھے پڑا تھا اور اس (کی چادر) میں سے گنگناہٹ کی سی ایک ایسی آواز آرہی تھی جو سمجھ میں نہیں آتی تھی (ہم نے وہاں کھڑے ہو کر آپس میں اس کے متعلق کوئی بات کہی ہوگی یا کچھ اور کہا ہوگا) اس نے سر سے چادر ہٹا کر ہم سے پوچھا کہ تم نے کیا کہا ہے؟ ہم نے (حیرت سے کہا) کہ (ہم تو سمجھے کہ تو سو رہا ہے) کیا تو نے ہماری بات سن لی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: لیکن اس کا دل نہیں سوئے گا۔" کا مطلب یہ ہے کہ وساوس واوہام کی کثرت اور افکار فاسدہ کے مسلسل آتے رہنے کی وجہ سے سوتے وقت بھی وہ افکار فاسدہ اس سے منقطع نہیں ہوں گے بایں طور کہ شیطان اس کو القا کرتا رہے گا جیسا کہ افکار صالحہ کی کثرت اور وحی والہامات کے مسلسل آتے رہنے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کا دل مبارک، نیند کی حالت میں بھی نہیں سوتا تھا۔

کیا آنحضرت ﷺ بھی ابن صیاد کو دجال سمجھتے تھے؟

(۱۱) وَعَنْ جَابِرٍؓ اَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْيَهُوْدِ بِالْمَدِيْنَةِ وَلَدَتْ غُلَامًا مَمْسُوْحَةً عَيْنُهُ طَالِعَةً نَابُهُ فَاَشْفَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّكُوْنَ الدَّجَّالُ فَوَجَدَهُ تَحْتَ قَطِيْفَةٍ يُهَمْهِمُ فَاٰذَنَتْهُ اُمُّهُ فَقَالَتْ يَا عَبْدَاللّٰهِ هٰذَا اَبُو الْقَاسِمِ فَخَرَجَ مِنَ الْقَطِيْفَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَهَا قَاتَلَهَا اللّٰهُ لَوْ تَرَكَتْهُ لَبَيَّنَ فَذَكَرَ مِثْلَ مَعْنٰى حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ ائْذَنْ لِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَقْتُلَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ يَّكُنْ هُوَ فَلَسْتَ صَاحِبَهُ اِنَّمَا صَاحِبُهُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَاِلَّمْ يَكُنْ هُوَ فَلَيْسَ لَكَ اَنْ تَقْتُلَ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْعَهْدِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُشْفِقًا اَنَّهُ هُوَ الدَّجَّالُ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

"اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ مدینہ کی ایک یہودی عورت کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس کی آنکھ (یعنی داہنی آنکھ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ بائیں آنکھ) مٹی ہوئی اور ہموار تھی، اور اس کی کچلیاں باہر نکلی ہوئی تھیں رسول کریم ﷺ (کو جب اس طرح کے لڑکے کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ ﷺ) ڈرے کہ کہیں یہ دجال نہ ہو (اور اُمت کے لوگوں کو فتنہ و فساد میں مبتلا کرے) پس (ایک دن آنحضرت ﷺ اس کو دیکھنے اور اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو) آپ ﷺ نے اس کو ایک چادر کے نیچے لیٹا ہوا پایا، اس وقت وہ آہستہ آہستہ کچھ بول رہا تھا جس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا تھا اس کی ماں نے کہا، عبداللہ یعنی ابن صیاد (دیکھو) یہ ابوالقاسم (محمد ﷺ) کھڑے ہوئے ہیں (ہوشیار ہو جاؤ اور ان سے بات کرو) وہ (یہ سنتے ہی) چادر سے باہر نکل آیا، رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔" اس عورت کو کیا ہوا، خدا اس کو ہلاک کرے (کہ اس نے لڑکے کو میری آمد سے، خبردار اور ہوشیار کردیا) اگر وہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتی (اور میری آمد سے آگاہ نہ کرتی) تو یقیناً وہ اپنا حال ظاہر کر دیتا۔" اس کے بعد حضرت جابرؓ یا راوی نے حضرت عمرؓ کی (اس) حدیث کے مطابق بیان کیا (جو باب کے شروع میں نقل کی جا چکی ہے چنانچہ حضرت عمرؓ ابن خطاب نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ ﷺ اجازت

دیں تو میں اس کو قتل کر ڈالوں حضور ﷺ نے فرمایا۔ "اگر یہ (ابن صیاد) وہی دجال ہے تو اس کے قاتل تم نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے قاتل عیسیٰ ابن مریم ہوں گے (کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کے علاوہ کسی اور شخص کو اس کے قتل کی طاقت وقدرت ہی نہیں دی گئی ہے اور اگر یہ وہ دجال نہیں ہے تو تمہیں ایک ایسے شخص کو قتل کرنے کا کوئی حق نہیں جو اہل ذمہ میں سے ہے (یعنی ان غیر مسلموں میں سے ہے جن کے جان ومال کی حفاظت ہمارے ذمہ ہو چکی ہے اور جن کو "ذمی" کہا جاتا ہے) اس کے بعد رسول کریم ﷺ (اپنی اُمت کے تعلق سے برابر یہ خوف رکھتے تھے کہ ابن صیاد کہیں دجال نہ ہو" (اس روایت کو بغویؒ نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: حدیث میں ابن صیاد کے تعلق سے جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس وقت کا ہے جب کہ وہ مسلمان نہیں ہوا تھا، اور عام طور پر لوگ اس کے بارے میں طرح طرح کے خدشات رکھتے تھے اسی لئے حضرت عمرؓ نے اس کو قتل کر دینے کی اجازت چاہی تھی اگرچہ وہ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا، مگر اسلام لانے کے بعد وہ اپنے فاسد خیالات سے پھرا نہیں تھا جیسا کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں گزرا کہ اس نے مکہ کے سفر کے دوران یہ اقرار کیا تھا کہ اگر مجھے دجال بنا دیا جائے تو میں خوش ہوں گا اور ظاہر ہے کہ یہ کفر ہے اور اس کی بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کس درجہ کا مسلمان ہو گا۔

بعض محققین نے کہا ہے کہ ابن صیاد کے بارے میں جو احادیث وروایت منقول ہیں گو ان کے درمیان اختلاف وتضاد ہے اور اس کے متعلق علماء کا کوئی متفقہ فیصلہ نہیں ہے، لیکن اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے تعلق سے جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ ابن صیاد کے دجال ہونے کے خوف میں مبتلا رہتے، اس کی یہ توجیہ وتاویل ضروری ہے کہ جب تک آپ ﷺ کو مسیح دجال کے بارے میں پورے حقائق کا علم نہیں ہوا تھا، آپ ابن صیاد کو دجال سمجھتے تھے، لیکن جب تمیم داریؓ کے واقعہ سے اور وحی کے ذریعہ بھی آپ ﷺ کو یہ یقین حاصل ہو گیا کہ دجال کون ہو گا تو آپ ﷺ پر یہ بات واضح ہو گئی ابن صیاد وہ ذات یعنی دجال نہیں ہے جو سمجھا جاتا تھا اس کی تائید حضرت ابو سعید خدری کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں مکہ کے سفر کے دوران ابن صیاد اور ان کی ملاقات وگفتگو کا ذکر ہے رہی یہ بات کہ آنحضرت نے دجال کے والدین کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ ابن صیاد کے والدین پر صادق آیا تو اس سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ابن صیاد ہی دجال تھا کیونکہ دو الگ الگ اشخاص میں پائے جانے والے اوصاف وخصوصیات کا باہم مطابق ویکساں، ہو جانا ان دونوں شخصیتوں کے ایک ہونے کو لازم نہیں کرتا ایسے ہی حضرت عمرؓ وغیرہ کا قسم کھانا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے اس پر آنحضرت ﷺ کی طرف سے کسی ممانعت کا نہ ہونا اس وقت کی بات ہے جب کہ دجال کے احوال تفصیل کے ساتھ علم میں نہیں آئے تھے، اور چونکہ دجال میں بعض باتیں ایسی ہوں گی جو خوف کا سبب بن سکتی ہیں اس لئے حضور ﷺ اس وقت اپنی اُمت کے بارے میں احتیاطاً ڈرتے تھے کہ کہیں ابن صیاد دجال نہ ہو اور میری اُمت کے لوگوں کو فتنہ وفساد میں نہ مبتلا کرے۔"

بَابُ نُزُوْلِ عِيْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ
حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والتسلیم کے نازل ہونے کا بیان

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے" سے مراد ان کا آسمان سے زمین پر اترنا ہے، چنانچہ یہ بات صحیح احادیث کے ذریعہ بالتحقیق ثابت ہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر دنیا میں تشریف لائیں گے، محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کا اتباع کریں گے اور اپنے تمام احکام وفرامین شریعت محمدی کے مطابق جاری ونافذ کریں گے جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعض ایسے احکام بھی جاری کریں گے جو شریعت محمدی میں نہیں ہوں گے جیسے جزیہ کو اٹھا دینا وغیرہ تو وہ بیان مدت کے قبیل سے ہے جیسا کہ نسخ کا مسئلہ ہے اور اس اعتبار سے اس زمانہ میں وہ احکام بھی شریعت محمدی ﷺ ہی کا ایک جزء ہوں گے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا ذکر

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَیُوْشِكَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْكُمُ ابْنُ مَرْیَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَیَكْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلَ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَیَفِیْضُ الْمَالَ حَتّٰی لَا یَقْبَلَهٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَكُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَیْرًا مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا ثُمَّ یَقُوْلُ اَبُوْهُرَیْرَةَ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ الْاٰیَةَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یقیناً عیسیٰ ابن مریم (آسمان سے تمہارے درمیان اتریں گے جو ایک عادل حاکم ہوں گے، وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے، سور کو مار ڈالیں گے (یعنی اس کو پالنا اور کھانا مطلق حرام و ممنوع اور اس کو مار ڈالنا مباح کر دیں گے) جزیہ کو اٹھادیں گے (ان کے زمانہ میں) مال و دولت کی فراوانی ہوگی یہاں تک کہ کوئی اس کا خواہشمند نہ رہے گا۔ اور اس وقت ایک سجدہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہوگا" (اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد) حضرت ابوہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ اگر تم اس بات میں کوئی شک وہ شبہ رکھتے ہو اور دلیل حاصل کرنا) چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ۔" یعنی کوئی اہل کتاب (خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی) ایسا باقی نہیں رہے گا جو عیسیٰ علیہ السلام پر اس کی وفات سے پہلے ایمان نہ لے آئے گا" (بخاری ومسلمؒ)

تشریح: "صلیب" اصل میں دو مثلث لکڑیوں کا نام ہے جو جمع کی شکل میں ہوتی ہیں اور یہ شکل ایسا ظاہر کرتی ہے جیسے کسی شخص کو سولی پر لٹکا رکھا ہو۔ عیسائیوں کا عقیدہ چونکہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھادیا گیا تھا اور پھر خدا نے ان کو زندہ کر کے اپنے پاس آسمان پر بلالیا اس لئے انہوں نے سولی کی اس شکل کو اپنا مذہبی نشان بنالیا ہے اور یہ مذہبی نشان ان کی ہر چیز میں نمایاں رہتا ہے اور جس طرح اہل ہنود اپنے گلے میں زنار ڈالتے ہیں اسی طرح عیسائی بھی سولی کا یہ نشان اپنے گلے میں لٹکاتے ہیں، بعض تو اس نشان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر تک بنوالیتے ہیں تاکہ ان کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھائے جانے کی یادگار مکمل صورت میں رہے لہٰذا "وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے" سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، نصرانیت (یعنی عیسائی مذہب) کو باطل اور کالعدم قرار دیدیں گے اور شریعت محمدی ہی کو جاری و نافذ قرار دیں گے کہ ان کا ہر حکم و فیصلہ ملت حنفیہ کے مطابق ہوگا۔

جزیہ کو اٹھادیں گے کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی نظام حکومت اور اس کے شرعی دستور کی جو ایک شق یہ ہے کہ اس کی حدود مملکت میں اگر کوئی غیر مسلم رہنا چاہے تو وہ ایک مخصوص ٹیکس، جس کو جزیہ کہتے ہیں، ادا کر کے جان و مال کی حفاظت کے ساتھ رہ سکتا ہے، اور اس کو "ذمی" کہا جاتا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ کی یہ شق ختم کر دیں گے اور یہ قانون نافذ کریں گے کہ ان کی مملکت اسلامی کا شہری صرف مسلمان ہو سکتا ہے، چنانچہ وہ حکم دیں گے کہ جتنے ذمی ہیں وہ سب مسلمان ہو جائیں، ان کی حکومت کسی سے بھی دین حق کے علاوہ اور کوئی چیز قبول نہیں کرے گی اور چونکہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت سے ہر شخص کا ذہن و فکر خیر کی طرف مائل ہوگا اس لئے تمام غیر مسلم ایمان لے آئیں گے پس اس جملہ کا حاصل بھی یہی ہے کہ وہ عیسائیت اور اس کے احکام و آثار کو بالکل مٹادیں گے اور صرف اسلامی شریعت کو جاری و نافذ قرار دیں گے! اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذمیوں سے جزیہ اس لئے اٹھائیں گے کہ ان کے زمانہ میں مال و دولت کی فراوانی اور اہل حرص کی کمی کی وجہ سے ایسا کوئی محتاج و ضرورتمند نہیں رہے گا جو ان سے جزیہ کا مال لینے والا ہو، اس کی تائید آگے کی عبارت (ان کے زمانہ میں) مال و دولت کی فراوانی ہوگی الخ سے بھی ہوتی ہے۔

حَتّٰی لا یقبلہ احد حَتّٰی تکون السجدۃ الخ میں پہلا حتّٰی تو یفیض المال سے متعلق ہے اور دوسرا "حتّٰی" ان تمام مضامین سے متعلق ہے جو پہلے مذکور ہوئے ہیں یعنی صلیب توڑ ڈالنا وغیرہ! پس مطلب یہ ہے کہ دین اسلام اس طرح پھیل جائے گا اور اطاعت وعبادت کے ذریعہ آپس میں میل و محبت اس طرح پیدا ہو جائے گی کہ ایک سجدہ دنیا کی تمام متاع سے بہتر اور قیمتی سمجھا جائے گا! یوں تو ہر زمانہ میں اور ہر وقت ایک سجدہ، دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہوتا ہے، یہ صرف حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ کی خصوصیت نہیں ہے، لیکن یہ بات صرف اسی لئے کہی گئی ہے کہ اس زمانہ میں عبادت و اطاعت دراصل انسان کی طبیعت کا جز اور نفس کا تقاضا بن جائے گی اور لوگ طبعی طور پر بھی ایک سجدہ کو دنیا کی تمام متاع سے زیادہ پسندیدہ اور بہت سمجھنے لگیں گے! تاہم یہ احتمال بھی ہے کہ دوسرا "حتّٰی" بھی "یفیض" سے متعلق ہو، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت مال و دولت کی اس قدر فراوانی ہوگی اور ہر شخص اس طرح مستغنی و بے نیاز ہو جائے گا کہ کسی کو اس (مال و دولت) کی کوئی رغبت و خواہش ہی نہیں رہے گی، اور جب یہ صورت حال ہوگی تو مال کو خرچ کرنے کی فضیلت و پسندیدگی بھی جاتی رہے گی اور اصل ذوق ولگاؤ نماز سے باقی رہے گا کہ لوگ ایک سجدہ میں جو کیف و بھلائی محسوس کریں گے وہ دنیا کی کسی بھی چیز میں نہیں پائیں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے جس آیت کریمہ کا ذکر کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نازل ہونے کے بعد جب ایک ہی ملت اور ایک ہی دین کا دور دورہ ہو جائے گا اور تمام لوگوں کے درمیان سے دینی و مذہبی اختلاف و منافرت کا خاتمہ ہو جائے گا تو یہود و نصاریٰ کا وہ اختلاف و نفرت بھی کالعدم ہو جائے گا جو وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے تئیں رکھتے ہیں۔ اور وہ (یہود و نصاریٰ) بھی اس ایمان و عقیدے کے حامل ہو جائیں گے جو مسلمانوں کا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی ایک بندی مریم کے بیٹے ہیں واضح رہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے مراد وہ یہود و نصاریٰ ہیں جو ان کے زمانہ میں ہوں گے! اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے جو بیان کی گئی اور حضرت ابوہریرہؓ نے اسی اعتبار سے اس آیت کو حدیث کے مضمون کی دلیل قرار دیا ہے، دوسری جو تفسیر بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے ایسا کوئی شخص نہیں جو اپنے مرنے سے پہلے (نزع کی حالت میں) ایمان نہ لاتا ہو، لیکن اس وقت اس کا ایمان لانا کوئی اعتبار نہیں رکھتا اس تفسیر کی روشنی میں ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ میں بِہٖ کی ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو اگر آیت کی یہی تفسیر مراد لی جائے تو پھر حاصل یہ نکلے گا کہ ہر کافر مرنے سے پہلے (نزع کی حالت) اضطراری طور پر ایمان لاتا ہے لیکن اس وقت کا ایمان چونکہ کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا اس لئے چاہئے کہ وہ (کافر اس وقت سے پہلے ہی بقصد و اختیار ایمان قبول کرنے پر آمادہ ہو۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ کی برکتیں

(۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَادِلًا فَلَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيْبَ وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيْرَ وَلَيَضَعَنَّ الْجِزْيَةَ وَلَيَتْرُكَنَّ الْقِلَاصَ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا وَلَتَذْهَبَنَّ الشَّحْنَاءُ وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ وَلَيَدْعُوَنَّ اِلَى الْمَالِ فَلَا يَقْبَلُهُ اَحَدٌ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بخدا، حضرت عیسٰی ابن مریم (علیہ السلام) اس حالت میں نازل ہونگے کہ وہ ایک عادل حاکم ہونگے، صلیب کو توڑ دیں گے، سور کو مار ڈالیں گے، ذمیوں سے جزیہ کو اٹھا دیں گے، اور جوان اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائے گا کہ ان سے سواری اور باربرداری کا کام نہیں لیا جائے گا اور یقیناً لوگوں کے دلوں سے کینہ، بغض اور حسد جاتا رہے گا (کیونکہ یہ سب برائیاں دنیا کی محبت و لالچ سے پیدا ہوتی ہیں، جب دنیا اور دنیا کی چیزوں کی طرف کوئی رغبت ہی نہیں رہ جائے گی تو یہ برائیاں کہاں سے پیدا ہونگی) اور یقیناً حضرت عیسٰی علیہ السلام لوگوں کو مال و دولت سے نوازنے کے لئے بلائیں گے لیکن (استغنا و بے نیازی کی وجہ سے

کوئی بھی مال و دولت لینے والا نہیں ہوگا۔" (مسلم) اور بخاری ومسلمؒ کی ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا (یعنی تم کتنا سکون وکیف محسوس کرو گے) جب عیسی علیہ السلام ابن مریم تمہارے درمیان اتریں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے (یعنی اہل قریش میں سے یا تمہاری ملت کا کوئی بھی فرد) ہوگا۔"

تشریح: "جو ان اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائے گا الخ" کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت سواری اور باربرداری کے لئے ایسے آرام دہ اور تیز رفتار ذرائع مہیا ہوں گے اور ان کی اتنی کثرت ہوگی کہ نقل وحمل کے مقاصد کے لئے کسی کو اونٹنیوں جیسے جانوروں کی ضرورت نہیں ہوگی یا اس جملہ کے یہ معنی ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام کسی کو یہ حکم نہیں دیں گے کہ وہ زکوۃ میں دینے کے لئے اپنی اونٹنیوں کو ان کے پاس لانے کی زحمت برداشت کرے کیونکہ اس زمانہ میں زکوۃ کا مال قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا! اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ جملہ دراصل اس بات سے کنایہ ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اپنی معاش وضروریات سے اس قدر مستغنی وبے نیاز ہوں گے کہ اشیاء ضرورت اور مال واسباب حاصل کرنے کے لئے تجارت اور زمین پر سفر وغیرہ کا سلسلہ تقریباً موقوف ہوجائے گا۔

"اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا الخ" کا مطلب علماء نے دو صورتوں میں بیان کیا ہے، ایک تو یہ کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے نازل ہونے کے بعد بھی تمہاری نماز کا امام تم ہی میں سے ایک فرد ہوگا اور وہ امام مہدیؑ ہیں اور خود عیسی علیہ السلام ان کی اقتداء کریں گے۔ اور یہ بات اس اُمت محمدی کی تعظیم وتکریم کے پیش نظر ہوگی جیسا کہ آگے والی حدیث میں اسکی تصریح بھی ہے! لہٰذا اس زمانہ میں حاکم وخلیفہ اور خیر وبھلائی کی تعلیم وتلقین کرنے کے ذمہ دار تو حضرت عیسی ہی ہوں گے لیکن نماز کی امامت کا شرف حضرت امام مہدیؑ کو حاصل رہے گا! لیکن بعض روایتوں میں یہ منقول ہے کہ جس وقت حضرت عیسی علیہ السلام آسمان سے اتریں گے، حضرت امام مہدیؑ مسلمانوں کے ساتھ نماز کی حالت میں ہوں گے اور چاہیں گے کہ امامت کے مصلے سے پیچھے ہٹ جائیں تاکہ حضرت عیسی علیہ السلام امامت کریں، مگر حضرت عیسی علیہ السلام اس وقت کی نماز کی امامت نہیں کریں گے بلکہ خود حضرت امام مہدی ہی کے پیچھے نماز پڑھیں گے، البتہ اس وقت کی نماز کے بعد حضرت عیسی علیہ السلام ہی امامت کیا کریں گے کیونکہ وہ بہرحال حضرت امام مہدیؑ سے افضل ہوں گے۔

دوسری صورت میں اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ "اور "تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔" "امام" سے مراد خود حضرت عیسی علیہ السلام کی ذات ہے یعنی حضرت عیسی علیہ السلام چونکہ مسلمانوں ہی کی شریعت کے مطابق حکم احکام جاری کیا کریں گے نہ کہ انجیل کی تعلیمات کے مطابق اور ان کا سارا نظام دین ودنیا، قرآن کریم اور احادیث رسول کے منہاج پر استوار اور ان کے تمام معاملات مسلمانوں کے دین وملت کے مطابق ہوں گے جیسا کہ ایک روایت میں منقول ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام تمہارے پروردگار کی کتاب (قرآن) اور تمہارے پیغمبر کی سُنّت کے مطابق تمہاری امامت کریں گے۔ اس اعتبار سے وہ مسلمانوں کی ملت کے ایک فرد ہوں گے، اور وہ جب مسلمانوں کو نماز پڑھائیں گے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ان ہی میں کا ایک فرد ان کا امام ہے۔

حضرت عیسی علیہ السلام کا امامت سے انکار

(۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَآئِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قَالَ فَيَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَيَقُوْلُ اَمِيْرُهُمْ تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَيَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اُمَرَآءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ الْاُمَّةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِيْ۔

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "میری اُمت میں سے ہمیشہ کوئی جماعت حق کے واسطے لڑتی رہے گی اور (اپنے دشمنوں پر) غالب آئے گی، قیامت (کے قریب) تک یہ سلسلہ جاری رہے گا پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ "جب حضرت عیسی ابن مریم علیہ السلام (آسمان سے اتریں گے، اور اس وقت مسلمان نماز کی حالت میں ہوں گے) تو اُمت کے امیر (یعنی امام مہدیؑ) عیسی علیہ السلام

سے کہیں گے کہ آیئے ہمیں نماز پڑھایئے (کیونکہ امامت کا حق اسی شخص کو ہوتا ہے جو افضل ہو اور ظاہر ہے کہ آپ کامل رسول و نبی ہونے کی حیثیت سے اس وقت سب سے افضل ہیں) لیکن عیسی علیہ السلام ان کو جواب دیں گے کہ میں امامت نہیں کروں گا (کیونکہ میری امامت کی وجہ سے یہ گمان ہو سکتا ہے کہ تمہارا دین منسوخ ہو گیا ہے) اور بلاشبہ تم میں سے بعض لوگ بعض پر امام و امیر ہیں بایں سبب کے اللہ تعالیٰ نے اس اُمت محمدیہ کو بزرگ و برتر قرار دیا ہے (مسلمؒ) اور اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس میں دفن کئے جائیں گے

④ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اِلَى الْاَرْضِ فَيَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهٗ وَيَمْكُثُ خَمْسًا وَّاَرْبَعِيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَمُوْتُ فَيُدْفَنُ مَعِيَ فِيْ قَبْرِيْ فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ فِيْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ بَيْنَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ رَوَاهُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِيْ كِتَابِ الْوَفَآءِ۔

"حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم زمین پر اتریں گے تو وہ نکاح کریں گے اور ان کے اولاد ہوگی، دنیا میں ان کی مدت قیام پینتالیس برس ہوگی، پھر ان کی وفات ہو جائے گی اور وہ میری قبر یعنی میرے مقبرہ میں میرے پاس دفن کیے جائیں گے، (چنانچہ قیامت کے دن) میں اور عیسیٰ علیہ السلام دونوں ایک مقبرہ سے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان اٹھیں گے" اس روایت کو ابن جوزیؒ نے کتب الوفا میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: "ان کی مدت قیام پینتالیس برس ہوگی۔" یہ بات بظاہر اس قول کے منافی ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے ان کی عمر تینتیس سال تھی، اور پھر آسمان سے زمین پر اترنے کے بعد وہ سات سال دنیا میں رہیں گے اسی طرح دنیا میں ان کی کل مدت قیام چالیس سال ہوتی ہے؟ واضح رہے کہ آسمان سے اترنے کے بعد دنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رہنے کی مدت سات سال، مسلمؒ نے نقل کی ہے، لہٰذا ایک یہ بات تو طے ہے کہ اوپر حدیث میں جو پینتالیس سال کی مدت نقل کی گئی ہے وہ دنیا میں ان کی مجموعی مدت قیام ہے کہ اس مدت میں ان کے آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے کا عرصہ قیام بھی شامل ہے اور آسمان سے اترنے کے بعد کی بھی مدت قیام رہا چالیس اور پینتالیس کا فرق تو اس سلسلہ میں یا تو یہ کہا جائے کہ چالیس سال والے قول میں کسور یعنی پانچ کو حذف کر کے پوری مدت مراد لی گئی ہے یا یہ کہ اس روایت کو راجح قرار دیا جائے جو صحیح یعنی مسلم میں منقول ہے۔

"ابوبکر و عمرؓ کے درمیان اٹھیں گے " سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حدیث میں "قبر" سے مراد مقبرہ یعنی روضۂ مطہرہ ہے روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے اور وہ جگہ کسی کو بھی میسر "نہیں ہو سکی، چنانچہ حضرت امام حسنؓ کا انتقال ہوا تو لوگوں نے چاہا کہ ان کی قبر اس خالی جگہ بنائی جائے اور حضرت عائشہؓ، جن کا وہ مکان تھا اس کے لئے راضی بھی ہو گئی تھیں مگر بنوامیہ کی شدید مخالفت کی وجہ سے حضرت حسنؓ کو روضۂ اقدس میں دفن نہیں کیا جا سکا، پھر اس جگہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی تدفین کے لئے بھی حضرت عائشہؓ راضی ہو گئی تھیں مگر ان کی قبر بھی وہاں نہیں بن سکی، یہاں تک کہ خود حضرت عائشہؓ سے بھی لوگوں نے کہا کہ آپ کا گھر ہے، ہم آپ کو اسی میں دفن کریں گے مگر انہوں نے کہا کہ میری مرضی یہ نہیں ہے، تم لوگ مجھے میری سوکنوں کے قریب جنت البقیع میں دفن کرنا اس سے معلوم ہوا کہ وہ خالی جگہ جو کسی کو نصیب نہیں ہو سکی تو اس کے پیچھے قدرت کی یہ حکمت و مصلحت کار فرما تھی کہ وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بنے گی۔

بَابُ قُرْبِ السَّاعَةِ وَاِنَّ مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ

قرب قیامت اور اس بات کا بیان کہ جو شخص مرگیا اس پر قیامت قائم ہوگئی

زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ "قرب قیامت یعنی قیامت کا نزدیک آجانا" اس معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے بقاو وجود کی جو مدت متعین فرمائی ہے اس کا اکثر حصہ گزر چکا ہے اور اب جو حصہ باقی رہ گیا ہے وہ بہت کم ہے۔

یہ جملہ وَاِنَّ مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ (جو شخص مرگیا اس پر قیامت قائم ہوگئی) دراصل ایک حدیث کے الفاظ ہیں جن کو مولف کتاب نے یہاں باب کا عنوان قرار دیا ہے اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مرجاتا ہے اس پر ان حالات اور ہولناک مراحل کا کچھ علامتی حصہ گزر جاتا ہے جو قیامت کے دن پیش آنے والے ہیں۔

"قیامت" کی قسمیں: تورپشتیؒ نے کہا ہے کہ قیامت تین طرح کی ہے، ایک قیامت کبریٰ، کہ جب پوری کائنات کو زیروزبر کردیا جائے گا اور پھر تمام لوگوں کو جزا اور سزا کے لئے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، دوسری قیامت وسطیٰ یعنی ایک نسل کا اٹھ جانا اور اس کی جگہ دوسری نسل کا آجانا، جس کو "قران" کہتے ہیں گویا عہد کا اس طرح بدل جانا کہ ایک نسل کے تقریباً ہم عمر لوگ وفات پاجائیں اور ان کے بعد کی نسل کے لوگ ان کی جگہ لے لیں، ایک طرح کی قیامت ہے اور تیسری "قیامت صغریٰ" کہ وہ کسی آدمی کا مرجانا ہے اور یہاں یعنی وَاِنَّ مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ میں) یہی آخری قسم مراد ہے لیکن "ساعة" کے بارے میں زیادہ واضح بات یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کبریٰ" ہے خواہ اس کا تعلق پہلی قیامت (یعنی پہلا صور پھونکے جانے اور اس کائنات کے زیروزبر ہوجانے) سے ہو جیسا کہ ارشاد گرامی لاتقوم الساعة الاعلی اشرار الناس سے ثابت ہے اور خواہ اس کا تعلق دوسری قیامت (یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکے جانے اور تمام لوگوں کے دوبارہ زندہ ہوکر میدان حشر میں جمع ہونے وغیرہ) سے ہو جس کو "طامہ کبریٰ" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے! آگے باب کی جو پہلی حدیث آرہی ہے اس کے الفاظ بعثت انا و الساعة کھاتین میں "ساعة" کا لفظ قیامت کے ان دونوں معنی کا احتمال رکھتا ہے، البتہ کچھ اور آگے حضرت عائشہؓ کی جو روایت آئے گی اس میں "ساعة" سے مراد "قیامت وسطیٰ" ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

قرب قیامت کا ذکر

① عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ قَالَ شُعْبَةُ وَسَمِعْتُ قَتَادَةَ يَقُوْلُ فِيْ قَصَصِهٖ كَفَضْلِ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَلَا اَدْرِيْ اَذَكَرَهٗ عَنْ اَنَسٍ اَوْقَالَهٗ قَتَادَةُ۔
(متفق علیہ)

"حضرت شعبہؒ حضرت قتادہؒ سے اور وہ حضرت انسؓ سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "میں اور قیامت، ان دو انگلیوں (یعنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی) کی مانند بھیجے گئے ہیں حضرت شعبہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہؒ سے سنا، انہوں نے (آنحضرت کی بعثت کو قیام قیامت کے ساتھ دو انگلیوں سے تشبیہ دینے کی مراد بیان کرتے ہوئے) اپنے وعظ میں کہا کہ جس طرح ان دونوں میں سے ایک انگلی دوسری انگلی سے بڑھی ہوئی ہے یعنی مذکورہ مشابہت سے حضور ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جس طرح بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے کچھ بڑھی ہوئی ہے اسی طرح میری بعثت کا زمانہ قیامت کے وقت سے کچھ ہی آگے ہے کہ میں قیامت سے پہلے آیا ہوں اور قیامت میرے پیچھے پیچھے چلی آرہی ہے) بہر حال (شعبہؒ کہتے ہیں کہ) مجھے نہیں معلوم، اور یہ مراد حضرت قتادہؒ نے خود بیان کی یا انہوں نے اس کو حضرت

انس ؓ سے سنا تھا (اور اگر یہ متعین بھی ہو جائے کہ قتادہ ؒ نے یہ مراد از خود بیان نہیں کی تھی بلکہ اس کو حضرت انس ؓ سے سنا تھا تو پھر یہ احتمال رہے گا کہ یہ مراد از خود حضرت انس ؓ نے بیان کی تھی یا آنحضرت ﷺ ہی نے اپنی یہ مراد بیان کی تھی اور اس کو حضرت انس ؓ نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا تھا ویسے حضرت مستورد ؓ ابن شداد ؓ کی ایک روایت آ رہی ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی یہ مراد خود آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی تھی۔" (بخاری و مسلم ؒ)

قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں

(۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتَ شَهْرًا تَسْأَلُوْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ وَاِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَاُقْسِمُ بِاللّٰهِ مَا عَلَى الْاَرْضِ مِنْ نَّفْسٍ مَنْفُوْسَةٍ يَاْتِيْ عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَّهِيَ حَيَّةٌ يَوْمَئِذٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر ؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو وفات سے ایک مہینہ پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم لوگ مجھ سے قیامت کا وقت پوچھا کرتے ہو (کہ پہلا صور کب پھونکا جائے گا اور دوسرا کب) تو حقیقت یہ ہے کہ اس کا متعینہ وقت صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس وقت روئے زمین پر ایسا کوئی شخص موجود نہیں ہے جس پر سو سال کا عرصہ گزرے اور وہ اس کے بعد بھی زندہ رہے۔" (مسلم)

تشریح : "اس کا متعینہ وقت صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے " کے ذریعہ حضور ﷺ نے یہ واضح فرمایا کہ تم لوگ قیامت کبریٰ کے آنے کا وقت مجھ سے کیا پوچھتے ہو، مجھے تو خود اس کا متعینہ وقت معلوم نہیں ہے کسی کو بھی اس سے باخبر نہیں کیا ہے، صرف وہی جانتا ہے کہ وہ قیامت کب آئے گی ہاں قیامت صغریٰ اور وسطیٰ کے بارے میں جو کچھ مجھے معلوم ہے وہ تمہیں بتائے دیتا ہوں اس کے بعد آپ ﷺ نے اسی کے بارے میں آگاہ فرمایا۔

"اس وقت روئے زمین پر ایسا کوئی شخص موجود نہیں ہے الخ" کے ذریعہ آپ ﷺ نے قیامت وسطیٰ" کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس وقت میرے زمانہ میں جو لوگ موجود ہیں اور نسل ہمارے سامنے ہے اس کا خاتمہ سو برس کی مدت میں ہو جائے گا، اس مدت کے بعد ان میں سے کوئی زندہ نہیں بچے گا، اس نسل کے خاتمہ کے ساتھ گویا ایک عہد ختم ہو جائے گا اور ایک نئے عہد (قران) کی ابتداء ہوگی جو آنے والی نسل کا عہد ہوگا۔ پس پرانی نسل اور پرانے عہد کے خاتمہ اور اس کے بعد نئی نسل اور نئے عہد کی ابتداء کا نام قیامت وسطیٰ ہے اور اسی طرح ہر انسان کی موت اس کے اعتبار سے "قیامت صغریٰ" ہے! واضح رہے کہ حضور ﷺ نے اپنے عہد کی نسل کے خاتمہ کے ذریعہ، طبقہ، صحابہ کی مدت حیات کی طرف اشارہ فرمایا کہ میرے صحابہ ؓ۔ جیسے حضرت انس ؓ اور سلمان وغیرہ سو برس سے بھی زائد تک حیات رہے! اور اگر یہ کہا جائے، جو زیادہ صحیح بھی ہے کہ حضور ﷺ نے جس سو سال کی مدت کا ذکر فرمایا اس کی ابتداء حضور کے اس ارشاد گرامی کے وقت سے مانی جانی چاہیے) جیسا کہ آگے آنے والی حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے، تو اس اعتبار سے "اکثر و غالب کی قید کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہے گی، چنانچہ بعض حضرات نے اپنی یہ تحقیق بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے وقت جتنے صحابہ حیات تھے یا اس زمانہ میں جو دوسرے اولیاء اللہ پیدا ہوئے وہ سب اس وقت سے ۱۰۰ سال پورے ہونے سے پہلے وفات پا گئے تھے۔

حضرت خضر اس دنیا میں زندہ ہیں یا نہیں : بعض اکابر علماء نے اس حدیث سے حضرت خضر علیہ السلام کی موت پر استدلال کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ اس ارشاد گرامی کے وقت روئے زمین پر جو لوگ موجود اور حیات تھے ان میں حضرت خضر علیہ السلام بھی تھے، لہٰذا مخبر صادق ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق یہ ضروری ہے کہ وہ دو سو سال کی اس مدت کے بعد اس دنیا میں زندہ نہ رہے ہوں اور وفات پا گئے ہوں۔ لیکن دوسرے علماء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کا معاملہ بالکل خصوصی نوعیت کا ہے اور ان کی ذات مذکورہ اور ارشاد گرامی کے دائرہ سے باہر ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے تو اپنی اُمت کے بارے میں یہ خبر دی تھی کہ میری اُمت کے وہ

لوگ جو اس وقت موجود وحیات ہیں ۱۰۰ سو سال کے اندر اندر وفات پا جائیں گے، اور ظاہر ہے کہ حضرت خضر کا تعلق اس اُمت سے نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی نبی کسی دوسرے نبی کی اُمت میں سے نہیں ہوتا بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اس ارشاد گرامی میں "علی الارض" (روئے زمین پر) کی قید نے حضرت الیاس علیہ السلام کو مذکورہ مفہوم کے دائرے سے باہر کر دیا تھا کیونکہ یہ دونوں اس وقت روئے زمین پر نہیں تھے بلکہ پانی پر تھے۔

امام بغویؒ نے تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ انبیاء میں سے چار حضرات زندہ ہیں، اور ان میں سے دو یعنی حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام تو روئے زمین پر ہیں اور دو، یعنی حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، آسمان پر ہیں! یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ مشائخ سے تواتر کے ساتھ بعض ایسے واقعات منقول ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اس دنیا میں زندہ موجود ہیں اگرچہ بعض حضرات نے یہ تاویل کی ہے کہ "خضر" دراصل ایک منصب ہے جس پر ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی ہستی فائز رہتی ہے اور اس کے فرائض میں مخلوق خدا کو مدد وفائدہ پہنچانا شامل ہوتا ہے لیکن اولیاء کاملین کے منقولات وحالات سے انہی خضر کا زندہ موجود ہونا ثابت ہوتا ہے جو بنی اسرائیل میں سے ایک نبی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی ومصاحب تھے۔

حضور ﷺ کی ایک پیشین گوئی

(۳) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَاْتِیْ مِائَۃُ سَنَۃٍ وَّعَلَی الْاَرْضِ نَفْسٌ مَّنْفُوْسَۃٌ الْیَوْمَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اس وقت جو لوگ (یعنی صحابہؓ) حیات ہیں ان میں سے کوئی بھی شخص سو سال کے بعد روئے زمین پر زندہ موجود نہیں رہے گا۔" (مسلمؒ)

قیامت کے بارے میں ایک سوال اور اس کا جواب

(۴) وَعَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاَعْرَابِ یَاْتُوْنَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَسْاَلُوْنَہٗ عَنِ السَّاعَۃِ فَکَانَ یَنْظُرُ اِلٰی اَصْغَرِھِمْ فَیَقُوْلُ اِنْ یَّعِشْ ھٰذَا لَا یُدْرِکُہُ الْھَرَمُ حَتّٰی تَقُوْمَ عَلَیْکُمْ سَاعَتُکُمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ، کہتی ہیں کہ کچھ دیہاتی لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا کرتے، اور یہ پوچھا کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی؟ آنحضرت ﷺ (یہ سوال سن کر) اس بچہ کی طرف دیکھتے جو ان پوچھنے والوں کے ساتھ ہوتا تھا اور پھر فرماتے کہ اگر یہ بچہ زندہ رہا تو یہ بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے نہیں پائے گا کہ تم پر تمہاری قیامت ہو جائے گی۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "اگر یہ بچہ زندہ رہا الخ" کا مطلب یہ تھا کہ اس بچہ کے بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے سے پہلے تم سب وفات پا جاؤ گے اس طرح آپ ﷺ نے گویا مذکورہ مدت کے عرصہ کے بعد ایک نسل کے خاتمہ اور ایک قرن یعنی عہد کے اختتام پذیر ہو جانے کی طرف اشارہ فرمایا، اور یہ، ایک پوری نسل کا ختم ہو جانا اور ایک زمانہ کا اپنی مدت کو پہنچ کر اختتام پذیر ہو جانا) ایک طرح سے قیامت ہی ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس حقیقت کو "ساعتکم" "تمہاری قیامت سے تعبیر فرمایا اس حدیث کے سلسلہ میں زیادہ واضح بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ پوچھنے والوں نے "قیامت کبریٰ" کے بارے میں پوچھا اور چونکہ ان کا یہ سوال ایسا تھا جس کا صحیح جواب دینا ممکن ہی نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ حکیمانہ اسلوب میں مذکورہ جواب عنایت فرمایا۔

"ساعتکم" (تمہاری قیامت) "اس سے مراد بعض حضرات کے نزدیک قیامت صغریٰ، یعنی پوچھنے والوں کا مرجانا" ہے اور بعض شارحین نے اس سے "قیامت وسطیٰ" مراد لی ہے، جس کا مطلب ان جیسی عمر رکھنے والے سب لوگوں کا مرجانا ہے، اور یہ طے ہے کہ یہ

بات اکثر وغالب کے اقرار کے اعتبار سے فرمائی گئی تھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

قرب قیامت کا ذکر

⑤ عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ فِيْ نَفْسِ السَّاعَةِ فَسَبَقْتُهَا كَمَا سَبَقَتْ هٰذِهٖ هٰذِهٖ وَاَشَارَ بِاِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطٰى۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت مستورد ابن شدادؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "میں قیامت کی ابتداء میں بھیجا گیا ہوں (یعنی میری بعثت ایسے زمانہ میں ہوئی ہے جس میں قیامت کی علامت کا آغاز ہو گیا ہے اور میں قیامت سے بس اتنا ہی آگے آیا ہوں جس قدر کہ یہ (بیچ کی) انگلی اس (شہادت کی) انگلی سے آگے ہے یہ فرما کر آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں، یعنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا۔" (ترمذی)

تشریح: "مطلب یہ کہ جس طرح بیچ کی انگلی، شہادت کی انگلی سے کچھ تھوڑی سی بڑھی ہوئی ہے، اسی طرح میری بعثت کا زمانہ قیامت آنے کے وقت سے کچھ ہی پہلے ہے، میں کچھ آگے آگیا ہوں، قیامت میرے پیچھے پیچھے چلی آرہی ہے۔

دنیا میں اُمت محمدیہ کے باقی رہنے کی مدت

⑥ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ لَاَرْجُوْا اَنْ لَّا تَعْجِزَ اُمَّتِيْ عِنْدَ رَبِّهَا اَنْ يُّؤَخِّرَهُمْ نِصْفَ يَوْمٍ قِيْلَ لِسَعْدٍ وَكَمْ نِصْفُ يَوْمٍ قَالَ خَمْسُمِائَةِ سَنَةٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "یقیناً" میں امید رکھتا ہوں کہ میری اُمت اپنے پروردگار کی نظر میں اتنی عاجز و بے حقیقت نہیں ہو جائے گی کہ اس کا پروردگار اس کو آدھے دن کی بھی مہلت عطا نہ کرے" حضرت سعد ابن ابی وقاص سے یہ پوچھا گیا کہ یہ "آدھا دن" کتنا ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ پانچ سو سال۔" (ابوداؤد)

تشریح: "آدھے دن" کو پانچ سو سال" کے بقدر قرار دینا اس آیت کے پیش نظر ہے کہ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ یعنی خدا کے نزدیک ایک دن اتنا ہوتا ہے جتنا کہ تمہارے (شب و روز کے) حساب سے ایک ہزار سال ہوتے ہیں پس جب وہ دن ہمارے شب و روز کی گردش کے حساب کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہو تو آدھا دن یقیناً پانچ سو سال کے برابر ہو گا۔

بہرحال آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب کہ میری یہ اُمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس قدر قرب اور جتنا بلند مرتبہ رکھتی ہے وہ اس بات کا یقین رکھنے کے لئے کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اُمت کو کم سے کم پانچ سو سال تک تو ضرور ہی امن و حفاظت میں رکھے گا اس کو ہلاک نہیں کرے گا اور دنیا میں اس کی بقاو قیام کی مدت کو اس سے کم نہیں کرے گا اس سے زیادہ چاہے جتنی کردے پس اس ارشاد گرامی کے ذریعہ گویا آپ ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ اب سے پانچ سو سال پہلے تو قیامت آئے گی اور اس اُمت کا خاتمہ نہیں ہو گا، ہاں اس مدت کے بعد اللہ تعالیٰ جو چاہے گا کرے گا۔

اور بعض حضرات نے اس ارشاد گرامی کی مراد یہ بیان کی ہے اللہ تعالیٰ کم سے کم پانچ سو سال تک تو ضرور اس اُمت کو شدائد و عقوبات سے محفوظ و مامون اور سلامت رکھے گا اور اس کو ایسی آفات میں مبتلا نہیں کرے گا جس سے پوری اُمت ہلاک و ختم ہو جائے۔

اس موقع پر اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی بعض کتابوں میں ثابت کیا ہے کہ دنیا میں اُمت کی بقاو قیام آنحضرت ﷺ کے وصال سے ایک ہزار سال کے بعد پانچ سو سال سے آگے متجاوز نہیں ہو گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

قرب قیامت کی مثال

⑦ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ هٰذِهِ الدُّنْيَا مَثَلُ ثَوْبٍ شُقَّ مِنْ اَوَّلِهٖ اِلٰى اٰخِرِهٖ فَبَقِي مُتَعَلِّقًا بِخَيْطٍ فِيْ اٰخِرِهٖ فَيُوْشِكُ ذٰلِكَ الْخَيْطُ اَنْ يَّنْقَطِعَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "اس دنیا (کے فنا کے قریب پہنچ جانے اور قیامت کے نزدیک آجانے) کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جس کو شروع سے آخر تک پھاڑ ڈالا گیا ہو اور اس کے ٹکڑے آخر میں صرف ایک دھاگے سے جڑے ہوئے لٹکے ہوں اور وہ دھاگا بھی ٹوٹ جانے کے قریب ہو پس دنیا بھی اپنی ٹوٹ پھوٹ اور خاتمہ کے اتنے ہی قریب پہنچ چکی ہے، اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔"

بَابُ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ النَّاسِ

اس بات کا بیان کہ قیامت صرف برے لوگوں پر قائم ہوگی

اس باب میں جو احادیث منقول ہوں گی ان سے یہ واضح ہوگا کہ جب قیامت آنے کو ہوگی تو دنیا میں جتنے بھی نیک لوگ ہوں گے وہ سب مرجائیں گے، صرف بدکار باقی رہیں گے، اور پھر انہی پر قیامت قائم ہوگی، لہٰذا جب تک اس دنیا میں نیک لوگوں کا وجود رہے گا قیامت قائم نہیں ہوگی! جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہد ختم ہو جانے کے بعد ایک خوشبودار ہوا چلے گی جس سے تمام مسلمان و مؤمنین مرجائیں گے اور دنیا میں صرف بدکار باقی رہ جائیں گے گدھوں کی طرح آپس میں اختلاط کریں گے، اور پھر انہی بدکاروں پر قیامت قائم ہوگی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

جب تک روئے زمین پر ایک بھی اللہ کا نام لیوا موجود ہے قیامت نہیں آسکتی

① عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰى اَحَدٍ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔" "قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک روئے زمین پر اللہ اللہ کہنا موقوف نہ ہو جائے۔" اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا قیامت اس شخص پر قائم نہیں ہوگی جو اللہ اللہ کہتا ہوگا۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب قیامت آئے گی تو اس وقت روئے زمین میں ایسا کوئی شخص باقی نہیں ہوگا جو خدا کا نام لیوا اور اس کی پرستش کرنے والا ہو بلکہ سب کے سب کافر و بت پرست ہوں گے اس سے معلوم ہوا کہ اس کائنات کا وجود و بقا در حقیقت باعمل علماء و ذاکرین و صالحین اور نیکوکاروں کے وجود کی برکت سے ہے، جب ان کو اس دنیا سے اٹھالیا جائے گا تو دنیا بھی باقی نہیں رہے گی۔

قیامت صرف برے لوگوں پر قائم ہوگی

② وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ الْخَلْقِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "قیامت صرف بدکار لوگوں پر قائم ہوگی۔" (مسلمؒ)

تشریح: "خلق یعنی مخلوق" سے مراد "انسان" ہیں، کیونکہ "شرار" یعنی بدکار" سے مراد گنہگار ہیں اور ظاہر ہے کہ گناہ و معصیت کا تعلق صرف انسان سے ہوتا ہے نہ کہ ساری مخلوق سے۔

اگر یہاں سوال پیدا ہو کہ اس حدیث اور اس حدیث کے درمیان کہ جو پیچھے گزر چکی ہے یعنی لایزال طائفة من امتی حتی یقاتلون الحق ظاهرین الی یوم القیامة مطابقت کی کیا صورت ہے، کیونکہ اس حدیث سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ قیامت قائم ہونے سے پہلے ایک عرصہ ایسا بھی گزریگا جس میں اس روئے زمین پر کوئی خدا کا نام لیوا بھی موجود نہیں ہوگا بلکہ سارے لوگ خدا بیزار اور بدکار ہوں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوجب کہ پہلی حدیث لایزال بناطائفة سے بظاہر یہ واضح ہوتا ہے کہ قیامت تک ہمیشہ اس روئے زمین پر خدا کے نام لیواؤں کی کوئی نہ کوئی جماعت ضرور موجود رہے گی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی حدیث "لایزال طائفة الخ" کا تعلق تمام زمانوں سے ہے کہ روئے زمین پر جب تک اسلام کے حاملین کا وجود رہے گا، ان میں سے کوئی نہ کوئی جماعت ہمیشہ حق کی سربلندی کے لئے بر سر پیکار رہے گی اس کے برخلاف یہاں نقل کی جانے والی حدیث (لاتقوم الساعة الخ کا تعلق صرف اس مخصوص زمانہ سے ہے جب قیامت آنے ہی والی ہوگی، اور اس دنیا سے خدا کے تمام نام لیواؤں کو اٹھالیا جائے گا۔

ایک پیشین گوئی

(۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَضْطَرِبَ اَلْيَاتُ نِسَآءِ دَوْسٍ حَوْلَ ذِي الْخَلَصَةِ وَذُوْالْخَلَصَةِ طَاغِيَةُ دَوْسٍ الَّتِیْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک قبیلہ دوس کی عورتیں ذوالخلصہ کے گرد اپنے کولھے نہ مٹکانے لگیں گی۔" (اور حضرت ابوہریرہؓ یا کسی اور راوی نے ذوالخلصہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ) ذوالخلصہ قبیلہ دوس کے ایک بت کا نام ہے جس کو وہ زمانہ جاہلیت میں پوجتے تھے۔" (بخاری و مسلمؒ)

تشریح: "دوس" یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے، اور ذوالخلصہ "یمن میں ایک بت خانہ تھا جس کو کعبہ یمانیہ کہا جاتا تھا، اس بت خانہ میں ایک بت تھا جس کا نام "خلصہ" تھا، اسلام سے پہلے کے زمانہ میں یمن کے قبائل دوس خثعم اور بجیلہ اس بت کو پوجتے تھے جب اسلام کا زمانہ آیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت جریر ابن عبداللہ بجلیؓ کو یمن بھیج کر اس بت خانہ کو تباہ کرادیا تھا بہرحال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آخر زمانہ میں پھر اس قبیلہ کے لوگ مرتد اور بت پرست ہو جائیں گے اور ان کی عورتیں اس بت خانہ کے گرد طواف کرتی پھریں گی۔

قیامت سے پہلے لات و عزیٰ کی پھر پرستش ہونے لگے گی

(۴) وَعَنْ عَآئِشَةَؓ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ حَتّٰى يُعْبَدَ اللَّاتُ وَالْعُزّٰى فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَاَظُنُّ حِيْنَ اَنْزَلَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اَنَّ ذٰلِكَ تَامًّا قَالَ اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ مِنْ ذٰلِكَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ رِيْحًا طَيِّبَةً فَتُوُفِّيَ كُلُّ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِيْمَانٍ فَيَبْقٰى مَنْ لَّا خَيْرَ فِيْهِ فَيَرْجِعُوْنَ اِلٰى دِيْنِ اٰبَآئِهِمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شب و روز کا سلسلہ اس وقت ختم نہیں ہوگا (یعنی یہ دنیا اس وقت تک فنا کے گھاٹ نہیں اترے گی اور قیامت نہیں آئے گی جب تک لات و عزیٰ کی پوجا نہ کی جانے لگے گی (حضرت عائشہؓ کہتی

ہیں کہ جب) میں نے آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی سنا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ تو (چونکہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام مذاہب باطل میں مذہب اسلام سچا اور غالب ہے اور کم سے کم عرب میں بت پرستی کا رواج ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا، اس لئے یقین کی حد تک) میرا خیال تھا کہ بت پرستی کا خاتمہ ہونے والا ہے (اور یہ کہ آئندہ کبھی بت پرستی نہیں ہوگی، لیکن اب آپ ﷺ یہ خبر دے رہے ہیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا درحقیقت ایسا ہی ہوگا (یعنی اسلام کی روشنی غالب رہے گی، اور کفر و شرک کا چراغ گل رہے گا مگر اس وقت تک کے لئے) جب تک کہ اللہ تعالیٰ چاہے گا (چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اس بات کو یوں واضح فرمایا ہے کہ) پھر اللہ تعالیٰ ایک خوشبودار ہوا بھیجے گا جس کے ذریعہ ہر وہ شخص مرجائے گا جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا اور (دنیا میں) صرف وہی شخص باقی بچے گا جس میں کوئی نیکی نہیں ہوگی (یعنی اس وقت روئے زمین پر ایسا کوئی شخص باقی نہیں بچے گا جس میں ایمان واسلام ہو، جو قرآن پڑھنے والا، نماز روزہ، حج اور دوسرے ارکان اسلام ادا کرنے والا ہو، اور علم دین کا حامل ہو) پس تمام لوگ اپنے آباء و اجداد کے دین یعنی کفر و شرک کی طرف لوٹ جائیں گے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حاصل یہ کہ حکمت الٰہی کے تحت آخیر زمانہ میں ایمان واسلام بالکل اٹھالیا جائے گا اور تمام روئے زمین پر صرف کفر و شرک بت پرستی اور بدکاری کا چلن رہ جائے گا تاکہ قیامت جو قہر و جلال الٰہی کے ظہور کا موقع و محل ہوگی، صرف بدکاروں پر قائم ہو نہ کہ نیکوکاروں پر۔

قیامت سے پہلے کیا ہوگا؟

⑤ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فَيَمْكُثُ اَرْبَعِيْنَ لَا اَدْرِيْ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا اَوْشَهْرًا اَوْ عَامًا فَيَبْعَثُ اللّٰهُ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ كَاَنَّهٗ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَيَطْلُبُهٗ فَيُهْلِكُهٗ ثُمَّ يَمْكُثُ فِي النَّاسِ سَبْعَ سِنِيْنَ لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ رِيْحًا بَارِدَةً مِنْ قِبَلِ الشَّامِ فَلَا يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَدٌ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ اَوْ اِيْمَانٍ اِلَّا قَبَضَتْهُ حَتّٰى لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ دَخَلَ فِيْ كَبِدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ حَتّٰى تَقْبِضَهٗ قَالَ فَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ فِيْ خِفَّةِ الطَّيْرِ وَاَحْلَامِ السِّبَاعِ لَا يَعْرِفُوْنَ مَعْرُوْفًا وَلَا يُنْكِرُوْنَ مُنْكَرًا فَيَتَمَثَّلُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ فَيَقُوْلُ اَلَا تَسْتَحْيُوْنَ فَيَقُوْلُوْنَ فَمَا تَاْمُرُنَا فَيَاْمُرُهُمْ بِعِبَادَةِ الْاَوْثَانِ وَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ دَارٌّ رِزْقُهُمْ حَسَنٌ عَيْشُهُمْ ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَلَا يَسْمَعُهٗ اَحَدٌ اِلَّا اَصْغٰى لِيْتًا وَرَفَعَ لِيْتًا قَالَ فَاَوَّلُ مَنْ يَسْمَعُهٗ رَجُلٌ يَلُوْطُ حَوْضَ اِبِلِهٖ فَيَصْعَقُ وَيَصْعَقُ النَّاسُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا كَاَنَّهُ الطَّلُّ فَيَنْبُتُ مِنْهُ اَجْسَادُ النَّاسِ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُوْنَ ثُمَّ يُقَالُ يَااَيُّهَا النَّاسُ هَلُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ فَيُقَالُ اَخْرِجُوْا بَعْثَ النَّارِ فَيُقَالُ مِنْ كَمْ كَمْ فَيُقَالُ مِنْ كُلِّ اَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ قَالَ فَذٰلِكَ يَوْمٌ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا وَذٰلِكَ يَوْمٌ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ مُعَاوِيَةَ لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ فِيْ بَابِ التَّوْبَةِ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" دجال نکلے گا اور چالیس تک رہے گا حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم، اس موقع پر چالیس سے آنحضرت ﷺ کی مراد کیا تھی، آیا چالیس دن یا چالیس مہینے اور یا چالیس سال پس اللہ تعالیٰ حضرت عیسی علیہ السلام کو بھیجے گا جو گویا عروہ ابن مسعودؓ کی شکل وصورت کے ہوں گے (یعنی حضرت عیسی علیہ السلام شکل وصورت میں عروہؓ ابن مسعود کے مشابہ ہوں گے) وہ دجال کو تلاش کریں گے اور اس کو مار ڈالیں گے، اس کے بعد حضرت عیسی علیہ السلام دنیا والوں میں سات سال تک رہیں گے اور اس عرصہ میں دو شخصوں کے درمیان بھی کوئی دشمنی وعداوت نہیں ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا (جو اہل ایمان کو موت کی آغوش میں پہنچادے گی چنانچہ اس وقت روئے زمین پر ایسا کوئی شخص باقی نہیں بچے گا جس کے

دل میں رائی برابر بھی نیکی یا ایمان میں سے کچھ ہوا اور وہ ہوا اس کی روح قبض نہ کرے یہاں تک کہ اگر تم میں سے کوئی شخص (بالفرض) پہاڑ کے اندر بھی چلا گیا ہوگا تو وہ ہوا پہاڑ میں داخل ہو کر اس شخص کا پیچھا کرے گی اور اس کی روح قبض کر کے چھوڑے گی" آپ ﷺ نے فرمایا اس کے بعد (روئے زمین پر) صرف بدکار و شریر لوگ باقی رہ جائیں گے جو پرندوں کے مانند سبک رو اور تیز رفتار اور درندوں کی مانند مضبوط و سخت ہوں گے وہ نہ تو نیکی و بھلائی سے واقف ہوں گے اور نہ برائی و بدکاری سے اجتناب کریں گے، پھر شیطان (کسی معزز و قابل تکریم انسان کی شکل و صورت اختیار کر کے ان کے پاس آئے گا اور کہے گا کہ (تم لوگ جس طرح فسق و فجور میں مبتلا ہو، اس پر) کیا تم کو شرم و حیا نہیں آتی ہے گویا یہ شیطان کا مکر و تلبیس ہوگا کہ وہ اس حیلے سے ان کو بت پرستی کی طرف لائے گا) وہ لوگ شیطان سے کہیں گے تم بتاؤ ہم کیا کریں (یعنی ہمارے بارے میں جو تمہارا مقصود ہے اس کو ظاہر کرو تا کہ ہم اس کے مطابق عمل کریں) پس شیطان ان کو بت پوجنے کا حکم دیگا، یعنی شیطان ان کو اس فریب میں مبتلا کرے گا کہ تم لوگ وسیلہ اختیار کرنے کے طور پر بتوں کو پوجنے لگو تا کہ خدا تم سے راضی ہو۔ چنانچہ کفار یہی کہا کرتے تھے کہ ہم بتوں کو محض خدا کو خوش کرنے کے لئے پوجتے ہیں اور قرآن نے ان کی اس خام خیالی کی خبر ان الفاظ میں دی ہے مانعبد هم الالیقربونا الی اللّٰه زلفا ویقولون هٰولاء شفعاؤنا عند اللّٰه۔ بہر حال وہ لوگ شیطان کے کہنے کے مطابق بت پرستی کرنے لگیں گے اور ان کے اعمال و اخلاق انتہائی پست ہو جائیں گے لیکن ان کے ان برے اعمال کے باوجود ان کے رزق میں فراوانی اور کثرت ہوگی اور وہ عیش و عشرت کی زندگی گزراتے ہوں گے پھر قیامت قائم کرنے کے لئے) صور پھونکا جائے گا اور جو بھی شخص اس کی آواز سنے گا وہ شخص اپنی گردن کو ایک جانب سے جھکائے گا اور دوسری جانب سے بلند کرے گا اس صور کی آواز کو سب سے پہلے سننے والا وہ شخص ہوگا جو اپنے اونٹ (کو پانی پلانے) کے حوض کو لیپ پوت رہا ہوگا اور وہ اسی حالت میں مر جائے گا۔ اور دوسرے تمام لوگ بھی اسی طرح اپنے اپنے کام میں مشغولیت کے دوران ہی مر جائیں گے (یعنی کسی کو بھی اتنی مہلت نہیں ملے گی کہ وہ جس کام میں مشغول ہے اس سے فارغ ہی ہو جائے) اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا جو شبنم کی طرح ہوگی (یعنی ہلکی بارش جس کو پھوار بھی کہا جاسکتا ہے اور اس بارش کے ذریعہ لوگوں کے بدن اگ آئیں گے (جو قبروں میں گل چکے ہوں گے) پھر چالیس برس کے بعد) دوسرا صور پھونکا جائے گا جس کو سن کر تمام لوگ (جو اپنی قبروں اور زمین کے نیچے سے زندہ ہو کر نکلیں گے) یکبارگی اٹھ کھڑے ہوں گے اور قیامت کے ہولناک منظر کو دیکھیں گے پھر ان سب سے کہا جائے گا کہ لوگو! اپنے پروردگار کی طرف آؤ اور فرشتوں کو حکم دیا جائے کہ ان سب کو روکے رکھو، ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا اور ان سے حساب لیا جائے گا پھر (پروردگار کی طرف سے) فرشتوں کی طرف سے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا جائے گا کہ کتنے لوگوں میں سے کتنے لوگوں کو الگ کیا جائے؟ یعنی جن لوگوں کو دوزخ میں بھیجا جانا ہے ان کا تناسب کیا ہے اور ان کو کتنے لوگوں میں سے کس مقدار کے حساب سے الگ کیا جائے فرشتوں سے کہا جائے گا ہر ہزار شخص میں سے نو سو ننانوے لوگوں کو دوزخ میں بھیجنے کے لئے الگ کر لو یہ کہہ کر آپ نے فرمایا یہ وہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور یہ وہ دن ہے جس میں امر عظیم کو ظاہر کیا جائے گا۔" (مسلم)

اور حضرت معاویہؓ کی روایت لا تنقطع الهجرة۔ توبہ کے باب میں نقل کی جا چکی ہے۔

تشریح: مجھے نہیں معلوم اسی موقع پر "چالیس" سے آنحضرت ﷺ کی کیا مراد تھی الخ) کے سلسلہ میں مختصر طور پر اتنا بتا دینا کافی ہے کہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، دجال کے ٹھہرنے کی مدت بعض روایتوں میں چالیس سال اور بعض میں چالیس دن یا چالیس رات آئی ہے، اور اسی موقع پر یہ بھی وضاحت کی جا چکی ہے کہ ان روایتوں میں مطابقت کی صورت کیا ہے۔

"دو شخصوں کے درمیان بھی کوئی دشمنی و عداوت نہیں ہوگی" کے ذریعہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس دنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ زمانہ باہمی انس و رواداری، اخوت و محبت اور یگانگت و یک جہتی سے بھرپور ہوگا۔ اس وقت تمام لوگ ایمان و اخلاق کی کامل صفات کے حامل ہوں گے، اور پورا معاشرہ اس طرح اعلیٰ انسانی و اخلاقی قدروں پر استوار ہوگا کہ کوئی کسی کا دشمن نہیں

ہو گا، کوئی کسی کے درپے آزار نہیں ہو گا۔ کسی کے دل میں کوئی بغض و کینہ اور حسد نہیں ہو گا بلکہ تمام لوگ ایک دوسرے کے دوست و رفیق اور ایک دوسرے کے ہمدرد اور بہی خواہ ہوں گے! واضح رہے کہ اس دنیا میں حضرت عیسی علیہ السلام کے ٹھہرنے کی مدت جو سات سال بیان کی گئی ہے وہ دجال کو قتل کرنے کے بعد اس دنیا میں ان کے ٹھہرنے کی مدت ہے ورنہ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس دنیا میں ان کی کل مدت حیات پینتالیس سال ہو گی۔

"جو پرندوں کی مانند سبک رو اور تیز رفتار الخ" کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ برائی و بدکاری کے کاموں اور جنسی خواہشات کی تکمیل میں اس طرح سبک رو اور تیز رفتار ہوں گے جیسے پرندے ہوتے ہیں، اور ظلم و تشدد کرنے، فتنہ و فساد پھیلانے اور لوگوں کے جان و مال کو ہلاک و برباد کرنے میں اس طرح شقی القلب اور سخت مزاج ہوں گے جس طرح درندے ہوتے ہیں! پس اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ علم و دانائی حلم و مروت اور دوسرے انسانی و اخلاقی اوصاف سے بالکل خالی ہوں گے بلکہ ان کے دل و دماغ اور مزاج و طبیعت پر ظلم و شقاوت، دست درازی، وحشت و درندگی اور ہلاکت خیزی کا غلبہ ہو گا۔

"وہ اپنی گردن کو ایک جانب سے جھکا لے گا الخ" کا مطلب یہ ہے کہ اس صور کی آواز اتنی زیادہ خوفناک اور ڈراونی ہو گی کہ اس کی دہشت سے لوگوں کے دل پھٹ جائیں گے اور جسمانی قوت و ہمت معطل و بیکار ہو کر رہ جائے گی جس کا اثر گردن پر پڑے گا اور وہ ڈھلک جائے گی جیسا کہ خوف و دہشت کے وقت ہوتا ہے کہ سر اس طرح ایک طرف کو ڈھلک جاتا ہے کہ گردن کی ایک جانب تو جھک جاتی ہے اور اس کے مقابل کی دوسری جانب اوپر اٹھ جاتی ہے۔

"ہر ہزار شخص میں سے نو سو ننانوے لوگوں کو الخ" سے معلوم ہوا کہ ایک ہزار لوگوں میں سے صرف ایک شخص جنت میں جائے گا اور باقی سب دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ گویا جنت میں جانے والوں کا تناسب فی ہزار ایک شخص ہو گا! نیز زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ "ہر ہزار شخص میں سے نو سو ننانوے لوگوں سے مراد کافر ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے چنانچہ آگے باب الحشر میں حضرت ابو سعید خدری کی ایک روایت آرہی ہے اس میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ دوزخیوں کی یہ جماعت یاجوج و ماجوج کے لوگوں پر مشتمل ہو گی۔

"یہ وہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا یہ جملہ دراصل قیامت کے دن کی درازی و طوالت یا اس دن کی شدت و ہولناکی سے کنایہ ہے جیسا کہ مصائب و آلام اور غم و شدائد کے زمانہ میں بوڑھاپا بہت جلد آجاتا ہے۔ اسی طرح یہ وہ دن ہے جس میں امر عظیم کو ظاہر کیا جائے گا" بھی سخت ترین خوف و ہولناکی اور شدت و محبت سے کنایہ ہے واضح رہے کہ کشف ساق (جس کا ترجمہ امر عظیم کو ظاہر کیا جانا) کیا گیا ہے کے معنی اہل عرب میں یہی مشہور ہیں اور اس کی اصل یہ ہے کہ جب کسی شخص پر کوئی بہت سخت مشکل و پریشانی آتی ہے اور اس پریشانی سے نجات پانے کے لئے اس کو بہت زیادہ کوشش اور سعی کرنا ہوتی ہے تو وہ اپنی پنڈلی کے اوپر سے کرتہ کا دامن وغیرہ اٹھا لیتا ہے جس کی وجہ سے اس کی پنڈلی کھل جاتی ہے اس اعتبار سے "کشف ساق اہل عرب کا ایک محاورہ بنا ہوا ہے جو کسی کام کی اہمیت و نزاکت اور اس کام کے سلسلے میں پیش آنے والی صعوبتوں اور سختیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے! یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ یوم یکشف عن ساق۔ کے الفاظ قرآن کریم میں بھی آئے ہیں اور حدیث میں مذکورہ صورت میں قرآن کے انہی الفاظ کو پیش کیا گیا ہے، چنانچہ اس کی تفسیر کے سلسلہ میں بہت کچھ کہا جاتا ہے لیکن اکثر حضرات کے نزدیک اس کی زیادہ صحیح تاویل یہی ہے جو اوپر ذکر کی گئی۔

بَابُ النَّفْخِ فِي الصُّوْرِ
صور پھونکے جانے کا بیان

"صور" اصل میں نرسنگا (سنکھ) اور قرنا کو کہتے ہیں جس میں پھونکنے سے ایک بلند آواز پیدا ہوتی ہے، اور یہاں وہ مخصوص نرسنگا

(سنکھ) مراد ہے جس کو حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے، حضرت اسرافیل کا یہ صور پھونکنا دو مرتبہ ہوگا، ایک بار تو اس وقت جب قیامت آنے کو ہوگی اور اس صور کی آواز سے تمام لوگ مرجائیں گے اور دوسری بار اس وقت جب تمام لوگوں کو میدان حشر میں جمع کرنے کے لئے دوبارہ زندہ کرنا مقصود ہوگا، چنانچہ اس صور کی آواز سے تمام لوگ زندہ ہوکر میدان حشر میں جمع ہوں گے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

دونوں نفخوں کے درمیان کتنا وقفہ ہوگا؟

① عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَابَیْنَ النَّفْخَتَیْنِ اَرْبَعُوْنَ قَالُوْا یَا اَبَاھُرَیْرَۃَ اَرْبَعُوْنَ یَوْمًا قَالَ اَبَیْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ شَھْرًا قَالَ اَبَیْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ سَنَۃً قَالَ اَبَیْتُ ثُمَّ یُنْزِلُ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیَنْبُتُوْنَ کَمَا یَنْبُتُ الْبَقْلُ قَالَ وَلَیْسَ مِنَ الْاِنْسَانِ شَیْءٌ لَّا یَبْلٰی اِلَّا عَظْمًا وَّاحِدًا وَّھُوَ عَجْبُ الذَّنْبِ وَمِنْہُ یُرَکَّبُ الْخَلْقُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّمُسْلِمٍ کُلُّ ابْنِ اٰدَمَ یَاْکُلُہُ التُّرَابُ اِلَّا عَجْبَ الذَّنْبِ مِنْہُ خُلِقَ وَفِیْہِ یُرَکَّبُ۔

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "دونوں نفخوں (یعنی ایک مرتبہ مارنے کے لئے اور دوسری مرتبہ جلانے کے لئے دونوں مرتبہ پھونکے جانے والے صور کے درمیان کا وقفہ چالیس ہوگا لوگوں نے (یہ سن کر) پوچھا کہ ابوہریرہ! کیا (چالیس سے) چالیس دن مراد ہیں؟ ابوہریرہؓ نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم! پھر لوگوں نے پوچھا کہ کیا چالیس مہینے مراد ہیں؟ ابوہریرہؓ نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم ان لوگوں نے پھر پوچھا کہ کیا چالیس سال مراد ہیں؟ ابوہریرہؓ نے پھر یہی جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے بیان حدیث کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا کہ) اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا اور اس پانی سے لوگ (یعنی انسان اور تمام جاندار) اس طرح اگیں گے جیسے سبزہ اگتا ہے" نیز آپ ﷺ نے فرمایا "انسان کے جسم وبدن کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو پرانی اور بوسیدہ نہ ہو جاتی ہو (یعنی گل سڑکر ختم نہ ہو جاتی ہو) علاوہ ایک ہڈی کے جس کو عجب الذنب کہتے ہیں اور قیامت کے دن ہر جاندار کی اسی ہڈی سے اس کے تمام جسم کو مرکب کیا جائے گا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: حضرت ابوہریرہؓ کا یہ جواب دینا کہ مجھے نہیں معلوم، اس بنا پر تھا کہ یا تو انہوں نے آنحضرت سے اس حدیث کو اسی طرح مجملا سنا تھا یا سنا تو مفصل تھا مگر وہ یہ بھول گئے تھے کہ حضور ﷺ نے "چالیس" کے بعد کیا فرمایا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنے مذکورہ جواب کے ذریعہ واضح کیا کہ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ "چالیس" سے حضور کی مراد چالیس دن تھے، یا چالیس مہینے اور یا چالیس سال بہر حال اس حدیث میں چالیس کا لفظ مجمل نقل ہوا ہے جب کہ ایک دوسری حدیث میں یہ لفظ تفصیل کے ساتھ ہے اور وہ چالیس برس ہے پس دونوں نفخوں کے درمیان جو وقفہ ہوگا وہ چالیس سال کے برابر ہوگا۔

"عَجْبُ الذَّنَبْ" اس ہڈی کو کہتے ہیں جو ریڑھ کے نیچے دونوں کولھوں کے درمیان اس جگہ پر ہوتی ہے جہاں جانور کی دم کا جوڑ ہوتا ہے اور عام طور پر اس کو ریڑھ کی ہڈی سے تعبیر کیا جاتا ہے بعض روایتوں میں عجب الذنب میں "عجب" کے بجائے "عجم" کا لفظ ہے ویسے "عجب اور "عجم" دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی اصل اور جڑ، نیز ذنب" کے معنی دم کے ہیں، مذکوہ ہڈی چونکہ اس جگہ ہوتی ہے جہاں دم کا جوڑ ہوتا ہے اس لئے اس کا نام عجب الذنب یا عجم الذنب ہے حاصل یہ کہ ریڑھ کی ہڈی گویا انسان کا بیج ہے کہ اسی سے ابتدائی تخلیق ہوتی ہے اور قیامت کے دن دوبارہ اسی کے ذریعہ تمام اعضاء جسمانی کو از سر نو ترکیب دیا جائے گا بس مرنے کے بعد انسان یا کوئی بھی جاندار گل سڑ کر نابود ہو جاتا ہے اور اس کے پورے جسم کی ہڈیوں کو مٹی کھا جاتی ہے مگر ریڑھ کی ہڈی نہ تو گلتی سڑتی ہے اور نہ اس کو مٹی کھاتی ہے واضح رہے کہ یہ ان لوگوں کی حالت کا بیان ہے جن کے بدن گل سڑجاتے ہیں پیغمبر لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کا سارا بدن محفوظ رہتا

ہے اور اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام کیا ہے، یہی بات ان لوگوں کے حق میں کہی جا سکتی ہے جو اس بارے میں انبیاء کے حکم میں ہیں یعنی شہداء اور اولیاء اللہ، اور وہ موذن جو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اذان دیتے ہیں چنانچہ یہ سب لوگ اپنی قبروں میں اسی طرح زندہ ہیں جس طرح اس دنیا میں زندہ لوگ ہیں۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی کبریائی وجبروت کا اظہار

② وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبِضُ اللّٰهُ الْاَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَطْوِى السَّمَآءَ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے پنجہ میں لے لے گا اور آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں (یعنی بادشاہت میرے علاوہ اور کسی کو سزاوار نہیں میں ہی شہنشاہ ہوں) کہاں ہیں وہ لوگ جو زمین پر اپنی بادشاہی کا دعوی کرتے تھے؟۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "زمین کو اپنے پنجہ میں لے لینے اور آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں لپیٹ لینے" سے مراد شاید اللہ تعالیٰ کا ان دونوں (زمین وآسمان) کو تبدیل کر دینا ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ یا یہ کہ یہ الفاظ دراصل حق تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور جلال سے کنایہ ہیں اور اس طرف اشارہ کرنے کے لئے ہیں کہ وہ عظیم کارنامے اور افعال جن کے سامنے پوری کائنات انسانی کی عقلیں حیران ہیں اللہ رب العزت کی نظر میں بالکل حقیر، بے وقعت ہیں نیز پورے عالم کو آن واحد میں زیر وزبر کر دینا اور آسمان وزمین کو نیست ونابود کر دینا اس کی قدرت کے آگے بالکل آسان کام ہے اور چونکہ آسمان کو زمین کی بہ نسبت زیادہ شرف وعظمت حاصل ہے اس لئے اس کو دائیں ہاتھ کے ساتھ مخصوص کیا جو بائیں ہاتھ سے زیادہ شرف وفضیلت رکھتا ہے، پس پروردگار زمین کو مٹھی میں لے گا اور آسمانوں کو داہنے ہاتھ پر (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے لپیٹ لے گا۔

③ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطْوِى اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَاْخُذُهُنَّ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ اَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ ثُمَّ يَطْوِى الْاَرَضِيْنَ بِشِمَالِهٖ وَفِىْ رِوَايَةٍ يَاْخُذُهُنَّ بِيَدِهِ الْاُخْرٰى ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ اَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ لے گا اور پھر ان کو داہنے ہاتھ میں لے کر فرمائے گا کہ بادشاہ میں ہوں! کہاں ہیں ظلم وجبر کرنے والے، کہاں ہیں (اپنے جاہ وحشم پر تکبر کرنے والے؟ پھر زمینوں کو اپنے بائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ زمینوں کو اپنے دوسرے ہاتھ میں لے لے گا اور فرمائے گا۔ "بادشاہ میں ہوں کہاں ہیں بادشاہ یعنی وہ لوگ جو اپنے کو بادشاہ کہا کرتے تھے)؟ کہاں ہیں ظلم وجبر کرنے والے۔" (مسلمؒ)

قیامت کے دن کی کچھ باتیں یہودی عالم کی زبانی

④ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ جَآءَ حَبْرٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ اِلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى اِصْبَعٍ وَالْاَرَضِيْنَ عَلٰى اِصْبَعٍ وَّالْجِبَالَ وَالشَّجَرَ عَلٰى اِصْبَعٍ وَالْمَآءَ وَالثَّرٰى عَلٰى اِصْبَعٍ وَسَآئِرَ الْخَلْقِ عَلٰى اِصْبَعٍ ثُمَّ يَهُزُّهُنَّ فَيَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَنَا اللّٰهُ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَجُّبًا مِّمَّا قَالَ الْحَبْرُ تَصْدِيْقًا لَّهٗ ثُمَّ قَرَأَ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہود کا ایک عالم حاضر ہوا اور کہنے لگا اے محمد ﷺ! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر زمینوں کو ایک انگلی پر پہاڑوں اور درختوں کو ایک انگلی پر پانی اور پانی کے نیچے کی ترمٹی کو ایک انگلی پر اور باقی تمام مخلوقات کو انگلی پر رکھے گا اور انگلیوں کو ہلاتے ہوئے فرمائے گا، میں ہوں بادشاہ میں ہوں خدا (یہ سن کر) رسول کریم ﷺ اس یہودی عالم کی زبانی ان باتوں پر اظہار تعجب کرتے ہوئے مسکرائے اور پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی وَمَاقَدَرُو اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ اور (افسوس ہے کہ) ان لوگوں نے (یعنی مشرکوں نے) خدائے تعالیٰ کی کچھ عظمت نہ کی...... جیسی عظمت کرنا چاہئے تھی حالانکہ (اس کی وہ شان ہے کہ) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں (اور کوئی دوسرا ایسا ہے پس) وہ پاک و برتر ہے ان کے شرک سے (اس روایت کو بخاری نے نقل کیا ہے۔"

تشریح: "اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر، اور باقی تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھے گا اور ان انگلیوں کو ہلاتے ہوئے فرمائے گا" یہ سارے الفاظ بطور کنایہ و تمثیل ہیں اور حق تعالیٰ کی قدرت جلیلہ و عظمت کاملہ کے غلبہ و اظہار کی تصویر کشی کے لئے ہیں، نہ کہ انگلیوں اور انگلیوں کے ہلانے" کے حقیقی معنی ملحوظ و مقصود ہیں اس کی نظیر اہل عرب کا اسلوب بیان ہے کہ مثلاً وہ جب کسی شخص کو جود و سخاوت جیسے اوصاف کے ساتھ متصف کرنا چاہتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ "اس شخص کے دونوں ہاتھ فراخ و کشادہ ہیں اگرچہ وہ شخص اپنے دونوں ہاتھوں سے محروم ہی کیوں نہ ہو، کہ اس کے دونوں ہاتھ کسی حادثہ وغیرہ میں کٹ گئے ہوں یا پیدائشی طور پر بے ہاتھ والا ہو اسی طرح جب وہ کسی شخص کو سلطنت و حکومت کے وصف کے ساتھ ذکر کرنا چاہتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ "فلاں شخص تخت پر بیٹھا" اگرچہ اس کے بیٹھنے کے لئے کبھی کوئی تخت یا کوئی بھی چیز نہ رہی ہو پس اگر اہل عرب کے ان محاورات اور اس اسلوب بیان پر نظر ہو تو پھر قرآن و حدیث کے ان متشابہات کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہو سکتی ہے جن میں خدا کی طرف ہاتھ، انگلی، پنڈلی اور تخت وغیرہ کی نسبت کی گئی ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہاتھ سے یہ مراد ہے اور تخت سے یہ مراد ہے۔

اس یہودی عالم کی مذکورہ باتیں سن کر آنحضرت ﷺ کا اظہار تعجب کرنا اور مسکرانا اس کی تکذیب کے لئے نہیں تھا بلکہ اس کی تصدیق کے لئے اور اس کو راست گو ظاہر کرنے کے لئے تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے بعد میں مذکورہ بالا آیت کی تلاوت اسی لئے فرمائی تاکہ یہودی نے جو کچھ کہا ہے اس کی تفصیلی وضاحت ہو جائے۔

قیامت کے دن زمین و آسمان کی تبدیلی کے متعلق

⑤ وَعَنْ عَآئِشَۃَ قَالَتْ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ قَوْلِہٖ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ فَاَیْنَ یَکُوْنُ النَّاسُ یَوْمَئِذٍ قَالَ عَلَی الصِّرَاطِ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے اس آیت یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوَاتُ جس روز زمین بدل دی جائے گی اس زمین کو بدل دیا جائے گا اور ان کے علاوہ اور آسمان بھی (یعنی قیامت کے دن موجودہ زمین و آسمان کو بدل دیا جائے گا اور ان کے بجائے دوسرے زمین و آسمان پیدا کئے جائیں گے) کے بارے میں پوچھا کہ اس دن جب کہ زمین و آسمان کی تبدیلی واقع ہوگی) لوگ کہاں ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا "پل صراط پر۔" (مسلم)

تشریح: لفظ صراط کے اصل معنی "راستہ" کے ہیں اور یہاں حدیث میں "صراط" سے مراد "پل صراط" ہے یعنی وہ پل جس کے بارے میں شارع نے خبر دی ہے کہ وہ دوزخ کی پشت پر بنا ہوا ہے اور جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پل صراط کے بجائے کوئی بھی "صراط" مراد ہو۔

قیامت کے دن زمین کے تبدیل کیے جانے سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، جس میں سے ایک قول تو یہ ہے کہ قیامت کے دن زمین کو سفید روٹی میں تبدیل کر دیا جائے گا، چنانچہ اہل ایمان میدان حشر میں حساب سے فارغ ہونے کے وقت تک اپنے قدموں کے نیچے سے یہی روٹی توڑ توڑ کر کھاتے رہیں گے، اس قول کی تائید اسی حدیث سے بھی ہوتی ہے جو آگے آنے والے باب الحشر کی پہلی حدیث ہے، نیز آسمان کے تبدیل کیے جانے سے مراد یہ ہے کہ تارے ٹوٹ پھوٹ کر گر پڑیں گے اور چاند و سورج کو گہن کی صورت میں معطل و بیکار کر دیا جائے گا! اور طیبیؒ نے یہ کہا ہے کہ کسی بھی چیز کی تبدیلی دو صورتوں میں ہوتی ہے ایک تو ذات (یعنی اصل چیز) کی تبدیلی، جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ میں نے سونے کو چاندی میں تبدیل کر لیا ہے، یعنی سونا دیکر چاندی لے لی ہے اور دوسری صورت صفات کی تبدیلی ہے جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ میں نے چھلے کو انگوٹھی میں تبدیل کر لیا ہے یعنی چھلے کو پگھلا کر اس کی انگوٹھی بنوالی ہے۔ اس صورت میں ذات (یعنی اصل چیز مثلاً سونا یا چاندی) تو ایک ہی رہتی ہے البتہ اس کی حقیقت اور صورت بدل جاتی ہے، پس زمین و آسمان کے دوسری زمین اور دوسرے آسمان میں تبدیل کیے جانے والی بات ان دونوں صورتوں کا احتمال رکھتی ہے کہ اصل زمین و آسمان کی تبدیلی بھی مراد ہو سکتی ہے اور صفات یعنی ہیت و صورت کی تبدیلی بھی مراد ہو سکتی ہے، لیکن سلف کے زیادہ تر اقوال اس طرف ہیں کہ صفات کی تبدیلی مراد ہے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ زمین تو یہی زمین رہے گی البتہ اس کی صفات میں تغیر ہو جائے گا۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کا ارشاد ہے کہ زمین کو اس طرح وسیع و کشادہ کر دیا جائے گا کہ اس میں کوئی نشیب و فراز باقی نہیں رہے گا تاہم اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ذات کی تبدیلی بالکل ناممکن ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس زمین اور ان آسمانوں کی جگہ دوسری زمین اور دوسرے آسمان پیدا کر دے جیسا کہ بعض اقوال اس پر بھی دلالت کرتے ہیں، چنانچہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ ایک (نئی) زمین پیدا فرمائیں گے جو چاندی کی ہوگی اور جو آسمان پیدا فرمائیں گے وہ سونے کا ہوگا، اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی زمین پیدا فرمائیں گے جو سفید و پاکیزہ ہوگی اور اس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا، خود حدیث کے ظاہری اسلوب سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ "تبدیلی" سے ذات کا تغیر مراد ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا سوال کرنا اور اس پر آنحضرت ﷺ کا جواب اس کی دلیل ہے۔

قیامت کے دن چاند و سورج بے نور ہو جائیں گے

⑥ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ مُكَوَّرَانِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن سورج اور چاند لپیٹ دیئے جائیں گے۔" (بخاریؒ)

حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں

⑦ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَیْفَ اَنْعَمُ وَصَاحِبُ الصُّوْرِ قَدِ الْتَقَمَهٗ وَاَصْغٰی سَمْعَهٗ وَحَنّٰی جَبْهَتَهٗ یَنْتَظِرُ مَتٰی یُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ قُوْلُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "آرام و سکون سے کیسے بیٹھا رہوں جب کہ صور پھونکنے والا حضرت اسرافیل علیہ السلام) صور کو (پھونکنے کے لئے) منہ میں دبائے ہوئے ہیں، اپنا کان (بارگاہ حق جل مجدہ کی طرف) لگائے ہوئے ہیں کہ جب بھی حکم صادر ہو فوراً پھونک دیں) اور پیشانی جھکائے ہوئے (بالکل تیاری کی حالت میں) ہیں اور انتظار کر رہے ہے کہ کب صور پھونکنے کا حکم ملے" (یہ سن کر) صحابہؓ نے عرض کیا کہ تو پھر آپ ﷺ ہمارے لئے کیا فرماتے ہیں؟ (یعنی آپ ﷺ ہمیں کیا تلقین فرماتے ہیں کہ ہم کسی بھی آفت اور سختی کے وقت کیا کریں) آپ ﷺ نے فرمایا (جب بھی کوئی آفت و مصیبت آئے تو بس حق تعالیٰ ہی کی طرف لو لگاؤ اسی کی بارگاہ

میں التجا کرو اور اس کے فضل و کرم پر بھروسہ و اعتماد رکھو، نیز، یہ پڑھا کرو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اور ہم کو اللہ کافی ہے اور وہی بہتر کارساز ہے۔"

تشریح: "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" پڑھنا ایک ایسا عمل ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ بڑی سے بڑی آفت و مصیبت اور سخت سے سخت مشکل کو دفع کر کے عافیت و سلامتی عطا فرماتا ہے، چنانچہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کی آگ میں ڈالا جانا تھا تو آپ کی زبان پر یہی بابرکت کلمہ تھا، اسی طرح ایک غزوہ (جہاد) کے موقع پر جب کچھ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ کہا کہ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ۔ یعنی دشمنوں نے آپ لوگوں کے مقابلہ کے لئے بڑا لاؤلشکر جمع کر لیا ہے اور آپ (ﷺ) کو ان سے ڈرنا چاہئے تو آپ (ﷺ) نے یہی پڑھا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

صور کیا ہے؟

⑧ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصُّوْرُ قَرْنٌ يُنْفَخُ فِيْهِ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "صور ایک سینگ ہے جس کو پھونکا جائے گا۔" (ترمذی)

تشریح: "جس کو پھونکا جائے گا" کا مطلب یہ ہے کہ اس کو حضرت اسرافیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو مرتبہ پھونکیں گے ایک بار تو سب کو مارنے کے لئے اور دوسری بار سب کو جلانے کے لئے۔

بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ اس سینگ یعنی صور کا وہ سرا جس کو حضرت اسرافیل علیہ السلام اپنے منہ میں لگائے پھونکنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں، گول ہے اور اس کی گولائی زمین اور آسمانوں کے برابر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

ناقور، راجفہ اور رادفہ کے معنی

⑨ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ الصُّوْرُ قَالَ وَالرَّاجِفَةُ النَّفْخَةُ الْاُوْلٰى وَالرَّادِفَةُ الثَّانِيَةُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَرْجُمَةِ بَابٍ۔

"حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "نَاقُوْر" سے مراد صور ہے انہوں نے اس آیت يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے) کہا کہ (راجفہ سے مراد پہلا صور پھونکا جانا اور رادفہ سے مراد دوسرا پھونکا جانا ہے (اس روایت کو بخاری نے ترجمۃ الباب میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: دونوں آیتیں مع ترجمہ اس طرح ہیں۔

❶ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۞ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۞۔

"پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا سو وہ وقت یعنی وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا۔"

❷ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۞۔

"جس دن ہلا دینے والی چیز (زمین و پہاڑ اور تمام چیزوں کو) ہلا ڈالے گی جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی آئے گی۔"

"راجف" اصل میں "رجف" سے نکلا ہے جس کے معنی ہلنے اور لرزنے کے ہیں اور "رادفہ" کا لفظ ردف سے نکلا ہے جس کے معنی

ہیں کسی چیز کا کسی چیز کے پیچھے پیچھے پہنچنا۔

نفخ صور کے وقت جبرئیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام حضرت اسرافیل علیہ السلام کے دائیں بائیں ہونگے

⑩ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ ذَکَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَاحِبَ الصُّوْرِ وَ قَالَ عَنْ یَّمِیْنِہٖ جِبْرَئِیْلُ وَعَنْ یَّسَارِہٖ مِیْکَائِیْلُ

"اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ نے صور پھونکنے والے یعنی حضرت اسرافیل علیہ السلام کا ذکر کیا اور فرمایا کہ صور پھونکنے کے وقت) ان کے دائیں جانب حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں گے اور بائیں جانب حضرت میکائیل علیہ السلام۔"

دوبارہ زندہ کرنے کا ذکر

⑪ وَعَنْ اَبِیْ رَزِیْنِ الْعُقَیْلِیِّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ یُعِیْدُ اللّٰہُ الْخَلْقَ وَمَا اٰیَۃُ ذٰلِکَ فِیْ خَلْقِہٖ قَالَ اَمَا مَرَرْتَ بِوَادِیْ قَوْمِکَ جَدْبًا ثُمَّ مَرَرْتَ بِہٖ یَھْتَزُّ خَضِرًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَتِلْکَ اٰیَۃُ اللّٰہِ فِیْ خَلْقِہٖ کَذٰلِکَ یُحْیِ اللّٰہُ الْمَوْتٰی۔ رواھما رزین۔

"اور حضرت ابورزین عقیلیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ خداوند تعالیٰ مخلوقات کو دوبارہ کس طرح زندہ کرکے اٹھائے گا (جب کہ ان کے جسم وبدن گل سڑ کر خاک ہو چکے ہوں گے) اور کیا اس کے لئے موجودہ مخلوقات میں (ایسی) کوئی نشانی ہے (جس کو دیکھ کر دوبارہ زندہ کئے جانے کے نظریہ پر استدلال کیا جاسکے؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم کبھی قحط اور خشک سالی کے زمانہ میں اپنی قوم کے جنگل اور کھیتوں کے درمیان سے گزرے ہو، وہاں سبزہ کا نام ونشان تک نظر نہیں آیا ہوگا (بلکہ ساری زمین بالکل بنجر اور خشک نظر آتی ہوگی) پھر جب تم (بارش کے بعد) وہاں سے گزرے ہوگے تو تمہیں (پورے علاقہ میں) لہلہاتا ہوا سبزہ نظر آیا ہوگا میں نے عرض کیا کہ ہاں ایسا ہوتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا "پس مخلوقات میں قدرت الٰہی کی یہی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ مردوں کو اس طرح زندہ کرے گا ان دونوں روایتوں کو رزین نے نقل کیا ہے۔"

بَابُ الْحَشْرِ

حشر کا بیان

"حشر" کے اصل معنی ہیں جمع کرنا، اکٹھا کرنا، ہانکنا! چنانچہ قیامت کے دن کو یوم الحشر (حشر کا دن) اسی اعتبار سے کہتے ہیں کہ اس دن تمام مردے اپنی قبروں وغیرہ سے زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے اور سب کو اس جگہ پر جمع کیا جائے گا جس کو "محشر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ حشر دو ہوں گے، ایک تو مذکورہ بالا معنی میں قیامت آنے کے بعد اور دوسرے حشر کا تعلق قیامت سے پہلے علامات قیامت سے ہے جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے کہ ایک آگ مشرق کی طرف سے نمودار ہوگی جو لوگوں کو گھیر کر زمین شام کی طرف لے جائے گی اور وہاں اکٹھا کردے گی! یہاں عنوان باب میں "حشر" کے پہلے معنی مراد ہیں، اگرچہ اس باب میں بعض ایسی احادیث بھی نقل ہوں گی جو بظاہر دونوں معنی کا احتمال رکھتی ہیں، اسی لئے علماء کے ان کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ بعض حضرات نے ان کو دونوں معنی پر محمول کیا ہے اور بعض نے ان کے خلاف کہا ہے اور زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ ان احادیث کا محمول پہلے ہی معنی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حشر کا میدان

① عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى اَرْضٍ بَيْضَآءَ عَفْرَآءَ كَقُرْصَةِ النَّقِيِّ لَيْسَ فِيْهَا عَلَمٌ لِاَحَدٍ۔ (متفق علیہ)

"حضرت سہل ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو ایسی سرخی مائل سفید زمین پر جمع کیا جائے گا جو (رنگ اور گولائی کے اعتبار سے" چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کے مانند ہوگی اور اس زمین پر کسی (کے مکان و عمارت وغیرہ) کا کوئی نشان نہیں ہوگا (بلکہ ہموار چٹیل میدان ہوگا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

اہل جنّت کا پہلا کھانا

② وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ الْاَرْضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خُبْزَةً وَّاحِدَةً يَتَكَفَّأُهَا الْجَبَّارُ بِيَدِهٖ كَمَا يَتَكَفَّأُ اَحَدُكُمْ خُبْزَتَهٗ فِي السَّفَرِ نُزُلًا لِاَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَتٰى رَجُلٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ بَارَكَ الرَّحْمٰنُ عَلَيْكَ يَآ اَبَا الْقَاسِمِ اَلَا اُخْبِرُكَ بِنُزُلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ بَلٰى قَالَ تَكُوْنُ الْاَرْضُ خُبْزَةً وَّاحِدَةً كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْنَا فَضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِاِدَامِهِمْ بَالَامُ وَالنُّوْنُ قَالُوْا وَمَا هٰذَا قَالَ ثَوْرٌ وَّنُوْنٌ يَاْكُلُ مِنْ زَآئِدَةِ كَبِدِهِمَا سَبْعُوْنَ اَلْفًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن ساری زمین ایک روٹی ہوگی جس کو خداوند جبار اپنے ہاتھوں سے اس طرح الٹے پلٹے گا جس طرح تم میں سے کوئی شخص سفر کے دوران الٹ پلٹ کر کے (یعنی جلدی) روٹی پکاتا ہے اور یہ روٹی جنتیوں کی مہمانی ہوگی" آنحضرت ﷺ کے یہ فرمانے کے بعد ایک یہودی آیا اور کہنے لگا کہ اے ابوالقاسم! خدائے پاک مہربان آپ ﷺ پر برکت نازل کرے کیا میں آپ ﷺ کو بتاؤں کہ قیامت کے دن جنتیوں کی مہمانی کے طور پر پہلا کھانا کیا ہوگا؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں بتاؤ! اس یہودی نے کہا کہ ساری زمین ایک روٹی ہوگی، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے (تعجب کے اظہار اور ہمیں یہ بتانے کے لئے کہ یہودی ٹھیک کہہ رہا ہے چاروں طرف دیکھا اور ہنس دیے یہاں تک کہ آپ؟ ﷺ کی کچلیاں نظر آنے لگیں اس کے بعد اس یہودی نے کہا کہ کیا میں آپ ﷺ کو بتاؤں کہ جنتیوں کا سالن کیا ہوگا (جس سے وہ روٹی لگا کر کھائیں گے) وہ "بالام" اور "نون" ہے صحابہؓ ("بالام" کا مطلب نہیں سمجھ سکے تھے کیونکہ وہ عبرانی لفظ تھا اس لئے انہوں) نے کہا کہ یہ بالام کیا چیز ہوتی ہے کہا کہ (بالام کا مطلب) بیل ہے اور نون (کے بارے میں تم لوگ جانتے ہی ہو کہ مچھلی کو کہتے ہیں) اور ان دونوں یعنی بیل اور مچھلی کے گوشت کے اس ٹکڑے سے جو جگر کا زائد ہوتا ہے، ستر ہزار آدمی روٹی کھائیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "اپنے ہاتھوں سے اس طرح الٹے پلٹے گا" کے ذریعہ اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح روٹی پکانے والا شخص روٹی گھڑنے اور اس کو گول (برابر اور باریک کرنے کے لئے اس کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر ہیرتا پھیرتا ہے پھر توے یا گرم بھوبل پر اس کو الٹ پلٹ کر سینکتا ہے اسی طرح یہ زمین بھی الٹی پلٹی جائے گی اور اس کو روٹی بنا دیا جائے گا! واضح رہے کہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن یہ زمین روٹی ہو جائے گی اور جنّت میں جانے والوں کا کھانا بنے گی کہ وہ جنّت میں جانے کے وقت پہلے اس کو کھائیں گے پس حضرات نے حدیث کے الفاظ کو ان کے ظاہری معنی ہی پر محمول کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بات حق تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں ہے وہ اس پر قادر ہے کہ اس زمین کو روٹی بنادے اور اہل جنّت کو کھانے کے لئے دے! لہٰذا زیادہ صحیح یہی ہے کہ

حدیث کا یہی ظاہری مفہوم مراد لیا جائے اور اس بارے میں کسی شک وشبہ کو در آنے کا موقع نہ دیا جائے۔ ویسے کچھ حضرات نے حدیث کے ان مذکورہ الفاظ کو اس کے ظاہری معنی پر حمل نہ کر کے تاویل و توجیہ کا راستہ اختیار کیا ہے، لیکن ان کی ان تاویلات و توجیہات کو طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کیا جا رہا ہے۔

"آنحضرت ﷺ نے ہماری طرف دیکھا اور ہنس دیئے" اس یہودی عالم نے جو کچھ بیان کیا وہ توریت میں پڑھ کر بیان کیا تھا اور اس کی وہ باتیں گویا آنحضرت ﷺ کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں علاوہ ازیں وہ باتیں صحابہؓ کے یقین اور قوت ایمان میں اضافہ کا سبب بھی بنی تھیں اس لئے آنحضرت ﷺ ان پر اظہار اطمینان کے لئے ہنسے اور اس طرح ہنسے کہ آپ ﷺ کی کیچلیاں ظاہر ہوگئیں۔

"ستر ہزار آدمی" سے مراد وہ بندگان خاص ہیں جو حساب و مواخذہ کے مراحل سے گزرے بغیر جنت میں جائیں گے اور جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح روشن و تابناک ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ "ستر ہزار" سے مخصوص عدد مراد نہ ہو بلکہ محض کثرت مبالغہ مراد ہو۔

"زائدہ کبد" (یعنی جگر کا زائد حصہ) اصل میں جگر ہی کے اس چھوٹے ٹکڑے کو کہتے ہیں جو اسی کے ساتھ ایک جانب ہوتا ہے اس حصہ کو بہت لذیذ اور پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔

ایک احتمال یہ ہے کہ صحابہؓ کے پوچھنے پر "بالام" کے جو معنی بیان کیے گئے وہ اس یہودی عالم نے نہیں بلکہ خود آنحضرت ﷺ نے بیان کیے ہوں، اور ہوا یہ ہو کہ جب صحابہؓ اس لفظ کے معنی نہ سمجھے اور انہوں نے اس بارے میں سوال کیا تو اس سے پہلے کہ یہودی عالم جواب دیتا آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی اس عبرانی لفظ کے معنی بتا دیے گئے اور آپ ﷺ نے صحابہؓ کے سامنے بیان فرما دیئے۔

حشر کا ذکر

(۳) وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی ثَلٰثِ طَرَآئِقَ رَاغِبِیْنَ رَاہِبِیْنَ وَاثْنَانِ عَلٰی بَعِیْرٍ وَثَلٰثَۃٌ عَلٰی بَعِیْرٍ وَّاَرْبَعَۃٌ عَلٰی بَعِیْرٍ وَّعَشَرَۃٌ عَلٰی بَعِیْرٍ وَتَحْشُرُ بَقِیَّتَہُمُ النَّارُ تَقِیْلُ مَعَہُمْ حَیْثُ قَالُوْا وَتَبِیْتُ مَعَہُمْ حَیْثُ بَاتُوْا وَتُصْبِحُ مَعَہُمْ حَیْثُ اَصْبَحُوْا وَتُمْسِیْ مَعَہُمْ حَیْثُ اَمْسَوْا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "حشر میں لوگوں کو تین قسموں میں جمع کیا جائے گا ایک قسم کے لوگ تو وہ ہوں گے جو بہشت کے خواہشمند ہیں، دوسری قسم کے لوگ وہ ہوں گے جو دوزخ سے ڈرنے والے ہیں، اور ان دونوں قسموں میں سے جو لوگ سواری پر ہوں گے ان کی صورت یہ ہوگی کہ) دو ایک اونٹ پر سوار ہوں گے (یعنی جس شخص کا مرتبہ جتنا زیادہ بلند ہوگا وہ اتنے ہی کم آدمیوں کے ساتھ سواری پر ہوگا اور نہایت آرام وکشادگی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوگا اور جس کا مرتبہ جتنا ادنی ہوگا وہ اتنے ہی زیادہ آدمیوں کے ساتھ سواری پر ہوگا اور تنگی کے ساتھ بیٹھا ہوگا) اور تیسری قسم باقی تمام لوگوں پر مشتمل ہوگی جن کو آگ جمع کرے گی اور وہ آگ ہر وقت ان لوگوں کے ساتھ رہے گی اور کسی وقت بھی ان سے الگ نہیں ہوگی یہاں تک کہ، جہاں وہ لوگ قیلولہ کریں گے (یعنی استراحت کے لئے رکیں گے، آگ بھی وہیں قیلولہ کرے گی، جہاں وہ لوگ رات گزاریں گے وہیں ان کے ساتھ ہی رات گزارے گی، جہاں وہ لوگ صبح کریں گے وہیں آگ بھی ان کے ساتھ صبح کرے گی اور جہاں وہ لوگ شام کریں گے وہیں آگ بھی ان کے ساتھ شام کرے گی۔"

(بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: ملا علی قاریؒ کے مطابق "تین قسموں" میں سے ایک یعنی پہلی قسم کے لوگ تو سوار ہوں گے اور باقی دونوں قسموں کے لوگ پیدل اور منہ کے بل چلنے والے ہوں گے جیسا کہ آگے دوسری فصل میں آنے والی حدیث سے واضح ہوگا! لیکن بعض شارحین نے کہا ہے کہ پہلی دونوں قسموں کے لوگ سواریوں پر ہوں گے اور باقی تمام لوگ پیدل چلتے ہوئے آئیں گے، نیز انہوں نے کہا ہے کہ اونٹ

سواریوں کی مذکورہ تعدادوں کا ذکر دراصل ان دونوں قسموں کے لوگ کے فرقِ مراتب کی تفصیل کو بطور کنایہ و تمثیل بیان کرنے کے لئے ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ عالی مرتبہ ہوگا وہ اتنی ہی زیادہ راحت و سہولت اور سرعت و سبقت کے ساتھ میدان حشر میں پہنچے گا۔

پہلی دونوں قسموں کا تعلق اہل ایمان سے ہے جن میں سے ایک تو وہ لوگ ہوں گے جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے امیدوار رہتے ہیں اور اس نے اپنے نیک بندوں کے لئے جنت اور وہاں کی نعمتوں کا جو وعدہ کیا ہے اس کا اشتیاق ان پر غالب رہتا ہے اور یہ وہ بندگان خاص ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو اس کے عذاب کے خوف میں رہتے ہیں اور دوزخ کی آگ کا ڈر ان پر غالب رہتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی امید و اشتیاق میں کی جانے والی طاعت و عبادت اس طاعت و عبادت سے افضل ہے جو اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف سے کی جائے۔

"چار ایک اونٹ پر اور دس ایک اونٹ پر ہوں گے۔" چار اور دس کے درمیان کے دوسرے اعداد کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا ہے کہ ان کو ذکر کردہ اعداد پر قیاس کر کے مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے! اسی طرح "ایک اونٹ پر ایک آدمی کا سوار ہونا" ذکر نہیں کیا گیا ہے جب کہ یقینی طور پر محشر میں آنے والوں میں ایسے افراد بھی ہوں گے جو اپنے اپنے اونٹ پر تنہا ہوں گے اور ان کی سواری میں ان کا کوئی شریک نہیں ہوگا! تو اصل بات یہ ہے کہ وہ انبیاء اور رسولوں کا مرتبہ ہے اور یہاں انبیاء اور رسولوں کے حشر کا نہیں بلکہ "لوگوں" کے حشر کا ذکر کرنا مقصود ہے! ایک بات یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ ایک ایک اونٹ پر دو اور دو سے زائد لوگوں کے سوار ہونے کی دونوں صورتیں محتمل ہو سکتی ہیں یا تو یہ ہوگا کہ ایک اونٹ جتنے لوگوں کی سواری کے لئے متعین ہوگا وہ سب لوگ اس پر ایک ساتھ بیٹھیں گے، اور یا یہ ہوگا کہ تناوب (باری متعین کرنے) کے طور پر بیٹھیں گے، کہ ہر شخص باری باری سے سوار ہوتا رہے گا۔

اب آخر میں یہ بات جان لیجئے کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ یہاں حدیث میں لوگوں کو محشر میں جمع کیے جانے کا جو ذکر ہے اس کا تعلق کس وقت سے ہے؟ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ اس حشر کا ذکر ہے جو قیامت کے دن آخرت میں بڑا ہوگا اور ہر شخص کو دوبارہ زندہ کر کے محشر میں لایا جائے گا، جب کہ بعض دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آخرت کے حشر کا ذکر نہیں ہے بلکہ وہ "حشر" مراد ہے جو قیامت کے قریب واقع ہوگا کہ لوگوں کو تمام علاقوں سے اکٹھا کر کے ملک شام کے علاقہ میں ایک جگہ کہ جس کو "محشر" ہی سے تعبیر کیا گیا ہے جمع کیا جائے گا، اور جس کو قیامت کی علامت میں سے کہا گیا ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ آخرت میں جو حشر ہوگا اس میں تمام لوگ پاپیادہ ہوں گے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ آخرت میں کئی حشر ہوں گے ایک تو قبر سے نکلتے وقت اور تمام لوگوں کے دوبارہ زندہ کئے جانے کے فوراً بعد، اور دوسرا حشر اس کے بعد ہوگا! اس میں بعضوں کو سواریاں ملیں گی اور بعض پیدل اور بعض منہ کے بل چل کر آئیں گے! بہرحال زیادہ صحیح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کا حشر مراد ہے۔

میدان حشر میں ہر شخص ننگے بدن، ننگے پاؤں اور غیر مختون آئے گا

(۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّكُمْ مَحْشُوْرُوْنَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ثُمَّ قَرَأَ كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ وَاَوَّلُ مَنْ يُّكْسٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِبْرَاهِيْمُ وَاِنَّ نَاسًا مِّنْ اَصْحَابِيْ يُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ اُصَيْحَابِيْ اُصَيْحَابِيْ فَيَقُوْلُ اِنَّهُمْ لَنْ يَّزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ مُذْ فَارَقْتَهُمْ فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ اِلٰى قَوْلِهِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباس نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "تمہیں (قیامت کے دن) اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ تم ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ ہوگے" اس کے بعد آپ ﷺ نے (بطور دلیل واستشہاد) یہ آیت پڑھی كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ

نُّعِیْدُہٗ وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا کُنَّا فَاعِلِیْنَ یعنی، جس طرح ہم نے ان کو ابتداء پیدائش میں (ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ ماں کے پیٹ سے) پیدا کیا تھا اسی طرح ان کو دوبارہ (قیامت کے دن) پیدا کریں گے یعنی قبروں سے اٹھائیں گے یہ وعدہ (کہ ہم اِن کو دوبارہ پیدا کریں گے) ہم پر لازم ہے اور یقیناً ہم (نے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا) کرنے والے ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن ان لوگوں میں سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں (پھر فرمایا) اور (اس وقت جب کہ لوگوں کو میدان حشر سے جنت اور دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا، میں دیکھوں گا کہ) میرے کچھ صحابہ کو پکڑ کر بائیں ہاتھ کی طرف (یعنی دوزخ کی طرف) لے جایا جارہا ہے، میں یہ دیکھ کر بطریق حیرت واستعجاب اور ان کو نجات دلانے کے لئے) کہونگا کہ یہ میرے صحابی ہیں یہ میرے صحابی ہیں (ان کو کہاں لے جاتے ہو؟) خداوند تعالیٰ فرمائے گا۔ (بیشک یہ تمہارے صحابی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ) جب سے تم ان سے جدا ہوئے، یہ برابر دین سے برگشتہ اور پھرے رہے (اس لئے ان کو دوزخ میں بھیجا جارہا ہے) میں (یہ سن کر) وہی کہوں گا جو بندہ صالح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ۔ اَلْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ تک یعنی جب تک میں ان کے درمیان رہا، میں ان کے احوال سے واقف رہا الخ۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "اور بے ختنہ ہوں گے" میں اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن جب مردے اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو ان کے جسم وبدن کے تمام اجزاء یک جا ہو کر مل جائیں گے اور پورا جسم اسی طرح کا ہو جائے گا جیسا کہ اس دنیا میں تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ ختنہ کی وہ کھال جو کاٹ کر پھینک دی جاتی ہے اور جو اس دنیا میں ضائع کر دیئے جانے کے قابل ہے جب وہ قیامت کے دن اپنی جگہ (یعنی ختنہ کے مقام پر) واپس آکر جسم کا حصہ بن جائے گی تو دوسرے اجزاء جیسے بال اور ناخن وغیرہ بطریق روئی پیدا ہوں گے اور اپنی اپنی جگہ لگ جائیں گے!پس یہ حقیقت نہ صرف یہ کہ حق تعالیٰ کے کمال علم اور کائنات کے ایک ایک جزو کل پر اس کے محیط ہونے کی دلیل ہے بلکہ اشیاء ممکنات کے تعلق سے اس کی قدرت کاملہ کی لاانتہاء وسعتوں کی بھی علامت ہے۔

سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں" حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ فضیلت محض اس لئے حاصل ہوگی وہ ان لوگوں میں سب سے پہلے شخص ہیں جو فقراء اور ضرورت مندوں کو کپڑے پہناتے ہیں اور ان کی ستر پوشی کرتے ہیں یا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ سب سے پہلے شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے لباس کیا گیا تھا جب کہ انہیں نمرود کی آگ میں ڈالا گیا تھا بس ان کی یہ مخصوص نوعیت کی فضیلت ہمارے پیغمبر ﷺ پر ان کی افضلیت کو ثابت نہیں کرتی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے لباس پہنایا جانا ان کے اس اعزاز و اکرام کے طور پر ہوگا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے روحانی اور دینی باپ ہیں علاوہ ازیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو اولیت حاصل ہوگی وہ حقیقی ہے یا اضافی؟ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ اولیت حقیقی نہیں ہے بلکہ اضافی ہے یعنی ان کو آنحضرت ﷺ کے علاوہ اور تمام لوگوں میں سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا! اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جن کپڑوں میں دفن کیا گیا ہے آپ ﷺ قیامت کے دن انہیں کپڑوں میں اٹھ کر (میدان حشر میں) آئیں گے نیز جامع صغیر میں حضرت ابوہریرہؓ سے ترمذی کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

انا اول من تنشق عنہ الارض فاکسی حلۃ من حلل الجنۃ ثُمَّ اقوم عن یمین العرش لَیْسَ احد من الخلائق یقوم ذٰلِکَ المقام غیری۔

"(قیامت کے دن) سب سے پہلے میں زمین سے پھٹ کر اٹھونگا اور جنت کا لباس پہنوں گا اور پھر عرش کے دائیں طرف کھڑا ہوں گا اور اس جگہ مخلوقات میں سے میرے علاوہ کسی اور کو کھڑا ہونا نصیب نہیں ہوگا۔"

"میں وہی کہوں گا جو بندہ صالح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا الخ یعنی جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اپنی قوم کی گمراہی اور بدعقیدگی و بدعملی سے اپنی برأت کا اظہار کریں گے، اور اپنی گمراہ قوم کے معاملہ کو حق تعالیٰ کے عدل و انصاف پر چھوڑ دیں گے اسی طرح میں بھی یہی کہوں گا کہ پروردگار! میری اُمت کے یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں میری موجودگی کے درمیان ایمان و عمل کی سیدھی راہ پر گامزن تھے اور میں ان کا نگہبان و ذمہ دار تھا، لیکن جب میں دنیا سے اٹھ گیا تو انہوں نے اپنے نفس اور شیطان کے فریب میں مبتلا ہو کر گمراہی کو اختیار کر لیا، اب ان کا معاملہ تیرے اوپر موقوف ہے، تیری عادل و منصف بارگاہ ان کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے وہ سراسر عادلانہ اور منصفانہ ہوگا! آنحضرت ﷺ نے اپنی اس بات کو واضح کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے قرآن کریم کی جو آیت پڑھی وہ پوری یوں ہے وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ یعنی (قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ نصاریٰ کو سنانے اور ان کو شرمندہ کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کہ کیا تم نے اپنی قوم کو عقیدہ تثلیث یعنی تین خدا ماننے کی تلقین و تبلیغ کی تھی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی برأت کا اظہار کریں گے اور کہیں گے کہ میں نے تو ان کو صرف تیری بندگی کرنے کی تلقین و تبلیغ کی تھی اور) جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا ان پر مطلع رہا (اور ان کی نگہبانی کرتا رہا کہ یہ لوگ صحیح عقیدہ عمل کی روشنی سے دور نہ جا پڑیں) لیکن جب آپ نے مجھے (اس دنیا) سے اٹھا لیا (اور ان کے اوپر سے میری نگہبانی ختم ہو گئی تو) پھر صرف آپ ان کے احوال پر مطلع رہے اور آپ ہر چیز کی پوری واقفیت رکھتے ہیں اب اگر (ان کی بدعقیدگی و بدعملی کے لئے) آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرما دیں تو بیشک زبردست حکمت والے ہیں۔

واضح رہے کہ یہاں حدیث میں "صحابہ" سے مراد وہ صحابہ نہیں ہیں جن کو آپ ﷺ کی زندگی میں بھی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ سے نسبت حاصل رہی اور جن کو حقیقت میں "صحابہ" کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے بارے میں یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ان میں سے کوئی بھی صحابی مرتد نہیں ہوا اور نہ کسی نے عقیدہ و عمل کی کوئی ایسی گمراہی اختیار کی جس کی بنا پر انہیں دوزخی کہا جا سکے، لہذا "صحابہ" سے مراد وہ اجڈ دیہاتی ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مشرف باسلام ہو گئے تھے لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد مسیلمہ کذاب اور اسود وغیرہ کے اتباع کرنے کے سبب مرتد ہو گئے تھے۔

میدان حشر میں سب لوگ ننگے ہوں گے

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيْعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ الْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ يَّنْظُرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن (میدان حشر میں) لوگوں کو ننگے پاؤں اور ننگے بدن جمع کیا جائے گا" (حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ) میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا مرد و عورت سب کا یہی حال ہوگا اور وہ آپس میں ایک دوسرے کو عریاں دیکھیں گے؟ یعنی اس طرح تو عورتیں مردوں کو اور مرد عورتوں کو ننگا دیکھیں گے تو پھر سب کو عریاں حالت میں جمع کرنے میں کیا مصلحت و حکمت ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا عائشہؓ اس دن کا معاملہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہولناک ہوگا کہ کوئی کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن میدان حشر میں گو تمام لوگ ننگے آئیں گے لیکن ہر شخص کی عریانیت ایک دوسرے کی نگاہ سے اوجھل ہوگی اور کوئی کسی کو ننگا نہیں دیکھے گا کیونکہ اس دن کا معاملہ ہی ایسا ہوگا کہ ہر شخص اپنی اپنی فکر میں مستغرق ہوگا ہر طرف نامہ اعمال پھیلے ہونگے اور لوگ حساب و مواخذہ کے مراحل اور قیامت کی ہولناکیوں میں اس طرح گرفتار ہونگے کہ کسی کو کسی کی خبر نہیں ہوگی کہ کون

کس حال میں ہے اور کسی کو کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کا موقع نہیں ملے گا جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

دوزخی منہ کے بل چل کر میدان حشر میں آئیں گے

(٦) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلاً قَالَ یَانَبِیَّ اللّٰہِ کَیْفَ یُحْشَرُ الْکَافِرُ عَلٰی وَجْھِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ قَالَ اَلَیْسَ الَّذِیْ اَمْشَاہُ عَلَی الرِّجْلَیْنِ فِی الدُّنْیَا قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُّمْشِیَہٗ عَلٰی وَجْھِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ (ﷺ)، قیامت کے دن کافر منہ کے بل چل کر کس طرح میدان حشر میں آئیں گے یعنی کسی کے لئے منہ کے بل چلنا کیسے ممکن ہوگا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "حقیقت یہ ہے کہ جس ذات (یعنی اللہ تعالیٰ) نے اس (کافر) کو دنیا میں پاؤں کے بل چلایا وہی ذات اس کو قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا حشر

(٧) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَلْقٰی اِبْرَاھِیْمُ اَبَاہُ اٰذَرَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَعَلٰی وَجْہِ اٰذَرَ قَتَرَۃٌ وَّغَبَرَۃٌ فَیَقُوْلُ لَہٗ اِبْرَاھِیْمُ اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ لَا تَعْصِنِیْ فَیَقُوْلُ لَہٗ اَبُوْہُ فَالْیَوْمَ لَا اَعْصِیْکَ فَیَقُوْلُ اِبْرَاھِیْمُ یَارَبِّ اِنَّکَ وَعَدْتَنِیْ اَنْ لَّا تُخْزِیَنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ فَاَیُّ خِزْیٍ اَخْزٰی مِنْ اَبِی الْاَبْعَدِ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْجَنَّۃَ عَلَی الْکَافِرِیْنَ ثُمَّ یُقَالُ لِاِبْرَاھِیْمَ اُنْظُرْ مَا تَحْتَ رِجْلَیْکَ فَیَنْظُرُ فَاِذَا ھُوَ بِذِیْخٍ مُتَلَطِّخٍ فَیُؤْخَذُ بِقَوَائِمِہٖ فَیُلْقٰی فِی النَّارِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آذر سے اس حال میں ملیں گے کہ آذر کا چہرہ (غم و فکر کے سبب) سیاہ ہوگا اور غبار آلود ہوگا حضرت ابراہیم علیہ السلام (یہ دیکھ کر حسرت و افسوس کے ساتھ) کہیں گے کہ کیا (دنیا میں) تم سے یہ نہیں کہا کرتا تھا کہ (میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بتاتا اور تعلیم دیتا ہوں اس میں میری نافرمانی نہ کیا کر؟ ان کا باپ آذر ان سے کہے گا کہ میں آج کے دن تمہاری نافرمانی نہیں کرونگا (خدارا میری شفاعت کرو اور مجھے نجات دلاؤ) حضرت ابراہیم علیہ السلام (باپ کی یہ بات سن کر) عرض رسا ہوں گے کہ میرے پروردگار! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اس دن، جب لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا (میدان حشر میں) تو مجھ کو ذلیل و رسوا نہ کرے گا، پس میرے باپ کی رسوائی و ذلت سے بڑی ذلت و رسوائی میرے لئے اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ تیری رحمت سے اسقدر دور ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ابراہیم علیہ السلام آج کے دن تمہارے باپ کے حق میں مغفرت و نجات کی تمہاری درخواست منظور نہیں کی جاسکتی کیونکہ وہ کافر ہے اور (حقیقت یہ ہے کہ میں نے جنت کو کافروں کے اوپر حرام کر دیا ہے" پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا جائے گا کہ نیچے دیکھو تمہارے پیروں میں کیا چیز ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام (یہ سن کر) اپنے پیروں کی طرف نگاہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ (ان کا باپ) آذر کفتار یعنی بجو کی شکل میں مٹی اور گوبر میں لتھڑا ہوا پڑا ہے پھر اس (آذر) کے پاؤں پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آذر کی صورت کو بجو جیسے حقیر جانور کی شکل و صورت میں اس لئے بدل دیا جائے گا تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل سے محبت پدری جاتی رہے اور وہ اس سے علیحدہ ہو جائیں یا اس لئے کہ ان کی سبکی نہ ہو کہ ان کا باپ دوزخ میں ڈالا گیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا ہی میں اپنے باپ سے بیزار ہو گئے تھے اور اس سے اپنی برأت کا اظہار کر چکے تھے لیکن جب قیامت کے دن میدان حشر میں اس کو دیکھیں گے تو بے اختیار محبت پدری ان کے دامن گیر ہو جائے گی اور وہ اس کے لئے مغفرت و نجات کی خواہش کریں گے کہ شاید ان کی درخواست و شفاعت قبول ہو جائے۔ مگر جب ان کی درخواست و شفاعت قبول نہیں

ہوگی اور وہ اپنے باپ کو ایک حقیر شکل وصورت میں بدلا ہوا دیکھیں گے تو ناامید ہوجائیں گے اور اس سے ہمیشہ کے لئے اپنی برأت وبیزاری ظاہر کریں گے اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقین نہیں تھا کہ ان کا باپ آذر کفر کی حالت میں مرا ہے، ان کا گمان تھا کہ ممکن ہے وہ پوشیدہ طور پر ایمان لے آیا ہو اور مجھے اس کی اطلاع نہ کی ہو اور شاید وہ قیامت کے دن اپنے اسی گمان کی بناء پر اس کے حق میں شفاعت کریں گے البتہ چونکہ ظاہری طور پر وہ کفر ہی کی حالت میں تھا اس لئے انہوں نے دنیا میں ظاہری احوال کا اعتبار کرتے ہوئے اس سے اپنی برأت وبیزاری کا اظہار کیا اور پھر جب قیامت میں اس کا کفر کی حالت میں مرنا یقین کے ساتھ معلوم ہوجائے گا تو اپنے باپ سے ان کی وہ بیزاری وبرأت (جو انہوں نے ظاہر کی تھی) ہمیشہ کے لئے ہوجائے گی۔

میدان حشر میں بہنے والا پسینہ

⑧ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْرَقُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِي الْاَرْضِ سَبْعِيْنَ ذِرَاعًا وَيُلْجِمُهُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ اٰذَانَهُمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن (میدان حشر میں جب حساب کتاب کی ابتداء ہوگی اور نامہ اعمال کھلنے شروع ہوں گے تو) لوگوں کو پسینہ آئے گا اور وہ پسینہ اس قدر بہے گا کہ زمین کے اندر ستر گز تک چلا جائے گا اور ان کے لئے لگام بن جائے گا یہاں تک کہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا یعنی وہ پسینہ ان کے دہنوں تک پہنچ کر لگام کی طرح ان کے منہ کو جکڑے گا کہ وہ بات چیت کرنے پر بھی قادر نہیں ہوسکیں گے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "لوگوں" سے سارے لوگ مراد ہیں ان میں جنات بھی شامل ہیں کہ ان کو بطریق اولیٰ پسینہ آئے گا اور بہے گا پس "جنات" کا ذکر نہ کرنا اکتفا کی قبیل سے ہے، نیز ظاہر یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء ان لوگوں سے مستثنیٰ ہوں گے واضح رہے کہ پسینہ کا اتنی شدت کے ساتھ آنا اور بہنا اس سبب سے ہوگا کہ وہ وقت سخت قسم کی ہولناکی کا ہوگا، نامہ، اعمال کھلنے پر حیا وخجالت اور ندامت وملامت کا غلبہ ہوگا، سورج کی تپش اور آگ کی لپک بہت زیادہ ہوگی۔

یہ جو فرمایا گیا ہے کہ لوگوں کو اتنی کثرت سے پسینہ آئے گا کہ وہ ان کے لئے لگام بن جائے گا تو اس سلسلے میں زیادہ وضاحت آنے والی حدیث سے ہوگی جس سے معلوم ہوگا کہ پسینہ کی کثرت وشدت کے مختلف احوال ہوں گے جن سے لوگ اپنے اپنے مرتبہ اعمال کے اعتبار سے دوچار ہوں گے۔

میدان حشر میں سورج بہت قریب ہوگا

⑨ وَعَنِ الْمِقْدَادِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تُدْنَى الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰى تَكُوْنَ مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ مِيْلٍ فَيَكُوْنُ النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرَقِ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ اِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ اِلٰى حِقْوَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُّلْجِمُهُمُ الْعَرَقُ اِلْجَامًا وَاَشَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ اِلٰى فِيْهِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت مقداد کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "قیامت کے دن (میدان حشر میں) سورج کو مخلوق کے نزدیک کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ ان سے ایک میل کے فاصلہ پر رہ جائے گا پس تمام لوگ اپنے اعمال کے بقدر پسینہ میں شرابور ہوں گے، چنانچہ ان میں سے بعض لوگ وہ ہوں گے جن کے ٹخنوں تک پسینہ ہوگا بعض لوگ وہ ہوں گے جن کے گھٹنوں تک پسینہ ہوگا، بعض لوگ وہ ہوں گے جو کمر تک پسینہ میں ڈوبے ہوں گے اور بعض لوگ وہ ہوں گے جن کے لئے ان کا پسینہ لگام بن جائے گا یعنی ان کے

دہانے تک پسینہ ہوگا بلکہ دہانے کے اندر تک پہنچ جائے گا یہ فرما کر رسول کریم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اپنے دہانہ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔" (مسلم)

تشریح: "میل" عربی میں کوس (یعنی ۱۷۶۰ گز کے فاصلہ) کو بھی کہتے ہیں اور سرمہ لگانے کی سلائی کو بھی کہا جاتا ہے، پس بعض حضرات نے تو ان سے ایک میل کے فاصلہ پر رہ جانے سے ایک کوس کے بقدر فاصلہ مراد لیا ہے اور بعض حضرات نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اس دن سورج سرمہ لگانے کی سلائی کے بقدر فاصلہ پر ہوگا! بہرحال اصل مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ میدان حشر میں سورج لوگوں کے بہت نزدیک آجائے گا۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اس دن لوگوں کو جو پسینہ آئے گا وہ ان کے اعمال کے مراتب کے بقدر ہوگا، چنانچہ سب سے کم پسینہ جن لوگوں کو ہوگا وہ لوگ ہوں گے جن کے اعمال بہت زیادہ اور اچھے ہوں گے، اور وہ لوگ صرف ٹخنوں تک پسینہ میں شرابور ہوں گے، اسی پر دوسروں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جس شخص کے نیک اعمال جتنے کم اور برے اعمال جتنے زیادہ ہوں گے وہ اتنا ہی زیادہ پسینہ میں غرق ہوگا۔

دو اشکال اور ان کا جواب: اس حدیث کے سلسلہ میں دو اشکال پیدا ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ کہ اس وقت سورج ہم سے کروڑوں میل کے فاصلہ پر ہونے کے باوجود اتنی زیادہ حرارت رکھتا ہے کہ اس کی براہ راست تمازت کسی انسان کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے، تو جب میدان حشر میں سورج صرف ایک میل کے فاصلہ پر رہ جائے گا تو اس کی حرارت و تمازت نہ صرف یہ کہ قابل برداشت کیسے ہوگی بلکہ اس کی زد میں آنے والے لوگ زندہ کیسے رہیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آخرت کے اجسام دنیا کے اجسام کی طرح نہیں ہوں گے اس لئے وہاں کے اجسام پر گزرنے والے احوال کو اس دنیا کے اجسام پر گزرنے والے احوال پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، علاوہ ازیں آخرت میں چونکہ موت نہیں ہوگی اس لئے وہاں لوگ سخت سخت مشقت و تکلیف اٹھالیں گے دوسرا اشکال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جو پسینہ دریا کی موج کی طرح بعض لوگوں کے دہانوں تک پہنچ جائے گا تو یہ کیسے ممکن ہوگا کہ دوسرے لوگوں کے ٹخل تک پہنچ کر رک جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہر شخص کے پسینہ کو اس کے اعمال کے تناسب سے روکے رکھے گی کہ کسی کا پسینہ تو اس کے دہانوں تک پہنچ جائے گا اور کوئی اپنے پسینہ میں صرف ٹخنوں تک غرق رہے گا جیسا کہ اس کا مشاہدہ اس دنیا میں بھی ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریائے نیل کی وہ موجیں جنہوں نے دوسروں کو غرقاب کر دیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لئے ساکن و جامد ہو گئی تھیں! علاوہ ازیں وہی بات یہاں بھی کہی جاسکتی ہے کہ آخرت کے معاملات بالکل جداگانہ نوعیت کے ہوں گے ان کو یہاں دنیا کے حالات و معاملات پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، وہاں کے تمام امور عادت اور دنیاوی نظام قدرت کے بالکل خلاف انوکھے طور پر ظاہر ہوں گے، کیا ایسا نہیں ہوتا کہ ایک قبر میں دو مردے ہوتے ہیں اور دونوں پر الگ الگ حالات طاری ہوتے ہیں کہ ان میں سے ایک تو عذاب میں مبتلا رہتا ہے اور دوسرا راحت و چین کے ساتھ ہوتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے احوال سے بے خبر رہتے ہیں اور اس دنیا میں اس کی نظیر یہ ہے کہ دو شخص ایک طرح کی نیند سوتے ہیں اور وہ دونوں الگ الگ نوعیت کے خواب دیکھتے ہیں، ایک تو خواب دیکھ کر رنج و غم محسوس کرتا ہے اور دوسرا خواب دیکھ کر خوش ہوتا ہے اس کو بھی چھوڑیئے، کیا ایسا نہیں ہوتا کہ ایک ہی مکان میں دو آدمی رہتے ہیں، ان میں سے ایک تو صحت و شادمانی کی حالت میں ہوتا ہے اور دوسرا مرض و مصیبت میں مبتلا ہو کر رنج و تکلیف اٹھاتا ہے؟

اہل جنت کی سب سے بڑی تعداد اُمت محمدی پر مشتمل ہوگی

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا اٰدَمُ فَیَقُوْلُ لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِیْ یَدَیْكَ قَالَ اَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ قَالَ وَمَا بَعْثُ النَّارِ قَالَ مِنْ کُلِّ اَلْفٍ تِسْعَ مِائَۃٍ وَّتِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ فَعِنْدَہٗ

يَشِيْبُ الصَّغِيْرُ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكْرٰى وَمَاهُمْ بِسُكْرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَاَيُّنَا ذٰلِكَ الْوَاحِدُ قَالَ اَبْشِرُوْا فَاِنَّ مِنْكُمْ رَجُلًا وَّمِنْ يَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ اَلْفٌ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنُوْا رُبُعَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا فَقَالَ اَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا فَقَالَ اَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنُوْا نِصْفَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا قَالَ مَا اَنْتُمْ فِي النَّاسِ اِلَّا كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَآءِ فِيْ جِلْدِ ثَوْرٍ اَبْيَضَ اَوْ كَشَعْرَةٍ بَيْضَآءَ فِيْ جِلْدِ ثَوْرٍ اَسْوَدَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "(قیامت کے دن میدان حشر میں) اللہ تعالیٰ آواز دے گا کہ اے آدم!" آدم جواب دیں گے کہ میں حاضر ہوں تیری تابعداری کے لئے تیار ہوں، ساری بھلائیاں تیرے ہی ہاتھوں میں ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا "آگ والوں کے لشکر کو نکال لو یعنی ہمیں تمہاری اولاد میں سے جن لوگوں کو دوزخ میں بھیجنا منظور ہے ان کو علیحدہ کرلو۔" آدم عرض کریں گے کہ دوزخیوں کے لشکر کی تعداد (کا تناسب) کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے (یعنی دوزخوں کا تناسب یہ ہے کہ ہر ہزار میں سے ایک آدمی جنّت میں جائے گا اور باقی دوزخ میں ڈالے جائیں گے)! یہ حکم خداوندی سن کر چھوٹی عمر والا بوڑھا ہو جائے گا اور ہر حاملہ عورت اپنا حمل ضائع کردے گی۔ اور اس وقت) تم دیکھو گے کہ لوگ گویا نشہ میں مست ہیں حالانکہ وہ (شراب جیسے نشہ سے مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی بہت سخت ہے (یعنی لوگوں کی وہ سرمستی و مدہوشی، عذاب خداوندی کے خوف و دہشت کی بناء پر ہوگی) صحابہؓ نے (جب یہ سنا کہ جنّت میں جانے والوں کا تناسب ہزار میں سے صرف ایک ہوگا تو انہوں نے خوف و حسرت سے) کہا کہ وہ ایک (جو ہزار میں سے نکل کر جنّت میں جائے گا) ہم میں کون ہوگا؟ آنحضرت ﷺ نے (ان کو سمجھانے اور تسلی دینے کے لئے) فرمایا اطمینان رکھو غم نہ کھاؤ (جنّت میں جانے والا) ایک شخص تم میں سے ہوگا اور (دوزخ میں جانے والے ہزار شخص یاجوج و ماجوج میں سے ہوں گے پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں امید رکھتا ہوں کہ (اے میری اُمت کے لوگو) تم اہل جنّت کی مجموعی تعداد کا چوتھا حصّہ ہو گے ابوسعیدؓ کا بیان ہے کہ یہ سن کر مارے خوشی کے) ہم نے نعرہ تکبیر بلند کیا (کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے ہم اتنی بڑی تعداد میں جنّت کے مستحق ہوں گے) آنحضرت ﷺ نے پھر (اور بڑی بشارت دینے کے لئے) فرمایا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ تم اہل جنّت کی مجموعی تعداد کا تہائی حصّہ ہوگے، (یہ سن کر) ہم نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں۔" (تم لوگوں یعنی اُمت محمدی ﷺ کی یہ ایک عظیم فضیلت ہے کہ جنّت میں جانے والوں میں سب سے بڑی تعداد اسی اُمت کی ہوگی جب کہ اس دنیا میں) لوگوں کے درمیان تمہاری تعداد اتنی کم ہے جیسا کہ سفید بیل کے جسم پر ایک سیاہ تل یا ایک کالے بیل کے جسم پر ایک سفید بال ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے ان الفاظ کے اعتبار سے یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ کی نقل کردہ اس حدیث کے مخالف ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ہر سو میں سے ننانوے لوگ دوزخی ہوں گے؟ پس کرمانیؒ نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ ان دونوں روایتوں میں کسی خاص عدد کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اصل مقصد اہل ایمان کی تعداد کے کم ہونے اور اہل کفر کی تعداد کے زیادہ ہونے کو بیان کرنا ہے! اور یہ احتمال بھی بیان کیا جاتا ہے "آگ والوں کے لشکر" سے مراد کافر ہوں اور "دوزخ میں جانے والوں" سے مراد گنہگار ہوں، پس یہاں، ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے کا جو تناسب بیان کیا گیا ہے وہ کافروں کے اعتبار سے ہے اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں "ہر سو میں سے ننانوے جو تناسب ذکر کیا گیا ہے وہ گنہگاروں کے اعتبار سے ہے! اور ابن حجرؒ نے یہ لکھا ہے کہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوسعید کی روایت کردہ حدیث کے مفہوم کو تو حضرت آدم علیہ السلام کی تمام ذریت پر محمول کیا جائے (یعنی یہاں حدیث میں اہل دوزخ کے لئے ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے، کا جو تناسب ذکر کیا گیا ہے وہ از اول تا آخر تمام انسانوں کے اعتبار سے ہے اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں اہل دوزخ کے لئے "ہر سو میں سے ننانوے" کا جو تناسب ذکر کیا گیا ہے اس کو یاجوج و ماجوج کے علاوہ دوسرے لوگوں پر محمول کیا

جائے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ یاجوج وماجوج کا ذکر حضرت ابوسعیدؓ ہی کی روایت میں ہے نہ کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں یا یہ کہ حضرت ابوسعید کی روایت کا تعلق تمام مخلوق سے ہے اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کا تعلق صرف اُمت محمدی کے ساتھ مخصوص ہے! اور یا یہ کہ حضرت ابوسعیدؓ کی روایت میں اہل دوزخ کے لشکر سے مراد تمام کفار اور تمام گنہگار ہیں جب کہ حضرت ابوہریرؓ کی روایت میں "اہل دوزخ کے لشکر" سے مراد صرف مسلمان گنہگار ہیں! بہر حال ان تاویلات اور توجیہات سے ان دونوں روایتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں رہتا۔

اور ہر حاملہ اپنا حمل ضائع کردیگی" کے بارے میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ بات فرض کرنے کے طور پر بیان کی گئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر بالفرض اس وقت کوئی چھوٹی عمر کا ہو تو وہ اس صورت حال کی ہیبت اور اس فیصلہ خداوندی کے صدمہ وخوف سے بوڑھا ہو جائے اسی طرح اس وقت اگر کوئی عورت حمل سے ہو تو مارے ہیبت کے اس کا پیٹ گر پڑے اور بعض حضرات نے یہ احتمال بیان کیا ہے کہ جو عورتیں حمل کی حالت میں مری ہوں گی وہ اپنے حمل کے ساتھ اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گی اور اس وقت وہ حکم خداوندی سن کر مارے ہیبت کے ان کا حمل گر پڑے گا اسی طرح چھوٹی عمر والے اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے وہ مارے ہیبت کے بوڑھے ہو جائیں گے یہ اور بات ہے کہ وہ جنت میں جاتے وقت جوان ہو جائیں گے۔

اطمینان رکھو غم نہ کھاؤ الخ کے ذریعہ حضور ﷺ نے صحابہؓ سے خوف وخدشہ کو دور فرمایا کہ دراصل یاجوج وماجوج کی قوم کے لوگ اتنی کثرت میں ہوں گے کہ اگر تمہاری اور ان کی تعداد کا تناسب نکالا جائے تو وہ اس طرح ہوگا کہ ان میں سے تو ایک ہزار شخص اور تم میں سے صرف ایک شخص اور اس صورت حال میں بھی اہل جنت کی تعداد کچھ کم نہیں ہوگی بلکہ بہت ہوگی لہٰذا تمہیں اس خدشہ میں نہ پڑنا چاہئے کہ جنت میں جانے والوں کا تناسب دوزخ میں جانے والوں کے تناسب سے اس قدر کم ہوگا تو ہم میں سے بہت ہی کم لوگ جنت میں جائیں گے! تاہم اس بات سے یہ ضرور واضح ہو گیا کہ مجموعی طور پر دوزخ میں جانے والوں کی تعداد زیادہ ہوگی اور جنت میں جانے والوں کی تعداد کم! لیکن اگر اہل جنت میں ملائکہ اور حوروں کو بھی شامل کر لیا جائے تو شاید اہل جنت کی تعداد ، اہل دوزخ کی تعداد سے زیادہ بڑھ جائے گی اور اس صورت میں حدیث قدسی غلبت رحمتی علی غضبی (میری رحمت میرے غضب پر غالب ہوئی) کے معنی بھی صحیح ہوں گے۔

واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ نے اہل جنت میں اُمت محمدی ﷺ کا جو تناسب بیان فرمایا اس کو بتدریج ذکر فرمایا یکبارگی ذکر نہیں کیا تاکہ صحابہؓ کے دل خوشی کے مارے پھٹ نہ جائیں، یا بتدریج ذکر اس بنا پر فرمایا کہ شاید اُمت محمدی کے لوگ کئی مراحل میں اسی تناسب کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے یعنی پہلے مرحلہ میں جو لوگ جنت میں جائیں گے وہ اہل جنت کی مجموعی تعداد کا تہائی حصہ بنے گا یہاں تک کہ جب سب لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے تو پھر اُمت محمدی کے لوگ اہل جنت کی مجموعی تعداد کا آدھا حصہ ہوں گے اور یا یہ کہ اس سلسلہ میں آپ ﷺ پر متعدد بار وحی نازل ہوئی اور مذکورہ تناسب کو اسی تدریج کے ساتھ بتایا گیا، چنانچہ جب بھی وحی نازل ہوتی اور اس میں جس تناسب کا ذکر ہوتا آپ ﷺ صحابہ کو بشارت دینے کے لئے اسی کو بیان فرما دیتے! بہر حال یہ احتمالات مذکورہ تناسب کو بتدریج ذکر کرنے کے سلسلہ میں ہیں، جو اصل بات ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُمت محمدی کے لوگ اہل جنت کی مجموعی تعداد کا نصف حصہ ہوں گے حالانکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ جنت میں اُمت محمدی کی تعداد کا دو تہائی حصہ ہوگی، چنانچہ یہ ثابت ہے کہ اہل جنت کی ایک سو بیس ۱۲۰ صفیں ہوں گی، جن میں سے اسی صفیں آنحضرت ﷺ کی اُمت پر مشتمل ہوں گی اور چالیس صفیں باقی تمام امتیوں کی ہوں گی، پس ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب یہ حدیث (کہ جس سے اُمت محمدی ﷺ کا اہل جنت کی مجموعی تعداد کا نصف حصہ ہونا معلوم ہوتا ہے) ارشاد فرمائی تھی تو اس وقت تک آپ ﷺ کو یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ اُمت محمدی، اہل جنت کی کل تعداد کا دو تہائی حصہ ہوگی! اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے "نصف حصہ" والی بات ابتدائی مرحلہ میں جنت میں جانے والوں

کے تناسب کے اعتبار سے فرمائی ہو۔

ریا کاروں کے بارے میں وعید

(۱۱) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَكْشِفُ رَبُّنَا عَنْ سَاقِهِ فَيَسْجُدُ لَهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَةٍ وَّيَبْقٰى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ فِي الدُّنْيَا رِيَآءً وَّسُمْعَةً فَيَذْهَبُ لِيَسْجُدَ فَيَعُوْدُ ظَهْرُهُ طَبَقًا وَّاحِدًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ۔ "(قیامت کے دن) ہمارا پروردگار اپنی پنڈلی کھولے گا پس تمام مؤمن مرد و عورت اس کو سجدہ کریں گے، لیکن وہ شخص سجدہ نہیں کرے گا جو دنیا میں دکھانے اور سنانے کے لئے سجدہ کرتا تھا، (یعنی اس کا سجدہ اخلاص کی بنا پر نہیں بلکہ از راہ نفاق اور دنیاوی منفعت و شہرت حاصل کرنے کے لئے ہوتا تھا) گو وہ سجدہ کرنا چاہے گا مگر اس کی پشت (جھکنے اور اٹھنے کے وقت مڑنہ سکنے والی) ایک بے جوڑ ہڈی بن جائے گی جس کی وجہ سے وہ سجدہ کرنے پر قادر نہیں ہو سکے گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے، کشف ساق یعنی پنڈلی کھولنا، دراصل عربی کا ایک محاورہ ہے جس کے ذریعہ غم و فکر اور کسی معاملہ کی شدت و سختی کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس کی ظاہری صورت یہ ہوتی ہے کہ ایسے وقت میں صاحب معاملہ اپنا دامن یا اپنا پائجامہ و تہبند کا کنارہ پنڈلی پر سے اٹھا لیتا ہے پس "اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھولے گا" کی مراد یہ لی جائے کہ پروردگار اپنے بندوں کے سامنے ایسی صورت حال کو ظاہر کرے گا جس سے وہ سخت رنج و غم اور فکر و خدشہ میں پڑ جائیں گے ویسے بعض حضرات اس جملہ کی تاویل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ جس طرح اور بہت سے متشابہات ہیں اور ان کا حکم یہ ہے کہ ان کے حقیقی مراد و مفہوم کے پیچھے نہ پڑا جائے بلکہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ ان کا حقیقی مطلب خدا کے علم میں ہے اسی طرح "اللہ تعالیٰ کا اپنی پنڈلی کھولنا" بھی ایک ایسی بات ہے جس کی حقیقی مراد بس اللہ ہی کے علم میں ہے ہمیں اس کی جستجو میں نہیں پڑنا چاہئے راہ احتیاط یہی ہے۔

"پس تمام مؤمن مرد و عورت اس کو سجدہ کریں گے" کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تمام اہل ایمان صورت حال کی شدت و سختی سے بے تاب ہو کر بارگاہ حق میں سجدہ ریز ہو جائیں گے تاکہ اس قربت کے ذریعہ، اس وقت کی شدت و سختی سے نجات کے طلب گار ہوں نیز "مؤمن مرد و عورت" سے مراد مخلص مؤمن ہیں! اور بعض ضعیف روایتوں میں آیا ہے کہ ایک نور عظیم ظاہر ہوگا جس کو دیکھ کر لوگ سجدہ میں گر پڑیں گے۔

دنیا میں اترانے والوں کی قیامت کے دن حیثیت

(۱۲) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَاتِي الرَّجُلُ الْعَظِيْمُ السَّمِيْنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَقَالَ اقْرَءُوْا فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن (میدان حشر میں) جاہ و مال کے اعتبار سے) ایک بڑا اور خوب موٹا تازہ شخص آئے گا لیکن اللہ کے نزدیک وہ مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت اور کوئی قدر و منزلت نہیں رکھتا ہوگا اور (اے مؤمنین) تم یہ آیت پڑھا کرو (تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ وہ دنیا دار جو اپنی دنیاوی حیثیت و وقعت پر نازاں اور مغرور ہیں اور اپنے کردار و عمل کو اچھا سمجھتے ہیں حقیقت کے اعتبار سے وہ بے حیثیت ہیں اور ان کے تمام اعمال و کردار ضائع و نابود ہو جانے والے ہیں اور وہ آیت یہ ہے کہ: فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا قیامت کے دن ہم ان کو کوئی قدر و منزلت نہیں دیں گے۔ (اس روایت کو بخاریؒ و مسلمؒ نے نقل کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

قیامت کے دن زمین ہر شخص کے عمل کی گواہ بنے گی

⑬ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَآ اَخْبَارُهَا قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ اَخْبَارَهَا اَنْ تَشْهَدَ عَلٰی كُلِّ عَبْدٍ وَّاَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلٰی ظَهْرِهَا اَنْ تَقُوْلَ عَمِلَ عَلَیَّ كَذَا وَكَذَا یَوْمَ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَهٰذِهٖ اَخْبَارُهَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ۔

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا۔ (جس روز کہ زمین اپنی خبریں سنائے گی اور فرمایا کہ جانتے ہو (قیامت کے دن) زمین کی خبریں (جو وہ سنائے گی، کیا ہوں گی؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا زمین کی خبریں یہ ہوں گی کہ وہ (زمین) ہر بندے اور ہر لونڈی یعنی ہر مرد وعورت کے ہر اس عمل کی گواہی دے گی جو اس نے اس کی پشت پر کیا ہوگا (یعنی) وہ اس طرح کہے گی کہ میری پشت پر (فلاں مرد نے، فلاں عورت نے) فلاں فلاں دن یہ کیا ہے اور وہ کیا ہے (یعنی فلاں شخص نے فلاں وقت فلاں نیک کام کیا ہے اور فلاں وقت فلاں برا کام کیا ہے" پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ "بس یہی (گواہی دینا) زمین کی خبریں ہیں" اس روایت کو احمدؒ ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔"

ہر مرنے والا پشیمان ہوتا ہے

⑭ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ یَمُوْتُ اِلَّا نَدِمَ قَالُوْا وَمَا نَدَامَتُهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنْ كَانَ مُحْسِنًا نَدِمَ اَنْ لَّا یَكُوْنَ ازْدَادَ وَاِنْ كَانَ مُسِیْئًا نَدِمَ اَنْ لَّا یَكُوْنَ نَزَعَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو مرے اور پشیمان نہ ہو (یعنی ہر مرنے والا بہر صورت پشیمان ہوتا ہے، پس قبل اس کے کہ موت آئے، اپنی زندگی کو غنیمت جانو اور مرنے سے پہلے زیادہ سے زیادہ اچھے کام کرلو) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ندامت وپشیمانی کا سبب کیا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر وہ (مرنے والا) نیکوکار ہوتا ہے تو اس لئے پشیمان ہوتا ہے کہ اس نے زیادہ سے زیادہ نیکی کیوں نہیں کی، اور اگر وہ بدکار ہوتا ہے تو اس لئے پشیمان ہوتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو برائی سے کیوں نہیں روکا۔" (ترمذیؒ)

میدان حشر میں لوگ تین طرح آئیں گے

⑮ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُحْشَرُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثَلٰثَةَ اَصْنَافٍ صِنْفًا مُشَاةً وَّصِنْفًا رُكْبَانًا وَّصِنْفًا عَلٰی وُجُوْهِهِمْ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَیْفَ یَمْشُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ قَالَ اِنَّ الَّذِیْ اَمْشَاهُمْ عَلٰی اَقْدَامِهِمْ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُّمْشِیَهُمْ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اَمَا اِنَّهُمْ یَتَّقُوْنَ بِوُجُوْهِهِمْ كُلَّ حَدَبٍ وَّشَوْكٍ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن میدان حشر میں لوگوں کو تین طرح سے لایا جائے گا ایک قسم کے لوگ تو وہ ہوں گے جو پیدل چل کر آئیں گے، ایک قسم کے لوگ وہ ہوں گے جو سواریوں پر آئیں گے اور ایک قسم کے لوگ وہ ہوں گے

جو منہ کے بل چلتے ہوئے آئیں گے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! (پاؤں کے بل چلنے کی عادت کے بالکل خلاف) لوگ منہ کے بل چل کر کس طرح آئیں گے؟ فرمایا۔ "حقیقت یہ ہے کہ جس ذات نے ان کو پاؤں کے بل چلایا ہے وہ ان کو منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے اور جان لو کہ وہ لوگ منہ کے بل چلنے میں اپنے منہ کو بلندی اور کانٹوں سے بچائیں گے۔" (ترمذی)

تشریح: پہلی قسم کے لوگ وہ اہل ایمان ہوں گے جن کے ذخیرہ اعمال میں نیک اور برے دونوں طرح کے عمل ہیں اور وہ خوف ورجاء کے درمیان تردد کی حالت میں رہتے ہوئے حق تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں دوسری قسم کے لوگ وہ کامل الایمان ہوں گے جو نیک اعمال میں سبقت و پیش قدمی اختیار کرتے ہیں، اور تیسری قسم اہل کفر و شرک پر مشتمل ہوگی۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں انسان اپنے پاؤں کے بل چلتا ہے تو وہ راستہ کی رو کاٹوں اور ایذاء پہنچانے والی چیزوں سے ہاتھ اور پاؤں کے ذریعہ بچتا ہے اسی طرح وہ تیسری قسم کے لوگ) قیامت کے دن جب منہ کے بل چل کر آئیں گے تو ان کے منہ وہی فعل انجام دیں گے جو ہاتھ پاؤں انجام دیتے ہیں اور بغیر کسی فرق کے اپنے منہ کے ذریعہ راستہ نشیب و فراز، کانٹوں اور دوسری ایذاء پہنچانے والی چیزوں سے اپنا بچاؤ کریں گے اور اس دن ان کو منہ کے بل چلانا اس امر کا اعلان ہوگا کہ ان لوگوں نے چونکہ دنیا میں سجدۂ اطاعت نہیں کیا اور خدا کی فرمانبرداری میں اپنی گردن کو نہیں جھکایا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو منہ کے بل چلا کر ذلیل و خوار کیا ہے۔

اگر اسی دنیا میں قیامت کے دن کے احوال دیکھنا چاہتے ہو

(۱۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَاَنَّهٗ رَأْىُ عَيْنٍ فَلْيَقْرَأْ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔ (رواہ احمد والترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص قیامت کے دن (کے احوال) کو اس طرح دیکھنا پسند کرتا ہو جیسے وہ (ظاہری) آنکھوں سے دیکھ رہا ہو تو اس کو چاہئے کہ سورہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، سورہ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور سورہ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پڑھے۔" (احمد، ترمذی)

تشریح: ان سورتوں میں قیامت کے احوال کا تفصیلی ذکر ہے، پس پڑھنے والا اگر ان سورتوں کو حضور قلب کے ساتھ پڑھے اور ان کے معانی میں غور و فکر کرے تو یہ سورتیں قیامت کے احوال کو اس طرح مستحضر کر دیتی ہیں کہ گویا وہ احوال ظاہری آنکھوں کے سامنے پیش آرہے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

لوگوں کو میدان حشر میں کس طرح لایا جائے گا

(۱۷) عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ اِنَّ الصَّادِقَ الْمَصْدُوْقَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنِيْ اَنَّ النَّاسَ يُحْشَرُوْنَ ثَلٰثَةَ اَفْوَاجٍ فَوْجًا رَاكِبِيْنَ طَاعِمِيْنَ كَاسِيْنَ فَوْجًا يَسْحَبُهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ وَتَحْشُرُهُمُ النَّارُ وَفَوْجًا يَمْشُوْنَ وَيَسْعَوْنَ وَيُلْقِى اللّٰهُ الْاٰفَةَ عَلَى الظَّهْرِ فَلَا يَبْقٰى حَتّٰى اَنَّ الرَّجُلَ لَتَكُوْنُ لَهُ الْحَدِيْقَةُ يُعْطِيْهَا بِذَاتِ الْقَتَبِ لَا يَقْدِرُ عَلَيْهَا۔ (رواہ النسائی)

"حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ صادق و مصدوق ﷺ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ لوگوں کو تین گروہوں میں میدان حشر میں لایا جائے گا، ایک گروہ تو سواریوں پر ہوں گے اور زاد و راہ کی آسانیوں و سہولتوں کے ساتھ راحت و اطمینان سے آئیں گے، ایک گروہ وہ ہوگا جس کو فرشتے زمین پر منہ کے بل کھینچتے ہوئے لائیں گے اور ہانک کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے، اور ایک گروہ وہ ہوگا جو دوڑتے ہوئے آئے گا (یعنی وہ

لوگ سہولت واطمینان کے ساتھ نہیں بلکہ بے اطمینانی اور پریشانی کے ساتھ چلتے ہوئے آئیں گے) اور اللہ تعالیٰ (سواری کے جانوروں کی) پیٹھ پر آفت وہلاکت مسلط کردے گا جس کی وجہ سے سواری کے جانور نایاب ہوجائیں گے یہاں تک کہ اگر کسی شخص کے پاس باغ ہوگا تو وہ باغ دیکر اس کے بدلہ میں ایک اونٹ لینا چاہے گا لیکن وہ (اس قدر اونچی قیمت ادا کرنے کے باوجود) اس اونٹ کو حاصل نہیں کرسکے گا۔" (نسائی)

تشریح: پہلا گروہ ان کامل مؤمنین پر مشتمل ہوگا۔ جنہوں نے اس دنیا میں نیکی و بھلائی کے کاموں میں سبقت اختیار کی ہوگی، دوسرا گروہ کفار ومشرکین پر مشتمل ہوگا اور تیسرا گروہ ان مسلمانوں پر مشتمل ہوگا جنہوں نے گناہ کئے ہوں گے۔

واضح رہے کہ حدیث کا سیاق اور اس حدیث کو اس باب میں ذکر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہاں جس حشر کا ذکر کیا گیا ہے وہ "وہی حشر" ہے جو قیامت کے دن بپا ہوگا اور لوگ دوبارہ زندہ ہوکر محشر میں آئیں گے! لیکن حدیث کے آخری الفاظ "اور اللہ تعالیٰ پیٹھ پر آفت وہلاکت تسلط کردے گا الخ" سے یہ بات صراحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ وہ حشر مراد نہیں ہے، جو قیامت کو بپا ہوگا، اسی طرح (کھانے پینے والوں) کے الفاظ بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں، چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے، کہ یہاں مذکورہ حشر سے قیامت کے دن کا حشر" مراد نہیں ہے بلکہ وہ "حشر" مراد ہے جس کو قیامت کی علامت میں سے ذکر کیا گیا ہے، اس صورت میں کہا جائے گا کہ اس حدیث کو یہاں باب الحشر" میں نقل کرنا اس طراوی ہے اس کے برخلاف ملا علی قاریؒ نے تورپشتی کا قول نقل کرکے، جس میں انہوں نے آیات قرآنی اور احادیث سے استدلال کیا ہے، اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ وہی حشر ہے جو قیامت کے دن ہوگا، نیز انہوں نے لکھا ہے کہ خطابیؒ نے جو یہ کہا ہے کہ قیامت سے پہلے کا حشر مراد ہے، تو ان کا یہ قول خطاء پر محمول ہے، صحیح قول تورپشتی ہی کا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس حدیث میں "حشر" کی مراد کے تعین کے سلسلہ میں یہ جو ساری بحث اٹھ کھڑی ہوئی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے اس حدیث کو جس طرح روایت کیا ہے اس میں خلط ملط ہوگیا ہے لہٰذا بنیادی طور پر ضروری یہ ہے کہ اس خلط ملط کو دور کیا جائے اور وہ یوں کہ کہا جائے کہ اس حدیث میں دو مختلف حدیثوں کے الگ الگ اجزاء مل گئے ہیں جس سے مفہوم میں تضاد پیدا ہوگیا ہے اور یہ راوی کا تسامح ہے اس صورت میں کوئی خلجان واشکال باقی نہیں رہے گا۔

بَابُ الْحِسَابِ وَ الْقِصَاصِ وَ الْمِيزَانِ

حساب، قصاص اور میزان کا بیان

"حِسَاب" کے معنی ہیں گننا، شمار کرنا! اور یہاں مراد ہے قیامت کے دن بندوں کے اعمال و کردار کو گننا اور ان کا حساب کرنا! واضح رہے کہ حق تعالیٰ کی علیم و خبیر ذات کو سب کچھ معلوم ہے اور بندہ اس دنیا میں جو بھی عمل کرتا ہے وہ اس پر روشن وعیاں ہے لیکن قیامت کے دن بندوں کے اعمال و کردار کا حساب اس لئے ہوگا تاکہ ان پر حجت قائم ہو اور تمام مخلوق پر روشن ہوجائے کہ دنیا میں کس نے کیا کیا ہے اور کون کس درجہ کا آدمی ہے! پس قیامت کے دن کا یہ حساب قرآن مجید اور صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اس کا عقیدہ رکھنا واجب ہے۔

"قِصَاص" کے معنی بدلہ و مکافات کے ہیں یعنی جس شخص نے جیسا کیا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی کرنا! مثلاً اگر کسی شخص نے کسی شخص کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ میں اس کو بھی قتل کرنا اور اگر کسی شخص نے کسی شخص کو زخمی کیا ہے تو اس کے بدلہ میں اس کو بھی زخمی کرنا قصاص کہلاتا ہے قیامت کے دن، جان کا بدلہ جان، زخم اور تکلیف ہوگا اور دنیا میں جس نے جس کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہوگا کہ خواہ اس کو آزردہ کیا ہو اور خواہ کوئی بھی جسمانی اور روحانی اذیت پہنچائی ہو اور وہ چیونٹی یا مکھی ہی کیوں نہ ہو، تو قیامت کے دن اس سے اس کا بدلہ لیا جائے گا اگرچہ وہ مکلف نہ ہو، چنانچہ تمام حیوانات کو بھی قیامت کے دن اسی لئے اٹھایا جائے گا تاکہ ان کو بھی ایک دوسرے کا

بدلہ دلوایا جاسکے مثلاً اگر کسی سینگ والی بکری نے کسی بے سینگ بکری کو مارا ہوگا تو اس دن اس کو قصاص یعنی بدلہ دینا ہوگا۔

"مِیْزَان" اس چیز سے تعبیر ہے جس کے ذریعہ بندوں کے اعمال کی مقدار و حیثیت جانی جاسکے اور جمہور علماء کا قول ہے کہ وہ چیز میزان یعنی ترازو ہی کی شکل میں ہوگی جس کے دو پلے ہوں گے اور ایک زبان ہوگی اور دونوں پلوں کے درمیان مشرق و مغرب جیسا فاصلہ ہوگا، اس میزان کے ذریعہ بندوں کے اعمال تولے جائیں گے، یعنی ایک پلے میں نیکیوں کے اعمال نامے اور دوسرے پلے میں برائیوں کے اعمال نامے رکھے جائیں گے، اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حسنات یعنی نیک اعمال کو اچھی صورتوں میں اور سیئات یعنی برے عمل کو بری صورتوں میں ڈھال دیا جائے گا اور ان دونوں کو تولا جائے گا لیکن بعض روایتوں میں پہلا قول ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں جو نصوص ہیں ان کا ظاہری مفہوم بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

آسان حساب اور سخت حساب؟

(۱) عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ اَحَدٌ یُّحَاسَبُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِلَّا هَلَكَ قُلْتُ اَوَلَیْسَ یَقُوْلُ اللّٰهُ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا فَقَالَ اِنَّمَا ذٰلِكَ الْعَرْضُ وَلٰكِنْ مَنْ نُّوْقِشَ فِی الْحِسَابِ یَهْلِكُ۔ (متفق علیہ)

"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جس سے حساب لیا جائے گا وہ تباہ ہو جائے گا (یعنی جو بھی شخص سخت حساب اور دار و گیر سے دوچار ہوگا اس کا بچ نکلنا ممکن نہیں ہوگا، نیز یہاں "تباہ ہونے" سے مراد عذاب میں (مبتلا ہونا ہے) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (جب میں نے یہ آپ ﷺ کا ارشاد ایک کلیہ کے طور پر سنا تو میرے ذہن میں اشکال پیدا ہوا اور اسی اشکال کو دور کرنے کے لئے) میں نے عرض کیا کہ "کیا اللہ تعالیٰ نے اہل نجات کے حق میں یہ نہیں فرمایا کہ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا یعنی (جس شخص کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا) "پس قریب ہوگا کہ اس کا حساب آسان ہو" (اور جب حساب آسان ہوگا تو اس کے تباہ ہونے کے کیا معنی ہوں گے؟) آپ ﷺ نے (میرے اس اشکال کو دور کرنے کے لئے) فرمایا۔ "یہ آسان حساب صرف پیش کرنا اور بیان محض ہے، لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا (یعنی جس کو سخت باز پرس اور دار و گیر سے گزرنا پڑے گا) اور وہ یقیناً تباہ ہوگا۔" (بخاری ومسلمؒ)

تشریح: "آسان حساب صرف پیش کرنا اور بیان محض ہے" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ پس قریب ہوگا کہ اس کا حساب آسان ہو۔ "تو آسان حساب ہونے سے مراد ہے کہ اس کے اچھے اور برے اعمال اس کو بتلا دیے جائیں گے مثلاً اس سے کہا جائے گا کہ تو نے یہ کیا ہے، وہ کیا ہے، اور برے اعمال پر مواخذہ نہیں کرے گا لیکن جس شخص کے حساب میں دار و گیر اور باز پرس کا دخل ہو جائے گا، اس سے ایک ایک چیز اور ہر چھوٹے بڑے عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور اس پر محاسبہ و مواخذہ کی سخت کاروائی نافذ کی جائے گی تو اس شخص کا عذاب سے بچنا ممکن نہیں ہوگا پس وہ تباہ ہو جائے گا، اور حقیقت میں حساب یہی ہے۔

اس بات کو ایک دوسرے نقطہ نظر سے یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے مذکورہ بالا حدیث میں جو کچھ فرمایا ہے وہ اس کلیہ کو ظاہر کرتا ہے کہ جو بھی شخص حساب کے مرحلہ سے گزرے گا وہ یقیناً عذاب میں مبتلا ہوگا لیکن قرآن کی مذکورہ آیت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حساب کے مرحلہ سے گزرنے والوں میں سے بعض لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا اس طرح سے گویا قرآن کی آیت اور حضور ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے؟ لہٰذا اس ظاہری تضاد کو رفع کرنے کے لئے خود حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں "حساب" سے مراد صرف عرض ہے یعنی ان لوگوں کے سامنے (کہ جن کو نجات یافتہ قرار دینا مقصود ہوگا ان کے اعمال کی فہرست کھول کر رکھ دی جائے گی، چنانچہ انہوں نے جو برے اعمال کئے ہوں گے وہ ان کا اعتراف و اقرار

کریں گے اور حق تعالیٰ اپنا فضل و کرم ظاہر کرتے ہوئے ان کے ساتھ درگزر کا معاملہ فرمائے گا، اس کے برخلاف حدیث میں "حساب" سے مراد واقعی محاسبہ و مواخذہ اور دار وگیر ہے جس کو "حساب میں مناقشہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس محاسبہ و دار وگیر کی بنیاد اظہار عدل ہو گا۔

بزار وغیرہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جس شخص میں یہ تین اچھی باتیں ہوں گی اس سے اللہ تعالیٰ آسان حساب لے گا اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرے گا (اور وہ تین اچھی باتیں یہ ہیں کہ تم اس شخص کو (اخلاقی جسمانی اور مالی مدد پہنچاؤ جو تمہیں اپنی مدد سے محروم رکھے، تم اس شخص کے ساتھ درگزر کا معاملہ کرو جو تمہارے اوپر ظلم کرے اور تم اس شخص کے ساتھ حسن سلوک کرو جو تمہارا مقاطعہ کرے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بلا کسی واسطہ کے ہر شخص سے ہمکلام ہو گا

(۲) وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ وَّلَا حِجَابٌ يَحْجُبُهُ فَيَنْظُرُ اَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلِهِ وَيَنْظُرُ اَشْاَمَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا مَا قَدَّمَ وَيَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَا يَرٰى اِلَّا النَّارَ تِلْقَآءِ وَجْهِهٖ فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عدی ابن حاتمؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن) تم میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہو گا جس سے اس کا پروردگار (کسی رابطہ کے بغیر) ہم کلام نہ ہو گا، اس وقت اس کے پروردگار کے درمیان نہ کوئی ترجمان ہو گا (کہ جو ہر ایک کو دوسرے کا مفہوم سمجھائے) اور نہ کوئی حجاب ہو گا (کہ جو بندے کو اس کے پروردگار سے چھپائے) جب بندہ اپنی داہنی طرف نظر ڈالے گا تو اس کو وہ چیز نظر آئے گی جو اس نے آگے بھیجی ہو گی (یعنی نیک اعمال جو ظاہری صورتوں میں نمایاں ہوں گے یا ان اعمال کی جزاء و انعامات) اور جب بائیں جانب دیکھے گا تو اس کو وہ چیز نظر آئے گی جو اس نے آگے بھیجی ہو گی یعنی برے اعمال اور جب وہ اپنے آگے دیکھے گا تو اس کو اپنے منہ کے سامنے آگ نظر آئے گی، پس (اے لوگو) تم آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی سے کیوں نہ ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: جب بندہ اپنی داہنی طرف نظر ڈالے گا الخ" یعنی یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی سخت صورت حال سے دوچار ہوتا ہے اور کسی مشکل میں پڑ جاتا ہے تو دائیں بائیں دیکھنے لگتا ہے، پس اس وقت چونکہ ہر بندے کے لئے ایک سخت ترین مرحلہ درپیش ہو گا اس لئے وہ دائیں بائیں دیکھے گا اور دائیں طرف اس کو وہ نیک اعمال نظر آئیں گے جو اس نے دنیا میں کئے ہوں گے اور بائیں طرف اس کے برے اعمال دکھائی دیں گے، اور سامنے کی طرف آگ نظر آئے گی، لہٰذا اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ وہ اس وقت اپنے نیک اعمال کی طرف دیکھ کر اطمینان و سکون حاصل کرے اور سامنے کی طرف نظر آنے والی آگ سے نجات پائے تو اس کو چاہئے کہ اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ نیک کام کرے اور برے اعمال سے اجتناب کر کے اپنے آپ کو اس آگ سے بچانے کی راہ نکالے۔

"اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی سے کیوں نہ ہو" اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ کہ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ میں جانے سے بچاؤ اور کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو اگرچہ وہ ظلم و زیادتی کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کی صورت میں یا اس کے برابر کیوں نہ ہو! دوسرے معنی یہ ہیں کہ اگر دوزخ کی آگ سے بچنا چاہتے ہو تو ضرورت مندوں اور محتاج لوگوں کی مدد و اعانت اور خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرو اگرچہ تم صرف کھجور کا ایک ٹکڑا ہی خرچ کرنے کی استطاعت کیوں نہ رکھتے ہو، اس لئے خدا کی راہ میں خرچ کرنا یعنی صدقہ و خیرات تمہارے اور آگ کے درمیان پردہ بنے گا۔

قیامت کے دن مؤمن پر رحمت خداوندی

(۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُدْنِي الْمُؤْمِنَ فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ وَيَسْتُرُهُ فَيَقُوْلُ

اَتَعْرِفُ ذَنْبَ کَذَا اَتَعْرِفُ ذَنْبَ کَذَا فَیَقُوْلُ نَعَمْ اَیْ رَبِّ حَتّٰی قَرَّرَهٗ بِذُنُوْبِهٖ وَرَاٰی فِیْ نَفْسِهٖ اَنَّهٗ قَدْ هَلَكَ قَالَ سَتَرْتُهَا عَلَیْكَ فِی الدُّنْیَا وَاَنَا اَغْفِرُهَا لَكَ الْیَوْمَ فَیُعْطٰی کِتَابَ حَسَنَاتِهٖ وَاَمَّا الْکُفَّارُ وَالْمُنَافِقُوْنَ فَیُنَادٰی بِهِمْ عَلٰی رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ هٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ مؤمن کو اپنے (فضل وکرم اور اپنی رحمت کے) قریب کرے گا اور (پھر) اس کو اپنی حفاظت اور اپنی عنایت کے سائے میں چھپائے گا تاکہ وہ اہل محشر پر اپنے گناہوں اور اپنی بداعمالیوں کے کھل جانے کی وجہ سے شرمندہ اور رسوانہ ہو) پھر اللہ تعالیٰ اس (مؤمن) سے پوچھے گا کہ کیا تو اس گناہ کو جانتا ہے، کیا تو اس گناہ کو جانتا ہے، یعنی کیا تجھے یاد اور اعتراف ہے کہ تو نے دنیا میں فلاں فلاں گناہ کیے تھے؟ وہ (مؤمن) عرض کرے گا کہ ہاں اے پروردگار (مجھے اپنا وہ گناہ یاد ہے اور میں اپنی بدعملی کا اعتراف کرتا ہوں غرضکہ اللہ تعالیٰ اس (مؤمن) سے اس کے تمام گناہوں کا اعتراف واقرار کرائے گا اور وہ (مؤمن) اپنے دل میں کہتا ہو گا کہ (ان گناہوں کی پاداش میں) میں اب ہلاک ہوا، اب تباہ ہوا! لیکن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ "میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں اور ان عیوب کی پردہ پوشی کی اور آج بھی میں تیرے ان گناہوں کو بخش دوں گا" پس اس (مؤمن) کو اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دے دیا جائے گا (اور برائیوں کا اعمالنامہ کالعدم کر دیا جائے گا) اور جہاں تک کافروں اور منافق لوگوں کا تعلق ہے تو ان کو تمام مخلوق کے سامنے طلب کیا جائے گا اور پکار کر کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے (کفر وشرک کے ذریعہ) اپنے رب پر بہتان باندھا تھا، جان لو ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "مؤمن" کا لفظ یا تو بطور نکرہ ہے، کہ غیر متعین طور پر کسی بھی مؤمن کے بارے میں یہ بشارت دی گئی ہے، اور یہ بھی بعید نہیں ہے "مؤمن" سے جنس مؤمن مراد ہو یعنی تمام مؤمنوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کا یہی معاملہ فرمائے گا! اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ یہ بشارت ان مؤمن بندوں کے حق میں ہے جو اس دنیا میں کسی کی غیبت نہیں کرتے، کسی پر عیب نہیں لگاتے کسی کو ذلیل ورسوا نہیں کرتے، کسی مسلمان کی فضیحت سے خوش نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں اور لوگوں میں کسی کی آبرو ریزی کا باعث نہیں بنتے! پس اللہ تعالیٰ ان کے اوصاف کی جزا کے طور پر قیامت کے دن ان کی پردہ پوشی فرمائے گا اور ان کو اپنی حفاظت ورحمت کے سایہ میں چھپائے گا۔

مسلمانوں کے دشمن ان کے لئے دوزخ سے نجات کا عوضانہ ہوں گے

④ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ دَفَعَ اللّٰهُ اِلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ یَهُوْدِیًّا اَوْنَصْرَانِیًّا فَیَقُوْلُ هٰذَا فِکَاکُكَ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب قیامت کا دن آئے گا (اور لوگوں کی ابدی نجات وعذاب کا فیصلہ سنایا جائے گا) تو اس وقت اللہ تعالیٰ ہر مسلمان (مرد اور عورت) کو ایک یہودی یا ایک نصرانی کے حوالہ کر دے گا اور فرمائے گا کہ یہ شخص دوزخ سے تیری چھڑائی ہے یعنی دوزخ کی آگ سے تیری نجات کا سبب ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: فکاك کے معنی ہیں گروی رکھی ہوئی چیز کو چھڑانا! اور اسی سے "فکاک" (ف کے زبر اور زیر دونوں کے ساتھ کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں وہ چیز جس کے ذریعہ گروی رکھی ہوئی چیز کو چھڑایا جائے! پس "یہ شخص تیرا فکاک یعنی تیری چھڑائی ہے" کا مطلب یہ ہوا کہ گویا مسلمان دوزخ کی آگ میں گروی ہے، اور قیامت کے دن اس یہودی یا نصرانی کو اس (مسلمان) کے بدلہ میں آگ میں بھیج کر اس کو اس آگ سے چھڑایا جائے گا اب اس بات کی تاویل یوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مکلف کے لئے، کہ خواہ کافر ہو یا مؤمن، جنت اور دوزخ میں ایک ایک جگہ مقرر کر رکھی ہے، لہٰذا جو شخص ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوا اس کی وہ جگہ کہ جو دوزخ میں تھی اس شخص کی

جگہ کے ساتھ کہ جو جنت میں ہے بدل دی جائے گی، اور جو شخص ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت نہیں ہوا اس کا معاملہ اس کے برعکس ہوگا، پس اس اعتبار سے یہ کافر لوگ گویا دوزخ کی آگ سے مؤمنوں کی نجات کا سبب ہوں گے اس سے واضح ہوا کہ مذکورہ بالا جملہ کی یہ مراد قطعاً نہیں ہے کہ کافروں کو مؤمنوں کے گناہوں کے بدلہ میں دوزخ کے سپرد کیا جائے گا کیونکہ حق تعالیٰ نے پہلے ہی یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی واضح رہے کہ "یہودی ونصاریٰ" کی تخصیص محض علامتی ہے یعنی یہاں اصلی مراد تو کافر ہیں اور یہود ونصاریٰ کا ذکر صرف اس بنا پر ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی عداوت و دشمنی زیادہ مشہور ہے۔

قیامت کے دن اُمت محمدی ﷺ حضرت نوح کی گواہ بنے گی

⑤ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُجَآءُ بِنُوْحٍ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَیُقَالُ لَہٗ ھَلْ بَلَّغْتَ فَیَقُوْلُ نَعَمْ یَا رَبِّ فَتُسْئَلُ اُمَّتُہٗ ھَلْ بَلَّغَکُمْ فَیَقُوْلُوْنَ مَا جَآءَ نَا مِنْ نَّذِیْرٍ فَیُقَالُ مَنْ شُھُوْدُکَ فَیَقُوْلُ مُحَمَّدٌ وَّاُمَّتُہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیُجَآءُ بِکُمْ فَتَشْھَدُوْنَ اَنَّہٗ قَدْ بَلَّغَ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "قیامت کے دن (میدان حشر میں) حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے (اپنی اُمت تک اللہ تعالیٰ کے احکام دین وہدایت) پہنچائے تھے؟ وہ عرض کریں گے کہ بیشک اے میرے پروردگار میں نے تیرے احکام دین وہدایت اپنی اُمت کے لوگوں تک پہنچائے تھے) پھر حضرت نوح علیہ السلام کی اُمت (کے ان لوگوں سے کہ جن تک حضرت نوح نے اللہ تعالیٰ کے احکام دین وہدایت پہنچائے تھے) پوچھا جائے گا کہ کیا (نوح علیہ السلام نے) تم تک ہمارے احکام پہنچائے تھے؟ وہ لوگ انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی بھی ڈرانے والا (خواہ وہ نوح ہوں یا اور کوئی نبی) نہیں آیا تھا اور پھر حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے گواہ کون ہیں؟ یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہوگا کہ نوح نے جو کچھ کہا ہے بالکل درست کہا ہے لیکن ان کی منکر اُمت کو قائل کرنے کے لئے حضرت نوح علیہ السلام سے ان کے اس دعوے پر گواہ طلب کرے گا کہ انہوں نے منصب تبلیغ ورسالت کی ذمہ داریوں کو پورا کیا تھا) چنانچہ حضرت نوح کہیں گے کہ میرے گواہ حضرت محمد ﷺ اور ان کی اُمت کے لوگ ہیں" اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے (صحابہؓ سے) فرمایا کہ تب تمہیں پیش کیا جائے گا اور تم یہ گواہی دوگے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اُمت کو احکام خداوندی پہنچائے تھے پھر رسول کریم ﷺ نے (اس صورت واقعہ کی تصدیق و تثویب کے لئے) یہ آیت پڑھی (جس میں حق تعالیٰ امت محمد ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے) کہ۔"

وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا۔

"اور اسی لئے ہم نے (اے مسلمانو) تمہیں نیک وعادل اور افضل اُمت بنایا ہے تاکہ تم ان لوگوں کے بارے میں (کہ جو تم سے پہلے گزرے ہیں اور کفر وشرک پر قائم رہے ہیں) گواہی دو، اور تمہارے گواہ پیغمبر (ﷺ) ہوں گے۔"

اس روایت کو بخاریؒ نے نقل کیا ہے

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام کا یہ کہنا کہ بیشک اے پروردگار! میں نے تیرے احکام اپنی اُمت کے لوگوں تک پہنچائے تھے، قرآن کریم کی اس آیت کے منافی نہیں ہے جس میں یوں ہے کہ۔

یوم یجمع اللّٰہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قَالُوْا لا علم لنا انک انت علام الغیوب۔

"اس دن (میدان حشر میں) اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کرے گا اور پھر ان سے پوچھے گا کہ تمہیں (تمہاری اُمت کی طرف سے تمہاری دعوت

وتبلیغ دین کا) کیا جواب ملا تو وہ کہیں گے کہ ہمیں علم نہیں، بلاشبہ پوشیدہ باتوں کو آپ ہی بہت زیادہ جاننے والے ہیں۔"

کیونکہ اس آیت کی مراد تو یہ کہ "اجابت" کا سوال ہوگا جس کے بارے میں وہ رسول اپنی لاعلمی ظاہر کریں گے، جب کہ یہاں حدیث میں حضرت نوح علیہ السلام سے جس سوال کا ذکر ہے وہ "دعوت وتبلیغ" کے بارے میں ہوگا اور ظاہر ہے کہ "اجابت" اور "دعوت وتبلیغ" دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام یہ کہیں گے کہ میرے گواہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت کے لوگ ہیں" یعنی اصل گواہ تو اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگ ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے دعوے کی گواہی وہی دیں گے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مزکی ہوں گے، اس صورت میں کہا جائے گا کہ اصل گواہ یعنی اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگوں سے پہلے مزکی یعنی آنحضرت کا ذکر کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کے اظہار کے لئے ہوگا اور ویسے یہ بھی بعید نہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نوح علیہ السلام کی گواہی دیں کیونکہ وہ وقت اور جگہ ہی ایسی ہوگی جہاں زیادہ سے زیادہ مدد ونصرت پہنچانے کی ضرورت ہوگی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہؓ سے) فرمایا کہ تب تمہیں پیش کیا جائے گا" ان الفاظ کا اسلوب بیان بتاتا ہے کہ اس وقت جب کہ دربار الٰہی میں لوگوں کی سب سے بڑی پیشی ہوگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہوں گے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری کاروائی کے دوران موجود رہیں گے اور شاہد ہوں گے چنانچہ جب انبیاء اور رسولوں کی پیشی ہوگی تو سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کو پیش کیا جائے گا اور پھر ان کے گواہوں یعنی اُمت محمدی علیہ السلام کے لوگوں کو لایا جائے گا۔

اور تم یہ گواہی دو گے کہ الخ" یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے کہنے کے مطابق تم ان کی گواہی دو گے اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مزکی ہوں گے یا یہ کہ تم گواہی دو گے، اور تمہارے ساتھ نبی بھی گواہی دیں گے۔

اس آیت کریمہ وکذلک جعلنٰکم امۃ وسطا الایۃ میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ مسلمان قیامت کے دن گزشتہ امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے اور ان (مسلمانوں) کی گواہی ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دیں گے، تو ان گزشتہ لوگوں کے بارے میں مسلمانوں کی گواہی کی مثال تو یہی ہے کہ وہ (مسلمان) حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی اُمت کے لوگوں تک خدا کے احکام پہنچائے تھے اور ان (مسلمانوں) کے بارے میں ان کے پیغمبر کی طرف سے گواہی کی صورت یہ ہوگی کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب قیامت کے دن گزشتہ انبیاء اور رسولوں کی امتیں انکار کرتے ہوئے کہیں گی کہ ہم تک کسی نبی نے کچھ نہیں پہنچایا اور ہمیں خدا کے احکام نہیں بتائے تو وہ رسول اور انبیاء اُمت محمدی کے لوگوں کو اپنا گواہ بنائیں گے اور جب مسلمان ان کی گواہی دیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ (تم لوگ تو ان امتوں کے بعد دنیا میں آئے تھے) تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ ان انبیاء نے اپنی اُمت کے لوگوں کو خدا کے احکام پہنچائے تھے اور تم یہ گواہی کس بنا پر دے رہے ہو؟ تو وہ (مسلمان) جواب دیں گے کہ اس سلسلہ میں ہم نے کتاب اللہ کو ناطق پایا تھا (یعنی قرآن مجید نے ہمیں اس بارے میں بالکل سچی خبر دی تھی چنانچہ اسی کی بنا پر ہم یہ گواہی دے رہے ہیں! اس کے بعد ان رسولوں کی امتوں کے لوگ مسلمانوں کی صداقت وعدالت یعنی ان کے معتبر ہونے کی اور ان کی سچائی کے بارے میں جرح کریں گے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کا سچا اور معتبر ہونا ثابت کریں گے اور گواہی دیں گے کہ یقیناً یہ لوگ قابل اعتماد اور اپنی بات میں سچے ہیں پس اپنی اُمت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گواہی دینے کے یہی معنی ہیں اور اسی اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کا گواہ کہا گیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو سچا اور گزشتہ امتوں کے بارے میں ان کی گواہی کو معتبر ثابت کیا تو گویا آپ نے بھی گواہی دی! اور اسی لحاظ سے حضرت نوح علیہ السلام یہ کہیں گے کہ میرے گواہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت کے لوگ ہیں۔

قیامت کے دن جسم کے اعضاء شہادت دینگے

⑥ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَضَحِكَ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مِمَّا اَضْحَكُ قَالَ قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

قَالَ مِنْ مُخَاطِبَةِ الْعَبْدِرَبَّهٗ يَقُوْلُ يَارَبِّ اَلَمْ تُجِرْنِيْ مِنَ الظُّلْمِ قَالَ يَقُوْلُ بَلٰى قَالَ فَيَقُوْلُ فَاِنِّيْ لَا اُجِيْزُ عَلٰى نَفْسِيْ اِلَّا شَاهِدًا مِّنِّيْ قَالَ فَيَقُوْلُ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ شَهِيْدًا وَبِالْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ شُهُوْدًا قَالَ فَيُخْتَمُ عَلٰى فِيْهِ فَيُقَالُ لِاَرْكَانِهٖ اَنْطِقِيْ قَالَ فَتَنْطِقُ بِاَعْمَالِهٖ ثُمَّ يُخَلّٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْكَلَامِ قَالَ فَيَقُوْلُ بُعْدًا لَّكُنَّ وَسُحْقًا فَعَنْكُنَّ كُنْتُ اُنَاضِلُ ﴿ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ یکایک ہنسنے لگے اور پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو میں کیوں، ہنس رہا ہوں؟ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا "اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "میں (قیامت کے دن) بندہ اور خدا کے درمیان منہ در منہ گفتگو ہونے کا خیال کر کے) ہنس رہا ہوں! (اس دن) بندہ کہے گا کہ اے پروردگار کیا تو نے مجھ کو ظلم سے پناہ نہیں دی ہے؟ (یعنی کیا تو نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ میں اپنے بندوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا (یہ سن کر) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہاں تجھ کو (میں نے پناہ دی ہے اور میں یقیناً بندوں پر ظلم نہیں کرتا) تب بندہ کہے گا کہ اگر تو نے مجھ کو ظلم سے پناہ دی ہے تو) میں اپنے متعلق اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا کہ میرے بارے میں گواہی دینے والا مجھ ہی میں سے ہو" آنحضرت ﷺ نے فرمایا (بندے کی یہ بات سن کر) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ "(مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے) آج کے دن تیرے بارے میں خود تیری ذات کی گواہی دیں گے" آنحضرت نے فرمایا" پھر بندے کے منہ پر مہر لگادی جائے گی (یعنی اس کی قوت گویائی کو معطل کر دیا جائے گا) اور اس کے بعد اس کے تمام اعضاء وجسم کو حکم دیا جائے گا کہ بولو، چنانچہ اس کے جسم کے اعضاء اس کے (ان) اعمال کو بیان کریں گے جو اس نے ان اعضاء کے ذریعہ کئے تھے پھر اس بندے اور اس کی گویائی کے درمیان سے (پردہ) اٹھا دیا جائے گا (یعنی اس کے منہ کو جو مہر لگائی گئی تھی اس کو توڑ دیا جائے گا اور اس کی قوت گویائی بحال ہو جائے گی جس سے وہ پہلے کی طرح باتیں کرنے لگے گا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا" بندہ (یہ صورت حال دیکھ کر اپنے اعضاء جسم سے) کہے گا کہ دور ہو بدبختو اور ہلاک ہو، میں تو تمہاری ہی طرف سے اور تمہاری ہی نجات کے لئے لڑ جھگڑ رہا تھا۔" (مسلم)

تشریح: "میرے بارے میں گواہی دینے والا مجھ ہی میں سے ہو" یعنی مجھے یہ گوارہ نہیں ہے کہ میرے اعمال و کردار اور میری دنیاوی زندگی کے بارے میں گواہی دینے والا کوئی دوسرا ہو، میں تو صرف اس گواہ کو تسلیم کروں گا جو میری ذات کے اندر سے پیدا ہو گویا بندہ تو یہ خیال کرے گا کہ میری ذات کے اندر سے گواہی دینے والا کون ہو سکتا ہے کیونکہ کوئی ذات خود اپنے کو ضرر و نقصان پہنچانے کے لئے گواہی نہیں دیا کرتی، لیکن اس کو یہ خیال نہیں آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی پوری طرح قادر ہے کہ وہ اس بندے کی ذات میں سے ایسا گواہ پیدا کر دے جو اس کے خلاف گواہی دے اور اس کو خدا کے حکم کے خلاف انکار کی مجال اور دم مارنے کی گنجائش نہ ہو! پس آنحضرت ﷺ کے ہنسنے کا سبب یہی تھا کہ حق تعالیٰ کے سامنے بندہ کا اس طرح کلام کرنا کہ خود اپنے جال میں پھنس جائے اس کی کس درجہ کی مضحکہ خیز حرکت ہوگی۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ کے منہ کو مہر لگانا ان اعضاء جسم کا اعمال کے بارے میں گواہی دینا جن کے ذریعہ بندے نے وہ عمل کیے ہوں گے، اور پھر اس بندے کا اپنی نادانی پر جھنجھلاہٹ کی وجہ سے اپنے ان اعضاء جسم کو برا بھلا کہنا اور ان کو بددعا دینا جیسے عجیب و غریب امور کا خیال کر کے آپ ﷺ ہنسے۔

خود بندے کی درخواست اور خواہش کے مطابق خود اسی کے اعضاء جسم کو اس کے بارے میں گواہ بنانے کے بعد پھر نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو بھی گواہ بنانا مقصود سے زائد بات ہوگی۔ اور اس کا سبب یہ ہوگا کہ اعضاء جسم جو گواہی دیں گے اس کی تصدیق و توثیق ہو جائے اور بندے کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ یہ اعضاء جسم درست گواہی نہیں دے رہے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ صرف فرشتوں کو گواہ بنائے گا تو یہ بات اس قرارداد کے خلاف ہوگی جو اس کے اور بندے کے درمیان طے پائی گی حاصل یہ کہ اصل گواہ تو بندے کے اعضاء جسم ہی ہوں گے جن کو خود بندے کی عرض و خواہش کے مطابق گواہ بنایا جائے گا اور ان اعضاء جسم کی گواہی ثابت کرنے کے لئے نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو بطور زائد گواہ پیش کیا جائے گا، لہٰذا یہ اعتراض پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ بندے کی عرض

وخواہش کو مان کر اس کی ذات کے اندر سے، یعنی اسی کے اعضاء جسم کو گواہ بنائے گا تو فرشتوں کو گواہ بنانے کی کیا ضرورت ہوگی۔
دور ہو بد بختو اور ہلاک ہو الخ" یعنی جب وہ بندہ دیکھے گا کہ یہ میرے اعضاء جسم تو میرے ہی خلاف گواہی دے رہے ہیں، ادھر ان اعضاء جسم کا اس کے خلاف گواہ بننا خود اس کی درخواست وخواہش کے مطابق ہوگا، تو وہ اس صورت حال سے جھنجھلا جائے گا اور اپنے اعضاء جسم کو برا بھلا کہنے لگے گا کہ کمبختو، میں تمہاری ہی طرف سے لڑ جھگڑ رہا تھا تاکہ تمہیں اعمال بد کی سزا نہ بھگتنی پڑے، لیکن اپنے خلاف خود تم ہی گواہی دے رہے ہو اور اپنے آپ کو عذاب وہلاکت میں ڈال رہے ہو یا یہ کہ میں دنیا میں تمہاری ہی وجہ سے بندوں سے لڑتا جھگڑتا تھا، تمہیں نقصان وضرر سے بچانے کے لئے دوسروں کو نقصان پہنچایا کرتا تھا، تمہاری راحت اور تمہارے کام کی وجہ سے فلاں فلاں پر عمل کیا کرتا تھا، ہر وقت تمہاری ہی حفاظت اور تمہاری ہی مدد میں لگا رہتا تھا، اور تمہیں ہی اپنا دوست وغم خوار مانتا تھا مگر آخر کو تم ہی میرے دشمن اور میرے بدخواہ نکلے اور مجھے عذاب خداوندی کے حوالہ کیے جانے کا سبب بنے! حدیث میں ان اعضاء جسم کا وہ جواب ذکر نہیں کیا گیا ہے جو وہ آخر میں بندے کی یہ بات سن کر دیں گے، لیکن قرآن کی ایک آیت میں ان کے اس جواب کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے۔

وقالوا لجلودھم لم شھدتم علینا قالوا انطقنا اللّٰہ الذی انطق کل شئ وھو خلقکم اول مرۃ والیہ ترجعون۔

اور وہ اپنی جلدوں سے (یعنی اپنے اعضاء جسم سے) کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ تو وہ جلدیں کہیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے بلایا ہے جس نے ہر ایک کو بلایا ہے، اور اس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

قیامت کے دن دیدار الٰہی

(۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ نَرٰی رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ هَلْ تُضَآرُّوْنَ فِیْ رُؤْيَةِ الشَّمْسِ فِی الظَّهِيْرَةِ لَيْسَتْ فِیْ سَحَابَةٍ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ تُضَآرُّوْنَ فِیْ رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ فِیْ سَحَابَةٍ قَالُوْا لَا قَالَ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَا تُضَآرُّوْنَ فِیْ رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ اِلَّا كَمَا تُضَآرُّوْنَ فِیْ رُؤْيَةِ اَحَدِهِمَا قَالَ فَيَلْقَی الْعَبْدَ فَيَقُوْلُ اَیْ فُلْ اَلَمْ اُكْرِمْكَ وَاُسَوِّدْكَ وَاُزَوِّجْكَ وَاُسَخِّرْ لَكَ الْخَيْلَ وَالْاِبِلَ وَاَذَرْكَ تَرْاَسُ وَتَرْبَعُ فَيَقُوْلُ بَلٰی قَالَ فَيَقُوْلُ اَفَظَنَنْتَ اَنَّكَ مُلَاقِیَّ فَيَقُوْلُ لَا فَيَقُوْلُ فَاِنِّیْ قَدْ اَنْسَاكَ كَمَا نَسِيْتَنِیْ ثُمَّ يَلْقَی الثَّانِیْ فَذَكَرَ مِثْلَهٗ ثُمَّ يَلْقَی الثَّالِثَ فَيَقُوْلُ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اٰمَنْتُ بِكَ وَبِكِتَابِكَ وَبِرُسُلِكَ وَصَلَّيْتُ وَصُمْتُ وَتَصَدَّقْتُ وَيُثْنِیْ بِخَيْرٍ مَا اسْتَطَاعَ فَيَقُوْلُ هٰهُنَا اِذًا ثُمَّ يُقَالُ الْاٰنَ نَبْعَثُ شَاهِدًا عَلَيْكَ وَيَتَفَكَّرُ فِیْ نَفْسِهٖ مَنْ ذَالَّذِیْ يَشْهَدُ عَلَیَّ فَيُخْتَمُ عَلٰی فِيْهِ وَيُقَالُ لِفَخِذِهٖ اِنْطِقِیْ فَتَنْطِقُ فَخِذُهٗ وَلَحْمُهٗ وَعِظَامُهٗ بِعَمَلِهٖ وَ ذٰلِكَ لِيُعْذِرَ مِنْ نَفْسِهٖ وَذٰلِكَ الْمُنَافِقُ وَذٰلِكَ الَّذِیْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِیْ هُرَيْرَةَ يَدْخُلُ مِنْ اُمَّتِی الْجَنَّةَ فِیْ بَابِ التَّوَكُّلِ بِرِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا قیامت کے دن (اپنی آنکھوں سے) اپنے خدا کا دیدار کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "کیا دوپہر کے وقت، جب کہ ابر نہ ہو، تم سورج کو دیکھنے میں کوئی شک رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں! آپ نے فرمایا "تو کیا چودھویں رات میں، جب کہ ابر نہ ہو تم چاند کو دیکھنے میں کوئی شک رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا۔ "پس قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے جس طرح تم سورج اور چاند کو دیکھنے میں کوئی شک وشبہ نہیں رکھتے اسی طرح (قیامت کے دن) اپنے پروردگار کو دیکھنے میں کوئی شک وشبہ نہیں کرو گے پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔" جب بندے اپنے پروردگار کو دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ایک بندے کو خطاب کر کے فرمائے گا کہ اے بندے! کیا میں نے تجھے (جنس حیوان اور دیگر مخلوقات پر) فضیلت وشرف نہیں بخشا تھا، کیا میں نے تجھے تیری بیوی عطا نہیں کی تھی (جو میں نے تیری ہی جنس اور تیری ہی نوع سے پیدا

کی تھی اور پھر تیرے اور اس کے درمیان انس و محبت اور پیار کا رشتہ قائم کیا تھا) کیا میں نے تیرے لئے گھوڑے اور اونٹ (اور دیگر کار آمد جانوروں اور چیزوں) کو تیرا مطیع نہیں بنایا تھا۔ اور کیا میں نے تجھے یہ موقع نصیب نہیں کیا تھا کہ تو اپنی قوم کا سربراہ اور سردار ہو اور چوتھائی مال غنیمت حاصل کرے ؟ (واضح رہے کہ یہ زمانہ جاہلیت میں بھی رواج تھا کہ کسی بھی قوم و قبیلہ کا سربراہ حاصل ہونے والے مال غنیمت میں سے اپنے لئے چوتھائی حصّہ لیتا تھا اور باقی مال پوری قوم کے لئے چھوڑ دیتا تھا) وہ بندہ (یہ سن کر) عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! بیشک ایسا ہی ہوا تھا (یعنی تو نے اپنے جن انعامات کا ذکر فرمایا ہے وہ سب مجھے دنیا میں حاصل ہوئی تھیں)" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اس کے بعد پروردگار فرمائے گا کہ کیا تجھے یہ بھی خیال تھا کہ (ایک دن) تو مجھ سے ملے گا؟ بندہ عرض کرے گا نہیں! (مجھے یہ خیال نہیں رہا تھا اور میں ایسی غفلت میں پڑ گیا تھا کہ اس بات کو بھول ہی گیا) پس پروردگار فرمائے گا کہ تو میں بھی تجھے فراموش کروں گا (یعنی آج میں بھی تجھے اپنی رحمت سے دور کر دوں گا) جیسا کہ تو نے دنیا میں میری اطاعت اور میری یاد کو فراموش کر دیا تھا" پھر پروردگار دوسرے بندے سے ملاقات اور خطاب فرمائے گا" اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ اور اس بندے کے درمیان اسی سوال و جواب کر ذکر کیا جو پہلے بندے کے سلسلے میں منقول ہوا پھر پروردگار تیسرے بندے سے ملاقات و خطاب فرمائے گا اور اس سے وہی فرمائے گا جو اس نے پہلے بندہ سے فرمایا تھا، اور وہ (تیسرا بندہ) یہ جواب دے گا کہ "میرے پروردگار! میں تجھ پر، تیری کتاب پر، اور تیرے پیغمبروں پر ایمان لایا تھا، میں نے نماز پڑھی، روزے رکھے اور صدقہ دیا (یعنی زکوٰۃ ادا کی)" اور اس طرح جس قدر ہو سکے گا وہ اپنی نیکیوں کے بارے میں تعریف و توصیف بیان کرے گا۔ اللہ تعالیٰ (اس کی یہ تمام باتیں سن کر) فرمائے گا کہ تم یہیں ٹھیرو ہم ابھی تمہارے بارے میں گواہ پیدا کیے دیتے ہیں (یعنی تو نے اپنی نیکیوں کے بارے میں جو دعویٰ کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کوشش کی ہے کہ تو نے ہماری نعمتوں کی شکر گزاری میں اپنی دنیاوی زندگی کو اعمال خیر سے معمور کر رکھا تھا تو ذرا ٹھیر جا ہم گواہوں کے ذریعہ ابھی بتائے دیتے ہیں کہ تو اپنے دعوے میں کہاں تک سچا ہے) بندہ (یہ سن کر) اپنے دل میں سوچے گا کہ بھلا اس وقت میرے خلاف کون گواہی دے گا لیکن جبھی اس کے منہ کو مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران سے کہا جائے گا کہ بول، چنانچہ اس کی ران، اس کا گوشت اور ہڈی (یعنی ران کے سب حصے اس کے (ان) اعمال کے بارے میں (جو اس نے دنیا میں واقعۃً کئے ہونگے) بیان دیں گے اور یہ سب کچھ (یعنی مذکورہ سوال و جواب بندہ کے منہ کو مہر لگانا، اور اس کے اعضاء کے ذریعہ گواہی دلوانا) اس لئے ہوگا تاکہ بندہ کی بداعمالیاں ثابت ہو جائیں اور وہ کوئی عذر نہ کر سکے (یا یہ معنی ہیں کہ یہ سب کچھ اس لئے ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ خود صاحب عذر ہو یعنی اس بندے کو عذاب میں مبتلا کرنے کی ذمہ داری اسی پر ڈال سکے) اور یہ تیسرا بندہ (جو اپنی نیکیوں کے بارے میں دعویٰ کرے گا لیکن خود اس کے اعضاء جسم اس کے دعوے کی تردید کریں گے) در حقیقت منافق ہوگا اور یہ وہ بندہ ہے جس سے حق تعالیٰ غصہ و ناراض ہوگا۔" (مسلمؒ)

اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت یدخل من امتی الجنۃ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے توکل کے باب میں ذکر کی جا چکی ہے۔

تشریح : "اسی طرح تم اپنے پروردگار کو دیکھنے میں کوئی شک و شبہ نہیں کروگے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمہیں سورج اور چاند کو دیکھنے میں کوئی تکلّف نہیں ہوتا، کوئی دقت نہیں اٹھانا پڑتی، کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، اسی طرح تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو بھی بلا تکلّف دیکھو گے! واضح رہے کہ لفظ تضارون (جس کا آزاد ترجمہ "شک و شبہ کرنا" کیا گیا ہے) تؔ کے پیش اور رؔ کی تشدید کے ساتھ منقول ہے اور رؔ کی تشدید کے بغیر بھی نقل کیا گیا ہے" اور یہ لفظ رؔ کی تشدید کے ساتھ ہو تو اس کی اصل "مضارت" ہوگی جس کے معنی ضرر و نقصان کے ہیں اور اگر یہ لفظ رؔ کی تشدید کے بغیر ہو تو پھر اس کی اصل "ضیر" ہوگی اور اس کے معنی بھی ضرر و نقصان کے ہیں پس لفظی ترجمہ کے اعتبار سے لا تضارون کے معنی یہ ہوں گے کہ پروردگار کے دیدار کے وقت تم آپس میں لڑائی جھگڑے، دھکم پیل، مخالفت و موافقت اور تصدیق و تکذیب کے ذریعہ ایک دوسرے کو نقصان و تکلّف نہیں پہنچاؤ گے کیونکہ اس کا دیدار اس طرح واضح و عام اور ہر ایک کے لئے عیاں ہوگا کہ ہر شخص بڑی آسانی اور اطمینان کے ساتھ اس کو دیکھے گا بعض حضرات نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اس کے

دیدار کے وقت تم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے لئے پردہ اور رکاوٹ نہیں بنے گا اور مجمع البحار میں یہ لکھا ہے کہ تضارون کا لفظ مضارت سے ہے) اور مضارت کے معنی کسی کے دیدار کے وقت اجتماع وازدحام کا ہونا (اور اس کی وجہ سے ایک دوسرے کو تکلیف وپریشانی اٹھنا)" مراد ہیں اسی طرح قاضی عیاضؒ مالکی نے یہ کہا ہے کہ "مضارت" کے معنی مضایقت یعنی ایک دوسرے کو تنگ گیری میں مبتلا کرنا مراد ہیں اور یہ معنی اجتماع وازدحام کے قریب ہیں نیز انہوں نے کہا ہے کہ مضایقت یعنی آپس میں ایک دوسرے کو تنگ گیر ہونے کا اطلاق کسی ایسی چیز کو دیکھنے کے موقع پر ہوتا ہے جو بالکل مخصوص نوعیت اور خاص انداز سے کسی ایک محدود جگہ پر ہو اور مجمع وہجوم کی وجہ سے ہر شخص آسانی کے ساتھ اس کے ساتھ اس کو نہ دیکھ سکتا ہو، پس اس صورت میں لا تضارون کا مطلب یہ ہوگا کہ تم پروردگار کے دیدار کے وقت ایک دوسرے سے ملے اور جڑے ہوئے اور تنگ گیری میں مبتلا نہیں ہوں گے جیسا کہ محدود جگہ پر مجمع وہجوم کے وقت کسی چیز کو دیکھنے کی صورت میں ہوتا ہے بلکہ جس طرح تم سب اپنی اپنی جگہ پر رہتے ہوئے اطمینان وفراغت کے ساتھ سورج اور چاند کو دیکھتے ہو اسی طرح قیامت کے دن تم سب اپنی اپنی جگہ پر بہ فراغت اپنے پروردگار کا دیدار کرو گے۔

ایک روایت میں یہ لفظ تضارون کے بجائے تضامون ہے یعنی رَ کی جگہ مَ ہے، پھر تضامون کا لفظ بھی دونوں طرح منقول ہے یعنی تَ کے پیش اور مَ کی تشدید کے ساتھ بھی آیا ہے اور مَ کی تشدید کے بغیر بھی، تشدید کی صورت میں یہ لفظ "ضم" سے مشتق ہوگا اور بغیر تشدید کی صورت میں "ضیم" سے! "ضم" اجتماع وازدحام کے معنی میں ہے اور "ضیم" ظلم وزیادتی کرنے کے معنی ہیں! لیکن دونوں صورتوں میں مفہوم وہی ہوگا جو "تضارون) کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

"تو میں بھی تجھے فراموش کردوں گا الخ" کا حاصل یہ ہے کہ جب میں نے تجھ کو دنیا میں اپنے ان انعامات سے نوازا اور تجھ پر اتنے بڑے بڑے احسانات کیے تو تیرا فرض تھا کہ تو میری اطاعت وعبادت اور میرے احکام کی اتباع وپیروی کے ذریعہ میرا شکر ادا کرتا اور میرے دیدار کا امیدوار رہتا تاکہ میں تجھے اور زیادہ انعام وجزا دیتا اور دنیا کی طرح آج کے دن بھی تجھے سربلند وسرخ رو کرتا پس جب کہ تو نے دنیا میں میری ان نعمتوں اور میرے ان احسانات کے باوجود مجھے فراموش کر دیا تھا اور میری طرف سے غافل ہو گیا تھا تو اب میں بھی احسان اور اچھا سلوک نہ کر کے تیرے ساتھ وہی معاملہ کروں گا جو کسی غافل اور احسان فراموش شخص کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اس طرح میں تجھے اپنی رحمت سے دور کردوں گا واضح رہے کہ یہی مضمون اس آیت کریمہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ایسا ہی (چاہئے تھا) تیرے پاس (دنیا میں) ہماری آیتیں آئیں تو نے ان کو بھلا دیا اسی طرح آج (یہاں قیامت کے دن ہم تجھ کو بھلا دیں گے۔

"چنانچہ اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈی الخ" کے بارے میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ قرآن کریم میں ہاتھ، پاؤں، زبان اور کھال کا بولنا اور بندے کے اعمال کے سلسلے میں گواہی دینا مذکور ہے، جب کہ یہاں "ران، گوشت اور ہڈی کے بولنے اور گواہی دینے کا ذکر ہے، تو زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حدیث کے اس جملہ کا اصل مقصد بھی یہی بیان کرنا ہے کہ بندے کے تمام اعضاء جسم بولیں گے اور اس کے اعمال کے بارے میں گواہی دیں گے جن میں ہاتھ اور پاؤں وغیرہ بھی شامل ہیں جیسا کہ پیچھے حضرت انسؓ کی روایت میں گزرا۔

اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت الخ کا مطلب یہ ہے کہ صاحب مصابیح نے یدخل من امتی الخ" کی حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے یہاں اس باب میں نقل کیا تھا لیکن صاحب مشکوٰۃ نے اس حدیث کو حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اور اس باب کی بجائے باب التوکل میں ذکر کیا ہے لیکن واضح رہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ سے ان الفاظ میں منقول ہے یدخل الجنۃ من امتی سبعون الفا بغیر حساب ھو الذین لا یسترقون ولا یتطیرون وعلی ربھم یتوکلون۔ پس صحیح بات تو یہ تھی کہ یہاں یدخل من امتی الجنۃ الخ" کے بجائے) یوں کہا جاتا کہ یدخل الجنۃ من امتی الخ!"

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

امت محمدی ﷺ میں سے حساب کے بغیر جنت میں جانے والوں کی تعداد

⑧ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَعَدَنِیْ رَبِّیْ اَنْ یُّدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعِیْنَ اَلْفًا لاَ حِسَابَ عَلَیْہِمْ وَلاَ عَذَابَ مَعَ کُلِّ اَلْفٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا وَّثَلٰثُ حَثَیَاتٍ مِّنْ حَثَیَاتِ رَبِّیْ۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ)

"حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میری امت میں سے ستر ہزار لوگوں کو حساب اور عذاب کے بغیر جنت میں داخل کرے گا اور (ان ستر ہزار میں سے) ہر ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار اور میرے پروردگار کے چلوں میں سے تین چلو بھر کر لوگ جنت میں جائیں گے۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "حساب وعذاب کے بغیر" سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس سخت حساب کے مرحلہ سے گزرنا نہیں پڑے گا جس میں بندہ پرسش ومواخذہ، داروگیر اور سخت پوچھ پاچھ سے دوچار ہونے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور ہر ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار الخ" کا مطلب یہ ہے کہ ستر ہزار لوگ تو حساب وعذاب کے مرحلہ سے گزرے بغیر جنت میں جائیں ہی گے لیکن ان میں سے بھی ہر ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار لوگ ہوں گے اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے تین چلو بھر کر اور لوگ ان کے ساتھ کردے گا! اب رہی یہ بات کہ ستر ہزار سے کیا مراد ہے، تو ہوسکتا ہے کہ یہ خاص عدد ہی مراد ہو اور یا یہ کہ اس عدد سے "کثرت" مراد ہے نیز "تین چلووں" کے الفاظ بھی کثرت ومبالغہ سے کنایہ ہیں پس حاصل یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ میری اُمت کے اتنے زیادہ لوگوں کو، کہ جو شمار بھی نہیں کئے جاسکتے، حساب عذاب کے بغیر جنت میں داخل کرے گا۔

قیامت کے دن خدا کی عدالت میں لوگ تین مرتبہ پیش ہونگے

⑨ وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْرَضُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ثَلٰثَ عَرَضَاتٍ فَاَمَّا عَرْضَتَانِ فَجِدَالٌ وَّمَعَاذِیْرُ وَاَمَّا الْعَرْضَةُ الثَّالِثَةُ فَعِنْدَ ذٰلِکَ تَطِیْرُ الصُّحُفُ فِی الْاَیْدِیْ فَاٰخِذٌ بِیَمِیْنِہٖ وَاٰخِذٌ بِشِمَالِہٖ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ لاَ یَصِحُّ ھٰذَا الْحَدِیْثُ مِنْ قِبَلِ اَنَّ الْحَسَنَ لَمْ یَسْمَعْ مِنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ وَقَدْ رَوَاہُ بَعْضُھُمْ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی۔

"اور حضرت حسن بصری، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن لوگوں کو (اللہ تعالیٰ کے سامنے) تین مرتبہ پیش کیا جائے گا اور دو مرتبہ تو بحث وجرح اور عذر آرائی ہوگی اور جب تیسری مرتبہ پیش ہوں گے تو اس وقت (چونکہ حساب، کتاب اور پوچھ پاچھ کا مرحلہ نمٹ چکا ہوگا اس لئے) اعمال نامے اڑاڑ کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے پس ان میں سے کچھ لوگ (کہ جو اہل سعادت اور خوش نصیب ہوں گے اپنے دائیں ہاتھوں میں اعمال نامے لیں گے اور کچھ لوگ (کہ جو اہل شقاوت اور بدبخت ہوں گے) اپنے بائیں ہاتھوں میں اعمال نامے لیں گے اس روایت کو امام احمدؒ اور ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ روایت اس اعتبار سے صحیح نہیں ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے حضرت حسن بصریؒ کا سماع ثابت نہیں ہے نیز بعض محدثین نے اس روایت کو حضرت حسن بصری سے اور نہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: "دو مرتبہ تو بحث وجرح اور عذر آرائی ہوگی۔" کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ پہلی مرتبہ پیش ہوں گے تو اس وقت وہ اپنے گناہ

ومعصیت اور اپنی بدعملیوں کا اقرار واعتراف نہیں کریں گے اور اپنے آپ کو مستوجب عذاب ہونے سے بچانے کی کوشش کریں گے، یعنی حق تعالیٰ کے سامنے بحث ومباحثہ کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تک کسی بھی نبی نے آپ کے احکام نہیں پہنچائے اور نہ کسی نے ہمیں یہ بتایا کہ ہمارا کون سا عمل درست ہے اور کون سا عمل نادرست! اور جب ہم تک ہدایت پہنچی ہی نہیں اور ہمارے سامنے برائی اور بھلائی کے راستوں کو واضح ہی نہیں کیا گیا تو ہمارے خلاف بدعملیوں اور گناہوں کی فرد جرم کیوں عائد ہو؟ لیکن جب اللہ تعالیٰ مختلف دلائل اور گواہوں کے ذریعہ یہ ثابت فرمادے گا کہ ان تک ہدایت کا پیغام پہنچا تھا اور مختلف زمانوں میں اس کے پیغمبر اور رسول ان کے پاس خدا کے احکام پہنچاتے رہے تھے جن کو انہوں نے یا تو قبول نہیں کیا یا ان پر صحیح طرح سے عمل نہیں کیا تو دوسری مرتبہ کی پیشی کے وقت وہ اپنے گناہوں اور اپنی بدعملیوں کا اقرار واعتراف کریں گے اور پھر عذر آرائی کرنے لگیں گے مثلاً کوئی تو یوں کہے گا کہ میں نے ازراہ سہو وخطا گناہوں کا راستہ اختیار کرلیا تھا، کوئی یوں کہے گا کہ میں جہالت وغفلت کے اندھیروں میں کھو گیا تھا اور اس کی وجہ سے ہدایت کے راستہ پر نہیں چل سکا، اور کوئی یوں کہے گا کہ میں تیری رحمت کے امید پر کوتاہ عمل اور غفلت کا شکار ہو گیا تھا، غرض کہ ہر ایک اسی طرح کے عذر بیان کرے گا! اور پھر تیسری مرتبہ جب لوگوں کے تمام معاملات منقح ہو کر ان کے سامنے آجائیں گے اور ہر ایک کے عقیدہ وعمل کی چھان بین پوری ہو جائے گی تو پھر آخری فیصلہ ظاہر ہو جائے گا اور سب کے سامنے اہل ہدایت اور ضلالت کے درمیان فرق وامتیاز بالکل واضح ہو جائے گا جس کی صورت یہ ہوگی کہ جو لوگ جنت کی سعادت سے نوازے جانے والے ہوں گے ان کے نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں پہنچ جائیں گے اور جن کو دوزخ میں ڈالا جانا ہوگا ان کے نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں پہنچا دیئے جائیں گے۔

اس حدیث کے بارے میں ترمذیؒ نے جو کچھ کہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ حضرت ابوہریرہؓ سے حضرت حسن بصریؒ کا حدیث سننا ثابت نہیں ہے اس لئے حضرت ابوہریرہؓ سے ان کی اس روایت کی سند منقطع اور غیر متصل ہوئی جس کی بناء پر اس حدیث کو مذکورہ سند وروایت کے ساتھ صحیح نہیں کہا جاسکتا لیکن جزری نے تصحیح المصابیح میں کہا ہے کہ بخاریؒ نے اپنی صحیح (یعنی بخاری شریف) میں حضرت حسن بصریؒ کی ایسی تین حدیثیں نقل کی ہیں جن کو انہوں نے (یعنی حسن بصریؒ نے) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے، البتہ صحیح مسلمؒ میں حضرت حسنؒ کی ایسی کوئی روایت منقول نہیں ہے جس کو انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہو بہرحال جزریؒ کی بات سے قطع نظر بھی کرلیا جائے تو بھی اصل حدیث کی صحت پر اثر نہیں پڑتا کیونکہ بعض محدثین نے اس روایت کو حضرت حسنؒ سے اور انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے نقل کیا ہے، اور اس طریق سے اس روایت کی سند متصل ہوگی جس سے اصل حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہوجاتا ہے! بعض حضرات نے کہا ہے کہ حضرت حسن نے اس حدیث کو متعدد صحابہ جیسے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت انس ابن مالکؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے روایت کیا ہے۔

خدا کے نام کی برکت

(۱۵) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلًا مِّنْ اُمَّتِيْ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَآئِقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِّثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا اَظَلَمَكَ كَتَبَتِيَ الْحَافِظُوْنَ فَيَقُوْلُ لَا يَارَبِّ فَيَقُوْلُ اَفَلَكَ عُذْرٌ قَالَ لَا يَارَبِّ فَيَقُوْلُ بَلٰى اِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتُخْرَجُ بِطَاقَةٌ فِيْهَا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَيَقُوْلُ احْضُرْ وَزْنَكَ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ مَاهٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتُ فَيَقُوْلُ اِنَّكَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِيْ كَفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِيْ كِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ شَيْءٌ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرو کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن (میدان حشر میں) اللہ تعالیٰ میری اُمت میں سے

ایک شخص کو تمام مخلوقات کے سامنے طلب کرے گا اور اس کے سامنے ننانوے رجسٹر کھول کر ڈال دے گا جن میں کا ہر رجسٹر حد نظر تک پھیلا ہوا نظر آئے گا) پھر اس شخص سے فرمائے گا کہ ان رجسٹروں میں جو کچھ لکھا ہوا ہے کیا تو اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے (اور یہ کہنے کی جرأت رکھتا ہے کہ ان رجسٹروں سے میرے جن برے اعمال کا پتہ چلتا ہے وہ میں نے نہیں کئے ہیں) اور کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میرے لکھنے والوں نے (یعنی نامہ اعمال لکھنے والے ان فرشتوں نے جو تیرے افعال واحوال کے نگہبان تھے) تیرے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے وہ شخص عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! نہیں! (نہ تو میں ان رجسٹروں میں لکھے ہوئے اپنے اعمال سے انکار کر سکتا ہوں اور نہ یہ سمجھتا ہوں کہ نامہ لکھنے والے فرشتوں نے ان رجسٹروں میں غلط اندراجات کے ذریعہ میرے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے) پھر پروردگار فرمائے گا کہ کیا تو کوئی عذر رکھتا ہے (یعنی تو نے دنیا میں جو برے اعمال کئے اور جو اس رجسٹرون میں لکھے ہوئے ہیں کیا تو ان کی معذرت میں کچھ کہنا چاہتا ہے کہ میں نے سہواً یا جہلاً یا خطاءً اور یا کسی بھی فلاں وجہ سے برا کام کیا تھا؟) وہ بندہ عرض کرے گا کہ نہیں! میرے پروردگار! (میں کوئی عذر بیان نہیں کر سکتا) تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ "ہاں (ہمارے پاس ایک چیز ہے جو تیرے عذر کے قائم مقام ہے یعنی) ہمارے یہاں تیری ایک بہت بڑی) نیکی ہے (جو ہماری بارگاہ میں قبول کی جا چکی ہے اور جو تیرے تمام گناہوں کو مٹا دے گی) اور یقیناً آج کے دن تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوگا (یعنی نہ تو تیری اس نیکی کے ثواب کو گھٹایا جائے گا اور نہ تجھے عذاب دینے کے لئے تیرے گناہوں کو بڑھایا جائے گا) پھر ایک پرچہ نکالا جائے گا جس میں اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمدا عبدہ ورسولہ لکھا ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا کہ جاؤ، اپنے اعمال (کے تولے جانے کی جگہ یا اعمال تولے جانے کے وقت اور یا اعمال تولے جانے کی چیز یعنی میزان) کے پاس پہنچ جا، (تاکہ جب تیری نیکی کا یہ چھوٹا سا پرچہ تیرے گناہوں سے بھرے ہوئے ننانوے رجسٹروں کے ساتھ تولا جائے تو تجھ پر ظاہر ہو جائے کہ ہمارا عدل وانصاف کس طرح ظاہر ہوتا ہے اور تجھ پر کسی ظلم وزیادتی کی بجائے ہمارے فضل واحسان کا سایہ کس طرح سایہ فگن ہوا ہے") وہ بندہ (حیرت واستعجاب کے ساتھ) عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! بھلا اس ایک چھوٹے سے پرچہ کو اتنے بڑے بڑے اور اتنے زیادہ رجسٹروں کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ (کہاں میری ایک نیکی کا یہ ایک چھوٹا سا پرچہ اور کہاں میرے تمام گناہوں پر مشتمل یہ دفتر کے دفتر؟ اس صورت میں اس پرچہ کو ان رجسٹروں کے مقابلہ میں تولنے کا کیا فائدہ؟) پروردگار فرمائے گا کہ "(تو جا کر دیکھ تو سہی) یقیناً تیرے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا! (یعنی اس پرچہ کو معمولی مت جان، یہ بہت عظیم القدر اور بہت بھاری ہے، اس کا تولا جانا ضروری ہے تاکہ تجھ پر ظلم نہ ہو جائے۔ اور ملا علی قاری نے "یقیناً تیرے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا" کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اس ایک نیکی کا یہ پرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عظیم القدر اور بہت بھاری ہے، کیونکہ اللہ کے نام کے مقابلہ پر کوئی بھی چیز بھاری نہیں ہے" اور اگر اس کے نام سے بھی بھاری کوئی چیز ہوگی تو تجھ پر ظلم ہو جائے گا یعنی پھر تو اپنے گناہوں کی پاداش میں مارا جائے گا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا "پھر ان رجسٹروں کی پوٹ کی پوٹ ترازو کے ایک پلے میں رکھی جائے گی اور اس پرچہ کو دوسرے پلے میں پس وہ رجسٹر ہلکے پڑ جائیں گے اور وہ پرچہ بھاری ہو جائے گا (یعنی ان رجسٹروں کا پلا اوپر اٹھ جائے گا اور اس پرچہ کا پلا نیچے جھک جائے گا) حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے زیادہ وزن دار کوئی چیز نہیں ہوگی کیونکہ اللہ کا نام سب سے بڑا اور سب سے بھاری ہے اگرچہ گناہوں کے بڑے سے بڑے پہاڑ جیسے رجسٹر کیوں نہ ہوں۔" (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: "سجل" (جس کا عام ترجمہ "رجسٹر" کیا گیا ہے) کے خاص معنی "وسیع وضخیم کتاب" کے ہیں اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ "سجل" اصل میں "طومار" کو کہتے ہیں یعنی کاغذات کا مٹھا جس کو لپیٹ کر اس میں لکھتے ہیں اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ۔ "سجل" فرشتے کا نام ہے جو بندوں کے اعمال لکھتا ہے۔ بہر حال یہاں حدیث میں "سجل" سے مراد وہ کتاب یا رجسٹر اور یا طومار ہے جس میں بندوں کے اعمال لکھے ہوں گے۔

پھر ایک پرچہ نکالا جائے گا جس میں اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمدا عبدہ ورسولہ لکھا ہوگا " کے بارے میں ایک احتمال تو

ہے کہ یہ کلمہ وہ ہوگا جو اس نے دنیا میں پہلی مرتبہ اپنی زبان سے ادا کیا ہوگا اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس نے کسی اور مرتبہ یہ کلمہ پڑھا ہوگا جو حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوگیا ہوگا اور یہی احتمال زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

قیامت کے دن کے تین ہولناک موقعے

(۱۱) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا ذَكَرَتِ النَّارَ فَبَكَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُبْكِيْكِ قَالَتْ ذَكَرْتُ النَّارَ فَبَكَيْتُ فَهَلْ تَذْكُرُوْنَ اَهْلِيْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا فِىْ ثَلٰثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا يَذْكُرُ اَحَدٌ اَحَدًا عِنْدَ الْمِيْزَانِ حَتّٰى يَعْلَمَ اَيَخِفُّ مِيْزَانُهٗ اَمْ يَثْقُلُ وَعِنْدَ الْكُتُبِ حَتّٰى يُقَالَ هَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ حَتّٰى يَعْلَمَ اَيْنَ يَقَعُ كِتَابُهٗ اَفِىْ يَمِيْنِهٖ اَمْ فِىْ شِمَالِهٖ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِهٖ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ اِذَا وُضِعَ بَيْنَ ظَهْرَىْ جَهَنَّمَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) وہ (یعنی حضرت عائشہ دوزخ کی آگ کا خیال کر کے رونے لگیں یعنی اچانک ان کے دل میں دوزخ کا خیال آگیا تو اس کی دہشت سے ان پر گریہ طاری ہوگیا رسول کریم ﷺ نے (ان کو اس طرح اچانک روتے دیکھا تو) پوچھا کہ یہ تمہیں کیا ہوا، کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے کہا کہ مجھے دوزخ کی آگ کا خیال آگیا تھا، (اس کی دہشت اور خوف سے) رونے لگی ہوں) اور ہاں کیا آپ ﷺ قیامت کے دن اپنے اہل وعیال کو بھی یاد رکھیں گے؟ رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر فرمایا) کہ (ویسے تو اہل بیت ہی کیا، قیامت کے دن اپنی پوری اُمت کا خیال وفکر ہوگا لیکن) صورت حال یہ ہے کہ اس دن تین موقعے ایسے ہوں گے کہ وہاں کسی کو کسی کا خیال نہیں ہوگا یعنی مخصوص طور پر کسی کا خیال نہیں ہوگا۔ البتہ شفاعت عظمیٰ عمومی طور پر تمام خلائق کے لئے ہوگی) ایک موقع تو وہ ہوگا جب (اعمال وکردار کو تولنے کے لئے میزان سامنے ہوگی تا آنکہ یہ معلوم نہ ہوجائے کہ اس کی میزان بھاری رہی یا ہلکی یعنی جب تک اعمال تل نہ لیں گے اور یہ پتہ نہ چل جائے گا کہ نیک اعمال کا پلا جھک گیا ہے یا اوپر کو اٹھ گیا ہے، تب تک ہر شخص اپنی اپنی فکر میں گرداں رہے گا دوسرا موقع وہ ہوگا جب اعمال نامے (ہاتھوں میں) حوالے کیے جائیں گے یہاں تک یہ نہ کہا جانے لگے کہ آؤ میرا اعمال نامہ پڑھو اور جب تک کہ یہ معلوم نہ ہوجائے کہ پیٹھ کے پیچھے سے اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا ہے، یا بائیں ہاتھ میں دیا گیا ہے، (یعنی دوسرا ہولناک موقع وہ ہوگا جب ہر ایک کے بارے میں نجات یا عذاب کا فیصلہ ہونے کو ہوگا اور لوگوں کے اعمال نامے ان کی پیٹھ کے پیچھے سے ان کے ہاتھوں میں تھمادیے جائیں گے چنانچہ جو شخص نجات یافتہ ہوگا اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں آئے گا اور جو شخص مستوجب عذاب گردانا جائے گا اس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں ہوگا، اور اس طرح اس وقت جب تک یہ معلوم نہ ہوجائے کہ کس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں اور کس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دوبارہ ہے اور جس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں آئے گا وہ مارے خوشی کے یہ نہ کہہ اٹھے کہ آؤ میرا اعمال نامہ پڑھ لو، تب تک ہر شخص فکر وتردد میں رہے گا اور کسی کو کسی کا ہوش وخیال نہیں رہے گا) اور تیسرا موقع وہ ہوگا جب لوگ پل صراط (پر سے گزرنے) کے قریب ہوں گے اور وہ پل صراط جہنم کی پشت پر (یعنی اس کے دہانے پر) رکھا جائے گا (یہاں تک کہ یہ معلوم نہ ہوجائے کہ اس پر سے عافیت کے ساتھ گزر کر نجات پالی ہے یا جہنم میں گر پڑا ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: حضرت عائشہؓ کو آنحضرت کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن خاص طور پر تین موقعے ایسے ہوں گے جن کی دہشت وہولناکی سب کو اس طرح حیران دورماندہ اور وحشت زدہ بنادے گی کہ کسی کو کسی فرد کی خبر نہیں ہوگی اور نہ کوئی کسی کو یاد کرنے اور اس کا حال جاننے کی مہلت پائے گا، ہر شخص اپنی ہی فکر میں رہے گا اور اس کو ہر لمحہ یہ دھڑ کا لگا رہے گا کہ نہ معلوم میرا کیا حشر ہو اور مجھے کس انجام سے دوچار ہونا پڑے۔

جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے اور یہاں ترجمہ کے دوران بھی واضح کردیا گیا ہے، جب ہر شخص کے فکر وعقیدہ اور اعمال وکردار کی چھان بین ہوچکے گی، میزان میں اعمال نامے تولے جاچکے ہوں گے، اور وہ بارگاہ خداوندی نے ہر شخص کی سعادت وشقاوت کا فیصلہ

ہو جائے تو سب کے اعمال نامے ان کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے، جن لوگوں کے اعمال نامے ان کے داہنے میں پہنچیں گے وہ نجات یافتہ ہوں گے اور جن لوگوں کے اعمال نامے ان کے بائیں میں پہنچیں گے وہ اہل عذاب ہوں گے! نیز لوگوں کے ہاتھوں میں ان کے اعمالناموں کے پہنچنے کی صورت یہ ہوگی کہ دائیں ہاتھ کو گردن میں ڈال کر پشت کی طرف سے نکالا جائے گا اور بائیں ہاتھ کو بغل کے نیچے سے نکال کر پشت کی طرف لے جایا جائے گا اور پھر پشت کی طرف سے ہاتھوں میں اعمال نامے دیدیے جائیں گے۔

"پل صراط" بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہوگا، اس کو جہنم کی پشت پر یعنی اس کے دہانے پر قائم کیا جائے گا اور پھر ہر ایک کو اس کے اوپر سے گزرنے کا حکم دیا جائے گا، اہل ایمان کہ جو نجات یافتہ ہوں گے، اپنے اعمال و مراتب کے اعتبار سے اس کے اوپر سے گزر جائیں گے اور جنت میں پہنچ جائیں گے، چند اہل کفر، جو مستوجب عذاب ہوں گے اس پر سے گر کر دوزخ میں جا پڑیں گے عافانا اللہ الکریم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حساب کتاب کا خوف

(۱۴) عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ جَآءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَيْنَ يَدَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِىْ مَمْلُوْكِيْنَ يُكَذِّبُوْنَنِىْ وَيَخُوْنُوْنَنِىْ وَيَعْصُوْنَنِىْ وَاَشْتِمُهُمْ وَاَضْرِبُهُمْ فَكَيْفَ اَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يُحْسَبُ مَا خَانُوْكَ وَعَصَوْكَ وَكَذَبُوْكَ وَعِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ كِفَافًا لَّا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ دُوْنَ ذَنْبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَّكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوْبِهِمْ اُقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ فَتَنَحَّى الرَّجُلُ وَجَعَلَ يَهْتِفُ وَيَبْكِىْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا تَقْرَأُ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَجِدُ لِىْ وَلِهٰؤُلَآءِ شَيْئًا خَيْرًا مِّنْ مُّفَارَقَتِهِمْ اُشْهِدُكَ اَنَّهُمْ كُلُّهُمْ اَحْرَارٌ۔

(رواہ الترمذی)

"ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آکر بیٹھ گیا اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، میرے مال میں خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں، چنانچہ میں (ازراہ تادیب و تنبیہ) ان کو برا بھلا کہتا ہوں اور ان کو مارتا ہوں تو ان کی وجہ سے قیامت کے دن (اللہ تعالیٰ کے ہاں) میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا (یعنی کیا مجھے ان کو برا بھلا کہنے ڈانٹنے ڈپٹنے اور مارنے پیٹنے کا حساب دینا ہوگا اور ان چیزوں کی وجہ سے میرا مواخذہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا) اور ہر شخص کے ایک ایک عمل اور ایک ایک چیز کی پوچھ تاچھ ہوگی) تو ان غلاموں نے تمہارے مال میں جو خیانت کی ہوگی، تمہاری جو نافرمانی کی ہوگی اور تمہارے ساتھ جو جھوٹ بولا ہوگا، ان سب کا حساب ہوگا، اسی طرح تم نے ان کو جو کچھ سزا دی ہوگی اس کا بھی حساب ہوگا، پس اگر تمہاری دی ہوئی سزا (رائج ضابطہ اخلاق و قانون اور عام عادت معمول کے مطابق) ان کے جرائم کے بقدر ثابت ہوئی تو تمہارا معاملہ برابر سرابر رہے گا کہ نہ تمہیں کوئی ثواب ملے گا اور نہ تم پر کوئی عذاب ہوگا، کیونکہ اس صورت میں کہا جائے گا کہ تم نے ان کے ساتھ حالات کے مطابق اور مباح معاملہ کیا ہے جس پر تم کسی مواخذہ و عذاب کے مستوجب نہیں ہوگے) اور تم نے ان کو سزا دی ہوگی وہ اگر ان کے جرائم سے کم ثابت ہوگی تو وہ تمہارا ازائد حق ہوگا (یعنی تمہارا ان کو ان کے جرائم سے کم سزا دینا ان پر تمہارے لئے ایک ایسے حق کو واجب کردے گا اگر تم چاہو گے تو اس کے عوض تمہیں انعام دیا جائے گا ورنہ نہیں) اور تمہاری دی ہوئی سزا ان کے جرائم سے زیادہ ہوگی تو پھر ان کے لئے تم سے اس زیادتی کا بدلہ لیا جائے گا (یعنی اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ کرے گا کہ تم نے چونکہ

اپنے ان غلاموں کو ان کے جرائم سے زیادہ سزا دی تھی جس کا تمہیں کوئی حق نہیں تھا لہٰذا اب تم اپنے ان غلاموں کو اس زیادتی کا بدلہ دو) وہ شخص (آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) الگ جا بیٹھا اور رونے چلانے لگا پھر رسول کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد کو مؤکد اور ثابت کرنے کے لئے) فرمایا کہ کیا تم (قرآن کریم میں) اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھتے ہو کہ: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلاَ تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہے کہ "اور قیامت کے دن ہم عدل وانصاف کی میزان کھڑی کریں گے (جس کے ذریعہ سب کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک وزن کیا جائے گا) پس کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا (یعنی جس کا بھی حق ہو گا وہ اس کو یقیناً دلوایا جائے گا اور اگر (کسی کا) عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو گا تو (اس سے صرف نظر نہیں کی جائے گا بلکہ) ہم اس کو (بھی وہاں) حاضر کریں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں (یعنی ہمارے وزن اور حساب کے بعد حساب کتاب کی اور کسی مرافعہ کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ ہم سے بڑھ کر عدل وانصاف کرنے والا اور کوئی نہیں ہے اور اس وقت ہمارا فیصلہ بالکل آخری فیصلہ ہو گا جس پر کسی کو شک وشبہ کرنے کی ہم گنجائش ہی نہیں چھوڑیں گے)" اس شخص نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! میں اپنے اور ان غلاموں کے حق میں ان کی جدائی سے بہتر اور کوئی بات نہیں جانتا (یعنی اس صورت میں میرا خیال ہے کہ قیامت کے دن کے محاسبہ و مواخذہ سے بچنے اور وہاں کی جواب دہی سے محفوظ رہنے کی خاطر میرے اور میرے ان غلاموں، دونوں کے حق میں سب سے بہتر بات یہی ہے کہ وہ مجھ سے الگ ہو جائیں بایں طور کہ میں ان کو آزادی دے دوں) لہٰذا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ سب غلام آزاد ہیں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "میرے پاس غلام ہیں" کے بارے میں احتمال ہے کہ اس شخص کے پاس غلام اور باندی، دونوں ہوں گے پس یہاں صرف "غلام کا ذکر تغلیباً ہے۔

كَانَ كَفَافًا (تو تمہارا معاملہ برابر سرابر رہے گا) اصل میں "کفاف" اس چیز کو کہتے ہیں جو ضرورت وحاجت کے بقدر رہو، پس اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے ان غلاموں کو ان کے جرائم کے برابر سزا دی ہوگی تو تمہارا اور ان غلاموں کا معاملہ برابر سرابر رہے گا کہ قیامت کے دن نہ تو ان غلاموں پر تمہارا کوئی حق واجب ہو گا اور نہ تمہارے اوپر ان غلاموں کا کوئی حق آئے گا۔

كَانَ فَضْلاً لَكَ (تو وہ تمہارا زائد حق ہو گا) فضل اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں جو واجب حق سے زیادہ ہو! پس اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا ان غلاموں کو ان جرائم سے کم سزا دینا قیامت کے دن تمہارے حق میں ایک ایسی خوبی بن جائے گا کہ اگر تم چاہو گے تو تمہیں اس کا اجر وانعام ملے گا لیکن واضح رہے کہ "اجر وانعام سے مراد حسن ثواب، قربت ونزدیکی اور درجہ و مرتبہ کی بلندی ہے نہ کہ نفس فعل کی جزاء کیونکہ بعض خوبی یا یوں کہہ لیجئے کہ بعض سچا عمل، اجر وثواب کے حسن واضافہ اور درجہ و مرتبہ کی بلندی کے اعتبار سے تو مفید ہوتا ہے مگر نفس فعل کے اعتبار سے کسی الگ اجر وثواب کو واجب نہیں کرتا کہ وہ عمل اختیار کرنے والا خواہ طالب ہو یا نہ ہو" اس کو بہر صورت اجر وثواب ملے، پس اس شخص کا اپنے غلاموں کو ان کے جرائم سے کم سزا دینا بھی اسی درجہ کی خوبی ہوگی کہ اگر وہ چاہے گا تو اس کی اس خوبی کو اس کے اجر وثواب میں حسن واضافہ اور اس کے مرتبہ و درجہ کی بلندی کا سبب بنا دیا جائے گا اور اگر وہ نہیں چاہے گا تو پھر اس کے نامہ اعمال میں اس خوبی کا کوئی الگ ثواب نہیں لکھا جائے گا۔

اس حدیث کے ذریعہ مالک وغلام اور آقا وخادم کے باہمی تعلق اور ان کے درمیان معاملات کی نزاکت کا اچھی طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ اپنے غلام، اپنے خادم اور اپنے نوکروں کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرتے ہیں، ان کو چھوٹی چھوٹی باتوں اور معمولی معمولی خطاؤں پر جس طرح بڑی بڑی سزائیں دیتے ہیں اور ان کی کمزوری کا ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کو سخت جسمانی اور روحانی اذیت و تکلیف پہنچاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے حق میں کانٹے بوتے ہیں، انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ وہ دن یقیناً آنے والا ہے جب احکم الحاکمین کی بارگاہ میں انہیں اپنے غلاموں، اپنے نوکر چاکر اور اپنے خادموں کے تعلق سے اپنے ایک ایک فعل وعمل، ایک ایک برتاؤ، اور ایک ایک

زیادتی کی جواب دہی کرنی پڑے گی اور سخت حساب و مواخذہ سے دوچار ہونا پڑے گا۔
رہی ان صحابی کی بات جنہوں نے یہ حدیث سن کر، قرآن کی آیت سن کر، اپنے حق میں یہی بہتر جانا کہ وہ اتنا بڑا دنیاوی نقصان برداشت کر کے اپنے غلاموں کو آزاد کر دیں، تو ان کا تقوی، ان کا کمال احتیاط، اور خوف خدا سے ان کے دل کا معمور ہونا پوری طرح ظاہر ہوتا ہے، اور یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ کمال عبدیت یہی ہے کہ انسان اس چیز کے سائے سے بھی اجتناب کرے جو کسی بھی درجہ میں مولی کی ناراضگی اور آخرت کے نقصان کا خدشہ و واہمہ رکھتی ہو۔

آسان حساب اور سخت حساب

⑬ وَعَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلَاتِهٖ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا قُلْتُ يَانَبِيَّ اللّٰهِ مَا الْحِسَابُ الْيَسِيْرُ قَالَ اَنْ يَّنْظُرَ فِيْ كِتَابِهٖ فَيَتَجَاوَزَ عَنْهُ اِنَّهٗ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَئِذٍ يَا عَآئِشَةُ هَلَكَ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو بعض نماز میں یہ دعا مانگتے سنا کہ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا یا اللہ! میرے اعمال کا آسان حساب لیجیو! (حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ) میں نے (یہ سنا تو) عرض کیا کہ اے خدا کے نبی (ﷺ)! آسان حساب کا کیا مطلب ہے اور اس کی کیا صورت ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا "آسان حساب کی یہ صورت ہوگی کہ بندہ اپنے اعمال نامے کو دیکھ لے گا اور پھر اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرما دے گا اور عائشہؓ! حقیقت یہ کہ اس دن جس شخص کے حساب میں مناقشہ یعنی کرد کاوش کی گئی تو (بس سمجھ لو کہ) وہ برباد ہو گیا، یعنی وہ مستوجب عذاب ہونے سے بچ نہیں سکتا۔" (احمد)

تشریح: "بعض نماز" سے یا تو یہ مراد ہے کہ آپ نے یہ دعا بس نماز میں مانگی تھی، وہ فرض نمازوں میں سے کوئی نماز تھی، یا نوافل میں سے کوئی نفل نماز تھی اور یا یہ کہ آپ ﷺ نے یہ دعا نماز کے کسی ایک حصہ یعنی ابتداء قیام میں، یا رکوع میں، یا قومے میں، یا سجدے میں اور یا قعدے میں مانگی تھی۔
آنحضرت ﷺ کا مذکورہ دعا مانگنا یا تو اُمت کی تعلیم کے لئے تھا کہ مسلمانوں کے چاہیئے کہ وہ خدا سے آسان حساب کی دعا مانگا کریں تاکہ وہ اصل حساب کی سختیوں اور مواخذہ کی ہولناکی و شدت سے بچ جائیں اور ان پر خدا کا فضل و احسان ہو جائے، یا آپ ﷺ نے یہ دعا لوگوں کو خواب غفلت سے ہوشیار کرنے کے لئے مانگی، کہ دیکھو چین و اطمینان کی چادر تان کر مت سو جاؤ، اس دن کا خیال کرو جب اپنے اعمال کے ساتھ خدائے جبار و قہار کی عدالت میں پیش ہونا ہے، اگر وہاں سخت مواخذہ میں گرفتار ہو گئے تو پھر عدل خداوندی کسی حال میں معاف نہیں کرے گا، عذاب میں مبتلا ہو کر رہو گے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ابھی سے اپنے اعمال کی دنیا کو سنوار لو، اتنا تو کر لو کہ کچھ منہ لے کر اس کی بارگاہ میں پیش ہو سکو اور اس کے فضل و احسان کے مستحق بن سکو! اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ پر خوف الٰہی کا غلبہ ہوا، احوال قیامت اور حساب کتاب کی ہولناکی کے خیال نے خشیت خداوندی اور خوف الٰہی سے دل و جان کو لرزاں کر دیا، اس لئے آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی۔
"مناقشہ" کے معنی ہیں جانچ کر حساب لینا، کوڑی کوڑی کا جھگڑا کرنا پس "حساب میں مناقشہ کرنا" یہ ہے ایک ایک عمل اور ہر عمل کے ایک ایک جزو کی پوری پوری چھان بین ہو، ہر فعل کی اچھی طرح جانچ پڑتال ہو اور رتی رتی کا حساب لیا جائے ظاہر ہے کہ اصل حساب یہی ہے اور اس حساب میں کوئی بھی بندہ پورا نہیں اتر سکتا، جو بھی شخص اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محروم رہا اور اس کو آسان حساب کے بجائے اس سخت حساب سے دوچار کیا گیا تو وہ عذاب میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔
"بندہ اپنے اعمال نامے کو دیکھ لے گا الخ" یعنی جو بندے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے سائے میں ہوں گے ان کے ساتھ حساب کی

صورت یہ ہوگی کہ ان کے سامنے ان کے اعمال نامے کھول کر ڈال دیئے جائیں گے اور اس کو دکھا دیا جائے گا کہ دیکھ تونے یہ فلاں فلاں گناہ کا ارتکاب کیا بندہ ندامت و شرمندگی کے ساتھ گناہوں کا اعتراف و اقرار کرے گا۔ اور تب اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں سے درگزر فرمادے گا اور اس کو اپنی عنایت سے بخشش و مغفرت کا پروانہ عطا فرمادے گا اور اگر لفظ ینظر کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کی جائے تو یہ بھی ہوسکتا ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال نامے کو ایک نظر دیکھ لے گا اور پھر اس سے درگزر فرمادے گا۔

مؤمن پر قیامت کا دن آسان ہوگا

(۱۴) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّهٗ اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَخْبِرْنِیْ مَنْ یَّقْوٰی عَلَی الْقِیَامِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ الَّذِیْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ فَقَالَ یُخَفَّفُ عَلَی الْمُؤْمِنِ حَتّٰی یَکُوْنَ عَلَیْهِ کَالصَّلٰوةِ الْمَکْتُوْبَةِ۔

"اور حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ وہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ (یا رسول اللہ) مجھے یہ تو بتایئے، قیامت کے دن کہ جس کے بارے میں خدائے بزرگ و برتر یہ فرماتا ہے یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (جس دن کہ تمام لوگ ایک ایک جہان کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے، کس شخص کو (حساب کے لئے) اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کی تاب ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کا دن مؤمن کے لئے آسان کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ دن اس پر فرض نماز (کی ادائیگی کے وقت) کے بقدر رہ جائے گے۔"

تشریح: حضرت ابوسعید خدری نے آنحضرت ﷺ سے سوال کرتے ہوئے قرآن کے جن الفاظ کا حوالہ دیا، وہ دراصل پارہ عم کی سورۃ تطفیف (وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ) کی ایک چھوٹی سی آیت ہے، اس سورۃ میں قیامت کے دن کے احوال اور اس دن اعمال کی جزاء و سزا دیئے جانے کا ذکر ہے اور چونکہ وہ دن خدا کے عدل و انصاف کے اظہار کا دن ہوگا اس مناسبت سے اس سورۃ میں خاص طور سے بعض ان اعمال پر وعید مذکور ہے جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں اور سماجی زندگی میں نہایت قابل نفرین سمجھتے ہیں جیسے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو ان الفاظ میں تہدید کی گئی ہے کہ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ کیا ان لوگوں کو (جو ناپ تول میں کمی کر کے حقوق العباد کو نقصان پہنچاتے ہیں) اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جس دن کہ تمام لوگ ایک ایک جہاں کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے (پس اس دن سے ڈرنا چاہئے اور ہر اس برائی سے اجتناب کرنا چاہئے جس سے بندوں کے حقوق پر اثر پڑتا ہو، جس سے لوگوں کو نقصان پہنچتا ہو اور جس سے سماجی زندگی باہمی اطمینان و اعتماد سے محروم ہوتی ہو، جیسے کم ناپنا اور کم تولنا) منقول ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اس سورۃ کی تلاوت شروع کی اور جب اس آیت یوم یقوم الناس لرب العٰلمین پر پہنچے تو خوف و خشیت الٰہی سے بے حال ہوگئے اور ان پر گریہ طاری ہوگیا، اور پھر اس طرح روئے کہ اس کے بعد کی آیتوں کی تلاوت جاری رکھنے پر قادر نہیں ہوسکے۔

بہرحال حضرت ابوسعید خدریؓ کے سوال کا حاصل یہ تھا کہ ایک تو قیامت کا دن خود اپنے اندر ہول و دہشت اور خوف و پریشانی کے صد ہزار عالم لئے ہوگا، اور اس پر اپنے اعمال کا کچا چٹھا لے کر خداوند ذوالجلال کی پر ہیبت بارگاہ میں پیش ہونا ہوگا، اس کے عدل و انصاف کی ہیبت اور اس کے لئے اس کی عدالت میں، اس کی پر جلال بارگاہ میں کھڑا ہوسکے؟ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے یہ بشارت عطا فرمائی کہ مسلمانوں کو بہرحال اطمینان رکھنا چاہئے کہ وہ دن اپنی تمام ہولناکیوں کے باوجود ان کے حق میں ایک آسان دن ہوگا وہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کے سائے میں رہیں گے، اس لئے قیامت کا وہ پورا دن بس اتنے عرصہ میں گزر جائے گا جتنے عرصہ میں کوئی

شخص فرض نماز پڑلیتا ہے پس اس سلسلے میں ایک بات تو یہ ذہن میں رہنی چاہئے کہ "مسلمان" سے مراد کامل مسلمان ہے، یعنی عقیدہ و فکر کے اعتبار سے پختہ و صالح، اعمال و کردار کے اعتبار سے پاکباز و متقی اور پروردگار کی اطاعت و عبادت میں کامل! اسی طرح "فرض نماز کے بقدر" سے مراد وہ عرصہ ہے جس میں فرض نماز کہ جس کی نہایت چار رکعتیں ہیں، ادا کی جاتی ہیں یا یہ کہ فرض نماز کا پورا وقت مراد ہے، یعنی جتنی دیر تک ایک فرض نماز ادا کرنے کا وقت رہتا ہے، اتنی دیر میں قیامت کا پورا دن گزر جائے گا رہی یہ بات کہ "مسلمانوں کے حق میں قیامت کے دن کا فرض نماز کی ادائیگی کے وقت کے بقدر ہونے" سے کیا یہ مراد ہے کہ ان کے حق میں قیامت کا دن واقعۃً اتنے مختصر سے عرصہ پر محیط ہوگا، یا یہ مراد ہے کہ وہ دن ہوگا تو بہت زیادہ لمبا و طویل لیکن مسلمانوں کو وہ اتنا بڑا دن بس ایسا محسوس ہوگا جیسے ایک فرض نماز کے وقت کے بقدر ہو کر گزر گیا ہو؟ تو اس سلسلہ میں یہی دوسرا پہلو مراد ہے یعنی وہ دن اپنی اتنی طوالت اور اتنی شدت و سختیوں کے باوجود مسلمانوں کے لئے اتنا ہلکا بنا دیا جائے گا کہ ان کو وہ پورا دن ایک فرض نماز کے مختصر ترین عرصہ کے بقدر گزرتا ہوا معلوم ہوگا جب کہ کافروں کے حق میں اس کے برعکس ہوگا، چنانچہ یہ تو اس دنیا میں بھی عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ وقت اور مقدار کے اعتبار سے شب و روز کی گردش ہر شخص کے لئے یکساں ہوتی ہے لیکن جو لوگ عیش و راحت اور خوشحالی کے ساتھ ہوتے ہیں ان کے لئے چوبیس گھنٹوں کے وہی دن و رات، لمحوں کے برابر گزرتے محسوس ہوتے ہیں جو مصائب و آلام اور پریشان حالی میں مبتلا لوگوں کے لئے سالوں کے برابر گزرتے معلوم ہوتے ہیں اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ قیامت کے دن کا مسلمانوں کے حق میں آسان و ہلکا ہونا یکساں نوعیت نہیں رکھے گا بلکہ ہر مسلمان کے عقیدہ و عمل کے مراتب کے اعتبار سے الگ الگ نوعیت رکھے گا کہ جو شخص دنیا میں اپنے عقیدہ و عمل کے اعتبار سے زیادہ کامل رہا ہوگا وہ اس دن کو اور وہاں کے احوال کو اتنا ہی زیادہ آسان و ہلکا محسوس کرے گا اور دنیا میں جس شخص کا عقیدہ و عمل جتنا زیادہ کمزور رہا ہوگا وہ اس دن کو اتنا ہی کم آسان و ہلکا محسوس کرے گا یہاں تک کہ کفار کو وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر معلوم ہوگا، چنانچہ قرآن کریم کے ان الفاظ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۞ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۞ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۞ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۞۔

"فرشتے اور (اہل ایمان کی) روحیں اس کے پاس (عالم بالا میں چڑھ کر جاتی ہیں (اور وہ عذاب) ایسے دن میں ہوگا جس کی مقدار (دنیا کے) پچاس ہزار سال کے برابر) ہے تو آپ ﷺ (اہل کفر کی مخالفت پر) صبر کیجئے اور صبر بھی ایسا جس میں شکایت کا نام نہ ہو یہ لوگ (یعنی اہل کفر) اس دن کو (بدعقیدگی کی وجہ سے بعد از وقوع دیکھ رہے ہیں اور ہم اس کو (وقوع سے) قریب دیکھ رہے ہیں۔"

چنانچہ اس آیت میں "اس دن" سے مراد قیامت کا دن ہے جو اپنی درازی اور سختی کے اعتبار سے کفر کو اتنا لمبا معلوم ہوگا، اور جس طرح ایمان کے مراتب میں تفاوت ہونے کی وجہ سے وہ ان اہل ایمان میں سے کچھ کو بہت آسان اور ہلکا معلوم ہوگا اور کچھ کو کم آسان و ہلکا معلوم ہوگا، اسی اعتبار سے ایک آیت میں اس دن کو ایک ہزار سال کے برابر فرمایا گیا ہے، پس بعض کافروں کو ہزار سال کے برابر اور بعض کافروں کو پچاس ہزار سال کے برابر معلوم ہوگا۔

نیز باری تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۞ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۞ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۞۔

"پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا سو وہ وقت (یعنی وہ دن) کافروں پر ایک سخت دن ہوگا جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی۔"

دوسرے لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اہل ایمان پر وہ دن بہت ہلکا اور آسان ہوگا اور وہ ہلکا و آسان ہونا ان کے ایمان و عمل کے اعتبار سے تفاوت رکھے گا۔

بہر حال اس حدیث میں مسلمانوں کے لئے واضح طور پر یہ ہدایت ہے کہ اگر وہ قیامت کے دن کو اپنے حق میں زیادہ سے زیادہ آسان وہلکا اور جلد گزر جانے والا بنانا چاہتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ وہ اپنے ایمان وعقیدہ کو زیادہ سے زیادہ پختہ بنائیں اور اپنی عملی زندگی کو زیادہ سے زیادہ طاعت وعبادت اور رضاء الٰہی کے کاموں سے معمور کریں۔

⑮ وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ مَاطُوْلُ هٰذَا الْيَوْمِ فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّهٗ لَيُخَفَّفُ عَلَى الْمُؤْمِنِ حَتّٰى يَكُوْنَ اَهْوَنَ عَلَيْهِ مِنَ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ يُصَلِّيْهَا فِي الدُّنْيَا رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ۔

"اور حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے اس دن (قیامت کے دن) کے بارے میں پوچھا گیا جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا کہ اس کی درازی کیا ہوگی (یعنی جب وہ دن اتنا زیادہ لمبا ہوگا تو لوگوں کا کیا حال ہوگا، کیا وہ حساب کتاب اور اپنا فیصلہ سننے کے لئے اس دن کھڑے رہ سکیں گے؟) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ دن کامل مسلمان پر آسان اور ہلکا کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ دن اس (کامل مسلمان کے لئے اس فرض نماز (کے وقت) سے بھی زیادہ آسان اور ہلکا ہو جائے گا جس کو وہ دنیا میں پڑھتا تھا۔ ان دونوں روایتوں کو بیہقیؒ نے کتاب البعث والنشور میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی طرح اہل ایمان کے حق میں بشارت ہے کہ اگر وہ ایمان کامل کے حامل ہیں اور ان کی دنیاوی زندگی اعمال صالحہ سے معمور ہے تو انہیں قیامت کے دن کی طوالت اور سختی سے مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کے سائے میں ہوں گے اور وہ دن تمام درازی وسختی کے باوجود ان کے حق میں اس طرح گزر جائے گا جیسے انہوں نے کوئی فرض نماز پڑھ لی ہو۔

کمال ایمان رکھنے والے لوگ حساب کتاب کے بغیر جنت میں جائیں گے

⑯ وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُحْشَرُ النَّاسُ فِيْ صَعِيْدٍ وَّاحِدٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ فَيَقُوْلُ اَيْنَ الَّذِيْنَ كَانَتْ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ فَيَقُوْمُوْنَ وَهُمْ قَلِيْلٌ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ ثُمَّ يُؤْمَرُ لِسَآئِرِ النَّاسِ اِلَى الْحِسَابِ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور اسماء بنت یزیدؓ (ابن سکن) رسول کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن لوگوں کو ایک فراخ وہموار میدان میں جمع کیا جائے گا، پھر ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو بستروں اور خواب گاہوں سے جدا رہتے تھے (یہ اعلان سن کر) اہل محشر میں سے بہت تھوڑے لوگ (جو اہل اسلام میں ہوں گے اٹھیں گے (یعنی مجمع سے نکل کر باہر آئیں گے) اور حساب کتاب کے (مرحلہ سے گزرے) بغیر جنت میں چلے جائیں گے، پھر باقی لوگوں سے حساب لینے کا حکم دیا جائے گا" (اس روایت کو امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: تتجافی جنوبھم عن المضاجع (جن کے پہلو بستروں اور خواب گاہوں سے جدا رہتے تھے) سے مراد یا تو وہ بندگان خدا ہیں جو رات میں اپنی پرسکون نیند کی راحت سے صرف نظر کر کے اور اپنے آرام دہ بستروں اور خواب گاہوں کو چھوڑ کر اپنے خالق کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں اور نماز تہجد پڑھتے ہیں! اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شاید وہ لوگ مراد ہوں جو صلوۃ الاوابین پڑھتے ہیں! نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ان سے وہ لوگ مراد ہوں جو عشا اور فجر کی نماز پڑھتے ہیں بہر حال حدیث کے ان الفاظ سے قرآن کریم کی ان آیتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عبادت گزار اور پاکباز بندوں کو یوں متعارف کرایا ہے کہ: اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۞ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَ آءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ بس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ (ایمان لانے اور خدا کے احکام ماننے سے) تکبر نہیں کرتے (جیسا کہ کافر لوگ تکبر کرتے ہیں اور از راہ نخوت خدا کا حکم ماننے سے انکار کرتے ہیں) نیز (رات کو ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں (خواہ عشاء فجر کی نماز یا تہجد کی نماز اور خواہ صلوۃ الاوابین پڑھنے کے لئے اور ان کے پہلو خواب گاہوں سے صرف علیحدہ ہی نہیں رہتے بلکہ وہ لوگ اپنے رب کو ثواب کی) امید اور (عذاب کے) خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں، پس کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے، یہ ان کو ان کے نیک اعمال کا صلہ ملا ہے" پس ان آیات میں ان صفات اور خوبیوں کا ذکر ہے جو اہل ایمان کا خاصہ ہیں اور جن میں سے بعض صفات تو ایسی ہیں جن پر خود ایمان ہی موقوف ہے اور بعض صفات ایسی ہیں جن پر ایمان کا کامل ہونا موقوف ہے نیز مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان وعمل کا کمال رکھنے والے بندگان خاص قیامت کے دن حساب کتاب کے مرحلہ سے محفوظ رہیں گے ان پر کوئی سختی نہیں ہوگی ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اور وہ اپنے رب کی بے پایاں عنایتوں اور رحمتوں کے سائے میں رہتے ہوئے حساب کتاب کے بغیر سیدھے جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔

"بہت تھوڑے لوگ" میں اس طرف اشارہ ہے کہ چونکہ اس دنیا میں اہل ایمان کی تعداد اہل کفر کی تعداد سے کم ہے اور برے لوگوں کے مقابلہ میں نیک لوگ کم ہوتے ہیں لہٰذا آخرت میں بھی اس دن ایسے لوگوں کی تعداد جو حساب کے بغیر جنت میں داخل کیے جانے کی سعادت کے سزاوار ہوں گے، نسبتاً کم نکلے گی پس یہ بات قرآن کریم سے بھی ثابت ہے کہ اہل حق اور نیکو کار لوگ ہمیشہ اقلیت میں ہوتے ہیں اور اہل باطل و بدکار لوگوں کی اکثریت ہوتی ہے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا گیا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ۔ مگر ہاں جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں! اور ایک موقع پر یوں ارشاد ہوا ہے۔

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ۔ اور میرے بندوں میں (طاعت و عبادت کے ذریعہ میرا) شکر ادا کرنے والے کم ہی ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان اور اہل حق کا اقلیت میں ہونا اور اس اقلیت میں ہونے کی وجہ سے ان کا مختلف قسم کے سماجی، معاشرتی اور سیاسی مصائب و آلام میں مبتلا ہونا اور طرح طرح کے ظلم و جور سہنا ان کے لئے کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے وہ تنگ دل اور مایوسی کا شکار ہوں بلکہ حقیقت میں ان کے خدا کی طرف سے ان کے لئے ایک اعزاز اور ایک سعادت ہے اور آخر کار جس کا صلہ انہیں ابدی راحتوں اور نعمتوں کی صورت میں ملنے والا ہے خدا کے ان بندگان خاص یعنی ایمان وعمل کا کمال رکھنے والوں کو حساب کتاب کے بغیر جنت میں اس لئے داخل کیا جائے گا کہ انہوں نے دنیا میں ہدایت کے راستہ کو اختیار کیا، خدا اور اس کے رسول کے احکام کی فرمانبرداری کی، دین کی راہ پر استقامت و استقلال کے ساتھ چلے، خدا کی رضا و خوشنودی کے لئے طاعت و عبادت کی مشقت برداشت کی، دنیا کی لذتوں اور راحتوں کو ترک کیا اور اس طرح انہوں نے "صبر" کا مقام اختیار کیا تو پھر ان کو خدا کے یہاں کی سعادتوں اور بے پایاں راحتوں کا مستحق ہونا ہی ہے، اور ایسے ہی لوگوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یوں بشارت دیتا ہے کہ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ط لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ط وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ط اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (اے محمد ﷺ) آپ ﷺ (مؤمنین کو میری طرف سے) کہیں کہ اے میرے ایمان والے بندو! تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو (یعنی طاعت پر دوام اور گناہوں سے پرہیز کرو) جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے (یعنی اگر تمہیں دین کی راہ میں اپنا وطن بھی چھوڑنا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کرو اور ہجرت کر کے دوسری جگہ چلے جاؤ) اور (ہم وعدہ کرتے ہیں کہ دین کی راہ میں) استقلال اختیار کرنے والوں (اور ہر طرح کی مشقت و تکلیف پر صبر کرنے والوں کو) ان کا صلہ بے حساب ملے گا۔

میزان اور پلصراط کے بارے میں کچھ باتیں: اہل سُنّت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میدان حشر میں (ترازو) کھڑی کرے گا جس کے دو پلے اور ایک چوٹی ہوگی، اور اس ترازو کے ذریعہ بندوں کے نیک اور برے اعمال کو وزن کریگا معتزلہ، مرجیہ اور خارجیہ فرقے کے لوگوں کو "ترازو" کے وجود سے انکار ہے وہ کہتے ہیں کہ "ترازو" سے مراد "میزان عدل" ہے، اعمال کا تولنا اور وزن کرنا مراد نہیں ہے لیکن قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی رو سے یہ لوگ جھوٹے ہیں خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ط وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ط وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ۝ اور وہاں ہم قیامت کے دن عدل کے لئے ترازو رکھیں گے (اور سب کے اعمال کا وزن کریں گے) پس کسی پر کسی بات کا ظلم نہ ہوگا اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی کی نیکی ہوگی تو اسے دی جائے گی (یعنی اس نیکی کو وہاں حاضر کرکے میزان عدل میں رکھا جائے گا) اور ہم ہی حساب کے لئے کافی ہیں ایک موقع پر یوں فرمایا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ۔ (پھر اعمال کے وزن کے بعد) جس شخص (کے ایمان و عمل) کا پلہ بھاری ہوگا وہ ہمیشہ عیش و راحت میں رہے گا اور جس شخص (کے ایمان و عمل) کا پلہ ہلکا ہوگا وہ دوزخ میں جائے گا۔

پس عدل کی تعریف سب کی اور گرانی درست نہیں، بلکہ اظہار عدل کے لئے در حقیقت ترازو میں اعمال کو تولنا مراد ہے، اور علماء نے لکھا ہے کہ یہ ترازو اللہ تعالیٰ کے اپنے دست قدرت میں ہوگی کیونکہ بندوں کا حساب اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے! چنانچہ ایک روایت میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ترازو ہوگی، ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ بلند کرے گا اور ایک کو پست کرے گا۔

بیان کیا گیا ہے کہ بندوں کی نیکیاں رائی کے دانہ اور چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کے برابر ہوں گی جو بہت خوبصورت ہونگی، انہیں نور کے پلے میں رکھا جائے گا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ پلہ بھاری ہو جائے گا، برائیوں کی شکل بہت بھونڈی ہوگی اور انہیں ظلمت کے پلے میں رکھا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ پلہ ہلکا ہو جائے گا اعمال کے تلنے میں لوگوں کا حال تین طرح سے ہوگا بعض وہ ہوں گے جن کے نیک اعمال کا پلہ برے اعمال کے پلہ کی نسبت سے بھاری ہوگا، ایسے لوگ بہشت میں جائیں گے، دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جن کے نیک اعمال کی نسبت ان کے برے اعمال کا پلہ بھاری ہوگا ایسے لوگ دوزخ میں جائیں گے، تیسرا گروہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہوگا جن کے نیک اعمال اور برے اعمال کے دونوں پلے برابر ہوں گے، ایسے لوگوں کو اعراف میں پہنچا دیا جائے گا اور پھر خواہ شفاعت کی وجہ سے سزا سے پہلے ہی خواہ سزا کے بعد ان کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

اہل سُنّت کے نزدیک، پل صراط پر ایمان لانا بھی واجب ہے، یہ وہ پل ہے جو دوزخ کی پیٹھ پر سے گزرتا ہے اور جو بال سے زیادہ باریک اور آگ سے زیادہ گرم اور تلوار سے زیادہ تیز ہے، قیامت کے دن تمام مخلوق کو اس پل پر سے گزارا جائے گا، جو اہل جنت ہوں گے وہ اپنے ایمان و عمل کے مراتب کے مطابق آسانی یا پریشانی کے ساتھ پل پر سے گزر کر جنت میں چلے جائیں گے اور جو اہل دوزخ ہوں گے وہ اس پر سے گر کر دوزخ میں جا پڑیں گے اہل ایمان کو ان کے عمل کے مطابق نور عطا کیا جائے گا جس کی روشنی میں وہ اس پل کے راستہ کو طے کریں گے ان میں سے بعض سوار ہو کر اور دوڑتے کے برابر ہو جائیں گے بعض گھٹنوں کے بل اور بعض سرین کے بل رینگتے ہوئے جائیں گے پل صراط کی مسافت آخرت کے سالوں کے حساب سے تین ہزار سال ہے! ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دوزخ پر سات پل ہیں اور ہر پل کے درمیان ستر برس کی مسافت جتنا فاصلہ ہے اور ہر پل تلوار کی دھار جتنا تیز ہے اس کے اوپر سے گزرنے والے گروہوں میں سے پہلا گروہ آنکھ جھپکتے ہی گزر جائے گا دوسرا گروہ اس طرح گزرے گا جس طرح بجلی اچک لے جاتی ہے تیسرا گروہ تیز ہوا کہ طرح گزر جائے گا، چوتھا گروہ پرندوں کی سی تیزی کے ساتھ گزر جائے گا پانچواں گروہ گھوڑوں کی طرح دوڑ کر گزر جائے گا چھٹا گروہ دوڑتے ہوئے آدمیوں کی طرح سے عبور کرے گا اور ساتواں گروہ پیدل چلنے والے لوگوں کی طرح گزر جائے گا، ان سب کے بعد آخر میں ایک گروہ باقی

رہ جائے گا جب انہیں گزرنے کے لئے کہا جائے گا تو وہ اپنا پاؤں پل صراط پر رکھیں گے، مگر ان کے پاؤں لرزنے لگیں گے، چنانچہ وہ گھٹنوں کے بل چلنے لگیں گے، اور دوزخ کی آگ کی چنگاریاں ان کے پاؤں اور پوست تک پہنچیں گی، تب یہ لوگ پیٹ کے بل گھسٹتے چلیں گے پھر ہاتھوں کے ذریعہ پل کے ساتھ لپٹ جائیں گے، آگ بھی ان سے لپٹ جائے گی، تب آگ سے چھٹکارا پانے کے لئے وہ پیٹ کے بل گھسٹنے لگیں گے یہاں تک کہ دوزخ کو عبور کرلیں گے، عبور کرنے کے بعد پلٹ کر دوزخ کی طرف نگاہ دوڑائیں گے اور کہیں گے جس اللہ نے اس (دوزخ) سے ہمیں پار کردیا ہے وہ پاک ہے، بیشک اس نے اپنے لطف وکرم سے میرے حال پر مہربانی فرمائی ہے، آج تک از اول تا آخر اس نے میرے سوا اور کسی پر فضل نہیں کیا، مجھے اپنے فضل سے پل صراط کے پنجہ سے رہائی دلائی۔

بَابُ الْحَوْضِ وَالشَّفَاعَةِ

حوض اور شفاعت کا بیان

حوض کے معنی: لغت میں "حوض" کے معنی ہیں "پانی جمع ہونا اور بہنا۔ اسی لئے جو گندا خون عورتوں کو ہر مہینہ آتا ہے۔ "حیض" کہلاتا ہے اور یہ لفظ بھی "حوض" ہی سے مشتق ہے! یہاں حوض سے وہ "حوض" (ہز) مراد ہے جو قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہوگا اور جس کی صفات و خصوصیات اس باب میں نقل ہونے والی احادیث سے معلوم ہوں گی۔

قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے دو حوض ہوں گے۔ ایک حوض تو میدان محشر میں پل صراط سے پہلے عطا ہوگا اور دوسرا حوض جنّت میں ہوگا اور دونوں کا نام کوثر ہوگا۔ واضح رہے کہ عربی میں "کوثر" کے معنی ہیں خیر کثیر یعنی بیشمار بھلائیاں اور نعمتیں! پھر زیادہ صحیح یہ ہے کہ میدان حشر میں جو حوض عطا ہوگا وہ "میزان" کے مرحلہ سے پہلے ہی ہوگا پس لوگ اپنی قبروں سے پیاس کی حالت میں نکلیں گے اور پہلے حوض پر آئیں گے۔ اس کے بعد میزان (یعنی اعمال کے تولے جانے) کے کا مرحلہ پیش آئے گا۔ اسی طرح میدان حشر میں ہر پیغمبر کا اپنا الگ حوض ہوگا جس پر اس کی اُمت آئے گی چنانچہ اس وقت تمام پیغمبر آپس میں فخر اظہار کریں گے کہ دیکھیں کس کے حوض پر زیادہ لوگ آتے ہیں ہمارے حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں امید رکھتا ہوں کہ میرے حوض پر آنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔

شفاعت کے معنی: "شفاعت کا مطلب ہے گناہوں کی معافی کی سفارش کرنا!" چنانچہ حضرت محمد ﷺ۔ قیامت کے دن بارگاہ رب العزت میں گنہگار اور مجرم بندوں کے گناہوں اور جرموں کے معاف کئے جانے کی درخواست پیش کریں گے اس لئے عام طور پر "شفاعت" کا لفظ اسی مفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے!۔ ویسے "شفاعت" کا لفظ شفع سے نکلا ہے جس کے اصل معنی جوڑا (جفت) کرنے، کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ ملانے، کے ہیں وتر (بمعنی طاق) کے مقابلہ پر شفع (بمعنی جفت) کا جو لفظ آتا ہے وہ اس معنی کے اعتبار سے ہے۔ اسی طرح زمین یا مکان میں ہمسائیگی کی وجہ سے جو حق خرید حاصل ہوتا ہے اس کو بھی "شفعہ" اسی معنی کی مناسبت سے کہا جاتا ہے۔ پس "شفاعت" میں بھی یہ معنی اس اعتبار سے موجود ہیں کہ شفاعت کرنے والا جرم وگناہ کرنے والے کی معافی کی درخواست پیش کرکے گویا خود کو اس مجرم وگناہ گار) کے ساتھ ملاتا ہے۔

شفاعت کی قسمیں: جن لوگوں نے اس دنیا میں کبیرہ اور صغیرہ گناہ کیے ہوں گے ان کے حق میں آنحضرت ﷺ کی شفاعت کا قبول ہونا اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ واضح رہے کہ شفاعت کی مختلف نوعیتیں ہوں گی۔ اور وہ تمام نوعیتیں آنحضرت ﷺ کی ذات کے لئے ثابت ہیں چنانچہ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جو صرف آنحضرت ﷺ کی ذات سے مخصوص ہوں گی اور بعض ایسی ہیں جن میں دوسروں کے ساتھ مشارکت ہوگی لیکن شفاعت کا دروازہ چونکہ سب سے پہلے آپ ﷺ ہی کھولیں گے اس لئے حقیقت میں تمام شفاعتیں لوٹ

کر آپ ﷺ ہی کی طرف منسوب ہوں گی اور علی الاطلاق تمام شفاعتوں کے والی آپ ﷺ ہی ہیں۔
شفاعت کی سب سے پہلی قسم "شفاعت عظمی" ہے اور یہ وہ شفاعت ہے جو تمام مخلوق کے حق میں ہوگی۔ اور یہ شفاعت کرنے کا شرف صرف ہمارے حضرت محمد ﷺ کو حاصل ہوگا۔ انبیاء کرام صلواۃ اللہ علیہم اجمعین میں سے بھی کسی کو اس شفاعت کی مجال وجرأت نہیں ہوگی اور اس شفاعت عظمی" سے مراد ہے تمام میدان حشر کے لوگوں کو راحت دینے، وقوف کی طوالت وشدت کو ختم کرنے، حساب کتاب اور پروردگار کے آخری فیصلے کو ظاہر کرنے اور تمام لوگوں کو محشر کی ہولناکیوں، شدتوں اور سختیوں سے چھٹکارا دینے کی سفارش کرنا اس کی تفصیل احادیث سے معلوم ہوگی! شفاعت کی دوسری قسم وہ ہے جس کے ذریعہ ایک طبقہ کو حساب کتاب کے بغیر جنّت میں پہنچانا مقصود ہوگا۔ آنحضرت کی ذات کے لئے اس شفاعت کا ثبوت بھی منقول ہے بلکہ بعض حضرات کے نزدیک یہ شفاعت بھی آنحضرت ﷺ ہی کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔ شفاعت کی تیسری قسم وہ ہے جس کی مدد سے ان لوگوں کو جنّت میں پہنچانا مقصود ہوگا جن کے نامہ اعمال میں ثواب اور گناہ مساوی طور پر ہوں گے۔ شفاعت کی چوتھی قسم وہ ہے جس کے ذریعہ ان لوگوں کو جنّت میں پہنچانا مقصود ہوگا جو اپنے گناہ اور جرائم کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ کے مستوجب قرار پائیں گے۔ چنانچہ آنحضرت ان لوگوں کے حق میں شفاعت کریں گے اور ان کو جنّت میں داخل کرائیں گے! شفاعت کی پانچویں قسم وہ ہے جس کے ذریعہ کچھ لوگوں کے درجات ومراتب اور ان کے اعزاز واکرام میں ترقی اور اضافہ کرنا مقصود ہوگا شفاعت کی چھٹی قسم وہ ہے جو ان گناہ گاروں کے حق میں ہوگی جنہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا اور وہ اس شفاعت کے بعد وہاں سے نکال کر جنّت میں پہنچائے جائیں گے، اس شفاعت کا حق مشترکہ ہوگا یعنی آنحضرت کے علاوہ دوسرے انبیاء، ملائکہ، علماء اور شہدا بھی اپنے اپنے طور پر اور اپنے اپنے لوگوں کے لئے یہ شفاعت کریں گے۔ شفاعت کی ساتویں قسم وہ ہے جس کے ذریعہ ان لوگوں کے عذاب میں تخفیف کرانا مقصود ہوگا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب ودوزخ کے مستوجب قرار دیئے جاچکے ہوں گے۔ شفاعت کی نویں قسم وہ ہے جو صرف اہل مدینہ کے حق میں ہوگی اور شفاعت کی دسویں قسم وہ ہے جو امتیاز واختصاص کے طور پر صرف ان لوگوں کے حق میں کی جائے گی۔ جنہوں نے آنحضرت کے روضہ اقدس کی زیارت کا شرف حاصل کیا جائے گا۔
علماء نے کہا ہے کہ شفاعت کے متعدد مواقع ومحل ہوں گے، شفاعت کا سب سے پہلا موقع تو وہ ہوگا جب لوگوں کو درگاہ رب العزت میں پیش کرنے کے لئے میدان محشر میں لاکر کھڑا کردیا جائے گا۔ اس وقت لوگ خوف وخجالت کے پسینے میں غرق ہوں گے، ہر ایک پر ہیبت ودہشت چھائی ہوگی ہر شخص مواخذہ وعذاب کے خوف سے کانپ رہا ہوگا اس وقت شفیع المذنبین ﷺ شفاعت کریں گے تاکہ لوگوں کو کچھ اطمینان وراحت مل جائے اور وہ بیٹھ کر دم لے سکیں پھر جب درگاہ رب العزت سے حکم ہوگا کہ ان سب کو لے جایا جائے اور حساب لیا جائے تو اس موقع پر بھی آپ ﷺ درخواست کریں گے کہ ان کو حساب سے مستثنیٰ قرار دیا جائے اور یوں ہی معاف فرمادیا جائے اور اگر سب کا حساب ضروری لیا جانا ہو تو سرسری حساب پر اکتفا کرلیا جائے، حساب میں سختی وشدت اور سخت بازپرس نہ کی جائے، کیونکہ جو بھی سخت حساب سے دوچار ہوگا، اس کا عذاب سے بچنا ممکن ہی نہیں ہوگا۔ پھر حساب کے بعد جو لوگ مستوجب عذاب قرار پائیں گے، ان کو دوزخ میں بھیجا جائے گا تو یہ موقع بھی شفاعت کا ہوگا تا آنکہ ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا تو آنحضرت ﷺ شفاعت کریں گے اور ان کو دوزخ سے نکلوا کر جنّت میں پہنچوائیں گے۔ غرضیکہ ان ہولناک مواقع پر شروع سے لے کر آخر تک رسول مختار ﷺ کی شفاعت اور غفار وکریم پروردگار کی رحمت وعنایت سے عفو وکرم کی بہت کچھ امید رکھنی چاہئے۔ ویسے جو کچھ بھی فیصلہ صادر ہو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حوض کوثر کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے موتیوں کے قبے ہونگے

① عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَنَا اَسِيْرُ فِى الْجَنَّةِ اِذَا اَنَا بِنَهْرٍ حَافَّتَاهُ قِبَابُ الدُّرِّ

الْمُجَوَّفِ قُلْتُ مَاهٰذَا يَا جِبْرَئِيْلُ قَالَ هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِيْ اَعْطَاكَ رَبُّكَ فَاِذَا طِيْنُهُ مِسْكٌ اَذْفَرُ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "میں (معراج کی رات میں) جنت کی سیر کر رہا تھا کہ اچانک میرا گزر ایک نہر پر ہوا جس کے دونوں طرف موتیوں کے گنبد تھے میں نے پوچھا کہ جبرائیل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ حوض کوثر ہے جو آپ ﷺ کو آپ کے پروردگار نے عطا کیا ہے۔ پھر جو میں نے دیکھا تو اس کی مٹی مثل مشک تیز خوشبودار تھی۔" (بخاریؒ)

تشریح: "مجوف" کے معنی ہیں کھوکھلا! مجوف موتی کے گنبد سے مراد یہ ہے کہ حوض کوثر کے دونوں کناروں پر جو گنبد اور قبے ہیں وہ اینٹ پتھر اور چونے گارے جیسی چیزوں سے تعمیر شدہ نہیں ہیں بلکہ ہر گنبد دراصل ایک بہت بڑا موتی ہے جو اندر سے کھوکھلا ہے اور جس میں نشست و رہائش کی جملہ آسائشیں موجود ہیں "جو آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے پروردگار نے عطا کیا ہے۔" کے ذریعہ آیت کریم اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ کی طرف اشارہ ہے جس کی تفسیر میں بہت سے مفسروں نے کہا ہے کہ اس آیت کریمہ میں "کوثر" سے مراد "خیر کثیر یعنی بیشمار بھلائیاں اور نعمتوں کی کثرت" ہے جو پروردگار نے آنحضرت ﷺ کو عطا فرمائی ہے، اس میں نبوت و رسالت، قرآن کریم اور علم و حکمت کی نعمتیں بھی شامل ہیں اور اُمت کی کثرت اور وہ تمام مراتب عالیہ بھی شامل ہیں جن میں ایک بہت بڑی نعمت آپ ﷺ کو آخرت میں مقام محمود، لوائے ممدود اور مذکورہ حوض کا عطا کیا جانے ہے۔ اس اعتبار سے اس بارہ میں کوئی منافات نہیں ہے کہ "کوثر" سے مراد "حوض کوثر" ہے یا "خیر کثیر" مراد ہونے کی صورت میں بشمول حوض کوثر، تمام ہی نعمتیں اور بھلائیاں اس میں شامل ہو جائیں گی اس طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام کے مذکورہ جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو "کوثر" عطا کیا ہے اسی میں کی ایک چیز یہ "حوض کوثر" ہے! بعض مفسرین نے "کوثر" کی مراد "اولاد اور علماء امت" لکھا ہے، لیکن یہ قول بھی "خیر کثیر" کے قول کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں (یعنی اولاد اور علماء امت) بھی "خیر کثیر" ہی میں داخل ہیں۔

حوض کوثر کی فضیلت

(۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَوْضِيْ مَسِيْرَةُ شَهْرٍ وَزَوَايَاهُ سَوَآءٌ وَمَآءُهُ اَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ وَرِيْحُهُ اَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَكِيْزَانُهُ كَنُجُوْمِ السَّمَآءِ مَنْ يَّشْرَبُ مِنْهَا فَلَا يَظْمَأُ اَبَدًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "میرا حوض، یعنی حوض کوثر، ایک ماہ کی مسافت کے بقدر دراز ہے اور اس کے چاروں کنارے برابر ہیں (یعنی لمبائی چوڑائی میں وہ مربع ہے) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، اور اس کی بو مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور اس کے آب خورے (اپنی چمک دمک اور کثرت و زیادتی کے اعتبار سے آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں اور جو شخص اس کا پانی پی لے گا اس کو پھر کبھی پیاس نہ لگے گی۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "اس کو پھر کبھی پیاس نہ لگے گی۔" اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں پانی یا کسی بھی مشروب کا پینا پیاس کی وجہ سے نہیں بلکہ حصول لذات کے لئے ہوگا جیسا کہ جنت میں کوئی چیز کھانا، بھوک کی بنیاد پر نہیں بلکہ ازراہ تنعم ہوگا کیونکہ جنت تو وہ نظام ہے جہاں کسی کو نہ بھوک لگے گی اور نہ پیاس، قرآن کریم میں اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ فرمایا گیا ہے، وان لک ان لا تجوع فیھا ولا تعری وانک لا تظمو أفیھا ولا تضحی یعنی یہاں جنت میں تو تمہارے لئے (یہ آرام) ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے رہوگے اور نہ ننگے ہوگے، بلاشبہ تم نہ یہاں پیاسے ہوگے اور نہ دھوپ میں تپوگے۔

حوض کوثر کی درازی اور اس کی خصوصیات

(۳) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ حَوْضِيْ اَبْعَدُ مِنْ اَيْلَةَ مِنْ عَدْنٍ لَهُوَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ

الثَّلْجِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ بِاللَّبَنِ وَ لَاٰنِيَتُهُ اَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ النُّجُوْمِ وَاِنِّىْ لَاَصُدُّ النَّاسَ عَنْهُ كَمَا يَصُدُّ الرَّجُلُ اِبِلَ النَّاسِ عَنْ حَوْضِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَعْرِفُنَا يَوْمَئِذٍ قَالَ نَعَمْ لَكُمْ سِيْمَآءُ لَيْسَتْ لِاَحَدٍ مِّنَ الْاُمَمِ تَرِدُوْنَ عَلَىَّ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِىْ رِوَايَةٍ لَهٗ عَنْ اَنَسٍ قَالَ تُرٰى فِيْهِ اَبَارِيْقُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ كَعَدَدِ نُجُوْمِ السَّمَآءِ وَفِىْ اُخْرٰى لَهٗ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ سُئِلَ عَنْ شَرَابِهٖ فَقَالَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ يَغُتُّ فِيْهِ مِيْزَابَانِ يَمُدَّانِهٖ مِنَ الْجَنَّةِ اَحَدُهُمَا مِنْ ذَهَبٍ وَالْاٰخَرُ مِنْ وَرِقٍ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میرے حوض یعنی "حوض کوثر" کے دونوں سروں کے درمیان کا فاصلہ ایلۃ اور عدن کے درمیانی فاصلہ سے بھی زیادہ ہے اور بلاشبہ اس حوض کا پانی برف سے بھی زیادہ سفید اور شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے جس میں دودھ ملا ہوا ہو اور اس کے آبخورے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں اور یقیناً میں دوسری امتوں کے لوگوں کو اس حوض پر آنے سے اس طرح روکوں گا اور بھگاؤں گا جس طرح کوئی شخص غیر لوگوں کے اونٹوں کو اپنے حوض پر آنے سے روکتا ہے (اور یہ روکنا اس وجہ سے ہوگا تاکہ اُمت محمدی ﷺ کی اس فضیلت و خصوصیت میں دوسرے لوگ شریک نہ ہوں اور اس اُمت کے لوگ دوسری امتوں کے لوگوں سے ممتاز و منفرد رہیں)" صحابہ نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا (اس وقت) آپ ہمیں پہچان لیں گے؟ (یعنی تمام مخلوق کے اتنے زبردست ازدحام میں کیا آپ کے لئے ممکن ہوگا کہ اپنی اُمت اور دوسری امتوں کے لوگوں کے درمیان امتیاز کر لیں اور وہ کونسی علامت ہوگی جس کو دیکھ کر آپ ﷺ اپنے امتیوں کو پہچان کر حوض کوثر پر آنے دیں گے اور غیر امتیوں کو وہاں آنے سے روکیں گے؟) آپ ﷺ نے فرمایا۔ "ہاں میں تمہیں (بڑی آسانی کے ساتھ) پہچان لوں گا" دراصل تمہاری ایک خاص علامت ہوگی، جس سے دوسری اُمت کے لوگ محروم ہوں گے، اور وہ علامت یہ ہوگی کہ جب تم میری طرف آؤ گے تو اس وقت تمہاری پیشانیاں اور تمہارے ہاتھ پاؤں، وضو کی نورانیت کے سبب روشن اور چمکدار ہوں گے۔" (مسلمؒ) اور مسلمؒ کی ایک اور روایت میں جو حضرت انسؓ سے منقول ہے، یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اس حوض میں سونے چاندی کے آبخورے ہوں گے جو (اپنی چمک دمک اور) تعداد کے اعتبار سے آسمان کے ستاروں کی طرح دکھائی دیں گے۔" اور مسلمؒ ہی کی ایک اور روایت میں حضرت ثوبانؓ سے یوں منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ سے اس حوض کے پانی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اس حوض کو لبریز رکھنے کے لئے اس میں دو زوردار پرنالے گرتے ہیں جو جنت (کی اس نہر) سے آتے ہیں (جس کا نام بھی کوثر ہے) ان میں کا ایک پرنالہ سونے کا ہے اور دوسرا چاندی کا۔"

تشریح: "ایلۃ" ایک شہر کا نام ہے جو ملک شام کا ایک ساحلی علاقہ تھا اور آج کل "اسرائیل" کی حدود میں واقع اور اس کی ایک بندرگاہ ہے جس کا موجودہ نام ایلات ہے یہ شہر بحر احمر (جس کو بحیرہ قلزم اور انگریزی میں ریڈسی کہتے ہیں) کے شمالی سرے پر واقع ہے۔ اور عدن، بحر احمر کے جنوبی سرے پر واقع ایک مشہور جزیرہ نما کا نام ہے جو کبھی یمن کا ایک شہر اور اس کی بندرگاہ تھا حضور ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ ایلہ اور عدن کے درمیان جتنا فاصلہ ہے اتنا ہی فاصلہ میرے حوض کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا ہے! واضح رہے کہ اس سلسلہ میں جو روایات منقول ہیں ان میں حضور ﷺ نے اپنے حوض کے دونوں سروں کے درمیانی فاصلے کو ظاہر کرنے کے لئے متعدد شہروں اور علاقوں کا ذکر فرمایا ہے، مثلاً اس حدیث میں مابین ایلہ اور عدن کا ذکر کیا ہے جب کہ آنے والی ایک حدیث میں مابین عدن اور عمان کا ذکر کیا ہے اسی طرح ایک اور حدیث میں مابین صنعاء اور مدینہ کا ذکر ہے، تو ان تمام حدیثوں میں مفہوم کی مطابقت و یکسانیت پیدا کرنے کے لئے یہ کہا جائے گا کہ مذکورہ شہروں کے درمیانی فاصلوں کے ذریعہ حوض کوثر کے دونوں سروں کے درمیانی فاصلہ اور اس کی درازی کو ظاہر فرمانا تحدید یعنی حد بندی کے طور پر نہیں ہے بلکہ تمثیلاً اور تقریباً ہے۔ مطلب یہ کہ آپ ﷺ نے اس سلسلہ کی جو بھی حدیث ارشاد فرمائی اور جو اشخاص اس وقت آپ ﷺ کے مخاطب تھے ان کی سمجھ بوجھ اور ان کی ذاتی معلومات کا لحاظ

رکھتے ہوئے ان کے سامنے محض تمثیل کے طور پر بیان فرمایا کہ میرے حوض کے دونوں سروں کا درمیانی فاصلہ تقریباً اتنا ہے جتنا فلاں دو شہروں کا درمیانی فاصلہ ہے۔

مرتدین کو حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا

④ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَ مَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ اَبَدًا لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُهُمْ وَ يَعْرِفُوْنَنِيْ ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَاَقُوْلُ اِنَّهُمْ مِنِّي فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "میں حوض کوثر پر تمہارا امیر سامان ہوں گا (یعنی وہاں تم سب سے پہلے پہنچ کر تمہارا استقبال کروں گا) جو شخص بھی میرے پاس سے گزرے گا وہ اس حوض کوثر کا پانی پئے گا اور جو شخص بھی اس کا پانی پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہیں رہے گا۔ وہاں میرے پاس (میری اُمت کے) کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جنہیں میں پہچان لوں گا اور وہ مجھے پہچان لیں گے لیکن پھر میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی جائے گی (تاکہ وہ مجھ سے اور حوض کوثر سے دور رہیں۔) میں (یہ دیکھ کر) کہوں گا کہ یہ لوگ تو میرے اپنے ہیں!؟ (یعنی یہ لوگ میری اُمت کے افراد ہیں، یا یہ کہ یہ وہ لوگ ہیں جو میرے صحابی رہے ہیں، پھر ان کو میرے پاس آنے سے کیوں روکا جا رہا ہے!؟) اس کے جواب میں مجھے بتایا جائے گا کہ آپ (ﷺ) کو نہیں معلوم، انہوں نے آپ (ﷺ) کے بعد کیا کیا نئی باتیں پیدا کیں ہیں (یہ سن کر) میں کہوں گا کہ وہ لوگ دور ہوں مجھ سے دور خدا کی رحمت سے دور، جنہوں نے میری وفات کے بعد دین و سنت میں تبدیلی کی۔" (بخاری و مسلمؒ)

تشریح: حدیث میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ حوض کوثر کی طرف آئیں گے لیکن ان کو آنحضرت ﷺ اور حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا، ان کے بارے میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ وہ کون لوگ ہوں گے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مراد ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مسلمان ہو گئے تھے اور جب تک آپ ﷺ اس دنیا میں رہے مسلمان ہی رہے، لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد وہ مختلف گمراہ کن تحریکوں جیسے مسیلمہ کذاب کے جھوٹے دعوی نبوت وغیرہ کا شکار ہو کر اسلام سے پھر گئے اور مرتد ہو گئے تھے پس حدیث کا مضمون گزشتہ "باب الحشر" کی چوتھی حدیث، جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، کے مضمون کی طرح ہے جس میں حضور نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میدان حشر میں جب میں اپنے کچھ لوگوں کو دوزخ کی طرف لیجاتے ہوئے دیکھوں گا تو کہوں گا کہ "یہ تو میرے صحابہؓ ہیں، یہ تو میرے صحابہؓ ہیں؟! لیکن پھر مجھے بتایا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آپ ﷺ کے سامنے مسلمان تھے لیکن آپ ﷺ کے بعد اسلام سے پھر گئے تھے۔ لہٰذا اس حدیث کے ضمن میں جو تشریح و تاویل کی گئی ہے اس کو یہاں بھی پیش نظر رکھا جائے۔

ایک احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ لوگوں سے مراد اہل بدعت ہوں جو دین میں نئی نئی باتیں نکالتے ہیں لیکن یہ بات چونکہ ثابت ہے کہ اس امت کا کوئی بھی گناہ گار خواہ اس کا گناہ کتنا ہی بڑا ہو، حوض کوثر پر آنے اور اس کا پانی پینے سے روکا نہیں جائے گا، اس لئے یہ احتمال سرے سے رد ہو جاتا ہے ہاں اگر "بدعت" کا تعلق دین و ملت میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرنے سے ہو جس سے اصول دین کی نفی ہوتی ہو اور نبوت و شریعت پر براہ راست اس طرح کی زد پڑتی ہو کہ اس پر کفر کا اطلاق ہو جائے تو اس درجہ کے اہل بدعت یقیناً "مرتد" ہی کہلائیں گے اور ان لوگوں کو اس حدیث کا محمول قرار دیا جا سکتا ہے۔

شفاعت سے تمام انبیاء کا انکار

⑤ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُحْبَسُ الْمُؤْمِنُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُهَمُّوْا بِذٰلِكَ فَيَقُوْلُوْنَ لَوِ اسْتَشْفَعْنَا اِلٰى رَبِّنَا فَيُرِيْحُنَا مِنْ مَّكَانِنَا فَيَاْتُوْنَ اٰدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ اَنْتَ اٰدَمُ اَبُو النَّاسِ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَ اَسْكَنَكَ جَنَّتَهٗ وَ

اَسْجَدَ لَكَ مَلٰٓئِكَتَهٗ وَعَلَّمَكَ اَسْمَآءَ كُلِّ شَيْءٍ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتّٰى يُرِيْحَنَا مِنْ مَّكَانِنَا هٰذَا فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ اَصَابَ اَكْلَهٗ مِنَ الشَّجَرَةِ وَقَدْ نُهِيَ عَنْهَا وَلٰكِنِ ائْتُوْا نُوْحًا اَوَّلَ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ اِلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ فَيَاْتُوْنَ نُوْحًا فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ اَصَابَ سُوَالَهٗ رَبَّهٗ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلٰكِنِ ائْتُوْا اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلَ الرَّحْمٰنِ قَالَ فَيَاْتُوْنَ اِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُ اِنِّيْ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ ثَلٰثَ كَذِبَاتٍ كَذَبَهُنَّ وَلٰكِنِ ائْتُوْا مُوْسٰى عَبْدًا اٰتَاهُ اللّٰهُ التَّوْرَاةَ وَكَلَّمَهٗ وَقَرَّبَهٗ نَجِيًّا قَالَ فَيَاْتُوْنَ مُوْسٰى فَيَقُوْلُ اِنِّيْ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ اَصَابَ قَتْلَهُ النَّفْسَ وَلٰكِنِ ائْتُوْا عِيْسٰى عَبْدَ اللّٰهِ وَرَسُوْلَهٗ وَرُوْحَ اللّٰهِ وَكَلِمَتَهٗ قَالَ فَيَاْتُوْنَ عِيْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَلٰكِنِ ائْتُوْا مُحَمَّدًا عَبْدًا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ فَيَاْتُوْنِيْ فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فِيْ دَارِهٖ فَيُؤْذَنُ لِيْ عَلَيْهِ فَاِذَا رَاَيْتُهٗ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِيْ مَاشَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّدَعَنِيْ فَيَقُوْلُ اِرْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَه قَالَ فَاَرْفَعُ رَاْسِيْ فَاُثْنِيْ عَلٰى رَبِّيْ بِثَنَآءٍ وَّتَحْمِيْدٍ يُعَلِّمُنِيْهِ ثُمَّ اَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِيْ حَدًّا فَاَخْرُجُ فَاُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَاُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ اَعُوْدُ الثَّانِيَةَ فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فِيْ دَارِهٖ فَيُؤْذَنُ لِيْ عَلَيْهِ فَاِذَا رَاَيْتُهٗ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِيْ مَاشَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّدَعَنِيْ ثُمَّ يَقُوْلُ اِرْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ تُسْمَعْ وَشَفِّعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَه قَالَ فَاَرْفَعُ رَاْسِيْ فَاُثْنِيْ عَلٰى رَبِّيْ بِثَنَآءٍ وَّتَحْمِيْدٍ يُعَلِّمُنِيْهِ ثُمَّ اَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِيْ حَدًّا فَاَخْرُجُ فَاُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَاُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ اَعُوْدُ الثَّالِثَةَ فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فِيْ دَارِهٖ فَيُؤْذَنُ لِيْ عَلَيْهِ فَاِذَا رَاَيْتُهٗ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِيْ مَاشَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّدَعَنِيْ ثُمَّ يَقُوْلُ اِرْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ قَالَ فَاَرْفَعُ رَاْسِيْ فَاُثْنِيْ عَلٰى رَبِّيْ بِثَنَآءٍ وَّتَحْمِيْدٍ يُعَلِّمُنِيْهِ ثُمَّ اَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِيْ حَدًّا فَاَخْرُجُ فَاُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَاُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ حَتّٰى مَا يَبْقٰى فِي النَّارِ اِلَّا مَنْ قَدْ حَبَسَهُ الْقُرْاٰنُ اَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُوْدُ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا قَالَ وَهٰذَا الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ الَّذِيْ وَعَدَهٗ نَبِيُّكُمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے دن (میدان حشر میں) مؤمنین کو روک دیا جائے گا (یعنی سب کو کسی ایک جگہ اس طرح محصور کر دیا جائے گا کہ کوئی شخص بھی کسی طرح کی نقل و حرکت نہیں کر سکے گا اور ہر شخص سکتے کی سی کیفیت میں ٹھہرا رہے گا) یہاں تک کہ سارے لوگ اس (محصور ہو جانے) کی وجہ سے سخت فکر و تردد میں پڑ جائیں گے، پھر وہ آپس میں تذکرہ کریں گے کہ کاش ہمیں کوئی ایسا شخص مل جاتا جو ہمارے پروردگار سے ہماری شفاعت کرتا اور ہمیں اس سختی و پریشانی سے چھٹکارا دلاتا اور پھر (کچھ لوگ سب کی نمائندگی کرتے ہوئے) حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور اسے کہیں گے کہ آپ آدم (علیہ السلام) ہیں، تمام لوگوں کے باپ، آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے (بلا کسی واسطہ وسیلہ کے) اپنے ہاتھ سے (یعنی اپنی قدرت کاملہ سے) پیدا کیا، آپ علیہ السلام کو جنت کی سکونت عطا فرمائی، اپنے فرشتوں سے (تحیہ کا) سجدہ آپ علیہ السلام کو کرایا، اور آپ علیہ السلام کو ہر چیز کے نام سکھائے: براہ کرم آپ علیہ السلام اپنے پروردگار سے (کہ جس نے آپ علیہ السلام کو اتنی زیادہ فضیلتیں اور اعزاز بخشے ہیں) ہماری سفارش کر دیجئے کہ وہ ہم کو اس (سخت ہولناک اور پریشان کن) جگہ سے نکال کر راحت و اطمینان بخشے حضرت آدم علیہ السلام (یہ سن کر کہیں گے) کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں (یعنی میں یہ مرتبہ (و رجہ نہیں رکھتا کہ آج کے دن بارگاہ کبریائی میں شفاعت کرنے کا حوصلہ کروں) پھر حضرت آدم علیہ السلام اپنی اس لغزش کا ذکر کریں گے جو انہوں نے (گیہوں کا) درخت کھانے کی صورت میں کی تھی درآنحالیکہ ان کو اس درخت کے قریب جانے سے بھی منع کر دیا گیا تھا، (اس کے بعد وہ کہیں گے کہ) تم لوگوں کو نوح علیہ السلام کے پاس جانا چاہئے (وہ تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں) کیونکہ وہ پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا تھا) وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے (اور ان سے شفاعت کے لئے درخواست کریں گے) حضرت نوح علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں! اور وہ اپنی اس لغزش کا ذکر کریں گے جو انہوں نے بے جانے بوجھے اللہ تعالیٰ سے (اپنے بیٹے کو غرق ہونے سے بچا لینے کی درخواست کرنے کی صورت میں کی تھی

(پھر وہ مشورہ دیں گے کہ) تم لوگوں کو ابراہیم علیہ السلام کے پاس" جو اللہ تعالیٰ کے خلیل (دوست ہیں، جانا چاہئے! آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ لوگ (یہ سن کر) ابراہیم خلیل اللہ کے پاس آئیں گے (اور ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں اور وہ دنیا میں تین مرتبہ اپنے جھوٹ بولنے کا ذکر کریں گے (پھر وہ مشورہ دیں گے کہ) تم لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو خدا کے ایسے بندے ہیں جن کو خدا نے (اپنی عظیم الشان کتاب) توریت عطا کی) اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء کو ان کا تابع بنایا، اور جن کو خدا نے براہ راست اپنی ہمکلامی کے شرف سے نوازا اور ان کو اپنا کمال قرب عطا فرما کر اپنا محرم اسرار بنایا۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا، وہ لوگ (یہ سن کر) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے (اور ان سے شفاعت کے لئے درخواست کریں گے) موسیٰ علیہ السلام ان کو جواب دیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں! اور وہ اپنی اس لغزش کا ذکر کریں گے جو ایک قبطی کو قتل کرنے کی صورت میں سرزد ہوگئی تھی (یعنی انہوں نے طیش میں آکر ایک قبطی کو مکا مار دیا تھا جس سے اس کا کام تمام ہو گیا تھا۔ پھر وہ مشورہ دیں گے کہ تمہیں عیسیٰ کے پاس جانا چاہئے جو خدا کے بندے اور رسول علیہ السلام ہیں۔ وہ سراسر روحانی ہیں (کہ جسمانی مادہ کے بغیر محض خدا کی قدرت سے پیدا ہوئے تھے اور دوسروں کی جسمانی حیات کا سبب بنے تھے بایں طور کہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے) اور وہ اللہ کا کلمہ ہیں (کہ ایک کلمہ کن سے پیدا ہوئے تھے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا، وہ لوگ (یہ سن کر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے (اور ان سے شفاعت کے لئے کہیں گے) حضرت عیسیٰ جواب دیں گے کہ میں اس مرتبہ کا سزاوار نہیں ہوں! البتہ تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جاؤ جو خدا کے ایسے بندے ہیں جن کے اگلے پچھلے سارے گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیئے ہیں (یقیناً وہی تم لوگوں کی شفاعت کریں گے۔) آنحضرت ﷺ نے فرمایا" تب لوگ (شفاعت کی درخواست لے کر) میرے پاس آئیں گے اور میں (ان کی شفاعت کے لئے تیار ہو جاؤں گا اور مقصد کی خاطر) در رب العزت پہنچ کر اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا، اللہ تعالیٰ مجھے اپنی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت مرحمت فرمائے گا! میں جب اس کے حضور میں پہنچ کر اس کو دیکھوں گا تو اس کی ہیبت وخوف کے مارے اور اس کی تعظیم کرنے کے لئے) سجدہ میں گر پڑوں گا اور اللہ تعالیٰ جتنا عرصہ مناسب سمجھے گا اتنے عرصہ کے لئے مجھے سجدہ پڑا رہنے دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ محمد (ﷺ)! سر اٹھاؤ، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو، تمہاری بات سنی جائے گی، تم (جس کے حق میں چاہو) شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی اور جو چاہتے ہو مانگو، میں تمہیں دوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔" (یہ سن کر) میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اس حمد وتعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائے گا اس کی حمد وثنا بیان کروں گا، پھر میں شفاعت کروں گا اور میرے لئے شفاعت کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی، اس کے بعد میں (درگاہ رب العزت سے) باہر آؤں گا اور اس (متعینہ) جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کراؤں گا پھر (دوسری جماعتوں کے حق میں شفاعت کرنے کے لئے) میں دوبارہ در رب العزت پر حاضر ہو کر اس کی خدمت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا مجھے اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائے گی اور جب میں اس کے حضور میں پہنچ کر اس کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گے اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں پڑا رہنے دے گا، پھر فرمائے گا کہ محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو، تمہاری بات سنی جائے گی، شفاعت کرو میں قبول کروں گا اور مانگو میں دوں گا۔" آنحضرت نے فرمایا۔" (یہ سن کر) میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اس حمد وتعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائے گا اس کی حمد وثنا بیان کروں گا پھر میں شفاعت کروں گا اور میرے لئے شفاعت کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی، اس کے بعد میں (درگاہ رب العزت سے) باہر آؤں گا اور اس متعینہ) جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کراؤں گا اور پھر میں تیسری مرتبہ بار درگاہ رب العزت پر حاضر ہو کر اس کی خدمت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا، مجھے اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائے گی اور جب میں پروردگار کے حضور پہنچ کر اس کو دیکھوں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا، اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں پڑا رہنے دیگا۔ پھر فرمائے گا محمد (ﷺ) اپنا سر اٹھاؤ، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو، تمہاری بات سنی جائے گی شفاعت کرو میں قبول کروں گا اور مانگو میں دوں گا۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔" (یہ سن کر) میں اپنا سر

اٹھاؤں گا اور اس حمد و تعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائے گا اس کی حمد و ثنا بیان کروں گا پھر میں شفاعت کروں گا اور میرے لئے شفاعت کی ایک حد مقرر کردی جائے گی۔ اس کے بعد میں (درگاہ رب العزت سے) باہر آؤں گا اور اس (متعینہ) جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کراؤں گا، یہاں تک کہ دوزخ میں ان کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہ جائے گا جن کو قرآن نے روکا ہوگا (یعنی اس آخری شفاعت کے بعد دوزخ میں وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے بارے میں قرآن نے خبر دی ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، چنانچہ حدیث کے اس جملہ کی وضاحت حضرت انسؓ کے نیچے کے راوی حضرت قتادہؓ جو جلیل القدر تابعی ہیں ان الفاظ میں کی ہے کہ) اس کا مطلب یہ ہے کہ بس وہ لوگ دوزخ میں باقی رہ جائیں گے جو (قرآن کے حکم کے بموجب) ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب دوزخ کے مستوجب قرار پاچکے ہیں (اور وہ کفار ہیں) پھر آنحضرت نے (یا حضرت انسؓ یا حضرت قتادہؓ نے اس بات کو مستند کرنے کے لئے) قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ امید ہے کہ آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔ اور پھر (آنحضرت ﷺ نے یا حضرت انسؓ نے یا حضرت قتادہؓ نے) فرمایا کہ (یہی وہ مقام محمود ہے، جس کا وعدہ خدا نے تمہارے نبی ﷺ سے کیا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "وہ پہلے نبی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے......الخ کے سلسلہ میں یہ اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تین نبی، حضرت آدم علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام دنیا میں آچکے تھے۔ تو حضرت نوح علیہ السلام دنیا والوں کی طرف آنے والے پہلے نبی کیونکر ہوئے!؟ اس کا واضح جواب یہ ہے کہ پہلے تینوں نبی جب دنیا میں آئے تو تمام روئے زمین صرف اہل کفر کی آماجگاہ نہیں تھی بلکہ اس دنیا میں اہل ایمان بھی موجود تھے اور گویا ان تینوں نبیوں کے مخاطب اہل ایمان اور اہل کفر دونوں تھے، ان کے برخلاف جب حضرت نوح علیہ السلام دنیا والوں میں آئے تو تمام روئے زمین پر صرف کافر ہی کافر تھے اہل ایمان کا وجود نہیں تھا، اس اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام دنیا میں آنے والے پہلے نبی ہیں جن کا واسطہ صرف کافروں سے تھا، اس اشکال کے کچھ اور جواب بھی علماء نے لکھے ہیں لیکن وہ زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔

اس مقام پر ایک خاص نکتہ کی طرف اشارہ کردینا ضروری ہے یہ جو فرمایا گیا ہے کہ جب تمام لوگ ابتدائی اور سب سے پہلے حضرت آدم کے پاس اور پھر یکے بعد دیگرے ایک ایک نبی کے پاس جائیں گے یہاں تک کہ آخر میں ہمارے حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر شفاعت کی درخواست کریں گے اور آپ ﷺ ان کی درخواست قبول کرلیں گے تو سوال یہ ہے کہ جب سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوگا کہ وہی ان لوگوں کے دلوں میں کسی شفاعت کرنے والے کے پاس جانے کا خیال ڈالے گا اور پہلا خیال حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ہوگا کہ وہی ان لوگوں کے دلوں میں آنحضرت ﷺ کا خیال ڈال دے اور وہ ایک ایک نبی کے پاس جانے کے بجائے صرف آنحضرت ﷺ ہی کی خدمت میں پہنچ جائیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس طول عمل میں اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی حکمت پوشیدہ ہوگی اور وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کا سب سے افضل و برتر ہونا تمام مخلوق کے سامنے ظاہر ہوجائے، اگر یہ ہو تو لوگ ابتدائی مرحلہ ہی میں آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر شفاعت کی درخواست کریں اور آپ ﷺ ان کی شفاعت کردیں تو یہ احتمال باقی رہے گا کہ دوسرے بھی شفاعت کی جرأت رکھتے ہوں گے اور اگر کسی اور نبی سے بھی شفاعت کی درخواست کی جاتی تو وہ بھی شفاعت کردیتا، لیکن جب وہ لوگ ایک ایک نبی کے پاس جاکر ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے اور ہر ایک شفاعت سے انکار کردے گا اور پھر آخر میں آنحضرت ﷺ سے درخواست کی جائے گی جس کو آپ ﷺ قبول کرکے ان کا مقصد پورا کردیں گے تو آنحضرت ﷺ کا سب سے عالی مرتبہ ہونا اور بارگاہ کبریائی میں کمال قرب رکھنا واضح طور پر ثابت ہوجائے گا اور ہر ایک پر یہ عیاں ہوجائے گا کہ آپ ﷺ کے مرتبہ و درجہ کا کوئی اور نہیں ہے۔ پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہمارے حضرت محمد ﷺ تمام مخلوق، حتیٰ کہ انسانوں فرشتوں اور تمام انبیاء تک پر فضیلت رکھتے ہیں کیونکہ شفاعت جو اتنا بڑا درجہ اور اتنا اہم کام ہے کہ کوئی بھی، خواہ وہ فرشتہ یا پیغمبر ہی کیوں نہ ہو اس کی جرأت

وحوصلہ نہیں کرے گا صرف آنحضرت ﷺ کریں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی جس لغزش کا ذکر کیا، اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت نوح کو مسلسل جھٹلانے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی سزا میں دنیا والوں پر پانی کا عذاب نازل ہوا اور تمام روئے زمین پر ہلاکت خیز پانی ہی پانی پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت نوح علیہ السلام اپنے گھر والوں اور اپنے ماننے والوں کی ایک مختصر تعداد کو لے کر ایک کشتی میں بیٹھ گئے تاکہ وہ سب طوفانی سیلاب کی ہلاکت خیزی سے محفوظ رہیں، اس وقت انہوں نے اپنے بیٹے کو جو کافروں کے ساتھ تھا، بلایا اور کہا کہ تم کافروں کا ساتھ چھوڑ دو اب بھی ایمان لے آؤ اور میرے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ، مگر ان کا وہ بیٹا نہ مانا اور آخر کار دوسرے تمام لوگوں کے ساتھ وہ بھی غرق ہو گیا، اس موقع پر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے اس بیٹے کے حق میں غرقابی سے نجات کی دعا مانگی تھی اور بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کیا تھا کہ۔

رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحَاكِمِیْنَ۔

"میرے پروردگار! میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے، (اس کو نجات دے) بے شک آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور آپ احکم الحاکمین ہیں۔"

اللہ تعالیٰ سے حضرت نوح علیہ السلام کی یہ درخواست چونکہ ایک ایسا امر تھا جس کو انہوں نے جانے بوجھے بغیر ظاہر کیا تھا اور اس بات کی تحقیق نہیں کر لی تھی کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی دعا مانگنی چاہئے یا نہیں، اس لئے ان پر بارگاہ خداوندی سے عتاب نازل ہوا کہ نوح ہم سے وہ چیز نہ مانگو جس کی حقیقت کا تمہیں علم نہیں ہے اور جس کے بارے میں تم نہیں جانتے کہ وہ چیز مانگی جانی چاہئے یا نہیں۔

"اور وہ دنیا میں تین مرتبہ جھوٹ بولنے کا ذکر کریں گے" حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی جن باتوں کو "جھوٹ" سے تعبیر کریں گے حقیقت میں ان پر "جھوٹ" کا اطلاق نہیں ہو سکتا، گو ظاہری حیثیت کے اعتبار سے وہ جھوٹ کی سی صورت رکھتی ہوں، لیکن انبیاء جس عالی مرتبہ کے ہوتے ہیں اور ان کا جو سب سے اونچا مقام ہوتا ہے اس کے پیش نظر ان کی اس طرح کی باتوں کو بھی جو ان کے مقام سے فروتر ہوں، بارگاہ رب العزت میں نظر انداز نہیں کیا جاتا اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین (بعض باتیں نیکوں کے حق میں تو نیکیاں ہوتی ہیں لیکن مقربین کے حق میں برائیاں ہوتی ہیں۔"

رہی یہ بات کہ وہ تین باتیں کیا تھیں جن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام "جھوٹ" کے طور پر اپنی لغزش بتائیں گے، تو ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اپنے کسی میلہ میں تماشہ دیکھنے آبادی سے باہر جانے لگی تو حضرت ابراہیم نے ارادہ کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گا اور جب یہ سب لوگ چلے جائیں گے تو ان کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر ان کے بت توڑ دوں گا جن کو یہ پوجتے ہیں اور میری بار بار کی تلقین و تنبیہ کے باوجود بت پرستی سے باز نہیں آتے، چنانچہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگوں کو جانا ہو تو جاؤ میں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا کیونکہ میں بیمار ہوں، ظاہر ہے کہ وہ دیکھنے میں جسمانی طور پر بیمار نہیں تھے، اور ان کا یہ کہنا کہ "میں بیمار ہوں" بظاہر جھوٹ سمجھا جا سکتا ہے، لیکن اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ان کی یہ بات "جھوٹ" میں شمار نہیں ہو سکتی کیونکہ جب انہوں نے یہ بات کہی تھی تو یہ مراد رکھ کر کہی تھی کہ تمہارے کفر و شرک اور تمہاری غلط حرکتوں نے میرے دل کو دکھی کر دیا ہے اور میں تمہارے غم میں اندرونی طور پر بیمار ہوں، دوسری بات یہ تھی کہ قوم کے لوگوں کے میلے میں چلے جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا اور جب ان لوگوں نے واپس آکر دیکھا کہ اپنے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔ ان کا یہ جواب بھی اپنی ظاہری حیثیت میں ایک جھوٹ نظر آتا ہے، لیکن یہاں بھی وہی صورت حال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات اس مراد کے ساتھ کہی تھی کہ یہ جو بڑا بت ہے یہ تمہاری عبادات و تعظیم کے لئے ایک ممتاز و منفرد حیثیت رکھتا ہے لہٰذا اس کا وجود اس بات کا باعث بنا کہ میں دوسرے چھوٹے چھوٹے بتوں کو توڑ دوں یا اس بات سے حضرت ابراہیم کا اصل مقصد ان لوگوں کا مذاق اڑانا اور ان کو شرمندہ کرنا تھا کہ جس بت کو تم سب سے

بڑا مانتے ہو اور سب سے زیادہ اس کی عبادت کرتے ہو، اس کی لاچاری اور بے وقعتی کا یہ عالم ہے کہ اس کے ساتھی بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا گیا مگر وہ کسی بت کو بچا نہیں سکا ایسی صورت میں کیا یہ بت تمہاری پرستش کا مستحق ہو سکتا ہے!؟ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسا کہ ایک شخص تو بہت زیادہ خوشخط ہو اور اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص، بہت زیادہ بدخط ہو، اور وہ بدخط شخص خوش خط شخص کی کسی لکھی ہوئی تحریر کو دیکھ کر کہے کہ کیا یہ تحریر تم نے لکھی ہے اور خوشخط شخص اس کے جواب میں کہے کہ جی نہیں، یہ تو تم نے لکھی ہے، ظاہر ہے کہ اس جواب کے ذریعہ وہ یہی واضح کرتا ہے کہ تم تو اتنی اچھی تحریر ہرگز نہیں لکھ سکتے، پھر یہاں میرے علاوہ اور کون لکھنے والا ہو سکتا ہے! تیسری بات یہ تھی کہ انہوں نے اپنی بیوی یعنی حضرت سارہ کو ایک بدکار کافر کے ہاتھوں سے بچانے کے لئے کہا تھا کہ یہ عورت میری بہن ہے یہ بات بھی بظاہر "جھوٹ" کے دائرہ میں آتی ہے، لیکن اگر اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ ایک مؤمن کی مؤمنہ بیوی بہرحال اس کی دینی بہن ہوتی ہے اور یہ بات کہنے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد بھی یہی تھی کہ یہ عورت میری دینی بہن ہے، تو اس پر جھوٹ کا طلاق کیسے ہو سکتا ہے، ویسے یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چچازاد بہن بھی تھیں، اس اعتبار سے بھی ان کا سارہ کو بہن کہنا کوئی جھوٹ نہیں تھا۔

اب حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف آئیے، دوسرے انبیاء کے برخلاف حضرت عیسی شفاعت کی درخواست لے کر آنے والوں کے سامنے اپنے کسی عذر کو بیان نہیں کریں گے اور نہ اپنی کسی لغزش کا ذکر کریں گے، اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ حضرت عیسی اس وقت اپنا کوئی عذر بیان کرنے میں توقف شاید اسی لئے کریں گے کہ وہ اس تہمت کی وجہ سے جو عیسائیوں کی طرف سے ان کو اللہ کا بیٹا کہے جانے کی صورت میں ان پر تھوپی گئی ہے، اس درجہ شرمندہ و نادم ہوں گے کہ وہ اپنی خاموشی ہی کو زبان حال سے عذر بنالیں گے ویسے بعض روایتوں میں ان کے کچھ عذر نقل بھی کیے گئے ہیں، بہرحال اصل بات یہ ہے کہ شفاعت کا درجہ صرف ہمارے حضرت محمد ﷺ کو حاصل ہو گا جو سید المرسلین اور امام النبیین ہیں، آپ ﷺ کے علاوہ دوسرے تمام انبیاء اور رسول صلوت اللہ علیہم اجمعین شفاعت کے مقام پر کھڑا ہونے اور بارگاہ رب العزت میں شفاعت کرنے سے عاجز و قاصر ہیں، ان کو یہ بلند و بالا مرتبہ عطا ہی نہیں ہوا ہے، لہٰذا شفاعت کی درخواست لے کر آنے والوں کے سامنے انہیں کوئی عذر بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی، اور وہ سب یا ان میں سے کچھ انبیاء کوئی عذر بیان بھی کریں گے تو اس کا تعلق صرف ظاہری طور پر اپنی صوابدید سے ہوگا، اسی لئے دوسری حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ سارے انبیاء کوئی عذر بیان کیے بغیر صرف یہی کہیں گے کہ ہم اس عظیم الشان امر کے اہل نہیں ہیں۔

"جن کے اگلے پچھلے سارے گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیے ہیں۔" اس جملہ کے سلسلہ میں واضح رہے کہ تمام ہی انبیاء معصوم عن الخطا یعنی گناہوں سے محفوظ ہیں چہ جائیکہ رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی کہ آپ ﷺ تو بدرجہا اولی اس سے پاک و منزہ ہیں کہ کسی گناہ کی نسبت بھی آپ ﷺ کی طرف ہو، پس یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں یہ کہنا کہ "ان کے سارے اگلے پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیے ہیں۔" کیا معنی رکھتا ہے؟ اس بارے میں علماء نے مختلف باتیں کہی ہیں اور اس جملہ کی متعدد تاویلیں منقول ہیں، لیکن زیادہ واضح تاویل یہ ہے کہ یہ جملہ دراصل بارگاہ رب العزت کی جانب سے سید المرسلین ﷺ کے عظیم اعزاز اور آپ ﷺ کی برتر فضیلت کے اظہار کا ذریعہ ہے قطع نظر اس امر کے کہ آپ ﷺ سے کوئی گناہ سرزد ہوا اور اس کی بخشش کی جائے! اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جب کوئی امر مطلق اور بادشاہ اپنے کسی خاص مصاحب کو ہر حالت میں اپنا مطیع و فرمانبردار پرکھ لیتا ہے اور اس کی وجہ سے اس سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے تو اپنے دوسرے مصاحبوں اور رعایا کے لوگوں کے درمیان اس خاص مصاحب کی امتیازی اور مخصوص حیثیت کو ظاہر کرنے کے لئے اس سے یہ کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں معاف کیا خواہ تم نے کچھ ہی کیا ہو اور آئندہ تم جو کرو وہ بھی معاف، تم پر کوئی مواخذہ اور گرفت نہیں۔

"اور میں در رب العزت پر پہنچ کر اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا" یہ جملہ حدیث کی اس عبارت۔"

کا آزاد ترجمہ ہے اگر اس عبارت کا لفظی ترجمہ کیا جائے تو وہ یوں ہوگا کہ پس میں اپنے پروردگار کے پاس اس کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت طلب کروں گا۔" اس صورت میں کہا جائے گا کہ "اس کے مکان" سے مراد اس کی طرف سے عطا ہونے والے اجر و ثواب کی جگہ یعنی جنت ہے۔" لیکن یہ مراد گنجلک ہے، زیادہ واضح تاویل وہ ہے جو تورپشتی نے بیان کی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ "پروردگار کے پاس اس کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے" سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے یہ اجازت مانگیں گے کہ وہ آپ ﷺ کو اس مقام میں داخل ہونے کی اجازت عطا کرے جہاں کسی کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے جہاں پہنچ کر جو بھی عرض و دعا کی جائے، اس کا منظور و مقبول ہونا یقینی ہے اور جہاں پہنچ کر کھڑے ہونے والے اور پروردگار کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں ہے، اور یہ وہ مقام ہے جس کو مقام محمود" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی کو "مقام شفاع" بھی کہتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ پروردگار تو مکان و لامکان کی قید سے پاک ہے، اس کو جہاں بھی پکارا جائے اور جس جگہ بھی اس سے عرض و دعا کی جائے وہ وہیں موجود ہے اور وہیں سنتا اور دیکھتا ہے تو پھر اس کی کیا ضرورت ہوگی کہ آنحضرت ﷺ میدان حشر میں جس جگہ لوگوں کی شفاعت کی درخواست قبول کریں گے وہاں سے چل کر اس مقام خاص پر بارگاہ رب العزت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کریں گے اور پھر عرض و معروض کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موقف (یعنی میدان حشر کہ جہاں لوگ ٹھہرے ہوں گے) دراصل ایک ایسے ملکی نظام کی طرح ہوگا جو کسی باقاعدہ اور مہذب حکومت کے تحت ہو، جہاں ہر شخص کے مرتبہ و درجہ کے مطابق طریق کار اور نظم عمل کا اصول کارفرما ہو، چنانچہ اس وقت آنحضرت ﷺ "شافع" کی حیثیت رکھیں گے اور "شافع" کا یہ حق ہے کہ وہ اعزاز و اکرام کی جگہ آکر کھڑا ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے دل میں یہ بات ڈالے گا کہ وہ اس جگہ سے چل کر کہ جو خوف و ہولناکی اور وحشت و گھبراہٹ سے گھری ہوگی، اس جگہ آئیں جو آپ ﷺ کے اعزاز و اکرام کا مقام ہے، تاکہ آپ وہاں اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ عرض و معروض کر سکیں۔

اور اس حمد و تعریف کے ساتھ کہ جو پروردگار مجھے سکھلائے گا......الخ سے حضور نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ اس وقت میں جن الفاظ، جس اسلوب اور جس انداز میں اللہ رب العزت کی تعریف و توصیف بیان کروں گا وہ کیا ہوگا۔ اس وقت اس کا علم مجھے بھی نہیں ہے وہ سب کچھ مجھے اسی وقت سکھایا اور بتایا جائے گا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف اس موقع اور اس مقام کی مناسبت سے جس قدر وسعت و گہرائی رکھ سکتی ہے اس کا ادراک یہاں کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اسی اعتبار سے اس مقام کو "مقام حمد" اور مقام محمود کہتے ہیں۔ حدیث کے اس جزو سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جو شخص کسی سے سفارش کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ پہلے اس (سفارش قبول کرنے والے) کی تعریف و توصیف کرے تاکہ اس کا قرب اور اس کی توجہ حاصل کر سکے اور قبول سفارش سے نوازا جائے۔

"پھر میں شفاعت کروں گا" کے ضمن میں قاضیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی خوب خوب حمد ثنا کریں گے اور پھر اس حمد و ثناء کے بعد شفاعت کی اجازت پا کر امتی امتی کہنا شروع کریں گے۔

"اور میرے لئے شفاعت کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے یہ متعین فرما دے گا کہ ایسے ایسے گنہگاروں کی شفاعت کرو، مثلاً وہ فرمائے گا کہ اپنی امت کے ان لوگوں کی شفاعت کرو جو زنا کار تھے، یا جو بے نمازی تھے اور یا جو شراب نوش تھے، چنانچہ میں اسی تعین کے ساتھ شفاعت کروں گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے زانیوں کے حق میں تمہاری سفارش قبول کی، پھر فرمائے گا کہ میں نے بے نمازیوں کے حق میں تمہاری شفاعت قبول کی۔ اسی پر دوسرے طبقوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

اور اس جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کراؤں گا اس موقع پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث کے شروع میں تو یہ مذکور ہے کہ شفاعت کی درخواست کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کو میدان حشر میں محصور کیا گیا ہوگا اور وہاں کی تنگی و سختی اور کرب و ہولناکی سے تنگ آکر آپ ﷺ کی سفارش چاہیں گے تاکہ آپ ﷺ انہیں اس جگہ کی پریشانیوں اور ہولناکیوں سے نجات دلائیں لیکن

یہاں حدیث کے اس جزو میں جب بارگاہ خداوندی میں حضور ﷺ کی شفاعت کرنے اور آپ ﷺ کی شفاعت قبول ہونے کا ذکر آیا، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس جماعت کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کراؤں گا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جنہیں دوزخ میں بھیجا جا چکا ہوگا!؟ اس کے دو جواب ہیں، ایک تو یہ کہ شاید اہل ایمان کے دو طبقے ہونگے ایک طبقہ کو تو (جو اپنے گناہوں کے سبب سزا کا مستوجب ہوگا) میدان حشر میں محصور کیے بغیر دوزخ میں بھیج دیا جائے گا، اور یہی طبقہ آنحضرت ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرے گا، چنانچہ آپ ﷺ شفاعت کے ذریعہ اس طبقہ کو اس بدترین حالت سے کہ جس میں وہ گرفتار ہوگا نجات دلا کر جنت میں پہنچوائیں گے اور پھر اس کے بعد آپ ﷺ اس طبقہ کے حق میں جماعت جماعت کر کے شفاعت فرمائیں گے جو دوزخ میں ڈالا جا چکا ہوگا، اور متعدد دفعوں میں ان کو دوزخ سے نکلوا کر جنت میں داخل کروائیں گے! اس جواب کا حاصل یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں یہاں صرف اسی ایک طبقہ کا ذکر فرمایا اور اختصار کلام کے طور پر دوسرے طبقہ کے ذکر کو حذف فرما دیا کیونکہ اس ایک طبقہ کو نجات دلانے کے ذکر سے دوسرے طبقہ کو نجات دلانا بطریق اولی مفہوم ہو جاتا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں یہاں "نار" (یعنی آگ) کا لفظ منقول ہے جس کا ترجمہ "دوزخ" کیا گیا ہے" لیکن ہو سکتا ہے کہ "نار" یعنی آگ سے مراد "دوزخ" نہ ہو بلکہ وہ سخت حبس، تپش اور گرمی مراد ہو جو میدان حشر میں سورج کے بہت قریب آجانے کی وجہ سے وہاں محسوس کی جائے گی اور "نکلوانے" سے مراد اس سخت تپش اور گرمی سے لوگوں کو چھٹکارا دلانا ہو، اس صورت میں حدیث کی اس عبارت فاخرجھم من النار وادخلھم الجنۃ کا مفہوم یہ ہوگا کہ میں شفاعت قبول ہونے کے بعد درگاہ رب العزت سے باہر آؤں گا اور لوگوں کو سخت ترین تپش اور گرمی سے چھٹکارا دلا کر جنت تک پہنچواؤں گا یہ جواب اگرچہ ایک ایسی وضاحت ہے جس پر مجازی اسلوب کا اطلاق ہو سکتا ہے، مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہی جواب حقیقت امر کے بہت قریب ہے اور حدیث کے اصل موضوع کے نہایت مناسب، کیونکہ اس ارشاد گرامی میں جس شفاعت کا ذکر ہو رہا ہے اس سے "شفاعت عظمی" مراد ہے جس کو آنحضرت کے ایک ارشاد ادم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ۔ کے بموجب مقام محمود اور لوائے ممدود سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس شفاعت عظمی کا اصل مقصد تمام مخلوق کو میدان حشر کی پریشانیوں اور ہولناکیوں سے چھٹکارا دلانا، جہاں وہ حساب کے انتظار میں کھڑے ہوں گے اور ان کا حساب جلد کرنا ہوگا، نیز یہی وہ شفاعت ہے جو صرف آنحضرت کے لئے مخصوص ہے، اس کے بعد پھر خود آنحضرت ﷺ، دوسرے انبیا، اولیاء علماء، صلحاء، شہدا اور فقراء کی طرف سے متعدد شفاعتیں ہوں گی جن کی تفصیل ابتدا کے باب میں بیان ہو چکی ہے۔

"یہی وہ مقام محمود ہے...... الخ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اس آیت میں حضور کے لئے جس "مقام محمود" کا وعدہ کیا ہے وہ اسی "شفاعت عظمی" کا مقام ہے جو آپ ﷺ کے سوا کسی اور کو عطا نہیں ہوگا۔

واضح رہے کہ اس مقام کی صفت لفظ "محمود" کے ساتھ یا تو اس اعتبار سے ہے کہ اس مقام پر کھڑا ہونے والا اس کی تعریف کرے گا اور اس کو سراہے گا، یا اس اعتبار سے ہے کہ آنحضرت ﷺ اس مقام پر کھڑے ہو کر اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کریں گے اور یا اس اعتبار سے ہے کہ وہ مقام عطا ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی تعریف و توصیف تمام اولین و آخرین مخلوق کی زبان پر ہوگی۔

آنحضرت ﷺ کی شفاعت

⑥ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِيْ بَعْضٍ فَيَاْتُوْنَ اٰدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ اشْفَعْ اِلٰى رَبِّكَ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِاِبْرَاهِيْمَ فَاِنَّهٗ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ فَيَاْتُوْنَ اِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوْسٰى فَاِنَّهٗ كَلِيْمُ اللّٰهِ فَيَاْتُوْنَ مُوْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيْسٰى فَاِنَّهٗ رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ فَيَاْتُوْنَ عِيْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ فَيَاْتُوْنِيْ فَاَقُوْلُ اَنَا لَهَا فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فَيُؤْذَنُ لِيْ وَيُلْهِمُنِيْ مَحَامِدَ اَحْمَدُهٗ بِهَا لَا تَحْضُرُنِي الْاٰنَ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَاَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ

رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ شَعِيْرَةٍ مِّنْ اِيْمَانٍ فَانْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّلَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ اَوْخَرْدَلَةٍ مِّنْ اِيْمَانٍ فَانْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّلَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ اَدْنٰى اَدْنٰى اَدْنٰى مِثْقَالِ حَبَّةِ خَرْدَلَةٍ مِّنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَانْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ الرَّابِعَةَ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ ائْذَنْ لِيْ فِيْمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ لَكَ وَلٰكِنْ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكِبْرِيَآئِيْ وَعَظْمَتِيْ لَاُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

(متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جب قیامت کا دن ہوگا تو (میدان حشر میں) لوگ ایک دوسرے کے ساتھ عجب اضطراب و افراتفری کی حالت میں ہوں گے (یعنی وہاں کی سختی و تنگی اور ہولناکی سے بیتاب ہوکر ادھر ادھر بھاگے پھریں گے اور آپس میں صلاح و مشورہ کریں گے کہ اس ہولناکی سے چھٹکارے کی کیا راہ نکالی جائے) چنانچہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ آپ علیہ السلام اپنے پروردگار سے شفاعت کر دیجئے (کہ وہ ہمارے حساب و کتاب کا حکم جاری فرمادے اور ہمیں اجر و ثواب یا عذاب دے کر ہمارا معاملہ ایک طرف کرے) حضرت آدم جواب دیں گے کہ میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں، البتہ تم لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کے دوست ہیں (اور تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں) وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی انہیں یہ جواب دیں گے کہ میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں، البتہ تم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کے کلیم ہیں (اور تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں) وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی یہی جواب دیں گے کہ میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں، البتہ تم لوگوں کو عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہئے جو اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں (اور تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں) وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی جواب دیں گے کہ میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں اور تمہیں محمد (ﷺ) کے پاس جانا چاہئے (وہی تمہاری شفاعت کر سکتے ہیں)۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "تب لوگ میرے پاس آئیں گے (اور مجھ سے شفاعت کی درخواست کریں گے) میں ان سے کہوں گا کہ ہاں بے شک میں شفاعت کا اہل ہوں (کہ یہ کام میں ہی کر سکتا ہوں، کسی اور کے بس کا نہیں ہے پھر میں بارگاہ رب العزت میں پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا، مجھے پیش ہونے کی اجازت عطا کی جائے گی اور (اس کے ساتھ ہی) اللہ تعالیٰ میرے دل میں اپنی حمد و ثنا کے الفاظ ڈالے گا جس کے ذریعہ (اس وقت) میں اس کی حمد و ثنا کروں گا اور وہ حمد و ثنا، (کن الفاظ اور کس اسلوب میں ہوگی اس وقت مجھے معلوم نہیں ہے، بہرحال (جب میں اس کی بارگاہ میں پیش ہوں گا اور اس کو دیکھوں گا تو) سجدہ میں گر پڑوں گا اور اس کی وہی حمد و ثنا بیان کروں گا، پھر مجھ سے کہا جائے گا کہ محمد! اپنا سر اٹھاؤ، جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو تمہاری بات سنی جائے گی، جو مانگنا چاہتے ہو مانگو میں دونگا، اور جو شفاعت کرنا چاہتے ہو کرو میں قبول کروں گا۔ میں (سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد یا سجدہ ہی میں) عرض کروں گا کہ میرے پروردگار! میری اُمت کو بخش دیجئے، میری اُمت پر رحم فرمایئے (یا یہ مطلب ہے کہ میرے پروردگار میں اپنی اُمت کے بارے میں شفاعت کرتا ہوں) مجھ سے کہا جائے گا کہ جاؤ ہر اس شخص کو (دوزخ سے) نکال لو جس کے دل میں جو برابر بھی ایمان ہے، پس میں جاؤں گا اور پروردگار کے حکم کے مطابق عمل کروں گا، اس کے بعد میں پھر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گا اور انہیں الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتا ہوا سجدہ میں گر پڑوں گا پھر مجھ سے کہا جائے گا محمد! اپنا سر اٹھاؤ جو کہنا چاہتے ہو کہو تمہاری بات سنی جائے گی جو مانگنا چاہتے ہو مانگو میں دوں گا اور جو شفاعت کرنا چاہتے ہو کرو میں قبول کروں گا

میں عرض کروں گا میرے پروردگار! میری اُمت کو بخش دیجئے، میری اُمت پر رحم فرمایئے! مجھ سے کہا جائے گا کہ جاؤ اور ہر اس شخص کو دوزخ سے) نکال لو جس کے دل میں ذرے یا رائی کے برابر بھی ایمان ہے پس میں جاؤں گا اور پروردگار کے حکم کے مطابق عمل کروں گا. اس کے بعد پھر میں بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گا اور انہی الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوا سجدہ میں گر پڑوں گا۔ پھر مجھ سے کہا جائے گا کہ محمدؐ! اپنا سر اٹھاؤ جو کہنا چاہتے ہو کہو تمہاری بات سنی جائے گی جو مانگنا چاہتے ہو مانگو میں دوں گا اور جو شفاعت کرنا چاہتے ہو کرو میں قبول کروں گا میں عرض کروں گا کہ میرے پروردگار! میری اُمت کو بخش دیجئے، میری اُمت پر رحم فرمایئے مجھ سے کہا جائے گا کہ جاؤ اور ہر اس شخص کو (دوزخ سے) نکال لو جس کے دل میں رائی کے ادنی سے ادنی دانہ برابر بھی ایمان ہے۔ پس میں جاؤں گا اور پروردگار کے حکم کے مطابق عمل کروں گا۔ اس کے بعد پھر میں چوتھی مرتبہ بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گا اور انہیں الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوا سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر مجھ سے پوچھا جائے گا کہ محمدؐ! اپنا سر اٹھاؤ جو کہنا چاہتے ہو کہو تمہاری بات سنی جائے گی جو مانگنا چاہتے ہو مانگوں میں دوں گا اور جو شفاعت کرنا چاہتے ہو کرو میں قبول کروں گا۔ میں عرض کروں گا میرے پروردگار (اب) مجھے اس شخص کی بھی شفاعت کی اجازت مرحمت فرما دیجئے جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو پروردگار فرمائے گا کہ نہیں، اس کام سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اپنے عزت و جلال اور اپنی ذاتی و صفاتی عظمت و بڑائی کی قسم، اس شخص کو میں خود دوزخ سے نکالوں گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو گا۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "جس کے دل میں جو برابر بھی ایمان ہو۔" واضح رہے کہ اس طرح کے جملوں، یعنی "جس کے دل میں جو برابر یا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر اور یا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر اور یا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو کی توضیح و تاویل میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں اور یہ اختلاف اقوال پر مبنی ہے جو اصل ایمان کی بحث کے سلسلہ میں ان کے درمیان پایا جاتا ہے، یہ ایک لمبی چوڑی بحث ہے اور کتاب الایمان وغیرہ میں مختلف مواقع پر گزر بھی چکی ہے اس موقع پر صرف اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ مذکورہ جملوں میں جس چیز کو جو یا رائی یا ذرہ کے برابر فرمایا گیا ہے اس سے حقیقی ایمان مراد نہیں ہے بلکہ از قسم خود خیر و بھلائی وہ چیز مراد ہے جو ایمان کے ثمرات و نتائج، ایقان کی روشنی اور عرفان کے نور سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اس چیز پر حقیقت ایمان کا اطلاق اس لئے نہیں کیا جا سکتا کہ اصل ایمان جو تصدیق قلبی (یعنی خالص دل سے ماننے) اور ایسے ہی اقرار لسانی (زبان سے سچا اقرار کرنے) کا نام ہے، ایک ایسا جوہر ہے جس کو اجزاء اور حصوں میں تقسیم ہی نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس پر کمی و زیادتی کا اجراء ہو سکتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل ایمان (یعنی نفس تصدیق قلبی اور یقین دلی، نہ تو گھٹتا بڑھتا ہے اور نہ اس کو کسی مقدار یا حصہ میں بانٹا جا سکتا ہے۔ پس جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے اور اس پر کمی و بیشی کا اطلاق ہو سکتا ہے اگر ان کے اس قول کو اچھے اور برے اعمال کے اعتبار سے ایمان کے ثمرات و درجات میں کمی و زیادتی پر محمول کیا جائے تو اس صورت میں معلوم ہو گا کہ مذکورہ مسئلہ سے متعلق علماء کے درمیان درحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ ان کے اختلافی اقوال محض لفظی اختلاف اور صوری نزاع ہے۔

"جس کے دل میں رائی کے ادنیٰ سے ادنیٰ دانہ کے برابر بھی ایمان ہے۔" یہ دراصل حق تعالیٰ کی طرف سے انتہائی فضل و کرم کا اظہار ہو گا کہ اس شخص کو بھی دوزخ سے نکال لو جو ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا مؤمن ہے۔

"جس نے لا الہ الا اللہ کہا۔" کا مطلب یہ ہے کہ میں ان لوگوں کی بھی شفاعت کرنا چاہتا ہوں جن کے نامۂ اعمال میں اس کلمہ طیبہ کے علاوہ اور کوئی بھی نیکی نہیں ہے اور ملا علی قاری کی وضاحت کے مطابق اگرچہ انہوں نے اپنے ایمان کی حالت میں یا ایمان لانے کے بعد اپنی پوری زندگی میں کلمہ طیبہ بھی صرف ایک ہی مرتبہ کیوں نہ زبان سے ادا کیا ہو! حاصل یہ کہ آنحضرت ﷺ آخری مرتبہ جن لوگوں کی شفاعت کریں گے وہ اس درجہ کے مؤمن ہوں کہ ان کا نامہ اعمال میں کوئی بھی نیکی اور کوئی بھی اچھا کام نہیں ہو گا سوائے اس کے کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی کبھار اپنی زبان سے کلمہ طیبہ ادا کیا ہو گا بلکہ بعض تو ایسے بھی ہوں گے جن کی زبان پر پوری عمر

میں صرف ایک ہی مرتبہ یہ کلمہ کہا ہوگا اور ان کے بارے میں یہ شفاعت بھی آپ ﷺ اس امید پر کرنا چاہیں گے کہ زبان سے لا الہ الا اللہ کہنا بھی بہرحال ایک نیکی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی بھی نیکی خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی اور کتنے ہی کم درجہ کی کیوں نہ ہو، ضائع نہیں جانے دے گا بلکہ اول یا آخر اس کا اجر ضرور دے گا، جیسا کہ ایک حدیث میں یوں فرمایا گیا ہے کہ من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ (یعنی جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں جائے گا) طیبیؒ نے کہا ہے کہ اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ اس حدیث میں "جو اور رائی وغیرہ کی مقدار کے برابر" کے ذریعہ جس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس سے وہ اصل ایمان مراد نہیں ہے جس کو "تصدیق قلبی" سے تعبیر کیا جاتا ہے بلکہ اس ایمان کے علاوہ کچھ اور مراد ہے اور وہ کچھ اور "از قسم نیکی و بھلائی وہ چیز ہے جو ایمان کے ثمرہ کے طور پر دل میں پیدا ہوتی ہے۔

"نہیں اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے الخ کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ جس شخص کے نامہ اعمال میں لا الہ الا اللہ کہنے کے علاوہ اور کوئی بھی نیکی، نہیں ہے اس کو دوزخ سے نکالنے کی شفاعت کا حق بھی گو آپ ﷺ کو حاصل ہے اور آپ ﷺ شوق سے ایسے شخص کی شفاعت بھی کیجئے ہم اس کو قبول کریں گے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کو دوزخ سے نکلوانا آپ ﷺ کے ذمہ نہیں ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ بے شک ہم اس شخص کو بھی دوزخ سے نکالیں گے مگر ایسا ہم آپ کی شفاعت کی وجہ سے نہیں کریں گے بلکہ اس وجہ سے کریں گے کہ اپنے فضل و کرم کو ظاہر کرنے کے لئے ہم خود اس کو دوزخ سے نکالنا پسند کرتے ہیں! اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس مؤمن کے دوزخ سے نکالے جانے کا معاملہ کہ جس نے اپنی پوری عمر میں کوئی بھی نیکی و بھلائی نہیں کی ہے، شفاعت کے دائرہ سے باہر ہوگا بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے متعلق ہوگا۔ اس صورت میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ آگے حضرت ابوہریرہؓ کی جو روایت اسعد النَّاسِ الخ آ رہی ہے پھر اس کا کیا مفہوم ہوگا اور مذکورہ مطلب مراد لینے کی صورت میں اس روایت اور اس حدیث کے درمیان تطبیق کیا ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہاں پہلا مطلب مراد لیا جائے تو ان دونوں روایتوں کے درمیان کوئی تعارض ہی نہیں رہے گا کیونکہ مذکورہ شخص کو اللہ تعالیٰ بہرحال آنحضرت ﷺ کی شفاعت ہی کے سبب دوزخ سے نکالے گا اور اگر دوسرا مطلب مراد لیا جائے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ یہاں حدیث میں "جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا ہو" سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے نبی پر ایمان تو لائے تھے لیکن کوئی بھی عمل خیر نہ رکھتے اور اپنی بد عملیوں کی بنا پر دوزخ کے مستوجب قرار دے دیئے گئے ہوں گے اور آگے آنے والی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آنحضرت ﷺ کے اُمت کے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنے نیک اعمال کو اپنے برے اعمال کے ساتھ اس طرح خلط ملط کیا ہوگا ان کی نیکیاں ہلکی اور برائیاں بھاری پڑ گئی ہوں گی اور وہ دوزخ کے مستوجب قرار دیئے گئے ہوں گے۔

نصیبہ والا شخص

⑦ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖٓ اَوْ نَفْسِهٖ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن میری شفاعت کے لئے نصیبہ والا شخص وہ ہوگا، جس نے (دنیا میں) خلوص تہ دل سے، یا یہ فرمایا کہ خلوص تہ نفس سے لا الہ الا اللہ کہا ہوگا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: من قلبه او من نفسه میں حرف او کے ذریعہ راوی نے اپنے شک کا اظہار کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں من قلبه کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے یا من نفسه کے، بہرحال دونوں کے معنی ایک ہی ہیں کیونکہ "نفس" سے مراد بھی "دل" ہی ہے نیز خالصا من قلبه (خلوص تہ دل) ترکیب تاکیدی ہے، کیونکہ "خلوص" کی جگہ تہ دل یعنی دل کی گہرائی ہی ہے نہ کہ کچھ اور، اس اعتبار سے تہ دل کا دوسرا نام "خلوص" ہے، پس "خلوص تہ دل" کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "میں نے فلاں چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے یا میں نے فلاں بات

اپنے کان سے سنی ہے۔

حدیث میں اسعد کا لفظ "سعید" کے معنی میں ہے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص اہل توحید میں سے نہیں ہوگا وہ آنحضرت کی شفاعت سے فیض یاب نہیں ہوگا یامَنْ قَالَ سے مراد وہ شخص ہے جس کے نامہ اعمال میں ایسا کوئی بھی عمل نہ ہو جس کے سبب وہ رحمت کا مستحق قرار پاسکے اور دوزخ کی آگ سے نجات پانے کا سزاوار ہوسکے، اس صورت میں ظاہر ہے کہ شفاعت کا سب سے زیادہ ضرورت مند وہی شخص ہوگا اور شفاعت اسی کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے گی۔

حضور ﷺ کی شفاعت کا ذکر

⑧ وَعَنْهُ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَیْهِ الذِّرَاعُ وَکَانَتْ تُعْجِبُهٗ فَنَهَسَ مِنْهَا نَهْسَةً ثُمَّ قَالَ اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَتَدْنُو الشَّمْسُ فَیَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْکَرْبِ مَالَا یُطِیْقُوْنَ فَیَقُوْلُ النَّاسُ اَلَا تَنْظُرُوْنَ مَنْ یَّشْفَعُ لَکُمْ اِلٰی رَبِّکُمْ فَیَاْتُوْنَ اٰدَمَ وَذَکَرَ حَدِیْثَ الشَّفَاعَةِ وَقَالَ فَاَنْطَلِقُ فَاٰتِیْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَاَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ ثُمَّ یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَیَّ مِنْ مَحَامِدِهٖ وَحُسْنِ الثَّنَآءِ عَلَیْهِ شَیْئًا لَمْ یَفْتَحْهُ اللّٰهُ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ ثُمَّ قَالَ یَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَاْسَکَ سَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَرْفَعُ رَاْسِیْ فَاَقُوْلُ اُمَّتِیْ یَارَبِّ اُمَّتِیْ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ یَارَبِّ فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ اَدْخِلْ مِنْ اُمَّتِکَ مَنْ لَّا حِسَابَ عَلَیْهِمْ مِنَ الْبَابِ الْاَیْمَنِ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَکَآءُ النَّاسِ فِیْمَا سِوٰی ذٰلِکَ مِنَ الْاَبْوَابِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اِنَّ مَا بَیْنَ الْمِصْرَاعَیْنِ مِنْ مَّصَارِیْعِ الْجَنَّةِ کَمَا بَیْنَ مَکَّةَ وَهَجَرَ۔

(متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں (پکا ہوا) گوشت لایا گیا اس میں سے دست کا گوشت آپ کو پیش کیا گیا جو آپ ﷺ کو بہت پسند اور مرغوب تھا، آپ ﷺ نے اس میں سے دانتوں سے نوچ نوچ کر کھایا، اور پھر فرمانے لگے کہ "میں قیامت کے دن، جب کہ لوگ دو جہان کے پروردگار کا فیصلہ سننے کے انتظار میں کھڑے ہوں گے، تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، اس دن سورج (لوگوں کے سروں کے) بہت قریب ہوگا اور لوگوں کی حالت (مسلسل کھڑے رہنے، گرمی کی تپش و تختی اور وہاں کے ہولناک ماحول کے اثر سے) اس قدر کربناک اور غم و فکر سے بوجھل ہوگی کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں گے، یعنی صبر و استقامت پر قادر نہیں ہوں گے، اور نہایت حیرانی و پریشانی کے عالم میں) ایک دوسرے سے کہتے پھریں گے کہ آخر تم کسی ایسے شخص کی تلاش کیوں نہیں کرتے جو تمہارے پروردگار سے تمہاری سفارش کر دے (اور وہ تمہیں اس کرب و اذیت کی حالت سے نجات عطا کر دے) چنانچہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔" اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے یا خود آنحضرت ﷺ نے شفاعت کے سلسلے میں حدیث کے (وہی) اجزاء بیان کئے (جو پہلے ایک حدیث میں بیان ہو چکے ہیں، کہ لوگ یکے بعد دیگرے تمام انبیاء کے پاس جا کر شفاعت کی درخواست کریں گے اور وہ سب جواب دیں گے کہ ہم اس کام کی اہلیت نہیں رکھتے اور پھر وہ لوگ شفاعت کی درخواست لے کر میرے پاس آئیں گے یہ ذکر کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا "پس میں لوگوں کے پاس سے روانہ ہوں گا اور عرش کے نیچے آؤں گا اور وہاں (بارگاہ رب العزت میں) اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد اور بہترین ثناء کے وہ الفاظ و اسلوب منکشف کر دے گا جو مجھ سے پہلے اس نے کسی پر منکشف نہیں کیے ہوں گے (یعنی اس موقع کے لئے میرے دل میں اپنی حمد و ثنا کے وہ الفاظ اور کورنش و آداب حضوری کے وہ طریقہ القاء فرمائے گا جو اس نے مجھ سے پہلے کسی اور کو القاء نہیں کیے ہوں گے بلکہ اس وقت سے پہلے مجھ کو بھی ان کا کوئی علم نہیں ہوگا، جیسا کہ پہلے ایک حدیث میں اس طرف اشارہ کیا جا چکا ہے، پھر پروردگار فرمائے گا کہ محمد! اپنا سر اٹھاؤ، جو چاہتے ہو مانگو میں دوں گا اور جو شفاعت کرنا چاہتے ہو تو کرو میں قبول کروں گا (یہ سن کر) میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا کہ میرے پروردگار! میری اُمت کو بخش دیجئے،

تب کہا جائے گا کہ اے محمد! آپ (ﷺ) اپنی اُمت میں سے ان لوگوں کو جن سے حساب نہیں لیا جائے گا (اور جو حساب کے بغیر جنت کے مستحق ہیں) جنت کے دائیں طرف کے دروازہ سے جنت میں داخل کر دیجئے اور وہ لوگ اس دروازہ کے علاوہ دوسرے (اطراف کے، دروازوں کے استعمال کے حق میں بھی لوگوں کے ساتھ شریک ہیں اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا۔ "قسم ہے اس ذات کی جس کی دست قدرت میں میری جان ہے، جنت کے دروازوں میں سے ہر ایک دروازہ کے دونوں کواڑوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا کہ مکہ اور ہجر کے درمیان ہے۔" (بخاریؒ مسلمؒ)

تشریح: "میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا۔" میں "لوگوں" کا اطلاق پوری نوع انسانی پر ہے جس میں انبیاء بھی شامل ہیں! اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے انا سید ولد ادم یوم القیامۃ الخ یعنی قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا! اور یہ بات آپ ﷺ نے اس اعتبار سے ارشاد فرمائی کہ اس توقیر و عزت کی بنا پر کہ جو آپ ﷺ کو بارگاہ خداوندی میں سب سے زیادہ قرب و محبوبیت کی وجہ سے حاصل ہوگی، اس دن ہر ایک آپ ﷺ کی شفاعت کا محتاج ہوگا، جب سب لوگ نہایت مضطرب و پریشان ہوں گے تو آخر میں آپ ﷺ ہی کے پاس شفاعت کی درخواست لے کر آئیں گے اور صرف آپ ﷺ ہی ان کی شفاعت کا حوصلہ کریں گے۔

"عرش الٰہی کے نیچے آؤں گا" یہ جملہ پیچھے حضرت انسؓ سے نقل کی جانے والی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں "اپنے پروردگار کے گھر میں آنے"، کے الفاظ ہیں، پس ان دونوں کے درمیان تطبیق یوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا گھر جنت ہے اور جنت عرش الٰہی کے نیچے ہی ہے، لہٰذا دونوں حدیثوں کے الفاظ میں مفہوم کے اعتبار سے کوئی تعارض نہیں ہے۔

"میرے پروردگار میری اُمت کو بخش دیجئے۔" ان الفاظ کو تین بار کہنا یا تو اپنی عرض کو زیادہ سے زیادہ اہم اور قابل توجہ بنا کر پیش کرنے کے لئے ہوگا جیسا کہ جب کوئی شخص اپنے حاکم و آقا سے کسی اہم مقصد کی بار آوری چاہتا ہے تو وہ اپنی عرض کو اس کے سامنے بار بار دہراتا ہے یا ان الفاظ کو بار بار دہرانے سے گناہ گاروں کے طبقوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوگا، جیسا کہ پیچھے گزرنے والی حدیث میں بیان ہوا کہ آپ ﷺ کی ایک دفع کی شفاعت کسی ایک طبقہ کے ساتھ مختص ہوگی اور پھر دوسری مرتبہ کی شفاعت کسی دوسرے طبقہ کے ساتھ، اور اس طرح متعدد دفعوں میں سب کی شفاعت پوری ہوگی۔

جنت کے دائیں طرف کے دروازے سے ...... الخ یعنی ان لوگوں کے اعزاز و تکریم کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے از راہ عنایت جنت کے دائیں طرف کا دروازہ انہی لوگوں کے لئے مخصوص ہوگا، ان کے علاوہ کسی اور کو اس دروازہ سے داخلہ کی اجازت نہیں ہوگی، اس دروازہ کے علاوہ باقی اور جو تمام دروازے ہوں گے وہ دوسرے سب لوگوں کے لئے مشترک ہوں گے اور مذکورہ لوگ بھی ان دروازوں کو استعمال کرنے کا حق رکھیں گے۔

ھَجَرَ ایک جگہ کا نام ہے جو جزیرہ نما عرب کے مشرقی ساحل پر (سعودی عرب کے) اس علاقہ میں واقعہ ہے جس کو اب "احساد" کہا جاتا ہے اور پہلے زمانہ میں "بحرین" اسی علاقہ کو کہتے تھے۔ بہر حال اس جملہ کا مقصود جنت کے دروازوں کی چوڑائی اور وسعت کو بیان کرنا ہے کہ جنت کے ہر دروازے کی چوڑائی اس فاصلہ کے بقدر ہے جو مکہ اور ہجر کے درمیان ہے، لیکن اس سے مراد تحدید و تعیین ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ تخمینا فرمایا گیا ہے تاکہ دروازے کی چوڑائی و وسعت کا اندازہ ہو جائے، جہاں تک حقیقت حال کا تعلق ہے وہ کچھ اور ہی ہے۔

امانت اور قرابت داری کی اہمیت

⑨ وَعَنْ حُذَيْفَةَ فِي حَدِيْثِ الشَّفَاعَةِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَتُرْسَلُ الْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَتَقُوْمَانِ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِيْنًا وَّشِمَالاً۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت حذیفہؓ نے رسول کریم ﷺ سے شفاعت کے سلسلہ کی (تفصیلی) حدیث نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے (پھر بعد میں یہ بھی) فرمایا کہ "امانت اور رحم یعنی قرابت داری کو بھیجا جائے گا اور وہ دونوں پل صراط کے دائیں بائیں جانب کھڑی ہو جائیں گی۔" (مسلمؒ)

تشریح: "امانت" یعنی لوگوں کے مال واسباب اور حقوق کی حفاظت کرنا اور "رحم" یعنی ناتا کہ جس کو قرابت داری بھی کہتے ہیں، یہ دونوں باتیں چونکہ نہایت اہمیت اور بہت زیادہ فضیلت رکھتی ہیں اور اسی وجہ سے ان کا اہتمام کرنا اور ان کی رعایت کو ملحوظ رکھنا بندوں پر لازم ہے۔ اس لئے قیامت کے دن ان کو صورت دے کر پل صراط کے دونوں طرف کھڑا کر دیا جائے گا تاکہ یہ امانت دار اور خیانت ناتا جوڑنے والے اور ناتا توڑنے والے کے حق میں گواہی دیں اور اس کے خلاف احتجاج کریں چنانچہ جس شخص نے اپنی دنیاوی زندگی میں امانت کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہوگی اور قرابت داری کے تمام حقوق پوری طرح ادا کیے گئے ہوں گے، یہ دونوں اس کے حق میں مظاہرہ کریں گے اور اس کی نیکی پر زور وشور سے گواہی دیں گے اور جس شخص نے امانت کی ادائیگی میں کوتاہی اور بددیانتی کی ہوگی اور قرابتداری کا حق ادا نہیں کیا ہوگا، یہ دنوں اس کے خلاف احتجاج کریں گے اور ان کی برائی کو زور وشور سے بیان کریں گے تاکہ دونوں طرح کے لوگوں کے درمیان امتیاز ہو جائے اور ہر شخص آسانی کے ساتھ پہچان لیا جائے کہ اس نے ان دونوں کے سلسلہ میں کیا عمل کیا تھا۔ پس اس حدیث میں اس امر کی ترغیب ہے کہ ان دونوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی بہر صورت ملحوظ رکھنے کا پورا پورا اہتمام رکھنا چاہئے۔

حضور ﷺ کی شفاعت قبول کرنے کا وعدہ خداوندی

(۱۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ وبْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي اِبْرَاهِيْمَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَقَالَ عِيْسٰى اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ وَبَكٰى فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا جِبْرَئِيْلُ اذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ وَّرَبُّكَ اَعْلَمُ فَاسْئَلْهُ مَا يُبْكِيْهِ فَاَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ فَسَاَلَهٗ فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا قَالَ فَقَالَ اللّٰهُ لِجِبْرَئِيْلَ اذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ فَقُلْ اِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے (اپنی مجلس میں لوگوں کے سامنے) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں (یہ بیان کرنے کے لئے کہ وہ قیامت کے دن اپنی امت کے متعلق بارگاہ رب ذوالجلال میں کیا عرض کریں گے) یہ آیت پڑھی، رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ (اور آیت کا بقیہ حصہ یہ ہے وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) اور پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے کہ میرے پروردگار! یہ بت بہت سے لوگوں کی گمراہی کا سبب بنے ہیں، پس ان لوگوں میں سے جنہوں نے میری اطاعت قبول کی ہے، یعنی توحید، اخلاص اور توکل کو اختیار کیا وہ میرے اپنے اور میرے تابعدار ہیں اور جنہوں نے میری نافرمانی کی ہے تو، تو معاف کرنے والا رحیم ہے) پھر آپ ﷺ نے (اسی سلسلہ میں) حضرت عیسیٰ کے تعلق سے یہ آیت پڑھی (جس میں یہ بیان ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنی اُمت کے حق میں پروردگار سے کیا عرض کریں گے) اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ (اور آیت کا بقیہ حصہ یہ ہے وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ) اور پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے "اگر تو ان کو عذاب میں مبتلا کرے تو بہر حال وہ تیرے ہی بندے ہیں" یعنی تو ان کا مطلق مالک ہے وہ تیرے حکم کے خلاف کر ہی کیا سکتے ہیں اور ان کو عذاب میں مبتلا کرنے سے تجھے کون روک سکتا ہے۔ "اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔" یعنی تجھ پر کوئی غالب نہیں ہے، تو جو چاہے حکم کر سکتا ہے، کوئی بھی تیرے حکم کو پس پشت ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا پھر یہ کہ تیری حکمت و دانائی میں بھی ذرہ برابر شبہ نہیں، تو ہر ایک کے بارے میں

وہی حکم کرتا ہے جس کا وہ مستحق و مستوجب ہوتا ہے اور ہر چیز کو وہی جگہ دیتا ہے جہاں کا وہ سزاوار ہے) اس کے بعد آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دُعا کی کہ پروردگار میری اُمّت کو بخش دے، میری اُمّت پر رحم فرما اور (یہ دعا کرتے ہوئے) آپ ﷺ رونے لگے۔ (فورًا) اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو حکم دیا کہ محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ، اور حالانکہ اے جبرائیل تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے (اس کو کچھ مطلق دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے) مگر (محمد ﷺ کی دلجوئی اور پروردگار کی عنایت و توجہ کے اظہار کی خاطر) ان سے پوچھو کہ آپ ﷺ کیوں روتے ہیں (یہ حکم سنتے ہی) حضرت جبرائیل آنحضرت کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے رونے کا سبب پوچھا، آپ ﷺ نے اپنے الفاظ میں انہیں بتادیا (کہ اپنی اُمّت کے بارے میں خوف خداوندی نے مجھ پر رقت طاری کردی ہے) پھر (حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہ کبریائی میں واپس گئے اور صورت حال عرض کی اور تب) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محمدؐ کے پاس جاؤ اور کہو کہ (جب وقت آئے گا تو) ہم یقیناً آپ (ﷺ) کو آپ (ﷺ) کی اُمّت کے بارے میں راضی وخوش کردینگے، اور آپ کو ہرگز رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "(یہ دعا کرتے ہوئے) آپ ﷺ رونے لگے۔" یعنی آپ ﷺ نے اپنی اپنی اُمّت کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شفاعت کو یاد کیا اور اس کا ذکر کیا تو پھر فورًا آپ ﷺ کو خود اپنی اُمّت کا خیال آگیا، اور اس خوف سے آپ ﷺ پر رقت طاری ہوگئی کہ نامعلوم میری امت کے لوگوں کا کیا حشر ہوگا کہیں ان کو تو عذاب خداوندی میں مبتلا نہیں کیا جائے گا، چنانچہ آپ ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں اپنی اُمّت کی بخشش و مغفرت کی دعا فرمائی۔

"آپ ﷺ کو اپنی اُمّت کے بارے میں راضی وخوش کردیں گے۔" اور آپ ﷺ راضی وخوش کس صورت میں ہوں گے، اس کے متعلق بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "میں اس وقت تک راضی وخوش نہیں ہونگا جب تک اللہ تعالیٰ میری اُمّت کے ایک ایک فرد کو بخش نہیں دے گا۔" سبحان اللہ اس امت کے لئے اس سے بڑی سعادت کی بات اور کیا ہوسکتی ہے، ضرورت صرف یہ ہے کہ حقیقی معنی میں آپ ﷺ کا اُمتی بنا جائے آپ ﷺ کے ساتھ ایمان کے عقیدے کو ہر حالت میں درست رکھا جائے، مشکل جو ہے صرف یہی ہے اور کچھ نہیں ؎

خاک او باش بادشاہی کن　آن او باش ہرچہ خواہی کن

اس حدیث سے کئی اہم باتیں ظاہر ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی اُمّت سے کس درجہ کا تعلق ہے اور آپ ﷺ اپنی اُمّت پر کتنے زیادہ شفیق و مہربان ہیں، نیز آپ اپنی اُمّت کے لوگوں کی صلاح و فلاح کی طرف کس طرح ہروقت متوجہ رہتے تھے، دوسری اور سب سے بڑی بات اس اُمّت مرحومہ کے لئے بشارت عظمیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وعدہ فرمالیا ہے کہ ہم آپ (ﷺ) کو آپ ﷺ کی اُمّت کے بارے میں راضی وخوش کردیں گے، اور تیسری بات آنحضرت ﷺ کا عظیم المرتبت ظاہر ہونا ہے۔

قیامت کے دن شفاعت وغیرہ سے متعلق کچھ اور باتیں

(۱۱) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ نَاسًا قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) ہَلْ نَرٰی رَبَّنَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ ہَلْ تُضَآرُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ الشَّمْسِ بِالظَّہِیْرَۃِ صَحْوًا لَّیْسَ مَعَہَا سَحَابٌ وَّہَلْ تُضَآرُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ صَحْوًا لَّیْسَ فِیْہَا سَحَابٌ قَالُوْا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَا تُضَآرُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ اَحَدِہِمَا اِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ لِیَتَّبِعْ کُلُّ اُمَّۃٍ مَّا کَانَتْ تَعْبُدُ فَلَا یَبْقٰی اَحَدٌ کَانَ یَعْبُدُ غَیْرَ اللّٰہِ مِنَ الْاَصْنَامِ وَالْاَنْصَابِ اِلَّا یَتَسَاقَطُوْنَ فِی النَّارِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یَبْقَ اِلَّا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ مِنْ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ اَتَاہُمْ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ قَالَ فَمَا ذَا تَنْظُرُوْنَ یَتْبَعُ کُلُّ اُمَّۃٍ مَا کَانَتْ تَعْبُدُ قَالُوْا یَا رَبَّنَا فَارَقْنَا النَّاسَ فِی الدُّنْیَا اَفْقَرَ مَا کُنَّا اِلَیْہِمْ وَلَمْ نُصَاحِبْہُمْ وَفِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ فَیَقُوْلُوْنَ ہٰذَا مَکَانُنَا حَتّٰی یَاتِیَنَا رَبُّنَا فَاِذَا جَآءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاہُ وَفِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ سَعِیْدٍ فَیَقُوْلُ ہَلْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَہٗ اٰیَۃٌ تَعْرِفُوْنَہٗ

فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ فَلَا يَبْقٰى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ لِلّٰهِ تَعَالٰى مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِهٖ اِلَّا اَذِنَ اللّٰهُ لَهٗ بِالسُّجُوْدِ وَلَا يَبْقٰى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ اِتِّقَآءً وَّرِيَآءً اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ظَهْرَهٗ طَبَقًا وَّاحِدَةً كُلَّمَآ اَرَادَ اَنْ يَّسْجُدَ خَرَّ عَلٰى قَفَاهُ ثُمَّ يُضْرَبُ الْجِسْرُ عَلٰى جَهَنَّمَ وَتَحِلُّ الشَّفَاعَةُ وَيَقُوْلُوْنَ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ فَيَمُرُّ الْمُؤْمِنُوْنَ كَطَرْفِ الْعَيْنِ وَكَالْبَرْقِ وَكَالرِّيْحِ وَكَالطَّيْرِ وَكَاَجَاوِيْدِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ فَنَاجٍ مُّسَلَّمٌ وَّمَخْدُوْشٌ مُّرْسَلٌ وَّمَكْدُوْشٌ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ حَتّٰى اِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْكُمْ بِاَشَدَّ مُنَاشَدَةً فِي الْحَقِّ قَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لِلّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا كَانُوْا يَصُوْمُوْنَ مَعَنَا وَيُصَلُّوْنَ وَيَحُجُّوْنَ فَيُقَالُ لَهُمْ اَخْرِجُوْا مَنْ عَرَفْتُمْ فَتُحَرَّمُ صُوَرُهُمْ عَلَى النَّارِ فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا مَا بَقِيَ فِيْهَآ اَحَدٌ مِّمَّنْ اَمَرْتَنَا بِهٖ فَيَقُوْلُ ارْجِعُوْا فَمَنْ وَجَدْتُّمْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ فَاَخْرِجُوْهُ فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا ثُمَّ يَقُوْلُ ارْجِعُوْا فَمَنْ وَجَدْتُّمْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ نِصْفِ دِيْنَارٍ مِّنْ خَيْرٍ فَاَخْرِجُوْهُ فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِيْهَا خَيْرًا فَيَقُوْلُ اللّٰهُ شَفَعَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِّنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَّمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ قَدْ عَادُوْا حُمَمًا فَيُلْقِيْهِمْ فِيْ نَهْرٍ فِيْ اَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهٗ نَهْرُ الْحَيٰوةِ فَيَخْرُجُوْنَ كَمَا تَخْرُجُ الْحِبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ فَيَخْرُجُوْنَ كَاللُّؤْلُؤِ فِيْ رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ فَيَقُوْلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ هٰؤُلَآءِ عُتَقَآءُ الرَّحْمٰنِ اَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوْهُ فَيُقَالُ لَهُمْ لَكُمْ مَّا رَاَيْتُمْ وَمِثْلُهٗ مَعَهٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن مجلس نبوی ﷺ میں) کچھ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ کہ کیا قیامت کے دن ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں دیکھو گے۔" (پھر آپ ﷺ نے دیدار الٰہی کے ثبوت کو واضح کرنے کے لئے لوگوں سے سوال کیا کہ) کیا تم لوگ دوپہر کے وقت جب کہ آسمان پر بادل کا کوئی ٹکڑا بھی نہ ہو، سورج کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ و تکلیف محسوس کرتے ہو اور کیا تم لوگ شفاف چودہویں رات میں، جب کہ آسمان پر بادل کا کوئی ایک ٹکڑا بھی نہ ہو، چاند کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ و تکلیف محسوس کرتے ہو؟" لوگوں نے عرض کیا کہ ہرگز نہیں یا رسول اللہ! فرمایا "تو پھر قیامت کے دن تم اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں بھی کوئی رکاوٹ و تکلیف محسوس نہیں کرو گے، ہاں جیسا کہ تم ان دونوں (یعنی سورج و چاند) میں سے کسی کو دیکھنے میں رکاوٹ و تکلیف محسوس کرتے ہو۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) جب قیامت کا دن برپا ہوگا (اور تمام مخلوق میدان محشر میں جمع ہوگی، تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ جو طبقہ (دنیا میں) جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اسی کے پیچھے رہے، چنانچہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں اور انصاب کو پوجتے تھے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہیں بچے گا اور سب کے سب دوزخ میں جا گریں گے۔ کیونکہ انصاب اور بت کہ جن کی پوجا ہوتی تھی، دوزخ میں پھینکے جائیں گے، لہٰذا ان کے ساتھ ان کی پوجا کرنے والے بھی دوزخ میں ڈالے جائیں گے) یہاں تک کہ جب ان لوگوں کے سوا کوئی موجود نہیں رہے گا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے وہ خواہ نیک ہوں یا بد، تو تمام جہانوں کا پروردگار ان کے پاس آئے گا اور فرمائے گا کہ تم کس کے منتظر ہو؟ ہر طبقہ اس چیز کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا ہے جس کی وہ عبادت کرتا تھا (تو تم پھر یہاں کیوں کھڑے ہو، تم بھی کیوں نہیں چلے جاتے وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہمارے پروردگار! ہم نے دنیا میں ان لوگوں سے کہ جو دنیا میں غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اب اپنے معبودوں کے پیچھے پیچھے دوزخ میں چلے جائیں گے) پوری طرح جدائی اختیار کر رکھی تھی حالانکہ ہم (اپنی دنیاوی ضرورتوں میں) ان لوگوں (کی مدد و اعانت) کے ضرورت مند تھے لیکن ہم نے کبھی ان کی صحبت و ہمنشینی کو گوارا نہیں کیا (اور نہ کبھی ان کی اتباع کی بلکہ ہمیشہ ان کے مدمقابل رہے اور صرف تیری رضا کی خاطر ان سے جنگ و جدال کرتے رہے، پس اب جب کہ ہم ان کے کسی طرح سے ضرورت مند بھی نہیں ہیں اور ان سب کی منزل بھی دوزخ ہے، تو ہم ان کے ساتھ کیسے چلے جاتے) اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں یہاں یوں نقل کیا گیا ہے کہ وہ لوگ (جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ یہ کہیں گے کہ ہم یہاں سے اس وقت تک نہیں

جائیں گے جب تک ہمارا پروردگار ہمارے پاس نہیں آئے گا یعنی جب تک وہ ہم پر اس طرح سے تجلی نہ فرمائے جس کے سبب ہم اس کو پہچان لیں کہ یہی ہمارا پروردگار ہے اور جب ہمارا پروردگار (اپنی تجلی وصفات کے اظہار کی صورت میں کہ جس کے سبب ہم اس کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں) ہمارے پاس آئے گا تو ہم اس کو (اچھی طرح) پہچان لیں گے اور حضرت ابوسعید خدری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ کیا تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان کوئی نشانی ہے جس کے ذریعے تم اس کو پہچان لوگے؟ وہ کہیں گے کہ ہاں نشانی ہے تب اللہ کی پنڈلی کھولی جائے گی اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو سجدہ کی اجازت وتوفیق عطا فرمائے گا جو (دنیا میں کسی کو دکھانے سنانے اور کسی خوف اور لالچ کی وجہ سے نہیں بلکہ خود اپنے نفس کے تقاضے یعنی اخلاص وعقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا تھا اور ہر وہ شخص کہ (جو دنیا میں) کسی خوف سے یا لوگوں کو دکھانے سنانے کے لئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا تھا اللہ تعالیٰ اس کی کمر کو ایک پورا تختہ بنادے گا (یعنی اس کو پیٹھ وکمر کی ہڈیوں کے جوڑ بالکل ختم کردیئے جائیں گے اور اس کی پوری پیٹھ ایک تختہ بن جائے گی تاکہ وہ جھک نہ سکے اور نہ سجدہ کرسکے) چنانچہ وہ سجدہ میں جانے کے لئے جھکنا چاہے گا تو چت گرپڑے گا پھر دوزخ کے اوپر (اس کے بیچوں بیچ) پلصراط کو رکھا جائے گا اور شفاعت کی اجازت عطا کی جائے گی، چنانچہ تمام انبیاء (اپنی اپنی امتوں کے حق میں طلب استقامت وسلامتی کے لئے) یہ دعا کریں گے کہ اے اللہ! ان کو (پلصراط کے اوپر سے) سلامتی سے گزاردے، ان کو دوزخ میں گرنے سے محفوظ رکھ۔ پس مسلمان لوگ (پلصراط کے اوپر سے اس طرح) گزریں گے کہ بعض تو پل جھپکتے گزر جائیں گے، بعض کوندے کی طرح نکل جائیں گے، بعض ہوا کے جھونکے کے مانند بعض پرندوں کی اڑان کے مانند، گزریں گے پس ان میں سے کچھ مسلمان تو وہ ہونگے جو دوزخ کی آگ سے بالکل سلامتی اور نجات پائے ہوں گے (یعنی پلصراط کے اوپر سے گزرنے کے وقت ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا) اور کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو زخم کھا کر نکلیں گے اور (دوزخ کی آگ سے) نجات پائیں گے، نیز کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو پارہ پارہ کیے جائیں گے اور دوزخ میں دھکیل دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ جب مؤمن دوزخ کی آگ سے نجات پالیں گے، تو قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی شخص ظاہر ثابت شدہ حق کے حصول میں اتنی شدید جدوجہد اور سختی نہیں کرتا جتنی شدید جدوجہد مؤمن قیامت کے دن اپنے ان بھائیوں کی نجات کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کریں گے جو دوزخ میں ہوں گے۔ وہ مؤمن کہیں گے کہ "ہمارے پروردگار! یہ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ہمارے ساتھ حج کرتے تھے (یعنی ان کی نماز ہماری نمازوں کی طرح ہوتی تھی اور ان کا حج ہمارے ہی حج کے طریقہ سے ہوتا تھا پس تو ان کو بھی دوزخ سے نجات دیدے" ان سے کہا جائے گا کہ جاؤ اور جن لوگوں کو تم (اپنی مذکورہ شہادت کی روشنی میں) پہچانتے ہو انہیں (دوزخ سے) نکال لو، پس دوزخ کی آگ پر ان کی صورتوں کو حرام کردیا جائے گا۔ چنانچہ وہ مؤمن بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لیں گے۔ پھر کہیں گا کہ ہمارے پروردگار! جن لوگوں کو تونے (دوزخ) سے نکالنے کا حکم دیا تھا (یعنی اہل نماز، اہل زکوۃ اور اہل حج وغیرہ) ان میں سے اب دوزخ میں کوئی باقی نہیں رہا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اچھا پھر جاؤ اور ہر اس شخص کو بھی دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں تم دینار برابر بھی نیکی پاؤ پس وہ مؤمن (جائیں گے اور بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا، اور اب ہر شخص کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں آدھے دینار برابر بھی نیکی پاؤ، پس وہ مؤمن جائیں گے اور بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ جاؤ اور اب اس شخص کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں تم از قسم نیکی ذرہ برابر بھی کوئی چیز پاؤ پس وہ مؤمن جائیں گے اور بہت سے لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے اور کہیں گے کہ پروردگار! ہم نے دوزخ میں بھلائی کو باقی نہیں رہنے دیا ہے (یعنی دوزخ میں اب ایسا کوئی شخص باقی نہیں بچا ہے جس کے دل میں اصل ایمان کے علاوہ ادنی سے ادنی درجہ کی اور ذرہ برابر بھی بلکہ ذرہ سے بھی کمتر کوئی نیکی ہو خواہ اس نیکی کا تعلق اعمال سے ہو یا افعال قلب سے) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فرشتوں نے شفاعت کرلی اور پیغمبروں نے بھی شفاعت کرلی) اور مؤمنوں نے بھی شفاعت کرلی) اور ان سب کی شفاعت کا تعلق ان لوگوں سے تھا جن کا نامہ اعمال میں کوئی نہ کوئی نیکی ضرور تھی خواہ وہ نیکی ذرہ کے برابر یا اس سے کمتر درجہ ہی کی کیوں نہ ہو اور اس طرح،

اب ایسی کوئی ذات باقی نہیں رہ گئی ہے (جو خود بھلائی پہنچانے یا بھلائی پہنچانے والے سے سفارش وشفاعت کے ذریعہ کسی کے ساتھ رحم و مروت اور عنایت وہمدردی کا معاملہ کرے لیکن ابھی ارحم الراحمین کی ذات باقی ہے (جس کی رحمت جس کا کرم اور جس کی عنایت ہر ایک پر سایہ فگن ہے اور اس کی رحمت وعنایت کے اثرات کے مقابلہ پر ہر ایک کی رحمت وعنایت ہیچ ہے اور (یہ فرما کر) اللہ تعالیٰ دوزخ میں سے اپنی مٹھی بھر کر (ان) لوگوں کو نکال لے گا جنہوں نے کبھی بھی کوئی (چھوٹی یا بڑی) نیکی کی ہی نہیں ہوگی، یہ لوگ دوزخ میں (جلتے رہنے کی وجہ سے) کوئلہ بن چکے ہوں گے، چنانچہ ان کو اس نہر میں ڈالے گا جو جنت کے دروازوں کے سامنے ہے اور جس کو "نہر حیات" کہا جائے گا، اور پھر یہ لوگ اس نہر سے اس طرح ترو تازہ نکلیں گے جیسے دانہ سیلاب کے کوڑے کچرے میں اگتا ہے (یعنی جس طرح سیلابی کوڑے کچرے میں پڑا ہوا دانہ بہت جلد اگ آتا ہے اور خوب ہرا بھرا معلوم ہوتا ہے، اس طرح یہ لوگ بھی اس نہر میں غوطہ دلائے جانے کے بعد نہایت تیزی کے ساتھ بہتر جسمانی حالت میں واپس آجائیں گے اور خوب ترو تازہ اور توانا معلوم ہوں گے) نیز یہ لوگ (اس نہر سے) موتی کی مانند پاک وشفاف باہر آئیں گے، ان کی گردنوں میں مہریں لٹکی ہوئی ہوں گی چنانچہ (جب اہل جنت ان لوگوں کو (ان کی امتیازی علامتوں کے ساتھ) دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ وہ (خوش نصیب) لوگ ہیں جو خود خدائے رحمان کے آزاد کیے ہوئے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے (اپنے خاص فضل وکرم کے تحت، اس امر کے باوجود جنت میں داخل کیا ہے کہ انہوں نے (دنیا میں) کوئی نیک عمل کیا تھا اور نہ انہوں نے (کم سے کم افعال قلب ہی کی صورت میں، کوئی نیکی کرکے آگے بھیجی تھی اور پھر (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ان نوآزاد لوگوں سے کہا جائے گا کہ) بلکہ جنت میں تم جو کچھ دیکھ رہے ہو (یعنی تمہاری حد نظر تک تمہیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں نظر آرہی ہے) نہ صرف یہ بلکہ ان ہی جیسی اور بہت سی نعمتیں بھی، سب تمہارے لئے ہیں۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "ہاں دیکھو گے۔" سیوطیؒ نے اپنی تالیفات میں لکھا ہے کہ قیامت کے دن موقف میں (یعنی میدان حشر میں کہ جہاں ساری مخلوق کھڑی ہوگی) مرد وعورت ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، جہاں تک کہ بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ کو تو دیدار منافقوں اور کافروں کو بھی حاصل ہوگا، لیکن پھر فوراً ہی ان کو محجوب کر دیا جائے گا تاکہ وہ ہمیشہ اس دیدار کی حسرت اور اپنی محرومی کے غم میں مبتلا رہیں، تاہم منافقوں اور کافروں کو دیدار حاصل ہونے کی یہ بات زیادہ واضح نہیں ہے، بلکہ اس میں کلام ہے کیونکہ قرآن کریم میں یہ آیا ہے کہ کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون (یعنی ہرگز نہیں، یقیناً کفار اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے) اور جہاں تک جنت میں حق تعالیٰ کے دیدار کا سوال ہے تو اس بارے میں سیوطیؒ نے کہا ہے کہ اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہاں حق تعالیٰ کا دیدار ہر اُمت کے نبیوں، رسولوں، صدیقوں اور اس اُمت محمدی کے افراد میں سے تمام مؤمن مردوں کو حاصل ہوا کرے گا، اُمت محمدی کی عورتوں کے سلسلے میں تین قول ہیں، ایک تو یہ کہ ان کو وہاں دیدار نصیب نہیں ہوگا، دوسرا یہ کہ ان کو بھی وہاں دیدار نصیب ہوا کرے گا مگر تمام دنوں میں نہیں بلکہ چند مخصوص دنوں مثلاً عید وغیرہ کے دنوں میں فرشتوں کے بارے میں بھی دو قول ہیں، ایک قول تو یہ ہے کہ وہ اپنے رب کو نہیں دیکھیں گے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ بھی اپنے رب کا دیدار کیا کریں گے، اسی طرح جنات کے بارے میں بھی اختلافی اقوال ہیں۔

"کیا تم لوگ دوپہر کے وقت...... الخ اس سوال کے ذریعہ آپ ﷺ نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو چیز عام طور پر مشکل سے نظر آتی ہے اور لوگ اس کے دیدار کے تمنائی ہوتے ہیں، اس کو دیکھتے ہیں دھکا پیل اور مشقت وضرر کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن جس طرح آفتاب وماہتاب کو دیکھنے میں کسی قسم کی مشقت وضرر اور تکلیف ورکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دیدار کے وقت کسی طرح کے دھکا پیل اور مشقت وضرر کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

"ہاں جیسا کہ تم ان دونوں میں سے کسی کو دیکھنے میں رکاوٹ وتکلیف محسوس کرتے ہو۔" یہ جملہ دراصل تعلق بالمحال کے طور پر پچھلے جملہ کو زیادہ سے زیادہ (زوردار) بنانے کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر تم سورج وچاند کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ وتکلیف محسوس

کرتے ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں بھی رکاوٹ تکلیف محسوس کرو گے، لیکن جب یہ بات طے ہے کہ ان دونوں (سورج و چاند) میں سے کسی کو بھی دیکھنے میں کسی ادنی سے ادنی رکاوٹ و تکلیف کا سامنا کرنا نہیں پڑتا تو جان لو کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں کوئی ادنی سی رکاوٹ و تکلیف پیش نہیں آئے گی! ضمنی طور پر یہ بات ذکر کر دینا ضروری ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ یہاں جس دیدار الٰہی کے بارے میں ذکر ہے وہ اس دیدار الٰہی کے علاوہ ہے جو جنت میں اہل ایمان کو بطور اعزاز و اجر نصیب ہوگا، یہ دیدار تو محض امتحان و آزمائش کے طور پر ہوگا تاکہ دنیا میں جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی، اور جن لوگوں نے غیر اللہ کو اپنا معبود بنایا، ان دونوں قسم کے لوگوں کے درمیان فرق و امتیاز ہو جائے اس سے معلوم ہوا کہ آخرت میں بھی بندوں کو امتحان آزمائش میں مبتلا کرنے کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ حساب و کتاب کے بعد ہر ایک کے حق میں آخری فیصلہ نہ ہو جائے گا کہ کون اجر و جزا کا سزاوار ہے اور کون عذاب کا مستوجب! پس آخرت اگرچہ دار جزا (بدلہ کا گھر) ہے لیکن کبھی کبھی وہاں امتحان و آزمائش کا مرحلہ بھی پیش آئے گا جس طرح کہ یہ دنیا اگرچہ "امتحان و آزمائش کا گھر" ہے لیکن یہاں کبھی کبھی اجر و بدلہ بھی مرتب ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ اور تمہیں جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے وہ دراصل تمہاری شامت اعمال ہوتی ہے۔

"جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بجائے بتوں اور انصاب کو پوجتے تھے۔" میں انصاب دراصل "نصب" کی جمع ہے، اور نصب اس پتھر کو کہتے ہیں جو کسی خاص جگہ پر خاص اس مقصد کے لئے گاڑا اور نصب کیا جائے کہ اس کی پوجا ہو، اس کو ڈنڈوت کیا جائے اور اس کے سامنے قربت و نیکی (جیسے منت اور چڑھاوے) کی نیت سے جانور ذبح کیا جائے، پس ہر چیز کہ جو اس مقصد کے لئے نصب کی جائے اور اس کی پرستش و تعظیم کا عقیدہ رکھا جائے خواہ وہ پتھر ہو یا لکڑی اور یا کوئی دوسری چیز وہ "نصب" ہی کہلائے گی۔

"تو تمام جہانوں کا پروردگار ان کے پاس آئے گا۔" یعنی اپنے کمال اقرب کے ساتھ ان پر اپنی تجلی ڈالے گا یہ تو اس جملہ کی سیدھی سی تاویل ہے ویسے حقیقت یہ ہے کہ "آنا" پروردگار کی صفات میں سے ہے جس کو اس نے اپنے کلام پاک میں اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے اور حدیث مقدسہ میں بھی اس کا اسی طرح (اس کی ذات کی طرف منسوب ہونا) ذکر ہے نیز ہم اس کی حقیقت و کیفیت جانے بغیر جوں کے توں اس پر عقیدہ رکھتے ہیں اور اس بات کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کی ذات پاک اس نقل و حرکت سے منزہ ہے جو "آنے" میں ہوتی ہے پس یہ بات متشابہات میں سے ہے اور ہم پر ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں زیادہ نہ الجھیں بلکہ حقیقت حال کا علم بس اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، اس جملہ کی کچھ اور تاویلیں کی گئی ہیں، مثلاً یہ کہ "آنے" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ آئے گا۔ یا یہ کہ ان لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا جیسا کہ اگلے جملہ سے اشارۃً یہ بات مفہوم بھی ہوتی ہے۔

"تب اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کھولی جائے گی۔" کے بارے میں بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ "پنڈلی کے کھلنے" سے مراد خوف و دہشت اور گھبراہٹ و ہول کا جاتا رہنا ہے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ "پنڈلی کھلنے) سے مراد ایک عظیم نور کا ظاہر ہونا ہے یا یہ کہ فرشتوں کی جماعت کا ظاہر ہونا مراد ہے لیکن سب سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس بارہ میں بھی توقف ہی کیا جائے اور اس جملہ کی کوئی تاویل کرنے کی بجائے اسکا حقیقی علم اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔

حدیث میں جہاں اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کھلنے، لوگوں کو سجدہ کا حکم ملنے، اور پھر کچھ لوگوں کے سجدہ کرنے اور کچھ لوگوں کے سجدہ پر قادر نہ ہونے کے حکم ہے وہاں پر نوویؒ نے اپنی شرح مسلم میں یہ لکھا ہے کہ حدیث کے اس جزو سے بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ آخرت میں منافقین بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گمان کوئی بنیاد نہیں رکھتا، کیونکہ حدیث کے مذکورہ الفاظ میں یہ صراحت نہیں ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے اس دیدار سے منافقین بھی مشرف ہوں گے، بلکہ اس موقع پر صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کے سامنے کہ جن میں مخلص مؤمن بھی ہوں گے اور منافق بھی اپنا حجاب مٹادے گا اور پھر امتحان و آزمائش کے لئے سب کو سجدہ کا حکم دے گا، پس جو شخص مخلص ہوگا سجدہ کرے گا اور جو شخص منافق ہوگا سجدہ نہیں کر سکے گا۔ اس بات سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ منافق بھی اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔

"پس مسلمان لوگ گزریں گے۔" یعنی اس پلصراط کے اوپر سے تمام مسلمان اس طرح گزریں گے کہ دنیا میں جو شخص عقیدہ وایمان عمل وکردار اور دین وشریعت پر استقامت کے اعتبار سے جس درجہ کا رہا ہوگا اس کے مطابق آسانی کے ساتھ یا دشواری کے ساتھ اس مرحلہ کو پار کرے گا جس کی طرف حدیث کے اگلے جملہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ پس وہ پلصراط گویا دین وشریعت کے صراط مستقیم کی طرح ہے جو معنوی طور پر تلوار کی دھار سے زیادہ باریک ہے اور جس پر چلنا دشوار ہے لیکن ساتھ ہی صراط مستقیم اس قدر روشن اور واضح ہے کہ جو صدق نیت اور اخلاص قلب کے ساتھ اس پر چلنا چاہے اس کے لئے کوئی دشواری نہیں ہے۔

"اور کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو زخم کھا کر نکلیں گے اور دوزخ کی آگ سے نجات پائیں گے۔" کا مطلب ایک تو یہ ہے کہ جو مسلمان گناہگار ہوں گے وہ اس پلصراط پر سے گزرنے میں سخت دشواری اور تکلیف واذیت کا شکار ہونگے، مثلاً پلصراط کے دونوں طرف جو فولادی آنکڑے ہوں گے وہ ان کو زخمی کریں گے ان کا راستہ روکیں گے اور ان کے جسم کو چھیلیں گے لیکن وہ مسلمان زخمی ہو کر اور چل چلا کر کسی نہ کسی طرح پل کو پار کر ہی لیں گے اور جنت میں پہنچ جائیں گے، اس طرح وہ لوگ دوزخ میں نہیں گریں گے، بلکہ پلصراط کے اوپر ہی تکلیف اور مشقت اٹھا کر نجات پا جائیں گے۔ یہ مطلب ظاہر حدیث کے اسلوب کے زیادہ مطابق ہے اور ترجمہ میں اسی کا لحاظ رکھا گیا ہے دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ پہلے تو پلصراط پر اس کے آنکڑوں زخمی ہوں گے سخت پریشانیوں سے دوچار ہوں گے اور پھر دوزخ میں گرا دیئے جائیں گے جہاں وہ اپنے گناہوں کے بقدر سزا پانے کے لئے ایک مدت تک رہیں گے اور پھر ان کو دوزخ کی آگ سے نجات دے کر جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔

"ومکدوش فی نار جهنم" (نیز کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو پارہ پارہ کیے جائیں گے اور دوزخ میں دھکیل دیئے جائیں گے۔" یہ ان گناہ گار مسلمانوں کا ذکر ہے جن کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے بہرحال دوزخ کے سپرد کیا جائے گا، چنانچہ یہ لوگ نہ صرف پلصراط پر گزرتے وقت سخت زخمی، تباہ حال اور مصیبت زدہ ہوں گے بلکہ ان کو دوزخ میں بھی گرا دیا جائے گا تا کہ وہ وہاں اس وقت تک عذاب پاتے رہیں جب تک ان کا خدا چاہے مکدوش کا لفظ شین کے ساتھ منقول ہے ویسے یہ لفظ مکدوس یعنی سین کے ساتھ بھی مذکورہ معنی میں نقل ہوا ہے اور بعض روایتوں میں مکدوس منقول ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ان سب کو باندھ باندھ کر ہاتھوں اور پیروں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال کر دوزخ میں اس طرح اکٹھا پھینکا جائے گا کہ وہ ایک دوسرے پر جا کر گریں گے۔

"یہاں تک کہ جب مؤمن دوزخ کی آگ سے نجات پالیں گے....... الخ" میں لفظ حَتّٰی (یہاں تک کہ) اس مرحلہ کے ذکر کی غایت ہے جس میں تمام مؤمن پلصراط پر سے گزریں گے اور پھر ان میں سے کچھ لوگ تو پل کو پار کر جائیں گے اور کچھ لوگ دوزخ میں جا گریں گے لیکن طیبیؒ یہ کہتے ہیں کہ لفظ حَتّٰی دراصل مکدوش فی نار جهنم (وہ لوگ جو پارہ پارہ ہو کر جہنم میں گر جائیں گے کی غایت ہے اس صورت میں پوری عبارت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ نیز کچھ مسلمان وہ ہوں گے جو پارہ پارہ کئے جائیں گے اور دوزخ میں دھکیل دیئے جائیں گے اور پھر آخر کار ان کو بھی (اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد یا کسی کی شفاعت سے اور یا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے) دوزخ سے نجات مل جائے گی، پس قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے...... الخ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ گار مؤمن ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب میں مبتلا نہیں رہیں گے اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد آخر کار دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے بلکہ وہ جنت میں پہنچنے کے بعد ان دوسرے مؤمنوں کی بھی شفاعت کریں گے اور بارگاہ رب العزت میں ان کو عذاب سے چھٹکارا دلانے کی سخت ترین جدوجہد کریں گے جو اپنے گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے اس وقت تک دوزخ سے چھٹکارا نہیں پا سکے ہوں گے جیسا کہ حضور ﷺ نے اپنے ارشاد "پس قسم ہے اس ذات کی...... الخ" کے ذریعہ واضح فرمایا۔

"تم میں سے کوئی بھی شخص ظاہر وثابت شدہ حق کے اصول میں...... الخ" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر تمہارا کوئی حق بالکل ظاہری دلائل وشواہد کے ذریعہ واجب ہوتا ہے اور تم اس حق کو پانے کا بہر صورت استحقاق رکھتے ہو تو اس شخص سے اپنا وہ حق حاصل

کرنے کے لئے تم جتنا شدید مطالبہ وتقاضا کرتے ہو اور اس کے حصول کی جدوجہد میں جس طرح سعی وکوشش کی آخری سے آخری حد تک چلے جاتے ہو، اس سے بھی زیادہ شدید تمہارا مطالبہ اس دن بارگاہ رب العزت میں اپنے ان مسلمان بھائیوں کی نجات کے لئے ہوگا جو دوزخ میں پڑے ہوں گے اور تم ان کو وہاں سے نکلوانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے عرض ومعروض اور درخواست وشفاعت میں سعی وکوشش کی آخری سے آخری حد تک چلے جاؤ گے۔

"پس دوزخ کی آگ پر ان کی صورتوں کو حرام کر دیا جائے گا" کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ کی آگ کو اس بات سے منع کر دیا جائے گا کہ وہ ان ناہل ایمان کو اس طرح جلائے یا نقصان پہنچائے کہ ان کے چہرے مسخ ہو جائیں اور وہ پہچان میں نہ آسکیں۔ حاصل یہ کہ اس وقت تک جو اہل ایمان دوزخ میں ہوں گے ان کے چہرے نہ تو جلیں گے اور نہ سیاہ ہوں گے، لہٰذا ان کی شفاعت کرنے والے مؤمن اس علامت کے ذریعہ ان کو آسانی کے ساتھ پہچان لیں گے اور دوزخ سے نکلوالیں گے۔

"جس کے دل میں تم دینار کے برابر بھی نیکی پاؤ" یہاں اور اسی طرح آگے کے جملہ میں "نیکی" سے مراد وہ چیز ہے جو اصل ایمان سے زائد ہوگی، کیونکہ اصل ایمان کہ جس کو تصدیق کہتے ہیں ایک ایسا جوہر ہے جو اجزاء اور حصوں میں ناقابل تقسیم ہے اور اس پر کمی بیشی وغیرہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جس نیکی کو اجزا اور حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یا جس پر کمی بیشی کا اطلاق ہوتا ہے وہ اصل ایمان سے زائد اور ایمان کے نتیجہ وثمرہ کے طور پر ایک الگ شے ہوتی ہے پس دل میں دینار برابر یا آدھے دینار برابر نیکی ہونے کا" مطلب یہ ہے کہ جن کے پاس معمولی درجہ کا بھی ایسا عمل صالح ہو کہ جس کے فعل کا تعلق دل سے ہے جیسے ذکر خفی (دل میں اللہ کو یاد کرنا) یا کسی غریب ومسکین پر شفقت کرنا یا خوف الٰہی اور نیت صادقہ وغیرہ تو ان کو دوزخ سے نکلوالو۔

جنہوں نے کبھی بھی کوئی نیکی کی ہی نہیں ہوگی، یہاں بھی (نیکی) سے مراد وہ چیز ہے جو اصل ایمان سے زیادہ ہو، پس یہ لوگ کہ جن کو ارحم الراحمین محض اپنی خصوصی رحمت کے تحت دوزخ سے نکالے گا اپنے پاس افعال قلب میں سے بھی کوئی چھوٹی یا بڑی نیکی نہیں رکھتے ہوں گے البتہ اصل ایمان (یعنی تصدیق) کے حامل ضرور ہوں گے اور ان لوگوں کی شفاعت کی اجازت کسی کو حاصل نہیں ہوگی۔

"ان کی گردنوں میں مہریں لٹکی ہوئی ہوں گی" میں "مہر" سے مراد سونے وغیرہ کا وہ زیور ہے جو گلے میں لٹکایا جاتا ہے، حاصل یہ کہ علامت کے طور پر ان کے گلوں میں کچھ مخصوص قسم کے ہار پڑے ہوں گے جن کے ذریعہ وہ دوسرے لوگوں سے ممتاز نظر آئیں گے۔

وہ لوگ جن کو دوزخ میں سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا

(۱۴) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجُوْهُ فَيُخْرَجُوْنَ قَدِ امْتَحَشُوْا وَعَادُوْا حُمَمًا فَيُلْقَوْنَ فِيْ نَهْرِ الْحَيٰوةِ فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا يَنْبُتُ الْحَبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَآءَ مُلْتَوِيَةً۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"اور حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جب جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں پہنچا دیا جائے گا (اور ہر شخص اپنے اپنے عمل کے مطابق جنت یا دوزخ میں اپنی جگہ پہنچ جائے گا، تو اللہ تعالیٰ (انبیاء سے یا شفاعت کرنے والوں سے اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ فرشتوں سے) فرمائے گا کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان (یعنی نیکی و بھلائی) ہو تو اس کو دوزخ سے نکال لو، چنانچہ ان لوگوں کو دوزخ سے باہر لایا جائے گا اور اس وقت ان کی یہ حالت ہوگی کہ وہ جل جلا کر کوئلہ کی طرح ہو گئے ہوں گے پھر ان کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا اور وہ (اس نہر سے) اس طرح تروتازہ نکلیں گے جیسے سیلاب کے کوڑے کچرے میں گھاس کا دانہ اگتا ہے، کیا تم نے دیکھا نہیں وہ دانہ کس طرح لپٹا ہوا زرد نکلتا ہے (یعنی کتنا زیادہ تروتازہ اور کتنی جلدی باہر آتا ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو۔" اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ پچھلی حدیث میں جو یہ فرمایا گیا تھا کہ

"آخر میں ارحم الراحمین اپنی مٹھی بھر کر ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لے گا جنہوں نے کبھی بھی کوئی نیکی نہیں کی ہوگی۔" تو وہاں وہی لوگ مراد ہیں جن کا تعلق اہل ایمان سے ہوگا، یہ اور بات ہے کہ ان کے نامہ اعمال میں کوئی بھی نیکی یا بھلائی نہیں ہوگی۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ اس موقع پر حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ وہم ہوسکتا ہے کہ وہ کافر لوگ ہوں گے چنانچہ اس بات پر پوری اُمت کا اجماع ہے کہ کوئی بھی کافر کسی بھی صورت میں دوزخ سے نہیں نکالا جائے گا۔

دوزخیوں کی نجات کا ذکر

(۱۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّاسَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَذَكَرَ مَعْنٰى حَدِيْثِ اَبِیْ سَعِيْدٍ غَيْرَ كَشْفِ السَّاقِ وَقَالَ يُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَیْ جَهَنَّمَ فَاَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يَّجُوْزُ مِنَ الرُّسُلِ بِاُمَّتِهٖ وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ اِلَّا الرُّسُلُ وَكَلَامُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ وَفِیْ جَهَنَّمَ كَلَالِيْبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا اِلَّا اللّٰهُ تَخْطَفُ النَّاسَ بِاَعْمَالِهِمْ فَمِنْهُمْ مَنْ يُّوْبَقُ بِعَمَلِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ يُّخَرْدَلُ ثُمَّ يَنْجُوْا حَتّٰى اِذَا فَرَغَ اللّٰهُ مِنَ الْقَضَآءِ بَيْنَ عِبَادِهٖ وَاَرَادَ اَنْ يُّخْرِجَ مِنَ النَّارِ مَنْ اَرَادَ اَنْ يُّخْرِجَهٗ مِمَّنْ كَانَ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَمَرَ الْمَلٰئِكَةَ اَنْ يُّخْرِجُوْا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَيُخْرِجُوْنَهُمْ وَيَعْرِفُوْنَهُمْ بِاٰثَارِ السُّجُوْدِ وَحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ اَنْ تَاْكُلَ اَثَرَ السُّجُوْدِ فَكُلُّ ابْنِ اٰدَمَ تَاْكُلُهُ النَّارُ اِلَّا اَثَرَ السُّجُوْدِ فَيُخْرَجُوْنَ مِنَ النَّارِ قَدِ امْتَحَشُوْا فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَآءُ الْحَيٰوةِ فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِیْ حَمِيْلِ السَّيْلِ وَيَبْقٰى رَجُلٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَهُوَ اٰخِرُ اَهْلِ النَّارِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ مُقْبِلٌ بِوَجْهِهٖ قِبَلَ النَّارِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اصْرِفْ وَجْهِیْ عَنِ النَّارِ وَقَدْ قَشَبَنِیْ رِيْحُهَا وَاَحْرَقَنِیْ ذَكَاؤُهَا فَيَقُوْلُ هَلْ عَسَيْتَ اَنْ اَفْعَلَ ذٰلِكَ اَنْ تَسْئَلَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ لَا وَعِزَّتِكَ فَيُعْطِی اللّٰهَ مَا شَآءَ اللّٰهُ مِنْ عَهْدٍ وَّمِيْثَاقٍ فَيَصْرِفُ اللّٰهُ وَجْهَهٗ عَنِ النَّارِ فَاِذَآ اَقْبَلَ بِهٖ عَلَى الْجَنَّةِ وَرَاٰى بَهْجَتَهَا سَكَتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّسْكُتَ ثُمَّ قَالَ يَا رَبِّ قَدِّمْنِیْ عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَلَيْسَ قَدْ اَعْطَيْتَ الْعُهُوْدَ وَالْمِيْثَاقَ اَنْ لَّا تَسْاَلَ غَيْرَ الَّذِیْ كُنْتَ سَاَلْتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ لَا اَكُوْنُ اَشْقٰى خَلْقِكَ فَيَقُوْلُ فَمَا عَسَيْتَ اَنْ اُعْطِيْتَ ذٰلِكَ اَنْ تَسْاَلَ غَيْرَهٗ فَيَقُوْلُ لَا وَعِزَّتِكَ لَا اَسْئَلُكَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَيُعْطِیْ رَبَّهٗ مَا شَآءَ مِنْ عَهْدٍ وَّمِيْثَاقٍ فَيُقَدِّمُهٗ اِلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَاِذَا بَلَغَ بَابَهَا فَرَاٰى ظَهْرَتَهَا وَمَا فِيْهَا مِنَ النَّضْرَةِ وَالسُّرُوْرِ فَسَكَتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّسْكُتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَدْخِلْنِی الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَيْلَكَ يَا ابْنَ اٰدَمَ مَا اَغْدَرَكَ اَلَيْسَ قَدْ اَعْطَيْتَ الْعُهُوْدَ وَالْمِيْثَاقَ اَنْ لَّا تَسْاَلَ غَيْرَ الَّذِیْ اُعْطِيْتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ لَا تَجْعَلْنِیْ اَشْقٰى خَلْقِكَ فَلَا يَزَالُ يَدْعُوْا حَتّٰى يَضْحَكَ اللّٰهُ مِنْهُ فَاِذَا ضَحِكَ اَذِنَ لَهٗ فِیْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ تَمَنَّ فَيَتَمَنّٰى حَتّٰى اِذَا انْقَطَعَ اُمْنِيَّتُهٗ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى تَمَنَّ مِنْ كَذَا وَكَذَا اَقْبَلَ يُذَكِّرُهٗ رَبُّهٗ حَتّٰى اِذَا انْتَهَتْ بِهِ الْاَمَانِیُّ قَالَ اللّٰهُ لَكَ ذٰلِكَ وَمِثْلُهٗ مَعَهٗ وَفِیْ رِوَايَةِ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَكَ ذٰلِكَ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهٖ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے مضمون کے اعتبار سے وہی حدیث بیان کی جو پیچھے حضرت ابوسعیدؓ سے نقل کی گئی ہے (گو دونوں روایتوں میں الفاظ کا اختلاف ہے) ہاں حضرت ابوہریرہؓ نے "پنڈلی کھلنے" کا ذکر نہیں کیا، اور پھر کہا کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) جب دوزخ کے اوپر پلصراط کھڑا کیا جائے تو تمام رسولوں میں اس پل کے اوپر سے اپنی اُمت کے ساتھ گزرنے والا سب سے پہلا رسول میں ہوں گا اور اس وقت (رسولوں کے علاوہ) کوئی بھی شخص زبان سے بات نکالنے کی جرأت نہیں کرے گا اور رسول بھی صرف اتنا کہیں گے کہ اے اللہ! سلامتی کے ساتھ رکھ نیز (اس پل کے دونوں طرف جہنم میں سعد ان کے کانٹوں جیسے آنکڑے ہوں گے، ان آنکڑوں کی لمبائی اللہ تعالیٰ کے

علاوہ کوئی نہیں جانتا، وہ آنکڑے لوگوں کو ان کے برے اعمال کے سبب اچک لیں گے، پس ان لوگوں میں سے بعض تو وہ ہوں گے جو اپنے اعمال کی پاداش میں ہلاک ہوں گے (یعنی دوزخ میں جاگریں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب میں مبتلا رہیں گے جیسے کافر) اور بعض وہ ہونگے جو (ان آنکڑوں کی گرفت کی وجہ سے پاش پاش ہوجائیں گے لیکن پھر نجات پاجائیں گے (یعنی آنکڑوں کے اچکنے کی وجہ سے ان کے جسم کا گوشت جگہ جگہ سے کٹ جائے گا اور پورا بدن بری طرح زخمی ہوجائے گا اور پھر وہ اسی حالت میں کسی نہ کسی طرح پل کو پار کر ہی لیں گے یا اگر دوزخ میں جاگریں گے تو وہاں کچھ عرصہ تک اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد آخر کار ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات پاجائیں گے پس یہ گناہ گار و فاسق مسلمانوں کا حال بیان کیا گیا ہے) پھر جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلہ سے فارغ ہوجائے گا (کہ اپنے اپنے عمل کے اعتبار سے جو جنت کا مستحق ہوگا اس کو جنت میں بھیج دیا جائے گا اور جو دوزخ کا مستوجب ہوگا اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا) اور یہ ارادہ کرے گا کہ جن لوگوں نے لا الہ الا اللّٰہ (محمد رسول اللّٰہ) کی گواہی دی ہے ان میں سے جن کو وہ چاہے دوزخ سے نکال لے تو فرشتوں کو حکم دے گا ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو معبود مانتے تھے (اور اس کے علاوہ کسی اور کی معبودیت پر ایمان نہیں رکھتے تھے) چنانچہ فرشتے ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ان کی پیشانیوں پر سجدہ کے نشانات کے ذریعہ ان کو شناخت کریں گے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ پر حرام کردیا ہے کہ وہ سجدوں کے نشان کو کھالے اس لئے دوزخ کی آگ ابن آدم (انسان) کے سارے جسم کو کھاجائے گی (یعنی جلاڈالے گی) مگر سجدوں کے نشان کو نہیں کھائے گی۔ بہرحال وہ لوگ دوزخ سے اس حالت میں باہر لائے جائیں گے کہ وہ آگ میں جل کر سیاہ ہوچکے ہوں گے، پس ان پر آب حیات چھڑکا جائے گا اور وہ (اس پانی کے اثر سے) اس طرح تر و تازہ ہوجائیں گے جس طرح سیلاب کے کوڑے کچرے میں پڑا ہوا دانہ (اک دم) اگ آتا ہے اور (اس وقت ایک دلچسپ واقعہ یہ بھی ہوگا کہ) ایک شخص جو دوزخیوں میں سے جنت میں داخل ہونے والا آخری شخص ہوگا، جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا رکھا جائے گا اس کا منہ دوزخ کی طرف ہوگا، وہ عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! (بس اتنا کرم کردے کہ) میرا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دے، دوزخ کی آگ کی بدبو نے مجھے سخت اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے اور اس کے شعلوں کی تیزی و گرمی مجھے بھسم کیے دے رہی ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اگر میں ایسا کردوں (یعنی تیرا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دوں) تو ہوسکتا ہے کہ تو پھر کچھ اور بھی مانگنے لگے۔ وہ شخص عرض کرے گا کہ نہیں، تیری عزت کی قسم میں اور کچھ نہیں مانگوں گا پھر وہ کچھ اور عہد و پیمان کرے گا جو اللہ تعالیٰ چاہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دے گا، مگر جب اس کا منہ (دوزخ کی طرف سے جنت کی طرف پھیر دے گا، اور وہ جنت کی زیبائش و آرائش اور تر و تازگی دیکھے گا تو (پہلے تو) اس وقت تک خاموش (کھڑا دیکھتا) رہے گا جب تک خدا چاہے گا اور پھر عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! مجھے جنت کے دروازہ تک پہنچادے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تونے یہ عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ تو اپنی اس درخواست کے علاوہ (کہ میرا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دیجئے، کوئی درخواست پیش نہیں کرے گا وہ گڑگڑائے گا کہ میرے پروردگار! تو مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بدنصیب نہ بنا (کہ تیری یہ ساری مخلوق تو جنت کے اندر رہے اور میں اتنا حرماں نصیب ہوں کہ جنت کے دروازہ تک نہ پہنچ سکوں، مگر جب وہ جنت کے دروازہ تک پہنچے گا اور جنت کی چمک دمک اور اس کے اندر کی چیزوں (جیسے عالیشان محلات، عیش و عشرت کے اسباب، حور و غلمان اور جنت میں رہنے والوں) کے ٹھاٹ باٹ دیکھے گا تو پہلے اس وقت تک خاموش (کھڑا دیکھتا) رہے گا، جب تک خدا چاہے گا، اور پھر عرض، کرے گا کہ میرے پروردگار! مجھے جنت کے اندر پہنچادیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ابن آدم! افسوس تو کس قدر عہد شکن اور وعدہ فراموش ہے؟ کیا تونے عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ تو اپنی اس درخواست کے علاوہ جو تیری خواہش کے مطابق منظور کرلی گئی تھی، کوئی اور درخواست پیش نہیں کرے گا۔ وہ عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! (بے شک میں نے عہد و پیمان کیا تھا لیکن جب میں نے تیری شان عفو اور تیری بیکراں رحمت کی طرف دیکھا اور اس بات پر غور کیا کہ خود تونے اپنے کلام مجید میں فرمایا ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ الخ تو مجھے معلوم ہوا کہ میں ان کافروں کی طرح نہیں ہوں جو تیری رحمت سے ناامید ہوگئے ہیں، میں تیرے کرم اور تیری وسعت رحمت سے ہر

لمحہ امید رکھنے والا ہوں، پس تیرا دامن رحمت تھام کر عرض کرتا ہوں کہ) مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بدنصیب نہ بنا غرضیکہ وہ اسی طرح گڑگڑاتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (اس کی گڑگڑاہٹ اور طلب صادق دیکھ کر) اس سے راضی ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ جب راضی ہوجائے گا تو اس کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دے گا، پھر فرمائے گا کہ تو اور جو کچھ آرزو اور خواہش رکھتا ہو تو اس کو ظاہر کر اور جو کچھ مانگنا چاہتا ہے مانگ لے چنانچہ وہ (دل کھول کر) اپنی آرزوئیں بیان کرے گا اور جب اپنی آخری سے آخری آرزو بھی پوری کرالے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ (ارے نادان) فلاں فلاں چیز کی بھی خواہش کیوں نہیں ظاہر کرتا! گویا پروردگار اس کو یاد دلانا چاہے گا کہ تو نے فلاں فلاں چیز تو مانگی ہی نہیں، ان چیزوں کو بھی مانگ لے، میں آج تجھے ہر چیز عطا کروں گا یہاں تک کہ جب وہ آرزوئیں بھی پوری ہوجائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نہ صرف یہ تمام چیزیں (جو تیری خواہش پر تجھے عطا ہوئی ہیں) تیرے لئے ہیں بلکہ (از راہ تفضیل) ان ہی جیسی مزید نعمتیں تجھے عطا کی جاتی ہیں اور حضرت ابوسعیدؓ کی روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا "نہ صرف یہ تمام چیزیں تیرے لئے ہیں بلکہ ان کے ساتھ دس گنا اور نعمتیں تجھے عطا کی جاتی ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "مگر سجدوں کے نشان کو نہیں کھایا جائے گی۔" کے ضمن میں نوویؒ نے لکھا ہے کہ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دوزخ کی آگ جسم کے ان اعضاء کو نہیں جلائے گی جن سے سجدہ کیا جاتا ہے اور وہ جسم کے سات حصے ہیں، یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں زانوں اور دونوں پاؤں، جب کہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ "مگر سجدوں کے نشان کو نہیں کھائے گی۔" صرف پیشانی نہ جلایا جانا ہے لیکن علماء نے نوویؒ کے قول کو زیادہ پسند کیا ہے۔

"چنانچہ ان پر آب حیات چھڑکا جائے گا" یہ بات بظاہر پچھلی حدیث کے مخالف ہے جس میں یہ ذکر فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا لیکن حقیقت میں ان دونوں باتوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں کو نہر حیات میں غوطہ دلوایا جائے گا اور کچھ لوگوں پر اس نہر کا پانی چھڑکنا ہی کافی قرار دیا جائے گا۔

"تیری عزت کی قسم میں کچھ نہیں مانگوں گا۔" اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ شخص جب اپنی قسم اور اپنے عہد و پیمان کی خلاف ورزی کرے گا تو اس پر قسم و عہد توڑنے کا عتاب کیوں نہیں ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص کا حال ایک مجنون اور ازخود رفتہ شخص کا سا ہوگا اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص "معذور" سمجھا جاتا ہے، یا یہ کہ یہ بات جس جگہ سے تعلق رکھتی ہے وہ ایک ایسی جگہ (یعنی آخرت) ہے جہاں کے کسی عمل کا کوئی شخص مکلف ہی نہیں ہوگا، پس اس سے مواخذہ کس بناء پر کیا جائے گا۔

جنت میں سب سے بعد میں جانے والے شخص کا ذکر

(۱۴) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اٰخِرُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فَهُوَ يَمْشِىْ مَرَّةً وَّيَكْبُوْ مَرَّةً وَّتَسْفَعُهُ النَّارُ مَرَّةً فَاِذَا جَاوَزَهَا الْتَفَتَ اِلَيْهَا فَقَالَ تَبَارَكَ الَّذِىْ نَجَّانِىْ مِنْكِ لَقَدْ اَعْطَانِىَ اللّٰهُ شَيْئًا مَّا اَعْطَاهُ اَحَدًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ فَتُرْفَعُ لَهُ شَجَرَةٌ فَيَقُوْلُ اَىْ رَبِّ اَدْنِنِىْ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ فَلِاَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَاَشْرَبَ مِنْ مَّآءِ هَا فَيَقُوْلُ اللّٰهُ يَا ابْنَ اٰدَمَ لَعَلِّىْ اِنْ اَعْطَيْتُكَهَا سَاَلْتَنِىْ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ لَا يَارَبِّ وَيُعَاهِدُهٗ اَنْ لَّا يَسْاَلَهٗ غَيْرَهَا وَرَبُّهٗ يَعْذِرُهٗ لِاَنَّهٗ يَرٰى مَالَا صَبْرَ لَهٗ عَلَيْهِ فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا فَيَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَّآئِهَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَهٗ شَجَرَةٌ هِىَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلٰى فَيَقُوْلُ اَىْ رَبِّ اَدْنِنِىْ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ لِاَشْرَبَ مِنْ مَّآءِ هَا وَاَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا لَا اَسْاَلُكَ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ يَا ابْنَ اٰدَمَ اَلَمْ تُعَاهِدْنِىْ اَنْ لَّا تَسْاَلَنِىْ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ لَعَلِّىْ اِنْ اَدْنَيْتُكَ مِنْهَا تَسْاَلُنِىْ غَيْرَهَا فَيُعَاهِدُهٗ اَنْ لَّا يَسْاَلَهٗ غَيْرَهَا وَرَبُّهٗ يَعْذِرُهٗ لِاَنَّهٗ يَرٰى مَالَا صَبْرَ لَهٗ عَلَيْهِ فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا فَيَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَّآءِ هَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَهٗ شَجَرَةٌ عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ هِىَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلَيَيْنِ فَيَقُوْلُ اَىْ رَبِّ اَدْنِنِىْ مِنْ هٰذِهِ فَلِاَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَاَشْرَبَ مِنْ مَّآءِ هَا لَا اَسْاَلُكَ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ يَا ابْنَ

اٰدَمَ اَلَمْ تُعَاهِدْنِیْ اَنْ لَّا تَسْاَلَنِیْ غَیْرَهَا قَالَ بَلٰی یَا رَبِّ هٰذِهٖ لَا اَسْاَلُكَ غَیْرَهَا وَرَبُّهٗ یَعْذِرُهٗ لِاَنَّهٗ یَرٰی مَالَا صَبْرَ لَهٗ عَلَیْهِ فَیُدْنِیْهِ مِنْهَا فَاِذَا اَدْنَاهُ مِنْهَا سَمِعَ اَصْوَاتَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ اَدْخِلْنِیْهَا فَیَقُوْلُ یَا ابْنَ اٰدَمَ مَا یَصْرِیْنِیْ مِنْكَ اَیُرْضِیْكَ اَنْ اُعْطِیَكَ الدُّنْیَا وَمِثْلَهَا قَالَ اَیْ رَبِّ اَتَسْتَهْزِئُ مِنِّیْ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ فَضَحِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ اَلَا تَسْاَلُوْنِیْ مِمَّ اَضْحَكُ فَقَالُوْا مِمَّ تَضْحَكُ فَقَالَ هٰكَذَا ضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا مِمَّ تَضْحَكُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مِنْ ضِحْكِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ حِیْنَ قَالَ اَتَسْتَهْزِئُ مِنِّیْ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ فَیَقُوْلُ اِنِّیْ لَا اَسْتَهْزِئُ مِنْكَ وَلٰكِنِّیْ عَلٰی مَا اَشَآءُ قَدِیْرٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَّهٗ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ نَحْوَهٗ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ یَذْكُرْ فَیَقُوْلُ یَا ابْنَ اٰدَمَ مَا یَصْرِیْنِیْ مِنْكَ اِلٰی اٰخِرِ الْحَدِیْثِ وَزَادَ فِیْهِ وَیُذَكِّرُهُ اللّٰهُ سَلْ كَذَا وَكَذَا حَتّٰی اِذَا انْقَطَعَتْ بِهِ الْاَمَانِیُّ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی هُوَ لَكَ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهٖ قَالَ ثُمَّ یَدْخُلُ بَیْتَهٗ فَتَدْخُلُ عَلَیْهِ زَوْجَتَاهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ فَیَقُوْلَانِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَاكَ لَنَا وَاَحْیَانَا لَكَ قَالَ فَیَقُوْلُ مَا اُعْطِیَ اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُعْطِیْتُ۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والا جو شخص ہوگا وہ جب (دوزخ سے باہر نکل کر) روانہ ہوگا تو ایک مرتبہ یعنی ایک قدم آگے چلے گا، اور دوسری مرتبہ (یعنی دوسرے قدم پر) منہ کے بل گر پڑے گا اور تیسری مرتبہ (یعنی تیسرے قدم پر) دوزخ کی آگ (کی گرمی اور تپش) اس کے جسم کو جھلس ڈالے گی (جس کی وجہ سے اس کے بعض اعضاء جسم جل جائیں گے اور اس کی جلد کا رنگ بدل جائے گا) پھر جب وہ (اسی طرح گرتا پڑتا اور جھلستا ہوا) دوزخ (کی گرمی و تپش کی زد) سے آگے گزر جائے گا تو مڑ کر (دوزخ کی طرف) دیکھے گا اور کہے گا کہ بزرگ و برتر ہے خدا کی ذات، جس نے مجھے تجھ سے چھٹکارا دلایا، خدا کی قسم میرے پروردگار نے مجھے وہ چیز عطا کی ہے جو اس نے اگلے پچھلے لوگوں میں سے کسی کو عطا نہیں کی، پھر اس کی نظر کے سامنے ایک درخت کھڑا کیا جائے گا (جس کے نیچے پانی کا چشمہ ہوگا) وہ (اس درخت اور چشمے کو دیکھ کر) عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! مجھے اس درخت کے قریب پہنچا دے تاکہ میں اس کا سایہ حاصل کر سکوں اور اس کے چشمہ سے پانی پیوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا ابن آدم! اگر میں تیری یہ آرزو پوری کر دوں تو ہو سکتا ہے کہ تو مجھ سے کچھ اور مانگنے لگے! وہ عرض کرے گا کہ میرے پروردگار ایسا نہیں ہوگا، اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ سے اس بات کا عہد کرے گا کہ وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگے گا! چونکہ وہ شخص ایک ایسی چیز دیکھے گا جو اس کو بے صبر کر دے گی اس لئے اس کا پروردگار اس کو معذور جان کر اس سے درگزر کرے گا اور اس کو درخت کے پاس پہنچا دے گا! وہ شخص اس درخت کے سایہ میں بیٹھے گا اور اس کے چشمے سے پانی پیئے گا پھر (اس کو اور زیادہ آگے بڑھنے کے لئے) اس کی نظر کے سامنے ایک درخت کھڑا کیا جائے گا جو پہلے درخت سے زیادہ اچھا ہوگا، وہ شخص (اس درخت کو دیکھ کر) کہے گا کہ میرے پروردگار مجھ کو اس درخت کے پاس پہنچا دیجئے تاکہ اس کا سایہ حاصل کر سکوں اور اس کے چشمے سے پانی پیوں، نیز میں اب اس درخت کے علاوہ تجھ سے کچھ اور نہیں مانگوں گا، حق تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ ابن آدم! کیا تو نے مجھ سے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ تو اس (پہلے) درخت کے علاوہ کچھ اور مجھ سے نہیں مانگے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا اگر میں تجھے اس درخت کے پاس بھی پہنچا دوں تو ہو سکتا ہے کہ تو مجھ سے کچھ اور مانگنے لگے، پس اس کا پروردگار اس کو معذور جان کر اس سے درگزر کرے گا کیونکہ وہ ایک ایسی چیز دیکھے گا جو اس کو بے صبر کر دیگی اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت کے پاس پہنچا دے گا، وہ شخص اس درخت کے سایہ میں بیٹھے گا اور اس کے چشمہ کا پانی پیئے گا اور (تیسرا) اور درخت اس کے سامنے کھڑا کیا جائے گا جو جنت کے دروازہ کے قریب اور پہلے دونوں درختوں سے زیادہ اچھا ہوگا، وہ شخص (اس درخت کو دیکھ کر) کہے گا کہ میرے پروردگار! مجھے اس درخت کے پاس پہنچا دیجئے تاکہ میں اس کا سایہ حاصل کر سکوں اور اس کے چشمے میں سے پانی پیوں، حق تعالیٰ اس سے فرمائے گا، ابن آدم! کیا تو نے مجھ سے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ اس کے علاوہ کچھ اور مجھ سے نہیں مانگے گا۔ وہ عرض کرے گا کہ ہاں (میں نے بیشک عہد کیا تھا لیکن اب یہ میرا آخری سوال ہے) اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ پس اس کا پروردگار اس کو معذور جان کر اس سے درگزر کرے گا

کیونکہ وہ شخص ایک ایسی چیز دیکھے گا جو اس کو بے صبر کردے گی اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت کے پاس پہنچادے گا۔اور جب وہ اس درخت کے پاس پہنچ جائے گا اور اس کے کان میں وہ (دلچسپ اور مزے دار) باتیں آئیں گی جو جنتی لوگ اپنی بیویوں اور اپنے دوست واحباب سے کریں گے تو وہ شخص (بے اختیار ہوکر) عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! اب مجھے جنت میں بھی پہنچادیجئے اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ابن آدم! کیا کوئی ایسی چیز بھی ہے جو تجھ سے (یعنی تیرے باربار خواہش وآرزو کرنے سے) میرا پیچھا چھڑادے؟ کیا تو اس سے بھی خوش ہوگا یانہیں کہ میں تجھے جنت میں دنیا بھر کی مسافت کے برابر اور اسی قدر مزید جگہ تجھے دے دوں؟ وہ شخص (انتہائی خوشی ومسرت کے عالم میں) کہے گا کہ پروردگار کہیں آپ مجھ سے مذاق تو نہیں کررہے ہیں، حالانکہ آپ تو تمام جہانوں کے پروردگار ہیں!؟ (حدیث کے یہ الفاظ بیان کرنے کے بعد) حضرت ابن مسعودؓ ہنسے، اور پھر حدیث سننے والوں سے) بولے کہ کیا تم یہ نہیں پوچھوگے کہ میں کیوں ہنسا؟ لوگوں نے پوچھا کہ ہاں بتائیے؟ آپ کیوں ہنسے تھے فرمایا اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی ہنسے تھے اور جب صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) ہنسے کیوں؟ تو آنحضرت نے فرمایا کہ میں اس وجہ سے ہنسا کہ جب وہ شخص کہے گا کہ پروردگار! کہیں آپ مجھ سے مذاق تو نہیں کررہے ہیں، حالانکہ آپ تمام جہانوں کے پروردگار ہیں؟ تو پھر پروردگار عالم اس پر ہنس پڑے گا! بہرحال اللہ تعالیٰ (اس شخص کی یہ بات سن کر) فرمائے گا کہ نہیں میں تجھ سے مذاق نہیں کررہا ہوں، (اور خوب جانتا ہوں کہ تو اس عطاء وبخشش کا مستحق نہیں ہے) لیکن (یہ سب تجھ کو اس لئے دے رہا ہوں کہ) میں جو چاہوں کرسکتا ہوں (کہ ہر چیز کا مالک ومختار اور قادر مطلق میں ہی ہوں) اس روایت کو مسلمؒ نے نقل کیا ہے! اور مسلمؒ ہی میں ایک اور روایت حضرت ابوسعید خدریؓ سے اسی طرح کے الفاظ میں منقول ہے، لیکن اس روایت میں **فیقول یا ابن ادم مایصرینی منک** سے آخر تک کے الفاظ تو نہیں ہیں البتہ یہ الفاظ اور نقل کیے گئے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ اس شخص کو یاد دلائے گا اور بتائے گا کہ فلاں فلاں چیز مانگ اور جب (وہ تمام چیزیں مانگ چکے گا اور) اس کی آرزوئیں تمام ہولیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نہ صرف یہ تمام چیزیں (جن کو تو نے خواہش وآرزو کی ہے) بلکہ ان کی دس گنی اور چیزیں بھی تجھے عطا کی جاتی ہیں" آنحضرت ﷺ نے فرمایا! اس کے بعد وہ شخص جنت میں اپنے گھر میں داخل ہوگا، وہاں اس کے پاس حور عین میں سے اس کی دو بیویاں آئیں گی اور کہیں گی کہ تمام تعریف اللہ بزرگ وبرتر کے لئے ہے جس نے (اس عالیشان محل میں کہ جہاں عیش وراحت جاودانی کے سوا نہ کوئی غم وفکر ہے اور نہ موت کا خوف، تمہیں ہمارے لئے اور ہمیں تمہارے لئے پیدا کیا۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا! وہ شخص (فرط خوشی سے) کہے گا کہ (یہاں سب سے زیادہ خوش نصیب میں ہی ہوں کیونکہ) جتنا مجھے عطا کیا گیا ہے اتنا کسی اور کو نہیں دیا گیا (یہ بات وہ اس بناء پر کہے گا کہ اسوقت تک اسے دوسروں کو حاصل ہونے والی نعمتوں کا علم ہی نہیں ہوگا۔ وہ یہی سمجھے گا کہ یہاں سب سے زیادہ نوازا جانے والا بندہ بس میں ہی ہوں۔"

تشریح: "خدا کی قسم مجھے میرے پروردگار نے وہ چیز عطا کی ہے...... الخ اس موقع پر اس شخص کا قسم کھانا اور یہ بات کہنا دراصل اس کے اندر بدرجہ غایت امنڈ آنے والی خوشی ومسرت کا غماز ہوگا، کیونکہ اس وقت وہ اسی چیز کو سب سے بڑی نعمت جانے گا کہ دوزخ کی آگ سے باہر آنے کا موقع مل گیا اور پھر ہوسکتا ہے کہ وہ دوزخ سے نکلنے کے وقت کسی اور کو اپنے ساتھ نہ دیکھے اور یہ نہ جانے کہ کتنی زیادہ مخلوق جنت کی نعمتوں اور وہاں کے عیش وراحت میں ہے، اس لئے وہ یہی سمجھے گا کہ اس وقت میرے پروردگار نے دوزخ سے باہر لانے کی صورت میں مجھے جو نعمت عطا کی ہے اتنی بڑی نعمت اس نے اگلے پچھلے لوگوں میں سے کسی کو عطا نہیں کی۔

اس شخص کے یہ کہنے پر کہ "پروردگار! کہیں آپ مجھ سے مذاق تو نہیں کررہے ہیں...... الخ حق تعالیٰ کے ہنسنے سے مراد بندے سے اس کا بہت زیادہ خوش ہونا ہے اور اس بات کو بیان کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کا ہنسنا اس عجب وسرور کی بناء پر تھا جو ایک گناہ گار بندے پر اللہ تعالیٰ کے کمال لطف ومہربانی کو دیکھ کر آپ ﷺ کے اندر پیدا ہوا تھا، رہی حضرت ابن مسعودؓ کی بات تو وہ بیان حدیث کے وقت ان الفاظ پر پہنچ کر آنحضرت ﷺ کی اتباع میں اور خود اپنی بھی مسرت کے اظہار کے لئے ہنسے۔

"وہاں اس کے پاس حور عین میں سے اس کی دو بیویاں آئیں گی" "حور" اصل میں حوراء کی جمع ہے جس سے "گورے رنگ اور

حسین چہرے والی عورت" مراد ہوتی ہے اور "عین" اصل میں "عیناء" کی جمع ہے جو "بڑی اور کالی آنکھ" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

دوزخ سے جنت میں پہنچائے جانے والے لوگ جنت میں "جہنّمی" کہلائیں گے

(۱۵) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیُصِیْبَنَّ اَقْوَامًا سَفْعٌ مِّنَ النَّارِ بِذُنُوْبٍ اَصَابُوْهَا عُقُوْبَةً ثُمَّ یُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهٖ فَیُقَالُ لَهُمُ الْجَهَنَّمِیُّوْنَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ "مسلمانوں کے کتنے ہی گروہ ایسے ہوں گے جنہیں ان کے ان گناہوں کی پاداش میں جو انہوں نے کیے ہونگے دوزخ کی آگ کے شعلے جھلس دیں گے اور ان کے حلیوں کو بدل دیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم اور رحمت کے تحت ان کو (دوزخ سے چھٹکارا دلا کر) جنت میں پہنچائے گا اور ان لوگوں کو "جہنّمی" کہا جائے گا۔" (بخاریؒ)

تشریح: "اور ان لوگوں کو جہنّمی کہا جائے گا" کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں ان لوگوں کو اس اعتبار سے کہ وہ پہلے دوزخ میں گئے ہوں گے اور وہاں سے جنت میں آئے ہوں گے "جہنّمی" کے نام سے تعبیر اور یاد کیا جائے گا لیکن ان کو جنت میں جہنّمی کا نام دینا ان کی تحقیر و تذلیل کے لئے نہیں ہوگا بلکہ ان لوگوں کو خوش کرنے اور نعمت یاد دلانے کے طور پر ہوگا تاکہ وہ لوگ شکر نعمت کریں اور وہ شکر نعمت انہیں دوزخ سے نجات ملنے اور جنت میں پہنچ جانے کی مسرت و شادمانی کا احساس دلاتا رہے۔

(۱۶) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ اَقْوَامٌ مِّنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ فَیَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَیُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِیِّیْنَ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَفِیْ رِوَایَةٍ یَخْرُجُ قَوْمٌ مِّنْ اُمَّتِیْ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَتِیْ یُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِیِّیْنَ۔

"اور حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بہت سے لوگوں کو محمد (ﷺ) کی شفاعت کے نتیجہ میں دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا اور ان کا نام "جہنّمی" رکھا جائے گا۔" (بخاریؒ) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "میری اُمت میں کے بہت سے لوگ میری شفاعت کے نتیجہ میں دوزخ سے نکالے جائیں گے اور ان کا نام "جہنّمی رکھا جائے گا۔"

(۱۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اٰخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِّنْهَا وَاٰخِرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا رَجُلٌ یَّخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا فَیَقُوْلُ اللّٰهُ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَیَاْتِیْهَا فَیُخَیَّلُ اِلَیْهِ اَنَّهَا مَلْاٰی فَیَقُوْلُ یَا رَبِّ وَجَدْتُّهَا مَلْاٰی فَیَقُوْلُ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَاِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْیَا وَعَشَرَةَ اَمْثَالِهَا فَیَقُوْلُ اَتَسْخَرُ مِنِّیْ اَوْ تَضْحَكُ مِنِّیْ وَاَنْتَ الْمَلِكُ فَلَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ وَكَانَ یُقَالُ ذٰلِكَ اَدْنٰی اَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا! میں یقیناً اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا اور سب سے آخر میں جنت میں پہنچایا جائے گا یہ ایک شخص ہوگا جو گھٹنوں کے بل چل کر دوزخ سے باہر آئے گا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ جا اور جنت میں داخل ہوجا، وہ شخص جب وہاں (جنت کے اندر یا جنت کے دروازہ پر) پہنچے گا تو اس کو جنت اس حال میں دکھائی دے گی کہ گویا وہ بالکل بھر گئی ہے اور اس میں مزید کسی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے) وہ شخص عرض کرے گا کہ میرے لئے کوئی جگہ نظر نہیں آرہی ہے؟) اللہ تعالیٰ فرمائے گا! تو جا اور جنت میں داخل ہو، وہاں تیرے لئے دنیا (کی مسافت) کے بقدر اور اس سے دس گنی مزید جگہ تیرے لئے (مخصوص کردی گئی) ہے! وہ شخص (انتہائی تحیر واستعجاب کے عالم میں) کہے گا کہ (پروردگار!) کیا آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں یا یہ کہے گا کہ آپ مجھ سے ہنسی کر رہے ہیں حالانکہ آپ تو (بادشاہوں کے بھی) بادشاہ ہیں!؟" حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول کریم ﷺ یہ بات فرما کر ہنسے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی کچلیاں نظر آنے

لگیں۔" اور کہا جاتا تھا کہ یہ شخص جنتیوں میں سب سے چھوٹے درجہ کا آدمی ہوگا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ان الفاظ "اور کہا جاتا تھا" سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شخص جنتیوں میں سب سے چھوٹے درجہ کا آدمی ہوگا کے الفاظ آنحضرت ﷺ کے نہیں ہیں بلکہ حضرت ابو سعیدؓ یا ان کے بعد کے کسی راوی کے ہیں پس اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہؓ یا سلفؒ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد یہ کہا کرتے تھے کہ حدیث میں جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے اور جس کو جنت میں اتنی بڑی جگہ ملنے کا ذکر ہے وہ مرتبہ و درجہ کے اعتبار سے تمام جنتیوں میں سب سے کمتر ہوگا۔

⑱ وَعَنْ اَبِی ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّی لَاَعْلَمُ اٰخِرَ اَھْلِ الْجَنَّۃِ دُخُوْلاً الْجَنَّۃَ وَاٰخِرَ اَھْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِنْھَا رَجُلاً یُؤْتٰی بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَیُقَالُ اَعْرِضُوْا عَلَیْہِ صِغَارَ ذُنُوْبِہٖ وَارْفَعُوْا عَنْہُ کِبَارَھَا فَتُعْرَضُ عَلَیْہِ صِغَارُ ذُنُوْبِہٖ فَیُقَالُ عَمِلْتَ یَوْمَ کَذَا وَکَذَا کَذَا وَکَذَا وَعَمِلْتَ یَوْمَ کَذَا وَکَذَا کَذَا وَکَذَا فَیَقُوْلُ نَعَمْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّنْکِرَ وَھُوَ مُشْفِقٌ مِّنْ کِبَارِ ذُنُوْبِہٖ اَنْ تُعْرَضَ عَلَیْہِ فَیُقَالُ لَہٗ فَاِنَّ لَکَ مَکَانَ کُلِّ سَیِّئَۃٍ حَسَنَۃً فَیَقُوْلُ رَبِّ قَدْ عَمِلْتُ اَشْیَاءَ لَا اَرَاھَا ھٰھُنَا وَلَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ضَحِکَ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُہٗ۔ (رواہ مسلمؒ)

"اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا! میں یقیناً اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل کیا جائے گا اور سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا، یہ ایک ایسا شخص ہوگا جس کو قیامت کے دن جب (پروردگار کے حضور میں) پیش کیا جائے گا تو (فرشتوں سے) کہا جائے گا کہ اس کے چھوٹے گناہوں پر مشتمل فرد جرم اس کے آگے کردو اور اس کے بڑے بڑے گناہوں کی فرد جرم) کو ابھی ہی اس پر ظاہر نہ کرو۔ چنانچہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کی فرد جرم اس کے آگے کردی جائے گی اور پھر اس سے کہا جائے کہ (بتا) کیا تونے فلاں فلاں دن فلاں فلاں (برے کام کیے تھے اور فلاں فلاں دن طاعت کو ترک کیا تھا، وہ اقرار کرے گا کہ ہاں (میں نے فلاں فلاں دن اس اس طرح کیا تھا) وہ اپنے ان گناہوں سے انکار نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ اپنے بڑے بڑے گناہوں کے خوف میں مبتلا ہوگا (اور سوچے گا، اگر کہیں ان کے بڑے گناہوں کی فرد جرم سامنے آگئی تو پھر بہت سی سخت پرسش ور مواخذہ سے دوچار ہونا پڑے گا پس اس سے کہا جائے گا کہ (جا ہم نے نہ صرف تجھے معاف کیا بلکہ ہماری خصوصی رحمت اور کمال فضل و کرم کے تحت تجھے ہر برائی کے بدلہ میں ایک نیکی عطا کی جاتی ہے وہ شخص کہے گا کہ میرے پروردگار! میں نے اور بھی بہت سے برے کام (یعنی بڑے گناہ) کیے تھے جو مجھے یہاں (فرد جرم میں) نظر ہی نہیں آرہے ہیں حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا، رسول کریم ﷺ یہ بیان کرکے ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی کچلیاں نظر آنے لگیں۔" (مسلمؒ)

ایک دوزخ سے نکالے جانے والے شخص کا واقعہ

⑲ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ اَرْبَعَۃٌ فَیُعْرَضُوْنَ عَلَی اللّٰہِ ثُمَّ یُؤْمَرُ بِھِمْ اِلَی النَّارِ فَیَلْتَفِتُ اَحَدُھُمْ فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ لَقَدْ کُنْتُ اَرْجُوْ اِذْ اَخْرَجْتَنِیْ مِنْھَا اَنْ لَّا تُعِیْدَنِیْ فِیْھَا قَالَ فَیُنْجِیْہِ اللّٰہُ مِنْھَا۔ (رواہ مسلمؒ)

"اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "(آخر میں دوزخ سے جن لوگوں کو نکالا جائے گا ان میں سے) چار آدمی وہ ہوں گے جن کو جب دوزخ سے نکالا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جائے گا تو ان کے بارے میں یہ حکم ہوگا کہ ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے۔ اس کے بعد جب ان کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا تو ان میں سے ایک شخص مڑ کر دیکھے گا اور (بڑی حسرت کے ساتھ) کہے گا کہ میرے پروردگار! میں تو یہ امید رکھتا تھا کہ جب آپ مجھے دوزخ سے باہر بلوالیں گے تو دوبارہ مجھے نہیں بھیجیں گے!؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ (یہ بات سن کر) اس کو دوزخ سے نجات دے دے گا۔" (مسلمؒ)

تشریح: ان لوگوں کو دوزخ سے نکالنا، پھر دوبارہ دوزخ میں بھیجنے کا حکم دینا اور پھر نجات دے دینا دراصل ان کے امتحان و آزمائش اور

ان کو ممنون کرم کرنے کے لئے ہوگا! واضح رہے کہ آخر میں ان میں سے صرف ایک شخص کا حال بیان کیا گیا ہے اور باقی تینوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس ایک شخص پر قیاس کر کے باقی سب کا حال خود بخود مفہوم ہو جاتا ہے کہ وہ سب بھی اسی طرح نجات پائیں گے۔ نیز یہاں "چار لوگوں" کا ذکر صرف تمثیل کے طور پر ہے اور اصل میں اس طرح کے لوگوں کی ایک پوری جماعت اور ایک بڑا طبقہ مراد ہے۔

اہل ایمان کو عذاب میں مبتلا کرنے کی اصل وجہ

(۲۰) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُخْلَصُ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ فَیُحْبَسُوْنَ عَلٰی قَنْطَرَۃٍ بَیْنَ الْجَنَّۃِ وَالنَّارِ فَیُقْتَصُّ لِبَعْضِھِمْ مِنْ بَعْضٍ مَظَالِمُ کَانَتْ بَیْنَھُمْ فِی الدُّنْیَا حَتّٰی اِذَا ھُذِّبُوْا وَ نُقُّوْا اُذِنَ لَھُمْ فِیْ دُخُوْلِ الْجَنَّۃِ فَوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَاَحَدُھُمْ اَھْدٰی بِمَنْزِلِہٖ فِی الْجَنَّۃِ مِنْہُ بِمَنْزِلِہٖ کَانَ لَہٗ فِی الدُّنْیَا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا! "جب اہل ایمان کو دوزخ سے چھٹکارا ملے گا تو ان کو (جنت میں پہنچانے سے پہلے) اس پل پر روک لیا جائے گا جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہوگا، اور پھر ان سے ایک دوسرے کو ان حقوق و مطالبات کا بدلہ دلوایا جائے گا جو دنیا میں وہ ایک دوسرے پر رکھتے تھے (یعنی جو بھی شخص دنیا میں اپنے ذمے کسی کا حق رکھتا ہو اور اس کو ادا کرنے سے پہلے مر گیا ہوگا تو اس موقع پر اس سے وہ حق، حقدار کو دلوایا جائے گا) یہاں تک کہ جب وہ لوگ (ہر طرح کے گناہ اور برائیوں کی آلائش سے) بالکل پاک وصاف ہو جائیں گے تو ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دیدی جائے گی۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے (جب وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو) (ان میں سے ہر شخص اپنے اس مکان کو، جو اس کے لئے جنت میں مخصوص ہوگا اپنے دنیا کے مکان سے زیادہ پہچاننے والا ہوگا۔" (بخاری)

تشریح: "جب وہ لوگ بالکل پاک وصاف ہو جائیں گے......الخ" سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ گار اہل ایمان کو دوزخ کے سپرد کرنا اور عذاب میں مبتلا کرنا، ان کو پاک وصاف کرنے کے لئے ہوگا تاکہ وہ پوری طرح کندن ہو کر جنت میں، کہ جو ان کے ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے، داخل ہوں، نہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان مؤمن بندوں کو کسی نفرت و عداوت اور قہر و غضب کے تحت دوزخ کی آگ میں جھونکے گا! اور اس کی یہی حکمت اس دنیا میں بھی کار فرما ہے کہ وہ اپنے بندوں کو بیماریوں، حادثوں اور مختلف تکالیف و مصائب میں مبتلا کر کے ان کے گناہوں کو دھوتا رہتا ہے۔

اہل تحقیق نے کہا ہے کہ مختلف اوقات میں بندوں سے جو گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں ان میں بعض گناہ تو حق کی خاطر برداشت کی جانے والی مشقتوں اور مختلف مصائب و آفات میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دھل جاتے ہیں، بعض گناہ وہ ہوتے ہیں جن کو سکرات الموت کی شدت و سختی پاک وصاف کر دیتی ہے، بعض گناہ وہ ہوتے ہیں جو عذاب قبر سے ختم ہو جاتے ہیں اور بعض گناہ وہ ہوتے ہیں جو دوزخ کی آگ کے علاوہ کسی اور چیز سے صاف نہیں ہوں گے جیسا کہ سونے اور چاندی کو بھٹی میں ڈال کر پگھلائے بغیر کندن نہیں کیا جا سکتا۔

"ان میں سے ہر شخص اپنے اس مکان کو......الخ سے قلب کی اس قوت و نورانیت اور ہدایت کی طرف اشارہ ہے جو گناہوں سے پاک وصاف ہونے کی صورت میں حاصل ہوتی ہے، نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جب ان لوگوں (یعنی اہل ایمان) نے دنیا میں نور توفیق اور نور قلب کی روشنی میں ایمان، عمل صالح اور تعلق مع اللہ کے راستہ کو پا لیا تھا اور ہدایت یافتہ ہو گئے تھے تو آخرت میں بھی جنت کے اندر اپنی منزل اور اپنے مقام کا راستہ آسانی کے ساتھ پالیں گے۔

ہر بندہ کے لئے جنت و دوزخ میں جگہیں مخصوص ہیں

(۲۱) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اَحَدٌ اِلَّا اُرِیَ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ لَوْ

اَسَاءَ لِيَزْدَادَ شُكْرًا وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ اِلَّا اُرِىَ مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ اَحْسَنَ لِيَكُوْنَ عَلَيْهِ حَسْرَةً۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا! کوئی بھی شخص (کہ جنت کا مستحق قرار پا چکا ہو گا) اس وقت تک جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا جب تک اس کو دوزخ میں وہ جگہ نہ دکھادی جائے گی جو اس کا ٹھکانا ہوتا، اگر وہ برے کام کرتا (یعنی اس کو وہ جگہ دکھا کر بتایا جائے گا کہ اگر تم دنیا میں برے کام کرتے تو دوزخ میں اس جگہ تمہارا ٹھکانا ہوتا) اور یہ اس لئے ہو گا تاکہ وہ دنیا میں برے کام سے بچنے کی توفیق ملنے اور دوزخ میں جانے کے بجائے جنت میں داخل کیے جانے پر) زیادہ سے زیادہ شکر ادا کر سکے اور کوئی بھی شخص (کہ جو عذاب دوزخ کا مستوجب قرار دیا جا چکا ہو گا) اس وقت تک دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا جب تک کہ اس کو جنت میں وہ جگہ نہ دکھادی جائے گی جو اس کے لئے مخصوص تھی اگر وہ نیک کام کرتا (یعنی اس کو وہ جگہ دکھا کر بتایا جائے گا کہ اگر تم دنیا میں برائی کے راستے پر نہ لگے رہتے اور نیک کام کرتے تو جنت میں تمہیں یہ مقام عطا ہوتا) اور یہ اس لئے ہو گا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ حسرت و ندامت میں مبتلا ہو۔"

(بخاریؒ)

جب موت کو بھی موت کے سپرد کر دیا جائے گا

(۲۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَارَ اَهْلُ الْجَنَّةِ اِلَى الْجَنَّةِ وَاَهْلُ النَّارِ اِلَى النَّارِ جِيْءَ بِالْمَوْتِ حَتّٰى يُجْعَلَ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ ثُمَّ يُذْبَحُ ثُمَّ يُنَادِيْ مُنَادٍ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ لَا مَوْتَ وَيَا اَهْلَ النَّارِ لَا مَوْتَ فَيَزْدَادُ اَهْلُ الْجَنَّةِ فَرَحًا اِلٰى فَرَحِهِمْ وَيَزْدَادُ اَهْلُ النَّارِ حُزْنًا اِلٰى حُزْنِهِمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کہتے ہیں "جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں (اپنی اپنی جگہ) جالیں گے تو موت کو لایا جائے گا (اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ موت کو ایک دنبہ کی شکل میں لایا جائے گا) اور اس کو جنت و دوزخ کے درمیان ڈال کر ذبح کر دیا جائے گا، پھر اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ اے جنتیو! (سن لو) اب موت کا کوئی وجود نہیں رہا (جو بھی شخص جہاں اور جس حالت میں ہے، اس پر کبھی موت کا سایہ نہیں پڑے گا، ہر ایک کو ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو گئی ہے) اور اے دوزخیو! (تم بھی سن لو) اب موت کا کوئی وجود نہیں رہا۔ (یہ اعلان سن کر) اہل جنت کی فرحت و مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا اور اہل دوزخ رنج و غم کے دریا میں اور زیادہ ڈوب جائیں گے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِىْ

حوض کوثر پر سب سے پہلے آنے والے فقراء مہاجرین ہوں گے

(۲۳) عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَوْضِىْ مِنْ عَدَنٍ اِلٰى عُمَّانَ الْبَلْقَاءِ مَآؤُهُ اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ وَاَكْوَابُهُ عَدَدُ نُجُوْمِ السَّمَآءِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ شَرْبَةً لَمْ يَظْمَاْ بَعْدَهَا اَبَدًا اَوَّلُ النَّاسِ وُرُوْدًا فُقَرَآءُ الْمُهَاجِرِيْنَ الشُّعْثُ رُؤُسًا الدُّنْسُ ثِيَابًا الَّذِيْنَ لَا يَنْكِحُوْنَ الْمُتَنَعِّمَاتِ وَلَا يُفْتَحُ لَهُمُ السُّدَدُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"حضرت ثوبانؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا! "میرے حوض (کوثر) کی لمبائی عدن اور عمان بلقاء کے درمیانی فاصلہ کے بقدر ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اس کے آب خورے (پانی پینے کے برتن) آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں۔ جو شخص بھی ایک مرتبہ اس کا پانی پی لے گا پھر اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی، اس حوض پر پانی پینے کے لئے سب سے پہلے آنے والے لوگ فقراء مہاجرین ہوں گے، وہی فقراء مہاجرین جو (اس دنیا میں اپنے فقر و افلاس کی وجہ سے) پراگندہ

بال اور پریشان حال اور پھٹے پرانے کپڑوں میں نظر آتے ہیں جو خوشحال گھرانوں کی لڑکیوں سے (اگر اپنے نکاح کا پیغام بھیجیں تو ان سے) نکاح کے قابل نہیں سمجھے جاتے اور جن کے لئے (گھروں کے) دروازے نہیں کھولے جاتے۔" اس روایت کو احمدؒ، ترمذیؒ نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: جیسا کہ پہلے بھی اسی طرح کی ایک حدیث کی تشریح میں گزر چکا ہے، عدن ایک چھوٹے جزیرہ نما کا نام ہے جو پہلے یمن کا بندرگاہ تھا کچھ عرصہ پہلے تک اس جزیرہ پر انگریزوں کا قبضہ رہا ہے مگر اب خود مختار ریاست کی حیثیت رکھتا ہے، عدن بحر احمر کے جنوبی سرے پر واقع ہے۔ جہاں خلیج عدن، بحر احمر اور بحیرہ عرب (بحر ہند) کو ملاتی ہے۔ اسی طرح "عمان" بھی ایک شہر کا نام ہے جو بحر احمر کے شمالی سرے پر پہلے ملک شام کا ایک حصہ تھا اور اب ملک اردن کا دار السلطنت ہے۔ "بلقآء" اصل میں ایک قدیم شہر کا نام ہے جو کبھی ملک شام کے دار السلطنت "دمشق کے" قرب وجوار میں آباد تھا۔ اور "عمان" اسی شہر بلقاء سے متعلق ایک دیہاتی علاقہ تھا، اسی بناء پر حدیث میں عمان بلقاء فرمایا گیا ہے! حاصل یہ کہ آخرت میں مجھے جو حوض کوثر عطا ہوگا اس کی لمبائی کا فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا فاصلہ عمان بلقاء اور عدن کے درمیان ہے (موجودہ دور میں اس فاصلہ کو پورے بحر احمر کی لمبائی پر قیاس کیا جاتا ہے کہ حوض کوثر، بحر احمر جتنا لمبا ہوگا) اور یہ بات بھی پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ حوض کوثر کی وسعت بیان کرنے کے لئے مختلف حدیثوں میں مختلف شہروں اور علاقوں کے درمیانی فاصلہ کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً اس حدیث میں عدن اور عمان بلقاء کے درمیانی فاصلہ کا ذکر ہے، ایک حدیث میں یہ ہے کہ حوض کوثر کی لمبائی ایلہ (ایلات) اور صنعاء (یمن) کے درمانی فاصلہ کے بقدر ہوگی اور ایک حدیث میں دو مہینے کی مسافت کے بقدر فاصلہ کا ذکر ہے وغیرہ وغیرہ تو حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی بھی حدیث میں حوض کوثر کی لمبائی ووسعت کو متعین طور پر حد بند کر کے بتانا مقصود نہیں ہے بلکہ ان سب حدیثوں کا اصل مقصد صرف حوض کے طول وعرض کی وسعت وزیادیت کو ظاہر کرنا ہے، پس جس موقع پر جو مخاطب وسامع جن علاقوں وشہروں کے درمیانی فاصلوں اور جس مسافت کی سمجھ اور معلومات رکھتا تھا اسی کے مطابق تمثیل کے طور پر شہروں اور علاقوں اور مسافت کا ذکر فرمایا۔

اس حوض پر پانی پینے کے لئے سب سے پہلے آنے والے لوگ فقراء مہاجرین، ہوں گے۔" فقراء مہاجرین کو یہ شرف خصوصی اس لئے حاصل ہوگا کہ دنیا میں دین کی خاطر انہوں ہی نے سب سے زیادہ بھوک پیاس کی صعوبت برداشت کی ہے سب سے زیادہ پریشانی اور تباہ حالی کا شکار یہی لوگ ہوئے ہیں، اس لئے، آخرت میں سب سے پہلے انہی لوگوں کو حوض کوثر پر سیراب کیا جائے گا اور سب سے پہلے انہی کو وہاں خوش آمدید کہا جائے گا۔ اسی مفہوم کو ایک دوسری حدیث میں یوں بیان فرمایا گیا ہے کہ:

اجوعكم في الدنيا اشبعكم في الاخرة۔

"تم میں سے جو لوگ دنیا میں سب سے زیادہ بھوکے رہتے ہیں وہی آخرت میں سب سے زیادہ شکم سیر ہوں گے۔"

نیز اللہ تعالیٰ جنت میں ایسے ہی لوگوں کو حکم دے گا۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ۔

"خوب مزے سے کھاؤ اور پیو، اس صورت حال کے صلہ میں جس سے تم گزشتہ ایام (یعنی دنیاوی زندگی) میں دوچار تھے۔"

واضح رہے کہ "مہاجرین" سے مراد وہ لوگ ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے اور آنحضرت ان کے قائد تھے، نیز انہی کے حکم میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے دین کی خاطر اپنے وطن اصلی سے ہجرت اختیار کر لی اور مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ جا کر بس گئے اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے راحت وچین اور خوشحالی کی زندگی پر فقر وافلاس کو اور شہرت وناموری پر گم نامی وگوشہ گیری کو ترجیح دے کر اختیار کیا اور رضائے الٰہی کے لئے جاہ ومال کے حصول کی جدوجہد کو ترک کر کے علم وعمل کے حصول میں منہمک ہوئے۔

اور جن لوگوں کے لئے دروازے نہیں کھولے جاتے" یعنی اگر وہ لوگ بفرض محال کسی ضرورت کے تحت یا بلا ضرورت ہی کسی دنیادار کے دروازے پر جائیں تو ان کی ظاہری شکستہ حالی کی بنا پر وہ (دنیادار) ان کو اس قابل بھی نہ سمجھے کہ اپنے یہاں گھسنے دے اور اپنے پاس آنے دے یہ گویا اس بات سے کنایہ ہے کہ یہ لوگ اپنی ظاہری حالت کی وجہ سے دنیاداروں کے یہاں کسی دعوت وضیافت میں بلائے جانے کے قابل نہیں سمجھے جاتے اور سماجی ومجلسی تعلقات میں ان کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جاتا۔

حوض کوثر پر آنے والے لوگوں کا کوئی شمار نہیں ہو گا

(۲۴) وَعَنْ زَيْدِ ابْنِ اَرْقَمَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فَقَالَ مَا اَنْتُمْ جُزْءٌ مِّنْ مِّائَةِ اَلْفِ جُزْءٍ مِّمَّنْ يَّرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ قِيْلَ كَمْ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ قَالَ سَبْعَ مِائَةٍ اَوْ ثَمَانَ مِائَةٍ۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ (ایک سفر میں) ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک جگہ ہمارا پڑاؤ ہوا، وہاں آنحضرت ﷺ نے (اس وقت موجود صحابہؓ سے) فرمایا کہ (آخرت میں) جو لوگ میرے پاس حوض کوثر پر آئیں گے ان کی تعداد کے اعتبار سے تم لاکھ جزوں میں سے ایک جزو بھی نہیں ہو۔" حضرت زید بن ارقمؓ سے سوال کیا گیا کہ اس موقع پر آپ لوگوں کی تعداد کیا تھی؟ انہوں نے کہا کہ سات سو یا آٹھ سو۔" (ابوداودؒ)

تشریح: اس سے تحدید و تعیّن مراد نہیں ہے بلکہ حوض کوثر پر آنے والے لوگوں کی کثرت و بہتات کو بیان کرنا مراد ہے، کہ وہاں پانی پینے کے لئے آنے والے لوگوں کی تعداد بے شمار ہو گی۔

ہر نبی ﷺ کو ایک حوض عطا ہو گا

(۲۵) وَعَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَاِنَّهُمْ لَيَتَبَاهَوْنَ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ وَارِدَةً وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (آخرت میں) ہر ایک نبی ﷺ کو حوض عطا ہو گا (اور ہر اُمت اپنے نبی ﷺ کے حوض پر آکر پانی پئیں گے، پس تمام انبیاء آپس میں اس پر فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر زیادہ آدمی آتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ سب سے زیادہ آدمی میرے حوض پر آئیں گے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ کہ آنحضرت ﷺ کی اُمت کے لوگوں کی تعداد چونکہ دوسری تمام امتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوگی۔ اس لئے آپ ﷺ کے حوض پر پانی پینے کے لئے آنے والوں کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہوگی! اور یہ بات بالکل یقینی ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، پس آپ کا یہ کہنا کہ "مجھے امید ہے" اور جس سے شک وتردد کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے) محض تواضع وانکساری کی بنا پر ہے۔

قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کہاں کہاں ملیں گے

(۲۶) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّشْفَعَ لِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَالَ اَنَا فَاعِلٌ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَيْنَ اَطْلُبُكَ قَالَ اُطْلُبْنِيْ اَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِيْ عَلَى الصِّرَاطِ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَلْقَكَ عَلَى الصِّرَاطِ قَالَ فَاطْلُبْنِيْ عِنْدَ الْمِيْزَانِ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَلْقَكَ عِنْدَ الْمِيْزَانِ قَالَ فَاطْلُبْنِيْ عِنْدَ الْحَوْضِ فَاِنِّيْ لَا اُخْطِئُ هٰذِهِ الثَّلٰثَ الْمَوَاطِنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ قیامت کے دن (عام شفاعت کے علاوہ

خاص طور پر الگ سے بھی، میری شفاعت فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا! اچھا میں شفاعت کردوں گا۔" میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) کو کہاں تلاش کروں اور آپ (ﷺ) مجھے کہاں ملیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! "سب سے پہلے مجھے پلصراط پر تلاش کرنا" میں نے عرض کیا کہ اگر آپ (ﷺ) پلصراط پر نہ مل پائیں؟ فرمایا! تو پھر میزان کے پاس تلاش کرنا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر آپ (ﷺ) میزان کے پاس بھی نہ ملیں؟ فرمایا! (اگر ان دونوں جگہ پر نہ مل پاؤں) تو پھر حوض پر مجھے تلاش کرنا میں ان تینوں جگہوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔" اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: حضور ﷺ کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ قیامت کے دن یہ تین موقعے اور یہ تین مقام ایسے ہوں گے جہاں لوگوں کو بہت زیادہ پریشانی اور ہولناکی سے دوچار ہونا پڑے گا اور یہی وہ مقام ہوں گے جہاں پیش آنے والے حالات و معاملات، سفارش و شفاعت کے طلب گار ہوں گے، پس میں ان تینوں جگہوں پر باری باری موجود رہوں گا، کبھی یہاں کبھی وہاں اور اس طرح میں اس دن انہیں مقامات پر لوگوں کو دیکھ بھال رکھنے اور ان کے معاملات نمٹوانے میں مصروف رہوں گا۔

اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ یہ حدیث بظاہر حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کے خلاف ہے جو باب الحساب کی دوسری فصل میں گزری ہے اور جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ قیامت کے دن اپنے اہل و عیال کو یاد رکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن ان تینوں موقعوں پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ والی حدیث "غائبین" پر محمول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن ان تینوں موقعوں جو لوگ آپ ﷺ کے سامنے نہیں ہوں گے اور آپ ﷺ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کریں گے آپ ﷺ از خود ان کو یاد نہیں کریں گے، اور یہ حضرت انسؓ والی حدیث "حاضرین" پر محمول ہے، یعنی آپ ﷺ کی اُمت میں جو لوگ ان موقعوں پر آپ ﷺ کی خدمت پر حاضر ہوں گے اور اپنی طرف متوجہ کریں گے تو آپ ﷺ ان کی طرف توجہ دیں گے اور ان کی خصوصی شفاعت فرمائیں گے۔ اور طیبیؒ نے ان دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لئے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ کو مذکورہ جواب اس لئے دیا کہ وہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں، اور یہ خدشہ تھا کہ کہیں وہ مخصوص حضور ﷺ کی شفاعت اور خصوصی توجہ پر اعتماد و بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائے اور عمل و ریاضت کی طرف سے بے فکر ہو جائیں! چنانچہ آپ ﷺ اپنے اہل بیت اور قرابتداروں سے یہی فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! میں تمہارے اخروی معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوں محض میرے اوپر اعتماد کر کے نہ بیٹھ جانا، آخرت میں تمہارا عمل ہی فائدہ پہنچائے گا، اس کے برخلاف آپ ﷺ نے حضرت انسؓ کو یہ جواب اس لئے دیا کہ وہ نا امید نہ ہو جائیں اور انہوں نے جس قلبی تعلق و اخلاص کی بنا پر یہ درخواست کی تھی اس کا تقاضہ یہی تھا کہ انہیں جواب بھی اس طرح کے محبت و تعلق کو ظاہر کرنے والا دیا جائے۔ بہرحال یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ وہ دن اپنی ہولناکی، شدت و سختی اور زحمت و مشقت کے اعتبار سے نہایت سخت ہوگا، اگرچہ آنحضرت ﷺ کو شفاعت کا مقام حاصل ہوگا اور آپ ﷺ کا شفاعت کرنا برحق ہے لیکن اس دن نجات پانے کے لئے اس دنیا میں عملی زندگی کو سوارنے اور درست کرنے کی ضرورت بھی مسلم ہے، محض حضور ﷺ کی شفاعت پر اعتماد کافی نہیں اور صرف اعمال پر اعتماد کر کے حضور ﷺ کی شفاعت سے بے نیازی کوئی معنی نہیں رکھتی، پس آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ کو جو الگ الگ جواب دیئے وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح تھے اور ہر جواب میں مخاطب کے حال کی رعایت ملحوظ تھی۔

مقام محمود اور پروردگار کی کرسی کا ذکر

(۲۷) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قِيْلَ لَهُ مَا الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ قَالَ ذٰلِكَ يَوْمٌ يَنْزِلُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى كُرْسِيِّهٖ فَيَئِطُّ كَمَا يَئِطُّ الرَّحْلُ الْجَدِيْدُ مِنْ تَضَايُقِهٖ وَهُوَ كَسَعَةِ مَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَيُجَآءُ بِكُمْ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا

فَيَكُوْنُ اَوَّلُ مَنْ يُّكْسٰى اِبْرَاهِيْمُ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اكْسُوْا خَلِيْلِىْ فَيُؤْتٰى بِرَيْطَتَيْنِ بَيْضَاوَيْنِ مِنْ رِيَاطِ الْجَنَّةِ ثُمَّ اُكْسٰى عَلٰى اَثَرِهٖ ثُمَّ اَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ اللّٰهِ مَقَامًا يَغْبِطُنِى الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت ابن مسعودؓ، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ مقام محمود اور اس کی اہمیت وخصوصیت) کیا ہے؟ جس کا اس آیت میں آپ ﷺ سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا) تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس دن (کہ جب مجھے یہ مقام محمود عطا ہوگا) اللہ تعالیٰ اپنی کرسی پر نزول جلال فرمائے گا اور وہ کرسی چر چرائے گی جیسا کہ نئے چمڑے کی تنگ زین چر چراتی ہے اور اس کرسی کی کشادگی وو سعت اتنی ہے جتنی کہ زمین وآسمان کی درمیانی فضا، پھر تم سب کو برہنہ پا ننگے بدن اور بے ختنہ (میدان حشر) میں لایا جائے گا اور اس دن سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ (فرشتوں کو) حکم دےگے کہ میرے دوست کو لباس پہناؤ، اور جنت کی چادروں میں سے ملائم کتان کی دو سفید چادریں لاکر حضرت ابراہیم کو پہنائی جائیں گی، ان کے بعد مجھ کو لباس پہنایا جائے گا اور پھر میں اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا اور (یہ اعزاز ملنے پر) اگلے پچھلے تمام لوگ مجھ پر رشک کریں کریں۔" (دارمی)

تشریح: اس حدیث میں "پروردگار کی کرسی" کی کشادگی ووسعت کو بیان کرنے کیلئے زمین وآسمان کی درمیانی فضا کی مثال دی گئی ہے جب کہ ایک حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ "(وسعت وکشادگی میں) اس کرسی کے مقابلہ پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کی مجموعی حیثیت بس اتنی ہی ہے جتنی کہ کسی بہت بڑے جنگل وبیابان میں پڑے ہوئے ایک چھوٹے سے چھلے کی، اور اس کرسی کے مقابلہ پر عرش کی وہی حیثیت ہے جو اس چھلے کے مقابلہ پر پورے جنگل وبیابان کی!" پس اس حدیث میں کرسی کی جو وسعت وکشادگی بیان کی گئی ہے وہ بطریق تعین وتحدید نہیں ہے بلکہ عام لوگوں کے ذہن وفہم کے مطابق محض تمثیل کے طور پر ہے جیسا کہ جنت کی وسعت وکشاد کو محض تمثیل کے طور پر بیان کرنے کے لئے یہ فرمایا گیا ہے کہ عرضها السموت والارض علاوہ ازیں اس وسعت وکشادگی" کو بیان کرنے کا ایک خاص مقصد بھی تھا وہ یہ کہ آپ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزول اجلال فرمانے کی وجہ سے کرسی اس طرح چر چرائے گی جس طرح نئے چمڑے کی تنگ زین سوار کے نیچے چر چراتی ہے تو اس سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ وہ کرسی تنگ اور چھوٹی ہونے کی وجہ سے چر چرائے گی، لہٰذا آپ ﷺ نے یہ واضح کرنا ضروری جانا کہ کرسی کے چر چرانے کی بات اور نئے چمڑے کی تنگ زین کی مشابہت سے یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ کرسی بھی چھوٹی اور تنگ ہوگی بلکہ وہ کرسی اتنی عظیم اور کشادہ ہے کہ اس کا ہلکا سا اندازہ کرنے کے لئے تم زمین وآسمان کی درمیانی فضا کا تصور کو لو بہر حال یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ حدیث کے الفاظ ان متشابہات میں سے ہیں جن کے حقیقی معنی ومراد تک انسانی علم وذہن کی رسائی تیقن کے ساتھ ممکن نہیں لہٰذا مفرداتِ عبادت جیسے کرسی پر حق تعالیٰ کے بیٹھنے، کرسی کے چر چرانے اور اس کرسی کے زمین آسمان کے درمیانی فاصلہ کے بقدر وسیع وکشادہ ہونے وغیرہ کی حقیقتِ معنی تک پہنچنے کی کوشش کئے بغیر صرف مفہوم حدیث کے خلاصہ کو اختیار کرنا چاہئے جو یہ ہے کہ اس حدیث کے ذریعہ قیامت کے دن حق تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اس کے جاہ وجلال اور اس کی بادشاہت وحاکیت کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

"اس دن سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم ہوں گے" الحشر کی پہلی فصل کی ایک حدیث میں بھی گزر چکا ہے اور یہ بات بھی وہاں بتائی جا چکی ہے کہ اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، آنحضرت ﷺ پر فضیلت رکھتے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے لباس پہنائے جانے کا شرف واعزاز بھی اسی وجہ سے حاصل ہوگا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے روحانی باپ ہیں اور آپ ﷺ کے دین اور آپ ﷺ کی ملت کا سلسلہ نسب انہی سے چلتا ہے! علاوہ ازیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہونے والے اس شرف واعزاز کو زیادہ سے زیادہ آنحضرت ﷺ پر جزوی فضیلت ملنا ہی کہا جا سکتا ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جزوی فضیلت، کلی فضیلت کے منافی نہیں ہوتی جب کہ اس دن بھی آنحضرت ﷺ کا بالعموم

اور علی الاطلاق پوری نوع انسانی بشمول تمام پیغمبر و انبیاء سے افضل و برتر ہونا خود اسی حدیث کے آخری الفاظ ثُمَّ اقوم عن یمین اللہ الخ سے ظاہر و ثابت ہے۔

"اس کے بعد مجھ کو لباس پہنایا جائے گا" یہ ارشاد بظاہر اس روایت کے منافی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ قیامت کے دن اپنی قبر سے لباس میں اٹھیں گے! لیکن اگر یہ وضاحت پیش نظر رہے تو پھر دونوں روایتوں کے درمیان کوئی تضاد معلوم نہیں ہوگا کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر سے لباس میں اٹھیں گے لیکن میدان حشر میں آپ ﷺ کو تمام انبیاء کے ساتھ دوبارہ لباس پہنایا جائے گا اور یہ آپ ﷺ کے کامل و شرف و احترام کے اظہار کے لئے ہوگا۔

حدیث کو آخر تک دیکھنے کے بعد ایک بڑا سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کیے جانے والے سوال اور آپ ﷺ کی طرف سے دیئے جانے والے جواب کے درمیان مطابقت و موزونیت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پوچھنے والوں نے مقام محمود کے بارے میں پوچھا تھا کہ اس کی نوعیت و صورت کیا ہوگی، آپ ﷺ نے اس کا جواب براہ راست نہیں دیا بلکہ پہلے اس دن کے پرہیبت اور پُر حول ماحول کا ذکر کیا تاکہ لوگوں کے ذہن میں اس چیز کی بڑائی اور اہمیت راسخ ہو جائے جس کے بارے میں انہوں نے سوال کیا ہے بعد میں آپ ﷺ نے ان الفاظ ثُمَّ اقوم عن یمین اللہ الخ (پھر میں اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا الخ) کے ذریعہ ان کے سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا گویا آنحضرت ﷺ نے بالواسطہ طور پر یہ جواب دیا کہ "مقام محمود" وہ جگہ ہے جہاں میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دائیں طرف کھڑا ہوں گا اور وہ سب سے بڑا شرف و اعزاز ہوگا جو میرے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوگا، اور الاول تا آخر پوری کائنات مجھے عطا ہونے والے اس شرف و اعزاز پر رشک کرے گی۔ پس یہ ارشاد گرامی اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ ہمارے حضرت محمدؐ پوری کائنات حتیٰ کہ انبیاء رسول اور تمام مقربین پر فضیلت رکھتے ہیں۔

پلصراط پر اہل ایمان کی شناخت

(۲۸) وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِعَارُ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلَى الصِّرَاطِ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن پلصراط پر سے گزرتے وقت اہل ایمان کی علامت، یہ الفاظ ہوں گے رب سلم سلم۔ (پروردگار بچائیو، پروردگار بچائیو)" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "شعار" (جس کا ترجمہ علامت کیا گیا ہے) دراصل اسی مخصوص اصطلاحی لفظ یا جملہ کو کہتے ہیں جو فوج والے آپس میں ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے، یا سفر کرنے والے دوران سفر ایک دوسرے کو شناخت کرنے کے لئے استعمال کریں، چنانچہ قیامت کے دن پلصراط پر گزرتے وقت اہل ایمان کی شناخت و پہچان کے لئے رب سلم رب سلم (پروردگار بچائیو) کے الفاظ ان کی زبان پر ہوں گے اور ہر امت کے لوگ جو اپنے پیغمبر اور رسول کے متبع اور تابعدار تھے، یہ الفاظ کہتے ہوئے آگے بڑھیں گے، تاہم زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس طرح کے شناختی الفاظ صرف مؤمنین کاملین کا "شعار" ہوں گے۔ یعنی باعمل علماء، شہداء، اور صالحین کہ جن کا انبیاء اور رسولوں کی اتباع کے صدقہ شفاعت کا مرتبہ حاصل ہوگا

ابن مردویہؒ نے حضرت عائشہ سے بطریق مرفوع یہ نقل کیا ہے کہ "قیامت کے دن جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو اس وقت اہل ایمان کا شعار لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ہوگا نیز شیرازیؒ نے حضرت عائشہؓ ہی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ "قیامت کے دن اس دن کے ہولناک اندھیروں میں اہل ایمان کا شعار لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ہوگا۔

گناہ کبیرہ کی شفاعت صرف اسی اُمت کے لئے مخصوص ہوگی

⑲ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ جَابِرٍ۔

"اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا گناہ کبیرہ کرنے والوں کے حق میں میری شفاعت صرف میری اُمت کے لوگوں کے لئے مخصوص ہوگی (ترمذیؒ، ابوداؤد) اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کو حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: مطلب یہ کہ کبیرہ گناہوں کی معافی کی میری شفاعت صرف میری اُمت کے لوگوں کے حق میں مخصوص ہوگی. دوسری امتوں کے لوگوں کے لئے نہیں ہوگی۔

طیبیؒ نے کہا ہے کہ یہاں جس شفاعت کا ذکر ہے اس سے وہ شفاعت مراد ہے عذاب سے نجات اور خلاصی دلانے کے لئے ہوگی. ورنہ وہ شفاعت جو درجات کی بلندی اور اعزاز واکرامات میں اضافہ کے لئے ہوگی اتقیاء" اولیاء اور صلحاء کے حق میں بھی ثابت ہے۔

شفاعت کا ثبوت اور اس کی قسمیں: "شفاعت کے بارے میں جو اصولی باتیں ابتداء باب میں بھی گزر چکی ہیں. کچھ یہاں بھی نقل کر دینا موزوں معلوم ہوتا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک قیامت کے دن شفاعت و سفارش کا ہونا اس آیت سے ثابت ہے۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا۔

"اس دن کسی کی سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی مگر اس شخص کی جسے خدا اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔"

نیز اس بارے میں اتنی زیادہ احادیث منقول ہیں کہ وہ سب مل کر حد تواتر کو پہنچتی ہیں اس لئے تمام سلف صالحین (صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین وغیرہ) اور تمام اہل سنت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے، ہاں خوارج اور معتزلہ کے بعض طبقے اس کے منکر ہیں اور وہ قیامت کے دن شفاعت کے قائل نہیں ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ "شفاعت" کی پانچ قسمیں ہیں پہلی قسم وہ ہے جو صرف آنحضرت ﷺ کے واسطے مخصوص ہے، اس شفاعت کا حق و اذن کسی اور کو حاصل نہیں ہوگا، اور یہ شفاعت وہ ہوگی جس کا تعلق تمام لوگوں کو موقف (میدان حشر میں کھڑے رہنے، کی ہولناکیوں اور پریشانیوں سے چھٹکارا دلا کر حساب و کتاب جلد شروع کرانے سے ہوگا۔ دوسری قسم وہ ہے جو کچھ لوگوں کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کر دینے کے لئے ہوگی اور اس شفاعت کا ثبوت بھی صرف ہمارے حضور ﷺ کے لئے منقول ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو ان لوگوں کے لئے ہوگی جنہیں دوزخ کا مستوجب قرار دیا گیا۔ چنانچہ ان میں سے جن لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کی شفاعت ہمارے حضرت کریں گے چوتھی قسم وہ ہے جو ان لوگوں کے لئے ہوگی جنہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں ڈالا جاچکا ہوگا، پس ان لوگوں کی شفاعت کے سلسلے میں جو حدیثیں منقول ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ آنحضرت ﷺ، فرشتوں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی جانب سے کی جانے والی شفاعت کے نتیجہ میں دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچائے جائیں گے اور پھر آخر میں خود اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت کے تحت ان لوگوں کو عذاب دوزخ سے نجات عطا فرمائے گا، جنہوں نے لا الٰہ الا اللّٰہ کہا ہوگا، اور پانچویں قسم وہ ہے جس کا تعلق جنت میں اہل جنت کے درجات میں بلندی اور اعزاز و کرامات میں اضافہ سے ہوگا۔

رحمت عالم کی شان رحمت

⑳ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِيْ اٰتٍ مِّنْ عِنْدِ رَبِّيْ فَخَيَّرَنِيْ بَيْنَ اَنْ يُّدْخِلَ نِصْفَ اُمَّتِيَ الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت عوف بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے فرمایا! "(اللہ تعالیٰ کے پاس سے) ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور اس نے (بارگاہ رب العزت کی جانب سے) مجھے ان دو باتوں میں سے ایک بات چن لینے کا اختیار دیا کہ یا تو میری آدھی اُمت جنت میں داخل ہو جائے یا (سب کے حق میں) شفاعت کا حق مجھے حاصل ہو۔ پس میں نے اپنی پوری اُمت کے حق میں، شفاعت کا حق حاصل ہونے کو چن لیا (تاکہ بلا استثناء سب ہی مؤمن و مسلمان اس سے فیضیاب ہوں اور کوئی بھی محروم نہ رہے) چنانچہ میری شفاعت (میری اُمت میں سے) ہر اس شخص کے لئے طے شدہ ہے جس نے اس حال میں اپنی جان آفرین کے سپرد کی ہو کہ اللہ کے شرک میں مبتلا نہیں تھا حاصل یہ کہ قیامت کے دن تمام اہل ایمان کو میری شفاعت نصیب ہونا یقینی ہے۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

شفاعت کا ذکر

(۳۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي الْجَدْعَآءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ مِّنْ اُمَّتِيْ اَكْثَرُ مِنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ (رواہ الترمذی والدارمی وابن ماجۃ)

"اور حضرت عبداللہ بن ابی جدعاءؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا! میری اُمت کے ایک (بزرگ و صالح، شخص کی شفاعت سے بنی تمیم کے آدمیوں کی تعداد سے بھی زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔" (ترمذیؒ، دارمی، ابن ماجہؒ)

تشریح: "بنو تمیم" ایک بہت بڑے قبیلے کا نام تھا، جس کے افراد کثرت و زیادتی کے اعتبار سے بطور مثال پیش کیے جاتے تھے۔ حاصل یہ کہ جب اس اُمت کے ایک اچھے آدمی کی شفاعت کے نتیجہ میں اتنے زیادہ لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے تو اندازہ کرنا چاہئے کہ اس اُمت میں اچھے لوگوں کی کتنی زیادہ تعداد ہوگی اور ان میں سے ہر ایک شفاعت کرے گا، پس ان سب کی شفاعتوں کے نتیجہ میں اُمت محمدی کے لوگوں کی کتنی بڑی تعداد جنت میں داخل کی جائے گی۔

بعض حضرات نے "میری اُمت کے ایک شخص" کو متعین کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے حضرت عثمانؓ کی ذات مراد ہے، بعضؒ نے حضرت اویس قرنیؒ کا نام لیا ہے اور کچھ نے کہا ہے کہ یہ تعین مشکل ہے اور کوئی بھی شخص مراد ہو سکتا ہے، اسی قول کو زین العرب نے حدیث کے مفہوم سے زیادہ قریب قرار دیا ہے۔

(۳۲) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلْفِئَامِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّشْفَعُ لِلْقَبِيْلَةِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّشْفَعُ لِلْعُصْبَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلرَّجُلِ حَتّٰى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میری اُمت میں سے (جن لوگوں کو شفاعت کا حق و اذن حاصل ہوگا، جیسے علماء، شہدا اور صلحاء، ان میں سے) کوئی تو (اپنے متعلقین کی) کئی جماعتوں کی شفاعت کرے گا، کوئی ایک عصبہ (کے لوگوں کے برابر اپنے متعلقین) کی شفاعت کرے گا، اور کوئی اپنے متعلق) صرف ایک ہی آدمی کی سفارش کرے گا، غرضیکہ اسی طرح ہر ایک کی شفاعت کے نتیجہ میں ساری اُمت جنت میں داخل ہو جائے گی۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "قبیلہ" ویسے تو بڑے خاندان، یا ایک باپ کی کئی پشتوں کے بیٹوں کو کہتے ہیں، لیکن عام طور پر اس لفظ کا اطلاق "بہت زیادہ لوگوں" پر ہوتا ہے اور عصبہ دس سے چالیس تک افراد کی ٹولی کو کہتے ہیں۔

حساب و کتاب کے بغیر جنت میں جانے والے

(۳۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَعَدَنِيْ اَنْ يُّدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ اَرْبَعَ مِائَةَ اَلْفٍ بِلَا حِسَابٍ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَزِدْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَهٰكَذَا فَحَثَا بِكَفَّيْهِ وَ جَمَعَهُمَا فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ زِدْنَا يَا

رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ هٰكَذَا فَقَالَ عُمَرُ دَعْنَا يَا اَبَا بَكْرٍ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَّمَا عَلَيْكَ اَنْ يُّدْخِلَنَا اللّٰهُ كُلَّنَا الْجَنَّةَ فَقَالَ عُمَرُ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِنْ شَاءَ اَنْ يُّدْخِلَ خَلْقَهُ الْجَنَّةَ بِكَفٍّ وَّاحِدٍ فَعَلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ عُمَرُ۔

(رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "خدا عزوجل نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ میری اُمت میں سے چار لاکھ آدمیوں کو بلا حساب و کتاب (اور مواخذہ و عذاب میں مبتلا کیے بغیر) جنت میں داخل کرے گا۔" حضرت ابوبکرؓ نے (یہ ارشاد سن کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہماری اس تعداد میں اضافہ کر دیجئے (یعنی اللہ تعالیٰ سے اس تعداد میں اور اضافہ کرنے کی درخواست کیجئے، یا یہ کہ پروردگار نے آپ ﷺ سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے اس کو بڑھا کر بیان کیجئے) کیونکہ آپ ﷺ رحمت خداوندی پر اعتماد کر کے ہم سے جتنا زیادہ سے زیادہ بیان کر دیں گے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرمائے گا) آپ ﷺ نے فرمایا "اچھا، اتنا اور زیادہ" (یہ کہہ کر) آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو یکجا کر کے چلو بنایا حضرت ابوبکرؓ نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہماری اس تعداد و مقدار میں اور اضافہ کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے پھر (چلو بنا کر) کہا کہ "اچھا اتنا اور زیادہ" حضرت عمرؓ بھی اس مجلس میں موجود تھے، انہوں نے محسوس کر کے کہ حضرت ابوبکرؓ (بس اب) ہمیں ہمارے حال پر رہنے دیجئے (یعنی اتنی رعایت نہ کرائیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے کرم عنایت ہی پر اعتماد کر کے بیٹھ جائیں اور عذاب خداوندی کے خوف سے اس طرح بے فکر ہو جائیں کہ عمل کرنا ہی ترک کر دیں، حضرت ابوبکرؓ نے (یہ سن کر) کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم سب کو (بغیر حساب و مواخذہ کے) جنت میں بھیج دے تو تمہارا کیا نقصان ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اگر اللہ عزوجل اپنی ساری مخلوق کو جنت میں داخل کرنا چاہے تو کر سکتا ہے (پھر بار بار اضافہ کی درخواست کرنے کی کیا ضرورت ہے) نبی کریم ﷺ نے (حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کر فرمایا کہ "عمرؓ نے بالکل سچ کہا۔" اس روایت کو بغویؒ نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: "(یہ کہہ کر) آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو یکجا کر کے چلو بنایا" یعنی ابوبکرؓ کی درخواست پر آنحضرت نے اپنے دونوں ہاتھوں سے چلو بنا کر گویا ان کے آگے کیا اور فرمایا کہ اتنے اور لوگوں کا اضافہ کرتا ہوں! اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ ﷺ کا چلو بنانا اور یہ کہنا کہ "اچھا اتنا اور زیادہ" دراصل حق تعالیٰ کے فعل کی حکایت کے طور پر تھا، یعنی یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ میں نے بلا حساب جنت میں جانے والوں کی مذکورہ تعداد متعین طور پر بیان نہیں کی ہے بلکہ اس تعداد سے "کثرت" مراد ہے، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ اس طرح چلو بھر کر یعنی بیشمار اور بے تعداد لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا اس لئے حدیث کے شارحین نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر چلو بنانے کی تمثیل اس حقیقت کے پیش نظر اختیار کی کہ دل کھول کر دینے والے کی شان یہی ہوتی ہے کہ جب اس سے زیادہ دینے کی درخواست کی جاتی ہے تو وہ تعداد و مقدار سے صرف نظر کر کے چلو بھر بھر کر بے حساب دیتا ہے۔ پس چلو بھر کر دینا" دراصل ایک تمثیل ہے جو زیادہ سے زیادہ دینے کی شان کو ظاہر کرتی ہے۔

اس حدیث میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے تعلق سے جو کچھ ذکر ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مذکورہ مسئلہ میں ان دونوں کے درمیان کوئی ذہنی و فکری اختلاف تھا، بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جو کچھ کہا وہ اظہار عجز و بیچارگی، رحمت خداوندی کے تئیں بھرپور امیدواری اور نیاز مندی اور درخواست گزاری کے قبیل سے تھا اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کہا وہ مصلحت و حکمت اور تسلیم و رضا کے قبیل سے تھا، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے دونوں کی رعایت ملحوظ رکھی کہ پہلے تو حضرت ابوبکرؓ کی درخواست کو قابل اعتناء قرار دیا اور ان کو وہ جواب نہیں دیا جو حضرت عمرؓ کی تصدیق کر کے ان کو بھی مزید پسندیدگی عنایت فرما دی! اس بات کو ایک دوسرے نکتہ نظر سے بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی درخواست کا مثبت جواب دے کر گویا یہ ظاہر فرمایا کہ عمل کے راستہ پر لگنے اور دین و شریعت کی طرف متوجہ رہنے میں ایک بڑا دخل "بشارت" کا بھی ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے اس بشارت کو (کہ اللہ تعالیٰ ایک

بہت بڑی تعداد کو بلا حساب جنت میں داخل کرے گا) اور زیادہ وسعت عطا فرمائی، پھر آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے قول کی تصدیق کر کے اس طرف اشارہ کیا کہ........ عمرؓ نے جو بات کہی ہے وہ بشارت ہی ہے بلکہ پہلی بشارت سے بھی بڑی بشارت ہے۔ اس اعتبار سے دونوں کا مافی الضمیر ایک ہی تھا۔

گناہ گار لوگ کس طرح اپنی شفاعت کرائیں گے

(۳۴) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَفُّ اَهْلُ النَّارِ فَيَمُرُّ بِهِمُ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ يَا فُلَانُ اَمَا تَعْرِفُنِيْ اَنَا الَّذِيْ سَقَيْتُكَ شَرْبَةً وَّقَالَ بَعْضُهُمْ اَنَا الَّذِيْ وَهَبْتُ لَكَ وَضُوْءً فَيَشْفَعُ لَهُ فَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا! "اہل ایمان میں سے) جو لوگ (اپنے گناہوں کے سبب) دوزخی قرار دیئے جا چکے ہوں گے وہ اہل جنت یعنی علماء (اخیار اور صلحاء و ابرار کے راستوں میں) صف باندھ کر کھڑے رہتے ہیں) اور پھر جب ایک جنتی ان کے سامنے سے گزرے گا تو ان دوزخیوں میں سے ایک شخص (اس جنتی کا نام لے کر) کہے گا اے فلانے! کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں وہ شخص ہوں جس نے ایک مرتبہ تمہیں پانی پلایا تھا انہیں میں سے کوئی شخص یہ کہے گا کہ میں وہی آدمی ہوں جس نے ایک مرتبہ تمہیں وضو کے لئے پانی دیا تھا وہ جنتی (یہ سن کر) اس کی شفاعت کرے گا اور اس کو جنت میں داخل کرائے گا۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ فاسق و گناہ گار اگر اس دنیا میں اہل دین اور ارباب طاعت و تقویٰ کی کوئی خدمت و امداد کریں گے تو اس کا بہتر ثمرہ عقبیٰ میں پائیں گے اور ان کی مدد و شفاعت سے جنت میں داخل کیے جائیں گے۔

مظہرؒ نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس امر کی ترغیب دی ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں اور خصوصاً بزرگ و نیک لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور مروت و احسان کا برتاؤ کرنا چاہئے اور جب بھی ان کی ہم نشینی و صحبت میسر ہو جائے اس کو اختیار کرنے کا موقع گنوانا نہ چاہئے کیونکہ ان کی صحبت اور محبت دنیا میں حصول زینت و پاکیزگی اور آخرت میں حصول نور کا باعث ہے۔

رحمت خداوندی کے دو مظاہر

(۳۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَجُلَيْنِ مِمَّنْ دَخَلَ النَّارَ اشْتَدَّ صِيَاحُهُمَا فَقَالَ الرَّبُّ تَعَالٰى اَخْرِجُوْهُمَا فَقَالَ لَهُمَا لِاَيِّ شَيْءٍ اشْتَدَّ صِيَاحُكُمَا قَالَا فَعَلْنَا ذٰلِكَ لِتَرْحَمَنَا قَالَ فَاِنَّ رَحْمَتِيْ لَكُمَا اَنْ تَنْطَلِقَا فَتُلْقِيَا اَنْفُسَكُمَا حَيْثُ كُنْتُمَا مِنَ النَّارِ فَيُلْقِيْ اَحَدُهُمَا نَفْسَهٗ فَيَجْعَلُهَا اللّٰهُ عَلَيْهِ بَرْدًا وَّسَلَامًا وَّيَقُوْمُ الْاٰخَرُ فَلَا يُلْقِيْ نَفْسَهٗ فَيَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ تَعَالٰى مَا مَنَعَكَ اَنْ تُلْقِيَ نَفْسَكَ كَمَا اَلْقٰى صَاحِبُكَ فَيَقُوْلُ رَبِّ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ لَّا تُعِيْدَنِيْ فِيْهَا بَعْدَ مَا اَخْرَجْتَنِيْ مِنْهَا فَيَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ لَكَ رَجَاؤُكَ فَيُدْخَلَانِ جَمِيْعًا الْجَنَّةَ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا! "(اہل ایمان میں سے) جو لوگ (اپنے گناہوں کی پاداش میں) دوزخ میں داخل ہوں گے ان میں سے دو آدمی، بہت زیادہ شور مچائیں گے (یعنی رونا دھونا اور آہ و فریاد شروع کر دیں گے اور خوب چیخیں چلائیں گے) پروردگار (دوزخ کے فرشتوں کو) حکم دیگا کہ ان دونوں کو باہر نکالو اور جب وہ باہر آئیں گے تو) ان سے فرمائے گا کہ کیوں اس قدر چیخ چلا رہے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم اس لئے چیخ چلا رہے تھے تاکہ آپ کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہو جائے (اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ آپ اس شخص کو پسند کرتے ہیں جو آپ کے آگے روئے دھوئے اور آہ و فریاد کرے) اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہارے حق میں میری رحمت یہی ہے کہ تم واپس جاؤ اور دوزخ میں جہاں تھے وہیں پڑے رہو۔" ان میں سے ایک شخص تو (یہ سنتے ہی کامل اطاعت اور رضائے الٰہی کی طلب میں)

واپس ہو جائے گا اور خود کو دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا اور اللہ تعالیٰ اس آگ کو اس کے لئے ٹھنڈا کر دے گا (کہ جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کو گل و گلزار بنا دیا تھا) اور دوسرا شخص (اپنے کو اس معاملہ میں بالکل بے بس پاتا ہوا اور اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم پر کامل یقین رکھتے ہوئے) وہیں کھڑا رہے گا اور خود کو آگ میں نہیں ڈالے گا! اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے خود کو آگ میں کیوں نہیں ڈالا جب کہ تیرا ساتھی (میرا حکم سنتے ہی چلا گیا اور) آگ میں کود پڑا؟ وہ عرض کرے گا کہ پروردگار میں تو اسی امید پر قائم ہوں کہ آپ نے جب مجھے دوزخ سے باہر بلوا لیا تو اب دوبارہ وہاں نہیں بھیجیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا! تو نے جو امید قائم کی ہے وہ تیرے حق میں پوری کی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ دونوں شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کے صدقہ میں ایک ساتھ جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "تمہارے حق میں میری رحمت یہی ہے کہ تم واپس جاؤ........ الخ کے سلسلے میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ دوزخ میں واپس جا کر سپرد آگ ہونے کو رحمت پر کس اعتبار سے حمل کیا گیا ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہوگا کہ یہ ارشاد اصل سبب کو سبب پر حمل کرنے کے اسلوب سے تعلق رکھتا ہے! وضاحت کے ساتھ اس بات کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کو دوزخ میں ان کے اس قصور کی پاداش میں داخل کیا جائے گا کہ انہوں نے اس بات کی اطاعت کے حکم کے ذریعہ کہ وہ دوزخ میں واپس جا کر اپنے آپ کو آگ کے سپرد کر دیں اس امر پر تنبیہ کی جائے گی کہ رحمت خداوندی کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جو ہر حالت میں اس کے حکم کی اطاعت و فرمانبرداری کرے۔

"تو نے جو امید قائم کی ہے وہ تیرے حق میں پوری کی جاتی ہے۔" سے یہ ثابت ہوا کہ بندہ کا پروردگار پر امید باندھنا اس کے عطاء و کرم کے حصول میں بہت موثر ہے، خواہ وہ بندہ اپنے عجز و ناتوانی کے سبب اطاعت و فرمانبرداری کے دائرہ سے باہر ہی نکلا ہوا کیوں نہ ہو۔

پل صراط پر سے گزرنے کا حکم

(۳۶) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرِدُ النَّاسُ النَّارَ ثُمَّ يَصْدُرُوْنَ مِنْهَا بِاَعْمَالِهِمْ فَاَوَّلُهُمْ كَلَمْحِ الْبَرْقِ ثُمَّ كَالرِّيْحِ ثُمَّ كَحُضْرِ الْفَرَسِ ثُمَّ كَالرَّاكِبِ فِيْ رَحْلِهِ ثُمَّ كَشَدِّ الرَّجُلِ ثُمَّ كَمَشْيِهِ۔

(رواہ الترمذی والدارمی)

"اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "لوگ یعنی اہل ایمان (پلصراط کے اوپر سے گزرنے کے وقت کہ جو دوزخ کے اوپر رکھا ہوگا آگ پر حاضر ہوں گے (یعنی اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے) اور پھر اپنے اپنے اعمال کے مطابق اس سے نجات پائیں گے (اور پل صراط کو آسانی کے ساتھ یا پریشانی سے عبور کر لیں گے) چنانچہ ان میں اول اور سب سے افضل لوگ وہ ہوں گے جو (پلصراط پر سے بجلی) کوندے کی طرح گزر جائیں گے۔ پھر (وہ لوگ ہوں گے جو) ہوا کے جھونکے کی طرح، پھر (وہ لوگ ہوں گے جو) گھوڑے کی دوڑ کی مانند، پھر (وہ لوگ ہوں گے جو) اپنے اونٹ پر سوار کی مانند پھر (وہ لوگ ہوں گے جو) آدمی کے دوڑنے کی مانند اور پھر (وہ لوگ ہوں گے جو) آدمی کے (معمول کے مطابق) پیدل چلنے کی مانند (گزریں گے)"۔ اس روایت کو ترمذیؒ اور دارمیؒ نے نقل کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حوض کوثر کی وسعت

(۳۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَمَامَكُمْ حَوْضِيْ مَا بَيْنَ جَنْبَيْهِ كَمَا بَيْنَ جَرْبَاءَ وَاَذْرُحَ قَالَ بَعْضُ الرُّوَاةِ هُمَا قَرْيَتَانِ بِالشَّامِ بَيْنَهُمَا مَسِيْرَةُ ثَلٰثِ لَيَالٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِيْهِ اَبَارِيْقُ كَنُجُوْمِ السَّمَآءِ مَنْ وَّرَدَهٗ فَشَرِبَ

مِنْهُ لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا اَبَدًا۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "تمہارے آگے (قیامت کے دن) میرا حوض کوثر (ظاہر ہونے والا) ہے جس کے دونوں کناروں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنا جَرْبَا اور اَذْرُحَ کا درمیانی فاصلہ ہے۔" کسی راوی کا کہنا ہے کہ جَرْبَا اور اَذْرُحَ ملک شام میں دو بستیاں ہیں جن کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ اور ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "(اس حوض) کے دونوں کناروں پر آب خورے رکھے ہوں گے جو (چمک دمک اور کثرت کے اعتبار سے) آسمان کے ستاروں کی مانند ہوں گے۔ جو شخص اس حوض پر آئے گا اور اس کا پانی پیئے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: بعض محققینؒ نے لکھا ہے کہ ملک شام میں جَرْبَا ایک بستی کا نام ہے جو دراصل اَذْرُحَ کے بالکل قریب واقع ہے لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جَرْبَا اور اَذْرُحَ کے درمیان تین دن کی مسافت ہے! اس صورت میں چونکہ حدیث کا مفہوم مُغلق ہو جاتا ہے اس لئے محدثین نے یہ تحقیق کی ہے کہ اس حدیث کے کسی راوی کے وہم میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے وہ الفاظ نقل نہیں ہوئے جن سے حوض کوثر کی وسعت کو ظاہر کرنا مقصود تھا، چنانچہ دار قطنی کی روایت دیکھنے سے اس بات کی تائید ہوتی ہے جو یوں ہے۔

یعنی میری حوض کے دونوں کناروں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنا کہ مدینہ اور جربا و اذرح کے درمیان فاصلہ ہے۔

شفاعت اور پلصراط کا ذکر

(۳۸) وَعَنْ حُذَيْفَةَؓ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالاَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى النَّاسَ فَيَقُوْمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ فَيَاْتُوْنَ اٰدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ يَآ اَبَانَا اسْتَفْتِحْ لَنَا الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ وَهَلْ اَخْرَجَكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلاَّ خَطِيْئَةُ اَبِيْكُمْ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اِذْهَبُوْٓا اِلٰى اِبْنِيْ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ اللّٰهِ قَالَ فَيَقُوْلُ اِبْرَاهِيْمُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اِنَّمَا كُنْتُ خَلِيْلاً مِنْ وَّرَآءَ وَرَآءَ اِعْمَدُوْا اِلٰى مُوْسٰى الَّذِيْ كَلَّمَهُ اللّٰهُ تَكْلِيْمًا فَيَاْتُوْنَ مُوْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اذْهَبُوْٓا اِلٰى عِيْسٰى كَلِمَةِ اللّٰهِ وَرُوْحِهٖ فَيَقُوْلُ عِيْسٰى لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ فَيَاْتُوْنَ مُحَمَّدًا فَيَقُوْمُ فَيُؤْذَنُ لَهٗ وَتُرْسَلُ الْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَتَقُوْمَانِ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِيْنًا وَّشِمَالاً۔ فَيَمُرُّ اَوَّلُكُمْ كَالْبَرْقِ قَالَ قُلْتُ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَيُّ شَيْءٍ كَمَرِّ الْبَرْقِ قَالَ اَ لَمْ تَرَوْا اِلَى الْبَرْقِ كَيْفَ يَمُرُّ وَيَرْجِعُ فِيْ طَرْفِ عَيْنٍ ثُمَّ كَمَرِّ الرِّيْحِ ثُمَّ كَمَرِّ الطَّيْرِ وَشَدِّ الرِّجَالِ تَجْرِيْ بِهِمْ اَعْمَالُهُمْ وَنَبِيُّكُمْ قَائِمٌ عَلَى الصِّرَاطِ يَقُوْلُ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ حَتّٰى تَعْجَزَ اَعْمَالُ الْعِبَادِ حَتّٰى يَجِيْءَ الرَّجُلُ فَلاَ يَسْتَطِيْعُ السَّيْرَ اِلاَّ زَحْفًا قَالَ وَفِيْ حَافَتَيِ الصِّرَاطِ كَلاَلِيْبُ مُعَلَّقَةٌ مَاْمُوْرَةٌ تَاْخُذُ مَنْ اُمِرَتْ بِهٖ فَمَخْدُوْشٌ نَاجٍ وَمَكْدُوْشٌ فِي النَّارِ وَالَّذِيْ نَفْسُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ بِيَدِهٖ اِنَّ قَعْرَ جَهَنَّمَ لَسَبْعِيْنَ خَرِيْفًا (رواہ مسلم)

"اور حضرت حذیفہؓ وحضرت ابوہریرہ دونوں نے بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن) بابرکت وبلند قدر پروردگار (میدان حشر میں) لوگوں کو جمع کرے گا اور پھر تمام مومن (حساب کتاب اور آخری فیصلہ کے انتظار میں) کھڑے ہوں گے کہ جنت کو ان کے قریب کر دیا جائے گا پس (ہر اُمت کے خاص خاص) مومن حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے باپ! ہمارے لئے جنت کو کھول دیجئے (تاکہ ہم اپنی اس ابدی آرام گاہ میں داخل ہو جائیں) حضرت آدم علیہ السلام ان کو جواب دیں گے کہ (کیا تم نہیں جانتے) تمہیں جنت سے تمہارے باپ ہی کے گناہ نے نکلوایا تھا (لہٰذا) اس کام (یعنی تمہارے حق میں شفاعت کرنے اور جنت کھلوانے) کا اہل میں نہیں ہوں، تم لوگ میرے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ کے دوست (اور اللہ کے رسولوں میں افضل اور ناتم الانبیاء کے جد اعلیٰ، ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا (لوگ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے ان سے وہی عرض کریں گے جو انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے عرض کیا تھا) حضرت ابراہیم بھی ان کو یہی جواب دیں گے کہ اس کام کا اہل میں نہیں

ہوں، میں خدا کا دوست آج سے پہلے پہلے ہی تھا، تم لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کے شرف سے نوازا ہے چنانچہ وہ لوگ حضرت موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ اس کام کا اہل میں نہیں ہوں، تم لوگ عیسیٰ کے پاس جاؤ جو خدا کا کلمہ اور اس کی روح ہیں! چنانچہ (وہ لوگ حضرت عیسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور) حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی جواب دیں گے کہ اس کام کا اہل میں نہیں ہوں آخر کار (اس وقت یہ بات واضح ہو جائے گی کہ شفاعت کا انحصار صرف خاتم الانبیاء محمد ﷺ پر ہے کیونکہ بارگاہ رب العزت میں سب سے زیادہ قرب و عزت انہی کو حاصل ہے اور تمام انبیاء و رسولوں میں سب سے زیادہ ممتاز و مشہور انہی کی ذات ہے، چنانچہ وہ لوگ محمد (ﷺ) کے پاس آئیں گے اور محمد ﷺ (عرش الٰہی کے دائیں جانب) کھڑے ہو کر تمام نوع انسانی کو میدان حشر کی سختیوں اور پریشانیوں سے راحت دلانے کی شفاعت کرنے کی اجازت طلب کریں گے، پس آپ ﷺ کو اجازت عطا کی جائے گی (اور جیسا کہ پیچھے گزرا آپ ﷺ بارگاہ رب العزت میں پیش ہو کر سجدہ میں گر پڑیں گے اور پھر حکم خداوندی پر سر اٹھائیں گے اور عرض و معروض کریں گے) پھر جب حساب و کتاب کا مرحلہ گزر جائے گا اور تمام لوگ پل صراط کے اوپر سے گزرنے والے ہوں گے تو امانت اور رحم (ناتے) کو (صورت دے کر) لایا جائے گا اور یہ دونوں (اپنا حق اور انصاف مانگنے کے لئے) پلصراط کے دائیں بائیں دونوں طرف کھڑے ہو جائیں گے، پھر (پلصراط سے لوگوں کا گزرنا شروع ہو گا تو) ایک طبقہ جو تم میں سب سے افضل ہو گا اور سب سے پہلے گزرے گا بجلی کی طرح (نہایت سرعت سے) پل کو پار کر جائے گا۔" حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ (یا رسول ﷺ اللہ!) آپ ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، بجلی کی طرح گزرنے کی صورت کیا ہو گی! آپ ﷺ نے فرمایا۔ "کیا تم نہیں دیکھتے کہ بجلی کی چمک کس طرح گزر جاتی ہے اور پل جھپکتے ہی واپس آ جاتی ہے (مطلب یہ ہے) کہ وہ لوگ پلصراط پر سے بس اسی طرح گزر جائیں گے جیسے پلک جھپک گئی ہو) پھر (کچھ لوگ) پرندوں کی طرح اور (کچھ لوگ) مردوں کے دوڑنے (یا پیادہ چلنے والوں کی طرح) گزریں گے اور ان کو ان کے اعمال کی طاقت و نورانیت اور پاکیزگی آگے بڑھائے گی (یعنی جس کے اعمال جس درجہ کے ہوں گے اس کے گزرنے کی رفتار بھی اسی درجہ کی ہو گی) اور (اس وقت جب کہ مسلمان پلصراط کے اوپر سے گزر رہے ہوں گے) تمہارے نبی ﷺ پلصراط پر کھڑے ہوئے یہ کہے جا رہے ہوں گے کہ۔

(یعنی پروردگار! ان کو سلامتی کے ساتھ گزار دے ان کو دوزخ میں گرنے سے محفوظ رکھ) اور پھر کچھ بندوں کے اعمال عاجز ہوں گے، یعنی جن بندوں کے اعمال ناقص و کمتر ہوں گے یا وہ ایسے اعمال نہ رکھتے ہوں گے جن کی بنا پر انہیں پل پار کرنے میں مدد ملے تو وہ لوگ پل پر سے گزرتے وقت سخت قسم کی پریشانیوں اور رکاوٹوں میں گھر جائیں گے) یہاں تک کہ ایک شخص (جو اپنے اعمال کی بہت زیادہ خرابی کی وجہ سے چلنے پر بالکل ہی قادر نہیں ہو گا) گھسٹتا ہوا اور کولہوں کے بل سرکتا ہوا آئے گا۔" اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اور پلصراط کے دونوں طرف آنکڑے لٹکے ہوں گے اور ان کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یہ حکم دیا گیا ہو گا کہ وہ ہر اس شخص کو گرفت میں لے لیں جو قابل گرفت قرار پا چکا ہے، چنانچہ وہ آنکڑے ایسے لوگوں کو پکڑ لیں گے اور پھر) ان میں سے کچھ لوگ تو ان آنکڑوں کی مصیبت جھیل کر اور زخمی ہو کر (دوزخ کی آگ سے) نجات پا جائیں گے اور کچھ لوگوں کو ہاتھ پاؤں باندھ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ابوہریرہؓ کی جان ہے دوزخ کا گہراؤ ستر برس کی مسافت کی راہ کے برابر ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "جنت کو ان کے قریب کر دیا جائے گا" کے ذریعہ سورۂ تکویر کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝۔

"اور قیامت کے دن میدان حشر میں) جنت جب قریب لائی جائے گی تب ہر شخص معلوم کرے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان کو یہی جواب دیں گے کہ اس کام کا اہل میں نہیں ہوں........ الخ کے ضمن میں ایک شارحؒ نے لکھا

ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ بات اظہار تواضع وانکسار کے طور پر کہیں گے کہ اس بلند درجہ کا لائق میں نہیں ہوں گویا ان کا مطلب یہ ہوگا کہ پروردگار کی جانب سے مجھے جو بھی فضیلت وخصوصیت اور عزت عطا ہوئی ہے وہ حضرت جبرائیل کے واسطہ سے مجھ تک پہنچی ہے، لہٰذا تمہیں موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہئے کیونکہ ان کو عطا ہونے والی فضیلت وخصوصیت اور عزت یعنی پروردگار سے ہمکلامی کی سعادت بغیر کسی واسطہ کے براہ راست حاصل ہوئی ہے۔

وہ لوگ محمد ﷺ کے پاس آئیں گے" اس موقع پر یہ کہنے کے بجائے کہ وہ لوگ میرے پاس آئیں گے" آپ ﷺ نے اپنا اسم شریف محمد ﷺ ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ لوگ محمد (ﷺ) کے پاس آئیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ "محمد ﷺ" میں حمد کے معنی ہیں اور اس کے ذریعہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ آپ ﷺ اس دن "مقام محمود" پر کھڑے ہوں گے جو مقام شفاعت ہے۔

"ایک طبقہ جو تم میں سب سے پہلے گزرے گا......الخ" کے بارے میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس طبقہ سے انبیاء کا طبقہ مراد ہے، تاہم یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس اُمت کے اولیاء وصلحاء کا طبقہ مراد ہو۔

دوزخ سے نکال کر جنّت میں پہنچائے جانے والے لوگ کس طرح جلد تروتازہ اور توانا ہوجائیں گے

(۳۹) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ قَوْمٌ بِالشَّفَاعَةِ كَاَنَّهُمُ الثَّعَارِيْرُ قُلْنَا مَا الثَّعَارِيْرُ قَالَ اِنَّهُ الضَّغَابِيْسُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "وہ لوگ جو شفاعت کی بناء پر دوزخ سے نکالے جائیں گے ان کی مثال ایسی ہوگی جیسے وہ "ثعاریر" ہیں۔" ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! "ثعاریر" سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "وہ کھیرے ککڑیاں ہیں۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: کھیرے ککڑیاں "ضغابیس" کا ترجمہ کیا گیا ہے! مطلب یہ ہے کہ جب ان لوگوں کو دوزخ کی آگ سے باہر لایا جائے گا تو وہ جل کر کوئلہ ہوگئے ہوں گے، لیکن جب انہیں نہر حیات میں غوطہ دلایا جائے گا تو وہ اس طرح جھٹ پٹ تروتازہ اور توانا ہوجائیں گے جس طرح کھیرے ککڑیاں یا اسی طرح کی دوسری سبزیوں کے درخت، بہت جلد بڑھتے اور ہرے بھرے ہوجاتے ہیں۔

کون کون لوگ شفاعت کریں گے؟

(۴۰) وَعَنْ عُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثَلٰثَةٌ اَلْاَنْبِيَآءُ ثُمَّ الْعُلَمَآءُ ثُمَّ الشُّهَدَآءُ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت عثمان ابن عفانؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن تین طرح کے لوگ شفاعت کریں گے، اول انبیاء، پھر (باعمل) علماء اور پھر شہداء۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: "اور پھر شہداء" میں جو عطف ہے اس سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ باعمل علماء، شہداء سے افضل ہیں، اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس کو شیرازیؒ نے نقل کیا ہے۔

یوزن یوم القیامۃ مداد العلماء و دم الشھداء فترجح مداد العلماء علی دم الشھداء۔

"قیامت کے دن علماء کی روشنائی اور شہداء کے خون کو تولا جائے گا تو شہداء کے خون پر علماء کی روشنائی بھاری پڑ جائے گی۔"

واضح رہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں شفاعت کرنے والے صرف تین طرح کے لوگوں کی تخصیص محض ان کی برتر فضیلت وبزرگی کی بنا

پر ہے ویسے مسلمانوں میں تمام ہی نیک لوگوں کو شفاعت کا حق حاصل ہوگا، جیسا کہ اس سلسلہ میں منقول متعدد مشہور احادیث سے ثابت ہے، خواہ اس شفاعت کا تعلق گناہوں کی مغفرت سے ہو یا مراتب و درجات کی بلندی سے نیز شفاعت سے انکار صریح بدعت و گمراہی ہے، جیسا کہ خوارج اور بعض معتزلہ نے اختیار کیا ہے۔

بَابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ وَاَهْلِهَا

جنّت اور اہل جنّت کے حالات کا بیان

صراح میں لکھا ہے کہ "جنّت" کے معنی ہیں باغ بہشت "جنّت" اصل لغت میں "ڈھانپنے" کے معنی میں آتا ہے۔ اس مناسبت سے پہلے اس لفظ کا اطلاق "سایہ دار درختوں" پر ہوتا تھا جو اپنے نیچے کی چیز کو گویا اپنے سائے میں چھپائے اور ڈھانپتے رہتے ہیں، پھر اس لفظ کو "باغ کے معنی میں استعمال کیا جانے لگا جو سایہ دار درختوں کا مجموعہ ہوتا ہے اور پھر آخر میں یہ لفظ "ثواب و انعام ملنے کی جگہ یعنی بہشت" کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا، چنانچہ بہشت کو "جنّت" اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہاں گھنے ہوئے درخت اور باغات ہیں جو ہر چیز کو اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

جنّت کا ذکر

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَآ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ وَاقْرَءُوْآ اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا! "میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیز تیار کر رکھی ہے کہ (آج تک) نہ کسی آنکھ نے اس (جیسی کسی چیز) کو دیکھا ہے نہ کسی کان نے (اس جیسی خوبیوں کو) سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں (اس کی ماہیت کا تصور تک آیا ہے اگر تم اس بات کی تصدیق چاہو تو یہ آیت پڑھو: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (بخاریؒ و مسلمؒ) کوئی بھی شخص نہیں جانتا (جو بندے شب بیداری کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں) ان کے لئے کیا چیز چھپا کر رکھی گئی ہے جو آنکھ کی ٹھنڈک کا سبب ہے۔"

تشریح: "........ نہ کسی آنکھ نے الخ کے بارے میں بھی یہ احتمال ہے کہ اس چیز (یعنی جنّت) کے مظاہر شکل و صورت آوازیں اور خاطر داریاں مراد ہوں، مطلب یہ کہ وہاں جو اعلیٰ مناظر ہوں گے اور وہاں جو نظر افروز شکلیں اور صورتیں دکھائی دیں گی ان جیسے مناظر اور جیسی شکلیں اور صورتیں اس دنیا میں نہ دیکھی گئی ہیں اور نہ کبھی دیکھی جاسکتی ہیں، اسی طرح وہاں کی آوازوں میں جو مٹھاس، نغمگی اور دلکشی ہوگی، ایسی میٹھی، نغمہ ریز اور دلکش آوازیں اس دنیا میں آج تک نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کبھی سنی جاسکتی ہیں، اور ایسے ہی وہاں جو خاطر و مدارت ہوں گی، جو نعمتیں اور لذتیں حاصل ہوں گی، ان کا تصور بھی اس دنیا میں آج تک کسی انسان کے دل میں نہیں آیا ہو گا اور نہ کبھی اس کا کوئی تصور کیا جاسکتا ہے۔

آیت میں جس چیز کو آنکھ کی ٹھنڈک سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے فرحت و شادمانی، چین و راحت اور مقصود مراد پانا ہے! واضح رہے کہ (آنکھ کی ٹھنڈک) میں لفظ قرۃ دراصل قر سے نکلا ہے جس کے معنی ثبات و قرار کے ہیں۔ چنانچہ آنکھ جب اپنی محبوب چیز کو دیکھتی ہے تو قرار پا جاتی ہے اور اس طرح مطمئن ہو جاتی ہے کہ کسی اور طرف مائل نہیں ہوتی اس کے برخلاف جب آنکھ کسی غیر پسندیدہ اور ناگوار چیز کو دیکھتی

ہے اور اس کی محبوب شی سامنے نہیں ہوتی تو وہ پریشان اور کھوئی کھوئی سی رہتی ہے اور کسی ایک سمت قرار پانے کے بجائے ادھر ادھر بھٹکنا شروع کر دیتی ہے ایسے ہی فرحت و سرور اور راحت واطمینان کی حالت میں آنکھوں کو عجیب طرح کا کیف و سکون اور آرام ملتا ہے جب کہ خوف و غم کی حالت میں وہ متحرک و مضطرب ہو جاتی ہیں۔

یا یہ کہ "قُرَّۃ" کے لفظ "قُرّ" سے مشق ہے جس کے معنی "ٹھنڈک اور خشکی" کے ہیں اس صورت میں کہا جائے گا کہ آنکھ کی ٹھنڈک سے مراد وہ مخصوص لذت و کیف ہے جو محبوب اور پسندیدہ چیز کو دیکھ کر اور اپنا مقصود و مطلوب پا کر آنکھ محسوس کرتی ہے، اس کے برخلاف آنکھ جب کسی غیر پسندیدہ اور ناگوار چیز اور دشمن کو دیکھتی ہے اور مطلوب و مقصود کے انتظار میں ہوتی ہے تو گویا اس وقت وہ ایک خاص جلن اور سوزش محسوس کرتی ہے! اسی مناسبت سے "پیاری اولاد" کو قرۃ العین یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک کہا جاتا ہے! نیز ایک حدیث میں جو یوں آیا ہے کہ **جعلت قرة عینی فی الصلوة** (حضور ﷺ نے فرمایا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے تو اس میں بھی لفظ قرۃ کے دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں! جیسا کہ اپنے موقع پر اس حدیث کی تشریح میں ذکر ہو چکا ہے۔

جنّت کی فضیلت

(۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جنت میں ایک کوڑے کے برابر بھی جگہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے بہتر ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: سفر کا قاعدہ ہوتا تھا کہ جب سوار کسی جگہ اترنا چاہتا تو اپنا کوڑا وہاں ڈال دیتا تاکہ دوسرا شخص وہاں نہ اترے اور وہ جگہ اس کے ٹھہرنے کے لئے مخصوص ہو جائے پس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جنّت کی اتنی تھوڑی سی جگہ اور وہاں کا چھوٹا سا مکان بھی کہ جہاں مسافر سفر میں ٹھہرتا ہے اس پوری دنیا اور یہاں کی تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی اور زیادہ اچھا ہے، کیونکہ جنّت اور جنّت کی تمام نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں جب کہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں فنا ہو جانے والی ہیں۔

حوران جنّت کی تعریف

(۳) وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَلَوْ اَنَّ امْرَأَةً مِّنَ النِّسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِطَّلَعَتْ اِلَى الْاَرْضِ لَاَضَآءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَاَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا وَلَنَصِيْفُهَا عَلٰى رَاْسِهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "صبح کو اور شام کو ایک بار خدا کی راہ میں نکلنا دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے اور اگر جنتیوں میں سے کسی کی عورت (یعنی کوئی حور) زمین کی طرف جھانک لے تو مشرق و مغرب کے درمیان کو (یعنی دنیا کے اس کونے سے لے کر اس کونے تک کی تمام چیزوں کو) روشن و منور کر دے اور مشرق سے لے کر مغرب تک کی تمام فضاء کو خوشبو سے بھر دے، نیز اس کے سر کی ایک اوڑھنی اس دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: "صبح اور شام کی تخصیص معمول کا لحاظ رکھتے ہوئے ہے کہ عام طور پر فوج و لشکر کی روانگی، میدان جنگ میں معرکہ آرائی اور حملہ وغیرہ کی ابتداء انہی اوقات میں ہوئی ہے۔ ورنہ یہاں مطلق مراد ہے خواہ وہ صبح و شام کا وقت ہو یا کوئی اور وقت "خدا کی راہ" سے مراد جہاد بھی ہے اور ہجرت بھی، اسی طرح حج، طلب علم اور ہر اس مقصد کے لئے گھر سے نکلنا اور سفر کرنا بھی مراد ہے جس کا مطمع نظر اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا حصول اور بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر اسی کے فرمان کی بجا آوری ہو، یہاں تک کہ اپنے اہل و عیال کا نفقہ پورا کرنے کے

لئے اور عبادت خداوندی اور احکام الٰہی کی بجا آوری میں دلجمعی و اطمینان اور حضور قلب کے حصول کی غرض سے رزق حلال کی تلاش میں نکلنا اور سفر کرنا بھی خدا کی راہ میں نکلنے کا مفہوم رکھتا ہے! حاصل یہ کہ "اللہ کی راہ" میں گھربار چھوڑ کر مصروف عمل رہنے والے لوگوں کو جو فضیلت اور مرتبہ حاصل ہوتا ہے اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگا دیا جائے کہ جو شخص محض ایک بار بھی اللہ کی راہ میں نکلتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اس کو جو اجر و ثواب ملتا ہے یا اس کو آخرت میں جو نعمتیں حاصل ہوں گی وہ اس دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہیں! نیز ذکر چونکہ راہ خدا میں نکلنے کی فضیلت کا تھا جس کا اجر اللہ کے ہاں جنت ہے اس مناسبت سے جنت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت (یعنی حور) کی کچھ خوبیاں بھی بیان فرمائی گئیں۔

لفظ بینھما کی ضمیریں مشرق و مغرب کی طرف لوٹائی گئی ہیں، لیکن یہ ضمیریں آسمان و زمین کی طرف یا جنت اور زمین کی طرف بھی لوٹائی جاسکتی ہیں، ویسے زیادہ صحیح یہ ہے کہ جنت اور زمین کی طرف راجع ہوں کیونکہ عبارت میں بھی یہی دونوں صریحا مذکور ہیں۔

جنّت کے ایک درخت کا ذکر

④ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِى الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَّسِيْرُ الرَّاكِبُ فِيْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَّا يَقْطَعُهَا وَلَقَابُ قَوْسِ اَحَدِكُمْ فِى الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ اَوْتَغْرُبُ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جنت میں ایک درخت ہے (جس کا نام طوبیٰ ہے) اگر کوئی سوار اس درخت کے سائے میں سو برس تک چلتا رہے تب بھی اس کی مسافت ختم نہ ہوگی، اور جنت میں تمہارے کمان کی برابر جگہ ان تمام چیزوں سے بہتر و برتر ہے جن پر آفتاب طلوع یا غروب ہوتا ہے"۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "جن پر آفتاب طلوع و غروب ہوتا ہے۔" سے مراد تمام دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں ہیں۔ "طلوع یا غروب" میں حرف "یا" یا تو راوی کے شک کو ظاہر کرنے کے لئے ہے یا اظہار حیرت کے لئے ہے، یا "اور" کے معنی میں ہے اس طرح کی پہلے جو حدیث گزری ہے اس میں "ایک کوڑے کے برابر جگہ" کا ذکر ہے اور یہاں "ایک کمان کی برابر جگہ" کا ذکر کیا گیا ہے تو دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، اور یہاں بھی وہی وضاحت پیش نظر رہنی چاہئے جو پہلے بیان ہو چکی ہے، البتہ اس فرق کو سامنے رکھنا چاہئے کہ سفر کے دوران سوار تو اترنے کی جگہ اپنا کوڑا ڈال دیا کرتا تھا اور جو شخص پیدل ہوتا تھا وہ جس جگہ ٹھہرنا چاہتا وہاں اپنی کمان ڈال دیتا تھا تاکہ وہ جگہ اس کے ٹھہرنے کے لئے مخصوص ہو جائے۔

جنّت کا خیمہ

⑤ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِى الْجَنَّةِ لَخَيْمَةً مِّنْ لُؤْلُؤَةٍ وَّاحِدَةٍ مُجَوَّفَةٍ عَرْضُهَا وَفِیْ رِوَايَةٍ طُوْلُهَا سِتُّوْنَ مِيْلاً فِیْ كُلِّ زَاوِيَةٍ مِّنْهَا اَهْلٌ مَّا يَرَوْنَ الْاٰخَرِيْنَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُ وَجَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ اٰنِيَتُهُمَا وَمَا فِيْهِمَا وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ اٰنِيَتُهُمَا وَمَا فِيْهِمَا وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ اَنْ يَّنْظُرُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ اِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِيَاءِ عَلٰى وَجْهِهٖ فِیْ جَنَّةِ عَدْنٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "مومن کو جنت میں جو خیمہ ملے گا وہ پورا ایک کھوکھلا موتی ہوگا جس کا عرض ایک اور روایت میں ہے کہ "جس کا طول ساٹھ کوس کی مسافت کے بقدر ہوگا، اس خیمہ کے ہر گوشہ میں اس (مومن) کے اہل خانہ ہوں گے اور ایک گوشہ کے آدمی دوسرے گوشہ کے آدمیوں کو نہیں دیکھ سکیں گے۔ ان سب اہل خانہ کے پاس مومن آتا جاتا رہے گا۔ (مومن کے لئے) دو جنتیں چاندی کی ہوں گی کہ ان جنتوں کے برتن، باسن (مکانات و محلات اور خانہ داری کے دوسرے ضرور و آرائشی سامان تخت

کرسی میز پلنگ، جھاڑ، فانوس، یہاں تک درخت وغیرہ) سب چاندی کے ہوں اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی کہ ان جنتوں کے برتن باسن اور ان میں ہر چیز سونے کی ہوگی، اور جنت العدن میں جنتیوں اور پروردگار کی طرف سے ان کے دیکھنے کے درمیان ذات باری تعالیٰ کی عظمت وبزرگی کے پردہ کے علاوہ اور کوئی چیز حائل نہیں ہوگی۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ زیادہ صحیح اس روایت کے الفاظ ہیں جس میں اس خیمہ کا عرض ساٹھ کوس کی مسافت کے بقدر بیان کیا گیا ہے یا اس روایت کے الفاظ زیادہ صحیح ہیں جس میں خیمہ کے طول کو ساٹھ کوس کی مسافت کے بقدر بتایا گیا ہے، اصل مقصد اس خیمہ کی وسعت وکشادگی کو بیان کرنا ہے جو دونوں روایتوں سے حاصل ہو جاتا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس خیمہ کی چوڑائی ساٹھ کوس کے بقدر ہے تو اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی لمبائی کتنی زیادہ ہوگی اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کی لمبائی ساٹھ کوس کی مسافت کے بقدر ہے تو اس پر قیاس کر کے اس کی چوڑائی کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔

"اہل خانہ" سے مراد بیوی وغیرہ ہیں! اور ایک شارح نے لکھا ہے کہ "اہل" سے مراد بیویاں ہیں جو اس مومن کو وہاں ملیں گی اور جن سے وہ جنسی لذت حاصل کرے گا، چنانچہ "آتا جاتا رہے گا" کے الفاظ کے ذریعہ اسی بات کو کنایۃً بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ مومن اپنی ان بیویوں کے ساتھ جنسی اختلاط کرتا رہے گا۔

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو جنتیں خالص چاندی کی اور دو جنتیں خالص سونے کی ہوں گی جب کہ ایک روایت میں جنت کی عمارتوں اور محلات کی تعریف میں بیان کیا گیا ہے کہ ان میں جو اینٹیں لگی ہوں گی ان کی ترتیب یہ ہوگی کہ ایک اینٹ تو سونے کی ہوگی اور ایک اینٹ چاندی کی۔ پس ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہوگی کہ پہلی روایت میں ان چیزوں کا ذکر ہے جو جنت کے اندر ہوں گی، جیسے برتن، باسن اور دیگر اشیاء چنانچہ ایک جنت میں تو تمام چیزیں سونے کی ہوں گی اور ایک جنت میں تمام چیزیں چاندی کی ہوں گی اور دوسری روایت میں جنت کی عمارتوں کی خوبی بیان کی گئی ہے کہ جنت کی ہر عمارت ومحل کی دیوار میں سونے اور چاندی کی اینٹیں ہوں گی۔

جنتوں کی تعداد اور ان کے نام: بیہقی نے کہا ہے کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جنتیں چار ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ رحمٰن میں فرمایا۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔

"اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے (ہر وقت) ڈرتا ہو اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔"

اس کے بعد کی آیتوں میں ان دونوں جنتوں کی تعریف وتوصیف بیان فرمائی گئی ہے، اور پھر ارشاد ہوا۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ۔

"اور ان دو جنتوں سے کم درجہ میں دو جنتیں اور ہیں۔"

پہلی دو جنتوں کی طرح آگے کی آیات میں ان دو جنتوں کی بھی تعریف وتوصیف بیان کی گئی ہے رہی حدیث کی بات تو اوپر حضرت موسیٰ کی روایت کے یہ الفاظ جنتان من فضة انیتهما وما فیهما وجنتان من ذهب انیتهما وما فیهما اس پر صریح دلالت کرتے ہیں کہ جنتیں چار ہیں اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ جنتان من الذهب للسابقین وجنتان من فضة لاصحاب الیمین۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت میں "جنتان" (دو جنتوں) کا جو لفظ ہے اس سے جنت کی دو قسمیں مراد ہوں یعنی ان جنتوں میں سے ایک سونے کی اور دوسری چاندی کی ہوگی۔ حاصل یہ نکلا کہ اصل میں چار جنتیں ہیں، دو سونے کی ہیں جو خاص مقربین کے لئے ہیں اور دو چاندی کی ہیں جو عام مومنین کے لئے ہیں، لیکن یہ بھی واضح رہے کہ "جنتان" گو تثنیہ کا صیغہ ہے مگر بعض موقعوں پر تثنیہ سے کثرت (یعنی دو سے زائد کی

تعداد بھی مراد ہوتی ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ "جنتان" سے مراد چار چار جنتیں ہوں اور "کاملین" کو ان دو اصل جنتوں کے علاوہ دو دو جنتیں اور عطا ہوں جو سونے اور چاندی ہی کی ہوں گی اور وہ جنتیں زیبائش و خوشنمائی کے لئے ان کاملین کے محلات کے دائیں بائیں واقع ہوں گی، اس کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں جنت کے تعلق سے آٹھ نام ذکر ہوئے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) جنت العدن (۲) جنت الفردوس (۳) جنت الخلد (۴) جنت النعیم (۵) جنت الماوی (۶) دار السلام (۷) دار القرار (۸) دار المقامہ۔

"اور جنت العدن میں جنتیوں اور پروردگار کی طرف ان کو دیکھنے.......الخ کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب جنتی لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے تو وہ جسمانی حجاب اور طبعی کدورتیں جو بندے اور پروردگار کے دیدار کے درمیان حائل ہوتی ہیں اٹھ جائیں گی مگر ذات مقدس کی کبریائی و عظمت اور ہیبت و جلال کا پردہ باقی رہے گا تاہم اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم سے اس پردہ کو بھی اٹھا دے گا یعنی نظروں کو تاب دیدار بخش دے گا اور جنتی لوگ اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

جنت کے درجات

⑥ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَّةِ مِائَةُ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَالْفِرْدَوْسُ اَعْلَاهَا دَرَجَةً مِنْهَا تُفَجَّرُ اَنْهَارُ الْجَنَّةِ الْاَرْبَعَةِ وَمِنْ فَوْقِهَا يَكُوْنُ الْعَرْشُ فَاِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَلَمْ اَجِدْهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِي كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ۔

"اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جنت میں سو درجے ہیں ان میں سے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین و آسمان کے درمیان ہے اور فردوس، صورۃً اور معنیً وہ اپنے درجات (کی بلندی) کے اعتبار سے سب جنتوں سے اعلیٰ و برتر ہے اور اسی فردوس سے بہشت کی چاروں نہریں نکلتی ہیں اور فردوس ہی کے اوپر عرش الٰہی ہے، پس جب تم خدا سے جنت مانگو تو جنت الفردوس مانگو (جو سب سے اعلیٰ و برتر ہے)" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور مجھے یہ حدیث نہ تو صحیحین میں ملی ہے اور نہ کتاب حمیدی میں۔"

تشریح: "سو درجے" میں سو کا عدد تعین و تحدید کے لئے نہیں بلکہ "کثرت" کے اظہار کے لئے بھی ہو سکتا ہے اس کی تائید حضرت عائشہؓ کی اس مرفوع روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو بیہقی نے نقل کیا ہے اور جس میں جنت کے درجات کی تعداد قرآن کی آیتوں کے برابر بیان کی گئی ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں **عدد درج الجنت عدد ای القران فمن دخل الجنة من اهل القران فليس فوقه درجة** اور یہ بھی ممکن ہے کہ "سو" سے یہ خاص عدد ہی مراد ہو اور اس کے ذریعہ جنت کے کثیر درجات میں صرف ان سو درجوں کو بیان کرنا مقصود ہو، جن میں سے ہر دو درجوں کا درمیانی فاصلہ مذکورہ فاصلہ سے کم یا زیادہ ہوگا دیلمی نے مسند فردوس میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ جنت میں ایک درجہ وہ ہے جس تک اصحاب ہموم کے علاوہ اور کوئی نہیں پہنچے گا

"فردوس" جنت کا نام ہے اور یہ نام قرآن کریم میں بایں طور مذکور ہے کہ:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔

"یہی (پاک طینت پاک کردار) لوگ (جن کا پچھلی آیتوں میں ذکر ہوا) وارث بنیں گے (یعنی فردوس کی میراث حاصل کریں گے (اور) اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے "چار نہروں" سے مراد پانی، دودھ شہد اور شراب کی وہ نہریں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں کیا گیا ہے۔"

فيها انهار من ماء غير اسن وانهار من لبن لم يتغير طعمه وانهار من خمر لذة للشاربين وانهار من عسل مصفى۔

"جنت میں بہت سی چیزیں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں ذرا تغیر نہ ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا اور بہت

سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی اور بہت سی نہریں شہد کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی اور بہت سی نہریں شہد کی ہیں جو بالکل صاف شفاف ہو گا۔"

"فردوس ہی کے اوپر عرش الٰہی ہے" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فردوس سب جنتوں سے افضل اور اوپر ہے کہ اس کے اوپر بس عرش الٰہی ہے۔

اسی لئے حضور ﷺ نے اُمت کو تلقین فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سے جنّت مانگو تو جنّت الفردوس مانگو تاکہ سب سے اعلیٰ اور سب سے بہتر جنّت تمہیں حاصل ہو۔

روایت کے آخر میں مولف مشکوٰۃ کے ان الفاظ اور مجھے یہ حدیث نہ تو صحیحین میں ملی ہے........الخ" کے ذریعہ دراصل صاحب مصابیح پر یہ اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو فصل اول میں نقل کیا ہے جس میں صرف بخاریؒ و مسلمؒ کے متون میں ملی ہے اور نہ ان دونوں کتابوں کے مجموعہ کتاب حمیدی میں الہٰذا اس حدیث کو فصل اول کے بجائے فصل دوم میں نقل کرنا چاہئے تھا۔ صاحب مصابیح پر مؤلف مشکوٰۃ کا اعتراض تو یہ ہے مگر بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاریؒ میں دو جگہ موجود ہے ایک تو کتاب الجہاد میں اور دوسری کان عرشہ علی الماء کے باب میں اور صحیح مسلم میں بھی فضل جہاد فی سبیل اللہ کے باب میں موجود ہے۔

جنّت کے بازار کا ذکر

⑦ وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ لَسُوْقًا يَاتُوْنَهَا كُلَّ جُمُعَةٍ فَتَهُبُّ رِيْحُ الشِّمَالِ فَتَحْثُوْا فِیْ وُجُوْهِهِمْ وَ ثِيَابِهِمْ فَيَزْدَادُوْنَ حُسْنًا وَّجَمَالاً فَيَرْجِعُوْنَ اِلٰی اَهْلِيْهِمْ وَقَدِ ازْدَادُوْا حُسْنًا وَّجَمَالاً فَيَقُوْلُ لَهُمْ اَهْلُوْهُمْ وَاللّٰهِ لَقَدِ ازْدَدْتُمْ بَعْدَنَا حُسْنًا وَّجَمَالاً فَيَقُوْلُوْنَ وَاَنْتُمْ وَاللّٰهِ لَقَدِ ازْدَدْتُمْ بَعْدَنَا حُسْنًا وَّجَمَالاً۔
(رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جنّت میں ایک بازار ہے جس میں ہر جمعہ کو لوگ جمع ہوا کریں گے، اور وہاں شمالی ہوا چلے گی جو جنتیوں کے چہرے اور کپڑوں پر (طرح طرح کی خوشبوئیں اور مہک) ڈالے گی جس سے وہاں موجود جنتیوں کے حسن وجمال میں اضافہ ہو جائے گا، اور پھر جب وہ لوگ بہت زیادہ حسین وجمیل بن کر (اس بازار سے) اپنے گھر والوں کے پاس واپس آئیں گے تو وہ گھر والے ان سے کہیں گے کہ خدا کی قسم ہم سے الگ ہو کر تم نے اپنے حسن وجمال کو کتنا بڑھا لیا ہے؟ اس کے جواب میں وہ کہیں گے کہ اور بخدا! ہمارے جانے کے بعد تم نے بھی تو اپنے حسن وجمال کو بڑھا لیا ہے۔" (مسلم)

تشریح: "بازار" سے مراد حسن وجمال کی افزائش کا مرکز ہے جہاں جنتی لوگ جمع ہوا کریں گے اور وہاں طرح طرح کی دلفریب، دیدہ زیب اور خوش جمال شکل وصورتیں موجود ہوا کریں گی اور ہر جنتی اپنی پسند وخواہش کے مطابق جو شکل وصورت چاہے گا اختیار کر لیا کرے گا۔

"ہر جمعہ" سے مراد ہر ہفتہ ہے یعنی ہفتہ میں ایک دن وہاں لوگ جمع ہوا کریں گے اور "ہفتہ" سے بھی حقیقی ہفتہ مراد نہیں ہے کیونکہ جنت میں نہ سورج ہو گا اور نہ دن رات کی گردش ہوگی، ہمیشہ یکساں وقت رہے گا لہٰذا ہفتہ سے "ایک ہفتہ کے بقدر وقت" کا عرصہ مراد ہے۔

"شمالی ہوا" سے مراد عام طور پر وہ ہوا ہوتی ہے جو اگر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں تو دائیں ہاتھ کی سمت سے آئے۔ اس کو اتری ہوا بھی کہا جاتا ہے لیکن یہاں حدیث میں اس جیسی ہوا مراد ہے جس کو عرب میں شمال یا شمأل کہا جاتا ہے۔ یہ ہوا چونکہ شمال سے چلتی ہے اور ٹھنڈے ملکوں اور بحر احمر سے ہوتی ہوئی آتی ہے اس لئے کافی ٹھنڈی ہوتی ہے اور "شمالی ہوا" کہلاتی ہے۔

جنتی لوگ اس تفریح گاہ سے لوٹنے پر اپنے گھروالوں کا حسن و جمال جو بڑھا ہوا پائیں گے تو اس کا سبب یہ ہوگا کہ وہ "شمالی ہوا" ان گھر والوں تک بھی پہنچے گی اور اس کی وجہ سے ان کا حسن و جمال بھی بڑھ جائے گا یا یہ کہ وہ جنتی لوگ جب اس تفریح گاہ سے اپنے بڑھے ہوئے حسن و جمال کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس آئیں گے تو ان کے حسن و جمال کا عکس ان کے گھر والوں پر پڑے گا جس سے وہ سب بھی پہلے کی بہ نسبت کہیں زیادہ حسین و جمیل نظر آئیں گے۔

جنت کی نعمتوں کا ذکر

⑧ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلَ زُمْرَةٍ یَّدْ خُلُوْنَ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ كَاَشَدِّ كَوْكَبٍ دُرِّیٍّ فِی السَّمَآءِ اِضَآءَةً قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ لَا اخْتِلَافَ بَیْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ لِكُلِّ امْرِءٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ یُرٰى مُخُّ سُوْقِهِنَّ مِنْ وَّرَآءِ الْعَظْمِ وَاللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ یُسَبِّحُوْنَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَّعَشِیًّا لَا یَسْقَمُوْنَ وَلَا یَبُوْلُوْنَ وَلَا یَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا یَتْفُلُوْنَ وَلَا یَمْتَخِطُوْنَ اٰنِیَتُهُمُ الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ وَاَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ وَوُقُوْدُ مَجَامِرِهِمُ الْاَلُوَّةُ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ عَلٰى خَلْقِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ عَلٰى صُوْرَةِ اَبِیْهِمْ اٰدَمَ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فِی السَّمَآءِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو لوگ جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے (یعنی انبیاء علیہم السلام) وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن و منور ہونگے اور ان کے بعد جو لوگ داخل ہوں گے (یعنی علماء، اولیاء شہداء اور صلحاء) وہ اس ستارے کی مانند روشن و چمکدار ہوں گے جو آسمان پر بہت تیز چمکتا ہے (اور چاند و سورج سے کم لیکن اور ستاروں سے زیادہ روشن ہوتا ہے) تمام جنتیوں کے دل ایک شخص کے دل کی مانند ہوں گے (یعنی ان کے درمیان اس طرح باہمی ربط و اتفاق ہوگا کہ وہ سب ایک دل اور ایک جان ہوں گے) نہ تو ان میں کوئی باہمی اختلاف ہوگا اور نہ وہ ایک دوسرے سے کوئی بغض و عداوت رکھیں گے۔ ان میں سے ہر ایک شخص کے لئے حور عین میں سے دو دو بیویاں ہوں گی (جو اتنی زیادہ حسین و جمیل اور صاف شفاف ہوں گی کہ) ان کی پنڈلیوں کی ہڈی کا گودا ہڈی اور گوشت کے باہر سے نظر آئے گا۔ تمام جنتی صبح و شام (یعنی ہر وقت) اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کریں گے وہ نہ تو بیمار ہوں گے، نہ پیشاب کریں گے، نہ پاخانہ پھریں گے، نہ تھوکیں گے اور نہ (ینٹھ سنکیں گے، ان کے برتن سونے چاندی کے ہوں گے، ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کی انگیٹھیوں کا ایندھن "اگر" ہوگا۔ ان کا پسینہ مشک کی طرح خوشبودار ہوگا اور سارے جنتی ایک شخص کی سی عادت و سیرت کے ہوں گے (یعنی سب کے سب یکساں طور پر خوش خلق و ملنسار اور ایک دوسرے سے گہرا ربط و تعلق رکھنے والے ہوں گے) نیز وہ سب شکل و صورت میں باپ آدم کی طرح ہوں گے اور ساٹھ گز او نچا قد رکھتے ہوں گے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "حور" اصل میں حوراء، کی جمع ہے اور حوراء اس حسین، و جمیل عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھ کی سفیدی و سیاہی، بہت زیادہ سفید و سیاہ ہو، عین عنا! کی جمع ہے جس کے معنی "بڑی بڑی آنکھوں والی" ہے آگے دوسری فصل کے آخر میں ایک روایت آئے گی جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ سب سے ادنیٰ درجہ کا جنتی وہ ہوگا۔ جس کے بہتر ۷۲ بیویاں ہوں گی، جب کہ یہاں دو بیویوں کا ذکر ہے؟ لہٰذا ان دونوں روایتوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لئے کہا جائے گا کہ یہاں حدیث میں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حور عین میں سے دو بیویاں ایسی ہوں گی جن کا حسن و جمال سب سے زیادہ ہوگا یہاں تک کہ ان کی پنڈلیوں کی ہڈیوں کا گودا باہر سے نظر آئے گا، ظاہر ہے کہ یہ بات اس کے منافی نہیں ہے کہ ہر جنتی کو اس نوعیت کی دو بیویوں کے علاوہ اور بہت سی بیویاں بھی ملیں۔

"ان کی انگیٹھیوں کا ایندھن اگر، ہوگا۔" کا مطلب یہ ہے کہ یہاں دنیا میں تو انگیٹھیوں کا ایندھن کوئلہ وغیرہ ہوتا ہے اور یہاں خوشبو حاصل کرنے کے لئے اگر جلایا جاتا ہے لیکن جنت میں انگیٹھیوں کا ایندھن ہی اگر، ہوگا۔ واضح رہے کہ وُقُوْد (واؤ کے پیش کے ساتھ) کے

معنی ہیں وہ ایندھن (یعنی لکڑیاں وغیرہ) جس سے آگ جلائی جائے۔

مَجَامِرُ اصل میں مِجْمَرٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں وہ چیز جس میں آگ سلگانے کے لئے آگ رکھی جائے یعنی انگیٹھی یا عود سوز، یوں تو یہ لفظ میم کے زیر کے ساتھ ہے لیکن میم کے زبر کے ساتھ بھی منقول ہے۔ اُلُوَّۃ (الف کے زبر اور پیش کے ساتھ) اگر کی لکڑی کو کہتے ہیں جس کو دھونی دینے کے لئے جلایا یا سلگایا جاتا ہے۔

علی خلق رَجُل" میں لفظ "خلق" خ کے پیش کس ساتھ ہے اور ترجمہ میں اسی کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اس صورت میں علی صورۃ ابیھم ایک علیحدہ جملہ ہوگا جس کا مقصد جنتیوں کی سیرت کو بیان کرنے کے بعد ان کی شکل و صورت کو بیان کرنا ہے، لیکن بعض روایتوں میں یہ لفظ خ کے زبر کے ساتھ منقول ہے، جس کا با مطلب ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ سب (جنتی لوگ) ایک شخص کی سی شکل و صورت رکھیں گے، حسن و خوبصورتی میں یکساں ہوں گے اور ایک ہی عمر والے ہوں گے، یعنی سب کے سب تیس تیس یا تینتیس تینتیس سال کی عمر کے نظر آئیں گے، اس صورت میں کہا جائے گا کہ علی صورت ابیھم کا جملہ اپنے پہلے جملہ علی خلق رَجُل واحد کی وضاحت و بیان کے لئے ہے یہ بات ذہن میں رہے کہ پیش والی روایت بھی صحیح ہے اور زبر والی روایت بھی۔

اہل جنّت کو پیشاب و پاخانہ کی حاجت نہیں ہوگی

(۹) وَعَنْ جَابِرٌ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ يَاكُلُوْنَ فِيْهَا وَيَشْرَبُوْنَ وَ لَا يَتْفُلُوْنَ وَلَا يَبُوْلُوْنَ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا يَمْتَخِطُوْنَ قَالُوْا فَمَابَالُ الطَّعَامِ قَالَ جُشَآءٌ وَّرَشْحٌ كَرَشْحِ الْمِسْكِ يُلْهَمُوْنَ التَّسْبِيْحَ وَالتَّحْمِيْدَ كَمَا تُلْهَمُوْنَ النَّفَسَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جنتی لوگ جنت میں (خوب) کھائیں پئیں گے، لیکن نہ تو تھوکیں گے، نہ پیشاب کریں گے نہ پاخانہ پھریں گے اور نہ ناک سنکیں گے۔" یہ سن کر بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ (جب جنتی لوگ پاخانہ نہیں پھریں گے، تو پھر کھانے کے فضلہ کا کیا ہوگا (اور اس کے اخراج کی کیا صورت ہوگی؟) آپ ﷺ نے فرمایا: "کھانے کا فضلہ ڈکار اور پسینہ ہو جائے گا جو مشک کی خوشبو کی مانند ہوگا اور جنتیوں کے دل میں تسبیح و تحمید یعنی سبحان اللہ الحمد للہ کا ورد اور ذکر الٰہی (اس طرح) ڈال دیا جائے گا (کہ وہ ان کی لازمی عادت و معمول بن جائے گا) جیسے سانس جاری ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "کھانے کا فضلہ ڈکار اور پسینہ ہو جائے گا" کا مطلب یہ ہے کہ نظام قدرت نے جس طرح اسے دنیا میں کھانے کے فضلہ کا اخراج کے لئے پاخانہ کی صورت رکھی ہے اسی طرح جنّت میں جنتیوں کے کھانے کے فضلہ کے اخراج کے لئے ڈکار اور پسینہ کو ذریعہ بنا دیا جائے گا کہ تمام فضلہ ہوا اور پسینہ بن کر ڈکار کی صورت میں اور مسامات کے راستے نکل جایا کرے گا، اور ڈکار و پسینہ کی صورت یا تو اشخاص و اوقات کے اعتبار سے الگ الگ طور سے پیش آئے گی کہ بعض اوقات یا بعض اشخاص کا فضلہ تو ہوا بن کر ڈکار کی صورت میں نکل جائے گا اور بعض اوقات یا بعض اشخاص کا فضلہ پسینہ بن کر مسامات کے راستے خارج ہو جائے گا یا یہ کہ بعض کھانے کا فضلہ تو ڈکار بن کر خارج ہوگا، اور بعض کھانے کا فضلہ پسینہ بن کر نکلے گا لیکن اس سلسلے میں زیادہ بہتر اور موزوں یہ کہنا ہے کہ ڈکار تو کھانے کے فضلہ کے اخراج کا ذریعہ بنے گی اور پسینہ پانی کے فضلہ کے اخراج کا ذریعہ ہوگا۔

"جیسے سانس جاری ہے۔" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سانس کی آمد و رفت کا سلسلہ کسی تکلف یا سعی کے بغیر از خود جاری رہتا ہے اسی طرح تسبیح تحمید اور ذکر الٰہی کے کلمات اہل جنت کی زبان پر رواں ہوں گے یا یہ مراد ہے کہ جس طرح معمول کے مطابق سانس کی آمد و رفت کی وجہ سے تمہیں کوئی دقت و پریشانی نہیں ہوتی اور تم کوئی بوجھ محسوس نہیں کرتے اسی طرح جنتی لوگ تسبیح و تحلیل اور تحمید کی وجہ سے کوئی دقت و پریشانی اور بوجھ محسوس نہیں کریں گے اور یہ کہ جس طرح تمہیں سانس لینے سے کوئی چیز باز نہیں رکھتی اسی طرح ان

لوگوں کے تسبیح وتحلیل اور تحمید میں مشغول ہونے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنے گی۔

اہل جنّت کا دائمی عیش وشباب

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّدْخُلِ الْجَنَّةَ يَنْعَمُ وَلَا يَبْاَسُ وَلَا يَبْلٰى ثِيَابُهٗ وَلَا يَفْنٰى شَبَابُهٗ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو بھی شخص جنّت میں داخل ہوگا عیش وعشرت میں رہے گا نہ فکر وغم اس کے پاس پھٹکے گا نہ اس کے کپڑے میلے پرانے ہوں گے اور نہ اس کا شباب فناہ ہوگا۔" (مسلمؒ)

تشریح: جنّت اپنی تمام تر نعمتوں آسائشوں اور راحتوں کے ساتھ "دار القرار والثبات" ہے یعنی وہاں کسی بھی نعمت وراحت کو نہ زوال وفناہ ہے اور نہ وہاں کی پر آسائش زندگی میں کسی غم وفکر تغیر تبدل اور نقصان وخرابی کا خوف ہوگا۔

(۱۱) وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ وَّاَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُنَادِیْ مُنَادٍ اِنَّ لَكُمْ اَنْ تَصِحُّوْا فَلَا تَسْقَمُوْا اَبَدًا وَّاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَحْيَوْا فَلَا تَمُوْتُوْا اَبَدًا وَّاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَشِبُّوْا فَلَا تَهْرَمُوْا اَبَدًا وَّاَنَّ لَكُمْ اَنْ تَنْعَمُوْا فَلَا تَبْاَسُوْا اَبَدًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدری وحضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جنّت میں ایک منادی کرنے والا یہ منادی کیا کرے گا (کہ اے جنتیو!) تم صحت وتندرستی کے ساتھ رہو تمہیں کبھی بھی کوئی بیماری لاحق نہیں ہوگی تم ہمیشہ ہمیشہ زندہ سلامت رہو موت کبھی تمہارے پاس بھی نہیں آئے گی، تم سدا جوان رہو بڑھاپا کبھی تمہارے پاس بھی نہیں پھٹکے گا اور تم عیش وعشرت کی زندگی گزارو کسی بھی طرح کے فکر وغم اور رنج والم کا تم تک گزر بھی نہیں ہوگا۔" (مسلمؒ)

جنّت کے بالاخانوں کے مکین

(۱۲) وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ يَتَرَاءَوْنَ اَهْلَ الْغُرَفِ مِنْ فَوْقِهِمْ كَمَا تَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّیَّ الْغَابِرَ فِی الْاُفُقِ مِنَ الْمَشْرِقِ اَوِ الْمَغْرِبِ لِتَفَاضُلِ مَا بَيْنَهُمْ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ تِلْكَ مَنَازِلُ الْاَنْبِيَآءِ لَا يَبْلُغُهَا غَيْرُهُمْ قَالَ بَلٰى وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ رِجَالٌ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَصَدَّقُوْا الْمُرْسَلِيْنَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جنتی اپنے اوپر کے بالاخانے والے لوگوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم لوگ اس روشن ستارے کو دیکھتے ہو جو آسمان کے مشرقی یا مغربی افق میں ہوتا ہے اور اس (بالاخانوں کی بلندی وخوشنمائی) کا تعلق فرق مراتب سے ہوگا جو اہل جنّت کے درمیان پایا جائے گا۔" صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! بالاخانے اوپر کے پرشکوہ محلات کیا انبیاء کے مکان ہوں گے جن تک انبیاء کے سوا کسی کی رسائی نہیں ہوگی؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "کیوں نہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ان بلند وبالا محلات اور بالاخانوں تک ان لوگوں کی بھی رسائی ہوگی جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی۔" (مسلمؒ وبخاریؒ)

تشریح: لفظ غابر اصل میں غبور سے مشتق ہے جس کے معنی باقی رہنا، ٹھہرنا ہیں اور پھر یہاں وہ روشن ستارہ مراد ہے جو ڈوبنے کے قریب ہو، یا طلوع فجر کے بعد آسمان کے کنارے میں باقی رہ گیا ہو، ایک روایت میں غاير منقول ہے جو غور سے ہے اور جس کے معنی نشیب، پست جگہ کے ہیں، لیکن زیادہ صحیح اور مشہور پہلی ہی روایت ہے جس میں غابر منقول ہے۔

اور اس کا تعلق فرق مراتب سے ہوگا الخ کا مطلب یہ ہے کہ جنتیوں میں یہ فرق مراتب ہوگا کہ بعض اعلیٰ مرتبہ کے ہوں گے، بعض

درمیانی مرتبہ کے اور بعض ادنی مرتبہ کے اور اسی کے اعتبار سے سب کو محلات و مکانات اور منازل و مراتب بھی اعلی، درمیانی اور ادنی عطا ہوں گے، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ جنّت میں منزلیں ہوں گی، اعلی منزل تو سابقین کے لئے درمیانی منزل مقصدین کے لئے اور نیچے کی منزل مختلطین کے لئے ہوگی۔

جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی" یعنی وہ اولیاء و اتقیاء جو ایمان باللہ اور اتباع رسول میں کامل ہیں اور جو اللہ تعالیٰ اور رسولوں کے احکام و اوامر کو ماننے والے اور ان کی طرف سے ممنوع قرار دی جانے والی چیزوں سے اجتناب کرنے والے ہیں اور جن کی تعریف قرآن کریم کی ان آیات:

وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا الایۃ۔

"اور رحمٰن (اللہ تعالیٰ) کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں الخ میں یہ بات فرمائی گئی ہے اور پھر ان کی مختلف اعلی صفات بیان کرنے کے بعد ان کے حق میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ اُولٰئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ بِمَاصَبَرُوْا الاٰیۃ "ایسے لوگوں کو (جنّت میں رہنے کے لئے) بالاخانے ملیں گے بوجہ ان کے ثابت قدم رہنے کے الخ۔"

چند جنتیوں کا ذکر

⑬ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اَقْوَامٌ اَفْئِدَتُھُمْ مِثْلُ اَفْئِدَۃِ الطَّیْرِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جنّت میں ایسے لوگوں کی کتنی ہی جماعتیں داخل ہوں گی جن کے دل پرندوں کے مانند ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ کہ جنّت میں جانے والوں میں ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہوگی جو اس دنیا میں نرمی و مروت رحم و مہربانی، دل کی صفائی و سادگی اور حسد و بغض سے پاک و صاف ہونے کے اعتبار سے پرندوں جیسی خصلت رکھتے ہیں، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ان لوگوں کا ذکر کرنا اور انہیں جنّت کی بشارت دینا مقصود ہے جو اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں، اور ان کے دلوں پر آخرت کا خوف اور وہاں کے احوال کی ہیبت، بہت زیادہ طاری رہتی ہے! ان کے قلوب کو پرندوں سے تشبیہ اس اعتبار سے دی گئی ہے کہ سب سے زیادہ ڈرنے والا جانور پرندہ ہی ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ توکل اختیار کرنے والے مراد ہیں، کیونکہ پرندے "توکل" کی خاص علامت سمجھے جاتے ہیں اس لئے توکل اختیار کرنے والے بندوں کے قلوب کو پرندوں سے تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے "اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل (یعنی کامل اعتماد) رکھو تو یقیناً وہ تمہیں رزق دے گا جیسا کہ وہ ان پرندوں کو رزق دیتا ہے جو صبح کو نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے ہوئے واپس آتے ہیں۔

حق تعالیٰ کی خوشنودی

⑭ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ لِاَھْلِ الْجَنَّۃِ یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ فَیَقُوْلُوْنَ لَبَّیْکَ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِیْ یَدَیْکَ فَیَقُوْلُ ھَلْ رَضِیْتُمْ فَیَقُوْلُوْنَ وَمَالَنَا لَا نَرْضٰی یَارَبِّ وَقَدْ اَعْطَیْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِنْ خَلْقِکَ فَیَقُوْلُ اَلَا اُعْطِیْکُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِکَ فَیَقُوْلُوْنَ یَارَبِّ وَاَیُّ شَیْءٍ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِکَ فَیَقُوْلُ اُحِلُّ عَلَیْکُمْ رِضْوَانِیْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَیْکُمْ بَعْدَہٗ اَبَدًا (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جنتیوں کو (مخاطب کرنے کے لئے) آواز دے گا کہ

"اے جنتیو!" تمام جنتی (یہ آواز سن کر) جواب دیں گے کہ ہمارے پروردگار! ہم حاضر ہیں، تیری خدمت میں موجود ہیں، تمام تر بھلائی تیرے ہی قبضہ قدرت اور ارادے میں ہے (کہ جس کو چاہے عطا کرے)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا (میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ) کیا تم (جنت کا انعام پاکر) مجھ سے راضی وخوش ہو؟" وہ عرض کریں گے کہ پروردگار! بھلا ہم آپ سے راضی وخوش کیوں نہیں ہوں گے، آپ نے تو ہمیں وہ بڑی سے بڑی نعمت اور سرفرازی عطا فرمائی ہے جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کی اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں اس سے بھی بڑی اور اس سے بھی بہتر نعمت تمہیں عطا نہ کروں؟ وہ کہیں گے کہ پروردگار! اس سے بھی بڑی اور اس سے بھی بہتر نعمت اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "میں تمہیں اپنی رضا وخوشنودی عطا کروں گا اور پھر تم سے کبھی ناخوش نہ ہوں گا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: مولیٰ کریم کا اپنے بندے سے راضی وخوش ہو جانا تمام نعمتوں اور سعادتوں کے حاصل ہو جانے کی ضمانت ہے لہٰذا جب پروردگار اہل جنت کے تئیں اپنی رضا وخوشنودی کا اظہار فرمادے گا تو گویا انہیں تمام ہی نعمتیں اور سرفرازیاں حاصل ہو جائیں گی اور عظیم ترین نعمت دیدار الٰہی، بھی اسی کا ثمرہ و نتیجہ ہے۔

پہلے حق تعالیٰ جنتیوں سے پوچھیں گے کہ آیا تم مجھ سے خوش وراضی ہو؟ اور جب ان کی طرف سے اثبات میں جواب مل جائے گا تب حق تعالیٰ ان کے تئیں اپنی رضا وخوشنودی کا اظہار فرمائیں گے۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ بندے سے اللہ تعالیٰ کے راضی وخوش ہونے کی دلیل وعلامت یہ ہے کہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کو راضی وخوش پاتا ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا پروردگار بھی اس سے راضی وخوش ہے منقول ہے کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپس میں یہ بحث وتمحیص اور غور وفکر کیا کرتے تھے کہ اس بات کو جاننے کا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے کہ ہمارا پروردگار ہم سے راضی وخوش ہے؟ آخر کار انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ خود ہم اپنے رب سے راضی وخوش ہیں تو ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ ہمارا رب بھی ہم سے راضی وخوش ہے۔

"اور پھر تم سے کبھی ناخوش نہ ہوگا۔" ظاہر ہے یہ اہل جنت کے حق میں سب سے بڑی سرفرازی کی بشارت ہوگی کہ ان کا پروردگار ہمیشہ ہمیشہ ان سے راضی وخوش رہے گا۔ اس سعادت ونعمت سے بڑی سعادت ونعمت اور کیا ہو سکتی ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تھوڑی سی بھی رضا وخوشنودی پوری جنت اور جنت کی تمام نعمتوں اور سعادتوں سے بڑھ کر ہے چہ جائیکہ وہ رضا وخوشنودی مستقل طور پر اور ہمیشہ کے لئے حاصل ہو جائے، خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ورضوان من اللہ اکبر لہٰذا ہر صاحب ایمان کو یہی التجا کرنی چاہئے کہ اللھم ارض عنا وارضنا عنک (اے اللہ! ہم سے راضی ہو جائیے اور ہمیں اپنے سے راضی کیجئے۔

معمولی جنتی کا مرتبہ

(۱۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَدْنٰى مَقْعَدِ اَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ تَمَنَّ فَيَتَمَنّٰى وَيَتَمَنّٰى فَيَقُوْلُ لَهٗ هَلْ تَمَنَّيْتَ فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيَقُوْلُ لَهٗ فَاِنَّ لَكَ مَا تَمَنَّيْتَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "تم میں جو شخص سب سے ادنیٰ درجہ اور کمتر مقام کا جنتی ہوگا اس کا یہ مرتبہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا جو آرزو رکھتے ہو بیان کرو اور جو کچھ چاہتے ہو مانگو۔" وہ اپنی آرزوئیں ظاہر کرے گا اور بار بار ظاہر کرے گا یعنی وہ جنتی بھی خواہش رکھے گا بیان کرنے لگے گا اور جس قدر بھی مانگ سکتا ہوگا مانگے گا) اللہ تعالیٰ (اس کی آرزوئیں اور خواہش سن کر) فرمائے گا کہ کیا تم اپنی آرزوئیں بیان کر چکے (اور اپنے دل میں جو کچھ خواہش رکھتے ہو سب ظاہر کر چکے!) وہ عرض کرے گا کہ ہاں (میں جو کچھ مانگ سکتا تھا مانگ چکا اور اپنی ایک ایک آرزو بیان کر دی)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، "تم نے جو آرزوئیں بیان کیں اور جو کچھ مانگا نہ صرف وہ بلکہ اسی قدر مزید تمہیں عطا کیا گیا۔" (مسلمؒ)

وہ چار دریا جن کا سرچشمہ جنّت میں ہے

(۱۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيْحَانُ وَجَيْحَانُ وَالْفُرَاتُ وَالنِّيْلُ كُلٌّ مِّنْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "سیحان، جیحان، فرات اور نیل، ان سب دریاؤں کا تعلق جنت کی نہروں اور چشموں سے ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: فرات اور نیل تو مشہور دریا ہیں ان کے تعین میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ دریائے فرات، عراق میں اور دریائے نیل مصر میں بہتا ہے۔ لیکن سیحان اور جیحان کے تعین میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ سیحان شام کے دریا کا نام ہے اور جیحان بلخ کا دریا ہے اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ سیحان مدینہ کا دریا ہے، تاہم علماء نے یہ وضاحت کردی ہے کہ یہ جیحان و سیحان ان دو دریاؤں سے الگ ہیں جن کے نام جیحون اور سیحون ہیں اور جو ترک و بلخ (وسط ایشیا) کے دریا ہیں۔ طیبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جیحان شام کا دریا ہے، جیسا کہ جوہری کا قول ہے، نیز علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دریائے جیحون خراسان کے علاقہ میں بہتا ہے اور سیحون سندھ کا دریا ہے۔ بہر حال تحقیقی بات یہ ہے کہ "جیحان اور سیحان شام کے دریا ہیں جو اس ملک کے قدیم شہر طرطوس اور مصیعہ کے قریب سے گزرتے ہیں اور بحر روم میں آکر گرتے ہیں۔

حدیث کی اس بات کہ ان چاروں دریاؤں کا تعلق جنت کی نہروں اور چشموں سے ہے، کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ زیادہ صحیح قول یہ بیان کیا گیا ہے کہ حدیث کے یہ الفاظ اپنے ظاہری معنی پر محمول ہیں یعنی حقیقت میں ان چاروں نہروں کا مادہ جنّت میں ہے، چنانچہ مسلمؒ کی ایک روایت میں وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ دریائے نیل و فرات جنّت سے نکلے ہیں اور بخاری کی روایت یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلے ہیں اور معالم التنزیل میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چاروں کا سرچشمہ پہاڑوں کو سونپ دیا ہے اور وہاں سے ان کو زمین پر جاری فرمایا ہے ایک قول یہ ہے کہ جنّت کی ان چار نہروں کو جو وہاں کی تمام نہروں کا سرچشمہ اور اصل ہیں دنیا کے ان چار دریاؤں کے نام کے ساتھ مشہور و نامزد کیا گیا ہے جو اور دریاؤں کی بہ نسبت بہت زیادہ اہمیت، بہت زیادہ شہرت اور پانی کے مٹھاس و دیگر فوائد کے اعتبار سے بہت خصوصی درجہ رکھتے ہیں اور اس کا مقصد اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ فوائد و منافع حاصل ہیں وہ سب جنّت کی نعمتوں اور وہاں کے فوائد و منافع کا نمونہ ہیں۔

ایک اور قول جس کو زیادہ واضح کہا جاسکتا ہے یہ ہے کہ "ان سب دریاؤں کا تعلق جنّت کی نہروں اور چشموں سے ہے" سے مراد یہ ہے کہ ان دریاؤں کا پانی اور پانیوں کی بہ نسبت زیادہ لطیف و شیریں اور اور زیادہ ٹھنڈا و خوشگوار ہے، نیز ان دریاؤں کے پانی سے اتنے زیادہ فوائد اور اتنی زیادہ خصوصیات ہیں کہ جیسے یہ دریا جنّت کی نہروں اور چشموں سے نکلے ہوں۔

دوزخ و جنّت کی وسعت

(۱۷) وَعَنْ عُتْبَةَ بْنِ غَزْوَانَ قَالَ ذُكِرَ لَنَا اَنَّ الْحَجَرَ يُلْقَى فِيْ شَفَةِ جَهَنَّمَ فَيَهْوِىْ فِيْهَا سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا لَا يُدْرِكُ لَهَا قَعْرًا وَاللّٰهِ لَتُمْلَاَنَّ وَلَقَدْ ذُكِرَ لَنَا اَنَّ مَا بَيْنَ مِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَّصَارِيْعِ الْجَنَّةِ مَسِيْرَةُ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً وَلَيَاتِيَنَّ عَلَيْهَا يَوْمٌ وَّهُوَ كَظِيْظٌ مِّنَ الزِّحَامِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عتبہ بن غزوانؓ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا (یعنی آنحضرت ﷺ سے یہ روایت نقل کی گئی) کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) "اگر دوزخ کے (اوپری) کنارے سے کوئی پتھر گرایا جائے تو وہ ستر برس تک نیچے لڑھکتا چلا جائے گا اور دوزخ کی تہ تک نہیں پہنچے گا، خدا کی قسم دوزخ (اتنی گہری اور وسیع ہونے کے باوجود کافروں سے) پوری بھر جائے گی۔" اور (حضرت عتبہؓ کہتے ہیں کہ) ہمارے سامنے آنحضرت کا یہ ارشاد گرامی بھی ذکر کیا گیا کہ "جنّت کے کسی بھی ایک دروازے کے دونوں بازوؤں کے درمیان چالیس برس کی مسافت کا

فاصلہ ہے اور ایک دن ایسا ہوگا کہ جنّت اتنی وسعت وکشادگی کے باوجود) لوگوں سے بھری ہوئی ہوگی۔" (مسلمؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

جنّت کی تعمیر کا ذکر

⑱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ، مِمَّ خُلِقَ الْخَلْقُ قَالَ مِنَ الْمَآءِ قُلْنَا الْجَنَّةُ مَابِنَآءُهَا قَالَ لَبِنَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ وَّلَبِنَةٌ مِّنْ فِضَّةٍ وَّمِلَاطُهَا الْمِسْكُ الْاَذْفَرُ وَحَصْبَآؤُهَا اللُّؤْلُؤُ وَالْیَاقُوْتُ وَتُرْبَتُهَا الزَّعْفَرَانُ مَنْ یَّدْخُلُهَا یَنْعَمُ وَلَا یَبْاَسُ وَیَخْلُدُ وَلَا یَمُوْتُ وَلَا تَبْلٰی ثِیَابُهُمْ وَلَا یَفْنٰی شَبَابُهُمْ (رواہ احمد والترمذی والدارمی)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مخلوق کو کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا پانی سے۔" پھر ہم نے پوچھا کہ جنّت کس چیز سے بنی ہے یعنی اس کی عمارت پتھر یا اینٹ کی ہے یا مٹی اور یا لکڑی وغیرہ کی؟ فرمایا: "جنّت کی (تعمیر اینٹوں کی ہے اور اینٹیں بھی اس طرح کی ہیں کہ) ایک اینٹ سونے کی ہے اور ایک اینٹ چاندی کی، اس کا گارا (یا وہ مصالحہ جس سے اینٹیں جوڑی جاتی ہیں، تیز خوشبودار خاص مشک کا ہے، اس کی کنکریاں (رنگ اور چمک دمک میں) موتی اور یاقوت کی طرح ہیں اور اس کی مٹی زعفران (کی طرح زرد اور خوشبودار) ہے، جو شخص اس (جنّت میں) داخل ہوگا، عیش و عشرت میں رہے گا کبھی کوئی رنج و فکر نہیں دیکھے گا، ہمیشہ زندہ رہے گا مرے گا نہیں، نہ اس کا لباس پرانا اور بوسیدہ ہوگا اور نہ اس کی جوانی فنا ہوگی۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، دارمیؒ)

تشریح: شارحین نے حدیث کے پہلے جزء (یعنی یہ سوال کہ مخلوق کو کس چیز سے پیدا کیا گیا، اور آپ ﷺ کا یہ جواب کہ "پانی سے" کے ضمن میں لکھا ہے کہ حکماء کا اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ اجسام میں سے جو چیز سب سے پہلا عالم وجود میں آئی ہے وہ کیا ہے؟ اکثر کا کہنا یہ ہے کہ سب سے پہلے پانی کا جوہر وجود میں آیا، پھر اس جوہر کو کثیف منجمد کر کے زمین پیدا کی گئی اور اسی جوہر کو رقیق و لطیف کر کے آگ ہوا کو پیدا کیا گیا اور آگ کے دھوئیں سے آسمان وجود میں آیا۔

یہ بات توریت میں آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جوہر پیدا کیا اور پھر اس پر ہیبت و جلال کی نظر ڈالی تو اس کے اجزاء پگھل کر پانی بن گئے، اس پانی سے ایک بخار بلند ہوا اور دھوئیں کی طرح اوپر کو جا کر پھیل گیا جس سے آسمان وجود میں آیا، پھر پانی کے اوپر جھاگ ظاہر ہوا اور اس سے زمین پیدا ہوئی، اس کے بعد پہاڑ پیدا کر کے ان کو زمین کا لنگر بنایا گیا (یعنی پہلے زمین کو قرار نہیں تھا ہلتی ڈولتی تھی پھر پہاڑوں کے ذریعہ ان کو ساکن و منجمد کیا گیا۔

بعض شارحین نے یہ لکھا ہے کہ حدیث میں "پانی" سے مراد نطفہ (منی) ہے اگر اس مراد کو صحیح مانا جائے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ "مخلوق" سے مراد "حیوانات" ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے وجعلنا من الماء کل شیء حی یعنی ہم نے ہر حیوان کو (خواہ انسان ہو یا غیر انسان) پانی سے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح ایک موقع پر یوں فرمایا گیا ہے واللّٰہ خلق کل دابۃ من ماء یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا ہے رہی یہ بات کہ نطفہ مادہ "تخلیق کو "پانی" سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے تو اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے، پہلی بات یہ کہ وہ مادہ تخلیق پانی ہی کی صورت میں ہوتا ہے دوسرے یہ کہ ہر مخلوق (حیوانات) کی بہت بڑی ضرورت پانی ہی ہے اور ہر حیوان (خواہ انسان ہو یا غیر انسان) سب سے زیادہ فائدہ پانی ہی سے حاصل کرتا ہے۔

جنّت کے درخت

⑲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَافِی الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ اِلَّا وَسَاقُهَا مِنْ ذَهَبٍ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جنّت میں جو بھی درخت ہے اس کا تنا سونے کا ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: جنّت کے ہر ایک درخت کا تنا سونے کا ہے البتہ ان درختوں کی ٹہنیاں اور شاخیں مختلف قسموں کی ہیں۔ کسی کی سونے کی ہے، کسی کی چاندی کی، کوئی ٹہنی یاقوت و زمرد کی ہے یا موتی وغیرہ کی، اور ہر ٹہنی طرح طرح کے شگوفوں سے مرصع و مزین ہے اور اس پر قسم قسم کے میوے اور پھل لگے ہوئے ہیں نیز جنّت کے تمام درختوں کے نیچے نہریں رواں ہیں۔

جنّت کے درجات

(۲۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ مَابَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ مِائَةُ عَامٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جنّت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان سو برس کی مسافت کا فاصلہ ہے اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حدیث میں "درجوں" سے مراد "بلند مراتب" ہیں جو اہل جنّت کو ان کے اعمال اور نیکیوں کے اعتبار سے ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے هم درجات عند الله (اہل جنّت اللہ کے نزدیک درجات و مراتب میں مختلف ہوں گے) یعنی ان کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق الگ الگ مرتبہ و درجہ ملے گا، جس جنّتی کے اعمال جتنے زیادہ اچھے ہوں گے اس کو اتنے ہی زیادہ مراتب نصیب ہوں گے، جیسا کہ دوزخیوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے اپنے کفر و شرک کے اعتبار سے دوزخ کے نچلے حصوں میں ڈالے جائیں گے کہ جس دوزخی کے کفریہ اعمال و عقائد جتنے زیادہ خراب رہے ہوں گے اس کو دوزخ کے اتنے ہی نچلے حصوں میں پہنچایا جائے گا، اس کی طرف قرآن کریم کے ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے ان المنافقين في الدرك الاسفل من النار (یقیناً منافقین دوزخ کے نچلے حصوں میں پڑے ہوں گے۔

(۲۱) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ لَوْ اَنَّ الْعَالَمِيْنَ اجْتَمَعُوْا فِيْ اِحْدٰهُنَّ لَوَسِعَتْهُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جنّت میں سو درجے ہیں کہ) اگر تمام عالم کے لوگ ان میں سے کسی بھی ایک درجہ میں جمع ہو جائیں تو وہ سب کے لئے کافی ہوگا۔" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

جنّت کے فرش

(۲۲) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ قَالَ ارْتِفَاعُهَا لَكَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ مَسِيْرَةُ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد و فرش مرفوعة (اور اونچے اونچے فرش اور بچھونے ہوں گے) کی تفسیر میں فرمایا کہ "ان بچھونوں کی بلندی اتنی ہوگی جتنی کہ آسمان اور زمین کے درمیان مسافت ہے یعنی پانچ سو برس کا راستہ۔" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جنّت کے درجوں میں جو فرش اور بچھونے ہوں گے وہ اتنے اونچے اونچے ہوں گے کہ بظاہر یہ نظر آئے گا کہ وہ آسمان جیسی بلندی تک چلے گئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں جن اونچے اونچے فرش اور بچھونوں کا ذکر ہے وہ جنّت کے ان درجات میں بچھے ہوں گے جو زمین سے آسمان تک کی مسافت کے بقدر بلند ہوں گے اور جن کی اس بلندی کے بارے میں یہ حدیث ہے کہ ان للجنة مائة درجة مابين كل درجتين كمابين السماء والارض (جنّت میں سو درجے ہیں اور ان میں سے ہر دو

درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان۔

بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ "فرش مرفوعة" میں لفظ "فرش" سے مراد حوران جنّت ہیں اور "مرفوعة" سے مراد ان حوران جنّت کا حسن و جمال میں دنیا کی عورتوں سے فائق و برتر ہونا ہے، لیکن ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جنّت میں مومن عورتیں حوروں سے بھی زیادہ حسین و جمیل ہوں گی اور ان کو حوروں پر فضیلت اس نماز روزے کے سبب حاصل ہوگی جو وہ دنیا میں کرتی تھیں۔

اہل جنّت کے چمکدار چہرے

(۲۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ زُمْرَةٍ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُ وُجُوْهِهِمْ عَلٰى مِثْلِ ضَوْءِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَالزُّمْرَةُ الثَّانِيَةُ عَلٰى مِثْلِ اَحْسَنِ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِى السَّمَآءِ لِكُلِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ عَلٰى كُلِّ زَوْجَةٍ سَبْعُوْنَ حُلَّةً يُرٰى مُخُّ سَاقِهَا مِنْ وَّرَآءِهَا (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعید خدری ﷺ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن جنّت میں جو لوگ سب سے پہلے داخل ہوں گے (یعنی انبیاء علیہم السلام) ان کے چہرے چودہویں رات کے چاند کی طرح روشن و چمکدار ہوں گے، اور دوسری جماعت کے لوگ (جو انبیاء کے بعد جنّت میں داخل ہوں گے اور وہ اولیاء و صلحاء ہیں) ان کے چہرے آسمان کے اس ستارے کی طرح روشن و چمکدار ہوں گے جو سب سے زیادہ چمکتا ہے۔ نیز ان (جنّتیوں) میں سے ہر شخص کے لئے دو بیویاں ہوں گی اور ہر بیوی کے جسم پر (لباس کے) ستر جوڑے ہوں گے (اور وہ دونوں بیویاں اتنی صاف و شفاف اور حسین و جمیل ہوں گی کہ) ان کی پنڈلیوں کے اندر کا گودا ستر جوڑوں کے اوپر سے نظر آتا ہوگا۔"

(ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں ہر جنّتی کو دو بیویاں ملنے کا ذکر ہے جب کہ ایک حدیث میں یہ منقول ہے کہ اہل جنّت میں جو سب سے کمتر درجہ کا جنّتی ہوگا اس کو بھی بہتر بیویاں اور اسّی ہزار خادم ملیں گے پس ان دونوں میں مطابقت کے لئے علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جو دو بیویوں کا ذکر کر ہے تو وہ اس خصوصیت کی حامل ہوں گی کہ ان کی پنڈلیوں کے اندر کا گودا ان کے لباس کے ستر جوڑوں کے اوپر سے بھی نظر آئے گا اور باقی بیویاں تو دنیا کی عورتوں میں سے ملیں گی اور ستر بیویاں حوران جنّت میں سے ملیں گی اور دونوں مل کر بہتر ہوں گی۔

جنّتیوں کی مردانہ قوت کا ذکر

(۲۴) وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُعْطَى الْمُؤْمِنُ فِى الْجَنَّةِ قُوَّةَ كَذَا وَكَذَا مِنَ الْجِمَاعِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَيُطِيْقُ ذٰلِكَ قَالَ يُعْطٰى قُوَّةَ مِائَةٍ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جنّت میں مومن کو جنسی اختلاط کی اتنی اتنی قوت عطا کی جائے گی عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا ایک مرد اتنی عورتوں سے جنسی اختلاط (مباشرت) کی طاقت رکھے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا (جنّت میں ایک مرد کو) سو مردوں کی قوت عطا کی جائے گی (اور جب اس کو اتنی زیادہ قوت مردانہ حاصل ہوگی تو پھر وہ کئی کئی عورتوں سے جنسی اختلاط کی طاقت کیوں نہیں رکھے گا۔" (ترمذیؒ)

جنّت کی اشیاء کا ذکر

(۲۵) وَعَنْ سَعْدِبْنِ اَبِىْ وَقَّاصٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ لَوْ اَنَّ مَا يُقِلُّ ظُفُرٌ مِّمَّا فِى الْجَنَّةِ بَدَا لَتَزَخْرَفَتْ لَهٗ مَا بَيْنَ خَوَافِقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَوْ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَ فَبَدَا اَسَاوِرُهٗ لَطَمَسَ ضَوْءُهٗ ضَوْءَ الشَّمْسِ كَمَا تَطْمِسُ الشَّمْسُ ضَوْءَ النُّجُوْمِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

"اور حضرت سعد بن ابی وقاص نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جنت کی چیزوں (یعنی زینت و آرائش کی اشیاء) میں سے اگر ناخن کے برابر بھی کوئی چیز دنیا میں) آجائے تو آسمان و زمین کے اطراف و جوانب تک کی دنیا کی، ہر چیز رونق پا جائے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر جنتیوں میں سے کوئی شخص دنیا کی طرف، جھانکے اور اس کے (ہاتھوں کے) کڑے نمایاں ہو جائیں تو ان کی چمک دمک سورج کی روشنی کو ماند کر دے جیسا کہ سورج ستاروں کی روشنی کو ماند کر دیتا ہے اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

جنّت کے مردوں کا ذکر

(۲۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَهْلُ الْجَنَّةِ جُرْدٌ مُّرْدٌ كَحْلٰی لاَ یَفْنٰی شَبَابُهُمْ وَلاَ یَبْلٰی ثِیَابُهُمْ (رواه الترمذی والدارمی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جنتی بغیر بالوں کے امرد ہوں گے، ان کی آنکھیں سُرمگیں ہوں گی، ان کا شباب کبھی فناہ نہ ہوگا اور ان کے کپڑے کبھی پرانے نہ ہوں گے۔" (ترمذیؒ، دارمیؒ)

تشریح: لفظ جرد اصل میں اجرد کی جمع ہے اور اجرد اس شخص کو کہتے ہیں جس کے بدن پر بال نہ ہوں، اسی طرح مرد، امرد کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں بے داڑھی کا جوان نیز لفظ کحلی (فعلی کے وزن پر) مکحول کے معنی میں ہے یعنی وہ شخص جس کی پلکوں کی جڑیں پیدائشی سیاہ ہوں اور ایسا نظر آتا ہو کہ اس نے آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے۔

(۲۷) عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ جُرْدًا مُرْدًا مُكَحَّلِیْنَ اَبْنَآءَ ثَلٰثِیْنَ اَوْ ثَلٰثٍ وَّثَلٰثِیْنَ سَنَةً (رواه الترمذی)

"اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جنتی جنّت میں اس طرح داخل ہوں گے کہ ان کا بدن بالوں سے صاف ہوگا بے داڑھی کے جوان ہوں گے ان کی آنکھیں سرمگیں ہوں گی اور تیس یا تینتیس سال کی عمر کے لگیں گے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: تیس یا تینتیس سال کی عمر مکمّل جوانی اور طاقت و قوت سے بھرپور ہوتی ہے اس لئے جنتی مردوں کو یہی عمر عطا کر کے جنّت میں داخل کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ تیس یا تینتیس....... میں حرف "یا" راوی کے شک کو ظاہر کرتا ہے کہ اس موقع پر آنحضرت نے تیس کا ذکر فرمایا تھا یا تینتیس کا۔

سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر

(۲۸) وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَذُكِرَ لَهُ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰی قَالَ یَسِیْرُ الرَّاكِبُ فِیْ ظِلِّ الْفَنَنِ مِنْهَا مِائَةَ سَنَةٍ اَوْیَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا مِائَةُ رَاكِبٍ شَكَّ الراوی فِیْهَا فِرَاشُ الذَّهَبِ كَاَنَّ ثَمَرَهَا الْقِلاَلُ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ

"اور حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کہتی ہیں کہ اس وقت جب کہ رسول کریم ﷺ کے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کیا گیا، میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ (سدرۃ المنتہیٰ ایسا درخت ہے کہ) کوئی (تیز رفتار) سوار اس کی شاخوں کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے یا یہ فرمایا کہ اس کے سائے میں بیک وقت سو سوار دم لے سکیں، اس درخت پر سونے کی ٹڈیاں ہیں گویا اس کے پھل مٹکوں کے برابر ہیں۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "سدرۃ المنتہی" کے معنی ہیں "بیری کا وہ درخت جس پر انتہاء ہے۔" اس درخت کو "سدرۃ المنتہیٰ" اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ

جنّت کے اس انتہائی کنارے پر واقع ہے جس کے پرے کسی کو کچھ علم نہیں کیا ہے، اس کے آگے کسی فرشتے تک کو جانے کا حکم نہیں ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آخری رسائی بھی یہیں تک ہے، اس کے آگے وہ بھی، نہیں جا سکتے صرف آنحضرت ﷺ معراج کی رات میں اس درخت سے آگے گئے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق یہ درخت چھٹے آسمان پر ہے لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ ساتویں آسمان پر۔

"اس درخت پر سونے کی ٹڈیاں ہیں۔" سے شاید یہ مراد ہے کہ اس درخت پر جو نورانی فرشتے ہیں ان کے پر اس طرح چمکتے اور جھلملاتے ہیں جیسے اس کی شاخوں پر سونے کی چمکدار ٹڈیاں ادھر ادھر پھدک رہی ہوں یا یہ کہ اس درخت سے جو انوار اٹھتے ہیں اور شاخوں پر ایک خاص قسم کی روشنی پھوٹتی رہتی ہے اس کو سونے کی "ٹڈیاں" سے تعبیر فرمایا۔ واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد "اس درخت پر سونے کی ٹڈیاں ہیں۔" دراصل اس آیت کریمہ اذیغشی السدرة مایغشی۔ (جب اس سدرۃ المنتہی کو ڈھانپ رکھا جو کچھ ڈھانپتا ہے) کی تفسیر ہے، چنانچہ بیضاوی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ فرشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہے اس درخت کو ڈھانپے رہتی ہے۔

حوض کوثر کا ذکر

(۲۹) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْكَوْثَرُ قَالَ ذٰلِكَ نَهْرٌ اَعْطَانِيْهِ اللّٰهُ يَعْنِيْ فِي الْجَنَّةِ اَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ فِيْهِ طَيْرٌ اَعْنَاقُهَا كَاَعْنَاقِ الْجُزُرِ قَالَ عُمَرُ اِنَّ هٰذِهٖ لَنَاعِمَةٌ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَتُهَا اَنْعَمُ مِنْهَا (رواہ الترمذی)

"اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے "کوثر" کے بارے میں پوچھا گیا (کہ وہ کیا چیز ہے؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا "وہ ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کی ہے یعنی جنت میں (میرے لئے مخصوص ہے اس نہر کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اس میں ایسے پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹ کی گردنوں کی طرح لمبی ہیں۔" حضرت عمر نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ وہ پرندے تو بہت فربہ اور تنومند ہوں گے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ان پرندوں کو کھانے والے (یعنی جنتی لوگ، ان پرندوں سے بھی زیادہ توانا اور خوشحال ہوں گے۔" (ترمذی)

تشریح: لفظ "نہر" ہ کے زبر کے ساتھ بھی ہے اور جزم کے ساتھ بھی منقول ہے! مطلب یہ ہے کہ کوثر" پانی کی ایک نہر ہے جس کے دونوں سروں پر دو حوض ہیں ایک حوض تو موقف (میدان محشر) میں ہے اور دوسرا حوض جنّت میں ہے اور چونکہ اس نہر کا زیادہ حصہ جنّت میں ہے اس لئے "یعنی فی الجنۃ کے ذریعہ وضاحت کی گئی ہے کہ وہ نہر جنّت میں آپ ﷺ کے لئے مخصوص ہے جس سے آپ ﷺ کے امتی سیراب ہوں گے۔

کاعناق الجزر (اونٹ کی گردن کی طرح، میں لفظ "جُزُر" اصل میں "جُزُوْر کی جمع ہے، اور یہ لفظ ایسے اونٹ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو نحر و ذبح کے لئے تیار ہو، لہٰذا اس جملہ کے ذریعہ اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ وہ پرندے جو حوض کوثر میں ہوں گے، نحر و ذبح کے لئے تیار ملیں گے تاکہ حوض کوثر سے سیراب ہونے والے ان کا گوشت کھا سکیں۔

جنتیوں کو ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ خواہش کریں گے

(۳۰) وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ خَيْلٍ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ فَلَا تَشَآءُ اَنْ تُحْمَلَ فِيْهَا عَلٰى فَرَسٍ مِنْ يَاقُوْتَةٍ حَمْرَآءَ يَطِيْرُ بِكَ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْتَ اِلَّا فَعَلْتَ وَسَاَلَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ اِبِلٍ قَالَ فَلَمْ يَقُلْ لَهٗ مَا قَالَ لِصَاحِبِهٖ فَقَالَ اِنْ يُدْخِلْكَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ يَكُنْ لَكَ فِيْهَا مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَلَذَّتْ

عَيْنُكَ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا جنت میں گھوڑے بھی ہوں گے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنت میں داخل کیا اور تم نے گھوڑے پر سوار ہونے کی خواہش ظاہر کی تو تمہیں جنت میں سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار کیا جائے گا اور تم جنت میں جہاں جانا چاہو گے وہ گھوڑا برق رفتاری کے ساتھ دوڑے گا اور گویا) اڑ کر تمہیں لے جائے گا (اس کے بعد) آپ ﷺ سے ایک اور شخص نے سوال کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! کیا جنت میں اونٹ بھی ہوں گے؟ حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے اس شخص کو وہ جواب نہیں دیا جو آپ ﷺ نے اس کے ساتھی کو دیا تھا (یعنی جس طرح آپ ﷺ نے پہلے شخص کو جواب دیا تھا اس طرح اس شخص کو یہ جواب نہیں دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنت میں داخل کیا اور تم نے اونٹ پر سوار ہونے کی خواہش ظاہر کی تو........ الخ، بلکہ بطریق کلیہ) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنت میں پہنچا دیا تو وہاں تمہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کو تمہارا دل چاہے گا اور تمہاری آنکھیں پسند کریں گی۔" (ترمذی)

تشریح: لفظ "فعلت" صیغۂ خطاب کے ساتھ مجہول اور معروف دونوں طرح پڑھا جاتا ہے لفظی ترجمہ کی صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ "مگر یہ کہ تو کیا جائے گا، یعنی تو اپنا مقصد و مدعا دیا جائے گا یا مگر یہ کہ تو کرے گا یعنی تو اپنی خواہش میں مطلب یاب ہوگا" نیز یہ لفظ "فعلت" تائے تانیث کے ساتھ بصیغہ مجہول بھی منقول ہے، اس صورت میں یہ ترجمہ ہوگا کہ "مگر یہ کہ تمہارے لئے ایسا کیا جائے گا یعنی تمہاری خواہش کے مطابق وہ گھوڑا تیار اور مہیا کیا جائے گا۔" واضح رہے کہ عربی میں فرس (گھوڑا) مذکر اور مونث دونوں آتا ہے، بہر حال مطلب یہ ہے کہ جنت میں ہر شخص کو ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ خواہش کرے گا۔

(۳۱) وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُحِبُّ الْخَيْلَ اَفِي الْجَنَّةِ خَيْلٌ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ اُدْخِلْتَ الْجَنَّةَ اُوْتِيْتَ بِفَرَسٍ مِنْ يَاقُوْتَةٍ لَهُ جَنَاحَانِ فَحُمِلْتَ عَلَيْهِ ثُمَّ طَارَ بِكَ حَيْثُ شِئْتَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَاَبُوْسَوْرَةَ الرَّاوِيْ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمٰعِيْلَ يَقُوْلُ اَبُوْسَوْرَةَ هٰذَا مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ يَرْوِيْ مَنَاكِيْرَ۔

"اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے گھوڑے بہت پسند ہیں، کیا جنت میں گھوڑے بھی ہوں گے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر تمہیں جنت میں داخل کیا گیا تو تمہیں یاقوت کا ایک گھوڑا دیا جائے گا جس کے دو بازو (پر) ہوں گے پھر تمہیں اس گھوڑے پر سوار کیا جائے گا اور تم جہاں جانا چاہو گے وہ گھوڑا تمہیں اڑا کر لے جائے گا۔" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے اور ابوسورہ جو اس حدیث کے راوی ہیں کسی سبب سے) فن حدیث میں یا اسناد حدیث میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں، نیز میں نے حضرت محمد بن اسماعیل بخاری کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ابوسورہ منکر الحدیث ہیں وہ منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں۔"

اہل جنت میں اُمت محمدیہ کا تناسب

(۳۲) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَمِائَةُ صَفٍّ ثَمَانُوْنَ مِنْهَا مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَاَرْبَعُوْنَ مِنْ سَائِرِ الْاُمَمِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ۔

"اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی، ان میں سے اسّی صفیں اس اُمت (مسلمانوں) کی ہوں گی اور چالیس صفیں دوسری امتوں کے لوگوں کی۔" اس روایت کو ترمذیؒ و دارمی نے اور بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اُمت محمدیہ کے جنتیوں کی تعداد دوسری امتوں کے مقابلہ میں دو تہائی زائد ہو گی، لیکن پیچھے باب الشفاعت میں ایک روایت گزری ہے جس میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ مجھے امید ہے تم (مسلمان) اہل جنت کی مجموعی تعداد کا نصف حصہ ہو گئے۔ ان دونوں روایتوں میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ پہلے تو آنحضرت ﷺ نے حق تعالیٰ کی بارگاہ سے یہی امید قائم کی ہو کہ آپ ﷺ کی اُمت کے لوگ اہل جنت کی مجموعی تعداد کا نصف حصہ ہوں، مگر بعد میں حق تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص سے آنحضرت ﷺ کی اس امید کو اور بڑھا دیا ہو اور جنتیوں میں اُمت محمدیہ کی تعداد کو دو تہائی تک کرنے کی بشارت عطا فرمائی ہو اور یہ اضافہ وزیادتی یقیناً رب کریم کے اس خاص فضل وکرم کا آئینہ دار ہے جو صرف آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کی اُمت مرحومہ کا نصیب ہے۔

ایک احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسری امتوں کے چالیس صفوں کے مقابلہ میں اہل اسلام کی اسی صفیں اس طرح کی ہوں گی کہ وہ صفوں کے اعتبار سے تو زیادہ ہوں گی مگر اشخاص کی تعداد کے اعتبار سے چالیس صفوں ہی کے برابر ہوں گی گویا اہل جنت میں جتنے لوگ دوسری امتوں کی چالیس صفوں میں ہوں گے اتنے ہی لوگ اُمت محمدیہ کی اسی صفوں میں ہوں گے لیکن یہ احتمال بس یوں ہی ہے، صحیح توجیہہ وہی ہے جو پہلے بیان کی گئی۔

جنّت کے اس دروازے کی وسعت جس سے اہل اسلام داخل ہوں گے

(۳۳) وَعَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَابُ اُمَّتِيَ الَّذِيْ يَدْخُلُوْنَ مِنْهُ الْجَنَّةَ عَرْضُهٗ مَسِيْرَةُ الرَّاكِبِ الْمُجَوِّدِ ثَلٰثًا ثُمَّ اِنَّهُمْ لَيُضْغَطُوْنَ عَلَيْهِ حَتّٰى تَكَادُ مَنَاكِبُهُمْ تَزُوْلُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ وَسَاَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمٰعِيْلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَلَمْ يَعْرِفْهُ وَقَالَ يَخْلُدُ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ يَرْوِي الْمَنَاكِيْرَ۔

"اور حضرت سالم تابعیؒ اپنے والد محترم (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا! جنت کے جس دروازے سے میری اُمت کے لوگ داخل ہوں گے اس کی چوڑائی اس سوار کی تین مسافت کے بقدر ہوگی جو گھوڑے کو تیز دوڑانا خوب جانتا ہے پھر بھی وہ لوگ (یعنی میری اُمت کے جنتی) اس دروازے سے داخل ہوتے وقت نہایت تنگی محسوس کریں گے یہاں تک کہ ان کے کاندھے ایک دوسرے سے رگڑ کھائیں گے یعنی باوجودیکہ وہ دروازہ اس قدر چوڑا ہو گا مگر جب اہل اسلام ہجوم در ہجوم اندر داخل ہوں گے تو وہ دروازہ بھی تنگ معلوم ہوگا اور وہ لوگ ایک دوسرے کے کاندھے سے رگڑ کھاتے ہوئے بڑی دشواری کے ساتھ دروازہ پار کریں گے۔" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، جب میں نے حضرت محمد بن اسمٰعیل بخاری سے اس حدیث کے راوی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا اور فرمایا کہ خالد بن ابی بکر منکر روایتیں بیان کرتے ہیں۔"

تشریح: اس سوار کی تین....... مسافت کے بقدر" میں "تین" مراد سے یا تو تین راتوں کی مسافت ہے یا تین سال کی اور یہی (تین سال کی مسافت مراد لینا، زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس میں زیادہ مبالغہ ہے، پھر تین سال کے مسافت" سے بھی کثرت" مراد لینا پڑے گی تا کہ یہ روایت اس حدیث کے مخالف نہ پڑے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جنت کے دروازوں میں سے ہر دروازے کے دونوں بازوؤں کا درمیانی فاصلہ چالیس سال کی مسافت کے بقدر ہے، اور اگر "تین سال کو اس کے حقیقی مفہوم پر محمول کرتے ہوئے "کثرت" مراد نہ لی جائے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ ہوسکتا ہے کہ پہلے آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ اس دروازے کی چوڑائی کم بتائی گئی ہو جس کو آپ ﷺ نے تین سال کی مسافت کے فاصلہ سے تعبیر فرمایا اور پھر بعد میں اس کی زیادہ سے زیادہ چوڑائی کا علم آپ ﷺ کو عطا کیا گیا ہو، جس کو آپ ﷺ نے "چالیس سال کی مسافت" کے ذریعہ واضح فرمایا! ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ ان دونوں روایتوں کو جنت میں داخل ہونے

والوں کے اعتبار سے مختلف چوڑائی معلوم ہوگی کہ جس کے دروازے کے ذریعہ کم لوگ داخل ہوں گے وہ بہت زیادہ چوڑا معلوم ہوگا اور جس دروازے سے بہت زیادہ تعداد میں لوگ داخل ہوں گے وہ بہت زیادہ چوڑا ہو جانے کے باوجود کم چوڑا معلوم ہوگا۔

ترمذیؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے، اور مصابیح میں ہے کہ یہ "روایت ضعیف منکر ہے!" نیز مصابیح کے شارحؒ نے یہ وضاحت کی ہے کہ اس حدیث کو منکر اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ یہ حدیث ان صحیح احادیث کے خلاف ہے جو مذکورہ مضمون سے متعلق منقول ہیں پھر ترمذیؒ نے اس حدیث کے ضعیف ہونے پر حضرت محمد بن اسماعیل یعنی امام بخاریؒ سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث سے اپنی ناواقفیت کا اظہار کیا اور یہ اصول ہے کہ جب کوئی ایسا عالم حدیث اور امام فن جو حدیث کا تمام طرق واسناد کی کامل بصیرت اور پوری معلومات رکھتا ہو، یہ کہے کہ میں فلاں حدیث کی واقفیت نہیں رکھتا تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ وہ حدیث ضعیف ہے، علاوہ ازیں امام بخاریؒ نے اس حدیث کے راوی کے بارے میں وضاحت سے یہ کہہ کر "وہ منکر حدیثیں نقل کرتے ہیں گویا فیصلہ ہی دے دیا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

امام بخاریؒ کے اس قول کے یخلد ابن ابی بکر، منکر روایتیں بیان کرتے ہیں کے بارے میں سید جمال الدین نے کہا ہے کہ لفظ یخلد صاحب مشکوٰۃ کا سہو ہے اصل نام خالد ابن ابی بکر ہے کیونکہ ترمذیؒ میں خالد ابن ابی بکر ہی منقول ہے اور اسماء رجال کی کتابوں میں بھی اسی طرح ہے۔

جنّت کا ایک بازار

(۳۴) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَسُوْقًا مَا فِيْهَا شِرًى وَّلَا بَيْعٌ اِلَّا الصُّوَرُ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ فَاِذَا اشْتَهَى الرَّجُلُ صُوْرَةً دَخَلَ فِيْهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جنّت میں ایک بازار ہے جس میں خرید و فروخت نہیں ہوگی بلکہ وہاں مردوں اور عورتوں کی (طرح طرح کی حسین وجمیل) صورتیں نظر آئیں گی جو شخص (خواہ مرد ہو یا عورت، وہاں جس صورت کو پسند کرے گا اس میں سما جائے گا اور اسی صورت کا ہو جائے گا۔ اس حدیث کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ وہ بازار دراصل حسن وجمال سے مزین ہونے اور اچھی سے اچھی شکل وصورت میں تبدیل ہونے کا ایک مرکز ہوگا، وہاں ہر طرف ایک سے ایک حسین وجمیل صورتیں نظر آئیں گی، اور جنتیوں میں سے جو بھی شخص خواہ وہ مرد ہو یا عورت ان صورتوں میں سے کسی صورت کو اختیار کرنا چاہے گا اس میں سما جائے گا اور اپنی اسی پسندیدہ شکل وصورت اختیار کرے گا جیسا کہ جن اور فرشتے دنیا میں جس شکل وصورت میں چاہتے ہیں ظاہر ہوتے ہیں۔

دیدار الٰہی اور جنّت کا بازار

(۳۵) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّهٗ لَقِيَ اَبَا هُرَيْرَةَ فَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ اَسْاَلُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْمَعَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ فِيْ سُوْقِ الْجَنَّةِ فَقَالَ سَعِيْدٌ اَفِيْهَا سُوْقٌ قَالَ نَعَمْ اَخْبَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ اِذَا دَخَلُوْهَا نَزَلُوْا فِيْهَا بِفَضْلِ اَعْمَالِهِمْ ثُمَّ يُؤْذَنُ لَهُمْ فِيْ مِقْدَارِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا فَيَزُوْرُوْنَ رَبَّهُمْ وَيُبْرِزُ لَهُمْ عَرْشَهٗ وَيَتَبَدّٰى لَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ فَيُوْضَعُ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُّوْرٍ وَّمَنَابِرُ مِنْ لُؤْلُؤٍ وَّمَنَابِرُ مِنْ يَاقُوْتٍ وَّمَنَابِرُ مِنْ زَبَرْجَدٍ وَّمَنَابِرُ مِنْ ذَهَبٍ وَّمَنَابِرُ مِنْ فِضَّةٍ وَّيَجْلِسُ اَدْنَاهُمْ وَمَا فِيْهِمْ دَنِيٌّ عَلٰى كُثْبَانِ الْمِسْكِ وَالْكَافُوْرِ مَا يُرَوْنَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَرَاسِيِّ بِاَفْضَلَ مِنْهُمْ مَجْلِسًا قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهَلْ نَرٰى رَبَّنَا قَالَ نَعَمْ هَلْ تَتَمَارَوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ قُلْنَا لَا قَالَ كَذٰلِكَ لَا تَتَمَارَوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ وَلَا يَبْقٰى فِيْ ذٰلِكَ الْمَجْلِسِ رَجُلٌ اِلَّا حَاضَرَهُ اللّٰهُ

مُحَاضَرَةً وَحَتّٰی يَقُوْلُ لِلرَّجُلِ مِنْهُمْ يَا فُلَانُ ابْنَ فُلَانٍ اَتَذْكُرُ يَوْمَ قُلْتَ كَذَا وَكَذَا فَيُذَكِّرُهٗ بِبَعْضِ غَدَرَاتِهٖ فِي الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَفَلَمْ تَغْفِرْلِيْ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَبِسَعَةِ مَغْفِرَتِيْ بَلَغْتَ مَنْزِلَتَكَ هٰذِهٖ فَبَيْنَمَا هُمْ عَلٰى ذٰلِكَ غَشِيَتْهُمْ سَحَابَةٌ مِّنْ فَوْقِهِمْ فَاَمْطَرَتْ عَلَيْهِمْ طِيْبًا لَمْ يَجِدُوْا مِثْلَ رِيْحِهٖ شَيْئًا قَطُّ وَيَقُوْلُ رَبُّنَا قُوْمُوْا اِلٰى مَآ اَعْدَدْتُّ لَكُمْ مِّنَ الْكَرَامَةِ فَخُذُوْا مَا اشْتَهَيْتُمْ فَنَاْتِيْ سُوْقًا قَدْ حَفَّتْ بِهِ الْمَلٰٓئِكَةُ فِيْهَا مَالَمْ تَنْظُرِ الْعُيُوْنُ اِلٰى مِثْلِهٖ وَلَمْ تَسْمَعِ الْاٰذَانُ وَلَمْ يَخْطُرْ عَلَى الْقُلُوْبِ فَيُحْمَلُ لَنَا مَا اشْتَهَيْنَا لَيْسَ يُبَاعُ وَلَا يُشْتَرٰی وَفِيْ ذٰلِكَ السُّوْقِ يَلْقٰى اَهْلُ الْجَنَّةِ بَعْضُهُمْ بَعْضًا قَالَ فَيُقْبِلُ الرَّجُلُ ذُو الْمَنْزِلَةِ وَالْمُرْتَفِعَةِ فَيَلْقٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ وَمَا فِيْهِمْ دَنِيٌّ فَيَرُوْعُهٗ مَا يَرٰى عَلَيْهِ مِنَ اللِّبَاسِ فَمَا يَنْقَضِيْ اٰخِرُ حَدِيْثِهٖ حَتّٰی يَتَخَيَّلَ عَلَيْهِ مَا هُوَ اَحْسَنُ مِنْهُ وَذٰلِكَ اَنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يَّحْزَنَ فِيْهَا ثُمَّ نَنْصَرِفُ اِلٰى مَنَازِلِنَا فَيَتَلَقَّانَا اَزْوَاجُنَا فَيَقُلْنَ مَرْحَبًا وَّاَهْلًا لَقَدْ جِئْتَ وَاِنَّ بِكَ مِنَ الْجَمَالِ اَفْضَلَ مِمَّا فَارَقْتَنَا عَلَيْهِ فَنَقُوْلُ اِنَّا جَالَسْنَا الْيَوْمَ رَبَّنَا الْجَبَّارَ وَيَحِقُّنَا اَنْ نَّنْقَلِبَ بِمِثْلِ مَا انْقَلَبْنَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

"اور حضرت سعید بن مسیب تابعیؒ سے روایت ہے کہ (ایک دن بازار میں) حضرت ابوہریرہؓ سے ان کی ملاقات ہوئی تو حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ (جس طرح آج مدینہ کے بازار میں ہم دونوں کی ملاقات ہوئی ہے اسی طرح، جنت کے بازار میں ہم دونوں کو ملائے۔ حضرت سعید نے (یہ سن کر) کہا کہ کیا جنت میں بازار بھی ہوگا؟ (حالانکہ بازار تو خرید و فروخت پوری کرنے کے لئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جنت میں یہ ضرورت پیش نہیں آئے گی) حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا "ہاں" (جنت میں بازار بھی ہوگا مگر وہاں کا بازار دنیاوی بازار جیسی ضروریات پوری کرنے کے لئے نہیں ہوگا) مجھ کو رسول کریم ﷺ نے بتایا تھا کہ جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو اپنے اپنے اعمال کی فضیلت و برتری کے لحاظ سے جنت (کی منزلوں اور درجوں) میں فروکش ہوں گے (یعنی جس کے اعمال جتنے زیادہ اور جتنے اعلیٰ ہوں گے اسی کے اعتبار سے اس کو بلند تر اور خوب تر مکانات و منازل ملیں گے) پھر ان کو دنیاوی دنوں کے اعتبار سے جمعہ کے دن اجازت دی جائے گی اور وہ سب اس دن اپنے پروردگار کی زیارت کریں گے پروردگار ان کے سامنے اپنا عرش ظاہر کرے گا اور جنتیوں کو اپنا دیدار کرانے کے لئے جنت کے ایک بڑے باغ میں جلوہ فرما ہوگا، پس (پروردگار کی زیارت کو آنے والے) جنتیوں کے لئے اس باغ میں (مختلف درجات کے منبر یعنی) نور کے منبر، موتیوں کے منبر، یاقوت کے منبر سونے کے منبر اور چاندی کے منبر رکھے جائیں گے جن پر وہ جنتی (اعمال و افعال اور مراتب و درجات کے تفاوت کے اعتبار سے) بیٹھیں گے (کہ جو جنتی جس درجہ مرتبہ کا ہوگا اسی کے مطابق اس کے ان منبروں میں سے ایک منبر مخصوص ہوگا) نیز ان جنتیوں میں سے جو جنتی ادنی مرتبہ و درجہ کا ہوگا (یعنی صرف مرتبہ کے اعتبار سے ادنی) نہ کہ ان میں کوئی معمولی اور ذلیل ہوگا، وہ مشک و کافور کے ٹیلوں پر بیٹھے گا (گویا منبر اور کرسیاں اعلی مرتبہ والوں کے لئے مخصوص ہوں گی اور ادنی مرتبہ کے لوگ ٹیلوں پر بیٹھیں گے جیسا کہ دنیا میں بھی قاعدہ ہے کہ عام اجتماعات میں اونچی حیثیتوں کے لوگ کرسیوں اور شہ نشین پر بیٹھتے ہیں جب کہ کم حیثیت کے لوگ زمین و فرش پر بیٹھتے ہیں) لیکن ٹیلوں پر بیٹھنے والے لوگوں کو یہ احساس نہیں ہوگا کہ منبر اور کرسیوں پر بیٹھنے والے لوگ جگہ و نشست گاہ کے اعتبار سے اس سے برتر و افضل ہیں۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس دن ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں یقیناً کیا تم (دن میں) سورج کو اور (اجالی رات میں) چودہویں شب کے چاند کو دیکھنے میں کوئی شبہ رکھتے ہو؟" ہم نے عرض کیا کہ ہرگز نہیں، فرمایا "اسی طرح تمہیں اس دن اپنے پروردگار کو دیکھنے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوگا، اور دیدار الٰہی کی اسی مجلس میں ایسا کوئی شخص باقی نہیں رہے گا جس سے پروردگار تمام حجابات اٹھا کر براہ راست ہم کلام نہیں ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ حاضرین میں سے ایک شخص کو مخاطب کر کے فرمائے گا کے اے فلاں ابن فلاں! کیا تجھے وہ دن یاد ہے جب تو نے ایسا ایسا کہا تھا (یعنی اپنی زبان سے ایسے الفاظ نکالے تھے یا ایسے کام کئے تھے جو شرعاً ناجائز تھے؟ وہ شخص یہ سن کر گویا توقف کرے گا اور اپنے کئے ہوئے گناہوں کے اظہار میں تامل کرے گا، پس پروردگار اس کو کچھ وہ عہد شکنیاں یاد دلائے گا جس کا اس نے دنیا میں ارتکاب کیا ہوگا

(یعنی اس کے دنیا کے وہ گناہ یاد دلائے گا جن کے ارتکاب میں عہد ربوبیت کا توڑنا لازم آتا ہے۔) تب وہ شخص عرض کرے گا کہ میرے پروردگار کیا آپ نے میرے وہ گناہ بخش نہیں دیئے ہیں!؟ (یعنی میرا جنت میں داخل کیا جانا کیا اس بات کی علامت نہیں ہے کہ میں نے جو وہ گناہ کئے تھے آپ نے ان کو بخش دیا ہے) پروردگار فرمائے گا: "بے شک میں نے تیرے وہ گناہ بخش دیئے ہیں اور تو میری وسعت بخشش کے طفیل (آج) اس مرتبہ کو پہنچا ہے۔" پھر وہ لوگ اسی حالت اور اسی جگہ پر ہوں گے کہ ایک بادل آکر ان کے اوپر چھا جائے گا اور ان پر ایسی خوشبو برسائے گا کہ انہوں نے اس جیسی خوشبو کبھی کسی چیز میں نہیں پائی ہوگی۔ اس کے بعد ہمارا پروردگار فرمائے گا کہ (لوگو!) اٹھو اور اس چیز کی طرف آؤ جو ہم نے ازقسم عظمت و بزرگی تمہارے لئے تیار کر رکھی ہے اور تم اپنی پسند و خواہش کے مطابق جو چاہو لے لو (آنحضرت نے فرمایا کہ یہ سن کر) ہم جنتی لوگ اس بازار میں پہنچیں گے جس کو فرشتے گھیرے ہوئے ہوں گے اس بازار میں ایسی ایسی چیزیں موجود ہوں گی کہ ان جیسی کوئی چیز نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوگی نہ کسی کان نے سنی ہوگی اور نہ کسی کے دل میں ان کا تصور آیا ہوگا پھر اس بازار میں سے اٹھا اٹھا کر ہمیں وہ چیزیں دی جائیں گی جن کی ہم خواہش کریں گے درآنحالیکہ اس بازار میں خرید و فروخت جیسا کوئی معاملہ نہیں ہوگا (بلکہ وہ بازار اصل جنتیوں کو ان کی من پسند چیزیں عطا کئے جانے کا مرکز ہوگا) نیز اس بازار میں تمام جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "(اس بازار میں باہمی ملاقاتوں کے وقت) ایک بلند مرتبہ شخص ایک ایسے شخص کی طرف متوجہ ہوگا اور اس سے ملاقات کرے گا جو (مرتبہ میں) اس سے کمتر ہوگا، لیکن جنتیوں میں (کسی کا اعلیٰ اور کسی کا کمتر ہونا صرف مرتبہ اور درجہ کے اعتبار سے ہوگا) یہ نہیں کہ کوئی معمولی اور ذلیل خیال کیا جائے گا (گویا ذاتی اعتبار سے تو تمام ہی جنتی بلند حیثیت اور بلند عزت ہوں گے تاہم دنیا میں اختیار کئے جانے والے اعمال و افعال کی نسبت سے کچھ لوگ اعلیٰ مرتبہ کے ہوں گے اور کچھ لوگ ان سے کم مرتبہ کے، بہرحال اس بلند مرتبہ شخص کو وہ لباس پسند نہیں آئے گا جو وہ کمتر درجہ کے اس شخص کو پہنے ہوئے دیکھے گا اور ان دونوں کا سلسلہ گفتگو (یا ان کے خیالات کا سلسلہ، ختم بھی نہ ہونے پائے گا کہ وہ بلند مرتبہ شخص محسوس کرے گا کہ میرے مخاطب کا لباس تو میرے لباس سے بھی بہتر ہے، اور یہ (یعنی کمتر درجہ والے شخص کے جسم پر اعلیٰ لباس کا ظاہر ہونا، اس لئے ہوگا کہ جنت میں کسی شخص کو غمگین ہونے کا موقع نہیں دیا جائے گا (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) اس کے بعد ہم سب جنتی اپنے اپنے محلات اور مکانوں کی طرف واپس ہوں گے اور وہاں ہماری بیویاں (یعنی دنیا کی بیویاں اور جنت کی حوریں، ہم سے ملیں گی تو مرحبا، خوش آمدید کہہ کر ہمارا استقبال کریں گی اور ہر ایک عورت اپنے مرد سے کہے گی کہ تم اس حال میں واپس آئے ہو کہ اس وقت تمہارا حسن و جمال اس حسن و جمال سے کہیں زیادہ ہے جو ہمارے پاس سے جاتے وقت تم میں تھا پس ہم اپنی بیویوں سے کہیں گے کہ آج ہم نے اپنے پروردگار کے ساتھ ہم نشینی کی عزت حاصل کی ہے جو جسم و بدن اور حسن و جمال کی ہر کمی کو پورا کر کے خوب تر بنانے والا ہے، لہٰذا ہم اپنی اس شان کے ساتھ واپس آنے کے لائق ہیں جس شان کے ساتھ کہ ہم آئے ہیں (کیونکہ جس شخص کو اس ذات کی ہم نشینی حاصل ہو جائے کہ تمام تر حسن و جمال اسی کے نور کا پرتو ہے، تو وہ شخص زیادہ سے زیادہ حسن و جمال کیسے نہیں پائے گا) اس روایت کو ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے، نیز ترمذیؒ نے کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: جنت میں چونکہ نہ شب و روز کی گردش ہوگی اور نہ ایام کا وجود، لہٰذا دنیاوی اعتبار سے جمعہ کے دن۔" سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کا عرصہ جتنے وقت پر مشتمل ہوتا ہے جنت میں اسی عرصہ کا تعین کر کے کچھ وقت کو "جمعہ کا دن" قرار دے دیا جائے گا اور اس اعتبار سے وہ وقت گویا وہ دن ہوگا جو دنیا میں جمعہ کا دن ہوتا تھا اور پھر اس وقت جنتیوں کو حکم ہوگا کہ اپنے پروردگار کی زیارت کے لئے اپنے اپنے محلات اور مکانات سے نکل کر فلاں باغ میں پہنچیں، پس جنت میں پروردگار کی زیارت کے لئے "جمعہ کے دن" کا تعین دراصل اس بات کا نتیجہ اور اجر و انعام ہوگا کہ وہ جنتی دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جمعہ کے دن اپنے گھروں سے نکل کر جامع مسجد پہنچتے اور جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔

پروردگار ان کے سامنے اپنا عرش ظاہر کرے گا۔" میں "عرش" سے مراد پروردگار کا نہایت لطف و کرم اور زیادہ سے زیادہ رحمت

وعنایت ہے، ورنہ یہ بات پہلے بتائی جاچکی ہے کہ عرش، جنّت کی چھت ہے، لہٰذا جنتیوں کے سامنے عرش کا ظاہر ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

"نہ کہ ان میں کوئی معمولی اور ذلیل ہوگا۔" یہ جملہ ماقبل عبارت کی وضاحت ہے گویا حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں نے جو یہ کہا ہے کہ۔ "ان جنتیوں میں سے جو جنتی ادنی مرتبہ ودرجہ کا ہوگا۔" تو "ادنی" سے مراد اعلی درجات اور زیادہ سے زیادہ مراتب رکھنے والے جنتیوں کے مقابلہ پر کمتر درجہ اور قلیل مراتب رکھنا ہے نہ کہ "ادنی" کا لفظ حقارت" کی جگہ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ذات کے اعتبار ذلیل و حقیر اور ادنی ہونا ہے پس واضح رہے کہ جنّت میں ذاتی شخصیت کی حد تک ہر جنتی یکساں مرتبہ کا ہوگا، کوئی کسی کے مقابلہ پر ذلیل و حقیر نہیں ہوگا، صرف حیثیت اور مرتبہ کا فرق ہوگا کہ دنیا میں اختیار کئے جانے والے اعمال وافعال کے اعتبار سے کچھ لوگ اعلی درجات اور زیادہ مراتب کے حامل ہوں گے اور کچھ لوگ ان کی بہ نسبت کم درجہ و مرتبہ کے ہوں گے۔

"ٹیلوں پر بیٹھنے والے لوگوں کو یہ احساس نہیں ہوگا...... الخ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ٹیلوں پر بیٹھتے ہوں گے وہ کرسیوں اور منبروں پر بیٹھنے والوں کو دیکھ کر احساس کمتری کا شکار نہیں ہوں گے کیونکہ جنّت میں ہر شخص اپنے مرتبہ اور اپنی حیثیت پر صابر و شاکر ہوگا، جو لوگ کمتر درجہ کے ہوں گے وہ یہ جاننے کے باوجود کہ ہم کمتر درجہ کے ہیں اور ہمارے مقابلہ پر فلاں لوگ برتر درجہ کے ہیں۔ اپنے طور پر پوری طرح مطمئن ہوں گے، نہ وہ بلند مرتبے کی آرزو کریں گے نہ انہیں بلند مرتبہ کی محرومی کا احساس اور غم ہوگا اور نہ انہیں کسی طرح کی غیرت و خجالت محسوس ہوگی۔

"فیروعہ مایری علیہ من اللباس" اس عبارت کے دو معنی ہوسکتے ہیں اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ لفظ روع کے دو معنی آتے ہیں ایک توڈرانا دوسرے خوش کرنا پہلے معنی مراد لینے کی صورت میں (اس عبارت کا ترجمہ ومطلب وہی ہوگا جو اوپر بیان کیا گیا یعنی جب وہ بلند رتبہ شخص اس کم مرتبہ شخص کے بدن کا لباس دیکھے گا تو اس کو ذرا یعنی کراہت محسوس ہوگی کیونکہ وہ لباس اس کے لباس سے کمتر درجہ کا ہوگا۔ دوسرے معنی کی صورت میں ترجمہ ومطلب یہ ہوگا کہ جب وہ بلند مرتبہ شخص اس کم مرتبہ شخص کا لباس دیکھے گا تو اسے اس بات کی بہت خوشی محسوس ہوگی کہ خود ان کے بدن پر اعلی لباس ہے، لیکن زیادہ صحیح معنی پہلے ہی ہیں اور اس عبارت سے متعلق آگے کے جملوں کا ترجمہ بھی اسی پہلے معنی کو بنیاد بنا کر کیا گیا ہے۔

اہل جنّت میں اولاد کی خواہش

(۳۶) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَدْنٰی اَھْلِ الْجَنَّۃِ الَّذِیْ لَہٗ ثَمَانُوْنَ اَلْفَ خَادِمٍ وَّاثْنَتَانِ وَسَبْعُوْنَ زَوْجَۃً وَّتُنْصَبُ لَہٗ قُبَّۃٌ مِّنْ لُؤْلُوءٍ وَّزَبَرْجَدٍ وَّیَاقُوْتٍ کَمَا بَیْنَ الْجَابِیَۃِ اِلٰی صَنْعَآءَ وَبِھٰذَا الْاَسْنَادِ قَالَ مَنْ مَّاتَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ مِنْ صَغِیْرٍ اَوْ کَبِیْرٍ یُرَدُّوْنَ بَنِیْ ثَلٰثِیْنَ فِی الْجَنَّۃِ لَا یَزِیْدُوْنَ عَلَیْھَا اَبَدًا وَّکَذٰلِکَ اَھْلُ النَّارِ وَبِھٰذَا الْاَسْنَادِ قَالَ اِنَّ عَلَیْھِمُ التِّیْجَانَ اَدْنٰی لُؤْلُوءَۃٍ مِّنْھَا لَتُضِیْءُ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَبِھٰذَ الْاِسْنَادِ قَالَ الْمُؤْمِنُ اِذَا اشْتَھَی الْوَلَدَ فِی الْجَنَّۃِ کَانَ حَمْلُہٗ وَوَضْعُہٗ وَسِنُّہٗ فِیْ سَاعَۃٍ کَمَا یَشْتَھِیْ وَقَالَ اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ فِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ اِذَا اشْتَھَی الْمُؤْمِنُ فِی الْجَنَّۃِ الْوَلَدَ کَانَ فِیْ سَاعَۃٍ وَّلٰکِنْ لَّا یَشْتَھِیْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَرَوَی ابْنُ مَاجَۃَ الرَّابِعَۃَ وَالدَّارِمِیُّ الْاَخِیْرَۃَ۔

"اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جنتیوں میں سب سے کم مرتبہ کا جو شخص ہوگا اس کے اسی ہزار خادم اور بہتر بیویاں ہوں گی، (جن میں سے دو بیویاں دنیا کی عورتوں میں سے اور ستر بیویاں حوران جنّت میں سے ہوں گی) اس لئے جو خیمہ کھڑا کیا جائے گا وہ موتی زمرد اور یاقوت سے (بنا ہوگا یا یہ کہ ان چیزوں سے مرصع و مزین) ہوگا۔" اسی اسناد کے ساتھ (حضرت ابوسعیدؓ سے نقل ہونے والی) ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ لوگ جن کو جنّت میں داخل کیا جائے گا دنیا میں خواہ چھوٹی عمر میں مرے

بڑی عمر میں جنت کے اندر تیس تیس سال کی عمر کے ہو کر جائیں گے اور وہ کبھی بھی اس عمر سے زیادہ کے نہیں ہوں گے، یہی معاملہ دوزخیوں کا بھی ہوگا۔" اور اسی اسناد کے ساتھ ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جنتیوں کے سروں پر جو تاج ہوگا اس کا سب سے معمولی موتی بھی ایسا ہوگا کہ مشرق سے مغرب تک کو روشن ومنور کردے۔" اور اسی اسناد کے ساتھ ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر (بالفرض) کوئی مسلمان جنت میں اولاد کا خواہش مند ہوگا تو (اس کی خواہش اس طرح پوری کی جائے گی کہ) بچہ کا حمل قرار پانا، اس کا پیدا ہونا اور اس کا انتہائی عمر (یعنی تیس سال کی عمر) تک پہنچنا سب کچھ ایک ساعت میں عمل پذیر ہو جائے گا۔" حضرت ابو اسحٰق بن ابراہیمؒ اس آخری روایت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر کوئی مومن جنت میں اولاد کا خواہش مند ہوگا تو اس کی خواہش ایک ساعت میں پوری تو ہو جائے گی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی خواہش کوئی بھی نہیں کرے گا اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ ابن ماجہؒ نے چوتھی روایت نقل کی ہے اور دارمیؒ نے صرف آخر کا حصہ (جو ابواسحٰق سے منقول ہے) نقل کیا ہے۔"

تشریح: "یہی معاملہ دوزخیوں کا بھی ہوگا۔" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اہل جنت تیس تیس سال کی عمر کے ہو کر جنت میں داخل ہوں گے خواہ وہ دنیا میں چھوٹی عمر میں مرے ہوں یا بڑی عمر میں، اسی طرح دوزخی بھی تیس تیس سال ہی کی عمر کے ہو کر دوزخ میں جائیں گے اور جنتیوں کی طرف وہ دوزخی بھی ہمیشہ تیس ہی سال کی عمر کے رہیں گے واضح رہے کہ اہل جنت اور اہل دوزخ کے لئے ہمیشہ کی عمر تیس سال مقرر ہونا شاید اس لئے ہو کہ جو مستحق چین وراحت ہوں انہیں کامل راحت نصیب ہو سکے اور جو مستحق عذاب ہوں انہیں کامل عذاب ملے، پس جس طرح اہل جنت دار القرار میں ہمیشہ ہمیشہ اپنی اس بھری عمر کے ساتھ راحت وچین کا پورا سکھ اٹھاتے رہیں گے اسی طرح اہل دوزخ دار البوار میں ہمیشہ ہمیشہ اپنی بھری عمر کے ساتھ عذاب وسختی کا پورا دکھ جھیلتے رہیں گے۔

حوروں کا گیت

(۳۷) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَمُجْتَمَعًا لِلْحُوْرِ الْعِيْنِ يَرْفَعْنَ بِاَصْوَاتٍ لَمْ تَسْمَعِ الْخَلَائِقُ مِثْلَهَا يَقُلْنَ نَحْنُ الْخٰلِدَاتُ فَلَا نَبِيْدُ وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْأَسُ وَنَحْنُ الرَّاضِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ طُوْبٰى لِمَنْ كَانَ لَنَا وَكُنَّا لَهٗ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جنت میں حوران عین کے اجتماع کی ایک جگہ ہوگی (جہاں وہ حوریں سیر وتفریح اور ایک دوسرے سے ملنے کے لئے جمع ہوا کریں گی) اور وہاں بلند آواز سے گیت گائیں گی (ان کی آواز اس قدر دل کش اور حسین، ہوگی کہ) مخلوقات میں سے کسی نے ایسی آواز کبھی نہیں سنی ہوگی، وہ حوریں اس طرح کا گیت گائیں گی: "ہمیں زندگی میں دوام حاصل ہے، ہم کبھی موت کی آغوش میں نہیں جائیں گی ہم عیش وچین کے ساتھ رہنے والی ہیں ہم کبھی سختی وپریشانی نہیں دیکھیں گی ہم اپنے پروردگار یا اپنے خاوندوں سے راضی وخوش رہنے والی ہیں، ہم کبھی ناخوش نہیں ہوں گی ہر اس شخص کے لئے مبارکبادی ہے جو (جنت میں) ہمارے لئے ہے اور ہم اس کے لئے ہیں۔" (ترمذیؒ)

جنت کے دریا اور نہریں

(۳۸) وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَحْرَ الْمَآءِ وَبَحْرَ الْعَسَلِ وَبَحْرَ اللَّبَنِ وَبَحْرَ الْخَمْرِ ثُمَّ تَشَقَّقُ الْاَنْهَارُ بَعْدُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ مُعٰوِيَةَ۔

"اور حکیم ابن معاویہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "جنت میں پانی کا دریا ہے، اور شہد کا دریا ہے، اور دودھ کا دریا ہے اور شراب کا دریا ہے اور پھر (جنت میں جنتیوں کے داخل ہونے کے بعد) ان دریاؤں سے اور نہریں نکلیں گی۔" (ترمذیؒ) دارمیؒ نے اس

روایت کو معاویہؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: ظاہر ہے کہ حدیث میں مذکورہ دریاؤں سے مراد ان نہروں کے چشمے اور منبع ہیں جن کا ذکر قرآن کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔

فِيْهَا اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَّاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ط۔

"اس (جنت) میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں ذرا تغیر نہ ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف شفاف ہوگا۔"

یہ نہریں وہ ہوں گی جو حدیث میں مذکورہ دریاؤں سے نکلیں گی، اور پھر ان نہروں سے چھوٹی چھوٹی نہریں شاخ در شاخ نکل کر ابرار و اخیار کے خیموں کی طرف جاری ہوں گی اور محلات کے نیچے بہیں گی۔

بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حدیث میں جن دریاؤں کا ذکر ہے وہ دراصل وہی نہریں ہیں جن کو قرآن کی مذکورہ آیت میں "نہر" ہی کے نام سے ذکر کیا گیا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ حدیث میں ان کو "دریا" سے تعبیر کیا گیا ہے اور قرآن نے ان کو ان کے معنی "جاری ہونے اور بہنے کی مناسبت سے نہر کا نام دیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حوران جنّت کا ذکر

(۳۹) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ فِی الْجَنَّةِ لَيَتَّكِئُ فِی الْجَنَّةِ سَبْعِيْنَ مَسْنَدًا قَبْلَ اَنْ يَّتَحَوَّلَ ثُمَّ تَاْتِيْهِ امْرَاَةٌ فَتَضْرِبُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ فَيَنْظُرُ وَجْهَهٗ فِیْ خَدِّهَا اَصْفٰى مِنَ الْمِرْاٰةِ وَاِنَّ اَدْنٰى لُؤْلُؤَةٍ عَلَيْهَا تُضِیْءُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فَتُسَلِّمُ عَلَيْهِ فَيَرُدُّ السَّلَامَ وَيَسْاَلُهَا مَنْ اَنْتِ فَتَقُوْلُ اَنَا مِنَ الْمَزِيْدِ وَاِنَّهٗ لَيَكُوْنُ عَلَيْهَا سَبْعُوْنَ ثَوْبًا فَيَنْفُذُهَا بَصَرُهٗ حَتّٰى يَرٰى مُخَّ سَاقِهَا مِنْ وَّرَآءِ ذٰلِكَ وَاِنَّ عَلَيْهَا مِنَ التِّيْجَانِ اِنَّ اَدْنٰى لُؤْلُؤَةٍ مِنْهَا لَتُضِیْءُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (رواہ احمد)

"حضرت ابوسعیدؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جنتی مرد جزاء یافتہ شخص، جنت میں ستر مسندوں کا تکیہ لگا کر بیٹھے گا قبل اس کے کہ ایک پہلو سے دوسرا پہلو بدلے پھر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت اس کے پاس آئے گی اور (اس کو اپنی طرف متوجہ و مائل کرنے کے لئے) اس کے کاندھے پر ٹھوکا دے گی، وہ مرد اس طرف متوجہ ہوگا اس کے رخساروں میں، جو آئینہ سے زیادہ صاف و روشن ہوں گے اپنا چہرہ دیکھے گا اور حقیقت یہ ہے کہ اس عورت کے (کسی زیور یا تاج میں جڑا ہوا) ایک معمولی سا موتی بھی (اس قدر بیش قیمت اور نظر کو خیرہ کرنے والا ہوگا کہ) اگر وہ دنیا میں آجائے تو مشرق سے مغرب تک (کی ہر چیز) کو روشن و منور کر دے۔ بہر حال وہ عورت اس مرد کو سلام کرے گی اور مرد اس کے سلام کا جواب دے گا اور پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گی کہ میں "مزید" میں سے ہوں۔ صورت حال یہ ہوگی کہ اس عورت کے جسم پر ستر (رنگ برنگ) کپڑوں کا (تہ در تہ لباس ہوگا اور اس مرد کی نظر عورت کے اس لباس میں سے بھی پار ہو جائے گی (یعنی وہ لباس کے نیچے چھپے ہوئے عورت کے حسن و جمال اور اس کے جسم کی نزاکت و لطافت کا نظارا کرے گا) یہاں تک کہ وہ مرد اس عورت کی پنڈلی کے گودے کو لباس کے پیچھے سے دیکھے گا (گویا اس کی نگاہ اتنی تیز اور صاف ہوگی کہ کوئی بھی چیز اس کے) آگے دیکھنے میں رکاوٹ نہیں بنے گی) اور اس عورت کے سر پر تاج رکھے ہوں گے اور ان تاجوں کا معمولی سا موتی بھی ایسا ہوگا کہ اگر وہ (دنیا میں آجائے) تو مشرق سے مغرب تک (کی ہر چیز) کو روشن و منور کر دے۔" (احمدؒ)

تشریح: "قبل اس کے کہ وہ ایک پہلو سے دوسرا پہلو بدلے" کے ذریعہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس مرد کے پہلوؤں میں اتنے

زیادہ گاؤ تکئے رکھے ہوں گے کہ وہ ایک ہی پہلو پر بیٹھا ہوا دوسرا پہلو بدلنے تک طرح طرح کے ستر تکیوں سے ٹیک لگائے گا۔

"میں، مزید، میں سے ہوں۔" یعنی ان نعمتوں میں سے ایک نعمت ہوں جن کا حق تعالیٰ نے تمہاری نیکو کاریوں کے بدلہ وجزاء کے علاوہ خصوصی انعام کے طور پر مزید عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا یہ گویا قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہوگا کہ:

لھم مایشاؤن فیھا ولدینا مزید۔

"ان (اہل ایمان) کو جنت میں وہ کچھ ملے گا جو ہم (جزاء کے طور پر) دینا چاہیں گے اس کے علاوہ ہمارے پاس اور بھی (خصوصی انعام) ہیں۔"

اس مضمون کی ایک آیت یہ بھی ہے:

للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ۔

"نیک کاروں کے لئے جنت ہیں مزید برآں۔"

ویسے مفسرین نے اس آیت میں زیادۃ (مزید برآں) کی تفسیر "حق تعالیٰ کا دیدار" کیا ہے، تاہم یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ ان مزید نعمتوں (خصوصی انعام) میں سے ایک نعمت بعض حوریں بھی ہیں، رہی یہ بات کے حوران جنت کی اس نعمت کو "مزید یا زیادہ سے کیوں تعبیر فرمایا گیا ہے تو وجہ یہ ہے کہ وہ فضل خداوندی سے بندوں کو ان نیک اعمال کی جزاء میں عطا کی جائیں گی، اب وہ جنت عطا ہونے کے بعد پھر بندوں کو جو کچھ ملے گا وہ خصوصی عنایت وانعام اور فضل بر فضل ہوگا اور ظاہر ہے کہ اصل اجر وبدلہ سے زائد چیز ہوگی۔

جنت میں زراعت کی خواہش اور اس کی تکمیل

(۲۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَتَحَدَّثُ وَعِنْدَهٗ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْبَادِیَةِ اِنَّ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَاْذَنَ رَبَّهٗ فِی الزَّرْعِ فَقَالَ لَهٗ اَلَسْتَ فِیْمَا شِئْتَ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَزْرَعَ فَبَذَرَ فَبَادَرَ الطَّرْفَ نَبَاتُهٗ وَاسْتِوَاؤُهٗ وَاسْتِحْصَادُهٗ فَکَانَ اَمْثَالَ الْجِبَالِ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی دُوْنَکَ یَا ابْنَ اٰدَمَ فَاِنَّهٗ لَا یُشْبِعُکَ شَیْءٌ فَقَالَ الْاَعْرَابِیُّ وَاللّٰهِ لَا تَجِدُهٗ اِلَّا قُرَشِیًّا اَوْ اَنْصَارِیًّا فَاِنَّهُمْ اَصْحَابُ زَرْعٍ وَاَمَّا نَحْنُ فَلَسْنَا بِاَصْحَابِ زَرْعٍ فَضَحِکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کے پاس ایک دیہاتی مسلمان بیٹھا ہوا تھا اور آپ ﷺ یہ حدیث ارشاد فرما رہے تھے کہ: "جنتیوں میں ایک شخص اپنے پروردگار سے کھیتی کی اجازت طلب کرے گا، خداوند تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ جو کچھ تم چاہتے ہو وہ موجود نہیں ہے؟ (یعنی جب یہاں ہر جنس کی ہر وہ چیز موجود ہے جس کی تمہیں خواہش ہو، تو پھر کھیتی کرنے کی کیا ضرورت ہے) وہ شخص عرض کرے گا کہ بے شک یہاں سب کچھ موجود ہے لیکن میری خواہش یہی ہے کہ میں کھیتی کروں۔ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) بہر حال اس شخص کو کھیتی کرنے کی اجازت دیدی جائے گی اور وہ زمین میں بیج ڈالے گا اور پلک جھپکتے ہی سبزہ اگ آئے گا اور جب ہی کھیتی بڑھ پک کر کٹ جائے گی اور پہاڑ کے برابر انبار لگ جائیں گے، تب اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا: "ابن آدم! دیکھ تیری خواہش پوری ہوگئی، حقیقت یہ ہے کہ تیری حرص کا پیٹ کوئی چیز نہیں بھرتی۔" راوی کہتے ہیں کہ (یہ حدیث سن کر) وہ دیہاتی (جو حضور کے پاس بیٹھا تھا، کہنے لگا خدا کی قسم، وہ شخص یقیناً یا تو قریشی ہوگا یا انصاری (یعنی جنت میں کھیتی کرنے کی خواہش کرنے والا شخص یا تو مکہ والوں میں سے ہوگا یا مدینہ والوں میں سے، کیونکہ یہی لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں جہاں تک ہم صحرا نشین دیہاتیوں کا تعلق ہے، کھیتی باڑی سے ہمارا کوئی واسطہ ہی نہیں ہے (ہم جنگلوں میں اونٹ بکری چرا کر اور محنت مزدوری کر کے دودھ اور کھجوروں پر گزارہ کر لیتے ہیں ان چیزوں کے علاوہ ہمیں اور کسی چیز کی خواہش نہیں ہے) پس (اس دیہاتی کی یہ بات سن کر) رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے۔" (بخاریؒ)

تشریح: "تیری حرص کا پیٹ کوئی چیز نہیں بھرتی" کا مطلب یہ ہوگا کہ آدم زادے! یہ تو ہو گیا کہ تو نے ایک خواہش ظاہر کی اور ہم نے تیری وہ خواہش آن واحد میں پوری کر دی مگر ذرا سوچ کہ جنت میں تجھے ان گنت نعمتیں حاصل ہونے اور تیری خواہش کی ہر چیز تجھے میسر ہونے کے باوجود تو نے کھیتی باڑی کرنے کی جو عجیب وغریب خواہش ظاہر کی وہ کس بات پر دلالت کرتی ہے کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تیری حرص کا پیٹ کبھی نہیں بھر سکتا اور عیش وتنعم کی آخری سے آخری حد بھی تجھے قناعت تک نہیں پہنچا سکتی اس سے معلوم ہوا کہ حرص اور ترک قناعت انسان کی جبلت میں داخل ہے اور یہ ایک ایسی خصلت ہے جو اس میں سے نکل نہیں سکتی خواہ وہ جنت میں کیوں نہ پہنچا ہوا ہو۔

جنت میں نیند نہیں آئے گی

(۴۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَالَ رَجُلٌ رَّسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَنَامُ اَهْلُ الْجَنَّةِ قَالَ النَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ وَلَا يَمُوْتُ اَهْلُ الْجَنَّةِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا جنتی سوئیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نیند یعنی سونا، موت کا بھائی ہے، اور ظاہر ہے کہ جنتی مریں گے نہیں (اور جب وہ مریں گے نہیں تو سوئیں گے بھی نہیں اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔"

بَابُ رُؤْيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى
دیدار الٰہی کا بیان

رؤیۃ اللہ یا دیدار الٰہی کا" مطلب ہے اللہ تعالیٰ کو کھلی آنکھوں سے دیکھنا اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی یہ سعادت مومنین کو آخرت میں نصیب ہوگی جس کی تفصیل ووضاحت کے لئے یہ باب قائم کیا گیا ہے اور اس موضوع سے متعلق احادیث اس میں نقل کی گئی ہیں۔

حق تعالیٰ کی رویت عقلاً ناممکن نہیں: اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ایک ایسی حقیقت ہے جس کا وجود عقلاً بھی درست ہے اور اس دیدار کے لئے اللہ تعالیٰ کا کسی خاص جگہ (مقام پر اور کسی خاص سمت وجہت میں موجود وقائم ہونا نیز اس کی ذات کا اور دیکھنے والوں کا آمنے سامنے ہونا قطعی ضروری اور شرط کے درجہ کی چیز نہیں ہے، بلکہ وہ اپنی ذات اور اپنے وجود کے اعتبار سے جو کچھ بھی ہے اسی حیثیت کے ساتھ اس کا دیکھا جانا ممکن ہے اگرچہ وہ جسم وجسمانیت سے ماوراء، اور مکان وجہت کی قید سے آزاد ہے۔ رہی یہ بات کہ شے مرئی (یعنی کھلی آنکھوں سے نظر آنے والی چیز) کو دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ جسم ہو، کسی خاص جگہ ومقام پر موجود قائم ہو اور نگاہ کی سمت وجہت میں ہو تو دیکھنے میں ان چیزوں کا عمل دخل ہونا دراصل اس لئے ضروری ہے کہ قدرت نے اسی طرح کا نظام جاری فرمایا ہے اور انسانی نگاہ وبصر کو اپنا فعل انجام دینے کے لئے ان اسباب کا پابند بنا دیا ہے، اگر قادر مطلق اس جاری نظام اور عادت کے برخلاف ان عوامل کے بغیر بھی کسی کو کوئی چیز دکھانا چاہے تو بے شک اس پر قادر ہے اور ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔ پس اس میں کوئی خلاف عقل بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن انسانی نگاہ میں بصیرت یعنی چشم قلب کی قوت رکھ دے کہ جس طرح آج دنیا میں اہل ایمان کو بصیرت سے پاتے اور دیکھتے ہیں کل کو آخرت میں بصر یعنی سر کی آنکھوں سے اس کو دیکھیں گے۔

رؤیت کا تعلق آخرت سے ہے: تمام علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ دیدار تمام اہل ایمان کو آخرت میں نصیب ہوگا اس کا ثبوت وہ قرآنی آیات، احادیث صحیحہ، اجماع صحابہ وتابعین اور اقوال ائمہ ہیں جو اس ضمن میں مذکور ومنقول ہیں تاہم کچھ

لوگ ایسے بھی ہیں جو حق تعالیٰ کے اس دیدار کے منکر ہیں انہوں نے دیدار الٰہی سے متعلق قرآنی آیات و احادیث اور منقول دلیل کی جس طرح تاویل کی ہے، اس کی تفصیل اور علماء حق کی طرف سے ان کی تاویلات کے مضبوط جوابات مختلف تحقیقی کتابوں میں مذکور ہیں۔

عورتیں بھی روایت باری سے محروم نہ رہیں گی: عورتوں کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہی کہ ان کو دیدار ہوگا اور بعض انکار کرتے ہیں لیکن درست یہ ہے کہ عورتیں اس سعادت سے محروم نہ رہیں گی مردوں کی طرح ان کو بھی حق تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا لیکن بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان (عورتوں) کو بعض خاص ایام میں جیسے جمعہ کے ایام میں یا عیدین کے دن ہی دیدار کی سعادت ملے گی جو عام بازیابی کے اوقات ہوں گے۔ جو حضرات مطلقاً عورتوں کے دیدار کے منکر ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ عورتیں چونکہ خیموں میں پردہ نشین ہوں گی جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے حور مقصورات فی الخیام لہٰذا ان کو دیدار کیسے ہوسکتا ہے، یہ ایک ناقابل التفات بات ہے کیونکہ اول تو دیدار الٰہی کے بارے میں جو آیات واحادیث منقول ہیں ان میں کوئی خصوص مذکور نہیں ہے بلکہ وہ سب عموم پر محمول ہیں اور مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہیں دوسرے یہ کہ عالم آخرت کو دنیا پر قیاس کرنا اور وہاں عورتوں کے خیمے میں رہنے کو دنیا کے پردہ پر منطبق کرنا بجائے خود غلط ہے کیونکہ جنت کے خیمے (کہ جن میں وہاں کی عورتیں رہیں گی) پردہ و حجاب کو مستلزم نہیں ہوں گے، علاوہ ازیں یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ فاطمہ زہرا، خدیجہ کبریٰ، عائشہ صدیقہ اور دوسری امہات المومنین نیز ان جیسی دیگر عظیم خواتین جو لاکھوں کروڑوں مردوں سے زیادہ عظمت و فضیلت رکھتی ہیں آخر کس طرح دیدار الٰہی کی سب سے بڑی سعادت سے محروم رہ سکتی ہیں۔

جنات اور ملائکہ کو بھی خدا کی رویت حاصل ہوگی: جنات اور ملائکہ کے بارے میں بھی اختلافی اقوال ہے کہ آیا ان کو دیدار الٰہی نصیب ہوگا یا نہیں؟ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے علاوہ دیگر فرشتوں کو خدا کے دیدار کی سعادت حاصل نہیں ہوگی اور حضرت جبرئیل بھی اس سعادت سے ایک ہی بار مشرف ہوں گے اور اسی طرح جنات بھی دیدار الٰہی سے محروم رہیں گے لیکن اس سلسلہ میں صحیح و درست قول یہی ہے کہ دیدار الٰہی کی سعادت تمام اہل ایمان کے لئے ہے کیا انسان کیا فرشتے اور کیا جنات۔

دنیا میں خدا کی رویت: یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے کہ کیا اس دنیا میں بحالت بیداری کھلی آنکھوں سے خدا کا دیدار ہوسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں ارباب تحقیق نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ حق تعالیٰ کا دیدار دنیا میں بھی ممکن تو ہے لیکن بالاتفاق غیر واقع ہے، رہی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ کو شب معراج میں خدا کا دیدار ہونا امر واقع ہے تو یہ استثنائی صورت ہے اگرچہ بعض حضرات نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو شب معراج میں بچشم سر خدا کا دیدار ہوا تھا یہ ایک الگ بحث ہے جو آگے متعلقہ احادیث کی تشریح میں بیان ہوگی، بہرحال محدثین فقہاء متکلمین اور مشائخ طریقت سب اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ نہ آج تک اس دنیا میں کسی کو بھی، خواہ وہ کوئی بڑے سے بڑا ولی ہی کیوں نہ ہو، خدا کا دیدار حاصل ہوا ہے نہ اولیاء اللہ اور مشائخ میں سے کسی نے اس کا دعویٰ کیا ہے اور نہ آئندہ کسی کو حاصل ہوسکتا ہے، بلکہ مشائخ نے متفقہ طور پر یہاں تک کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس نے خدا کو بیداری کی حالت میں دیکھا ہے (جیسے بعض جاہل اور نام نہاد صوفیاء کہہ دیا کرتے ہیں) تو اس کی تکذیب کرنا اور اس کو گمراہ قرار دینا لازم ہے۔ فقہ شافعیؒ کی مستند کتاب "انوار" میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ میں اس دنیا میں بچشم سر عیاناً خدا کو دیکھتا ہوں اور خدا مجھ سے بالمشافہ گفتگو کرتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ جب اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت ممکن ہے اور انسانی حاسہ بصر میں ایسا کوئی نقص بھی نہیں کہ کسی چیز کو دیکھنے میں رکاوٹ پیش آئے تو پھر حق تعالیٰ کے دیدار نہ ہونے کا سبب کیا ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ دیکھنا اور نظر آنا در اصل نظام قدرت اور تخلیق الٰہی کا سبب ہے نہ کہ اس کی اصل علت وہ حاسہ بصر ہے جو انسان اپنی آنکھوں میں لئے پھرتا ہے۔ حاسہ بصر تو صرف ایسا ظاہری سبب ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایک خاص نظام اور معمول کے تحت دیکھنے کا ذریعہ بنا دیا ہے اگر وہ کسی کو دکھانا چاہے تو آنکھوں اور بینائی کے بغیر بھی دکھا سکتا ہے، اور اگر کسی کو نہ دکھانا چاہے تو وہ کھلی آنکھ اور مضبوط بینائی رکھنے کے باوجود نہیں دیکھ سکتا۔ مثلاً

ایک بڑا پہاڑ سامنے ہو اور اللہ کسی کی آنکھوں میں دیکھنے کی صفت پیدا نہ کرے تو وہ اس پہاڑ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتا، اسی طرح اگر کوئی اندھا شخص دنیا کے مشرقی کنارے پر ہو اور دنیا کے مغربی کنارے پر ایک مچھر پڑا ہو اور اللہ تعالیٰ اس اندھے کو وہ مچھر دکھانا چاہے تو یہ یقیناً دیکھ سکتا ہے پس واضح ہوا کہ دیکھنا یا دکھانا نظام قدرت کے تحت آنکھ کا عمل یا غیر عمل بے شک ہے، لیکن آنکھ کا وہ عمل یا اس عمل کی وہ طاقت جس سے انسان دیکھنے پر قادر ہوتا ہے غیر محدود اور خود مختار نہیں ہے بلکہ اس کی کارکردگی اس حد تک ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے اس کو کارگر کیا ہے حق تعالیٰ کی مصلحت چونکہ یہی ہے کہ وہ انسان کو دنیا میں اپنا دیدار نہ کرائے اس لئے اس نے حاسہ بصر میں وہ توانائی ہی نہیں رکھی جس سے خدا کو دیکھا جا سکے۔ اس بات کو دنیا کی عام چیزوں پر قیاس کرنا ذہن وقیاس کی مہمل تابعداری ہے۔

خواب کی حالت میں خدا کی رویت: کیا خواب کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا ہے اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ خواب کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ صرف ممکن بلکہ امر واقع بھی ہے اور یہ از روئے عقل ونقل کچھ بعید بھی نہیں ہے ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ایک قلبی مشاہدہ ہے جس کا تعلق مثال سے ہوتا ہے نہ کہ مثل سے، اور خدا کا مثل نہیں ہے اگرچہ مثال ہے۔ بہر حال بحالت خواب اللہ تعالیٰ کو دیکھنا خدا رسیدہ لوگوں سے ثابت ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ہے۔ اسی طرح امام احمدؒ بن حنبل سے بھی یہ منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے، میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو دریافت کیا کہ وہ کون سا عمل ہے جو آپ ﷻ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟ فرمایا تلاوت قرآن کریم۔" پھر پوچھا کہ معانی ومطالب سمجھنے کے ساتھ یا اس کے بغیر؟ فرمایا "خواہ معانی سمجھنے کے ساتھ تلاوت کرے یا اس کے بغیر ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رویت ہو سکتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

کھلی آنکھوں سے خدا کا دیدار

① عَنْ جَرِيْرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا وَّفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ اِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِىْ رُؤْيَتِهٖ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَّا تُغْلَبُوْا عَلٰى صَلٰوةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَرَأَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "وہ وقت آنے والا ہے جب (قیامت میں) تم اپنے پروردگار کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھو گے۔" ایک روایت میں حضرت جریرؓ نے یہ بیان کیا کہ (ایک دن) ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ نے چودھویں شب کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا: "تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس (پروردگار کو دیکھنے میں تم کوئی رکاوٹ اور پریشانی محسوس نہیں کرو گے پس اگر تم سے ہو سکے تو تم اس نماز کو جو سورج نکلنے سے پہلے کی ہے (یعنی نماز فجر) اور اس نماز کو جو سورج ڈوبنے سے پہلے کی ہے (یعنی نماز عصر) نہ چھوڑو تو یقیناً ایسا کرو پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا اور اپنے پروردگار کی حمد وپاکی بیان کرو یعنی نماز پڑھو سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے سے پہلے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔" یہ تشبیہ "دیکھنے" کی "دیکھنے" کے ساتھ ہے نہ کہ "دیکھی جانے والی چیز" کی "دیکھی

جانے والی چیز" کے ساتھ اس جمال و ابہام کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح چاند کو دیکھ رہے ہو تو اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ تم جس طرح اس وقت چودھویں شب کے چاند کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو اور اس چاند کے نظر آنے میں تمہیں کوئی شک وشبہ نہیں یہ مراد ہرگز نہیں تھی کہ جس طرح یہ چاند تمہارے سامنے ہے اور ایک خاص جگہ پر اور ایک خاص سمت میں محدود و قائم نظر آرہا ہے اسی طرح تمہارے پروردگار کی ذات بھی تمہارے سامنے کسی خاص جگہ اور کسی خاص سمت میں محدود و قائم نظر آئے گی۔

"لا تضامون فِي رؤية" (اس کو دیکھنے میں تم کوئی رکاوٹ و پریشانی محسوس نہیں کرو گے)" میں لفظ تُضَامُوْنَ اس طرح بھی منقول ہے اور تَضَامُّوْنَ بھی نقل کیا گیا ہے لیکن زیادہ تُضَامُوْنَ ہی نقل ہوا ہے اور اس صورت میں یہ لفظ ضم سے ہوگا جس کے معنی "ضرر اور ظلم" کے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ: "پروردگار کے دیدار میں تم پر ظلم نہیں ہوگا کہ کوئی دیکھے اور کوئی محروم رہے یا اس کے دیدار میں تم آپس میں ایک دوسرے پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں کرو گے کہ ایک دوسرے کے دیکھنے کا انکار کرو اور کسی کو جھٹلاؤ۔" دوسری صورت میں یہ لفظ تضام سے ہوگا جس کے معنی ہیں آپس میں ایک دوسرے سے ملنا، اژدہام کرنے، دھکا پیل مچانے اور ایک دوسرے پر گرنے پڑنے کی نوبت نہیں آئے گی بلکہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ رہ کر نہایت اطمینان و فراغت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا جیسا کہ چودھویں شب میں چمکتے چاند کو دیکھنے کے لئے اس طرح کی زحمت و پریشانی اٹھانا نہیں پڑتی، بخلاف پہلی تاریخ کے چاند کے، کہ وہ دھندلا اور باریک ہونے کی وجہ سے صاف نظر نہیں آتا اور اس کے دیکھنے کے لئے خاصا اہتمام اور جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔

"اگر تم سے ہو سکے کہ تم اس نماز کو...... الخ کا مطلب یہ ہے کہ فجر اور عصر کا وقت بہت بابرکت اور اس وقت کی نمازیں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں اس لئے تم ان نمازوں کی پابندی کا زیادہ خیال رکھو اور مقدور بھر کوشش کرو کہ یہ نمازیں فوت نہ ہونے پائیں، نیز اس بات کو ذہن میں رکھو کہ نماز کی پابندی کرنے والا اس امر کا زیادہ لائق ہے کہ اس کو پروردگار کا دیدار نصیب ہو کیونکہ نماز کی پابندی ہی سے شہود ذات کا وصف و ملکہ میسر ہوتا ہے! یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد گرامی جعلت قرة عيني في الصلوة میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) میں اشارہ فرمایا ہے واضح رہے کہ یوں تو یہ اہمیت تمام نمازوں کی ہیں لیکن اس موقع پر فجر و عصر کی نماز کو اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ ان دونوں وقتوں کی نمازیں باقی اوقات کی نمازوں پر فضیلت و برتری رکھتی ہیں اور اس فضیلت و برتری کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ صبح کے وقت تو لوگ نیند و استراحت کے جال میں پھنسے رہتے ہیں اور عصر کا وقت دنیا کے کاروبار مثلاً بازار جانے وغیرہ کے چکر میں پھنسنے کا ہے، جو شخص ان دونوں اوقات میں سستی و کوتاہی کا شکار نہیں ہوگا اور رکاوٹوں کے باوجود ان دونوں نمازوں کا خیال رکھے گا وہ دوسرے اوقات کی نمازوں کا خیال بدرجہ اولیٰ رکھے گا جو نسبتاً زیادہ سہل و آسان ہیں حدیث میں دونوں اوقات کی نمازوں کو خاص طور پر ذکر کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ دونوں وقت دوسرے اوقات کی بہ نسبت زیادہ فضیلت و شرف رکھتے ہیں اور یہ کہ آخرت میں پروردگار کا دیدار ان ہی اوقات میں ہوا کرے گا۔

دیدار الٰہی سب سے بڑی نعمت

(۲) وَعَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا اَزِيْدُكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ قَالَ فَيُرْفَعُ الْحِجَابُ فَيَنْظُرُوْنَ اِلٰى وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَمَآ اُعْطُوْا شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ اِلٰى رَبِّهِمْ ثُمَّ تَلَا لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (رواہ مسلم)

"اور حضرت صہیب نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تمام جنتی جنت میں (اپنی اپنی جگہ) پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ (جو کچھ تمہیں عطا کیا جاچکا ہے) اس سے زیادہ کچھ اور تم مجھ سے چاہتے ہو؟ جنتی (یہ سن کر) عرض کریں گے کہ

(پروردگارا) کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن و منور نہیں کیا، کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا، کیا آپ نے ہمیں دوزخ کی آگ سے نجات نہیں دی (اتنی بڑی بڑی نعمتوں سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے جو ہم آپ سے مزید چاہیں؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "تب حجاب اٹھا دیا جائے گا اور جنتی ذات اقدس تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے (جو صورت و جسم اور جہت و مقام کی قیود و شرائط سے پاک و منزہ ہے) اور (اس وقت معلوم ہوگا کہ اہل جنت کو ایسی کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی جو پروردگار کی طرف ان کے دیکھنے سے زیادہ بہتر پسندیدہ ہو پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی للذین احسنوا الحسنی و زیادۃ۔"

تشریح: "تب حجاب اٹھا دیا جائے گا" کے سلسلہ میں واضح رہے کہ حجاب کا اٹھنا اہل جنت کو حیرانی و تعجب سے نکالنے کے لئے ہوگا یعنی اس وقت جنتی اس حیرانی و تعجب میں ہوں گے کہ آخر اب کونسی نعمت رہ گئی ہے جو حق تعالیٰ ہمیں عطا کرنا چاہتا ہے تب حق تعالیٰ اپنے دیدار کے ذریعہ گویا یہ فرمائے گا کہ دیکھو یہ ہے وہ نعمت عظمیٰ جو میں تمہیں عطا کرنا چاہتا تھا اور یہ نعمت تمہارے اصل بدلہ و جزاء سے زیادہ ہے حق تعالیٰ کی ذات حجاب و پردہ سے پاک و منزہ ہے، ایسا نہیں ہے کہ (نعوذباللہ) وہ پردے میں چھپا ہوا ہے اور جنتیوں کو دیدار کے وقت گویا اس کی نقاب کشائی ہوگی ظاہر ہے وہ محبوب ہے نہ کہ محجوب وہ غالب مطلق ہے نہ کہ زیر حجاب مغلوب، پس "حجاب اٹھا دیا جائے گا" کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں سے وہ حجاب ہٹ جائے گا تو وہ اپنے پروردگار کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ اس کی تائید خود حدیث کے آگے کے جملہ اور جنتی ذات اقدس تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے" سے ہوتی ہے۔

"اور اہل جنت کو ایسی کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی .... الخ کے ذریعہ ایک ایسی حقیقت کا اظہار مقصود ہیں جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کیونکہ جس طرح اس دنیا میں حاصل ہونے والے تمام ذاتی و روحانی مراتب و درجات کی رفعت اور بلندیاں ذات باری تعالیٰ پر جا کر ختم ہوگی ہیں اسی طرح آخرت میں حاصل ہونے والی تمام نعمتوں اور سعادتوں کا منتہا ذات اقدس تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

اہل جنّت کے مراتب

(۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَدْنٰی اَھْلِ الْجَنَّۃِ مَنْزِلَۃً لَمَنْ یَّنْظُرُ اِلٰی جِنَانِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَنَعِیْمِہٖ وَخَدَمِہٖ وَسُرُرِہٖ مَسِیْرَۃَ اَلْفِ سَنَۃٍ وَاَکْرَمُھُمْ عَلَی اللّٰہِ مَنْ یَّنْظُرُ اِلٰی وَجْھِہٖ غُدْوَۃً وَّعَشِیَّۃً ثُمَّ قَرَأَ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ (رواہ احمد والترمذی)

"حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جنتیوں میں قدر و مرتبہ کے اعتبار سے ادنیٰ شخص وہ ہوگا جو اپنے باغات، اپنی عورتوں، اپنی نعمتوں، اپنے خدمت گاروں اور اپنے (بیٹھنے و استراحت کرنے کے) تخت و کرسی پر نظر رکھے گا جو ایک ہزار برس کی مسافت کے بقدر رقبہ میں پھیلے ہوئے ہوں گے (یعنی جنت کی لامحدود وسعت میں وہ ادنیٰ مرتبہ کا شخص بھی اس قدر نوازا جائے گا کہ اس کی ملکیت و تسلط کی چیزیں ایک ہزار برس کی مسافت کے بقدر وسیع رقبہ میں پھیلی ہوئی ہوں گی، اور وہ اپنی چیزوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہے گا) اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے مرتبہ و قدر کا شخص وہ ہوگا جو صبح و شام اپنے پروردگار کی ذات اقدس کے دیدار کی سعادت و صحبت حاصل کرے گا۔" پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ (بہت سے چہرے اس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے تروتازہ اور خوش و خرم ہوں گے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "جو صبح و شام اپنے پروردگار........ الخ سے واضح ہوا کہ جنّت میں پروردگار کا دیدار صبح و شام کے وقت نصیب ہوا کرے گا، اسی لئے حکم دیا گیا ہے کہ فجر اور عصر کی نمازوں پر مداومت اختیار کرو اور پابندی کے ساتھ ان نمازوں کو پڑھا کرو تاکہ جنّت میں ان اوقات میں

پروردگار کے دیدار کی سعادت کے حقدار بن سکو۔ "صبح وشام پروردگار کے دیدار" کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے مرتبہ وقدر کا شخص وہ ہوگا جو صبح وشام یعنی دن ورات میں ہر وقت اپنے پروردگار کی زیارت سے مشرف ہوتا رہے گا، لیکن یہ مطلب زیادہ صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اگر بلند مرتبہ جنتی ہر وقت پروردگار کے دیدار ہی میں رہیں تو پھر جنت وآخرت کی اور تمام نعمتوں سے بہرہ مند ہونا ان کے لئے ممکن نہیں ہوگا حالانکہ وہ نعمتیں انہی جنتیوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں! بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندے کی اصل بڑائی اور بلند ہمتی یہی ہے کہ نگاہ ودل کا اصل مرکز ماسوائے حق کے کسی اور چیز کو نہ بنائے، ساری توجہ اور نظر حق تعالیٰ ہی کی طرف رکھے، اس کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی توجہ والتفات رکھنا پست ہمتی کی دلیل ہے۔

دیدار الٰہی میں کسی طرح کی مزاحمت نہیں ہوگی

④ وَعَنْ اَبِیْ رَزِیْنٍ الْعُقَیْلِیِّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَکُلُّنَا یَرٰی رَبَّہٗ مُخْلِیًا بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ قَالَ بَلٰی قَالَ قُلْتُ وَمَا اٰیَۃُ ذٰلِکَ فِیْ خَلْقِہٖ قَالَ یَا اَبَا رَزِیْنٍ اَلَیْسَ کُلُّکُمْ یَرَی الْقَمَرَ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ مُخْلِیًا بِہٖ قَالَ بَلٰی قَالَ فَاِنَّمَا ھُوَ خَلْقٌ مِّنْ خَلْقِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَجَلُّ وَاَعْظَمُ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابورزین عقیلیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا (قیامت کے دن) ہم میں سے ہر شخص بلا مزاحمت غیر تنہا اپنے پروردگار کو دیکھے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں" ابورزینؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے پوچھا کہ کیا پروردگار کی دنیاوی مخلوق میں اس کی کوئی مثال ہے فرمایا: ابورزین! کیا تم میں سے ہر شخص چودہویں شب میں چاند کو بلا مزاحمت غیر تنہا نہیں دیکھتا!؟" میں نے عرض کیا کہ بے شک دیکھتا ہے فرمایا! چاند تو اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ پروردگار کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے اور پروردگار بہت بزرگ وبرتر ہے یعنی جب چاند کو جو پروردگار کی ایک مخلوق ہے، ہر شخص بلا مزاحمت ورکاوٹ دیکھ سکتا ہے تو جب بزرگ وبرتر اپنا دیدار کرانا چاہے گا، اس کو ہر شخص بلا مزاحمت ورکاوٹ کیوں نہ دیکھ سکے گا۔" (ابوداؤدؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

شب معراج میں آنحضرت ﷺ کو دیدار الٰہی

⑤ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ رَاَیْتَ رَبَّکَ قَالَ نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ (رواہ مسلم)

"حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ نے شب معراج میں) اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! "پروردگار تو ایک نور ہے میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں۔" (مسلمؒ)

تشریح: "پروردگار تو ایک نور ہے....... الخ" کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات، جسم ومکان کی قیود سے ماوراء ایسا نور عظیم ہے جس کی نورانیت کا کمال اور جس کے ظہور کی شدت نہ انسان کے ادراک میں آسکتی ہے اور نہ نگاہ وبصر کو اتنی تاب کہ اس کی خیرہ کر دینے والی تجلیات کے سامنے ٹھہر سکے واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو خود قرآن کریم میں "نور" سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) یعنی کائنات میں ہر طرف اسی کی تجلیات کا ظہور ہے، اور جو چیز نظر آتی ہے اسی کی روشنی کی بدولت نظر آتی ہے نیز جو چیزیں زمین وآسمان کو روشنی بہم پہنچاتی ہیں جیسے سورج، چاند اور ستارے وغیرہ وہ سب اسی کی روشن کی ہوئی ہیں یا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا نور ہدایت ہے اور زمین پر بسنے والوں اور آسمان میں رہنے والوں ہر ایک کو وہی ہدایت کرنے والا ہے اور اسی کا نور ہدایت بندوں کے دلوں ودماغ کو روشن کرنے والا ہے، نیز پروردگار کے ناموں میں سے ایک نام

"نور" بھی ہے یعنی وہ خود بھی ظاہر و روشن ہے اور دوسروں کو ظاہر و روشن کرنے والا ہے۔

"نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ" میں لفظ اَنّٰی کتابت کے اکثر نسخوں میں الف کے زبر اور نون کی تشدید کے ساتھ ہی منقول ہے اور اسی کے اعتبار سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ "اللہ تو ایک نور ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔" لیکن بعض نسخوں میں نُوْرٌ اور اَنّٰی الگ الگ لفظ کے بجائے ایک ہی لفظ یعنی نُوْرَانِی منقول ہے (جس میں ی مشدد نسبت کے لئے ہے اور الف اور نون زائد مبالغہ کے لئے ہیں) اس صورت میں اَرَاہُ کا لفظ اظنہ کا مفہوم ادا کرے گا اور رویۃ بمعنی رائے سے مشتق سمجھا جائے گا اور قال نورانی اراہ کا یہ ترجمہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "میں اس (پروردگار کو نورانی گمان کرتا ہوں۔ پس لفظ اراہ کو اگر الف کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی کے اعتبار سے زیادہ مناسب و موزوں ہوگا۔

ابن ملکؒ نے اس حدیث کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا یا نہیں؟ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو شب معراج میں کھلی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوا ہے اور جو حضرات اس کا انکار کرتے ہیں دونوں ہی فریق الفاظ روایت کے مذکورہ بالا اختلاف کے سبب اس حدیث کو اپنی اپنی دلیل قرار دیتے ہیں کیونکہ اگر "نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ" کی روایت کو سامنے رکھا جائے تو اس جملہ کے، استفہام بطریق انکار کے اسلوب کے پیش نظر اس عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ پروردگار کی ذات چونکہ نور محض ہے اور کوئی انسانی آنکھ اس کی طرف نظر اٹھانے پر قادر ہی نہیں ہو سکتی اس لئے میں کہتا ہوں کہ میں نے معراج کی رات میں اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا ہے لیکن اگر نُوْرَانِیٌّ اَرَاہُ کی روایت کو دیکھا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے البتہ یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات کہنے کے لئے حکایت ماضی (صیغہ حال کا اسلوب اختیار فرمایا۔

آنحضرت کو دیدار الٰہی سے متعلق ایک آیت کی تفسیر

(٦) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَاكَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى قَالَ رَاٰهُ بِفُؤَادِهٖ مَرَّتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ رَاٰى مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ قَالَ عِكْرِمَةُ قُلْتُ اَلَيْسَ اللّٰهُ يَقُوْلُ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ قَالَ وَيْحَكَ ذٰلِكَ اِذَا تَجَلّٰى بِنُوْرِهِ الَّذِيْ هُوَ نُوْرُهٗ وَقَدْ رَاٰى رَبَّهٗ مَرَّتَيْنِ۔

"اور حضرت ابن عباس اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مَاكَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (ترجمہ: اور محمد ﷺ کے دل نے محمد ﷺ سے غلط نہیں کہا اس چیز کی بابت جو انہوں نے آنکھوں سے دیکھی یعنی ذات اقدس تعالیٰ کو! اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے پروردگار کو ایک مرتبہ اور دیکھا کی تفسیر میں کہتے ہی کہ آنحضرت ﷺ نے پروردگار کو دل کی آنکھوں سے ہر مرتبہ دیکھا۔ (مسلمؒ) اور ترمذیؒ کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے (مذکورہ آیت کی تفسیر میں) کہا: "محمد ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا۔" حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں کہ (میں نے یہ سن کر اپنا اشکال ظاہر کیا اور) حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ (قرآن کریم میں اپنی ذات کے بارے میں) اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟) حضرت ابن عباسؓ نے عکرمہؓ کے اس اشکال کے جواب میں) کہا کہ! تم پر افسوس ہے (کہ تم بات نہیں سمجھ سکے، حقیقت یہ ہے کہ) یہ (مفہوم جو تم نے اس آیت کے ذریعہ پیش کیا ہے) اس وقت کے لئے ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص تجلی ظاہر فرمائے اور اپنے اس نور کے ساتھ ظاہر ہو جو اس کی ذات خاص کا نور ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے پروردگار کو دو مرتبہ دیکھا۔"

تشریح: اس روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے جن آیتوں کی تفسیر و وضاحت منقول ہے وہ سورہ نجم کی ابتدائی آیتوں میں سے ہیں اور مفسرین کے ہاں ان آیتوں کے بارے میں خاص اختلاف ہے کہ ان کا مدلول و محمول کیا ہے۔ صحابہؓ و تابعینؒ اور آئمہؒ مفسرین میں سے

ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ سورہ نجم کی ان آیتوں میں در حقیقت اس بات کا ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دو مرتبہ دیکھا ہے ایک مرتبہ تو نبوت کے بالکل ابتدائی زمانہ میں مکہ میں اور دوسری شب معراج میں سدرۃ المنتہی کے پاس۔ اس کے برخلاف صحابہؓ وتابعینؒ اور آئمہ مفسرین کی دوسری جماعت کا، جن میں حضرت ابن عباسؓ کا نام نامی سرفہرست ہے، یہ کہنا ہے کہ ان آیات میں واقعہ معراج کا بیان اور آنحضرت ﷺ کے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا ذکر ہے۔

"آنحضرت ﷺ نے پروردگار کو دل کی آنکھوں سے دو مرتبہ دیکھا۔" یعنی اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے قلب میں بینائی کی بھی وہ طاقت ودیعت فرمائی جو آنکھ میں ہوتی ہے اور آپ ﷺ کی آنکھوں کو ادراک کی بھی وہ طاقت عطا فرمائی جو قلب میں ہوتی ہے، پس یہ کہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے پروردگار کو بچشم قلب دیکھا یا یہ کہ بچشم سر دیکھا، دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یہ مطلب اس لئے اختیار کیا گیا، تاکہ جو حضرات جیسے حضرت ابن عباس وغیرہ) یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں پروردگار کو بچشم سر دیکھا ہے، اور حضرات یہ کہتے ہی کہ بچشم قلب دیکھا ہے،۔ ان دونوں کے اقوال کی رعایت ہو جائے جیسا کہ اوپر اجمالاً ذکر کیا گیا پہلے اختلاف تو یہی ہے کہ سورہ نجم کی ابتدائی آیتوں میں آنحضرت ﷺ کے کس کو دیکھنے کا ذکر ہے حق تعالیٰ کو یا حضرت جبرئیل کو؟ حضرت ابن عباسؓ حق تعالیٰ کو دیکھنا مراد لیتے ہیں جمہور صحابہ ان کی تائید میں ہیں اور سلف میں جمہور مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں ان کے نزدیک دنی فتدلی، قاب قوسین او ادنی کے الفاظ (جو ان آیات میں آئے ہیں) معراج کے موقعہ پر بارگاہ ربوبیت میں آنحضرت ﷺ کے قرب اور پروردگار کے مشاہدہ وزیارت کا بیان ہیں۔ پھر اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ شب معراج میں آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو بچشم سر دیکھا ہے یا بچشم قلب؟ بعضوں نے تو یہ کہا ہے کہ آپ ﷺ نے پروردگار کو دل کی آنکھ سے دیکھا تھا سر کی آنکھوں سے نہیں اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ نہیں آپ ﷺ نے سر ہی کی آنکھوں سے اپنے پروردگار کو دیکھا، امام نوویؒ کی تحقیق کے مطابق اکثر علماء کے نزدیک ترجیحی قول یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ جو حضرات آیات مذکورہ میں آنحضرت ﷺ کا حضرت جبرئیل کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا مراد لیتے ہیں ان میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ بھی شامل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان آیات میں حضرت جبرئیل کے اس قرب و مشاہدہ کا بیان وذکر ہے جو آنحضرت ﷺ کو جبرئیل امین کی اصل صورت کے ساتھ شب معراج میں اور اس سے پہلے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں حاصل ہوا تھا۔

علماء کا اختلاف اقوال اس بارے میں بھی ہے کہ شب معراج آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کلام کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا تھا یا نہیں؟ چنانچہ اشعریین اور متکلمین میں سے ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس رات میں اللہ تعالیٰ سے براہ راست کلام کیا اور بعض دوسرے حضرات نے اس کا انکار کیا ہے۔

یہ اس وقت کے لئے ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص تجلی ظاہر فرمائے الخ" کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات حق تعالیٰ کی مشیت و قدرت پر منحصر ہے اگر اس کی ذات خاص کی تجلی ظاہر ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی کی بھی نگاہ و بصر کی توانائی برداشت کر سکتی ہو تو یقیناً نگاہ اس کی طرف اٹھ سکتی ہے اور آنکھیں دیدار وزیارت کی تاب لا سکتی ہیں! رہی اس آیت کی بات جس کا حوالہ حضرت عکرمہؓ نے دیا تو اس کے متعلق علماء لکھتے ہیں کہ اس آیت میں "ادراک" کا ذکر ہے جس کے لغوی معنی کسی شے کا اس کے تمام اطراف وجوانب اور تمام سرحدوں کے ساتھ احاطہ کرنا ہیں اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے نہ کوئی حد و نہایت ہے اور نہ اس کے اطراف و جانب ہیں، اس کی ذات ان چیزوں سے ماوراء اور لا محدود ہے، اس معنی میں کوئی بھی نگاہ و بصر اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اس آیت میں "احاطہ" کی نفی مراد ہے مطلق دیدار کی نفی مراد نہیں ہے جس سے یہ اشکال واقع ہو کہ آپ ﷺ کے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی بات اس آیت کے خلاف پڑتی ہے۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت نے اپنے پروردگار کو دو مرتبہ دیکھا۔" میں "دو مرتبہ" کی وضاحت بعض محدثین نے یہ کی

ہے کہ ایک مرتبہ سدرۃ المنتہی کے قریب اور ایک مرتبہ عرش پر اور ملا علی قاریؒ نے اس جملہ کے تحت یہ لکھا ہے کہ "دو مرتبہ دیکھا" سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں مرتبہ دل کی آنکھوں سے دیکھا اور ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے یہ اختلاف مطالب اس لئے ہے کہ کسی بھی روایت میں وضاحت کے ساتھ منقول نہیں ہے (جیسا کہ اس روایت میں بھی نہیں، کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دوبار دیکھا۔

کیا آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا

⑦ وَعَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ لَقِيَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَعْبًا بِعَرَفَةَ فَسَاَلَهُ عَنْ شَيْءٍ فَكَبَّرَ حَتّٰى جَاوَبَتْهُ الْجِبَالُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّا بَنُوْهَاشِمٍ فَقَالَ كَعْبٌ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَسَمَ رُؤْيَتَهُ وَكَلَامَهُ بَيْنَ مُحَمَّدٍ وَّمُوْسٰى فَكَلَّمَ مُوْسٰى مَرَّتَيْنِ وَرَاٰهُ مُحَمَّدٌ مَرَّتَيْنِ قَالَ مَسْرُوْقٌ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ هَلْ رَاٰى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ فَقَالَتْ لَقَدْ تَكَلَّمْتَ بِشَيْءٍ قَفَّ لَهُ شَعْرِيْ قُلْتُ رُوَيْدًا ثُمَّ قَرَأْتُ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى فَقَالَتْ اَيْنَ تَذْهَبُ بِكَ اِنَّمَا هُوَ جِبْرَئِيْلُ مَنْ اَخْبَرَكَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰى رَبَّهُ اَوْ كَتَمَ شَيْئًا مِمَّا اُمِرَ بِهٖ اَوْ يَعْلَمُ الْخَمْسَ الَّتِيْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْيَةَ وَلٰكِنَّهٗ رَاٰى جِبْرَئِيْلَ لَمْ يَرَهُ فِيْ صُوْرَتِهٖ اِلَّا مَرَّتَيْنِ مَرَّةً عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى وَمَرَّةً فِيْ اَجْيَادٍ لَهٗ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ قَدْ سَدَّ الْاُفُقَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى الشَّيْخَانِ مَعَ زِيَادَةٍ وَاخْتِلَافٍ وَفِيْ رِوَايَتِهِمَا قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ فَاَيْنَ قَوْلُهٗ ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى قَالَتْ ذَاكَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَاْتِيْهِ فِيْ صُوْرَةِ الرَّجُلِ وَاِنَّهٗ اَتَاهُ هٰذِهِ الْمَرَّةَ فِيْ صُوْرَتِهِ الَّتِيْ هِيَ صُوْرَتُهٗ فَسَدَّ الْاُفُقَ

"اور حضرت شعبیؒ کہتے ہیں کہ عرفہ کے دن میدان عرفات میں حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعب احبارؒ سے ملاقات کی اور ان سے ایک سوال دریافت کیا کہ کیا دنیا میں حق تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے؟) حضرت کعبؒ (نے اس سوال کو اتنا عجیب وغریب سمجھا کہ فرط حیرت سے انہوں) نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور ان کے اس زوردار نعرے کی بازگشت سے پہاڑ گونج اٹھے حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ ہم ہاشم کی اولاد ہیں!! حضرت کعبؒ نے فرمایا کہ: "اچھا تمہارے سوال کا مقصد اب میری سمجھ میں آیا تو سنو!۔) اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو محمد ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کیا (یعنی ایک کو اپنے کلام سے مشرف فرمایا، اور ایک کو اپنے دیدار کی سعادت عطا فرمائی) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ موسیٰ سے کلام کیا۔ ایک مرتبہ تو وادی ایمن میں اور دوسری مرتبہ کوہ طور پر) اور محمد ﷺ نے (شب معراج میں) دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔" حضرت مسروقؒ (جو حدیث کے راوی ہیں اور جن سے حضرت شعبیؒ یہ روایت نقل کرتے ہیں) کہتے ہیں کہ (میدان عرفات میں حضرت کعبؒ اور حضرت ابن عباسؓ کے درمیان ہونے والی اس بات چیت کو سن کر میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ کیا محمد ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ (مسروق) تم نے ایسی بات پوچھی ہے جس سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ہیں (یعنی میرا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ومنزہ ہے کہ وہ کسی کو نظر آئے اس لئے میرے نزدیک دنیا میں اس کے دیدار کا واقع ہونا محال ہے اب تم نے یہ سوال پوچھا تو اس کی اس پاک ذات کی عظمت وخوف کے مارے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے) میں نے عرض کیا کہ، ذرا توقف سے کام لیجئے (یعنی میرے اس سوال سے اتنا پریشان نہ ہوئے اور نہ اتنی جلد دیدار الٰہی کا انکار کیجئے میں چاہتا ہوں کہ آپ ذرا میری بات پوری طرح سن لیں، پھر میں نے دیدار الٰہی کے ثبوت میں یہ آیت پڑھی لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى (گویا حضرت مسروقؒ نے اس آیت کے ذریعہ یہ ظاہر کیا کہ میرے نزدیک آیت میں "بڑی نشانی" سے مراد آنحضرت ﷺ بچشم سر یا بچشم قلب وہ دیدار الٰہی حاصل ہونا ہے جو پروردگار کی عظمت شان یا آنحضرت ﷺ کی تعظیم وتکریم پر دلالت کرتا ہے)۔ حضرت عائشہؓ نے (یہ سن کر فرمایا کہ: "(مسروق) یہ آیتیں تمہیں کہاں لے جارہی

ہیں؟ (یعنی تم درست نہیں سمجھ رہے ہو، ان آیتوں کا مطلب آنحضرت کو دیدار الٰہی حاصل ہونا نہیں ہے بلکہ) "بڑی نشانی" سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں (جن کو آنحضرت نے ان کی اصل صورت میں دیکھا) جو شخص تم سے یہ کہے محمد (ﷺ) نے شب معراج میں اپنے پروردگار کو دیکھا ہے، یا یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان چیزوں میں سے کچھ چھپالیا ہے جن کے اظہار کا ان کو حکم دیا گیا تھا، اور یا یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ ان پانچ غیبی باتوں کا علم رکھتے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیت اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ الخ میں ارشاد فرمایا ہے، تو بلاشبہ اس نے محمد ﷺ پر بہت بڑا بہتان باندھا (جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے جو تم نے پڑھی ہے تو) اس کی مراد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو (ان کی اصل صورت میں آپ ﷺ نے ایک مرتبہ تو سدرۃ المنتہٰی کے نزدیک (جیسا کہ اس آیت لَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی میں فرمایا گیا ہے) اور ایک مرتبہ (مکہ کے نواح) اجیاد میں اور (آنحضرت نے جبرئیل کو ان کی اصل صورت میں اس طرح دیکھا کہ) ان کے چھ سو بازو تھے اور انہوں نے پورے افق کو گھیر رکھا تھا اس روایت کو ترمذیؒ نے (انہی الفاظ میں) اور بخاریؒ و مسلمؒ نے کچھ مزید اور مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے نیز بخاریؒ اور مسلمؒ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ مسروق نے (حضرت عائشہ سے کہا کہ: "اگر آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا) تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا محمول و مصداق کیا ہے۔ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: "ان سب کی ضمیروں کا مرجع حضرت جبرئیل ہیں جو عام طور پر آنحضرت ﷺ کے پاس کسی انسان کی شکل و صورت میں (اور وہ بھی اکثر و بیشتر ایک صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں) آتے تھے اور اس مرتبہ (مکہ کے نواح اجیاد میں) اپنی اس صورت میں آئے تو جو ان کی اصل صورت ہے اور انہوں نے پورے افق کو گھیر رکھا تھا۔"

تشریح: "ہم ہاشم کی اولاد ہیں۔" یعنی ہم نہ صرف اس قبیلہ و خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو ویسے بھی علم و فضیلت، عقل و فراست، اور سمجھ بوجھ کے اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس خاندن کے بارگاہ نبوت سے نسبت و قربت رکھنے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں علوم و انوار سے اکتساب کرنے کے موقع ہمیں زیادہ بہتر طریقہ پر میسر ہوا ہے اور اس سب سے بڑی خاندانی نسبت و امتیاز کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم و معرفت سے سرفراز فرمایا ہے لہٰذا مجھ سے یہ توقع نہ رکھیئے کہ میں کوئی ایسا سوال کروں گا جو علم و عقل سے بعید ہو، میں نے جو کچھ پوچھا ہے اس گہرائی میں پہنچنے کی کوشش کیجئے اور میرے سوال پر حیرت و غصہ کرنے کی بجائے غور و فکر کر کے جواب دیجئے کہ کیا دنیا میں حق تعالیٰ کا دیدار فی الجملہ ممکن ہے دراصل جب حضرت ابن عباسؓ نے مذکورہ سوال کیا تو حضرت کعبؓ یہ سمجھے کہ ابن عباسؓ دنیا میں مطلق دیدار الٰہی کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، اس پر انہیں حیرت ہوئی اور ان کے اس سول کو انہوں نے بعید از عقل جانا لیکن جب حضرت ابن عباسؓ نے اپنے بارے میں ذرا ازورداار الفاظ کا اظہار کیا تو حضرت کعبؓ احبار کو ان کے سوال میں غور و فکر کرنا پڑا اور تب وہ ان کی مراد سمجھے کہ ان کے سوال میں مطلق دیدار الٰہی مراد نہیں ہے بلکہ فی الجملہ دیدار الٰہی مراد ہے اس کے بعد انہوں نے جواب دیا کہ صرف آنحضرت ﷺ کے لئے دیدار الٰہی ممکن ہے جو آپ ﷺ کو شب معراج میں حاصل ہوا۔

یا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے ان چیزوں میں سے کچھ چھپالیا ہے......الخ" میں "ان چیزوں" سے مراد احکام و شرائع ہیں جن کا لوگوں تک پہنچانا آنحضرت ﷺ کے لئے ضروری قرار دیا گیا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ

"اے پیغمبر (ﷺ)! جو کچھ احکام و شرائع اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ (ﷺ) پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں تک پہنچا دیجئے اور اگر ایسا نہ کیا تو آپ (ﷺ) خدا کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے۔"

اور "چھپانے" کا مفہوم عام ہے کہ خواہ تمام احکام و شرائع کو چھپانے کے بارے میں کہا جائے یا ان احکام و شرائع میں سے کچھ کو۔

اس سے شیعہ لوگوں کی اس گمراہ کن بات کی تردید ہو جاتی ہے کہ کچھ احکام و شرائع ایسے ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنے اہل بیعت کے لئے مخصوص رکھا ہے، ان کا دائرہ پوری اُمت تک وسیع نہیں کیا۔

"تو پھر اللہ کے اس ارشاد کا محمول و مصداق کیا ہے" کے ذریعہ حضرت مسروق نے سورۂ نجم کی ان تمام آیات کی طرف اشارہ کیا جن کے بارے میں صحابہؓ وتابعینؒ اور ائمہؒ مفسرین کے اختلافی اقوال کا ذکر پیچھے بھی کیا جا چکا ہے وہ آیتیں یہ ہیں۔

ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی ۞ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۞ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ۞ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی۔

"وہ آپ ﷺ کے نزدیک آیا پھر اور نزدیک آیا تو دونوں کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم پھر خدا نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ کہ نازل فرمائی تھی جو کچھ انہوں نے دیکھا ان کے دل نے اس کو جھوٹ نہ جانا۔"

پس بظاہر ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ دنی کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف پھرتی ہے اسی طرح تَدَلّٰی اور فکان قاب قوسین میں کان کی ضمیریں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف راجع ہیں جس کا ایک ظاہری قرینہ فاوحی کی ضمیر ہے کہ اس کا مرجع یقینی طور پر اللہ تعالیٰ ہے، اس بنیاد پر حضرت مسروقؒ نے اشکال ظاہر کیا کہ اگر شب معراج میں آنحضرت ﷺ کو دیدار الٰہی حاصل نہیں ہوا تھا تو ان آیتوں کے کیا معنی ہوں گے؟ اس اشکال کا جواب حضرت عائشہ نے یہ دیا کہ ان افعال کی ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے ہی نہیں بلکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں، لہٰذا یہ سمجھنا کہ ان آیتوں سے آنحضرت ﷺ کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ثابت ہوتا ہے غیر درست نتیجہ اخذ کرنا ہے پھر حضرت عائشہؓ نے کَانَ یاتیہ فی صورۃ الرَّجُل الخ کے ذریعہ ایک اور اشکال کا جواب دیا کہ اگر یہ سوال پیدا ہو کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو تو آنحضرت ﷺ برابر دیکھا ہی کرتے تھے پھر شب معراج میں ان کو دیکھنے کو اس اہتمام کے ساتھ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو حضرت عائشہؓ نے گویا اس اشکال کے دفعیہ کے لئے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام عام طور پر آنحضرت ﷺ کے پاس انسانی شکل و صورت میں آیا کرتے تھے، وہ آپ ﷺ کے سامنے اپنی اصل صورت کے ساتھ صرف دو مرتبہ آئے ہیں، ایک دفعہ تو نبوت کے بالکل ابتدائی زمانہ میں مکہ میں جب آنحضرت نے ان کو اس طرح دیکھا تھا کہ ان کے چھ سو بازو تھے اور پورا افق ان سے معمور تھا، اور پھر اسی اصل صورت وہیت کے ساتھ دوسری مرتبہ شب معراج میں سدرۃ المنتہٰی کے پاس آپ ﷺ کو نظر آئے تھے۔

حاصل یہ کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعبؓ احبار کے قول سے استدلال کرتے ہوئے اس کو اختیار کیا کہ آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا ہے بایں احتمال کہ دونوں مرتبہ بصر (سر کی آنکھوں) سے دیکھا ہو یا بصیرت (دل کی آنکھوں) سے، یا یہ کہ ایک مرتبہ تو بچشم سر دیکھا ہو اور ایک مرتبہ بچشم قلب، اگرچہ اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو بچشم سر دو مرتبہ نہیں دیکھا ہے۔ اور حضرت عائشہ اس سے انکار کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا، تو ان کے اس انکار کو مطلق انکار پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے اور مقید انکار پر بھی، مطلق انکار کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ سرے سے آنحضرت ﷺ کے دیدار الٰہی کی منکر ہیں، خواہ بچشم قلب دیکھنا مراد لیا جائے یا بچشم سر اور مقید انکار کا مطلب یہ ہے کہ وہ بچشم سر دیکھنے کی منکر ہیں، بچشم قلب دیکھنے کی نہیں لیکن حضرت عائشہؓ کے اس ارشاد کو دیکھتے ہوئے زیادہ درست یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے انکار کو مطلق انکار پر محمول کیا جائے۔ اور حافظ ابن حجرؒ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے اثبات اور حضرت عائشہؓ کے انکار کے درمیان جو تضاد ہے اس کو دور کرنے کے لئے یہ تاویل کی جانی چاہئے کہ حضرت عائشہؓ کا انکار بچشم سر دیکھنے پر اور حضرت ابن عباسؓ کا اثبات بچشم قلب دیکھنے پر محمول ہے، لیکن "بچشم قلب دیکھنے" کا مطلب "مجرد علم" نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم و عرفان تو حضور کو ہر وقت ہی حاصل رہتا تھا، اس کو شب معراج کے ساتھ مخصوص کر کے بیان کرنے کے کوئی معنی نہیں ہوں گے، لہٰذا بچشم قلب دیکھنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اس خاص موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے قلب میں وہ بینائی پیدا فرما دی تھی جو آنکھوں میں ہوتی ہے اور اس طرح آنحضرت ﷺ نے قلب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا وہ دیدار حاصل کیا جو کوئی شخص آنکھوں کے ذریعہ دوسری چیزوں کا حاصل کرتا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی تفسیر و تحقیق

⑧ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فِیْ قَوْلِہٖ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی وَفِیْ قَوْلِہٖ مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی وَ فِیْ قَوْلِہٖ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی قَالَ فِیْھَا کُلِّھَا رَاٰی جِبْرَئِیْلَ لَہٗ سِتُّمِائَۃِ جَنَاحٍ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃِ التِّرْمِذِیِّ قَالَ مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جِبْرَئِیْلَ فِیْ حُلَّۃٍ مِنْ رَفْرَفٍ قَدْ مَلَاَ مَابَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلَہٗ وَلِلْبُخَارِیِّ فِیْ قَوْلِہٖ وَلَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی قَالَ رَاٰی رَفْرَفًا اَخْضَرَ سَدَّ اُفُقَ السَّمَآءِ وَسُئِلَ مَالِکُ ابْنُ اَنَسٍ عَنْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ فَقِیْلَ قَوْمٌ یَقُوْلُوْنَ اِلٰی ثَوَابِہٖ فَقَالَ مَالِکٌ کَذَبُوْا فَاَیْنَ ھُمْ عَنْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی کَلَّا اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ قَالَ مَالِکٌ اَلنَّاسُ یَنْظُرُوْنَ اِلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِاَعْیُنِھِمْ وَقَالَ لَوْلَمْ یَرَالْمُؤْمِنُوْنَ رَبَّھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لَمْ یُعَیِّرِ اللّٰہُ الْکُفَّارَ بِالْحِجَابِ فَقَالَ کَلَّا اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ان سب آیتوں کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل کو (ان کی اصل صورت میں) دیکھا اور درآنحالیکہ ان کے چھ سو بازو تھے۔ اور ترمذیؒ کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی کی تفسیر میں کہا: "آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا جو سبز کپڑوں کا جوڑا پہنے ہوئے تھے اور زمین کے درمیان فضا ان سے معمور تھی۔" نیز ترمذیؒ اور بخاریؒ کی ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَلَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی کی تفسیر میں کہا کہ آنحضرت ﷺ نے جامہ سبز پوش (یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام) کو دیکھا جنہوں نے پورے آسمانی افق کو گھیر رکھا تھا۔ اور حضرت امام مالکؒ بن انسؓ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ کے بارے میں پوچھا گیا اور ان سے بتایا گیا کہ کچھ لوگ (یعنی معتزلہ اور ان کے ہمنوا دیگر اہل بدعت کہتے ہیں کہ اس آیت میں "اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے" سے (مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھنا نہیں ہے بلکہ) اس کے ثواب کو دیکھنا مراد ہے؟ تو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ وہ لوگ جھوٹے ہیں، آخر ان کی سمجھ کہاں چلی گئی ہے! وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کَلَّا اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ کو کیوں نہیں دیکھتے پھر حضرت امام مالکؒ نے فرمایا "(اس میں کوئی شبہ نہیں کہ) مسلمان لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور فرمایا: اگر (یہی بات) ہوتی کہ) اہل ایمان قیامت کے دن اپنے پروردگار کو نہیں دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ کفار کو دیدار الٰہی سے محرومی کا عار نہ دلاتا اور یہ نہ فرماتا کہ کَلَّا اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (اس روایت کو بغویؒ نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: "آنحضرت ﷺ نے جبرئیل کو دیکھا" کے ذریعہ حضرت ابن مسعودؓ نے یہ واضح کیا کہ سورہ نجم کی ان آیتوں کی ضمیریں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف راجع ہیں اور ان کا محمول و مصداق آنحضرت ﷺ کو حضرت جبرئیل کی رویت قرب ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی رویت و قرب مراد ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ پس حضرت ابن مسعودؓ کی یہ تاویل و تفسیر حضرت عائشہؓ کی اس تاویل و تفسیر کے مطابق ہے جو ان آیتوں سے متعلق پچھلی حدیث میں ذکر کی گئی۔ واضح رہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی جلالت شان اور ان کا کمال علم مسلمہ ہے اور علماء نے لکھا ہے کہ خلفاء اربعہ کے بعد ابن مسعودؓ ہی تمام صحابہؓ میں سب سے بڑے عالم تھے۔

بہرحال ان روایات و اقوال سے معلوم ہوا کہ شب معراج میں آنحضرت ﷺ کے اللہ تعالیٰ کو چشم سر دیکھنے کے بارے میں صحابہؓ کے ہاں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہؓ کو اس بات سے انکار ہے اور حضرت ابن عباس اس کے قائل ہیں، ان میں سے ہر ایک کو صحابہؓ کی تائید حاصل ہے کہ کچھ صحابہؓ تو حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہیں اور کچھ صحابہؓ حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ، پھر صحابہ کے بعد تابعینؒ و علماء سلف

بھی اسی نقش قدم پر گئے ہیں۔ کچھ تو یہ کہتے ہیں کہ شب معراج میں آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کچھ حضرات اس کا انکار کرتے ہیں، لیکن ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے سکوت و توقف اختیار کیا ہے اور کسی بھی فریق کے ساتھ نہیں گئے ہیں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ دونوں میں سے کسی جانب بھی واضح دلیل نہیں ہے اس لئے ہم یہی بہتر سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں خاموش رہا جائے اور حقیقت حال اللہ کے سپرد کردی جائے کہ اصل بات اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تاہم جمہور علماء اسی کے قائل ہیں کہ شب معراج میں آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا عینی دیدار حاصل ہوا ہے، حضرت شیخ محی الدین نووی ؒ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کبار کے نزدیک راجح اور مختار یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معراج کی رات میں) اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ نیز انہوں نے کہا کہ اس کا اثبات آنحضرت ﷺ سے سماعت کے بعد ہی ہوا ہے (کہ حضرت ابن عباس ؓ نے جو یہ کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو شب معراج میں اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوا تو انہوں نے یہ بات آنحضرت ﷺ سے سننے کے بعد ہی کہی تھی، جب کہ حضرت عائشہ ؓ نے اس کے انکار میں حدیث سے استدلال نہیں کیا ہے اور اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے کچھ سن کر روایت نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ قرآن کی اس آیت مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اور اس آیت لاتدركه الابصار وهو يدرك الابصار سے ان کے اپنے استنباط اجتہاد کا نتیجہ ہے جب کہ ان آیتوں کے بارے میں بھی ائمہ ؒ مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلی آیت ماکان لبشر ان یکلمه الله الخ میں جو نفی بیان کی گئی ہے وہ حالت رویت میں کلام کی نفی ہے جس سے رؤیت بے کلام کی نفی قطعا لازم نہیں آتی اور دوسری آیت لاتدركه الابصار الخ میں "ادراک" کا ذکر ہے جس کے معنی "احاطہ" کے ہیں اور احاطہ کی نفی سے مطلق رویت کی نفی مفہوم نہیں ہوتی! بعض دوسرے علماء نے بھی لکھا ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں حضرت ابن عباس ؓ ہی کے قول پر زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے اور یہ طے ہے کہ انہوں نے یہ بات آنحضرت سے سنے بغیر نہیں کہی تھی اور یہ ممکن بھی نہیں کہ وہ اتنی بڑی بات اپنے ظن و اجتہاد سے کہیں، منقول ہے کہ حضرت ابن عمر ؓ نے حضرت ابن عباس ؓ سے کافی بحث و تکرار کی اور پوچھا کہ کیا واقعۃ محمد ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا تھا، حضرت ابن عباس ؓ نے پورے وثوق کے ساتھ جواب دیا کہ ہاں دیکھا تھا چنانچہ حضرت ابن عمر ؓ نے ان کی بات کو قطعی طور پر تسلیم کیا اور کسی تردد و انکار کا اظہار نہیں کیا۔ حضرت عمر ابن راشد ؒ کا قول ہے کہ ہمارے نزدیک حضرت عائشہ ؓ حضرت ابن عباس ؓ سے زیادہ علم کی حامل نہیں ہیں (اس لئے ان کے مقابلہ پر حضرت ابن عباس ؓ ہی کے قول کو راجح اور قابل اعتماد قرار دیا جائے گا، نیز مشائخ صوفیہ بھی رویت ہی کے قائل ہیں۔

اب امام مالک ؒ کی روایت کی طرف آیئے جب ان سے بتایا گیا کہ کچھ لوگ جیسے معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ آخرت میں اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھیں گے اور قرآن کی اس آیت اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھنے کے بجائے اس کے ثواب یعنی جنّت کی نعمتوں اور وہاں کے مراتب و درجات کو دیکھنا مراد ہے تو امام مالک ؒ نے ان لوگوں کی زبردست تردید کی اور فرمایا کہ وہ لوگ عقل و سمجھ سے کوسوں دور ہیں کہ بالکل ظاہر معنی رکھنے والی اس آیت کی غلط تاویل تو کرتے ہیں لیکن اس آیت كَلَّاۤ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ کو نہیں دیکھتے جس میں اہل کفر کو اسی بات کا عار دلایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن پروردگار کے دیدار سے روک دیئے جائیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی سعادت سے محروم رہیں گے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور اس کے دیدار کی سعادت سے مشرف ہوں گے! اگر یہی بات ہو تو اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے دیدار کی سعادت حاصل نہیں کریں گے تو پھر اہل کفار کو اس سعادت سے محرومی کی اس بھرپور انداز میں خبر دینے اور انہیں عار دلانے کی کیا ضرورت تھی معلوم ہوا کہ آخرت میں اہل کفار کے حق میں سب سے بڑا عذاب یہ ہوگا کہ وہ دیدار الٰہی سے محروم و مخذول قرار دیئے جائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اس محرومی کی حسرت میں مبتلا رہیں گے جس طرح کہ اہل ایمان کے حق میں سب سے بڑا اجر و ثواب دیدار الٰہی ہوگا اور وہ نعمت دیدار سے محظوظ و مشرف ہوں گے۔

دیدار الٰہی کی کیفیت

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَهْلُ الْجَنَّةِ فِيْ نَعِيْمِهِمْ اِذْ سَطَعَ لَهُمْ نُوْرٌ فَرَفَعُوْا رُؤُسَهُمْ فَاِذَا الرَّبُّ قَدْ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِهِمْ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَآ اَهْلَ الْجَنَّةِ قَالَ وَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِيْمِ قَالَ فَيَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ فَلَا يَلْتَفِتُوْنَ اِلٰى شَيْءٍ مِّنَ النَّعِيْمِ مَادَامُوْا يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ حَتّٰى يَحْتَجِبَ عَنْهُمْ وَيَبْقٰى نُوْرُهٗ (رواه ابن ماجۃ)

"اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ "(آپ ﷺ نے فرمایا) جب جنتی اپنی حاصل شدہ نعمتوں سے لذت وکیف اٹھانے میں مشغول ہوں گے کہ اچانک ان کے سامنے ایک عظیم نور پھیل جائے گا وہ (اس نور کو دیکھنے کے لئے) اپنا سر اٹھائیں گے تو کیا دیکھیں گے کہ ان کے اوپر پروردگار جلوہ گر ہے۔ اور پروردگار ان سے فرمائے گا کہ اہل جنت! السلام علیکم اور یہ (یعنی اس وقت پروردگار کا جنتیوں کو سلام کرنا) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِيْمِ سے ثابت ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "پھر اللہ تعالیٰ جنتیوں کی طرف دیکھے گا اور جنتی اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے اور وہ دیدار الٰہی میں اس قدر محو ہوں گے کہ اس وقت جنتیوں کی نعمتوں میں سے کسی چیز کی طرف توجہ والتفات نہیں کریں گے تاآنکہ پروردگار ان کی نظروں سے مخفی ہو جائے گا اور اس کا نور باقی رہ جائے گا۔"

(ابن ماجہ)

تشریح: "تاآنکہ پروردگار ان کی نظروں سے مخفی ہو جائے گا الخ" کا مطلب یہ ہے کہ وہ جب تک چاہے گا ان کی نظروں کے سامنے خود کو جلوہ گر رکھے گا اور پھر ان کی آنکھوں کے سامنے حجاب حائل کر دے گا لیکن اس کے جلوے کی نورانیت اور اس کے دیدار سے حاصل ہونے والے کیف وسرور کا خمار باقی رہے گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ حجاب اور جنتیوں کی نظر سے پروردگار کا مخفی ہو جانا بھی اس کی طرف سے اپنے بندوں پر ایک طرح کا لطف وکرم ہی ہوگا کیونکہ پروردگار کا اہل جنت کو برابر اپنی درگاہ اور حضور وشہود میں رکھنا اور ہر وقت ان کی نظر کے سامنے جلوہ گر رہنا ایک ایسی صورت حال ہوگی جو جنتیوں کی تاب وطاقت سے باہر ہوگی، ظاہر ہے، ایک دفعہ دیدار کرنے کے بعد پھر ان کو اتنے عرصہ کی ضرورت ہوگی جس میں وہ خود کو سنبھال سکیں اور اپنی اصل حالت پر واپس آجائیں تاکہ جنت کی دوسری نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر ذات باری تعالیٰ کی تجلی کا استحقاق نئے سرے سے حاصل کر سکیں اور ہر بار دیدار الٰہی کا نیا ذوق اور نیا کیف و سرور حاصل کریں۔

بَابُ صِفَةِ النَّارِ وَاَهْلِهَا

دوزخ اور دوزخیوں کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

دوزخ کی آگ کی گرمی

① عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَيْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّسِتِّيْنَ جُزْءً كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ نَارُكُمُ الَّتِيْ يُوْقِدُ ابْنُ اٰدَمَ فِيْهَا عَلَيْهَا وَكُلُّهَا بَدَلَ عَلَيْهِنَّ وَكُلُّهُنَّ ·

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "تمہاری (دنیا کی) آگ دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! یہ تو دنیا کی آگ ہی (عذاب دینے کے لئے) کافی تھی (پھر اس سے بھی زیادہ حرارت و تپش رکھنے والی آگ پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "دوزخ کی آگ کو یہاں (دنیا) کی آگ انہتر حصہ بڑھا دیا گیا ہے اور ان انہتر حصوں میں سے ہر ایک حصہ تمہاری (دنیا کی) آگ کے برابر ہے۔" اس روایت کو بخاریؒ و مسلمؒ نے نقل کیا ہے، لیکن (یہاں مذکورہ) الفاظ بخاریؒ کے ہیں اور صحیح مسلمؒ کی روایت یوں ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا): "تمہاری (دنیا کی) یہ آگ جس کو ابن آدم (انسان) جلاتا ہے دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے، نیز مسلمؒ کی روایت میں **علیھن** اور **کلھن** کے بجائے **علیھا** اور **کلھا** کے الفاظ ہیں (یعنی بخاریؒ کی روایت میں ہے۔"

تشریح: دنیا کی آگ کا دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی آگ جو درجہ حرارت رکھتی ہے دوزخ کی آگ اس سے ستر درجہ حرارت زیادہ گرم ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ ستر کے عدد سے مراد دنیا کی آگ کے مقابلہ پر دوزخ کی آگ کی گرمی کی شدت و زیادتی کو بیان کرنا ہو نہ کہ یہ خاص عدد ہی مراد ہے، گویا اصل مفہوم یہ ہوگا کہ دوزخ کی آگ تمہاری دنیا کی آگ کے مقابلہ پر بہت زیادہ درجہ حرارت رکھتی ہے۔

آنحضرت ﷺ سے جو سوال کیا گیا، اس کے جواب میں آپ ﷺ نے جو فرمایا وہ گویا از راہ تاکید اسی جملہ کی تکرار تھی جو آپ ﷺ نے شروع میں فرمایا تھا اور اس سے جواب کا حاصل یہ نکلا کہ بیشک کسی کو جلانے کے لئے یہ دنیا کی آگ ہی بہت ہے کہ اگر تم کسی انسان کو عذاب میں مبتلا کرنے کے لئے اس آگ میں ڈال دو تو وہ جل کر کوئلہ ہو جائے گا مگر دوزخ کی آگ جس عذاب خداوندی کے لئے تیار کی گئی ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس کی حرارت و گرمی اس دنیا کی آگ کی حرارت و گرمی سے بہت زیادہ ہو تاکہ خدا کا عذاب دنیا والوں کے عذاب سے ممتاز رہے اور دوزخ کی اس آگ میں جلنے والوں کو معلوم ہو کہ ان کے خدا کا عذاب دنیا والوں کے عذاب سے ممتاز ہے اور دوزخ کی اس آگ میں جلنے والوں کو معلوم ہو کہ ان کے خدا کا عذاب اتنا زیادہ شدید اور اتنا زیادہ سخت ہے کہ اگر دنیا میں کوئی شخص انہیں وہاں کی آگ میں جلاتا تو وہ عذاب اس عذاب خداوندی کے مقابلہ پر ہیچ ہوتا حاصل یہ کہ دوزخ کی آگ دراصل عذاب خداوندی ہے جیسا کہ اس کا اصناف عذاب میں ذکر ہوتا ہے، اس لئے اس کو دنیا کی آگ کی بہ نسبت کہیں زیادہ درجۂ حرارت رکھنا ہی چاہئے۔

دوزخ کو لانے کا ذکر

(۲) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتٰى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَّهَا سَبْعُوْنَ اَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّوْنَهَا (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اس دن (یعنی قیامت کے دن) دوزخ کو (اس جگہ سے کہ جہاں اس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے) لایا جائے گا، اس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ پر ستر ہزار فرشتے متعین ہوں گے جو اس کو کھینچے ہوئے لائیں گے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن دوزخ کو لاکھوں فرشتے اس کی جگہ سے کھینچ کر محشر والوں کے سامنے لائیں گے اور ایسی جگہ رکھ دیں گے کہ وہ اہل محشر اور جنت کے درمیان حائل ہو جائے گی اور جنت تک جانے کے لئے اس پل صراط کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہوگا جو دوزخ کی پیٹھ پر رکھا ہوا ہوگا، دوزخ کی جو ستر ہزار باگیں ہوں گی ان کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ جب لائی جائے گی تو اہل دوزخ پر اپنی غضبناکی کا اظہار کر رہی ہوگی اور چاہے گی کہ سب کو نگل لے اور ہڑپ کر جائے پس نگہبان فرشتے اس کو انہی باگوں کے ذریعہ روکیں گے اگر اس کی باگیں چھوڑ دی جائیں اور اس کو حملہ آور ہونے سے باز نہ رکھا جائے تو وہ مؤمن اور کافر سب کو چٹ کر جائے۔

دوزخ کا سب سے ہلکا عذاب

(۳) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَّنْ لَهٗ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَّارٍ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ مَا يَرٰى اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَّاِنَّهٗ لَاَهْوَنُهُمْ عَذَابًا (متفق علیہ)

"اور حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "حقیقت یہ ہے کہ دوزخیوں میں سے جو شخص سب سے ہلکے عذاب میں مبتلا ہوگا اس کو آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن کے اوپر آگ کے دو تسمے ہوں گے (یعنی ان جوتیوں کے تلوے بھی آگ کے ہوں گے جو پیروں کے نیچے کے حصہ میں ہوں گے اور ان کے تسمے بھی آگ کے ہوں گے جو پیروں کے اوپر کے حصہ پر ہوں گے) اور ان دونوں (یعنی جوتیوں کے تلووں اور تسموں کی تپش و حرارت سے اس کا دماغ اس طرح جوش مارے گا جس طرح دیگ جوش کھاتی ہے۔ وہ شخص چونکہ دوسرے دوزخیوں کی حالت و کیفیت سے بے خبر ہوگا اس لئے) یہ خیال کرے گا کہ اس سے زیادہ سخت عذاب میں کوئی مبتلا نہیں ہے حالانکہ وہ سب سے ہلکے عذاب میں مبتلا ہوگا۔"

تشریح: اس حدیث سے صراحۃ معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کے اعتبار سے اہل دوزخ متفاوت ہوں گے کہ کوئی سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوگا اور کوئی ہلکے عذاب میں۔

دوزخ میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا

(۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْ طَالِبٍ وَّهُوَ مُتَنَعِّلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا وہ آگ کی جوتیاں پہنے ہوں گے جن سے ان کا دماغ کھولتا رہے گا۔" (بخاریؒ)

تشریح: ابوطالب، آنحضرت ﷺ کے چچا تھے جن کی شفقت و سرپرستی نے آنحضرت ﷺ کی بہت مدد کی، اگرچہ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا مگر جب تک جیئے) آنحضرت ﷺ کو کفار مکہ کی دشمنی و عداوت سے محفوظ رکھنے کی حتی المقدور کوشش کرتے رہے اور اس کے بدلہ میں ان کو دوزخ میں سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔

ایک دوزخی ایک جنتی

(۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتٰى بِاَنْعَمِ اَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً ثُمَّ يُقَالُ يَا ابْنَ اٰدَمَ هَلْ رَاَيْتَ خَيْرًا قَطُّ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيْمٌ قَطُّ فَيَقُوْلُ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ وَيُؤْتٰى بِاَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُصْبَغُ صِبْغَةً فِي الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهٗ يَا ابْنَ اٰدَمَ هَلْ رَاَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ وَهَلْ مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ فَيَقُوْلُ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا مَرَّ بِيْ بُؤْسٌ قَطُّ وَلَا رَاَيْتُ شِدَّةً قَطُّ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے دن دوزخیوں میں سے ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ عیش و آرام کی زندگی گزارتا تھا (اور اپنے اس عیش و آرام سے بدمست ہو کر ظلم و جور میں بہت بڑھا ہوا تھا) پھر اس کو دوزخ میں ایک غوطہ دیا جائے گا (یعنی دوزخ میں ڈبویا جائے گا جس طرح کپڑا رنگ میں ڈبویا جاتا ہے) اور کہا جائے گا کہ اے ابن آدم! کیا تو نے دنیا میں کبھی کوئی راحت و بھلائی دیکھی تھی اور کوئی عیش و آرام اٹھایا تھا؟ وہ دوزخی (دوزخ میں ڈالے جانے کے ڈر سے اس قدر سہم جائے گا کہ دنیا کے ان تمام ناز و نعم اور ان تمام آسائش و راحت کو فراموش کر دے گا جو اس کو حاصل تھیں اور ایسا ظاہر کرے گا جیسے اس کو دنیا

میں کوئی راحت ونعمت نصیب ہی نہیں ہوئی تھی چنانچہ وہ) کہے گا کہ نہیں میرے پروردگار، خدا کی قسم (مجھے کوئی راحت ونعمت نصیب نہیں ہوئی تھی) اس طرح جنتیوں میں سے ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ غم والم اور مشقت وکلفت برداشت کرنے والا تھا، پھر اس کو جنت میں ایک غوطہ دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اے ابن آدم! کیا تو نے دنیا میں کوئی غم اٹھایا تھا، اور کسی مشقت وکلفت سے دوچار ہوا تھا؟ وہ جنتی (جنت کی نعمتیں اور راحتیں دیکھ کر اپنے دنیا کے تمام رنج وغم اور کلفت ومشقت بھول جائے گا اور) جواب دے گا کہ نہیں میرے پروردگار، خدا کی قسم میں نے (دنیا میں) کبھی کوئی رنج وغم نہیں دیکھا اور کوئی مشقت وکلفت نہیں اٹھائی۔" (مسلمؒ)

تشریح: جنتی کو چونکہ نہایت درجہ کی خوشی حاصل ہوگی اس لئے وہ جواب میں طوالت اختیار کرے گا اس کے برخلاف دوزخی مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو جائے گا۔

شرک کے خلاف انتباہ

⑥ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ لِاَهْوَنِ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَوْ اَنَّ لَكَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ اَكُنْتَ تَفْتَدِيْ بِهٖ فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيَقُوْلُ اَرَدْتُّ مِنْكَ اَهْوَنَ مِنْ هٰذَا وَاَنْتَ فِيْ صُلْبِ اٰدَمَ اَنْ لَّا تُشْرِكَ بِيْ شَيْئًا فَاَبَيْتَ اِلَّا اَنْ تُشْرِكَ بِيْ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دوزخیوں میں سے اس شخص سے جو سب سے ہلکے عذاب میں ہوگا فرمائے گا کہ اگر تیرے پاس روئے زمین کی چیزوں میں سے کوئی ایسی چیز ہوتی جس کو تو بدلہ میں دے سکتا (اور اس کے عوض دوزخ کے عذاب سے خواہ وہ کتنا ہی ہلکا ہو چھٹکارا پاسکتا، تو کیا تو ایسا کرتا وہ دوزخی کہے گا کہ ہاں (میں دنیا کی حاصل شدہ بڑی سے بڑی چیز بدلہ میں دے کر دوزخ کے عذاب سے چھٹکارا پانا چاہوں گا) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بدنصیب انسان) میں نے تو اسی وقت جب تو آدم کی پشت میں تھا، اس (بدلہ میں کوئی چیز دینے) سے بھی آسان وسہل چیز تیرے لئے طے کر دی تھی اور وہ یہ کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا، مگر تو اس سے مکر گیا (اور میرے احکام کی کوئی پابندی نہیں کی) یہاں تک کہ (بتوں وغیرہ کی پرستش وتعظیم کے ذریعہ میرا شریک ٹھہرا کر رہا، پس اب میں اس عذاب دوزخ کے بدلہ میں کوئی چیز قبول نہیں کروں گا خواہ تو دنیا کی تمام چیزیں ہی کیوں نہ لے آئے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: لفظی ترجمہ کے اعتبار سے اس جگہ اردت منک الخ کے معنی یہ ہوں گے کہ میں نے تجھ سے اس سے بھی آسان وسہل چیز چاہی تھی" اور مظہرؒ نے لکھا ہے کہ یہاں "ارادہ" کا لفظ "امر" کے معنی میں ہے (یعنی چاہنے سے مراد حکم دینا ہے) نیز ارادہ اور امر میں فرق یہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے سب اسی کے ارادے ومشیت سے ہوتا ہے جب کہ امر کا اطلاق کبھی اس چیز پر بھی ہوتا ہے جو اس کے ارادہ ومشیت کے خلاف ہو طیبیؒ یہ کہتے ہیں کہ زیادہ درست یہ ہے کہ یہاں "ارادہ" کو میثاق یعنی عہد لینے پر محمول کیا جائے جس کا ذکر قرآن کریم میں یوں فرمایا گیا ہے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ الخ اور اس کا قرینہ خود حدیث قدسی کے یہ الفاظ وَاَنْتَ فِيْ صُلْبِ اٰدَمَ ہیں (مکرنے) کو "عہد توڑنے" پر محمول کیا جائے۔

عذاب میں تفاوت و درجات

⑦ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى حُجْزَتِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى تَرْقُوَتِهٖ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "دوزخیوں میں سے کچھ لوگ وہ ہوں گے جن کے دونوں

ٹخنوں تک آگ ہوگی، کچھ لوگ ہوں گے جن کے دونوں زانوں تک آگ ہوگی کچھ لوگ وہ ہوں گے جن کی کمر تک آگ ہوگی اور کچھ لوگ وہ ہوں گے جن کی گردن تک آگ ہوگی۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ اہل دوزخ عذاب کے ہلکے اور سخت ہونے میں متفاوت ہوں گے جو دنیا میں جس درجہ کا بدعقیدہ اور بدعمل رہا ہوگا۔ اس کو اسی درجہ کا عذاب ہوگا۔

دوزخیوں کے جسم

⑧ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَابَیْنَ مَنْکِبَیِ الْکَافِرِ فِی النَّارِ مَسِیْرَۃُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ لِلرَّاکِبِ الْمُسْرِعِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ ضِرْسُ الْکَافِرِ مِثْلُ اُحُدٍ وَغِلَظُ جِلْدِہٖ مَسِیْرَۃُ ثَلٰثٍ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَذُکِرَ حَدِیْثُ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اِشْتَکَتِ النَّارُ اِلٰی رَبِّھَا فِیْ بَابِ تَعْجِیْلِ الصَّلٰوۃِ

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "دوزخ میں کافر کے جسم کو اس قدر موٹا اور فربہ بنادیا جائے گا کہ اس کے) دونوں مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ تیز رو سوار کی تین دن کی مسافت کے برابر ہوگا۔" اور ایک روایت میں یوں ہے کہ دوزخ میں کافر کا دانت احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور اس کے جسم کی کھال تین دن کی مسافت کے برابر موٹی ہوگی۔" (مسلمؒ) اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت اشتکت النار الی ربھا باب تعجیل الصلوۃ میں نقل کی جا چکی ہے۔"

تشریح: اس حدیث میں اہل دوزخ کے جسم کے پھیلاؤ اور مٹاپے کا ذکر ہے، جب کہ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ قیامت کے دن متکبرین کو میدان حشر میں اس حالت میں لایا جائے گا کہ ان کے جسم تو چیونٹیوں کے برابر ہوں گے اور ان کی صورتیں مردوں کی ہوں گی اور پھر انہیں ہانک کر قید خانہ میں لا یا جائے گا۔ پس ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ "متکبرین" سے مراد مؤمن گناہ گار ہیں جب کہ مذکورہ بالا حدیث میں "کفار" کا ذکر کیا گیا ہے لیکن زیادہ درست یہ کہنا ہے کہ ان کو میدان حشر میں تو چیونٹیوں ہی کے جسم میں لایا جائے گا جہاں وہ لوگوں کے تلووں تلے خوب روندے جائیں گے، اس کے بعد پھر ان کے بدن اپنی اصلی حالت میں آجائیں گے اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے، دوزخ میں ان کے بدن دوبارہ غیر معمولی ساخت کے ہو جائیں گے اور ان کا مٹاپا اور پھیلاؤ اتنا بڑھ جائے گا جس کا ذکر حدیث میں کیا گیا ہے نیز ان کے بدن کو اس قدر موٹا اور فربہ اس لئے کیا جائے گا تاکہ انہیں زیادہ سے زیادہ عذاب ہو سکے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوزخ کی آگ کا ذکر

⑨ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اُوْقِدَ عَلَی النَّارِ اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی احْمَرَّتْ ثُمَّ اُوْقِدَ عَلَیْھَا اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی ابْیَضَّتْ ثُمَّ اُوْقِدَ عَلَیْھَا اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی اسْوَدَّتْ فَھِیَ سَوْدَآءُ مُظْلِمَۃٌ (رواہ الترمذی)

"حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "کہ دوزخ کی آگ کو ایک ہزار برس جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی پھر ایک ہزار برس اور جلایا گیا جس سے وہ سیاہ ہوگئی ہے پس اب دوزخ کی آگ بالکل سیاہ و تاریک ہے (جس میں نام کو بھی روشنی نہیں ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی۔" یہ آگ کا خاصہ ہے کہ جب وہ دیر تک جلتی رہتی ہے اور خوب صاف و تیز ہو جاتی ہے تو بالکل سفید معلوم ہونے لگتی ہے، پہلے اس میں جو سرخی ہوتی ہے۔ وہ دھویں کی آمیزش کی وجہ سے ہوتی ہے۔

بہر حال یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دوزخ وجود میں آچکی ہے جیسا کہ اہل سُنّت والجماعت کا مسلک ہے۔ اس کے برخلاف معتزلہ کا مسلک یہی ہے کہ دوزخ ابھی تیار نہیں ہوئی ہے اور وجود میں نہیں ہے۔ اہل سُنّت والجماعت کی بڑی دلیل قرآن کی اس آیت وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ میں اُعِدَّتْ کا لفظ ہے جو ماضی کے صیغہ کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔

کافر دوزخی کی جسامت

(۱۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضِرْسُ الْكَافِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِثْلُ اُحُدٍ وَ فَخِذُهٗ مِثْلُ الْبَيْضَآءِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ مَسِيْرَةُ ثَلٰثٍ مِثْلُ الرَّبَذَةِ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن (دوزخ میں) کافر کے دانت احد پہاڑ کے برابر اور اس کی ران بیضا (پہاڑ کے برابر ہوگی، اور دوزخ میں اس کے بیٹھنے کی جگہ تین دن کی مسافت کے بقدر رہوگی جیسا کہ ربذہ ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "ربذہ" مدینہ کے قصبات میں سے ایک قصبہ تھا جو وہاں سے تین دن کی مسافت پر ذات عرق کے قریب واقع تھا۔ پس "جیسا کہ ربذہ ہے۔" سے مراد یہ ہے کہ کافر دوزخی اپنی لمبی چوڑی جسامت کی وجہ سے اپنے بیٹھنے میں اتنی جگہ گھیرے گا جتنی کہ مدینہ سے ربذہ تک کا فاصلہ ہے۔

(۱۱) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ غِلَظَ جِلْدِ الْكَافِرِ اثْنَانِ وَاَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وَاِنَّ ضِرْسَهٗ مِثْلُ اُحُدٍ وَاِنَّ مَجْلِسَهٗ مِنْ جَهَنَّمَ مَابَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "کافر دوزخی کی کھال بیالیس ہاتھ موٹی ہوگی، اس کے دانت احد پہاڑ کے برابر ہوں گے اور دوزخ میں اس کے بیٹھنے کی جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہوگی" (ترمذیؒ)

تشریح: ایک روایت میں "بیالیس ہاتھ" کی وضاحت کے لئے بذرع الجبار کے الفاظ بھی منقول ہیں یعنی ہاتھ بھی کونسا، ایک لمبے چوڑے شخص کا ہاتھ اوپر کی حدیث میں کافر دوزخی کے بیٹھنے کی جگہ مدینہ اور ربذہ کے درمیانی فاصلہ کے برابر بیان فرمائی گئی ہے جب کہ اس حدیث میں "مکہ اور مدینہ کے درمیانی فاصلہ" کا ذکر ہے؟ چنانچہ علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ مقدار کا یہ فرق واختلاف دراصل کافر دوزخیوں کو دیئے جانے والے عذاب میں فرق واختلاف کی بنیاد پر ہے کہ جو کافر سخت ترین عذاب کا مستوجب ہوگا اس کی جسامت بھی اسی اعتبار سے لمبی چوڑی ہوگی اور اسی لحاظ سے اس کے بیٹھنے کی جگہ بھی زیادہ لمبی چوڑی ہوگی، اور جو کافر نسبتاً ہلکے عذاب کا مستوجب ہوگا اس کی جسامت نسبتاً کم لمبی چوڑی ہوگی اور اسی لحاظ سے اس کے بیٹھنے کی جگہ بھی کم لمبی چوڑی ہوگی، اسی پر کھال وغیرہ کی مقدار کے اختلاف کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

(۱۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْكَافِرَ لَيُسْحَبُ لِسَانَهُ الْفَرْسَخَ وَ الْفَرْسَخَيْنِ يَتَوَطَّؤُهُ النَّاسُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "کافر (دوزخ میں) اپنی زبان تین تین اور چھ چھ کوس تک نکالے گا اور لوگ اس کو (اپنے پیروں سے) روندیں گے یعنی اس زبان پر چلیں پھریں گے۔ (احمدؒ، ترمذیؒ) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

دوزخ کا پہاڑ

(۱۳) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصَّعُوْدُ جَبَلٌ مِّنَ النَّارِ يَتَصَعَّدُ فِيْهِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا

وَّيُهْوٰى بِهٖ كَذٰلِكَ فِيْهِ اَبَدًا (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعید رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے: صَعُوْدٌ (جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت سارھقه صعودا۔ میں ہے) دوزخ میں ایک پہاڑ ہے جس پر کافر ستر برس تک چڑھایا جائے گا اور وہاں سے اسی طرح (ستر برس تک) گرایا جائے گا اور برابر یہی سلسلہ جاری رہے گا (یعنی کافر دوزخی ہمیشہ اس پہاڑ پر چڑھائے اور گرائے جاتے رہیں گے۔" (ترمذیؒ)

دوزخیوں کی غذا

⑭ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ قَوْلِهٖ كَالْمُهْلِ اَيْ كَعَكَرِ الزَّيْتِ فَاِذَا قُرِّبَ اِلٰى وَجْهِهٖ سَقَطَتْ فَرْوَةُ وَجْهِهٖ فِيْهِ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد (یعنی اس آیت اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ میں لفظ مھل کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ زیتون کی تلچھٹ کی طرح ایک چیز ہوگی، جب اس مھل) کو دوزخی کے منہ کے قریب لیجایا جائے گا تو (مارے گرمی کے) اس کے منہ کی کھال اس میں گر پڑے گی۔" (ترمذی)

گرم پانی کا عذاب

⑮ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَمِيْمَ لَيُصَبُّ عَلٰى رُؤُسِهِمْ فَيَنْفُذُ الْحَمِيْمُ حَتّٰى يَخْلَصَ اِلٰى جَوْفِهٖ فَيَسْلُتُ مَا فِيْ جَوْفِهٖ حَتّٰى يَمْرُقَ مِنْ قَدَمَيْهِ وَهُوَ الصَّهْرُ ثُمَّ يُعَادُ كَمَا كَانَ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب دوزخیوں کے سر پر گرم پانی ڈالا جائے گا تو وہ گرم پانی اندر کو اترتا ہوا پیٹ تک پہنچ جائے گا اور ان چیزوں کو کاٹ ڈالے گا جو پیٹ کے اندر ہیں (یعنی آنتیں وغیرہ) یہاں تک کہ وہ گرم پانی (پیٹ کے اندر کی چیزوں کو کاٹتا اور گلاتا ہوا پیروں کے راستہ سے باہر نکل جائے گا، اور "صہر" کے یہی معنی ہیں، پھر وہ دوزخی کہ جس کے ساتھ گرم پانی کا یہ عمل ہوگا) ویسا کا ویسا ہو جائے گا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "صہر" کے معنی گلنے اور پگھلنے کے ہیں اور یہ لفظ جس کی وضاحت آنحضرت ﷺ نے مذکورہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی، قرآن کریم کی اس آیت میں آیا ہے۔

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُؤُسِهِمُ الْحَمِيْمُ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ۔

"(اور) ان کے سر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑ دیا جائے گا، جس سے پیٹ کی چیزیں (یعنی انتڑیاں) اور ان کی کھالیں سب گل جاویں گی۔"

"پھر وہ ویسا کا ویسا ہی ہو جائے گا" کا مطلب یہ ہے کہ دوزخیوں کے ساتھ گرم پانی کا یہ عمل، عذاب کے طور پر مسلسل باقی رکھا جائے گا، یعنی اس عذاب کے بعد وہ اپنی سابق حالت پر واپس آجائیں گے ان کی کھال جوں کی توں ہو جائے گی اور ان کی آنتیں پیٹ میں اپنی اپنی جگہ صحیح سالم ہو جائیں گی، تب پھر ان کے سر پر وہی گرم پانی ڈالا جائے گا جو اندر تک تاثیر کرتا ہوا پیٹ تک پہنچے گا اور آنتوں وغیرہ کو کاٹتا گلاتا ہوا دونوں پیروں کے راستہ باہر نکل جائے گا، اسی طرح یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا اس کا ثبوت قرآن کریم کے ان الفاظ سے ملتا ہے۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا

دوزخیوں کے پینے کا پانی

⑯ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْلِهٖ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ يَّتَجَرَّعُهٗ قَالَ يُقَرَّبُ اِلٰى فِيْهِ

فَيَكْرَهُهُ فَاِذَا اُدْنِيَ مِنْهُ شَوَى وَجْهَهُ وَوَقَعَتْ فَرْوَةُ رَاسِهٖ فَاِذَا شَرِبَهُ قَطَّعَ اَمْعَآءَهُ حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْ دُبُرِهٖ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ وَيَقُوْلُ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ يَّتَجَرَّعُهٗ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ "جب وہ پانی اس (دوزخی) کے منہ کے قریب لایا جائے گا تو وہ بہت ناک بھوں چڑھائے گا اور پھر جب وہ پانی اس کے منہ میں ڈالا جائے گا تو اس کے منہ کے گوشت کو بھون ڈالے گا اور اس کے سر کی کھال گر پڑے گی، اور جب وہ (دوزخی) اس پانی کو پیئے گا (اور وہ پانی پیٹ میں پہنچے گا) تو آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا، پھر وہ پاخانہ کے راستے سے باہر نکل آئے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ اسی طرح (قرآن میں ایک اور جگہ یوں فرمایا گیا ہے وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ۔" (ترمذیؒ)

دوزخ کی چار دیواری

(۱۷) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِسُرَادِقِ النَّارِ اَرْبَعَةُ جُدُرٍ كِثَفُ كُلِّ جِدَارٍ مَسِيْرَةُ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعید خدری نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: دوزخ کے احاطہ کے لئے چار دیواریں ہوں گی جن میں سے ہر دیوار کی چوڑائی چالیس برس کی مسافت کے برابر ہوگی۔" (ترمذیؒ)

(۱۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ دَلْوًا مِّنْ غَسَّاقٍ يُهْرَاقُ فِي الدُّنْيَا لَاَنْتَنَ اَهْلَ الدُّنْيَا۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "دوزخیوں کے زخموں سے جو زرد پانی بہے گا (یعنی خراب خون اور پیپ) اگر اس کا ایک ڈول بھر کر دنیا میں انڈیل دیا جائے تو یقیناً تمام دنیا والے سڑ جائیں۔" (ترمذیؒ)

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ قَطْرَةً مِّنَ الزَّقُّوْمِ قُطِرَتْ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا لَاَفْسَدَتْ عَلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ مَعَايِشَهُمْ فَكَيْفَ بِمَنْ يَّكُوْنُ طَعَامَهٗ، رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دن) رسول کریم ﷺ نے یہ آیت اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا: اگر (دوزخ کے) زقوم یعنی تھوہر کے درخت کا ایک قطرہ بھی اس دنیا کے گھر میں ٹپک پڑے تو یقیناً دنیا والوں کے سامان زندگی کو تہس نہس کر دے پھر (سوچو) اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کی خوراک ہی زقوم ہوگی۔" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

تشریح: حق تقاتہ (جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے) کا مطلب یہ ہے، واجبات کو بجالانا اور سیئات سے پرہیز کرنا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے ان الفاظ کی تفسیر یوں بیان کی ہے کہ:

هو ان يطاع فلا يعصي ويشكر فلا يكفر ويذكر فلا ينسي۔

"وہ (اللہ سے ڈرنے کا حق) یہ ہے کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے اور کسی حال میں اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا

جائے، اور کسی بھی حال میں کفران نعمت نہ کیا جائے، اس کو یاد کیا جائے اور کسی بھی حال میں اس کو بھولا نہ جائے۔"

حاکم نے یہ تفسیر و وضاحت آنحضرت ﷺ سے نقل کی ہے، اسی طرح ابن مردویہ اور ابن حاتم نے بھی اور محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، بہر حال اگر یہ الفاظ حق تقاتہ کمال تقویٰ کو بیان کرنے کے لئے ہیں (یعنی یہ کہا جائے کہ "حق تقاتہ" سے مراد کمال تقویٰ ہے) تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں ہوگا اور اگر ان الفاظ کو اصل تقویٰ کی تعبیر قرار دیا جائے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ یہ آیت قرآن ہی کی اس دوسری آیت فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم کے ذریعہ منسوخ ہے کیونکہ اصل تقویٰ یعنی حق تعالیٰ سے اس کے مرتبہ کے لائق حیثیت بھلا کون بشر اختیار کر سکتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت کرنے کے بعد جو مضمون ارشاد فرمایا وہ اس آیت کے ساتھ کیا مناسبت رکھتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل تقویٰ، عذاب دوزخ سے سلامت و محفوظ رکھنے کا سبب ہے، اور تقویٰ اختیار نہ کرنا گویا عذاب دوزخ میں گرفتار ہونا ہے پس آنحضرت ﷺ نے اس مناسبت سے دوزخ کے بعض عذاب کا ذکر کرنا مناسب سمجھا۔

دوزخیوں کے منہ کی بدہیئتی

(۲۰) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَھُمْ فِیْھَا کَالِحُوْنَ قَالَ تَشْوِیْہِ النَّارُ فَتَقَلَّصُ شَفَتُہُ الْعُلْیَا حَتّٰی تَبْلُغَ وَسَطَ رَاْسِہٖ وَیَسْتَرْخِیْ شَفَتُہُ السُّفْلٰی حَتّٰی تَضْرِبَ سُرَّتَہٗ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعیدؓ، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے آیت قرآنی کے ان الفاظ) وھم کالحون کی وضاحت میں فرمایا کہ "دوزخ کی آگ کافر کے منہ (کے گوشت) کو بھون ڈالے گی جس سے اس کے اوپر کا ہونٹ اوپر کو سٹ جائے گا یہاں تک کہ سر کے درمیانی حصہ تک پہنچے گا اور نیچے کا ہونٹ لٹک جائے گا یہاں تک کہ ناف تک پہنچ جائے گا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: قرآن کی مذکورہ جس آیت میں ہے وہ پوری یوں ہے۔

تَلْفَحُ وُجُوْھَھُمُ النَّارُ وَھُمْ فِیْھَا کَالِحُوْنَ۔

"جہنم کی آگ ان دوزخیوں) کے چہروں کو جھلستی ہوگی اور اس (جہنم) میں ان کے چہرے بگڑے ہوں گے۔"

لفظ "کالح" سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس کا ہونٹ سکڑ کر اوپر چڑھ گیا ہو اور دانت کھل گئے ہوں۔ بعض مفسرین نے تو کالحون کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "ان کی تیوریاں چڑھی ہوئی ہوں گی" اور بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ ان کے دانت کھلے ہوں گے!" یہ دوسرا ترجمہ آنحضرت ﷺ کی مذکورہ وضاحت کے زیادہ مناسب ہے لیکن ان کے چہرے بگڑے ہوں گے" ایک ایسا ترجمہ ہے جس میں لغوی معنی اور آنحضرت ﷺ کی وضاحت، سب کی رعایت ہو جاتی ہے۔

دوزخی خون کے آنسو روئیں گے

(۲۱) وَعَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاَیُّھَا النَّاسُ ابْکُوْا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِیْعُوْا فَتَبَاکَوْا فَاِنَّ اَھْلَ النَّارِ یَبْکُوْنَ فِی النَّارِ حَتّٰی تَسِیْلَ دُمُوْعُھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ کَاَنَّھَا جَدَاوِلُ حَتّٰی یَنْقَطِعَ الدُّمُوْعُ فَتَسِیْلَ الدِّمَآءُ فَتَقَرَّحَ الْعُیُوْنَ فَلَوْاَنَّ سُفُنًا اُزْجِیَتْ فِیْھَا لَجَرَتْ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ

"اور حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا! "(لوگو (خدا کے خوف سے) روؤ، اور (رونا چونکہ اختیاری چیز نہیں ہے اس لئے) اگر تمہیں رونا نہ آئے تو بہ تکلف روؤ (یعنی ان احوال کا تصور کرو جو خوف خداوندی سے رلا دے اور رقت طاری کر دے) حقیقت یہ ہے کہ دوزخی جہنم میں روئیں گے اور ان کے آنسو خون بن کر ان کے رخساروں پر اس طرح بہیں گے گویا وہ نالیاں ہیں

اور جب ان کے آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون بہنا شروع ہو جائے گا اور آنکھیں لہو لہان ہو جائیں گی ان کی آنکھوں سے بہنے والے خون اور آنسو کی زیادتی اس درجہ کی ہوگی کہ، اگر ان کے آنسوؤں کے بہاؤ میں کشتیاں چھوڑ دی جائیں تو یقیناً وہ چلنے لگیں" اس روایت کو بغویؒ نے (اپنے اسناد کے ساتھ) شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔"

دوزخیوں کی حالت

(۲۲) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُلْقٰی عَلٰی اَھْلِ النَّارِ الْجُوْعُ فَیَعْدِلُ مَا ھُمْ فِیْہِ مِنَ الْعَذَابِ فَیَسْتَغِیْثُوْنَ فَیُغَاثُوْنَ لِطَعَامٍ مِنْ ضَرِیْعٍ لَّا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ فَیَسْتَغِیْثُوْنَ بِالطَّعَامِ فَیُغَاثُوْنَ بِطَعَامٍ ذِیْ غُصَّۃٍ فَیَذْکُرُوْنَ اَنَّھُمْ کَانُوْا یُجِیْزُوْنَ الْغُصَصَ فِی الدُّنْیَا بِالشَّرَابِ فَیَسْتَغِیْثُوْنَ بِالشَّرَابِ فَیُرْفَعُ اِلَیْھِمُ الْحَمِیْمُ بِکَلَالِیْبِ الْحَدِیْدِ فَاِذَا دَنَتْ مِنْ وُجُوْھِھِمْ شَوَتْ وُجُوْھَھُمْ فَاِذَا دَخَلَتْ بُطُوْنَھُمْ قَطَّعَتْ مَافِیْ بُطُوْنِھِمْ فَیَقُوْلُوْنَ ادْعُوْا خَزَنَۃَ جَھَنَّمَ فَیَقُوْلُوْنَ اَلَمْ تَکُ تَاْتِیْکُمْ رُسُلُکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا بَلٰی قَالُوْا فَادْعُوْا وَمَادُعٰٓؤُا الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ قَالَ فَیَقُوْلُوْنَ ادْعُوْا مَالِکًا فَیَقُوْلُوْنَ یٰمٰلِکُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّکَ قَالَ فَیُجِیْبُھُمْ اِنَّکُمْ مّٰکِثُوْنَ قَالَ الْاَعْمَشُ نُبِّئْتُ اَنَّ بَیْنَ دُعَآئِھِمْ وَاِجَابَۃِ مَالِکٍ اِیَّاھُمْ اَلْفَ عَامٍ قَالَ فَیَقُوْلُوْنَ ادْعُوْا رَبَّکُمْ فَلَا اَحَدٌ خَیْرٌ مِّنْ رَبِّکُمْ فَیَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَکُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْھَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ قَالَ فَیُجِیْبُھُمْ اخْسَئُوْا فِیْھَا وَلَا تُکَلِّمُوْنَ قَالَ فَعِنْدَ ذٰلِکَ یَئِسُوْا مِنْ کُلِّ خَیْرٍ وَعِنْدَ ذٰلِکَ یَاْخُذُوْنَ فِی الزَّفِیْرِ وَالْحَسْرَۃِ وَالْوَیْلِ قَالَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ وَالنَّاسُ لَا یَرْفَعُوْنَ ھٰذَا الْحَدِیْثَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دوزخیوں پر بھوک اس طرح مسلط کر دی جائے گی کہ اس بھوک کی اذیت اس عذاب کے برابر ہوگی جس میں وہ دوزخی پہلے سے گرفتار ہوں گے چنانچہ وہ بھوک کی اذیت سے بے تاب ہو کر فریاد کریں گے اور ان کی فریاد رسی ضریع کے کھانے کے ذریعہ کی جائے گی جو نہ فربہ کرے گا نہ بھوک کو دفع کرے گا پھر وہ۔ (پہلے کھانے کو لاحاصل دیکھ کر) دوسری مرتبہ فریاد کریں گے اور اس مرتبہ ان کی فریاد رسی گلے میں پھنسی جانے والے کھانے کے ذریعہ کی جائے گی، اس وقت ان کو یہ یاد آئے گا کہ جب (دنیا میں) کھاتے وقت ان کے گلے میں کوئی چیز پھنس جاتی تھی تو اس کو وہ کسی پینے والی چیز سے نیچے اتارتے تھے، چنانچہ وہ (اپنے گلے میں پھنسے ہوئے کھانے کو اتارنے کے لئے) کسی پینے والی چیز کی التجا کریں گے، تب ان کو تیز گرم پانی دیا جائے گا جس کو زنبوروں کے ذریعہ پکڑ کر اٹھایا جائے گا (یعنی جن برتنوں میں وہ تیز گرم پانی ہوگا وہ زنبوروں کے ذریعہ پکڑ کر اٹھائے جائیں گے اور اٹھانے والے یا تو فرشتے ہوں گے یا براہ راست دست قدرت ان کو اٹھا کر دوخیوں کے منہ کو لگائے گا) اور جب گرم پانی کے وہ برتن ان کے مونہوں تک پہنچیں گے تو ان کے چہروں (کے گوشت) کو بھون ڈالیں گے اور جب ان برتنوں کے اندر کی چیز (جو ان کو پینے کے لئے دی جائیں گی جیسے پیپ پیلا پانی وغیرہ) ان کے پیٹ میں داخل ہوگی تو پیٹ کے اندر کی چیزوں (یعنی آنتوں وغیرہ) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی پس اس صورت حال سے بیتاب ہو کر" وہ دوزخی (جہنم پر متعین فرشتوں سے) کہیں گے اے دوزخ کے سنتریو! اللہ تعالیٰ سے دعا کرو (کہ کم سے کم ایک ہی دن کے لئے ہمارے اوپر مسلط اس عذاب کو ہلکا کر دے۔) دوزخ کے سنتری جواب دیں گے کہ (اب ہم سے دعا کے لئے کہتے ہو) کیا خدا کے رسول خدائی معجزے اور واضح دلیلیں لے کر تمہارے پاس نہیں آئے تھے (اور تم سے یہ نہ کہتے تھے کہ کفر و سرکشی کی راہ چھوڑ کر خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کا راستہ اختیار کر لو تاکہ کل آخرت میں دوزخ کے سخت عذاب سے محفوظ رہ سکو!؟) وہ کہیں گے کہ بے شک (خدا کے رسول) ہمارے پاس آئے تھے اور ان کی تعلیمات ہم تک پہنچی تھی، لیکن وائے افسوس ہم گمراہی میں پڑے رہے اور ایمان و سلامتی کی راہ اختیار نہ کر سکے) دوزخ کے سنتری کہیں گے کہ پھر تو تم خود ہی دعا کرو (اور اپنا معاملہ سمجھو ہم تو تمہاری شفاعت کرنے سے رہے) اور کافروں

کی دعا زبان کاری و بے فائدگی کے علاوہ کچھ نہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "دوزخی (جب جہنم کے سنتریوں سے دعا و شفاعت کرنے میں ناکام ہو جائیں گے اور انہیں سخت مایوسی کا منہ دیکھنا پڑے گا تو وہ یقین کر لیں گے کہ ہمیں عذاب خداوندی سے نجات ملنے والی نہیں ہے، پھر کیوں نہ موت ہی مانگی جائے چنانچہ وہ آپس میں کہیں گے کہ مالک یعنی داروغہ جنت سے مدد کی درخواست کرو! اور پھر وہ التجا کریں گے کہ اے مالک! اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ ہمیں موت دے دے (تاکہ ہمیں آرام مل جائے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "دوزخیوں کی التجا سن کر) مالک خود اپنی طرف سے یا پروردگار کی طرف سے) جواب دے گا کہ (اس دوزخ سے نجات یا موت کا خیال چھوڑ دو) تمہیں ہمیشہ ہمیشہ یہیں اور اسی عذاب میں گرفتار رہنا ہے۔" حضرت اعمشؒ (جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں) کہتے ہیں کہ بعض صحابہؓ نے (بطریق مرفوع یا موقوف) مجھ سے بیان کیا کہ مالک سے ان دوزخیوں کی التجا اور مالک کی طرف سے ان کو جواب دینے کے درمیان ایک ہزار برس کا وقفہ ہوگا (یعنی وہ دوزخی مالک سے التجا کرنے کے بعد ایک ہزار سال تک جواب کا انتظار کرتے رہیں گے اور اس دوران بھی اس عذاب میں مبتلا رہیں گے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا! "پھر وہ دوزخی (آپس میں) کہیں گے کہ اب ہمیں براہ راست اپنے پروردگار ہی سے اپنی نجات کی التجا کرنی چاہئے کیونکہ وہی قادر مطلق، رحیم و کریم اور غفار ہے) ہمارے حق میں بھلائی و بہتری کرنے والا اس پروردگار سے بہتر اور کوئی نہیں، چنانچہ وہ التجا کریں گے کہ ہمارے پروردگار! ہماری بدبختی نے ہمیں گھیر لیا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم (توحید کے راستہ سے) بھٹک گئے تھے، اے پروردگار! ہمیں دوزخ (اور یہاں کے عذاب) سے رہائی عطا فرما دے، اگر ہم اس کے بعد بھی کفر و شرک کی طرف جائیں تو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جواب دے گا! "دور ہو کمبختو، کتوں کی طرح ذلیل و خوار رہو اور) اسی دوزخ میں پڑے رہو اور (رہائی و نجات کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرو (تمہاری گلو خلاصی ہرگز نہیں ہو سکتی)۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، "آخر کار وہ دوزخی ہر بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے اور تب وہ حسرت اور نالہ و فریاد کرنے لگیں گے۔" حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ (جو اس حدیث کے راوی ہیں) کہتے ہیں کہ "اس حدیث کو مرفوع قرار نہیں دیا جاتا۔" لیکن ترمذیؒ نے اس حدیث کو (مرفوع) نقل کیا ہے (جیسا کہ روایت کے ابتدائیہ سے معلوم ہوتا ہے۔"

تشریح: "اس بھوک کی اذیت اس عذاب کے برابر ہوگی......الخ کا مطلب یہ ہے کہ ان پر جو بھوک مسلط کی جائے گی اس کی دردناکی، دوزخ کے اور تمام عذاب کی دردناکیوں کے برابر ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھوک کی آگ دوزخ کی آگ کی مانند ہے۔

اور ان کی فریاد رسی ضریع کے کھانے کے ذریعہ کی جائے گی۔" جب وہ دوزخی بھوک سے بیتاب ہو کر کچھ کھانے کو مانگیں گے تو ان کو کھانے کے لئے ضریع دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ "ضریع" ایک خاردار جھاڑ کو کہتے ہیں جو حجاز میں ہوتا ہے، یہ ایک ایسی زہریلی اور کڑوی گھاس ہوتی ہے جس کے پاس کوئی جانور بھی نہیں پھٹکتا، اور اگر کوئی جانور اس کو کھالیتا ہے تو مر جاتا ہے۔ بہر حال یہاں حدیث میں "ضریع سے مراد آگ کے کانٹے ہیں جو ایلوے سے زیادہ کڑوے مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ بدبودار ہوں گے۔

"فربہ کرے گا اور نہ بھوک دفع کرے گا" یہ دراصل قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝۔

"(اور) ان (دوزخیوں) کو ایک خاردار جھاڑ کے سوا اور کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا جو نہ تو کھانے والوں کو فربہ کرے گا اور نہ ان کی بھوک کو دفع کرے گا۔"

"گلے میں پھنس جانے کے ذریعہ فریاد رسی" کا مطلب یہ ہے کہ دوسری مرتبہ ان کو کھانے کے لئے ہڈی یا آگ کے کانٹے وغیرہ کی طرح کی ایسی چیزیں دی جائیں گی۔" جو گلے میں جا کر پھنس جائیں گی کہ نہ حلق سے نیچے اتر سکیں گی، اور نہ باہر آسکیں گی پس حدیث کے اس جملہ میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّ لَدَيۡنَآ اَنۡكَالًا وَّجَحِيۡمًا وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيۡمًا

"حقیقت یہ ہے کہ (کفر وشرک کرنے والوں کے لئے) ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں، اور (دوزخ کی) بھڑکتی آگ ہے) اور گلے میں پھنس جانے والا ہے اور دردناک عذاب ہے۔"

حدیث کے یہ الفاظ وما دعاء الکافرین الا فی ضلال۔ (اور کافروں کی دعا زیاں کاری و بے قاعدگی کے علاوہ کچھ نہیں) بھی دراصل قرآن ہی کے الفاظ ہیں اور ان کی دعا کو زیاں کاری سے تعبیر اس لئے کیا گیا ہے کہ اس وقت ان کے حق میں کوئی بھی دعا و شفقت کارگر نہیں ہوگی، خواہ وہ خود دعا کریں اور گڑگڑائیں یا کسی اور سے دعا و شفاعت کرائیں لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ کافر و مشرک کی دعا اس دنیا میں بھی قبول نہیں ہوتی جیسا کہ قرآن و حدیث کے ان الفاظ سے بعض حضرات نے نتیجہ اخذ کیا ہے، حقیقت حال تو یہ ہے کہ اس دنیا میں شیطان تک کی درخواست جو اس نے اپنی عمر کی درازی کے لئے کی تھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ہے پھر کافر کی دعا قبول کیوں نہیں ہو سکتی، بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرے۔

غلبت علینا شقوتنا (ہماری بدبختی نے ہمیں گھیر لیا) میں شقوۃ شین کے زیر اور قاف کے جزم کے ساتھ ہے اور یہ لفظ شقاوۃ (شین کے زبر کے ساتھ) بھی پڑھا گیا ہے، دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی "بدبختی" جو "سعادت" (نیک بختی) کی ضد ہے۔ مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ہماری تقدیر کہ جس میں ہمارا خاتمہ بد لکھ دیا گیا، پوری ہو کر رہی اور ہم خود اپنی بدبختی کا شکار ہو گئے۔

اگر ہم اس کے بعد بھی کفر و شرک کی طرف جائیں........الخ۔ "کافر دوزخیوں کا یہ کہنا بھی مکر و کذب پر مبنی ہوگا جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَاِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ

"اور اگر یہ لوگ پھر (دنیا میں) واپس بھی بھیج دیئے جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔"

یاخذون فی الزفیر والحسرۃ والویل (حسرت و نالہ و فریاد کرنے لگیں گے) میں لفظ زفیر کے اصل معنی ہیں۔ "گدھے کا سانس اندر لے جانا جیسا کہ شھیق کے معنی "گدھے کا سانس باہر نکالنا" یا یہ کہ جب گدھا رینگنا شروع کرتا ہے تو پہلے اس کی آواز باریک اور چھوٹی نکلتی ہے جس کو "زفیر" کہا جاتا ہے اور آخر میں اس کی آواز تیز اور بڑی ہو جاتی ہے اس کو شھیق سے تعبیر کیا جاتا ہے، حدیث کے ان الفاظ میں قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

لَهُمۡ فِيۡهَا زَفِيۡرٌ وَّشَهِيۡقٌ۔

"دوزخ میں گدھے کی چھوٹی اور بڑی آواز کی طرح ان دوزخیوں کی چیخ و پکار پڑی رہے گی۔"

بہرحال حدیث کے اس آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ دوزخی جب بارگاہ خداوندی کا جواب سن لیں گے تو وہ بالکل مایوس و ناامید ہو جائیں گے کہ دوزخ کے سنتریوں کو پکارنا کچھ سودمند نہ ہو داروغہ دوزخ سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے موت ہی دلوادے اس کا بھی فائدہ نہ ہوا آخر میں بارگاہ خداوندی میں روئے گڑگڑائے وہاں بھی کوئی بات قبول نہیں ہوئی، اب کہاں جائیں، کس کے سامنے فریاد کریں۔ ایسے میں وہ بے معنی آوازوں اور بے ہنگم صداؤں میں نالہ و فریاد اور چیخ و پکار کرنے لگیں گے جیسا کہ مایوسی کے عالم میں ہوتا ہے۔

روایت کے آخر میں ان الفاظ "اس حدیث کو مرفوع قرار نہیں دیا جاتا۔" کا مطلب یہ ہے کہ بعض محدثین کے نزدیک یہ حدیث آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی نہیں ہے بلکہ حضرت ابودرداءؓ کا اپنا بیان ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث بہرصورت مرفوع حدیث

یعنی آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی ہی کے حکم میں ہے کیونکہ اس کے احوال، دوزخیوں کی گفتگو اور دوزخ کے عذاب وغیرہ سے متعلق جو مضمون ہے وہ کوئی بھی صحابیؓ آنحضرت ﷺ سے سنے بغیر اپنی طرف سے بیان کر ہی نہیں سکتا۔

عذاب دوزخ سے آگاہی

(۴۳) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ اَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ فَمَا زَالَ يَقُوْلُهَا حَتّٰى لَوْ كَانَ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا سَمِعَهٗ اَهْلُ السُّوْقِ وَحَتّٰى سَقَطَتْ خَمِيْصَةٌ كَانَتْ عَلَيْهِ عِنْدَ رِجْلَيْهِ۔

(رواہ الدارمی)

"اور حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا "(لوگو!) میں نے تم کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا، میں نے تم کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا۔" آپ ﷺ یہ الفاظ بار بار فرما رہے تھے (اور ایک عجیب کیفیت کے عالم میں جھوم جھوم کر اتنی بلند آواز سے فرما رہے تھے کہ) اگر آپ اس جگہ تشریف فرما ہوتے جہاں اس وقت میں بیٹھا ہوں تو یقیناً آپ ﷺ کی آواز بازار والے سنتے یہاں تک کہ اس وقت (اس جھومنے کی وجہ سے آپ ﷺ کی کالی کملی، جو کاندھے پر پڑی تھی پیروں میں گر پڑی تھی۔"

تشریح: "میں نے تم کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا۔" کا مطلب یہ تھا کہ میں نے تم کو عذاب دوزخ کے وقوع پذیر ہونے کی خبر دی۔ اس عذاب کی شدت و سختی سے آگاہ کر دیا کھول کھول کر یہ بیان کر دیا کہ عقیدہ و عمل کا کونسا راستہ دوزخ کی طرف لیجاتا ہے اور کونسا راستہ اس سے بچاتا ہے اور میں نے کتنی ہی وہ مختلف صورتیں بتا دی ہیں جن کو تم اپنی استطاعت و طاقت کے بقدر اختیار کر کے دوزخ کی آگ سے محفوظ رہ سکتے ہو، میں نے یہاں تک کہا ہے کہ اتقوا النار ولو بشق تمرة۔ یعنی (صدقہ و خیرات دوزخ سے بچانے والے ہے) اگر تم کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ و خیرات کر سکتے ہو تو وہی صدقہ و خیرات کر کے دوزخ کی آگ سے بچو اب اگر اس کے بعد بھی تم میں سے کوئی شخص دوزخ کے عذاب سے نہیں ڈرتا اور ایسے راستے اختیار کرتا ہے جو اس کو سیدھا دوزخ میں لے جانے والے ہیں، تو وہ شخص جانے۔

دوزخیوں کو باندھنے کی زنجیر

(۴۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ رَصَاصَةً مِّثْلُ هٰذِهٖ وَاَشَارَ اِلٰى مِثْلِ الْجُمْجُمَةِ اُرْسِلَتْ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ وَهِيَ مَسِيْرَةُ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ لَبَلَغَتِ الْاَرْضَ قَبْلَ اللَّيْلِ وَلَوْ اَنَّهَا اُرْسِلَتْ مِنْ رَاْسِ السِّلْسِلَةِ لَسَارَتْ اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ قَبْلَ اَنْ تَبْلُغَ اَصْلَهَا اَوْ قَعْرَهَا (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "اگر سیسہ (رانگے) کا ایک گولہ جو اس جیسا ہو۔ اور آپ ﷺ نے (سر کی طرف) اشارہ کیا کہ کھوپڑی جیسا ہو۔ (یعنی سیسے کا وہ گولہ جو کھوپڑی کی طرح گول اور بھاری ہونے کی وجہ سے نہایت سرعت کے ساتھ لڑھکنے والا ہو) آسمان سے زمین کی طرف پھینکا جائے، جس کا درمیانی فاصلہ پانچ سو برس کی مسافت کے برابر ہے تو یقیناً وہ (گولا) ایک رات گزرنے سے پہلے (یعنی بہت مختصر مدت میں) زمین پر پہنچ جائے لیکن اگر وہ گولہ زنجیر کے سرے سے چھوڑا جائے تو چالیس سال تک مسلسل دن و رات لڑھکنے کے باوجود اس زنجیر کی جڑ یعنی اس کے آخری سرے تک یا یہ فرمایا کہ اس کی تہ تک نہ پہنچے۔" (ترمذی)

تشریح: "زنجیر" سے مراد وہ زنجیر ہے جس میں کافر دوزخی اس طرح جکڑا جائے گا کہ وہ اس کی مقعد میں ڈال کو نتھنوں میں سے نکالی جائے گی، اس زنجیر کا ذکر قرآن کریم کے ان الفاظ میں ہے۔

ثم فِيْ سلسلة ذرعها سبعون ذراعا فاسلكوه۔

"پھر (فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس (دوزخی) کو ایک زنجیر میں جکڑ دو جس کی لمبائی ستر گز ہے۔"

اس موقع پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن کی رو سے اس زنجیر کی لمبائی ستر گز ہوگی تو وہ اس قدر مسافت کے برابر کیسے ہو سکتی ہے جس کا ذکر حدیث میں کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ستر گز" سے مخصوص عدد اور زنجیر کی متعین لمبائی مراد نہیں ہے بلکہ اس عدد سے (کثرت و مبالغہ" مراد ہے، دوسرے یہ کہ اس جہان کے گز کو اس دنیا کے گز پر قیاس نہ کرنا چاہئے، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہاں کا گز کتنا لمبا ہوگا اور اس کی کیا صورت ہوگی۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے۔ آخرت کے "قیراط" کو احد پہاڑ کے برابر فرمایا گیا ہے۔

ایک بزرگ نوف بکالیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: ستر گز اس طرح کے ہوں گے کہ) ہر گز دو ہتوں کے برابر ہوگا اور ہر دو ہتا اس فاصلہ کے برابر لمبا ہوگا جو اس جگہ (کوفہ) اور مکہ کے درمیان ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس گز کی مقدار کیا ہوگی۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس زنجیر میں کافر دوزخی کو جکڑا جائے گا اگر اس کی لمبائی کا اندازہ لگانا چاہو تو اس سے لگاؤ کہ اگر ایک سیسے کا گولہ آسمان سے چھوڑا جائے اور باوجودیکہ زمین و آسمان کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت کے برابر فاصلہ ہے وہ گولہ بہت تھوڑی سی دیر میں زمین پر پہنچ جائے گا کیونکہ گول اور بھاری چیز اوپر سے نیچے کو بہت جلدی آتی ہے لیکن اگر وہی گولہ اس زنجیر کے ایک سرے سے لڑھکایا جائے اور آسمان سے زمین پر آنے والی اسی تیز رفتاری کے ساتھ چالیس سال تک لڑھکتا رہے تب بھی اس زنجیر کے دوسرے سرے تک پہنچ نہیں پائے گا۔

دوزخ کا ہبہب نالہ

(۲۵) وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ فِیْ جَهَنَّمَ لَوَادِیًا یُّقَالُ لَهٗ هَبْهَبُ یَسْکُنُهٗ کُلُّ جَبَّارٍ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت ابوبردہؒ (تابعی) اپنے والد (حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "دوزخ میں ایک نالا ہے جس کا نام ہبہب ہے اس نالہ میں ہر اس شخص کو رکھا جائے گا جو متکبر و سرکش، حق سے دور مخلوق پر سختی کرنے والا ہے۔" (دارمی)

تشریح: "هبهب" کے اصل معنی تیزی و جلدی" کے ہیں اور مذکورہ نالہ کو "هبهب" کا نام اسی مناسبت سے دیا گیا ہے کہ ایک تو اس نالہ میں بھڑکنے والی آگ سے بہت تیز شعلے اٹھتے ہیں دوسرے یہ کہ اس نالہ میں ڈالے جانے والے گنہگاروں کو عذاب بڑی سرعت کے ساتھ ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

دوزخیوں کی طویل و عریض جسامت

(۲۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَعْظُمُ اَهْلُ النَّارِ فِی النَّارِ حَتّٰی اَنَّ بَیْنَ شَحْمَةِ اُذُنِ اَحَدِهِمْ اِلٰی عَاتِقِهٖ مَسِیْرَةُ سَبْعِ مِائَةِ عَامٍ وَّاِنَّ غِلَظَ جِلْدِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا وَّاِنَّ ضِرْسَهٗ مِثْلُ اُحُدٍ۔

"حضرت ابن عمرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ دوزخ میں دوزخیوں کے بدن بہت بڑے بڑے ہو جائیں گے (جس سے ان کو عذاب بھی زیادہ معلوم ہوگا یہاں تک کہ ایک دوزخی کے کان کی لو سے اس کے کاندھے تک کا فاصلہ سات سو سال کی مسافت کے برابر ہوگا اس کی کھال کی موٹائی ستر گز کی ہوگی اور اس کے دانت احد پہاڑ کے برابر ہوں گے۔"

دوزخ کے سانپ بچھو

(۲۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي النَّارِ حَيَّاتٍ كَاَمْثَالِ الْبُخْتِ تَلْسَعُ اِحْدٰهُنَّ اللَّسْعَةَ فَيَجِدُ حَمْوَتَهَا اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا وَّاِنَّ فِي النَّارِ عَقَارِبَ كَاَمْثَالِ الْبِغَالِ الْمُؤْكَفَةِ تَلْسَعُ اِحْدٰهُنَّ اللَّسْعَةَ فَيَجِدُ حَمْوَتَهَا اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا (رواہما احمد)

"اور حضرت عبداللہ بن حارث بن جزءؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "دوزخ میں بختی اونٹ کے برابر (بہت بڑے بڑے) سانپ ہیں ان میں سے جو سانپ ایک دفعہ بھی جس کو ڈس لے گا وہ اس کے زہر کی ٹیس ولہر اور درد کی شدت میں چالیس سال تک مبتلا رہے گا اس طرح دوزخ میں جو بچھو ہیں وہ پالان بندھے خچروں کے مانند ہیں اور ان میں سے جو بچھو ایک دفعہ جس کو ڈنگ مارے گا وہ اس کی لہر اور درد کی شدت میں چالیس سال تک مبتلا رہے گا۔" (ان دونوں روایتوں کو احمدؒ نے نقل کیا ہے۔"

چاند و سورج سپرد آگ کر دیئے جائیں گے

(۲۸) وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْهُرَيْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ثَوْرَانِ مُكَوَّرَانِ فِي النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ الْحَسَنُ وَمَا ذَنْبُهُمَا فَقَالَ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَكَتَ الْحَسَنُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ۔

"اور حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے ہم سے رسول کریم ﷺ کی یہ حدیث بیان کی کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) "قیامت کے دن سورج اور چاند کو پنیر کے دو ٹکڑوں کی طرح لپیٹ کر (دوزخ کی آگ) میں ڈال دیا جائے گا حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ (میں نے یہ حدیث سن کر حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ) آخر سورج و چاند کیا گناہ کرتے ہیں (کہ ان کو آگ کے سپر کر دیا جائے گا حضرت ابوہریرہؓ نے جواب دیا۔ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ رسول کریم ﷺ کی حدیث ہے۔ حضرت حسنؒ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ اس روایت کو بیہقیؒ نے کتاب البعث والنشور میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے مذکورہ جواب کے ذریعہ گویا حضرت حسنؒ کو متنبہ کیا کہ تم قیاس کو صریح نص (یعنی حدیث کے مقابل کر رہے ہو، اور یہ سمجھ رہے ہو کہ دخول دوزخ کا اصل موجب عمل ہے حالانکہ اصل چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔ یہ بات طیبیؒ نے لکھی ہے لیکن زیادہ درست یہ وضاحت ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کے کہنے کا مقصد گویا، اس خواہش کا اظہار تھا کہ حضرت ابوہریرہؓ وہ حکمت بھی بیان کر دیں جو سورج و چاند کو دوزخ کی آگ کے سپرد کیے جانے کے پیچھے کار فرما ہوگی، اور حضرت ابوہریرہؓ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے جو کچھ سنا اس کو تمہارے سامنے بیان کر دیا اس سے زیادہ مجھے بھی کچھ معلوم نہیں۔

ویسے بعض علماء نے لکھا ہے کہ سورج و چاند کو دوزخ میں اس لئے ڈالا جائے گا کہ دوزخ کی آگ میں ان دونوں کی حرارت و تمازت بھی شامل ہو جائے اور دوزخیوں پر عذاب کی شدت اور بڑھ جائے دیلمیؒ نے مسند فردوس میں حضرت عمرؓ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ سورج اور چاند کا رخ عرش کی طرف ہے اور ان کی پشت دنیا کی طرف ہے۔" اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ان دونوں کا رخ دنیا کی طرف ہوتا تو دنیا والے ان کی حرارت و تمازت ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے! اور بعض نے یہ لکھا ہے کہ مشرک چونکہ چاند و سورج کی پوجا کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان دونوں کو دوزخ میں جھونک کر مشرکین کو شرمندہ کرے گا کہ تم لوگ جن چیزوں کو خدا مانتے تھے اب دیکھو ان کا کیا حال ہے۔

شقی کون ہے؟

(۲۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ النَّارَ اِلَّا شَقِیٌّ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنِ الشَّقِیُّ قَالَ مَنْ لَّمْ یَعْمَلْ لِلّٰهِ بِطَاعَةٍ وَّلَمْ یَتْرُكْ لَهٗ بِمَعْصِیَةٍ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "دوزخ میں وہی شخص ڈالا جائے گا جو شقی یعنی بدبخت ہے" پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! کون شقی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "شقی وہ ہے جو نہ تو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خاطر (فرض و واجب) عبادت و طاعات اختیار کرے اور نہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے (یعنی اس کے خوف سے) گناہ و معصیت ترک کرے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: "شقی" کا لفظ عام مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے یعنی اس سے کافر بھی مراد ہے اور مسلمان فاجر بھی۔

بَابُ خَلْقِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ
جنت اور دوزخ کی تخلیق کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل ہوں گی جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جنت اور دوزخ کی تخلیق ہو چکی ہے اور وہ موجود ہیں جیسا کہ اہل سُنّت والجماعت کا مسلک ہے، اس کے برخلاف مسلمانوں میں ہی کے بعض گمراہ فرقے کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ کی ابھی تخلیق نہیں ہوئی ہے اور یہ دونوں قیامت کے دن ہی عالم وجود میں آئیں گی، نیز اس باب میں وہ احادیث بھی شامل ہیں جن میں ان دونوں سے متعلق بعض خصوصیات کا ذکر ہے اور یہ بیان ہے کہ کس کے لئے جنت پیدا کی گئی ہے اور کس کے لئے دوزخ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

جنت اور دوزخ کی شکایت

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَحَاجَتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَقَالَتِ النَّارُ اُوْثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِیْنَ وَالْمُتَجَبِّرِیْنَ وَقَالَتِ الْجَنَّةُ فَمَالِیْ لَا یَدْخُلُنِیْ اِلَّا ضُعَفَآءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ وَغِرَّتُهُمْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لِلْجَنَّةِ اِنَّمَا اَنْتِ رَحْمَتِیْ اَرْحَمُ بِكِ مَنْ اَشَاءُ مِنْ عِبَادِیْ وَقَالَ لِلنَّارِ اِنَّمَا اَنْتِ عَذَابِیْ اُعَذِّبُ بِكِ مَنْ اَشَاءُ مِنْ عِبَادِیْ وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْكُمَا مِلْئُوْهَا فَاَمَّا النَّارُ فَلَا تَمْتَلِئُ حَتّٰی یَضَعَ اللّٰهُ رِجْلَهٗ تَقُوْلُ قَطْ قَطْ فَهُنَالِكَ تَمْتَلِئُ وَیُزْوٰی بَعْضُهَا اِلٰی بَعْضٍ فَلَا یَظْلِمُ اللّٰهُ مِنْ خَلْقِهٖ اَحَدًا وَاَمَّا الْجَنَّةُ فَاِنَّ اللّٰهَ یُنْشِئُ لَهَا خَلْقًا (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جنت و دوزخ نے آپس میں بحث و تکرار کی چنانچہ دوزخ نے تو یہ کہا کہ مجھے سرکش و متکبر اور ظالموں کے لئے چھانٹا گیا ہے اور جنت نے یہ کہا کہ میں اپنے بارہ میں کیا کہوں میرے اندر بھی تو وہی لوگ داخل ہوں گے جو ضعیف و کمزور ہیں۔ لوگوں کی نظروں میں گرے ہوئے ہیں اور جو بھلے بھالے اور فریب میں آجانے والے ہیں۔ (یہ سن کر) اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: "تو میری رحمت کے اظہار کا ذریعہ اور میرے کرم کی آماجگاہ کے علاوہ کچھ نہیں میں اپنے بندوں سے جس کو اپنی رحمت سے نوازنا چاہتا ہوں اس کے لئے تجھے ہی ذریعہ بناتا ہوں۔" اور دوزخ سے فرمایا: "تو میرے عذاب کا محل و مظہر ہونے کے علاوہ کچھ نہیں میں اپنے بندوں میں سے جس کو عذاب دینا چاہتا ہوں اس کے لئے تجھے ہی ذریعہ بناتا ہوں اور میں تم دونوں ہی کو لوگوں سے بھر دوں گا البتہ دوزخ کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوگا کہ وہ اس وقت تک نہیں بھرے گی جب تک کہ اس پر اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں نہ رکھ دے گا، چنانچہ جب اللہ

تعالیٰ اپنا پاؤں رکھدے گا تو) دوزخ پکار اٹھے گی کہ بس، بس، بس، اس وقت دوزخ (اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بھر جائے گی اور اس کے حصوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا جائے گا (پس وہ سمٹ جائے گی) مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا رہا جنت کا معاملہ تو (اس کے بھرنے کے لئے) اللہ تعالیٰ نئے لوگ پیدا کر دے گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "جنت و دوزخ نے آپس میں بحث و تکرار کی۔" کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں نے گویا اپنے اپنے بارے میں ایک طرح کا شکوہ شکایت کیا، دوزخ کا کہنا اگر یہ تھا کہ سرکش و ظالم لوگوں کے لئے مجھے ہی کیوں مخصوص کیا گیا تو جنت نے یہ کہا کہ میرا معاملہ بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے میرے اندر بھی تو انہی لوگوں کو داخل کیا جائے گا دنیا میں جن کی کوئی شان و شوکت نہیں ہے اور کمزور جسم لاغر بدن خستہ حال و مفلس اور لوگوں کی نظروں میں بے وقعت ہیں۔ ان دونوں کا شکوہ سن کر اللہ تعالیٰ نے ان پر واضح کیا کہ تم میں سے کسی کا بھی اس کے علاوہ کوئی معاملہ نہیں کہ تم دونوں کو محض میری مشیت اور مصلحت کے نتیجہ میں وجود میں لایا گیا ہے کہ میں نے ایک کو اپنی رحمت اور لطف و کرم کا اور دوسری کو اپنے قہر و غضب کا محل و مظہر بنایا پس مؤمن اور کافر کی طرح تم دونوں بھی، یعنی جنت و دوزخ دراصل خدائی جمال و جلال کے مظاہر کا نقطہ کمال ہو اور تم دونوں میں سے کسی کو بھی ایسی کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے جس سے دوسرے کے مقابلہ پر اس کی فضیلت و برتری ظاہر ہو اگرچہ اتنی بات ضرور ہے کہ دوزخ کے معاملات کا تعلق "عدل و انصاف" سے جڑا ہوا ہے، اور جنت کے معاملات "فضل و کرم" سے تعلق رکھتے ہیں۔

"لوگوں کی نظروں میں گرے ہوئے ہیں" یعنی وہ لوگ جو اگرچہ اپنے عقیدہ و عمل اور اخلاق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی قدر و منزلت رکھتے ہیں اور اللہ کے نیک بندوں یعنی علماء و صلحاء اور ارباب باطن کی نظروں میں بھی انہیں قدر و منزلت ہی حاصل ہوتی ہے لیکن ظاہری طور پر ان کے کمزور و ضعیف خستہ حال اور غریب و نادار ہونے کی وجہ سے اکثر دنیا والے ان کو حقیر و کمتر اور ناقابل اعتناء سمجھتے ہیں۔ نیز "میرے اندر وہی لوگ داخل ہوں گے جو کمزور و ضعیف ہیں۔" میں جو حصر ہے اس سے مراد "اکثر و اغلب" ہے کہ جنت میں زیادہ تر لوگ اسی زمرہ کے ہوں گے، ورنہ جنت میں جانے والے تو انبیاء و رسول بھی ہوں گے اور سلاطین و امراء بھی! یا یہ کہا جائے کہ ضعفاء (ضعیف و کمزور) سے مراد وہ بندے ہیں جو اپنے پروردگار کے سامنے بھی ذلت و فروتنی ظاہر کرتے ہیں، مخلوق کے ساتھ بھی تو تواضع و انکساری کا رویہ اختیار کرتے ہیں اور خود اپنی نظر میں بھی اپنے کو گرائے رکھتے ہیں۔

"جو بھولے بھالے اور فریب میں آجانے والے ہیں۔" یعنی وہ لوگ فکر آخرت میں سرگرداں رہنے کی وجہ سے دنیاوی امور سے غافل اور دنیاوی معاملات میں نا تجربہ کار رہتے ہیں اس لئے دنیا والے ان کو بڑی آسانی کے ساتھ بیوقوف بنا دیتے ہیں اپنے مکر و فریب کے جال میں پھانس لیتے ہیں اسی اعتبار سے ایک حدیث میں یوں فرمایا گیا ہے کہ "اہل جنت کی اکثریت دنیاوی امور سے نابلند اور نادان) لوگوں پر مشتمل ہوگی ان کے مقابلہ پر کافر و منافق دنیاوی معاملات میں بڑے چالاک اور مکار ہوتے ہیں کیونکہ وہ دنیا کے معاملات کو سب کچھ سمجھ کر اپنے فکر و عمل کی پوری توانائی ادھر ہی لگائے رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یعلمون ظاھرا من الحیوۃ الدنیا وھم عن الاخرۃ ھم غافلون وہ دوزخ اس وقت تک نہیں بھرے گی...... الخ یعنی جتنے لوگوں کا دوزخ میں جانا مقدر ہوگا ان سب کے دوزخ میں پہنچ جانے کے بعد بھی جب دوزخ کا پیٹ نہیں بھرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے مزید دوزخیوں کا مطالبہ کرے گی، قرآن کریم میں ہے یوم نقول لجھنم ھل امتلئت و تقول ھل من مزید لیکن اللہ تعالیٰ اس کا پیٹ بھرنے کے لئے یہ نہیں کرے گا کہ بے گناہ لوگوں کو جہنم میں بھردے یا جو گناہ گار بخشے جانے والے ہوں گے انہی کو دوزخ کے سپرد کر دے یا نئے لوگ اس لئے پیدا کرے کہ ان کو دوزخ کا پیٹ بھرنے کے کام میں لایا جائے، بلکہ یہ کرے گا کہ اپنا پیر دوزخ پر رکھ دے گا جس سے دوزخ کے تمام اطراف ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گی اور دوزخ کا پیٹ سمٹ کر وہاں موجود لوگوں سے بھر جائے گا، یہ جو فرمایا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر ظلم نہیں کرے گا تو اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ کا پیٹ بھرنے کے لئے ایسا کوئی فیصلہ نہیں کرے گا جس کو صورتاً ظلم سے تعبیر کیا جا سکتا ہو، ورنہ اصل بات

یہ ہے اگر پروردگار بے گناہ لوگوں ہی کو دوزخ میں ڈال کر اس کا پیٹ بھرے تو حقیقت میں اس کو ظلم نہیں کہیں گے کیونکہ اپنی ملکیت میں کسی طرح کے بھی تصرف کو ظلم قرار نہیں دیا جاتا مگر اللہ تعالیٰ صورۃ ظلم بھی نہیں کرے گا اس ضمن میں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف "پاؤں" کی نسبت متشابہات میں سے ہے جیسا کہ اس کے لئے ہاتھ، آنکھ اور چہرے کے ذکر کو متشابہات میں سے شمار کیا جاتا ہے اور متشابہات کے سلسلے میں جو حکم قرآن وحدیث میں ہے وہ یہ ہے کہ بس یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اس سے جو کچھ مراد ہے وہی درست اور حق ہے اس کی حقیقت و کیفیت کی جستجو میں نہ پڑا جائے یہی سب سے بہتر راستہ ہے اور اسی کو سلف نے اختیار کیا ہے، تاہم متاخرین ارباب طویل میں سے بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ اس کے "پیر" سے مراد اس کی مخلوق میں سے کسی کا پیر ہے، اس کے علاوہ بعض لوگوں نے کچھ اور ایسی تاویلیں بھی کی ہیں جو ذات اقدس تعالیٰ کی شان کے مطابق ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ان کو یہاں ذکر نہیں کیا جارہا ہے۔

"جنت کو بھرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نئے لوگ پیدا کرے گا۔" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جمع کر کے جنت میں داخل کردے گا جنہوں نے کبھی کوئی عمل نہیں کیا ہوگا اور جنت کے مستحق نہیں ہوں گے پس یہ رب کریم کی شان رحمت کا اظہار ہوگا کہ وہ دوزخ کو بھرنے کے لئے بے گناہ لوگوں کو تو اس میں نہیں ڈالے گا لیکن بہشت کو بھرنے کے لئے بے عمل لوگوں کو اس میں داخل کردے گا۔

دوزخ وجنت کو بھرا جائے گا

(۲) وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ يُلْقٰى فِيْهَا وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ حَتّٰى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيْهَا قَدَمَهٗ فَيَنْزَوِيْ بَعْضُهَا اِلٰى بَعْضٍ فَتَقُوْلُ قَطْ قَطْ بِعِزَّتِكَ وَكَرَمِكَ وَلَا يَزَالُ فِي الْجَنَّةِ فَضْلٌ حَتّٰى يُنْشِئَ اللّٰهُ لَهَا خَلْقًا فَيُسْكِنُهُمْ فَضْلَ الْجَنَّةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَنَسٍ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ فِيْ كِتَابِ الرِّقَاقِ۔

"اور حضرت انس نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: دوزخ میں برابر (لوگوں) کو ڈالا جاتا رہے گا اور وہ کہتی رہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟ (یعنی ابھی تک میرا پیٹ نہیں بھرا ہے مجھے اور لوگ چاہئیں) آخر کار خداوند بزرگ و برتر اس پر اپنا پاؤں رکھ دے گا اور دوزخ کے حصے ایک دوسرے کے قریب آجائیں گے (جس سے دوزخ سمٹ جائے گی" تب وہ کہے گی کہ بس بس، تیری عزت اور تیرے کرم کی قسم میں بھر گئی: اس طرح جنت کے اندر وسعت و زیادتی ہوتی رہے گی (یعنی جنتیوں کے جنت میں پہنچ جانے کے باوجود اس کے محلات و مکانات خالی بچ جائیں گے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ جنت (کے ان خالی محلات مکانات کو پر کرنے) کے لئے نئے لوگ پیدا کردے گا جنہیں ان میں بسادیا جائے گا۔" (بخاری و مسلم) اور حضرت انس کی روایت کتاب الرقاق میں نقل کی جاچکی ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

جنت کو مکروہات نفس سے اور دوزخ کو خواہشات نفس سے گھیر دیا گیا ہے

(۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ قَالَ لِجِبْرَئِيْلَ اذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا وَاِلٰى مَا اَعَدَّ اللّٰهُ لِاَهْلِهَا فِيْهَا ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ اَيْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَهَا ثُمَّ حَفَّهَا بِالْمَكَارِهِ ثُمَّ قَالَ يَا جِبْرَائِيْلُ اذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ اَيْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ لَّا يَدْخُلَهَا اَحَدٌ قَالَ فَلَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ النَّارَ قَالَ يَا جِبْرَئِيْلُ اذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ اَيْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا اَحَدٌ فَيَدْخُلُهَا فَحَفَّهَا بِالشَّهَوَاتِ ثُمَّ قَالَ يَا جِبْرَئِيْلُ اذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ

اِلَيْهَا فَقَالَ اَیْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ لَّا يَبْقٰى اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَهَا (رواہ الترمذی والبوداؤد والنسائی)

"حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جب جنّت کو بنایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ جاؤ ذرا جنّت کی طرف نگاہ اٹھا کر تو دیکھو، (میں نے کتنی اچھی اور کس قدر نازک اور دیدہ زیب چیز بنائی ہے) چنانچہ وہ گئے اور جنّت کو اور اس کی ان تمام چیزوں کو جو اللہ تعالیٰ نے اہل جنّت کے لئے بنائی ہیں، دیکھا، پھر واپس آکر عرض کیا کہ پروردگار تیری عزّت کی قسم (تونے اتنی اعلیٰ اور نفیس جنّت بنائی ہے اور اس کو ایسی ایسی نعمتوں اور خوبیوں سے معمور کیا ہے کہ) جو کوئی بھی اس کے بارے میں سنے گا وہ اس میں داخلہ کی یقیناً خواہش کرے گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے جنّت کے چاروں طرف ان چیزوں کا احاطہ قائم کردیا، جو نفس کو ناگوار ہیں اور فرمایا کہ جبرئیل! جاکر جنّت کو دوبارہ دیکھ آؤ، چنانچہ وہ گئے اور جنّت کو (اس اضافہ کے ساتھ جو چاروں طرف احاطہ کی صورت میں ہوا تھا) دیکھ کر واپس آئے اور عرض کیا کہ پروردگار! تیری عزّت کی قسم مجھے خدشہ ہے کہ اب شاید ہی کوئی جنّت میں داخل ہونے کی خواہش کرے (کیونکہ اس کے گرد مکروہات نفس کا جو احاطہ قائم کردیا گیا ہے اس کو عبور کرنے کے لئے نفسانی خواہشات کو مارنا پڑے گا اور ظاہر ہے کہ انسان خواہشات نفس کو مار کر جنّت تک پہنچنا دشوار سمجھے گا)" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے دوزخ بنائی تو حکم دیا کہ جبرئیل! جاؤ دوزخ کو دیکھ آؤ (کہ میں نے کتنی ہولناک اور بری چیز بنائی ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا پس جبرئیل گئے اور دوزخ کو دیکھ کر واپس آئے تو عرض کیا کہ پروردگار! تیری عزّت و جلال کی قسم جو کوئی بھی دوزخ کے بارے میں سنے گا وہ ڈر کے مارے اس سے دور رہے گا اور) اس میں جانے کی خواہش نہ کرے گا، تب اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے چاروں طرف خواہشات اور لذات دنیا کا احاطہ قائم کردیا اور جبرئیل سے فرمایا کہ جبرئیل! جاؤ دوزخ کو دوبارہ دیکھ آؤ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا؟" چنانچہ حضرت جبرائیل گئے اور دوزخ کو (اس احاطہ کے اضافہ کے ساتھ دیکھ کر واپس آئے اور عرض کیا کہ پروردگار! تیری عزّت و جلال کی قسم، مجھے خدشہ ہے کہ اب شاید ہی کوئی باقی بچے جو دوزخ میں نہ جائے (کیونکہ جن خواہشات نفس اور لذات دنیا کا احاطہ دوزخ کے چاروں طرف کردیا گیا ہے وہ اس قدر دلفریب اور اتنی زیادہ مزیدار ہیں کہ نفس طبیعت کی پیروی کرنے والوں میں سے ایسا کوئی بھی نہیں ہوگا جو ان خواہشات ولذات کی طرف نہ لپکے اور اس کے نتیجہ میں دوزخ میں نہ جانا پڑے۔"

تشریح: مکارہ اصل میں مکرہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں مکروہ یعنی ناپسندیدہ و دشوار چیز۔ یہاں مکارہ سے مراد وہ شرعی امور ہیں جن کا انسان کو مکلّف قرار دیا گیا ہے کہ فلاں فلاں کو اختیار کیا جائے اور فلاں فلاں سے اجتناب کیا جائے پس جنّت کے چاروں طرف مکارہ کا احاطہ قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے اور گناہوں سے اجتناب کرنے کی تکلیف و مشقت اٹھائی جائے گی نفس کی خواہشات اور اس کی تمناؤں کو ختم نہ کردیا جائے گا اس وقت تک جنّت میں داخل ہونا ناممکن ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت ﷺ کو جنّت و دوزخ کا مشاہدہ

(۴) عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى لَنَا يَوْمًا الصَّلٰوةَ ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ فَاَشَارَ بِيَدِهٖ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ قَدْ اُرِيْتُ الْاٰنَ مُذْ صَلَّيْتُ لَكُمُ الصَّلٰوةَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ فِيْ قِبَلِ هٰذِهِ الْجِدَارِ فَلَمْ اَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ (رواہ البخاری)

"حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر منبر پر چڑھے اور مسجد کے قبلہ کی طرف اپنے دست مبارک سے اشارہ کرکے فرمایا کہ ابھی جب میں نے تمہیں نماز پڑھائی تو مجھے اس دیوار کے سامنے کے حصہ میں جنّت اور دوزخ کی

تمثیلیں دکھائی گئیں، واقعہ یہ ہے کہ میں نے جتنی اچھی چیز اور جتنی بری چیز آج دیکھی ہے اس جیسی اچھی اور بری چیز پہلے کبھی نہیں دیکھی۔" (بخاری)

تشریح: لفظ "قبل" قؔ کے زیر بؔ کے زبر کے ساتھ بھی منقول ہے اور ان دونوں کے پیش کے ساتھ بھی اسی طرح قؔ کے پیش بؔ کے جزم کے ساتھ بھی نقل ہوا ہے، ان سب صورتوں میں معنی ایک ہی ہیں یعنی سامنے ہونا۔

"میں نے جتنی اچھی چیز اور جتنی بری چیز آج دیکھی ہے...... الخ کا مطلب یہ تھا کہ جو بھی اچھی چیز انسان دیکھ سکتا ہے اس سے زیادہ اچھی چیز میں نے جنت کو دیکھا ہے، اسی طرح جو بھی بری سے بری چیز اس دنیا میں دیکھی جاسکتی ہے اس سے بھی زیادہ بری چیز میں نے دوزخ کو دیکھا ہے۔

یہاں اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ جنت و دوزخ اس قدر وسیع و عریض ہونے کے باوجود حضور ﷺ کے سامنے ایک دیوار میں کس طرح ممثل و منور ہو کر آگئیں؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ کسی بھی چیز کی تمثیل و عکس کے لئے یہ مطلقاً ضروری نہیں ہوتا کہ وہ اس چیز کے اصل طول و عرض کے ساتھ منعکس ہو۔ سب سے بڑی مثال پانی یا آئینہ میں کسی چیز کے عکس کی ہے، کہ کسی وسیع و عریض باغ یا مکان کا جو پورا عکس پانی یا آئینہ میں آتا ہے، وہ اصل باغ یا مکان کے حقیقی طول و عرض کے ساتھ ہرگز نہیں ہوتا! ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ حدیث کے متعلقہ الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا، جنت یا دوزخ کی تمثیل یا تصویر دیوار کے اوپر نقش یا کندہ ہوگئی ہو بلکہ ان الفاظ میں "ان تمثیل کو دیوار کے سامنے کے حصہ میں دیکھنے" کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تمثیلیں آپ ﷺ کو دیوار کی سمت میں دکھائی گئی ہے اور ان تمثیلوں کا وجود کسی اور عالم میں یا کسی اور جگہ ہو۔ اسی مضمون کی ایک اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ۔

یعنی میں نے جنت اور دوزخ کو اس دیوار کے گوشہ پر دیکھا، اس حدیث کے ضمن میں بھی شارحین حدیث نے مذکورہ بالا اشکال اور اس کا مذکورہ ہی جواب نقل کیا ہے۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی یہ مراد نہیں تھی کہ میں نے جنت اور دوزخ کو اس طرح دیکھا کہ ان کی تمثیل دیوار کے سامنے کے حصہ میں تھیں، بلکہ آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ میں نے (اپنی روحانی آنکھوں سے) جنت اور دوزخ کو دیکھا، جب کہ میں قبلہ کی طرف کی دیوار کے سامنے تھا، اس صورت میں کوئی اشکال واقع نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

بَابُ بَدْءِ الْخَلْقِ وَذِكْرِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

ابتدائے پیدائش اور انبیاء علیہم السلام کے ذکر کا بیان

"ابتدائے پیدائش" سے مراد اس کائنات کا عالم وجود میں آنا اور مخلوقات کی پیدائش و تخلیق کا سلسلہ شروع ہونا ہے اور انبیاء علیہم السلام چونکہ اس کائنات کا جوہر ہیں، دین و ملت کی تدوین و تربیت کا نقطہ آغاز ان ہی کی ذات ہے، امور عالم کا نظم و انتظام اور اصلاح انہی سے وابستہ ہے اور نوع انسانی کی پیدائش کا سلسلہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہی سے شروع ہوتا ہے جو نبی اول بھی ہیں اس لئے ان مقدس نفوس کے ذکر کو عنوان باب کا دوسرا جزء قرار دیا گیا ہے۔

عالم حادث ہے: سب سے پہلے یہ امر ذہن نشین رہنا چاہئے کہ تمام مذہب سماویہ اور ملتیں یہاں تک مجوسی بھی اس پر متفق ہیں کہ عالم حادث ہے، یعنی یہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز عدم سے وجود میں آئی ہے، خدا کے سوا کوئی بھی شے پہلے موجود نہیں تھی، بعد میں خدا نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اس بارہ میں سب سے بہتر شہادت مخبر صادق ﷺ کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا۔

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ۔

"صرف اللہ کی ذات موجود تھی اس کے ساتھ کسی چیز کا وجود نہیں تھا۔"

چنانچہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لوح وقلم کو پیدا کیا اور مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (تقدیر) لکھی، اس کے بعد عرش، کرسی، آسمانوں، زمینوں، فرشتوں اور جنات وانسان کو پیدا فرمایا۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام اجسام اپنی ذات وصفات کے ساتھ حادث ہیں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اجسام میں سے جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ پانی ہے کیونکہ یہ خصوصیت صرف پانی کو حاصل ہے کہ وہ ہر شکل وصورت اختیار کر سکتا ہے اور تمام چیزوں کا مادہ تخلیق بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ پانی ہی تھا جس میں لطافت پیدا ہوئی تو "ہوا" عالم وجود میں آئی پھر اس کے جوہر سے "آگ" پیدا ہوئی اور اس کے دھوئیں سے آسمان بنا واضح رہے کہ آسمان پر دخان یعنی دھوئیں کا اطلاق قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ یہ قول کہ "اس کائنات کی ہر چیز کا مادۂ تخلیق پانی ہے، اور پانی ہی کے جوہر سے آگ اور اس کے دھوئیں سے آسمان پیدا ہوا۔" قدیم حکماء میں سے ایک شخص طاس ملطی کی طرف منسوب ہے لیکن علماء نے کہا ہے کہ طاس ملطی نے یہ بات آنحضرت ﷺ کے ارشادات سے اخذ کر کے کہی ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس سلسلہ میں جو کچھ فرمایا ہے اس کی تصدیق نہ صرف حکماء قدیم وجدید کے اقوال سے ہوتی ہے بلکہ قدیم آسمانی کتابوں میں بھی اسی طرح منقول ہے چنانچہ توریت کے پہلے صفحہ میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (اس کائنات ارضی وسماوی کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو) ایک جوہر پیدا فرمایا اور اس پر ہیبت وجلال کی نظر ڈالی جس سے اس جوہر کے اجزاء پگھل کر پانی ہو گئے پھر اس میں سے دھوئیں کے مانند بخارات اٹھے جس سے آسمان کو پیدا کیا اور پھر اس پانی پر جھاگ ظاہر ہوا جس سے زمین کو وجود بخشا اور زمین کو جمانے اور قائم رکھنے کے لئے پہاڑوں کو پیدا فرمایا۔ بہر حال ابتدائے تخلیق کائنات کا موضوع بڑا وسیع اور خاصا بحث طلب مانا گیا ہے، ہمیشہ سے حکماء اور دانشور اس میں مصروف تحقیق رہے ہیں، اور کتنے ہی مختلف نظریات واقوال سامنے آ چکے ہیں، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس موضوع کا تعلق ایسے امور سے ہے جن کو محض عقل وقیاس سے معلوم نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کی حقیقت تک رسائی کا مدار خالق کائنات کے عطا کردہ اس علم اور اس علم سے اخذ واستنباط پر ہے جو بذریعہ وحی دنیا میں آیا ہے اور جس کو آنحضرت ﷺ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ دنیا والوں تک پہنچا بھی دیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلے اللہ کے سوا کچھ نہ تھا

(۱) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ اِنِّىْ كُنْتُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَآءَهُ قَوْمٌ مِنْ بَنِىْ تَمِيْمٍ فَقَالَ اقْبَلُوا الْبُشْرٰى يَا بَنِىْ تَمِيْمٍ قَالُوْا بَشَّرْتَنَا فَاَعْطِنَا فَدَخَلَ نَاسٌ مِنْ اَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ اقْبَلُوا الْبُشْرٰى يَآ اَهْلَ الْيَمَنِ اِذْ لَمْ يَقْبَلْهَا بَنُوْ تَمِيْمٍ قَالُوْا قَبِلْنَا جِئْنَاكَ لِنَتَفَقَّهَ فِى الدِّيْنِ وَلِنَسْاَلَكَ عَنْ اَوَّلِ هٰذَا الْاَمْرِ مَا كَانَ قَالَ كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَىْءٌ قَبْلَهُ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ ثُمَّ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَكَتَبَ فِى الذِّكْرِ كُلَّ شَىْءٍ ثُمَّ اَتَانِىْ رَجُلٌ فَقَالَ يَا عِمْرَانُ اَدْرِكْ نَاقَتَكَ فَقَدْ ذَهَبَتْ فَانْطَلَقْتُ اَطْلُبُهَا وَاَيْمُ اللّٰهِ لَوَدِدْتُ اَنَّهَا قَدْ ذَهَبَتْ وَلَمْ اَقُمْ (رواہ البخاری)

"حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ (مشہور اور عظیم قبیلہ) بنو تمیم کے کچھ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ بنو تمیم کے لوگو! بشارت حاصل کرو، انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے (دین کی تعلیمات کی صورت میں) بشارت تو ہمیں عطا فرما دی، اب کچھ اور بھی عنایت فرما دیجئے۔ پھر کچھ دیر بعد یمن کے کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ (یمن کے لوگو!) تم بشارت حاصل کر لو، بنو تمیم کے لوگوں نے تو بشارت حاصل نہیں کی۔" یمن والوں نے عرض کیا کہ) یا رسول اللہ (ﷺ!) ہم نے بشارت حاصل کی، اور ہم اسی لئے آپ ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ سے مذہبی معلومات اور دینی شعور و فہم حاصل کریں، چنانچہ ہم آپ سے ابتدائے آفرینش اور مبداء عالم کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس (کائنات کے وجود میں آنے اور مخلوقات کی پیدائش) سے پہلے کیا چیز موجود تھی؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "صرف خدا کی ذات موجود تھی (ازل الازال میں) اس کے ساتھ (اور اس سے پہلے) کسی چیز کا وجود نہیں تھا، اور اس کا عرش پانی پر تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھا۔" (حدیث کے راوی حضرت عمران ابن حصینؓ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی یہیں تک سن پایا تھا کہ) ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا کہ عمران جاؤ، اپنی اونٹنی کو تلاش کرو وہ بھاگ گئی ہے! (یہ سنتے ہی میں اپنی اونٹنی کو تلاش کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا، اور اب میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کاش میں اس وقت (مجلس نبوی، سے، اٹھ کر نہ جاتا بھلے ہی میری اونٹنی جاتی رہتی۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس موقع پر بنو تمیم کے جو لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان کا مطمح نظر آنحضرت ﷺ سے اکتساب دین اور حصول معرفت سے زیادہ کوئی دنیاوی طلب و خواہش تھی، اس لئے جب آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ بشارت حاصل کرو، یعنی مجھ سے ایسی چیز حاصل کرو اور وہ بات قبول کرو جو جنت کی نعمتوں اور دونوں جہان کی سعادتوں کے حصول کی بشارت کا موجب ہے جیسے دین کے عقائد و احکام سیکھنا اور مذہبی معلومات حاصل کرنا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ کی عطا کردہ بشارت ہمارے سر آنکھوں پر، دینی عقائد و حکام سیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہمیں تسلیم، لیکن اس وقت ہمارا اصل مقصد کچھ دنیاوی چیزوں کا حاصل کرنا ہے آپ تو ہماری وہ دنیاوی طلب و خواہش پوری فرما دیجئے۔ پس ان لوگوں نے چونکہ فانی دنیا کو زیادہ اہم جانا اور اس کو مذہبی تعلیمات اور دینی فہم و شعور حاصل کرنے پر کہ جو آخرت کے اجر و ثواب اور دارین کی فلاح و سعادت کا باعث ہے، فوقیت دی، اس لئے آپ ﷺ نے ان کی اس بات کو ان کی عدم لیاقت اور یقین و اعتماد میں ان کے ضعف و کمزوری پر محمول فرمایا، اور از راہ غصہ ان کی طرف سے وہ بشارت کو قبول کئے جانے کی نفی فرما دی، چنانچہ آپ ﷺ نے یمن کے لوگوں سے فرمایا کہ بنو تمیم کے لوگوں نے تو بشارت حاصل کی نہیں، تم ہی لوگ اس بشارت کو حاصل کر لو۔

بنو تمیم کے لوگوں کے بعد یمن کے جو لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، ان کی نیت چونکہ بالکل اور سچی تھی اور ان کی آمد کا اصل مقصد ہی یہ پاک جذبہ تھا کہ آنحضرت ﷺ سے کچھ دین کی باتیں سیکھیں، آپ ﷺ کی صحبت سے اپنے عقیدہ و ایمان کو تازگی بخشیں نہ کہ وہ دنیا کی کوئی چیز حاصل کرنے یا کسی پست مقصد کے لئے حاضر ہوئے تھے لہٰذا ان کو بشارت حاصل ہوئی طاعت و قبول، کی سعادت ان کے حصہ میں آئی۔ علم و عمل ان کا نصیب بنا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے جب کہ بنو تمیم کے لوگ دنیا طلبی کے چکر میں پڑ کر ان سعادتوں اور نعمتوں سے محروم رہے اور ان کی کم نظری اور پست ہمتی نے ان کو نیچے گرا دیا۔ اس سے معلوم ہوا، کہ بندۂ مؤمن کو ہمیشہ بلند نظر، عالی ہمت اور پاک مقصد ہونا چاہئے کیونکہ بلند نظری، عالی ہمتی اور مقصد کی پاکی بڑے سے بڑے درجہ و مرتبہ کو پہنچاتی ہے اور دارین کی فلاح و سعادت سے نوازتی ہے جیسا کہ ایک بزرگ حضرت شیخ ابوالعباس مرسیؒ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک دن حضرت امیر حمزہؓ کی تربت کی زیارت کے ارادے سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، ایک اور شخص بھی ان کے ساتھ ہو لیا، جو وہ حضرت امیر حمزہؓ کے مقبرہ پر پہنچے تو خلاف معمول حضرت شیخ ابوالعباسؒ کے لئے خاص طور پر مقبرہ کا دروازہ کھولا گیا، وہ اندر داخل ہوئے اور تربت پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ عالم غیب کے کچھ لوگوں کی ایک جماعت کسی بھی طرح کی کمی اور عیب سے پاک اپنے اجسام کے ساتھ موجود ہے، حضرت شیخؒ ان کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یہ ساعت قبولیت ہے، یہاں پروردگار سے جو کچھ بھی طلب کیا جائے حاصل ہوگا چنانچہ انہوں نے پروردگار سے دنیا و آخرت میں عفو و عافیت کی دعا مانگی اور پھر از راہ ہمدردی و شفقت اپنے ساتھی سے کہا کہ میرے عزیز! اللہ تعالیٰ سے جو کچھ چاہتے ہو مانگ لو کیونکہ یہ دعا کی قبولیت اور فضل ربی حاصل ہونے کا وقت ہے۔ اس شخص نے بڑی پست ہمتی دکھائی اور ایک دینار کی دعا مانگی (کہ پروردگار! مجھے ایک دینار عطا کر دے) نہ تو اس نے آخرت کا کوئی ذکر کیا اور نہ جنت و دوزخ کے بارے میں کچھ

عرض مدعا کیا۔ اس کے بعد وہ دونوں مقبرہ سے نکلے اور واپسی کے لئے مدینہ کی طرف چل پڑے اور مدینہ شہر میں داخل ہوئے تو اہل مدینہ میں سے کسی نے اس شخص کے ہاتھ میں ایک دینار تھما دیا پھر شہر میں پہنچ کر وہ دونوں اس زمانے کے مشہور قطب و ولی حضرت سید ابوالحسن شاذلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت شاذلیؒ پر ان دونوں کا پورا قصہ منکشف ہو گیا انہوں نے بڑے تأسف کے ساتھ اس شخص سے کہا کہ ارے پست ہمت! تجھے قبولیت دعا کا وقت نصیب ہوا اور تو نے ذلیل دنیا کا ایک حقیر ٹکڑا مانگنے پر اکتفا کیا؟ آخر تو نے ابوالعباسؒ کی طرح عفو و عافیت کی دعا کیوں نہیں مانگی، یہ تو وہ نعمت ہے جو تجھے حاصل ہو جاتی تو تیری دنیا بھی تیرے قدموں میں آجاتی اور تیری عاقبت بھی سنور جاتی۔

"صرف خدا کی ذات موجود تھی۔" یعنی جس طرح اس کی پاک ذات ابدالاباد تک رہنے والی ہے اسی طرح ازل الازال میں بھی صرف اسی کی ذات تھی کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ سے موجود ہے اور اس سے پہلے کسی بھی چیز کا وجود نہیں تھا، جس طرح اس کے لئے کوئی انتہا و اختتام نہیں ہے اسی طرح اس کے لئے کوئی ابتداء نہیں ہے، اس کی ذات اور اس کا وجود تغیر و حدث سے پاک و مبرا ہے جو اس کے بندوں اور اس کی مخلوق کا خاصہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نہ پہلے کبھی اس کی ذات عدم میں تھی اور نہ آئندہ کبھی وہ عدم میں ہوگا کیونکہ جو ذات ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے قائم و باقی ہے اس کا عدم محال ہے۔

"اللہ تعالیٰ سے پہلے کسی چیز کا وجود نہیں تھا۔" یہ پہلے جملہ کی وضاحت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے علاوہ ہر چیز حادث ہے تو اس واجب الوجود سے پہلے کسی اور چیز کے وجود کا تصور تک نہیں ہو سکتا اور چونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق و موجد ہے اس لئے جو بھی چیز وجود میں آئی ہے اسی کے بعد اور اسی کی قدرت تخلیق سے وجود پذیر ہوئی ہے۔

"اور اس کا عرش پانی پر تھا...... الخ" اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ عرش اور پانی کی تخلیق زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے ہوئی ہے، نیز شروع میں عرش کے نیچے پانی کے علاوہ زمین و آسمان کی کوئی بھی چیز نہیں تھی۔ پس "عرش کا پانی پر ہونے۔" کا مطلب یہ ہے کہ عرش اور پانی کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تھی، یہ مطلب نہیں ہے کہ عرش، پانی کی سطح پر قائم تھا، نیز اس پانی سے مراد وہ پانی نہیں ہے جو سمندروں اور دریاؤں میں موجود ہے بلکہ عرش کے نیچے کا وہ پانی قدرت و مشیت الٰہی کا مظہر کوئی اور ہی پانی تھا۔ اس کا تفصیلی ذکر کتاب کے ابتداء میں باب الایمان بالقدر میں گذر چکا ہے۔

ابن ملکؒ نے مذکورہ جملہ کی تشریح میں لکھا ہے۔ عرش پانی پر تھا، پانی ہوا کی پشت پر تھا اور ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قائم تھی۔ بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ عرش اور پانی کی تخلیق آسمان اور زمین کی تخلیق سے پہلے ہوئی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پانی سے پیدا فرمایا اس طرح کہ پانی پر اپنی تجلی ڈالی، تو وہ موجیں مارنے لگا اور اس میں زبردست اتھل پتھل ہوئی جس کے سبب سے اس میں جھاگ پیدا ہوا اور وہ جھاگ جمع ہو کر اس جگہ قائم ہوا جہاں خانہ کعبہ ہے اور اس طرح زمین کا سب سے پہلا ٹکڑا عالم وجود میں آیا، اور پھر اسی ٹکڑے سے چاروں طرف زمین پھیلائی گئی اور اس کائنات کا تختہ ارض قائم ہوا، پھر اس تختہ ارض پر پہاڑوں کو پیدا کیا گیا تاکہ زمین ہلنے اور ڈولنے نہ پائے اور پہاڑوں کے دباؤ سے ساکن و جامد رہے اور جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے، سب سے پہلے جو پہاڑ پیدا کیا گیا وہ جبل ابوقبیس ہے، نیز اس پانی میں تموج اور اضطراب سے دھوئیں کی شکل میں جو بخارات اوپر کی طرف بلند ہوئے ان سے آسمان پیدا ہوئے۔

"اور لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھا۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ہر چیز کے متعلق لوح محفوظ میں ہر وہ بات لکھ دی ہے جو اس کو پیش آنے والی ہے اور اسی کے مطابق دنیا میں ظہور ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کو لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ کے لکھنے سے کیا مراد ہے؟ تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے حروف و الفاظ پیدا فرمائے ہوں جو اس لوح محفوظ میں مرتسم ہو گئے ہوں، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو لکھنے کا حکم دیا اور انہوں نے اس حکم کے مطابق ہر چیز لوح محفوظ میں لکھ دی! یہ واضح رہے کہ لوح محفوظ میں ہر چیز کا

لکھا جانا عرش کی بھی تخلیق سے پہلے ہو گیا تھا۔

روایت کے آخری الفاظ کے ذریعہ حضرت عمران ابن حسینؓ نے اپنے تاسف کا اظہار کیا کہ وہ اپنی اونٹنی کے چکر میں پڑ کر ایسے موقع پر مجلس نبویؐ سے اٹھ گئے جب کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا سلسلہ جاری تھا اور وہ آگے کے ملفوظات نبوی ﷺ نہ سن سکے! صورت حال یہ ہوئی کہ حضرت عمرانؓ جب مجلس نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنی اونٹنی دروازے کے باہر باندھ دی تھی، اس دوران کہ آنحضرت ﷺ یمن کے لوگوں کو اس کائنات کے ابتدائے آفرینش اور مبدء عالم کے بارے میں بتا رہے تھے، کسی شخص نے آکر حضرت عمرانؓ سے کہا کہ تمہاری اونٹنی کھل کر بھاگ گئی ہے جلدی جاؤ اور اس کو پکڑو اور وہ یہ سنتے ہی مجبورًا اٹھ گئے اور اپنی اونٹنی کو پکڑنے کے لئے چلے گئے، پھر بعد میں پشیمان ہوئے کہ میں کیوں اٹھ گیا اور آنحضرت ﷺ کی مبارک صحبت اور ان حقائق وعلوم سے محروم رہ گیا جو اس وقت بیان فرمائے جا رہے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے ابتدائے آفرینش سے روز قیامت تک کے احوال بیان فرمادیئے تھے

② وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَامَ فِينَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ (رواہ البخاری)

"اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ خطبہ دینے کے لئے ہمارے سامنے کھڑے ہوئے، آپ ﷺ نے (اس خطبہ کے دوران) ابتدائے آفرینش سے (قیامت کے دن) جنت و دوزخ میں داخل ہونے تک کے تمام احوال و کوائف کا ذکر فرمایا۔ جس شخص نے ان باتوں کو یاد رکھا اس کو یاد ہیں اور جس شخص نے بھلا دیا وہ بھول گیا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: مطلب یہ کہ آپ ﷺ نے اس دن بڑی تفصیل کے ساتھ مبداء و معاد کے احوال کو اول سے آخر تک بیان فرمایا یعنی پہلے آپ ﷺ نے تخلیق کائنات کی ابتداء کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو قائم کرنے کا ارادہ کیا تو شروع میں کیا کیا چیزیں بنائیں پھر کس طرح نظام عالم کو قائم فرمایا! اور اس عالم کو انسان نامی مخلوق سے آباد کرنے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی اور ان کے ذریعہ نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا، کائنات انسانی کی تہذیبی، اخلاقی اور دینی زندگی کا نظم قائم کرنے اور رب کائنات کی حاکمیت وہدایت کے ظہور کے لئے کون نبی اور رسول اس دنیا میں آئے، کیسی کیسی ملتیں اور قومیں وجود آئیں، ان ملتوں اور قوموں نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا، جن لوگوں نے خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں کی اطاعت کی ان کو کیا اجر و انعام ملے اور جن لوگوں نے ان رسولوں کو جھٹلایا اور ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا ان کو کس طرح تباہ و برباد کر دیا گیا اور آخرت میں ان سب ملتوں اور امتوں کا کیا حال ہوگا۔ اور پھر آخر میں آپ ﷺ نے اپنی اُمت کے بارے میں بتایا کہ خدا کے آخری دین "اسلام" کو ماننے والوں یعنی مسلمانوں کی ملی زندگی میں کیسے کیسے انقلاب آئیں گے، انہیں کن کن احوال سے دوچار ہونا پڑے گا، کون کون سی اچھائیاں ان کا طرۂ امتیاز بنیں گی اور کون کون سی برائیاں ان کی دینی و دنیاوی زندگی کو خراب کریں گی! پھر آخرت میں اس اُمت محمدیہ کے ساتھ کیا سلوک ہوگا، کس طرح کے لوگ جنت میں اور کس طرح کے لوگ دوزخ کے سپرد کئے جائیں گے۔

"جس شخص نے ان باتوں کو یاد رکھا...... الخ سے حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے وہ باتیں جس تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی تھیں، ان کو ان لوگوں نے یاد رکھا جنہوں نے یاد رکھنے کی کوشش کی اور جن کو اللہ تعالیٰ نے یاد رکھنے کی توفیق عطا فرمائی اور وہ لوگ ان باتوں کو بھول گئے جنہوں نے یاد رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ حاصل یہ کہ بعض لوگوں کو وہ پوری باتیں یاد ہیں اور بعض لوگ ان کو بھول گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے گئی ہے

(۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی کَتَبَ کِتَاباً قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ الْخَلْقَ اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ فَهُوَ مَکْتُوْبٌ عِنْدَهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق یعنی زمین آسمان کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب لکھی اس میں یہ درج ہے کہ "میری رحمت" میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے اور وہ (کتاب یا مذکورہ عبارت) اللہ تعالیٰ کے پاس عرش کے اوپر لکھی ہوئی موجود ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کو تمام خلائق سے پوشیدہ رکھا گیا ہے کہ اس کے مندرجات اللہ تعالیٰ کا ایسا راز ہیں جن کو کسی پر کھولا نہیں گیا ہے اور نہ کسی کے علم وادراک کو اس قابل بنایا گیا ہے کہ اس کتاب میں لکھی ہوئی باتوں کو جان اور سمجھ سکے۔

تورپشتیؒ نے لکھا ہے کہ احتمال ہے کہ "اس کتاب" سے مراد "لوح محفوظ" ہو اور آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد "فھو مکتوب عندہ" کے معنی یہ ہوں کہ مذکورہ عبارت لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ "کتاب" سے مراد لوح محفوظ نہ ہو بلکہ قضا۔ یعنی فیصلۂ خداوندی ہو جس کو حق تعالیٰ نے جاری فرمایا ہے۔ بہرحال دونوں صورتوں میں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد عندہ فوق العرش میں یہ آگاہی ہے کہ وہ کتاب لکھی گئی اور تمام خلائق کے حیطۂ ادراک سے ماوراء رکھی گئی ہے کہ اس کے مندرجات تک کسی کا علم وفہم نہیں پہنچ سکتا۔

رحمت خداوندی کے غضب الٰہی پر سبقت لے جانے کے معنی یہ ہیں، رحمت کے آثار و مظاہر بہت زیادہ ہیں کہ کیا مؤمن کیا کافر اور کیا متقی کیا گنہ گار سب ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے زیر سایہ ہیں جب کہ اس کا غضب بہت کم ظاہر ہوتا ہے اور کبھی کبھی اور کوئی کوئی ہی اس کا مورد بنتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ان عذابی اصیب بہ من اشاء ورحمتی وسعت کل شئ۔

"میں اپنے عذاب میں ان ہی لوگوں کو مبتلا کرتا ہوں جن کو چاہتا ہوں لیکن میری رحمت نے ہر چیز کو اپنے دامن میں لے رکھا ہے۔"

ملائکہ، جنات اور انسان کا جوہر تخلیق

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُلِقَتِ الْمَلٰئِکَةُ مِنْ نُّوْرٍ وَّ خُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ وَخُلِقَ اٰدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَکُمْ (رواہ مسلم)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے، جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا ہے، جس میں دھواں ملا ہوتا ہے، اور آدم علیہ السلام کو اس چیز سے پیدا کیا گیا ہے جو تمہیں بتادی گئی ہے۔" (مسلم)

تشریح: قاموس میں لکھا ہے کہ "نور" کے معنی یا تو "روشنی" کے ہیں یا روشنی سے پھوٹنے والی شعاع کے ہیں! بہرحال یہاں حدیث میں نور سے مراد اصل روشنی یعنی وہ جوہر ہے جس سے روشنی وجود میں آتی ہے، پس فرشتوں کی تخلیق اسی جوہر روشنی سے ہوئی ہے۔

لفظ "جان" کے معنی یا تو "جن" یا جنات کے ہیں یا اس لفظ سے مراد جنات کی وہ اصل (یعنی ان کا باپ) ہے جس سے جنات کی نسل چلی ہے جیسے انسان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

"جو تمہیں بتادی گئی ہے۔" سے قرآن کریم کے ان الفاظ و خلقہ من تراب (اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا) کی طرف اشارہ ہے، مطلب یہ کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

بعض روایتوں میں کچھ دوسری چیزوں کے جوہر تخلیق کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جیسے ابن عساکر نے حضرت ابو سعیدؓ سے یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ کھجور، انار اور انگور کو آدم کی مٹی کے فضلے سے پیدا کیا گیا ہے۔ طبرانیؒ نے حضرت ابو امامہؓ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ حور عین زعفران سے پیدا کی گئی ہے۔

جنات و انسان کی تین تخلیقی اقسام: حکیمؒ ابن ابی الدنیاؒ، ابوالشیخؒ اور ابن مردویہؒ نے حضرت ابودرداؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو تین طرح کا پیدا کیا ہے، ان کی ایک قسم وہ ہے جس کو سانپ و بچھو اور حشرات الارض کی صورت دی گئی ہے، دوسری قسم وہ ہے جو فضاء میں ہوا کی مانند ہے اور تیسری قسم کے جنات وہ ہیں جن کو انسان کی طرح خیر و شر کا مکلف قرار دیا گیا ہے اور ان کو حساب و مواخذہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی تین قسم کا پیدا کیا ہے، ایک قسم تو وہ ہے جو چوپاؤں کے مانند ہے، دوسری قسم کے انسان وہ ہیں جن کے جسم و بدن اور شکل و صورت تو بنی آدم (آدمیوں) کی سی ہے لیکن ان کی ارواح گویا شیاطین کی ارواح ہیں، اور تیسری قسم کے انسان وہ ہیں جو جسم و بدن اور روح دونوں اعتبار سے انسانیت و آدمیت کا پیکر ہیں اور جو قیامت کے دن پروردگار کے سایہ رحمت میں ہوں گے۔

پیکر آدم کے بارے میں شیطان کا اظہار خیال

⑤ وَعَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا صَوَّرَ اللّٰهُ اٰدَمَ فِي الْجَنَّةِ تَرَكَهٗ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّتْرُكَهٗ فَجَعَلَ اِبْلِيْسُ يُطِيْفُ بِهٖ يَنْظُرُ مَاهُوَ فَلَمَّا رَاٰهُ اَجْوَفَ عَرَفَ اَنَّهٗ خُلِقَ خَلْقًا لَّا يَتَمَالَكُ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں آدم علیہ السلام کا پیکر بنایا اور شکل و صورت دی تو اس پیکر کو جب تک چاہا جنت میں رکھے رکھا، اس عرصہ میں ابلیس اس پیکر کے گرد چکر کاٹتا رہا اور غور کرتا رہا کہ یہ کیا ہے اور کیسا ہے (یعنی وہ یہ مشاہدہ کرنا چاہتا تھا، کہ اللہ تعالیٰ اس پیکر خاکی کی صورت میں اپنے بندوں کی جو نئی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے اس کی حیثیت و حقیقت کیا ہوگی) اور جب اس نے دیکھا کہ یہ پیکر خاکی اندر سے کھوکھلا ہے تو سمجھ گیا کہ یہ ایک ایسی مخلوق پیدا کی گئی ہے جو غیر مضبوط ہوگی۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پیکر اور شکل و صورت کی تخلیق جنت میں ہوئی تھی جب کہ اور روایت اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کی تخلیق اور ان کو پیکر و صورت کا عطا کیا جانا میدان عرفات کے ایک حصہ وادی نعمان میں عمل میں آیا تھا، وہاں ان کے پیکر کو آخری شکل دے کر اور اس میں روح پھونک کر ان کو جنت میں لے جایا گیا پس حدیث میں فی الجنة کے الفاظ، جن سے ان کی تخلیق کا جنت میں ہونا مفہوم ہوتا ہے، دراصل ان کی ابتدائی تخلیق کا اظہار کرنے کے لئے نہیں بلکہ تخلیق کے بعد کی صورت حال کو ذکر کرنے کے لئے ہیں، اس اعتبار سے حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو تخلیق کر کے اور ان کے پیکر میں روح پھونک کر ان کو جنت میں رکھا تو ابلیس نے ان کے پیکر کی ساخت و حقیقت کی ٹوہ لگائی اور جب اس نے دیکھا کہ یہ پیکر خاکی کھوکھلا ہے اور اندر سے اس کا پیٹ خالی ہے تو اس کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ انسان نامی مخلوق اپنی جسمانی ساخت کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہے کیونکہ جو چیز اندر سے ٹھوس نہ ہو اور اس کے تمام اعضاء و اجزاء ایک دوسرے سے اس طرح مربوط نہ ہوں کہ ان کے درمیان کوئی خلا نہ رہے تو اس کو پوری طرح ثبات و قرار حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا (اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جب اس پیکر خاکی کی جسمانی ساخت اس طرح کی ہے تو لامحالہ اس کی افتاد طبع، اس کا مزاج اور اس کے اندرونی احوال کو بھی ثبات و قرار نہیں ہوگا اور اس افتاد طبع کی

وجہ سے خود کو اپنے معاملات میں ڈانواڈول ہونے اور اپنے احوال میں غیر مستحکم ہونے سے نہ بچا پائے گا، اور اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکے گا کہ مثلاً "غصہ کے وقت بے اختیار ہو جایا کرے گا اور طبعی خواہشات پر قدغن نہیں لگا سکے گا کہ بھوک پیاس مٹانے" جنسی تسکین حاصل کرنے اور اپنی آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے جائز و ناجائز کے درمیان تمیز نہیں کرے گا۔ پس ابلیس گویا خوش ہوا کہ اس نے امید قائم کرلی کہ جو مخلوق اپنی جسمانی ساخت اور طبعی افتاد کی وجہ سے آفات کا مورد بن سکتی ہے اس کو گمراہ کرنا چنداں مشکل نہیں ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ختنہ

(٦) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اخْتَتَنَ اِبْرَاھِیْمُ النَّبِیُّ وَھُوَ ابْنُ ثَمَانِیْنَ سَنَۃً بِالْقَدُوْمِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں "قدوم" سے اپنا ختنہ کیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: امام نوویؒ نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ لفظ "قدوم" کی دال کی حرکت میں اختلاف ہے اگر اس دال کو تخفیف کے ساتھ "قَدُوْم" پڑھا جائے تو اس کے معنی بڑھئی کے اوزار یعنی بسولے کے ہوں گے، اور حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ بسولے سے خود کیا اور اس وقت ان کی عمر اسی سال کی تھی، اور اگر اس لفظ کو دال کی تشدید کے ساتھ "قَدُّوْم" پڑھا جائے تو اس سے مراد ملک شام کا ایک گاؤں ہوگا جس کا نام قدوم تھا، ویسے اس گاؤں کا نام "قدوم" بہ تخفیف دال بھی نقل کیا گیا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں اپنا ختنہ خود کیا اور اس وقت وہ ملک شام کے گاؤں قدوم میں تھے۔ حاصل یہ کہ جس روایت میں یہ لفظ بہ تشدید دال نقل ہوا، اس میں "قدوم" سے مذکورہ گاؤں ہی مراد ہے اور جس روایت میں بہ تخفیف دال منقول ہوا ہے اس میں بسولہ اور مذکورہ گاؤں، دونوں کا احتمال ہے کہ اس لفظ سے "بسولہ" بھی مراد ہوسکتا ہے، اور مذکورہ گاؤں بھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ

(٧) وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکْذِبْ اِبْرٰھِیْمُ اِلَّا ثَلٰثَ کَذِبَاتٍ ثِنْتَیْنِ مِنْھُنَّ فِیْ ذَاتِ اللّٰہِ قَوْلُہٗ اِنِّیْ سَقِیْمٌ وَقَوْلُہٗ بَلْ فَعَلَہٗ کَبِیْرُھُمْ ھٰذَا وَقَالَ بَیْنَا ھُوَ ذَاتَ یَوْمٍ وَسَارَۃُ اِذْ اَتٰی عَلٰی جَبَّارٍ مِنَ الْجَبَابِرَۃِ فَقِیْلَ لَہٗ اِنَّ ھٰھُنَا رَجُلًا مَعَہُ امْرَاَۃٌ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ فَاَرْسَلَ اِلَیْہِ فَسَاَلَہٗ عَنْھَا مَنْ ھٰذِہٖ قَالَ اُخْتِیْ فَاَتٰی سَارَۃَ فَقَالَ لَھَا اِنَّ ھٰذَا الْجَبَّارَ اِنْ یَعْلَمْ اَنَّکِ امْرَاَتِیْ یَغْلِبْنِیْ عَلَیْکِ فَاِنْ سَالَکِ فَاَخْبِرِیْہِ اَنَّکِ اُخْتِیْ فَاِنَّکِ اُخْتِیْ فِی الْاِسْلَامِ لَیْسَ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ مُؤْمِنٌ غَیْرِیْ وَغَیْرُکِ فَاَرْسَلَ اِلَیْھَا فَاُتِیَ بِھَا قَامَ اِبْرَاھِیْمُ یُصَلِّیْ فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَیْہِ ذَھَبَ یَتَنَاوَلُھَا بِیَدِہٖ فَاُخِذَ وَیُرْوٰی فَغُطَّ حَتّٰی رَکَضَ بِرِجْلِہٖ فَقَالَ ادْعِی اللّٰہَ لِیْ وَلَا اَضُرُّکِ فَدَعَتِ اللّٰہَ فَاُطْلِقَ ثُمَّ تَنَاوَلَھَا الثَّانِیَۃَ فَاُخِذَ مِثْلَھَا اَوْ اَشَدَّ فَقَالَ ادْعِی اللّٰہَ لِیْ وَلَا اَضُرُّکِ فَدَعَتِ اللّٰہَ فَاُطْلِقَ فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِہٖ فَقَالَ اِنَّکَ لَمْ تَاْتِنِیْ بِاِنْسَانٍ اِنَّمَا اَتَیْتَنِیْ بِشَیْطَانٍ فَاَخْدَمَھَا ھَاجَرَ فَاَتَتْہُ وَھُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ فَاَوْمَأَ بِیَدِہٖ مَھْیَمْ قَالَتْ رَدَّ اللّٰہُ کَیْدَ الْکَافِرِ فِیْ نَحْرِہٖ وَاَخْدَمَ ھَاجَرَ قَالَ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ تِلْکَ اُمُّکُمْ یَابَنِیْ مَاءِ السَّمَاءِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا علاوہ تین جھوٹ کے اور ان میں سے بھی دو جھوٹ خدا کے لئے بولے تھے۔ ان میں کا ایک تو ان کا یہ کہنا تھا کہ "میں آج کچھ علیل سا ہوں۔" دوسرا یہ کہنا تھا کہ "بلکہ یہ کام بڑے بت نے کیا ہے" اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا" (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے جو تیسرا جھوٹ نکلا تھا، وہ ان کا

یہ کہنا تھا کہ "یہ میری بہن ہے۔" اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی سارہؓ (ہجرت کر کے ملک شام کی طرف جا رہے تھے کہ ان) کا گذر ایک بڑے ظالم و جابر حاکم کے شہر سے ہوا چنانچہ اس حاکم کو بتایا گیا کہ یہاں (اس شہر میں) ایک شخص آیا ہوا ہے جس کے ساتھ ایک نہایت حسین و جمیل عورت ہے، اس حاکم نے (یہ سنتے ہی) ایک گماشتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلانے کے لئے بھیجا، اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون عورت ہے اور تمہاری کیا لگتی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میری بہن ہے۔ پھر انہوں نے سارہؓ کے پاس واپس آ کر (ان کو اس جابر حاکم کے برے ارادے سے نجات پانے کی تدبیر بتائی اور) کہا کہ اگر اس ظالم کو معلوم ہو گیا کہ تم میری بیوی ہو تو تمہیں زبردستی مجھ سے چھین لے گا پس اگر وہ (تمہارے اور میرے تعلق کے بارے میں) پوچھے تو اس کو بتانا کہ تم میری بہن ہو، اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں کہ تم دین کے رشتہ سے میری بہن ہو (لہٰذا خود کو میری بہن بتاتے وقت دینی اخوت کی نیت کر لینا، اور یہ نیت اس لئے بھی صحیح ہو گی کہ) اس سرزمین پر سوائے میرے اور تمہارے کوئی دوسرا مؤمن نہیں ہے۔ لہٰذا اس ظالم نے ایک گماشتہ بھیج کر حضرت سارہؓ کو طلب کیا اور ادھر تو حضرت سارہؓ اس کے پاس لے جائی گئیں ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام (اپنی قیام گاہ پر) نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ سارہؓ جب اس ظالم کے پاس پہنچیں تو (وہ ان کا حسن و جمال دیکھ کر از خود رفتہ ہو گیا اور یا تو ان سے پوچھے اور تحقیق کئے بغیر کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا رشتہ رکھتی ہیں، یا پوچھنے اور سارہؓ کے یہ کہنے کے باوجود کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی بہن ہیں) اس نے ان پر ہاتھ ڈالنا (اور ان کی عفت و عصمت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا) چاہا مگر (اللہ تعالیٰ نے سارہؓ کی مدد کی اور وہ ظالم پکڑا گیا۔ ایک روایت میں (یا تو "فاخذ" کے بجائے، یا اس لفظ کے ساتھ مزید) "فَغُطَّ" کا لفظ بھی نقل کیا گیا ہے (بہر حال) وہ (عتاب خداوندی کی گرفت میں آنے کے بعد) زمین پر پیر مارنے لگا (یعنی جس طرح کوئی آسیب زدہ یا مرگی میں مبتلا شخص زمین پر زور زور سے پاؤں پٹختا ہے اسی طرح وہ بھی اپنے پیر پٹخنے لگا) پھر اس نے (سارہؓ سے) کہا کہ (میں اپنے ارادۂ بد سے باز آیا" تم خدا سے دعا کرو (کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے میرا وعدہ ہے کہ) میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا (یعنی تمہارے ساتھ کوئی تعرض نہیں کروں گا) چنانچہ حضرت سارہؓ نے دعا کی اور اس ظالم کی گلوخلاصی ہو گئی، لیکن اس نے دوبارہ دست درازی کرنی چاہی اور پھر پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت (عتاب خداوندی میں، پکڑا گیا اس نے پھر (حضرت سارہؓ سے) کہا کہ خدا سے دعا کرو کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے اور میں (اب صدق دل کے ساتھ یقین دلاتا ہوں کہ) تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، حضرت سارہؓ نے پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس ظالم کی گلوخلاصی ہو گئی۔ اس کے بعد اس ظالم نے اپنے دربانوں میں سے کسی کو بلایا اور کہا کہ تو میرے پاس انسان کو نہیں لایا ہے (کہ جس پر قابو پا سکتا) بلکہ تو کسی جن کو میرے پاس لے آیا ہے (کہ اس پر قابو پانے کے بجائے خود الٹا مصیبت میں پھنس جاتا ہوں، یہ تو تو نے میرے لئے موت کا سامان فراہم کر دیا ہے) پھر اس نے سارہؓ کی خدمت کے لئے ہاجر نام کی ایک لونڈی دی (اور ان کو واپس بھیج دیا) سارہؓ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس پہنچیں تو وہ نماز پڑھنے میں مشغول تھے (کیونکہ اس وقت تک ان کو اس ظالم کے پنجہ سے سارہؓ کی رہائی کی خبر نہیں ہوئی تھی، وہ بدستور نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے اور سارہؓ کی باعفت و عافیت واپسی کی دعائیں مانگ رہے تھے) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (ان کو دیکھا تو) نماز ہی میں اپنے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کہ کیا حال ہے اور تم پر کیا بیتی؟ حضرت سارہؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کافر کی بدنیتی کو اس کے سینہ میں لوٹا دیا (یعنی اس نے مجھے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے لئے جس بدنیتی کا اظہار کیا وہ الٹے اس کے گلے پڑ گئی، مجھے تو وہ کوئی نقصان پہنچا نہیں سکا خود عذاب خداوندی میں ضرور پھنس گیا تھا) اور اس نے خدمت کے لئے ھاجر کو میرے ساتھ کر دیا ہے۔" حضرت ابوہریرہؓ نے (یہ حدیث بیان کرنے کے بعد) کہا کہ اے آسمان کے پانی کے بیٹو! وہی ہاجرہ تم سب کی ماں ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا علاوہ تین جھوٹ کے۔" کے بارے میں یہ ذہن نشین رہے کہ تمام انبیاء معصوم ہیں ان سے کوئی بھی گناہ سرزد نہیں ہو سکتا خواہ وہ جھوٹ ہو یا اور کوئی معصیت، پس حدیث کے مذکورہ جملہ کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں جھوٹ جیسے گناہ کا تین بار ارتکاب کیا بلکہ "ان کی طرف جھوٹ بولنے کی نسبت" خود ان کی ذات کے اعتبار سے نہیں، سننے والوں کے اعتبار سے ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ تینوں باتیں بظاہر تو "جھوٹ" کی صورت میں تھیں مگر حقیقت میں جھوٹ نہیں تھیں، نہ تو اس اعتبار سے کہ وہ باتیں "جھوٹی باتوں" کے زمرہ میں آتی ہیں اور نہ اس اعتبار سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان باتوں کے ذریعہ غلط بیانی اور دروغ گوئی کا قصد وارادہ کیا تھا! اس بات کو اگر اور زیادہ خوبصورت انداز میں کہنا ہو تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس مقام پر "کذب" سے مراد یہ ہے کہ "ایسا کلام جو صحیح اور پاک مقصد کے لئے بولا گیا ہو لیکن مخاطب اس کا وہ مطلب نہ سمجھے جو متکلم کی مراد ہے بلکہ ان الفاظ کو اپنی ذہنی مراد کے مطابق سمجھے۔" یہ انداز کلام معاریض یا تعریض (اشارے کنائے کہ پیرایہ بیان) کے زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے اور فصحاء وبلغاء کے ہاں اکثر رائج ہے۔ اسی ضمن میں یہ ذکر کردینا بھی ضروری ہے کہ یہاں حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق اس طرح کی صرف تین باتوں کا ذکر ہے، چوتھی بات کا ذکر نہیں ہے جو انہوں نے کواکب کو دیکھ کر کہی تھی کہ ھٰذَا رَبِّیْ (یہ میرا رب ہے) اور اس کے ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات ایام طفولیت میں کہی تھی، اس وقت چونکہ وہ کسی بھی امر کے مکلف نہیں تھے اس لئے اس چوتھی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔

ان میں سے ایک تو ان کا یہ کہنا تھا کہ "میں آج کچھ علیل سا ہوں۔" اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر اور اپنی قوم کے لوگوں کو ہر طرح سے بت پرستی کی خرابیوں کو ظاہر کر کے اس سے باز رکھنے کی سعی کرلی اور ہر قسم کے پند ونصائح کے ذریعہ ان کو یہ باور کرانے میں پوری طاقت صرف کرلی کہ یہ بت نہ نفع پہنچاسکتے ہیں اور نہ نقصان، اور آزر اور قوم کے دلوں پر کسی بھی پند نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوا تو انہوں نے یہ تدبیر سوچی کہ اب مجھ کو ارشاد وہدایت کا ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس سے ان لوگوں کو یہ مشاہدہ ہوجائے کہ ہم لکڑیوں اور پتھروں کی جن مورتیوں اور بتوں کو پوجتے ہیں وہ ہمارے لئے کسی بھی طرح کارگر اور فائدہ مند نہیں ہیں اور نہ ان کی ذات سے ہمیں کوئی رنج ونقصان پہنچ سکتا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ قوم کا ایک اہم مذہبی میلہ لگنے والا تھا اور سب لوگ اس میں شرکت کے لئے چلنے لگے تو کچھ لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اصرار کیا کہ وہ بھی سیر کے لئے میلہ چلیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام تو اس طرح کے موقع کے انتظار میں تھے، کہ سب لوگ یہاں سے چلے جائیں تو ان کے تمام بتوں کو توڑ پھوڑ کر اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہناؤں، چنانچہ انہوں نے پہلے تو ان لوگوں کے ساتھ جانے سے صاف انکار کیا مگر جب ان کا اصرار بہت بڑھا تو اس وقت انہوں نے کہا اِنِّیْ سَقِیْمٌ (میں آج کچھ علیل سا ہوں۔") ان کی یہ بات بظاہر خلاف واقعہ اور "جھوٹ" معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ اس وقت واقعۃً علیل نہیں تھے بلکہ ان کے ساتھ نہ جانے کے لئے علالت کا بہانہ کیا تھا۔ اس کی تاویل علماء یہ کرتے ہیں اِنِّیْ سَقِیْمٌ کہنے سے حضرت ابراہیم کی مراد یہ تھی کہ ہر انسان کی طرح میرے ساتھ بھی بیماری آزاری لگی رہتی ہے، اور وقتاً فوقتاً بیمار ہوجایا کرتا ہوں۔ پس انہوں نے ایسی مبہم بات کہی کہ اس کے ظاہری اسلوب سے تو یہ مفہوم ہوا کہ میں اس وقت بیمار ہوں تمہارے ساتھ کیسے جاسکتا ہوں لیکن حقیقت میں ان کی مراد اس کے برعکس تھی۔ بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک خاص انداز سے مذکورہ بات کہہ کر ان کا دھیان ستاروں کی طرف متوجہ کردیا تھا چنانچہ قوم کے لوگ اپنے عقیدہ کے لحاظ سے یہ سمجھے کہ ابراہیم علیہ السلام کسی نحس ستارے کے اثر بد میں مبتلا ہیں اور انہوں نے علم نجوم کے ذریعہ معلوم کرلیا ہے، کہ وہ عنقریب بیمار ہونے والے ہیں۔ اس تاویل کا قرینہ قرآن کریم کی اس آیت کا سیاق ہے جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے! ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اس جملہ "انی سقیم" سے اپنی جسمانی علالت مراد نہیں لی تھی بلکہ "قلب کی ناسازی" مراد لی تھی کہ تمہارے کفر وطغیان نے مجھے دکھی کردیا ہے اور میرے دل کی حالت سقیم ہے، ایسے میں تمہارے ساتھ میرے جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟

دوسرا کہنا یہ تھا کہ "بلکہ یہ کام بڑے بت نے کیا ہے۔" حضرت ابراہیمؑ کی اس بات کا تعلق بھی مذکورہ بالا پہلے واقعہ ہی سے ہے، ہوا یہ کہ جب ان کی قوم کے تمام لوگ اس میلے میں چلے گئے اور بستی خالی ہوگئی تو وہ اٹھے اور سب سے بڑے بت کے ہیکل (مندر) میں پہنچے،

دیکھا تو وہاں بتوں کے سامنے طرح طرح کے حلووں پھلوں، میووں اور مٹھائیوں کے چڑھاوے رکھے ہوئے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے طنزیہ لہجے میں چپکے چپکے ان مورتیوں کو خطاب کر کے کہا کہ سب کچھ موجود ہے، ان کو کھاتے کیوں نہیں؟ اور پھر کہنے لگے کہ میں تم سے مخاطب ہوں، کیا بات ہے کہ تم جواب نہیں دیتے؟۔ اور اس کے بعد انہوں نے سب مورتیوں کو توڑ پھوڑ ڈالا اور سب سے بڑے بت کے کاندھے پر تبر رکھ کر واپس چلے گئے۔ قوم کے لوگ میلے سے واپس آئے تو انہوں نے مندر میں اپنے دیوتاؤں (بتوں) کو اس خراب حالت میں پایا اور سخت برہمی کے ساتھ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کس کی حرکت ہے؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہو نہ ہو یہ ابراہیم علیہ السلام کا کام ہے، وہی شخص ہے جو ہمارے دیوتاؤں کی برائی کہتا ہے اور اس بستی میں اس کے علاوہ کوئی موجود بھی نہیں تھا، چنانچہ بڑے بڑے پجاریوں، سرداروں کے سامنے ان کی طلبی ہوئی، اور مجمع عام میں ان سے پوچھا گیا کہ ابراہیمؑ اتم نے ہمارے ان دیوتاؤں کے ساتھ یہ کیا حرکت کی ہے؟ اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے یہ بات کہی کہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ (بلکہ یہ کام ان سب کے بڑے بت نے کیا ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب بھی گویا خلاف واقعہ تھا، لیکن حقیقت میں ان کے اس جواب کو "جھوٹ" سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کی اصل غرض اپنی گمراہ قوم کو متنبہ کرنا اور اس طرح لاجواب کر دینا تھا کہ ان کے غلط عقائد کی قلعی کھل جائے۔ چنانچہ اپنے حریف کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنے اور اس کو راہ راست پر لانے کے لئے ایک بہترین طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر اس کے ساتھ مناظرہ اور تبادلہ خیالات کا موقع آجائے تو اس کے مسلمات میں سے کسی مسلمہ عقیدہ کو صحیح فرض کر کے اس طرح اس کا استعمال کرے کہ اس کا ثمرہ اور نتیجہ حریف کے خلاف اور اپنے موافق ظاہر ہو! اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مذکورہ واقعہ میں اسی طریقہ کو اختیار کیا، ان کی قوم خدائے واحد کے علاوہ بے شمار دیوتاؤں اور بتوں کو پوجتی تھی، ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ یہ دیوتا اور بت سب کچھ سنتے اور دیکھتے ہیں اور ہماری مرادوں کو پورا کرتے ہیں، اور اپنے اپنے ماننے والوں اور اپنے پجاریوں سے خوش ہوتے ہیں اور اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے سخت انتقام لیتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کی اس خام خیالی اور بد عقیدگی کو عملاً ان پر ظاہر کرنے کے لئے ان کے بتوں اور مورتیوں کو توڑ پھوڑ ڈالا اور بڑے بت کو چھوڑ دیا، پھر جب پوچھ گچھ کی نوبت آئی تو انہوں نے مناظرہ کا وہی بہترین طریقہ اختیار کیا جس کا ذکر اوپر کیا گیا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی قوم، پر یہ بات پوری طرح عیاں ہوگئی کہ جو بت اپنے کو شکست وریخت سے نہ بچا سکے اور اپنے کسی دشمن کی توڑ پھوڑ کا مقابلہ نہ کر سکے وہ کسی دوسرے کو کیا نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں اور عبادت و پرستش کے قابل کیسے ہو سکتے ہیں بعض حضرات نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ جواب کی ایک اور تاویل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ کہا **بل فعله كبيرهم** تو **كبيرهم** سے ان کی مراد اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔ گویا اس جملہ کا مطلب یہ تھا کہ ان بتوں کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ اس ذات (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہوا ہے جو سب سے بڑا ہے، اور جس کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔

اب "تیسرے جھوٹ کو لیجئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہؓ کے بارے میں کہا کہ "یہ میری بہن ہے۔" یہ بات بظاہر خلاف حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے "اپنی بیوی" کو "اپنی بہن" بتایا، لیکن اگر اس بات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصل مراد کے سیاق میں دیکھا جائے تو ان کا یہ کہنا کہ "یہ میری بہن ہے" خلاف حقیقت نہیں ہوگا، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہؓ ہم مذہب (دین اسلام کے پیرو) ہونے کی حیثیت سے دینی بھائی بہن تھے، جیسا کہ خود قرآن نے فرمایا ہے **انما المؤمنون اخوة** (تمام اہل ایمان ایک دوسرے کے ساتھ اخوت کا تعلق رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ بیوی کا رشتہ قائم ہو جانے سے دینی اخوت کا رشتہ منقطع نہیں، ہو جاتا۔ علاوہ ازیں حضرت سارہؓ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا حاران کی بیٹی تھیں اور اس اعتبار سے ان کو بہن کہنا ایسی بات ہرگز نہیں ہے جس پر حقیقی جھوٹ کا اطلاق ہو سکے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سارہؓ سے یہ کہنا کہ "اس سرزمین میں سوائے میرے اور تمہارے کوئی دوسرا مؤمن نہیں ہے۔" صورت

حال کا صحیح بیان تھا کیونکہ اس وقت وہاں کوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان نہیں لایا تھا، اور اس شہر میں ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا شخص مؤمن و مسلمان نہیں تھا، لہٰذا اس موقع پر یہ اشکال پیدا نہیں ہوسکتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سرزمین پر صرف دو مؤمنوں (یعنی ایک خود حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے حضرت سارہؓ) کے موجود ہونے کی بات کیسے کہی؟ ایک تیسرے مؤمن حضرت لوط علیہ السلام بھی تو تھے جیسا کہ قرآن کریم کی شہادت ہے:

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ

"پس ایمان لائے لوط علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام (کے دین) پر۔"

ہاں، یہ اشکال اس صورت میں تو پیدا ہوسکتا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جملہ کی مراد یہ ہوئی کہ پوری دنیا میں ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور مؤمن نہیں ہے، یا یہ کہ اس وقت ان دونوں کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی اس شہر میں ہوتے۔

حضرت شیخ عبدالحقؒ نے مذکورہ جملہ کی تشریح میں یہ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس موقع پر اسلام کے رشتہ اخوت کو صرف اپنی اور سارہؓ کی ذات تک جو محدود رکھا تو شاید اس کی بنیاد دین اسلام کی وہ نسبت تھی جو ان کو اصالتاً حاصل تھی اور ان کے تعلق کا وہ خاص شرف تھا جو حضرت سارہؓ کو حاصل تھا۔ حضرت شیخؒ نے اس جملہ کے تحت ایک اور اشکال اور اس کا جواب نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس جابر حاکم کے سامنے واضح طور پر یہی کیوں نہ کہا کہ "یہ عورت میری بیوی ہے۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام جو جو مقصد حضرت سارہؓ کو "بہن سے تعبیر کر کے حاصل کرنا چاہتے تھے وہی مقصد وہ بیوی بتا کر بھی حاصل کر سکتے تھے کیونکہ پہلے زمانوں کے بدقماش لوگوں کا بھی ایک اصول تھا، وہ کسی شخص سے اس کی بیوی کو کم ہی چھینتے تھے؟ دوسرے یہ کہ وہ جابر حاکم اگر اتنا ہی ظالم اور بوالہوس تھا تو اس کو اس بات سے کیا سروکار ہوسکتا تھا کہ کوئی عورت کسی کی بہن ہے یا بیوی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس جابر حاکم کی ایک خاص عادت تھی کہ وہ کسی شخص سے اس کی بہن کو نہیں چھینتا تھا لیکن شوہر سے اس کی بیوی کو ضرور لے لیتا تھا، علاوہ ازیں وہ حاکم مذہب کے اعتبار سے آتش پرست تھا اور آتش پرستوں میں بہن اور بھائی کے رشتہ کی ایک خصوصی اہمیت تھی یہاں تک کہ بڑے سے بڑا بوالہوس آتش پرست بھی کسی کی بہن پر بری نظر نہیں ڈال سکتا تھا اور اپنے اس مذہبی اصول کا احترام کرتا تھا کہ جو عورت اپنے بھائی کی تولیت اور کفالت میں ہے یا جس عورت کو کسی شخص نے اپنی بہن بتادیا ہے وہ ہر طرح سے محفوظ و مامون ہے اور اس کا بھائی ہی اس کے بارے میں تمام تر حق و اختیار رکھتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاہا کہ اسی کے دین کا سہارا لیں اور سارہؓ کو اس ظالم کے چنگل سے بچانے کے لئے ایسی بات کہیں جو بالکل ہی خلاف واقعہ بھی نہ ہو اور وہ ظالم بھی اپنے برے ارادے سے باز آجائے۔ یہ اور بات ہے۔ کہ اس ظالم پر شیطان کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اس نے نہ تو اپنے دین کے اصول کا احترام کیا اور نہ اپنی قماش کے لوگوں کی روایت و عادت کا لحاظ رکھا بلکہ حضرت سارہؓ کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے درپے ہوا۔

"حضرت ابراہیمؑ نماز پڑھنے کھڑے ہوگئے۔ یعنی وہ حضرت سارہؓ کو اس حاکم کی طرف روانہ کر کے خود نماز پڑھنے اور رب العزت میں عرض و مناجات کے لئے کھڑے ہوگئے تاکہ اپنے پروردگار سے التجا کریں کہ اس کی قدرت کاملہ سارہؓ کی عزت کو محفوظ رکھے اور انہیں اس سخت ترین پریشانی سے نجات دے۔ چنانچہ اللہ کے مقرب بندوں کی یہی عادت ہے کہ جب انہیں کوئی سخت پریشانی لاحق ہوتی ہے اور وہ رنج و مصیبت میں گھر جاتے ہیں تو نماز پڑھنے لگتے ہیں اور ان کا یہ عمل قرآن کریم کی اس آیت کے بموجب ہوتا ہے۔

یا ایھاالذین امنوا استعینو ابالصبر والصلوۃ۔

"اے ایمان والو! صبر و نماز کے واسطہ سے اللہ کی مدد چاہو۔"

"ذھب یتنا ولھا بیدہ فاخذ" میں لفظ اخذ (پکڑا گیا) تخفیف کے ساتھ مجہول کا صیغہ ہے، اس لفظ کی وضاحت میں تین قول ہیں، ایک تو یہ کہ جب اس ظالم نے برے ارادے کے ساتھ حضرت سارہؓ کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہا تو قدرت الٰہی نے سارہؓ کی اس طرح مدد کی کہ وہ ظالم اپنے برے ارادے سے باز رکھا گیا۔ دوسرے یہ کہ وہ ظالم اپنے ارادۂ بد کی پاداش میں فوراً پکڑا گیا اور اس پر عذاب خداوندی نازل ہو گیا۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ جونہی اس نے حضرت سارہؓ پر ہاتھ ڈالنا چاہا اس پر بیہوشی طاری کر دی گئی۔ واضح رہے کہ ایک روایت میں لفظ اخذ، تاخیذ سے تشدید کے ساتھ بھی نقل کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں "کسی پر جادو ٹونا کرا دینا، یعنی افسوں یا سحر کے ذریعہ اس کے دل و دماغ کو اس طرح باندھ دینا کہ وہ حیران و سراسیمہ ہو جائے۔

لفظ "فغط" بھی مجہول کا صیغہ ہے، معنی یہ ہیں کہ اس کا گلا گھونٹا گیا اور دم رک سا گیا۔ یا یہ کہ اس کے حلق سے اس طرح کی آواز (خرخراہٹ) نکلنے لگی، جیسے سوئے ہوئے شخص کے خراٹے کی ہوتی ہے۔

"پھر اس نے سارہؓ کی خدمت کے لئے ہاجر نام کی ایک لونڈی دی۔ مطلب یہ کہ جب اس حاکم نے حضرت سارہؓ کی بزرگی کا اس طور پر مشاہدہ کیا اور جان لیا کہ یہ کوئی معمولی عورت نہیں ہے بلکہ اپنے خدا کے نزدیک بہت بلند مقام و مرتبہ اور کمال درجہ کا تقرب رکھتی ہے تو اس نے نہ صرف یہ کہ بڑے خوف اور دہشت کے ساتھ ان کو واپس بھیج دیا بلکہ ان کی خدمت کے لئے ایک "لونڈی" ان کے ساتھ کر دی جن کا اصل نام "ہاجر" یا "آجر" تھا مشہور "ہاجرہ" ہے۔ حضرت سارہؓ کے بطن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی، چنانچہ حضرت سارہؓ نے حضرت ہاجرہؓ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا اور کہا کہ مجھے امید ہے کہ اس کے بطن سے آپ کے یہاں کوئی بچہ ہوگا۔ ان دنوں حضرت ابراہیم علیہ السلام سو برس کی عمر کے ہو چکے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام عطا فرمایا اور آخر میں حضرت سارہؓ کی گود ہری ہوئی اور ان کے بطن سے حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

"اے آسمان کے پانی کے بیٹو!" یہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد یعنی اہل عرب سے خطاب ہے! اور حضرت ابوہریرہؓ کا ان (اہل عرب) کو "آسمان کے پانی" سے تعبیر کرنا ان کے نسلی و نسبی شرف و عظمت کے اظہار کے طور پر تھا کیونکہ "آسمان کا پانی" نظافت و پاکیزگی کے لئے ضرب المثل ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: فلاں شخص آسمان کے پانی سے بھی زیادہ پاک وصاف ہے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اہل عرب کو بنی ماء السماء (آسمان کے پانی کے بیٹے، اس لئے کہا تھا کہ وہ بارش کے انتظار میں رہتے تھے، جہاں بارش ہوتی وہاں جا کر رہ جاتے تھے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ بنی ماء السماء سے انصار مراد ہیں کیونکہ وہ عامر بن حارثہ ازدی کی اولاد ہیں جو نعمان بن منذر کا دادا تھا اور اس کا لقب ماء السماء تھا، اور یہ لقب اس وجہ سے پڑا تھا کہ اس کی قوم کے لوگ اس کے وسیلہ سے بارش مانگتے تھے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ "ماء السماء" سے مراد زمزم ہے اور حضرت ابوہریرہؓ نے بنی ماء السماء کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا کہ زمزم کا چشمہ حضرت اسمٰعیل کی وجہ سے نمودار ہوا تھا اس کا پانی، آسمان قدس و طہارت سے اس زمین پر آیا تھا اور یہ کہ زمین سے جو بھی فوائد و فیوض برآمد ہوتے ہیں وہ سب صانع حقیقی اللہ تعالیٰ آسمان سے ہی بھیجتا ہے۔ یہ بھی وضاحت ضروری ہے کہ اگرچہ تمام اہل عرب حضرت ہاجرہؓ ہی کے بطن سے تعلق نہیں رکھتے لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی کی اولاد میں سے ہیں اس لئے "اکثر و اغلب" کا اعتبار کرتے ہوئے تمام ہی اہل عرب کو "بنی ماء السماء" سے خطاب کیا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام سے متعلق بعض اہم واقعات کا ذکر

⑧ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ اِذْقَالَ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ

الْمَوْتٰی وَيَرْحَمُ اللّٰهُ لُوْطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِیْ اِلٰی رُكْنٍ شَدِيْدٍ وَلَوْ لَبِثْتُ فِی السِّجْنِ طُوْلَ مَالَبِثَ يُوْسُفُ لَاَجَبْتُ الدَّاعِیَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے لائق ہیں، جب انہوں نے کہا تھا رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی (اے پروردگار! مجھے دکھادے کہ تو مردوں کو کس طرح جلائے گا) اور اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم کرے جو رکن شدید" کا سہارا پکڑنا چاہتے تھے۔ اور اگر میں قید خانے میں اتنی طویل مدت تک رہتا جتنی مدت حضرت یوسف علیہ السلام رہے تو میں یقیناً بلانے والے کی دعوت قبول کرلیتا۔" (بخاری ومسلمؒ)

تشریح: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جس "شک" کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تذکرہ قرآن کریم میں یوں ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ط قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ط قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ط۔

"اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے دکھادے کہ تو مردوں کو کس طرح جلائے گا ارشاد ہوا کیا آپ (علیہ السلام) کو یقین نہیں ہے، عرض کی کہ ضرور ہے، لیکن (یہ درخواست) اس لئے ہے کہ قلب کو (اور) اطمینان ہو جائے۔"

اور اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ۔ "ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے لائق ہیں۔" تو اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو صحابہ میں سے کچھ حضرات نے (آنحضرت کی عظمت اور برتری ظاہر کرنے کے لئے) کہا کہ یہ شک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہوا، ہمارے حضرت ﷺ نے اس طرح کا شک ظاہر نہیں کیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سنا تو فرمایا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے لائق ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے ظاہری اسلوب سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے نہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بلکہ اپنی ذات شریف کے لئے بھی مذکورہ شک کا اثبات کیا حالانکہ دونوں کا اس طرح کے شک میں مبتلا ہونا امر محال ہے کیونکہ انبیاء کرام صلوٰت اللہ وسلامہ اجمعین جن کی ذات ایمان وایقان کا اولین مظہر بلکہ اصل اور بنیاد ہوتی ہے اور جن کا وجود طمانیت وعرفان کا سرچشمہ ہوتا ہے، فطری طور پر شک وتردد سے محفوظ ومامون ہوتے ہیں، ان میں عدم ایقان اور شک وشبہ کے وجود کے کوئی معنی نہیں۔ لہٰذا مذکورہ ارشاد سے آنحضرت ﷺ کی مراد وہ نہیں ہے جس کا تقاضا ظاہری اسلوب کرتا ہے بلکہ آپ ﷺ کی اصل مراد یہ ہے کہ اس آیت کریمہ سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے جو درخواست کی اس کا تحریک احیاموتی کے نفس وقوع میں کوئی شک وشبہ تھا، وقوع پر تو ان کو پورا ایمان وایقان تھا، وہ صرف مراتب عرفان اور کمالات ایقان میں ترقی کے طلب گار تھے، علم الیقین سے اور آگے بڑھ کر علم الیقین کے درجہ پر پہنچنے کے متمنی تھے جس کو اطمینان قلبی سے تعبیر کیا، یعنی ان کا مدعا یہ تھا کہ احیاء موتی کے وقوع پر ایمان کے درجہ تک تو یقین اب بھی حاصل ہے، صرف یہ چاہتا ہوں کہ مشاہدہ بھی حاصل ہو جائے تاکہ اطمینان قلب کی دولت میں اور اضافہ ہو۔ ان صحابہ پر اسی بات کو واضح کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے یہ پیرایہ بیان اختیار فرماتے ہیں کہ دیکھو شک وتردد اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام میں راہ پاسکتا تو یقیناً ہم میں بھی راہ پاتا اور تم یہ جانتے ہی ہو کہ ہم میں شک وتردد کا کسی طرح گذر نہیں ہوتا لہٰذا جان لو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہماری ہی طرح کمال ایقان وعرفان کے درجہ پر فائز تھے اور ان کے دل ودماغ میں بھی کسی طرح کا کوئی شک وتردد راہ پائے ہوئے نہیں تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مذکورہ درخواست کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے یہاں کے بادشاہ وقت نمرود اور قوم کے لوگوں کے قلب ودماغ میں خدائے واحد کا یقین پیدا کرنے کے لئے یہ دلیل پیش کی کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے، تو اس موقع پر انہوں نے پروردگار کے حضور یہ درخواست گذاری تاکہ ان کی پیش کردہ دلیل سب کے مشاہدہ میں بھی آجائے۔ بہر حال آنحضرت ﷺ کے مذکورہ ارشاد گرامی کے بین السطور سے آنحضرت ﷺ کی ذات شریف پر حضرت

ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت و برتری کا اظہار ہوتا ہے حالانکہ آنحضرت ﷺ کا تمام انبیاء سے افضل و برتر ہونا ثابت شدہ حقیقت ہے یہ باعث خلجان بات ہے، چنانچہ اسی خلجان و اشکال کو دور کرنے کے لئے شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعلق سے یہاں جو کچھ فرمایا ہے وہ انکسار و تواضع کے طور پر ہے، یا یہ کہ آپ ﷺ کا یہ اشارہ اس وحی کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے کہ آپ تمام اولاد آدم علیہ السلام کے سردار اور سب سے افضل ہیں۔ یہی توجیہ ہر اس حدیث کی ہے جو آنحضرت ﷺ کی عدم افضلیت کا مفہوم ظاہر کرتی ہے۔

"جو رکن شدید کا سہارا پکڑ نا چاہتے تھے۔" رکن، اصل میں کسی بھی چیز کے مضبوط کنارے یا مضبوط ستون کو کہتے ہیں، اور یہاں "رکن شدید" سے مراد "مضبوط اور طاقت ور لوگوں کی جماعت" ہے حدیث کے اس جملہ میں حضرت لوط علیہ السلام کے تعلق سے جس بات کا ذکر کیا گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب قوم لوط علیہ السلام اپنی بدعملی، سرکشی، بے حیائی اور خبیث اخلاقی گراوٹ (ہم جنسی یعنی امرد لڑکوں سے اختلاط) میں حد سے تجاوز کر گئی اور حضرت لوط علیہ السلام کے ابلاغ حق، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اس پر مطلق کچھ اثر نہیں ہوا، تو آخر کار حق تعالیٰ کی طرف سے ان کی سزا و بربادی و ہلاکت کا فیصلہ ہو گیا، چنانچہ عذاب کے فرشتے قوم لوط کے شہر سدوم میں اترے، اور آدمیوں کی شکل و صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کے یہاں مہمان ہوئے، یہ فرشتے نہایت حسین و خوبصورت اور عمر میں نوجوان لڑکوں کی شکل و صورت میں تھے، حضرت لوط علیہ السلام نے ان مہمانوں کو دیکھا تو گھبرا گئے اور ڈرے کہ بدبخت قوم کے لوگ میرے ان مہمانوں کے ساتھ نہ معلوم کیا سلوک کریں گے، اس وقت تک حضرت لوط علیہ السلام کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ یہ خدا کے پاک فرشتے ہیں اور اس بدبخت قوم کے لئے عذاب الٰہی کا فیصلہ لے کر آئے حضرت لوط علیہ السلام اسی پریشانی اور تردد میں تھے کہ قوم کو خبر لگ گئی اور یہ مطالبہ لے کر حضرت لوط علیہ السلام کے مکان پر چڑھ آئے کہ ان (مہمانوں) کو ہمارے حوالہ کرو، حضرت لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو اس وقت بھی بہت سمجھایا، ان کی بدفطرتی پر ان کو غیرت عار دلائی اور کوشش کی کہ یہ بدبخت ان معزز اور پاکباز نو عمر مہمانوں کے تئیں اپنی بری نیت اور ارادہ بد سے باز آجائیں، اور پھر جب انہوں نے دیکھا کہ ان لوگوں کے سیاہ دلوں پر کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے اور سب کے سب ان کے مہمانوں کے ساتھ بد اخلاقی پر تلے ہوئے ہیں، تب پریشان خاطر ہو کر انہوں نے فرمایا۔

لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ

"کاش تمہارے مقابلہ کی مجھے (ذاتی) طاقت حاصل ہوتی یا (طاقت ور ساتھیوں اور حمایتوں کی صورت میں) کوئی مضبوط سہارا ہوتا جس کا آسرا پکڑ سکتا (اور ان مہمانوں کو تمہارے شر سے محفوظ رکھتا۔"

پس آنحضرت ﷺ نے حضرت لوط علیہ السلام کی اسی "حسرت و تمنا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا لوط علیہ السلام پر رحم کرے کہ وہ انسانی طاقت و قوت کا سہارا چاہنے لگے تھے حالانکہ اصل سہارا اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت اور اس کی حفاظت و حمایت کا ہے کہ اہل عرب کے کلام کا یہ خاص اسلوب ہے کہ جب وہ کسی شخص کے ایسے قول و فعل کا ذکر کرتے ہیں جو تقصیر سے تعلق رکھتا ہو یا اس کو وہ کام و کلام نہ کرنا چاہئے تھا کہتے ہیں کہ اللہ اس شخص پر رحم کرے، یا اللہ اس شخص کو معاف فرمائے کہ اس نے ایسا کام کیا یا ایسی بات کہی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مذکورہ ارشاد کے ذریعہ کیا اس طرف اشارہ فرمایا کہ نعوذ باللہ حضرت لوط علیہ السلام خدا کی قدرت پر بھروسہ نہیں رکھتے تھے جو کسی "رکن شدید" کی پناہ کے طالب ہوئے! جواب ہے کہ ہرگز نہیں کیونکہ ایسا سمجھنا نہ صرف یہ کہ خلاف واقعہ ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کے طریق ادب کے بھی منافی ہے، جہاں تک حضرت لوط علیہ السلام کے "رکن شدید" کی پناہ طلب کرنے کا سوال ہے، تو حضرت لوط علیہ السلام خدا کو بھول کر کسی اور کی پناہ کے طالب نہیں تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس وقت اپنی قوم کے ارادہ بد کو دیکھ کر اس قدر پریشان اور اس درجہ قابل رحم حالت میں تھے کہ طبعی طور پر ان کی یہ تمنا ہوئی کہ کاش! اللہ تعالیٰ میری مدد فرماتا اور اتنی طاقت و قوت عطا فرما دیتا کہ میں اسی وقت ان بدبختوں کو ان کی خباثت کا مزہ چکھا دیتا، چنانچہ ان کے پروردگار نے آخر ان

کی مدد کی اور ان فرشتوں نے (جو نو عمر مہمانوں کی شکل وصورت میں ان کے یہاں آئے تھے) ان پر اپنا راز ظاہر کر دیا اور ان کو تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں، زیادہ دیر نہیں لگے گی کہ یہ بدبخت اپنی بدکرداری کے عبرتناک انجام تک پہنچ جائیں گے۔ رہی آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی بات، تو جب آنحضرت ﷺ عام لوگوں تک کی غیبت اور عیب جوئی سے منع فرماتے تھے خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں تو یہ تصور کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ ایک نبی مرسل (لوط علیہ السلام) کے بارے میں ایسی بات فرمائیں جو ان کے رتبہؑ و درجہ کو کم کرنے یا ان کی کم ہمتی کے اظہار کی موہم ہو، پس آپ ﷺ کے اس ارشاد کی مراد دراصل یہ واضح کرنا تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام ایک انسان تھے اور ایسے نازک وقت میں ان کی بشری جبلت کا اندرونی تقاضا یہ ہوا کہ وہ ان بدکردار اور اوباش لوگوں کو مزہ چکھانے کے لئے مضبوط طاقت ور لوگوں کی مدد کے متمنی ہوں، اور حضرت لوط علیہ السلام کے اس عمل میں ہمارے لئے یہی جواز موجود ہے کہ اس طرح کے موقعوں پر ہم عالم اسباب سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مادی و دنیاوی وسائل و ذرائع سے مدد لے سکتے ہیں باوجودیکہ ہر حالت میں ہمارا اصل بھروسہ رب الارباب پر ہوتا ہے اور ہم حقیقی سہارا اسی کی مدد و نصرت کو جانتے اور مانتے ہیں۔ اب ایک بات اور رہ جاتی ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد کی ابتدا یرحم اللہ کے الفاظ سے کیوں کی؟ تو حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ الفاظ استعمال ہی اس لئے فرمائے کہ کوئی شخص حضرت لوط علیہ السلام کے اس واقعہ کو کسر شان پر محمول نہ کرے اور اس وہم میں مبتلا نہ ہو جائے کہ انہوں نے "رکن شدید" کا جو سہارا تلاش کیا تھا اس سے ان کے درجہ و مرتبہ کی تنقیص ہوئی یا اس کی وجہ سے ان کی ذات پر کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کلام کے شروع میں اس طرح کے الفاظ کا استعمال محض دعاء و تعظیم یا شان و مرتبہ کے تقدس و احترام کو باقی رکھنے کے لئے بھی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو مخاطب فرمایا گیا ہے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ

"اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے، آپ ﷺ نے ان کو اجازت کیوں دے دی تھی۔"

"اور اگر میں قید خانہ میں اتنی طویل مدت تک رہتا...... الخ۔" حدیث کے اس آخری جملہ کا تعلق حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح و تعریف سے ہے جس میں ان کے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کر کے ان کے صبر و ثبات کے کمال کو ظاہر فرمایا گیا ہے، اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر نے ایک غلام کے طور پر خریدا اور اپنے گھر لایا تو ان کے ساتھ غلاموں کا سا معاملہ نہیں کیا بلکہ اپنی اولاد کی طرح عزت و احترام کے ساتھ رکھا اور گھریلو زندگی کی تمام ذمہ داریاں ان کے سپرد کر دیں، حضرت یوسف علیہ السلام کی جوانی کا عالم تھا۔ جمال و رعنائی اور حسن و خوبروئی کے پیکر تھے، ادھر یہ کہ ہر وقت کا ساتھ، عزیز مصر کی بیوی دل پر قابو نہ رکھ سکی اور حضرت یوسف علیہ السلام پر پروانہ وار نثار ہونے لگی، مگر حضرت یوسف علیہ السلام، جو خانوادۂ نبوت کے چشم و چراغ اور منصب نبوت کے لئے منتخب تھے، بھلا ان سے یہ کس طرح ممکن تھا کہ بے کرداری اور فحش میں مبتلا ہو کر عزیز مصر کی بیوی کے ارادۂ بد کو پورا کر دیتے، اس عورت نے پہلے تو آرائش حسن و زینت کی بے پناہ نمائش اور عشوہ طرازیوں کی بارش کے ذریعہ ان کو اپنے جال میں پھانسنا چاہا اور جب کامیاب نہ ہوئی تو زور زبردستی پر اتر آئی، مگر خدا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے خبث نفس کی گرفت سے بچا لیا، پھر اس عورت کے ناکام عشق کا بھید اس کے شوہر عزیز مصر پر بھی کھل گیا لیکن اس نے حقیقت حال سے آگاہ ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کی ستائش کی اور اپنی عورت کو فہمائش کی اور خفت و رسوائی سے بچنے کے لئے معاملہ کو دبا دیا، مگر بات پوشیدہ نہ رہ سکی اور شدہ شدہ شاہی خاندان کی عورتوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، اور عزیز مصر کی بیوی اپنی ہم جولیوں اور سہیلیوں کی طنز و تعریض کا نشانہ بن کر رہ گئی اس صورت حال نے اس کو بوکھلا دیا اور اس نے طے کیا کہ طنز و تعریض کرنے والی عورتوں کو ایسا سبق دینا چاہئے کہ وہ جس بات پر مجھ پر پھبتے اڑاتی ہیں خود اس میں مبتلا ہو جائیں۔ چنانچہ ایک دن اس نے شاہی خاندان اور عمائدین شہر کی عورتوں کو دعوت دی اور جب سب نے دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے کے لئے چھری کانٹے ہاتھ میں لئے تو عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو حکم

دیا کہ وہ باہر آئیں، وہ مالکہ کا حکم سن کر باہر نکلے اور جب عورتوں نے جمال یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو رخ انور کی تابانی سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ چیزیں کاٹنے کے بجائے چھری کانٹوں سے ہاتھ کاٹ لئے اور یہ دیکھ کر عزیز مصر کی بیوی بہت محظوظ ہوئی اور فخرہ انداز میں کہنے لگی کہ یہی وہ غلام ہے جس کے عشق و محبت کے بارے میں تم نے مجھے مطعون کر رکھا ہے اور تیر ملامت کا نشانہ بنایا ہوا ہے، اب بتاؤ میرا عشق بجا ہے یا بیجا۔؟ عزیز مصر کی بیوی نے اس وقت یہ بھی کہا کہ بیشک میں نے اس شخص کو اپنے قابو میں کرنا اور اس کے دل کو اپنے پنجہ عشق میں لینا چاہا مگر یہ میرے قابو میں نہیں آیا، اب میں یہ کہے دیتی ہوں کہ اس نے میرا کہنا نہ مانا تو قید خانے کی ہوا کھائے گا اور بے عزت ہو کر رہے گا۔ معاملہ جب اس حد تک پہنچ گیا تو عزیز مصر نے باوجودیکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پاکباز اور پختہ کردار پرکھ لیا تھا، اپنی بیوی کی فضیحت و رسوائی دیکھ کر یہ طے کر لیا کہ یوسف علیہ السلام کو کچھ عرصہ کے لئے قید خانہ میں ڈال دے تاکہ یہ معاملہ لوگوں کے دلوں سے محو ہو جائے اور چرچے بند ہو جائیں اور اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ میں بند کر دیا گیا۔ وہ نو برس تک قید خانہ میں پڑے رہے تاآنکہ بعض واقعات کے نتیجہ میں مصر کا بادشاہ فرعون تک ان کی بزرگی، جلالت قدر اور عظمت شان کا قائل ہو گیا تو اس نے ان کی رہائی کا حکم جاری کر دیا، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے سے باہر آنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ پہلے میرے معاملہ کی تحقیق کرو اور جن عورتوں نے مجھے دیکھ کر اپنی انگلیاں کاٹ لی تھیں ان سے میرے کردار اور میری پاکیزگی کی چھان بین کرو، جب تک معاملہ کی اصل صورت سامنے نہیں آجائے گی اور میرا بے قصور اور صاحب عصمت ہونا پوری طرح ظاہر و ثابت نہیں ہو جائے گا میری عزت نفس جیل سے باہر آنا گوارا نہیں کرے گی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر یوسف علیہ السلام کی جگہ میں ہوتا اور مجھے اتنی طویل مدت تک قید خانہ میں رہنا پڑ جاتا تو رہائی کا پروانہ آتے ہی اس کو قبول کر لیتا اور جیل سے باہر آنے میں کوئی توقف نہ کرتا، نہ اس بات کا مطالبہ کرتا کہ صورت حال کی مکمل تحقیق و تفتیش ہو اور نہ اس تحقیق و تفتیش کے نتیجہ کے ساتھ اپنی رہائی کو مشروط کرتا! یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام کی زبردست تعریف و تحسین اور ان کے صبر و ثبات اور متانت رائے کا اظہار و اعتراف ہے کہ ایسی صورت میں جب کہ کوئی شخص ایک مدت دراز تک جیل کی کوٹھری میں بند اور وہاں کے مصائب و آلام میں مبتلا رہے اور جب اس کی رہائی کا پروانہ آئے تو وہ شخص اپنی عزت نفس کی خاطر اس پروانے کو ٹھکرا دے اور جیل سے باہر آنے سے اس وقت تک کے لئے انکار کر دے جب تک کہ اس کو بالکل بے داغ اور بے قصور قرار نہ دے دیا جائے۔ صبر و استقامت کی ایک ایسی مثال ہے جس کا کسی اور کے لئے تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یہ صرف حضرت یوسف علیہ السلام ہی کا کمال تھا کہ انہوں نے بے مثل کردار کا ثبوت دیا۔ تاہم یہ واضح رہے کہ آنحضرت نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس کردار اور ان کی شان استقامت کا ذکر جس انداز میں فرمایا وہ تواضع و کسر نفسی پر محمول ہے ورنہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی صبر و استقامت کا ایسا پیکر جلیل تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے اس صبر و استقامت پر بھاری نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وصف تمام اولوالعزم انبیاء سے بلند و بالا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ایذاء بنی اسرائیل

⑨ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مُوْسٰى كَانَ رَجُلاً حَيِيًّا سِتِّيْرًا لَا يُرٰى مِنْ جِلْدِهٖ شَيْءٌ اِسْتِحْيَاءً فَاٰذَاهُ مَنْ اٰذَاهُ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ فَقَالُوْا مَا تَسَتَّرَ هٰذَا التَّسَتُّرَ اِلَّا مِنْ عَيْبٍ بِجِلْدِهٖ اِمَّا بَرَصٌ اَوْ اُدْرَةٌ وَاِنَّ اللّٰهَ اَرَادَ اَنْ يُّبَرِّئَهٗ فَخَلَا يَوْمًا وَحْدَهٗ لِيَغْتَسِلَ فَوَضَعَ ثَوْبَهٗ عَلٰى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهٖ فَجَمَعَ مُوْسٰى فِيْ اَثَرِهٖ يَقُوْلُ ثَوْبِيْ يَا حَجَرُ ثَوْبِيْ يَا حَجَرُ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى مَلَاءٍ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ فَرَاَوْهُ عُرْيَانًا اَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ وَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَا بِمُوْسٰى مِنْ بَاْسٍ وَاَخَذَ ثَوْبَهٗ وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا فَوَاللّٰهِ اِنَّ بِالْحَجَرِ لَنَدَبًا مِنْ اَثَرِ ضَرْبِهٖ ثَلٰثًا اَوْ اَرْبَعًا اَوْ خَمْسًا (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام ایک نہایت شرمیلے اور سخت پردہ کا اہتمام رکھنے والے آدمی

تھے، ان پر شرم وحیا کا اتنا غلبہ تھا کہ (پورے بدن کو ہروقت ڈھانپے رہتے تھے اور) ان کے جسم کی کھال کا کوئی بھی حصہ دکھائی نہ دیتا تھا، ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے ان کو ایذا اور رنج پہنچانا چاہا تو انہوں نے مشہور کردیا کہ موسی علیہ السلام اپنے جسم کو اس قدر احتیاط و اہتمام کے ساتھ اس لئے ڈھانپے رہتے ہیں کہ ان کے جسم میں کوئی عیب ہے، یا تو برص (کوڑھ) ہے یا خصیے پھولے ہوئے ہیں۔ (جب یہ بات بہت پھیل گئی تو) اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ جو عیب موسی علیہ السلام پر لگایا جارہا ہے اس سے ان کو محفوظ و مامون رکھے اور ان کی بے عیبی کو ظاہر و ثابت کرے، چنانچہ ایک دن جب کہ موسی علیہ السلام ایک پوشیدہ جگہ نہانے کے لئے گئے اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے تو وہ پتھر ان کے کپڑوں کو لے کر بھاگا، موسی علیہ السلام نے (یہ ماجرا دیکھا تو نہایت حیرانی واضطراب کے عالم میں) اس پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے کہ اے پتھر میرے کپڑے دے، ارے او پتھر میرے کپڑے دے، یہاں تک کہ (آگے آگے پتھر اور اس کے پیچھے پیچھے) حضرت موسی دوڑتے ہوئے بنی اسرائیل کے لوگوں کے ہجوم تک پہنچ گئے، ہجوم نے حضرت موسی علیہ السلام کا برہنہ جسم دیکھا تو ان کو خدا کی مخلوق میں ایک بہترین اور بے عیب جسم کا انسان پایا، تب انہوں نے (بیک آواز) کہا کہ خدا کی قسم، موسی کا بدن کسی بھی عیب ونقصان سے پاک و مبرا ہے۔ اور موسی علیہ السلام نے پتھر کو (لاٹھی سے) مارنا شروع کیا، خدا کی قسم موسی علیہ السلام کے مارنے کی وجہ سے اس پتھر پر نشان پڑ گئے، تین نشان یا چار نشان یا پانچ نشان۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: بنی اسرائیل اپنے پیغمبر حضرت موسی علیہ السلام کو کس طرح سخت اذیت وتکلیف پہنچاتے تھے اس کا اندازہ اس حدیث میں مذکورہ واقعہ سے کیا جاسکتا ہے، بت پرستی کی فرمائش، گوسالہ پرستی میں انہماک، قبول تورات سے انکار، ارض مقدس میں داخلہ سے انکار اور من وسلوی پر ناسپاسی حتیٰ کہ ان کی ذات پر بہتان تراشی اور تہمت تراشی ایسی کونسی قولی فعلی ایذا تھی جو ان کی طرف سے حضرت موسی علیہ السلام کو نہیں پہنچی! یہ حضرت موسی علیہ السلام کی اولو العزمی اور ان کے صبر و ضبط کا کمال تھا کہ وہ اپنی قوم کی ہر ایذا کو برداشت کرتے اور اپنے خدا کی طرف سے رشد و ہدایت کے پیغام میں انہماک کے جذبہ عمل کو سرد نہیں ہونے دیتے تھے، اور یہ ان کے خدا کا ان پر انعام تھا کہ ہر مرحلہ پر اس نکمی اور پست قوم کے مقابلہ پر ان کو سرخ روئی اور عزت عطا ہوئی تھی۔ جب بدبخت قوم کے لوگوں نے ان کے وصف شرم وحیاء کی تحسین وتقلید کے بجائے ان کی ذات کو عیب دار بنانے کا بیڑا اٹھالیا اور پوری قوت کے ساتھ یہ مشہور کردیا کہ موسی علیہ السلام اپنے جسم کو جو اتنا زیادہ چھپاتے ہیں اور اپنے بدن کے ان حصوں پر بھی نگاہ نہیں پڑنے دیتے جو ستر میں شامل نہیں ہیں، یہاں تک کہ سب کی نظروں سے چھپ کر تنہائی میں نہاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے حصہ جسم پر برص کے داغ ہیں، یا ان کے خصیے پھول گئے ہیں، یا کوئی اسی قسم کا خراب مرض ان کو لاحق ہے! چنانچہ حق تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ موسی علیہ السلام کے بے عیب اور باوجاہت بدن کا عام مشاہدہ کرادیا جائے تاکہ لوگ اپنی آنکھوں سے حقیقت حال کو دیکھ لیں اور ایک رسواکن شہرت کی قلعی کھل جائے! اس طرح پتھر کا کپڑا لے کر بھاگنے کا وہ واقعہ پیش آیا جس کا حدیث میں ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی ہدایت اور دینی خدمت کی راہ میں سرگرم عمل رہنے والے اپنے برگزیدہ بندوں کو ہر اس عیب اور نقصان سے آخر کار بری اور پاک ثابت کردیتا ہے، جو ان کے مخالف اور نادان لوگ ان کی طرف منسوب کرکے ان کو متہم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے ان مخلص بندوں کے ساتھ یہ خصوصی معاملہ اس لئے کرتا ہے تاکہ وہ عام لوگوں کی نگاہ میں معزز ومکرم ہوں اور ان کی شخصی وجاہت الزامات واتہامات کے گرد وغبار سے صاف رہے۔

"مارنے کی وجہ سے اس پتھر پر نشان پڑ گئے........" یعنی جب وہ پتھر حضرت موسی علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا تو ان پر اس اچانک واقعہ کا ایسا اثر پڑا کہ وہ غصہ میں جھنجھلا کر پتھر پر لاٹھی کے وار کرنے لگے، اور جب بھی ان کی لاٹھی پتھر پر پڑتی اس پر ایک نشان پڑ جاتا، اس طرح جتنی بار انہوں نے لاٹھی ماری اتنے ہی نشان اس پتھر پر پڑ گئے۔ اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ جب حضرت موسی علیہ السلام گھبراہٹ اور غصہ میں اس پتھر کے پیچھے بھاگے اور آخر کار وہ پتھر بنی اسرائیل کے ایک بڑے مجمع کے سامنے ٹھہر گیا تو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اس پتھر کو اٹھا کر اپنے ساتھ رکھیں، چنانچہ وہ پتھر ان کے ساتھ رہا اور جب وہ بنی اسرائیل کے ساتھ تیہ کے میدان (صحراء سینا) میں پہنچے تو اس وقت انہوں نے پتھر پر اپنی لاٹھی سے ایک ضرب یا کئی ضربیں لگائیں اور پتھر میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ اس قول کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ بیان کیا گیا ہے کہ جب بنی اسرائیل صحراء سینا میں پہنچ کر اس خیال سے گھبرا اٹھے کہ اس بے آب وگیاہ میدان میں پانی کہاں سے پئیں گے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا عصا ایک پہاڑی چٹان پر مارا جس کے نتیجہ میں فوراً بارہ سوت ابل پڑے اور بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لئے جدا جدا چشمے جاری ہو گئے تو اس "پہاڑی چٹان" سے مراد وہی پتھر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا تھا اور جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے ساتھ رکھ چھوڑا تھا۔ بہرحال حدیث سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزے ثابت ہوئے، ایک تو بے جان پتھر کا حرکت میں آجانا اور چلنے لگنا اور دوسرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کی ضرب سے اس پتھر پر نشان پڑ جانا۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پوشیدہ جگہ پر ننگے بدن نہانا جائز ہے اگرچہ ایسی جگہ نہاتے وقت بھی ستر ڈھانکنا افضل ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مخالفین اور نادانوں کی ایذاء انبیاء اور اولیاء اللہ پر اثر انداز ہوتی ہے اور وہ اس سے تکلیف محسوس کرتے ہیں، لیکن اس ایذاء پر صبر وضبط کرتے ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا ایک واقعہ

(۱۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَيُّوْبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِّنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ اَيُّوْبُ يَحْثِيْ فِيْ ثَوْبِهٖ فَنَادَاهُ رَبُّهٗ يَا اَيُّوْبُ اَلَمْ اَكُنْ اَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرٰى قَالَ بَلٰى وَعِزَّتِكَ وَلٰكِنْ لَاغِنٰى بِيْ عَنْ بَرَكَتِكَ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا! "حضرت ایوب علیہ السلام (جب طویل اور سخت ترین بیماری کی آزمائش وامتحان میں سرخرو ہوئے اور ان کو صحت وعافیت نصیب ہوئی تو انہوں نے غسل صحت کیا اور اسی غسل صحت کے دوران وہ) برہنہ جسم نہارہے تھے کہ (اللہ تعالیٰ نے ان کے گھر پر سونے کی ٹڈیاں برسانا شروع کیا اور وہ) سونے کی ٹڈیاں ان کے اوپر (یعنی دائیں بائیں) گرنے لگیں، حضرت ایوب ان ٹڈیوں کو سمیٹ کر اپنے کپڑے میں رکھنے لگے (سونے کی ٹڈیوں میں ان کا یہ انہاک دیکھ کر) ان کے پروردگار نے ان کو مخاطب کرکے کہا کہ ایوب (علیہ السلام)! جو چیز تم دیکھ رہے ہو کیا ہم نے اس سے تمہیں بے نیاز نہیں کردیا ہے؟ حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کی! بیشک تیری عزت کی قسم تو نے مجھے اس چیز سے بے پروا کردیا ہے لیکن میں تیری نعمت کی کثرت اور تیری رحمت کی فراوانی سے ہرگز بے نیاز نہیں ہوں۔" (بخاریؒ)

تشریح: "برہنہ جسم نہارہے تھے۔" کی مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم پر تہبند کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہیں تھا، اور وہ تہبند باندھے ہوئے نہارہے تھے، اس کی تائید آگے کی عبارت یحثی فی ثوبہ (سمیٹ سمیٹ کر اپنے کپڑے میں رکھنے لگے) سے بھی ہوتی ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اس وقت کسی پوشیدہ جگہ پر بالکل ننگا نہارہے تھے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پوشیدہ جگہ پر بالکل ننگے نہانا مذکور ہوا، اور اس کے شرعی جواز میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے، لیکن آنحضرت ﷺ نے گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ اپنے پروردگار سے شرم وحیا کی خاطر پوشیدہ جگہ پر بھی نہاتے وقت ستر پوشی افضل ہے اور آنحضرت ﷺ جس مکارم واخلاق کی تکمیل کے لئے دنیا میں تشریف لائے اس کا تقاضا بھی یہی ہے۔

"ان ٹڈیوں کو سمیٹ سمیٹ کر اپنے کپڑے میں رکھنے لگے۔" بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام برستی ہوئی سونے کی ٹڈیوں کو ایک ہاتھ سے اٹھا اٹھا کر یا دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر انہیں تہبند میں سمیٹتے جاتے تھے جو انہوں نے نہانے کے لئے باندھ رکھا

تھا یا "کپڑے" سے مراد وہ پوشاک ہے جو انہوں نے نہانے کے بعد پہنی ہوگی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کپڑا مراد ہو جو انہوں نے اس وقت تک پہنا نہ ہو بلکہ ان کے قریب ہی رکھا ہوا ہو۔

حضرت ایوب علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا مذکورہ خطاب، اظہار ناراضگی اور عتاب کے طور پر نہیں تھا بلکہ اظہار شفقت و محبت کے طور پر تھا کہ جب میں نے تمہارے گھر میں اتنا زیادہ سونا برسا دیا ہے اور تمہیں مالا مال کر دیا ہے تو کیا ضروری ہے کہ تم ان ٹڈیوں کو اٹھا اٹھا کر اپنے کپڑے میں رکھو۔؟ چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام نے جواب دیا کہ بے شک تو نے مجھے اس قدر مالا مال کر دیا ہے اور میرے گھر میں اتنا سونا بھر دیا ہے کہ میں ان ٹڈیوں کو جمع کرنے اور ان کو اٹھا اٹھا کر رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں رکھتا لیکن تیری بارگاہ میں اپنے عجز واحتیاج کے اظہار کے لئے میں تیری رحمتوں کی مزید طلب سے بے نیاز بھی نہیں ہو سکتا خواہ تو مجھے کتنا ہی مالا مال کر دے اور مجھ پر اپنی نعمتوں اور رحمتوں کی کتنی ہی بارش برسا دے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا ان ٹڈیوں کا اٹھانے میں انہماک و دلچسپی رکھنا، دنیا کی حرص و طمع اور مال و دولت میں اضافہ کی خواہش کی بناء پر نہیں تھا بلکہ حق تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت سے مستفید ہونے اور تشکر و امتنان کی بنا پر تھا۔

اور ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جائز مال و دولت میں اضافہ کی حرص اس شخص کے حق میں روا ہے جس کو اپنے نفس پر اعتماد ہو کہ اس مال و دولت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے میں کوتاہی نہیں ہوگی اور اس کو انہی مقاصد و مصارف میں خرچ کیا جائے گا جن سے حق تعالیٰ راضی و خوش ہوتا ہے۔

ایک نبی کو دوسرے نبی کے مقابلہ پر بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی ممانعت

(۱۱) وَعَنْهُ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَرَجُلٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ وَالَّذِيْ اصْطَفٰى مُحَمَّدًا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ وَالَّذِيْ اصْطَفٰى مُوْسٰى عَلَى الْعٰلَمِيْنَ فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ يَدَهُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُوْدِيِّ فَذَهَبَ الْيَهُوْدِيُّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ بِمَا كَانَ مِنْ اَمْرِهٖ وَاَمْرِ الْمُسْلِمِ فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهُ عَنْ ذٰلِكَ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُخَيِّرُوْنِيْ عَلٰى مُوْسٰى فَاِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَصْعَقُ مَعَهُمْ فَاَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يُّفِيْقُ فَاِذَا مُوْسٰى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا اَدْرِيْ كَانَ فِيْمَنْ صَعِقَ فَاَفَاقَ قَبْلِيْ اَوْ كَانَ فِيْمَنْ اِسْتَثْنَى اللّٰهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا اَدْرِيْ اَحُوْسِبَ بِصَعْقَةِ يَوْمَ الطُّوْرِ اَوْ بُعِثَ قَبْلِيْ وَلَا اَقُوْلُ اِنَّ اَحَدًا اَفْضَلُ مِنْ يُّوْنُسَ بْنِ مَتّٰى وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ لَا تُخَيِّرُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَآءِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ اَنْبِيَآءِ اللّٰهِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (کسی موقع پر ایک مسلمان اور ایک یہودی کے درمیان بدکلامی ہوئی، مسلمان نے کہا خدا کی قسم جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سارے جہاں کے لوگوں میں سے بہتر قرار دیا، اس کے جواب میں یہودی نے یہ کہا کہ اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو جہاں کے لوگوں میں سب سے بہتر قرار دیا اس پر مسلمان نے (طیش میں آکر) یہودی پر ہاتھ اٹھا دیا اور اس کے گال پر طمانچہ مارا یہودی (شکایت لے کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا اور اس مسلمان کا پورا واقعہ رکھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو طلب فرمایا اور اس سے صورت حال کی تحقیق کی، اس نے (یہودی کے بیان کردہ واقعہ کی تردید نہیں کی بلکہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوں کی توں ساری بات بتا دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (فریقین کے بیانات سن کر) فرمایا: مجھ کو موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو اس لئے کہ قیامت کے دن (صور پھونکے جانے پر) جب سب لوگ بیہوش ہو کر گر پڑیں گے تو ان کے ساتھ میں بھی بیہوش ہو کر گر جاؤنگا پھر سب سے پہلے ہوش میں آنے والا شخص میں ہوں گا، لیکن (جب میں ہوش میں آؤں گا تو) دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے

کھڑے ہیں، اور میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا اس وقت یہ ہوگا کہ موسیٰ بیہوش ہو جانے والے لوگوں میں شامل ہوں گے اور ان کی بیہوشی مجھ سے پہلے ختم ہو چکی ہوگی یا یہ ہوگا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دے دیا ہوگا۔ (اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑنے والے لوگوں میں شامل ہی نہیں ہوں گے)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ اور میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا اس وقت یہ ہوگا کہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کی بیہوشی کو (قیامت کے دن کی) اس بیہوشی کے حساب میں شمار کر لیا جائے گا یا یہ ہوگا کہ (بیہوش ہو کر گر پڑنے والوں میں وہ بھی شامل ہوں گے مگر) وہ مجھ سے بھی پہلے ہوش میں آجائیں گے۔ (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) اور میں تو یہ بھی نہیں کہتا کہ کوئی شخص یونس بن متی سے افضل ہے۔"

اور حضرت ابن سعید کی روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے (دونوں فریق کے بیانات سن کر) فرمایا: "تم انبیاء میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ) اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ "تم خدا کے نبیوں میں کسی کو کسی پر فضیلت نہ دو۔"

تشریح: قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے انی اصطفیتک علی النّاسِ (یعنی اے موسیٰ! میں نے تمہیں تمام لوگوں میں سب سے بہتر وافضل قرار دیا ہے) تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے زمانہ کے تمام لوگوں میں سب سے بہتر قرار دیا تھا، لیکن اس یہودی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برگزیدگی اور افضیلت کے اس مفہوم کو مطلق رکھا اور یہ دعویٰ کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر زمانہ کے تمام لوگوں سے افضل اور سب سے بہتر ہیں، اور اس طرح اس نے آنحضرت ﷺ کی برگزیدگی اور افضیلت کا انکار کیا، اسی وجہ سے اس کے مخالف مسلمان کو طیش آگیا اور انہوں نے اس کے طمانچہ رسید کر دیا۔

"یا یہ ہوگا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دے دیا ہوگا۔ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو یہ فرمایا ہے کہ۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ط

"اور (جب قیامت کے دن) صور میں پھونک ماری جائے گی تو تمام آسمان اور زمین والے بیہوش ہو جائیں گے علاوہ ان کے جن کو اللہ تعالیٰ بیہوش کرنا نہیں چاہے گا (جیسے فرشتے)۔"

تو ہو سکتا ہے کہ جس طرح فرشتوں پر بیہوشی طاری نہیں ہوگی اس طرح اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بیہوش ہونے سے مستثنیٰ کر دے گا! بہر حال آنحضرت ﷺ نے دونوں صورتیں ذکر فرما کر یہ واضح کیا کہ دونوں ہی صورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، اگر یہ ہوگا کہ تمام لوگوں کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بیہوش ہو جائیں گے، تو میرا ہوش میں آنے کے بعد ان کو اس طرح دیکھنا کہ وہ عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں، یہ ثابت کرے گا کہ وہ مجھ سے بھی پہلے ہوش میں آگئے تھے، اس صورت میں مجھ پر ان کی فضیلت بالکل ظاہری بات ہے، اور اگر یہ ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بیہوش ہو جانے والوں میں شامل نہیں کیا جائے گا اور وہ سرے سے بیہوش ہی نہیں ہوں گے حالانکہ مجھ پر بیہوشی طاری ہو جائے گی، تو یہ صورت بھی ان کی فضیلت کو ظاہر کرنے والی ہے، اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس معاملہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مجھ پر فضیلت حاصل ہے تو پھر مجھ کو ان پر فضیلت دینے کے کیا معنی ہیں۔ لیکن اس بات کو آنحضرت ﷺ کی کسر نفسی پر محمول کرنا چاہئے کہ آپ ﷺ نے از راہ انکسار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کو اس طرح ظاہر فرمایا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کو جو یہ شرف حاصل ہوگا وہ زیادہ سے زیادہ جزوی فضیلت کی نوعیت رکھتا ہے جو اس بات کے منافی نہیں کہ کلی فضیلت آنحضرت ﷺ ہی کو حاصل ہے۔ ایک بات یہ بھی کہی جا سکتا ہے کہ آنحضرت کے اس ارشاد سے جو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل نہیں ہیں، تو یہ اس وقت کا ارشاد ہے جب کہ وہ وحی نازل نہیں ہوئی جس میں آنحضرت ﷺ کا ہر ایک سے افضل واشرف ہونا مذکور ہے، اس وحی کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کی افضیلت کسی شک وشبہ کے بغیر ثابت ہو چکی ہے۔

"میں نہیں کہہ سکتا کہ کوہ طور پر بیہوش ہو کر گر پڑنا......الخ۔ اس جملہ کی وضاحت یہ ہے کہ جب حضرت موسی علیہ السلام نے کوہ طور پر حق تعالیٰ کی ذات کے دیدار کی خواہش کی تو بارگاہ رب العزت سے جواب ملا کہ موسی علیہ السلام تم مشاہدہ ذات کی تاب نہ لاسکو گے اچھا دیکھو ہم اپنی ذات کی تجلی کا ظہور اس پہاڑ پر کریں گے اگر یہ اس تجلی کو برداشت کر لے تو پھر تم اپنی خواہش ظاہر کرنا۔ اس کے بعد طور پر حضرت حق کی تجلی نے ظہور کیا تو پہاڑ کا وہ حصہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسی علیہ السلام بھی اس نظارہ کی تاب نہ لا کر بیہوش ہو گئے اور گر پڑے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ طور پر حضرت موسی علیہ السلام کی اسی بیہوشی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر حضرت موسی علیہ السلام قیامت کے دن اس موقع پر بیہوش ہو کر گر پڑنے سے محفوظ و مستثنیٰ رکھے جائیں گے تو ہوسکتا ہے کہ اس استثناء کی وجہ ان کی کوہ طور کی بیہوشی ہو جس کو قیامت کی اس بیہوشی کے حساب میں شمار کر لیا جائے گا۔ واضح رہے کہ یہاں جس صعقہ (یعنی قیامت کے دن بیہوش ہو جانے کا ذکر ہے اس سے وہ صعقہ مراد نہیں ہے جو "موت وہلاکت" کے معنی میں ہے اور جس کا ظہور ابتداء قیامت میں صور پھونکے جانے کے بعد ہو گا کیونکہ اس صعقہ کے وقت، کہ جب پہلا صور پھونکے جانے کے بعد تمام عالم زیر وزبر ہو جائے گا اور ہر متنفس کی موت وہلاکت واقع ہو گی، بھلا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسی علیہ السلام کہاں موجود ہوں گے کہ ان پر صعقہ طاری ہو گا، پھر یہ کہ اس صعقہ کے بعد بعث (یعنی دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا) ہو گا نہ کہ افاقت (یعنی بیہوشی کا زائل ہونا) اور یہ بات بھی متفقہ طور پر مسلم ہے کہ اس صعقہ کے بعد (میدان حشر میں) سب سے پہلے اٹھنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ فلا ادری کان فیمن صعق الخ خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس صعقہ کا ذکر فرمایا ہے اس سے وہ صعقہ مراد ہے جو بعث کے بعد میدان حشر میں پیش آئے گا کہ سب لوگ بیہوش ہو کر گر پڑیں گے اور اس کے بعد جب سب لوگ افاقہ پائیں گے یعنی ہوش میں آئیں گے تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوش آئے گا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیں گے کہ حضرت موسی علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یا تو حضرت موسی علیہ السلام بیہوش ہونے والوں میں شامل ہی نہیں ہوں گے یا وہ بھی بیہوش ہوئے ہوں گے تو پھر ان کی بیہوشی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پہلے زائل ہو چکی ہو گی۔ بہر حال اس ارشاد گرامی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ "مجھے موسی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو" تو اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ انبیاء کے درمیان شرف و فضیلت کے اعتبار سے کوئی فرق مراتب نہیں اور یہ کہ حضرت موسی علیہ السلام یا کسی بھی نبی کے مقابلہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل نہ کہا جائے بلکہ اس ارشاد کا اصل قصد یہ ہدایت دینا ہے کہ کسی نبی کو خواہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات کیوں نہ ہوں، کسی دوسرے نبی کے مقابلہ پر اس طرح اور اس انداز میں افضل واشرف نہ کہو کہ اس (مفضول) نبی کی تحقیر و توہین ہو یا یہ ظاہر ہو کہ ایک نبی کو تو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جا رہا ہے اور دوسرے نبی کو مرتبہ سے گرایا جا رہا ہے کیونکہ اس طرح کا اظہار فضیلت نہ صرف یہ کہ انبیاء کی عظمت اور ان کے احترام کے خلاف ہے، بلکہ مختلف نبیوں کے ماننے والوں کے درمیان باہمی خصومت وعداوت کا سبب بھی ہے۔ یا مذکورہ ارشاد گرامی کی مراد یہ ہے کہ کسی نبی کو کسی نبی کے مقابلہ پر فضل و شرف کے تمام انواع کے ساتھ اس طرح فضیلت وفوقیت نہ دو کہ اس (مفضول) نبی کے لئے کوئی بھی فضیلت باقی نہ رہے۔ اور یا یہ کہ اس ارشاد میں نفس نبوت کے اعتبار سے فضیلت دینے کی ممانعت مراد ہے کیونکہ نفس نبوت کے اعتبار سے تمام انبیاء برابر ہیں اور ہر نبی یکساں حیثیت رکھتا ہے۔

اور میں تو یہ بھی نہیں کہتا کہ کوئی شخص یونس ابن متی سے افضل ہے۔" میں لفظ "متی" حضرت یونس علیہ السلام کے باپ کا نام تھا، جیسا کہ قاموس میں مذکور ہے، لیکن جامع الاصول میں یہ ہے کہ متی ان کی ماں کا نام تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام کے خاص طور پر ذکر کئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اولوالعزمی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ یہ کیا کہ جب ان کی قوم نے ان کی بات نہ مانی اور ان کو ایذاء پہنچائی تو وہ بے صبری اور غصہ کے مارے قوم کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور کشتی میں جا بیٹھے۔ لہٰذا ان کا یہ طرز عمل لوگوں کو اس گمان میں مبتلا کر سکتا تھا کہ ان کے مقابلہ پر کسی نبی کو فضیلت دینا موزوں ہے اور یہ کہنا غیر مناسب بات نہیں ہے کہ حضرت یونس کے مقابلہ پر فلاں نبی

زیادہ افضل ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ اپنی اُمت کے لوگوں کو اس گمان سے بھی باز رکھا اور واضح کیا کہ یہ حضرت یونس علیہ السلام کی ذات پر طعن اور ان کی تحقیر کے مرادف ہے۔

"تم کسی نبی کو کسی نبی پر فوقیت نہ دو۔" کا مطلب یہ ہے کہ یوں نہ کہو کہ فلاں نبی کے مقابلہ پر فلاں نبی افضل ہے۔ اور یہی مطلب اس ارشاد کا ہے کہ تم خدا کے نبیوں میں کسی کو کسی پر فضیلت نہ دو۔" اور جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے اس ممانعت سے یا تو یہ مراد ہے کہ نفس نبوت کے اعتبار سے کسی نبی کو کسی نبی کے مقابلہ پر فضیلت و فوقیت نہ دو کیونکہ اصل مرتبۂ نبوت کے اعتبار سے تمام انبیاء برابر ہیں، یا یہ مراد ہے کہ کسی نبی کو کسی نبی کے مقابلہ پر اس طرح بڑھا چڑھا کر پیش نہ کرو اور کسی نبی کی افضیلت کو اس انداز میں بیان نہ کرو کہ دوسرے نبیوں کی تحقیر و توہین لازم آئے کیونکہ یہ چیز (یعنی کسی نبی کی تحقیر و توہین کا مرتکب ہونا) کفر ہے۔ اور یا یہ کہ آپ ﷺ نے یہ ممانعت اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب کہ آنحضرت ﷺ کی افضیلت کو ظاہر کرنے والی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، اس وحی کے نزول کے بعد یہ ممانعت ختم ہو گئی اور یہ بات ثابت قرار پائی کہ آنحضرت ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں، اور آپ ﷺ کو کسی بھی نبی کے مقابلہ پر افضل و اشرف کہنا درست ہے۔

لا تفضلو ابین انبیاء اللہ لفظ "تفضلوا" مشکوۃ کے اکثر نسخوں میں ضاء ہی کے ساتھ منقول ہے لیکن ایک نسخہ میں یہ لفظ صاد کے ساتھ (لا تفصلوا) منقول ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "تم خدا کے نبیوں کے درمیان کوئی فرق و امتیاز نہ کرو" اس صورت میں کہا جائے گا کہ یہ ارشاد قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے لا نفرق بین احد منھم۔

حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق ایک ہدایت

(۱۲) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَایَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یَّقُوْلَ اِنِّیْ خَیْرٌ مِّنْ یُّوْنُسَ بْنِ مَتّٰی مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّلْبُخَارِیِّ قَالَ مَنْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ یُّوْنُسَ بْنِ مَتّٰی فَقَدْ کَذَبَ

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں یونس علیہ السلام ابن متی سے بہتر ہوں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ) اور بخاریؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص یہ کہے کہ میں یونس ابن متی سے بہتر ہوں تو یقیناً وہ جھوٹا ہے۔

تشریح: "کوئی شخص یہ کہے کہ میں یونس ابن متی سے بہتر ہوں۔" یہ عبارت دو احتمال رکھتی ہے، ایک تو یہ کہ کوئی شخص مجھ کو (یعنی آنحضرت ﷺ کو) یونس ابن متی سے افضل و بہتر نہ کہے۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ کوئی شخص خود اپنے بارے میں یہ نہ کہے کہ میں حضرت یونس علیہ السلام سے بہتر و افضل ہوں! کیونکہ کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اور جب کوئی شخص کسی نبی کا ہمسر نہیں ہو سکتا تو نبی سے بہتر و افضل ہونے کا دعوی کیسے کر سکتا ہے۔

"تو یقیناً وہ جھوٹا ہے۔" اگر حدیث کے الفاظ کی مراد دوسرے احتمال کی روشنی میں متعین کی جائے تو پھر یہاں "جھوٹ" سے مراد کفر ہوگا، اس طرح کی بات کہنے والا شخص کافر ہو جائے گا کیونکہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص خود کو کسی بھی نبی اور پیغمبر سے بہتر و افضل قرار دے وہ کافر ہے۔ رہی پہلے احتمال کی بات تو آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ کوئی مجھ کو یونس ابن متی سے بہتر و افضل نہ کہے، تواضع اور کسر نفسی پر محمول ہے کہ آپ ﷺ نے انکسار نفس کے طور پر ایسا فرمایا لہٰذا یہ حدیث اس روایت کے مخالف نہیں ہوگی جس میں آپ نے یہ فرمایا کہ انا سید ولد ادم ولا فخر یعنی میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں، اور میں یہ بات ازراہ فخر نہیں کہتا (بلکہ اظہار حقیقت اور تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں)۔ اور حضرت یونس علیہ السلام کے تخصیص کی وجہ پچھلی حدیث کی تشریح میں بیان کی جا چکی ہے۔

حضرت خضر کا ذکر

⑬ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغُلَامَ الَّذِيْ قَتَلَهُ الْخَضِرُ طُبِعَ كَافِرًا وَلَوْ عَاشَ لَاَرْهَقَ اَبَوَيْهِ طُغْيَانًا وَكُفْرًا (متفق علیہ)

"اور حضرت ابی ابن کعبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا! "حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو مار ڈالا تھا وہ کفر کی طبیعت لے کر پیدا ہوا تھا، اگر وہ لڑکا زندہ رہتا تو یقیناً اپنے ماں باپ کو کفر و سرکشی میں مبتلا کر دیتا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "کفر کی طبیعت لے کر پیدا ہوا تھا۔" کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مقدر میں یہ لکھا ہوا تھا کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا۔ پس یہ حدیث اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔

کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام۔ "ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔"

کیونکہ "فطرت اسلام پر پیدا ہونے" کا مطلب، فطرت انسانی کا ایسی ساخت کا ہونا ہے جو نور ہدایت کی طرف لپکے اور اسلام کو قبول کرنے کی استعداد و صلاحیت رکھتی ہے۔ اور یہ بات اس چیز کے منافی نہیں ہے کہ کوئی نو مولود بچہ آگے چل کر اپنے ماحول اور اپنے نفس کی گمراہیوں کا اس طرح شکار ہو جائے کہ اس کی وہ استعداد و صلاحیت دب کر رہ جائے اور وہ اپنی اصل فطرت کے تقاضوں پر قائم نہ رہ سکے یہاں تک کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہو۔

"لفظ خضر" خ کے زیر کے ساتھ خِضر ہے اور ایک نسخے میں یہ لفظ خ کے زیر اور ض کے جزم کے ساتھ خِضْر منقول ہے، یہ ان کا لقب ہے، اصل نام لیان ابن ملکان ہے! بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ یہ حضرت الیاس علیہ السلام کے بھائی ہیں، بعض حضرات نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے اور بعض نے ان کو بہفت واسطہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے کہا ہے اور وضاحت کی ہے کہ ان کے باپ سلاطین میں سے تھے، ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ مشہور قول کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام پیغمبر ہیں، عمر طویل رکھتے ہیں، عام نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ زندہ ہیں بلکہ قیامت کے دن تک زندہ رہیں گے کیونکہ انہوں نے آب حیات پی رکھا ہے لیکن بعض بڑے محدثین جیسے بخاریؒ اور ابن مبارکؒ وغیرہ نے ان کی حیات۔ ابدی کا انکار کیا ہے! جمہور علماء صوفیاء اور بہت سے صلحاء ان کی حیات کے قائل ہیں! نیز حضرت خضر علیہ السلام کا بعض صلحاء سے ملاقات کرنا، ان سے ہم کلام ہونا اور خیر و بھلائی کی جگہوں پر ان کا موجود ہونا بہت مشہور ہے، مشائخ کے حالات و کلام میں ان کا بہت ذکر آتا ہے اور عجیب و غریب واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخؒ کسی مسئلہ پر حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں گفتگو فرما رہے تھے کہ اچانک انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو ہوا پر سوار گذرتے دیکھا اور فرمایا۔

قف یا اسرائیلی واسمع کلام محمدی۔ "اے اسرائیلی (خضر!) ٹھہریئے کلام محمدی سنتے جایئے۔"

چنانچہ منقول ہے کہ اس زمانہ کے مشائخ میں سے جو بھی حضرت خضر علیہ السلام کو ملتا، آپ اس کو یہ ہدایت فرماتے کہ شیخ عبدالقادر کی مجلس میں ضرور جایا کرو، کیونکہ ان مجلسوں میں برکتیں نازل ہوتی ہیں اور وہاں فلاح و سعادت حاصل ہوتی ہے۔

خضر کی وجہ تسمیہ

⑭ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا سُمِّيَ الْخَضِرُ لِاَنَّهُ جَلَسَ عَلٰى فَرْوَةٍ بَيْضَاءَ فَاِذَا هِيَ تَهْتَزُّ مِنْ خَلْفِهِ خَضْرَاءَ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "حضرت خضر علیہ السلام کا نام "خضر" (یعنی سرسبز وشاداب) اس لئے مشہور ہوا کہ وہ ایک خشک وبنجر سفید زمین پر (یا بالکل خشک گھاس پر) بیٹھے تو یکایک وہ زمین (یا خشک گھاس) ان کے پیچھے سے لہلہانے لگی اور وہاں سبزہ پیدا ہوگیا۔" (بخاری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور موت کا فرشتہ

(۱۵) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَآءَ مَلَكُ الْمَوْتِ اِلٰى مُوْسَى بْنِ عِمْرَانَ فَقَالَ لَهٗ اَجِبْ رَبَّكَ قَالَ فَلَطَمَ مُوْسٰى عَيْنَ مَلَكِ الْمَوْتِ فَفَقَأَهَا قَالَ فَرَجَعَ الْمَلَكُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَالَ اِنَّكَ اَرْسَلْتَنِيْ اِلٰى عَبْدٍ لَّكَ لَا يُرِيْدُ الْمَوْتَ وَقَدْ فَقَأَ عَيْنِيْ قَالَ فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَيْهِ عَيْنَهٗ وَقَالَ ارْجِعْ اِلٰى عَبْدِيْ فَقُلِ الْحَيٰوةَ تُرِيْدُ فَاِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْحَيٰوةَ فَضَعْ يَدَكَ عَلٰى مَتْنِ ثَوْرٍ فَمَا تَوَارَتْ يَدُكَ مِنْ شَعْرِهٖ فَاِنَّكَ تَعِيْشُ بِهَا سَنَةً قَالَ ثُمَّ مَهْ؟ قَالَ ثُمَّ تَمُوْتُ قَالَ فَالْاٰنَ مِنْ قَرِيْبٍ رَبِّ اَدْنِنِيْ مِنَ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَوْ اَنِّيْ عِنْدَهٗ لَاَرَيْتُكُمْ قَبْرَهٗ اِلٰى جَنْبِ الطَّرِيْقِ عِنْدَ الْكَثِيْبِ الْاَحْمَرِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "(جب) حضرت موسیٰ ابن عمران علیہ السلام (کی موت کا وقت قریب آیا تو ان) کے پاس موت کا فرشتہ (عزرائیل علیہ السلام) آیا اور کہا کہ اپنے پروردگار کی طرف سے پیغام اجل کو قبول فرمایئے (یعنی آپ کی روح قبض ہونے کا وقت آپہنچا ہے، واصل الی اللہ ہونے کے لئے تیار ہوجایئے)۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (یہ سن کر) فرشتہ موت کے طمانچہ رسید کردیا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: موت کا فرشتہ دربار الٰہی میں واپس گیا اور عرض کیا کہ (پروردگارا!) تونے مجھے (روح قبض کرنے کے لئے) اپنے ایک ایسے بندے کے پاس بھیجا جو موت نہیں چاہتا اور یہ کہ اس نے (طمانچہ رسید کرکے) میری آنکھ بھی پھوڑدی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (فرشتہ موت کی یہ شکایت سن کر) اس کی آنکھ درست کردی اور حکم دیا کہ میرے بندہ (موسیٰ علیہ السلام) کے پاس دوبارہ جاؤ اور ان کو میرا یہ پیغام پہنچاؤ کہ کیا تم طویل زندگی چاہتے ہو؟ اگر تم طویل زندگی چاہتے ہو تو کسی بیل کی کمر پر اپنا (ایک) ہاتھ (یا دونوں ہاتھ) رکھ دو، تمہارے اس ہاتھ (یا دونوں ہاتھوں کے نیچے جتنے بال آجائیں گے، ان میں سے ہر ایک بال کے عوض تمہاری زندگی میں ایک سال کا اضافہ ہوجائے گا (فرشتہ نے دوبارہ حاضر ہوکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا تو) انہوں نے کہا کہ اس (طویل زندگی کا بھی آخری نتیجہ موت ہی ہے) تو پھر وہ آج ہی کیوں نہ آجائے (میں اسی وقت موت کی آغوش میں جانے کے لئے تیار ہوں، لیکن میری یہ دعا ضرور ہے کہ) رب کریم! (تدفین کے لئے) مجھے ارض مقدس (یعنی بیت المقدس) سے قریب کردے اگرچہ ایک پھینکے ہوئے پتھر کے بقدر رہو۔" (اس کے بعد) رسول کریم ﷺ نے صحابہؓ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اگر میں بیت المقدس کے قریب ہوتا تو تمہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر (کا نشان) دکھادیتا جو ایک راستہ کے کنارے پر سرخ ٹیلے کے قریب ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "رب کریم مجھے ارض مقدس سے قریب کردے۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آخری وقت میں یہ دعا اس لئے کی کہ وہ بیت المقدس کے قریب دفن ہونا چاہتے تھے، اور اس زمانہ میں وہی جگہ سب جگہوں سے افضل واشرف تھی کیونکہ وہاں انبیاء کا مدفن اور ان کے مزارات تھے۔ ہوسکتا ہے کہ مذکورہ واقعہ کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام میدان تیہ (صحرا سینا) میں ہوں گے لہٰذا انہوں نے آخری وقت میں بیت الرب (یعنی بیت المقدس) کی قربت کی خواہش ظاہر کی اور اس خواہش کی شدت کو ظاہر کرنے کے لئے کہا کہ چاہے یہاں سے وہ قربت اتنے کم فاصلہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو جو ایک پھینکا ہوا پتھر طے کرتا ہے۔ نیز انہوں نے بیت المقدس کے قریب دفن ہونے کی خواہش ظاہر کی خود بیت المقدس میں دفن ہونے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا، کیونکہ انہیں یہ خوف تھا کہ اگر میں نے بیت المقدس میں دفن

ہونے کی خواہش کی تو میری قبر بہت مشہور اور زیارت گاہ خلائق ہو جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ لوگ اس کی وجہ سے کتنی فتنہ اور برائی میں مبتلا ہو جائیں۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ حدیث میں جس "سرخ ٹیلے" کا ذکر ہے وہ ایک بستی اریحاء کے قریب ہے، اور یہ بستی میدان تیہ کے سب کے قریب وادی مقدس کا علاقہ ہے! بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلحاء کے مزارات و مدفن کے قریب اور متبرک جگہوں میں دفن ہونا مستحب ہے۔

یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ بعض لوگوں نے، جو عقل و قیاس کے اسیر ہیں، اس حدیث کا انکار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ فرشتہ موت کا آنکھوں سے ہاتھ دھو بیٹھنا کیا معنی رکھتا ہے، روح قبض کرنے کے لئے آنے والے فرشتہ کے طمانچہ رسید کرنا انسانی طاقت کے لئے کیسے ممکن ہو سکتا ہے اور یہ کہ اس واقعہ سے موت کو غیر پسندیدہ اور غیر مرغوب شئے سمجھنا اور دنیا میں زیادہ دنوں تک باقی رہنے کی آرزو کرنا لازم آتا ہے اور یہ چیز اس انسان کے شایان شان نہیں ہو سکتی جو نبوت و رسالت جیسے عظیم الشان منصب پر فائز ہو۔ ان باتوں کا جواب الفاظ حدیث کی اس تعبیر میں مل جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں موت کا فرشتہ حاضر ہوا تو وہ انسانی شکل و صورت میں تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو دیکھ کر پہچان نہ سکے کہ یہ موت کا فرشتہ ہے اور میری روح قبض کرنے آیا ہے، ان کو یہ ناگوار گذرا کہ ایک اجنبی شخص بغیر اجازت کیوں ان کے خلوت کدہ میں گھس آیا ہے، پھر اس نے ان کو موت کا پیغام دیا تو یہ خطرہ بھی ہوا کہ کہیں یہ شخص قتل کرنے کی نیت سے تو میرے پاس نہیں آیا ہے اس لئے ان کو طیش بھی آیا اور انہوں نے اس کے خلاف دفاعی اقدام کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ اس کے منہ پر طمانچہ مار دیا، فرشتہ بشکل انسان تھا لہٰذا بشری اثرات نے کام کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زبردست طمانچہ کی چوٹ سے اس کی آنکھ جاتی رہی۔ پھر یہ کہ انہوں نے اس کو ایک دروغ گو کی حیثیت میں بھی دیکھا کیونکہ اس نے روح قبض کرنے کا دعویٰ کیا تھا اور ظاہر تھا کہ کوئی انسان روح قبض کرنے والا نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا ان کو اس دروغ گوئی پر غصہ آیا اور دروغ گو پر غصہ للہ فی اللہ ہوتا ہے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی اعتراض کیسے وارد ہو سکتا ہے اور یہی وجہ ہے ان کے اس اقدام پر بارگاہ حق سے کوئی عتاب بھی نہیں ہوا۔ بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس اقدام کے بعد بھی فرشتہ موت نے اپنی اصل حیثیت ظاہر نہ کی اور ان کو یہ بتائے بغیر کہ وہ موت کا فرشتہ ہے غائب ہو گیا اور درگاہ الٰہی میں جا پہنچا، اب اللہ تعالیٰ نے اس کو پھر ملکوتی ہیئت پر واپس کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں دوبارہ بھیجا اور اس طرح وہ اس عیب و نقصان سے بری ہو گیا جو بشری شکل و صورت میں آنکھ مجروح ہو جانے سے پیدا ہو گیا تھا، ادھر فرشتہ موت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیالات سے آشنا ہوئے بغیر خود ہی یہ سمجھ لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام موت کے نام سے خفا ہو گئے اور موت نہیں چاہتے اور دربار الٰہی میں جا کر یہی شکایت بھی کی لیکن اللہ تعالیٰ تو اصل صورت حال جانتا تھا اس نے فرشتہ کی غلط فہمی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جلالت شان دونوں کے اظہار کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ فرشتہ موت دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو اور ایک بلیغ انداز میں موت کا پیغام پہنچائے، ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اجنبی شخص کے یکایک غائب ہو جانے پر فوراً محسوس کر لیا کہ درحقیقت یہ معاملہ عالم بالا کا ہے، چنانچہ فرشتہ موت نے جب دوبارہ حاضر ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغام الٰہی سنایا تو ان کا طرز عمل اور طریقہ گفتگو فوراً بدل گیا پھر انہوں نے پیغام اجل کو لبیک کہنے میں دیر نہیں کی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں نہایت تیزی و شدت تھی وہ جلال کا مظہر تھے، مزاج اور اصول کے خلاف کوئی بات ان کے لئے ناقابل برداشت بن جاتی تھی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب وہ "چلہ کشی" اور تورات لینے کے لئے جبل طور یا حوراب پہاڑ پر تشریف لے گئے تو اپنے پیچھے بنی اسرائیل کا نگہبان اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بنا گئے تھے، جب ان کو گئے ہوئے ایک ماہ سے زائد گذر گیا تو بنی اسرائیل کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا اور ایک بد باطن شخص سامری کے بہکائے میں آکر قوم کے لوگ گوسالہ (بچھڑے) کی پرستش کرنے لگے، حضرت ہارون علیہ السلام نے قوم کو بہت سمجھایا اور اس مشرکانہ حرکت سے لاکھ منع کیا مگر کسی نے ان کی بات پر کان نہیں دھرا، حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور قوم کو گوسالہ پرستی میں مبتلا

دیکھا تو بھر گئے اور یہ خیال کر کے کہ ہارون علیہ السلام نے ان لوگوں کو شرک سے باز رکھنے میں کوتاہی کی ہے، ان کی گردن پکڑلی اور ان کے سر کے بال نوچنے لگے اور داڑھی تک پر ہاتھ ڈال دیا، حضرت ہارون علیہ السلام نے پوری صورت حال بتائی اور اپنا بے قصور ہونا ثابت کر دیا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلال اور غصہ سے ان کی خلاصی ہوئی۔

بہرحال اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے، اس پر عقیدہ رکھنا چاہئے اور اگر اس کی کچھ باتیں خلاف قیاس معلوم ہوتی ہوں تو اپنے فہم کا قصور سمجھنا چاہئے اگرچہ مندرجہ بالا صحیح تعبیرات و تاویلات کی روشنی میں دیکھنے کے بعد اس حدیث میں کوئی بات قیاس کے خلاف معلوم ہی نہیں ہو سکتی۔

انبیاء علیہم السلام کے حلیے

(۱۶) وَعَنْ جَابِرٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَيَّ الْاَنْبِيَاءُ فَاِذَا مُوْسٰى ضَرْبٌ مِّنَ الرِّجَالِ كَاَنَّهٗ مِنْ رِّجَالِ شَنُوْءَةَ وَرَاَيْتُ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهٖ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَرَاَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهٖ شَبَهًا صَاحِبُكُمْ يَعْنِيْ نَفْسَهٗ وَرَاَيْتُ جِبْرَئِيْلَ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَاَيْتُ بِهٖ شَبَهًا دِحْيَةُ بْنُ خَلِيْفَةَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب انبیاء میرے سامنے لائے گئے تو میں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام ہلکے بدن کے ہیں جیسے وہ قبیلہ بنو شنوءہ میں کے کوئی آدمی ہوں اور میں نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں عروہ ابن مسعود سے بہت مشابہ نظر آئے، اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو جن لوگوں کو میں دیکھ چکا ہوں ان میں سے تمہارے دوست یعنی مجھ سے وہ بہت مشابہ نظر آئے اور میں نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تو وہ میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں دحیہؓ ابن خلیفہ سے بہت مشابہ نظر آئے۔" (مسلم)

تشریح: "جب انبیاء میرے سامنے لائے گئے۔" یہ شب معراج کا ذکر ہے، جب آپ ﷺ نے اس رات میں مسجد اقصی میں یا آسمان پر ان انبیاء کرام سے ملاقات فرمائی اور ان کو دیکھا، اس ملاقات کے وقت ان انبیاء کرام کی ارواح مقدسہ کو ان کے ان اجسام کے ساتھ کہ جو وہ دنیا میں رکھتے تھے، آپ ﷺ کے سامنے لایا گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے ان انبیاء کرام کی شکل و صورت اور ان کے سراپا کا خاکہ اپنے صحابہ کرام کے سامنے رکھنے کے لئے ان افراد و اشخاص کا ذکر فرمایا جن کو صحابہؓ نے دیکھ رکھا تھا اور جو جسم و بدن اور تن و توش کے اعتبار سے ان انبیاء کرام کی مشابہت رکھتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ ﷺ نے ہلکے بدن کا بتایا اور ان کے سراپا کو قبیلہ شنوءہ کے لوگوں کی طرح قرار دیا، یہ قبیلہ یمن کی سرزمین سے تعلق رکھتا تھا اور اس کے لوگ دبلے جسم کے ہوتے تھے! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آپ ﷺ نے اپنے ایک صحابی حضرت عروہ ابن مسعودؓ کی طرح بتایا کہ عروہ ابن مسعودؓ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت مشابہ ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشابہت کے لئے آپ ﷺ نے خود اپنی ذات شریف کو پیش کیا، جس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ میں بہت زیادہ مشابہت تھی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں بتایا کہ وہ دحیہ ابن خلیفہ کے بہت مشابہ تھے، حضرت دحیہ ایک مشہور صحابی ہیں، اور بہت زیادہ خوبصورت تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام اکثر و بیشتر ان ہی کی شکل و صورت میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا کرتے تھے اور شب معراج میں بھی آنحضرت ﷺ کے سامنے ان کو دحیہؓ ہی کی شکل و صورت میں پیش کیا گیا۔

(۱۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَاَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ مُوْسٰى رَجُلًا اٰدَمَ طُوَالًا جَعْدًا كَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ وَرَاَيْتُ عِيْسٰى رَجُلًا مَرْبُوْعَ الْخَلْقِ اِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ سَبْطَ الرَّاْسِ وَرَاَيْتُ مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ وَالدَّجَّالَ فِيْ اٰيَاتٍ اَرَاهُنَّ اللّٰهُ اِيَّاهُ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهٖ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ گندم گوں اور دراز قد تھے، ان کے بال خمدار تھے، اور (جسم وبدن کے اعتبار سے) قبیلہ شنوئہ کے کسی آدمی کی طرح نظر آتے تھے، اور میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ خلقی طور پر متوسط قد وقامت کے تھے (نہ بہت لمبے تھے نہ ٹھگنے، اور نہ بہت موٹے تھے نہ دبلے) ان کا رنگ سرخ سفید تھا (جیسے خود حضور ﷺ کے جسم مبارک کا رنگ تھا) اور ان کے سر کے بال سیدھے (یعنی گھونگھریالے نہیں) تھے۔ اور میں نے دوزخ کے داروغہ مالک کو اور دجال کو بھی دیکھا!" اور آنحضرت ﷺ کا ان سب کو دیکھنا قدرت الٰہی کی ان نشانیوں اور علامتوں کے ضمن میں تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو (شب معراج میں) دکھائیں اس لئے (اے اس حدیث کو پڑھنے اور سننے والے!) اس امر میں کوئی شک وشبہ نہ کر، آنحضرت ﷺ نے ان سب کو دیکھا اور ملاقات فرمائی۔" (بخاریؒ)

تشریح: "جعد" کے معنی ہیں بالوں کا گھونگھریالہ ہونا۔ اور اس کے مقابلہ پر "سبط" کے معنی ہیں بالوں کا سیدھا ہونا! پس یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بال سیدھے نہیں تھے بلکہ خمدار تھے یعنی گھونگھریالے نظر آتے تھے۔ اور حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے اپنی شرح میں "جعد" کے تحت لکھا ہے کہ اس لفظ (جعد) کا اکثر اطلاق گھونگھریالے بالوں پر ہوتا ہے مگر کبھی کبھی یہ لفظ "مضبوط اور گٹھے ہوئے بدن" کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں حدیث میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک گٹھے ہوئے بدن کے آدمی تھے۔ حضرت شیخؒ نے "جعد" کے یہ معنی مراد لینے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اگلی حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ منقول ہے کہ وہ "رجل الشعر" تھے اور "رجل" کا اطلاق ایسے بالوں پر ہوتا ہے جو گھونگھریالے نہ ہوں۔ اس کی وضاحت اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

روایت کا یہ جملہ فِیْ اٰیَاتٍ اَرٰھُنَّ اللّٰہُ اِیَّاہُ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا جزء نہیں ہے، نیز یہ آخری جملہ فلا تکن فِیْ مریۃ من لقائہ حدیث کے ابتدائی جزء سے متعلق ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے، اور اس کے ذریعہ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَآئِہٖ

"اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی، سو (اے محمد ﷺ) آپ شب معراج میں) موسیٰ علیہ السلام کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے۔"

یعنی آپ جو موسیٰ علیہ السلام سے شب معراج میں ملے تھے، وہ سچی حقیقت ہے کوئی دھوکا یا نظر بندی نہیں۔ لہٰذا مذکورہ جملہ سے اس آیت کی طرف اشارہ کر کے ہر ایک کو آگاہ کیا گیا کہ جب قرآن سے بھی یہ ثابت ہے کہ شب معراج میں آنحضرت ﷺ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملنا ایک سچی حقیقت ہے تو کوئی بھی اس میں شک وشبہ کا شکار نہ ہو۔

شب معراج میں انبیاء سے ملاقات اور آنحضرت ﷺ کا پیالۂ شراب قبول کرنے سے انکار

(۱۸) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃً اُسْرِیَ بِیْ لَقِیْتُ مُوْسٰی فَنَعَتَہٗ فَاِذَا رَجُلٌ مُضْطَرِبٌ رَجِلُ الشَّعْرِ کَاَنَّہٗ مِنْ رِّجَالِ شَنُوْءَۃَ وَلَقِیْتُ عِیْسٰی رَبْعَۃً اَحْمَرَ کَاَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِیْمَاسٍ یَعْنِی الْحَمَّامَ وَرَاَیْتُ اِبْرَاھِیْمَ وَاَنَا اَشْبَہُ وُلْدِہٖ بِہٖ قَالَ فَاُتِیْتُ بِاِنَائَیْنِ اَحَدُھُمَا لَبَنٌ وَالْاٰخَرُ فِیْہِ خَمْرٌ فَقِیْلَ لِیْ خُذْ اَیَّھُمَا شِئْتَ فَاَخَذْتُ اللَّبَنَ فَشَرِبْتُہٗ فَقِیْلَ لِیْ ھُدِیْتَ الْفِطْرَۃَ اَمَا اِنَّکَ لَوْ اَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ اُمَّتُکَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے شب معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ۔ وہ ایک مضطرب شخص نظر آئے، ان کے سر کے بال گھونگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے، اور ایسا لگتا تھے جیسے وہ قبیلۂ شنوءہ کے کوئی مرد ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی میری ملاقات،

ہوئی، ان کا قد میانہ اور رنگ سرخ تھا اور (ایسا لگتا تھا) جیسے (ابھی نہاکر) دیماس یعنی حمام سے نکلے ہوں۔" اور میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور میں ان کی اولاد میں سے سب سے زیادہ ان کے مشابہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر میرے سامنے دو پیالے پیش کئے گئے، جن میں سے ایک میں دودھ تھا اور ایک میں شراب تھی، اور مجھ سے کہا گیا کہ ان میں سے جس کو پسند کرو، لے لو (چاہے شراب پسند کر لو چاہے دودھ) میں نے دودھ کا پیالہ لے لیا اور پی لیا، تب مجھ سے کہا گیا (یعنی فرشتوں نے کہا) کہ تمہیں راہ فطرت دکھائی گئی (یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین اسلام کی وہ راہ سجھا دی جو اصل میں انسانی فطرت ہے اور جس پر ہر شخص پیدا ہوتا ہے) جان لو اگر تم (اس وقت) شراب پی لیتے تو تمہاری اُمت گمراہ ہو جاتی۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "وہ ایک مضطرب شخص نظر آئے۔" کی وضاحت میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، بعض نے یہ کہا کہ یہاں "مضطرب" دراز قد کے معنی میں ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام لمبے قد کے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ "مضطرب" کے معنی "کم گوشت" کے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام دبلے پتلے، کم گوشت، چھریرے بدن کے تھے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس جملہ میں "مضطرب" کا لفظ "خوف الٰہی سے دہلنے کانپنے والے" کے معنی میں ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ وہ نماز اور عبادت الٰہی کے دوران خوف خدا سے تھر تھر کانپتے رہتے تھے۔

"رجل الشعر" میں لفظ "رجل" ج کے زیر کے ساتھ ہے اور ج کے جزم اور زبر کے ساتھ بھی منقول ہے، اس لفظ کا اطلاق ان بالوں پر ہوتا ہے جو نہ بالکل سیدھے ہوں جن کو "سبط" کہتے ہیں اور نہ بالکل گھونگھریالے ہوں جن کو "جعد" کہا جاتا ہے، بلکہ ہلکا سا خم لئے ہوں! لیکن ملا علی قاریؒ نے یہ لکھا ہے کہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہے کہ رجل سے مراد وہ بال ہیں جن میں خمی غالب ہو یعنی گھونگھریالے کے قریب ہوں، انہوں نے یہ معنی اس لئے مراد لئے ہیں تاکہ یہ روایت پچھلی حدیث کے منافی نہ ہو جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بالوں کا خم دار ہونا مذکور ہے۔

اس حدیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رنگت کو سرخ بتایا گیا ہے جب کہ پیچھے کی روایت میں سرخ سفید فرمایا گیا ہے، لیکن دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ جہاں تک ان کی اصل رنگت کا تعلق ہے تو وہ سرخ سفید ہی تھے، اور اس اعتبار سے کہ ان پر سرخی غالب ہوگی، ان کی رنگت پر "سرخ" کا اطلاق درست ہوا۔

من دیماس یعنی الحمام میں یعنی الحمام کے الفاظ اصل حدیث کے نہیں ہیں بلکہ ایک راوی عبدالرزاقؒ کے ہیں جنہوں نے ان الفاظ کے ذریعہ "دیماس" کی وضاحت کی ہے کہ اس لفظ سے آنحضرت ﷺ نے "حمام" مراد لیا تھا۔ بہرحال "جیسے ابھی حمام سے نکلے ہوں" کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رنگت کے نکھار، بدن کی تروتازگی و شادابی اور روئے مبارک کی تابانی و شگفتگی کی طرف اشارہ کیا جو روحانیت کے غلبہ کا پرتو تھی۔

"لبن" کے ساتھ "فی" استعمال نہ کرنا اور خمر کے ساتھ استعمال کرنا، بظاہر تو از راہ تفنن ہے، لیکن بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ شراب تو کم تھی اور دودھ زیادہ تھا۔ نیز آنحضرت ﷺ کے سامنے ان دونوں چیزوں کے پیش کئے جانے سے مقصود یہ تھا کہ فرشتوں پر آپ کی یہ فضیلت و عظمت ظاہر ہو جائے کہ آپ ہر حالت میں وہی چیز پسند کرتے اور اختیار کرتے ہیں جو بھلائی و بہتری کی ضامن ہوتی ہے اور جو چیز اپنے اندر کسی بھی طرح کی خرابی اور برائی رکھتی ہے اس کو از خود آپ ﷺ کی طبیعت قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔

"تمہیں راہ فطرت دکھائی گئی۔" دودھ کا پیالہ پسند اور اختیار کرنے کو راہ فطرت یعنی نور ہدایت سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ اس عالم سفلی میں دودھ ایک ایسی چیز ہے جو پاک و صاف، خالص و لطیف اور سفید و شیریں ہونے کے اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور بچے کو سب سے پہلی پرورش اور سب سے پہلی غذا دودھ ہی سے حاصل ہوتی ہے، پس عالم بالا میں دودھ کی مثال ہدایت اور فطرت کو قرار دیا

کیا بس سے قوت و توانائی اور غذائے روحانی ملتی ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ عالم بالا میں اس دنیا کی چیزوں کی مثالیں اور صورتیں مقرر ہیں جن سے مناسب معانی اور اشارے اخذ کئے جاتے ہیں! علم تعبیر الرویاء کی مستند کتابوں میں لکھا ہے کہ جو شخص خواب میں دودھ دیکھے یا خود دودھ پیتا دیکھے تو اس کی تعبیر علم، دین اور ہدایت ہے جب کہ شراب کا معاملہ اس کے برعکس ہے، جو اس دنیا میں تمام برائیوں، خباثتوں، فتنوں اور ہر طرح کے نقصان کی جڑ ہے۔

"اگر تم شراب پی لیتے تو تمہاری اُمت گمراہ ہو جاتی۔" یہ اس لئے کہا گیا کہ آنحضرت ﷺ اس وقت شراب کے پیالہ کو اختیار کر لیتے تو آپ ﷺ کی امت کے لئے بھی شراب حلال ہو جاتی، اور اس طرح اس اُمت کے لوگوں میں شراب نوشی کی برائی اور اس کے مضرات داخل ہو جاتے۔ واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات پاک چونکہ کسی بھی برائی میں مبتلا ہونے سے ازلی وابدی طور پر محفوظ تھی اور آپ ﷺ کا کسی بھی گمراہی میں پڑنا متصور ہی نہیں ہو سکتا، اس لئے آپ ﷺ سے یہ نہیں کہا گیا کہ اگر تم شراب پی لیتے تو تم گمراہ ہو جاتے، بلکہ "گمراہی" کی نسبت آپ ﷺ کی اُمت کے لوگوں کی طرف کی گئی۔ حدیث کے اس جملہ سے یہ نکتہ معلوم ہوا کہ رہبر و پیشوا خواہ نبی ہو یا عالم ہو یا کسی قوم و ملک کا بادشاہ و سربراہ ہو، کی استقامت و اولوالعزمی، اس کے پیروؤں اور اس کے ماننے والوں کی استقامت و اولوالعزمی کا ذریعہ و سبب ہے کیونکہ اس کو وہی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو کسی جسم میں دوسرے اعضاء کی نسبت سے دل کو حاصل ہوتی ہے۔

انبیاء اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی اعمال خیر کرتے ہیں

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَمَرَرْنَا بِوَادٍ فَقَالَ اَيُّ وَادٍ هٰذَا فَقَالُوْا وَادِى الْاَزْرَقِ قَالَ كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى مُوْسٰى فَذَكَرَ مِنْ لَوْنِهٖ وَشَعْرِهٖ شَيْئًا وَاضِعًا اِصْبَعَيْهِ فِىْ اُذُنَيْهِ لَهٗ جُؤَارٌ اِلَى اللّٰهِ بِالتَّلْبِيَةِ مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِىْ قَالَ ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى ثَنِيَّةٍ فَقَالَ اَيُّ ثَنِيَّةٍ هٰذِهٖ قَالُوْا هَرْشٰى اَوْلِفْتٌ فَقَالَ كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى يُوْنُسَ عَلٰى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ عَلَيْهِ جُبَّةُ صُوْفٍ خِطَامُ نَاقَتِهٖ خُلْبَةٌ مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِىْ مُلَبِّيًا (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک سفر میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان تھا، ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھے، جب ہم ایک جنگل سے گذرنے لگے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کونسا جنگل ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ یہ وادی ازرق ہے۔ آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا: گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں" پھر آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رنگ اور بالوں کا کچھ ذکر کیا (کہ ان کا رنگ گندمی اور بال خمدار ہیں اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے فرمایا کہ) انہوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں دے رکھی ہیں (جس طرح کہ موذن اپنی آواز بلند کرنے کے لئے اذان دیتے وقت اپنی انگلیاں کانوں میں دیئے رہتا ہے) اور روتے گڑگڑاتے، باآواز بلند اپنے پروردگار کے حضور لبیک لبیک کہتے اس جنگل سے گذر رہے ہیں (جس طرح کہ کوئی احرام باندھے ہوئے شخص نہایت فروتنی و عاجزی کے ساتھ لبیک لبیک کہتا ہوا حرم کی طرف چلتا ہے) حضرت ابن عباسؓ کہتے کہ اس کے بعد وہاں سے گذر کر ہم آگے چلے اور ایک گھاٹی میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کونسی گھاٹی اور پہاڑ ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ ہرشا پہاڑ ہے۔ یا۔ لفت پہاڑ ہے! آپ ﷺ نے یہ (یہ سن کر) فرمایا: "گویا میں یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں جو سرخ اونٹنی پر سوار ہیں اور موٹے اون کا جبہ پہنے ہوئے ہیں، ان کی اونٹنی کی نکیل کھجور کی رسی کی ہے اور وہ لبیک لبیک کہتے ہوئے اس گھاٹی سے گذر رہے ہیں۔" (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ انبیاء بعد از موت بھی اعمال خیر کرتے ہیں وہیں "حج" کی اہمیت بھی ثابت ہوئی کہ یہ عبادت اللہ اور اس کے انبیاء کے شعائر میں سے ہے اور انبیاء اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی اس کو ترک نہیں کرتے لہٰذا جو بھی شخص حج کی استطاعت و قدرت رکھتا ہو اس کو اس فریضہ کی ادائیگی سے غافل نہ ہونا چاہئے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ حج کرتے ہیں اور تلبیہ کہتے ہوئے محو سفر ہوتے ہیں (جیسا کہ اس

حدیث سے ثابت ہوتا ہے) کیونکر ممکن ہے کیونکہ وہ وفات پا چکے ہیں، اور یہ دنیا، دار آخرت نہیں ہے، دار العمل ہے جہاں سے ان کا جسمانی تعلق منقطع ہو چکا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء بھی شہداء کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی افضل ہیں اور شہداء کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ "وہ اپنے خدا کے ہاں زندہ ہیں" تو کیا بعید ہے کہ وہ حج کریں، نماز پڑھیں اور دوسرے جو اعمال خیر چاہیں اختیار کر کے اپنے خدا کا تقرب اور اس کی خوشنودی حاصل کریں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان نبیوں کو دیکھنے کا جو ذکر کیا وہ کھلی آنکھوں دیکھنے یا شب معراج کا واقعہ نہیں ہے بلکہ دراصل آپ ﷺ نے اپنے خواب کا ذکر کیا جس میں ان نبیوں کو مذکورہ حالت و کیفیت میں دیکھا، یہ اور بات ہے کہ انبیاء کا خواب بھی اتنا ہی سچا ہوتا ہے جتنا کھلی آنکھوں دیکھنا! اور حضرت شیخ عبدالحق نے یہ لکھا ہے کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ تمام انبیاء کرام صلوۃ اللہ علیہم اجمعین حقیقی اور دنیاوی حیات کے ساتھ زندہ ہیں گو ان کی اس حیات کو عام نظروں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے، اور جب یہ بات حقیقت ہے کہ انبیاء کو حیات دنیا حاصل ہے تو اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد ﷺ کو کسی خواب وغیرہ کے واسطہ و ذریعہ کے بغیر کھلی آنکھوں سے ان انبیاء کا مشاہدہ کرا دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر

(۲۰) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُفِّفَ عَلٰى دَاوٗدَ الْقُرْاٰنُ فَكَانَ يَاْمُرُ بِدَوَابِّهٖ فَتُسْرَجُ فَيَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ اَنْ تُسْرَجَ دَوَابُّهٗ وَلَا يَاْكُلُ اِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور کی تلاوت آسان کر دی گئی تھی، وہ اپنے جانوروں پر زین کسنے کا حکم دیتے اور قبل اس کے کہ زین کسنے کا کام پورا ہو، وہ پورے زبور کی تلاوت مکمل کر لیتے تھے، اور حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت کی روٹی کھاتے تھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: حدیث سے گویہ واضح نہیں ہوتا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس کتنے جانور تھے اور ان جانوروں پر زین کسنے کا کام کتنے عرصہ میں مکمل ہوتا تھا، لیکن یہ ثابت ہوا کہ وہ عرصہ بہرحال اتنا طویل نہیں ہوتا تھا جس میں پورے زبور کی تلاوت مکمل کر لینا عام طور پر ممکن ہوتا، یہ صرف حضرت داؤد علیہ السلام کا وصف تھا کہ وہ بہت تھوڑے عرصہ میں زبور جیسی کتاب کی تلاوت کر لیتے تھے۔ حاصل یہ کہ حضرت داؤد کو یہ وصف فوق العادت کمال کے طور پر حاصل تھا، اور اس خصوصی عطیہ خداوندی سے تعلق رکھتا تھا کہ رب کریم اپنے نیک اور مخصوص بندوں کے لئے زمانہ اور وقت کی طناب کھینچ بھی دیتا ہے اور ڈھیل بھی کر دیتا ہے، کبھی ایک مختصر سا عرصہ ان بندگان خاص کے حق میں طویل عرصہ کے برابر ہو جاتا ہے اور کبھی ایک طویل عرصہ ایک مختصر عرصہ کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ سیدنا امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنی سواری کے ایک رکاب میں پیر رکھتے وقت قرآن کریم پڑھنا شروع کرتے اور دوسرے رکاب میں پیر ڈالنے تک پورے قرآن کی تلاوت ختم کر لیتے تھے۔

حدیث کے آخر میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک دوسرا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ باوجود سلطنت و حکمرانی کے اپنی روزی اپنے ہاتھ کی محنت سے حاصل کرتے تھے، زرہ سازی ان کا جزوقتی مشغلہ اور ہنر تھا، اسی کی آمدنی سے ان کا خرچ چلتا تھا۔

ایک قضیہ میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے الگ الگ فیصلے

(۲۱) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتِ امْرَاَتَانِ مَعَهُمَا ابْنَاهُمَا جَاءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ اِحْدٰهُمَا فَقَالَتْ صَاحِبَتُهَا اِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ وَقَالَتِ الْاُخْرٰى اِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ فَتَحَاكَمَتَا اِلٰى دَاوٗدَ فَقَضٰى بِهٖ لِلْكُبْرٰى فَخَرَجَتَا عَلٰى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ فَاَخْبَرَتَاهُ فَقَالَ ائْتُوْنِيْ بِالسِّكِّيْنِ اَشُقُّهٗ بَيْنَكُمَا فَقَالَتِ الصُّغْرٰى لَا تَفْعَلْ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ هُوَ ابْنُهَا فَقَضٰى بِهٖ لِلصُّغْرٰى (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ، نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کا یہ قصہ بیان فرمایا کہ "دو عورتیں تھیں اور ان دونوں کے پاس ایک ایک لڑکا تھا، (ایک دن) ایک بھیڑیا آیا، اور ان میں سے ایک عورت کے لڑکے کو اٹھا کر لے گیا، (اب دونوں نے آپس میں جھگڑنا شروع کیا، ایک نے کہا کہ بھیڑیا جس لڑکے کو لے گیا ہے وہ تیرا تھا، اور دوسری نے کہا کہ نہیں، وہ تیرا لڑکا تھا، آخر کار دونوں اپنا مقدمہ لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچیں اور حضرت داؤد علیہ السلام نے (دونوں کے بیانات سن کر) موجود لڑکا بڑی عمر کی عورت کو دلوادیا۔ پھر وہ دونوں عورتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئیں اور ان سے (پورا قضیہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ) بیان کیا (نیز انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے اپنا فیصلہ دینے کو کہا) حضرت سلیمان علیہ السلام نے (صورت واقعہ کی نزاکت اور پیچیدگی کو سمجھ کر (اپنے خادموں سے) کہا کہ ذرا چھری اٹھالاؤ، میں اس لڑکے کو بیچ میں سے دو ٹکڑے کر کے ان دونوں عورتوں میں بانٹ دوں گا۔ چھوٹی عمر کی عورت (نے ان کا یہ فیصلہ سنا تو تڑپ اٹھی اور کہنے لگی: خدا آپ پر رحم کرے ایسا نہ کیجئے! لڑکا بڑی عمر والی عورت ہی کو دے دیجئے، یہ اسی کا ہے (یہ دیکھ کر) حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی عمر والی عورت کے حق میں فیصلہ کیا اور اس کو لڑکا دلوادیا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: اس قضیہ کی بنیاد یہ تھی کہ دونوں عورتیں جو عمر میں ایک دوسرے سے چھوٹی بڑی تھیں ایک ہی جگہ رہتی تھیں، ان دونوں کے پاس ایک ایک بچہ تھا، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بچے ہم عمر بھی تھے اور ہمشکل بھی، اس لئے جب بھیڑیا ان میں سے ایک بچہ کو اٹھا کر لے گیا تو دونوں عورتوں کے درمیان یہ نزاع پیدا ہو گیا کہ بھیڑیا جس بچہ کو اٹھا کر لے گیا ہے وہ کس کا تھا؟ ہر ایک عورت یہ کہتی تھی کہ وہ بچہ اس کا نہیں تھا بلکہ دوسری عورت کا تھا۔ یا یہ کہ وہ بچے ہم عمر اور ہمشکل نہیں تھے، اور دونوں عورتیں خوب جانتی تھیں کہ بھیڑیا کس کے بچہ کو لے گیا ہے، لیکن اس بچہ کی ماں یا تو بدحواسی میں یہ جاننے کو تیار نہیں تھی کہ اس کا بچہ جاتا رہا ہے یا وہ دوسرے بچہ کو جو موجود تھا، اس لئے ہتھیانا چاہتی تھی کہ اس کو اپنے پاس رکھ کر اپنے اصل بچہ کا غم ہلکا کر سکے اور یا اس کے اس دعوے کے پیچھے کوئی اور فاسد غرض کارفرما ہوگی، بہرحال جب یہ قضیہ حضرت داؤد کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جس بچہ کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا ہے وہ اس عورت کا تھا جو چھوٹی عمر کی ہے اور موجود لڑکے کو بڑی عمر والی عورت کے حوالہ کرنے کا حکم دیا! حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ یا تو اس بنیاد پر کیا کہ وہ بچہ بڑی عمر والی عورت ہی کے پاس تھا اور شرعی قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی چیز کی ملکیت کے بارے میں کوئی واضح اور یقینی ثبوت نہ ہو تو اس چیز کا زیادہ حقدار وہ شخص مانا جائے گا جس کے قبضے میں وہ چیز ہوگی۔ یا یہ کہ وہ بچہ بڑی عمر والی عورت سے کچھ مناسبت رکھتا تھا، لہٰذا حضرت داؤد علیہ السلام نے علم قیافہ سے کام لے کر مذکورہ فیصلہ صادر کیا۔ بہرحال ان کے اس فیصلہ کی بنیاد ان دونوں میں سے کوئی بات ہو یا ان کے علاوہ کسی اور قرینہ اور دلیل کو انہوں نے مدنظر رکھا ہو، یہ بات طے ہے کہ ان کا یہ فیصلہ ان کے اپنے اجتہاد کا نتیجہ تھا، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی نہیں تھا، کیونکہ اگر اس سلسلہ میں ان پر کوئی وحی آئی ہوتی اور ان کو یہ فیصلہ اسی وحی کے تحت ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے فیصلے کے خلاف اپنا الگ فیصلہ نہ دیتے۔

جب یہ قضیہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے اس کا فیصلہ کرنے کا بالکل نفسیاتی طریقہ اختیار کیا، انہوں نے دونوں کے دعوے سن کر کہا کہ ایک چھری لاؤ میں اس بچہ کو بیچ سے کاٹ کر دو ٹکڑے کئے دیتا ہوں۔ اور تم دونوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک ٹکڑا دے دوں گا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ دونوں عورتوں کی ماں کا امتحان ہو جائے، اس بات پر ان دونوں طرف سے جس رد عمل کا اظہار ہوگا وہ صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں مدد دے گا۔ ظاہر ہے جو عورت اس بچہ کی اصل ماں ہوگی وہ چاہے اس بچہ کو اپنے سے جدا کرنے پر راضی ہو جائے مگر اپنی آنکھوں کے سامنے اس کے دو ٹکڑے کئے جانے کو کسی حال میں برداشت نہیں کرے گی۔ چنانچہ یہی ہوا، جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان دونوں کو پرکھنے کے لئے یہ بات کہی تو بڑی عمر والی عورت خاموش رہی مگر چھوٹی عمر والی عورت تڑپ گئی اور کہنے لگی کہ ایسا ظلم نہ کیجئے، میں اس پر راضی ہوں کہ آپ اس بچہ کو اس بڑی عمر والی عورت کے حوالہ کر دیں، اور یہ بچہ جیتا

رہے، لیکن مجھے یہ گوارا نہیں کہ اس بچے کو چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جائے اور موت کی آغوش میں پہنچا دیا جائے حضرت سلیمان علیہ السلام کے کہنے کا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا، انہوں نے اس بچہ کے تئیں چھوٹی عمر والی عورت کی ظاہر کردہ شفقت و محبت کو اس کی ممتا پر اور بڑی عمر والی عورت کی خاموشی کو اس کی سنگدلی اور بچہ سے بے تعلقی پر محمول کر کے نتیجہ اخذ کر لیا کہ یہ بچہ چھوٹی عمر والی عورت ہی کا ہے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں بڑی عمر والی عورت نے اقرار بھی کیا ہو گا کہ وہ بچہ اس کا نہیں ہے بلکہ دوسری عورت کا ہے، لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام نے بچہ کو اس کی اصل ماں یعنی چھوٹی عمر والی عورت کے حوالہ کر دیا! اب حضرت سلمان علیہ السلام کے اس فیصلہ کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت داؤد کے فیصلہ کو کیسے توڑا، جب کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ ایک نبی کا فیصلہ تھا اور کسی نبی کے فیصلہ کو توڑا نہیں جا سکتا، چاہے وہ فیصلہ اس نبی کے اپنے اجتہاد ہی کا نتیجہ کیوں نہ ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس بڑی عمر والی عورت کے حق میں حتمی اور یقینی فیصلہ صادر نہیں کر دیا تھا بلکہ حدیث میں جس فیصلہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ احتمالی نوعیت رکھتا تھا اور اس کی حیثیت انتظامی حکم کی تھی اور اس سے ان کا مقصد اس معاملہ کو محض رفع دفع کرنا تھا، اور ممکن ہے کہ ان کی شریعت میں پائی جانے والی کسی گنجائش کے تحت کسی ایسے حکم کو منسوخ کیا جانا جائز ہو جس کا تعلق وحی الٰہی یا نص شرعی کے بجائے اجتہاد سے ہو۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک واقعہ

(۲۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سُلَيْمٰنُ لَاَطُوْفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلٰى تِسْعِيْنَ امْرَاَةً وَفِيْ رِوَايَةٍ بِمِائَةِ امْرَاَةٍ كُلُّهُنَّ تَاْتِيْ بِفَارِسٍ يُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ لَهُ الْمَلَكُ قُلْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ فَلَمْ يَقُلْ وَنَسِيَ فَطَافَ عَلَيْهِنَّ فَلَمْ تَحْمِلْ مِنْهُنَّ اِلَّا امْرَاَةٌ وَاحِدَةٌ جَاءَتْ بِشِقِّ رَجُلٍ وَايْمُ الَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ قَالَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فُرْسَانًا اَجْمَعُوْنَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" (ایک دن) حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کہا (یعنی یہ عزم و ارادہ کیا) کہ آج رات میں اپنی نوے بیویوں۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ۔ اپنی سو بیویوں کے ساتھ مباشرت کروں گا ان میں سے ہر بیوی، ایک سوار (بہادر مرد) جنے گی جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرے گا۔ (چونکہ انہوں نے اس عزم و ارادہ کے وقت، جو اگرچہ نیک مقصد کے لئے تھا، "انشاء اللہ" نہیں کہا اس لئے اس) فرشتہ نے جو دائیں طرف رہتا ہے یا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اور یا کسی بھی فرشتہ نے ان سے کہا کہ "انشاء اللہ" کہہ لیجئے! لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام "انشاء اللہ" کہنا بھول گئے، پھر انہوں نے (اپنے ارادہ کے مطابق) ان سب بیویوں کے ساتھ مباشرت کی اور ان میں سے صرف ایک عورت کے علاوہ کوئی بھی حاملہ نہیں ہوئی، اور اس نے بھی آدھا مرد یعنی ناقص الخلقة بچہ جنا۔" (اور پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا) قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے دست قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، سلیمان علیہ السلام اگر "انشاء اللہ" کہہ لیتے تو یقیناً ہر عورت سے بیٹا پیدا ہوتا اور وہ سب اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے اور سوار (بہادر مرد) ثابت ہوتے۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "انشاء اللہ کہہ لیجئے۔" اس سے کسی بھی کام کے عزم و ارادہ کے وقت "انشاء اللہ" کہنے کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے، کہ جب بھی کوئی عزم و ارادہ کیا جائے تو اس کو انشاء اللہ کہہ کر مضبوط بنا لینا چاہئے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ "میں یہ کام کروں گا، اور اگر خدا نے چاہا تو یہ کام ہو گا۔" اور یہ کہنا ضروری اس لئے ہوتا ہے کہ خدا کے چاہے بغیر کوئی بھی چیز وجود میں نہیں آتی اور بندے کی وہی خواہش بار آور ہوتی ہے جس میں مشیت الٰہی بھی شامل ہو! لہٰذا اس فرشتے نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو گویا یاد دلایا کہ آپ نے جو عزم و ارادہ کیا ہے اس کو خدا کی مشیت سے وابستہ نہیں کیا" جس کی وجہ سے اس عزم و ارادہ کی بار آوری غیر یقینی ہو گئی ہے۔ آپ اب بھی انشاء اللہ کہہ لیجئے تا کہ

آپ کا یہ عزم وارادہ اب سے بار آور ہونے کا مستحق ہو جائے۔ لیکن جیسا کہ شیخ عبدالحق نے اپنی شرح میں حدیث کے مذکورہ جملہ کے تحت لکھا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے نہ صرف یہ کہ بھول جانے کی وجہ سے اس وقت انشاء اللہ نہیں کہا، جب فرشتہ نے انہیں یاد دلایا تھا بلکہ بعد میں بھی نہیں کہا۔ اور ملا علی قاری نے اس موقع پر یہ لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرشتہ کے کہنے کے باوجود "انشاء اللہ" اس لئے نہیں کہا کہ وہ یہ سمجھے کہ جب دل میں "(انشاء اللہ" کی نیت کرلی ہے تو زبان سے انشاء اللہ کہنا ضروری نہیں ہے، اس اعتبار سے "نسی" کا لفظ علم کے معنی میں ہوگا۔ نیز ایک روایت میں "نُسی" کا لفظ نؔ کے پیش اور سؔ کی تشدید کے ساتھ نقل ہوا ہے اور یہی زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے، اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ ان کے ذہن سے یہ بات فراموش کردی گئی کہ انشاء اللہ کہنے میں قلب اور زبان دونوں کا جمع ہونا ارباب جمع اور اہل عرفان کے نزدیک اصل درجہ رکھتا ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا انشاء اللہ نہ کہنا ان کی "لغزش" قرار پایا اور یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے ایک ابتلاء تھا اس لئے انہوں نے بعد میں حق تعالیٰ کے حضور اپنی اس لغزش کا اعتراف واقرار اور توبہ واستغفار کیا جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ بہر حال حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کسی بھی کام کے ارادہ وعزم کے اظہار کے وقت یہ کہنا مستحب ہے کہ میں فلاں کام کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ، تاکہ اس کام میں حق تعالیٰ کی طرف سے مدد و برکت، حسن تکمیل اور آسانی و سہولت میسر ہو، چنانچہ قرآن کریم میں یہی حکم دیا گیا ہے۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ۔

"اور آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کروں گا مگر خدا کے چاہنے کو ملا دیا کیجئے (یعنی اس طرح کی بات کہتے وقت انشاء اللہ ضرور کہا کیجئے۔"

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام میں قوت مردمی اور جنسی طاقت کمال درجہ کی تھی اور اس طاقت کا زیادہ ہونا مردوں کے لئے خوبی اور فضیلت کی بات ہے جب کہ اس طاقت کا کم ہونا کمی اور نقصان میں شمار کیا جاتا ہے۔

کمانا انبیاء کی سُنّت ہے

(۲۳) وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ زَکَرِیَّاءُ نَجَّارًا (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "حضرت زکریا علیہ السلام نجار (یعنی بڑھئی) تھے۔" (مسلم)

تشریح: مطلب یہ کہ وہ بڑھئی کا کام کرتے تھے اور اپنی روزی اپنے ہاتھ کی محنت سے پیدا کرتے تھے۔ پس اس حدیث میں اور اس حدیث میں جو اوپر حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق گذری، یہ دلیل ہے کہ کمانا اور محنت و مشقت کے ذریعہ اپنا حلال رزق حاصل کرنا انبیاء کی سُنّت میں سے ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت کا باہمی قرب وتعلق

(۲۴) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوْلَی النَّاسِ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَةِ الْاَنْبِیَاءُ اِخْوَةٌ مِنْ عَلَّاتٍ وَاُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰی وَدِیْنُهُمْ وَاحِدٌ وَلَیْسَ بَیْنَنَا نَبِیٌّ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "دنیا اور آخرت میں (یا آغاز وانجام میں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سب سے زیادہ قریب اور متعلق میں ہوں۔ اور تمام انبیاء آپس میں سوتیلے بھائی ہیں جن کا باپ ایک ہے اور مائیں الگ الگ ہیں، ان سب کا اصل دین ایک ہے، اور ہمارے (یعنی میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے) درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سب سے زیادہ قریب و متعلق میں ہوں۔" اس اعتبار سے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی پیغمبر نہیں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی نے آنحضرت کے اس دنیا میں مبعوث ہونے کی واضح بشارت دی، آنحضرت کے دین و شریعت کی تمہید بھی انہوں نے ہی قائم کی، اور آخر زمانہ میں آنحضرت ﷺ کے نائب اور خلیفہ بھی وہی ہوں گے۔

انبیاء کو ایک دوسرے کا سوتیلا بھائی قرار دینے کا مقصد ان کے درمیان باہمی تعلق اور مناسبت کی ایک خاص نوعیت کو ظاہر کرتا ہے اور "ان کے باپ" سے مراد وہ چیز ہے جو اس دنیا میں ان کی بعثت کا سبب بنی ہے یعنی مخلوق خدا کی ہدایت اور ان کو صحیح راستے پر لگانے کی ذمہ داری، اور "ان کی ماؤں" سے مراد ان کی اپنی اپنی شریعتیں ہیں، جو ایک دوسرے سے مختلف اور الگ الگ ہیں۔

"ان سب کا اصل دین ایک ہے۔" کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ لوگوں کی ہدایت اور ان کے مفاد کی مصلحت و حکمت اور قوم و ملت کے حالات کی رعایت کے پیش نظر ہر نبی کو الگ الگ شریعت دے کر اس دنیا میں بھیجا گیا لیکن سب کا اصل دین ایک ہی ہے، یعنی توحید۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت

(۲۵) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ يَطْعَنُ الشَّيْطٰنُ فِيْ جَنْبَيْهِ بِاِصْبَعَيْهِ حِيْنَ يُوْلَدُ غَيْرَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَهَبَ يَطْعَنُ فَطَعَنَ فِي الْحِجَابِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جب بھی کوئی انسان پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کی دونوں کوکھ میں اپنی انگلیوں سے کونچا مارتا ہے، لیکن عیسیٰ ابن مریم اس سے محفوظ رہے، اس نے ان کی کوکھ میں بھی کونچا مارنا چاہا تھا مگر وہ صرف پردے میں کونچا مار سکا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام، شیطان لعین کی تکلیف پہنچانے والی اس حرکت سے محفوظ رہے کہ ان کی نانی اور مریم علیہا السلام کی ماں حنہ نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کر دیا تھا کہ:

وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْ اُعِيْذُهَابِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

"(پروردگارا) میں نے اپنی اس بچی کا نام مریم (علیہا السلام) رکھا اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو مردود شیطان سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔"

"پردے" سے مراد وہ جھلی ہے جس میں بچہ پیدائش کے وقت لپٹا ہوا ہوتا ہے اور جس کو عربی میں "مشیمہ" کہا جاتا ہے! مطلب یہ کہ شیطان نے اپنی عادت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوکھ میں بھی کونچا مارنا چاہا اور اپنی انگلیاں چلائیں لیکن وہ انگلیاں ان کے جسم تک نہیں پہنچ سکیں، اسی جھلی میں اٹک کر رہ گئیں، اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی اذیت سے محفوظ رہے۔

واضح رہے کہ حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "جب بھی کوئی انسان پیدا ہوتا ہے...... الخ" تو اس سے آنحضرت ﷺ مستثنیٰ اور خارج ہیں، آپ ﷺ نے اپنے علاوہ اور تمام بنی آدم کے بارے میں یہ فرمایا ہے چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح خود آپ کی ذات بھی شیطان کی اس ایذا رسانی سے محفوظ رہی تھی۔

باکمال عورتوں کا ذکر

(۲۶) وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَ اٰسِيَةُ امْرَاَةُ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَآءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ ذُكِرَ حَدِيْثُ اَنَسٍ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ وَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَيُّ النَّاسِ اَكْرَمُ وَحَدِيْثُ بن عمر الكريم ابن الكريم فِيْ باب المفاخرة وَالْعَصَبِيَّةِ۔

"اور حضرت ابوموسیٰؓ، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مردوں میں تو بہت سے باکمال پیدا ہوئے، (جیسے انبیاء خلفاء علماء اور اولیاء اللہ) لیکن عورتوں میں چند ہی کو باکمال ہونا نصیب ہوا اور وہ مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون ہیں، نیز اور تمام عورتوں پر عائشہ کو وہ فضیلت حاصل ہے جو دوسرے کھانوں پر ثرید کو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ) اور حضرت انسؓ کی روایت یاخیر البریۃ الخ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ای النَّاس اکرم الخ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت الکریم ابن الکریم الخ باب المفاخرۃ و العصبیہ میں نقل ہو چکی ہے۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں خواتین۔ مریم بنت عمران جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں اور آسیہ زوجۂ فرعون۔ دنیا کی تمام اگلی پچھلی عورتوں پر برتری اور فضیلت رکھتی ہیں، یہاں تک کہ حضرت فاطمہؓ، حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ اور دیگر ازواج مطہرات پر بھی؟ لیکن یہ بات چونکہ اس طرح نہیں ہے اس لئے اس حدیث کی یہ توجیہ و تاویل کی جاتی ہے کہ مریم بنت عمران اور آسیہ زوجۂ فرعون کو جن عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے ان سے اُمت محمدیہ سے پہلے کی امتوں کی عورتیں مراد ہیں کہ پچھلی تمام امتوں کی عورتوں میں سب سے زیادہ افضل اور سب سے برتر یہ دو عورتیں ہیں! یا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث اس زمانہ میں ارشاد فرمائی تھی جب کہ حضرت فاطمہؓ، حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ افضلیت و اکملیت کی ظاہر کرنے والی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔" اور یا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے اُمت محمدی ان افضل خواتین کو مستثنیٰ کر کے باقی تمام عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ ان سب پر فضیلت و برتری مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کو حاصل ہے، اور اس استثناء کا قرینہ وہ دوسری احادیث ہیں جن میں حضرت فاطمہؓ وغیرہ کے مناقب و اوصاف کا ذکر ہے جیسے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے "فاطمہ زہراؓ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔

حدیث کا آخری جزء، جس میں حضرت عائشہؓ کی فضیلت مذکور ہے، کئی احتمال رکھتا ہے، اس میں "عورتوں" سے۔ یا تو بلا استثناء دنیا کی تمام عورتیں مراد ہیں، یا حدیث میں مذکورہ دونوں خواتین، مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون، کا استثناء کر کے باقی تمام عورتیں مراد ہیں اور ترجمہ میں اسی احتمال کو ترجیح دی گئی ہے، یا جنتی عورتیں مراد ہیں، یا اس اُمت کی عورتیں مراد ہیں اور یا ازواج مطہرات مراد ہیں۔ واضح رہے کہ "ثرید" اس کھانے کو کہتے ہیں جو روٹی کو شوربے میں چور کر بنایا جاتا ہے! اس زمانہ میں اہل عرب کا سب سے مرغوب کھانا ثرید ہی تھا، کیونکہ یہ کھانا اول تو بہت نرم اور لذیذ ہوتا ہے، دوسرے نہایت زود ہضم اور مقوی سمجھا جاتا ہے۔ علماء کے یہاں اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت عائشہؓ، حضرت خدیجہؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کون سب سے افضل ہیں؟ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت عائشہؓ دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں، ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ ﷺ کو حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہ پر فضیلت حاصل ہے۔ اور سبکیؒ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ سب سے افضل حضرت فاطمہؓ بنت محمد ﷺ ہیں، ان کے بعد ان کی والدہ حضرت خدیجہؓ اور ان کے بعد حضرت عائشہؓ۔

مولف کتاب نے مذکورہ بالا مسئلہ میں اپنا "قول فیصل" اس طرح لکھا ہے! بعض روایتوں سے، جو ابن شیبہؒ وغیرہ سے منقول ہیں، یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؓ۔ مریم بنت عمران، آسیہ زوجۂ فرعون اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو حضرت عائشہؓ پر فضیلت حاصل ہے اور سبکیؒ نے اپنے زمانہ کے بعض ائمہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ، جگر گوشہ رسول اور آپ ﷺ کا ایک حصہ ہونے کی حیثیت سے خلفائے اربعہ (حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ) سے افضل ہیں، لیکن یہ افضلیت علی الاطلاق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ خلفائے اربعہ اپنے علم و فضل کی جلالت اور دین و ملت کی راہ میں اپنے بے مثال کارناموں کی بناء پر سب سے زیادہ اجر و ثواب کے حامل ہونے کے اعتبار سے حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حسینؓ سے افضل ہیں جیسا کہ ابن حجرؒ نے شمائل ترمذی کی شرح میں بیان کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جس طرح خلفاء اربعہ اور یہ جگر گوشہ رسول اپنی اپنی مخصوص جہت و حیثیت کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے

ہیں اسی طرح مذکورہ عورات مطہرات (حضرت خدیجہؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ) میں سے کسی کو بھی مجموعی اور کلی طور پر باقی دونوں پر یا ان میں سے کسی ایک پر فضیلت و برتری حاصل نہیں ہے بلکہ تینوں اپنی الگ الگ خصوصیات کے اعتبار سے آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتی ہیں چنانچہ حضرت عائشہؓ کو جو بلند تر علمی مقام حاصل تھا اور ان کو جو خصوصیت حاصل تھی کہ اکثر و بیشتر وحی آپ پر اس وقت نازل ہوتی تھی جب آپ کے بستر پر یا ان کے حجرے میں ہوتے تھے تو اس اعتبار سے ان کو حضرت فاطمہؓ پر فضیلت و برتری حاصل ہے اس کے برخلاف آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک کا ایک حصہ اور آپ کا جگر گوشہ ہونے کا شرف چونکہ حضرت فاطمہؓ کو حاصل ہے، اس اعتبار سے وہ حضرت عائشہؓ پر فضیلت رکھتی ہیں اور مریم و آسیہ اپنے اپنے زمانہ کی تمام عورتوں پر فضیلت رکھتی ہیں۔" نیز حضرت خدیجہ الکبریٰ اس اعتبار سے فضیلت رکھتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی پہلی زوجہ مطہرہ ہونے کا شرف ان ہی کو حاصل ہے، آنحضرت ﷺ کی سب سے زیادہ خدمت و معاونت انہوں نے ہی کی اور آنحضرت ﷺ کی اکثر اولاد ان ہی کے بطن سے ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

خدا کے بارے میں ایک سوال

(۲۷) وَعَنْ اَبِیْ رَزِیْنٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیْنَ کَانَ رَبُّنَا قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ خَلْقَہٗ قَالَ کَانَ فِیْ عَمَاءٍ مَاتَحْتَہٗ ھَوَاءٌ وَمَا فَوْقَہٗ ھَوَاءٌ وَخَلَقَ عَرْشَہٗ عَلَی الْمَآءِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ قَالَ یَزِیْدُ بْنُ ھَارُوْنَ الْعَمَآءُ اَیْ لَیْسَ مَعَہٗ شَیْءٌ۔

"اور حضرت ابورزینؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ (ﷺ)! ہمارا پروردگار اپنی مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا! "عماء میں تھا نہ اس کے نیچے ہوا تھی اور نہ اس کے اوپر، اس نے اپنا عرش پانی پر پیدا کیا۔" اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا: یزید ابن ہارون نے وضاحت کی ہے کہ "عماء" سے مراد یہ ہے کہ "اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی۔"

تشریح: "عماء" کے اصل معنی ابر (بادل) کے ہیں خواہ ہلکا ہو یا گہرا۔ لیکن یہاں یہ اصل معنی مراد نہیں ہیں کہ پروردگار اپنی مخلوقات پیدا کرنے سے پہلے ابر میں تھا، بلکہ اس لفظ سے ایک پورے مفہوم کی طرف اشارہ مقصود ہے اور وہ یہ کہ مذکورہ سوال میں جس حقیقت کی جستجو ظاہر کی گئی ہے اس تک نہ کسی کا علم پہنچ سکتا ہے، نہ کوئی عقل اس کا ادراک کر سکتی ہے اور نہ کوئی اس کو بیان کر سکتا ہے۔

"نہ اس کے نیچے ہوا تھی اور نہ اس کے اوپر۔" ان الفاظ کے ذریعہ ان مفہوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مخلوقات سے پہلے صرف اللہ ہی اللہ تھا، اس کے ساتھ کوئی اور چیز موجود نہیں تھی۔ اس اعتبار سے اس جملہ کا حاصل وہی ہے جو اس حدیث کا مضمون ہے۔ کان اللّٰہ وَلَمْ یکن معہ شیء (صرف اللہ کی ذات موجود تھی، اس کے ساتھ کسی چیز کا وجود نہیں تھا)۔ اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ماقبل جملہ (عماء میں ہے) سے خدا کی طرف مکان کی نسبت کا واہمہ ہو سکتا تھا، لہٰذا اس واہمہ کے دفعیہ کے لئے مذکورہ جملہ ارشاد فرمایا کہ عماء یعنی ابر سے متعارف ابر مراد نہیں ہے جس کے اوپر نیچے ہوا ہوتی ہے اور جب متعارف ابر مراد نہیں ہے کیونکہ اس کا ہوا کے بغیر ہونا محال ہے تو یہ وہم نہ ہونا چاہئے کہ عماء کے ذریعہ خدا کی طرف کسی مکان اور مقام کی نسبت کی گئی ہے۔

"اس نے اپنا عرش پانی پر پیدا کیا۔" اس جملہ کے بارے میں ایک شارح نے یہ لکھا ہے کہ سائل نے جو سوال کیا تھا اس کا اصل مقصد یہ دریافت کرنا تھا کہ این کان عرش ربنا یعنی (مخلوقات جیسے زمین و آسمان وغیرہ کو پیدا کرنے سے پہلے ہمارے پروردگار کا عرش کہاں تھا، اس کا جواب آپ ﷺ نے یہ دیا کہ عرش الٰہی پانی کے اوپر تھا۔ اس کی تحقیق پیچھے گذر چکی ہے۔

آسمانوں کا ذکر

(۲۸) وَعَنِ الْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ زَعَمَ اَنَّہٗ کَانَ جَالِسًا فِی الْبَطْحَاءِ فِیْ عِصَابَۃٍ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِيْهِمْ فَمَرَّتْ سَحَابَةٌ فَنَظَرُوْا اِلَيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتُسَمُّوْنَ هٰذِهٖ قَالُوْا السَّحَابُ قَالَ وَالْمُزْنَ قَالُوْا وَالْمُزْنَ قَالَ وَالْعَنَانَ قَالُوْا وَالْعَنَانَ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَابُعْدُ مَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ قَالُوْا لَانَدْرِيْ قَالَ اِنَّ بُعْدَ مَا بَيْنَهُمَا اِمَّا وَاحِدَةٌ وَاِمَّا اثْنَتَانِ اَوْ ثَلٰثٌ وَسَبْعُوْنَ سَنَةً وَالسَّمَآءُ الَّتِيْ فَوْقَهَا كَذٰلِكَ حَتّٰى عَدَّى سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ثُمَّ فَوْقَ السَّمَآءِ السَّابِعَةِ بَحْرٌ بَيْنَ اَعْلَاهُ وَاَسْفَلِهٖ كَمَا بَيْنَ سَمَآءٍ اِلٰى سَمَآءٍ ثُمَّ فَوْقَ ذٰلِكَ ثَمَانِيَةُ اَوْعَالٍ بَيْنَ اَظْلَافِهِنَّ وَوَرِكِهِنَّ مِثْلُ مَا بَيْنَ سَمَآءٍ اِلٰى سَمَآءٍ ثُمَّ عَلٰى ظُهُوْرِهِنَّ الْعَرْشُ بَيْنَ اَسْفَلِهٖ وَاَعْلَاهُ مَا بَيْنَ سَمَآءٍ اِلٰى سَمَآءٍ ثُمَّ اللّٰهُ فَوْقَ ذٰلِكَ۔ (رواہ الترمذی۔ و ابوداؤد)

"اور حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب کہتے ہیں کہ وہ (ایک دن) بطحائے مکہ (میں ایک جگہ محصب) میں لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور رسول کریم ﷺ بھی ان میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ابر کا ایک ٹکڑا گذرا، لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے: رسول کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم اس (ابر) کو کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ "سحاب"! آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اور اس کو "مزن" بھی کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں مزن بھی کہتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اور اس کو "عنان" بھی کہتے ہو انہوں نے کہا کہ ہاں، عنان بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ جانتے ہو، آسمان اور زمین کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ کتنا طویل ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں نہیں معلوم۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "زمین و آسمان کے درمیان کا فاصلہ یا تو اکہتر سال یا بہتر سال یا تہتر سال کی مسافت کے بقدر ہے، اور اس (پہلے) آسمان کے اوپر جو (دوسرا) آسمان ہے ان دونوں کے درمیان کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ساتوں آسمانوں کا ذکر کیا (کہ ہر آسمان اپنے نیچے کے آسمان سے کچھ اوپر ستر سال کی مسافت کے بقدر فاصلہ پر ہے، پھر ساتویں آسمان کے اوپر پانی کا بہت بڑا سمندر ہے، اس سمندر کی تہ اور اس کے اوپر کی سطح کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے، اور اس سمندر کے اوپر آٹھ فرشتے ہیں جو پہاڑی بکروں کے مانند ہیں، ان کے کھروں اور کولہوں کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے۔ اور پھر ان فرشتوں کی پشت پر عرش الٰہی ہے جس کے نیچے کے حصہ اور اوپر کے حصہ کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے اور اس عرش کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: حدیث کے ظاہری اسلوب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباسؓ نے جس زمانہ کا واقعہ بیان کیا ہے اس وقت تک وہ حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے۔ اس طرح وہ لوگ بھی مسلمان نہیں تھے جن کے ساتھ حضرت عباسؓ اس موقع پر تھے۔ نیز اس موقع پر اور ان لوگوں کے درمیان آنحضرت ﷺ کا موجود ہونا بھی اسی کا احتمال رکھتا ہے کہ وہ سب لوگ مکہ کے رہنے والے تھے اور مسلمان ہو چکے تھے! اور اگر یہ احتمال قائم کیا جائے کہ وہ سب لوگ مکہ کے کفار تھے اور اسلام کے دائرہ میں داخل نہیں ہوئے تھے تو پھر کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے اس جگہ ان لوگوں کو جمع دیکھ کر ان کو اسلام کی دعوت دینے کا ارادہ فرمایا ہوگا اور اسی مقصد سے ان کے پاس تشریف لے گئے ہوں۔

"یا تو اکہتر سال اور یا بہتر سال اور یا تہتر سال۔ یہ جملہ راوی کے شک کو ظاہر کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر ان تینوں میں سے کسی ایک عدد کا ذکر فرمایا تھا، بہر حال حاصل یہ ہے کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا درمیانی فاصلہ کچھ اوپر ستر سال کی مسافت کے بقدر ہے۔ لیکن یہ ذہن نشین رہے کہ اس عدد سے مراد تحدید نہیں ہے بلکہ تکثیر و مبالغہ یعنی اس فاصلہ کی وسعت و زیادتی کو بیان کرنا ہے لہٰذا یہ حدیث اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں زمین و آسمان کے درمیانی فاصلہ اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کے درمیانی فاصلہ کو پانچ سو سال کی مسافت کے بقدر فرمایا گیا ہے۔

"ساتویں آسمان کے اوپر پانی کا ایک بڑا سمندر ہے۔" بعض دوسری روایتوں میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا عرش پیدا کرنے کے

ساتھ ہی اس عرش کے نیچے ایک بہت بڑا سمندر پیدا کیا اور وہ سمندر موجود و جاری ہے۔
اور اس عرش کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے۔" واضح رہے کہ اس جملہ کی مراد حق تعالیٰ کے مرتبہ کی بلندی، اس کی عظمت و شوکت اور اس کی سلطنت و حکومت کی مافوقیت کو بیان کرنا ہے، نہ کہ مکان و جہت اور استقرار و تمکن کے اعتبار سے اس کی ذات کا عرش پر ہونا مراد ہے! گویا آپ ﷺ نے پروردگار کی عظمت و برتری کو انسانی ذہن میں اتارنے کے لئے بطور تمثیل یہ جملہ ارشاد فرمایا اور مطلب یہ تھا کہ وہ بڑا ہی عالی مرتبہ اور عظیم البرہان ہے اس کی ذات ہر شئے سے بلند و بالا ہے اور تمام موجودات اسی کے حکم اور اسی کی قدرت کے تحت ہیں؛ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ۔

"اور اللہ سب کو ادھر ادھر سے گھیرے ہوئے ہے۔"

اور اصل بات یہ ہے کہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد و ہدایت کا ایسا مضمون اور اسلوب اختیار فرمایا جس سے ان سب کے ذہن و فکر کی پرواز اس عالم سفلی سے منتقل ہو کر عالم علوی کی طرف مائل ہو اور زمین و آسمان کے اقتدار اعلیٰ (حاکمیت الٰہ) ایک ایسا تصوراتی خاکہ ان کے دل و دماغ پر منعکس ہو جس سے وہ لوگ کائنات ارض و سماء کے پیدا کرنے والے اور کل کائنات کا نظام چلانے والے کی ذات کی طرف متوجہ ہو کر بت پرست، اوہام پسندی اور فاسد عقیدہ و خیال کی پستی کا احساس و شعور حاصل کریں اور خود کو ان چیزوں سے باز رکھ سکیں۔

عرش الٰہی کا ذکر

(۲۹) وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ جُهِدَتِ الْاَنْفُسُ وَجَاعَ الْعِيَالُ وَنُهِكَتِ الْاَمْوَالُ وَهَلَكَتِ الْاَنْعَامُ فَاسْتَسْقِ اللّٰهَ لَنَا فَاِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَى اللّٰهِ وَنَسْتَشْفِعُ بِاللّٰهِ عَلَيْكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ فَمَا زَالَ يُسَبِّحُ حَتّٰى عُرِفَ ذٰلِكَ فِيْ وُجُوْهِ اَصْحَابِهٖ ثُمَّ قَالَ وَيْحَكَ اِنَّهٗ لَا يُسْتَشْفَعُ بِاللّٰهِ عَلٰى اَحَدٍ شَانُ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ وَيْحَكَ اَتَدْرِيْ مَا اللّٰهُ اِنَّ عَرْشَهٗ عَلٰى سَمٰوٰتِهٖ لَهٰكَذَا وَقَالَ بِاَصَابِعِهٖ مِثْلَ الْقُبَّةِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَيَئِطُّ بِهٖ اَطِيْطَ الرَّحْلِ بِالرَّاكِبِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور جبیر ابن مطعمؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور کہنے لگا کہ (ہمارے ہاں خشک سالی کی وجہ سے) انسانی جانیں قحط کا شکار ہو رہی ہیں، بال بچوں کو بھکری کا سامنا ہے، مال و جائداد کی بربادی ہو رہی ہے، اور مویشی ہلاک ہو رہے ہیں، لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے بارش مانگئے، ہم اللہ تعالیٰ کے حضور آپ ﷺ کو وسیلہ بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کے ہاں شفیع مقرر کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ذات پاک و منزہ ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک و منزہ ہے۔" آپ ﷺ بار بار تسبیح کے یہی الفاظ فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے صحابہؓ کے چہروں کا رنگ بدل گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا! "اے شخص تجھ پر افسوس ہے۔ درحقیقت خدا کو کسی کے ہاں شفیع مقرر نہیں کیا جاتا اور نہ اس کو وسیلہ بنایا جاتا ہے، بلاشبہ خدا کی ذات اور اس کی حیثیت اس سے بالاتر ہے کہ اس کو کسی کا وسیلہ و ذریعہ بنایا جائے۔ تجھ پر افسوس! کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا کی عظمت و جلالت کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کا عرش اس کے آسمانوں کو اس طرح محیط ہے۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ہتھیلی کے اوپر قبہ کی صورت میں دکھایا (یعنی آپ ﷺ نے ہاتھ کو گنبد کی صورت میں بنا کر دکھایا کہ جس طرح یہ گنبد نما ہاتھ ہتھیلی کو گھیرے ہوئے ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا عرش زمین تو زمین تمام آسمانوں تک کو اپنے نیچے گھیرے ہوئے ہے) اور وہ عرش اس قدر وسیع و عریض ہونے کے باوجود اس طرح چرچر کرتا ہے جس طرح اونٹ کا پالان یا گھوڑے کی زین (بھاری بھرکم) سوار کے نیچے چرچر کرتی ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "ہم اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کے ہاں شفیع مقرر کرتے ہیں۔" اس جملہ سے اس دیہاتی کی مراد تو یہ تھی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کی ذات کو اور آپ ﷺ کی عظمت و بزرگی کو اپنا وسیلہ بناتے ہیں، آپ ﷺ کو اپنا شفیع قرار دیتے ہیں، اور آپ ﷺ سے یہ دعا کرنے کی درخواست کرتے ہیں کہ پروردگار ہمارے حال پر رحم فرما کر بارش برسا دے، نیز آپ کی سفارش و توجہ چاہنے کے لئے ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ملتجی ہیں کہ وہ آپ ﷺ کو ہماری طرف متوجہ کردے آپ ﷺ کو ہمارے حق میں سفارش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ لیکن اس نے اپنی یہ مراد ظاہر کرنے کے لئے موزوں اسلوب اختیار نہیں کیا، بلکہ گھبراہٹ میں اس کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے جن سے نہ صرف یہ کہ اس کی اصل مراد خبط ہوگئی بلکہ یہ ظاہر ہوا کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا رہا ہے اور اس طرح اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کے نظام اور اس کے حکم و اختیار میں آنحضرت ﷺ کو شریک و برابر کر رہا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے حکم و اختیار اور اپنے نظام قدرت میں کسی بھی طرح مشارکت اور کسی بھی طرح ہمسری کی روادار نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ۔

"خدا کے نظام میں آپ ﷺ کو کوئی دخل نہیں اور یہ بھی فرمایا۔"

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ إِلَّا بِإِذْنِهٖ۔

"ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس (کسی کی) سفارش کر سکے بدوں اس کی اجازت کے۔"

لہٰذا اس دیہاتی کا یہ کہنا حضور ﷺ کو نہایت ناگوار ہوا، اور آپ ﷺ اس کی طرف سے اس جملہ کی ادائیگی پر اظہار حیرت و تعجب اور اس کو متنبہ کرنے کے لئے بار بار سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ فرماتے رہے۔

"یہاں تک کہ آپ ﷺ کے صحابہ کے چہروں کا رنگ بدل گیا" یعنی آنحضرت ﷺ کے بار بار سبحان اللہ کہنے سے اس مجلس میں موجود صحابہؓ سمجھ گئے کہ دیہاتی کے اس کہنے سے آپ ﷺ کو شدید ناگواری اور غصہ ہے، لہٰذا آنحضرت ﷺ کے غضب و غصہ کو محسوس کر کے وہ سب بھی ڈر گئے اور خوف خدا سے ان کے چہروں کا رنگ بدل گیا، اور پھر آنحضرت ﷺ نے جب ان صحابہؓ کے چہروں پر خوف خدا کا اثر دیکھا تو آپ ﷺ نے سبحان اللہ کہنا موقوف کر دیا اور اس دیہاتی کی طرف روئے سخن نہ کیا۔

"وہ عرش اس قدر وسیع و عریض ہونے کے باوجود اس طرح چرچر کرتا ہے الخ۔" کے ذریعہ آپ ﷺ نے گویا اس دیہاتی کی سمجھ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کی تمثیل بیان کی اور اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا اظہار ہے کہ اتنا بڑا عرش بھی اس کے تحمل سے عاجز ہے۔

وہ فرشتے جو عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں

(۳۰) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُذِنَ لِيْ أَنْ أُحَدِّثَ عَنْ مَلَكٍ مِنْ مَلٰٓئِكَةِ اللّٰهِ مِنْ حَمَلَةِ الْعَرْشِ إِنَّ مَا بَيْنَ شَحْمَةِ أُذُنَيْهِ إِلٰى عَاتِقَيْهِ مَسِيْرَةُ سَبْعِمِائَةِ عَامٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابر ابن عبداللہؓ، رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا! "مجھ کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یہ اجازت مل گئی ہے کہ میں خدا کے ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کا حال بیان کروں جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اس فرشتہ کے کان کی لو سے اس کے کندھے تک کا درمیانی فاصلہ سات سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔" (ابوداؤدؒ)

دیدار الٰہی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام

(۳۱) وَعَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفٰى أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِجِبْرَئِيْلَ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ فَانْتَفَضَ جِبْرَائِيْلُ وَقَالَ يَا

مُحَمَّدُ اِنَّ بَيْنِىْ وَبَيْنَهٗ سَبْعِيْنَ حِجَابًا مِنْ نُوْرٍ لَوْ دَنُوْتُ مِنْ بَعْضِهَا لَاَحْتَرَقْتُ هٰكَذَا فِى الْمَصَابِيْحِ وَرَوَاهُ اَبُوْنُعَيْمٍ فِى الْحِلْيَةِ عَنْ اَنَسٍؓ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ فَانْتَقَضَ جِبْرَئِيْلُ۔

"اور حضرت زرارہ ابن اوفیٰ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا تم نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام (یہ سن کر) تھر تھر کانپنے لگے اور پھر بولے محمد (ﷺ)! میرے اور خدا کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں، اگر ان پردوں میں سے کسی پردے کے قریب ہونے کے لئے (ایک انگشت برابر بھی، آگے بڑھوں تو جل جاؤں۔" مصابیح میں روایت اسی طرح ہے، البتہ ابونعیم نے اپنی کتاب "حلیہ" میں اس روایت کو حضرت انس سے نقل کیا ہے (اور ہو سکتا ہے کہ حضرت زرارہ نے بھی حضرت انسؓ سے ہی نقل کیا ہو) لیکن ابونعیم کی نقل کردہ روایت میں فانتقض (حضرت جبرئیل علیہ السلام تھر تھر کانپنے لگے) کے الفاظ نہیں ہیں"

تشریح: حضرت زرارہ ایک جلیل القدر تابعی ہیں، بصرہ کے قاضی اور اپنے زمانہ کے ممتاز علماء وفضل اور مشائخ میں سے تھے، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے سماع رکھتے ہیں، خشیت الٰہی اور آخرت کے خوف کا یہ حال تھا کہ ایک دن فجر کی نماز میں امامت کر رہے تھے، جب اس آیت فاذ انقر فی الناقور پر پہنچے تو چیخ مار کر پڑے اور وہیں جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی، ولید ابن عبدالملک کی خلافت کے زمانہ میں ۷۳ھ کا واقعہ ہے! اور ملا علی قاریؒ نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ حضرت زرارہ صحابی تھے اور ان کی وفات حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت میں ہوئی ہے۔

"حضرت جبرئیل علیہ السلام تھر تھر کانپنے لگے" یعنی مشاہدۂ ذات باری تعالیٰ سے متعلق آنحضرت ﷺ کے اس سوال نے ان پر زبردست ہیبت طاری کر دی اور وہ اس صورت حال کے تصور ہی سے لرزہ براندام ہو گئے کہ دیدار مشاہدہ جس کمال قرب کو مستلزم ہے، اگر مجھے یہ قرب میسر آتا تو مارے ہیبت کے میرا کیا حال ہوتا! بہرحال آنحضرت ﷺ کے اس سوال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آخرت میں حق تعالیٰ کی ذات کا دیدار و مشاہدہ ایک ممکن الوقوع حقیقت ہے کیونکہ اگر یہ دیدار و مشاہدہ محال ہوتا تو آنحضرت ﷺ یہ سوال نہ کرتے، تاہم قیامت کے دن (آخرت میں) فرشتوں اور جنات کو حق تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوگا یا نہیں، یہ علماء کے درمیان ایک اختلافی بحث ہے۔ جس کی بحث پیچھے گذر چکی ہے۔

میرے اور خدا کے درمیان نور کے ستر پردے حائل ہیں۔" یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دیدار الٰہی کے مرتبہ عظمیٰ تک اپنی رسائی کے عجز کو ظاہر کیا، اور اپنے اس عجز کو انہوں نے اپنے اور ذات حق جل مجدہ کے درمیان ستر پردوں سے تعبیر کیا۔ پس انہوں نے حجاب کا ذکر اپنے اعتبار سے کیا، ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ حق تعالیٰ کی ذات ستر پردوں کے پیچھے ہے کیونکہ محجوب (پردہ میں ہونا) مغلوب ہونے کی علامت ہے جو خالق کی صفت نہیں ہو سکتی، وہ ہر حالت میں غالب ہوتا ہے اور کوئی بھی چیز اس کا حجاب نہیں بن سکتی۔ اس کے برخلاف مخلوق چونکہ عجز و نقصان کا حامل ہے اس لئے محجوب ہونا اس کی صفت ہو سکتی ہے! واضح رہے کہ اس جملہ میں ستر ہزار پردے" کے الفاظ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض کثرت کی طرف اشارہ کرنا مراد ہے نہ کہ کوئی خاص عدد مراد ہے۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام کا ذکر

(۳۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اِسْرَافِيْلَ مُنْذُ يَوْمٍ خَلَقَهٗ صَافًّا قَدَمَيْهِ لَا يَرْفَعُ بَصَرَهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى سَبْعُوْنَ نُوْرًا مَامِنْهَا مِنْ نُوْرٍ يَدْنُوْا مِنْهُ اِلَّا احْتَرَقَ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَصَحَّحَهٗ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو جس وقت پیدا کیا، وہ اسی

وقت سے اپنے دونوں پیروں کو صف بستہ کئے (بالکل تیار) کھڑے ہیں، نظر تک نہیں اٹھاتے ان کے اور ان کے بزرگ و برتر پروردگار کے درمیان نور کے ستر پردے (حائل) ہیں اگر اسرافیل (بفرض محال) ان نور (کے پردوں میں سے) کسی ایک نور (کے پردے) کے قریب پہنچ جائیں تو وہ جل کر رہ جائیں۔" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔"

تشریح: "نظر تک نہیں اٹھاتے۔" یعنی حضرت اسرافیل علیہ السلام اپنی پیدائش کے وقت سے اس طرح مؤدب پابستہ کھڑے ہوئے ہیں کہ ان کی نگاہ بھی ایک ہی جگہ جمی ہوئی ہے، آسمان کی طرف بھی ان کی نظر نہیں اٹھتی۔ یا یہ کہ وہ ہر لمحہ صور کی طرف متوجہ ہیں، اس لئے نگاہ نہیں ہٹاتے! اس کا حاصل یہ ہوگا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت ہی سے صور پھونکنے کے حکم کی بجا آوری کے لئے بالکل مستعد اور اس طرح منتظر کھڑے ہیں کہ شاید اسی لمحہ حکم آپہنچے۔

انسان کی فضیلت

(۳۴) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ وَذُرِّيَّتَهُ قَالَتِ الْمَلٰئِكَةُ يَارَبِّ خَلَقْتَهُمْ يَاْكُلُوْنَ وَيَشْرَبُوْنَ وَيَنْكِحُوْنَ وَيَرْكَبُوْنَ فَاجْعَلْ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا اَجْعَلُ مَنْ خَلَقْتُهُ بِيَدَيَّ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ كَمَنْ قُلْتُ لَهٗ كُنْ فَكَانَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! "جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو پیدا فرمایا تو فرشتوں نے عرض کیا کہ پروردگار! آپ نے تو ایک ایسی مخلوق کو پیدا کیا ہے جو کھاتی ہے اور پیتی ہے شادی بیاہ کرتی ہے اور (طرح طرح کی سواریوں پر) سوار ہوتی ہے، تو ہماری درخواست ہے کہ دنیا (کی تمام نعمتیں) اس مخلوق کو دے دیجئے اور آخرت (کی تمام نعمتیں) ہمیں مرحمت فرما دیجئے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "جس مخلوق کو میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اور اس میں اپنی روح پھونکی، اس کو اس مخلوق کے برابر قرار نہیں دے سکتا جس کو میں نے کن کہا تو وہ پیدا ہوگئی۔" (اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: فرشتوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جب یہ مخلوق روئے زمین پر آپ کی خلافت کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اس کو دنیا کی وہ تمام نعمتیں اور لذتیں عطا کی گئی ہیں جن سے ہمیں محروم رکھا گیا ہے تو ان کو بس دنیا ہی کی سرفرازی تک محدود رکھا جائے، یا یہ کہ دنیا کی ملنے والی نعمتیں ان کے حق میں ہمیشہ باقی رکھی جائیں اور آخرت کی تمام نعمتوں کو ہمارے لئے مخصوص کر دیا جائے کہ جس طرح ہمیں دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا اسی طرح انسان نامی اس مخلوق کو آخرت کی نعمتوں میں سے کوئی حصہ نہ ملے تاکہ ہم دونوں برابر ہو جائیں! گویا فرشتوں نے دونوں کے خدا کی مخلوق ہونے کے اعتبار سے خود کو آدم اور ابن آدم کے مرتبہ و مقام کے برابر جانا، لیکن حق تعالیٰ نے فرشتوں کے اس گمان کی تصحیح فرمائی اور واضح کیا کہ انسان کی تخلیق و پیدائش دوسری تمام مخلوقات جس میں فرشتے بھی شامل ہیں، کی تخلیق و پیدائش سے یکسر مختلف نوعیت رکھتی ہے، مثلاً فرشتوں کی تخلیق و پیدائش تو لفظ کن کے ذریعہ عمل میں آئی کہ صرف کن (پیدا ہو جا) کہہ دیا تو تم فرشتے عالم وجود میں آگئے، اس کے برخلاف انسان کی تخلیق و پیدائش ایک خاص نظام کے تحت ہوئی اور اس کا سلسلہ بتدریج جاری ہے کہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو بغیر کسی واسطہ اور ذریعہ کے دست قدرت نے براہ راست تخلیق کیا، ان میں روح پھونکی، پھر ان ہی کے اندر سے ان کا جوڑا (حوا کو) پیدا کیا، اور ان دونوں سے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری کیا جو ان کے بعد ان کی اولاد در اولاد اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک اس دنیا کے خاتمہ کا وقت نہیں آجاتا، پھر یہ کہ فرشتوں کا خمیر مجرد ہے جب کہ انسان کا خمیر مرکب ہے، اس کے اندر ہدایت قبول کرنے کی بھی صلاحیت ہے اور ضلالت کو اختیار کرنے کا مادہ بھی وہ پروردگار کی صفت جلال کا مظہر بننے کی بھی استعداد رکھتا ہے اور اس کی صفت جمال کا مظہر بھی بن سکتا ہے، لہٰذا جو مخلوق اپنی تخلیق و پیدائش کے اعتبار سے یہ خصوصیت رکھتی ہے وہ اس مخلوق کے برابر کیسے قرار دی جا سکتی ہے جو اس جیسی خصوصیت سے عاری ہو۔ واضح ہوا کہ شرف و کرامت اور قربت میں

فرشتہ انسان کا ہمسر نہیں ہو سکتا، خاص طور پر شرف و کرامت کے اعتبار سے تو انسان فرشتہ سے بہت اونچا ہے اور اس کا مقام و مرتبہ بہت اعلیٰ ہے! اور چونکہ فرشتوں کو معصوم پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے ان کو عذاب سے تو دور رکھا گیا ہے، لیکن ان کو نعمتوں سے بھی محروم رکھا گیا ہے، ان کے برخلاف انسان کو چونکہ نیکی کا راستہ اختیار کرنے اور برائی کے راستہ سے بچنے کا مکلّف و ذمہ دار بنا کر پیدا کیا گیا ہے اس لئے جو انسان اپنی اس ذمہ داری کو پوری طرح ادا کرتا ہے، وہ دونوں جہان کی نعمتوں کا مستحق ہوتا ہے اور جو انسان اس ذمہ داری سے اعراض کرتا ہے وہ دونوں جہان میں عتاب و عذاب کا مستوجب ہوتا ہے۔

آخر میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ "اور اس میں روح پھونکی" میں اللہ کی طرف روح کی نسبت محض روح کی عظمت و بزرگی کے اظہار کے لئے ہے جیسے "بیت اللہ" میں اللہ کی طرف بیت کی نسبت ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

فرشتوں پر انسان کی فضیلت

(۳۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ بَعْضِ مَلَآئِكَتِهٖ۔

(رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "(کامل درجہ کے) مؤمن (یعنی انبیاء اور اولیاء) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے بعض فرشتوں سے افضل و برتر ہیں۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: "بعض فرشتوں" سے مراد یا تو خواص فرشتے ہیں یا وہ سب فرشتے مراد ہیں جو عام فرشتوں میں کسی بھی طرح کی برگزیدگی اور برتری رکھتے ہیں۔ طیبیؒ نے یہ لکھا ہے کہ "مؤمن" سے مراد عام مؤمن ہیں اور "بعض فرشتوں" سے مراد بھی عام فرشتے ہیں محی السنۃؒ کہتے ہیں: یہ کہا جانا زیادہ بہتر ہے کہ عام مؤمن عام فرشتوں سے افضل ہیں اور خواص مؤمن، خواص فرشتوں سے افضل ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ۔

"بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ لوگ بہترین خلائق ہیں۔"

اہل سُنّت والجماعت اسی سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ انسان فرشتوں سے افضل ہے لیکن بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اجمالی طور پر صرف اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ "انسان" "فرشتوں سے افضل ہے" بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس بات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے تاکہ انسان میں سے ہر کس و ناکس کا فرشتوں سے افضل ہونا مفہوم نہ ہو، اور یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ اس مسئلہ میں "عوام" اور "خواص" کا مصداق کیا ہے، چنانچہ یہ تفصیل کی جانی چاہئے کہ "خواص مؤمن" سے مراد اللہ کے تمام رسول اور نبی ہیں، اسی طرح "خواص فرشتوں" سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائل علیہ السلام اور حضرت اسرافیل علیہ السلام وغیرہ ہیں، نیز عام مؤمنین" سے مراد کامل درجہ کے اہل ایمان ہیں جیسے خلفاء راشدین اولیاء کاملین اور تمام علماء۔

ابن ماجہؒ میں ایک حدیث اور مذکور ہے جو دو سندوں سے منقول ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔

المؤمن اعظم حرمة من الكعبة۔

"مؤمن کا احترام و اکرام کعبہ سے بھی زیادہ ہے۔"

مخلوقات کی پیدائش کے دن

(۳۵) وَعَنْهُ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِىْ فَقَالَ خَلَقَ اللّٰهُ التُّرْبَةَ يَوْمَ السَّبْتِ وَخَلَقَ فِيْهَا الْجِبَالَ يَوْمَ الْاَحَدِ وَخَلَقَ الشَّجَرَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَخَلَقَ الْمَكْرُوْهَ يَوْمَ الثُّلٰثَاءِ وَخَلَقَ النُّوْرَ يَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ وَ بَثَّ فِيْهَا الدَّوَابَّ يَوْمَ الْخَمِيْسِ وَخَلَقَ اٰدَمَ بَعْدَ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فِىْ اٰخِرِ الْخَلْقِ وَاٰخِرِ سَاعَةٍ مِّنَ النَّهَارِ فِيْمَا بَيْنَ الْعَصْرِ اِلَى اللَّيْلِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے کہ (جانتے ہو، اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو جو چھ دن میں پیدا کیا تو کونسی چیز کس دن پیدا ہوئی ہے؟ سنو، بعض چیزوں کے متعلق میں بتاتا ہوں) اللہ تعالیٰ نے مٹی (زمین کو ہفتہ کے دن پیدا کیا، اس زمین پر پہاڑوں کو اتوار کے دن پیدا کیا، درختوں کو پیر کے دن پیدا کیا، بدی اور خراب چیزوں کو منگل کے دن پیدا کیا، روشنی کو بدھ کے دن پیدا کیا، جانوروں کو روئے زمین پر جمعرات کے دن پھیلایا اور آدم کو جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا کیا اور یہ آخری پیدائش دن کے بالکل آخری حصہ میں عصر کے بعد سے رات تک کے درمیان عمل میں آئی۔"

تشریح: "یوم السبت یعنی ہفتہ کے دن" سے اس دن کا وہ بالکل آخری حصہ مراد ہے جس پر دن کا اختتام ہو جاتا ہے اور جس کو عربی میں عشیۃ الاحد یعنی اتوار کی رات کا ابتدائی حصہ" کہتے ہیں، اس اعتبار سے وہ وقت گویا اتوار ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔

پس یہ روایت قرآن کریم کی اس آیت وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ کے منافی نہیں ہے۔

"وخلق النور یوم الاربعاء" (اور روشنی کو بدھ کے دن پیدا کیا۔ میں مسلمؒ نے "نور" ہی کا لفظ نقل کیا ہے اور مشکوٰۃ کے صحیح نسخوں میں بھی یہ لفظ اسی طرح (ر کے ساتھ) ہے، لیکن مشکوٰۃ کے ایک نسخہ میں یہ لفظ ن کے ساتھ، یعنی، "نون" ہے جس کے معنی مچھلی کے ہیں، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ نور یعنی روشنی اور نون یعنی مچھلی دونوں کو ایک ہی دن یعنی بدھ کے دن پیدا کیا گیا ہو۔

حدیث کے آخری جزو سے معلوم ہوا کہ مخلوقات کی پیدائش کا آخری دن جمعہ تھا، اس دن تمام چیزوں کی پیدائش کا سلسلہ پایہ اختتام کو پہنچا اور تمام مخلوقات اس روئے زمین پر جمع ہو گئیں، چنانچہ اس دن کا نام "جمعہ" رکھے جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے! نیز اس دن کا وہ وقت کہ جس میں آدم کی تخلیق پر مخلوقات کے سلسلہ تخلیق و پیدائش کی تکمیل ہوئی، دن کا بالکل آخری حصہ تھا، اس مناسبت سے اس دن کے آخری لمحوں (عصر کے بعد سے رات شروع ہونے تک) کو "ساعت قبولیت" کے شرف سے نوازا گیا، چنانچہ اکثر علماء کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن اس آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔

زمین و آسمان کا ذکر

(۳۶) وَعَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَبِىُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ وَاَصْحَابُهٗ اِذْ اَتٰى عَلَيْهِمْ سَحَابٌ فَقَالَ نَبِىُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا هٰذَا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هٰذِهِ الْعَنَانُ هٰذِهٖ رَوَايَا الْاَرْضِ يَسُوْقُهَا اللّٰهُ اِلٰى قَوْمٍ لَا يَشْكُرُوْنَهٗ وَلَا يَدْعُوْنَهٗ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا فَوْقَكُمْ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهَا الرَّقِيْعُ سَقْفٌ مَّحْفُوْظٌ وَ مَوْجٌ مَكْفُوْفٌ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهَا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا خَمْسُمِائَةِ عَامٍ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا فَوْقَ ذٰلِكَ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ سَمَاءَانِ بُعْدُ مَا بَيْنَهُمَا خَمْسُمِائَةِ سَنَةٍ ثُمَّ قَالَ كَذٰلِكَ حَتّٰى عَدَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ مَا بَيْنَ كُلِّ سَمَائَيْنِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا فَوْقَ ذٰلِكَ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِنَّ فَوْقَ ذٰلِكَ الْعَرْشَ وَبَيْنَهٗ وَبَيْنَ السَّمَاءِ بُعْدُ مَا بَيْنَ السَّمَائَيْنِ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الَّذِىْ تَحْتَكُمْ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِنَّهَا الْاَرْضُ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا تَحْتَ ذٰلِكَ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِنَّ تَحْتَهَا اَرْضًا اُخْرٰى بَيْنَهُمَا

مَسِيْرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ حَتّٰى عَدَّ سَبْعَ اَرْضِيْنَ بَيْنَ كُلِّ اَرْضَيْنِ مَسِيْرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّكُمْ دَلَّيْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَى الْاَرْضِ السُّفْلٰى لَهَبَطَ عَلَى اللّٰهِ ثُمَّ قَرَأَ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ قِرَاءَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاٰيَةَ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ اَرَادَ لَهَبَطَ عَلٰى عِلْمِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ وَسُلْطَانِهٖ وَعِلْمُ اللّٰهِ وَقُدْرَتُهٗ وَسُلْطَانُهٗ فِيْ كُلِّ مَكَانٍ وَهُوَ عَلَى الْعَرْشِ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهٗ فِيْ كِتَابِهٖ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ ابر کا ایک ٹکڑا گذرا، آپ ﷺ نے (ابر کے اس ٹکڑے کی طرف اشارہ کر کے (صحابہؓ سے پوچھا کہ جانتے ہو یہ کیا ہے صحابہؓ نے (اپنی عادت کے مطابق) جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "یہ عنان (یعنی ابر) ہے، اور یہ ابر زمین کے "روایا" ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی طرف ہانکتا ہے جو نہ اس کا شکر ادا کرتے ہیں، اور نہ اس کو پکارتے ہیں۔" پھر فرمایا! "جانتے ہو تمہارے اوپر (جو آسمان ہے وہ) کیا چیز ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا۔ "تمہارے اوپر کی چیز رقیع ہے جو ایک محفوظ چھت اور نہ گرنے والی موج ہے۔ پھر فرمایا۔ "جانتے ہو تمہارے اور آسمان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا! "تمہارے اور آسمان کے درمیان پانچ سو برس (کی مسافت کے بقدر فاصلہ) ہے۔" پھر فرمایا! "جانتے ہو کہ آسمان کے اوپر کیا ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا! "اس آسمان کے بعد پھر اوپر نیچے دو آسمان ہیں اور ان دونوں آسمانوں کے درمیان بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے۔" اسی طرح آپ ﷺ نے یکے بعد دیگرے ہر آسمان کا ذکر کیا، یہاں تک کہ ساتوں آسمان کے بارے میں بتایا کہ ان میں سے ہر ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ وہی ہے جو زمین سے آسمان کے درمیان ہے (یعنی پانچ سو سال کی مسافت کے بقدر۔ اس کے بعد فرمایا! "جانتے ہو، پھر اس (آخری آسمان) کے اوپر کیا ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا! اس ساتویں اور آخری آسمان کے اوپر عرش ہے اور اس عرش اور اس کے نیچے آسمان کے درمیان وہی فاصلہ ہے جو دو آسمانوں کے درمیان ہے۔" پھر فرمایا! "جانتے ہو تمہارے نیچے کیا چیز ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا! سب سے اوپر کی) زمین ہے۔" پھر فرمایا: "جانتے ہو اس کے نیچے کیا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کے نیچے ایک اور زمین ہے، اور ان دونوں زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت (کے بقدر فاصلہ) ہے۔" اس طرح آپ ﷺ نے سات زمینیں گنائیں اور بتایا کہ ان میں سے ہر ایک زمین سے دوسری زمین تک کا درمیانی فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت کے بقدر ہے۔ اور پھر فرمایا! "قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اگر تم سب سے نیچے والی زمین پر رسی لٹکاؤ تو اللہ تعالیٰ ہی پر اترے گی۔" اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے (اپنے اس ارشاد کی دلیل کے طور پر) یہ آیت پڑھی هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ یعنی وہی (اللہ) اول (قدیم) ہے (کہ اس کے لئے کوئی ابتداء نہیں ہے) اور آخر (باقی) ہے (کہ اس کے لئے کوئی انتہا اور اختتام نہیں ہے) اور (اپنی صفات کے اعتبار سے ظاہر) ہے اور (اپنی ذات کے اعتبار سے) باطن ہے، اور (دونوں جہاں کی) تمام (کلی و جزئی) چیزوں کو جاننے والا ہے (کہ اس کا علم نہایت کامل و اکمل ہے اور ایک ایک چیز کے ہر ہر گوشہ پر محیط ہے۔"

اس روایت کو احمدؒ اور ترمذیؒ نے نقل کیا ہے، نیز ترمذیؒ نے کہا ہے کہ رسول کریم ﷺ کا اپنے ارشاد کے بعد اس آیت کو پڑھنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا علم اس کی قدرت اور اس کی حکومت ہر جگہ ہے اور وہ بذات خود، (یعنی اس کی تجلی) عرش پر ہے جیسا کہ خود اسی نے اپنی کتاب میں اپنا وصف بیان کیا ہے۔

تشریح: "زَوَایا" اصل میں "راویہ" کی جمع ہے اور راویہ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو پانی کھینچتا ہے الپس ابر یعنی بادل کو راویہ سے اس لئے تعبیر کیا کہ جس طرح اونٹ پانی کھینچ کر زمین کو سیراب کرتا ہے اسی طرح بادل بھی پانی برسا کر زمین کو سیراب کرتے ہیں۔

"جو نہ اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔" اس جملہ کے ذریعہ ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو بارش ہونے پر نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے جس کے حکم اور جس کی قدرت سے اس بارش کے نتیجہ میں ان کی زمینیں سیراب ہوتی ہیں، ان کی پانی کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور ان کی روزی و آمدنی کے ذرائع بار آور ہوتے ہیں بلکہ وہ اس بارش کی نسبت اس کے اصل مسبب (اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کے بجائے ظاہری اسباب کی طرف یا اپنے فاسد خیال و گمان کے مطابق غیر حقیقی طاقتوں اور ساعت و ستاروں کی طرف کرنے لگتے ہیں! اسی طرح "اور نہ اس کو پکارتے ہیں۔" کے ذریعہ بھی انہیں لوگوں کی بے حسی اور بد عقیدگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ لوگ اللہ کو پکارنے، اس کی مدد چاہنے اور اس کی عبادت کرنے کے بجائے خود تراشیدہ بتوں اور فانی و غیر حقیقی طاقتوں کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور ان کو اپنا کارساز و مددگار سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ پروردگار کا لامحدود کرم اور اس کی بیکراں رحمت ہے کہ وہ ان لوگوں کی ناشکری، بدعملی اور بد عقیدگی کے باوجود ان کو رزق دیتا ہے، ان کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اور انہیں امن و عافیت بخشتا ہے۔

"رَقِیع" رکے زبر کے ساتھ فعیل کے وزن پر ہے اور یہ پہلے آسمان جس کو آسمان دنیا بھی کہتے ہیں، کا نام ہے لیکن بعض حضرات نے کہا ہے کہ ہر آسمان کو رقیع کہتے ہیں۔

"جو ایک محفوظ چھت اور نہ گرنے والی موج ہے۔" میں آسمان کو ایک ایسی مضبوط چھت سے تشبیہ دی گئی ہے جو گرنے پڑنے سے محفوظ ہوتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو اس طرح قائم فرمایا ہے کہ نہ اس کے زمین پر گر پڑنے کا خدشہ ہے اور نہ اس میں کسی ٹوٹ پھوٹ کا اندیشہ۔ اسی طرح آسمان کو "موج" کے ساتھ بایں مناسبت تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح پانی کی کوئی موج ہوا میں معلق ہو جاتی ہے اسی طرح آسمان بھی بغیر کسی ستون اور سہارے کے خلاء میں معلق ہے۔

"ان میں سے ہر ایک زمین سے دوسری زمین کا درمیانی فاصلہ .... الخ۔" سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تمام زمینوں میں ایک دوسری کا درمیانی فاصلہ وہی ہے، جو تمام آسمانوں میں ایک دوسرے کا درمیانی فاصلہ ہے لہٰذا جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ زمین کے تمام طبقے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان کوئی باہمی بعد اور فاصلہ نہیں ہے، اور اسی وجہ سے قرآن کریم میں "ارض" زمین کا لفظ بصیغہ مفرد ذکر کیا جاتا ہے جب کہ "سماء" (آسمان) کا ذکر بصیغہ جمع ہوتا ہے، تو یہ حدیث ان کے خلاف پڑتی ہے، ویسے جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قرآن کریم میں "ارض" کا لفظ ہر موقع پر بصیغہ مفرد ذکر کیا جاتا ہے اور اس کی نسبت سے "سماء" بصیغہ جمع آتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ "ارض" سے صرف اسی زمین کا ذکر مقصود ہو جس سے اس کائنات کی مخلوق کا اصل تعلق ہے اور جو اس کے قدموں کے نیچے ہے، باقی اور زمینوں سے کسی کوئی سروکار نہیں، جب کہ آسمانوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے اور ہر ہر آسمان مصدر فیوض و آثار ہے اور تمام آسمانوں سے اس دنیا کا تعلق جڑا ہوا ہے۔

"تو اللہ تعالیٰ ہی پر اترے گی۔" سے مراد جیسا کہ ترمذی نے وضاحت بھی کی ہے، اس رسی کا اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت اور اس کی حکومت پر اترنا ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی معلومات، اس کا دائرۂ قدرت و اختیار، اور اس کا حکم و تسلط جس طرح آسمان کی بلندیوں اور وسعتوں کو گھیرے ہوئے ہے اسی طرح اس روئے زمین پر اور زمین کی آخری گہرائیوں تک پر اس کا علم، اس کی قدرت اور اس کا حکم و تسلط حاوی اور نافذ ہے۔ دراصل آنحضرت ﷺ نے یہ بات اس شبہ کے دفعیہ کے لئے فرمائی کہ شاید کوئی ناسمجھ اور کم فہم "اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے" سے اس وہم و گمان کا شکار ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا دائرہ علم و اختیار اور اس کی قدرت صرف آسمان اور آسمانی کائنات تک محدود ہے۔ آسمان سے نیچے کی چیزیں نہ اس کے علم و معلومات میں ہیں اور نہ اس کے حکم و قدرت کے تحت! لہٰذا آپ ﷺ نے واضح کیا کہ خدا کی قدرت کے آگے آسمانوں کی بلندیاں اور زمینوں کی پہنائیاں، سب یکساں ہے۔ اس کے قدرت اور

اس کے حکم کا ظہور جس شان سے آسمان کے اوپر ہے اسی شان سے زمین کی پشت پر اور زمین کے نیچے بھی ہے، اور غالبا اسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے کہا گیا ہے کہ: حضرت یونس علیہ السلام کا معراج، ان کا مچھلی کے پیٹ میں پہنچنا تھا، جس طرح آنحضرت ﷺ کو آسمان کے اوپر معراج حاصل ہوا۔

امام ترمذی نے جو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر رسی اترنے سے مراد یہ ہے کہ وہ رسی اللہ تعالیٰ کے علم، اس کی قدرت اور اس کی حکومت پر اترے گی تو انہوں نے یہ وضاحت اس آیت کی روشنی میں کی ہے جو آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمانے کے بعد پڑھی، چنانچہ اس آیت کے الفاظ "بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ" سے تو اس کا علم مفہوم ہوا، اور "هو الاول والاخر" سے اس کی قدرت کا مفہوم نکلا، یعنی وہ ایسا اول" ہے کہ ہر چیز اس کے ہاتھ میں ہے اور جو بھی چیز موجود ہے وہ اسی کی قدرت سے عدم کا سینہ چیر کر تختہ وجود پر آئی ہے، اور وہ ایسا آخر" ہے کہ سب کچھ فنا ہو جائے گی مگر اس کی ذات باقی اور موجود رہے گی۔ نیز اس کی حکومت، یا یوں کہئے کہ اس کا تصرف اور اس کا غلبہ، والظاہر والباطن سے مفہوم ہوا یعنی وہ ایسا ظاہر ہے کہ ہر چیز اسی کے زیر غلبہ اور زیر تصرف ہے، خود اس پر کوئی چیز غالب نہیں ہے۔ تمام موجود چیزوں میں جس طرح چاہتا ہے مالکانہ اور حاکمانہ تصرف کرتا ہے کیونکہ اس سے مافوق کوئی چیز نہیں ہے جو اس کے تصرف و تسلط میں رکاوٹ ڈالے۔ اور وہ ایسا "باطن" ہے کہ خلقت کی آنکھوں اور خیال و وہم سے پوشیدہ ہونے کے باوجود ملجاو ماوا اس کے علاوہ کوئی نہیں، ہر چیز کے اندرونی حال سے وہ باخبر ہے، کسی کا کوئی راز و بھید اس سے چھپا ہوا نہیں ہے۔

جیسا کہ خود اسی نے اپنی کتاب میں اپنا وصف بیان کیا" کے ذریعہ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے:

اَلرَّحْمٰنُ علی العرش استوی۔

"وہ بڑی رحمت والا (پروردگار) عرش پر قائم ہے۔"

اور یہ آیت اگرچہ بظاہر یہ وہم پیدا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص جہت اور کسی خاص جگہ پر متمکن ہے۔ لیکن حقیقت میں اس سے مراد ہے۔ اس کی سلطنت و حکومت اور اس کے علم و قدرت کے ظاہر کا ذکر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا قد

۳۷ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ طُوْلُ اٰدَمَ سِتِّيْنَ ذِرَاعًا سَبْعِ اَذْرُعٍ عَرْضًا۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "حضرت آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا اور سات ہاتھ چوڑا تھا۔"

تشریح: "ذراع" اصل میں بانہہ کو کہتے ہیں یعنی کہنی کے سرے سے لے کر بیچ کی انگلی کے سرے تک کا حصہ اور شرعی گز کا اطلاق بھی اسی پر ہوتا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قد کو جو ساٹھ ہاتھ لمبا فرمایا گیا ہے تو کس کا ہاتھ مراد ہے، آیا خود حضرت آدم علیہ السلام کا ہاتھ یا موجودہ لوگوں کے ہاتھ؟ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ہاتھ مراد نہیں ہے، بلکہ موجودہ لوگوں کا ہاتھ مراد ہے، کہ ان کا قد اس وقت کے لوگوں کے اعتبار سے ساٹھ ہاتھ لمبا تھا، کیونکہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کا ہاتھ مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا ہاتھ، ان کے قد کے صرف ساٹھویں حصہ کے برابر تھا جو ان کے قد کے لمبائی اور تناسب اعضاء کے اعتبار سے بالکل بے جوڑ معلوم ہوتا ہوگا اور یہ ناممکن ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی تعداد

۳۸ وَعَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الْاَنْبِيَآءِ كَانَ اَوَّلَ قَالَ اٰدَمُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَنَبِيٌّ كَانَ قَالَ نَعَمْ نَبِيٌّ مُكَلَّمٌ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمِ الْمُرْسَلُوْنَ قَالَ ثَلٰثُمِائَةٍ وَبِضْعَةَ عَشَرَ جَمًّا غَفِيْرًا وَفِىْ رِوَايَةٍ عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ اَبُوْذَرٍّ

قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ وَفَاءُ عِدَّةِ الْاَنْبِيَاءِ قَالَ مِائَةُ اَلْفٍ وَاَرْبَعَةٌ وَعِشْرُوْنَ اَلْفًا الرُّسُلُ مِنْ ذٰلِكَ ثَلٰثُمِائَةٍ وَخَمْسَةَ عَشَرَ جَمًّا غَفِيْرًا۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ) سب سے پہلے نبی کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "حضرت آدم علیہ السلام! میں نے پھر پوچھا کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے؟ فرمایا ہاں وہ نبی تھے، انہیں اللہ رب العالمین سے شرف تکلم وتخاطب حاصل ہوا ہے۔ اس کے بعد میں نے پوچھا: یارسول اللہ (ﷺ)! انبیاء میں رسول کتنے ہوئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کافی بڑی تعداد میں تین سو دس سے کچھ زیادہ ہی ہوں گے۔" اور ایک روایت میں حضرت ابوامامہؒ (تابعی) سے منقول ہے، یہ الفاظ ہیں کہ حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ میں نے عرض کیا: "یارسول اللہ (ﷺ)! تمام انبیاء کی کل تعداد (خواہ وہ رسول ہوں یا غیر رسول کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! "ایک لاکھ چوبیس ہزار، ان میں رسول تین سو پندرہ ہوئے ہیں، جو کافی بڑی تعداد ہے۔"

تشریح: "انہیں اللہ رب العالمین سے شرف تکلم وتخاطب حاصل ہوا ہے۔" کا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جس طرح دنیائے انسانی کے باپ اور اپنی نسل کی دنیوی سعادت وفلاح کے لئے رہنما وہادی تھے اسی طرح اخروی سعادت وفلاح کے پیغامبر بھی تھے، ان کا نبی ہونا شک وشبہ سے بالاتر ہے اور چونکہ وہ پہلے انسان ہیں اس لئے نسل انسانی کے لئے خدا کی وحی کے ذریعہ جو پیغامات بھی انہوں نے سنائے، وہی ان کے صحیفے اور وہی ان کی شریعت سمجھی جائے گی، اس اعتبار سے وہ صرف نبی ہی نہیں تھے بلکہ رسول بھی تھے کہ ان پر صحیفے بھی اترے اور ان کو شریعت بھی عطا کی گئی۔

"رسول" اور "نبی" میں فرق یہ ہے کہ رسول تو اس پیغمبر کو کہتے ہیں جس کو نئی شریعت وکتاب دی گئی ہو اور مخلوق خدا تک اس شریعت وکتاب کو پہنچانے کا ذمہ دار بنایا گیا ہو، اور "نبی" ہر پیغمبر کو کہتے ہیں چاہے اس کو نئی شریعت اور کتاب دی گئی ہو یا نہ دی گئی ہو بلکہ وہ پہلی شریعت اور کتاب کا تابع ہو اور خواہ وہ تبلیغ کا ذمہ دار بنایا گیا ہو۔ یا نہ بنایا گیا ہو۔

کل انبیاء کی تعداد کے بارے میں اس حدیث میں "ایک لاکھ چوبیس ہزار" کا ذکر ہے، اور بعض روایتوں میں یہ تعداد دو لاکھ چوبیس ہزار بیان کی گئی ہے، ظاہر ہے دونوں عدد میں زبردست تضاد ہے اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ اس بارے میں زیادہ تحقیق وجستجو نہ کرنی چاہئے اور نہ کوئی خاص عدد متعین کرنا چاہئے بلکہ یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ انبیاء کی ٹھیک تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اجمالی طور پر اس طرح ایمان لانا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول اور نبی بھیجے ہم ان سب کو برحق رسول اور نبی مانتے ہیں۔ اس عقیدہ اور اجمالی ایمان سے نہ کوئی نبی انبیاء کے زمرہ سے باہر رہے گا اور نہ کوئی غیر نبی ان کے زمروں میں شامل ہوگا۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

(۳۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَخْبَرَ مُوْسٰى بِمَا صَنَعَ قَوْمُهٗ فِى الْعِجْلِ فَلَمْ يُلْقِ الْاَلْوَاحَ فَلَمَّا عَايَنَ مَا صَنَعُوْا اَلْقَى الْاَلْوَاحَ فَانْكَسَرَتْ رَوَى الْاَحَادِيْثَ الثَّلٰثَةَ اَحْمَدُ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "کسی چیز کے بارے میں سننا، اس کو آنکھ سے دیکھنے کے برابر نہیں ہوسکتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کے اس عمل کے بارے میں خبر دی جو انہوں نے گوسالہ پرستی کی صورت میں کیا تھا تو انہوں نے (مارے غصے کے) تختیوں کو نہیں پھینکا لیکن جب وہ اپنی قوم میں واپس آئے اور اپنی آنکھوں سے قوم کے اس عمل کو دیکھا تو (اس درجہ غضبناک ہوگئے کہ) تختیوں کو پھینک دیا اور وہ ٹوٹ گئیں۔" ان تینوں حدیثوں کو احمدؒ نے نقل کیا ہے۔"

تشریح: "کسی چیز کے بارے میں سننا، اس کو آنکھ سے دیکھنے کے برابر نہیں ہوسکتا۔" کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے ایک اہم نفسیاتی نکتہ

کی طرف ارشاد فرمایا ہے، انسان کا خاصہ ہے کہ وہ آنکھ سے دیکھی ہوئی چیز سے جتنا زیادہ اور جتنی جلدی متاثر ہوتا ہے اتنا زیادہ، اور اتنی جلدی سنی، ہوئی چیز سے متاثر نہیں ہوتا، اگر اس کو یہ خبر واطلاع دی جائے کہ تمہارا فلاں عزیز سخت بیمار ہے تو اس کا پریشان اور متفکر ہو جانا فطری امر ہے لیکن اس خبر واطلاع کے مقابلہ میں، خواہ وہ کتنی ہی یقینی کیوں نہ ہو، اس کے دل ودماغ پر وہ فکر اور پریشانی کہیں زیادہ سخت اور سریع الاثر ہوتی ہے جو اس بیمار عزیز کو آنکھوں سے دیکھ لینے کی صورت میں لاحق ہوتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسی نکتہ کو ثابت کرنے کے لئے یہ واقع بطور مثال پیش فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام "چلہ کشی) کے لئے جبل طور پر تشریف لے گئے اور وہاں اپنے پروردگار سے رازونیاز میں مصروف اور اپنی قوم بنی اسرائیل کے لئے آئین الٰہی (تورات) حاصل کرنے میں مشغول تھے تو نیچے وادی سینا میں ان کی قوم نے ایک بدباطن شخص سامری کی قیادت میں گوسالہ کی پوجا شروع کر دی، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس واقعہ سے مطلع کیا اور فرمایا کہ موسیٰ! تم جس قوم کی ہدایت کے لئے اس قدر کوشاں اور مضطرب ہو اور یہاں (کوہ طور پر) اس کے لئے میری طرف سے کتاب وہدایت (تورات) حاصل کر رہے ہو، وہ تمہارے پیچھے گوسالہ پرستی کی گمراہی میں مبتلا ہو گئی ہے، یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رنج ہوا اور غصہ بھی آیا مگر جب وہ قوم کی طرف واپس آئے اور قوم کے لوگوں کو گوسالہ کی سمادھ لگائے اور اس کی پوجا کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو وہ کہیں زیادہ غضب ناک ہو گئے اور اس غیظ وغضب کی بنا پر انہوں نے ان تختیوں کو جن پر تورات لکھی ہوئی تھی زمین پر پھینک دیا جس سے وہ تختیاں ٹوٹ بھی گئیں۔ ان تختیوں کو پھینک کر گویا انہوں نے یہ واضح کیا کہ یہ آئین الٰہی اہل ایمان ہی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے، جن لوگوں نے ایمان وعقیدہ کی راہ ترک کر کے کفر اور سرکشی کو اختیار کر لیا ہے ان کے لئے آئین الٰہی پر مشتمل ان تختیوں کو باقی رکھنے کا اب کیا فائدہ رہ گیا۔ تاہم ان تختیوں کے ٹوٹ جانے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ان میں جو کچھ تھا وہ جاتا رہا، ان تختیوں میں جو احکام وفرمان تھے وہ سب کے سب جوں کے توں موجود تھے اور اصل تورات اپنی جگہ باقی تھی۔

بَابُ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سید المرسلین ﷺ کے فضائل ومناقب کا بیان

آنحضرت ﷺ کے فضائل ومناقب اور آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے اوصاف حمیدہ اور فضائل کبری کا کوئی شمار نہیں، کسی زبان وقلم کو تاب نہیں کہ آپ ﷺ کے تمام فضائل اور اوصاف کا احاطہ کر سکے، تاہم مولف مشکوٰۃ نے ان میں سے کچھ فضائل کے متعلق احادیث وروایات کو اس باب کے تحت جمع کیا ہے۔ اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں، انبیاء میں سب سے افضل واشرف آپ ﷺ ہی ہیں، آپ ﷺ کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام افضل ہیں، پھر حضرت موسیٰ کلیم اللہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کس کا درجہ ہے اس بارے میں صراحت کے ساتھ علماء سے کچھ منقول نہیں ہے، ویسے بعض علماء نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کو افضل واشرف کہا ہے اور لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طویل فہرست میں یہ پانچ نبی اولوالعزم سمجھے جاتے ہیں اور راہ حق میں ان کے صبر واستقامت اور عزیمت کا درجہ بے مثال ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

آنحضرت کا خاندانی ونسبی فضل وشرف

① عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُوْنِ بَنِیْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ مِنَ

الْقَرْنِ الَّذِیْ کُنْتُ مِنْهُ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "مجھ کو یکے بعد دیگرے ہر قرن کے بنی آدم کے بہترین طبقوں میں منتقل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ میں اس موجودہ قرن میں پیدا کیا گیا۔" (بخاریؒ)

تشریح: "بہترین طبقوں" سے مختلف زمینوں کا ہر وہ طبقہ مراد ہے جس میں آنحضرت ﷺ کے آباء واجداد تھے، اور جو اپنے اپنے عہد میں اپنی خاندانی نجابت و شرافت اور انسانی فضل و کمال کے اعتبار سے ممتاز و نمایاں اور قابل تکریم و احترام رہا ہے! جیسے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد، ان کے بعد کے عہد میں کنانہ اور ان کی اولاد، ان کے بعد کے عہد میں ہاشم اور ان کی اولاد۔ پس اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہوا کہ میرا سلسلہ نسب شروع سے لے کر اب تک نسل انسانی کے نہایت مفتخر و معزز افراد پر مشتمل ہے، میرے آباء واجداد کہ جن کی پشت در پشت منتقل ہوتا ہوا میں اس زمانہ میں پیدا ہوا ہوں، اپنے اپنے عہد و زمانہ کے وہ ممتاز و نمایاں افراد تھے جن کی ذات خاندانی نجابت و شرافت، سماجی عزت و شوکت، مجلسی تہذیب و متانت، قومی و وطنی مقبولیت و مرجعیت، ذاتی برگزیدگی و افضیلت اور انسانی خصائل و فضائل کا منبع رہی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی برگزیدگی

(۲) وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِيْلَ وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِیْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِیِّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى مِنْ وُلْدِ اِبْرَاهِيْمَ اِسْمٰعِيْلَ وَاصْطَفٰى مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِيْلَ بَنِیْ كِنَانَةَ۔

"اور حضرت واثلہ ابن اسقعؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا "حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو چنا اور اولاد کنانہ سے قریش کو چنا اور اولاد قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو چنا (مسلمؒ) اور ترمذیؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام میں اسمٰعیل علیہ السلام کو برگزیدہ کیا اور اولاد اسمٰعیل میں، بنی کنانہ کو برگزیدہ کیا۔"

تشریح: "آنحضرت ﷺ کا نسلی و نسبی تعلق حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ہے، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بیٹے قیدار کی اولاد میں ایک شخص عدنان تھے، انہی عدنان کی اولاد بنی اسمٰعیل کے تمام مشہور قبائل پر مشتمل ہے، اسی لئے عرب مستعربہ بنی اسمٰعیل کو عدنانی یا آل عدنان کہا جاتا ہے عدنان کے بیٹے معد اور معد کے بیٹے نزار تھے، نزار کے جو چار مشہور بیٹے بتائے جاتے ہیں ان میں سے دو بیٹے ربیعہ اور مضر سب سے زیادہ نامور اور جزیرہ نما عرب کے بڑے بڑے قبائل کے مورث ہیں، مضر کی اولاد میں آگے چل کر ایک شخص کنانہ ہوئے اور ان کی اولاد مضر کے قبائل میں سب سے زیادہ مشہور و معروف قبیلہ پر مشتمل ہوئی، کنانہ کے بیٹے نضر اور نضر کے بیٹے مالک اور مالک کے بیٹے فہر تھے، یہی وہ فہر ہیں جن کا لقب قریش تھا، فہر کی اولاد میں بہت سے قبائل ہوئے اور سب "قریش" کہلاتے ہیں یہ تمام قبائل مختلف علاقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان نہ باہمی ربط و اتفاق تھا اور نہ کوئی اجتماعی نظام تھا۔ پھر ایک شخص قصی بن کلاب پیدا ہوئے، انہوں نے بڑی محنت اور جدوجہد کر کے تمام قریش کو منظم کیا، ان میں اجتماعیت اور بیداری کی روح پھونکی جس کی بدولت قریش نے نہ صرف مکہ معظمہ بلکہ تمام حجاز پر غلبہ و اقتدار حاصل کر لیا۔ اسی وجہ سے بعض حضرات یہ کہتے ہیں "قریش" اصل میں قصی بن کلاب کا لقب ہے، کیونکہ یہ لفظ (قریش) قرش سے نکلا ہے جس کے معنی جمع کرنے اور منظم کرنے کے ہیں۔ ویسے زیادہ مشہور یہ ہے کہ "قریش" ایک سمندری جانور کا نام ہے جو نہایت قوت اور زور رکھتا ہے، اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ قریش کا نام اس مناسبت سے رکھا گیا ہے کہ قریش (قرش) ایک بڑی خطرناک مچھلی کا نام ہے جو سب مچھلیوں

کونگل لیتی ہے لیکن خود اس کو نہ کوئی مچھلی گزند پہنچاتی ہے نہ اس پر قابو پاتی ہے۔ یہی وجہ تسمیہ قاموس میں بھی مذکور ہے۔ ظہور اسلام کے وقت قریش کی شاخوں میں سے جو شاخ سب سے زیادہ مشہور باعزت اور غالب تھی وہ بنو ہاشم ہے، آنحضرت ﷺ بنو ہاشم میں پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: محمد ﷺ بن عبداللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف ابن قصی ابن کلاب ابن مرۃ ابن کعب ابن لوی ابن غالب ابن فہر ابن مالک، ابن نضر ابن کنانہ ابن خزیمہ ابن مدرک ابن الیاس ابن مضر، ابن نزار ابن معد ابن عدنان۔ عدنان سے پہلے کا نسب نامہ زیادہ وثوق کے ساتھ نہیں بتایا جاسکتا۔

اس تفصیل کی روشنی میں حدیث کا مفہوم واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو سب سے زیادہ مفتخر کیا، پھر بنو کنانہ میں سب سے زیادہ قوت وغلبہ قریش کو حاصل ہوا، قریش میں سب سے زیادہ برگزیدگی بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سب سے زیادہ برگزیدگی وعظمت آنحضرت ﷺ کو حاصل ہوئی. پس آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی اپنے سلسلہ نسب کی تمام تر برگزیدگیوں اور عظمتوں کا نچوڑ ہے۔

قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کی سرداری

③ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَاَوَّلُ مَنْ یَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا! "قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا، اور سب سے پہلے قبر سے میں ہی اٹھوں گا نیز سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول ہوگی۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ کہ قیامت کے دن تمام انسانی کمالات وصفات اور تمام تر عظمتوں اور ان کا مظہر آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہوگی، اس دن مخلوقات میں سے نہ کسی کا درجہ آپ ﷺ سے بڑا ہوگا اور نہ آپ ﷺ کے علاوہ کوئی اور ذات سرداری وسربراہی کی سزاوار قرار پائے گی۔ واضح رہے کہ محمد عربی ﷺ دنیا وآخرت دونوں جہاں میں تمام لوگوں کے سردار وآقا ہیں، لیکن یہاں "قیامت کے دن" کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اس دن آنحضرت ﷺ کی سرداری اور برتری کا ظہور کسی بھی شخص کے اختلاف وعناد کے اظہار کے بغیر ہوگا، جب کہ اس دنیا میں کفر وشرک اور نفاق کی طاقتیں نہ صرف حیات مبارک میں آپ ﷺ کی سرداری وبرتری کی مخالف ومعاندر ہیں بلکہ بعد میں بھی ان کا اختلاف وعناد ظاہر رہا۔

اس حدیث کے بین السطور سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ فرشتوں پر بھی فضیلت وبرتری رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کی ذات افضل المخلوقات واکمل الموجودات ہے، چنانچہ بعض حدیثوں میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ تم لوگ پیغمبروں کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو اور نہ مجھ کو موسیٰ علیہ السلام اور یونس علیہ السلام سے افضل کہو، تو اس مخالفت کی توجیہ پیچھے گذر چکی ہے۔

اُمت محمدیہ کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی

④ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَکْثَرُ الْاَنْبِیَاءِ تَبَعًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یَّقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن پیغمبروں میں سے جس پیغمبر کے ماننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی وہ میں ہوں گا اور جنت کا دروازہ سب سے پہلے جو شخص کھٹکھٹائے گا (یعنی کھلوائے گا) وہ بھی میں ہی ہوں گا۔" (مسلمؒ)

تشریح: قیامت کے دن اُمت محمدیہ کی تعداد کی کثرت کے بارے میں پہلے ایک حدیث میں گذر چکا ہے کہ آپ ﷺ کی اُمت تمام اہل

جنت کی مجموعی تعداد کا دو تہائی حصہ ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کی اتباع اور پیروی کرنے والوں کی کثرت، اس شخص کی فضیلت و برتری کا باعث بنتی ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مرتبہ زیادہ بلند ہے کیونکہ ائمہ فقہ میں سے ان ہی کا مسلک زیادہ راجح ہے اور مسلمانوں کی اکثریت اسلام کے فروعی احکام میں ان ہی کی پیروکار ہے، اسی طرح قاریوں میں امام عاصمؒ کا مرتبہ بلند تر ہے کیونکہ فن تجوید و قرأت میں ان کے پیروکار زیادہ ہیں۔

جنت کا دروازہ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے لئے کھولا جائے گا

⑤ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰتِي بَابَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاسْتَفْتِحُ فَيَقُوْلُ الْخَازِنُ مَنْ اَنْتَ فَاَقُوْلُ مُحَمَّدٌ فَيَقُوْلُ بِكَ اُمِرْتُ اَنْ لَا اَفْتَحَ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جب قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر آؤں گا اور اس کو کھلواؤں گا تو جنت کا نگہبان پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ میں کہوں گا کہ میں محمد (ﷺ) ہوں۔ تب نگہبان کہے گا مجھ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ سے پہلے کسی کے لئے دروازہ نہ کھولوں۔" (مسلمؒ)

سب سے پہلے آپ ﷺ شفاعت کریں گے

⑥ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ شَفِيْعٍ فِي الْجَنَّةِ لَمْ يُصَدَّقْ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَآءِ مَا صُدِّقْتُ وَاِنَّ مِنَ الْاَنْبِيَآءِ نَبِيًّا مَا صَدَّقَهُ مِنْ اُمَّتِهِ اِلَّا رَجُلٌ وَّاحِدٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جنت میں سب سے پہلے سفارش کرنے والا میں ہوں گا (یعنی اپنی امت کو) جنت میں داخل کرنے کی یا اہل جنت کے مراتب درجات کی ترقی کی سفارش سب سے پہلے میں کروں گا) انبیاء میں سے جتنی تصدیق میری کی گئی ہے، اتنی کسی کی نہیں کی گئی ہے (یعنی میری نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے والوں اور مجھ پر ایمان لانے اور رکھنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، اس طرح تمام امتوں کے مقابلہ میں میری اُمت سب سے بڑی ہے) اور حقیقت یہ ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی ایسے بھی گذرے ہیں جن کی تصدیق صرف ایک مرد نے کی ہے۔" (مسلمؒ)

آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں

⑦ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلِيْ وَمَثَلُ الْاَنْبِيَآءِ كَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْيَانُهُ تُرِكَ مِنْهُ مَوْضِعُ لَبِنَةٍ فَطَافَ بِهِ النُّظَّارُ يَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بُنْيَانِهِ اِلَّا مَوْضِعَ تِلْكَ اللَّبِنَةِ فَكُنْتُ اَنَا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ خُتِمَ بِيَ الْبُنْيَانُ وَخُتِمَ بِيَ الرُّسُلُ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّيْنَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "میری اور دوسرے تمام انبیاء کی مثال اس محل کی سی ہے جس کے در و دیوار نہایت شاندار اور عمدہ ہوں، لیکن اس دیوار میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی ہو اور جب لوگ اس محل کے گرد پھر کر عمارت کو دیکھیں تو عمارت کی شان و شوکت اور در و دیوار کی خوشنمائی انہیں حیرت میں ڈال دے مگر ایک اینٹ کے بقدر اس خالی جگہ کو دیکھ کر انہیں سخت تعجب ہو پس میں اس اینٹ کی جگہ کو بھرنے والا ہوں، اس عمارت کی تکمیل میری ذات سے ہے اور انبیاء و رسل کے سلسلہ کا اختتام مجھ پر ہو گیا ہے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ "پس میں ہی وہ اینٹ ہوں (جس کی جگہ خالی رکھی گئی تھی) اور میں ہی نبیوں کے سلسلہ کو پایۂ اختتام تک پہنچانے والا ہوں۔"

تشریح: یہ حدیث آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی واضح دلیل ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے دنیا میں اپنے

رسول اور نبی بھیجنے کا جو سلسلہ انسان اول حضرت آدم ؑ سے شروع کیا تھا وہ محمد عربی ﷺ پر آکر ختم ہو گیا، آپ ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی اور رسول اس دنیا میں آیا ہے اور نہ آئندہ کبھی آئے گا۔

اسی حقیقت کو آنحضرت ﷺ نے بڑے نفسیاتی طریقہ سے ایک مثال کے ذریعہ فرمایا، کہ مجھ سے پہلے دنیا میں جتنے اور رسول آئے، وہ خدا کی طرف سے جو شریعت، آئین ہدایت، علم و دین اور پیغام و احکام لائے ان کے مجموعہ کو ایک ایسا محل تصور کرو جو نہایت شاندار، مضبوط و پختہ اور دیدہ زیب ہو، لیکن اس کی دیوار میں ایک اینٹ کے برابر جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہو اور وہ خالی جگہ کسی ایسے شخص کی منتظر ہو جو آکر اس کو پر کردے اور اس خالی جگہ کے نقص کو پورا کر کے محل کی تعمیر کا سلسلہ ختم کردے۔ پس آنحضرت ﷺ نے پہلے آنے والے انبیاء کی بعثت، ان کی لائی ہوئی شریعت و ہدایت اور ان کے تبلیغ و ارشاد کے ذریعہ دین کا محل گویا تیار ہو چکا تھا، لیکن کچھ کسر باقی رہ گئی تھی، اور وہ کسر ہمارے حضرت ﷺ کی بعثت مبارکہ سے پوری ہو گئی، اب نہ خدا کا دین ناقص ہے، نہ شریعت حقہ غیر مکمل ہے، اور نہ کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی رہ گئی ہے۔

سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم

(۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنَ الْاَنْبِيَآءِ مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا قَدْ اُعْطِيَ مِنَ الْاٰيَاتِ مَامِثْلُهٗ اٰمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَاِنَّمَا كَانَ الَّذِيْ اُوْتِيْتُ وَحْيًا اَوْحَى اللّٰهُ اِلَيَّ فَاَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "انبیاء میں سے ہر ایک نبی کو معجزات میں سے صرف اتنا دیا گیا جس پر انسان ایمان لا سکے، اور جو معجزہ مجھ کو ملا وہ خدا کی وحی ہے جو اس نے میری طرف بھیجی (اور جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے) اس کی بناء پر مجھے یقین ہے کہ قیامت کے دن میرے ماننے والوں کی تعداد تمام انبیاء کے ماننے والوں سے زیادہ ہوگی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام چونکہ مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت و نبوت کا دعوی کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو کچھ ایسے معجزے عطا فرماتا ہے جس کو وہ اپنے دعوے کی دلیل و برہان کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں، چنانچہ جتنے بھی نبی اور رسول اس زمین پر آئے ان کو کسی نہ کسی نوعیت کا ایسا معجزہ دیا گیا جس کو دیکھ کر عقل سلیم رکھنے والا انسان اس نبی کی تصدیق کر سکے اور اس پر ایمان لا سکے لیکن آنحضرت ﷺ سے پہلے جس نبی کو جو بھی معجزہ دیا گیا وہ اس نبی کے زمانہ اور اس کی حیات تک مخصوص اور باقی رہا، اس نبی کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے ساتھ اس کا معجزہ بھی ختم ہو گیا، مثلاً حضرت موسیٰ ؑ کے زمانہ میں سحر اور جادو کا زبردست چرچا تھا، بڑے بڑے جادوگر اپنے فن کا کمال دکھایا کرتے تھے اور لوگ ان کے فن کے کمال سے متاثر ہوتے تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ ؑ کو ید بیضا اور عصا کا معجزہ دیا گیا، ان کے ان دونوں معجزوں نے تمام چھوٹے بڑے جادوگروں کا چراغ گل کر دیا اور نہ صرف عام لوگوں کو بلکہ خود ان جادوگروں کو حضرت موسیٰ ؑ کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا، اسی طرح حضرت عیسیٰ ؑ کے زمانہ میں طب و حکمت کا بڑا زور تھا اس وقت ایسے ایسے قابل اور ماہر فن طبیب اور حکیم موجود تھے جو پیچیدہ سے پیچیدہ دکھ اور بیماری کو جڑ سے اکھیڑ دیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عیسیٰ ؑ کو یہ معجزہ عطا ہوا کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، کوڑھی کو تندرست اور اندھے کو بینا بنا دیتے تھے، اس طرح ان کا یہ معجزہ اپنے زمانہ کے نہایت ترقی یافتہ طب و حکمت پر غالب رہا، لیکن نہ حضرت موسیٰ ؑ کا معجزہ ان کے بعد باقی رہا اور نہ حضرت عیسیٰ ؑ کے معجزہ کو دائمی حیثیت حاصل ہوئی۔ تمام انبیاء کے برخلاف آنحضرت ﷺ کو قرآن کریم کی صورت میں جو سب سے بڑا معجزہ عطا ہوا اس کو دائمی حیثیت حاصل ہوئی! آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا زور تھا، عرب فصحاء کا دعوی تھا کہ ان کی فصاحت و بلاغت کے سامنے دنیا کے تمام لوگ "گونگے" ہیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ پر قرآن کریم نازل کیا گیا جس کی فصاحت و بلاغت نے عرب کے بڑے سے بڑے فصیح و بلیغ کی فصاحت و بلاغت کو ماند کر

دیا، اپنی زبان دانی اور معجز بیانی کا بلند بانگ دعوی کرنے والے مغلوب ہو گئے، تمام فصیح مل کر بھی قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت جیسا کلام بھی پیش نہ کر سکے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس عظیم معجزہ کو قیامت تک کے لئے باقی رکھا جو ہر زمانے اور ہر طبقہ میں سید العلمین ﷺ کی نبوت و رسالت کی صداقت پر پوری حقانیت اور یقین کے ساتھ گواہی پیش کرتا رہا ہے اور پیش کرتا رہے گا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ مجھے عطا کیا جانے والا یہ عظیم معجزہ چونکہ قیامت تک باقی رہے گا اور لوگ برابر اس پر ایمان لاتے رہیں گے اس لئے قیامت کے دن اکثریت ان اہل ایمان کی ہوگی جو میری نبوت و رسالت پر عقیدہ رکھنے والے اور میرے اس معجزہ قرآن کریم کو ماننے والے ہوں گے۔

آنحضرت ﷺ کے خصائص

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِيْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا فَاَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِيْ اَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ وَ اُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ وَاُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً۔

(متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی و رسول کو عطا نہیں ہوئیں، ایک تو مجھ کو اس رعب کے ذریعہ نصرت عطا ہوئی ہے جو ایک مہینے کی مسافت کی دوری پر اثر انداز ہوتا ہے دوسرے ساری زمین کو میرے لئے مسجد اور "پاک کرنے والی" قرار دیا گیا، چنانچہ میری امت کا ہر (وہ) شخص (جس پر نماز واجب ہو) جہاں نماز کا وقت پائے (اگر پانی نہ ہو تیمم کر کے) نماز پڑھ لے، تیسرے میرے لئے مال غنیمت کو حلال قرار دیا گیا، جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں تھا، چوتھے مجھے کو شفاعت عظمیٰ عامہ کے مرتبہ سے سرفراز فرمایا گیا اور پانچویں، مجھ سے پہلے ہر نبی کو خاص طور پر اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، جب کہ مجھ کو روئے زمین کے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "مجھ کو اس رعب کے ذریعہ نصرت عطا ہوئی ہے...... الخ۔" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور اسلام کے دشمنوں اور مخالفوں کے مقابلہ پر مجھے اس خصوصیت کے ساتھ فتح و نصرت عطا فرماتا ہے کہ ان کے دلوں میں میرا رعب اور خوف پیدا ہو جاتا ہے، اور وہ مجھ سے ایک مہینہ کی مسافت کی دوری پر بھی ہوتے ہیں تو میرے نام ہی سے ان کی ہمت پست ہو جاتی ہے اور مارے رعب و دہشت کے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

"ساری زمین کو میرے لئے مسجد...... الخ۔" کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے پہلے کے رسولوں اور نبیوں کی شریعت میں ہر جگہ نماز پڑھنا اور عبادت کرنا درست نہیں تھا، ان کی نماز و عبادت کے لئے جو جگہ عبادت خانہ کے طور پر متعین اور مخصوص ہوتی تھی بس وہیں نماز و عبادت ہو سکتی تھی، لیکن مجھے یہ خصوصیت عطا ہوئی کہ میں اور میری اُمت کے لوگ بیت الخلاء و غسل خانہ اور مقبرہ کے علاوہ پوری روئے زمین پر جس جگہ اور جہاں چاہیں نماز پڑھ سکتے ہیں، الا یہ کہ کسی جگہ کی ناپاکی کا علم یقین کے ساتھ ہو جائے تو اس جگہ نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اسی طرح گذشتہ امتوں میں پانی کے بغیر پاکی حاصل نہیں ہوتی تھی، لیکن ہمارے لئے یہ جائز قرار دیا گیا ہے کہ اگر کہیں پانی دستیاب نہ ہو یا پانی کے استعمال میں کوئی شرعی عذر حائل ہو تو پاک مٹی کے ذریعہ تیمم کر کے پاکی حاصل کی جا سکتی ہے۔

"میرے لئے مال غنیمت کو حلال قرار دیا گیا۔" کی وضاحت یہ ہے کہ مال غنیمت کے بارے میں گذشتہ امتوں میں جو یہ معمول تھا کہ حاصل ہونے والا مال غنیمت اگر جانوروں کے علاوہ کسی اور جنس کا ہوتا تو اس کو جمع کر کے ایک جگہ رکھ دیا جاتا اور پھر آسمان سے ایک آگ اترتی اور وہاں جمع شدہ تمام مال و اسباب کو جلا کر واپس چلی جاتی، اور اگر مال غنیمت، مویشیوں اور جانوروں کی صورت میں ہوتا تو

اُس کے حقدار صرف وہی لوگ ہوتے تھے جو اس کو دشمنوں سے چھینتے اور اس پر قبضہ کرتے تھے، نبی اور رسول کو اس میں سے کچھ نہ ملتا۔ لیکن ہمارے حضرت ﷺ کے لئے نہ صرف یہ کہ خمس یعنی مال غنیمت کا پانچواں حصّہ بلکہ "صفی" لینا بھی جائز کیا گیا۔ "صفی" اس چیز کو کہتے ہیں جو مال غنیمت میں سب سے اچھی ہو، چنانچہ مال غنیمت میں جو چیز سب سے اچھی معلوم ہوتی تھی جیسے تلوار وغیرہ اس کو آنحضرت ﷺ اپنے لئے مخصوص فرمالیتے تھے۔

"مجھ کو شفاعت عظمیٰ عامّہ کے مرتبہ سے سرفراز فرمایا گیا۔" قیامت کے دن یہ مرتبہ خاص صرف آنحضرت ﷺ کو حاصل ہوگا، اور شفاعت کے جتنے بھی مواقع اور مقام ہوں گے وہ سب آنحضرت ﷺ کے اسی مرتبہ کے تحت ہوں گے، اس بارے میں تفصیلی بحث "باب الشفاعۃ" میں گذر چکی ہے۔

"مجھ کو روئے زمین کے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا" کے بارے میں یہ ذہن نشین رہے کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت صرف انسانوں ہی تک محدود نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ کی بعثت جنات کی طرف بھی ہوئی ہے، اپنی رسالت کے ذریعہ جس طرح آپ ﷺ نے روئے زمین کے تمام انسانوں تک خدا کا پیغام ہدایت پہنچایا اسی طرح جنات کی بھی ہدایت فرمائی۔ اسی لئے آپ ﷺ کو "رسول الثقلین" کہا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جس وقت آپ ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی، اس وقت تک جنات کی طرف آپ ﷺ کی بعثت نہ ہوئی ہو، بعد میں ہوئی ہو اور اسی وجہ سے اس حدیث میں "جنات" کا ذکر نہیں کیا گیا۔

⑩ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَآءِ بِسِتٍّ اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ كَافَّةً وَ خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "مجھے چھ مخصوص چیزوں کے ذریعہ دوسرے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے، ① مجھے جامع کلمات عطا ہوئے ② دشمنوں کے دل میں میرا رعب ڈالنے کے ذریعہ مجھے فتح و نصرت عطا فرمائی گئی، ③ مال غنیمت میرے لئے حلال ہوا ④ ساری زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی قرار دیا گیا، ⑤ ساری مخلوق کے لئے مجھے نبی بنا کر بھیجا گیا ⑥ اور نبوت و رسالت کا سلسلہ مجھ پر ختم کیا گیا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "مجھے جامع کلمات عطا ہوئے۔" کا مطلب یہ ہے کہ دین کی حکمتیں اور احکام، ہدایت کی باتیں، اور مذہبی و دنیاوی امور سے متعلق دوسری چیزوں کو بیان کرنے کا ایسا مخصوص اسلوب مجھے عطا فرمایا گیا جو نہ پہلے کسی نبی اور رسول کو عطا ہوا اور نہ دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے فصیح و بلیغ کو نصیب ہوا! اس اسلوب کی خصوصیت یہ ہے کہ تھوڑے سے الفاظ کے ایک چھوٹے سے جملہ میں معانی و مفہوم کا ایک گنجینہ پنہاں ہوتا ہے، پڑھئے اور لکھئے تو چھوٹی سی سطر بھی پوری نہ ہو، لیکن اس کا فہم اور وضاحت بیان کیجئے تو کتاب کی کتاب تیار ہو جائے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے اقوال وارشادات میں اس طرح کے کلمات کی ایک بڑی تعداد ہے جن کو "جوامع الکلم" سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان میں سے چند کلمات کو بطور مثال یہاں نقل کیا جاتا ہے:

❶ انما الاعمال بالنیات اس میں کوئی شک نہیں کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔
❷ ومن حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ بے فائدہ بات کو ترک کر دینا آدمی کے اسلام کا حسن ہے۔
❸ الدین النصیحۃ دین، خیر خواہی کا نام ہے۔
❹ العدۃ دین وعدہ، بمنزلہ دین کے ہے۔
❺ المستشار موتمن جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانتدار ہے۔

بعض علماء نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے کام لے کر احادیث کے ذخائر میں سے اس طرح کی حدیثوں کو، جو "جوامع الکلم" میں سے

ہیں، چنانچہ (اور انکا مجموعہ تیار کیا ہے! بعض شارحین نے یہ لکھا ہے کہ "مجھے جوامع الکلم یعنی جامع کلمات عطا ہوئے ہیں۔" میں جوامع الکلم سے "قرآن کریم" مراد ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کے کلام کا یہ اعجاز نمایاں ہے کہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑے بڑے مضمون پنہاں ہیں، لیکن پہلی وضاحت ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اسی مضمون کی ایک دوسری روایت میں "اختصـہلی الکلام" کے الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں اس سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے کہ یہاں "جوامع الکلم" سے آنحضرت ﷺ کے ارشاد و اقوال مراد ہیں۔

"اور نبوت و رسالت کا سلسلہ مجھ پر ختم کیا گیا۔" کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے وحی آنے کا سلسلہ منقطع ہوگیا، رسالت تمام ہوئی، اب میرے بعد کوئی اور نبی و رسول نہیں آئے گا کیونکہ خدا کا دین مکمل ہوگیا ہے، قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا بھی اسی دین کو مضبوط بنانے اور زیادہ سے زیادہ پھیلانے کے لئے ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کے لئے خزانوں کی کنجیاں

(۱۱) وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَبَيْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَيْتُنِيْ اُتِيْتُ بِمَفَاتِيْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِيْ يَدِيْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "مجھے جامع کلمات کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے، رعب کے ذریعہ مجھ کو نصرت عطا فرمائی گئی ہے، اور (ایک دن) جب کہ میں سویا ہوا تھا، میں نے خواب میں دیکھا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دینے کے لئے لائی گئیں اور میرے سامنے پیش کر دی گئیں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خواب کے ذریعہ مجھے بشارت عطا فرمائی کہ بڑے بڑے علاقوں اور شہروں کا فتح ہونا اور ان کے خزانوں اور مال و اسباب کا حاصل ہونا میرے لئے اور میری اُمّت کے لئے آسان کر دیا گیا۔ یا "خزانوں" سے مراد وہ معدنیات ہیں جو زمین کے نیچے چھپی ہوئی ہیں جیسے سونا، چاندی، اور دوسری قیمتی چیزیں۔

امت محمدیہ ﷺ کہ تئیں خصوصی عنایات ربانی

(۱۲) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَاِنَّ اُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَازُوِيَ لِيْ مِنْهَا وَاُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْاَحْمَرَ وَالْاَبْيَضَ وَاِنِّيْ سَاَلْتُ رَبِّيْ لِاُمَّتِيْ اَنْ لَّا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوٰى اَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحَ بَيْضَتَهُمْ وَاِنَّ رَبِّيْ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ قَضَيْتُ قَضَاءً فَاِنَّهُ لَا يُرَدُّ وَاِنِّيْ اَعْطَيْتُكَ لِاُمَّتِكَ اَنْ لَا اُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَاَنْ لَّا اُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوٰى اَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحَ بَيْضَتَهُمْ وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِاَقْطَارِهَا حَتّٰى يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا وَيَسْبِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میرے لئے روئے زمین کو سمیٹا (یعنی اس کو سمیٹ کر ایک ہتھیلی کے برابر کر دیا اور پھر مجھے دکھایا) چنانچہ میں نے روئے زمین کو مشرق سے لے کر مغرب تک دیکھا اور میں یقین کے سات کہہ سکتا ہوں کہ میری اُمّت عنقریب روئے زمین کے ان تمام علاقوں کی بادشاہت سے سرفراز ہوگی، جو سمیٹ کر مجھ کو دکھائے گئے ہیں، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مجھ کو سرخ اور سفید دو خزانے عطا کئے گئے ہیں۔ نیز میں نے اپنے پروردگار سے التجا کی کہ میری اُمّت کے لوگوں کو عام قحط میں نہ مارے (یعنی ایسا قحط نہ مسلط کرے جس میں مبتلا ہو کر پوری اُمّت ہلاک ہو جائے)۔ اور یہ کہ میری اُمّت پر مسلمانوں کے علاوہ کسی (غیر مسلم) دشمن کو مسلط نہ کرے جو ان کی اجتماعیت اور ملی نظام کے مرکز پر قبضہ کر لے۔ چنانچہ میرے رب نے فرمایا: "اے محمد (ﷺ)! جب میں کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہوں تو وہ بدلا نہیں جا سکتا، پس میں تمہاری اُمّت کے حق میں تمہیں اپنا یہ عہد و فیصلہ دیتا ہوں، کہ مسلمانوں کو نہ تو

عام قحط میں ہلاک کروں گا اور نہ خود ان کے علاوہ کوئی اور دشمن ان پر مسلط کروں گا جو ان کی اجتماعیت اور ملی نظام کے ایک مرکز پر قبضہ کرلے اگرچہ ان (مسلمانوں) پر تمام روئے زمین کے غیر مسلم دشمن جمع ہو کر حملہ آور ہوں الّا یہ کہ تمہاری اُمت ہی کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں اور ایک دوسرے کو قید و بند کی صعوبت میں ڈالیں۔" (مسلم)

تشریح: "سرخ اور سفید خزانوں" سے سونے اور چاندی کے خزانے مراد ہیں، اور ان دونوں خزانوں کے ذریعہ کسریٰ بادشاہ فارس اور قیصر بادشاہ روم کی سلطنت و مملکت کی طرف اشارہ مقصود ہے، کیونکہ اس زمانہ میں فارس میں سونے کے اور روم میں چاندی کے ذخائر اور خزینے بہت زیادہ تھے، پس آپ ﷺ نے پیشگوئی فرمائی کہ میری اُمت کے لوگ جلد ہی وقت کی ان دونوں عظیم سلطنتوں پر قابض و حکمران ہو جائیں گے اور ان کے تمام خزانے اور مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگیں گے، چنانچہ یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔

"الّا یہ کہ تمہاری اُمت ہی کے لوگ آپس میں........ الخ" اس جملہ کا سیاق و سباق اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو دو چیزوں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ و مامون کر دیا ہے، ایک تو یہ کہ عام قحط و فاقہ کشی کی ایسی صورت حال کہ جو مجموعی طور پر تمام مسلمانوں کو ہلاک و فنا کر دے کبھی پیش نہیں آئے گی، دوسرے یہ کہ اگر تمام روئے زمین کی اسلام دشمن اور مسلم مخالف طاقتیں مل کر بھی یہ چاہیں کہ مسلمانوں کی دینی و اجتماعی ہیئت کے مرکز اور ان کی مجموعی طاقت کو صفحہ ہستی سے مٹا کر ان کے تمام علاقوں پر قبضہ کر بھی لیں تو ایسا کبھی نہیں ہوگا، یہ اور بات ہے کہ خود مسلمانوں میں باہمی افتراق و انتشار پیدا ہو جائے، بھائی بھائی کا گلا کاٹنے لگے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ذلیل و رسوا کرنے لگے اور مسلمانوں کی اجتماعی طاقت اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف استعمال ہونے کی بجائے آپس میں دست و گریبان ہو جائے اور اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر ان کا دشمن ان کی اجتماعی طاقت کو کمزور کر دے یا کسی علاقہ کے مسلمانوں کی ملی و دینی اجتماعیت اور ان کے سیاسی مرکز کو نقصان پہنچا دے! یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مقدر ہو چکا ہے، اس فیصلہ کو نہ کوئی بدل سکتا ہے اور نہ اس کے خلاف کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

اپنی اُمت کے حق میں آنحضرت ﷺ کی وہ دعا جو قبول نہیں ہوئی

(۱۳) وَعَنْ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَسْجِدِ بَنِيْ مُعَاوِيَةَ دَخَلَ فَرَكَعَ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَدَعَا رَبَّهُ طَوِيْلًا ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ سَاَلْتُ رَبِّيْ ثَلَاثًا فَاَعْطَانِيْ ثِنْتَيْنِ وَمَنَعَنِيْ وَاحِدَةً سَاَلْتُ رَبِّيْ اَنْ لَّا يُهْلِكَ اُمَّتِيْ بِالسَّنَةِ فَاَعْطَانِيْهَا وَسَاَلْتُ اَنْ لَّا يُهْلِكَ اُمَّتِيْ بِالْغَرَقِ فَاَعْطَانِيْهَا وَسَاَلْتُهُ اَنْ لَّا يَجْعَلَ بَاْسَهُمْ بَيْنَهُمْ فَمَنَعَنِيْهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ (انصار کے ایک قبیلہ) بنی معاویہ کی مسجد کے قریب سے گذرے تو اندر (مسجد میں) تشریف لائے، اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی، اس نماز میں آپ کے ساتھ ہم بھی شریک ہوئے، (نماز کے بعد) آپ ﷺ نے اپنے پروردگار سے بڑی طویل دعا مانگی (یعنی بہت دیر تک دعا میں مصروف رہے) پھر جب نماز و دعا سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "میں نے (آج اپنی دعا میں) اپنے پروردگار سے تین چیزیں مانگی تھیں، ان میں سے دو چیزیں تو مجھے عطا فرما دی گئیں اور ایک چیز سے منع کر دیا گیا، ایک چیز کی درخواست میں نے یہ کی تھی کہ میری اُمت کو قحط عام میں ہلاک نہ کیا جائے، یہ درخواست قبول فرمائی گئی، دوسری درخواست میں نے یہ کی تھی کہ میری اُمت کو پانی میں غرق کر کے ہلاک نہ کیا جائے (یعنی جس طرح فرعون کی قوم دریائے نیل میں غرق کر کے ہلاک کر دی گئی، یا نوح علیہ السلام کی قوم پانی کے طوفان میں مبتلا کر کے نیست و نابود کر دی گئی، اس طرح میری پوری امت پانی میں ڈوب کر ہلاک نہ کی جائے) اور میری یہ درخواست بھی قبول فرمائی گئی، تیسری درخواست یہ تھی کہ میری اُمت کے لوگ آپس میں دست و گریباں نہ ہوں (یعنی مسلمان، مسلمان سے برسرپیکار نہ ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی نہ کریں) لیکن میری یہ درخواست قبول نہیں ہوئی۔" (مسلم)

تشریح: "بنو معاویہ" انصار مدینہ کے ایک قبیلہ کا نام تھا، آنحضرت ﷺ ایک دن اس قبیلہ میں تشریف لے گئے ہوں گے کسی فرض نماز کا وقت آگیا ہو گا اور آپ ﷺ نے وہ فرض نماز اس قبیلہ کی مسجد میں ادا فرمائی یا یہ کہ آپ ﷺ نے اس نماز میں التحیات کے دوران یا سلام پھیر کر اللہ تعالیٰ سے اپنی اُمت کے حق میں جو تین دعائیں مانگیں اور ان میں سے جو ایک دعا قبول نہیں ہوئی تو اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کی بھی بعض دعا قبول نہیں ہوتی تھی۔

تورات میں آنحضرت ﷺ کے اوصاف کا ذکر

⑭ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ لَقِيْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قُلْتُ اَخْبِرْنِىْ عَنْ صِفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى التَّوْرٰةِ قَالَ اَجَلْ وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمَوْصُوْفٌ فِى التَّوْرٰةِ قَالَ بِبَعْضِ صِفَتِهٖ فِى الْقُرْاٰنِ يَاۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّحِرْزًا لِّلْاُمِّيِّيْنَ اَنْتَ عَبْدِىْ وَرَسُوْلِىْ سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيْظٍ وَلَا سَخَّابٍ فِى الْاَسْوَاقِ وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَيَغْفِرُ وَلَنْ يَّقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِاَنْ يَّقُوْلُوْا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيَفْتَحُ بِهَا اَعْيُنًا عُمْيًا وَّاٰذَانًا صُمًّا وَّقُلُوْبًا غُلْفًا رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ وَكَذَا الدَّارِمِىُّ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ سَلَامٍ نَحْوَهٗ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِىْ هُرَيْرَةَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ فِىْ بَابِ الْجُمُعَةِ۔

"اور حضرت عطاء ابن یسارؒ (مشہور جلیل القدر تابعی) کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاصؓ کی ملاقات سے مشرف ہوا، تو ان سے عرض کیا کہ (یہودیوں کی آسمانی کتاب) تورات میں رسول کریم ﷺ کی جن صفات و خصوصیات کا ذکر ہے ان کے بارے میں مجھے کچھ بتائے! حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ ضرور بتاؤں گا، خدا کی قسم تورات میں آنحضرت ﷺ کی ان بعض صفات و خصوصیات کا ذکر ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں، چنانچہ (اللہ تعالیٰ نے تورات میں آپ ﷺ کی جو صفات و خصوصیات ذکر کی ہیں، ان کو اپنی زبان اور اپنے اسلوب میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ) اے نبی، ہم نے تمہیں اہل ایمان کا شاہد، اجر و انعام کی خوشخبری دینے والا، عذاب و عتاب سے ڈرانے والا اور امیوں کو پناہ دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اے محمد (ﷺ)! تم میرے بندے ہو (کہ عبودیت و بندگی کا وہ مرتبۂ خاص تمہیں حاصل ہے جو کسی اور کو نصیب نہیں) تم (بندوں کی طرف بھیجے جانے والے میرے خاص) رسول ہیں، میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے (یعنی تمہیں توکل و اعتماد کی وہ دولت عطا کی ہے جو کسی اور کو نہیں ملی، اسی بناء پر تم اپنے تمام معاملات و مہمات میں اپنی طاقت و صلاحیت پر اعتماد کرنے کے بجائے صرف میری ذات اور میرے حکم پر بھروسہ رکھتے ہو) نہ تم بد خو ہو، نہ سخت گو اور سخت دل ہو، اور نہ بازاروں میں شور و غل مچانے والے ہو۔" تورات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ) وہ (محمد) برائی کو برائی کے ساتھ دور نہیں کریں گے (یعنی وہ اپنے ساتھ برائی کرنے والے سے انتقام نہیں لیں گے اور اس کو سزا نہیں دیں گے) بلکہ درگذر کریں گے، اور (احسان پر احسان یہ کریں گے کہ) برائی کرنے والے کے لئے دعائے مغفرت کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان (محمد ﷺ) کی روح کو اس وقت تک قبض نہ کرے گا جب تک ان کے ذریعہ کج رو اور گمراہ قوم کو راہ راست پر نہ لے آئے اس طرح کہ قوم کے لوگ اعتراف و اقرار کرلیں گے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اس وقت ان کی روح قبض نہیں کی جائے گی) جب تک کہ اللہ تعالیٰ کلمۂ طیبہ (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه) کے ذریعہ اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور بے حس دلوں کو درست نہ کردے۔" اس روایت کو بخاری نے (عطاء ابن یسار سے) نقل کیا ہے، نیز یہی حدیث دارمیؒ نے بھی عطاء ابن یسارؒ ہی سے نقل کی ہے، البتہ دارمی میں عطاء ابن یسار کی یہ روایت (عبداللہ ابن عمرو ابن عاصؓ کے بجائے) عبداللہ ابن سلامؓ سے منقول ہے۔"

اور حضرت ابوہریرہؓ کی وہ روایت (جو آنحضرت ﷺ کے فضائل سے متعلق ہے اور) جس کی ابتداء نحن الاخرون کے الفاظ سے ہوتی ہے باب الجمعہ میں نقل کی جاچکی ہے۔

تشریح : حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاصؓ نہایت عالم فاضل قاری حافظ صحابی تھے، کتابت خوب جانتے تھے، پچھلی آسمانی کتابوں تورات و انجیل پر بھی ان کی اچھی نظر تھی، حضور ﷺ نے ان کو اپنی احادیث لکھنے کی اجازت عطا فرمائی تھی، چنانچہ آپ آنحضرت ﷺ سے جو سنتے تھے لکھ لیتے تھے، اس لئے حضرت ابوہریرہؓ کی طرح یہ بھی کثیر الاحادیث ہیں، اور بہت سے تابعین آپ سے حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ بہر حال حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے چونکہ توراۃ پڑھ رکھی تھی اور انہیں معلوم تھا کہ اس آسمانی کتاب میں ہمارے حضرت ﷺ کے بارے میں کیا کیا پیشین گوئیاں ہیں اور آپ کے کن فضائل و اوصاف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس لئے انہوں نے حضرت عطاء ابن یسار کے سوال پر بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے جو بعض اوصاف و فضائل قرآن کریم میں ذکر کئے ہیں اور جن کو ہم نے آپ ﷺ کی زندگی میں دیکھا بھی ہے وہ تورات میں مذکور ہیں، پھر انہوں نے کچھ تفصیل کے ساتھ آنحضرت کے ان اوصاف و فضائل کو بیان کیا جو تورات میں مذکور ہیں، نیز انہوں نے تورات میں مذکورہ باتوں کو بیان کرنے کے لئے تفنن عبارت کے طور پر شروع میں تو وہی اسلوب اختیار کیا جو قرآن میں آنحضرت ﷺ کو خطاب کا ہے اور پھر وہ اسلوب بھی اختیار کیا جو تورات میں آنحضرت ﷺ کے متعلق پیش گوئی کا ہے۔

"امیوں کو پناہ دینے والا " میں "امیوں" سے مراد اہل عرب ہیں، اور ان کو "امی" سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ ان کی اکثریت پڑھنا لکھنا نہیں جانتی تھی۔ اور یا ان کو "ام القری (یعنی اہل مکہ کی طرف منسوب کرکے "امی" کہا گیا۔ نیز یہاں اہل عرب کی تخصیص اس لئے ہے کہ آنحضرت کا نسلی و وطنی تعلق انہی سے ہے اور انہی میں مبعوث فرمائے گئے، تاکہ ان کو غیر عرب کے غلبۂ تسلط سے محفوظ رکھیں اور سب سے پہلے ان ہی کو ایمان و اخلاق کے ہتھیار سے مسلح کرکے ان کی حفاظت و فلاح کا سامان کریں! اور اگر (شیطانی گمراہیوں اور نفسانی آفات سے پناہ مراد لی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کا بابرکت وجود تمام ہی عالم کے لئے پشت پناہ ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ "پناہ" سے مراد آنحضرت ﷺ کی قوم و ملت کا اس وقت تک عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے اور تباہ و ہلاک ہو جانے سے محفوظ و مامون رہنا ہے جب تک آپ ﷺ اپنی قوم و ملت کے درمیان موجود ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔

"یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان (مسلمانوں) پر عذاب نازل کرے اور آپ (ﷺ) ان میں موجود ہوں۔"

"اور نہ بازاروں میں شور و غل مچانے والے ہو " میں بازار کی تخصیص محض اس بنا پر ہے کہ عام طور پر شور و غل اور غیر سنجیدہ حرکتوں کی جگہ بازار ہی ہے، جہاں اچھے اچھے لوگ بھی پہنچ کر اپنی متانت و سنجیدگی کھو دیتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

مسلمانوں کے لئے آنحضرت ﷺ کی تین دعائیں

(۱۵) عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْاَرَتِّ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً فَاَطَالَهَا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّيْتَ صَلٰوةً لَمْ تَكُنْ تُصَلِّيْهَا قَالَ اَجَلْ اِنَّهَا صَلٰوةُ رَغْبَةٍ وَرَهْبَةٍ وَاِنِّيْ سَاَلْتُ اللّٰهَ فِيْهَا ثَلٰثًا فَاَعْطَانِيْ اثْنَتَيْنِ وَمَنَعَنِيْ وَاحِدَةً سَاَلْتُهٗ اَنْ لَّا يُهْلِكَ اُمَّتِيْ بِسَنَةٍ فَاَعْطَانِيْهَا وَسَاَلْتُهٗ اَنْ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ فَاَعْطَانِيْهَا وَسَاَلْتُهٗ اَنْ لَا يُذِيْقَ بَعْضَهُمْ بَاْسَ بَعْضٍ فَمَنَعَنِيْهَا۔ (رواہ الترمذی و النسائی)

"حضرت خباب بن ارتؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور اس کو خلاف معمول کافی طویل کیا، ہم نے (نماز سے فراغت کے بعد) عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) آج تو آپ (ﷺ) نے ایسی طویل نماز پڑھی کہ کبھی بھی اتنی طویل نماز نہیں پڑھی

تھی؟ فرمایا ہاں! یہ نماز (بہت زیادہ طویل اس وجہ سے ہوئی کہ یہ) امید و خواہش اور خوف و دہشت کی نماز تھی (یعنی اس نماز کے دوران اللہ تعالیٰ سے کچھ دعائیں مانگ رہا تھا اور جہاں ان دعاؤں کی قبولیت کی امید تھی وہیں عدم قبولیت کا خوف بھی تھا اس لئے میں، بہت زیادہ خشوع وخضوع اور عرض والتجا میں مصروف رہا جس سے پوری نماز بہت طویل ہوگئی) حقیقت یہ ہے کہ میں نے نماز میں اللہ تعالیٰ سے تین باتوں کی التجا کی، ان میں سے دو مجھ کو عطا کر دی گئیں، اور ایک سے انکار کر دیا گیا، میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک التجا تو یہ کی تھی کہ وہ میری اُمت کو عام قحط (یا اسی طرح کی کسی بھی ایسی آفت وبلا) میں مبتلا نہ کرے جس سے (پوری) اُمت ہلاک وتباہ ہو جائے، میری یہ التجا پوری ہوئی، دوسری التجا یہ تھی کہ مسلمانوں پر کوئی (ایسا) غیر مسلم دشمن مسلط نہ کیا جائے (جو اپنی اسلام اور مسلم دشمنی میں انہیں نیست و نابود کر دے) میری یہ التجا بھی پوری ہوئی، میں نے تیسری التجا یہ کی تھی کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو ہلاکت و عقوبت سے دوچار نہ کریں (یعنی ان کا باہمی اتحاد ہمیشہ بنا رہے، وہ ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرا نہ ہوں اور آپس میں لڑائی جھگڑے کر کے اپنی ملی طاقت کو کمزور نہ کریں) لیکن میری یہ التجا قبول نہیں ہوئی۔"

مسلمان تین چیزوں سے محفوظ رکھے گئے ہیں

(۱۶) وَعَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَجَارَكُمْ مِنْ ثَلَاثِ خِلَالٍ اَنْ لَّا يَدْعُوْ عَلَيْكُمْ نَبِيُّكُمْ فَتَهْلِكُوْا جَمِيْعًا وَاَنْ لَّا يَظْهَرَ اَهْلُ الْبَاطِلِ عَلٰى اَهْلِ الْحَقِّ وَاَنْ لَّا تَجْتَمِعُوْا عَلٰى ضَلٰلَةٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "(مسلمانو!) اللہ تعالیٰ نے تمہیں تین چیزوں سے محفوظ رکھا ہے، ایک تو یہ کہ تمہارا نبی تمہارے لئے بددعا نہ کرے جس سے تم ہلاک ہو جاؤ (جیسا کہ پہلے بعض انبیاء نے بددعا کر کے اپنی قوم کو ہلاک و برباد کرادیا) دوسرے یہ کہ باطل و گمراہ لوگ اہل حق پر غالب نہ ہوں، تیسرے یہ کہ میری ساری اُمت گمراہی پر جمع نہ ہو۔" (ابوداؤد)

تشریح: "باطل و گمراہ لوگ اہل حق پر غالب نہ ہوں۔" کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن، طاقت اور تعداد کے اعتبار سے بہت ہوں اور مسلمان کم ہوں تب بھی وہ تمام مسلمانوں کو ہرگز مٹا نہیں سکیں گے، چنانچہ حاکم نے حضرت عمرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "قیامت آنے تک ہمیشہ میری اُمت میں سے کوئی نہ کوئی گروہ حق کے ساتھ غالب رہے گا" اور ابن ماجہؒ میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہمیشہ میری اُمت میں سے کوئی نہ کوئی گروہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گا اور ان کا دشمن ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

"میری ساری اُمت گمراہی پر جمع نہ ہو۔" کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ سارے مسلمان کسی فاسد نظریہ اور کسی غلط کام پر متفق و متحد ہو جائیں، یہ اور بات ہے کہ مسلمانوں کے کچھ افراد یا کچھ طبقے اپنے اغراض کی خاطر کسی غیر اسلامی بات کو قبول کرلیں اور اس کو جائز قرار دینے لگیں، لیکن یہ ممکن نہیں کہ پوری دنیا کے مسلمان یا مسلمانوں کا سواد اعظم اس غیر اسلامی بات پر جمع ہو جائے۔ حدیث کا یہ جملہ گویا اس امر کی دلیل ہے کہ "اجماع" حجت ہے، اور "اجماع" سے مراد "اپنے زمانہ کے مجتہد و بابصیرت علماء کا کسی حکم شرعی پر متفق ہونا ہے۔

مسلمان آپس کے افتراق وانتشار کے باوجود اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف متحد ہوں گے

(۱۷) وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَجْمَعَ اللّٰهُ عَلٰى هٰذِهِ الْاُمَّةِ سَيْفَيْنِ سَيْفًا مِنْهَا وَسَيْفًا مِنْ عَدُوِّهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عوف ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس اُمت کے خلاف دو تلواروں کو اکٹھا نہیں کرے گا ایک تلوار تو خود مسلمانوں کی اور دوسری تلوار ان کے دشمنوں کی۔" (ابوداؤد)

تشریح: یہ خدائی فیصلہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف کبھی بھی دو تلواریں جمع نہیں ہوں گی جن سے پوری ملی طاقت تہ و بالا ہو جائے اور مسلمان بحیثیت مجموعی ختم ہو جائیں! دو تلواروں کے جمع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو مسلمان آپس میں دست و گریبان ہوں، باہمی افتراق و انتشار کا شکار ہوں، ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے میں مصروف ہوں اور دوسری طرف سے ان کا مشترکہ دشمن یعنی کوئی غیر مسلم طاقت ان پر حملہ آور ہو اور ان باہمی افتراق و انتشار کا فائدہ اٹھا کر ان پر غلبہ و تسلط حاصل کر لے، اور ان کو مٹا کر رکھ دے۔ تورپشتیؒ نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ جب بھی مسلمان آپس میں لڑنے جھگڑنے لگیں گے اور ان میں اتحاد و اتفاق کی جگہ ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی اتنی شدت اختیار کر جائے کہ ملی شیرازہ منتشر ہونے لگے، تو اللہ تعالیٰ ان پر ایسی غیر مسلم طاقت مسلط کر دے گا جس کا ظلم و جور مسلمانوں کی ملی اتفاق و اتحاد کے جھنڈے کے نیچے لے آئے گا اور وہ آپس میں لڑنا جھگڑنا چھوڑ کر باہم شیر و شکر ہو جائیں گے۔ اور طیبی نے یہ لکھا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اس امت کے لوگوں کو ایک ساتھ دو لڑائیوں کا شکار نہیں بنایا جائے گا، کہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے خلاف لڑیں اور کسی غیر مسلم دشمن کے خلاف بھی نبرد آزما ہوں، بلکہ جب ان کو اپنے غیر مسلم دشمن کی جارحیت اور استیصال کا سامنا ہو گا تو وہ اپنے تمام باہمی اختلاف اور لڑائی جھگڑے مٹا کر اس دشمن کے مقابلہ پر یکجا اور متحد ہو جائیں گے۔

آنحضرت ﷺ کی نسلی و نسبی فضیلت

(۱۸) وَعَنِ الْعَبَّاسِؓ اَنَّهٗ جَآءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَاَنَّهٗ سَمِعَ شَيْئًا فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ اَنَا فَقَالُوْا اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَيْنِ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ فِرْقَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ قَبِيْلَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوْتًا فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ بَيْتًا فَاَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَخَيْرُهُمْ بَيْتًا۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (ایک دن) کفار کو نبی کریم ﷺ کی شان میں ہرزہ سرائی کرتے سنا تو (افسوس اور غصہ میں بھرے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں آئے (اور بتایا کہ کفار یہ بکواس کر رہے ہیں کہ اگر اللہ میاں کو مکہ ہی کے کسی شخص کو اپنا نبی اور رسول بنانا تھا تو اس شہر کے بڑے بڑے صاحب دولت و ثروت اور اونچے درجے کے سرداروں کو چھوڑ کر محمد ﷺ کا انتخاب کیوں کرتا) آنحضرت ﷺ (نے یہ سنا تو واضح کرنے کے لئے کہ نسلی و نسبی اور خاندانی عظمت و عزت کے اعتبار سے آپ ﷺ کی شان کیا ہے، اور مرتبہ نبوت پر فائز ہونے کے لئے دوسروں کے مقابلہ آپ ﷺ کی حیثیت و اہمیت کیا ہے) منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو، میں کون ہوں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا (ہاں میں اللہ کا رسول ہوں، لیکن میری نسلی و نسبی اور خاندانی عظمت کیا ہے، اس کو جاننے کے لئے سنو) میں عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا محمد (ﷺ) ہوں (اور عبدالمطلب وہ ہستی ہیں جو عرب میں نہایت بزرگ و معزز، بڑے شریف و پاکباز اور انتہائی مشہور و معروف تھے) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق (جنات و انسان) کو پیدا کیا تو مجھے اس مخلوق میں سے بہترین مخلوق (نوع انسانی) میں پیدا کیا، پھر اس بہترین مخلوق (نوع انسانی) کے اللہ تعالیٰ نے دو طبقے کئے (ایک عرب دوسرا عجم) اور مجھے ان دونوں طبقوں میں سے بہترین طبقہ (عرب) میں پیدا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس بہترین طبقہ (عرب) کو قبائل در قبائل کیا (یعنی اس طبقہ کو مختلف قبیلوں اور قوموں میں تقسیم کیا) اور مجھے ان قبائل میں سے بہترین قبیلہ (قریش) میں پیدا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس بہترین قبیلہ (قریش) کے مختلف گھرانے بنائے اور مجھے ان گھرانوں میں سے بہترین گھرانے (بنو ہاشم) میں پیدا کیا، پس میں ان (تمام نوع انسانی اور تمام اہل عرب) میں ذات و حسب کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر و اعلیٰ ہوں اور

خاندان وگھرانے کے اعتبار سے بھی سب سے اونچا ہوں۔" (ترمذی)

تشریح : حضور ﷺ نے اپنی نسلی، نسبی اور خاندانی عظمت و فضیلت کا اظہار کر کے گویا یہ واضح کیا کہ خدا کا آخری نبی بننے اور خدا کی آخری کتاب پانے کا سب سے زیادہ مستحق میں ہی تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکمت الٰہی اس کا لحاظ رکھتی تھی کہ مرتبۂ نبوت ورسالت پر فائز ہونے والی ہستی حسب اور خاندان کے اعتبار سے بلند درجہ اور عالی حیثیت ہو، لیکن انبیاء کی ذات کے لئے حسب ونسب کی عظمت وبرتری کا لازم ہونا کوئی بنیادی چیز نہیں ہے، اس کا تعلق محض ان لوگوں کے خلاف اتمام حجت سے ہے جو حسب ونسب کی بڑائی اور خاندانی وجاہت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت جاہل اور بیوقوف کفار کہا کرتے تھے کہ اگر خدا کی آخری کتاب قرآن کو نازل کیا جانا تھا اور نبوت ورسالت قائم کی جانی تھی تو اس کے لئے عرب کے بڑے بڑے سرداروں میں سے کسی کا انتخاب کیوں نہیں کیا گیا! ورنہ جہاں تک نفس نبوت کا تعلق ہے وہ خود اتنا بڑا شرف ہے جس کے سامنے کسی کی بھی طرح کی بڑی سے بڑی وجاہت اور عظمت بے حیثیت چیز ہے، اس کا حصول نہ حسب ونسب کی عظمت وبلندی پر موقوف ہے اور نہ کسی اور سبب وذریعہ پر، بلکہ محض خدا کا فضل ہے کہ اس نے جس کو چاہا اس شرف ومرتبہ کے لئے منتخب فرمایا، قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔

"اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کے لئے کس کو منتخب کرے ایک اور موقع پر فرمایا۔"

واللّٰہ یختص برحمتہ من یشآء واللّٰہ ذو الفضل العظیم۔

"اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت (عنایت) کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے، مخصوص فرمالیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل (کرنے) والے ہیں۔"

وکان فضل اللّٰہ علیک عظیما۔

"اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو (اپنی کتاب اور علم ونبوت عطا کر کے) بڑے فضل سے نوازا۔"

آنحضرت ﷺ کی نبوت حضرت آدم علیہ السلام کے وجود پذیر ہونے سے بھی پہلے تجویز ہوگئی تھی

(۱۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰی وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ قَالَ وَاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) صحابہؓ نے پوچھا، کہ یارسول اللہ (ﷺ)! نبوت کے لئے آپ (ﷺ) کس وقت نامزد ہوئے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس وقت جب کہ آدم علیہ السلام روح اور بدن کے درمیان تھے۔" (ترمذی)

تشریح : مطلب یہ کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی مرتبہ نبوت ورسالت کے لئے اس وقت نامزد بھی ہوچکی تھی۔ جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کی روح ان کے پیکر خاکی سے متعلق بھی نہیں ہوئی تھی اور ان کا پتلا زمین پر بے جان پڑا تھا۔ یہ جملہ دراصل اس بات سے کنایہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت حضرت آدم علیہ السلام کے وجود میں آنے سے بھی پہلے متعین ومقرر ہوچکی تھی۔

آنحضرت ﷺ اور ختم نبوت

(۲۰) وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوْبٌ خَاتِمُ النَّبِیِّیْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِهٖ وَسَاُخْبِرُكُمْ بِاَوَّلِ اَمْرِیْ دَعْوَةُ اِبْرَاهِیْمَ وَبِشَارَةُ عِیْسٰی وَرُؤْیَا اُمِّیَ الَّتِیْ رَاَتْ حِیْنَ وَضَعَتْنِیْ وَقَدْ خَرَجَ لَهَا نُوْرٌ اَضَآءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ مِنْ قَوْلِهٖ سَاُخْبِرُكُمْ اِلٰی اٰخِرِهٖ۔

"اور حضرت عرباض ابن ساریہؓ، رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی وقت سے خاتم النبین لکھا ہوا ہوں جب کہ آدم علیہ السلام اپنی گندھی ہوئی مٹی میں پڑے تھے۔ اور میں تمہیں بتاتا ہوں میرا پہلا امر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہے، اور میری ماں کا خواب ہے جو انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا، حقیقت یہ ہے کہ میری ماں کے سامنے ایک نور ظاہر ہوا تھا جس نے ان پر شام کے محلات کو روشن کر دیا تھا۔" اس روایت کو بغویؒ نے (اپنی اسناد کے ساتھ) شرح السنہ میں نقل کیا ہے۔ نیز امام احمد نے بھی اس روایت کو صاحبنبر کم سے آخر تک ابوامامہؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: "وان ادم لمنجدل فی طینه۔" میں لفظ "طینه" کے معنی گوندھی ہوئی مٹی، کیچڑ اور گارے کے ہیں خلقت اور جبلت کو بھی "طینت" کہتے ہیں۔ "حضور ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ میرا "خاتم النبیین" کی حیثیت سے اس دنیا میں مبعوث ہونا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت لکھا جا چکا تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام آب و گل کے درمیان تھے، اور نہ صرف یہ کہ ان کے پتلے میں جان نہیں پڑی تھی بلکہ ان کا پتلا بن کر تیار بھی نہیں ہوا تھا، بن رہا تھا۔ اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق و پیدائش سے بھی پہلے متعین و مقرر ہو جانے سے کیا مراد ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کے علم اور تقدیر الٰہی میں ہونا مراد ہے تو یہ بات تمام ہی انبیاء کے متعلق کہی جا سکتی ہے، آنحضرت ﷺ کی تخصیص کے کیا معنی، اور اگر آنحضرت ﷺ کی نبوت کا بالفعل ظاہر ہونا مراد ہے تو یہ خلاف واقعہ ہوگا، کیونکہ بالفعل کا تعلق اس دنیا سے ہے، اور ظاہر ہے کہ اس دنیا میں آنحضرت ﷺ کی نبوت کا اظہار حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق و پیدائش کے ہزاروں سال بعد ہوا۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل مراد آنحضرت ﷺ کی نبوت کا تمام فرشتوں اور روحوں میں ظاہر و متعارف کر دیا جانا ہے، جیسا کہ ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کے اسم شریف کا عرش، آسمان، اور جنت کے محلات و بالاخانوں پر حور عین کے سینوں پر، جنت کے درختوں اور طوبیٰ درخت کے پتوں پر، اور فرشتوں کی آنکھوں اور بھوؤں پر لکھا ہونا منقول ہے۔ اور بعض عارفین نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک عالم ارواح میں تمام روحوں کی تربیت و اصلاح کرتی تھی جیسا کہ اس دنیا میں تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ کی ذات گرامی اس دنیا میں اجسام انسانی کی مربی و مصلح ہوئی اور یہ بات کسی شک و شبہ کے بغیر ثابت ہے کہ تمام روحیں اپنے اجسام سے بہت پہلے عالم وجود میں آ چکی تھیں۔

"میرا پہلا امر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے...... الخ" کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے یہ واضح فرمایا کہ میرا خاتم النبیین ہونا نہ صرف یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود پذیر ہونے سے پہلے تجویز اور عالم بالا میں ظاہر ہو چکا تھا بلکہ اس دنیا میں بھی میری جسمانی پیدائش سے بہت پہلے مختلف انبیاء کے ذریعہ میری نبوت و رسالت اور میرے علو مرتبہ کا ظہور ہو چکا تھا، اس کی دلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعا ہے جو انہوں نے میری رسالت کے متعلق خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت کی تھی اور جس کو قرآن کریم میں اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔

"میرے پروردگار! اور اس جماعت (اسمٰعیل کی اولاد) میں ان ہی کا ایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کر دیجئے، جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں۔ ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاکیزہ کر دیں، بلاشبہ آپ ہی غالب القدرۃ اور کامل الانتظام ہیں۔"

اسی طرح اس دنیا میں میری آمد سے کہیں پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے میری نبوت و رسالت کی خوشخبری دے دی تھی، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ۔

"اور (اے بنی اسرائیل) میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں اور جن کا نام "احمد" ہوگا میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔"

نیز میری پیدائش سے پہلے میری والدہ محترمہ کا بشارت انگیز خواب دیکھنا اور میری پیدائش کے وقت ان کے ساتھ حیرت ناک واقعات وحالات کا پیش آنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ میری نبوت ورسالت کا نور، اس دنیا میں میرے مبعوث ہونے سے پہلے ہی پرتو فگن ہو چکا تھا۔

حدیث کے اس جملہ "جو انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا" کے تحت طیبی وغیرہ شارحین نے لکھا ہے کہ ان الفاظ کی مراد خواب میں دیکھنا بھی ہوسکتا ہے اور حالت بیداری میں دیکھنا بھی، پہلی صورت میں "پیدائش کے وقت سے کچھ پہلے کا عرصہ مراد ہوگا جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ کے ہاں ولادت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے خواب میں دیکھا، ایک فرشتہ آیا اور کہہ رہا ہے کہ کہو: "میں اس بچہ کو (جو میرے پیٹ سے پیدا ہونے والا ہے یعنی آنحضرت ﷺ) ہر حسد کرنے والے کے شر سے خدائے واحد کی پناہ میں دیتی ہوں۔" حضرت آمنہؓ نے اس سے پہلے استقرار حمل کے وقت بھی خواب میں دیکھا تھا کہ ایک فرشتہ آیا اور کہنے لگا کہ کیا تم جانتی ہو تمہارے پیٹ میں اس اُمت کا سردار نبی ہے۔ دوسری صورت میں بحالت بیداری دیکھنا مراد ہو، کہا جائے گا کہ انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا۔" کا تعلق اس چیز کے دیکھنے سے ہے جس کا ذکر اس جملہ میں محذوف ہے، مگر آگے کی عبارت اس کی پوری وضاحت کرتی ہے، اور بعض روایتوں میں بھی آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت حضرت آمنہؓ سے ایسا نور ظاہر ہوا کہ ملک شام کے محل ومکانات سامنے نظر آنے لگے۔ اور آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت ایسا نور ظاہر ہونا کہ جس سے شام کے محلات تک روشن ونمایاں ہوگئے، اس حقیقت کی طرف اشارہ تھا کہ اس وقت دنیا میں اس ہستی کا ظہور ہوا ہے جس کی نبوت ورسالت کی روشنی مشرق سے لے کر مغرب تک پوری روئے زمین کو منور کر دے گی اور کفر وضلالت کا اندھیرا کافور ہو جائے گا۔

آنحضرت ﷺ کے خصائص

(۲۱) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِيْ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن میں تمام بنی آدم کا سردار بنوں گا، اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا (قیامت کے دن مقام محمود میں) حمد کا نیزہ میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا، اس دن کوئی بھی نبی خواہ وہ آدم ہوں، یا کوئی اور، ایسا نہیں ہوگا جو میرے نیزے کے نیچے نہیں آئے گا۔ اور (قیامت کے دن) سب سے پہلے میں زمین پھٹ کر اٹھوں گا، اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا۔" (ترمذی)

تشریح: "اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا۔" سے آنحضرت ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ میرا یہ کہنا شیخی مارنے، اترانے اور خواہ مخواہ کی بڑائی جتانے کے طور پر نہیں ہے بلکہ پروردگار نے اس فضل وبرتری کی جو نعمت مجھے عطا فرمائی ہے اس کا اقرار و اظہار کرنے، اس نعمت پر شکر ادا کرنے اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کی بجا آوری کے لئے ہے، علاوہ ازیں میں اس بات کا اظہار و اعلان اس لئے بھی کر رہا ہوں تاکہ لوگ میری قدر ومنزلت اور میری حیثیت وعظمت کو جانیں، اس پر اعتقاد رکھیں اور اس کے مطابق میری توقیر وتعظیم اور میری محبت کے ذریعہ ایمان کو مضبوط بنائیں۔

"لواء" کے معنی جھنڈے اور پرچم کے ہیں لیکن نیزہ کو بھی کہتے ہیں، "حمد کا نیزہ میرے ہاتھ میں ہوگا۔" سے مراد قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں نام آور ہونا ہے، اگر ترجمہ یوں کیا جائے کہ "حمد کا پرچم میرے ہاتھ میں ہوگا، تو اس کی مراد بھی یہی ہوگی۔" کیونکہ جس طرح اہل عرب کسی معاملہ میں اپنی شہرت وناموری کے اظہار کے لئے نیزہ کھڑا کر دیا کرتے تھے اسی طرح پرچم بھی

عظمت وبلندی اور ناموری کے اظہار کی علامت سمجھا جاتا ہے، مطلب یہ کہ اس دن جب یہ نیزہ یا جھنڈا آپ ﷺ کے ہاتھ میں آئے گا، تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا دل ایسا کھول دے گا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی وہ وہ تعریف کریں گے جو کوئی دوسرا نہ کر سکے گا۔ واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کو "حمد" کے ساتھ مخصوص نسبت حاصل ہے، آپ ﷺ کا اسم شریف محمد اور احمد ہے، آپ صاحب مقام محمود ہیں، آپ کی اُمت "حمادین" کہلاتی ہے، یعنی ایسے لوگ جو ہر حالت میں، خواہ خوشی کا موقع ہو یا غمی کا، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں، قیامت کے دن آپ ﷺ کی ذات حامد بھی ہو گی اور محمود بھی، اور آپ اللہ تعالیٰ کے حمد کے ذریعہ ہی شفاعت کا دروازہ کھلوائیں گے جیسا کہ باب الشفاعة میں گذرا۔

"اس دن کوئی بھی نبی...... الخ" کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن میدان حشر میں آنحضرت ﷺ صرف عام لوگوں ہی کے ماویٰ وملجا نہیں ہوں گے بلکہ ایک ایک کر کے تمام نبی اور رسول بھی آپ ﷺ ہی کے نیزہ یا پرچم تلے جمع ہوں گے، آپ ﷺ کی پناہ کے طلبگار اور آپ ﷺ کے تابع ہوں گے حدیث کے اس جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیزہ یا پرچم کا ذکر محض علامتی طور پر نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں آپ ﷺ کا کوئی نیزہ یا پرچم ہو گا جس کا نام لواء الحمد ہو گا اور جو آپ ﷺ کی سرداری و برتری کے اظہار کے لئے آپ کو عطا ہو گا جیسا کہ اس دنیا میں بادشاہوں اور سربراہان مملکت کی عظمت و شوکت کے اظہار اور ان کی حیثیت کو ممتاز کرنے کے لئے ان کا اپنا الگ پرچم نصب ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ خدا کے حبیب ہیں

(۲۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَلَسَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ حَتّٰى اِذَا دَنَا مِنْهُمْ سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُوْنَ قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا وَقَالَ اٰخَرُ مُوْسٰى كَلَّمَهٗ تَكْلِيْمًا وَقَالَ اٰخَرُ فَعِيْسٰى كَلِمَةُ اللّٰهِ وَرُوْحُهٗ وَقَالَ اٰخَرُ اٰدَمُ اصْطَفَاهُ اللّٰهُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ وَعَجَبَكُمْ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَمُوْسٰى نَجِيُّ اللّٰهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَعِيْسٰى رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَاٰدَمُ اصْطَفَاهُ اللّٰهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ اَلَا وَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَحْتَهٗ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّحَرِّكُ حَلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِيْ فَيُدْخِلُنِيْهَا وَمَعِيَ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عَلَى اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ کے کچھ صحابی (مسجد نبوی میں) بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ اپنے حجرہ مبارکہ سے نکلے اور جب ان کے قریب پہنچے تو ان کی باتیں کان میں پڑیں، آپ ﷺ نے ایک صحابی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل قرار دیا دوسرے صحابی نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شرف تکلم سے نوازا، ایک اور صحابی نے کہا کہ...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں (یعنی وہ نظام قدرت کے مروجہ اسباب وذرائع کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن سے پیدا ہوئے۔ شیر خواری کے زمانہ میں پالنے میں لوگوں سے باتیں کیں، اور اللہ تعالیٰ نے روح الامین کو ان کی ماں کے پاس بھیجا، جس نے پھونک ماری اور اس کے نتیجہ میں ان کی پیدائش ہوئی، اس کے علاوہ ان کی روحانیت کے اور بہت سے آثار وکرشمے ظاہر ہوئے یہاں تک کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے)۔ ایک صحابی نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو برگزیدہ کیا (یعنی انسان اول ہونے کے لئے انہی کا انتخاب کیا، ان کو تمام چیزوں کے نام سکھائے اور ان کے سامنے فرشتوں سے سجدہ کرایا) بہرحال (صحابہؓ اپنی باتوں کے دوران نبیوں کے خصوصی اوصاف تعجب کے ساتھ ذکر کر رہے تھے کہ) رسول کریم ﷺ ان کی مجلس تک پہنچ گئے اور فرمایا کہ میں نے تمہاری باتیں سن لی ہیں، تمہیں تعجب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کے خلیل

یعنی دوست ہیں تو بے شک ان کی یہی شان ہے (تمہیں تعجب ہے کہ) حضرت عیسی علیہ السلام خدا کا کلمہ اور اس کی روح ہیں، تو بیشک ان کی بھی یہی شان ہے، (تمہیں تعجب ہے کہ) حضرت آدم علیہ السلام کو خدا نے برگزیدہ کیا، تو بیشک ایسا ہی ہے اور ان کی یہی شان ہے۔ لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں خدا کا حبیب ہوں اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا، قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہوں گا، سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی، اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا، جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والوں میں سب سے پہلا شخص میں ہی ہوں گا چنانچہ اللہ تعالیٰ (فرشتوں کو حکم کے ذریعہ) جنت کا دروازہ میرے لئے کھول دے گا اور (سب سے پہلے) مجھے جنت میں داخل کرے گا اس وقت میرے ساتھ مؤمن فقراء ہوں گے اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا اور بلاشبہ تمام اگلے پچھلوں (خواہ وہ انبیاء ہوں یا دوسرے لوگ) سب ہی سے افضل واکرم ہوں اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا۔" (ترمذی، دارمی)

تشریح: "میں خدا کا حبیب ہوں" کے ضمن میں بعض شارحین نے تو یہ لکھا ہے کہ "خلیل" اور "حبیب" دونوں کے معنی "دوست" کے ہیں، لیکن حبیب اس دوست کو کہتے ہیں جو محبوبیت کے مقام کو پہنچا ہوا ہو جب کہ "خلیل" مطلق دوست کو کہتے ہیں۔ اور ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ "خلیل" وہ دوست ہے جس کی دوستی کسی حاجت اور غرض کے تحت ہو جبکہ "حبیب" وہ دوست ہے جو اپنی دوستی میں بالکل بے لوث اور بے غرض ہو۔ واضح رہے کہ یوں تو تمام ہی انبیاء و رسول بلکہ تمام ہی اہل ایمان بارگاہ رب العزت کے دوست اور محبوب ہیں، لیکن دوستی اور محبوبیت کے بھی چونکہ مختلف درجات و مراتب ہوتے ہیں اس لئے یہاں گفتگو دوستی و محبوبیت کے اس درجہ و مرتبہ کے بارے میں ہے جو سب سے اعلیٰ اور سب سے بہتر ہے، رہی یہ بات کہ بارگاہ رب العزت میں دوستی و محبوبیت کا سب سے بلند و برتر درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، تو اس کی سب سے بڑی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

"(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے دوستی رکھے گا۔"

"اس وقت میرے ساتھ مؤمن فقراء ہوں گے۔" کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں سب سے پہلے آنحضرت داخل ہوں گے اور پھر اہل ایمان میں سے جو طبقہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہو گا وہ مہاجر و انصار صحابہ میں سے وہ حضرات ہوں گے جو مفلس و بے مایہ تھے اور جو اپنے اپنے درجات و مراتب کے اعتبار سے آگے پیچھے جنت میں جائیں گے، جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری اُمت کے فقراء اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صبر و استقامت کی راہ اختیار کرنے والا فقیر (بھکاری نہیں) شکر گذار غنی سے بہتر ہے! اور صوفیاء کے نزدیک فاقہ و احتیاج کا نام فقر نہیں بلکہ ان کے ہاں صرف اللہ تعالیٰ کا محتاج ہونے اور اللہ تعالیٰ سے بھی اس کی رضا و خوشنودی کے علاوہ اور کچھ نہ مانگنے کا نام "فقر" ہے! امام ثوریؒ نے کہا ہے کہ "فقر" یہ ہے کہ مال و اسباب نہ ہونے پر تسکین خاطر حاصل ہو اور جب مال میسر ہو تو اس کو خرچ کیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس کے فقر سے پناہ مانگی ہے اور غنائے نفس کی تعریف فرمائی ہے حاصل یہ کہ اصل چیز اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہے، جو بھی حالت، خواہ وہ فقر ہو یا غنا اس چیز کے حصول سے باز رکھے وہ بری ہے، تاہم عام طور پر غنا یعنی دولت مندی کی حالت انسان کو برائیوں میں مبتلا کرتی ہے جب کہ فقر کی حالت بہت سی برائیوں میں مبتلا ہونے سے باز رکھتی ہے، اس لئے حق تعالیٰ نے زیادہ تر انبیاء اور اولیاء کو فقر کی حالت میں رکھا اور ان کا فقر، ان کے مراتب و درجات میں بلندی کا باعث بنا، ایک دلیل یہ ہے کہ جب فقیر کافر کو دوزخ میں غنی کافر سے ہلکا عذاب ہو گا تو پھر کیسے ممکن ہے کہ وہی فقر، مؤمن کو جنت میں فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

اُمت محمدی کی خصوصیت

(۲۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ وَنَحْنُ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاِنِّيْ

قَائِلٌ قَوْلاً غَيْرَ فَخْرٍ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَ مُوْسٰى صَفِيُّ اللّٰهِ وَ اَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَمَعِيَ لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَنِيْ فِيْ اُمَّتِيْ وَاَجَارَهُمْ مِنْ ثَلٰثٍ لَا يَعُمُّهُمْ بِسَنَةٍ وَلَا يَسْتَاْصِلُهُمْ عَدُوٌّ وَلَا يَجْمَعُهُمْ عَلٰى ضَلَالَةٍ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت عمرو بن قیسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: (دنیا میں ظہور و وجود کے اعتبار سے) ہم آخر میں ہیں لیکن قیامت کے دن (جنت میں داخل ہونے اور اعلیٰ مراتب و درجات کے اعتبار سے) ہم اول ہوں گے، اور میں تم سے ایک بات کہتا ہوں اور اس بات کے کہنے سے اظہار فخر مقصود نہیں ہے (بلکہ ایک حقیقت کا اظہار مقصود ہے اور وہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تو خدا کے خلیل ہیں، موسیٰ علیہ السلام خدا کے برگزیدہ ہیں اور میں خدا کا حبیب ہوں کہ دنیا و آخرت میں میری حیثیت محب کی بھی ہے اور محبوب کی بھی) اور قیامت کے دن (مقام محمود میں) حمد کا پرچم میرے پاس ہوگا (جو میرے احمد اور محمد ہونے کی علامت ہوگا) نیز اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کو (خیر کثیر عطا کرنے کا اور تین چیزوں سے بچانے کا وعدہ کیا ہے، ایک تو یہ کہ وہ مسلمانوں کو عام قحط میں ہلاک نہیں کرے گا۔ دوسرے یہ کہ کوئی دشمن ان کا استیصال نہ کر سکے گا یعنی دشمنان اسلام سارے مسلمانوں کو نیست و نابود نہ کر سکیں گے اور تیسرے یہ کہ تمام مسلمان کسی گمراہی پر اتفاق نہیں کریں گے یعنی یہ ممکن نہیں ہوگا کہ ساری اسلامی دنیا کسی ایسی بات پر اتفاق کرلے جو گمراہی کا باعث ہو۔" (دارمی)

حضور ﷺ قائد المرسلین علیہم السلام اور خاتم النبیین ہیں

(۲۴) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَ مُشَفَّعٍ وَلَا فَخْرَ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "(قیامت کے دن) میں تمام نبیوں اور رسولوں کا قائد ہوں گا (کہ تمام نبی و رسول میدان حشر میں آنے کے لئے میرے پیچھے آئیں گے، اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا، میں انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ کو ختم کرنے والا ہوں یعنی نبوت مجھ پر ختم ہوگئی ہے اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا، شفاعت کرنے والا سب سے پہلا شخص میں ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول ہوگی اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا۔" (دارمیؒ)

قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کی عظمت و برتری

(۲۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا وَاَنَا قَائِدُهُمْ اِذَا وَفَدُوْا وَاَنَا خَطِيْبُهُمْ اِذَا اَنْصَتُوْا وَاَنَا مُسْتَشْفِعُهُمْ اِذَا حُبِسُوْا وَاَنَا مُبَشِّرُهُمْ اِذَا اَيِسُوْا اَلْكَرَامَةُ وَالْمَفَاتِيْحُ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ وَلِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ وَاَنَا اَكْرَمُ وُلْدِ اٰدَمَ عَلٰى رَبِّيْ يَطُوْفُ عَلَيَّ اَلْفُ خَادِمٍ كَاَنَّهُمْ بَيْضٌ مَكْنُوْنٌ اَوْ لُؤْلُؤٌ مَنْثُوْرٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "(قیامت کے دن) جب لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو سب سے پہلے قبر میں سے میں نکلوں گا جب لوگ بارگاہ خداوندی میں پیش ہوں گے تو ان کی قیادت میں کروں گا، جب تمام لوگ خاموش ہوں گے تو میری ہی زبان سب کی ترجمانی کرے گی، اور جب لوگوں کو موقف میں روک دیا جائے گا تو ان کی (خلاصی کے لئے) شفاعت و سفارش میں کروں گا، جب لوگوں پر نا امیدی اور مایوسی چھائی ہوگی تو (اہل ایمان کو) مغفرت و رحمت کی بشارت دینے والا میں ہوں گا، اس (قیامت کے) دن شرف و کرامت اور جنت کی کنجیاں میرے ہاتھ میں (یعنی میرے تصرف) میں ہوں گی، اس دن حمد کا پرچم میرے ہاتھ میں ہوگا، اس دن پروردگار کے نزدیک آدم کے بیٹوں میں سب سے بزرگ و اشرف میری ہی ذات ہوگی، میرے آگے پیچھے ہزاروں خادم پھرتے ہوں گے جیسے وہ چھپے ہوئے انڈے یا بکھرے ہوئے موتی ہوں۔" اس روایت کو ترمذی و دارمی نے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث

غریب ہے۔"

تشریح: "جب تمام لوگ خاموش ہوں گے........الخ" میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب میدان حشر میں عام دہشت وہولناکی چھائی ہوگی، ہر شخص متحیر و سراسیمہ ہوگا، کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوگی کہ اپنی زبان سے دو لفظ ادا کر سکے اور کوئی عذر و درخواست پیش کرے تو اس وقت سردار دو عالم ﷺ ہی کی ذات گرامی آگے آئے گی، آپ ﷺ سب کی طرف سے عذر و معذرت بیان کریں گے شفاعت کی درخواست پیش فرمائیں گے اور اس وقت جب کہ عام لوگ تو درکنار بڑے بڑے انبیاء کو بولنے کی مجال نہیں ہوگی، آپ ﷺ بارگاہ رب العزت میں گویا ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف وثنا بیان فرمائیں گے جو اس کی شان کے لائق ہوگی، اور اس طرح اس وقت آنحضرت ﷺ کے علاوہ اور کسی کو بولنے اور کچھ کہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ پس قرآن کریم میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ:

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ۔

"یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ لوگ نہ بول سکیں گے اور نہ ان کو (عذر کی) اجازت ہوگی۔"

تو آنحضرت ﷺ کی ذات اس سے مستثنیٰ ہے، کہ آپ ﷺ کے علاوہ اور کسی کو بولنے کی اجازت نہیں ہوگی، یا یہ کہ اس آیت میں ابتدائی مرحلہ کا ذکر ہے کہ شروع میں کسی کو بھی بولنے کی اجازت نہیں ہوگی مگر بعد میں آنحضرت ﷺ کو اجازت عطا فرمائی جائے گی، اور یا یہ کہ اس آیت کا تعلق صرف اہل کفر سے ہے۔

"جب لوگوں پر نا امیدی و مایوسی چھائی ہوگی۔" کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو لوگوں پر سخت خوف و دہشت طاری ہوگی اور دوسری طرف وہ ایک ایک کر کے تمام ہی بڑے بڑے انبیاء سے شفاعت و سفارش کی درخواست کریں گے اور کوئی نبی ان کی طرف سے بولنے اور شفاعت کرنے کی جرأت نہ کر سکے گا، تو ان پر رحمت و مغفرت کی طرف سے نا امیدی چھا جائے گی تب آنحضرت ﷺ بارگاہ رب العزت میں ان کی شفاعت کریں گے اور ان کی مایوسی و نا امیدی کو ختم فرمائیں گے۔

"چھپے ہوئے انڈوں" سے مراد شتر مرغ کے انڈے ہیں، آپ ﷺ نے غلاموں، خادموں اور حوروں کو شتر مرغ کے انڈوں سے اس لئے تشبیہ دی کہ وہ (انڈے) گرد و غبار وغیرہ سے محفوظ ہونے کی وجہ سے صفائی ستھرائی کی علامت سمجھے جاتے ہیں، ان کا رنگ بھی ایسا سفید ہونے کی وجہ سے کہ جس میں کچھ زردی کی آمیزش ہو بہت پیارا مانا جاتا ہے۔ اور مجمع البحار میں لکھا ہے کہ (چھپے ہوئے انڈوں سے) مراد سیپ کے موتی ہیں، جو لوگوں کے ہاتھوں اور نظروں سے بچے رہنے کی وجہ سے بڑی آب و تاب رکھتے ہیں۔ حاصل یہ کہ اس دن آنحضرت ﷺ کے آگے پیچھے دائیں بائیں جو خادم ہوں گے وہ صفائی ستھرائی، رنگ و روپ اور بالکل نئے نویلے ہونے کی وجہ سے نہایت بھلے معلوم ہوں گے۔

"یا بکھرے ہوئے موتی ہوں۔" میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح آب و تاب رکھنے والے موتی، کسی لڑی میں پروئے ہوئے ہونے کی بہ نسبت یونہی بکھرے ہوئے زیادہ خوبصورت اور چمکدار لگتے ہیں اس طرح وہ خادم بھی آپ ﷺ کے چاروں طرف ادھر ادھر بکھرے ہوئے اور خدمت میں لگے ہوئے بہت زیادہ خوبصورت اور دلکش معلوم ہوں گے۔

حضور ﷺ عرش الٰہی کے دائیں جانب کھڑے ہوں گے

(۲۶) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاُكْسٰى حُلَّةً مِّنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ اَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ الْعَرْشِ لَيْسَ اَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ يَقُوْمُ ذٰلِكَ الْمَقَامَ غَيْرِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ جَامِعِ الْاُصُوْلِ عَنْهُ اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ فَاُكْسٰى۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "(قیامت کے دن) مجھے جنت کے جوڑوں میں سے ایک

جوڑا پہنایا جائے گا اور پھر میں عرش کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا، جہاں میرے سوا مخلوق میں سے کوئی اور کھڑا نہیں ہوگا۔" اور جامع الاصول کی روایت میں، جو حضرت ابوہریرہؓ ہی سے منقول ہے، یوں ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور میں باہر آؤں گا، پھر مجھے ایک جنتی جوڑا پہنایا جائے گا الخ۔"

آنحضرت ﷺ کے لئے "وسیلہ" طلب کرو

(۲۷) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَسِيْلَةُ قَالَ اَعْلٰى دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ لَا يَنَالُهَا اِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ وَاَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (مسلمانو!) میرے لئے اللہ تعالیٰ سے "وسیلہ" مانگا کرو۔ صحابہؓ نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! یہ "وسیلہ" کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "جنت کے سب سے بڑے درجہ کا نام ہے جو صرف ایک شخص کو ملے گا اور میں امید رکھتا ہوں۔ "کہ وہ شخص میں ہوں۔" (ترمذی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا اُمت کے لوگوں سے اپنے لئے وسیلہ منگوانا اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی بیچارگی و محتاجگی کے اظہار کے لئے اور کسر نفسی کے طور پر ہے یا یہ مقصد ہے کہ میری اُمت کے لوگ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کی درخواست کیا کریں گے۔ تو اس کی وجہ سے ان ہی لوگوں کو فائدہ ہوگا اور ثواب پائیں گے اور یا یہ کہ اس حکم کے ذریعہ آپ ﷺ نے اُمت کے لوگوں کو باہمی الفت و تعلق کے اظہار کا یہ طریقہ بتایا کہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے ہر عزیز اور ہر دوست کی ترقی درجات اور بلندی و مراتب کی دعا کیا کرے۔

"اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ شخص میں ہوں۔" آپ ﷺ نے یہ بات بھی اظہار تواضع و انکساری اور بارگاہ رب العزت میں پاس ادب کی بنا پر فرمائی ورنہ یہ طے شدہ ہے کہ جنت کا وہ سب سے بڑا درجہ جس کو "وسیلہ" سے تعبیر کیا گیا ہے صرف آپ ﷺ ہی کو ملے گا۔

آنحضرت ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام کے امام ہوں گے

(۲۸) وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ كُنْتُ اِمَامَ النَّبِيِّيْنَ وَخَطِيْبَهُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ غَيْرَ فَخْرٍ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابی ابن کعبؓ، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب قیامت کا دن ہوگا تو میں (مقام محمود میں کھڑا ہوں گا اور) تمام انبیاء کا امام و پیشوا بنوں گا (جب ان میں کوئی بھی بولنے پر قادر نہیں ہوگا تو میں ان کی ترجمانی کروں گا، اور سب کی شفاعت و سفارش کروں گا، اور میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا۔" (ترمذی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آنحضرت

(۲۹) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ وُلَاةً مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ وَلِيِّيْ اَبِيْ وَخَلِيْلُ رَبِّيْ ثُمَّ قَرَاَ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "ہر پیغمبر کے پیغمبروں سے ایک ایک رفیق اور ولی ہیں پس پیغمبروں میں سے جو پیغمبر میرے رفیق اور ولی ہیں وہ میرے باپ اور پروردگار کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔" اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے (اپنے اس قول کی دلیل کے طور پر) یہ آیت پڑھی اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ" ترجمہ: بلاشبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ البتہ وہ

لوگ تھے جنہوں نے (ان کے زمانہ میں) ان کا اتباع کیا تھا اور یہ نبی (محمد ﷺ) ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، اور اللہ تعالیٰ حامی و کارساز ہیں ایمان والوں کے۔" (ترمذی)

آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد

(۳۰) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِیْ لِتَمَامِ مَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَکَمَالِ مَحَاسِنِ الْاَفْعَالِ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں اور اچھے کاموں کو پورا کروں۔" (شرح السنۃ)

تشریح: مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا پیغمبر اور رسول بنا کر اس مقصد سے بھیجا ہے کہ میں مخلوق خدا کی ہدایت کروں، اور ان کو ظاہری اخلاق و معاملات اور عادات و اطوار کے اعتبار سے بھی اور باطنی احوال و سیرت کے اعتبار سے بھی درجہ کمال پر پہنچادوں۔

تورات میں آنحضرت اور اُمّت محمدی ﷺ کے اوصاف کا ذکر

(۳۱) وَعَنْ کَعْبٍ یَحْکِیْ عَنِ التَّوْرٰۃِ قَالَ نَجِدُ مَکْتُوْبًا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَبْدِیَ الْمُخْتَارُ لَا فَظٌّ وَلَا غَلِیْظٌ وَلَا سَخَّابٌ فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا یَجْزِیْ بِالسَّیِّئَۃِ السَّیِّئَۃَ وَلٰکِنْ یَعْفُوْ وَیَغْفِرُ مَوْلِدُہٗ بِمَکَّۃَ وَھِجْرَتُہٗ بِطَیْبَۃَ وَمُلْکُہٗ بِالشَّامِ وَاُمَّتُہُ الْحَمَّادُوْنَ یَحْمَدُوْنَ اللّٰہَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ یَحْمَدُوْنَ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ مَنْزِلَۃٍ وَیُکَبِّرُوْنَہٗ عَلٰی کُلِّ شَرَفٍ رُعَاۃٌ لِلشَّمْسِ یُصَلُّوْنَ الصَّلٰوۃَ اِذَا جَاءَ وَقْتُھَا یَتَاَزَّرُوْنَ عَلٰی اَنْصَافِھِمْ وَیَتَوَضَّئُوْنَ عَلٰی اَطْرَافِھِمْ مُنَادِیْھِمْ یُنَادِیْ فِیْ جَوِّ السَّمَاءِ صَفُّھُمْ فِی الْقِتَالِ وَصَفُّھُمْ فِی الصَّلٰوۃِ سَوَآءٌ لَھُمْ بِاللَّیْلِ دَوِیٌّ کَدَوِیِّ النَّحْلِ ھٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِیْحِ وَرَوَی الدَّارِمِیُّ مَعَ تَغْیِیْرٍ یَسِیْرٍ۔

"اور حضرت کعب احبارؒ (جو ایک جلیل القدر تابعی ہیں اور مسلمان ہونے سے پہلے زبردست یہودی عالم تھے) تورات کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے (تورات میں) یہ لکھا ہوا پایا ہے: "محمد ﷺ اللہ کے رسول اور اس کے برگزیدہ بندے ہوں گے، وہ نہ درشت خو ہوں گے، اور نہ سخت گو، نہ بازاروں میں شور مچاتے ہوں گے، اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے لینے والے بلکہ معاف کردینے والے اور بخش دینے والے ہوں گے، ان کی پیدائش کی جگہ مکہ ہوگا، ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ) ہوگا اور ان کی حکومت کی جگہ ملک شام ہوگا، ان کی اُمت خدا کی بہت زیادہ حمد و تعریف اور شکر کرنے والی ہوگی جو ہر حالت میں کیا غمی، کیا خوشی اور کیا فراخی، کیا تنگی، خدا کی حمد و ثنا اور شکر کرے گی، وہ لوگ جہاں بھی اتریں گے یا ٹھہریں گے، خدا کا شکر بجالائیں گے اور جہاں بھی چڑھیں گے خدا کی بڑائی بیان کریں گے (یعنی جب اونچی جگہ پر چڑھیں گے تو اللہ اکبر کہیں گے) اور سورج کا لحاظ رکھا کریں گے، جب نماز کا وقت ہوگا نماز پڑھیں گے، اپنی کمر پر (یعنی ناف کے اوپر ازار باندھیں گے (یعنی ستر پوشی کا بہت زیادہ خیال رکھیں گے) جسم کے اعضاء پر وضو کریں گے (یعنی ہاتھ، پاؤں اور منہ دھوئیں گے اور پورا وضو کریں گے، ان کا منادی کرنے والا زمین و آسمان کے درمیان منادی کرے گا (یعنی موذن کسی بلند جگہ جیسے منارہ وغیرہ پر کھڑا ہو کر اذان دیا کرے گا) جنگ میں اور نماز میں ان کی صف یکساں ہوگی (یعنی وہ دشمنان اسلام کے خلاف میدان جنگ میں بھی صف بندی کے اصول و قواعد کی پابندی کریں گے اور باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے بھی اپنی صفیں استوار کریں گے) رات میں (اپنے نفس اور شیطان کی سرکوبی کے لئے عبادت کے وقت) ان کی آواز پست ہوگی (یعنی تسبیح و تہلیل اور ذکر و تلاوت ہلکی آواز سے کیا کریں گے) جیسے شہد کی مکھی کی آواز ہوتی ہے۔" مصابیح نے اس روایت کو انہی الفاظ کے ساتھ اور دارمیؒ نے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔"

تشریح: "ان کی حکومت کی جگہ ملک شام ہوگا" میں حکومت سے مراد دین و نبوت کے ثمرات و آثار کا ظاہر ہونا اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ خدا کا پرچم بلند ہونا ہے، چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی دعوت اسی ملک میں سب سے زیادہ پھیلی اور مسلمانوں کو جہاد بھی اسی علاقہ میں زیادہ کرنا پڑا، ورنہ جہاں تک آنحضرت ﷺ کی دینی و دنیاوی حکومت کا تعلق ہے اس کا دائرہ اثر کسی خاص ملک یا علاقہ تک محدود نہیں ہے بلکہ کسی نہ کسی حیثیت میں پورے عالم تک پھیلا ہوا ہے۔ یا اس جملہ کی یہ مراد ہے کہ آنحضرت ﷺ کا پایۂ تخت آپ ﷺ کی حیات اور خلفائے راشدین کے زمانہ کے بعد ملک شام کو منتقل ہو جائے گا، چنانچہ تاریخی طور پر ایسا ہی ہوا کہ حضرت معاویہؓ اور بنوامیہ کے زمانہ میں مسلمانوں کا دار الخلافہ ملک شام میں رہا۔

"سورج کا لحاظ رکھا کریں گے۔" کے ذریعہ نماز روزے اور دیگر عبادت کے ایام و اوقات کی پابندی و رعایت کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمان سورج کے طلوع و غروب اور زوال کے اعتبار سے اپنی نماز و عبادت کے اوقات کا دھیان رکھیں گے اور جو وقت جس عبادت کا متعین ہوگا اس میں اس عبادت کا اہتمام کریں گے۔ ایک روایت میں، جس کو حاکم نے عبد اللہ بن ابی اوفیٰؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے، فرمایا گیا ہے: "بلاشبہ خدا کے بندوں میں بہتر لوگ وہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے (اوقات کے تعین کی خاطر) سورج چاند ستاروں اور سایوں کا دھیان رکھتے ہیں۔

(۳۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ مَكْتُوْبٌ فِي التَّوْرٰةِ صِفَةُ مُحَمَّدٍ وَّعِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ يُدْفَنُ مَعَهُ قَالَ اَبُوْمَوْدُوْدٍ وَقَدْ بَقِيَ فِي الْبَيْتِ مَوْضِعُ قَبْرٍ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کہتے ہیں کہ تورات میں حضرت محمدؐ کے اوصاف کا ذکر ہے اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے حجرۂ اقدس میں جمع کئے جائیں گے۔ حضرت مودودؒ جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں) کا بیان ہے کہ (حضرت عائشہؓ کے) حجرۂ مبارک میں (جہاں آنحضرت ﷺ زیر زمین آرام فرما ہیں) ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔" (ترمذی)

تشریح: حجرہ مبارک میں، جہاں آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مدفون ہیں، تینوں قبروں کی ترتیب اس طرح ہے، کہ سب سے آگے قبلہ کی جانب سرکار دوعالم ﷺ کی قبر مبارک ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی قبر اس طرح ہے کہ جہاں آنحضرت ﷺ کا سینہ مبارک ہے وہاں حضرت ابوبکرؓ کا سر ہے، حضرت ابوبکرؓ کی قبر کے بعد حضرت عمرؓ کی قبر اس طرح ہے کہ جہاں حضرت ابوبکرؓ کا سینہ مبارک ہے وہاں حضرت عمرؓ کا سر ہے۔ اور حضرت عمرؓ کے پہلو میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے اس جگہ میں متعدد صحابہؓ نے دفن ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی لیکن خواہش و قصد کے باوجود کسی کو وہاں دفن ہونا نصیب نہ ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ قدرت کی حکمت اس جگہ کو خالی رکھنے ہی میں تھی تاکہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی جگہ دفن کئے جائیں۔ چنانچہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (اس دنیا میں اپنی عمر کے آخری حصے میں پہنچیں گے تو حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے جائیں گے، وہاں سے واپس آرہے ہوں گے کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان انتقال فرما جائیں گے، اور ان کی نعش مبارک مدینہ منورہ لائی جائے گی جہاں روضہ اقدس نبوی میں حضرت عمرؓ کے پہلو میں دفن کئے جائیں گے۔ اس طرح یہ دونوں صحابی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ، دو نبیوں کے درمیان تاقیامت آرام فرما رہیں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

انبیاء علیہم السلام پر اور آسمان والوں پر آنحضرت ﷺ کی فضیلت کی دلیل

(۳۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى فَضَّلَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ وَعَلٰى اَهْلِ السَّمَآءِ فَقَالُوْا يَا

اَبَاعَبَّاسٍ بِمَ فَضَّلَهُ اللّٰهُ عَلٰى اَهْلِ السَّمَآءِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ لِاَهْلِ السَّمَآءِ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالُوْا وَمَا فَضْلُهُ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ الْاٰيَةَ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ فَاَرْسَلَهُ اِلَى الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔

"حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے (ایک دن اپنی مجلس میں) فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام اور اہل آسمان (فرشتوں) پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ حاضرین مجلس نے (یہ سن کر) سوال کیا کہ اے ابو عباس! اہل آسمان پر آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کس طور پر فضیلت دی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے اہل آسمان سے تو یوں خطاب فرمایا۔"

(گویا اس خطاب میں نہ صرف یہ کہ نہایت سخت انداز اور رعب و دبدبہ کا اظہار کیا بلکہ سخت عذاب کی دھمکی بھی دی گئی جب کہ آنحضرت ﷺ کو خطاب فرمایا گیا تو بڑی ملائمت، مہربانی اور کرم و عنایت کا انداز اختیار فرمایا گیا چنانچہ) محمد ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ "(اے محمد ﷺ) ہم نے تمہارے لئے عظمتوں اور برکتوں کے دروازے پوری طرح کھول دیئے ہیں (جیسا کہ مکہ کا فتح ہونا) اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ نے تمہارے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ (اچھا یہ بتائے) تمام انبیاء پر آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کس طور سے فضیلت دی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء کی نسبت یوں فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ الآیۃ ہم نے ہر نبی کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ قوم کے سامنے خدا کے احکام و قوانین بیان کرے اور اللہ جس کو چاہتا ہے۔ گمراہ کرتا ہے الخ۔" جب کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے بارے میں یہ فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ یعنی: اے محمد (ﷺ) ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔"

تشریح: "اللہ نے تمہارے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں۔" اس آیت کے متعلق سوال اٹھتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ معصوم ہیں، آپ ﷺ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا، اور نہ کبھی کوئی گناہ آپ ﷺ سے سرزد ہوا تو پھر یہ کہنے کے کیا معنی کہ آپ ﷺ کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دئے گئے؟ چنانچہ مفسرین اور شارحین اس آیت کی مختلف تاویلیں اور توجیہیں کرتے ہیں، ان میں سے سب سے بہتر تاویل یہ سمجھی جاتی ہے کہ آیت قرآنی کا یہ فقرہ اپنے اصل لفظی معنی پر محمول نہیں ہے بلکہ اس سے محض آنحضرت ﷺ کے تئیں کمال عنایت و مہربانی اور آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیت و عظمت کا اظہار مقصود ہے، اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جب کوئی آقا اپنے کسی غلام کی تابعداری سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اور اس کے تئیں کمال رضا و خوشنودی کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو اس سے یہ کہتا ہے کہ جا میں نے تجھے بالکل معافی دے دی، تیری ساری خطائیں معاف تجھ پر کوئی دار و گیر نہیں۔ چاہے اس غلام سے کبھی بھی کوئی خطا سرزد نہ ہوئی ہو۔

"پس اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جن و انساں دونوں کا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔" کے ذریعہ حضرت ابن عباسؓ نے الفاظ قرآنی "کافۃ للناس" کی وضاحت فرمائی اگرچہ یہاں صرف "انسان" کا ذکر ہے اور وہ بھی اس بنا پر کہ اشرف المخلوقات انسان ہی ہے، لیکن مراد "جن و انسان" دونوں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو انسانوں کی طرف بھی مبعوث فرمایا ہے اور جنات کی طرف بھی، اس کی دلیل متعدد آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ میں موجود ہے۔ اس آیت کا اصل مقصد اس حقیقت کو واضح کرنا ہے، کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت کسی خاص علاقہ یا انسانوں کے کسی خاص طبقہ کے لئے نہیں، بلکہ آپ کی بعثت تمام نوع انسانی کی طرف ہوئی ہے اور اس حقیقت کی وضاحت بھی اس لئے کی گئی ہے تاکہ ان اہل کتاب کی تردید ہو جائے جو کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کی رسالت تو صرف عرب

والوں کے لئے ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنی نبوت کو کیسے جانا

(۳۴) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ الْغِفَارِیِّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ عَلِمْتَ اَنَّکَ نَبِیٌّ حَتّٰی اسْتَیْقَنْتَ فَقَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ اَتَانِیْ مَلَکَانِ وَاَنَا بِبَعْضِ بَطْحَاءِ مَکَّۃَ فَوَقَعَ اَحَدُھُمَا اِلَی الْاَرْضِ وَکَانَ الْاٰخَرُ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَقَالَ اَحَدُھُمَا لِصَاحِبِہٖ اَھُوَ ھُوَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَزِنْہُ بِرَجُلٍ فَوُزِنْتُ بِہٖ فَوَزَنْتُہٗ ثُمَّ قَالَ زِنْہُ بِعَشَرَۃٍ فَوُزِنْتُ بِھِمْ فَرَجَحْتُھُمْ ثُمَّ قَالَ زِنْہُ بِمِائَۃٍ فَوُزِنْتُ بِھِمْ فَرَجَحْتُھُمْ ثُمَّ قَالَ زِنْہُ بِاَلْفٍ فَوُزِنْتُ بِھِمْ فَرَجَحْتُھُمْ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَیْھِمْ یَنْتَثِرُوْنَ عَلَیَّ مِنْ خِفَّۃِ الْمِیْزَانِ قَالَ فَقَالَ اَحَدُھُمَا لِصَاحِبِہٖ لَوْ وَزَنْتَہٗ بِاُمَّتِہٖ لَرَجَحَھَا۔ (رواھما الدارمی)

"اور حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ میں نے (ایک دن) عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ (ﷺ) نے کیسے جانا کہ آپ (ﷺ) نبی ہیں اور پھر آپ (ﷺ) کو اپنی نبوت کا یقین کیونکر ہوا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "ابوذر! میں بطحائے مکہ میں ایک جگہ تھا کہ میرے پاس دو فرشتے آئے، ان میں سے ایک فرشتہ تو زمین پر اتر آیا اور دوسرا فرشتہ زمین و آسمان کے درمیان رہا، پھر ان میں سے ایک نے (میری طرف اشارہ کرکے) اپنے ساتھی فرشتہ سے پوچھا کہ کیا یہی وہ شخص ہیں جن کے بارے میں خدا نے ہمیں بتایا ہے کہ میرے ایک پیغمبر ہیں ان کے پاس جاؤ؟ اس فرشتہ نے جواب دیا کہ ہاں یہی وہ شخص ہیں۔ پھر پہلے فرشتے نے دوسرے فرشتے سے کہا کہ (ان پیغمبر کی اُمت میں سے) ایک آدمی کے ساتھ ان کو تول کر دیکھو، چنانچہ مجھے ایک آدمی کے ساتھ تولا گیا اور میں اس آدمی سے بھاری رہا۔ پھر اس فرشتہ نے کہا کہ اب دس آدمیوں کے ساتھ ان کو تولو۔ چنانچہ مجھے دس آدمیوں کے ساتھ تولا گیا اور میں ان دس آدمیوں سے بھی بھاری رہا، پھر اس فرشتہ نے کہا اچھا سو آدمیوں کے ساتھ ان کو تولو، چنانچہ مجھے سو آدمیوں کے ساتھ تولا گیا، اور میں ان سو آدمیوں کے مقابلہ میں بھی بھاری رہا، پھر اس فرشتہ نے کہا کہ اچھا اب ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ ان کو تولو، چنانچہ مجھے ہزار آدمیوں کے ساتھ تولا گیا اور میں ان ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں بھی بھاری رہا، اور گویا (اب بھی) میں ان ہزار آدمیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ جس پلڑے میں تھے وہ (میرے پلڑے کے مقابلہ میں) اتنا ہلکا تھا (اور اتنا اوپر اٹھ گیا تھا) کہ مجھے لگا جیسے وہ سب کے سب اب میرے اوپر گرے۔ اس کے بعد ان دونوں فرشتوں میں سے ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا کہ اگر تم ان کو ان کی ساری اُمت کے ساتھ بھی تولو تو یہ یقیناً ساری اُمت کے مقابلہ میں بھی بھاری رہیں گے۔" ان دونوں روایتوں کو دارمیؒ نے نقل کیا ہے۔"

حضور ﷺ پر ہر حالت میں قربانی فرض تھی

(۳۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُتِبَ عَلَیَّ النَّحْرُ وَلَمْ یُکْتَبْ عَلَیْکُمْ وَاُمِرْتُ بِصَلٰوۃِ الضُّحٰی وَلَمْ تُؤْمَرُوْا بِھَا۔ (رواہ الدار قطنی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "مجھ پر (ہر حالت میں) قربانی فرض کی گئی ہے (خواہ میں مالی استطاعت رکھوں یا نہ رکھوں) جب کہ تمہارے اوپر اس طرح فرض نہیں ہے (بلکہ اسی حالت میں فرض ہے جب تم مالی استطاعت رکھو) نیز مجھ کو چاشت کی نماز کا حکم (وجوب کے طور پر) دیا گیا ہے جب کہ تمہیں نہیں دیا گیا ہے بلکہ اس نماز کو تمہارے لئے صرف سُنّت قرار دیا گیا ہے۔"

(دار قطنی)

بَابُ اَسْمَاءِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَصِفَاتِہٖ
نبی کریم ﷺ کے اسماء مبارک اور صفات کا بیان

عنوان باب کے دو جز ہیں، ایک کا تعلق آنحضرت ﷺ کے اسماء مبارک کے ذکر سے ہے اور دوسرے کا تعلق صفات نبوی کے ذکر سے ہے لیکن یہاں "صفات" سے مراد آنحضرت ﷺ کے اخلاق و اطوار اور باطنی اوصاف نہیں ہیں جن کا ذکر دوسرے باب میں ہوگا، بلکہ "صفات" سے مراد آپ ﷺ کا حلیہ مبارک قد و قامت، اور ظاہری شکل و صورت ہے۔

اسمائے مبارک کی تعداد: آنحضرت ﷺ کے اسماء مبارک بہت ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر قرآن مجید میں ہے کچھ سابقہ آسمانی کتابوں میں پائے جاتے ہیں، کچھ کا ذکر انبیاء علیہم السلام کی زبان سے ہوا ہے اور کچھ احادیث میں مذکور ہیں۔ تاہم ان کی کل تعداد کے بارے میں کوئی ایک قول نہیں ہے۔ مواہب لدنیہ میں لکھا ہے: آنحضرت ﷺ کے نام اور القاب قرآن مجید میں بہت آئے ہیں، چنانچہ بعض علماء نے ننانوے نام جمع کئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء پاک کی بھی تعداد ہے، قاضی عیاض کا قول منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے تیس نام اپنے حبیب کے لئے مخصوص کئے ہیں۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اگر سابقہ آسمانی کتابوں اور قرآن و حدیث میں آنحضرت ﷺ کے نام تلاش کئے جائیں تو ان کی تعداد تین سو تک، اور ایک قول کے مطابق چار سو تک پہنچتی ہے۔ اور قاضی ابوبکر ابن العربی نے، جو مالکی مسلک کے بڑے عالموں میں سے ہیں لکھا ہے! بعض صوفیاء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور اس کے حبیب کے بھی ہزار نام ہیں اور یہ کہ "ناموں" سے مراد وہ اوصاف و صفات ہیں جن سے حضور ﷺ کی ذات متصف ہے اور ہر وصف و صفت سے ایک نام نکلتا ہے۔ سیوطیؒ نے بھی مستقل طور پر ایک کتاب تالیف کی ہے جس میں انہوں نے حضور ﷺ کے اسماء مبارک جمع کئے ہیں اور طیبیؒ نے بائیس نام ذکر کئے ہیں اور ان سب کی وضاحت کی ہے، جہاں تک مؤلف مشکوٰۃ شریف کا تعلق ہے تو انہوں نے اس باب میں صرف دو حدیثیں نقل کی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کے متعدد اسماء نقل کئے گئے ہیں۔

اصل اسم مبارک: آنحضرت ﷺ کا اصل نام جو سب سے زیادہ مشہور و رائج ہے "محمد" ہے یہ آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کا رکھا ہوا نام ہے۔ منقول ہے کہ جب عبدالمطلب سے کسی نے کہا کہ تم نے اپنے پوتے کا نام اپنے آباؤ اجداد کے نام پر کیوں نہیں رکھا اور ایک ایسے نام کو ترجیح دی جو تمہاری قوم اور تمہارے خاندان میں پہلے کسی کا نہیں رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا! میں نے اپنے پوتے کا یہ نام اس امید پر رکھا ہے کہ تمام دنیا والے اس کی توصیف میں رطب اللسان ہوں۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں! تاکہ آسمانوں پر اللہ تعالیٰ اس کی تعریف و توصیف کرے اور زمین پر دنیا والے رطب اللسان ہوں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے بہت پہلے حضرت عبدالمطلب نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ ان کی پشت سے چاندی کی ایک زنجیر نکلی جس کا ایک سلسلہ آسمان تک چلا گیا، ایک سلسلہ مشرق کی آخری حدوں تک اور ایک سلسلہ مغرب کی آخری حدوں تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد وہ زنجیر ایک تناور درخت میں تبدیل ہوگئی اور اس درخت کے پتہ پتہ پر نور پھیل گیا۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ ان نورانی پتوں کے نیچے مشرق سے لے کر مغرب تک کے لوگ جمع ہیں۔ عبدالمطلب نے بیدار ہونے کے بعد اس عجیب و غریب خواب کا ذکر لوگوں سے کیا، تعبیر دینے والوں نے اس خواب کو سن کر کہا کہ مبارک ہو، تمہاری نسل میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جس کی تابعداری کرنے والوں کا سلسلہ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوگا، اور زمین و آسمان میں اس کی تعریف ہی تعریف ہوگی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو حضرت عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام "محمد" رکھا۔ آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ نے بھی حاملہ ہونے کے بعد خواب میں دیکھا تھا کہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ تمہارے بطن میں اس امت کا سردار اور پیغمبر ہے، جب تمہارے ہاں ولادت ہو تو بچہ کا نام "محمد"

رکھنا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ آنحضرت کی پیدائش سے پہلے کبھی کسی کا نام "محمد" نہیں رکھا گیا تھا، ہاں اہل کتاب نے جب اپنی آسمانی کتابوں میں مذکور پیش گوئیوں کے مطابق لوگوں کو بتایا کہ وہ زمانہ آیا ہی چاہتا ہے جب خدا کے آخری پیغمبر پیدا ہوں گے اور ان کا نام "محمد" ہوگا تو یہ سن کر چار لوگوں نے اس آرزو میں اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا کہ شرف نبوت سے مشرف ہوں۔ تاہم یہ چار نام بھی آنحضرت ﷺ کے نام سے پہلے نہیں کہے جاسکتے کیونکہ ان چاروں نے بھی آنحضرت ﷺ کا نام "محمد" سن کر ہی اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے تھے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

اسماء نبوی ﷺ

① عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ لِيْ اَسْمَاءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِي الَّذِيْ يَمْحُوا اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمَيَّ وَاَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ۔ (متفق علیہ)

"حضرت جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "میرے متعدد نام ہیں جن میں سے میرا (مشہور) نام (ایک تو) محمد ہے اور (دوسرا) احمد ہے۔ میرا نام "ماحی" بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ کفر کو مٹاتا ہے، میرا نام "حاشر" بھی ہے، کہ لوگوں کو میرے نقش قدم پر اٹھایا جائے گا، اور میرا نام "عاقب" بھی ہے یعنی وہ شخص جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: بعض روایتوں میں "محمد" اور "احمد" کے ساتھ ایک نام "محمود" بھی منقول ہے، ان تینوں کا مادہ اشتقاق ایک ہی ہے یعنی "حمد" "محمود" کا مطلب ہے وہ ہستی جس کی ذات وصفات کی تعریف دنیا میں بھی کی گئی اور آخرت میں بھی۔ "محمد" کا مطلب وہ ہستی جس کی بے انتہا تعریف کی گئی۔ "احمد" کا مطلب ہے وہ ہستی جس کی تعریف اگلے پچھلوں اور سابقہ آسمانی کتابوں میں سب سے زیادہ کی گئی۔ "احمد" کے ایک معنی یہ بھی بیان ہوئے ہیں کہ وہ ہستی جو صاحب لوائے حمد ہو اور جو اپنے مولیٰ کی حمد وثنا اتنی زیادہ اور اتنے اچھوتے انداز میں کرے کہ کسی کے علم وگمان کی رسائی اس تک نہ ہو جیسا کہ قیامت کے دن مقام محمود میں ہوگا۔

"ماحی" کے معنی ہیں مٹانے والا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں اور رسولوں کی دعوت وتبلیغ کی بہ نسبت سب سے زیادہ آپ ﷺ ہی کی دعوت وتبلیغ کے ذریعہ کفر کو مٹایا۔

"عاقب" کے معنی ہیں سب سے پیچھے آنے والا۔ یعنی آنحضرت ﷺ ایسے وہ نبی اور رسول ہیں، جو تمام رسولوں اور نبیوں کے بعد اس دنیا میں تشریف لائے ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی ورسول اس دنیا میں مبعوث نہیں ہوگا۔

② وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَمِّيْ لَنَا نَفْسَهٗ اَسْمَاءً فَقَالَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَحْمَدُ وَالْمُقَفِّيْ وَالْحَاشِرُ وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ وَنَبِيُّ الرَّحْمَةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ہمارے سامنے اپنی ذات مبارک کے متعدد نام بیان فرمایا کرتے تھے، چنانچہ (ایک دن) آپ ﷺ نے فرمایا: "میں "احمد" ہوں میں "محمد" ہوں، میں "مقفی" (تمام پیغمبروں کے پیچھے آنے والا ہوں، میں حاشر (یعنی قیامت کے دن تمام لوگوں کو جمع کرنے والا ہوں میں توبہ کا نبی ہوں اور میں رحمت کا نبی ہوں۔" (مسلم)

تشریح: "توبہ کا نبی" یا تو اس اعتبار سے فرمایا کہ خلقت نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور آپ ﷺ کے سامنے پچھلی زندگی کے اعمال خواہ وہ کفر وشرک ہو یا گناہ ومعصیت سے بیزاری کا پختہ عہد کرکے دین اسلام کی کامل تابعداری کا اقرار کیا۔ یا یہ کہ آنحضرت ﷺ چونکہ توبہ

واستغفار بہت کرتے تھے اور رجوع الی اللہ آپ ﷺ کی زندگی کا بنیادی نقطہ و محور تھا، نیز یہ آپ ﷺ ہی کی ذات کا فیض تھا کہ آپ ﷺ کی اُمت کے لوگ اگر پختہ عہد یقین کے ساتھ زبان سے توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان کی زبانی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے جب کہ پچھلی امتوں کے لوگ اس وقت قابل معافی قرار نہیں پاتے تھے جب تک ان کے قصور اور جرم کی سزا قتل یا دوسری صورتوں میں ان کو نہ مل جاتی تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ کا نام "نبی التوبہ" بھی ہوا۔

"نبی الرحمۃ" یعنی رحمت کا نبی۔ یہ قرآن کریم سے ماخوذ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ۔

"ہم نے آپ ﷺ کو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

آنحضرت ﷺ اور کافروں کی گالیاں

(۳) وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تَعْجَبُوْنَ كَيْفَ يَصْرِفُ اللّٰهُ عَنِّىْ شَتْمَ قُرَيْشٍ وَلَعْنَهُمْ يَشْتِمُوْنَ مُذَمَّمًا وَيَلْعَنُوْنَ مُذَمَّمًا وَاَنَا مُحَمَّدٌ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن صحابہؓ سے) فرمایا کہ کیا تمہیں اس پر حیرت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو قریش مکہ کی گالیوں اور لعنتوں سے کس طرح محفوظ رکھا ہے!؟ وہ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور مذمم پر لعنت کرتے ہیں جب کہ میں "محمد" ہوں۔" (بخاری)

تشریح: "مذمم" معنی کے اعتبار سے "محمد" کی ضد ہے، یعنی وہ شخص جس کی مذمت و برائی کی گئی ہو۔ یہ لفظ قریش مکہ کے بغض و عناد کا مظہر تھا، وہ بدبخت آنحضور ﷺ کو "محمد" کہنے کے بجائے مذمم کہا کرتے تھے اور یہی نام لے لے کر آپ ﷺ کی شان میں بدزبانی کرتے اور آپ ﷺ پر لعن طعن کیا کرتے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کو تسلی دینے کے لئے فرمایا کرتے تھے کہ قریش مکہ جو بدزبانی کرتے ہیں اور سب وشتم کے تیر پھینکتے ہیں، ان سے آزردہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بدبخت تو مذمم کو اپنا نشانہ بناتے ہیں اور مذمم پر لعن طعن کرتے ہیں، اور میں مذمم نہیں ہوں بلکہ محمد ہوں، یہ تو اللہ کا فضل ہے کہ اس نے میرے نام محمد کو، جو میری ذات کا مظہر ہے، ان حاسدوں کی گالیوں اور لعن طعن کا نشانہ بننے سے بچا رکھا ہے۔

چہرۂ اقدس، بال مبارک اور مہر نبوت کا ذکر

(۴) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ شَمِطَ مُقَدَّمُ رَاْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ وَكَانَ اِذَا ادَّهَنَ لَمْ يَتَبَيَّنْ وَاِذَا شَعِثَ رَاْسُهٗ تَبَيَّنَ وَكَانَ كَثِيْرَ شَعْرِ اللِّحْيَةِ فَقَالَ رَجُلٌ وَجْهُهٗ مِثْلُ السَّيْفِ قَالَ لَا بَلْ كَانَ مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَكَانَ مُسْتَدِيْرًا وَرَاَيْتُ الْخَاتَمَ عِنْدَ كَتِفِهٖ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ يُشْبِهُ جَسَدَهٗ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ "رسول کریم ﷺ کے سر اور داڑھی کے اگلے حصہ میں کچھ بال سفید ہوگئے تھے جب آپ ﷺ بالوں میں تیل لگالیتے تو یہ سفیدی ظاہر نہیں ہوتی تھی، البتہ جب سر مبارک کے بال بکھرے ہوئے ہوتے تو یہ سفیدی جھلکنے لگتی تھی اور آنحضرت ﷺ کی داڑھی میں بہت زیادہ بال تھے جب حضرت جابرؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ حلیہ شریف بیان کیا تو) ایک شخص نے کہا آپ ﷺ کا چہرہ مبارک (چمک اور دمک میں) تلوار کی طرح تھا۔ حضرت جابرؓ نے کہا کہ نہیں بلکہ آفتاب و ماہتاب کی طرح تھا اور گولائی لئے ہوئے تھا۔ نیز میں نے آپ ﷺ کی مہر نبوت کو دیکھا جو شانہ کے قریب تھی، اور کبوتر کے انڈے کی طرح (گول) تھی، اس کی رنگت آپ ﷺ کے جسم مبارک کے رنگ کی سی تھی۔" (مسلم)

تشریح: تیل لگانے سے بال اکٹھا ہو کر جمے رہتے ہیں، اس لئے آپ ﷺ کے وہ سفید بال جو تعداد میں بہت کم تھے، تیل لگے بالوں میں نظر نہیں آتے تھے، اور جب آپ ﷺ کے بال خشک رہتے تھے، ان میں تیل نہیں ہوتا تھا تو وہ سفید بال جھلکنے لگتے تھے کیونکہ بغیر تیل کے بال بکھرے رہتے ہیں اور اگر کوئی ایک بھی سفید بال ہوتا ہے تو وہ نظر آنے لگتا ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ آخر عمر میں، جب کہ آپ ﷺ پر بڑھاپا طاری ہو گیا تھا، اس وقت بھی آپ ﷺ کے سر اور داڑھی میں سفید بالوں کی مجموعی تعداد بیس سے زیادہ نہیں تھی بلکہ ایک روایت میں اس سے بھی کم کا ذکر ہے۔

"داڑھی میں بہت زیادہ بال کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی داڑھی گھنی تھی، ہلکی نہیں تھی، جیسا کہ ایک روایت میں کث اللحیة کے الفاظ بھی ہیں، کہ آپ ﷺ گھنی داڑھی والے تھے۔ اس بارے میں کوئی واضح بات ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک کی درازی کیا تھی! تاہم آپ ﷺ کے صحابہؓ اور دوسرے بزرگوں کی ڈاڑھی کے بارے میں واضح روایتیں منقول ہیں۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت علیؓ کی ڈاڑھی اتنی لمبی چوڑی تھی کہ ان کا پورا سینہ کندھوں تک چھپا رہتا تھا، اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک مشت سے زیادہ ڈاڑھی نہیں رکھتے تھے، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کی ڈاڑھی بھی بہت لمبی چوڑی تھی، بہرحال داڑھی کو ایک مشت سے کم رکھنا روا نہیں ہے۔ البتہ ایک مشت سے زائد لمبی داڑھی ——— کے بارے میں مختلف روایات و آثار منقول ہیں۔

"بلکہ آفتاب و ماہتاب کی طرح تھا۔" اس شخص نے آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک کو جو تلوار سے مشابہت دی تو اس سے ایک گمان یہ بھی ہو سکتا تھا کہ آپ ﷺ کا چہرہ لمبوترا ہو گا جس کو بیضوی یا کتابی چہرہ کہا جاتا ہے، لہٰذا حضرت جابرؓ نے واضح فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا چہرہ لمبوترا نہیں تھا بلکہ گولائی لئے ہوئے تھا! واضح رہے کہ یہاں حدیث میں "مستدیر" کا جو لفظ ہے یا آفتاب و ماہتاب اور آئینہ کا جو ذکر آیا ہے تو اس سے یہ وہم بھی نہ ہونا چاہئے کہ آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک چاند و سورج کی مانند بالکل گول دائرہ کی طرح تھا ایک حدیث میں وضاحت ہے! لم یکن بالمکلثم "آنحضرت کا چہرۂ مبارک نہ بالکل گول تھا اور نہ بالکل لمبا بلکہ گولائی لئے ہوئے تھا" اسی لئے مستدیر کا ترجمہ گولائی لئے ہوئے کیا گیا ہے۔ ایک روایت میں بل مثل القمر کے الفاظ ہیں یعنی بلکہ چاند کی طرح تھا۔" ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ وکان وجهه قطعة قمر یعنی آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک ایسا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا روئے مبارک اس طرح روشن و تابناک تھا جیسے چودھویں کا چاند روشن ہوتا ہے۔ اور ایک حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ خوشی و مسرت کی حالت میں ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک آئینہ کی طرح ہوتا تھا کہ دیوار کا عکس آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک میں جھلکنے لگتا۔ مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ جہاں تک ان تشبیہوں کا تعلق ہے تو لوگوں نے اپنی سمجھ کے مطابق اور مروجہ اسلوب و تعبیر بیان کا سہارا لیتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے سراپا اور حسن و جمال کو مختلف چیزوں سے تشبیہ دی ہے ورنہ آنحضرت ﷺ کے جمال باکمال کی شوکت و جلالت اور آپ کے حسن و ملاحت کی تابندگی اور دلربائی سے کوئی بھی چیز مشابہت نہیں رکھ سکتی ۔۔

کسے بحسن ملاحت بیار مانہ رسد   ترا دریں سخن انکار کار مانہ رسد
ہزار نقش برآیدز کلک صنع ولے   یکے بخوبی نقش ونگار مانہ رسد

"میں نے آپ ﷺ کی مہر نبوت کو دیکھا جو شانہ کے قریب تھی۔" ایک اور روایت میں منقول ہے کہ مہر نبوت دونوں شانوں کے درمیان تھی، ان دونوں روایتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے دراصل وہ مہر نبوت بائیں شانہ کے قریب تھی، لہٰذا کسی نے تو یہ بیان کیا کہ شانہ کے قریب تھی اور کسی نے یہ کہا کہ دونوں شانوں کے درمیان تھی!

"اس کی رنگت آپ ﷺ کے جسم مبارک کے رنگ کی سی تھی" کا مطلب یہ ہے کہ مہر نبوت جسم پر کسی بدنما داغ یا دھبے کی

صورت میں نہیں تھی کہ وہ بدن مبارک سے الگ کوئی چیز معلوم ہوتی ہو بلکہ جس طرح آپ ﷺ کے جسم مبارک اور تمام اعضاء کا رنگ وروپ تھا اسی طرح مہر نبوت بھی تھی، اس کی آب وتاب اور رنگ وروپ میں جسم مبارک سے سرمو فرق نہیں تھا۔

مہر نبوت کی حقیقت: مہر نبوت آنحضرت ﷺ کے بدن مبارک پر ولادت ہی کے وقت سے تھی اور اس کی صورت یہ تھی کہ آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان کبوتر کے انڈے کے برابر ایک جگہ بیضوی شکل میں جسم مبارک سے کچھ ابھری ہوئی تھی، یہی مخصوص ابھار "خاتم نبوت (یعنی نبوت کی مہر اور علامت) کہلاتا تھا، اس مہر نبوت کی مقدار اور رنگت کے بارے میں روایتیں کچھ مختلف ہیں لیکن ان روایتوں کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ اس کا حجم گھٹتا بڑھتا رہتا تھا، اور اس کی رنگت بھی مختلف ہوتی رہتی تھی، اس طرح اس بارے میں بھی مختلف روایتیں ہیں کہ اس مہر نبوت پر کچھ لکھا ہوا تھا یا نہیں؟ بعض روایتوں میں ہے کہ اس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ مہر نبوت پر یہ عبارت تھی: وحدہ لاشریک لہ توجہ حیث کنت فانک منصور روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ مہر نبوت میں اتنی نورانیت اور اس قدر چمک تھی کہ اس پر آنکھیں نہیں ٹھہرتی تھیں آنحضرت ﷺ کی اس مہر نبوت کا ذکر پچھلی آسمانی کتابوں تورات اور انجیل وغیرہ میں موجود تھا، اور انبیاء ؑ آخر زمانہ میں آنحضرت ﷺ کے ظہور کی جو بشارت دیتے تھے تو یہ علامت خاص طور پر بتاتے تھے کہ ان کی پشت پر مہر نبوت ہوگی۔ حاکم نے مستدرک میں وہب ابن منبہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایسا کوئی نبی اور رسول نہیں گذرا جس کے داہنے ہاتھ پر نبوت کا نشان (یعنی مہر نبوت) نہ ہو مگر ہمارے آقا ﷺ کی نبوت کا نشان آپ کی پشت مبارک پر دونوں شانوں کے درمیان تھا اور اس شان کی حیثیت مہر کی سی تھی جو کسی فرمان ودستاویز کو تغیر وتبدل سے محفوظ رکھنے کے لئے اس پر ثبت کی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کی اس مہر نبوت کو ظاہری چیزوں جیسے کبوتر کے انڈے وغیرہ سے تشبیہ دینا لوگوں کو سمجھانے کے لئے ہے ورنہ اس کی اصل حقیقت ایک ایسا سر عظیم اور قدرت کی نادر نشانی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

مہر نبوت کہاں تھی

⑤ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَرْجَسٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَكَلْتُ مَعَهُ خُبْزًا وَلَحْمًا اَوْقَالَ ثَرِيْدًا ثُمَّ دُرْتُ خَلْفَهُ فَنَظَرْتُ اِلٰى خَاتِمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ عِنْدَ نَاغِضِ كَتِفِهِ الْيُسْرٰى جُمْعًا عَلَيْهِ خِيْلَانٌ كَاَمْثَالِ الثَّاٰلِيْلِ۔

(رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن سرجس ؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کی زیارت اور آپ کے ساتھ کھانا کھانے کا شرف حاصل کیا، کھانا، روٹی اور گوشت تھا، یا انہوں نے یہ کہا کہ۔ ثرید تھا (یعنی روٹی کے ٹکڑے شوربے میں بھگوئے ہوئے تھے)۔ پھر میں آپ ﷺ کی پشت کی طرف آیا اور مہر نبوت ﷺ کو دیکھا جو آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان بائیں شانہ کی نرم ہڈی کے پاس تھی اور (ہیئت کے اعتبار سے) مٹھی کی مانند تھی اور اس پر مسوں کی مانند تل تھے۔" (مسلم)

بچوں پر شفقت

⑥ وَعَنْ اُمِّ خَالِدٍ بِنْتِ خَالِدِ بْنِ سَعِيْدٍ قَالَتْ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثِيَابٍ فِيْهَا خَمِيْصَةٌ سَوْدَاءُ صَغِيْرَةٌ فَقَالَ ائْتُوْنِيْ بِاُمِّ خَالِدٍ فَاُتِيَ بِهَا تُحْمَلُ فَاَخَذَ الْخَمِيْصَةَ بِيَدِهٖ فَاَلْبَسَهَا قَالَ اَبْلِيْ وَاَخْلِقِيْ ثُمَّ اَبْلِيْ وَاَخْلِقِيْ وَكَانَ فِيْهَا عَلَمٌ اَخْضَرُ اَوْ اَصْفَرُ فَقَالَ يَا اُمَّ خَالِدٍ هٰذَا سَنَاهُ وَهِيَ بِالْحَبَشِيَّةِ حَسَنَةٌ قَالَتْ فَذَهَبْتُ اَلْعَبُ بِخَاتِمِ النُّبُوَّةِ فَزَبَرَنِيْ اَبِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهَا۔ (رواہ البخاری)

"اور خالد ابن سعید کی بیٹی ام خالد کہتی ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کے پاس (ہدیہ میں) کچھ کپڑے آئے جن میں ایک چھوٹی سی کملی بھی

تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ام خالد کو میرے پاس لاؤ۔ آپ ﷺ نے وہ کملی اٹھائی اور اپنے ہاتھ سے ام خالد کو اڑھادی اور پھر (جیسا کہ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ جب کوئی نیا کپڑا پہنتا تو اس کو دعا دیتے) ام خالد کو یہ دعا دی: اس کپڑے کو پرانا کرو اور پھر پرانا کرو یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز کرے اور بار بار تمہیں کپڑا استعمال کرنا اور بہت کپڑا پہننا نصیب ہو۔ اس کملی میں سبز یا زرد نشان بنے ہوئے تھے! آپ ﷺ نے فرمایا: "ام خالد! یہ کپڑا تو بہت عمدہ ہے۔ اور لفظ سناہ (جس کا ترجمہ "بہت عمدہ" کیا گیا ہے) حبشی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی عمدہ اور بہترین کے ہیں۔ ام خالد کہتی ہیں کہ پھر میں (آنحضرت ﷺ کی پشت مبارک کی طرف چلی) گئی اور (بچپن کی ناسمجھی کی بنا پر) مہر نبوت سے کھیلتی رہی، میرے باپ نے (یہ دیکھا تو) مجھے ڈانٹنے اور منع کرنے لگے، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اس کو کھیلنے دو، منع نہ کرو۔" (بخاریؒ)

آنحضرت ﷺ کے قد و قامت وغیرہ کا ذکر

(۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلاَ بِالْقَصِيْرِ وَلَيْسَ بِالْاَبْيَضِ الْاَمْهَقِ وَلاَ بِالْاٰدَمِ وَلَيْسَ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلاَ بِالسَّبْطِ بَعَثَهُ اللّٰهُ عَلٰى رَاْسِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَاَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَلٰى رَاْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً وَلَيْسَ فِيْ رَاْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَصِفُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلاَ بِالْقَصِيْرِ اَزْهَرَ اللَّوْنِ وَقَالَ كَانَ شَعْرُ رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَنْصَافِ اُذُنَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ بَيْنَ اُذُنَيْهِ وَعَاتِقِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَ كَانَ ضَخْمَ الرَّاْسِ وَالْقَدَمَيْنِ لَمْ اَرَ بَعْدَهٗ وَلاَ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَكَانَ بَسْطَ الْكَفَّيْنِ وَفِيْ اُخْرٰى لَهٗ قَالَ كَانَ شَثْنَ الْقَدَمَيْنِ وَالْكَفَّيْنِ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا قد نہ تو بہت لمبا تھا اور نہ ٹھگنا، آپ ﷺ کا رنگ نہ بالکل سفید تھا اور نہ بالکل گندمی یعنی مائل بہ سیاہی، آپ ﷺ کے سر کے بال نہ بالکل خمدار تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس وقت مبعوث فرمایا (یعنی منصب رسالت پر فائز کیا) جب کہ آپ ﷺ کی عمر پورے چالیس سال کی ہوگئی تھی، پھر آپ ﷺ نے دس سال مکہ میں قیام فرمایا اور دس سال مدینہ میں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ساٹھ سال کی عمر میں وفات دی، اس وقت آپ ﷺ کے سر مبارک اور ڈاڑھی میں صرف بیس بال سفید تھے۔" ایک اور روایت میں حضرت انسؓ نے نبی کریم ﷺ کی اوصاف بیان کرتے ہوئے یہ کہا کہ آنحضرت لوگوں میں میانہ قد تھے، نہ لانبے تھے نہ ٹھگنے، آپ ﷺ کا رنگ نہایت صاف اور چمکدار تھا۔ حضرت انسؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ آپ ﷺ کے سر کے بال آدھے کانوں تک تھے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (آپ ﷺ کے سر کے بال) کانوں اور شانوں کے درمیان تک لمبے تھے۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) ایک اور روایت میں، جس کو بخاریؒ نے نقل کیا ہے اس طرح ہے کہ حضرت انسؓ نے بیان کیا: آنحضرت ﷺ کا سر مبارک بڑا تھا اور پاؤں پرگوشت تھے، میں نے آپ جیسا (وجیہہ و شکیل انسان) نہ تو آپ ﷺ سے پہلے دیکھا تھا اور نہ آپ ﷺ کے بعد دیکھا اور آپ ﷺ کی ہتھیلیاں فراخ تھیں۔" بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ نے بیان کیا! آنحضرت ﷺ کو دونوں بازو اور ہتھیلیاں گداز اور پرگوشت تھیں۔

تشریح: قد نہ تو بہت لمبا تھا نہ ٹھگنا۔" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا قد میانہ مائل بہ درازی تھا جس کو ہمارے محاورے میں نکلتا قد کہتے ہیں۔ بعض روایتوں میں جو یہ آیا ہے کہ آنحضرت کسی مجمع میں کھڑے ہوتے تو سب سے بلند دکھائی دیتے تھے، اگرچہ اس مجمع میں دراز قد لوگ بھی ہوتے تھے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ کا قد بہت زیادہ دراز تھا، بلکہ اس کا مقصد آپ ﷺ کی اعجازی حیثیت کو بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات کو جو عظمت و رفعت عطا فرمائی تھی وہ ہر موقع پر آپ ﷺ کے قد و قامت سے بھی

ظاہر ہوتی تھی یہاں تک کہ اگر آپ دراز قد لوگوں کے ساتھ کھڑے ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ ہی کے وجود کو سب سے زیادہ نمایاں رکھتا تھا۔

"آپ ﷺ کا رنگ نہ بالکل سفید تھا......الخ۔" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی رنگت نہ تو چونے کی طرح بالکل سفید تھی جس میں سرخی کی جھلک بھی نہیں ہوتی اور نہ بہت گہری گندمی تھی بلکہ ایسی گندم گوں تھی جس کو سرخ سفید رنگ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے سر مبارک کے بال نہ تو اتنے زیادہ گھونگھریالے تھے جیسے افریقی اور حبشی لوگوں کے ہوتے ہیں اور نہ بالکل سیدھے تھے بلکہ ان دونوں کے بیچ بیچ تھے۔

مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے قیام کی مدت دس سال تو بالاتفاق ثابت ہے اور اس میں کوئی اختلافی روایت نہیں ہے لیکن منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد مکہ میں قیام کی مدت کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں۔ تحقیقی طور پر جو قول زیادہ صحیح مانا گیا ہے وہ تیرہ سال کی مدت کا ہے، اس اعتبار سے آنحضرت ﷺ کی عمر تریسٹھ سال ہوتی ہے، پس اس روایت میں جو ساٹھ سال کہا گیا ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ راوی نے اس راویت میں کسور کے ذکر کو اہمیت نہ دیتے ہوئے تیرہ سال کو تو دس سال کہا، اور تریسٹھ سال کو ساٹھ سال کہا، کیونکہ اس زمانہ میں عام طور پر یہ رواج تھا کہ اعداد و شمار کو بیان کرتے وقت کسور کو ذکر کرنا زیادہ ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے سر کے بالوں کی لمبائی کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں، دو روایتیں تو یہاں نقل ہوئیں، ایک روایت میں "دونوں کانوں کی لو تک" کے الفاظ ہیں اور ایک روایت میں "کاندھوں کے قریب تک" کا ذکر ہے۔ روایتوں کے اس اختلاف کا سبب دراصل یہ ہے کہ جس وقت آپ ﷺ اپنے بالوں کو تیل اور کنگھی سے آراستہ کئے ہوئے ہوتے اس وقت بال لمبے معلوم ہوتے اور جب بالوں میں نہ تیل ہوتا اور نہ آپ ﷺ کنگھی کئے ہوئے ہوتے تو اس وقت بال چھوٹے معلوم ہوتے، اس طرح جیسا کہ مجمع البحار میں لکھا ہے، جب بالوں کی اصلاح کرائے ہوئے زیادہ دن گذر جاتے تھے تو قدرتی طور پر بال لمبے ہو جاتے تھے اور جب اصلاح کرا لیتے تھے تو بالوں کی لمبائی کم ہو جاتی تھی، جس شخص نے ان میں سے جس حالت میں آپ ﷺ کے بالوں کو دیکھا اس کے مطابق ان کی لمبائی کو ذکر کیا۔ مجمع البحار کی اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ وقتاً فوقتاً اپنے بالوں کو موزوں مقدار میں کٹواتے رہتے تھے، جہاں تک بالوں کو منڈوانے اور سر بالکل صاف کرانے کا تعلق ہے تو اس کا ثبوت کسی روایت سے نہیں ملتا۔ ہاں صرف حج اور عمرے کے موقع پر آپ ﷺ کا سر منڈوانا ضرور ثابت ہے۔

"سر مبارک بڑا اور پاؤں پر گوشت تھے۔" پیروں کا موٹا یعنی پر گوشت ہونا شجاعت اور ثابت قدمی کی علامت ہے جب کہ سر کا بڑا ہونا سرداری عظمت اور عقلمندی کی نشانی سمجھا جاتا ہے اسی لئے عرب میں بڑے سر والے کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اس کے برخلاف سر کا چھوٹا ہونا عیب اور کم عقلی کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی دونوں ہتھیلیاں بھی بہت گداز اور پر گوشت تھیں اور یہ چیز بھی قوت و شجاعت کی علامت مانی جاتی ہے۔

⑧ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرْبُوْعًا بعيد مَابَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ لَهُ شَعْرٌ بَلَغَ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ رَاَيْتُهُ فِيْ حُلَّةٍ حَمْرَآءَ لَمْ اَرَ شَيْئًا قَطُّ اَحْسَنَ مِنْهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ مَارَاَيْتُ مِنْ ذِيْ لِمَّةٍ اَحْسَنَ فِيْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَعْرُهٗ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ بَعِيْدُ مَابَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ۔

"اور حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ میانہ قد تھے اور آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کافی کشادگی تھی (جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کا سینہ مبارک بہت چوڑا تھا) آپ ﷺ کے سر کے بال کانوں کی لو تک تھے اور میں نے آپ ﷺ کو سرخ لباس میں (جو یمنی کپڑے کے تہبند اور چادر پر مشتمل تھا) دیکھا (اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ) میں نے آنحضرت ﷺ سے زیادہ حسین کوئی چیز

نہیں دیکھی۔" بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت براء نے کہا: "میں نے کوئی بالوں والا آدمی سرخ لباس میں رسول کریم ﷺ سے زیادہ حسین و وجیہہ نہیں دیکھا، آپ ﷺ کے سر کے بال مونڈھوں تک تھے۔ آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کافی کشادگی تھی۔ اور آپ ﷺ کا قد نہ بہت لمبا تھا اور نہ ٹھگنا۔"

تشریح: محدثین نے تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ "سرخ لباس" سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک پر جس کپڑے کا تہبند اور چادر تھی اس میں سرخ دھاریاں تھیں، اسی طرح جن حدیثوں میں "سبز لباس" کا ذکر ہے، اس سے بھی یہی مراد ہے کہ وہ لباس ایسے کپڑے کا تھا جس میں سبز دھاریاں تھیں۔

عربی میں انسان کے سر کے بالوں کے لئے عام طور پر تین لفظ مستعمل ہوتے ہیں، ایک جُمَّہ ہے، اس سے مراد وہ بال ہوتے ہیں جو کان کی لو سے اتنے نیچے تک ہوں کہ کاندھوں تک پہنچ جائیں اور کبھی اس لفظ کا اطلاق مطلق بالوں پر بھی ہوتا ہے خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔ دوسرا لفظ لِمَّہ ہے، یہ لفظ بالوں کی اس زلف کے لئے استعمال ہوتا ہے جو کانوں کی لو سے متجاوز ہو، لیکن کاندھوں تک نہ پہنچی ہو، اور تیسرا لفظ "وَفْرَہ" ہے، جو کانوں کی لو تک لٹکے ہوئے بالوں کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۹) وَعَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَلِيْعَ الْفَمِ اَشْكَلَ الْعَيْنِ مَنْهُوْشَ الْعَقِبَيْنِ قِيْلَ لِسِمَاكٍ مَاضَلِيْعُ الْفَمِ قَالَ عَظِيْمُ الْفَمِ قِيْلَ مَا اَشْكَلُ الْعَيْنِ قَالَ طَوِيْلُ شَقِّ الْعَيْنِ قِيْلَ مَامَنْهُوْشُ الْعَقِبَيْنِ قَالَ قَلِيْلُ لَحْمِ الْعَقِبِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سماک ابن حرب، حضرت جابر ابن سمرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول کریم ﷺ کشادہ دہن تھے آپ ﷺ کی آنکھوں میں سرخی ملی ہوئی تھی اور ایڑیاں کم گوشت تھیں (راوی کہتے ہیں کہ) حضرت سماکؒ سے پوچھا گیا کہ "ضليع الفم" سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اس کے معنی ہیں بڑے منہ والا! ان سے پوچھا گیا کہ "اشكل العين" کے کیا معنی ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کے معنی ہیں دائرہ چشم کا بڑا ہونا! پھر ان سے پوچھا گیا کہ "منهوش العقبين" کے کیا معنی ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ ایڑیاں جن پر گوشت کم ہو۔" (مسلم)

تشریح: "کشادہ دہن" سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے منہ کا بایا بڑا تھا اور یہ چیز عرب میں مردوں کے لئے قابل تعریف سمجھی جاتی ہے جب کہ کسی مرد کے منہ کا بایا چھوٹا ہونا ایک عیب مانا جاتا ہے۔ اور بعض حضرات نے "کشادہ دہنی" سے فصاحت وبلاغت مراد لی ہے۔

"آنکھوں کی سفیدی میں سرخی" سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی آنکھوں میں سرخ ڈورے بہت نمایاں تھے! واضح رہے، کہ حضرت سماکؒ نے "اشکل العین" کے جو یہ معنی بیان کئے کہ دائرہ چشم کا بڑا ہونا" تو یہ ان کا سہو ہے، اصل معنی وہی ہیں جو ترجمہ میں ذکر کئے گئے ہیں، تمام ائمہ لغت نے بھی اس لفظ کے یہی معنی لکھے ہیں۔

(۱۰) وَعَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَبْيَضَ مَلِيْحًا مُقَصَّدًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوطفیلؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ سفید ملیح رنگ کے تھے نیز متوسط القامت اور تناسب الاعضاء تھے۔" (مسلم)

آنحضرت ﷺ نے خضاب استعمال نہیں کیا

(۱۱) وَعَنْ ثَابِتٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ عَنْ خِضَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهُ لَمْ يَبْلُغْ مَا يَخْضِبُ لَوْ شِئْتُ اَنْ اَعُدَّ شَمَطَاتِهِ فِيْ لِحْيَتِهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَوْ شِئْتُ اَنْ اَعُدَّ شَمَطَاتٍ كُنَّ فِيْ رَاْسِهِ فَعَلْتُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّمَا كَانَ الْبَيَاضُ فِيْ عَنْفَقَتِهِ وَفِي الصُّدْغَيْنِ وَفِي الرَّاْسِ نُبَذٌ۔

"اور حضرت ثابتؒ کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے رسول کریم ﷺ کے خضاب کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: "آنحضرت ﷺ کی عمر اتنی کہاں ہوئی تھی کہ خضاب استعمال فرماتے، اگر میں آپ ﷺ کی ڈاڑھی کے سفید بالوں کو گننا چاہتا تو یقیناً گن سکتا تھا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اگر میں آپ ﷺ کے سر کے بالوں کو گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔" (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت انسؓ نے کہا: "بالوں کی سفیدی آپ ﷺ کی ڈاڑھی کے نیچے کے حصہ میں اور کن پٹیوں میں تھی اور کچھ سر مبارک میں۔"

تشریح: "آنحضرت ﷺ کی عمر اتنی کہاں ہوئی تھی...... آلخ" سے مراد یہ ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ کا وصال جس عمر میں ہوا وہ کوئی ایسی عمر نہیں تھی جس میں آدمی پر خالص بڑھاپا طاری ہو جاتا ہو، اس عمر کو زیادہ سے زیادہ بڑھاپے کی ابتدا کہا جا سکتا ہے، ظاہر ہے کہ اس عمر میں آنحضرت ﷺ کے بال اتنے زیادہ سفید نہیں ہوئے تھے کہ خضاب کی ضرورت پیش آتی، جو تھوڑے بہت ہو گئے تھے اس کی مقدار اتنی کم تھی کہ بادی النظر میں معلوم بھی نہیں ہوتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی ہتھیلیاں حریر و دیباج سے زیادہ ملائم اور آپ ﷺ کا پسینہ مشک و عنبر سے زیادہ خوشبودار تھا

⑫ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَزْهَرَ اللَّوْنِ كَانَ عَرَقُهُ اللُّؤْلُؤُ اِذَا مَشٰى تَكَفَّأَ وَمَا مَسِسْتُ دِيْبَاجَةً وَلَا حَرِيْرًا اَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا شَمِمْتُ مِسْكًا وَلَا عَنْبَرَةً اَطْيَبَ مِنْ رَائِحَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ دمکتے ہوئے رنگ کے تھے اور آپ ﷺ کے پسینے کے قطرے (ہیئت و چمک اور صفائی میں) موتی کی طرح ہوتے تھے، جب آپ ﷺ راستہ چلتے تو آگے کی طرف جھکے ہوئے چلتے، اور میں نے کسی دیباج و حریر کو بھی رسول کریم ﷺ کی ہتھیلیوں سے زیادہ ملائم اور نرم نہیں پایا اور نہ میں نے کوئی ایسا مشک و عنبر سونگھا جس میں نبی کریم ﷺ کے بدن مبارک کی خوشبو سے زیادہ خوشبو ہو۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "آگے کی جانب جھکے ہوئے چلتے۔" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی چال اور رفتار میں بھی ایک خاص قسم کا ایسا وقار ہوتا تھا، جس میں انکساری شامل ہو، اور یہ چال ایسی ہوتی تھی جیسے کوئی شخص بلند زمین سے نشیب میں اتر رہا ہو۔ یا اس جملہ کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ جب چلتے تو اس اعتماد اور وقار کے ساتھ قدم اٹھاتے جس طرح کوئی بہادر اور قوی و توانا شخص اپنے قدم اٹھاتا ہے، یہ نہیں تھا کہ چلتے وقت آپ ﷺ کی چال میں کوئی ڈگمگاہٹ یا غیر توانائی محسوس ہوتی ہو اور یا زمین پر پاؤں گھسیٹتے ہوئے چلتے ہوں۔

پسینہ مبارک

⑬ وَعَنْ اُمِّ سُلَيْمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْتِيْهَا فَيَقِيْلُ عِنْدَهَا فَتَبْسُطُ نِطَعًا فَيَقِيْلُ عَلَيْهِ وَكَانَ كَثِيْرَ الْعَرَقِ فَكَانَتْ تَجْمَعُ عَرَقَهُ فَتَجْعَلُهُ فِي الطِّيْبِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اُمَّ سُلَيْمٍ مَا هٰذَا قَالَتْ عَرَقُكَ نَجْعَلُهُ فِيْ طِيْبِنَا وَهُوَ مِنْ اَطْيَبِ الطِّيْبِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرْجُوْ بَرَكَتَهُ لِصِبْيَانِنَا قَالَ اَصَبْتِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ام سلیمؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے یہاں آکر قیلولہ فرمایا کرتے تھے (یعنی دوپہر کے وقت ان کے یہاں استراحت کے لئے تشریف لایا کرتے تھے) چنانچہ ام سلیمؓ آپ ﷺ کے لئے چمڑے کا بستر بچھا دیتیں اور آپ ﷺ اسی پر قیلولہ فرماتے۔ آنحضرت ﷺ کو پسینہ زیادہ آیا کرتا تھا (کیونکہ آپ ﷺ کثیر الحیا تھے) ام سلیمؓ آپ ﷺ کا پسینہ جمع کر کے اپنے عطر میں ملا لیتی تھیں)

(ایک دن) آنحضرت ﷺ نے (ان کو پسینہ جمع کرتے دیکھا تو) پوچھا کہ ام سلیم! یہ تم کیا کر رہی ہو؟ ام سلیمؓ نے کہا کہ یہ آپ کا پسینہ ہے جس کو جمع کر کے ہم اپنے عطر میں ملا لیتے ہیں، بات یہ ہے کہ آپ (ﷺ) کا پسینہ مبارک تمام خوشبوؤں سے بہتر خوشبو ہے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ام سلیمؓ نے کہا: یارسول اللہ (ﷺ)! اس پسینہ کو ہم اپنے بچوں کے لئے باعث برکت تصور کرتی ہیں (یعنی آپ ﷺ کے مبارک پسینہ کو ہم اپنے بچوں کے بدن اور منہ پر ملتی ہیں اور یقین رکھتی ہیں کہ وہ بچے اس پسینہ کی برکت سے آفات اور بلاؤں سے محفوظ رہیں گے) آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے صحیح کہا اور اچھا کیا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت ام سلیمؓ، حضرت انسؓ کی والدہ ہیں جو آنحضرت ﷺ کے خادم خاص تھے۔ یہ بڑی عاقلہ اور فاضلہ خاتون تھیں، اللہ نے اپنی اور اپنے دین کی اور اپنے رسول کی محبت کا وافر حصہ ان کو عطا فرمایا تھا، کسی رضائی یا نسبی رشتے سے آنحضرت ﷺ کی محرم عورتوں میں سے تھیں، اسی لئے آنحضرت ﷺ دوپہر کے وقت ان کے ہاں جا کر قیلولہ فرما لیا کرتے تھے۔

بچوں کے ساتھ پیار

(۱۴) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْاُوْلٰى ثُمَّ خَرَجَ اِلٰى اَهْلِهٖ وَخَرَجْتُ مَعَهٗ فَاسْتَقْبَلَهٗ وِلْدَانٌ فَجَعَلَ يَمْسَحُ خَدَّيْ اَحَدِهِمْ وَاحِدًا وَاحِدًا وَاَمَّا اَنَا فَمَسَحَ خَدِّيْ فَوَجَدْتُ لِيَدِهٖ بَرْدًا اَوْ رِيْحًا كَاَنَّمَا اَخْرَجَهَا مِنْ جُؤْنَةِ عَطَّارٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ سَمُّوْا بِاسْمِيْ فِيْ بَابِ الْاَسَامِيْ وَحَدِيْثُ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ نَظَرْتُ اِلٰى خَاتِمِ النُّبُوَّةِ فِيْ بَابِ اَحْكَامِ الْمِيَاهِ۔

"اور حضرت جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی (جب نماز پڑھ چکے تو) آنحضرت ﷺ اپنے گھر جانے کے لئے مسجد سے باہر نکلے اور آپ ﷺ کے ساتھ میں بھی باہر آیا (اتفاق سے) آنحضرت ﷺ کے سامنے کچھ بچے آگئے، آپ ﷺ نے (پیار کرنے کے لئے) ان میں سے ہر ایک بچہ کے رخساروں پر ہاتھ پھیرا اور پھر میرے رخساروں پر پھیرا۔ اس وقت میں نے آپ ﷺ کے دست مبارک کی ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی جیسے آپ ﷺ نے ابھی عطروں کے ڈبہ میں سے اپنا ہاتھ نکالا۔ (مسلمؒ) اور حضرت جابرؓ کی روایت "سمو اباسمی الخ" باب الاسامی، میں اور حضرت سائب بن یزید کی روایت نظرت الی خاتم النبوۃ الخ باب احکام المیاہ میں نقل کی جا چکی ہیں، (صاحب مصابیح نے ان دونوں روایتوں کو اس باب میں نقل کیا تھا

تشریح: "واما انا فمسح خدی" "اور پھر میرے رخساروں پر اپنا دست مبارک پھیرا" اس جملہ میں لفظ خدی دال کے زیر اور یا کے جزم کے ساتھ بصیغہ مفرد ہے، اور بعض نسخوں میں یہاں بھی یہ لفظ دال کے زیر اور یا کی تشدید کے ساتھ بلفظ تثنیہ ہے، جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے، لیکن ملا علی قاریؒ نے یہ لکھا ہے کہ اکثر نسخوں میں تو یہاں یہ لفظ بصیغہ تثنیہ ہے اور ایک نسخہ میں بصیغہ مفرد ہے جس سے جنس مراد ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک کی خوشبو کا ذکر ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا خود جسم مبارک خوشبودار تھا اگر آپ ﷺ خارجی خوشبو کا استعمال نہ بھی کرتے تب بھی جسم مبارک سے خوشبو آیا کرتی تھی، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ اکثر اوقات خارجی خوشبو استعمال فرمایا کرتے تھے، تاکہ آپ ﷺ ملائکہ سے ملنے، وحی حاصل کرنے اور مسلمانوں کے ساتھ ہم نشینی کے وقت زیادہ سے زیادہ معطر رہ سکیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

حضور ﷺ کا سراپا

(۱۵) عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ بِالطَّوِیْلِ وَلَا بِالْقَصِیْرِ ضَخْمَ الرَّاْسِ وَاللِّحْیَۃِ شَثْنَ الْکَفَّیْنِ وَالْقَدَمَیْنِ مُشْرَبًا حُمْرَۃً ضَخْمَ الْکَرَادِیْسِ طَوِیْلَ الْمَسْرُبَۃِ اِذَا مَشٰی تَکَفَّاَ تَکَفُّؤًا کَاَنَّمَا یَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ لَمْ اَرَ قَبْلَہٗ وَلَا بَعْدَہٗ مِثْلَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

”حضرت علی ابن ابی طالبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہ تو دراز قد تھے نہ پستہ قد (بلکہ میانہ قد تھے) بڑے سردار اور گھنی ڈاڑھی والے تھے، ہاتھوں کی ہتھیلیاں اور پاؤں پر گوشت تھے، آپ ﷺ کا رنگ سرخ و سفید تھا، ہڈیوں کے جوڑ موٹے تھے اور سینہ سے ناف تک بالوں کی ایک لمبی لکیر تھی جب آپ ﷺ چلتے تو آگے کی جانب کو جھکے ہوئے چلتے گویا آپ ﷺ بلندی سے نشیب میں جارہے ہوں حقیقت یہ ہے کہ میں نے آپ جیسا کوئی شخص نہ تو آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ ﷺ کے بعد دیکھا آپ پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو۔“ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

تشریح: ”آگے کی جانب کو جھکے ہوئے چلتے۔“ کا ایک مطلب تو وہ ہے جو پیچھے بھی گذرا ہے کہ آپ قوی اور بہادر لوگوں کی چال چلتے تھے یعنی قوت کے ساتھ پاؤں زمین سے اٹھاتے اور رکھتے تھے۔ اور بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ کی چال میں اکڑ اور اتراہٹ نہیں ہوتی تھی بلکہ مسکینی اور تواضع کی چال اختیار فرماتے تھے۔

(۱۶) وَعَنْہُ کَانَ اِذَا وَصَفَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ یَکُنْ بِالطَّوِیْلِ الْمُمَّغِطِ وَلَا بِالْقَصِیْرِ الْمُتَرَدِّدِ وَکَانَ رَبْعَۃً مِّنَ الْقَوْمِ وَلَمْ یَکُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ کَانَ جَعْدًا رَجِلًا وَلَمْ یَکُنْ بِالْمُطَہَّمِ وَلَا بِالْمُکَلْثَمِ وَکَانَ بِالْوَجْہِ تَدْوِیْرٌ اَبْیَضُ مُشْرَبٌ اَدْعَجُ الْعَیْنَیْنِ اَھْدَبُ الْاَشْفَارِ جَلِیْلُ الْمُشَاشِ وَالْکَتَدِ اَجْرَدُ ذُوْمَسْرُبَۃٍ شَثْنُ الْکَفَّیْنِ وَالْقَدَمَیْنِ اِذَا مَشٰی یَتَقَلَّعُ کَاَنَّمَا یَمْشِیْ فِیْ صَبَبٍ وَاِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ مَعًا بَیْنَ کَتِفَیْہِ خَاتَمُ النُّبُوَّۃِ وَھُوَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ اَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا وَاَصْدَقُ النَّاسِ لَھْجَۃً وَاَلْیَنُھُمْ عَرِیْکَۃً وَاَکْرَمُھُمْ عَشِیْرَۃً مَنْ رَاٰہُ بَدِیْھَۃً ھَابَہٗ وَمَنْ خَالَطَہٗ مَعْرِفَۃً اَحَبَّہٗ یَقُوْلُ نَاعِتُہٗ لَمْ اَرَ قَبْلَہٗ وَلَا بَعْدَہٗ مِثْلَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ الترمذی)

”اور حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ جب وہ نبی کریم ﷺ کے اوصاف بیان کرتے تو کہتے: آنحضرت ﷺ نہ تو بہت لمبے تھے اور نہ بہت ٹھگنے بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے، آپ کے بال نہ تو بہت زیادہ گھونگریالے تھے نہ بالکل سیدھے تھے بلکہ خفیف سا بل کھائے ہوئے، نہ منہ بالکل گول اور بھاری تھا اور نہ گال پھولے ہوئے تھے (بلکہ پورا چہرہ ستواں، درخسار یکساں و برابر تھے اور پیشانی بلند تھی) روئے مبارک کسی قدر گولائی لئے ہوئے تھا، رنگ سرخ و سفید تھا، آنکھیں سیاہ تھیں، پلکیں بڑی بڑی تھیں۔ جوڑوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی اور مونڈھوں کا درمیانی حصہ (جہاں دونوں شانوں کی ہڈیاں آکر ملتی ہیں) مضبوط اور پر گوشت تھا، جسم مبارک پر بال نہیں تھے صرف ایک لکیر بالوں کی تھی جو سینہ سے ناف تک چلی گئی تھی، ہاتھ اور پاؤں بھرے ہوئے یعنی پر گوشت تھے، جب راستہ چلتے تو قوت کے ساتھ قدم اٹھاتے، جیسے بلندی سے نیچے اتر رہے ہوں، جب دائیں یا بائیں متوجہ ہونا ہوتا تو پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہوتے، اور آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ ﷺ خاتم النبیین تھے، آپ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ دل کے سخی اور زبان کے نہایت سچے تھے، طبیعت کے بہت نرم اور سب سے معزز و مکرم انسان تھے، جو شخص آپ ﷺ کو پہلی مرتبہ دیکھتا، اس پر ہیبت طاری ہوجاتی تھی اور جو شخص آپ سے واقفیت رکھتا ہو اور میل جول رکھتا ہو آپ ﷺ سے والہانہ محبت کرتا۔“ آنحضرت ﷺ کی ان صفات و خصوصیات کو بیان کرنے والے (حضرت علیؓ) کہتے ہیں کہ آپ ﷺ جیسا کوئی شخص نہ تو میں نے آپ ﷺ سے پہلے دیکھا اور نہ

آپ ﷺ کے بعد دیکھا، اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "جسم مبارک پر بال نہیں تھے الخ۔" اس جملہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سینے سے ناف تک بالوں کی ایک لکیر کے علاوہ آپ ﷺ کے جسم مبارک پر اور کہیں بال نہیں تھے، جب کہ بعض دوسری روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سینہ یا ناف کے علاوہ بھی بعض جگہوں جیسے کلائی و بازو، پنڈلیوں اور پہنچوں پر بال تھے۔ لہٰذا کہا جائے گا کہ یہاں "اجرد" کا لفظ "اشعر" کے مقابلہ پر استعمال ہوا ہے "اور "اشعر" سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس کے تمام بدن پر بال ہوں اور "اجرد" اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پورے بدن پر بال نہ ہوں (بلکہ کہیں کہیں ہوں)۔

"........ تو پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہوتے۔" کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ کو دائیں یا بائیں کسی کو دیکھنا ہوتا یا کسی کی طرف متوجہ ہونا ہوتا تو بے اعتنائی برتنے والوں کی طرح نظر چرا کر نہ دیکھتے بلکہ پورے التفات کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے۔ یا یہ مطلب ہے کہ دائیں، بائیں متوجہ ہونے کے لئے کم ظرف لوگوں کی طرح صرف اکڑی ہوئی گردن نہ گھماتے بلکہ ایک ہمدرد کی طرح اطمینان کے ساتھ اپنا منہ ادھر کو کر کے یا پورے وجود کے ساتھ گھوم کر اس کی طرف دیکھتے اور اپنی کامل توجہ کا اظہار فرماتے۔

"دل کے سخی" سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ دل و جان سے سخاوت کرتے تھے، جس کے پیچھے ایک فطری جذبہ اور محض اخلاص و ہمدردی کا تقاضہ ہوتا تھا، نہ کہ دکھانے، سنانے یا کسی جبر و اکراہ کے ساتھ آپ ﷺ سخاوت فرماتے تھے۔ اور ملا علی قاریؒ نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ لفظ "اجود" کو اگر "جودت" سے ماخوذ سمجھا جائے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ دل کے فراخ اور دلیر تھے، اور اسی وجہ سے آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کی خلاف مرضی باتوں سے اور ان پڑھ دیہاتی مسلمانوں کی تکلیف پہنچانے والی حرکتوں سے ملول اور تنگ دل نہ ہوتے تھے۔ اور اگر اجود کو لفظ "جود" سے ماخوذ مانا جائے جس کے معنی عطاو بخشش کے ہیں تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ کوئی بھی چیز دینے اور عطا کرنے میں ذرا سا بھی بخل نہیں کرتے تھے، خواہ مال ہو علم و اخلاق ہو اور تہذیب و تربیت ہو۔ اسی طرح زبان کے نہایت سچے تھے، کہ ایک معنی تو یہی ہیں جو خود ترجمہ سے ظاہر ہیں کہ آپ ﷺ سے زیادہ سچ بولنے والا اور حق گو کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔ لفظ لھجۃ کی رعایت سے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کی گفتگو نہایت باوقار، آپ ﷺ کا لہجہ نہایت شاندار اور آپ ﷺ کی زبان نہایت صاف تھی، الفاظ کی ادائیگی نہایت برمحل، موزوں اور مخارج حروف سے ہوتی تھی۔

"جو شخص پہلی مرتبہ آپ ﷺ کو دیکھتا الخ" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کے ذاتی اوصاف و خصائل اور اخلاق و اطوار سے واقفیت نہ رکھتے ہوئے پہلے پہل آپ ﷺ کے سامنے آتا اور ملاقات کرتا تو اس پر آپ ﷺ کی باوقار شخصیت کا اس قدر رعب طاری ہوتا کہ وہ خوف محسوس کرنے لگتا لیکن جب کچھ دیر آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھتا، آپ ﷺ کے مزاج اور اخلاق کا تجربہ کرتا اور آپ ﷺ کی پر کیف صحبت کی اثر آفرینی محسوس کرتا تو ایک دم کھل اٹھتا اور آپ ﷺ کی محبت و کشش کا اسیر بن جاتا۔

حضور ﷺ کے جسم کی خوشبو گذر گاہ کو معطر کر دیتی تھی

(۱۷) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَسْلُکْ طَرِیْقًا فَیَتْبَعُہٗ اَحَدٌ اِلَّا عَرَفَ اَنَّہٗ قَدْ سَلَکَہٗ مِنْ طِیْبِ عَرْفِہٖ اَوْقَالَ مِنْ رِیْحِ عَرَقِہٖ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی راستہ سے گذرتے تو آپ ﷺ کے بعد جو شخص اس راستہ سے گذرتا وہ آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک کی خوشبو۔ یا یہ کہا کہ۔ آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کی خوشبو سے معلوم کر لیتا کہ آنحضرت ﷺ اس راستہ سے تشریف لے گئے ہیں۔" (دارمی)

تشریح: "یا یہ کہا" یہ راوی کا شک ہے کہ حدیث میں اس موقع پر مِنْ طِیْبِ عَرْفِہٖ کے الفاظ تھے یا مِنْ رِیْحِ عَرَقِہٖ کے، دونوں

صورتوں میں مفہوم ایک ہی رہتا ہے!

لفظ "عَرْف" کے لغوی معنی صرف "بو" کے ہیں خواہ خوشبو ہو یا بدبو، لیکن یہ لفظ اکثر خوشبو ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بہرحال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جس راستہ سے گذرتے اس راستہ کی ہوا آپ ﷺ کے جسم مبارک یا پسینہ مبارک کی خوشبو سے عطر آمیز ہو جاتی تھی اور پورا راستہ مہک اٹھتا تھا، چنانچہ جو شخص آپ ﷺ کے بعد اس راستہ سے گذرتا اس مخصوص خوشبو سے معلوم کر لیتا کہ سرور دو عالم ﷺ ادھر سے گذرے ہیں۔ اور یہ عطر بیزی آپ ﷺ کی ذات کی خوشبو کی ہوتی تھی، نہ کہ آپ ﷺ کے بدن یا کپڑوں کو لگی ہوئی کسی خارجی خوشبو کی۔

آپ ﷺ کا وجود آفتاب کی طرح تھا

⑱ وَعَنْ اَبِيْ عُبَيْدَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ قُلْتُ لِلرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ صِفِي لَنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ يَا بُنَيَّ لَوْ رَاَيْتَهُ رَاَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً۔ (رواہ الدارمی)

"محمد ابن عمار ابن یاسرؓ کے صاحبزادے ابوعبیدہؒ کہتے ہیں کہ میں نے معوذ ابن عفراءؓ کی صاحبزادی حضرت ربیعؓ (صحابیہ) سے کہا کہ آپ ہمارے سامنے رسول کریم ﷺ کا وصف بیان کریں تو انہوں نے کہا کہ: میرے بیٹے! اگر تم آنحضرت ﷺ کو دیکھ لیتے تو یہی سمجھتے کہ چمکتا ہوا سورج دیکھ لیا ہے۔" (دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ایسا دبدبہ اور جلال تھا اور آپ ﷺ کا وجود اس قدر پر نور تھا کہ آپ کو دیکھنا گویا چمکتے ہوئے سورج کو دیکھنا تھا۔

چہرۂ مبارک کی وہ تابانی کہ ماہتاب بھی شرمائے

⑲ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ لَيْلَةٍ اِضْحِيَانٍ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِلَى الْقَمَرِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ فَاِذَا هُوَ اَحْسَنُ عِنْدِيْ مِنَ الْقَمَرِ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

"اور حضرت جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں چاندنی رات میں نبی کریم ﷺ کو دیکھ رہا تھا اور صورت یہ تھی کہ کبھی رسول کریم ﷺ کے جمال عالمتاب کی طرف نظر کرتا اور کبھی چاند کو دیکھتا، اس وقت آپ ﷺ کے جسم مبارک پر اس کپڑے کا لباس تھا جس میں سرخ اور سفید دھاریاں تھیں، حقیقت یہ ہے کہ میرے نزدیک آپ ﷺ کا حسن و جمال چاند سے کہیں زیادہ تھا۔" (ترمذی، دارمی)

تشریح: "آپ ﷺ کے حسن و جمال کو چاند سے کہیں زیادہ اس لئے کہا گیا کہ چاند تو ایک خاص نوعیت کا صرف ظاہری حسن رکھتا ہے جب کہ آپ ﷺ کی ذات ہمہ جہت ظاہری حسن و جمال کے علاوہ بے مثال معنوی حسن و کمال کا بھی پرتو تھی۔ رہی یہ بات کہ حضرت جابرؓ نے آنحضرت ﷺ کے اظہار حسن کو میرے نزدیک" کے الفاظ کے ساتھ کیوں مقید کیا تو اس کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ وہ اپنے ذاتی جذبات عقیدت، وفور محبت اور استلذاذ و ذوق کا اظہار کرنا چاہتے تھے، درحقیقت حضرت جابرؓ کیا تمام ہی ارباب عشق و محبت اور ناقدین حسن و جمال کے نزدیک آپ ﷺ کا جمال جہاں آراء چاند کے حسن و جمال سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا تھا۔

آنحضرت ﷺ کی رفتار

⑳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَا رَاَيْتُ شَيْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِيْ مِنْ وَجْهِهٖ وَمَا رَاَيْتُ اَحَدًا اَسْرَعَ فِيْ مَشْيِهٖ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّمَا الْاَرْضُ تُطْوٰى لَهٗ اِنَّا لَنُجْهِدُ اَنْفُسَنَا وَاِنَّهٗ لَغَيْرُ مُكْتَرِثٍ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے زیادہ حسین وجمیل کوئی چیز نہیں دیکھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک آفتاب ہے جو آپ ﷺ کو چہرۂ مبارک سے جلوہ ریز ہو رہا ہے۔ اور میں نے رسول کریم ﷺ سے زیادہ تیز رفتار کسی کو نہیں پایا (جب آپ ﷺ چلتے تو) ایسا لگتا کہ آپ ﷺ کے سامنے کی زمین لپٹی جا رہی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہم تو سخت جدوجہد اور کوشش کرتے لیکن آپ ﷺ اپنی بے نیاز چال چلتے تھے۔" (ترمذی)

تشریح: "ہم تو سخت جدوجہد اور کوشش کرتے الخ۔" کے ذریعہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس طرف اشارہ کیا کہ جب ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے ساتھ راستہ چلتے تو ہم پوری کوشش اور جدوجہد کر کے اپنی رفتار کو بڑھاتے اور آنحضرت ﷺ کے برابر پہنچنا چاہتے لیکن آپ ﷺ بلاتعب و تکلف، اپنی معمولی چال سے چلتے ہوئے سب سے آگے ہی رہتے۔ یہ گویا آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا کہ دوسرے لوگ دوڑتے بھاگتے بھی آپ ﷺ کی اس رفتار کے برابر پہنچ پاتے تھے جو بالکل معمول کے مطابق اور سہولت کے ساتھ ہوتی تھی۔

حضور ﷺ کی پنڈلیاں، آنکھیں اور مسکراہٹ

(۲۱) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ فِيْ سَاقَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمُوْشَةٌ وَكَانَ لَا يَضْحَكُ اِلَّا تَبَسُّمًا وَكُنْتُ اِذَا نَظَرْتُ اِلَيْهِ قُلْتُ اَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ وَلَيْسَ بِاَكْحَلَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی پنڈلیاں سبک و نازک تھیں۔ اور آپ ﷺ (عام طور پر) ہنسا نہیں کرتے تھے بلکہ مسکرایا کرتے تھے اور میں جب آپ ﷺ کی طرف دیکھتا تو دل میں کہتا کہ آپ ﷺ سرمہ لگائے ہوئے ہیں حالانکہ آپ ﷺ سرمہ لگائے نہ ہوتے تھے۔" (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں خلقی طور پر سرمہ آگیں ہونے کی وجہ سے بہت حسین و خوبصورت معلوم ہوتی تھیں ۔

دو چشم تو کہ سیاہ اند سرمہ ناکردہ ۔ بسان سرمہ سیہ کردہ خانۂ مردم

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حضور ﷺ کے دندان مبارک

(۲۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ اِذَا تَكَلَّمَ رُءِيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ۔ (رواہ الدارمی)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اگلے دو دانت کشادہ تھے، جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ آپ ﷺ کے ان دونوں دانتوں کے درمیان سے نور نکل رہا ہے۔" (دارمی)

تشریح: سامنے کے اوپر اور نیچے کے جو دو دو دانت ہوتے ہیں ان کو عربی میں ثنیان اور ثنایا کہتے ہیں، ثنیان تثنیہ ہے اور ثنایا جمع۔ اسی طرح ان دانتوں کے دائیں اور بائیں جو دو دو دانت ہوتے ہیں ان کو رباعیات کہا جاتا ہے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے سامنے کے یہ دونوں دانت ایک دوسرے سے بالکل جڑے ہوئے نہیں تھے، بلکہ ان دونوں کے درمیان کچھ خلا تھا، نیز الفاظ حدیث سے بظاہر یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ یہ خلا صرف اوپر ہی کے دانتوں کے درمیان نہیں تھا بلکہ نیچے کے دونوں دانتوں کے درمیان بھی تھا۔

حضور ﷺ کی خوش دلی چہرہ سے نمایاں ہو جاتی تھی

(۲۳) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سُرَّ اسْتَنَارَ وَجْهُهٗ حَتّٰى كَاَنَّ وَجْهَهٗ قِطْعَةُ قَمَرٍ وَكُنَّا نَعْرِفُ ذٰلِكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت کعب ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک کھل اٹھتا تھا اور ایسا معلوم ہونے لگتا کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک چاند کا ٹکڑا ہے اور اس چیز سے ہم (آپ ﷺ کی اندرونی کیفیت پہچان لیتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

حضور ﷺ کی صفات وخصوصیات کا تورات میں ذکر

(۲۴) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ غُلَامًا يَهُوْدِيًّا كَانَ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ فَوَجَدَ اَبَاهُ عِنْدَ رَاسِهٖ يَقْرَءُ التَّوْرٰةَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا يَهُوْدِيُّ اُنْشِدُكَ بِاللّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوْسٰى هَلْ تَجِدُ فِي التَّوْرَاةِ نَعْتِيْ وَصِفَتِيْ وَمَخْرَجِيْ قَالَ لَا قَالَ الْفَتٰى بَلٰى وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَجِدُلَكَ فِي التَّوْرٰةِ نَعْتَكَ وَصِفَتَكَ وَمَخْرَجَكَ وَاِنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ اَقِيْمُوْا هٰذَا مِنْ عِنْدِ رَاسِهٖ وَلُوْا اَخَاكُمْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ۔

"اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا جو نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، بیمار ہوا تو نبی کریم ﷺ اس کی عیادت کو اس کے گھر تشریف لائے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ اس کا باپ اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تورات کا کوئی حصہ پڑھ رہا ہے (جیسے مسلمانوں میں نزع کے وقت سورہ یٰسین پڑھی جاتی ہے) رسول کریم ﷺ نے (یہ دیکھ کر) اس سے پوچھا کہ یہودی! میں تمہیں اس خدا کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی (سچ سچ بتانا) کیا تم اس تورات میں میری تعریف وتوصیف اور میرے (وطن سے) نکلنے کا ذکر پاتے ہو؟ اس یہودی نے جواب دیا کہ نہیں! لیکن وہ لڑکا بولا: ہاں یا رسول اللہ! خدا کی قسم اس تورات میں ہم آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف اور آپ کے نکلنے کا ذکر پاتے ہیں، اور میں یقینی طور پر اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس امر کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔" رسول کریم ﷺ نے اس لڑکے کی اس راست گوئی اور اس کے اظہار ایمان واسلام کو دیکھ کر) اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ: اس کے باپ کو اس کے سرہانے سے اٹھا دو اور تم اپنے اس (دینی) بھائی کے والی بنو (یعنی اگر اس لڑکے کا انتقال ہو جائے تو پھر اس کے تجہیز وتکفین وغیرہ کے امور تم انجام دو)" اس روایت کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا ہے۔"

تشریح: "میرے نکلنے" کا ایک مطلب تو وطن یعنی مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آجانا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ مخرج یہاں بعث (منصب رسالت ونبوت پر فائز ہونے) کے معنی میں ہو۔

لفظ "نعت" اور "صفت" لغوی طور پر دونوں ہم معنی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں نعت سے مراد آپ ﷺ کے ذاتی وباطنی اوصاف ہیں اور "صفت" سے ظاہری اوصاف مراد ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت، رحمت خداوندی کا ظہور ہے

(۲۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا! "حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی

رحمت ہوں۔" (اس روایت کو دارمی نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے نقل کیا ہے۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ میرا وجود، میری رسالت اور میرا لایا ہوا دین اللہ کی وہ عظیم رحمت ہے جو اس نے تمام کائنات کے لئے ہدیہ کے طور پر دنیا میں بھیجا، پس جن لوگوں نے اللہ کے اس ہدیہ اور تحفہ کو قبول کیا وہ مطلب یاب ہوئے اور جن لوگوں نے قبول نہیں کیا وہ سراسر ٹوٹے میں رہے۔ ارشاد گرامی مضمون کے اعتبار سے قرآن کریم کے ان الفاظ کا عکس ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

"(اے محمد ﷺ) ہم نے آپ ﷺ کو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

اس حدیث کے بین السطور سے اُمت محمدیہ کی عظمت وکرامت بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ شاہی ہدیہ وتحفہ ان ہی لوگوں کے پاس بھیجا جاتا ہے جو باعظمت وباکرامت ہو۔

بَابٌ فِيْ اَخْلَاقِهٖ وَشَمَائِلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

آنحضرت ﷺ کے اخلاق وعادات کا بیان

"اخلاق" خلق کی جمع ہے جس کے معنی طبعی خصلت اور باطنی صفت کے ہیں۔ اور "شمائل" شمال کی جمع ہے جس کے معنی عادت اور خو کے ہیں۔ پس پچھلے باب میں مؤلف کتاب نے آنحضرت ﷺ کی ظاہری شکل وصورت سے متعلق احادیث نقل کیں جس کو صورت اور خلق کہا جاتا ہے، اب یہ باب قائم کر کے ان احادیث کو نقل کیا گیا ہے جن میں آنحضرت ﷺ کے باطنی اوصاف وخصائل ذکر کئے گئے ہیں، جن کو سیرت اور خُلق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ باطنی اوصاف یا سیرت وخلق سے مراد مردانگی، شجاعت سخاوت، نرمی، مروت، محبت، تحمل، تواضع، رحم وکرم اور شرم وحیا وغیرہ ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

بے مثال حسن خلق

① عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا قَالَ لِيْ اُفٍّ وَلَا لِمَا صَنَعْتَ وَلَا اَلَّا صَنَعْتَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی دس سال خدمت کی (اس پورے عرصہ میں) مجھ کو آپ ﷺ نے کبھی اف بھی نہیں کہا، اور نہ کبھی آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا، اور یہ کام تم نے کیوں نہیں کیا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "مسلم" کی روایت میں نو سال کے الفاظ ہیں۔ بہرحال آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت انسؓ کی عمر، باختلاف روایت آٹھ سال یا دس کی تھی، ان کی والدہ ماجدہ اور ان کے بعض رشتہ دار، جو انصار میں سے تھے، ان کو آنحضرت ﷺ کے پاس لائے اور خدمت مبارک میں دے دیا چنانچہ حضرت انسؓ نے اس دن سے اس وقت تک کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ میں دس سالہ قیام کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے، آپ ﷺ کی مسلسل خدمت کرتے رہے۔ اور اس حدیث میں وہ آنحضرت کے ساتھ اس طویل خادمانہ تعلق کا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس پورے عرصہ میں میری کسی غلطی اور کسی کوتاہی پر ڈانٹنا ڈپٹنا تو کجا کسی بات پر اف تک نہیں کیا۔ الف کے پیش اور ف کی تشدید اور زیر کے ساتھ ہے، ایک نسخہ میں

یہ لفظ ف کے زبر کے ساتھ ایک نسخہ میں تنوین مکسورہ کے ساتھ ہے، یہ لفظ انسان کی زبان سے اس وقت نکلتا ہے جب وہ کسی ناپسندیا تکلیف دہ صورت حال سے دوچار ہوتا ہے۔

"تم نے یہ کام کیوں کیا......الخ۔" اس جملہ کے ذریعہ بھی حضرت انس ؓ نے آنحضرت ﷺ کے حسن سلوک اور کمال خلق کو بیان کیا کہ اس طویل زمانہ میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے از خود کوئی کام کیا ہو اور آنحضرت ﷺ نے یہ اعتراض فرمایا ہو کہ تم نے میری مرضی کے بغیر یہ کام کیوں کیا، یا آنحضرت ﷺ نے مجھ سے کسی کام کے لئے کہا ہو اور میں اس کام کو نہ کر سکا ہوں تو آپ ﷺ نے جواب طلب کیا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا! لیکن واضح رہے کہ حضرت انس ؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ معاملہ اور سلوک دنیاوی امور یا ذاتی خدمت کے تعلق سے بیان کیا ہے نہ دینی معاملات و امور سے متعلق، کیونکہ کسی دینی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر اعتراض پر چشم پوشی روا نہیں ہے۔

طیبیؒ نے لکھا ہے کہ حدیث کے بین السطور سے خود حضرت انس ؓ کی خوبی بھی ظاہر ہوتی ہے، یا یوں کہئے کہ ایک طرح سے حضرت انس ؓ نے اپنی تعریف بھی بیان کی کہ میں نے ایسا موقع کبھی نہیں آنے دیا کہ آنحضرت ﷺ کو میرے کسی کام پر کوئی اعتراض ہوا ہو، یا مجھ سے کوئی شکایت پیدا ہوئی ہو۔ لیکن یہ بات کہنا کچھ زیادہ موزوں معلوم نہیں ہوتا، حدیث کا جو سیاق و سباق ہے اور حضرت انس ؓ خلق نبوی کے متعلق جن احساسات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں ان کے پیش نظر حدیث کا اصل مفہوم وہی ہے جو پہلے ذکر ہوا۔

شفقت و مروت

④ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا فَاَرْسَلَنِيْ يَوْمًا لِحَاجَةٍ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَا اَذْهَبُ وَفِيْ نَفْسِيْ اَنْ اَذْهَبَ لِمَا اَمَرَنِيْ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجْتُ حَتّٰى اَمُرَّ عَلٰى صِبْيَانٍ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ فِي السُّوْقِ فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَبَضَ بِقَفَايَ مِنْ وَرَائِيْ قَالَ فَنَظَرْتُ اِلَيْهِ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقَالَ يَا اُنَيْسُ ذَهَبْتَ حَيْثُ اَمَرْتُكَ قُلْتُ نَعَمْ اَنَا اَذْهَبُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اخلاق وعادات کی خوبی میں تمام لوگوں سے بڑھ کر تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ آپ ﷺ نے مجھے کسی کام سے کہیں بھیجنا چاہا، میں نے آپ ﷺ سے یوں کہہ دیا کہ خدا کی قسم میں نہیں جاؤں گا، لیکن دل میں یہی تھا کہ رسول کریم ﷺ نے جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کے لئے ضرور جاؤں گا، چنانچہ میں چل پڑا، بازار سے گذرا تو ایک جگہ جہاں بچے کھیل رہے تھے۔ ٹھہر گیا، اچانک رسول اللہ ﷺ وہاں آ گئے اور پیچھے سے میری گدی پکڑ لی، میں نے مڑ کر آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ مسکرا رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ فرمانے لگے: ارے انیس تو وہاں جا رہا ہے نا، جہاں میں نے تجھے بھیجا تھا؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ (ﷺ)! میں اب جا رہا ہوں۔" (مسلم)

تشریح: حضرت انس ؓ نے یہ واقعہ اس زمانہ کا بیان کیا ہے جب انہیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا اور ابھی صغیر السن تھے، یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے انہیں کہیں بھیجنا چاہا تو باوجودیکہ ان کا ارادہ آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل کرنا تھا مگر بچپن کی نادانی اور لا ابالی پن میں ان کی زبان سے یہ نکل گیا کہ میں تو نہیں جاؤں گا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی اس بات کو اسی سیاق و سباق میں دیکھا اور اس پر کسی تادیب کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ ان کے ساتھ ہنسی اور نرمی و شفقت کا معاملہ کیا۔

"انیس" انس کی تصغیر ہے، اور آپ ﷺ نے حضرت انس ؓ کو ان کے اصل نام "انس" سے مخاطب کرنے کے بجائے اس نام کی تصغیر "انیس" سے مخاطب کیا، جو ان کے تئیں آپ ﷺ کی شفقت و محبت کا اظہار تھا۔

بے مثال تحمل اور خوش اخلاقی

(۳) وَعَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَمْشِيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيْظُ الْحَاشِيَةِ فَاَدْرَكَهُ اَعْرَابِيٌّ فَجَبَذَهُ بِرِدَائِهِ جَبْذَةً شَدِيْدَةً وَرَجَعَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نَحْرِ الْاَعْرَابِيِّ حَتّٰى نَظَرْتُ اِلٰى صَفْحَةِ عَاتِقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَثَّرَتْ بِهَا حَاشِيَةُ الْبُرْدِ مِنْ شِدَّةِ جَبْذَتِهٖ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ مُرْلِيْ مِنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْ عِنْدَكَ فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ ضَحِكَ ثُمَّ اَمَرَ لَهٗ بِعَطَاءٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا، اس وقت آپ ﷺ کے جسم پر (یمن کے شہر نجران کی بنی ہوئی (دھاری دار) چادر تھی، جس کے کنارے بہت دبیز اور موٹے تھے، (اچانک راستہ میں) ایک دیہاتی آنحضرت ﷺ کو مل گیا اور اس نے (اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے آپ ﷺ کی چادر کو پکڑ کر اتنے زور سے کھینچا کہ نبی کریم ﷺ کھنچ کر اس کے سینے کی قریب آ گئے، میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اس دیہاتی کے اس قدر سختی سے چادر کھینچنے سے رسول کریم ﷺ کی گردن مبارک پر چادر کے کنارے کی رگڑ کا نشان پڑ گیا، پھر اس دیہاتی نے کہا کہ محمد (ﷺ)! تمہارے پاس اللہ کا جو مال ہے اس میں سے کچھ مجھ کو دلواؤ۔ آنحضرت ﷺ نے پہلے تو (حیرت کے ساتھ) اس کی طرف دیکھا پھر (از راہ تلطف) مسکرائے اور ان کو کچھ دیئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: ایک دوسری روایت میں ہے کہ مال اللّٰہ الذی عندک کے بعد اس دیہاتی نے یہ بھی کہا: لا من مالک و لا من مال ابیک (نہ تو تمہارے ذاتی مال میں سے مانگ رہا ہوں اور نہ تمہارے باپ کے مال میں سے) اور "اللہ کے مال" سے زکوٰۃ کا مال مراد ہے!

یہ حدیث لوگوں کی سخت گوئی، بے مروتی اور بد اخلاقی پر آنحضرت ﷺ کے کمال ضبط و تحمل کی دلیل ہے اور اس بارے میں سرکار رسالت مآب کا ایک ایسا کردار پیش کرتی ہے جس کی کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ واضح رہے کہ مذکورہ دیہاتی پرلے درجہ کا اجڈ، اور نہایت درشت خو تھا، اس نے نہ تہذیب و شائستگی سیکھی اور نہ اخلاق و آداب کے معمولی مراتب سے بھی روشناس تھا، اس لئے اس نے اپنے خالص اجڈپن میں آنحضرت ﷺ سے اس قدر غیر شائستہ انداز میں اپنا مدعا ظاہر کیا۔

اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حاکم و سلطان کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنی رعایا اور نادان لوگوں کی ایذاء پر صبر و تحمل کرے، اور دوسری بات یہ کہ اپنی حیثیت عرفی اور اپنے وقار کی حفاظت کے لئے کسی کو کچھ دینا دانشمندی کا تقاضہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کی اکملیت و جامعیت

(۴) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْسَنَ النَّاسِ وَاَجْوَدَ النَّاسِ وَاَشْجَعَ النَّاسِ وَلَقَدْ فَزِعَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَانْطَلَقَ النَّاسُ قِبَلَ الصَّوْتِ فَاسْتَقْبَلَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ سَبَقَ النَّاسَ اِلَى الصَّوْتِ وَهُوَ يَقُوْلُ لَمْ تُرَاعُوْا لَمْ تُرَاعُوْا وَهُوَ عَلٰى فَرَسٍ لِاَبِيْ طَلْحَةَ عُرْيٍ مَا عَلَيْهِ سَرْجٌ وَفِيْ عُنُقِهٖ سَيْفٌ فَقَالَ لَقَدْ وَجَدْتُهٗ بَحْرًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (حسن و جمال، فضل و کمال، صفات حمیدہ اور اخلاق فاضلہ میں) تمام لوگوں سے بڑھ کر تھے، تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے، اور تمام لوگوں سے زیادہ دلیر و بہادر تھے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ مدینہ کے لوگ (کسی سمت سے چور ڈاکو یا کسی دشمن کی آواز سن کر) مضطرب و خوف زدہ ہو گئے (اور ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے) پھر (کچھ) لوگ (جمع ہو کر) اس آواز کی سمت گئے، وہاں انہوں نے اپنے سامنے نبی کریم ﷺ کو موجود پایا، حقیقت یہ ہے آنحضرت ﷺ سب سے پہلے (گھر سے نکل کھڑے ہوئے تھے اور تن تنہا) اس آواز کی سمت روانہ ہو گئے تھے آپ ﷺ نے ان سب لوگوں کو اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا کہ ڈرو نہیں، کوئی خطرہ

نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ اس وقت ابو طلحہؓ کے گھوڑے پر سوار تھے جو ننگی پیٹھ تھا، اس پر زین نہیں تھی نیز آپ کی گردن میں تلوار پڑی تھی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا! "میں نے تو اس گھوڑے کو دریا کی طرح تیز رو پایا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: ایک روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ گھوڑا بہت سست رفتار، تنگ قدم اور سرکش تھا، لیکن اس دن کے بعد سے وہ گھوڑا ایسا تیز رفتار ہوا کہ کوئی بھی گھوڑا اس کے آگے نہیں نکل پاتا تھا پس یہ آنحضرت ﷺ کے معجزات میں سے ہے کہ اس گھوڑے کی حالت آپ ﷺ کی ذرا سی دیر کی سواری سے اس طرح بدل گئی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی طرف سے دشمن وغیرہ کی کوئی آہٹ محسوس ہو تو صورت حال کی تحقیق کے لئے سبقت کرنا اور اس طرف تن تنہا روانہ ہو جانا دلیری بھی ہے اور مستحب بھی بشرطیکہ ہلاکت میں نہ پڑنے کا یقین ہو، اس طرح اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عاریتاً مانگنا اور مستعار گھوڑے (یا کسی بھی سواری) پر جہاد کرنا جائز ہے نیز تلوار کا گردن میں لٹکانا مستحب ہے، یہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا۔

کبھی کسی سائل کو انکار نہیں کیا

⑤ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ مَاسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول کریم ﷺ سے کسی نے سوال کیا ہو اور آپ ﷺ نے اس کو انکار کر دیا ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: علامہ ابن حجرؒ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب کوئی شخص آپ ﷺ سے کچھ مانگتا اور آپ ﷺ کے پاس ہوتا تو فوراً دے دیتے تھے۔ اگر آپ ﷺ کے پاس دینے کے لئے کچھ نہ ہوتا اور سائل کا سوال پورا کرنے پر قادر نہ ہوتے تو اس صورت میں بھی صفائی کے ساتھ انکار نہ کرتے بلکہ یا تو خاموشی اختیار کر لیتے، یا مناسب الفاظ میں عذر بیان کرتے، یا دعائیہ جملے ارشاد فرما دیتے، گویا آپ ﷺ کسی بھی حالت میں سائل کے سامنے اپنی زبان پر صاف انکار کا لفظ نہیں لاتے تھے۔

اور شیخ عزالدین نے لکھا ہے: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لا (انکار کا لفظ) آپ ﷺ کی زبان پر کبھی اس لئے نہیں آیا کہ کسی سائل نے آپ ﷺ سے کوئی سوال کیا ہو اور آپ ﷺ اس سوال کو ٹھکرانا چاہتے ہوں، یہ اور بات ہے کہ کوئی سوال پورا کرنا آپ ﷺ کے بس میں نہ رہا ہو اور آپ ﷺ نے عذر بیان کرنے کے لئے یا کسی اور مقصد کی خاطر اس لفظ کا استعمال فرمایا ہو، جیسے ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا "لا اجدما احملکم علیه" (میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے کہ تمہیں سوار ہونے کے لئے دوں)۔ مشہور شاعر فرزدق نے آنحضرت ﷺ کے اسی وصف کا، کہ لا (انکار) کا لفظ آپ ﷺ کی زبان پر کبھی نہیں آیا، اپنے شعر میں اس طرح ذکر کیا ہے ۔

ما قَالَ لا قط الافی تشهده　　　لو لا التشهد كَانَتْ لاؤه نعم

اسی مضمون کو ایک فارسی شاعر نے یوں ادا کیا ہے۔

نہ رفت کلمۂ لا برزبان او ہرگز　　　مگر باشہد ان لا الہ الا اللہ

عطا و بخشش کا کمال

⑥ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَنَمًا بَيْنَ جَبَلَيْنِ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ فَاَتٰى قَوْمَهٗ فَقَالَ اَىْ قَوْمِ اَسْلِمُوْا فَوَاللّٰهِ اِنَّ مُحَمَّدًا لَيُعْطِىْ عَطَاءً مَايَخَافُ الْفَقْرَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے اتنی بکریاں مانگیں جو پہاڑوں کے درمیانی نالہ کو بھر دیں، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو اتنی ہی بکریاں دے دیں، اس کے بعد وہ شخص اپنی قوم میں آیا اور کہا: اے میری قوم کے لوگو! اسلام قبول کرلو، خدا کی قسم محمد (ﷺ) اتنا دیتے ہیں کہ فقر و افلاس سے بھی نہیں ڈرتے۔" (مسلم)

تشریح: شاید سائل کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کا اتنا بڑا سوال اتنی آسانی سے پورا کیا جاسکتا ہے، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنے تصرف میں موجود تقریباً ساری ہی بکریاں دے کر اس کا سوال پورا کردیا تو وہ اچنبھے میں پڑ گیا اور آنحضرت کی بخشش و عطا، کا یہ مظاہرہ دیکھ کر اس کو یقین ہوگیا کہ آپ توکل و قناعت اور زہد و استغناء کے جس درجہ کمال پر فائز ہیں وہ اسی مذہب کا پرتو ہوسکتا ہے جس کے رسول بنا کر آپ ﷺ اس دنیا میں بھیجے گئے ہیں، اس لئے اس نے اپنی قوم میں جاکر لوگوں کو مخلصانہ تلقین کی کہ اگر تم اعلیٰ اخلاقی اقدار اور بلند ترین انسانی کردار کی عظمت حاصل کرنا چاہتے ہو تو حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤ اور ان محمد ﷺ عربی کے پیرو بن جاؤ جو سائل کے سوال کو اس طرح پورا کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے اپنی ضرورت سے بے نیاز ہو کر سب دے دیتے ہیں، اپنے فقر و افلاس کا خدشہ بھی انہیں سائل کی طلب و خواہش کی تکمیل سے نہیں روکتا ۔

ہرچہ آمدت بدست بداوے تو بیش ازاں ایں جود آں کسی ست کش از فقر عار نیست

خلق نبوی ﷺ

⑦ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ بَيْنَمَا هُوَ يَسِيْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْفَلَهُ مِنْ حُنَيْنٍ فَعَلِقَتِ الْأَعْرَابُ يَسْئَلُوْنَهُ حَتّٰى اضْطَرُّوْهُ إِلٰى سَمُرَةٍ فَخَطِفَتْ رِدَاءَهُ فَوَقَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَعْطُوْنِيْ رِدَائِيْ لَوْ كَانَ لِيْ عَدَدَ هٰذِهِ الْعِضَاهِ نَعَمٌ لَقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْنِيْ بَخِيْلًا وَلَا كَذُوْبًا وَلَا جَبَانًا۔ (رواہ البخاری)

"حضرت جبیر ابن مطعمؓ اس وقت کا واقعہ بیان کرتے ہیں جب وہ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ غزوۂ حنین سے واپس آرہے تھے، کہ (راستہ میں ایک مقام پر) کچھ (غریب) دیہاتی آپ ﷺ کو لپٹ گئے اور (غنیمت کا مال) مانگنے لگے اور اس حد تک پیچھے پڑ گئے کہ آپ کو (کھینچتے ہوئے) ایک کیکر کے درخت تک لے گئے۔ وہاں آپ کی چادر کیکر کے کانٹوں میں الجھ کر رہ گئی آپ (بڑی بے چارگی کے ساتھ) رک گئے اور فرمایا: "لاؤ میری چادر تو دے دو، اگر میرے پاس ان خاردار درختوں کے برابر بھی چوپائے (یعنی بکریاں اور اونٹ وغیرہ) ہوتے تو میں ان سب کو تمہارے درمیان تقسیم کردیتا اور تم جان لیتے کہ میں نہ بخیل ہوں نہ جھوٹا وعدہ کرنے والا اور نہ چھوٹے دل والا ہوں۔"

(بخاری)

تشریح: "غزوۂ حنین" وہ مشہور جنگ ہے جو فتح مکہ کے فوراً بعد طائف اور مکہ کے درمیان آباد بنو ہوازن و بنو ثقیف اور ان کے حلیف قبائل سے آنحضرت ﷺ کو کرنا پڑی تھی۔ اس جنگ میں ابتدائی طور پر کچھ سخت پریشانیوں اور قدرے ہزیمت کے بعد مسلمانوں کو زبردست فتح حاصل ہوئی تھی، دشمن کے چھ ہزار قیدیوں کے علاوہ مال غنیمت میں ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۴ ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں، اور چار ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کے ہاتھ آئی، اس معرکہ میں مدینہ کے دس ہزار مہاجر و انصار صحابہؓ کے علاوہ اہل مکہ میں کے وہ دو ہزار لوگ بھی شامل تھے جو فتح مکہ کے موقع پر نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، آپ ﷺ نے غزوہ حنین کا سارا مال غنیمت میدان جنگ کے قریب ہی مقام جعرانہ میں جمع کرنے کا حکم دیا اور وہیں سے اہل طائف کی شورش کو دبانے کے لئے طائف تشریف لے گئے، طائف کی مہم میں کامیاب ہو کر مقام جعرانہ واپس آئے اور وہاں جمع شدہ مال غنیمت کی تقسیم شروع فرمائی۔ زیادہ تر مال آپ ﷺ نے اہل مکہ کی تالیف قلب کے لئے ان کو دے دیا۔ دوسرے مستحقین کو بھی عطا فرمایا اور ایک شخص کو اس کے سوال پر بہت زیادہ بکریاں دینے کا وہ واقعہ، جس کا ذکر پیچھے کی حدیث میں گذرا، اسی موقع پر پیش آیا تھا، اس طرح جب آپ ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے تو سارا مال و اسباب

تقسیم کر کے ختم کر چکے تھے، لہذا آگے چل کر راستہ میں جب کچھ دیہاتیوں نے آپ ﷺ سے کچھ سوال کیا تو آپ ﷺ ان کا سوال پورا نہیں کر سکے، ایک طرف تو یہ مجبوری تھی کہ سارا مال واسباب ختم ہو جانے کی وجہ سے آپ ﷺ ان کو کچھ دے نہیں سکتے تھے، دوسری طرف صفائی کے ساتھ انکار کر کے ان کی دل شکنی بھی گوارا نہیں تھی، لیکن جب ان لوگوں نے تنگ اور پریشان کرنے کی حد تک آپ ﷺ کا پیچھا پکڑ لیا تو آپ ﷺ نے ان سے مذکورہ جملے ارشاد فرمائے جس کا مطلب یہ تھا کہ تمہارا سوال پورا نہ کرنے کا حقیقی سبب یہ ہے کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں بچا ہے "جو مال واسباب میرے پاس تھا سب تقسیم کر چکا ہوں، اگر میرے پاس اس جنگل میں پائے جانے والے بے شمار خاردار درختوں کے برابر بھی مال ہوتا تو میں سب کا سب تم لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتا اس وقت تم لوگوں کو تجربہ ہو جاتا کہ نہ تو میں بخیل ہوں کہ خرچ کرنا نہیں چاہتا، نہ یہ بات کہ اپنا مال بچانے اور محض ٹرخانے کے لئے جھوٹا سچا وعدہ کر کے سائلین سے اپنا پیچھا چھڑا لیا کرتا ہوں اور نہ یہ کہ میں چھوٹے دل کا آدمی ہوں اور اس خوف کی وجہ سے تمہیں کچھ دینا نہیں چاہتا کہ اگر تمہیں دے دیا تو میرے پاس کچھ نہیں رہ جائے گا اور خود مجھے فقر و افلاس گھیر لے گا غرضیکہ بخل و کذب اور جبن جیسی بری خصلتیں میرے اندر نہیں پا سکتے۔ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی میں اس بات کی دلیل ہے کہ اعتماد اور بھروسہ پیدا کرنے کے لئے نہ جاننے والے کے سامنے اوصاف حمیدہ کے ذریعہ اپنی تعریف کرنا جائز ہے۔

مخلوق خدا کے تئیں شفقت وہمدردی

⑧ وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ جَاءَ خَدَمُ الْمَدِيْنَةِ بِاٰنِيَتِهِمْ فِيْهَا الْمَاءُ فَمَا يَاْتُوْنَ بِاِنَاءٍ اِلَّا غَمَسَ يَدَهُ فِيْهَا فَرُبَّمَا جَاؤُهُ بِالْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ فَيَغْمِسُ يَدَهُ فِيْهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو اہل مدینہ کے خدام (یعنی لونڈیاں اور غلام، اپنے اپنے برتنوں میں پانی لے کر پہنچ جاتے (تاکہ آپ ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے عافیت اور بیماریوں سے شفا حاصل کریں) چنانچہ جو شخص بھی پانی کا برتن لے کر آتا آپ ﷺ (اس کی خوشی کی خاطر اور اس کو اپنی برکت پہنچانے کے لئے) اس برتن میں اپنا ہاتھ ڈال دیتے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ لوگ سردی کے موسم میں صبح ہی صبح اپنے برتن لے کر آتے اور آپ ﷺ (بڑی خوش دلی کے ساتھ) اپنا دست مبارک ان برتنوں میں ڈال دیتے۔" (مسلم)

تشریح: یہ حدیث نہ صرف آپ ﷺ کی اس شفقت و محبت اور ہمدردی کو ظاہر کرتی ہے جو آپ ﷺ اپنی اُمت کے تئیں رکھتے تھے، بلکہ اس طرف رہنمائی بھی کرتی ہے کہ اگر تکلیف و پریشانی کو برداشت کر کے بھی مخلوق خدا کو فائدہ پہنچایا جا سکتا ہو تو اس سے دریغ نہ کرنا چاہئے۔

غریب و پریشان حال لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا معاملہ

⑨ وَعَنْهُ قَالَ كَانَتْ اَمَةٌ مِنْ اِمَاءِ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ تَاْخُذُ بِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَنْطَلِقُ بِهٖ حَيْثُ شَاءَتْ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مدینہ والوں کی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی کا یہ معاملہ تھا کہ جب اس کو کوئی پریشانی لاحق ہوتی) رسول کریم ﷺ کا ہاتھ پکڑتی اور جہاں اس کا جی چاہتا، آپ ﷺ کو لے جاتی۔" (بخاری)

تشریح: مطلب یہ کہ اگر وہ ضرورت سمجھتی تو آپ ﷺ کو مدینہ سے باہر کہیں دور اس طرح لے چلی جاتی اور وہاں اپنی پریشانی بیان کرتی اور جو کچھ کہنا سننا ہوتا کہتی سنتی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی اُمت کے لوگوں، یہاں تک کہ چھوٹے درجہ کے

افراد سے کس قدر محبت و تعلق تھا اور تواضع و بے نفسی کے کس بلند ترین مقام پر فائز تھے!

(۱۰) وَعَنْهُ اَنَّ امْرَاَةً كَانَتْ فِيْ عَقْلِهَا شَيْءٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ اِلَيْكَ حَاجَةً فَقَالَ يَا اُمَّ فُلَانٍ اُنْظُرِيْ اَيَّ السِّكَكِ شِئْتِ حَتّٰى اَقْضِيَ لَكِ حَاجَتَكِ فَخَلَا مَعَهَا فِيْ بَعْضِ الطُّرُقِ حَتّٰى فَرَغَتْ مِنْ حَاجَتِهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک عورت تھی جس کے دماغ میں کچھ خلل تھا، اس نے ایک دن کہا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) آپ (ﷺ) سے میرا ایک کام ہے (جو لوگوں سے پوشیدہ طور پر کہنے کا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا! "فلانے کی ماں! تم جس کوچہ کو (لوگوں کی نظروں سے محفوظ سمجھو) دیکھ لو (میں تمہارے ساتھ وہاں چلنے کو تیار ہوں) تمہارا جو کام ہوگا میں ضرور کروں گا (یعنی تم جس تنہا مقام پر مجھ سے بات کرنا چاہو چلو میں وہاں چل کر تمہاری بات سن لوں گا)۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کے ساتھ ایک کوچہ میں تشریف لے گئے اور وہاں تنہائی میں اس عورت کو جو کچھ کہنا سننا تھا اس نے کہا سنا۔" (مسلم)

تشریح: یہ حدیث بھی آنحضرت ﷺ کے علو اخلاق کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے نہ صرف اس پاگل عورت کی طرف توجہ دی بلکہ اس نے جہاں چاہا وہ اپنی بات سنانے آپ ﷺ کو لے گئی۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا اس عورت کے ساتھ ایک کوچہ میں تنہائی اختیار کرنا گھر میں اور عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرنے کی مانند نہیں تھا کیونکہ اس کوچہ میں آنحضرت اس عورت کے ساتھ بالکل تنہا نہیں تھے بلکہ وہ لوگ تو وہاں موجود ہی تھے جن کے مکانات وہاں موجود تھے لیکن برعایت حسن ادب وہ حضرات اس جگہ سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہوئے تھے، جہاں آپ ﷺ اس عورت کی بات سن رہے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے اوصاف حمیدہ

(۱۱) وَعَنْهُ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا لَعَّانًا وَلَا سَبَّابًا كَانَ يَقُوْلُ عِنْدَ الْمَعْتِبَةِ مَالَهٗ تَرِبَ جَبِيْنُهٗ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نہ تو فحش گو تھے، نہ لعنت کرنے والے اور نہ بد کلام تھے جب کسی پر آپ ﷺ کو غصہ آتا تو بس یہ فرماتے! کیا ہوا اس کو (جو اس نے یہ بات کہی یا یہ کام کیا) خاک آلود ہو اس کی پیشانی۔" (بخاری)

تشریح: "فحش" کے اصل معنی ہیں "کوئی بات کہنے یا کسی بات کا جواب دینے میں حد سے بڑھ جانا۔" زیادہ تر اس کا استعمال اس کلام کے لئے ہوتا ہے جس میں جماع یا جماع سے متعلق باتوں کا کھلم کھلا ذکر ہو جیسے اوباش و بے حیا اور بد قماش لوگ ماں باپ کی گندی گالیاں اور شرمناک باتیں بکتے ہیں اور اہل حیاء و شریف لوگ ایسی باتوں کا زبان پر لانا تو درکنار، ان کو سننا بھی برداشت نہیں کرتے، بلکہ اگر انہیں اس طرح کوئی بات ضرورۃً بھی کہنا ہوتی ہے تو اس کو اشارے و کنایے میں کہتے ہیں یہاں تک کہ پیشاب و پاخانہ کا ذکر بھی "قضاء حاجت" جیسے مہذب الفاظ میں کنایۃً کرتے ہیں۔ اس طرح "فحش" کا لفظ کثرت و زیادتی، ہر سخت برے گناہ، ہر ایک بری اور قبیح خصلت اور زنا کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

"لعن" کے لغوی معنی ہیں، ہانک دینا، محروم کر دینا، ذلیل کرنا، گالی دینا۔ لعن یا لعنت کی نسبت اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے پروردگار کا اپنے قرب سے دور کر دینا اور اپنی رحمت سے محروم کر دینا اور اگر اس لفظ کی نسبت بندے کی طرف ہو تو اس سے مراد ہوتا ہے: برا کہنا اور رحمت خداوندی سے دوری و محرومی کی بد دعا کرنا۔ مثلاً اگر کہیں یہ آئے کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت کی، یا فلاں پر اللہ کی لعنت نازل ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اپنے مقام قرب سے دور پھینک دیا اور اپنی رحمت سے دور کر دیا اور اگر یہ آئے کہ فلاں شخص نے لعنت کی یا فلاں شخص نے لعنت بھیجی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس شخص نے خدا کی رحمت سے دوری و محرومی کی بد دعا کی! واضح رہے کہ اس شخص پر لعنت کرنا جو لعنت کا مستحق نہ ہو سخت گناہ ہے اور بار بار لعنت کرنا تو گناہ کبیرہ ہے، نیز

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی معین شخص پر لعنت کرنا حرام ہے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، ہاں اگر کسی شخص کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ وہ کفر ہی کی حالت میں مرگیا ہے جیسے ابوجہل وغیرہ تو اس پر لعنت کرنا حرام نہیں ہے، اسی طرح کسی برائی میں مبتلا لوگوں پر عمومی انداز میں لعنت کرنا جیسے یہ کہنا کہ کافروں یا ظالموں، یا سود خواروں وغیرہ وغیرہ پر خدا کی لعنت ہو، حرام نہیں ہے۔ ایک بات یہ بھی جان لینی چاہئے کہ "لعنت" کی دو قسمیں ہیں ایک تو رحمت خداوندی اور دخول جنّت سے محرومی دوری اور ابدی عذاب و تباہی (خلود دوزخ) کے ابتلاء کی بددعا یہ قسم کافروں کے ساتھ مخصوص ہے، اور دوسری قسم کا مطلب ہے! اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص، اس کے قرب اور سابقین کے درجہ سے محرومی کی بددعا، اس قسم کا تعلق بعض درجہ کے گنہگاروں اور بدکاروں سے ہے۔ ان قسموں کے باہمی فرق کو ملحوظ رکھنے سے اس مسئلہ میں پیدا ہونے والے بہت سے اشکال دور ہو جاتے ہیں!

خاک آلود ہو اس کی پیشانی۔" یہ جملہ ذلت و خواری اور نگوساری سے کنایہ ہے۔ مطلب یہ کہ غصہ و ناراضگی کے وقت آپ ﷺ کی طرف سے شدید سے شدید جو ردعمل ظاہر ہوتا تھا وہ بس یہ جملہ تھا جو زبان مبارک سے ادا ہوتا، اور اس میں بھی آپ ﷺ براہ راست اس شخص کو خطاب نہیں فرماتے تھے جو اس غصہ و ناراضگی کا باعث ہوتا، بلکہ اس کی ذات سے اعراض کر کے غائب کا صیغہ استعمال فرماتے۔ اسی طرح کا ایک جملہ "خاک آلود ہو اس کی ناک" آتا ہے، جو اسی معنی اور اسی محل میں استعمال ہوتا تھا، تاہم واضح رہے کہ دونوں جملے ذو معنیین (دو متضاد معنوں کے محتمل) ہیں جس طرح ان جملوں کو بددعا پر محمول کر کے ذلت خواری اور نگوساری سے کنایہ کہا جاسکتا ہے اسی طرح ان دونوں جملوں کو دعا پر محمول کر کے عبادت و سجدہ ریزی سے کنایہ بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ عبادت اور سجدہ کرنے والے کی پیشانی اور ناک کو خاک لگتی ہے، اس صورت میں ان جملوں کا مفہوم یہ ہوگا کہ سجد اللّٰہ وجھک (اللہ تعالیٰ تیرے چہرے کو اپنے حضور سجدہ ریز کرے۔

اپنے دشمنوں کے حق میں بھی بددعا نہیں فرماتے تھے

⑫ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ادْعُ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! (اپنے دشمن) کافروں کے حق میں بددعا فرمائیے، تاکہ وہ ہلاک ہوں اور ان کی جڑ اکھڑ جائے) تو فرمایا! "مجھ کو لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے، بلکہ مجھ کو تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔" (مسلم)

تشریح: "مجھ کو تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔" کے ذریعہ آپ ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ میں سارے جہاں کے لئے رحمت کا باعث ہوں، کیا مؤمن اور کیا کافر، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

"اور آپ ﷺ کو تو سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

اس صورت میں جب کہ سب ہی کے حق میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، کافروں کے حق میں بددعا کیسے کر سکتا ہوں خواہ وہ میرے کیسے ہی دشمن کیوں نہ ہوں۔

اہل ایمان کے حق میں آنحضرت ﷺ کا باعث رحمت ہونا تو ظاہر ہی ہے، رہی کافروں کی بات، تو ان کے حق میں آپ ﷺ کا باعث رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دین اور اس کے رسول کی سخت نافرمانی، سرکشی اور دشمنی کے باوجود محض آنحضرت ﷺ کے بابرکت وجود کے باعث ان پر سے دنیا کا عذاب اٹھا لیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔

"اس حالت میں کہ آپ ان کے درمیان موجود ہیں اللہ تعالیٰ ان پر (دنیا میں) عذاب نازل نہیں کرے گا۔"

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی اس برکت کو حیات مبارکہ تک ہی محدود نہیں رکھا، ہمیشہ کے لئے اس برکت کو باقی رکھا اور طے فرمادیا کہ کلی استیصال کا عذاب قیامت تک نازل نہیں ہوگا، جب کہ کتنی ہی گذشتہ امتیں اپنے پیغمبروں کی بددعا کی وجہ سے کلیۃً نیست ونابود کردی گئیں اور ان کا معمولی سا وجود بھی باقی نہیں رہا۔

طیبیؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ میں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ کسی کو اللہ کی رحمت سے دور کروں بلکہ اس دنیا میں میری بعثت کا مقصد یہی ہے کہ میں اللہ کی نازل کردہ ہدایت، اپنی تعلیمات اور اپنے اخلاق کی طاقت سے لوگوں کو اللہ اور اس کی رحمت کے قریب کروں، ایسی صورت میں جب کہ کسی کے حق میں بددعا کرنا یا کسی پر لعنت بھیجنا میری شان سے بعید اور میرے حال کے غیر مناسب ہے تو میں ان کافروں کے حق میں بھی کیسے بددعا کروں اور کس طرح ان پر لعنت بھیجوں۔

آنحضرت ﷺ کی شرم وحیا

(۱۳) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِدْرِهَا فَاِذَا رَاٰى شَيْئًا يَكْرَهُهُ عَرَفْنَاهُ فِيْ وَجْهِهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ پردہ میں رہنے والی کنواری لڑکی سے بھی زیادہ باحیا تھے، جب کوئی خلاف مزاج بات (طبعی طور پر غیر پسندیدہ یا غیر شرعی ہونے کی وجہ سے) پیش آجاتی تو ہم آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے آپ ﷺ کی ناگواری کو محسوس کرلیتے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "خدر" پردہ کو کہتے ہیں۔ "پردہ میں رہنے والی کنواری لڑکی۔" اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ جتنی زیادہ شرم وحیا اس کنواری لڑکی میں ہوتی ہے جو پردہ میں رہتی ہے اور گھر سے باہر قدم نہیں نکالتی اتنی اس کنواری لڑکی میں نہیں ہوتی جو بے پردہ ہوتی ہے اور گھر سے باہر پھرتی ہے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کے سامنے کوئی ایسی بات پیش آتی جو طبعی طور پر غیر پسندیدہ یا غیر شرعی ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے مزاج کے خلاف ہوتی تو اس کی ناگواری کے اثر سے چہرہ مبارک فورًا متغیر ہوجاتا اور ہم اس تغیر سے آپ ﷺ کی ناگواری کو محسوس کرکے اس کے دفعیہ کی کوشش کرتے، چنانچہ آپ ﷺ کے چہرے سے ناگواری کے اثرات ختم ہو جاتے تھے اور یہ محسوس ہونے لگتا تھا کہ آپ ﷺ بالکل غصہ نہیں ہوئے تھے لیکن یہ اس صورت میں ہوتا تھا جب اس خلاف مزاج بات کا تعلق کسی طبعی امر سے ہوتا یا کسی ایسے شرعی امر سے ہوتا جس کا ارتکاب حرام وناجائز نہیں بلکہ مکروہ ہوتا۔

نوویؒ نے یہ مطلب لکھا ہے کہ جو خلاف مزاج بات پیش آتی غلبۂ حیا سے آپ ﷺ اس کے خلاف ناگواری کا اظہار زبان سے نہ کرتے بلکہ اس کے اثرات آپ ﷺ کے چہرے پر ظاہر ہوجاتے تھے، چنانچہ صحابہؓ آپ ﷺ کے چہرے کے تغیر سے آپ کی ناگواری اور ناراضگی کو محسوس کرلیتے تھے۔

اس حدیث سے نہ صرف یہ کہ شرم وحیا کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے بلکہ یہ سبق ملتا ہے کہ اس وصف کو اپنے اندر زیادہ سے زیادہ پیدا کرنا چاہئے تاوقتیکہ اس کی وجہ سے کسی شرعی وانسانی فریضہ کی ادائیگی میں رکاوٹ پیدا نہ ہو اور کسی طرح کا کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

منہ کھول کر نہیں ہنستے تھے

⑭ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِكًا حَتّٰی اَرٰی مِنْهُ لَهَوَاتِهِ وَاِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو کبھی اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ کا سارا منہ کھل گیا ہو اور مجھے آپ ﷺ کے حلق کا کوا نظر آیا ہو، آپ ﷺ کی ہنسی بس مسکراہٹ تک محدود رہتی تھی۔" (بخاری)

تشریح: مطلب یہ کہ جس طرح دوسرے لوگ قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنستے ہیں اور اس وقت ان کا پورا منہ اتنا زیادہ کھل جاتا ہے کہ اندر کے مسوڑھے، تالو اور حلق کا کوا تک نظر آجاتا ہے، اس طرح آنحضرت ﷺ کبھی نہیں ہنسے، اکثر کسی خوشی و مسرت کی بات پر آپ مسکرا دینے ہی پر اکتفا فرماتے تھے۔ کبھی کبھی ہلکی ہنسی بھی ہنس لیتے تھے، اس کی تفصیل پیچھے اس موضوع سے متعلق باب میں گذر چکی ہے۔

حضور ﷺ کی گفتگو کا بہترین انداز

⑮ وَعَنْهَا قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَسْرُدُ الْحَدِيْثَ كَسَرْدِكُمْ كَانَ يُحَدِّثُ حَدِيْثًا لَوْ عَدَّهُ الْعَادُّ لَاَحْصَاهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ تیز تیز اور مسلسل بات نہیں کرتے تھے جس طرح تم لوگ مسلسل بولے چلے جاتے ہو، آپ ﷺ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے کہ اگر کوئی گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔" (بخاری)

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ گفتگو کا انداز اور بولنے کا طرز نہایت عام فہم اور دلکش اور باوقار تھا نہایت مہذب و عقلمند اور سنجیدہ لوگوں کی طرح آپ ﷺ بھی ٹھہر ٹھہر کر، ایک ایک جملہ کو الگ الگ کرکے بڑے باوقار لہجہ میں گفتگو کرتے تھے، اگر کوئی چاہتا کہ آپ ﷺ کے الفاظ اور جملوں کو گن لے تو یقیناً گن سکتا تھا، آپ ﷺ کی گفتگو کا انداز وہ بالکل نہیں تھا جو عام لوگوں کا ہوتا ہے کہ جب بات کرتے ہیں تو زبان مسلسل اور تیزی کے ساتھ چلتی رہتی ہے، اس تیزی و روانی میں نہ جملوں کی ترتیب موزوں ہوتی ہے اور نہ الفاظ کی ادائیگی صاف ہوتی ہے جس سے مخاطب کو بات سمجھنے میں دقت اور اشتباہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

گھر کے کام خود کرتے تھے

⑯ وَعَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ مَاكَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِیْ بَيْتِهِ قَالَتْ كَانَ يَكُوْنُ فِیْ مِهْنَةِ اَهْلِهِ تَعْنِیْ خِدْمَةَ اَهْلِهِ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوةِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت اسودؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ گھر میں کیا کیا کرتے تھے تو انہوں نے فرمایا: آنحضرت ﷺ اپنے گھر میں خانگی کام کرتے رہتے تھے، اور جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لئے چلے جاتے تھے (اس وقت سارا کام کاج چھوڑ دیتے تھے، اور گھر والوں سے کوئی مطلب نہیں رکھتے تھے۔" (بخاری)

تشریح: مَهْنَةٌ یا مِهْنَةٌ کے معنی ہیں خدمت کرنا اور کام کاج میں لگے رہنا۔ چنانچہ خود حضرت عائشہؓ نے بھی اس لفظ کی یہی وضاحت فرمائی کہ اس سے مراد گھر والوں کی خدمت کرنا اور خانگی کام کاج میں لگے رہنا ہے جیسے بکری کا دودھ دوہنا، جوتی کا مرمت کرنا اور کپڑوں میں پیوند لگانا وغیرہ وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھر اور گھر والوں کی خدمت اور کام کاج میں لگے رہنا، انبیاء کی سنت اور صالحین کے طور طریقوں میں سے ہے۔

حدیث کے راوی حضرت اسود جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، انہوں نے نبوت کا زمانہ پایا، خلفاء اربعہؓ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اکابر صحابہؓ سے سماعت حدیث کا شرف حاصل کیا، بڑے عابد وزاہد، نیک متقی اور اعلیٰ اوصاف کے حامل تھے، ان کو ۸۰ حج و عمرے ادا کرنے کی سعادت ملی۔ آخر وقت تک ہمیشہ روزے رکھتے رہے اور ہر رات دو قرآن شریف ختم کرتے تھے، اونچے درجہ کے فقیہہ تھے اور بہت زیادہ روایتیں نقل کرتے ہیں۔

کبھی کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے

(۱۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَاخُيِّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَمْرَيْنِ قَطُّ اِلَّا اَخَذَ اَيْسَرَ هُمَا مَالَمْ يَكُنْ اِثْمًا فَاِنْ كَانَ اِثْمًا كَانَ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهٖ فِيْ شَيْءٍ قَطُّ اِلَّا اَنْ يُّنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ بِهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو جب بھی دو کاموں میں سے کسی ایک کام کو چن لینے کا اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ ہمیشہ اسی کام کو چنتے جو ہلکا اور آسان ہوتا، بشرطیکہ وہ گناہ کا موجب نہ ہوتا، اگر وہ (ہلکا اور آسان) کام گناہ کا موجب ہوتا تو آپ اس سے سب سے دور رہنے والے شخص ہوتے۔ اور آنحضرت ﷺ اپنی ذات کے لئے کبھی کسی بات کا انتقام نہیں لیتے تھے، ہاں اگر کوئی ایسی بات ہوتی جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے تو پھر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ (کے حکم) کے پیش نظر اس کی سزا دیتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کی وضاحت میں علماء اور شارحین نے لکھا ہے کہ اختیار دینے کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بھی ہوسکتا ہے اور لوگوں سے بھی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار ملنا مراد ہو تو اس صورت میں یہ اشکال پیدا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کا معصوم عن الخطا ہونا نص سے ثابت ہے اور کسی گناہ کی طرف آپ ﷺ کی نسبت ہو ہی نہیں سکتی، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو ایسی دو چیزوں میں سے کوئی ایک چیز پسند کر لینے کا اختیار کیسے دیا جاسکتا تھا جس میں سے کوئی بھی ایک چیز گناہ کا موجب ہوتی؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ "بشرطیکہ اس میں گناہ کی کوئی بات ہوتی۔" میں گناہ سے مراد وہ چیز ہے جو بذات خود تو گناہ کی نہ ہو لیکن وہ کسی بھی درجہ میں گناہ تک پہنچانے کا احتمال رکھتی ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اختیار دیا تھا کہ دنیاوی زندگی گذارنے کے لئے چاہے دنیا کے خزانے لے لیں جو آپ ﷺ کو دے دیئے جائیں گے، چاہے بقدر ضرورت وحاجت روزی پر قناعت کریں، ان دونوں میں سے دوسری چیز کو آپ ﷺ نے اختیار فرمایا، اور پہلی چیز کو آپ ﷺ نے اس لئے پسند نہیں فرمایا کہ اگر دنیاوی مال و دولت کے خزانے بذات خود کوئی گناہ کی چیز نہیں لیکن اس بات کا احتمال ضرور ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس کے کاروبار اور معاملات میں اس طرح مشغول و مصروف ہوجائے کہ عبادت اور دینی امور کی طرف ضروری توجہ بھی نہ دے سکے پس اس حدیث کا اطلاق اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار ملنے پر کیا جائے تو یہ بات ضرور ملحوظ رکھی جائے کہ "گناہ" سے مراد واقعی گناہ نہیں ہے بلکہ وہ چیز مراد ہے جو گناہ کے احتمال کو ظاہر کرنے والی ہو اور ایسی چیز بذات خود گناہ میں شمار نہیں ہوتی۔ لوگوں کی طرف سے اختیار ملنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کافروں کی طرف سے اختیار ملنا مراد ہو، اس صورت میں بالکل ظاہر ہے کہ ان دو چیزوں میں سے ایک چیز گناہ کا موجب ضرور ہوتی ہوگی، اور دوسرے یہ کہ مسلمانوں کی طرف سے اختیار ملنا مراد ہو تو اس صورت میں گناہ سے مراد وہ چیز ہوگی جو گناہ کا باعث بنتی ہو جیسے مجاہدہ اور اقتصاد کے درمیان اختیار ملنا، ظاہر ہے کہ مجاہدہ اگرچہ گناہ کی چیز نہیں ہے لیکن اگر مجاہدہ میں اتنی زیادتی اور شدت اختیار کی جائے جو ہلاکت کو پہنچادے تو مجاہدہ ناجائز ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار ملنے کی ایک صورت وہ بھی مراد ہوسکتی ہے جس کا تعلق آپ کی ذات سے نہیں، بلکہ آپ ﷺ کے واسطہ سے دوسروں کی ذات سے ہو مثلاً اگر اختیار دیا جاتا کہ آپ اپنی اُمت کے حق میں فلاں گناہ کی ان دو سزاؤں میں سے کسی ایک سزا کو

پسند کر لیجئے تو آپ اس سزا کو پسند کرتے جو ہلکی ہوتی، یا اگر یہ کہا جاتا کہ آپ ﷺ اپنی اُمّت کے حق میں ان دو چیزوں میں سے اس چیز کو پسند فرماتے جو سزا کا مستوجب کرنے والی نہ ہوتی، یا مثلاً آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا کہ جو کفار آپ ﷺ کے زیر تسلط آئیں ان کو چاہے قتل کر دیجئے چاہے ان پر جزیہ عائد کر کے ان کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کیجئے آپ ﷺ نے جزیہ کی صورت پسند فرمائی، اور یا آپ ﷺ کو خدا کے حق میں اختیار دیا گیا تھا کہ اس کی عبادت میں چاہے مجاہدہ کو پسند کریں، چاہے اقتصاد کو، آپ ﷺ نے اقتصاد کو پسند فرمایا۔

"اپنی ذات کے لئے کبھی کسی بات کا انتقام نہیں لیتے تھے۔" کے بارے میں ابن حجرؒ نے لکھا ہے! اس کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی کسی غلطی یا جرم کی سزا اپنی ذات کا انتقام لینے یا اپنی طبعی خواہش کی تکمیل کے لئے نہیں دیتے تھے۔ اس وضاحت سے آپ ﷺ کے اس عمل پر کوئی اشکال پیدا نہیں ہوگا کہ آپ ﷺ نے ایسے کئی لوگوں کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا جنہوں نے آپ ﷺ کو سخت ایذائیں پہنچائی تھیں۔ ان لوگوں کے قتل کا حکم اس جرم کی سزا دینے کے لئے تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی باتوں کا ارتکاب کیا تھا اور اسلام دشمنی میں حد سے بڑھ جانے کے سبب اللہ کی طرف سے سزا کے مستوجب بن چکے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی کو نہیں مارا۔

(۱۸) وَعَنْهَا قَالَتْ مَاضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهٖ وَلَا امْرَاَةً وَلَا خَادِمًا اِلَّا اَنْ يُجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَانِيْلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمَ مِنْ صَاحِبِهٖ اِلَّا اَنْ يُّنْتَهَكَ شَيْءٌ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کبھی کسی چیز (یعنی کسی آدمی) کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، عورت اور خادم کو بھی نہیں، علاوہ اس صورت کے جب آپ ﷺ خدا کی راہ میں جہاد کرتے تھے، اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ (کسی شخص کی طرف سے) آپ ﷺ کو کوئی اذیت و تکلیف پہنچی ہو اور آپ ﷺ نے اذیت و تکلیف پہنچانے والے سے انتقام لیا ہو، ہاں اگر خدا کی حرام کی ہوئی کسی چیز کا ارتکاب کیا جاتا تو آپ اللہ (کے حکم کی تعمیل) کے لئے اس کی سزا دیتے تھے۔" (مسلم)

تشریح: ترجمہ میں بین القوسین "آدمی" کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ بعض موقعوں پر سواری کے جانور کو مارنا منقول ہے۔ "خادم" کا اطلاق مرد و عورت دونوں صنف کے خادم پر ہوتا ہے! نیز اس ارشاد گرامی میں خادم اور عورت کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا گیا ہے کہ عام طور پر ان دونوں کو "کمزور جان کر زیادہ مارا اور ستایا جاتا ہے اور چونکہ مرد کا عام زندگی میں انہیں دونوں سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے، نجی اور خانگی معاملات کا بیشتر انحصار انہی پر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ان کی طرف سے غصہ اور ناراضگی کے مواقع زیادہ آتے رہتے ہیں، اس لئے ان دونوں کو خاص طور پر ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمایا گیا کہ اس باب میں ان دونوں کو غیر اہم نہ جانا جائے، ایسا نہیں ہے کہ ان دونوں کی کمزوری اور لاچاری کا فائدہ اٹھا کر ان کے ساتھ کوئی بھی سلوک روا رکھا جا سکتا ہے اور ذرا ذرا سی بات پر ان کو مارا پیٹا جا سکتا ہے اگرچہ بعض حالات میں اور کچھ شرائط کے ساتھ ان کو تھوڑا بہت مار دینا جائز ہے، لیکن ان حالات میں مارنے سے اجتناب کرنا ہی اولیٰ قرار پاتا ہے۔ اس پر اولاد کو مارنے کے مسئلہ کو قیاس نہ کرنا چاہئے کیونکہ ان کی تادیب سب سے مقدم ہے اور اس سلسلہ میں کسی رو رعایت کی گنجائش نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاد کو مارنا اس کی اصلاح کے لئے ہوتا ہے جب کہ ان دونوں کو مارنے کا تعلق زیادہ تر نفس کے غلط تقاضے سے ہوتا ہے، صحیح تربیت اور تادیب کے پیش نظر اولاد کی غلطی پر اس کو مارنا اولیٰ ہے اور نفس کے تقاضے اور غصہ پر قابو رکھنے کے لئے ان دونوں (خادم اور عورتوں) کے تئیں عفو و درگذر کا معاملہ اولیٰ قرار پایا۔

"علاوہ اس صورت کے جب آپ ﷺ خدا کی راہ میں جہاد کرتے تھے۔" خدا کی راہ میں جہاد خدا کے دشمنوں سے ہوتا ہے، اس لئے اس وقت آنحضرت ﷺ کسی کے ساتھ عفو و درگذر کا معاملہ نہیں کرتے تھے، چنانچہ غزوۂ احد میں ایک دشمن خدا ابی ابن خلف کو

آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ نیز یہاں "خدا کی راہ میں جہاد" کا اطلاق صرف خدا کے دشمنوں کو مارنے ہی پر نہیں بلکہ حدود و تعزیرات (شرعی و دینی سزاؤں کے نفاذ) کی صورتیں بھی مراد ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

خدام کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا برتاؤ

(۱۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا ابْنُ ثَمَانِ سِنِیْنَ خَدَمْتُہٗ عَشْرَ سِنِیْنَ فَمَا لَا مَنِیْ عَلٰی شَیْءٍ قَطُّ اُتِیَ فِیْہِ عَلٰی یَدَیَّ فَاِنْ لَا مَنِیْ لَائِمٌ مِنْ اَھْلِہٖ قَالَ دَعُوْہُ فَاِنَّہٗ لَوْ قُضِیَ شَیْءٌ کَانَ ھٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِیْحِ وَرَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ مَعَ تَغَیُّرٍ یَسِیْرٍ۔

"حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ جب مجھ کو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو میری عمر آٹھ سال کی تھی، اس وقت سے مسلسل دس سال تک میں آپ ﷺ کی خدمت کے فرائض انجام دیتا رہا (جو مدینہ میں آپ ﷺ کی کل مدت قیام ہے) اس پورے عرصہ میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میرے ہاتھ سے کوئی چیز ضائع ہوگئی ہو اور آپ ﷺ نے مجھ کو ملامت کی ہو، اگر آنحضرت ﷺ کے اہل بیت میں سے کوئی شخص (کسی چیز کے ضائع ہو جانے پر) مجھ کو ملامت کرتا تو آپ ﷺ فرماتے جانے دو، اس کو ملامت نہ کرو، حقیقت یہ ہے کہ جو بات ہونے والی ہوتی ہے ضرور ہو کر رہتی ہے۔" روایت کے یہ الفاظ مصابیح کے ہیں اور بیہقی نے بھی اس روایت کو کچھ الفاظ کے تغیر و تبدل کے ساتھ شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: "جو بات ہونے والی ہوتی ہے ...... الخ" کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی چیز کا ٹوٹنا پھوٹنا اور تلف ہونا قضاء و قدر الٰہی کے تحت ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کا ظاہری سبب کچھ ہو لہٰذا اگر کوئی شخص کسی چیز کے ضائع ہو جانے کا ظاہری سبب بنا ہے تو اس کو ملامت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اسی حقیقت کے پیش نظر ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر لونڈی و خادمہ کے ہاتھ سے کوئی برتن ٹوٹ جائے تو اس کو مارو نہیں کیونکہ ہر چیز کے لئے فنا ہے اور اس کے باقی رہنے کی ایک مدت مقرر ہے۔"

آنحضرت ﷺ کے اوصاف حمیدہ

(۲۰) وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ لَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا سَخَّابًا فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا یَجْزِیْ بِالسَّیِّئَۃِ السَّیِّئَۃَ وَلٰکِنْ یَعْفُوْ وَیَصْفَحُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں: رسول کریم ﷺ نہ تو خلقی و طبعی طور پر فحش گو تھے اور نہ قصداً فحش گوئی کرتے تھے۔ (گویا کسی بھی طرح اور کسی بھی حالت میں آپ ﷺ سے فحش گوئی کا صدور نہیں ہوتا تھا) اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے تھے (جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے) اور نہ آپ ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے لیتے تھے، بلکہ (برائی کرنے والے کو دل سے) معاف کر دیتے تھے اور (ظاہر میں بھی) اس سے عفو و درگذر کا معاملہ کرتے تھے (اور اس طرح آپ ﷺ حق تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کرتے تھے: (فَاعْفُ عَنْھُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔)" (ترمذی)

حضور ﷺ میں تواضع وانکساری

(۲۱) وَعَنْ اَنَسٍ یُحَدِّثُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَعُوْدُ الْمَرِیْضَ وَیَتْبَعُ الْجَنَازَۃَ وَیُجِیْبُ دَعْوَۃَ الْمَمْلُوْکِ وَیَرْکَبُ الْحِمَارَ وَلَقَدْ رَاَیْتُہٗ یَوْمَ خَیْبَرَ عَلٰی حِمَارٍ خِطَامُہٗ لِیْفٌ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ

الْإِيْمَانِ۔

"اور حضرت انسؓ نے (ایک موقع پر) نبی کریم ﷺ کے متعلق (بہترین اخلاق وعادات کا ذکر کرتے ہوئے) بیان کیا کہ: "آپ ﷺ بیمار کی عیادت کرتے، جنازہ کے ساتھ جاتے، مملوک وغلام کی دعوت قبول فرمالیتے اور گدھے پر سوار ہونے میں بھی کوئی تکلف نہیں فرماتے تھے، چنانچہ غزوۂ خیبر کے دن میں نے آپ ﷺ کو ایک گدھے پر سوار دیکھا جس کی باگ کھجور کے پوست کی تھی۔" اس روایت کو ابن ماجہؒ نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے نقل کیا ہے۔"

تشریح: "مملوک" سے مراد وہ غلام ہے جو اپنے مالک کی اجازت سے آپ ﷺ کی دعوت کرتا تھا، اس سے ثابت ہوا کہ جب آنحضرت ﷺ کسی غلام کی دعوت وضیافت کو رد کرنا گوارہ نہیں کرتے تھے تو کسی آزاد و خود مختار شخص کی دعوت کو تو بدرجہ اولی رد نہیں کرتے ہوں گے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے جن اوصاف حمیدہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب آپ ﷺ کی کسر نفسی، تواضع، کسی فرق وامتیاز کے بغیر تمام انسانوں سے آپ ﷺ کی محبت وشفقت اور اپنی بڑائی کے اظہار اور غرور وتکبر سے کلیۃً اجتناب پر دلالت کرتے ہیں! وقت ضرورت گدھے پر سوار ہونے سے بھی گریز نہ کرنا اور خصوصاً غزوۂ خیبر کے دن، جو شوکت وسطوت کے اظہار کا دن تھا، گدھے پر سوار ہونا اس بات کی علامت ہے کہ نہ آپ ﷺ میں بادشاہوں اور دنیادار بڑے لوگوں جیسی خوبو تھی اور نہ آپ ﷺ علوئے نفس کے جذبہ سے تکلفات اور ظاہرداری اختیار کرنا گوارہ کرتے تھے۔

اپنا جوتا خود گانٹھ لیتے تھے

(۲۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْصِفُ نَعْلَهٗ وَيَخِيْطُ ثَوْبَهٗ وَيَعْمَلُ فِيْ بَيْتِهٖ كَمَا يَعْمَلُ اَحَدُكُمْ فِيْ بَيْتِهٖ وَقَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يَفْلِيْ ثَوْبَهٗ وَيَحْلُبُ شَاتَهٗ وَيَخْدُمُ نَفْسَهٗ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنی جوتیاں خود گانٹھ لیتے تھے، اپنا (نیایا پرانا) کپڑا خود سی لیتے تھے اور اپنے گھر کا کام کاج اسی طرح کرتے تھے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے گھر میں کام کاج کرتا ہے۔" اور حضرت عائشہؓ نے مزید فرمایا: "آنحضرت ایک ایسے ہی انسان تھے جیسے دوسرے انسان ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ اپنے کپڑے کی جوئیں خود دیکھتے تھے، اپنی بکری کا دودھ خود دوہتے تھے اور اپنی خدمت آپ ﷺ کر لیتے تھے (یعنی اپنا ذاتی کام خود ہی کر لیا کرتے تھے کسی دوسرے سے کرنے کے لئے کم ہی کہا کرتے تھے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "اپنے کپڑے کی جوئیں خود دیکھتے تھے۔" سے مراد یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً اپنے کپڑوں کو خود دیکھا کرتے تھے کہ کہیں ان میں جوئیں تو نہیں پڑ گئی ہیں۔ پس یہ بات اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں آیا ہے کہ جوئیں آپ ﷺ کو پریشان نہیں کرتی تھیں! نیز مواہب لدنیہ میں ہے کہ آپ ﷺ کے کپڑوں یا بدن مبارک کے کسی حصہ میں کبھی کوئی جوں نہیں پڑی۔ اسی طرح امام فخر الدین رازیؒ نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بدن مبارک پر کبھی کوئی مکھی نہیں بیٹھی اور نہ کبھی مچھر وغیرہ نے آپ ﷺ کو پریشان کیا۔

آنحضرت ﷺ ایسے ہی ایک انسان تھے....... الخ۔" اس جملہ کے بارے میں طیبیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے یہ بات بطور تمہید فرمائی جس کا مقصد آگے کہی جانے والی بات کے پس منظر کو ظاہر کرنا تھا۔ دراصل حضرت عائشہؓ نے جب دیکھا اور سنا کہ کفار ومشرکین یہ کہتے ہیں کہ اگر محمد ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہوتے تو وہ اپنا رہن سہن اور طور طریقہ عام لوگوں کی طرح نہ رکھتے، گویا ان کفار کے نزدیک خدا کے رسول کو اس بادشاہ اور سردار کی طرح اپنی زندگی گذارنی چاہئے تھی جو عام لوگوں کے رہن سہن اور طور طریقوں سے اجتناب کرتا ہے، شان وشوکت کے ساتھ رہتا ہے، اپنی بڑائی اور دبدبہ کو ظاہر کرتا ہے۔ کفار کی اس بات کو قرآن نے بھی ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ۔

"اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ عام لوگوں کی طرح کھانا کھاتا ہے، اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔"

پس حضرت عائشہؓ نے کفار کے اس خیال اور قول کی تردید میں فرمایا کہ آنحضرت ﷺ اللہ کی مخلوقات ہی میں سے ایک مخلوق تھے اور اسی طرح ایک انسان تھے جیسے اولاد آدم میں سے دوسرے انسان ہیں۔ اگر دوسرے انسانوں اور آپ ﷺ میں کوئی فرق ہے تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی رسالت و نبوت کے منصب عظمیٰ سے سرفراز فرمایا، آپ ﷺ کو انسانیت کے اعلیٰ ترین قدروں سے مزین کیا اور آپ ﷺ کو اخلاق و اطوار کی وہ خوبیاں عطا فرمائیں جن سے آپ ﷺ کی ذات آدمیت کے شرف و امتیاز کا مظہر اور نمونہ قرار پائی، جیسا کہ قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ۔

"آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے جیسا ایک انسان ہوں بس فرق یہ ہے کہ) مجھ پر وحی آتی ہے۔"

چنانچہ ذاتی عظمت اور اخلاق انسانی کی بلندی کی اس سے بڑی مثال اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ آپ ﷺ شرف و مرتبت کے سب سے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے باوجود ایک عام انسان جیسی زندگی گذارتے تھے اور خدا کے عام بندوں کی طرح نہایت سادگی اور جفاکشی کے ساتھ رہتے تھے، ایک طرف آپ ﷺ روحانی طور پر عرش کی بلندیوں تک رسائی رکھتے تھے، دوسری طرف جسمانی طور پر خاک نشینوں کی سی کسر نفسی رکھتے تھے، عام لوگوں کے ساتھ خلط ملط، ان جیسا رہن سہن، ان جیسی محنت و مشقت اور ان کے ساتھ ہمدردی و غمگساری اور امداد و معاونت آپ ﷺ کی بلند اخلاقی کا پرتو بھی تھا اور آپ ﷺ کے اس عمل و کردار میں دوسرے لوگوں کے لئے یہ تعلیم و تلقین بھی تھی کہ تواضع و انکساری کو انسانی کردار کی بلندی سمجھا جائے اور اللہ تعالیٰ کے پیغام اور اس کی ہدایت کو اس کی مخلوق تک پہنچانے کی ذمہ داری کو ایک ایسا منصب جانا جائے، جس کے فرائض کی انجام دہی عوامی رابطہ کے بغیر ممکن نہیں اور عوامی رابطہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب اپنے نفس کو خود بینی و خود پسندی کے جال سے نکال کر اور ظاہر شان و شوکت سے اجتناب کر کے خود کو ایک عام انسان کی صورت میں پیش کیا جائے۔

آنحضرت ﷺ کا عوامی تعلق

(۲۳) وَعَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ دَخَلَ نَفَرٌ عَلٰى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالُوْا لَهٗ حَدِّثْنَا اَحَادِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ جَارَهٗ فَكَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ بَعَثَ اِلَيَّ فَكَتَبْتُهٗ لَهٗ فَكَانَ اِذَا ذَكَرْنَا الدُّنْيَا ذَكَرَهَا مَعَنَا وَاِذَا ذَكَرْنَا الْاٰخِرَةَ ذَكَرَهَا مَعَنَا وَاِذَا ذَكَرْنَا الطَّعَامَ ذَكَرَهٗ مَعَنَا فَكُلُّ هٰذَا اُحَدِّثُكُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت خارجہ ابن زید ابن ثابت کہتے ہیں کہ (ایک دن) کچھ لوگوں کی جماعت (میرے والد محترم، حضرت زید ابن ثابتؓ کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کی (وہ) حدیثیں بیان کیجئے (جو آنحضرت ﷺ کی خوش خلقی اور عام لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ کے بہترین اور خوشگوار تعلقات کو ظاہر کریں) حضرت زیدؓ نے کہا "میں آنحضرت ﷺ کے بالکل پڑوس میں رہا کرتا تھا، جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ ذرا مجھے بلا بھیجتے، میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ ﷺ کے حکم سے وحی لکھتا۔ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب ہم دنیا (کی خرابیوں یا دنیا کے مزرعۃ الآخرۃ ہونے کے اعتبار سے اس کی خوبیوں) کا ذکر کرتے تو آنحضرت ﷺ بھی ہمارے ساتھ اس دنیاوی ذکر میں شامل ہو جاتے، جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ ﷺ بھی ہمارے

ساتھ آخرت کا ذکر کرتے، اور جب ہم کھانے پینے کا ذکر کرتے تو آپ ﷺ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے۔ یہ تمام باتیں میں تم لوگوں کو رسول کریم ﷺ کی بتا رہا ہوں۔" (ترمذی)

تشریح: میں آنحضرت ﷺ کے بالکل پڑوس میں رہا کرتا تھا......الخ" اس جملہ کے ذریعہ حضرت زیدؓ نے اس طرف اشارہ کیا کہ مجھے روحانی اور جسمانی دونوں طور پر بہت زیادہ قربت حاصل تھی، اس اعتبار سے آنحضرت ﷺ کی خانگی اور سماجی زندگی کی تفصیل اور آپ ﷺ کے روزمرہ کے معاملات وحالات کا علم دوسروں کی بہ نسبت مجھے بہت زیادہ ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور عوام کے درمیان بڑا گہرا سماجی رابطہ تھا، اور آپ ﷺ اپنے صحابہ اور لوگوں کے ساتھ نہایت خوشگوار اور بے تکلفانہ معاشرتی تعلقات رکھتے تھے، آپ ﷺ ان کی سماجی گفت وشنید، علمی بحث ومباحثہ، دینی باتوں کے ذکر و اذکار اور ان دنیاوی معاملات و اخبار میں مساوی طور پر حصہ لیا کرتے تھے جن کا تعلق معاشرہ کے مختلف احوال و کوائف، واقعات وحادثات اور لوگوں کے حقوق وعادات سے ہوتا تھا لیکن یہ گفت وشنید اور ذکر واذکار اور اس میں آپ ﷺ کی شرکت کا تعلق صرف ان باتوں سے ہوتا تھا جو مذموم و مکروہ نہ ہوتیں، جہاں تک مذموم و مکروہ باتوں کا تعلق ہے تو نہ یہ ہوسکتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں اور آپ ﷺ کے سامنے ان کا ذکر آئے اور نہ اس ذکر واذکار میں آپ ﷺ کی شرکت کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ پس یہ حدیث اس روایت کے منافی نہیں ہے کہ:

انه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کان یخزن لسانه الا فیما یعینه و ان مجلسه علم۔

"آنحضرت ﷺ اپنی زبان کو محفوظ (بند) رکھتے تھے علاوہ اس بات کے جو کام کی اور ضروری ہو، یقیناً آپ ﷺ کی مجلس خالص علمی مجلس ہوتی تھی۔"

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بسا اوقات دنیاوی معاملات کے ذکر واذکار سے بہت سے علمی، معاشرتی معلوماتی، اور ادبی فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں، لہٰذا جس مجلس میں کسی بھی ایسے دنیاوی امور سے متعلق گفتگو ہو جن سے مذکورہ فائدے حاصل ہوتے ہوں تو اس مجلس کو علمی مجلس ہی میں شمار کیا جائے گا، اور اگر کسی دنیاوی معاملہ سے متعلق غیر مذہبی بات چیت کے بارے میں یہ بھی فرض کرلیا جائے کہ وہ مذکورہ فائدوں سے خالی رہی ہو اس صورت میں اس بات چیت اور اس میں آنحضرت ﷺ کی شرکت کو بیان جواز پر محمول کیا جائے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ سے اکثر مباح امور میں بھی بات کرلیا کرتے تھے تاکہ وہ (صحابہؓ) اس کا جواز جان لیں اور بیان جواز کے لئے اس طرح کی بات چیت میں حصہ لینا آنحضرت ﷺ پر واجب بھی تھا۔

یہ تمام باتیں تم لوگوں کو رسول کریم ﷺ کی بتا رہا ہوں " حضرت زیدؓ نے یہ بات حدیث کے صحیح اور مستند ہونے کو اہمیت کے ساتھ ظاہر کرنے اور روایت حدیث کی شرائط کو پورا کرنے کے لئے کہی۔

مصافحہ و مواجہہ اور مجلس میں نشست کا طریقہ

(۲۴) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا صَافَحَ الرَّجُلَ لَمْ يَنْزِعْ يَدَهُ مِنْ يَدِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الَّذِيْ يَنْزِعُ يَدَهُ وَلَا يَصْرِفُ وَجْهَهُ عَنْ وَجْهِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الَّذِيْ يَصْرِفُ وَجْهَهُ عَنْ وَجْهِهٖ وَلَمْ يُرَ مُقَدِّمًا رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ يَدَيْ جَلِيْسٍ لَهُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب کسی شخص سے مصافحہ (اور ملاقات) کرتے تو اپنا ہاتھ اس وقت تک علیحدہ نہ کرتے جب تک کہ وہی شخص اپنا ہاتھ علیحدہ نہ کرلیتا اور آپ ﷺ اپنا چہرۂ مبارک اس کے چہرہ کے سامنے سے اس وقت تک نہیں ہٹاتے تھے جب تک کہ وہی شخص اپنا چہرہ آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کے سامنے سے نہ ہٹالیتا، نیز آنحضرت ﷺ کو کبھی کسی نے اس حال میں نہیں

دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے گھٹنے اپنے ہم نشین کے آگے کر کے بیٹھے ہوں۔" (ترمذی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے یہ دونوں وصف کہ جب تک مصافحہ کرنے والا خود اپنا ہاتھ علیحدہ نہ کر لیتا آپ ﷺ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے علیحدہ نہ کرتے اور جب تک کہ وہ شخص خود آپ ﷺ کے سامنے سے نہ ہٹ جاتا آپ ﷺ اس کی جانب متوجہ رہتے اور اس کی طرف سے اپنا روئے مبارک نہ ہٹاتے، آپ ﷺ کے علوئے اخلاق، نہایت تحمل و بردباری اور تواضع و انکساری پر دلالت کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کے نزدیک یہ بات بھی آداب مجلس کے خلاف تھی کہ اپنے کو نمایاں، برتر اور بڑا ظاہر کرنے کے لئے مجلس میں اپنے برابر بیٹھے ہوئے شخص سے آگے ہو کر بیٹھیں، چنانچہ جب آپ ﷺ کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو سب کے ساتھ ایک صف میں ہو کر برابر بیٹھتے اور اپنے گھٹنے اور زانو آگے بڑھا کر نہ بیٹھتے جیسے گھمنڈی لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ بعض شارحین نے یہ لکھا ہے کہ اس جملہ سے یہ مراد ہے کہ آپ ﷺ آداب مجلس کی رعایت، مہذب طریقہ پر عمل اور اہل مجلس کی تعظیم کے پیش نظر لوگوں کے سامنے اپنے گھٹنے کھڑے کر کے نہیں بیٹھتے تھے۔ اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ "رکبتین" سے مراد دونوں پاؤں ہیں، اور ان کے آگے بڑھانے سے مراد مجلس میں پاؤں پھیلا کر بیٹھنا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ آداب مجلس کا لحاظ کرتے ہوئے کبھی کسی کے سامنے پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ بہرحال اس حدیث میں امت کے لئے یہ تعلیم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے طریقہ پر عمل کر کے اپنے ہر مسلمان بھائی کی خاطرداری اور تعظیم و تکریم کرنی چاہئے خواہ وہ مرتبہ میں اپنے سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔

اپنی ذات کے لئے کچھ بچا کر نہ رکھتے تھے

(٢٥) وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ۔ (رواہ الترمذی)

"مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر جو کامل اعتماد اور توکل تھا اور اس کے خزانہ رحمت پر جو پورا بھروسہ تھا اس کے تحت آپ ﷺ نے کبھی کوئی چیز بچا کر اور جمع کر کے نہیں رکھی کہ کل کام آئے گی۔ لیکن یہ بات صرف آنحضرت ﷺ کی ذات خاص کے لئے مخصوص تھی کہ آپ ﷺ اپنی ذات کے لئے ایسا نہیں کرتے تھے، ورنہ یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ اکثر اپنے اہل و عیال کی خاطر ان کی ایک سال کی اصل ضروریات کے بقدر چیزیں جمع کر کے رکھ دیتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کو ان کے بارے میں یہ خدشہ رہتا تھا کہ شاید یہ لوگ احتیاج کے وقت صبر و تحمل نہ کر سکیں اور انسانی جبلت کے تحت اپنی ضروریات کی طرف سے فکر مند رہیں۔"

آنحضرت ﷺ کی کم گوئی کا ذکر

(٢٦) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَوِيْلَ الصَّمْتِ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

"اور حضرت جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ زیادہ تر خاموشی اختیار کئے رہتے تھے۔" اس روایت کو بغوی نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: مطلب یہ کہ کم گوئی آپ ﷺ کا وصف تھا، اگر کوئی ضروری بات کرنی ہوتی تو بولتے ورنہ خاموش رہا کرتے تھے بخاری و مسلم اور دوسرے محدثین نے ایک روایت نقل کی ہے کہ:

من كَانَ يومن باللّٰهِ واليوم الاخرة فليقل خيرا اوليسكت۔

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ یا تو اچھی بات زبان سے نکالے ورنہ خاموش رہے۔"

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے:

لیتنی کنت اخرس الاعن ذکر اللّٰہ۔ "کاش میں گونگا ہوتا، بس ذکر اللہ کی حد تک گویائی حاصل ہوتی۔"

حضور ﷺ کی گفتگو کا انداز

(۲۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ فِيْ كَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْتِيْلٌ وَ تَرْسِيْلٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے الفاظ کی ادائیگی میں ترتیل اور ترسیل کا لحاظ ہوتا تھا۔" (ابوداؤد)

تشریح: ترتیل اور ترسیل دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی کسی چیز کو پڑھتے اور بولتے وقت ایک ایک حرف کو علیحدہ علیحدہ کر کے خوب صاف صاف پڑھنا اور بولنا۔ بعض حضرات نے ان دونوں کے معنی میں یہ معمولی فرق بیان کیا ہے کہ ترتیل کے معنی ہیں ہر ایک حرف کو برابر نکالنا اور ترسیل کے معنی ہیں بولنے میں جلدی اور تیزی نہ کرنا بلکہ ٹھہر ٹھہر کر بات کرنا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں "ترتیل" کا تعلق آنحضرت ﷺ کی تلاوت قرآن کریم سے ہے اور "ترسیل" کا تعلق آپ کی عام بات چیت سے ہے۔

(۲۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْرُدُ سَرْدَكُمْ هٰذَا وَلٰكِنَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ بَيِّنَةٍ فَصْلٌ يَحْفَظُهُ مَنْ جَلَسَ اِلَيْهِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عائشہؓ نے بیان کیا: "رسول کریم ﷺ کی گفتگو اس طرح مسلسل اور بے تکان نہیں ہوتی تھی جس طرح تم لوگ مسلسل اور بے تکان بولتے ہو، جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو ایک ایک حرف اور جملہ کو اس طرح ٹھہر ٹھہر کر ادا فرماتے کہ جو شخص آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا ہوتا (پوری گفتگو کو) اچھی طرح یاد کر لیتا۔" (ترمذی)

مبارک لبوں پر اکثر مسکراہٹ رہتی تھی

(۲۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ مَارَاَيْتُ اَحَدًا اَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عبداللہ ابن حارث ابن جزءؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا۔" (ترمذی)

وحی کا انتظار

(۳۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ يَتَحَدَّثُ يُكْثِرُ اَنْ يَّرْفَعَ طَرْفَهُ اِلَى السَّمَآءِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب باتیں کرنے بیٹھتے تو آپ ﷺ کی نگاہ اکثر آسمان کی طرف اٹھتی رہتی تھی۔" (ابوداؤد)

تشریح: یعنی آپ ﷺ لوگوں سے گفتگو کے دوران بھی بار بار نگاہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے اور یہ آپ ﷺ کے اس انتظار کی کیفیت کا اظہار ہوتا جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اترنے اور وحی آنے کے سلسلہ میں رہتا تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اہل و عیال کے تئیں شفقت و محبت

(۳۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَارَاَيْتُ اَحَدًا كَانَ اَرْحَمُ بِالْعِيَالِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ

اِبْرَاهِيْمُ ابْنُهُ مُسْتَرْضِعًا فِي عَوَالِي الْمَدِيْنَةِ فَكَانَ يَنْطَلِقُ وَنَحْنُ مَعَهُ فَيَدْخُلُ الْبَيْتَ وَاِنَّهُ لَيُدَّخَنُ وَكَانَ ظِئْرُهُ قَيْنًا فَيَأْخُذُهُ فَيُقَبِّلُهُ ثُمَّ يَرْجِعُ قَالَ عَمْرٌو فَلَمَّا تُوُفِّيَ اِبْرَاهِيْمُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ ابْنِي وَاِنَّهُ مَاتَ فِي الثَّدْيِ وَاِنَّ لَهُ لَظِئْرَيْنِ تُكَمِّلَانِ رَضَاعَهُ فِي الْجَنَّةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمرو ابن سعید حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا! "میں نے رسول کریم ﷺ سے زیادہ کسی کو اپنے اہل وعیال پر مہربان اور شفیق نہیں دیکھا۔ آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ (جو ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے) بالائی مدینہ (کے ایک محلہ میں ایک دایہ یعنی دودھ پلانے والی کے یہاں) دودھ پینے کے لئے رکھے گئے تھے، آپ ﷺ اکثر (اپنے بیٹے کو دیکھنے اور ان کی خیریت معلوم کرنے کے لئے) اس محلہ میں جایا کرتے تھے ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے، آپ ﷺ وہاں پہنچ کر (دایہ کے) گھر میں تشریف لے جاتے تھے جہاں دھواں گھٹا ہوتا تھا کیونکہ دایہ کا شوہر لوہار تھا اور ان کی بھٹی کا دھواں گھر میں چاروں طرف بھرا رہتا تھا مگر آپ ﷺ بیٹے کی محبت میں اسی دھوئیں بھرے گھر میں چلے جاتے) پھر ابراہیم رضی اللہ عنہ کو گود میں لیتے، پیار کرتے اور (حال چال معلوم کر کے) اپنے گھر واپس آجاتے۔ حضرت عمرو نے (حضرت انسؓ سے نقل کر کے) بیان کیا کہ جب ابراہیم کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابراہیم میرا بیٹا ہے وہ چھاتی میں یعنی شیر خوارگی کی حالت میں اللہ کو پیارا ہوا ہے، اس کے لئے دو دایہ متعین کی گئی ہیں جو جنت میں اس کی مدت شیر خوارگی کو پورا کر رہی ہیں۔" (مسلم)

تشریح: "ظئر" کے معنی دایہ اور انا (کسی بچہ کو دودھ پلانے والی) کے ہیں اور انا کے خاوند کو بھی ظئر کہتے ہیں جس کو اردو میں تگّا یا انگہ کہا جاتا ہے۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کو، دودھ پلانے کے لئے جن خاتون کی سپردگی میں دیا گیا تھا ان کا نام اُمّ سیف تھا اور ان کے شوہر کا نام ابو سیف تھا جو پیشہ کے اعتبار سے لوہار تھے۔ ابراہیم کا انتقال مدت شیر خوارگی ہی میں ہو گیا تھا، ان کی عمر سولہ مہینے یا سترہ مہینے کی تھی! جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، آنحضرت ﷺ کی برکت اور صاحبزادۂ رسول ہونے کی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ درجہ عطا کیا کہ نہ صرف بعد وفات ان کو فوراً جنت میں پہنچا دیا گیا بلکہ وفات پاتے ہی ان کے لئے جنت میں دو اناؤں کا بھی انتظام کیا گیا جن کے سپرد یہ خدمت کی گئی کہ وہ ابراہیم کو ان کی شیر خوارگی کی مدت (دو سال) پورے ہونے تک دودھ پلائیں۔

آنحضرت ﷺ کا حسن اخلاق اور ایک یہودی

(۳۲) وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ يَهُوْدِيًّا كَانَ يُقَالُ لَهُ فُلَانٌ حَبْرٌ كَانَ لَهُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَنَانِيْرُ فَتَقَاضَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ يَا يَهُوْدِيُّ مَا عِنْدِيْ مَا اُعْطِيْكَ قَالَ فَاِنِّيْ لَا اُفَارِقُكَ يَا مُحَمَّدُ حَتّٰى تُعْطِيَنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذًا اَجْلِسُ مَعَكَ فَجَلَسَ مَعَهُ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ الْاٰخِرَةَ وَالْغَدَاةَ وَكَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَهَدَّدُوْنَهُ وَيَتَوَعَّدُوْنَهُ فَفَطِنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الَّذِيْ يَصْنَعُوْنَ بِهٖ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَهُوْدِيٌّ يَحْبِسُكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَعَنِيْ رَبِّيْ اَنْ اَظْلِمَ مُعَاهِدًا وَغَيْرَهُ فَلَمَّا تَرَجَّلَ النَّهَارُ قَالَ الْيَهُوْدِيُّ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَشَطْرُ مَالِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمَا وَاللّٰهِ مَا فَعَلْتُ بِكَ الَّذِيْ فَعَلْتُ بِكَ اِلَّا لِاَنْظُرَ اِلٰى نَعْتِكَ فِي التَّوْرٰةِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ مَوْلِدُهُ بِمَكَّةَ وَمُهَاجَرُهُ بِطِيْبَةَ مُلْكُهُ بِالشَّامِ لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيْظٍ وَلَا سَخَّابٍ فِي الْاَسْوَاقِ وَلَا مُتَزَيٍّ بِالْفُحْشِ وَلَا قَوْلِ الْخَنَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَهٰذَا مَالِيْ فَاحْكُمْ فِيْهِ بِمَا اَرَاكَ اللّٰهُ وَكَانَ الْيَهُوْدِيُّ كَثِيْرَ الْمَالِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ۔

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ (مدینہ میں) فلاں نام کا ایک یہودی عالم تھا اس کے کچھ دینار نبی کریم ﷺ پر چاہئیں تھے (ایک دن) اس یہودی عالم نے آکر نبی کریم ﷺ سے ان دیناروں کا تقاضا کیا، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ، اے یہودی! تمہیں دینے کے لئے اس وقت میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے (یعنی نہ تو میرے پاس دینار ہیں کہ تمہارا قرض چکادوں اور نہ کوئی ایسی چیز ہے جو ان دیناروں کے بدلہ میں تمہیں دے کر تمہارا مطالبہ بے باق کردوں)۔ یہودی نے کہا: "محمد (ﷺ) میں اس وقت تک تمہارے پاس سے نہیں ہٹوں گا جب تک تم میرا قرض ادا نہیں کردو گے۔" رسول کریم ﷺ نے جواب دیا: (اچھا بھائی اگر یہی بات ہے کہ جب تک میں تمہارا قرض ادا نہیں کردوں گا تم مجھے نہیں چھوڑو گے اور میرے پاس سے نہیں جاؤ گے تو پھر) میں تمہارے پاس بیٹھ جاتا ہوں (جب تک تم نہیں کہو گے تمہارے سامنے سے نہیں ہٹوں گا) اور (یہ فرماکر) آپ ﷺ اس کے پاس بیٹھ گئے اور اسی جگہ (یہودی کے سامنے) رسول کریم ﷺ نے ظہر کی عصر کی مغرب، کی عشاء کی اور پھر (اگلی صبح) فجر کی نماز پڑھی، صحابہؓ (یہ صورت حال دیکھ کر سخت طیش میں آرہے تھے اور بار بار) اس یہودی کو ڈرا دھمکا رہے تھے (اور کہہ رہے تھے کہ اگر تو اپنی گستاخی سے باز نہ آیا اور آنحضرت ﷺ کو اس طرح پابند بنائے رکھا تو مجبوراً ہم تجھے یہاں سے اٹھا کر پھینک دیں گے یا قتل کرڈالیں گے) لیکن جب رسول کریم ﷺ نے یہ دیکھا کہ صحابہؓ اس یہودی کو ڈرا دھمکا رہے ہیں تو آپ ﷺ نے ان کو (سختی سے) منع فرمایا (یا غضبناک نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ کر گویا واضح کیا کہ تمہارا یہ عمل مجھے ہرگز پسند نہیں ہے) صحابہؓ نے (آنحضرت ﷺ کی ناگواری دیکھ کر معذرت کے انداز میں) عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) یہ ایک یہودی ہو کر آپ ﷺ کو پابند بنائے ہوئے ہے اور یہاں بیٹھے رہنے پر مجبور کررہا ہے (ہم اس گستاخانہ حرکت کو کیسے برداشت کریں؟) رسول کریم ﷺ فرمایا!" (کیا تمہیں نہیں معلوم کہ) اللہ تعالیٰ نے مجھے منع کیا ہے کہ میں اس شخص پر ظلم کروں جس سے عہد کیا گیا ہو یا وہ کوئی بھی ہو۔ جب دن نکلا تو وہ یہودی (آنحضرت ﷺ کا کردار و اخلاق دیکھ کر بے ساختہ) بول اٹھا!" میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ (پھر اس نے کہا کہ یا رسول اللہ!) میں (قبول اسلام کی توفیق ملنے کے شکرانہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور زیادہ اجر و انعام کی امید میں اپنے مال و زر کا آدھا) حصہ اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ (آپ ﷺ اور یہاں موجود سارے صحابہ) جان لیں کہ خدا کی قسم میں نے اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا اس کا سبب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ میں آپ ﷺ میں ان اوصاف کو آزمانا چاہتا تھا جس کا ذکر تورات میں موجود ہے (اور تورات میں وہ اوصاف اس طرح مذکور ہیں) کہ ان کا اسم گرامی محمد ﷺ ہوگا، عبداللہ کے بیٹے ہوں گے، ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی، وہ مدینہ طیبہ کی طرف، ہجرت کریں گے، ان کی مملکت کی سرحدیں ملک شام (اور اس کے گرد و نواح) تک پھیلی ہوں گی، وہ نہ بد زبان ہوں گے نہ سنگدل، نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہوں گے، نہ فحش کی وضع اختیار کرنے والے اور نہ بیہودہ بات بکنے والے ہوں گے اس نے توراۃ میں مذکور یہ باتیں سنانے کے بعد ایک مرتبہ پھر کلمہ شہادت پڑھا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ یقیناً آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ (یا رسول اللہ!) یہ میرا مال حاضر ہے آپ (ﷺ) اللہ کے حکم کی روشنی میں اس کے متعلق جو مناسب سمجھیں فیصلہ فرمائیں۔ (راوی کا بیان ہے کہ) وہ یہودی بہت مالدار تھا (اور اللہ نے اس مال کے ساتھ اس کا حال و مآل بھی اچھا کیا) اس روایت کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: "........اور پھر فجر کی نماز پڑھی۔" سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے تمام دن ایک ہی جگہ بیٹھے ہوئے گذار دیا اور پوری رات اسی طرح یہودی کے ساتھ بیٹھے رہے، نہ سوئے نہ آرام کیا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مسجد نبوی کے اندر پیش آیا تھا لیکن ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کسی دوسری جگہ تھے اور وہیں وہ یہودی آگیا، اسی جگہ (خواہ وہ کوئی مکان ہو یا کوئی کھلی ہوئی جگہ) آنحضرت ﷺ اس یہودی کے ساتھ تمام دن اور رات بیٹھے رہ گئے۔

"........یا وہ کوئی بھی ہو" یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے، یعنی آپ ﷺ نے پہلے تو خصوصی طور پر معاہد (جس سے عہد کیا گیا ہو) کا ذکر

کیا کہ یہ یہودی ان ذمیوں میں سے ہے جن کو ہم نے اپنی پناہ اور اپنی حفاظت میں رکھنے کا عہد دیا ہے، اگر میں اس کا قرض واپس کئے بغیر اس سے الگ ہو جاؤں اور اس کے پاس بیٹھنے سے انکار کر دوں تو یہ میری طرف سے اس پر ظلم ہوگا اور ظاہر ہے کہ کسی معاہد پر ظلم کرنے سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو منع کیا ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ معاہد ہی کیا، مجھے تو کسی بھی شخص پر ظلم کرنے سے منع کیا گیا ہے خواہ وہ معاہد ہو یا غیر معاہد، مسلم ہو یا غیر مسلم۔ پس اس موقع پر آپ ﷺ نے "تعمیم کے بعد تخصیص" کے بجائے "تخصیص کے بعد تعمیم" کا اسلوب اس لئے اختیار فرمایا کہ یہ موقع اسی اسلوب کا متقاضی تھا، یا آپ ﷺ نے اس بات کو پیش نظر رکھا کہ اگر دنیا میں کسی مسلمان کی حق تلفی ہو یا اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کا معاملہ ہو جائے تو قیامت کے دن اس مسلمان کو تو حق مارنے والے یا ظلم و زیادتی کرنے والے مسلمان کی نیکیاں دے کر راضی کرنا ممکن ہوگا لیکن غیر مسلم ذمی (معاہد) کو اس کا حق مارنے والے یا اس پر ظلم و زیادتی کرنے والے مسلمان کی نیکیاں دے کر بھی راضی کرنا ممکن نہیں ہوگا کیونکہ نہ تو کسی مسلمان کی نیکیاں اس کو دلوائی جا سکتی ہیں اور نہ وہ نیکیاں اس کے کچھ کام ہی آسکیں گی، اس اعتبار سے قیامت کے دن معاہد کی طرف سے کسی مسلمان کے خلاف ظلم کی فریاد اور اپنے حق کی چارہ جوئی زیادہ سخت مرحلہ ہوگا لہٰذا آنحضرت نے اسی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے پہلے خاص طور پر معاہد کا ذکر کیا اور اس کے بعد عمومی طور پر ہر ایک کا ذکر کیا۔

اس موقع پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آنحضرت اس وقت اس یہودی کا قرض ادا کرنے سے اس درجہ معذور تھے کہ یہودی کی طرف سے عائد کردہ اتنی سخت پابندی آپ ﷺ کو برداشت کرنا پڑی تو کیا وہاں موجود صحابہؓ اس قرض کی ادائیگی پر قادر نہیں تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہی بات رہی ہوگی کہ وہ صحابہؓ بھی آنحضرت ﷺ کے اس قرض کی ادائیگی پر اس وقت قادر نہیں تھے، دوسرے یہ کہ اس یہودی کا جو اصل مقصد تھا یعنی اخلاق و کردار اور ان اوصاف کو آزمانا جن کا ذکر تورات میں اس نے پایا تھا، اس کے پیش نظر وہ صحابہؓ کی طرف سے اس قرض کی ادائیگی پر راضی نہیں ہوا ہوگا۔

"یہ میرا مال حاضر ہے۔" اس نے یہ جملہ مال کی طرف یا اس جگہ کی طرف جہاں اس کا مال تھا، اشارہ کر کے کہا، اور پھر اس نے آنحضرت ﷺ کو مختار بنا دیا کہ آپ ﷺ اس مال کو اللہ کی رضا و خوشنودی اور دین و ملت کے مفاد میں جس طرح خرچ کرنا مناسب سمجھیں خرچ کریں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کی مراد اپنا کل مال تھا پہلے تو اس نے اپنے کل مال کا آدھا حصہ اللہ کی راہ میں پیش کرنے کا اعلان کیا، مگر جب ایمان کا نور اس کے دل میں اچھی طرح گھر کر گیا اور خدا اور رسول کی محبت اس پر غالب آگئی تو اس نے نہ صرف کل مال اللہ کی راہ میں دے دینے کا بلکہ اپنی جان تک کو پیش کرنے کا ارادہ کر لیا۔

غریب ولاچار لوگوں کے ساتھ حسن سلوک

(۳۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُکْثِرُ الذِّکْرَ وَیُقِلُّ اللَّغْوَ وَیُطِیْلُ الصَّلٰوۃَ وَیُقَصِّرُ الْخُطْبَةَ وَلَا یَاْنِفُ اَنْ یَمْشِیَ مَعَ الْاَرْمِلَةِ وَالْمِسْکِیْنِ فَیَقْضِیَ لَهُ الْحَاجَةَ۔ (رواہ النسائی والدارمی)

"اور حضرت عبداللہ ابن اوفی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ذکر میں زیادہ مشغول رہتے، لغو (فضول) باتیں بہت کم کرتے، نماز کو طویل اور خطبہ کو مختصر کرتے، اور بیوہ و مسکین کے ساتھ چلنے میں کوئی عار محسوس نہ فرماتے اور ان کا کام کر دیتے تھے۔" (نسائی و دارمی)

تشریح: "ذکر" سے مراد اللہ تعالیٰ کا ذکر اور ہر وہ چیز ہے جو ذکر اللہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ زیادہ، یا مختلف نوعیتوں سے ہر وقت اور ہر لحہ ہی آپ ﷺ ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے۔

"لغو (فضول) باتوں" سے مراد ہر وہ بات ہے جو ذکر اللہ کے علاوہ، اور دنیاوی امور سے تعلق رکھتی ہو، واضح رہے کہ ایسے دنیاوی امور کا ذکر بھی، کہ جو مصلحت و حکمت سے خالی نہ ہو، ذکر حقیقی کے اعتبار سے "فضول باتوں" ہی میں شامل ہے، اسی لئے امام غزالیؒ نے فرمایا

تھا:

ضیعت قطعة من العمر العزیز فی تالیف البسیط و الوسیط و الوجیز۔

"میں نے اپنی عمر عزیز کا حصہ اپنی کتابوں بسیط، وسیط اور وجیز کی تالیف میں ضائع کیا۔"

گو ایسی دنیاوی باتیں جو حکمت و مصلحت سے خالی نہ ہوں حقیقی معنی میں لغو اور فضول باتوں کے حکم میں نہیں ہوتیں لیکن ان کی ظاہری صورت اور مبنیٰ کے اعتبار سے اور ان کی حقیقت سے قطع نظر کر کے ان پر لغو اور فضول" کا اطلاق کیا گیا ہے، اسی تعبیر کو ظاہر کرنے کے لئے عارفین کا یہ قول ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ "لغو" کو اس کے حقیقی معنی "بیکار، لایعنی اور باطل میں مراد لینا یوں بھی صحیح نہیں ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے کبھی بھی کسی لغویات کا صدور نہیں ہوا اور نہ یہ ممکن تھا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کا یہ وصف بیان کرتا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ تو آنحضرت ﷺ کے بارے میں لغویات کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے۔"

بعض حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ یہاں قلیل (کم) کا لفظ "عدم" کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی بھی کوئی لغویات زبان سے نہیں نکالتے تھے اور اس کی دلیل میں وہ حضرات کہتے ہیں کہ قلیل کا لفظ کبھی مطلق نفی اور اظہار عدم کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے قرآن میں فرمایا گیا ہے: قليلا ما يو منون۔ تو یہ قول اگرچہ لفظ "لغو" کے بارے میں بہت سی بحثوں کو ختم کر دیتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ حدیث کے سیاق میں یہ قول زیادہ موزوں و مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ "تکثیر" کا لفظ "یقل" کے لئے جس معنی کا تقاضہ کرتا ہے وہ وہی ہے جو پہلے ذکر کیا گیا۔

"نماز کو طویل اور خطبہ کو مختصر کرتے تھے۔" میں خاص طور پر جمعہ کی نماز مراد ہے کیونکہ خطبہ کے ذکر سے یہی بات موزوں معلوم ہوتی ہے۔ جہاں تک خطبہ کے اختصار کی بات ہے تو وہ یوں بھی درست ہے کہ آپ ﷺ اپنے خطبہ جمعہ میں جو الفاظ اور جملے استعمال فرماتے تھے وہ بے حد جامع و مانع ہوتے تھے، ہر جملہ گو الفاظ کے اعتبار سے بہت مختصر مگر مفہوم و معانی کے دریا اپنے اندر رکھتا تھا۔ ویسے خطبہ کی اختصار والی بات اکثر احوال کے اعتبار سے بیان کی گئی ہے ورنہ جب زیادہ نصیحت کرنا مقصود ہوتی تھی تو آپ تفصیل کے ساتھ لمبا خطبہ بھی ارشاد فرماتے تھے۔ بہر حال اس جملہ کا اصل مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ آپ کا خطبہ نماز کی بہ نسبت مختصر ہوتا تھا۔ نیز ایک اور حدیث میں جو باب الجمعہ میں گذر چکی ہے منقول ہے کہ نماز کا طویل ہونا اور خطبہ کا مختصر ہونا فہم و سمجھ اور دانشمندی کی علامت ہے۔" اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ نماز چونکہ مؤمن کی معراج اور پروردگار کی مناجات کا موقع ہے اس لئے طوالت ہی اس کے مناسب ہے جب کہ خطبہ کا تعلق لوگوں کی طرف متوجہ ہونے اور ان کو حق کی طرف بلانے سے ہے جس میں زور بیان اور اثر اندازی کے لئے فصاحت و بلاغت پر توجہ دینی پڑتی ہے اور یہ چیز ایسی ہوتی ہے جس پر ریاء کا گمان کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے خطبہ کو مختصر کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔

قریش مکہ آنحضرت ﷺ کی تکذیب کیوں کرتے تھے

۴۴ وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ اَبَا جَهْلٍ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا لَا نُكَذِّبُكَ وَلٰكِنْ نُكَذِّبُ بِمَا جِئْتَ بِهٖ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهِمْ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جب ابوجہل نے نبی کریم ﷺ سے یہ کہا کہ: (اے محمد (ﷺ)!) ہم (یعنی قریش مکہ) تمہیں نہیں جھٹلاتے (کیونکہ تمہاری صدق گوئی ہم پر خوب عیاں ہے اور ہم نے تمہیں کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا اسی لئے تم اپنوں اور غیروں سب میں صدق و امانت کے ساتھ مشہور ہو) ہم تو اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جو تم لے کر آئے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان (قریش مکہ یعنی ابوجہل وغیرہ) کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ "آپ (ﷺ) کو نہیں

جھٹلاتے بلکہ وہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔" (ترمذی)

تشریح: "جو تم لے کر آئے ہو" سے مراد وحی الٰہی یعنی کتاب اور شریعت ہے! ابوجہل کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے ساتھ ہمارا اختلاف اس دین وشریعت کے بارے میں ہے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو۔ ہم تو تمہاری تکذیب صرف اس لئے کرتے ہیں کہ تمہاری لائی ہوئی کتاب و شریعت کو سچ نہیں مانتے، اگر درمیان میں سے تمہاری یہ کتاب و شریعت ہٹ جائے تو پھر تمہارے ساتھ ہمارا کوئی جھگڑا نہیں رہے گا۔ لیکن وہ لعین اتنا نہیں سمجھا کہ جب محمد (ﷺ) دنیاوی معاملات میں لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتے اور صدق و سچائی ان کا وصف ہے جس کا اقرار و اعتراف خود قریش مکہ کو بھی تھا تو پھر وہ دین و آخرت کے معاملہ میں لوگوں سے کیوں جھوٹ بولیں گے، اور ان کو جھوٹ کی طرف بلائیں گے، اور خدا پر بہتان باندھیں گے۔ اصل بات یہ تھی کہ قریش مکہ کے سارے بڑے بڑے سردار آنحضرت ﷺ کے تئیں سخت بغض و عناد اور حسد کا شکار تھے، ان کو ساری جلن اس بات کی تھی کہ اس یتیم و امی شخص کو اتنا بڑا مرتبہ کیسے مل گیا اور ہم اتنی ساری دنیاوی وجاہتیں رکھتے ہوئے اس کی پیروی کیسے کریں، کس طرح اس کو اپنا بڑا اور قابل اتباع مان لیں۔ اور یہی جلن ان سے طرح طرح کی باتیں کہلواتی تھی، جن میں نہ کوئی معقولیت ہوتی تھی اور نہ کوئی سچائی۔

تفسیر کشاف میں مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں دو مطلب لکھے ہیں! ایک تو یہ کہ اے محمد (ﷺ)! یہ کافر جو تمہیں جھٹلاتے ہیں، اور یہ ماننے سے انکار کرتے ہیں کہ تم واقعۃً اپنے پروردگار کی طرف سے نئی کتاب و شریعت لے کر مبعوث ہوئے ہو تو یہ تمہیں نہیں جھٹلاتے، درحقیقت خدا کی نازل کردہ آیتوں اور اس کے اتارے ہوئے دین کو جھٹلاتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مالک اپنے اس غلام سے کہ جس کو لوگ ناروا اطوار پر پریشان کرتے اور ستاتے ہوں، یہ کہے کہ وہ لوگ تجھے نہیں ستاتے ہیں بلکہ مجھے ستاتے ہیں، تو دیکھنا میں ان کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں اور ان کو کیسا مزہ چکھاتا ہوں دوسرا مطلب یہ ہے کہ: اے محمد (ﷺ)! یہ کافر تمہیں نہیں جھٹلاتے ہیں کیونکہ تم تو ان کے نزدیک بڑے سچے اور امین ہو، اور تمہاری سچائی اور امانت ان میں ضرب المثال کی حیثیت رکھتی ہے ہاں یہ لوگ خدا کی آیتوں اور اس کے فرمائے ہوئے دین کو جھٹلاتے ہیں۔ یہ مطلب حدیث کے مضمون سے زیادہ مطابقت اور موزونیت رکھتا ہے۔

حضور ﷺ نے اپنے لئے دولت مندی کو پسند نہیں فرمایا

(۳۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ جَآءَنِيْ مَلَكٌ وَاِنَّ حُجْزَتَهٗ لَتُسَاوِي الْكَعْبَةَ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ اِنْ شِئْتَ نَبِيًّا عَبْدًا وَاِنْ شِئْتَ نَبِيًّا مَلِكًا فَنَظَرْتُ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَشَارَ اِلَيَّ اَنْ ضَعْ نَفْسَكَ وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ كَالْمُسْتَشِيْرِ لَهٗ فَاَشَارَ جِبْرَئِيْلُ بِيَدِهٖ اَنْ تَوَاضَعْ فَقُلْتُ نَبِيًّا عَبْدًا قَالَتْ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا يَاْكُلُ مُتَّكِئًا يَقُوْلُ اٰكُلُ كَمَا يَاْكُلُ الْعَبْدُ وَاَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ۔

(رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ مجھ سے فرمانے لگے: "عائشہؓ! اگر میں چاہوں (اور اپنے پروردگار سے اپنے لئے دنیا کا مال و منال طلب کروں) تو یقیناً میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں۔ (تمہیں ایک دن کی بات بتاتا ہوں کہ) میرے پاس ایک فرشتہ آیا (جو اس قدر دراز تھا کہ) اس کی کمر کعبہ کے برابر تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ آپ (ﷺ) کا پروردگار آپ (ﷺ) کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ چاہے تو بندہ پیغمبر بنو چاہے بادشاہ پیغمبر بننا منظور کر لو (یعنی آپ (ﷺ) کو دونوں باتوں کا اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہے ایسا پیغمبر بن جائے جو عجز و بے چارگی، تنگی اور فقر و مشقت کی زندگی گذارے) میں نے (یہ سن کر) جبرائیل (یعنی اس فرشتہ) کی طرف (سوالیہ انداز میں)

دیکھا (اور گویا ان سے مشورہ طلب کیا کہ تم ہی بتاؤ میرے لئے کونسی صورت بہتر رہے گی، انہوں نے کہا: اپنے نفس کو پست کر دو۔ یعنی فقرو مشقت اور تنگی و محتاجگی کی زندگی کو اختیار کرو نہ کہ عیش و راحت اور ٹھاٹ باٹ کی زندگی کو" اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ (اللہ تعالیٰ کا مذکورہ پیغام سن کر) جبرائیل علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور مشورہ طلب انداز میں ان کی طرف دیکھا، حضرت جبرئیل نے اپنے ہاتھ سے (زمین کی طرف) اشارہ کر کے بتایا کہ پستی و انکساری اختیار کر لیجئے۔ پس (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) میں نے کہا کہ یقیناً میں بندۂ پیغمبر بنوں گا۔" حضرت عائشہؓ نے بیان کیا: "اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے کبھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اس طرح کھانا کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے اور میں اس طرح بیٹھتا ہوں جیسے غلام بیٹھتا ہے۔ اس روایت کو بغویؒ نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: "پستی و انکساری اختیار کر لیجئے۔" یعنی فقر و مشقت اور تنگی و محتاجگی کی زندگی اختیار کر لیجئے جس میں دنیاوی طور پر پستی و انکساری ہے لیکن اللہ کے نزدیک بلند قدری ہے، اس کے برخلاف بادشاہت اور دولتمندی کی زندگی، سرکشی اور خدا فراموشی کی باعث اور تکبر و ناشکری کی موجب ہوتی ہے جس کو اختیار کر کے انسان اپنے پروردگار کی قربت و چاہت سے دور جا پڑتا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ بات گویا غالب احوال کے اعتبار سے بتائی اور اسی لئے اکثر انبیاء اور علماء و صلحاء نے فقر و تنگی ہی کی زندگی کو اختیار کیا اور انہوں نے ہمیشہ مال و دولت اور عیش و راحت کی زندگی پر مشقت و محنت کی زندگی کو ترجیح دی۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاحْشُرْنَا مَعَهُمْ۔

"جیسے غلام کھاتا ہے" کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح کسی غلام کو اس کا مالک جیسا ویسا کھانا دے دیتا ہے وہ اس کو صبر و شکر کے ساتھ کھالیتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی غیر مرغوب اور ادنی درجہ کا کیوں نہ ہو اسی طرح مجھے جس طرح کا بھی کھانا میسر ہوتا ہے اس کو صبر و شکر کے ساتھ کھالیتا ہوں، نہ اچھے اور اعلیٰ کھانے کی تمنا اور خواہش ہوتی ہے اور نہ ادنی کھانے سے کوئی تنگی و ناگواری محسوس ہوتی ہے۔

"جیسے غلام بیٹھتا ہے" سے دو زانو بیٹھنا مراد ہے جیسے نماز کی حالت میں بیٹھا جاتا ہے اور بیٹھنے کی افضل ترین ہیئت بھی یہی ہے۔ یا کھانے کے وقت بیٹھنے کی وہ ہیئت مراد ہے جس میں ایک زانو کھڑا کر کے اور گوٹ مار کر بیٹھتے ہیں، عام طور پر آنحضرت ﷺ اسی ہیئت سے بیٹھا کرتے تھے۔

بَابُ الْمَبْعَثِ وَبَدْءِ الْوَحِي
آنحضرت ﷺ کی بعثت اور نزول وحی کا بیان

لفظ "مبعث" بعث اور زمانۂ بعث کے معنی میں ہے، اور "بعث" کے معنی ہیں اٹھانا، بھیجنا۔ یہاں اس لفظ سے مراد۔ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا محمد عربی ﷺ کو اپنا نبی اور رسول بنا کر تمام مخلوق کی طرف بھیجنا۔

لفظ "بدء" کے معنی آغاز، ابتداء اور شروع کے ہیں۔ بعض روایتوں میں "بدء" کے بجائے "بدو" کا لفظ ہے اور اس کے معنی ظہور کے ہیں، مفہوم و مطلب کے اعتبار سے دونوں لفظوں میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن زیادہ بہتر اور موزوں پہلی ہی روایت ہے جس میں "بدء" کا لفظ ہے۔

لفظ "وحی" کے اصل معنی ہیں اشارہ کرنا، لکھنا، رمز و کنایہ میں بات کرنا، آہستہ سے بات کرنا، پیغام بھیجنا، القا اور الہام کرنا۔ اور مشارق الانوار میں لکھا ہے "وحی کا اصل مفہوم ہے تیزی کے ساتھ خفیہ طور پر پیغام رسانی، آنحضرت ﷺ اور دوسرے انبیاء پر نزول وحی (اللہ تعالیٰ کی طرف پیغام و ہدایات آنے) کی مختلف صورتیں تھیں، بعض کو براہ راست حق تعالیٰ سے شرف تکلم حاصل ہوتا تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو، اور اس کا ثبوت قرآن کریم سے ملتا ہے۔ یا جیسے ہمارے حضرت ﷺ کو بھی شب معراج میں یہ شرف حاصل

ہوا تھا۔ وحی کی دوسری صورت رسالت اور فرشتے کی وساطت کی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام اور ہدایت لے کر آتے اور حرف بحرف رسول و نبی تک پہنچاتے، وحی کی اکثر و بیشتر یہی صورت عمل میں آیا کرتی تھی، وحی کی تیسری صورت القاء ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بات اور کسی مضمون کا دل میں ڈالا جانا جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا القی فی روعی (یہ بات میرے دل میں ڈالی گئی) اور کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر جو وحی آتی تھی وہ زیادہ تر اسی صورت میں ہوتی تھی۔ یہ تو اس "وحی" کا ذکر تھا جس کی نسبت انبیاء کی طرف ہوتی ہے، قرآن میں بعض موقع پر لفظ "وحی" کی نسبت غیر انبیاء کی طرف بھی کی گئی ہے، تو واضح رہے کہ ایسے موقعوں پر "وحی" کا لفظ "الہام" کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے ایک جگہ فرمایا: وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰى (اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو الہام کیا) اسی طرح "وحی" کا لفظ امر (حکم) کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے ایک آیت میں ہے۔ وَاَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ (اور ہم نے حواریین کو حکم دیا) نیز "وحی" سے مراد "طبعی خاصہ" پیدا کرنا بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (اور آپ ﷺ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کی طبیعت میں یوں رکھا۔"

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

آنحضرت ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں خلعت نبوت سے سرفراز کیا گیا

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بُعِثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَمَكَثَ بِمَكَّةَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ سَنَةً يُوْحٰى اِلَيْهِ ثُمَّ اُمِرَ بِالْهِجْرَةِ فَهَاجَرَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَمَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ سَنَةً۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں منصب رسالت و نبوت پر فائز کیا گیا، اس کے بعد آپ ﷺ تیرہ سال مکہ میں رہے اور پھر آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا گیا چنانچہ آپ ﷺ نے (مکہ سے) ہجرت فرمائی اور دس سال مدینہ میں رہے جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو عمر مبارک تریسٹھ سال کی تھی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: آپ ﷺ کی عمر مبارک کے بارے میں مختلف روایتیں منقول ہیں لیکن زیادہ صحیح یہی روایت ہے کہ تریسٹھ سال کی عمر میں دنیا سے تشریف لے گئے۔ اور حضرت ابن عباسؓ ہی کی اپنی روایت میں پینسٹھ سال کی عمر میں وفات کا ذکر ہے، اور حضرت انسؓ کی روایت میں جو آگے آئے گی اس میں ساٹھ سال کی عمر میں وفات کا ذکر ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اگلی روایت میں سن ولادت اور سن وفات کو بھی پورا پورا سال شمار کیا اور ان دو سالوں کو ملا کر کل ۶۵ سال بیان کی جب کہ حضرت انسؓ نے تریسٹھ میں سے کسر یعنی تین کو حذف کر کے ساٹھ سال کا ذکر کیا۔

نزول وحی کی ابتداء

② وَعَنْهُ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً يَسْمَعُ الصَّوْتَ وَيَرَى الضَّوْءَ سَبْعَ سِنِيْنَ وَلَا يَرٰى شَيْئًا وَثَمَانَ سِنِيْنَ يُوْحٰى اِلَيْهِ وَاَقَامَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرًا وَتُوُفِّيَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَّسِتِّيْنَ سَنَةً۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (رسالت عطا ہونے کے بعد) پندرہ سال مکہ میں قیام فرمایا اور (ان پندرہ سالوں میں سے) ابتدائی سات سالوں میں (حضرت جبرئیل علیہ السلام کی) آواز (یا محمد ﷺ!) سنتے اور (اندھیری راتوں میں) ایک عجیب و غریب روشنی دیکھتے تھے اس کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ پھر (ان پندرہ سالوں میں سے آخر کے) آٹھ سال کے عرصہ میں وحی نازل ہوتی رہی، اس کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ میں دس سال کی مدت گذاری اور جب وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: ۶۵ سال کی وضاحت تو اوپر کی حدیث کی تشریح میں گذری منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد مکہ میں آپ ﷺ کے قیام کی

مدت یہاں ۱۵ سال بتائی گئی ہے جب کہ اوپر کی حدیث میں ۱۳ سال کا ذکر تھا، لہٰذا یہاں بھی یہی توجیہ کی جائے گی کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس روایت میں سن ولادت اور سن ہجرت کو پورا پورا سال شمار کر کے ۱۳ سال کے بجائے ۱۵ سال کا ذکر کیا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا مذکورہ آواز سننا اور اس عجیب و غریب روشنی کو دیکھنا منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد مکہ "میں پندرہ سالہ قیام کے ابتدائی سات سالوں میں پیش آتا رہا جب کہ تاریخی روایت اور بعض دوسری احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت حال ظہور نبوت (منصب رسالت پر فائز ہونے) سے پہلے پیش آئی تھی اور اس میں حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ اس طرح عالم ملکوت سے ایک گونہ مانوس اور آشنا ہو جائیں اور ایسا نہ ہو کہ ماوراء الدنیا حالات و کیفیات کے یک بیک ظہور کو انسانی و بشری حالت و قوت برداشت کرنے سے عاجز رہے۔

حضور ﷺ نے کتنی عمر میں وفات پائی

(۳) وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَلٰى رَأْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ساٹھ سال کی عمر پوری ہونے پر اٹھالیا۔" (بخاری و مسلم)

آنحضرت ﷺ اور خلفاء اربعہؓ کی عمر

(۴) وَعَنْهُ قَالَ قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَسِتِّيْنَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ وَعُمَرُ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ الْبُخَارِيُّ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ اَكْثَرُ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات بھی تریسٹھ سال کی عمر میں ہوئی اور حضرت عمر فاروقؓ نے بھی تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (مسلمؒ) اور محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ نے کہا: آنحضرت ﷺ کی عمر کے بارے میں زیادہ روایتیں تریسٹھ سال ہی کی ہیں۔"

تشریح: جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ کی عمر کے بارے میں زیادہ ترصحیح روایت یہی ہے کہ آپ ﷺ تریسٹھ سال کی عمر میں اس دنیا سے تشریف لے گئے، اسی طرح خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں بلا اختلاف ثابت ہے کہ ان کی عمر بھی تریسٹھ سال ہی کی ہوئی، خلافت صدیق کی مدت دو سال چار ماہ ہے، اسی طرح حضرت ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کے بعد جتنے عرصہ حیات رہے اتنے ہی دن آنحضرت ﷺ سے چھوٹے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی عمر کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں، زیادہ صحیح روایت تریسٹھ سال کی ہے، بعض روایتوں میں انسٹھ سال کا ذکر ہے، خود مؤلف مشکوٰۃ نے یہ لکھا ہے کہ "مغیرہ ابن شعبہؓ کے غلام ابولؤلوء نے ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ بدھ کے دن مدینہ میں خنجر سے حملہ کر کے ان کو زخمی کیا اور ۱۰ محرم الحرام ۲۴ھ اتوار کے دن ان کی تدفین عمل میں آئی، اس وقت ان کی عمر تریسٹھ سال تھی اور یہی قول زیادہ صحیح ہے، حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت دس سال چھ ماہ رہی۔

حضرت عثمان غنیؓ نے واقدی کی روایت کے مطابق ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو جمعہ کے دن ایک مصری باغی اسود تجیبی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا اور شنبہ کے روز جنت البقیع میں دفن کئے گئے اس دن ان کی عمر ۸۲ سال کی تھی بعض حضرات نے کہا ہے کہ ۸۸ سال کی تھی، ان کے بارے میں بعض اور روایتیں بھی نقل کی جاتی ہیں حضرت عثمانؓ کی خلافت کا دور کچھ دن کم بارہ سال رہا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن خلیفہ منتخب کئے گئے اور ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو جمعہ کے دن ایک شخص عبدالرحمٰن ابن ملجم نے کوفہ میں ان پر قاتلانہ حملہ کیا، جس کے نتیجہ میں وہ شدید زخمی ہوئے اور اس حملہ کے تین دن کے بعد جان جاں آفریں کے سپرد کر دی، اور نجف میں دفن کئے گئے، اس دن ان کی عمر تریسٹھ سال کی تھی، ان کی خلافت کی مدت کچھ دن اوپر چار سال نو مہینے رہی۔

امام بخاری کے قول کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک کے بارے میں جو مختلف روایتیں منقول ہیں ان میں سب سے زیادہ روایتیں تریسٹھ سال کے قول کی ہیں دوسرے اقوال جیسے ٦٠ سال سے متعلق کم روایتیں ہیں، اسی لئے اصل اعتبار اسی روایت کا کیا جاتا ہے جس میں ٦٣ سال کی ہے! جہاں تک آپ ﷺ کے سن ولادت کا تعلق ہے تو صحیح تر اور مشہور روایت کے مطابق آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ واقعہ فیل کے سال ہوئی، بلکہ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ تاریخ دانوں اور علماء کا اس پر اجماع ہے۔ نیز یوم ولادت کے متعلق اس بات کو علماء اور مؤرخین نے متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے کہ آپ ﷺ ربیع الاول کے مہینے میں پیر کے دن پیدا ہوئے البتہ تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے کہ بارھویں تاریخ تھی یا اٹھارھویں یا دسویں۔ آپ ﷺ کی وفات بھی ربیع الاول ہی کے مہینہ میں ١٢ تاریخ کو پیر کے دن چاشت کے وقت ہوئی۔

آغاز وحی کی تفصیل

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ اَوَّلُ مَابُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ يَّنْزِعَ اِلٰى اَهْلِهٖ وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتّٰى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِيْ غَارِ حِرَآءَ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اِقْرَأْ فَقَالَ مَا اَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيْ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اِقْرَأْ قُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيَ الثَّانِيَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اِقْرَأْ قُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُفُ فُؤَادُهٗ فَدَخَلَ عَلٰى خَدِيْجَةَ فَقَالَ زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِيْجَةَ وَاَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ كَلَّا وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ ثُمَّ انْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِيْجَةُ اِلٰى وَرَقَةَ بْنِ نَوْفَلِ ابْنِ عَمِّ خَدِيْجَةَ فَقَالَتْ لَهٗ يَا ابْنَ عَمِّ اسْمَعْ مِنِ ابْنِ اَخِيْكَ فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ يَا ابْنَ اَخِيْ مَاذَا تَرٰى فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَارَاٰى فَقَالَ وَرَقَةُ هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِيْ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ فِيْهَا جَذَعًا يٰلَيْتَنِيْ اَكُوْنُ حَيًّا اِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ قَالَ نَعَمْ لَمْ يَاْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهٖ اِلَّا عُوْدِيَ وَاِنْ يُّدْرِكْنِيْ يَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ حَتّٰى حَزِنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا بَلَغَنَا حُزْنًا غَدَا مِنْهُ مِرَارًا كَيْ يَتَرَدّٰى مِنْ رُؤُسِ شَوَاهِقِ الْجَبَلِ فَكُلَّمَا اَوْفٰى بِذِرْوَةِ جَبَلٍ لِكَيْ يُلْقِيَ نَفْسَهٗ مِنْهُ تَبَدّٰى لَهٗ جِبْرَائِيْلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا فَيَسْكُنُ لِذٰلِكَ جَاْشُهٗ وَتَقِرُّ نَفْسُهٗ۔

"اور حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ پر نزول وحی کا سلسلہ جس چیز سے شروع ہوا وہ سوتے میں سچے خوابوں کا نظر آنا تھا، آپ ﷺ جو خواب دیکھتے اس کی تعبیر (کسی ابہام و اشتباہ کی آمیزش کے بغیر) اس طرح روشن ہو کر سامنے آجاتی، جیسے صبح کا اجالا (ظاہر ہو جاتا) اس کے بعد جب کہ ظہور نبوت کا وقت آنے کو ہوا) آپ ﷺ کو تنہائی کا شائق بنا دیا گیا۔ اور آپ ﷺ غار حرا میں گوشہ نشین رہنے لگے، اس غار میں آپ ﷺ عبادت کیا کرتے یعنی متعدد راتیں وہیں عبادت میں اس وقت تک مشغول رہتے جب تک کہ گھر والوں (کے پاس جانے) کا اشتیاق پیدا نہ ہو جاتا، آپ ﷺ (ان عبادت کی راتوں کے لئے گھر سے) کھانے پینے کی چیزیں لے جاتے اور

(جب وہ چیزیں ختم ہو جاتیں تو) پھر حضرت خدیجہؓ کے پاس آتے اور اگلی راتوں کے بقدر کچھ چیزیں لے کر واپس غار میں چلے جاتے (یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا) یہاں تک کہ حق (کے ظہور کا وقت،) آگیا، آپ ﷺ اس وقت بھی غار حرا ہی میں تھے، آپ ﷺ کے پاس فرشتہ (یعنی جبرائیل اور ایک روایت کے مطابق اسرافیل علیہ السلام) آیا اور کہا کہ پڑھو! آنحضرت ﷺ نے جواب دیا، میں پڑھنا نہیں جانتا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: فرشتہ نے (میرا یہ جواب سن کر) مجھ کو پکڑ لیا اور (خوب زور سے) بھینچا یہاں تک کہ میں پریشان ہو گیا، پھر اس (فرشتہ) نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو! میں نے وہی جواب دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: فرشتہ نے دوسری مرتبہ مجھ کو پکڑ لیا اور (خوب زور سے) بھینچا، یہاں تک کہ میں پریشان ہو گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھو! میں نے اب بھی یہی کہا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتہ نے تیسری مرتبہ مجھ کو پکڑا اور (خوب زور سے) بھینچا یہاں تک کہ میں پریشان ہو گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ. خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ط یعنی پڑھو اپنے پروردگار کے نام پر جس نے (تمہیں اور ہر چیز کو) پیدا کیا، انسان کو (رحم مادر میں) بستہ خون سے پیدا کیا، پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے بزرگ و برتر ہے، وہ پروردگار جس نے قلم کے ذریعہ بہت سے علم کی تعلیم دی اور انسان کو ہر وہ چیز سکھائی جس کو وہ نہ جانتا تھا۔ اس کے بعد (فرشتہ تو غائب ہو گیا اور) آنحضرت ان آیتوں کے ساتھ مکہ (اپنے گھر) واپس آئے اس وقت یہ حال تھا کہ (وحی کی شدت رعب سے سخت دہشت زدہ تھے اور نہ صرف) آپ ﷺ کا دل کانپ رہا تھا (بلکہ بخار اور لرزہ کی کیفیت پورے جسم پر طاری تھا) آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچ کر کہا کہ مجھے کپڑے اڑھاؤ، مجھے کپڑے اڑھاؤ حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو کپڑا اڑھا دیا یہاں تک کہ (کچھ دیر کے بعد اس رعب وہیبت کی شدت ختم ہوئی تو) آپ ﷺ کا خوف وہراس جاتا رہا (اور اصل جسمانی حالت بحال ہوئی) تب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کو پورا واقعہ بتایا اور ان سے یہ بھی فرمایا کہ مجھ کو اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے (تسلی دیتے ہوئے) کہا کہ آپ ﷺ قطعاً خوف نہ کریئے۔ (آپ ﷺ جو سوچ رہے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا) خدا کی قسم (مجھے پورا یقین ہے کہ) اللہ تعالیٰ آپ (ﷺ) کو کبھی رسوا اور بے مراد نہیں کرے گا کیونکہ آپ (ﷺ) قرابت داروں سے حسن سلوک و تعلق کا معاملہ رکھتے ہیں (اگرچہ وہ قرابت دار آپ (ﷺ) سے ترک تعلق اور بد سلوکی ہی کا معاملہ کیوں نہ کرتے ہوں) آپ (ﷺ) کبھی کسی سے جھوٹ نہیں بولتے (اگرچہ لوگ آپ (ﷺ) سے جھوٹ بولیں یا آپ (ﷺ) کو جھٹلائیں)۔ بعض روایتوں میں یہاں یہ الفاظ بھی ہیں کہ تو دی الامانۃ یعنی آپ (ﷺ) امانت کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے)۔ آپ (ﷺ) (دوسروں کا) بوجھ اٹھاتے ہیں، آپ (ﷺ) غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرنے کے لئے کماتے ہیں، آپ (ﷺ) مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے ہیں (اور ان کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں) اور آپ (ﷺ) لوگوں کے حقیقی حادثات و مصائب میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آنحضرت ﷺ کو لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ ابن نوفل کے پاس پہنچیں اور ان سے کہا کہ: اے ابن عم! اپنے بھتیجے کی روداد سن لیجئے! ورقہ آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا میرے بھتیجے! سناؤ تم پر کیا بیتی اور تم کیا دیکھتے اور محسوس کرتے ہو؟ رسول کریم ﷺ نے ان کے سامنے وہ سارا واقعہ بیان کیا جو آپ ﷺ کے ساتھ پیش آیا تھا، ورقہ نے (ساری باتیں سن کر) کہا کہ (تم دونوں کو مبارک ہو) یہ تو وہی ناموس (فرشتہ) ہے جس کو اللہ تعالیٰ وحی دے کر حضرت موسیٰ کے پاس بھیجتا تھا، اے کاش، تمہاری نبوت کے اظہار اور تمہاری دعوت کے اعلان کے وقت میں طاقتور جوان ہوتا، کاش، میں اس وقت زندہ ہی رہتا (چاہے میرے اندر طاقت و توانائی نہ ہوتی) جب تمہاری قوم (یعنی قریش میں سے تمہارے قرابت دار تمہارے شہر سے) تمہیں نکال دیں گے۔ رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر حیرت کے ساتھ) پوچھا! کیا واقعی میری قوم مجھے شہر سے نکال دے گی!؟ ورقہ نے کہا! ہاں (مجھے یقین ہے کہ تمہاری قوم کے لوگ تمہیں شہر سے ضرور نکال دیں گے) کیونکہ (ہمیشہ یہی ہوا ہے کہ) جب بھی کوئی شخص تمہاری طرح نبوت و شریعت لے کر اس دنیا میں آیا، اس کے ساتھ دشمنی کی گئی (ایک روایت میں یوں ہے: جب بھی کوئی پیغمبر اس دنیا میں آیا کافروں نے اس کے ساتھ دشمنی رکھی اور اس کو سخت ترین ایذائیں پہنچائیں، اگر میں ان ایام میں (جب تم لوگوں کو خدا کے

دین کی طرف بلاؤ گے اور اس کے جواب میں تمہاری قوم کے لوگ تمہیں ایذا پہنچائیں گے اور تمہیں تمہارے شہر سے نکالیں گے) زندہ رہا تو پوری طاقت و قوت سے تمہاری مدد و حمایت کروں گا۔ لیکن اس کے بعد ورقہ زیادہ دن زندہ نہ رہے اور جلدی ہی اس دنیا سے چلے گئے اور آنحضرت ﷺ پر وحی آنے کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔" اس روایت کو یہاں تک بخاریؒ و مسلمؒ دونوں نے نقل کیا ہے لیکن اس کے بعد بخاریؒ نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ: "(نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو) آنحضرت ﷺ پر غم و حزن طاری ہو گیا، جس کا ثبوت ہمیں ان حدیثوں سے بھی ملتا ہے جو ہم تک پہنچی ہیں، اور یہ غم و حزن اتنا شدید اور سخت تھا کہ کئی مرتبہ آپ ﷺ صبح کو اس ارادہ سے پہاڑوں پر گئے کہ اپنے آپ کو ان اونچے پہاڑوں کی چوٹی سے نیچے گرادیں، جب بھی آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تاکہ اپنے آپ کو نیچے گرادیں تو (اچانک) جبرائیل ظاہر ہوتے اور کہتے: محمد (ﷺ)! بلاشبہ آپ (ﷺ) اللہ کے برحق رسول ہیں اس صورت میں یقیناً آپ (ﷺ) کی ہر کلفت و پریشانی ختم ہو کر رہے گی اور انجام کار دین و دنیا کے ہر معاملہ میں آپ بامراد رہیں گے اگرچہ درمیان میں کتنے ہی مشقت و ابتلاء کے مراحل سے گذرنا پڑے) چنانچہ (حضرت جبرائیل علیہ السلام کی یہ بشارت سن کر) آنحضرت ﷺ کے دل کا اضطراب، وحشت اور قلق جاتا رہتا اور آپ ﷺ مطمئن ہو جاتے۔"

تشریح: حضرت عائشہؓ نے یہ روایت، ابتداء نزول وحی کی ساری تفصیل یا تو براہ راست آنحضرت ﷺ سے سن کر یا کسی صحابیؓ سے نقل کر کے بیان کی ہے کیونکہ ظہور نبوت کے ابتدائی زمانہ میں تو حضرت عائشہؓ کا وجود بھی نہیں تھا۔

"وہ سوتے میں سچے خوابوں کا نظر آنا تھا" کے ضمن میں شارحین نے یہ اقوال نقل کئے ہیں کہ ظہور نبوت سے پہلے سچے خواب نظر آنے کی اس کیفیت و حالت کا عرصہ چھ ماہ رہا۔ نیز سچے خواب کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوابیدہ شخص کے دل و دماغ اور اس کے احساسات پر ان چیزوں کا عکس ڈال دیتا ہے جو آئندہ وقوع پذیر ہونے والی ہوتی ہیں یا پہلے ہی وقوع پذیر ہو چکی ہوتی ہیں لیکن پہلے سے اس شخص کے علم میں نہیں ہوتیں اس طرح جیسے بیداری کی حالت میں انسانی دل اور دماغ اور ادراک و احساس بھی بیدار رہتے ہیں تقریباً اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس خوابیدہ شخص کا ادراک و احساس بھی بیدار ہو جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر وہ شخص خواب میں جو کچھ دیکھتا ہے اس کی بعینہ عملی اور وجودی تعبیر وہ جاگنے کے بعد دیکھ یا جان لیتا ہے۔ یہ چیز حق تعالیٰ کے حکم و قدرت کے تحت ہے اور عملی دنیا میں ناممکن بالکل نہیں ہے، اس قادر مطلق کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے کہ اس کے کسی حکم و فعل کی راہ میں نہ نیند رکاوٹ بن سکتی ہے اور نہ کوئی اور چیز۔

"آپ ﷺ غار حرا میں گوشہ نشین رہنے لگے۔" حراء اس مشہور پہاڑ کا نام ہے جو مکہ کے نواح میں واقع ہے، اس پہاڑ کو "جبل ثور" بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں سے خانہ کعبہ نظر آتا ہے، اور شاید اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے گوشہ نشینی اور عبادت خداوندی کے لئے اس پہاڑ کے ایک غار کو منتخب فرمایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے بھی واقعہ فیل کے دوران اسی پہاڑ کو اپنی پناہ گاہ بنایا اور اسی جگہ دعا و مناجات میں مشغول رہے۔

حدیث کے اس جملہ کے تحت شارحین حدیث نے خلوت گزینی اور گوشہ نشینی کے بارے میں بڑی مفید باتیں لکھی ہیں، مثلاً خلوت گزینی اللہ کے نیک و صالح اور عارف بندوں کی مخصوص شان ہے اسی لئے ظہور نبوت سے پہلے آنحضرت ﷺ کو اس کا شائق بنایا گیا اور اس کی حکمت یہ ہے کہ خلوت و تنہائی میں دل و دماغ کو مکمل سکون اور فراغت حاصل ہوتی ہے، اللہ کی طرف پوری طرح متوجہ رہنے کا موقع خوب ملتا ہے، دنیاوی علائق و تفکرات اور انسانی تقاضوں اور بشری مرغوبات سے انقطاع رہتا ہے۔ اللہ کی یاد اور اس کی عبادت میں خشوع و خضوع، نورانیت و طمانیت اور خاطر جمعی بہت اچھی طرح میسر آتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر حالت میں اور ہر موقع پر خلوت گزینی اور گوشہ نشینی ہی سب سے اچھی چیز اور شریعت کی نظر میں زیادہ مطلوب و پسندیدہ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خلوت و عزلت کی طرح جلوت اور اختلاط کی بھی اہمیت ہے، اور ان دونوں میں سے کون سی صورت افضل ہے، اس کا مدار پیش آمدہ حالات و

معاملات کے حسن وقبح پر ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک صورت ان شرائط وضروریات کے تحت، کہ جن کا شریعت میں اعتبار ہے، اپنے اپنے موقع پر افضل وبرتر ہے، اگر کسی معاشرہ میں خرابیاں اور برائیاں چھوت کی طرح پھیل گئی ہوں، اور لوگوں کے ساتھ اختلاط رکھنے میں دین وایمان کے نقصان کا خطرہ ہو اور کوئی شخص نصیحت سننے اور اچھی بات ماننے پر تیار نہ ہو تو اس صورت میں خلوت گزینی اور گوشہ نشینی کو افضل کہا جائے گا اور اگر دین وایمان کے نقصان کا خطرہ نہ ہو، لوگ تعلیم ونصیحت کے ضرورت مند ہوں اور یہ بات معلوم ہو کہ لوگوں کو تعلیم ونصیحت کے ذریعہ نیکی کی تربیت دی جاسکتی ہے تو اس صورت میں سب کے ساتھ اختلاط رکھنے اور سماجی زندگی اختیار کرنا ہی افضل ہوگا۔

"تحنث" کے معنی ہیں راتوں کو عبادت کرنا جیسا کہ خود حضرت عائشہؓ نے یا کسی راوی نے فیتحنث فیہ کے بعد وھو التعبد اللیالی کے ذریعہ اس لفظ کی وضاحت کی ہے۔ بہرحال "متعدد راتوں" سے مراد کئی کئی روز وشب ہیں اور خاص طور پر "راتوں" ہی کا ذکر اس وجہ سے ہی کیا گیا ہے "خلوت کے ساتھ "رات" ہی کا جوڑ زیادہ موزوں اور مناسب تھا نیز "متعدد" کی جو قید لگائی گئی ہے اس سے قلت کی طرف اشارہ مراد ہے کہ مسلسل شب وروز عبادت کی مشغولیت کا سلسلہ زیادہ دنوں تک نہیں بلکہ چند دنوں تک رہتا تھا، تاہم بعض حضرات نے اس سے "کثرت" کا مراد ہونا بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا ہے کیونکہ کسی بھی تسلسل کو ذکر کرنے کی ضرورت اسی صورت میں ہوتی ہے جب کہ وہ غیر معمولی طور پر دراز ہو اور زیادہ دنوں پر مشتمل ہو۔

"جب تک کہ گھر والوں کا اشتیاق پیدا نہ ہو جاتا۔" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس غار حرا سے نکل کر شہر میں اسی وقت آتے جب مسلسل کئی کئی دنوں تک عبادت خداوندی میں مشغول رہنے کے بعد گھر والوں کی خبر لینے اور ان کے حقوق وضروریات کو پورا کرنے کے لئے ان کے پاس جانے کی خواہش پیدا ہو جاتی۔ یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ ایک روایت میں "ینزع" کے بجائے "یرجع" کا لفظ آیا ہے۔

"اگلی راتوں کے بقدر کچھ چیزیں لے کر واپس غار میں چلے جاتے۔" کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب تک خلوت گزیں اور گوشہ نشین رہے آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ عبادت کے لئے غار حراء میں چلے جاتے اور جب وہاں کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو شہر میں اپنے گھر آتے اور حضرت خدیجہؓ سے کچھ اور دنوں کا توشہ جیسے ستو وغیرہ لے کر اس غار میں چلے جاتے، اور ان چیزوں کے لے جانے کا اصل مقصد یہ ہوتا تھا کہ بھوک پیاس کی شدت خلوت گزینی کے معمولات میں رکاوٹ نہ ڈالے اور پوری خاطر جمعی کے ساتھ عبادت میں مشغول رہ سکیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے بقدر توشہ اپنے ساتھ رکھنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خلوت گزینی کی مدت ہر سال ایک مہینہ ہوتی تھا اور وہ مہینہ رمضان کا ہوتا تھا۔

اس بارے میں مختلف اقوال ہیں کہ آنحضرت ﷺ نبوت سے پہلے سابقہ شریعتوں میں سے کس شریعت کی اتباع کرتے تھے یا اپنی عقل سے جس عمل کو اچھا سمجھتے تھے اس پر عامل رہتے تھے اور یا ہر شریعت میں سے ہر اس عمل کو اختیار فرماتے جس کو آپ ﷺ افضل و اعلی سمجھتے تھے؟ اور یہ کہ اگر سابقہ شریعتوں میں سے کس شریعت کی اتباع کرتے تھے تو وہ کونسی شریعت تھی؟ بہت سے علماء نے اگرچہ اس قول کو اختیار کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی نبوت وشریعت کے ظہور سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر عمل کرتے تھے، اسی لئے ایک روایت میں "یتحنث" کے بجائے "یَتَحَنَّفُ" کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ آپ ﷺ دین حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر عمل کرتے تھے لیکن اس سلسلہ میں زیادہ موزوں اور مناسب اور زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ قبل نبوت آنحضرت ﷺ عملی طور پر کسی بھی دین اور کسی بھی شریعت کے تابع نہیں تھے بلکہ براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کے قلب ودماغ کو بصیرت کا وہ نور عطا فرمایا گیا تھا جو نیک اور اچھے عمل کی طرف آپ ﷺ کی رہنمائی کرتا تھا اور اس طرح آپ ﷺ خود بخود وہی کام اور وہی عمل کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ اور مقبول ہوتا تھا۔ یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی

عبادت کا تعلق ذکر و شغل سے ہوتا تھا یا فکر و استغراق سے؟ اس بارے میں بھی کئی قول ہیں اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عبادت ذکر و شغل کی صورت میں ہوتی تھی نہ کہ فکر و استغراق کی صورت میں۔

"میں پڑھنا نہیں جانتا۔" کا مطلب یا تو یہ تھا کہ میں اچھی طرح پڑھنے پر قادر نہیں ہوں، یا یہ کہ آنحضرت ﷺ کی زبان سے یہ جواب اس خوف و دہشت کی بنا پر نکلا جو اچانک ایک فرشتہ کو دیکھنے اور موقع و محل کے نہایت پر رعب ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے دل و دماغ پر طاری ہو گیا تھا، لہٰذا یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ جواب اس لئے دیا کہ آپ ﷺ امی تھے اور واقعۃً پڑھنے پر قادر نہیں تھے، کیونکہ امی (ان پڑھ) اس شخص کو کہتے ہیں جو پڑھنا نہ جانے، اور ظاہر ہے کہ کسی کے پڑھانے اور سکھانے سے پڑھنا (یعنی کسی کی زبان سے کوئی عبارت اور جملہ سن کر اپنی زبان سے ادا کرنا) امی ہونے کے منافی نہیں ہے خصوصاً ایسے شخص کے حق میں جو فصاحت اور ذہانت میں کامل ہو، جہاں تک کسی لکھی ہوئی عبارت کو دیکھ کر پڑھنے یا لکھنے کا تعلق ہے تو یہ چیز امی ہونے کے منافی ہے چنانچہ قاموس میں لکھا ہے! "امی اس شخص کو کہتے ہیں جو لکھنا اور کتاب پڑھنا نہ جانے۔" بعض روایتوں میں یہ منقول ہے کہ اس موقع پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک حریری صحیفہ جو جواہرات سے مرصع تھا آنحضرت ﷺ کو دیا اور آنحضرت ﷺ سے کہا کہ اس کو پڑھو، آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں پڑھنا نہیں جانتا" اور ان حریری اوراق میں مجھے کچھ لکھا ہوا نظر نہیں آتا میں کیا پڑھوں۔ اس روایت کی روشنی میں "میں پڑھنا نہیں جانتا" کے معنی زیادہ واضح اور موزوں طور پر متعین کئے جا سکتے ہیں۔

"یہاں تک کہ میں پریشان ہو گیا۔" حَتّٰی بلغ منی الجهد کا یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب کہ لفظ جهد میں حرف د منصوب یعنی جَهْدَ پڑھا جائے اور مطلب یہ ہوگا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو اپنے سینہ سے لگا کر بہت زور سے بھینچا جس سے آنحضرت ﷺ کو کچھ تکلیف بھی محسوس ہوئی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا یہ عمل دراصل آنحضرت ﷺ کے وجود پاک میں ملکوتی نور اور قلب مبارک میں وحی کے عرفان کو منتقل کرنے کی ایک ایسی صورت تھی جس کا مقصد آنحضرت ﷺ کو وحی الٰہی کی عظمتوں کے تحمل کی طاقت و قوت فراہم کرنا تھا۔ اور اگر لفظ "جُهْدُ" کے د کو مرفوع یعنی جُهْدُ پڑھا جائے تو اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے اتنے زور سے بھینچا کہ خود انہیں بڑی مشقت اٹھانا پڑی۔

"جس نے تمہیں اور ہر چیز کو پیدا کیا۔" کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اپنی ذاتی صلاحیت و طاقت یا کسی دوسرے کی مدد پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرنا چاہئے بلکہ ہر معاملہ میں اور ہر مرحلہ میں صرف اللہ تعالیٰ پر تکیہ کرنا چاہئے اور اسی کی مدد کا طلب گار رہنا چاہئے کیونکہ اس نے ہر ایک کو پیدا کیا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اس موقع پر ایک خاص بحث کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے، اس بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ سب سے پہلے قرآن کی کون سی سورت نازل ہوئی ہے؟ جیسا کہ اس روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ جمہور علماء و مفسرین کا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے سورۂ اقرء نازل ہوئی ہے لیکن بعض حضرات نے کہا ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت یا ایھا المدثر ہے، گو یہ قول بہت کمزور ہونے کی وجہ سے قابل اعتنا نہیں ہے لیکن ملا علی قاریؒ نے اس ضمن میں جو لکھا ہے اس سے ان دونوں اقوال کے درمیان بڑی لطیف تطبیق ہو جاتی ہے، انہوں نے کہا ہے! میرے نزدیک یہ کہنا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ اقرء تو حقیقی پہلی سورت ہے اور "یا ایھا المدثر" اضافی پہلی سورت ہے۔ یعنی پہلی وحی (سورۃ اقرء) نازل ہونے کے بعد نزول وحی کا جو سلسلہ کچھ عرصہ کے لئے منقطع ہو گیا تھا اور پھر یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تو اس وقت سب سے پہلے یا ایھا المدثر نازل ہوئی۔ ضمنی طور پر اس بات کا ذکر بھی موزوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ان حضرات کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورت کا جزء نہیں ہے بلکہ اس کا نزول دو سورتوں کے درمیان فصل قائم کرنے کے لئے ہوا ہے۔

"جس نے قلم کے ذریعہ بہت سے علم کی تعلیم دی۔" میں "قلم" سے مراد وہ قلم قدرت بھی ہو سکتا ہے جو اللہ کے حکم سے اولین و آخرین کے تمام علوم کو ضبط تحریر میں لایا، اور تمام آسمانی کتابوں کے معرض وجود میں آنے کا اولین ذریعہ بنا اور ہماری دنیا کا یہ قلم بھی مراد ہو سکتا ہے جو درحقیقت اس کائنات انسانی میں قلم قدرت کا مظہر اور مثال ہے اور جس کے ذریعہ انسان خدا کے عطا کردہ نور علم و ذہانت

کی مدد سے نہ معلوم کتنے علوم وحقائق کا اظہار و انکشاف کرتا ہے۔ مشہور تفسیر کشاف میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: ہمارا یہ قلم اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال کا عظیم مظہر ہے کہ کیسے عجیب وغریب علوم اس کے ذریعہ لکھے جاتے ہیں۔

انسان کو ہر وہ چیز سکھائی جس کو وہ جانتا نہیں تھا۔" کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اپنے بس کی بات نہیں تھی کہ زمان و مکان میں ہر لمحہ وجود پذیر ہونے والی نئی نئی چیزوں کے علم وانکشاف پر قادر ہوتا، یہ تو اللہ کے عطا کردہ اس نور علم و ذہانت کا کرشمہ ہے جو انسان کو علم و معرفت کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں "انسان" سے مراد انسان کامل یعنی آنحضرت ﷺ کی ذات ہو، اس صورت میں کہا جائے گا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے۔

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۔

"اور ہر وہ چیز آپ (ﷺ) کو سکھائی جو آپ (ﷺ) نہیں جانتے تھے، اور یہ آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔"

"مجھ کو اپنی جان ہے۔" آنحضرت ﷺ کے اس اظہار خوف کی مختلف وجوہ ہوسکتی تھیں، یا تو اس صورت سے آپ ﷺ کو دفعۃً اتنا شدید خوف طاری ہوگیا تھا کہ آپ ﷺ ہلاکت یا دماغی توازن کے درہم برہم ہوجانے کا خطرہ محسوس کرنے لگے تھے، یا یہ کہ آپ ﷺ کو یہ ڈر تھا کہ منصب نبوت کا بار برداشت سے باہر نہ ہوجائے یا اس منصب کے فرائض کی ادائیگی میں جو مصائب و پریشانیاں اٹھانا پڑیں گی، قوم کی طرف سے جن ایذاؤں اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا قتل وغارت گری کی جو دھمکیاں ملیں گی اور لوگ جس طرح تکذیب و استہزاء کا سلوک کریں گے ان پر صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے اور یا آپ کو یہ خوف تھا کہ اہل وطن مجھے اپنے شہر اور وطن سے نکال دیں گے جس کی وجہ سے اپنے محبوب وطن اور کعبۃ اللہ کا قرب چھوٹ جائے گا۔

"آپ ﷺ (دوسروں کا) بوجھ اٹھاتے ہیں۔" یہ تَحْمِلُ الْكَلَّ کا ترجمہ ہے، اور كَلّ اصل میں بوجھ اور بار کو کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے کہ اہل وعیال کی خبر گیری اور ان کی ضروریات کی کفالت ایک بوجھ اور بار ہوتا ہے۔ اہل وعیال کو بھی "کل" کہا جاتا ہے لہٰذا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ایک بڑا وصف یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ اپنے اہل وعیال اور زیر کفالت لوگوں کے خرچ و اخراجات اور ان کی ذمہ داریوں کا بوجھ نہایت خوش دلی کے ساتھ اٹھاتے ہیں اور اس راہ میں پیش آنے والی محنت و مشقت بھی آپ ﷺ کو بددل نہیں کرتی اگرچہ وہ لوگ کہ جن کا بوجھ آپ ﷺ اٹھاتے ہیں آپ سے ترک تعلق اور بے مروتی ہی کا معاملہ کیوں نہ کریں۔ واضح رہے کہ یہاں "بوجھ اٹھانے" کے معنی میں ضعیفوں، یتیموں، بیواؤں اور ناداروں پر خرچ کرنا بھی شامل ہے۔

"آپ غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرنے کے لئے کماتے ہیں۔" یہ تکسب المعدوم کا ترجمہ ہے۔ اور یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب کہ تکسب کو تؔ کے زبر کے ساتھ پڑھا جائے، جیسا کہ زیادہ صحیح اور مشہور ہے اور بعض روایتوں میں یہ لفظ تؔ کے پیش کے ساتھ بھی منقول ہے، اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا کہ آپ ﷺ غریبوں اور مسکینوں کی کمانے میں مدد کرتے ہیں، یعنی ان کو روپیہ پیسہ اور مال دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ اس کے ذریعہ کسب وتجارت کی صورت میں اپنی معاشی حالت درست کریں اور افلاس و تنگ دستی سے چھٹکارا پائیں۔ بہرحال دونوں صورتوں میں مفہوم و مطلب ایک ہی ہوگا۔ یعنی نیک کاموں میں اپنا مال خرچ کرنا۔ بعض حضرات نے "معدوم" کا مصداق صرف "فقیر" کو قرار دیا ہے جو عدم تصرف اور بالکل محتاج ہونے کے اعتبار سے گویا ایک لاشہ ہوتا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ اپنا مال فقیروں پر خرچ کرکے گویا ان کی زندگی اور ان میں حرکت وعمل پیدا ہوجانے کا سبب بنتے ہیں۔

آپ ﷺ لوگوں کے حقیقی حادثات و مصائب میں ان کی مدد کرتے ہیں۔" یہ تعین علی نوائب الحق کا ترجمہ ہے نوائب اصل میں نائبۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں وہ مصیبت و ضرورت جو آن پڑے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ہر اس شخص کی مدد و اعانت فرماتے ہیں جو کسی حقیقی حادثہ اور مصیبت کے سبب درماندہ اور عاجز ہوجاتا ہے مثلاً جو قرض یا دیت کے مال کی ادائیگی پر قادر نہیں ہوتا اور فقر و افلاس میں

مبتلا ہونے کی وجہ سے اپنی مصیبت کو ٹال نہیں پاتا آپ ﷺ اس کو مالی مدد دے کر اس مصیبت سے نجات دلاتے ہیں۔ "نوائب الحق" کی قید سے معلوم ہوا کہ اسی مصیبت زدہ کی مدد و اعانت مستحسن و مطلوب ہے جو قدرتی طور پر مجبور و لاچار ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی مصیبت کا خود سبب بنا ہو، اس نے اپنی ہی حرکتوں اور بے عملیوں سے اپنے اوپر مصیبت نازل کر لی ہو جیسے اسراف کی صورت میں اپنا مال و زر لٹا بیٹھا ہو، یا ناروا اطوار پر غضب و غصہ کر کے خود کو کسی نقصان اور آفت میں مبتلا کر بیٹھا ہو تو اس کی مدد کرنا مستحسن و مطلوب نہیں ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے اس موقع پر آنحضرت کے محاسن و اوصاف کا ذکر کر کے آپ ﷺ کو جس طرح تسلی دی اس سے معلوم ہوا کہ اچھے اخلاق اور اچھی خصلتیں انسان کو کسی نقصان اور آفت میں پڑنے سے بچاتی ہیں اور حق تعالیٰ ان اوصاف و محاسن کے طفیل میں امن و سلامتی عطا فرماتے ہیں اسی لئے حضرت خدیجہؓ نے یہ دلیل پکڑی کہ آپ ﷺ چونکہ اتنی زیادہ انسانی خوبیوں اور اچھی خصلتوں کے حامل ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو دین و دنیا کی ہر آفت و مصیبت سے محفوظ و سلامت رکھے گا۔ اس سے حضرت خدیجہؓ کے بارے میں بھی ثابت ہوا کہ وہ انتہائی فراست و بصیرت، معرفت و فقاہت اور دور اندیشی و سمجھداری کے بلند و بالا مقام پر فائز تھیں، اور کیوں نہ ہوتیں جب کہ مدت دراز تک آنحضرت ﷺ کی زوجیت و خدمت میں رہیں اور آنحضرت ﷺ پر حقیقی معنی میں سب سے پہلے ایمان لائیں، اس وصف میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی خاص مصلحت و حکمت کے تحت بعض حالات میں کسی شخص کی اچھائیوں اور خوبیوں کی تعریف اس کے منہ پر کرنا جائز ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اور کوئی شخص کسی معاملہ میں خوف زدہ ہو تو اس کو اطمینان و تسلی دینا اور اس کے سامنے امن و سلامتی کے اسباب کا ذکر کرنا چاہئے۔ نیز اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا فقر اپنا اختیار کردہ اور پسندیدہ تھا، نہ کہ اضطراری اور غیر پسندیدہ تھا جس کا اصل منشاء سخاوت و کرم کے درجہ کمال کا اظہار تھا! علاوہ ازیں ایک بات یہ بھی واضح ہوئی کہ آنحضرت ﷺ میں ان اچھائیوں اور خوبیوں کا نبوت سے بھی پہلے موجود ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ تمام انسانی و اخلاقی اوصاف و محاسن آپ ﷺ کی ذات میں طبعی و خلقی طور پر تھے۔

"ورقہ ابن نوفل" حضرت خدیجہؓ کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے، کیونکہ وہ خالد ابن اسد ابن عبد العزی کی بیٹی تھی اور ورقہ، نوفل اس ابن عبد العزی کے بیٹے تھے۔ ورقہ اگرچہ مشرکین مکہ ہی سے نسبی تعلق رکھتے تھے لیکن انہوں نے زمانہ جاہلیت میں نصرانیت، (عیسائی مذہب) اختیار کر لیا تھا، پھر انہوں نے انجیل پر بڑا عبور حاصل کیا اور عربی میں اس کا ترجمہ بھی کیا، ظہور نبوت کے وقت جب حضرت خدیجہؓ آنحضرت کو لے کر ورقہ کے پاس گئیں تو اس زمانہ میں وہ بہت زیادہ ضعیف اور بوڑھے ہو چکے تھے، یہاں تک کہ آنکھوں کی بینائی بھی بالکل ختم ہو گئی تھی۔

"اے ابن عم! اپنے بھتیجے کی روداد سن لیجئے۔" حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ کو ورقہ کا بھتیجا محض ورقہ کے بڑھاپے کی بنا پر اور ان کی تعظیم کے پیش نظر کہا نہ کہ آنحضرت ﷺ حقیقت میں ورقہ کے بھتیجے تھے، ویسے یہ عرب میں عام دستور تھا کہ لوگ آپس میں ملاقات و مخاطبت کے وقت ایک دوسرے کو چچا، بھتیجا کہتے تھے۔

یہ تو وہی ناموس (فرشتہ) ہے........ الخ"۔ ناموس اصل میں اس شخص کو کہتے ہیں جو بادشاہ کا راز دار اور معتمد علیہ ہو، اس مناسبت سے اہل کتاب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو "ناموس" کہا کرتے تھے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ "ناموس خیر (اچھی باتوں) کے راز دار کو کہتے ہیں اور "جاموس" "شر (بری باتوں) کے راز دار کو کہا جاتا ہے۔ ورقہ ابن نوفل چونکہ نصرانیت کے پیرو تھے اس اعتبار سے ان کے لئے مناسب اور موزوں یہ تھا کہ وہ یوں کہتے "یہ وہی ناموس ہے جس کو اللہ تعالیٰ وحی دے کر حضرت عیسی علیہ السلام کے پاس بھیجتا تھا۔" لیکن انہوں نے بے جا طور پر دینی تعصب کا شکار ہونے اور حضرت عیسی علیہ السلام کا ذکر کرنے کے بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کتاب و شریعت کی جامعیت کے اعتبار سے زیادہ جلیل القدر پیغمبر تھے۔

"تو پوری طاقت و قوت سے تمہاری مدد کروں گا۔" کے تحت بعض علماء اور شارحین نے تو یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر ورقہ کے ایمان لانے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، اگر یہ واقعہ نبوت کے ثابت و ظاہر ہونے کے بعد کا ہے تو ظاہر ہے کہ ورقہ کو صحابی کہا جائے گا۔ اور اگر اس واقعہ کا تعلق اظہار نبوت کے بالکل ابتدائی مراحل سے ہے تو اس صورت میں ورقہ کو صحابی نہیں کہا جائے گا۔ اور ملا علی قاریؒ نے قاموس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ورقہ کے ایمان و اسلام کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے۔

"اور پھر آنحضرت ﷺ پر وحی آنے کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔" یعنی جب آنحضرت ﷺ پر یہ پہلی وحی آئی اور آپ ﷺ کی نبوت ثابت و ظاہر ہو گئی تو اس کے بعد وحی آنی موقوف ہو گئی، بعض حضرات کہتے ہیں کہ پھر تین سال تک کوئی وحی نہیں آئی، بعض حضرات نے یہ مدت چھ ماہ اور بعض نے اڑھائی ماہ بیان کی ہے۔ نیز علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: سلسلہ وحی کے منقطع ہو جانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سورۂ اقراء اور یا ایہا المدثر کے نزول کے درمیان آنحضرت ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا تھا بلکہ انقطاع وحی سے مراد نزول قرآن کے سلسلہ کا موقوف ہو جانا ہے، اس عرصہ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تو آتے رہتے تھے لیکن قرآن نہیں لاتے تھے اور کچھ عرصہ کے لئے نزول وحی کے موقوف ہو جانے میں مصلحت و حکمت یہ تھی کہ ابتدائی مرحلہ پر آنحضرت ﷺ کے دل میں جو خوف و ہراس پیدا ہو گیا تھا اس کے اثرات زائل ہو جائیں اور اس خوف و ہراس کی جگہ شوق و انتظار کے جذبات پیدا ہو جائیں ؎

دیر ست کہ دلدار پیامے نہ فرستاد نوشت سلامے و کلامے نہ فرستاد

انقطاع کے بعد پہلی وحی

(٦) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ قَالَ فَبَيْنَا اَنَا اَمْشِيْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَآءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِيْ فَاِذَا الْمَلَكُ الَّذِيْ جَآءَنِيْ بِحِرَاءٍ قَاعِدٌ عَلٰى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَجُئِثْتُ مِنْهُ رُعْبًا حَتّٰى هَوَيْتُ اِلَى الْاَرْضِ فَجِئْتُ اَهْلِيْ فَقُلْتُ زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ فَزَمَّلُوْنِيْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ثُمَّ حَمِيَ الْوَحْيُ وَتَتَابَعَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ سے کچھ دنوں کے لئے انقطاع وحی اور پھر سلسلہ وحی کے دوبارہ شروع ہونے کا حال اس طرح سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (ایک دن مکہ کے کسی راستہ پر یا حراء پہاڑ پر) میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک میرے کانوں میں ایک آسمانی آواز آئی، میں نے اوپر نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا، زمین و آسمان کے درمیان ایک تخت پر بیٹھا ہوا ہے (اس پر نظر پڑتے ہی) میرے دل میں اتنا سخت رعب اور خوف پیدا ہو گیا کہ میں (بے ساختہ) زمین پر گر پڑا، پھر میں (اٹھ کر) اپنے گھر والوں کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے کپڑا اڑھادو، مجھے کپڑا اڑھادو، چنانچہ گھر والوں نے مجھ کو کپڑا اڑھادیا (اور میں اس کپڑے میں دبک کر لیٹ گیا)، جب ہی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ اے کپڑا اوڑھنے والے اٹھو اور مخلوق کو ڈراؤ اور اپنے رب کو ہی بڑا جانو اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو اور پلیدی کو چھوڑ دو۔ اس کے بعد وحی گرم ہو گئی یعنی مسلسل آنے لگی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "اور مخلوق کو ڈراؤ۔" کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کو تو عذاب خداوندی سے ڈراؤ تاکہ وہ کفر و شرک کی راہ چھوڑ کر ایمان و اسلام کے راستہ پر لگ جائیں اور اہل ایمان کو طرح طرح کے اجر و ثواب کی بشارت دو تاکہ زیادہ سے زیادہ اچھے کام کرنے کی تحریک اور جذبہ ان میں پیدا ہو۔

"اور اپنے رب ہی کو بڑا جانو۔" کا مطلب یہ ہے کہ بڑائی اور کبریائی کا مالک صرف پروردگار کو جانو، اور اس اعتبار سے صرف اسی کو

قابل تعظیم مان کر اس کے آگے سر جھکاؤ، اس جیسا بڑا کسی اور کو نہ جانو، اور جب بھی غیر اللہ کی طرف سے کوئی بات پیش آئے تو اللہ اکبر کہو۔ منقول ہے کہ جب یہ حکم نازل ہوا تو آنحضرت ﷺ کی زبان سے بے ساختہ اللہ اکبر نکلا اور پھر حضرت خدیجہؓ نے بھی یہ نعرۂ تکبیر بلند کیا، انہیں بے حد مسرت و طمانیت محسوس ہوئی اور ان کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی ہے۔

"اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو۔" یعنی اپنے لباس اور اپنے کپڑوں کو نجاست و ناپاکی سے محفوظ رکھو اور پاک و ستھرائی کی طرف دھیان دو۔ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ: "کپڑوں کو پاک کرنے میں" کپڑوں سے مراد انسانی صفات و محاسن ہیں اور "پاک" کرنے سے مراد بری خصلتوں اور خراب باتوں سے اجتناب کرنا ہے۔

"اور پلیدی کو چھوڑ دو۔" سے مراد شرک و گناہ سے اجتناب کرنا اور اس اجتناب پر پابندی کے ساتھ قائم رہنا۔

"بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے راوی نے اقتصار و اختصار کے پیش مذکورہ آیتوں کے آخری حصے کو نقل نہیں کیا ہے جو یہ ہے۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ۔

"اور کسی کو اس غرض سے مت دو (کہ دوسرے وقت) زیادہ چاہو اور اپنے رب (کی خوشنودی کے لئے) صبر کرو۔"

تفسیر مدارک میں مذکورہ بالا روایت حضرت جابر کے الفاظ میں یوں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میں (ایک دن) حراء پہاڑ پر تھا کہ کسی نے ان الفاظ میں مجھے آواز دی یا محمد انک رسول اللہ (اے محمد بلاشبہ تم اللہ کے رسول ہو) میں نے دائیں بائیں دیکھا، پھر اوپر نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ مجھے آواز دینے والا فرشتہ ہے جو زمین و آسمان کے درمیان ایک تخت پر بیٹھا ہوا ہے، میں اس کو دیکھ کر سہم گیا اور خدیجہؓ کے پاس واپس آکر کہا کہ مجھے کپڑا اڑھاؤ، چنانچہ خدیجہؓ نے مجھ کو کپڑا اڑھا دیا، جب ہی جبرائیل آئے اور مجھے یہ پڑھایا، یاایھا المدثر الخ اس کے بعد روایت کے وہی الفاظ میں جو اوپر نقل ہوئے۔

وحی کس طرح آتی تھی

⑦ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ حَارِثَ بْنَ هِشَامٍ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ يَاْتِيْكَ الْوَحْيُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْيَانًا يَاْتِيْنِيْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ اَشَدُّ عَلَيَّ فَيُفْصِمُ عَنِّيْ وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ وَاَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِيْ فَاَعِيْ مَا يَقُوْلُ قَالَتْ عَائِشَةُ وَلَقَدْ رَاَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَاِنَّ جَبِيْنَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حارث ابن ہشامؓ نے (جو ابوجہل کے بھائی تھے اور فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے تھے) رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ (ﷺ) کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میرے پاس وحی کبھی تو گھنٹال کی آواز کی طرح آتی ہے۔ (یعنی وحی کے الفاظ جو مجھ تک پہنچائے جاتے ہیں گھنٹال کی آواز کی طرح کا صوتی آہنگ رکھتے ہیں) اور یہ وحی مجھ پر سخت ترین وحی ہوتی ہے، چنانچہ فرشتہ، وحی کے جو الفاظ مجھ تک پہنچاتا ہے میں اس کو بڑی محنت اور توجہ سے سن کر یاد کرتا ہوں، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل اختیار کر کے مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے میں اس کو محفوظ اور یاد کر لیتا ہوں۔" حضرت عائشہؓ (یہ بیان کر کے) کہتی ہیں!۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب شدید سردی کے دن ہوتے تھے اور آنحضرت ﷺ پر وحی اترتی تھی اور فرشتہ وحی پہنچا کر چلا جاتا تھا تو آپ ﷺ کی پیشانی پسینہ سے شرابور نظر آتی تھی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "اور یہ وحی مجھ پر سخت ترین وحی ہوتی ہے۔" یعنی اس وحی کے الفاظ اور مفہوم و مقصد کو سمجھنے میں سخت دشواری پیش آتی ہے کیونکہ ایسی بات کو سمجھنا جس کے الفاظ غیر مانوس صوتی آہنگ (مثلاً گھنٹال کی آواز جیسا آہنگ) رکھتے ہوں سخت دشوار ہوتا ہے، اس کی یہ

نسبت وہ بات زیادہ آسانی سے سمجھ میں آتی ہے جو کسی انسان سے ہمکلامی و مخاطبت اور مانوس صوتی آہنگ کی صوت میں ہو۔

"فرشتہ انسان کی شکل اختیار کر کے........الخ" کے تحت شارحین نے یہ مشہور قول لکھا ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام انسان کی شکل میں آتے تھے تو زیادہ تر ایک صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل و صورت میں آتے تھے نیز علماء نے لکھا ہے کہ استفادہ اور استفاضہ کے لئے یہ بنیادی شرط ہے کہ بات کہنے والے اور اس بات کو سننے والے کے درمیان وہ مناسبت ہونی چاہئے جو ایک کو دوسرے سے وحشت زدہ نہ کرے، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ملکیت اور روحانیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب کردی جاتی تھی اور کچھ عرصہ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت سے جدا کر دیا جاتا تھا، جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل کے ساتھ ملکوتی مناسبت حاصل ہو جاتی تھی یہ وہ صورت ہوتی تھی جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی کا پہلا طریقہ بیان کرتے ہوئے اشارہ کیا۔ اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو حضرت جبرئیل علیہ السلام پر غالب کر دیا جاتا تھا اور وہ کچھ عرصہ کے لئے وصف بشریت کے حامل ہو جاتے تھے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے درمیان بشری مناسبت پیدا ہو جاتی تھی، یہ وہ صورت ہوتی تھی جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی کا دوسرا طریقہ بیان کرتے ہوئے اشارہ کیا۔ لیکن یہ ساری بحث اس وقت ہے جب کہ یہ مانا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو صلصلۃ الجرس (گھنٹال کی آواز) سے تعبیر فرمایا ہے وہ نفس وحی کی آواز ہوتی تھی جیسا کہ حدیث کی ظاہری عبارت سے واضح ہوتا ہے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ صلصلۃ الجرس کی طرح وہ آواز دراصل حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اپنی آواز ہوتی تھی جو وحی پہنچانے سے پہلے ان سے ظاہر ہوتی تھی، اور پہلے ان کی اس آواز کے ظاہر ہونے کی حکمت یہ ہوتی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو جائیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت وحی کے اصل الفاظ سننے کے لئے اس طرح تیار اور خالی ہو جائے کہ وحی کے علاوہ اور کسی آواز کے لئے اس (سماعت) میں جگہ ہی نہ رہے، اور اسی لئے نزول وحی کی یہ (پہلی) صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی سخت ہوتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر ذہنی و فکری طاقت مجتمع ہو کر صرف وحی کی طرف متوجہ رہتی تھی۔

"........تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پسینہ سے شرابور نظر آتی تھی۔" بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیفیت اس صورت میں پیش آتی تھی جب نزول وحی کا پہلا طریقہ عمل میں آتا تھا، لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں صورتوں میں یہ کیفیت پیش آتی ہو۔

نزول وحی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت و حالت

(۸) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ كُرِبَ لِذٰلِكَ وَتَرَبَّدَ وَجْهُهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ نَكَسَ رَأْسَهُ وَنَكَسَ أَصْحَابُهُ رُؤُسَهُمْ فَلَمَّا أُتْلِيَ عَنْهُ رَفَعَ رَأْسَهُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی تو اس کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت غم لاحق ہو جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔" اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر جھکا لیتے تھے اور (اس وقت جو صحابہ (موجود ہوتے وہ) بھی اپنا سر جھکا لیتے تھے، جب وحی اترنا موقوف ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اور صحابہؓ بھی) اپنا سر اٹھا لیتے۔" (مسلم)

تشریح: "تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت غم لاحق ہو جاتا تھا۔" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کسی شخص کو اس کی کوئی بہت ہی اہم ذمہ داری غم اور فکر میں مبتلا کر دیتی ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کو بجنسہ یاد و محفوظ رکھنے اور دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری کا سخت غم اور فکر کرتے تھے، اور اس ذمہ داری کی ادائیگی کا اہتمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلکان کر دیتا تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۔

"(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ قبل اختتام وحی قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو جلدی لیں، اس (قرآن) کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قلب و

حافظہ میں) جمع ومحفوظ کرا دینا، اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔"

یا یہ غم وفکر آپ ﷺ کو اس سبب سے ہوتا تھا کہ نازل ہونے والی وحی میں غیظ وغضب، سزا وعذاب کا اظہار کرنے والی آیات بھی ہوتی تھیں اور آپ ﷺ ان آیات کی بناء پر اپنی اُمت کے حق میں سخت فکر مند اور غمگین ہو جاتے تھے کہ کہیں میری اُمت کے لوگ اس غیظ وغضب اور عذاب کے مستوجب نہ ہو جائیں۔

صحابہؓ کا سر جھکا لینا یا تو اس بناء پر ہوتا تھا کہ اس وقت آنحضرت ﷺ پر جو کیفیت طاری ہوتی تھی، کمال تعلق ومحبت کی وجہ سے ان کا اثر صحابہؓ میں بھی سرایت کر جاتا تھا، یا یہ کہ صحابہؓ جب آپ ﷺ کو سر جھکاتے دیکھتے تو آپ ﷺ کی اتباع میں وہ بھی اپنا سر جھکا لیتے تھے۔

خدا کے دین کی پہلی دعوت

⑨ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى صَعِدَ الصَّفَا فَجَعَلَ يُنَادِيْ يَا بَنِيْ فِهْرٍ يَا بَنِيْ عَدِيٍّ لِبُطُوْنِ قُرَيْشٍ حَتَّى اجْتَمَعُوْا فَجَعَلَ الرَّجُلُ اِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَّخْرُجَ اَرْسَلَ رَسُوْلاً لِيَنْظُرَ مَا هُوَ فَجَآءَ اَبُوْلَهَبٍ وَقُرَيْشٌ فَقَالَ اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَخْبَرْتُكُمْ اَنَّ خَيْلاً تَخْرُجُ مِنْ صَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ خَيْلاً تَخْرُجُ بِالْوَادِيْ تُرِيْدُ اَنْ تُغِيْرَ عَلَيْكُمْ اَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ قَالُوْا نَعَمْ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّا صِدْقًا قَالَ فَاِنِّيْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ قَالَ اَبُوْلَهَبٍ تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا فَنَزَلَتْ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ (اس حکم کی تعمیل کے لئے فوراً) نکل پڑے اور کوہ صفا پر چڑھ کر (قریش کے قبائل کو) پکارنا شروع کیا: اے فہر کی اولاد! اے عدی کی اولاد! اس طرح آپ ﷺ نے قریش کی تمام شاخوں کو نام بنام پکارا۔ چنانچہ (آپ ﷺ کی اس آواز پر) قریش کے تمام قبائل اور گروہ (آپ ﷺ کے گرد) جمع ہو گئے یہاں تک کہ جو شخص (کسی عذر اور مجبوری کے سبب) خود اس جگہ نہ پہنچ سکا تو اس نے (یہ) معلوم کرنے کے لئے (کہ محمد ﷺ نے کیوں سب کو بلایا ہے) کسی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیج دیا۔ غرضکہ جب سب اہل قریش اور (آنحضرت ﷺ کا چچا) ابولہب آگئے تو آپ ﷺ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ: اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ (جنگجو) سواروں کا ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ سواروں کا ایک دستہ (مکہ کے) جنگل سے نمودار ہوا ہے اور اس کا مقصد قتل وغارت گری کے لئے (دن یا رات کے کسی حصہ میں) تم لوگوں پر اچانک ٹوٹ پڑنا ہے تو بتاؤ کہ کیا تم لوگ میری اس بات کو سچ مانو گے۔" سب نے (ایک زبان ہو کر) کہا کہ ہاں (ضرور سچ مانیں گے) کیونکہ ہم نے تمہیں ہمیشہ سچا پایا ہے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا! "(تو سنو) میں تم لوگوں کو اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو (دنیا یا آخرت میں) تمہارے سامنے پیش (آنے والا) ہے۔" (یہ سنتا تھا کہ) ابولہب (بھبک اٹھا اور) کہنے لگا: "ہلاکت اور نقصان میں پڑو تم، کیا تم نے ہمیں اس لئے جمع کیا تھا!؟۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (ہلاک ہو جائے ابولہب، اور وہ ہلاک ہو گیا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ میں يَدَا کا لفظ (جس کے معنی "دونوں ہاتھ" کے ہیں) زائد ہے، یا اس کے دونوں ہاتھوں سے مراد اس کا پورا وجود ہے، اور چونکہ تمام اعضاء انسانی میں ہاتھ ہی ایسا عضو ہے جس سے انسان اپنے تمام خارجی کام کاج کرتا ہے اور اس کا بیشتر انحصار ہاتھوں ہی پر ہوتا ہے، اس اعتبار سے ہاتھ بول کر پورا وجود مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ۔ نیز بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ اس موقع پر ابولہب کے دونوں ہاتھوں میں پتھر تھے، اور جب اس نے آنحضرت ﷺ کی زبان سے مذکورہ الفاظ سنے تو انتہائی غصہ کی حالت میں وہ پتھر آنحضرت کی طرف پھینکے۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے۔

دعوت حق کی پاداش میں عمائدین قریش کی بدسلوکی اور ان کا عبرتناک انجام

⑩ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عِنْدَ الْكَعْبَةِ وَجَمْعُ قُرَيْشٍ فِيْ مَجَالِسِهِمْ اِذْقَالَ قَائِلٌ اَيُّكُمْ يَقُوْمُ اِلٰى جَزُوْرِ اٰلِ فُلَانٍ فَيَعْمَدُ اِلٰى فَرْثِهَا وَدَمِهَا وَسَلَاهَا ثُمَّ يُمْهِلُهُ حَتّٰى اِذَا سَجَدَ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ فَانْبَعَثَ اَشْقَاهُمْ فَلَمَّا سَجَدَ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ وَ ثَبَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا فَضَحِكُوْا حَتّٰى مَالَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنَ الضَّحِكِ فَانْطَلَقَ مُنْطَلِقٌ اِلٰى فَاطِمَةَ فَاَقْبَلَتْ تَسْعٰى وَثَبَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا حَتّٰى اَلْقَتْهُ عَنْهُ وَاَقْبَلَتْ عَلَيْهِمْ تَسُبُّهُمْ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَالَ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثَلٰثًا وَكَانَ اِذَا دَعٰى دَعٰى ثَلَاثًا وَاِذَا سَاَلَ سَاَلَ ثَلٰثًا اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِعَمْرِو بْنِ هِشَامٍ وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَشَيْبَةَ ابْنِ رَبِيْعَةَ وَالْوَلِيْدَ بْنِ عُتْبَةَ وَاُمَيَّةَ بْنِ خَلْفٍ وَعُقْبَةَ بْنِ اَبِيْ مُعَيْطٍ وَعُمَارَةَ بْنِ الْوَلِيْدِ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ رَاَيْتُهُمْ صَرْعٰى يَوْمَ بَدْرٍ ثُمَّ سُحِبُوْا اِلَى الْقَلِيْبِ قَلِيْبِ بَدْرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُتْبِعَ اَصْحَابُ الْقَلِيْبِ لَعْنَةً۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) جب کہ رسول کریم ﷺ خانہ کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے اور وہاں (کعبہ کے پاس) قریش (کے عمائدین) کا ایک گروہ مجلس جمائے بیٹھا تھا اچانک ان میں سے ایک شخص نے کہا کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو اٹھ کر فلاں محلہ اور قبیلہ میں) جائے جہاں فلاں خاندان میں ایک اونٹ ذبح کیا گیا ہے اور اس (اونٹ کی) غلاظت سے بھری ہوئی او جھڑی، اس کا خون اور اس کا پوست اٹھالائے اور ان سب گندی اور غلیظ چیزوں کو) رکھ لے، پھر جب محمد ﷺ سجدہ میں جائیں تو وہ ان سب چیزوں کو ان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان ڈال دے۔ (یہ سن کر) ایک انتہائی بدبخت شخص (عقبہ ابن معیط ابوجہل) اٹھا اور چیزوں کو لانے کے لئے چلا گیا (اور یہ سب چیزیں لے کر آگیا) چنانچہ جب آنحضرت ﷺ سجدہ میں گئے تو اس نے ان چیزوں کو آنحضرت ﷺ کے مونڈھوں کے درمیان رکھ دیا اور آنحضرت ﷺ (ان گندی چیزوں کا بوجھ اٹھا نہ سکے اور) سجدے میں پڑے رہ گئے، وہ بدبخت یہ دیکھ کر ہنسنے اور ٹھٹھا مارنے لگے اس ہنسی میں اس قدر بدحال ہوئے اور ہنستے ہنستے ایک دوسرے پر گر گئے، جب ہی کسی شخص نے جا کر حضرت فاطمہؓ سے کہہ دیا، حضرت فاطمہؓ دوڑی ہوئی آئیں اور نبی کریم ﷺ اس وقت تک (ان غلاظتوں میں دبے ہوئے) سجدہ میں پڑے تھے، حضرت فاطمہؓ نے ان تمام چیزوں کو آپ ﷺ کی پشت پر سے اٹھا کر پھینکا اور ان بدبختوں کی طرف متوجہ ہو کر ان کو برا بھلا کہنے لگیں، جب رسول کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو دعا کی: اے اللہ تو ان قریش کو سخت پکڑ، یعنی مشرکین قریش کو ہلاک و برباد فرما۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتے تو تین بار التجا کرتے۔ پھر عمومی طور پر قریش کے حق میں بددعا فرمانے کے بعد خاص طور سے ان ازلی بدبختوں کا نام لے کر یوں بددعا فرمائی: اے اللہ! تو عمرو ابن ہشام (ابوجہل) کو عتبہ ابن ربیعہ اور شیبہ ابن ربیعہ (دونوں بھائیوں) کو ولید بن عتبہ کو، امیہ ابن خلف کو، عقبہ ابن معیط، اور عمارہ ابن ولید کو سخت پکڑ۔" حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ (راوی) نے (یہ روایت بیان کر کے) کہا کہ خدا کی قسم میں نے جنگ بدر کے دن مذکورہ کافروں کا ہلاک شدہ زمین پر پڑے دیکھا، پھر ان کو میدان سے کھینچ کر ایک کنوئیں میں، جو مقام بدر کا کنواں تھا پھینک دیا گیا اور (اس وقت) آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: ان لوگوں کو جو کنوئیں میں پھینکے گئے ہیں، ملعون قرار دے دیا گیا ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "اچانک ان میں سے ایک شخص نے کہا" کے تحت شارحین نے لکھا ہے کہ وہ شخص ابوجہل تھا! نیز ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نماز اور عبادت میں مشغول دیکھ کر اور آپ ﷺ کی طرف اشارہ کر کے ان میں سے ایک شخص نے کہا: الا ینتظرون الی هٰذا المرائی (ذرا اس ریاکار کو تو دیکھو۔

اس واقعہ کے وقت حضرت فاطمہؓ بہت چھوٹی عمر کی تھیں کیونکہ ان کی پیدائش کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر اکتالیس سال کی تھی، لیکن اس بچپنے میں بھی یہ حضرت فاطمہؓ کی غیر معمولی عالی ہمتی تھی کہ وہ اس خبر کو سنتے ہی عمائدین قریش کے بھرے مجمع میں بھاگی چلی آئیں، اور نہ صرف یہ کہ انہوں نے بڑی ہمت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی پشت پر سے وہ تمام گندی اور غلیظ چیزیں اٹھا کر پھینکیں، بلکہ ان سب کافروں کو منہ در منہ برا بھلا کہا اور کسی کو بھی ان کے مقابلہ پر آنے کی مجال نہیں ہوئی۔

آنحضرت ﷺ نے مشرکین مکہ میں سے جن لوگوں کے نام لے لے کر ان کے حق میں بددعا فرمائی وہ دراصل خدا کے دین ورسول ﷺ کے دشمنوں کے زبردست سرغنہ تھے اور قریش مکہ کے عمائدین شمار ہوتے تھے، یہی لوگ تھے جو آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک کو تکلیف و نقصان پہنچانے کی کاروائیوں اور سازشوں میں پیش پیش رہتے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کی ایذا رسانی پر بے مثال صبر و تحمل کا ثبوت دیا، مدتوں برداشت سے کام لیتے رہے، آخر کار جب اللہ تعالیٰ نے انکی تباہی و بربادی کا فیصلہ فرمالیا تو آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ان کے حق میں بددعا کے الفاظ جاری ہوگئے اور ایک ایک کر کے یہ سارے بدبخت اپنے برے حشر کو پہنچے ؎

لطف حق گرچہ موا ساہا کند لیک چوں از حدبشد رسوا کند

"ان لوگوں کو جو کنوئیں میں پھینکے گئے ہیں، ملعون قرار دے دیا گیا ہے۔" آنحضرت ﷺ نے یہ الفاظ تو صحابہ کی طرف روئے سخن کر کے فرمائے اس کے بعد آپ ﷺ نے کنوئیں میں پھینکی گئی ان مشرکین کی لاشوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: بلاشبہ ہم نے اس چیز (یعنی فتح ونصرت) کو پالیا جس کا ہم سے ہمارے رب نے وعدہ کیا تھا اور یقیناً تم نے بھی وہ چیز (یعنی عذاب اور سخت ترین سزا) پالی ہوگی جس کا تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا۔" حدیث کے یہ آخری الفاظ گو یہاں نقل نہیں کئے گئے ہیں، لیکن کتاب الجہاد کی ایک روایت میں نقل ہو چکے ہیں۔ نیز ان تمام عمائدین قریش اور مشرکین مکہ کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ سب جنگ بدر میں ہلاک و برباد ہوئے اور ان کی لاشوں کو کنوئیں میں ڈال دیا گیا، اکثر کے اعتبار سے ہے کہ ان میں سے زیادہ تر مشرکوں کا یہی حال ہوا اور ان میں سے بعض مشرکین مثلاً عمارہؓ بن ولید کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ جنگ بدر میں شریک نہیں تھا بلکہ حبشہ میں مرا، اسی طرح عقبہ ابن ابو معیط جنگ بدر سے تو بچ کر آ گیا تھا مگر بعد میں بڑی بری طرح مارا گیا، نیز امیہ ابن خلف جنگ بدر ہی میں مارا گیا تھا مگر اس کی لاش اتنی زیادہ پھول گئی تھی کہ بھاری ہو جانے کے سبب اس کو کھینچ کر کنوئیں میں نہیں ڈالا جا سکا، یہ ساری تفصیل سیرت و تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اس حدیث کے بارے میں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی پشت مبارک پر ناپاک اور گندی چیزیں ڈال دی گئی تھیں تو یقیناً آپ ﷺ کا بدن مبارک اور کپڑے ناپاک ہوگئے ہوں گے تو اس کے باوجود آپ ﷺ نماز میں بدستور کیسے مشغول رہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب خون وغیرہ اور مشرکین کے ذبیحہ کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے آپ ﷺ کی نماز پر بھی کوئی اثر نہیں پڑا جیسا کہ شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے جب کپڑے کو شراب لگ جاتی تھی تو اس کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے اور وہ نماز ہو جاتی تھی۔

عقبہ کے سخت ترین مصائب اور آپ ﷺ کا کمال تحمل و ترحم

(۱۱) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ اَتٰى عَلَيْكَ يَوْمٌ كَانَ اَشَدَّ مِنْ يَوْمِ اُحُدٍ فَقَالَ لَقَدْ لَقِيْتُ مِنْ قَوْمِكِ وَكَانَ اَشَدَّ مَا لَقِيْتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ اِذْ عَرَضْتُ نَفْسِيْ عَلَى ابْنِ عَبْدِيَالِيْلَ بْنِ كُلَالٍ فَلَمْ يُجِبْنِيْ اِلٰى مَا اَرَدْتُ فَانْطَلَقْتُ وَاَنَا مَهْمُوْمٌ عَلٰى وَجْهِيْ فَلَمْ اَسْتَفِقْ اِلَّا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ فَرَفَعْتُ رَاْسِيْ فَاِذَا اَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ اَظَلَّتْنِيْ فَنَظَرْتُ فَاِذَا فِيْهَا جِبْرَئِيْلُ فَنَادَانِيْ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ وَمَا رَدُّوْا عَلَيْكَ وَقَدْ بَعَثَ اِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَاْمُرَهٗ بِمَا شِئْتَ

فِيهِمْ قَالَ فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ فَسَلَّمَ عَلَيَّ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ وَأَنَا مَلَكُ الْجِبَالِ وَقَدْ بَعَثَنِي رَبُّكَ إِلَيْكَ لِتَأْمُرَنِي بِأَمْرِكَ إِنْ شِئْتَ أَنْ أُطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ أَرْجُوا أَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مِنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے (ایک دن) عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ)! کیا احد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپ (ﷺ) پر گذرا ہے؟ (احد کی جنگ میں آنحضرت ﷺ کو بہت زیادہ مصیبتوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا جس کا ذکر آگے کی حدیث میں آرہا ہے)۔ آنحضرت ﷺ نے (حضرت عائشہؓ کا یہ سوال سن کر) فرمایا: تمہاری قوم کی طرف سے جو صورت حال پیش آئی تھی وہ احد کے دن سے کہیں زیادہ مجھ پر سخت تھی اور یہ عقبہ کے دن کا واقعہ ہے جب میں نے تمہاری اس قوم سے ایسی سخت اذیتیں اٹھائیں جن سے زیادہ سخت اذیتیں ان کی طرف سے عمر بھر مجھے کبھی نہیں پہنچیں، ہوا یہ تھا کہ میں اس دن ابن عبد یالیل ابن کلال کے پاس پہنچا (اور اس کو اسلام قبول کرنے کی تلقین کی) لیکن اس نے میری (تلقین پر کوئی توجہ نہیں دی اور میں رنجیدہ و غمگین اپنے منہ کی سیدھ میں چل پڑا (اور چلتا ہی رہا) یہاں تک کہ قرن ثعالب پہنچ کر میرے حواس قابو میں آئے، میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک (بڑا) ابر کا ٹکڑا ہے جو مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے اور پھر اچانک میری نظر اس ابر کے ٹکڑے میں جبرئیل علیہ السلام پر پڑی۔ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے مخاطب کیا اور کہا کہ آپ ﷺ کے پروردگار نے آپ ﷺ کی قوم کی بات سن لی اور اس کا وہ جواب بھی سن لیا جو اس نے آپ ﷺ کو دیا ہے (یعنی آپ ﷺ کی قوم کا آپ ﷺ کو برا بھلا کہنا، آپ ﷺ کو جھٹلانا اور آپ ﷺ کو ایذا پہنچانا سب معلوم ہے) اور اب اس (پروردگار) نے آپ ﷺ کی خدمت میں پہاڑوں کے فرشتہ کو (جس کے سپرد تمام روئے زمین کے کوہ و جبل کی عملداری ہے) اس لئے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ اپنی قوم (کی ہلاکت و تباہی اور ان تمام ظالموں کو پہاڑوں میں دبا دینے) کے بارے میں جو چاہیں حکم صادر فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھ کو (یا نبی! یا یا محمد! کہہ کر) مخاطب کیا اور سلام کر کے کہا کہ اے محمد (ﷺ)! اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کی قوم کی بات سن لی ہے، میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، مجھ کو آپ (ﷺ) کے پروردگار نے آپ (ﷺ) کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ آپ (ﷺ) مجھے اپنے فیصلہ کی تعمیل کا حکم دیں، اگر آپ (ﷺ) فرمائیں تو میں آپ (ﷺ) کی قوم کے لوگوں پر ان دونوں پہاڑوں اخشبین کو الٹ دوں (جن کے نیچے دب کر سب کے سب نیست و نابود ہو جائیں) رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا: "(میں ان کی ہلاکت کا خواہاں نہیں ہوسکتا) بلکہ میں تو یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں سے ایسے لوگ پیدا فرمادے جو صرف اکی ایک خدا کی عبادت کریں اور کسی بھی چیز کو اس کا شریک قرار نہ دیں (یعنی نہ شرک جلی میں مبتلا ہوں اور نہ شرک خفی میں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "عَقَبَة" اصل میں تو اس راستہ کو کہتے ہیں جو دو پہاڑوں کے درمیان گذرتا ہے، لیکن بظاہر یہاں عقبہ سے مراد وہ جگہ ہے جو منی میں واقع ہے اور جس کی طرف جمرہ کی نسبت کر کے جمرۃ العقبہ کہتے ہیں! آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ حج کے زمانہ میں اور عام اجتماعات کی جگہ پر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے ان کے سامنے خدا کا پیغام رکھتے تھے، ان کو نیک کاموں کی تلقین و تبلیغ کرتے اور برے کاموں سے باز رکھنے کے لئے خدا کے عذاب سے ڈراتے، چنانچہ اس دن بھی یہی ہوا کہ آپ ﷺ نے عقبہ کے مقام پر جمع لوگوں کے سامنے اسلام پیش کیا اور تمام قبائل کو خدا کا دین قبول کر لینے کی تبلیغ فرمائی، اسی ضمن میں آپ ﷺ وہاں سے چل کر قبیلہ ثقیف میں پہنچے اور اس قبیلہ کے ایک سردار ابن عبد یالیل ابن کلال کو اسلام کی دعوت دی، لیکن نہ صرف یہ کہ ان لوگوں پر آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوا اور کسی نے آپ ﷺ کی بات مانی بلکہ وہاں کے جاہلوں اور ظالموں نے آپ ﷺ کے ساتھ انتہائی انسانیت سوز سلوک کیا، آپ ﷺ کو گالیاں دیں، سخت ایذائیں پہنچائیں، انتہا یہ کہ آپ ﷺ پر بے تحاشہ پتھر برسائے جس سے آپ ﷺ خون میں شرابور ہوگئے ۔

زور اغیار واز دیوار سنگ یاری بارد   بلائے درد منداں از در و دیوار مے بارد

ایک طرف تو دین حق سے ان کی بے اعتنائی، دعوت و تبلیغ کی ناکامی، دوسری طرف ان بدبختوں کا اس قدر تکلیف دہ اور جان سوز رویہ کہ پورا جسم لہولہان ہو گیا، اس سخت ترین رنج و غم اور انتہائی ہولناک اذیتوں نے آپ پر شدید قسم کی سراسیمگی اور بدحواسی طاری کردی، نہ یہ خبر رہی کہ کدھر سے آئے تھے، نہ یہ شعور رہا کہ کہاں جانا ہے، نہ راستہ کا پتہ رہا نہ منزل کی پہچان بس جدھر منہ اٹھا چل کھڑے ہوئے، یوں ہی چلتے چلتے جب کچھ ہوش و حواس بجا ہوئے اور دل و دماغ نے کام کرنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ قرن ثعالب کے مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں نجد کی میقات ہے اور جس کو قرن منازل کہتے ہیں، اسی جگہ ایک ابر کے ٹکڑے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نمودار ہوئے اور انہیں پہاڑوں پر مامور فرشتہ نے ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی اجازت طلب کی، مگر یہ آپ ﷺ کی رحمت و شفقت تھی کہ اس سخت ترین صورت حال سے دوچار کرنے والوں کے خلاف کوئی فیصلہ کرنا گوارہ نہیں ہوا اور امید یہ قائم کی اگر ان کو ہدایت کی توفیق نصیب نہیں ہوئی تو کیا ہوا، یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں سے ایسے لوگ ضرور پیدا کردے گا جو کفر و شرک کی راہ چھوڑ کر ایمان و اسلام کی آغوش میں آجائیں گے۔

غزوۂ احد میں آنحضرت ﷺ کے زخمی ہونے کا ذکر

(۱۴) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهٗ يَوْمَ اُحُدٍ وَشُجَّ فِىْ رَاسِهٖ فَجَعَلَ يَسْلُتُ الدَّمَ عَنْهُ وَيَقُوْلُ كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوْا رَاسَ نَبِيِّهِمْ وَكَسَرُوْا رَبَاعِيَتَهٗ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ احد کی لڑائی کے دن رسول کریم ﷺ کے ان چار دانتوں میں ایک دانت توڑ دیا گیا تھا جن کو رباعیہ کہتے ہیں اور آپ ﷺ کا سر مبارک زخمی کر دیا گیا، آپ خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ وہ قوم کیونکر فلاح یاب ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کا سر زخمی کیا اور اس کے دانت توڑ دیئے۔" (مسلم)

تشریح: "رَبَاعِيَه" عربی میں دو اوپر کے اور دو نیچے کے ان چار دانتوں کو کہتے ہیں جو ثنایا اور انیاب کے درمیان ہوتے ہیں چنانچہ آپ ﷺ کے نیچے کے ان دو دانتوں میں سے داہنی طرف کا ایک دانت ٹوٹا تھا اس کے ساتھ نیچے کا لب مبارک بھی زخمی ہو گیا تھا، واضح رہے کہ دانت ٹوٹنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ دانت جڑ سے اکھڑ گیا تھا بلکہ اس کا ایک حصہ ٹوٹ کر علیحدہ ہو گیا تھا نیز جس شخص نے آپ ﷺ پر حملہ کر کے یہ دانت توڑا تھا اس کا نام عقبہ بن ابی وقاص اور مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کا بھائی تھا۔ اس بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ بعد میں عقبہ ابن ابی وقاص مسلمان ہو گیا تھا اور صحابی ہونے کا شرف حاصل کیا تھا یا نہیں، نیز منقول ہے کہ اس شخص کی نسل میں پیدا ہونے والا ہر شخص جب بالغ ہو جاتا تھا تو اس کا آگے کا دانت خود بخود گر پڑتا تھا! اس روایت میں سر مبارک کے زخمی ہونے کا ذکر ہے، جب کہ بعض روایتوں میں پیشانی کا زخمی ہونا ذکر کیا گیا ہے، نیز یہ بھی منقول ہے کہ جونہی آنحضرت ﷺ کو زخم پہنچا پہاڑ کے اوپر سے ایک چٹان نیچے آکر اس شخص پر گری جس نے حملہ کر کے آنحضرت ﷺ کو زخمی کیا تھا اور وہ وہیں ریزہ ریزہ ہو گیا۔ جنگ احد میں آنحضرت ﷺ کو اور بھی بہت سی اذیتوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، کافروں نے میدان جنگ میں جگہ جگہ گڑھے کھود کر ان کو گھاس پھوس کے ذریعہ اوپر سے پاٹ دیا تھا، چنانچہ آنحضرت اپنے گھوڑے سمیت ایسے ہی ایک گڑھے میں گر گئے یہ دیکھ کر حضرت طلحہ ابن عبیداللہ ؓ دوڑے ہوئے اور آنحضرت ﷺ کو اپنی گود میں لے کر اس گڑھے سے باہر نکالا، آنحضرت نے فرمایا اوجبہ طلحۃ یعنی طلحہ نے اپنے لئے جنت کو واجب کر لیا، اسی طرح آنحضرت ﷺ کے سر مبارک پر جو لوہے کا خود تھا اس کی دو کڑیاں آپ ﷺ کے رخسار مبارک میں پیوست ہو گئی تھیں اور اس بری طرح پیوست ہوئیں کہ جب حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ؓ نے ان کو اپنے دانتوں میں پکڑ کر کھینچا تو ان کے دانت ٹوٹ کر الگ ہو گئے، حضرت مالک ابن سنان ؓ نے آگے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کے زخم سے بہتے ہوئے خون کو چوس چوس کر صاف کرنا شروع کیا، اس وقت بھی آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے میرا بہتا ہوا خون چوس کر

صاف کیا اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔ سر مبارک کے زخم کو صاف کرنے کے لئے حضرت علیؓ اپنی سپر میں پانی بھر کر لائے اور حضرت فاطمہ زہراءؓ نے نمدے کا ایک ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ زخم میں بھری جس سے خون کا بہنا موقوف ہوا۔ بعض روایتوں میں منقول ہے کہ جب زخموں کی اذیت سے بتقاضائے بشریت آنحضرت ﷺ کے مزاج مبارک میں کچھ تغیر پیدا ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

لیس لک من الامر شئ او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظلمون۔

"آپؐ کو کوئی دخل نہیں یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان پر یا تو متوجہ ہو جاویں اور یا ان کو کوئی سزا دے دیں کیونکہ انہوں نے بڑا ظلم کیا ہے۔"

یہ بھی منقول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے زخموں سے خون بہنا شروع ہوا تو آپ ﷺ خون کو زمین پر گرنے سے روکنے کے لئے صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اگر میرے خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر گر گیا تو ان (کافروں) پر آسمان سے عذاب اترنے کو کوئی نہیں روک سکتا۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ احد کی لڑائی کے دن آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک پر تلوار کی ستر ضربیں پڑیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان ضربوں کے اثر سے محفوظ رکھا۔

رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے مارا جانے والا خدا کے سب سے سخت عذاب میں مبتلا ہو گا

(۱۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ فَعَلُوْا بِنَبِیِّهٖ یُشِیْرُ اِلٰى رَبَاعِیَتِهٖ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى رَجُلٍ یَقْتُلُهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا سخت ترین غضب اس قوم پر ہے جس نے اپنے نبی کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔" (ایسے سلوک سے) آپ ﷺ کا اشارہ اپنے دانتوں کی طرف تھا (جن میں ایک دانت کو کفار نے جنگ احد میں شہید کر دیا تھا۔ اور اللہ کا سخت ترین غضب اس شخص پر ہے جس کو (اللہ کا رسول) اللہ کے راستہ (جہاد) میں قتل کر دے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "جہاد" کی قید کے ذریعہ گویا حد اور قصاص میں مارے جانے والے شخص کو مستثنیٰ قرار دیا کہ ایسا شخص اس وعید میں داخل نہیں ہے، نیز "اللہ کے رسول" سے یا تو آنحضرت ﷺ نے خود اپنی ذات مراد لی یا پھر ہر پیغمبر مراد ہے، اور پیغمبر کے ہاتھوں قتل کئے جانے والے شخص کو اللہ کے سخت ترین غضب کا مورد اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ کسی شخص کو پیغمبر کا قتل کرنا اس کا پختہ ثبوت ہوتا ہے کہ وہ شخص کسی بھی صورت میں معافی کے قابل اور کسی بھی طرح رعایت کے لائق نہیں تھا اور اس کے قتل کا فیصلہ ذرا بھی شک وشبہ کے بغیر بالکل مبنی بر حقیقت تھا، اس صورت میں اس کا واجب القتل اور دوزخی ہونا یقینی بات بن جاتا ہے۔

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِیْ

اور اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۴) عَنْ یَحْیَى بْنِ اَبِیْ كَثِیْرٍ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَوَّلِ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُلْتُ یَقُوْلُوْنَ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ قَالَ اَبُوْ سَلَمَةَ سَاَلْتُ جَابِرًا عَنْ ذٰلِكَ وَقُلْتُ لَهٗ مِثْلَ الَّذِیْ قُلْتَ لِیْ فَقَالَ لِیْ جَابِرٌ لَا اُحَدِّثُكَ اِلَّا بِمَا حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاوَرْتُ بِحِرَاءٍ شَهْرًا فَلَمَّا قَضَیْتُ جِوَارِیْ هَبَطْتُ فَنُوْدِیْتُ عَنْ یَمِیْنِیْ فَلَمْ اَرَ شَیْئًا وَنَظَرْتُ عَنْ شِمَالِیْ فَلَمْ اَرَ شَیْئًا وَنَظَرْتُ خَلْفِیْ فَلَمْ اَرَ شَیْئًا فَرَفَعْتُ رَاْسِیْ فَرَاَیْتُ شَیْئًا فَاَتَیْتُ خَدِیْجَةَ فَقُلْتُ دَثِّرُوْنِیْ فَدَثَّرُوْنِیْ وَصَبُّوْا عَلَیَّ مَاءً بَارِدًا فَنَزَلَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِیَابَكَ

فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ وَذٰلِكَ قَبْلَ اَنْ تُفْرَضَ الصَّلٰوةُ۔ (متفق علیہ)

"حضرت یحییٰ ابن کثیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسلمہؒ ابن عبدالرحمٰن ابن عوف سے (جو اونچے درجہ کے تابعین، مشاہیر علماء اور فقہاء سبعہ میں سے ہیں) پوچھا کہ قرآن مجید کا کونسا حصہ سب سے پہلے نازل ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ (یعنی اکثر علماء) تو یہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اِقْرَاْ باسم ربک نازل ہوئی ہے!؟ حضرت ابوسلمہ نے فرمایا: "میں نے حضرت جابرؓ سے یہی سوال کیا تھا (کہ قرآن کا کونسا حصہ سب سے پہلے نازل ہوا ہے؟ تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا جو میں نے تمہیں دیا ہے) پھر میں نے بھی ان سے یہی کہا جو تم نے مجھ سے کہا ہے (کہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے (اقرا باسم ربک الذی اتری ہے) تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے وہی حدیث بیان کرتا ہوں جو رسول کریم ﷺ نے ہمارے سامنے ارشاد فرمائی تھی، آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ: میں ایک مہینہ تک غار حراء میں خلوت گزیں۔ اور معتکف تھا، جب میری خلوت گزینی اور اعتکاف کی مدت پوری ہوئی اور میں پہاڑ سے اترا تو (اچانک میرے کانوں میں آواز آئی کہ) کوئی مجھے مخاطب کر رہا ہے، میں نے دائیں طرف (مڑ کر) دیکھا لیکن مجھے کوئی چیز نظر نہیں آئی بائیں طرف دیکھا تو ادھر بھی کوئی چیز نظر نہیں آئی، پیچھے کی طرف نظر کی تو ادھر بھی کوئی دکھائی نہیں دیا، پھر جب میں نے اوپر نظر اٹھائی تو مجھے کچھ نظر آیا یعنی ایک فرشتہ دکھائی دیا، میں (اس کو دیکھ کر سہم گیا اور مارے خوف کے کانپتا ہوا) خدیجہؓ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے کپڑا اڑھاؤ مجھے کپڑا اڑھاؤ۔ خدیجہؓ نے (فورا) مجھ کو ایک کپڑا اڑھادیا اور (میرے حواس بحال کرنے کے لئے) مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالا، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی یا ایھا المدثر قم فانذر وربک فکبر وثیابک فطھر والرجز فاھجر (یعنی: اے کپڑا اوڑھنے والے اٹھ کھڑے ہو اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو اور اپنے کپڑے کو پاک رکھو اور ناپاکی سے اجتناب کرو) اور نزول وحی کا یہ واقعہ نماز فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ روایت حدیث کے وقت نسیان کے سبب راوی کے ذہن میں مسئلہ کی اصل نوعیت پوری طرح محفوظ نہیں رہی تھی جس کی وجہ سے انہوں نے یہ حدیث اس طرح بیان کی کہ گویا یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سب سے پہلی وحی "یاایھا المدثر" الخ ہے حالانکہ حقیقت میں سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی ہے وہ اقرا باسم ربک الخ ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اقرا باسم ربک کے بعد وحی کا نزول کچھ عرصہ کے لئے جب منقطع ہوگیا اور یہ سلسلہ پھر دوبارہ شروع ہوا تو اس وقت سب سے پہلے جو وحی اتری وہ یا ایھا المدثر الخ ہے، جیسا کہ اس کا تفصیلی ذکر پیچھے حضرت عائشہؓ کی روایت میں گذرا پس یا ایھا المدثر الخ کی اولیت اضافی ہے نہ کی حقیقی، چنانچہ خود حضرت جابرؓ کی جو روایت پہلے گذری ہے اس میں انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انقطاع وحی کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ۔ میں چلا جارہا تھا کہ اچانک میں نے آسمان سے آتی ہوئی ایک آواز سنی، اوپر نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ ہے جو میرے پاس کوہ حراء میں آیا تھا....... الخ۔ اس سے بھی صریحی طور پر یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ یہاں اس حدیث میں حضرت جابرؓ نے اضافی اولیت مراد لی ہے۔

یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس حدیث کے راوی نے اختصار سے کام لیا ہے اور سب سے پہلے اترنے والی وحی اقرءباسم ربک کے ذکر کو حذف کر کے اس وحی کو ذکر کیا جو انقطاع کے بعد سلسلہ وحی دوبارہ شروع ہونے پر سب سے پہلے اتری تھی۔

بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ

نبوت کی علامتوں کا بیان

"علامات" علامت کی جمع ہے اور علامت اصل میں تو مطلق نشان کو، اور خاص طور پر اس نشان کو کہتے ہیں جو راستہ کے سرے پر قائم

کیا جاتا ہے اور جس کا مقصد مسافروں اور راہ گیروں کو ان کے راستے اور ان کی منزل کا پتہ بتانا ہوتا ہے۔ اسی قبیل کے دو اور لفظ مَعْلَمْ اور عَلَمْ کے بھی یہی معنی ہیں لیکن یہاں علامات (یا علامتوں) سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو آنحضرت ﷺ کی پیغمبری کو ظاہر و ثابت کرتی ہیں اور آپ ﷺ کی ذاتی و اخلاقی صفات و خصوصیات، آپ ﷺ کے فضائل و شمائل اور آپ ﷺ کے افعال و احوال پر اس طرح دلالت کرتی ہیں کہ کوئی بھی عقلمند اور سمجھ دار شخص ان کے ذریعہ آنحضرت کی نبوت و رسالت کا یقین حاصل کر سکتا ہے۔ نیز سابقہ آسمانی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی جن صفات و خصوصیات اور احوال کا ذکر ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہیں۔

"واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو جتنے معجزے عطا ہوئے وہ سب آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی علامتوں میں سے ہیں، اس اعتبار سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مؤلف مشکوۃ نے جو دو باب قائم کئے ہیں، ایک تو یہی "نبوت کی علامتوں کا بیان" اور دوسرا "معجزات کا بیان" اس کا کیا سبب ہے اور انہوں نے "علامتوں" اور "معجزوں" کے درمیان کیا فرق ملحوظ رکھا ہے، جب کہ ان دونوں میں خوارق (معجزات) ہی کا ذکر ہے شارحین مشکوۃ بسیار غور و فکر کے باوجود اس کی کوئی مضبوط وجہ بیان کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

شق صدر کا واقعہ

① عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَاَخَذَهُ فَصَرَعَهُ فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً قَالَ هٰذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ ثُمَّ غَسَلَهُ فِيْ طَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ لَاَمَهُ وَاَعَادَهُ فِيْ مَكَانِهٖ وَ جَآءَ الْغِلْمَانُ يَسْعَوْنَ اِلٰى اُمِّهٖ يَعْنِيْ ظِئْرَهٗ فَقَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ فَاسْتَقْبَلُوْهُ وَهُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ قَالَ اَنَسٌ فَكُنْتُ اَرٰى اَثَرَ الْمَخِيْطِ فِيْ صَدْرِهٖ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ (اپنے بچپن میں جب دایہ حلیمہ کے پاس تھے تو اس وقت کا واقعہ ہے کہ (ایک دن آپ ﷺ) بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت جبرئیلؑ آئے اور آپ ﷺ کو پکڑ کر چت لٹا دیا، پھر انہوں نے آپ ﷺ کے (سینہ کو) دل کے قریب سے چاک کیا اور آپ ﷺ کے دل میں سے بستہ خون کا ایک سیاہ ٹکڑا نکال لیا اور کہا کہ یہ تمہارے جسم کے اندر شیطان کا حصہ ہے (اگر یہ ٹکڑا تمہارے جسم میں یوں ہی رہنے دیا جاتا تو شیطان کو اس کے ذریعہ تم پر قابو پانے کا موقع ملتا رہتا) اس کے بعد انہوں نے آپ ﷺ کے دل کو ایک سونے کی لگن میں زمزم کے پانی سے دھویا اور پھر دل کو اس کی جگہ رکھ کر سینۂ مبارک کو اوپر سے برابر کر دیا۔ (وہ) بچے (جو اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ تھے یہ پورا منظر دیکھ کر گھبرا گئے اور) بھاگے ہوئے آنحضرت ﷺ کی ماں یعنی آپ ﷺ کی دایہ (حلیمہؓ) کے پاس آئے اور کہا کہ محمد ﷺ کو مار ڈالا گیا ہے (دایہ حلیمہؓ کے گھر اور پڑوس کے) لوگ (یہ سنتے ہی) اس جگہ پہنچے جہاں آنحضرت ﷺ موجود تھے، انہوں نے آنحضرت ﷺ کو صحیح سالم دیکھا لیکن آپ ﷺ کو اس حال میں پایا کہ خوف و دہشت سے) آپ ﷺ (کے چہرہ) کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ حضرت انسؓ (یہ روایت بیان کر کے) کہتے تھے کہ میں...... آنحضرت ﷺ کے سینۂ مبارک پر سلائی کا نشان دیکھا کرتا تھا۔" (مسلم)

تشریح: جامع الاصول میں عن قلبه کے بعد واستخرجه کا لفظ بھی منقول ہے اور پوری عبارت یوں ہے فشق عن قلبه واستخرجه فاستخرج منهُ علقه۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: پھر انہوں نے آپ کے (سینہ کو) دل کے قریب سے چاک کیا اور دل کو نکالا اور پھر دل میں سے بستہ خون کا ایک سیاہ ٹکڑا نکال لیا (جو برائیوں اور گناہوں کی جڑ ہوتا ہے) سونے کے لگن میں زمزم کے پانی سے دھویا۔" سونے کی لگن کا استعمال آپ ﷺ کی عظمت و کرامت کے اظہار کے لئے تھا جہاں تک سونے کے استعمال کی ممانعت کا

سوال ہے تو اس کا تعلق اس دنیا کی عام زندگی سے امتحان و آزمائش سے ہے جس کا مقصد انسان کو اس دنیاوی زندگی میں ایسی بہت سی چیزوں سے باز رکھ کر اس کی بندگی کو آزمانا ہے جس میں کامیاب ہونے کے بعد آخرت میں وہی چیزیں اس کو اجر و انعام کے طور پر حاصل ہوں گی، اسی لئے آخرت میں نہ صرف یہ کہ سونے کا استعمال جائز ہوگا بلکہ جنت کے ظروف و برتن بھی سونے کے ہوں گے۔ پس شق صدر کا یہ تمام واقعہ جو اس وقت یا شب معراج میں پیش آیا، اس دنیا سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہان کے احوال سے تعلق رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ نقطہ بھی محفوظ خاطر رہنا چاہئے کہ سونے کی لگن کا استعمال خود آنحضرت ﷺ کی طرف سے نہیں ہوا تھا بلکہ اس کا استعمال فرشتے نے کیا تھا جو احکام و مسائل میں ہماری طرح مکلف نہیں تھا۔ ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ سونے کی لگن کے استعمال کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب احکام و مسائل کا نفاذ ہی نہیں ہوا تھا اور شرعی طور پر کسی چیز کی حلت و حرمت نازل اور معلوم نہیں ہوئی تھی۔

حدیث کے اس ٹکڑے سے یہ ثابت ہوا کہ زمزم کا پانی سب پانیوں سے افضل و برتر ہے یہاں تک کہ جنّت کے پانی پر بھی فضیلت و برتری رکھتا ہے کیونکہ اگر کوئی شبہ نہیں کہ وہ پانی جو بطور معجزہ آنحضرت ﷺ کی انگلیوں سے ابل کر نکلا تھا۔ یہاں تک کہ آب زمزم پر بھی فضیلت و برتری رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ پانی آنحضرت ﷺ دست مبارک کے اثر سے نکلا تھا جب کہ زمزم کا پانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پیروں کے اثر سے برآمد ہوا ہے۔

یہ حدیث اور اسی طرح کی دوسری حدیثیں اس قبیل سے تعلق رکھتی ہیں جن کو جوں کا توں تسلیم کرنا واجب ہے اور بطریق مجاز تاویل و توجیہہ کے ذریعہ ان کے ظاہری مفہوم و معانی سے اعراض کرنا نہ تو جائز ہے اور نہ اس کی کچھ ضرورت ہے کیونکہ ان حدیثوں میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ انسانی عقل و فہم سے کتنا ہی ماوراء کیوں نہ ہو، اس کے برحق اور سچ ہونے کے لئے یہی ایک بات کافی ہے کہ اس کا تعلق قادر مطلق، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ظہور سے ہے اور یہ وہ باتیں ہیں جن کی خبر صادق و مصدوق (ﷺ) نے دی ہے، لہٰذا ان کی صداقت شمہ برابر بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

شق صدر میں حکمت: آنحضرت ﷺ کے سینہ مبارک کو چاک کر کے قلب مبارک کو صاف کرنے میں قدرت کی یہ حکمت کارفرما تھی کہ آپ ﷺ کا باطن اس طرح بھی پاکیزہ اور قلب مبارک اس قدر لطیف و روشن ہوجائے کہ وحی الٰہی کا نور جذب کرنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بنے اور منصب رسالت کا بار اٹھانے کے لئے قلب و دماغ پہلے سے تیار رہے، نفسانی وسوسوں کا آپ ﷺ میں کہیں سے گذر نہ ہو، اور شیطان آپ ﷺ کو حق کی طرف سے غافل کرنے میں نہ صرف یہ کہ کامیاب نہ ہوسکے بلکہ آپ ﷺ سے بالکل مایوس ہوجائے، جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے الفاظ ھٰذا حظ الشیطان منک اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔

یہ بتادینا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شق صدر سینہ چاک کئے جانے) کا واقعہ چار مرتبہ ظہور میں آیا ہے، ایک مرتبہ تو بچپن میں دایہ حلیمہؓ کے پاس، جس کا ذکر اس حدیث میں ہے، دوسری مرتبہ دس سال کی عمر میں، تیسری مرتبہ ظہور نبوت کے وقت اور چوتھی مرتبہ شب معراج میں اس وقت جب جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کو لینے آئے۔

اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ سینۂ مبارک کا چاک کیا جانا اور قلب مبارک کا دھویا جانا صرف آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص تھا یا دوسرے پیغمبروں کے ساتھ بھی ایسا ہوا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت "تابوت" اور "سکینہ" کے بارے میں منقول ہے اس میں انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس (تابوت) میں (دوسرے تبرکات کے علاوہ) وہ طشت بھی تھا، جس میں انبیاء علیہم السلام کے دل دھوئے گئے تھے، اس روایت سے ان علماء کی تائید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کے بھی سینے چاک کئے گئے اور ان کے دل دھوئے گئے تھے۔

پتھر کا سلام

② وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ اَنْ اُبْعَثَ اِنِّيْ لَاَعْرِفُهُ الْاٰنَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مکہ میں ظہور نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا، میں اب بھی اس کو (خوب) پہچانتا ہوں۔" (مسلم)

تشریح: "مجھے سلام کیا کرتا تھا۔" یعنی جب بھی میں اس پتھر کے سامنے سے گذرتا تو مجھے اس میں آتی ہوئی یہ آواز سنائی دیتی۔ السلام علیک یانبی اللہ!

بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس پتھر سے مراد حجرا سود ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے، جو "زقاق الحجر" کے نام سے مشہور ہے اور وہ اب تک مکہ میں موجود ہے، یہ پتھر جس جگہ ہے وہ مسجد حرام اور حضرت خدیجہؓ کے گھر کے درمیان واقع ہے۔

ایک روایت حضرت عائشہؓ سے منقول ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا "جب حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس رسالت لے کر آئے (اور مجھے نبوت ورسالت کے منصب پر فائز کر دیا گیا) تو اس کے بعد جب بھی میں کسی درخت یا پتھر کے سامنے سے گذرتا تو وہ کہتا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

شق قمر کا معجزہ

③ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ اَهْلَ مَكَّةَ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّرِيَهُمْ اٰيَةً فَاَرَاهُمُ الْقَمَرَ شِقَّتَيْنِ حَتّٰى رَاَوْا حِرَاءَ بَيْنَهُمَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مکہ کے کافروں نے (جمع ہو کر) رسول کریم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ (اگر تم (نبوت کے دعوے میں) سچے ہو تو کوئی نشانی (معجزہ دکھاؤ، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے (اپنے دست مبارک کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیئے، یہاں تک کہ ان کافروں نے حراء پہاڑ کو چاند کے ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔" (بخاری ومسلم)

④ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرْقَتَيْنِ فِرْقَةً فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةً دُوْنَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْهَدُوْا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں چاند درمیان سے شق ہو کر اس طرح دو ٹکڑے ہو گیا کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر کی جانب تھا اور دوسرا نیچے کی طرف رسول کریم ﷺ نے (کافروں کی طلب پر یہ معجزہ دکھا کر ان سے) فرمایا کہ میری نبوت یا میرے معجزہ کی شہادت دو۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "شہادت دو۔" کے ایک معنی بعض حضرات نے یہ لکھے ہیں کہ "آؤ اور اس معجزہ کو دیکھو۔ اس معنی کی صورت میں اشهدوا کو شہادت سے مشتق کہا جائے گا، پہلے معنی کی صورت میں (جو ترجمہ میں بیان ہوئے ہیں اشهدو کو شهود سے مشتق مانا جائے گا۔

شق القمر کا معجزہ، یعنی آنحضرت ﷺ کے دست مبارک کے اشارہ پر چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا، ایک حقیقی واقعہ ہے، جس کی صداقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اس واقعہ سے متعلق روایت کو صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک بہت بڑی جماعت نے بیان کیا ہے اور ان کے واسطہ سے بے شمار محدثین نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ علامہ ابن سبکیؒ نے شرح مختصر ابن حاجب میں لکھا ہے کہ میرے

نزدیک صحیح یہ ہے کہ شق قمر کی روایت متواتر ہے اور اس کو بخاری ومسلم نیز دوسرے بہت سے ائمہ حدیث نے اتنے زیادہ طرق سے نقل کیا ہے کہ اس میں کہیں سے بھی شک کا گذر نہیں، علاوہ ازیں اس معجزہ کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت خود قرآن کریم ہے چنانچہ تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق واجماع ہے کہ اس آیت کریمہ۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۞ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۞۔

"قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا اور اگر یہ لوگ (کافر) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو روگردانی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔"

میں وہی شق قمر مراد ہے جو آنحضرت ﷺ کے معجزہ کے طور پر واقع ہوا، نہ کہ وہ انشقاق قمر مراد ہے جو قیامت کے دن واقع ہوگا، اس کی واضح دلیل خود آیت کے الفاظ اِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا الخ ہیں۔ بہت سے بے دینوں اور فلسفیوں نے اس معجزہ کا انکار کیا ہے، ان کے انکار کی بنیاد اس اعتقاد پر ہے کہ فلکیات میں خرق والتیام ممکن نہیں ہے، اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ذہن میں رہنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی فلکیات کا خالق اور قادر مطلق ہے، تمام فلک اس کی قدرت کے مسخر اور اس کے حکم کے تابع ہیں، اس کائنات میں جو کچھ ہے، خواہ زمین ہو یا آسمان، چاند، ستارے ہوں یا سورج، ان میں سے جس کو چاہے وہ توڑ پھوڑ کر ایک طرف کر سکتا ہے، خود اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قیامت کے دن وہ آسمان کو اس طرح لپیٹ دے گا جس طرح کاغذ کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ فلکیات میں خرق والتیام کے محال کا نظریہ جو اس وقت بھی بہت سے فلاسفہ کے نزدیک محل نظر تھا تحقیق و تجربہ کے بعد اب بالکل ہی باطل ہو چکا ہے، اس دور کے انسان نے چاند پر پہنچ کر شق القمر کے معجزہ کو زبردست تائید بھی پہنچائی ہے لہٰذا خرق والتیام کی بحث اٹھا کر اس معجزہ کے خلاف دلیل قائم کرنا بالکل بے معنی بات ہوگئی ہے۔ منکرین صداقت ایک اعتراض اور کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ چاند میں اتنا زبردست تغیر ہو جانا کہ وہ ٹکڑوں میں بٹ گیا کوئی معمولی بات نہیں تھی اگر حقیقت میں ایسا ہوا تھا تو اس کا مشاہدہ صرف اہل مکہ تک محدود نہ رہتا بلکہ اس کرشمہ کو تمام اہل زمین دیکھتے اور بلا تفریق مذہب وملت تمام مورخین تواتر کے ساتھ اس کا تذکرہ کرتے، اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس معجزہ کا وقوع کچھ خاص لوگوں کے مطالبہ پر ہوا تھا اور انہیں کو یہ کرشمہ دکھانا اور ان کو لاجواب کرنا مقصود تھا، علاوہ ازیں یہ رات کے وقت کا واقعہ ہے، جو ایک لمحہ کے لئے تھا، ظاہر ہے کہ ایسے میں جب کہ اکثر لوگ محو خواب ہوں گے اس لمحاتی کرشمہ کا عام مشاہدہ کیسے ممکن تھا! دوسرے یہ کہ اختلاف مطالع کی بناء پر یہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا کہ چاند ایک ہی وقت میں ایک ہی مطلع پر دنیا کے تمام خطوں میں نظر آئے اس لئے معجزہ کے وقوع کے وقت کا چاند دنیا کے تمام خطوں میں سے کچھ کو نظر آیا اور کچھ کو نہیں، جیسا کہ جب چاند گرہن ہوتا ہے تو اس وقت کچھ خطوں میں نظر آتا ہے اور کچھ خطوں میں نظر نہیں آتا، علاوہ ازیں بعض روایتوں میں آتا ہے اس دن عرب کے باہر کے جو لوگ مکہ مکرمہ یا اس کے قریبی علاقوں میں آئے ہوئے تھے انہوں نے اپنے شہروں اور علاقوں میں پہنچ کر اس واقعہ کی اطلاع دی۔ جہاں تک تاریخ میں اس عجیب وغریب واقعہ (شق قمر) کے ذکر کا تعلق ہے تو اسلامی تاریخ وسیر کی کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر تواتر کے ساتھ موجود ہی ہے، گو اسلام مخالف اور دین بیزار لوگ اس سے انکار کریں، لیکن اسلامی تاریخ کے علاوہ بعض دوسری قوموں کے تذکرہ اور احوال میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے، جیسے ہندوستان کے علاقہ ملیبار یا مالوہ کے شہر دہار کے راجہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ تو صرف اس واقعہ کے مشاہدہ یا تصدیق کی وجہ ہی سے مشرف باسلام ہو گئے تھے۔

قدرت کی طرف سے ابوجہل کو تنبیہ

⑤ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ اَبُوْجَهْلٍ هَلْ يُعَفِّرُ مُحَمَّدٌ وَجْهَهٗ بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ فَقِيْلَ نَعَمْ فَقَالَ وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰى لَئِنْ رَاَيْتُهٗ يَفْعَلُ ذٰلِكَ لَاَطَاَنَّ عَلٰى رَقَبَتِهٖ فَاَتٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ زَعَمَ لِيَطَاَ عَلٰى رَقَبَتِهٖ فَمَا

فَجِئَهُمْ مِنْهُ اِلاَّ وَهُوَ يَنْكُصُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَيَتَّقِيْ بِيَدَيْهِ فَقِيْلَ لَهُ مَالَكَ فَقَالَ اِنَّ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ لَخَنْدَقًا مِنْ نَارٍ وَهَوْلاً وَاَجْنِحَةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْدَنَا مِنِّيْ لَاخْتَطَفَتْهُ الْمَلٰئِكَةُ عُضْوًا عُضْوًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ابوجہل نے (لوگوں کے سامنے بڑی تحقیر کے ساتھ) کہا کہ کیا محمد (ﷺ) تمہارے سامنے اپنے چہرہ کو خاک آلود کرتا ہے (یعنی نماز پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے؟!) لوگوں نے کہا کہ ہاں! ابوجہل بولا۔ لات وعزیٰ۔ (دونوں بڑے بتوں) کی قسم اگر میں نے محمد (ﷺ) کو ایسا کرتے (یعنی نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے) دیکھ لیا تو (اپنے پیروں سے) اس کی گردن روند ڈالوں گا۔ چنانچہ (ایک دن) جب کہ رسول کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھا (اور سجدہ میں تھے) ابوجہل اس (ناپاک) ارادہ کے ساتھ آپ ﷺ کی گردن مبارک کو اپنے پاؤں سے کچل دے، لیکن پھر وہ آنحضرت ﷺ کی طرف بڑھتے بڑھتے اچانک رک گیا اور فورًا) پچھلے پاؤں اپنے لوگوں کی طرف لوٹنے لگا اور ایسا دکھائی دیا جیسے وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے کسی چیز کو روک رہا ہو (یعنی جب وہ لوٹ کر اپنے لوگوں تک پہنچا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی سخت آفت اس پر ٹوٹ پڑی ہے اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کو روک رہا ہے) لوگوں نے (یہ دیکھ کر) اس سے پوچھا کہ آخر کیا ماجرا ہے (کہ تو اپنا ارادہ پورا کئے بغیر الٹے پاؤں لوٹ آیا اور اپنے ہاتھوں سے کوئی چیز روکنے کی کوشش کر رہا ہے؟) ابوجہل نے (نہایت بوکھلائے لہجہ) میں کہا! (میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ) میرے اور محمد ﷺ کے درمیان آگ کی خندق ہے، بڑا خوفناک منظر ہے اور (محافظ فرشتوں کے) پروبازو ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا! "اگر ابوجہل میرے قریب آجاتا تو فرشتے اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے لے جاتے (یعنی ہر فرشتہ اس کے بدن کا ایک ایک عضو نوچ کرلے جاتا۔"

ایک پیش گوئی جو حرف بحرف پوری ہوئی

(٦) وَعَنْ عَدِيِّ ابْنِ حَاتِمٍ قَالَ بَيْنَا اَنَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اَتَاهُ رَجُلٌ فَشَكَا اِلَيْهِ الْفَاقَةَ ثُمَّ اَتَاهُ الْاٰخَرُ فَشَكٰى اِلَيْهِ قَطْعَ السَّبِيْلِ فَقَالَ يَا عَدِيُّ هَلْ رَاَيْتَ الْحِيْرَةَ فَاِنْ طَالَتْ بِكَ حَيٰوةٌ فَلَتَرَيَنَّ الظَّعِيْنَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِيْرَةِ حَتّٰى تَطُوْفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ اَحَدًا اِلاَّ اللّٰهَ وَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيٰوةٌ لَتُفْتَحَنَّ كُنُوْزُ كِسْرٰى وَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيٰوةٌ لَتَرَيَنَّ الرَّجُلَ يُخْرِجُ مِلْاَ كَفِّهِ مِنْ ذَهَبٍ اَوْ فِضَّةٍ يَطْلُبُ مَنْ يَقْبَلُهُ فَلَا يَجِدُ اَحَدًا يَقْبَلُهُ مِنْهُ وَلَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ يَلْقَاهُ وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ يُتَرْجِمُ لَهُ فَلَيَقُوْلَنَّ اَلَمْ اَبْعَثْ اِلَيْكَ رَسُوْلاً فَيُبَلِّغَكَ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَيَقُوْلُ اَلَمْ اُعْطِكَ مَالاً وَاُفْضِلُ عَلَيْكَ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَيَنْظُرُ عَنْ يَمِيْنِهِ فَلَا يَرٰى اِلاَّ جَهَنَّمَ وَيَنْظُرُ عَنْ يَسَارِهِ فَلَا يَرٰى اِلاَّ جَهَنَّمَ اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ قَالَ عَدِيٌّ فَرَاَيْتُ الظَّعِيْنَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِيْرَةِ حَتّٰى تَطُوْفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ اِلاَّ اللّٰهَ وَكُنْتُ فِيْمَنِ افْتَتَحَ كُنُوْزَ كِسْرَى بْنِ هُرْمُزَ وَلَئِنْ طَالَتْ بِكُمْ حَيٰوةٌ لَتَرَوُنَّ مَا قَالَ النَّبِيُّ اَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْرِجُ مِلْاَ كَفِّهِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عدی ابن حاتمؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک ایک شخص آیا اور آپ ﷺ سے اپنے فقروفاقہ اور افلاس کا شکوہ کرنے لگا، پھر ایک اور شخص آیا، اس نے راہزنی کی شکایت کی (کہ راستہ میں کچھ ڈاکوؤں اور قزاقوں نے مجھے لوٹ لیا ہے) آنحضرت ﷺ نے (ان دونوں کی باتیں سننے کے بعد مجھ سے) فرمایا: عدی! تم نے تو حیرہ دیکھا ہوگا!؟ اگر تمہاری عمر بڑی ہوئی تو تم یقیناً دیکھو گے کہ ایک عورت تنہا اونٹنی پر سوار ہوکر حیرہ سے چلے گی اور (مکہ پہنچ کر) کعبہ کا طواف کرے گی اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اس کو کسی (لیٹرے اور راہزن) کا خوف نہیں ہوگا، اگر تم زیادہ دنوں تک زندہ رہے تو (دیکھو گے کہ) کسریٰ (فارس کے بادشاہ) کے خزانے (مسلمانوں کے لئے) کھول دیئے جائیں گے (جو غنیمت کے طور پر ہاتھ لگیں گے اور تمام مسلمانوں میں تقسیم ہوں گے) اور اگر تمہاری عمر زیادہ ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا یا چاندی (خیرات کرنے کو) نکلے گا، اور قبول کرنے والے (یعنی کسی محتاج و مفلس) کو

ڈھونڈتا پھرے گا مگر اس کو ایسا کوئی شخص نہیں ملے گا جو اس سے خیرات کا مال لے لے۔ اور (یاد رکھو) قیامت کے دن تم میں سے ایک شخص اللہ کے حضور اس طرح پیش ہوگا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا جو اس کا حال بیان کرے، پھر اللہ تعالیٰ اس سے سوال کرے گا کہ کیا میں نے تجھ کو دین کے احکام پہنچانے اور قیامت کے دن کی خبر دینے کے لئے رسول نہیں بھیجا تھا؟ وہ شخص کہے گا کہ بیشک آپ نے رسول بھیجا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ میں نے تجھ کو مال و زر عطا نہیں کیا تھا اور کیا میں نے تجھ پر فضل و احسان نہیں کیا تھا؟ وہ کہے گا بیشک آپ نے مجھ کو مال بھی عطا کیا تھا اور مجھ پر فضل و احسان بھی فرمایا تھا۔ اس کے بعد وہ شخص اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو اس کو دوزخ کے علاوہ کچھ نظر نہیں آئے گا (جس کو اس نے ترک طاعت و عبادت کے سبب اپنے لئے واجب کر رکھا ہوگا) پھر وہ اپنے بائیں طرف دیکھے گا تو اس کو دوزخ کے علاوہ کچھ نظر نہیں آئے گا جس کو اس نے ارتکاب معصیت کے سبب اپنے پر واجب کر رکھا ہوگا)۔ پس رسول کریم ﷺ نے تمام لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لوگو! دوزخ کی آگ سے (خیرات کے ذریعہ) اپنے آپ کو بچاؤ۔ اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی خیرات کرنے کی استطاعت رکھتے ہو، اور اگر کوئی شخص (اللہ کے نام پر خرچ کرنے کے لئے کھجور کا ایک ٹکڑا بھی نہ رکھتا ہو تو نرمی اور خوش خلقی کے ساتھ بات کر کے (خود کو دوزخ کی آگ سے) بچائے۔" حضرت عدی ابن حاتمؓ نے (یہ روایت بیان کرنے کے بعد) کہا: (آنحضرت ﷺ کی اس پیش گوئی کے مطابق) میں نے یہ تو دیکھ لیا کہ اونٹنی سوار عورت خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے لئے حیرہ سے تنہا سفر کرتی ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ڈر نہیں لگتا اور میں خود ان لوگوں میں شامل تھا۔ جنہوں نے کسریٰ ابن ہرمز ابن نوشیرواں (فارس کے بادشاہ) کے خزانوں کو کھولا، اب اگر تم زیادہ دنوں زندہ رہے تو نبی کریم ابوالقاسم (محمد ﷺ) کی اس پیش گوئی کو بھی حرف بحرف پورا ہوتے دیکھ لوگے کہ ایک شخص مٹھی بھر کر (سونا چاندی خیرات کرنے کو نکلے گا (اور کوئی شخص اس کو لینے والا نہیں ملے گا۔"

(بخاری)

تشریح: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین باتوں کی پیش گوئی فرمائی، ایک تو یہ کہ ملک عرب میں مکمل امن و امان ہو جائے گا، ڈکیتی اور رہزنی جیسے جرائم جو عام زندگی کو خوف و ہراس میں مبتلا کر دیتے ہیں اس طرح ختم ہو جائیں گے کہ حیرہ، جو کوفہ کے پاس ایک پرانا شہر ہے اور مکہ معظمہ سے بہت دور ہے، وہاں سے ایک عورت زیارت بیت اللہ اور طواف کعبہ کے لئے مکہ معظمہ تک اونٹنی یا کسی بھی سواری پر تنہا سفر کرے گی اور اس کی جان و مال کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ مجاہدین اسلام کے ہاتھوں فارس (ایران) کی عظیم سلطنت فتح کرائے گا اور وہاں کے بادشاہ کسریٰ کے خزانوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا، اور تیسرے یہ کہ اسلامی حدود سلطنت میں اقتصادی خوش حالی اور مال و دولت کی فراوانی سے چند لوگ یا کوئی خاص طبقہ نہیں بلکہ تمام لوگ اس طرح بہرہ مند ہوں گے کہ زکوٰۃ خیرات نکالنے والا اپنے ہاتھ میں سونا چاندی اور روپیہ پیسہ لئے پھرے گا مگر ڈھونڈنے سے بھی کوئی صدقہ لینے والا اس کو نہیں ملے گا کیونکہ پوری اسلامی قلمرو میں جب کوئی بھوکا محتاج ہی نہیں ہوگا تو صدقہ خیرات کا سونا چاندی لینے والا کون ہوگا۔ ان تینوں پیش گوئیوں میں سے دو تو پوری ہو گئیں اور ان کا مشاہدہ خود حدیث کے راوی حضرت عدی ابن حاتمؓ نے کیا اور تیسری پیش گوئی کے بارے میں بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد پوری ہوگی کہ ان کے عہد سلطنت میں کوئی شخص بھوکا محتاج نہیں ہوگا اور عام خوشحالی کا یہ عالم ہوگا کہ ڈھونڈنے پر بھی کوئی صدقہ خیرات لینے والا نہیں ملے گا۔ اس کا ذکر اس حدیث میں گذر چکا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے باب میں پیچھے نقل ہوئی ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ تیسری پیش گوئی بھی حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کی خلافت کے زمانہ میں پوری ہو چکی ہے۔ بیہقی نے اس قول کو جزم کے ساتھ اختیار کیا ہے، چنانچہ ان کے عہد میں عام لوگوں کی اقتصادی حالت اتنی زیادہ بہتر تھی کہ صدقہ و خیرات کا مال لینے والا کوئی نہیں ملتا تھا! آنحضرت ﷺ نے جو پہلی پیش گوئی فرمائی وہ دراصل اس شخص کے جواب میں تھی جس نے رہزنی کی شکایت کی تھی اور دوسری پیش گوئی اس شخص کے جواب میں تھی جس نے اپنے فقر و افلاس کی شکایت کی تھی، روئے سخن آپ ﷺ نے حضرت عدی ابن حاتمؓ کی طرف رکھا جو اس وقت مجلس شریف میں حاضر تھے اور خطاب عام

تھا! مقصد یہ تھا کہ ان باتوں کی بشارت تمام صحابہ سن لیں اور اس ضمن میں ان دونوں شکایت کنندہ کو جواب بھی حاصل ہو جائے جس سے ان کو تسلی ہو۔

یہ بشارت دینے کے بعد کہ مسلمانوں پر معاشی خوشحالی اور مالی وسعت کا زمانہ جلد آنے والا ہے، آپ ؐ نے یہ واضح کر دینا بھی ضروری سمجھا کہ مال و دولت کی فراوانی چونکہ عام طور پر انسان کو دنیا کے عیش و عشرت میں ڈال کر آخرت سے غافل کر دیتی ہے اس لئے اہل ایمان کو چاہئے اس فراخی و تونگری کے زمانہ میں یہ بات فراموش نہ کریں کہ دنیا میں مال و دولت کی آسائش و راحت دراصل آخرت میں تنگی و سختی اور ندامت کا باعث ہے، ہاں اگر مال و دولت کو دنیاوی آسائش و راحت کے ساتھ مصارف خیر میں خرچ کر کے آخرت کا توشہ بھی بنا لینے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہو جائے تو دنیا و آخرت دونوں جگہ آسائش ہی آسائش ہوگی! حاصل یہ کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی اس شان نبوت کے تحت کہ آپ ؐ بھلائیوں کی بشارت دینے والے بھی ہیں اور خرابیوں سے ڈرانے والے بھی ہیں، مسلمانوں کو وسعت رزق اور فراغت معیشت کی بشارت بھی عطا فرمائی اور قیامت کے دن کی سختی و شدت اور ہولناکی سے ڈرایا بھی۔

"ترجمان" اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی بات کو ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کرے، اس کو مترجم بھی کہا جاتا ہے پس۔ "اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔" کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ اور اس کے بندے کے درمیان کسی مترجم وغیرہ کا واسطہ نہیں ہوگا، پروردگار کے حضور بندہ کی براہ راست پیشی اور گفتگو ہوگی۔

"کیا میں نے تجھ کو مال و زر عطا نہیں کیا تھا؟" یہ استفہام اقراری ہے یعنی! میں نے تجھ کو مال و دولت سے سرفراز کیا، تجھ پر اپنا فضل و انعام کیا، اس مال و دولت کو خرچ کرنے اس سے فائدہ اٹھانے اور مستحق و ضرورت مند لوگوں پر اس کو صرف کرنے کی قدرت عطا کی۔

دائیں اور بائیں دوزخ کو دیکھنے کا ذکر کرنا دراصل اس بات سے کنایہ ہے کہ اس دن بندہ اپنے کو چاروں طرف سے دوزخ کے درمیان گھرا ہوا دیکھے گا، اور اس ہولناک جگہ سے گوخلاصی کا راستہ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا کہ اس کو دوزخ کے اوپر (پل صراط) سے گذرنا پڑے گا، اگر دنیا میں ایمان و تقویٰ کی زندگی اختیار کی ہوگی اور اللہ کا فضل شامل حال رہا تو اس کے اوپر سے گذر کر جنت میں پہنچ جائے گا ورنہ دوزخ میں گر پڑے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا ثمّ ننجی الذین اتقوا۔

"اور تم میں ایسا کوئی شخص نہیں جس کو اس (دوزخ) کے اوپر سے گذرنا نہ پڑے گا، یہ تمہارے رب کا حتمی فیصلہ ہے، پھر ہم پرہیز گاروں کو نجات دیں گے۔"

اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ اور اس کا ایک بہترین طریقہ صدقہ خیرات بھی ہے۔ جس قدر مالی وسعت ہو، جتنی ہمت ہو اس کے مطابق غریبوں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کی مالی مدد کر کے اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا چاہئے اگر کوئی سائل تمہارے سامنے دست سوال دراز کرے تو تمہیں جو کچھ بھی میسر ہو اس کو دے دو، یہاں تک کہ تم کھجور کے ایک ٹکڑے کے برابر کوئی معمولی چیز دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں دے سکتے تو وہی معمولی چیز دے کر اس کا سوال پورا کرو، اور اگر سرے سے کچھ بھی دینے کی استطاعت نہیں رکھتے تو کم سے کم یہ کرو کہ اپنے کھرے اور بھدے جواب کے ذریعہ اس کی دل شکنی کرنے کے بجائے نہایت نرمی و ملائمت کے ساتھ اس کے سامنے اپنا عذر بیان کرو اور ایسے الفاظ و اسلوب میں اس کو جواب دو کہ وہ تمہارے برتاؤ ہی سے خوش ہو جائے، بشرطیکہ اس میں دین کی مداہنت نہ ہو۔

دین کی راہ میں سخت سے سخت اذیت سہنا ہی اہل ایمان کا شیوہ ہے

(۷) وَعَنْ خَبَّابِ بْنِ الْاَرَتِّ قَالَ شَكَوْنَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ وَلَقَدْ لَقِيْنَا

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ شِدَّةً فَقُلْنَا اَلاَ تَدْعُوا اللّٰهَ فَقَعَدَ وَهُوَ مُحْمَرٌّ وَجْهُهُ وَقَالَ كَانَ الرَّجُلُ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهٗ فِي الْاَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيْهِ فَيُجَآءُ بِمِنْشَارٍ فَيُوْضَعُ فَوْقَ رَأْسِهٖ فَيُشَقُّ بِاثْنَيْنِ فَمَا يَصُدُّهٗ ذٰلِكَ عَنْ دِيْنِهٖ وَيُمْشَطُ بِاَمْشَاطِ الْحَدِيْدِ مَادُوْنَ لَحْمِهٖ مِنْ عَظْمٍ وَ عَصَبٍ وَمَا يَصُدُّهٗ ذٰلِكَ عَنْ دِيْنِهٖ وَ اللّٰهِ لَيَتِمَّنَّ هٰذَا الْاَمْرُ حَتّٰى يَسِيْرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ اِلٰى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ اِلَّا اللّٰهَ اَوِ الذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهٖ وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت خباب ابن ارتؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم نے نبی کریم ﷺ سے اس وقت جب کہ آپ ﷺ کعبۂ اقدس کے سائے میں سر کے نیچے کملی رکھے ہوئے لیٹے تھے، (کفار کی سخت ترین مخالفت اور دشمنی کی) شکایت کی کہ ان سے ہم لوگوں کو بہت اذیت اور تکلیف پہنچتی ہے اور عرض کیا کہ (جب وہ لوگ ایذا رسانی سے باز نہیں آتے تو) آپ ﷺ ان کے حق میں بد دعا کیوں نہیں فرماتے (ہماری یہ بات سنتے ہی) آپ ﷺ اٹھ بیٹھے اور چہرہ مبارک سرخ ہوگیا، فرمایا: "تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں ان میں ایک وہ شخص تھا جس کے لئے زمین میں ایک گڑھا کھودا جاتا تھا پھر اس شخص کو اس گڑھے میں بٹھایا یا کھڑا کیا جاتا تھا اور پھر آرہ لاکر اس کے سر پر رکھا جاتا تھا اور اس آرہ سے اس کو چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے، لیکن یہ سخت عذاب بھی اس کو دین سے پھرنے نہیں دیتا تھا، اور ایک وہ شخص تھا جس کے جسم پر لوہے کی (تیز) کنگھی چلائی جاتی تھی جو گوشت کے نیچے ہڈیوں اور پٹھوں تک چیرتی چلی جاتی تھی، لیکن یہ سخت ترین عذاب بھی اس کو دین سے پھرنے نہیں دیتا تھا، خدا کی قسم یہ دین یقیناً درجۂ کمال کو پہنچے گا اور تم مصیبتوں اور پریشانیوں کے ختم ہو جانے والے اس دور کے بعد آسانیوں اور اطمینان کا وہ زمانہ بھی دیکھو گے کہ) ایک شخص صنعاء سے حضر موت تک تنہا سفر کرے گا اور خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرے گا، یا یہ کہ کسی شخص کو اپنی بکریوں کے بارے میں بھیڑیوں سے بھی کوئی خوف و خطرہ نہیں ہوگا، لیکن تم جلدی کرتے ہو۔" بخاری۔

تشریح: "چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔" یہ دراصل اس کرب اور اس اندرونی کیفیت کا اظہار تھا جو صحابہؓ کی زبان سے کافروں اور دین کے دشمنوں کے ظلم و ستم اور ان کی ایذا رسانیوں کو سن کر آپ ﷺ پر طاری ہوئی یا یہ کہ آپ ﷺ کو چونکہ یہ پسند نہیں تھا کہ کافروں کے ظلم و ستم پر آپ ﷺ کے صحابہؓ بے صبری کا اظہار کریں اور زبان پر حرف شکایت لائیں اس لئے جب ان صحابہؓ نے کفار کی مخالفت و دشمنی اور ایذا رسانی کی شکایت کی تو ناگواری اور غصہ کی وجہ سے آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا۔ آپ ﷺ نے آگے جو فرمایا اس کو دیکھتے ہوئے یہی مطلب زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

"صنعاء" دمشق (شام) کے نواح میں ایک گاؤں کا نام تھا جیسا کہ قاموس میں لکھا ہے اور اصل میں جزیرہ نما عرب کے مشہور ملک "یمن" کا سب سے بڑا شہر اور دار الحکومت ہے۔ پانی کی فراوانی اور درختوں کی کثرت کی وجہ سے یمن کی سرسبزی و شادابی اور زرخیزی بہت مشہور ہے۔

"حضر موت" بھی پہلے یمن ہی کا ایک حصہ تھا اور ایک جگہ کا نام تھا لیکن اب "عدن" کے مشرقی سمت کے ایک بڑے علاقہ پر مشتمل بہت سے شہروں اور آبادیوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ ایک زمانہ میں یہاں صلحاء اور اہل اللہ کی اس قدر کثرت رہا کرتی تھی اور اس سرزمین پر اتنے اولیاء اللہ پیدا ہوتے تھے کہ یہ مقولہ ہی ہوگیا تھا: حضر موت منبت الاولیاء یعنی حضر موت وہ جگہ ہے جہاں اولیاء اللہ اگتے ہیں۔ اس جگہ کا نام "حضر موت" اس وجہ سے مشہور ہے کہ جلیل القدر پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کا انتقال یہیں ہوا تھا اور وفات کے وقت انہوں نے یہ جملہ فرمایا تھا حضر الموت (موت حاضر ہوگئی) اسی وقت سے اس جگہ کا نام ہی "حضر موت" پڑ گیا۔ اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ایک اور پیغمبر حضرت جرجیس علیہ السلام کی موت اسی جگہ آئی تھی اور اسی وقت سے اس کو حضر موت کہا جانے لگا۔

"کسی شخص کو اپنی بکریوں کے بارے میں...... الخ کے اصل معنی مراد نہیں ہیں، یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ واقعۃً بھیڑیئے بکریوں پر حملہ کرنا اور ان کو درندگی کا نشانہ بنانا چھوڑ دیں گے کیونکہ عادتاً ایسا ممکن ہی نہیں ہے، اگرچہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اس دنیا میں نازل ہوں گے اور عام دروبست ان کے ہاتھ میں ہوگا تو اس وقت اتنا بابرکت امن و امان قائم ہوگا کہ بھیڑیئے بھی بکریوں پر حملہ

کرنے سے باز رہیں گے۔ بلکہ اس جملہ کا اصل مقصد انسانوں کے باہمی اعتبار و اعتماد اور اُمن و امان کو شدت کے ساتھ ظاہر کرنا ہے کہ اس وقت لوگ ایک دوسرے کے ظلم و ستم اور زور زبردستی سے بالکل محفوظ و مامون ہوں گے اور پورا معاشرہ اس طرح کے اُمن و عافیت سے بھرپور ہوگا جس کا تصور بھی زمانۂ جاہلیت میں نہیں کیا جاسکتا تھا۔

"لیکن تم جلدی کرتے ہو۔" کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے گویا صحابہؓ کو تسلی دی کہ تمہیں گھبراہٹ اور پریشانی کا شکار نہ ہونا چاہئے اور نہ اس بات کی توقع رکھنی چاہئے کہ جس عظیم مقصد کی راہ میں تم لگے ہوئے ہو اس کو بغیر اذیت و پریشانی اٹھائے اور بہت جلد سر کر لوگے۔ اس راہ میں بڑی رکاوٹیں بھی ہیں اور شدید ترین مصائب بھی، جہاں ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے سخت ترین جدوجہد کرنا پڑے گی وہیں ان مصائب پر صبر و استقامت کا دامن بھی تھامے رکھنا ہوگا، میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ خدا نے چاہا تو اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کا عناد آمیز رویہ اور اذیت ناک برتاؤ جلد ختم ہو جائے گا اور آخر الامر خدا کے دین کا بول بالا ہوگا، لہٰذا تم دین کی راہ میں تمام مصائب پر صبر کرو جیسا کہ گذشتہ امتوں کے اہل حق اور اہل ایمان لوگوں نے ان مصائب اور اذیتوں پر اپنے یقین و ایمان کی قوت کے سہارے صبر کیا جو تمہیں پیش آنے والے مصائب اور اذیتوں سے کہیں زیادہ دردناک اور سخت ترین تھیں۔

ایک خواب اور دعا

⑧ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ عَلٰى اُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ وَكَانَتْ تَحْتَ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمًا فَاَطْعَمَتْهُ ثُمَّ جَلَسَتْ تَفْلِيْ رَأْسَهٗ فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اُنَاسٌ مِنْ اُمَّتِيْ عُرِضُوْا عَلَيَّ غُزَاةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَرْكَبُوْنَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ مُلُوْكًا عَلَى الْاَسِرَّةِ اَوْ مِثْلَ الْمُلُوْكِ عَلَى الْاَسِرَّةِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ فَدَعَا لَهَا ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهٗ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُضْحِكُكَ قَالَ اُنَاسٌ مِنْ اُمَّتِيْ عُرِضُوْا عَلَيَّ غُزَاةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَا قَالَ فِي الْاُوْلٰى فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ قَالَ اَنْتِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ فَرَكِبَتْ اُمُّ حَرَامٍ الْبَحْرَ فِيْ زَمَنِ مُعَاوِيَةَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِيْنَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت اُمّ حرام بنت ملحانؓ کے ہاں آیا جایا کرتے تھے جو حضرت عبادہ بن صامتؓ کی بیوی تھیں، ایک دن (حسب معمول) آنحضرت ﷺ اُمّ حرامؓ کے ہاں تشریف لائے تو اُم حرامؓ نے آپ کو کھانا کھلایا، اور پھر آپ ﷺ کے سر مبارک میں جوئیں دیکھنے بیٹھ گئیں، اس دوران آپ ﷺ سو گئے پھر (کچھ ہی دیر بعد) آپ ﷺ ہنستے ہوئے بیدار ہوگئے! اُمّ حرامؓ نے بیان کیا کہ میں نے (آپ ﷺ کو اس حالت میں ہنستے ہوئے دیکھا تو) پوچھا کہ یارسول اللہ (ﷺ) آپ (ﷺ) کو کس چیز نے ہنسایا؟ فرمایا" (خواب میں) میری اُمت میں سے ایک جماعت اس حال میں میرے سامنے لائی گئی اور مجھ کو دکھائی گئی کہ وہ خدا کی راہ میں جہاد کر رہی تھی اور سمندر میں اس طرح محو سفر تھی جیسے بادشاہ اپنے تخت پر ہوتے ہیں۔ یا یہ فرمایا کہ۔ بادشاہوں کی طرح جو تخت پر جلوہ گر ہوں۔" میں نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ان مجاہدوں میں جو سمندر کے سینے کو چیرتے ہوئے خدا کی راہ میں جہاد کو نکلیں، مجھ کو بھی شامل کر دے۔ آپ ﷺ نے اُمّ حرامؓ کے حق میں دعا کر دی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے (تکیہ پر) سر رکھا اور پھر سو گئے (کچھ دیر بعد) پھر آپ ﷺ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! آپ (ﷺ) اب کیوں ہنسے؟ فرمایا: (اب پھر (خواب میں) میری اُمت میں سے کچھ لوگ میرے سامنے اس حال میں پیش کئے گئے کہ وہ خدا کی راہ میں جہاد کر رہے تھے جیسا کہ آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ فرمایا تھا (اس مرتبہ بھی وہی الفاظ ارشاد فرمائے کہ وہ لوگ سمندر میں اس طرح محو سفر تھے جیسے بادشاہ اپنے تخت پر ہوتے ہیں)، میں نے (یہ سن کر اس مرتبہ) پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ سے دعا

کیجئے کہ وہ ان مجاہدوں میں مجھ کو بھی شامل کردے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! "پہلی جماعت میں ہو۔" چنانچہ حضرت اُمّ حرامؓ نے حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں (جہاد کی غرض سے) بحری سفر کیا اور جب سمندر سے اتر کر جانور پر سوار ہوئیں تو (اچانک) جانور کی پشت سے زمین پر گر پڑیں اور (راہ خدا میں شہادت کا مرتبہ پاکر اس دنیا سے کوچ کر گئیں۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: ام حرامؓ ملحان ابن خالد کی بیٹی ہیں، قبیلہ بنی نجار سے تعلق رکھتی ہیں، حضرت انسؓ کی خالہ ہیں اور ان کی والدہ حضرت اُمّ سلیم کی بہن ہیں، یہ دونوں یعنی حضرت اُمّ حرامؓ اور حضرت اُمّ سلیمؓ دودھ کے رشتہ سے یا کسی نسبی قرابت سے آنحضرت ﷺ کی خالہ تھیں، امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت اُمّ حرامؓ آنحضرت ﷺ کی محرم تھیں اسی لئے آپ ﷺ بے تکلفی کے ساتھ دو پہر میں ان کے ہاں جا کر قیلولہ فرمایا کرتے تھے، لیکن کیفیت محرمیت میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، کسی نے کسی تعلق سے محرم کہا ہے اور کسی نے کسی کے تعلق سے! حضرت ام حرامؓ مشرف باسلام ہوئیں اور آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی، اور حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں اپنے خاوند حضرت عبادہ ابن صامتؓ کے ساتھ، جو انصار میں سے ایک جلیل القدر صحابی ہیں، خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلیں اور سرزمین روم میں پہنچ کر مرتبۂ شہادت سے سرفراز ہوئیں۔

"سر مبارک میں جوئیں دیکھنے بیٹھ گئیں۔" پہلے یہ تحقیقی قول گذر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بدن مبارک کے کسی بھی حصہ میں جوئیں نہیں تھیں، حضرت اُمّ حرامؓ کا اصل مقصد آپ ﷺ کے مبارک بالوں کو گرد و غبار سے صاف کرنا تھا اور یہ دیکھنا تھا کہ کہیں کوئی جوں تو نہیں ہے، اگر ہو تو نکال دیں۔

"یا یہ فرمایا کہ بادشاہوں کی طرح جو تخت پر جلوہ گر ہوں۔" اس موقع پر دراصل راوی نے اپنے شک کا اظہار کیا ہے کہ یہاں آنحضرت ﷺ نے ملوکا علی الاسرۃ کے الفاظ ارشاد فرمائے یا مثل الملوک علی الاسرۃ کے الفاظ دونوں جملوں میں بہت معمولی سا لفظی فرق ہے، معنی و مفہوم کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں۔ اس جملہ میں آنحضرت ﷺ نے سمندر کے سینہ کو گویا زمین کی پشت سے اور کشتی کو تخت سے مشابہت دی اور کشتی میں سوار ہونے کو تخت سلطنت پر بادشاہ کے بیٹھنے کے مشابہ قرار دیا، اور اس طرح آپ ﷺ نے یہ اشارہ فرمایا کہ وہ لوگ اگرچہ اپنی جان، ہتھیلی پر رکھ کر اتنی خطرناک مہم پر روانہ ہوں گے لیکن قصد کے تئیں اخلاص و یقین اور رضائے الٰہی کے حصول کا جذبۂ صادق رکھنے کی وجہ سے ان کے دلوں میں نہ کوئی خوف ہوگا نہ گھبراہٹ وہ اس قدر ذہنی و دماغی اطمینان و سکون اور قلبی طمانیت و نشاط کے ساتھ کھلے سمندر میں سفر کریں گے اور کشتیوں میں بیٹھے ہوں گے جیسے کوئی بادشاہ اپنے محفوظ و مامون محل میں تخت سلطنت پر اطمینان سے بیٹھا ہو۔

"تم پہلی جماعت میں ہو۔" اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو دوسری مرتبہ خواب میں جو جماعت دکھائی دی۔ وہ اس جماعت کے علاوہ دوسرے لوگوں پر مشتمل تھی جو پہلی مرتبہ دکھائی گئی تھی، اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ اس امت کی کوئی نہ کوئی جماعت برابر سمندری سفر کر کے راہ خدا میں جہاد کرتی رہے گی، کبھی کوئی لشکر برسرپیکار ہوگا اور کبھی کوئی لشکر سمندروں کا سینہ چیرتا ہوا دشمنان حق پر حملہ آور ہوگا۔ لہٰذا جب حضرت اُمّ حرامؓ نے دوسری مرتبہ آنحضرت ﷺ سے دعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے حق میں تو پہلی مرتبہ کی دعا قبول ہو چکی ہے اور تم اس جماعت میں شامل ہوگی جو سب سے پہلے بحری سفر کر کے راہ خدا میں جہاد کرے گی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا مرتبہ کہ جنہیں پہلے جہاد کی سعادت نصیب ہوئی، بعد کے مجاہدین کے مرتبہ سے بلند ہے۔

روایت کے آخری الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سفر جہاد میں حضرت ام حرامؓ کی روانگی اور سواری کے جانور کی پشت سے گر کر ان کے وفات پانے کا واقعہ حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت کے زمانہ کا ہے جب کہ اسماء الرجال اور سیر کی کتابوں میں ان کی وفات حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں بیان کی گئی ہے، تو اس سلسلہ میں اصل بات یہ ہے کہ یہاں "حضرت معاویہؓ کے زمانہ سے مراد ان کی گورنری کا زمانہ ہے، یعنی حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں جب حضرت معاویہؓ عامل و گورنر تھے تو اس وقت یہ واقعہ پیش آیا

تھا نہ کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت معاویہؓ بذات خود تخت امارت وحکومت پر فائز تھے، اس وضاحت سے دونوں روایتوں کے درمیان کوئی تضاد باقی نہیں رہتا۔

زبان رسالت کا اعجاز

⑨ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ ضِمَادًا قَدِمَ مَكَّةَ وَكَانَ مِنْ اَزْدِ شَنُوْءَةَ وَكَانَ يَرْقِيْ مِنْ هٰذَا الرِّيْحِ فَسَمِعَ سُفَهَآءَ اَهْلِ مَكَّةَ اِنَّ يَقُوْلُوْنَ مُحَمَّدًا مَجْنُوْنٌ فَقَالَ لَوْ اِنِّيْ رَاَيْتُ هٰذَا الرَّجُلَ لَعَلَّ اللّٰهَ يَشْفِيَهُ عَلٰى يَدِيْ قَالَ فَلَقِيَهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ اَرْقِيْ مِنْ هٰذَا الرِّيْحِ فَهَلْ لَكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَالَ اَعِدْ عَلَيَّ كَلِمَاتِكَ هٰؤُلَآءِ فَاَعَادَهُنَّ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْكَهَنَةِ وَقَوْلَ السَّحَرَةِ وَقَوْلَ الشُّعَرَآءِ فَمَا سَمِعْتُ مِثْلَ كَلِمَاتِكَ هٰؤُلَآءِ وَقَدْ بَلَغْنَ قَامُوْسَ الْبَحْرِ هَاتِ يَدَكَ اُبَايِعْكَ عَلَى الْاِسْلَامِ قَالَ فَبَايَعَهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ بَلَغْنَا نَاعُوْسَ الْبَحْرِ وَذُكِرَ حَدِيْثَا اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ يَهْلِكُ كِسْرٰى وَالْاٰخَرُ لَتَفْتَحَنَّ عِصَابَةٌ فِيْ بَابِ الْمَلَاحِمِ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ازدشنوہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص جس کا نام ضماد تھا (اسلام کے ابتدائی زمانہ میں) مکہ آیا وہ ہوا (یعنی آسیب وجن) اتارنے کے لئے جھاڑ پھونک کیا کرتا تھا، جب اس نے مکہ کے بیوقوفوں کی زبان سے یہ سنا کہ محمد ﷺ دیوانہ ہوگیا ہے تو اس نے کہا کہ اگر میں اس شخص (محمد ﷺ) کو دیکھوں (تو علاج کر دوں) شاید اللہ تعالیٰ اس کو میرے علاج سے ٹھیک کر دے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ضماد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ اے محمد (ﷺ) میں جھاڑ پھونک کے ذریعہ آسیب وجن دفع کرتا ہوں، اگر تم چاہو تو میں اپنی جھاڑ پھونک کے ذریعہ تمہارا علاج کروں!؟ رسول کریم ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا: "تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، ہم اسی کی حمد وثنا کرتے ہیں، (اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں) اور اسی سے (ذکر وطاعت اور عبادت کی توفیق اور) مدد چاہتے ہیں، وہ جس کو سیدھا راستہ دکھادے (اور مقصد یاب کرے) اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا اور منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں، بعد ازاں۔" ضماد (یہاں تک سننے کے بعد) بیساختہ بولا کہ ان جملوں کو ایک مرتبہ پھر میرے سامنے ارشاد فرمائے آنحضرت ﷺ نے ان جملوں کو پھر ارشاد فرمایا اور تین بار ارشاد فرمایا۔ ضماد نے کہا: "میں نے کاہنوں کے اقوال سنے ہیں، میں نے ساحروں کے کلمات سنے ہیں میں نے شاعروں کے اشعار سنے ہیں، لیکن (خدا کی قسم) آج تک میں نے آپ (ﷺ) کے ان کلمات واقوال کے مانند کوئی کلام نہیں سنا، حقیقت تو یہ ہے کہ آپ (ﷺ) کے یہ کلمات (فصاحت وبلاغت اور تاثیر کے اعتبار سے) دریائے علم وکلام کی انتہائی گہرائیوں تک پہنچے ہوئے ہیں، لائیے اپنا ہاتھ بڑھائیے، میں (آپ ﷺ) کے دست مبارک پر) اسلام کی بیعت کرتا ہوں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ضماد نے (اسی وقت) آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور مسلمان ہوگیا۔" (مسلم)

تشریح: مصابیح کے بعض نسخوں میں (بلغن کی جگہ) بلغنا ہے اور (قاموس البحر کی جگہ) ناعوس البحر ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت یھلک کسری الخ اور حضرت جابر ابن سمرہ کی روایت لتفتحن عصابۃ الخ باب الملاحم میں نقل کی جا چکی ہیں۔

تشریح: "ضماد" ویسے توضؔ کے زیر اور آخر میں دؔ کے ساتھ (ضماد) ہے لیکن بعض حضرات نے اس نام کو آخر میں مؔ کے ساتھ یعنی ضمام نقل کیا ہے۔ شنوۃ یمن کے ایک بہت بڑے قبیلہ کا نام ہے اور ازد اسی قبیلہ کی ایک شاخ کو کہتے ہیں۔ ضماد اپنے وقت کا ایک بڑ

غیب بھی تھا فسوں گر بھی، علم کے میدان سے اچھاخاصا تعلق رکھتا تھا۔ عملیات یعنی جھاڑ پھونک اس کا خاص فن اور پیشہ تھا، زمانۂ نبوت سے پہلے ہی آنحضرت ﷺ سے اس کی شناسائی تھی، اسی لئے جب اعلان نبوت کے بعد وہ مکہ آیا اور بد باطن مشرکین مکہ کے عناد آمیز اور شرانگیز پروپیگنڈہ کے ذریعہ اس تک یہ بات پہنچی کہ (نعوذباللہ) محمد (ﷺ) پر آسیب کا اثر ہے یا ان پر دیوانگی کا مرض غالب آگیا ہے جس کی وجہ سے وہ بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں، تو اس نے اپنے پچھلے تعلق کی بنا پر از خود اور بزعم خود آنحضرت ﷺ کا علاج کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا، آنحضرت ﷺ نے اس کی بات سن کر یہ مناسب سمجھا کہ مخالفین اسلام کے بے سروپا پروپیگنڈہ کے زیر اثر اس نے جو رائے قائم کی ہے اس کی تردید براہ راست نہ کی جائے بلکہ اس کے سامنے خدا کا پیغام اور دین کی بات اس انداز اور پیرایہ میں رکھی جائے جس سے خود جان جائے کہ جس شخص کو بے وقوف لوگ دیوانہ یا آسیب زدہ کہتے ہیں وہ در حقیقت کیا حیثیت رکھتا ہے اور عقل و دانائی کے کس مقام پر فائز ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے سامنے پند و نصیحت پر مشتمل خطبہ ارشاد کرنے کے لئے ابھی حمد و ثنا کے کلمات اور تمہیدی جملے ہی ارشاد فرماتے تھے اور امابعد (بعد ازاں) کہہ کر اصل خطبہ شروع کرنا چاہتے تھے کہ زبان رسالت کے اعجاز نے ضماد کو آگے کچھ اور سننے کی ضرورت ہی باقی نہ رہنے دی اس کو خطبہ کے ان تمہیدی جملوں ہی سے اپنے دل و دماغ کی دنیا بدلتی محسوس ہونے لگی، اس نے درخواست کر کے بار بار ان الفاظ کو زبان رسالت سے سنا اور جب اس کے دل و دماغ نے گواہی دے دی کہ یہ شخص نہ دیوانہ ہے اور نہ آسیب و جن کے زیر اثر، بلکہ حقیقت میں خدا کا رسول اور پیغمبر ہے اور اس کے بارے میں مخالفین و معاندین کا جو گمراہ کن پروپیگنڈہ ہے اس کا اصل مقصد لوگوں کو اس شخص سے اور اس کی سچی باتوں سے دور رکھنا ہے تو اس نے فوراً آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرلی اور مسلمان ہوگیا، اس طرح ضمادؓ ان خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جنہیں ابتدائے اسلام ہی میں حلقہ بگوش دین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ رضی اللہ عنہ۔

"قاموس البحر" میں اصل لفظ "قاموس" ہے یا "ناعوس" اس کے متعلق شارح مسلم امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ ہم نے اس لفظ کو دونوں طرح یعنی ناعوس بھی نقل کیا ہے اور قاموس بھی، ہمارے یہاں صحیح مسلمؒ کے جو نسخے پائے جاتے ہیں اس میں "ناعوس" ہی کا لفظ ہے، لیکن صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں کی مشہور روایتوں میں لفظ "قاموس" لکھا ہے۔ اور قاضی عیاضؒ نے لکھا ہے کہ بعض حضرات نے "ناعوس" کا لفظ نقل کیا ہے اور ہمارے شیخ ابوالحسنؒ نے کہا ہے کہ "ناعوس" کے وہ معنی ہیں جو "قاموس" کے ہیں۔ لیکن تورپشتیؒ نے کہا ہے کہ (صحیح لفظ "قاموس" ہی ہے) ناعوس کا لفظ خطاء و تصحیف اور کسی راوی کا وہم ہے۔ ویسے یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک یہ لفظ "قاعوس" بھی منقول ہے۔ نیز لغت کی مشہور کتابوں میں، ناعوس، کا لفظ نہیں ملتا۔

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِيْ
اور اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان کی گواہی

(۱۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبُوْسُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ مِنْ فِيْهِ اِلٰى فِيَّ قَالَ انْطَلَقْتُ فِي الْمُدَّةِ الَّتِيْ كَانَتْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَبَيْنَا اَنَا بِالشَّامِ اِذْ جِيْءَ بِكِتَابٍ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى هِرَقْلَ قَالَ وَكَانَ دِحْيَةُ الْكَلْبِيُّ جَاءَ بِهٖ فَدَفَعَهٗ اِلٰى عَظِيْمِ بُصْرٰى فَدَفَعَهٗ عَظِيْمُ بُصْرٰى اِلٰى هِرَقْلَ فَقَالَ هِرَقْلُ هَلْ هٰهُنَا اَحَدٌ مِنْ

قَوْمِ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِیْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ قَالُوْا نَعَمْ فَدُعِیْتُ فِیْ نَفَرٍ مِّنْ قُرَیْشٍ فَدَخَلْنَا عَلٰی هِرَقْلَ فَاُجْلِسْنَا بَیْنَ یَدَیْهِ فَقَالَ اَیُّکُمْ اَقْرَبُ نَسَبًا مِّنْ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِیْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ قَالَ اَبُوْسُفْیَانَ فَقُلْتُ اَنَا فَاَجْلَسُوْنِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَجْلَسُوْا اَصْحَابِیْ خَلْفِیْ ثُمَّ دَعَا بِتَرْجُمَانِهٖ فَقَالَ قُلْ لَهُمْ اِنِّیْ سَائِلٌ هٰذَا عَنْ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِیْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ فَاِنْ کَذَبَنِیْ فَکَذِّبُوْهُ قَالَ اَبُوْسُفْیَانَ وَایْمُ اللّٰهِ لَوْلَا مَخَافَةُ اَنْ یُّؤْثَرَ عَلَیَّ الْکَذِبُ لَکَذَبْتُهٗ ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهٖ سَلْهُ کَیْفَ حَسَبُهٗ فِیْکُمْ قَالَ قُلْتُ هُوَ فِیْنَا ذُوْحَسَبٍ قَالَ فَهَلْ کَانَ مِنْ اٰبَائِهٖ مِنْ مَّلِكٍ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ کُنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهٗ بِالْکَذِبِ قَبْلَ اَنْ یَّقُوْلَ مَا قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ وَمَنْ یَّتَّبِعُهٗ اَشْرَافُ النَّاسِ اَمْ ضُعَفَآءُهُمْ قَالَ قُلْتُ بَلْ ضُعَفَاءُهُمْ قَالَ اَیَزِیْدُوْنَ اَمْ یَنْقُصُوْنَ قَالَ قُلْتُ لَا بَلْ یَزِیْدُوْنَ قَالَ هَلْ یَرْتَدُّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ عَنْ دِیْنِهٖ بَعْدَ اَنْ یَّدْخُلَ فِیْهِ سَخْطَةً لَّهٗ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ قَاتَلْتُمُوْهُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَکَیْفَ کَانَ قِتَالُکُمْ اِیَّاهُ قَالَ قُلْتُ یَکُوْنُ الْحَرْبُ بَیْنَنَا وَبَیْنَهٗ سِجَالًا یُّصِیْبُ مِنَّا وَنُصِیْبُ مِنْهُ قَالَ فَهَلْ یَغْدِرُ قُلْتُ لَا وَنَحْنُ مِنْهُ فِیْ هٰذِهِ الْمُدَّةِ لَا نَدْرِیْ مَا هُوَ صَانِعٌ فِیْهَا قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَمْکَنَنِیْ مِنْ کَلِمَةٍ اُدْخِلُ فِیْهَا شَیْئًا غَیْرَ هٰذِهٖ قَالَ فَهَلْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ اَحَدٌ قَبْلَهٗ قُلْتُ لَا ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهٖ قُلْ لَهٗ اِنِّیْ سَاَلْتُكَ عَنْ حَسَبِهٖ فِیْکُمْ فَزَعَمْتَ اَنَّهٗ فِیْکُمْ ذُوْ حَسَبٍ وَکَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِیْ اَحْسَابِ قَوْمِهَا وَسَاَلْتُكَ هَلْ کَانَ فِیْ اٰبَائِهٖ مَلِكٌ فَزَعَمْتَ اَنْ لَّا فَقُلْتُ لَوْ کَانَ مِنْ اٰبَائِهٖ مَلِكٌ قُلْتُ رَجُلٌ یَّطْلُبُ مُلْكَ اٰبَائِهٖ

وَسَاَلْتُكَ عَنْ اَتْبَاعِهٖ اَضُعَفَاءُهُمْ اَمْ اَشْرَافُهُمْ فَقُلْتَ بَلْ ضُعَفَاءُهُمْ وَهُمْ اَتْبَاعُ الرُّسُلِ وَسَاَلْتُكَ هَلْ کُنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهٗ بِالْکَذِبِ قَبْلَ اَنْ یَّقُوْلَ مَا قَالَ فَزَعَمْتَ اَنْ لَّا فَعَرَفْتُ اَنَّهٗ لَمْ یَکُنْ لِیَدَعَ الْکَذِبَ عَلَی النَّاسِ ثُمَّ یَذْهَبُ فَیَکْذِبُ عَلَی اللّٰهِ وَسَاَلْتُكَ هَلْ یَرْتَدُّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ عَنْ دِیْنِهٖ بَعْدَ اَنْ یَّدْخُلَ فِیْهِ سَخْطَةً لَّهٗ فَزَعَمْتَ اَنْ لَّا وَکَذٰلِكَ الْاِیْمَانُ اِذَا خَالَطَ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوْبَ وَسَاَلْتُكَ هَلْ یَزِیْدُوْنَ اَمْ یَنْقُصُوْنَ فَزَعَمْتَ اَنَّهُمْ یَزِیْدُوْنَ وَکَذٰلِكَ الْاِیْمَانُ حَتّٰی یَتِمَّ وَسَاَلْتُكَ هَلْ قَاتَلْتُمُوْهُ فَزَعَمْتَ اَنَّکُمْ قَاتَلْتُمُوْهُ فَتَکُوْنُ الْحَرْبُ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهٗ سِجَالًا یَّنَالُ مِنْکُمْ وَتَنَالُوْنَ مِنْهُ وَکَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْتَلٰی ثُمَّ تَکُوْنُ لَهَا الْعَاقِبَةُ وَسَاَلْتُكَ هَلْ یَغْدِرُ فَزَعَمْتَ اَنَّهٗ لَا یَغْدِرُ وَکَذٰلِكَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ وَسَاَلْتُكَ هَلْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ اَحَدٌ قَبْلَهٗ فَزَعَمْتَ اَنْ لَّا فَقُلْتُ لَوْ کَانَ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ اَحَدٌ قَبْلَهٗ قُلْتُ رَجُلٌ اِئْتَمَّ بِقَوْلٍ قِیْلَ قَبْلَهٗ قَالَ ثُمَّ قَالَ بِمَا یَاْمُرُکُمْ قُلْنَا یَاْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ وَالصِّلَةِ وَالْعَفَافِ قَالَ اِنْ یَّكُ مَا تَقُوْلُ حَقًّا فَاِنَّهٗ نَبِیٌّ وَقَدْ کُنْتُ اَعْلَمُ اَنَّهٗ خَارِجٌ وَلَمْ اَكُ اَظُنُّهٗ مِنْکُمْ وَلَوْ اَنِّیْ اَعْلَمُ اَنِّیْ اَخْلُصُ اِلَیْهِ لَاَحْبَبْتُ لِقَاءَهٗ وَلَوْ کُنْتُ عِنْدَهٗ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَیْهِ وَلَیَبْلُغَنَّ مُلْکُهٗ مَا تَحْتَ قَدَمَیَّ ثُمَّ دَعَا بِکِتَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَاَهٗ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَقَدْ سَبَقَ تَمَامُ الْحَدِیْثِ فِیْ بَابِ الْکِتَابِ اِلَی الْکُفَّارِ۔

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ابوسفیان ابن حرب نے مجھ سے منہ در منہ یہ بیان کیا کہ اس صلح (حدیبیہ) کی مدت میں جو میرے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان تھی (اور نہ صرف یہ کہ میں مسلمان نہیں ہوا تھا بلکہ دشمنان اسلام کا سردار تھا) میں نے سفر کیا اور اتفاق سے اس وقت جب کہ نبی کریم ﷺ کا نامہ مبارک ہرقل (قیصر روم کے پاس پہنچا میں ملک شام میں مقیم تھا! ابوسفیان نے کہا کہ نامہ مبارک دحیہ کلبی لے کر آئے تھے جس کو انہوں نے بصری کے حاکم کے پاس پہنچایا اور بصری کے حاکم نے اس نامہ مبارک کو ہرقل کی خدمت میں پیش کیا، ہرقل نے پوچھا کہ کیا اس شخص کی قوم کا کوئی آدمی یہاں ہے جو اپنے نبی ہونے کا دعوی کرتا ہے (تاکہ میں اس مدعی نبوت کے بارے میں معلومات حاصل کر کے یہ جان سکوں کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا؟) اس کے عملہ نے بتایا کہ ہاں (اس شخص کی قوم سے تعلق رکھنے والا ایک شخص ہے جو ہمارے یہاں تجارت کی غرض سے آیا ہوا ہے) چنانچہ مجھے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ (جو بیس آدمیوں پر مشتمل تھی) ہرقل کے دربار میں طلب کیا گیا۔ جب ہم ہرقل کے پاس پہنچے تو ہمیں اس کے سامنے بٹھایا گیا (تاکہ آسانی کے ساتھ ہم اس کی اور وہ ہماری

بات سن سکے) سب سے پہلے ہرقل نے پوچھا کہ تم میں سے کون آدمی اس شخص کا قریبی رشتہ دار ہے جو نبوت کا مدعی ہے؟ ابوسفیان کا بیان ہے کہ (یہ سن کر) میں نے کہا کہ اس شخص کا سب سے قریبی رشتہ دار میں ہوں۔ اس کے بعد تنہا مجھ کو ہرقل کے سامنے تخت شاہی کے قریب) بٹھا دیا گیا اور میرے ساتھ والوں کو میرے پیچھے بٹھلایا گیا۔ پھر ہرقل نے اپنے مترجم کو طلب کیا (جو عربی اور رومی دونوں زبانیں جانتا تھا) اور اس سے کہا کہ تم اس شخص (ابوسفیان) کے ساتھیوں سے کہہ دو میں اس (ابوسفیان) سے اس شخص کے حالات معلوم کروں گا جو نبوت کا دعوے کرتا ہے، اگر یہ (ابوسفیان مجھ کو کوئی غلط بتائے تو تم لوگ (بلا جھجک) اس کی تردید کرنا اور مجھے صحیح بات بتا دینا۔ ابوسفیان کا بیان ہے کہ خدا کی قسم اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھے دروغ گو مشہور کر دیا جائے گا تو یقیناً میں ہرقل کے سامنے جھوٹ بولتا (اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں اس کو صحیح بات نہ بتاتا) اس کے بعد ہرقل نے اپنے مترجم سے کہا کہ ابوسفیان سے پوچھو! تمہارے درمیان اس شخص (آنحضرت ﷺ) کا حسب کیسا ہے؟ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے کہا: وہ شخص ہم میں حسب والا ہے یعنی اعلیٰ حسب رکھتا ہے۔ پھر ہرقل نے پوچھا کیا اس شخص کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟ میں نے کہا کبھی نہیں! پھر ہرقل نے پوچھا، جو کچھ وہ اب کہتا ہے اس سے پہلے بھی اس نے کبھی کوئی ایسی بات کہی جس کو تم نے جھوٹ سمجھا ہو (یعنی نبوت کا دعوی کرنے سے پہلے کے زمانہ میں کیا وہ جھوٹ بولا کرتا تھا یا کسی شخص نے کبھی اس پر جھوٹ کا الزام لگایا تھا؟) میں نے کہا نہیں! پھر ہرقل نے پوچھا! اس کا اتباع کرنے والے (اور اس پر ایمان لانے والے) لوگ کون ہیں، شرفاء یا کمزور ضعیف لوگ؟ ابوسفیان نے کہا کہ میں نے جواب دیا: اس کے اتباع کرنے والے، کمزور و ضعیف لوگ ہیں۔ ہرقل نے پوچھا: اس شخص کے تابعداروں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ میں نے جواب دیا: کم نہیں ہو رہی بلکہ زیادہ ہو رہی ہے۔ پھر ہرقل نے پوچھا: اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص اس سے ناخوش ہو کر (یا اس دین کی راہ میں پیش آنے والی سختیوں سے بیزار ہو کر) دین کو چھوڑ بھی بیٹھتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ میں نے جواب دیا: نہیں کوئی نہیں چھوڑتا۔ پھر ہرقل نے پوچھا! کیا تم لوگ اس سے لڑتے ہو؟ میں نے جواب دیا: ہاں! پھر ہرقل نے پوچھا! اس سے تمہاری لڑائی کا انجام کیا ہوتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ میں نے جواب دیا: ہمارے اور اس کے درمیان ہونے والی جنگ دو ڈولوں کی مانند ہوتی ہے، کبھی ہم اس کو بھگتتے ہیں اور کبھی وہ ہم کو بھگتتا ہے (یعنی ہمارے اور اس کے درمیان ہونے والی لڑائیوں کا حال ان دو ڈولوں کی طرح ہے جن کو بیک وقت پانی سے بھرنے کی کوشش کی جائے کہ کبھی ایک بھر جاتا ہے تو دوسرا خالی رہ جاتا ہے اور کبھی دوسرا بھر جاتا ہے تو پہلا خالی ہو جاتا ہے ایسے ہی کبھی ہم اس مدعیٔ نبوت اور اس کے ساتھیوں پر غالب آ جاتے ہیں اور کبھی وہ ہم پر غالب آ جاتا ہے، اسی طرح کبھی ہم اس کی وجہ سے مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور کبھی وہ ہماری وجہ سے مصائب و تکلیف اٹھاتا ہے) پھر ہرقل نے پوچھا: کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے یعنی کسی سے صلح کرنے کے بعد اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیتا ہے؟) میں نے کہا: نہیں (پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس نے کسی سے صلح کی ہو اور اس کو از خود ختم کر دیا ہو، البتہ آج کل ہمارے اور اس کے درمیان جو صلح (یعنی صلح حدیبیہ) ہے اس کے بارے میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کی روش کیا رہے گی (آیا وہ اس صلح کو اس کی مدت ختم ہونے سے پہلے توڑ دے گا یا باقی رکھے گا)۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ خدا کی قسم (ہرقل سے پورے سوال و جواب کے درمیان) صرف ایک بات ایسی تھی جو میں نے اپنے جذبات کے تحت کہی تھی اس کے علاوہ اور کوئی بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی (یعنی میں ہرقل کے کسی بھی سوال کے جواب میں کوئی ایسی بات کہنے پر قادر نہیں ہو سکا جو میرے نزدیک خلاف حقیقت تھی یا جس سے آنحضرت ﷺ کی توہین و تنقیص ہوتی، ہاں اس ایک بات کا اظہار اپنی طرف سے میں نے بیشک کیا کہ آج کل ہمارے اور ان کے درمیان جو صلح چل رہی ہے اس کے بارے میں ہمیں یہ خوف ہے کہ کہیں وہ عہد شکنی نہ کریں میری اس بات سے ذات رسالت کی طرف عہد شکنی کی نسبت کا احتمال ظاہر ہوتا تھا) بہر حال پھر ہرقل کا سوال یہ تھا کہ کیا اس طرح کی بات اس سے پہلے بھی کسی نے کہی ہے (یعنی مشہور پیغمبروں جیسے ابراہیم علیہ السلام، اسمٰعیل علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، اسباط علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ وغیرہ کے علاوہ تمہاری قوم سے کسی اور شخص نے بھی اس سے پہلے نبوت کا دعوی کیا ہے؟) میں نے جواب دیا! نہیں۔ (ان تمام سوال و

جواب کے بعد) ہرقل نے (ضروری سمجھا کہ اپنے ان سوالوں کو جو نبوت و رسالت کے باب میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں عقل و نقل اور تجربہ و معلومات کی روشنی میں واضح کرے۔ چنانچہ اس نے) اپنے مترجم سے کہا کہ تم اس (سفیان) سے کہو کہ میں نے تمہارے درمیان اس شخص کے حسب کے بارہ میں تم سے پوچھا اور تم نے بتایا کہ وہ حسب والا ہے تو حقیقت یہی ہے کہ رسول اور نبی اپنی قوم کے اشراف ہی میں سے ہوتے رہے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا تھا کہ اس کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ تھا اور تم نے بتایا کہ کوئی نہیں، تو میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ اگر اس کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ ہوتا تو میں سمجھتا کہ وہ ایک ایسا شخص ہے جو اپنے باپ دادا کی حکومت کا طالب ہے (اور حکمرانی و سرداری کی اپنی اس طلب و خواہش کو نبوت کے دعوے کے ذریعہ ظاہر کر رہا ہے) پھر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اس کی اتباع کرنے والے لوگ اپنی قوم کے شرفاء (یعنی دولت و ثروت اور دنیاوی جاہ و حشم رکھنے والے) ہیں یا کمزور و ضعیف (یعنی مفلس و مسکین اور گوشہ نشین لوگ) ہیں اور تم نے بتایا کہ کمزور و ضعیف لوگ اس کے تابعدار ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کے تابعدار (عام طور پر) کمزور و ضعیف لوگ ہی ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اس وقت وہ جو کچھ کہتا ہے (یعنی دعوی نبوت) اس سے پہلے کیا تمہیں کبھی اس کے جھوٹ کا تجربہ ہوا ہے۔ اور تم نے بتایا کہ نہیں، تو میں نے سمجھ لیا کہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص لوگوں سے تو جھوٹ بولنے سے اجتناب کرے اور اللہ کی نسبت جھوٹ بولے۔ میں نے پوچھا تھا کہ اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص اس سے ناخوش ہو کر دین کو چھوڑ بھی بیٹھتا ہے؟ اور تم نے بتایا تھا کہ نہیں، تو در حقیقت ایمان کا یہی حال ہے کہ وہ جب دلوں میں جگہ پکڑ لے اور روح اس کی لذت و حلاوت سے آشنا ہو جائے، تو پھر ہرگز جدا نہیں ہوتا (اور اگر شاذ و نادر کوئی شخص دین چھوڑ بھی بیٹھے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں ایمان سرے سے داخل و راسخ ہی نہیں ہوا تھا، میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اس شخص کے تابعداروں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ اور تم نے بتایا تھا کہ بڑھ رہی ہے تو در حقیقت ایمان کا یہی حال ہے (کہ روز بروز اس کا دائرہ اثر وسیع تر ہوتا جاتا ہے اور اہل ایمان کی تعداد بڑھتی رہتی ہے) اور آخر کار وہ پایۂ تکمیل و اتمام کو پہنچ جاتا ہے۔ میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم لوگ اس سے لڑتے ہو؟ اور تم نے جواب دیا تھا کہ ہاں لڑتے ہیں اور لڑائی کا انجام دو ڈولوں کی طرح ہوتا ہے کہ کبھی وہ تم سے مصیبت اٹھاتا ہے اور کبھی تم اس سے مصیبت اٹھاتے ہو، تو حقیقت یہ ہے کہ رسولوں کا امتحان اسی طرح لیا جاتا (کہ کبھی ان کو دشمنان دین پر غلبہ عطا کیا جاتا ہے اور کبھی دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا جاتا ہے) لیکن انجام کار رسولوں اور ان کے تابعداروں ہی کو کامل فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے اور ان کا دین چھا جاتا ہے۔ میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا وہ شخص عہد شکنی کرتا ہے اور تم نے جواب دیا تھا کہ وہ عہد شکنی نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول عہد شکنی نہیں کرتے اور میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ ——— تمہاری قوم میں اس سے پہلے بھی کسی نے ایسی بات کہی ہے یعنی نبوت کا دعوی کیا ہے؟ اور تم نے جواب دیا تھا کہ نہیں، تو میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ اگر اس سے پہلے کسی نے اس طرح نبوت کا دعوی کیا ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ یہ بھی پہلے شخص کی پیروی میں اس طرح کا دعوی کر رہا ہے۔ ابوسفیان کا بیان ہے کہ اس کے بعد ہرقل نے مجھ سے پوچھا کہ (اچھا یہ بتاؤ) وہ شخص تم کو کس بات کا حکم دیتا ہے؟ میں نے کہا! وہ ہم سے کہتا ہے کہ نماز پڑھو، زکوۃ دو، ناتے داروں سے محبت اور اچھا سلوک کرو اور حرام چیزوں سے بچو۔ ہرقل نے (یہ سن کر) کہا: اگر تمہارا بیان درست ہے تو یقیناً وہ شخص پیغمبر ہے۔ اور مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ (آخر زمانہ میں) ایک پیغمبر پیدا ہونے والا ہے لیکن میرا یہ خیال نہیں تھا کہ وہ تمہاری قوم میں پیدا ہوگا، اگر میں جانتا کہ ان تک پہنچ سکوں گا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان سے ملاقات کرنا میرے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ بات ہوتی۔ اور اگر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ان کے دونوں پاؤں (اپنے ہاتھ سے) دھوتا اور (میں تم کو بتاتا ہوں) ان کی حکومت و اقتدار کا دائرہ اس زمین (ملک روم و شام) تک پہنچ جائے گا جو میرے قدموں کے نیچے ہے، پھر ہرقل نے آپ ﷺ کا نامۂ مبارک مانگا اور اس کو پڑھا۔ (بخاری و مسلم) اور یہ حدیث پیچھے باب الکتاب الی الکفار میں پوری نقل ہو چکی ہے"

تشریح: "ابوسفیان نے مجھ سے منہ در منہ یہ بیان کیا۔" کا مطلب طیبی نے یہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے گویا یہ وضاحت کی ہے کہ ابوسفیان نے اپنا یہ واقعہ مجھ سے براہ راست خود بیان کیا ہے۔ یہ نہیں کہ کسی واسطہ و ذریعہ سے مجھ تک نقل ہوا ہے۔ لیکن یہ کہنا زیادہ

صحیح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ان الفاظ کے ذریعہ گویا یہ واضح کیا کہ جب ابوسفیان نے یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا تو اس وقت میرے علاوہ کوئی اور موجود نہیں تھا، چنانچہ "حدثنی" کا لفظ بھی اسی مطلب پر دلالت کرتا ہے۔

"اس مدت میں جو میرے اور رسول کریم ﷺ کے درمیان تھی۔" میں "مدت" سے مراد صلح حدیبیہ کا زمانہ ہے، یہ صلح ۶ھ میں ہوئی تھی اور صلح نامہ کی رو سے اس کی مدت دس سال قرار پائی تھی لیکن خود کفار مکہ نے اس صلح کو درمیان ہی میں اس طرح ختم کر دیا تھا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے حلیف قبیلہ خزاعہ کے بعض لوگوں کو ناحق قتل کر دیا تھا، جس کی بناء پر آنحضرت ﷺ کو کفار مکہ سے جنگ کرنا پڑی اور اس کے نتیجہ میں مکہ فتح ہوا۔ یہ ۸ھ کا واقعہ ہے۔

"جب کہ نبی کریم ﷺ کا نامہ مبارک ہرقل کے پاس پہنچا" ہرقل کا لفظ ہ کے زیر اور ر کے زبر اور ق کے جزم کے ساتھ (یعنی ہرقْل) بھی آتا ہے اور ہ کے زبر ر کے جزم اور ق کے زبر کے ساتھ (یعنی ھَرْقَلْ) بھی منقول ہے، یہ اس وقت کی رومی سلطنت کے بادشاہ کا نام تھا، دراصل رومی سلطنت جو اپنے وقت کی سب سے بڑی عالمی طاقت تھی اور جس کے زیر نگیں علاقوں میں تمام براعظم یورپ، مصر اور ایشیائے کوچک شامل تھا جب چوتھی صدی عیسوی کے اوائل میں دو حصوں میں تقسیم ہوئی تو مغربی حصہ کا دار السلطنت اٹلی کا شہر روما ہی رہا اور مشرقی حصہ کا دار السلطنت قسطنطنیہ قرار پایا جس طرح قدیم اور متحد رومی سلطنت کے حکمراں کو "قیصر" کہا جاتا تھا اسی طرح ان دونوں منقسم سلطنتوں کے حکمرانوں نے بھی اپنے اپنے لئے "قیصر" ہی کے لقب کو اختیار کیا، یہی وجہ ہے کہ قسطنطنیہ سلطنت کے بادشاہ کو بھی "قیصر روم" کہا جاتا تھا جس کے تحت مصر، حبش، فلسطین، شام اور ایشیائے کوچک وبلقان کے ممالک تھے، اس مشرقی رومی سلطنت کی شان وشوکت اور قوت وسطوت کے آگے مغربی روم کی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی تھی، آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت قسطنطنیہ کی سلطنت میں زبردست بغاوت ہوئی اور اس وقت کے قیصر فوقا کو امرائے سلطنت اور رعایائے ملک نے تخت سے اتار کر قتل کر دیا اور افریقی مقبوضات کے گورنر یعنی فرمانروائے مصر کو قسطنطنیہ کا تخت سنبھالنے کی دعوت دی، گورنر افریقہ پیرانہ سالی کی وجہ سے نہ جا سکا لیکن اس کا جوان العمر بیٹا "ہرقل"، قسطنطنیہ پہنچ کر اس عظیم سلطنت کا فرمانروا بن گیا، اور ارکان سلطنت نے بھی ہرقل کی شہنشاہی کو بخوشی تسلیم کر لیا، پوری سلطنت کی طرح خود ہرقل بھی عیسائی تھا، دیناروں پر ٹھپہ لگا کر اس کو باقاعدہ شکل دینے والا پہلا بادشاہ یہی ہرقل ہے، عیسائی دنیا میں یہ امتیاز بھی اسی کو حاصل ہے کہ گرجا گھر سب سے پہلے اسی نے تعمیر کرائے اور آنحضرت ﷺ نے دوسرے بادشاہوں اور سرداروں کے ساتھ جس "قیصر روم" کو اسلام کی دعوت کا نامہ مبارک روانہ فرمایا تھا وہ یہی ہرقل فرمانروائے سلطنت قسطنطنیہ تھا۔

"بصریٰ، شام میں ایک شہر کا نام تھا اور سلطنت قسطنطنیہ (قیصر روم) کے زیر نگیں تھا، اس شہر کا حاکم، قیصر روم کے گورنر کی حیثیت سے دربار سلطنت سے قریبی تعلق رکھتا تھا، لہٰذا آنحضرت ﷺ نے قیصر روم کے نام اپنا نامہ مبارک حضرت دحیہ کلبیؓ کے ذریعہ پہلے حاکم بصریٰ ہی کے پاس روانہ کیا تھا اور اس نے اس نامہ مبارک کو قیصر روم تک پہنچایا تھا۔

تم میں سے کون آدمی اس شخص کا قریبی رشتہ دار ہے۔" کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ کسی شخص کے احوال وکوائف چونکہ اس آدمی کو زیادہ بہتر طور پر معلوم ہوتے ہیں اور وہی ان کو زیادہ صحیح طور پر بیان کر سکتا ہے، جو نسب اور رشتہ داری میں آنحضرت ﷺ سے زیادہ قریبی رشتہ داری رکھتے ہیں تو ان ہی کو سوال وجواب کے لئے منتخب کیا۔

"اور میرے ساتھ والوں کو میرے پیچھے بٹھلایا گیا۔" ہرقل نے صحیح جوابات حاصل کرنے کے لئے یہ مزید احتیاط برتی کہ ابوسفیان کے تمام ساتھیوں کو ان کے پیچھے بٹھلایا تاکہ اگر ابوسفیان جواب دینے میں کچھ غلط بیانی کریں تو ان کے ساتھی آنکھ کے سامنے کا لحاظ کر کے ان کی تردید کرنے میں جھجک کا شکار نہ ہوں۔ یا ان لوگوں کو پیچھے بٹھانے میں ہرقل کا یہ مقصد بھی ہو سکتا تھا کہ اگر اور تمام لوگ ابوسفیان کے برابر میں یا اس کے سامنے بیٹھے ہوں گے تو شاید خود وہ لوگ آنکھ وسر یا ہاتھ کے اشارے سے ابوسفیان کو کوئی بات بیان کرنے سے منع کر دیں۔

"اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھے دروغ گو مشہور کر دیا جائے گا الخ۔ اس جملہ سے ابو سفیان کی مراد یہ تھی کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ یہاں موجود میرے ساتھی مکہ واپس ہو کر میری قوم کے سامنے یہ کہیں گے کہ ابو سفیان نے ہرقل کے دربار میں غلط بیانی کے ذریعہ محمد ﷺ کے خلاف فضا بنانے کی کوشش کی اور ہرچند کہ میری قوم کے لوگ وقتی طور پر خوش ہو جائیں گے مگر اس طرح میرا دروغ گو ہونا بھی مشہور ہو جائے گا جس سے میری قوم کی نظر میں میرے کردار کی عظمت باقی نہیں رہے گی۔ تو اس وقت آنحضرت ﷺ سے جو بغض وعناد اور سخت ترین مخالفانہ جذبات میں رکھتا تھا اس کے تحت ہرقل کے سامنے ضرور غلط بیانی کرتا اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں وہ صحیح باتیں ہرگز نہ بتلاتا جس سے آپ ﷺ کے دعویٰ نبوت کا برحق ہونا ثابت ہوتا تھا۔ لیکن ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس جملہ کا زیادہ صحیح مطلب یہ ہے کہ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میں نے اس موقع پر اگر کوئی غلط بیانی کی تو یہاں موجود میرے ساتھی میری تردید کریں گے اور ہرقل کی نظر میں میرا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے گا تو میں ہرقل کے سوالات کے جوابات میں ضرور غلط بیانی سے کام لیتا، اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں صحیح باتیں نہ بتاتا۔

"وہ شخص ہم میں حسب والا ہے۔" حسب کے لغوی معنی شریف الاصل ہونا، اور صفت کے ہیں، یعنی وہ ذاتی اور آبائی و خاندانی صفات وخصوصیات جو کسی شخص کو شرف وفضیلت دے کر معاشرہ میں مفتخر بناتی ہیں، اس اعتبار سے "حسب" کے تحت "نسب" کا مفہوم بھی آجاتا ہے لہٰذا ابو سفیان نے اس جواب کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا کہ وہ شخص (محمد ﷺ) نہایت شریف خاندان کا ہے اور اس کا نسبی تعلق بنی ہاشم سے ہے جو قریش میں سب سے افضل۔ نیز بخاری میں "حسب" کے بجائے "نسب" کا لفظ ہے۔ اس کی عبارت یوں ہے۔ کیف نسبہ فیکم الخ (تم لوگوں میں اس کا نسب کیسا ہے)۔

"اس کی اتباع کرنے والے لوگ کون ہیں، شرفاء ہیں یا کمزور و ضعیف لوگ؟" سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیاداروں کی نظر میں عزت و وجاہت کے حامل ہوں اور وہ خود اپنی حیثیت عرفی پر مغرور و نازاں ہوں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر شرفاء کے لغوی و عرفی معنی مراد لئے جائیں تو بنی ہاشم سے تعلق رکھنے والے حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ وغیرہ اور اکابر قریش کی صف سے تعلق رکھنے والے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور دوسرے جلیل القدر قریشی صحابہؓ سے بڑھ کر شرفاء کون ہو سکتے تھے جو ہرقل اور ابو سفیان کے اس سوال و جواب سے پہلے مشرف باسلام ہو چکے تھے۔

"اس کی اتباع کرنے والے کمزور و ضعیف لوگ ہیں۔" ابو اسحٰق کی روایت میں یہاں ابو سفیان کا جواب ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے: اس کی اتباع جن لوگوں نے کی ہے وہ کمزور و ضعیف، مسکین اور نو عمر لوگ ہیں، جہاں تک اعلیٰ نسب و شرف رکھنے والوں کا تعلق ہے تو انہوں نے اس کی اتباع نہیں کی ہے۔ اگر ابو سفیان نے ان الفاظ میں جواب دیا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ بات اکثر واغلب پر محمول کر کے کہی تھی۔

"تابعداروں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟" ہرقل کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ آیا یہ صورت ہے کہ اس شخص کی بات ماننے اور اس پر ایمان لانے والوں کی تعداد میں دن بدن نئے نئے لوگوں کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے یا اس کے تابعداروں کی تعداد اس طرح گھٹ رہی ہے کہ ایک دفعہ جن لوگوں کو ایمان لانا تھا وہ تو ایمان لے آئے، اب ان میں سے اگر کوئی آدمی اس کا دین چھوڑ کر اپنے پچھلے دین یعنی کفر و شرک کی طرف لوٹ جاتا ہے یا کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کی کمی و نقصان کو پورا کرنے والے نئے لوگ اس کے دین میں داخل نہیں ہوتے؟ اس کا جواب ابو سفیان نے دیا کہ اس کے تابعداروں کی تعداد کسی بھی صورت میں گھٹ نہیں رہی ہے بلکہ دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے۔

"پیغمبروں کے تابعدار کمزور و ضعیف لوگ ہی ہوتے ہیں۔" ہرقل نے یہ بات بالکل درست کہی کہ جب بھی حق کی آواز بلند ہوئی ہے اس کو لبیک کہنے کے لئے سب سے پہلے کمزور و ضعیف، نادار و مفلس اور مسکین لوگ ہی آگے نکل کر آتے ہیں، جہاں تک دولت و ثروت

اور دنیاوی عزت واثر رکھنے والے لوگوں کا تعلق ہوتا ہے، وہ اپنے کاروبار، نازو نعم اور جاہ و تکبر میں گرفتار رہنے کی وجہ سے اس سعادت سے محروم رہتے ہیں ہاں جب مجبور ہو جاتے ہیں اور حق کی پناہ حاصل کرنے کے علاوہ اور کوئی راہ نجات انہیں نظر نہیں آتی تو پھر وہ بھی اہل ایمان اور اہل دین کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔

"لوگوں سے تو جھوٹ بولنے سے اجتناب کرے اور اللہ کی نسبت جھوٹ بولے۔" یعنی یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ اپنے خالق اور پروردگار کے حق میں جھوٹ بولنا اور اس کے تعلق سے کذب بیانی کرنا نہایت ہی برا ہے لہٰذا جس شخص کے بارے میں خود تمہارا اقرار ہے کہ اس نے لوگوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کبھی کسی نے اس کو جھوٹا نہیں کہا، تو وہ شخص اللہ کے بارے میں اتنا بڑا جھوٹ کیسے بول سکتا ہے کہ اللہ نے اس کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے، خود تمہارے اقرار نے ثابت کر دیا کہ وہ شخص اپنی بات میں سچا ہے اور یقیناً اللہ کا رسول ہے۔

"اور آخر کار وہ پایۂ تکمیل واتمام کو پہنچ جاتا ہے۔" کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا دین اسی طرح پھلتا پھولتا ہے کہ ایک طرف تو اس کے تابعداروں اور حامیوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی ہے اور دوسری طرف خود اس دین کے اصولی اور بنیادی احکام وقوانین بتدریج نازل ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ نقطۂ عروج آجاتا ہے جہاں پہنچ کر دین کو آخری اور کامل شکل مل جاتی ہے اور اہل دین کو مؤثر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ دین اسلام کا معاملہ ایسا ہی ہوا کہ ایک طرف تو رسول کریم ﷺ کی مسلسل جدوجہد اور سعی و کوشش سے حلقہ بگوشان اسلام کی تعداد دن بہ دن بڑھتی رہی دوسری طرف اسلام کے احکام وقوانین جیسے نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ کی فرضیت نازل ہوتی رہی، اور پھر وہ دن آگیا جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی آخری عمر میں اپنے دین کے نام لیواؤں کو مؤثر غلبہ بھی عطا فرما دیا اور دین کو کامل و مکمل کر کے یہ آیت نازل فرمائی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔

"آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کیں۔"

"میرا یہ خیال نہیں تھا کہ وہ تمہاری قوم میں پیدا ہوگا۔" ہرقل کا مطلب یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد اکثر و بیشتر انبیاء چونکہ ہماری قوم یعنی حضرت اسحٰق کی اولاد میں ہوئے ہیں اس لئے میرا گمان یہ تھا کہ نبی آخر الزمان بھی ان ہی کی نسل سے ہوں گے، تمہاری قوم یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے نہیں ہوں گے جو اہل عرب (حجاز) کے مورث اعلی ہیں۔ نیز ہرقل کا ابوسفیان سے یہ کہنا کہ تم نے جو باتیں بیان کی ہیں اگر وہ سچ ہیں تو وہ شخص (محمد ﷺ) یقیناً پیغمبر ہے، اس بات کی علامت ہے کہ ہرقل سابقہ آسمانی کتابوں کا علم رکھتا تھا اور چونکہ ان کتابوں میں آنحضرت کی نبوت ورسالت کے متعلق مذکورہ علامتیں لکھی ہوئی تھی، اس لئے ہرقل نے اپنے علم کے مطابق جب یہ یقین حاصل کر لیا کہ اس مدعی نبوت میں یہ تمام علامتیں پائی جاتی ہیں تو اس نے ابوسفیان پر واضح کر دیا کہ اس شخص کے نبی اور رسول ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ علاوہ ازیں ہرقل نجوم و کہانت میں بھی درک رکھتا تھا اور اس علم کے ذریعہ بھی وہ آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کی مذکورہ علامتوں کو جانتا تھا جیسا کہ بخاری ہی کی ایک اور روایت میں ابن ناطور حاکم بیت المقدس کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ ہرقل قیصر روم جب بیت المقدس میں مقیم تھا تو ایک روز صبح کو گھبرایا ہوا اٹھا، ایک شخص نے پریشانی کا سبب پوچھا تو ہرقل نے کہا کہ آج رات میں نے ستاروں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ مختون قوم کا بادشاہ تمام ممالک پر غالب آنے والا ہے۔ اس کے بعد اس نے دریافت کیا کہ وہ کون قوم ہے جس میں ختنہ کا رواج ہے تو اس کو بتایا گیا کہ عربوں میں ختنہ کا رواج ہے لیکن یہ ہرقل کی سب سے بڑی بدنصیبی رہی کہ وہ اپنے علم ذہانت سے آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کی حقیقت کو جاننے کے باوجود ایمان کی دولت سے محروم رہا اور اپنے علم و آگہی سے فائدہ حاصل نہ کر سکا اور اس نے نہ صرف یہ کہ آنحضرت ﷺ کی دعوت پر لبیک کہہ کر اسلام قبول نہیں کیا بلکہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کا صحابہؓ کے خلاف نبرد آزما بھی ہوا۔ اس نے مجاہدین اسلام کے خلاف متعدد بار اس

زمانہ کی رومی سلطنت کی انتہائی ترقی یافتہ فوجیں روانہ کیں، اور مختلف علاقوں اور شہروں میں اسلامی شیروں کو اس کے جابر لشکروں کا مقابلہ کرنا پڑا، مگر چونکہ اللہ کی مدد اپنے نام لیواؤں کے ساتھ ہوتی تھی اس لئے ہر میدان جنگ میں اور ہر موقع پر ہرقل کی رومی فوج کو زبردست پسپائی وہلاکت کا سامنا کرنا پڑتا تھا، اور اس کے لشکر کے بہت ہی کم لوگوں کو میدان جنگ سے صحیح وسالم واپس ہونے کا موقع نصیب ہوتا تھا، ہرقل اپنی عظیم سلطنت اور زبردست فوج کی طاقت کے بل پر اسلام اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی ایمانی طاقت کو مسدود اور محدود کر دینے کی کاروائیوں میں زندگی بھر مصروف رہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اس کو اہل اسلام کے مقابلہ پر مغلوب کیا یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کو شکست فاش دینے کی حسرت و تمنائے ہوئے مرگیا اور اس کی عظیم سلطنت کا ایک بڑا حصہ جیسے ملک شام وغیرہ کے اکثر علاقے مسلمانوں نے فتح کر لئے۔ ہرقل کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا لیکن اسلام کے مقابلہ پر زوال پذیر رومی سلطنت کو وہ بھی سہارا نہ دے سکا اور اس کے مرنے کے بعد تو اس سلطنت کا وجود ہی چراغ سحری ہو کر رہ گیا، اور پھر وہ زمانہ آیا جب ان ہی رومیوں میں سے ایک قوم (ترک) کو اللہ تعالیٰ نے ایمان واسلام کی سعادت عطا فرمائی۔ اس قوم نے اپنی بے پناہ شجاعت وبہادری اور ایمان کی زبردست طاقت سے نہ صرف یہ کہ اپنے زمانہ میں دنیا بھر کے عیسائیوں کی مشترکہ طاقت کو پسپا کیا، کفر وشرک کے مقابلہ پر اسلام کی حفاظت کی، بلکہ خود کو مسلمان کہلانے والے اس فرقہ رافضیہ کا بھی قلع قمع کیا جو مکر وسازش کے ذریعہ اسلامی حکومت کی شان وشوکت مٹانے اور اسلام اور مسلمانوں کی جڑیں کاٹنے میں مصروف تھا، یہ ترک ہی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرمین شریفین کی تعمیر وترقی اور خدمت ومحافظت کی سعادت عطا کی۔ انہوں نے مسجد حرام، مکہ مکرمہ اور حرم نبوی، مدینہ منورہ کی خدمت ومحافظت، اہل مکہ، اور اہل مدینہ کی دیکھ بھال اور مالی امداد و اعانت اور علماء ومشائخ کی تعظیم وتکریم جس اخلاص، جس عقیدت اور جس لگن سے کی، اس کی کوئی مثال نہیں ہے! اس سے معلوم ہوا کہ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمادے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں پڑا رہنے دے اس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا، ایک طرف تو وہ ہرقل تھا جس کو آنحضرت ﷺ کی پوری حقیقت معلوم تھی لیکن اس کی سچی معلومات اس کے کوئی کام نہیں آسکیں کیونکہ اس کا اصل مطمع نظر وہ ریاست وسلطنت تھی جس کو وہ کسی حال میں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا اور مال ودولت کی وہ محبت تھی جس نے اس کے دل ودماغ پر حقیقت پسندی سے زیادہ جاہ پسندی کی چھاپ ڈال رکھی تھی۔ لہٰذا وہ توفیق الٰہی اور ازلی سعادت سے محروم رہا اور ابدی بدبختی کا مستوجب بنا، دوسری طرف اسی کے علاقہ اور اسی کی قوم سے تعلق رکھنے والے وہ لوگ تھے جو اپنی ازلی اور ابدی سعادت کی بناء پر نہ صرف یہ کہ ایمان واسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے بلکہ دنیا کی زبردست طاقت عظیم فاتح اور مثالی حکمراں بنے۔

اس موقع پر ہرقل کی اس خوبی کا ذکر بھی ناگزیر ہے کہ جب اس کے پاس رسول کریم ﷺ کا نامۂ مبارک پہنچا تو اس نے نہ صرف یہ کہ اس کو اشتیاق والتفات کے ساتھ پڑھا بلکہ اس کی بڑی تعظیم وتکریم کی، اور اس نامۂ مبارک کو محفوظ رکھنے کا زبردست اہتمام کیا اس کے برخلاف فارس (ایران) کے بادشاہ کسریٰ نے نامۂ مبارک کے ساتھ بے حرمتی کا معاملہ کیا اور اس بدبخت نے نامۂ مبارک کو چاک کر کے پارہ پارہ کر دیا، تو اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس کی اولاد ذلت ورسوائی کے ساتھ دربدر ماری ماری پھری اور اس کی آئندہ نسل میں سے کسی کو بھی تخت وتاج کی صورت دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

صحیح بخاری میں یہ روایت منقول ہے کہ ہرقل قیصر روم نے آنحضرت ﷺ کا مذکورہ نامۂ مبارک پڑھ کر اپنے ملک کے اعیان سلطنت اور عمائدین مملکت کو اپنے محل میں جمع کیا اور پھر بند کمرہ میں ان کی مجلس منعقد کی اور سب کو مخاطب کر کے کہا کہ "لوگو! اگر تم اپنی مراد کو پہنچنا چاہتے ہو اور فلاح یاب ہونے کے خواہش مند ہو تو اس نبی آخر الزمان (ﷺ) کی دعوت قبول کرو اور ان پر ایمان لے آؤ۔ یہ سنتے ہی ان تمام لوگوں نے سخت برہمی اور نفرت کا اظہار کیا اور اس قدر مشتعل ہوئے کہ ہرقل بھی ان کا رد عمل دیکھ کر گھبرا گیا، اس نے کہا کہ تم لوگوں کو اس قدر برہم اور وحشت زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اپنے دین پر قائم رہو، میں نے تو صرف یہ آزمانے کے لئے کہ تم

لوگ اپنے دین اور اپنے عقیدہ میں کس قدر مستحکم اور مضبوط ہو، یہ بات کہی تھی۔ تب وہ اعیان سلطنت اور عمائدین مملکت مطمئن وخوش ہوئے اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوگئے۔

بعض حضرات نے ہرقل کے ایمان کی طرف اشارہ کیا ہے اور مختلف آثار وقرائن کے تحت اس کو مؤمن کہا ہے لیکن راجح قول اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ کفر وشرک پر عامل تھا اور کافر ومشرک ہی مرا، ایمان واسلام کی دولت اس کو نصیب نہیں ہوئی، چنانچہ مسند امام احمد میں ایک روایت منقول ہے کہ اس نے مقام تبوک سے آنحضرت ﷺ کو لکھا تھا کہ میں مسلمان ہوں، لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ہرقل بالکل جھوٹ کہتا ہے، وہ نصرانیت (عیسائیت) پر قائم ہے۔ بہرحال ہرقل کے واقعہ کو دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ علم ودانائی، ہدایت پانے کے لئے کافی نہیں ہے، جب تک کہ حق تعالیٰ کی توفیق اور فطرت سلیم کی وہ رہنمائی حاصل نہ ہو جو قبول حق تک پہنچاتی ہے۔ عشق کاریست کہ موقوف ہدایت باشد۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا کی محبت اور جاہ واقتدار کی حرص، حق کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

بَابٌ فِی الْمِعْرَاجِ
معراج کا بیان

"مِعْرَاج" کا لفظ "عُرُوْج" سے ہے جس کے معنی ہیں، چڑھنا، اوپر جانا۔ اور مِعْرَاج اس چیز کو کہتے ہیں جو اوپر چڑھنے کا ذریعہ بنے یعنی سیڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو جو آسمانوں کی سیر کرائی اور وہاں خاص خاص نشانیاں آپ ﷺ کو دکھلائیں۔ اس کو معراج اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ گویا آنحضرت ﷺ کے لئے سیڑھی رکھی گئی۔ جس پر چڑھ کر آپ ﷺ آسمان پر تشریف لے گئے اور ایک روایت میں "معراج" یعنی سیڑھی کا تذکرہ بھی آیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کا عالم بالا کا سفر شروع ہوا تو آپ ﷺ کے لئے سیڑھی رکھی گئی جس کے ذریعہ آسمان کے اوپر تشریف لے گئے اور یہ وہی سیڑھی ہے جس کے ذریعہ فرشتے آسمان سے آمد ورفت رکھتے ہیں اور جس پر سے بنی آدم کی ارواح آسمان تک چڑھتی ہیں۔

معراج کا زمانہ: اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ معراج نبوت کے بارھویں سال یعنی ہجرت سے ایک سال پہلے ربیع الاول کے مہینہ میں ہوئی اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ رمضان کی ستائیس تاریخ کو ہوئی، کچھ حضرات کا قول ستائیسویں رجب کا ہے اور عوام میں بھی یہی مشہور ہے، کچھ حضرات ہجرت سے تین سال پیشتر اور کچھ حضرات ہجرت کے پانچ سال پیشتر معراج ہونے کے قائل ہیں۔

معراج اور اسراء کا فرق: جاننا چاہئے کہ ایک تو "معراج" ہے اور ایک "اسراء"۔ اسراء اس سفر کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے اس شب میں مسجد حرام (بیت اللہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک کیا، اور مسجد اقصیٰ سے آسمان تک کے سفر کو معراج کہا جاتا ہے۔ اسراء نص قرآن سے ثابت ہے اور اس کا انکار کرنا دائرۂ اسلام سے خارج ہونا ہے اور معراج، مشہور ومتواتر حدیثوں سے ثابت ہے، اس کا انکار کرنے والا گمراہ اور بدعتی کہلاتا ہے۔

خواب میں یا عالم بیداری میں: اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو جو معراج پیش آئی وہ خواب کا واقعہ ہے یا عالم بیداری کا؟ یہ واقعہ ایک بار پیش آیا یا متعدد بار؟ یا یہ کہ ایک بار تو عالم بیداری میں پیش آیا اور خواب میں متعدد بار پیش آیا؟ یا یہ کہ اگر یہ واقعہ خواب میں بھی پیش آیا تو کیا وہی اصلی واقعہ ہے یا وہ اس حقیقی واقعہ کا ابتدائیہ اور تمہید تھی جو عالم بیداری میں پیش آیا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ جسمانی طور پر آسمانوں کی سیر کرنے سے پہلے آپ ﷺ میں روحانی اور نفسیاتی طور پر اس عالم بالا سے ایک گونہ مناسبت اور تعلق پیدا ہو جائے جیسا کہ ابتدائے نبوت میں رویائے صادقہ ہی کو وحی اور عالم بالا سے آپ ﷺ کی مناسبت کا ذریعہ بنایا گیا

تھا؟ اور یا یہ کہ اسراء یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصی تک کے سفر کا واقعہ تو جسمانی طور پر پیش آیا تھا اور معراج یعنی مسجد اقصی سے عالم بالا تک کا واقعہ محض روحانی طور پر پیش آیا تھا؟ بہر حال ان تمام اقوال اور ان سے متعلق بحث و دلائل سے صرف نظر کرتے ہوئے اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس بارے میں جو قول تحقیقی اور زیادہ صحیح سمجھا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ معراج کا واقعہ ایک بار پیش آیا ہے اور عالم بیداری میں جسم و روح کے ساتھ پہلے آپ ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصی تک پھر مسجد اقصی سے آسمانوں تک اور پھر آسمانوں سے ان خاص مقامات تک جہاں تک اللہ نے چاہا، آپ ﷺ کو لے جایا گیا۔ جمہور فقہا و علماء محدثین و متکلمین، اور صوفیاء کا یہی مسلک ہے۔ نیز اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی صحیح حدیثیں اور صحابہ کرام کے اقوال نہایت کثرت سے منقول ہیں جن میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر معراج کے واقعہ کا تعلق محض خواب سے ہوتا (جیسا کہ گمان کیا جا سکتا ہے) تو نہ اس غیر معمولی انداز میں اس واقعہ کو بیان کیا جاتا اور نہ اس سے متعلق وہ تمام بحث و تحقیق ہوتی جو علماء و محققین نے کی ہے، علاوہ ازیں اس مسئلہ کو لے کر بعض لوگوں نے جو فتنہ خیزی اور غوغا آرائی کی ہے نہ وہ ہوتی اور نہ یہ مسئلہ اختلاف و انکار نیز ارتداد کے ابتلاء کا باعث بنتا۔

معراج آنحضرت ﷺ کا خصوصی شرف ہے: جسم و روح کے ساتھ معراج کا حاصل ہونا آنحضرت ﷺ کا خصوصی شرف ہے یہ مرتبہ کسی اور نبی اور رسول کو حاصل نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اپنے آخری نبی رسول اللہ ﷺ کی عظمت و برگزیدگی کو ظاہر کرنے کے لئے یہ خارق عادت قدرت ظاہر فرمائی۔ لہٰذا واقعہ معراج کو اسی سیاق و سباق میں دیکھنا چاہئے، اس مسئلہ کو عقل و قیاس کے پیمانہ سے ناپنا بے سود بھی ہے اور حقیقت واقعہ کو محض دماغی قابلیت کے بل پر سمجھنا اور سمجھانا، فنا ر ان عقل کے بس سے باہر بھی ہے یہ مسئلہ خالص یقین و اعتقاد کا ہے بس اس پر ایمان لانا اور اس کی حقیقت و کیفیت کو علم الٰہی کے سپرد کر دینا ہی عین عبادت ہے، اور ویسے بھی نبوت، وحی اور معجزوں کے تمام معاملات احاطہ عقل و قیاس سے باہر کی چیزیں ہیں، جو شخص ان چیزوں کو قیاس کے تابع اور اپنی عقل و فہم پر موقوف رکھے اور کہے کہ یہ چیز جب تک عقل میں نہ آئے میں اس کو نہیں مانوں گا اور اس پر اعتقاد نہیں رکھوں گا تو سمجھنا چاہئے کہ وہ شخص ایمان کے اپنے حصہ سے محروم ہے، ہاں اولیاء اللہ اور عارفین بیشک معرفت کے ایک خاص مقام تک پہنچنے کے بعد اتنی صلاحیت کے حامل ہو جاتے ہیں کہ ان پر ان چیزوں کی کچھ حقیقت روشن اور واضح ہو جاتی ہے، جو لوگ معرفت کے اس مقام کو نہ پہنچے ہوں ان کے لئے ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول جو کچھ فرما دیں بس اس کو مان لیں اور بلا چون و چرا اس پر ایمان لے آئیں، سلامتی اور نجات کی راہ اس کے علاوہ کوئی نہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

واقعہ معراج کا ذکر

① عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُمْ عَنْ لَيْلَةِ اُسْرِيَ بِهٖ قَالَ بَيْنَمَا اَنَا فِي الْحَطِيْمِ وَرُبَّمَا قَالَ فِي الْحِجْرِ مُضْطَجِعًا اِذْ اَتَانِيْ اٰتٍ فَشَقَّ مَابَيْنَ هٰذِهٖ اِلٰى هٰذِهٖ يَعْنِيْ مِنْ ثُغْرَةِ نَحْرِهٖ اِلٰى شِعْرَتِهٖ فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِيْ ثُمَّ اُتِيْتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مَمْلُوٍّ اِيْمَانًا فَغُسِلَ قَلْبِيْ ثُمَّ حُشِيَ ثُمَّ اُعِيْدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ ثُمَّ غُسِلَ الْبَطْنُ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ مُلِئَ اِيْمَانًا وَحِكْمَةً ثُمَّ اُتِيْتُ بِدَابَّةٍ دُوْنَ الْبَغْلِ وَفَوْقَ الْحِمَارِ اَبْيَضَ يُقَالُ لَهُ الْبُرَاقُ يَضَعُ خَطْوَهٗ عِنْدَ اَقْصٰى طَرْفِهٖ فَحُمِلْتُ عَلَيْهِ فَانْطَلَقَ بِيْ جِبْرَئِيْلُ حَتّٰى اَتَى السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا فِيْهَا اٰدَمُ فَقَالَ هٰذَا اَبُوْكَ اٰدَمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِيْ حَتّٰى اَتَى السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ

قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَآءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ اِذَا يَحْيٰى وَعِيْسٰى وَهُمَا ابْنَا خَالَةٍ قَالَ هٰذَا يَحْيٰى وَهٰذَا عِيْسٰى فَسَلِّمْ عَلَيْهِمَا فَسَلَّمْتُ فَرَدَّا ثُمَّ قَالَا مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِيْ اِلَى السَّمَآءِ الثَّالِثَةِ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَآءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ اِذَا يُوْسُفُ قَالَ هٰذَا يُوْسُفُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِيْ حَتّٰى اَتَى السَّمَآءَ الرَّابِعَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَآءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا اِدْرِيْسُ فَقَالَ هٰذَا اِدْرِيْسُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِيْ حَتّٰى اَتَى السَّمَآءَ الْخَامِسَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَآءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا هَارُوْنُ قَالَ هٰذَا هَارُوْنُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِيْ حَتّٰى اَتَى السَّمَآءَ السَّادِسَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَآءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا مُوْسٰى قَالَ هٰذَا مُوْسٰى فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ فَلَمَّا جَاوَزْتُ بَكٰى قِيْلَ لَهٗ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ اَبْكِيْ لِاَنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِيْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِهٖ اَكْثَرُ مِمَّنْ يَدْخُلُهَا مِنْ اُمَّتِيْ ثُمَّ صَعِدَ بِيْ اِلَى السَّمَآءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَآءَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا اِبْرَاهِيْمُ قَالَ هٰذَا اَبُوْكَ اِبْرَاهِيْمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ رُفِعْتُ اِلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى فَاِذَا نَبِقُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجَرٍ وَاِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ اٰذَانِ الْفِيَلَةِ قَالَ هٰذَا سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى فَاِذَا اَرْبَعَةُ اَنْهَارٍ نَهْرَانِ بَاطِنَانِ وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ قُلْتُ مَا هٰذَانِ يَا جِبْرَئِيْلُ قَالَ اَمَّا الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِي الْجَنَّةِ وَاَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالنِّيْلُ وَالْفُرَاتُ ثُمَّ رُفِعَ لِيَ الْبَيْتُ الْمَعْمُوْرُ ثُمَّ اُتِيْتُ بِاِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ وَاِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ وَاِنَاءٍ مِنْ عَسَلٍ فَاَخَذْتُ اللَّبَنَ فَقَالَ هِيَ الْفِطْرَةُ اَنْتَ عَلَيْهَا وَاُمَّتُكَ ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَيَّ الصَّلٰوةُ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ فَمَرَرْتُ عَلٰى مُوْسٰى فَقَالَ بِمَ اُمِرْتَ قُلْتُ اُمِرْتُ بِخَمْسِيْنَ صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيْعُ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَعَالَجْتُ بَنِيْٓ اِسْرَائِيْلَ اَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِاُمَّتِكَ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَاُمِرْتُ بِعَشْرِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَاُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ بِمَا اُمِرْتَ قُلْتُ اُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيْعُ خَمْسَ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَاِنِّيْ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَعَالَجْتُ بَنِيْٓ اِسْرَائِيْلَ اَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِاُمَّتِكَ قَالَ سَاَلْتُ رَبِّيْ حَتّٰى اسْتَحْيَيْتُ وَلٰكِنِّيْٓ اَرْضٰى وَاُسَلِّمُ قَالَ فَلَمَّا جَاوَزْتُ نَادٰى مُنَادٍ اَمْضَيْتُ فَرِيْضَتِيْ وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِيْ۔ (متفق علیہ)

"حضرت قتادہؒ (تابعی) حضرت انس ابن مالکؓ سے اور وہ حضرت مالک ابن صعصعہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے سراء اور معراج کی رات کے احوال و واردات کی تفصیل صحابہؓ سے بیان کرتے ہوئے فرمایا: "اس رات میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا اور بعض موقعوں پر آپ ﷺ نے "حجر" میں لیٹنے کا ذکر فرمایا۔ کہ اچانک ایک آنے والا (فرشتہ) میرے پاس آیا اور اس نے (میرے جسم کے)

یہاں سے یہاں تک کے حصہ کو چاک کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ "(یہاں سے یہاں تک" سے) آنحضرت ﷺ کی مراد گردن کے گڑھے سے زیر ناف بالوں تک کا پورا حصہ تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس فرشتہ نے اس طرح میرا سینہ چاک کر کے (میرے دل کو نکالا۔ اس کے بعد میرے سامنے سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا اور اس میں میرے دل کو دھویا گیا، پھر دل میں (اللہ کی عظمت و محبت یا علم وایمان کی دولت) بھری گئی اور پھر دل کو سینہ میں اس کی جگہ رکھ دیا گیا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ پھر میرے پیٹ (کے اندر کی تمام چیزیں یا دل کی جگہ) کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا۔ اور پھر اس میں ایمان وحکمت بھرا گیا، اس کے بعد سواری کا ایک جانور لایا گیا جو خچر سے نیچا اور گدھے سے اونچا تھا، یہ جانور سفید رنگ کا تھا اور اس کا نام براق تھا (اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ) جہاں تک اس کی نظر جاتی تھی وہاں اس کا ایک قدم پڑتا تھا، مجھے اس پر سوار کیا گیا، اور جبرئیل مجھے لے کے چلے یہاں تک کہ میں آسمان دنیا (یعنی پہلے آسمان) پر پہنچا، جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو (دربان فرشتوں کی طرف سے) پوچھا گیا کہ کون ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: میں جبرئیل ہوں پھر پوچھا گیا: اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا! محمد ﷺ ہیں: اس کے بعد سوال کیا گیا! ان (محمد ﷺ) کو بلانے کے لئے کسی کو بھیجا گیا تھا (یا از خود آئے ہیں) جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا بلائے ہوئے آئے ہیں۔ تب ان فرشتوں نے کہا: ہم محمد ﷺ کو خوش آمدید کہتے ہیں، آنے والے کو آنا مبارک ہو۔ اس کے بعد آسمان کا دروازہ کھولا گیا اور جب میں آسمان میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت آدم علیہ السلام میرے سامنے کھڑے ہیں، جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ تمہارے باپ (یعنی جد اعلیٰ) آدم ہیں ان کو سلام کرو۔ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا! میں نیک بخت بیٹے اور پیغمبر صالح کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام مجھ کو لے کر اوپر دوسرے آسمان پر آئے، انہوں نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو پوچھا گیا کون ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: میں جبرئیل علیہ السلام ہوں۔ پھر پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد ﷺ ہیں۔ پھر سوال کیا گیا: ان کو بلانے کے لئے کسی کو بھیجا گیا تھا؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہاں! تب دربان فرشتوں نے کہا: ہم محمد ﷺ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ آنے والے کو آنا مبارک ہو۔ اس کے بعد آسمان کا دروازہ کھولا گیا اور جب میں آسمان میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہیں جو ایک دوسرے کے خالہ زاد بھائی تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ یحییٰ ہیں اور یہ عیسیٰ ہیں ان کو سلام کرو۔ میں نے دونوں کو سلام کیا اور دونوں نے میرے سلام کا جواب دے کر کہا: نیک بخت بھائی اور پیغمبر صالح کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام مجھ کو لے کر اور اوپر چلے اور تیسرے آسمان پر آئے انہوں نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو پوچھا گیا کون ہے؟ جبرئیل نے کہا: میں جبرئیل ہوں۔ پھر پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد ﷺ ہیں۔ پھر سوال کیا گیا: ان کو بلانے کے لئے کسی کو بھیجا گیا تھا؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہاں! تب ان فرشتوں نے کہا ہم محمد ﷺ کو خوش آمدید کہتے ہیں، آنے والے کو آنا مبارک ہو۔ اس کے بعد آسمان کا دروازہ کھولا گیا اور جب میں تیسرے آسمان میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت یوسف علیہ السلام سامنے کھڑے ہیں، جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ یوسف ہیں، ان کو سلام کرو۔ میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دے کر کہا: میں نیک بخت بھائی اور پیغمبر صالح کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اس کے بعد جبرئیل مجھ کو لے کر اور اوپر چلے اور چوتھے آسمان پر آئے انہوں نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو پوچھا گیا: اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد ﷺ ہیں۔ پھر سوال کیا گیا: ان کو بلانے کے لئے کسی کو بھیجا گیا تھا؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہاں! تب ان فرشتوں نے کہا: ہم محمد ﷺ کو خوش آمدید کہتے ہیں، آنے والے کو آنا مبارک ہو۔ اس کے بعد آسمان کا دروازہ کھولا گیا اور جب میں چوتھے آسمان میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ادریس علیہ السلام سامنے کھڑے ہیں، جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ ادریس علیہ السلام ہیں، ان کو سلام کرو۔ میں نے ان کو سلام کیا، اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دے کر کہا: میں نیک بخت بھائی اور پیغمبر صالح کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام مجھ کو لے کر اور اوپر چلے اور پانچویں آسمان پر آئے، انہوں نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو پوچھا گیا کون ہے؟ جبرئیل نے کہا: میں جبرئیل ہوں، پھر

پوچھا گیا! اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا: محمد (ﷺ) ہیں۔ پھر سوال کیا گیا: ان کو بلانے کے لئے کسی کو بھیجا گیا تھا؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہاں! تب ان فرشتوں نے کہا: ہم محمد (ﷺ) کو خوش آمدید کہتے ہیں، آنے والے کو آنا مبارک ہو۔ اس کے بعد آسمان کا دروازہ کھولا گیا اور جب میں پانچویں آسمان میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں، جبرئیل نے کہا یہ ہارون علیہ السلام ہیں ان کو سلام **کرو، میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام** کا جواب دے کر کہا میں نیک بخت بھائی اور پیغمبر صالح کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام مجھ کو لے کر اور اوپر چلے اور چھٹے آسمان پر آئے انہوں نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو پوچھا گیا کہ کون ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا میں جبرئیل (علیہ السلام) ہوں، پھر پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد (ﷺ) ہیں۔ پھر سوال کیا گیا: ان کو بلانے کے لئے کسی کو بھیجا گیا تھا؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہاں! تب ان فرشتوں نے کہا: ہم محمد (ﷺ) کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ آنے والے کو آنا مبارک ہو۔

اس کے بعد آسمان کا دروازہ کھولا گیا اور جب میں چھٹے آسمان میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے سامنے کھڑے ہیں، جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں، ان کو سلام کرو، میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دے کر کہا: میں نیک بخت بھائی اور پیغمبر صالح کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اس کے بعد جب میں آگے بڑھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے، پوچھا گیا: آپ کیوں روتے ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ایک نوجوان جس کو میرے بعد رسول بنا کر دنیا میں بھیجا گیا اس کی اُمت کے لوگ میری اُمت کے لوگوں سے کہیں زیادہ جنت میں داخل ہوں گے۔ بہر حال (اس چھٹے آسمان سے گذر کر) جبرئیل علیہ السلام مجھ کو لے کر اور اوپر چلے اور ساتویں آسمان پر آئے، انہوں نے آسمان کا دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو پوچھا گیا کہ کون ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: میں جبرئیل ہوں۔ پھر پوچھا گیا: اور تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد (ﷺ) ہیں، پھر سوال کیا گیا: ان کو بلانے کے لئے کسی کو بھیجا گیا تھا؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہاں! تب ان فرشتوں نے کہا: ہم محمد (ﷺ) کو خوش آمدید کہتے ہیں، آنے والے کو آنا مبارک ہو۔ اس کے بعد آسمان کا دروازہ کھولا گیا اور جب میں ساتویں آسمان میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام میرے سامنے کھڑے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ تمہارے باپ (مورث اعلیٰ) ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کو سلام کرو۔ میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دے کر کہا: میں نیک بخت بیٹے اور پیغمبر صالح کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اس کے بعد مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا، میں نے دیکھا کہ اس کے پھل یعنی بیر، مقام ہجر کے (بڑے بڑے) مٹکوں کے برابر تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر تھے، جبرائیل نے (وہاں پہنچ کر) کہا: یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے! میں نے وہاں چار نہریں بھی دیکھیں، دو نہریں تو باطن کی تھیں اور دو نہریں ظاہر کی تھیں، میں نے پوچھا: جبرئیل! یہ دو طرح کی نہریں کیسی ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا: یہ باطن کی دو نہریں جنت کی ہیں اور یہ ظاہر کی دو نہریں نیل اور فرات ہیں، پھر مجھ کو بیت المعمور دکھلایا گیا اور اس کے بعد ایک پیالہ شراب کا، ایک پیالہ دودھ کا اور ایک پیالہ شہد کا میرے سامنے لایا گیا (اور مجھے اختیار دیا گیا کہ ان تینوں میں سے جس چیز کا پیالہ پسند ہو لے لوں) چنانچہ میں نے دودھ کا پیالہ لے لیا، جبرائیل علیہ السلام نے (یہ دیکھ کر کہ میں نے دودھ کے پیالہ کو اختیار کیا) کہا: دودھ فطرت ہے اور یقیناً تم اور تمہاری اُمت کے لوگ اسی فطرت پر (قائم و عامل) رہیں گے (اور جہاں تک شراب کا معاملہ ہے تو وہ اُم الخبائث اور شر و فساد کی جڑ ہے) اس کے بعد وہ مقام آیا جہاں مجھ پر (ایک دن اور ایک رات کی) پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ پھر (جب ملاء اعلیٰ کا میرا سفر تمام ہوا اور درگاہ رب العزت سے) میں واپس ہوا تو ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے رخصت ہو کر چھٹے آسمان پر، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا (اور ان سے رخصت ہونے لگا) تو انہوں نے پوچھا: تمہیں کس عبادت کا حکم دیا گیا ہے؟ میں نے ان کو بتایا کہ (ہر شب و روز میں) پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (یہ سن کر) کہا تمہاری امت (نسبتہً کمزور قوی رکھنے کے سبب یا کسل و سستی کے سبب) رات دن میں پچاس نمازیں ادا نہیں کر سکے گی، خدا کی قسم، میں تم سے پہلے لوگوں کو آزما چکا ہوں (کہ عبادت خداوندی کے راستہ میں مشقت و تعب برداشت کرنا ان کی طبیعتوں پر کس قدر بار تھا) اور

بنی اسرائیل کی اصلاح و درستی کی سخت ترین کوشش کر چکا ہوں (لیکن وہ اصلاح پذیر نہ ہوئے باوجودیکہ ان کے قویٰ تمہاری اُمت کے لوگوں سے زیادہ مضبوط تھے، تو پھر تمہاری اُمت کے لوگ اتنی زیادہ نمازوں کی مشقت کیسے برداشت کر سکیں گے لہٰذا تم اپنے پروردگار کے پاس واپس جاؤ اور اپنی اُمت کے حق میں تخفیف اور آسانی کی درخواست کرو۔ چنانچہ میں (اپنے پروردگار کی بارگاہ میں) دوبارہ حاضر ہوا اور میرے پروردگار نے میرے عرض کرنے پر) دس نمازیں کم کر دیں، میں پھر حضرت موسیٰ ؑ کے پاس آیا (اور ان کو بتایا کہ دس نمازیں کم کر کے چالیس نمازیں رہنے دی گئی ہیں) لیکن انہوں نے پھر وہی کہا جو پہلے کہا تھا (کہ میں پہلے لوگوں کو آزما چکا ہوں، تمہاری اُمت کے لوگ چالیس نمازیں بھی ادا نہیں کر سکیں گے؛ اب پھر بارگاہ رب العزت میں جا کر مزید تخفیف کی درخواست کرو) چنانچہ میں پھر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوا اور (چالیس میں سے) دس نمازیں کم کر دی گئیں، میں پھر حضرت موسیٰ ؑ کے پاس آیا، انہوں نے پھر وہی کہا جو پہلے کہا تھا، چنانچہ میں بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوا اور (تیس میں سے) دس نمازیں کم کر دی گئیں، میں پھر حضرت موسیٰ ؑ کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی کہا جو پہلے کہا تھا، چنانچہ میں بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوا اور مجھ کو دس نمازوں کا حکم دیا گیا، میں پھر حضرت موسیٰ ؑ کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ چنانچہ میں پھر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوا اور مزید پانچ نمازوں کی تخفیف کر کے مجھ کو ہر شب و روز میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا، میں پھر حضرت موسیٰ ؑ کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا کہ اب تمہیں کیا حکم ملا ہے؟ میں نے ان کو بتایا کہ اب مجھے رات دن میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ نے کہا: حقیقت یہ ہے کہ تمہاری اُمت کے اکثر لوگ (پوری پابندی اور تسلسل کے ساتھ) رات دن میں پانچ نمازیں بھی نہیں پڑھ پائیں گے، حقیقت یہ ہے کہ میں تم سے پہلے لوگوں کو آزما چکا ہوں اور بنی اسرائیل کی اصلاح و درستی کی سخت کوشش کر کے دیکھ چکا ہوں (وہ تو اس سے بھی کہیں کم عبادت خداوندی پر عامل نہیں رہ سکے تھے) لہٰذا تم پھر پروردگار کے پاس جاؤ اور اپنی اُمت کے لئے (پانچ نمازوں میں بھی) تخفیف کی درخواست کرو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا (کہ اس موقع پر میں نے حضرت موسیٰ ؑ سے کہا) کہ میں بار بار اپنے پروردگار سے تخفیف کی درخواست کر چکا ہوں، اور مجھ کو شرم آتی ہے (اگرچہ اُمت کی طرف سے پانچ نمازوں کی بھی پابندی نہ ہو سکنے کا گمان ہے مگر مزید تخفیف کی درخواست کرنا اب میرے لئے ممکن نہیں ہے) میں اپنے پروردگار کے اس حکم کو (برضاء و رغبت) قبول کرتا ہوں (اور اپنا اور اپنی اُمت کا معاملہ اس کے سپرد کرتا ہوں کہ وہ اپنی توفیق و مدد سے اُمت کے لوگوں کو ان پانچ نمازوں کی ادائیگی کا پابند بنائے)۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ ؑ سے اس گفتگو کے بعد) جب میں وہاں سے رخصت ہوا تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یہ ندائے غیبی آئی: میں نے (پہلے تو) اپنے فرض کو جاری کیا اور پھر (اپنے پیارے رسول کے طفیل میں اپنے بندوں کے حق میں تخفیف کر دی (مطلب یہ کہ اب میرے بندوں کو نمازیں تو پانچ ہی پڑھنی پڑیں گی لیکن ان کو ثواب پچاس نمازوں کا ملے گا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "حطیم" خانہ کعبہ کی شمالی دیوار سے ڈیڑھ گز کے فاصلہ پر ایک ہلالی شکل کی دیوار ہے، اس دیوار کے اندر کا حصہ حطیم کہلاتا ہے، اور حجر (ح کے زیر کے ساتھ) بھی اسی حطیم کو کہا جاتا تھا یہ جگہ (یعنی حطیم یا حجر اصلاً خانہ کعبہ کا حصہ ہے۔ معراج کی رات میں جب کہ حضرت جبرئیل ؑ آپ ﷺ کو لینے کے لئے آئے آپ ﷺ اسی جگہ استراحت فرما تھے۔

"یہاں سے یہاں تک کے حصہ کو چیرا۔" شق صدر (سینہ مبارک کے چاک کئے جانے) کا یہ واقعہ اس کے علاوہ ہے جو بچپن میں پیش آیا تھا، اس وقت (بچپن میں آپ ﷺ کے سینہ مبارک کے چاک کئے جانے کا مقصد آپ ﷺ کے اندر سے وہ مادہ نکالنا تھا جس کے ذریعہ انسان کو گمراہ کرنے کا موقع شیطان کو ملتا ہے یا جس کے سبب خود انسان کا نفس گمراہی اور برائی میں مبتلا ہوتا ہے، اور اس موقع پر (معراج کی رات میں) شق صدر کا مقصد آپ ﷺ کے قلب مبارک میں علم و معرفت کا کمال بھرنا تھا۔

"سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا" یہ کنایہ اور تمثیل کے طور پر کہا گیا ہے یا یہ کہ ایمان کو ظاہری جسم دے کر واقعۃً اس طشت میں بھرا گیا، جیسا کہ قیامت کے دن اعمال کو مجسم کیا جائے گا تاکہ ان کو میزان میں تولا جا سکے۔

"اس کا نام براق تھا۔" آنحضرت ﷺ کی سواری کے لئے مخصوص اس جانور کا نام "براق" اس مناسبت سے رکھا گیا کہ وہ برق (بجلی) کی طرح تیز رفتار اور روشنی کی طرح چمکدار تھا۔ اس کی تیز رفتاری کے بارے میں جو یہ فرمایا کہ اس کا ایک قدم حد نظر پر پڑتا تو اس سے بعض حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ وہ براق ایک ہی قدم میں آسمان پر پہنچ گیا ہوگا کیونکہ زمین سے اس کی حد نظر آسمان ہی تھا، اس اعتبار سے ساتویں آسمان تک وہ سات قدموں میں پہنچا ہوگا۔ اس براق کے بارے میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ براق تمام انبیاء کی سواری کے لئے متعین تھا اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہر نبی کے لئے اس کی حیثیت و مرتبہ کے مطابق الگ الگ براق تھے۔ جیسا کہ آخرت میں ہر نبی کے لئے اس کے مرتبہ و مقام کے مطابق الگ الگ حوض بنے ہوئے ہیں، چنانچہ حدیث کے اس جملہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ براق آنحضرت ﷺ کی سواری کے لئے مخصوص و متعین تھا۔

"مجھے اس پر سوار کیا گیا۔" اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس براق پر آنحضرت ﷺ کا سوار ہونا محض اللہ تعالیٰ کی مدد اور قدرت سے ممکن ہوا، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت جبرئیل نے اپنی قوت ملکیت کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو اس براق پر سوار کرایا تھا، اور یہ بات بعید از امکان اس لئے نہیں ہو سکتی کہ آنحضرت ﷺ پر وحی اترنے اور آپ ﷺ تک فیض الٰہی پہنچنے کا اصل ذریعہ حضرت جبرئیل ہی تھے، اور اس سفر معراج میں بھی ان کی حیثیت اس رفیق سفر اور خادم کی تھی جس کا مقصد ہر طرح کی راحت و مدد پہنچانا ہوتا ہے چنانچہ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کی رکاب پکڑ رکھی تھی اور میکائیل علیہ السلام براق کی باگ تھامے ہوئے تھے۔

"یہاں تک کہ میں آسمان دنیا پر پہنچا۔" اس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سواری ہی کے ذریعہ آسمان میں داخل ہوئے۔ نیز جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ معراج کا واقعہ اس شب سے الگ ایک دوسری شب میں پیش آیا تھا جس میں صرف اسراء یعنی بیت المقدس تک کا سفر پیش آیا تھا اور جس کو "لیلۃ الاسراء" (اسراء کی رات) کہا جاتا ہے، وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اس روایت میں بیت المقدس تک کے سفر کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مسجد حرام سے براق پر سوار ہو کر روانہ ہونے کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوا کہ اسراء یعنی بیت المقدس تک کا سفر ایک دوسری شب میں پیش آیا تھا اور اس حدیث میں جس شب کا ذکر کیا جا رہا ہے اس میں صرف معراج پیش آئی تھی۔ معراج کے وقت جب آپ ﷺ آسمان پر تشریف لے گئے تو براق پر سوار تھے یا سیڑھی کے ذریعہ عروج و صعود فرمایا؟ اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے، اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ براق پر سوار ہو کر آپ ﷺ آسمان پر تشریف لے گئے، جب کہ دوسری روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ آسمان تک آپ ﷺ کا عروج و صعود سیڑھی کے ذریعہ ہوا۔ لہٰذا ملا علی قاریؒ نے روایتوں کے اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے لکھا ہے کہ یہاں اس روایت میں راوی نے اختصار سے کام لیا ہے اور واقعہ کی تفصیل ذکر کرنے کے بجائے اجمال پر اکتفا کیا تفصیلی روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ براق پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے اور آپ ﷺ نے براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء کرام اپنے براقوں کو باندھتے تھے، بیت المقدس کے مشاغل (جیسے انبیاء کرام کو نماز پڑھانا اور ان سے ملاقات وغیرہ) سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے آسمان کی طرف عروج و صعود فرمایا، اور یہ عین ممکن ہے کہ سیڑھی کے ذریعہ آپ ﷺ آسمان پر تشریف لے گئے ہوں اور براق بدستور مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کے دروازہ پر بندھا رہا۔ پس راوی نے اس درمیانی تفصیل کو حذف کر کے بس آسمان پر پہنچنے کا ذکر کر دیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ براق پر سوار ہو کر ہی سیڑھی کے ذریعہ آسمان پر تشریف لے گئے ہوں جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے۔ اس وضاحت کی روشنی میں تمام روایتیں متفق ہو جاتی ہیں۔

"پوچھا گیا کہ کون ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: میں جبرئیل ہوں۔" اس سے معلوم ہوا کہ آسمان میں حقیقۃً دروازے ہیں اور ان دروازوں پر دربان مقرر ہیں نیز کہا جاتا ہے کہ وہ دروازے بیت المقدس کے محاذات میں ہیں۔ حدیث کے اس جملہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کسی کے گھر جا کر دروازے پر آواز یا دستک دی جائے اور گھر کے اندر سے پوچھا جائے کہ کون ہے؟ تو اس کے جواب میں صرف یہ نہ

کہا جائے کہ "میں ہوں۔" جیسا کہ عام طور پر لوگوں کی عادت ہے اور اس کی ممانعت منقول ہے بلکہ اپنا نام لے کر جواب دیا جائے۔ مثلاً یوں کہا جائے "میں زید ہوں۔"

"ان کو سلام کرو" کے تحت علماء نے لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو سلام میں سبقت (پہلے سلام کرنے) کا حکم اظہار تواضع و شفقت کی تعلیم کے طور پر تھا کیونکہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ کو وہ عالی مرتبہ و مقام حاصل ہوا تھا جس سے بلند و برتر مرتبہ و مقام کا تصور بھی کسی اور کے لئے نہیں کیا جاسکتا لہٰذا آپ ﷺ پر لازم تھا، کہ تواضع و انکساری اور شفقت و محبت کا اظہار کریں اور سلام میں سبقت اس کا بہترین ذریعہ تھا۔ نیز بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ ان انبیاء کے پاس سے گذر رہے تھے اور اس اعتبار سے آپ ﷺ اس شخص کے حکم میں تھے جو کھڑا ہو، اور انبیاء اپنی اپنی جگہ پر پہلے سے موجود و برقرار تھے، اور اس اعتبار سے وہ اس شخص کے حکم میں تھے جو بیٹھا ہو، اور اصول یہ ہے کہ اگر ایک شخص کھڑا ہو اور ایک شخص بیٹھا ہو، تو کھڑا ہوا شخص پہلے سلام کرے اگرچہ وہ بیٹھے ہوئے شخص سے افضل ہو، لہٰذا ان انبیاء کرام کو آنحضرت ﷺ کا پہلے سلام کرنا اس اشکال کو لازم نہیں کرتا کہ آنحضرت ﷺ چونکہ تمام انبیاء سے افضل ہیں اس لئے سلام میں آپ ﷺ کو سبقت کا حکم کیوں دیا گیا۔

"میں نیک بخت بیٹے اور پیغمبر صالح کو خوش آمدید کہتا ہوں۔" نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام بلکہ حدیث میں مذکور تمام انبیاء نے آپ ﷺ کا استقبال کرتے ہوئے آپ ﷺ کی مدح و تعریف میں صلاح یعنی نیک بختی کا ذکر کیا، اس سے معلوم ہوا کہ نیک بختی وہ عظیم مرتبہ اور بلند ترین مقام ہے جو تمام انسانی و اخلاقی خوبیوں اور بھلائیوں کا مجموعہ ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ صالح یعنی نیک بخت وہ شخص ہے جو اللہ اور اللہ کے بندوں کے تمام لازمی حقوق کی ادائیگی پر عامل و قائم ہو، نیز اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں انبیاء کا اصل وصف صلاح ہی بیان کیا ہے، جیسا کہ فرمایا: وَكُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ۔ اور۔ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ۔

"اس کی اُمت کے لوگ میری اُمت کے لوگوں سے کہیں زیادہ جنت میں داخل ہوں گے۔" کے تحت علماء نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رونے کا جو یہ سبب بیان کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کی اُمت کی فضیلت و بڑائی کی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں حسد یا جلن جیسی کوئی چیز تھی، کیونکہ حسد اور جلن تو وہ برا جذبہ ہے جس سے عام مؤمنین کے بچنے کی تلقین کی گئی ہے اور اس جہان (آخرت) میں تو معمولی درجہ کے اہل ایمان کے دلوں میں سے بھی یہ برا جذبہ نکال باہر کیا جائے گا پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی عظیم ہستی اس برے جذبہ میں مبتلا ہوتی جس کو حق تعالیٰ نے اپنا برگزیدہ بنایا، منصب نبوت و رسالت پر فائز کیا اور شرف تکلم سے سرفراز فرمایا۔ لہٰذا کہا جائے گا کہ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا اس حسرت و افسوس کے سبب تھا کہ ان کی اُمت کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام و تعلیمات کی مخالفت کر کے اور سرکشی و نافرمانی کے راستہ پر جمے رہ کر اپنی مجموعی اور ملی حیثیت کو زبردست نقصان پہنچایا جس کا اثر یہ ہوا کہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ اجر و انعام جاتا رہا جس سے ان کے مراتب و درجات کی ترقی کا راستہ کھلا رہتا، اس طرح ان کی اُمت کے لوگوں نے خود اپنا ہی نقصان نہیں کیا بلکہ اپنے پیغمبر (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کے اجر و ثواب کے نقصان کا سبب بھی بنے کیونکہ ہر پیغمبر کو اس شخص کا ثواب ملتا ہے جو اس کی متابعت کرتا ہے اور جن لوگوں کو خود ثواب نہ ملتا ہو وہ اپنے پیغمبر کے اجر و ثواب میں اضافہ اور ترقی کا باعث کیسے بن سکتے ہیں جو ایک طرح سے اس پیغمبر کے حق میں نقصان ہے، اس بات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے لوگ ان کی بات مان کر سرکشی اور گناہ کے راستہ سے بچتے اور اللہ کی طاعت و فرمانبرداری کی راہ پر چلتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی وہی ثواب ملتا جس کے حقدار ان کی اُمت کے لوگ ہوتے کیونکہ جتنا ثواب اس شخص کو ملتا ہے جو کوئی نیک عمل کرتا ہے، اتنا ہی ثواب اس نیک عمل کی راہ دکھانے والے کو بھی ملتا ہے، پس قوم موسیٰ کی سرکشی اور نافرمانی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والا یہ اجر و ثواب جاتا رہا، اس کے برخلاف جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی فضیلت اور آپ ﷺ کے ان بلند مراتب و درجات کو دیکھا جو آپ ﷺ کی اُمت کی

اطاعت وفرمانبرداری کے سبب آپ ﷺ کو ملنے والے تھے تو وہ اپنے اجر و ثواب کی محرومی پر از راہ تأسف رو پڑے۔

بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا دراصل اپنی قوم کی قابل رحم حالت پر حسرت افسوس اور شفقت و محبت کا بیساختہ اظہار تھا، جب انہوں نے دیکھا کہ ایک طرف تو میری اُمت کے لوگ ہیں جن کو اللہ نے بڑی بڑی عمر دی۔ مضبوط قوی سے نوازا، کارگاہ حیات میں زیادہ طویل عرصہ تک مصروف عمل رہنے کا موقع دیا لیکن انہوں نے نہ تو میری اتباع سے وہ فائدہ اٹھایا جو محمد ﷺ کی اُمت کے لوگ چھوٹی چھوٹی عمر اور کمزور قوی رکھنے کے باوجود اپنے پیغمبر کے اتباع کی صورت میں اٹھائیں گے اور نہ میری اُمت کے لوگ اس کثرت کو پہنچ سکے جو محمد ﷺ کی اُمت کے لوگوں کو نصیب ہوگی تو اس شفقت کے تحت کہ جو کسی بھی دوسرے تعلق اور رشتہ سے کہیں زیادہ اپنی اُمت کے تئیں ایک پیغمبر کے دل میں ہوتی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے، ان کا خیال تھا کہ یہ ایک ایسی مبارک ساعت ہے جس میں حق تعالیٰ کا دریائے رحم و کرم جوش میں ہے، شاید اللہ تعالیٰ اس مبارک ساعت کی برکت سے اس وقت میری اُمت پر بھی رحم فرماوے اور ان کے ساتھ وہ سخت معاملہ نہ کرے جس کے وہ مستوجب ہو چکے ہیں۔

اور بعض حضرات نے لکھا ہے! اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رونے کا مقصد ہمارے حضرت ﷺ کے دل کو خوش کرنا تھا، یعنی انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے زبان حال سے گویا یہ اعتراف و اظہار کیا کہ آپ ﷺ کے تابعداروں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی اور جنت میں جتنے لوگ دوسری امتوں کے داخل ہوں گے ان سب سے زیادہ آپ ﷺ کے امتی جنت میں جائیں گے۔ واضح رہے کہ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ کہا کہ "ایک نوجوان جس کو میرے بعد رسول بنا کر دنیا میں بھیجا گیا الخ"، تو اس سے آنحضرت ﷺ کی حقارت یا توہین مقصود نہیں تھی بلکہ یہ جملہ (جس میں "غلام" کا لفظ استعمال کیا) اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت اور کمال کرم پر اظہار تعجب کے طور پر تھا، یہ ایسا ہی ہے جیسے وہ کہتے: پروردگار کی قدرت کی بڑائی کے کیا کہنے، اس نے اس نوجوان کو اس چھوٹی سی عمر میں وہ مرتبہ و فضل عطا فرمایا جو پہلے نبیوں اور رسولوں کو بڑی بڑی عمر میں نصیب نہیں ہوا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے "غلام" (نوجوان) کا لفظ آنحضرت ﷺ کی عمر کے اعتبار سے ہی استعمال کیا ہو کیونکہ اس وقت انبیاء کرام کی ان عمروں کی بہ نسبت کہ جو وہ دنیا میں گذار کر آئے تھے اور پھر جتنا طویل عرصہ ان کو عالم برزخ میں گذارتے ہو گیا تھا، آنحضرت ﷺ کی عمر یقیناً بہت چھوٹی تھی اور ان کے سامنے آپ ﷺ بالکل نو عمر تھے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آسمانوں میں جن انبیاء کرام سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات کرائی گئی وہ جسم و روح کے ساتھ وہاں موجود تھے یا ان کی موجودگی محض روحانی تھی؟ اگر وہ جسم و روح کے ساتھ وہاں موجود تھے تو پھر یہ اشکال لازم آتا ہے کہ ان کے اجسام تو قبروں میں ہیں، آسمانوں میں ان کی موجودگی کیسے تھی؟ اس سلسلہ میں علماء نے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ان انبیاء کرام کے اجسام اصلیہ تو قبروں ہی میں رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو اجسام مثالیہ کے ساتھ متشکل کر کے آپ ﷺ کی ملاقات کے لئے جمع کیا البتہ آپ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر جسم اصلی کے ساتھ دیکھا کیونکہ وہ اسی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے، اسی طرح حضرت ادریس علیہ السلام کو جسم اصلی کے ساتھ دیکھا وہ بھی آسمان پر زندہ اٹھائے گئے تھے۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے اعزاز و اکرام کے لئے ان انبیاء کرام کو مع اجسام عنصریہ کے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور آسمانوں میں جمع کیا، اس طرح آنحضرت نے تمام ہی انبیاء کو ان کے اجسام اصلی کے ساتھ دیکھا، اور اللہ کی قدرت کے آگے کچھ محال نہیں تھا کہ ایک شب کے لئے ان انبیاء کے اجسام عنصریہ ان کی قبروں سے بیت المقدس، اور پھر آسمانوں پر جمع کئے گئے اور پھر ان کو ان کی قبروں میں واپس کر دیا گیا۔

ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ آسمانوں میں ان ہی چند حضرات انبیاء کو آنحضرت ﷺ کی ملاقات کے لئے کیوں مخصوص کیا گیا اور یہ کہ انبیاء میں سے ہر نبی کو ایک آسمان کے ساتھ کس سبب سے مخصوص کیا گیا اور اس میں کیا حکمت تھی؟ اس بارے میں علماء نے یہ لکھا ہے کہ ان ہی چند حضرات انبیاء سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات کرانے اور ان میں سے ہر نبی کو تفاوت و درجات کی ترتیب سے ایک ایک

آسمان کے ساتھ مخصوص کرنے میں ان خاص حالات کی طرف اشارہ مقصود تھا جو حضور ﷺ کو بعد میں وقتاً فوقتاً پیش آئے چنانچہ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کی خصوصیت یہ تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام ہی سب سے پہلے نبی ہیں اور ہر انسان کے پہلے باپ ہیں، اس لئے سب سے پہلے ان ہی سے ملاقات کرائی گئی اور اس ملاقات میں ہجرت کی طرف اشارہ تھا کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے دشمن (ابلیس) کی وجہ سے آسمان اور جنت سے زمین کی طرف ہجرت فرمائی اسی طرح آپ ﷺ بھی اپنے دشمنوں کی وجہ سے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائیں گے، اور حضرت آدم علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ کو بھی وطن مالوف کی مفارقت طبعاً شاق ہوگی۔ دوسرے آسمان پر حضرت عیسی علیہ السلام سے ملاقات کی خصوصیت یہ تھی کہ تمام انبیاء میں جس نبی سے آنحضرت ﷺ کو سب سے زیادہ زمانی قرب حاصل ہے وہ حضرت عیسی علیہ السلام ہیں، نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں دجال کے قتل کے لئے آسمان سے اتریں گے اور اُمت محمدیہ میں ایک مجدد ہونے کی حیثیت سے شریعت محمدیہ کو جاری فرمائیں گے اور قیامت کے دن تمام لوگوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں وہی حاضر ہوں گے اور آپ ﷺ سے شفاعت کی درخواست کریں گے، ان وجوہ سے حضرت عیسی علیہ السلام سے ملاقات کرائی گئی اور حضرت عیسی علیہ السلام کے ساتھ حضرت یحیی علیہ السلام کی معیت محض ان کی نسبی قرابت کی وجہ سے تھی۔ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات کی خصوصیت یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنحضرت ﷺ کو حضرت یوسف ﷺ کے ساتھ اس بناء پر سب سے زیادہ مخصوص قرب حاصل ہے، کہ جب آنحضرت ﷺ کی اُمت جنت میں داخل ہوگی تو حضرت یوسف علیہ السلام کی شکل وصورت کے حسن وجمال کی حامل ہوگی، نیز اس ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ کو بھی اپنے خاندانی بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں سے سخت تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں گی اور بالآخر آپ ﷺ ان پر غالب آکر ان سے درگذر فرمائیں گے۔ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات کی خصوصیت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ اور چونکہ ساتوں آسمانوں میں درمیانی اور معتدل چوتھا آسمان ہی ہے اس لئے ان کو چوتھے آسمان پر رکھا گیا، نیز اس ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ آنحضرت سلاطین عالم کو دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائیں گے، کیونکہ خط وکتابت کے اول موجد حضرت ادریس علیہ السلام ہی ہیں۔ پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ (حضرت ہارون) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہونے کی حیثیت سے ان سے بہت قریب بھی تھے اور دعوت حق کے راستہ میں ان کے معتمد مددگار بھی، اس اعتبار سے ان کو حضرت موسی علیہ السلام کے آسمان سے قریب پانچویں آسمان پر رکھا گیا، اور ان کے اوپر چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رکھا گیا، کیونکہ وہ "کلیم اللہ" کی فضیلت رکھنے کے سبب دوسرے نبیوں سے اوپر چھٹے آسمان، ہی سے موزونیت رکھتے تھے نیز اس ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام ملک شام میں جبارین سے جہاد وقتال کے لئے گئے اور اللہ نے ان کو فتح دی اسی طرح آنحضرت ﷺ بھی دشمنان دین سے جہاد وقتال کے لئے ملک شام میں داخل ہوں گے، چنانچہ آنحضرت ﷺ شام میں غزوۂ تبوک کے لئے تشریف لے گئے اور دومۃ الجندل کے رئیس نے جزیہ دے کر صلح کی درخواست پیش کی اور آنحضرت ﷺ نے اس کی صلح کی درخواست منظور فرمائی اور جس طرح ملک شام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کے ہاتھ پر فتح ہوا اسی طرح حضور پر نور ﷺ کے بعد حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر پورا ملک شام فتح ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں، اس اعتبار سے ہمارے حضرت ﷺ کے بعد تمام نبیوں میں وہ سب سے افضل واشرف ہیں، لہٰذا ان کو تمام انبیاء کے اوپر ساتویں آسمان پر رکھا گیا، حضرت ابراہیم ﷺ چونکہ بانی کعبہ بھی ہیں اس لئے اس آخری ملاقات میں اس طرف اشارہ تھا کہ آنحضرت ﷺ وفات سے پیشتر حج بیت اللہ فرمائیں گے اور آخر کار مکہ مکرمہ آپ ﷺ کے ہاتھوں فتح ہوگا۔

علماء نے لکھا ہے کہ یہاں یہ احتمال ہے کہ اس شب میں آسمان پر تمام انبیاء کو جمع کرنے کے بجائے ان چند مخصوص انبیاء کو جمع کرنا کافی سمجھا گیا ہو، وہیں یہ احتمال بھی ہے کہ باقی تمام انبیاء بھی جمع کئے گئے ہوں اور اس موقع پر وہ سب اپنی اپنی حیثیت اور درجہ کے مطابق

مقامات پر آسمانوں میں موجود ہوں لیکن ذکر میں صرف ان مخصوص و مشہور انبیاء کے اسماء پر اکتفا کیا گیا ہو اور باقی انبیاء کے ذکر کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی ہو۔

"اس کے بعد مجھ کو سدرۃ المنتہی تک پہنچایا گیا۔" "سدرۃ المنتہی" ساتویں آسمان پر ایک بیری کا درخت ہے جس کی جڑ چھٹے آسمان میں ہے۔ سدرہ کے معنی بیر کے درخت کے ہیں، اور منتہی کے معنی ہیں وہ جگہ جہاں ہر چیز پہنچ کر رک جاتی ہے۔ چنانچہ زمین سے جو بھی چیز اوپر جاتی ہے وہ سدرۃ المنتهی پر جاکر منتہی ہو جاتی اور پھر اوپر اٹھائی جاتی ہے، اسی طرح ملاء اعلی سے جو چیز اترتی ہے وہ سدرۃ المنتهی پر آکر ٹھہر جاتی ہے پھر نیچے لائی جاتی ہے، گویا یہ وہ مقام ہے جس کے آگے فرشتے بھی نہیں جاسکتے۔ یہ سعادت صرف ہمارے حضرت ﷺ کو حاصل ہوئی کہ آپ ﷺ اس مقام سے بھی آگے تشریف لے گئے، آپ ﷺ کے علاوہ اور کوئی اس مقام سے آگے نہیں گیا۔

وَاِذَاوَرقها اذان الفيلة (اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر تھے)" اس جملہ میں لفظ فیلہ اصل میں فیل (ہاتھی) کی جمع ہے اور دِیَک کے وزن پر ہے جو دیک (مرغ) کی جمع ہے۔ سدرۃ المنتهی کے پھلوں کو بڑے بڑے مٹکوں کے برابر اور اس کے پتوں کو ہاتھی کے کانوں کے برابر کہنا عوام کو سمجھانے اور قیاس عقل میں لانے کے لئے ہے حقیقت یہ ہے کہ لفظی طور پر نہ تو خود اس درخت کی لمبائی موٹائی حد حصر میں آسکتی ہے اور نہ اس کے پھل اور پتوں کے بڑے پن کا کوئی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

"جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ سدرۃ المنتهی ہے "حضرت جبرئیل کا یہ کہنا یا تو آنحضرت ﷺ کو اس مقام سے متعارف کرانا اور اس بات کی مبارکباد دینا تھا کہ آپ ﷺ اس مقام تک پہنچ گئے ہیں جو تمام خلائق کے عقل و علم کا منتہی ہے اور جس کے آگے آپ ﷺ کے علاوہ اور کسی کی رسائی ممکن نہیں ہے یا حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اس کہنے کا مقصد یہ عذر بیان کرنا تھا کہ اب وہ مقام آگیا ہے جس کے آگے مجھے بھی جانے کی اجازت اور تاب نہیں ہے، اس لئے میں یہاں سے آگے آپ ﷺ کی رفاقت و مصاحبت میں نہیں رہ سکوں گا۔

"یہ باطن کی دو نہریں جنت کی ہیں" کے بارے میں طیبیؒ نے لکھا ہے کہ جنت کی ان دونوں نہروں میں سے ایک نہر تو سلسبیل تھی اور دوسری نہر کوثر تھی۔ نیز ان دونوں نہروں کو باطن (پوشیدہ) اس اعتبار سے کہا گیا ہے، کہ وہ جنت میں بہتی ہیں، وہاں سے باہر نہیں نکلتیں۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے: جنت کی ان دونوں نہروں کو "باطن" اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ عقل ان کے اوصاف و خصوصیات کی حقیقت و کنہ کا ادراک نہیں کرسکتی۔

"اور یہ ظاہر کی دو نہریں نیل و فرات ہیں" کے بارے میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نہروں سے مراد مصر کا دریائے نیل اور عراق کا دریائے فرات ہے، جن کے متعلق حدیث میں ہے کہ یہ دونوں اصل میں سدرۃ المنتهی کی جڑ سے نکل کر زمین تک آئے ہیں اور سوئے زمین کے ان علاقوں میں بہتے ہیں۔ اور بعض حضرات نے یہ کہا کہ ان دونوں نہروں کو نیل اور فرات سے تعبیر کرنا یا تو تشبیہ اور استعارہ کے طور پر ہے کہ دریائے نیل اور دریائے فرات کا پانی شیرینی و لطافت اور فوائد و منافع کے اعتبار سے جنت کے پانی کے مشابہ ہے اور یا یہ محض اسمی اشتراک ہے کہ جیسے زمین کے دو دریاؤں کے نام نیل و فرات ہیں ایسے ہی جنت کی دو نہروں کے نام بھی نیل اور فرات ہیں۔

"پھر مجھ کو بیت المعمور دکھلایا گیا۔" بیت المعمور بھی "اللہ" کا گھر" ہے جو قبلہ ملائک ہے اور ساتویں آسمان پر واقع ہے، اس کا محل وقوع ٹھیک خانہ کعبہ کے محاذات میں ہے، بالفرض اگر وہ گرے تو عین کعبہ پر آکر گرے۔ اس کا ذکر آگے کی حدیث میں آرہا ہے۔

"دودھ فطرت ہے الخ" "فطرت سے مراد دین اسلام ہے جس کو حق تعالیٰ نے ہر انسان کی پیدائش و خلقت کی بنیاد بنایا ہے۔ دودھ اور فطرت یعنی دین اسلام میں مماثلت و مناسبت یہ ہے کہ جس طرح دین اسلام انسان کی روحانی اور اعتقادی تخلیق کی خشت اول ہے

اسی طرح دودھ انسان کی جسمانی پرورش اور اٹھان کا بنیادی عنصر ہے، یہ دودھ ہی ہوتا ہے جس سے آدمی کی پیدائش ہوتے ہی پرورش شروع ہو جاتی ہے، اور پھر دودھ میں جو فطری خوبیاں، لطافت و پاکیزگی، شیرینی و منفعت اور خوشگواری ہے، اس سے دین فطرت یعنی اسلام کو بہت مناسبت حاصل ہے، اسی لئے عالم بالا میں دین اور علم کی مثال دودھ کو قرار دیا گیا ہے، اور علماء کہتے ہیں اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ دودھ پی رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اس شخص کو دین اور علم سے بہت زیادہ حصہ اور بے شمار فوائد حاصل ہوں گے۔

"تم اور تمہاری اُمت کے لوگ اسی فطرت پر رہیں گے۔" یہ حضرت جبرئیل کی طرف سے بشارت تھی کہ آپ ﷺ نے چونکہ دودھ کے پیالہ کو اختیار فرمایا اس لئے ثابت ہو گیا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی اُمت کے لوگ دین اور علم کی راہ پر گامزن رہیں گے دودھ کے مقابلہ پر شراب ہے، جو ہر برائی کی جڑ بتائی گئی ہے اور آپ ﷺ نے اس کو ترک کر کے گویا اپنی اُمت کے لوگوں کو بالعموم برائی کے راستہ پر جانے سے روک دیا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں یہ منقول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ بھی کہا تھا: اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو پھر آپ ﷺ کی اُمت میں فتنہ و فساد یعنی تمام خرابیوں کی جڑ پڑ جاتی واضح رہے کہ (معراج کا واقعہ) جس زمانہ کا ہے اس وقت شراب پینا مباح تھا، خصوصاً شراب جنت (جو آپ ﷺ کو اس موقع پر پیش کی گئی، کی حیثیت دوسری تھی لیکن اس کے باوجود عالم بالا میں جس چیز کو برائی اور خرابی کی مثال قرار دیا گیا وہ شراب ہی ہے۔ اب رہ گئی شہد کی بات، تو اگرچہ شہد بھی ایک لطیف اور پاکیزہ چیز ہے اور اس کو شفا کا ذریعہ بھی بتایا گیا ہے لیکن اس کی لطافت و پاکیزگی اور خوشگواری چونکہ دودھ سے بڑھ کر نہیں۔ بلکہ اس سے کم ہی ہے اور اس کی حیثیت بھی دودھ کی بہ نسبت غیر اہم ہے، اس لئے آپ ﷺ نے دودھ کے مقابلہ پر شہد کو بھی ترجیح نہیں دی۔ ویسے آگے جو حدیث آ رہی ہے اس میں شہد کا ذکر بھی نہیں ہے، صرف دودھ اور شراب کے پیالوں کا ذکر ہے۔ نیز اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ چیزوں کے پیالے آپ ﷺ کے سامنے اس وقت پیش کئے گئے جب آپ ﷺ سدرۃ المنتہی کے پاس تھے جب کہ آگے آنے والی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ پیالے آپ ﷺ کے سامنے بیت المقدس میں پیش کئے گئے، لہٰذا علماء نے لکھا ہے کہ یہ پیالے آپ ﷺ کے سامنے دو مرتبہ پیش کئے گئے تھے، ایک مرتبہ مسجد اقصیٰ میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد، اس وقت صرف دو پیالے پیش کئے گئے یعنی ایک دودھ کا اور ایک شراب کا، جیسا کہ اگلی حدیث میں ذکر ہے اور دوسری مرتبہ آسمان پر (سدرۃ المنتہی کے پاس) تین پیالے پیش کئے گئے جن میں سے ایک دودھ کا تھا، ایک میں شہد تھا اور ایک میں شراب تھی۔

"تم پھر پروردگار کے پاس جاؤ اور اپنی اُمت کے لئے (پانچ نمازوں میں بھی) تخفیف کی درخواست کرو۔" کے تحت خطابیؒ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آنحضرت ﷺ کو بار بار اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجنا اور ان کے مشورہ پر آنحضرت ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے نمازوں کی تعداد میں تخفیف کی درخواست کرنا اس بات کی علامت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نمازوں کی فرضیت کا جو ابتدائی حکم صادر ہوا ہے وہ وجوب قطعی کے طور پر نہیں ہے، اس میں تبدیلی کی گنجائش ہے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات معلوم نہ ہوتی تو وہ بار بار تخفیف کی درخواست کا مشورہ نہ دیتے، نیز آنحضرت ﷺ کی طرف سے بار بار درخواست پیش کرنا اور ہر مرتبہ اس درخواست کا منظور ہونا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پہلا حکم قطعاً وجوب کے طور پر نہیں تھا کیونکہ جو حکم وجوب قطعی کے طور پر جاری ہوتا ہے اس میں تخفیف کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ملا علی قاریؒ نے خطابیؒ کے اس قول کو طیبیؒ کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد اپنی طرف سے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے نزدیک خطابی کی بات وزن دار نہیں ہے، ان کا کہنا ہے کہ تخفیف کی درخواست کرنا اصل میں علامت ہی اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم وجوب کے طور پر تھا، کیونکہ جو چیز واجب نہ ہو اس میں تخفیف کی درخواست کی ضرورت پیش نہیں آتی، لہٰذا اس سلسلہ میں صحیح بات وہی ہے جو بعض حضرات نے نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے پچاس نمازیں ہی فرض کی تھیں پھر اپنے بندوں کے حال پر رحم کرتے ہوئے تخفیف کی درخواست قبول فرمائی اور پچاس نمازوں کے حکم کو منسوخ کر کے پانچ نمازوں کا حکم جاری و نافذ فرمایا جیسا کہ اور بعض احکام میں بھی تبدیلی و منسوخی کا عمل ہوا ہے۔

اسراء اور معراج کا ذکر

(۲) وَعَنْ ثَابِتٍ نِ الْبُنَانِيِّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُتِيْتُ بِالْبُرَاقِ وَهُوَ دَابَّةٌ اَبْيَضُ طَوِيْلٌ فَوْقَ الْحِمَارِ دُوْنَ الْبَغْلِ يَقَعُ حَافِرُهٗ عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرْفِهٖ فَرَكِبْتُهٗ حَتّٰى اَتَيْتُ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ فَرَبَطْتُهٗ بِالْحَلْقَةِ الَّتِيْ تَرْبِطُ بِهَا الْاَنْبِيَآءُ قَالَ ثُمَّ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَصَلَّيْتُ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجْتُ فَجَآءَنِيْ جِبْرَئِيْلُ بِاِنَاءٍ مِّنْ خَمْرٍ وَاِنَاءٍ مِّنْ لَبَنٍ فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ فَقَالَ جِبْرَئِيْلُ اِخْتَرْتَ الْفِطْرَةَ ثُمَّ عُرِجَ بِنَا اِلَى السَّمَآءِ وَسَاقَ مِثْلَ مَعْنَاهُ قَالَ فَاِذَا اَنَا بِاٰدَمَ فَرَحَّبَ بِيْ وَدَعَالِيْ بِخَيْرٍ وَقَالَ فِي السَّمَآءِ الثَّالِثَةِ فَاِذَا اَنَا بِيُوْسُفَ اِذَا هُوَ قَدْ اُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ فَرَحَّبَ بِيْ وَدَعَالِيْ بِخَيْرٍ وَلَمْ يَذْكُرْ بُكَآءَ مُوْسٰى وَقَالَ فِي السَّمَآءِ السَّابِعَةِ فَاِذَا اَنَا بِاِبْرَاهِيْمَ مُسْنِدًا ظَهْرَهٗ اِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ وَاِذَا هُوَ يَدْخُلُهٗ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ لَا يَعُوْدُوْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِيْ اِلَى السِّدْرَةِ الْمُنْتَهٰى فَاِذَا وَرَقُهَا كَاٰذَانِ الْفِيَلَةِ وَاِذَا ثَمَرُهَا كَالْقِلَالِ فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ مَا غَشِيَ تَغَيَّرَتْ فَمَا اَحَدٌ مِّنْ خَلْقِ اللّٰهِ يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّنْعَتَهَا مِنْ حُسْنِهَا وَاَوْحٰى اِلَيَّ مَا اَوْحٰى فَفَرَضَ عَلَيَّ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ فَنَزَلْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلٰى اُمَّتِكَ قُلْتُ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ التَّخْفِيْفَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَاِنِّيْ بَلَوْتُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَخَبَرْتُهُمْ قَالَ فَرَجَعْتُ اِلٰى رَبِّيْ فَقُلْتُ يَا رَبِّ خَفِّفْ عَلٰى اُمَّتِيْ فَحَطَّ عَنِّيْ خَمْسًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقُلْتُ حَطَّ عَنِّيْ خَمْسًا قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ التَّخْفِيْفَ قَالَ فَلَمْ اَزَلْ اَرْجِعُ بَيْنَ رَبِّيْ وَبَيْنَ مُوْسٰى حَتّٰى قَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ لِكُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرٌ فَذٰلِكَ خَمْسُوْنَ صَلٰوةً مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهٗ حَسَنَةً فَاِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهٗ عَشْرًا وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ لَهٗ شَيْئًا فَاِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهٗ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً قَالَ فَنَزَلْتُ حَتَّى انْتَهَيْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ التَّخْفِيْفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ قَدْ رَجَعْتُ اِلٰى رَبِّيْ حَتَّى اسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ثابت بنانیؒ (تابعی) حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میرے سامنے براق لایا گیا جو ایک سفید رنگ کا، دراز بنی، میانہ قد، چوپایہ تھا، گدھے سے اونچا اور خچر سے نیچا تھا، جہاں تک اس کی نگاہ جاتی تھی وہاں اس کا ایک قدم پڑتا تھا، میں اس پر سوار ہوا اور بیت المقدس میں آیا، اور میں نے اس براق کو (مسجد کے دروازہ پر) اس حلقہ سے باندھ دیا جس میں انبیاء (اپنے براقوں کو یا اس براق کو) باندھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: پھر میں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا اور دو رکعت نماز پڑھی، پھر میں مسجد سے باہر آیا اور جبرئیل علیہ السلام میرے سامنے ایک پیالہ شراب کا اور ایک پیالہ دودھ کا لائے، میں نے دودھ کا پیالہ لے لیا تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا: آپ ﷺ نے فطرت (یعنی دین اسلام) کو اختیار کر لیا اور پھر ہمیں آسمان کی طرف چڑھایا۔" اس کے بعد حضرت انسؓ نے حدیث کا وہی مضمون بیان کرتے ہوئے جو سابق حدیث میں گذرا کہا کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا:) میں نے (پہلے آسمان پر) حضرت آدم علیہ السلام (ان الفاظ میں) مرحبا کہا (کہ میں نیک بخت بیٹے اور پیغمبر صالح کو خوش آمدید کہتا ہوں) اور میرے لئے دعائے خیر کی۔ پھر آپ ﷺ نے تیسرے آسمان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہاں میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا جن کو آدھا حسن عطا کیا گیا تھا، انہوں نے بھی مجھ کو مرحبا کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی۔ راوی یعنی ثابت بنانیؒ نے (حضرت انسؓ سے اس روایت میں) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رونے کا ذکر نہیں کیا (جیسا کہ حدیث سابق میں تھا) اور آنحضرت ﷺ نے ساتویں آسمانوں کو ذکر کرتے ہوئے (سابق حدیث کی بہ نسبت مزید) یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وہاں میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا جو بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے، اور بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے (طواف کے لئے) داخل ہوتے ہیں جن کو دوبارہ داخل ہونا نصیب نہیں ہوتا (یعنی ہر دن نئے ستر ہزار فرشتے طواف کے لئے آتے ہیں کیونکہ فرشتوں کی کثرت کی بناء پر کسی فرشتہ کو ایک مرتبہ کے بعد پھر دوبارہ بیت المعمور میں داخل

ہونے کا کبھی موقع نہیں ملتا) اس کے بعد مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا (جو ساتویں آسمان پر بیری کا درخت ہے) میں نے دیکھا کہ اس (سدرۃ المنتھی) کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر اور اس کے پھل (یعنی بیر) مٹکوں کے برابر تھے، پھر جب سدرۃ المنتھی کو اللہ کے حکم سے ڈھانکنے والی چیز نے ڈھک دیا تو اس کی حالت بدل گئی (یعنی اس میں پہلے سے زیادہ اعلیٰ تبدیلی آگئی، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی خوبی اور وصف (کے کمال) کو بیان نہیں کر سکتا، پھر اللہ تعالیٰ نے جو وحی چاہی میری طرف بھیجی (یعنی مجھ سے بلا واسطہ کلام فرمایا) پھر مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر میں اس بلند مقام سے نیچے اترا اور (ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے رخصت ہوتا ہوا) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس "چھٹے آسمان پر) آیا، انہوں نے پوچھا: تمہارے پروردگار نے تمہاری اُمت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا رات دن میں پچاس نمازیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اپنے پروردگار کے پاس واپس جاؤ اور (نمازوں کی تعداد میں) تخفیف کی درخواست کرو کیونکہ تمہاری اُمت اتنی طاقت نہیں رکھتی، میں بنی اسرائیل کو آزما کر اور ان کا امتحان لے کر پہلے دیکھ چکا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر) میں بارگاہ خداوندی میں پھر حاضر ہوا اور، کہا: میرے پروردگار! میری اُمت کے حق میں آسانی فرما دیجئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے میری اُمت کے حق میں (آسانی فرما کر) پانچ نمازیں کم کردیں۔ پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ان کو بتایا کہ میری درخواست پر پانچ نمازیں کم کردی گئی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا! تمہاری اُمت اتنی (نمازیں ادا کرنے کی بھی) طاقت نہیں رکھتی، تم پھر اپنے پروردگار کے پاس جاؤ اور مزید تخفیف کی درخواست کرو! آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میں اسی طرح اپنے پروردگار اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان آتا جاتا رہا (اور تخفیف کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا کہ میری درخواست پر ہر مرتبہ پانچ نمازیں کم کردی جاتیں) یہاں تک کہ (جب آخری مرتبہ بھی تخفیف ہوگئی اور رات دن میں صرف پانچ نمازیں رہ گئیں تو) پروردگار نے فرمایا محمد (ﷺ)! رات دن میں فرض تو یہ پانچ نمازیں ہیں لیکن ان میں سے ہر نماز کا ثواب دس نمازوں کے برابر ہے، اس طرح یہ پانچ نمازیں ثواب میں پچاس نمازوں کے برابر ہیں اور ہمارا اصول یہ ہے کہ) جس شخص نے نیکی کا قصد کیا اور اس کو (کسی شرعی عذر یا کسی دوسری رکاوٹ کے سبب) پورا نہ کر سکا تو اس کے حساب میں (صرف اس قصد ہی کی وجہ سے) ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر اس قصد کے بعد اس نے اس نیکی کو کر لیا تو اس کے حساب میں وہ نیکی دس گنا لکھی جاتی ہے۔ اور جس شخص نے برے کام کا قصد وارادہ کیا اور پھر اس برے کام کو نہ کر سکا تو اس کے حساب میں وہ برائی نہیں لکھی جائے گی اور اگر اس نے اپنے قصد کے مطابق اس برے کام کو کر لیا تو اس کے حساب میں وہی ایک برائی لکھی جائے گی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! پھر بارگاہ خداوندی سے نیچے (چھٹے آسمان پر) واپس آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صورت حال بتائی، انہوں نے پھر وہی مشورہ دیا کہ اپنے پروردگار کے پاس واپس جاؤ اور (پانچ نمازوں میں بھی) تخفیف کی درخواست کرو! آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں بار بار اپنے پروردگار کے پاس جا چکا ہوں اب مجھ کو اس کے پاس جاتے شرم آتی ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "پھر میں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا" کے تحت ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اسراء یعنی مسجد اقصیٰ تک کے سفر پر سب علماء کا اتفاق ہے اور کسی نے اس کی واقعیت سے اختلاف نہیں کیا ہے، البتہ مسجد اقصیٰ سے آسمان تک کے سفر یعنی واقعہ معراج میں بعض لوگوں جیسے معتزلہ نے اختلاف کیا ہے، اور ان کا یہ اختلاف بھی علمائے قدیم کے اس نظریہ کو ماننے کی وجہ سے ہے کہ آسمان میں خرق والتیام محال ہے۔

"اور دو رکعت نماز پڑھی" یہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں تھی جو آپ ﷺ نے مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے کے بعد پڑھیں، اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ اس نماز کا ذکر ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے امامت فرمائی اور دوسرے انبیاء نے جن کو آنحضرت ﷺ کے اعزاز میں بیت المقدس میں جمع کیا گیا تھا، آپ ﷺ کی اقتداء کی تھی، پس راوی نے اس موقع پر آنحضرت ﷺ کی امامت کا ذکر یا تو اختصار کے پیش نظر نہیں کیا یا وہ اس جزء کو ذکر کرنا بھول گئے جیسا کہ سابق حدیث میں آنحضرت ﷺ کے مسجد اقصیٰ میں جانے کا بھی کوئی ذکر

نہیں ہے۔

"جبرئیل۔ میرے سامنے ایک پیالہ شراب کا اور ایک پیالہ دودھ کا لائے " ہوسکتا ہے کہ راوی نے یہاں اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف دو پیالوں کا ذکر کیا اور تیسرے پیالے یعنی شہد کے پیالہ کے ذکر کی ضرورت نہ سمجھی، اور جیسا کہ پیچھے بیان ہوا یہ بھی ممکن ہے کہ مسجد اقصی میں تو آپ ﷺ کے سامنے دو پیالے یعنی ایک پیالہ شراب کا اور ایک پیالہ دودھ کا لائے گئے تھے، البتہ آسمان پر تین پیالے پیش کئے گئے جن میں ایک پیالہ شہد کا بھی تھا۔

"پھر ہمیں آسمان کی طرف چڑھایا " یہ ثُمَّ عُرِجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ کا لفظی ترجمہ ہے، اس جملہ میں لفظ عرج عؔ اور رؔ کے زبر سے ہے جیسا کہ نوویؒ اور سیوطیؒ نے لکھا ہے، اس صورت میں عرج کا فاعل یا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو کہا جائے گا یا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے چونکہ آگے بنا کا لفظ ارشاد فرمایا ہے اس لئے عرج کا فاعل اللہ تعالیٰ ہوا، مطلب یہ کہ "پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اور جبرئیل علیہ السلام کو اوپر آسمان تک پہنچایا۔" اور یہ بھی ممکن ہے کہ بنا کا لفظ محض اظہار تعظیم کے لئے ہو، تو پھر عرج کا فاعل حضرت جبرئیل ؑ ہی ٹھہریں گے۔ نیز ایک نسخہ میں عرج کا لفظ بصیغہ مجہول نقل ہوا ہے، اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا! "پھر ہمیں اوپر آسمان تک لے جایا گیا۔"

"حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا جن کو آدھا حسن عطا کیا گیا تھا۔" آدھے حسن سے کیا مراد ہے، اس سلسلہ میں زیادہ صحیح اور تحقیقی قول یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے گویا یہ ظاہر فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں جتنا حسن و جمال تمام لوگوں میں تھا اس کا آدھا حصہ تنہا حضرت یوسف علیہ السلام کو ملا تھا، اور بعض حضرات نے اس جملہ سے آنحضرت کی یہ مراد بیان کی ہے کہ "حضرت یوسف علیہ السلام کو میرے حسن کا آدھا حصہ عطا کیا گیا تھا۔" یعنی آنحضرت ﷺ کو جو حسن و جمال عطا کیا گیا تھا اس کا آدھا حصہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ملا تھا۔ اس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام حسن و جمال میں ہمارے حضرت ﷺ سے بڑھ کر نہیں تھے بلکہ متعدد صاحب تحقیق اور قابل اعتماد علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ، حضرت یوسف علیہ السلام سے زیادہ حسن و جمال کے مالک تھے اور اس کی ایک دلیل یہ بیان کی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ کہیں نہیں آیا ہے کہ ان (حضرت یوسف علیہ السلام) کی صورت کے جمال کا عکس مثل آئینہ کے دیوار پر پڑتا ہو اور سامنے کی چیزیں اس میں نظر آتی ہوں جب کہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں یہ نقل ہوا ہے کہ آپ ﷺ کے روئے انور کا جمال اسی درجہ کا تھا، یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اس روشن جمال کے بہت کچھ حصہ کو آپ ﷺ کے صحابہؓ پر پوشیدہ رکھا تھا، اگر ایسا نہ ہوتا اور آپ ﷺ کے رخ روشن کا جمال اپنی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ ریز رہا کرتا تو نہ کسی کو تاب نظارہ ہوتی، اور نہ کسی کو روئے انور کے دیدار کی سعادت حاصل ہوسکتی تھی، جب کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا جو کچھ حسن و جمال تھا سب کی نظروں کے سامنے تھا، اس میں کوئی حصہ پوشیدہ نہیں رکھا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے دوسری بات لکھی ہے، ان کا کہنا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شان میں اور ان کے حسن و جمال کی تعریف میں جو باتیں منقول اور ثابت ہیں۔ ان میں سے کچھ چیزیں ایسی ہیں جو ذہن میں یہ بات ڈالتی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال بے مثال تھا، جیسا کہ اسی واقعہ معراج سے متعلق ایک روایت میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! "اس شب میں ایک ایسے شخص (یعنی حضرت یوسف علیہ السلام) کو بھی دیکھنا اور ان سے ملنا ہوا جو قدرت کی سب سے حسین تخلیق تھا اور جو اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ حسن و جمال سے نوازا گیا تھا۔ جس طرح تمام ستاروں میں چاند سب سے زیادہ روشن دکھائی دیتا ہے۔" لیکن دوسری طرف وہ حدیث بھی ہے جو ترمذیؒ نے حضرت انسؓ سے نقل کی ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نبی اور رسول مبعوث نہیں کیا جو خوبرو اور خوش آواز نہ ہو اور سب سے زیادہ خوبرو اور خوش آواز تمہارے پیغمبر ﷺ تھے۔ جہاں تک شب معراج سے متعلق اس حدیث کا تعلق ہے جس کو شیخ عبدالحق دہلویؒ نے پیش کیا ہے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود اپنی ذات کو

الگ کر کے یہ بات فرمائی تھی، یعنی آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ ذات رسالت مآب ﷺ کو چھوڑ کر باقی تمام مخلوق خدا میں سب سے زیادہ حسین وجمیل حضرت یوسف علیہ السلام تھے اور اس تاویل کی گنجائش یوں بھی موجود ہے کہ کلام کرنے والا عموم خطاب میں داخل نہیں ہوتا! حضرت شیخ ابن حجر مکیؒ نے شرح شمائل ترمذی میں لکھا ہے: آنحضرت ﷺ پر کامل ایمان میں سے ایک جزء یہ اعتقاد رکھنا بھی ہے کہ جتنا حسن وجمال آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس اور ظاہری شکل وصورت کو عطا ہوا اتنا حسن وجمال کسی بھی انسان کی ذات کو اور ظاہری شکل وصورت کو نہیں دیا گیا، جیسا کہ جتنا فضل وکمال آنحضرت ﷺ کے باطن میں رکھا گیا اتنا فضل وکمال کسی اور انسان کے باطن کو نصیب نہیں ہوا، اور چونکہ کسی بھی انسان کا ظاہر، اس کے باطن کا غماز اور مظہر ہوا کرتا ہے اس لئے جس طرح آپ ﷺ کا باطن بے مثال اسی طرح آپ ﷺ کا ظاہر بھی بے مثال! نیز آنحضرت ﷺ کے ظاہری وباطنی حسن وجمال کی مدح وتعریف میں بس یہی بات اصول کا درجہ رکھتی ہے کہ مرتبہ الوہیت کے علاوہ فضل وکمال کے اور جتنے بھی مرتبے اور درجے ہوسکتے ہیں وہ سب آنحضرت ﷺ کے لئے ثابت ہیں، اور آپ ﷺ سے بڑھ کر ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کے برابر بھی کوئی کامل انسان نہ آج تک پیدا ہوا اور نہ آئندہ کبھی پیدا ہوسکتا ہے ؎

کسے بحسن و ملاحت بیار مانرسد ترا دریں سخن انکار کار مانرسد
ہزار نقد بازار کائنات آرند یکے بسکہ صاحب عیار مانرسد

اور اسی حقیقت کو دوسرے انداز میں ایک اور شاعر نے یوں بیان کیا ہے ؎

یا صاحب الجمال ویا سید البشر من وجھک المنیر لقد نور القمر
لایمکن الثناء کما کان حقہ بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

"سدرۃ المنتہٰی کو اللہ کے حکم سے ڈھانکنے والی چیز نے ڈھک دیا" اس بارے میں مختلف اقوال ہیں کہ کس چیز نے سدرۃ المنتہٰی کو ڈھک دیا تھا؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ جو بے شمار فرشتے سدرۃ المنتہٰی کو گھیرے ہوئے تھے ان کے پروں کی روشنی اور چمک نے گویا پورے درخت پر نور وجمال کی چادریں ڈال دی تھیں۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ اللہ کے جلال وعظمت کا نور سونے کے پروانوں کی طرح اس پر گر رہا تھا جس کے نیچے پورا درخت چھپ سا گیا تھا۔ بعض حضرات نے یوں کہا ہے: سونے کے پتنگے وپروانے اور دوسری رنگ برنگ کی عجیب وغریب چیزوں نے جن کی حقیقت وکیفیت کوئی نہیں جانتا سدرۃ المنتہٰی کو ڈھک دیا۔

"پھر اللہ تعالیٰ نے جو وحی چاہی میری طرف بھیجی" یہ وہ موقع تھا جب آنحضرت ﷺ بارگاہ بے نیاز کے حریم قرب میں پہنچے اور نور السموات والارض کے جمال بے مثال کو حجاب کبریائی سے دیکھا اور بلاواسطہ کلام خداوندی اور براہ راست وحی ایزدی سے مشرف و سرفراز ہوئے۔ وہ کلام کیا تھا اور وہ وحی کن الفاظ میں تھی؟ یہ ایک رمز ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ادب واحتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو مبہم ومجمل ہی رکھا جائے اور اس کی وضاحت وتشریح کی کوشش نہ کی جائے۔

"چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے میری اُمت کے حق میں پانچ نمازیں کم کردیں۔" اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پچاس نمازوں میں جو تخفیف ہوئی وہ ہر مرتبہ پانچ پانچ کم ہونے میں ہوئی جب کہ سابق حدیث میں ہر مرتبہ دس دس اور آخر میں پانچ نمازیں کم ہونے کی صوت ذکر کی گئی ہے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ یہاں اصل عبارت اس طرح ہو کہ "....... میری اُمت کے حق میں پانچ اور پھر پانچ نمازیں کم کردیں۔" گویا ہر دفعہ پانچ پانچ کر کے دس نمازیں کم کی گئی ہوں گی اور اس طرح اس حدیث کی سابق حدیث سے مطابقت ہو جائے گی۔ لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ ہر مرتبہ پانچ پانچ نمازوں ہی کی تخفیف ہوتی رہی، اور سابق حدیث میں طوالت سے بچنے کے لئے ہر مرتبہ پانچ پانچ کا ذکر کرنے کے بجائے دس دس کا ذکر کر کے کلام کو مختصر کردیا گیا اس کی تائید اسی حدیث کے ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ:

"(آنحضرت ﷺ نے فرمایا) پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ان کو بتایا کہ میری درخواست پر پانچ نمازیں کم کردی گئی ہیں۔"

"تو اس کے حساب میں وہ نیکی دس گنی لکھی جاتی ہے۔" یعنی نیکی تو وہ ایک ہی کرے گا مگر اس کے نامۂ اعمال میں ثواب دس نیکیوں کا لکھا جائے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کی بشارت یوں دی ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔

"جو کوئی ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو ایسی دس نیکیاں ملیں گی "

اور غیر حرم میں تضاعف کا یہ سب سے ادنیٰ درجہ ہے یعنی حرم شریف کے علاوہ دوسری جگہوں پر کئے جانے والے کسی ایک نیک عمل پر جو کئی کئی گنا زیادہ ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے اس میں "دس گنا" سب سے ادنیٰ درجہ ہے، چنانچہ دوسری حدیثوں سے ثابت ہے بعض صورتوں میں ایک عمل پر دس گنا سے بھی زائد یہاں تک کہ سات سو گناہ تک ثواب ملتا ہے، بلکہ صدق و اخلاص کی حیثیت و کیفیت کے بقدر سات سو گنا سے بھی زیادہ ثواب مل سکتا ہے۔

"اور پھر اس برے کام کو نہ کرسکا تو اس کے حساب میں وہ برائی نہیں لکھی جائے گی۔" یعنی اگر کسی شخص نے کوئی برا کام کرنے کا ارادہ کیا اور پھر کسی وجہ کے بغیر یا کسی ایسے سبب سے کہ جو مباح میں سے ہو، اس نے وہ برا کام نہیں کیا تو اس کے نامۂ اعمال میں کوئی برائی نہیں لکھی جائے گی بشرطیکہ وہ ارادہ محض سطحی طور پر پیدا ہوا ہو، دل میں مضبوطی اور پختگی کے ساتھ نہ رہا ہو۔ اور اگر اس نے برے کام کا ایسا ارادہ کیا تھا جو دل میں مضبوطی و پختگی کے ساتھ تھا اور پھر اس نے وہ برا کام نہیں کیا تو دیکھا جائے گا کہ اس نے پختہ ارادہ کے باوجود وہ برا کام کس سبب سے نہیں کیا؟ اگر یہ سبب۔ کہ اس ارادہ کے بعد اس کے دل پر خدا کا خوف غالب آگیا اور اس نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس برے کام سے اجتناب کیا تو اس صورت میں اس کے نامۂ اعمال میں ایک برائی لکھ دی جائے گی۔

"تو اس کے حساب میں صرف وہی ایک برائی لکھی جائے گی۔" کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ایک نیکی کرنے پر نامۂ اعمال میں وہ نیکی دس گنی لکھی جاتی ہے اس طرح ایک برائی کرنے پر نامۂ اعمال میں وہ برائی دس گنی نہیں لکھی جاتی۔ بلکہ ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے کیونکہ کیت کے اعتبار سے برائی مضاعف نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔

"اور جو کوئی ایک برائی لے کر آئے اسے ویسی ہی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

نیز "اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا" سے واضح ہوا کہ برائی کا مضاعف نہ ہونا عدل خداوندی کا اظہار ہے جب کہ نیکی کا مضاعف ہونا فضل خداوندی ہے۔

معراج کا ذکر

(۳) وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَبُوْذَرٍّ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُرِجَ عَنِّيْ سَقْفُ بَيْتِيْ وَاَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ فَفَرَجَ صَدْرِيْ ثُمَّ غَسَلَهٗ بِمَآءِ زَمْزَمَ ثُمَّ جَآءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَاِيْمَانًا فَاَفْرَغَهٗ فِيْ صَدْرِيْ ثُمَّ اَطْبَقَهٗ ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِيْ فَعُرِجَ بِيْ اِلَى السَّمَاءِ فَلَمَّا جِئْتُ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ لِخَازِنِ السَّمَآءِ افْتَحْ قَالَ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا جِبْرَئِيْلُ قَالَ هَلْ مَعَكَ اَحَدٌ قَالَ نَعَمْ مَعِيَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا فَتَحَ عَلَوْنَا السَّمَآءَ الدُّنْيَا اِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ عَلٰى يَمِيْنِهٖ اَسْوِدَةٌ وَعَلٰى يَسَارِهٖ اَسْوِدَةٌ اِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِيْنِهٖ

ضَحِكَ وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ قُلْتُ لِجِبْرَئِيلَ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا اٰدَمُ وَهٰذِهِ الْاَسْوِدَةُ
عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيْهِ فَاَهْلُ الْيَمِيْنِ مِنْهُمْ اَهْلُ الْجَنَّةِ وَالْاَسْوِدَةُ الَّتِيْ عَنْ شِمَالِهِ اَهْلُ النَّارِ فَاِذَا نَظَرَ عَنْ
يَمِيْنِهِ ضَحِكَ وَاِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكٰى حَتّٰى عُرِجَ بِيْ اِلَى السَّمَآءِ الثَّانِيَةِ فَقَالَ لِخَازِنِهَا افْتَحْ فَقَالَ لَهٗ خَازِنُهَا مِثْلَ
مَاقَالَ الْاَوَّلُ قَالَ اَنَسٌ فَذَكَرَ اَنَّهٗ وَجَدَ فِي السَّمٰوٰتِ اٰدَمَ وَاِدْرِيْسَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى وَاِبْرَاهِيْمَ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ
قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَاَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَاَبَا حَبَّةَ الْاَنْصَارِيَّ كَانَا يَقُوْلَانِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ
عُرِجَ بِيْ حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى اَسْمَعُ فِيْهِ صَرِيْفَ الْاَقْلَامِ وَقَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَاَنَسٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَفَرَضَ اللّٰهُ عَلٰى اُمَّتِيْ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى مَرَرْتُ عَلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مَافَرَضَ اللّٰهُ لَكَ عَلٰى اُمَّتِكَ
قُلْتُ فَرَضَ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً قَالَ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى
فَقُلْتُ وَضَعَ شَطْرَهَا فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَرَجَعْتُ فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ اِلَيْهِ فَقَالَ
ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَرَاجَعْتُهٗ فَقَالَ هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ فَرَجَعْتُ اِلٰى
مُوْسٰى فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَقُلْتُ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَّبِّيْ ثُمَّ انْطَلَقَ بِيْ حَتّٰى انْتَهٰى بِيْ اِلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى وَغَشِيَهَا اَلْوَانٌ
لَا اَدْرِيْ مَا هِيَ ثُمَّ اُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَاِذَا فِيْهَا جَنَابِذُ اللُّؤْلُؤِ وَاِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن شہاب زہری (تابعی) حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: حضرت ابوذرؓ بیان کرتے تھے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "میں مکہ میں اپنے گھر میں (سویا ہوا) تھا کہ (اچانک) مکان کی چھت کھلی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے، انہوں نے میرا سینہ چاک کر کے آب زمزم سے دھویا پھر وہ سونے کا ایک طشت لائے جو ایمان و حکمت سے بھرا ہوا تھا، اس کو میرے سینہ میں الٹ دیا گیا اور پھر میرے سینہ (کی چاک) کو ملا کر برابر کر دیا گیا۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف چڑھا کر لے گئے، جب میں آسمان۔ دنیا پر پہنچا تو جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ (دروازہ) کھولو، داروغہ نے پوچھا: کیا تمہارے ساتھ اور کوئی بھی ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ہاں، میرے ساتھ محمد (ﷺ) ہیں۔ داروغہ نے پوچھا: کیا ان کو بلوایا گیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ہاں!! چنانچہ دروازہ کھولا گیا اور جب ہم آسمان دنیا کے اوپر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں اور (ان کی اولاد و ذریات میں سے) کچھ لوگ ان کے دائیں اور کچھ لوگ ان کے بائیں بیٹھے ہوئے ہیں (پھر میں نے یہ بھی دیکھا کہ) جب وہ اپنی دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنسنے لگتے ہیں (کیونکہ اس طرف جنتی لوگ تھے اور ان کو دیکھنا یقیناً خوشی و مسرت کا باعث تھا) اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو رونے لگتے ہیں (کیونکہ اس طرف دوزخی لوگ تھے جن کو دیکھنا رنج و غم کا باعث تھا) انہوں نے (سلام و جواب کے بعد میری طرف مخاطب ہو کر) کہا: پیغمبر صالح اور نیک بخت بیٹے کو میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ لوگ جو ان کے دائیں بائیں بیٹھے ہیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں، ان میں سے جو لوگ ان کے دائیں بیٹھے ہیں وہ جنتی ہیں اور جو لوگ ان کے بائیں بیٹھے ہیں وہ دوزخی ہیں، اسی لئے جب یہ (آدم علیہ السلام) اپنی دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام مجھ کو لے کر دوسرے آسمان پر چڑھے اور انہوں نے آسمان کا دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو اس کے داروغہ نے بھی وہی سوال کیا جو پہلے آسمان کے داروغہ نے کیا تھا۔"

راوی کہتے ہیں! غرضیکہ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے تمام آسمانوں پر پہنچنے اور وہاں حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ادریس، حضرت عیسٰی علیہ السلام، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر فرمایا، لیکن ان کے منازل و مقامات کی کیفیت و احوال کو بیان نہیں کیا، صرف حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے آسمان پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چھٹے آسمان پر ملنے کا ذکر فرمایا۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ مجھ کو ابن

حزمؒ نے بتایا کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوحبہ انصاری نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! "پھر مجھ کو اور اوپر لے جایا گیا، یہاں تک میں ایک ہموار اور بلند مقام پر پہنچا جہاں قلموں سے لکھنے کی آوازیں آرہی تھیں " ابن حزمؒ اور حضرت انسؓ نے یہ بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری اُمت پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں، چنانچہ (پچاس فرض نمازوں کا یہ حکم اور اس پر عمل آوری کا ارادہ لے کر) میں واپس ہوا، لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا تو انہوں نے پوچھا کہ: پروردگار نے تمہارے ذریعہ تمہاری اُمت پر کیا چیز فرض کی ہے؟ میں نے ان کو بتایا کہ پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ انہوں نے کہا: اپنے پروردگار کے پاس واپس جاؤ (اور ان نمازوں میں تخفیف کی درخواست کرو) کیونکہ تمہاری اُمت اتنی نمازیں ادا نہیں کر سکے گی۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مجھ کو بارگاہ رب العزت میں واپس کیا (یعنی ان کے کہنے پر میں نے پروردگار کی بارگاہ میں واپس جاکر درخواست پیش کی) اور ان میں سے کچھ نمازیں (یعنی دس نمازیں) کم کردی گئیں۔ میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان (پچاس نمازوں) کا کچھ حصہ معاف کردیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اپنے پروردگار کے پاس پھر جاؤ (اور عرض معروض کر کے مزید تخفیف کی درخواست کرو) کیونکہ تمہاری اُمت اتنی نمازیں ادا کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھے گی۔ میں پھر واپس گیا (اور مزید تخفیف کے لئے عرض معروض کی) چنانچہ ان میں سے کچھ اور نمازیں کم کردی گئیں، اسکے بعد پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ پھر اپنے پروردگار کے پاس جاؤ (اور مزید تخفیف کی درخواست کرو) کیونکہ تمہاری اُمت اتنی نمازیں ادا کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھے گی، چنانچہ میں پھر گیا (اور پروردگار سے خوب عرض معروض کی) پس (پروردگار نے مزید تخفیف کردی، یہاں تک کہ جب دس نمازیں رہ گئیں اور آخری مرتبہ بارگاہ رب العزت میں لوٹ کر گیا اور میری درخواست پر ان میں بھی تخفیف کر کے پانچ نمازوں کا حکم دے دیا تو) پروردگار نے فرمایا: فرض تو یہ پانچ نمازیں ہیں لیکن (اجر و ثواب کے اعتبار سے) پچاس نمازوں کے برابر ہیں، میرا قول تبدیل نہیں ہوتا۔ میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ان کو بتایا کہ اب پانچ نمازیں فرض رہ گئی ہیں) تو انہوں نے پھر مجھ کو بارگاہ رب العزت میں واپس جانے (اور ان پانچ نمازوں میں بھی تخفیف کی درخواست کرنے) کا مشورہ دیا، لیکن میں نے کہا کہ اب مجھ کو اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے۔ اس کے بعد (آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ) مجھ کو سدرۃ المنتہی تک لے جایا گیا جس پر (جلال کبریائی کے انوار یا ملائکہ کے پروں کی چمک یا کسی اور چیز کے) اس طرح کے رنگ چھائے ہوئے تھے جن کے بارے میں کچھ نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز تھی (یعنی یا تو اس وقت جو کچھ میں نے دیکھا اور محسوس کیا اس کو اب بیان کرنے پر قادر نہیں ہوں یا یہ کہ اس وقت میں ذات حق کی طرف اس طرح متوجہ اور مستغرق تھا کہ میری نظر کو سدرۃ المنتہی پر چھائے ہوئے رنگوں کی حقیقت تک پہنچنے اور جاننے کا موقع ہی نہیں ملا) اس کے بعد مجھ کو جنت میں پہنچایا گیا وہاں میں نے موتیوں کے گنبد دیکھے اور یہ بھی دیکھا کہ جنت کی مٹی مشک تھی۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: لفظ "فُرِجَ" یہ تخفیف مجہول کا صیغہ ہے، اور بعض حضرات نے اس کو تشدید کے ساتھ یعنی فرج بھی نقل کیا ہے، دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہیں، یعنی حضرت جبرئیل مکان کی چھت ہٹا کر اوپر سے آئے۔ اسراء اور معراج کے سفر کی ابتدا کہاں سے ہوئی اس سلسلہ میں بظاہر مختلف و متضاد روایتیں منقول ہیں۔ بعض روایتوں میں حطیم، بعض میں حجر کا ذکر ہے جیسا کہ سابق حدیث سے معلوم ہوا، بعض روایتوں میں شعب ابی طالب کا ذکر ہے اور بعض روایتوں میں یہ ذکر ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کو لینے آئے تو اس وقت آپ ﷺ حضرت ام ہانیؓ کے مکان میں بستر استراحت پر آرام فرما تھے اور یہی روایت زیادہ مشہور ہے۔ ان تمام روایتوں میں بہترین تطبیق وہ ہے جو صاحب فتح الباری نے لکھی ہے یعنی اس شب میں کہ اسراء اور معراج کا واقعہ پیش آیا نبی کریم ﷺ حضرت اُم ہانیؓ کے مکان میں سوئے ہوئے تھے جو شعب ابی طالب میں واقع تھا چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مکان کی چھت پھاڑ کر آنحضرت ﷺ کے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ کو جگا کر مسجد حرام میں خانۂ کعبہ کے پاس لائے جہاں حطیم اور حجر ہے۔ آپ ﷺ حطیم میں لیٹ گئے اور چونکہ نیند کا اثر باقی تھا اس لئے آپ ﷺ وہاں پھر سو گئے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پھر آپ ﷺ کو جگایا اور

شق صدر وغیرہ کے مراحل سے گذارنے کے بعد آپ ﷺ کو مسجد حرام کے دروازہ پر لائے جہاں آپ ﷺ کو براق پر سوار کر کے مسجد اقصی لے جایا گیا۔ پس اسراء اور معراج کے سفر کی ابتداء دراصل حضرت اُم ہانیؓ کے گھر سے ہوئی جس کو آپ ﷺ نے "اپنا گھر" اس اعتبار سے فرمایا کہ آپ ﷺ اس شب میں اسی گھر میں مقیم تھے۔

"اور پھر میرے سینہ کو ملا کر برابر کر دیا گیا" اس شق صدر کے سلسلہ میں وضاحت پیچھے پہلی فصل کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکی ہے، وہاں حدیث کے جو الفاظ تھے ان سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے قلب مبارک کو سونے کے طشت میں دھویا گیا اور اس کے بعد علم و ایمان سے بھرا گیا، لیکن یہاں حدیث کے جو الفاظ ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے سینۂ مبارک کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا اور پھر ایمان و حکمت سے بھرا ہوا سونے کا طشت لایا گیا اور اس کو سینۂ مبارک میں الٹ دیا گیا۔ تاہم ان دونوں میں کوئی گہرا تضاد نہیں ہے، صورت واقعہ کی ترتیب یہ تھی کہ آپ ﷺ کے سینہ مبارک کو چاک کیا گیا پھر قلب مبارک نکال کر اس کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا اور پھر ایمان و حکمت سے بھرا ہوا طشت لایا گیا اور اس ایمان و حکمت کو آپ ﷺ کے قلب مبارک میں بھر دیا گیا۔

"اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف چڑھا کر لے گئے۔" یہاں نہ تو براق لائے جانے اور اس پر آنحضرت ﷺ کو سوار کرنے کا ذکر ہے اور نہ مسجد اقصیٰ میں لے جانے کا ذکر ہے۔ اسی بناء پر بعض حضرات نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اسراء اور معراج دو الگ الگ واقعے ہیں اور دونوں واقعے الگ الگ شب میں پیش آئے، نیز براق کی سواری اسراء کی شب میں تھی جب کہ معراج کی شب میں سیڑھی کے ذریعہ آسمان پر تشریف لے گئے تھے۔

"اور یہ لوگ جو ان کے دائیں بائیں بیٹھے ہیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں " کے تحت شارحین نے لکھا ہے کہ چونکہ منقول ہے کہ مؤمنوں کی روحیں تو "علیین" میں چین کرتی ہیں اور کافروں کی روحیں "سجین" میں محبوس ہیں لہٰذا یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ سب روحیں ایک مقام میں (یعنی آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں) کیسے جمع ہوئیں؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شاید ایک وقت معین میں یہ روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش ہوتی ہوں گی، اور آنحضرت ﷺ جب آسمان دنیا پر پہنچے اور حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کی تو وہ وہی وقت تھا جب تمام روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش تھیں۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں جو روحیں دیکھی تھیں وہ ان لوگوں کی تھیں جو اس وقت تک دنیا میں پیدا نہیں ہوئے تھے اور وہ روحیں اپنے اپنے اجسام میں نہیں گئی تھیں اور ہوسکتا ہے کہ ان دونوں کے رہنے کی جگہ حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں ہو، نیز حضرت آدم علیہ السلام ان روحوں کا انجام جانتے تھے کہ جو روحیں دائیں طرف ہیں وہ دنیا میں اچھے عقائد و اعمال اختیار کر کے جنت میں جائیں گی اور جو روحیں بائیں طرف ہیں وہ دنیا میں برے عقائد و اعمال اختیار کر کے دوزخ میں جائیں گی۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چھٹے آسمان پر ملنے کا ذکر کیا " حضرت شہابؒ کی یہ روایت جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ شب معراج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آنحضرت علیہ السلام کی ملاقات چھٹے آسمان پر ہوئی تھی، گویا اس روایت کے مطابق ہے جو حضرت انسؓ سے ایک دوسرے راوی حضرت شریکؒ نے نقل کی ہے، ان روایتوں کے علاوہ باقی اور تمام روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ساتویں آسمان پر ہوئی تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ معراج کا واقعہ ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا تھا تو اس صورت میں ان متضاد روایتوں سے کوئی اشکال پیدا نہ ہوگا، ہاں اشکال اس وقت پیدا ہوگا جب یہ کہا جائے کہ جسمانی معراج کا واقعہ ایک ہی مرتبہ پیش آیا تھا جیسا کہ معتمد و مشہور قول ہے، دریں صورت اس اشکال کا جواب یہ ہوگا کہ معراج کے سلسلہ میں سب سے زیادہ قوی اور سب سے زیادہ صحیح روایت وہ ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے، اور یہ بات کسی اختلاف کے بغیر ثابت ہے کہ بیت معمور ساتویں آسمان پر ہے۔ علاوہ ازیں یہاں

راوی نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تمام آسمانوں پر پہنچنے اور وہاں حضرت آدم علیہ السلام، اور ادریس علیہ السلام وغیرہ سے ملاقات کا ذکر فرمایا لیکن ان کے منازل ومقامات کو بیان نہیں فرمایا، اس سے یہ خود ثابت ہو جاتا ہے کہ راجح اور زیادہ قابل اعتماد روایت وہی قرار پائے گی جس میں ہر نبی اور رسول کے بارے میں وضاحت کے ساتھ ذکر ہے کہ کس نبی سے کس آسمان پر ملاقات ہوئی۔ حاصل یہ کہ آسمانوں کے تعیّن اور انبیاء سے ملاقات کے بارے میں حدیثوں میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ اختلاف راویوں کے اشتباہ کی وجہ سے ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر بھی دیکھا ہو اور ساتویں آسمان پر بھی، اس لئے کسی روایت میں چھٹے آسمان پر ملاقات کو بیان کیا گیا، اور کسی روایت میں ساتویں آسمان پر ملاقات کا ذکر ہے۔

"........ جہاں قلموں کے لکھنے کی آوازیں آرہی تھیں " یہ مقام صریف الاقلام، کا ذکر ہے۔ "صریف الاقلام" قلم کی اس آواز کو کہتے ہیں جو لکھنے کے وقت پیدا ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ جب آنحضرت ﷺ کو اور عروج ہوا تو آپ ﷺ اس بلند مقام پر پہنچے جہاں قضاء و قدر کے قلم مشغول کتابت تھے، ملائکۃ اللہ امور الٰہی کی کتابت اور احکام خداوندی کو لوح محفوظ سے نقل کرنے میں مصروف تھے، کتابت اور قلم چلنے سے جو آواز پیدا ہو رہی تھی اس کو آپ ﷺ نے سنا۔

بعض علمائے محققین نے حدیث کے اس جملہ کی وضاحت میں لکھا ہے! آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اس عروج کے دوران میں اس مقام تک لے جایا گیا جہاں رفعت مرتبہ کے سبب اس جگہ تک پہنچنا بھی نصیب ہوا جو کائنات کے نظام قدرت احکام خداوندی کے صدور اور مخلوق کے تمام خدائی نظم ونسق کا بلا تشبیہ وتمثیل مرکزی دفتر اور صدر مقام ہے اس طرح اس جگہ پہنچ کر گویا مجھ پر کائنات سے متعلق نظام قدرت کے رموز کا انکشاف ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں آپ ﷺ سے پہلے کسی اور کو پہنچنا نصیب نہیں ہوا۔ رہی یہ بات کہ وہ قلم کیسے تھے اور ان کی شکل وصورت کیا تھی؟ تو اس کا علم اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا کسی کو معلوم نہیں، اس بارہ میں تحقیق وجستجو بیکار ہے، ویسے قلم کی حقیقت کے بارے میں اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ وہ اس چیز کا نام ہے جس سے نقوش وحرف پیدا ہوں اور اس کی حقیقت وحیثیت کچھ بھی ہوسکتی ہے، کسی دھات کا ہولڈر یا نب اور یا سرکنڈا، قلم کی حقیقت میں داخل نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے یہاں قلم کی وضاحت میں تاویل کا طریقہ اختیار کیا ہے، اور اس کے ظاہری معنی مراد نہیں لئے ہیں، لیکن یہ غیر مناسبات ہے، خالص اعتقادی نقطۂ نظر سے تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ "قلم" کو اس کے ظاہری معنی ہی پر محمول کیا جانا چاہئے اور وجود قلم کا عقیدہ رکھنا چاہئے اور یہ کہ اس قلم کی حقیقت وکیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔

"میرا قول تبدیل نہیں ہوتا۔" ان الفاظ کے دو معنی ہوسکتے ہیں، ایک تو یہ کہ میں نے اجر وثواب کے اعتبار سے پانچ نمازوں کو پچاس نمازوں کے برابر کر دیا ہے۔ اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اور دوسرے یہ کہ تمہارے بار بار کہنے پر میں نے پچاس نمازوں کی جگہ پانچ نمازیں کر دی ہیں، اور اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

"اب مجھ کو اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے " آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ "اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔" تو پھر اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا اور مزید تخفیف کی درخواست کرنا حیا کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں اس بات سے بھی آپ ﷺ کو شرم محسوس ہوئی کہ اب تک اتنی مرتبہ تخفیف کی درخواست لے کر جا چکا ہوں اور ہر مرتبہ رخصتی سلام کر کے واپس آجاتا ہوں اور پھر درخواست لے کر پہنچ جاتا ہوں، لہٰذا آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہہ دیا کہ اب میں تخفیف کی درخواست لے کر نہیں جاؤں گا۔

"وہاں میں نے موتیوں کے گنبد دیکھے " مسلم کی ایک اور روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ۔ "میں جنت کی سیر کر رہا تھا کہ اچانک ایک نہر دیکھی جس کے دونوں کناروں پر (بڑے بڑے) مجوف موتیوں کے گنبد تھے۔

"اور یہ بھی دیکھا کہ جنت کی مٹی مشک تھی۔ یعنی جنت کی مٹی سے ایسی خوشبو پھوٹ رہی تھی جیسے مشک مہک رہا ہو یا یہ کہ جنت کی جو مٹی

ہے وہ دراصل مشک ہے اور اس کی خوشبو اتنی زیادہ ہے کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے جنت کی خوشبو کی لپٹ پانچ سو سال کی مسافت کی دوری تک پہنچتی ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر

④ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ لَمَّا اُسْرِیَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْتُهِيَ بِهٖ اِلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى وَهِيَ فِي السَّمَآءِ السَّادِسَةِ اِلَيْهَا يَنْتَهِي مَايُعْرَجُ بِهٖ مِنَ الْاَرْضِ فَيُقْبَضُ مِنْهَا وَاِلَيْهَا يَنْتَهِيْ مَا يُهْبَطُ بِهٖ مِنْ فَوْقِهَا فَيُقْبَضُ مِنْهَا قَالَ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَايَغْشٰى قَالَ فَرَاشٌ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ فَاُعْطِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثًا اُعْطِيَ الصَّلَوٰاتِ الْخَمْسَ وَاُعْطِيَ خَوَاتِيْمَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَغُفِرَ لِمَنْ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ مِنْ اُمَّتِهٖ شَيْئًا ن الْمُقْحِمَاتُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کو رات میں (بیت المقدس اور آسمانوں کی) سیر کرائی گئی تو آپ ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا اور سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر ہے، نیز جو بھی چیز زمین سے اوپر لے جائی جاتی ہے، وہ سدرۃ المنتہیٰ پر جاکر منتہی ہو جاتی ہے اور پھر کسی واسطہ و ذریعہ کے بغیر اوپر اٹھائی جاتی ہے، اسی طرح جو چیز ملاء اعلیٰ سے زمین پر اتاری جاتی ہے وہ بھی اسی سدرۃ المنتہیٰ سے لی جاتی ہے۔" اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے یہ آیت پڑھی اذیغشی السدرۃ مایغشی (یعنی: اس وقت کہ ڈھانک لیا سدرہ کو جس چیز نے ڈھانک لیا) اور کہا کہ "وہ چیز (جس نے سدرہ کو ڈھانکا ہے سونے کے پتنگے ہیں۔" حضرت ابن مسعودؓ نے یہ بھی کہا کہ: شب معراج میں رسول کریم ﷺ کو تین چیزیں عطا کی گئیں ① پانچ نمازوں کی فرضیت عطا ہوئی ② سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں عنایت ہوئیں ③ اور آنحضرت ﷺ کی اُمت میں سے اس شخص کے گناہ کبیرہ کی معافی کا پروانہ عطا ہوا جو کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائے۔" (مسلم)

تشریح: "سدرۃ المنتہی چھٹے آسمان پر ہے" اس جملہ کے بارے میں بعض شارحین نے کہا ہے کہ یہ کسی راوی کا وہم ہے، یعنی اصل حدیث میں حضرت ابن مسعودؓ نے تو سدرۃ المنتہٰی کے ساتویں آسمان پر ہونے کا ذکر کیا تھا لیکن ان کے بعد کسی راوی نے غلط فہمی سے یا بھول کر چھٹے آسمان کا ذکر کر دیا، چنانچہ تحقیقی بات یہی ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر ہے، اور جمہور راویوں نے یہی نقل کیا ہے، قاضیؒ نے کہا: یہی بات زیادہ صحیح ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر ہے اور جمہور راویوں نے یہی نقل کیا ہے۔ ایک اور بڑے محقق و محدث خلیلؒ نے کہا: سدرہ ساتویں آسمان پر ہے جو تمام آسمانوں اور جنت پر چھایا ہوا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ (اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ اس حدیث میں چھٹے آسمان کا ذکر کسی راوی کا وہم نہیں بلکہ روایت کے اصل الفاظ ہیں تو اس صورت میں) اس روایت اور ان روایتوں کے درمیان کہ جن میں سدرۃ المنتہٰی کی جڑ چونکہ چھٹے آسمان میں ہے اس لئے اس کا چھٹے آسمان پر ہونا ذکر کیا گیا ہے۔ اس (سدرہ) کا اصل ظہور اور شاخیں چونکہ ساتویں آسمان پر ہیں اس لئے زیادہ تر روایتوں میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے۔

"........وہ اسی سدرۃ المنتہیٰ پر جاکر منتہی ہو جاتی ہے الخ۔" اس پوری عبارت کا مطلب یہ ہے کہ زمین سے جو بھی چیزیں یعنی بندوں کے اعمال اور ان کی روحیں فرشتوں کے ذریعہ اوپر جاتی ہیں وہ سب اس سدرۃ المنتہٰی پر جاکر ٹھہر جاتی ہیں، اس کے آگے چونکہ فرشتوں کو بھی جانے کی اجازت نہیں ہے اس لئے یہاں سے وہ چیزیں فرشتوں کے واسطہ و ذریعہ کے بغیر، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اوپر اٹھا لیتا ہے، اسی طرح جو چیزیں بارگاہ قدس سے زمین پر نازل ہوتی ہیں جیسے اوامر و احکام الٰہی وہ سب اوپر سے آکر سدرۃ المنتہی پر ٹھہر جاتی ہیں اور وہاں متعین فرشتے ان چیزوں کے لئے ہیں اور نیچے تک پہنچاتے ہیں۔ پس مخلوق کے علوم اور فرشتوں کے عروج کی آخری حد سدرۃ المنتہٰی ہی ہے، اس کے آگے اور اوپر جانے کی اجازت مقرب ترین فرشتوں کو بھی نہیں ہے، یہ صرف ہمارے حضرت ﷺ کی ذات گرامی ہیں جن کو سدرۃ المنتہٰی سے بھی آگے جانے کا شرف حاصل ہوا، بلکہ آپ ﷺ تو اس "مقام" تک تشریف لے گئے جو مقام لکان سے ماوراء ہے۔

"اسوقت کہ ڈھانک لیا سدرہ کو جس چیز نے ڈھانک لیا " یہ آیت کریمہ اذ یغشی السدرۃ الخ کا ترجمہ ہے جو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے سدرۃ المنتہٰی کے ذکر کی مناسبت سے پڑھی، گویا حق تعالیٰ نے بھی اس چیز کو مبہم ہی رکھا جس نے سدرۃ المنتہٰی کو ڈھانک رکھا ہے، اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ایک ایسی چیز ہے جس کی حقیقت کنہ کوئی نہیں جان سکتا اور نہ کوئی یہ بتا سکتا کہ وہ چیز مقدار و تعداد میں کتنی ہے اور کیفیت و حیثیت کے اعتبار سے کیسی ہے۔ نیز مبہم انداز بیان کا مقصد اس چیز کی عظمت اور کثرت کو بیان کرنا ہے اور سابق حدیث میں آنحضرت ﷺ کے ان الفاظ لا ادری ماھیتہ (میں نہیں جانتا وہ کیا چیز تھی) سے بھی یہی مراد ہے، نہ کہ واقعۃ علم و ادراک کی نفی مراد ہے۔ ایک اور روایت میں اسی سدرۃ المنتہٰی کے متعلق یہ آیا ہے کہ اس کے ہر پتہ پر فرشتہ کھڑا ہے جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ (اس کی شاخوں اور پتوں پر) سبز رنگ کے پرندوں کا جھنڈ ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ سبز رنگ کے پرندے دراصل انبیاء اور اولیاء کی روحیں ہیں۔

"وہ چیز سونے کے پتنگے ہیں۔" حضرت ابن مسعودؓ کا "اس چیز" کو سونے کے پتنگوں سے تعبیر کرنا اس کی حقیقت و ماہیت بیان کرنے کے لئے نہیں کہ وہ چیز واقعۃ سونے کے پتنگے ہیں، بلکہ یہ تو انہوں نے محض تشبیہ کے طور پر ذکر کیا ہے، مطلب یہ کہ جو بے شمار فرشتے سدرۃ المنتہٰی پر متعین و مقرر ہیں ان کے پیروں کی چمک ایسا منظر پیش کرتی ہے جیسے سونے کے پتنگے (پروانے) پورے سدرہ کو ڈھانکے ہوئے ہوں، نیز اس تعبیر میں "فراش" کا استعمال سدرہ پر نازل ہونے والے نور اقدس حق تعالیٰ کے تئیں ان فرشتوں کی شیفتگی و فریفتگی اور حیرانی و سرگردانی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایک روایت میں جراد من ذھب (سونے کی ٹڈی) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اور یہ بھی تمثیل و تشبیہ کے طور پر ہے کیونکہ جب ٹڈیاں کسی درخت پر ٹھہر جاتی ہیں تو اوپر سے پورا درخت ان کے نیچے چھپ کر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح من ذھب کے الفاظ بھی چمک دمک سے کنایہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ الفاظ کے ظاہری و حقیقی معنی ہی مراد ہوں، یعنی وہ پتنگے یا ٹڈیاں واقعۃ سونے کی ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

"شب معراج میں رسول کریم ﷺ کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔" حقیقت یہ ہے کہ اس شب میں علم و عمل، معرفت و حقائق، اسرار و فیوض اور انوار و برکات کی قسم ہے جو عظیم خزانے آنحضرت ﷺ کو عطا ہوئے ان کی لامحدودیت حصر و شمار سے ماوراء ہے، یہ تین چیزیں تو حضرت ابن مسعودؓ نے وہ بیان کی ہیں جو امت کے تعلق سے مخصوص شرف و کرامت رکھتی ہیں اور ان کی خاص اہمیت کے اعتبار سے ان کا ذکر کیا جانا ضروری بھی تھا۔

سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں عنایت ہوئیں۔" میں امن الرسول سے آخری سورہ تک کی دونوں آیتیں مراد ہیں اور شب معراج میں ان آیتوں کے عطا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو قبولیت کا پروانہ عطا فرمایا جو ان آیتوں میں مذکور ہیں۔ پس یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں ہوگی، جو صحیح مسلم وغیرہ میں منقول ہے کہ "ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے اچانک اپنے اوپر (دروازہ کھلنے کی سی) ایک آواز سنی، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا اور پھر کہا کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو زمین پر آیا ہے اور آج سے پہلے کبھی یہ زمین پر نہیں آیا تھا، اس کے بعد اس نووارد فرشتہ نے (آنحضرت ﷺ کو) سلام کیا اور کہا: آپ (ﷺ) کو مبارک ہو (میں یہ خوشخبری لے کر آیا ہوں) کہ آپ ﷺ کو وہ دو نور عطا کئے گئے ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے کسی اور نبی کو عطا نہیں ہوئے، ایک تو فاتحۃ الکتاب یعنی سورۂ فاتحہ اور دوسرا سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں، آپ ان دونوں میں سے جو حرف بھی پڑھیں گے اس کے عوض (اجر و ثواب یا اس میں مذکورہ دعا کی قبولیت سے) نوازے جائیں گے "گویا شب معراج میں ان آیتوں کا دیا جانا ان عطایائے خداوندی میں کا ایک حصہ تھا جن سے اس اہم موقع پر اور اس رفیع الشان مقام یعنی بارگاہ کبریائی میں آپ ﷺ کو سرفراز فرمایا گیا اور جس کی ایک یادگار نماز پنجگانہ ہے، اور مسلمؒ وغیرہ کی اس روایت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ فرشتے کا آسمان سے اترنا، آپ ﷺ کو شب معراج میں عطا شدہ ان آیتوں کی اہمیت و فضیلت کو ظاہر کرنے اور یہ

بشارت دینے کے لئے تھا کہ آپ ﷺ کو جو یہ سب سے بڑی چیز عطا ہوئی ہے آپ ﷺ سے پہلے کسی بھی نبی کو عطا نہیں ہوئی۔ اس صورت میں ان دونوں روایتوں کے درمیان کسی تضاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں یہاں ایک یہ اشکال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ سورۂ بقرہ وہ سورت ہے جس کو "مدنی" کہا گیا ہے (یعنی یہ سورہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے) جب کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے پہلے مکہ کی سکونت کے زمانہ کا ہے، دوسرے لفظوں میں، سورۂ بقرہ کی آیتوں کے شب معراج میں عطا ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ آیتیں مدنی نہیں، بلکہ مکی ہیں؟ اس کا جواب محدثین و شارحین نے یہ دیا ہے کہ سورۂ بقرۂ کو مدنی اس اعتبار سے نہیں کہا گیا ہے کہ اول سے آخر تک اس کی تمام آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں، بلکہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ ان دو آخری آیتوں کے علاوہ اور تمام آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔ ابن ملکؒ نے حسنؒ، ابن سیرینؒ اور مجاہدؒ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی وحی حضرت جبرئیل کے واسطہ کے بغیر شب معراج میں براہ راست خود عطا فرمائی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک پوری سورۂ بقرہ مکی ہے، تاہم جمہور مفسرین اور محدثین کا قول یہی ہے کہ یہ پوری سورۃ مدنی ہے، اور اس قول کی روشنی میں اس روایت کے اس مفہوم کو کہ سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں شب معراج میں عطا ہوئیں " کی یہی وضاحت کی جائے گی کہ عطا ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بذات خود یہ آیتیں شب معراج میں آپ ﷺ کو عطا ہوئیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آیتوں کے الفاظ (غفرانک سے آخر تک میں جو دعا تلقین کی گئی ہے آنحضرت ﷺ اور ان آیتوں کے پڑھنے والوں کے حق میں اس دعا کی قبولیت کا پروانہ شب معراج میں عطا ہوا۔

"اور آنحضرت ﷺ کی اُمت میں سے اس شخص کے گناہ کبیرہ کی معافی کا پروانہ عطا ہوا الخ" کا مطلب یہ ہے کہ شب معراج میں آنحضرت ﷺ سے اُمت کی مغفرت کا وعدہ کیا گیا یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا۔ بغیر عذاب کے بھی بخش دے گا خواہ وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو ، لیکن شرط یہ ہے کہ اس نے شرک کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔

"اللہ تعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا (اور گناہ) جس کو چاہے بخش دے گا۔"

پس حدیث کے اس جملہ سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کھلی معافی دے دی گئی ہے اور کسی بھی ایسے مؤمن و موحد کو عتاب و عذاب کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے، کیونکہ ان مؤمنین و موحدین کا عذاب میں مبتلا کیا جانا جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں، نصوص شرعیہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے۔ رہا یہ سوال کہ اگر گناہ کبیرہ کے مرتکب کی مغفرت کا تعلق مشیت الٰہی سے ہے تو پھر حدیث میں اس کا ذکر کیوں نہ کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ۔ مغفرت کا انحصار مشیت الٰہی پر ہونا چونکہ ایک کھلی ہوئی بات تھی جس کا علم پہلے ہی سب کو ہے اس لئے مشیت الٰہی کے ذکر کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی۔ اور ابن حجرؒ نے یہ لکھا ہے کہ "گناہ کبیرہ کی معافی" سے مراد یہ ہے کہ مؤمنین و موحدین میں سے کوئی بھی شخص دوزخ میں ہمیشہ نہیں رکھا جائے گا خواہ اس نے کتنے ہی گناہ کبیرہ کئے ہوں، جب کہ مشرکین ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ لیکن ملا علی قاریؒ نے ابن حجرؒ کی اس بات پر نقد کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس صورت میں نہ تو اس اُمت کی کوئی خصوصیت باقی رہتی ہے اور نہ اس کے مرتبہ کی بلندی ظاہر ہوتی ہے، لہٰذا یہ کہنا زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے کہ "معافی و مغفرت" سے مراد اُمت محمدیہ ﷺ کے اکثر افراد کو معافی و مغفرت کا پروانہ عطا ہوتا ہے یعنی دوسری امتوں کے مقابلہ میں یہ خصوصیت آنحضرت ﷺ کی اُمت ہی کو حاصل ہوگی کہ اس کے اکثر و بیشتر لوگ پروردگار کی خصوصی رحمت کے تحت بخش دیئے جائیں گے، اور انہیں عذاب دوزخ کا سامنا کرنا نہیں پڑے گا، اور اسی اعتبار سے اس اُمت کو اُمت مرحومہ کہا گیا ہے۔

قریش کے سوالات پر بیت المقدس آنحضرت ﷺ کے سامنے لایا گیا

⑤ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ فِي الْحِجْرِ وَ قُرَيْشٌ تَسْاَلُنِيْ عَنْ

مَسْرَایَ فَسَالَتْنِیْ عَنْ اَشْیَآءَ مِنْ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ لَمْ اُثْبِتْهَا فَکُرِبْتُ کَرْبًا مَاکُرِبْتُ مِثْلَهٗ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِیْ اَنْظُرُ اِلَیْهِ یَسْاَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلاَّ اَنْبَأْتُهُمْ وَقَدْ رَاَیْتُنِیْ فِیْ جَمَاعَةٍ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ فَاِذَا مُوْسٰی قَائِمٌ یُصَلِّیْ فَاِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ کَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ وَاِذَا عِیْسٰی قَائِمٌ یُصَلِّیْ اَقْرَبُ النَّاسِ بِهٖ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدِ الثَّقَفِیُّ وَاِذَا اِبْرَاهِیْمُ قَائِمٌ یُصَلِّیْ اَشْبَهُ النَّاسِ بِهٖ صَاحِبُکُمْ یَعْنِیْ نَفْسَهٗ فَحَانَتِ الصَّلٰوةُ فَاَمَمْتُهُمْ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنَ الصَّلٰوةِ قَالَ لِیْ قَائِلٌ یَا مُحَمَّدُ هٰذَا مَالِكٌ خَازِنُ النَّارِ فَسَلِّمْ عَلَیْهِ فَالْتَفَتُّ اِلَیْهِ فَبَدَاَنِیْ بِالسَّلَامِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِیْ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو حجر (حطیم) میں دیکھا، اس حال میں کہ (میں کھڑا تھا) اور قریش مکہ مجھ سے میرے شب معراج کے سفر کے بارے میں سوالات کر رہے تھے اور بیت المقدس کی وہ چیزیں اور نشانیاں دریافت کر رہے تھے جو مجھ کو اس وقت یاد نہیں رہی تھیں۔ اس بات سے (کہ قریش کی پوچھی ہوئی باتوں کا جواب نہ دے پایا تو یہ سب لوگ میرے بیت المقدس کے سفر اور معراج کے واقعہ کو ایک جھوٹا دعویٰ سمجھیں گے، میں اتنا سخت پریشان اور غمگین ہوگیا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا پریشان اور غمگین نہیں ہوا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور، بیت المقدس کو بلند کر دیا جو میری نظروں کے سامنے آگیا (یعنی قادر مطلق نے میرے اور بیت المقدس کے درمیان سارے فاصلے سمیٹ دیئے اور سارے حجابات اٹھا دیئے، جس سے بیت المقدس کی پوری عمارت اپنے گرد و پیش کے ساتھ میری نظروں کے سامنے آگئی اور میں اس قابل ہوگیا کہ قریش مکہ بیت المقدس کی جس چیز اور علامت کے بارے میں پوچھیں، میں اس کو دیکھ دیکھ کر بتاتا رہوں) چنانچہ وہ مجھ سے (بیت المقدس کے بارے میں) جو کچھ پوچھتے میں ان کو (سامنے دیکھ کر) بتا دیتا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ (اسراء و معراج کی رات میں) میں نے اپنے آپ کو انبیاء کے درمیان دیکھا، میں نے (اس وقت) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا جو کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک میانہ قد مرد نظر آئے جیسے وہ (قبیلہ) شنوءہ سے تعلق رکھنے والے ایک مرد ہوں میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا جو کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، ان سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے شخص عروہ ابن مسعود ثقفی ہیں، پھر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی دیکھا جو کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، ان سے سب سے زیادہ مشابہت جو شخص رکھتا ہے وہ تمہارا دوست ہے، "(تمہارے دوست" سے) آنحضرت ﷺ کی مراد خود اپنی ذات تھی۔ پھر (آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ) جب نماز کا وقت آیا تو میں ان سب (انبیاء) کا امام بنا، اور جب میں نماز سے فارغ ہوا تو (آسمان پر جانے سے پہلے یا آسمان پر پہنچنے اور بارگاہ رب العزت میں حاضری کے بعد) ایک کہنے والے نے مجھے مخاطب کر کے کہا: محمد ﷺ! یہ دوزخ کا داروغہ موجود ہے (اپنے پروردگار کی قہاریت کی تعظیم کے لئے یا جیسا کہ ابرار و صالحین کے آداب میں سے ہے ازراہ تواضع و انکسار، اس کو سلام کرو) چنانچہ میں (سلام کرنے کے لئے) اس (داروغہ دوزخ) کی طرف متوجہ ہوا، لیکن سلام میں پہل اسی نے کی۔" (مسلم)

تشریح: میں نے اپنے آپ کو انبیاء کے درمیان دیکھا" یہ آپ ﷺ نے اس وقت کا ذکر کیا ہے جب شب معراج میں آپ ﷺ مکہ سے روانہ ہوئے اور آسمانوں پر جانے سے پہلے بیت المقدس میں تشریف لائے۔ لہٰذا علماء و محققین کا متفقہ قول ہے کہ یہ دیکھنا اس دیکھنے کے علاوہ ہے جو آسمانوں میں تھا۔ مطلب یہ کہ ایک دفعہ تو آپ ﷺ نے انبیاء کرام کو مسجد اقصیٰ میں اس وقت دیکھا جب آپ ﷺ آسمانوں پر جانے سے پہلے بیت المقدس میں تشریف لائے اور دوبارہ ان انبیاء کو آسمانوں میں دیکھا اور ان سے ملاقات کی۔ نیز بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ان انبیاء کو آسمانوں میں دیکھنا ان کی روحوں کے دیکھنے پر محمول ہے یعنی وہ انبیاء آسمانوں میں اپنے جسموں کے ساتھ موجود نہیں تھے بلکہ ان کی روحوں کو وہاں جمع کیا گیا تھا) البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ ان کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ وہ اپنے جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور وہاں موجود ہیں، اسی طرح بعض حضرات نے حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں بھی یہی کہا ہے۔ رہا مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کا معاملہ، کہ وہاں انبیاء کا نماز پڑھنا کس صورت پر محمول

ہے؟ تو یہ بھی احتمال ہے کہ محض ان کی روحوں نے نماز پڑھی تھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے جسموں نے اپنی روحوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ یہ دوسرا احتمال زیادہ قرین قیاس یوں ہے کہ پہلے گذر ہی چکا ہے کہ انبیاء کرام اپنے پروردگار کے یہاں زندہ ہیں اور اللہ نے انبیاء کے جسموں کو کھانا زمین پر حرام کیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین انبیاء کے جسم کو نہیں کھاتی اور وہ اپنی قبروں میں جوں کے توں موجود ہیں) اور چونکہ ان کے جسم و بدن عام جسموں کی طرح کثیف نہیں ہیں بلکہ روحوں کی طرح لطیف ہیں لہٰذا قادر مطلق اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سبب عالم ملک و ملکوت میں کہیں بھی ان کے حاضر و جمع ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ خود حدیث کے وہ الفاظ بھی جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہما السلام کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے، اسی بات کی تائید کرتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام نماز پڑھتے وقت بیت المقدس میں اپنے جسم اور روح دونوں کے ساتھ تھے، کیونکہ نماز کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ مختلف افعال جو اعضاء جسم کے ذریعہ صادر ہوں نہ کہ محض روح کے ساتھ۔ یہاں ایک اشکال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ان انبیاء کو مسجد اقصیٰ میں آنحضرت کے پیچھے نماز پڑھی اور پھر ان کو آنحضرت ﷺ کے استقبال و تکریم کے لئے آسمانوں پر پہنچادیا گیا ہے، یا یہ کہ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کے بعد ان کی روحوں کو آسمانوں میں متشکل کردیا گیا جن سے آنحضرت ﷺ نے وہاں ملاقات فرمائی۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام اپنے جسموں کے ساتھ ہی آسمانوں میں تھے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان انبیاء کو آنحضرت ﷺ کے نماز پڑھانے اور ان کے ساتھ جمع ہونے کا واقعہ سدرۃ المنتہیٰ سے واپسی کے بعد پیش آیا ہو۔ تاہم اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے، اس نے جس طرح چاہا اپنی قدرت کا کرشمہ ظاہر کیا، اگر اولیاء اللہ کو متعدد صورتوں کے ساتھ مختلف جگہوں پر لوگ دیکھ سکتے ہیں (جیسا کہ بعض بزرگوں کے حالات میں لکھا ہے، تو انبیاء کے ساتھ ایسی صورت پیش آنے میں کیا استبعاد ہے اور خوارق عادات (یعنی معجزوں اور کرشموں) کا مطلب بھی تو یہی ہے کہ جو چیزیں عقل و قیاس میں آنے والی نہ ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ظہور میں آئیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک میانہ قد مرد نظر آئے "میں "میانہ قد" لفظ جعد کا ترجمہ ہے ویسے لغت میں اس لفظ کے مختلف معنی آتے ہیں جن میں سے ایک تو یہی "میانہ قد" ہے، دوسرے ہلکا لیکن گول گٹھا ہوا مضبوط جسم، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مضبوط بدن کے آدمی تھے، اور تیسرے گھونگھریالے بال، لیکن جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے، اس تیسرے کا اطلاق حضرت موسیٰ علیہ السلام پر موزوں نہیں ہوگا کیونکہ دوسری روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بال گھونگھریالے نہیں تھے بلکہ وہ سیدھے بال والے تھے۔

"جب نماز کا وقت آیا تو میں ان سب کا امام بنا "اس موقع پر ان انبیاء کا مسجد اقصیٰ میں جمع ہونا اور نماز پڑھنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نماز دراصل مؤمن کی معراج ہے، یعنی یہی وہ عبادت ہے جو بندے کو اپنے خالق سے ملاتی ہے، اور عبودیت کا سب سے بڑا مرتبہ عطا کرتی ہے کیونکہ اپنے رب کے آگے حضور اور پروردگار کے کمال قرب کی حالت اسی عبادت سے نصیب ہوتی ہے اور یہ حالت عشاق کے نزدیک سب سے بڑی لذت اور سب سے زیادہ کیف آور ہے۔ حدیث کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان انبیاء کو یہ نماز آسمان پر جانے سے پہلے بیت المقدس میں پڑھائی اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان انبیاء کے نماز پڑھنے اور آنحضرت ﷺ کی امامت کا واقعہ آسمان پر بھی پیش آیا ہو، گو حدیث کے الفاظ اس طرف اشارہ نہیں کرتے بلکہ اس واقعہ کا بیت المقدس ہی میں پیش آنا مفہوم ہوتا ہے۔ نیز یہ نماز جس کی امامت آنحضرت ﷺ نے فرمائی، یا تو نماز تحیۃ تھی یا معراج کی مناسبت سے وہ مخصوص نماز تھی جو صرف اسی موقع پر پڑھی گئی۔ یہاں بھی یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ مکہ سے لے کر بیت المقدس تک آسمانوں تک معراج کا سارا واقعہ اس دنیا سے ماوراء عالم ملک و ملکوت سے تعلق رکھتا ہے اور وہ عالم عبادات و اعمال کی مسئولیت عائد نہیں کرتا، تو پھر انبیاء نے نماز کیوں پڑھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو انبیاء کرام

کے ساتھ زندہ ہیں، اور چونکہ وہ زندہ ہیں، اس لئے ہو سکتا ہے کہ انہیں نماز کی ادائیگی کا مکلف بنایا گیا ہو، دوسرے یہ کہ اس عالم میں نماز یا کسی بھی عبادت کا وجوب بیشک اٹھا ہوا ہے لیکن ان کا وجود نہیں اٹھایا گیا۔

"لیکن سلام میں پہل اسی نے کی" یعنی آنحضرت ﷺ کا دبدبہ اور شان رحمت چونکہ دوزخ کی آگ اور داروغہ دوزخ پر غالب ہے لہٰذا آپ ﷺ کے اس تفوق و برتری کی بناء پر داروغہ دوزخ نے خود بڑھ کر سلام کیا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آسمان پر پیش آیا جیسا کہ ترجمہ کے دوران بھی اشارہ کیا گیا۔

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِيْ

اور اس میں دوسری فصل نہیں ہے

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

بیت المقدس کا آنحضرت کے سامنے لایا جانا

(۶) عَنْ جَابِرٍ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَمَّا كَذَّبَنِيْ قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَّى اللّٰهُ لِيْ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ اٰيَاتِهٖ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا! "جب قریش نے (شب معراج میں میرے بیت المقدس جانے کے بارے میں) مجھے جھٹلایا (اور بیت المقدس کی عمارتی علامات اور نشانیاں مجھ سے پوچھنے لگے) تو میں حجر یعنی حطیم میں کھڑا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے لئے نمایاں کر دیا، چنانچہ میں بیت المقدس کی طرف دیکھ دیکھ کر اس کی نشانیاں اور علامات ان لوگوں کو بتاتا رہا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے نمایاں کر دیا" کا مطلب یہ ہے کہ اس موقع پر جب کہ قریش مکہ بیت المقدس کی عمارتوں اور ان کی نشانیوں کے بارے میں مجھ سے سوالات کر رہے تھے اور میرے ذہن میں بیت المقدس کا پورا عمارتی نقشہ اور اس کی نشانیاں محفوظ نہ رہنے کے سبب میں ان عمارتوں کو دوبارہ دیکھے بغیر ان کے سوالات کے جواب نہ دے سکتا تھا، قادر مطلق نے میری یوں مدد فرمائی کہ میرے اور بیت المقدس کے درمیان کے سارے فاصلے سمیٹ دیئے اور میری نگاہوں کے سامنے سے وہ ساری رکاوٹیں دور کر دیں جو میرے اور بیت المقدس کے درمیان حائل تھیں اس طور سے پورا بیت المقدس میری نگاہوں کے سامنے آگیا اور میں کسی اشتباہ و احتمال کے بغیر اس کی ایک ایک چیز اچھی طرح دیکھ کر قریش مکہ کے ایک ایک سوال کا بالکل صحیح جواب دینے پر قادر ہو گیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ پورا بیت المقدس اٹھا کر لایا گیا ہو اور آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھ دیا گیا ہو، جیسا کہ ایک روایت میں، جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "چنانچہ مسجد اقصیٰ اٹھا کر لائی گئی اور دار عقیل کے پاس رکھی گئی.....! اور حقیقت یہ ہے کہ ظہور معجزہ میں کامل ترین صورت بھی یہی ہے، جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں ثابت ہے کہ بلقیس کا تخت ایک لمحہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا تھا۔

معراج کا باب ختم ہو رہا ہے، لیکن مؤلف کتاب نے اس باب میں ایسی کوئی حدیث نقل نہیں کی جس سے بارگاہ رب العزت میں ﷺ کے حاضر ہونے اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا ذکر ہوتا؟ دراصل علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ کو شب معراج حاصل ہوا یا نہیں، اور اگر دیدار حاصل ہوا تو وہ سر کی آنکھوں سے تھا یا دل کی آنکھوں سے؟ واضح رہے کہ دل جبز ہے اور جاننا ایک دوسری چیز ہے، بعض حضرات سے جن میں صحابہ اور تابعین میں سے بھی کچھ

حضرات شامل ہیں، یہ کہا ہے کہ آپ ﷺ کو شب معراج میں دیدار خداوندی تو حاصل ہوا لیکن وہ دیدار بصری نہیں تھا، قلبی تھا یعنی آپ ﷺ نے دل کی آنکھوں سے دیکھا، سر کی آنکھوں سے نہیں! جب کہ جمہور صحابہؓ و تابعینؒ اور علماء کا مسلک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا اور محققین کے نزدیک یہی قول راجح اور حق ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل اللہ تعالیٰ کے دیدار کے باب میں پہلے گذر چکی ہے۔

بَابٌ فِي الْمُعْجِزَاتِ

معجزوں کا بیان

"مُعْجِزَات" مُعْجِزَة کی جمع ہے جس کے معنی ہیں وہ خارق عادت جس کو اللہ تعالیٰ کسی نبی و رسول کے ہاتھ سے ظاہر کردے اور دوسرے اس سے عاجز ہوں۔ لفظ معجزہ اصل میں عجز سے مشتق ہے جس کے معنی ناتواں ہونا' عاجز ہونا کے ہیں اور جو "حزم" (قادر ہونا) کی ضد ہیں۔ اسی لفظ سے معجز بنا ہے جس کے معنی ہیں عاجز کرنے والا، اعجاز دکھانے والا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں کی سچائی ثابت کرنے کے لئے اور ان کی نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر جو خارق عادت نشانیاں ظاہر فرماتا ہے ان کو معجزہ اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ جس نبی و رسول کے ہاتھ سے معجزہ ظاہر ہوتا ہے اس کی اُمت اور قوم کے لوگ نہ صرف یہ کہ مقابلہ میں اس معجزہ کی طرح کا کوئی کرشمہ دکھانے اور پیش کرنے سے عاجز ہوتے ہیں بلکہ اگر کوئی چاہے کہ اس معجزہ کا توڑ کردے تو یہ بھی ممکن نہیں ہوتا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے: "معجزہ کا لفظ "اعجاز" سے لیا گیا ہے جس کے معنی عاجز کرنے کے ہیں اور معجزہ اس چیز کو کہتے ہیں جو خارق عادت ہو اور جس سے نبوت و رسالت کا دعویٰ ظاہر و ثابت ہوتا ہو اور جو خوارق عادات ظہور نبوت سے پہلے ظاہر ہوتے ہیں ان کو معجزات نہیں کہتے بلکہ ارہاصات کہتے ہیں جو ارہاص کی جمع ہے، ارہاص کے لغوی معنی مکان کو اینٹ مٹی اور پتھر کے ساتھ مضبوط و مستحکم بنانے کے ہیں، لہٰذا ظہور نبوت سے پہلے ظاہر ہونے والے خوارق عادات گویا نبوت و رسالت کی عمارت کو مستحکم و مضبوط بنانے کا ابتدائی ذریعہ ہوتے ہیں۔

خوارق عادات کی قسمیں

خارق عادت، یعنی ایسی چیز کا وقوع پذیر ہونا جو جاری نظام قدرت سے الگ اور عادت و عام طریقہ کے خلاف ہو، اور جس کو کرشمہ سمجھا جاتا ہو، کی مختلف نوعیتیں ہوتی ہیں اور اسی اعتبار سے ان کی الگ الگ قسمیں ہیں! اور پھر ان قسموں کو الگ الگ ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے، تاکہ ان سب کی اپنی اپنی حیثیت بھی متعین ہو جائے اور ایک دوسرے سے ممتاز بھی رہیں، چنانچہ خوارق عادات کی پہلی قسم تو وہ ہے جو نبی اور رسول سے ظاہر ہو جس کو معجزہ کہا جاتا ہے، دوسری قسم وہ ہے جو عام مسلمانوں سے ظاہر ہو، اس کو "معونت" کہا جاتا ہے، تیسری قسم وہ ہے، جو اولیائے اللہ سے ظاہر ہو اور جس کو کرامت کہا جاتا ہے، اور چوتھی قسم وہ ہے جو کافروں اور فاسقوں سے ظاہر ہو، اس کو "استدراج" کہا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان چاروں قسموں میں سے اول الذکر قسم کو چھوڑ کر باقی تینوں قسمیں اپنے مفہوم و مصداق کے اعتبار سے دعویٰ نبوت کی قید سے باہر ہیں، گویا ان تینوں قسموں میں سے کسی قسم کو بھی "معجزہ" نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ معجزہ تو وہی خرق عادت ہے جو نبوت کے دعویٰ کے ساتھ ہو۔

سحر خرق عادت نہیں ہے

شعبدہ اور سحر یعنی جادو کو خرق عادت نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ شعبدہ اور سحر کا صدور و ظہور اسباب ظاہری کے تابع ہوتا ہے اور کوئی بھی

شخص ان اسباب، میں درک مہارت حاصل کر کے شعبدہ اور سحر ظاہر کرتا ہے، لہٰذا جو چیز ظاہری اسباب کے ذریعہ وجود میں آئے اس پر خرق عادت کا اطلاق نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے دواؤں اور طبی تدابیر کے ذریعہ حاصل ہونے والی شفاء کو بھی خارق عادت نہیں کہا جاتا اگر اس کو کوئی خارق عادت کہہ دے تو ظاہری صورت کے اعتبار سے ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

غار ثور کا واقعہ

① عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ اَبَابَكْرِنِ الصِّدِّيْقَ قَالَ نَظَرْتُ اِلٰى اَقْدَامِ الْمُشْرِكِيْنَ عَلٰى رُؤُسِنَا وَنَحْنُ فِى الْغَارِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْاَنَّ اَحَدَهُمْ نَظَرَ اِلٰى قَدَمِهٖ اَبْصَرَنَا فَقَالَ يَا اَبَابَكْرٍ مَاظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا۔ (متفق علیہ)

"حضرت انس ابن مالکؓ راوی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بیان فرمایا: جب ہم غار میں چھپے ہوئے تھے اور میں نے مشرکوں کے پیروں کی طرف دیکھا جو گویا ہمارے سروں پر تھے تو میں نے عرض کیا! کہ یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی ایک کی بھی نظر اپنے پیروں کی طرف چلی گئی تو ہم کو دیکھ لے گا۔ آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا۔ "ان دو شخصوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی خدا ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "غار" سے مراد مشہور پہاڑ جبل ثور کے بالائی حصہ کی وہ غار ہے جس میں رسول کریم ﷺ نے مکہ سے مدینہ کو سفر ہجرت کے دوران تین راتیں بسر فرمائی تھیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے ساتھ تھے، جبل ثور مکہ کے مشرقی جنوبی سمت تقریباً ساڑھے تین سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ جب آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا وطن عزیز چھوڑ کر مدینہ منورہ جانے کے لئے مکہ سے روانہ ہوئے اور آپ ﷺ کی روانگی کے بعد مشرکین مکہ کو جیسے ہی پتہ چلا انہوں نے اپنے گماشتے آپ ﷺ کے تعاقب میں روانہ کردیئے، ان کو حکم دیا گیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو محمد ﷺ کو مکہ واپس لایا جائے آنحضرت ﷺ اپنے رفیق سفر حضرت ابوبکر کے ساتھ جبل ثور کے اس غار میں چھپے ہوئے تھے کہ اچانک ان گماشتوں کی ایک ٹولی اس غار کے دہانے تک پہنچ گئی، اس غار کا محل وقوع اس طرح کا ہے کہ اگر کوئی شخص غار کے باہری کنارہ پر کھڑا ہو تو غار کے اندر موجود شخص کی نظر اس کے پیروں پر پڑتی ہے اور اگر باہری کنارہ پر کھڑا ہوا شخص نیچے نظر کر کے اپنے پیروں کی طرف دیکھے تو وہ غار کے اندر موجود شخص کو بڑی آسانی کے ساتھ دیکھ سکتا ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دیکھا کہ مشرکین مکہ کے گماشتے آنحضرت ﷺ کی تلاش میں اس غار تک پہنچ گئے ہیں اور وہ لوگ بالکل غار کے منہ پر کھڑے ہوئے ہیں، جوں ہی ان میں سے کسی شخص کی نظر ان کے اپنے پیروں کی طرف جائے گی، وہ ہمیں دیکھ لے گا اور اس طرح آنحضرت ﷺ پر دسترس کا موقع ان لوگوں کو مل سکتا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے اپنی اس تشویش اور گھبراہٹ کا اظہار آپ ﷺ کے سامنے کیا لیکن آپ ﷺ نے بڑے یقین کے ساتھ ان کو اطمینان دلایا کہ ہم اور تم وہ دو شخص ہیں جن کے ساتھ ایک تیسری ذات اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت بھی ہے ہمارا پروردگار ہماری حفاظت فرمائے گا اور ہمیں اپنے دشمنوں کے چنگل میں پڑنے سے بچائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ اور آپ کے پیارے ساتھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ وہ مشرکین مکہ جو غار کے بالکل منہ پر کھڑے ہوئے اپنی تیز نگاہوں سے ادھر ادھر آنحضرت ﷺ کو تلاش کر رہے تھے اور اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ اسی غار میں موجود ہیں، عین موقع پر حوصلہ ہار بیٹھے، نہ تو ان کو آگے تلاش کا موقع ملا اور نہ انہیں پیروں کی طرف غار کے اندر دیکھنا نصیب ہو سکا، رف اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ اور آنحضرت ﷺ کے معجزہ کا ظہور تھا۔

طیبیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے ان مشرکوں کے حق میں یہ بددعا فرمائی تھی، اے اللہ! ان کی آنکھوں کی

بینائی معطل کردے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان سب کو اس طرح بے بصر کردیا کہ وہ غار کے چاروں طرف گھومتے تھے مگر اس کے اندر موجود آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہوتے تھے اور جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس موقع پر کبوتروں نے غار کے منہ پر انڈے رکھ دیئے اور مکڑیوں نے جالا تن دیا یہ بھی معجزہ ہی تھا۔

سفر ہجرت کے دوران دشمن کے خلاف معجزہ کا ظہور

(۲) وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ قَالَ لِاَبِيْ بَكْرٍ يَا اَبَا بَكْرٍ حَدِّثْنِيْ كَيْفَ صَنَعْتُمَا حِيْنَ سَرَيْتَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَسْرَيْنَا لَيْلَتَنَا وَمِنَ الْغَدِ حَتّٰى قَامَ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ وَخَلَا الطَّرِيْقُ لَا يَمُرُّ فِيْهِ اَحَدٌ فَرُفِعَتْ لَنَا صَخْرَةٌ طَوِيْلَةٌ لَهَا ظِلٌّ لَمْ يَاْتِ عَلَيْهَا الشَّمْسُ فَنَزَلْنَا عِنْدَهَا وَسَوَّيْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَانًا بِيَدِيْ يَنَامُ عَلَيْهِ وَبَسَطْتُ عَلَيْهِ فَرْوَةً وَقُلْتُ نَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاَنَا اَنْفُضُ مَا حَوْلَكَ فَنَامَ وَخَرَجْتُ اَنْفُضُ مَا حَوْلَهٗ فَاِذَا اَنَا بِرَاعٍ مُقْبِلٍ قُلْتُ اَفِيْ غَنَمِكَ لَبَنٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ اَفَتَحْلِبُ قَالَ نَعَمْ فَاَخَذَ شَاةً فَحَلَبَ فِيْ قَعْبٍ كُثْبَةً مِّنْ لَبَنٍ وَمَعِيْ اِدَاوَةٌ حَمَلْتُهَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْتَوِيْ فِيْهَا يَشْرَبُ وَيَتَوَضَّاُ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَرِهْتُ اَنْ اُوْقِظَهٗ فَوَافَقْتُهٗ حَتّٰى اسْتَيْقَظَ فَصَبَبْتُ مِنَ الْمَاءِ عَلَى اللَّبَنِ حَتّٰى بَرَدَ اَسْفَلُهٗ فَقُلْتُ اشْرَبْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَشَرِبَ حَتّٰى رَضِيْتُ ثُمَّ قَالَ اَلَمْ يَاْنِ لِلرَّحِيْلِ قُلْتُ بَلٰى فَارْتَحَلْنَا بَعْدَ مَا مَالَتِ الشَّمْسُ وَاتَّبَعَنَا سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكٍ فَقُلْتُ اُتِيْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَدَعَا عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْتَطَمَتْ بِهٖ فَرَسُهٗ اِلٰى بَطْنِهَا فِيْ جَلَدٍ مِّنَ الْاَرْضِ فَقَالَ اِنِّيْ اَرَاكُمَا دَعَوْتُمَا عَلَيَّ فَادْعُوْا لِيْ فَاللّٰهُ لَكُمَا اَنْ اَرُدَّ عَنْكُمَا الطَّلَبَ فَدَعَا لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَجَا فَجَعَلَ لَا يَلْقٰى اَحَدًا اِلَّا قَالَ كُفِيْتُمْ مَا هٰهُنَا فَلَا يَلْقٰى اَحَدًا اِلَّا رَدَّهٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت براء ابن عازبؓ اپنے والد محترم (حضرت عازبؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے ابوبکر! جب (آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے ارادہ سے مکہ چھوڑا اور مدینہ روانہ ہوئے اور) تم نے رات میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ سفر کیا تو (غار سے نکلنے کے بعد) تمہیں کیا کیا حالات، اور واردات پیش آئے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا! "(غار سے نکل کر) ہم ساری رات چلتے رہے اور اگلے دن کا کچھ حصہ بھی (یعنی دوپہر تک) سفر میں گزرا یہاں تک کہ جب ٹھیک دوپہر ہوگئی اور سورج ٹھہر گیا اور راستہ (آنے جانے والوں سے) بالکل خالی ہوگیا تو ہمیں ایک چٹان نظر آئی جس کے نیچے سایہ تھا اور سورج اس پر نہیں آیا تھا (یعنی اس چٹان کے نیچے جو کھوہ یا غار تھا اس میں دھوپ نہیں تھی۔ چنانچہ ہم اس چٹان کے نیچے اتر گئے اور میں نے وہاں رسول کریم ﷺ کے لئے ایک جگہ اپنے ہاتھوں سے ہموار اور صاف کی تاکہ آپ ﷺ اس پر سور ہیں پھر میں نے اس جگہ پر پوستین بچھایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ (ﷺ) یہاں سو جائیے، میں آپ (ﷺ) کے ادھر ادھر نگرانی رکھوں گا کہ کسی طرف سے دشمن کا کوئی آدمی تو ہماری ٹوہ میں نہیں ہے، اگر کوئی ادھر آئے گا تو اس کو روکوں گا) رسول کریم ﷺ سو گئے اور وہاں سے نکل کر آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لئے چاروں طرف نگرانی رکھے ہوئے تھا کہ اچانک میں نے ایک چرواہے کو دیکھا جو سامنے سے آرہا تھا (جب وہ میرے قریب آگیا تو) میں نے پوچھا کہ کیا تمہاری بکریوں میں دودھ ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں ہے۔ میں نے کہا: کیا تو دودھ دوہ کردے گا؟ اس نے کہا: ہاں! پھر اس نے ایک بکری کو پکڑا اور لکڑی کے پیالے میں تھوڑا سا دودھ دوہ دیا، میرے پاس ایک چھاگل تھی جو میں نے نبی کریم ﷺ کے استعمال کے لئے رکھی تھی، اس میں پانی رہتا تھا جو آپ ﷺ کے پینے اور وضو کے کام آتا تھا، میں دودھ لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ سو رہے تھے، میں نے جگانا مناسب نہ سمجھا اور خود بھی آپ ﷺ کا ساتھ دیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ خود بیدار ہوئے (اور میں بھی اٹھ گیا) پھر میں نے دودھ میں (اتنا) پانی ڈالا کہ نیچے تک ٹھنڈا ہوگیا اور پھر عرض کیا یا رسول اللہ! نوش فرمائیے۔ آپ ﷺ نے وہ دودھ نوش فرمایا

اور میں بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا کوچ کا وقت نہیں آیا؟ میں نے کہا ہاں آگیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ پس ہم نے سورج ڈھلنے کے بعد (ٹھنڈے وقت) وہاں سے کوچ کیا اور، (آگے سفر شروع ہوا تو) پیچھے سے سراقہ ابن مالک آگیا، میں نے (اس کو دیکھ کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دشمن ہمیں پکڑنے آگیا ہے.... آنحضرت ﷺ نے فرمایا ڈرو نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے سراقہ کے لئے بد دعا کی اور سراقہ کا گھوڑا اس کو لئے ہوئے پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ (اس صورت حال سے دوچار ہو کر بد حواس ہو گیا اور) کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں، تم دونوں نے میرے لئے بد دعا کی ہے، اب میری نجات و خلاصی کے لئے بھی تم دعا کرو مجھ کو اس گرفت سے نجات دلا دو تو) میں اللہ کو گواہ بنا کر وعدہ کرتا ہوں کہ میں کفار کو تمہارا تعاقب کرنے سے روک دوں گا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی اور وہ اس گرفت سے نجات پا گیا۔ اور پھر سراقہ نے (اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے یہ کیا) کہ آنحضرت ﷺ کی تلاش میں مکہ سے روانہ ہونے والے کافروں میں سے) جو بھی کافر اس کو راستہ میں ملتا وہ اس سے کہتا کہ تمہارے لئے میرا تلاش کرنا کافی ہے (یعنی میں بہت دور سے محمد ﷺ کو تلاش کر کے دیکھ چکا ہوں ان کا کہیں پتہ نہیں چلا تم ان کو تلاش کرنے کی زحمت برداشت نہ کرو) سراقہ کو جو شخص بھی ملتا اس کو وہ یہی کہہ کر واپس کر دیتا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "اور خود بھی آپ ﷺ کا ساتھ دیا" یہ فوافقته کا ترجمہ ہے، یعنی آپ ﷺ کو سوتا دیکھ کر نہ صرف یہ کہ میں نے آپ ﷺ کو جگانا پسند نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ کی طرح میں خود بھی وہیں ایک طرف کو لیٹ کر سو گیا۔ اور ایک روایت میں یہ لفظ "ف" پر "ق" کی تقدیم کے ساتھ ہے، اس صورت میں ترجمہ و مطلب یہ ہو گا کہ میں نے آپ ﷺ کو سوتا دیکھ کر توقف کیا یعنی آپ ﷺ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا اور اس وقت تک انتظار کرتا رہا جب تک آپ ﷺ خود بیدار نہ ہو گئے۔

"پھر میں نے دودھ میں پانی ڈالا" عربوں کی عام عادت تھی کہ دودھ کی حرارت کو زائل کرنے کے لئے اس میں ٹھنڈا پانی ملا لیتے تھے اور پھر اس کو پیتے تھے، چنانچہ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس عادت و معمول کے مطابق بکری کے اس دودھ میں اتنا پانی ملا دیا جس سے وہ دودھ خوب ٹھنڈا ہو گیا۔

"اور میں بہت خوش ہوا" یعنی حضرت ابوبکرؓ کو اس بات سے بہت زیادہ خوشی و طمانیت محسوس ہوئی کہ ان کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ آنحضرت ﷺ کو کچھ دیر استراحت کا موقع مل گیا بلکہ اتنا دودھ بھی فراہم ہو گیا جس کو آپ ﷺ نے بشاشت و خوش طبعی کے ساتھ نوش فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محب کی اصل خوشی محبوب کی خوشی اور راحت میں ہوتی ہے۔

اس موقع پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی بکریوں کا دودھ کیسے دوہا اور پیا گیا جس کے مالک کی اجازت حاصل نہیں تھی؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ وہ بکریاں کسی ایسے شخص کی تھیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دوست اور معتمد تھا۔ اور حضرت ابوبکرؓ اپنے اس دوست کی اجازت کا اعتماد رکھتے تھے، دوسرا جواب یہ ہے کہ عربوں اور خاص طور پر اہل مکہ کی عادت تھی کہ وہ اپنے چرواہوں کو پہلے ہی اجازت دیدیتے تھے کہ انہیں جو مسافر یا بھوکا ملے اور طلبگار ہو تو اس کو بلا توقف دودھ نکال کر دے دیا کریں، اور ایک تیسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مطلوبہ قیمت دیکر وہ دودھ حاصل کیا ہو گا!۔

"سراقہ ابن مالک" ان لوگوں میں سے ایک تھا جن کو قریش مکہ نے آنحضرت ﷺ کے تعاقب پر مامور کیا تھا اور یہ اعلان کیا تھا کہ جو شخص بھی محمد ﷺ کو پکڑ لائے گا اور ہمارے حوالے کر دے گا اس کو بطور انعام سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ یہ سراقہ ابن مالک فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے تھے!۔

"اور وہ گرفت سے نجات پا گیا" .... ایک روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بد دعا کے نتیجہ میں سراقہ کے زمین میں دھنسنے اور پھر آنحضرت ﷺ کی دعا کے بعد نجات پانے کا واقعہ تین بار ہوا۔ یعنی وہ ہر بار آنحضرت ﷺ سے دعا کرا کر نجات پا جاتا اور پھر آپ ﷺ کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھنے لگتا، یہاں تک کہ وہ جب تیسری مرتبہ اپنے گھوڑے کے ساتھ زمین میں دھنسا اور اس کی

لجاجت پر آنحضرت ﷺ نے اس کے حق میں دعا کر کے اس کو نجات دلوائی تو وہ اپنے برے ارادہ سے باز آگیا اور پھر نہ صرف یہ کہ آنحضرت ﷺ کو پکڑنے کے لئے خود آگے نہیں بڑھا بلکہ واپسی میں اس کو جو شخص بھی آنحضرت ﷺ کے تعاقب میں آتا ہوا ملا اس کو اس نے واپس کر دیا اور کسی کو آنحضرت ﷺ تک پہنچنے نہیں دیا۔

اس حدیث سے جہاں آنحضرت ﷺ کے معجزے اور مختلف وجوہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے وہیں کئی قیمتی اور مفید باتیں بھی سامنے آتی ہیں ایک تو یہ کہ تابع کو اپنے متبوع کی خدمت میں اپنی پوری کوشش اور صلاحیت صرف کرنی چاہئے، دوسرے یہ کہ سفر میں ایسا برتن (یعنی چھاگل یا لوٹا وغیرہ) ساتھ رکھنا کہ جو پانی پینے اور طہارت و وضو کے کام آئے نہایت ضروری ہے، اور تیسرے یہ کہ بندہ کو ہر حالت میں اپنے اللہ پر اعتماد اور توکل رکھنا چاہئے کہ نتیجہ اور انجام کی بہتری اسی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔

عبداللہ ابن سلامؓ کے ایمان لانے کا واقعہ

(۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ بِمَقْدَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ اَرْضٍ يَخْتَرِفُ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ سَائِلُكَ عَنْ ثَلٰثٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا نَبِيٌّ فَمَا اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَمَا اَوَّلُ طَعَامِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَا يَنْزِعُ الْوَلَدَ اِلٰى اَبِيْهِ اَوْ اِلٰى اُمِّهٖ قَالَ اَخْبَرَنِيْ بِهِنَّ جِبْرَئِيْلُ اٰنِفًا اَمَّا اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ اِلَى الْمَغْرِبِ وَ اَمَّا اَوَّلُ طَعَامٍ يَاْكُلُهٗ اَهْلُ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ حُوْتٍ وَاِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْاَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ وَاِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْاَةِ نَزَعَتْ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْيَهُوْدَ قَوْمٌ بُهُتٌ وَاِنَّهُمْ اِنْ يَّعْلَمُوْا بِاِسْلَامِيْ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَسْئَلَهُمْ يَبْهَتُوْنِيْ فَجَاءَتِ الْيَهُوْدُ فَقَالَ اَيُّ رَجُلٍ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ فِيْكُمْ قَالُوْا خَيْرُنَا وَ ابْنُ خَيْرِنَا وَسَيِّدُنَا وَابْنُ سَيِّدِنَا قَالَ اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَسْلَمَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ قَالُوْا اَعَاذَهُ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ فَخَرَجَ عَبْدُاللّٰهِ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالُوْا شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا فَانْتَقَصُوْهُ قَالَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُ اَخَافُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن سلام ایک جگہ درختوں سے پھل چن رہے تھے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے (مکہ سے مدینہ میں) آنے کا حال سنا، وہ فوراً نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں (نبوت کی علامتوں کی تصدیق کے لئے) آپ ﷺ سے تین باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں، جن کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا، ایک تو یہ کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہوگی؟ دوسرے یہ کہ جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہوگا۔ (جو وہ جنت میں پہنچ کر سب سے پہلے کھائیں گے) تیسرے یہ کہ وہ کونسی چیز ہے جو اولاد کو ماں یا باپ کے مشابہ کرتی ہے (یعنی اولاد جو شکل و صورت کے اعتبار سے کبھی باپ کے مشابہ ہوتی ہے اور کبھی ماں کے مشابہ، تو اس کا کیا سبب ہے؟) آنحضرت ﷺ نے (عبداللہ ابن سلام کے یہ تینوں سوال سنکر) فرمایا، ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام نے ان سوالوں کے جواب سے آگاہ کیا ہے (اور وہی تمہیں بتاتا ہوں) کہ قیامت کی پہلی علامت تو وہ آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق کی طرف سے مغرب کی طرف جمع کر کے لے جائے گی اور جنتی جنت میں سب سے پہلے جو کھانا کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا زائد حصہ ہوگا (یعنی مچھلی کے جگر کا وہ حصہ جو جگر سے علیحدہ لٹکتا ہے اور جو مچھلی کا لذیذ ترین جزء ہوتا ہے) اور جہاں تک اولاد میں ماں باپ کی مشابہت کا سوال ہے تو) اگر مرد کا پانی (منی) عورت کے پانی پر غالب آجاتا ہے تو مرد اولاد کو اپنی مشابہت کی طرف کھینچ لیتا ہے، اور اگر عورت کا پانی (مرد کے پانی پر) غالب آجاتا ہے تو عورت اولاد کو اپنی مشابہت کی طرف کھینچ لیتی ہے۔ عبداللہ ابن سلام نے (اپنے سوالوں سے یہ جواب سن کر) کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ ﷺ یقیناً اللہ کے رسول ہیں (اس قبول اسلام کے بعد عبداللہ ابن سلام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ یہودی بڑے افتراش اور بہتان تراش ہیں، اگر آپ ﷺ کے پوچھنے سے پہلے ان کو میرا مسلمان ہونا معلوم ہوگیا تو مجھ پر جھوٹے بہتان

باندھیں گے (یعنی اگر ان کو یہ معلوم ہونے کے بعد کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں، آپ ﷺ ان سے میرے بارے میں کچھ پوچھیں گے تو وہ مخالفت پر اتر آئیں گے اور مجھ پر بڑے بڑے الزام لگا ڈالیں گے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان کو میرے اسلام کی خبر ہونے سے پہلے آپ ان سے میرے بارے میں جو پوچھنا چاہیں پوچھ لیں تاکہ وہ میرے متعلق صحیح حالات سے آپ ﷺ کو آگاہ کریں)۔ چنانچہ اتفاقاً یا آنحضرت ﷺ کے بلانے پر، اسی وقت) کچھ یہودی مجلس نبوی میں آ گئے اور عبداللہ ابن سلام ایک گوشہ میں چھپ گئے، آنحضرت ﷺ نے ان یہودیوں سے پوچھا کہ تم میں (یا تمہارے گمان و علم میں) عبداللہ ابن سلام کیسے شخص ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ ہم میں سے بہترین آدمی ہیں، ہم میں سے بہترین آدمی کا بیٹا ہے (یعنی عبداللہ ابن سلام نہ صرف یہ کہ اپنی ذات کا اعتبار سے ہم میں، علمی، اخلاقی اور سماجی حیثیت رکھتے ہیں اور ہمارے سردار ہیں بلکہ حسب و نسب کے اعتبار سے بھی ہم پر ان کو فضیلت حاصل ہے (آنحضرت ﷺ نے ان کا یہ جواب سن کر) پھر یہ پوچھا کہ اچھا بتلاؤ کہ عبداللہ ابن سلام مسلمان ہو جائیں (تو کیا تم بھی مسلمان ہو جاؤ گے، یہودیوں نے کہا: خدا اس کو اسلام سے بچائے اور اپنی حفاظت میں رکھے (یا یہ کہ معاذ اللہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے) جبھی عبداللہ ابن سلام ان کے سامنے آ گئے اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ بلاشبہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ یہودیوں نے یہ (سنتے ہی) کہنا شروع کر دیا کہ یہ شخص تو ہم میں بہت برا ہے اور بدترین شخص کا بیٹا ہے اور ان میں طرح طرح کے عیب نکالنے لگے۔ عبداللہ ابن سلام نے کہا (آپ (ﷺ) نے دیکھا) یا رسول اللہ! یہی وہ بات ہے جس سے میں ڈرتا تھا (اور اسی وجہ سے میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ ان سے میرا حال پہلے پوچھ لیجئے، تاکہ آپ ﷺ کو اندازہ ہو جائے کہ یہ قوم کیسی دوغلی اور جھوٹی ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: "عبداللہ ابن سلام ایک جگہ درختوں کے پھل چن رہے تھے" یا تو صورت واقعہ یہی تھی کہ عبداللہ ابن سلام اپنے باغ میں درختوں سے پھل اتارنے اور اکٹھا کرنے میں لگے ہوئے تھے کہ کسی نے آکر ان کو بتایا ہوگا کہ نبوت کا دعویٰ اور دین اسلام کی دعوت لے کر محمد (ﷺ) مدینہ میں آ گئے ہیں، یہ سنتے ہی وہ اپنا سارا کام کاج چھوڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے.... یا یہ کہ عبداللہ ابن سلام آنحضرت ﷺ کی آمد کی خبر سن کر آپ ﷺ کی خدمت میں جس عجلت و اشتیاق کے ساتھ حاضر ہوئے اس کو ان الفاظ کے ذریعہ مبالغہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے مطلب یہ کہ عبداللہ ابن سلام اگر چاہتے تو اپنا کام کاج نمٹانے کے بعد فرصت کے وقت اور اطمینان سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے، لیکن انہوں نے چونکہ تورات میں آنحضرت ﷺ کی صفات و خصوصیات کو پڑھ رکھا تھا اور نبی آخر الزمان کے ظہور کے شدت سے منتظر تھے اس لئے جوں ہی ان کو آنحضرت کی آمد کی خبر ملی وہ ذرا بھی توقف کئے بغیر خدمت اقدس میں پہنچ گئے۔

مدتے برد کہ مشتاق نقایت بودم لاجرم روئے ترا دیدار واز جارفتم

عبداللہ ابن سلام کا سلسلہ نسب حضرت یوسف علیہ السلام سے ملتا ہے، یہود مدینہ کے سرداروں میں سے تھے، بڑے عقل مند و عالم، دانشور اور تورات پر زبردست عبور رکھتے تھے، آنحضرت ﷺ، مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو یہ اس تشریف آوری کا علم ہوتے ہی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان و اسلام کی دولت سے سرفراز ہو کر نہایت اونچے درجہ کے صحابہ کرام میں شمار ہوئے۔ رضی اللہ عنہ۔

"جن کو نبی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔" اس سے عبداللہ ابن سلام کی یہ مراد تھی کہ میں جو تین چیزیں پوچھ رہا ہوں ان کے بارے میں صحیح بات جاننا اور بتانا صرف نبی کے بس میں ہے۔ نبی کے علاوہ وہی شخص جان سکتا ہے جس کو یا تو نبی نے بتایا ہو یا اس نے خدا کی کتاب سے معلوم کیا ہو۔ یہ بیان مراد اس لئے ضروری ہے کہ خود عبداللہ ابن سلام بھی تو ان چیزوں کے بارے میں اجمالی و تفصیلی طور پر جانتے تھے اور ان کو یہ علم تورات سے حاصل ہوا تھا اور ان سوالات سے ان کا اصل مقصد آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی تصدیق حاصل کرنا تھا، ان تینوں چیزوں کے جوابات گویا ان کے حق میں آنحضرت کا معجزہ ثابت ہوئے اور ان کو آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت کا

علم یقین حاصل ہوا اور غالباً اسی مناسبت سے اس حدیث کو یہاں معجزات کے باب میں نقل کیا گیا ہے۔

"ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام نے مجھے ان سوالوں کے جواب سے آگاہ کیا ہے۔" اپنے سوالات کے جواب سن کر عبداللہ ابن سلام کو یہ وہم اور شبہ ہو سکتا تھا کہ انہوں نے (یعنی آنحضرت ﷺ نے) شاید کسی اہل کتاب (تورات جاننے والے) سے پہلے ہی یہ باتیں سن رکھی ہوں گی۔ اور اسی بنیاد پر میرے سوالات کے جواب دیئے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس وہم اور شبہ کی راہ پہلے ہی روک دینے کے لئے واضح فرمایا کہ یہ جواب جو میں تمہارے سامنے بیان کر رہا ہوں اللہ کی طرف سے جبرئیل نے مجھ تک پہنچائے ہیں، نیز ان الفاظ سے آپ ﷺ کا مقصد عبداللہ ابن سلام کو متنبہ فرمانا بھی تھا کہ گوش ہوش سے اپنے سوالات کے جواب سنو، علاوہ ازیں ان کو وجود وحی اور نزول جبرئیل سے آگاہ کرنا بھی مقصود تھا۔

" اِذَاسبق ماءالرَّجُلِ الخ " میں سبق کے معنی ملا علی قاریؒ نے علا اور غلب لکھے ہیں اور ترجمہ میں اسی معنی کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اور شیخ عبدالحقؒ نے اس کے معنی "پیش میشود" یعنی رحم میں پہلے پہنچنا لکھے ہیں مطلب یہ ہے کہ مرد اور عورت میں جس کا پانی عورت کے رحم میں پہلے پڑتا ہے اس کی شکل و شباہت کی چھاپ اولاد پر پڑتی ہے، شیخ عبدالحقؒ نے بعد میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کے ماں باپ کے مشابہ ہونے کا سبب ان دونوں میں سے ایک کے پانی کا سبقت کرنا ہے جب کہ ایک اور حدیث میں جو باب الغسل میں نقل ہوئی ہے مشابہت کا سبب غلبہ اور سبقت دونوں کو بتایا گیا ہے۔ اس اعتبار سے سبق کے معنی غلبہ اور سبقت دونوں کے ہو سکتے ہیں؟

جنگ بدر سے متعلق پیش خبری کا معجزہ

④ وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ حِيْنَ بَلَغَنَا اِقْبَالُ اَبِيْ سُفْيَانَ وَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْاَمَرْتَنَا اَنْ نُخِيْضَهَا الْبَحْرَ لَاَخَضْنَاهَا وَلَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَضْرِبَ اَكْبَادَهَا اِلٰى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا قَالَ فَنَدَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فَانْطَلَقُوْا حَتّٰى نَزَلُوْا بَدْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَيَضَعُ يَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ هٰهُنَا وَهٰهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ اَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس وقت جب کہ ہمیں ابوسفیان کے آنے کی خبر ملی، (مدینہ والوں سے) صلاح مشورہ کیا تو سعد ابن عبادہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر آپ (ﷺ) ہمیں اپنی سواری کے جانوروں کو سمندر میں ڈال دینے کا حکم دیں تو بلاشبہ ہم ایسا ہی کریں گے (یعنی روئے زمین پر موقوف نہیں اگر آپ ﷺ کا حکم ہو گا تو ہم دشمن تک پہنچنے اور اس کا قلع قمع کرنے کے لئے سمندر میں اپنے گھوڑے دوڑا دیں گے) اور اگر آپ (ﷺ) کا حکم ہو کہ ہم اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کے جگر کو برک غماد تک ماریں تو ہم بے شک ایسا ہی کریں گے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے تمام لوگوں یعنی مہاجرین و انصار کو (جنگ کے لئے) جوش و خروش سے بھر دیا اور تیار کیا اور سب لوگ روانہ ہو گئے یہاں تک کہ جب بدر کے مقام پر پہنچے (معرکہ آرائی کے لئے اس جگہ کو منتخب کیا گیا) تو رسول کریم ﷺ نے (مجاہدین اسلام کو مخاطب کر کے) فرمایا (دیکھو) یہ جگہ فلاں شخص کے ہلاک ہونے اور اس کی نعش گرنے کی ہے (اور اس جگہ فلاں شخص قتل ہو کر گرے گا) اس طرح آپ ﷺ مکہ کے کفار و اشقیاء کے نام لیتے جاتے تھے اور) زمین پر (ایک ایک جگہ) ہاتھ رکھتے (اور کہتے جاتے تھے کہ) فلاں شخص یہاں مر کر گرے گا اور فلاں شخص کی لاش یہاں گرے گی۔" حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جہاں جہاں ہاتھ رکھ دیا تھا وہاں سے ایک شخص بھی متجاوز نہیں ہوا۔" (مسلم)

تشریح: "جب کہ ہمیں ابوسفیان کے آنے کی خبر ملی۔" یہ غزوۂ بدر کے ابتدائی مرحلہ کا ذکر ہے کہ مکہ کا ایک سردار ابوسفیان اپنے تجارتی قافلہ کے ہمراہ ملک شام سے مکہ واپس آرہا تھا، قافلہ میں آدمی تو صرف چالیس سوار تھے لیکن مال اسباب بہت زیادہ تھا، جب مدینہ میں مسلمانوں کو ابوسفیان کے اس تجارتی قافلہ کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے اہل مکہ پر بھرپور اقتصادی ومالی ضرب لگانے کے لئے اس موقع کو غنیمت جانا، ان کا خیال تھا کہ قافلہ کے چالیس سواروں کو زیر کر کے ان تمام مال واسباب پر قبضہ کرلیا جائے گا، لیکن اول تو خود ابوسفیان کو مسلمانوں کے حملہ کی اطلاع مل گئی اور اس نے عام راستہ چھوڑ کر ساحلی راستہ اختیار کرلیا جس سے مسلمانوں کی زد سے وہ محفوظ ہو گیا دوسرے یہ خبر مکہ بھی پہنچ گئی اور اہل مکہ نے مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ کرنے کا ارادہ کرلیا، چنانچہ ابوجہل نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اہل مکہ کو مسلمونوں کے خلاف للکارا اور انہیں نہایت مشتعل کر کے جنگ پر آمادہ کیا! جب پوری تیاری ہو گئی تو ابوجہل زبردست حربی طاقت کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا، راستہ میں کچھ لوگوں نے اس کو سمجھایا بھی کہ جب ہمارا قافلہ ساحلی علاقہ پر لگ گیا ہے اور مسلمانوں کی زد سے محفوظ واپس آرہا ہے تو اب مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے جانے میں کوئی عقلمندی نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ مکہ لوٹ جائیں لیکن ابوجہل کے تو زوال کا وقت آگیا تھا، اس نے لوگوں کا یہ مشورہ ماننے سے انکار کردیا اور بدر پہنچ گیا۔

اسی موقع پر حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور آنحضرت ﷺ کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں صورتوں میں سے ایک صورت کا وعدہ کیا ہے، چاہے قافلہ کو زیر کر کے مال حاصل کرلو اور چاہے (جنگ کر کے) دشمنوں پر فتح حاصل کرلو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مہاجر وانصار صحابہ کو جمع کر کے مشورہ فرمایا کہ ابوسفیان تو ساحلی راستہ اختیار کر کے ہماری زد سے بچ گیا ہے اور اب جب کہ ابوجہل ہمیں نیست ونابود کردینے کا عزم لے کر زبردست فوجی طاقت کے ساتھ ہمارے مقابلہ پر نکل کھڑا ہوا ہے تو ہمیں کیا رویہ اور طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے!

آنحضرت ﷺ کا یہ مشورہ طلب کرنا دراصل انصار مدینہ کو آزمانا اور ان کا ردعمل جاننا تھا، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ابتداء میں ان سے جو بیعت لی تھی اس میں یہ بات شامل نہیں تھی کہ وہ (انصار) جہاد کے لئے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکلیں گے اور دشمن کے مقابلہ پر مسلمانوں کی اقدامی کارروائی میں جانی ومالی مدد دیں گے، ان سے صرف اس بات پر بیعت لی گئی تھی کہ وہ ان لوگوں سے، آنحضرت ﷺ کی حفاظت کریں گے جو آپ پر حملہ آور ہوں گے، اس وقت یہ صورت حال تھی کہ کوئی دشمن آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں پر حملہ آور نہیں ہو رہا تھا بلکہ خود مسلمانوں کی طرف سے ابوسفیان کے تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا اور اس کے شاخسانہ کے طور پر اہل مکہ مسلمانوں سے جنگ کرنے نکل کھڑے ہوئے تھے، لہٰذا آنحضرت ﷺ نے ضروری جانا کہ انصار سے مشورہ کر کے ان کا ردعمل جان لیا جائے کہ آیا وہ اس کارروائی میں ہماری مدد کرتے ہیں یا نہیں۔ آنحضرت ﷺ کو انصار کی طرف سے نہایت حوصلہ افزا جواب ملا انہوں نے نہ صرف اس موقع پر تن من، دھن سے جان نثاری کا ثبوت دیا بلکہ بعد میں بھی جب کوئی ایسا موقع آیا انہوں نے پوری یگانگت اور موافقت کے ساتھ خود کو آنحضرت اور مہاجرین کے دوش بدوش رکھا۔ آنحضرت ﷺ کے اس مشورہ طلب کرنے میں اُمت کے لئے بھی تلقین وترغیب ہے کہ اپنے مسائل ومعاملات میں اصحاب عقل ودانش اور اپنے رفقاء ومعاونین سے مشورہ کرنا حسن مآل تک پہنچنے کا بابرکت ذریعہ ہے۔

"سعد ابن عبادہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا... جیسا کہ اوپر مذکور ہوا مشورہ طلب کرنے سے آنحضرت ﷺ کا اصل مقصد چونکہ انصار کا ردعمل جاننا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر حضرت سعد ابن عبادہ جواب دینے کے لئے کھڑے ہوئے جو انصار کے ایک سردار تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو جواب دیا اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم کسی بھی حالت میں آپ کی مدد کرنے سے پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں، یہ تو بہت نزدیک کے دشمن کے مقابلہ پر جانے کی بات ہے اگر ہمیں دور دراز علاقوں میں جانے کا حکم دیں تو چاہے ہمیں زمین پر سفر کرنا پڑے چاہے سمندر میں اتر کر جانا پڑے ہم آپ ﷺ کے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔

"برک غماد" ایک مقام کا نام تھا جو مدینہ سے بہت دور یمن میں واقع تھا، یا ہجر کے پرلے کنارہ پر اور یا اس کی آبادیوں کے بالکل

آخری کنارہ پر تھا... اونٹوں یا گھوڑوں کے جگر کو مارنا، سواری کے جانور کو نہایت تیز ہانکنے سے کنایہ ہے۔ اور اس میں لفظی مناسبت یہ ہے کہ جب کوئی شخص مثلاً گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور گھوڑا تیز بھاگتا ہے تو سوار کے پیر اس گھوڑے کے جسم کے اس حصہ پر زور زور سے لگتے جاتے ہیں جہاں جگر ہوتا ہے اس جملہ کا مطلب یہی تھا کہ اگر آپ ہمیں اپنی سواریوں کو تیز بھگا کر برک غماد تک جو یہاں سے بہت دور واقع ہے، دشمن کے مقابلہ پر پہنچنے کا حکم دیں تو ہم آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں یہاں سے فوراً روانہ ہو جائیں گے اور کہیں رکے بغیر نہایت تیز رفتاری سے برک غماد پہنچ کر ہی دم لیں گے۔

حدیث کے آخر میں آنحضرت ﷺ کے ایک بڑے معجزہ کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے بدر کے مقام پر پہنچ کر جنگ شروع ہونے سے بھی پہلے ستر کافروں کی لاشیں گرنے کی جگہوں کے بارے میں بتا دیا تھا، آپ ﷺ نے ان سب کے نام لے لے کر اور ایک ایک جگہ ہاتھ رکھ کر اپنے صحابہؓ کو آگاہ فرمایا تھا کہ ان میں سے فلاں شخص اس جگہ مقتول ہو کر گرے گا اور فلاں شخص کی لاش یہاں گرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب جنگ شروع ہوئی اور مجاہدین اسلام نے کافروں کو قتل کرنا شروع کیا آپ ﷺ نے جس کافر کے لئے جس جگہ کا اشارہ فرمایا وہ اسی جگہ مارا گیا اور اس کی لاش وہاں سے ذرا بھی ادھر ادھر نہیں گری۔

جنگ بدر کے دن آنحضرت ﷺ کی دعا

⑤ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ فِيْ قُبَّةٍ يَوْمَ بَدْرٍ اَللّٰهُمَّ اَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ اَللّٰهُمَّ اِنْ تَشَأْ لَا تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ فَاَخَذَ اَبُوْبَكْرٍ بِيَدِهٖ فَقَالَ حَسْبُكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْحَحْتَ عَلٰى رَبِّكَ فَخَرَجَ وَهُوَ يَثِبُ فِي الدِّرْعِ وَهُوَ يَقُوْلُ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جنگ بدر کے دن ایک خیمہ میں یہ دعا مانگ رہے تھے۔ "اے اللہ! میں تجھ سے تیری امان مانگتا ہوں اور تیرے وعدہ کا ایفاء چاہتا ہوں اے اللہ! اگر تو یہی چاہتا ہے (کہ یہاں دشمنوں کے مقابلہ پر مسلمان ہلاک ہو جائیں) تو (روئے زمین پر کوئی مسلمان باقی نہیں رہے گا اور) آج کے بعد تیری عبادت نہیں ہوگی" جب آپ ﷺ گڑگڑا کر یہ دعا مانگتے ہی رہے تو حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: یا رسول اللہ! بس کیجئے اتنا ہی دعا مانگنا بہت کافی ہے، آپ ﷺ نے بہت الحاح وزاری کے ساتھ اپنے پروردگار سے فتح و نصرت کی التجا کی ہے۔" اس کے بعد آنحضرت ﷺ زرہ پہنے ہوئے تھے (فرط مسرت سے) بڑی تیزی کے ساتھ اپنے خیمہ سے باہر آئے اور یہ آیت (جو اس وقت نازل ہوئی تھی) آپ ﷺ (بآواز بلند) پڑھ رہے تھے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔

"(کفار کی) یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ اس روایت کو بخاری نے نقل کیا ہے۔"

تشریح: "تیرے وعدہ کا ایفاء چاہتا ہوں" یہ آپ ﷺ نے اس آیت، وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ اور جب اللہ تعالیٰ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتے تھے کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی) کی طرف اشارہ کیا جس میں حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر مسلمان کفار مکہ سے جنگ کو اختیار کریں گے تو انہیں اس جنگ میں فتح عطا کی جائے گی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ تو عارف باللہ تھے اور خوب جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جو وعدہ فرما لیتے ہیں اس کے خلاف نہیں ہوتا اور جب اللہ نے فتح کا وعدہ فرما لیا تھا تو وہ حاصل ہونی ہی تھی ایسی صورت میں آپ ﷺ نے دعا کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس دعا سے آپ کا مقصد اس حکم کی تعمیل تھا کہ بندہ کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مدد و توفیق اور حصول مقصد کی دعا و التجا کرنی چاہئے خواہ اس مقصد کے حصول کا یقینی ہونا اس کو معلوم ہو یا نہ ہو، دوسرے یہ کہ علم باللہ بجائے خود حق تعالیٰ سے خوف، کا متقاضی ہونا ہے اور انبیاء علیہم السلام اس خوف سے خالی نہیں ہوتے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے محض اس خوف کے پیش نظر دعا کی ہو کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے فتح و

نصرت کا وعدہ فرمایا ہے، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ خود میری طرف سے کوئی ایسی چیز پیش آجائے جو فتح و نصرت کی راہ کی رکاوٹ بن جائے اور حق تعالیٰ کی طرف سے وہ موعودہ فتح و نصرت رد کردی جائے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے نصرت کا وعدہ بیشک فرمایا تھا لیکن عطائے نصرت کا کوئی وقت متعین نہیں کیا تھا اور آنحضرت ﷺ تاخیر سے ڈرتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے دعا مانگی کہ وہ وعدہ آج ہی پورا ہو جائے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ شاید اس موقع پر آنحضرت ﷺ کا ذہن اس آیت وَ اللّٰہُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ اور اس آیت ان اللہ لغنی عن العلمین کے مفہوم کی طرف متوجہ ہو گیا ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی کامل بے پرواہی اور بے نیازی پر دلالت کرتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ان آیتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے حق تعالیٰ سے مدد و نصرت کی دعا فرمائی۔ اسی بات کو امام غزالیؒ نے بھی لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا احساس و ادراک نہایت کامل تھا اور حق تعالیٰ کی شان بے نیازی اور اس کے سطوت و جلال کے تئیں آپ ﷺ کا علم و عرفان وسیع تر تھا اس لئے آپ ﷺ نے حق تعالیٰ کے وعدہ نصرت کے باوجود فتح کی دعا نہایت منت و سماجت کے ساتھ فرمائی جب کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نظر محض حق تعالیٰ کے ظاہری وعدہ پر تھی اس لئے انہوں نے زیادہ دعا کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر پورا بھروسہ اور اعتماد رکھنے کے باوجود آنحضرت ﷺ کا دعا کرنا اور اس دعا میں الحاح و زاری اختیار کرنا ایک خاص مقصد بھی رکھتا تھا، اور وہ تھا صحابہؓ اور مجاہدین اسلام کے دل کو تقویت دینا، ان کو ثابت قدم رکھنا اور ان میں ولولہ اور حوصلہ پیدا کرنا کیونکہ صحابہؓ جانتے تھے کہ آنحضرتؐ کی دعا یقینی طور پر مستجاب ہے، خصوصاً وہ دعا جو زیادہ سے زیادہ الحاح اور زاری سے ہو۔"

"فرط مسرت سے" بڑی تیزی کے ساتھ اپنے خیمہ سے باہر آئے.... الخ۔ پہلے تو آنحضرتؐ خوف و رجاء کے درمیان تھے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کا یہ حتمی وعدہ نازل ہوا کہ دشمنوں کو شکست ہوگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے تو رجاء (امید) کا پہلو غالب آگیا اور آپ کفار کے مقابلہ پر فتح کے احساس سے خوش ہوگئے، اسلامی مجاہدین کو کفار کی شکست اور مسلمانوں کی فتح کی خوش خبری دینے کیلئے آپ مذکورہ آیت باآواز بلند پڑھتے ہوئے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور یہ ایک معجزہ تھا کہ دشمنوں کے مقابلہ پر مسلمانوں کی فتح کی بات جو اس وقت تک اللہ کے علاوہ اور کسی کے علم میں نہیں تھی، آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت و اطلاع پا کر لوگوں کو بتادی۔

جنگ بدر میں جبرئیل علیہ السلام کی شرکت

(۶) وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ بَدْرٍ هٰذَا جِبْرَئِيْلُ اٰخِذٌ بِرَاْسِ فَرَسِهٖ عَلَيْهِ اَدَاةُ الْحَرْبِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جنگ بدر کے دن فرمایا "یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں جو اپنے گھوڑے کا سر (یعنی باگ) پکڑے ہوئے (لڑنے کے لئے مستعد کھڑے) ہیں، اور جنگ کا سامان لئے ہوئے ہیں۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے اس معجزہ کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے جنگ بدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کفار کو شکست دلانے اور مسلمانوں کو فتح سے ہم کنار کرانے کے لئے آسمان سے اترے تھے۔ واضح رہے کہ "بدر" دراصل ایک کنویں کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان مدینہ سے چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ کفار مکہ اور اہل اسلام کے درمیان ہونے والی یہ پہلی باقاعدہ جنگ، جو ۱۷ رمضان سن ۲ھ جمعہ کے دن ہوئی۔ اس کنویں کے پاس ایک میدان میں ہوئی تھی اس لئے اس کو جنگ بدر یا غزوہ بدر کہا جاتا ہے۔

آسمانی کمک کا کشف و مشاہدہ

(۷) وَعَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ يَشْتَدُّ فِيْ اَثَرِ رَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اَمَامَهٗ اِذْ سَمِعَ ضَرْبَةً بِالسَّوْطِ فَوْقَهٗ وَصَوْتَ الْفَارِسِ يَقُوْلُ اَقْدِمْ حَيْزُوْمُ اِذْ نَظَرَ اِلَى الْمُشْرِكِ اَمَامَهٗ خَرَّ مُسْتَلْقِيًا فَنَظَرَ اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ قَدْ خُطِمَ اَنْفُهٗ

وَشُقَّ وَجْهُهُ كَضَرْبَةِ السَّوْطِ فَاخْضَرَّ ذٰلِكَ اَجْمَعُ فَجَآءَ الْاَنْصَارِيُّ فَحَدَّثَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقْتَ ذٰلِكَ مِنْ مَدَدِ السَّمَآءِ الثَّالِثَةِ فَقَتَلُوْا يَوْمَئِذٍ سَبْعِيْنَ وَاَسَرُوْا سَبْعِيْنَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس دن (یعنی جنگ بدر کے دن) جب کہ ایک مسلمان ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا جو آگے بھگا جا رہا تھا، تو اچانک اس (مسلمان) نے مشرک پر پڑتے ہوئے چابک کی آواز سنی، پھر اس نے ایک سوار کی آواز سنی جو یہ کہہ رہا تھا "حیزوم" اقدام کر... پھر اس مسلمان کی نظر اپنے آگے بھاگتے ہوئے مشرک کی طرف گئی تو دیکھا کہ وہ زمین پر چت پڑا ہوا ہے، اس نے یہ بھی دیکھا کہ اس مشرک کی ناک پر نشان پڑا ہوا تھا اور اس کا منہ پھٹا ہوا تھا جو چابک کی مار کی علامت تھی اور وہ تمام جگہ جہاں چابک پڑا تھا سبز و سیاہ ہوگئی تھی (یعنی) جس طرح کوئی جگہ چوٹ کھا کر نیلی ہو جاتی ہے اسی طرح اس کی ناک کا وہ حصہ جس پر چابک کا وہ نشان نظر آرہا تھا، نیلا پڑ گیا تھا۔ چنانچہ وہ انصاری مسلمان (جس نے اس مذکورہ مشرک کو مذکورہ حال میں دیکھا تھا) آنحضرت ﷺ کے پاس جب آیا تو آپ ﷺ سے (یہ سارا واقعہ) بیان کیا، آپ ﷺ نے (پورا واقعہ سن کر فرمایا، کہ تم سچ کہتے ہو، وہ فرشتہ (جس نے اس مشرک کو چابک مار کر ہلاک کیا) تیسرے آسمان کی فوجی کمک کا فرشتہ تھا" اس دن (کی جنگ میں) مسلمانوں نے ستر کافروں کو قتل کیا اور ستر کو گرفتار کر لیا تھا۔" (مسلم)

تشریح: " حیزوم اقدام کر " یہ اَقْدِمْ حَيْزُوْمُ کا ترجمہ کیا گیا ہے، اصل میں "اقدام" کے معنی ہیں! جنگ میں دشمن کو للکارنا اور خوفزدہ کرنا، اور جرءت و بہادری دکھانا! لیکن یہ معنی اس صورت میں مراد لئے جاتے ہیں جب لفظ اَقْدِمْ۔ ا کے زبر، ق کے جزم اور د کے زیر کے ساتھ ہو، اور اگر یہ لفظ آ اور د کے پیش کے ساتھ ہو تو پھر اس کے معنی آگے بڑھنے کے ہوں گے، اس صورت میں اقدم حیزوم کا ترجمہ یہ ہوگا کہ حیزوم! آگے بڑھ کر... حیزوم حضرت جبرئیلؑ کے گھوڑے کا نام ہے جیسا کہ قاموس میں ذکر کیا گیا ہے، لیکن بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ ایک اور فرشتہ کے گھوڑے کا نام ہے۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کو جو غیب سے آسمانی مدد حاصل ہوئی اور اس مدد سے تعلق رکھنے والے ایک فرشتہ کی کاروائی ایک صحابی پر مذکورہ بالا صورت میں جو کشف و اظہار ہوا وہ دراصل ان صحابی کی "کرامت" ہے۔ اور تابع "یعنی صحابیؓ" سے ظاہر ہونے والی کرامت چونکہ اس کے متبوع "یعنی نبی ﷺ" کے معجزہ ہی کی ایک صورت ہوتی ہے خاص طور سے ایسی حالت میں جب کہ وہ کرامت نبی ﷺ کی موجودگی میں ظاہر ہوئی ہو، اس کی مناسبت سے اس حدیث کا معجزات کے باب میں نقل کیا جانا غیر موزوں نہیں ہے... یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر ہے اس کی خبر صحابی ثقہ نے دی اور صادق و مصدوق، (ﷺ) نے اس کی تصدیق کی اور یہ تصدیق صرف آپ کا کام تھا، جس کا علم اعجاز رسالت سے ہے، لہذا اس واقعہ کو آنحضرت ﷺ کے معجزات میں شمار کرنا بھی صحیح ہے۔

جنگ احد میں فرشتوں کی مدد کا معجزہ

⑧ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ رَاَيْتُ عَنْ يَمِيْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ شِمَالِهِ يَوْمَ اُحُدٍ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا ثِيَابٌ بِيْضٌ يُقَاتِلَانِ كَاَشَدِّ الْقِتَالِ مَا رَاَيْتُهُمَا قَبْلُ وَلَا بَعْدُ يَعْنِيْ جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سعد ابن ابی وقاص کہتے ہیں کہ میں نے احد کی لڑائی میں، رسول کریم ﷺ کے دائیں بائیں سفید کپڑوں میں ملبوس دو آدمیوں کو دیکھا (جن میں سے ایک تو آنحضرت ﷺ کے دائیں طرف اور ایک بائیں طرف تھا) اور وہ دونوں نہایت شدت کے ساتھ (ہمارے دشمنوں سے لڑ رہے تھے، ان دونوں کو میں نے نہ تو اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد کبھی دیکھا (اس سے ثابت ہوا کہ وہ دونوں دراصل فرشتے (یعنی، حضرت جبرئیل اور میکائیل تھے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "یعنی حضرت جبرئیل اور میکائیل تھے " یہ وضاحت خود راوی نے کی ہے اور انہوں نے ان دونوں کا فرشتہ جبرئیل و میکائیل ہونا یا تو اسی بات سے سمجھا کہ نہ کبھی اس سے پہلے انہوں نے ان دونوں کو دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد ہی کبھی دیکھا، یا انہوں نے خود

آنحضرت ﷺ سے سنا ہو گا کہ وہ دونوں اجنبی حضرت جبرئیل اور میکائیل تھے۔

دست مبارک کے اثر سے ایک صحابی کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ درست ہوگئی

⑨ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا اِلٰى اَبِيْ رَافِعٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَتِيْكٍ بَيْتَهُ لَيْلًا وَهُوَ نَائِمٌ فَقَتَلَهُ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَتِيْكٍ فَوَضَعْتُ السَّيْفَ فِيْ بَطْنِهٖ حَتّٰى اَخَذَ فِيْ ظَهْرِهٖ فَعَرَفْتُ اَنِّيْ قَتَلْتُهُ فَجَعَلْتُ اَفْتَحُ الْاَبْوَابَ حَتّٰى اَنْتَهَيْتُ اِلٰى دَرَجَةٍ فَوَضَعْتُ رِجْلِيْ فَوَقَعْتُ فِيْ لَيْلَةٍ مُقْمِرَةٍ فَانْكَسَرَتْ سَاقِيْ فَعَصَبْتُهَا بِعِمَامَةٍ فَانْطَلَقْتُ اِلٰى اَصْحَابِيْ... فَانْتَهَيْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ فَقَالَ اُبْسُطْ رِجْلَكَ فَبَسَطْتُ رِجْلِيْ فَمَسَحَهَا فَكَاَنَّمَا لَمْ اَشْتَكِهَا قَطُّ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کی ایک جماعت کو ابورافع کی طرف بھیجا، چنانچہ (جب وہ جماعت اس کے قلعہ پر پہنچی تو ایک صحابی) عبداللہ ابن عتیکؓ رات کے وقت ابورافع کی خوابگاہ میں جب کہ سو رہا تھا، داخل ہو گئے اور اس کو مار ڈالا عبداللہ ابن عتیکؓ نے بیان کیا کہ میں نے ابورافع کے پیٹ پر تلوار رکھی یہاں تک کہ وہ پشت کے طرف سے باہر نکل گئی، جب میں نے سمجھ لیا کہ اس کا کام تمام ہو گیا ہے تب میں نے (قلعہ) کے دروازے کھولنے شروع کئے (تاکہ جماعت کے باقی لوگ بھی جو میرے ساتھ اس مہم میں آئے تھے، اندر آجائیں) اور پھر میں ایک زینہ پر پہنچا اور (اس خیال سے آگے زمین ہے) جونہی میں نے پاؤں رکھا پھیلی ہوئی چاندنی میں (اس طرح) گر پڑا (کہ) میری پنڈلی ٹوٹ گئی، میں نے اپنا عمامہ کھول کر پنڈلی کو باندھ لیا اور اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا (جو قلعہ کے نیچے کھڑے تھے) پھر میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے سارا ماجرا بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنا پاؤں پھیلاؤ! میں نے اپنا پاؤں پھیلا دیا، آنحضرت ﷺ نے میرے پاؤں پر اپنا دست مبارک پھیرا اور اسی وقت میرا پاؤں اس طرح اچھا ہو گیا جیسے اس میں کبھی کوئی تکلیف ہی نہیں ہوئی تھی۔" (بخاری)

تشریح: ابورافع ایک یہودی تاجر تھا، اس کی کنیت ابوالحقیق تھی نہایت بدظن اور کمینہ خصلت شخص تھا تمام طرح یہ بھی آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کا دشمن تو تھا ہی، لیکن اس نے اپنی عہد شکنیوں، فتنہ انگیزیوں اور اذیت رسانیوں سے آنحضرت ﷺ کو بہت زیادہ تنگ کر دیا تھا، اس بدبخت نے رسالت مآب ﷺ کی شان اقدس میں ناپاک ہجو بھی کہی تھی، آخر کار آنحضرت ﷺ نے مجبور ہو کر اس کے خلاف سخت کاروائی کرنے کا ارادہ فرما لیا، اور حضرت عبداللہ ابن عتیکؓ کی سرکردگی میں چند انصاری نوجوانوں کو اس کے قید کرنے یا قتل کر ڈالنے کے لئے بھیجا جو پہلے سے صورت حال کا اندازہ لگا کر اپنے محفوظ قلعہ میں محصور ہو گیا، عبداللہ ابن عتیکؓ ایک بڑی عجیب اور حیرت انگیز تدبیر کے ساتھ (جو واقعہ کی پوری تفصیل کے ساتھ تاریخ و سیر کی کتابوں کے علاوہ خود بخاری کی کتاب المغازی کی تفصیلی روایت میں مذکور ہے) پہلے اس کے قلعہ میں اور پھر جب رات کے کھانے کے بعد ابورافع سو گیا تھا اس کی خواب گاہ میں داخل ہو گئے اور اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔

جب وہ اپنی کاروائی مکمل کر کے واپس ہونے لگے تو انہیں ایک زینہ سے اترنا پڑا اور وہ جب نیچے اتر رہے تھے تو چاندرات ہونے کی وجہ سے اندر زینہ تک اس طرح کی روشنی رہ گی جس میں نگاہ الجھ جاتی ہے، چنانچہ عبداللہ ابن عتیکؓ نے یہ سمجھ کر اپنا قدم اٹھایا کہ زینہ ختم ہو گیا ہے اور آگے زمین ہے مگر وہاں ابھی تک ایک زینہ باقی تھا اور ان کا پاؤں اس طرح پڑا کہ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور نیچے گر گئے اس کی وجہ سے ان کی پنڈلی ٹوٹ گئی، بعد میں وہ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور پورا واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے ان کے پاؤں پر اپنا دست مبارک پھیرا اور اس کی برکت سے ٹوٹی ہوئی پنڈلی درست ہو گئی اور ساری تکلیف بھی جاتی رہی، یہ ذات رسالت کا اعجاز تھا۔

غزوۂ احزاب میں کھانے کا معجزہ

(۱۰) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اِنَّا يَوْمَ الْخَنْدَقِ نَحْفِرُ فَعَرَضَتْ كُدْيَةٌ شَدِيْدَةٌ فَجَاؤُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا هٰذِهٖ كُدْيَةٌ عَرَضَتْ فِي الْخَنْدَقِ فَقَالَ اَنَا نَازِلٌ ثُمَّ قَامَ وَبَطْنُهٗ مَعْصُوْبٌ بِحَجَرٍ وَلَبِثْنَا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ لَا نَذُوْقُ ذَوَاقًا فَاَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِعْوَلَ فَضَرَبَ فَعَادَ كَثِيْبًا اَهْيَلَ فَانْكَفَأْتُ اِلٰى اِمْرَأَتِي فَقُلْتُ هَلْ عِنْدَكِ شَيْءٌ فَاِنِّي رَأَيْتُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمَصًا شَدِيْدًا فَاَخْرَجَتْ جِرَابًا فِيْهِ صَاعٌ مِنْ شَعِيْرٍ وَلَنَا بُهَيْمَةٌ دَاجِنٌ فَذَبَحْتُهَا وَطَحَنَتِ الشَّعِيْرَ حَتّٰى جَعَلْنَا اللَّحْمَ فِي الْبُرْمَةِ ثُمَّ جِئْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَارَرْتُهٗ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذَبَحْنَا بُهَيْمَةً لَنَا وَطَحَنْتُ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ فَتَعَالَ اَنْتَ وَنَفَرٌ مَعَكَ فَصَاحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَهْلَ الْخَنْدَقِ اِنَّ جَابِرًا صَنَعَ سُوْرًا فَحَيَّ هَلًا بِكُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْزِلُنَّ بُرْمَتَكُمْ وَلَا تَخْبِزُنَّ عَجِيْنَكُمْ حَتّٰى اَجِيْءَ وَجَاءَ فَاَخْرَجْتُ لَهٗ عَجِيْنًا فَبَصَقَ فِيْهِ وَبَارَكَ ثُمَّ عَمَدَ اِلٰى بُرْمَتِنَا فَبَصَقَ وَبَارَكَ ثُمَّ قَالَ اُدْعِي خَابِزَةً فَلْتَخْبِزْ مَعَكِ وَاقْدَحِيْ مِنْ بُرْمَتِكُمْ وَلَا تُنْزِلُوْهَا وَهُمْ اَلْفٌ فَاُقْسِمُ بِاللّٰهِ لَاَكَلُوْا حَتّٰى تَرَكُوْهُ وَانْحَرَفُوْا وَاِنَّ بُرْمَتَنَا لَتَغِطُّ كَمَا هِيَ وَاِنَّ عَجِيْنَنَا لَيُخْبَزُ كَمَا هُوَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ (یعنی صحابہؓ) خندق کے دن (یعنی غزوہ احزاب کے موقع پر دشمنوں سے بچاؤ کے لئے مدینہ کے گرد) خندق کھود رہے تھے کہ سخت پتھر نکل آیا (جو کسی طرح ٹوٹ نہیں رہا تھا) صحابہؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ کھدائی کی جگہ ایک سخت پتھر نکل آیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں خود (خندق میں) اتر کر دیکھوں گا، چنانچہ آپ ﷺ فورًا اٹھ کھڑے ہوئے اس وقت (شدت بھوک سے) آپ ﷺ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ اور ہم بھی لوگ تین دن سے اس حال میں تھے کہ ہم نے کچھ نہیں کھایا تھا کوئی چیز چکھی تک نہیں تھی، آنحضرت ﷺ نے کدال ہاتھ میں لیا اور (خندق میں اتر) کر پتھر پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ سخت پتھر ریت کی مانند (ذرہ ذرہ ہوگیا) بکھر گیا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں وہاں سے اپنے گھر آیا اور اپنی بیوی (سہیلہ بنت معوذ انصاری سے) پوچھا کہ کیا تمہارے پاس (کھانے کی کوئی) چیز ہے؟ میں نے رسول کریم ﷺ پر بھوک کا شدید اثر دیکھا ہے (یہ سن کر) میری تھیلا نکال کر دیا جس میں تقریبًا سیر جو تھے اور ہمارے ہاں بکری کا (دنبہ اور یا گھر کی پلی ہوئی بھیڑ کا) ایک چھوٹا سا بچہ تھا، میں نے اس بچہ کو ذبح کیا اور میری بیوی نے آٹا پیسا اور پھر ہم نے گوشت کو ہانڈی میں ڈال کر (چولہے پر) چڑھا دیا پھر میں نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ ﷺ سے چپکے سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! ہم نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا ہے اور میری بیوی نے تقریبًا ساڑھے تین سیر جو پیسے ہیں (اس طرح کچھ لوگوں کے لئے میں نے کھانا تیار کرالیا ہے) اب آپ ﷺ چند لوگوں کے ساتھ تشریف لے چلئے۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے بآواز بلند اعلان کیا کہ خندق والو! چلو، جابرؓ نے تمہاری ضیافت کے لئے کھانا تیار کیا ہے، جلدی چلو۔ پھر آپ ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا کہ تم جا کر کھانے کا انتظام کرو لیکن، اپنی ہانڈی چولہے سے نہ اتارنا اور نہ آٹا پکانا جب تک میں نہ آجاؤں۔ پھر آپ ﷺ (اپنے تمام ساتھیوں سمیت میرے ہاں، تشریف لائے، میں نے گندھا ہوا آٹا آپ ﷺ کے سامنے لا کر رکھ دیا، آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈال کر برکت کی دعا فرمائی پھر ہانڈی کی طرف بڑھے اور اس میں لعاب دہن ڈال کر برکت کی دعا فرمائی اس کے بعد آپ ﷺ نے (میری بیوی کے بارے میں) فرمایا کہ روٹی پکانے والی کو بلاؤ تاکہ وہ تمہارے ساتھ روٹی پکا کر دیتی رہے اور تم چمچے سے ہانڈی میں سالن نکالتے رہو لیکن ہانڈی کو چولہے پر رہنے دینا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اس وقت خندق والے ایک ہزار آدمی تھے (جو تین دن سے بھوکے تھے) اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان سب نے (اس کھانے میں سے خوب شکم سیر ہو کر) کھایا لیکن کھانا (جوں کا توں) بچا رہا، جب وہ سب لوگ واپس ہوئے تو ہانڈی اسی طرح چولہے پر پک رہی تھی جیسی کہ پہلے تھی اور آٹا اسی طرح پکایا جا رہا تھا جیسا کہ وہ شروع میں تھا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: حدیث میں لفظ "سور" جس کا ترجمہ ضیافت کا کھانا، کیا گیا ہے، دراصل فارسی کا لفظ ہے، جو آنحضرت کی زبان مبارک پر جاری ہوا، یہ لفظ اہل فارس کی اصطلاح میں "شادی کے کھانے کے لئے استعمال ہوتا ہے کہ اس لفظ کے علاوہ فارسی کے اور بھی کئی الفاظ مختلف مواقع پر آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے۔

کھانے کی اس مقدار نے جو چند ہی آدمیوں کے لئے کافی ہوسکتی تھی نہ صرف یہ کہ ایک ہزار آدمیوں کو شکم سیر کرادیا بلکہ جوں کا توں بچ بھی گیا دراصل اس ذات گرامی کی برکت کا طفیل تھا جو تمام برکتوں کی منبع و مخزن ہے اور تمام ذات کائنات بلکہ زمین و آسمان ان ہی کی برکتوں سے معمور ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس طرح کے بے شمار معجزات یعنی کھانے کی قلیل مقدار کا بڑھ جانا انگلیوں سے پانی کا ابل پڑنا اور ذرا سے پانی کا بہت ہوجانا، کھانے سے تسبیح کی آواز آنا، کھجور کے درخت کے تنہ کا آہ وزاری کرنا، وغیرہ وغیرہ ایسے واقعات ہیں جو احادیث اور تاریخ وسیر کی کتابوں میں کثرت سے مذکور ہیں اور ان سے متعلق روایتیں حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں جن سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے، ان معجزات کو جو آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کی دلیل ہیں، مختلف محقق علماء نے بڑی کاوش و محنت کرکے اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے، اس سلسلہ میں زیادہ عمدہ کتاب امام بیہقیؒ کی دلائل النبوۃ کو مانا گیا ہے۔

عمار ابن یاسرؓ کے بارے میں پیشن گوئی

(۱۱) وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَمَّارٍ حِیْنَ یَحْفِرُ الْخَنْدَقَ فَجَعَلَ یَمْسَحُ رَاْسَهٗ وَیَقُوْلُ بُؤْسَ ابْنِ سُمَیَّةَ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِیَةُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ عمار ابن یاسرؓ خندق کھود رہے تھے اور رسول کریم ﷺ ان کے سر پر ہاتھ پھیر پھیر کر ان کے سر سے دھول مٹی جھاڑتے جاتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے ہائے سمیہ کے بیٹے عمار ابن یاسرؓ) کی سختی و مصیبت تمہیں باغیوں کا گروہ قتل کر ڈالے گا۔" (مسلم)

تشریح: "سمیة" ایک صحابی خاتون کا نام ہے، انہوں نے بالکل شروع ہی میں مکہ میں اسلام قبول کیا تھا اور دوسرے مسلمانوں کی طرح یہ بھی کفار مکہ کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنی تھیں، ایک عورت ہو کر بھی انہوں نے ظالموں کے ہاتھوں سخت سے سخت اذیتیں اور مصیبتیں سہیں لیکن دین کے راستہ سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہوئیں، آخر کار لعین ابوجہل نے ایک دن ان کی شرمگاہ میں خنجر مار کر ان کو شہید کردیا، حضرت عمار ابن یاسرؓ اسلام کی ان ہی مایہ ناز خاتون کے عظیم سپوت تھے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر جب مدینہ کی حفاظت کے لئے صحابہ کرام خندق کھود رہے تھے تو حضرت عمار ابن یاسر بھی پوری جان فشانی اور محنت کے ساتھ اس کام میں مصروف تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا ان کی محنت و مشقت کا احساس فرمایا اور پھر عالم الغیب نے آپ ﷺ پر منکشف کردیا کہ عمارؓ کی موت باغیوں کے ہاتھوں ہوگی، چنانچہ آپ ﷺ کا قلب مبارک عمارؓ کے تئیں جذبہ ترحم و محبت سے لبریز ہوگیا اور آپ ﷺ کی زبان مبارک پر مذکورہ حسرتناک الفاظ جاری ہوگئے ان الفاظ میں آپ ﷺ نے یا تو عمارؓ کی سختی و مصیبت کو کیا مگر اصل مخاطب خود عمارؓ تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ عمارؓ مجھے تمہارے اوپر بڑا ترس آرہا ہے، تمہیں ایک دن ایسی سختی و مصیبت کا سامنا بھی کرنا ہوگا کہ باغیوں کی ایک جماعت جس نے امام برحق اور خلیفہ وقت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہوگا، تمہیں شہید کردے گا۔

حدیث کا مصداق

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اس پیشن گوئی کو پورا ہونا تھا اور وہ پوری ہوئی، حضرت عمارؓ ابن یاسر جنگ صفین میں امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے شریک ہوئے اور حضرت معاویہؓ کے گروہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اس سے

معلوم ہوا کہ اس تنازعہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ عمارؓ کی موت باغیوں کے ہاتھوں ہوگی اور حضرت معاویہؓ کے گروہ نے انہیں قتل کر دیا۔ ایک روایت میں نقل کیا گیا ہے کہ جب اس جنگ میں حضرت عمارؓ شہید ہو گئے تو حضرت عمرو بن العاص جو حضرت معاویہ کے ساتھ تھے، نہایت سراسیمہ ہوئے اور حضرت معاویہؓ کے پاس آکر کہنے لگے یہ تو بڑی پریشانی کی بات پیدا ہو گئی کہ عمارؓ ہمارے لشکر کے ہاتھوں مارے گئے معاویہؓ نے کہا: کیوں اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ عمرو بن العاص نے کہا: میں نے آنحضرت ﷺ کو عمارؓ سے یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ تمہیں باغیوں کا گروہ قتل کرے گا۔ معاویہؓ نے جواب دیا: تو عمار کو ہم نے کب قتل کیا ہے، اصل میں تو علیؓ نے ان کو مارا ہے وہی ان کو اپنے ساتھ جنگ میں لائے تھے۔ یہ بھی منقول ہے کہ حضرت معاویہؓ اس حدیث کے الفاظ میں تاویل کرتے تھے ان کا کہنا تھا کہ لفظ باغیہ، یہاں بغی سے مشتق نہیں ہے جس کے معنی بغاوت کے ہیں بلکہ بغاء سے مشتق ہے جس کے معنی ڈھونڈھنا، طلب کرنا ہیں اس اعتبار سے ان کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے ارشاد تقتلک الفئة الباغية کا ترجمہ یہ ہوا کہ (عمار) تمہیں مطالبہ کرنے والوں کا ایک گروہ قتل کرے گا، مطلب یہ کہ جو گروہ قصاص اور خون بہا کا مطالبہ کرے گا، اسی کے ہاتھوں عمارؓ کا قتل ہوگا، چنانچہ حضرت معاویہ کہا کرتے تھے کہ: نحن فئة باغية طالبة لدم عثمان (ہم مطالبہ کرنے والا گروہ ہیں۔ جو حضرت عثمانؓ کے خون بہا کا طالب ہے) لیکن عقل و نقل کی روشنی میں حضرت معاویہؓ کی یہ تاویل نہیں بلکہ صریح تحریف ہے۔ بعض روایتوں میں تو یہاں تک نقل کیا گیا ہے۔ کہ جب حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت معاویہؓ کے سامنے مذکورہ پریشانی کا ذکر کیا تو معاویہؓ نے ان سے کہا کہ تم عجیب آدمی ہو، اپنے سے کمتر آدمی کے معاملہ میں پھسلے جاتے ہو یعنی عمارؓ تو تمہارے مقابلہ میں ایک ادنیٰ شخص تھے، پھر یہ کیا ہے کہ تم ان کا معاملہ لے کر تذبذب کا شکار ہو گئے ہو اور ہماری رفاقت سے الگ ہونا چاہتے ہو۔ لیکن ملا علی قاریؒ نے شیخ اکمل الدین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ دونوں باتیں حضرت معاویہؓ پر افتراء ہے، انہوں نے نہ تو حدیث کی یہ تاویل کی ہے جو تحریف کے مرادف ہے اور نہ حضرت عمارؓ کے بارے میں ایسی پست بات کہی۔

انتباہ

بلاشبہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان جو محاذ آرائی ہوئی اس میں حضرت علیؓ حق پر تھے اور جو لوگ بھی ان کی اطاعت سے باہر ہو کر جنگ کے لئے کمربستہ ہوئے انہوں نے "خراج" کیا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ لوگ اس حدیث کو دیکھ کر اور اس کے محمول و مصداق کو جان کر حضرت معاویہؓ کے حق میں زبان لعن و طعن دراز کریں اور ان کی ذات کو ہدف ملامت کریں۔ راسخ العقیدہ اور صحیح الخیال مسلمان کے لئے صرف یہی نجات کی راہ ہے کہ اس نازک مسئلہ میں اپنی زبان کو روکے اور ان دونوں کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے، حضرت معاویہؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے اور دربار رسالت میں بڑی عزت و اہمیت رکھتے تھے، ان کی شان میں کوئی بھی نازیبا بات زبان سے نکالنا صحابی کی شان میں گستاخی کرنا ہے اور صحابیؓ کی شان میں گستاخی کرنا اللہ کا عذاب مول لینا ہے، آنحضرت ﷺ نے اپنے تمام صحابہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: لوگو! میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان کو کبھی ہدف ملامت نہ بنانا (یاد رکھو!) جس شخص نے میرے صحابہؓ کو دوست رکھا اس نے مجھ سے محبت رکھنے کے سبب ان کو دوست رکھا اور جس شخص نے میرے صحابہؓ کو مبغوض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کے سبب ان کو مبغوض رکھا اور جس شخص نے میرے صحابہ کو (اپنے قول و عمل سے) ایذا پہنچائی اس نے درحقیقت مجھ کو ایذا پہنچائی اور جس شخص نے مجھ کو ایذا پہنچائی اس نے (گویا) اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچائی اور جس شخص نے اللہ کو ایذا پہنچائی اس کو جلد ہی اللہ تعالیٰ عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اس ارشاد گرامی کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور اس کتاب میں بھی آگے فضائل صحابہؓ کے باب میں ایسی بہت سی احادیث آئیں گی، نیز اس طرح کی بھی بہت حدیثیں منقول ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سکوت ہی میں بھلائی ہے، ان میں سے یہی ایک حدیث سبق حاصل کرنے کے لئے بہت کافی ہے کہ من سکت سلم و من سلم نجا (جس نے سکوت اختیار کیا سلامت رہا اور جو سلامت رہا نجات پا گیا)۔ اس کے علاوہ بعض حدیثیں خود حضرت معاویہؓ کی

فضیلت میں منقول ہیں، جیسے پیچھے باب علامت النبوۃ میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، میری اُمت میں سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت میرے سامنے پیش کی گئی جن کو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے اور سمندر کی پشت پر اس طرح سفر کرتے ہوئے دکھایا گیا جیسے وہ بادشاہوں کی مانند تخت پر بیٹھے ہوں..... الخ۔" اس حدیث کا مصداق یہی حضرت معاویہؓ اور ان کے لشکر والے تھے جنہوں نے سمندر پار کر کے کفار کے ساتھ جہاد کیا۔ غرض یہ کہ حضرت معاویہؓ کی شان میں گستاخی کرنے ان سے بغض و نفرت رکھنے اور ان کو برا بھلا کہنے سے پوری طرح اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ یہ رفض و شیعت کے عقائد میں سے ہے اللہ تعالیٰ اس قسم کے برے عقیدہ سے محفوظ رکھے" بعض سنی بھی جہالت و نادانی کے سبب اس فتنہ کا شکار ہو جاتے ہیں اور صحابی کے حق میں نہایت نازیبا الفاظ و خیال کا اظہار کرتے ہیں! ملا علی قاریؒ نے شرح، فقہ اکبر میں صاف طور پر (حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ سے متعلق) اس معاملہ کو خطائے اجتہادی پر محمول کیا ہے۔ پس اہل سُنّت کو تو خاص طور پر اس سلسلہ میں احتیاط کا دامن پکڑنا چاہئے! اور اپنے دل کو کسی بھی صحابی کے بغض سے پاک رکھنا چاہئے خواہ ان کا تعلق اہل بیت نبوی سے ہو، یا عام صحابہؓ کی جماعت سے، نیز آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر نظر رکھتے ہوئے اپنی زبان پر مہر سکوت لگا لینی چاہئے کہ:

لیحجرک عن النّاسِ ما تعلم من نفسک۔

اور جب عام لوگوں کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وَلَا تذکر الناس الا بخیر (لوگوں کا ذکر کرو تو اچھائی کے ساتھ کرو) تو صحابہؓ تو بدرجہ اولیٰ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کے تذکرے میں ایسا کوئی لفظ نہ آئے جس سے ان کی شان اور ان کی حیثیت پر حرف آتا ہو، اور ایک بات یہ بھی یاد رکھنی چاہئے کہ جن مقدس، ہستیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُتَقٰبِلِيْنَ (اور ان کے دلوں میں جو کینہ تھا ہم سب دور کریں گے اور سب بھائی بھائی کی طرح رہیں گے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھا کریں گے، تو کیا یہ بدبختی نہیں ہے کہ ہم ان ہستیوں کے بارے میں طعن و تشنیع کے ذریعہ اپنی زبانیں گندی کریں۔

ایک پیش گوئی جو پوری ہوئی

(۱۴) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اُجْلِيَ الْاَحْزَابُ عَنْهُ الْاٰنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَ نَحْنُ نَسِيْرُ اِلَيْهِمْ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت سلیمان ابن صردؓ کہتے ہیں کہ جب غزوہ احزاب سے دشمنوں کا لشکر بھاگ گیا (اور مدینہ منورہ کا محاصرہ ہٹ گیا) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اب دشمن ہم پر چڑھائی نہ کر سکیں گے، ہاں ہم ان سے جہاد کریں گے اور ان پر لشکر کشی کریں گے۔" (بخاریؒ)

تشریح: یہ غزوہ خندق کا ذکر ہے جب تمام کفار بشمول یہود ہزارہا کی تعداد میں مدینہ پر چڑھ آئے تھے اور مدینہ کی حفاظت کے لئے آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ مل کر شہر کے گرد خندق کھودی تھی، قریش کے لشکر کے سردار ابوسفیان تھے، اسی طرح مشرکین و کفار کے دوسرے گروہوں کے بھی اپنے الگ الگ سردار تھے، دشمن نے مسلسل ایک مہینہ تک مدینہ کا محاصرہ رکھا اور خندق کے اس پار ڈٹے رہے اس عرصہ میں کوئی باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی، کبھی کبھار تیر اندازی اور پتھراؤ کا سلسلہ کچھ دیر کے لئے شروع ہو جاتا تھا، آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنی غیبی مدد ظاہر فرمائی، ملائکہ نازل ہوئے جو دشمن کی نگاہوں میں ظاہر نہ ہونے کے باوجود اس کے قلع قمع میں لگ گئے، ہوا اور آندھی کا ایسا سخت طوفان آیا جس نے کفار کے لشکر میں سخت ابتری پھیلا دی اور اس طرح ان کے دلوں میں ایسا خوف اور رعب بیٹھ گیا کہ پورا لشکر تتربتر ہو کر بھاگ کھڑا ہوا، اسی مناسبت سے اس کو غزوہ احزاب بھی کہا جاتا ہے، اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ آج مشرکوں کی ہمت بالکل ٹوٹ گئی ہے، اب کبھی بھی ہمارے دشمن کو ہم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں ہوگی۔ تو اب ہم ہی ان پر لشکر کشی کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس غزوہ کے بعد کفار کا لشکر مدینہ پر حملہ آور نہیں ہوا بلکہ رسول کریم ﷺ

نے مکہ اور دوسرے مقامات پر لشکر کشی فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر مسلمانوں کو فتح دی۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام اور فرشتوں کی مدد کا معجزہ

(۱۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا رَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَنْدَقِ وَوَضَعَ السِّلَاحَ وَاغْتَسَلَ اَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ وَهُوَ يَنْفُضُ رَاْسَهُ مِنَ الْغُبَارِ فَقَالَ قَدْ وَضَعْتَ السِّلَاحَ وَاللّٰهِ مَا وَضَعْتُهُ اُخْرُجْ اِلَيْهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَيْنَ فَاَشَارَ اِلٰى بَنِيْ قُرَيْظَةَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَ اَنَسٌ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَى الْغُبَارِ سَاطِعًا فِيْ زُقَاقِ بَنِيْ غَنْمٍ مَوْكِبَ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِيْنَ سَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَنِيْ قُرَيْظَةَ۔

"اور حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے غزوہ خندق سے واپس آکر (اپنے جسم سے) ہتھیار اتارے اور غسل (کا ارادہ) کیا تھا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت جبرئیل آئے، درآنحالیکہ وہ اپنے سر سے (غزوہ خندق میں پڑی ہوئی) گرد وغبار جھاڑ رہے تھے، اور کہنے لگے کہ آپ ﷺ نے تو ہتھیار اتار کر رکھ دیئے اور قسم اللہ کی میں نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے ہیں (جیسا کہ آپ ﷺ مجھے دیکھ ہی رہے ہیں) چلئے ابھی تو ان کافروں پر لشکر کشی کرنی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا: کہاں چلنا ہے، کس پر لشکر کشی کرنی ہے؟ حضرت جبرئیل نے بنی قریظہ کی طرف اشارہ کیا اور آنحضرت ﷺ (فوراً مسلح ہو کر اپنے صحابہ کے ساتھ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوگئے (جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فتح عطا فرمائی) (بخاری) اور بخاری کی ایک روایت میں حضرت انسؓ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ۔ گویا میں اس غبار کو اب بھی دیکھ رہا ہوں جو بنو غنم کے کوچہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہمراہ چلنے والی (سوار فرشتوں کی) جماعت کے سبب اس وقت اٹھ رہا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ بنو قریظہ کی طرف جا رہے تھے۔"

تشریح: "غسل کیا تھا" سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے غسل کا ارادہ کیا تھا اور نہانے جا ہی رہے تھے کہ حضرت جبرئیل آگئے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جس وقت حضرت جبرئیل آئے تو آپ ﷺ غسل کر رہے تھے، سر کا ایک حصہ دھونا باقی تھا، گویا اس وقت تک آپ ﷺ کا غسل پورا نہیں ہوا تھا۔ درآنحالیکہ وہ اپنے سر سے (غزوہ خندق میں پڑی ہوئی) گرد وغبار جھاڑ رہے تھے۔" اس میں "ہو" کی ضمیر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اور آنحضرت ﷺ کی طرف بھی، حاصل یہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا آنا اور آنحضرت کا بنی قریظہ سے جنگ کے لئے روانہ ہونا غزوۂ خندق سے واپسی کے فوراً بعد کا واقعہ ہے۔

"بنو قریظہ" سے مراد یہودیوں کی وہ قوم ہے جو مدینہ شہر سے باہر تین چار میل کے فاصلہ پر آباد تھی، وہاں ان کی حویلیاں تھیں اور ایک بہت مضبوط قلعہ بھی تھا، انہوں نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا تھا اور آنحضرت ﷺ سے مصالحانہ معاہدہ کے باوجود غزوۂ خندق میں دشمنوں کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کی تباہی کا پورا منصوبہ بنایا تھا۔ بہر حال آنحضرت ﷺ نے ان سے جنگ کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فتح عطا فرمائی اس کی تفصیل تاریخ وسیر کی کتابوں میں مذکور ہے۔

"غنم" انصار کے ایک قبیلہ کا نام ہے، آنحضرت بنو قریظہ کی طرف جاتے ہوئے اس قبیلہ کے محلّہ سے گزرے تھے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اس محلّہ کے گلی کوچہ میں لوگوں کی آمد ورفت نہیں تھی، اسی وجہ سے اس کوچہ میں اٹھتا ہوا گرد وغبار دیکھ کر حضرت انسؓ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ فرشتوں کا لشکر ساتھ چل رہا ہے اور اس کے قدموں سے یہ گرد وغبار اٹھ رہا ہے، نیز غالب گمان یہ ہے کہ فرشتوں کے اس لشکر کے کمانڈر حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جو یا تو لشکر کے ساتھ ہی تھے یا آنحضرت کے ہمراہ چل رہے تھے۔

اس حدیث میں جو چیز آنحضرت ﷺ کا معجزہ کو ظاہر کرتی ہے وہ ایک تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کا مسلح ہو کر اپنے لشکر سمیت آنحضرت ﷺ کے دشمنوں سے جنگ کے لئے آنا ہے اور دوسری چیز فرشتوں کے قدموں سے اٹھتے ہوئے گرد وغبار کا نظر ہے جب کہ خود

وہ فرشتے کسی کو نظر نہیں آرہے تھے۔

انگلیوں سے پانی نکلنے کا معجزہ

⑭ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ عَطِشَ النَّاسُ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا ثُمَّ اَقْبَلَ النَّاسُ نَحْوَهُ قَالُوْا لَيْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ نَتَوَضَّأُ بِهِ وَنَشْرَبُ اِلَّا مَا فِيْ رَكْوَتِكَ فَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ فِي الرَّكْوَةِ فَجَعَلَ الْمَآءُ يَفُوْرُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِهٖ كَاَمْثَالِ الْعُيُوْنِ قَالَ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا قِيْلَ لِجَابِرٍ كَمْ كُنْتُمْ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ لَكَفَانَا كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ مقام حدیبیہ میں (ایک دن ایسا ہوا کہ پانی کی شدید قلت کے سبب) لوگوں کو سخت پیاس کا سامنا کرنا پڑا، اس وقت آنحضرت ﷺ کے پاس ایک لوٹا تھا جس سے آپ ﷺ نے وضو فرمایا تھا (اور اس میں بہت تھوڑا سا پانی بچا) لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے لشکر میں پینے اور وضو کرنے کے لئے بالکل پانی نہیں ہے، بس وہی تھوڑا سا پانی ہے جو آپ ﷺ کے لوٹے میں بچ گیا ہے (اور ظاہر ہے) کہ اس سے سب لوگوں کا کام نہیں چل سکتا) آپ ﷺ نے (یہ سن کر) اپنا دست مبارک اس لوٹے (کے اندر یا اس کے منہ) میں ڈال دیا اور آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے اس طرح پانی ابلنے لگا جیسے چشمے جاری ہو گئے ہوں۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ہم سب لوگوں نے خوب پانی پیا اور وضو کیا۔ حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا کہ اس موقع پر تم سب کتنے آدمی تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم ایک لاکھ (آدمی) ہوتے تب بھی وہ پانی کافی ہوتا، ویسے اس وقت ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "ہم سب لوگوں نے خوب پانی پیا" کتنے قابل رشک تھے وہ لوگ جن کو اس مقدس پانی کے پینے کی سعادت نصیب ہوئی اور اس کے طفیل میں ظاہر و باطن کی کیسی پاکیزگی ان کو حاصل ہوئی، کیونکہ زمین و آسمان میں اس پانی سے زیادہ افضل اور کوئی پانی نہیں تھا۔

"اگر ہم ایک لاکھ ہوتے" حضرت جابرؓ کا یہ جواب ایک لطیف طنز تھا، کہ بھلا معجزہ کے معاملہ میں کمیت کے بارے میں پوچھنا بھی کوئی بات ہوئی! تاہم انہوں نے بعد میں واضح جواب دیا کہ اس وقت ہماری تعداد پندرہ سو تھی نیز انہوں نے "ایک ہزار پانچ سو" کہنے کے بجائے "پندرہ سو" اس نکتہ کے پیش نظر کہا کہ کثرت کا جو شدید تاثر "پندرہ سو" کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے وہ "ایک ہزار پانچ سو" کے الفاظ سے ظاہر نہیں ہوتا، علاوہ ازیں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مقام حدیبیہ میں جو صحابہ کرام موجود تھے وہ الگ الگ جماعتوں کی صورت میں تقسیم تھے اور ہر جماعت ایک سو افراد پر مشتمل تھی، لہٰذا حضرت جابرؓ نے "پندرہ سو" کے ذریعہ پندرہ جماعتوں کی طرف اشارہ کیا۔

آب دہن کی برکت سے خشک کنواں لبریز ہو گیا

⑮ وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَالْحُدَيْبِيَةُ بِئْرٌ فَنَزَحْنَاهَا فَلَمْ نَتْرُكْ فِيْهَا قَطْرَةً فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَاهَا فَجَلَسَ عَلٰى شَفِيْرِهَا ثُمَّ دَعَا بِاِنَاءٍ مِنْ مَاءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ مَضْمَضَ وَدَعَا ثُمَّ صَبَّهُ فِيْهَا ثُمَّ قَالَ دَعُوْهَا سَاعَةً فَاَرْوَوْا اَنْفُسَهُمْ وَرِكَابَهُمْ حَتّٰى ارْتَحَلُوْا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت براء ابن عازبؓ کہتے ہیں کہ حدیبیہ میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ ہم چودہ سو افراد تھے، حدیبیہ میں ایک کنواں تھا جس کا پانی ہم سب نے کھینچ کر استعمال کر لیا تھا اور اس میں ایک قطرہ بھی پانی نہیں رہا تھا، جب نبی کریم ﷺ کو یہ معلوم ہوا (کہ کنواں خشک ہو گیا ہے اور پانی ختم ہو جانے کی وجہ سے لشکر کے تمام لوگ پریشان ہیں) تو آپ ﷺ کنویں پر تشریف لائے اور اس کے کنارے بیٹھ گئے، پھر

آپ ﷺ نے وضو کے پانی کا برتن منگا کر وضو کیا اور وضو کے بعد منہ میں پانی لیا اور دعا مانگی، اس کے بعد آپ ﷺ نے وہ آب دہن کنویں میں ڈال دیا اور فرمایا کہ ساعت بھر کنویں کو چھوڑ دو، اور پھر (ایک ساعت کے بعد کنویں میں اتنا پانی ہو گیا کہ) تمام لشکر والے خود بھی اور ان کے مویشی بھی خوب سیراب ہوئے اور جب تک وہاں سے کوچ کیا اسی کنویں سے پانی لیتے رہے۔" (بخاری)

تشریح: حضرت جابرؓ کی روایت میں پندرہ سو کی تعداد بیان کی گئی تھی جب کہ یہاں حضرت براءؓ کی روایت میں چودہ سو کی تعداد بیان کی گئی ہے، تو جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے، اصل تعداد چودہ سو سے زائد اور پندرہ سو سے کم تھی جس راوی نے کسر کو شمار کر کے بیان کیا اس نے پندرہ سو کی تعداد بیان کی اور جس راوی نے کسر کو چھوڑ دیا اس نے چودہ سو کی تعداد بیان کی۔ یا یہ کہ اہل حدیبیہ چونکہ جماعتوں میں تقسیم تھے اور ایسا ہوتا تھا کہ پانی کے لئے کچھ جماعتیں آتی تھیں تو کچھ جماعتیں پانی لے کر چلی جاتی تھیں اس صورت میں اوقات مجموعی تعداد چودہ سو ہو جاتی تھی اور کسی وقت پندرہ سو... لہٰذا جس راوی نے جو تعداد دیکھی اس کو بیان کر دیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے پہلے کل تعداد پندرہ سو تھی جس کو حضرت جابرؓ نے بیان کیا اور جب براءؓ نے بیان کیا تو اس وقت تعداد گھٹ کر چودہ سو ہو گئی تھی، ایک قول یہ بھی ہے کہ ان میں سے کسی بھی راوی نے ایک ایک آدمی کو شمار کر کے یقینی تعداد نہیں بیان کی ہے بلکہ جس نے جو بھی تعداد بیان کی اندازہ اور تخمینہ کے طور پر بیان کی ہے کسی نے چودہ سو کا اندازہ لگایا تو کسی نے پندرہ سو کا۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابرؓ نے جو واقعہ بیان کیا ہے وہ اس واقعہ سے کہ جس کو حضرت براءؓ نے بیان کیا ہے، پہلے کا ہے اور حدیبیہ میں اس طرح کے معجزے متعدد بار ظہور میں آئے لہٰذا تعدد واقعہ کو دیکھتے ہوئے ان دونوں روایتوں میں بیان تعداد کا کوئی تضاد نہیں رہ جاتا۔

"ساعت بھر کنویں کو چھوڑ دو" کا مطلب یہ تھا کہ تھوڑی سی دیر کے لئے اس کنویں کو اسی طرح رہنے دو، ابھی اس میں سے پانی نکالنے کا ارادہ نہ کرو، کچھ دیر بعد جب کنواں بھر جائے گا تو اس میں سے پانی کھینچنا۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح آپ ﷺ نے یہ اشارہ فرمایا ہو کہ کنویں میں پانی بڑھ جانے کی جو دعا کی گئی ہے اس کی قبولیت کی ساعت بتدریج آئے گی۔

پانی میں برکت کا معجزہ

(۱۶) وَعَنْ عَوْفٍ عَنْ اَبِیْ رَجَآءٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ کُنَّا فِی سَفَرٍ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاشْتَکَی اِلَیْہِ النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ فَنَزَلَ فَدَعَا فُلَانًا کَانَ یُسَمِّیْہِ اَبُوْرَجَاءٍ وَنَسِیَہٗ عَوْفٌ وَدَعَا عَلِیًّا فَقَالَ اذْھَبَا فَابْتَغِیَا الْمَآءَ فَانْطَلَقَا فَتَلَقَّیَا امْرَأَۃً بَیْنَ مَزَادَتَیْنِ اَوْسَطِیْحَتَیْنِ مِنْ مَآءٍ فَجَاءَ ابِھَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاسْتَنْزَلُوْھَا عَنْ بَعِیْرِھَا وَدَعَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاِنَآءٍ فَفَرَّغَ فِیْہِ مِنْ اَفْوَاہِ الْمَزَادَتَیْنِ وَنُوْدِیَ فِی النَّاسِ اِسْقُوْا فَاسْتَقَوْا قَالَ فَشَرِبْنَا عِطَاشًا اَرْبَعِیْنَ رَجُلًا حَتّٰی رَوِیْنَا فَمَلَانَا کُلَّ قِرْبَۃٍ مَعَنَا وَاِدَاوَۃٍ وَاَیْمُ اللّٰہِ لَقَدْ اُقْلِعَ عَنْھَا وَاِنَّہٗ لَیُخَیَّلُ اِلَیْنَا اَنَّھَا اَشَدُّ مِلْئَۃً مِنْھَا حِیْنَ ابْتُدِئَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عوف (تابعی) حضرت ابورجاءؒ (تابعیؒ) سے اور وہ حضرت عمران ابن حصینؓ (صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی حضرت عمرانؓ نے) بیان کیا: ایک سفر میں ہم (کچھ صحابہؓ) نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، ایک موقع پر لوگوں نے آپ سے (پانی نہ ہونے کے سبب) پیاس کی شکایت کی، آپ ﷺ (یہ سن کر) اسی جگہ اتر پڑے اور فلاں شخص کو بلایا۔ اس فلاں شخص کا نام ابورجاءؒ نے تو بیان کیا تھا لیکن (ان کے بعد کے راوی) عوفؒ اس شخص کا نام بھول گئے اس لئے انہوں نے اس شخص کو لفظ فلاں سے تعبیر کیا۔ نیز آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھی طلب کیا اور ان دونوں کو حکم دیا کہ جاؤ پانی تلاش کرو، چنانچہ وہ دونوں (یعنی وہ شخص اور حضرت علیؓ) پانی کی تلاش میں ادھر ادھر پھرنے لگے، انہوں نے ایک جگہ ایک عورت کو دیکھا، جو اونٹ پر (لٹکے ہوئے) دو مشکیزوں کے درمیان بیٹھی تھی، یا یہ کہ پانی کے دو سطیحوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی، دونوں حضرات اس عورت کو، (اس کے مشکیزے سمیت) نبی کریم ﷺ

کے پاس لائے، پھر اس عورت کو (یا جیسا کہ بعض حضرات نے لکھا ہے اس کے مشکیزوں کو اونٹ سے اتار اگیا، نبی کریم ﷺ نے ایک برتن منگا کر اس میں دونوں مشکیزوں کے دہانوں سے پانی انڈیلنے کا حکم دیا اور پھر لوگوں کو آواز دی گئی کہ آؤ پانی پیو اور پلاؤ (اور اپنی اپنی ضرورت کے مطابق لے لو...) چنانچہ سب لوگوں نے خوب پانی پیا (اور اپنے اپنے برتنوں میں اچھی طرح بھر بھی لیا)۔ حضرت عمران ؓ کہتے ہیں کہ اس وقت ہم لوگ چالیس آدمی تھے جو بری طرح پیاسے تھے ہم سب نے اس برتن میں سے خوب سیر ہو کر پانی پیا بھی اور اپنی اپنی مشکیں اور چھاگلیں بھی ہمارے ساتھ تھیں اچھی طرح بھر لی گئیں، خدا کی قسم جب ہم لوگوں کو روک دیا گیا یعنی جب ہم پانی لے لے کر اس چھاگل کے پاس سے ہٹے تو ہم نے محسوس کیا کہ چھاگل پہلے سے زیادہ بھری ہوئی ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب نے اس چھاگل سے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور جس جس کے پاس جو بھی برتن تھا اس کو اچھی طرح بھر بھی لیا گیا، اس کے بعد اس چھاگل میں نہ صرف یہ کہ پانی جوں کا توں موجود تھا بلکہ یہ ایسا محسوس ہوا کہ یہ چھاگل اس وقت سے بھی زیادہ بھری ہوئی ہے جب اس سے پانی لینا، شروع کیا گیا تھا۔ اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں جو یہاں نقل نہیں ہوئے ہیں کہ: اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو کھانا اور غلہ وغیرہ دیا، جب وہ وہاں سے واپس ہو کر اپنی قوم میں پہنچی تو لوگوں سے سارا ماجرا بیان کر کے کہنے لگی کہ وہ شخص یا تو اتنا بڑا جادوگر ہے کہ اس کے برابر کوئی جادوگر زمین و آسمان میں نہیں ہے یا وہ شخص نبی برحق ہے۔

درختوں کی اطاعت کا معجزہ

(۱۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی نَزَلْنَا وَادِیًا اَفْیَحَ فَذَھَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْضِیْ حَاجَتَہٗ فَلَمْ یَرَی شَیْئًا یَسْتَتِرُ بِہٖ وَاِذَا شَجَرَتَیْنِ بِشَاطِیءِ الْوَادِیْ فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی اِحْدٰھُمَا فَاَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ اَغْصَانِھَا فَقَالَ اَنْقَادِیْ عَلَیَّ بِاِذْنِ اللّٰہِ تَعَالٰی فَانْقَادَتْ مَعَہٗ کَالْبَعِیْرِ الْمَخْشُوْشِ الَّذِیْ یُصَانِعُ قَائِدَہٗ حَتّٰی اَتَی الشَّجَرَۃَ الْاُخْرٰی فَاَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ اَغْصَانِھَا فَقَالَ اَنْقَادِیْ عَلَیَّ بِاِذْنِ اللّٰہِ فَانْقَادَتْ مَعَہٗ کَذٰلِکَ حَتّٰی اِذَا کَانَ بِالْمَنْصَفِ مِمَّا بَیْنَھُمَا قَالَ الْتَئِمَا عَلَیَّ بِاِذْنِ اللّٰہِ فَالْتَأَمَتَا فَجَلَسْتُ اُحَدِّثُ نَفْسِیْ فَحَانَتْ مِنِّیْ لَفْتَۃٌ فَاِذَا اَنَا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُقْبِلًا وَاِذَا الشَّجَرَتَیْنِ قَدِ افْتَرَقَتَا فَقَامَتْ کُلُّ وَاحِدَۃٍ مِنْھُمَا عَلٰی سَاقٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر ؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ ایک جگہ پہنچ کر ایک وسیع و عریض میدان میں اترے اور رسول کریم ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے وہاں آپ ﷺ کو (ٹیلہ وغیرہ کی طرح کی) کوئی چیز ایسی نظر نہیں آئی جس کی اوٹ میں آپ ﷺ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر قضائے حاجت کے لئے بیٹھ سکتے، اچانک آپ ﷺ کی نظر دو درختوں پر پڑی جو میدان کے کنارہ پر کھڑے تھے، چنانچہ رسول کریم ﷺ ان میں ایک درخت کے پاس پہنچے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑ کر فرمایا کہ خدا کے حکم سے (اوٹ بننے کے لئے) میری اطاعت کر۔ یہ سنتے ہی وہ درخت آپ ﷺ کے سامنے زمین پر) اس طرح جھک گیا جیسے نکیل پڑا ہوا اونٹ (اپنے ہانکنے والے کی اطاعت کرتا ہے) پھر آپ دوسرے درخت کے پاس پہنچے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑ کر فرمایا کہ خدا کے حکم سے میری اطاعت کر، پہلے درخت کی طرح اس درخت نے بھی فوراً اطاعت کی (اور زمین پر جھک گیا) اس کے بعد آپ ﷺ نے ان دونوں درختوں کے درمیانی فاصلہ کے بیچوں بیچ پہنچ کر فرمایا کہ اب تم دونوں خدا کے حکم سے (ایک دوسرے کے قریب آکر) آپس میں اس طرح مل جاؤ کہ میں تمہارے نیچے چھپ جاؤں، چنانچہ وہ دونوں درخت مل گئے (اور آپ ﷺ ان دونوں درختوں کی اوٹ میں بیٹھ کر قضائے حاجت سے فارغ ہوئے۔ حضرت جابر ؓ کہتے ہیں کہ میں (اس واقعہ کو دیکھ کر حیران تھا اور اس عجیب و غریب کرشمہ سے متعلق غور و فکر کر کے سوچ

رہا تھا کہ اللہ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کے ذریعہ یہ کیسا معجزہ ظاہر کیا ہے، یا یہ کہ اس واقعہ سے الگ میں اپنی کسی گہری سوچ میں پڑا ہوا تھا، کہ اچانک میری نظر ایک طرف کو اٹھی تو رسول کریم ﷺ کو تشریف لاتے دیکھا اور پھر کیا دیکھتا ہوں کہ وہ دونوں درخت ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنی اپنی جگہ پر جا کھڑے ہوئے ہیں۔" (مسلم)

زخم سے شفایابی کا معجزہ!

(۱۸) وَعَنْ يَزِيْدَبْنِ اَبِيْ عُبَيْدٍ قَالَ رَاَيْتُ اَثَرَضَرْبَةٍ فِيْ سَاقِ سَلَمَةَ ابْنِ الْاَكْوَعِ فَقُلْتُ يَا اَبَامُسْلِمٍ مَا هٰذِهِ الضَّرْبَةُ قَالَ ضَرْبَةٌ اَصَابَتْنِيْ يَوْمَ خَيْبَرَ فَقَالَ النَّاسُ اُصِيْبَ سَلَمَةُ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَفَثَ فِيْهِ ثَلٰثَ نَفَثَاتٍ فَمَا اشْتَكَيْتُهَا حَتَّى السَّاعَةِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت یزید ابن عبید (تابعی) کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے حضرت سلمہ ابن اکوع کی پنڈلی پر زخم کا نشان دیکھ کر ان سے پوچھا کہ ابومسلم! یہ کیسے زخم کا نشان ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ زخم خیبر کی لڑائی میں تھا (اور زخم بھی اتنا سخت تھا کہ) لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ سلمہ کام آگیا (یعنی زخم کی تاب نہ لاکر شہید ہو گیا) لیکن ہوا یہ کہ میں (اس زخم کے ساتھ) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچا، آپ ﷺ نے اس زخم پر تین بار دم کیا اور اس کی برکت سے وہ زخم (یک لخت) ایسا اچھا ہو گیا کہ پھر اب تک مجھ کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔" (بخاری)

ان دیکھے واقعہ کی خبر دینے کا معجزہ

(۱۹) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ نَعَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدًا وَجَعْفَرًا وَابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ اَنْ يَّاتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ فَقَالَ اَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَاُصِيْبَ ثُمَّ اَخَذَ جَعْفَرٌ فَاُصِيْبَ ثُمَّ اَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَاُصِيْبَ وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ حَتّٰى اَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ يَعْنِيْ خَالِدَبْنَ الْوَلِيْدِ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے زید، جعفر اور ابن رواحہ کی شہادت کا حال، ان تینوں کے بارے میں خبر آنے سے پہلے ہی لوگوں کو سنا دیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: زید نے جھنڈا لیا اور وہ شہید ہو گئے، پھر جعفر نے جھنڈا لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے، پھر ابن رواحہ نے جھنڈا لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ آپ ﷺ یہ بیان کر رہے تھے اور (ان شہداء کے غم میں) آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "آخر کار اس شخص نے جھنڈا لیا جو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔" حضرت انس یا بعد کے کسی راوی کا بیان ہے کہ) اس سے آنحضرت ﷺ کی مراد خالد بن ولید کی ذات تھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرما دی۔" (بخاری)

تشریح: یہ واقعہ جنگ موتہ کا ہے "موتہ" ایک جگہ کا نام ہے جو ملک شام میں واقع ہے، یہ جنگ سن ۸ ہجری میں رومیوں سے ہوئی تھی اور آنحضرت ﷺ نے وہاں لشکر بھیجتے ہوئے مذکورہ بالا تینوں جلیل القدر صحابہ کو نامزد فرمایا تھا کہ اگر جنگ کے دوران امیر لشکر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو ان کے بعد جعفر امیر لشکر ہوں گے اور اسلام کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں ہو گا، چنانچہ اس جنگ میں ایسا ہی ہوا کہ یہ تینوں حضرات یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے اور پھر اسلامی لشکر نے حضرت خالد ابن ولید کو اپنا امیر چن لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی۔ پس آنحضرت ﷺ کی شہادت کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں آئی تھی، مقام موتہ سے ایک ماہ کی مسافت کے فاصلہ پر (مدینہ منورہ میں) بیٹھے بیٹھے اس واقع کی خبر دے دی تھی۔" یہ آپ ﷺ کا معجزہ ہوا۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ موت کی خبر پہنچانا جائز ہے۔

"جو اللہ کی تلوار میں ایک تلوار ہے۔ کا مطلب یہ ہے کہ: جو اللہ تعالیٰ کے بہادر ترین بندوں میں سے ایک بہادر ترین بندہ ہے اور اسی مناسبت سے ان کا لقب سیف اللہ (اللہ کی تلوار) ہے، پس اس جملہ میں اللہ کی طرف تلوار کی نسبت، دراصل حضرت خالد کی عظمت اور

ان کی بے مثال شجاعت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے، چنانچہ منقول ہے کہ وہ دشمن کے ایک ایک ہزار سپاہیوں پر تنہا حملہ کر کے ان کو پچھاڑ دیتے تھے اور اس دن لڑتے لڑتے ان کے ہاتھ آٹھ تلواریں ٹوٹی تھیں۔"

"یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمادی۔" کے تحت محدثین اور شارحین کے اس بارہ میں اختلافی اقوال ہیں کہ اس جنگ میں دشمنوں کو کامل ہزیمت اور شکست اٹھانا پڑی تھی اور مسلمان مال غنیمت کے ساتھ فائز المرام لوٹے تھے، یا "فتح" سے مراد مسلمانوں کا اپنے دفاع میں کامیاب ہوجانا ہے، کہ اسلامی لشکر دشمن کی تباہ کن طاقت کا پامردی سے مقابلہ کر کے صحیح وسالم واپس آگیا تھا؟ حضرت شیخ عبدالحق نے یہاں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح عطا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رومیوں کے خلاف جنگ میں مسلمانوں کی مدد فرمائی اور مسلمان ان کے ہاتھوں شکست وہزیمت اٹھانے سے محفوظ رہے۔

غزوۂ حنین کا معجزہ

(۲۰) وَعَنْ عَبَّاسٍ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَلَمَّا الْتَقَى الْمُسْلِمُوْنَ وَالْكُفَّارُ وَلَّى الْمُسْلِمُوْنَ مُدْبِرِيْنَ فَطَفِقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكُضُ بَغْلَتَهُ قِبَلَ الْكُفَّارِ وَاَنَا اٰخِذٌ بِلِجَامِ بَغْلَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكُفُّهَا اِرَادَةَ اَنْ لَّا تُسْرِعَ وَاَبُوْسُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ اٰخِذٌ بِرِكَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَیْ عَبَّاسُ نَادِ اَصْحَابَ السَّمُرَةِ فَقَالَ عَبَّاسٌ وَكَانَ رَجُلًا صَيِّتًا فَقُلْتُ بِاَعْلٰى صَوْتِيْ اَيْنَ اَصْحَابُ السَّمُرَةِ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَكَاَنَّ عَطْفَتَهُمْ حِيْنَ سَمِعُوْا صَوْتِيْ عَطْفَةُ الْبَقَرِ عَلٰى اَوْلَادِهَا فَقَالُوْا يَا لَبَّيْكَ يَا لَبَّيْكَ قَالَ فَاقْتَتَلُوْا وَالْكُفَّارَ وَالدَّعْوَةُ فِي الْاَنْصَارِ يَقُوْلُوْنَ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ قَالَ ثُمَّ قُصِرَتِ الدَّعْوَةُ عَلٰى بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلٰى بَغْلَتِهِ كَالْمُتَطَاوِلِ عَلَيْهَا اِلٰى قِتَالِهِمْ فَقَالَ هٰذَا حِيْنَ حَمِيَ الْوَطِيْسُ ثُمَّ اَخَذَ حَصَيَاتٍ فَرَمٰى بِهِنَّ وُجُوْهَ الْكُفَّارِ ثُمَّ قَالَ انْهَزَمُوْا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا اَنْ رَمَاهُمْ بِحَصَيَاتِهِ فَمَا زِلْتُ اَرٰى حَدَّهُمْ كَلِيْلًا وَاَمْرَهُمْ مُدْبِرًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک تھا (ایک موقع پر) جب کہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان شدید خون ریزی ہوئی تو پشت دے کر مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے (یہ نازک صورت حال دیکھ کر) رسول کریم ﷺ نے اپنے خچر کو ایڑ لگانا اور (بلاخوف) کفار کی طرف بڑھنا شروع کیا، اس وقت میں تو رسول کریم ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھا، اور اس خیال سے اس کو روک رہا تھا کہ کہیں وہ تیزی کے ساتھ کافروں میں نہ جا گھسے، اور (آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی) ابوسفیان بن الحارث (جن کا اصلی نام مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب تھا، اظہار عقیدت ومحبت اور محافظت کے طور پر) رسول کریم ﷺ کی رکاب تھامے ہوئے تھے، اسی دوران رسول کریم ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ عباسؓ!! اصحاب سمرہؓ کو آواز دو! حضرت عباسؓ جو ایک بلند آواز آدمی تھے، کہتے ہیں کہ میں نے (آنحضرت ﷺ کے حکم پر پکار کر کہا: کہاں ہیں اصحاب سمرہ!؟ (کیا تم اپنی وہ بیعت بھول رہے ہو جو تم نے آنحضرت ﷺ کی مدد وحفاظت کے لئے درخت کے نیچے کی تھی!؟ حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم (میری یہ پکار سن کر) اصحاب سمرہ اس طرح لوٹے اور دوڑتے ہوئے آئے) جیسے گائیں (فرط محبت واشتیاق سے) اپنے بچوں کی طرف (دوڑتی ہوئی) لوٹ کر آتی ہے) اور وہ (اصحاب سمرہ) کہہ رہے تھے: اے قوم ہم حاضر ہیں، اے قوم ہم حاضر ہیں۔

اس کے بعد مسلمان از سرنو ہمت اور جوش کے ساتھ) کافروں سے بھڑ گئے۔ اور انصار صحابہؓ اپنے آپس میں ایک دوسرے کو بلانے، اور حوصلہ دلانے کے لئے غازیوں کی مانند) اس طرح پکارنا شروع کیا: کہ اے گروہ انصار! اے گروہ انصار! ہمت سے کام لو اور دشمن پر ٹوٹ پڑو) پھر یہ پکارنا قبیلہ بنو حارث بن خزرج تک محدود ہوگیا (یعنی صرف اولاد حارث ہی کو، جو انصار کا سب سے بڑا قبیلہ ہے، اے

اولاد حارث اے اولاد حارث: کہہ کر پکارا جانے لگا) اس دوران رسول کریم ﷺ نے، جو اپنے خچر پر ایک طاقتور اور قابویافتہ سوار کی طرح جمے ہوئے تھے، لڑتے ہوئے مسلمانوں پر نظر ڈالی (اور بعض حضرات نے کالمتطاول کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جو "خچر پر گردن اونچی کر کے دیکھنے والے کی طرح بیٹھے ہوئے تھے، یعنی جس طرح کوئی اپنے سے دور کسی چیز کو دیکھنے کے لئے گردن اونچی کر کے نگاہ ڈالتا ہے اسی طرح آپ ﷺ نے کچھ کنکریاں ہاتھ میں اٹھائیں اور شَاهَتِ الْوُجُوْهُ کہتے ہوئے ان کنکریوں کو کافروں کے منہ پر پھینک مارا اور (بطور ازراہ تفاول یا پیش خبری کے طور پر) فرمایا "رب محمد (ﷺ) کی قسم کافروں کو شکست ہوگئی۔" (حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ) خدا کی قسم! یہ شکست جو کافروں کو ہوئی صرف آپ ﷺ کی کنکریاں پھینکنے کے سبب ہوئی (کنکریاں پھینکنے کے بعد آخر تک) برابر دیکھتا رہا کہ کافروں کی تیزی اور شدت سے چلنے والی تلواریں ہلکی اور کند پڑ رہی تھیں اور ان کا انجام ذلت وخواری سے بھرا ہوا تھا۔"

تشریح: "حنین" مکہ اور طائف کے درمیان عرفات سے آگے ایک مقام کا نام ہے جہاں فتح مکہ کے بعد شوال سن ۸ھ میں مسلمانوں اور اس علاقہ میں آباد مشہور قبائل ہوازن و ثقیف کے درمیان زبردست جنگ ہوئی تھی، ابتداء جنگ میں مسلمانوں کو دشمن فوج کی طرف سے صبح کاذب کی تاریک میں اتنے سخت و شدید اور اچانک حملہ کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ (مسلمان) سراسیمہ ہو کر رہ گئے اور سب سے پہلے اہل مکہ میں سے وہ لوگ جو بالکل نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، حواس باختہ ہو کر بھاگے تو ان کو دیکھ کر انصار و مہاجر صحابہؓ بھی سخت پریشانی میں ادھر ادھر منتشر ہونے لگے وہ دراصل مدد اور تحفظ چاہنے کے لئے لوٹ لوٹ کر آنحضرت ﷺ کے پاس آرہے تھے لیکن اس افراتفری میں محسوس یہ ہو رہا تھا کہ مسلمان پشت دے کر بھاگ رہے ہیں، جب کہ درحقیقت نہ انہوں نے پشت دکھائی تھی اور نہ وہ بھاگ کھڑے تھے، بہرحال مسلمانوں میں اس طرح کی ہلچل اور افراتفری ضرور پیدا ہوگئی تھی جس سے جنگ کا نقشہ مسلمانوں کے خلاف بھی ہو سکتا تھا لیکن آنحضرت ﷺ کی انتہائی شجاعت و استقلال، نہایت کامیاب حکمت عملی اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت نے تھوڑی ہی دیر بعد مسلمانوں کو سنبھال لیا اور دشمنوں کو شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا۔"

اس جنگ میں آنحضرت ﷺ جس خچر پر سوار تھے اس کا نام دلدل تھا اور فروہ ابن نفاثہ نے، جو ایک مشرک تھا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحفۃً بھیجا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ مشرکوں کا ہدیہ قبول کیا جاسکتا ہے، لیکن جیسا کہ احادیث میں منقول ہے آنحضرت ﷺ نے بعض مشرکوں کے ہدیے رد کر دیئے تھے، لہٰذا بعض حضرات نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا (دلدل) ہدیہ کا قبول کر لینا اس عمل کا ناسخ ہے کہ آپ ﷺ نے بعض مشرکوں کا ہدیہ قبول نہیں کیا تھا، لیکن یہ قول محل نظر ہے، کیونکہ تاریخ کے تعین کے ساتھ یہ بات ثابت نہیں ہے کہ قبول کرنے کا واقعہ پہلے کا ہے یا رد کرنے کا واقعہ پہلے پیش آیا تھا؟ نیز اکثر حضرات کا قول یہ ہے کہ رد منسوخ نہیں ہے، آپ ﷺ نے جو قبول کیا تو اس مشرک کا ہدیہ قبول کیا جس کے مسلمان ہو جانے کی توقع اور جس کے ذریعہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچنے کی امید آپ ﷺ کو تھی، اور جن مشرکوں کا معاملہ اس کے برعکس تھا ان کا ہدیہ آپ ﷺ نے رد کر دیا۔"

"سمرہ" کیکر کے درخت کو کہتے ہیں، حدیبیہ میں آپ ﷺ نے بہت سے صحابہ سے جس درخت کے نیچے جان نثاری کی بیعت لی تھی وہ کیکر کا درخت تھا اس بیعت کو "بیعت الرضوان" اور جن صحابہؓ سے بیعت لی گئی ان کو "اصحاب سمرہ" کہا جاتا ہے۔

"اصحاب سمرہ کو آواز دے دو" سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جو لوگ حدیبیہ کے موقع پر موجود تھے اور جنہوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی تھی ان کو آواز دے کر کہو کہ یہی وقت تمہاری آزمائش کا ہے اللہ کی راہ میں اور میری حمایت و حفاظت کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دینے کا تم نے جو عہد کیا تھا اب اس کو پورا کرنے کے لئے پہنچو۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے دو معجزوں کا ذکر ہے، ایک تو یہ کہ آپ ﷺ نے پہلے سے خبر دے دی کہ کفار کو شکست ہوگئی اور دوسرا معجزہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کنکریاں اٹھا کر دشمن کے منہ پر پھینکیں تو وہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔"

غزوہ حنین میں آنحضرت ﷺ کی شجاعت وپامردی

(۲۱) وَعَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلْبَرَآءِ یَا اَبَاعُمَارَۃَ فَرَرْتُمْ یَوْمَ حُنَیْنٍ قَالَ لَا وَاللّٰہِ مَاوَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلٰکِنْ خَرَجَ شُبَّانُ اَصْحَابِہٖ لَیْسَ عَلَیْھِمْ کَثِیْرُ سِلَاحٍ فَلَقُوْا قَوْمًا رُمَاۃً لَایَکَادُ یَسْقُطُ لَھُمْ سَھْمٌ فَرَشَقُوْھُمْ رَشْقًا مَایَکَادُوْنَ یُخْطِئُوْنَ فَاَقْبَلُوْا ھُنَاکَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی بَغْلَتِہِ الْبَیْضَاءِ وَ اَبُوْسُفْیَانُ بْنُ الْحَارِثِ یَقُوْدُہٗ فَنَزَلَ وَاسْتَنْصَرَ وَقَالَ اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ ثُمَّ صَفَّھُمْ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَلِلْبُخَارِیِّ مَعْنَاہُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَھُمَا قَالَ الْبَرَاءُ کُنَّا وَاللّٰہِ اِذَا احْمَرَّ الْبَاْسُ نَتَّقِیْ بِہٖ وَاِنَّ الشُّجَاعَ مِنَّا لَلَّذِیْ یُحَاذِیْ بِہٖ یَعْنِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

"اور حضرت ابواسحٰق (تابعی) روایت کرتے ہیں (ایک موقع پر) ایک شخص نے حضرت براء ابن عازبؓ (صحابی) سے پوچھا کہ اے ابوعمارہ کیا (کیا یہ سچ ہے کہ) آپ لوگ غزوۂ حنین میں دشمن کے مقابلہ سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ حضرت براء نے جواب دیا: نہیں خدا کی قسم رسول کریم ﷺ نے ہرگز پشت نہیں دکھائی تھی صرف اتنا ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے کچھ نوجوان صحابہ کا جن کے پاس زیادہ ہتھیار نہیں تھے (اچانک) ایک تیر انداز قوم (بنو ہوازن) سے مقابلہ ہوگیا، اس کے لوگ ایسے (خطرناک) تیر انداز تھے کہ ان کا تیر کوئی زمین پر نہیں گرتا تھا (یعنی نشانہ خالی نہ جاتا تھا) ان لوگوں نے نوجوان صحابہؓ پر تیر برسانا شروع کیا تو ان کا کوئی تیر خطا نہیں کررہا تھا، اس وقت وہ نوجوان صحابہؓ دشمن کے سامنے سے ہٹ کر رسول کریم ﷺ کے پاس آگئے۔ آنحضرت ﷺ (اس وقت) اپنے سفید خچر (دلدل) پر سوار تھے اور ابوسفیان ابن حارث (خچر کی لگام پکڑے ہوئے آگے تھے، آپ ﷺ (جنگ کا یہ پریشان کن نقشہ اور اپنے صحابہ کی سراسیمگی دیکھ کر) خچر سے اترے اور اللہ تعالیٰ سے مدد اور فتح کی دعا کی، آپ ﷺ نے (بآواز بلند یہ بھی فرمایا: میں نبی ہوں، اس میں کچھ جھوٹ نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اس کے بعد (جب کہ اسلامی لشکر دشمن کے مقابلہ کے لئے ازسر نو ہمت و دلولہ کے ساتھ مستعد ہوا اور مذکورہ نوجوان آپ ﷺ کے پاس جمع ہوگئے تو) آپ ﷺ نے تمام مجاہدین کی صف بندی کی۔ (مسلمؒ) اور بخاری نے بھی اسی مضمون کی روایت (اپنے الگ الفاظ میں) نقل کی ہے۔

نیز بخاری ومسلم کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ براء ابن عازبؓ نے کہا، خدا کی قسم جب لڑائی سخت ہوتی، (یعنی دشمنوں کا حملہ سخت ہوجاتا اور ہم ہتھیاروں کی کمی یا کسی کمزوری کے سبب زیادہ دباؤ محسوس کرتے) تو آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر اپنی حفاظت کرتے (اور ذات گرامی کی برکت سے مدد ونصرت کے طلب گار ہوتے) بلاشبہ اس وقت ہم میں زیادہ بہادر اور شجاع وہی شخص تھا جو ان کے یعنی رسول کریم ﷺ کے برابر میں آکر کھڑا ہوجاتا تھا۔"

تشریح: "رسول کریم ﷺ نے ہرگز پشت نہیں دکھائی تھی"... حضرت براء ابن عازبؓ کا یہ جواب نہایت ہوشمندی وسمجھداری اور ذات رسالت پناہ کے تئیں انتہائی ادب و احترام پر مبنی تھا، دراصل پوچھنے والے کا مطلب یہ تھا کہ کیا آپ سب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ اور "سب لوگ" میں چونکہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کا سوال بھی پوشیدہ ہوسکتا تھا اس لئے حضرت براءؓ نے سب سے پہلے تو بڑے زوردار انداز اور واضح الفاظ میں بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے نہ تو حقیقتاً پشت دکھائی تھی اور نہ آپ ﷺ ان لوگوں میں شامل تھے جو دشمن کے سامنے سے ہٹ آئے تھے اور جن پر صورۃً پشت دکھانے کا اطلاق ہوسکتا تھا، پھر حضرت براءؓ نے اس وقت کی اصل صورت حال کی وضاحت کی کہ ان لوگوں نے بھی حقیقتاً پشت نہیں دکھائی تھی بلکہ ہوا یہ تھا کہ وہ چند نوجوان صحابہؓ جن کے پاس کافی ہتھیار نہیں تھے جب دشمن کے مدمقابل ہوئے تو ان پر ایک ایسی جماعت نے نہایت شدت سے تیر برسانا شروع کردیا جو تیر اندازی میں بہت ماہر اور کامیاب نشانہ باز تھی ان لوگوں کا کوئی تیر بھی خطا نہیں کررہا تھا، ایسی صورت میں ان نوجوان صحابہؓ نے یہی مناسب سمجھا

کہ بیکار اپنی جانیں گنوانے کے بجائے دشمن کے سامنے سے ہٹ جائیں اور آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ کر اور آپ ﷺ کی مدد سے دشمن کے خلاف کوئی دوسرا محاذ بنائیں! پس دشمن کے سامنے سے وقتی طور پر ان کے لوٹ آنے کو پشت دکھانا یا فرار اختیار کرنا ہرگز نہیں کہا جاسکتا، وہ صرف مدد حاصل کرنے آئے تھے کہ کمک لے کر دشمن کے خلاف زیادہ مؤثر طور پر لڑسکیں۔ ''یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ پہلے حضرت عباسؓ کی روایت میں ''پشت دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔'' کے الفاظ ہیں'' جب کہ حضرت براءؓ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ صحابہؓ دشمن کے سامنے سے ہٹ کر آنحضرت ﷺ کے پاس آگئے۔ ان دونوں تعبیر بیان میں تضاد معلوم ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دشمن کے حملہ اور تیر اندازی کی شدت کے وقت شروع میں تو ایسا ہی دکھادیا کہ جیسے اسلامی لشکر کے لوگ میدان چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں لیکن جب فوراً ہی آنحضرت ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوگئے اور حضرت عباسؓ نے ان کو پکارنا شروع کیا جس سے اسلامی لشکر میں جوش اور ولولہ کی ایک نئی لہر پیدا ہوگئی تو ان کو میدان چھوڑ کر بھاگنے کے بجائے آنحضرتؐ کی طرف متوجہ ہونے اور آپ ﷺ کے قریب پہنچ کر جمع ہونے کی سعادت حاصل ہوگئی تو اس طرح وہ عمل جو فرار کی صورت میں نظر آیا تھا بعد میں قرار و استقامت کی صورت میں بدل گیا پس حضرت عباسؓ نے تو ابتدائی صورت حال کا نقشہ کھینچا اور حضرت براءؓ نے بعد کی صورت حال بیان کی۔

اور ابوسفیان ابن حارثؓ (خچر کی لگام پکڑے ہوئے) آگے تھے ... اس حدیث کا یہ جملہ بھی بظاہر حضرت عباسؓ کی روایت کے معارض ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خچر کی لگام تو حضرت عباس نے پکڑ رکھی تھی، اور حضرت ابوسفیانؓ رکاب تھامے ہوئے تھے؟ لیکن حقیقت میں ان دونوں کے درمیان کوئی تضاد و تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ اس بات کو تناوب (باری باری پکڑنے) پر محمول کیا جاسکتا ہے، یعنی کبھی تو حضرت عباسؓ لگام پکڑتے ہوں گے اور کبھی ابوسفیان رکاب تھامے رہتے ہوں گے اور کبھی حضرت ابوسفیان لگام پکڑ لیتے ہوں گے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی ایسا موقع آگیا ہو کہ دونوں حضرات کے لئے خچر کی لگام پکڑنا ضروری ٹھہرا ہو، لہٰذا ان دونوں روایتوں میں الگ الگ ان دونوں حضرات کا ذکر کیا گیا۔

میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں یہ انا النبی لاکذب انا ابن عبدالمطلب کا ترجمہ ہے اور اس جملہ کے لفظ کذب اور مطلب کے بؔ پر جزم ہے، جو اس جملہ کی شعری ترکیب پر دلالت کرتا ہے، لیکن یہ جملہ آپ ﷺ کی موزونی طبیعت کے تحت بلا قصد آپ ﷺ کی زبان پر بروزن شعر جاری ہوگیا تھا لہٰذا اس کو شعر نہیں کہا جاسکتا۔ اس جملہ میں آپ ﷺ نے اپنی نسبت اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ کی طرف نہ کرکے اپنے جدامجد عبدالمطلب کی طرف کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ عزت و بزرگی میں عبدالمطلب ہی زیادہ مشہور تھے۔ نیز اس جملہ میں آپ ﷺ نے اپنی جو تعریف کی تو یہ غرور و تکبر یا اپنی ذات و حیثیت کی نامناسب نمائش کے طور پر نہیں تھی بلکہ اس طرح کی تھی جیسے عام طور پر میدان جنگ میں غازی اور مجاہد دشمنوں کے سامنے اپنی شجاعت و جوانمردی کا اظہار کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ایسے مواقع پر اور اس مقصد سے اپنی تعریف کرنا جائز ہے۔

''اس وقت ہم میں زیادہ بہادر اور شجاع وہی شخص تھا... الخ''، یعنی اس وقت میدان جنگ کا نقشہ اتنا خطرناک اور دشمن کا حملہ اتنا خوفناک تھا کہ کوئی بھی مسلمان آنحضرت ﷺ سے زیادہ پامردی کے ساتھ جمے رہنے پر قادر نہیں تھا زیادہ سے زیادہ ایسا تھا کہ جو لوگ بہت زیادہ بہادر اور جوانمرد تھے وہ ادھر ادھر سے آکر اس جگہ پہنچنے کی کوشش کرتے جہاں آنحضرت ﷺ ہوتے اس طرح وہ لوگ اپنے اس حوصلہ کا اظہار کرتے تھے کہ وہ کسی بھی حال میں آنحضرت ﷺ کو تنہا چھوڑ کر میدان جنگ میں نہیں جائیں گے بلکہ ذات گرامی سے مدد و حوصلہ پاکر دشمن کے خلاف سینہ سپر ہوں گے، اگر کوئی شخص بزدل ہوتا تو وہ یقیناً آنحضرت ﷺ کے پاس آنے کے بجائے وہاں سے بھاگ کھڑے ہونے ہی میں اپنی عافیت دیکھتا۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی بے پناہ شجاعت و بہادری اور اللہ کی ذات پر آپ ﷺ کے کامل اعتماد اور بھروسہ کا اظہار ہوتا ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے اس معجزہ کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر اپنے خچر سے اتر کر اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت

کی دعا مانگی (اور کنکریاں اٹھا کر دشمن کے منہ پر پھینک ماریں) جس کے سبب اس طاقتور دشمن کو شکست فاش ہوئی۔

کنکریوں کا معجزہ

(۲۲) وَعَنْ سَلَمَةَ ابْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُنَيْنًا فَوَلّٰى صَحَابَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا غَشُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عَنِ الْبَغْلَةِ ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً مِنْ تُرَابٍ مِنَ الْاَرْضِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِهٖ وُجُوْهَهُمْ فَقَالَ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ فَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اِنْسَانًا اِلَّا مَلَاَ عَيْنَيْهِ تُرَابًا بِتِلْكَ الْقَبْضَةِ فَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ فَهَزَمَهُمُ اللّٰهُ وَقَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَنَائِمَهُمْ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سلمہ ابن اکوع ؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ (کافروں سے جہاد کے لئے) غزوہ حنین میں شریک تھے چنانچہ (اس غزوہ میں) جب رسول کریم ﷺ کے بعض صحابہ دشمن کے سامنے سے بھاگنے لگے اور کافروں نے رسول کریم ﷺ کو گھیر لیا تو آپ ﷺ اپنے خچر سے اترے اور زمین سے ایک مٹھی خاک اٹھائی (جس میں کنکریاں بھی تھیں) پھر اس خاک (اور کنکریوں) کو کافروں کے منہ کے سامنے پھینک مارا اور فرمایا: خراب ہوئے ان کے منہ (یا یہ کہ "خراب ہوں ان کے منہ") چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کوئی ایسا انسان پیدا نہیں کیا تھا (یعنی اس وقت دشمنوں میں ایسا کوئی شخص نہیں تھا) جس کی دونوں آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے اس ایک مٹھی خاک سے بھر نہ دیا ہو، پھر تو سارے کافر بھاگ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دی اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے ان کے مال کو (جو بطور غنیمت ہاتھ لگا) مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔" (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں گویا تین معجزوں کا ذکر ہے، ایک تو یہ کہ آپ ﷺ نے جو ایک مٹھی مٹی کافروں کے منہ کی طرف، پھینک ماری وہ ان سب کی آنکھوں تک پہنچ گئی، دوسرے یہ کہ اتنی تھوڑی مٹی سے ان سب لوگوں کی آنکھیں بھر گئیں جن کی تعداد چار ہزار تھی اور تیسرے یہ کہ ظاہری طاقت کے بغیر محض اس مٹی اور کنکریوں کے ذریعہ اتنے بڑے لشکر کو شکست ہو گئی۔

ایک حیرت انگیز پیش گوئی جو بطور معجزہ پوری ہوئی

(۲۳) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ شَهِدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُنَيْنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ مَعَهٗ يَدَّعِي الْاِسْلَامَ هٰذَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ وَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ الَّذِيْ تُحَدِّثُ اَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ قَدْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ اَمَا اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَكَادَ بَعْضُ النَّاسِ يَرْتَابُ فَبَيْنَمَا هُوَ عَلٰى ذٰلِكَ اِذْ وَجَدَ الرَّجُلُ اَلَمَ الْجِرَاحِ فَاَهْوٰى بِيَدِهٖ اِلٰى كِنَانَتِهٖ فَانْتَزَعَ سَهْمًا فَانْتَحَرَ بِهَا فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَدَّقَ اللّٰهُ حَدِيْثَكَ قَدِ انْتَحَرَ فُلَانٌ وَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ يَا بِلَالُ قُمْ فَاَذِّنْ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَاِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔

(رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ غزوہ حنین میں شریک تھے، وہاں جنگ شروع ہونے سے پہلے (میدان جنگ میں) رسول کریم ﷺ نے اپنے لشکر کے لوگوں میں سے ایک ایسے شخص کے بارے میں کہ جو اپنے کو مسلمان کہتا تھا فرمایا یہ شخص دوزخی ہے۔ پھر جب لڑائی شروع ہوئی تو وہ شخص بڑی بے جگری سے لڑا اور اس کا جسم زخموں سے چور ہو گیا (یہ دیکھ کر صحابہ ؓ میں سے) ایک صاحب نے آکر، اظہار تعجب کے طور پر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس شخص کی حقیقت حال مجھے بتائیے جس کے بارے میں

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ دوزخی ہے (جب کہ ظاہری حال تو یہ ہے کہ) وہ اللہ کی راہ میں بڑی بے جگری سے لڑا ہے اور بہت زخم اس نے کھائے ہیں، جس سے اس کا جنتی ہونا معلوم ہوتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "یاد رکھو وہ دوزخیوں میں سے ہے، یعنی حقیقت حال وہی ہے جو میں نے پہلے بتائی ہے کہ وہ شخص دوزخی ہے اگرچہ اس کا ظاہر حال اس کے خلاف ہی کیوں نہ نظر آئے، بات یہ ہے کہ آخرت کے متعلق ظاہری اعمال کا کچھ اعتبار نہیں اصل مدار حسن احوال اور حسن خاتمہ پر ہے۔ اور پھر قریب تھا کہ بعض (ضعیف الایمان) لوگ (میدان جنگ میں کافروں کے خلاف اس شخص کی جانفروشانہ لڑائی کو دیکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی سچائی میں) شک وشبہ کا شکار ہو جاتے، لیکن (اسی وقت لوگوں نے دیکھا کہ) یکایک اس شخص نے اپنے زخموں کی تکلیف سے بے چین ہو کر اپنا ہاتھ ترکش کی طرف بڑھایا اور ایک تیر نکال کر اس کو اپنے سینہ میں پیوست کر لیا۔ (یہ دیکھنا تھا کہ) بہت سے مسلمان دوڑے ہوئے رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کی (یہ) بات سچی کر دی (کہ وہ شخص دوزخی ہے) اس نے اپنا سینہ چیر کر خود کشی کر لی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اللہ بہت بڑا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔" (یہ الفاظ آپ ﷺ نے اس خوشی کے اظہار کے لئے فرمائے کہ آپ ﷺ کا کہنا سچ ہوا اس کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا کہ) بلال کھڑے ہو اور لوگوں کو آگاہ کر دو کہ جنت میں صرف مؤمن داخل ہوگا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو فاسق شخص کے ذریعہ بھی مضبوط کرتا ہے۔

(بخاری)

تشریح: یہاں اس واقعہ کا ذکر غزوہ حنین کی نسبت سے کیا گیا ہے جب کہ مواہب لدنیہ میں اس کا ذکر غزوہ خیبر کے موقع پر ہوا ہے اور صحیح بخاری میں یہی منقول ہے لہٰذا ہو سکتا ہے اس طرح کا واقعہ دونوں غزووں میں پیش آیا ہو۔ حدیث میں جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے اس کا نام قرمان تھا اور وہ ایک منافق تھا اگرچہ اس کا منافق ہونا ظاہر نہیں تھا۔

"اور ایک تیر نکال کر اس کو اپنے سینہ میں پیوست کر لیا" بخاری کی اکثر روایتوں میں سَهْمًا کے بجائے جمع کا صیغہ اسهما نقل کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے اپنے ترکش سے بیک وقت کئی تیر کھینچ کر ان سب کو اپنے سینہ میں گھسیڑ لیا تھا، نیز صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں نقل کیا گیا ہے کہ اس شخص نے اپنی تلوار زمین پر رکھی اور اس کی دھار پر اپنا سینہ رکھ کر زور سے دبایا یہاں تک کہ مر گیا۔ لیکن ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے پہلے تیر کے ذریعہ اپنا کام تمام کرنا چاہا ہو اور جب فوری طور پر وہ نہ مر سکا ہوگا تو پھر تلوار کے ذریعہ خود کشی کا عمل پورا کیا ہوگا۔ حاصل یہ کہ اس شخص کی موت اس حال میں آئی کہ اس کے اندر خبث باطن (نفاق تھا)، یا پھر وہ خود کشی کر لینے کے سبب فاسق کی موت مرا۔

"اللہ تعالیٰ اس دین کو فاسق شخص ... الخ" میں "فاسق" سے مراد یا تو منافق ہے یا وہ لوگ مراد ہیں جو نام و نمود کے لئے اور نمائش کے جذبہ سے اچھے عمل کرتے ہیں یا اچھے عمل بھی کرتے ہیں اور گناہ کے کام بھی کرتے رہتے ہیں اور یا یہ کہ زندگی بھر تو اچھے عمل کرتے رہتے ہیں لیکن آخر میں کوئی ایسی بدعملی کر لیتے ہیں جس سے خاتمہ بالخیر نہیں ہوتا۔ ایک احتمال تو یہ ہے کہ اس جملہ کا تعلق بھی اس اعلان سے ہے جس کا حکم آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال کو دیا، لیکن دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس جملہ کا تعلق اعلان سے نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ نے یہ جملہ الگ سے فرمایا اور اس کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ زبانی قول و دعوی اور ظاہری اعمال بہر صورت حقیقت حال کے ترجمان نہیں ہوتے ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص زبان سے اپنی نیکی کا دعوی بھی کرتا ہے اور بظاہر نیک کام بھی کرتا دکھائی دیتا ہے مگر اس کے اندر نیت کے فساد یا نفاق کی ایسی برائی ہوتی ہے جس سے اس کی حقیقی احوال اور اس کے باطن کا اس کے ظاہر ہونے سے تعلق نہیں ہوتا اگرچہ اس کے ظاہری اعمال کے سبب دین کو فائدہ پہنچتا ہے اس کی بڑی مثال وہ لوگ ہیں جو محض مالی مفاد اور دنیاوی اغراض فاسدہ کے تحت دینی کتابوں کی تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا کام کرتے ہیں، یا اذان دیتے ہیں، امامت کرتے ہیں، وعظ و تقریر کرتے ہیں اور مسجد و مدرسہ بناتے ہیں، اس طرح کے لوگ بظاہر حسن عمل اور حسن خدمت میں مصروف نظر آتے ہیں اور ان کے اس عمل و خدمت

سے یقیناً اسلام کو، مسلمانوں اور نیکی کے طلبگاروں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے اور وہ دین وملت کی تقویت کا باعث بنتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ خود اپنے اس عمل وخدمت پر اجر وثواب سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔

خودکشی کا مرتکب دوزخی

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قتل نفس (یعنی خودکشی) کا مرتکب دوزخ میں جائے گا، لیکن اس مسئلہ میں علماء نے لکھا ہے کہ اگر ایسا شخص (کہ جس نے خودکشی کر کے اپنے آپ کو ختم کر لیا ہو) مؤمن ہے اور تصدیقِ ایمانی رکھتا تھا تو دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا، جیسا کہ کسی مؤمن کو عمداً قتل کرنے والے مؤمن کا حکم ہے، چنانچہ کسی مؤمن کا اپنے آپ کو ختم کر لینا (یعنی خودکشی کر لینا) ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی دوسرے مؤمن کو قتل کر دیا ہو۔ واضح رہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں قاتل مؤمن کے متعلق خلود نار (دوزخ کے ابدی عذاب) کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ لیکن علماء نے اس آیت میں تاویلیں کی ہیں کیونکہ قرآن کریم ہی کی دوسری آیتوں اور احادیث سے مؤمن کے قتل عمد کا ارتکاب کرنے والے کے بارے میں عدم خلود نار (دوزخ کے غیر ابدی عذاب) کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ تاہم وہ محدثین جن کا تعلق اہل ظواہر سے ہے انہوں نے کہا ہے کہ ایسا شخص (جس نے خودکشی کر لی ہو) اگرچہ مؤمن بھی ہو تو دوزخ کے ابدی عذاب کا مستوجب ہو گا، گویا ان کے نزدیک دوزخ کا ابدی عذاب کافر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے مگر یہ قول شاذ ہے اور اہل سُنّت والجماعت کے متفقہ مسلک کے بالکل خلاف ہے۔

آنحضرت ﷺ پر سحر کئے جانے کا واقعہ

(۲۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُحِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِنَّهٗ لَيُخَيَّلُ اِلَيْهِ اَنَّهٗ فَعَلَ الشَّيْءَ وَمَا فَعَلَهٗ حَتّٰى اِذَا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ عِنْدِيْ دَعَا اللّٰهَ وَدَعَاهُ ثُمَّ قَالَ اَشَعَرْتِ يَا عَائِشَةُ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَفْتَانِيْ فِيْمَا اسْتَفْتَيْتُهٗ جَاءَنِيْ رَجُلَانِ جَلَسَ اَحَدُهُمَا عِنْدَ رَاْسِيْ وَالْاٰخَرُ عِنْدَ رِجْلِيْ ثُمَّ قَالَ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ مَا وَجْعُ الرَّجُلِ قَالَ مَطْبُوْبٌ قَالَ وَمَنْ طَبَّهٗ قَالَ لَبِيْدُ بْنُ الْاَعْصَمِ الْيَهُوْدِيُّ قَالَ فِيْمَا ذَا قَالَ فِيْ مُشْطٍ وَمُشَاطَةٍ وَجُفِّ طَلْعَةِ ذَكَرٍ قَالَ فَاَيْنَ هُوَ قَالَ فِيْ بِئْرِ ذَرْوَانَ فَذَهَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اُنَاسٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ اِلَى الْبِئْرِ فَقَالَ هٰذِهِ الْبِئْرُ الَّتِيْ اُرِيْتُهَا وَكَاَنَّ مَاءَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ وَكَاَنَّ نَخْلَهَا رُءُوْسُ الشَّيَاطِيْنِ فَاسْتَخْرَجَهٗ۔ (متفق علیہ)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (جب) رسول کریم ﷺ پر جادو کیا گیا تو (تو آپ ﷺ کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ) کسی کام کے بارے میں آپ ﷺ کا خیال ہوتا کہ کر لیا ہے حالانکہ وہ کام کیا نہ ہوتا تھا (کافی دنوں تک آپ ﷺ کی یہی حالت رہی) تا آنکہ ایک دن اس وقت جب کہ آپ ﷺ میرے پاس تھے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور پھر دعا کی اور پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ عائشہ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ بات بتادی ہے جو میں نے اس سے دریافت کی تھی؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے بیان کیا کہ (اللہ تعالیٰ نے میری حالت کے بارے میں مجھ پر اس طرح منکشف کیا کہ) میرے پاس آدمیوں کی صورت میں دو فرشتے آئے، ان میں سے ایک تو میرے سرہانے بیٹھا اور دوسرا پائینتی، پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے (میری طرف اشارہ کر کے) پوچھا! اس شخص کو کیا بیماری ہے؟ دوسرے نے کہا: اس پر جادو کیا گیا ہے۔ پھر پہلے نے پوچھا جادو کس نے کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا لبید ابن اعصم یہودی نے۔ پہلے نے پوچھا کس چیز میں جادو کیا گیا ہے، دوسرے نے جواب دیا: کنگھی میں، ان بالوں میں جو کنگھی سے جھڑتے ہیں اور تر کھجور کے خوشہ کے خول میں۔ پہلے نے پوچھا: یہ جادو کی ہوئی چیزیں کہاں رکھی ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا: مدینہ کے ایک کنویں ذروان میں۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ اپنے چند مخصوص صحابہ کے ساتھ اس کنویں پر تشریف لے گئے اور فرمایا، یہی وہ کنواں ہے جو مجھ کو دکھایا گیا ہے۔"

اس کنویں کا پانی حنا کی طرح سرخ تھا، اور کھجور کے وہ خوشے (جو اس کنویں میں ڈالے گئے تھے) ایسے تھے جیسے وہ شیطانوں کے سر ہوں،

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان سب چیزوں کو کنویں سے نکال لیا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "کسی کام کے بارے میں آپ ﷺ کا خیال ہوتا... الخ" بعض شارحین نے اس جملہ کا مطلب یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر جو سحر (جادو) کیا گیا تھا اس کے اثر سے آپ ﷺ پر نسیان (بھول) کا غلبہ اس طرح ہو گیا تھا کہ کسی کام کرنے کے یا نہ کرنے کا خیال بھٹک جاتا تھا، مثلاً آپ ﷺ کے خیال میں یہ بات آجاتی تھی کہ میں نے فلاں کام کر لیا ہے حالانکہ وہ کام آپ ﷺ کا کیا نہ ہوتا تھا، اسی طرح ایک کام کر چکے ہوتے اور خیال یہ ہوتا تھا کہ وہ کام نہیں کیا ہے۔ اس نسیان کا تعلق صرف دنیاوی معاملات سے ہوتا تھا، کسی بھی دینی معاملہ میں یہ صورت ہرگز پیش نہیں آتی تھی۔ اس حدیث میں آپ ﷺ کی ذہنی کیفیت و حالات کو ظاہر کرنے کے لئے یخیل کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کی نظیر قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِھِمْ اَنَّھَا تَسْعٰی یعنی موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں یہ بات آئی کہ جادو کے اثر سے خود یہ رسیاں دوڑ رہی ہیں، حالانکہ رسیاں نہیں دوڑ رہی تھیں، بلکہ یا تو ان کافر جادوگروں کی طرف سے نظر بندی کا اثر تھا کہ زمین پر پڑی ہوئی ساکت و صامت رسیاں خیال میں دوڑتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں یا یہ کہ جادوگروں نے ان رسیوں پر پہلے سے پارہ جیسی کوئی چیز مل رکھی تھی اور، جب وہ رسیاں دھوپ میں زمین پر ڈال دی گئیں تو سورج کی تمازت سے ان کی ظاہری سطح پر اس طرح کی لرزش، اور تھرتھراہٹ نمایاں ہو گئی جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں آیا کہ یہ رسیاں خود حرکت کر رہی ہیں۔

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ اس حالت کو جو سحر کے اثر سے آپ ﷺ میں پیدا ہو گئی تھی، اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خیال میں آتا کہ اپنی کسی بیوی سے ہمبستری کریں لیکن پھر نہیں کرتے تھے، یعنی آپ ﷺ میں خواہش پیدا ہوتی تھی اور یہ جانتے تھے کہ ہمبستری کی قدرت رکھتا ہوں لیکن جب بیوی کے پاس جاتے تھے تو ان پر قادر نہیں ہوتے تھے۔ واضح رہے کہ دوسرے امراض کی طرح سحر بھی ایک مرض ہی ہوتا ہے پس انبیاء کی بشریت کے تحت جس طرح ان پر دوسرے جسمانی امراض اور بیماریوں کا اثر ہوتا تھا اسی طرح سحر کا بھی ان پر اثر انداز ہونا ان کی نبوت کے منافی نہیں ہے، نیز آنحضرت ﷺ کے جسم شریف میں سحر کی تاثیر اس حکمت کا اظہار بھی تھا کہ سحر کی تاثیر کا ایک حقیقت ہونا اس طرح ثابت ہو جائے کہ جب اشرف المخلوقات کی سب سے عظیم شخصیت بھی سحر سے متاثر ہو سکتی ہے تو دوسروں کی کیا حیثیت ہے اس سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی ایک واضح دلیل بھی ان کفار کے سامنے آئی جو آنحضرت ﷺ کو ساحر کہا کرتے تھے، چونکہ سحر خود ساحر پر اثر انداز نہیں ہوتا... اور آنحضرت ﷺ پر سحر نے اثر کیا تھا لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ ﷺ ساحر نہیں ہیں۔

آپ ﷺ سے سحر کئے جانے کا یہ واقعہ ذی الحجہ سن ۶ھ کا ہے جب کہ آپ ﷺ صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے تھے اور علماء نے لکھا ہے کہ سحر کا یہ اثر آپ ﷺ پر چالیس دن تک رہا، ایک روایت میں چھ مہینے کی مدت بھی منقول ہے۔ اور ایک قول کے مطابق تو یہ اثر پورے سال تک رہا۔ تاہم ان روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ غالب گمان یہ ہے کہ اس سحر کا اثر پوری شدت اور غلبہ کے ساتھ تو چالیس دن تک رہا پھر اس کی کچھ علامتیں چھ ماہ تک باقی رہیں اور باقی کچھ ہلکا سا اثر پورے سال تک رہا۔ بہر حال جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ صورت میں آپ ﷺ پر اس سحر کی حقیقت کو منکشف فرمایا اور اس سے نجات عطا فرمائی۔

"اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور پھر دعا کی ...." کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ بار بار دعا کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ سے التجا میں مسلسل مصروف رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی ناپسندیدہ اور تکلیف دہ صورت حال کے پیش آجانے اور کسی آفت و بلاء کے نازل ہونے پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور گلو خلاصی کی دعا مانگنا مستحب ہے۔

اس موقع پر علماء نے یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے خاص اور برگزیدہ بندوں کے دل میں دعاء کا داعیہ اس وقت ڈالتا ہے

جب قبولیت کی گھڑی آجاتی ہے ان کے برخلاف عام لوگوں کا معاملہ دوسرا ہوتا ہے ان کو ان کی حالت پر چھوڑے رکھا جاتا ہے کہ وہ دعا کئے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب وقت قبولیت آتا ہے تو ان کی دعا قبول ہوتی ہے۔

"لبید ابن اعصم یہودی نے" بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہاں لبید سے مراد اس کی بیٹیاں ہیں، گویا اس فرشتے نے بتایا کہ لبید ابن اعصم کی بیٹیوں نے آنحضرت ﷺ پر سحر کیا ہے، ان حضرات نے یہ مراد قرآن کریم کی سورہ قل اعوذ برب الفلق کے ان الفاظ کی بنیاد پر بیان کی ہے کہ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ یعنی جادوگروں کا پڑھ پڑھ کر گنڈہ پر پھونکنا اور گرہ لگاتے جانا، بھی ہوسکتا ہے۔

قاضیؒ نے خاص طور شر نفاثات سے پناہ مانگنے کا سبب لکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ایک یہودی نے آنحضرت ﷺ پر جو سحر کیا تھا اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ اس (یہودی) نے کمان کے چلہ کو گنڈہ بنایا اور اس میں گیارہ گرہیں لگائیں (جن پر وہ منتر پڑھ پڑھ کر پھونکتا رہا) اور پھر اس نے اس چلہ (یا گنڈہ) کو کنویں میں گاڑ دیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ اس سحر کے اثر سے بیمار ہوگئے، تب اللہ تعالیٰ نے معوذتین یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس نازل فرمائی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو وہ کنواں بتایا جہاں گنڈہ دفن تھا، آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھیجا اور وہ اس گنڈہ کو نکال کر لائے اور اس پر یہ دونوں سورتیں پڑھائیں۔ حضرت علیؓ جب ایک آیت پڑھتے تو اس گنڈہ کی ایک ایک گرہ خود بخود کھل جاتی، اس طرح ہر آیت پر ایک ایک گرہ کر کے تمام گرہیں کھل گئیں، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنی حالت میں کچھ تخفیف محسوس کی، قاضیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس واقعہ سے اس وقت کے کافروں کی اس بات کا سچ ثابت ہونا لازم نہیں آتا جو وہ کہا کرتے تھے کہ محمد (ﷺ) تو سحر زدہ ہیں۔ وہ تو یہ بات اس معنی میں کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ پر کسی ایسے سحر کا اثر ہے جس نے (نعوذ باللہ) ان کی عقل کو ماؤف کر دیا ہے اور ان پر دیوانگی طاری کر دی ہے جب کہ آنحضرت ﷺ پر کئے جانے والے اس سحر اور اس کے اثرات کی نوعیت بالکل دوسری تھی۔ بہر حال بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاضیؒ نے جو روایت بیان کی ہے وہ ایک دوسرا واقعہ ہے اور اس واقعہ کے علاوہ ہے جو یہاں (حضرت عائشہ کی) حدیث میں بیان کیا گیا ہے، تاہم یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ واقعہ تو ایک ہی ہے مگر الگ الگ دو صورتوں میں ایک ساتھ پیش آیا تھا، یعنی خود لبید نے بھی اپنی تدبیروں کے ساتھ آنحضرت ﷺ پر سحر کیا اور اس کی بیٹیوں نے بھی کیا تھا اور اس طرح حق تعالیٰ نے گویا آپ کے ثواب کو دوچند کرنے کے لئے دونوں سحر کے اثرات میں مبتلا کیا۔

"جیسے وہ شیطانوں کے سر ہوں۔" کھجور کے وہ خوشے کچھ تو منتر کے اثرات کی وجہ سے اور کچھ پانی میں پڑے رہنے یانم زمین میں دفن رہنے کی وجہ سے جتنے زیادہ بدہیئت اور جس قدر وحشت ناک ہوگئے تھے اس کو ظاہر کرنے کے لئے ان کو شیطانوں کے سروں کے ساتھ مشابہت دی کیونکہ اہل عرب شیطان کے سر کو بدہیئتی اور وحشت ناکی کی علامت جانتے تھے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہاں شیطانوں کے سر سے ہیبت ناک سانپ مراد ہیں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کھجور کے وہ خوشے اس طرح کے ہوگئے تھے جیسے ہیبتناک سانپ ہوں۔ اس واقعہ سے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی بھی ایک روایت ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ سحر اور اس کی جگہ کا انکشاف ہونے کے بعد) آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ کو سحر کی یہ چیزیں نکالنے کے لئے ذروان کنویں پر بھیجا۔ جب ان دونوں نے کھجور کا وہ خوشہ کنویں سے نکالا تو اس کے خول میں ان کو موم کا بنا ہوا آنحضرت ﷺ کا ایک پتلا ملا، اس پتلے میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں اور اس کے اوپر ایک ڈورا گیارہ گرہوں کے ساتھ لپٹا ہوا تھا پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام معوذتین (سورہ قل اعوذ برب الناس اور قل اعوذ برب الفلق) لے کر نازل ہوئے ان دونوں سورتوں کا پڑھا جانا شروع ہوا تو ہر آیت پر ایک گرہ کھلنے لگی اور اس پتلے میں سے جب کوئی سوئی نکالی جاتی تو آنحضرت ﷺ کو تسکین وراحت محسوس ہوتی اسی طرح ایک ایک کر کے تمام گرہیں کھل گئیں اور اس پتلے میں سے سب سوئیاں نکال لی گئیں۔ اس روایت کے متعلق شارحین نے لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات کے ساتھ آنحضرت ﷺ بھی تشریف لے گئے ہوں گے اور حضرت عمارؓ و حضرت علیؓ کو کنویں میں جاکر ان چیزوں کے نکال لانے کا حکم فرمایا

ہو گا۔ دوسری روایتوں میں بھی یہ آیا ہے کہ سحر اور ساحر کے اس انکشاف کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس یہودی کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی، اور نہ کچھ کہا بلکہ یہ فرمایا! کہ میں فتنہ ابھارنے کو پسند نہیں کرتا۔"

فرقہ خوارج کے بارہ میں پیشگوئی جو حرف بہ حرف پوری ہوئی

(۲۵) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَیْنَمَا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَقْسِمُ قَسْمًا اَتَاہُ ذُوالْخُوَیْصِرَۃِ وَھُوَ رَجُلٌ مِنْ بَنِی تَمِیْمٍ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِعْدِلْ فَقَالَ وَیْلَکَ فَمَنْ یَعْدِلُ اِذَا لَمْ اَعْدِلْ قَدْ خِبْتَ وَخَسِرْتَ اِنْ لَمْ اَکُنْ اَعْدِلُ فَقَالَ عُمَرُ ائْذَنْ لِیْ اَنْ اَضْرِبَ عُنُقَہُ فَقَالَ دَعْہُ فَاِنَّ لَہُ اَصْحَابًا یَحْقِرُ اَحَدُکُمْ صَلٰوتَہُ مَعَ صَلٰوتِھِمْ وَصِیَامَہُ مَعَ صِیَامِھِمْ یَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ لَا یُجَاوِزُ تَرَاقِیَھُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّھْمُ مِنَ الرَّمِیَّۃِ یَنْظُرُ اِلٰی نَصْلِہٖ اِلٰی رُصَافِہٖ اِلٰی نَضِیِّہٖ وَھُوَ قِدْحُہُ اِلٰی قُذَذِہٖ فَلَا یُوْجَدُ فِیْہِ شَیْءٌ قَدْ سَبَقَ الْفَرْثَ وَالدَّمَ اٰیَتُھُمْ رَجُلٌ اَسْوَدُ اِحْدٰی عَضُدَیْہِ مِثْلُ ثَدْیِ الْمَرْاَۃِ اَوْمِثْلُ الْبَضْعَۃِ تَدَرْدَرُ وَیَخْرُجُوْنَ عَلٰی خَیْرِ فِرْقَۃٍ مِنَ النَّاسِ قَالَ اَبُوْسَعِیْدٍ اَشْھَدُ اَنِّیْ سَمِعْتُ ھٰذَا الْحَدِیْثَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَشْھَدُ اَنَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ قَاتَلَھُمْ وَاَنَا مَعَہُ فَاَمَرَ بِذٰلِکَ الرَّجُلِ فَالْتُمِسَ فَاُتِیَ بِہٖ حَتّٰی نَظَرْتُ اِلَیْہِ عَلٰی نَعْتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ نَعَتَہُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَقْبَلَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَیْنَیْنِ نَاتِیُ الْجَبْھَۃِ کَثُّ اللِّحْیَۃِ مُشْرِفُ الْوَجْنَتَیْنِ مَحْلُوْقُ الرَّاْسِ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اِتَّقِ اللّٰہَ فَقَالَ فَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ اِذَا عَصَیْتُہُ فَیَاْمَنُنِیْ اللّٰہُ عَلٰی اَھْلِ الْاَرْضِ وَلَا تَاْمَنُوْنِیْ فَسَاَلَ رَجُلٌ قَتْلَہُ فَمَنَعَہُ فَلَمَّا وَلّٰی قَالَ اِنَّ مِنْ ضِئْضِیِٔ ھٰذَا قَوْمًا یَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ لَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَھُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ مُرُوْقَ السَّھْمِ مِنَ الرَّمِیَّۃِ فَیَقْتُلُوْنَ اَھْلَ الْاِسْلَامِ وَیَدْعُوْنَ اَھْلَ الْاَوْثَانِ لَئِنْ اَدْرَکْتُھُمْ لَاَقْتُلَنَّھُمْ قَتْلَ عَادٍ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوسعید خدری ؓ کہتے ہیں: کہ اس وقت جب کہ ہم (مقام جعرانہ میں) رسول کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ (غزوہ حنین میں حاصل شدہ) مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے ایک شخص جس کا نام ذوالخویصرہ تھا اور جو (مشہور قبیلہ) بنی تمیم سے تعلق رکھتا تھا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر کہنے لگا کہ یارسول اللہ (مال غنیمت کی تقسیم میں) عدل و انصاف سے کام لیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر) فرمایا، تجھ پر افسوس ہے، میں عدل و انصاف نہیں کروں گا تو کون کرے گا، اگر میں عدل و انصاف سے کام نہ لوں تو یقیناً تو محروم ہوجائے گا اور ٹوٹے میں رہے گا۔ حضرت عمرؓ نے بارگاہ رسالت میں اس شخص کی یہ گستاخانہ فقرہ بازی دیکھ کر) عرض کیا کہ یارسول اللہ! اجازت دیجئے کہ اس (گستاخ اور بدبخت) انسان کا سر قلم کردوں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: (نہیں) اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ کچھ لوگ اس کے تابعدار ہوں گے جن کی نمازوں کے مقابلہ پر تم اپنی نمازوں کو) اور جن کے روزوں کے مقابلہ پر تم اپنے روزوں کو حقیر جانو گے، وہ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ جائے گا۔ اور وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح جب تیر شکار کو چھیدتا اور پار نکل جاتا ہے تو چاہے اس کے پیکان کو دیکھا جائے چاہے اس کے رصاف کو دیکھا جائے چاہے اس کے پروں کو دیکھا جائے کہیں بھی کچھ نہیں پایا جاتا حالانکہ وہ تیر) نجاست اور خون میں سے ہوکر نکلتا ہے، اور اس شخص (ذوالخویصرہ) کے تابعداروں (کے سردار) کی علامت یہ ہے کہ وہ سیاہ رنگ کا آدمی ہوگا جس کے ایک بازو میں عورت کے پستان کے مانند (ابھرا ہوا گوشت) یا گوشت کا ایک ٹکڑا ہوگا جو ہلتا ہوگا (اسی بناء پر اس کو ذوالثدیہ کہا جائے گا) اور وہ لوگ (یعنی اس شخص کے تابعدار) لوگوں کے ایک بہترین طبقہ (یعنی حضرت علیؓ اور ان کے تابعداروں) کے خلاف بغاوت کریں گے۔ حضرت ابوسعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے خود یہ حدیث رسول کریم ﷺ سے سنی ہے اور پھر یہ بھی شہادت دیتا ہوں کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس فرقہ کے لوگوں سے (جن کی طرف آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا) جنگ کی اور میں اس جنگ میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھا حضرت علیؓ نے (اس جنگ

میں فتحیاب ہونے اور دشمنوں کی پسپائی کے بعد،) اس شخص کو تلاش کرنے کا حکم دیا (جس کے بارے آنحضرت ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی، چنانچہ مقتولین میں سے تلاش کر کے حضرت علیؓ کے پاس اس شخص کو لایا گیا تو میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی جو علامت بیان کی تھی وہ اس میں (ہو بہو) موجود تھی۔

اور ایک روایت میں (آنحضرت کے پاس ذوالخویصرہ کی آمد کے ذکر کے بجائے یوں مذکور ہے کہ: (اس وقت جب کہ آنحضرت ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے) ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کی آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں، پیشانی ابھری ہوئی تھی، داڑھی گنجان تھی رخسارے اٹھے ہوئے تھے اور سر منڈا ہوا تھا، اس نے کہا کہ اے محمد ﷺ! اللہ سے ڈرو (یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور تقسیم میں عدل و انصاف سے کام لو) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اگر میں ہی اللہ کی نافرمانی کروں گا تو پھر کون اللہ کی اطاعت کرے گا (یعنی میں مقام نبوت و عصمت پر فائز ہونے کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور سب سے زیادہ اس کی اطاعت کرنے والا ہوں، بھلا تو مجھ کو اطاعت گزاری کا کیا سبق دیتا ہے) مجھ کو اللہ تعالیٰ روئے زمین کے لوگوں میں (سب سے بڑا) امین جانتا ہے (اور مخلوق میں عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے مجھے اس دنیا میں بھیجا ہے) صرف تو ہے جو مجھ کو امین نہیں سمجھتا اور مجھ پر اعتماد نہیں کرتا۔ ایک صحابی یعنی حضرت عمرؓ نے (اس شخص کی یہ گستاخی دیکھ کر) آنحضرت ﷺ سے اس شخص کا سر قلم کر دینے کی اجازت چاہی لیکن آپ ﷺ نے اس کو منع فرمایا اور جب وہ شخص واپس چلا گیا تو فرمایا: اس شخص کی اصل سے ایک قوم نمودار ہوگی۔ وہ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گا، اسلام (یعنی کمال اسلام کے دائرہ یا امام وقت کی اطاعت) سے وہ اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے، پھر وہ لوگ (یعنی خارجی، اہل اسلام کو تو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں گے (مطلب یہ کہ جن لوگوں سے جنگ کرنا زیادہ اہم ہوگا، یعنی کافروں اور بت پرستوں سے، ان سے تو جنگ کریں گے نہیں البتہ مسلمانوں کے خلاف جنگ و جدل میں مصروف رہیں گے) اگر میں ان لوگوں کو پاؤں تو ان کو اس طرح قتل کر دوں جس طرح قوم عاد کے لوگ قتل کئے گئے تھے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: ذوالخویصرہ نامی شخص جس کا حدیث میں ذکر ہوا، دراصل منافق تھا اور جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے پیش گوئی فرمائی، امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں جس طبقہ نے حضرت علیؓ سے خروج و بغاوت کی راہ اختیار کی تھی جو فرقہ خوارج کے نام سے مشہور ہوا اس کی اصل اور بنیاد یہی شخص تھا اس کے حق میں قرآن کی یہ آیت وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ نازل ہوئی تھی۔ ایک شارح نے جو یہ کہا ہے کہ ذوالخویصرہ، خارجیوں کا سردار تھا تو یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ خارجیوں کا ظہور حضرت علیؓ کے زمانہ میں ہوا ہے۔

غزوہ حنین میں غنیمت کے طور پر جو مال و اسباب اسلامی لشکر کے ہاتھ لگا تھا اس کو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں میں اس طرح تقسیم فرمایا کہ جس شخص کی جتنی ضرورت و حاجت تھی اس کو اسی اعتبار سے عطا فرمایا اس منافق ذوالخویصرہ کو یہ بات ناگوار ہوئی اور اس نے اپنی بدظنی کے اظہار میں آنحضرت ﷺ پر گویا یہ اعتراض کیا کہ آپ ﷺ کو مال غنیمت کی تقسیم اس طرح نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ ہر شخص کو برابر برابر تقسیم کرنا چاہئے اس پر آنحضرت ﷺ نے جو جواب دیا اس کا حاصل یہ تھا کہ انصاف اور عدل کے تقاضہ کو مجھ سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے۔ مال غنیمت کی تقسیم کا جو طریقہ میں نے اختیار کیا ہے اس کی بنیاد عدل و انصاف کے سوا کچھ نہیں، عدل کا مطلب یہی نہیں ہے کہ ہر شخص کو برابر برابر دیا جائے خواہ کسی کی ضرورت کتنی ہی زیادہ ہو، اور کسی کی حاجت کتنی ہی کم ہو، یہ بھی عدل ہی ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ ضرورت مند ہے اس کو اتنا ہی زیادہ دے کر اس کی ضرورت کو پورا کیا جائے اور جو شخص کم ضرورت رکھتا ہے اس کو کم دیا جائے، پھر آپ ﷺ نے اس شخص سے واضح فرمایا کہ میں رحمۃ للعالمین بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہوں تاکہ ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کروں، اگر کوئی شخص میری عدالت اور میری انصاف پسندی پر انگلی اٹھاتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کے نصیب میں مایوسی و محرومی کے علاوہ کچھ نہیں ہے، لہٰذا تیری بہرہ مندی اور امیدواری تو اسی صورت میں تھی جب تجھے میری عدالت پر اعتماد ہوتا، اگر میرے

عدل پر تجھے بھروسہ نہیں ہے اور تیرے نزدیک میں انصاف سے کام نہیں لے رہا ہوں تو سمجھ لے کہ تو خود اپنے گمان کے مطابق ناامید محروم ہو گیا اور ٹوٹے میں رہا۔

شرح السنۃ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو تو اس شخص کے قتل سے منع کر دیا، لیکن دوسری روایت کے بموجب آپ ﷺ نے اپنے اس عزم کا اظہار فرمایا کہ اگر میں اس شخص کے تابعداروں کو پاؤں تو قتل کر دوں؟ ان دونوں میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے عزم کے اظہار کی صورت میں ان لوگوں کے قتل کو جو مباح فرمایا تو اس کا تعلق اس صورت سے ہے، جب وہ لوگ باقاعدہ اپنا گروہ بنائیں اور بہت سارے مل کر اور ہتھیار باندھ کر دوسرے لوگوں (یعنی اہل اسلام) سے تعارض کریں اور ان کے خلاف جنگ وجدال کا معرکہ گرم کرنے کے درپے ہوں، جب کہ حضرت عمرؓ کو منع کرنے کے وقت یہ صورت نہیں تھی وہ تو بس ایک شخص تھا جس نے اپنی بدباطنی اور اپنے نفاق کا اظہار کر دیا تھا یہ اس کے فتنہ انگیز تابعداروں کا ظہور اور ان کے فتنہ وفساد کی اصل ابتداء حضرت علیؓ کے زمانہ میں ہوئی۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے ان کا مقابلہ کیا اور ان میں سے بہت سوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ لیکن زیادہ صحیح اور عمدہ بات وہ ہے جو ایک شارح نے لکھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا حضرت عمرؓ کو اس شخص کی قتل کی اجازت نہ دینا دراصل آنحضرت ﷺ کی اس حسن اخلاق اور کمال تحمل وبردباری کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کبھی بھی اپنی ذات کے بارے میں کسی سے بدلہ و انتقام نہیں لیتے تھے حالانکہ اس شخص نے زیادتی اور عداوت کے اظہار میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اس نے براہ راست ذات رسالت کو مخاطب کر کے کہا، عدل و انصاف سے کام لو، دوسری روایت کے مطابق اس نے یہ کہا کہ: اللہ سے ڈرو۔ اور یک روایت میں اس کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ: (اے محمد ﷺ!) تم جس طرح مال غنیمت تقسیم کر رہے ہو اس میں عدل و انصاف نہیں ہے اس کے اس طرح کے الفاظ اس بات کے لئے کافی تھے کہ اس کو فوراً قتل کر دیا جاتا، کیونکہ اس نے رسول کریم ﷺ کی نکتہ چینی کی اور آپ ﷺ کو عیب لگایا، اسی لئے اگر کوئی شخص آج بھی ذات رسالت ﷺ کے متعلق اس طرح کے الفاظ زبان سے نکالے تو اس کفر وارتداد کا حکم لگا دیا جائے گا، لیکن اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے اس سے دارو گیر نہیں کی اور اس کو قرار واقعی سزا دینے کی اجازت عطا نہیں فرمائی۔

"جن کی نمازوں کے مقابلہ پر تم اپنی نمازوں کو..... الخ" کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کے تابعدار وہ لوگ (جو فرقہ خوارج کے نام سے موسوم اور مشہور ہوں گے، بظاہر بڑے دین دار اور متبع شریعت نظر آئیں گے، وہ عام مسلمانوں کی نظر میں اپنا سکہ جمانے کے لئے ایسی اچھی نمازیں پڑھیں گے اور ایسے اچھے روزے رکھیں گے کہ بڑے بڑے پکے اور سچے، مسلمان بھی ان کے مقابلہ پر اپنی نمازوں اور روزوں کو کمتر محسوس کریں گے، وہ قرآن کی تلاوت بھی کریں گے اور اس طرح کریں گے کہ ترتیل و تجوید اور مخارج حروف کی رعایت کے تمام آداب وشرائط پر اتریں گے، لیکن ان کے دل میں چونکہ نفاق ہو گا اس لئے ان کی تلاوت حلق سے نیچے نہیں جائے گی، یعنی نہ ان کی تلاوت وقرأت عند اللہ مقبول ہو گی اور نہ ان کی عبادت وریاضت اور اعمال اوپر چڑھیں گے اور ثمر آور ہوں گے یا یہ کہ ان کی تلاوت صرف ان کی زبان تک محدود رہے گی، نہ دل تک جائے گی اور نہ اس کے اثرات روح تک پہنچیں گے۔ پھر جب وہ لوگ اپنا مضبوط اور وسیع جتھہ بنالیں گے اور طاقتور جماعت کی صورت اختیار کر لیں گے تو پھر دین کی اطاعت وفرمانبرداری یا امام وقت کی اطاعت اور یا سرے سے اسلام کے دائرہ سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے بیچ میں سے نکل جاتا ہے، چنانچہ جس طرح شکار کے بیچ سے نکلے ہوئے تیر کے اوپر سے لے کر نیچے تک، کسی بھی حصہ پر خون یا نجاست کا نشان ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا، حالانکہ وہ تیر خون اور نجاست ہی میں سے باہر نکلتا ہے اسی طرح ان لوگوں کے دین سے نکلنے کے بعد ان پر دینداری، اسلام کی وابستگی اور مسلمانوں کی محبت کا ذرا بھی کوئی اثر نہیں رہے گا حالانکہ وہ بڑے نمازی، قرآن کی بہت تلاوت کرنے والے، اور تہجد گزار و شب بیدار ہوں گے۔

وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے... الخ حدیث کا یہ جملہ ان علماء کی دلیل ہے جو خوارج کی تکفیر کے قائل ہیں اور خطابیؒ نے کہا

ہے کہ "دین سے نکل جائیں گے۔" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لوگ سرے سے دین اسلام کے دائرہ ہی سے خارج ہو جائیں گے بلکہ ان کا امام وقت کے خلاف بغاوت کرنا مراد ہے۔

"اور سر منڈا ہوا تھا" یہ گویا اس شخص کی طرف سے اس ہیئت و صورت کی ظاہری مخالفت تھی جس پر آنحضرت ﷺ کے اکثر صحابہؓ کرام تھے، چنانچہ اکثر صحابہ کرامؓ سر پر بال رکھتے تھے منڈاتے نہیں تھے علاوہ اس موقع کے جب حج سے فارغ ہونے کے بعد سر منڈانا ضروری ہوتا ہے، البتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اکثر اپنا سر منڈایا کرتے تھے اور وہ بھی اس احتیاط کے پیش نظر کہ غسل میں کہیں بالوں کی وجہ سے پانی سر تک پہنچنے سے نہ رہ جائے۔

"جس طرح قوم عاد کے لوگ قتل کئے گئے تھے" میں قتل سے مراد ان کی اجتماعی ہلاکت اور ان کا مکمل استیصال ہے اور اس چیز یعنی ہلاکت و استیصال کو "قتل" سے تعبیر کرنا محض مشاکلت کے لئے ہے ورنہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے تو قوم عاد کو قتل نہیں کیا گیا تھا، بلکہ سخت آندھی اور طوفان کے ذریعہ اس طرح ان کو ہلاک و برباد کیا گیا تھا کہ قوم کی قوم نیست و نابود ہو کر رہ گئی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کے اسلام لانے کا واقعہ

(۲۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ اَدْعُوْا اُمِّي اِلَى الْاِسْلَامِ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فَدَعَوْتُهَا يَوْمًا فَاَسْمَعَتْنِيْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكْرَهُ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِيْ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَهْدِيَ اُمَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ اُمَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَخَرَجْتُ مُسْتَبْشِرًا بِدَعْوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صِرْتُ اِلَى الْبَابِ فَاِذَا هُوَ مُجَافٌ فَسَمِعَتْ اُمِّي خَشْفَ قَدَمَيَّ فَقَالَتْ مَكَانَكَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ وَسَمِعْتُ خَضْخَضَةَ الْمَاءِ فَاغْتَسَلَتْ فَلَبِسَتْ دِرْعَهَا وَعَجِلَتْ عَنْ خِمَارِهَا فَفَتَحَتِ الْبَابَ ثُمَّ قَالَتْ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَرَجَعْتُ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِيْ مِنَ الْفَرَحِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَقَالَ خَيْرًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کو جو مشرکہ تھیں قبول اسلام کی تلقین کیا کرتا تھا، چنانچہ ایک دن میں نے ان کو (معمول کے مطابق) اسلام قبول کرنے کی تلقین کی تو انہوں نے رسول کریم ﷺ کی شان اقدس میں (ایک ایسی نازیبا اور گستاخانہ) بات کہی کہ مجھ کو سخت ناگوار ہوئی (بلکہ میں تو اب بھی اس کو نقل کرنا گوارا نہیں کرتا میں (اس بات سے مغموم اور رنجیدہ ہو کر کہ انہوں نے میرے سامنے اتنے برے الفاظ زبان سے نکالے ہیں اور ماں ہونے کی وجہ سے میں ان کی تادیب بھی نہیں کر سکتا) روتا ہوا رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اب تو آپ ہی اللہ سے دعا فرما دیجئے کہ ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت عطا فرمائے، آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت عطا فرما! میں نبی کریم ﷺ کی دعا سے بڑی خوش آیند امید لے کر (بارگاہ نبوت سے) واپس لوٹا اور جب اپنی والدہ کے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے، لیکن میری والدہ نے میرے قدموں کی آواز سن لی تھی انہوں نے (اندر سے آواز دے کر) کہا کہ "ابوہریرہؓ! وہیں ٹھہرو (یعنی ابھی گھر میں نہ آؤ) پھر میں نے پانی گرنے کی آواز سنی "میری والدہ نے غسل کیا، کپڑا پہنا اور مارے جلدی کے دوپٹہ اوڑھے بغیر دروازہ کھول دیا اور (مجھے دیکھ کر) کہا، میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتی ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں یہ دیکھتے ہی کہ میری پیاری ماں کو ہدایت مل گئی اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا، الٹے پاؤں لوٹا اور خوشی کے آنسو گراتا ہوا رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اللہ کی تعریف کی اور میری والدہ کے اسلام پر شکر ادا کیا اور "اچھا فرمایا۔" (مسلم)

تشریح: "اور خوشی کے آنسو گراتا ہوا... الخ" حقیقت یہ ہے کہ انسان محض رنج و غم کے وقت ہی آنسو نہیں بہاتا بلکہ انتہائی مسرت اور

خوشی کے موقع پر بھی اس کی آنکھیں آنسو بہانے لگتی ہیں۔ کسی زندہ دل نے بڑی پیاری بات کہی ہے کہ خوشی کا رونا اس سبب سے ہوتا ہے کہ غم آنسوؤں کی صورت میں بہہ کی نکل جانا چاہتا ہے۔

"اور اچھا فرمایا" کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خوشخبری سن کر دعاو بشارت پر مشتمل کوئی اچھا جملہ ارشاد فرمایا۔ یا یہ کہ "خیر" کا لفظ ایک ایسی عبارت سے متعلق ہے جو الفاظ میں تو مذکور نہیں ہے لیکن اس کا مفہوم مراد لیا گیا ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے گویا یہ فرمایا: اے ابوہریرہؓ! تم اپنی والدہ کے اسلام لانے کے سبب اچھا اجر و انعام پانے کے مستحق ہو گئے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے اس معجزہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ باوجود یہ کہ کفر و انکار پر شدت سے قائم تھیں اور اسلام کے تئیں سخت بغض و نفرت رکھتی تھیں، لیکن آنحضرت ﷺ کی دعا نے فوراً اثر کیا اور ان کے قلب و دماغ میں حیرت انگیز طور پر انقلاب آیا کہ دین اسلام کی آغوش میں آ گئیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کا کثیر الروایت ہونا اعجاز نبوی کا طفیل ہے

(۲۷) وَعَنْهُ قَالَ اِنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ اَكْثَرَ اَبُوْهُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهُ الْمَوْعِدُ وَاِنَّ اِخْوَتِيْ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْاَسْوَاقِ وَاِنَّ اِخْوَتِيْ مِنَ الْاَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمْ عَمَلُ اَمْوَالِهِمْ وَكُنْتُ امْرَءًا مِسْكِيْنًا اَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مِلْءِ بَطْنِيْ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا لَنْ يَبْسُطَ اَحَدٌ مِنْكُمْ ثَوْبَهُ حَتّٰى اَقْضِيَ مَقَالَتِيْ هٰذِهٖ ثُمَّ يَجْمَعَهُ اِلٰى صَدْرِهٖ فَيَنْسٰى مِنْ مَقَالَتِيْ شَيْئًا اَبَدًا فَبَسَطْتُ نَمِرَةً لَيْسَ عَلَيَّ ثَوْبٌ غَيْرُهَا حَتّٰى قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهُ ثُمَّ جَمَعْتُهَا اِلٰى صَدْرِيْ فَوَالَّذِيْ بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا نَسِيْتُ مِنْ مَقَالَتِهٖ ذٰلِكَ اِلٰى يَوْمِيْ هٰذَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نے (ایک دن) تابعینؒ کو مخاطب کر کے یا جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے صحابہؓ متاخرین کو مخاطب کر کے) کہا کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے بہت زیادہ حدیثیں نقل کرتے ہیں (تو پہلے یہ سمجھ لو کہ) اللہ کا وعدہ (برحق ہے) اور پھر سنو میں زیادہ حدیثیں بیان کرنے کا سبب تمہیں بتاتا ہوں کہ میرے مہاجر بھائیوں کو تو بازار میں ہاتھ پر ہاتھ مارنے (یعنی خرید و فروخت کی مشغولیت الجھائے رکھتی تھی اور میرے انصار بھائیوں کو ان کی زمین جائیداد فرصت نہیں دیتی تھی، جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں ایک مسکین و مفلس شخص تھا اور پیٹ بھر کر کھانا مل جانے پر قناعت کر کے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پڑا رہتا تھا۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ) رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص اپنا کپڑا پھیلائے اور اس وقت تک پھیلائے رہے جب تک میں اپنی بات (یعنی دعا) پوری نہ کر لوں اور پھر وہ شخص اپنے کپڑے کو سمیٹ کر اپنے سینہ سے لگا لے تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ میری بات (حدیث) کو کلی طور پر یا جزوی طور پر کبھی بھی بھول جائے۔ چنانچہ میں نے (فوراً) اپنی کملی پھیلا لی جس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی کپڑا نہیں تھا اور اس کو اس وقت تک پھیلائے رکھا جب تک آپ ﷺ نے اپنی بات پوری نہ کر لی اور پھر اس کو سمیٹ کر اپنے سینہ سے لگا لیا، قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا (اس کے بعد سے) آج تک میں آنحضرت ﷺ سے سنا ہوا کوئی ارشاد نہیں بھولا ہوں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "اللہ کا وعدہ برحق ہے" میں اللہ کے وعدہ سے مراد قیامت کا دن ہے، اس بات سے حضرت ابوہریرہؓ کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ہم سب کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اگر میں نے آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کرنے میں کمی بیشی یا خیانت کی ہوگی تو یقیناً اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ کو سزا دے گا، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرما دیا ہے کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے یعنی میری طرف نسبت کر کے جھوٹی حدیث بیان کرے تو اس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں تیار سمجھنا چاہئے۔

دوسرے صحابہؓ کی بہ نسبت حضرت ابوہریرہؓ زیادہ حدیثیں کیوں بیان کرتے ہیں؟ خود انہوں نے اس کے دو سبب بیان کئے ہیں،

پہلا تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سب سے زیادہ حاضرباشی کی سعادت انہی کو حاصل تھی، جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا مہاجر صحابہؓ جوزیادہ تر تجارت پیشہ تھے، اپنی تجارت اور کاروباری مصروفیات کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر نہیں رہتے تھے، اسی طرح انصار صحابہ اپنی زمین جائیدادکی مصروفیت جیسے کھجور کے باغات کی دیکھ بھال اور کھیتی باڑی وغیرہ میں لگے رہنے کے سبب بارگاہ نبوت میں خاص خاص اوقات میں ہی حاضر ہوتے تھے ان سب کے برعکس حضرت ابوہریرہؓ کا نہ گھربار تھا نہ کاروبار، زراعت اور نہ معاشی زندگی کی کوئی مشغولیت، وہ تو ایک مفلس وقلاش انسان تھے ان کی قناعت کے لئے یہی بہت کافی تھا کہ کہیں سے کھانے پینے کی کوئی چیز آگئی اور انہوں نے اپنی بھوک مٹالی، اس کے علاوہ اور کسی چیز کی نہ ان کو ضرورت تھی اور نہ خواہش اس وجہ سے وہ اپنا تقریباً سارا وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضرباشی میں گزارتے تھے اور اسی بناء پر آنحضرت ﷺ کے احوال ومعاملات کو دیکھنے اور آپ ﷺ کے ارشادات کو سننے کا سب سے زیادہ موقع ان ہی کو ملتا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے جو دوسرا سبب بیان کیا وہ دراصل ارشادات نبوی ﷺ کو سن کر جوں کا توں اپنے دماغ میں محفوظ رکھنے کا وہ خصوصی وصف تھا جو ایک سعادت کے طور پر انہیں اعجاز نبوی کے طفیل میں حاصل ہوا، اس سعادت کے حصول کی جو صورت پیش آئی اور حضرت ابوہریرہؓ نے اس کا ذکر جن الفاظ میں کیا اس کی وضاحت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چاہتے تھے کہ میری امت کے جو لوگ مجھ سے حدیث سنیں وہ اس کو اچھی طرح یاد رکھیں تاکہ اس کے ذریعہ ہدایت و اصلاح کا سلسلہ بلاکم وکاست جاری رہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک دن فرمایا کہ اس وقت میں اپنے پروردگار سے یہ دعا کرنے جارہا ہوں کہ میرے صحابہ میری جو حدیثیں سنیں وہ ان کے دماغ میں پوری طرح محفوظ رہیں۔ لہذا اس موقع پر جو شخص اپنا کپڑا پھیلالے گا اور میری دعا ختم ہونے تک اس کپڑے کو پھیلائے رکھے گا اور اس کے بعد پھر اس کپڑے کو سمیٹ کر اپنے سینہ سے لگالے گا تو اس دعا کی برکت سے، جو پہلے کپڑے میں اور پھر کپڑے کے ذریعہ سینہ تک پہنچے گی اس کا حافظہ اس قدر قوی ہو جائے گا کہ وہ میری جو حدیث بھی سنے گا اس کو زندگی بھر کبھی نہیں بھولے گا، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی کملی کو جو اس وقت ان کے پاس واحد کپڑا تھا، فوراً پھیلادیا آنحضرت ﷺ نے دعا مانگنی شروع کردی اور جب تک آپ دعا مانگتے رہے، حضرت ابوہریرہؓ اپنی کملی پھیلائے بیٹھے رہے، جب آنحضرت ﷺ نے دعا ختم کرلی تو حضرت ابوہریرہؓ نے کملی کو سمیٹ کر اپنے سینہ سے لگالیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے جو بھی ارشاد گرامی سنتے وہ جوں کا توں آپ کے دماغ میں محفوظ ہو جاتا اس طرح آپ کا سینہ اور دماغ احادیث نبوی ﷺ کا محفوظ گنجینہ بن گیا۔

حضرت جریرؓ کے حق میں دعا

(۲۸) وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تُرِيْحُنِيْ مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ فَقُلْتُ بَلٰى وَكُنْتُ لَا اَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَرَبَ يَدَهٗ عَلٰى صَدْرِيْ حَتّٰى رَاَيْتُ اَثَرَ يَدِهٖ فِيْ صَدْرِيْ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا قَالَ فَمَا وَقَعْتُ عَنْ فَرَسِيْ بَعْدُ فَانْطَلَقَ فِيْ مِائَةٍ وَخَمْسِيْنَ فَارِسًا اَحْمَسَ فَحَرَّقَهَا بِالنَّارِ وَكَسَرَهَا (متفق علیہ)

"اور حضرت جریرؓ ابن عبداللہ بجلیؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم ذوالخلصہ کو توڑ کر مجھے راحت نہیں پہنچاؤ گے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں (اس کو توڑ کر آپ کو ضرور راحت پہنچاؤں گا (لیکن میرے لئے ایک پریشانی یہ تھی کہ) میں گھوڑے کی سواری پر پوری طرح قادر نہیں تھا اور کبھی کبھی گر پڑتا تھا) لہذا میں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا (کہ ذوالخلصہ تک پہنچنے کے لئے گھوڑے پر سفر کرنا پڑے گا اور میں گھوڑے کی سواری پر پوری طرح قادر نہیں ہوں) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) میرے سینے پر (اتنے زور سے) ہاتھ مارا کہ میں نے اس کا اثر اپنے سینہ کے اندر تک محسوس کیا اور پھر (میرے حق میں) یہ دعا فرمائی: اے اللہ! اس (جریر) کو

(ظاہرو باطن میں) ثابت و قائم رکھ اور اس کو راہ راست دکھانے والا اور راہ راست پانے والا بنا۔ حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ اس دعا کے بعد میں کبھی گھوڑے سے نہیں گرا، اور پھر احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کو لے کر جریرؓ (ذوالخلصہ توڑنے کے لئے) روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے ذوالخلصہ کو آگ لگادی اور اس کو توڑ پھوڑ ڈالا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: ذُوالخَلَصَہ (یا ذُوالْخُلُصَہْ) عرب کے قبیلہ خثعم کے بت خانہ کا نام تھا اس کو کعبۃ الیمامہ بھی کہا جاتا تھا، اس میں ایک بہت بڑا بت تھا جس کا نام خلصہ تھا، اس بت کی بڑے پیمانہ پر پوجا ہوتی تھی، یہ صورت حال آنحضرتؐ کے لئے انتہائی تکلیف دہ تھی اس لئے آپ ﷺ نے حضرت جریرؓ سے فرمایا کہ اگر تم بت خانہ کو توڑ پھوڑ ڈالو تو مجھے چین مل جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نفوس مقدسہ اور کاملین کو غیر اللہ کی عبادت و پرستش اور خلاف شرع امور دیکھ کر سخت صدمہ ہوتا ہے اور اذیت محسوس ہوتی ہے۔

"اَحْمَسْ" جو اَحْمَر کے وزن پر ہے، دراصل لفظ "حماسہ" سے بنا ہے جس کے معنی شجاعت و بہادری کے ہیں، قریش کے کچھ قبیلے جو شجاعت و بہادری اور جنگجوئی میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے ان کو "احمس" کہا جاتا ہے۔

"اور پھر "احمس" کے ڈیڑھ سو سواروں کو لے کر جابر روانہ ہوئے... الخ" روایت میں اس آخری جزء کے بارے میں شارحین نے لکھا ہے کہ یہ اس راوی کے الفاظ ہیں جس نے اس روایت کو حضرت جریرؓ سے نقل کیا ہے، لیکن بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ یہ جملے بھی اصل روایت ہی کے ہیں اور حضرت جریرؓ کے اپنے الفاظ ہیں، روایت میں یہاں پہنچ کر انہوں نے وہ اسلوب اختیار کیا جس کو التفات کہا جاتا ہے۔ یعنی اس جملہ میں انہوں نے اپنے ذکر کے لئے متکلم کا صیغہ چھوڑ کر غائب کا صیغہ اختیار کیا۔

زبان مبارک سے نکلا ہوا لفظ اٹل حقیقت بن گیا

(۲۹) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَجُلاً كَانَ يَكْتُبُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْتَدَّ عَنِ الْاِسْلَامِ وَلَحِقَ بِالْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاَرْضَ لَا تَقْبَلُهُ فَاَخْبَرَنِيْ اَبُوْطَلْحَةَ اَنَّهُ اَتَى الْاَرْضَ الَّتِيْ مَاتَ فِيْهَا فَوَجَدَهُ مَنْبُوْذًا فَقَالَ مَا شَانُ هٰذَا فَقَالُوْا دَفَنَّاهُ مِرَارًا فَلَمْ تَقْبَلْهُ الْاَرْضُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص جو نبی کریم ﷺ کی وحی لکھتا تھا، مرتد ہوگیا اور مشرکوں سے جاملا، نبی کریم ﷺ (کو اس کے بارے میں یہ اطلاع ملی تو آپ ﷺ) نے فرمایا "اس کو زمین قبول نہیں کرے گی۔" حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ابو طلحہؓ نے (جو میری ماں کے شوہر تھے) مجھ کو بتایا کہ جب وہ (ابو طلحہؓ) اس مقام پر پہنچے جہاں اس شخص کی موت و تدفین ہوئی تھی تو دیکھا کہ وہ قبر سے باہر پڑا ہوا ہے، انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس کو کیا ہوا (کہ قبر سے باہر پڑا ہوا ہے؟) لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اس شخص کو کئی بار دفن کر چکے ہیں لیکن زمین اس کو قبول نہیں کرتی (ہر مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم اس کو دفن کر کے گئے اور جب آکر دیکھا تو باہر پڑا ہوا پایا۔ آخر تنگ آکر ہم نے اس کو دفن کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: وہ شخص پہلے نصرانی (عیسائی) تھا پھر ایمان لایا اور مسلمان ہوگیا، چونکہ لکھنا پڑھنا جانتا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کو وحی کی کتابت پر مامور کردیا، لیکن پھر نہ معلوم کیا ہوا کہ اسلام سے پھر گیا اور مرتد ہو کر دوبارہ نصرانی بن گیا اور مخالفین اسلام یعنی مشرکوں کی صف میں شامل ہوگیا۔ اس بات سے آنحضرت ﷺ کو سخت تکلیف ہوئی اور زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے کہ اس شخص کو تو زمین بھی قبول نہیں کرے گی اور اس کی لاش کو اپنے اندر سے باہر پھینک دے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب وہ شخص مرا اور مشرکوں نے ان کی لاش کو دفن کردیا تو صبح ہو کر انہوں نے دیکھا کہ اس کی لاش قبر سے باہر پڑی ہوئی ہے انہوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے کہ قبر کھود کر اس کی لاش کو باہر ڈال دیا ہے اور پھر انہوں نے بڑی محنت سے جہاں تک کھود سکے بہت گہری قبر

کھودی اور اس کو دفن کر دیا، جب اگلی صبح کو پھر آکر دیکھا تو لاش قبر سے باہر پڑی ہوئی ہے اب ان کو احساس ہوا کہ یہ کسی آدمی کا کام نہیں ہے، چنانچہ وہ مایوس ہو کر واپس لوٹ گئے اور لاش کو اسی جگہ پڑے رہنے دیا۔

قبور یہود کے احوال کا انکشاف

(۳۰) وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا فَقَالَ یَھُوْدُ تُعَذَّبُ فِیْ قُبُوْرِھَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ غروب آفتاب کے بعد گھر سے نکلے تو ایک آواز سنی اور (وہ آواز سن کر) فرمایا: یہ یہود ہیں (یعنی یہ آواز ان یہودیوں کی ہے) جن کو قبر میں عذاب دیا جارہا ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "ایک آواز سنی" کے بارے میں شارحین نے لکھا ہے کہ وہ آواز یا تو ان ملائکہ کی تھی جو قبر میں آواز دینے پر مامور تھے یا ان یہودیوں کی تھی جن کو قبروں میں عذاب دیا جارہا تھا اور یا وقوع عذاب کی آواز تھی۔ حدیث کی عبارت یہود تعذب فی قبورھا کے پیش نظر دوسرا احتمال زیادہ قرین قیاس ہے۔

اس حدیث سے عذاب قبر کا ثبوت ملتا ہے اور آنحضرت ﷺ کا یہ معجزہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پر ان یہودیوں کی قبر کا حال منکشف ہوا اور آپ ﷺ نے اس کو بیان فرمایا۔

آندھی دیکھ کر ایک منافق کے مرنے کی خبر دینے کا معجزہ

(۳۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ سَفَرٍ فَلَمَّا کَانَ قُرْبَ الْمَدِیْنَۃِ ھَاجَتْ رِیْحٌ تَکَادُ اَنْ تَدْفِنَ الرَّاکِبَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُعِثَتْ ھٰذِہِ الرِّیْحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ فَقَدِمَ الْمَدِیْنَۃَ فَاِذَا عَظِیْمٌ مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ قَدْ مَاتَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ سفر سے واپس مدینہ تشریف لا رہے تھے کہ مدینہ کے قریب پہنچے تو سخت آندھی آئی اور سخت بھی اتنی کہ سوار کو زمین میں دفن کر دے (یعنی اس آندھی کی شدت اور تیزی دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی سوار زمین پر قائم نہیں رہ سکے گا، طوفانی آندھی کا کوئی سخت جھونکا اڑا کر لے جائے گا اور کہیں (دور نامعلوم جگہ پر ہلاک کر ڈالے گا) آنحضرت ﷺ نے (اس موقع) پر فرمایا: یہ آندھی ایک منافق کے مرنے پر بھیجی گئی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ جب مدینہ میں داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ منافقوں کا ایک بڑا سردار مر گیا ہے۔" (مسلم)

تشریح: بعض حضرات نے تو یہ لکھا ہے کہ مرنے والے منافق کا نام رفاعہ بن درید تھا اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ ﷺ غزوہ تبوک کے سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس منافق کا نام رافع تھا اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آنحضرت ﷺ غزوہ بنی مصطلق سے واپس آرہے تھے۔

اس بڑے منافق کے مرنے پر اتنی سخت آندھی آنا دراصل اس وحشت وبدحالی اور آلودگی و پراگندگی کا قدرت کی طرف سے اظہار تھا جس سے منافق و بدکار مرتے وقت دوچار ہوتے ہیں اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ آئندہ کی زندگی (آخرت) میں بھی اس طرح کے لوگوں کو اسی حالت سے کہ جو سراسر کلفت و پریشانی اور تباہی میں مبتلا کرنے والی ہے، دوچار ہونا ہوگا۔

مدینہ کی حفاظت کے بارے میں معجزانہ خبر

(۳۲) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی قَدِمْنَا عُسْفَانَ فَاَقَامَ بِھَا لَیَالِیَ

فَقَالَ النَّاسُ مَانَحْنُ هٰهُنَا فِيْ شَيْءٍ وَاِنَّ عِيَالَنَا لَخُلُوْفٌ مَانَأْمَنُ عَلَيْهِمْ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَافِي الْمَدِيْنَةِ شِعْبٌ وَلَا نَقْبٌ اِلَّا عَلَيْهِ مَلَكَانِ يَحْرُسَانِهَا حَتّٰى تَقْدَمُوْا اِلَيْهَا ثُمَّ قَالَ اِرْتَحِلُوْا فَارْتَحَلْنَا وَاَقْبَلْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَوَالَّذِيْ يُحْلَفُ بِهٖ مَاوَضَعْنَا رِحَالَنَا حِيْنَ دَخَلْنَا الْمَدِيْنَةَ حَتّٰى اَغَارَ عَلَيْنَا بَنُوْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ غَطْفَانَ وَمَا يُهَيِّجُهُمْ قَبْلَ ذٰلِكَ شَيْءٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ (مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے) اور جب (مکہ سے تقریبًا ۳۲ میل کے فاصلہ پر) مقام عسفان پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے وہاں کئی راتیں قیام کیا بعض لوگوں (یعنی منافقوں اور ضعیف الاسلام لوگوں نے (اس جگہ کے قیام سے گھبرا کر) کہا کہ ہم یہاں بیکار کیوں پڑے ہوئے ہیں جب کہ ہمارے اہل وعیال ہم سے دور (مدینہ میں تنہا) ہیں اور ہمیں ان کے بارے میں اطمینان نہیں ہے (کہ ہماری عدم موجودگی) کا فائدہ اٹھا کر کہیں کوئی دشمن ان کی غارت گری پر نہ اتر آئے) ان لوگوں کی یہ بات نبی کریم ﷺ تک بھی پہنچی، آپ ﷺ نے یہ (سن کر) فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مدینہ کا کوئی راستہ اور کوئی کوچہ ایسا نہیں ہے جس پر دو دو فرشتے متعین نہ ہوں اور وہ فرشتے (مدینہ کے راستوں اور کوچوں کی) نگہبانی اور حفاظت پر اس وقت تک مامور رہیں گے جب تک تم مدینہ نہیں پہنچ جاؤ گے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے وہاں سے کوچ کا حکم دیا اور ہم روانہ ہوئے اور مدینہ پہنچ گئے، قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم کھائی جاتی ہے (یعنی اللہ کی قسم) ہم نے (مدینہ پہنچ کر) ابھی (اپنے اونٹوں کی پیٹھ سے) اپنا سامان بھی نہیں اتارا تھا کہ (اچانک) بنو عبداللہ بن غطفان ہم (اہل مدینہ) پر چڑھ آئے جب کہ ہمارے آنے سے پہلے ایسی کوئی بات پیش نہیں آئی جو ان کو جنگ پر ابھارنے والی ہوتی۔" (مسلم)

تشریح: لفظ شعب کے لغوی معنی اس راستہ کے ہیں جو پہاڑ کے درمیان سے گزرتا ہو، اسی طرح "نقب" کے معنی بھی اس راستہ کے ہیں جو پہاڑوں کے درمیان ہو، لیکن یہاں حدیث میں شعب سے مراد وہ راستہ ہے جو شہر وآبادی میں آنے جانے کا ذریعہ ہو اور نقب سے مراد وہ گزرگاہ ہے جو دونوں طرف بنے ہوئے مکانات کے درمیان ہو جس کو گلی اور کوچہ کہتے ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے: انقاب مدینہ (مدینہ کے گلی کوچوں) پر فرشتے متعین ہیں ان کی وجہ سے مدینہ شہر میں نہ تو طاعون آئے گا اور نہ دجال داخل ہوسکے گا۔

"بنو عبداللہ ابن غطفان ہم پر چڑھ آئے۔" بنو عبداللہ ابن غطفان ایک قبیلہ کا نام ہے، مطلب یہ کہ ہم لوگوں کی عدم موجودگی میں مدینہ بالکل محفوظ تھا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے بطور معجزہ ہمیں بتایا تھا اور اس وقت تک ہمارے کسی بھی دشمن کے جارحانہ عزائم کی راہ میں فرشتوں کی نگہبانی اور حفاظت گیری کے علاوہ کوئی بھی ظاہری رکاوٹ نہیں تھی، چنانچہ مدینہ پہنچنے کے بعد ہم نے آنحضرت ﷺ کی دی ہوئی اس خبر کی صداقت کا مشاہدہ کرلیا کہ جب تک ہم لوگ مدینہ نہیں پہنچے فرشتوں کی نگہبانی کی وجہ سے کوئی بھی دشمن حملہ آور نہیں ہوسکا اور نہ ہمارے اہل وعیال کو کوئی نقصان پہنچاسکا، ہمارے مدینہ پہنچتے ہی ایک ایسا دشمن قبیلہ ہم پر حملہ آور ہوگیا جس کے حملہ کا باعث ہماری آمد سے پہلے پیدا نہیں ہوا تھا، ایسا محسوس ہوا کہ محض ہمیں نقصان پہنچانے کے لئے اس دشمن کو حملہ آور ہونا پڑا اور ہماری عدم موجودگی اس کے جارحانہ عزائم کی تکمیل کا بہترین موقع ثابت ہونا چاہئے تھی، مگر یہ غیبی طاقت ہی تھی جس نے اس دشمن سے ہمارے اہل وعیال کی حفاظت کی اور اس کو ہماری عدم موجودگی میں مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیا اور آبادی پر حملہ کرنے سے باز رکھا۔

بارش سے متعلق قبولیت دعا کا معجزہ

(۳۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ قَامَ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَمَا نَرٰى فِي السَّمَآءِ قَزَعَةً فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا وَضَعَهَا حَتّٰى ثَارَ السَّحَابُ اَمْثَالَ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهٖ حَتّٰى

رَاَيْتُ الْمَطَرَيَتَحَادَرُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذٰلِكَ وَمِنَ الْغَدِوَ مِنْ بَعْدِ الْغَدِ حَتّٰى الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى وَقَامَ ذٰلِكَ الْاَعْرَابِيُّ اَوْ غَيْرُهٗ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ تَهَدَّمَ الْبِنَآءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا فَمَا يُشِيْرُ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّحَابِ اِلَّا انْفَرَجَتْ وَصَارَتِ الْمَدِيْنَةُ مِثْلَ الْجَوْبَةِ وَسَالَ الْوَادِىْ قَنَاةٌ شَهْرًا وَلَمْ يَجِئْ اَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ اِلَّا حَدَّثَ بِالْجَوْدِ وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ وَالظِّرَابِ بُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ قَالَ فَاَقْلَعَتْ وَخَرَجْنَا نَمْشِىْ فِى الشَّمْسِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں (ایک مرتبہ خشک سالی کی وجہ سے قحط پڑ گیا، انہی دنوں نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک دیہاتی نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے مال و اسباب (یعنی کھیتی باڑی) مویشی، اور باغات پانی نہ ملنے کی وجہ سے) برباد ہو گئے اور اہل و عیال بھوک سے بلبلا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا فرمائیں کہ آپ ﷺ نے (یہ سنتے ہی) اپنے دست مبارک (دعا کے لئے) اٹھا دیئے اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی ہمیں نظر نہیں آ رہا تھا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے آپ ﷺ نے (دعا ختم کر کے) ابھی اپنے ہاتھ نہ چھوڑے تھے کہ اچانک پہاڑوں کی مانند بادل اٹھا اور آپ ﷺ منبر سے نیچے نہ اترنے پائے تھے کہ میں نے دیکھا کہ بارش کا پانی آپ ﷺ کی ریش مبارک پر گرنے لگا تھا پھر اس (جمعہ کے) دن (کے باقی حصے میں) پانی برسا دوسرے روز برسا اور تیسرے روز برسا یہاں تک کہ دوسرے جمعہ تک اس بارش کا سلسلہ جاری رہا اور (جب مسلسل بارش جاری رہنے کی وجہ سے لوگوں کا نقصان ہونے لگا تو) دوسرے جمعہ کو (آنحضرت ﷺ کے خطبہ کے دوران) وہی دیہاتی (یا کوئی دوسرا شخص) کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مکان گر رہے ہیں اور مال و اسباب ڈوب رہے ہیں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا فرمایئے (کہ اب بارش تھم جائے۔ آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی! "اے اللہ! ہمارے اطراف میں (یعنی کھیتوں اور باغات پر) برسا، ہمارے اوپر (یعنی ہمارے گھروں پر) نہ برسا۔" (اس دعا کے بعد) آپ ﷺ جس طرف اشارہ کرتے جاتے تھے ابر اس جانب سے کھلتا جاتا تھا یہاں تک کہ مدینہ کے ایک گول گڈھے کی مانند ہو گیا (یعنی مدینہ شہر کے باہری حصوں میں چاروں طرف بادل چھائے ہوئے تھے اور بارش ہو رہی تھی جب کہ بیچ میں مدینہ شہر کا مطلع بالکل صاف ہو کر گول گڈھے کی طرح ایسا نمایاں ہو گیا تھا کہ پوری آبادی کے اوپر بادل کا کوئی ٹکڑا نظر نہیں آ رہا تھا) اور (مدینہ کے باہری اطراف میں مسلسل بارش کی وجہ سے) وہ نالہ جس کا نام قناۃ تھا ایک مہینہ تک بہتا رہا۔ ان اطراف سے جو بھی شخص (مدینہ شہر میں) آیا اس نے کثرت سے بارش ہونے کی خبر دی۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یوں دعا فرمائی: اے اللہ! ہمارے اطراف میں برسا ہم پر نہ برسا۔ اے اللہ! ٹیلوں پر، پہاڑوں پر، نالوں کے اندر اور درختوں کے اگنے کی جگہ (یعنی کھیتی و باغات) پر برسا۔" حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ (اس دعا کے بعد شہر کے باہر اطراف میں تو بارش ہوتی رہی، لیکن آبادی کے حصہ میں) ابر بالکل کھل گیا اور ہم اس حال میں باہر نکلے کہ دھوپ میں چل رہے تھے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: لفظ یتحادر اصل میں تو ینزل و یقطر کے معنی ظاہر کرتا ہے لیکن یہاں حدیث میں یہ لفظ یتساقط کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ بارش کا پانی براہ راست آپ ﷺ کی ریش مبارک پر گر رہا تھا۔

مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں علی لحیتہ کے الفاظ ہیں اور ترجمہ میں اسی کا لحاظ رکھا گیا ہے لیکن بعض نسخوں میں عن لحیۃ کے الفاظ ہیں چنانچہ حضرت شیخ عبدالحقؒ نے اس کے اعتبار سے یہ ترجمہ کیا ہے کہ بارش کا پانی آپ ﷺ کی ریش مبارک پر ٹپکنے لگا تھا... حاصل یہ کہ آنحضرت ﷺ نے بارش کی دعا فرمائی اور ابھی آپ ﷺ منبر سے اترے بھی نہیں تھے اور مسجد سے باہر نہیں نکلے تھے کہ زوردار بارش شروع ہو گئی۔

امام نوویؒ نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بارش کا سلسلہ زیادہ شدت کے ساتھ طویل

ہو جائے اور اس کی وجہ سے مکانات وغیرہ کو نقصان پہنچنے لگے تو یہ دعا مانگنا مستحب ہے کہ اے اللہ اب ہمارے گھروں پر بارش نہ برسا! لیکن اس دعا کے لئے نماز پڑھنا اور آبادی سے باہر جنگل و میدان میں جاکر دعا مانگنا، جیسا کہ استسقاء کی نماز کا حکم ہے) مشروع نہیں ہے۔

اسطوانہ حنانہ کا معجزہ

(۳۴) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اسْتَنَدَ اِلٰى جِذْعِ نَخْلَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ فَلَمَّا صُنِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ فَاسْتَوٰى عَلَيْهِ صَاحَتِ النَّخْلَةُ الَّتِي كَانَ يَخْطُبُ عِنْدَهَا حَتّٰى كَادَتْ اَنْ تَنْشَقَّ فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَخَذَهَا فَضَمَّهَا اِلَيْهِ فَجَعَلَتْ تَئِنُّ اَنِيْنَ الصَّبِيِّ الَّذِي يُسَكَّتُ حَتّٰى اسْتَقَرَّتْ قَالَ بَكَتْ عَلٰى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب (مسجد نبوی میں) خطبہ ارشاد فرماتے تو کھجور کے اس سوکھے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے جو ایک ستون کے طور پر مسجد میں کھڑا تھا، پھر جب منبر تیار ہو گیا اور آنحضرت ﷺ خطبہ پڑھنے کے لئے اس (منبر) پر کھڑے ہوئے تو کھجور کا وہ تنا جس سے (منبر بننے سے پہلے) ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے چلانے لگا (یعنی زور زور سے رونے لگا) اور قریب تھا کہ وہ (آنحضرت ﷺ کے فراق کی اذیت کی شدت سے پھٹ جائے کہ نبی کریم ﷺ (منبر سے) اترے اور اس کے پاس جاکر اس کو (ہاتھوں سے پکڑا اور پھر (اس کی تسلی کے لئے) اس کو گلے لگایا اس کے بعد تو اس ستون نے اس بچہ کی طرح رونا شروع کر دیا جس کو (مختلف حیلوں تدبیروں سے) چپ کرایا جاتا ہے (اور وہ جلدی چپ نہیں ہوتا) آخرکار اس ستون کو قرار آگیا اور وہ چپ ہو گیا۔ پھر آنحضرت نے (اس ستون کے رونے کا سبب یہ) بیان فرمایا: یہ ستون اس وجہ سے رویا کہ (اللہ کا) جو ذکر سنتا تھا اس سے محروم ہو گیا ہے۔" (بخاری)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی ﷺ کے ستون کھجور کے سوکھے تنوں کے تھے، چنانچہ ابتدائی زمانہ میں جب کہ منبر شریف بنکر تیار نہیں ہوا تھا آنحضرت خطبہ ارشاد فرماتے وقت انہی ستونوں میں سے ایک ستون سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے، جب منبر تیار ہو گیا اور آپ ﷺ خطبہ دینے کے لئے اس ستون سے ٹیک لگا کر کھڑے ہونے کے بجائے منبر پر کھڑے ہوئے تو وہ ستون اپنی اس سعادت کی محرومی پر بلک بلک کر رونے لگا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ذکر یعنی خطبہ کے وقت اس کو میرا جو قرب حاصل تھا اور نہایت قریب سے میرا جو خطبہ سنتا تھا اس سے محرومی نے اس کو رونے پر مجبور کر دیا ہے اس واقعہ کے بعد سے اس ستون کو اسطوانہ حنانہ کہا جانے لگا۔

یہ حدیث جس میں اس ستون کے رونے کا ذکر ہے، جماعت صحابہؓ کے اتنے متعدد طرق سے منقول ہے کہ اس کے بارہ میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں کیا جاسکتا اور بعض محدثین نے تو اس حدیث کو "متواتر" کہا ہے، یہ دراصل آنحضرت کا ایک بڑا معجزہ تھا کہ کھجور کے سوکھے تنے جیسی بے جان چیز آنحضرت ﷺ کے قرب کی سعادت سے محرومی پر رونے لگی اور اس کے رونے کی آواز کو مسجد نبوی میں موجود صحابہؓ نے اپنے کانوں سے سنا۔ حضرت حسن بصری کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ اس حدیث کو بیان کرتے تو بے اختیار رونے لگتے تھے اور کہا کرتے تھے: لوگو! کھجور کی سوکھی ہوئی لکڑی آنحضرت ﷺ کی شوق و محبت میں روتی تھی تمہیں تو اس سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی محبت اور شوق ملاقات میں بے قرار رہنا چاہئے۔

سنگے وگیا ہے کہ درد خاصیتے ہست زآد میی دان کہ درد معرفتی نیست

جھوٹا عذر بیان کرنے والا اپنے ہاتھ کی توانائی سے محروم ہو گیا

(۳۵) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ اَنَّ رَجُلًا اَكَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهٖ فَقَالَ كُلْ بِيَمِيْنِكَ قَالَ لَا

اسْتَطِيْعُ قَالَ لَا اسْتَطَعْتَ مَامَنَعَهُ اِلَّا الْكِبْرُ قَالَ فَمَارَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سلمہ ابن اکوع ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھایا تو آپ ﷺ نے اس کو نصیحت فرمائی کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اس شخص نے (اس شخص نے نصیحت پر عمل کرنے کے بجائے) جواب دیا کہ میں داہنے ہاتھ سے نہیں کھاسکتا، آنحضرت ﷺ نے (بددعا کے طور پر) فرمایا: تمہیں داہنے ہاتھ سے کھانے پر کبھی قدرت نہ ہو۔ (دراصل) اس شخص نے گھمنڈ میں آکر داہنے ہاتھ سے نہیں کھایا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کی اس بددعا کے نتیجہ میں) وہ شخص اپنا داہنا ہاتھ منہ تک پہنچانے پر کبھی قادر نہیں ہوسکا۔" (مسلم)

تشریح : اس شخص نے گھمنڈ میں آکر دائیں ہاتھ سے نہیں کھایا تھا " یہ راوی کے الفاظ ہیں جن کے ذریعہ انہوں نے یہ وضاحت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو رحمۃ للعٰلمین ہونے کے باوجود اس شخص کے حق میں جو بددعا فرمائی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس شخص نے آنحضرت ﷺ کی نصیحت سن کر صحیح عمل کرنے کے بجائے اپنے غلط عمل کی جھوٹی تاویل کی اور جھوٹا عذر بیان کیا، اس شخص کا بائیں ہاتھ سے کھانا اس وجہ سے نہیں تھا کہ اس کے دائیں ہاتھ میں کوئی خرابی تھی یا وہ دائیں ہاتھ سے کھانے سے واقعۃً مجبور تھا بلکہ اس نے ایک گھمنڈی شخص کی طرح بلا کسی واقعی عذر کے اپنے بائیں ہاتھ سے کھایا اور آنحضرت کی نصیحت کا بڑی بے باکی اور بیہودگی سے جواب دیا، لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس کے حق میں بددعا فرمائی اس بددعا کا اثر یہ ہوا کہ وہ شخص اپنے دائیں ہاتھ سے کھانے پر کبھی قادر نہیں ہوسکا اس کا دایاں ہاتھ اس طرح بیکار ہوگیا کہ سخت کوشش کے باوجود منہ تک اٹھتا ہی نہیں تھا۔

آنحضرت ﷺ کی سواری کی برکت سے سست رفتار گھوڑا تیز رفتار ہوگیا

(۳۶) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ فَزِعُوْا مَرَّةً فَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا لِاَبِيْ طَلْحَةَ بَطِيْئًا وَكَانَ يَقْطِفُ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ وَجَدْنَا فَرَسَكُمْ هٰذَا بَحْرًا فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا يُجَارٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ فَمَا سُبِقَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رات میں) اہل مدینہ (چوروں یا کسی دشمن کا خطرہ محسوس کر کے) گھبرا گئے) اور چیخ و پکار کرنے لگے، نبی کریم ﷺ (صورت حال کی تحقیق کے لئے) ابوطلحہ ؓ کے (ننگی پیٹھ) گھوڑے، جو بہت سست رفتار اور مٹھاتھا سوار ہوکر (اس سمت کہ جدھر سے خطرہ محسوس ہوا تھا) تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو (ابوطلحہ ؓ سے) فرمایا کہ ہم نے، تو تمہارے گھوڑے کو پانی کی طرح (تیزرو اور کشادہ قدم) پایا۔ پس (آنحضرت کی سواری کے بعد) وہ گھوڑا ایسا تیز رفتار ہوگیا کہ کوئی گھوڑا اس سے آگے تو کیا نکلتا) اس کے ساتھ بھی نہیں چل سکتا تھا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: پس اس دن کے بعد کوئی گھوڑا اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔" (بخاریؒ)

کھجوروں میں برکت کا معجزہ

(۳۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ تُوُفِّيَ اَبِيْ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَعَرَضْتُ عَلٰى غُرَمَائِهِ اَنْ يَاْخُذُوا التَّمْرَ بِمَا عَلَيْهِ فَاَبَوْا فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ قَدْ عَلِمْتَ اَنَّ وَالِدِيْ قَدِ اسْتُشْهِدَ يَوْمَ اُحُدٍ وَتَرَكَ دَيْنًا كَثِيْرًا وَاِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ يَرَاكَ الْغُرَمَاءُ فَقَالَ لِيْ اِذْهَبْ فَبَيْدِرْ كُلَّ تَمْرٍ عَلٰى نَاحِيَةٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ دَعَوْتُهُ فَلَمَّا نَظَرُوْا اِلَيْهِ كَاَنَّهُمْ اُغْرُوْا بِيْ تِلْكَ السَّاعَةَ فَلَمَّا رَاٰى مَا يَصْنَعُوْنَ طَافَ حَوْلَ اَعْظَمِهَا بَيْدَرًا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَلَسَ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اُدْعُ لِيْ اَصْحَابَكَ فَمَا زَالَ يَكِيْلُ لَهُمْ حَتّٰى اَدَّى اللّٰهُ عَنْ وَالِدِيْ اَمَانَتَهُ وَاَنَا اَرْضٰى اَنْ يُؤَدِّيَ اللّٰهُ اَمَانَةَ وَالِدِيْ وَلَا اَرْجِعُ اِلٰى اِخْوَاتِيْ بِتَمْرَةٍ فَسَلَّمَ اللّٰهُ الْبَيَادِرَ

كُلُّهَا وَحَتّٰى اَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَى الْبَيْدَرِ الَّذِىْ كَانَ عَلَيْهِ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّهَا لَمْ تَنْقُصْ تَمْرَةٌ وَاحِدَةٌ۔

(رواہ البخاری)

"اور حضرت جابر ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ جب میرے والد کی وفات ہوئی تو ان کے ذمہ بہت سا قرضہ تھا، چنانچہ میں نے ان کے قرض خواہوں کو پیشکش کی کہ ہمارے پاس جتنی کھجوریں ہیں وہ سب اس قرض کے بدلہ میں جو میرے والد پر تھا لے لیں، لیکن انہوں نے میری بات ماننے سے انکار کردیا (کیونکہ وہ قرض خواہ، جو یہودی تھے ان کھجوروں کو اپنے دیئے ہوئے قرض کے مقابلہ میں بہت کم جانتے تھے) آخر کار میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ ﷺ کو معلوم ہے میرے والد احد کی جنگ میں شہید ہوگئے ہیں اور انہوں نے بہت سا قرض چھوڑا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قرض خواہ آپ ﷺ کو (میرے پاس) دیکھیں (یعنی کوئی ایسی صورت ہو کہ جب قرض خواہ میرے پاس آئیں تو آپ ﷺ تشریف فرما ہوں تاکہ وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر میرے ساتھ کوئی رعایت کردیں، آپ ﷺ نے (یہ سن کر) مجھ سے فرمایا کہ جاؤ اور ہر قسم کی کھجوروں کی الگ الگ ڈھیری بنالو: چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا کہ میرے پاس جتنی کھجوریں تھیں سب کو الگ الگ ڈھیریوں میں کردیا) اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو بلالایا۔ قرض خواہوں نے آنحضرت ﷺ کو تشریف لاتے دیکھا تو اس وقت انہوں نے فوڑا ایسا رویہ اختیار کرلیا جیسے وہ مجھ پر حاوی ہوگئے ہوں (یعنی انہوں نے یہ گمان کرلیا کہ آنحضرت ﷺ کلی یا جزوی طور پر قرض معاف کرنے کی ہمیں تلقین کریں گے یا کچھ اور دنوں تک صبر کرنے کا مشورہ دیں گے، لہٰذا آنحضرت ﷺ کو دیکھتے ہی انہوں نے مجھ پر برسنا اور بڑے لب و لہجہ میں قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنا شروع کردیا اور اس طرح انہوں نے پہلے ہی سے اپنا ایسا رویہ ظاہر کیا جیسے وہ بتانا چاہتے ہوں کہ پورے قرض کی فوری واپسی کے علاوہ اور کسی بات پر تیار نہیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جب ان قرض خواہوں کا یہ رویہ دیکھا (تو ان سے کچھ کہے بغیر) کھجوروں کی سب سے بڑی ڈھیری کے گرد تین بار چکر لگایا اور پھر ڈھیری پر بیٹھ کر (مجھ سے) فرمایا کہ اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ (جب وہ آگئے تو) آپ ﷺ کے حکم سے اس ڈھیری میں سے ناپ ناپ کر قرض خواہوں کو دینا شروع ہوا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد کا تمام قرضہ ادا کرادیا، اگرچہ میری خوشی کے لئے یہی کیا کم تھا کہ اللہ تعالیٰ میری ان کھجوروں سے میرے والد کا تمام قرضہ ادا کرادیتا خواہ اپنی بہنوں کے پاس لے جانے کے لئے ایک کھجور بھی باقی نہ بچتی لیکن اللہ تعالیٰ نے تو (آنحضرت ﷺ کے معجزے سے) ساری ڈھیریوں کو محفوظ رکھا اور جس ڈھیری پر نبی کریم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے میں نے اس کی طرف نظر اٹھائی تو ایسا لگا کہ اس میں سے بھی ایک کھجور کم نہیں ہوئی ہے اور جب اس ڈھیری ہی میں سے کچھ کم نہ ہوا جس میں سے ان قرض خواہوں کو ان کے مطالبہ کے بقدر دیا گیا تھا تو باقی ڈھیریاں بدرجہ اولیٰ محفوظ و سالم رہیں۔" (بخاری)

تشریح: حضرت جابرؓ کے والد نے اپنے پسماندگان میں کئی بیٹیاں چھوڑی تھیں جو حضرت جابرؓ کی بہن ہوئیں حضرت جابرؓ کا مطلب یہ تھا کہ کھجوروں میں اپنے لئے یا اپنی بہنوں کے لئے میری کوئی خواہش نہیں تھی، میں تو اس میں خوش تھا کہ کسی طرح میرے والد کا تمام قرضہ اتر جائے خواہ ہمارے لئے ان کھجوروں میں سے کچھ نہ بچے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی برکت اور آپ ﷺ کے معجزے کے طفیل میں ان کھجوروں کے ذریعہ نہ صرف میرے والد کا تمام قرضہ ادا کرادیا بلکہ تمام کھجوریں جوں کی توں بچ گئیں۔

گھی کی کپی کے متعلق ایک معجزہ

(۳۸) وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ اُمَّ مَالِكٍ كَانَتْ تُهْدِىْ لِلنَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ عُكَّةٍ لَهَا سَمْنًا فَيَاْتِيْهَا بَنُوْهَا فَيَسْاَلُوْنَ الْاُدْمَ وَلَيْسَ عِنْدَهُمْ شَىْءٌ فَتَعْمِدُ اِلَى الَّذِىْ كَانَتْ تُهْدِىْ فِيْهِ لِلنَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَجِدُ فِيْهِ سَمْنًا فَمَا زَالَ يُقِيْمُ لَهَا اُدْمَ بَيْتِهَا حَتّٰى عَصَرَتْهُ فَاَتَتِ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَصَرْتِيْهَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَوْ تَرَكْتِيْهَا مَا زَالَ قَائِمًا۔

(رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک انصاری صحابیہ) حضرت اُمّ مالکؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک کپی میں گھی کا ہدیہ بھیجا کرتی تھیں، (چنانچہ اس کپی میں اتنی برکت آگئی تھی کہ) جب اُمّ مالکؓ کے بیٹے (گھر میں) آکر روٹی کے ساتھ کھانے کے لئے) کوئی سالن مانگتے اور ان کے پاس کوئی سالن موجود نہیں ہوتا تھا (کیونکہ روغن و گھی کی قسم سے ان کے پاس جو کچھ بھی ہوتا تھا اس کو وہ آنحضرت ﷺ کے پاس خدمت میں بھیج دیا کرتی تھیں) تو اُمّ مالکؓ کا آسرا وہی کپی بنتی جس میں وہ نبی کریم ﷺ کے لئے گھی بھیجا کرتی تھی، (یعنی وہ اس کپی کو اٹھا کر اس میں گھی دیکھتیں) اور ان کو اس میں سے گھی مل جاتا تھا، (کافی دنوں تک) یہی سلسلہ جاری رہا کہ اس کپی میں لگا ہوا گھی ان کے پورے گھر کے لئے سالن کی ضرورت پوری کر دیا کرتا تھا پھر (ایک دن ایسا ہوا کہ (ام مالکؓ نے (زیادہ گھی حاصل کرنے کی طمع میں) اس کپی کو پوری طرح نچوڑ لیا (یعنی اس کپی میں جو گھی لگا ہوا تھا اس کو نچوڑ نچوڑ کر سارا نکال لیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ اس کی برکت سے محروم ہو گئیں اور گھر والوں کو روٹی کھانے کے لئے جس چیز کا سہارا تھا، وہ ملنی بند ہو گئی کیونکہ حرص وطمع تو ہے ہی بری بلا، جس سے آخر الامر محرومی کے علاوہ کچھ نہیں ملتا) اُمّ مالکؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچیں (اور یہ ماجرہ بیان کیا) آنحضرت ﷺ نے پوچھا: کیا تم اس گھی کی کپی کو بالکل نچوڑ لیا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم کپی کو اس طرح نہ نچوڑتیں تو ہمیشہ تمہیں اس کپی سے سالن (گھی) ملا کرتا (کیونکہ اس کپی میں اگر ذرا سا بھی گھی لگا رہتا تو اس میں برکت اترتی رہتی اور جب کسی چیز میں برکت اترتی ہے تو وہ چیز کتنی ہی ذرا سی کیوں نہ ہو، بڑھ کر بہت ہو جاتی ہے۔" (مسلم)

کھانے میں برکت کا معجزہ

(۳۹) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْطَلْحَةَ لِاُمِّ سُلَيْمٍ لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعِيْفًا اَعْرِفُ فِيْهِ الْجُوْعَ فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ فَقَالَتْ نَعَمْ فَاَخْرَجَتْ اَقْرَاصًا مِّنْ شَعِيْرٍ ثُمَّ اَخْرَجَتْ خِمَارًا لَهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهٖ ثُمَّ دَسَّتْهُ تَحْتَ يَدِيْ وَلَاثَتْنِيْ بِبَعْضِهٖ ثُمَّ اَرْسَلَتْنِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَهَبْتُ بِهٖ فَوَجَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَكَ اَبُوْطَلْحَةَ قُلْتُ نَعَم قَالَ بِطَعَامٍ قُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَنْ مَعَهُ قُوْمُوْا فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ حَتّٰى جِئْتُ اَبَاطَلْحَةَ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ اَبُوْطَلْحَةَ يَا اُمَّ سُلَيْمٍ قَدْ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مَا نُطْعِمُهُمْ فَقَالَتْ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَانْطَلَقَ اَبُوْطَلْحَةَ حَتّٰى لَقِيَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَبُوْطَلْحَةَ مَعَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلُمِّيْ يَا اُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ فَاَتَتْ بِذٰلِكَ الْخُبْزِ فَاَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفُتَّ وَعَصَرَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً فَاَدَمَتْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَقُوْلَ ثُمَّ قَالَ اِئْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَاَذِنَ لَهُمْ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ اِئْذَنْ لِعَشَرَةٍ ثُمَّ لِعَشَرَةٍ فَاَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوْا وَالْقَوْمُ سَبْعُوْنَ اَوْ ثَمَانُوْنَ رَجُلًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ اَنَّهٗ قَالَ اِئْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَدَخَلُوْا فَقَالَ كُلُوْا وَسَمُّوا اللّٰهَ فَاَكَلُوْا حَتّٰى. فَعَلَ ذٰلِكَ بِثَمَانِيْنَ رَجُلًا ثُمَّ اَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَهْلُ الْبَيْتِ وَتَرَكَ سُؤْرًا وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَ اَدْخِلْ عَلَيَّ عَشَرَةً حَتّٰى عَدَّ اَرْبَعِيْنَ ثُمَّ اَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ هَلْ نَقَصَ مِنْهَا شَيْءٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ ثُمَّ اَخَذَ مَا بَقِيَ فَجَمَعَهٗ ثُمَّ دَعَا فِيْهِ بِالْبَرَكَةِ فَعَادَ كَمَا كَانَ فَقَالَ دُوْنَكُمْ هٰذَا۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ابو طلحہ انصاریؓ (جو میرے سوتیلے باپ تھے، گھر میں آکر میری ماں، اُمّ سلیم سے کہنے لگے، کہ (آج) میں نے رسول کریم ﷺ کی آواز میں بڑی کمزوری محسوس کی جس سے مجھے محسوس ہوا کہ آپ بھوکے ہیں، کیا تمہارے پاس کھانے

کی کوئی چیز ہے؟ اُم سلیم نے جواب دیا کہ ہاں کچھ ہے، اور پھر انہوں نے جو کی چند روٹیاں نکالیں، اور پھر اپنی اوڑھنی لی اور اس کے ایک حصہ میں تو روٹیوں کو لپیٹا اور ایک حصہ سے میرے سر کو لپیٹ دیا اور پھر اوڑھنی میں لپٹی ہوئی ان روٹیوں کو میرے ہاتھ کے نیچے چھپایا اور مجھے رسول کریم ﷺ کے پاس بھیجا، میں وہ روٹیاں لے کر پہنچا تو رسول اللہ ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے اور بہت سارے لوگ (جن کی تعداد اسی تھی) آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، میں نے سب کو سلام کیا رسول کریم ﷺ نے (سلام کا جواب دینے کے بعد) مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہیں ابو طلحہؓ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! پھر آپ ﷺ نے پوچھا کیا کھانا دے کر بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! رسول کریم ﷺ نے میرا جواب (سن کر) ان لوگوں سے جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے فرمایا کہ اٹھو (ابو طلحہؓ کے گھر چلو) اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور وہ تمام لوگ (ابو طلحہؓ کے گھر کی طرف) روانہ ہوئے اور میں بھی آپ ﷺ کے آگے چل پڑا (جیسا کہ خادم اور میزبان آگے آگے چلتے ہیں، یا اس خیال سے آگے چلا کہ پہلے پہنچ کر ابو طلحہؓ کو آنحضرت ﷺ کے تشریف لانے کی اطلاع کر دوں) چنانچہ ابو طلحہؓ کے پاس پہنچ کر ان کو (آپ ﷺ کی تشریف آوری کی) خبر دی، ابو طلحہؓ نے (آنحضرت ﷺ کے ساتھ اتنے سارے آدمیوں کے آنے کی خبر سنی تو) بولے کہ اُم سلیمؓ! رسول کریم ﷺ تشریف لا رہے ہیں، اور آپ ﷺ کے ساتھ صحابہؓ بھی ہیں جب کہ ہمارے پاس (ان چند روٹیوں کے علاوہ کہ جو ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجی تھیں) اتنے سارے آدمیوں کے کھلانے کے لئے کوئی چیز نہیں ہے، اُم سلیمؓ نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ پھر ابو طلحہؓ (آنحضرت ﷺ کے استقبال کے لئے) گھر سے باہر نکلے اور (راستہ میں پہنچ کر) رسول کریم ﷺ سے ملاقات کی اس کے بعد رسول کریم ﷺ ابو طلحہؓ کے تشریف لائے اور (گھر میں پہنچ کر) فرمایا کہ: اُم سلیمؓ: (از قسم روٹی) جو کچھ تمہارے پاس ہے، لاؤ اُم سلیمؓ نے وہ روٹیاں جو ان کے پاس تھیں، لا کر (آنحضرت ﷺ کے سامنے) رکھ دیں، آنحضرت ﷺ نے (ابو طلحہؓ کو یا کسی اور کو حکم دیا کہ وہ روٹیوں کو توڑ توڑ کر چورا کر دیں، چنانچہ ان روٹیوں کو چورا کیا گیا اور اُم سلیمؓ نے (گھی کی) کپی کو نچوڑ کر گھی نکالا اور اس کو سالن کے طور پر رکھا، اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے اس روٹی سالن کے بارے میں وہ فرمایا جو اللہ نے کہلانا چاہا۔ پھر آپ ﷺ نے (مجھے یا ابو طلحہؓ کو یا اور کسی دوسرے کو) حکم دیا کہ دس آدمیوں کو بلاؤ، چنانچہ دس آدمیوں کو بلایا گیا اور انہوں نے پیٹ بھر کر کھایا، پھر جب وہ دس آدمی اٹھ کر چلے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اسی طرح) دس آدمیوں کو بلا کر کھلاتے رہو (اور دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلایا جاتا رہا) یہاں تک کہ تمام لوگوں نے (اس تھوڑے سے کھانے میں خوب سیر ہو کر کھایا اور یہ سب ستریا اسی آدمی تھے۔ (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، دس آدمیوں کو کھانے پر بلاؤ، اور جب وہ (دس آدمی) آئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ! چنانچہ انہوں نے (اللہ کا نام لے کر) کھانا کھایا، اسی طرح (دس دس آدمی کر کے) اسی آدمیوں کو کھلایا گیا، اور جب سب لوگ کھا چکے تو) آخر میں نبی کریم ﷺ نے اور گھر کے آدمیوں نے کھانا کھایا اور پھر بھی پس خوردہ باقی رہا۔ اور بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: دس آدمیوں کو میرے پاس لاؤ۔ اسی طرح (دس دس آدمی کر کے) چالیس آدمیوں کو شمار کیا اور ان کے بعد خود نبی کریم ﷺ نے کھانا تناول فرمایا اور میں برابر دیکھے جا رہا تھا کہ کھانے میں سے کچھ کم ہوا ہے یا نہیں (لیکن مجھے قطعاً کوئی کمی نظر نہیں آ رہی تھی۔

اور مسلم کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ (جب سب لوگ شکم سیر ہو چکے) تو آنحضرت ﷺ نے پس خوردہ کو) اٹھا اٹھا کر جمع کیا اور اس میں برکت کی دعا فرمائی، چنانچہ وہ ایسا ہی ہو گیا، جیسا کہ پہلے تھا (یعنی جس مقدار میں پہلے وہ کھانا تھا اتنا ہی اب ہو گیا) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لو اس کو رکھو (اور پھر کھا لینا)۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کو کھانا کھلانے اور تھوڑے سے کھانے میں برکت ہونے کا یہ واقعہ اسی طرح کا ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ کے ساتھ پیش آیا تھا اور حضرت جابرؓ کے واقعہ کی طرح یہ واقعہ بھی غزوۂ خندق کے موقع کا ہے لہٰذا حضرت انسؓ کے ان الفاظ

"رسول کریم ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔" میں مسجد میں سے مراد خندق کے قریب کی وہ جگہ ہے جس کو آپ ﷺ نے دشمنوں کی طرف سے مدینہ کے محاصرہ اور خندق کھودے جانے کے موقع پر نماز پڑھنے کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے اس سوال پر کہ کیا تمہیں ابوطلحہؓ نے بھیجا ہے؟ حضرت انسؓ کا "ہاں" کہنا اس بات کے منافی نہیں تھا کہ ان کی والدہ امّ سلیمؓ نے بھیجا تھا کیونکہ اصل تو ابوطلحہؓ ہی تھے جن کے کہنے پر امّ سلیمؓ نے حضرت انسؓ کو روٹیاں دے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

"کیا کھانا دے کر بھیجا ہے؟" آنحضرت کا اس بات کو پہلی بات (کیا تمہیں ابوطلحہؓ نے بھیجا ہے) سے الگ کر کے پوچھنا یا تو سمجھانے کے لئے تھا یا وحی اور علم کی تاخیر کے مطابق تھا، یعنی پہلے تو آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ صرف اس بات کا علم حاصل ہوا تھا کہ انسؓ کو ابوطلحہؓ کے کہنے پر بھیجا گیا ہے۔ لہٰذا آپؐ نے بس یہی سوال کیا کہ کیا تمہیں ابوطلحہؓ نے بھیجا ہے؟ پھر بعد میں جب دوبارہ وحی کے ذریعہ آپ ﷺ کو یہ علم ہوا کہ انسؓ کے ساتھ کھانا بھی ہے تو آپ ﷺ نے پھر یہ سوال کیا کہ کیا کھانا دے کر بھیجا ہے؟

"اٹھو ابوطلحہؓ کے گھر چلو" کے تحت شارحین نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو چونکہ (وحی کے ذریعہ) یہ معلوم ہو چکا تھا کہ انسؓ کے ساتھ چند ہی روٹیاں ہیں لہٰذا آپ ﷺ نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ اتنے مجمع میں خود تنہا یا دو تین آدمیوں کے ساتھ کھا کر بیٹھ جائیں اور باقی لوگ بھوکے رہیں، اس کے ساتھ آپ ﷺ کا ارادہ اس معجزہ کے اظہار کا بھی ہوا جس کے نتیجہ میں چند روٹیوں سے ایک بڑی جماعت شکم سیر ہوئی اور اسی کے ضمن میں دوسرا معجزہ ابوطلحہؓ کے گھر میں کپی میں خیر و برکت کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے، تاکہ انہوں نے اور ان کے گھر والوں نے آنحضرت ﷺ کے تئیں جس اخلاص و محبت، نیک نیتی اور خدمت گزاری کے جذبہ و عمل کا اظہار کیا اس کا پھل ان کو حصول برکت کی صورت میں ملے، پس آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ کو لے کر ابوطلحہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔

"اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں" اس جواب کے ذریعہ امّ سلیمؓ نے دراصل ابوطلحہؓ کو اطمینان دلایا کہ اگر آنحضرت ﷺ اتنے سارے صحابہؓ کو لے کر تشریف لا رہے ہیں تو اس کی وجہ سے ہمیں اس گھبراہٹ میں مبتلا نہ ہونا چاہئے کہ ہم اتنا تھوڑا سا کھانا اتنے زیادہ آدمیوں کو کس طرح کھلا پائیں گے، کیونکہ اس میں ضرور کوئی حکمت و مصلحت ہے، جس کو اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں اور اپنے صحابہ کے ساتھ ہمارے ہاں آپ ﷺ کی آمد یقیناً ہمارے لئے خیر و برکت کا باعث ہوگی۔ گویا امّ سلیمؓ نے فوراً محسوس کر لیا کہ آنحضرت ﷺ کی آمد ضرور کسی معجزے کے اظہار کے لئے ہے، اس سے امّ سلیمؓ کی دینداری دانشمندی اور قوت یقین کا اظہار ہوتا ہے کہ انہیں جماعت صحابہؓ کے ساتھ آپ ﷺ کی آمد سے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوئی، بلکہ فوری طور پر ان کے دماغ میں یہی بات آئی کہ آنحضرت ﷺ کو کھانے کی نوعیت اور مقدار کا خوب علم ہے، اگر آپ ﷺ کوئی مصلحت نہ سمجھتے تو سب کو لے کر یہاں آنے کی ضرورت کیوں محسوس فرماتے، چونکہ آپ ﷺ کا کوئی فعل مصلحت و حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے جماعت کے ساتھ آپ ﷺ کی آمد میں یقیناً کوئی مصلحت پوشیدہ ہے۔ یہ بھی فیض رسالت کا اعجاز ہی تھا کہ اس زمانہ کی ایک عورت ہمارے زمانہ کے بہت سے مردوں سے بھی زیادہ یقین و ایمان کی قوت رکھتی تھی۔ رضی اللّٰہ عنہا و عن اہل عصرہا و جعلنا فی زمرتہم امین یا رب العٰلمین۔

"وہ فرمایا جو اللہ نے کہلانا چاہا۔" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خیر و برکت کی دعا فرمائی، یا اسماء الٰہی پڑھ کر اس کھانے پر دم کیا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ بسم اللّٰہ اللّٰھمّ اعظم فیھا البرکۃ

"پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ دس آدمیوں کو بلاؤ۔" آپ ﷺ نے پوری جماعت کو ایک ہی مرتبہ کھانے پر بلانے کے بجائے دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلانے کا حکم اس لئے دیا کہ جس برتن میں وہ کھانا تھا وہ بس اتنا ہی بڑا تھا کہ اس کے گرد دس آدمی بیٹھ کر اطمینان سے کھا سکتے تھے، اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ مکان میں گنجائش کی کمی کے سبب سب آدمیوں کو بیک وقت بلانے کے بجائے دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلانے کا حکم دیا گیا۔

"اور یہ سب ستر یا اسی آدمی تھے" کی وضاحت میں اب ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہاں تو تعداد کا ذکر شک ہی کے ساتھ ہے لیکن

دوسری روایت میں تعین اور یقین کے ساتھ اسی کا ذکر ہے، نیز اس روایت میں اسی سے کچھ اوپر کا ذکر ہے تاہم ان دونوں روایتوں میں منافات نہیں ہے۔ کیونکہ اسی (۸۰) والی روایت کے بارے میں احتمال ہے کہ راوی نے تعداد ذکر کرتے وقت کسر کو حذف کر دیا ہو، البتہ ایک اور روایت میں جس کو امام احمدؒ نے نقل کیا ہے جو یہ بیان کیا گیا ہے، کہ "اس کھانے میں چالیس آدمیوں نے کھایا اور پھر بھی کھانا جوں کا توں باقی رہا" یا یہاں ہی امام بخاریؒ کی جو دوسری روایت نقل کی گئی ہے اور جس میں چالیس آدمیوں کے کھانے اور ان کے بعد آنحضرت ﷺ کے کھانے کا ذکر ہے تو اس سے ان روایتوں میں واقعہ کا تعدد معلوم ہوتا ہے یعنی ان روایتوں میں ایک ہی واقعہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ الگ الگ دو واقعوں کا ذکر ہے کہ ایک واقعہ میں تو اسی آدمیوں نے کھایا تھا اور ایک واقعہ میں چالیس آدمیوں نے، لیکن ایک شارح نے کہا ہے کہ واقعہ متعدد نہیں بلکہ ایک ہی ہے جس کا ذکر ان روایتوں میں ہے اور ان روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ ان اسی (۸۰) آدمیوں نے دو مرحلوں میں کھانا کھایا تھا، پہلے دس دس کر کے چالیس آدمی کھانے سے فارغ ہوئے اور اس کے بعد ان چالیس آدمیوں نے کھانا کھایا جو آنے میں پہلے چالیس آدمیوں سے پیچھے رہ گئے تھے یا آنحضرت ﷺ نے ان کو بعد میں بلا بھیجا تھا۔ اس تطبیق کی روشنی میں بخاری کی دوسری روایت کے یہ الفاظ کہ "چالیس آدمیوں نے کھایا اور ان کے بعد آنحضرت ﷺ نے کھانا تناول فرمایا" کی وضاحت یہ ہوئی کہ جب چالیس آدمی کھانے سے فارغ ہو گئے تو چالیس آدمیوں کی دوسری جماعت آنے سے پہلے آپ ﷺ نے کھانا تناول فرما لیا، اس طرح آپ ﷺ کی برکت پہلی جماعت کو بھی حاصل ہو گئی اور دوسری جماعت کو بھی۔

انگلیوں سے پانی ابلنے کا معجزہ

(۴۰) وَعَنْهُ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِنَآءٍ وَهُوَ بِالزَّوْرَآءِ فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الْإِنَآءِ فَجَعَلَ الْمَآءُ يَنْبَعُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِهٖ فَتَوَضَّاءَ الْقَوْمُ قَالَ قَتَادَةُ قُلْتُ لِاَنَسٍ كَمْ كُنْتُمْ قَالَ ثَلٰثَ مِائَةٍ اَوْزُهَآءَ ثَلٰثَ مِائَةٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں (ایک موقع پر) جب کہ نبی کریم ﷺ (مدینہ کے قریب) زوراء گاؤں میں تشریف فرما تھے آپ ﷺ کی خدمت میں (پانی کا) ایک برتن لایا گیا، آپ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ اس برتن میں رکھ دیا اور آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کا فوارہ ابلنے لگا، چنانچہ پوری جماعت نے اسی پانی سے وضو کیا۔ (حدیث کے ایک راوی) حضرت قتادہ تابعیؒ (جنہوں نے یہ روایت حضرت انسؓ سے نقل کی ہے؟ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے سوال کیا: اس موقع پر آپ لوگ کتنے آدمی تھے؟ حضرت انسؓ نے جواب دیا: تین سو، یا تخمیناً تین سو (آدمی ہوں گے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "انگلیوں کے درمیان سے پانی کا فوارہ ابلنے لگا۔" کی وضاحت میں دو قول ہیں، ایک تو یہ کہ خود انگلیوں ہی سے پانی نکلنے لگا تھا۔ یہ قول مزنیؒ کا ہے اور اکثر علماء کا رجحان اسی طرف ہے: نیز اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ فرایت الماء من اصابعه یعنی میں نے آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی ابلتے دیکھا۔" اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اصل معجزہ کی بڑائی بھی اسی بات سے ثابت ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ کے اس معجزہ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ سے افضل ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے عصا کی ضرب سے پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے تھے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس برتن میں جو پانی پہلے موجود تھا اس کو دست مبارک کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اتنا زیادہ کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے فوارے کی طرح ابلنے لگا۔

انگشتہائے مبارک سے پانی نکلنے اور کھانے سے تسبیح کی آواز آنے کا معجزہ

(۴۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نَعُدُّ الْاٰيَاتِ بَرَكَةً وَاَنْتُمْ تَعُدُّوْنَهَا تَخْوِيْفًا كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَقَلَّ الْمَاءُ فَقَالَ اطْلُبُوْا فَضْلَةً مِنْ مَّاءٍ فَجَاءُوْا بِاِنَاءٍ فِيْهِ مَآءٌ قَلِيْلٌ فَاَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْاِنَآءِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الطَّهُوْرِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللّٰهِ وَلَقَدْ رَاَيْتُ الْمَآءَ يَنْبَعُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ كُنَّا

نَسْمَعُ تَسْبِيحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤكَلُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: (ہم صحابہؓ) تو آیات کو برکت و خوشحالی کا سبب سمجھتے تھے، اور (اے لوگو) تم سمجھتے ہو کہ آیات بس (منکرین صداقت کو) ڈرانے کے لئے ہیں۔ (اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے ایک معجزہ بیان کیا کہ) ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ (راستہ میں) پانی کی قلت کا مسئلہ پیدا ہو گیا، آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ (کسی کے پاس برتن میں تھوڑا سا بھی) بچا ہوا پانی ہو تو اس کو دیکھ کر (میرے پاس لاؤ چنانچہ صحابہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک ایسا برتن لے کر آئے جس میں بہت تھوڑا سا پانی تھا آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس برتن میں ڈال دیا اور فرمایا: "آؤ جلدی سے یہ پاک اور بابرکت پانی حاصل کرو اور یہ وہ برکت ہے جو (کسی ظاہری سبب و ذریعہ سے نہیں بلکہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔" اور (حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہا) اس وقت رسول کریم ﷺ کی مبارک انگلیوں سے فوارہ کی طرح پانی ابلتے میں نے خود دیکھا۔ نیز (حضرت ابن مسعودؓ نے ایک اور معجزہ یہ بیان کیا کہ) کھانا کھاتے وقت ہم کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔" (بخاری)

تشریح: "آیات" سے مراد یا تو قرآن کریم کی آیتیں ہیں جو آسمان سے نازل ہوئی تھی یا وہ معجزات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے ذریعہ ظاہر فرماتا ہے، زیادہ صحیح اور حدیث کے سیاق سے زیادہ مناسب یہی ہے کہ "آیات" سے مراد "معجزات" لئے جائیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ آیات اگرچہ کافروں اور منکروں کو ڈرانے کے لئے ہیں لیکن اہل ایمان کے حق میں کہ جو ان آیات کے محب اور معتقد ہیں، بشارت و برکت اور زیادتی ایمان کا موجب ہیں، یہ وضاحت حضرت شیخ عبدالحقؒ نے طیبی کے حوالہ سے نقل کی ہے، اور ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ "آیات" سے مراد صرف معجزات اور کرامات ہیں، انہوں نے واضح کیا ہے کہ یہاں "آیات" سے آیات قرآنی مراد لینا غیر موزوں ہے۔

اس حدیث کے الفاظ سے صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں ہی سے پانی نکلتا تھا، جیسا کہ جمہور علماء کا قول ہے اور اسی نسبت سے آنحضرت ﷺ کے اس معجزے کو پتھر سے پانی نکلنے کے حضرت موسیٰ کے معجزہ پر ترجیح دی جاتی ہے لہٰذا یہ قول ناقابل اعتناء ٹھہر جاتا ہے کہ پانی انگلیوں سے نہیں نکلا تھا، بلکہ جو تھوڑا سا پانی برتن میں پہلے موجود تھا وہی بڑھ گیا اور اتنا زیادہ آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے فوارہ کی طرح ابلنے لگا، یہ قول دراصل الفاظ حدیث کی تاویل ہے اور نہیں معلوم کہ حدیث کے واضح مفہوم کے باوجود اس تاویل کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ ہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ پانی کے اس معجزہ کا اظہار تو خالی برتن کے ذریعہ بھی ہو سکتا تھا، پھر تھوڑا سا پانی تلاش کرا کے منگانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس میں یقیناً کوئی حکمت و مصلحت ہی ہوگی لیکن وہ حکمت و مصلحت کیا تھی محدثین و شارحین بسیار غور و فکر کے بعد بھی اس کی جڑ تک نہیں پہنچ سکے ہیں، لہٰذا اس کا علم اللہ کے سپرد کرتے ہوئے خاموشی اختیار کرنا ہی بہتر ہے۔

حضرت انسؓ نے دوسرے معجزہ میں کھانے کی تسبیح کا ذکر کیا ہے، انہی کی ایک اور روایت میں یہ ہے کہ (ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ایک مٹھی میں سنگریزے اٹھائے تو وہ سنگریزے آپ ﷺ کے دست مبارک میں تسبیح (یعنی اللہ کی پاکی بیان) کرنے لگے اور ہم نے خود ان کی تسبیح کی آواز سنی۔

پانی کا ایک اور معجزہ

(۴۲) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّكُمْ تَسِيْرُوْنَ عَشِيَّتَكُمْ وَلَيْلَتَكُمْ وَتَأْتُوْنَ الْمَاءَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ غَدًا فَانْطَلَقَ النَّاسُ لَا يَلْوِيْ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ قَالَ أَبُوْقَتَادَةَ فَبَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْرُ حَتّٰى ابْهَارَّ اللَّيْلُ فَمَالَ عَنِ الطَّرِيْقِ فَوَضَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ قَالَ احْفَظُوْا عَلَيْنَا صَلٰوتَنَا فَكَانَ أَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالشَّمْسُ فِیْ ظَھْرِہٖ ثُمَّ قَالَ اَرْکَبُوْا فَرَکِبْنَا فَسِرْنَا حَتّٰی اِذَا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ نَزَلَ ثُمَّ دَعَا بِمِیْضَأَۃٍ کَانَتْ مَعِیَ فِیْھَا شَیْءٌ مِنْ مَّآءٍ فَتَوَضَّأَ مِنْھَا وَضُوْءً دُوْنَ وُضُوْءٍ قَالَ وَبَقِیَ فِیْھَا شَیْءٌ مِنْ مَآءٍ ثُمَّ قَالَ احْفَظْ عَلَیْنَا مِیْضَأَتَکَ فَسَیَکُوْنُ لَھَا نَبَأٌ ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ بِالصَّلٰوۃِ فَصَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ صَلَّی الْغَدَاۃَ وَرَکِبَ وَرَکِبْنَا مَعَہٗ فَانْتَھَیْنَا اِلَی النَّاسِ حِیْنَ امْتَدَّ النَّھَارُ وَحَمِیَ کُلُّ شَیْءٍ وَھُمْ یَقُوْلُوْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلَکْنَا وَعَطِشْنَا فَقَالَ لَاھُلْکَ عَلَیْکُمْ وَدَعَا بِالْمِیْضَأَۃِ فَجَعَلَ یَصُبُّ وَ اَبُوْقَتَادَۃَ یَسْقِیْھِمْ فَلَمْ یَعْدُ اَنْ رَأَی النَّاسُ مَاءً فِی الْمِیْضَأَۃِ تَکَابُّوْا عَلَیْھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحْسِنُوا الْمَلَأَ کُلُّکُمْ سَیُرْوٰی قَالَ فَفَعَلُوْا فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُبُّ وَاَسْقِیْھِمْ حَتّٰی مَابَقِیَ غَیْرِیْ وَ غَیْرُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَبَّ فَقَالَ لِیْ اشْرَبْ فَقُلْتُ لَا اَشْرَبُ حَتّٰی تَشْرَبَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ اِنَّ سَاقِیَ الْقَوْمِ اٰخِرُھُمْ قَالَ فَشَرِبْتُ وَشَرِبَ قَالَ فَاَتَی النَّاسُ الْمَاءَ جَآمِّیْنَ رِوَاءً رَوَاہُ مُسْلِمٌ ھٰکَذَا فِیْ صَحِیْحِہٖ وَکَذَا فِیْ کِتَابِ الْحُمَیْدِیِّ وَجَامِعِ الْاُصُوْلِ وَزَادَ فِی الْمَصَابِیْحِ بَعْدَ قَوْلِہٖ اٰخِرُھُمْ لَفْظَۃَ شُرْبًا۔

"اور حضرت ابوقتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک سفر کے دوران) ہمارے سامنے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ تم اس رات کے اول حصّہ میں اور آخر حصّہ میں (یعنی پوری رات) سفر کرو گے اور انشاء اللہ کل تمہیں پانی مل جائے گا (یعنی آپ ﷺ نے گویا اس پانی کی طرف اشارہ فرمایا جو بطریق معجزہ حاصل ہونا تھا اور جس کا ذکر آگے آرہا ہے) چنانچہ تمام لوگ اس طرح (بے تحاشا) چلنے لگے کہ کسی کو کسی کی پرواہ نہیں تھی (کیونکہ ہر شخص پر بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح جلد سے جلد پانی تک پہنچ جائے اور اس دھن میں نہ کسی کو کسی کا ساتھ پکڑنے کا خیال تھا اور نہ کوئی کسی کو ساتھ لے کر چلنے کی طرف دھیان دے رہا تھا) بلکہ ہر شخص علیحدہ علیحدہ چلا جا رہا تھا)۔ ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ (اسی رات میں) رسول کریم ﷺ بھی چلے جا رہے تھے کہ جب آدھی رات گزر گئی تو آپ ﷺ (سونے کے ارادہ سے) راستہ سے ہٹ کر (ایک کنارے پر) اتر گئے اور سر رکھ کر لیٹ گئے، اور (سونے سے پہلے کسی خادم کو) ہدایت فرمائی کہ ہماری نماز کا خیال رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ سب لوگ بے خبر سو جائیں اور فجر کے وقت آنکھ نہ کھلنے کے سبب نماز قضاء ہو جائے، لیکن ایسا ہی ہوا کہ سب لوگ بے خبر ہو گئے اور نیند کے غلبہ سے فجر کے وقت کسی کی بھی آنکھ نہیں کھلی) پھر سب سے پہلے رسول کریم ﷺ بیدار ہوئے جب کہ دھوپ آپ ﷺ کی پشت مبارک پر پڑنے لگی آپ ﷺ نے (سب کو جگا کر) فرمایا کہ فوراً تیار ہو جاؤ (اور یہاں سے چل دو) چنانچہ ہم لوگ (جلدی جلدی) اپنی سواریوں پر بیٹھے اور وہاں سے چل پڑے یہاں تک کہ جب سورج (ایک نیزہ کے بقدر یا اس سے زیادہ) بلند ہوا تو آنحضرت ﷺ (سواری سے) اتر گئے، پھر آپ ﷺ نے وضو کا برتن منگایا جو میرے پاس تھا اور جس میں تھوڑا سا پانی باقی تھا اور اس سے آپ ﷺ نے مختصر وضو کیا (یعنی جن اعضاء کو تین تین بار دھویا جاتا ہے ان کو آپ ﷺ نے پانی کی قلّت کے سبب ایک ایک بار یا دو دو بار ہی دھونے پر اکتفا کیا)۔ اور ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ (وضو کے بعد) ذرا سا اس برتن میں بچ گیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس برتن (کے پانی) کو حفاظت سے رکھنا، اس لئے کہ عنقریب اس پانی سے (بطریق معجزہ) ایک (اہم اور عظیم الشان) بات ظہور پذیر ہو گی (جس کا بڑا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا) اس کے بعد بلالؓ نے نماز کے لئے اذان کہی اور رسول کریم ﷺ نے (سنّت کی) دو رکعتیں پڑھ کر (ہمراہی صحابہؓ کے ساتھ) فجر کی قضاء نماز باجماعت ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ سوار ہوئے اور ہم بھی اپنی سواریوں پر بیٹھ گئے (اور آگے کا سفر شروع ہو گیا) یہاں تک کہ ہم (قافلہ کے ان) لوگوں سے جا ملے (جو ہم سے کچھ آگے جا کر اترے تھے، اس وقت دن چڑھ چکا تھا اور سورج اوپر آ گیا تھا جس سے ہر چیز تپنے لگی تھی لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یا رسول اللہ! ہم تو ہلاک ہو گئے (یعنی گرم ہوا کے تھپیڑوں اور دھوپ کی تمازت نے ہمارا برا حال کر دیا ہے) اور چونکہ پانی نہیں ہے اس لئے پیاس (کی شدت بڑھ رہی ہے)... آنحضرت ﷺ نے فرمایا، تمہارے لئے ہلاکت نہیں)۔ پھر آپ ﷺ نے وضو کے پانی کا وہی برتن طلب فرمایا اور اس برتن سے پانی ڈالنا شروع کر دیا اور ابوقتادہؓ

نے لوگوں کو پلانا شروع کیا، اہل قافلہ نے جیسے ہی اس برتن سے پانی گرتے (اور کچھ لوگوں کو پیتے) دیکھا تو سب کے سب ایک دم ٹوٹ پڑے اور ایک دوسرے پر گرنے لگے، آنحضرت ﷺ نے (ان کی بے صبری دیکھ کر) فرمایا، خوش اسلوبی اختیار کرو اور اخلاق سے کام لو، تم سب لوگ اس پانی سے) سیراب ہو جاؤ گے۔" چنانچہ فوراً ہی) سب لوگوں نے تنظیم و خوش اسلوبی اختیار کی (اور الگ الگ ہو کر وقار و قطار کے ساتھ کھڑے ہو گئے) پھر رسول کریم ﷺ نے پانی ڈالنا اور میں نے پانی پلانا شروع کیا یہاں تک کہ جب (سب لوگ سیراب ہو گئے اور) میرے اور رسول کریم ﷺ کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا، تو آپ ﷺ نے پانی ڈالا اور مجھ سے فرمایا کہ لو پیو، میں نے عرض کیا کہ میں اس وقت تک نہیں پی سکتا جب تک آپ (ﷺ) نہ پی لیں، آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کا ساقی ان کا آخری آدمی ہوتا ہے۔" یعنی جو شخص لوگوں کو پلاتا ہے وہ خود سب کے بعد پیتا ہے کیونکہ یہ آداب میں سے ہے کہ ساقی جب سب کو سیراب کر لے تب خود پئے، حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ (ارشاد گرامی کی اتباع میں) میں نے پی لیا اور پھر آنحضرت ﷺ نے پانی نوش فرمایا۔ ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اہل قافلہ پانی (کی جگہ) پر اس حال میں پہنچے کہ سیراب تھے اور راحت پا چکے تھے۔ اس روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے اور صحیح مسلم میں اسی طرح منقول ہے، نیز کتاب حمیدی اور جامع الاصول میں بھی یہ روایت ان ہی الفاظ کے ساتھ منقول ہے، البتہ مصابیح میں، ساقی القوم اخرھم کے بعد شربًا کا لفظ مزید ہے۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ نے جو آنکھ کھلتے ہی قضاء نماز نہیں پڑھی بلکہ اس کو کچھ مؤخر کر کے اس جگہ سے روانہ ہو گئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کسی ایسی جگہ پہنچ کر نماز پڑھنا چاہتے تھے، جہاں پانی دستیاب ہو، یا یہ وجہ تھی کہ جس وقت آپ ﷺ کی آنکھ کھلی وہ نماز کے لئے وقت کراہت تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس وقت کراہت کو نکالنے کے لئے نماز کو کچھ اور مؤخر کیا اور وہاں سے روانہ ہو گئے جیسا کہ پہلی روایت کے الفاظ فرکبنا فسرنا حتّٰی اذا ارتفعت الشمس دلالت کرتے ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس جگہ سے فوراً منتقل ہو جانا چاہئے جہاں حکم خداوندی کی تعمیل میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہو یا کسی ممنوع بات کا ارتکاب ہو گیا ہو اگرچہ وہ ارتکاب قصدًا نہ ہوا ہو۔ نیز آپ ﷺ نے فجر کی قضاء نماز ادا کرنے سے پہلے جو رکعتیں پڑھیں وہ سنتیں تھیں اور مسئلہ یہی ہے کہ اگر آنکھ نہ کھلنے یا کسی اور سبب سے فجر کی نماز وقت پر ادا نہ ہو سکے اور پھر اس کی قضاء زوال آفتاب سے پہلے ادا کی جائے تو اس کے ساتھ سنّت کی دو رکعتیں بھی پڑھنی چاہئیں، ہاں اگر فرض نماز فوت نہ ہوئی ہو بلکہ صرف سنتیں فوت ہوئی ہوں تو اس کی قضا نہیں ہے لیکن امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد زوال آفتاب سے پہلے فوت شدہ سنتوں کی قضاء نماز پڑھ لینی چاہئے، گویا کسی بھی امام کے مسلک میں زوال آفتاب کے بعد اس کی قضاء نہیں ہے۔

"فجر کی قضاء نماز (باجماعت) ادا کی" سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ صحابہؓ کے پاس بھی اپنے اپنے برتن تھے جن میں وہ اتنا پانی رکھتے تھے کہ اس وقت وضو کر کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صحابہؓ کے پاس اتنا بھی پانی نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ کی طرح مختصر ہی وضو کر لیتے، لہٰذا انہوں نے تیمم کر کے نماز میں شرکت کی، بہر حال اس سلسلہ میں حدیث کے الفاظ بالکل خاموش ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے علاوہ باقی لوگوں نے وضو کیا یا تیمم کیا تھا۔

"تم پر ہلاکت نہیں ہے" اس ارشاد کے ذریعہ آپ ﷺ نے لوگوں کو گویا تسلی و بشارت دی کہ گھبراؤ نہیں، تمہیں کسی ہلاکت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے غیب سے پانی بھیجے گا، اس اعتبار سے یہ جملہ خبریہ ہوا، یا یہ کہ یہ ارشاد دراصل جملہ دعائیہ تھا یعنی آپ ﷺ نے گویا یہ فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاکت سے دور رکھے اور غیب سے تمہاری سیرابی کا انتظام فرمائے۔

تبوک میں کھانے کی برکت کا معجزہ

(۴۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَمَّا كَانَ یَوْمُ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ فَقَالَ عُمَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُهُمْ بِفَضْلِ

اَزْوَادِهِمْ ثُمَّ اُدْعُ اللّٰهَ لَهُمْ عَلَيْهَا بِالْبَرَكَةِ فَقَالَ نَعَمْ فَدَعَا بِنَطْعٍ فَبُسِطَ ثُمَّ دَعَا بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْئُ بِكَفِّ ذُرَةٍ وَيَجِيْئُ الْاٰخَرُ بِكَفِّ تَمْرٍ وَيَجِيْئُ الْاٰخَرُ بِكَسْرَةٍ حَتّٰى اجْتَمَعَ عَلَى النَّطْعِ شَيْئٌ يَسِيْرٌ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ قَالَ خُذُوْا فِيْ اَوْعِيَتِكُمْ فَاَخَذُوْا فِيْ اَوْعِيَتِهِمْ حَتّٰى مَا تَرَكُوْا فِي الْعَسْكَرِ وِعَاءً اِلَّا مَلَاؤُهُ قَالَ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا وَ فَضَلَتْ فَضْلَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍّ فَيُحْجَبَ عَنِ الْجَنَّةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے دن (توشہ کی کمی کے سبب) جب سخت بھوک نے لوگوں کو ستایا تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جو تھوڑا بہت توشہ لوگوں کے پاس بچا ہوا ہے اس کو منگوا لیجئے اور پھر اس توشہ پر ان کے لئے اللہ سے برکت کی دعا فرمایئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اچھا۔ اور پھر آپ ﷺ نے چمڑے کا دستر خوان منگوا کر بچھوایا اور لوگوں سے ان کا بچا ہوا توشہ لانے کے لئے کہا گیا" چنانچہ لوگوں نے چیزیں لانا شروع کیں، کوئی مٹھی بھر چنے لے کر آیا، کوئی مٹھی بھر کھجور لے کر آیا، اور کوئی روٹی کا ٹکڑا لایا، اس طرح اس دستر خوان پر کچھ تھوڑی سی چیزیں جمع ہو گئیں تو رسول کریم ﷺ نے نزول برکت کی دعا فرمائی، اور پھر (سب لوگوں سے) فرمایا لو (جس کا جتنا جی چاہے اس میں سے اپنا برتن بھر لے) چنانچہ لوگوں نے اپنے اپنے برتن میں لینا شروع کیا یہاں تک کہ لشکر میں کوئی ایسا برتن نہیں بچا جس کو بھر نہ لیا گیا ہو... حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ پھر سارے لشکر نے (جو تقریبًا ایک لاکھ مجاہدین پر مشتمل تھا) خوب پیٹ بھر کر کھایا اور پھر بھی بہت سارا کھانا بچ رہا۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور یاد رکھو) ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص ان دو گواہیوں کے ساتھ کہ جن میں اس کو کوئی شک وشبہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے جا کر ملے اور پھر اس کو جنت میں جانے سے روکا جائے۔" (مسلم)

تشریح: "تبوک" ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تقریبًا ۴۶۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، ماہ رجب سن ۹ھ میں آنحضرت ﷺ غزوہ کے لئے وہاں اسلامی لشکر لے کر گئے تھے کہا جاتا ہے کہ اس لشکر میں ایک لاکھ کے قریب مجاہدین اسلام شامل تھے اور آنحضرت ﷺ کا یہ سب سے آخری غزوہ تھا۔

"جو تھوڑا بہت توشہ لوگوں کے پاس بچا ہوا تھا... الخ" سے مراد حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ عام طور پر اہل لشکر غذائی سامان کی قلت کا شکار ہیں اور بہت سے لوگ بھوکے رہ رہے ہیں، تاہم کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے پاس ان کی حاجت وضرورت سے زائد کچھ سامان خوراک ہوگا، لہٰذا آپ ﷺ ان لوگوں کو ہدایت فرمایئے، کہ وہ اس بچے ہوئے سامان خوراک کو لے کر آپ ﷺ کے پاس آجائیں۔ دراصل اس روایت میں یہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے، پوری روایت یوں ہے کہ جب (اہل لشکر کو سامان خوراک کی قلت کا سامنا کرنا پڑا اور) لوگ بھوکے رہنے لگے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو ہم اپنے اونٹ ذبح کر کے اپنی غذائی ضرورت پوری کر لیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت دے دی، لیکن جب حضرت عمرؓ کو یہ معلوم ہوا تو وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ (ﷺ) نے لوگوں کو اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دے دی تو اس سے لشکر کو سواریوں کی قلت کا (زیادہ پریشان کن) مرحلہ پیش آجائے گا؟ لہٰذا آپ ﷺ ان لوگوں کو (اپنے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دینے کے بجائے) یہ حکم دیجئے کہ جس شخص کے پاس جو بچا ہوا توشہ ہو اس کو آپ ﷺ کے پاس لے آئے... الخ"۔

ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص... الخ اس ارشاد گرامی کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ جس شخص نے کامل یقین و اعتقاد کے ساتھ توحید و رسالت کی گواہی دی (یعنی کلمہ گو ہوا) اور پھر ذرا بھی تشکیک و تردد رکھے بغیر اسی یقین و اعتقاد کے ساتھ اس حالت میں اس کا انتقال ہو گیا تو اس کو جنت میں جانے سے روکا نہیں جائے گا۔

ام المؤمنین حضرت زینبؓ کے ولیمہ میں برکت کا معجزہ

(۴۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرُوْسًا بِزَيْنَبَ فَعَمِدَتْ اُمِّيْ اُمُّ سُلَيْمٍ اِلٰى تَمْرٍ وَسَمْنٍ وَاَقِطٍ فَصَنَعَتْ حَيْسًا فَجَعَلَتْهُ فِيْ تَوْرٍ فَقَالَتْ يَا اَنَسُ اذْهَبْ بِهٰذَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْ بَعَثَتْ بِهٰذَا اِلَيْكَ اُمِّيْ وَهِيَ تُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَتَقُوْلُ اِنَّ هٰذَا لَكَ مِنَّا قَلِيْلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَذَهَبْتُ فَقُلْتُ فَقَالَ ضَعْهُ ثُمَّ قَالَ اذْهَبْ فَادْعُ لِيْ فُلَانًا وَفُلَانًا وَفُلَانًا رِجَالًا سَمَّاهُمْ وَادْعُ لِيْ مَنْ لَقِيْتَ فَدَعَوْتُ مَنْ سَمّٰى وَمَنْ لَقِيْتُ فَرَجَعْتُ فَاِذَا الْبَيْتُ غَاصٌّ بِاَهْلِهٖ قِيْلَ لِاَنَسٍ عَدَدُكُمْ كَمْ كَانُوْا قَالَ زُهَاءَ ثَلٰثِمِائَةٍ فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى تِلْكَ الْحَيْسَةِ وَتَكَلَّمَ بِمَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ جَعَلَ يَدْعُوْا عَشْرَةً عَشْرَةً يَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَقُوْلُ لَهُمْ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَلْيَاْكُلْ كُلُّ رَجُلٍ مِمَّا يَلِيْهِ قَالَ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا فَخَرَجَتْ طَآئِفَةٌ وَدَخَلَتْ طَآئِفَةٌ حَتّٰى اَكَلُوْا كُلُّهُمْ قَالَ لِيْ يَا اَنَسُ ارْفَعْ فَرَفَعْتُ فَمَا اَدْرِيْ حِيْنَ وَضَعْتُ كَانَ اَكْثَرَ اَمْ حِيْنَ رَفَعْتُ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا اُم المؤمنین حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح ہوا تو (شب عروسی کے بعد) میری والدہ ام سلیمؓ نے کھجور، گھی اور قروت (پنیر) لے کر مالیدہ سا بنالیا اور اس مالیدہ کو ایک پیالہ میں رکھ کر مجھ سے کہا کہ انسؓ! اس کو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ اور کہنا کہ میری ماں نے یہ (حقیر ہدیہ) آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا ہے اور آپ ﷺ کو سلام عرض کیا ہے اور کہا ہے کہ (یارسول اللہ!) یہ ایک چھوٹا سا ہدیہ (جو) ہماری طرف سے آپ ﷺ کے لئے ہے (اگرچہ آپ ﷺ کی شان کے لائق نہیں لیکن آپ ﷺ کے الطاف کریمانہ سے امید ہے کہ اس کو قبول فرمائیں گے) چنانچہ میں اس کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو کچھ میری والدہ نے کہا تھا عرض کر دیا۔ آپ ﷺ نے (بڑی خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے) فرمایا کہ اس کو رکھ دو اور پھر فرمایا کہ فلاں فلاں اور فلاں شخص کو جن کے نام آپ ﷺ نے بتائے تھے جا کر بلا لاؤ اور (دیکھو) راستہ میں جو شخص ملے اس کو بھی بلاتے لانا چنانچہ میں گیا اور ان لوگوں کو جن کا نام آپ ﷺ نے لیا تھا اور ان لوگوں کو کہ جو مجھے راستہ میں ملے، بلا کر لے آیا، اور جب میں گھر میں واپس آیا، تو دیکھا کہ پورا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ (اس وقت) تم سب کتنے لوگ ہو گئے؟ حضرت انس نے جواب دیا کہ تین سو کے قریب۔ پھر میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے اس مالیدہ پر اپنا دست مبارک رکھ کر وہ کہا جو اللہ نے چاہا (یعنی خیر وبرکت کی دعا فرمائی)، اس کے بعد آپ ﷺ نے دس دس آدمیوں کو بلانا شروع کیا اور وہ (یکے بعد دیگرے دس دس) آدمی کھانے (کے لئے آنے) لگے اور (جو لوگ کھانے پر آتے ان سے) آپ ﷺ فرماتے! اللہ کا نام لے کر کھاؤ اور ہر شخص کو اپنے سامنے سے کھانا چاہئے (کیونکہ کھانے کا یہ مسنون طریقہ ہے جس سے تہذیب و شائستگی کا اظہار بھی ہوتا ہے اور کھانے میں خیر و برکت بھی اترتی ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں: جب دس آدمیوں کی ایک جماعت کھانے سے فارغ ہو کر چلی جاتی تو (اتنے ہی آدمیوں) کی دوسری جماعت آجاتی، یہاں تک کہ سب لوگوں نے (خوب آسودہ ہو کر) کھالیا اور پھر آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا، انس! (سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے ہیں) اب اس پیالہ کو اٹھالو میں نے پیالہ کو اٹھالیا اور میں نہیں کہہ سکتا کہ جس وقت میں نے پیالہ رکھا تھا اس وقت اس میں مالیدہ زیادہ تھا، یا اس وقت جب کہ (تمام لوگوں کے اس کھانے سے فراغت کے بعد) میں نے اس کو اٹھایا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "جن کے نام آپ ﷺ نے بتائے تھے"۔ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت انسؓ نے یہ بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے تو متعین و مشخص کر کے ان تین آدمیوں کے نام بتائے تھے لیکن اس وقت میرے ذہن میں وہ تینوں نام محفوظ نہیں ہیں لہٰذا میں نے یہاں ان تینوں کو فلاں فلاں اور فلاں لفظ سے تعبیر کیا ہے اس سے واضح ہوا کہ رِجَالًا سَمَّاهُمْ کے الفاظ خود حضرت انسؓ کے ہیں جو نحوی طور پر فُلَانًا وَفُلَانًا وَفُلَانًا کا بدل واقع ہوئے ہیں یا یہ کہ ان الفاظ سے پہلے اعنی یا یعنی کا لفظ مقدر (محذوف) ہے۔

"اور میں نہیں کہہ سکتا کہ ...الخ" یعنی ظاہری صورت کے اعتبار سے تو میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکا کہ وہ مالیدہ پہلے زیادہ تھا یا جب میں نے وہاں سے اٹھایا تو اس وقت زیادہ تھا، تاہم جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کا بابرکت ہاتھ رکھے جانے اور ان کے مقدس صحابہؓ کا پس خوردہ ہونے کے سبب وہ مالیدہ اس وقت جب کہ میں نے اس کو وہاں سے اٹھایا زیادہ بابرکت تھا۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حدیث کے ظاہری مفہوم سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُم المؤمنین حضرت زینبؓ کا ولیمہ اسی مالیدہ سے ہوا جو حضرت انسؓ کی والدہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا، لیکن دوسری روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ولیمہ کا کھانا روٹی اور گوشت پر مشتمل تھا جیسا کہ خود حضرت انسؓ کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت زینبؓ کے ولیمہ میں بکری ذبح کی اور اس موقع پر ایک ہزار آدمیوں کو گوشت اور روٹی سے شکم سیر کیا۔ لہٰذا ان دونوں روایتوں میں بظاہر جو تضاد نظر آتا ہے اس کو دور کرنے کے لئے) یہ کہا گیا ہے کہ دراصل وہ مالیدہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس وقت پہنچا تھا جب آپ ولیمہ کا کھانا (جو گوشت اور روٹی پر مشتمل تھا) لوگوں کو کھلانے جا رہے تھے، اس طرح اس دعوت ولیمہ میں دونوں چیزیں کھلائی گئیں، یعنی مالیدہ بھی اور گوشت روٹی بھی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک دن تو یہ مالیدہ والا واقعہ ہوا ہوگا اور دوسرے دن روٹی اور گوشت کھلانے کا واقعہ پیش آیا ہوگا! مگر ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت انسؓ کی والدہ نے جو مالیدہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا اسی کا ولیمہ ہوا بلکہ انہوں نے وہ مالیدہ ہدیہ کے طور پر آپ ﷺ کو بھیجا تھا جس کو آپ ﷺ نے تین سو کے قریب لوگوں کو کھلایا تھا اور پھر اسی دن شام کو یا اگلے دن آنحضرت ﷺ نے بکری ذبح کر کے ولیمہ کیا اور اس ایک بکری کے گوشت اور روٹی میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت عطا فرمائی کہ ایک ہزار شکم سیر ہوئے پس نہ تو ان دونوں روایتوں میں کوئی منافات ہے اور نہ ان دونوں معجزوں میں کوئی معارضہ۔

اونٹ سے متعلق معجزہ

۴۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عَلٰى نَاضِحٍ قَدْ اَعْيٰى فَلَا يَكَادُ يَسِيْرُ فَتَلَاحَقَ بِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا لِبَعِيْرِكَ قُلْتُ قَدْ عَيِيَ فَتَخَلَّفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَجَرَهُ فَدَعَا لَهُ فَمَا زَالَ بَيْنَ يَدَيِ الْاِبِلِ قُدَّامَهَا يَسِيْرُ فَقَالَ لِيْ كَيْفَ تَرٰى بَعِيْرَكَ قُلْتُ بِخَيْرٍ قَدْ اَصَابَتْهُ بَرَكَتُكَ قَالَ اَفَتَبِيْعُنِيْهِ بِوُقِيَّةٍ فَبِعْتُهُ عَلٰى اَنَّ لِيْ فَقَارَ ظَهْرِهِ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ غَدَوْتُ عَلَيْهِ بِالْبَعِيْرِ فَاَعْطَانِيْ ثَمَنَهُ وَرَدَّهُ عَلَيَّ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں ایک جہاد کے سفر میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھا اور آب کش اونٹ پر سوار تھا، وہ اونٹ (اتنا زیادہ) تھک گیا تھا) کہ جیسا اس کو چلنا چاہئے تھا اس طرح چلنے پر قادر نہیں تھا (ایک جگہ پہنچ کر) میرا اور نبی کریم ﷺ کا ساتھ ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اونٹ کو کیا ہو گیا ہے (کہ اچھی طرح نہیں چل رہا ہے) میں نے کہا کہ تھک گیا ہے (یہ سن کر رسول کریم ﷺ میرے اونٹ کے پیچھے آگئے اور (یا تو کسی چیز سے مار کر یا محض آواز کے ذریعہ) اس کو ہانکا اور پھر اس کے حق میں (تیز روی کی) دعا فرمائی اس کا اثر یہ ہوا کہ میرا اونٹ سب سے آگے رہنے لگا، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: (کہو) ا۔ تمہارے اونٹ کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا آپ ﷺ کی برکت سے اب خوب چلتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس اونٹ کو چالیس درہم کے بدلے بیچتے ہو؟ میں نے اس شرط پر اس اونٹ کو (آپ ﷺ کے ہاتھ) بیچ دیا کہ مدینہ تک یہ اونٹ میری ہی سواری میں رہے گا۔ پھر رسول کریم ﷺ (اور ہم لوگ) جب مدینہ پہنچ گئے تو اگلے ہی دن صبح کو میں اونٹ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (تاکہ اونٹ سپرد کر کے اس کی طے شدہ رقم لے

لوں) آپ ﷺ نے معاملہ کے مطابق) قیمت مجھے عطا فرمادی لیکن (ازراہ) عنایت وہ اونٹ بھی مجھ ہی کو دے دیا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: میں نے اس شرط پر اس اونٹ کو بیچ دیا... الخ" سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز بیچتے وقت ایسی شرط عائد کرنا جس سے بیچنے والے کو فائدہ ہو جائز ہے حالانکہ مسئلہ کی رو سے یہ جائز نہیں ہے! پس یا تو اس مسئلہ میں یہ حدیث منسوخ کے حکم میں ہے یا یہ کہ مذکورہ شرط کا تعلق عین عقد سے نہیں تھا بلکہ خرید و فروخت کا معاملہ ہو جانے کے بعد یا تو حضرت جابرؓ کی درخواست پر یا خود آنحضرت ﷺ کی عنایت سے یہ طے پایا کہ مدینہ تک یہ اونٹ جابرؓ کی سواری میں رہے گا تاہم یہ وضاحت حدیث کی ظاہری عبارت سے میل نہیں رکھتی۔

غزوۂ تبوک کے موقع کے تین اور معجزے

(۳۶) وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ تُبُوْكَ فَاَتَیْنَا وَادِیَ الْقُرٰی عَلٰی حَدِیْقَةٍ لِامْرَاَةٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اخْرُصُوْهَا فَخَرَصْنَاهَا وَخَرَصَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَةَ اَوْسُقٍ وَقَالَ اَحْصِیْهَا حَتّٰی تَرْجِعَ اِلَیْكِ اِنْشَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَانْطَلَقْنَا حَتّٰی قَدِمْنَا تَبُوْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَتَهُبُّ عَلَیْكُمُ اللَّیْلَةَ رِیْحٌ شَدِیْدَةٌ فَلَایَقُمْ فِیْهَا اَحَدٌ فَمَنْ كَانَ لَهٗ بَعِیْرٌ فَلْیَشُدَّ عِقَالَهٗ فَهَبَّتْ رِیْحٌ شَدِیْدَةٌ فَقَامَ رَجُلٌ فَحَمَلَتْهُ الرِّیْحُ حَتّٰی اَلْقَتْهُ بِجَبَلَیْ طَیِّئٍ ثُمَّ اَقْبَلْنَا حَتّٰی قَدِمْنَا وَادِیَ الْقُرٰی فَسَاَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَرْاَةَ عَنْ حَدِیْقَتِهَا كَمْ بَلَغَ ثَمَرُهَا فَقَالَتْ عَشْرَةَ اَوْسُقٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوحمید ساعدیؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لئے (مدینہ سے) روانہ ہو کر جب مدینہ سے تین دن کی مسافت پر واقع) وادی قریٰ میں پہنچے تو ایک باغ سے گزرے جو ایک عورت کا تھا، رسول کریم ﷺ نے (اس باغ میں پہنچ کر ہم لوگوں سے فرمایا: اندازہ کر کے بتاؤ اس باغ میں کتنے پھل ہوں گے؟ ہم سب نے اپنا اپنا اندازہ بتایا (کسی کا اندازہ کچھ ہوا اور کسی کا کچھ) پھر رسول کریم ﷺ نے بھی اندازہ کیا اور فرمایا کہ اس باغ میں دس وسق پھل ہوں گے۔ اس کے بعد اس عورت سے فرمایا (جب پھل اتریں اور تم ان کا وزن کرو تو) وزن کو یاد رکھنا تاآنکہ ہم لوٹ کر آئیں انشاء اللہ۔ وہاں سے روانہ ہو کر جب ہم تبوک پہنچے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ آج کی رات تم پر سخت آندھی آئے گی اس وقت کوئی شخص (اپنی جگہ سے) کھڑا نہ ہو اور جس کے پاس اونٹ ہو وہ اس کے عقال (رسی) مضبوطی سے باندھ دے (مطلب یہ کہ آندھی سے حفاظت کے پیش نظر اس وقت کوئی شخص نہ تو چلے پھرے اور نہ اپنے اونٹ کو کھلی جگہ چھوڑ دے) چنانچہ (ایسا ہی ہوا کہ رات میں اتنی) سخت آندھی آئی (کہ) ایک شخص کو جو آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مخالف کھڑا ہو گیا تھا، اڑا کر لے گئی اور طے کے پہاڑوں کے درمیان پھینک دیا۔ جب ہم (غزوۂ تبوک سے فارغ ہو کر) واپس (مدینہ) روانہ ہوئے اور وادی قریٰ میں پہنچے تو رسول کریم ﷺ نے اس عورت سے باغ کے بارے میں پوچھا کہ (اب بتاؤ) پھل کتنے ہوئے اس نے کہا دس وسق!" (بخاری ومسلم)

تشریح: "طے" دراصل اس مشہور قبیلہ کے مورث اعلیٰ کا نام ہے جو قبیلہ طے کہلاتا ہے اور سابق جغرافیائی تقسیم کے مطابق یمن میں آباد تھا، مشہور تاریخی شخصیت حاتم طائی کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا، وہ علاقہ جہاں قبیلہ طے آباد تھا، اور جو "تلاد طے" کہلاتا تھا اور وہاں کے پہاڑ "جبال طے" کے نام سے مشہور تھے، موجودہ جغرافیائی تقسیم میں سعودی عرب کے خطہ نجد میں شامل ہے، اور "منطقہ شمر" کہلاتا ہے۔

اس حدیث میں گویا آنحضرت ﷺ کے تین معجزوں کا ذکر ہے، ایک تو پھلوں کا، کہ آپ ﷺ نے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کا بالکل صحیح وزن بتادیا، دوسرا سخت آندھی کا معجزہ کہ آپ ﷺ نے کسی ظاہری علامت یا آثار کے نمودار ہوئے بغیر سخت آندھی کی پیش گوئی فرمائی جو جوں کی توں درست ہوئی اور تیسرا معجزہ یہ ہوا کہ جس شخص نے آپ کی ہدایت پر عمل نہیں کیا اس کو آندھی نے اڑا لیا اور اتنی دور

لے جاکر پھینک دیا۔ اس موقع پر ان تینوں معجزوں کا اظہار یا تو ان منافقوں پر آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے ہوا جو آپ ﷺ کے لشکر میں شامل تھے یا اہل ایمان کے یقین و اعتقاد کو مزید پختہ کرنے کے لئے۔

فتح مصر کی پیش گوئی

(۴۷) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّکُمْ سَتَفْتَحُوْنَ مِصْرَ وَھِیَ اَرْضٌ یُسَمّٰی فِیْھَا الْقِیْرَاطُ فَاِذَا فَتَحْتُمُوْھَا فَاَحْسِنُوْا اِلٰی اَھْلِھَا فَاِنَّ لَھَا ذِمَّۃً وَّرَحِمًا اَوْقَالَ ذِمَّۃً وَّصِھْرًا فَاِذَا رَاَیْتُمْ رَجُلَیْنِ یَخْتَصِمَانِ فِیْ مَوْضِعِ لَبِنَۃٍ فَاخْرُجْ مِنْھَا قَالَ فَرَاَیْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنِ شُرَحْبِیْلَ بْنِ حَسَنَۃَ وَاَخَاہُ رَبِیْعَۃَ یَخْتَصِمَانِ فِیْ مَوْضِعِ لَبِنَۃٍ فَخَرَجْتُ مِنْھَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا یقیناً وہ وقت قریب ہے، جب تم مصر کو فتح کرلوگے اور مصر وہ زمین ہے جہاں "قیراط" بولا جاتا ہے۔ جب تم مصر کو فتح کرلو تو وہاں کے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکہ ان کو امان ہے اور ان سے قرابت ہے۔ یا یہ فرمایا کہ۔ ان کو امان ہے۔ اور ان سے سسرالی رشتہ ہے، اور جب تم لوگ دیکھو کہ وہاں دو آدمی ایک اینٹ کی جگہ پر جھگڑا کرتے ہیں، تو تم وہاں سے نکل آنا۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے (اپنے قیام مصر کے دوران) عبدالرحمن ابن شرحبیل ابن حسنہ اور اس کے بھائی ربیعہ کو ایک اینٹ کی جگہ پر جھگڑتے دیکھا تو سرزمین مصر سے نکل آیا۔" (مسلم)

تشریح: "قیراط" ایک سکہ کا نام تھا جو پانچ جو سونے کے برابر ہوتا تھا اور اس زمانہ میں مصر میں رائج تھا، مصر کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی "قیراط" کا چلن تھا اور مختلف اوزان و مالیت رکھتا تھا مثلاً مکہ معظمہ اور اس کے علاقوں میں ایک قیراط دینار کے چوبیسویں حصہ کے برابر اور عراق میں دینار کے بیسویں حصہ کے برابر ہوتا تھا۔

"جہاں قیراط بولا جاتا ہے" کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ نے اس کے سکہ سے مصر کا تعارف کرایا اور پتہ بتایا بلکہ اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ اس ملک کے لوگ، جو اس وقت قبطی کافر تھے، دناءۃ اور خست کا مزاج رکھتے تھے جس کی علامت یہ ہے کہ ان کی زبان پر "قیراط" کا ذکر بہت رہتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ عالی حوصلہ اور کریم النفس ہوتے ہیں ان کی زبان پر حقیر و خسیس چیزوں کا ذکر زیادہ نہیں رہتا۔

"وہاں کے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا"۔ اس ہدایت کا مطلب یہ تھا کہ اگرچہ مصری لوگ اپنی مخصوص مزاجی کیفیت (یعنی دناءۃ و خست) کے اعتبار سے تم لوگوں کے لئے تکلیف دہ ہوں گے مگر اس کے باوجود ان کے ساتھ تمہیں اچھا سلوک کرنا چاہئے۔ اگر تم ان کے ایسے افعال و اعمال دیکھو جو تمہارے نزدیک برے ہوں اور ان سے تمہیں ذہنی یا جسمانی اذیت پہنچتی ہو تو تم بہرحال ان سے عفو و درگزر کا معاملہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ ان کی کسی بات یا کسی فعل سے مشتعل ہو کر تم ان کو تکلیف پہنچانے کے درپے ہو جاؤ۔ اور یہ ہدایت اس لئے ہے کہ مصریوں سے ہمارے دو خصوصی تعلق ہیں ایک تو اس امان و حرمت کے سبب جو ہمارے بیٹے ابراہیم ابن محمد ﷺ کی نسبت سے مصریوں کو حاصل ہے، ابراہیم کی والدہ جن کا نام ماریہ قبطیہ تھا، مصری قوم ہی سے تعلق رکھتی تھیں، اور ان سے دوسرا تعلق یہ ہے کہ ہمارے جدامجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسبت سے مصریوں سے ہماری قرابت بھی ہے، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ مصری النسل تھیں"۔

"یا یہ فرمایا کہ۔ ان کو امان ہے اور ان سے سسرالی رشتہ ہے"۔ یہاں الفاظ او شک کے لئے ہے جس کے ذریعہ راوی نے یہ ظاہر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یا تو فَاِنَّ لھا ذمۃ و رحما کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے، یا فَاِن لھا ذمۃ و صھرا کے الفاظ، اس دوسری روایت کی صورت میں ذمہ (امان) کا تعلق حضرت ہاجرہ کی نسبت سے ہوگا اور مصاہرت (سسرالی رشتہ) کا تعلق حضرت ماریہ قبطیہؓ کی نسبت

ہے۔

جب تم لوگ دیکھو کہ وہاں دو آدمی...الخ" ان الفاظ کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے گویا اہل مصر کی (دناء ۃ اور خست کا حال بیان فرمایا کہ وہ لوگ ایک ایک اینٹ کی جگہ کے لئے لڑتے جھگڑتے ہیں۔ اس جملہ میں جو رَاَیْتُمْ (تم لوگ دیکھو) کا لفظ (بصیغہ جمع) فرمایا گیا ہے، اس کی مناسبت سے آگے جمع ہی کے صیغہ فاخرجوا (تو تم لوگ وہاں سے نکل آنا) کا لفظ استعمال ہونا چاہئے تھا لیکن آپ ﷺ نے واحد کا صیغہ واخرج استعمال فرما کر صرف حضرت ابوذرؓ کو خطاب فرمایا جو حضرت ابوذرؓ کے تئیں آنحضرت ﷺ کے خصوصی تعلق اور کمال شفقت پر دلالت کرتا ہے، لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عمومی خطاب ہی مراد ہو۔

مصر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوا اور حضرت ابوذرؓ نے وہاں اپنے قیام کے دوران دو آدمیوں کو ایک اینٹ کی جگہ پر جھگڑتے دیکھا تو فوراً مصر چھوڑ کر چلے آئے، یہ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ پس آنحضرت کو غیب سے معلوم ہو گیا تھا کہ ایک اینٹ کی جگہ پر جھگڑنا دراصل مصریوں کی خصومت، جنگ جوئی اور فتنہ آرائی کی وہ علامت ہوگی جس کے پیچھے فتنہ وفساد اور شرانگیزی کا جنم لینے والا ایک طویل سلسلہ چھپا ہوگا اور جس کے نتیجہ میں مسلمانوں اور اسلام کو زبردست نقصان سے دوچار ہونا ہوگا، چنانچہ بعد میں مصریوں کا خلافت عثمانی سے بغاوت کر کے مدینہ پر چڑھ آنا، حضرت عثمانؓ کو شہید کر دینا اور پھر مصر میں حضرت علیؓ کی طرف سے تعینات حاکم حضرت محمد ابن ابوبکرؓ کو قتل کر دینا وہ واقعات ہیں جن کا علم آنحضرت ﷺ کو پہلے ہو گیا تھا، اسی لئے آپ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کو ہدایت اور وصیت فرمائی کہ جب مصر میں ذرا سی بات میں دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہونے لگے تو تم ان سے ملنے جلنے ان کے درمیان رہنے اور ان کے ملک میں قیام کرنے سے اجتناب کرنا، چنانچہ حضرت ابوذرؓ نے ایسا ہی کیا۔

منافقوں کے عبرتناک انجام کی پیش خبری

(۴۸) وَعَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ اَصْحَابِيْ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ وَفِيْ اُمَّتِي اِثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدُوْنَ رِيْحَهَا حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ثَمَانِيَةٌ مِنْهُمْ تَكْفِيْهِمُ الدُّبَيْلَةُ سِرَاجٌ مِنْ نَارٍ يَظْهَرُ فِيْ اَكْتَافِهِمْ حَتّٰى تَنْجُمَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ لَاُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا فِيْ مَنَاقِبِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَحَدِيْثَ جَابِرٍ مَنْ يَّصْعَدُ الثَّنِيَّةَ فِيْ جَامِعِ الْمَنَاقِبِ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

"اور حضرت حذیفہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "میرے صحابہ میں۔ ایک اور روایت میں یہ ہے کہ۔ میری امت میں بارہ منافق ہیں جو جنت میں نہیں داخل ہوں گے بلکہ جنت کی بو بھی نہیں پائیں گے جب تک کہ سوئی کے ناکہ میں سے اونٹ نہ گزر جائے۔ اور ان بارہ میں آٹھ منافقوں کو تو دبیلہ نمٹادے گا (یعنی ان کو ہلاک کرے ان کے شر اور فتنہ کو ختم کر دے گا) وہ (دبیلہ) ایک آگ کا شعلہ ہو گا جو ان کے مونڈھوں میں پیدا ہو گا اور پھر سینوں یعنی پیٹوں تک پہنچ جائے گا۔" (مسلم)

اور ہم حضرت سہل ابن سعد کی روایت لاعطین ھذہ الرایۃ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب میں اور حضرت جابرؓ کی روایت من یصعد الثنیۃ کو جامع المناقب میں نقل کریں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

تشریح: "جب تک کہ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ نہ گزر جائے" یہ مبالغہ اور تعلیق بالمحال ہے، مطلب کہ جس طرح سوئی کے ناکہ میں سے اونٹ کا گزرنا محال اور ناممکن ہے، اسی طرح ان منافقوں کا جنت میں جانا محال اور ناممکن ہے، قرآن میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں اور وہاں یہ بات کفار کے حق میں فرمائی گئی ہے۔ ولا یدخلون الجنۃ حتّٰی یلج الجمل فی سم الخیاط یعنی: اور وہ کافر جنت میں داخل نہیں ہونگے، جب تک کہ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ نہ گزر جائے۔

واضح رہے کہ "امت" کا اطلاق منافقوں پر ہو سکتا ہے اگر اُمت سے مراد امت دعوت ہو، لہٰذا میری اُمت میں بارہ منافق ہیں۔ میں

"میری امت" سے آپ ﷺ کی مراد اُمت دعوت ہی تھی یعنی انسانیت عامہ جو آپ ﷺ کی دعوت اسلام کی مخاطب ہے اور جس کو اسلام کی طرف بلانا آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہے، ہاں "منافقوں" پر "صحابہؓ" کا اطلاق نہیں ہو سکتا، لہٰذا "میرے صحابہؓ میں بارہ منافق ہیں" کی یہ تاویل کی جائے گی کہ آپ ﷺ نے ان منافقوں پر صحابہؓ کا اطلاق ان کے ظاہری احوال کے اعتبار سے کیا کہ اگرچہ ان کے اندر نفاق تھا لیکن بظاہر وہ کلمہ گو تھے اور اپنی اس ظاہری حیثیت کی بناء پر وہ جماعت صحابہؓ سے اختلاط رکھتے اور ان کے درمیان رہتے سہتے تھے، مطلب یہ کہ ان کے ظاہری احوال کے اعتبار سے اور صحابہؓ کے ساتھ ان کے اختلاط کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ نے ان کو مجازاً اصحابیؓ فرمایا، اس اعتبار سے "امت" کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے، کہ "امت دعوت" نہیں بلکہ "امت اجابت" ہی مراد ہے۔

حضرت حذیفہؓ کی ایک روایت میں منقول ہے کہ ان منافقین کی تعداد چودہ ۱۴ تھی لیکن ان میں سے دو نے توبہ کر لی تھی اور بارہ نفاق پر قائم رہے اور جیسا کہ مخبر صادق ﷺ نے خبر دی تھی وہ بد بخت اسی حالت میں مرے۔ بہرحال آنحضرت ﷺ نے اپنے بعض مخصوص اور مقرب صحابہؓ کو ان منافقین کے بارے میں تشخص کے ساتھ بتا دیا تھا، تاکہ وہ ان کے مکر و فریب اور فتنہ پردازیوں سے ہوشیار رہیں، ان منافقین نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے عناد آمیز عزائم کے تحت جو فتنہ پردازیاں کیں ان کے ذکر سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے، ان بدبختوں کے مکروہ عزائم کا نقطہ عروج اس وقت سامنے آیا جب انہوں نے غزوۂ تبوک سے واپسی کے سفر کے دوران ایک گھاٹی میں دغا اور فریب کی راہ میں آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو محفوظ رکھا۔

"دُبَیْلَةٌ" دُبَلٌ یا دُبْلَةٌ کی تصغیر ہے، جس کے معنی اس پھوڑے کے ہیں جو پیٹ میں ہوتا ہے اور جس کے سبب اکثر موت واقع ہو جاتی ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ "دبیلہ" طاعون کا ورم مراد ہے جس کو انگریزی میں پلیگ کہتے ہیں ویسے "دبل" کے ایک معنی آفت اور مصیبت کے بھی ہیں۔

جو ان کے مونڈھوں میں پیدا ہوگا... الخ ان الفاظ کے ذریعہ دبیلہ کی وضاحت کی گئی ہے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ آنحضرت ﷺ کے اصل ارشاد کا جزو نہیں بلکہ حضرت حذیفہؓ کے اپنے الفاظ ہیں، نیز ان الفاظ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دبیلہ سے طاعون کا ورم ہی مراد ہے۔ حضرت حذیفہؓ سے ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان منافقوں کے بارے میں مجھے پوری طرح بتا دیا تھا کہ وہ کون کون سے لوگ ہیں اور کس طرح مریں گے) چنانچہ وہ سب اسی طرح مرے جس طرح آنحضرت ﷺ نے مجھے بتایا تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

بحیرا راہب کا واقعہ

(۴۹) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ خَرَجَ اَبُوْطَالِبِ اِلَی الشَّامِ وَخَرَجَ مَعَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ اَشْیَاخٍ مِنْ قُرَیْشٍ فَلَمَّا اَشْرَفُوْا عَلَی الرَّاهِبِ هَبَطُوْا فَحَلُّوْا رِحَالَهُمْ فَخَرَجَ اِلَیْهِمُ الرَّاهِبُ وَكَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ يَمُرُّوْنَ بِهٖ فَلَا يَخْرُجُ اِلَيْهِمْ قَالَ فَهُمْ يَحُلُّوْنَ رِحَالَهُمْ فَجَعَلَ يَتَخَلَّلُهُمُ الرَّاهِبُ حَتّٰى جَآءَ فَاَخَذَ بِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هٰذَا سَيِّدُ الْعٰلَمِيْنَ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ فَقَالَ لَهٗ اَشْيَاخٌ مِّنْ قُرَيْشٍ مَا عِلْمُكَ فَقَالَ اِنَّكُمْ حِيْنَ اَشْرَفْتُمْ مِنَ الْعَقَبَةِ لَمْ يَبْقَ شَجَرٌ وَلَا حَجَرٌ اِلَّا خَرَّ سَاجِدًا وَلَا يَسْجُدَانِ اِلَّا لِنَبِيٍّ وَاِنِّيْ اَعْرِفُهٗ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ اَسْفَلَ مِنْ غُضْرُوْفِ كَتِفِهٖ مِثْلَ التُّفَّاحَةِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَنَعَ لَهُمْ طَعَامًا فَلَمَّا اَتَاهُمْ بِهٖ وَكَانَ هُوَ فِيْ رِعْيَةِ الْاِبِلِ فَقَالَ اَرْسِلُوْا اِلَيْهِ فَاَقْبَلَ وَعَلَيْهِ غَمَامَةٌ تُظِلُّهٗ فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْقَوْمِ وَجَدَهُمْ قَدْ سَبَقُوْهُ اِلٰى فَيْءِ شَجَرَةٍ فَلَمَّا جَلَسَ مَالَ فَيْءُ الشَّجَرَةِ عَلَيْهِ فَقَالَ اُنْظُرُوْا اِلٰى فَيْءِ الشَّجَرَةِ مَالَ عَلَيْهِ فَقَالَ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ اَيُّكُمْ وَلِيُّهٗ قَالُوْا اَبُوْطَالِبٍ فَلَمْ يَزَلْ يُنَاشِدُهٗ حَتّٰى رَدَّهٗ

اَبُوْطَالِبٍ وَبَعَثَ مَعَهُ اَبُوْبَكْرٍ بِلَالًا وَزَوَّدَهُ الرَّاهِبُ مِنَ الْكَعْكِ وَالزَّيْتِ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں (کہ ایک مرتبہ) ابوطالب نے (تجارت کی غرض سے) شام کا سفر کیا تو ان کے ساتھ نبی کریم ﷺ بھی گئے (جو اس وقت بارہ سال کی عمر کے تھے، یہ تجارتی قافلہ (ملک شام کے ایک مقام بصریٰ میں) ایک راہب یعنی عیسائی پادری (بحیرا نامی) کے ہاں مقیم ہوا) اور سب نے اپنے کجاوے کھول لئے" راہب ان لوگوں سے ملاقات کے لئے خود چلا آیا، حالانکہ اس سے پہلے جب بھی یہ لوگ ادھر سے گزرے اور اس راہب کے ہاں قیام کیا تو اس نے کبھی باہر آکر ان سے ملاقات نہیں کی تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے کجاوے کھول رہے تھے اور راہب ان کے درمیان کسی کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا، یہاں تک کہ اس نے آکر نبی کریم ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا، اور بولا یہی ہے، تمام جہانوں کا سردار، یہی ہے تمام جہانوں کے پروردگار کا رسول (جو انسانیت عامہ کی ہدایت کے لئے آیا ہے) یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہان والوں کے لئے رحمت و رأفت کا ذریعہ بنا کر بھیجا ہے۔ قریش کے شیوخ نے راہب کو یہ کہتے سنا تو) کسی شیخ نے اس سے پوچھا کہ: تم اس (نو عمر) کے بارے میں (یہ سب باتیں) کہاں سے جانتے ہو؟ راہب نے جواب دیا: جب تم دو پہاڑوں کے درمیان والے راستہ سے نکل کر سامنے آئے تو (میں یہاں سے دیکھ رہا تھا کہ، کوئی درخت اور کوئی پتھر ایسا نہ تھا جو سجدہ میں نہ گرا ہو اور درخت و پتھر بڑے پیغمبر کے علاوہ اور کسی کو سجدہ نہیں کرتے، نیز میں نے ایک اس شخص کو اس مہر نبوت کے ذریعہ بھی پہچانا ہے جو اس کے شانہ کی ہڈی کے نیچے سیب کے مانند واقع ہے۔ پھر وہ راہب اپنے گھر میں گیا اور قافلہ والوں کے لئے کھانا تیار کیا اور جب وہ کھانا لے کر ان کے پاس آیا تو) آنحضرت ﷺ اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے، راہب نے قافلہ والوں سے کہا کہ اس شخص کو بلوالو (کیونکہ میرا مہمان خصوصی اصل میں وہی شخص ہے اور اسی کے اعزاز میں میں نے کھانا تیار کرایا ہے) چنانچہ (بلا بھیجنے پر یا از خود) آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے اور جب آپ آرہے تھے ابر کا ایک ٹکڑا آپ پر سایہ کئے ہوئے تھا، پھر جب آپ ﷺ لوگوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایسی جگہوں پر کہ جہاں درخت کا سایہ تھا وہ لوگ پہلے ہی قبضہ کر کے بیٹھ گئے تھے (اور آپ ﷺ کے لئے کوئی سایہ دار جگہ خالی نہیں تھی لہٰذا جب آپ ﷺ ایک غیر سایہ دار جگہ پر بیٹھے تو فوراً درخت کی شاخوں نے ایک ٹکڑا آپ ﷺ پر سایہ کر لیا (یہ ماجرا دیکھ کر) راہب نے (قافلہ والوں سے کہا کہ درخت کے سایہ کو دیکھو جو اس شخص پر جھک آیا ہے۔ پھر اس نے کہا، میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں) یہ بتاؤ کہ تم میں سے کون شخص اس (نو عمر) کا سرپرست ہے؟ لوگوں نے کہا: ابوطالب ہیں۔ (یہ سن کر) راہب بڑی دیر تک) ابوطالب کو اس بات کے لئے سمجھاتا رہا اور قسم دیتا رہا کہ وہ آپ ﷺ کو مکہ واپس بھیج دیں بالآخر ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کو مکہ واپس بھیج دیا، نیز ابوبکرؓ نے بلال کو آپ ﷺ کے ہمراہ کر دیا اور راہب نے کنک اور روغن زیت کا توشہ آپ ﷺ کے ساتھ کیا۔" (ترمذی)

تشریح: نیز میں نے اس شخص کو اس مہر نبوت کے ذریعہ بھی پہچانا ہے...الخ" بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ راہب اہل قافلہ کو یہ جواب دینے کے بعد کھڑا ہوا اور آنحضرت ﷺ کو گلے لگایا اور پھر اہل قافلہ سے آنحضرت ﷺ کی ذاتی زندگی کے بارے میں بہت سے سوال کئے کہ ان کے شب و روز کس طرح گزرتے ہیں، ان کے رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے، لیٹنے، سونے اور کھانے پینے کا کیا انداز ہے اور لوگوں کے ساتھ ان کے اخلاق و معاملات کیسے ہیں وغیرہ وغیرہ اہل قافلہ نے جو جواب دیئے ان کو اس نے اپنی کتابوں میں پڑھی ہوئی باتوں اور اپنی معلومات کے بالکل مطابق پایا۔

درخت کی شاخوں نے جھک کر آپ ﷺ پر سایہ کر لیا" کے تحت شارحین نے لکھا ہے کہ اگرچہ اس وقت آنحضرت ﷺ کے سر پر ابر کے اس ٹکڑے کا سایہ موجود تھا جو راستہ سے آپ ﷺ پر سایہ فگن چلا آرہا تھا لیکن اس کے باوجود درخت نے جھک کر آپ ﷺ پر جو سایہ کیا وہ آپ ﷺ کی امتیازی حیثیت اجاگر کرنے اور آپ ﷺ کے اعزاز کو ظاہر کرنے کے لئے تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت ابر کا سایہ ہٹ گیا تھا، اس لئے درخت نے جھک کر سایہ کر لیا جس میں آپ ﷺ کے معجزہ کا اظہار تھا۔ بہرحال سر مبارک پر بادل کا سایہ فگن ہونا آپ ﷺ کے معجزات میں سے ہے، لیکن علماء نے لکھا ہے کہ یہ صورت ہمیشہ نہیں رہتی تھی بلکہ کبھی

کبھی ضرورت و احتیاج کے وقت یہ معجزہ ظاہر ہوتا تھا۔

"درخت کے سایہ کو دیکھو جو اس پر جھک آیا ہے" سے راہب کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم (بادل کی صورت میں) آسمان کے سایہ کو نہیں دیکھ سکتے تو زمین کے اس سایہ ہی کو دیکھ لو جو درخت کی شاخوں کی صورت میں اس ہستی پر جھکا ہوا ہے۔ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ راہب کی مراد اہل قافلہ کو سر کی آنکھوں سے نہیں دل کی آنکھوں سے دیکھنے کی طرف متوجہ کرنا تھا کیونکہ سر کی آنکھوں سے تو وہ لوگ خود ہی دیکھ رہے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنی فطرت سلیم مسخ کر کے جہل و انکار کی تاریکی میں بھٹکنا ہی اپنا مقدر بنا لیا تھا ان کی دل کی آنکھیں تو تعصب اور ہٹ دھرمی سے ایسی بند ہوئیں کہ انہوں نے پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی آسمانی صداقت کی اس بڑی سے بڑی علامتیں کھلی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود نور ہدایت کی کوئی کرن حاصل نہیں کی، وہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی سب نشانیاں (سر کی آنکھوں سے) دیکھتے تھے لیکن دل کی آنکھوں کا) ایسا دیکھنا ان کو نصیب نہیں ہوتا تھا جو ان کے کام آتا اور ان کو راہ راست پر لگا دیتا جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا:

وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۔

"اور ان کافروں) کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا آپ کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔"

"بالآخر ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کو مکہ واپس بھیج دیا" بات دراصل یہ تھی کہ بصری رومی سلطنت کے زیر نگین تھا جہاں عیسائی شہنشاہیت کا پرچم لہرا رہا تھا، اور وہاں بڑے بڑے عیسائی پادریوں نے اپنے علم و قیافہ کی بنیاد پر نبی آخر الزمان کی بعثت کی خبر دی تھی، جس سے ایک طرح کی سراسیمگی اس عیسائی شہنشاہیت پر طاری ہوگئی تھی اور اس بات کا وسیع پیانے پر انتظام کیا گیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس نئے نبی کو اپنے اثرات پھیلانے سے پہلے ہی دنیا سے ختم کر دیا جائے! راہب بحیرا چونکہ آسمانی کتابوں کا سچا عالم تھا اور نبی آخر الزمان کے تئیں عقیدت رکھتا تھا اس لئے اس نے آنحضرت کو پہچان کر حضرت ابوطالب پر زور ڈالا کہ آپ کو مکہ واپس کر دیں، اس کو خوف تھا کہ اگر رومی سلطنت کے گماشتوں کو آنحضرت ﷺ کی بھنک مل گئی تو وہ فوراً گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے جائیں گے اور قتل کر ڈالیں گے، چنانچہ ترمذی اور حاکم نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ادھر تو حضرت ابوطالب کے تجارتی قافلہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا سفر شروع ہوا ادھر رومی سلطنت کے گماشتے جن کی تعداد سات تھی، آپ ﷺ کی ٹوہ میں لگ گئے کہ جہاں بھی ملیں قتل کر دیا جائے، اس ٹوہ میں وہ بحیرا راہب تک بھی پہنچ گئے، بحیرا نے ان کو دیکھ کر کہا کہ تم لوگ یہاں کیا کرنے آگئے؟ انہوں نے کہا: ہمیں معلوم ہوا ہے کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ اس مہینے (اپنے ملک سے) سفر پر روانہ ہونے والے ہیں، لہٰذا ہر ہر راستہ پر آدمی لگا دیئے گئے ہیں کہ وہ جب بھی ہماری سلطنت کی حدود میں) داخل ہوں ان کو فوراً مار ڈالا جائے۔ بحیرا نے کہا: مجھے یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو مقدر کر دیا ہے تو کیا کوئی شخص اس کو بدل سکتا ہے، ان گماشتوں نے جواب دیا نہیں، تب بحیرا نے کہا (میں تمہیں سچی بات بتاتا ہوں کہ تم لوگ جس شخص کی تلاش میں ہو وہ یقیناً اللہ کا سب سے بڑا پیغمبر بننے والا ہے، دنیا کی کوئی طاقت اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی لہٰذا تم اپنے اس خیال خام سے باز آجاؤ کہ اس کو قتل کر دو گے اور بہتر یہی ہے کہ) تم اس کی اطاعت قبول کر کے اس کے ساتھ عقیدت و محبت رکھو۔

"کنک اور روغن زیت کا توشہ آپ ﷺ کے ہمراہ کیا" کنک موٹی روٹی کو کہتے ہیں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ کنک اس خاص قسم کی روٹی کو کہتے تھے جو آٹے، دودھ اور شکر کو ملا کر بناتے تھے، اس روٹی کے ساتھ روغن زیت اس لئے دیا تھا کہ روٹی سے لگا کر کھانے کے کام آئے۔ جزری ؒ نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ ویسے تو اس کی اسناد صحیح ہے اور اس کے رجال بخاری اور صحیح مسلم یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں، تاہم اس حدیث میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ کا جو ذکر ہے، وہ غیر محفوظ ہے (یعنی اصل روایت کا جزو نہیں ہے) کسی راوی کے سہو سے یہ جزو نقل ہو گیا ہے) کیونکہ اس وقت خود آنحضرت ﷺ کی عمر بارہ سال کی اور حضرت ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ سے دو یا ڈھائی سال چھوٹے تھے اور حضرت بلالؓ تو شاید ان دنوں میں پیدا بھی نہ ہوئے

ہوں گے۔ پس یہ کہنا کہ ابوبکرؓ اور بلالؓ کو آنحضرت ﷺ کے ہمراہ کردیا تھا کوئی معنی نہیں رکھتا، اسی لئے ذہبیؒ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے گو بعض حضرات نے ذہبیؒ کے اس قول کو مسترد کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے راوی ثقات ہیں، اور اس میں کوئی منکر نہیں ہے علاوہ اس جزء کے (جس میں یہ مذکور ہے کہ ابوبکرؓ نے بلالؓ کو آنحضرت ﷺ کے ہمراہ کردیا تھا۔ بہرحال یہ بات تو ثابت ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، ہاں اسکے مذکور جزء کے بارے میں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے یہ اصل روایت کا جزء نہیں ہے بلکہ کسی راوی کے سہو سے نقل ہوگیا ہے۔

درخت اور پتھر کے سلام کرنے کا معجزہ

(۵۰) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ فَخَرَجْنَا فِيْ بَعْضِ نَوَاحِيْهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهٗ جَبَلٌ وَلَا شَجَرٌ اِلَّا وَهُوَ يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

"اور حضرت علی ابن ابی طالب کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ میں تھا (ایک دن) جب ہم مکہ کے نواح میں ایک طرف گئے تو جو بھی پہاڑ (یعنی پتھر) اور درخت سامنے آیا اس نے کہا: السلام علیک یا رسول اللہ!" (ترمذی ودارمی)

تشریح: زیادہ صحیح تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی پتھر اور درخت آنحضرت ﷺ کو سلام کرتا تھا اس کی آواز حضرت علیؓ بھی سنتے تھے اس اعتبار سے واقعہ معجزہ اور کرامت دونوں کو ظاہر کرتا ہے، معجزہ آنحضرت ﷺ کی نسبت سے اور کرامت حضرت علیؓ کی نسبت سے۔ تاہم یہ احتمال بھی ہے کہ ان کے سلام کرنے کی آواز خود حضرت علیؓ نے نہیں سنی تھی بلکہ ان کو آنحضرت ﷺ نے بتایا تھا۔

براق کے متعلق معجزہ

(۵۱) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِالْبُرَاقِ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِهٖ مُلْجَمًا مُسْرَجًا فَاسْتَصْعَبَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ جِبْرَئِيْلُ اَبِمُحَمَّدٍ تَفْعَلُ هٰذَا فَمَا رَكِبَكَ اَحَدٌ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْهُ قَالَ فَارْفَضَّ عَرَقًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ شب معراج میں جب نبی کریم ﷺ کی سواری کے لئے براق لایا گیا جس کی زین کسی ہوئی اور لگام چڑھی ہوئی تھی اور آنحضرت ﷺ اس پر سوار ہونے لگے تو وہ شوخیاں کرنے لگا۔ (جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو اس پر سوار ہونا دشوار ہوگیا) پس حضرت جبرئیل نے اس (براق) کو مخاطب کرکے کہا کیا محمد (ﷺ) کے ساتھ تو یہ شوخیاں کررہا ہے (جب کہ تو نے اس سے پہلے کسی نبی کے ساتھ شوخی نہیں کی، اور اگر پہلے نبیوں کے ساتھ بھی شوخی کی تھی تب بھی ان کے ساتھ تو ہرگز شوخی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ) یہ وہ ذات گرامی ہے اللہ کی نظر میں جن سے بہتر کوئی شخص تجھ پر سوار نہیں ہوا۔ راوی کا بیان ہے کہ (حضرت جبرئیل علیہ السلام کی یہ بات سن کر) براق پسینہ پسینہ ہوگیا۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "یہ وہ ذات گرامی ہے... الخ" اس عبارت کے بین السطور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس براق پر آنحضرت ﷺ سے پہلے دوسرے انبیاء بھی سوار ہوچکے تھے، اس سلسلہ میں تفصیلی تحقیق باب المعراج میں گزرچکی ہے"۔

"براق پسینہ پسینہ ہوگیا" کے تحت شارحین نے لکھا ہے کہ وہ براق تو اس خوشی کے مارے اچھل رہا تھا کہ آنحضرت کی سواری کا شرف مجھے حاصل ہورہا ہے لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ اس کی اچھل کود شوخی کے طور پر ہے لہٰذا جب حضرت جبرئیل نے براق کو متنبہ کیا اور براق کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اس گمان کا احساس ہوا تو مارے شرم کے پسینہ پسینہ ہوگیا۔

معراج سے متعلق ایک اور معجزہ

(۵۲) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا انْتَهَيْنَا اِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ قَالَ جِبْرَئِيْلُ بِاِصْبَعِهٖ فَخَرَقَ بِهَا الْحَجَرَ فَشَدَّ بِهِ الْبُرَاقَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (معراج کی رات میں) جب ہم بیت المقدس پہنچے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا اور اس اشارہ کے ذریعہ پتھر میں سوراخ ہوگیا، اور پھر (میں نے یا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے) اس سوراخ کئے ہوئے پتھر سے براق کو باندھا۔" (ترمذی)

تشریح: باب المعراج میں حضرت انسؓ کی یہ روایت گزری ہے کہ براق کو اس حلقہ سے باندھا جس سے تمام انبیاء (اپنے براق) باندھتے تھے، پس اس روایت اور اس روایت کے درمیان بظاہر جو تضاد نظر آتا ہے اس کو رفع کرنے کے لئے شارحین نے لکھا ہے کہ حضرت انسؓ والی روایت میں "حلقہ" سے مراد شاید وہ جگہ ہوگی، جہاں حلقہ (سوراخ) تھا اور پھر بند ہوگیا تھا، شب معراج میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے اشارہ کرکے اسی بند سوراخ کو کھولا ہوگا، دونوں روایتوں میں بس فرق یہ ہے کہ حضرت انسؓ کی روایت میں تو حلقہ (سوراخ) کھولنے کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اور یہاں حضرت بریدہؓ کی روایت میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

اونٹ کی شکایت، درخت کے سلام اور ایک کے اثرات بد سے نجات کا معجزہ

(۵۳) وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ الثَّقَفِيِّ قَالَ ثَلٰثَةُ اَشْيَاءَ رَاَيْتُهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا نَحْنُ نَسِيْرُ مَعَهٗ اِذْ مَرَرْنَا بِبَعِيْرٍ يُسْنٰى عَلَيْهِ فَلَمَّا رَاٰهُ الْبَعِيْرُ جَرْجَرَ فوضع جرانه فوقف عليه النبی ﷺ فقال اين صاحب هذا البعير فَجَاءَهٗ فَقَالَ بِعْنِيْهِ فَقَالَ بَلْ نَهَبُهٗ لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنَّهٗ لِاَهْلِ بَيْتٍ مَالَهُمْ مَعِيْشَةٌ غَيْرُهٗ قَالَ اَمَا اِذَا ذَكَرْتَ هٰذَا مِنْ اَمْرِهٖ فَاِنَّهٗ شَكٰى كَثْرَةَ الْعَمَلِ وَقِلَّةَ الْعَلَفِ فَاَحْسِنُوْا اِلَيْهِ ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰى نَزَلْنَا مَنْزِلًا فَنَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَتْ شَجَرَةٌ تَشُقُّ الْاَرْضَ حَتّٰى غَشِيَتْهُ ثُمَّ رَجَعَتْ اِلٰى مَكَانِهَا فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرْتُ لَهٗ فَقَالَ هِيَ شَجَرَةٌ اسْتَاْذَنَتْ رَبَّهَا فِيْ اَنْ تُسَلِّمَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَذِنَ لَهَا قَالَ ثُمَّ سِرْنَا فَمَرَرْنَا بِمَاءٍ فَاَتَتْهُ امْرَاَةٌ بِابْنٍ لَهَا بِهٖ جِنَّةٌ فَاَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْخَرِهٖ ثُمَّ قَالَ اخْرُجْ فَاِنِّيْ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ سِرْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مَرَرْنَا بِذٰلِكَ الْمَاءِ فَسَاَلَهَا عَنِ الصَّبِيِّ فَقَالَتْ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا رَاَيْنَا مِنْهُ رَيْبًا بَعْدَكَ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

"حضرت یعلی ابن مرہ ثقفیؓ کہتے ہیں کہ میں نے (ایک ہی سفر میں) رسول کریم ﷺ (کے معجزات میں) سے تین چیزیں دیکھیں، وہ اس طرح کے ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے کہ ناگہاں آب کش (پانی کھینچنے والے) اونٹ کے پاس سے گزرے اس اونٹ نے جب آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو بڑبڑ کر کے اپنی گردن (زمین پر رکھ دی) نبی کریم ﷺ اس کے پاس ٹھہر گئے اور پوچھا کہ اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟ مالک حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ دو! اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس اونٹ کو بیچ تو نہیں سکتا ہاں (آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کے احترام میں) اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں (بلاقیمت نذر کرتا ہوں، ویسے (یہ عرض کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں دیکھتا کہ) یہ اونٹ ایسے گھر والوں کا ہے (یعنی میرا اور میرے اہل وعیال کا) کہ جن کا ذریعہ معاش اس اونٹ کے علاوہ کچھ نہیں ہے آپ ﷺ نے یہ سن کر، فرمایا جب کہ تم نے اس اونٹ کے بارے میں حقیقت حال بیان کر دی ہے تو (میں بھی تمہیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اپنی ضرورت کے لئے اس اونٹ کو خریدنا نہیں چاہتا تھا، بلکہ اصل مقصد اس اونٹ کو تنگی اور مصیبت سے نجات دلانا تھا کیونکہ) اس اونٹ نے درحقیقت مجھ سے شکوہ کیا ہے کہ اس سے کام زیادہ لیا جاتا ہے اور کھانے کو کم دیا جاتا ہے، پس

(اگر تم اس اونٹ کو بیچ کر اپنے سے جدا نہیں کر سکتے تو یہ تو کر سکتے ہو کہ) اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو (یعنی اس کو گھاس دانہ خوب دو اور کام کم لو، اگرچہ زیادہ کھلا کر زیادہ کام لینا جائز ہے، یا اگر چارہ زیادہ دینے کی استطاعت نہیں ہے تو کام بھی کم لینا چاہئے، لیکن یہ ظلم کی بات ہے کہ کھلاؤ کم اور کام زیادہ لو)۔ اس کے بعد حضرت یعلیؓ نے دوسرا معجزہ بیان کیا کہ) پھر ہم آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ ایک جگہ اتر کر آرام کرنے لگے اور نبی کریم ﷺ سو گئے اس وقت (میں نے دیکھا کہ) ایک درخت زمین کو چیرتا ہوا آیا اور آنحضرت ﷺ کو ڈھانک لیا (یعنی آپ ﷺ پر جھک گیا) اور پھر وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا، جب رسول کریم ﷺ بیدار ہوئے تو میں نے آپ ﷺ سے اس درخت کے آنے اور جانے) کا ذکر کیا آپ ﷺ نے (پورا واقعہ سن کر) فرمایا: یہ وہ درخت ہے جس نے اپنے پروردگار سے اس بارے میں اجازت مانگی تھی کہ وہ رسول خدا ﷺ کو سلام کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اجازت دے دی (اور وہ مجھے سلام کرنے آیا تھا)۔ حضرت یعلیؓ تیسرا معجزہ بیان کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ ہم پھر آگے بڑھے اور ایک پانی کی جگہ (یعنی ایسی آبادی میں) پہنچے (جہاں پانی دستیاب تھا) وہاں ایک عورت اپنے لڑکے کو لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئی، اس لڑکے پر دیوانگی طاری تھی (یعنی کسی جن یا شیطان کے اثرات بد میں گرفتار تھا) آنحضرت ﷺ نے لڑکے کی ناک پکڑ کر (اس جن یا شیطان سے) کہا کہ نکل جاؤ، میں محمد ﷺ اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے بعد ہم نے آگے کا سفر پورا کیا اور جب واپسی میں اس پانی والی آبادی کے پاس سے گزرے تو آنحضرت ﷺ نے اس عورت سے اس لڑکے کا حال دریافت کیا، عورت نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہم نے آپ ﷺ (کے جانے) کے بعد (یا آپ ﷺ کی دعا کے بعد) اس لڑکے میں تشویش کی کوئی بات نہیں دیکھی (یعنی وہ بالکل اچھا ہو گیا ہے) اور سارے اثرات بد زائل ہو گئے ہیں) اس روایت کو بغوی نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔"

ایک اور لڑکے کے شیطانی اثر سے نجات پانے کا معجزہ

(۵۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اِنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ بِابْنٍ لَهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ان ابني به جنون و انه لياخذه عند غدائنا وعشائنا فمسح رسول الله ﷺ صدره وَدَعَا فَثَعَّ ثَعَّةً وَخَرَجَ مِنْ جَوْفِهٖ مِثْلُ الْجِرْوِ الْاَسْوَدِ يَسْعٰى۔ (رواه الدارمی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت... اپنے بیٹے کو لے کر حاضر ہوئی اور بولی کہ یا رسول اللہ! میرے بیٹے پر جنون کا اثر ہے جس کا دورہ (ہر دن) دوپہر اور رات کے کھانے کا وقت آنے پر (یا صبح اور شام کے وقت پڑتا ہے)۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر) اس لڑکے کے سینہ پر دست مبارک پھیرا اور دعا فرمائی، چنانچہ اس لڑکے کو ایک بڑی قے ہوئی جس کے ذریعہ اس کے پیٹ سے ایک ایسی (ہیبتناک) شے نکلی جیسے دوڑتا ہوا کالا پلہ ہو۔" (ترمذی)

درخت کا معجزہ

(۵۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ جِبْرَئِيْلُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ حَزِيْنٌ قَدْ تَخَضَّبَ بِالدَّمِ مِنْ فِعْلِ اَهْلِ مَكَّةَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ تُحِبُّ اَنْ نُرِيَكَ اٰيَةً قَالَ نَعَمْ فَنَظَرَ اِلٰى شَجَرَةٍ مِنْ وَرَائِهٖ فَقَالَ ادْعُ بِهَا فَدَعَا بِهَا فَجَاءَتْ فَقَامَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ مُرْهَا فَلْتَرْجِعْ فَاَمَرَهَا فَرَجَعَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسْبِيْ حَسْبِيْ۔ (رواه الدارمی)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نہایت غمگین اور زخموں کے خون میں لتھڑے ہوئے بیٹھے تھے، جو اہل مکہ نے پہنچائے تھے کہ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور بولے کہ یا رسول اللہ! اگر آپ ﷺ پسند کریں تو میں آپ ﷺ کو (آپ ﷺ کا) ایک معجزہ دکھاؤں (جو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی علامت ہوگی اور جس سے آپ ﷺ کو تسلی

ہو جائے گی کہ اللہ کی راہ میں یہ اذیت و پریشانی اٹھانا آپ ﷺ کے مراتب و درجات کی بلندی میں اضافہ کا باعث ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ضرور دکھاؤ۔ جبرئیل علیہ السلام نے اس درخت کی طرف دیکھا جو ان کے پیچھے تھا اور پھر آنحضرت ﷺ سے کہا کہ اس درخت کو بلائیے، آنحضرت ﷺ نے درخت کو بلایا اور وہ آپ ﷺ کے سامنے (تابعداروں کی طرح) آکر کھڑا ہو گیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا اب اس کو واپس جانے کا حکم دیجئے، آنحضرت ﷺ نے اس کو واپسی کا حکم دیا تو واپس چلا گیا۔ رسول کریم ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا، مجھ کو کافی ہے، مجھ کو کافی ہے۔" (دارمی)

تشریح: "جو اہل مکہ نے پہنچائے تھے" سے کفار مکہ کی وہ بدسلوکی اور اذیت رسانی مراد ہے جو ان کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو جنگ احد میں پہنچی تھی جس کے نتیجہ میں آپ ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا اور رخسار مبارک زخمی ہو گیا تھا۔

"مجھ کو کافی ہے، مجھ کو کافی ہے" سے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ بس یہ عنایت حق تعالیٰ کی میرے لئے کافی ہے، اس معجزہ کی صورت میں بارگاہ حق میں اپنا بلند مرتبہ و مقام اور اپنی عظمت دیکھ کر مجھے اپنے زخموں کی اذیت کا احساس رہ گیا ہے اور نہ کوئی رنج و غم رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خارق عادت (یعنی معجزہ یا کرامت) کا ظہور یقین و اعتقاد کی مضبوطی اور غم و حزن کے دفعیہ میں مؤثر کردار ادا کرتا ہے، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جن بندگان عالی کو بارگاہ رب العزت میں تقرب اور عظمت کا مقام حاصل ہوتا ہے اگر ان کو دشمنوں کی اور مخالفوں کی طرف سے جسمانی یا روحانی اذیت و تکلیف اور رنج و غم پہنچے تو اس پر صبر کرنا چاہئے کیونکہ دین کی راہ میں جس قدر مشقت اور پریشانی آتی ہے اتنا ہی اجر بڑھتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی رسالت کی گواہی کیکر کے درخت کی زبانی

(۵۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَاَقْبَلَ اَعْرَابِيٌّ فَلَمَّا دَنَا قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ قَالَ وَمَنْ يَّشْهَدُ عَلٰى مَا تَقُوْلُ قَالَ هٰذِهِ السَّلَمَةُ فَدَعَاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِشَاطِئِ الْوَادِيْ فَاَقْبَلَتْ تَخُدُّ الْاَرْضَ حَتّٰى قَامَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَاسْتَشْهَدَهَا ثَلٰثًا فَشَهِدَتْ ثَلٰثًا اَنَّهُ كَمَا قَالَ ثُمَّ رَجَعَتْ اِلٰى مَنْبَتِهَا۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک جہاد کے سفر میں تھے کہ (لشکر گاہ کے پاس) ایک دیہاتی آگیا اور جب رسول کریم ﷺ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم اس امر کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا ہے اور جس کا کوئی شریک و ہمسر نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں"۔ دیہاتی نے کہا: آپ ﷺ نے جو کچھ کہا ہے (یعنی نبوت و رسالت کا جو دعویٰ کیا ہے) اس کی گواہی و شہادت دینے والا (نوع انسانی کے علاوہ) اور کوئی بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیکر کا درخت (جو سامنے کھڑا ہے گواہی دے گا) اور پھر آپ ﷺ نے کیکر کو بلایا، اس وقت آپ ﷺ ایک وادی کے کنارہ پر ٹھہرے ہوئے تھے، کیکر کا درخت (آپ ﷺ کا حکم سن کر) زمین چیرتا ہوا آیا اور آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے اس سے تین بار گواہی دینے کو کہا اور اس درخت نے تین بار گواہی دی (کہ آپ ﷺ اپنے دعوے میں سچے ہیں اور یقیناً رسول رب العلمین ہیں) اس کے بعد وہ درخت اپنے اگنے کی جگہ واپس چلا گیا (یعنی جس جگہ سے آیا تھا وہیں واپس جا کر کھڑا ہو گیا۔" (دارمی)

کھجور کے خوشہ کی گواہی

(۵۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِيٌّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمَا اَعْرِفُ اَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ اِنْ دَعَوْتُ هٰذَا الْعِذْقَ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ يَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَنْزِلُ مِنَ النَّخْلَةِ حَتّٰى سَقَطَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ ارْجِعْ فَعَادَ فَاَسْلَمَ الْاَعْرَابِيُّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور کہنے لگا کہ میرے لئے اس بات کو جاننے (اس پر یقین کرنے) کا ذریعہ کیا ہے کہ آپ نبی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذریعہ سے کہ میں ابھی اس کھجور کے درخت پر لگے ہوئے خوشہ کو بلاتا ہوں وہ (یہاں آکر) گواہی دے گا کہ میں اللہ کا نبی، اور رسول ہوں۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے اس خوشہ کو بلایا اور وہ (خوشہ) کھجور کے درخت سے الگ ہو کر اترنے لگا اور نبی کریم ﷺ کے قریب زمین پر آکر گرا (اور آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی گواہی دی) پھر آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ واپس جاؤ اور وہ خوشہ واپس (اپنی جگہ) چلا گیا، (یہ دیکھ کر) اس دیہاتی نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔"

بھیڑیئے کے بولنے کا معجزہ

(۵۸) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَآءَ ذِئْبٌ اِلٰى رَاعِيْ غَنَمٍ فَاَخَذَ مِنْهَا شَاةً فَطَلَبَهُ الرَّاعِي حَتّٰى انْتَزَعَهَا مِنْهُ قَالَ فَصَعِدَ الذِّئْبُ عَلٰى تَلٍّ فَاَقْعٰى وَاسْتَثْفَرَ وَقَالَ قَدْ عَمَدْتُ اِلٰى رِزْقٍ رَزَقَنِيْهِ اللّٰهُ اَخَذْتُهُ ثُمَّ انْتَزَعْتَهُ مِنِّيْ فَقَالَ الرَّجُلُ تَاللّٰهِ اِنْ رَاَيْتُ كَالْيَوْمِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ الذِّئْبُ اَعْجَبُ مِنْ هٰذَا رَجُلٌ فِي النَّخَلَاتِ بَيْنَ الْحَرَّتَيْنِ يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضٰى وَمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ فَقَالَ فَكَانَ الرَّجُلُ يَهُوْدِيًّا فَجَآءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ وَاَسْلَمَ فَصَدَّقَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا اَمَارَاتٌ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ قَدْ اَوْشَكَ الرَّجُلُ اَنْ يَخْرُجَ فَلَا يَرْجِعُ حَتّٰى يُحَدِّثَهُ نَعْلَاهُ وَسَوْطُهُ بِمَا اَحْدَثَ اَهْلُهُ بَعْدَهُ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک بھیڑیا (بکریوں) کے ایک ریوڑ میں، جہاں اس کا چرواہا بھی موجود تھا، گھس آیا اور اس میں سے ایک بکری اٹھا کر بھاگا، چرواہے نے اس کا تعاقب کیا اور آخر کار بکری کو اس بھیڑیئے سے چھڑا لیا۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ: پھر وہ بھیڑیا ایک ٹیلہ پر چڑھا اور وہاں اس طرح بیٹھ گیا جیسے کوئی بھیڑیا سرین کے بل بیٹھتا ہے اور دونوں پاؤں کھڑے کر کے اپنی دم ان دونوں پاؤں کے درمیان داخل کر لی اور چرواہے کو (زور سے) مخاطب کر کے بولا: میں نے اپنا وہ رزق لینا چاہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے لیکن تم نے میرا رزق مجھ سے چھین لیا۔ چرواہے نے (جو ایک بھیڑیئے کو بولتے دیکھا تو ششدر رہ گیا، چنانچہ اس نے بھیڑیئے ہی کو مخاطب کر کے کہا: خدا کی قسم، جیسا عجوبہ، میں نے آج دیکھا ہے ایسا تو کبھی نہیں دیکھا کہ ایک بھیڑیا (آدمی کی طرح) باتیں کر رہا ہے۔ بھیڑیا پھر بولا: اس سے بڑا عجوبہ تو اس شخص (محمد ﷺ) کا حال ہے، جو کھجوروں کے درختوں کے پیچھے دو سنگستانوں کے درمیان (یعنی مدینہ میں) رہتا ہے، وہ شخص تمہیں وہ باتیں بتادے گا جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں اور وہ باتیں بھی بتادے گا جو تمہارے بعد وقوع پذیر ہونے والی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ وہ آدمی (چرواہا) جو ایک یہودی تھا بھیڑیئے کی زبانی سن کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے سامنے (بھیڑیئے کے بولنے کا) قصہ بیان کر کے مسلمان ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے بیان کردہ قصہ کو درست تسلیم کیا اور پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس طرح کی باتیں قیامت سے پہلے کی (یعنی قرب قیامت کی) علامتیں ہیں، وہ وقت آیا ہی چاہتا ہے کہ آدمی (اپنے گھر سے) باہر جائے گا اور جب لوٹ کر (گھر میں) آئے گا تو اس کے جوتے اور اس کا کوڑا (وغیرہ) اس کو وہ تمام باتیں بتادے گا، جو اس کے گھر والوں نے اس کی عدم موجودگی میں کی ہوں گی۔" (شرح السنۃ)

تشریح: تورپشتیؒ نے لکھا ہے کہ اس چرواہے کا نام جو بعد میں مسلمان ہو کر شرف صحابیت سے سرفراز ہوئے اہبار بن اوس خزاعی تھا، اس واقعہ کی نسبت سے ان کو "مُكَلِّمُ الذئب" کہا جانے لگا تھا...... لیکن روایت کے یہ الفاظ کہ "جو ایک یہودی تھا" اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ اہبار ابن اوسؓ خزاعی تھے "کیونکہ قبیلہ خزاعہ کے لوگ یہودی نہیں تھے، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہبار اوس کا تعلق قبیلہ خزاعہ ہی سے تھا اور انہوں نے اپنے قبیلہ والوں کے برخلاف یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا اس صورت میں تورپشتیؒ کے

قول پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوگا۔

"کھجور کے درختوں کے پیچھے دو سنگستانوں کے درمیان " سے مراد مدینہ شہر تھا اور دو سنگستانوں" دراصل حرتین کا ترجمہ ہے، حرتین تثنیہ ہے حرہ کا، جس کے معنی "کالی پتھریلی زمین" کے ہیں مدینہ شہر ایک ایسے میدان میں آباد ہے جو اپنی مشرقی اور مغربی سمتوں سے دو حروں (یعنی دو سنگستانوں کے درمیان واقع ہے۔"

"پہلے گزرنے والی باتوں " سے پچھلی امتوں کے احوال انجام مراد ہیں اور "بعد میں وقوع پذیر ہونے والی باتیں بتائے" سے مراد آنے والے زمانوں میں جو اہم واقعات وحوادث رونما ہوں گے ان کی پیش خبری بھی ہے اور عقبی وآخرت کے حقائق وکوائف بتانا بھی۔

برکت کہاں سے آتی تھی

(۵۹) وَعَنْ اَبِی الْعَلَآءِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَدَاوَلُ مِنْ قَصْعَةٍ مِنْ غُدْوَةٍ حَتَّى اللَّيْلِ يَقُوْمُ عَشَرَةٌ وَيَقْعُدُ عَشَرَةٌ قُلْنَا فَمَا كَانَتْ تُمَدُّ قَالَ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ تَعْجَبُ مَا كَانَتْ تُمَدُّ اِلَّا مِنْ هٰهُنَا وَاَشَارَ بِيَدِهٖ اِلَى السَّمَاءِ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

"اور حضرت ابوالعلاءؒ (تابعی) سمرۃ ابن جندبؓ (صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا" (ظہور معجزہ کے وقت) ہم سب نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک بڑے پیالہ میں سے (دس دس آدمی باری باری صبح سے شام تک (یعنی پورے دن) کھاتے رہتے تھے، ہوتا یہ کہ دس آدمی کھا کر اٹھ جاتے تو (ان کی جگہ) دوسرے دس آدمی آکر بیٹھ جاتے تھے۔ ہم نے (حضرت سمرۃؓ سے) پوچھا کہ آخر وہ کیا چیز تھی جس کے ذریعہ پیالہ کی مدد ہوتی تھی (یعنی اس پیالہ میں سے کھانا کس چیز کے ذریعہ اور کہاں سے اتنا زیادہ ہوجاتا تھا؟)۔ حضرت سمرۃؓ نے جواب دیا: تمہارے لئے اس میں تعجب کی کیا بات ہے، اس پیالہ میں (کھانے کا اضافہ) وہاں سے، یہ کہہ کر انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔" (ترمذی، دارمی)

تشریح: "تمہارے اس میں تعجب کی کیا بات ہے" سوال تو ان سب تابعین کی طرف سے تھا جن کے سامنے حضرت سمرۃؓ بیان کر رہے تھے، لیکن حضرت سمرۃؓ نے جواب میں صرف حضرت ابوالعلاءؒ کو مخاطب کیا کیونکہ اول تو وہ بھی سوال کرنے والوں میں سے ایک تھے اور دوسرے یہ کہ اس مجلس میں حضرت ابوالعلاءؒ کی حیثیت جلیل القدر تابعین میں سے ہونے کی وجہ سے سب سے نمایاں تھی۔ یا یہ کہ حضرت سمرۃؓ نے کسی ایک شخص کو یا صرف اس مجلس کے لوگوں کو مخاطب نہیں کیا بلکہ ان کا خطاب عمومی طور پر ہر شخص سے ہے جو اس حدیث کو سنے یا پڑھے، بہرحال حضرت سمرۃؓ کا مطلب یہ تھا کہ اس میں تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس ایک پیالہ میں موجود (تھوڑے سے کھانے سے اتنے زیادہ آدمی دن بھر کھاتے رہتے تھے باوجودیکہ ظاہری طور پر ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا تھا جس سے اس پیالہ کے کھانے میں اضافہ ہوسکتا، کیونکہ یہ تو معجزے کی بات تھی، اللہ اور اللہ کے رسول کا معاملہ تھا، اللہ کے رسول دعا کرتے تھے اور اپنے دست مبارک سے اس پیالہ کو چھوتے تھے جس کے سبب اللہ آسمان سے برکت نازل کرتا تھا اور اس پیالہ میں غیر مرئی طور پر عالم بالا سے کھانا اترتا رہتا تھا، اس میں گویا قرآن کریم کی اس آیت وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ کی طرف اشارہ ہے۔

جنگ بدر میں قبولیت دعا کا معجزہ

(۶۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ بَدْرٍ فِي ثَلٰثِمِائَةٍ وَخَمْسَةَ عَشَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ حُفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ عُرَاةٌ فَاكْسُهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ جِيَاعٌ فَاَشْبِعْهُمْ فَفَتَحَ اللّٰهُ لَهٗ فَانْقَلَبُوْا وَمَا مِنْهُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَقَدْ رَجَعَ بِجَمَلٍ اَوْ جَمَلَيْنِ وَاكْتَسَوْا وَشَبِعُوْا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جنگ بدر کے دن تین سو پندرہ آدمیوں کو لے کر نکلے اور دعا فرمائی: اے اللہ! یہ (میرے صحابہ جو تیری راہ میں لڑنے کے لئے نکلے ہیں ننگے پاؤں ہیں ان کو سواری عطا فرما! اے اللہ! یہ ننگے بدن ہیں (کہ ان کے جسم پر تہبند کے علاوہ کوئی کپڑا نہیں) ان کو لباس عطا کر، اے اللہ! یہ بھوکے ہیں، ان کو (ظاہری و باطنی طور پر) شکم سیر فرما (تاکہ ان کو تیری طاعت و عبادت کی طاقت حاصل ہو" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو (مشرکین مکہ کے مقابلہ پر) فتح یاب کیا (دشمن کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر آدمی جنگی قیدیوں کے طور پر ہاتھ لگے) مجاہدین اسلام، اس حالت میں واپس ہوئے کہ ان میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کے پاس ایک یا دو اونٹ نہ ہوں، نیز سب کو لباس بھی نصیب ہوئے اور سب شکم سیر بھی ہوئے۔" (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ کہ ہزیمت خوردہ دشمن کے جو اونٹ، کپڑے اور غذائی سامان مال غنیمت کے طور پر اسلامی لشکر کے ہاتھ لگا۔ اس کی وجہ سے ان مجاہدین کو اونٹ بھی مل گئے، کپڑے بھی ملے اور شکم سیری بھی ہوگئی، پس آنحضرت ﷺ کی ایک ایک دعا قبول ہوئی....... اس سے معلوم ہوا کہ دعا کا قبول ہونا خصوصًا اتنی جلدی اور اتنے مکمل طور پر قبول ہونا خارق عادت (یعنی معجزہ و کرامت) کے قبیل سے ہے اور یہ نتیجہ تھا اس اس صبر کا جس کا مظاہرہ اللہ کی راہ میں پیش آنے والی تمام صعوبتوں اور پریشانیوں پر آنحضرت ﷺ اور مجاہدین اسلام کی طرف سے ہوا، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے اِنَّ الصَّبرَ عَلٰی مَایَکرَہُ فِیہِ خَیرٌ کَثِیرٌ۔ (ناگوار اور پریشان کن امور پر صبر کرنا درحقیقت بہت ساری بھلائیوں اور فائدوں کا استحقاق حاصل کرنا ہے) نیز اس صبر کا یہ تو وہ فوری ثمرہ تھا، جو اس دنیا میں ملا، اصل ثمرہ تو باقی ہی رہا، جو آخرت میں ملے گا۔ وَالاٰخِرَةُ خَیرٌ وَّاَبقٰی۔

ایک بشارت ایک ہدایت

(۶۱) وَعَنِ ابنِ مَسعُودٍ عَن رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّکُم مَنصُورُونَ وَمُصِیبُونَ وَمَفتُوحٌ لَکُم فَمَن اَدرَکَ ذٰلِکَ مِنکُم فَلیَتَّقِ اللّٰہَ وَلیَأمُر بِالمَعرُوفِ وَلیَنہَ عَنِ المُنکَرِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن مسعودؓ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے زمانہ آئندہ میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی پیش خبری اور ان واقعات کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے فوائد کی بشارت کے طور پر صحابہؓ کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ یقیناً تمہیں (دشمنوں کے مقابلہ پر) مدد و نصرت عطا ہوگی، تمہیں (مال غنیمت کی صورت میں بہت کچھ) ملے گا، اور تمہارے ہاتھوں بہت بڑے بڑے علاقے اور مال و دولت سے بھرے ہوئے بہت سارے شہر فتح ہوں گے، پس تم میں سے جو شخص ان (مذکورہ چیزوں) سے سرفراز ہو اس کو چاہئے کہ وہ (درجہ کمال کو پہنچنے کے لئے اپنے تمام دینی و دنیاوی معاملات و مشاغل میں) اللہ سے ڈرتا رہے لوگوں کو نیکی کی ہدایت و تلقین اور بری باتوں سے باز رکھنے کی سعی کرتا رہے۔"

تشریح: اس ارشاد کے ذریعہ آپ ﷺ نے گویا اعتدال و توازن کے راستہ کی رہنمائی فرمائی تاکہ کوئی شخص فتح و کامرانی حکومت و تاجداری اور مال و دولت کی سرفرازی میں اپنی حیثیت اور اپنے منصب و مقصد سے غافل نہ ہو جائے اور غرور و تکبر، اسراف و خود نمائی، اور ظلم و ناانصافی کے راستہ پر چل کر اللہ کے غضب کا مورد نہ بن جائے دراصل اس ارشاد گرامی کے ذریعہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو قرآن کریم کی اس آیت کی طرف متوجہ کیا جس میں فرمایا گیا ہے۔

اَلَّذِینَ اِن مَّکَّنّٰہُم فِی الاَرضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوا بِالمَعرُوفِ وَنَہَوا عَنِ المُنکَرِ۔

"یہ (سچے مسلمان) لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت اور امارت دے دیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو بھی) نیک کاموں کی تلقین و ہدایت کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔"

زہر آلود گوشت کی طرف سے آگاہی کا معجزہ

(۶۲) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ یَهُوْدِیَّةً مِنْ اَهْلِ خَیْبَرَ سَمَّتْ شَاةً مَصْلِیَّةً ثُمَّ اَهْدَتْهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الذِّرَاعَ فَاَکَلَ مِنْهَا وَاَکَلَ رَهْطٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ مَعَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِرْفَعُوْا اَیْدِیَکُمْ وَاَرْسَلَ اِلَی الْیَهُوْدِیَّةِ فَدَعَاهَا فَقَالَ سَمَمْتِ هٰذِهِ الشَّاةَ فَقَالَتْ مَنْ اَخْبَرَكَ قَالَ اَخْبَرَتْنِیْ هٰذِهٖ فِیْ یَدِیْ لِلذِّرَاعِ قَالَتْ نَعَمْ قُلْتُ اِنْ کَانَ نَبِیًّا فَلَنْ تَضُرَّهٗ وَاِنْ لَمْ یَکُنْ نَبِیًّا اِسْتَرَحْنَا مِنْهُ فَعَفَا عَنْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ یُعَاقِبْهَا وَتُوُفِّیَ اَصْحَابُهُ الَّذِیْنَ اَکَلُوْا مِنَ الشَّاةِ وَاحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی کَاهِلِهٖ مِنْ اَجْلِ الَّذِیْ اَکَلَ مِنَ الشَّاةِ حَجَمَهٗ اَبُوْهِنْدٍ بِالْقَرْنِ وَالشَّفْرَةِ وَهُوَ مَوْلٰی لِبَنِیْ بَیَاضَةَ مِنَ الْاَنْصَارِ۔

(رواہ ابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اہل خیبر میں سے ایک یہودی عورت نے بھنی ہوئی بکری میں زہر ملایا اور پھر اس کو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا، رسول کریم ﷺ نے اس بکری میں سے ایک دست لے کر خود بھی کھانا شروع کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے صحابہؓ کی بھی ایک جماعت کھانے لگی، پھر (ایک دم) رسول کریم ﷺ نے فرمایا اپنے ہاتھ روک لو (اس میں سے کچھ نہ کھاؤ) اس کے بعد آپ ﷺ نے اس یہودی عورت کو بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا (وہ آگئی تو) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ عورت نے کہا آپ ﷺ کو کیسے معلوم ہوا؟ آپ (ﷺ) کے اللہ نے آپ (ﷺ) کو بتایا ہے یا مخلوق میں سے کسی نے؟) آپ ﷺ نے فرمایا؟ مجھے اس نے بتایا ہے جو میرے ہاتھ میں ہے، یہ بات آپ ﷺ نے دست کی طرف اشارہ کر کے کہی۔ تب اس عورت نے (اعتراف کرتے ہوئے) کہا کہ ہاں میں نے اس بکری کو زہر آلود کر دیا تھا۔ اور میں نے سوچا تھا کہ اگر محمد (ﷺ) نبی ہوں گے تو زہر آلود بکری ان کو ہرگز نقصان نہیں پہنچائے گی اور اگر وہ نبی نہ ہوں گے تو (زہر کے اثر سے ختم ہو جائیں گے اور) ہمیں ان سے نجات اور راحت مل جائے گی۔ پس رسول کریم ﷺ نے اس عورت کو معاف کر دیا اور کوئی سزا نہیں دی، اور صحابہؓ میں سے جن لوگوں نے اس بکری میں سے کھایا تھا (ان میں سے ایک صحابیؓ حضرت بشرؓ) مر گئے، نیز رسول کریم ﷺ نے بھی اس زہر آلود بکری کا گوشت کھا لیا تھا اس کے اثرات کے دفعیہ کے لئے مونڈھوں کے درمیان سینگیاں کھنچوائیں اور ابوہندؓ نے (جن کا اصل نام یسار حجام تھا اور) جو (ایک انصاری قبیلہ) بنو بیاضہ کے آزاد کردہ غلام تھے، شاخ اور چوڑی چھری کے ذریعہ سینگیاں کھینچیں۔" (ابوداؤد، دارمی)

تشریح: اس یہودی عورت کا نام زینت حارث تھا اور سلام ابن مشکم کی بیوی تھی۔ ایک اور روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ اس عورت نے پہلے ہی کچھ لوگوں سے معلوم کر لیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کو کس حصہ کا گوشت زیادہ مرغوب ہے اس نے ایک بکری کا بچہ جو اس کے پاس تھا ذبح کیا اور اس کو بھون کر اس میں ایسا سریع الاثر زہر ملا دیا کہ آدمی کھاتے ہی مر جائے، دست اور شانہ کے حصہ میں تو اس نے خصوصیت سے بہت زیادہ زہر ملایا اور پھر وہ بکری لاکر آنحضرت ﷺ اور ان صحابہؓ کے سامنے کہ جو اس وقت مجلس نبوی ﷺ میں حاضر تھے پیش کی۔"

"تو یہ زہر آلود بکری ہرگز نقصان نہیں پہنچائے گی " یعنی یا تو اس وجہ سے کہ انبیاء پر زہر اس طرح اثر انداز نہیں ہوتا کہ ان کی زندگی ہی لے لے، یا اس بناء پر کہ دعوت اسلام کے اتمام اور دین کی تکمیل سے پہلے آپ ﷺ کی موت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ پہلے احتمال کی صورت میں وہ روایت خلجان کی باعث ہو سکتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات اس زہر کی تاثیر کے سبب ہوئی جو خیبر میں آپ ﷺ کو کھانے میں دیا گیا ہے"....... لیکن چونکہ محققین نے لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے اس کے خلجان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ ایک روایت میں تو یہ آیا ہے کہ کسی نے آنحضرت ﷺ سے (مرض الموت میں) کہا کہ آپ ﷺ میں اس زہر کا

اثر اب سرایت کر رہا ہے جو خیبر میں آپ ﷺ کو دیا گیا تھا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مجھ کو اس کے علاوہ کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی جو میرے مقدر میں لکھی ہے اور جو اللہ چاہے۔

"اس عورت کو معاف کر دیا اور کوئی سزا نہیں دی" اس ضمن میں بعض حضرات نے تو یہی کہا ہے کہ اس عورت کو نہ قتل کیا گیا اور نہ کوئی دوسری سزا دی گئی ہے اور اس نے اسلام قبول کر لیا تھا، چنانچہ سلیمان تیمیؒ نے تو اپنی کتاب المغازی میں یہ روایت نقل کرتے ہوئے فلن یضرہ کے بعد یوں نقل کیا ہے کہ وَاِنْ كُنْتَ كَاذِبًا اَرَحْتُ النَّاسَ مِنْكَ وَقَدِاسْتَبَانَ لِي اَنَّكَ صَادِقٌ وَاَنَا اُشْهِدُكَ وَمَنْ حَضَرَ عَلٰى دِيْنِكَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ یعنی اس عورت نے کہا میں نے سوچا تھا کہ اگر محمد ﷺ نبی ہوں گے تو یہ زہر آلود بکری ان کو ہرگز نقصان نہیں پہنچائے گی) اور اگر آپ ﷺ جھوٹے ہیں تو میں (اس زہر کے ذریعہ آپ ﷺ کا کام تمام کر کے) لوگوں کو آپ ﷺ سے نجات اور راحت پاؤں گی، لیکن اب مجھ پر واضح ہو گیا ہے کہ یقیناً آپ ﷺ (سچے) (اور نبی) ہیں، میں آپ ﷺ کو اور اس شخص کو جو آپ ﷺ کے دین پر قائم ہے، گواہ کر کے اقرار کرتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں بلاشبہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ لیکن طیبیؒ نے لکھا ہے کہ اس بارے میں اختلاف ہے (کیونکہ جس طرح بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو معاف کر دیا اور کوئی سزا نہیں دی اسی طرح ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کے قتل کئے جانے کا حکم صادر فرمایا، چنانچہ اس کو قتل کر دیا گیا۔ پس ان دونوں طرح کی روایتوں کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ شروع میں آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو معاف کر دیا تھا **اور کوئی سزا نہیں دی تھی (اسی اعتبار سے بعض روایتوں میں معافی کا ذکر کیا گیا ہے) لیکن پھر بعد میں جبکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ** اس زہر آلود بکری کو کھانے والوں میں سے ایک صحابی حضرت بشر ابن براء ابن معرور کا انتقال اس زہر آلود گوشت کے کھانے کے سبب ہو گیا۔ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے منع کرنے سے پہلے ہی گوشت کا ایک ٹکڑا اپنے حلق سے نیچے اتار لیا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس یہودی عورت کے قتل کا حکم صادر فرمایا، چنانچہ وہ عورت حضرت بشرؓ کے قصاص میں قتل کر دی گئی (اور اسی وجہ سے بعض روایتوں میں اس عورت سے قتل کئے جانے اور سزا پانے کا ذکر ہے۔

غزوۂ حنین میں فتح کی پیش گوئی کا ذکر

(۲۳) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ اَنَّهُمْ سَارُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَاَطْنَبُوا السَّيْرَ حَتّٰى كَانَ عَشِيَّةً فَجَاءَ فَارِسٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ طَلَعْتُ عَلٰى جَبَلِ كَذَا وَكَذَا فَاِذَا اَنَا بِهَوَازِنَ عَلٰى بَكْرَةِ اَبِيْهِمْ بِظُعُنِهِمْ وَنَعَمِهِمْ اِجْتَمَعُوْا اِلٰى حُنَيْنٍ فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ تِلْكَ غَنِيْمَةُ الْمُسْلِمِيْنَ غَدًا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَّحْرُسُنَا اللَّيْلَةَ قَالَ اَنَسُ بْنُ اَبِيْ مَرْثَدِ الْغَنَوِيّ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِرْكَبْ فَرَكِبَ فَرَسًا لَّهٗ فَقَالَ اِسْتَقْبِلْ هٰذَا الشِّعْبَ حَتّٰى تَكُوْنَ فِيْ اَعْلَاهُ فَلَمَّا اَصْبَحْنَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى مُصَلَّاهُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ هَلْ حَسِسْتُمْ فَارِسَكُمْ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا حَسِسْنَا فَثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ يَلْتَفِتُ اِلَى الشِّعْبِ حَتّٰى اِذَا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ اَبْشِرُوْا فَقَدْ جَآءَ فَارِسُكُمْ فَجَعَلْنَا نَنْظُرُ اِلٰى خِلَالِ الشَّجَرِ فِي الشِّعْبِ فَاِذَا هُوَ قَدْ جَآءَ حَتّٰى وَقَفَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّي انْطَلَقْتُ حَتّٰى كُنْتُ فِيْ اَعْلٰى هٰذَا الشِّعْبِ حَيْثُ اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اَصْبَحْتُ طَلَعْتُ الشِّعْبَيْنِ كِلَيْهِمَا فَلَمْ اَرَ اَحَدًا فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ نَزَلْتَ اللَّيْلَةَ قَالَ لَا اِلَّا مُصَلِّيًا اَوْ قَاضِيَ حَاجَةٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا عَلَيْكَ اَنْ لَّا تَعْمَلَ بَعْدَهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سہل ابن حنظلیہؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ حنین کے موقع پر (حنین کے مقام پر جانے کے لئے) صحابہ کرام رسول کریم ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے تو سفر کا سلسلہ طویل ہو گیا (یعنی کہیں رکے بغیر مسلسل چلتے رہے) یہاں تک کہ جب رات آئی تو (ایک جگہ پہنچ کر جہاں

پڑاؤ ڈالنا تھا) ایک سوار خدمت اقدس میں) حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ: میں ایسے اور ایسے پہاڑ پر چڑھا (اور دشمن کا جائزہ لے رہا تھا) کہ اچانک میں نے دیکھا کہ ہوازن (جو مشہور اور بہت بڑا قبیلہ ہے) اپنے باپ کے اونٹ پر آگیا ہے یعنی قبیلہ کے تمام لوگ آگئے ہیں، ان کے ساتھ ان کی عورتیں بھی ہیں اور ان کے مویشی بھی ہیں اور وہ سب حنین کے مقام پر جمع ہوگئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ (یہ سن کر معنی خیز انداز میں) مسکرائے اور فرمایا۔ "انشاء اللہ یہ سب چیزیں کل کے دن مسلمانوں کا مال غنیمت ہوں گی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے (تمام اہل لشکر کی طرف روئے سخن کر کے) فرمایا: آج کی رات ہماری نگہبانی کا ذمہ کون لیتا ہے؟ (ایک صحابی) حضرت انس ابن ابی مرقد غنویؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! تم اس پہاڑی راستہ سے جا کر اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ (اور وہاں سے دشمن پر نگاہ رکھو)"۔ پھر جب صبح ہوئی تو رسول کریم ﷺ نماز پڑھنے کی جگہ تشریف لائے (جو پہلے سے مقرر تھی) آپ ﷺ نے (فجر کی سنت کی) دو رکعتیں پڑھیں اور (اہل لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا کیا تمہیں اپنے سوار کی کچھ آہٹ ملی؟ (یعنی تم میں سے کسی نے اس کو آتے دیکھا ہے یا اس کی آواز کسی نے سنی ہے جس سے یہ پتہ چلے کہ وہ کس حال میں ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! نہیں (ہم میں سے کسی کو کوئی آہٹ و خبر نہیں ہے) اتنے میں نماز فجر کی تکبیر کہی گئی (اور نماز شروع ہوگئی) رسول کریم ﷺ (کے اضطراب کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ) نماز کے دوران بھی کن انکھیوں سے اسی پہاڑی راستہ کی طرف دیکھتے رہے یہاں تک کہ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا: خوش ہو جاؤ، تمہارا (وہ) سوار آرہا ہے (جو تمہاری نگہبانی کر رہا تھا۔) چنانچہ ہم لوگوں نے اس پہاڑی راستہ کے درختوں میں دیکھنا شروع کیا یہاں تک وہ سوار آتا ہوا دکھائی دیا اور پھر وہ آکر رسول کریم ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور بیان کیا کہ میں (یہاں سے) روانہ ہوا پہاڑی راستہ سے ہوتا ہوا (پہاڑ کی) اس چوٹی پر پہنچا، جہاں جانے کا رسول کریم ﷺ نے حکم دیا تھا (اور پوری رات اسی جگہ کھڑا ہوا نگہبانی کرتا رہا) پھر جب صبح ہوئی تو میں پہاڑ کے دونوں راستوں (اور اس کی ادھر ادھر کی گھاٹیوں) میں آیا (تاکہ اس بات کا اچھی طرح اندازہ لگا لوں کہ دشمن کے کچھ لوگ ادھر ادھر تو نہیں چھپے ہوئے ہیں، لیکن میں نے وہاں کسی کو نہیں دیکھا۔ رسول کریم ﷺ نے انسؓ ابن مرثد سے پوچھا کیا رات میں گھوڑے سے اترے تھے؟ انہوں نے کہا صرف نماز پڑھنے کے لئے یا استنجا کرنے کے لئے (ذرا سی دیر کے لئے) اترا تھا (ورنہ پوری رات گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا نگہبانی کرتا رہا) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا: پھر تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اس رات کے بعد کوئی عمل نہ کرو۔" (ابوداؤد)

تشریح: "بَكْرَة"۔ جوان اونٹ کو کہتے ہیں اور علٰی بَكْرَة ابیهم۔ (اپنے باپ کے اونٹ پر) دراصل عربوں کا ایک محاورہ ہے ان لوگوں کے حق میں استعمال ہوتا ہے جو کسی جگہ آئیں اور سب کے سب آجائیں ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہ جائے۔ یہ محاورہ یہاں سے چلا کہ کسی زمانہ میں ایک جگہ عربوں کی ایک جماعت کے لوگ کہیں جانے کے لئے تیار ہوئے چنانچہ جب انہوں نے کوچ کیا تو جس شخص کو جہاں بھی کوئی اونٹ کھڑا ہوا ملا اس نے اس کو پکڑا اور اس پر بیٹھ کر روانہ ہو گیا، اتفاق کی بات کہ وہ اونٹ خود ان لوگوں کی ذاتی ملکیت نہیں تھے بلکہ ان کے باپ کے تھے۔ جو ادھر ادھر چر رہے تھے اس طرح وہ تمام لوگ ان اونٹوں پر سوار ہو کر منزل مقصود کو روانہ ہو گئے ان میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں بچا جو ان اونٹوں میں سے کسی اونٹ پر بیٹھ کر روانہ نہ ہوا ہو، پس اس کے بعد یہ محاورہ ہو گیا کہ جب کسی جماعت یا قبیلے کے لوگ اجتماعی طور پر کہیں آتے تو ان کی اس اجتماعیت کو اہمیت کے ساتھ بیان کرنے کے لئے کہا جاتا کہ: جَاءُوْا عَلٰی بَكْرَةِ اَبِيْهِمْ۔ (وہ لوگ اپنے باپ کے اونٹوں پر آگئے)

اور قاضیؒ نے لکھا ہے کہ عَلٰی بَكْرَةِ اَبِيْهِمْ دراصل مع کے معنی میں ہے اور یہ جملہ ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتا ہے، اور یہ مثل یہاں سے چلی کہ ایک عرب خاندان کے کچھ لوگوں کے کسی حادثہ یا واقعہ کے پیش آجانے پر اپنی آبادی چھوڑنا پڑی، چنانچہ ان تمام لوگوں نے یہاں سے کوچ کیا، چونکہ وہ لوگ اپنے پیچھے کوئی چیز چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اس لئے ایک ایک چیز اپنے ساتھ لے لی، یہاں تک کہ اونٹ جو ان کے پاس تھا اس کو بھی اپنے ساتھ لے لیا اس پر کچھ لوگوں نے کہا جَاءُوْا عَلٰی بَكْرَةِ اَبِيْهِمْ۔ یہ لوگ (سب کچھ لے کر) آگئے یہاں تک کہ اپنے باپ کا اونٹ بھی لیتے آئے اس کے بعد سے یہ جملہ ایسے لوگوں کے حق میں ضرب المثل کے طور پر

استعمال ہونے لگا جو اپنے ساتھ اپنے تمام مال و اسباب اور تمام آدمیوں کو لے کر پہنچتے چاہے ان کے ساتھ اونٹ ہوتا یا نہ ہوتا اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ ایک شخص اپنی تمام اولاد کو اپنے اونٹ پر لئے پھرتا تھا، اس کو دیکھ کر کسی نے یہ جملہ کہا اور جب سے یہ ضرب المثل بن گیا۔"

"کہ اس رات کے بعد کوئی عمل نہ کرو" اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے اس سوار یعنی حضرت انس ؓ ابن مرثد کو بشارت دی کہ تمہارے لئے اللہ کے نزدیک آج کی رات ہی کافی ہے۔ تمہارے نامۂ اعمال میں اس رات کی خدمت کے عوض اتنا اجر و ثواب جمع ہو گیا ہے اور تمہیں اتنی فضیلت مل گئی ہے کہ اگر تم از قسم فضائل و نوافل اور کوئی عمل نہ بھی کرو، تو آخرت میں بلندی درجات کی طرف سے تمہیں کوئی فکر نہ ہونی چاہئے۔ پس اس جملہ میں یہاں "عمل" سے نوافل و حسنات مراد ہیں نہ کہ فرائض، کیونکہ فرائض تو کسی حال میں ساقط نہیں ہوتے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس ارشاد گرامی میں "عمل" سے "مراد "جہاد" ہے، مطلب یہ ہے کہ تم نے آج کی رات اللہ کی راہ میں ہماری نگہبانی کی ذمہ داری جس محنت و مشقت اور جان نثاری کے جذبہ سے نبھائی ہے، اس کے بعد اگر تم جہاد میں شریک نہ بھی ہو تو تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔"

کھجوروں میں برکت کا معجزہ

(۶۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِتَمَرَاتٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ فِیْهِنَّ بِالْبَرَکَةِ فَضَمَّهُنَّ ثُمَّ دَعَالِیْ فِیْهِنَّ بِالْبَرَکَةِ قَالَ خُذْهُنَّ فَاجْعَلْهُنَّ فِیْ مِزْوَدِكَ کُلَّمَا اَرَدْتَ اَنْ تَاْخُذَ مِنْهُ شَیْئًا فَاَدْخِلْ فِیْهِ یَدَكَ فَخُذْهُ وَلَا تَنْثُرْهُ نَثْرًا فَقَدْ حَمَلْتُ مِنْ ذٰلِكَ التَّمْرِ کَذَا وَکَذَا مِنْ وَسْقٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَکُنَّا نَاْکُلُ مِنْهُ وَنُطْعِمُ وَکَانَ لَا یُفَارِقُ حَقْوِیْ حَتّٰی کَانَ یَوْمُ قُتِلَ عُثْمَانَ فَاِنَّهُ اِنْقَطَعَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں رسول کریم ﷺ کے پاس (اکیس) ۲۱ کھجوریں لے کر آیا اور عرض کیا کہ یا رسول (ﷺ) خدا سے ان کھجوروں میں برکت کی دعا فرما دیجئے، آنحضرت ﷺ نے ان کھجوروں کو اپنے ہاتھ میں لیا (یا یہ کہ ان کھجوروں پر اپنا ہاتھ رکھا) اور پھر میرے لئے ان کھجوروں میں برکت کی (اور ان کھجوروں کے کھانے میں کثرت خیر کی اور ان کے باقی رہنے کی) دعا فرمائی اور اس کے بعد فرمایا کہ: لو اور ان کھجوروں کو اپنے توشہ دان میں رکھ لو، جب تم ان میں سے کچھ لینا چاہو تو توشہ دان میں اپنا ہاتھ ڈالو اور نکال لو اور اس توشہ دان کو جھاڑ پھونک کر کبھی خالی نہ کرنا "حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے (آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق ان کھجوروں کو ایک توشہ دان میں رکھ لیا اور پھر ان چند کھجوروں میں اتنی برکت دیکھی کہ اس توشہ دان سے نکال نکال کر) اتنے اتنے وسق تو کھجوریں خدا کی راہ میں خرچ کر دیں اور ہم (یعنی میرے دوست و احباب) ان کھجوروں میں سے کھاتے اور کھلاتے رہتے تھے، وہ توشہ دان میری کمر (پر بندھا رہتا تھا جہاں) سے کسی وقت الگ نہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کے شہید ہونے کے دن وہ توشہ دان میری کمر سے کھل کر گر پڑا (اور ضائع ہو گیا)۔" (ترمذی)

تشریح: روایت کے آخری الفاظ سے معلوم ہوا کہ جب معاشرہ میں فتنہ و فساد پھیل جاتا ہے اور لوگوں میں افتراق و انتشار بڑھ جاتا ہے تو خیر و برکت اٹھ جاتی ہے، ایک روایت میں منقول ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن حضرت ابوہریرہؓ اپنا درد و کرب اس شعر کی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔

للناس هم ولی الیوم همان بینهم هم الجراب وهم الشیخ عثمانا

(آج کے دن اور لوگوں کو تو ایک ہی غم کا سامنا ہے اور مجھ پر دو غم پڑے ہیں ایک غم تو توشہ دان کے ضائع ہونے کا اور ایک غم حضرت عثمان کی شہادت کا)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

شب ہجرت کا واقعہ اور غار ثور کے محفوظ ہونے کا معجزہ

(۶۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَشَاوَرَتْ قُرَيْشٌ لَيْلَةً بِمَكَّةَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا أَصْبَحَ فَأَثْبِتُوْهُ بِالْوَثَاقِ يُرِيْدُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلِ اقْتُلُوْهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ أَخْرِجُوْهُ فَأَطْلَعَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ذٰلِكَ فَبَاتَ عَلِيٌّ عَلَى فِرَاشِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى لَحِقَ بِالْغَارِ وَبَاتَ الْمُشْرِكُوْنَ يَحْرُسُوْنَ عَلِيًّا يَحْسَبُوْنَهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَصْبَحُوْا ثَارُوْا عَلَيْهِ فَلَمَّا رَأَوْا عَلِيًّا رَدَّ اللّٰهُ مَكْرَهُمْ فَقَالُوْا أَيْنَ صَاحِبُكَ هٰذَا قَالَ لَا أَدْرِيْ فَاقْتَصُّوْا أَثَرَهُ فَلَمَّا بَلَغُوا الْجَبَلَ اخْتَلَطَ عَلَيْهِمْ فَصَعِدُوا الْجَبَلَ فَمَرُّوْا بِالْغَارِ فَرَأَوْا عَلَى بَابِهِ نَسْجَ الْعَنْكَبُوْتِ فَقَالُوْا لَوْ دَخَلَ هٰهُنَا لَمْ يَكُنْ نَسْجُ الْعَنْكَبُوْتِ عَلَى بَابِهِ فَمَكَثَ فِيْهِ ثَلٰثَ لَيَالٍ۔ (رواه احمد)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قریش مکہ نے ایک روز رات کے وقت (دار الندوہ) میں اپنی مجلس مشاورت منعقد کی (جس میں ابلیس شیطان بھی ایک نجدی شیخ کی صورت میں شریک ہوا) چنانچہ بعض نے یہ مشورہ دیا کہ صبح ہوتے ہی اس شخص کی مشکیں کس لو (یعنی رسیوں سے باندھ کر قید میں ڈال دو) "اس شخص" سے ان کی مراد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی تھی، بعض نے یہ رائے دی کہ (نہیں بلکہ اس کو قتل کر ڈالو اور بعض نے (حقارت کے ساتھ) یہ کہا کہ اس کو اپنی سرزمین سے نکال کر باہر کرو یعنی جلا وطن کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ) اپنے نبی ﷺ کو (قریش مکہ کے مشورہ و فیصلہ سے) آگاہ کر دیا (اور حکم دیا کہ آپ (ﷺ) آج کی رات اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو سلا دیں اور ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر بارادۂ ہجرت مکہ سے روانہ ہو جائیں چنانچہ اس رات میں حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ کے بستر پر سوئے اور نبی کریم ﷺ (حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر) مکہ سے نکلے اور غار ثور میں جا چھپے۔ ادھر قریش مکہ نے یہ سمجھ کر پوری رات حضرت علیؓ کی نگرانی میں گزار دی کہ وہ نبی کریم ﷺ ہیں (یعنی گھر کے اندر آنحضرت ﷺ کے بستر پر تو حضرت علیؓ سوئے ہوئے تھے اور قریش مکہ آنحضرت ﷺ کو سویا ہوا سمجھ کر پوری رات گھر کی نگرانی کرتے رہے) یہاں تک کہ جب صبح ہوئی تو انہوں نے (یعنی قریش مکہ نے) اس (بستر) پر (کہ جہاں حضرت علیؓ سوئے ہوئے تھے، آنحضرت ﷺ کا گمان کر کے) دھاوا بول دیا لیکن جب انہوں نے (آنحضرت ﷺ کے بجائے) حضرت علیؓ کو دیکھا اور اللہ نے ان کی بدخواہی کو انہی پر لٹا دیا تو (وہ بڑے سٹپٹائے اور) حضرت علیؓ سے پوچھنے لگے کہ تمہارا یہ دوست (جس کا یہ بستر ہے یعنی محمد ﷺ) کہاں گیا؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ مجھ کو نہیں معلوم۔ قریش مکہ (صورت حال سمجھ کر فوراً حرکت میں آگئے اور آپ ﷺ کو ڈھونڈھ کر پکڑ لانے کے لئے) آپ ﷺ کے قدموں کے نشان پر آپ ﷺ کے تعاقب میں نکل پڑے، یہاں تک کہ وہ لوگ جبل ثور تک پہنچ گئے مگر وہاں قدموں کے نشان مشتبہ ہو گئے تھے (جس کی وجہ سے ان کو آگے رہنمائی نہیں مل سکی) پھر وہ پہاڑ کے اوپر گئے اور ادھر ادھر ٹوہ لگاتے ہوئے) غار کے منہ پر پہنچ گئے (ان کا گمان تھا کہ آنحضرت ﷺ اس غار میں چھپے ہوں گے) لیکن انہوں نے غار کے منہ پر مکڑی کا جالا دیکھا تو کہنے لگے کہ اگر محمد (ﷺ) اس غار میں داخل ہوئے ہوتے تو اس کے منہ پر مکڑی کا جالا نہ ہوتا (اس طرح وہ لوگ وہاں سے مایوس ہو کر واپس ہو گئے) اور آنحضرت ﷺ تین رات دن اسی غار میں چھپے رہے۔" (احمدؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ جب مشرکین مکہ کو یہ معلوم ہوا کہ محمد (ﷺ) کی دعوت اسلام مدینہ تک پہنچ گئی ہے اور وہاں کے متعدد بااثر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں تو انہیں سخت تشویش ہوئی، اس مسئلہ پر غور و فکر اور آنحضرت کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے کے لئے ان کے سارے بڑے بڑے سردار اور زعماء دار الندوہ میں جمع ہوئے، عین اس وقت جب

کہ ان سرداروں کی مشاورتی مجلس شروع ہونے والی تھی ابلیس ایک بوڑھے اور تجربہ کار ظاہر ہونے والے شخص کی صورت میں اس مشاورتی مجلس میں پہنچا اور بولا کہ میں نجد سے آیا ہوں، جب مجھے تم لوگوں کے اس اجتماع کا علم ہوا تو میری خواہش ہوئی کہ میں بھی تمہارے اس اجتماع میں شریک ہو کر کوئی مناسب اور کارگر رائے پیش کروں بلاشبہ عقل و دانائی اور خیر خواہی میں تم میں سے کوئی شخص مجھ سے بڑھا ہوا نہیں ہے۔ حاضرین مجلس ابلیس کی اس بات سے بہت متاثر ہوئے اور اس کو عزت و احترام کے ساتھ اپنے درمیان جگہ دی۔ اس کے بعد اس مشاورتی کمیٹی کی کارروائی کا آغاز ہوا اور مختلف لوگوں کی طرف سے اظہار خیال و آراء کا سلسلہ شروع ہو گیا، ابوالبختری نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ اس شخص (محمد ﷺ) کو قید کر کے کسی ایسی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کر دو جس میں آمد و رفت کا کوئی ذریعہ اور کوئی دروازہ و در کھلا نہ رہ جائے، صرف ایک ایسا بڑا سوراخ باقی رکھا جائے، جس میں سے اس کے کھانے پینے کی چیزیں ڈال دی جایا کریں، اور اس کو اس کوٹھڑی میں اس وقت تک محبوس رکھنا چاہئے جب تک کہ وہ اس میں پڑا پڑا مر نہ جائے۔ یہ سن کر اس شیخ نجدی (کی صورت میں ابلیس) نے کہا یہ رائے نہایت غیر موزوں ہے، کیونکہ جب تم اس کو قید کرو گے تو اس کے خاندان کے لوگ اس کے عزیز و اقارب تم پر دھاوا بول دیں گے اور جنگ و جدل کے ذریعہ تمہاری قید سے اس کو آزاد کرا کے لے جائیں گے۔ پھر ہشام ابن عمرو نے یہ رائے دی کہ اس شخص کو اچھی طرح ذلیل و رسوا کر کے ایک اونٹ پر سوار کرا دو اور اپنی سرزمین سے باہر نکال دو، وہ یہاں جلاوطن ہو کر جہاں کہیں جائے گا اور وہاں اپنے نئے دین کی اشاعت میں جو کچھ کرے گا اس سے کم از کم تم لوگ تو محفوظ رہو گے۔ ابلیس نے اس رائے کی بھی مخالفت کی اور کہا کہ اس طرح تو اس شخص کو کھیل کھیلنے کا خوب موقع مل جائے گا اور یہاں سے کہیں اور جا کر اپنی مظلومیت کے قصے سنائے گا اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گا، اگرچہ یہاں کے لوگ اس کی دعوت سے محفوظ رہیں گے مگر وہ دوسری جگہ کے لوگوں کو اپنا ہمنوا اور ہمدرد بنالے گا اور پھر ان لوگوں کی مدد سے طاقت پا کر تم پر حملہ آور ہو جائے گا آخر میں لعین ابوجہل بولا اور اس نے رائے دی کہ تم لوگ ہر قبیلہ و خاندان میں سے ایک ایک نوجوان منتخب کر لو اور ان سب کو تلواریں دے کر کہو کہ وہ سب ایک ساتھ اس شخص پر اپنی تلواروں سے حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیں، اس طرح اس کا خون تمام قبیلوں اور خاندانوں میں پھیل جائے گا یعنی اس کے قتل کا کوئی ایک قبیلہ و خاندان ذمہ دار ہونے کے بجائے اجتماعی جنگ کرنے اور اس شخص کے خون کا قصاص لینے سے عاجز ہوں گے۔ اور مجبوراً دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہو جائیں گے...... جب وہ دیت طلب کریں گے تو ہم سب مل کر ان کو دیت دے دیں گے اور قصہ تمام ہو جائے گا۔ ابلیس نے اس رائے کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ اس جوان نے بالکل صحیح بات کہی پھر تو سب لوگ ہی ابوجہل کی رائے پر متفق ہو گئے اور یہی طے پایا کہ آج رات بھر محمد (ﷺ) کے گھر کا محاصرہ رکھا جائے اور صبح ہوتے ہی ان پر حملہ کر کے قصہ تمام کر دیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیج کر قریش کی اس سازشی کارروائی سے آنحضرت ﷺ کو آگاہ کر دیا کہ آپ ﷺ اپنے بستر پر علیؓ کو سلا کر ابوبکرؓ کے ساتھ ہجرت کے ارادہ سے رات ہی میں مکہ سے نکل جائیں، قرآن کریم کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ۔

"اور جب (مکہ کے) کافر آپ (ﷺ) کے بارہ میں یہ سازش کر رہے تھے کہ آپ ﷺ کو قید میں ڈال دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ ﷺ کو جلاوطن کر ڈالیں۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو سلا دیا اور خود حضرت ابوبکرؓ کو لے کر راتوں رات مکہ سے نکل کر جبل ثور کے ایک غار میں جا چھپے اس وقت جب کہ قریش مکہ کی ایک خونخوار جماعت آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھی، آپ ﷺ کا گھر سے باہر نکلنا اور ان کافروں کا آپ ﷺ کو گھر سے نکلتے ہوئے دیکھنا، پھر ان سے آپ ﷺ کا گفتگو کرنا اور ان کی نظروں کے سامنے سے گزرتے ہوئے صاف بچ کر نکل جانا ایک حیرت انگیز قصہ اور زبردست معجزہ تھا جس کی تفصیل تاریخ سیر کی کتابوں میں مذکور ہے۔

بہر حال قریش مکہ اپنے اس گمان کے مطابق کہ محمد ﷺ گھر کے اندر سوئے ہوئے ہیں رات بھر آپ ﷺ کے گھر کی نگرانی کرتے رہے ان کا منصوبہ تھا کہ پوری رات آپ ﷺ کی نگرانی رکھنے کے بعد صبح سویرے گھر میں گھس پڑیں گے اور آپ ﷺ کا کام تمام کر دیں گے حالانکہ گھر کے اندر تو حضرت علی سوئے ہوئے تھے اور آنحضرت ﷺ ان کی نظروں کے سامنے سے باہر نکل گئے تھے، چنانچہ صبح ہوتے ہی جب انہوں نے گھر کے اندر دھاوا بول دیا تو وہاں حضرت علیؓ کو دیکھ کر سخت حیران ہوئے اور فوراً آپ ﷺ کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے وہ آپ ﷺ کے قدموں کے نشان دیکھ دیکھ کر جبل ثور تک پہنچ گئے اور پھر اس غار کے منہ پر بھی جا پہنچے، جہاں آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ چھپے ہوئے تھے، اس جگہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کا معجزہ ظاہر ہوا جس غار کے اندر آپ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ چھپے ہوئے تھے اس کا منہ صرف ایک بالشت چوڑا اور ایک ہاتھ لمبا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی وقت دو کبوتر بھیج دئے جنہوں نے غار کے منہ کے نیچے کی جانب انڈے دیئے اور قدرت کے حکم سے ایک مکڑی نے آکر جھبی غار کے منہ پر جالا تن دیا، ایسی صورت میں قریش مکہ کے ان گماشتوں کو، جو آنحضرت ﷺ کے تعاقب میں غار تک پہنچ گئے تھے، یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس غار کے اندر دو انسان چھپے ہوئے ہیں، لہٰذا وہ اس جگہ سے مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ ایک روایت میں تو یہ بھی آیا ہے کہ قریش مکہ کے وہ گماشتے غار کے منہ کے قریب ایسی جگہ پر پہنچ گئے تھے کہ اگر ان کی نظر اپنے پیروں کی طرف چلی جاتی تو بڑی آسانی سے وہ لوگ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کو غار کے اندر دیکھ لیتے، حضرت ابوبکرؓ غار کے اندر سے ان لوگوں کو اپنے سر پر کھڑا دیکھ ہی رہے تھے، انہیں آنحضرت ﷺ کے تئیں سخت تشویش ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت سے اپنے خوف کا اظہار کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان دو آدمیوں کے بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ تعالیٰ ہے (یعنی ہم دونوں یہاں بے یار و مددگار نہیں ہیں بلکہ ایک تیسری ذات یعنی اللہ تعالیٰ بھی ہمارے ساتھ ہے جو یقیناً ہم دونوں کی حفاظت کرے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو اس طرح بے بصر کر دیا کہ وہ غار کے چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھتے تھے لیکن غار کے اندر آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ نہیں پائے۔

تفسیر بحر العلوم میں اس آیت اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ کے تحت لکھا ہے "کہ اس آیت میں صاحب (ساتھی) سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں، جو ہجرت کی رات میں اس موقع پر جب کہ کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا تھا، آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ سے نکلے تھے اور دونوں غار ثور میں جا کر چھپ گئے تھے اس غار میں ابوبکرؓ نے جب دیکھا کہ کفار مکہ غار کے منہ تک آپہنچے ہیں تو آنحضرت ﷺ سے کہا کہ اگر ان کفار میں سے کسی نے بھی اپنے پیروں کی طرف دیکھا تو اس کی نظر یقیناً ہم تک پہنچ جائے گی، اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ (فکر و تشویش کی کوئی بات نہیں ہے (اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے) نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر! ان دو آدمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہیں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی صحابیت کا منکر، نص قرآن کے انکار کے سبب، "کافر" ہے جب کہ دوسرے صحابہ کی صحابیت کا منکر کافر نہیں بلکہ مبتدع ہے۔

واقعہ ہجرت کے سلسلہ میں جو روایت حضرت عائشہؓ سے منقول ہے اس میں انہوں نے یوں بیان کیا ہے کہ: میرے والدین اپنے زمانہ عقل و بلوغ کی ابتداء ہی سے دیندار تھے، اور کوئی دن ایسا نہیں گزرا تھا کہ آنحضرت ﷺ ہمارے ہاں صبح و شام نہ آتے ہوں، جب مسلمانوں پر کفار مکہ کا ظلم و ستم اپنے عروج کو پہنچ گیا تو آنحضرت ﷺ نے (ایک دن) میرے والد حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ تمہارا دار الہجرت مجھے دکھایا گیا ہے، وہ دو سنگستانوں کے درمیان کھجوروں کے باغات والی ایک بستی ہے اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے حکم سے مسلمانوں کا مدینہ کو ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے والے مسلمان بھی مدینہ آگئے اسی بناء پر حضرت ابوبکرؓ نے بھی مدینہ کو ہجرت کی تیاری شروع کی لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ! تم ابھی توقف کرو، میں امید رکھتا ہوں کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت ملنے والی ہے اس دن سے حضرت ابوبکرؓ کا یہ حال ہو گیا کہ وہ ہر وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے کسی

موقع پر بھی آپ ﷺ سے جدا نہیں ہوتے تھے، علاوہ ازیں انہوں نے پہلے ہی سے دو اونٹ مہیا کر لئے تھے جو کسی بھی وقت روانگی کی تیاری کے ساتھ چار مہینے تک گھر میں بندھے کھڑے رہے تا آنکہ ایک دن ٹھیک دوپہر میں آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو ہجرت کی اجازت مل گئی ہے، حضرت ابوبکرؓ نے ایک اونٹ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، عائشہؓ اور اسماءؓ نے زاد راہ تیار کیا، اور پھر اسی دن جو ربیع الاول ۱۴ نبوی کی پہلی تاریخ تھی اور پنجشنبہ کا دن تھا، رات کے وقت آپ ﷺ (اپنے مکان سے نکل کر) حضرت ابوبکرؓ کے گھر آئے اور وہاں سے یہ دونوں روانہ ہو کر جبل ثور کے ایک غار میں جا چھپے، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسی رات میں اس غار کے منہ پر کیکر کا درخت اگ آیا، جنگلی کبوتر نے غار کے منہ پر گھونسلہ بنا کر انڈے دیئے اور مکڑی نے جالا تن دیا، کفار مکہ جب اس غار کے قریب پہنچے تو اس کے حصہ پر ایسی علامتیں دیکھ کر جو غار کے اندر کسی شخص کی موجودگی کی نفی کرتی تھیں محروم و مایوس واپس لوٹ گئے۔

نیز جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ رات کی تاریکی میں مکہ سے روانہ ہوئے تو پورے راستہ حضرت ابوبکرؓ کبھی آنحضرت ﷺ کے آگے چلتے تھے، اور کبھی پیچھے ہو جاتے تھے اور اس کا مقصد اس بات کی نگرانی رکھنا تھا کہ کوئی کافر آگے سے یا پیچھے سے آکر اچانک دھاوا نہ بول دے، پھر جب غار کے قریب پہنچے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو باہر کھڑا کیا اور پہلے خود غار کے اندر جا کر اس کو صاف کیا اور پھر آنحضرت ﷺ کو غار کے اندر لے گئے، یہ دونوں تین راتیں اسی غار میں چھپے رہے انہوں نے اپنے دونوں اونٹ بنی الدئل کے ایک شخص کے حوالہ کر کے اس کو اس بات پر تیار کر لیا تھا کہ وہ تین راتیں گزرنے پر ان اونٹوں کو لے کر غار کے قریب موجود رہے، نیز اس کو معقول معاوضہ دیا گیا اور اس کام کے لئے بھی آمادہ کر لیا تھا کہ وہ مدینہ تک رہبری کے فرائض انجام دے، غار ثور میں قیام کے دوران تینوں راتوں میں حضرت عبداللہ ابن ابوبکرؓ کفار مکہ کے تمام حالات اور دن بھر کی تمام کارروائیوں سے رات کے وقت آکر مطلع کرتے رہے، پھر تین راتوں کے بعد یہ دونوں حضرات اپنے اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور اس رہبر کو ساتھ لے کر عام راستہ کے بجائے ساحل سمندر کے ساتھ والے راستہ کے ذریعہ مدینہ کو روانہ ہوئے، جب بنی مدلج کے علاقوں میں پہنچے تو پیچھے سے سراقہ ابن مالک آپہنچا جو قریش مکہ کی طرف سے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لانے کے عوض بھاری انعام کے لالچ میں ان دونوں کا تعاقب کر رہا تھا، جب وہ ان دونوں کے قریب پہنچا تو اچانک اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ زمین پر گر پڑا، اور پھر اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور اتنا قریب پہنچ گیا کہ آنحضرت ﷺ کی گفتگو اس کو سنائی دینے لگی اور عین اس وقت کہ وہ دھاوا بولنا چاہتا تھا اس کے گھوڑے کے دونوں پاؤں زانوں تک زمین میں دھنس گئے اور سراقہ الٹے منہ زمین پر گر پڑا اب اس کو تنبہ ہوا اور وہ گڑگڑا کر امان کی دہائی دینے لگا، آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اس کی آواز سن کر کھڑے ہو گئے سراقہ نے ان دونوں کی خدمت میں کچھ زاد راہ پیش کرنا چاہا لیکن آنحضرت ﷺ نے قبول نہیں فرمایا البتہ اس کو معاف کرتے ہوئے یہ حکم دیا کہ ہمارے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتانا، چنانچہ سراقہ وہاں سے واپس لوٹا اور راستہ میں جو بھی کافر" آنحضرت ﷺ کے تعاقب میں آتا ہوا ملتا اس کو تدبیروں سے واپس کر دیتا تھا، اس طرح آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ بحفاظت تمام مدینہ پہنچ گئے۔

خیبر کے یہودیوں کے متعلق معجزہ

(۶۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَمَّا فُتِحَتْ خَیْبَرُ اُهْدِیَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَاةٌ فِیْهَا سَمٌّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اجْمَعُوْا لِیْ مَنْ کَانَ هٰهُنَا مِنَ الْیَهُوْدِ فَجَمَعُوْا لَهٗ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ سَائِلُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَهَلْ اَنْتُمْ مُصَدِّقِیَّ عَنْهُ قَالُوْا نَعَمْ یَا اَبَا الْقَاسِمِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَبُوْکُمْ قَالُوْا فُلَانٌ قَالَ کَذَبْتُمْ بَلْ اَبُوْکُمْ فُلَانٌ قَالُوْا صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ قَالَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُصَدِّقِیَّ عَنْ شَیْءٍ اِنْ سَاَلْتُکُمْ عَنْهُ قَالُوْا نَعَمْ یَا اَبَا الْقَاسِمِ وَاِنْ کَذَبْنَاکَ عَرَفْتَ کَمَا عَرَفْتَهٗ فِیْ اَبِیْنَا فَقَالَ لَهُمْ مَنْ اَهْلُ النَّارِ قَالُوْا نَکُوْنُ فِیْهَا یَسِیْرًا ثُمَّ

تَخلُفُونَا فِيهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اَخسَئُوْا فِيهَا وَاللّٰهِ لاَ نَخلُفُكُمْ فِيهَا اَبَدًا ثُمَّ قَالَ هَلْ اَنتُمْ مُصَدِّقِيَّ عَنْ شَيْءٍ اِنْ سَاَلْتُكُمْ عَنْهُ فَقَالُوْا نَعَمْ يَا اَبَا الْقَاسِمِ قَالَ هَلْ جَعَلْتُمْ فِي هٰذِهِ الشَّاةِ سَمًّا قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَمَا حَمَلَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ قَالُوْا اَرَدْنَا اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا اَنْ نَسْتَرِيحَ مِنْكَ وَاِنْ كُنْتَ صَادِقًا لَمْ يَضُرُّكَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہوگیا تو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک بھنی ہوئی بکری بطور ہدیہ پیش کی گئی جس میں زہر ملا ہوا تھا، رسول کریم ﷺ نے حکم دیا کہ اس جگہ (خیبر میں) جتنے یہودی ہوں سب کو میرے پاس لایا جائے، چنانچہ تمام یہودیوں کو جمع کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، رسول کریم ﷺ نے ان (یہودیوں) سے فرمایا: کیا میں تم سے ایک بات پوچھ سکتا ہوں (اور یہ کہ اگر تم نے میرے سوال کا جواب غلط دیا اور میں نے اس کی تردید کی تو) تم میری اس بات کو باور کرو گے؟ یہودیوں نے کہا: ہاں ابوالقاسم (ہم آپ ﷺ کے سوال کا جواب دیں گے اور اگر آپ ﷺ نے ہمارے جواب کی صحیح تردید کی تو ہم اس کو باور کریں گے) پس رسول کریم ﷺ نے ان سے سوال کیا کہ تمہارا باپ (یعنی تمہارا جد اعلی جس کو "قبیلہ کا باپ" کہا جاتا ہے) کون ہے؟ یہودیوں نے (آنحضرت ﷺ کو پرکھنے کے لئے اپنے جد اعلیٰ کا صحیح نام نہیں بتایا بلکہ غلط طور پر کوئی اور نام لے کر) کہا کہ فلاں شخص ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، تم غلط کہتے ہو، تمہارا باپ تو فلاں شخص ہے۔ یہودیوں نے کہا: آپ (ﷺ) نے سچ فرمایا اور بجا فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر میں تم سے سوال کوئی اور کروں (اور تمہارے غلط جواب کی تردید کرتے ہوئے صحیح بات بتاؤں) تو کیا تم میری اس بات کو باور کر لوگے؟ یہودیوں نے کہا ہاں اے ابوالقاسم! اگر ہم جھوٹ بولیں گے تو آپ ﷺ کو ہمارا جھوٹ معلوم ہو جائے گا، جیسا کہ آپ ﷺ کو ہمارے باپ کے بارے میں (ہمارا غلط جواب) معلوم ہوگیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: (تو پھر بتاؤ) دوزخی کون ہے؟ (یہودیوں نے جواب دیا: کچھ دن تو ہم لوگ رہیں گے اور پھر جب ہم دوزخ سے باہر آئیں گے تو) ہمارے جانشین تم لوگ ہوں گے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ارے کم بختو، پرے رہو دوزخ کے بارے میں (اتنی جھوٹ بات مت کہو) خدا کی قسم ہم دوزخ میں کبھی بھی تمہارے جانشین نہ ہوں گے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر میں تم سے کوئی اور سوال کروں۔ (اور تمہارے غلط جواب کی تردید کرتے ہوئے صحیح بات بتاؤں) تو کیا تم میری اس بات کو باور کر لوگے؟ یہودیوں نے کہا کہ ہاں اے ابوالقاسم! آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا (اچھا بتاؤ) کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! آپ ﷺ نے پوچھا **تمہیں کس چیز نے اس ذلیل حرکت پر اکسایا ہے؟ انہوں نے کہا دراصل ہم نے سوچا تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ نبوت جھوٹا ہے** تو (یہ زہر آپ (ﷺ) کی ہلاکت کا سبب بن جائے گا اور) ہم کو آپ (ﷺ) سے نجات اور راحت مل جائے گی اور اگر آپ (ﷺ) اپنے دعوی میں سچے ہیں تو یہ (زہر) آپ (ﷺ) کو کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا۔" (بخاری)

تشریح: "ہاں اے ابوالقاسم" آپ ﷺ کو مخاطب کرنے کا یہ یہودیوں کا خاص اسلوب تھا، وہ بدنصیب آپ ﷺ کو "محمد ﷺ" کہہ کر مخاطب نہیں کرتے تھے، کیونکہ یہ مبارک نام تورات اور انجیل میں مذکور اور مشہور تھا اور جو آپ ﷺ کے دعوی نبوت کی واضح دلیل تھا لہٰذا تعصب اور مخاصمت کی بناء پر انہیں گوارا نہیں ہوتا تھا کہ وہ اپنی زبان سے اس نام کا اظہار کریں جو خود ان کی آسمانی کتابوں کی رو سے پیغمبر آخر الزمانؐ کی صداقت کی علامت تھا۔

"پھر ہمارے جانشین تم لوگ ہوگے" یہودی مسلمانوں سے یہی کہا کرتے کہ جنت کے اصل مستحق ہم ہی ہیں، اگر ہم اپنی کسی بدعملی کی وجہ سے دوزخ میں داخل بھی ہوگئے تو وہ چند دنوں کی سزا ہوگی، جب ہم اپنی سزا کی وہ مدت پوری کر کے دوزخ سے نکالے جائیں گے تو پھر تم مسلمانوں کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، جہاں تم لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہو گے ان کی اس بات کو قرآن کریم نے بھی یوں نقل کیا ہے:

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ۔

"(یہودی یوں کہتے ہیں کہ) ہم کو صرف گنتی کے تھوڑے دنوں تک دوزخ کی آگ لگے گی۔"

یہ گویا ان یہودیوں کا عقیدہ تھا جو حقیقت کے اعتبار سے اعتقاد باطل اور زعم فاسد سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا تاہم وہ اپنے اعتقاد کے مطابق جس بات کو صحیح سمجھتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے سوال کا جو جواب ان کے نزدیک صحیح تھا وہی انہوں نے بیان کیا۔"

"تو یہ زہر آپ ﷺ کو کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا" یہودیوں کے اس جواب کا مطلب یہ تھا کہ میں نے تو محض امتحان و آزمائش کے جذبہ سے بکری میں زہر ملا دیا تھا کہ اگر آپ (ﷺ) اپنی نبوت کے دعویٰ میں جھوٹے ہوں گے تو اس زہر آلود بکری کا گوشت کھا کر ہلاک ہو جائیں گے اور اس صورت میں ہمیں آپ (ﷺ) سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ ﷺ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہوں گے تو یہ زہر آپ (ﷺ) پر اثر انداز نہیں ہوگا اس صورت میں ہم آپ (ﷺ) کو نبی تسلیم کرلیں گے۔ یہ تو یہودیوں کی بات تھی اور وہ اپنے اس قول میں کہاں تک سچے تھے اس کا اندازہ تو اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب زہر نے آنحضرت ﷺ پر کوئی اثر نہیں کیا تو اس کے اپنے کہنے کے مطابق آنحضرت ﷺ کا نبی ہونا سچ ثابت ہو گیا تھا لیکن وہ لوگ نہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور نہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی سے باز آئے۔

قیامت تک پیش آنے والے تمام اہم وقائع اور حوادث کی خبر دینے کا معجزہ

(۶۷) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ اَخْطَبَ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الْفَجْرَ وَصَعِدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الظُّهْرُ فَنَزَلَ فَصَلّٰى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمرو بن اخطب انصاری کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر چڑھ کر ہمارے سامنے (وعظ) ارشاد فرمایا جس کا سلسلہ ظہر کے وقت تک جاری رہا، پھر منبر سے اتر کر آپ ﷺ نے (ظہر کی) نماز پڑھائی اور پھر منبر پر چڑھ کر وعظ ارشاد فرمانے لگے یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا، پھر منبر سے اتر کر آپ ﷺ نے (عصر کی) نماز پڑھائی اور پھر منبر پر چڑھ کر وعظ ارشاد فرمانے لگے اور وعظ کا یہ سلسلہ غروب آفتاب پر جا کر ختم ہو گیا (گویا پورا دن وعظ ہی میں گزر گیا) اور (اس وعظ کے دوران) آپ ﷺ نے ان تمام باتوں سے ہمیں مطلع کیا جو قیامت تک پیش آنے والی ہیں! یہ روایت بیان کرنے کے بعد (حضرت عمرو ابن اخطب نے کہا: (آج) ہمارے درمیان ان تمام باتوں کو سب سے زیادہ یاد رکھنے والا وہ شخص ہے جو آج کل ہم میں دانا تر ہے۔" (مسلم)

تشریح: حضرت عمرو بن اخطبؓ، جو ایک انصاری صحابی ہیں، اپنی کنیت ابوزید اعرج کے ساتھ زیادہ مشہور تھے آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزووں میں شریک رہا کرتے تھے۔ منقول ہے کہ ان کو تیرہ غزووں میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، ایک دن آنحضرت ﷺ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیر کر خوبصورتی کی دعا فرمائی تھی، اس کی برکت ان کو اس طرح حاصل ہوئی، کہ سو سال اوپر ان کی عمر ہوئی اور آخر تک چہرہ گلاب کی طرح تر و تازہ رہا سر اور ڈاڑھی کے بال بھی بس چند ہی سفید ہوئے تھے۔

جنات کی آمد کی اطلاع درخت کے ذریعہ

(۶۸) وَعَنْ مَعْنِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ سَمِعْتُ اَبِيْ قَالَ سَاَلْتُ مَسْرُوْقًا مَنْ اٰذَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِنِّ لَيْلَةَ اسْتَمَعُوا الْقُرْاٰنَ فَقَالَ حَدَّثَنِيْ اَبُوْكَ يَعْنِيْ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ اَنَّهُ قَالَ اٰذَنَتْ بِهِمْ شَجَرَةٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت معن ابن عبدالرحمٰن تابعی (جو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے پوتے ہیں) کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (حضرت عبدالرحمٰن) سے سنا وہ فرماتے تھے کہ جب میں نے (جلیل القدر تابعی) حضرت مسروقؒ سے پوچھا کہ اس رات میں، جب کہ جنات نے قرآن مجید سنا، ان (جنات) کی آمد کی اطلاع نبی کریم ﷺ کو کس نے دی تھی؟ تو حضرت مسروقؒ نے کہا کہ مجھ سے تمہارے والد یعنی حضرت عبداللہ ابن

مسعودؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کو جنات کے آنے کی خبر ایک درخت نے دی تھی۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: یعنی بطور معجزہ ایک درخت نے اطلاع دی کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! جنات ایمان لانے اور قرآن سننے کے لئے آئے ہیں چنانچہ نبی کریم ﷺ آبادی سے باہر تشریف لے گئے اور ایک جگہ پہنچ کر جنات کو دیکھا اور ان کے سامنے قرآن کریم پڑھا۔

جنگ سے پہلے ہی مقتول کافروں کے نام ان کی لاشیں گرنے کی جگہوں کی نشاندہی کا معجزہ

(٦٩) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ عُمَرَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَتَرَاءَيْنَا الْهِلَالَ وَكُنْتُ رَجُلًا حَدِيْدَ الْبَصَرِ فَرَاَيْتُهُ وَلَيْسَ اَحَدٌ يَزْعَمُ اَنَّهُ رَاٰهُ غَيْرِي فَجَعَلْتُ اَقُوْلُ لِعُمَرَ اَمَا تَرَاهُ فَجَعَلَ لَا يَرَاهُ قَالَ يَقُوْلُ عُمَرُ سَاَرَاهُ وَاَنَا مُسْتَلْقٍ عَلٰى فِرَاشٍ ثُمَّ اَنْشَاَ يُحَدِّثُنَا عَنْ اَهْلِ بَدْرٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرِيْنَا مَصَارِعَ اَهْلِ بَدْرٍ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ وَهٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا اِنْشَآءَ اللّٰهُ قَالَ عُمَرُ وَالَّذِيْ بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا اَخْطَؤُا الْحُدُوْدَ الَّتِيْ حَدَّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فَجُعِلُوْا فِيْ بِئْرٍ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَنْتَهٰى اِلَيْهِمْ فَقَالَ يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ حَقًّا فَاِنِّيْ قَدْ وَجَدْتُ مَا وَعَدَنِيَ اللّٰهُ حَقًّا فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تُكَلِّمُ اَجْسَادًا لَا اَرْوَاحَ فِيْهَا فَقَالَ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ غَيْرَ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ يَرُدُّوْا عَلَيَّ شَيْئًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک سفر کے موقع پر) ہم لوگ حضرت عمر ابن خطابؓ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان (ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے) کہ وہاں) ہم نے نئے مہینے کا چاند دیکھنے کی کوشش کی، میں چونکہ ایک تیز نظر شخص تھا اس لئے میں نے چاند کو دیکھ لیا میرے علاوہ اور کوئی شخص نہیں تھا جس نے یہ کہا ہو کہ اس نے چاند دیکھا ہے میں عمرؓ کو چاند دکھانے کی کوشش کرتے ہوئے ان سے کہتا تھا کہ کیا آپ کو چاند نظر نہیں آرہا ہے (دیکھئے وہ کیا ہے) لیکن وہ چاند کو دیکھ نہیں پار ہے تھے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (جب میرے بار بار دکھانے پر بھی حضرت عمرؓ کو چاند نظر نہیں آسکا تو) انہوں نے کہا: بس رہنے دو) میں تو عنقریب اپنے بستر پر لیٹا ہوا اس چاند کو دیکھ لوں گا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ہمارے سامنے (کافروں میں سے ان) اہل بدر کا ذکر شروع کر دیا، جو جنگ بدر میں مارے گئے تھے) اور بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ سے ایک دن پہلے ہی مارے جانے والے مشرکوں کے مقتول ہونے کی جگہ ہمیں بتادی تھیں چنانچہ آپ (ایک ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے) فرماتے تھے کہ (دیکھو) یہ وہ جگہ ہے) جہاں کل انشاء اللہ فلاں مشرک مارا جائے گا اور یہ وہ جگہ ہے جہاں انشاء اللہ فلاں مشرک مرا ہوا پڑا ہو گا (گویا کہ آپ نے اہل اسلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے مشرکوں کے نام لے لے کر ان کی نشاندہی کر دی تھی بلکہ ان میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ جگہیں تک متعین کر کے بیان کر دی تھیں جہاں ان مشرکوں کی لاشیں پڑنے والی تھیں، پھر حضرت عمرؓ نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا، رسول کریم ﷺ نے جو جگہیں متعین کر کے بیان کی تھیں قتل ہونے والے مشرک ان سے ذرا بھی ادھر ادھر نہیں ہوئے (یعنی آپ ﷺ نے جس مشرک کے بارے میں جو جگہ متعین کر کے بتائی تھی وہ قتل ہو کر ٹھیک اسی جگہ گرا) پھر جب ان مشرکوں کی لاشوں کو ایک کے اوپر ایک کر کے (اس) کنوئیں میں ڈال دیا گیا (جو پانی لینے کے کام نہیں آتا تھا، تو رسول کریم ﷺ چل کر کنوئیں پر آئے اور ان (مشرکوں) کے نام لے لے کر (ان) کو مخاطب کیا اور فرمایا! اے فلاں ابن فلاں اور اے فلاں ابن فلاں: کیا تم نے اس چیز کو حق اور درست پایا جس کا تم سے اللہ نے اور رسول نے وعدہ کیا تھا؟ میں نے تو اس چیز کو حق اور درست پایا جس کا مجھ سے میرے اللہ نے وعدہ فرمایا تھا۔ عمرؓ نے (یہ بھی بیان کیا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو ان مشرکوں کی لاشوں سے اس طرح مخاطب دیکھ کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ایسے جسموں سے کس طرح مخاطب ہیں جو روحوں سے خالی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو ہاں وہ جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے (مطلب یہ کہ

میری یہ بات جس طرح تم نے سنی ہے اس طرح ان سب نے بھی سنی ہے بس فرق یہ ہے کہ جواب دینے کی قدرت ان کو حاصل نہیں ہے۔" (مسلم)

تشریح: "میں تو عنقریب اپنے بستر پر لیٹا ہوا........الخ ان الفاظ کے ذریعہ دراصل حضرت عمرؓ نے اس چاند کو دیکھنے کے لئے زیادہ جدوجہد اور کوشش کے غیر ضروری ہونے کی طرف اشارہ کیا، ان کا مطلب یہ تھا کہ جن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے چاند دیکھ لیا ہے ان کی شہادت پر روایت ثابت ہو جائے گی، یا یہ کہ مجھے خود نیا چاند دیکھنا ہی ہوگا تو کچھ دنوں کے بعد یا اگلے دن جب چاند زیادہ بڑا اور زیادہ روشن ہو جائے گا اور آسانی سے نظر آجائے گا تو دیکھ لوں گا، اس وقت جب چاند مجھے نظر نہیں آرہا ہے تو اس کو دیکھنے کے لئے زیادہ تعب اور مشقت اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز ضروری نہ ہو اس کی کھوج کرید میں اپنا وقت اور اپنی طاقت ضائع کرنا ایک لایعنی چیز میں وقت اور طاقت جیسی قیمتی شے گنوانا ہے۔

ایک پیش گوئی کے حرف بحرف صادق آنے کا معجزہ

(۷۰) وَعَنْ اُنَيْسَةَ بِنْتِ زَيْدِ ابْنِ اَرْقَمَ عَنْ اَبِيْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى زَيْدٍ يَعُوْدُهٗ مِنْ مَرَضٍ كَانَ بِهٖ قَالَ لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْ مَرَضِكَ بَاْسٌ وَلٰكِنْ كَيْفَ لَكَ اِذَا عُمِّرْتَ بَعْدِيْ فَعَمِيْتَ قَالَ اَحْتَسِبُ وَاَصْبِرُ قَالَ اِذَنْ تَدْخُلَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ قَالَ فَعَمِيَ بَعْدَ مَامَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَصَرَهٗ ثُمَّ مَاتَ۔

"اور حضرت زید ابن ارقمؓ کی بیٹی حضرت انیسہؓ اپنے والد (حضرت زید ابن ارقمؓ) سے نقل کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ زید ابن ارقم کی عیادت کو تشریف لے گئے جو بیمار ہو گئے تھے آپ ﷺ نے (ان کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے فرمایا: اس مرض کا تمہیں کوئی خوف نہیں ہونا چاہئے (کیونکہ تم بالکل اچھے ہو جاؤ گے) لیکن اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میرے بعد زندہ رہو گے اور تمہاری بینائی جاتی رہے گی؟ زید ابن ارقم نے عرض کیا: میں ثواب کا آرزومند ہوں گا اور (اپنے رب کے حکم پر) صابر و راضی رہوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے (ان کا یہ جواب سن کر) فرمایا: پھر تو تم بغیر حساب کتاب کے جنت میں جاؤ گے" راوی نے (خواہ وہ حضرت انیسہ ہوں یا ان کے علاوہ دوسرا) بیان کیا ہے کہ زید ابن ارقمؓ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اندھے ہو گئے تھے، پھر (بہت زمانہ کے بعد) اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی دوبارہ واپس کردی اور پھر ان کا انتقال ہوا۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ کی مذکورہ پیش گوئی حرف بحرف صادق ہوئی کہ جس بیماری میں آنحضرت ﷺ زید کی عیادت کو گئے تھے اس سے وہ صحت یاب ہو گئے پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ان کی بینائی جاتی رہی۔ تاہم آنحضرت ﷺ نے یہ بھی پیش گوئی کرتے وقت زید ابن ارقمؓ کے سامنے ان کی بینائی کے پھر بحال ہونے کا جوذکر نہیں فرمایا تو اس کی وجہ شاید آپ ﷺ کی یہ خواہش ہو گی کہ اس صورت میں زید ابن ارقمؓ صبر میں زیادہ سے زیادہ تعب اور تکلیف برداشت کریں اور پھر اس کے بعد ان کو زیادہ سے زیادہ اذیت اور پریشانی ہوتی اور نہ ان کو کامل صبر کا وہ مقام نصیب ہوتا جس کے سبب اللہ تعالیٰ کی مدد نصرت ان کو حاصل ہوئی۔

جھوٹی حدیث بیان کرنے والے کے بارے میں وعید

(۷۱) وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَقَوَّلَ عَلَيَّ مَالَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ وَذٰلِكَ اَنَّهٗ بَعَثَ رَجُلًا فَكَذَبَ عَلَيْهِ فَدَعَا عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوُجِدَ مَيِّتًا وَقَدِ انْشَقَّ بَطْنُهٗ وَلَمْ تَقْبَلْهُ الْاَرْضُ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ۔

"اور حضرت اسامہ ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جو شخص (قصداً) میری طرف کوئی ایسی بات منسوب

کرے جس کو میں نے نہ کہا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تیار سمجھے اور اس ارشاد گرامی کا پس منظر یہ ہے کہ (ایک مرتبہ) آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو (کچھ لوگوں کی طرف یا کسی شخص کے پاس) بھیجا تھا اس نے آپ ﷺ کی طرف سے کوئی جھوٹی بات بنا کر کہی، (جب) رسول کریم ﷺ (پر یہ منکشف ہوا یا کسی ذریعہ سے آپ ﷺ کو اس بات کی خبر ہوئی تو (آپ ﷺ) نے اس شخص کے حق میں بددعا فرمائی، چنانچہ وہ شخص (ایک دن) اس حال میں مردہ پایا گیا کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا تھا اور (جب اس کو دفن کیا گیا تو) زمین نے اس کو قبول نہیں کیا۔ دونوں روایتوں کو بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: روایت کے آخری الفاظ اس بات کی علامت ہیں کہ وہ شخص ہمیشہ کے لئے دوزخی قرار پایا، اس اعتبار سے یہ روایت اس قول کی مؤید ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قصداً آنحضرت کی طرف کسی بات کی جھوٹی نسبت کرنے والا (یعنی جھوٹی حدیث گھڑنے والا) کافر" ہو جاتا ہے۔

برکت کا معجزہ

(۷۲) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ رَجُلٌ يَسْتَطْعِمُهُ فَاَطْعَمَهُ شَطْرَ وَسْقِ شَعِيْرٍ فَمَا زَالَ الرَّجُلُ يَاْكُلُ مِنْهُ وَامْرَاَتُهُ وَضَيْفُهُمَا حَتّٰى كَالَهُ فَفَنِيَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْلَمْ تَكِلْهُ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ وَلَقَامَ لَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر کھانا مانگا، آپ ﷺ نے اس کو آدھا وسق جو عطا فرمائے، (اس نے وہ جو لے کر گھر میں رکھ دیئے اور پھر) نہ صرف خود وہ شخص بلکہ اس کی بیوی اور ان دونوں کے (ہاں آنے جانے والے) مہمان مستقل اسی جو میں سے لے کر کھاتے تھے (لیکن وہ جو ختم نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ ایک دن، اس شخص نے (باقی ماندہ) جوؤں کو ماپا (جس کا اثر یہ ہوا کہ) پھر وہ جو بہت جلد ختم ہو گئے، اس کے بعد وہ شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (اور صورت حال عرض کی، آپ ﷺ نے فرمایا! "اگر تم اس جو کو نہ ماپتے تو تم لوگ ہمیشہ اسی جو میں سے لے کر کھاتے رہتے اور (میری برکت کے سبب) وہ (جوں کے توں) تمہارے پاس باقی رہتے۔" (مسلم)

مشتبہ کھانا حلق سے نیچے نہیں اترا

(۷۳) وَعَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةٍ فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْقَبْرِ يُوْصِي الْحَافِرَ يَقُوْلُ اَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ اَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رَاْسِهٖ فَلَمَّا رَجَعَ اسْتَقْبَلَهٗ دَاعِيَ امْرَاَتِهٖ فَاَجَابَ وَنَحْنُ مَعَهٗ فَجِيْئَ بِالطَّعَامِ فَوَضَعَ يَدَهٗ ثُمَّ وَضَعَ الْقَوْمُ فَاَكَلُوْا فَنَظَرْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلُوْكُ لُقْمَةً فِيْ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ اَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ اُخِذَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ اَهْلِهَا فَاَرْسَلَتِ الْمَرْاَةُ تَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَرْسَلْتُ اِلَى النَّقِيْعِ وَهُوَ مَوْضِعٌ يُبَاعُ فِيْهِ الْغَنَمُ لِيُشْتَرٰى لِيْ شَاةٌ فَلَمْ تُوْجَدْ فَاَرْسَلْتُ اِلٰى جَارٍ لِيْ قَدِ اشْتَرٰى شَاةً اَنْ يُرْسِلَ بِهَا اِلَيَّ بِثَمَنِهَا فَلَمْ يُوْجَدْ فَاَرْسَلْتُ اِلَى امْرَاَتِهٖ فَاَرْسَلَتْ اِلَيَّ بِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْعِمِيْ هٰذَا الطَّعَامَ الْاَسْرٰى رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ۔

"اور حضرت عاصم ابن کلیبؒ (تابعی) اپنے والد سے اور وہ ایک انصاری شخص (یعنی ایک انصاری صحابیؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا (ایک دن) ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ کی نماز اور تدفین میں شرکت کے لئے گئے (قبرستان پہنچ کر) میں نے رسول کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ قبر (کے کنارہ) پر بیٹھ گئے اور گورکن کو ہدایت دینے لگے، آپ ﷺ اس (گورکن) سے فرماتے تھے کہ پائنتی کی

جانب سے قبر کو کشادہ کر دو اور سر کی جانب سے اور کشادہ کر دو۔ پھر جب آپ ﷺ (تدفین سے فارغ ہو کر) واپس ہونے لگے، تو سامنے سے ایک شخص نے آکر آنحضرت ﷺ کو میت کی بیوی کی طرف سے کھانے کی دعوت دی جس کو آپ ﷺ نے قبول فرمالیا (چنانچہ آنحضرت ﷺ اس کے گھر تشریف لے گئے اور) ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہوئے (کیونکہ یا تو اس عورت نے جماعت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو کھانے پر بلایا تھا یا یہ کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے طفیل میں ساتھ ہو لئے) جب کھانا لایا گیا تو آنحضرت ﷺ نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور سب لوگوں نے بھی اپنے ہاتھ بڑھائے اور کھانا کھانے لگے، لیکن پھر (کھانا کھاتے کھاتے) ہم نے رسول کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ (نے جو پہلا) لقمہ (منہ میں ڈالا تھا اسی) کو چبائے جا رہے ہیں یعنی اپنے منہ میں ادھر ادھر گھما رہے ہیں (ابھی ہم حیرت سے یہ دیکھ ہی رہے تھے کہ) آپ ﷺ نے فرمایا میں اس گوشت کو ایک ایسی بکری کا گوشت محسوس کر رہا ہوں جس کو اس کی مالک کی اجازت و رضا کے بغیر لے لیا گیا ہے۔ اس عورت (کو آنحضرت ﷺ کی اس بات کا علم ہوا تو اس) نے آدمی بھیج کر صورت حال عرض کرائی کہ یا رسول اللہ! میں نے بکری خریدنے کے لئے ایک آدمی کو نقیع بھیجا تھا۔ وہ (نقیع) ایک جگہ کا نام ہے جہاں بکریوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ لیکن وہاں بکری دستیاب نہیں ہوئی تو میں نے اپنے ہمسایہ کے پاس آدمی بھیجا جس نے ایک بکری خرید رکھی تھی اور کہلوایا کہ اس نے جس قیمت پر وہ بکری خریدی ہے اسی قیمت پر اس بکری کو میرے ہاتھ فروخت کر دے، لیکن وہ ہمسایہ بھی اپنے گھر نہ ملا۔ تب میں نے اس ہمسایہ کی بیوی کے پاس آدمی بھیجا اور اس نے وہ بکری میرے پاس بھیج دی۔ (یہ تفصیل سن کر) رسول کریم ﷺ نے فرمایا: یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔"

اس روایت کو ابوداؤد نے اور دلائل النبوۃ میں بیہقی نے نقل کیا ہے۔

تشریح: ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ میت کے کھانے کے سلسلہ میں فقہاء کے جو اقوال ہیں بظاہر یہ حدیث ان کے خلاف ہے مثلاً بزازیہ میں لکھا ہے کہ (میت کے ورثاء کی طرف سے)، پہلے دن (یعنی موت والے دن) یا تیسرے دن اور ساتویں دن کھانا کھلانا مکروہ ہے، اسی طرح خلاصہ میں مذکور ہے کہ: تیسرے دن (تیجا کے نام پر) کھانے کا اہتمام کرنا اور لوگوں کو اس کھانے پر بلانا مباح نہیں ہے۔ زیلعیؒ نے کہا ہے کہ: تین دن تک (غم منانے کے لئے) بیٹھنے میں مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ ممنوع چیزوں کا ارتکاب نہ ہو، جیسے بچھونے بچھانا اور دعوت و ضیافت کا اہتمام کرنا۔ نیز ابن ہمام نے بھی لکھا ہے کہ اہل میت کا ضیافت کرنا مکروہ ہے۔ ان فقہاء نے علت یہ بیان کی ہے کہ ضیافت خوشی میں مشروع ہے نہ کہ غمی میں اور ابن ہمام نے یہ بھی کہا ہے کہ اہل میت کا ضیافت (جو غمی میں دی جائے) بدعت سیئہ ہے نیز امام احمدؒ اور ابن ماجہ نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت جریر ابن عبداللہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ (تدفین کے بعد) میت کے گھر میں لوگوں کے جمع ہونے اور اہل میت کی طرف سے کھانا دیئے جانے کو ہم نوحہ میں شمار کرتے تھے (جس کی سخت ممانعت منقول ہے)۔ پس عاصم ابن کلیب کی روایت کردہ مذکورہ حدیث چونکہ فقہاء کے ان اقوال کے خلاف جاتی ہے اس لئے (اس حدیث اور فقہی روایتوں کے درمیان تطبیق کی خاطر) ضروری ہے کہ فقہاء کے اقوال کو یا تو خاص نوعیت کے ساتھ مقید کیا جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ فقہی روایتوں کے مطابق میت کے گھر لوگوں کو اکٹھا ہونے کی جو ممانعت ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ لوگ محض رسمی طور پر یا ظاہر داری کے لئے میت کے گھر اکٹھا ہوں اور اہل میت کو شرما شرمی ان کے کھانے کا انتظام کرنے پر مجبور ہونا پڑے (جیسا کہ ہمارے ہاں دستور ہے کہ دور قریب کی عورتیں میت کے گھر جا کر ڈٹی رہتی ہیں اور میت کے پسماندگان اگر استطاعت نہیں رکھتے تو قرض ادھار کر کے شرما شرمی ان کے کھانے پینے کا انتظام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں) یا ان فقہی روایتوں کو اس صورت پر محمول کیا جائے جس میں کھانے کا انتظام میت کے ترکہ میں سے ہو اور ورثاء میں سے کچھ صغیر السن ہوں یا موجود نہ ہوں اور یا ان کی اجازت و رضا معلوم نہ ہو، یا یہ کہ کھانے کا انتظام کسی شخص نے اپنے ذاتی مال سے نہ کیا ہو بلکہ میت کے اس مال سے کیا ہو جو ورثاء کے درمیان تقسیم نہ ہوا ہو، ان کے علاوہ کچھ دوسری صورتیں بھی ہیں جن میں میت کا کھانا مختلف اسباب کی بنا پر مکروہ ہے (جیسے ہمارے یہاں بعض مقامات پر دستور ہے کہ بعض مقررہ

تاریخوں پر یا ان سے ذرا آگے پیچھے کھانا پکا کر محض نام آوری کے لئے کھلوایا یا بانٹا جاتا ہے اور بعض لوگ تو قرض ادھار کر کے اس طرح کے اسراف کا مرتکب ہوتے ہیں) نیز قاضی خاں کا یہ قول بھی انہی صورتوں پر محمول ہے کہ غمی اور مصیبت کے دنوں میں ضیافت کا اہتمام کرنا مکروہ ہے کیونکہ وہ دن رنج والم کے اظہار کے ہیں، اور جو چیز خوشی و مسرت کے موقع پر ہی غماز ہوتی ہے (جیسے ضیافت اور تقریب کا اہتمام) اس کو غمی کے موقع پر اختیار کرنا نہایت غیر موزوں ہے ہاں اگر (میت کو ثواب پہنچانے کی نیت سے) فقراء کو کھلانے کے لئے کھانے کا اہتمام کیا جائے تو یہ بے شک اچھا عمل ہوگا، جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے اگر کوئی شخص یہ وصیت کر جائے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے مال میں سے کھانے کا اہتمام کر کے لوگوں کو تین دن تک کھلایا جائے تو زیادہ صحیح روایت کے مطابق یہ وصیت سرے سے باطل قرار پائے گی، گو بعض حضرات نے کہا ہے کہ وصیت تہائی مال میں جائز ہوگی اور یہی قول زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔

یہاں تک جو کچھ نقل ہوا ہے وہ ملا علی قاریؒ کے کلام کا خلاصہ ہے، لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ انہوں نے فقہی روایتوں کو چند صورتوں پر محمول کر کے باقی اور تمام صورتوں میں اہل میت کی طرف سے کھانے کے اہتمام کو مطلق جائز قرار دے دیا ہے، بلکہ ان صورتوں میں غور کیا جائے، جن کو ممنوع اور مکروہ کہا گیا ہے، تو حقیقت واضح ہوگی کہ میت کے کھانے کی جو بھی صورتیں اور قسمیں ہمارے یہاں رائج ہیں کہ وہ کسی نہ کسی حیثیت سے اور کسی نہ کسی سبب کی بناء پر ممنوع اور مکروہ صورتوں اور قسموں کے دائرہ حکم سے باہر نہیں جاتیں، کہیں ممانعت و کراہت کا کوئی ایک سبب پایا جاتا ہے اور کہیں متعدد اسباب پائے جاتے ہیں۔ رہی اس حدیث کی بات جس میں آنحضرت ﷺ کا میت کے کھانے کی دعوت قبول کرنے کا ذکر ہے تو اس کی حقیقت خود حدیث میں غور و فکر کے بعد واضح ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ حدیث میں کھانا کھلانے کی اس صورت کا ذکر ہے جس کے بارے قاضی خاںؒ نے لکھا ہے کہ اگر (میت کو ثواب پہنچانے کی نیت سے) فقراء کو کھانا کھلایا جائے تو یہ اچھا عمل ہوگا۔" پس بظاہر یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ حدیث میں جس کھانے کا ذکر ہے وہ دراصل میت کی بیوی نے ایصال ثواب کی نیت سے فقراء اور مساکین کو بطور صدقہ کھلانے کے لئے تیار کیا تھا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں وہ کھانا بطور ہدیہ پیش کیا گیا، اسی بناء پر آنحضرت ﷺ اپنے ان صحابہؓ کرام کے ساتھ کہ جو ضرورت مند اور مفلس تھے، میت کے گھر اس کھانے پر تشریف لے گئے، علاوہ ازیں بعض فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ جو لوگ تجہیز و تکفین اور تدفین میں شریک ہوں ان کے لئے اہل میت کی طرف سے پیش کئے جانے والے طعام کو کھانا درست ہے یہی نہیں بلکہ جو فقہاء طعام مصیبت (میت وغیرہ کے موقع پر تیار کئے گئے کھانے) کو مکروہ لکھتے ہیں انہوں نے بھی اس صورت کو مستثنیٰ رکھا ہے لہٰذا میت کے گھر کھانے پر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے جانے کو اس صورت پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ وہ سب تجہیز و تکفین اور تدفین میں شریک تھے اس لئے میت کے اہل بیت کی دعوت پر کھانا کھانے چلے گئے۔ اس بحث کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ اس حدیث اور فقہی روایتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے۔"

" وَهُوَ مَوْضِعٌ يُبَاعُ فِيْهِ الْغَنَمُ۔ (وہ ایک جگہ کا نام ہے جہاں بکریوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے) "" یہ الفاظ اصل روایت کا جزء نہیں ہے بلکہ کسی راوی نے "نقیع" کی وضاحت کے لئے روایت میں شامل کئے ہیں واضح رہے کہ "نقیع" جس کا پہلا حرف نون ہے) مدینہ منورہ سے وادی عقیق کی جانب تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے، جہاں زمانہ قدیم میں بکریوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی "نقیع" اس "بقیع" کے علاوہ ہے (جس کا پہلا حرف ب ہے اور جہاں مدینہ منورہ کا مشہور قبرستان ہے۔

اور اس نے وہ بکری میرے پاس بھیج دی "") میت کی بیوی نے "بکری" حاصل کرنے کی جو تفصیل بیان کی اس سے ثابت ہو گیا کہ وہ بکری درست طور پر خرید کر حاصل نہیں کی گئی تھی کیونکہ اس ہمسایہ کی رضامندی کہ جو بکری کا اصل مالک تھا، اس بکری کی فروختگی کے لئے صریحاً حاصل نہیں تھی اس بکری کی خرید و فروخت کے مذکورہ معاملہ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس صورت کے قریب تھا جس کو فقہاء نے "بیع فضولی" سے تعبیر کیا ہے اور اس صورت میں بیع کا صحیح ہونا مالک کی اجازت کے حصول پر موقوف رہتا ہے۔ بہر حال یہ بات طے تھی کہ اس بکری کا گوشت "مشتبہ مال" تھا اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ اس گوشت کو آپ ﷺ کے پیٹ میں

جان سے باز رکھا۔

یہ کھانا قیدیوں کو کھلادو۔ میں قیدیوں سے مراد جنگی قیدی ہیں اور جن کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ وہ مفلس تھے، اور جیسا کہ طیبیؒ نے لکھا ہے کہ وہ کافر بھی تھے۔ مطلب یہ کہ اس وقت چونکہ بکری کا اصل مالک موجود نہیں تھا جس کی اجازت اور رضامندی حاصل کر کے بکری کی خریداری کو درست قرار دیا جاتا اور اس کے گوشت سے تیار شدہ طعام آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کو کھانا روا ہوتا اور اگر مالک کے آنے اور دستیاب ہونے کا انتظار کیا جاتا تو یہ طعام خراب ہو جانے کے سبب کسی کے بھی کھانے کے مصرف کا نہ رہ جاتا، ادھر ان قیدیوں کے کھانے کا بھی انتظام کرنا ہی تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے وہ پورا کھانا قیدیوں کو کھلانے کا حکم دے دیا، تاہم اس بکری کے تلف ہونے کی وجہ سے مالک کے لئے اس کی پوری قیمت ادا کرنا اس عورت کے لئے ضروری قرار پایا تھا جس کو اس نے ادا بھی کیا لہٰذا اس کھانے کا ان قیدیوں کو کھلانا اس عورت کی طرف سے صدقہ کے حکم میں ہو گیا۔"

اُمّ معبدؓ کی بکری سے متعلق ایک معجزہ کا ظہور

(۴۷) وَعَنْ حزامِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ حُبَيْشِ بْنِ خَالِدٍ وَهُوَ اَخُ اُمِّ مَعْبَدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اُخْرِجَ مِنْ مَكَّةَ خَرَجَ مُهَاجِرًا اِلَى الْمَدِيْنَةِ هُوَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَمَوْلٰى اَبِيْ بَكْرٍ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ وَدَلِيْلُهُمَا عَبْدُ اللّٰهِ اللَّيْثِيُّ مَرُّوْا عَلٰى خَيْمَتَيْ اُمِّ مَعْبَدٍ فَسَئَلُوْهَا لَحْمًا وَتَمْرًا لِيَشْتَرُوْا مِنْهَا فَلَمْ يُصِيْبُوْا عِنْدَهَا شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ وَكَانَ الْقَوْمُ مُرْمِلِيْنَ مُسْنِتِيْنَ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى شَاةٍ فِيْ كَسْرِ الْخَيْمَةِ فَقَالَ مَاهٰذِهِ الشَّاةُ يَا اُمَّ مَعْبَدٍ قَالَتْ شَاةٌ خَلَّفَهَا الْجُهْدُ عَنِ الْغَنَمِ قَالَ هَلْ بِهَا مِنْ لَبَنٍ قَالَتْ هِيَ اَجْهَدُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ اَتَاْذَنِيْنَ لِيْ اَنْ اَحْلُبَهَا قَالَتْ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اِنْ رَاَيْتَ بِهَا حَلَبًا فَاحْلُبْهَا فَدَعَا بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ بِيَدِهٖ ضَرْعَهَا وَسَمَّى اللّٰهَ تَعَالٰى وَدَعَا لَهَا فِيْ شَاتِهَا فَتَفَاجَّتْ عَلَيْهِ وَدَرَّتْ وَاجْتَرَّتْ فَدَعَا بِاِنَاءٍ يُرْبِضُ الرَّهْطَ فَحَلَبَ فِيْهِ ثَجًّا حَتّٰى عَلَاهُ الْبَهَاءُ ثُمَّ سَقَاهَا حَتّٰى رَوِيَتْ وَسَقٰى اَصْحَابَهٗ حَتّٰى" رَوُوْا ثُمَّ شَرِبَ اٰخِرُهُمْ ثُمَّ حَلَبَ فِيْهِ ثَانِيًا بَعْدَ بَدْءٍ حَتّٰى مَلَاَ الْاِنَاءَ ثُمَّ غَادَرَهٗ عِنْدَهَا وَبَايَعَهَا وَارْتَحَلُوْا عَنْهَا رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَابْنُ عَبْدِالْبَرِّ فِي الْاِسْتِيْعَابِ وَابْنُ الْجَوْزِيْ فِيْ كِتَابِ الْوَفَاءِ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ۔

"اور حضرت حزام ابن ہشام اپنے والد (حضرت ہشام) سے اور وہ حزام کے دادا (یعنی اپنے والد) حبیشؓ سے، جو اُمّ معبدؓ کے بھائی ہیں، روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو جب مکہ چھوڑ دینے کا حکم ہوا اور آپ ہجرت کر کے مدینہ روانہ ہوئے تو آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ، اور حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام عامر ابن فہیرہ اور ان دونوں (یعنی آنحضرت ﷺ اور ابوبکرؓ) کو راستہ بتانے والے عبداللہ لیثی (ان چاروں) کا گزر (مدینہ کے راستہ میں ایک جگہ، اُمّ معبد کے، دو خیموں پر ہوا (جو اس، ویرانے میں قیام پذیر تھیں) ان حضرات نے اہل خیمہ سے کچھ گوشت اور کھجوریں خریدنی چاہیں لیکن ان دونوں کو اُمّ معبد کے پاس ان میں سے کوئی چیز دستیاب نہیں ہوئی کیونکہ اس زمانہ میں عام طور پر لوگ قحط زدگی اور بے سروسامانی کا شکار تھے۔ اتنے میں اچانک رسول کریم ﷺ کی نظر ایک بکری کی طرف گئی، جو خیمہ کی ایک جانب (بندھی کھڑی) تھی، آپ ﷺ نے وہ بکری دیکھ کر) پوچھا کہ اُمّ معبد! اس بکری کو کیا ہوا؟ اُمّ معبد نے جواب دیا: اس کے دبلے پن نے اس کو ریوڑ سے الگ کر رکھا ہے (یعنی اتنی کمزور اور لاغر ہے کہ چرنے کے لئے دوسری بکریوں کے ساتھ چراگاہ تک جانے پر قادر نہیں ہے) آپ ﷺ نے پوچھا! کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ اُمّ معبد نے کہا! جس مصیبت میں یہ مبتلا ہے اس میں دودھ کہاں سے دے سکتی ہے (مطلب یہ کہ ذرا سا بھی دودھ دینے کی صلاحیت اس میں باقی نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ میں اس کا دودھ دوہوں؟ اُمّ معبدؓ نے کہا: میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان، اگر آپ (ﷺ) کو اس میں دودھ معلوم ہوتا ہو تو ضرور دوہ لیں

(یعنی جب اس میں سرے سے دودھ ہے ہی نہیں تو آپ ﷺ دوہیں گے؟!) رسول کریم ﷺ نے یہ سن کر بکری کو منگوایا، پھر آپ ﷺ نے اس کے تھنوں پر اپنا دست مبارک پھیرا، بسم اللہ پڑھی اور اُمّ معبدؓ کے لئے ان کی بکری کے تئیں برکت کی دعا فرمائی، چنانچہ بکری نے دودھ دینے کے لئے اپنے پاؤں آنحضرت ﷺ کے سامنے کشادہ کردیئے (جیسا کہ دودھ والے جانور کی عادت ہوتی ہے کہ دوہے جانے کے وقت اپنے دونوں پاؤں کو پھیلا دیتا ہے۔ پھر وہ بکری دودھ بہانے اور جگالی کرنے لگی، آپ ﷺ نے ایک اتنا بڑا برتن منگایا جو ایک جماعت کو شکم سیر کرے اور اس برتن میں خوب بہتا ہوا دودھ دوہا یہاں تک کہ دودھ کے جھاگ برتن کے اوپر تک آگئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے وہ دودھ (پہلے اُمّ معبدؓ کو پلایا جنہوں نے خوب سیر ہوکر پیا پھر اس کے ساتھیوں کو پلایا، وہ بھی اچھی طرح سیر ہوگئے اور پھر سب کے بعد خود آپ ﷺ نے پیا، کیونکہ خود آپ ﷺ کا ارشاد ہے! لوگوں کو پلانے والا خود سب کے بعد پیتا ہے۔) پھر پہلی مرتبہ دوہنے کے بعد (کچھ دیر) بعد آپ ﷺ نے دوبارہ اسی برتن میں دوہا، یہاں تک کہ وہ برتن دودھ سے لبریز ہوگیا اور وہ دودھ آپ ﷺ نے اُمّ معبد کے پاس چھوڑ دیا (تاکہ وہ اپنے خاوند کو بھی یہ معجزہ دکھادیں) پھر آپ ﷺ نے اُمّ معبد کو مسلمان کیا اور ان کے ہاں سے روانہ ہوگئے...... اس روایت کو بغویؒ نے شرح السنۃ میں، ابن عبد البرؒ نے استیعاب میں اور ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں نقل کیا ہے نیز حدیث میں واقعہ کی اور بھی تفصیل ہے۔

تشریح: اُمّ معبدؓ کا اصلی نام عاتکہ بنت خالد خزاعیہ ہے، آنحضرت ﷺ اپنے سفر ہجرت کے دوران ان کے خیمہ میں تشریف لائے تھے اور ان کو حلقہ بگوش اسلام فرمایا تھا اُمّ معبد بڑے مضبوط اعصاب اور قوی دل و دماغ کی مالک خاتون تھیں اور اس ویرانہ میں قیام پذیر تھیں، وہ اپنے خیمہ کے باہر مسند لگا کر بیٹھ جایا کرتی تھی اور راہ چلتے ہر ضرورت مند مسکین کے کھانے پینے کی ضرورت پوری کیا کرتی تھیں۔

"اس حدیث میں واقعہ کی اور تفصیل بھی ہے۔" اور وہ یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اُمّ معبدؓ کے خیمہ سے آگے سفر پر روانہ ہوگئے اور اُمّ معبدؓ کے خاوند ابو معبدؓ نے (پورا واقعہ بیان کیا اور) نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں آنحضرت ﷺ کے اوصاف و فضائل بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک نہایت بابرکت ہستی ہمارے خیمہ میں آئی تھی اور یہ دودھ اسی کی مبارک آمد کے طفیل ہے ابو معبدؓ نے (یہ سب کچھ سن کر) کہا! یقیناً وہ ہستی قریش میں سے وہی شخص ہے جس کے بہت سے اوصاف میں نے مکہ میں سنے ہیں۔ اگر میں جانے کی قدرت رکھوں تو بخدا! میں اس ہستی کی خدمت میں باریاب ہونے اور اس کی صحبت سے سرفراز ہونے کا قصد رکھتا ہوں۔

ایک روایت میں منقول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کی رات میں حضرت ابوبکرؓ کو لے کر مکہ سے روانہ ہوگئے اور اہل مکہ یہ معلوم کرنے میں ناکام رہے کہ آنحضرت ﷺ کہاں اور کس طرف گئے ہیں تو ایک مسلمان جن جبل ابو قبیس پر چڑھا اور وہاں زور زور سے کچھ اشعار پڑھنے لگا مکہ کے لوگ حیرت سے اس آواز کو سن رہے تھے، جو ان کے کانوں میں صاف آرہی تھی لیکن وہ آواز جس طرف سے آرہی تھی وہاں ان کو کوئی نظر نہیں آرہا تھا، ان اشعار میں سے دو شعر یہ ہیں ؎

جَزَى اللّٰهُ رَبُّ النَّاسِ خَيْرَ جَزَائِهٖ رَفِيْقَيْنِ حَلاَّ خَيْمَتَيْ أُمِّ مَعْبَدٍ
هُمَا نَزَلَا بِالْهُدٰى وَاهْتَدَيْتُ بِهٖ فَقَدْ فَازَ مَنْ اَمْسٰى رَفِيْقُ مُحَمَّدٍ

باب الکرمات

کرامتوں کا بیان

کرامت کی تعریف: "کَرَامَاتٌ" دراصل "کَرَامَۃٌ" کی جمع ہے جو اکرام اور تکریم کا اسم ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی "نفیس ہونا، عزت دار ہونا اور سخی ہونا" کے ہیں، لیکن اصطلاحی طور پر کرامت اس خارق عادات فعل (یعنی کرشمہ) کو کہتے ہیں جو مؤمن نیکوکار کے ہاتھ پر

ظاہر ہو لیکن وہ نہ تو نبوت کے دعوے کے ساتھ ہو اور نہ اس کا مقصود کفار کا معارضہ ومقابلہ ہو کیونکہ جو خارق عادات فعل نبوت کے دعوے کے ساتھ ہو اور کفار کے معارضہ ومقابلہ پر ہو اس کو "معجزہ کہتے ہیں اہل سُنّت کرامت کے مقر اور قائل ہیں جب کہ معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

کرامت کا اثبات: اہل حق (یعنی تمام اہل سُنّت وجماعت) کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ولی سے کرامت کا ظاہر ہونا واقعی اور حقیقی چیز ہے۔ ولی اللہ کے اس نیک بندے کو کہتے ہیں جو حق تعالیٰ کی ذات وصفات کا بقدر طاقت بشری عرفان رکھتا ہو، طاعات (نیکی) کرنے اور منہیات (برائی) کے ترک پر قائم ودائم ہو، دنیاوی لذات وخواہشات میں غیر منہمک ہو اور اتباع سُنّت وتقویٰ میں بحسب تفاوت مراتب کامل ہو اولیاء اللہ سے کرامتوں کے ظہور ووقوع کا اثبات عقلاً تو یوں محال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز مشکل اور بعید از امکان نہیں ہے، اس کی ذات جس طرح اپنے پیارے پیغمبروں کے ذریعہ معجزوں کا ظہور کرا سکتی ہے اسی طرح اپنے پیغمبر کے سچے تابعداروں اور نیکوکار مؤمنوں کے ہاتھ پر کرامتوں کا ظہور بھی کرا سکتی ہے، جہاں تک نقلاً اثبات کا تعلق ہے تو قرآن پاک اور احادیث رسول دونوں میں کرامت کا ثبوت صراحۃً مذکور ہے، پھر صحابۂ کرام اور صحابہؓ کے بعد کے زمانہ کے اولیا اللہ سے صادر ہونے والی کرامتوں کی روایتیں جس تسلسل کے ساتھ منقول ہیں وہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور قدر مشترک میں تو تواتر معنی اس درجہ کا ہے کہ اگر صاف ذہن اور کھلے دل ودماغ سے دیکھا جائے تو اس بارہ میں کسی کو شک وشبہ اور انکار کی مجال نہیں ہو سکتی، خصوصاً بعض اکابر مشائخ طریقت جیسے حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامتیں نہ صرف یہ کہ اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں بلکہ وہ اتنے تواتر کے ساتھ منقول ہیں کہ ان کا انکار کوئی عقل کا دشمن ہی کر سکتا ہے، ان کے زمانہ کے بعض مشائخ کا یہ قول منقول ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامتیں رشتہ مروارید کی طرح تھیں کہ پے در پے صادر ہوتی تھیں کبھی خود ان کی ذات میں ظاہر ہوتیں اور کبھی ان کی ذات میں ظاہر ہوتیں۔

کرامت کا صدور اختیاری بھی ہوتا ہے اور غیر اختیاری بھی: بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ ولی سے کوئی بھی کرامت اس کے قصد واختیار کے تحت صادر نہیں ہوتی بلکہ بلا قصد واختیار صادر ہوتی ہے انہی بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ کرامت، معجزہ کی جنس سے نہیں ہوتی، یعنی جو چیزیں معجزہ کے طور پر ظاہر ہو چکی ہیں جیسے تھوڑے سے کھانے کا بہت ہو جانا اور انگلیوں سے پانی کا ابل پڑنا وغیرہ، وہ کرامت کے طور پر ظاہر نہیں ہوتی لیکن اس سلسلہ میں تحقیقی قول یہ ہے کہ کرامت کا قصد واختیار کے تحت بھی صادر ہونا ممکن ہے اور بلا قصد واختیار بھی۔ اسی طرح کا ظہور ان چیزوں کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے جو معجزہ کے طور ظاہر ہو چکی ہیں اور ان کے علاوہ دوسری صورتوں میں بھی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

دو صحابیوں کی کرامت

(۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ وَعَبَّادَ بْنَ بِشْرٍ تَحَدَّثَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَاجَةٍ لَهُمَا حَتّٰى ذَهَبَ سَاعَةٌ مِنَ اللَّيْلِ سَاعَةً فِيْ لَيْلَةٍ شَدِيْدَةِ الظُّلْمَةِ ثُمَّ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْقَلِبَانِ وَبِيَدِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عُصَيَّةٌ فَاَضَاءَتْ عَصَا اَحَدِهِمَا لَهُمَا حَتّٰى مَشَيَا فِيْ ضَوْءِهَا حَتّٰى اِذَا افْتَرَقَتْ بِهِمَا الطَّرِيْقُ اَضَاءَتْ لِلْاٰخَرِ عَصَاهُ فَمَشٰى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِيْ ضَوْءِ عَصَاهُ حَتّٰى بَلَغَ اَهْلَهُ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن دو جلیل القدر صحابی) حضرت اسید ابن حضیرؓ اور حضرت عباد ابن بشرؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے اپنے کسی (اہم معاملہ میں گفتگو کر رہے تھے (اور وہ گفتگو اتنی طویل ہو گئی تھی کہ) اس کا سلسلہ ایک ساعت یعنی بڑی رات گئے

تک جاری رہا، جب کہ وہ رات بھی نہایت تاریک تھی، جب یہ دونوں حضرات اپنے گھروں کو لوٹنے کے لئے نبی کریم ﷺ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلے تو اس وقت ان دونوں میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں لاٹھی تھی، ان دونوں میں سے ایک کی لاٹھی (اچانک) روشن ہوگئی اور اس کی روشنی میں وہ چلنے لگے، یہاں تک کہ جب دونوں کے راستے جدا ہوئے (یعنی اس جگہ پہنچے جہاں سے ہر ایک کے گھر کی طرف الگ الگ راستہ جاتا تھا، تو دوسرے کی لاٹھی بھی روشن ہوگئی اور پھر وہ دونوں اپنی اپنی لاٹھی کی روشنی میں چل کر اپنے اہل و عیال یعنی اپنے گھروں تک پہنچ گئے۔" (بخاری)

تشریح: بخاری کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: "وہ دونوں صحابی سخت اندھیری رات میں آنحضرت ﷺ کے پاس سے اٹھ کر باہر آئے تو اس وقت (ایسا لگا) جیسے ان دونوں کے ساتھ دو چراغ ہیں (جو ان کے راستے کو روشن رکھتے ہوئے ساتھ چل رہے ہیں، پھر جب وہ صحابی (اس جگہ پہنچ کر کہ جہاں سے ان دونوں کے گھروں کو الگ الگ راستے جاتے تھے) ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو ایک ایک چراغ ہر ایک کے ساتھ ہوگیا یہاں تک کہ وہ دونوں اپنے اہل و عیال میں پہنچ گئے۔

جو کہا تھا وہی ہوا

(۴) وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ لَمَّا حَضَرَ اُحُدٌ دَعَانِيْ اَبِيْ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ مَا اُرَانِيْ اِلاَّ مَقْتُوْلاً فِيْ اَوَّلِ مَنْ يُقْتَلُ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنِّيْ لاَ اَتْرُكُ بَعْدِيْ اَعَزَّ عَلَيَّ مِنْكَ غَيْرَ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنِّيْ لاَ اَتْرُكُ بَعْدِيْ اَعَزَّ عَلَيَّ مِنْكَ غَيْرَ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّ عَلَيَّ دَيْنًا فَاقْضِ وَاسْتَوْصِ بِاَخَوَاتِكَ خَيْرًا فَاَصْبَحْنَا فَكَانَ اَوَّلَ قَتِيْلٍ وَدَفَنْتُهُ مَعَ اٰخَرَ فِيْ قَبْرٍ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب جنگ احد پیش آئی تو رات میں میرے والد نے مجھے بلایا اور کہا: میرا خیال ہے کہ (اس جنگ) میں نبی کریم ﷺ کے جو صحابہ مارے جائیں گے ان میں سب سے پہلے مارا جانے والا شخص میں ہوں گا۔ اور اس میں شک نہیں کہ میں اپنے پیچھے ایسا کوئی شخص نہیں چھوڑ رہا ہوں جو مجھے تم سے زیادہ عزیز ہو سوائے رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی کے، (یعنی ایک آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی تو ایسی ہے جو مجھے تمام لوگوں سے زیادہ بلکہ خود اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز و محبوب ہے، باقی میرے اپنے پسماندگان میں تم ایسے شخص ہو گے جو مجھ سے زیادہ عزیز ہے، لہٰذا اس خصوصی تعلق کی بناء پر تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ) میرے ذمہ (جو بہت سا) قرضہ ہے، اس کو (جلد سے جلد) ادا کر دینا، نیز اپنی بہنوں کے حق میں (جو نو ہیں) میری یہ وصیت سن لو کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا (حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اس رات کے بعد) جب صبح ہوئی (اور میدان کارزار گرم ہوا) تو میرے والد ہی شہید ہونے والوں میں سب سے پہلے شخص تھے اور میں نے ان کو ایک اور شخص کے ساتھ قبر میں دفن کیا۔" (بخاری)

تشریح: جنگ احد کے شہداء کی تدفین کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ دو دو کو ایک ایک قبر میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ نے اپنے والد کو ایک دوسرے شہید کے ساتھ ایک قبر میں دفن کیا اور وہ دوسرے شہید حضرت عمرو بن الجموحؓ تھے، جو حضرت جابرؓ کے والد کے دوست بھی تھے اور ان کے بہنوئی بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت ایک قبر میں دو کو دفن کرنا جائز ہے۔

کھانے میں اضافہ کا کرشمہ

(۳) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍؓ قَالَ اِنَّ اَصْحَابَ الصُّفَّةِ كَانُوْا اُنَاسًا فُقَرَاءَ وَاِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اَرْبَعَةٍ فَلْيَذْهَبْ بِخَامِسٍ اَوْسَادِسٍ وَاِنَّ اَبَابَكْرٍ جَاءَ

بِثَلٰثَةٍ وَانْطَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشَرَةٍ وَاِنَّ اَبَابَكْرٍ تَعَشّٰى عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَبِثَ حَتّٰى صُلِّيَتِ الْعِشَاءُ ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتّٰى تَعَشّٰى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ بَعْدَ مَامَضٰى مِنَ اللَّيْلِ مَاشَاءَ اللّٰهُ قَالَتْ لَهُ اِمْرَاَتُهُ مَاحَبَسَكَ عَنْ اَضْيَافِكَ قَالَ اَوَمَا عَشَّيْتِ بِهِمْ قَالَتْ اَبَوْا حَتّٰى تَجِيْءَ فَغَضِبَ وَقَالَ وَاللّٰهِ لَا اَطْعَمُهُ اَبَدًا فَحَلَفَتِ الْمَرْاَةُ اَنْ لَّا تَطْعَمَهُ وَحَلَفَ الْاَضْيَافُ اَنْ لَّا يَطْعَمُوْهُ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ كَانَ هٰذَا مِنَ الشَّيْطٰنِ فَدَعَا بِالطَّعَامِ فَاَكَلَ وَاَكَلُوْا فَجَعَلُوْا لَا يَرْفَعُوْنَ لُقْمَةً اِلَّا رَبَتْ مِنْ اَسْفَلِهَا اَكْثَرَ مِنْهَا فَقَالَ لِامْرَاَتِهِ يَا اُخْتَ بَنِيْ فِرَاسٍ مَاهٰذَا قَالَتْ وَقُرَّةِ عَيْنِيْ اِنَّهَا الْاٰنَ لَاَكْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ ذٰلِكَ بِثَلٰثِ مِرَارٍ فَاَكَلُوْا وَبَعَثَ بِهَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذُكِرَ اَنَّهُ اَكَلَ مِنْهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيْحَ الطَّعَامِ فِي الْمُعْجِزَاتِ۔

"اور حضرت عبدالرحمٰن ابن ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ اصحاب صفہ مفلس لوگ تھے (جن کے خور و نوش کا انتظام تمام مسلمان اپنی اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق کیا کرتے تھے، چنانچہ ایک دن رسول کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ "جس شخص کے ہاں (اپنے اہل وعیال کے، دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے شخص کو (اصحاب صفہ میں سے، لے جائے، اور جس شخص کے ہاں چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں شخص کو (اصحاب صفہ میں سے لے جائے، یا چھٹے شخص کو بھی لے جائے" (یہ سن کر) حضرت ابوبکرؓ نے تین آدمیوں کو لیا اور نبی کریم ﷺ کے ہاں کھانا کھایا اور وہیں (کھانا کے بعد بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت، میں حاضر رہے یہاں تک کہ جب عشاء کی نماز ہوگئی تو وہ (نماز کے بعد بھی اپنے گھر نہیں گئے بلکہ) آنحضرت ﷺ کے گھر چلے آئے اور اس وقت تک خدمت اقدس میں حاضر رہے۔ جب تک کہ نبی کریم ﷺ (تنہا یا اپنے مہمانوں کے ساتھ) کھانا نہیں کھالیا۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ جب اپنے گھر پہنچے تو رات کا اتنا حصہ کہ جو اللہ نے چاہا، گذر چکا تھا۔ اور اس وقت تک نہ صرف ان کے اہل وعیال بلکہ ان کے مہمان بھی گھر میں بیٹھے ان کا انتظار کرتے رہے، گھر میں ان کے داخل ہوتے ہی، ان کی بیوی نے کہا: کس چیز نے آپ کو اپنے مہمانوں سے روک رکھا تھا، یعنی آپ نے گھر آنے میں اتنی تاخیر کیوں کی جب کہ یہاں آپ کے مہمان کھانے کے لئے آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں؟ حضرت ابوبکرؓ بولے: تو کیا تم نے اب تک مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا؟ بیوی بولیں: ان مہمانوں نے آپ کے آنے تک کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا تاکہ کھانے میں ان کے ساتھ آپ بھی شریک رہیں حضرت ابوبکرؓ (یہ سن کر اپنے گھر والوں پر) سخت غضبناک ہوئے کیونکہ ان کو یہ خیال گذرا کہ گھر والوں ہی کی کوتاہی ہے جو انہوں نے اصرار کر کے مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا، چنانچہ انہوں نے (اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے) کہا کہ: خدا کی قسم، میں یہ کھانا ہرگز نہیں کھاؤں گا پھر ان کی بیوی نے بھی قسم کھالی کہ وہ اس کھانے کو (ہرگز نہیں کھائیں گی اور مہمانوں نے بھی قسم کھائی کہ وہ بھی اس کھانے کو (یا تو مطلق یا تنہا) نہیں کھائیں گے پھر چند ہی لمحوں بعد) حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے کہ میرا اس طرح غضبناک ہو جانا اور قسم کھالینا (کوئی موزوں بات نہیں ہے بلکہ) شیطان (کے بہکا دینے کے سبب) سے تھا (جس پر مجھے اب سخت پشیمانی ہو رہی ہے اور میں اپنے اللہ سے توبہ واستغفار کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر) انہوں نے کھانا منگایا اور پھر سب لوگوں نے (یعنی خود انہوں نے ان کے گھر والوں نے اور ان کے مہمانوں نے کھانا کھایا۔ (کھانے کے دوران یہ عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ) حضرت ابوبکرؓ اور ان کے مہمان (برتن سے منہ کی طرف) جو لقمہ بھی اٹھاتے تھے اس کی جگہ کھانا اور بڑھ جاتا تھا (یعنی جب وہ لوگ لقمہ اٹھاتے تو برتن میں اس لقمہ کی جگہ کھانا کم ہونے کے بجائے پہلے سے بھی زیادہ ہو جاتا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے (یہ حیرت انگیز بات دیکھ کر) اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا: ارے بنو فراس کی بہن! (ذرا دیکھنا) یہ کیسا عجیب معاملہ ہے۔ بیوی بولیں: اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم، (میں خود بھی حیرت سے یہی دیکھے جا رہی ہوں) یہ کھانے کا برتن جتنا پہلے بھرا ہوا تھا اس سے سہ چند زیادہ اب بھرا ہوا ہے، بہر حال سب نے (خوب سیر ہو کر) کھانا کھایا اور پھر حضرت ابوبکرؓ نے وہ کھانا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھی بھیجا، اور بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کھانے میں سے تناول فرمایا (بخاریؒ و مسلمؒ) اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيْحَ الطَّعَامِ باب المعجزات میں نقل کی جا چکی ہے۔"

تشریح: نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی ﷺ سے متصل اور حجرۂ نبوی سے شمالی جانب واقع ایک چبوترہ تھا، جس کو "صفہ" کہا جاتا تھا، جو غریب و مفلس مہاجر صحابہؓ نہ گھربار رکھتے تھے اور نہ بال بچے، وہ اس چبوترہ پر شب باش رہتے تھے، اسی نسبت سے ان کو "اصحاب صفہ" کہا جاتا تھا، یہ صحابہؓ اضیاف المسلمین (مسلمانوں کے مہمان) بھی کہلاتے تھے کیونکہ ان کے فقرو افلاس اور بے مائیگی کی بناء پر ان کے خورد و نوش کا انتظام عام مسلمان اپنی اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق کرتے تھے اور خالص اخلاقی و انسانی بنیاد پر ان کی مہمانداری کے فرائض انجام دیتے تھے۔ جو لوگ کہیں باہر سے مدینہ آتے تھے اگر مدینہ میں ان کے جان پہچان والے ہوتے تو وہ انہی کے ہاں اترتے ورنہ یہی صفہ ان کی امامت گاہ بنتا مشہور صحابہ ابوذر غفاریؓ، عمار ابن یاسرؓ، سلمان فارسیؓ، صہیبؓ، ابوہریرہؓ جناب ابن ارتؓ، حذیفہ بن الیمانؓ، ابوسعید خدریؓ بشیر بن الخصاصیہؓ، اور آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابومویہبہؓ اصحاب صفہ ہی میں سے ہیں۔

"یا چھٹے شخص کو بھی لے جائے" یہ حکم اس پس منظر میں تھا کہ جس شخص کے گھر میں اس کے اہل و عیال کے چار آدمیوں کا کھانا موجود ہو اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ وہ کھانا زیادہ سے زیادہ پانچ آدمیوں کی بھوک دفع کر سکتا ہے تو اپنے ساتھ پانچویں آدمی یعنی اصحاب صفہ میں سے ایک شخص کو لے جائے، اور اگر وہ سمجھتا ہے کہ چار آدمیوں کا وہ کھانا اتنا ہے کہ چھ آدمی بھی اپنی بھوک مٹا سکتے ہیں تو پھر وہ پانچویں کے ساتھ چھٹے آدمی کو بھی یعنی اصحاب صفہ میں سے دو اشخاص کو اپنے ساتھ لے جائے۔ اس صورت میں لفظ اَوْ تنویع کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور تخییر کے لئے بھی۔ تاہم یہ احتمال بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ یہ لفظ اَوْ شک کو ظاہر کرنے کے لئے ہے، یعنی اصل حدیث کا جز نہیں ہے بلکہ راوی نے اس لفظ کے ذریعہ اپنے شک کا اظہار کیا ہے اور ایک بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ لفظ اَوْ دراصل بل کے معنی میں ہے جو ضیافت کے باب میں مبالغہ کے لئے استعمال ہوتا ہے مطلب یہ کہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے گویا یہ فرمایا: "جس شخص کے ہاں چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ اپنے ساتھ پانچویں شخص کو بلکہ چھٹے شخص کو بھی لے جائے" اس وضاحت کی بنیاد وہ تناسب ہے جو ارشاد گرامی "جس شخص کے ہاں اپنے اہل و عیال کے لئے دو آدمیوں کا کھانا ہو تو وہ ایک تیسرے آدمی کو لے جائے" سے واضح ہوتا ہے اور جس کا تقاضا یہ ہے کہ جس شخص کے ہاں اپنے اہل و عیال کے چار آدمیوں کا کھانا تھا اس کو ایک نہیں، دو مہمان کا لے جانے کا حکم دیا جاتا، بلکہ احمدؒ، مسلمؒ ترمذیؒ اور نسائیؒ نے حضرت جابرؓ سے بطریق مرفوع یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہو سکتا ہے، دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کو کافی ہو سکتا ہے اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کو کافی ہو سکتا ہے۔

"اور اس وقت تک خدمت اقدس میں ظاہر رہے جب تک کہ نبی کریم ﷺ نے کھانا نہیں کھایا۔ یہ جملہ بظاہر عبارتی تکرار ہے یعنی آنحضرت ﷺ کے ہاں کھانے کا ذکر پہلے کیا جا چکا تھا، اب پھر یہاں اسی کو ذکر کر کے واقعہ کو از سرنو آگے تک بیان کرنا مقصود ہے لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے تو صرف حضرت ابوبکرؓ کے کھانے کا ذکر کیا گیا تھا کہ انہوں نے گھر میں اپنی بیٹی (حضرت عائشہؓ) کے پاس بیٹھ کر کھانا کھا لیا ہو گا اور یہاں آنحضرت ﷺ کے کھانے کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے عشاء کی نماز کے بعد تنہا یا اپنے ان مہمانوں کے ساتھ کھایا جن کو آپ صفہ سے لیکر آئے تھے۔

"انہوں نے کھانا منگایا اور پھر سب لوگوں نے کھانا کھایا یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے پہلے تو کھانا نہ کھانے کی قسم کھالی اور پھر کھانا منگا کر کھا بھی لیا اس طرح انہوں نے قسم کے خلاف کیسے کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے غصہ میں آ کر قسم تو کھالی مگر پھر جب ان کو اپنے غصہ پر پیشمانی ہوئی اور آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی طرف دھیان گیا کہ: اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھالے اور بعد میں وہی چیز بہتر دکھائی دے جو اس قسم کے خلاف ہو تو اس کو چاہیئے کہ قسم کے خلاف عمل کرے لیکن قسم کا کفارہ ادا کر دے" تو انہوں نے قسم توڑ کر کھانا منگایا اور قسم توڑنے کا کفارہ ادا کر دیا۔

اے بنو فراس کی بہن! حضرت ابوبکرؓ نے اس موقع پر اپنی بیوی کو فرط حیرت سے ان کے آبائی قبیلہ کی طرف منسوب کر کے مخاطب

اور متوجہ کیا۔ وہ جس قبیلہ سے آبائی تعلق رکھتی تھیں اس کا نام "فراس تھا۔

"اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم" یہ بیوی کا والہانہ انداز تھا جو انہوں نے اپنے محبوب شوہر حضرت ابوبکرؓ کے حیرت بھرے خطاب کے جواب میں اختیار کیا۔ لیکن یہ بات اس صورت میں کہی جائے گی جب یہ مانا جائے کہ آنکھوں کی ٹھنڈک" سے مراد حضرت ابوبکرؓ ہی تھے، کیونکہ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ یہاں" آنکھوں کی ٹھنڈک" سے آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے۔

"قرۃ العین" (آنکھوں کی ٹھنڈک) دراصل عربی کی ایک محاوراتی اصطلاح ہے جس سے محبوب کے دیدار اور اس دیدار سے حاصل ہونے والی لذت و خوشی کو تعبیر کیا جاتا ہے ویسے لفظ "قرۃ" یا "قر" ق کے پیش اور زبر دونوں کے ساتھ الگ الگ معنی رکھتا ہے لیکن یہ محاوراتی اصطلاح (قرۃ العین) دونوں معنی! میں صادق آتی ہے کیونکہ اگر ق کے پیش کے ساتھ (قرہ) ہو تو اس کے معنی خنکی اور ٹھنڈک کے ہوتے ہیں اور محبوب کا دیدار بلاشبہ آنکھ کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ اور اگر یہ لفظ ق کے زبر کے ساتھ "قرہ" ہو تو اس کے معنی قرار کے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب محبوب نظر کے سامنے آتا ہے تو آنکھ کو گویا قرار آجاتا ہے اور نگاہ روئے محبوب پر اس طرح جم جاتی ہے کہ پھر دائیں بائیں اٹھنے کی روادار نہیں ہوتی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

نجاشی کی قبر پر نور

④ عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ لَمَّا مَاتَ النَّجَاشِي كُنَّا نَتَحَدَّثُ اَنَّهٗ لَا يَزَالُ يُرٰى عَلٰى قَبْرِهٖ نُوْرٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نجاشی کے انتقال کے بعد ہمارے درمیان اس بات کا چرچا ہوتا تھا کہ نجاشی کی قبر پر ہمیشہ نور دکھائی دیتا ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: "نَجَاشِیْ" سے مراد حبشہ کے وہ بادشاہ ہیں۔ جو آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت اپنے ملک کے حکمراں تھے، وہ پہلے دین نصرانیت (عیسائیت) کے پیرو تھے پھر آنحضرت ﷺ پر ایمان لا کر پکے اور سچے مسلمان بن گئے تھے، انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بڑی خدمت کی اور آنحضرت ﷺ کے دل میں اونچی جگہ بنائی، چنانچہ جب حبشہ ہی میں ان کا انتقال ہوا اور آنحضرت ﷺ کو یہ خبر ملی تو آپ ﷺ نے انتہائی افسوس کا اظہار کیا اور اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ ان کے انتقال کے بعد کا ذکر حضرت عائشہؓ فرما رہی ہیں کہ مدینہ میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ نجاشی کی قبر پر نور دیکھا جاتا ہے، کیونکہ جن صحابہ کا حبشہ آنا جانا ہوتا تھا وہ وہاں ان کی قبر دیکھ کر مدینہ میں آکر یہی بتاتے تھے اور چونکہ سب لوگوں کا کسی غلط بات پر متفق ہونا ممکن نہیں تھا اس لئے یہ بات "خبر متواتر" کے قریب کی ہے۔ رہی یہ بات کہ نور دکھائی دینے سے کیا مراد ہے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی کی قبر پر نور کا اس طرح کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا تھا جیسے کسی چراغ، چاند اور سورج کی روشنی دیکھی جاتی ہے، تاہم یہ احتمال بھی ہے کہ نور دکھائی دینا" دراصل اس نورانیت، تازگی اور روحانی طمانیت کی تعبیر ہے جو اس قبر کی زیارت کرنے والے کو حاصل ہوئی تھی۔

جسد اطہر کو غسل دینے والوں کی غیب سے رہنمائی

⑤ وَعَنْهَا قَالَتْ لَمَّا اَرَادُوْا غُسْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا لَا نَدْرِيْ اَنُجَرِّدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ثِيَابِهٖ كَمَا نُجَرِّدُ مَوْتَانَا اَمْ نَغْسِلُهٗ وَعَلَيْهِ ثِيَابُهٗ فَلَمَّا اخْتَلَفُوْا اَلْقَى اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّوْمَ حَتّٰى مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَذَقْنُهٗ فِيْ صَدْرِهٖ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ مُكَلِّمٌ مِنْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ لَا يَدْرُوْنَ مَنْ هُوَ اغْسِلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثِيَابُهٗ فَقَامُوْا فَغَسَلُوْهُ وَعَلَيْهِ قَمِيْصُهٗ يَصُبُّوْنَ الْمَاءَ فَوْقَ الْقَمِيْصِ وَيَدْلُكُوْنَهٗ بِالْقَمِيْصِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ

النُّبُوَّةِ۔

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (وفات کے بعد) جب نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو غسل دینے کا ارادہ کیا گیا تو (وہاں موجود صحابہؓ یا اہل بیت کے درمیان) یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا کہ آیا رسول اکرم ﷺ کے کپڑے بھی اسی طرح اتار دیئے جائیں جس طرح ہم (غسل دینے کے لئے) اپنے مردوں کے کپڑے اتار دیتے ہیں (کہ صرف ستر کے اوپر ایک کپڑا چھوڑ کر باقی پورے جسم کو برہنہ کر دیا جاتا ہے، یا آپ ﷺ کو (آپ ﷺ کی خصوصیت کی بناء پر) کپڑوں ہی کے اندر غسل دیدیا جائے؟ جب (اس سوال پر) صحابہ میں اختلاف رائے کا اظہار ہوا (کہ کچھ لوگوں نے میت کو غسل دینے کے مروج طریقہ پر قیاس کرتے ہوئے جسد اطہر پر سے کپڑے اتارنے کا مشورہ دیا اور کچھ حضرات نے جسد اطہر کو برہنہ کرنا مناسب نہیں سمجھا، اور سب کا کسی ایک بات پر اتفاق نہیں ہو سکا تو اچانک) اللہ تعالیٰ نے ان سب پر نیند کو مسلط کر دیا یہاں تک کہ کوئی شخص ایسا وہاں نہیں رہا جس کی ٹھوڑی اس کے سینہ پر نہ آگئی ہو (مطلب یہ کہ نیند کے اچانک غلبہ نے سب کو غافل کر دیا، اور پھر ان لوگوں نے گھر کے ایک کونہ سے کسی ایسے بولنے والے کی آواز سنی جس سے وہ لوگ بالکل ناواقف تھے، وہ کہہ رہا تھا: نبی کریم ﷺ کو کپڑوں کے اندر غسل دو چنانچہ وہ سب لوگ (یہ آواز سنتے ہی ہوشیار ہو گئے اور) اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کے جسم مبارک کو کپڑوں ہی کے اندر اس طرح غسل دیا کہ اس وقت جسد اطہر پر جو کرتا تھا اسی پر پانی ڈالتے جاتے تھے اور کرتے ہی سے بدن کو ملتے جاتے تھے اس روایت کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: نوویؒ نے اس ضمن میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ صحیح روایت یہی ہے کہ غسل دیتے وقت جسد اطہر پر جو کپڑا (کرتا) تھا اس کو کفن دیتے وقت اتار دیا گیا تھا، اور یہ روایت ضعیف ہے کہ تکفین کے وقت بھی اس کرتے کو نہیں اتارا گیا تھا بلکہ اس کو کفن کے نیچے ہی رہنے دیا گیا تھا، اور یہ روایت، لہٰذا اس روایت سے استناد و استدلال صحیح نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام سفینہؓ کی کرامت

(٦) وَعَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ اَنَّ سَفِيْنَةَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْطَأَ الْجَيْشَ بِاَرْضِ الرُّوْمِ اَوْ اُسِرَ فَانْطَلَقَ هَارِبًا يَلْتَمِسُ الْجَيْشَ فَاِذَا هُوَ بِالْاَسَدِ فَقَالَ يَا اَبَا الْحَارِثِ اَنَا مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ اَمْرِيْ كَيْتَ وَكَيْتَ فَاَقْبَلَ الْاَسَدُ لَهٗ بَصْبَصَةٌ حَتّٰى قَامَ اِلٰى جَنْبِهٖ كُلَّمَا سَمِعَ صَوْتًا اَهْوٰى اِلَيْهِ ثُمَّ اَقْبَلَ يَمْشِيْ اِلٰى جَنْبِهٖ حَتّٰى بَلَغَ الْجَيْشَ ثُمَّ رَجَعَ الْاَسَدُ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور (جلیل القدر تابعی) ابن منکدرؒ بیان کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہؓ، رومی علاقہ میں لشکر کا راستہ بھول گئے تھے یا دشمن کے ہاتھوں قید کر لئے گئے، پھر وہ دشمن کے قبضہ سے نکل بھاگے اور اپنے لشکر کی تلاش میں لگ گئے اسی دوران (کسی جنگل میں) ان کی مڈبھیڑ ایک بڑے شیر سے ہو گئی انہوں نے نہ صرف یہ کہ خطرناک شیر کو سامنے دیکھ کر بھی اپنے اوسان بحال رکھے بلکہ اس کو اس کی کنیت کے ذریعہ مخاطب کر کے) کہا: اے ابوحارث میں رسول اللہ ﷺ کا آزاد کردہ غلام ہوں اور میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے (کہ میں اپنے لشکر سے بھٹک گیا ہوں، یا یہ کہ دشمن کے ہاتھوں قید ہو گیا تھا، اب ان کے قبضہ سے نکل بھاگا ہوں اور اپنے لشکر کی تلاش میں سرگرداں ہوں، شیر (یہ سنتے ہی) دم ہلاتا ہوا (کہ جو جانور کے مطیع و فرمانبردار ہو جانے کی علامت ہے) ان کے پہلو میں آکر کھڑا ہو گیا، اور پھر کسی طرف سے کوئی خوفناک (درندے وغیرہ کی) آواز آئی تو شیر (اس کے دفعیہ کے لئے) اس آواز کی طرف لپکتا اور پھر واپس آجاتا، اسی طرح وہ شیر (ایک محافظ اور رہبر کی مانند) سفینہؓ کے پہلو بہ پہلو چلتا رہا یہاں تک کہ سفینہؓ اپنے لشکر میں پہنچ گئے اور شیر واپس چلا گیا۔" (شرح السنۃ)

تشریح: "یا دشمن کے ہاتھوں قید کر لئے گئے" یہاں راوی نے اپنے شک کو ظاہر کیا ہے کہ یا تو یہ صورت حال پیش آئی تھی کہ اس علاقہ

میں حضرت سفینہؓ اسلامی لشکر سے بچھڑ گئے تھے اور اس کی تلاش میں ادھر ادھر سرگرداں تھے یا یہ کہ کہیں موقع پا کر دشمن نے ان کو اچک لیا تھا اور قید میں ڈال دیا تھا۔ "سفینہؓ" نام نہیں، لقب ہے، اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان کا اصل نام کیا تھا اور یہ لقب اس لئے مشہور ہوا کہ وہ ایک سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے اور بہت سارا سامان اپنے اوپر لادے ہوئے تھے، اس کے باوجود شرکاء سفر میں سے جو شخص تھک جاتا تھا وہ اپنا سامان بھی ان پر لاد دیتا تھا اور وہ ہنسی خوشی سب کا بوجھ اپنے اوپر لادتے جاتے تھے آنحضرت ﷺ نے ان کو اس حال میں دیکھا تو مزاحاً فرمایا کہ انت السفینۃ (تم تو کشتی ہو) بس اسی دن سے وہ "سفینہ" کے لقب سے اس طرح مشہور ہوئے کہ لوگوں کو ان کے اصل نام کا پتہ نہیں چلتا تھا، اگر کوئی ان سے پوچھتا کہ تمہارا اصل نام کیا ہے تو وہ جواب دیتے: میرا نام بس وہی ہے جو میرے آقا ﷺ نے رکھ دیا تھا یعنی سفینہ۔

قبر مبارک کے ذریعہ استسقاء

⑦ وَعَنْ اَبِي الْجَوْزَآءِ قَالَ قُحِطَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ قَحْطًا شَدِيْدًا فَشَكَوْا اِلٰى عَائِشَةَ فَقَالَتْ اُنْظُرُوْا قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْعَلُوْا مِنْهُ كَوًى اِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى لَا يَكُوْنَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ فَفَعَلُوْا فَمُطِرُوْا مَطَرًا حَتّٰى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الْاِبِلُ حَتّٰى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ۔ (رواہ الدارمی)

"اور مشہور تابعی ابوالجوزاء" کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ خشک سالی کی وجہ سے، مدینہ والے سخت قحط میں مبتلا ہو گئے تو انہوں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں کا ذکر کیا (تاکہ وہ بارش کی دعا کریں اور کوئی تدبیر بتائیں) حضرت عائشہ نے کہا: ایسا کرو تم نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک پر رجوع کرو اور حجرے کی چھت میں سے کچھ سوراخ آسمان کی طرف اس طرح کھول دو کہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے چنانچہ لوگوں نے حضرت عائشہ کے کہنے کے مطابق عمل کیا اور پھر جو بارش ہوئی ہے تو ہر اچارہ بھی اتنا نکلا کہ (خوب کھا کھا کر) اونٹ فربہ ہو گئے یہاں تک کہ چربی کی زیادتی سے ان کی کوکھیں پھول گئیں، اور اس سال کا نام ہی "فتق کا سال" پڑ گیا۔"

(دارمی)

تشریح: "کَوًی" (ک کے زبر کے ساتھ اور پیش کے ساتھ بھی) دراصل "کوۃ" (ک کے زبر اور پیش دونوں کے ساتھ) کی جمع ہے، جس کے معنی اس سوراخ یا روشن دان کے ہیں جو گھر کی چھت یا دیوار میں کھلا ہو حضرت عائشہؓ کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت کی قبر شریف جس حجرہ میں ہے اس کی چھت میں اس طرح کے متعدد روشن دان کھول دو کہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان کوئی حجاب حائل نہ رہے، تاکہ جب آسمان آپ ﷺ کی قبر شریف دیکھے تو آپ کی وفات کے صدمہ کو یاد کر کے روئے، تم پر پانی برسائے اور یہی ہوا کہ جب حجرۂ شریف کی چھت میں بڑے بڑے سوراخ کر دیئے گئے اور آسمان نے قبر مبارک دیکھی تو رونے لگا اور اس کے رونے کی وجہ سے ندی نالے بہہ پڑے واضح رہے کہ آسمان کے رونے کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے، فرمایا گیا فَمَا بَکَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ اس آیت میں ان لوگوں پر آسمان کے نہ رونے کا ذکر ہے، جو اللہ کے مبغوض بندے تھے، لہٰذا اللہ کے محبوب اور برگزیدہ بندوں کے حق میں اس کے برعکس ہوتا ہے کہ آسمان ان کے لئے روتا ہے اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے مشورہ پر حجرۂ شریف کی چھت میں سوراخ کا کھولا جانا دراصل قبر مبارک سے وسیلہ و سفارش حاصل کرنا تھا، مطلب یہ کہ حیات مبارکہ میں تو لوگ آنحضرت ﷺ کی ذات مبارکہ کے ذریعہ بارش کے طلب گار ہوتے تھے اور جب ذات مبارک نے اس دنیا سے پردہ فرما لیا استسقاء (طلب بارش) کی ضرورت پیش آئی تو حضرت عائشہؓ نے حکم دیا کہ قبر مبارک کے اوپر سے چھت کھول دی جائے تاکہ رحمت حق جوش میں آئے اور پانی برسنے لگے گویا انہوں نے ظاہر میں تو قبر مبارک کو بارش کی طلب گاری کا ذریعہ بنایا لیکن حقیقت میں آپ ﷺ کی ذات مبارک ہی اس طلبگاری کا ذریعہ اور وسیلہ تھی اور قبر مبارک کی چھت کا کھولا جانا اس طلبگاری کو زیادہ سے زیادہ موثر بنانے اور پریشان حال لوگوں کی اضطراری

کیفیت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا۔

"فتق" کے معنی ہیں پھول جانا۔ اور بعض نے اس کے معنی پھٹ جانا، اور بعض نے "پھیل جانا" بھی بیان کئے ہیں مطلب یہ کہ بارش ہو جانے سے قحط کا اثر ختم ہو گیا، چاروں طرف ارزانی ہوئی، جنگل اور کھیت بھی ہریالے ہو گئے اور ہرا چارہ اتنا زیادہ نکلا کہ مویشیوں نے خوب کھایا پیا، اور پھر ان میں چربی اور فربہی بھی اتنی زیادہ ہو گئی کہ ان کی کوکھیں پھول گئیں یا ان کے بدن پھیل گئے اور پھٹ گئے۔

حضرت عائشہؓ کا بارش کی طلب گاری میں قبر شریف کے ذریعہ ذات مبارک سے سفارش و وسیلہ حاصل کرنا اور اس کے اثرات کا ظاہر ہونا حضرت عائشہؓ کی کرامت تو ہے ہی لیکن حقیقت میں آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا، اور ویسے بھی امت کے اولیاء کی کرامتیں پیغمبر اُمت کے معجزوں میں شمار ہوتی ہیں۔

ایک معجزہ ایک کرامت

⑧ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ لَمَّا كَانَ اَيَّامُ الْحَرَّةِ لَمْ يُؤَذَّنْ فِيْ مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثًا وَلَمْ يُقَمْ وَلَمْ يَبْرَحْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ الْمَسْجِدَ وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلٰوةِ اِلَّا بِهَمْهَمَةٍ يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت سعید ابن عبد العزیزؒ جو جلیل القدر تبع تابعین میں سے ہیں اور جو نہ صرف یہ کہ زبردست فقیہ تھے اور حدیث کو صحت کے ساتھ بیان کرنے میں امتیازی حیثیت رکھتے بلکہ بڑے گریاں و ترساں بزرگ تھے) بیان کرتے ہیں کہ واقعہ حرہ کے دنوں میں تین روز تک مسجد نبویؐ میں نہ تو اذان دی گئی نہ تکبیر کہی گئی اور نہ حضرت سعید ابن مسیب مسجد سے باہر نکلنے پائے (کیونکہ ان ایام میں لوگوں کا مسجد میں آنا بالکل بند کر دیا گیا تھا) (مسیبؒ ان پُر آفات دنوں میں) نماز کا وقت صرف اس آہستہ گنگناہٹ جیسی آواز سے شناخت کرتے تھے جو آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے حجرہ کے اندر سے آتی ہوئی وہ سنتے تھے۔" (دارمی)

تشریح: "حرہ" مدینہ کے باہر اس قطعہ زمین کو کہتے تھے جو کالے پتھروں اور سنگریزوں والا تھا اور واقعہ حرہ" سے مراد مدینہ والوں پر یزید ابن معاویہ کی وہ لشکر کشی ہے جس کے نتیجہ میں مدینہ شہر کو سخت تباہی و بربادی اور اہل مدینہ کو ہیبت ناک قتل و غارت گری کا شکار ہونا پڑا تھا، یہ المناک واقعہ تاریخ اسلام کے سخت ترین واقعات میں سے ہے۔ اس کے دردناک حالات کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مسلسل تین دن تک مسجد نبوی اذان و تکبیر سے محروم رہی۔

یزید کا لشکر چونکہ اسی حرہ کی طرف سے مدینہ پر حملہ آور ہوا تھا اس لئے اس کو "واقعہ حرہ" سے موسوم کیا جاتا ہے۔

حضرت سعید ابن مسیبؒ اونچے درجہ کے تابعین میں سے تھے، بڑے فقیہ محدث، عابد اور متقی۔ انہوں نے چالیس حج کئے تھے، ۹۳ء میں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت انسؓ کی کرامت

⑨ وَعَنْ اَبِيْ خَلْدَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِي الْعَالِيَةِ سَمِعَ اَنَسٌ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَدَمَهُ عَشْرَ سِنِيْنَ وَدَعَالَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ لَهُ بُسْتَانٌ يَحْمِلُ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ الْفَاكِهَةَ مَرَّتَيْنِ وَكَانَ فِيْهَا رَيْحَانٌ يَجِيْءُ مِنْهُ رِيْحُ الْمِسْكِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابو خلدہؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے (بزرگ تابعی) حضرت ابو العالیہؒ سے پوچھا: کیا حضرت انسؓ نے نبی کریم ﷺ سے حدیثیں سنی ہیں؟ حضرت ابو العالیہؒ نے جواب دیا: حضرت انسؓ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دس سال رہنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

نیز ان کو نبی کریم ﷺ کی دعا لگی ہوئی تھی، ان کا جو باغ تھا اس میں سال کے اندر دو دفعہ پھل آتے تھے اور اس باغ میں جو پھول تھے ان سے مشک کی خوشبو پھوٹتی تھی اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: حضرت ابوخلدہؒ نے حضرت انسؓ کے بارے میں حضرت ابوالعالیہؒ سے جو سوال کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت انسؓ جو حدیثیں روایت کرتے ہیں وہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے بلاواسطہ اور براہ راست سنی ہیں یا وہ مرسل روایتیں ہیں، اگرچہ مرسل روایتوں کی حجیت میں کسی کو کوئی کلام نہیں ہے؟ اس سوال کے بین السطور سے یہ بات جھلکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد کچھ لوگوں کو حضرت انسؓ کی روایت کے بارے میں تردد ہوا ہو گا حضرت ابوالعالیہؒ نے جو بزرگ تابعین میں سے تھے ابوخلدہؒ کا جواب براہ راست نہیں دیا بلکہ انہوں نے وہ بات بتائی جس سے حضرت انسؓ کی اہمیت شان واضح ہوتی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت انسؓ نے جو دس سال کی عمر میں یا بعض روایتوں کے مطابق آٹھ سال کی عمر میں آنحضرت ﷺ کی خدمت کے لئے وقف کر دیئے گئے تھے مسلسل دس سال تک آپ کی خدمت کی اور یہ ان کی والہانہ اور مخلصانہ خدمت گذاری ہی کا مبارک صلہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے حق میں عمر اور مال کی برکت کی دعا فرمائی تھی اور اس دعا کے اثر سے ان کو ایک سو تین سال کی لمبی عمر حاصل ہوئی، اللہ نے ان کو کثرت اولاد سے بھی اس طرح نوازا کہ ان کے تہتر لڑکے تھے اور ستائیس لڑکیاں۔ ان کے یہاں مال میں برکت کا یہ حال تھا کہ دوسروں کے باغات تو سال میں ایک ہی مرتبہ پھل دیتے تھے لیکن ان کے باغ میں سال کے اندر دو دفعہ پھل آتے تھے۔ ان کی عظمت شان کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے باغ میں جو پھول کھلتے تھے ان سے مشک کی خوشبو پھوٹا کرتی تھی، لہٰذا واضح ہوا کہ جس ہستی کو ایسا مرتبہ ملا ہو، جس کو اتنے طویل عرصہ تک آنحضرت کی خدمت و ملازمت میں رہنے اور شرف صحبت حاصل کرنے کی سعادت ملی ہو اس نے آنحضرت ﷺ سے براہ راست حدیثیں کیسے نہیں سنی ہوں گی اور وہ حدیثیں روایت کیوں نہیں کرے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حضرت سعید ابن زیدؓ کی کرامت

(۱۰) وَعَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّ سَعِيْدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ خَاصَمَتْهُ اَرْوٰى بِنْتُ اَوْسٍ اِلٰى مَرْوَانَ ابْنِ الْحَكَمِ وَادَّعَتْ اَنَّهُ اَخَذَ شَيْئًا مِنْ اَرْضِهَا فَقَالَ سَعِيْدٌ اَنَا كُنْتُ اٰخُذُ مِنْ اَرْضِهَا شَيْئًا بَعْدَ الَّذِيْ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاذَا سَمِعْتَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا طُوِّقَهُ اللّٰهُ اِلٰى سَبْعِ اَرَضِيْنَ فَقَالَ لَهُ مَرْوَانُ لَا اَسْئَلُكَ بَيِّنَةً بَعْدَ هٰذَا فَقَالَ سَعِيْدٌ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَاَعْمِ بَصَرَهَا وَاقْتُلْهَا فِيْ اَرْضِهَا فَقَالَ فَمَا مَاتَتْ حَتّٰى ذَهَبَ بَصَرُهَا وَبَيْنَمَا هِيَ تَمْشِيْ فِيْ اَرْضِهَا اِذْ وَقَعَتْ فِيْ حُفْرَةٍ فَمَاتَتْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِمَعْنَاهُ وَاَنَّهُ رَاٰهَا عَمْيَاءَ تَلْتَمِسُ الْجُدُرَ تَقُوْلُ اَصَابَتْنِيْ دَعْوَةُ سَعِيْدٍ وَاَنَّهَا مَرَّتْ عَلٰى بِئْرٍ فِي الدَّارِ الَّتِيْ خَاصَمَتْهُ فِيْهَا فَوَقَعَتْ فِيْهَا فَكَانَتْ قَبْرَهَا۔

"حضرت عروہؒ ابن زبیر بن العوام (جو اونچے درجہ کے تابعین میں سے ہیں اور "عشرۂ مبشرہ" میں کے ایک مشہور صحابی حضرت زبیر بن العوامؓ کے بیٹے ہیں) بیان کرتے ہیں کہ (ایک عورت) اروی بنت اوس کو حضرت سعید ابن زید ابن عمرو ابن نفیلؓ سے مخاصمت ہوئی اور ان کے خلاف استغاثہ لیکر مروان ابن حکم کی عدالت میں گئی (جو حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا، اروی نے دعوی کیا کہ سعید ابن زیدؓ نے میرا ایک قطعہ زمین (زبردستی، دبالیا ہے حضرت سعیدؓ نے یہ دعوی سن کر اس کو بعید از امکان قرار دینے کے لئے) کہا: رسول کریم ﷺ کا ارشاد سننے کے بعد بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس عورت کی زمین دبالوں گا۔ مروان نے پوچھا: تم نے رسول

کریم ﷺ سے کیا سنا ہے؟ حضرت سعیدؓ نے بیان کیا: میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی بالشت بھر زمین بھی زبردستی ہتھیالے گا تو (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ اس زمین کے ساتوں طبقوں کو طوق بنا کر اس شخص کے گلے میں ڈالے گا، مروان نے (یہ سن کر) حضرت سعیدؓ سے کہا کہ اس دلیل کے بعد میں اس کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا کہ تم سے گواہ طلب کروں تاہم حضرت سعیدؓ نے (زمین کا وہ قطعہ اس عورت کے حق میں چھوڑ دیا اور) کہا: اے اللہ! یہ عورت اگر جھوٹی ہے تو اس کی بینائی چھین لے اور اس کو اسی زمین میں موت دے۔ حضرت عروہؓ بیان کرتے ہیں کہ مرنے سے پہلے وہ عورت اندھی ہوگئی تھی اور ایک دن اسی (مذکورہ) زمین پر چل رہی تھی کہ اچانک ایک گہرے گڑھے میں گری اور وہیں مرگئی۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

اور مسلمؒ کی ایک روایت میں، جو حضرت محمدؒ ابن زید ابن عبداللہ ابن عمر (تابعی) سے اس روایت کے ہم معنی منقول ہے یوں ہے کہ انہوں نے (یعنی محمدؒ ابن زید نے ایک دن) دیکھا کہ وہ عورت، جو اندھی ہو چکی تھی، (ایک دیوار کے سہارے) ٹٹولتی ہوئی چل رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ مجھے سعید ابن زیدؓ کی بددعا کھاگئی، اور پھر یہ ہوا کہ (ایک دن) جب وہ اس کنویں (یعنی گہرے گڑھے) کے پاس سے گذر رہی تھی جو اسی مذکورہ زمین پر واقع گھر میں تھا تو اچانک اس میں گر کر مرگئی اور وہی کنواں (گڑھا) اس کی قبر بن گیا۔

تشریح: حضرت سعید ابن زیدؓ عشرہ مبشرہ یعنی ان دس جلیل القدر صحابہ میں سے ایک ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت عطا فرمادی تھی، یہ حضرت عمر فاروقؓ کے بہنوئی اور بڑے باکرامت و مستجاب الدعوات تھے اروی کے بارے میں یہ تحقیق سے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کوئی صحابیہ تھی یا تابعیہ. بہرحال اس عورت نے مروان حاکم مدینہ کی عدالت میں حضرت سعید ابن زیدؓ کے خلاف یہ جھوٹا دعویٰ دائر کیا کہ انہوں نے زور زبردستی کر کے میری زمین کا کچھ حصہ دبا لیا ہے جب کہ حقیقت میں وہ زمین حضرت سعیدؓ ابن زید کی اپنی جائز ملکیت اور قبضے میں تھی چنانچہ انہوں نے اس جھوٹے دعوے پر سخت حیرت اور استبعاد کا اظہار کیا اور مروان کے سامنے کہا کہ جس شخص نے کسی کی زمین ہتھیانے کی وعید آنحضرت ﷺ سے خود سن رکھی ہو بھلا وہ کیسے جرأت کر سکتا ہے کہ کسی کی زمین پر زبردستی قبضہ کرلے۔ مروان نے حضرت سعیدؓ سے اس وعید سے متعلق حدیث سننے کی خواہش ظاہر کی، حضرت سعیدؓ نے وہ حدیث، جس کو انہوں نے خود براہ راست آنحضرت ﷺ سے سنا تھا، بیان کردی۔ مروان کو حضرت سعیدؓ کی سچائی کا یقین ہوگیا اور اس وقت اس نے حضرت سعیدؓ سے جو کچھ کہا اس کا مطلب یہ تھا کہ مجھے تمہارے سچا ہونے کا پورا یقین ہے کیونکہ میں تمہاری اندرونی زندگی تک جانتا ہوں، تم کسی پر ظلم کر ہی نہیں سکتے اور پھر تم سے یہ حدیث سننے کے بعد تو اس کی بھی ضرورت نہیں رہ گئی ہے کہ عدالتی طور پر تمہاری بات تسلیم کرنے کے لئے تم سے کوئی گواہ طلب کروں۔ یا مروان کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے روایت حدیث میں مجھے کوئی شک نہیں ہے اور نہ اس حدیث کو صحیح ماننے کے لئے میں کسی اور راوی کی بھی روایت کا محتاج ہوں، تم خود اپنی معروف حیثیت کے اعتبار سے دو راویوں بلکہ اس سے بھی زائد راویوں کے برابر ہو۔ غرضیکہ مروان نے اس عورت کا دعویٰ خارج کردیا۔ مگر جیسا کہ کرمانیؒ نے لکھا ہے اور خود روایت سے بھی مفہوم ہوتا ہے، حضرت سعیدؓ نے احتیاطاً اس زمین سے دست کشی اختیار کر کے اسی عورت کے قبضہ میں جانے دی جس نے اس زمین کا دعویٰ کیا تھا، تاہم انہوں نے بددعا ضرور کی کہ وہ عورت اگر جھوٹی ہو تو اسی دنیا میں اپنے جھوٹ کی سزا پائے اور دنیا والوں کی نظر میں اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بددعا کا اثر ظاہر کیا اور جیسا کہ حضرت سعیدؓ نے کہا تھا وہ عورت مرنے سے پہلے اندھی بھی ہوگئی اور وہی زمین اس کی قبر بھی بنی، کیونکہ جب وہ اس زمین میں واقع گھر کے اندر) ایک کنویں نما گڑھے میں گر کر مرگئی تو کسی نے اس کی لاش نکال کر علیحدہ سے دفن کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔

حضرت عمرؓ کی کرامت

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بَعَثَ جَيْشًا وَاَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا يُدْعٰى سَارِيَةَ فَبَيْنَمَا عُمَرُ يَخْطُبُ فَجَعَلَ يَصِيْحُ يَا سَارِيَ

الْجَبَلَ فَقَدِمَ رَسُوْلٌ مِّنَ الْجَيْشِ فَقَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَقِيْنَا عَدُوَّنَا فَهَزَمُوْنَا فَإِذَا بِصَائِحٍ يَصِيْحُ يَا سَارِيَ الْجَبَلَ فَاَسْنَدْنَا ظُهُوْرَنَا اِلَى الْجَبَلِ فَهَزَمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے (ایران کے صوبہ ہمدان کے جنوب میں واقع مقام نہاوندہ کو) جو لشکر بھیجا تھا اس (کے ایک حصۂ فوج) کا سپہ سالار ساریہ نامی شخص کو بنایا تھا، (ایک دن) جب کہ فاروق اعظمؓ (مسجد نبوی میں) خطبہ ارشاد فرمارہے تھے (اور حاضرین میں اکابر صحابہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ وتابعین بھی تھے) تو انہوں نے (دوران خطبہ) اچانک چلا چلا کر کہنا شروع کیا کہ ساریہ! پہاڑ کی طرف جاؤ (یعنی میدان جنگ کا موجودہ مورچہ چھوڑ کر پہاڑ کے دامن میں چلے جاؤ اور پہاڑ کو پشت بان کر کے نیا مورچہ بنالو) لوگوں کو یہ سن کر بڑا تعجب ہوا اور پھر جب (چند دنوں کے بعد) لشکر سے ایک ایلچی آیا اور اس نے (میدان جنگ کے حالات سنا کر) کہا کہ امیر المؤمنین! دشمن نے تو ہمیں آلیا تھا اور ہم شکست سے دوچار ہوا ہی چاہتے تھے کہ اچانک (ہمارے کانوں میں ایک شخص کی آواز آئی) جو چلا چلا کر کہہ رہا تھا: "ساریہ! پہاڑ کی طرف جاؤ" چنانچہ (یہ آواز سن کر) ہم نے (اپنا وہ مورچہ چھوڑ دیا اور پہاڑ کی سمت جا کر) پہاڑ کو اپنا پشت بان بنالیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو شکست دی (اس روایت کو بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ جب لوگوں نے خطبہ کے دوران حضرت فاروقؓ کو اس طرح بآواز بلند ساریہ کو مخاطب کرتے سنا تو حیرت زدہ ہو کر کہا کہ یہاں ساریہ کو پکار رہے ہیں وہ تو (سینکڑوں میل دور) نہاوند کے مقام پر دشمن کا مقابلہ کرنے میں مصروف ہے؟ فاروق اعظم نے فرمایا: دراصل میں نے ایسا ہی منظر دیکھا کہ مسلمان مصروف جنگ ہیں اور ان کے لئے پہاڑ کو پشت بان بنالینا نہایت ضروری ہے۔ اس لئے بے اختیار میری زبان سے یہ الفاظ نکل گئے جب ساریہ کا خط اور ایلچی آیا تو ٹھیک جمعہ کے روز عین نماز جمعہ کے وقت اس تاریخ کا واقعہ اس خط میں لکھا ہوا تھا اور ایلچی نے زبانی بھی بیان کیا۔

اس ایک واقعہ سے حضرت عمر فاروقؓ کی کئی کرامتیں ظاہر ہوئیں، ایک تو یہ کہ انہوں نے جنگ نہاوند کا منظر سینکڑوں میل دور مدینہ میں دیکھا، دوسرے یہ کہ ان کی آواز جو مدینہ میں بلند ہوئی تھی سینکڑوں میل دور نہاوند کے مقام تک پہنچی اور وہاں سب اہل لشکر نے اس کو سنا، اور تیسرے یہ کہ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں اہل اسلام کو فتح عطا فرمائی۔

کعب احبارؓ کی کرامت

(۱۴) وَعَنْ نُبَيْهَةَ بْنِ وَهْبٍ اَنَّ كَعْبًا دَخَلَ عَلٰى عَائِشَةَؓ فَذَكَرُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَعْبٌ مَا مِنْ يَوْمٍ يَطْلُعُ اِلَّا نَزَلَ سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ حَتّٰى يَحُفُّوْا بِقَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْرِبُوْنَ بِاَجْنِحَتِهِمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا اَمْسَوْا عَرَجُوْا وَهَبَطَ مِثْلُهُمْ فَصَنَعُوْا مِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى اِذَا انْشَقَّتْ عَنْهُ الْاَرْضُ خَرَجَ فِيْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ يَزُفُّوْنَهٗ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت نبیہ ابن وہبؒ (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت کعب احبارؓ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جب اس مجلس میں رسول کریم ﷺ (کی بعض صفات وخصوصیات یا آپ ﷺ کے وصال کے حالات کا ذکر ہوا تو انہوں نے کہا: کوئی دن ایسا نہیں گذرتا کہ فجر طلوع ہی ستر ہزار فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور وہ (فرشتے) رسول کریم ﷺ کی قبر شریف کو گھیر لیتے ہیں اور (قبر کے اوپر سے گرد وغبار صاف کرنے کے لئے یا انوار قبر سے برکت حاصل کرنے کے لئے) اپنے پروں کو قبر شریف پر مارتے ہیں اور رسول کریم ﷺ پر درود پڑھتے رہتے ہیں یہاں تک جب شام ہوتی ہے تو وہ فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں اور (انہی کی طرح ستر ہزار) دوسرے فرشتے اترتے ہیں، جو ان (دن والے فرشتوں) کی طرح صبح تک یہی کرتے ہیں (یعنی قبر شریف کو گھیر لیتے ہیں اور اس پر اپنے پر مارتے ہیں اور درود پڑھتے رہتے ہیں، یہ سلسلہ (یعنی ہر روز صبح شام اس طرح ستر ہزار فرشتوں کا اترنا) اس وقت جاری رہے گا جب کہ

(قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا اور) قبر شریف شق ہوگی اور آپ ﷺ قبر سے اٹھیں گے اور ستر ہزار فرشتے (اپنے جلو میں لے کر) محبوب کو حبیب تک پہنچائیں گے۔"

تشریح: حضرت کعب احبار، کبار تابعین میں سے ہیں، ویسے انہوں نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا تھا لیکن آپ ﷺ کو دیکھا نہیں، مسلمان حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں ہوئے تھے۔

فرشتوں کے اترنے کی یہ بات حضرت کعبؓ کو یا تو سابقہ آسمانی کتابوں میں مذکورہ پیشین گوئیوں سے معلوم ہوئی ہوگی یا انہوں نے پہلے زمانہ کے بڑے بوڑھوں اور سابقہ آسمانی کتابوں کے عالموں سے سنی ہوں گی اور یا یہ کہ خود ان کا کشف اور کراماتی مشاہدہ ہوگا اور یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوئی ہے کیونکہ اس سے ان کی کرامت ظاہر ہوتی ہے۔

بَابُ وَفَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
نبی کریم ﷺ کی وفات کا بیان

مشکوٰۃ المصابیح کے اکثر نسخوں میں صرف "باب" کا لفظ منقول ہے، ایک نسخہ میں باب وفات النبی ﷺ کے الفاظ ہیں جن سے باب کے موضوع کا اظہار ہوتا ہے اور یہی زیادہ صحیح اور زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ مولف مشکوٰۃ کا معمول یہ ہے کہ وہ صرف باب کا لفظ اس موقع پر لاتے ہیں جہاں پچھلے باب سے تعلق رکھنے والی بقیہ حدیثوں کو نقل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جب کہ یہاں ایسی صورت نہیں ہے، اس باب میں جو احادیث نقل کی گئی ہیں وہ سابقہ باب سے کوئی نسبت اور تعلق رکھنے کے بجائے ایک مستقل موضوع یعنی آنحضرت ﷺ کے وصال کے حالات سے متعلق ہیں نیز اس باب کے بعد جو باب آرہا ہے وہاں مولف نے موضوع کا ذکر کئے بغیر صرف "باب" کا لفظ لکھ دیا ہے اور اس باب میں اسی باب کے موضوع یعنی نبی کریم ﷺ سے متعلق احادیث منقول ہیں، اس بات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہاں "باب" کا ذکر اپنے موضوع یعنی نبی کریم ﷺ کی وفات کے اظہار کے ساتھ ہو اگلا باب اپنے موضوع کے اظہار کے بغیر ہو جس میں اس باب سے متعلق بقیہ احادیث منقول ہوں۔

مرض الموت کی ابتدا: آنحضرت ﷺ کے مرض الموت کی ابتداء کس دن ہوئی، اس بارے میں مختلف اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ ہجرت کے گیارھویں سال ماہ صفر کے آخر میں ۲۷ یا ۲۸/ تاریخ کو درد سر کے شدید حملہ سے آپ ﷺ کے مرض الموت کا آغاز ہوا ایک روایت کے مطابق محرم کے مہینے ہی میں آپ ﷺ پر بخار کا حملہ ہو گیا تھا، ۲۶ صفر کو بیماری سے کسی قدر افاقہ محسوس ہوا تھا اور ۲۸ صفر ہی کو پھر بیماری میں اشتداد ظاہر ہو گیا، ایک روایت ہے کہ مرض الموت کا آغاز ماہ ربیع الاول شروع میں ہوا۔ ابن جوزیؒ کی کتاب الو فاء میں یہ لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے مرض وفات کا آغاز ماہ صفر کی اس تاریخ کو ہوا۔ جب کہ مہینہ ختم ہونے میں دس راتیں باقی تھیں اور آپ ﷺ کا وصال ۱۲ ربیع الاول کو ہوا سلیمان تیمیؒ نے جو ایک ثقہ اور انتہائی قابل اعتماد راوی ہیں، اپنا یہ یقین بیان کیا کہ "آنحضرت ﷺ کے مرض الموت کی ابتداء بدھ کے دن ۲۲ صفر کو ہوئی اور آپ ﷺ کا وصال پیر (دوشنبہ) کے دن ربیع الاول کی دوسری تاریخ کو ہوا بہت سے علماء اس قول کو اگرچہ اس بناء پر قابل ترجیح کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہراءؓ کا انتقال رمضان المبارک کی تیسری تاریخ کو ہوا تھا اور تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؓ کی وفات آنحضرت ﷺ کے وصال کے ٹھیک ٹھیک چھ ماہ بعد ہوئی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثر روایتوں میں آپ ﷺ کی تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول ہی منقول ہے۔

سختی مرض: شدید درد سر اور بخار کی صورت میں جو مرض لاحق ہوا تھا وہ بڑھتا گیا، شدت مرض سے آپ کے کرب کا یہ حال ہوتا تھا کہ بستر پر پڑے پڑے کروٹ پر کروٹ بدلتے مگر کسی صورت چین نہیں ملتا تھا، اس وقت آپ ﷺ فرماتے تھے کہ بیماری جتنی سخت ہم لوگوں یعنی

انبیاء) کی ہوتی ہے اتنی سخت کسی کی نہیں ہوتی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اجر وثواب بھی ہمیں ہی زیادہ ملتا ہے۔ اپنی اس بیماری کے دوران آنحضرت ﷺ نے چالیس غلام آزاد کئے، اور علاوہ تین روز کے، پوری مدت مرض اپنے صحابہ کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرتے رہے بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے سترہ نمازیں نہیں پڑھائیں اور حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

آخری تلقین و نصیحت: روایتوں میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے مرض الموت میں سب سے زیادہ جس چیز کی نصیحت فرمایا کرتے تھے ان میں سے ایک تو یہ تھی کہ نماز سے غافل مت ہونا اور دوسری یہ تھی کہ اپنے غلاموں اور اپنی باندیوں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا معاملہ کرنا۔ وفات کے دن فجر کے وقت آپ ﷺ حجرہ شریف سے نکل کر مسجد میں آئے اور حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں فجر کی نماز ادا کی، بعد نماز آپ ﷺ نے صحابہ کو آخری بار خطاب کیا اور فرمایا: مسلمانو! میں تم لوگوں کو خدا حافظ کہتا ہوں اور تم سب کو اللہ کی حفاظت میں دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہی تمہارے حق میں میرا خلیفہ یعنی بہتر کارساز ہے اب چونکہ میں دنیا چھوڑ رہا ہوں اور تم سے جدا ہو رہا ہوں اس لئے تمہیں یہ نصیحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ تقویٰ (پرہیزگاری اختیار کرنا اور نیک کاری کو ہمیشہ مدنظر رکھنا۔

مرض الموت کے دوران: مرض وفات کے دوران جو بعض غیر معمولی واقعات پیش آئے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پنجشنبہ کے دن، جب کہ آپ ﷺ پر بیماری کا شدید غلبہ تھا، آپ ﷺ نے ایک وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ سے فرمایا کہ بکری کے شانہ کی ہڈی (کہ جو چوڑی ہونے کے سبب لکھنے کے لئے زیادہ پسند کی جاتی تھی، یا کوئی تختہ لے آؤ تاکہ میں اس پر ابوبکرؓ کے لئے وصیت لکھ دوں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ آپ ﷺ نے فرمانے کے مطابق ہڈی یا تختہ لانے کے لئے اٹھنا ہی چاہتے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا رہنے دو، اب ضرورت محسوس نہیں کرتا (مجھے یقین ہے کہ) اللہ اور مسلمان ابوبکرؓ کے حق میں اختلاف نہیں کریں گے (مطلب یہ کہ ابوبکرؓ کی خلافت کو اللہ تعالیٰ بھی پسند فرمائے گا اور تمام مسلمان بھی متفقہ طور پر ان کے ہاتھ بیعت کرلیں گے)

منقول ہے کہ (جب آنحضرت ﷺ کی حالت زیادہ بگڑی تو) حضرت عباسؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا: عبدالمطلب کے اولاد کے چہروں کی مجھے خوب شناخت ہے کہ آثار موت ان پر کس طرح ظاہر ہوتے ہیں، میں ڈر رہا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اس بیماری سے شاید اب جاں بر نہ ہو سکیں، لہٰذا میری رائے ہے کہ (اس آخری وقت کو غنیمت جانو اور) آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس چیز (یعنی خلافت) کا مطالبہ کرو حضرت علیؓ نے جواب دیا: کہ آپ جانتے ہیں کہ اگر میں آنحضرت ﷺ سے یہ چیز مانگوں اور آپ ﷺ نہ دیں تو کیا پھر بھی لوگ مجھے یہ چیز دیدیں گے؟ (مطلب یہ کہ خلافت کا مسئلہ عام مسلمانوں کی رائے اور ان کے اتفاق سے تعلق رکھتا ہے اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ تمام مسلمان ہر حالت میں مجھے ہی ترجیح دیں گے تو میں آنحضرت ﷺ سے بھی طلب گار ہو جاتا، لیکن جب میں یہ سمجھتا ہوں کہ ابھی مجھ سے تو پھر میں آنحضرت ﷺ سے اپنے بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا)

روایتوں میں آتا ہے کہ مرض الموت کے درمیان آنحضرت ﷺ کے پاس پانچ یا چھ اور یا سات دینار تھے جو حضرت عائشہؓ کی تحویل میں رکھ دیئے گئے تھے، آپ ﷺ نے ان دیناروں کے صدقہ کر دینے کا حکم دیا تاکہ آپ ﷺ اپنے پیچھے کچھ نہ چھوڑ جائیں۔

یوم وفات: چونکہ مرض الموت کی ابتداء کے دن وتاریخ اور وفات کے دن و تاریخ کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں اس لئے تعین کے ساتھ یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ آپ ﷺ کتنے دن مرض الموت میں مبتلا رہے، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ مذکورہ اختلاف اقوال کی بناء پر آپ ﷺ بارہ یا اٹھارہ دن بیمار رہے اور علمائے کے معتمد قول کے مطابق ۲ ربیع الاول ۱۱ دوشنبہ (پیر) کے دن اس دار فانی سے آپ ﷺ نے انتقال فرمایا منقول ہے کہ اس وقت جب کچھ لوگوں کو تردد ہوا کہ آپ ﷺ کی روح مبارک، جسد پاک سے پرواز کر گئی ہے یا نہیں تو حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے، جو پہلے جعفرؓ ابن ابوطالب کے نکاح میں تھیں اور ان کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے نکاح میں آئیں اور پھر ان کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نکاح میں آگئی تھیں، آنحضرت ﷺ کے جسد پاک پر شانوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر دیکھا اور کہا: رسول اللہ ﷺ اس جہان فانی سے کوچ فرما چکے ہیں اور آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان

جو مہر نبوت تھی وہ اٹھالی گئی۔ اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ وفات کے دن میں نے اپنا ہاتھ سرکار دو عالم ﷺ کے سینہ مبارک پر رکھ کر دیکھا تھا اس دن کے بعد سے کئی ہفتوں تک میرے (اس ہاتھ سے مشک کی خوشبو آتی رہی حالانکہ میں ہر کھانے کے وقت (اور ویسے بھی وضو وغیرہ) پابندی سے ہاتھ دھویا کرتی تھی۔ اور شواہد النبوۃ میں حضرت علیؓ کے بارے میں یہ منقول ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا: آپ ﷺ کا حافظہ اور فہم اتنا اچھا کس طرح ہوگیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ: جب میں نے سرکار دو عالم ﷺ کے جسد اطہر کو غسل دیا تو آپ ﷺ کی پلکوں میں جو پانی جمع ہوگیا تھا اس کو میں نے اپنی زبان سے اٹھایا تھا اور پی گیا تھا، اسی چیز کو میں اپنے حافظہ و فہم کی قوت کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

تکفین: آنحضرت ﷺ کے کفن کے بارے میں مختلف روایتیں منقول ہیں لیکن صحیح روایت، کہ جو حضرت عائشہؓ سے منقول ہے، یہ ہے کہ آپ ﷺ کو تین سوتی کپڑوں میں کفنایا گیا تھا، ان میں کرتا اور عمامہ نہیں تھا ویسے حضرت عائشہؓ کی اس روایت کے بیان مطلب میں بھی اختلافی اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ارشاد ان میں کرتا اور عمامہ نہیں تھا" کا مطلب یہ ہے کہ کرتا اور عمامہ ان تین کپڑوں میں نہیں تھا بلکہ کرتا اور عمامہ ان تین کپڑوں کے علاوہ تھے گویا آپ ﷺ کے کفن میں مجموعی طور پر پانچ کپڑے تھے، لیکن یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی، اصل مطلب وہی ہے جو دوسرے حضرات نے بیان کیا ہے کہ آپ کے کفن میں ان تین کپڑوں کے علاوہ کرتا اور عمامہ بالکل نہیں تھا یعنی صرف تین ہی کپڑوں یعنی ازار، کفنی، اور لفافہ (لوٹ کی چادر) کا کفن مستحب ہے۔

نماز جنازہ: آپ ﷺ کی نماز جنازہ باجماعت ادا نہیں کی گئی اور نہ کسی نے امامت کی بلکہ یہ صورت اختیار کی گئی تھی کہ جسد پاک کو نہلا کفنا کر حجرہ مبارک میں، کہ جہاں تدفین ہوئی تھی، رکھ دیا گیا تھا۔ لوگ ٹولیوں کی شکل میں تنہا تنہا نماز جنازہ پڑھ کر باہر نکل جاتے اس طرح پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے اور پھر بچوں نے الگ الگ نماز پڑھی۔

تدفین: حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارک میں، کہ جہاں آپ کی پاک روح نے جسد اطہر سے پرواز کی تھی قبر تیار کی گئی اور تدفین عمل میں آئی۔ جب قبر میں اتارا جانے لگا تو آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت شقرانؓ نے لحد میں آپ ﷺ کے نیچے آپ ﷺ کی چادر مبارک بچھادی اور کہا کہ مجھے یہ گوارہ نہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی دوسرا شخص اس چادر کو اوڑھے۔ لیکن ایک روایت کے مطابق صحابہؓ نے شقرانؓ کی اس بات کو پسند نہیں کیا اور مٹی ڈالنے سے پہلے وہ چادر نکال لی گئی تھی، اسی لئے تمام علماء نے قبر میں میت کے نیچے کسی طرح کی چادر وغیرہ بچھانے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کی تدفین چہار شنبہ (بدھ) کی شب میں، یا ایک روایت کے مطابق سہ شنبہ (منگل) کے دن سورج ڈھلنے کے بعد عمل میں آئی تھی۔

قبر شریف: آنحضرت ﷺ کی قبر بغلی (لحد) بنائی گئی اور لحد کا منہ نو کچی اینٹیں کھڑی کر کے بند کیا گیا، اور اس قبر کو مُسنّم (یعنی اونٹ کے کوہان کی طرح اٹھی ہوئی) بنایا گیا پھر اس پر سنگریزے بچھائے گئے اور پانی چھڑکا گیا اسی بناء پر بالاتفاق چاروں ائمہ کے ہاں، قبر کو مُسنّم بنانا مستحب ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

جب اہل مدینہ کے نصیب جاگے تھے

① عَنِ الْبَرَآءِ قَالَ اَوَّلُ مَنْ قَدِمَ عَلَيْنَا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُصْعَبُ ابْنُ عُمَيْرٍ وَابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَجَعَلَا يُقْرِءَانِنَا الْقُرْاٰنَ ثُمَّ جَآءَ عَمَّارٌ وَبِلَالٌ وَسَعْدٌ ثُمَّ جَآءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِيْ عِشْرِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَآءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَاَيْتُ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ فَرِحُوْا بِشَيْءٍ فَرَحَهُمْ بِهٖ حَتّٰى

رَاَیْتُ الْوَلَائِدَ وَ الصِّبْیَانَ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَدْ جَآءَ فَمَا جَآءَ حَتّٰی قَرَأْتُ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی فِیْ سُوَرٍ مِثْلِھَا مِنَ الْمُفَصَّلِ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت براء ابن عازبؓ (جو انصار مدینہ میں سے مشہور ترین صحابی ہیں) کہتے ہیں کہ (ہجرت نبوی سے قبل) رسول کریم ﷺ کے صحابہ میں جو حضرات سب سے پہلے ہمارے ہاں (مدینہ آئے وہ حضرت مصعب ابن عمیرؓ اور حضرت ابن اُمّ مکتومؓ تھے ان دونوں حضرات نے (آتے ہی) ہمیں قرآن کی تعلیم دینا شروع کر دیا تھا پھر حضرت عمار ابن یاسرؓ، حضرت بلال ابن رباحؓ اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ آئے اور پھر حضرت عمر ابن خطابؓ نبی کریم ﷺ کے بیس صحابہ کے ساتھ تشریف لائے، ان کے بعد نبی کریم ﷺ نے (حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ) نزول اجلال فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ (اس دن جب کہ اہل مدینہ کے نصیب جاگے تھے میں نے مدینہ والوں کو آپ کی تشریف آوری پر جتنا فرحاں وشاداں دیکھا تھا اتنی وجت وشادمانی ان کو کسی (بڑی سے بڑی دنیاوی) خوشی کے موقع پر حاصل نہیں تھی، میں نے یہاں تک دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں (مارے خوشی کے) یہ نعرے لگا رہے تھے: یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، جو ہماری بستی میں) تشریف لائے ہیں اور میں نے (آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہی مفصّل (یعنی اوساط مفصل کی ہم مثل سورتوں میں سے سورہ سبح اسم ربک الاعلی سیکھ لی تھی (یا یہ کہ اوساط مفصّل کی دوسری ہم مثل سورتوں کے ساتھ ساتھ سورہ سبح اسم ربک الاعلی بھی سیکھ لی تھی۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سورۂ سبح اسم ربک الاعلی مکہ میں نازل ہوئی ہے، لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سورۃ کی آیات قد افلح من تزکی ○ وذکر اسم ربہ فصلی چونکہ صدقہ فطر کے بارے میں ہے اور صدقہ فطر اور نماز عید کا واجب قرار دیا جانا ۲ھ کا واقعہ ہے اس لئے سورۂ سبح اسم ربک الاعلی کو مکی سورۃ کہنے پر اشکال واقع ہو سکتا ہے ہاں اگر یہ کہا جائے کہ ان دو آیتوں یعنی قد افلح من تزکی ○ وذکر اسم ربہ فصلی ○ کے علاوہ بقیہ پوری سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے تو پھر مذکورہ اشکال واقع نہیں ہوگا مگر حقیقت میں نہ اشکال صحیح ہے اور نہ یہ احتمال، کیونکہ صحیح تر روایت کے مطابق یہ سورۃ اپنی تمام آیتوں کے ساتھ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور بعد میں مدینہ آکر جب صدقہ فطر اور نماز عید کو واجب قرار دیا گیا تو رسول کریم ﷺ نے اس وقت ان دونوں آیتوں کی مراد بیان فرمائی کہ ان کا مضمون در اصل صدقہ فطر اور نماز عید کی اہمیت وفضیلت کے اظہار سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس بات کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں مجرد مالی وبدنی عبادتوں (صدقہ وزکوۃ اور صلوٰۃ) کی تلقین وترغیب ہے جس میں اصل مراد کا بیان نہیں ہے، اس اصل مراد کو بعد میں سُنّت نے اس وقت بیان کیا جب صدقہ فطر اور نماز عید کو واجب قرار دیا گیا۔

وہ رمز جس کو صرف صدیق اعظمؓ نے پہچانا

(۴) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَلَسَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ اِنَّ عَبْدًا خَیَّرَہُ اللّٰہُ بَیْنَ اَنْ یُؤْتِیَہٗ مِنْ زَھْرَۃِ الدُّنْیَا مَاشَآءَ وَ بَیْنَ مَاعِنْدَہٗ فَاخْتَارَ مَاعِنْدَہٗ فَبَکٰی اَبُوْبَکْرٍ قَالَ فَدَیْنَاکَ بِاٰبَائِنَا وَاُمَّھَاتِنَا فَعَجِبْنَا لَہٗ فَقَالَ النَّاسُ اُنْظُرُوْا اِلٰی ھٰذَا الشَّیْخِ یُخْبِرُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ عَبْدٍ خَیَّرَہُ اللّٰہُ بَیْنَ اَنْ یُّؤْتِیَہٗ مِنْ زَھْرَۃِ الدُّنْیَا وَبَیْنَ مَاعِنْدَہٗ وَھُوَ یَقُوْلُ فَدَیْنَاکَ بِاٰبَائِنَا وَاُمَّھَاتِنَا فَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھُوَ الْمُخَیَّرَ وَکَانَ اَبُوْبَکْرٍ اَعْلَمَنَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ (مرض وفات کے ایام میں ایک دن، یا جیسا کہ ایک روایت میں وضاحت بھی ہے، وفات سے پانچ راتیں پہلے) منبر پر تشریف فرما ہوئے اور (ہمیں خطاب کرتے ہوئے) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو دونوں چیزوں کے درمیان

اختیار دے دیا ہے کہ چاہے تو وہ اس دنیا کی بہار کا انتخاب کر لے جو اللہ دینا چاہے (یا جو خود بندہ لینا چاہے) اور چاہے اس چیز کا انتخاب کر لے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے (یعنی آخرت کی نعمتیں) پس اس بندہ نے اللہ کے ہاں کی نعمتوں (اور آخرت کے اجر و ثواب) کا انتخاب کر لیا ہے (کیونکہ اصل اور ابدی نعمتیں تو وہی ہیں) حضرت ابوبکرؓ (آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) ایک دم رو پڑے اور عرض کیا: (یا رسول اللہ! اگر ہماری جانوں کا نذرانہ کچھ کارگر ہو سکے تو) ہم آپ (ﷺ) پر قربان ہوں، ہمارے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان ہو جائیں۔ ہم لوگوں (یعنی وہاں موجود صحابہ) کو حضرت ابوبکرؓ پر سخت حیرت ہوئی (کہ آخر اس موقع پر جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کا باعث کیا چیز بنی ہے!؟ چنانچہ کچھ لوگوں نے تو (آپس میں ایک دوسرے سے) یہ بھی کہا کہ ذرا ان بڑے میاں کو تو دیکھو (اتنی پختہ عمر اور عقل رکھنے کے باوجود کیسی بے تکی بات کر رہے ہیں کہ) رسول کریم ﷺ تو کسی بندے کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دونوں چیزوں کا اختیار دے دیا ہے کہ چاہے دنیا کی بہار کا انتخاب کرے اور چاہے اللہ کے ہاں کی نعمتوں کا، اور یہ بڑے میاں کہہ رہے ہیں کہ (یا رسول اللہ!) ہم آپ ﷺ پر قربان ہوں، ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں!؟ (لیکن مراد خود اپنی ذات مبارک تھی) بلاشبہ حضرت ابوبکرؓ ہم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ دانا تھے (انہوں نے شروع ہی میں اس (رمز کو پہچان لیا کہ جس بندہ کو اختیار دیئے جانے کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ خود آنحضرت ﷺ ہی ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فہم و ادراک کا کمال تھا، انہوں نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنتے ہی تاڑ لیا کہ ذات رسالت پناہ ﷺ کی مفارقت کا وقت قریب آ گیا ہے، اور ہمارے درمیان آپ ﷺ چند ہی دنوں کے مہمان ہیں انہوں نے یہ حقیقت یا تو آپ ﷺ کی شدید علالت قرینہ سے پہچانی تھی یا انہوں نے اس گہرائی میں جا کر ارشاد گرامیؐ کے رمز کو تلاش کیا کہ دنیا کی عزت اور پر بہار نعمتوں سے منہ موڑ لینا اور آخرت کی ابدی حقیقتوں کو برضاء و رغبت اختیار کر لینا وہ وصف ہے جو صرف اللہ کے نیک ترین اور مقرب ترین بندوں کے مقام تسلیم و رضا اور قرب کو ظاہر کرتا ہے، ادھر وہ جانتے ہی تھے کہ اس دنیا کی نعمتیں، مقام سید الانبیاء کے شایان شان نہیں ہیں، لہٰذا ان کا ذہن اس حقیقت کی طرف منتقل ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ "ایک بندہ" کے ذریعہ دراصل اپنی ذات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ دنیاوی حیات و بقا کو چھوڑ کر موت اور بقاء حق کو اختیار کر لینے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔

الوداعی نماز اور الوداعی خطاب

(۳) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَتْلٰى اُحُدٍ بَعْدَ ثَمَانِ سِنِيْنَ كَالْمُوَدِّعِ لِلْاَحْيَاءِ وَالْاَمْوَاتِ ثُمَّ طَلَعَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ اِنِّيْ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ فَرَطٌ وَاَنَا عَلَيْكُمْ شَهِيْدٌ وَاِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ وَاِنِّيْ لَاَنْظُرُ اِلَيْهِ وَاَنَا فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا وَاِنِّيْ قَدْ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ وَاِنِّيْ لَسْتُ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِيْ وَلٰكِنِّيْ اَخْشٰى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا اَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا وَزَادَ بَعْضُهُمْ فَتَقْتَتِلُوْا فَتَهْلِكُوْا كَمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک ایسے شخص کی مانند کہ جو زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہا ہو، احد کے شہیدوں پر (ان کی تدفین کے) آٹھ سال بعد نماز پڑھی اور پھر منبر پر جلوہ افروز ہو کر (ہمیں خطاب کیا اور) فرمایا: "میں تمہارے آگے تمہارا امیر منزل ہوں، میں تمہارا شاہد ہوں، تم سے کیا گیا وعدہ پورا ہونے کی جگہ حوض کوثر ہے اور یقین جانو میں اس وقت بھی اپنے منبر پر بیٹھا ہوا حوض کوثر دیکھ رہا ہوں، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں اور میں اس بات سے تو نہیں ڈرتا کہ تم سب میرے بعد کفر و شرک اختیار کر لو گے البتہ مجھے یہ ڈر ضرور ہے کہ دنیا میں تمہاری دلچسپی زیادہ ہو جائے گی" بعض راویوں نے یہاں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں "اور (دنیا میں تمہاری دلچسپی حد سے زیادہ بڑھ جانے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ) تم (ملک و دولت اور حکومت و اقتدار کی چھینا جھپٹی میں ایک دوسرے کا) قتل و قتال کرنے لگو گے اور پھر تم لوگ بھی اسی طرح ہلاکت و تباہی کا شکار ہو جاؤ گے جیسے پہلے لوگ ہلاک و تباہ ہو گئے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: جیسے عام طور پر ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے موجودہ مقام سے کسی دوسرے مقام کو منتقل ہوتا ہے اور جدائی سے پہلے اپنے لوگوں سے وداعی سلام وکلام کرتا ہے، اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اپنے آخر زمانہ حیات میں یعنی یوم وفات سے چند دن پہلے شہدائے احد کے لئے نماز پڑھی جو گویا مردوں کو وداعی کہنا تھا اور پھر منبر پر جلوہ افروز ہو کر اپنے صحابہ کے سامنے ایسا بلیغ وعظ ارشاد فرمایا جس سے آپ کا اس دنیا سے رخصت ہونا اور زندوں کو وداع کہنا مفہوم ہوتا تھا۔ پس مردوں کو وداع کہنے کا مطلب تو یہ تھا کہ ان کے ساتھ اس دنیاوی تعلق کا وہ سلسلہ اب ختم ہونے والا ہے جو دعا واستغفار اور ایصال ثواب کی صورت میں زندگی بھر جاری رہا اور زندوں کو وداعی کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ بہت جلد اپنے صحابہ اور اپنے متعلقین کے درمیان سے اٹھ جائیں گے اور اس دنیا میں ذات رسالت کے وجود سے جو نور ہدایت اور فیضان صحبت حاصل ہوتا وہ کسی کو پھر کبھی اس دنیا میں حاصل نہیں ہوگا۔

"شہدائے احد کے لئے نماز پڑھی" کے تحت ایک چھوٹی سی فقہی بحث بھی ہے اور وہ یہ کہ حنفیہ کے مسلک میں چونکہ شہداء کی بھی نماز جنازہ ہے اس لئے حنفی علماء کے نزدیک یہاں "نماز" کا لفظ اپنے معروف معنی یعنی نماز جنازہ کے لئے استعمال ہوا ہے جب کہ شافعی علماء جن کے مسلک میں شہدا کے لئے نماز جنازہ نہیں ہے کہتے ہیں کہ شہداء احد کے لئے نماز پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ آپ نے شہداء احد کے حق میں دعاء استغفار کیا۔

"میں تمہارے آگے تمہارا میر منزل ہوں" میں "میر منزل" فرط کا ترجمہ ہے، اور فرط عربی میں اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلہ پیچھے چھوڑ کر خود منزل پر پہلے پہنچ جائے تاکہ وہاں قافلہ کے لئے پہلے سے قیام وطعام اور جملہ آسائش وضروریات کا انتظام درست رکھے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد گرامی کے ذریعہ گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ میں تم لوگوں سے پہلے عالم آخرت میں جارہا ہوں تاکہ وہاں تم لوگوں (یعنی اپنی اُمت کی) کی کار سازی اور نجات وشفاعت کے اسباب مہیا کروں، یا یہ کہ حشر میں تمہاری شفاعت چونکہ مجھے کرنی ہے اس لئے تم سے پہلے وہاں پہنچ کر میں شفاعت کے لئے تیار ہوں گا۔

"میں تمہارا شاہد ہوں" سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ اگر میں تم لوگوں کو چھوڑ کر جارہا ہوں مگر تمہارے احوال ومعاملات سے بے تعلق اور لاعلم نہیں رہوں گا کیونکہ تمہارے اعمال وحالات وہاں میرے سامنے پیش کئے جاتے رہیں گے۔ یا یہ کہ میں تمہارا شاہد یعنی گواہ ہوں، وہاں میں تمہاری فرمانبرداری وطاعت اور تمہارے دعوت اسلام قبول کرنے کی گواہی دوں گا۔

"وعدہ پورا ہونے کی جگہ حوض کوثر ہے" کا مطلب تھا کہ آخرت میں حوض کوثر وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر نیک باطن اور بدباطن اور مؤمن اور منافق کے درمیان خط امتیاز قائم ہو جائے گا، اس طرح محشر میں تمہاری شفاعت خاص کا جو میرا وعدہ ہے وہ حوض کوثر پر پورا ہوگا کہ وہاں صرف اہل ایمان کو میری شفاعت پر حوض کوثر سے سیراب ہونے کا موقع ملے گا یہ مطلب ملا علی قاری نے لکھا ہے اور حضرت شیخ عبدالحق نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ محشر میں میرے دیدار کا تم سے جو وعدہ ہے اس کے پورا ہونے اور میرے اور تمہارے درمیان ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔

"حوض کوثر دیکھ رہا ہوں" یہ ارشاد گرامی اپنے ظاہری معنی پر ہی محمول تھا، اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں، مطلب یہ کہ اس وقت جبکہ آپؐ اپنے منبر پر بیٹھے ہوئے صحابہؓ کو خطاب کر رہے تھے گویا آپؐ کے لئے حوض کو آخرت کے پردوں سے بے حجاب کر دیا گیا تھا اور آپ ﷺ اپنی ظاہری آنکھوں سے اس کو دیکھ رہے تھے۔

"مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دیدی گئی ہیں" کا مطلب یہ تھا کہ میرے بعد مجاہدین اُمت کے ہاتھوں جو بڑے بڑے علاقے اور شہر فتح ہوں گے اور وہاں کے لوگ ایمان واسلام قبول کرلیں گے، ان کے خزانے میری اُمت کے ہاتھوں میں آجائیں گے۔

"دنیا میں تمہاری دلچسپی زیادہ ہو جائے گی" کے ذریعہ آپ ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ میرے بعد بھی تم لوگ انشاء اللہ ایمان ودین پر قائم (رہو) گے، یہ اور بات ہے کہ بعض بدنصیب لوگ کفر وشرک کے اندھیروں کی طرف پھر لوٹ جائیں مگر بحیثیت مجموعی ساری اُمت دوبارہ گمراہ نہیں ہوسکتی، ہاں یہ تو ہوسکتا ہے کہ وقت کے گذرنے کے ساتھ تمہاری دینی زندگی میں بھی اضمحلال آجائے اور تم دنیا

میں بہت زیادہ دلچسپی لینے لگو جو تمہاری شان اور تمہاری حیثیت سے فروتر بات بھی ہوگی اور تمہاری دینی و ملی زندگی پر اس کے مضر اثرات بھی مرتب ہوں گے۔ دراصل اس ارشاد گرامی میں اُمت کے لئے یہ تنبیہ ہے کہ اہل ایمان کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ دنیا کی فانی نعمتوں اور لذتوں کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہوں اور ان کی بڑی دلچسپی کا مرکز دنیا بن جائے، ان کی شان تو یہ ہے کہ وہ اپنی تمام تر دلچسپی اور اپنی ساری رغبت آخرت کی نعمتوں میں رکھیں کیونکہ باقی اور قائم رہنے والی نعمتیں تو وہی ہیں۔ اسی حقیقت کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے۔

وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔

"اور نعمتوں کے شائقین (یعنی اہل ایمان) کو چاہیے کہ وہ اسی (آخرت) کی نعمتوں سے رغبت و دلچسپی رکھیں۔"

امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے آنحضرت ﷺ کے متعدد معجزوں کا اظہار ہوتا ہے ایک تو یہ کہ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میری امت زمین کے خزانوں کی مالک بنے گی بالکل سچ اور واقعہ کے مطابق ثابت ہوا، دوسرے یہ کہ آپ ﷺ نے اپنی اُمت کے بارے میں جو یہ خبر دی کہ وہ مرتد نہیں ہوگی تو ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدی کو کفر و ارتداد سے بچایا، اور تیسرے یہ کہ آپ ﷺ کا یہ فرمانا بھی کہ میری اُمت کے لوگ دنیا میں زیادہ دلچسپی لینے لگیں گے بالکل صحیح ثابت ہوا۔

حیات نبوی کے آخری لمحات

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ مِنْ نِعَمِ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّیَ فِیْ بَیْتِیْ وَفِیْ یَوْمِیْ وَ بَیْنَ سَحْرِیْ وَنَحْرِیْ وَاِنَّ اللّٰهَ جَمَعَ بَیْنَ رِیْقِیْ وَرِیْقِهٖ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَدَخَلَ عَلَیَّ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ بَکْرٍ وَبِیَدِهٖ سِوَاكٌ وَاَنَا مُسْنِدَةٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرَاَیْتُهٗ یَنْظُرُ اِلَیْهِ وَعَرَفْتُ اَنَّهٗ یُحِبُّ السِّوَاكَ فَقُلْتُ اٰخُذُهٗ لَكَ فَاَشَارَ بِرَاْسِهٖ اَنْ نَعَمْ فَتَنَاوَلْتُهٗ فَاشْتَدَّ عَلَیْهِ وَقُلْتُ اُلَیِّنُهٗ لَكَ فَاَشَارَ بِرَاْسِهٖ اَنْ نَعَمْ فَلَیَّنْتُهٗ فَاَمَرَّهٗ وَبَیْنَ یَدَیْهِ رَکْوَةٌ فِیْهَا مَاءٌ فَجَعَلَ یُدْخِلُ یَدَیْهِ فِی الْمَاءِ فَیَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَیَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٍ ثُمَّ نَصَبَ یَدَهٗ فَجَعَلَ یَقُوْلُ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی حَتّٰی قُبِضَ وَمَالَتْ یَدُهٗ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن انعامات سے مجھے خصوصی طور پر نوازا ان میں سے یہ بھی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے میرے گھر میں اور میری باری کے دن وفات پائی، آپ ﷺ نے میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی وفات کے وقت میرے اور آپ کے لعاب دہن کو جمع کر دیا (جس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ آپ ﷺ کے ان آخری لمحات میں میرے عزیز بھائی عبدالرحمٰن ابن ابوبکرؓ جب میرے پاس آئے تو ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور رسول کریم ﷺ میرے سینہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی نظر (بار بار) ان کی طرف (یعنی عبدالرحمٰن کی طرف یا یہ کہ ان کی مسواک کی طرف) اٹھ رہی ہے۔ میں یہ بات چونکہ جانتی تھی کہ آپ ﷺ (عام طور پر یا تبدیلی ذائقہ کے وقت خاص طور پر) مسواک کو بہت پسند فرماتے ہیں اس لئے میں نے پوچھا کہ کیا عبدالرحمٰن سے یہ مسواک آپ (ﷺ) کے لئے لے لوں؟ آپ ﷺ نے سر کے اشارہ سے بتایا کہ ہاں لے لو۔ میں نے عبدالرحمٰن سے مسواک لے کر آپ ﷺ کو دیدی۔ آپ ﷺ نے (مسواک کرنی چاہی تو اس کے سخت ہونے کی وجہ سے) دشواری محسوس کی، اب میں نے عرض کیا کہ میں آپ کی آسانی کے لئے اس مسواک کو (اپنے دانتوں سے) نرم کر دوں؟ آپ ﷺ نے پھر سر کے اشارہ سے اجازت دی تو میں نے مسواک کو نرم کر دیا اور آپ ﷺ نے وہ مسواک اپنے دانتوں پر پھیری (بالکل آخری لمحات اس طرح گذرے کہ اس وقت) آپ ﷺ کے سامنے پانی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا، اس پانی میں آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ ڈالتے اور (بھگو کر) اپنے چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے تھے اور فرماتے: لا الہ الا اللہ، موت کے

وقت سختیاں ہیں پھر آپ ﷺ نے (دعا کے لئے یا آسمان کی طرف اشارہ کرنے کے لئے) ہاتھ اٹھا کر یہ کہنا شروع کیا: (اے اللہ!) مجھ کو رفیق اعلیٰ میں شامل فرما! یہاں تک کہ روح پرواز کر گئی اور آپ ﷺ کے دست مبارک نیچے گر پڑے۔" (بخاری)

تشریح: "اور میری باری کے دن وفات پائی" کے ذریعہ حضرت عائشہؓ نے اس طرف اشارہ کیا کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ وفات کے دن تک مرض الموت کی پوری مدت میں میرے ہی گھر میں رہے لیکن میری مزید خوش بختی یہ رہی کہ جس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی وہ حساب کے اعتبار سے وہی دن تھا جس میں میرے ہاں قیام کی باری آتی جامع الاصول میں لکھا ہے کہ جس دن آنحضرت ﷺ کے مرض الموت کی ابتداء سر کے درد سے ہوئی اس دن بھی آپ ﷺ حضرت عائشہ ہی کے ہاں تھے اور اس کے بعد جس دن درد سر اور بیماری میں شدت پیدا ہوئی تو آپ ﷺ حضرت میمونہؓ کے ہاں تھے، اس وقت آپ ﷺ کی ازواج مطہرات سے بہ رضا و رغبت آپ ﷺ کو اجازت دیدی مرض الموت کی شدت بارہ دن رہی اور آپ ﷺ کی وفات ربیع الاول کے مہینے میں دو شنبہ (پیر) کے دن چاشت کے وقت ہوئی، تاریخ کے بارے میں بعض حضرات نے ۱۲ ربیع الاول بیان کی ہے اور اکثر روایتوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے

"میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان" کا مطلب یہ ہے کہ پاک روح نے جس وقت جسد اطہر سے پرواز کی تو آپ حضرت عائشہؓ کے سینہ اور گردن سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ یہ بات حضرت عائشہؓ کے مقام محبوبیت اور کمال قرب و تعلق پر دلالت کرتی ہے حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد طرق کثیرہ سے نقل کی گئی حاکمؒ اور ابن سعدؒ کی اس روایت: "اس وقت آنحضرت ﷺ کا سر مبارک حضرت علیؓ کی گود میں تھا" کے معارض نہیں ہے **کیونکہ اول تو ان دونوں نے جن طرق کثیرہ سے اس روایت کو نقل کیا ہے ان میں سے کوئی بھی طریق سند ایسا نہیں ہے جو** ـــــــ کسی بھی طرح کی ایک خرابی سے خالی نہ ہو، دوسرے یہ کہ اگر ان طرق کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس روایت کی تاویل یہ کی جائے گی کہ آپ ﷺ کا سر مبارک حضرت علیؓ کی گود میں وفات سے پہلے تھا۔

"میرے اور آپ ﷺ کے لعاب دہن کو جمع کر دیا تھا" یعنی جب آنحضرت ﷺ نے عبدالرحمنؓ کی مسواک اپنے منہ میں لے کر کرنی چاہی اور اس کے سخت ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کو دشواری ہوئی تو پھر حضرت عائشہؓ نے اس مسواک کو اپنے دانتوں سے نرم کیا اور آپ ﷺ نے وہ نرم کی ہوئی مسواک اپنے دانتوں پر پھیری اس طرح دونوں کے لعاب دہن حضرت عائشہؓ کے منہ میں بھی جمع ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے منہ میں بھی پس حضرت عائشہؓ نے گویا یہ واضح کیا کہ آنحضرت ﷺ کے مقدس لعاب دہن کی برکت حاصل ہونا یوں تو ہمیشہ میرے لئے بڑی نعمت رہا لیکن عین وفات کے وقت کے اس لعاب دہن کی برکت کا حصول تو میرے لئے بہت بڑی نعمت تھی کیونکہ وہ وقت تمام برکتوں اور سعادتوں کا منتہائے آخر تھا یا اس جملہ کے ذریعہ حضرت عائشہؓ نے اس طرف اشارہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کے لعاب دہن کی برکت مجھے اسی وقت حاصل ہوئی اس سے قبل اور کبھی یہ نعمت مجھے حاصل نہیں ہوئی تھی۔

"اور بھگو کر اپنے چہرہ مبارک پر پھیر لیتے تھے" اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اس وقت آپ ﷺ کے مزاج مبارک پر حرارت کا بہت غلبہ تھا اور بھیگا ہوا ہاتھ چہرہ پر پھیر لینے سے ایک گونہ تسکین مل جاتی تھی لیکن اس میں آنحضرت کی طرف سے اپنے عجز اور عبودیت کے اظہار کا اشارہ بھی تھا اور اس سے یہ بات بھی نکلی کہ سکرات الموت کے وقت یہ عمل ہر مریض کو اختیار کرنا چاہئے اور اگر خود مریض اس پر قادر نہ ہو تو تیمارداروں کو چاہیئے کہ وہ اس سنت پر عمل کرتے ہوئے، پانی میں ہاتھ تر کر کے مریض کے چہرے پر پھیریں یا اس کے حلق میں پانی ٹپکائیں کیونکہ اس سے کرب میں تخفیف ہوئی ہے بلکہ اگر حاجت شدید ہو تو پھر پانی ٹپکانا واجب ہو جاتا ہے۔

"سکرات" دراصل "سکرۃ" کی جمع ہے جس کے معنی سختی کے ہیں اور "سکرات الموت" سے جان کنی کے وقت کی وہ سختیاں اور دشواریاں مراد ہیں جو اندرونی تپش و سوزش اور مزاج و طبیعت کو پیش آنے والی سخت تلخیوں کی صورت میں جاں بہ لب کو برداشت کرنا پڑتی ہیں، اور ان سختیوں اور دشواریوں کا سامنا انبیاء اور ارباب حق کو بھی کرنا پڑتا ہے اور صرف حق تعالیٰ کا فضل و کرم ہی اس آڑے وقت میں دستگیری کرتا ہے لہٰذا سکرات الموت سے پناہ، مانگنا اور جان بہ لب مریض کے لئے ان سختیوں میں آسانی کی دعا کرنا نہایت ضروری

ہوتا ہے۔

ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ: میں نے آنحضرت ﷺ کو نزع کے وقت دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے پاس رکھے ہوئے پانی کے پیالہ میں اپنا ہاتھ تر کر کے چہرہ مبارک پر پھیرتے جاتے تھے اور زبان مبارک پر یہ دعا جاری تھی لا الٰہ الا اللہ ان للموت سکرات ایک روایت میں سکرات الموت کے بجائے منکرات الموت کے الفاظ ہیں، مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے کہ: الٰہی! موت کی ان سختیوں کے وقت میری مدد فرما! "مجھ کو رفیق اعلیٰ میں شامل فرما" لفظ "رفیق" اسم جنس ہے کہ اس کا اطلاق فرد واحد پر بھی ہوتا ہے اور بہت سوں پر بھی پس رفیق اعلیٰ" سے مراد انبیاء کرام ہیں جو اعلیٰ علیین میں پہنچ چکے ہیں، اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں اس دعا کے یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ (یعنی انبیاء کے ساتھ) صدیقین کے ساتھ شہداء کے ساتھ اور صالحین کے ساتھ کہ وہی لوگ (اچھے رفیق ہیں) یا یہ کہ "رفیق اعلیٰ" سے مراد ملاء اعلیٰ اور عالم ملکوت یعنی آسمانوں میں رہنے والے فرشتے وغیرہ ہیں اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ "رفیق اعلیٰ" سے مراد اللہ رب العزت ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر بھی "رفیق" کا اطلاق منقول ہے، جیسے ایک روایت میں آیا ہے کہ: اس کی طرف سے آپ ﷺ کو یہ اختیار بھی دیا گیا ہے کہ چاہے آپ ﷺ (ابھی کچھ دن اور) دنیا میں رہنا پسند کریں چاہے اس کے پاس (بارگاہ حق میں) پہنچ جائیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اخترت الرفیق الاعلیٰ (میں نے رفیق اعلیٰ کو اختیار کیا)

انبیاء کو موت سے پہلے اختیار

(۵) وَعَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَامِنْ نَبِيٍّ يَمْرَضُ اِلَّا خُيِّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَكَانَ فِيْ شَكْوَاهُ الَّذِيْ قُبِضَ اَخَذَتْهُ بُحَّةٌ شَدِيْدَةٌ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ فَعَلِمْتُ اَنَّهُ خُيِّرَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "ہر نبی کو اس کے مرض الموت میں دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیدیا جاتا ہے (کہ چاہے تو وہ کچھ مدت تک دنیا کی زندگی کو اختیار کئے رہے اور چاہے عالم آخرت کے سفر کو اختیار کر لے لیکن ہمیشہ ایسا ہوا کہ ہر نبی نے دنیا کی زندگی کو رد کر کے اللہ کے ہاں جانے کو پسند و اختیار کیا کیونکہ جو کچھ اللہ کے ہاں ہے اصل نعمت وہی ہے اور اسی کو دوام و قرار ہے)" پھر جب آنحضرت ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور (وہ مرحلہ آیا کہ) آواز سخت بھاری ہوگئی (جیسے جان کنی کے وقت سانس یا بلغم حلق میں آکر اٹک جاتا ہے اور اس کی وجہ سے آواز میں خرخراہٹ اور بھاری پن پیدا ہو جاتا ہے) تو اس وقت میں نے سنا آپ ﷺ کی زبان پر یہ الفاظ تھے: "(الٰہی) مجھ کو ان لوگوں میں شامل فرما جن پر تو نے اپنا فضل وانعام کیا ہے کہ وہ انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں (وہی لوگ اچھے رفیق ہیں)" ان دعائیہ الفاظ سے میں سمجھ گئی کہ آنحضرت ﷺ کو (دنیاوی زندگی اور عالم آخرت میں سے کسی ایک کو چن لینے کا) اختیار (دیدیا گیا ہے (اور آخر آپ ﷺ نے دنیاوی زندگی کو چھوڑ کر عالم آخرت کو چن لیا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

حضرت فاطمہؓ کا غم وحزن

(۶) وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ يَتَغَشَّاهُ الْكَرْبُ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ وَاكَرْبَ اَبَاهُ فَقَالَ لَهَا لَيْسَ عَلٰى اَبِيْكِ كَرْبٌ بَعْدَ الْيَوْمِ فَلَمَّا مَاتَ قَالَتْ يَا اَبَتَاهُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ يَا اَبَتَاهُ مَنْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَاْوَاهُ يَا اَبَتَاهُ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ نَنْعَاهُ فَلَمَّا دُفِنَ قَالَتْ فَاطِمَةُ يَا اَنَسُ اَطَابَتْ اَنْفُسُكُمْ اَنْ تَحْثُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التُّرَابَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں: جب (وفات کے دن) نبی کریم ﷺ کی حالت بہت بگڑ گئی اور مرض کی شدت آپ ﷺ پر (بار بار بیہوشی طاری کرنے لگی تو حضرت فاطمہؓ (بیتاب ہو کر) کہنے لگیں: ہائے میرے بابا جان کو کیسی سختی نے گھیرا ہے آنحضرت ﷺ نے (یہ سنا تو)

ان کو مخاطب کر کے فرمایا: آج کے بعد پھر تمہارے باباجان کو کوئی سختی نہیں گھیرے گی! مطلب یہ تھا کہ کرب اور سختی مرض کی شدت کی وجہ سے ہے اور اس کرب و سختی کا احساس وظاہر جسم سے تعلق رکھنے کے سبب سے ہے، لیکن آج کے دن کے بعد جب اس جسم سے تعلق ختم ہو چکا ہوگا اور صرف روحانی و معنوی علائق باقی رہ جائیں گے تو پھر سکون ہی سکون ہوگا، اور پھر جب آپ کا انتقال ہو گیا تو حضرت فاطمہؓ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے: اے میرے باباجان! اللہ نے آپ ﷺ کو اپنے پاس بلایا اور آپ اس دعوت کو قبول کر کے اپنے پروردگار کے پاس چلے گئے۔ اے میرے باباجان! اے وہ مقدس ذات جس کا مستقر جنت الفردوس ہے۔ اے میرے باباجان! ہم آپ ﷺ کی وفات کی خبر جبرئیل علیہ السلام کو پہنچاتے ہیں بعد میں جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو حضرت فاطمہؓ بے اختیار ہو کر کہنے لگیں ارے انسؓ اور اے صحابہ رسول! تم لوگوں نے آخر یہ کیسے گوارہ کر لیا کہ رسول اللہ ﷺ پر مٹی ڈال دو؟۔" (بخاریؒ)

اس موقع پر حضرت فاطمہؓ کے دو شعر مندرجہ ذیل ہیں ۔

مَاذَا عَلٰى مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَد اِنْ لَمْ يَشُمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَا لِيَا

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَا لِيَا

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

مدینہ غم واندوہ میں ڈوب گیا

⑦ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ لَعِبَتِ الْحَبَشَةُ بِحِرَابِهِمْ فَرَحًا لِقُدُوْمِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةِ الدَّارِمِيِّ قَالَ مَارَأَيْتُ يَوْمًا قَطُّ كَانَ اَحْسَنَ وَلَا اَضْوَءَ مِنْ يَوْمٍ دَخَلَ عَلَيْنَا فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا رَاَيْتُ يَوْمًا كَانَ اَقْبَحَ وَلَا اَظْلَمَ مِنْ يَوْمٍ مَاتَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِيْ دَخَلَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ اَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ وَمَا نَفَضْنَا اَيْدِيَنَا عَنِ التُّرَابِ وَاِنَّا لَفِيْ دَفْنِهٖ حَتّٰى اَنْكَرْنَا قُلُوْبَنَا۔

"حضرت انسؓ کہتے ہیں: رسول کریم ﷺ نے مدینہ میں نزول اجلال فرمایا تھا تو (تمام لوگوں نے بے پناہ خوشی و مسرت کا اظہار کیا یہاں تک کہ) حبشیوں نے (بھی جشن مسرت منانے کے طور پر) نیزوں کے کھیل کرتب دکھائے تھے یہ (روایت ابوداؤد نے نقل کی ہے، اور دارمیؒ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یوں ہے کہ حضرت انسؓ نے کہا: "میں نے اس دن سے زیادہ حسین اور روشن دن اور کوئی نہیں دیکھا جس دن (مدینہ میں) ہمارے درمیان رسول کریم ﷺ تشریف لائے تھے، اور میں نے اس دن سے زیادہ برا اور تاریک دن اور کوئی نہیں دیکھا جس دن رسول کریم ﷺ کی وفات ہوئی" اور ترمذیؒ کی روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ نے کہا: جب وہ دن آیا کہ رسول کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو (مدینہ کی) ہر چیز (یعنی درودیوار وغیرہ) پر نور پھیل گیا جب وہ دن آیا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو ہر چیز (غم واندوہ کی) تاریکی میں ڈوب گئی اور آپ ﷺ کی تدفین کے بعد ہم نے ابھی اپنے ہاتھوں سے مٹی جھاڑی بھی نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ کی تدفین ہی میں مشغول تھے کہ اپنے دلوں میں ایک دوسرے سے ناآشنائی محسوس کرنے لگے تھے۔"

تشریح: مدینہ میں آنحضرت کی آمد کا دن نہایت حسین بھی تھا بڑا تابناک بھی، کیونکہ وہ دن مشتاقان جمال کے لئے وصال و قرب کا دن تھا ان کی تمناؤں اور آرزوؤں کی تکمیل کا دن تھا، نہ صرف یہ کہ ان کے دل و دماغ کھل اٹھے تھے بلکہ ان کے درودیوار تک نور نبوت کی جلوہ ریزی سے جگمگا اٹھے تھے اور پھر جب وہ دن آیا کہ آفتاب نبوت اس دنیا سے رخصت ہوا تو مدینہ والوں کی دنیا اندھیری ہوگئی، ہر سو غم

واندوہ کی تاریکی چھاگئی کیونکہ وہ دن عشاقان جمال نبوت کے لئے فراق کا دن تھا، ان کی مسرتوں اور شادمانیوں کی جدائی کا دن تھا۔

"ایک دوسرے سے آشنائی محسوس کرنے لگے تھے۔" مطلب یہ کہ ہمارے درمیان سے آنحضرت ﷺ کے اٹھ جانے اور اس دنیا سے آفتاب نبوت کے رخصت ہوجانے کے سبب ہم پر جو تاریکی چھائی تو ہمیں بین طور پر محسوس ہوا کہ ہمارے دلوں کی وہ پاکیزگی اور نورانیت جو ذات رسالت کے مشاہدہ وصحبت کے نتیجہ میں حاصل ہوتی رہتی تھی اس کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے اور ہمارے قلوب میں صدق و اخلاص اور مہرووفا کی وہ پہلی والی کیفیت باقی نہیں رہی ہے۔

تدفین کے بارے میں اختلاف اور حضرت ابوبکرؓ کی صحیح راہنمائی

⑧ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِخْتَلَفُوْا فِيْ دَفْنِهٖ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَالَ مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ يُحِبُّ اَنْ يُّدْفَنَ فِيْهِ ادْفِنُوْهُ فِيْ مَوْضِعِ فِرَاشِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کا انتقال ہوگیا اور آپ ﷺ کی تدفین کے بارے میں صحابہؓ کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میں نے (اس سلسلہ میں) خود رسول کریم ﷺ سے ایک بات سنی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا تھا: "اللہ تعالیٰ ہر نبی کی روح اس جگہ قبض کرتا ہے جہاں وہ نبی دفن ہونا پسند کرتا ہے (یا یہ کہ جہاں اللہ تعالیٰ اس نبی کا دفن کیا جانا پسند کرتا ہے)" لہٰذا آنحضرت ﷺ کو اس جگہ دفن کرنا چاہئے جہاں آپ بستر مرگ پر تھے (اور جہاں آپ ﷺ کی وفات ہوئی ہے۔" (ترمذی)

تشریح: "صحابہؓ کے درمیان اختلاف رائے ہوا" یعنی بعض حضرات کا کہنا تو یہ تھا کہ آپ ﷺ کی تدفین بقیع قبرستان میں ہونی چاہئے اور بعض حضرات یہ کہہ رہے تھے کہ مسجد نبوی میں دفن کرنا زیادہ موزوں ہے جب کہ کچھ حضرات کی رائے یہ بھی تھی کہ آپ کی تدفین بیت المقدس میں عمل میں آنی چاہئے کیونکہ اکثر انبیاء کی قبریں وہیں ہیں یا یہ کہ سرے سے دفن کرنے ہی کے بارے میں یہ اختلاف رائے پیدا ہوگیا تھا کہ آیا آپ ﷺ کو دفن کیا جائے یا نہیں؟ چنانچہ ترمذیؒ ہی کی اور روایت میں یوں ہے کہ اس موقع پر صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے رجوع کیا اور ان سے پوچھا کہ اے صاحب رسول! رسول کریم ﷺ کو دفن کیا جائے یا نہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اسی جگہ جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی روح قبض کی ہے اور جہاں آپ ﷺ کی روح قبض کی گئی ہے وہ پاک وطاہر جگہ ہے صحابہؓ سمجھ گئے کہ ابوبکرؓ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ صحیح ہے (اور اس طرح حجرۂ عائشہ میں کہ جہاں آپ ﷺ کی وفات ہوئی تھی تدفین عمل میں آئی)۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

وفات سے پہلے ہی نبی کو جنت میں اس کا مستقر دکھا دیا جاتا ہے

⑨ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَهُوَ صَحِيْحٌ اِنَّهٗ لَنْ يُّقْبَضَ نَبِيٌّ حَتّٰى يُرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَلَمَّا نَزَلَ بِهٖ وَرَاْسُهٗ عَلٰى فَخِذِيْ غُشِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَاَشْخَصَ بَصَرَهٗ اِلَى السَّقْفِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى قُلْتُ اِذَنْ لَا يَخْتَارُنَا قَالَتْ وَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَدِيْثُ الَّذِيْ كَانَ يُحَدِّثُنَا بِهٖ وَهُوَ صَحِيْحٌ فِيْ قَوْلِهٖ اِنَّهٗ لَنْ يُّقْبَضَ نَبِيٌّ قَطُّ حَتّٰى يُرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَكَانَ اٰخِرُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى۔ (متفق علیہ)

"حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ (مرض الموت میں مبتلا ہونے سے قبل) اپنی تندرستی کے زمانہ میں فرمایا کرتے تھے کہ کسی نبی کی روح اس وقت قبض نہیں کی جاتی جب تک کہ جنت کا اس کا مستقر (یعنی وہ منازل عالیہ جو اس کے لئے جنت میں مخصوص ہیں) اس کو

دکھا کر اس کو اختیار نہیں دے دیا جاتا (کہ چاہے ابھی اور دنیا میں رہو اور چاہے یہاں ہماری بارگاہ میں آجاؤ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ پھر جب (مرض وفات میں آنحضرت ﷺ کی موت کا وقت قریب آیا تو اس وقت جب کہ آپ ﷺ کا سر مبارک میری ران پر تھا اور (شدت مرض سے) آپ ﷺ بار بار بے ہوش ہو رہے تھے، (ایک بار) جو ہوش آیا تو آپ ﷺ نے چھت (یعنی آسمان) کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہا: الٰہی! میں رفیق اعلیٰ کو پسند کرتا ہوں (مجھے رفیق اعلیٰ میں شامل فرما) میں نے (آپ ﷺ کے یہ الفاظ سنتے ہی) کہا: اب آنحضرت ﷺ نے ہمیں (یعنی دنیا کی زندگی کو) ناپسند کر دیا ہے (اور عالم آخرت کی زندگی کو اختیار کر لیا ہے) کیونکہ مجھے وہ ارشاد گرامی یاد آگیا جو آپ ﷺ نے تندرستی کے زمانہ میں فرمایا تھا کہ کسی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی جب تک کہ جنت کا اس کا مستقر اس کو دکھا کر اس کو اختیار نہیں دے دیا جاتا (پس آپ ﷺ کا آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا گویا جنت میں اپنا مستقر دیکھنا تھا) اور **اللھم رفیق الاعلی** کے الفاظ آپ ﷺ کے اس فیصلہ کا اعلان ہے کہ ملے ہوئے اختیار کے تحت میں نے دنیا کی زندگی کو چھوڑ کر عالم آخرت کو پسند کر لیا ہے) حضرت عائشہؓ نے بیان کیا: نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے جو آخری الفاظ نکلے وہ یہی **اللھم رفیق الاعلی** کے الفاظ تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک والے آخری الفاظ **اللھم الرفیق الاعلی** تھے اور جیسا کہ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سب سے پہلے جو الفاظ نکلے تھے وہ تھے اللہ اکبر، اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ ﷺ اپنے زمانہ شیر خوارگی میں دایہ حلیمہؓ کے پاس تھے۔ اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ جب روز ازل حق تعالیٰ نے تمام ارواح عالم سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا تھا جس کو عہد الست کہا جاتا ہے تو اس وقت حق تعالیٰ کے سوال اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ کے جواب میں بَلٰی (جی ہاں یقیناً آپ ہمارے رب ہیں) سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی روح پاک نے کہا تھا۔

زہر کا اثر

(۱۰) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ مَاتَ فِيْهِ يَاعَائِشَةُ مَا اَزَالُ اَجِدُ اَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِیْ اَكَلْتُ بِخَيْبَرَ وَهٰذَا اَوَانُ وَجَدْتُ انْقِطَاعَ اَبْهَرِیْ مِنْ ذٰلِكَ السَّمِّ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنے مرض وفات میں فرمایا کرتے تھے کہ عائشہؓ! میں نے خیبر میں جو (زہر آلود) کھانا کھا لیا تھا (اس کے تکلیف دہ اثرات تو برابر محسوس کرتا تھا لیکن اب اس مرض میں) تو ایسا لگتا ہے کہ اسی زہر کے اثر سے میری رگ جان کٹ جائے گی۔" (بخاری)

تشریح: زہر آلود کھانے سے مراد وہ زہر آلود بکری ہے جو سازش کے تحت ایک یہودی عورت نے فتح خیبر کے موقع پر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کی تھی اور آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ حصہ کھا لیا تھا، اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ پیچھے ایک موقع پر گزر چکا ہے اس وقت اگرچہ ظہور معجزہ کے تحت زہر کا ایسا اثر نہیں ہوا کہ ہلاکت واقع ہو جاتی لیکن اس کے مضر اثرات بہرحال قائم رہ گئے تھے جس کا ظہور بعد میں کبھی کبھی ہو جاتا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے بظاہر اس حکمت کے تحت کہ آپ ﷺ کو درجہ شہادت بھی مل جائے، مرض الموت میں اس زہر کا اصل اثر ظاہر کیا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی موت اس سانپ کے زہر کے اثر سے واقع ہوئی تھی جس نے مدتوں پہلے مکہ سے مدینہ کے سفر ہجرت کے دوران غار ثور میں ان کو ڈسا تھا۔

مرض الموت میں ارادۂ تحریر کا قصہ

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا حُضِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِی الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيْهِمْ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ قَالَ

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلُمُّوْا اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ فَقَالَ عُمَرُ قَدْ غَلَبَ عَلَيْهِ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ فَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوْا فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ قَرِّبُوْا يَكْتُبْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ مَا قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا اَكْثَرُوا اللَّغَطَ وَالْاِخْتِلَافَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا عَنِّي قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ اِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ اَنْ يَكْتُبَ لَهُمْ ذٰلِكَ الْكِتٰبَ لِاخْتِلَافِهِمْ وَلَغَطِهِمْ وَفِيْ رِوَايَةِ سُلَيْمَانَ بْنِ اَبِيْ مُسْلِمٍ الْاَحْوَلِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمُ الْخَمِيْسِ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيْسِ ثُمَّ بَكٰى حَتّٰى بَلَّ دَمْعُهُ الْحَصٰى قُلْتُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيْسِ قَالَ اشْتَدَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ فَقَالَ ائْتُوْنِيْ بِكَتِفٍ اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهُ اَبَدًا فَتَنَازَعُوْا وَلَا يَنْبَغِيْ عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ فَقَالُوْا مَا شَاْنُهُ اَهَجَرَ اسْتَفْهِمُوْهُ فَذَهَبُوْا يَرُدُّوْنَ عَلَيْهِ فَقَالَ دَعُوْنِيْ ذَرُوْنِيْ فَالَّذِيْ اَنَا فِيْهِ خَيْرٌ مِمَّا تَدْعُوْنَنِيْ اِلَيْهِ فَاَمَرَهُمْ بِثَلٰثٍ فَقَالَ اَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَاَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ اُجِيْزُهُمْ وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ اَوْ قَالَهَا فَنَسِيْتُهَا قَالَ سُفْيَانُ هٰذَا مِنْ قَوْلِ سُلَيْمَانَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (یوم وفات یعنی دوشنبہ سے تین دن قبل پنجشنبہ کے دن) اس وقت جب کہ رسول کریم ﷺ پر مرض کا شدید غلبہ تھا اور گھر میں آپ ﷺ کے بستر مرض کے قریب حضرت عمر بن الخطابؓ سمیت، بہت سے لوگ موجود تھے، نبی کریم ﷺ (اچانک فرمانے لگے: لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ اس کے بعد تمہاری گمراہی کا کوئی سوال پیدا نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے (یہ سن کر وہاں موجود لوگوں سے کہا: (اس وقت) آنحضرت ﷺ پر بیماری کا شدید غلبہ ہے، ویسے تم لوگوں کے پاس قرآن موجود ہی ہے اور تمہیں (راہ مستقیم پر گامزن رکھنے کے لئے) یہ اللہ کی کتاب بہت کافی ہے لیکن وہ لوگ جو (اہل بیت میں سے بھی تھے اور دوسرے صحابہ میں سے بھی اور اس وقت) گھر میں موجود تھے (اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کرنے کے بجائے) آپس میں بحث و مباحثہ کرنے لگے، ان میں سے کچھ لوگ تو یہ کہہ رہے تھے کہ (لکھنے کا سامان) لاکر سامنے رکھ دینا چاہئے تاکہ رسول کریم ﷺ تمہارے لئے کوئی تحریر مرتب فرمادیں اور کچھ لوگ وہی بات کہہ رہے تھے جو حضرت عمرؓ نے کہی تھی (کہ مرض اور تکلیف کی شدت دیکھتے ہوئے اس وقت آنحضرت ﷺ کو کوئی زحمت نہیں دینی چاہئے اور پھر جب ان لوگوں کے اختلاف رائے کا اظہار بڑھتا ہی رہا اور کافی شور و شغب ہونے لگا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اچھا اب تم سب لوگ میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ (میں نے کوئی چیز لکھنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے کیونکہ کتاب و سُنّت کی موجودگی ہی تمہارے لئے کافی ہوگی، عبید اللہ" (جو حضرت ابن عباسؓ سے اس حدیث کے راوی) ہیں کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ (یہ واقعہ بیان کر کے) کہا کرتے تھے: مصیبت ہے پوری مصیبت جو ان لوگوں کے اختلاف اور شور و غل کی صورت میں رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے وصیت نامہ لکھنے کے ارادہ کے درمیان حائل ہوگئی تھی (کاش وہ لوگ اس طرح اختلاف کا اظہار اور شور و شغب نہ کرتے تو آنحضرت ﷺ کوئی ایسا وصیت نامہ ضرور مرتب فرمادیتے جو ہر مرحلہ پر ہم سب کی رہنمائی کرتا رہتا) اور سلیمان ابن مسلم احول" (جو ثقات اور ائمہ دین میں سے ہیں) کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: (آہ) جمعرات کا دن، وہ جمعرات کا دن کیا عجیب تھا (جب ایک زبردست المیہ واقع ہوا تھا) اور یہ کہہ کر رونے لگے اور اتنا روئے کہ (وہاں پڑے ہوئے سنگریزے) ان کے آنسوؤں سے تر ہو گئے میں نے عرض کیا: ابن عباسؓ (کون سی) جمعرات کے دن کا ذکر ہے اور اس دن) کیا ہوا تھا (کہ آپ اتنے تأسف بھرے انداز میں اس کو بیان کر رہے ہیں) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: (یہ اس جمعرات کا دن کا ذکر ہے) جب رسول کریم ﷺ کی بیماری بہت نازک صورت حال اختیار کر گئی تھی اور آپ ﷺ نے فرمایا تھا مجھے شانہ کی ہڈی لاکر دو تاکہ میں تمہارے لئے ایک ایسا نوشتہ لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو (اس وقت آنحضرت ﷺ کے پاس موجود) لوگوں نے (یہ بات سن کر) اختلاف و نزاع کا اظہار شروع کر دیا حالانکہ نبی کے سامنے اختلاف و نزاع کا اظہار مناسب نہیں ہے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا تھا کہ بات آنحضرت ﷺ کی کس حالت کی غماز ہے؟ کیا

آنحضرت ﷺ (دنیا کو) چھوڑ رہے ہیں؟ آنحضرت سے معلوم کرنا چاہئے (کہ آپ ﷺ کیا فرما رہے ہیں اور آپ ﷺ کا کیا منشا ہے؟) اور پھر ان (میں سے بعض) لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ تکرار کرنا شروع کر دیا تھا، آخر کار سرکار رسالتمآب ﷺ نے فرمایا: مجھ کو چھوڑ دو، مجھے اپنی حالت پر رہنے دو (یعنی اس وقت میرے پاس شور وشغب مت کرو اور مجھے دوسری باتوں میں نہ الجھاؤ) کیونکہ اس وقت میں جس حالت میں ہوں اس حالت سے بہتر وافضل ہے جس کی طرف تم مجھے متوجہ کر رہے ہو اس کے بعد (جب لوگوں نے بحث وتکرار ختم کر دی اور ذات رسالت کی طرف متوجہ ہوئے تو) آپ ﷺ نے ان کو تین باتوں کا حکم دیا: ایک تو یہ کہ مشرکوں کو جزیرۂ عرب سے نکال دو، دوسرا یہ کہ (دوسرے ملکوں اور حکومتوں کے) جو ایلچی اور قاصد آئیں ان کے ساتھ عزت واحترام کا وہی برتاؤ کرو جو میں کرتا تھا، اور تیسری بات پر ابن عباسؓ نے (یا تو بھول جانے کی وجہ سے یا اختصار کی خاطر) خاموشی اختیار کر لی یا یہ کہ ابن عباسؓ نے وہ تیسری بات بھی بیان کی تھی لیکن میں اس کو بھول گیا ہوں سفیان ابن عیینہؒ کہتے ہیں: یہ الفاظ (کہ ابن عباسؓ نے خاموشی اختیار کی "یا یہ کہ" میں اس کو بھول گیا ہوں) "سلیمان احولؒ کے ہیں۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "لاؤ میں تمہارے لئے نوشتہ لکھ دوں" کے تحت نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے: یہ ناممکن اور محال تھا کہ آنحضرت ﷺ جھوٹ بولتے، یہ بھی ناممکن اور محال تھا کہ آپ ﷺ احکام شریعت میں سے کسی بھی چیز میں کوئی تغیر وتبدل کرتے خواہ آپ ﷺ تندرست وتوانا ہوتے یا مرض میں مبتلا، یہ بھی ناممکن اور محال تھا کہ آپ ﷺ اس چیز کو بیان ونافذ کرنا ضروری سمجھتے جس کے بیان ونفاذ کا حکم آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف دیا جاتا، اور یہ بھی ناممکن اور محال تھا کہ جس چیز کی تلقین وتبلیغ کرنا اللہ نے آپ کے لئے واجب اور ضروری قرار دیا تھا اس کی تلقین وتبلیغ سے آپ ﷺ صرف نظر کر لیتے (کیونکہ یہ سب وہ قبائح ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو معصوم بنایا تھا اس لئے آپ ﷺ سے ایسی چیزوں کے صدور کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، ہاں یہ بات ناممکن اور محال نہیں تھی کہ آپ ﷺ کسی ایسے جسمانی مرض میں مبتلا نہ ہوتے جس سے نہ آپ ﷺ کے مرتبۂ نبوت اور شان رسالت کو کوئی نقصان پہنچتا، اور نہ آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر کوئی فرق پڑتا یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ پر سحر کیا گیا تو آپ ﷺ اس کی زد میں آگئے اور آپ ﷺ کے اعضائے جسمانی اور حواس اس حد تک متاثر ہو گئے تھے کہ ایک کو سمجھتے کہ میں کر چکا ہوں حالانکہ آپ ﷺ نے اس کو نہ کیا ہوتا، تاہم اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے مرتبہ عصمت کو اس طرح محفوظ رکھا کہ اس دوران آپ ﷺ کی زبان سے احکام شریعت کے بارے میں ایسی کوئی بات نہیں نکلی جو آپ ﷺ کی پہلے کہی ہوئی کسی بات کے مخالف ہوتی (یا آپ ﷺ کے خیال وعمل کا مذکورہ تخالف کسی ایسے معاملہ میں رونما ہوا جس کا تعلق دینی وشرعی معمولات وعبادات سے ہوتا) نیز روایت میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مرض وفات کے آخری دنوں میں کوئی نوشتہ مرتب کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اور پھر اس ارادہ کو پورا نہیں فرمایا تو اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ مثلاً بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ دراصل آنحضرت ﷺ نے یہ چاہا تھا کہ تحریری طور پر اپنے صحابہ میں سے کسی ایک کو منصب خلافت کے لئے نامزد فرما دیں تاکہ بعد میں عام مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف ونزاعی صورت حال پیدا نہ ہو بعض دوسرے حضرات کا قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اصل منشاء ایک ایسا نوشتہ تیار کرا دینا تھا جس میں دین وشریعت کے اہم احکام ومسائل کی تدوین وترتیب اور ان کی تلخیص وضاحت ہوتی، تاکہ بعد میں علمائے اُمت ان احکام وہدایت کے بیان اور ان کی وضاحت وترجمانی میں اختلاف ونزاع کا شکار نہ ہوں اور منصوص علیہ پر امت میں کامل اتفاق واتحاد رہے، یہاں تک نوویؒ کے ملفوظات تھے اور ان ملفوظات کو ملا علی قاریؒ نے نہ صرف نقل کیا ہے بلکہ مذکورہ دونوں اقوال نقد بھی کیا ہے چنانچہ انہوں نے پہلے قول کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ تو بہت ہی بعید از حقیقت ہے کیونکہ اگر آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ میں سے کسی کو خلافت کے لئے نامزد کرنا اور مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ وغیرہم میں سے کسی ایک کے نام کو متعین ومشخص کرنا چاہتے تو اس کے لئے آپ ﷺ کو نوشتہ یا دستاویز مرتب کرنے کی ضرورت ہرگز نہیں تھی، صرف زبان سے آپ ﷺ کا کہہ دینا کافی تھا، اور ایسا ہوا بھی کہ آپ ﷺ نے

حضرت ابوبکرؓ کو اپنی زندگی ہی میں نماز کی امامت کے لئے متعین فرما کر نہ صرف عملی طور پر ان کی خلافت کی طرف اشارہ فرمادیا تھا بلکہ اپنے ارشاد یابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر کے ذریعہ زبانی طور پر صراحت بھی فرمادی تھی ہاں اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ دراصل ایک ایسا نوشتہ مرتب فرمادینا چاہتے تھے جس میں خلافت کے اہل اور مستحق افراد کی نامزدگی کا ایسا طریقہ لکھا ہوتا جو آپ ﷺ کی وفات کے بعد سے امام مہدیؒ کے ظہور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک یکے بعد دیگرے بلا کسی اختلاف و نزاع کے خلافت کے تقرر کو بروئے کار لاتا رہتا، تو یہ ایک ایسی بات ہو سکتی ہے جس کو کسی حد تک معقول اور قرین قیاس کہا جا سکتا ہے اور اس صورت میں کہا جائے گا کہ حکمت خداوندی چونکہ یہی تھی کہ خلافت کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے طے شدہ اور ظاہر ہو جانے کے بجائے غیر متعین اور پوشیدہ رہے اس لئے آنحضرت ﷺ وہ تحریر مرتب نہ فرما سکے دوسرے قول کے بارے میں ملا علی قاریؒ نے یہ لکھا ہے کہ جہاں تک خود آنحضرت ﷺ کے زمانہ کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ اس وقت دین و شریعت کے اہم احکام و مسائل کے متعلق کوئی باہمی اختلاف و نزاع نہیں تھا کہ اس کو ختم کرنے اور صحابہؓ کے درمیان اتحاد و اتفاق قائم کرنے کے لئے آپ ﷺ کسی نوشتہ کے تحریر کرنے کی ضرورت محسوس فرماتے، رہی یہ بات کہ آپ ﷺ کے اس ارادۂ تحریر کا تعلق آپ کے بعد کے زمانہ میں ممکنہ اختلاف و نزاع کے دفعیہ سے تھا تو یہ بات بھی قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی کیونکہ زمانہ نبوت کے بعد دینی احکام و مسائل کی وضاحت و ترجمانی اور مسائل قیاسی میں علماء امت کے درمیان اختلاف کا پیدا ہونا محض امکان کے درجہ کی چیز نہیں تھی بلکہ ایک حقیقی چیز تھی جس کے بارے میں خود آنحضرت ﷺ نے پہلے ہی خبر دے دی تھی، مثلاً ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا: اختلاف امتی رحمة یا آپ ﷺ کا ارشاد گرامی: اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اهتدیتم یا آپ ﷺ نے فرمایا: علیکم بالسواد الاعظم اور آپ ﷺ نے فرمایا: استفت قلبک وان افتاک المفتون ویسے بھی تمام لوگوں کا کسی نقطہ پر جمع ہو جانا اور دین و مذہب میں باہمی اختلاف کا رونما نہ ہونا ایک ایسی ناممکن بات ہے جس کی خبر خود قرآن کریم نے بھی دی ہے مثلاً فرمایا گیا ہے: وَلَا یزالون مختلفین الامن رحم ربک وبذالک خلقهم یعنی: اور لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر آپ ﷺ کے رب کی رحمت ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے۔ اگر زمانہ رسالت کے بعد دینی معاملات و مسائل میں اُمت (یعنی علماء و مجتہدین) کے درمیان پیدا ہونے والے باہمی اختلاف کے بارے میں آپ ﷺ کو واضح احکام و ہدایات کو مرتب کرانا ہوتا تو اس کے لئے آپ ﷺ اپنی زندگی کے ان آخری لمحات میں ارادہ نہ فرماتے بلکہ بہت پہلے ہی جب کہ آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کو ان آئندہ اختلافات کی خبر دیا کرتے تھے، مذکورہ نوشتہ تحریر فرما دیتے علاوہ ازیں یہ بات بھی سمجھ میں نہ آنے والی نہیں ہے کہ دین و شریعت کے وہ تمام احکام و مسائل جن کے نزول اور وجوب و نفاذ کا زمانہ بیس سال کے عرصہ پر پھیلا ہوا تھا، آخری ایام حیات کے اس مختصر ترین عرصہ میں کس طرح سمیٹے جا سکتے تھے اور یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ ﷺ اس وقت ان تمام احکام و مسائل کو اس طرح ملخص و مرتب فرما دیتے کہ آئندہ ان کے بارے میں کسی اختلاف کی ذرہ برابر گنجائش باقی نہ رہ جاتی۔ لہٰذا اس قول کو تسلیم کرنا ممکن نہیں، ہاں یہ بات تو ایک حد درجہ میں کہی جا سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت ایک ایسا نوشتہ لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا جس میں ان احکام و مسائل کا ذکر ہوتا کہ جو پچھلے زمانوں میں تو موجود تھے لیکن کتاب و سنت میں ان کا ذکر نہیں ہے، یا یہ کہ آپؐ اس نوشتہ میں مسلمانوں کے فرقہ ناجیہ کے طور طریقوں اور علامتوں کو ذکر کرنا اور ان گمراہ فرقوں کے احوال و عواقب کو تفصیلی طور پر بیان کرنا چاہتے تھے جو بعد میں اس اُمت کے درمیان پیدا ہوئے جیسے معتزلہ، خوارج، روافض اور تمام بدعتی، لیکن حکمت خداوندی کو یہ منظور نہ تھا اس لئے آپؐ وہ نوشتہ تیار نہ فرما سکے۔

(اس وقت) آنحضرت ﷺ پر بیماری کا شدید غلبہ ہے۔ اس بات سے حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ تم لوگوں کی دینی زندگی کو سنوارنے اور مستحکم رکھنے کے لئے اللہ کی کتاب موجود ہی ہے جس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یعنی تم سب اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ رہی حدیث و سُنّت کی بات تو وہ بھی قرآن ہی کے ضمن میں آتی ہے کیونکہ حدیث و سُنّت کا اصل موضوع قرآن کی وضاحت و ترجمانی ہی ہے۔ پس حضرت عمرؓ کا مقصد آنحضرت ﷺ کی بات کو کاٹنا نہیں تھا بلکہ

ان کے مخاطب تو وہ لوگ تھے جنہوں نے اس وقت بحث و نزاع شروع کردی تھی اور اس بات پر اصرار کر رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے لکھنے کا سامان لے آنا چاہئے تاکہ آپ ﷺ اپنے ارادہ کے مطابق کوئی ہدایت نامہ مرتب فرمادیں، اور اس بات کا محرک ان کا یہ جذبہ تھا کہ اس وقت جب کہ آنحضرت ﷺ پر مرض کا شدید غلبہ ہے اور آپ ﷺ سخت کرب میں مبتلا ہیں۔ زیادہ سے زیادہ راحت و آرام کا موقع آپ ﷺ کو ملنا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ ان کی فراست نے جان لیا تھا کہ آپ ﷺ کا یہ حکم وجوب و جزم کے ساتھ نہیں ہے بلکہ خود صحابہ اور مسلمانوں کی مصلحت کے تحت ہے کہ اگر وہ اس پر عمل کریں تو یہ ان کا اختیار ہے اور اگر عمل نہ کریں تو ان کی مرضی چنانچہ یہ آپ ﷺ کا ہمیشہ معمول تھا کہ جب آپ ﷺ کسی معاملہ میں ایسا حکم دیتے جو وجوب و لزوم کے ساتھ نہ ہوتا تو صحابہ کرام کو اس میں اظہار رائے کی پوری آزادی ہوتی اگر وہ اس میں اشکال و تردد کا اظہار کرتے تو آپ ﷺ اس حکم کی تعمیل کو ضروری قرار نہ دیتے بلکہ صحابہؓ کی رائے اور صوابدید پر چھوڑ دیتے تھے ہاں جو حکم وجوب و لزوم کے طور پر ہوتا ہے اور اس کی تعمیل ضروری ہوتی۔ اس کو آپ ﷺ صحابہؓ کی رائے اور صوابدید پر نہ چھوڑتے تھے، نیز حضرت عمرؓ کو یہ احساس بھی ہوا ہوگا کہ اس وقت آنحضرت ﷺ جو کچھ تحریر فرمانا چاہتے ہیں شاید وہ کوئی ایسا حکم ہو جس کی تعمیل صحابہؓ کے لئے شاق اور سخت دشواری کا باعث بن جائے اور پھر اس کی وجہ سے پوری اُمت کو کسی فتنہ اور آزمائش سے دوچار ہونا پڑ جائے لہٰذا اپنے مذکورہ الفاظ کے ذریعہ انہوں نے اس طرف اشارہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کا اپنے اس ارادہ کو ترک کر دینا ہی اولی ہے اور ان کے اس اشارہ کو سمجھ کر آنحضرت ﷺ نے اس ارادہ کو ترک بھی فرما دیا اس کی مثال وہ واقعہ ہے جو ابتدائے کتاب (باب الایمان) میں گزرا کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا کہ جاکر لوگوں کو بشارت دے دو کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگا اور پھر جب ابوہریرہؓ نے یہ بشارت سب سے پہلے حضرت عمرؓ تک پہنچائی تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ کو یہ بشارت اور لوگوں تک پہنچانے سے روک دیا بلکہ دربار رسالت میں عرض کیا کہ (یہ بشارت عام نہ کیجئے ورنہ) لوگ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اور عمل کرنے میں سست ہو جائیں گے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کے اس مشورہ کو قبول فرمالیا اور اس بشارت کو عام لوگوں تک پہنچانے کا حکم واپس لے لیا ان وضاحتوں کے علاوہ ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ جس طرح حضرت عمرؓ کے دوسرے موافقات ہیں کہ کئی مسئلوں میں ان کا اتفاق بصورت اختلاف ظاہر ہوا ہے اسی طرح اس واقعہ کو اور ان کے مذکورہ قول کو بھی موافقت ہی پر محمول کیا جائے اس صورت میں مخالفت کا الزام ان پر اٹھ جائے گا اس پہلو کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی بات سن کر سکوت فرمایا یعنی کوئی ہدایت نامہ یا وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ایک طبقہ کا کہنا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم از خود نہیں دیا تھا بلکہ صورت حال یہ ہوئی تھی کہ پہلے بعض صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی تھی کہ کچھ وصیتی کلمات تحریر فرمادیں، ان کی درخواست پر آپ ﷺ نے کچھ لکھنے کا اپنا رجحان ظاہر کیا اور سامان کتابت لانے کا حکم دیا مگر جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ صحابہ جیسے حضرت عمرؓ اور ان کی تائید کرنے والوں کا رجحان اس کے خلاف ہے تو آپ ﷺ نے تحریر کا ارادہ ترک فرمادیا بیہقیؒ نے لکھا ہے: سفیان ابن عیینہؒ نے ثقہ اہل علم سے نقل کیا ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ یہ چاہتے تھے کہ منصب خلافت کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو نامزد کردیں اور اس کے بارے میں ایک تحریر مرتب فرما دیں لیکن بعد میں آپ ﷺ نے اس اعتماد پر تحریر کا ارادہ ترک کر دیا کہ تقدیر الٰہی کا فیصلہ خود بخود سامنے آجائے گا اور عام مسلمان بھی اس فیصلہ سے انحراف نہیں کریں گے، چنانچہ آپ کا ارشاد گرامی یابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر (اللہ تعالیٰ اور تمام مسلمان ابوبکر کے علاوہ اور کسی کو خلافت کے لئے قبول نہیں کریں گے) سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے (یہ حدیث تفصیل کے ساتھ آگے آرہی ہے)۔

رہی شیعوں کی بات جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کے ارادہ تحریر کا اصل مقصد حضرت علیؓ کے حق میں خلافت کی وصیت کرنا تھا تو وہ خود اپنے دعووں کے باہمی تضاد کا شکار ہیں، ایک طرف تو وہ یہ دعوی کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کا دعوی یہ

ہے کہ آنحضرت ﷺ نے "غدیر خم" میں پہلے ہی حضرت علیؓ کی خلافت کا معاملہ طے کر دیا تھا۔ کوئی ان سے پوچھے کہ تمہارے قول کے مطابق جب آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کی خلافت کا فیصلہ پہلے کر دیا تھا تو پھر اب وصیت نامہ لکھنے کی ضرورت کیا باقی رہ گئی تھی۔

"تم سب لوگ میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ" گویا آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں پر واضح کر دیا کہ میں نے اس اعتماد اور بھروسہ پر اب کچھ لکھنے کا قصہ چھوڑ دیا ہے کہ کتاب و سنّت کی موجودگی ہی تمہاری ہدایت و راہنمائی کے لئے کافی ہے اس موقع پر نوویؒ نے لکھا ہے کہ اس وقت یا تو یہ صورت حال پیش آئی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمت کے مفاد و مصلحت میں بعض چیزیں تحریر میں لے آنا خود اپنی رائے اور اپنے خیال کے مطابق مناسب سمجھا تھا لیکن پھر آپ ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ کچھ نہ لکھنا ہی عین مصلحت ہے تو آپ ﷺ نے اپنی رائے اور اپنا خیال تبدیل کر دیا یا یہ ہوا تھا کہ آپ نے یہ ارادہ وحی کے ذریعہ خدائی ہدایت آنے کے بعد کیا لیکن پھر بعد میں دوسری وحی کے ذریعہ جب اس ارادہ کو موقوف کر دینے کا حکم آیا تو آپ ﷺ نے لکھنے کا ارادہ ترک فرمادیا۔ نوویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر (وہاں موجود لوگوں کو مخاطب کر کے) جو یہ فرمایا تھا کہ حسبکم کتاب اللّٰہ یعنی تمہارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے، تو اس سے ان کے کمال تفقہ اور فہم و نظر کا اظہار ہوتا ہے، دراصل حضرت عمرؓ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں آنحضرت ﷺ نے ایسے احکام تحریر فرمادئے جس پر عمل کرنا عام مسلمانوں کے لئے ممکن نہ ہو سکا تو ان احکام کے منصوص ہونے کے سبب ان میں اجتہاد و تاویل کی قطعًا گنجائش نہ ہوگی اور لوگ ان پر عمل نہ کرنے کی بناء پر عذاب الٰہی کے مستوجب ہو جائیں گے۔ نیز انہوں نے اپنے قول حسبکم کتاب اللّٰہ کے ذریعہ گویا اللہ تعالیٰ کے ارشاد مافرطنا فی الکتاب من شیء اور اس ارشاد الٰہی الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی کی طرف اشارہ کیا۔

"مصیبت ہے پوری مصیبت" اس جملہ کے ذریعہ حضرت ابن عباسؓ نے دراصل اس موقع پر صحابہؓ کے اظہار اختلاف اور شور و شغب کو ایک ایسی بری صورت حال سے تعبیر کیا جس نے آنحضرت ﷺ کو اپنے ارادۂ تحریر کی تکمیل سے باز رکھا، ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ کاش، وہ لوگ اختلاف و نزاع کا اظہار نہ کرتے تو آنحضرت ﷺ کوئی ایسا نوشتہ مرتب فرمادیتے جو اُمت کے لئے ہمیشہ ہدایت و راستی کا ذریعہ بنتا گویا حضرت ابن عباسؓ کا رجحان حضرت عمرؓ اور ان کے مؤیدین کی رائے کے خلاف تھا اور وہ اس بات کے حق میں تھے کہ آنحضرت ﷺ کو اس وقت لکھنے کا موقع ضرور دینا چاہیے بیہقیؒ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا اصل مقصد یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ مرض کے اس شدید غلبہ کے وقت لکھنے کی زحمت اور تکلیف برداشت نہ کریں، اگر آنحضرت ﷺ اس وقت کوئی چیز لکھنا ضروری اور واجب سمجھتے تو حضرت عمرؓ یا کسی کے بھی اختلاف رائے کے اظہار سے اپنا ارادہ موقوف نہ فرماتے، کیونکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا: بلغ ما انزل الیک من ربک (جو بھی بات آپ ﷺ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہو اس کو لوگوں تک پہنچا دیجئے) چنانچہ جو باتیں لوگوں تک پہنچانی ضروری تھیں ان کی تبلیغ و اشاعت آپ ﷺ نے ہر صورت میں کی اگرچہ دشمنان دین اور مخالفین اسلام نے آپ ﷺ کی لاکھ مخالفت کی، یا جیسا کہ اسی موقع پر ہوا کہ جس چیز کی وصیت و ہدایت کرنا آپ ﷺ نے ضروری سمجھا (یعنی جزیرۂ عرب سے یہودیوں کا نکالنا وغیرہ) اس کی ہدایت آپ نے کی غرضیکہ اس وقت آنحضرت ﷺ جو چیز لکھنا چاہتے تھے وہ چونکہ ضروری نہیں تھی اس لئے حضرت عمرؓ کی عقل میں آیا کہ شدت مرض کے کرب اور بے چینی کی حالت میں آپ ﷺ کو لکھنے کی زحمت کیوں دی جائے اور پھر دین و شریعت کا ایسا کون سا حکم اور ہدایت ہے جو کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ میں موجود نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: الیوم اکملت لکم دینکم اس ارشاد الٰہی سے جو کچھ مفہوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ دین و شریعت سے متعلق قیام قیامت تک پیش آنے والی ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس کا حکم اور مسئلہ کتاب و سُنّت میں خواہ دلالۃً خواہ صراحۃً موجود نہ ہو، حضرت عمرؓ کے معمولی فہم و ادراک میں ایک یہ بات بھی آگئی تھی کہ آنحضرت ﷺ کوئی ایسا نوشتہ مرتب فرمانا چاہتے ہیں جس میں دینی احکام و مسائل کا بطریق اتمام بیان ہو اس صورت میں اجتہاد کا جواز ختم ہو جائے گا اور اہل علم و استنباط پر اجتہاد کا دروازہ بند ہو جائے گا لہٰذا

انہوں نے آنحضرت ﷺ کو شدت مرض میں لکھنے کی تکلیف سے بچانے اور ارباب اجتہاد کو ان کی فضیلت سے محروم نہ ہونے دینے کی نیت سے اسی بات کو زیادہ اچھا سمجھا کہ آنحضرت ﷺ تحریر کا ارادہ ترک فرما دیں، اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی بات کو رد نہ کرکے اور اپنے ارادۂ تحریر کو ترک فرما کر گویا حضرت عمرؓ اور ان کے مؤیدین کے فہم و ادراک سے کہیں زیادہ مضبوط اور قوی تھا۔

"یہ کہہ کر وہ رونے لگے اور اتنا روئے" حضرت ابن عباسؓ کے رونے کا سبب یا تو یہ تھا کہ اس دن کا ذکر کرتے ہوئے ان کو آنحضرت ﷺ کی وفات کا سانحہ یاد آگیا تھا، یا یہ کہ ان کے گمان کے مطابق آنحضرت ﷺ اس دن جو نوشتہ مرتب فرمانا چاہتے تھے وہ چونکہ اُمت کے حق میں خیر کثیر کا باعث بنتا اس لئے یہ سوچ کر کہ اس نوشتہ کے نہ لکھے جانے سے اُمت خیر کثیر سے کس طرح محروم ہو گئی ان کا دل بھر آیا وہ رونے لگے۔ یہ دوسرا احتمال اس موقع سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

"ایک ایسا نوشتہ لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو" علماء نے لکھا ہے کہ عبارت کا ظاہری اسلوب صاف بتا رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارادہ دین و شریعت کے احکام و مسائل کو تفصیل و وضاحت کے ساتھ لکھنے کا تھا نہ کہ خلافت کے بارے میں کوئی وصیت کرنے کا۔

"نبی کے سامنے اختلاف و نزاع کا اظہار مناسب نہیں ہے" عبارت کے سیاق سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ حضرت ابن عباسؓ کا اپنا ہے، جس کو انہوں نے روایت کے درمیان داخل کیا، جب کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اصل میں یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جس کو اس موقع پر ابن عباسؓ نے استدلال کے طور پر نقل کیا ہے۔

"کیا آنحضرت ﷺ (دنیا کو) چھوڑ رہے ہیں" یہ لفظ اھجر کا ترجمہ ہے، فتح الباری میں قرطبیؒ کے حوالہ سے اس لفظ کے معنی میں کئی احتمال بیان کئے گئے ہیں ان میں سے ایک احتمال یہ نقل کیا گیا ہے کہ لفظ اھجر دراصل ھجر (بمعنی چھوڑنا) کا فعل ماضی ہے اور اس کا مفعول الحیوۃ محذوف ہے، اسی احتمال کو زیادہ موزوں اور مناسب سمجھتے ہوئے ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے اور حضرت شیخ عبدالحقؒ نے یہ ترجمہ بیان کیا ہے کہ: (یہ بات آنحضرت ﷺ کی کس حالت کی غماز ہے؟) کیا (شدت مرض کے سبب) آپ ﷺ کا کلام مختلط ہو گیا ہے؟ (جیسے عام بیماروں کی حالت میں سمجھا جاتا ہے کہ ان کی زبان سے کبھی کچھ نکلتا ہے اور کبھی کچھ) اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ جملہ استفہام انکاری پر محمول ہے اور ان لوگوں کی بات کو کاٹنے کے لئے استعمال کیا گیا تھا جو یہ کہہ رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کچھ نہ لکھیں گویا اس جملہ کے قائلین یہ کہنا چاہتے تھے کہ کیا تم لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لکھنے کا سامان لانے کا حکم حواس و شعور کے ساتھ نہیں دیا ہے بلکہ بیماری کی شدت کے سبب آپ ﷺ کی زبان سے یہ بات یونہی نکل گئی ہے؟ آنحضرت ﷺ کے بارے میں اس طرح کا گمان و خیال قائم کر لینا چونکہ نہایت غیر موزوں ہے لہٰذا آپ ﷺ کے اس حکم کو پورا کرو اور لکھنے کا سامان لا کر رکھ دو تاکہ آپ ﷺ جو لکھنا چاہتے ہیں لکھ دیں۔

"اس حالت سے بہتر و افضل ہے جس کی طرف تم مجھے متوجہ کر رہے ہو" اس بات سے آنحضرت ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت میں عالم آخرت کے سفر کی آخری تیاری، پروردگار سے ملنے کے اشتیاق، اور ذات حق میں تفکر و استغراق کی اعلیٰ حالت میں ہوں، لیکن تم لوگ آپس کے لفظی تکرار و بحث اور شور و شغب اور اظہار اختلاف کے ذریعہ میرا دھیان بٹانا چاہتے ہو اور اپنی طرف متوجہ کر رہے ہو۔ لہٰذا تم سب لوگ یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ تاکہ میں تمہاری ادنیٰ حالت کے بجائے اپنی اعلیٰ حالت کی طرف متوجہ ہوں اس موقع پر ملا علی قاریؒ نے خطابیؒ کے حوالہ سے مشہور حدیث اختلاف امتی رحمۃ (میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے) کے بارے میں لکھا ہے کہ دین و شریعت میں اختلاف کی تین قسمیں ہیں، ایک تو صانع یعنی حق تعالیٰ کے اثبات اور اس کی وحدانیت میں اختلاف، پس یہ اختلاف (کہ جس کی بنیاد حق تعالیٰ کے وجود وحدانیت سے انکار پر ہوتی ہے) صریح کفر ہے، دوسرے حق تعالیٰ کی صفات اور مشیت میں اختلاف، یہ اختلاف (کہ جس کی بنیاد ذات باری تعالیٰ کی صفات اور مشیت کے انکار پر ہوتی ہے) بدعت اور گمراہی ہے، اور تیسرا اختلاف (کہ جس کی

بنیاد وہ ہے جو دین و شریعت کے ایسے فروعی احکام مسائل کے استنباط و بیان سے تعلق رکھتا ہے جو مختلف جہات اور متعدد معنی کا احتمال رکھتے ہیں اور یہی وہ اختلاف ہے جو ارباب علم و اجتہاد کے درمیان ہوتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء و مجتہدین کے لئے رحمت و کرامت قرار دیا ہے ملا علی قاریؒ نے مازریؒ کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ اس موقع پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب آنحضرت ﷺ نے وہاں موجود صحابہ کو امر (حکم) فرمایا کہ (میرے پاس لکھنے کا سامان) لاؤ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھ دوں تو صحابہ کے لئے اختلاف کی گنجائش کیا تھی اور انہوں نے (حکم کی فوری تعمیل کے بجائے) اختلاف کا اظہار کیسے کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ دراصل وہ اوامر (احکام) کہ جن کے صدور میں کچھ خارجی قرائن بھی شامل ہوں، ان کی حیثیت اور نوعیت تبدیل ہوسکتی ہے، چنانچہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ اوامر کی اصل وجوب ہے ان کے نزدیک بھی ان قرائن کے سبب وجوب کا حکم استحباب میں بدل جاتا ہے جیسا کہ جو حضرات کہتے ہیں کہ اوامر کی اصل استحباب ہے ان کے نزدیک بھی قرائن کے سبب استحقاق کا حکم وجوب میں بدل جاتا ہے، پس ہوسکتا ہے کہ یہ حکم دیتے وقت آنحضرت ﷺ سے ایسے قرائن ظاہر ہوئے ہوں جن سے یہ واضح ہوا ہوگا کہ اس حکم کی تکمیل واجب اور ضروری نہیں ہے بلکہ اختیاری ہے لہٰذا صحابہ نے اپنے اپنے اجتہاد کے تحت جس پہلو کو مناسب جانا اختیار کیا۔ اور اسی سے ثابت ہوا کہ صحابہؓ کرام دین و شریعت کے معاملات میں ضرورت کے وقت اجتہاد کا سہارا لیتے تھے رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ کے اجتہاد نے نوشتہ نہ لکھے جانے کے پہلو کو جو اختیار کیا تو اس کی بنیاد کیا تھی؟ تو ہوسکتا ہے کہ (ان کو یقین حاصل ہوا ہو کہ آنحضرت ﷺ کے ارادہ اور حکم کا عدم وجوب ظاہر ہوتا تھا۔

"مشرکوں کو جزیرۂ عرب سے نکال دو" اس کی وضاحت باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب میں پیچھے گزر چکی ہے، اسی طرح "جزیرہ عرب" کی تشریح بھی کتاب کے ابتدائی ابواب میں سے باب الوسوسۃ میں ہو چکی ہے۔

"جو ایلچی و قاصد آئیں" اس حکم کا مطلب یہ تھا کہ دوسرے ملکوں اور سربراہان مملکت کے جو ایلچی اور سفراء تمہارے ہاں آئیں ان کے مراتب اور ان کی حیثیت کے مطابق ان کے ساتھ اعزاز و تکریم، خاطر مدارت اور حسن سلوک و احسان کا معاملہ اسی انداز اور طور طریقے کی مناسبت کے ساتھ کرنا جو میرا معمول تھا آپ نے یہ حکم اس لئے دیا تھا کہ ایک طرف تو اسلامی اخلاق و معاملات کی بلندی کا اظہار ہو دوسری طرف ان ایلچیوں اور قاصدوں کو خوشی و اطمینان ہو اور ان کے ساتھ مسلمانوں کا حسن سلوک دیکھ کر مؤلفۃ القلوب میں سے دوسرے لوگوں کا رجحان اسلام اور مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حسن سلوک کا یہ حکم ہر قاصد و ایلچی کے بارے میں ہے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔

"لیکن میں اس کو بھول گیا ہوں" کے تحت ملا علی قاریؒ نے تو نوویؒ کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ (سفیان ابن عیینہ نے اس جملہ کی نسبت جس طور سے سلیمان احول کی طرف کی ہے وہ صحیح نہیں ہے) بلکہ حقیقت میں خاموشی اختیار کرنے والے تو حضرت ابن عباسؓ تھے اور لیکن میں اس کو بھول گیا ہوں کہنے والے حضرت سعید ابن جبیرؓ ہیں جو حضرت ابن عباسؓ سے اس روایت کے راوی ہیں اور ان سے سلیمان احول" نقل کرتے ہیں اور حضرت شیخ عبدالحقؒ نے اپنی شرح میں "سکت" (خاموشی اختیار کرلی) کا فاعل آنحضرت ﷺ کو قرار دیا ہے، ان کے مطابق گویا یہ بات حضرت ابن عباسؓ بیان کررہے ہیں کہ یا تو آنحضرت ﷺ نے تیسری بات فرمائی ہی نہیں، یا یہ کہ آپ ﷺ نے تیسری بات بھی فرمائی تھی مگر میں اس کو بھول گیا ہوں بہرحال محدثین نے لکھا ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ نے جو تیسری بات فرمائی تھی وہ حضرت اسامہؓ کے لشکر کا سامان درست کرنے کا حکم تھا کہ جس کی درستی اور تیاری میں آپ ﷺ مشغول ہی تھے کہ مرض الموت میں مبتلا ہوگئے یا وہ تیسری بات قبر پرستی کی ممانعت سے متعلق تھی جیسا کہ ایک روایت میں اس کے لئے یہ الفاظ منقول ہیں: لا تتخذو اقبری وثنا یعبد (میری قبر کو بت مت بنالینا کہ اس کو پوجا جانے لگے)۔

نزول وحی منقطع ہوجانے کا غم

⑫ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ لِعُمَرَ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْطَلِقْ بِنَا اِلٰى اُمِّ اَيْمَنَ نَزُوْرُهَا كَمَا

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزُوْرُهَا فَلَمَّا انْتَهَيْنَا اِلَيْهَا بَكَتْ فَقَالَا لَهَا مَا يُبْكِيْكِ اَمَا تَعْلَمِيْنَ اَنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنِّيْ لَا اَبْكِيْ اِنِّيْ لَا اَعْلَمُ اَنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ اَبْكِيْ اَنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَآءِ وَهَيَّجَتْهُمَا عَلَى الْبُكَاءِ فَجَعَلَا يَبْكِيَانِ مَعَهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں: رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد ایک دن حضرت ابوبکر ؓ حضرت عمر فاروق ؓ سے بولے کہ آؤ اُم ایمن ؓ کے ہاں چلیں اور ان کی زیارت کریں جس طرح رسول کریم ﷺ ان کی ملاقات کو تشریف لے جایا کرتے تھے چنانچہ جب ہم تینوں (یعنی میں اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر ؓ) اُم ایمن ؓ کے ہاں پہنچے تو وہ (ہمیں دیکھ کر) رونے لگیں. حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ؓ دونوں نے کہا کہ کاہے کو روتی ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کے لئے اللہ کے ہاں (درجات و مراتب اور اعزاز و انعام کی صورت میں) جو کچھ ہے وہ بہتر ہی بہتر ہے اُم ایمن بولیں: میرے رونے کا سبب یہ نہیں ہے کہ میں اس بات سے لاعلم ہوں کہ اللہ کے ہاں رسول اللہ ﷺ کے لئے جو کچھ ہے بہتر ہی بہتر ہے (کیونکہ یہ تو بالکل ظاہری چیز ہے اور ہر شخص جانتا ہے) بلکہ میں اس لئے رو رہی ہوں کہ آسمان سے وحی آنے کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے (اور ہم دنیا والے اس کی برکتوں سے محروم ہو گئے ہیں) اُم ایمن (کے ان الفاظ) نے حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ پر بھی رقت طاری کر دی اور وہ دونوں حضرات بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔" (مسلم)

تشریح: ام ایمن ؓ حضرت اسامہ ابن زید ؓ کی ماں ہیں اور آنحضرت ﷺ کی آزاد کردہ باندی ہیں۔ ان کا اصل نام برکتہ تھا اور آنحضرت ﷺ کے والد ماجد عبداللہ کی باندی تھیں، بعد میں ان کا حق ملکیت بطور وراثت آنحضرت ﷺ کو ملا تو آپ ؐ نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور حضرت زید ؓ کے نکاح میں دے دیا تھا۔ حضرت زید ؓ بھی پہلے غلام تھے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ کی ملکیت میں تھے آنحضرت ﷺ نے ان کو خدیجہ ؓ سے مانگا تو انہوں نے زید ؓ کو بطور ہبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور پھر آپ نے ان کو آزاد کر دیا۔ حضرت اُم ایمن ؓ حبشی النسل تھیں اور صحابی عورتوں میں اونچا مقام رکھتی تھیں، آنحضرت ﷺ ان کی بڑی عزت و توقیر فرماتے تھے۔ اُم ایمن ؓ بھی اسلام اور مسلمانوں کی محبت سے پوری طرح سرشار تھیں، میدان جنگ میں مجاہدین اسلام کو پانی پلانا اور زخمی ہو جانے والوں کی دوا دارو اور دیکھ بھال کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہوتا تھا، حضرت عمر فاروق ؓ کے انتقال کے بیس دن بعد ان کی وفات ہوئی۔

مسجد نبوی کے منبر پر آخری خطبہ

(۱۳) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ وَنَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ عَاصِبًا رَاْسَهُ بِخِرْقَةٍ حَتّٰى اَهْوٰى نَحْوَ الْمِنْبَرِ فَاسْتَوٰى عَلَيْهِ وَاتَّبَعْنَاهُ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ اِنِّيْ لَاَنْظُرُ اِلَى الْحَوْضِ مِنْ مَّقَامِيْ هٰذَا ثُمَّ قَالَ اِنَّ عَبْدًا عُرِضَتْ عَلَيْهِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا فَاخْتَارَ الْاٰخِرَةَ قَالَ فَلَمْ يَفْطِنْ لَهَا اَحَدٌ غَيْرُ اَبِيْ بَكْرٍ فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ فَبَكٰى ثُمَّ قَالَ بَلْ نَفْدِيْكَ بِاٰبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا وَاَنْفُسِنَا وَاَمْوَالِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ثُمَّ هَبَطَ فَمَا قَامَ عَلَيْهِ حَتّٰى السَّاعَةَ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت ابوسعید خدری ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنے مرض وفات میں (ایک دن) اپنے حجرہ سے نکل کر مسجد نبوی میں تشریف لائے جہاں ہم (پہلے سے) بیٹھے ہوئے تھے، اس وقت آپ ﷺ نے اپنے سر کو کپڑا باندھ رکھا تھا (جیسا کہ درد سر کا مریض اپنے سر کو باندھے رکھتا ہے) پھر آپ منبر کی طرف چلے اور اس پر کھڑے ہوئے، آپ کے ساتھ ہم بھی آگے بڑھ کر آپ ﷺ کے سامنے) بیٹھ گئے، اس وقت آپ ﷺ نے (حمد و ثنا کے بعد) فرمایا: "قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں اس وقت اپنی جگہ (یعنی اس منبر پر کھڑا ہوا حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں" پھر فرمایا: "ایک بندہ ہے جس کے سامنے (فانی) دنیا اور دنیا کی (فانی) بہاریں پیش کی گئیں لیکن اس نے (مٹ جانے والی دنیا پر) آخرت (کی کبھی نہ مٹنے والی نعمتوں) کو ترجیح دے دی ہے" حضرت ابوسعید ؓ کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی

کے رمز کو سوائے ابوبکرؓ کے کوئی نہ سمجھ سکا، چنانچہ (زبان رسالت سے یہ الفاظ سن کر) ابوبکرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور وہ رونے لگے، پھر بولے: (نہیں) یارسول اللہ! (نہیں، ایسی دلدوز بات نہ فرمائیے) ہم اپنے باپوں کو، اپنی ماؤں کو، اپنی جانوں کو اور اپنے مالوں کو آپؐ پر سے صدقہ کردیں گے۔ حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ: اس کے بعد آنحضرت ﷺ منبر پر سے اتر کر تشریف لے گئے اور اس وقت تک پھر کبھی اس منبر پر کھڑے نہ ہوئے (یعنی اس دن آپ کا منبر پر کھڑا ہونا آخری کھڑا ہونا تھا)۔" (دارمیؒ)

تشریح: دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت جبرئیل نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ چاہے تو آپ دنیا میں ابھی اور رہیں اور ہم دنیا کے خزانے آپ (ﷺ) کے سپرد کریں اور ان پہاڑوں کو آپ کے لئے سونا چاندی کا بنادیں بغیر اس کے کہ ہمارے ہاں (آخرت میں) آپ کے لئے جو درجہ اور اجر و انعام مقرر ہے اس میں ذرہ برابر کمی ہو اور چاہے آپ (ﷺ) ہمارے پاس آجائیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے سر جھکالیا (جیسا کہ کسی اہم فیصلہ کا اعلان کرنے سے پہلے ارباب غور و فکر سر جھکا کر سوچنے لگتے ہیں) اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کے غلاموں سے ایک غلام وہاں موجود تھا، اس نے جو یہ بات سنی کہ آپ ﷺ کو دولت و زر کی اتنی زبردست پیشکش کے ساتھ دنیا میں رہنے کا اختیار دیا جارہا ہے) تو وہ بولا: یارسول اللہ! اس میں کیا حرج ہے اگر آپ ﷺ کچھ مدت اور دنیا میں رہنا منظور فرمالیں، آپ ﷺ کے طفیل میں حاصل ہونے والے مال و زر سے ہم لوگ بھی آرام و آسائش کی زندگی گزارلیں گے، آنحضرت ﷺ نے اس غلام کی بات پر توجہ دینے کے بجائے نگاہ اٹھا کر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا اور جاننا چاہا کہ پیشکش اور اختیار کا اصل مقصد کیا ہے اور (جب سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کا اصل مقصد اپنے پاس بلانا ہے تو) فرمایا: میں وہاں آنا چاہتا ہوں اس طرح آپ ﷺ نے آخرت کو اختیار کرلیا جس کو فنا نہیں، زوال نہیں ہے اور دنیا کو ٹھکرادیا جس کا انجام فنا اور زوال کے علاوہ کچھ نہیں اسی بنیاد پر بعض عارفوں نے بہت خوب کہا ہے کہ اگر کسی سمجھ دار کو ایسے دو پیالوں میں سے کسی ایک پیالہ کو چن لینے کا اختیار دیا جائے جن میں سے ایک پیالہ تو مٹی کا ہو لیکن پائیدار رکھتا ہو اور دوسرا پیالہ سونے کا ہو مگر پائیداری نہ رکھتا ہو تو وہ سمجھدار یقیناً اس پیالہ پر کہ جو اگرچہ سونے کا ہے مگر جلد ہی ختم ہوجانے والا ہے اس پیالہ کو ترجیح دے گا جو مٹی کا ہونے کے باوجود پائیدار اور باقی رہنے والا ہے، اور اگر کہیں صورت حال اس کے برعکس ہو یعنی سونے کے پائیدار پیالہ اور مٹی کے پائیدار پیالہ اور مٹی کے غیر پائیدار پیالہ میں سے کسی ایک پیالہ کو پسند کرلینے کا اختیار ہو تو پھر کوئی انتہائی نادان اور بے وقوف ہی شخص ہوگا جو پائیدار سونے کے پیالہ کو چھوڑ کر جلد ضائع ہوجانے والے مٹی کے پیالہ کو پسند کرے گا۔ پس جان لینا چاہئے کہ آخرت کی مثال اس پیالہ کی سی ہے جو پائیدار بھی ہے اور سونا کا بھی ہے جب کہ دنیا کی مثال اس پیالہ کی ہے جو نہ صرف یہ کہ مٹی کا ہے بلکہ جلد ہی ضائع اور فنا ہوجانے والا ہے، قرآن کریم میں اسی حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے: والاخرۃ خیر و ابقی اور آخرت ہی بہتر و اعلیٰ بھی ہے، اور ہمیشہ باقی رہنے والا بھی۔

حضرت فاطمہؓ سے وفات کی پیش بیانی

(۱۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ قَالَ نُعِيَتْ اِلَيَّ نَفْسِيْ فَبَكَتْ قَالَ لَا تَبْكِيْ فَاِنَّكِ اَوَّلُ اَهْلِيْ لَاحِقٌ بِيْ فَضَحِكَتْ فَرَاٰهَا بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَ يَا فَاطِمَةُ رَاَيْنَاكِ بَكَيْتِ ثُمَّ ضَحِكْتِ قَالَتْ اِنَّهُ اَخْبَرَنِيْ اَنَّهُ قَدْ نُعِيَتْ اِلَيْهِ نَفْسُهُ فَبَكَيْتُ فَقَالَ لِيْ لَا تَبْكِيْ فَاِنَّكِ اَوَّلُ اَهْلِيْ لَاحِقٌ بِيْ فَضَحِكْتُ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَجَآءَ اَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً وَالْاِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَّةٌ۔ (رواه الدارمی)

"اور حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب سورہ اذا جاء نصر اللہ والفتح نازل ہوئی تو رسول کریم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو بلایا اور

ان سے فرمایا کہ مجھ کو میری موت کی خبر دے دی گئی ہے حضرت فاطمہؓ (یہ سنتے ہی آپ ﷺ کی دائمی جدائی کا احساس کر کے) رونے لگیں، آپ ﷺ نے فرمایا: (میری بیٹی) روؤ نہیں، میرے اہل بیت میں سے تم ہی سب سے پہلے مجھ سے ملوگی" (یہ سن کر مارے خوشی کے) حضرت فاطمہؓ ہنسنے لگیں، (وہاں موجود) بعض ازواج مطہرات نے حضرت فاطمہؓ کو اس طرح (پہلے روتے اور پھر ہنستے) دیکھا تو پوچھا کہ فاطمہ! یہ کیا بات ہے کہ ہم نے پہلے تو تمہیں روتے دیکھا اور پھر ہنستے دیکھا؟ حضرت فاطمہؓ بولیں: آنحضرت ﷺ نے پہلے مجھے یہ بتایا تھا کہ آپ ﷺ کو آپ کی موت کی خبر دے دی گئی ہے، یہ سن کر میں رونے لگی تھی اور پھر جب آپ نے یہ فرمایا کہ روؤ نہیں، میرے اہل بیت میں سے تم ہی سب سے پہلے مجھ سے ملوگی تو میں ہنسنے لگی، اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور (مکہ کی) فتح حاصل ہوگی اور یمن کے لوگ آگئے جو دل کے نرم ہیں، ایمان یمنی ہے اور حکمت بھی یمنی ہے۔" (دارمیؒ)

تشریح: "مجھ کو میری موت کی خبر دے دی گئی ہے" گویا آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ سورۃ دراصل اس دنیا سے میری رحلت کا اعلامیہ ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور فتح و کامرانی، اور دین میں لوگوں کے جوق در جوق داخل ہونے کی خبر دی گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی تسبیح و تحمید کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ دنیا میں میرے رہنے اور میری بعثت کا جو مقصود ہے یعنی اتمام دعوت اور تکمیل دین وہ پورا ہو گیا ہے اب مجھے تسبیح و تحمید اور ذات حق کی طرف کامل توجہ و استغراق کے ذریعہ سفر آخرت کی تیاری کرنی چاہئے۔

"تم ہی سب سے پہلے مجھ سے ملوگی" یہ الفاظ حضرت فاطمہؓ کی محض تسلی کے لئے نہیں تھے بلکہ ان کے سامنے اس حقیقت کی پیش گوئی کے طور پر تھے کہ میری رحلت کے بعد میرے اہل بیت میں سے جس کی موت سب سے پہلے ہوگی وہ تم ہی ہو، اور میری جدائی کا غم تمہیں زیادہ دن برداشت نہیں کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی رحلت کے چھ ماہ بعد ہی حضرت فاطمہؓ اس دنیا سے رخصت ہو گئیں زیادہ صحیح روایت یہی ہے لیکن ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کی رحلت کے آٹھ ماہ بعد ایک روایت میں تین یا دو مہینے بعد اور ایک روایت میں ستر روز بعد ان کی وفات کا ذکر ہے۔

"بعض ازواج مطہرات" سے حضرت عائشہؓ مراد ہیں جیسا کہ طیبیؒ نے لکھا ہے لہٰذا کہا جائے گا کہ فقلن تو انہوں نے کہا جمع کا صیغہ حضرت عائشہؓ کی تعظیم شان کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ تاہم یہ بعید نہیں ہے کہ اس موقع پر حضرت عائشہؓ کے علاوہ کچھ دوسری ازواج مطہرات بھی موجود رہی ہوں اور ان سب نے حضرت فاطمہؓ کو پہلے روتے اور پھر ہنستے دیکھ کر ان سے صورت حال کے بارے میں سوال کیا ہو، بلکہ ظاہری عبارت بعض یعنی ازواج النبی اور فقلن کے الفاظ سے یہی احتمال زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے، نیز آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ سے مذکورہ بات چونکہ بہت چپکے سے کہی تھی اس لئے حضرت فاطمہؓ کے علاوہ اور کسی نے اس بات کو نہیں سنا اور اسی لئے انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے دریافت کیا، بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے ان ازواج مطہرات کے پوچھنے پر بھی اس وقت اصل بات نہیں بتائی تھی، بلکہ صرف یہ جواب دیا تھا کہ میرے اور رسول خدا کے درمیان ایک راز ہے، میں کسی اور کو نہیں بتاؤں گی۔ اور پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے یہ بات بتائی تھی۔

"اور یمن کے لوگ آگئے" اس کے ذریعہ آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور ان کی قوم کے لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا، نحوی طور پر وجاء اهل اليمن کا عطف جاء نصر الله پر ہے اور اصل میں یہ جملہ (کہ اور اہل یمن آگئے (مذکورہ سورۃ کے ان الفاظ ورایت النّاس یدخلون فی دین الله افواجا کی وضاحت و تفسیر ہے، مطلب یہ کہ اس آیت میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ نے لوگوں کو دین میں داخل ہوتے دیکھ لیا" تو لوگوں" سے مراد اہل یمن ہیں۔

"جو دل کے نرم ہیں" یہ الفاظ آپ نے اہل یمن کی مدح و تعریف میں فرمائے کہ وہ لوگ احکام و ہدایات کو بہت جلد مان لیتے ہیں ان کے دل وعظ و نصیحت سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں، قبول حق کی استعداد ان میں زیادہ ہے اور قلب کی قساوت سے وہ محفوظ ہیں۔

"ایمان یمنی ہے" یعنی ایمان کا لفظ "یمن" سے نکلا ہے جو ملک یمن سے لفظی ہی نہیں بلکہ معنوی مناسبت بھی رکھتا ہے۔ دراصل یہ جملہ بھی اہل یمن کی مدح میں یعنی ان کے اس درجہ کمال کو ظاہر کرنے کے لئے ہے جو وہ ایمان و اسلام اور اطاعت و انقیاد میں رکھتے ہیں۔

"اور حکمت بھی یمنی ہے" کا مطلب یہ ہے کہ علم و حکمت کو، جو حقائق اشیاء اور ان کے احوال و خواص کی معرفت سے عبارت ہے اہل یمن سے خصوصی نسبت حاصل ہے کیونکہ وہ تحقیق و جستجو کا خاص ذہن فکر رکھتے ہیں۔ ان الفاظ کے ذریعہ دراصل آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ان سوالات کی طرف اشارہ فرمایا جو انہوں نے احوال مبداء و معاد، اور ابتدائے پیدائش کے حقائق و معارف سے متعلق آنحضرت ﷺ سے کئے تھے، یہ روایت جس میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے سوالات اور آنحضرت ﷺ کے جواب ہیں، کتاب بدء الخلق کے شروع میں پیچھے گزر چکی ہے اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ایمان اور حکمت کی نسبت یمن کی طرف اس اعتبار سے کی گئی ہے کہ ایمان مکہ سے شروع ہوا اور مکہ تہامہ کی زمین سے ہے اور تہامہ کا تعلق یمن سے بھی ہے، اسی لئے کعبہ کو کعبۂ یمانیہ بھی کہا جاتا ہے اور بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ حدیث تبوک میں ارشاد فرمائی جو ملک شام کا علاقہ ہے اور وہاں سے مکہ و مدینہ کی سمت وہی ہے جو یمن کی ہے، پس آپ ﷺ نے اشارہ تو یمن کی طرف کیا لیکن مراد آپ ﷺ کی مکہ اور مدینہ سے تھی۔ اور ابوعبیدؒ کا قول یہ ہے کہ "یمن" سے مراد انصار مدینہ ہیں جن کا اصل وطن یمن تھا۔ پس انصار مدینہ کی تعریف و توصیف کو پرزور انداز میں بیان کرنے کے لئے ایمان و حکمت کی نسبت یمن کی طرف کی گئی ہے۔ بہرحال اس حدیث کا مقصد محض یہ ظاہر کرنا ہے کہ یمنی لوگ کامل ایمان رکھتے ہیں اور اس سے چونکہ کسی دوسرے کے ایمان کی نفی ظاہر نہیں ہوتی اس لئے اس حدیث اور اس روایت کے درمیان منافات نہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ الایمان فی اھل الحجاز (اہل حجاز میں ایمان ہے) نیز اس ارشاد گرامی ﷺ سے یمن کے وہ کلمہ گو مراد ہیں جو اس زمانہ میں تھے نہ کہ ہر زمانہ کے اہل ایمان یمن مراد ہیں۔ واضح رہے کہ سیاق حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارشاد گرامی کو جو ایک دوسری حدیث کا ٹکڑا ہے، وہاں سے اٹھا کر یہاں نقل کر دیا ہے۔

حکمت کے معنی: حکمت کے لغوی معنی عقل و دانائی کے ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں: حکمت ہر چیز کی حقیقت دریافت کرنے کے علم کو کہتے ہیں۔ طیبی کا قول ہے کہ حکمت کا لفظ خوب علم حاصل کرنے اور خوب عمل کرنے سے عبارت ہے۔ قرآن کریم میں "حکمت" کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا اور (حقیقت تو یہ ہے کہ) جس کو حکمت ملی اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

الحکمۃ تزید الشریف شرفا و ترفع العبد المملوک حتّٰی تجلسہ مجالس الملوک۔

"حکمت وہ جوہر ہے جو عزت دار و شریف کی عزت و شرف کو زیادہ کرتا ہے اور ایک مملوک غلام کے مرتبہ و حیثیت کو بڑھا کر بادشاہوں کی مجلسوں میں بیٹھنے کے قابل بنا دیتا ہے۔"

اور حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ حکمت کے دس حصے ہیں ان میں سے نو حصے تو عزلت یعنی گوشہ نشینی میں ہیں اور ایک حصہ خاموشی میں۔

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے بارے میں وصیت

⑮ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ وَارَأْسَاهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكِ لَوْ كَانَ وَاَنَا حَيٌّ فَاَسْتَغْفِرُلَكِ وَاَدْعُوْلَكِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ وَاثُكْلِيَاهُ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ تُحِبُّ مَوْتِيْ فَلَوْ كَانَ ذٰلِكَ لَظَلِلْتَ اٰخِرَ يَوْمِكَ مُعَرِّسًا بِبَعْضِ اَزْوَاجِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ اَنَاوَارَأْسَاهُ لَقَدْ هَمَمْتُ اَوْاَرَدْتُ اَنْ اُرْسِلَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ وَابْنِهٖ وَاَعْهَدَ اَنْ

يَقُوْلَ الْقَائِلُوْنَ اَوْيَتَمَنّى الْمُتَمَنُّوْنَ ثُمَّ قُلْتُ يَاْبَى اللّٰهُ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُوْنَ اَوْيَدْفَعُ اللّٰهُ وَيَاْبَى الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے (ایک دن رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے اپنے سر درد کی شدت کا اظہار کرتے ہوئے) کہا: ہائے میرا سر پھٹا جا رہا ہے) رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا (عائشہؓ!) وہ (یعنی تمہاری موت) اگر ایسی صورت میں آئی کہ میں زندہ رہا تو تمہارے لئے (سیئات سے) مغفرت و بخشش کی دعا مانگوں گا اور تمہارے (درجات و مراتب کی بلندی) کے لئے بھی دعا کروں گا، حضرت عائشہؓ بولیں: ہائے میرے درد کی مصیبت! خدا کی قسم میرا تو خیال ہے کہ میری موت کو پسند فرماتے ہیں؟ اگر ایسا ہوا (کہ میں مرگئی) تو آپ (ﷺ) اسی دن کے آخری حصہ میں اپنی کسی بیوی کے ساتھ شب باشی فرمائیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا (عائشہ! چھوڑو اس بات کو اور سنو) میرا قصد تھا۔ یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ میں (تمہارے والد) ابوبکرؓ اور ان کے بیٹے (یعنی تمہارے عزیز بھائی عبدالرحمٰن) کو بلا بھیجوں اور ان کے حق میں وصیت کردوں تاکہ پھر کہنے والے کچھ نہ کہیں یا آپ نے یہ فرمایا کہ تاکہ متمنی لوگ (ابوبکرؓ کے بجائے خود اپنے لئے یا کسی اور کے لئے خلافت کی) تمنا کا اظہار نہ کریں، پھر میں نے اپنے دل میں کہا خود اللہ تعالیٰ (ابوبکرؓ کے علاوہ کسی دوسرے کی خلافت کو) منظور نہیں کرے گا) اور مسلمان بھی مدافعت کریں گے۔ یا آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ خود اللہ تعالیٰ مدافعت کرے گا، اور مسلمان بھی نہیں مانیں گے۔" (بخاری)

تشریح: "ہائے میرا سر" بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے مرض الموت ہی کے زمانہ کا واقعہ ہے، کسی دن حضرت عائشہؓ کے سر میں شدید سر درد ہوا ہوگا اور انہوں نے اس شکایت کا اظہار آنحضرت ﷺ کے سامنے ان الفاظ میں کیا ہوگا اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ سر سے مراد "ذات" ہے، جس کے ذریعہ حضرت عائشہؓ نے اپنی موت کی طرف اشارہ کیا۔

واثکلیاہ "ہے میرے سر درد کی مصیبت" لفظ ثکل (ثؔ کے زبر اور پیش دونوں کے ساتھ) کے اصل معنی لڑکے یا دوست کے مرنے کے ہیں اور یہاں اس لفظ سے حضرت عائشہؓ نے خود اپنی ذات مراد لی ہے۔ کہ مرض کا ذکر موت کی یاد دلاتا ہے، ویسے یہ ایک محاوراتی لفظ ہے، جو ہر اضطراب و پریشانی کے وقت اہل عرب کی زبان پر آتا ہے خواہ اس کے حقیقی معنی مراد ہوں، یا مراد نہ ہوں۔

"آپ ﷺ میری موت کو پسند فرماتے ہیں" آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے حضرت عائشہؓ نے یہ الفاظ اس ناز و نیاز اور پیار و محبت کے طور پر کہے جو ان کے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان تھا گویا حضرت عائشہؓ نے یہ کہا کہ میں مرگئی تو آپ کی بلا سے، آپ ﷺ تو مجھے فوراً بھلا دیں گے اور اپنی دوسری بیویوں میں مشغول ہو جائیں گے۔

"میرے سر کے درد اور میری موت کا ذکر کرو" یعنی: یہ تم اپنے سر کے درد اور اپنی موت کا ذکر لے کر کیوں بیٹھ گئیں، تمہیں تو میرے سر کے درد اور میرے بارے میں سوچنا چاہئے۔ میں جو اس دنیا سے رخت سفر باندھ رہا ہوں، تمہیں تو ابھی بہت زندہ رہنا ہے اور میرے بعد بھی بہت زمانہ تک اس دنیا میں رہنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ پتہ چل گیا تھا کہ درد سر در اصل میرا مرض الموت ہے جب کہ عائشہؓ کا درد سر اتفاقی ہے اور ان کی زندگی ابھی بہت باقی ہے۔ آنحضرت ﷺ اور حضرت عائشہؓ کی مرض کی اس یکسانیت میں اس کمال محبت کی طرف لطیف اشارہ ہے جو ان دونوں کے درمیان تھا۔

"میرا قصد تھا" جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے سامنے اپنی موت کا ذکر فرمایا تو قدرتی طور پر اس بات کی طرف متوجہ کرنا بھی ضروری تھا کہ آپ کے بعد کون شخص ملت کی دینی و دنیاوی قیادت سنبھالے گا؟ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی طرف واضح اشارہ فرمایا، اور اس کا مقصد حضرت عائشہؓ کی دلجوئی اور ان کو ان کے باپ کے لئے اس عظیم دولت و نعمت کی بشارت دینا بھی تھا۔

"تاکہ پھر کہنے والے کچھ نہ کہیں" ان یقول القائلین کا ترجمہ تو یہی ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ابوبکرؓ کو اپنا ولی عہد بنا کر ان کی خلافت کو وصیت کر دینے سے پھر بعد میں لوگوں کو کچھ کہنے سننے کا موقع نہ رہے گا۔ اور ایک ترجمہ یہ ہوگا کہ "کبھی کہنے والے

کچھ کہیں" اس صورت میں آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ میرے اس ارادہ کی بنیاد یہ تھی کہ اگر میں نے ابوبکرؓ کے لئے خلافت کبریٰ (ملت کی دینی و دنیاوی قیادت) کی وصیت نہ کی تو شاید لوگ یہ کہنے لگیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کے لئے خلافت صغریٰ (نماز کی امامت) ہی پر اکتفا کر لیا، ان کے لئے خلافت کبریٰ کی واضح وصیت کیوں نہ کی، باوجودیکہ خلافت صغریٰ میں خلافت کبریٰ کا اشارہ بھی موجود ہے۔

"پھر میں نے (اپنے دل میں) کہا" یہاں سے آنحضرت ﷺ نے اپنے مذکورہ ارادہ پر عمل نہ کرنے کا سبب بیان فرمایا کہ اول تو اللہ کا فیصلہ یہی ہوگا۔ کہ میرے بعد پہلے خلیفہ ابوبکر ہوں۔ دوسرے یہ کہ مسلمان بھی ابوبکرؓ کی خلافت کو برضا و رغبت قبول کریں گے کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ میں نے اپنی بیماری کی حالت میں نماز کی امامت کے لئے ابوبکرؓ کو منتخب کیا جو اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ مسلمانوں کی قیادت عظمیٰ (منصب خلافت) کی ذمہ داریاں پوری کرنے کی سب سے زیادہ اہلیت ابوبکرؓ میں ہے۔ پس جب کہ تقدیر الٰہی بھی یونہی ہوگی اور عام مسلمان بھی ابوبکرؓ کے علاوہ کسی دوسرے کی خلافت پر تیار نہیں ہوں گے، تو میں سمجھتا ہوں کہ ابوبکرؓ کی خلافت کے لئے باقاعدہ وصیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا فرمائے کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ ہی منتخب ہوئے اور جب بعض لوگوں کی طرف سے اس بارہ کسی قدر اختلاف رائے کا اظہار ہوا تو حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے حق میں اسی خلافت صغریٰ (امامت نماز) سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: جب آنحضرت ﷺ نے ابوبکر کو ہمارے دین کے معاملہ میں منتخب فرمایا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم ان کو اپنی دنیا کے معاملہ میں منتخب نہ کریں۔ دراصل مسئلہ خلافت میں حضرت ابوبکرؓ کے حق میں اس سے بڑی دلیل اور کوئی ہو بھی نہیں سکتی تھی۔

اور مسلمان بھی نہیں مانیں گے اس جملہ میں نہ صرف یہ کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی طرف واضح اشارہ ہے بلکہ اس میں ان لوگوں کی تکفیر کی طرف بھی اشارہ ہے جو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو برحق نہیں مانتے۔

مرض وفات کی ابتداء

(۱۶) وَعَنْهَا قَالَتْ رَجَعَ اِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ مِنْ جَنَازَةٍ مِّنَ الْبَقِيْعِ فَوَجَدَنِيْ وَاَنَا اَجِدُ صُدَاعًا وَاَنَا اَقُوْلُ وَارَاْسَاهُ قَالَ بَلْ اَنَا يَا عَائِشَةُ وَارَاْسَاهُ قَالَ وَمَا ضَرَّكِ لَوْ مُتِّ قَبْلِيْ فَغَسَّلْتُكِ وَكَفَّنْتُكِ وَصَلَّيْتُ عَلَيْكِ وَدَفَنْتُكِ قُلْتُ لَكَاَنِّيْ بِكَ وَاللّٰهِ لَوْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ لَرَجَعْتَ اِلٰى بَيْتِيْ فَعَرَّسْتَ فِيْهِ بِبَعْضِ نِسَآئِكَ فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ بُدِئَ فِيْ وَجَعِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ (مدینہ کے قبرستان) بقیع میں ایک جنازہ کو دفن کر کے میرے پاس تشریف لائے تو مجھ کو اس حالت میں پایا کہ میں سر کے درد میں مبتلا تھی اور میں کہہ رہی تھی: ہائے میرا سر (پھٹا جا رہا ہے) آپ نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر اور میرے یہ الفاظ سن کر) فرمایا: عائشہ! (تم اپنے کو کیا کہہ رہی ہو) میں کہتا ہوں کہ میرا سر درد کر رہا ہے (پھر بڑے پیار سے ازراہ مذاق) آپ نے فرمایا: اس میں نقصان کیا ہے۔ اگر تم مجھ سے پہلے مر جاؤ میں تمہیں غسل دوں گا، میں کفناؤں گا، میں تمہاری نماز جنازہ پڑھوں گا اور تمہیں دفناؤں گا۔ (یہ سن کر) میں نے کہا: خدا کی قسم یہ تو مجھے آپ (ﷺ) کے بارے میں ابھی سے نظر آ رہا ہے کہ اگر آپ (ﷺ) نے ایسا کیا (یعنی ایسی نوبت آئی کہ میں آپ (ﷺ) کے سامنے مر گئی اور آپ (ﷺ) نے میری تجہیز و تکفین اور تدفین وغیرہ کی تو آپ (ﷺ) ان سب امور سے فارغ ہو کر) میرے گھر واپس آتے ہی اپنی کسی بیوی کے ساتھ شب باش ہو جائیں گے۔ آنحضرت ﷺ میرے ان الفاظ کو سن کر جو میری غیرت و حمیت پر دلالت کرتے تھے) مسکرائے، اور پھر (اسی دن سے) آپ ﷺ کی اس بیماری کا سلسلہ شروع ہوا جس میں آپ نے وفات پائی۔" (داری)

تشریح: "اور میں تمہیں دفناؤں گا" آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر حضرت عائشہؓ ذات رسالت مآب کی موجودگی میں وفات پا جائیں تو یقیناً ان کو سعادت و سرفرازی کا وہ خصوصی مرتبہ حاصل ہوتا تو آنحضرت ﷺ کے بعد زندہ رہنے اور وفات پانے کی صورت میں ان کو حاصل نہیں ہوا۔

وصال نبوی کے بعد حضرت خضرؑ کی تعزیت

(۱۷) وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَجُلاً مِنْ قُرَيْشٍ دَخَلَ عَلٰى اَبِيْهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ فَقَالَ اَلاَ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَلٰى حَدِّثْنَا عَنْ اَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا مَرِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَنِيْ اِلَيْكَ تَكْرِيْمًا لَّكَ وَتَشْرِيْفًا لَّكَ خَاصَّةً لَّكَ يَسْاَلُكَ عَمَّا هُوَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنْكَ يَقُوْلُ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ اَجِدُنِيْ يَا جِبْرَئِيْلُ مَغْمُوْمًا وَاَجِدُنِيْ يَا جِبْرَئِيْلُ مَكْرُوْبًا ثُمَّ جَآءَهُ الْيَوْمَ الثَّانِيْ فَقَالَ لَهٗ ذٰلِكَ فَرَدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا رَدَّ اَوَّلَ يَوْمٍ ثُمَّ جَآءَهُ الْيَوْمَ الثَّالِثَ فَقَالَ لَهٗ كَمَا قَالَ اَوَّلَ يَوْمٍ وَرَدَّ عَلَيْهِ كَمَا رَدَّ عَلَيْهِ وَجَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ يُقَالُ لَهٗ اِسْمٰعِيْلُ عَلٰى مِائَةِ اَلْفِ مَلَكٍ كُلُّ مَلَكٍ عَلٰى مِائَةِ اَلْفِ مَلَكٍ فَاسْتَاْذَنَ عَلَيْهِ فَسَاَلَهٗ عَنْهُ ثُمَّ قَالَ جِبْرَئِيْلُ هٰذَا مَلَكُ الْمَوْتِ يَسْتَاْذِنُ عَلَيْكَ مَا اسْتَاْذَنَ عَلٰى اٰدَمِيٍّ قَبْلَكَ وَلَا يَسْتَاْذِنُ عَلٰى اٰدَمِيٍّ بَعْدَكَ فَقَالَ ائْذَنْ لَهٗ فَاَذِنَ لَهٗ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَنِيْ اِلَيْكَ فَاِنْ اَمَرْتَنِيْ اَنْ اَقْبِضَ رُوْحَكَ قَبَضْتُ وَاِنْ اَمَرْتَنِيْ اَنْ اَتْرُكَهٗ تَرَكْتُهٗ فَقَالَ وَتَفْعَلُ يَا مَلَكَ الْمَوْتِ قَالَ نَعَمْ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاُمِرْتُ اَنْ اُطِيْعَكَ قَالَ فَنَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ فَقَالَ جِبْرَئِيْلُ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ قَدِ اشْتَاقَ اِلٰى لِقَائِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَلَكِ الْمَوْتِ امْضِ لِمَا اُمِرْتَ بِهٖ فَقَبَضَ رُوْحَهٗ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَآءَتِ التَّعْزِيَةُ سَمِعُوْا صَوْتًا مِنْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اِنَّ فِي اللّٰهِ عِزَاءً مِنْ كُلِّ مُصِيْبَةٍ وَخَلَفًا مِنْ كُلِّ هَالِكٍ وَدَرَكًا مِنْ كُلِّ فَائِتٍ فَبِاللّٰهِ فَاتَّقُوْا وَاِيَّاهُ فَارْجُوْا فَاِنَّمَا الْمُصَابُ مَنْ حُرِمَ الثَّوَابَ فَقَالَ عَلِيٌّ اَتَدْرُوْنَ مَنْ هٰذَا هُوَ الْخَضِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ۔

"اور حضرت امام جعفر صادق ابن محمدؒ اپنے والد (حضرت امام محمد باقرؒ) سے روایت کرتے ہیں کہ قریش میں سے ایک شخص ان کے والد حضرت امام علیؒ زین العابدین ابن حسین (نبیرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت امام علی زین العابدین نے اس سے کہا کہ کیا میں تمہارے سامنے رسول کریم ﷺ کی حدیث بیان کروں اس شخص نے کہا: ہاں ہمارے سامنے حضرت ابوالقاسم (محمد ﷺ) کی حدیث ضرور بیان کیجئے۔ چنانچہ امام علی زین العابدینؒ نے بیان کیا جب رسول کریم ﷺ بیمار ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام (عیادت کرنے اور پیغام خداوندی پہنچانے کے لئے) آپ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے محمد (ﷺ)! اللہ تعالیٰ نے آپ کی تکریم کے لئے اور آپ (ﷺ) کی تعظیم کے لئے مجھے آپ (ﷺ) کی خدمت میں بھیجا ہے اور یہ تعظیم و تکریم (جس بات کی صورت میں ہے وہ صرف) آپ (ﷺ) کے لئے مخصوص ہے (اور وہ بات یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ آپ (ﷺ) سے وہ چیز دریافت کرتا ہے۔ جس کو وہ آپ ﷺ سے زیادہ جانتا ہے (کیونکہ ظاہر و باطن کی کون سی چیز اس سے پوشیدہ ہے) تاہم وہ دریافت کرتا ہے کہ آپ (ﷺ) اپنے کو کیسا پاتے ہیں یعنی آپ کا کیا حال ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جبرئیل! میں اپنے آپ کو مغموم پاتا ہوں اور اے جبرئیل میں اپنے آپ کو مضطرب و پریشان پاتا ہوں حضرت جبرئیل علیہ السلام (یہ جواب لیکر چلے گئے اور) پھر دوسرے دن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہی الفاظ کہے جو پہلے دن کہے تھے، نبی کریم ﷺ نے بھی جواب میں وہ بات کہی جو پہلے کہی تھی، تیسرے دن حضرت جبرئیل علیہ السلام پھر آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور وہی الفاظ کہے جو پہلے تھے، نبی کریم ﷺ نے بھی جواب میں وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی اور اسی دن یا

اس کے بعد کسی اور دن حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ایک اور فرشتہ بھی تھا جس کو اسمٰعیل کہا جاتا ہے اور ایسے ایک لاکھ فرشتوں کا افسر ہے۔ جن میں ایک ایک فرشتہ ایک ایک لاکھ فرشتوں کا افسر ہے، اس اسمٰعیل فرشتے نے آپ کی خدمت میں باریاب ہونے کی اجازت مانگی، آنحضرت ﷺ نے اسمٰعیل فرشتہ کو باریابی کی اجازت دی اور پھر حضرت جبرئیلؑ نے (کچھ لمحے توقف کے بعد) کہا کہ یہ موت کا فرشتہ (عزرائیل) بھی حاضر ہے اور باریابی کی اجازت چاہتا ہے، حالانکہ اس فرشتہ موت نے نہ تو کبھی آپ ﷺ سے پہلے کسی شخص سے اجازت مانگی ہے۔ اور نہ کبھی آپ ﷺ کے بعد کسی شخص سے اجازت مانگے گا (یعنی یہ صرف آپ ﷺ کا اعزاز و شرف ہے کہ اس کو آپ ﷺ سے اجازت مانگنے کی ضرورت ہوئی ہے) ورنہ دوسرے آدمیوں کے پاس تو اچانک پہنچتا ہے اور روح قبض کر لیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اجازت دے دو۔ چنانچہ **حضرت جبرئیل نے فرشتہ موت کو اجازت** سے آگاہ کیا اور اس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا (اور آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا) اس کے بعد فرشتہ موت نے عرض کیا کہ اے محمد (ﷺ)! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ اگر آپ (ﷺ) اپنی روح قبض کرنے کا حکم دیں تو قبض کرلوں اور اگر آپ ﷺ یہ حکم دیں کہ میں آپ کو چھوڑ دوں تو میں چھوڑ دوں گا آپ نے فرمایا: اے فرشتہ موت! کیا تم (وہی) کرو گے (جو میں تمہیں حکم دوں گا)۔ فرشتہ موت نے جواب دیا بیشک مجھے تو حکم ہی یہ دیا گیا ہے (کہ آپ (ﷺ) کو اختیار دیدوں) اور آپ (ﷺ) جو کچھ فرمائیں اس کی اطاعت کروں۔ امام علی زین العابدینؒ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (فرشتہ موت کی یہ بات سن کر) حضرت جبرئیل کی طرف دیکھا (گویا ان سے مشورہ چاہا کہ بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہئے۔) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: اے محمد! حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ (ﷺ) کی ملاقات کے مشتاق ہیں۔ آنحضرت نے یہ سنا تو بلا تامل فرشتہ موت سے فرمایا کہ: جس بات کا تم کو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو، چنانچہ فرشتہ موت نے آپ ﷺ کی پاک روح قبض کر لی۔ جب رسول کریم ﷺ کا وصال ہو گیا اور ایک تعزیت کرنے والا (اہل بیت کو تسلی دینے) آیا تو لوگوں نے گھر کے ایک گوشہ سے آتی ہوئی آواز سنی کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے: اے اہل بیت اور وہ لوگ جو یہاں موجود ہیں تم پر سلامتی ہو۔ اللہ کی مہربانی اور اس کی برکتیں نازل ہوں، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی کتاب یا اللہ کے دین میں ہر مصیبت کے وقت تسکین و تسلی کا سامان موجود ہے، اللہ تعالیٰ ہر ہلاک ہونے والی چیز کا بدلہ عطا کرنے والا اور ہر فوت ہونے والی شے کا تدارک کرنے والا ہے جب صورت یہ ہے تو اللہ کی مدد سے تقویٰ اختیار کرو، اس سے امید رکھو، مصیبت زدہ حقیقت میں وہ شخص ہے؟ جو ثواب سے محروم کر دیا گیا، حضرت علیؓ نے کہا تم لوگ جانتے ہو (تعزیت و تسلی کے الفاظ کہنے والا) یہ کون شخص ہے؟ یہ حضرت خضرؑ ہیں۔" (اس روایت کو بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے)

تشریح: "اپنے آپ کو مضطرب و پریشان پاتا ہوں" بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل کے سامنے اپنے جس غم و کرب اور اضطراب و پریشانی کا اظہار کیا اس کا تعلق اُمت کے مستقبل سے تھا کہ میرے بعد میری اُمت نہ معلوم کن حالات سے دوچار ہو اور مسلمانوں کو کن نقصانات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے۔

"اسماعیل فرشتہ" کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ یہ آسمان دنیا کا داروغہ ہے۔ نیز حدیث میں جس طرح اسماعیل فرشتہ کے آنے کا ذکر ہے۔ اسی طرح فرشتہ موت یعنی عزرائیل کی آمد کا ذکر نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت فرشتہ موت کا آنا بالکل ظاہر بات ہے۔ جس کو بیان کرنے کی حاجت نہیں تھی یا یہ کہ فرشتہ موت حضرت جبرئیل علیہ السلام اور اسمٰعیل فرشتہ کے آنے کے بعد عین اسی وقت حاضر ہوا ہو گا جب حضرت جبرئیل نے اس کی حاضری کی اطلاع اور اس کی طرف سے اجازت باریابی کی درخواست آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کی اور سیوطی نے بیہقیؒ ہی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ تیسرے دن جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے تو ان کے ساتھ فرشتہ موت بھی تھا اور ان دونوں کے ساتھ ہوا میں ایک اور فرشتہ تھا جس کو اسمٰعیل کہا جاتا ہے اور جو ایسے ستر ہزار فرشتوں پر حاکم مقرر ہے جن میں سے ایک ایک فرشتہ دوسرے ستر ہزار فرشتوں کا افسر اعلیٰ ہے۔

"چنانچہ فرشتہ موت نے آپ ﷺ کی روح قبض کر لی" کے تحت شیخ عبدالحق لکھتے ہیں۔ "جب حضرت جبرئیل اور ان کے ساتھ

فرشتہ موت اور ایک تیسرا فرشتہ حضرت اسمٰعیل آئے اور مذکورہ گفتگو پوری ہوگئی تو اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تھوڑی دیر مہلت ملی اور اس مہلت میں آپ ﷺ نے صحابہؓ کو اس سارے واقعہ اور گفتگو کی خبر دی اور پھر اس کے بعد فرشتہ موت نے آپ ﷺ کی روح قبض کی یا یہ ہوا کہ عالم غیب کا یہ سارا واقعہ اور گفتگو بعض ان صحابہؓ پر بھی منکشف ہوئی جو اس وقت آپؐ کے پاس موجود تھے اور انہی صحابہ میں سے کسی نے امام علی زین العابدینؒ سے یہ واقعہ بیان کیا جن کو امام علی زین العابدینؒ نے روایت کے شروع میں "قریش میں سے ایک شخص" سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن ہمارا دل یوں کہتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ایک قریشی شخص کی صورت میں حضرت امام علی زین العابدین کے پاس آئے تھے اور انہوں نے یہ حدیث ان سے بیان کی اسی لئے امام زین العابدینؒ نے راوی کا ذکر مبہم الفاظ میں کیا"

ایک روایت میں حضرت اُمّ سلمہؓ سے منقول ہے کہ انتقال کے وقت نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک پر وصیت و نصیحت کے جو الفاظ بہت زیادہ تھے وہ یہ تھے:

اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔

"نماز اور اپنے ملوک غلاموں کا خاص خیال رکھنا۔"

ان فی اللہ عزاء کے معنی و مطلب میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں) مثلاً ایک قول یہ ہے کہ فی اللہ (اللہ میں) کے الفاظ دراصل فی کتاب اللہ (اللہ کی کتاب میں) کا مفہوم رکھتے ہیں. مطلب یہ مصیبت وغم کے موقع پر تسلی و تسکین دینے یا حاصل کرنے کی راہنمائی کتاب اللہ میں موجود ہے، پس ان الفاظ میں گویا اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے:

وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

"اور آپ ﷺ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے (جن کی یہ عادت ہے) کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے ہی ملک ہیں اور اسی کے پاس جانے والے ہیں۔"

دوسرا قول یہ ہے کہ فی اللہ دراصل فی دین اللہ (اللہ کے دین میں) کے معنی میں ہے اور مطلب یہ کہ اللہ کے دین میں ہر مصیبت وغم کے موقع پر اس "صبر" کی صورت میں تسلی کا سامان موجود ہے جس کی تلقین شارع علیہ السلام نے کی ہے۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اللہ میں تسکین و تسلی کا سامان موجود ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مصیبت وغم کے وقت صبر اور تسکین و تسلی عطا کرنے والا ہے۔ گویا علم بیان کی اصطلاح میں یہ بات " تجرید" کے طور پر کہی گئی ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ عربی میں کہا جاتا ہے:

رأیت فِیْ زید اسدا۔ "میں نے زید میں شیر دیکھا۔"

اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں نے زید کو شیر کی طرح طاقتور اور بہادر پایا۔ یہ احتمال مابعد عبارت کے اعتبار سے زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔

خلفا من کل ھالک و درکا من کل فائت کے ایک معنی تو وہی ہیں جو ترجمہ میں مذکور ہوئے کہ اللہ ہر ہلاک ہونے والی چیز کا بدلہ عطا کرنے والا اور ہر فوت ہونے والی شئے کا تدارک کرنے والا ہے اور ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اللہ کے دین یا اللہ کی کتاب میں وہ تعلیمات مذکور ہیں کہ ان پر عمل کرکے انسان بڑی سے بڑی محرومی امر بڑے سے بڑے نقصان کو اپنے حق میں نعم البدل یعنی اخروی اجر وانعام کا باعث بنا سکتا ہے۔

"اللہ تعالیٰ کی مدد سے تقویٰ اختیار کرو" یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم وفیصلہ کو خوش دلی کے ساتھ قبول کرکے اور اس کی مدد توفیق کے ذریعہ صبر واستقامت اختیار کرو، رونے دھونے اور بے صبری و بے قراری سے دور رہو۔ ان الفاظ میں گویا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کرنے

کی تلقین ہے کہ:

وَاصْبِرْ وَمَاصَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ "اور صبر کرو اور تمہارا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔"

اور ایک روایت میں یہاں (فاتقوا یعنی تقویٰ اختیار کرو، کے بجائے) فثقوا کا لفظ ہے (جیسا کہ حصن حصین میں بھی منقول ہے) اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اللہ پر اعتماد کرو اور کہا جائے گا کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے کہ:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ۔ "اور اسی حی لایموت (اللہ) پر توکل رکھو"

"اسی سے امید رکھو" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی سے اپنی امیدیں وابستہ نہ کرو کیونکہ امید اسی ذات سے وابستہ کی جاسکتی ہے جو معبود ہو اور معبود اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ صبر پر تمہارے لئے اللہ کے ہاں جو اجر و ثواب ہے اس کی پوری پوری امید رکھو۔ جو ثواب سے محروم کر دیا گیا کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی مصیبت زدہ وہ شخص نہیں ہے جو کسی دنیاوی مصیبت میں مبتلا ہو کیونکہ کسی دنیاوی مصیبت پر صبر کر کے بحسب مرتبہ بڑے سے بڑا ثواب حاصل کیا جاسکتا ہے بلکہ حقیقی مصیبت زدہ تو وہ ہے جو مصیبت پر صبر نہ کرے اور پھر اخروی اجر و ثواب سے محروم قرار پائے۔ واضح رہے کہ اللہ کے نزدیک وہی صبر معتبر ہے جو مصیبت و صدمہ کے وقت شروع ہی میں حاصل ہو جائے۔ "حضرت علیؓ نے کہا: تم لوگ جانتے ہو؟ یہ اس نامعلوم آواز کی وضاحت تھی جو گھر کے ایک گوشہ سے آرہی تھی، چنانچہ حضرت علیؓ نے بتایا یہ آواز دراصل حضرت خضر علیہ السلام کی ہے۔ جو اہل بیت نبوی اور صحابہ کرام سے تعزیت کے لئے یہاں آئے ہیں۔ نیز عبارت کے ظاہری سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "علی" سے مراد امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ کی ذات ہے جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ تاہم اس احتمال کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ حدیث کے راوی امام علی زین العابدین ہی مراد ہوں، اور انہوں نے یہ حدیث روایت کرتے وقت اس آواز کی وضاحت میں یہ بات کہی ہو۔"

حصن حصین میں رمز مستدرک کے ساتھ یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی تو فرشتوں نے (غیبی آواز کی صورت میں) صحابہ اور اہل بیت نبوی سے تعزیت کی۔ تعزیت کے وہی الفاظ نقل کرنے کے بعد کہ جو اوپر حدیث میں نقل ہوئے ہیں، ایک اور روایت یوں نقل کی ہے: (آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد) ایک سفید ریش شخص، جو نہایت تنومند اور خوش شکل تھا، اچانک (حجرہ نبوی میں) داخل ہوا اور صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر یہ الفاظ کہے:

فی اللّٰہ عزاء۔ "اللہ کی کتاب یا اللہ کے دین میں ہر مصیبت حادثہ کے وقت تسکین و تسلی کا سامان موجود ہے۔"

حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ نے وہاں موجود لوگوں کو بتایا کہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ اس روایت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ اوپر کی حدیث میں "علی" سے مراد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مراد ہیں۔

باب
آنحضرت ﷺ نے کوئی مالی وصیت نہیں کی

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

(1) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَاتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَ لَا شَاةً وَّلَا بَعِيْرًا وَّلَا اَوْصٰى بِشَيْءٍ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی وفات کے بعد نہ کوئی دینار چھوڑا، اور نہ کوئی درہم نہ کوئی بکری چھوڑی اور نہ آپ

نے کسی چیز کی وصیت کی۔" (مسلمؒ)

تشریح: "اور نہ آپ ﷺ نے کسی چیز کی وصیت کی" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے از قسم مال کسی چیز کے بارے میں کوئی وصیت نہیں کی کیونکہ جب آپ ﷺ سرے سے کوئی جائیداد چھوڑ کر ہی نہیں جارہے تھے تو وصیت کی نوبت کیوں آتی رہا بنی نضیر اور فدک وغیرہ کی زمین جائداد کا معاملہ تو اس کو آپ ﷺ نے اپنی حیات ہی میں تمام مسلمانوں کے لئے صدقہ کر دیا تھا صرف اپنے اہل و عیال کے نفقہ کے بقدر انہیں سے لیتے تھے۔

اس موقع پر نوویؒ لکھتے ہیں: ایک اور روایت میں منقول ہے کہ "جب لوگوں نے حضرت عائشہؓ کے سامنے یہ ذکر کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا وصی بنایا، تو حضرت عائشہؓ نے (حیرت سے) فرمایا: آپ ﷺ نے کب وصیت فرمائی تھی؟ میں (تو آخر وقت تک آپ ﷺ کے پاس رہی اور) جب تک کہ آپ ﷺ کی روح پرواز نہیں کر گئی آپ ﷺ کا تکیہ بنی بیٹھی رہی اور (اگر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے حق میں کوئی وصیت کی ہوتی اور ان کو اپنا وصی یعنی اپنے مال و جائیداد کا وارث یا نگراں بنایا ہوتا تو اس کا علم مجھ سے زیادہ کس کو ہوتا۔ جو لوگ ایسا کہتے ہیں غلط کہتے ہیں، آپ ﷺ نے کسی کو وصی نہیں بنایا" پس حدیث کے الفاظ ولا اوصی بشیٔ کا موضوع مالی وصیت ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نہ تو اپنے مال کے تہائی حصہ کی وصیت نہ تہائی سے زیادہ یا کم کی، کیونکہ آپ ﷺ کے پاس نہ کوئی مال تھا نہ جائیداد کہ اس کے بارے میں وصیت کرتے اسی طرح آپ ﷺ نے نہ تو حضرت علیؓ کے حق میں کوئی وصیت کی اور نہ کسی دوسرے کے حق میں جیسا کہ شیعوں کا غلط گمان ہے۔ جہاں تک ان احادیث صحیح کا تعلق ہے جن میں کتاب اللہ کے متعلق وصیت کرنے یا غیر قوموں کے ایلچیوں اور وفدوں کی خاطر داری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرنے کا ذکر ہے تو وہ دوسرا موضوع ہے۔ جو حدیث کے مذکورہ الفاظ ولا اوصی بشیٔ کی مراد نہیں ہے بعض سیرت نگاروں نے جو یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس بہت اونٹ تھے، دس اونٹنیاں تھیں اور ان اونٹنیوں اور اونٹوں کو نواح مدینہ میں رکھا جاتا تھا جہاں سے اونٹنیوں کا دودھ نکال کر لوگ روزانہ رات میں لایا کرتے تھے، نیز آپ ﷺ کے پاس سات بکریاں بھی تھیں جن کا دودھ آپ ﷺ پیا کرتے تھے۔ تو یہ روایت اول تو اس حیثیت کی نہیں ہے کہ مذکورہ بالا احادیث کی معارض بن سکے دوسرے اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس بات پر محمول ہوگی کہ وہ اونٹ وغیرہ صدقہ کا مال تھے اور ان کے ذریعہ جو دودھ حاصل ہوتا اس کو اصحاب صفہ اور دوسرے غیر مستطیع و مفلس لوگ پیا کرتے تھے۔

حضور ﷺ نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا

(۲) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ اَخِيْ جُوَيْرِيَةَ قَالَ مَاتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَلَا عَبْدًا وَّلَا اَمَةً وَّلَا شَيْئًا اِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَآءَ وَسِلَاحَهٗ وَاَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عمرو ابن حارثؓ جو (صحابی ہیں اور) ام المؤمنین حضرت جویریہؓ کے بھائی ہیں کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی دینار چھوڑا، نہ درہم چھوڑا، نہ غلام چھوڑا، نہ لونڈی چھوڑی اور نہ کوئی اور چیز چھوڑی، البتہ آپ کا ایک سفید خچر تھا (جس کو دلدل کہا جاتا تھا اور جو مقوقس حاکم اسکندریہ نے تحفہ کے طور پر آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا) آپ ﷺ کے کچھ ہتھیار تھے، اور آپ ﷺ کی کچھ زمین تھی اس کو بھی آپ ﷺ نے صدقہ کر دیا تھا۔" (بخاریؒ)

تشریح: "نہ غلام چھوڑا نہ کوئی لونڈی چھوڑی۔" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے پاس کوئی لونڈی اور غلام نہیں تھا جو رق یعنی بطور مملوک آپ ﷺ کی غلامی میں رہے ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض روایتوں میں آنحضرت ﷺ کے بردوں (لونڈی غلاموں) کا جو ذکر آیا ہے تو یا وہ سب آپ ﷺ کی حیات ہی میں مرگئے ہوں گے یا آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا ہوگا۔

"آپ ﷺ کے کچھ ہتھیار تھے۔" میں ہتھیار سے مراد وہ ہتھیار ہیں جو خاص آپ ﷺ کے استعمال میں رہتے تھے جیسے تلوار، نیزے، زرہ، خود اور بھالدار عصا یعنی برچھا۔ اور ایک روایت میں صرف یک زرہ کا ذکر ہے جو وفات کے وقت آپ ﷺ نے چھوڑی تھی اور وہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی۔ واضح رہے کہ حدیث میں جو حصر ہے (کہ وفات کے وقت آپ ﷺ کے پاس صرف یہ چند چیزیں تھیں) وہ اضافی ہے اور اس بات پر مبنی ہے کہ استعمال کے کپڑے اور معمولی گھریلو سامان جیسی چھوٹی موٹی چیزوں کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا اور نہ ان چیزوں کا مال و جائیداد میں شمار ہوتا ہے، چنانچہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ کپڑے وغیرہ چھوڑے تھے۔

"اس کو بھی آپ ﷺ نے صدقہ کر دیا تھا" کے بارے میں ایک شارح نے لکھا ہے کہ جعلها کی ضمیر تمام مذکورہ چیزوں یعنی خچر ہتھیار اور زمین کی طرف راجع ہے جب کہ بظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ جعلها کی ضمیر صرف زمین کی طرف راجع ہے نیز عسقلانی نے لکھا ہے: "اس کو صدقہ کر دیا تھا" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے زمین کی منفعت کو صدقہ کر دیا تھا یعنی یہاں "صدقہ وقف" کے حکم میں ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس زمین کو، اس کے باقی و قائم رہنے تک اپنی حیات ہی میں صدقہ جاریہ باقیہ کر دیا تھا، اس طرح وہ زمین جب تک باقی رہے گی اس کے صدقہ کا ثواب آنحضرت ﷺ کو ملتا رہے گا۔ پس یہ بات اس کے منافی نہیں ہے کہ جو باقی چیزیں آپ ﷺ کے پاس تھیں وہ آپ ﷺ کی وفات ہوتے ہی خود بخود صدقہ ہو گئیں۔ علامہ کرمانیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں: (حدیث میں "زمین" کا جو ذکر ہے تو اس سے) وادی قریٰ کی آدھی زمین خیبر کی زمین کا پانچواں حصہ، اور بنو نضیر کی زمین جائداد کا وہ حصہ مراد ہے جو آپ ﷺ نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا، نیز جعلها کی ضمیر حدیث میں مذکورہ تینوں چیزوں (یعنی خچر، ہتھیار اور زمین) کی طرف راجع ہے نہ کہ صرف زمین کی طرف اور یہ بات آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ثابت ہوتی ہے کہ: ہماری انبیاء کی جماعت میراث نہیں چھوڑتی ہے، ہمارا جو کچھ ترکہ ہوتا ہے وہ سب صدقہ ہو جاتا ہے۔

حضور ﷺ کا ترکہ وارثوں کا حق نہیں

(۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقْتَسِمُ وَرَثَتِیْ دِيْنَارًا مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِیْ وَمُؤْنَةِ عَامِلِیْ فَهُوَ صَدَقَةٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "میری وفات کے بعد میرے وارث دینار نہیں بانٹیں گے، میرا جو کچھ بھی ترکہ ہوگا وہ عورتوں کے خرچ اور عامل کی اجرت کے بعد باقی سب صدقہ ہوگا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "میرے وارث دینار نہیں بانٹیں گے" یہ آنحضرت ﷺ کا حقیقی طور پر خبر دینا ہے کہ میں اپنے ترکہ میں کوئی دینار و درہم نہیں چھوڑوں گا، اور جب میں کوئی دینار و درہم چھوڑوں ہی گا نہیں تو میرے مرنے کے بعد میرے ورثاء کے درمیان دینار و درہم تقسیم ہونے کی نوبت بھی نہیں آئے گی یا یہ کہ یہ جملہ ظاہری اسلوب کے اعتبار سے تو خبر دینے کے طور پر ہے مگر حقیقت میں نہی (ممانعت) کا مفہوم رکھتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا میں جو کچھ چھوڑ کر جاؤں ان کو میرے ورثاء آپس میں تقسیم نہ کریں۔ اور پھر آگے اس ممانعت کی علت بیان فرمائی کہ میرا سارا ترکہ میری بیویوں کے مصارف اور میرے عاملوں کی اجرت کے بعد باقی سب صدقہ ہوگا۔ واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کا حکم وہ نہیں جو عدت والی عورتوں کا ہوتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد کسی اور سے نکاح کر لینا ان کے لئے جائز نہیں تھا، اس لئے ان کے خرچ کی کفالت اور ان کا نفقہ پورا آپ ﷺ کے ترکہ سے متعلق رہا۔ نیز "عامل" سے مراد وہ حضرات ہیں جو آپ ﷺ کے بعد مسند خلافت پر فائز ہوئے۔ پس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہوا کہ میرے ترکہ میں سے میری بیویوں کا نفقہ پورا کیا جائے اور میرے خلفاء بھی اپنے مصارف میں خرچ کریں، اور پھر جو باقی رہے اس کو فقراء و مستحقین پر صرف کیا جائے جیسا کہ میں صرف کیا کرتا تھا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے اہل و عیال کا نفقہ "صفایا" کی آمدنی سے پورا

کرتے تھے۔ جو بنی نضیر کی جائداد میں سے آپ ﷺ کے حصے اور فدک کی زمین پر مشتمل تھا، بقدر نفقہ لینے کے بعد آمدنی کا باقی تمام حصہ مسلمانوں کے مصالح و مصارف میں خرچ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد مذکورہ زمین جائداد کے متولی حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے اور وہ اپنے ذاتی مال و دولت کی وجہ سے اس زمین جائداد کی آمدنی سے مستغنی رہے۔ تو انہوں نے وہ ساری زمین جائداد اپنے اقارب میں سے مروان وغیرہ کو عطا کر دی، جس پر وہ لوگ قابض رہے یہاں تک حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مروان وغیرہ کے ورثاء سے اس زمین جائداد کو واپس لے کر حسب سابق مصارف کے لئے مخصوص کر دیا۔

نبی کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی

④ وَعَنْ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوبکر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "ہم (انبیاء) جو کچھ (زمین جائداد یا مال) چھوڑتے ہیں اس میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ وہ صدقہ ہے"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ انبیاء از قسم مال و جائداد جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ میراث کے طور پر ان کے پسماندگان کا حق نہیں ہوتا بلکہ صدقہ کا مال ہوتا ہے جس کا مصرف فقراء و مساکین ہوتے ہیں اور صوفیہ کے نزدیک "فقیر" کی تعریف یہ ہے کہ وہ شخص جو کسی چیز کا مالک نہ ہو"۔ پس انبیاء کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ بظاہر ان کا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں امانت یا وقف اور یا صدقہ کے طور پر ان کے پاس رہتا ہے اور جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے اسی وجہ سے نہ انبیاء کی مالی میراث جاری ہوتی ہے اور نہ کوئی شخص ان کا وارث قرار پاتا ہے، اور جب ان کی وراثت ہی قائم نہیں ہوتی تو ان کے ورثاء اور پسماندگان میں کسی کو یہ موقع نہیں ملتا کہ وہ ان کا ترکہ پانے کی تمنا میں ان کی موت سے خوش ہو، تفصیلی روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ حدیث اس وقت بیان کی تھی جب حضرت فاطمہؓ کی طرف سے میراث کا مطالبہ سامنے آیا تھا، انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ: میں رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہوں، میں آپ ﷺ کا ترکہ انہی مصارف میں خرچ کرتا ہوں جہاں آنحضرت ﷺ خرچ فرمایا کرتے تھے اور اسی اعتبار سے میں تمہاری غمخواری بھی اسی طرح کرتا ہوں جس طرح آنحضرت ﷺ تمہاری غمخواری کرتے تھے یہ حدیث میں نے خود آنحضرت ﷺ سے سنی ہے کہ ہم انبیاء کی (مالی) وراثت قائم نہیں ہوتی۔ یہ بھی منقول ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے یہ بات صرف فاطمہؓ سے نہیں کہی تھی بلکہ ازواج مطہرات سے بھی کہی تھی جنہوں نے میراث کا مطالبہ کیا تھا، اور حضرت ابوبکرؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کی مالی میراث قائم نہیں ہوگی۔ تنہا اپنی مرضی سے نہیں دیا تھا بلکہ انہوں نے تمام بڑے بڑے صحابہؓ کو بلا کر مشورہ کیا، اور جب سب صحابہؓ نے یہی کہا کہ آپ ﷺ کی وراثت قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ ہم نے خود آنحضرت ﷺ سے ایسا ہی سنا ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے مذکورہ فیصلہ دیا۔

امت مرحومہ کے نبی اور امت غیر مرحومہ کے نبی کی وفات کے درمیان امتیاز

⑤ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَرَادَ رَحْمَةَ اُمَّةٍ مِنْ عِبَادِهٖ قَبَضَ نَبِيَّهَا قَبْلَهَا فَجَعَلَهٗ لَهَا فَرَطًا وَسَلَفًا بَيْنَ يَدَيْهَا وَاِذَا اَرَادَ هَلَكَةَ اُمَّةٍ عَذَّبَهَا وَنَبِيُّهَا حَيٌّ فَاَهْلَكَهَا وَهُوَ يَنْظُرُ فَاَقَرَّ عَيْنَهٗ بِهَلَكَتِهَا حِيْنَ كَذَّبُوْهُ وَعَصَوْا اَمْرَهٗ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس اُمت کو اپنی رحمت و مہربانی سے نوازنا چاہتا ہے اس اُمت کے نبی کو اس اُمت (کی مجموعی ہلاکت) سے پہلے اٹھا لیتا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ اس نبی کو اس امت کا میر منزل اور پیش رو بنا دیتا ہے۔ (یعنی اگر وہ نبی اپنی اُمت سے راضی اور خوش جاتا ہے تو آخرت میں اپنی اُمت کا شافع ہوتا

ہے)اور جب اللہ تعالیٰ کسی اُمت کو ہلاک کردینا چاہتا ہے تو اس اُمت پر اس نبی کی زندگی ہی میں عذاب مسلط کردیتا ہے، چنانچہ اُمت ہلاکت وتباہی کا شکار ہوجاتی ہے اور وہ نبی اپنی اُمت کی ہلاکت تباہی کو اپنی نظروں سے دیکھتا ہے اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے یعنی خوش ہوتا ہے کیونکہ وہ اُمت اپنے نبی کو جھٹلاتی تھی اور اس کے احکام کی نافرمانی کرتی تھی۔" (مسلمؒ)

ذات رسالت ﷺ سے اُمت کی عقیدت ومحبت کی پیش خبری

(۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَيَأْتِيَنَّ عَلٰی اَحَدِكُمْ يَوْمٌ وَلَا يَرَانِیْ ثُمَّ لَاَنْ يَرَانِیْ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ مَعَهُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، ایک دن تم لوگوں پر ایسا آئے گا جو شخص مجھ کو نہیں دیکھے گا، اس کو میرا دیکھنا اس سے کہیں زیادہ پسند ہوگا کہ وہ اپنے اہل وعیال اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے مال ومتاع کو دیکھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: یا تو آپ ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق آپ ﷺ کی حیات میں آپ ﷺ کو دیکھنا اور آپ ﷺ کی محبت اختیار کرنے سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میرے صحابہؓ کو مجھ سے اتنی زیادہ محبت اور تعلق ہے کہ اگر وہ مجھ کو ایک دن نہ دیکھیں اور میری صحبت سے محروم رہیں تو ان کا اشتیاق واضطراب کہیں بڑھ جائے، اس صورت میں وہ اپنے اہل وعیال اور اپنے مال ومتاع کو دیکھنے اور ان کے پاس رہنے سے زیادہ اس بات کو پسند کریں گے کہ میرا دیدار کریں اور میری صحبت میں رہیں۔ یا اس ارشاد گرامی میں دراصل اس بات کی پیش خبری ہے کہ میرے تئیں میری اُمت کی عقیدت ومحبت میری وفات کے بعد بھی کم نہیں ہوگی بلکہ مسلمان اپنے اہل وعیال اور اپنے مال ومتاع کی طرف رغبت وتعلق رکھنے سے کہیں زیادہ یہ چاہیں گے کہ کسی بھی طرح خواہ خواب میں خواہ بیداری میں، میرا دیدار کرلیں، مجھے دیکھ لیں، سیاق کلام کو دیکھتے ہوئے یہی مطلب زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے پس یہی وہ کیفیت ہے جو ان مشتاقان جمال کا سرمایہ حیات بنی رہتی ہے جو ذات رسالت پناہ ﷺ کے جمال وکمال کے تصور میں مستغرق رہتے ہیں۔

باب مناقب قریش وذکر القبائل
قریش کے مناقب اور قبائل کے ذکر کا بیان

"مناقب" لفظ "منقب" کی جمع ہے جس کے معنی شرف اور فضیلت کے ہیں اور "قریش" عرب کے مشہور قبیلہ کا نام ہے ویسے "قریش" کے لغوی معنی ایک بڑے خطرناک اور طاقتور سمندری جانور کے ہیں، لیکن اصل میں یہ نضر ابن کنانہ (یا فہر ابن مالک ابن نضر) کا لقب تھا جن کی اولاد مختلف شاخ درشاخ خاندانوں میں پھیلی اور ان سب خاندانوں پر مشتمل قبیلہ مورث اعلیٰ کے لقب کی مناسبت سے "قریش" کہلایا "قبائل" لفظ "قبیلہ" کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: ایک باپ کی اولاد۔ اور قبائل کے ذکر سے مراد عرب کے مختلف قبیلوں کی خصوصیات اور ان کی اچھائیاں یا برائیاں بیان کرنا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

قریش کی فضیلت

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ فِیْ هٰذَا الشَّاْنِ مُسْلِمُهُمْ تَبَعٌ لِمُسْلِمِهِمْ

وَكَافِرُهُمْ تَبَعٌ لِكَافِرِهِمْ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اس بات میں لوگ قریش کے تابع ہیں، قریش کے مسلمان (تمام غیر قریشی) مسلمانوں کے اور قریش کے کافر (تمام غیر قریشی) کافروں کے سردار ہیں۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: حدیث کے ظاہری سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "اس بات" سے مراد دین و شریعت ہے خواہ اس کے وجود کا اعتبار ہو یا اس کے عدم کا۔ مطلب یہ کہ دین کے قبول یا عدم قبول یعنی ایمان و کفر کے معاملہ میں تمام لوگ قریش کے پیچھے ہیں اور قریش اقتدائی و پیشوائی حیثیت رکھتے ہیں، بایں طور کہ ایک طرف تو دین کا ظہور سب سے پہلے قریش میں ہوا اور سب سے پہلے قریش کے لوگ ایمان لائے اور پھر ان کی اتباع میں دوسرے لوگوں نے بھی ایمان لانا شروع کیا، دوسری طرف وہ یعنی قریش ہی کے لوگ تھے جنہوں نے دین کی سب سے پہلے مخالفت کی اور مسلمانوں کی راہ روکنے کے لئے سب سے پہلے آگے آئے اس طرح اگر قریش کے کافروں کے تابعدار ہوئے۔ چنانچہ اسلام کی تاریخ جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ فتح مکہ سے پہلے تمام اہل عرب، قریش مکہ کے اسلام لانے کا انتظار کرتے تھے۔ جب اہل اسلام کے ہاتھوں مکہ فتح ہو گیا اور قریش مکہ مسلمان ہو گئے تو تمام عرب کے لوگ بھی جماعت در جماعت اسلام میں داخل ہو گئے جیسا کہ سورہ اذا جاء نصر اللہ سے واضح ہوتا ہے۔

بہر حال اس ارشاد کا مقصد قریش کی قائدانہ حیثیت کو بیان کرنا ہے کہ قیادت امارت کا جوہر انہی کو نصیب ہے خواہ وہ اپنے عہد جاہلیت سے وابستہ رہے ہوں یا عہد اسلام سے، لیکن ان کی قیادت و امارت کو "فضل و شرف" کا اعتبار صرف اسلام کی صورت میں حاصل ہے نہ کہ کفر کی حالت میں۔ اور اگر "فضل و شرف" کی قید مقصود نہ ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ اس ارشاد گرامی میں قریش مطلق قیادت و امارت کا ذکر ہے خواہ اس کا تعلق دنیاوی امور سے ہو خواہ مذہبی امور سے، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی نہ صرف دنیاوی اعتبار سے قریش مکہ تمام عرب قبائل میں "سردار" قبیلہ کی حیثیت رکھتے تھے بلکہ اس وقت کے ان کے مذہبی معاملات جیسے اللہ کی تولیت و کلید داری اور پانی پلانے وغیرہ کی ذمہ داریوں کا اعزاز بھی انہی کو حاصل تھا۔

اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ "اس بات" سے مراد امامت کبریٰ اور منصب خلافت ہے جیسا کہ دوسری حدیثوں میں وضاحت کے ساتھ منقول بھی ہے اور اس ارشاد گرامی کا مقصد قریش کی قیادت تسلیم کرنے اور ان کی اتباع کا حکم دینا ہے۔ پس اگر لوگ اس ارشاد گرامی کی روح اور اس سے اخذ شدہ حکم پر عمل نہ کرتے ہوئے قریش کی قیادت کو تسلیم نہ کریں اور ان کی اتباع سے انکار کریں تو یہ بات اس ارشاد گرامی کے اثبات کے منافی نہیں ہوگی، کیونکہ کسی بھی حکم کے اثبات کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ عملی اور واقعاتی طور پر اس کا ظہور بھی ہو، حکم کا مقصد تو کسی چیز کو ثابت کرنا ہوتا ہے، اگر کوئی اس حکم پر عمل نہ کرے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ حکم اپنی قوت اثبات و نفاذ سے خالی ہے، پس آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ قریش کی قیادت و امارت کو اختیار و قبول کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ قریش قیادت و امارت کا استحقاق اور اس کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی اہلیت رکھتے ہیں، خواہ کوئی ان کی قیادت و امارت کو تسلیم کرے اور ان کی تابعداری کرے یا نہ کرے۔

قریش ہی سردار ہیں

(۲) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "لوگ خیر اور شر (دونوں حالتوں) میں قریش کے تابع ہیں۔"

(بخاری ومسلم)

تشریح: "خیر" سے مراد "اسلام" ہے اور "شر" سے مراد "کفر" جیسا کہ اوپر کی حدیث کی تشریح میں تفصیل بیان ہوئی ہے۔

خلافت اور قریش

(۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَزَالُ ھٰذَا الْاَمْرُ فِیْ قُرَیْشٍ مَا بَقِیَ مِنْھُمُ اثْنَانِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "یہ امر یعنی خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گا جب تک کہ ان میں سے دو آدمی بھی باقی رہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "ہمیشہ قریش میں رہے" کا مطلب یہ ہے کہ خلافت کا استحقاق چونکہ قریش ہی سب سے زیادہ رکھتے ہیں اس لئے خلافت کا منصب جلیلہ قریش ہی کے پاس رہنا چاہئے اور غیر قریش کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ شرعاً جائز نہیں چنانچہ صحابہؓ کے زمانہ میں اس پر اجماع تھا اور یہی ارشاد گرامی ان انصار صحابہؓ کے مقابلہ پر مہاجر صحابہؓ کی دلیل بنا جنہوں نے خلافت کو انصار کا حق قرار دینا چاہا تھا۔

"جب تک کہ ان میں سے دو آدمی باقی رہے" یہ بات آپ ﷺ نے منصب خلافت کے تئیں قریش کے ترجیحی استحقاق کو زیادہ سے زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کرنے کے لئے فرمائی کہ اگر قریش میں سے دو بھی باقی رہیں کہ ایک تو خلیفہ بن سکے اور دوسرا اس کا اطاعت گذار (یا یہ کہ خلیفہ کے علاوہ دو آدمی مراد ہیں) تو اس صورت میں بھی خلافت کو قریش ہی کا حق سمجھنا چاہئے۔

اس حدیث کی شرح میں نوویؒ لکھتے ہیں: "یہ اور اس جیسی دوسری احادیث کو جن میں خلافت کا استحقاق قریش کے لئے ذکر کیا گیا ہے، اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ خلافت کا منصب قریش کے لئے مخصوص ہے، غیر قریشی کو خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے چنانچہ اسی نکتہ پر نہ صرف صحابہؓ کے زمانہ میں بلکہ صحابہؓ کے بعد بھی اُمت کا اجماع رہا ہے، اہل بدعت یعنی اہل سنت و جماعت کے متفقہ مسلک سے انحراف کرنے والوں میں سے جن لوگوں نے اس مسئلہ میں اختلاف و انکار کی راہ اختیار کی (ان کی بات کو نہ صرف یہ اُمت کے سواد اعظم نے تسلیم نہیں کیا) بلکہ ان کی تردید و تغلیط کے لئے یہی دلیل پیش کی گئی کہ قریش کے استحقاق خلافت پر صحابہؓ کا اجماع تھا" امام نوویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد گرامی کے ذریعہ یہ خبر دی ہے کہ یہ حکم (جس سے منصب خلافت کا قریش کے ساتھ مخصوص ہونا ظاہر ہوتا ہے) آخر زمانہ تک برابر جاری و نافذ رہے گا جب تک کہ اس دنیا میں دو آدمی بھی باقی رہیں پس آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرمایا اور جو خبر دی وہی واقعہ کے اعتبار سے ثابت بھی ہوا کہ آج تک قریش کی خلافت اور ان کی بالادستی قائم ہے۔" لیکن نوویؒ کا یہ نتیجہ بیان کرنا تاریخی حقیقت کے مطابق نہیں ہے، ان کے زمانہ تک تو قریش کی خلافت قائم تھی لیکن بعد میں قریش کی خلافت و امامت تمام عالم اسلام پر زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہ سکی، ابتداء میں کچھ اوپر دو سو برس تک کا عرصہ تو ایسا گذرا کہ اس میں اکثر اسلامی علاقوں اور شہروں پر قریش کی خلافت و بالادستی قائم رہی مگر اس کے بعد خود مختاریوں کا دور شروع ہو گیا اور عالم اسلام میں مختلف حکمرانوں اور بادشاہوں کی اپنی اپنی حکومت و بالادستی قائم ہو گئی لہٰذا اس سلسلہ میں تحقیقی قول یہ ہے کہ یہ خبر دراصل امر یعنی حکم کے معنی میں ہے گویا آنحضرت ﷺ نے خبر کے اسلوب میں یہ حکم دیا ہے کہ جو بھی شخص ایمان و اسلام سے بہرہ ور ہو اس پر لازم ہے کہ وہ قریش کو اپنا سردار مانے، ان کی اتباع کرے اور ان کی امامت و قیادت سے انحراف نہ کرے، ویسے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اپنے ظاہری معنی ہی پر محمول ہے مگر ما اقاموا الدین کے الفاظ کے ساتھ مقید ہے جو اگلی حدیث میں مذکور ہیں، اس صورت میں اس حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ: "منصب خلافت و امارت اس وقت تک برابر قریش میں رہے گا جب تک کہ وہ دین کو قائم رکھیں گے"۔

چنانچہ یہی ہوا کہ قریش نے جب تک کہ خلافت کو دین کے تابع رکھا اور اسلام کی خدمت و اشاعت میں مصروف رہے، منصب خلافت ان کے ہاتھ سے نہیں گیا، لیکن جب انہوں نے نہ صرف یہ کہ دین کی طرف سے بے توجہی اختیار کر لی بلکہ حرام و ناجائز امور میں مبتلا ہو کر دین کی بے حرمتی کا مظاہرہ کرنے لگے تو خلافت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ سے چھن کر غیر قریش میں پہنچ گئی۔

قریش کا استحقاق خلافت دین کے ساتھ مقید ہے

④ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ فِيْ قُرَيْشٍ لَا يُعَادِيْهِمْ اَحَدٌ اِلَّا كَبَّهُ اللّٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ مَا اَقَامُوا الدِّيْنَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت امیر معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "بلاشبہ یہ امر یعنی منصب خلافت، قریش میں رہے گا جب تک کہ وہ دین کو قائم رکھیں گے، جو بھی شخص ان (قریش) سے دشمنی و عداوت رکھے گا اس کو اللہ تعالیٰ الٹا لٹکا دے گا یعنی ذلت و خواری کا طوق اس کے گلے میں ڈال دے گا" (بخاریؒ)

تشریح: مطلب یہ کہ خلافت کا اصل مقصد چونکہ دین کو قائم کرنا اور اسلام کے جھنڈے کو سربلند رکھنا ہے اس لئے قریش جب تک دین و شریعت کی ترویج و اشاعت میں لگے رہیں گے اور اسلام کے جھنڈے کو سربلند رکھنے کی سعی و کوشش کرتے رہیں گے، وہ منصب خلافت کا استحقاق رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی سرداری و قیادت کو قائم رکھے گا لیکن جب وہ اپنے اصل فرض یعنی اقامت دین و اسلام سے غافل ہو جائیں گے اور خلافت کے حقیقی تقاضوں کو پورا کرنا چھوڑ دیں گے تو مستوجب عزل ہوں گے اور خلافت و امارت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ سے چھن جائے گی اور بعض شارحین نے یہ لکھا ہے کہ "دین قائم" کرنے سے مراد "نماز قائم کرنا" ہے جیسا کہ ایک روایت میں ما اقام الصلوۃ ہی کے الفاظ منقول بھی ہیں اور ویسے بھی بعض موقع پر دین اور ایمان کا اطلاق نماز پر آیا ہے، اسی بنیاد پر بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس ارشاد گرامی کا اصل مقصد قریش کو نماز قائم رکھنے کی تلقین و ترغیب اور اس بات سے ڈرانا ہے کہ اگر نماز قائم نہ رکھیں گے تو ہو سکتا ہے کہ منصب خلافت و امارت ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور دوسرے لوگ ان پر غلبہ و تسلط حاصل کر لیں۔

قریش میں سے بارہ خلفاء کا ذکر

⑤ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَزَالُ الْاِسْلَامُ عَزِيْزًا اِلٰى اِثْنَيْ عَشَرَ خَلِيْفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَزَالُ اَمْرُ النَّاسِ مَاضِيًا مَا وَلِيَهُمْ اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَزَالُ الدِّيْنُ قَائِمًا حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ اَوْ يَكُوْنَ عَلَيْهِمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِيْفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "اسلام کو بارہ خلفاء تک قوت و غلبہ حاصل رہے گا اور سب قریش میں سے ہوں گے" ایک روایت میں یوں ہے کہ "(آپ ﷺ نے فرمایا) لوگوں کے (دینی و مذہبی امور میں استقامت، ملی و ملکی معاملات میں استحکام اور عام نظم و نسق میں عدل و انصاف اور حق و راستی پر مبنی) نظام کار کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ ان کے حاکم وہ بارہ شخص ہوں گے جن کا تعلق قریش سے ہوگا" اور ایک روایت میں یوں ہے کہ "(آپ ﷺ نے فرمایا) دین برابر قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت آئے اور لوگوں پر ان بارہ خلیفہ کی حکومت قائم ہو جو قریش میں سے ہوں گے"۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث کے معنی مفہوم کے تعین میں مختلف اقوال بھی ہیں اور علماء نے اشکال کا اظہار بھی کیا ہے۔ اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث سے بظاہر جو بات مفہوم ہوتی ہے وہ یہ کہ "آنحضرت ﷺ کے بعد متصلاً یکے بعد دیگرے بارہ خلفاء ہوں گے جن کے زمانہ خلافت میں دین کا نظام مستحکم و برقرار رہے گا، ان کے وجود سے اسلام کو شان و شوکت حاصل ہوگی، اور نہ صرف یہ کہ خود وہ تمام بارہ خلفاء دین و مذہب کے سچے پابند و تابعدار ہوں گے بلکہ انکی خلافت و عدالت سے حق و انصاف کے مطابق احکام و ہدایات کا اجراء و نفاذ ہوگا۔" حالانکہ تاریخی اور واقعاتی طور پر جو کچھ پیش آیا ہے وہ اس بات کی شہادت نہیں دیتا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے منصب خلافت و امارت پر فائز ہونے والوں میں بنی مروان میں کے وہ خلفاء و امراء بھی تھے جو نہ صرف یہ کہ اپنی سیرت اور طور طریقوں کے اعتبار سے دین و مذہب

سے مناسبت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کی ظالمانہ اور مفسدانہ کاروائیوں سے اسلام اور مسلمانوں کو شدید نقصانات اور مصائب برداشت کرنا پڑے علاوہ ازیں وہ صحیح حدیث بھی ہے جس کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ "میرے بعد تیس سال تک تو خلافت کا نظام قائم رہے گا اور اس کے بعد ظلم وزیادتی پر مبنی بادشاہت آجائے گی"۔ چنانچہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تیس برس کے عرصہ یعنی خلافت راشدہ کے بعد جو نظام حکومت ظاہر ہوا اس کو خلافت نہیں بلکہ بادشاہت و امارت کہنا چاہئے یہ ایک اہم اشکال ہے اور اسی بناء پر علماء نے اس حدیث کی توجیہ و تاویل میں مختلف اقوال پیش کئے ہیں ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ "بارہ خلیفوں" سے مراد وہ بارہ لوگ ہیں جو آنحضرت ﷺ کے بعد سریر آرائے خلافت اور حکومت و سلطنت ہوئے اور ان کے زمانہ اور اقتدار و حکومت میں مسلمانوں کے ظاہری حالات و معاملات اور رعایا کے مفاد کے اعتبار سے سلطنت و حکومت کا نظام مستحکم و متوازن رہا اگرچہ ان میں سے بعض برسر اقتدار لوگ ظلم و بے انصافی کے راستہ پر بھی چلے، باہمی اختلاف و نزاع اور خرابیوں کا بھیانک ظہور ولید بن یزید بن عبد الملک بن مروان کے عہد اقتدار میں ہوا جو ان میں بارہواں شخص تھا، اس شخص کی امارت اس وقت قائم ہوئی جب اس کے چچا ہشام ابن عبد الملک کا انتقال ہوا پہلے تو لوگوں نے ولید ابن یزید کی امارت پر اتفاق کیا اور ان کا اتفاق چار برس تک قائم رہا، لیکن چار برس کے بعد لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو مار ڈالا، اس دن سے صورتحال میں تغیر پیدا ہو گیا اور فتنہ وفساد پوری طرح پھیل گیا یہ قول قاضی عیاض مالکیؒ کی طرف منسوب ہے اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس قول کی تحسین کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی جتنی توجیہات کی گئی ہیں اور اس سلسلہ میں جتنے اقوال منقول ہیں ان سب میں یہی قول سب سے زیادہ مناسب اور سب سے زیادہ قابل ترجیح ہے اور اس کی تائید ان الفاظ سے ہوتی ہے جو اسی حدیث کے جزء کے طور پر بعض صحیح طرق میں منقول ہیں کہ "کلهم یجتمع علیه امر الناس" اور "جمع" سے مراد ان خلفاء کی بیعت پر لوگوں کا اتفاق و اجتماع اور ان کی قیادت و سرداری کو قبول کرنا ہے اگرچہ کراہت کے ساتھ ہو۔ نیز اس حدیث سے ان خلفاء کی جو مدح و توصیف مفہوم ہوتی ہے۔ وہ دین، عدالت، اور حقانیت کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ سیاسی و انتظامی معاملات میں استحکام و استواری اور حکومت و امارت کے تئیں اتفاق و اتحاد کے اعتبار سے ہے۔ رہی اس صحیح حدیث کی بات جس میں آپ ﷺ نے خلافت کو تیس سال میں منحصر بیان فرمایا ہے تو وہاں "خلافت" سے مراد "خلافت کبریٰ" ہے جو اصل میں خلافت نبوت ہے، جب کہ اس حدیث میں "خلافت امارت" مراد ہے، چنانچہ خلفائے راشدین کے بعد جو امراء (سربراہان حکومت) گذرے ان کو بھی خلیفہ ہی کہا جاتا ہے، اگرچہ ان کو خلیفہ کہنا مجازی معنی کے اعتبار سے ہے، مذکورہ بالا پہلے قول کو اگرچہ علامہ ابن حجرؒ نے اولی و ارجح قرار دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ لا یزال الاسلام عزیزا اور لا یزال الدین قائما کے ساتھ یہ قول کھلی ہوئی عدم مناسبت کا حامل ہے کیونکہ یہ الفاظ ان بارہ خلفاء کی اس مدح و تعریف کا صریح مظہر ہیں کہ ان کے زمانہ خلافت و امارت میں دین کو استحکام حاصل رہے گا، حق کا بول بالا ہو گا اور ان کے عدل و انصاف کے ذریعہ اسلام کی شان وشوکت اور قوت کا اظہار ہوگا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ "خلفاء" سے مراد عادل و انصاف پرور خلفاء اور نیک طینت و پاکباز امراء ہیں جو اپنے ذاتی اوصاف حمیدہ کی بناء پر "خلافت" کا صحیح مصداق اور منصب امارت کے اہل ہوں، اس صورت میں حدیث کا لازمی مطلب یہ بیان کرنا نہیں ہوگا کہ یہ بارہ خلفاء آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے بعد متصلاً یکے بعد دیگرے منصب خلافت و امارت پر متمکن ہوں گے جب کہ ہو سکتا ہے کہ اصل مقصد اس طرح کے خلفاء و امراء کی محض تعداد بیان کرنا ہو خواہ ان کا ظہور کسی بھی عہد و زمانہ میں ہو اور بارہ کا عدد قیامت تک کسی وقت جا کر پورا ہو، تورپشتیؒ کے مطابق اس حدیث اور اس بارہ میں منقول دوسری احادیث کے مفہوم و معنی کے تعین میں یہی قول زیادہ بہتر و مناسب اور قابل ترجیح ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں اس طرح کے ان بارہ خلفاء و امراء کا ذکر مراد ہے جو حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانہ کے بعد منصب خلافت و امارت پر فائز ہوں گے! گویا مخبر صادق ﷺ نے پیش خبری فرمائی کہ آخر زمانہ میں قریش سے نسبی تعلق رکھنے والے ایسے بارہ افراد مسلمانوں کی ملی و ملکی اور حکومتی قیادت کے امین بنیں گے جن کے زمانہ اقتدار و امارت میں دین و مذہب کو

عروج حاصل ہو گا اور اسلام کی شان وشوکت دوبالا ہوگی۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جب مہدیؑ کا انتقال ہو گا تو قیادت و اقتدار کے مالک، یکے بعد دیگرے جو پانچ آدمی ہوں گے، وہ سبط اکبر یعنی حضرت امام حسنؓ کی اولاد میں سے ہوں گے، ان کے بعد قیادت و اقتدار کی باگ ڈور یکے بعد دیگرے ان پانچ آدمیوں کے ہاتھ میں آئے گی جو سبط اصغر یعنی حضرت امام حسین شہیدؓ کی اولاد میں سے ہوں گے اور ان میں کا آخری شخص اپنا ولی عہد ایک ایسے شخص کو بنائے گا جو حضرت امام حسنؓ کی اولاد میں سے ہو گا اور مملکت وملت کی امامت و سربراہی کے اس سلسلہ کا گیارہواں فرد ہو گا، پھر جب یہ گیارہواں شخص اپنا زمانہ اقتدار پورا کر کے انتقال کرے گا تو اس کا جانشین اس کا بیٹا ہو گا اور مسند اقتدار کا مالک بنے گا، اس طرح بارہ کا عدد پورا ہو جائے گا اور ان بارہ میں کا ہر شخص امام عادل اور ہادی مہدی ہو گا جس کی عدالت، انصاف پسندی، دینداری اور رعایا پروری سے اسلام اور مسلمانوں کو زبردست شان وشوکت اور سربلندی و ہر دلعزیزی حاصل ہوگی" اگر یہ حدیث صحیح ہے تو پھر مذکورہ بالا دوسرے قول کو ایک معقول اور بہترین توجیہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ویسے ایک روایت حضرت ابن عباسؓ کی بھی نقل کی جاتی ہے جس میں انہوں نے حضرت امام مہدی کے اوصاف و محاسن بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان (امام مہدیؑ) کے وجود سے ہر رنج و فکر کو دور کر دے گا اور ان کے عدل سے ہر ظلم و فتنہ کا سدباب ہو جائے گا، ان کے زمانہ کے بعد پھر قیادت و اقتدار کی باگ ڈور ان بارہ آدمیوں کے ہاتھ میں آجائے گی جو یکے بعد دیگرے ڈیڑھ سو سال تک مملکت کی زمام کار سنبھالے رہیں گے۔

اور چوتھا قول یہ ہے کہ اصل مراد ایک ہی زمانہ میں بارہ خلفاء کا پایا جانا ہے جو اپنی اپنی جگہ خود مختار حیثیت کا دعویٰ کریں گے اور ان میں سے ہر ایک کی اطاعت کرنے والے لوگوں کا الگ الگ گروہ ہو گا اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ (ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا) "وہ وقت آنے والا ہے جب میرے بعد خلیفہ ہوں گے اور بہت ہوں گے" اس ارشاد گرامی سے آنحضرت ﷺ کا اصل مقصد یہ خبر دینا تھا کہ میرے بعد نت نئے فتنوں کا ظہور ہو گا اور طرح طرح کے اختلافی و نزاعی معاملات اٹھ کھڑے ہوں گے یہاں تک کہ ایک زمانہ میں بارہ خلفاء اپنی الگ الگ خلافت کا دعویٰ کریں گے۔ اس آخری قول کے مطابق حدیث کی مراد گویا یہ ہوگی کہ بیک وقت بارہ خلفاء کے وجود کے زمانہ سے پہلے کے زمانہ تک تو مسلمانوں کی موثر اجتماعی و تنظیمی حیثیت برقرار رہے گی، دین کا نظام مستحکم و استوار رہے گا اور اسلام کی عزت و شوکت بڑھتی رہے گی لیکن اس زمانہ میں (جب کہ بیک وقت بارہ خلفاء ہوں گے) اختلاف و نزاع کا فتنہ پھوٹ پڑے گا، اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی منتشر ہونے لگے گی۔ لیکن پہلے اقوال کے مطابق حدیث کی مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان بارہ خلفاء کے زمانہ تک اسلام اور مسلمانوں کا نظام ملک وملت مستحکم و استوار رہے گا، اس نظام میں جو خلل و اضطراب پیدا ہو گا وہ اس زمانہ کے بعد ہو گا۔

شیعوں نے اس حدیث میں بارہ خلفاء کے ذکر کو اس پر محمول و منطبق کیا ہے کہ وہ اہل بیت میں سے ہوں گے خواہ وہ منصب خلافت پر حقیقۃً فائز ہوں خواہ خلافت کا استحقاق رکھنے کے باوجود منصب خلافت پر فائز نہ ہو سکیں۔ ان شیعوں کے مطابق سب سے پہلے خلیفہ حضرت علیؓ ہیں، پھر حضرت حسنؓ، پھر حضرت حسینؓ، پھر حضرت زین العابدین، پھر حضرت محمد باقر پھر حضرت جعفر صادق، پھر حضرت موسیٰ کاظم، پھر حضرت علی رضا، پھر حضرت محمد نقی، پھر حضرت علی نقی، پھر حضرت حسین عسکری پھر حضرت محمد مہدی۔

چند عرب قبائل کا ذکر

(٦) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غِفَارٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا وَاَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰهُ وَعُصَيَّةُ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "(قبیلہ) غفار کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے (قبیلہ) اسلم کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھے

اور (قبیلہ) عصیہ (تو وہ قبیلہ ہے) جو اللہ اور اللہ کے رسول کی معصیت میں مبتلا ہوا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "غفار" عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے، ممتاز صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، کہا جاتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ قبیلہ حاجیوں کا مال چرایا کرتا تھا اور اپنی اس برائی کے سبب عام قبائل میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اسی پر آنحضرت ﷺ نے اس قبیلہ کے حق میں دعا فرمائی کہ اس قبیلہ کے دامن پر جو پہلا داغ لگا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مٹائے اور قبیلہ والوں کو مغفرت و بخشش سے نوازے کیونکہ اب اسی قبیلہ کے لوگ خوشی خوشی اسلام میں داخل ہو گئے ہیں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ ارشاد گرامی دعائیہ جملہ کے بجائے جملہ خبریہ ہے یعنی آپ ﷺ نے ان الفاظ کے ذریعہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے اس قبیلہ کی جاہلی زندگی کے واقعات کو کالعدم قرار دے دیا ہے اور اب اہل قبیلہ کو ان کے ایمان و اسلام کی بدولت مغفرت و بخشش سے نواز دیا ہے۔

"اسلم" بھی ایک قبیلہ کا نام ہے، اس قبیلہ کے لوگوں نے چونکہ لڑائی کے بغیر اسلام قبول کر لیا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس قبیلہ کے لوگوں کو سلامت رکھے اس قبیلہ کے بارے میں مذکورہ جملہ بھی جملہ خبریہ کا احتمال رکھتا ہے یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس جملہ کے ذریعہ یہ خبر دی ہو کہ یہ وہ قبیلہ ہے جس نے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کو پسند نہیں کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس قبیلہ کے لوگوں کو قتل و تباہی سے سلامت و محفوظ رکھا۔

"عصیہ" اس بدنصیب قبیلہ کا نام ہے جس نے مسلمان قاریوں کو بیر معونہ پر مکر و فریب کے ذریعہ بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا تھا، آنحضرت ﷺ کو اس پر بڑا رنج ہوا تھا اور آپ ﷺ قنوت میں اس قبیلہ کے لوگوں پر لعنت اور بددعا فرمایا کرتے تھے۔ اس قبیلہ کے حق میں مذکورہ حدیث کے الفاظ صرف جملہ خبریہ کے طور پر ہیں، ان میں جملہ دعائیہ کا کوئی احتمال نہیں ہے تاہم ان الفاظ میں اس قبیلہ کا ذکر جس طرح شکوہ کو ظاہر کرتا ہے وہ بجائے خود بددعا کو مستلزم ہے لیکن اس مفہوم میں نہیں کہ اہل قبیلہ گناہ و معصیت میں زیادہ سے زیادہ مبتلا ہوں بلکہ اس مفہوم میں کہ قبیلے والوں نے جس عظیم معصیت اور سرکشی کا ارتکاب کیا اس پر ان کو دنیا و آخرت میں ذلت و خواری نصیب ہو۔

چند قبائل کی فضیلت

⑦ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشٌ وَّالْاَنْصَارُ وَجُهَيْنَةُ وَمُزَيْنَةُ وَاَسْلَمُ وَغِفَارٌ وَاَشْجَعُ مَوَالِيَّ لَيْسَ لَهُمْ مَوْلًى دُوْنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: قریش (کے مسلمان یعنی اہل مکہ وغیرہ) انصار (یعنی اہل مدینہ) قبیلہ جہینہ (کے مسلمان) قبیلہ اسلم (کے مسلمان) قبیلہ غفار (کے مسلمان) اور قبیلہ اشجع (کے مسلمان) میرے دوست اور مددگار ہیں، ان کا مددگار اور دوست اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا کوئی نہیں ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: لفظ مَوَالِيَّ متکلم کی طرف مضاف ہے اور مولیٰ کی جمع ہے اور ایک روایت میں یہ لفظ (ی متکلم کے بغیر) مَوَالٍ منقول ہے، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ (ان قبائل کے مسلمان) آپس میں ایک دوسرے کے معین اور مددگار اور دوست ہیں۔

دو حلیف قبیلوں کا ذکر

⑧ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْلَمُ وَغِفَارٌ وَمُزَيْنَةُ وَجُهَيْنَةُ خَيْرٌ مِّنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ وَمِنْ بَنِيْ عَامِرٍ وَالْحَلِيْفَيْنِ مِنْ بَنِيْ اَسَدٍ وَغَطَفَانَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اسلم غفار مزینہ اور جہینہ یہ سب قبیلے بنو تمیم سے، اور دونوں حلیف قبیلوں یعنی بنو اسد اور غطفان سے بہتر ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "دونوں حلیف قبیلے بنو اسد اور غطفان بھی دو قبیلوں کے نام ہیں یہ دونوں قبیلے آپس میں ایک دوسرے کے حلیف تھے اور جیسا کہ اس زمانہ میں عرب کا عام دستور تھا ان دونوں نے ایک دوسرے کے سامنے قسم کھا کر عہد و پیمان کر رکھا تھا کہ باہم وگر مدد گار و معین رہیں گے۔

حدیث میں مذکورہ قبیلوں کو اس لئے بہتر فرمایا کہ ان قبائل کے لوگوں نے قبول اسلام میں سبقت کا شرف حاصل کیا اور اپنے اچھے احوال و معاملات کا قابل تحسین مظاہرہ کیا۔

بنو تمیم کی تعریف

(۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ مَازِلْتُ اُحِبُّ بَنِیْ تَمِیْمٍ مُنْذُ ثَلٰثٍ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْهِمْ سَمِعْتُهُ یَقُوْلُ هُمْ اَشَدُّ اُمَّتِیْ عَلَی الدَّجَّالِ قَالَ وَجَاءَتْ صَدَقَاتُهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهٖ صَدَقَاتُ قَوْمِنَا وَکَانَتْ سَبِیَّةٌ مِّنْهُمْ عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَ اَعْتِقِیْهَا فَاِنَّهَا مِنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِیْلَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں بنو تمیم کو اس وقت سے ہمیشہ عزیز اور دوست رکھتا ہوں جب سے میں نے ان کی تین خاص خوبیوں کا ذکر رسول کریم ﷺ سے سنا ہے (چنانچہ ان کی پہلی خوبی کے بارے میں) آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری اُمت میں سے بنو تمیم ہی وہ لوگ ہوں گے جو دجال کے مقابلے پر سب سے زیادہ سخت اور بھاری ثابت ہوں گے" حضرت ابوہریرہؓ نے (ان کی دوسری خوبی کے بارے میں یہ) بیان کیا کہ (ایک مرتبہ بنی تمیم کی طرف سے) صدقات (یعنی زکوٰۃ کے اموال و مویشی وغیرہ) آئے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا "یہ ہماری قوم کی طرف سے آئے ہوئے صدقات ہیں" اور (ان کی تیسری خوبی اس طرح ظاہر ہوئی کہ) بنی تمیم سے تعلق رکھنے والی ایک لونڈی حضرت عائشہ کے پاس تھی، اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے عائشہؓ سے فرمایا کہ اس لونڈی کو آزاد کر دو کیونکہ یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "سب سے زیادہ سخت اور بھاری ثابت ہوں گے یعنی جب دجال لعین کا ظہور ہوگا تو بنی تمیم ہی کے لوگ سب سے زیادہ اس کا مقابلہ کریں گے اس کے توڑ میں سب سے زیادہ سعی و کوشش کریں گے اور اس کی تردید و تغلیط میں سب سے آگے رہیں گے اس طرح ان الفاظ میں بنو تمیم کی خصوصیت و فضیلت کا تو ذکر ہے ہی لیکن اس کے ساتھ یہ پیشین گوئی بھی ہے کہ بنو تمیم کی نسل کے لوگ اسی کثرت کے ساتھ ظہور دجال کے زمانہ میں بھی ہوں گے۔

"یہ ہماری قوم کے صدقات ہیں" ان الفاظ کے ذریعہ آپ ﷺ نے بنو تمیم کو اس طرح شرف و فضیلت سے نوازا کہ ان کو اپنی طرف منسوب کر کے ان کی قوم کو اپنی قوم فرمایا۔

"یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے" کا مطلب یہ تھا کہ یہ لونڈی بنو تمیم میں سے ہونے کی بناء پر عربی النسل ہے اور عرب چونکہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد ہیں اس لئے یہ لونڈی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوئی اگرچہ یہ نسلی وصف تمام عرب کا مشترک وصف ہے، صرف بنو تمیم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے لیکن آپ ﷺ نے بنو تمیم کو ایک طرح سے فضل و شرف عطا فرمانے کے لئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

قریش کو ذلیل نہ کرو

(۱۰) وَعَنْ سَعْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ یُّرِدْ هَوَانَ قُرَیْشٍ اَهَانَهُ اللّٰهُ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت سعدؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے قریش کی ذلت وخواری چاہی، اس کو اللہ تعالیٰ ذلیل وخوار کرے گا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ کہ قریش کی عزت اور ان کا احترام ہر صورت میں لازم ہے ان کی عزت کے درپے ہونا اور ان کی ذلت ورسوائی چاہنا اللہ کی ناراضگی کو مول لینا ہے، خواہ وہ امامت کبریٰ یعنی منصب خلافت پر فائز ہوں یا فائز نہ ہوں۔ ان کے خلیفہ و امیر ہونے کی صورت میں ان کی اہانت و بے عزتی کرنے کی ممانعت اور تہدید کی وجہ تو ظاہر ہے، رہی وہ صورت جب کہ وہ خلافت و امارت کے منصب پر فائز نہ ہوں تو اس صورت میں بھی ان کی اہانت و بے عزتی کرنے کی ممانعت اس اعتبار سے سمجھی جائے گی کہ ان کو آنحضرت ﷺ کی نسبت حاصل ہے اور ان کا یہ خصوصی فضل وشرف اسی بات کا متقاضی ہے۔

قریش کے حق میں دعا

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اَذَقْتَ اَوَّلَ قُرَيْشٍ نَكَالًا فَاَذِقْ اٰخِرَهُمْ نَوَالًا۔ (رواه الترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! تونے قریش کو ابتداء میں (غزوۂ بدر اور غزوۂ احزاب کے موقع پر شکست و تباہی کا) عذاب چکھایا (جب کہ انہوں نے دین حق کی مخالفت اور تیرے رسول کی عداوت کا راستہ اختیار کر رکھا تھا) پس اب (جب کہ انہوں نے اسلام قبول کر کے اور تیرے رسول کی اطاعت اختیار کر کے دین اور مسلمانوں کو تقویت و مدد پہنچائی ہے تو) آخر میں ان کو عطاء و بخشش سے نواز دے۔" (ترمذیؒ)

دو یمنی قبیلوں کی خوبیاں اور ان کی تعریف

(۱۲) وَعَنْ اَبِيْ عَامِرِ نِ الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الْحَيُّ الْاَسْدُ وَالْاَشْعَرُوْنَ لَا يَفِرُّوْنَ فِي الْقِتَالِ وَلَا يَغُلُّوْنَ وَهُمْ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابوعامر اشعریؓ (جو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے چچا ہیں) بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اسد اور اشعری بہت اچھے قبیلے ہیں، یہ دونوں قبیلے نہ کفار کے مقابلہ پر جنگ سے بھاگتے ہیں اور نہ مال غنیمت میں خیانت کرتے ہیں، وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، اس روایت کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: اَسَد یمن کے ایک قبیلہ کے مورث اعلیٰ کا نام ہے اور یہ قبیلہ اسی کے نام سے مشہور و متعارف ہوا، اسی قبیلہ کو "ازد" اور "ازد شنوہ" بھی کہا جاتا ہے، تمام انصار مدینہ اسی قبیلہ سے نسلی تعلق رکھتے تھے اَشْعَر دراصل عمرو ابن حارثہ اسدی کا لقب تھا جو اپنے زمانہ میں یمن کا ایک ممتاز اور سربرآوردہ شخص تھا یہ بھی اپنے قبیلہ کا مورث اعلیٰ تھا اور اس کے لقب کی نسبت سے اس کا قبیلہ "اشعری" کہلاتا تھا اس قبیلہ کے لوگوں کو "اشعریون" اور "اشعرون" بھی کہا جاتا ہے، مشہور و ممتاز صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور ان کی قوم کے لوگ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

"وہ مجھ سے ہیں" کا مطلب یہ تھا کہ وہ میری اتباع کرنے والے اور میری سنت اور میرے اسوہ پر چلنے والے لوگ ہیں، یا یہ کہ ان قبیلوں کے لوگ میرے دوستوں اور مددگاروں میں سے ہیں، اسی طرح "میں ان کا ہوں" کا مطلب یہ تھا کہ میں بھی ان کا دوست اور ان کا مددگار ہوں! گویا ان الفاظ کے ذریعہ اس طرح اشارہ کیا گیا کہ ان قبیلوں کے مؤمن و مسلمان، تقویٰ و پرہیزگاری کے مقام پر ہیں۔ اور یہ بات قرآن کریم کے ان الفاظ سے ثابت ہوتی ہے کہ:

وَاِنْ اَوْلِیَآؤُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔

"اور ان کے (یعنی محمد ﷺ کے) جو بھی دوست و رفیق ہیں سب متقی و پرہیز گار ہیں۔"

ازد، ازد اللہ ہیں

⑬ وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاَزْدُ اَزْدُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ وَیُرِیْدُ النَّاسُ اَنْ یَّضَعُوْھُمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّا اَنْ یَّرْفَعَھُمْ وَلَیَاْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَقُوْلُ الرَّجُلُ یَالَیْتَ اَبِیْ کَانَ اَزْدِیًّا وَیَالَیْتَ اُمِّیْ کَانَتْ اَزْدِیَّۃً رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قبیلہ ازد کے لوگ، روئے زمین پر اللہ کے ازد (یعنی اللہ کا شکر اور اس کے دین کے معاون و مددگار) ہیں لوگ اس قبیلہ کو ذلیل و خوار کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے برخلاف اس قبیلہ کے لوگوں کو عزت و بلندی عطا کرنا چاہتے ہیں، یقیناً لوگوں پر وہ زمانہ آنے والا ہے جب آدمی یہ کہتا نظر آئے گا کہ کاش میرا باپ ازدی ہوتا اور کاش میری ماں قبیلہ ازد سے ہوتی" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: قبیلہ ازد کی نسبت اللہ کی طرف کر کے ان کو ازد اللہ کہنایا تو ان کو اس لقب کے ساتھ متعارف کرانا تھا، یا اس اعتبار سے کہ اس قبیلہ کے لوگ اللہ کے دین اور اللہ کے رسول کے معاون و مددگار ہونے کی حیثیت سے اللہ کا لشکر تھے، ان کے فضل و شرف کو ظاہر کرنے کے لئے ان کے قبیلے کی نسبت اللہ کی طرف کی۔ اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ازد اللہ دراصل اسد اللہ (اللہ کے شیر) کے معنی میں استعمال ہوا ہے مطلب یہ کہ قبیلہ ازد کے لوگ معرکہ شجاعت و دلاوری کے شیر ثابت ہوتے ہیں۔

"کاش میرا باپ ازدی ہوتا" مطلب یہ کہ ایک زمانہ میں اس قبیلہ کا مرتبہ ایسا وقیع ہوتا اور اس قبیلہ سے تعلق رکھنے والے لوگ اتنے باعزت و سربلند ہوں گے کہ دوسرے قبائل کے لوگ ان پر رشک کریں گے اور اس آرزو کا اظہار کرتے نظر آئیں گے کہ کاش ہم بھی اس قبیلہ کے ہوتے۔

تین قبیلوں کے بارے اظہار ناپسندیدگی

⑭ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ مَاتَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَکْرَہُ ثَلٰثَۃَ اَحْیَاءٍ ثَقِیْفٍ وَبَنِیْ حَنِیْفَۃَ وَبَنِیْ اُمَیَّۃَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت عمران ابن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ تین قبیلوں، ثقیف، بنو حنیفہ، اور بنو امیہ سے ناخوش اس دنیا سے تشریف لے گئے اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: مذکورہ بالا تینوں قبیلوں میں ایسے افراد پیدا ہوئے جن سے اسلام کے مخالفین کو فائدہ پہنچا اور مسلمانوں کو شدید رنج و الم اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا، اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو آگاہ کر دیا تھا کہ آگے چل کر ان قبائل سے کیسے کیسے فتنے اور کیسے کیسے ظالم لوگ پیدا ہوں گے اس لئے آنحضرت ﷺ ان تینوں قبیلوں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے، چنانچہ ثقیف تو وہ قبیلہ ہے جس میں حجاج ابن یوسف جیسا مشہور ظالم شخص پیدا ہوا، بنو حنیفہ وہ قبیلہ ہے جس نے مسیلمہ کذاب جیسے فتنہ ساز کو جنم دیا اور بنوامیہ وہ قبیلہ ہے جس میں عبید اللہ ابن زیاد پیدا ہوا، یہ وہی عبید اللہ ابن زیاد ہے جو یزید ابن معاویہ کی طرف سے کوفہ و بصرہ کا گورنر تھا اور جس نے محض دربار امارت میں خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی ماتحت فوج سے حضرت سید الشہداء امام حسینؓ کو شہید کرایا، عبید اللہ ابن زیاد انتہائی بدبخت اور کمینہ شخص تھا، منقول ہے کہ جب اس کی فوج کے لوگ میدان کربلا سے حضرت سید الشہداءؓ کا سر مبارک لے کر اس

کے پاس آئے تو اس نے سر مبارک کو ایک طشت میں رکھوایا اور ایک چھڑی کے ذریعہ اس پر ضربیں لگاتا جاتا اور جگر گوشۂ رسول ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات بکتا جاتا، لیکن اس بد نصیب کا انجام بھی بہت برا ہوا، نہایت بے دردی کے ساتھ ایک جنگ میں مارا گیا، اور ترمذیؒ نے اپنی جامع میں عمارہ ابن عمیرؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا، جب عبید اللہ ابن زیاد میدان جنگ میں مارا گیا تو (اس کی دشمن فوج نے اس کی بے سر لاش کو نذر آتش کر دیا، پھر) اس کے فوجی اس کا سر لے کر شہر آئے اور مسجد کے چبوترے پر رکھ دیا جہاں اس کے دوسرے ساتھی اور حوالی موالی بیٹھے ہوئے تھے، عمارہ ابن عمیرؒ کہتے ہیں کہ اس موقع پر میں بھی وہاں پہنچ گیا، پھر میں نے دیکھا کہ اس کے ساتھیوں نے چلانا شروع کیا، وہ آیا وہ آیا (میں نے حیرت کے ساتھ دیکھا تو) اچانک ایک سانپ آتا ہوا دکھائی دیا، اور پھر وہ سانپ بڑی تیزی کے ساتھ عبید اللہ ابن زیاد کے سر کی طرف بڑھا اور) اس کی ناک میں گھس گیا، تھوڑی سی دیر اندر رہا اور پھر باہر نکل کر چلتا بنا یہاں تک کہ نظروں سے غائب ہو گیا، (یہ ششدر کن منظر دیکھ کر ابھی لوگوں پر حیرانی و سراسیمگی طاری ہی تھی کہ) اچانک انہوں نے پھر شور کیا، وہ آیا، دیکھو وہ سانپ پھر آرہا ہے، اتنے میں وہ سانپ سر کے پاس پہنچ کر پھر نتھنے میں گھس کر اندر چلا گیا اور کچھ دیر کے بعد باہر نکل کر چلتا بنا، اسی طرح دو یا تین بار ہوا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں حدیث کی وضاحت میں "بنو امیہ" کے تحت صرف عبید اللہ ابن زیاد کا ذکر کیوں کیا گیا ہے، حالانکہ یزید ابن معاویہ بھی بنو امیہ میں سے تھا اور اس اعتبار سے اس کا ذکر کرنا زیادہ ضروری تھا کہ عبید اللہ ابن زیاد اسی کا مقرر کردہ گورنر اور اس کا ماتحت تھا، اور عبید اللہ نے جو کچھ کیا یزید کے حکم اور اس کی رضامندی سے کیا، لیکن اس بات کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں ہے، بنو امیہ کے باقی لوگوں نے اپنی بدذاتیوں میں کونسی کسر اٹھا رکھی تھی، دولت و اقتدار کی ہوس میں مبتلا ہو کر انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والی جو جو حرکتیں کیں وہ سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہیں ایک یزید ابن معاویہ یا عبید اللہ ابن زیاد ہی کو کیا کہا جائے، مقصد تو بنو امیہ کی برائی بیان کرنا تھا، علامتی طور پر عبید اللہ ابن زیادہ کا ذکر کر دیا گیا، اب اور سب کو اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے، ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ کچھ بندر مسجد نبوی کے منبر شریف پر کھیل تماشہ دکھا رہے ہیں، آپ ﷺ نے اس خواب کی تعبیر میں بنو امیہ کا ذکر کیا۔

بنو ثقیف کے دو شخصوں کے بارے میں پیش گوئی

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ثَقِيْفٍ كَذَّابٌ وَ مُبِيْرٌ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عِصْمَةَ يُقَالُ الْكَذَّابُ هُوَ الْمُخْتَارُ بْنُ اَبِيْ عُبَيْدٍ وَالْمُبِيْرُ هُوَ الْحَجَّاجُ بْنُ يُوْسُفَ وَقَالَ هِشَامُ بْنُ حَسَّانٍ اَحْصَوْا مَا قَتَلَ الْحَجَّاجُ صَبْرًا فَبَلَغَ مِائَةَ اَلْفٍ وَعِشْرِيْنَ اَلْفًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى مُسْلِمٌ فِي الصَّحِيْحِ حِيْنَ قَتَلَ الْحَجَّاجُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ قَالَتْ اَسْمَاءُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا اَنَّ فِيْ ثَقِيْفٍ كَذَّابًا وَمُبِيْرًا فَاَمَّا الْكَذَّابُ فَرَاَيْنَاهُ وَاَمَّا الْمُبِيْرُ فَلَا اِخَالُكَ اِلَّا اِيَّاهُ وَسَيَجِيْءُ تَمَامُ الْحَدِيْثِ فِي الْفَصْلِ الثَّالِثِ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قبیلہ ثقیف میں انتہا درجہ کا جھوٹا شخص پیدا ہوگا اور ایک انتہا درجہ کا مفسد و بلاکو" حضرت عبد اللہ ابن عصمہ تابعیؒ (اس جھوٹے شخص کے تعین کے بارے میں) کہتے ہیں کہ علماء کا کہنا ہے، "جھوٹے شخص" سے مراد مختار ابن عبید اور "مفسد و بلاکو" سے مراد حجاج ابن یوسف (مشہور ظالم) ہے۔ اور ہشام ابن حسانؒ (جو اونچے درجہ کے فقیہہ اور علم حدیث میں زبردست درک و مہارت رکھنے والے ایک مشہور متقی و بزرگ ہیں اور جن کا شمار ائمہ حدیث میں ہوتا ہے) کا بیان ہے کہ حجاج ابن یوسف نے جس قدر لوگوں کو (جنگ و معرکہ میں نہیں، بلکہ) یوں ہی پکڑ پکڑ کر اور قید خانہ میں ڈال کر قتل کیا ہے ان کی تعداد لوگوں نے شمار کی ہے جو ایک لاکھ بیس ہزار ہے اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے۔ اور امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں یہ روایت نقل کی ہے کہ: جب حجاج ابن یوسف نے حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کو شہید کر دیا تو حضرت

اسماءؓ نے (جو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی والدہ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی ہیں) کہا: ہم سے رسول کریم ﷺ نے بیان کر دیا تھا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک انتہادرجہ کا جھوٹا شخص پیدا ہوگا اور ایک بڑا مفسد وہلاکو پس جہاں تک جھوٹے شخص کا تعلق ہے تو اس کو ہم دیکھ چکے، اب رہی مفسد وہلاکو کی بات، تو میرا خیال ہے کہ اے حجاج وہ مفسد وہلاکو تو ہی ہے، یہ پوری حدیث تیسری فصل میں آرہی ہے۔"

تشریح: "حجاج" لغوی طور پر تو "حاج" کا اسم مبالغہ ہے جس کے معنی ہیں: بحث کرنے والا، حجت یعنی دلیل وثبوت لانے والا، حجاج ابن یوسف تاریخ اسلام کا مشہور ظالم شخص ہے جس نے ہزارہا ہزار اچھے اور نیک لوگوں کو جن میں صحابہؓ وتابعینؒ بھی شامل ہیں، ناحق موت کے گھاٹ اتارا، عبداللہ ابن زبیرؓ کو شہید کیا اور ہزاروں بے خطا انسانوں کو قید وبند میں ڈالے رکھا، کہا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو اس نے کسی معرکہ آرائی اور جنگ وجد ل کے بغیریوں ہی پکڑ پکڑ کر جیل خانہ میں ڈالا اور پھر ان کو قتل کرادیا ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔ جو لوگ جنگوں اور جھگڑوں میں مارے گئے ان کی تعداد علیحدہ ہے، یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے قید خانہ سے پچاس ہزار آدمیوں کی ایک بڑی تعداد تو ایک ہی وقت میں نکلی تھی، اور اس شخص کی سنگدلی کا اندازہ لگانے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اس نے جو قید خانہ بنوا رکھا تھا اس میں چھت کا کوئی نام ونشان نہیں تھا اس کے تمام قیدی کھلے آسمان کے نیچے گرمی وسردی اور دھوپ وبارش کی صعوبتیں جھیلتے تھے، حجاج ابن یوسف ثقفی دراصل اموی امیر عبدالملک ابن مروان کا زبردست معتمد وبہی خواہ تھا اور امارت وسلطنت کے معاملات میں بڑا اثر ورسوخ رکھتا تھا، عبدالملک ابن مروان نے اس کو عراق وخراسان کا حاکم اعلیٰ (گورنر) بنا رکھا تھا، اور عبداللہ ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاز کا ولی بھی بنا، عبدالملک ابن مروان کے بعد ولید ابن عبدالملک کے زمانہ امارت میں بھی عراق وخراسان پر اس کا اقتدار برقرار رہا، اس کے ظلم وستم کے واقعات اور وحشیانہ کاروائیوں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں، وسط شوال ۹۵ھ میں بعمر ۵۴ سال اس کا انتقال ہوا۔

مختار ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوعبید ابن مسعود ثقفیؓ کا بیٹا تھا، مختار کی ولادت ہجرت کے پہلے سال ہوئی اس کو آنحضرت ﷺ کی صحبت وروایت، یعنی صحابیت کا شرف حاصل نہیں ہوا، ابتدا میں یہ شخص علم وفضل اور نیکی وتقوی کے ساتھ مشہور تھا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ خبث باطن کا شکار ہے اور محض دنیا سازی کے لئے علم وتقوی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا، پہلے یہ شخص اہل بیت نبوت سے سخت بغض وعناد رکھتا تھا، پھر اچانک اس میں ایسا انقلاب آیا کہ اہل بیت نبوت کی محبت کا دم بھرنے لگا اور اس بارے میں صحیح فکر و عقیدے کا حامل نظر آنے لگا اہلِ بیت کے تئیں اس کی یہ ظاہری محبت اتنی بڑھی کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد یزیدیوں کا کھلم کھلا دشمن ہو گیا اور ان میں سے بہت لوگوں کو اس نے خون حسینؓ کے قصاص میں موت کے گھاٹ بھی اتارا، غرضیکہ اس نے طلب دنیا اور حب جاہ میں، بہت چولے بدلے، اپنی نت نئی حرکتوں سے طرح طرح کے فتنے جگائے، حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے خلاف عراق میں علم بغاوت بلند کیا، مکروفریب اور عیاریوں کے ذریعہ جاہل اور کمزور عقیدہ لوگوں پر اپنی نام نہاد روحانی بزرگی وکرامت کا ایسا سکہ جمایا کہ اس کے حامیوں اور معتقدوں کی ایک بہت بڑی جماعت اس کے گرد جمع ہوگئی، اس کا حلقہ اثر جوں جوں بڑھتا گیا اتنا ہی وہ عقیدہ کی خرابی رائے وخیال کی گمراہی اور نفس کی خواہشات کا شکار ہوتا گیا جھوٹ اور فریب کاری کے سہارے اس نے پوری خلافت اسلامیہ پر قبضہ کر لینے کا منصوبہ بنایا اور اپنی فتنہ انگیزیوں کے ذریعہ کوفہ پر قابض بھی ہوگیا، نبوت کا مدعی بھی بنا اور اس بات کا دعویٰ کرنے لگا کہ جبرئیل میرے پاس وحی لے کر آتے ہیں، آخر کار حضرت مصعب ابن زبیرؓ نے جو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے، اپنی فوج لے کر کوفہ پر چڑھائی کی، مختار نے بھی مقابلہ کیا مگر شکست کھا گیا اور پھر ۱۴ رمضان ۶۷ھ کو مقتول ہوا، مختار کے انہی فریب اور جھوٹ سے بھرے حالات کی بناء پر علماء نے اس کو کذابوں میں سے ایک بڑا کذاب شمار کیا ہے اور حدیث کے الفاظ یخرج من ثقیف کذاب ومبیر (قبیلہ ثقیف میں ایک انتہادرجہ کا جھوٹا اور ایک انتہادرجہ کس مفسد وہلاکو پیدا ہوگا) کا مصداق ومحمول مختار اور حجاج کو قرار دیا ہے۔

قبیلہ ثقیف کے حق میں بددعا کے بجائے دعاء ہدایت

(۱۶) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحْرَقَتْنَا نِبَالُ ثَقِيْفٍ فَادْعُ اللّٰهَ عَلَيْهِمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيْفًا۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) کچھ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قبیلہ ثقیف کے تیروں نے ہم کو بھون ڈالا، ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بددعا کیجئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! قبیلہ ثقیف کو (قبول اسلام اور اطاعت احکام کی) ہدایت و توفیق عطا فرما۔"
(ترمذیؒ)

قبیلۂ حمیر کے لئے دعا

(۱۷) وَعَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ مِيْنَاءَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ اَحْسِبُهُ مِنْ قَيْسٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الْعَنْ حِمْيَرًا فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَهُ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَهُ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ حِمْيَرًا اَفْوَاهُهُمْ سَلَامٌ وَاَيْدِيْهِمْ طَعَامٌ وَهُمْ اَهْلُ اَمْنٍ وَاِيْمَانٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَيُرْوٰى عَنْ مِيْنَاءَ هٰذَا اَحَادِيْثُ مَنَاكِيْرُ۔

"اور حضرت عبدالرزاق ابن ہمامؒ (جو جلیل القدر عالم و فقیہ اور کثیر التصانیف بزرگ ہیں) اپنے والد مکرم (حضرت ہمام ابن نخعی تابعیؒ) سے اور وہ حضرت میناؒ سے اور وہ حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی حضرت ابوہریرہؓ نے) بیان کیا: (ایک دن) ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک میں حاضر تھے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا، جس کے بارے میں میرا گمان ہے کہ وہ قبیلہ قیس سے تعلق رکھتا تھا، اس نے کہا یا رسول اللہ! قبیلۂ حمیر پر لعنت فرمایئے یعنی ان کے حق میں بددعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اس قبیلہ کے لوگوں کو اپنی رحمت سے دور رکھے آنحضرت ﷺ نے (یہ سنا تو) اس شخص کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا، وہ شخص پھر دوسری طرف سے آپ ﷺ کے سامنے آگیا، آپ ﷺ نے ادھر سے بھی منہ پھیر لیا، پھر وہ شخص دوسری طرف سے آپ ﷺ کے سامنے آیا تو آپ ﷺ نے اس طرف سے بھی منہ پھیر لیا (یعنی آپ ﷺ کسی طرح بھی اس کی طرف متوجہ ہونے اور اس کی بات ماننے پر تیار نہیں ہوئے) اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حمیر پر اپنی رحمت نازل فرمائے، ان کے منہ سلام ہیں، ان کے ہاتھ طعام ہیں، اور وہ اہل امن بھی ہیں اور اہل ایمان بھی" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، اس روایت کو ہم عبدالرزاق ابن ہمامؒ کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے نہیں جانتے اور میناؒ سے نقل کی جانے والی روایتیں منکر ہیں (مطلب یہ اگرچہ عبدالرزاق ابن ہمامؒ مسلمہ فقیہ و محدث اور قوی ثقہ راوی ہیں مگر میناؒ ایک ضعیف راوی ہیں)۔"

تشریح: "ان کے منہ سلام ہیں اور ان کے ہاتھ طعام ہیں" کے ذریعہ حمیر کی دو بڑی خوبیوں کی طرف اشارہ فرمایا، ایک تو یہ کہ ان کے ہاں سلام کا بہت چرچا ہے، جب بھی ایک دوسرے سے ملتے ہیں ان کے منہ سے سلام علیک ضرور نکلتا ہے اور دوسری خوبی یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے لوگوں کو کھانا خوب کھلاتے اور خوب تقسیم کرتے ہیں اس اعتبار سے یہ لوگ انکساری اور سخاوت جیسی دونوں عظیم صفتوں کے جامع ہیں اور جو اس بات کی علامت ہے کہ ان کو فضیلت و بزرگی کا مقام اور حقوق العباد کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہے۔

"وہ اہل امن بھی ہیں اور اہل ایمان بھی" یعنی یہ لوگ کامل و پختہ ایمان کے حامل بھی ہیں، اور ہر قسم کی آفات و بلیات اور مضرات سے محفوظ و مامون بھی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ اور ان کا قبیلہ دوس

(۱۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ اَنْتَ قُلْتُ مِنْ دَوْسٍ قَالَ مَا كُنْتُ اُرٰى اَنَّ فِيْ دَوْسٍ اَحَدًا فِيْهِ خَيْرٌ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے مجھ سے پوچھا تم کس قبیلہ سے ہو؟ میں نے عرض کیا (یمن کے مشہور قبیلہ ازد کی ایک شاخ) دوس سے تعلق رکھتا ہوں، آپ ﷺ نے (حیرت ظاہر کرتے ہوئے) فرمایا: "مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ قبیلہ دوس میں کوئی ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے جس میں نیکی و بھلائی ہو"۔ (ترمذیؒ)

تشریح: اس حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ کی تعریف و تحسین ہے اور ان کے قبیلہ دوس کی مذمت، کہ اگر ابوہریرہؓ نہ ہوتے تو اس قبیلہ میں کوئی بھی خوبی و بھلائی نہ ہوتی۔

اہل عرب سے دشمنی آنحضرت سے دشمنی رکھنا ہے

(۱۹) وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبْغِضْنِيْ فَتُفَارِقَ دِيْنَكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اَبْغِضُكَ وَبِكَ هَدَانَا اللّٰهُ قَالَ تُبْغِضُ الْعَرَبَ فَتُبْغِضُنِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ مجھ سے فرمانے لگے، مجھ سے دشمنی نہ رکھنا ورنہ تم اپنے دین سے جدا ہو جاؤ گے میں نے (یہ سنا تو حیرت سے) عرض کیا: بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ ﷺ سے دشمنی (تو دشمنی، دشمنی کا تصور بھی) رکھوں! درانحالیکہ (آپ ﷺ اللہ کے حبیب ہیں، اپنی پوری اُمت کے محبوب ہیں اور) آپ ﷺ کے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں (اسلام کا اور اچھے کاموں کا) سیدھا راستہ دکھایا، آپ ﷺ نے فرمایا "اگر تم عرب سے دشمنی رکھو گے تو گویا مجھ سے دشمنی رکھو گے" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم عام طور پر تمام اہل عرب سے بغض و عداوت اور دشمنی رکھو گے تو چونکہ میں بھی عرب میں شامل ہوں اس لئے مجھ سے بھی تمہارا دشمنی رکھنا لازم ہوگا، پس اسی اعتبار سے میں نے کہا کہ تم مجھ سے دشمنی نہ رکھنا، اس سے معلوم ہوا کہ اہل عرب سے بغض و عداوت رکھنا چونکہ سید الخلق علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے تئیں بغض و عداوت کا سبب بھی بعض صورتوں میں بن سکتا ہے اس لئے اہل عرب کے تئیں بغض و عداوت رکھنے سے بہر صورت اجتناب کرنا چاہئے تاکہ اتنی بڑی خرابی میں پڑنے کی نوبت نہ آئے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمانؓ چونکہ عجمی اور فارسی النسل تھے اس لئے اس پرانی اور اصلی وطنی نسبت کے تحت ان کی زبان سے کوئی ایسی بات نکل جایا کرتی ہوگی یا ان سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جاتی ہوگی جس سے تمام عرب یا کچھ عرب کے تئیں حقارت یا بے ادبی کا اظہار ہوتا ہوگا، ورنہ جہاں تک حقیقی بغض و عداوت رکھنے کا تعلق ہے تو حضرت سلمانؓ کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ عرب کے تئیں اس طرح کے جذبات رکھتے ہوں گے، تاہم ان کی اس طرح کی بات یا حرکت چونکہ صورۃً بغض و عداوت ہی کی مظہر ہوتی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو متنبہ فرمایا کہ اس بارے میں احتیاط رکھیں اور اپنی زبان یا اپنے عمل سے کسی ایسی بات کا ارتکاب نہ کریں جس سے حقیقۃً نہ سہی صورۃً ہی عرب دشمنی کا اظہار ہوتا ہو کیونکہ اگر اس کا سلسلہ حقیقۃً بغض و عداوت رکھنے تک پہنچ گیا تو یہ چیز مجھ سے بغض و عداوت رکھنے کے مترادف ہو جائے گی۔

اہل عرب سے فریب و دغابازی آنحضرت ﷺ کی شفاعت خاص سے محرومی کا باعث ہے

(۲۰) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَشَّ الْعَرَبَ لَمْ يَدْخُلْ فِيْ شَفَاعَتِيْ وَلَمْ

تَنَلْهُ مَوَدَّتِي رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ حُصَيْنِ بْنِ عُمَرَ وَلَيْسَ هُوَ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ بِذٰلِكَ الْقَوِيُّ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عثمان ابن عفانؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اہل عرب سے فریب و دغابازی کرے گا وہ میری شفاعت میں داخل نہیں ہوگا اور نہ اس کو میری دوستی کی سعادت حاصل ہوگی" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اس روایت کو ہم حصین ابن عمر کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے نہیں جانتے اور محدثین کے نزدیک وہ (حصین ابن عمر) اس درجہ کے قوی نہیں ہیں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: غِشّ (فریب و دغابازی) کا مطلب ہے، دھوکا دینا، دل میں تو کچھ ہو مگر زبان سے کچھ اور کہنا خیر خواہی نہ کرنا، کینہ رکھنا اور کسی کو اس بات پر ابھارنا جو اس کے مفاد و مصلحت کے خلاف ہو، "شفاعت" سے شفاعت صغریٰ یعنی "خصوصی شفاعت" مراد ہے، نہ کہ شفاعت کبریٰ جو بہر حال ہر ایک امتی کے لئے ہوگی۔ "دوستی کی سعادت حاصل نہ ہونے" سے یا تو یہ مراد تھی کہ اس شخص کو کبھی یہ مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا کہ میں اس کو اپنا دوست رکھوں یا آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ: اس شخص کو کبھی یہ سعادت حاصل نہیں ہو سکتی کہ وہ مجھے اپنا دوست و محبوب رکھے، بہر حال دونوں صورتوں میں مراد نفی کمال ہے۔

"اور وہ اس درجہ کے قوی نہیں ہیں" امام ترمذیؒ کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہوا کہ عمران ابن حصین چونکہ روایت حدیث میں "قوی" نہیں سمجھے جاتے اس لئے ان کی روایت کردہ یہ حدیث "ضعیف" کہلائے گی، لیکن اول تو یہ کہ فضائل کے سلسلہ میں ضعیف حدیث بھی معتبر مانی جاتی ہے، دوسرے یہ کہ اس روایت کی تائید ان بہت سی حدیثوں سے ہوتی ہے جو تواتر معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں، مثلاً حاکمؒ نے حضرت انسؓ سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

حب العرب ایمان و بغضهم نفاق۔

"اہل عرب کی دوستی ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق ہے۔"

طبرانیؒ نے اوسط میں حضرت انسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے:

حب قریش ایمان و بغضهم کفر و حب العرب ایمان وبغضهم کفر فمن احب العرب فقد احبنی و من ابغض العرب فقد ابغضنی۔

"قریش سے دوستی رکھنا ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے نیز عرب سے محبت رکھنا ایمان ہے، عرب سے بغض رکھنا کفر ہے پس جس نے عرب سے محبت رکھی اس نے درحقیقت مجھ سے محبت رکھی اور جس نے عرب سے بغض رکھا اس نے درحقیقت مجھ سے بغض رکھا۔"

طبرانیؒ نے کبیر میں حضرت سہل ابن سعدؓ سے یہ حدیث نقل کیا ہے:

احبوا قریشا فانه من احبهم احبه الله۔

"قریش کو دوست رکھو کیونکہ جس نے قریش کو دوست رکھا اس کو اللہ دوست رکھے گا۔"

حاکمؒ نے مستدرک میں حضرت ابوہریرہؓ سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ:

احبوا الفقراء وجالسوهم واحبوا العرب من قلبک ویسرک من الناس ما تعلم من نفسک۔

"فقراء و مساکین سے محبت رکھو اور ان میں بیٹھا کرو، اور اہل عرب سے دلی محبت رکھو، اور چاہئے کہ وہ عیوب کہ جو تم خود اپنے میں پاتے ہو تمہیں دوسروں کی عیب گیری سے باز رکھیں۔"

ایک پیشین گوئی

(۲۱) وَعَنْ اُمِّ الْحَرِيْرِ مَوْلَاةِ طَلْحَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَتْ سَمِعْتُ مَوْلَايَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ هَلَاكُ الْعَرَبِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت اُمّ حریرؒ (تابعیہ) جو ایک صحابی حضرت طلحہ ابن مالکؓ کی آزاد کردہ باندی ہیں، کہتی ہیں کہ میں نے اپنے آقا (حضرت طلحہؓ) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "قرب قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت اہل عرب کا ہلاک ہو جانا ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "اہل عرب" سے مراد یا تو مسلمان عرب ہیں یا جنس عرب (یعنی تمام عرب خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان)، بہرحال مطلب یہ ہے کہ جب اہل عرب اس دنیا سے اٹھ جائیں تو سمجھو کہ قیامت آیا چاہتی ہے، اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ عرب کو قیادت و سیاست کا مقام حاصل ہے، تمام غیر عرب ان کے تابع ہیں۔ واضح رہے کہ جب قیامت آئے گی تو اس وقت صرف بدکار (برے لوگ ہی) اس دنیا میں ہوں گے کوئی بھی کلمہ گو (توحید و رسالت پر ایمان و اعتقاد رکھنے والا) موجود نہیں ہوگا۔

خلافت و امارت قریش کو سزاوار ہے

(۲۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُلْكُ فِیْ قُرَيْشٍ وَالْقَضَاءُ فِی الْاَنْصَارِ وَالْاَذَانُ فِی الْحَبْشَةِ وَالْاَمَانَةُ فِی الْاَزْدِ يَعْنِی الْيَمَنَ وَفِیْ رِوَايَةٍ مَوْقُوْفًا رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا اَصَحُّ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "خلافت و بادشاہی قریش میں ہے، قضاء انصار میں ہے، اذان حبشیوں میں ہے، اور امانت ازد (یعنی ازد شنوہ) میں ہے (جو یمن کا ایک قبیلہ ہے یا یہ کہ) ازد سے آپ ﷺ کی مراد تمام اہل یمن تھے، ایک روایت میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی موقوف حدیث کے طور پر منقول ہے، اور ترمذیؒ نے، جو اس روایت کے ناقل ہیں کہا ہے کہ یہی بات زیادہ صحیح ہے (یعنی سند کے اعتبار سے وہ روایت زیادہ صحیح ہے جو حدیث موقوف کے طور پر نقل ہوئی ہے)۔"

تشریح: "قضا" سے مراد "نقابت" ہے، نقابت کے معنی ہیں، نقیب بننا، یعنی نگران حال، خبر رکھنے والا، نبی کریم ﷺ نے لیلۃ العقبہ میں انصار کی ہر شاخ و قبیلہ کے ایک نقیب مقرر کر دیا تھا جس کا کام یہ تھا کہ وہ اپنے قبیلہ میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرے، لوگوں کو سمجھا بجھا کر اسلام کی طرف مائل کرے اور جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان کے حالات و معاملات کا نگراں رہے، چنانچہ ان نقیبوں نے اپنے فرائض منصبی کو نہایت خوش اسلوبی، ہوشیاری اور پوری تندہی کے ساتھ انجام دیا اور دربار رسالت سے تعریف و تحسین کے مستحق قرار پائے۔

اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ اس ارشاد گرامی میں "قضا" کا لفظ اپنے معروف معنی ہی میں استعمال ہوا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کو جو جلیل القدر انصاری صحابی ہیں، یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا، یہ قول زیادہ واضح اور زیادہ قرین قیاس ہے۔

"اذان حبشیوں میں ہے" کا مطلب یہ تھا کہ اذان دینے کی خدمت حبشی لوگ زیادہ عمدگی اور زیادہ موزونیت کے ساتھ انجام دیتے ہیں، آپ ﷺ نے یہ بات حضرت بلالؓ کو سامنے رکھ کر فرمائی جو آپ ﷺ کے مؤذنوں کے سردار تھے اور وہ حبشی تھے۔

"امانت ازد میں ہے" میں "ازد" کے لفظ سے کیا مراد ہے، اس بارہ میں دو قول ہیں، ایک تو یہ کہ اس سے یمن کا وہی مشہور قبیلہ مراد ہے جس "ازد شنوہ" کہا جاتا ہے اور ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ امانت کی ذمہ داری نہایت اطمینان بخش طور پر قبیلہ ازد شنوہ کے یمنی لوگ انجام دیتے ہیں، اور دوسرا قول اس راوی کا ہے کہ جنہوں نے روایت میں یعنی الیمن کے الفاظ کا اضافہ کر کے یہ بتایا ہے

کہ "ازد" سے یمن کا صرف ایک قبیلہ "ازد شنوءۃ" مراد نہیں ہے بلکہ بالعموم تمام اہل یمن مراد ہیں، جیسا کہ ایک روایت میں اہل یمن کے بارہ میں عمومی طور پر فرمایا گیا ہے کہ وہ رقیق القلب ہیں اہل امن اور اہل ایمان ہیں۔

بہرحال حدیث کا مجموعہ حاصل یہ ہے کہ ان مناصب یعنی قضا یا نقابت، موذنی اور امانت کے لئے افراد کا انتخاب کرتے وقت مذکورہ قبائل کے لوگوں کو ترجیح دینی چاہئے کیونکہ ان قبائل کے لوگوں میں ان مناصب کی ذمہ داری و خدمت انجام دینے کی مخصوص صلاحیت اور اس سلسلہ میں ان کو ایک خاص نسبت حاصل ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

قریش کے بارے میں ایک پیشین گوئی

(۲۳) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مُطِیْعٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یَوْمَ فَتْحِ مَکَّۃَ لَا یُقْتَلُ قُرَشِیٌّ صَبْرًا بَعْدَ ھٰذَا الْیَوْمِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عبداللہ ابن مطیع تابعیؒ (جو سادات قریش میں سے ہیں) اپنے والد (حضرت مطیعؓ صحابی) سے (جن کا اصل نام عاصی یا عاص تھا اور آنحضرت ﷺ نے اس نام کو تبدیل کر کے مطیع رکھ دیا تھا) روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول کریم ﷺ کو فتح مکہ کے دن یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ " آج (فتح مکہ کے دن) کے بعد سے قیامت کے دن تک کسی قرشی کو حبس وقید کر کے نہیں مارا جائے گا (یہ اور بات ہے کہ اپنے دشمن کے مقابلہ پر جنگ وجدل میں مارے جائیں)۔" (مسلمؒ)

تشریح: "حبس وقید کر کے نہیں مارا جائے گا" سے کیا مراد ہے، اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، ملا علی قاریؒ نے طیبیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہاں نفی سے نہی مراد ہے مطلب یہ کہ اس ارشاد گرامی سے آنحضرت ﷺ کا مقصد مختلف اعتراض کر کے اس کو بگاڑ دیا ہے اور پھر حمیدیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بعض محدثین نے اس ارشاد گرامی کی تاویل کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آج فتح مکہ کے دن کے بعد سے قیامت کے دن تک ایسی نوبت کبھی نہیں آئے گی کہ کوئی قرشی شخص اسلام سے مرتد ہو جائے اور پھر اسلامی قانون کے مطابق اس کو حبس وقید میں ڈال دیا جائے اور وہ ارتداد (یعنی کفر) پر ثابت و قائم رہے یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا جائے، اس تاویل کی بنیاد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کی ایسی مثالیں تو موجود ہیں جب کسی قرشی شخص کو اس بناء پر قید وبند میں ڈال کر موت کے گھاٹ اتار اگیا کہ وہ اسلام سے کفر و انکار اور اسلام کی دشمنی پر قائم تھا لیکن کوئی ایسی مثال نہیں پائی جاتی جب کوئی قرشی مسلمان مرتد ہو گیا ہو اور اس بنا پر اس کو قید وبند میں ڈال کر قتل کر دیا گیا ہو کہ وہ اپنے ارتداد سے باز نہیں آیا اور کفر پر قائم و ثابت رہا، لہٰذا اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ قریش کے دلوں میں دین و ایمان اس طرح راسخ کر دے گا اور ان کو اسلام کے راستہ پر اس مضبوطی سے لگا دے گا کہ کبھی بھی ان میں کا کوئی شخص مرتد نہیں ہو گا، جس کے سبب اس کو قید وبند میں ڈال کر قتل کر دینے کی نوبت آئے، اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ: ان الشیطان قد ایس من جَزِیْرَۃ العرب (حقیقت یہ ہے کہ شیطان جزیرۃ العرب سے مایوس ہو گیا ہے)۔

حجاج کے سامنے حضرت اسماء کی حق گوئی

(۲۴) وَعَنْ اَبِیْ نَوْفَلٍ مُعَاوِیَۃَ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ رَاَیْتُ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ الزُّبَیْرِ عَلٰی عَقَبَۃِ الْمَدِیْنَۃِ قَالَ فَجَعَلَتْ قُرَیْشٌ تَمُرُّ عَلَیْہِ وَالنَّاسُ حَتّٰی مَرَّ عَلَیْہِ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عُمَرَ فَوَقَفَ عَلَیْہِ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَبَا خُبَیْبٍ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَبَا خُبَیْبٍ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَبَا خُبَیْبٍ اَمَا وَاللّٰہِ لَقَدْ کُنْتُ اَنْھٰکَ عَنْ ھٰذَا اَمَا وَاللّٰہِ لَقَدْ کُنْتُ اَنْھٰکَ عَنْ ھٰذَا اَمَا وَاللّٰہِ لَقَدْ کُنْتُ اَنْھٰکَ عَنْ

هٰذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مَا عَلِمْتَ صَوَّامًا قَوَّامًا وَصُوْلاً لِلرَّحْمِ اَمَا وَاللّٰهِ لَاُمَّةٌ اَنْتَ شَرُّهَا لَاُمَّةُ سُوْءٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَاُمَّةُ خَيْرٍ ثُمَّ نَفَذَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَبَلَغَ الحجاج موقف عبد الله ——— وَقَوْلُهُ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ فَاُنْزِلَ عَنْ جِذْعِهِ فَاُلْقِيَ فِيْ قُبُوْرِ الْيَهُوْدِ ثُمَّ اَرْسَلَ اِلٰى اُمِّهِ اسماء بنت ابي بكر فَاَبَتْ اَنْ تَاتِيَهُ فَاَعَادَ عَلَيْهَا الرَّسُوْلَ لَتَاتِيَنِّيْ اَوْلَاَبْعَثَنَّ اِلَيْكِ مَنْ يَّسْحَبُكِ بِقُرُوْنِكِ قَالَ فَاَبَتْ وَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَا اٰتِيْكَ حَتّٰى تَبْعَثَ اِلَيَّ مَنْ يَّسْحَبُنِيْ بِقُرُوْنِيْ قَالَ فَقَالَ اَرُوْنِيْ سِبْتَيَّ فَاَخَذَ نَعْلَيْهِ ثُمَّ انْطَلَقَ يَتَوَذَّفُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَيْهَا فَقَالَ كَيْفَ رَاَيْتِنِيْ صَنَعْتُ بِعَدُوِّ اللّٰهِ قَالَتْ رَاَيْتُكَ اَفْسَدْتَّ عَلَيْهِ دُنْيَاهُ وَاَفْسَدَ عَلَيْكَ اٰخِرَتَكَ بَلَغَنِيْ اَنَّكَ تَقُوْلُ لَهُ يَا ابْنَ ذَاتِ النِّطَاقَيْنِ اَنَا وَاللّٰهِ ذَاتُ النِّطَاقَيْنِ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكُنْتُ بِهِ اَرْفَعُ طَعَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَعَامَ اَبِيْ بَكْرٍ مِنَ الدَّوَابِّ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَنِطَاقُ الْمَرْاَةِ الَّتِيْ لَا تَسْتَغْنِيْ عَنْهُ اَمَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا اَنَّ فِيْ ثَقِيْفٍ كَذَّابًا وَمُبِيْرًا فَاَمَّا الْكَذَّابُ فَرَاَيْنَاهُ وَاَمَّا الْمُبِيْرُ فَلَا اِخَالُكَ اِلَّا اِيَّاهُ قَالَ فَقَامَ عَنْهَا فَلَمْ يُرَاجِعْهَا۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابونوفل معاویہ ابن مسلم تابعیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ (کی نعش) کو مدینہ (کے راستہ پر واقع مکہ) کی گھاٹی میں (ایک سولی پر لٹکے ہوئے) دیکھا ابونوفلؒ کہتے ہیں کہ قریش کے لوگوں نے اس نعش کے پاس آنا جانا شروع کیا اور دوسرے لوگ بھی آتے جاتے رہے، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی وہاں آئے اور نعش کے سامنے کھڑے ہو کر یوں گویا ہوئے۔ السلام علیک اے ابوخبیب! السلام علیک اے ابوخبیب! السلام علیک اے ابوخبیب! آگاہ ہو، خدا کی قسم میں تم کو اس کام سے منع کرتا تھا، آگاہ ہو، خدا کی قسم، میں تم کو اس کام سے منع کرتا تھا، آگاہ ہو خدا کی قسم میں تم کو اس کام سے منع کرتا تھا۔ (تین مرتبہ یہ الفاظ کہنے کے بعد پھر انہوں نے کہا) آگاہ ہو، خدا کی قسم، بلاشبہ تم وہ شخص تھے جس کو میں جانتا تھا کہ تم بہت زیادہ روزے رکھنے والے، بہت زیادہ شب بیدار و شب خیز اور اہل قرابت سے بہت زیادہ احسان وسلوک کرنے والے ہو، آگاہ ہو خدا کی قسم! وہ گروہ جس کی نظر میں تم برے ہو، یقیناً ایک برا اور بدتر گروہ ہے اور ایک روایت میں لامۃ سوء کے بجائے لامۃ خیر کے الفاظ ہیں، اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ وہاں سے چلے گئے، پھر جب یہ خبر حجاج کے پاس پہنچی کہ عبداللہ ابن عمر نے (عبداللہ ابن زبیرؓ کی نعش کے پاس) کھڑے ہو کر ایسا ویسا کہا ہے تو اس نے (فوراً) ایک آدمی بھیجا اور نعش کو اس لکڑی (یعنی سولی) پر سے اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں ڈلوا دیا، پھر حجاج نے ابن زبیرؓ کی والدہ حضرت اسماءؓ (دختر حضرت ابوبکر صدیقؓ) کے پاس ایک آدمی بھیجا (اور ان کو طلب کیا) حضرت اسماءؓ نے اس کے ہاں آنے سے انکار کر دیا، حجاج نے دوبارہ آدمی بھیجا اور کہلایا کہ یا تو فوراً چلی جاؤ ورنہ پھر ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو تمہاری چوٹی پکڑ کر کھینچتا ہوا یہاں لائے گا، ابونوفلؒ کہتے ہیں کہ حضرت اسماءؓ نے پھر انکار کر دیا اور حجاج کو کہلا بھیجا کہ خدا کی قسم میں تیرے پاس ہرگز نہیں آؤں گی، اب تو تو کسی ایسے آدمی کو بھیج کر دیکھ لے جو میری چوٹیاں پکڑ کر مجھے کھینچتا ہوا لے جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ حجاج (نے یہ سنا تو آگ بگولا ہو گیا اور بڑے غضب ناک انداز میں) بولا: لاؤ میری جوتیاں میرے سامنے رکھو، پھر اس نے اپنی جوتیاں پیروں میں ڈالیں اور اکڑتا اتراتا ہوا تیز تیز چل کر حضرت اسماءؓ کے ہاں پہنچا اور (زہریلے لہجہ میں) ان سے بولا کہ (ذرا بتانا) تم نے اس دشمن خدا (یعنی اپنے بیٹے ابن زبیرؓ) کے ساتھ سلوک کرنے میں مجھے کیسا پایا! حضرت اسماءؓ بولیں: میں نے تو ایسا پایا کہ تو نے اس کی دنیا تباہ کر دی اور اس نے تیری عاقبت کا ستیاناس کر دیا (یعنی اس ظالمانہ قتل نے تجھے عذاب دوزخ کا مستوجب بنا دیا ہے، اور ہاں مجھے معلوم ہے کہ تو میرے بیٹے ابن زبیرؓ کو (اس کی زندگی میں یا اس کی شہادت کے بعد) "دو کمر بند والی عورت" کا بیٹا کہہ کر مخاطب کرتا تھا؟ (تو سن لے) خدا کی قسم میں بلاشبہ دو کمر بند والی عورت ہوں، ایسے دو کمر بند کہ جن میں ایک کمر بند تو وہ تھا جس کے ذریعہ میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کا کھانا جانوروں سے محفوظ رکھتی تھی اور دوسرا کمر بند عورت کا وہ کمر بند تھا جس سے کوئی عورت بے پرواہ نہیں ہو سکتی، اور یاد رکھ ہم سے رسول کریم ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی کہ قبیلہ ثقیف میں ایک نہایت درجہ کا جھوٹا شخص پیدا ہو گا اور ایک نہایت درجہ کا مفسد وہلاکو، تو تیرے بارے میں ہمارا خیال ہے کہ وہ مفسد وہلاکو جس کی خبر

آنحضرت ﷺ نے دی تھی، تو ہی ہے، راوی ابونوفل کا بیان ہے کہ (یہ الفاظ سن کر) حجاج حضرت اسماءؓ کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور ان کو کوئی جواب نہیں دیا۔" (مسلم)

تشریح: "مدینہ کی گھاٹی" سے مراد مکہ شہر کا بالائی سرا ہے جو مشرقی سمت واقع ہے، مدینہ کا راستہ چونکہ اسی جگہ سے گزرتا ہے، اور مدینہ سے آنے والے یہیں سے مکہ شہر میں داخل ہوتے تھے اس مناسبت سے اس کو "مدینہ کی گھاٹی" سے تعبیر کیا گیا، جب ظالم حجاج ابن یوسف نے اپنے لشکر جرار کے ذریعہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو مسجد حرام میں محصور کر کے نہایت بے دردی سے شہید کیا تو بعد میں اس نے ان کی نعش مبارک کو مذکورہ جگہ ایک سولی پر لٹکا دیا تھا اور پھر اسی جگہ کے قریب حجون یعنی جنت المعلاۃ میں ان کی تدفین عمل میں آئی، لیکن اب تو ان کی قبر کا کوئی نشان باقی بھی نہیں ہے اور نہ کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ ان کی قبر کس جگہ تھی، اسی طرح جنت المعلی میں اور جو صحابہ کرام مدفون ہوئے ان کی قبریں بھی متعین و معلوم نہیں ہیں، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی قبر بھی اسی جنت المعلاۃ میں ہے مگر ان کی قبر بھی اسی طرح غیر معلوم تھی، ایک زمانہ میں کسی بزرگ نے خواب کی بنیاد پر ان کی قبر کا تعین کیا تھا اور اس قبر پر قبہ بھی بنایا گیا تھا مگر اب وہ بھی بے نشان ہے۔

"میں نے تم کو اس کام سے منع کیا تھا" میں "کام" سے مراد یزید ابن معاویہؓ سے خروج اور اپنی خلافت و امارت کا دعویٰ ہے جو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے کیا تھا، اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت امیر معاویہؓ کے بعد ان کا بیٹا یزید تخت خلافت و امارت پر بیٹھا، تو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے اس کی اطاعت و بیعت سے انکار کر دیا اور مکہ مکرمہ کے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے چونکہ جلیل القدر صحابی اور بلند و بالا نسبتوں کے اعتبار سے بہت زیادہ عزت و منزلت رکھتے تھے اس لئے جلد ہی ان کی خلافت کو قبول کرنے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا اور مختلف علاقوں اور خطوں پر ان کو کنٹرول حاصل ہو گیا، بلکہ جیسا کہ مؤرخین لکھتے ہیں شام کے علاوہ تقریباً تمام ہی عالم اسلام میں وہ خلیفہ تسلیم کر لئے گئے۔ یزید کے بعد پھر مروان ابن حکم اور اس کے بعد عبدالملک ابن مروان کی امارت کو بھی انہوں نے تسلیم نہیں کیا اور بدستور اپنی خلافت کے دعوے اور اقتدار پر قائم رہے، لیکن عبدالملک ابن مروان نے ان کے خلاف زبردست فوجی کاروائی کی اور حجاج ابن یوسف ثقفی کو لشکر جرار کے ساتھ مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا، حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے اپنے قلیل ترین ساتھیوں کے ساتھ حجاج کی زبردست فوج کا جس بہادری و پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا وہ شجاعت و بہادری اور عزیمت و جرأت کی تاریخ کا نادر المثال کارنامہ ہے، آخر کار انہوں نے جام شہادت نوش کیا، بدبخت حجاج نے ان کا سر تن سے جدا کر کے مدینہ منورہ روانہ کیا اور باقی جسم کو سولی پر لٹکا دیا، اس سے پہلے یہی لشکر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا تھا، اس وقت یزید زندہ تھا، (اس لشکر نے مدینہ کو جس طرح تباہ و برباد کیا اور وہاں کے لوگوں کا جس طرح قتل عام کیا وہ "واقعہ حرہ" کے نام سے اپنی لرزہ خیز تفصیل کے ساتھ تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ پس حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے سولی پر لٹکی ہوئی حضرت ابن زبیرؓ کی نعش کے سامنے کھڑے ہو کر انہی دلدوز واقعات اور ظالم و فاسد لوگوں کے اس گروہ کی وحشیانہ کاروائیوں پر تاسف و تحسر کا اظہار کرتے ہوئے حضرت ابن زبیرؓ کو مخاطب کیا اور کہا کہ میں تمہیں پہلے ہی منع کرتا تھا کہ تم ان ظالموں اور بدکرداروں کے مقابلہ پر نہ آؤ اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے یکسو ہو جاؤ، مگر تم نہ مانے، حق کی حکمرانی قائم کرنے کے تمہارے پاک جذبہ نے تمہیں خلافت کے دعوے پر مجبور رکھا اور تم نتائج سے بے پرواہ ہو کر ان دنیادار اور مفسد حکمرانوں کے خلاف ڈٹے رہے آخر کار تمہیں اس لرزہ خیز انجام سے دوچار ہونا پڑا۔

"تم بہت زیادہ روزے رکھنے والے" بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ بہت زیادہ روزے رکھا کرتے تھے، ایسا بھی ہوتا تھا کہ پندرہ پندرہ دن تک مسلسل روزے سے رہا کرتے تھے جس کو طے کے روزے کہا جاتا ہے اور پوری پوری رات نوافل، تلاوت اور ذکر اللہ میں گزارا کرتے تھے قرابتداروں سے حسن سلوک کے معاملہ میں امتیازی شہرت رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اس موقع پر

حضرت ابن زبیرؓ کے ان اوصاف کا ذکر اس لئے کیا کہ حجاج ان کو عدو اللہ (اللہ کا دشمن) اور ظالم کہا کرتا تھا اور نہ معلوم کیا کیا واہی تباہی بکا کرتا تھا لہٰذا حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ضروری سمجھا کہ حضرت ابن زبیرؓ کی وہ خوبیاں اور نیکیاں بیان کریں جن سے حجاج کی لغو دبے ہودہ باتوں کی تردید ہو اور عام لوگوں پر واضح ہو جائے کہ ابن زبیرؓ کس پایہ کے عابد و زاہد اور بلند مرتبہ مسلمان تھے۔

"اور ایک روایت لامۃ خیر" کے الفاظ ہیں، یعنی اصل روایت میں تو یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حجاج ابن یوسف اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں واضح الفاظ کے ذریعہ اپنا یہ تاثر بیان کیا کہ جو گروہ عبداللہ ابن زبیرؓ کو برا اور راہ حق سے ہٹا ہوا سمجھتا ہے دراصل خود وہی گروہ اپنی بداعتقادی اور اپنے خیال فاسد کی بناء پر ایک برا اور بدتر گروہ ہے کہ تم جیسے شخص کو شریر اور فسادی لوگوں میں شمار کرتے ہیں، لیکن ایک روایت میں یہاں "ایک برا اور بدتر گروہ ہے" کے بجائے یہ ہے کہ "وہ کیا اچھا گروہ ہے" ان الفاظ میں بھی اسی تاثر کا اظہار مقصود ہے جو اصل روایت سے ظاہر ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اس دوسری روایت کے مطابق حضرت ابن عمرؓ نے گویا طنز و تعریض اور استہزاء کا اسلوب اختیار کیا، جیسا کہ عام طور پر کسی برے اور فسادی شخص کی شرارت اور بد طینی پر چوٹ کرنے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ واہ میاں تم بھی کیا خوب ہو آپس میں تفرقہ ڈلواتے ہو، تاہم زیادہ موزوں اور قریب الفہم وہی الفاظ ہیں، جو اصل روایت میں مذکور ہیں۔

"یہودیوں کے قبرستان میں ڈلوا دیا" یعنی مکہ میں رہنے والے یہودی یا باہر سے آئے ہوئے اتفاقاً مکہ میں مرجانے والے یہودی جس جگہ دفن کئے جاتے تھے وہاں حجاج نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی نعش ڈلوادی تھی۔ لیکن یہ بات اس کے منافی نہیں کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر کی تدفین جنت المعلاۃ میں عمل میں آئی تھی، کیونکہ یہ صورت حال ابتداءً پیش آئی تھی۔ کہ ان کی نعش یہودیوں کے قبرستان میں ڈلوادی گئی تھی، لیکن پھر بعد میں ان کی نعش مبارک کو وہاں سے اٹھا کر جنت المعلاۃ میں دفن کیا گیا تھا، واضح رہے کہ اب تو بہت زمانہ سے وہ جگہ متعارف نہیں ہے جہاں یہودیوں کا قبرستان یا ان کی قبریں تھیں، لیکن اس زمانہ میں ایسی کوئی جگہ ضرور تھی جو یہودیوں کی قبروں کے لئے مخصوص تھی اور اسی لئے حجاج نے حکم دیا تھا، کہ عبداللہ ابن زبیرؓ کی نعش کو سولی سے اتار کر یہودیوں کے قبرستان میں ڈال دیا جائے۔

"لاؤ میری جوتیاں میرے سامنے رکھو" یہ ارونی سبتی کا بامطلب ترجمہ ہے۔ سبتی دراصل تی متکلم کے ساتھ سبتیۃ کا تثنیہ ہے۔ اور سبتیۃ اس پاپوش کو کہتے تھے جو دباغت دیئے ہوئے اور بال وغیرہ سے بالکل صاف نرم چمڑے کا بنا ہوتا تھا، اس زمانہ میں امراءؑ سلاطین اور عیش پسند لوگ اسی طرح کے جوتے پہنا کرتے تھے۔

"دو کمر بند والی عورت" ذات النطاقین کا ترجمہ ہے، اور یہ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر صدیقؓ کا لقب تھا جو آنحضرت ﷺ نے ایک خاص واقعہ کی بناء پر مرحمت فرمایا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ ان کے مکان سے روانہ ہو رہے تھے تو حضرت اسماءؓ نے ان دونوں کے لئے کچھ توشہ تیار کیا تھا۔ توشہ دان باندھنے کے لئے انہیں کوئی تسمہ وغیرہ نہیں ملا تو انہوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر اس کے دو ٹکڑے کئے، ایک ٹکڑے سے توشہ دان باندھا اور دوسرے ٹکڑے کو اپنی کمر پر لپیٹ لیا۔ دراصل نطاق کا ترجمہ کمر بند کے بجائے کمرپٹہ کرنا زیادہ موزوں ہے، اس زمانہ میں جب کہ عرب عورتوں میں پاجامہ و شلوار جیسی چیز کا زیادہ رواج نہیں تھا، وہ اپنے تہ بند کے اوپر کمرپٹہ استعمال کیا کرتی تھیں تاکہ کام کاج کرتے وقت تہ بند کے کھلنے کا امکان نہ رہے، بہر حال اس موقع پر حضرت اسماءؓ نے جس بے ساختگی کے ساتھ اپنا کمرپٹہ کھول کر اس کے دو حصے کر کے گویا دو نطاق بنائے اس کی مناسبت سے آنحضرت ﷺ نے ان کو ذو النطاقین کے لقب سے نوازا۔ اس اعتبار سے یہ لقب خود ان کے لئے تو فخر کا موجب تھا کہ اپنی کوئی چیز آنحضرت ﷺ کے استعمال و کام میں آجائے اس سے بڑی فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے لیکن نادان حجاج ان کے اس لقب کو ان کی حقارت پر محمول کرتا تھا کہ ان کو ایک ایسی چیز کے ذریعہ ملقب کیا گیا جو عام طور پر گھروں کا کام کاج کرنے والی عورتوں اور باہر نکلنے والی

خادماؤں کی علامت ہے۔

"ہاں، خدا کی قسم میں دو کمر بند والی عورت ہوں" ذوالنطاقین کا لقب حجاج کے خیال فاسد کے برخلاف حضرت اسماءؓ کے لئے چونکہ تفاخر دارین کا موجب تھا اس لئے انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس لقب کو فخر کے ساتھ قبول و تسلیم کیا اور حجاج کے سامنے اس کا برملا اظہار و اعتراف بھی کیا بلکہ اس کے بعد وہ وجہ بیان کی جس نے ان کو اس اعزاز تک پہنچایا۔ چنانچہ انہوں نے واضح کیا کہ میں نے اپنے ایک کمربند کے جو دو کمربند کر لئے تھے ان میں ایک کے ذریعہ تو آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کا کھانا دسترخوان میں لپیٹ کر کسی اونچی جگہ لٹکا دیتی تھی، تاکہ جانوروں یعنی چوہے اور چیونٹی وغیرہ سے محفوظ رہے اور دوسرا کمربند اس کام کے لئے تھا جس سے کوئی عورت بے پرواہ نہیں ہوسکتی، "بے پرواہ نہیں ہوسکتی" کا ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ کسی بھی عورت کی تعریف و تحسین اسی صورت میں ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کا کام کاج پوری لگن اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کرتی ہو، نطاق یعنی کمربند یا کمرپٹہ کا اصل مقصد یہ ہوتا تھا کہ عورت اس اپنے تہبند پر باندھ لے تاکہ اس کو تہ بند کھل جانے کا خوف نہ ہو اور وہ اپنے گھر کا کام کاج پورے اطمینان سے کرسکے، پس حضرت اسماءؓ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جو عورت اپنے گھر سے اور اپنے گھر کے کام کاج سے دلچسپی رکھتی ہو وہ نطاق سے بے نیاز نہیں ہوسکتی، دوسرا مطلب یہ ہے کہ عورتوں میں نطاق کا ایک استعمال اس مقصد کے لئے بھی ہوتا تھا کہ پیٹ بڑھنے نہ پائے۔ جیسا کہ ایک زمانے میں عرب عورتوں میں اس کا بہت رواج تھا کہ وہ اپنے پیٹ کی ہیئت درست رکھنے کے لئے چمڑے کا کمرپٹہ استعمال کرتی تھیں بلکہ مالدار عورتیں تو سونے چاندی کے کام کا کمرپٹہ باندھتی تھیں، پس حضرت اسماءؓ نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ دوسرا نطاق میں اس مقصد کے لئے استعمال کرتی تھی اور یہ ایک ایسا مقصد تھا جس سے کوئی عورت بے پرواہ نہیں ہوسکتی تھی۔

"اور ان کو کوئی جواب نہیں دیا" یہ بہادر خاتون حضرت اسماءؓ کی جرأت و بے باکی اور حق گوئی کا اثر تھا کہ ظالم حجاج جیسا شخص ان کی باتیں سن کر خاموش ہو گیا اور ان کا جواب دینے کی جرأت نہ کرسکا، منقول ہے کہ حضرت اسماءؓ اپنے بیٹے عبداللہ ابن زبیرؓ کے سانحہ شہادت کے بیس دن بعد انتقال کر گئیں، اس وقت ان کی عمر سو سال تھی اور ان کا ایک بھی دانت نہیں ٹوٹا تھا۔

علامہ نوویؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی نعش کے سامنے کھڑے ہوکر ان کو جو سلام کیا اس سے معلوم ہوا کہ میت کو سلام کرنا اور ایک سے زائد مرتبہ کرنا مستحب ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میت کے سامنے اس کی ان خوبیوں اور اوصاف کو بیان کرنا جن کے ذریعہ وہ مشہور تھا جائز ہے۔ اس حدیث سے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی بھی زبردست فضیلت و خصوصیت واضح ہوتی ہے کہ وہ حق بات کہنے سے باز نہ رہے باوجودیکہ وہ جانتے تھے کہ یہاں میں جو کچھ کہوں گا اس کا ایک ایک لفظ ظالم حجاج تک پہنچے گا۔

خلافت کا دعویٰ کرنے سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا انکار

(۲۵) وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَتَاهُ رَجُلَانِ فِيْ فِتْنَةِ بْنِ الزُّبَيْرِ فَقَالَا اِنَّ النَّاسَ صَنَعُوْا مَا تَرٰى وَاَنْتَ ابْنُ عُمَرَ وَصَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَخْرُجَ فَقَالَ يَمْنَعُنِيْ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰى دَمِ اَخِي الْمُسْلِمِ قَالَا اَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ قَدْ قَاتَلْنَا حَتّٰى لَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ وَكَانَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ وَاَنْتُمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تُقَاتِلُوْا حَتّٰى تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت نافعؒ (جو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں) روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے متعلق ہنگامہ آرائی کے زمانہ میں (ان کی شہادت سے پہلے) دو شخص حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ لوگوں نے (خلافت و امارت کے بارے میں اختلاف و نزاع اور ہنگامہ آرائی کی صورت میں) جو کچھ کیا ہے وہ آپ نے دیکھ ہی لیا، آپ رضؓ حضرت عمر فاروقؓ کے

بیٹے ہیں (جو خلیفہ تھے) نیز آپ رسول کریم ﷺ کے صحابی بھی ہیں (اس اعتبار سے عبدالملک ابن مروان کے مقابلہ پر آپ کہیں زیادہ مستحق ہیں کہ خلافت کا دعویٰ کریں جس کی نااہلیت کا سب سے بڑا ثبوت تو یہ ہے کہ اس کے امراء اور گورنروں میں حجاج ابن یوسف جیسا ظالم شخص ہے) پھر آخر کیا چیز مانع ہے کہ آپ (خلافت و امارت کے دعوے اور ظالموں سے بدلہ لینے کے اعلان کے ذریعہ) خروج نہیں کر رہے ہیں! حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے (یہ سن کر) فرمایا! جو چیز میرے لئے مانع ہے، وہ میرا یہ علم ہے کہ مسلمان بھائی کا خون بہانا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے حرام قرار دیا ہے، ان دونوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ وقاتلوهم حتّٰى لا تكون فتنة (یعنی لڑو تم لوگوں سے یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے)! حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا: ہم (آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین کے ساتھ) ان لوگوں سے یقیناً لڑے یہاں تک کہ فتنہ یعنی کفر و شرک کا خاتمہ ہو گیا اور صرف اللہ کا دین اسلام رہ گیا، اور (اب) تم یہ چاہتے ہو کہ تم جنگ و جدال کرو یہاں تک ان (مسلمانوں) میں فتنہ پھیل جائے اور غیر اللہ کا دین قائم ہو جائے۔" (بخاری)

تشریح: "اللہ تعالیٰ نے میرے حرام قرار دیا ہے" اس جملہ کے ذریعہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا مقصد اس بات کو اہمیت اور تاکید کے ساتھ بیان کرنا تھا کہ خون ریزی سے اجتناب اور مسلمانوں کے درمیان باہمی جنگ و جدل سے گریز ہیں اپنے لئے ہر حالت میں ضروری سمجھتا ہوں اور خاص طور پر اس صورت میں جب کہ مسئلہ خلافت و امارت کی طلب و خواہش کا ہو، پس اس جملہ میں عَلَیَّ (میرے لئے) کا لفظ اس مقصد کے تحت استعمال ہوا ہے ورنہ اس کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ مسلمان بھائی کا خون بہانا تو ہر شخص کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے۔

"اور غیر اللہ کا دین قائم ہو جائے" دراصل ان دونوں شخصوں کا خیال یہ تھا کہ اول تو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اپنی خلافت کا دعویٰ کریں لیکن اگر وہ اس پر تیار نہ ہوں تو پھر ان کو کم سے کم یہ چاہئے کہ ان لوگوں کے خلاف تلوار اٹھائیں جو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی خلافت تسلیم نہیں کرتے اور ان کے مقابلہ پر ظالموں اور نااہلوں کی امارت کے وفادار ہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا خیال یہ تھا کہ عام مسلمانوں کو باہمی اختلاف و نزاع اور جنگ و جدل سے بچانے کے لئے ایسا کوئی اقدام مناسب نہیں ہے کیونکہ مسلمان کا مسلمان کے خلاف تلوار اٹھانا، اور وہ بھی اقتدار و امارت کے سلسلہ میں، آخر کار باہمی افتراق و انتشار کی ایک ایسی صورت حال کے پیدا ہونے کا موجب بن سکتا ہے جو اسلام کے نظام دین و شریعت کے متزلزل اور مسلمانوں کی ملی زندگی کو کمزور بنا دے، یہاں تک کہ اسلام دشمن طاقتوں کو اپنا غلبہ و تسلط جما لینے کا موقع مل جائے، اسی احساس کے تحت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت ابن زبیرؓ کے حق میں یہی بہتر سمجھتے تھے کہ وہ خلافت کے مسئلہ میں قتل و قتال کو ترک کر دیں اور یکسوئی اختیار کر کے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

قبیلہ دوس کے حق میں دعا

(۳۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَآءَ الطُّفَيْلُ ابْنُ عَمْرٍو الدَّوْسِيّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ دَوْسًا قَدْ هَلَكَتْ وَعَصَتْ وَاَبَتْ فَادْعُ اللّٰهَ عَلَيْهِمْ فَظَنَّ النَّاسُ اَنَّهٗ يَدْعُوْا عَلَيْهِمْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَّاْتِ بِهِمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ طفیل ابن عمرو دوسیؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ (یا رسول اللہ) مجھے یقین ہے کہ قبیلۂ دوس ہلاک ہو گیا (یعنی اس قبیلہ کے لوگوں نے قبول اسلام اور اطاعت دین سے انکار کر کے خود کو ہلاکت و تباہی کا مستوجب بنا لیا ہے) لہٰذا آپ اس قبیلہ کے لئے بددعا کیجئے (کہ اللہ تعالیٰ اس پر عذاب مسلط کرے) لوگوں نے (تو یہ سن کر) خیال کیا کہ آنحضرت ﷺ اس قبیلہ کے لئے بددعا کریں گے، لیکن (آنحضرت ﷺ تو رحمۃ للعلمین ہیں اور لوگوں کو راہ راست دکھا کر فلاح و نجات سے ہمکنار کرنے کے لئے اس دنیا میں مبعوث ہوئے نہ کہ بددعا کر کے تباہ و برباد کرنے کے لئے، اس لئے) آپ ﷺ نے دعا فرمائی: الٰہی قبیلۂ دوس کو راہ راست دکھا، اور اس قبیلہ کے لوگوں کو (مدینہ کی جانب) لا (یعنی ان کو قبول اسلام کے بعد ہجرت کی بھی توفیق عطا فرمایا

یہ کہ ان کو اہل اسلام کے طور طریقوں کی طرف مائل فرما اور ان کے دلوں کو قبول اسلام کی طرف پھیر دے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: حضرت طفیل ابن عمرو دوسیؓ جلیل القدر صحابی ہیں، قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے اور اہل حجاز میں شمار ہوتے تھے، مکہ میں مشرف باسلام ہوئے اور پھر اپنے قبیلہ میں واپس چلے گئے۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو بعد میں انہوں نے بھی اپنا قبیلہ اور وطن چھوڑ کر ہجرت کی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس موقع پر حاضر ہوئے جب آپ ﷺ خیبر میں تھے، اور پھر آپ ﷺ کے رحلت فرمانے تک مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے پاس رہے، ان کو "ذوالنور" کا لقب حاصل تھا اور یہ لقب اس بناء پر مشہور ہوا تھا کہ جب آنحضرت ﷺ نے ان کو اسلام کی تبلیغ کے لئے ان کے قبیلہ کی طرف روانہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی نشانی عطا فرما دیجئے جس کو دیکھ کر لوگ میری تصدیق کریں، آپ ﷺ نے دعا فرمائی، الٰہی اس کو نور عطا فرما! اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور جگمگا اٹھا۔ اب انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے خوف ہے کہ لوگ اس نور کو میری بدہیئی پر محمول کرنے لگیں گے اس کے بعد وہ نور اس جگہ سے ان کی کوڑی پر منتقل ہو گیا۔ اندھیری رات میں ان کے سینہ کا یہ حصہ اس طرح جگمگاتا جیسے ان کے سینہ پر مشعل روشن ہو، حضرت طفیلؓ اپنے قبیلہ میں پہنچ کر اسلام کی دعوت و تبلیغ کے کام میں منہمک ہو گئے، ان کے باپ تو ان کی تبلیغ کے نتیجہ میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے لیکن ان کی ماں کو ایمان کی ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔

عربوں سے محبّت کرنے کی وجوہ

(٢٧) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلٰثٍ لِاَنِّيْ عَرَبِيٌّ وَالْقُرْاٰنُ عَرَبِيٌّ وَكَلَامُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "تین اسباب کی بناء پر تمہیں عرب سے محبت رکھنی چاہئے ایک تو اس وجہ سے کہ میں عرب میں سے ہوں (اور ظاہر ہے کہ جو چیز حبیب کی طرف سے منسوب ہوتی ہے اس کو محبوب ہونا چاہئے) دوسرے اس وجہ سے کہ قرآن عربی زبان میں ہے۔ (یعنی قرآن کریم اس زبان میں اترا ہے جو عرب کی زبان ہے اور ان کی زبان و لغت ہی کے ذریعہ اس کی فصاحت و بلاغت جانی جاتی ہے) اور تیسرے اس وجہ سے کہ جنتیوں کی زبان عربی ہے۔ (اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے)۔"

تشریح: "جنتیوں کی زبان عربی ہے" سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ دوزخیوں کی زبان عربی نہیں ہوگی، بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عرب اور اہل عرب کو دنیا اور آخرت دونوں جگہ فضیلت و برتری حاصل ہے نیز اس حدیث میں محبّت کرنے کے صرف وہ تین اسباب بیان کئے گئے ہیں جو اس بارے میں نہایت اعلیٰ ہیں، ورنہ ان کے علاوہ اور بھی اسباب و وجوہ ہیں جن کے بناء پر عرب اور اہل عرب سے محبت کرنا یا محبت ہونا لازمی چیز ہے مثلاً یہ کہ اہل عرب ہی نے شارع علیہ السلام سے براہ راست دین و شریعت کا علم حاصل کیا اور پھر اس علم کو ہم تک پہنچایا انہوں نے آنحضرت ﷺ کے اقوال، افعال، عادات، اور معجزات کو منضبط و محفوظ کیا اور اس سرمایہ کو ہم تک منتقل کیا، عرب اور اہل عرب دراصل اسلام کے مددگار اور ہماری ملی زندگی کی جوہری توانائی ہیں انہوں نے اسلام کی خاطر دنیا بھر سے لوہا لیا، بڑی بڑی طاقتوں سے جنگیں کیں، جان و مال کی قربانیاں دے کر بڑے بڑے علاقے فتح کئے، شہر شہر، قریہ قریہ، اسلام پھیلایا، اطراف عالم میں دین کا جھنڈا بلند کیا، اور مسلمانوں کو جو عزت، برتری اور شان و شوکت حاصل ہوئی، وہ انہی کی جدوجہد اور کوششوں کا نتیجہ ہے، ہماری ملی تاریخ کی تمام تر عظمت و سربلندی انہی کی مرہون منت ہے، اہل عرب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، ان کی نسلی و انسانی خصوصیات اور خوبیوں کے امین ہیں اور نہ صرف یہ کہ ان کی زبان اہل جنت کی زبان ہوگی، بلکہ قبر میں منکر نکیر کا سوال بھی انہی کی زبان

میں ہوگا، اور انہی اسباب کی بناء پر کہا گیا ہے۔

مَنْ اَسْلَمَ فَهُوَ عَرَبِيٌّ۔

"جو بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوا وہ عربی ہے۔"

بَابُ مَنَاقِبِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مناقب کا بیان

"مناقب" اصل میں "منقبت" کی جمع ہے۔ منقبت کے معنی ہیں فضیلت اور فضیلت اس اچھی خصلت وخصوصیت (تعریف کے کام) کو کہتے ہیں جس کے سبب اللہ کے نزدیک یا مخلوق کی نظروں میں شرف وعزت اور بلند قدری حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اصل اعتبار اسی شرف وعزت اور بلند قدری کا ہے جو اللہ کے نزدیک حاصل ہو، مخلوق کی نظر میں حاصل ہونے والی عزت وشرف اور بلند قدری کا کوئی اعتبار نہیں، ہاں اگر یہ عزت وشرف اور بلند قدری اللہ کے نزدیک بلند قدر بنانے کا وسیلہ ۔ذریعہ بنتی ہو تو اس صورت میں اس کا بھی اعتبار ہوگا، پس جب یہ کہا جائے گا کہ فلاں شخص بافضیلت اور بلند قدر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اپنے فکر وعقیدہ اعمال وکردار اور اخلاص واخلاق کی بناء پر اللہ کے نزدیک بلند قدر ہے، نیز یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ فضیلت وبلند قدری کی طرف نسبت اسی صورت میں معتبر ہے جب کہ وہ آنحضرت ﷺ سے منقول ہو، یعنی کسی بھی شخص کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ وہ ذی منزلت وبلند قدر ہے کوئی معنی نہیں رکھتا، اسی شخص کو افضل اور بلند قدر کہنا معتبر ہوگا جس کی فضیلت وبلند قدری کے بارے میں سرکار دوعالم ﷺ کا ارشاد گرامی سلسلہ در سلسلہ نقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہو۔

صحابی کس کو کہتے ہیں؟: "صحابی" اس مسلمان کو کہتے ہیں جس نے بہ حالت بیداری اپنی آنکھوں سے سرکار دوعالم ﷺ کو دیکھا یا آپ ﷺ کی صحبت میں رہا ہو اور ایمان ہی کی حالت میں یعنی دین واسلام پر اس کا خاتمہ ہوا ہو اگرچہ اس درمیان میں ارتداد بھی خلل انداز ہوا ہو جیسے اشعب یا اشعث ابن قیسؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے اور بعض حضرات نے صحابی ہونے کے لئے طول صحبت کو شرط قرار دیا ہے، یعنی ان کے نزدیک "صحابی" اسی مسلمان کو کہا جا سکتا ہے جو آنحضرت ﷺ کی صحبت میں کافی عرصہ تک رہا ہو، اس نے آنحضرت ﷺ سے اکتساب علم کیا ہو، اور آپ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شامل ہوا ہو۔ ان حضرات نے "طول صحبت" یا "کافی عرصہ" کی کم سے کم مدت چھ مہینہ بیان کی ہے، لیکن اس چھ مہینہ کے تعین کی دلیل ان کے پاس کیا ہے، یہ معلوم نہیں، تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس نے زیادہ سے زیادہ عرصہ آنحضرت ﷺ کی خدمت وصحبت میں گزارا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا اس کا مرتبہ ان لوگوں کی بہ نسبت یقیناً سوا ہے جنہیں زیادہ عرصہ کی خدمت وصحبت کا موقع نہیں ملا، جو آپ ﷺ کے ساتھ کسی جہاد میں شریک نہیں ہوئے، جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو محض ایک دور کی نظر سے دیکھا، آنحضرت ﷺ سے کلام وگفتگو کی سعادت سے بہت کم سرفراز ہوئے یا جنہوں نے صرف اپنی طفولیت کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا، اگرچہ مجرد شرف صحبت سب کو حاصل ہے۔

"صحابی" کو جاننے کا ذریعہ: جو بھی "صحابی" ہے اس کا صحابی ہونا تواتر کے ذریعہ جانا جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا صحابی ہونا تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ یا خبر مشہور کے ذریعہ جانا جاتا ہے، یا کوئی صحابی اپنے غیر کے بارے میں بیان کرے کہ وہ صحابی ہے، یا خود صحابی اپنے بارے میں کہے کہ میں صحابی ہوں بشرطیکہ وہ روایت کے سلسلہ معیار پر پورا اترتا ہو اور "عادل" ہو، ویسے یہ بات ملحوظ رہے کہ کتاب وسنت اور اجماع معتبر سے واضح طور پر ثابت ہے کہ تمام صحابہ "عدول" ہیں۔

افضلیت صحابہؓ: شرح السنۃ میں ابومنصور بغدادیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہمارے تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ میں

سب سے افضل خلفاء اربعہ ہیں اور ان میں بھی ترتیب خلافت کا اعتبار ہے، یعنی سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ، ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ، اور ان کے بعد حضرت علیؓ۔ خلفاء اربعہ کے بعد پھر سب سے افضل وہ تمام صحابہ ہیں جن کو "عشرہ مبشرہ" کہا جاتا ہے۔ ان کے بعد سب سے افضل وہ صحابہ ہیں جو جنگ بدر میں شریک تھے، ان کے بعد سب سے افضل وہ صحابہ ہیں جو جنگ احد میں شریک تھے، ان کے بعد بیعت رضوان میں شریک صحابہ، ان کے بعد وہ انصار صحابہؓ جنہوں نے دونوں مرتبہ بیعۃ العقبۃ الاولی اور بیعۃ العقبۃ الثانیہ کے موقع پر مکہ میں آکر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی تھی۔ اسی طرح وہ صحابہؓ جن کو "سابقون اولون" کہا جاتا ہے یعنی جنہوں نے قبول اسلام میں سبقت کی اور ابتداء اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے اور جن کو دونوں قبلوں یعنی بیت المقدس اور کعبہ مکرمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا موقع ملا ان صحابہؓ سے افضل ہیں جو ان کے بعد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت خدیجہؓ کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ کون دوسری سے افضل ہے، اسی طرح حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہ کے بارے میں بھی اختلافی اقوال ہیں واضح رہے کہ حضرت معاویہؓ، عدول اہل فضل اور خیار صحابہ میں سے ہیں، ان کے بارے میں کوئی بھی برا خیال رکھنا یا ان کی شان میں کوئی بھی ایسی بات کہنا جو مرتبہ صحابیت کے منافی ہو، اسی طرح ممنوع ہے جس طرح دوسرے صحابہ کے بارے میں۔ رہی یہ بات کہ بعض صحابہؓ کے درمیان جو باہمی نزع ہوا، یا باہمی جنگ وجدل کے نوبت آئی، تو اس پر بحث وتمحیص کرنا اور اس سے کوئی نتیجہ نکال کر کسی کی تنقیص کرنا ہمارا مقام نہیں ہے، وہ سارے معاملات ان کے اپنے اجتہاد سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی صحابی ایسا نہیں تھا جس نے ان معاملات میں نفسانی تقاضوں یا دنیاوی اغراض کے تحت شرکت کی ہو، وہ سب صحابہ اپنے اپنے موقف کے درست اور جائز ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور اپنی باہمی لڑائیوں اور تنازعات کی بنا پر ان میں سے کوئی عدول کے زمرہ سے خارج نہیں ہوگا اور نہ اس کی حیثیت اور اس کے مرتبہ میں کوئی نقص آیا، مختصر یہ کہ اہل سنت وجماعت کا مسلک یہ ہے کہ ان کے بارے میں زبان کھولتے وقت محتاط رہا جائے، ان کے حق میں منہ سے وہی بات نکالی جائے جو تعریف اور بھلائی کی ہو، اگر ان میں سے کسی کے متعلق کوئی ایسی چیز منقول ہو جو بظاہر تعریف کے کام کے خلاف نظر آتی ہو تو اس سے صرف نظر کیا جائے۔ دین و ایمان کی سلامتی اسی میں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

صحابہؓ کو برا نہ کہو

① عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَابَلَغَ مُدَّ اَحَدِھِمْ وَلَا نَصِیْفَہٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم میرے صحابہ کو برا نہ کہو، حقیقت یہ ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد کے پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس کا ثواب میرے صحابہ کے ایک مد یا آدھے مد کے ثواب کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "تم" کے مخاطب خود صحابہ میں کے بعض حضرات تھے، جیسا کہ ایک روایت میں اس ارشاد گرامی کا پس منظر یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت خالد ابن ولیدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کے درمیان کوئی تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور حضرت خالد ابن ولیدؓ نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کو برا کہا، اس وقت آپ ﷺ نے حضرت خالد ابن ولیدؓ وغیرہ کو خطاب کر کے فرمایا میرے صحابہؓ کو برا نہ کہو پس "میرے صحابہ" سے وہ مخصوص صحابہ مراد ہیں جو ان مخاطب صحابہ یعنی حضرت خالد ابن ولیدؓ وغیرہ سے پہلے اسلام لائے تھے اور

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں "تم" کے ذریعہ پوری اُمت کو مخاطب کیا گیا ہو اور چونکہ نور نبوت نے پہلے ہی یہ دیکھ لیا تھا کہ آگے چل کر میری اُمت میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے، جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہیں گے، ان کی شان میں گستاخیاں کریں گے (جیسا کہ روافض وخوارج کی صورت میں مختلف گروہ ایک دوسرے کے ممدوح صحابہ کے حق میں سب وشتم کرتے ہیں) اس لئے آپ ﷺ نے مسلمانوں کی آئندہ نسلوں میں احترام صحابہؓ کے جذبات کو بیدار کرنے کے لئے حکم دیا کہ کوئی شخص میرے کسی صحابی کو برا نہ کہے۔

مد اس زمانہ کے ایک پیمانہ کا نام تھا جس میں سیر بھر کے قریب جو وغیرہ آتا تھا، حدیث کے اس جزء کی مراد ان صحابہؓ کے بلند وبالا مقام ومرتبہ کا تعین کرنا ہے کہ ان لوگوں کے کمال اخلاص وللّٰہیت کی بناء پر ان کا چھوٹا سا نیک عمل اپنے بعد والوں کے اسی طرح کے بڑے سے بڑے نیک عمل پر بھاری ہے۔ مثلاً اگر ان صحابہ میں سے کوئی شخص سیر بھر یا آدھ سیر جو وغیرہ خدا کی راہ میں خرچ کرے تو اس عمل پر ان کو جتنا ثواب ملتا ہے اتنا ثواب ان کے بعد والوں کو اس صورت میں بھی نہیں مل سکتا کہ اگر وہ اللہ کے راہ میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اخلاص وصدق نیت اور جذبہ ایثار وللّٰہیت کا جو کمال ان کے اندر تھا وہ بعد والوں کو نصیب نہیں ہوسکتا دوسرے یہ کہ ان کا مال خالص طیب وپاکیزہ ہوتا تھا، اور ان کی اپنی حاجتیں وضرورتیں اس بات کا تقاضا کرتی تھیں کہ ان کے پاس جو کچھ ہے اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کریں لیکن اس کے باوجود اپنی استطاعت کے مطابق وہ اللہ کی راہ میں خوش دلی کے ساتھ خرچ کرتے اور اپنی تمام ضرورتوں کو پس پشت ڈال دیتے، یہ تو ان کے راہ خدا میں خرچ کرنے کے اجر وثواب کا ذکر ہے۔ اسی پر قیاس کرکے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ انہوں نے انتہائی سخت حالات میں اللہ کے دین کا جھنڈا بلند کرنے اور اللہ کے رسول کا پیغام پہنچانے کے لئے ریاضت ومجاہدہ کے جن سخت ترین مراحل کو طے کیا۔ یہاں تک کہ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اس کی بناء پر ان کو کیا اجر وثواب ملا ہوگا اور ان کے درجات ومراتب کس قدر بلند ہوئے ہوں گے۔ حدیث کے پہلے جزء سے اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارشاد گرامی "میرے صحابہ کو برا نہ کہو" مخصوص اصحاب کے حق میں ہے لیکن اس سے یہ بات بہرحال ثابت ہوتی ہے، کہ کسی غیر صحابی کا صحابی کو برا کہنا بطریق اولی ممنوع ہے۔ کیونکہ حدیث کا اصل مقصد ان لوگوں کے حق میں بدگوئی اور بدزبانی سے اجتناب کی تلقین وہدایت کرنا ہے۔ جن کو قبول اسلام میں سبقت کی فضیلت وبرتری حاصل ہے اور جو اپنی اس فضیلت وبرتری کی بناء پر بعد والوں کے لئے یقیناً واجب التعظیم ہیں۔ علی ابن حرب طائیؒ اور خثیمہ ابن سلیمانؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ:

لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ فَلَمُقَامُ اَحَدِهِمْ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ اَحَدِكُمْ عُمُرَهُ۔

"اصحاب محمد ﷺ کو برا نہ کہو، در حقیقت ان کو (اپنی عبادتوں کا) یہ مقام حاصل ہے۔ کہ ان کا ساعت بھر کا نیک عمل تمہارے پوری عمر کے نیک عمل سے بہتر ہے۔"

اور عقیلیؒ نے ضعفا میں نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَنِي وَاخْتَارَ لِيْ اَصْحَابًا وَاَنْصَارًا وَاَصْحَارًا وَسَيَاْتِيْ قَوْمٌ يَسُبُّوْنَهُمْ وَيَسْتَنْقِصُوْنَهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ وَلَا تُشَارِبُوْهُمْ وَلَا تُوَاكِلُوْهُمْ وَلَا تُنَاكِحُوْهُمْ۔

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب کیا اور میرے لئے میرے اصحاب، میرے انصار اور میرے قرابتدار تجویز ومقرر کئے گئے۔ اور (یاد رکھو، عنقریب کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو میرے صحابہ کو برا کہیں گے اور ان میں نقص نکالیں گے، پس تم نہ ان لوگوں کے ساتھ میل ملاپ اختیار کرنا نہ ان کے ساتھ کھانا پینا اور نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کرنا۔"

صحابہ کو برا بھلا کہنے والے کے بارہ میں شرعی حکم: شرح مسلم میں لکھا ہے، جاننا چاہئے کہ صحابہؓ کو برا کہنا جرم ہے اور اکبر فواحش (سخت بڑے گناہوں) میں سے ہے، ہمارا اور جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ جو کوئی صحابہؓ کو برا کہے اس کو سزا دی جائے اور بعض مالکیہ نے

کہا ہے کہ اس کو قتل کیا جائے، اسی طرح کی بات طیبیؒ نے بھی لکھی ہے اور قاضی عیاضؒ نے کہا ہے کہ صحابہؓ میں سے کسی کو بھی برا کہنا گناہ کبیرہ ہے اور ہمارے بعض علماء نے صراحت کی ہے کہ جو شخص شیخین (یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ) کو برا کہے وہ مستوجب قتل ہے۔ مشہور کتاب الاشباہ و النظائر کی کتاب السیر میں لکھا ہے جو بھی کافر اپنے کفر سے توبہ کرلے اس کے لئے دنیا و آخرت کے لئے معافی ہے۔ لیکن جو لوگ اس بناء پر کافر قرار پائے ہوں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو برا کہا تھا، یا شیخین کو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو برا کہا تھا، یا سحر کاری کے مرتکب ہوئے تھے اور یا زندقہ میں مبتلا تھے، اور پھر توبہ کرنے سے پہلے ان کو گرفتار کرلیا گیا ہو تو اب اگر وہ توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور ان کو معافی نہیں ملے گی اسی طرح صاحب اشباہ علامہ زین ابن نجیم نے یہ بھی لکھا ہے کہ، شیخین کو برا کہنا یا ان کو لعنت کرنا کفر ہے، اور جو شخص حضرت علیؓ کو شیخین پر فضیلت دے وہ مبتدع ہے۔ اور مناقب کردری میں لکھا ہے اگر وہ شخص (جو شیخینؓ پر حضرت علیؓ کی فضیلت کا قائل ہے) اور دونوں یعنی شیخین کی خلافت کا منکر بھی ہو تو اس کو کافر کہا جائے گا اسی طرح اگر وہ ان دونوں سے دلی بغض و عناد رکھے تو بھی اس کو کافر کہا جائے گا۔ بایں سبب کہ اس نے ان ہستیوں سے قلبی بغض و عناد رکھا جن سے آنحضرت ﷺ کو قلبی محبت تھی، ہاں اگر (یہ صورت ہو کہ) کوئی شخص (نہ تو شیخینؓ پر حضرت علیؓ کی فضیلت کا قائل ہے، نہ شیخین کی خلافت کا منکر ہے، نہ ان دونوں سے بغض و عناد رکھتا ہے اور نہ ان کو برا کہتا ہے مگر شیخین کی بہ نسبت حضرت علیؓ کے تئیں زیادہ پسندیدگی و گرویدگی اور محبت رکھتا ہے۔ تو وہ محض اس بناء پر ماخوذ نہیں ہوگا۔ اس سلسلہ میں ان دونوں یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی تخصیص کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان دونوں کی فضیلت میں آنحضرت ﷺ کی احادیث جس مخصوص طور سے منقول ہیں اس طرح نے کسی اور صحابی کے بارے میں منقول نہیں ہیں جیسا کہ آگے آنے والے ایک علیحدہ باب میں منقول احادیث سے واضح ہوگا، یا وجہ تخصیص یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی خلافت پر مسلمانوں کا مکمل اجماع تھا، ان کی قیادت و سربراہی کو کسی طرف سے بھی چیلنج نہیں کیا گیا، ان کے برخلاف حضرت عثمانؓ ہوں یا حضرت علیؓ اور یا حضرت معاویہؓ وغیرہ دوسرے خلفاء ان کی خلافت پر اس درجہ کا اجماع نہیں تھا، بلکہ ان میں سے ہر ایک کے زمانے میں بغاوت و خروج کا عمل ظاہر ہوا۔

خلافت ابوبکرؓ کا انکار کرنے والے دائرہ اسلام سے خارج ہیں: حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ فرقہ امامیہ کے لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے منکر ہیں اور فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو شخص خلافت صدیقؓ کا انکار کرے۔ وہ اجماع قطعی کا منکر قرار پاتا ہے اور اجماع قطعی کا منکر کافر ہو جاتا ہے، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے۔

الرافضی اِذَا کَانَ یسب الشیخین ویلعنھا العیاذ باللّٰہ فھو کافر وان کَانَ یفضل علیا کرم اللّٰہ تعالٰی وجھہ علی ابی بکر لا یکون کافرا لکنہ مبتدع ولو قذف عائشۃؓ کفر باللّٰہ۔

"اور رافضی اگر شیخین کو برا کہے اور العیاذ باللہ ان کو لعنت کرے تو وہ کافر ہے۔ اور اگر حضرت ابوبکرؓ پر حضرت علیؓ کو فضیلت دے تو کافر نہیں ہوتا البتہ مبتدع قرار پاتا ہے، نیز اگر وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی پاکدامنی کو تہمت لگائے تو اللہ (نے حضرت عائشہؓ کی پاکدامنی کی جو تصدیق قرآن میں کی ہے اس) کا منکر ہوگا۔"

اور فتاوی عالمگیری ہی میں یوں ہے:

من انکر امامۃ ابی بکر الصدیق فھو کافر علی قول بعضھم وقال بعضھم ھو مبتدع ولیس بکافر والصحیح انہ کافر کذلک من انکر خلافۃ عمر فی اصح الاقوال ویجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا وتناسخ الارواح۔

"جس شخص نے ابوبکرؓ کی امامت کبریٰ کا انکار کیا وہ بعض حضرات کے قول کے مطابق کافر ہے، جب کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہ مبتدع

قرار پائے گا اس کو کافر نہیں کہیں گے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ وہ کافر ہے، اسی طرح قول صحیح کے مطابق وہ شخص بھی کافر ہو جائے جو حضرت عمرؓ کی خلافت کا انکار کرے گا، نیز رافضیوں کو اس بناء پر کافر قرار دینا واجب ہے کہ وہ مردوں کے دنیا میں لوٹنے اور تناسخ ارواح کے قائل ہیں۔"

دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے دلائل: سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرقہ امامیہ کے لوگ (یا روافض و اہل تشیع) اگر صحابہ بالخصوص شیخینؓ کو برا کہتے ہیں یا ان کی خلافت کے منکر ہیں تو اس کی وجہ سے ان کو کس دلیل سے کافر قرار دیا جاتا ہے؟ تو جاننا چاہئے کہ ان کے کفر کی ایک نہیں متعدد مضبوط دلائل و براہین ہیں، پہلی بات یہ کہ صحابہ کرام اور اصل حاملان وحی، راویان قرآن اور ناقلان دین و شریعت ہیں، جو شخص ان صحابہؓ کی حقانیت و صداقت کا منکر ہو گا کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ قرآن وغیرہ ایمانیات متواترات کے ساتھ اس کا ایمانی تعلق قائم ہو اور جب قرآن وغیرہ سے اس کا ایمانی تعلق قائم نہیں ہو گا تو اس کو مؤمن کون نادان کہے گا۔ دوسرے یہ کہ ان صحابہ کی حقانیت، صداقت اور فضیلت کا شاہد خود قرآن کریم ہے، نص قرآن کا منکر مؤمن ہرگز نہیں ہوتا دوسرے یہ کہ وہ احادیث جن میں حضرت علیؓ کے علاوہ تینوں خلفاء راشد کے فضائل و مناقب بھی منقول ہیں، ان کی تعداد ان گنت ہے، نیز وہ حدیثیں تعدد طرق اور کثرت رواۃ کے سبب متواتر بالمعنی قرار پائی ہیں۔ پس ان احادیث و روایات کے مفہوم و معنی اور مدلول و مضمون کا انکار کفر کے زمرہ میں آتا ہے، اور یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ اس درجہ کی احادیث کے استناد و اعتبار سے ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے بلکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ جو ائمہ مجتہدین میں نہایت اعلیٰ مقام رکھتے ہیں، "خبر واحد" کو بھی قیاس پر ترجیح دیتے ہیں یہاں تک کہ اقوال صحابہؓ کو بھی، چہ جائیکہ متواتر بالمعنی کی حیثیت رکھنے والی احادیث۔

آیئے سب سے پہلے قرآن کریم کو دیکھیں کہ اللہ کے کلام سے ہمیں صحابہؓ کے بارے میں اور صحابہؓ یا کسی صحابی رسول کو برا کہنے اور لعنت کرنے والوں کے بارہ میں کیا رہنمائی ملتی ہے:

❶ اللہ تعالیٰ نے صحابہ سے اپنا راضی ہونا اور خوش ہونا بیان فرمایا ہے، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی و خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ ﷺ سے درخت (سمرہ) کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔"

ایک اور موقع پر یوں فرمایا گیا:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

"اور جو مہاجرین و انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ اُمت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی و خوش ہوا۔"

پس اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں جن لوگوں کی تعریف کرے، جن سے اپنی رضامندی و خوشنودی ظاہر کرے اور جن کے بلند و بالا مقام و مرتبہ کو واضح فرمائے ان پر یہ لوگ (روافض و شیعہ) لعنت کریں بلکہ ان کو غاصب اور کافر جانیں، تو ان دونوں باتوں میں بالکل تضاد ہے لہٰذا یہ لوگ ان صحابہ کو برا کہہ کر اور ان کو لعنت کر کے چونکہ قرآن کی مخالفت کرتے ہیں اور قرآن کی مخالفت کرنے والا کافر ہوتا ہے اس لئے ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا۔

❷ خلفاء راشدین کی خلافت قرآن کریم سے ثابت ہے، بایں طور کہ ارشاد فرمایا گیا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ۔

"(اے اہل ایمان) تم میں جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو روئے زمین پر اقتدار و حکومت

عطا فرمائے گا۔"

مستند و معتبر مفسرین نے وضاحت فرمائی ہے۔ کہ آیت خلفاء راشدین کی خلافت کے مبنی بر صداقت و صحت ہونے کی واضح دلیل ہے کہ آیت میں مذکورہ وعدہ کے مطابق جن لوگوں کو روئے زمین پر حکومت و اقتدار نصیب ہوا اور جو اس آیت کے مطابق ایمان و عمل صالح کے حامل تھے۔ وہ یہی خلفائے راشدین ہیں۔ پس جو لوگ ان کی خلافت کو صحیح اور برحق نہ مانیں وہ قرآن کریم کی تردید و تغلیط کرنے کے سبب دائرہ ایمان سے خارج قرار پائیں گے۔ کیونکہ اسی آیت میں آگے چل کر یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ مَنْ كَفَرَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی: جنہوں نے کفر کیا (کہ اللہ کے اس وعدہ کو یا وعدہ کے ظہور کو برحق نہ جانا) تو وہ فاسق ہیں" اور چونکہ قرآن کی اصطلاح میں "فاسق" سے مراد "فاسق کامل" ہوتا ہے اور "فاسق کامل" کافر کو کہتے ہیں اس لئے "وہ فاسق ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ وہ کافر ہیں۔ اس بات کی دلیل کہ قرآن کی اصطلاح میں "فاسق" سے مراد "فاسق کامل" ہوتا ہے، یہ آیت ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۞۔

"اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے تو ایسے لوگ بالکل فاسق (یعنی کافر) ہیں۔"

③ قرآن کریم نے صحابہؓ کو صادق یعنی سچا کہا ہے، جیسا کہ آیت میں مذکور ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۞۔

"اور ان حاجت مند مہاجرین کا (بالخصوص) حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے (جبرًا و ظلمًا) جدا کر دیئے گئے، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل (یعنی جنت) اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول (کے دین) کی مدد کرتے ہیں اور یہی لوگ سچے ہیں۔"

تمام صحابہؓ حضرت صدیق اکبرؓ کو "یا خلیفۃ اللہ" کہہ کر مخاطب کرتے تھے لیکن شیعہ ان کو کاذب یعنی جھوٹا کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ صادق اور کاذب کے درمیان صریح فرق ہے، پس جو شخص ان کو کاذب کہتا ہے وہ دراصل قرآن کریم کی تردید اور مخالفت کرتا ہے اور یہ کفر نہیں تو اور کیا ہے۔

④ صحابۂ کرامؓ "فلاح یاب" ہیں اور ان کا "فلاح یاب" ہونا نص قرآن سے ثابت ہے کہ ان کے حق میں ——— اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (اور یہی لوگ فلاح یاب ہیں) فرمایا گیا ہے، پس جو لوگ اس نص قرآن کے خلاف ان کو یہ کہیں کہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (یہی لوگ بے فلاح و ناکام ہیں) تو ان مخالفین قرآن کو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کہا جائے گا تو اور کیا کہا جائے گا۔

⑤ اللہ تعالیٰ نے کثرت سے اپنے کلام شریف میں ان صحابہؓ کی خوبیاں بیان فرمائی ہیں اور جا بجا تعریف و توصیف کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے، مثلاً ایک موقع پر ارشاد ہوا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۞۔

"محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ ﷺ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں۔ اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی اس نے اپنی

سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے سے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔ تاکہ ان سے کافروں کو غصہ دلائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ سے کہ جو ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔"

پس ان لوگوں کے بارے میں کیا رائے قائم کی جاسکتی ہے جو قرآن کریم کی اتنی زبردست شہادت کے باوجود صحابہ رسول کو برا کہیں اور ان کو ملعون قرار دیں۔ نیز اس آیت میں صحابہ کا یہ جو وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ کفار کے مقابلہ میں تو تیز و سخت ہیں لیکن آپس میں نرم و مہربان ہیں، تو اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص صحابہؓ کو آپس میں بے الفت و بے مہر اور ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے والا جانے (جیسا کہ شیعوں کا کہنا ہے) تو وہ قرآن کا منکر ہے۔ اسی طرح جو شخص صحابہؓ سے بغض و حسد رکھے اور ان کے تئیں غیظ و غضب میں مبتلا ہو تو خود اس پر کفر کا اطلاق مذکور ہے۔ کیونکہ لیغیظ بھم الکفار (تاکہ ان سے کافروں کو غصہ دلائے) کا واضح مطلب یہی ہے۔ کہ صحابہؓ کے تئیں غیظ و غضب کا اظہار اور ان سے غصہ کرنا کافروں کا کام ہے۔ اس آیت سے ان لوگوں کی بھی تردید و تغلیط ہو جاتی ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں گو اچھے عقائد و اعمال کے حامل تھے لیکن آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد بددین ہو گئے تھے، ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ انہی کے لئے ہوتا ہے جو مرتے دم تک ایمان اور عمل صالح پر قائم رہیں، ان صحابہؓ کے حق میں اس وعدے کا نازل ہونا خود اس بات کی علامت تھا کہ (ان کو دم آخر تک ایمان اور عمل صالح کی توفیق حاصل رہے گی اب اگر کوئی شخص ان کے بارے میں ایسی بے تکی بات کہتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ نص قرآن کے خلاف بات کہتا ہے۔ بلکہ العیاذ باللہ، حق تعالیٰ کی طرف جہل اور لاعلمی کی نسبت بھی کرتا ہے۔

❻ جس ہستی نے مخلفین اعراب (پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں) کو جہاد کے لئے بلایا وہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں اس بات پر نہ صرف یہ کہ تمام اہل سنّت کا اتفاق ہے بلکہ خود شیعوں کو بھی انکار و اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ مخلفین اعراب کے سلسلہ میں قرآن کریم نے جو یہ فرمایا تھا:

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا۔

"آپ ﷺ ان پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں (سے لڑنے) کی طرف بلائے جاؤ گے، جو سخت لڑنے والے ہوں گے کہ یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مسلمان ہو جائیں سو اگر تم اطاعت کرو گے تو تم کو اللہ تعالیٰ نیک عوض (یعنی جنت) دے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے جیسا کہ اس کے قبل روگردانی کر چکے ہو تو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔"

تو اس آیت میں مذکور پیشین گوئی کے مطابق ان مخلفین اعراب کو دشمنان اسلام کے مقابلہ پر لڑنے کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بلایا بایں اعتبار اس آیت سے نہ صرف یہ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ابن ابی حاتمؒ، ابن قتیبہؒ، شیخ ابوالحسنؒ اور امام ابوالعباس وغیرہم نے وضاحت کی ہے بلکہ یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے جیسا کہ جہاد کے لئے ان کے بلاوے سے روگردانی کرنے والا عذاب الیم کا مستوجب ہوگا، پس جس ہستی کے بارے میں قرآن کریم سے اتنی بڑی بات ثابت ہوتی ہو اس پر لعنت کرنے والوں اور اس کو کافر کہنے والوں کو اپنے حشر سے ڈرنا چاہئے۔

❼ ان صحابہؓ کا جنتی ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، جیسا کہ ایک موقع پر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی۔

"تم میں سے جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں، وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد میں خرچ کیا اور لڑے اور (ویسے تو) اللہ تعالیٰ نے بھلائی (یعنی جنت) کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے۔"

پس ان صحابہ کے جنتی ہونے کا انکار نصوص کے انکار کو مستلزم ہے اور یہ کفر ہے۔

۸ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں قرآن کریم میں یوں فرمایا ہے:

ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔

"(مکہ سے مدینہ کو ہجرت کے موقع پر) دو آدمیوں میں ایک آپ ﷺ تھے جس وقت کہ دونوں (ثور) غار میں تھے جب کہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں سے فرما رہے تھے تم غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں جس ہستی کا ذکر اپنے رسول ﷺ کے ساتھی اور جاں نثار کی حیثیت سے کرے، اس کو برا کہنے والوں کا انجام کیا ہوگا اس کا اندازہ خود لگا لینا چاہئے۔

۹ قرآن کریم کی اس آیت:

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ۔

"اور جو لوگ تم میں (دینی) بزرگی والے اور (دنیاوی) وسعت والے ہیں۔"

میں جس ہستی کی طرف اشارہ مقصود ہے وہ حضرت ابوبکرؓ کی ذات ہے جیسا کہ محقق مفسرین اور علماء اسلام نے وضاحت کی ہے، پس ان کے "فضل" کا انکار کرنا قرآن کریم کا صریح رد کرنا ہے۔

۱۰ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى۔

"اور اس (دوزخ سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے، جو اپنا مال (محض) اس غرض سے دیتا ہے کہ (گناہوں سے) پاک ہو جائے اور بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضاجوئی کے اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ اس کا بدلہ اتارنا مقصود ہوتا اور یہ شخص عنقریب خوش ہو جائے گا (یعنی آخرت میں ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی)۔"

یہ آیتیں بھی حضرت ابوبکرؓ کی شان میں ہیں، حضرت علیؓ کی شان میں نہیں ہو سکتیں، چنانچہ ماہرین تفسیرین نے اسی حقیقت کے پیش نظر ان آیتوں کا محمول و مدلول حضرت ابوبکرؓ کو قرار دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ آیتوں کا شان نزول حضرت ابوبکرؓ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے محض اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے بڑی مقدار میں اپنا مال خرچ کر کے حضرت بلالؓ وغیرہ کو کافروں سے خریدا اور آزاد کر دیا پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ "بڑا پرہیزگار" بتائے وہ رحمت و رضوان کا مستحق ہوگا یا لعنت و خذلان کا مستوجب؟

اب صحیح احادیث کو دیکھنا چاہئے کہ ان سے کیا ثابت ہوتا ہے، روافض کا کفر یا ایمان؟ واضح رہے کہ یہاں چند ہی احادیث پر اکتفا کیا جائے گا جب کہ اس سلسلہ میں بے شمار حدیثیں منقول ہیں:

عَنْ عويمر ابن ساعدة اِنَّهٗ صلى الله عليه وسلم قَالَ ان الله اختارلي واختار لي اصحابا فجعل لي منهم وزراء وانصارا واصهارا فمن سبهم فعليه لعنة الله والملئكة والناس اجمعين وَلَا يقبل اللّٰه مِنْهُ صرفا وَلَا عدلا۔

(محاملی، طبرانی، حاکم)

"عویمر ابن ساعدہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا اور میرے لئے رفقاء اور ساتھی بھی منتخب فرمائے اور پھر ان رفقاء میں سے کچھ کو میرا وزیر، کچھ کو میرا مددگار اور کچھ کو میرا رشتہ دار بنایا، پس جس شخص نے ان کو برا کہا اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام لوگوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ نہ تو اس کی توبہ قبول کرے گا اور نہ اس کا فدیہ یا یہ کہ نہ نفل اس کا مقبول ہوگا نہ فرض۔"

عَنْ علی عن النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سیاتی من بعدی قوم یُقَال لهم الرفضة فَاِنْ ادرکتهم فاقتلهم فانهم مشرکون قَالَ قُلْتُ یارسول اللّٰه ما العلامة فیهم قَالَ یفرطونک بمالیس فیک ویطعنون علی السلف دار قطنی۔

"حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: عنقریب میرے بعد ایک گروہ پیدا ہوگا جن کو "رافضی" کہا جائے گا پس اگر تم ان کو پاؤ تو ان کو قتل کرنا کیونکہ وہ مشرک ہوں گے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ان کی پہچان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "وہ لوگ تمہیں ان چیزوں کے ذریعہ نہایت اونچا دکھائیں گے جو تم میں نہیں ہوں گی اور صحابہ پر لعن طعن کریں گے، اور دار قطنی ہی کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔"

وذلک یسبون ابابکر وعمر ومن سب اصحابی فعلیه لعنت اللّٰه والملئکة والناس۔

"اور ان لوگوں کو مشرک کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کو برا کہیں گے اور جس شخص نے میرے صحابہؓ کو برا کہا اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور لوگوں کی لعنت۔"

اسی طرح کی روایت حضرت انسؓ، حضرت عیاض انصاریؓ، حضرت جابرؓ، حضرت حسن ابن علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت فاطمہ زہراؓ، اور حضرت اُم سلمہؓ سے بھی منقول ہے اور یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

من ابغضهم فقد ابغضنی ومن اذاهم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللّٰه۔

"جس شخص نے صحابہؓ کو دشمن رکھا اس نے در حقیقت مجھ کو دشمن رکھا، اور جس شخص نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے در حقیقت مجھ کو ایذا پہنچائی اور جس نے مجھ کو ایذا پہنچائی اس نے در حقیقت اللہ کو ایذا پہنچائی۔"

ابن عساکر نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ:

ان رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حب ابی بکر وعمر ایمان وبُغضهما کفر۔

"رسول کریم ﷺ نے فرمایا؟ ابوبکر و عمر کو دوست و محبوب رکھنا ایمان ہے اور ان دونوں سے بغض و عناد رکھنا کفر ہے۔"

عبداللہ ابن احمدؒ نے حضرت انسؓ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ:

انی لارجو لامتی فِیْ حبهم لابی بکر وعمر ما ارجو لهم فِیْ قول لا اله الا اللّٰه۔

"بلاشبہ میں اپنی اُمت کے لئے، ان کی اس محبت کے عوض کہ جو وہ ابوبکر و عمر کے تئیں رکھیں گے، اس چیز کی امید رکھتا ہوں جو ان کے لئے کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ کے عوض مقرر ہے۔"

نیز محبت اور بغض کے درمیان چونکہ تناقض ہے اس لئے جب ابوبکر و عمر سے محبت رکھنے کا یہ حال معلوم ہوا کہ اس کا اجر سلامتی ایمان اور دنیا و آخرت میں فلاح و کامرانی کی صورت میں ہے تو منطقی طور پر یہ نتیجہ نکلا کہ ان سے بغض و نفرت رکھنا کفر اور اس کا انجام دنیا و آخرت میں ذلت و تباہی کی صورت میں ہے۔

ان احادیث کے بعد اب یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اس بارہ میں ائمہ دین اور رہنمایان شریعت کے ارشادات و اقوال کیا ہیں پہلے

اس اصول کو ذہن میں رکھ لینا چاہئے، کہ تکفیر مؤمنین یعنی کسی مؤمن و مسلمان کو کافر کہنا بجائے خود کفر ہے کیونکہ صحیح حدیث میں منقول ہے کہ جو شخص کسی کو کافر کہے یا عدو اللہ (اللہ کا دشمن) کہے اور حقیقت میں وہ ایسا نہ ہو تو کفر لوٹ کر خود کہنے والے پر آجاتا ہے پس صحابہؓ کا مومن و مسلمان ہونا چونکہ قطعی ہے اس لئے جو شخص ان کو کافر کہے گا وہ کفر خود اسی پر لوٹ جائے گا یہاں یہ بات ذکر کر دینا موزوں ہے کہ روافض نہ صرف یہ کہ تکفیر صحابہؓ اور قذف عائشہ صدیقہؓ کے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ ان دونوں چیزوں کو، کہ جو اعظم موجبات کفر میں سے ہیں، ترقی درجات کا سبب بھی مانتے ہیں حالانکہ یہ سب کے نزدیک مسلمہ ہے کہ محض استحلال معصیت ہی کفر ہے چہ جائیکہ کفر کو ترقی درجات کا موجب مانا جائے۔

امام ابوزرعہؒ نے جو امام مسلم کے جلیل القدر شیوخ میں سے ہیں کہا ہے کہ اگر کوئی شخص رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے کسی کی تنقیص و توہین کرے تو بلاشبہ وہ زندیق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حق ہے اور رسول جو کچھ (دین و شریعت) لے کر آئے وہ حق ہے، نیز ان سب (قرآن اور دین و شریعت) کو نقل اور ہدایت کے ذریعہ ہم تک پہنچانے والے ان صحابہؓ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے پس جس شخص نے ان صحابہؓ میں عیب و نقص نکالا اس نے دراصل کتاب و سُنت کو باطل اور لغو قرار دینے کا ارادہ کیا۔ اس اعتبار سے سب سے بڑا عیب دار اور ناقص خود وہی شخص قرار پائے گا اور اس پر زندقہ و ضلالت کا حکم راست و درست آئے گا۔

حضرت سہل ابن عبداللہ تستریؒ کا قول ہے، اس شخص کو آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے والا ہرگز نہیں کہا جا سکتا جس نے آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ کی توقیر نہ کی۔

محیط میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ رافضیوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے منکر ہیں۔

خلاصہ میں لکھا ہے: من انکر خلافۃ الصدیق فھو کافر یعنی جس شخص نے ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا انکار کیا وہ کافر ہے۔

مرغینانی میں مذکور ہے کہ اہل اہواء اور مبتدعین کے پیچھے نماز مکروہ ہے جب کہ رافضیوں کے پیچھے ناجائز ہے۔

قاضیؒ نے شفا میں لکھا ہے کہ حضرت مالک ابن انسؒ وغیرہ کا قول ہے:

من ابغض الصحابۃ و سبھم فلیس لہٗ فِیْ المسلمین حق۔

"جس شخص نے صحابہؓ سے بغض رکھا اور ان کو برا کہا اس کا مسلمانوں کے مال فے میں کوئی حق نہیں۔"

انہی کا یہ قول بھی ہے کہ:

من غاظہ اصحاب محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فھو کافر قَالَ اللّٰہ تعالٰی لیغیظ بھم الکفار۔

"جس شخص نے اصحابؓ محمد کے تئیں بغض و غصہ رکھا، وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "تاکہ ان سے کافروں کو غصہ دلائے" کے بموجب کافر ہے۔"

قاضی ابوبکر باقلانیؒ نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے اور بیہقیؒ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی ایسا ہی قول نقل کیا ہے، بلکہ فقہائے حنفیہ نے شیعوں کو جو کافر کہا ہے اس کی بنیاد حضرت امام اعظمؒ ہی کا یہی قول ہے۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ شیعوں اور رافضیوں کے معتقدات کو سب سے زیادہ جاننے والے حضرت امام اعظمؒ ہی ہیں کیونکہ وہ کوفی ہے اور رفض و تشیع کا اصل منبع و مرکز کوفہ ہی رہا ہے۔ پس اگر امام اعظمؒ نے خلافت صدیقؓ کے منکر کی تکفیر کی ہے تو حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ یا کسی بھی صحابی کو لعنت کرنے والا ان کے نزدیک بدرجۂ اولیٰ کافر ہو گا۔

حضرت امام مالکؒ نے نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے کسی کو بھی مثلاً حضرت ابوبکرؓ کو یا حضرت عمرؓ کو اور یا حضرت عثمانؓ کو برا

کہنے والے کے بارہ میں حکم بیان کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ:

فان قالَ کانوا علی ضلال اَوْ کفر قتل۔

"اگر وہ شخص یہ کہے کہ وہ (صحابہ) گمراہ تھے یا کافر تھے تو اس شخص کو قتل کیا جائے۔"

حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کے قول و ارشادات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی روافض کے ارتداد کے قائل تھے، بہرحال روافض کے کفر کی یہ چند دلیلیں ہیں، اگرچہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل ہیں درازگی کے خوف سے انہی چند دلائل کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے اور وہ بھی اس لئے کہ عام مسلمان بھائی شک وشبہ کا شکار نہ رہیں ان کو صحابہؓ کی عظمت اور ان کو برا کہنے والوں کی برائی معلوم ہو جائے۔ رافضیوں کے فریب سے ہوشیار رہیں، اپنا عقیدہ خراب نہ کریں، ان کے میل جول سے اجتناب کریں اور ان کے ساتھ رشتہ ناتہ جوڑنے سے باز رہیں، اور اگر صحابہؓ کے فضائل ومناقب سے متعلق ان آیات و احادیث کو دیکھ کر شائد کسی شیعہ کو توفیق الٰہی نصیب ہو جائے تو وہ توبہ کر کے اپنی عاقبت درست کر لے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب: ہوسکتا ہے کوئی رافضی یہ اعتراض کرے کہ مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں اس بات کو آسان نہیں بتایا گیا ہے کہ شیخین کو برا کہنے والے کو کافر قرار دے دیا جائے، نیز صاحب جامع الاصول اور صاحب مواقف نے شیعوں کو اسلامی فرقوں میں شمار کیا ہے، اسی طرح شیخ ابوالحسن اشعریؒ اور امام غزالی نے بھی اس کو مناسب نہیں سمجھا ہے کہ اہل قبلہ کو کافر کہا جائے، لہٰذا جو لوگ شیعوں کو کافر کہتے ہیں ان کا قول سلف اہل سُنّت کے موافق نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ان بزرگان اُمت اور اساطین علم نے شیعوں کی تکفیر میں احتیاط کا دامن تھاما ہے اور اس فرقہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے میں تامل کیا ہے، لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان حضرات نے شیعوں کے تمام عقائد و نظریات اور ان کے احوال و معاملات کو پوری طرح جاننے کے باوجود ان کی تکفیر سے اعراض کیا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ان بزرگوں کے ذہن میں شیعیت کا مسئلہ پوری طرح واضح نہیں تھا اور شیعوں کے متعلق تمام چیزوں کی حقیقی اور واقعاتی حیثیت پورے بسط کے ساتھ ان کے علم میں نہیں تھی جس کی بناء پر انہوں نے شیعوں کے بارے میں اپنا خیال و نظریہ کا اظہار کیا جو ان کے اس وقت کے علم اور معلومات کے مطابق اور اس طرح کی بہت نظیریں ملتی ہیں کہ جلیل القدر صحابہ تک کو بعض مسائل میں اشتباہ ہوا اور ان کا قول یا عمل ان کے مسائل کے حقیقی پہلو سے مختلف ظاہر ہوا، مثال کے طور پر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو نماز میں اطباق یدین کے مسئلہ میں اشتباہ کا ہونا یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بیع امہات اولاد کے اور زندیقوں کو آگ میں جلا دینے کے مسئلہ میں اشتباہ ہونا اور یا حضرت عمر فاروقؓ کو جنبی کے تیمم کے مسئلہ میں اشتباہ ہونا، پس مذکورہ بالا بزرگوں کی نظر، محض اس بات پر گئی کہ شیعہ اہل قبلہ اور کلمہ گو ہیں اور اسی بناء پر انہوں نے ان کی تکفیر سے احتیاط برتی، اگر ان کے علم میں شیعوں کے وہ تمام عقائد اور حالات تفصیل کے ساتھ آجاتے جو ان کے اہل قبلہ اور کلمہ گو ہونے کے صریح منافی ہیں اور جو کسی بھی شخص کی تکفیر کے لئے واضح ثبوت اور دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں تو یقیناً وہ بزرگ بھی ان کی تکفیر کے قائل ہوتے جب خلیفۃ المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زکوٰۃ کی فرضیت اور ادائیگی سے انکار کرنے والے کے خلاف تلوار اٹھانے کا فیصلہ کیا تو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے ان لوگوں کے کلمہ گو ہونے ہی کی بنیاد پر حضرت ابوبکرؓ کے سامنے ان کی سفارش کی اور کہا کہ ہم ان لوگوں کے خلاف جنگ و قتال کیسے کر سکتے ہیں جب کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

امرت ان اقاتل النّاسَ حتّٰی یقولو الا الٰہ الا اللّٰہ۔

"مجھے (پروردگار کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللّٰہ کہیں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے پورے عزم کے ساتھ جواب دیا کہ میں ہر اس شخص کے خلاف جنگ و قتال کروں گا جو نماز اور روزہ کے درمیان

فرق کرے گا (اور اس کی کلمہ گوئی میرے ارادہ میں حائل نہیں ہوگی) حضرت عمرؓ بولے: میں نے دیکھ لیا کہ اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کو شرح صدر عطا فرمادیا ہے اور اب میں کہہ سکتا ہوں کہ حق وہی ہے جو ابوبکرؓ کہہ رہے ہیں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ محولہ بالا بزرگوں نے اپنے ان اقوال و نظریات کا اظہار ان شیعوں کے بارہ میں فرمایا ہو، جو اس زمانہ میں ایسے برے اور فاسد عقائد و احوال نہیں رکھتے تھے جیسے بعد میں شیعوں اور رافضیوں نے اختیار کر لئے۔ اس کی تائید مرقاۃ میں ملا علی قاریؒ کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ:

قلت وهذا في حق الرافضة والخارجة في زماننا كانهم يعتقدون كفر اكثر اكابر الصحابة فضلا من سائر اهل السنة والجماعة فهم كفرة بالاجماع بلا نزاع۔

"میں کہتا ہوں کہ یہ بات ہمارے زمانہ کے رافضیوں اور خارجیوں کے حق میں صادق آتی ہے کیونکہ ان فرقوں کے لوگ اکابر صحابہؓ میں سے اکثر کے کفر کا عقیدہ رکھتے ہیں اور تمام اہل سُنّت و الجماعت کو بھی کافر سمجھتے ہیں ان فرقوں کے کافر ہونے پر اجماع ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

صحابہؓ کا وجود اُمت کے لئے امن و سلامتی کا باعث تھا

④ وَعَنْ اَبِيْ بُرْدَةَؓ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَفَعَ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاْسَهٗ اِلَى السَّمَاءِ وَكَانَ كَثِيْرًا مَا يَرْفَعُ رَاْسَهٗ اِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ النُّجُوْمُ اَمَنَةٌ لِلسَّمَآءِ فَاِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ اَتَى السَّمَآءَ مَا تُوْعَدُ وَاَنَا اَمَنَةٌ لِاَصْحَابِيْ فَاِذَا ذَهَبْتُ اَنَا اَتَى اَصْحَابِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ وَاَصْحَابِيْ اَمَنَةٌ لِاُمَّتِيْ فَاِذَا ذَهَبَ اَصْحَابِيْ اَتَى اُمَّتِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوبردہ اپنے والد (حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے یعنی حضرت ابوموسیٰؓ نے بیان کیا کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے آسمان کی طرف اپنا سر مبارک اٹھایا اور آپ ﷺ اکثر (وحی کے انتظار میں) آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے، اور پھر فرمایا، ستارے آسمان کے لئے امن و سلامتی کا باعث ہیں، جس وقت یہ ستارے جاتے رہیں گے تو آسمان کے لئے وہ چیز آجائے گی جو موعود و مقدر ہے، میں اپنے صحابہؓ کے لئے امن و سلامتی کا باعث ہوں، جب میں (اس دنیا سے) چلا جاؤں گا تو میرے صحابہؓ میری اُمت کے لئے امن و سلامتی کا باعث ہیں، جب میرے صحابہؓ (اس دنیا سے) رخصت ہو جائیں گے تو میری اُمت پر وہ چیز آپڑے گی جو موعود و مقدر ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "ستارے" کا لفظ سورج اور چاند کو بھی شامل ہے۔ اور "ستاروں کے جاتے رہنے" سے مراد سورج، چاند اور تمام ستاروں کا بے نور ہو جانا ٹوٹ پھوٹ کر گر پڑنا اور معدوم ہو جانا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ○ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ۔

"جب (قیامت کے دن) آفتاب بے نور ہو جائے گا اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔"

"آسمان کے لئے جو چیز موعود و مقدر ہے" سے مراد قیامت کے دن آسمانوں کا پھٹ جانا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر روئی کے گالوں کی طرح اڑنا ہے، اس کی خبر قرآن کریم نے اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ (جب آسمان پھٹ جائے گا) اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (جب آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا) کے الفاظ میں دی ہے۔

"صحابہ کے لئے موعود و مقدر چیز" سے مراد فتنہ و فساد، اختلافات و نزاعات، باہمی جنگ و جدل اور بعض اعرابی قبائل کا مرتد ہو جانا

اسی طرح "اُمت کے لئے موعود و مقدر چیز" سے مراد بداعتقادی وبدعملی کے فتنوں کا امنڈ پڑنا، بدعات کا زور ہو جانا، مسلمانوں پر دینی وملی سانحات و حادثات کا واقع ہونا، اہل خیر وبرکت کا اس دنیا سے اٹھ جانا، اہل شر کا باقی رہنا اور ان (اہل شر) پر قیامت قائم ہونا، پس اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اہل خیر کا وجود شر کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے، جب اہل خیر اٹھ جاتے ہیں تو شر کو در آنے کا موقع مل جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا وجود آپ ﷺ کے صحابہؓ کے لئے شر سے حفاظت کا مکمل ضامن تھا، کسی بھی معاشرے میں فتنہ کی ابتداء مختلف الذہن اور مختلف الخیال لوگوں کی باہمی آویزش اور ایک دوسرے کے خلاف رائے رکھنے سے ہوتی ہے، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہ صورت حال تھی کہ جب کسی بھی مسئلہ میں صحابہؓ کا باہمی اختلاف ہوتا تو آنحضرت ﷺ وہ پہلو بیان فرما دیتے جو حقیقت کے مطابق ہوتا اور تمام صحابہؓ اسی پر جم جاتے تھے۔ ایسی صورت میں کسی فتنہ کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، جب آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے، تو صورت حال مختلف ہوگئی۔ صحبت رسول ﷺ سے محروم مسلمانوں کی کثرت ہوتی گئی، خودرائی کا رجحان پیدا ہونے لگا، اور چونکہ اس خودرائی کی بنیاد ذاتی اغراض اور نفسیاتی خواہشات ہوتی تھی اس لئے فتنہ وفساد جنم لینے لگے، وہ تو صحابہؓ کی بڑی تعداد موجود تھی جو کسی بھی معاملہ میں اپنی ذاتی خواہش اور رجحان کو اہمیت نہیں دیتے تھے بلکہ ہر معاملہ اور ہر مسئلہ میں آنحضرت ﷺ کے قول یا فعل اور یا دلالت حال سے استناد کرتے تھے اور ذات رسالت پناہ کی صحبت ورفاقت کے انوار سے بھرپور تھے، اس لئے ان کا وجود بہرحال اتنا باعث خیر وبرکت تھا کہ فتنوں اور برائیوں کے اندھیرے زیادہ پھیلنے نہیں پائے لیکن جب ان صحابہؓ کا وجود بھی اس دنیا سے رخصت ہوگیا تو انوار و برکات میں بہت ہی کمی آگئی اور تاریکیوں کو بڑھنے پھیلنے کا موقع مل گیا۔ اسی حقیقت کو آنحضرت ﷺ نے ستاروں اور آسمان کی مثال کے ذریعہ پہلے سے بیان فرما دیا تھا کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آسمان کا وجود اسی وقت تک ہے۔ جب تک چاند سورج اور ستارے اپنی ضیاپاشیوں کے ساتھ موجود ہیں، جب یہ ستارے ختم ہو جائیں گے تو آسمان کے وجود کے خاتمہ کا وقت آجائے گا، اور جب آسمان کا وجود ختم ہو جائے گا تو پوری کائنات اپنے عدم کی تاریکی میں گم ہو جائے گی۔ پس صحابہؓ ان ستاروں کی مانند ہیں جن کے وجود سے کائنات کو روشنی ملتی ہے اور اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اَصْحَابِیْ کَالنَّجُوْمِ بِاَیِّہِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ۔

"میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے راہ یاب ہو گے۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم کی برکت

(۳) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ فَیَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَیَقُوْلُوْنَ ھَلْ فِیْکُمْ مَّنْ صَاحَبَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُفْتَحُ لَھُمْ ثُمَّ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ فَیَغْزُوْا فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَیُقَالُ ھَلْ فِیْکُمْ مَّنْ صَاحَبَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُفْتَحُ لَھُمْ ثُمَّ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ فَیَغْزُوْا فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَیُقَالُ ھَلْ فِیْکُمْ مَّنْ صَاحَبَ مَنْ صَاحَبَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُفْتَحُ لَھُمْ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یُبْعَثُ مِنْھُمُ الْبَعْثُ فَیَقُوْلُوْنَ انْظُرُوْا ھَلْ تَجِدُوْنَ فِیْکُمْ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیُوْجَدُ الرَّجُلُ فَیُفْتَحُ لَھُمْ ثُمَّ یُبْعَثُ الْبَعْثُ الثَّانِیْ فَیَقُوْلُوْنَ ھَلْ فِیْھِمْ مَّنْ رَاٰی اَصْحَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیُفْتَحُ لَھُمْ ثُمَّ یُبْعَثُ الْبَعْثُ الثَّالِثُ فَیُقَالُ انْظُرُوْا ھَلْ تَرَوْنَ فِیْھِمْ مَّنْ رَاٰی مَنْ رَاٰی اَصْحَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ یَکُوْنُ الْبَعْثُ الرَّابِعُ فَیُقَالُ انْظُرُوْا ھَلْ تَرَوْنَ فِیْھِمْ اَحَدًا رَاٰی مَنْ رَاٰی اَحَدًا رَاٰی اَصْحَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیُوْجَدُ الرَّجُلُ فَیُفْتَحُ لَہٗ۔

"اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، "لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرنے نکلے گی، اور پھر وہ لوگ (آپس میں) ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کو رسول کریم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ وہ لوگ جواب میں کہیں گے کہ ہاں (ہمارے درمیان صحابی رسول موجود ہیں) پس ان لوگوں کے لئے قلعہ وشہر کے دروازے وا ہو جائیں گے (یعنی صحابہؓ کی برکت وشوکت سے دشمنوں کے مقابلہ پر ان کو فتح حاصل ہوگی) پھر لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے گی اور پھر وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص بھی موجود ہے جس نے رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ کی صحبت کا شرف حاصل کیا ہے (جس کو تابعی کہتے ہیں) وہ جواب میں کہیں گے کہ ہاں (ہمارے درمیان تابعی موجود ہیں پس (تابعی کی برکت سے) ان کے لئے قلعہ وشہر کے دروازے وا ہو جائیں گے پھر لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے گی اور پھر وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ کے صحبت یافتہ حضرات کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔ (جس کو تبع تابعی کہتے ہیں) وہ جواب میں کہیں گے کہ ہاں (ہمارے درمیان تبع تابعی موجود ہیں) پس (تبع تابعی کی برکت سے) ان لوگوں کے لئے قلعہ وشہر کے دروازے وا ہو جائیں گے (بخاریؒ و مسلمؒ) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس وقت لوگوں میں سے ایک لشکر (دشمنوں کے مقابلہ پر لڑنے کے لئے) بھیجا جائے گا اور پھر وہ اہل لشکر آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ذرا دیکھو، تمہارے درمیان رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے کوئی موجود ہے یا نہیں؟ (تلاش کرنے کے بعد) پتہ چلے گا کہ (لشکر میں) ایک صحابیؓ موجود ہیں، پس (ان صحابی کی برکت سے) اس لشکر کو فتح حاصل ہوگی۔ اس کے بعد (اگلے زمانہ میں) ایک دوسرا لشکر (کسی دوسرے علاقہ کی طرف دشمنوں کے مقابلہ پر) روانہ کیا جائے گا اور پھر وہ اہل لشکر کے آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ذرا دیکھو، تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص موجود ہے یا نہیں جس نے رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ کو دیکھا ہو؟ (تلاش کرنے پر) پتہ چلے گا کہ (لشکر میں) ایک ایسے شخص یعنی تابعی موجود ہیں۔ پس (ان تابعی کی برکت سے) اس لشکر کو فتح حاصل ہوگی۔ پھر اس کے بعد (اگلے زمانہ میں) ایک تیسرا لشکر روانہ کیا جائے گا اور پھر وہ لشکر آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ذرا دیکھو، تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص موجود ہے یا نہیں۔ جس نے کسی ایسے شخص کو دیکھا ہو جس نے رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ کو دیکھا ہو؟ (تلاش کرنے پر) پتہ چلے گا کہ (لشکر میں) ایسے شخص موجود ہیں، پس (ان کی برکت سے) اس لشکر کو فتح حاصل ہوگی۔ پھر اس کے بعد (اگلے زمانہ میں) ایک چوتھا لشکر روانہ کیا جائے گا اور پھر وہ لشکر آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ذرا دیکھو تمہارے درمیان کوئی ایسا لشکر موجود ہے یا نہیں جس نے کسی ایسے شخص کو دیکھا ہو جس نے رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ کو دیکھنے والے کسی شخص کو دیکھا ہو؟ (تلاش کرنے پر) پتہ چلے گا کہ (لشکر میں) ایک ایسے شخص موجود ہیں، پس (ان کی برکت سے) اس لشکر کو فتح حاصل ہوگی۔"

تشریح: ان دونوں روایتوں میں آنحضرت ﷺ کے اس معجزہ کا ذکر تو ہے ہی کہ آپ ﷺ نے ایک ایسی حقیقت کی پیش بیانی فرمائی جو آپ ﷺ کے بعد تین یا چار قرنوں (زمانوں) میں وقوع پزیر ہونے والی تھی اس کے ساتھ ہی ان روایتوں میں آپ ﷺ کے صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور تبع اتباع تابعین کی فضیلت اور ان کا باعث خیر وبرکت ہونا بھی مذکور ہے، ان دونوں روایتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں تو تین فرقوں یعنی صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ کا ذکر ہے جب کہ مسلمؒ کی دوسری روایتوں میں چار فرقوں یعنی صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اور تبع اتباع تابعین کا ذکر ہے، اور بخاری کی بھی ایک، صحیح روایت میں جو حدیث خیر القرون سے متعلق ہے۔ چار قرنوں کا ذکر ہے چونکہ اس درجہ کے اہل خیر چوتھے قرن میں نادر وکمیاب تھے اور پہلے تین قرنوں میں اہل خیر وبرکت اور اہل علم ودانش کی کثرت تھی، کوتاہ بینی، ناسمجھی اور فتنہ وفساد کی راہ مسدود تھی اس لئے اکثر روایتوں میں تین ہی قرنوں کے ذکر پر اکتفا کیا ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے بطریق مرفوع منقول ہے کہ:

خیر النّاس القرن الذی انا فیہ ثُمَّ الثانی ثُمَّ الثالث۔

"(آپ ﷺ نے فرمایا) بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں پھر دوسرے زمانہ کے اور پھر تیسرے زمانہ کے لوگ۔"

طبرانیؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ:

خیر النّاس قرنی ثُمَّ الثانی ثُمَّ الثالث ثُمَّ تجئی قوم لا خیر فیھم۔ (طبرانی)

"بہترین لوگ وہ ہیں، جو میرے زمانہ میں ہیں پھر دوسرے زمانہ کے لوگ پھر تیسرے زمانہ کے لوگ، اور پھر جو قوم آئے گی اس سے (پہلے زمانے جیسے) بہترین لوگ نہیں ہوں گے۔"

"جس نے رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ کو دیکھا ہو" یہ مسلم کی دوسری روایت کے الفاظ ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ "تابعی" ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس نے صحابہؓ کو دیکھا ہو جیسا کہ "صحابی" ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہو، لیکن بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ "صحابی" ہونے کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہو لیکن "تابعی" ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کو صحابہؓ کی صحبت و ملازمت بھی نصیب ہوئی ہو جیسا کہ پہلی روایت میں شرف صحبت کا ذکر ہے۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ یہاں "صحابہ کو دیکھا ہو" سے مراد یہ ہے کہ وہ صحابہؓ کی صحبت میں رہا ہو۔

(۴) وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ اُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ اِنَّ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَشْهَدُوْنَ وَلَا يُسْتَشْهَدُوْنَ وَيَخُوْنُوْنَ وَلَا يُؤْتَمَنُوْنَ وَيَنْذِرُوْنَ وَلَا يَفُوْنَ وَيَظْهَرُ فِيْهِمُ السِّمَنُ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَيَحْلِفُوْنَ وَلَا يُسْتَحْلَفُوْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ثُمَّ يَخْلُفُ قَوْمٌ يُحِبُّوْنَ السَّمَانَةَ۔

"اور حضرت عمران ابن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میری اُمت کے بہترین لوگ میرے قرن کے لوگ (یعنی صحابہؓ) ہیں، پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں (یعنی تابعی) اور پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں۔ اور پھر ان قرنوں کے بعد جن لوگوں کا زمانہ آئے گا ان میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو خود بخود گواہی دیں گے اور کوئی ان کی گواہی نہ چاہے گا ایسے لوگ بھی ہوں گے جو خیانت کریں گے اور ان کی دیانت و امانت پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، ایسے لوگ بھی ہوں گے جو نذر مانیں گے اور اپنی نذر کو پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا فربہی پیدا ہوگی، اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جو (بلا ضرورت و بلاوجہ) قسمیں کھائیں گے حالانکہ ان کو قسم نہیں دلائی جائے گی۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) اور مسلم کی ایک روایت میں جو حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے یہ الفاظ ہیں کہ "پھر ان لوگوں کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو موٹاپے کو یعنی فربہی کو پسند کریں گے۔"

تشریح: "قرن" عہد یا زمانہ کو کہتے ہیں، جس کی مقدار بعض حضرات نے چالیس سال، بعض نے اسی سال اور بعض نے سو سال مقرر کی ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ "قرن" کا اطلاق ماہ و سال کے تعین کے اعتبار سے محدود عہد یا زمانہ پر نہیں ہوتا بلکہ ہر وہ عہد یا زمانہ "قرن" کہلاتا ہے، جو تقریباً یکساں عمر رکھنے والے لوگوں پر مشتمل ہو گویا "قرن" جو لفظ "اقتران" سے ماخوذ ہے ایسی مقدار ہے جس میں اس زمانہ کے لوگ اپنی عمروں اور احوال کے اعتبار سے ایک دوسرے کے نزدیک ہوتے ہیں، پس آنحضرت ﷺ کے قرن سے مراد صحابہؓ کا قرن ہے۔ اس قرن کی ابتداء زمانہ رسالت سے ہوتی ہے اور اس کا آخر وہ زمانہ ہے جب تک کہ ایک صحابی بھی دنیا میں باقی رہا یعنی ۱۱۰ھ تک۔ دوسرا قرن کہ جو تابعین کا قرن ہے ۱۰۰ھ سے ۱۷۰ھ تک کے زمانہ پر مشتمل ہے اور تیسرا قرن کہ جو اتباع تابعین کا قرن ہے۔ تابعین کے قرن کے بعد سے شروع ہو کر تقریباً ۲۲۰ھ تک کے زمانہ پر مشتمل ہے اس قرن کے بعد اس مخصوص خیر و برکت کا سلسلہ ختم ہو گیا، جو قرن اول (یعنی زمانہ رسالت اور قرن صحابہؓ) اور اس سے ملے ہوئے دونوں قرنوں کو زمانی فرق کی نسبت سے کم و بیش حاصل رہی، پھر تو بدعتوں کا ظہور شروع ہو گیا، دین کے نام پر عجیب و غریب چیزیں پیدا ہونے لگیں، فلاسفہ اور نام نہاد عقلاء نے سر اٹھائے، معتزلہ کا جنم

ہوا اور انہوں نے دین کو مسخ کرنے کا بیڑہ اٹھایا، قرآن کو مخلوق کہنے کا فتنہ اٹھا، جس نے اہل علم کو زبردست آزمائش و امتحان سے دوچار کیا، لوگوں کی دینی زندگی کو گھن لگنے لگا، نت نئے افکار و خیالات جنم لینے لگے، اختلاف و نزاعات پھیلنے لگے، آخرت کا خوف کم ہوا اور دنیا کی طرف رجحان بڑھنے لگا، احکام شریعت اور سنّت کی اتباع میں اس قدر خلل و نقصان پڑا کہ اخلاقی زندگی مجروح ہونے لگی۔ اور لوگوں کا وہ حال ہونے لگا کہ جس کی خبر مخبر صادق ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرمائی۔

"جو خود بخود گواہی دیں گے اور کوئی ان کی گواہی نہ چاہے گا" حدیث کے ان الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر طلب گواہی دینا ایک بری حرکت ہے، جب کہ ایک دوسری حدیث میں یہ آیا ہے کہ "گواہوں میں بہتر وہ گواہ ہے جو گواہی دے اس سے پہلے کہ اس سے گواہی کی درخواست کی جائے" بظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔ لیکن در حقیقت ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں کیونکہ بغیر طلب گواہی دینے کی برائی ظاہر کرنے والی حدیث کا تعلق اس شخص سے ہے۔ جس کے بارہ میں معلوم ہو کہ وہ فلاں واقعہ یا معاملہ کا گواہ ہے لیکن اس کے باوجود صاحب معاملہ (مثلاً مدعی) نہ تو اس سے گواہی دینے کی درخواست کرتا ہے اور نہ اس کو عدالت میں بطور گواہ پیش کرنا چاہتا ہے، ایسی صورت میں اگر وہ شخص از خود (بغیر طلب) گواہی دیتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی گواہی کے کوئی معنی تو ہوں گے نہیں البتہ یہ ضرور ثابت ہوگا کہ وہ اس گواہی کے پردہ میں کوئی فاسد غرض رکھتا ہے، اس کے برخلاف اگر یہ صورت ہو کہ ایک شخص کسی واقعہ یا معاملہ کا گواہ ہے۔ لیکن اس کا گواہ ہونا صاحب معاملہ کو معلوم نہیں، وہ دیکھ رہا ہے کہ اگر میں نے گواہی نہ دی تو ایک مسلمان بھائی کا حق ڈوب جائے گا یا اس کو بلاوجہ کوئی جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑے گا، اس جذبۂ خیر کے ساتھ وہ صاحب معاملہ کو بتاتا ہے کہ میں اس واقعہ یا معاملہ کا گواہ ہوں، اور اگر تم چاہو تو تمہاری طرف سے عدالت میں پیش ہو کر گواہی دے سکتا ہوں، بغیر طلب گواہی دینے والا ایسا شخص یقیناً قابل تعریف ہوگا اور کہا جائے گا کہ دوسری حدیث (جس میں بغیر طلب گواہی دینے والے کو بہترین گواہ فرمایا گیا ہے) ایسے شخص کے حق میں ہے۔ یا یہ کہ بغیر طلب گواہی دینے کی اچھائی بیان کرنے والی حدیث دراصل اس بات کو مبالغہ کے طور پر یعنی زیادہ سے زیادہ شدت اور تاکید کے ساتھ بیان کرنے کے لئے ہے کہ جو شخص کسی واقعہ یا معاملہ کا سچا گواہ ہو اس کو چاہئے کہ گواہی دینے سے اعراض نہ کرے اور جب اس سے کوئی گواہی طلب کی جائے تو دیر نہ کرے فوراً حاضر ہو اور گواہی نہ چھپائے، اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بغیر طلب گواہی دینے کی برائی ظاہر کرنے والی یہ حدیث اس شخص کے حق میں ہے جو گواہ بننے کا اہل نہ ہو یا اس شخص پر محمول ہے جو جھوٹی گواہی دے بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ بغیر طلب گواہی دینے کی برائی بیان کرنے والی اس حدیث کا تعلق حقوق العباد سے متعلق گواہی دینے سے ہے اور اچھائی بیان کرنے والی حدیث کا محمول حقوق اللہ سے متعلق گواہی دینا ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ گواہی کو چھپانے میں کوئی مصلحت نہ ہو اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث میں "شہادت" سے مراد سوگند (قسم) ہے۔ اس صورت میں حدیث کے ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہوگا: ان میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو جھوٹی قسم کھائیں گے اس سے پہلے کہ کوئی ان کو قسم دے اور قسم کھلوائے۔

"جو خیانت کریں گے اور ان کی دیانت و امانت پر اعتماد نہیں کیا جائے گا" کا مطلب یہ ہے کہ خیانت و بددیانتی میں وہ اس قدر جری اور مشہور ہو جائیں گے کہ لوگ ان کو امانت دار اور بادیانت ماننا ہی چھوڑ دیں گے اور ان کو امانت کے وصف سے خالی سمجھا جائے گا۔ ہاں اگر کسی سے کبھی کبھار کوئی خیانت سرزد ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں۔

"جو نذر مانیں گے اور اپنی نذر کو پورا نہیں کریں گے" یعنی نہ صرف یہ کہ نذر پوری نہیں کریں گے بلکہ اس بات کو کوئی اہمیت بھی نہیں دیں گے کہ نذر مان کر اس کا پورا نہ کرنا کتنی بری بات ہے۔ حالانکہ نذر پوری کرنا لازم ہے اور اللہ کے جو نیک بندے اس پر عمل کرتے ہیں ان کی تعریف قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے:

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا۔

"وہ (اللہ کے نیک بندے) نذر پوری کرتے ہیں، اور اس (قیامت کے) دن سے ڈرتے ہیں۔"

"اور ان میں موٹاپا یعنی فربہی پیدا ہوگی" لفظ "سمن" کے معنی موٹاپے، کے ہیں جو بہت کھانے پینے اور تنعم و ترفہ کے سبب پیدا ہوتا ہے۔ پس یہاں وہ موٹاپا مراد نہیں ہے جو خلقی اور طبعی طور پر ہو۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہاں "فربہی" سے مراد احوال میں فربہی ہے یعنی فخر و شیخی کی راہ سے اپنے تئیں مالدار اور خوشحال ظاہر کریں گے اور عزت و شرف کی ان باتوں کا دعوی کریں گے جو سرے سے ان میں نہیں ہوں گی، اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ "فربہی" سے مراد مال و دولت جمع کرنا اور تن پروری میں مشغول رہنا ہے۔ تورپشتیؒ نے لکھا ہے "ان میں فربہی پیدا ہوگی" کے الفاظ دراصل اس بات سے کنایہ ہیں کہ دینی معاملات اور احکام شریعت کی بجا آوری میں غفلت و کوتاہی کا شکار ہوں گے اور اوامر و نواہی کو ملحوظ رکھنے کا وہ اہتمام نہیں کریں گے جو دین و شریعت کا اصل تقاضا ہیں۔ اس بات کو "فربہی" سے تعبیر کرنے کی وجہ مناسبت یہ ہے کہ عام طور پر موٹے لوگ سست و کاہل ہوتے ہیں، محنت و مشقت سے جی چراتے ہیں، نفس کو ریاضت میں ڈالنے سے کتراتے ہیں۔ اور ان کا زیادہ تر اہتمام نفس کی لذت کوشی، تن پروری اور راحت و آرام کے ساتھ اپنے بستروں پر پڑے رہنے تک محدود رہتا ہے۔

شرح مسلم میں لکھا ہے کہ علماء نے وضاحت کی ہے۔ کہ وہ فربہی مذموم ہے، جو (عیش و تنعم کے ذریعہ) قصدًا پیدا کی جائے۔ خلقی و طبعی فربہی نہ مذموم ہے نہ اس پر اس طرح کی روایتوں کا اطلاق ہوتا ہے! اس وضاحت سے اس روایت کے معنی بھی صاف ہو جاتے ہیں جس میں فرمایا گیا کہ:

اِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ الْحِبْرَ السَّمِیْنَ۔

"اللہ تعالیٰ فربہ عالم کو سخت ناپسند کرتا ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

صحابہؓ کی تعظیم و تکریم لازم ہے

⑤ عَنْ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّھُمْ خِیَارُکُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ یَظْھَرُ الْکِذْبُ حَتّٰی اَنَّ الرَّجُلَ لَیَحْلِفُ وَلاَ یُسْتَحْلَفُ وَیَشْھَدُ وَلاَ یُسْتَشْھَدُ اِلاَّ مَنْ سَرَّہٗ بُحْبُوْحَۃَ الْجَنَّۃِ فَلْیَلْزَمُ الْجَمَاعَۃَ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ مَعَ الْفَذِّ وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ وَلاَ یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِاِمْرَاَۃٍ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ ثَالِثُھُمْ وَمَنْ سَرَّتْہُ حَسَنَتُہٗ وَسَآءَ تْہُ سَیِّئَتُہٗ فَھُوَ مُؤْمِنٌ رَوَاہُ النِّسَائِیُّ وَاَسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ وَرِجَالُہٗ رِجَالُ الصَّحِیْحِ اِلاَّ اِبْرَاھِیْمَ ابْنَ الْحَسَنِ الْخَثْعَمِیِّ فَاِنَّہٗ لَمْ یُخْرِجْ عَنْہُ الشَّیْخَانِ وَھُوَ ثِقَۃٌ ثبت۔

"حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرے اصحابؓ کی تعظیم و تکریم کرو، کیونکہ وہ تمہارے برگزیدہ اور بزرگ ترین لوگ ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں یعنی تابعین اور پھر وہ لوگ جو ان (تابعین) کے قریب ہیں یعنی تبع تابعین اور اس کے بعد جھوٹ ظاہر ہو جائے گا یہاں تک کہ ایک شخص قسم کھائے گا، درانحالیکہ اس سے قسم کھانے کا مطالبہ نہ ہوگا اور گواہی دے گا، حالانکہ اس سے گواہی دینے کو نہ کہا جائے گا یاد رکھو، جو شخص جنت کے بالکل درمیان (کہ جو جنت کی بہترین جگہ ہے) رہنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ جماعت کو لازم پکڑے کیونکہ شیطان اس شخص کا ساتھی بن جاتا ہے جو (خود رائے اور جماعت سے) علیحدہ و تنہا ہوتا ہے، شیطان تو دو شخصوں سے بھی (جو اجتماعیت و اتحاد کے ساتھ ہوں) دور بھاگتا ہے اور ہاں کوئی مرد کسی اجنبی یعنی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں ہرگز نہ رہے، کیونکہ ان کا تیسرا ساتھی شیطان ہوتا ہے، (جو ان دونوں کو بہکانے سے ہرگز نہیں چوکے گا) نیز جس شخص کو اس کی نیکی خوشی و اطمینان بخشے اور اس کی بدی

اس کو غمگین و مضطرب کر دے وہ مؤمن ہے۔"

تشریح: اس حدیث میں بھی اسلام کے ابتدائی تینوں قرنوں کے لوگ یعنی جماعت صحابہ طبقۂ تابعین اور طبقۂ تبع تابعین کی فضیلت تمام اُمّت پر ظاہر کی گئی ہے کہ یہ افراد اُمّت کے وہ تین طبقے ہیں جو اُمّت کے سب سے بہترین لوگ ہیں، ملت کے سردار و مقتدا ہیں اور ان تینوں طبقوں کے لوگوں میں اور ان کے زمانوں میں غلبہ صدق و دیانت اور عفت و امانت کو حاصل تھا۔ یہاں تک کہ ان طبقوں کے جن لوگوں کے احوال و کوائف غیر معلوم تھے (جنہیں اصطلاح میں مستور الحال کہا جاتا ہے) ان کو بھی "عادل" مانا گیا ہے، یہ اور بات ہے کہ ان میں سے کسی شاذ و نادر کے بارے میں ایسا نہ کہا جائے کیونکہ ان طبقوں کے لوگ بھی بہرحال غیر "معصوم" انسان تھے۔ پھر ان تینوں طبقوں میں سے بھی طبقۂ اول یا قرن اول کے لوگ یعنی "صحابۂ کرام" کی عظمت و منزلت کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں، ان کی تعظیم و تکریم کرنا ہر امتی پر لازم ہے۔ یہ حکم ان کی زندگی میں بھی ہر مسلمان کے لئے تھا اور ان کے مرنے کے بعد بھی باقی رہا اور قیامت تک اسی طرح باقی رہے گا، کوئی شخص علم و فضل، ذہانت و ذکاوت تقویٰ و پرہیزگاری اور عزیمت و استقامت کے کتنے ہی بلند سے بلند تر مقام پر پہنچ جائے مگر وہ "صحابئ رسول" کا ہمسر نہیں ہو سکتا، صحابئ رسول کا ناقد نہیں بن سکتا، اور صحابۂ رسول کے عمل و کردار کی نکتہ چینی نہیں کر سکتا، اگر کوئی شخص ایسی جرأت کرتا ہے تو وہ ارشاد رسول ﷺ کے خلاف کرتا ہے، اور صحابۂ رسول کی عزت و حرمت کو مجروح کرنے کے سبب اپنا ایمان خطرہ میں ڈالتا ہے۔ بلاشبہ صحابۂ کرام اُمّت کے وہ سب سے برگزیدہ اور نیک ترین فرد ہیں جو بارگاہ رسالت کے مصاحب، خادم اور حاضر باش تھے۔ جو ذات رسالت پناہ ﷺ کے علم و عمل کے براہ راست خوشہ چین اور تربیت یافتہ تھے، ان میں سے جن لوگوں کو صحبت و خدمت کا شرف حاصل نہیں ہوا اور محض جمال باکمال کے دیدار ہی کی سعادت سے بہرور ہوئے۔ ان کا مقام بھی اُمّت کے بڑے سے بڑے عالم و فاضل عابد و زاہد اور غازی و مجاہد سے بڑھ کر ہے، شیخ ابوطالب مکیؒ نے بڑی بچی بات کہی ہے کہ: جمال رخ مصطفیٰ ﷺ پر پڑنے والی ایک نظر سے اتنا کچھ حاصل ہو جاتا تھا اور مطلب براری کی وہ دولت مل جاتی تھی جو اوروں کو بڑے بڑے چلوں اور خلوتوں سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی، ایمان عیانی اور یقین شہودی کا جو مقام ان کو نصیب تھا۔ اس میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں۔

"اس کے بعد جھوٹ ظاہر ہو جائے گا" یعنی ان تینوں زمانوں میں تو دین اپنی بالکل اصلی حالت میں رہے گا اور اخلاص وللّٰہیت سے سارے کام انجام پاتے رہیں گے، لیکن قرن ثالث یعنی تبع تابعین کے زمانہ کے بعد جو زمانہ آئے گا وہ دین و دیانت کے لئے محفوظ و مامون نہیں ہو گا۔ گویا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تبع تابعین کے قرن کے خاتمہ کے بعد بدعات اور نفسانی خواہشات و جذبات کی کارفرمائی کا دور شروع ہو جائے گا، اگرچہ غیر اسلامی افکار و نظریات کے حامل لوگوں جیسے معتزلہ، ربہ اور مرجیہ وغیرہ کا ظہور و شیوع اور بعد کے زمانوں میں ہوا لیکن ان سے پہلے بدعات اور خود رائی کا ظہور و شیوع ہو چکا تھا۔

"جماعت کو لازم پکڑے" میں جماعت سے مراد ملت کا سواد اعظم ہے۔ مطلب یہ کہ دینی و ملی مسائل و معاملات میں انہی اصول و تعلیمات کو راہنما بنایا جائے، جو جمہور صحابہ و تابعین اور سلف صالحین سے منقول ہیں اور انہی کی متابعت اختیار کی جائے ان سے صرف نظر کر کے خود رائے بننا اپنے آپ کو شیطان کا کھلونا بنانا ہے، پس اس حکم میں صحابہؓ و تابعین اور سلف صالحین کی محبت اور ان کی تعظیم و توقیر بھی شامل ہے۔

"وہ مؤمن ہے" یعنی مؤمن کامل کی علامت یہ ہے کہ نیکی کرنے سے خوش و مطمئن ہو اور اگر بدی وجود میں آئے تو رنجور و ناخوش ہو۔ اسی بات کو علماء نے دل کے زندہ و حساس ہونے کی علامت قرار دیا ہے، چنانچہ جو شخص نہ تو نیکی سے خوش ہوتا ہے اور نہ بدی سے ناخوش و مضطرب ہوتا ہے وہ ایسے انسان کی مانند ہے جس کا دل مرچکا ہو، جس کے احساسات فنا ہو چکے ہوں، جیسا کہ منافق، جو قیامت و آخرت کے عقیدہ سے خالی ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک نیکی اور بدی دونوں برابر ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ۔

"اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔"

صحابہؓ و تابعین کی فضیلت

(۶) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَاٰنِيْ اَوْرَاٰى مَنْ رَاٰنِيْ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اس مسلمان کو (دوزخ کی) آگ نہ چھوئے گی جس نے مجھ کو دیکھا ہو یا اس شخص کو دیکھا ہو جس نے مجھ کو دیکھا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ کہ جس شخص نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا یا آنحضرت ﷺ کو دیکھنے والے یعنی صحابی کو دیکھا وہ جنت میں جائے گا بشرطیکہ اس کا خاتمہ ایمان و اسلام پر ہوا ہو، اس شرط کی بنیاد پر (کہ خاتمہ ایمان و اسلام پر ہوا ہو) آنحضرت ﷺ کی اس بشارت کے پیش نظر صحابی و تابعی تو جنتی ہیں ہی لیکن حق تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ ہر مسلمان جنتی ہے۔ واضح رہے کہ کسی کے جنتی ہونے کی امید رکھی جاتی ہے جو ایمان و اسلام کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوا لیکن کچھ مخصوص لوگ ایسے ہیں جن کے جنتی ہونے کی واضح بشارت آنحضرت ﷺ نے اس طرح دی ہے کہ اسی دنیا میں بتایا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ یقینی طور پر جنتی ہیں جیسے عشرۂ مبشرہ، یا جیسے صحابہ و تابعین کے بارے میں آپ ﷺ نے اس حدیث میں عمومی بشارت عطا فرمائی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی بشارت سے دوسرے مسلمان محروم ہیں، درحقیقت جب آپ ﷺ نے احساس فرمایا کہ صحابہ و تابعین کے بارے میں یہ بشارت دیکھ کر وہ مسلمان کہ جن کو نہ بارگاہ رسالت کی حاضری و صحبت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اور نہ رویت صحابہؓ سے مشرف ہوئے ہیں آپ محرومی پر دل گیر ہوں گے تو آپ ﷺ نے ان کو تسلی کے لئے فرمایا طُوْبٰى لِمَنْ رَاٰنِيْ وَاٰمَنَ بِيْ مَرَّةً وَطُوْبٰى لِمَنْ لَّمْ يَرَنِيْ وَاٰمَنَ بِيْ سَبْعَ مَرَّاتٍ۔

صحابہؓ کے فضائل

(۷) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِيْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِيْ وَمَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن مغفلؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (پوری اُمت کو خطاب کرکے) فرمایا: اللہ سے ڈرو، پھر اللہ سے ڈرو میرے صحابہؓ کے حق میں، میرے بعد تم ان (صحابہؓ) کو نشانہ ملامت نہ بنانا (یاد رکھو) جو شخص ان کو دوست رکھتا ہے، تو وہ میری وجہ سے ان کو دوست رکھتا ہے اور جو شخص ان سے دشمنی رکھتا ہے، تو وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کے سبب ان کو دشمن رکھتا ہے۔ اور جس شخص نے ان کو اذیت پہنچائی اس نے گویا مجھ کو اذیت پہنچائی اور جس شخص نے مجھ کو اذیت پہنچائی اس نے گویا خدا کو اذیت پہنچائی اور جس شخص نے خدا کو اذیت پہنچائی تو وہ دن دور نہیں جب خدا اس کو پکڑے گا، اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "اللہ سے ڈرو" یہ الفاظ آپ ﷺ نے تاکید و مبالغہ کے لئے دوبار ارشاد فرمائے صحابہؓ کے حق میں اللہ سے ڈرنے کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی عزت و توقیر کی جائے۔ ان کی عظمت و فضیلت کو ہر حالت میں ملحوظ رکھا جائے، اور صحبت رسول کا جو بلند ترین مقام ان کو حاصل ہے اس کا حق ادا کیا جائے۔

"نشانہ ملامت نہ بناؤ" کا مطلب یہ ہے کہ ان کی طرف بدگوئی کے تیر مت پھینکو، ان کی عظمت کے منافی کوئی بات زبان سے نہ نکالو، ان کی عیب جوئی اور نکتہ چینی سے پرہیز کرو۔

"میری وجہ سے ان کو دوست رکھتا ہے" کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ان کو دوست رکھنے والا اس سبب سے دوست رکھتا ہے کہ میں

ان کو دوست رکھتا ہوں، یا یہ مطلب ہے کہ ان کو دوست رکھنے والا اس سبب سے دوست رکھتا ہے۔ کہ میں ان کو دوست رکھتا ہوں یہ مطلب اگلے جملہ کے سیاق میں زیادہ موزوں ہے، بہر حال اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ میرے صحابہؓ کو دوست رکھنے والا مجھ کو دوست رکھنے والا ہے۔ اور میرے صحابہؓ کو دشمن رکھنے والا مجھ کو دشمن رکھنے والا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مالکیہ کا یہ مسلک حق ہے کہ جس شخص نے صحابہؓ کو برا کہا وہ دنیا میں واجب القتل قرار پاتا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ کسی ذات سے محبت کے صحیح و صادق ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ محبّت محبوب کی ذات سے گزر کر اس کے متعلّقین تک پہنچ جائے، پس حق تعالیٰ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کے رسول سے بھی محبت ہو اور رسول سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کے آل و اصحاب سے بھی محبت ہو۔

"جب خدا اس کو پکڑے گا" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے اس جذبہ وعمل کے ذریعہ یہ ظاہر کرے گا کہ گویا وہ خدا کی اذیت پہنچانے کے سپے درپے ہے تو وہ شخص خدا کی پکڑ سے بچ نہیں سکے گا یعنی آخرت میں تو وہ عذاب خداوندی میں گرفتار ہو گا ہی اس دنیا میں بھی اس کو عذاب بھگتنا پڑ سکتا ہے۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث شائد اس ارشاد خداوندی سے ماخوذ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۝۔

"بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان لانے والی عورتوں کو بدون اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں۔"

صحابہؓ اور اُمّت کی مثال

⑧ وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ اَصْحَابِىْ فِىْ اُمَّتِىْ كَالْمِلْحِ فِى الطَّعَامِ لَا يَصْلُحُ الطَّعَامُ اِلَّا بِالْمِلْحِ قَالَ الْحَسَنُ فَقَدْ ذَهَبَ مِلْحُنَا فَكَيْفَ نَصْلُحُ رَوَاهُ فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میری اُمّت کے درمیان میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے کھانا اس وقت تک اچھا یعنی خوش ذائقہ نہیں ہوتا جب تک اس میں نمک نہ ہو" حضرت حسن بصریؒ نے (اس حدیث کو سن کر) فرمایا ہمارا نمک جاتا رہا پھر ہم اچھے کیسے ہوں۔ اس روایت کو بغویؒ نے (اپنی اسناد سے) شرح السنۃ میں نقل کیا ہے (اسی طرح ابو یعلیؒ نے بھی اس روایت کو اپنی مسند میں حضرت انسؓ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے۔"

تشریح: حضرت حسن بصریؒ نے اس حدیث کو سن کر اپنا جو تاثر بیان کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ اُمّت کے درمیان صحابہ کا وجود چونکہ اُمّت کے بناؤ اور سنوار کا ضامن تھا اس لئے اب جب کہ صحابہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ہم اچھے اور سنورے ہوئے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کے اس تاثر میں زبردست حسرت ہے اور انہوں نے اس حسرت کا اظہار اس حقیقت کے باوجود کیا کہ ان کے زمانہ میں کچھ صحابہؓ موجود تھے۔ واضح رہے کہ حضرت حسن کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے حضرت حسن بصریؒ کے اس حسرت آمیز قول کو نقل کرنے کے بعد بڑی عارفانہ بات کہی ہے کہ اگرچہ اس دنیا میں اور اُمّت کے درمیان صحابہؓ موجود نہیں ہیں لیکن ہم اچھے بن سکتے ہیں اور سنور سکتے ہیں ان کے اقوال و ارشادات سے، ان کی نقل کردہ روایتوں سے، ان کے بلند کردار و حالات کی روشنی سے اور ان کے اخلاق و اوصاف کی پیروی سے کیونکہ اصل اعتبار تو ان ہی چیزوں کا

ہے نہ کہ ذات و اجسام کا۔

قیامت کے دن جو صحابی جہاں سے اٹھے گا وہاں کے لوگوں کو جنّت لے جائے گا

⑨ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ مِنْ اَصْحَابِىْ يَمُوْتُ بِاَرْضٍ اِلَّا بُعِثَ قَائِدًا وَنُوْرًا لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ لَا يُبَلِّغُنِىْ اَحَدٌ فِىْ بَابِ حِفْظِ اللِّسَانِ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن بریدہ اپنے والد (حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میرے صحابہؓ میں سے جو شخص جس زمین میں مرے گا وہاں اپنی قبر سے قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس زمین کے لوگوں کو جنت کی طرف کھینچ کر لے جانے والا ہو گا، اور ان کے لئے نور (یعنی جنّت کا راستہ دکھانے والا) ہو گا" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کردہ حدیث لا یبلغنی احد الخ (جس میں صحابہؓ کا ذکر ہے اور جس کو صاحب مصابیح نے اس باب میں نقل کیا تھا) پیچھے باب حفظ اللسان میں نقل کی جا چکی ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

صحابہؓ کو برا کہنے والا مستوجب لعنت ہے

⑩ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ اَصْحَابِىْ فَقُوْلُوْا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى شَرِّكُمْ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم کہو اللہ کی لعنت ہو تمہاری بری حرکت پر"۔ (ترمذیؒ)

تشریح: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ صحابہؓ کو برا کہنے والے کی برائی (لعنت) خود اسی کی طرف لوٹ جاتی ہے کیونکہ فتنہ و شر والا تو وہی ہوتا ہے۔ جب کہ صحابہؓ اہل خیر میں سے ہیں اور اس اعتبار سے وہ صرف رضا و رحمت کے سزاوار ہیں نیز حدیث میں مذکور حکم اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ اس شخص (کہ جو صحابہؓ کو برا کہے) کی ذات پر لعنت کرنے کے بجائے اس کے فعل پر لعنت کرنا احتیاط کے قرین ہے۔

مذکورہ بالا روایت کو ترمذیؒ کے علاوہ خطیبؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ نیز ابن عدیؒ نے حضرت عائشہ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ:

اِنَّ اَشْرَارَ اُمَّتِىْ اَجْرَؤُهُمْ عَلٰى اَصْحَابِىْ۔

"بلاشبہ میری اُمت کے برے لوگ وہ ہیں جو میرے صحابہؓ کے بارہ میں گستاخ ہیں۔"

ایک اور حدیث مرفوع میں ہے کہ:

يَكُوْنُ فِىْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ يُسَمُّوْنَ الرَّافِضَةَ يَرْفُضُوْنَ الْاِسْلَامَ فَاقْتُلُوْهُمْ فَاِنَّهُمْ مُشْرِكُوْنَ۔

"آخر زمانہ میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کو "رافضی" کہا جائے گا یہ لوگ اسلام کے تارک ہوں گے پس تم ان کو قتل کرنا کیونکہ وہ مشرک ہیں۔"

ایک اور روایت میں یوں فرمایا گیا ہے:

وَيَنْتَحِلُوْنَ حُبَّ اَهْلِ الْبَيْتِ وَلَيْسُوْ كَذٰلِكَ وَاٰيَةُ ذٰلِكَ اَنَّهُمْ يَسُبُّوْنَ اَبَابَكْرٍ وَ عُمَرَ۔

"اور وہ لوگ اہل بیت کی محبت کا دعویٰ کریں گے، حالانکہ وہ ایسے نہیں ہوں گے۔ ان لوگوں کی علامت یہ ہے کہ وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کو برا کہیں گے۔"

اس دنیا میں ایسے لوگوں کا پیدا ہونا، جو بعض جلیل القدر صحابہؓ کو برا کہتے ہیں جیسے روافض یا بعض جلیل القدر اہل بیت کے بارے میں برے عقائد و خیالات رکھتے ہیں اور بدگوئی کرتے ہیں جیسے خوارج، شائد اس حکمت کے تحت ہے کہ جب وہ جلیل القدر ہستیاں اس دنیا سے رخصت ہوگئیں اور ان کے نیک اعمال کا سلسلہ منقطع ہوگیا تو حق تعالیٰ نے چاہا کہ ان کے نامہ اعمال میں ثواب کا اضافہ ہمیشہ جاری رہے تاکہ جنت میں ان کے درجات بلند سے بلند تر ہوتے رہیں اور ان کے دشمن سخت سے سخت اور زیادہ سے زیادہ عذاب سے دوچار ہوں۔ لہٰذا ان جلیل القدر ہستیوں کو برا کہنے والے ان کے ثواب کے اس اضافہ کا سبب بنتے ہیں اور خود اپنے گرد عذاب کا گھیرا سخت سے سخت کرتے جاتے ہیں۔

صحابہؓ کی اقتداء ہدایت کا ذریعہ ہے

(۱۱) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَاَلْتُ رَبِّيْ عَنْ اِخْتِلَافِ اَصْحَابِيْ مِنْ بَعْدِيْ فَاَوْحٰى اِلَيَّ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اَصْحَابَكَ عِنْدِيْ بِمَنْزِلَةِ النُّجُوْمِ فِي السَّمَاءِ بَعْضُهَا اَقْوٰى مِنْ بَعْضٍ وَلِكُلٍّ نُوْرٌ فَمَنْ اَخَذَ بِشَيْءٍ مِمَّا هُمْ عَلَيْهِ مِنْ اِخْتِلَافِهِمْ فَهُوَ عِنْدِيْ عَلٰى هُدًى قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ۔ (رواہ رزین)

"اور حضرت عمر بن خطابؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، میں نے اپنے پروردگار سے اپنے صحابہؓ کے درمیان اختلاف کے بارے میں پوچھا جو (شریعت کے فروعی مسائل میں) میرے بعد واقع ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مجھ کو آگاہ کیا کہ اے محمد! حقیقت یہ ہے کہ تمہارے صحابہؓ میرے نزدیک ایسے ہیں جیسے آسمان پر ستارے، (جس طرح) ان ستاروں میں سے اگرچہ بعض زیادہ قوی یعنی زیادہ روشن ہیں لیکن نور (روشنی) ان میں سے ہر ایک میں ہے (اسی طرح صحابہؓ میں سے ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق نور ہدایت رکھتا ہے) پس جس شخص نے (علمی و فقہی مسائل میں) ان اختلاف میں سے جس چیز کو بھی اختیار کر لیا میرے نزدیک وہ ہدایت پر ہے حضرت عمرؓ کہتے ہیں، اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں (پس تم ان کی پیروی کرو) ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔" (رزین)

تشریح: "ایسے ہیں جیسے آسمان کے ستارے" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح گھپ اندھیری رات میں آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے مسافروں کو دریا و جنگل کے راستوں کا نشان بتاتے ہیں جس کی طرف قرآن کریم نے ان الفاظ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (اور ستاروں کے ذریعہ وہ راستہ پاتے ہیں) میں اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح صحابہؓ بھی سچائی کے راستے کو ظاہر کرنے اور برائی کے اندھیروں کو دور کرنے والے ہیں کہ ان کے نورانی وجود، ان کے اخلاق و کردار اور ان کے روایات و تعلیمات کی روشنی میں راہ حق نمودار ہوتی ہے اور بدی کا اندھیرا چھٹ جاتا ہے۔

"میرے نزدیک وہ ہدایت پر ہے" اس سے ثابت ہوا کہ ائمہ دین کا باہمی اختلاف اُمت کے لئے رحمت ہے، لیکن جیسا کہ طیبیؒ نے وضاحت کی ہے۔ اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو دین کے فروعی و ذیلی مسائل میں ہو نہ کہ اصول دین میں، اور سید جمال الدین نے لکھا ہے: بظاہر یہ بات زیادہ صحیح ہے کہ اس حدیث میں صحابہ کے جس اختلاف کی طرف اشارہ ہے، اس سے وہ اختلاف مراد ہے۔ جو دینی معاملات و مسائل میں رونما ہو نہ کہ وہ اختلافات جو دنیوی معاملات میں رونما ہوئے۔ اس وضاحت کی روشنی اس اختلاف پر کوئی اشکال

وارد نہیں ہوگا، جو خلافت و امارت کے سلسلہ میں بعض صحابہؓ کے درمیان رونما ہوئے۔

لیکن اس موقع پر ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ خلافت و امارت سے متعلق رونما ہونے والے اختلافات بھی "فروع دین میں اختلاف" کے زمرہ میں آتے ہیں کیونکہ اس بارے میں ان کے درمیان جو اختلاف واقع ہوا وہ اجتہادی تھا نہ کہ کسی دنیاوی غرض اور نفسانی جذبہ و خواہش کے تحت، جیسا دنیاوی بادشاہوں کے ہاں ہوتا ہے۔

"جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے" چونکہ ولکل نور (نور ان میں سے ہر ایک میں ہے) کے ذریعہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا کہ ہر صحابی اپنے اپنے مرتبہ و استعداد کے مطابق علم و فقہ کا نور ہدایت ضرور رکھتا ہے اور اس اعتبار سے کوئی بھی صحابی دین و شریعت کے علم سے خالی نہیں ہے، اس لئے جو بھی صحابی اپنے مرتبہ و استعداد کے مطابق دین و شریعت کی جو بھی بات بیان کرتا ہے۔ اس کی پیروی ہدایت کی ضامن ہوگی۔

واضح رہے کہ اس حدیث اصحابی کالنجوم الخ میں علماء نے کلام کیا ہے، چنانچہ ابن حجرؒ نے اس حدیث پر طویل گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف واہی ہے بلکہ ابن حزمؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع باطل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بیہقیؒ کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ مسلم کی ایک حدیث سے اس حدیث کے بعض معنی ثابت ہوتے ہیں، مسلمؒ کی حدیث میں ہے: النجوم امنة السماء (ستارے آسمان کے محافظ و امین ہیں) اور پھر اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں: واصحابی امنة لامتی (اور میرے اصحاب میری اُمت کے امین و محافظ ہیں)۔

باب مناقب ابی بکرؓ

حضرت ابوبکرؓ کے مناقب و فضائل کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَمَنِ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِہٖ وَمَالِہٖ اَبُوْبَکْرٍ وَعِنْدَ الْبُخَارِیِّ اَبَابَکْرٍ وَّلَوْکُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ خَلِیْلًا وَّلٰکِنْ اُخُوَّۃُ الْاِسْلَامِ وَمَوَدَّتُہٗ لَا تَبْقَیَنَّ فِی الْمَسْجِدِ خَوْخَۃٌ اِلَّا خَوْخَۃُ اَبِیْ بَکْرٍ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَوْکُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا غَیْرَ رَبِّیْ لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ خَلِیْلًا۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوسعید خدریؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: انسانوں میں سب سے زیادہ جس شخص نے میرا ساتھ دیا اور میری خدمت میں اور میری خوشنودی میں اپنا وقت اور اپنا مال سب سے زیادہ لگایا وہ ابوبکر، یا بخاری کی روایت کے مطابق ابابکر ہیں۔ اگر میں کسی شخص کو اپنا خلیل یعنی سچا جانی دوست بناتا تو یقیناً ابوبکر کو ایسا دوست بناتا تاہم اسلامی اخوت و محبت اپنی جگہ (بلند تر) ہے۔ مسجد نبوی میں ابوبکرؓ کے گھر کی کھڑکی یا روشندان کے علاوہ اور کوئی کھڑکی یا روشندان باقی نہ رکھا جائے" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) اگر میں اللہ کے سوا کسی کو اپنا خلیل بناتا تو یقیناً ابوبکر ہی کو خلیل بناتا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "وہ ابوبکر ہیں" مطلب یہ کہ جس لگن اور تندہی کے ساتھ ابوبکرؓ نے میری خدمت گزاری کی اور جس ایثار و اخلاص کے ساتھ میری ذات پر یا میری رضا و خوشنودی کے لئے دین کی راہ میں اپنا مال بے دریغ خرچ کیا وہ ان کا ایسا امتیازی وصف ہے جو میرے تمام صحابہ اور میری پوری اُمت میں ان کو سب سے بلند و برتر مقام عطا کرتا ہے۔

"خلیل" کو اگر خُلَّۃٌ سے مشتق مانا جائے تو اس کے معنی سچے اور جانی دوست کے ہوں گے۔ خُلَّۃٌ کا لفظ دراصل "سرایت کر جانے

والی دوستی اور محبت" کا مفہوم رکھتا ہے، یعنی وہ سچی دوستی و محبت جو محب کے دل کے اندر اس طرح سرایت کر جائے کہ محبوب کو محب کے ظاہر تو ظاہر باطن یعنی جذبات خیالات اور احساسات تک پر حکمران اور اس کا محرم اسرار بنا دینے کا تقاضا کرے۔ پس آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: اگر میرے لئے روا ہوتا کہ میں مخلوق میں سے کسی کو اس صفت کے ساتھ اپنا سچا جانی دوست بناؤں کہ اس کی محبت میرے دل کے اندر تک سرایت کر جائے اور وہ میرا محرم اسرار بن جائے تو یقیناً میں ابوبکر کو اپنا اسی طرح کا دوست بناتا کیونکہ وہ دوستی کی اس صفت کی استعداد اور اہلیت رکھتے ہیں لیکن اس درجہ وصف کی محبت کا میرا تعلق صرف خدا کے ساتھ ہے۔ کہ اسی کی محبت میرے ظاہر پر بھی حکمران ہے اور میرے باطن پر بھی اور وہی میرا محرم اسرار ہے ہاں ظاہر دل کی محبت کا میرا جو تعلق تمام مسلمانوں کے ساتھ ہے اس میں ابوبکرؓ کا مقام یقیناً سب سے اونچا ہے۔

یا یہ کہ "خلیل" دراصل خَلَّۃٌ سے مشتق ہے جس کے معنی "احتیاج" کے ہیں اس صورت ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہوگا کہ: اگر میں کسی کو اپنا ایسا دوست بناتا کہ جس کی طرف میں اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے وقت رجوع کروں اور اپنے معاملات و مہمات میں اس پر اعتماد و اعتبار کروں تو یقیناً ابوبکرؓ کو ایسا دوست بناتا لیکن ایسے تمام امور و معاملات میں میرا واحد رجوع اللہ کی طرف ہے اور تمام احوال و مہمات میں میرا واحد سہارا اور ملجا اسی کی ذات ہے۔ ہاں اسلامی اخوت و محبت کا جو میرا ظاہری و قلبی تعلق پوری اُمت کے ساتھ ہے۔ اس میں ابوبکرؓ کا مقام یقیناً سب سے بلند ہے۔ یہ دوسرے معنی اگرچہ سیاق حدیث سے زیادہ قربت و مناسبت رکھتے ہیں لیکن محدثین نے پہلے ہی معنی کو اوجہ و اولیٰ قرار دیا ہے۔

"ابوبکرؓ کے گھر کی کھڑکی یا روشن دان کے علاوہ" حدیث میں یہاں خَوْخَۃ کا لفظ ہے جس کے معنی "روشن دان" کے ہیں۔ یعنی (سوراخ) جو گھر یا کمرہ کی روشنی کے لئے دیوار میں کھولا جاتا ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ خوخہ کے معنی دریچہ یعنی کھڑکی کے ہیں۔ ابتدا میں مسجد نبوی سے ملے ہوئے جو مکان تھے ان کی کھڑکیاں مسجد شریف کی جانب کھلی ہوئی تھیں جن کے ذریعہ مسجد آتے جاتے تھے، یا ان کے مکانوں میں مسجد شریف کی جانب ایسے روشن دان کھلے ہوئے تھے۔ جن کے ذریعہ مسجد کا اندرونی حصہ نظر آتا تھا اور ان مکانوں کے مکین اپنے انہی روشن دانوں کے ذریعہ دیکھ لیا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے ہیں یا نہیں۔ پس آنحضرت ﷺ نے مرض وفات میں جو آخری خطبہ ارشاد فرمایا اس میں یہ حکم دیا کہ مسجد کی جانب گھروں کی کھڑکیاں یا روشن دان بند کر دیئے جائیں صرف ابوبکرؓ کے گھر کی کھڑکی یا روشن دان کھلا رہے۔ اس حکم کے ذریعہ حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت اور ان کی تکریم کا اظہار تو مقصود تھا ہی لیکن اصل میں یہ اس بات سے کنایہ بھی تھا کہ میرے بعد اُمت کی سربراہی و قیادت اور امامت کبریٰ یعنی خلافت کے لئے ابوبکرؓ کو منتخب کیا جائے اور اس مسئلہ میں بحث و گفتگو اور اختلاف و نزاع کا دروازہ کسی طرف سے نہ کھولا جائے منقول ہے کہ آپ ﷺ کا یہ حکم سن کر جب کچھ لوگوں نے کلام کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہی ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے (یہ حکم سن کر) درخواست کی کہ مجھے اپنی دیوار میں ایک روشندان کھلا رکھنے کی اجازت عطا فرمائی جائے تاکہ اس کے ذریعہ مجھے مسجد میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کا علم ہو جایا کرے تو آپ نے فرمایا: نہیں سوئی کے ناکہ کے برابر بھی سوراخ کھلا نہ رکھا جائے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے بارے میں روایتوں کا اختلاف: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے صحیح بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ متعدد طرق سے ایسی حدیثیں منقول ہیں جو بظاہر اس حدیث کے مخالف و معارض نظر آتی ہیں جس میں حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں یہ حکم ہے کہ مسجد نبوی کی جانب ان کے گھر کی کھڑکی یا روشن دان کے علاوہ اور کوئی کھڑکی یا روشن دان باقی نہ رکھا جائے۔ ان میں ایک حدیث تو وہ ہے جو حضرت سعد ابن وقاصؓ سے منقول ہے کہ "رسول کریم ﷺ نے صحابہؓ کے گھروں کے ان دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا جو مسجد نبوی کے جانب تھے لیکن حضرت علیؓ کے گھر کے دروازے کو کھلا رہنے دیا" اس حدیث کو احمدؒ اور نسائی نے نقل کیا ہے اور

اس کی اسناد کے قوی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ نیز طبرانی نے اوسط میں ثقہ راویوں کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ صحابہؓ جمع ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے اور صحابہؓ کے دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا لیکن علیؓ کے دروزے کو کھلا رہنے دیا ہے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! دروازے نہ میں نے بند کروائے ہیں نہ کھلا رہنے دیا ہے بلکہ خدا نے بند کرائے ہیں اور کھلا رہنے دیا ہے در حقیقت اللہ کی طرف سے مجھے حکم ہے کہ علیؓ کے دروزے کے علاوہ اور سب دروازے بند کرادوں، اسی طرح کی روایت احمدؒ اور نسائیؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے نقل کی ہے۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ان تین سے ہر ایک حدث قابل حجت اور لائق استناد ہے خصوصاً اس صورت میں کہ ان میں سے بعض حدیث کو بعض حدیث سے مزید قوت ملی ہوئی ہے۔ ابن حجرؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو حدیث حضرت علیؓ کی شان میں وارد ہوتی ہے، اس کو ابن جوزیؒ نے موضوع (گھڑی ہوئی) قرار دیا ہے، اور اس کے بعض طرق میں اس بناء پر کلام کیا ہے کہ یہ حدیث ان صحیح احادیث کے معارض ہے۔ جو حضرت ابوبکرؓ کی شان میں منقول ہیں اور کہا ہے کہ روافض نے حضرت ابوبکرؓ کی شان میں منقول ہے احادیث کے مقابلہ پر حدیث وضع کی ہے لیکن ابن حجرؒ نے ابن جوزیؒ کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا ہے اور کہا ہے کہ محض اس مفروضہ کی بنا پر کہ یہ حدیث حضرت ابوبکرؓ سے متعلق حدیث کے معارض ہے۔ اس کو موضوع قرار دینا مناسب نہیں ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے متعلق حدیث ایسے طرق کثیرہ سے منقول ہے جن میں سے بعض طرق حد صحت کو پہنچے ہوئے ہیں اور بعض مرتبہ حسن کو، دراصل ابن حجرؒ بنیادی طور پر اس بات کو نہیں مانتے کہ ان دونوں حدیثوں کے مابین کوئی تعارض وتضاد ہے۔ انہوں نے واضح طور پر لکھا ہے کہ حضرت علیؓ سے متعلق اس حدیث اور حضرت ابوبکرؓ کی شان میں منقول حدیث کے درمیان کسی طرح کا معارضہ نہیں ہے اور وجہ توافق انہوں نے یہ لکھی ہے کہ دوسرے صحابہؓ کے دروازوں کو بند کرنے کا حکم اور حضرت علیؓ کے دروزے کے کھلا رہنے کی اجازت اس ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے جب مسجد نبوی نئی نئی بنی تھی، حضرت علیؓ کا مکان بھی مسجد نبوی سے ملحق تھا اور اس مکان کا دروازہ مسجد کی طرف اس طرح تھا کہ حضرت علیؓ مسجد میں سے گزر کر اپنے مکان میں آتے جاتے تھے۔ اور بطریق صحت منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے سامنے فرمایا تھا، اس مسجد میں کوئی جنبی (ناپاکی کی حالت میں کوئی شخص) نہ آئے البتہ مجھے اور تمہیں اس مسجد میں سے گزر کر اپنے گھر آنے جانے کی اجازت ہے۔ رہی اس حدیث کی بات جس میں حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ اور گھروں کی کھڑکیاں اور روشندان بند کرانے کا حکم منقول ہے، تو یہ ارشاد گرامی اس آخری زمانے کا ہے جب آنحضرت ﷺ مرض وفات میں تھے اور انتقال سے دو تین دن پہلے آپ ﷺ نے یہ حکم صادر فرمایا تھا۔ اس بات کی اصل وہ روایت ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے علاوہ اور سب دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا تو حضرت حمزہؓ ابن عبدالمطلب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دراصل اس وقت حضرت حمزہؓ آشوب چشم میں مبتلا تھے اور ان کی آنکھوں سے پانی بہا کرتا تھا اور اسی بناء پر ان کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے مذکورہ حکم کی تعمیل میں کچھ توقف ہو گیا تھا، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے اپنے چچا کو (یعنی مجھے) تو باہر کر دیا اور چچا کے بیٹے (یعنی ابن ابوطالب ابن عبدالمطلب) کو اندر رکھا؟ آنحضرت ﷺ نے (ان کی یہ بات سن کر) فرمایا: چچا جان! حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں میرا کوئی اختیار نہیں ہے، میں نے وہی کیا ہے، جو مجھے حکم دیا گیا ہے۔ پس اس واقعہ میں حضرت حمزہؓ کے ذکر سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ سے متعلق مذکورہ حدیث بالکل ابتدائی زمانہ کی ہے کیونکہ حضرت حمزہؓ غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے جو ۳ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت ابوبکر افضل صحابہ ہیں

① وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا وَلٰكِنَّهٗ اَخِيْ وَصَاحِبِيْ وَقَدِ اتَّخَذَ اللّٰهُ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر میں کسی کو "خلیل" بناتا تو ابوبکرؓ کو

"خلیل" بناتا، تاہم ابوبکر میرے بھائی ہیں اور میرے رفیق وساتھی ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارے صاحب کو (یعنی مجھ کو) اللہ نے اپنا خلیل بنالیا ہے"۔ (مسلمؒ)

تشریح: امام احمد ابن حنبلؒ کی روایت میں یوں ہے کہ: اَخِیْ فِی الدِّیْنِ وَصَاحِبِیْ فِی الْغَارِ ابوبکر میرے دینی بھائی ہیں اور میرے یار غار ہیں اور سند ابویعلی میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں:

ابوبکر صاحبی و مونسی فی الغار سدوا کل خوخة فی المسجد غیر خوخة ابی بکرؓ۔

"ابوبکر میرے غار کے رفیق اور مونس ہیں، مسجد کی جانب تمام کھڑکیاں یا روشن دان بند کر دیئے جائیں علاوہ ابوبکر کی کھڑکی یا روشن دان کے۔"

اس روایت کو ابوحاتمؒ نے بھی نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد: سدوا الخ دراصل اس بات کا واضح اشارہ تھا کہ میرے بعد خلافت کا پہلا استحقاق ابوبکر کا ہے ان کے علاوہ باقی تمام لوگوں کی آرزوئے خلافت کا دروازہ بند ہے۔

"اللہ نے اپنا خلیل بنالیا ہے" پہلی حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ کو اپنا خلیل بنایا ہے اور یہاں اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ نے آنحضرت ﷺ کو اپنا خلیل بنایا، اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جو شخص محبت میں صادق و خالص ہوتا ہے وہ خود مرتبۂ محبوبیت کو پہنچ جاتا ہے یحبھم ویحبونہ ۔

ہر کہ اور در عشق صادق آمده است بر سرش معشوق عاشق آمده است

دراصل آنحضرت ﷺ "حبیب اللہ" تھے اور "حبیب" اس محبت کو کہتے ہیں جو مرتبۂ محبوبیت کو پہنچ جائے، بعض حضرات خلت کو اعلیٰ اخص قرار دیتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کو مرتبہ محبت اور خلت کا جامع کہتے ہیں۔ نیز امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت سے زیادہ کامل اور اتم ہے، بہرحال مذکورہ بالا حدیث اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ افضل صحابہ ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے حق میں خلافت کی وصیت

(۳) وَعَنْ عَآئِشَةَؓ قَالَتْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِهٖ اُدْعِیْ لِیْ اَبَابَکْرٍ اَبَاكِ وَاَخَاكِ حَتّٰی اَکْتُبَ کِتَابًا فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّتَمَنّٰی مُتَمَنٍّ وَیَقُوْلُ قَائِلٌ اَنَا وَلَا وَیَاْبَی اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَکْرٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ کِتَابِ الْحُمَیْدِیِّ اَنَا اَوْلٰی بَدَلَ اَنَا وَلَا۔

"اور اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے مرض وفات میں (ایک دن) مجھ سے فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکرؓ اور اپنے بھائی (عبدالرحمٰنؓ) کو میرے پاس بلوالو کہ میں ایک تحریر لکھوادوں، دراصل مجھ کو اندیشہ ہے کہ (اگر میں نے ابوبکر کی خلافت کے بارے میں نہ لکھوایا تو) کہیں خلافت کا کوئی آرزومند آرزو نہ کرے، اور کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ (خلافت کا مستحق) میں ہوں حالانکہ (ابوبکر کی موجودگی میں کوئی بھی شخص خلافت کا مستحق نہیں ہوسکتا) ابوبکر کے علاوہ کسی کی خلافت کو نہ اللہ چاہے گا اور نہ اہل ایمان تسلیم کریں گے، (مسلمؒ) اور کتاب حمیدی میں انا ولا کے بجائے انا اولی (خلافت کا سب سے بڑا مستحق میں ہوں) کے الفاظ ہیں۔"

تشریح: طیبیؒ نے قاضی عیاضؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت "اجود" ہے اور اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی طرف واضح اشارہ ہے۔ رہا روافض کا یہ کہنا کہ حضرت علیؓ کی خلافت پر نص وارد ہے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے استحقاق خلافت کی وصیت کی تھی تو یہ بالکل بے اصل بات اور ایک لغو و باطل دعویٰ ہے، تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حضرت

علیؓ کے بارے میں نہ کوئی نص وارد ہے اور نہ آنحضرت ﷺ نے کوئی زبانی یا تحریری وصیت کی تھی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس دعویٰ کی سب سے پہلی تردید خود حضرت علی کی طرف سے ہوئی تھی۔ جب کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو قرآن میں موجود نہیں ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا: نہیں، میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ وہی ہے جو اس صحیفہ میں موجود ہے، اگر ان کے پاس کوئی نص موجود ہوتی تو وہ یقیناً اس کو ظاہر کرتے۔

حضرت ابوبکرؓ کے حق میں خلافت کی وصیت

④ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مطعِمٍ قَالَ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةٌ فَكَلَّمَتْهُ فِيْ شَيْءٍ فَاَمَرَهَا اَنْ تَرْجِعَ اِلَيْهِ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ جِئْتُ وَلَمْ اَجِدْكَ كَاَنَّهَا تُرِيْدُ الْمَوْتَ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدِيْنِيْ فَاْتِيْ اَبَابَكْرٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جبیر ابن مطعم کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور کسی معاملہ میں آپ ﷺ سے گفتگو کی (یعنی یا تو اس نے کوئی مسئلہ پوچھا یا کسی حاجت کی طلب گار ہوئی) آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وہ کسی اور وقت آپ کے پاس آئے (تاکہ اطمینان سے اس کی بات کا جواب دیں یا اس کی حاجت پوری کریں) اس عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! (میرا مکان مدینہ سے دور ہے شائد دوبارہ آنے کا موقع نہ مل سکے اس لئے بعد میں) اگر میں آئی اور آپ کو نہ پایا تو (پھر) کیسے بات بنے گی۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کہنے سے اس عورت کا مقصد آپ ﷺ کے انتقال کی طرف اشارہ کرنا تھا (یعنی بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدمت اقدس میں اس عورت کے آنے کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ ﷺ مرض وفات میں مبتلا تھے اور اس کو خدشہ تھا کہ اگر میں کچھ دنوں بعد آئی تو شاید آپ ﷺ اس دنیا میں موجود نہیں ہوں گے) آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا: اگر تم مجھ کو نہ پاؤ تو ابوبکرؓ کے پاس چلی جانا۔"

(بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث بلاشبہ اس امر کی طرف واضح اشارہ تھا کہ آپ کے بعد خلیفہ اول ابوبکرؓ ہوں گے اگرچہ اس بارے میں اس حدیث کو نص قطعی کا درجہ نہیں دیا جاسکتا لیکن حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت و منقبت کی بین دلیل ضرور ہے۔

واضح رہے کہ جمہور علماء کے نزدیک نص قطعی کسی کی بھی خلافت کے حق میں وارد نہیں ہے اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی حقانیت و صحت اس دلیل کے تحت ہے کہ ان کی خلافت پر صحابہؓ کا اجماع تھا ویسے علامہ ابن ہمام نے مسائرہ میں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے حق میں نص کا دعویٰ کیا ہے اور اپنے اس دعویٰ کو ثابت بھی کیا ہے۔

اسمٰعیلیؒ نے اپنی معجم میں حضرت سہل ابن ابی حثمہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک اعرابی نے آنحضرت ﷺ کو کچھ اونٹ اس وعدے پر بیچے کہ ان کی قیمت بعد میں لے لیگا، حضرت علیؓ نے اس اعرابی سے کہا کہ آنحضرت ﷺ سے جاکر پوچھو کہ اونٹوں کی قیمت لینے کے لئے اگر میں اس وقت آیا کہ آپ اس دنیا میں موجود نہ ہوں تو پھر قیمت کی ادائیگی کون کرے گا؟ اعرابی نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ تمہیں قیمت ادا کریں گے۔ وہ اعرابی لوٹ کر حضرت علیؓ کے پاس آیا اور آنحضرت کا جواب ان کو بتایا۔ حضرت علیؓ نے اس سے کہا کہ اب پھر جاؤ اور پوچھو کہ اگر میں ابوبکرؓ کے پاس بھی اس وقت آیا کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں تو پھر قیمت کی ادائیگی کون کرے گا؟ اعرابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: عمرؓ تمہیں قیمت ادا کریں گے۔ وہ اعرابی لوٹ کر حضرت علیؓ کے پاس آیا اور آنحضرت ﷺ کا جواب ان کو بتایا، حضرت علی نے اس سے کہا کہ اب پھر جاؤ اور آنحضرت ﷺ سے حضرت عمرؓ کے بعد کے بارے میں پوچھو چنانچہ اعرابی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر حضرت عمرؓ کے بعد کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: عثمانؓ تمہیں قیمت ادا کریں گے، اعرابی نے آکر یہ جواب بتایا تو حضرت علیؓ نے اس سے کہا کہ اب جاکر یہ پوچھو کہ اگر میں عثمانؓ کے پاس ان کے انتقال کے بعد آیا تو پھر قیمت کی ادائیگی کون

کرے گا؟ اعرابی نے حاضر ہو کر آپ ﷺ سے یہ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا جب ابوبکرؓ مرجائیں گے، عمرؓ بھی مرجائیں گے اور عثمان بھی مرجائیں گے تو پھر تم ہی زندہ رہ کر کیا کرو گے۔

مردوں میں سب سے زیادہ محبّت کہہ کر ابوبکرؓ سے تھی

⑤ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ عَلٰى جَيْشِ ذَاتِ السَّلَاسِلِ قَالَ فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ عَائِشَةُ قُلْتُ مِنَ الرِّجَالِ قَالَ أَبُوْهَا قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ فَعَدَّ رِجَالًا فَسَكَتُّ مَخَافَةَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ فِيْ آخِرِهِمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عمرو ابن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان کو ایک لشکر کا امیر (کمانڈر) بنا کر ذات السلاسل بھیجا جو ایک جگہ کا نام ہے) وہ بیان کرتے ہیں کہ (لشکر کی روانگی سے پہلے یا واپسی کے بعد) جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے پوچھا کہ آپ (ﷺ) کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہؓ (کہ عورتوں میں وہی محمد ﷺ کو سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہیں) میں نے عرض کیا: میرا سوال مردوں کے بارے میں تھا (کہ مردوں میں سب سے زیادہ عزیز اور محبوب آپ ﷺ کے نزدیک کون ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہؓ کے باپ یعنی ابوبکر، میں نے پوچھا ان کے بعد پھر کون (آپ کو زیادہ عزیز و محبوب ہے؟) فرمایا: عمرؓ، اس کے بعد (میرے پوچھنے کے مطابق) آپ ﷺ نے متعدد لوگوں کا ذکر کیا اور پھر اس خوف سے خاموش ہو گیا کہ کہیں میرا نام سب سے آخر میں نہ آئے (یعنی جب آپ ﷺ میرے پوچھنے پر دوسرے لوگوں کے نام لیتے رہے تو پھر میں نے آگے نہ پوچھنا ہی بہتر جانا کہ میرا نام کہیں سب سے آخر میں نہ آئے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "میرا سوال مردوں کے بارے میں تھا" یعنی حضرت عمرو بن العاصؓ کی مراد یا تو ان سب مردوں سے تھی جو آپ ﷺ کے زمانے میں تھے یا یہ کہ اس لشکر کے لوگ مراد تھے جس کا امیر ان کو بنایا گیا تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کے اس سوال کا سبب دراصل یہ تھا کہ جب ان کو مذکورہ لشکر کا امیر بنا کر دشمن کے مقابلہ پر بھیجا گیا تو بعد میں ان کی مدد کے لئے دو سو مجاہدین اسلام کا ایک اور لشکر حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی کمانڈری میں روانہ کیا گیا ان دو سو مجاہدین میں انصار و مہاجرین میں سے جو بڑے بڑے حضرات صحابہ تھے ان میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شامل تھے، اور لشکر کی امامت نماز حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مجاہدین اسلام کو فتح عطا فرمائی اور دشمنان دین بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس موقعہ پر حضرت عمرو بن العاصؓ کے خیال میں یہ بات آئی کہ اس لشکر کے تمام لوگوں میں میرا مرتبہ سب سے بلند ہے جبھی تو مجھ کو ان سب لوگوں کا امیر بنایا گیا ہے۔ اور ان کو میری کمان میں دشمن کے مقابلہ پر بھیجا گیا۔ چنانچہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ فتح یاب ہو کر واپس آئے تو آنحضرت ﷺ نے مذکورہ سوال کیا، آنحضرت ان کو جو جواب دیا اس سے ان کو معلوم ہو گیا کہ میرے خیال میں جو بات آئی تھی وہ صحیح نہیں تھی۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے یعنی یہ کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے سوال کی مراد اس لشکر کے لوگوں سے تھی، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کے پہلی مرتبہ پوچھنے پر جو جواب دیا۔ اس سے پہلے احتمال کی تائید ہوتی ہے کہ ان کی مراد آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے تمام لوگوں سے تھی۔

افضلیت صدیق کی شہادت حضرت علی کی زبان سے

⑥ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ قُلْتُ لِأَبِيْ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُوْبَكْرٍ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ وَخَشِيْتُ أَنْ يَقُوْلَ عُثْمَانُ قُلْتُ ثُمَّ أَنْتَ قَالَ مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت محمد ابن حنفیہؒ (جو حضرت فاطمہ زہراؓ کے علاوہ دوسری بیوی کے بطن سے حضرت علیؓ کے فرزند ہیں) کہتے ہیں کہ میں نے

اپنے والد ماجد (حضرت علیؓ) سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کون شخص سب سے بہتر و افضل ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ "حضرت ابوبکرؓ! پھر میں نے پوچھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے بعد کون شخص سب سے بہتر و افضل ہے؟ انہوں نے فرمایا "حضرت عمرؓ" (محمد ابن حنفیہؒ کہتے ہیں کہ) مجھے یہ خدشہ ہوا کہ (اگر میں نے پوچھ لیا کہ حضرت عمرؓ کے بعد کون شخص سب سے بہتر و افضل ہے تو) کہیں وہ یہ نہ کہہ دیں کہ حضرت عثمانؓ، لہٰذا میں نے (سوال کا عنوان بدل کر یوں) کہا کہ پھر (حضرت عمرؓ کے بعد) سب سے بہتر و افضل آپ ہیں! انہوں نے (یہ سن کر) فرمایا، میں تو بس ایک مسلمان مرد ہوں۔" (بخاریؒ)

تشریح: "میں تو بس ایک مسلمان مرد ہوں" حضرت علیؓ کا یہ ارشاد تواضع اور انکسار پر مبنی تھا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جب کہ ان سے یہ سوال کیا گیا تھا یعنی حضرت عثمانؓ کے سانحہ شہادت کے بعد پوری ملت اسلامیہ میں سب سے بہتر و افضل انہی کی ذات والا صفات تھی۔

زمانہ نبوی میں تمام صحابہ کے درمیان حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت مسلّم تھی

⑦ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ قَالَ كُنَّا نَقُولُ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ أَفْضَلُ أُمَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَهُ أَبُوبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ رِضْوَانُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم یعنی صحابہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں (صحابہ میں سے) کسی کو بھی حضرت ابوبکرؓ کے برابر نہیں سمجھتے تھے (بلکہ اور تمام صحابہ پر ان کو فضیلت دیتے تھے) ان کے بعد حضرت عمرؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے اور پھر حضرت عثمانؓ کے بعد نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے تھے۔ کہ ان کے درمیان کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔ (بخاریؒ) اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے کہا ہم رسول کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں کہا کرتے تھے نبی کریم ﷺ کی اُمت میں آپ کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم۔"

تشریح: "ان کے درمیان کسی کو کسی پر فضیلت نہ دیتے" سے مراد یہ ہے کہ جو صحابہ ایک طرح کی حیثیت اور یکساں خصوصیت و مرتبہ رکھتے تھے۔ ان کے درمیان کسی کو کسی پر فضیلت نہ دیتے تھے۔ ورنہ جہاں تک بعض صحابہ کا بعض صحابہ سے افضل ہونے کا سوال ہے تو یہ بات ثابت ہے کہ اہل بدر احد، اہل بیعت الرضوان اور اہل علم صحابہ باقی تمام صحابہ پر فضیلت رکھتے ہیں۔ ویسے اس احتمال کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ شائد تفاضل بین الاصحاب مراد ہو یعنی (حضرت عثمان کے بعد) پھر کسی اور صحابی کو کسی دوسرے صحابی پر ہم فضیلت نہیں دیتے تھے۔ واضح رہے کہ اہل بیت نبوی کی حیثیت اخص ہے اور اسی وجہ سے ان کا حکم دوسرے تمام صحابہ سے بالکل جداگانہ نوعیت رکھتا ہے کہ وہ اپنی مخصوص نسبت کے اعتبار سے بلاشبہ وہ مخصوص فضیلت رکھتے ہیں جو ان کے علاوہ دوسروں کو حاصل نہیں اور ان کا اپنی مخصوص فضیلت رکھنا اظہر من الشمس ہے، لہٰذا یہاں یہ اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا ہے یا حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ، آنحضرت ﷺ کے دونوں چچاؤں یعنی حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کی فضیلت کا بیان کیوں نہیں ہوا۔ ایک شارح نے لکھا ہے، یہاں صحابہ سے حضرت ابن عمرؓ کی مراد وہ بوڑھے اور عمر رسیدہ صحابہ ہیں جو بارگاہ رسالت میں اصحاب الرائے اور اصحاب مشورہ کی حیثیت رکھتے تھے اور جن سے آنحضرت ﷺ پیش آمدہ معاملات و مسائل میں مشورہ فرمایا کرتے تھے جہاں تک حضرت علی کا تعلق ہے تو وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جوان اور نو عمر تھے اور اس اعتبار

سے مذکورہ صحابہ کے زمرہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ اسی بناء پر حضرت ابن عمرؓ نے ان کا ذکر نہیں کیا اور نہ تو حضرت عثمانؓ کے بعد تمام صحابہؓ پر ان کی فضیلت کا کوئی منکر نہیں ہے، اور صحابہ کے درمیان تفاضل بلاشبہ ثابت ہے جیسے اہل بدرؓ، اہل بیعت رضوان اور علماء صحابہ کو اور تمام صحابہؓ پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔

امام احمدؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت میں یوں نقل کی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم حضرت ابوبکرؓ کو (آنحضرت کے بعد) سب سے بہتر و افضل انسان جانتے تھے اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کو۔ رہی حضرت علیؓ کی بات تو حقیقت یہ ہے کہ ان کو وہ تین عظیم خصوصیتیں حاصل ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مجھے حاصل ہو تو میں خود کو دنیا و مافیہا سے بہتر و افضل جانوں آنحضرت ﷺ نے ان سے اپنی عزیز ترین بیٹی یعنی حضرت فاطمہؓ کا نکاح کیا اور آپ کی نسل انہی کے ذریعہ چلی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے دروازے کے علاوہ اور سب کے دروازے (مسجد نبوی کی طرف) بند کرا دئے تھے، آنحضرت ﷺ نے جنگ خیبر کے دن اپنا نیزہ ان کو عطا کیا اور نسائیؒ کی روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے مذکورہ بالا حدیث بیان کی اور اس کے بعد کہا: علیؓ کی شان میں مت پوچھو اور نہ ان پر کسی کو قیاس کرو (ان کا مقام تو یہ ہے کہ) ان کے علاوہ اور سب کے دروازے بند کر دئے گئے تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

حضرت ابوبکر کی افضلیت

⑧ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا یَدٌ اِلَّا وَقَدْ کَافَیْنَاهُ مَا خَلَا اَبَابَکْرٍ فَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا یَدًا یُکَافِیْهِ اللّٰهُ بِهَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَمَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبُوْبَکْرٍ وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ خَلِیْلًا اَلَا وَاِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰهِ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ایسا کوئی شخص نہیں جس نے ہمیں کچھ دیا ہو ہماری امداد کی ہو اور ہم نے اس کا (جوں کا توں یا اس سے بھی زیادہ) بدلہ اس کو نہ دے دیا ہو علاوہ ابوبکرؓ کے یہ حقیقت ہے کہ ابوبکرؓ نے ہمارے ساتھ عطاء و امداد کا جو عظیم سلوک کیا ہے اس کا بدلہ (یعنی کامل بدلہ) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی ان کو عطا کرے گا کسی شخص کے مال نے مجھ کو اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے۔ اگر میں کسی کو اپنا خلیل یعنی جانی دوست بناتا تو یقیناً ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا۔ یاد رکھو تمہارے صاحب (یعنی رسول اللہ) اللہ کے خلیل ہیں (کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی کو حقیقی دوست نہیں رکھتے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: ید سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے فائدہ حاصل کیا جا سکے، اس اعتبار سے یہ لفظ مال و دولت، جان اور آل اولاد سب کو شامل ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ اور رسول کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے اپنا یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں اور اللہ کے رسول کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ فَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا یَدًا یُکَافِیْهِ اللّٰهُ الخ کے ذریعہ حضرت ابوبکرؓ کے جس عطاء و امداد کے عظیم سلوک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس سے ان کا وہ عظیم مالی ایثار مراد ہے جو انہوں نے حضرت بلالؓ کو کافروں سے خرید کر اللہ کے رسول کی خوشنودی کی راہ میں آزاد کر دینے کی صورت میں کیا تھا۔ اور جس کی طرف قرآن کریم نے بھی اس آیت میں اشارہ کیا ہے۔

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی۔

"اور اس (دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ) سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے اور جو اپنا مال اس غرض سے اللہ کی راہ میں خرچ

کرتا ہے کہ (گناہوں سے) پاک ہو جائے۔"

"جتنا ابوبکرؓ کے مال نے پہنچایا ہے" اس کی سب سے بڑی دلیل وہ واقعہ ہے کہ جب ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے اللہ کی راہ میں مالی امداد و تعاون کے لئے کہا تو ہر شخص نے اپنی اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق جو کچھ مناسب سمجھا لا کر دیا اور حضرت ابوبکرؓ گھر کا سارا اثاثہ و سامان سمیٹ کر لے آئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، اپنی اور اپنے اہل و عیال کی بڑی سے بڑی ضرورت کا بھی کوئی سامان گھر میں نہیں رہنے دیا۔ یہاں تک کہ جب تمام مال و سامان اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور بدن کے کپڑوں تک کے لئے کچھ نہیں رہا، تو کملی کو بدن پر اس طرح لپیٹ لیا کہ کانٹے لگا کر اس کا خرقہ سا بنا لیا۔ اسی مناسبت سے حضرت ابوبکرؓ کا ایک لقب "ذوالخلال" بھی ہے، خلال کانٹے کو کہتے ہیں۔

ریاض الصالحین میں یہ روایت ہے کہ: جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کے مال نے مجھ کو اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے پہنچایا ہے تو (یہ سن کر) حضرت ابوبکرؓ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری جان اپنی ہے۔ نہ میرا مال اپنا ہے۔ میرے پاس جو کچھ بھی ہے سب آپ ہی کی ملکیت ہے۔

موافقات میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان شخص کا مال میرے لئے ابوبکرؓ کے مال سے زیادہ نافع نہیں ہے، نیز حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت ﷺ پر چالیس ہزار درہم خرچ کئے، عروہؒ کی روایت ہے کہ "حضرت ابوبکرؓ نے اسلام قبول کیا تو اس وقت ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے اور وہ سب انہوں نے آنحضرت کے زمانے میں فی سبیل اللہ خرچ کئے۔ عروہؒ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے وہ سات غلام خرید کر اللہ کی راہ میں آزاد کئے جو (قبولیت اسلام) کی وجہ سے اپنے آقاؤں اور مالکوں کی طرف سے سخت ظلم و تشدد کا شکار تھے۔ حضرت بلالؓ اور حضرت عامر ابن فہیرہؓ ان ہی سات میں سے ہیں۔

حضرت ابوبکر صحابہ کے سردار ہیں

(۹) وَعَنْ عُمَرَؓ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ سَيِّدُنَا وَخَيْرُنَا وَاَحَبُّنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا "حضرت ابوبکرؓ (حسب و نسب کے اعتبار سے) ہمارے سردار ہیں، (علم و عمل اور کار خیر کے اعتبار سے) ہم سب سے افضل ہیں اور رسول کریم ﷺ کے سب سے زیادہ چہیتے ہیں۔" (ترمذیؒ)

یار غار رسول

(۱۰) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَبِيْ بَكْرٍ اَنْتَ صَاحِبِيْ فِي الْغَارِ وَصَاحِبِيْ عَلَى الْحَوْضِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے (ایک دن) یوں فرمایا: تم میرے یار غار یعنی غار کے رفیق و ساتھی ہو اور حوض کوثر پر میرے مصاحب ہوگے"۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ تھا کہ تم میرے دنیا کے بھی رفیق و ساتھی ہو اور آخرت کے بھی، واضح رہے کہ غار سے مراد مکہ سے تین میل دور واقع جبل ثور کا وہ غار ہے جہاں سفر ہجرت کے ابتدائی مرحلہ میں آنحضرت ﷺ ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ چھپے تھے اور اس آیت کریمہ ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا میں حضرت ابوبکرؓ کی صحابیت و رفاقت کی طرف اشارہ ہے اور علماء و مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ اس آیت میں صاحبہ سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ذات ہے، اسی بنیاد پر علماء کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے برخلاف دوسروں یعنی حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، اور حضرت علیؓ، وغیرہ کی صحابیت کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوتا، بہرحال

آنحضرت کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ ابوبکر! تم میرے ایسے دوست و رفیق ہو کہ اللہ نے تمہاری دوستی و رفاقت کی گواہی دی ہے اور غالباً اسی بنا پر "یارغار" کا لفظ سچے اور پکے دوست و رفیق کے معنی میں محاورةً استعمال ہونے لگا ہے۔

افضلیت ابوبکرؓ

(۱۱) وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْبَغِيْ لِقَوْمٍ فِيْهِمْ اَبُوْبَكْرٍ اَنْ يَّؤُمَّهُمْ غَيْرُهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس قوم و جماعت میں ابوبکرؓ موجود ہوں اس کے لئے موزوں نہیں ہے کہ اس کی امامت ابوبکرؓ کے علاوہ کوئی شخص کرے" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: یہ حدیث امامت کے بارے میں ایک اصولی حکم کی بھی حیثیت رکھتی ہے کہ کسی بھی جماعت کی امامت کا سزاوار وہ شخص ہے۔ جو اس جماعت میں سب سے افضل ہو، اور اس کو اس بات کی واضح دلیل بھی قرار دیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ تمام صحابہ میں سب سے افضل ہیں، جب یہ بات ثابت ہوئی تو یہ بھی ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد خلافت کے اصل مستحق وہی تھے، کیونکہ "فاضل" کی موجودگی میں کسی "مفضول" کو خلیفہ بنانا غیر موزوں بات ہے۔ اسی لئے حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا، جب آنحضرت ﷺ نے آپ کو (نماز کا امام بنا کر) ہمارے دین کا پیشوا بنایا تو پھر ہماری دنیا کے معاملہ (یعنی خلافت) میں کون شخص آپ کو پس پشت ڈال سکتا ہے۔

ابوبکرؓ یہاں بھی سبقت لے گئے

(۱۲) وَعَنْ عُمَرَؓ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَتَصَدَّقَ وَوَافَقَ ذٰلِكَ عِنْدِيْ مَالًا فَقُلْتُ الْيَوْمَ اَسْبِقُ اَبَابَكْرٍ اِنْ سَبَقْتُهٗ يَوْمًا قَالَ فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ فَقُلْتُ مِثْلَهٗ وَاَتٰى اَبُوْبَكْرٍ بِكُلِّ مَا عِنْدَهٗ فَقَالَ يَا اَبَابَكْرٍ مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ فَقَالَ اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قُلْتُ لَا اَسْبِقُهٗ اِلٰى شَيْءٍ اَبَدًا۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت عمر فاروقؓ بیان کرتے ہیں (ایک موقع پر) رسول کریم ﷺ نے صدقہ (یعنی اللہ کی راہ میں اپنے اپنے مال کا کچھ حصہ پیش کرنے) کا حکم ہمیں دیا اور آپ کا یہ حکم مال کے اعتبار سے میرے موافق پڑ گیا (یعنی حسن اتفاق سے اس وقت میرے پاس بہت مال و دھن تھا) لہٰذا میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میں کسی دن ابوبکرؓ سے بازی لے جا سکتا ہوں تو وہ آج کا دن ہے کہ (اپنے مال کی زیادتی و فراوانی سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ راہ خدا میں پیش کروں گا اور) ان سے معاملہ میں ان کو پیچھے چھوڑ دوں گا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں، پس میں نے آدھا مال لا کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، رسول کریم ﷺ نے (اتنا زیادہ مال و اسباب دیکھ کر) مجھ سے پوچھا: گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ میں نے عرض کیا، جتنا لایا ہوں اتنا ہی گھر والوں کے لئے چھوڑ آیا ہوں، اس کے بعد حضرت ابوبکر آئے اور ان کے پاس جو کچھ تھا سب لا کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آنحضرت نے ان سے پوچھا: گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، ان کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ (حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ) میں نے اپنے دل میں کہا: ابوبکرؓ پر میں کبھی بھی سبقت نہیں لے جا سکوں گا۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: "اور ان کے پاس جو کچھ تھا" ان الفاظ سے اشارةً یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے مال کا جو آدھا حصہ لے کر آئے تھے وہ شاید مالیت و مقدار کے اعتبار سے حضرت ابوبکرؓ کے مال و اسباب سے زیادہ تھا لیکن اس اعتبار سے کہ حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال تو گھر

والوں کے لئے چھوڑ آئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ اپنے گھر والوں کے لئے کچھ بھی چھوڑے بغیر سب کچھ لے کر آ گئے تھے۔ افضلیت کا مقام حضرت ابوبکرؓ ہی کو حاصل ہوا حقیقت یہ ہے کہ اصل قیمت جذبہ ایثار کی ہوتی ہے۔ ایک شخص کے پاس دس لاکھ روپے ہوں اور ان میں سے پانچ لاکھ روپے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو یقیناً اس کو بڑا مرتبہ و مقام ملے گا لیکن اس سے بڑا مقام و مرتبہ اس شخص کا ہو گا جس کی کل کائنات پانچ سو روپے ہو اور وہ ان پانچ سو روپیوں کو اس بات سے بے نیاز ہو کر اللہ کی راہ میں خرچ کر دے کہ بعد میں اس کی اور اس کے اہل و عیال کی ضرورت کا کیا ہو گا، اسی حقیقت کے پیش نظر ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے: افضل الصدقة جهد المقل (افضل صدقہ وہ ہے جو کم مال والا ایثار کر کے نکالے)۔

"اللہ اور اللہ کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں" اس جواب کے ذریعہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی رضا و خوشنودی ہی میرے اور میرے اہل و عیال کے لئے دونوں جہاں کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، اس سرمایہ کا مقابلہ میں دنیاوی مال و اسباب کی بڑی سے بڑی پونجی بے وقعت ہے۔ یا حضرت ابوبکرؓ کے جواب کا یہ مطلب تھا کہ میرے گھر میں جو کچھ مال و اسباب تھا وہ سب میں لے آیا ہوں اور اللہ کی راہ میں پیش کر دیا ہے جہاں تک گھر والوں کی ضروریات کا سوال ہے تو اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان، اس کی رزاقیت اور اس کے رسول کی امداد و اعانت کا یقین ان کے لئے کافی ہے۔ اگر حضرت ابوبکرؓ کا تمام مال حضرت عمرؓ کے آدھے مال سے زیادہ تھا تو اس میں افضلیت ابوبکرؓ بلا شک و شبہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور اگر ان کا مال حضرت عمرؓ کے مال سے کم بھی رہا تو بھی ان کی افضلیت اس اعتبار سے تسلیم کی جائے گی کہ انہوں نے اپنا سب کچھ لا کر اللہ کی راہ میں پیش کر دیا تھا۔

"میں ابوبکرؓ پر کبھی بھی سبقت نہ لے جا سکوں گا" حضرت عمرؓ نے تو سوچا تھا کہ ہر نیک کام میں ابوبکرؓ مجھ پر سبقت لے جاتے ہیں آج ایسا موقع ہے کہ میں ان کو پیچھے چھوڑ دوں گا، مگر جب انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کا کامل جذبۂ ایثار و اطاعت دیکھا تو بول اٹھے کہ سبقت لے جانے کا اتنا بھرپور ذریعہ موجود ہونے کے باوجود اگر میں آج بھی ان سے پیچھے رہ گیا ہوں تو یقین ہے کہ اب کبھی بھی میں ان پر سبقت نہیں لے جا سکوں گا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا: مابينكم كما بين كلمتكما (مرتبہ و مقام کا) تمہارے درمیان وہی فرق ہے جو تم دونوں کے (مذکورہ) الفاظ میں پایا جاتا ہے۔

عتیق نام کا سبب

(۱۳) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اَبَابَكْرٍ دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَنْتَ عَتِيْقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ فَيَوْمَئِذٍ سُمِّيَ عَتِيْقًا۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے: (ایک دن) حضرت ابوبکرؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "تم دوزخ کی آگ سے اللہ کے آزاد کردہ ہو" اسی دن سے ان کا ایک نام "عتیق" پڑ گیا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "عتیق" کے معنی "بری" اور "آزاد" کے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کا ایک نام "عتیق" بھی مشہور ہے اور اس نام کی وجہ تسمیہ یہ حدیث بیان کر رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو عتیق اللہ من النّار فرمایا تھا۔ بعض حضرات نے اس نام کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ "عتیق" چونکہ حسن و جمال، شرافت و نجابت اور صاحب خیر کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہ تمام خوبیاں حضرت ابوبکرؓ کی ذات میں موجود تھیں اس لئے ان کو "عتیق" کہا جاتا تھا، لیکن خود حدیث نے چونکہ اس نام کی وجہ تسمیہ کی صراحت کر دی ہے کہ "عتیق" سے مراد "دوزخ کی آگ سے آزاد شخص" ہے۔ اس لئے کوئی دوسری وجہ تسمیہ بیان کرنا معتبر نہیں ہو گا ایک اور روایت میں بھی آیا ہے:

قال صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ من اراد ان ينظر بنظر الى عتيق من النّار فلينظر الى ابى بكر۔

"آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دوزخ کی آگ سے بری اور آزاد شخص کے دیدار کی تمنا رکھتا ہو وہ ابوبکرؓ کو دیکھ لے۔"

اصل نام و نسب: حضرت ابوبکرؓ کا اصل نام "عبداللہ" ہے اور ابوقحافہ عثمان کے بیٹے ہیں۔ سلسلۂ نسب: عبداللہ ابن ابوقحافہ عثمان ابن عامر ابن عمرو ابن کعب ابن سعد ابن تیم ابن مرہ جو ساتویں پشت میں جا کر نبی کریم ﷺ کے سلسلۂ نسب سے مل جاتا ہے حضرت ابوبکر وہ پہلے مرد ہیں جنہوں نے سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی تصدیق کی اور ایمان و اسلام سے مشرف ہوئے۔ حیاتِ نبوی ﷺ کا ایسا غزوہ اور اہم واقعہ نہیں ہے جس میں ان کو شرکت، رفاقت اور ہمراہی کا شرف حاصل نہ ہوا ہو، یہ واحد شخص ہیں جو نہ تو اپنے زمانۂ جاہلیت میں آنحضرت ﷺ سے جدا رہے اور نہ زمانۂ اسلام میں کبھی جدا ہوئے۔ جو خود بھی صحابی ہو اس کے ماں باپ بھی صحابی ہوں۔ اس کی اولاد بھی صحابی ہو اور اولاد کی اولاد بھی صحابی ہو، یہ عظیم تر خصوصیت اگر کسی صحابی کو حاصل ہے تو وہ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں، حضرت ابوبکرؓ نہ صرف سیرت اور باطن کے اعتبار سے تمام صحابہ میں بے مثال تھے بلکہ ان کا سراپا اور ظاہری جمال بھی مثالی تھا۔ سفید رنگت، ہلکا جسم، ابھری ہوئی پیشانی، خفیف رخسارے اور خوبصورت آنکھیں، ان سب نے مل کر ان کی شخصیت کو بڑی دل آویز اور پرکشش بنا دیا تھا۔ واقعہ فیل کے دو سال چار ماہ اور کچھ روز بعد مکہ شریف میں پیدا ہوئے اور جمادی الثانی ۱۳ھ کی بائیسویں تاریخ (یا آٹھویں) کو منگل کے دن مغرب و عشاء کے درمیان بعمر ۶۳ سال مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے وصیت کی تھی کہ میری میت کو میری بیوی اسما بنت عمیس غسل دیں چنانچہ حضرت اسماءؓ نے آپ کو غسل دیا اور حضرت عمر فاروقؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ دو سال چار ماہ آپ کی خلافت رہی، صحابہ اور تابعین کی بہت بڑی تعداد کو آپ سے روایت حدیث کا شرف حاصل ہے۔ لیکن رحلت رسالت مآب ﷺ کے بعد چونکہ تھوڑے دن زندہ رہے۔ اس کی وجہ سے آپ کی روایتوں کی تعداد بہت قلیل ہے۔

آنحضرت کے بعد سب سے پہلے ابوبکرؓ قبر سے اٹھیں گے

⑭ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ ثُمَّ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ آتِيْ اَهْلَ الْبَقِيْعِ فَيُحْشَرُوْنَ مَعِيْ ثُمَّ اَنْتَظِرُ اَهْلَ مَكَّةَ حَتّٰى اُحْشَرَ بَيْنَ الْحَرَمَيْنِ۔ (رواه الترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں کا سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جو زمین سے برآمد ہوں گے (یعنی قیامت کے دن جب تمام خلقت اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں آئے گی تو سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور اپنی قبر سے اٹھنے والا سب سے پہلا شخص میں ہوں گا) میرے بعد ابوبکرؓ اور ان کے بعد عمرؓ (اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے) پھر میں بقیع قبرستان کے مدفونوں کے پاس آؤں گا اور ان کو ان کی قبروں سے اٹھا کر میرے ساتھ جمع کیا جائے گا اور پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا تا آنکہ مجھے حرمین یعنی اہل مکہ اور اہل مدینہ کے درمیان حشر میں پہنچایا جائے گا۔" (ترمذی)

تشریح: قیامت کے دن سب سے پہلے آنحضرت ﷺ اپنی قبر سے اٹھیں گے، آپ ﷺ کے بعد سب سے پہلے اٹھنے والے حضرت ابوبکرؓ ہوں گے اور پھر حضرت عمر اٹھیں گے۔ آنحضرت ﷺ اپنی قبر سے اٹھ کر بقیع قبرستان پہنچیں گے، وہاں اہل بقیع آپ ﷺ کے سامنے اپنی اپنی قبروں سے باہر آکر آپ ﷺ کے پاس جمع ہوں گے، اسی جگہ آپ اہل مکہ کا انتظار کریں گے جن کو اپنی اپنی قبروں سے اٹھا کر یہاں لایا اور آپ ﷺ کے پاس جمع کیا جائے گا پھر اہل مکہ مدینہ کے ساتھ آپ میدان حشر کا رخ کریں گے اور وہاں تمام خلقت کے ساتھ جمع ہوں گے۔

محمد ﷺ کے غلاموں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر جنّت سے سرفراز ہوں گے

⑮ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِيْ جِبْرَئِيْلُ فَاَخَذَ بِيَدِيْ فَاَرَانِيْ بَابَ الْجَنَّةِ الَّذِيْ يَدْخُلُ مِنْهُ اُمَّتِيْ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَدِدْتُ اَنِّيْ كُنْتُ مَعَكَ حَتّٰى اَنْظُرَ اِلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكَ يَا اَبَابَكْرٍ اَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پھر انہوں نے مجھے جنّت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری اُمت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے" حضرت ابوبکرؓ نے (یہ ارشاد سن کر) عرض کیا یارسول اللہ! میرے دل میں یہ حسرت بھری خواہش مچل رہی ہے کہ کاش اس وقت میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوتا تو مجھے بھی جنت کا دروازہ دیکھنا نصیب ہو جاتا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ابوبکر! آگاہ رہو کہ میری اُمت میں سے جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ ان میں سب سے پہلے شخص تم ہی ہوگے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "مجھے جنت کا دروازہ دکھلایا" یا تو یہ شب معراج کا واقعہ ہے، جس کا آپ نے اس موقع پر ذکر فرمایا یا کسی اور وقت کا واقعہ ہے جب آپ ﷺ کو جنّت کی سیر کرائی گئی ہوگی، "ان میں سب سے پہلے شخص تم ہی ہوگے" یعنی تم جنت میں تو جاؤ ہی گے اور سب سے پہلے جاؤ گے تو اسی وقت جنت کا دروازہ بھی دیکھ لینا یا ان الفاظ سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جنّت کا دروازہ دیکھنے کی کیا آرزو کرتے ہو، تمہارے لئے تو وہ چیز مقدر ہے جو اس سے کہیں اعلیٰ و افضل ہے۔ یعنی میرے ساتھ تمہارا جنت میں داخل ہونا، بہرحال یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اُمت محمدی میں سب سے افضل شخص ہیں، اگر ان کو افضلیت حاصل نہ ہوتی تو اُمت کے لوگوں میں سب سے پہلے جنّت میں داخل ہونے کا شرف ان کے لئے کیوں مقدر ہوتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حضرت ابوبکر کے دو عمل جو دوسروں کی ساری زندگی پر بھاری ہیں

(۱۶) عَنْ عُمَرَ ذُكِرَ عِنْدَهُ اَبُوْبَكْرٍ فَبَكٰى وَقَالَ وَدِدْتُ اَنَّ عَمَلِيْ كُلَّهُ مِثْلُ عَمَلِهٖ يَوْمًا وَّاحِدًا مِنْ اَيَّامِهٖ وَلَيْلَةً وَّاحِدَةً مِنْ لَيَالِيْهِ اَمَّا لَيْلَتُهُ فَلَيْلَةٌ سَارَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْغَارِ فَلَمَّا انْتَهَيَا اِلَيْهِ قَالَ وَاللّٰهِ لَا تَدْخُلْهُ حَتّٰى اَدْخُلَ قَبْلَكَ فَاِنْ كَانَ فِيْهِ شَيْءٌ اَصَابَنِيْ دُوْنَكَ فَدَخَلَ فَكَسَحَهٗ وَوَجَدَ فِيْ جَانِبِهٖ ثُقَبًا فَشَقَّ اِزَارَهٗ وَسَدَّهَا بِهٖ وَبَقِيَ مِنْهَا اثْنَانِ فَاَلْقَمَهُمَا رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْخُلْ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَضَعَ رَأْسَهٗ فِيْ حَجْرِهٖ فَنَامَ فَلُدِغَ اَبُوْبَكْرٍ فِيْ رِجْلِهٖ مِنَ الْجُحْرِ وَلَمْ يَتَحَرَّكْ مَخَافَةَ اَنْ يَنْتَبِهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَقَطَتْ دُمُوْعُهٗ عَلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالَكَ يَا اَبَابَكْرٍ قَالَ لُدِغْتُ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ فَتَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَهَبَ مَا يَجِدُهٗ ثُمَّ انْتَقَضَ عَلَيْهِ وَكَانَ سَبَبَ مَوْتِهٖ وَاَمَّا يَوْمُهٗ فَلَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْتَدَّتِ الْعَرَبُ وَقَالُوْا لَا نُؤَدِّيْ زَكٰوةً فَقَالَ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عِقَالًا لَجَاهَدْتُهُمْ عَلَيْهِ وَقُلْتُ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَاَلَّفِ النَّاسَ وَارْفُقْ بِهِمْ فَقَالَ لِيْ اَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِي الْاِسْلَامِ اِنَّهٗ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْيُ وَتَمَّ الدِّيْنُ اَيَنْقُصُ وَاَنَا حَيٌّ۔ (رواہ رزین)

"سیدنا عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) ان کے سامنے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ذکر چھڑ گیا تو وہ (ان کی پاکیزہ و بلند قدر زندگی کو یاد کر کے) رونے لگے اور پھر بولے: مجھ کو آرزو ہے کہ کاش میری پوری زندگی کے اعمال (قدر و قیمت کے اعتبار سے) حضرت ابوبکرؓ کے صرف اس ایک دن کے عمل کے برابر ہو جاتے جو (آنحضرت ﷺ کے زمانۂ حیات کے) دنوں میں سے ایک دن تھا۔ یا ان کی اس ایک رات کے عمل کے برابر ہو جاتے جو (آنحضرت ﷺ کے زمانۂ حیات کی) راتوں میں سے ایک رات تھی یہ ان کی اس رات کا ذکر ہے جس میں وہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ سفر ہجرت پر روانہ ہوئے اور غار ثور ان کی پہلی منزل بنا تھا، جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اس غار پر پہنچے (اور آنحضرت ﷺ نے غار میں داخل ہونا چاہا) تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا: خدا کے واسطے آپ (ﷺ) اس غار میں ابھی داخل نہ ہوں، پہلے

میں اندر جاتا ہوں تاکہ اگر اس میں کوئی موذی چیز (جیسے سانپ بچھو وغیرہ) ہو اور وہ ضرر پہنچائے تو مجھ کو ضرر پہنچائے نہ کہ آپ (ﷺ) کو۔ اور یہ (کہہ کر) حضرت ابوبکرؓ (آنحضرت ﷺ سے پہلے) غار میں داخل ہوگئے اور اس کو جھاڑ جھنک کر صاف کیا۔ انہوں نے غار کے ایک کونے میں کئی سوراخ بھی دیکھے تھے ان میں سے بیشتر سوراخوں کو انہوں نے اپنے تہبند سے چیتھڑے پھاڑ کر بند کر دیا اور جو دو سوراخ (اس وجہ سے) باقی رہ گئے تھے (کہ ان کو بند کرنے کے لئے تہبند کے چیتھڑوں میں سے کچھ نہیں بچا تھا) ان کے منہ میں وہ اپنے دونوں پاؤں (کی ایڑیاں) اڑا کر بیٹھ گئے (تاکہ کسی زہریلے اور موذی جانور کے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہ رہے) پھر انہوں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اب اندر تشریف لے آئیے! چنانچہ رسول کریم ﷺ غار میں داخل ہوئے اور اپنا سر مبارک حضرت ابوبکرؓ کی گود میں رکھ کر سو گئے، اسی دوران ایک سوراخ کے اندر سے سانپ نے حضرت ابوبکرؓ کے پاؤں میں کاٹ لیا لیکن (وہ اسی طرح بیٹھے رہے اور) اس ڈر سے اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کی کہ کہیں رسول کریم ﷺ جاگ نہ جائیں۔ آخر کار (شدت تکلیف سے) ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل گئے، اور رسول کریم ﷺ کے چہرہ مبارک پر گرے (جس سے آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی) آپ ﷺ نے (ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو) پوچھا: ابوبکرؓ! یہ تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے (کسی زہریلے جانور یعنی سانپ نے) کاٹ لیا ہے آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) اپنا مبارک لعاب دہن (ان کے پاؤں میں کاٹی ہوئی جگہ پر) ٹپکا دیا اور (تکلیف و اذیت کی) جو کیفیت ان کو محسوس ہو رہی وہ فوراً جاتی رہی۔ اسی سانپ کا وہ زہر تھا جو حضرت ابوبکرؓ پر دوبارہ اثر انداز ہوا، اور اسی کے سبب ان کی موت واقع ہوئی، اور ان کا وہ دن (کہ جس کے بارے میں میری آرزو ہے کہ کاش میرے زندگی بھر کے اعمال ان کے صرف اس دن کے عمل کے برابر قرار پائیں) وہ دن تھا جب رسول کریم ﷺ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی تھی۔ اور بعض عرب قبائل مرتد ہوگئے تھے ان (قبائل کے) لوگوں نے کہا تھا کہ ہم زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ کا کہنا تھا کہ اگر یہ لوگ (زکوٰۃ میں اونٹ کے پاؤں باندھنے کے بقدر) رسی بھی دینے سے مجھے انکار کریں گے تو یقیناً میں ان سے جہاد کروں گا۔ میں نے (ان کا یہ فیصلہ سن کر) عرض کیا تھا: اے خلیفۂ رسول اللہ! (یہ بڑا نازک موقع ہے) آپ کو لوگوں سے الفت و خیر سگالی کا برتاؤ اور نرمی کا سلوک کرنا چاہئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے (بڑے تیکھے لہجہ میں) مجھے جواب دیا تھا "کیا تم اپنے زمانۂ جاہلیت ہی میں غیور و بہادر اور قوی و غصہ ور تھے؟ اور اب اپنے زمانۂ اسلام میں بزدل و پست ہمت ہوگئے ہو؟ اس حقیقت کو نہ بھولو کہ وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے اور دین کامل ہو چکا ہے۔ ایسی صورت میں دین کمزور و ناقص ہو جائے، ایسا میں اپنی زندگی میں ہرگز نہیں ہونے دوں گا"۔ (رزینؒ)

تشریح: "اور اسی کے سبب ان کی موت واقع ہوئی" یعنی اس رات میں غار ثور کے سوراخ سے سانپ نے حضرت ابوبکرؓ کے پاؤں کو جو ڈسا تھا اس وقت تو اس کے زہر کا اثر آنحضرت کے لعاب مبارک کی برکت سے زائل ہوگیا تھا۔ لیکن پھر اس واقعہ کے عرصۂ دراز کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی آخر عمر میں اس زہر کے اثرات نے عود کیا اور آخر کار اسی کے سبب سے ان کی موت ہوئی۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ کو وہ مرتبہ ملا جو اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے کو ملتا ہے کیونکہ جس زہر کے اثر سے ان کا انتقال ہوا وہ ان کو اس وقت پہنچا تھا۔ جب انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول کی خوشنودی کے لئے سفر ہجرت میں اللہ کے رسول کی معیت اختیار کی اور اللہ کے رسول کو کسی بھی ضرر و گزند سے محفوظ رکھنے کے لئے خود کو ہر ضرر و گزند کے آگے کر دیا تھا، اثرات زہر کے عود کرنے کا ایسا ہی قصہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا، غزوہ خیبر کے موقع پر بھنی ہوئی بکری کے گوشت میں زہر ملا کر آپ ﷺ کو دیا گیا تھا، اس وقت تو اللہ تعالیٰ نے اس زہر کے مضرات سے آپ کو محفوظ رکھا لیکن مرض الموت میں پھر اسی زہر کے اثرات ظاہر ہوگئے تھے۔

"ہم زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے" ان قبائل کا زکواۃ ادا کرنے کے بارے میں یہ کہنا، انکار کے طور پر تھا یعنی یا تو وہ سرے سے وجوب زکوٰۃ ہی کے منکر ہوگئے تھے، یا علی الاعلان وہ تارک زکوٰۃ ہوگئے تھے۔ اس کی تفصیل پیچھے "کتاب الزکوٰۃ" میں گزر چکی ہے۔ ہمارے بعض علماء نے لکھا ہے۔ کہ اگر کسی شخص کو شرعی طور پر حکم دیا جائے کہ زکوٰۃ ادا کرو، اور وہ شخص جواب دے کہ نہیں، میں زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، تو وہ شخص

کافر ہو جائے گا۔

"اگر یہ لوگ رسی بھی دینے سے مجھے انکار کریں گے" یہ لو منعونی عقالاً کا ترجمہ ہے! عقال دراصل اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کے پاؤں باندھے جاتے ہیں۔ اگر کسی شخص کے پاس اونٹ ہوں اور ان اونٹوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہو اور پھر وہ نصاب کے مطابق ایک یا ایک سے زائد اونٹ زکوٰۃ میں نکالے۔ تو اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ محصل زکوٰۃ کو عقال سمیت اونٹ سپرد کرے۔ کیونکہ مالک (زکوٰۃ ادا کرنے والے) کو لازم ہے کہ وہ زکوٰۃ میں نکالی گئی چیز (خواہ روپیہ پیسہ ہو یا کوئی جانور وغیرہ) زکوٰۃ لینے والے کے قبضہ اور سپردگی میں دے، ظاہر ہے کہ اونٹ پوری طرح قبضہ و سپردگی میں اسی وقت آسکتا ہے۔ جب وہ عقال کے ساتھ (یعنی رسی وغیرہ سے بندھا ہوا) لیا جائے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے۔ "عقال" اصل میں اونٹ یا بکری کی ایک سال کی "زکوٰۃ" کو کہتے ہیں، ویسے تو لغت میں "عقال" کے یہ دونوں معنی آئے ہیں لیکن زیادہ مشہور و متعارف معنی اول یعنی رسی ہی ہے۔ صاحب قاموس نے اس لفظ کو دوسرے معنی میں ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ حضرت ابوبکر کے الفاظ لو منعونی عقالا میں عقل کے یہی معنی مراد ہیں یعنی اونٹ یا بکری کی ایک سال کی زکوٰۃ، ایک روایت میں "عقالا" کے بجائے "عناقا" کا لفظ نقل کیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں، بکری کا وہ بچہ جو پورے ایک سال کا نہ ہوا ہو۔

"بزدل و پست ہمت ہو گئے ہو" ان الفاظ کے ذریعہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے کے خلاف گویا شدید ناگواری کا اظہار کیا ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جب تم مسلمان نہیں ہوئے تھے اور تمہارا زمانہ جاہلیت تھا اس وقت تو تم بڑے بہادر بھی تھے اور غیور بھی، ذرا ذرا سی بات پر تمہیں اتنا غصہ آجاتا تھا کہ تلوار سونت کر کھڑے ہو جاتے تھے، مگر اب تمہیں کیا ہوا ہے کہ اسلام کے اتنے بڑے حکم سے انکار کرنے والوں کے تئیں نرمی و مروت کا رویہ اختیار کرنے کا مشورہ مجھے دے رہے ہو اور ان مرتدوں کے خلاف تلوار اٹھانے سے مجھے روکنا چاہتے ہو۔ یہ مشورہ تم جیسے بہادر اور غیور مسلمان کے شایان شان نہیں ہے، یہ تو نری بزدلی اور مداہنت کی بات ہے۔ ان عرب قبائل کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ کا یہ سخت رویہ اور ان کا بالعزیمت فیصلہ دراصل ان کی بے مثال شجاعت و بہادری اور ان کی زبردست دینی حمیت و غیرت کا غماز ہے۔ اگرچہ حضرت عمرؓ کی مذکورہ رائے میں حضرت علیؓ بھی شریک تھے، لیکن اس کے باوجود حضرت ابوبکرؓ کی باکمال بصیرت اور دور اندیشی نے اس رائے کو اہمیت نہیں دی اور پوری جرأت کے ساتھ ان مرتدوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا فیصلہ کیا ان کی پختگی و مضبوطی کو دیکھ کر حضرت عمرؓ کو اپنی رائے بدلنا پڑی اور نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے اسی موقع پر برملا اعتراف کیا کہ اب اللہ نے میرا سینہ کھول دیا ہے۔ اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہی بات صحیح و صواب ہے جو حضرت ابوبکرؓ کے فیصلہ کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ بلکہ وہ اس واقعہ کے بعد بھی اکثر حضرت ابوبکرؓ کے اس باعزیمت فیصلہ کی تعریف کیا کرتے تھے۔ اور جیسا کہ اس حدیث میں ہے، یہاں تک کہا کرتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ کی زندگی کا محض یہی ایک فیصلہ اتنا عظیم کارنامہ ہے کہ اگر میری پوری زندگی کے نیک اعمال ان کے اس ایک عمل کے برابر قرار پا جائیں تو میں اپنی بڑی خوش بختی تصور کروں۔

"وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور" یہ بات حضرت ابوبکرؓ نے اس معنی میں کہی کہ پہلے تو آنحضرت ﷺ اس دنیا میں موجود تھے، دینی ہدایت و راہنمائی براہ راست وحی کی صورت میں حاصل ہو جایا کرتی تھی، مگر اب صورت حال بدل چکی ہے، اجتہاد کے علاوہ کوئی ایسا ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے جو ہمیں کسی ایسے پیش آمدہ کے مسئلہ میں کہ جو قرآن و حدیث میں واضح طور پر مذکور نہ ہو صحیح فیصلہ پر پہنچا سکے، لہٰذا کسی بھی دینی معاملہ و مسئلہ میں رائے دیتے وقت اچھی طرح غور و فکر کر لینا چاہئے اور معاملہ کے تمام پہلوؤں کو ذہن میں رکھ کر بڑی سوجھ بوجھ کے ساتھ اجتہاد کرنا چاہئے۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم کے مطابق دین چونکہ اللہ کے رسول کے ذریعہ اپنی مکمل صورت میں ہم تک پہنچا ہے۔ اس لئے خلیفہ رسول ہونے کی حیثیت سے میری ذمہ داری ہے کہ دین کی اس کی اصل اور مکمل

صورت کے ساتھ حفاظت کروں اور کسی بھی ایسے فتنہ کو سر نہ اٹھانے دوں جس سے دین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

بَابُ مَنَاقِبِ عُمَرَؓ
حضرت عمرؓ کے مناقب و فضائل کا بیان

امیرالمؤمنین حضرت عمرفاروقؓ کے مناقب و فضائل بے شمار ہیں ان کی عظیم ترین شخصیت و حیثیت اور ان کے بلند ترین مقام و مرتبہ کی منقبت میں یہی ایک بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک ﷺ کی دعا قبول کر کے ان کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دی اور ان کے ذریعہ اپنے دین کو زبردست حمایت و شوکت عطا فرمائی۔ ان کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ کہ منجانب اللہ راہ صواب ان پر روشن ہو جاتی تھی، الہام و القاء کے ذریعہ غیبی طور پر ان کی راہنمائی ہوتی تھی ان کے دل میں وہی بات ڈالی جاتی تھی جو حق ہوتی تھی اور ان کی رائے وحی الٰہی اور کتاب اللہ کے موافق پڑتی تھی، اسی بناء پر علمانے لکھا ہے، کہ حضرت ابوبکرؓ کے حق میں ان کی رائے خلافت صدیق کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ جیسا کہ حضرت عمار ابن یاسرؓ کی شہادت کو حضرت علی مرتضیٰؓ کے حق ہونے کی دلیل مانا جاتا ہے۔

ابن مردویہؒ نے حضرت مجاہدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ (کسی مسئلہ و معاملہ میں) حضرت عمرفاروقؓ جو رائے دیتے تھے اسی کے موافق آیات قرآنی نازل ہوتی تھیں، ابن عساکرؒ نے سیدنا علی مرتضیٰؓ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، قرآن حضرت عمرؓ کی رائے میں سے ایک رائے ہے، یعنی قرآنی آیات کا ایک بڑا حصہ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے بطریق مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر (کسی مسئلہ میں اختلاف رائے ہو کہ) تمام لوگوں کی رائے کچھ ہو اور عمر کی کچھ، اور پھر (اس مسئلہ سے متعلق) قرآن کی آیت نازل ہو تو وہ عمرؓ کی رائے کے مطابق ہوگی "اس روایت کو سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ "موافقات عمرؓ" (یعنی حضرت عمرؓ کی رائے سے قرآن کریم میں جہاں جہاں اتفاق کیا گیا ہے ایسے مواقع) بیس ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
حضرت عمرؓ محدث تھے

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كَانَ فِیْمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَّكُ اَحَدٌ فِیْ اُمَّتِیْ فَاِنَّهٗ عُمَرُ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، تم سے پہلے (سابقہ امتوں کے) لوگوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اگر میری اُمت میں کوئی شخص محدث ہوا تو وہ بس عمرؓ ہوں گے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "اگر میری اُمت میں کوئی محدث ہوا تو" کا مقصود اس اُمت میں محدث کے وجود کو مشکوک و مشتبہ کرنا نہیں ہے، اُمت محمدی تو پچھلے تمام امتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اگر پچھلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے تو اس اُمت میں ان کا وجود یقینی طور پر بطریق اولیٰ ہوگا۔ پس ان الفاظ کا مقصد تاکید و تخصیص ہے، یعنی اس اُمت میں صرف عمرؓ ان خصوصیات و اوصاف کے حامل ہیں جن سے ان کا محدث ہونا ظاہر ہوتا ہے، اس جملہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے کسی مخلص ترین دوست کی خصوصی حیثیت کو اجاگر کرنے کے لئے کہے کہ دنیا میں اگر کوئی شخص میرا دوست ہے تو بس وہی ہے جس طرح اس جملہ کی مراد اس شخص کی دوستی کے درجۂ کمال کو نہایت خصوصیت کے ساتھ بیان کرنا ہوتی ہے۔ اسی طرح حدیث کے مذکورہ بالا جملہ کی مراد مذکورہ وصف کے ساتھ حضرت عمرؓ کی نہایت خصوصی نسبت کو بیان کرنا ہے۔

محدث کے معنی: "محدث" یہاں ملہم (صاحب الہام) کے معنی میں ہے، یعنی وہ (روشن ضمیر) شخص جس کے دل میں غیب سے کوئی بات پڑے۔ اس کو محدث اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ گویا اس سے غیبی طاقت بات کرتی ہے، اس کو وہ بات بتاتی ہے، جو دوسروں کو معلوم نہیں ہوتی اور پھر وہ شخص اس بات کو دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ مجمع البحار میں لکھا ہے، محدث اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دل میں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) کوئی بات ڈالی جاتی ہے اور پھر وہ شخص ایمانی حدس و فراست کے ذریعہ اس بات کو دوسروں تک پہنچاتا ہے، اور یہ مرتبہ اسی شخص کو نصیب ہوتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نوازنا چاہے، بعض حضرات نے کہا ہے: محدث وہ شخص ہے جس کا ظن، یعنی گمان (کسی بھی مختلف فیہ بات کے) اسی پہلو کو اختیار کرے جو صواب یعنی صحیح ہو اور آخر میں اس کی رائے اس طرح صائب ثابت ہو جیسے کسی جاننے والے نے اس کو بتا رکھا ہو۔ اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے۔ "محدث" کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جس کے فرشتے اس سے کلام کرتے ہوں، یہ قول غالباً اس بنیاد پر ہے کہ ایک روایت میں "محدثون" کے بجائے "متکلمون" کا لفظ نقل ہوا ہے۔

حضرت عمرؓ سے شیطان کی خوف زدگی

(۲) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَاصٍ قَالَ اسْتَاذَنَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهٗ نِسْوَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ يُكَلِّمْنَهٗ وَيَسْتَكْثِرْنَهٗ عَالِيَةً اَصْوَاتُهُنَّ فَلَمَّا اسْتَاذَنَ عُمَرُ قُمْنَ فَبَادَرْنَ الْحِجَابَ فَدَخَلَ عُمَرُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُ فَقَالَ اَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَجِبْتُ مِنْ هٰؤُلَاءِ اللَّاتِيْ كُنَّ عِنْدِيْ فَلَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ ابْتَدَرْنَ الْحِجَابَ قَالَ عُمَرُ يَا عَدُوَّاتِ اَنْفُسِهِنَّ اَتَهَبْنَنِيْ وَلَا تَهَبْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَ نَعَمْ اَنْتَ اَفَظُّ وَاَغْلَظُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِيْهٍ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطٰنُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ اِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَقَالَ الْحُمَيْدِيُّ زَادَ الْبَرْقَانِيُّ بَعْدَ قَوْلِهٖ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَضْحَكَكَ۔

"اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں: (ایک دن) حضرت عمر ابن خطابؓ حجرۂ نبوی کے دروازے پر کھڑے ہو کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی، اس وقت آپ ﷺ کے پاس قریش کی چند خواتین یعنی ازواج مطہرات بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں، ان کی باتوں کا موضوع (اس) خرچہ میں اضافہ کا مطالبہ تھا (جو آنحضرت ﷺ ان کو پہنچاتے تھے) اور وہ باتیں زور زور سے کر رہی تھیں جب حضرت عمرؓ اجازت طلب کر کے اندر داخل ہونے لگے۔ تو وہ خواتین (چھپنے کے لئے) آنحضرت ﷺ کے پاس سے اٹھ کر پردہ کے پیچھے چلی گئیں۔ حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے تو (دیکھا کہ) رسول کریم ﷺ مسکرا رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے (آپ ﷺ کی مسکراہٹ دیکھ کر) کہا: اللہ آپ کے دانتوں کو ہمیشہ خنداں رکھے۔ (یعنی دانتوں کا کھلنا مسکراہٹ خوشی کی غماز ہوتی ہے۔ میری دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ شاداں و فرحاں رکھے، لیکن آخر وہ کون سی بات ہے جس نے اس وقت آپ ﷺ کو خنداں کر دیا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اس بات پر ہنسی آگئی۔ کہ وہ عورتیں (کہاں تو) میرے پاس بیٹھی ہوئی (شور مچا رہی) تھیں اور (کہاں) تمہاری آواز سنتے ہی (مارے ڈر کے) پردے کے پیچھے بھاگ گئیں، حضرت عمرؓ (نے یہ سنا تو ان خواتین کو مخاطب کر کے) بولے: اری اپنی جان کی دشمن عورتو! (یہ کسی الٹی بات ہے کہ) مجھ سے تو اس قدر خوف کا اظہار (کہ میری آواز سنتے ہی ڈر کے مارے پردے کے پیچھے جا چھپی ہو) اور رسول کریم ﷺ سے تم ذرا بھی ڈرتیں (کہ آپ کے پاس بیٹھ کر شور مچا رہی تھیں؟) ان خواتین نے جواب دیا: ہاں (تم سے ڈرنا ہی چاہئے) کیونکہ تم نہایت سخت خو نہایت سخت گو ہو (جب کہ رسول کریم ﷺ نہایت خوش مزاج اور خوش خلق ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ابن خطاب! چھوڑو، اور کوئی بات کرو (ان عورتوں نے جو جواب دیا ہے اس کو اہمیت دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ

میں میری جان ہے (تم وہ شخص ہو کہ) اگر شیطان تمہیں دیکھ لیتا ہے تو اس راستہ سے کترا کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ جس پر تم چلتے ہو۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) اور حمیدیؒ نے (اپنی کتاب "جامع بین الصحیحین" میں) کہا ہے کہ برقانیؒ نے (جو خوارزم کے ایک گاؤں برقان کے رہنے والے تھے اور مشہور محدث ہیں) حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ: یارسول اللہ کس چیز نے آپ کو ہنسایا ہے؟۔"

تشریح: "اور باتیں بھی زور زور سے کر رہی تھیں" یعنی ان کی آواز پر حاوی تھی! پس اس بارے میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب رسول کریم ﷺ کے سامنے شور مچانے یعنی آپ کی آواز سے اونچی آواز میں بولنے کی ممانعت قرآن میں نازل نہیں ہوئی تھی اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان سب کی آوازیں مل کر پر شور ہو گئی تھیں جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ اگر چند آدمی ایک ساتھ آہستہ آہستہ بھی بولتے ہیں تو سب کی آوازیں مل کر پر شور ہو جاتی ہیں، یہ صورت نہیں تھی کہ ان میں سے ہر ایک کی یا کسی ایک کی تنہا آواز اس حد سے بلند تھی جس کی ممانعت آئی ہے۔ ان دونوں احتمالوں کو ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے اور پھر لکھا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ الفاظ حدیث سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ان کی آواز اتنی زیادہ بلند تھی کہ آنحضرت ﷺ کی آواز سے اونچی ہو گئی تھی، اور جب یہ بات ثابت ہی نہیں ہوتی تو پھر ارشاد ربانی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ الاية کے تحت کوئی اشکال بھی وارد نہیں ہوتا، الفاظ حدیث سے جو بات مفہوم ہوتی ہے وہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ازواج مطہرات عام طور پر آنحضرت ﷺ کے سامنے جس دھیمے لب و لہجہ میں اور جس دھیمی آواز میں بات کیا کرتی تھیں اس موقع پر ان کی آواز اس عادت و معمول سے ذرا کچھ بلند ہو گئی تھی جو نہ تو حد ادب سے تجاوز تھی اور نہ آنحضرت ﷺ کی خوش خلقی اور خوش مزاجی کی ناگواری کا باعث بنی تھی۔

"اس راستہ سے کترا کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے" مطلب یہ کہ: تمہاری ہیبت اتنی ہے کہ شیطان تمہارے تصور سے بھی کانپتا ہے، اس کی اتنی مجال بھی نہیں ہوتی کہ تمہارے سامنے آجائے جس جگہ تم ہو گے وہاں شیطان کا گزر بھی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک روایت میں یوں آیا ہے: شیطان عمرؓ کے سایہ سے بھی بھاگتا ہے، واضح رہے کہ "فج" کے معنی "کشادہ راستہ" کے آتے ہیں۔ اگرچہ ایک احتمال یہ ہے کہ "فج" سے مطلق راستہ مراد ہے خواہ وہ تنگ ہو یا کشادہ، تاہم زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ یہ لفظ یہاں اپنے ظاہری معنی یعنی "کشادہ راستہ" کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور اس میں یہ نکتہ پوشیدہ ہے کہ شیطان عمرؓ کو چوڑے اور کشادہ راستہ پر بھی دیکھ کر کترا جاتا ہے۔ اور دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ چاہے تو اس کشادہ راستہ کے کسی ایک کنارے سے گزر سکتا ہے لیکن اس پر تو عمرؓ کا خوف اور ان کی ہیبت ہی اتنی سوار ہے کہ وہ سرے سے اس راستہ کی طرف آنے ہی سے گھبراتا ہے، جس پر عمرؓ چل رہے ہوں!

جنت میں عمرؓ کا محل جو حضورؐ نے فرمایا

(۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا اَنَا بِالرُّمَيْصَاءِ امْرَاَةِ اَبِي طَلْحَةَ وَسَمِعْتُ خَشفَةً فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا فَقَالَ هٰذَا بِلَالٌ وَرَاَيْتُ قَصْرًا بِفِنَائِهِ جَارِيَةٌ فَقُلْتُ لِمَنْ هٰذَا فَقَالُوْا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَرَدْتُ اَنْ اَدْخُلَهُ فَاَنْظُرَ اِلَيْهِ فَذَكَرْتُ غَيْرَتَكَ فَقَالَ عُمَرُ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعَلَيْكَ اَغَارُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: (معراج کی رات میں) جب میں جنت میں داخل ہوا تو اچانک دیکھا کہ میرے سامنے رمیصا زوجہ ابو طلحہؓ موجود ہیں۔ پھر میں نے قدموں کی چاپ سنی اور پوچھا کہ یہ کون شخص ہے (جس کے چلنے پھرنے کی آواز آرہی ہے) مجھے (جبرئیل یا کسی اور فرشتہ نے یا داروغہ جنت نے) بتایا کہ یہ بلالؓ ہیں۔ اس کے بعد (ایک جگہ پہنچ کر) میں نے ایک عالیشان محل دیکھا، جس کے ایک گوشہ میں (یا صحن میں) ایک نوجوان عورت (یعنی حور جنت) بیٹھی ہوئی تھی، میں نے پوچھا! یہ محل کس کا ہے؟ (اور ہمہ انواع کی یہ نعمتیں جو اس محل میں اور اس محل کے ارد گرد ہیں کس کے لئے ہیں) مجھ کو جنتیوں نے (یا اس محل پر متعین فرشتوں نے) بتایا کہ یہ (محل اپنے تمام ساز و سامان اور نعمتوں سمیت) عمر ابن خطابؓ کا ہے (یہ سن کر) میں نے چاہا کہ محل میں جاؤں اور اس کو اندر سے بھی

دیکھوں لیکن پھر (اے عمرؓ) مجھے غیرت کا خیال آگیا (کہ تمہارے محل کے اندر داخل ہونا تمہاری غیرت و حمیت کے منافی ہوگا اس لئے میں نے اندر جانے سے اجتناب کیا) حضرت عمرؓ نے (یہ سنا تو) عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا میں آپ ﷺ (کے داخل ہونے) سے غیرت کروں گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "رمیصا" حضرت ابوطلحہؓ انصاری کی بیوی اور حضرت انس ابن مالکؓ کی والدہ ماجدہ ہیں، پہلے یہ مالک ابن نضر کے نکاح میں تھیں جن سے حضرت انسؓ پیدا ہوئے، مالک کے بعد ابوطلحہؓ نے ان سے عقد کر لیا تھا، ان کے اصل نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ ام سلیم بھی کہی جاتی تھیں اور رمیصاء بھی، ایک مشہور نام غمیصاء بھی ہے، رمیصاء دراصل "رمص" سے ہے، جس کے معنی اس سفید چیپڑ (میل کچیل) کے ہیں جو آنکھ کے کونے میں جمع ہو جاتا ہے۔ اور "غمیصا" غمص سے ہے اس کے معنی ہیں: آنکھ سے چیپڑ بہنا۔

"کیا میں آپ (ﷺ) سے غیرت کروں گا" یہ اَعَلَیْكَ اَغَارُ کا ترجمہ ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس جملہ میں قلب الفاظ ہے۔ یعنی اصل جملہ یوں ہے: اَغَارُ مِنْكَ نیز بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے (آنحضرت ﷺ کا ارشاد سن کر) یہ بھی کہا: وَهَلْ رَفَعَنِيَ اللّٰهُ اِلَّا بِكَ وَهَلْ هَدَانِي اللّٰهُ اِلَّا بِكَ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ جو بلند مرتبہ عطا فرمایا وہ محض آپ کے طفیل سے ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے ہدایت و راستی اور سرفرازی تک آپ ﷺ ہی کے ذریعہ پہنچایا ہے۔

دین کی شان و شوکت سب سے زیادہ حضرت عمرؓ نے دوبالا کی

(۴) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُوْنَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَ مِنْهَا مَادُوْنَ ذٰلِكَ وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيْصٌ يَجُرُّهُ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الدِّيْنُ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "(ایک دن) جب کہ میں سو رہا تھا تو (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ (میری اُمت کے) کچھ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا جا رہا ہے، وہ سب کرتا پہنے ہوئے تھے جن میں بعض کے کرتے تو ان کے سینے تک تھے، اور بعض کے کرتے ان سے بھی چھوٹے تھے۔ پھر جب عمر بن خطابؓ میرے سامنے پیش ہوئے تو ان کا کرتا اتنا لمبا تھا کہ زمین سے گھسٹ رہا تھا، بعض صحابہ نے (یہ سن کر) پوچھا کہ یا رسول اللہ! (عمرؓ کے اس لمبے کرتے کی) تعبیر آپ (ﷺ) کیا بیان فرماتے ہیں؟ فرمایا دین ومذہب!۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "اور بعض کے کُرتے ان سے بھی چھوٹے تھے" یعنی بعض لوگوں کے جسم کے کرتے تو اتنے تھے جو سینے تک پہنچتے تھے۔ اور بعض لوگوں کے کرتے اتنے چھوٹے تھے کہ ان کے سینے تک بھی نہیں پہنچتے تھے بلکہ سینے سے اوپر تھے۔ ومنہامادون ذٰلِكَ کا مطلب عام طور پر یہی بیان کیا گیا ہے مگر ملا علی قاری نے اس جملہ کی جو وضاحت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک یہ معنی بھی ہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے کُرتے ان کے کُرتوں سے لمبے تھے۔

حضرت عمرؓ کے کُرتے کی درازی کی تعبیر میں "دین ومذہب" کے ذکر سے یہ مراد ہے کہ عمرؓ کی ذات سے دین کو تقویت حاصل ہوگی اور کیونکہ ان کی خلافت کا زمانہ طویل ہوگا لہٰذا ان کے زمانہ میں دین کی شان و شوکت نہایت درجہ دوبالا ہوگی، بے شمار شہر و ملک فتح ہوں گے اور ان فتوحات کے نتیجہ میں بیت المال کی آمدنی وسیع تر ہو جائے گی، یا یہ کہ دین کو کرتے کے ساتھ تشبیہ دینا گویا اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ جس طرح انسان کا لباس نہ صرف یہ کہ اس کے وجود کی زیبائش و آرائش اور مختلف پر مضر اثرات سے حفاظت و آرام کا ذریعہ بنتا ہے بلکہ حقیقت میں اس کے جسم کا لازمی تقاضہ بھی ہوتا ہے اسی طرح دین نہ صرف یہ کہ انسان کی تہذیب و شائستگی اور اس کے روحانی اطمینان و سکون کا ذریعہ اور دونوں جہاں میں اس کی حفاظت کا ضامن ہوتا ہے بلکہ حقیقت میں انسانیت کا لازمی جزء اور انسانی فطرت سلیم

کا عین تقاضا بھی ہے۔

حضرت عمرؓ کی علمی بزرگی

⑤ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ اُتِيْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتّٰى اِنِّيْ لَاَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِيْ اَظْفَارِيْ ثُمَّ اَعْطَيْتُ فَضْلِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْعِلْمُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میں سو رہا تھا کہ (خواب میں) دودھ سے بھرا ہوا پیالہ لا کر مجھے دیا گیا، میں نے اس دودھ کو پیا، پھر میں نے دیکھا کہ (زیادہ ہونے کے سبب اس دودھ کی) تری اور تازگی میرے ناخنوں سے پھوٹ رہی ہے اور پھر میں نے اپنا بچایا ہوا دودھ عمر بن الخطابؓ کو (پینے کے لئے) دے دیا، بعض صحابہؓ نے (یہ سن کر) عرض کیا یا رسول اللہ! اس دودھ کی تعبیر میں آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں فرمایا: علم!۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: علماء نے لکھا ہے کہ علم کی صورت مثالیہ عالم بالا میں دودھ ہے، اسی لئے اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ دودھ پی رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ قرار پاتی ہے۔ کہ اس شخص کو خالص و نافع علم نصیب ہوگا، علم اور دودھ کے درمیان وجہ مشابہت یہ ہے کہ جس طرح دودھ انسانی جسم کی پہلی غذا اور بدن کی اصلاح و تقویت کا بنیادی ذریعہ ہے اسی طرح علم انسانی روح کی پہلی غذا اور اس کی اصلاح و تقویت کا بنیادی ذریعہ ہے۔ بعض عارفین نے یہ لکھا ہے کہ عالم مثال سے تجلی علم کا انعکاس صرف چار چیزوں یعنی پانی، دودھ، شراب اور شہد کی صورت میں ہوتا ہے اور یہی وہ چار چیزیں ہیں جن کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ قرآن کریم نے ان چار نہروں کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِيْهَا اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى۔

"جنت، جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بو نہیں کرے گا اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہیں بدلے گا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے (سراسر) لذت ہے اور شہد مصفا کی نہریں۔"

پس جس شخص نے (خواب میں) پانی پیا اس کو علم لدنی عطا ہوگا، جس شخص نے دودھ پیا اس کو اسرار شریعت کا علم عطا ہوگا، جس شخص نے شراب پی اس کو علم کمال عطا ہوگا اور جس شخص نے شہد پیا اس کو بطریق وحی علم عطا ہوگا۔ اور عارفین ہی میں سے بعض نے اس ضمن میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ جنّت کی یہ چاروں نہریں درحقیقت چاروں خلفاء سے عبارت ہیں اور اس اعتبار سے حدیث بالا میں دودھ کی نسبت سے صرف حضرت عمرؓ کا ذکر ہونا نہایت موزوں ہے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر حضرت عمرؓ کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں عرب کے تمام قبائل (کے اہل علم) کو جمع کر کے رکھا جائے اور پھر وزن کیا جائے تو حضرت عمرؓ کے علم کا پلڑا ان سب کے علم سے وزن میں بھاری رہے گا، اور اسی وجہ سے تمام صحابہؓ کا اعتقاد تھا کہ دس حصوں میں سے نو حصے علم تنہا حضرت عمرؓ پا گئے ہیں۔

حضرت عمرؓ سے متعلق آنحضرت کا ایک اور خواب

⑥ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَيْتُنِيْ عَلٰى قَلِيْبٍ عَلَيْهَا دَلْوٌ فَنَزَعْتُ مِنْهَا مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَخَذَهَا ابْنُ اَبِيْ قُحَافَةَ فَنَزَعَ مِنْهَا ذَنُوْبًا اَوْ ذَنُوْبَيْنِ وَفِيْ نَزْعِهٖ ضَعْفٌ وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَهٗ ضَعْفَهٗ ثُمَّ اسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَاَخَذَهَا ابْنُ الْخَطَّابِ فَلَمْ اَرَ عَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَنْزِعُ نَزْعَ عُمَرَ حَتّٰى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ وَفِيْ

رِوَايَةِ بْنِ عُمَرَ قَالَ ثُمَّ اَخَذَهَا ابْنُ الْخَطَّابِ مِنْ يَدِ اَبِيْ بَكْرٍ فَاسْتَحَالَتْ فِيْ يَدِهٖ غَرْبًا فَلَمْ اَرَ عَبْقَرِيًّا يَفْرِيْ فَرِيَّهٗ حَتّٰى رَوَى النَّاسُ وَضَرَبُوْا بِعَطَنٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "میں سورہا تھا کہ (خواب میں) دیکھا میں ایک بغیر من کے کنویں پر ہوں جہاں ایک ڈول بھی رکھا ہوا ہے۔ میں نے (ڈول کے ذریعہ) اس کنویں سے پانی کھینچا جس قدر کہ اللہ نے چاہا، میرے بعد ابن ابو قحافہ یعنی ابوبکر نے ڈول سنبھالا اور کنویں سے پانی کھینچنے لگے لیکن وہ ایک یا دو ڈول سے زائد پانی نہیں کھینچ سکے، دراصل پانی کھینچنے میں وہ سست اور کمزور پڑ رہے تھے اور ان کی سستی و کمزوری کو اللہ تعالیٰ معاف کرے پھر وہ ڈول ایک چرس (یعنی بڑے ڈول) میں تبدیل ہوگیا اور عمر ابن خطابؓ نے اس کو لے لیا، حقیقت یہ ہے کہ میں نے کسی جوان اور قوی تر شخص کو ایسا نہیں پایا جو عمرؓ کی طرح اس چرس کے ذریعہ پانی کھینچتا ہو، چنانچہ (انہوں نے اتنا پانی کھینچا کہ نہ صرف تمام لوگ سیراب ہوئے اور انہوں نے اپنے اونٹوں کو سیراب کیا بلکہ) لوگوں نے (پانی کی فراوانی کے سبب) اس جگہ کو اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنالیا۔ ابن عمرؓ کی روایت میں یوں ہے کہ پھر ابوبکرؓ کے ہاتھ سے اس ڈول کو عمر ابن خطابؓ نے لے لیا۔ جو ان کے ہاتھ میں پہنچ کر چرس بن گیا حقیقت یہ ہے کہ میں نے کسی جوان اور قوی تر شخص کو ایسا نہیں پایا جو پانی کھینچنے کے اس کام میں عمرؓ کی طرح چاق و چوبند اور کارگزار ہو، چنانچہ انہوں نے (اتنا پانی کھینچا کہ) لوگوں کو سیراب کر ڈالا اور (پانی کی فراوانی کے سبب) لوگوں نے اس جگہ کو اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنالیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: قلیب اس کنویں کو کہا جاتا ہے جس پر من یعنی منڈیر نہ بنی ہو، اس کے برخلاف جس کنویں پر پتھر اور اینٹ کی من بنی ہوتی ہے اس کے لئے طوی کا لفظ آتا ہے۔ علماء نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ خواب میں طوی کے بجائے قلیب کا نظر آنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اہل دین کا عزم و حوصلہ حقیقی مطلوب و مراد پر موقوف ہوتا ہے، نہ کہ اوپر بنے ہوئے قوالب پر۔

"ایک یا دو ڈول سے زائد" یہاں راوی کو شک ہوا ہے کہ آپ نے ذنوبا (ایک ڈول) کا لفظ فرمایا تھا یا ذنوبین (دو ڈول) کا، تاہم صحیح یہ ہے کہ یہاں اصل لفظ ذنوبین (دو ڈول) ہے۔ اس لفظ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت کا اشارہ پوشیدہ ہے جو کچھ اوپر دو سال سے زائد نہیں ہوا۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ذنوبا اور ذنوبین میں حرف او دراصل بل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس صورت میں یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہے گی کہ یہاں راوی اصل لفظ یاد رکھنے سے چوک گیا جس کی بناء پر اس نے اپنے شک کو ظاہر کرتے ہوئے دونوں لفظ نقل کر دئے۔

"وہ سست اور کمزور پڑ رہے تھے" ان الفاظ میں حضرت ابوبکرؓ کے مرتبہ و مقام کی تنقیص نہیں ہے اور نہ الفاظ کا مقصد حضرت ابوبکرؓ پر حضرت عمرؓ کی فضیلت و برتری کو ثابت کرنا ہے بلکہ اصل مقصد اس طرف اشارہ کرنا تھا کہ ابوبکر کا زمانہ امارت و خلافت بہت مختصر ہوگا جب کہ عمرؓ کا زمانہ امارت و خلافت بہت طویل ہوگا، اور اس زمانہ میں مخلوق خدا کو بہت زیادہ فائدہ پہنچے گا بعض شارحین نے "ضعف" کا ترجمہ "سستی اور کمزوری" کے بجائے "نرمی و مروت" کیا ہے۔

"اللہ تعالیٰ معاف کرے" اس دعائیہ جملہ کا بھی مقصد حضرت ابوبکرؓ کی طرف گناہ اور تقصیر کی نسبت ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا جملہ ہے جو محاورۃً زبان زد خاص و عام ہے جیسا کہ کسی شخص کا کوئی کام یا قول بیان کرتے ہوئے یوں کہہ دیا جائے! اس نے یہ کام کیا یا یہ بات کہی اللہ اس کی مغفرت کرے۔

"اس جگہ کو اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنالیا" عَطَنٌ اصل میں اس جگہ کو کہا جاتا تھا جہاں پانی جمع ہوتا تھا اور اس کے اردگرد اونٹ بیٹھا کرتے تھے، واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس خواب میں مختلف چیزوں کی طرف اشارہ تھا یعنی کنواں دین کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جس طرح "کنواں" اس پانی کا منبع ہے جو دنیاوی زندگی کی حیات و بقاء کا بنیادی وسیلہ اور ہر جاندار کے معاش و معیشت کی اساس ہے، اسی طرح دین بھی ان حقائق کا سرچشمہ ہے جن پر انسانیت کی حیات و بقاء کا انحصار ہے اور جو انسان کی تہذیبی فکری اور روحانی

اقدار کی بنیاد ہیں۔ کنویں سے پانی کھینچنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ دین کی زمام کار رسول کریم ﷺ سے حضرت ابوبکرؓ کو اور ان سے حضرت عمرؓ کو منتقل ہوگی۔ حضرت ابوبکر کا کنویں سے ایک یا دو ڈول کھینچنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کا زمانہ خلافت بہت قلیل ہوگا، یعنی دین اور اس کے توسط سے ملت کی قیادت و زمام کار ان کے ہاتھوں میں ایک سال یا دو سال رہے گی، اور پھر حضرت عمرؓ کو منتقل ہو جائے گی جن کی مدت خلافت حضرت ابوبکرؓ کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہوگی، چنانچہ حضرت عمرؓ دس سال تین ماہ خلیفہ رہے۔ پانی کھینچنے میں حضرت ابوبکرؓ کا سست و کمزور پڑنا یا تو اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کے زمانۂ خلافت میں دین کو کمزور کرنے کی کوشش کی جائے گی جیسا کہ بعض عرب قبائل کے ارتداد کی صورت میں اضطراب و اختلاف کی سی کیفیت پیدا بھی ہوئی۔ یا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ ابوبکرؓ چونکہ فطرتاً نرم مزاج، بردبار اور بامروت واقع ہوئے ہیں اس لئے ملکی حکومتی معاملات میں رعب و دبدبہ سے زیادہ کام نہیں لیں گے، اس کی تائید آپ ﷺ کے ارشاد: ان اللہ یغفر لہ ضعفہ (ان کی سستی و کمزوری کو اللہ تعالیٰ معاف کرے) سے بھی ہوتی ہے۔ تاہم یہ جملہ دعائیہ معترضہ ہے جس کا مقصد یہ واضح کر دینا ہے کہ ان کی یہ سستی و کمزوری یا نرمی و مروت ایسی چیز ہے جو اللہ کے نزدیک قابل عفو و درگزر ہے۔ اور جس سے ان کے مرتبہ و مقام پر ذرا بھی فرق نہیں پڑتا، اور ڈول کا حضرت عمرؓ کے ہاتھ تک پہنچ کر چرس بن جانا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ دین کو چار دانگ عالم میں پھیلانے، بڑھانے اور مضبوط کرنے میں ایسی سعی و کوشش کریں گے جس کا اتفاق نہ ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد کسی اور کو حاصل ہوگا، امام نوویؒ نے لکھا ہے: آنحضرت کے ارشاد: "میں نے اس کنویں سے پانی کھینچا جس قدر اللہ نے چاہا اور میرے بعد ابن ابو قحافہ یعنی ابوبکرؓ نے ڈول سنبھالا" اس میں آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت و نیابت اور اس دنیا سے رخصت ہو جانے کی صورت میں آنحضرت ﷺ کے دنیا کے رنج و آلام اور شدائد و تکالیف سے راحت پانے کی طرف اشارہ ہے، نیز آنحضرت ﷺ کے ارشاد: پھر اس ڈول کو ابوبکر کے ہاتھ سے عمر بن خطابؓ نے لے لیا، اور لوگوں نے اس جگہ کو اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنا لیا، میں اس طرف اشارہ ہے، کہ مرتدوں کی سرکوبی اور اہل اسلام کو مجتمع رکھنے کی صورت میں دین کو مضبوط رکھنے اور فتوحات اسلام کی جو ابتداء حضرت ابوبکرؓ نے کی وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اپنے ثمرات کے ساتھ عروج پر پہنچے گی، اور ایک شارح نے لکھا ہے: حضرت عمرؓ کا اتنا زیادہ پانی کھینچنا اس طرف اشارہ کرتا تھا کہ ان کا زمانہ خلافت، ہر خاص و عام اور ہر چھوٹے بڑے کے لئے دینی و دنیاوی فوائد و مصالح سے بھرپور ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

حضرت عمرؓ کا وصف حق گوئی

⑦ عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ يَقُوْلُ بِهٖ۔

"حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان پر اور ان کے قلب میں حق و صداقت جاری فرما دیا ہے۔" (ترمذیؒ)

"اور ابوداؤد کی روایت میں جو حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے، یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان پر حق رکھ دیا ہے"۔ اسی لئے وہ حق بات کہتے ہیں (حق کے علاوہ اور کوئی بات ان کے منہ سے نہیں نکلتی۔"

عمرؓ کی باتوں سے لوگوں کو سکینت و طمانیت ملتی تھی

⑧ وَعَنْ عَلِيٍّ ؓ قَالَ مَا كُنَّا نُبْعِدُ اَنَّ السَّكِيْنَةَ تَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ۔ (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم (اہل بیت یا جماعت صحابہ) اس بات کو بعید نہیں جانتے تھے کہ حضرت عمرؓ کی زبان پر سکینت وطمانیت جاری ہوتی ہے۔ (اس روایت کو بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے)۔"

تشریح: حضرت علیؓ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ جب بھی کسی مسئلہ و معاملہ میں اظہار خیال کرتے ہیں تو ایسی بات کہتے ہیں جس سے سننے والوں کو سکون واطمینان حاصل ہوجاتا ہے۔ اور مضطرب سے مضطرب دل کو بھی قرار آجاتا ہے۔ یا "سکینہ" سے مراد فرشتہ بھی ہوسکتا ہے جو حق اور موزوں بات دل میں ڈالتا ہے اور پھر وہی بات زبان سے ادا ہوتی ہے۔ اس کی تائید حضرت علیؓ کی ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے۔ جس کو طبرانیؒ نے اوسط میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا "لوگو! جب صالحین کا تذکرہ کرو تو عمرؓ کے تذکرہ کو مقدم رکھو۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ ان کا قول الہام ہو اور وہ فرشتہ کی زبانی بیان کررہے ہوں"۔ اس سلسلے میں اس روایت کو بھی سامنے رکھنا چاہئے جس میں منقول ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: میں نے جب بھی عمرؓ کو دیکھا تو (ایسا محسوس ہوا کہ) ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان فرشتہ موجود ہے جو ان کو صحیح راستہ بتارہا ہے۔

عمرؓ کے اسلام کی دعائے نبوی ﷺ

⑨ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَبِيْ جَهْلِ بْنِ هُشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَصْبَحَ عُمَرُ فَغَدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ ظَاهِرًا۔ (رواہ احمد والترمذی)

"اور حضرت ابن عباس نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک رات) آپ ﷺ نے دعا فرمائی "الٰہی! ابوجہل ابن ہشام یا عمر ابن الخطاب کے ذریعے اسلام کو سربلند وغالب کردے (یعنی ان دونوں میں سے کسی ایک کو مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمادے تاکہ ان کے سبب دین اسلام کو طاقت نصیب ہو) چنانچہ اگلے ہی دن جب صبح ہوئی تو عمر ابن الخطابؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان بن گئے اور پھر آنحضرت ﷺ نے مسجد حرام میں علانیہ نماز پڑھی۔" (احمدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جب قریش نے مکہ نے داعی حق ﷺ اور حق کے نام لیواؤں کے خلاف ظالمانہ محاذ قائم کررکھا تھا۔ اور اہل اسلام کو تشدد آمیز کارروائیوں کے ذریعے مجبور وہراساں کرتے تھے تو مکہ میں کوئی مسلمان علانیہ نماز نہیں پڑھ سکتا تھا۔ آنحضرت ﷺ دار ارقم میں رہا کرتے تھے اور اسی مکان میں پوشیدہ طور پر اللہ کا نام لیا جاتا تھا، اللہ کی بندگی کی جاتی تھی اور اللہ کا رسول اللہ کا دین زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی تدبیر میں لگا رہتا تھا۔ آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ زعماء قریش میں دو آدمی یعنی ابوجہل اور عمر اس حیثیت کے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی اسلام قبول کرکے ہمارے ساتھ آجائے تو اسلام جو آج قریش مکہ کے ظلم وستم کی وجہ سے دار ارقم میں محدود ہوکر رہ گیا ہے اتنی طاقت پاجائے گا کہ مسلمانوں کو چھپ کر اللہ کا نام لینے اور اللہ کی عبادت کرنے پر مجبور نہیں ہونا پڑے گا، وہ علانیہ نماز پڑھنے لگیں گے اور کھلے طور اسلام کی دعوت پیش کرسکیں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مذکورہ دعا کی یہ دعا کس طرح قبول ہوئی اور حضرت عمرؓ کس طرح مشرف باسلام ہوئے اس کی تفصیل ایک روایت میں، جس کو ابوحاکم عبداللہ نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابوجہل نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد ﷺ کو قتل کردے اس کو انعام میں ایک سو اونٹنیاں اور ہزار چاندی میں دوں گا۔ عمر (یہ سن کر) بولے الضمان صحیح یعنی تاوان صحیح ہے! ابوجہل نے کہا: ہاں فوراً ادا کروں گا، ذرا بھی تاخیر نہیں ہوگی! عمر وہاں سے اٹھ کر چل پڑے۔ راستے میں ایک شخص مل گیا، اس نے پوچھا: عمر! خیر تو ہے، کہاں کے ارادے سے چلے؟ عمر نے جواب دیا، محمد کی طرف جارہا ہوں، ارادہ ہے کہ آج ان کا کام تمام کردوں۔ اس شخص نے کہا: کیا (محمد کے خاندان) بنی ہاشم (کے انتقام) کا کوئی خوف نہیں ہے؟ عمر بولے: معلوم ہوتا ہے تم نے بھی اپنا دھرم تیاگ دیا (جبھی تو بنی ہاشم کے انتقام سے ڈرا کر مجھے محمد کے قتل سے باز رکھنا چاہتے ہو) اس شخص نے کہا: اس سے زیادہ حیرتناک بات تمہیں یہ بتاتا ہوں کہ

تمہارے بہن اور بہنوئی نے اپنا پرانا مذہب چھوڑ دیا ہے اور محمد ﷺ کے ساتھ مل گئے ہیں۔ (یہ سنتے ہی) عمرؓ اپنی بہن کے گھر کی طرف مڑ گئے، وہاں پہنچے تو اس وقت ان کی بہن گھر کے اندر قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول تھیں اور سورۂ طٰہٰ پڑھ رہی تھیں عمرؓ نے کچھ دیر تو دروازے پر کھڑے ہو کر ان کو پڑھتے ہوئے سنا پھر دروازہ کھٹکھٹایا جب اندر داخل ہوئے تو بہن کو دیکھتے ہی سوال کیا: پڑھنے کی یہ آواز کیسی آرہی تھی؟ بہن نے ان کو پوری بات اور ان پر واضح کردیا کہ ہم صدق دل سے مسلمان ہو گئے ہیں (اب تم یا کوئی چاہے جتنی سختی کرے، جو دین ہم نے قبول کرلیا ہے اس سے دستبردار نہیں ہوں گے) عمرؓ (کے لئے یہ صورت حال انتہائی پریشان کن اور اضطراب انگیز تھی، ایک طرف تو فوری اشتعال نے انہیں بیاہی بہن اور عزیز بہنوئی کو مارنے پیٹنے پر مجبور کردیا دوسری طرف خود ان کی زندگی میں آنے والا انقلاب ان کے دل ودماغ پر دستک دے رہا تھا، اس سخت) اضطرابی کیفیت میں رات بھر مبتلا رہے۔ ادھر رات میں ان کے بہن وبہنوئی (معمول کے مطابق) اٹھے اور عبادت خداوندی وتلاوت قرآن کریم میں پھر مشغول ہو گئے انہوں نے طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرآنَ لِتَشْقٰى (طٰہٰ، ہم نے آپ (ﷺ) پر قرآن مجید اس لئے نہیں اتارا کہ آپ ﷺ تکلیف اٹھائیں) سے پڑھنا شروع کیا۔ (اب) عمر (سے رہا نہ گیا، ایسا معلوم ہوا جیسے تلاوت قرآن کریم کی اس آواز نے ان کی روح کو آخری طور پر جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے) کلام اللہ کی ابدی صداقت ان کے دل ودماغ پر چھانے لگی، بڑی بے تابی کے ساتھ بولے: لاؤ یہ کتاب مجھے دو، ذرا میں بھی تو (پڑھ کر) دیکھوں۔ (بہن نے محسوس کرلیا کہ بھیا کا وہ سخت دل جس کو کفروشرک نے پتھر بنادیا تھا، پگھل رہا ہے، خدائی پکار کی طرف متوجہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ ایسے نہیں، اس مقدس کتاب کو تو صرف پاکیزہ لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ عمر نے غسل کیا، پاک ہوئے اور کلام اللہ کو ہاتھ میں لے کر بیٹھ گئے جب طٰہٰ سے پڑھنا شروع کیا اور جب اس آیت: لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے اچھے اچھے نام ہیں) پر پہنچے تو بے اختیار بول اٹھے: بار خدایا: بلاشبہ تو ہی عبادت کا سزاوار ہے، تیرے علاوہ اور کوئی نہیں جس کو معبود بنایا جائے: اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد ارسول الله پھر وہ پوری رات انہوں نے اسی طرح جاگ کر گذاری کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد واشوقاہ واشوقاہ کا نعرہ مارتے۔ جب صبح ہوئی تو خباب ابن ارتؓ (جو اس گھر میں پہلے سے موجود تھے اور عمرؓ کے داخل ہوتے ہی کہیں چھپ گئے تھے، اب جو انہوں نے دیکھا کہ عمرؓ کی دنیا بدل چکی ہے، کفروشرک کا اندھیرا چھٹ گیا ہے اور اسلام کی روشنی نے ان کے وجود کو جگمگا دیا ہے تو) عمرؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے: عمر! مبارک ہو اللہ نے تمہیں اپنے دین اسلام سے سرفراز کیا، شاید تمہیں معلوم نہیں کہ رسول کریم ﷺ نے پوری رات جاگ کر اس دعا میں گذاری تھی کہ الٰہی! ابوجہل یا عمر بن الخطاب کے ذریعے اسلام کو سربلند وغالب کردے! میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ آنحضرت ﷺ کی دعا ہی تھی جو تمہارے قبول اسلام کا پیش خیمہ بنی ہے۔ اس کے بعد عمرؓ تلوار گلے میں ڈال کر آنحضرت ﷺ کی قیام گاہ (دارارقم) کی طرف روانہ ہوئے، وہاں پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے بنفس نفیس باہر تشریف لاکر ان کا استقبال کیا اور دعوت اسلام پیش کی: عمر! معبود ان باطل کو چھوڑ کر خدائے واحد کی چوکھٹ پر جھک جاؤ، سرخروئی اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرلو، ورنہ تم پر بھی دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی کا وہی عذاب نازل ہو گا جو ولید ابن مغیرہ پر نازل ہوا۔ عمر (یہ پر جلال آواز رسالت سن کر) تھر تھر کانپنے لگے، لرزتے مونڈھوں اور تھرتھراتے ہاتھوں سے تلوار گر پڑی۔ بے ساختہ زبان سے نکلا: اشهد ان لا اله الا الله وان محمد ارسول الله اور پھر انہوں نے کہا: جب ہم لات وعزیٰ کی پرستش کی پوجا پہاڑوں پر اور وادیوں میں (کھلم کھلا) کرتے تھے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کی عبادت ہم ڈر چھپ کر کریں!! نہیں، خدا کی قسم آج کے بعد اللہ کی عبادت ہم چھپ کر ہرگز نہیں کریں گے۔ اس کے بعد عمرؓ تمام مسلمانوں کو لے کر کعبہ اقدس میں پہنچے اور وہاں علی الاعلان نماز وعبادت ہوئی (اور اس طرح اللہ نے حضرت عمرؓ کے ذریعے اسلام کو طاقت وشوکت عطا فرمائی)۔

سیدنا فاروق اعظمؓ: حضرت عمرؓ کا نسب نامہ یہ ہے: عمرؓ بن خطاب بن فضیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی کعب پر پہنچ کر یہ سلسلہ نسب آنحضرت ﷺ کے سلسلہ نسب سے مل جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی کنیت ابوحفص اور لقب

"فاروق" ہے امام نوویؒ کی تحقیق کے مطابق آپ کی ولادت واقعہ فیل سے تیرہ سال بعد ہوئی اور جیسا کہ ذہبیؒ نے لکھا ہے۔ بعمرے اسال ٦ھ نبوی میں مشرف بہ اسلام ہوئے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ ۵ھ نبوی میں اسلام لائے اس وقت تک چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ آپ کو "فاروق" کا لقب اس واقعہ کے بعد ملا کہ ایک یہودی اور ایک منافق کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوا اور تصفیہ کے لئے یہودی نے آنحضرت ﷺ کو ثالث بنانے کی تجویز رکھی، منافق مشرکین قریش کے ایک سردار کعب ابن اشرف کو ثالث بنانے پر مصر تھا، کافی حیل و حجت کے بعد دونوں نے آنحضرت ﷺ کو ثالث بنانا مان لیا۔ چنانچہ وہ دونوں اپنا قضیہ لے کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا کیونکہ اس کا حق پر ہونا ثابت تھا لیکن منافق نے اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا اور کہنے لگا کہ اب ہم عمرؓ کو ثالث بنائیں گے، وہ جو فیصلہ دیں ہے ہم دونوں کے لئے واجب التسلیم ہوگا۔ یہودی نے معاملہ کو نمٹانے کی خاطر منافق کی یہ بات بھی مان لی اور اس کے ساتھ حضرت عمرؓ کے پاس گیا۔ یہودی نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ ہم دونوں پہلے محمد ﷺ کو ثالث مان کر ان کے پاس گئے تھے اور انہوں نے میرے حق میں فیصلہ دیا تھا مگر یہ شخص (منافق) محمد ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ ہوا اور اب مجھے تمہارے پاس لے کر آیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے منافق سے پوچھا: اس (یہودی) نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ صحیح ہے؟ منافق نے تصدیق کی کہ ہاں اس کا بیان بالکل درست ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: تم دونوں یہیں ٹھہرو، جب تک میں نہ آؤں واپس نہ جانا۔ یہ کہہ کر گھر میں گئے اور تلوار لے کر باہر نکلے، اور پھر اس تلوار سے منافق کی گردن اڑا دی اور کہا: جو شخص اللہ اور اللہ کے رسول کے فیصلے کو تسلیم نہ کرے اس کے حق میں میرا فیصلہ یہی ہوتا ہے۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ۔

"کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی، وہ اپنے مقدمے شیطان کے پاس لے جانا چاہتے ہیں (حالانکہ ان کو یہ حکم ہوا ہے کہ اس کو نہ مانیں)۔"

اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر کہا: عمر، حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔ اس دن سے حضرت عمرؓ کا لقب "فاروق" مشہور ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کی فضیلت و برتری

(١٠) وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ عُمَرُ لِاَبِيْ بَكْرٍ يَا خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَمَا اِنَّكَ اِنْ قُلْتَ ذٰلِكَ فَلَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ عَلٰى رَجُلٍ خَيْرٍ مِنْ عُمَرَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) سیدنا عمر فاروقؓ نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو ان الفاظ میں مخاطب کیا، اے وہ ذات گرامی جو رسول ﷺ کے بعد سب انسانوں سے بہتر ہے؟ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے (یہ سن کر) فرمایا: عمر! اگر تم میرے بارے میں یہ کہتے ہو (کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے بہتر انسان میں ہوں) تو تم (خود اپنے بارے میں بھی) جان لو کہ میں نے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے" آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو عمرؓ سے بہتر ہو" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: حضرت عمرؓ کے حق میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی یا تو ان کے ایام خلافت پر محمول ہے یعنی وہ (عمرؓ) اپنے زمانہ خلافت میں تمام انسانوں سے بہتر تھے، اور اس حقیقت کو آنحضرت ﷺ نے پہلے بیان فرما دیا تھا یا یہ کہ اس ارشاد گرامی میں "ابوبکر کے بعد"

کے الفاظ محذوف و مقدر ہیں یعنی آنحضرت ﷺ نے گویا یہ فرمایا کہ: آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو ابوبکر کے بعد عمر سے بہتر ہو اور یا یہ کہ آنحضرت کے اس ارشاد کا مقصد "عدالت" اور "سیاست" کے باب میں حضرت عمرؓ کی افضلیت و برتری کو ظاہر کرنا ہے۔ غرض یہ کہ حدیث چونکہ ان احادیث کے بظاہر معارض نظر آتی ہے۔ جن سے حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت و برتری ثابت ہوتی ہے اس لئے ان حدیثوں کے درمیان تطبیق کی خاطر مذکورہ بالا توجیہات یا اسی طرح کی کوئی اور توجیہہ بیان کرنی پڑے گی۔

حضرت عمرؓ کی انتہائی منقبت

⑪ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْكَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: اس طرح کی بات امر محال میں بھی مبالغۃً کہی جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ اگر بالفرض والتقدیر میرے بعد کوئی نبی آتا تو وہ عمر ہوتے، لیکن حقیقت چونکہ یہ ہے کہ نبوت کا دروازہ مجھ پر بند ہو چکا ہے اور میرے بعد کسی اور نبی کے آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے عمر مرتبہ نبوت پر تو فائز نہیں ہو سکتے اور نہ صاحب وحی بن سکتے ہیں لیکن ان میں بعض خصوصیات ایسی ضرور ہیں جو انبیاء کے علاوہ اور تمام انسانوں کے درمیان ان کی ممتاز و منفرد حیثیت کو نمایاں کرتی ہیں اور عالم وحی سے ان کی ایک طرح کی مناسبت کو ظاہر کرتی ہیں مثلاً یہ کہ اللہ کی طرف سے ان کو الہام ہوتا ہے اللہ کے حکم سے فرشتہ ان کے دل و دماغ میں حق القاء کرتا ہے اور غیبی طور سے راہ حق ان پر روشن ہو جاتی ہے۔

حضرت عمرؓ کا وہ رعب و دبدبہ جس سے شیطان بھی خوف زدہ رہتا تھا

⑫ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ مَغَازِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ جَاءَتْ جَارِيَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ كُنْتُ نَذَرْتُ اِنْ رَدَّكَ اللّٰهُ صَالِحًا اَنْ اَضْرِبَ بَيْنَ يَدَيْكَ بِالدُّفِّ وَاَتَغَنّٰى فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كُنْتِ نَذَرْتِ فَاضْرِبِيْ وَاِلَّا فَلَا فَجَعَلَتْ تَضْرِبُ فَدَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عَلِيٌّ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ فَاَلْقَتِ الدُّفَّ تَحْتَ اِسْتِهَا ثُمَّ قَعَدَتْ عَلَيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَيَخَافُ مِنْكَ يَا عُمَرُ اِنِّيْ كُنْتُ جَالِسًا وَهِيَ تَضْرِبُ فَدَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ وَهِيَ تَضْرِبُ فَلَمَّا دَخَلْتَ اَنْتَ يَا عُمَرُ اَلْقَتِ الدُّفَّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت بریدہ اسلمیؓ کا بیان ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ جہاد میں تشریف لے گئے تھے، جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو ایک سیاہ فام چھوکری (جو یا تو سیاہ رنگت ہی رکھتی تھی یا حبشی النسل تھی) خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! میں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ (ﷺ) کو (اس سفر جہاد سے) فتح و سلامتی کے ساتھ واپس لائے گا تو میں آپ (ﷺ) کے سامنے دف بجاؤں گی اور (فتح و سلامتی کی شادمانی کے گیت) گاؤں گی۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا! "اگر تم نے واقعی منت مان رکھی ہے تو دف بجالو ورنہ ایسا مت کرو" اس چھوکری نے (چونکہ واقعی منت مان رکھی تھی اس لئے) دف بجانا شروع کر دیا۔ اتنے میں ابوبکرؓ (مسجد نبوی میں) داخل ہوئے لیکن وہ چھوکری دف بجانے میں مشغول رہی۔ پھر علیؓ آئے اور وہ اس وقت بھی دف بجاتی رہی۔ پھر عثمانؓ آئے تب بھی اس نے اپنا دف بجانا جاری رکھا اور پھر جب عمرؓ آئے تو اس نے (ان کی ہیبت کے مارے جلدی سے) دف کو اپنے کولہوں کے نیچے سرکا دیا

اور کولہوں کے بل (اس طرح) بیٹھ گئی (کہ دف نیچے چھپ کررہ جائے اور عمرؓ کی نظر اس پر نہ پڑے) اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: عمر! تم سے شیطان بھی خوف زدہ رہتا ہے۔ یہ چھوکری میری موجودگی میں دف بجارہی تھی، پھر ابوبکرؓ آئے تو اس وقت بھی بجاتی رہی، پھر علیؓ آئے تو اس وقت بھی دف بجاتی رہی۔ پھر عثمانؓ آئے تو اس وقت بھی بجاتی رہی، مگر اے عمر! جب تم آئے تو اس چھوکری نے دف کو اٹھا کر چھپادیا، اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "دف" کا لفظ زیادہ فصیح اور زیادہ صحیح تو دال کے پیش کے ساتھ (دُف) ہے لیکن بعض روایتوں میں دال کے زبر کے ساتھ (دَف) بھی منقول ہوا ہے اور "دف" سے مراد وہ گول باجا ہے جو چھلنی کی وضع کا اور ایک طرف سے منڈھا ہوا ہو، اور اس میں جھانج نہ ہو۔

"اگر تم نے واقعی منت مان رکھی ہے" یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نذر (منت) کا پورا کرنا کہ جس میں اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی ہو واجب ہے۔ آنحضرت ﷺ کی مراجعت پر اور خصوصا اس سفر جہاد سے باعافیت مراجعت پر کہ جس میں جانیں چلی جاتی ہیں، مسرت و شادمانی کا اظہار کرنا یقیناً ایسی چیز تھی جس سے اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

"ورنہ ایسا مت کرنا" اس سے ثابت ہوا کہ ویسے تو دف بجانا جائز نہیں ہے لیکن اس طرح کے مواقع پر جائز ہے جن میں شارع علیہ السلام کی اجازت منقول ہوئی ہے جیسے مذکورہ نوعیت کی نذر پوری کرنا یا نکاح کا اعلان کرنا۔ پس بعض علاقوں (جیسے یمن) کے بعض مشائخ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ حالت ذکر میں دف بجاتے تھے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جانا چاہئے۔ ان کا وہ فعل حدیث کے بالکل معارض تھا۔ واضح رہے کہ ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کے جملہ "اور گاؤں گی" کے تحت جو کچھ لکھا ہے کہ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورت کا ایسا گانا (یا ترانہ) سننا کہ (جو نہ ساز کے ساتھ ہو، نہ فحش اور غیر اخلاقی مضامین پر مشتمل ہو اور) اس سے کسی چھوٹی یا بڑی برائی میں مبتلا ہونے کا خدشہ بھی نہ ہو، جائز ہے، اور اسی طرح بعض حضرات نے عرسوں اور عید وغیرہ (جیسی تقریبات اور خوشی و مسرت کے مواقع پر) اس کو جائز و مختار کہا ہے۔ لیکن یہ بات فقہ حنفی کی روایتوں کے خلاف ہے کیونکہ بحسب ظاہر روایت فقہاء مطلق راگ (گانا) حرام ہے جیسے کہ درمختار اور بحرالرائق وغیرہ میں لکھا ہے بلکہ ہدایہ میں تو اس کو "گناہ کبیرہ" لکھا ہے اگرچہ وہ راگ محض اپنا دل خوش کرنے کے لئے ہو۔ ان فقہاء کے نزدیک جواز کی حدیثیں منسوخ ہیں۔

"تم سے تو شیطان بھی خوفزدہ رہتا ہے" میں شیطان سے یا مراد وہ سیاہ فام چھوکری تھی، جس نے ایک شیطانی کام کر کے "شیطان الانس" (انسانی شیطان) کا مصداق بن گئی تھی۔ یا وہ شیطان مراد ہے جو اس چھوکری پر مسلط تھا جس نے اس کو ایک غیر مناسب اور مکروہ فعل پر ابھارا تھا اور وہ "مکروہ فعل" دف بجانے اور گانے میں وہ حد سے زائد انہماک تھا جس نے اس کو تفریح طبع کے لئے "لہو" کی حد تک پہنچادیا تھا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب: یہ تو حدیث کی اجزائی وضاحت تھی اس سے قطع نظر اگر حدیث کے مجموعی سیاق و سباق میں دیکھا جائے تو ذہن میں ایک اشکال ابھرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس چھوکری نے آپ ﷺ کے سامنے دف بجانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی پھر اس نے دف بجانا شروع کیا تو آپ ﷺ خاموش رہے۔ نہ پسندیدگی کا اظہار کیا اور نہ ناگواری کا (گویا وہ صورت رہی جس کو اصطلاح حدیث میں "تقریر" کہا جاتا ہے) اور یہی صورت اس وقت بھی رہی جب حضرت ابوبکرؓ آئے، پھر حضرت علیؓ آئے اور پھر حضرت عثمانؓ آئے، لیکن جب حضرت عمرؓ آئے اور اس چھوکری نے دف بجانا بند کر دیا تو آخر میں آپ ﷺ نے اس کو "شیطان" سے تعبیر کیا، آخر ایسا کیوں!؟ اسی خلجان کی راہ روکنے کے لئے علماء نے لکھا ہے: بات یہاں سے چلی کہ آنحضرت ﷺ سفر جہاد کو نکلے تو اس چھوکری نے انتہائی عقیدت و محبت کے تحت آپ ﷺ کی فتح و سلامتی کی دعا مانگی، جب آپ ﷺ فتح و سلامتی کے ساتھ واپس تشریف لائے تو اس چھوکری نے اس باعافیت مراجعت کو اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت سمجھا جو اس کے نزدیک یقیناً شکر

گزاری کا موجب بھی تھی اور اظہار خوشی و مسرت کی متقاضی بھی۔ اسی بناء پر آنحضرت ﷺ نے اس کو نذر پوری کرنے کی اجازت دے دی۔ پس اس کے ایک اچھی نیت اور اچھے جذبے پر مبنی ہونے کی وجہ سے اور آنحضرت ﷺ کی مخصوص اجازت کے تحت، یہ دف بجانا "لہو" کے حکم سے نکل کر "حقانیت" کے حکم میں اور کراہیت کی صورت سے نکل کر استحباب کی صورت میں داخل ہو گیا لیکن ایسا ہونا اس پر منحصر تھا کہ یہ عمل (دف بجانا) بہت محدود وقت اور اتنی کم سے کم حد تک رہتا جس سے ایفاء نذر کا مقصد پورا ہو جاتا۔ مگر ہوا یہ کہ اس چھوکری نے دف بجانا شروع کیا تو اتنی منہمک ہوئی کہ اس حد سے گذر گئی اور اس کا یہ عمل کراہت کے دائرہ میں داخل ہو گیا لیکن اتفاق سے جس وقت وہ حد سے متجاوز ہوئی تو عین اسی وقت حضرت عمرؓ آ گئے۔ پس آنحضرت ﷺ نے مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ جن میں اس طرف اشارہ تھا کہ یہ کام بس اتنا ہی جائز ہے جتنے کی اجازت دی گئی ہے اس سے زیادہ ممنوع ہے اور بلا ضرورت بجانا (یعنی محض تفریح اور شوق کی خاطر تو) اس کی بالکل اجازت نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ آپ ﷺ نے صریحاً اس چھوکری کو منع کیوں نہیں فرمایا تو اس میں یہ نکتہ تھا کہ صریحاً منع کر دینے سے حد تحریم کو پہنچ جاتا۔ اس احتمال کو بھی بعید از قیاس قرار نہیں دیا جا سکتا کہ اس زمانہ میں ضرورت کے تحت جتنی دیر تک دف بجایا جاتا تھا اور جو جواز کے دائرہ میں آتا تھا وہ بس اتنے ہی وقت کے برابر تھا جو اس چھوکری کے دف بجانے کی ابتداء سے مجلس نبوی میں حضرت عمرؓ کی آمد کے وقت تک پر مشتمل تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ کی آمد سے پہلے تک اس کا دف بجانا چونکہ جواز کی حد میں تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اتنی دیر تک تو خاموشی اختیار کئے رکھی لیکن جوں ہی وقت جواز کی حد ختم ہوئی اور کراہت کی حد شروع ہو گئی حضرت عمرؓ کی آمد اس چھوکری کے لئے بروقت تنبیہ ثابت ہوئی۔ کچھ تو اس احساس کے تحت کہ وہ آنحضرت ﷺ کے سامنے حد سے متجاوز ہو رہی تھی اور کچھ حضرت عمرؓ کی ہیبت سے اس چھوکری نے گھبرا کر دف کو اپنے کولہوں کے نیچے چھپا لیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عمر! تم سے تو شیطان بھی اتنا خوفزدہ رہتا ہے کہ جدھر کو تمہارے قدم اٹھے ادھر سے وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے اب اسی وقت شیطان اس لڑکی کو ورغلا رہا تھا اور چاہتا تھا کہ یہ اتنی دیر تک دف بجاتی رہے جس سے اس کا یہ فعل "برائی" کے دائرہ میں داخل ہو جائے مگر تمہارے آتے ہی شیطان بھاگ کھڑا ہوا اور اس چھوکری نے دف بجانا فوراً روک دیا۔

ایک توجیہ یہ بھی بیان کی جا سکتی ہے کہ دراصل حضرت عمرؓ اس مباح چیز کو بھی پسند نہیں کرتے تھے جو برائی کے مشابہ ہو اگرچہ کسی جہت سے اس میں کوئی اچھائی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی تائید متعدد روایتوں سے ہوتی ہے جن کو صاحب مرقاۃ نے نقل کیا ہے۔ پس دف کے مسئلہ میں اگرچہ ضرورت کے تحت جواز کی گنجائش نکلتی ہے اور اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس چھوکری کو اجازت دی کہ وہ اپنی نذر پوری کرنے کے لئے دف بجا لے مگر دف بجانا بہرحال ایک ممنوع چیز (باجا بجانے) کی صورت رکھتا ہے اس لئے حضرت عمرؓ اس کو کیسے گوارا کر لیتے یہی بات جانتے ہوئے اس چھوکری نے حضرت عمرؓ کو آتا دیکھ کر نہ صرف یہ کہ دف بجانا روک دیا بلکہ اس دف کو ان کی نظروں سے چھپا لیا اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی اسی خصوصیت کے پیش نظر مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

جلال فاروقیؓ

(۱۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا فَسَمِعْنَا لَغَطًا وَصَوْتَ صِبْيَانٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا حَبَشِيَّةٌ تَزْفِنُ وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهَا فَقَالَ يَا عَائِشَةُ تَعَالَى فَانْظُرِىْ فَجِئْتُ فَوَضَعْتُ لَحْيَىَّ عَلَى مَنْكِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَيْهَا مَا بَيْنَ الْمَنْكِبِ اِلَى رَأْسِهِ فَقَالَ لِىْ اَمَا شَبِعْتِ اَمَا شَبِعْتِ فَجَعَلْتُ اَقُوْلُ لَا لِاَنْظُرَ مَنْزِلَتِىْ عِنْدَهُ اِذْ اَطَّلَعَ عُمَرُ فَارْفَضَّ النَّاسُ عَنْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّىْ لَاَنْظُرُ اِلَى شَيَاطِيْنِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ قَدْ فَرُّوْا مِنْ عُمَرَ قَالَتْ فَرَجَعْتُ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ (میرے پاس) بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پر شور آواز ہمارے کانوں میں آئی، پھر

ہم نے بچوں کا شور و غل سنا۔ رسول کریم ﷺ (یہ جاننے کیلئے کیسا شور و غل ہے) کھڑے ہوگئے آپ ﷺ نے دیکھا (باہر) ایک حبشی عورت اچھل کود رہی ہے اور اس کے چاروں طرف بچے کھڑے ہوئے (تماشہ دیکھ رہے) ہیں۔ آپ ﷺ نے (مجھ کو مخاطب کرکے) فرمایا کہ: عائشہ! آؤ یہ تماشہ تم بھی دیکھو۔ چنانچہ میں اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے پاس کھڑی ہوگئی اور اپنا گال رسول کریم ﷺ کے کندھے پر رکھ کر آپ ﷺ کے کندھے اور سر کے درمیان سے اس عورت کا تماشہ دیکھنے لگی، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آنحضرت ﷺ مجھ سے پوچھتے: کیا تمہارا جی نہیں بھرا، کیا ابھی تمہارا جی نہیں بھرا!؟ اور میں جواب دیتی: نہیں، ابھی میرا جی نہیں بھرا، دراصل میں یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ آنحضرت ﷺ کے دل میں میرا کیا مقام ہے اور آپ ﷺ مجھ سے کتنی زیادہ محبت کرتے ہیں، پھر اچانک عمرؓ نمودار ہوئے اور پھر وہ لوگ جو اس عورت کا تماشہ دیکھ رہے تھے (محض ان کی ہیبت سے یا اس ڈر سے کہ عمرؓ اس تماش بینی کو پسند نہیں کریں گے، ان کو دیکھتے ہی) ادھر ادھر منتشر ہوگئے۔ یہ دیکھ کر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "میں دیکھ رہا ہوں کہ انسانوں اور جنوں کے شیطان عمرؓ کے خوف سے (کس طرح) بھاگ رہے ہیں" حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: اس کے بعد میں بھی وہاں سے ہٹ گئی، اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

تشریح: "دراصل میں معلوم کرنا چاہتی تھی" یعنی میرے اس جواب کا یہ مطلب نہیں تھا کہ واقعۃً میرا جی نہیں بھرا تھا اور اس تماش بینی کا مجھے کچھ زیادہ شوق تھا بلکہ میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ آنحضرت ﷺ کو مجھ سے کتنا تعلق ہے اور آپ ﷺ کے دل میں میری چاہت اور محبوبیت کا کتنا بلند مقام ہے۔

"انسانوں اور جنوں کے شیطان" سے مراد وہ بچے تھے جو اس حبشی عورت کی اچھل کود کا تماشہ دیکھ رہے تھے اور ان کو ان الفاظ سے تعبیر کرنا ایک تو انہی بچوں کی شرارتوں اور شور و غل کے اعتبار سے تھا جیسا کہ عام طور پر شور و غل مچاتے ہوئے بچوں کو کہہ دیتے ہیں کہ "کیسے شیطان بچے ہیں جو اتنا شور و شغب کر رہے ہیں" اور دوسرے اس عورت کی کرتب بازی اور تماشہ آرائی کی اس ظاہری صورت کے اعتبار سے جو "لہو و لعب" کی صورت سے مشابہ تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ حقیقت کے اعتبار سے بھی وہ سب کچھ "لہو و لعب" ہی کے حکم میں تھا، اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت ﷺ خود کیوں دیکھتے اور حضرت عائشہؓ کو کیوں دکھاتے، یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دراصل وہ عورت نیزہ وغیرہ کے ذریعہ مشاقی دکھارہی تھی جو جہاد کے لئے ایک کارآمد چیز تھی اور اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس کی وہ مشاقی خود بھی دیکھی اور حضرت عائشہؓ کو بھی دکھلائی، لیکن اس مشاقی میں مقصدیت اسی وقت تک رہی جب تک اس کا مظاہرہ ضرورت کے تحت ہوتا رہا اور وہ ضرورت ایک محدود وقت میں پوری ہو جاتی تھی، لیکن عین اس وقت جب کہ وہ مشاقی، ضرورت اور وقت جواز حد سے متجاوز ہو کر لہو و لعب اور شیطانی کام کے دائرہ میں داخل ہو رہی تھی حضرت عمرؓ وہاں آگئے اور شیطان کو اپنا داؤ چلنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ پس حضرت عمرؓ کے آنے سے پہلے وہ مشاقی، حد جواز میں تھی جس کو آنحضرت ﷺ نے اور حضرت عائشہؓ نے بھی دیکھا اور اس سے پہلے کہ شیطانی اثرات اپنا کام کرتے اور اس عورت کے اردگرد موجود بچے اور لوگ ان اثرات کا شکار ہوتے حضرت عمرؓ کی پر جلال آمد نے ان سب شیطانوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا، بہرحال توجیہہ کچھ بھی کی جائے، ایک بات جو حدیث سے واضح طور پر ثابت ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر "صفت جمال" کا غلبہ تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش اخلاقی، خوش طبعی اور مروت و بردباری کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا تھا جبکہ حضرت عمرؓ پر صفت جلال کا غلبہ تھا جس نے ان کی شخصیت کو اتنا پر رعب اور اتنی پرہیبت بنا دیا تھا۔ کہ ان کے سامنے برائی اور کراہت کا شائبہ رکھنے والا بھی کوئی فعل سرزد نہیں ہوسکتا تھا۔

"یہ حدیث صحیح غریب ہے" کے تحت یہ بات مدنظر رہنی چاہے کہ حبشیوں کے اچھل کود اور مشاقی کے مظاہرہ سے متعلق ایک اور دوسرے طریق سے صحیحین (بخاری و مسلم) میں بھی منقول ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن کچھ حبشی لوگ مسجد نبوی میں نیزہ بازی کے کرتب کا مظاہرہ دکھا رہے تھے۔ اور آنحضرت ﷺ، حضرت عائشہؓ کو ان کرتب کا مظاہرہ دکھا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ آگئے انہوں نے

ان حبشیوں کو اس مظاہرہ بازی سے روکنا چاہا بلکہ ان کی طرف کچھ پتھر اچھالے (تاکہ وہ بھاگ جائیں) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ! ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو، آج عید کا دن ہے (یعنی عید کے دن اس طرح کی تھوڑی سی تفریح طبع میں کوئی حرج نہیں ہے۔) اوپر کی حدیث میں چونکہ عورت اور تماش بین بچوں کا ذکر ہے اس لئے نہ تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اجنبیوں کو دیکھا اور نہ یہ جواب دینے کی ضرورت ہے کہ اس وقت خود ان کی عمر چھوٹی تھی اور اجنبی مردوں کی طرف دیکھنا ان کے لئے ممنوع نہیں تھا نیز بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترمذی کی نقل کردہ روایت میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ اس واقعہ کے علاوہ ہے جس کا ذکر بخاری و مسلم کی روایت میں ہوا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

موافقات عمرؓ

(۱۴) عَنْ اَنَسٍ وَ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ قَالَ وَافَقْتُ رَبِّیْ فِیْ ثَلٰثٍ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوِ اتَّخَذْنَا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی وَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَدْخُلُ عَلٰی نِسَائِكَ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَلَوْ اَمَرْتَهُنَّ یَحْتَجِبْنَ فَنَزَلَتْ اٰیَةُ الْحِجَابِ وَاجْتَمَعَ نِسَاءُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْغَیْرَةِ فَقُلْتُ عَسٰی رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ فَنَزَلَتْ كَذٰلِكَ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ عُمَرُ وَافَقْتُ رَبِّیْ فِیْ ثَلَاثٍ فِیْ مَقَامِ اِبْرَاھِیْمَ وَفِی الْحِجَابِ وَفِیْ اُسَارٰی بَدْرٍ۔ (متفق علیہ)

"حضرت انسؓ اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تین باتوں میں میرے پروردگار کا حکم میری رائے کے مطابق نازل ہوا۔ پہلی بات تو یہ کہ میں نے عرض کیا تھا: "یارسول اللہ (ﷺ) اگر مقام ابراہیم کو ہم نماز پڑھنے کی جگہ بنائیں تو بہتر ہو (یعنی طواف کعبہ کے بعد کی جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں اگر وہ مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جائیں تو زیادہ بہتر رہے گا)" پس یہ آیت نازل ہوئی: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی اور بناؤ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ۔" اور (دوسری بات یہ کہ) میں نے عرض کیا تھا: "یارسول اللہ (ﷺ)! آپ (ﷺ) کی ازواج مطہرات کے سامنے نیک و بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں (اور یہ بات میں آپ ﷺ کی شان عظمت کے مناسب نہیں سمجھتا) اگر آپ ﷺ ازواج مطہرات کو پردہ میں رہنے کا حکم فرمادیں (تاکہ غیر محرم لوگوں کے سامنے ان کا آنا بند ہو جائے) تو بہتر ہو۔"" پس (میرے اس عرض کرنے پر) پردہ کی آیت نازل ہوئی۔ اور (تیسری بات یہ کہ) جب نبی کریم ﷺ کی بیبیوں نے رشک وغیرت والے معاملہ پر اتفاق کر لیا تھا۔ تو میں نے (ان سب کو مخاطب کر کے) کہا تھا: اگر آنحضرت ﷺ تمہیں طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دے گا" پس میرے انہی الفاظ و مفہوم میں آیت نازل ہوئی۔

اور حضرت ابن عمرؓ کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تین باتوں میں میرے پروردگار کا حکم میری رائے کے مطابق نازل ہوا، ایک تو مقام ابراہیم (کو نماز ادا کرنے کی جگہ قرار دینے) کے بارے میں، دوسرے (آنحضرت ﷺ کی بیبیوں کے) پردے کے بارے میں اور تیسرے بدر کے قیدیوں کے بارے میں۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حافظ عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ یہاں صرف "تین باتوں" کے ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ موافقات عمر کی تعداد تین سے زائد نہ ہو در حقیقت ان مواقع کی تعداد تین سے کہیں زیادہ ہے جن میں حضرت عمرؓ کی رائے اور مشورہ کے مطابق حکم الٰہی نازل ہوا، ان میں جو زیادہ مشہور ہیں وہ تو ایک بدر کے قیدیوں ہی کا معاملہ ہے، ایک منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے والا واقعہ بھی ہے اسی طرح بعض محققین نے تلاش و جستجو کے بعد جن موافقات عمرؓ کو جمع کیا ہے ان کی تعداد پندرہ سے زائد ہوتی ہے (جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے بیس موافقات عمر کا ذکر کیا ہے)

"مقام ابراہیم" سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا نشان بطور معجزہ پڑ گیا تھا اور جس پر کھڑے ہو کر آپ بیت

اللہ کی چنائی کرتے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑ کر بتایا کہ مقام ابراہیم ہے۔ اس وقت حضرت عمر نے کہا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ! کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم اس مقام کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مجھے اس بارے میں کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اور پھر اسی دن آفتاب غروب بھی نہیں ہوا تھا کہ مذکورہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھنی واجب ہیں وہ مقام ابراہیم کے پاس (اس طرح) پڑھا کرو (کہ مقام ابراہیم بھی سامنے رہے اور بیت اللہ بھی) اس آیت میں امر کا صیغہ استحباب کے لئے ہے اور بعض حضرات نے وجوب کے لئے کہا ہے، یعنی طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھنی تو واجب ہیں لیکن مستحب یہ ہے کہ یہ دونوں رکعتیں خاص مقام ابراہیم کے پیچھے متصلاً پڑھی جائیں۔ ہاں جس شخص کو خاص مقام ابراہیم کے پیچھے جگہ نہ ملے اور حرم میں کسی بھی جگہ یہ رکعتیں پڑھ لے تو اس حکم کی پوری تعمیل ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ کے مسلک میں ان دو رکعتوں کے وجوب کے بارے میں دو قول ہیں۔

"پس پردہ کی آیت نازل ہوئی" اور آیت یہ ہے۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ۔

"اور جب تم ان (ازواج النبی ﷺ) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو۔"

واضح رہے کہ ازواج مطہرات پر جو یہ پردہ واجب ہوا تھا وہ اس "ستر عورت" کے علاوہ ہے جو اور تمام عورتوں پر واجب ہے یعنی اس آیت کے ذریعہ ان ازواج مطہرات کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ غیر محرموں کے سامنے بالکل نہ آئیں اگرچہ کپڑوں میں لپٹی اور چھپی ہوئی ہی کیوں نہ ہوں یہ حکم خاص طور پر صرف ازواج مطہرات کو دیا گیا تھا، جب کہ اور عورتوں کو اجازت ہے کہ اگر اپنے جسم کو خوب ڈھانک چھپا کر وہ باہر نکلنا چاہیں تو نکل سکتی ہیں۔

"رشک وغیرت والے معاملہ پر اتفاق کر لیا تھا" اس سے آنحضرت ﷺ کے شہد پینے سے متعلق مشہور واقعہ مراد ہے: آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد کھڑے کھڑے اپنی ازواج کے پاس تشریف لاتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی معمول کے مطابق آپ ﷺ ایک زوجہ مطہرہ حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے کہیں سے آیا ہوا شہد آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جو آپ ﷺ کو بہت مرغوب تھا اور اسی وجہ سے حضرت زینبؓ نے آپ ﷺ کے لئے اس کو رکھ چھوڑا تھا، شہد پینے میں آپ ﷺ کو کچھ وقت لگا۔ اور اس سبب سے حضرت زینب کے یہاں آپ ﷺ معمول سے زیادہ ٹھہرے رہے۔ یہ بات حضرت عائشہؓ اور بعض دوسری ازواج مطہرات کے لئے رشک وغیرت کا باعث بن گئی، ام المؤمنین حضرت عائشہ نے ام المؤمنین حضرت حفصہؓ (بنت عمرؓ) سے مشورہ کیا اور دونوں اس رائے پر متفق ہوگئیں کہ آنحضرت ﷺ ہم میں جس کے پاس بھی تشریف لائیں وہ یوں کہے کہ آپ ﷺ میں سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ اور پھر جب آنحضرت ﷺ ان کے یہاں تشریف لائے تو ان میں سے ہر ایک نے یوں ہی کہا، آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا میں نے تو مغافیر کو ہاتھ بھی نہیں لگایا، صرف شہد پیا تھا، پھر مغافیر کی بو کہاں سے آئی۔ انہوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ اس شہد کی مکھیاں مغافیر پر بیٹھ گئی ہوں، جس کے سبب اس شہد میں مغافیر کی بو شامل ہوگئی ہو۔ اس بات سے ان کا مقصد یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ شہد پینے کے لئے آئندہ حضرت زینبؓ کے یہاں نہ ٹھہریں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ان کی بات کو صداقت پر محمول کیا اور احتیاطاً شہد پینا اپنے اوپر حرام کر لیا۔ پھر بعد میں سارا بھید کھلا کہ یہ تو "سوکناپے" کا چکر تھا جس میں آنحضرت ﷺ کو مبتلا کیا گیا اور ایک بدنما صورت حال پیدا ہوئی۔ اسی موقعہ پر حضرت عمرؓ نے ان ازواج مطہرات کو تنبیہ و تہدید کرتے ہوئے مذکورہ الفاظ کہے اور پھر جب قرآن میں اس واقعہ سے متعلق فرمان الٰہی نازل ہوا تو اس میں حضرت عمرؓ کے الفاظ اور مفہوم کو جوں کا توں شامل کیا گیا۔ سورۂ تحریم میں ہے۔

عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُنَّ۔

"اگر آنحضرت ﷺ تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دیدیگا۔"

"بدر کے قیدیوں کے بارے میں" یعنی: غزوہ بدر میں فتحیابی کے بعد جنگی قیدیوں کے متعلق آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہو اور ان کا معاملہ کس طرح نمٹایا جائے تو حضرت ابوبکرؓ نے رائے دی کہ فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ان دشمنان اسلام کو قتل کر دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور ان قیدیوں کو ان کی حیثیت و استطاعت کے مطابق فدیے لے کر رہا کر دیا۔ لیکن جب قرآن کریم میں اس کے متعلق آیت نازل ہوئی تو وہ حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق نکلی۔ اس کی تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

وہ چار باتیں جن میں عمرؓ کو فضیلت حاصل ہوئی

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ فُضِّلَ النَّاسَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِاَرْبَعٍ بِذِكْرِ الْاُسَارٰى يَوْمَ بَدْرٍ اَمَرَ بِقَتْلِهِمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ وَبِذِكْرِهِ الْحِجَابَ اَمَرَ نِسَآءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّحْتَجِبْنَ فَقَالَتْ لَهٗ زَيْنَبُ وَاِنَّكَ عَلَيْنَا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ فِيْ بُيُوْتِنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ وَبِدَعْوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اَيِّدِ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ وَبِرَأْيِهٖ فِيْ اَبِيْ بَكْرٍ كَانَ اَوَّلَ نَاسٍ بَايَعَهٗ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ: حضرت عمر ابن خطابؓ کو دوسروں پر چار باتوں کے سبب خصوصی فضیلت حاصل ہے۔ ایک بات تو جنگ بدر کے قیدیوں کی بابت ان کی رائے تھی، ان کا یہ کہنا تھا کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ یعنی: اگر اللہ تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکتا (کہ خطاء اجتہادی کا مرتکب مستوجب عذاب نہیں ہوگا) تو تم کو بڑی سزا واقع ہوتی۔ دوسری بات پردہ کی بابت ان کا مشورہ دینا تھا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو پردہ (میں رہنے) کی طرف متوجہ کیا تھا اور (ان کے توجہ دلانے پر) ام المؤمنین حضرت زینبؓ نے ان سے کہا تھا کہ اے عمر ابن خطابؓ! پردہ میں رہنے کی بات ہم سے تم کہہ رہے ہو حالانکہ وحی ہمارے گھروں میں اترتی ہے؟ اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی: وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (یعنی: اور جب تم ان (ازواج النبی) سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔) تیسری بات، وہ دعا تھی جو ان کے حق میں نبی کریم ﷺ نے مانگی تھی کہ الٰہی: عمرؓ کے ذریعہ اسلام کو تقویت عطا فرما۔ اور چوتھی بات ابوبکرؓ کے حق میں ان کی رائے تھی کہ انہوں نے (حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ اول بنانے کی تجویز پیش کر کے بڑے نازک وقت میں تمام مسلمانوں کی بروقت راہنمائی کی اور اپنی زبردست قوت اجتہاد کے ذریعہ انہی کو خلافت اول کا اہل و مستحق جان کر) سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کی (اور پھر ان کی پیروی میں اور سب لوگوں نے خلافت صدیق پر بیعت کی) (احمدؒ)

تشریح: "جنگ بدر کے قیدیوں کی بابت ان کی رائے تھی" اس کی تفصیل خود حضرت عمرؓ ایک روایت میں جو ریاض الصالحین میں منقول ہے۔ یوں بیان کرتے ہیں کہ: جنگ بدر کے دن (جب اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو فتح و غلبہ عطا فرمایا اور قیدیوں کی ایک بڑی تعداد مسلمانوں کے ہاتھ لگی تو) رسول اللہ ﷺ کی مجلس مشاورت منعقد کی اور ان قیدیوں کے بارے میں مشورہ چاہا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! ان قیدیوں میں سب اپنے ہی رشتے ناطے کے لوگ ہیں، کوئی چچا کا بیٹا ہے تو کوئی بھائی کا بیٹا ہے، کوئی خاندان کا فرد ہے تو کوئی قبیلے کا، اگر ہم ان سب سے فدیہ (مالی معاوضہ) لے کر ان کو رہا کر دیں تو اس سے ہمیں دشمنان دین کے مقابلہ کے لئے اگلی تیاریوں میں بڑی مدد ملے گی اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان رہا ہونے والوں کو ہدایت فرما دے اور یہ

اسلام قبول کر کے ہمارے معاون و مددگار بن جائیں۔ آنحضرت ﷺ نے (ابوبکر کی یہ رائے سن کر) فرمایا کہ عمرؓ! اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ابوبکرؓ کی رائے کو موزوں نہیں سمجھتا، دراصل یہ سارے قیدی کفر وضلالت کی پیشوائی کرنے والے اور دشمنان دین کے سردار ہیں، ان کو زندہ چھوڑ دینا خطرہ مول لینا ہے، ان سب کی گردنیں آڑا دینا ہی مناسب ہے۔ آخر کار آنحضرت ﷺ نے ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور فدیہ لے کر ان قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اگلے دن صبح کو جب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اور ابوبکرؓ گریاں و لرزاں بیٹھے ہوئے ہیں میں نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ خیر تو ہے! آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے یہ رفیق (ابوبکر) رو کیوں رہے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عمر! (کیا پوچھتے ہو، سمجھو بس اللہ نے خیر ہی کر دی، نہیں تو) عذاب تو میرے سامنے اس درخت سے بھی قریب آ گیا تھا (جو بالکل سامنے نظر آ رہا ہے) اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔

"پیغمبر کو شایاں نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کر دیئے جائیں) جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح (دشمنان دین کی) خونریزی نہ کر لیں۔ تو تم دنیا کے مال و اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت (کی مصلحت) کو چاہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست اور بڑے حکمت والے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکتا تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارے میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی۔"

اس سے واضح ہوا کہ جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں انسب رائے وہی تھی جو حضرت عمرؓ نے ظاہر کی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی رائے اس مصلحت پر مبنی تھی کہ اس وقت اہل اسلام کے لئے مالی تنگیوں اور پریشانیوں کا بڑا نازک مرحلہ درپیش ہے۔ دشمنان دین اس جنگ میں ہزیمت خوردہ ہونے کے باوجود اپنی معاندانہ روش کو ترک نہیں کریں گے۔ مسلمانوں کے خلاف انکے جارحانہ عزائم جوں کے توں ہیں اور وہ اپنی تمام مالی و انسانی قوت کو مجتمع کر کے اہل اسلام کو پھر میدان جنگ میں لانے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ان قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے، ان کی رہائی کی صورت میں ایک طرف تو ہم میں سے کسی کے دل و دماغ پر یہ بوجھ نہیں رہے گا کہ اپنے خونی رشتہ داروں اور اعزاء و اقرباء کو اپنے ہاتھوں قتل کیا گیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس احسان کو خود یہ قیدی محسوس کریں، اور ان کو ایمان قبول کرنے اور ہمارا مددگار بن جانے کی توفیق مل جائے،، دوسری طرف فدیہ کی شکل میں ان سے حاصل ہونے والا مال و اسباب ہماری بڑی مدد کرے گا، اس کے ذریعہ ہم اپنی طاقت بڑھائیں گے اور دشمنان دین سے لڑنے کے لئے جنگی وسائل و ذرائع فراہم کریں گے ایک اعتبار سے یہ رائے حضرت ابوبکرؓ کی "صفت جمال" کا مظہر بھی تھی اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں سے جن حضرات کے مزاج میں نرمی اور مروت کا زیادہ دخل تھا ان سب نے بھی اس رائے کی تائید کی۔ دوسری طرف حضرت عمرؓ کی رائے ان کی "صفت جمال" کا مظہر تھی اور جن صحابہؓ پر اس صفت کا غلبہ تھا انہوں نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کی نبی رحمت ﷺ اگرچہ تمام صفات و کمالات کے جامع تھے مگر واقعہ یہ کہ آپ ﷺ مائل "صفت جمال" ہی کی طرف تھے اور اسی وجہ سے اس موقع پر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا۔ تاہم اللہ کی علیم و خبیر ذات کے علاوہ اور کون اس فیصلہ کے اصل عواقب و نتائج کو جان سکتا تھا، اس کی بارگاہ حکمت میں قیدیوں کی رہائی کا یہ فیصلہ غیر موزوں قرار پایا اور اس پر مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں جن سے حضرت عمرؓ کی اصابت رائے کی توثیق ہوئی۔

عمرؓ جنت میں بلند ترین مقام پائیں گے

(۱۶) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ الرَّجُلُ اَرْفَعُ اُمَّتِيْ دَرَجَةً فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَبُوْسَعِيْدٍ وَاللّٰهِ مَا كُنَّا نَرٰى ذَاكَ الرَّجُلَ اِلَّا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ۔ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "وہ شخص میری اُمت میں جنت کا بلند تر مقام و مرتبہ رکھنے والا ہے" ابوسعیدؓ کا بیان ہے کہ "اس شخص" (جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا) کے بارے میں بخدا ہمارا خیال اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ اس سے حضرت عمر ابن خطاب کی ذات مراد ہے اور حضرت عمرؓ جب تک اس دنیا میں رہے ہم اپنے اسی خیال پر قائم رہے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: "وہ شخص" یہ بات آپ ﷺ نے مبہم کہی اور تعیین نہیں فرمائی کہ "وہ شخص" کون ہے۔ اور اس ابہام سے مقصود یہ تھا کہ اُمت کا ہر شخص طاعات و عبادات میں زیادہ سے زیادہ جدوجہد اور محنت کرکے یہ بڑا مرتبہ پانے کی کوشش کرے اور جان لے کہ یہ مرتبہ صرف اسی شخص کو مل سکتا ہے جو طاعات و عبادات میں نہایت جدوجہد اور محنت کے ساتھ برابر لگا رہے اور اخلاق و کمالات سے متصف ہو کر اس کا استحقاق پیدا کرے یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجلس نبوی ﷺ میں کسی ایسے شخص کا ذکر آیا ہو جو مذکورہ اوصاف سے متصف تھا اور اس کے ضمن میں آنحضرت ﷺ نے اشارہ فرمایا ہو کہ جو شخص بھی ان اوصاف کا حامل ہوگا اس کو جنت میں بلند تر درجہ ملے گا۔

"اور حضرت عمرؓ جب تک اس دنیا میں رہے" یہ الفاظ اس شک کے دفعیہ کے لئے ہیں کہ شائد وقتی طور حضرت عمرؓ کی طرف لوگوں کا خیال چلا گیا ہو اور پھر بعد میں وہ خیال بدل گیا ہو۔

یہاں یہ اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوسعیدؓ کے الفاظ سے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ سے افضل تھے۔ حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں تھا؟ اس کا جواب الفاظ حدیث کی مذکورہ بالا وضاحت سے مل جاتا ہے یعنی یہ کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں مبہم اشارہ کا مقصد اس طرف متوجہ کرنا تھا کہ اُمت کا ہر فرد شریعت کی اطاعت و فرمانبرداری اور اچھے کاموں میں لگن، محنت اور اخلاص کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جدوجہد اور کوشش کرے تاکہ اس بلند تر مقام کو پہنچے۔ وہ بلند تر مقام اسی شخص کو نصیب ہوسکتا ہے۔ جو طاعات و عبادت میں کوشاں رہے، اخلاص و کمالات سے متصف ہو، دین میں خوب غور کے ذریعہ اجتہاد کرے اور اچھے کاموں میں لگا رہے۔ پس جن لوگوں نے یہ خوبیاں جتنی زیادہ، جتنی بھرپور اور جتنی موثر حضرت عمرؓ کی ذات میں ابتداء سے لے کر ان کی زندگی کے آخری لمحات تک دیکھیں اتنی زیادہ، اتنی بھرپور اور اتنی موثر چونکہ کسی اور صحابی میں ان کو نظر نہیں آئیں اس لئے انہوں نے یہی گمان کیا کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں "اس شخص" سے مراد صرف حضرت عمرؓ کی ذات تھی نہ کہ کسی اور کی۔ اگر اخفاء لیلۃ القدر کا مسئلہ ذہن میں رہے تو پھر یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس روایت میں حضرت عمرؓ کے ذکر سے حضرت ابوبکرؓ پر ان کی افضلیت کا مفہوم لازم نہیں آتا۔ حاصل کلام یہ کہ "اس شخص" سے حضرت عمرؓ کا مراد ہونا ایک ظنی بات ہے اور وہ بھی بعض حضرات کے نزدیک نہ کوئی یقینی بات ہے لہٰذا اس روایت سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہوگا کہ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ سے افضل تھے، جب کہ جمہور علماء کا اتفاق حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت پر ثابت بھی ہے اور اہل سنت و جماعت کا متفقہ اعتقاد بھی اسی پر ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابوسعیدؓ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ بات حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانے کو سامنے رکھ کر کہی تھی۔ کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مصداق حضرت عمرؓ سے بڑا اور کسی کو نہیں سمجھا جاتا تھا تو پھر اصل حدیث کے بارے میں کوئی اشکال ہی پیدا نہیں ہوگا کیونکہ اپنے زمانہ خلافت میں حضرت عمرؓ بلاشبہ سب سے افضل تھے۔

نیک کاموں میں سب سے زیادہ سرگرم کار

(۱۷) وَعَنْ اَسْلَمَ قَالَ سَاَلَنِی ابْنُ عُمَرَ بَعْضَ شَاْنِهٖ یَعْنِیْ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ مَارَاَیْتُ اَحَدًا قَطُّ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حِیْنَ قُبِضَ کَانَ اَجَدَّ وَاَجْوَدَ حَتّٰی انْتَهٰی مِنْ عُمَرَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت اسلمؓ (جو حضرت عمر فاروقؓ کے آزاد کردہ غلام اور تابعی ہیں) کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے (ایک دن) مجھ سے حضرت عمر

فاروق ؓ کے کچھ احوال وخصائل جاننے چاہے تو میں نے ان کو (بہت سی باتیں) بتائیں اور کہا ہے کہ: رسول کریم ﷺ (کی رحلت) کے بعد میں نے حضرت عمرؓ سے بڑھ کر کسی شخص کو نہیں دیکھا جو اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک اچھے کاموں میں سب سے زیادہ سرگرم کار اور سب سے زیادہ نیک رہا ہو۔" (بخاریؒ)

تشریح: علماء نے لکھا ہے کہ ابن عمرؓ کی اس بات کو حضرت عمر فاروقؓ کے "زمانہ خلافت" پر محمول رکھا جائے تاکہ اس کے الفاظ سے جو عموم مفہوم ہوتا ہے اس سے حضرت ابوبکرؓ کی ذات مستثنیٰ رہے۔

دین وملت کی غم گساری

(۱۸) وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ لَمَّا طُعِنَ عُمَرُ جَعَلَ يَأْلَمُ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَكَأَنَّهُ يُجَزِّعُهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا كُلَّ ذٰلِكَ لَقَدْ صَحِبْتَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ ثُمَّ صَحِبْتَ أَبَا بَكْرٍ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ ثُمَّ صَحِبْتَ الْمُسْلِمِينَ فَأَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُمْ وَلَئِنْ فَارَقْتَهُمْ لَتُفَارِقَنَّهُمْ وَهُمْ عَنْكَ رَاضُونَ قَالَ أَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِضَاهُ فَإِنَّمَا ذٰلِكَ مَنٌّ مِنَ اللّٰهِ مَنَّ بِهِ عَلَيَّ وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ أَبِي بَكْرٍ وَرِضَاهُ فَإِنَّمَا ذٰلِكَ مَنٌّ مِنَ اللّٰهِ مَنَّ بِهِ عَلَيَّ وَأَمَّا مَا تَرَى مِنْ جَزَعِي فَهُوَ مِنْ أَجْلِكَ وَمِنْ أَجْلِ أَصْحَابِكَ وَاللّٰهِ لَوْ أَنَّ لِي طِلَاعَ الْأَرْضِ ذَهَبًا لَافْتَدَيْتُ بِهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ قَبْلَ أَنْ أَرَاهُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت مسور ابن مخرمہؓ کہتے ہیں: حضرت عمر فاروقؓ (ابولؤلؤ کے خنجر سے) زخمی ہوئے تو کرب یا بے چینی کا اظہار کرنے لگے (یعنی ان کی عیادت کے لئے آنے والوں کو ایسا لگتا تھا جیسے فاروق اعظمؓ زخم کی اذیت سے شدید کرب اور بے چینی میں ہیں جس کا اظہار کراہ وغیرہ کی صورت میں ہو رہا ہے) چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے (یہ صورت دیکھ کر) گویا حضرت عمرؓ کو فزع اور بے صبری کی نسبت دی (یا یہ کہ حضرت عمرؓ کو تسلی وتشفی دی) اور کہا کہ امیر المؤمنین! یہ سب (یعنی جزع وفزع اور بے قراری وبے صبری کا اظہار آپ کی شان کے شایاں) نہیں ہے، آپ تو وہ ہستی ہیں جس کو رسول کریم ﷺ کی صحبت ورفاقت کا شرف حاصل ہوا اور بہت اچھی صحبت حاصل ہوئی (بایں طور کہ) آپ نے رفاقت رسول کا کامل حق ادا کیا اور تمام تر آداب وشرائط پورے کر کے آنحضرت ﷺ کی صحبت وخدمت سے فیضیاب ہوئے اور رسول کریم ﷺ اس حال میں آپ سے جدا ہوئے کہ آپ سے راضی وخوش تھے (جس کا ثبوت یہ ارشاد رسول ﷺ ہے کہ فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے) پھر ابوبکر صدیقؓ کی رفاقت ومجالست آپ کو نصیب ہوئی اور ان کے ساتھ بھی آپ کی رفاقت بہت اچھی رہی یہاں تک کہ جب وہ آپ سے جدا ہوئے تو آپ سے خوش تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے آپ ہی کو اپنا جانشین نامزد فرمایا اور پھر (اپنی خلافت کے زمانہ میں) آپ کو مسلمانوں کی خدمت ورفاقت کا موقع ملا اور ان کی خدمت ورفاقت کا فریضہ بھی آپ نے بڑی اچھی طرح نبھایا (کہ مسلمانوں کے ساتھ عدل وانصاف، رعایا پروری اور کامیاب ترین حکمرانی میں آپ کے نام کا ڈنکا چار دوانگ عالم میں بج اٹھا) اب اگر مسلمانوں سے جدا ہوں گے تو اس حال میں جدا ہوں گے کہ تمام مسلمان آپ سے راضی وخوش ہیں۔ فاروق اعظمؓ نے (یہ سن کر) فرمایا: (اے عباس!) تم نے آنحضرت ﷺ کی صحبت اور آپ ﷺ کی رضا وخوشنودی کا جو ذکر کیا ہے تو بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا احسان ہے جو اس نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھ پر کیا ہے، اسی طرح تم نے حضرت ابوبکرؓ کی صحبت ورفاقت اور ان کی خوشنودی کا جو ذکر کیا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ایک بڑا احسان ہے جس کے ذریعہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے سرفراز کیا۔ رہی میری بے صبری وبے قراری جو تم دیکھ رہے ہو تو (اس کا تعلق زخم کی تکلیف اور درد وبے چینی پر جزع وفزع سے نہیں ہے بلکہ در حقیقت) یہ تمہارے اور تمہارے دوستوں اور ساتھیوں کے سبب سے ہے۔ خدا کی قسم اگر میرے پاس تمام زمین کے برابر سونا ہو تو میں اس کو اللہ کے

عذاب کے بدلے میں قربان کردوں اس سے پہلے کہ میں اللہ کو (یا اللہ کے عذاب کو) دیکھوں۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ نے گویا اس طرف اشارہ کیا کہ جب اللہ کا رسول آپ سے راضی وخوش گیا اللہ کے رسول کا چہیتا آپ سے راضی و خوشی اس دنیا سے رخصت ہوا اور تمام مسلمان آپ سے راضی و خوش ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا اللہ آپ سے راضی وخوش ہے اور آپ اپنے اللہ سے راضی و خوش ہیں اس صورت میں تو آپ اس ارشاد ربانی کی بشارت کا مصداق ہیں:

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔

"اے اطمینان والی روح، تو اپنے پروردگار (کے جوار رحمت) کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش۔"

پھر آپ اتنا پریشان کیوں ہیں، اتنی بے قراری کیوں ہے، اس زخم کی تکلیف نے آپ کو بے چین کر دیا ہے یا موت کے تصور نے؟ موت تو مؤمن کے لئے "تحفہ" ہے وہ تحفہ جو مقام اعلی میں بندہ کو اپنے آقا سے ملائے گا، رضائے مولی کی ابدی نعمتوں اور سعادتوں تک پہنچائے گا۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو جو جواب دیا اس کا حاصل یہ تھا کہ یہ محض تمہارا خیال ہے کہ میری بے چینی و بے قراری زخم کی تکلیف یا موت کے خوف سے ہے، درحقیقت میرا یہ سارا اضطراب اور اظہار کرب تم لوگوں (اہل اسلام) کے مستقبل کے بارے میں چند خطرات و خدشات کا احساساتی تاثر ہے۔ میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں میرے بعد فتنے سر نہ ابھارنے لگیں، اختلاف و انتشار اور دین سے بے توجہی کی خرابیاں مسلمانوں میں نہ در آئیں، فتنہ و فساد کے وہ دروازے جن کو میں نے ملت اسلامیہ پر بڑی مضبوطی سے بند کر رکھا تھا ڈھیلے نہ پڑ جائیں علاوہ ازیں خود اپنے بارے میں آخرت کا خوف بھی میرے لئے کچھ کم اضطراب انگیز نہیں ہے بے شک حق تعالیٰ نے مجھے بڑی بڑی سعادتوں سے نوازا اور اس دنیا میں مجھ پر بے پایاں فضل و انعام فرمایا، لیکن میں نے حق تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں جو جو کوتاہیاں کی ہیں ان پر آخرت میں مواخذہ بھی ہو سکتا ہے، اگر عدل خداوندی نے مجھے مستوجب عذاب گردان دیا تو کیا حشر ہوگا، استیعاب میں منقول ہے کہ: حضرت عمر فاروقؓ جب زخمی ہو کر گرے تو اپنے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی گود میں سر رکھے پڑے تھے اور بار بار کہہ رہے تھے: ظلوم النفسی غیر انی مسلم اصلی صلاتی کلھا واصوم میں اپنے نفس پر بڑا ہی ظلم کرنے والا ہوں باوجودیکہ میں مسلمان ہوں، تمام نمازیں بھی پڑھتا ہوں اور روزے بھی رکھتا ہوں۔

قاتلانہ حملہ اور شہادت: مدینہ منورہ میں ایک پارسی غلام "فیروز" نام کا تھا جس کی کنیت ابولؤلؤ تھی، اس نے ایک دن حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے آقا مغیرہ ابن شعبہؓ کی شکایت کی کہ انہوں نے مجھ پر بہت بھاری ٹیکس عائد کر رکھا ہے آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے اس ٹیکس کی مقدار اور اس کے کام کی صلاحیت و آمدنی وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل کر کے اس سے کہا کہ یہ ٹیکس کچھ زائد نہیں ہے، ابولؤلؤ یہ سن کر دل میں سخت ناراض ہوا اور حضرت عمرؓ کے پاس سے واپس چلا آیا۔ دوسرے دن ابولؤلؤ ایک زہر آلود دو دھاری خنجر لے کر اندھیرے منہ مسجد میں آکر ایک کونے میں چھپ گیا اور جب حضرت عمرؓ فجر کی نماز کے لئے تشریف لائے اور امامت کے لئے آگے بڑھنے لگے تو اس نے دفعۃً گھات میں سے نکل کر ان پر خنجر کے چھ وار کئے، جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا زخم اتنا کاری تھا کہ حضرت عمرؓ تاب نہ لا کر فوراً گر پڑے، حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ نے چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر جلدی جلدی نماز پڑھائی، نماز کے بعد حضرت عمرؓ کو اٹھا کر گھر لایا گیا۔

حملہ کے تین دن کے بعد حضرت عمرؓ نے جان جاں آفریں کے سپرد کی، اور محرم ۲۴ھ کی پہلی تاریخ شنبہ کے دن مدفون ہوئے حضرت صہیبؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ بعض حضرات نے حملہ کا واقعہ ذی الحجہ ۲۳ھ کی ۲۷ تاریخ چہار شنبہ کے دن کا لکھا ہے اور تاریخ مدفون ۱۰ محرم ۲۴ھ بروز یکشنبہ بیان کی ہے، حضرت عمرؓ کی خلافت ساڑھے دس سال رہی اور عمر تحقیقی قول کے مطابق ۶۳ سال کی

ہوئی، صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت نے ان سے احادیث روایت کی ہیں جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور باقی عشرہ مبشرہ صحابہ بھی شامل ہیں۔

حضرت عمرؓ کی ایک بڑی کرامت: مستند کتابوں میں معتبر و ثقہ راویوں کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو وہاں کے عامل (گورنر) حضرت عمرو بن العاصؓ مقرر ہوئے ان سے ایک دن مصریوں نے آکر کہا کہ زمانہ قدیم سے دریائے نیل ہر سال ایک کنواری نوجوان لڑکی کی بھینٹ لیتا چلا آیا ہے، جب تک یہ بھینٹ نہیں دی جاتی پانی جاری نہیں ہوتا۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ہر سال چاند کی گیارہویں کی رات کو ایک نوجوان لڑکی کو اس کے والدین کی رضامندی کے ساتھ بیش بہا کپڑے اور عمدہ زیور پہنا کر اور خوب بناؤ سنگھار کر کے دریا میں ڈال دیتے ہیں، اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو دریا خشک ہونے لگتا ہے اور پھر شہروں اور دیہاتوں میں پانی کی کمی کے سبب قحط پڑ جاتا ہے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصریوں سے کہا کہ یہ ایک بے ہودہ رسم ہے چونکہ اسلام میں اس طرح کی لغویات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا، چنانچہ اس سال یہ رسم نہیں کی گئی اور دریائے نیل تقریبًا سوکھ گیا، پورے مصر میں قحط و خشک سالی کی سی کیفیت پیدا ہو جانے کے سبب اہل مصر ترک وطن پر مجبور ہونے لگے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے صورت حال کی تفصیلی رپورٹ حضرت عمر فاروق کی خدمت میں روانہ کی۔ فاروق اعظمؓ نے یہ رپورٹ دیکھی اور عمرو بن العاصؓ کو لکھا کہ تم نے اس رسم پر عمل کرنے کی اجازت نہ دے کر بالکل ٹھیک کیا، واقعی اسلام اس طرح کی رسوم کی بیخ کنی کرتا ہے۔ میں ایک پرچہ بھیج رہا ہوں تم اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا اس پرچہ میں لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بندۂ اللہ عمر بن الخطابؓ امیر المؤمنین کی جانب سے دریائے نیل کے نام۔ بعد حمد و صلوۃ (اے دریائے نیل!) اگر تو اپنے اختیار اور اپنی قوت سے بہتا ہے تو مجھ کو تجھ سے کچھ نہیں کہنا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مرضی سے تو بہتا ہے تو میں اللہ واحد و قہار کے نام پر تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ جاری اور رواں ہو جا، عمرو بن العاصؓ عامل مصر نے اس پرچہ کو دریائے نیل میں ڈال دیا اور صبح اٹھ کر لوگوں نے دیکھا کہ ایک ہی رات میں دریائے نیل سولہ ہاتھ اوپر آگیا ہے اور پورے زور شور کے ساتھ رواں ہے اور پھر ہر سال چھ ہاتھ بڑھتا رہا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے باشندگان مصر کی اس قدیم رسم کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس دن سے اب تک دریائے نیل برابر جاری ہے۔

بَابُ مَنَاقِبِ اَبِیْ بَكْرٍؓ وَعُمَرَؓ

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مناقب کا بیان

بعض ایسی روایتیں منقول ہیں جن میں شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا ذکر ایک ساتھ ہوا ہے، اس لئے مؤلف مشکوۃ نے ان روایتوں پر مشتمل ایک الگ باب یہاں قائم کیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دونوں حضرات اپنی اس مشترکہ خصوصیت کی بناء پر اکثر مواقع پر ایک ساتھ ذکر کئے جاتے تھے کہ دونوں آنحضرت ﷺ کے خصوصی معاون و مددگار، بارگاہ رسالت میں وقت بے وقت حاضری اور تقرب کی سعادت رکھنے والے تمام دینی و ملی معاملات و مسائل کے مشیر و امین، اور آنحضرت ﷺ کے تمام اوقات و احوال کے مصاحب و ہمنشین تھے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

ابوبکرؓ و عمرؓ ایمان و یقین کے بلند ترین مقام پر فائز تھے

① وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَسُوْقُ بَقَرَةً اِذَا عْيٰى فَرَكِبَهَا فَقَالَتْ اِنَّا لَمْ

نُخلَقْ لِهٰذَا اِنَّمَا خُلِقْنَا لِحِرَاثَةِ الْاَرْضِ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَكَلَّمُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنِّيْ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَ اَبُوْبَكْرٍ وَّ عُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ وَقَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ فِيْ غَنَمٍ لَهُ اِذْ عَدَا الذِّئْبُ عَلٰى شَاةٍ مِنْهَا فَاَخَذَهَا فَاَدْرَكَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَهَا فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ فَمَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ يَوْمَ لَا رَاعِيَ لَهَا غَيْرِيْ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ایک شخص ایک گائے کو ہانکتا ہوا لے جارہا تھا، جب وہ (چلتے چلتے) تھک گیا تو گائے پر سوار ہو گیا، گائے بولی، ہماری تخلیق اس کام (یعنی سواری) کے لئے نہیں ہوئی ہے، ہم تو زراعت و کاشت کاری کے کام میں آنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، لوگوں (یعنی حاضرین مجلس) نے (یہ سن کر اظہار تعجب کے طور پر) کہا: سبحان اللہ، گائے بھی بات کرتی ہے (درآنحالیکہ وہ بے زبان چوپایہ ہے؟) اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "میں اس بات پر ایمان لاتا ہوں، اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی ایمان لاتے ہیں" اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اس مجلس میں موجود نہیں تھے، نیز حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ ایک شخص اپنی بکریوں کے ریوڑ کے درمیان تھا کہ ناگہاں ایک بھیڑیا آیا اور ریوڑ میں سے ایک بکری اٹھالے گیا بکری کے مالک نے بھیڑیئے کا تعاقب کر کے اپنی بکری اس سے چھڑالی بھیڑیا اس سے بولا: (اب تو تم نے اپنی بکری مجھ سے چھڑالی ہے لیکن یہ بتاؤ) سبع کے دن بکریوں کا رکھوالا کون ہوگا، جب میرے سوا بکریوں کا چرانے والا کوئی نہ ہوگا۔ لوگوں نے (یہ واقعہ سن کر اظہار تعجب کیا اور) کہا: سبحان اللہ، بھیڑیا اور بات کرے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی ایمان لائے" اس وقت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہیں تھا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "ہماری تخلیق اس کام کے لئے نہیں ہوتی ہے" اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ گائے پر سواری گانٹھنا یا اس پر بوجھ لادنا موزوں نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ علماء نے حدیث کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ چوپاؤں اور مویشیوں کو ان مقاصد کے علاوہ اور کسی کام میں نہ لانا چاہئے جو عام طور پر ان سے منسوب سمجھے جاتے ہیں اور جن کے لئے ان کا استعمال عادت و معمول کے تحت ہوتا ہے، تاہم یہ احتمال بھی ہے کہ اس بات کا منشاء محض اولیت و افضلیت کی طرف اشارہ کرنا ہے نہ کہ حصر کرنا، یعنی افضل اور بہتر یہ ہے کہ چوپایہ و مویشی سے وہی کام لیا جائے جس کے لئے اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ اور جس کام میں استعمال ہونا اس کی عادت و معمول میں شامل ہو چکا ہو۔ پس جن چوپاؤں کو حلال کر کے گوشت کھایا جاتا ہے ان کے ذبح کرنے پر کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ انسانی غذا کے لئے گوشت فراہم کرنا ان چوپایوں کے مقصد تخلیق میں شامل ہے اور ذبح کر کے ان کا گوشت کھانا عادت و معمول کے مطابق ہے۔

"میں اس بات پر ایمان لاتا ہوں" یعنی میں اس بات میں اپنا کامل یقین ظاہر کرتا ہوں کہ اللہ کی قدرت اور اس کے حکم سے گائے انسان کی زبان میں بات کر سکتی ہے، یا اس بات کو دل سے مانتا ہوں کہ گائے واقعۃً زراعت اور انسانی غذاؤں کی فراہمی کے مقاصد کے لئے پیدا کی گئی ہے نہ کہ سواری اور بار برداری کے لئے۔

"اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی ایمان لاتے ہیں" صرف انہی دو حضرات کے ذکر کئے جانے میں اس طرف اشارہ تھا کہ مضبوط ایمان و اعتقاد اور کامل یقین و اعتماد کا خصوصی درجہ کمال انہی کو حاصل ہے۔ یہاں یہ اشکال نہیں ہونا چاہئے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ نہ وہاں موجود ہی تھے نہ انہوں نے اس واقعہ کو دیکھا، نہ سنا اور نہ اس پر اپنے یقین و اعتقاد کا اظہار ہی کیا تو پھر ان کے بارے میں کیونکر فرمایا کہ "ابوبکرؓ و عمرؓ بھی ایمان لائے" دراصل آپ ﷺ نے یہ بات اس معنی میں کہی تھی کہ یہ واقعہ یعنی گائے کا بات کرنا، ایک ایسی حقیقت ہے، جو اگر ابوبکرؓ و عمرؓ کے سامنے آئے تو وہ بھی فوراً اس پر ایمان لے آئیں۔ اس کی واقعیت میں ان دونوں کو ذرا بھی تردد اور شک نہیں ہوگا۔

"ابوبکرؓ و عمرؓ اس مجلس میں موجود نہیں تھے" یعنی: آنحضرت ﷺ نے ان دونوں حضرات کے بارے میں مذکورہ الفاظ ارشاد

فرمائے تو اس وقت وہ دونوں ہی وہاں موجود نہیں تھے۔ پس ان کی عدم موجودگی میں آپ ﷺ کا اس طرح فرمانا درحقیقت ان دونوں کی قوت ایمانی اور ان کے درجۂ کمال کی نہایت اعلیٰ پیرایہ میں تعریف و توصیف کرنا تھا، اس کو وضاحت کے ساتھ یوں کہا جاسکتا ہے کہ ان دونوں حضرات کو ایمان و اعتقاد اور کمال تعلق کے ساتھ بارگاہ رسالت میں تقریب اور حضوری کا جو خصوصی مقام حاصل تھا اس کی مدح و ستائش کی ایک عام صورت تو یہ تھی کہ دوسروں کے ساتھ یہ دونوں حضرات بھی اسوقت مجلس مبارک میں حاضر ہوتے اور آنحضرت ﷺ مذکورہ واقعہ پر اعتقاد و یقین کے اظہار میں اپنے ساتھ صرف ان دونوں کا ذکر کر کے ایمان و یقین کے تعلق سے ان کی خصوصی حیثیت اور ان کے خصوصی مرتبہ کو ظاہر فرماتے مگر جب آپ نے ان دونوں کی غیر موجودگی میں مذکورہ الفاظ ارشاد فرما کر ان کی خصوصی حیثیت اور ان کے خصوصی مرتبہ کا اظہار فرمایا تو گویا ان کی مدح و ستائش کی وہ غیر معمولی صورت رونما ہوئی جس سے ان دونوں کا تمام صحابہؓ پر افضلیت و برتری رکھنا بھی معلوم ہوا اور صراحۃً یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ دونوں ایمان و یقین کے سب سے بلند درجہ پر ہیں۔

"سبع کے دن" یہ یوم السبع کا ترجمہ ہے اور "سبع" کا لفظ ب کے جزم کے ساتھ بھی نقل ہوا ہے اور پیش کے ساتھ بھی، نیز "سبع کے دن" کی وضاحت میں مختلف اقوال بیان ہوئے ہیں بعض حضرات نے لکھا ہے کہ "سبع" اور "سباع" کے معنی اچک لینا کے آتے ہیں یعنی کسی چیز کو بے کار و مہمل سمجھ کر چھوڑ دیا جائے اور کوئی اس کو اڑا کر لے جائے، چنانچہ "سبع" کا لفظ بیکار و مہمل چیز کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اس اعتبار سے یوم السبع (ب کے جزم کے ساتھ) مراد "فتنہ و فساد" ہے یعنی جب لوگوں میں اختلاف و انتشار پھیل جائے گا اور آپس میں جنگ و جدال کرنے لگیں گے تو نہ کسی کو اپنے مویشیوں کا دھیان رہے گا اور نہ اپنی بکریوں کا اس وقت بکریاں اپنے گلہ بانوں کے بغیر ادھر ادھر ماری ماری پھریں گی، ان کا کوئی والی وارث نہیں ہوگا۔ پس بھیڑیئے نے قادر مطلق کے حکم سے انسانوں کی زبان میں چرواہے کو ان مصائب اور فتنوں سے آگاہ کیا جو آنے والے زمانوں میں وقوع پزیر ہونے والے تھے، بھیڑیئے نے طنز کیا کہ اس وقت دیکھوں گا تم میں کون شخص اپنی بکریوں کی حفاظت و نگہبانی کرتا نظر آئے گا۔ سب لوگ اپنے اپنے جھگڑوں میں مبتلا ہوں گے اور ان کی بکریوں کا میں ہی نگہبان ہوں گا، مزے سے ان کو چٹ کروں گا، اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یوم السبع (ب کے جزم کے ساتھ) ایک تہوار کو کہتے تھے جو زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کے یہاں منایا جاتا تھا، اس دن ایک خاص میلہ لگتا تھا اور تمام لوگ اس میلہ میں اس طرح آ آ کر جمع ہوتے تھے کہ پھر ان کو کسی اور چیز کی کچھ خبر نہیں رہتی تھی، مویشیوں کو یوں ہی کھلا چھوڑ دیتے تھے جو جنگل اور بیابانوں میں مارے مارے پھرتے تھے اور بھیڑیئے بڑے اطمینان سے ان کو اپنا شکار بنالیتے تھے، پس بھیڑیئے نے گویا زمانہ جاہلیت کے اسی تہوار کے دن کی یاد چرواہے کو دلائی کہ اس دن بکریوں کی رکھوالی کون کرتا تھا جو تم آج بڑے نگہبان اور رکھوالے بن کر آئے ہو، یا یہ کہ عید کا دن تو اب بھی ہر سال آتا ہے، اب جب عید کا دن آئے گا اور تم عید کی مصروفیات میں لگے رہو گے تو پھر دیکھوں گا کہ تمہاری بکریوں کی حفاظت کون کرتا ہے اور میرے چنگل سے کوئی بکری کیسے چھڑالی جائے گی۔

سبع (ب کے پیش کے ساتھ) کے معنی "درندہ" کے آتے ہیں اس صورت میں بھی یوم السبع کا مطلب مذکورہ بالا مفہوم میں بیان کیا جاسکتا ہے یعنی یہ کہ جب فتنہ و فساد کا زور ہوگا اور لوگ اپنے اپنے جھگڑوں میں مبتلا ہوں گے یا فتنہ و فساد کے خوف سے مال اسباب چھوڑ کر اپنے گھروں سے بھاگ جائیں گے۔ تو بکریاں اپنے وارث ولی کے بغیر پھریں گی، اس وقت درندہ یعنی بھیڑیا ہی ان کا نگہبان ہوگا اور مزے سے ان کو چٹ کرے گا، اس اعتبار سے وہ "درندوں کا دن" کہلائے گا، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ سبع (ب کے پیش کے ساتھ) کے معنی بھی "تہوار کا دن" کے آتے ہیں، اور مشارق میں لکھا ہے کہ یہ لفظ دراصل یوم السیع (یعنی ب کے بجائے ی کے ساتھ) ہے جس سے مراد "نقصان کا دن" ہے کیونکہ "سیع" کا لفظ ضیاع (تلف ہو جانے، بے کار ہو جانے) کے معنی میں بھی آتا ہے۔

قدم قدم کے ساتھی اور شریک

(۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنِّیْ لَوَاقِفٌ فِیْ قَوْمٍ فَدَعَوُا اللّٰهَ لِعُمَرَ وَقَدْ وُضِعَ عَلٰی سَرِیْرِهٖ اِذَا رَجُلٌ مِّنْ خَلْفِیْ قَدْ وَضَعَ

مِرْفَقَهٗ عَلٰى مَنْكِبِيْ يَقُوْلُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ اِنِّيْ لَاَرْجُوْاَنْ يَّجْعَلَكَ اللّٰهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ لِاَنِّيْ كَثِيْرًا مَّا كُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُنْتُ وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ وَفَعَلْتُ وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ وَانْطَلَقْتُ وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ دَخَلْتُ وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ وَخَرَجْتُ وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کے دن) اس وقت میں بھی ان لوگوں کے درمیان کھڑا تھا، جب حضرت عمرؓ کا جسد خاکی (نہلانے کیلئے) تختہ مرگ پر رکھا ہوا تھا اور لوگ (یعنی حضرت عمرؓ کے قریبی ساتھی و اعزاء) کھڑے ہوئے ان کے حق میں دعائے خیر و مغفرت کر رہے تھے، اسی دوران اچانک میں نے محسوس کیا کہ میرے پیچھے کھڑے ہوئے کسی شخص نے اپنی ٹھوڑی میرے مونڈھے پر رکھی ہے۔ پھر اس شخص نے (حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے) کہنا شروع کیا: "اللہ تعالیٰ کی رحمت آپ پر نازل ہو ۔شک میں پوری امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ (قبر میں یا جنت میں) آپ کو آپ کے دونوں دوستوں (یعنی آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ) کے ساتھ ہی رکھے گا، کیونکہ میں رسول کریمؐ کی زبان سے اکثر یہی الفاظ سنتا تھا کہ "میں (فلاں جگہ) تھا اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی (میرے ساتھ تھے، میں نے (امور عبادت سے یا معمولات زندگی میں سے فلاں کام) کیا اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی (میرے شریک کار تھے) میں (فلاں مقام پر) گیا اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی (میرے ساتھ تھے) میں (فلاں مسجد یا فلاں مکان میں) داخل ہوا، اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی (میرے ساتھ تھے) میں (فلاں مکان یا فلاں جگہ سے) باہر آیا اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی (میرے ساتھ تھے) میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو یہ الفاظ کہنے والے علی ابن ؓ ب ؓ تھے" (بخاری و مسلم)

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

ابوبکرؓ و عمرؓ علیین میں بلند تر مقام پر ہوں گے

(۳) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَتَرَا وْنَ اَهْلَ عِلِّيِّيْنَ كَمَا تَرَوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّيَّ فِيْ اُفُقِ السَّمَآءِ وَاِنَّ اَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ مِنْهُمْ وَاَنْعَمَا رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوٰى نَحْوَهٗ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

"حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جنتی لوگ علیین والوں کو (نہایت بلندی پر) اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم کنارۂ آسمان کے بہت روشن ستارہ کو دیکھتے ہو۔ اور ابوبکرؓ و عمرؓ علیین والوں میں سے ہیں، بلکہ (اپنے اعزاز و رتبہ کے اعتبار سے) ان سے بڑھے ہوئے ہیں" اس روایت کو بغویؒ نے (اپنی اسناد کے ساتھ) شرح السنہ میں نقل کیا ہے، نیز اسی طرح کی روایت ابوداؤدؒ، ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے بھی نقل کیا ہے۔"

تشریح: "علیین" ساتویں آسمان پر ایک مقام کا نام ہے جہاں نیک بندوں کی ارواح چڑھ کر جاتی ہیں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ "علیین" ملائکہ حفظہ کے دفتر کا نام ہے جہاں نیک لوگوں کے اعمال پہنچائے جاتے ہیں یا یہ کہ "علیین" جنت کے اس درجہ اور مقام کو کہتے ہیں جو تمام درجات سے زیادہ بلند اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہے۔

"بہت روشن ستارہ" یہ الکوکب الدری کا ترجمہ ہے دری میں "ی" نسبت کی ہے اور "در" کے معنی "بڑے موتی" کے ہیں "ستارہ" کو بڑے موتی سے موسوم کرنا اس کی روشنی، چمک اور صفائی کے اعتبار سے ہے۔

اہل جنت کے سردار

(۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ سَيِّدَا كُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ اِلَّا النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَلِيٍّ۔

"اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جنت میں جتنے بھی ادھیڑ عمر والے ہوں، خواہ وہ اگلوں میں کے ہوں یا پچھلوں میں کے، ان سب کے سردار ابوبکرؓ و عمرؓ ہوں گے۔ سوائے نبیوں اور رسولوں کے، (ترمذیؒ) ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: ظاہر ہے جنت میں تو کوئی بھی ادھیڑ عمر کا نہیں ہوگا سب "جوان" ہوں گے اس لئے "ادھیڑ عمر والوں" سے مراد وہ لوگ ہیں جو ادھیڑ عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوں گے۔

"اگلوں" سے مراد گزشتہ امتوں کے لوگ مراد ہیں جن میں اصحاب کہف، آل فرعون کے اہل ایمان اور حضرت خضر بھی شامل ہیں بشرطیکہ وہ قول صحیح ہو جس کے مطابق حضرت خضر، نبی نہیں ولی ہیں، اور پچھلوں سے مراد اس اُمت کے لوگ ہیں جن میں تمام اولیاء اللہ اور شہداء بھی شامل ہیں۔

"سوائے نبیوں اور رسولوں کے" کی قید سے حضرت عیسیٰ اور دوسرے نبیوں رسولوں کا بھی استثناء ہو گیا اور ان حضرات کے مطابق حضرت خضر بھی مستثنیٰ ہو گئے جن کا کہنا ہے کہ حضرت خضر نبی ہیں۔

ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت حکم نبوی ﷺ کے مطابق تھی

(۵) وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَآ اَدْرِيْ مَا بَقَائِيْ فِيْكُمْ فَاقْتَدُوْا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ۔ (رواه الترمذی)

"اور حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (ایک دن) فرمانے لگے: مجھے نہیں معلوم تمہارے درمیان میری زندگی اب کتنی باقی رہ گئی ہے (ابھی کچھ دن اور جینا مقدر ہے یا وقت موعود قریب آگیا ہے) لہٰذا (آگاہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ) تم لوگ میرے بعد ان دونوں کی پیروی کرنا، (جو یکے بعد دیگرے میرے جانشین اور خلیفہ ہوں گے) اور وہ ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔" (ترمذیؒ)

ایک اور خصوصیت

(۶) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ لَمْ يَرْفَعْ اَحَدٌ رَاْسَهٗ غَيْرَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانَا يَتَبَسَّمَانِ اِلَيْهِ وَيَتَبَسَّمُ اِلَيْهِمَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو (پاس ادب سے سب کی نگاہیں نیچی ہو جاتی تھیں یا یہ کہ آپ کی ہیبت سے) کوئی اپنا سر اوپر نہیں اٹھا سکتا تھا سوائے ابوبکرؓ و عمرؓ کے (صرف یہی دو اصحاب تھے جو روئے مبارک کی طرف نظر اٹھانے کی تاب رکھتے تھے) یہ دونوں آپ ﷺ کو دیکھتے ہی مسکرانے لگتے تھے اور آنحضرت ﷺ ان دونوں کو دیکھ کر مسکرا اٹھتے تھے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: یہ محبت کی خاصیت اور باہم محبت رکھنے والوں کی عادت ہے کہ جب آپس میں ان کی ایک دوسرے پر نظر پڑتی ہے تو بے اختیار مسکرانے لگتے ہیں اور شاداں و فرحاں ہو جاتے ہیں۔

قیامت کے دن ابوبکرؓ و عمرؓ حضور کے ساتھ اٹھیں گے

(۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ ذَاتَ يَوْمٍ وَدَخَلَ الْمَسْجِدَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ اَحَدُهُمَا عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَالْاٰخَرُ عَنْ شِمَالِهٖ وَهُوَ اٰخِذٌ بِاَيْدِيْهِمَا فَقَالَ هٰكَذَا نُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ حجرۂ شریف سے نکل کر مسجد میں اس طرح داخل ہوئے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ میں سے ایک صاحب آپ کے دائیں طرف تھے اور ایک صاحب بائیں طرف، اور آپ ﷺ نے دونوں کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ہمیں اسی طرح اٹھایا جائے گا، (یعنی ہم تینوں اپنی قبروں سے اسی طرح ایک ساتھ اٹھیں گے اور ہاتھ میں ہاتھ ڈالے میدان حشر تک پہنچیں گے) اس روایت کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

خصوصی حیثیت و اہمیت

(۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَنْطَبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى اَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ فَقَالَ هٰذَانِ السَّمْعُ وَالْبَصَرُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا۔

"اور حضرت عبداللہ ابن حنطبؒ (تابعی) کی روایت میں ہے کہ: (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو دیکھ کر فرمایا: یہ دونوں بمنزلہ، کان اور آنکھ کے ہیں۔ اس روایت کو ترمذی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔"

تشریح: مطلب یہ کہ جس طرح جسم کے اعضاء کان اور آنکھ اپنی خصوصی اہمیت و حیثیت کی بناء پر سب سے زیادہ خوبی و عمدگی رکھتے ہیں اسی طرح یہ دونوں (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ) اپنی خصوصی اہمیت و حیثیت کے اعتبار سے ملت اسلامیہ میں سب سے زیادہ شرف و فضیلت رکھتے ہیں۔ اور بعض حضرات نے تقریباً یہی مطلب یوں لکھا ہے کہ: دین میں ان دونوں کی وہی حیثیت و اہمیت ہے جو اعضاء جسم میں کان اور آنکھ کی، یا اس ارشاد گرامی ﷺ کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ: یہ دونوں میرے لئے بمنزلہ کان اور آنکھ کے ہیں کہ میں ان کے واسطہ سے دیکھتا ہوں اور ان کے واسطہ سے سنتا ہوں۔ یہ مطلب اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات کو اپنے کان اور اپنی آنکھ سے تعبیر کرکے گویا یہ واضح فرمایا کہ یہ دونوں میرے وزیر، میرے نائب، اور میرے وکیل و مشیر ہیں۔ اور یا یہ کہ ان دونوں کو "بمنزلہ کان اور آنکھ کے" قرار دینا درحقیقت اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ حق سننے اور اس کی اتباع کرنے اور ذات و کائنات میں حق کا مشاہدہ کرنے میں یہ دونوں بہت زیادہ حریص ہیں۔

وزراء رسالت

(۹) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا وَلَهٗ وَزِيْرَانِ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ وَوَزِيْرَانِ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَمَّا وَزِيْرَاىَ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرَائِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ وَاَمَّا وَزِيْرَاىَ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کے دو وزیر آسمان والوں میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے نہ ہوں۔ پس آسمان والوں میں سے میرے دو وزیر تو "جبرئیل" اور "میکائیل" ہیں، اور زمین والوں میں سے میرے دو وزیر ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "آسمان والوں" سے مراد فرشتے ہیں، ان فرشتوں میں سے جو دو فرشتے نبی اور رسول کے وزیر مقرر ہوتے ہیں ان کا کام عالم ملکوت سے اس نبی اور رسول کی امداد و اعانت کرنا ہوتا ہے۔

"زمین والوں" سے مراد اس نبی اور رسول کی اُمت کے لوگ اور اس کے رفقاء اور محبین ہیں، ان رفقاء و محبین میں سے جو دو آدمی اس نبی اور رسول کے بہت قریب اور بہت زیادہ دانا، دور اندیش اور باصلاحیت ہوتے ہیں ان کا وہی مقام و مرتبہ ہوتا ہے جو کسی بادشاہ کے وزیروں کا، ان دونوں "وزیروں" کا کام اس عالم ناسوت میں اپنے نبی و رسول کی خدمت و نصرت کرنا ہوتا ہے اور جب کوئی مشورہ

طلب مسئلہ پیش آتا ہے تو نبی ورسول ان سے مشورہ کرتا ہے۔

اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام (بلکہ تمام فرشتوں) سے افضل و اعلی ہیں، اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تمام صحابہ سے افضل و اعلی ہیں جب کہ تمام صحابہ تمام لوگوں میں سب سے افضل و اعلی ہیں نیز "ابوبکر و عمر" کے الفاظ اس حقیقت کی دلیل ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ سے افضل ہیں کیونکہ ان الفاظ میں حرف و اگرچہ مطلق جمع کے لئے ہے لیکن اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ یہ صاحب حکمت و دانائی کا کلام ہے اور ممکن نہیں کہ ان دونوں ناموں کے ذکر میں مذکورہ ترتیب (کہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کا نام آیا اور پھر حضرت عمرؓ کا) حکمت و مصلحت سے خالی ہو، اور حکمت و مصلحت اس کے علاوہ کیا ہو سکتی ہے کہ جب دو ناموں کا ایک ساتھ ذکر کیا جاتا ہے تو پہلے وہی نام آتا ہے جو دوسرے سے افضل و اعلی ہوتا ہے۔

خلافت نبوت ابوبکر و عمر پر منتہی

⑩ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ كَاَنَّ مِيْزَانًا نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ فَوُزِنْتَ اَنْتَ وَاَبُوْبَكْرٍ فَرَجَحْتَ اَنْتَ وَوُزِنَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ فَرَجَحَ اَبُوْبَكْرٍ وَّوُزِنَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَحَ عُمَرُ ثُمَّ رُفِعَ الْمِيْزَانُ فَاسْتَاءَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ فَسَاءَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ ثُمَّ يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُلْكَ مَنْ يَّشَاءُ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت ابی بکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص نے عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک ترازو آسمان سے اتری اور (اس ترازو میں) آپ ﷺ کو اور ابوبکرؓ کو تولا گیا تو آپ کا وزن زیادہ رہا پھر ابوبکرؓ اور عمرؓ کو تولا گیا تو ابوبکرؓ کا وزن زیادہ رہا اور پھر عمرؓ اور عثمانؓ کو تولا گیا، تو عمرؓ کا وزن زیادہ رہا۔ اس کے بعد ترازو کو اٹھالیا گیا۔ رسول کریم ﷺ اس شخص کے اس خواب سے غمگین ہوگئے، یعنی اس خواب نے آپ ﷺ کو رنجیدہ بنادیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ خلافت نبوت ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا ملک عطا فرمادے گا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "غمگین ہوگئے" یعنی: آپ ﷺ نے اس خواب کو سن کر یہ تعبیر لی کہ عمرؓ کی خلافت کے بعد فتنوں کا دور شروع ہو جائے گا، دینی و ملی امور میں انتشار و اضمحلال آجائے گا اور عالم اسلام کی اس شان و شوکت کو نقصان پہنچانے کی کوششیں اپنا اثر دکھانے لگیں گی جو خلافت عمرؓ میں اپنے عروج پر پہنچ چکی ہوں گی۔

"یہ خلافت نبوت ہے" یعنی: ابوبکرؓ اور عمرؓ کی خلافت ہی حقیقی معنی میں خالص خلافت نبوت کہلانے کی مستحق ہوگی، جس میں بادشاہت و ملوکیت کی ذرا بھی آمیزش نہیں ہوگی اور ان کی خلافت سے اختلاف و انکار کرنے والا بھی کوئی نہ ہوگا، گویا آنحضرت ﷺ نے "ترازو اٹھ جانے" کی تعبیر یہ دی کہ حقیقی و خالص اور متفق علیہ خلافت کا زمانہ ابوبکرؓ و عمرؓ پر کامل و منتہی ہوگا، عمرؓ کے بعد خلافت کا جو دور آئے گا اس میں ملوکیت (بادشاہت) کی آمیزش در آئے گی۔ نبوت اور خلافت نبوت کے منہاج کے خلاف کچھ باتیں شامل ہو جائیں گی اور حکومت و ملت کے انتظامی ڈھانچے میں بعض بے قاعدگیاں راہ پاجائیں گی، اور پھر خلافت اربعہ کے بعد تو پوری طرح ملوکیت قائم ہو جائے گی جس کو "گزندہ بادشاہت" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ "ترازو کے اٹھ جانے" سے مذکورہ تعبیر کس بناء پر سمجھی گئی تو اس کو اس سیاق میں دیکھنا چاہئے کہ ایک دوسرے کے ساتھ انہی چیزوں کو تولا جاتا ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے لگ بھگ ہوں، جو چیز آپس میں بعید و متباین (ان میل) ہوں ان کو ایک دوسرے کے ساتھ تولنا کوئی معنی نہیں رکھتا اس لئے ترازو کا اٹھالیا جانا اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تولنے کا سلسلہ موقوف ہو جانا اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ جو چیزیں آپس میں ایک دوسرے کے لگ بھگ ہو سکتی

ہیں اور جن کا تولا جانا مقصود ہو سکتا ہے وہ ختم ہو چکی ہیں اسی بنیاد پر آنحضرت ﷺ نے تعبیر لی کہ یہ خواب ابوبکرؓ اور عمرؓ کے بعد امر خلافت میں انحطاط کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ابوبکرؓ کا وزن زیادہ رہا سے یہ مطلب نکلا کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ سے افضل ہیں، اسی طرح "عمر کا وزن زیادہ رہا" کا یہ مطلب ہوا کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ سے افضل ہیں۔

خواب دیکھنے والے نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا تولا جانا نہیں دیکھا۔ یہ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا تفاضل کا مسئلہ سلف کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے جیسا کہ بعض کتب کلامیہ میں مذکور بھی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

ابوبکرؓ و عمرؓ کے جنتی ہونے کی شہادت

(۱۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَطَّلِعُ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَاطَّلَعَ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ قَالَ يَطَّلِعُ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَاطَّلَعَ عُمَرُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ (ایک دن) فرمانے لگے: "(دیکھو ابھی) تمہارے سامنے ایک ایسا شخص آئے گا جو جنتیوں میں سے ہے" پس (آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہی تھا کہ) حضرت ابوبکرؓ سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے۔ آپ نے پھر فرمایا: "(دیکھو ابھی) تمہارے سامنے ایک ایسا شخص آئے گا جو جنتیوں میں سے ہے" پس (آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہی تھا کہ) حضرت عمرؓ سامنے سے آتے نظر آئے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: جنت کی بشارت مختلف احادیث میں متعدد صحابہ کے لئے آئی ہے، اس حدیث میں یہ بشارت چونکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے لئے ایک ساتھ مذکور ہے اس لئے اس حدیث کو یہاں نقل کیا گیا۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی نیکیاں

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ بَيْنَا رَأْسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حِجْرِيْ فِيْ لَيْلَةٍ ضَاحِيَةٍ اِذْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ يَكُوْنُ لِاَحَدٍ مِنَ الْحَسَنَاتِ عَدَدَ نُجُوْمِ السَّمَاءِ قَالَ نَعَمْ عُمَرُ قُلْتُ فَاَيْنَ حَسَنَاتُ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَ اِنَّمَا جَمِيْعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ كَحَسَنَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ حَسَنَاتِ اَبِيْ بَكْرٍ۔ (رواہ رزین)

"اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک چاندنی رات میں جب کہ رسول کریم ﷺ کا سر مبارک میری گود میں تھا میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا کسی کی اتنی نیکیاں بھی ہیں جتنے آسمان پر ستارے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں وہ عمرؓ ہیں (جن کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں) پھر میں نے عرض کیا کہ اور ابوبکرؓ کی نیکیوں کا کیا حال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "عمرؓ کی تمام نیکیاں ابوبکرؓ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کے برابر ہیں"۔ (رزین)

تشریح: "ایک نیکی کے برابر ہیں" مطلب یہ کہ ابوبکرؓ کی نیکیاں عمرؓ کی نیکیوں سے کہیں زیادہ ہیں اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ عمرؓ کی نیکیاں ابوبکرؓ کی نیکیوں سے کہیں زیادہ ہیں تو بھی ابوبکرؓ افضل ہیں کیونکہ ان کو کمال اخلاص اور شہود معرفت کا جو خصوصی مرتبہ حاصل ہے اس نے ان کی نیکیوں کو کیفیت و حیثیت کے اعتبار سے سب سے زیادہ گرانقدر اور بلند مرتبہ بنا دیا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ ابوبکرؓ کو تم پر جو فضیلت و برتری حاصل ہے وہ اس بناء پر نہیں ہے۔ کہ ان کی نمازیں تمہاری نمازوں سے زیادہ ہیں اور ان کے روزے تمہارے روزوں سے زیادہ ہیں بلکہ اس جوہر کی بناء پر ہے جو ان کے دل میں رکھا گیا ہے۔

بَابُ مَنَاقِبِ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعًا فِيْ بَيْتِهٖ كَاشِفًا عَنْ فَخِذَيْهِ اَوْسَاقَيْهِ فَاسْتَاذَنَ اَبُوْبَكْرٍ فَاَذِنَ لَهٗ وَهُوَ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ فَتَحَدَّثَ ثُمَّ اسْتَاذَنَ عُمَرُ فَاَذِنَ لَهٗ وَهُوَ كَذٰلِكَ فَتَحَدَّثَ ثُمَّ اسْتَاذَنَ عُثْمَانُ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَوّٰى ثِيَابَهٗ فَلَمَّا خَرَجَ قَالَتْ عَائِشَةُ دَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ فَلَمْ تَهْتَشَّ لَهٗ وَلَمْ تُبَالِهٖ ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ فَلَمْ تَهْتَشَّ لَهٗ وَلَمْ تُبَالِهٖ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ فَجَلَسْتَ وَسَوَّيْتَ ثِيَابَكَ فَقَالَ اَلَا اَسْتَحْيِيْ مِنْ رَجُلٍ يَسْتَحْيِيْ مِنْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّ عُثْمَانَ رَجُلٌ حَيِيٌّ وَاِنِّيْ خَشِيْتُ اِنْ اَذِنْتُ لَهٗ عَلٰى تِلْكَ الْحَالَةِ اَنْ لَّا يَبْلُغَ اِلَيَّ فِيْ حَاجَتِهٖ۔ (رواہ مسلم)

"ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: (ایک دن) رسول کریم ﷺ اپنے گھر میں اپنی رانیں یا پنڈلیاں کھولے ہوئے لیٹے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حاضری کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے ان کو اندر بلا لیا اور اسی حالت میں لیٹے رہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (کچھ دیر تک بیٹھے) آپ ﷺ سے باتیں کرتے رہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضری کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے ان کو اندر بلا لیا اور اسی طرح لیٹے رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ (بھی کچھ دیر تک بیٹھے) آپ ﷺ سے باتیں کرتے رہے، اور پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حاضری کی اجازت چاہی (اور اجازت ملنے پر اندر داخل ہوئے) تو رسول کریم ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے، اور کپڑوں کو درست کر لیا (یعنی رانیں یا پنڈلیاں ڈھک لیں) جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (اور خدمت اقدس میں حاضر دوسرے لوگ) چلے گئے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر آئے تو آپ نے نہ جنبش کی اور نہ ان کی پراہ کی (بلکہ اسی طرح لیٹے رہے اور اپنے کپڑے بھی درست نہیں کئے) اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر آئے تو آپ ﷺ نے اس وقت بھی نہ حرکت کی اور نہ ان کی پرواہ کی، مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے تو آپ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور اپنے کپڑے درست کر لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ بہت حیادار آدمی ہیں میں نے محسوس کیا کہ اگر میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو اسی حالت میں بلا لیا (کہ میری رانیں یا پنڈلی کھلی ہوئی ہوں) تو وہ مجھ سے اپنا مقصد پورا نہیں کریں گے یعنی اگر وہ مجھ کو اس حالت میں دیکھیں گے تو غلبۂ ادب اور شرم و حیا سے میرے پاس نہیں بیٹھیں گے اور جس مقصد سے یہاں آئے ہیں اس کو پورا کئے بغیر واپس چلے جائیں گے۔" (مسلم)

تشریح: "اپنی رانیں یا پنڈلیاں کھولے ہوئے تھے" حدیث کی شرح میں اس عبارت کے تحت امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مالکی اور دوسرے حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ "ران" جسم کا وہ حصہ نہیں ہے جس کو "ستر" میں شمار کیا جائے، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اول تو یہی بات یقینی نہیں ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ اپنی رانیں کھولے ہوئے لیٹے تھے اگر یہ یقینی ہوتا تو حدیث کے راوی کو "اپنی رانیں یا پنڈلیاں" کے الفاظ سے یہ شک و تردد ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کہ اس وقت آنحضرت ﷺ اپنے جسم مبارک کا جو حصہ کھولے ہوئے لیٹے تھے وہ رانیں تھیں یا پنڈلیاں؟ جب الفاظ حدیث سے رانوں کا کھولنا یقینی طور پر ثابت نہیں تو پھر رانوں کا ستر نہ ہونا یعنی رانیں کھولنے کا جواز اس حدیث سے ثابت کرنا غیر موزوں بات ہے دوسرے اس بات کا قریبی امکان ہے کہ "رانیں کھولنے" سے مراد "رانوں پر سے کرتے کا دامن ہٹا ہوا ہونا" ہو یعنی ان الفاظ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی رانیں بالکل کھلی

ہوئی تھیں کہ ان پر نہ تہبند تھا اور نہ کرتے کا دامن بلکہ یہ مطلب ہے کہ آپ ﷺ نے تہبند تو باندھ رکھا تھا جس میں رانیں چھپی ہوئی تھیں مگر رانوں کے اوپر سے کرتے کا دامن ہٹا ہوا تھا، اس کی تائید نہ صرف یہ کہ آگے کی عبارت سے سمجھ میں آتی ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کی عادت، مزاج اور اس معمول کے پیش بھی یہی بات زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے جو آل و اصحاب کے ساتھ مخالطت و مجالست کے مواقع پر آپ ﷺ کا تھا۔

"اور کپڑوں کو درست کرلیا" ان الفاظ میں اس طرف واضح اشارہ ہے کہ آپ ﷺ رانوں یا پنڈلیوں میں سے کوئی بھی عضو پوری طرح کھولے ہوئے نہیں لیٹے تھے بلکہ تہبند کے علاوہ اور کوئی کپڑا رانوں یا پنڈلیوں پر نہیں تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کی رانیں پوری طرح کھلی ہوئی ہوتیں تو یہاں وسوی ثیابه (اور کپڑوں کو درست کرلیا) کے بجائے یہ الفاظ ہوتے کہ: وستر فخذیه (اور اپنی رانوں کو ڈھک لیا)۔

"جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں" امام نووی ؒ نے لکھا ہے کہ یہ ارشاد گرامی حضرت عثمان ؓ کی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ "حیاء" فرشتوں کی ایک اعلی صفت ہے جو مذکورہ الفاظ کے ذریعہ حضرت عثمان ؓ میں ثابت کی گئی ہے اور مظہر نے لکھا ہے: یہ الفاظ حضرت عثمان ؓ کی اس عزت و توقیر کو ظاہر کرتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کے نزدیک تھی لیکن اس سے نہ تو حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کے اس مقام و مرتبہ پر کوئی فرق پڑتا ہے جو بارگاہ رسالت ﷺ میں ان کو حاصل تھا اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان ؓ کی بہ نسبت حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی، دراصل حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کو تعلق، محبت اور قربت کا جو خصوصی مقام بارگاہ رسالت میں حاصل تھا وہ اسی "بے تکلفی" کا متقاضی تھا، جس کا اظہار ان دونوں کی آمد پر آنحضرت ﷺ نے کیا کہ جس طرح لیٹے تھے اسی طرح لیٹے رہ گئے۔ سب جانتے ہیں کہ محبت جب کامل اور بہت ہوتی ہے تو تکلف کا حجاب درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور بے تکلفی ہی صحبت و ہم نشینی کا جذباتی تقاضہ بن جاتی ہیں، جیسا کہ کہا گیا ہے: اذا حصلت الالفة بطلت الكلفة اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو یہ حدیث فضیلت عثمان ؓ کے موضوع سے زیادہ فضیلت ابوبکر ؓ و عمر ؓ کے موضوع سے تعلق رکھتی نظر آتی ہے مگر حدیث کا ظاہری مفہوم اور اس کا سیاق و سباق چونکہ حضرت عثمان ؓ کی تعظیم و توقیر پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس حدیث کو حضرت عثمان ؓ کے مناقب کے باب میں ذکر کرنا ہی زیادہ موزوں ہے، یہ حقیقت بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کے رفقاء و صحابہ میں سے جو شخص جس صفت کا زیادہ حامل ہوتا تھا اور جس کی طبیعت و مزاج پر جس خصلت و خوبی کا غلبہ ہوتا تھا آپ اسی صفت و خصلت کی رعایت سے اس کے ساتھ سلوک فرماتے تھے، چنانچہ حضرت عثمان ؓ پر چونکہ صفت حیا کا غلبہ تھا اس لئے آپ ہمیشہ ان کا حجاب و لحاظ کرتے تھے جب کہ حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ چونکہ آپ سے بہت بے تکلف تھے اس لئے ان کے ساتھ بے تکلفی کا معاملہ رکھتے تھے۔

فرشتوں نے حضرت عثمان ؓ سے جن مواقع پر حیا کی ہے ان میں ایک یہ نقل کیا گیا ہے کہ مدینہ میں ایک قضیہ کے دوران حضرت عثمان ؓ جو آگے بڑھے تو ان کا سینہ کھل گیا اور فرشتے فوراً پیچھے ہٹ گئے۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان کو متوجہ کیا کہ اپنا سینہ ڈھک لیں۔ اس کے بعد فرشتے اپنی جگہ واپس آگئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان فرشتوں سے ان کے پیچھے ہٹنے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ عثمان ؓ کی حیا سے ہم پیچھے ہٹ گئے تھے اور جب انہوں نے آپ ﷺ کے توجہ دلانے پر اپنا سینہ ڈھک لیا تو ہم اپنی جگہ پر واپس آگئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

حضرت عثمان آنحضرت ﷺ کے رفیق جنت ہیں

(۲) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ نَبِيٍّ رَفِيْقٌ وَرَفِيْقِيْ يَعْنِيْ فِي الْجَنَّةِ عُثْمَانُ

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَهُوَ مُنْقَطِعٌ۔

"حضرت طلحہ ابن عبید اللہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ہرنبی کا ایک رفیق (یعنی ہمراہی اور مہربان ساتھی و دوست) ہوتا اور میرے رفیق، یعنی جنت میں عثمانؓ ہیں، اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے، اور ابن ماجہؒ نے بھی یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی ہے، نیز ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اور اس کی اسناد قوی نہیں ہے اور یہ منقطع ہے۔"

تشریح: "یعنی جنت میں" یعنی فی الجنة یہ جملہ معترضہ ہے جو مبتدا اور خبر کے درمیان واقع ہوا ہے اور یہ آنحضرت ﷺ کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ یا تو خود حضرت طلحہؓ نے یا کسی اور راوی نے کسی قرینہ کی بنیاد پر ان الفاظ کے ذریعہ یہاں پر وضاحت کی کہ "میرے رفیق عثمانؓ ہیں" سے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جنت میں میرے رفیق عثمانؓ ہیں، بہرحال الفاظ حدیث سے یہ بات ہرگز مفہوم نہیں ہوتی کہ حضرت عثمانؓ کے علاوہ اور کسی کو آنحضرت ﷺ نے اپنا "رفیق" قرار نہیں دیا تھا اور اسی لئے اس حدیث کو اس روایت کے منافی نہیں کہا جاسکتا ہے جو طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کی ہے اور جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ہر نبی اپنے اصحاب میں سے کسی کو اپنا مقرب اور مخصوص دوست بنالیتا ہے، میرے اصحاب میں سے میرے مقرب اور مخصوص دوست ابوبکرؓ اور عمرؓ ہیں" ہاں یہ بات ضرور معلوم ہوئی کہ ہر نبی ایک ہی "رفیق" رکھتا تھا جب کہ آنحضرت ﷺ کے متعدد رفیق تھے۔

"یہ حدیث غریب ہے" لیکن یہ غرابت مضمون حدیث کے صحیح ہونے کے منافی نہیں ہے، اسی لئے ترمذیؒ نے وضاحت کی کہ اس کی اسناد میں ضعف ہے اور باعتبار اسناد کے اس کو "منقطع" کہا گیا ہے، بہرحال ترمذیؒ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ روایت ضعیف ہے لیکن فضائل کے باب میں ضعیف روایت کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو ابن عساکرؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

لکل نبی خلیل فی امتہ وان خلیلی عثمان ابن عفان۔

"ہرنبی اپنی اُمت میں سے کسی کو اپنا مخصوص دوست بنالیتا ہے اور میرے مخصوص دوست عثمان ابن عفان ہیں۔"

راہِ خدا میں مالی ایثار

(۳) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ خَبَّابٍؓ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَحُثُّ عَلٰى جَيْشِ الْعُسْرَةِ فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيَّ مِائَةُ بَعِيْرٍ بِاَحْلَاسِهَا وَاَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ عَلَيَّ مِائَتَا بَعِيْرٍ بِاَحْلَاسِهَا وَاَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ عَلَيَّ ثَلٰثُمِائَةِ بَعِيْرٍ بِاَحْلَاسِهَا وَاَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاَنَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُوْلُ مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عبدالرحمٰن ابن خبابؓ بیان کرتے ہیں: اس وقت میں بھی نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک میں حاضر تھا جب آپ جیش عسرۃ (جنگ عسرۃ) کی مالی امداد کے لئے لوگوں کو جوش دلا رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ (آپ ﷺ کی پر جوش تلقین سن کر) کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ کی راہ میں کام آنے کے لئے سو اونٹ مع ان کی جھولوں اور پالانوں کے میں اپنے ذمہ لیتا ہوں (یعنی اس جنگ کے لئے میں اللہ کی راہ میں سو اونٹ مع ان کے ساز و سامان کے پیش کرتا ہوں) اس کے بعد (اسی مجلس میں یا کسی اور موقع پر) آنحضرت ﷺ نے پھر لوگوں کو اس جنگ کے لئے امداد و معاونت کی طرف متوجہ اور راغب کیا تو حضرت عثمانؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ (پہلے سو اونٹوں کے علاوہ مزید) دو سو اونٹ مع ان کی جھولوں اور پالانوں کے اللہ کی راہ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ پس (حضرت

عبدالرحمٰن ابن خباب کہتے ہیں کہ) میں نے دیکھا رسول کریم ﷺ منبر سے اترتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اس عمل کے بعد اب عثمان جو بھی کریں ان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، اس عمل کے بعد اب عثمانؓ جو بھی کریں اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: جَیْشُ عُسْرَۃ اس اسلامی لشکر کو کہتے ہیں جو غزوۂ تبوک یا جنگ تبوک کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ دراصل "عسرۃ" تنگی اور مالی اور بدحالی کو کہتے ہیں اور وہ زمانہ، کہ جب جنگ تبوک کا مرحلہ درپیش تھا مسلمانوں کے لئے سخت عسرت و تنگی کا تھا، ایک طرف تو خشک سالی اور قحط نے نہ صرف یہ کہ غذا اور پانی کی کمیابی کے سبب انسانوں کو درخت کے پتے کھانے اور منہ کی خشکی دور کرنے کے لئے اونٹوں کی اوجھ نچوڑنے پر مجبور کر رکھا تھا، دوسری طرف مسلمانوں کی کمی اور ان کے مقابلہ پر دشمنوں کی کثرت، محاذ جنگ کی نہایت دوری سامان جنگ اور زاد راہ کی کمی، شدید گرمی اور دھوپ اور بے سروسامانی کی پریشانی نے نہایت سخت صورت حال پیدا کر رکھی تھی۔ اس لئے جنگ تبوک کے لشکر کا نام جیش عسرۃ (پریشان حال لشکر) ہوگیا۔

اس روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ نے چھ سو اونٹ اس لشکر کے لئے اللہ کی راہ میں پیش کئے، پہلی مرتبہ سو اونٹ پیش کئے، پھر دو سو اونٹ اور پھر تین سو اونٹ، اس طرح کل ملا کر چھ سو اونٹ کی پیش کش ان کی طرف سے ہوئی۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر ساڑھے نو سو اونٹ اپنی طرف سے پیش کئے تھے۔ اور ہزار کا عدد پورا کرنے کے لئے پچاس گھوڑے بھی دیئے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے اس زبردست مالی ایثار اور ان کے حوصلہ پر آنحضرت ﷺ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے اور اہمیت ظاہر کرنے کے لئے بار بار ارشاد فرمائے ان کا حاصل یہ تھا کہ عثمانؓ کا یہ عمل نہ صرف یہ کہ ان کے گزشتہ گناہوں اور لغزشوں کا کفارہ بن گیا ہے بلکہ آئندہ بھی اگر بالفرض ان سے کوئی خطا صادر ہو تو وہ اس عمل کے سبب معاف ہو جائے گی پس ان الفاظ میں گویا اس بشارت کی طرف اشارہ تھا کہ عثمانؓ کو خاتمہ بخیر کی سعادت حاصل ہوگی۔ اور ایک شارح نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ان الفاظ کا مطلب یہ تھا کہ اس عمل کے بعد عثمانؓ اب اگر از قسم نفل (نہ کہ از قسم فرض) کوئی عبادت اور کوئی نیک کام نہ بھی کریں تو ان کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ ان کا یہ عظیم عمل تمام نفل عبادتوں اور نیکیوں کے واسطے کافی ہوگیا ہے۔

ایثار عثمانؓ

④ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاءَ عُثْمَانُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَلْفِ دِيْنَارٍ فِيْ كُمِّهٖ حِيْنَ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَنَثَرَهَا فِيْ حَجْرِهٖ فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَلِّبُهَا فِيْ حَجْرِهٖ وَيَقُوْلُ مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت عبدالرحمٰن ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ اس وقت جب کہ جیش عسرۃ یعنی لشکر تبوک کا سامان جہاد تیار اور فراہم کیا جا رہا تھا، حضرت عثمانؓ ایک ہزار دینار اپنے کرتہ کی آستین میں بھر کر نبی کریم ﷺ کے پاس لائے اور ان کو آپ ﷺ کی گود میں بکھیر دیا، میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ ان دیناروں کو اپنی گود میں الٹ پلٹ کر دیکھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ آج کے اس مالی ایثار کے بعد عثمانؓ سے اگر کوئی گناہ بھی سرزد ہو جائے تو ان کا کچھ نہیں بگڑے گا، یہ الفاظ آپ ﷺ نے دو مرتبہ ارشاد فرمائے۔" (احمدؒ)

تشریح: ایک روایت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے بیان کیا: "میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر تھا جب حضرت عثمانؓ جَیْشُ عُسْرَۃ کے لئے سونے کے نو سو اوقیہ لے کر آئے" اس طرح جیش عسرۃ کے لئے حضرت عثمانؓ کی مالی امداد و معاونت کے سلسلہ میں متعدد روایتیں ہو جاتی ہیں جو باہم مختلف ہیں۔ اور جن سے تناقض کا گمان ہو سکتا ہے اس لئے ان

روایتوں میں تطبیق کی خاطر یہ وضاحت ضروری ہے کہ دراصل حضرت عثمانؓ نے پہلے تو چھ سو اونٹ مع ان کے سازو سامان کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کئے۔ جیسا کہ پہلی حدیث میں گزرا، پھر اہل لشکر کی دوسری ضروریات کی فراہمی کے لئے انہوں نے کچھ نقد امداد دینا بھی ضروری سمجھا اور ایک ہزار دینار لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے محسوس کیا ہوگا۔ کہ اہل لشکر کے لئے سواری کے مزید انتظام کی ضرورت ہے۔ اور دوسری ضروریات کی فراہمی کے لئے مزید نقدی بھی درکار ہوگی تو انہوں نے ایک طرف تو مزید اونٹ اور پچاس گھوڑے پیش کر کے ہزار کا عدد پورا کر دیا، اور دوسری طرف مزید نو سو اوقیہ سونا دے کر ایک ہزار دینار میں بھی اضافہ کر دیا۔

حضرت عثمان کی ایک فضیلت

(۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَيْعَةِ الرِّضْوَانِ كَانَ عُثْمَانُ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى مَكَّةَ فَبَايَعَ النَّاسَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُثْمَانَ فِيْ حَاجَةِ اللّٰهِ وَحَاجَةِ رَسُوْلِهٖ فَضَرَبَ بِاِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى فَكَانَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُثْمَانَ خَيْرًا مِّنْ اَيْدِيْهِمْ لِاَنْفُسِهِمْ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے صحابہؓ کو بیعت رضوان کا حکم دیا تو اس وقت حضرت عثمانؓ رسول کریم ﷺ کے نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے مکہ گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں سے (جاں نثاری کی) بیعت لی اور (جب تمام مسلمان بیعت کر چکے اور حضرت عثمانؓ وہاں موجود نہیں تھے تو) رسول کریم ﷺ نے فرمایا: عثمانؓ! اللہ (کے دین) اور اللہ کے رسول کے کام پر گئے ہوئے ہیں اور (یہ کہہ کر) آپ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا پس رسول کریم ﷺ کا وہ ہاتھ جو حضرت عثمانؓ کی طرف سے تھا باقی تمام صحابہؓ کے ان ہاتھوں سے کہیں افضل و بہتر تھا جو ان کے اپنی طرف سے تھے۔" (ترمذی)

تشریح: "بیعت رضوان" اس بیعت کو کہتے ہیں جو مکہ سے تقریباً پندرہ سولہ میل کے فاصلہ پر مقام حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر آنحضرت ﷺ نے تمام مسلمانوں سے لی تھی۔ یہ نام قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے جو اسی واقعہ سے متعلق نازل ہوئی تھی۔

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ۔

"بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ ﷺ سے درخت (سمر) کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔"

اس واقعہ کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ ذی قعدہ ۶ھ میں آنحضرت ﷺ اہل اسلام کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ عمرہ کے لئے مکہ روانہ ہوئے جب حدیبیہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریش مکہ نے مسلمانوں کو عمرہ کے لئے مکہ میں داخل ہونے کی اجازت سے انکار کر دیا ہے، آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو اپنا نمائندہ خصوصی بنا کر قریش مکہ کے پاس روانہ کیا تاکہ وہ ان کو سمجھائیں۔ کہ مسلمانوں کی آمد کا مقصد جنگ وجدال نہیں ہے۔ بلکہ صرف عمرہ کرنا ہے، لہٰذا اہل مکہ کو چاہئے کہ مسلمانوں کو عمرہ کے لئے مکہ میں داخل ہونے دیں، حضرت عثمانؓ اپنے مشن پر مکہ میں تھے کہ یہاں حدیبیہ میں مشہور ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ کو اہل مکہ نے قتل کر دیا ہے۔ یہ شہرت سن کر مسلمانوں میں سخت اضطراب و ہیجان پیدا ہو گیا، اور طے ہوا کہ خون عثمانؓ کا بدلہ لیا جائے گا، چنانچہ اسی موقع پر آنحضرت ﷺ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر تمام مسلمانوں سے اس بات کا عہد و اقرار لیا کہ اپنی جانوں کی بازی لگا کر خون عثمان کا بدلہ اہل مکہ سے لیں گے، صحابہ میں ایک ایک آدمی آتا تھا اور آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مار کر بیعت کرتا تھا، جب سب لوگ بیعت کر چکے تو آنحضرت ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان کے ہاتھ کے قائم مقام کیا اور اس ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مار کر گویا حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کی۔ اس طرح حضرت عثمان کو خصوصی فضیلت حاصل ہوئی، کہ اگر وہ خود اس موقعہ

پر موجود ہوتے، اور اپنا ہاتھ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر مار کر بیعت کرتے جیسا کہ اور لوگوں نے کیا تو ان کو یہ شرف نصیب نہ ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کا دست مبارک ان کے ہاتھ کے قائم مقام ہوا اور اس بناء پر ان کی طبیعت گویا سب لوگوں کی طبیعت سے افضل و اشرف رہی۔ پس اس موقع پر ان کا غیر موجود ہونا ان کے مرتبہ میں نقصان کا باعث نہ ہوا بلکہ ان کی فضیلت اور منقبت کا سبب بن گیا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے جس ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ قائم مقام کیا تھا وہ بایاں ہاتھ تھا لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ دایاں ہاتھ تھا۔

باغیوں سے جراتمندانہ خطاب

⑥ وَعَنْ ثُمَامَةَ بْنِ حَزْنِ الْقُشَيْرِیؒ قَالَ شَهِدْتُّ الدَّارَ حِيْنَ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ عُثْمَانُ فَقَالَ اَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ يُسْتَعْذَبُ غَيْرَ بِئْرِ رُوْمَةَ فَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِیْ بِئْرَ رُوْمَةَ يَجْعَلُ دَلْوَهٗ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ بِخَيْرٍ لَّهٗ مِنْهَا فِی الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِیْ وَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِیْ اَنْ اَشْرَبَ مِنْهَا حَتّٰى اَشْرَبَ مِنْ مَّاءِ الْبَحْرِ فَقَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ اَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْمَسْجِدَ ضَاقَ بِاَهْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّشْتَرِیْ بُقْعَةَ اٰلِ فُلَانٍ فَيَزِيْدُهَا فِی الْمَسْجِدِ بِخَيْرٍ لَّهٗ مِنْهَا فِی الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِیْ فَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِیْ اَنْ اُصَلِّیَ فِيْهَا رَكْعَتَيْنِ فَقَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اِنِّیْ جَهَّزْتُ جَيْشَ الْعُسْرَةِ مِنْ مَّالِیْ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلٰى ثَبِيْرِ مَكَّةَ وَمَعَهٗ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ وَاَنَا فَتَحَرَّكَ الْجَبَلُ حَتّٰى تَسَاقَطَتْ حِجَارَةٌ بِالْحَضِيْضِ فَرَكَضَهٗ بِرِجْلِهٖ قَالَ اسْكُنْ ثَبِيْرُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِیٌّ وَّصِدِّيْقٌ وَّشَهِيْدَانِ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ شَهِدُوْا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ اِنِّیْ شَهِيْدٌ ثَلَاثًا۔ (رواہ الترمذی والنسائی والدار قطنی)

"اور حضرت ثمامہ ابن حزن قشیری بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت حضرت عثمانؓ کے مکان پر موجود تھا (جب اس کو مفسدوں اور باغیوں کی ایک بڑی جماعت نے محاصرہ میں لے رکھا تھا اور اندر گھس کر حضرت عثمانؓ کو قتل کر دینا چاہتے تھے) حضرت عثمانؓ نے اوپر سے جھانک کر ان باغیوں کو مخاطب کیا اور فرمایا: میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر تم لوگوں سے پوچھتا ہوں، کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب رسول کریم ﷺ (مکہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ میں تشریف لائے تھے تو اس وقت مدینہ میں رومہ کے کنویں کے علاوہ میٹھے پانی کا کنواں نہ تھا، پھر آنحضرت ﷺ نے جب فرمایا تھا کہ کون شخص ہے جو رومہ کے کنویں کو خریدے اور اپنے ڈول کو مسلمانوں کا ڈول بنادے اس نیکی اور بہتر اجر کے بدلہ میں جو اس (کنویں کو خرید کر وقف کرنے والے) کو اس کنویں کے سبب جنت میں ملے گا۔ تو میں ہی تھا جس نے (آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر) اپنے اصل اور خالص مال سے اس کنویں کو خریدا اور آج مجھ کو اس کنویں کا پانی پینے سے روک رہے ہو یہاں تک کہ میں سمندر کا (یعنی سمندر جیسا کھاری) (پانی پینے پر مجبور ہو رہا ہوں، لوگوں نے (یہ سن کر) کہا: ہاں اے اللہ! ہمیں اس کا علم ہے (کہ عثمانؓ ہی نے اس کنویں کو خرید کر وقف کیا تھا) پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا: میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں، کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب مسجد نبوی نمازیوں کی زیادتی کے سبب تنگ پڑنے لگی تھی تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا: کون شخص ہے جو فلاں شخص کی اولاد کی زمین خریدے اور اس کے ذریعہ مسجد کی توسیع کر دے، اس نیکی اور بہتر اجر کے بدلہ میں جو اس (زمین کو خرید کر مسجد کی توسیع کے لئے وقف کرنے والے) کو اس زمین کے سبب جنت میں ملے گا، پس یہ میں تھا جس نے اس زمین کو اپنے اصل اور خالص مال سے خریدا، اور آج تم مجھ کو اسی زمین پر (چہ جائیکہ اصل مسجد میں) دو رکعت نماز پڑھنے سے روکتے ہو، لوگوں نے (یہ سن کر) کہا: ہاں، اے اللہ! ہمیں اس کا علم ہے پھر حضرت عثمان نے فرمایا: میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ میں ہی

تھا جس نے جیش عسرۃ (یعنی غزوۂ تبوک میں جانے والے لشکر) کی تیاری اپنے مال سے کرائی تھی (اور میری اس مالی خدمت پر آنحضرت ﷺ نے میرے حق میں جو قیمتی الفاظ ارشاد فرمائے تھے وہ میرے حسن حال اور حسن مال پر دلالت کرتے ہیں) لوگوں نے (یہ سن کر کہا: ہاں، اے اللہ! ہمیں معلوم ہے، پھر حضرت عثمان نے فرمایا: میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں، کیا تمہیں یہ معلوم ہے، کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ مکہ کی پہاڑی پر ثبیر پر کھڑے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور میں بھی تھا اور جب وہ پہاڑی (اپنے اوپر آنحضرت ﷺ کے باوجود کو دیکھ کر جوش مسرت سے) ہلنے لگی اور اس کے ہلنے سے پہاڑی پر پتھر نیچے کی سمت اور دامن کوہ میں گرنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے پہاڑی پر ٹھوکر ماری اور فرمایا: (اے ثبیر! ٹھہر جا حرکت نہ کر، اس وقت تیرے اوپر ایک نبی ہے، ایک صدیق ہے اور دو (حقیقی) شہید ہیں، لوگوں نے (یہ سن کر) کہا: ہاں، اے اللہ! ہمیں اس کا علم ہے۔ اور پھر حضرت عثمانؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہا: ان لوگوں نے میری باتوں کی تصدیق کی ہے۔ رب کعبہ کی قسم، میں یقیناً شہید ہوں، یہ الفاظ انہوں نے تین بار فرمائے۔" (ترمذیؒ، نسائیؒ، دار قطنیؒ)

تشریح: "بئر رومہ یعنی رومہ کا کنواں" یہ مدینہ کے اس بڑے کنویں کا نام ہے جو وادیٔ عقیق میں مسجد قبلتین کے شمالی جانب واقع ہے۔ اس کنویں کا پانی نہایت شیریں، لطیف اور پاکیزہ ہے۔ اس مناسبت سے کہ آنحضرت ﷺ کی بشارت کے مطابق اس کنویں کو خریدنے اور وقف کرنے کے سبب حضرت عثمانؓ کا جنتی ہونا ثابت ہوا، اس کنویں کا ایک نام "بئر جنت یعنی جنتی کنواں" بھی مشہور ہے، اس زمانہ میں حضرت عثمانؓ نے اس کنویں کو ایک لاکھ درہم کے عوض خریدا تھا۔

"اور اپنے ڈول کو مسلمانوں کا ڈول بنادے" یہ "وقف کرنے" سے کنایہ ہے، یعنی جو شخص اس کنویں کو خریدے اور اس کو اپنی ذاتی ملک قرار نہ دے بلکہ رفاہ عام کے لئے وقف کردے تاکہ جس طرح خود وہ شخص اس کنویں سے فائدہ اٹھائے۔ اسی طرح دوسرے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں اس سے ——— معلوم ہوا کہ سقایات (یعنی کنواں، تالاب، اور حوض وغیرہ) وقف کرنا جائز ہے اور یہ کہ وقف کی ہوئی چیز وقف کرنے والے کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔

"ہاں، اے اللہ" ان الفاظ کے ذریعہ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی تصدیق کی کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو اس کی صداقت میں ہمیں ذرہ برابر شبہ نہیں ہے۔ پہلے اَللّٰھُمَّ (اے اللہ) کا لفظ لانا اسم الٰہی کے ساتھ حصول برکت کے لئے بھی تھا اور اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لئے بھی۔

"فلاں شخص کی اولاد" سے مراد انصار سے تعلق رکھنے والے ایک خاندان کے وہ افراد تھے جو مسجد نبوی کے قریب آباد تھے اور ان کی ملکیت میں ایک ایسی زمین تھی جس کو مسجد نبوی میں شامل کر دینے سے مسجد شریف وسیع اور کشادہ ہو جاتی، لہٰذا آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو متوجہ کیا کہ جو شخص ہمت و استطاعت رکھتا ہو وہ اس زمین کو خرید کر مسجد میں شامل کرنے کے لئے وقف کردے، اور حضرت عثمان غنیؓ نے آنحضرت ﷺ کی خواہش کے مطابق اس زمین کو بیس ہزار یا پچیس ہزار درہم کے عوض خرید کر مسجد نبوی میں شامل کرنے کے لئے وقف کردیا، مسجد نبوی کی اصل تعمیر آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہوئی تھی جب آپ ﷺ نے ہجرت کے پہلے ہی سال صحابۂ کرام کے ساتھ مل کر اپنے دست مبارک سے اس مسجد کی تعمیر کی اور پھر ہجرت کے ساتویں سال آپ ﷺ نے اس مسجد میں اضافہ فرما کر مربع شکل میں کر دیا۔ اس وقت اس کی دیواریں اینٹ کی تھیں اور چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے بنائی گئی تھی۔ اور اس کے ستون کھجور کے تنوں پر مشتمل تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں اس مسجد میں کوئی ترمیم و توسیع نہ ہوئی، پھر ۱۷ھ میں حضرت عمر فاروقؓ نے اس کی مرمت کرائی اور اضافہ بھی فرمایا۔ اس کے بعد ۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ نے اس کی از سر نو تعمیر کروائی اور اس کی وسعت و کشادگی کو بھی بڑھایا۔ انہوں نے اس کی دیواریں اور ستون منقش پتھروں اور چونے سے بنوائے اور چھت ساکھو کی لکڑی کی کروائی۔ حضرت عثمانؓ کے بعد خلفاء اور بادشاہ اپنے اپنے دور میں اضافے اور مرمت کراتے رہے، یہاں تک کہ ۱۲۶۵ھ میں سلطان عبدالمجید عثمانی نے نئے انداز پر اس مسجد کی پر شکوہ تعمیر کرائی۔ اور پھر اس تعمیر کی دوبارہ تجدید اور توسیع ۱۳۷۲ھ میں شاہ ابن سعود

مرحوم کے حکم سے کی گئی۔

"اور دو (حقیقی) شہید ہیں" یعنی آپ ﷺ نے گویا پیشین گوئی فرمائی کہ اس وقت یہاں پہاڑی پر جو چار آدمی موجود ہیں ان میں میرے اور ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ باقی دو آدمیوں یعنی عمرؓ اور عثمانؓ کو شہادت حقیقی حاصل ہوگی۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات حقیقی معنی میں شہید ہوئے کہ ایک (حضرت عمرؓ) نے تو قاتلانہ حملہ کے نتیجہ میں خنجر کے زخم سے شہادت پائی اور دوسرے (حضرت عثمانؓ) کو باغیوں نے گھر میں گھس کر نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر کے جام شہادت پلایا۔ پس حدیث کے یہ الفاظ اس بات کے منافی نہیں ہیں، کہ شہادت حکمی آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کو بھی حاصل ہوئی کیونکہ آنحضرت ﷺ کی موت اس زہر کے اثر عود کرنے سے ہوئی تھی، جو آپ ﷺ کو کافی عرصہ پہلے غزوۂ خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں ملا کر دیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ کی موت اس سانپ کے زہر کے اثرات عود کرنے سے ہوئی تھی جس نے ان کو سفر ہجرت کے دوران غار ثور میں ڈس لیا تھا۔

"اللہ اکبر کا نعرہ لگایا" یعنی حضرت عثمانؓ نے اس موقع پر پہلے "اللہ اکبر" کہا اور پھر بعد میں مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے، اور یہ "اللہ اکبر" کہنا اپنے باغیوں اور دشمنوں پر زیادہ سے زیادہ حجت قائم کرنے کی نیت سے بھی تھا اور اس امر پر اظہار تعجب کے لئے بھی کہ یہ لوگ ایک طرف تو میری باتوں کی تصدیق کر رہے ہیں اور خود اپنی زبان سے ان حقائق کو تسلیم کر رہے ہیں جن سے میری منقبت ظاہر ہوتی ہے اور دوسری طرف اپنی مفسدانہ اور باغیانہ کاروائیوں میں بدستور لگے ہوئے ہیں اور فتنہ و فساد پھیلانے اور مجھے ہلاک کر دینے کے اپنے عزائم سے باز آنے پر تیار نہیں ہیں۔

راست روی کی پیشین گوئی

⑦ وَعَنْ مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ الْفِتَنَ فَقَرَّبَهَا فَمَرَّ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ فِيْ ثَوْبٍ فَقَالَ هٰذَا يَوْمَئِذٍ عَلَى الْهُدٰى فَقُمْتُ اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ قَالَ فَاَقْبَلْتُ عَلَيْهِ بِوَجْهِهٖ فَقُلْتُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت مرہ ابن کعبؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے وہ ارشادات (اپنے کانوں سے) سنے جن میں آپ ﷺ نے (زمانۂ نبوت کے بعد) وقوع پذیر ہونے والے پر فتن حادثات کا (بطور پیشین گوئی) ذکر فرمایا تھا، آپ ﷺ نے ان فتنوں کا تعلق بالکل قریبی زمانہ سے قائم کیا (یعنی یہ بھی فرمایا کہ یہ فتنے مستقبل قریب ہی میں وقوع پزیر ہونے والے ہیں نیز عین اس وقت کہ آپ کے ان ارشادات کا سلسلہ جاری تھا) ایک شخص کپڑا اوڑھے ہوئے سامنے سے گزرا تو آنحضرت ﷺ نے (اس کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا: "یہ شخص ان (پر فتن و پر آشوب) ایام میں راہ راست پر ہوگا" حضرت مرہؓ کہتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کے یہ الفاظ **سن کر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس شخص کی طرف بڑھا کہ دیکھوں** ــــــــــــ یہ کون شخص ہے) تو دیکھا کہ وہ حضرت عثمان ابن عفانؓ ہیں، حضرت مرہ کا بیان ہے کہ: پھر میں نے حضرت عثمانؓ کا چہرہ گھما کر آنحضرت ﷺ کو دکھلایا اور پوچھا کہ کیا یہی صاحب ہیں (جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان پر فتن ایام میں یہ شخص راہ راست پر ہوگا؟ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ہاں" اس روایت کو ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

خلافت کی پیشین گوئی اور منصب خلافت سے دستبردار ہونے کی ہدایت

⑧ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عُثْمَانُ اِنَّهٗ لَعَلَّ اللّٰهَ يُقَمِّصُكَ قَمِيْصًا فَاِنْ اَرَادُوْكَ عَلٰى خَلْعِهٖ فَلَا تَخْلَعْهُ لَهُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ فِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ طَوِيْلَةٌ۔

"اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایکدن) رسول کریم ﷺ نے (حضرت عثمانؓ سے) فرمایا کہ اے عثمان! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ شاید تمہیں ایک کرتہ (یعنی خلعت خلافت) پہنا دے۔ پس اگر لوگ تمہارے اس کرتہ کو اتروانا چاہیں اور تمہیں اس پر

مجبور کریں تو ان کی وجہ سے اس کرتہ کو (ہرگز) نہ اتارنا، اس روایت کو ترمذیؒ اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور ترمذیؒ نے کہا ہے اس حدیث کے ضمن میں ایک طویل (دردناک) داستان ہے۔"

تشریح: "اگر لوگ" اس ہدایت کا مطلب یہ تھا کہ اگر کچھ لوگ تمہاری خلافت وحکومت کے تئیں باغیانہ اور معاندانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے تم سے مطالبہ کریں کہ منصب خلافت چھوڑ دو تو ان لوگوں کے کہنے میں ہرگز نہ آنا اور محض ان کے مفسدانہ مطالبہ پر خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ سے نہ جانے دینا کیونکہ وہ لوگ باطل پر ہوں گے، اور تم حق وراستی پر ہوگے، ان کا مقصد تمہاری خلافت کا خاتمہ کر کے ملت اسلامیہ میں افتراق و انتشار پھیلانا ہوگا، جب کہ تمہاری خلافت حق وصداقت کی سربلندی اور ملت کی شیرازہ بندی کی علامت ہوگی، پس یہی وہ حدیث تھی جس نے حضرت عثمانؓ کو خلافت کے باغیوں اور مفسدوں کے آگے گھٹنے ٹیکنے سے باز رکھا۔ انہوں نے ان ظالموں کے محاصرہ میں جام شہادت نوش کرنے کو ترجیح دی مگر آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی تعمیل میں ہزار اصرار اور ہزار مطالبوں کے باوجود منصب خلافت سے دستبرداری اختیار نہیں کی۔

"ایک طویل داستان ہے" ان الفاظ کے ذریعہ ترمذیؒ نے ان پر فتن حادثات وواقعات کی طرف اشارہ کیا ہے جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری زمانے میں پیش آئے تھے اور جن سے اسلام کی شوکت اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی کو بڑا نقصان پہنچا، مصر میں حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ گورنر (عبداللہ ابن ابی سرح) کے خلاف مصریوں کا شکایت لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس آنا، مصریوں کی شکایت اور اجلہ صحابہؓ کے مشورہ پر حضرت عثمانؓ کا عبداللہ ابن سرح کو معزول کردینا اور محمد ابن ابی بکرؓ کو نیا گورنر مقرر کر کے مصر روانہ کرنا، مروان کی سازش اور جعلسازی کے نتیجہ میں محمد ابن ابی بکرؓ کا مصر نہ پہنچنا اور اثناء، راہ سے واپس آجانا، اس کے نتیجہ میں مصریوں اور ان کے ہمنواؤں کا مشتعل ہو کر حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کرنا اور پھر ان کے ہاتھوں حضرت عثمانؓ کا مظلومانہ طور پر شہید ہوجانا، وہ المناک اور لرزہ خیز واقعات ہیں جن پر وہ "دردناک طویل داستان" مشتمل ہے۔ اور جو دراصل اسلام اور ملت اسلامیہ کی تاریخ میں فتنہ وفساد کی ابتداء مانے جاتے ہیں ان کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مظلومانہ شہادت کی پیشین گوئی

(۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِتْنَةً فَقَالَ يُقْتَلُ هٰذَا فِيْهَا مَظْلُوْمًا لِعُثْمَانَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے (مستقبل قریب میں وقوع پذیر ہونے والے) پر فتن حادثات کا ذکر کیا اور حضرت عثمانؓ کے حق میں فرمایا کہ "یہ شخص ان حادثات میں مظلومانہ طور پر مارا جائے گا" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے حسن غریب ہے۔"

ارشاد نبوی کی تعمیل میں صبر وتحمل کا دامن پکڑے رہے

(۱۰) وَعَنْ اَبِيْ سَهْلَةَ قَالَ قَالَ لِيْ عُثْمَانُ يَوْمَ الدَّارِ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَهِدَ اِلَيَّ عَهْدًا وَاَنَا صَابِرٌ عَلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"اور (حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام) حضرت ابوسہلہ بیان کرتے ہیں کہ دار کے دن حضرت عثمانؓ نے مجھ سے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ کو وصیت کی تھی (کہ مفسدین ومخالفین کے مطالبہ پر منصب خلافت سے دستبردار نہ ہونا، یا یہ کہ قوم کی جفا کاریوں سے مشتعل ہو کر ان کے خلاف تلوار نہ اٹھانا بلکہ صبر وتحمل کا دامن پکڑے رہنا) پس میں اسی وصیت کے مطابق صبر وتحمل اختیار کئے

ہوئے ہوں، اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

تشریح: "دار کے دن" سے مراد وہ پر آشوب دن ہے جس دن حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کا المناک سانحہ پیش آیا تھا۔ اس دن کو "یوم الدار" یعنی دار (گھر) کا دن اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ مفسدوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا سخت محاصرہ کئے رکھا اور اسی محاصرہ کے دوران گھر کے اندر گھس کر ان کو شہید کیا۔

"صبر و تحمل اختیار کئے ہوئے ہوں" یہ الفاظ اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اگر آنحضرت ﷺ کی وصیت نہ ہوتی، اور حضرت عثمانؓ چاہتے تو طاقت کے ذریعہ ان مفسدوں کی سرکوبی کر سکتے تھے چنانچہ بعض صحابہؓ نے ان کو مشورہ بھی دیا تھا کہ آپ خلیفہ وقت ہیں، مسلمانوں کی بڑی طاقت آپ کے پشت پر ہے گھر سے باہر نکلئے اور ان مفسدوں کے خلاف تلوار اٹھائیے، یہ لوگ آپ کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ بھی نہیں پائیں گے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے اس مشورہ کو قبول نہیں کیا اور صبر و تحمل کا دامن پکڑے رہے یہاں تک کہ ان مفسدوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

مخالفین عثمانؓ کو ابن عمرؓ کا مسکت جواب

(۱۱) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ مَوْهَبٍؒ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ مِصْرَ يُرِيْدُ حَجَّ الْبَيْتِ فَرَاٰى قَوْمًا جُلُوْسًا فَقَالَ مَنْ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ قَالُوْا هٰؤُلَآءِ قُرَيْشٌ قَالَ فَمَنِ الشَّيْخُ فِيْهِمْ قَالُوْا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ قَالَ يَابْنَ عُمَرَ اِنِّيْ سَائِلُكَ عَنْ شَيْءٍ فَحَدِّثْنِيْ هَلْ تَعْلَمُ اَنَّ عُثْمَانَ فَرَّ يَوْمَ اُحُدٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَعْلَمُ اَنَّهٗ تَغَيَّبَ عَنْ بَدْرٍ وَلَمْ يَشْهَدْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَعْلَمُ اَنَّهٗ تَغَيَّبَ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَمْ يَشْهَدْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ قَالَ ابْنُ عُمَرَ تَعَالَ اُبَيِّنُ لَكَ اَمَّا فِرَارُهٗ يَوْمَ اُحُدٍ فَاَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَفَا عَنْهُ وَاَمَّا تَغَيُّبُهٗ عَنْ بَدْرٍ فَاِنَّهٗ كَانَتْ تَحْتَهٗ رُقَيَّةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ مَرِيْضَةً فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لَكَ اَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهٗ وَاَمَّا تَغَيُّبُهٗ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَوْ كَانَ اَحَدٌ اَعَزَّ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ عُثْمَانَ لَبَعَثَهٗ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ وَكَانَتْ بَيْعَةُ الرِّضْوَانِ بَعْدَمَا ذَهَبَ عُثْمَانُ اِلٰى مَكَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى هٰذِهٖ يَدُ عُثْمَانَ فَضَرَبَ بِهَا عَلٰى يَدِهٖ وَقَالَ هٰذِهٖ لِعُثْمَانَ ثُمَّ قَالَ ابْنُ عُمَرَ اِذْهَبْ بِهَا الْاٰنَ مَعَكَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عثمان ابن عبداللہ ابن موہب (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ ایک مصری شخص حج بیت اللہ کے ارادہ سے (مکہ) آیا، اس نے (ایک جگہ) کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اس کو بتایا گیا کہ یہ اکابرین قریش ہیں، پھر اس نے پوچھا: ان کا شیخ (یعنی علم و فضل اور مشیخت کے اعتبار سے ان میں سب سے بڑا شخص) کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: عبداللہ ابن عمرؓ! تب اس مصری شخص نے (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی طرف متوجہ ہو کر) کہا: اے ابن عمرؓ! میں تجھ سے کچھ سوالات کرنا اور ان کے جواب پانا چاہتا ہوں، کیا تم کو معلوم ہے کہ عثمانؓ جنگ احد کے دن بھاگ کھڑے ہوئے تھے (درآنحالیکہ کفار کے مقابلے سے بھاگ پڑنا بہت برا ہے؟) حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا: ہاں ایسا ہی ہوا تھا (کہ اس دن عثمانؓ مورچہ سے ہٹ گئے تھے) پھر اس شخص نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ عثمانؓ جنگ بدر میں غائب رہے تھے اور معرکہ میں شریک نہیں ہوئے، (جس کی بناء پر ان کو وہ اعزاز حاصل نہیں ہوا جس سے اہل بدر سرفراز ہوئے) حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا: ہاں (عثمانؓ جنگ بدر میں شریک نہیں تھے) پھر وہ شخص بولا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ عثمانؓ (حدیبیہ میں) بیعت رضوان کے موقع پر غائب تھے اور اس بیعت میں شریک نہیں ہوئے؟ حضرت ابن عمرؓ نے کہا: ہاں (عثمانؓ بیعت رضوان میں شریک نہیں ہو سکے تھے) اس شخص نے (جو دراصل حضرت عثمانؓ کے بارے میں برے خیالات رکھتا تھا، جب دیکھا کہ حضرت ابن عمرؓ نے اس

کی ایک ایک بات کی تصدیق کر دی ہے تو اس حیرت اور خوشی کے اظہار کے طور پر کہ عثمانؓ پر وارد ہونے والے اعتراضات اتنی عظیم اور معتبر ہستی کے ذریعہ ثابت ہوگئے ہیں۔ زوردار آواز میں) کہا: اللہ اکبر لیکن (جیسی) حضرت ابن عمرؓ نے اس سے فرمایا: (در اصل تم احمقانہ خیالات کا شکار ہو، جن باتوں کو تم عثمانؓ کی تنقیص کی دلیل سمجھتے ہو اور جن کی واقعاتی تصدیق تم نے مجھ سے کرائی ہے وہ اس طرح نہیں ہے جیسا کہ تم سمجھ رہے ہو، حقائق کچھ اور ہی ہیں اور اگر ان حقائق کو تم جاننا چاہتے ہو تو) آؤ میں تمہیں وضاحت کے ساتھ بتاتا ہوں: جنگ احد کے دن عثمانؓ کے بھاگ کھڑے ہونے کے بارے میں تو میں گواہی دیتا ہوں کہ ان کی اس بات کو اللہ تعالیٰ معاف کر چکا ہے (اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جو بات معاف کی جا چکی ہو اس پر عیب جوئی یا تنقیص کی بنیاد رکھنا نری حماقت ہے) اور جنگ بدر میں عثمانؓ جو شریک نہیں ہوئے تھے تو اس کی یہ وجہ پیش آئی تھی کہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ ان کے نکاح میں تھیں اور ان دنوں وہ سخت بیمار تھیں پس رسول اللہ ﷺ نے عثمانؓ (جنگ بدر میں جانے سے روک دیا تھا اور ان) سے فرمایا تھا کہ تمہیں بھی وہی ثواب اور حصہ ملے گا جو اس جنگ میں شریک ہونے والوں میں سے کسی ایک شخص کو مل سکتا ہے، اب رہا بیعت رضوان میں عثمانؓ کا شریک نہ ہونا تو (پہلے اس حقیقت کو مد نظر رکھو کہ) اگر صحابہ میں) کوئی اور شخص (خاندانی طاقت اور وجاہت کے اعتبار سے) مکہ میں عثمانؓ سے زیادہ عزت و اثر رکھنے والا ہوتا تو آنحضرت ﷺ یقیناً اسی کو (اپنا نمائندہ خصوصی بنا کر اہل مکہ کے پاس) بھیجتے (لیکن خاندانی عزت و اثرات کے اعتبار سے چونکہ کوئی اور شخص مکہ والوں کی نظر میں حضرت عثمانؓ سے زیادہ بھاری بھر کم نہیں تھا بلکہ بعض صحابہؓ نے تو یہی کہہ کر اس مشن پر مکہ جانے سے معذرت کر دی تھی کہ وہاں ہمارے ایسے حامیوں اور عزیزوں کا کوئی جتھہ نہیں ہے جو ہماری مدد کرے اور ہمارا پشت پناہ بن کر ہماری محافظت کرے) اس لئے رسول کریم ﷺ نے عثمانؓ کو مکہ روانہ کیا اور عثمانؓ کے مکہ جانے کے بعد بیعت رضوان کا واقعہ پیش آیا پھر (بیعت رضوان کے وقت) رسول کریم ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ یہ میرا ہاتھ عثمان کے ہاتھ کے قائم مقام ہے اور پھر آپ ﷺ نے اپنا وہ (دایاں) ہاتھ اپنے بائیں پر مار کر فرمایا: "یہ بیعت عثمانؓ کی طرف سے ہے" اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ نے اس مصری شخص سے کہا: (تمہارے سوالات کے جواب میں) اب میں نے جو کچھ کہا ہے اس کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔" (بخاریؒ)

تشریح: "ان کی اس بات کو اللہ تعالیٰ معاف کر چکا ہے" حضرت ابن عمرؓ نے ان الفاظ کے ذریعہ گویا اس آیت کی طرف ارشاد کیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔

"یقیناً تم میں جن لوگوں نے پشت پھیر دی تھی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دی ان کے بعض اعمال کے سبب سے، اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا واقعی اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں بڑے حلم والے ہیں۔"

در اصل ہوا یہ تھا جنگ احد کے دن آنحضرت ﷺ نے کچھ صحابہ کے ایک دستہ کو، جن میں حضرت عثمانؓ بھی تھے، ایک بہت اہم اور نازک مورچہ پر کھڑا کر دیا تھا اور ان کو حکم دیا تھا کہ اس مورچہ کو کسی حالت میں خالی نہ چھوڑا جائے اور ہر شخص اپنی جگہ پر جمارہے۔ مگر جب دشمن کو شکست ہوگئی اور وہ بھاگنے لگا تو اسلامی مجاہدین نے ان کا تعاقب شروع کیا، دشمن کے فرار اور مجاہدین اسلام کے تعاقب کو دیکھ کر اس مورچہ پر متعین دستہ یہ سمجھا کہ جنگ ختم ہوگئی ہے اور دشمن پوری طرح بھاگ کھڑا ہوا ہے۔ اور پھر اس دستہ کے اکثر مجاہد بھی مورچہ کو چھوڑ کر بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب کرنے اور اس کا مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مشغول ہوگئے، بھاگتے ہوئے دشمن کے ہوشیار کمانڈر جو اس مورچہ کی اہمیت کو پہلے ہی تاڑے ہوئے تھے، اب انہوں نے اس کو خالی دیکھا تو اپنے فوجیوں کے ساتھ تقریباً ایک میل کا چکر کاٹ کر پیچھے سے اس مورچہ پر پہنچ گئے اور وہاں سے مجاہدین اسلام پر گھات لگا کر ٹوٹ پڑے، عقب سے دشمن کے اس اچانک حملہ

نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور فتح مسلمانوں کے ہاتھ آکر چھن گئی۔ مورچہ چھوڑ کر ہٹ جانا چونکہ رسول برحق ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی تھی اور ان مجاہدین کی کمزوری و کوتاہی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ و تہدید فرمائی لیکن اپنے فضل و کرم سے اس کوتاہی کو معاف بھی فرمادیا۔ پس حضرت عثمانؓ سے عناد رکھنے والوں نے اس واقعہ کو حضرت عثمانؓ کی تحقیر و تنقیص کا ذریعہ بنایا حالانکہ اول تو جب اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے درگزر فرمادیا تو اب دوسروں کو مواخذہ یا طعن کرنے کا کیا حق رہ گیا، دوسرے اس واقعہ میں صرف حضرت عثمانؓ ہی کی ذات تو ماخوذ تھی نہیں، مورچہ چھوڑنے والے سارے صحابہ اس میں شامل تھے جب کوتاہی ہوئی تو سب سے ہوئی اور پھر معافی ملی تو سب کو ملی، لہٰذا تنہا حضرت عثمانؓ کو نشانہ بنانا ویسے بھی غیر منصفانہ بات ہے۔

"تمہیں بھی وہی ثواب اور حصہ ملے گا" آنحضرت ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ جنگ بدر میں تمہارا شریک نہ ہونا چونکہ واقعی عذر اور میرے حکم کے تحت ہے اس لئے تم دنیا اور آخرت دونوں کے اعتبار سے ان لوگوں کے حکم میں سمجھے جاؤ گے جو اس جنگ میں شریک ہوں گے، پس حضرت عثمانؓ کا جنگ بدر میں شریک نہ ہونا، ان کے حق میں نقصان کا موجب ہرگز نہ ہوا اور نہ اس بنیاد پر ان کی تنقیص کرنے کا حق کسی کو پہنچتا ہے، اس جنگ میں ان کی عدم شرکت ایسی ہی ہے جیسے غزوۂ تبوک کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا اور وہ اسلامی لشکر کے ساتھ تبوک نہیں گئے تھے، تاہم یہ بات تحقیقی طور پر معلوم نہیں ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ بدر کے مال غنیمت میں حضرت عثمانؓ کا بھی حصہ لگایا تھا یا نہیں۔

حضرت رقیہؓ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی تھیں، جنگ بدر کے دنوں میں وہ سخت بیمار تھیں اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ بدر میں شامل نہ ہوں بلکہ رقیہؓ کی تیمارداری اور خبرگیری کے لئے مدینہ ہی میں رہیں، آنحضرت ﷺ کو حضرت عثمان سے کس قدر تعلق خاطر تھا اور ان سے آپ ﷺ کس قدر راضی و خوش تھے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ایک بیٹی ان کے نکاح میں دی اور پھر اس بیماری میں جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوگیا تو اپنی دوسری بیٹی ام کلثومؓ کا بھی نکاح حضرت عثمان سے کردیا، اسی سبب حضرت عثمانؓ "ذوالنورین" کے لقب سے مشہور ہوئے، اور پھر جب حضرت ام کلثومؓ کا بھی انتقال ہوگیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا، اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان سے کردیتا، ایک اور روایت میں جس کو طبرانی نے نقل کیا ہے، آپ نے یہ بھی فرمایا: میں نے عثمان سے اپنی دونوں پیاری بیٹیوں کا نکاح وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم آنے پر کیا تھا۔

"عثمانؓ کو مکہ روانہ کیا" حضرت عثمانؓ کو اس مشن پر روانہ کیا گیا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے اہل مکہ سے گفتگو کریں اور ان کو اس پر آمادہ کریں کہ وہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو عمرہ کے لئے مکہ میں داخل ہونے سے نہ روکیں، جن مصالح کو سامنے رکھ کر اس مشن کے لئے حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہوا تھا وہ درست ثابت ہوئے، مکہ میں اسلام اور اہل اسلام کے معاندین و مخالفین کو حضرت عثمان کے خلاف کسی ایسے اقدام کی جرأت نہیں ہوئی جس سے بعض صحابہؓ نے خطرہ کا اظہار کیا تھا حضرت عثمانؓ کے اعزاء اور متعلقین نے مکہ میں ان کی آمد کی اطلاع پا کر ان کا پرتپاک استقبال کیا، سواری پر بٹھا کر ان کو اپنے آگے کیا اور جلوس کی شکل میں لے کر چلے، ان سب لوگوں نے یہ اعلان بھی کردیا کہ عثمانؓ ہمارے معزز مہمان اور ہماری پناہ میں ہیں، کوئی ان سے تعرض کی جرأت نہ کرے، نہ صرف یہ بلکہ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ تم عمرہ کی نیت سے خانہ کعبہ کا طواف بھی کرسکتے ہو تمہیں کوئی منع نہیں کرے گا، مگر حضرت عثمانؓ نے ان کی اس پیش کش کو شکریہ کے ساتھ رد کردیا اور فرمایا نہیں، میں آنحضرت ﷺ کے بغیر اور آپ ﷺ کی عدم موجودگی میں تنہا طواف ہرگز نہیں کروں گا۔

"عثمان کے مکہ جانے کے بعد" یعنی بیعت رضوان کا واقعہ حضرت عثمانؓ کی موجودگی میں پیش ہی نہیں آیا تھا کہ اس میں ان کی شرکت یا عدم شرکت کی بحث کھڑی ہوئی، صورت یہ ہوئی تھی کہ جب حضرت عثمانؓ مکہ پہنچ گئے اور وہاں مصالحتی گفتگو شروع ہوئی تو اس

نے طول کھینچا اور حضرت عثمانؓ کی واپسی میں تاخیر ہوگئی، اس سے مسلمانوں میں بے چینی تو پیدا ہوئی گئی تھی مستزاد یہ کہ کہیں سے یہ خبر آکر مشہور ہوگئی کہ نہ صرف حضرت عثمانؓ کا مصالحتی مشن ناکام ہوگیا ہے بلکہ اہل مکہ اس حد تک آمادۂ شر ہیں کہ وہ اپنا لشکر جمع کر کے مسلمانوں پر حملہ کی نیت سے حدیبیہ کی طرف بڑھ رہے ہیں بلکہ ایک خبر یہ بھی آئی کہ حضرت عثمانؓ کو اہل مکہ نے قتل کر دیا ہے، اس پر آنحضرت ﷺ نے تمام مسلمانوں کو جمع کیا اور دشمنان دین کے مقابلہ کی تیاری شروع کردی، آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے ایک ایک مسلمانوں سے یہ بیعت لی کہ کوئی یہاں سے بھاگے گا نہیں، بلکہ اپنی جان گنوا کر بھی دشمن کا مقابلہ کرے گا اور اگر عثمانؓ واقعۃً قتل کر دیئے گئے ہیں تو ان کے خون کا بدلہ لے گا۔

"اس کو اپنے ساتھ لے جاؤ" یعنی عثمانؓ کے بارے میں اگر تم مجھ سے کچھ معلومات جمع کر کے لے جانا چاہتے ہو تو میری ان باتوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ تمہارے سوالات اور میرے جواب اگر کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں تو تمہیں ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ کہ ہمیں یا ان الفاظ سے حضرت ابن عمرؓ کی مراد یہ تھی کہ: اگر تم حق کے متلاشی اور سچائی جاننے کے خواہش مند ہو تو میں نے تفصیلی طور پر اب جو حقائق تمہارے سامنے بیان کئے ہیں ان کو پلے باندھ لو اور دل و دماغ میں رکھ کر لے جاؤ اور عثمانؓ کے حق میں جو برے خیالات اور بدگمانیاں رکھتے ہو ان سے اپنا ذہن پاک وصاف کرلو۔

جان دے دی مگر آنحضرت ﷺ کی وصیت سے انحراف نہیں کیا

(۱۲) وَعَنْ اَبِیْ سَهْلَةَ مَوْلٰی عُثْمَانَ قَالَ جَعَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُسِرُّ اِلٰی عُثْمَانَ وَلَوْنُ عُثْمَانَ یَتَغَیَّرُ فَلَمَّا كَانَ یَوْمُ الدَّارِ قُلْنَا اَلَا نُقَاتِلُ قَالَ لَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَهِدَ اِلَیَّ اَمْرًا فَاَنَا صَابِرٌ نَفْسِیْ عَلَیْهِ۔

"اور حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابوسہلہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن کا واقعہ ہے) نبی کریم ﷺ حضرت عثمانؓ سے چپکے چپکے کچھ باتیں کر رہے تھے اور (ان باتوں کو سن سن کر) حضرت عثمانؓ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا جا رہا تھا (اس وقت تو یہ راز کسی پر نہ کھلا کہ آنحضرت ﷺ چپکے چپکے حضرت عثمانؓ کو بتا رہے تھے کہ تمہارے زمانہ میں کس طرح فتنہ و فساد برپا ہوگا کیسی کیسی مفسدہ پردازیاں ہوں گی، تمہارے مخالفین و معاندین کس ظالمانہ طریقہ سے تمہیں قتل کرنا چاہیں گے اور انہی کے ہاتھوں تمہیں شہادت ملے گی۔ اور اس کے ساتھ آنحضرت ﷺ ان کو تلقین و وصیت فرما رہے تھے کہ ان فتنوں اور ہنگاموں میں صبر کا دامن ہاتھ سے ہرگز نہ چھوڑنا اور سخت سے سخت حالات میں بھی مشتعل نہ ہونا بلکہ اپنی مظلومیت کو برقرار رکھنا) چنانچہ جب دار کا دن آیا (اور مفسدوں نے مکان کا محاصرہ کر کے حضرت عثمانؓ کا چراغ زندگی گل کر دینا چاہا) تو ہم نے (حضرت عثمانؓ سے) عرض کیا کہ (اس خلف شعار کو روکنے اور مفسدوں کے خطرناک عزائم کی راہ مارنے کے لئے) کیا ہمارے لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم ان لوگوں سے لڑیں، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: نہیں (میں لڑائی ہرگز نہیں چاہتا) کیونکہ رسول کریم ﷺ نے مجھے ایک بات کی وصیت کی تھی اور میں اپنے آپ کو اس وصیت پر صابر و شاکر رکھے ہوئے ہوں۔"

عثمان کی اطاعت کا حکم نبوی ﷺ

(۱۳) وَعَنْ اَبِیْ حَبِیْبَةَ اَنَّهٗ دَخَلَ الدَّارَ وَعُثْمَانُ مَحْصُوْرٌ فِیْهَا وَاَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَیْرَةَ یَسْتَاْذِنُ عُثْمَانَ فِی الْكَلَامِ فَاَذِنَ لَهٗ فَقَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِیْ فِتْنَةً وَاخْتِلَافًا اَوْقَالَ اخْتِلَافًا وَفِتْنَةً فَقَالَ لَهٗ قَائِلٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنْ لَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْ مَا تَاْمُرُنَا بِهٖ قَالَ عَلَیْكُمْ بِالْاَمِیْرِ وَاَصْحَابِهٖ وَهُوَ یُشِیْرُ اِلٰی عُثْمَانَ بِذٰلِكَ رَوَاهُمَا الْبَیْهَقِیُّ فِیْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ۔

"اور حضرت ابوحبیبہؓ (تابعی) سے روایت ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے گھر میں اس وقت گئے تھے جب حضرت عثمانؓ اس گھر میں محصور کر

دیئے گئے تھے انہوں نے سنا کہ حضرت ابوہریرہؓ حضرت عثمانؓ سے (یا تو خود ان کی خدمت میں کچھ عرض کرنے کی یا کا محاصرہ کئے ہوئے مفسدوں کے سامنے) کچھ باتیں کہنے کی اجازت مانگ رہے ہیں، حضرت عثمانؓ نے ان کو اجازت دی (کہ کہو کیا کہنا چاہتے ہو) تب حضرت ابوہریرہؓ کھڑے ہوئے اور (جیسا کہ خطبہ وتقریر کا قاعدہ ہے) پہلے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر کہا: (ایک دن) میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "میرے بعد تم لوگ فتنوں اور باہمی اختلافات کی آزمائش سے دوچار ہوگے، یا آپ ﷺ نے پہلے "اختلافات" کا اور پھر "فتنوں" کا لفظ ارشاد فرمایا۔ (یہ ارشاد گرامی سن کر) وہاں موجود لوگوں میں سے کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! پھر (ان فتنوں اور اختلافات کے زمانہ میں) ہمارا کون ہوگا؟ (یعنی اس وقت ہمیں کس شخص کی حمایت اور پیروی کرنی چاہئے۔ کہ جس سے ہمارا دین ودنیا کا فائدہ ہو اور ہم خرابی ونقصان سے بچ سکیں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "امیر اور اس کے رفیقوں کی اطاعت وپیروی تم پر لازم ہے" اور حضرت ابوہریرہؓ نے ("امیر" کے لفظ پر زور دیتے ہوئے) حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ کیا۔ ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: "حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ کیا" یعنی حضرت ابوہریرہؓ نے اس حدیث سے یہ ثابت کیا کہ اس وقت مسلمانوں کے "امیر" چونکہ حضرت عثمانؓ ہیں اس لئے ہر حالت میں ان کی اطاعت ہر مسلمان پر لازم ہے۔

مختصر سوانحی خاکہ: سیدنا عثمان غنیؓ عام فیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے، دعوت اسلام کے آغاز ہی میں دولت ایمان سے بہرہ ور ہوگئے تھے اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، اس وقت تک نبی کریم ﷺ دارارقم میں نہیں گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے دو مرتبہ ہجرت کی، پہلے حبشہ اور پھر مدینہ، آپ میانہ قد، گوری رنگت خوبصورت گھنی داڑھی اور دلکش خدوخال کے مالک اور پرکشش شخصیت کے حامل تھے۔ سیدنا عمر فاروقؓ کے بعد تیسرے خلیفہ ہوئے اور محرم ۲۴ھ کی پہلی تاریخ کو خلافت کی باگ ڈور سنبھالی، سخت خلفشار اور ہنگامہ کے دوران ۳۵ھ میں ذی الحجہ کی اٹھارہ تاریخ کو مصر کے بلوائیوں اور مفسدوں میں سے ایک شخص اسود بحنسی نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ محصور گھر کی دیوار کود کر آپؓ کو اس وقت شہید کیا جب آپؓ تلاوت کلام اللہ میں مصروف تھے۔ بعض حضرات نے آپؓ کے قاتل کا نام دوسرا بیان کیا ہے۔ تین دن تک آپ کی لاش بے گور وکفن پڑی رہی۔ آخر بعض صحابہؓ کی کوشش سے تین دن کے بعد رات کے وقت عشاء مغرب کے درمیان تدفین عمل میں آئی حضرت جبیر ابن مطعمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، بغیر غسل کے انہی کپڑوں میں جو جام شہادت نوش کرتے وقت پہنے ہوئے تھے دفن کئے گئے۔ اس دن حضرت عثمانؓ کی عمر ۸۲ سال، یا ایک قول کے مطابق ۸۸ سال تھی۔ آپؓ کی خلافت کچھ دن کم بارہ سال رہی اور صحابہؓ وتابعین کی ایک بڑی جماعت نے آپؓ سے احادیث نبوی روایت کی ہیں۔

بَابُ مَنَاقِبِ هٰؤُلَاءِ الثَّلٰثَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

ان تینوں (یعنی خلفاء ثلاثہ) رضی اللہ عنہم کے مناقب کا بیان

پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مناقب پر مشتمل احادیث نقل ہوئیں، پھر حضرت عمر فاروقؓ کے مناقب سے متعلق احادیث کو نقل کیا گیا، اس کے بعد ایک الگ باب قائم کرکے وہ احادیث نقل کی گئیں جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مناقب کا ایک ساتھ ذکر تھا، پھر حضرت عثمان غنیؓ کے مناقب کی حدیثیں گزشتہ باب کے تحت نقل کی گئیں اور چونکہ بعض ایسی احادیث بھی منقول ہیں جن میں ان تینوں حضرات یعنی سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کے مناقب ایک ساتھ مذکور ہیں، لہٰذا ان احادیث کو نقل کرنے کے لئے مذکورہ بالا باب قائم کیا گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید

① عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَعِدَ اُحُدًا وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَفَ بِهِمْ فَضَرَبَهٗ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ اثْبُتْ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ نَبِیٌّ وَصِدِّیْقٌ وَشَهِیْدَانِ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، اور حضرت عثمانؓ (مدینہ کے مشہور پہاڑ) احد پر چڑھے تو وہ (خوشی کے مارے) ہلنے لگا، آنحضرت ﷺ نے اپنا پیر اس پر مارا اور فرمایا: "ارے احد، تھم جا، تیرے اوپر ایک نبی ہے، ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں"۔ (بخاری)

تینوں کو جنّت کی بشارت

② وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ حَائِطٍ مِنْ حِیْطَانِ الْمَدِیْنَةِ فَجَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ افْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَفَتَحْتُ لَهٗ فَاِذَا اَبُوْبَکْرٍ فَبَشَّرْتُهٗ بِمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ افْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَفَتَحْتُ لَهٗ فَاِذَا هُوَ عُمَرُ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ فَقَالَ لِیْ افْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰی بَلْوٰی تُصِیْبُهٗ فَاِذَا عُثْمَانُ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ کے ایک باغ میں تھا کہ اچانک ایک شخص (باہر پھاٹک پر) آیا (جس کے بارے میں اس وقت تک ہمیں کچھ نہیں معلوم تھا کہ کون شخص ہے)، پھر اس نے پھاٹک کھولنے کے لئے کہا، نبی کریم ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا کہ "جاؤ پھاٹک کھول دو اور آنے والے شخص کو جنّت کی (یعنی جنّت کے اعلیٰ درجات کی) بشارت دے دو"، میں نے جا کر پھاٹک کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ابوبکرؓ ہیں۔ میں نے رسول کریم ﷺ کے کہنے کے مطابق ان کو جنّت کی بشارت سنائی اور انہوں نے (اس نعمت عظمیٰ کی بشارت سن کر) اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، (کچھ دیر بعد) پھر ایک شخص نے آکر پھاٹک کھلوایا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "جاؤ پھاٹک کھول دو اور آنے والے شخص کو جنّت کی بشارت دے دو" میں نے جا کر پھاٹک کھولا تو دیکھا کہ وہ عمرؓ تھے، چنانچہ میں نے نبی کریم ﷺ کے کہنے کے مطابق ان کو جنّت کی بشارت سنائی اور انہوں نے بھی (یہ بشارت سن کر) اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، پھر (کچھ دیر بعد) ایک اور شخص نے آکر پھاٹک کھلوایا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "جاؤ پھاٹک کھول دو اور آنے والے شخص کو ان عظیم آفات و مصائب کے بعد جنّت کی بشارت دے دو۔ جن کا وہ (اپنی زندگی میں) شکار ہوگا" میں نے جا کر پھاٹک کھولا تو دیکھا کہ وہ حضرت عثمانؓ تھے چنانچہ میں نے ان کو وہ بات سنائی جو نبی کریم ﷺ نے فرمائی تھی، حضرت عثمانؓ نے (اس بات کو سن کر پہلے تو) اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور پھر کہا: اللہ ہی سے مدد طلب کی جانی چاہئے (یعنی میں اللہ سے مدد کا طلب گار ہوں کہ ان آفات و مصائب کے وقت مجھے صبر و استقامت عطا فرمائے گا)۔" (بخاری و مسلم)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

زمانۂ نبوت میں ان تینوں کا ذکر کس ترتیب سے ہوتا تھا

③ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَیٌّ اَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ حیات میں ہم یوں کہا کرتے تھے: ابوبکر اور عمر اور عثمان، اللہ ان سے راضی ہو۔" (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ کہ یہ تینوں صحابیؓ بارگاہ رسالت میں سب سے زیادہ تقرب و منزلت رکھتے تھے اور اپنی اسی حیثیت کی بناء پر تمام ہی صحابہ میں ممتاز و منفرد شہرت کے حامل تھے۔ صحابہ کی مجلسوں میں کثرت سے ان کا چرچا ہوا کرتا تھا ان کے اوصاف و محاسن کے تذکرے کئے جاتے تھے۔ اور اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے جب بھی کسی مسئلہ و معاملہ کا ذکر ہوتا تو سب سے پہلے ان تینوں کا ذکر آتا اور جب بھی ان تینوں کا ذکر آتا تو ان کے نام اس ترتیب سے لئے جاتے کہ پہلے حضرت ابوبکرؓ، پھر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا نام آتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

خلفاء ثلاثہؓ کی ترتیب خلافت کا غیبی اشارہ

④ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُرِىَ اللَّيْلَةَ رَجُلٌ صَالِحٌ كَاَنَّ اَبَابَكْرٍ نِيطَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنِيطَ عُمَرُ بِاَبِىْ بَكْرٍ وَنِيطَ عُثْمَانُ بِعُمَرَ قَالَ جَابِرٌ فَلَمَّا قُمْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا اَمَّا الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَمَّا نَوْطُ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ فَهُمْ وُلَاةُ الْاَمْرِ الَّذِىْ بَعَثَ اللّٰهُ بِهٖ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ فرمانے لگے کہ آج کی رات ایک نیک شخص کو خواب میں دکھلایا گیا کہ جیسے ابوبکرؓ رسول کریم ﷺ کے ساتھ لٹکے ہوئے یعنی جڑے ہوئے ہیں، اور عمرؓ، ابوبکرؓ کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں اور عثمانؓ، عمرؓ کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں، حضرت جابرؓ کہتے ہیں: جب ہم لوگ (یہ سن کر) رسول کریم ﷺ کی مجلس مبارک سے اٹھے تو (اپنے اجتہاد اور ظن غالب کے مطابق) ہم نے (آپس میں) کہا کہ "نیک شخص" سے مراد تو خود رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے اور رہا "بعض کا بعض کے ساتھ لٹکنا یعنی جڑنا" تو یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ تینوں حضرات (یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ، اور عثمانؓ، مذکورہ ترتیب کے مطابق یکے بعد دیگرے) اس مشن کے سربراہ ہوں گے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو اس دنیا میں بھیجا ہے۔" (ابوداؤد)

بَابُ مَنَاقِبِ عَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ
حضرت علیؓ بن ابی طالب کے مناقب کا بیان

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب و فضائل بے شمار ہیں جتنی زیادہ حدیثیں آپ کی تعریف و توصیف اور فضیلت میں منقول ہیں اتنی صحابہ میں سے کسی کے حق میں منقول نہیں ہیں، اگرچہ ان میں سے بہت سی روایتیں "موضوع" (گھڑی ہوئی) بھی ہیں، چنانچہ حضرت شیخ مجد الدین شیرازیؒ نے جس طرح ان بعض روایتوں کے بارے میں، کہ جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مناقب میں نقل کی گئی ہیں، یہ وضاحت کی ہے کہ یہ موضوع روایتیں ہیں کیونکہ ان کا بے اصل و بے بنیاد ہونا معمولی عقل و فہم رکھنے والا بھی جان سکتا ہے اسی طرح انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے مناقب میں لوگوں نے بے شمار جھوٹی حدیثیں بنالی ہیں اور ان جھوٹی حدیثوں کا سب سے بڑا ذخیرہ وہ ہے جس کو انہوں نے "وصایا" نامی کتاب میں جمع کیا ہے اور جس میں کی ہر حدیث یاعلی کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ ہاں ان میں سے صرف ایک حدیث یاعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی بے شک ایسی حدیث ہے جو ثابت ہے۔

بہر حال حضرت علیؓ کے مناقب میں جو صحیح احادیث منقول ہیں ان کے بارے میں امام احمدؒ اور امام نسائی وغیرہ نے کہا ہے کہ ان کی تعداد ان احادیث سے کہیں زیادہ ہے جو دوسرے صحابہؓ کے حق میں منقول ہیں، اور سیوطیؒ نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ متاخر ہیں اور ان کے زمانہ میں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف و نزاع کی خراب صورت حال پیدا ہو گئی تھی بلکہ خود سیدنا علیؓ کی مخالفت کرنے والوں کا ایک بہت بڑا طبقہ پیدا ہو گیا تھا جنہوں نے ان کے خلاف جنگیں بھی لڑیں اور ان کی خلافت سے انحراف بھی کیا، لہٰذا علماء اور محدثین نے مقام علیؓ کی حفاظتی اور مخالفین علیؓ کی تردید و تغلیط کی خاطر منقبت علیؓ سے متعلق احادیث کو چن چن کر جمع بھی کیا، اور ان احادیث کو پھیلانے میں بہت سرگرم جدوجہد بھی کی، ورنہ جہاں تک خلفاء ثلاثہؓ کے مناقب کا تعلق ہے تو وہ حقیقت میں حضرت علی کے مناقب سے بھی زیادہ ہیں۔

نام و نسب: علیؓ ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر ابن کنانہ۔

آپؓ کا ایک نام حیدر بھی ہے، حیدر دراصل حضرت علی کے نانا اسد کا نام تھا، جب آپ پیدا ہوئے تو اسی وقت آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے آپ کا نام اپنے باپ کے نام پر "حیدر" رکھا پھر بعد میں ابو طالب نے اپنی طرف سے بیٹے کا نام "علی" رکھا، اور جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے: خود میرے نزدیک "ابوتراب" سے زیادہ پسندیدہ کوئی نام نہیں ہے۔

کنیت: "ابوتراب" سیدنا علیؓ کی کنیت ہے اور یہ کنیت اس طرح پڑی کہ ایک دن رسول کریم ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت علیؓ گھر میں نہیں ہیں۔ پوچھا: علیؓ کہاں ہیں؟ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا: میرے اور ان کے درمیان کچھ ان بن ہو گئی تھی، اسی غصہ میں گھر سے چلے گئے ہیں، آج تو انہوں نے اس گھر میں قیلولہ بھی نہیں کیا، آنحضرت ﷺ نے جبھی حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ جا کر دیکھو، علیؓ کہاں ہیں، حضرت انسؓ نے بتایا کہ یا رسول اللہ؟ وہ تو مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ فوراً مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت علیؓ مسجد کی دیوار سے لگے ہوئے ننگی زمین پر لیٹے محو خواب ہیں، چادر کاندھے سے کھسک کر الگ ہو گئی تھی اور پیٹھ و پہلو پر مٹی لگی ہوئی تھی، اس وقت آنحضرت ﷺ ان کے جسم کے اوپر سے مٹی صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: اٹھو، اے ابوتراب اٹھو، جبھی سے حضرت علیؓ کی کنیت "ابوتراب" مشہور ہو گئی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

علیؓ اور ہارونؑ

① عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِعَلِيٍّ اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔ (متفق علیہ)

"حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا: (دنیا و آخرت میں قرابت و مرتبہ میں اور دینی مددگار ہونے کے اعتبار سے) تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون علیہ السلام تھے بس فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ جب اپنی زندگی کے آخری غزوہ غزوۂ تبوک کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت علیؓ کو اپنے اہل و عیال کی خبر گیری و حفاظت کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا، اس پر منافقوں نے حضرت علیؓ کو طعنہ دیا کہ رسول اللہ تمہیں بے قدر جان کر مدینہ میں چھوڑ گئے ہیں، حضرت علیؓ نے منافقوں کا یہ طعنہ سنا تو بڑی غیرت محسوس کی اور فوراً ہتھیار باندھ کر نکل کھڑے ہوئے اور "جرف"

پہنچ گئے جو مدینہ سے تقریباً تین میل شمال میں واقعہ ایک جگہ ہے اور جہاں آنحضرت ﷺ اسلامی لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے ہوئے تھے، انہوں نے حضرت اقدس ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! منافقین میرے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہہ رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: وہ جھوٹے ہیں میں نے تو تمہیں مدینہ میں اپنے اہل و عیال پر بھی میرا خلیفہ بن کر رہو اور پھر اسی وقت آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ علیؓ! کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تمہارا مجھ سے وہی تعلق ہے جو ہارون علیہ السلام کا موسیٰ سے تھا، کہ جب موسیٰ چلا دینے کوہ طور پر گئے تھے تو اپنی قوم میں ہارون کو اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑ گئے تھے۔

شیعوں کی کج رائی: حضرت علیؓ سے کہے گئے آنحضرت ﷺ کے ان الفاظ کو شیعہ لوگ "مارو گھٹنا پھوٹے آنکھ" کے مصداق اپنے بے بنیاد عقیدے کی دلیل بنا کر بیٹھ گئے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر حضرت علیؓ کو "خلافت" کا بار سونپا تھا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد خلافت کا اولین استحقاق حضرت علیؓ کا تھا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ روافض نے تو اس کج رائی کا شکار ہو کر تمام صحابہؓ کو "کافر" تک کہہ ڈالا ہے، اس وجہ سے کہ ان کے بقول ان صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کی وصیت سے انحراف کیا اور خلافت کے بارے میں حضرت علیؓ پر دوسروں کو مقدم کیا، بلکہ ان میں سے بعض ستم ظریفوں نے تو حضرت علیؓ کو بھی نہیں بخشا اور کہا ہے کہ حضرت علیؓ نے چونکہ اپنا حق طلب نہیں کیا اور خلافت کا دعویٰ لے کر مضبوطی سے نہیں اٹھے اس لئے وہ بھی کافر ایسے نادانوں سے بس یہی کہنا چاہئے کہ تم سے بڑا کافر کون ہو سکتا ہے، جو لوگ تمام اُمت کو کافر کہیں خصوصاً طبقہ اول (صحابہؓ) پر کفر کا اطلاق کریں اور اس طرح گویا یہ ثابت کریں کہ وہ پوری شریعت کو غیر معتبر قرار دے رہے ہیں اور اسلام کی ساری عمارت کو ڈھا رہے ہیں تو ان کے کفر میں کس کو شک ہوگا۔

بہر حال اہل سُنّت و الجماعت نے اس حدیث سے شیعوں کے مذکورہ استدلال کو "دور از کار" قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ الفاظ حدیث سے جو بات مفہوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کو اپنا خلفیہ محض اس عرصہ کے لئے بنایا تھا جو غزوۂ تبوک کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے مدینہ سے باہر گزارا تھا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اس عرصہ کے لئے اپنی قوم پر خلیفہ بنایا تھا جو انہوں نے چلہ کے لئے کوہ طور پر گزارا تھا، اگر اس عرصہ کے لئے حضرت علیؓ کو اپنا خلفیہ بنانے سے آنحضرت ﷺ کا مقصد اس بات کی وصیت کرنا یا اس طرف اشارہ کرنا ہوتا کہ اسی طرح میرے وصال کے بعد بھی پہلے خلیفہ علیؓ ہوں گے تو آپ ﷺ اس موقع پر حضرت علیؓ کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ ہرگز نہ دیتے کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ نہیں بنے تھے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انتقال سے چالیس سال پہلے ہی وفات پا چکے تھے، علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں اپنی عدم موجودگی کے اسی عرصہ میں امامت نماز کے لئے اپنا خلیفہ ایک دوسرے صحابی حضرت ام مکتومؓ کو بنایا تھا، چنانچہ اس عرصہ میں حضرت علیؓ تو آنحضرت ﷺ کے اہل و عیال کی خبر گیری اور حفاظت کے فرائض انجام دیتے تھے اور حضرت ام مکتومؓ نماز میں لوگوں کی امامت کرتے تھے، اگر خلافت مطلق ہوتی تو اصول کے مطابق آنحضرت ﷺ امامت نماز کی ذمہ داری بھی یقیناً حضرت علی ہی کو سونپ کر جاتے، اس کے لئے ایک دوسرے آدمی کو نامزد نہ فرماتے۔

وجہ تشبیہ: آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا کہ تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ تھے۔ ان الفاظ کے ذریعے حضرت علیؓ کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دینا تو صاف سمجھ میں آتا تھا لیکن وجہ تشبیہ ظاہر نہیں ہوئی تھی کہ آپ ﷺ نے ان کو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ کس اعتبار سے تشبیہ دی، اسی بات کی وضاحت کے لئے آپ ﷺ نے آگے فرمایا "بس فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا" یعنی اگر تم دونوں میں کچھ فرق ہے تو بس یہ ہے کہ ہارون علیہ السلام ایک نبی تھے اور تم نبی نہیں ہو، پس معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون کی باہمی قرابت و وابستگی کی مثال کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اور حضرت علیؓ کے درمیان جس قرابت و وابستگی کو ظاہر کیا وہ "نبوت" کے اعتبار سے نہیں تھی بلکہ "خلافت" کے اعتبار سے تھی جو مرتبہ میں نبوت

کے قریب ہے، لیکن خلافت کا اعتبار بھی دونوں صورتوں کو محتمل ہو سکتا تھا کہ یا تو آپ ﷺ کی مراد اپنی زندگی میں ایک خاص عرصہ کے لئے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ بنا کر ان کے تئیں اپنی قربت و وابستگی اور اعتماد کو ظاہر کرنا تھا یا اپنی وفات کے بعد ان کے استحقاق خلافت کی طرف اشارہ کر کے قربت و وابستگی اور اعتماد کو ظاہر کرنا تھا جہاں تک اس دوسری صورت کا تعلق ہے تو یہ یوں خارج از امکان قرار پائی جاتی ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے وفات پا گئے تھے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ کب بنے تھے کہ ان کی مثال کے ذریعہ آنحضرت ﷺ اپنی وفات کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کی طرف اشارہ کرتے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ آنحضرت ﷺ کے مذکورہ الفاظ سے جو مفہوم متعین طور پر ثابت ہوتا ہے وہ وہی ہے جو پہلی صورت میں بیان ہوا، یعنی یہ کہ آپ ﷺ نے اس موقعہ پر حضرت علیؓ کو صرف اس عرصہ کے لئے خلیفہ بنانے کی بات کہی تھی جو غزوۂ تبوک کے لئے آپ ﷺ نے مدینہ سے باہر گزارا، خلاصہ کے طور پر یہ بات یوں بھی کہی جاسکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت علیؓ کی وہ خلافت جزوی تھی جو آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں ایک خاص عرصہ کے لئے عارضی اور وقتی انتظام کے طور پر عمل میں آئی تھی اس صورت میں کہ وہ عرصہ ختم ہونے پر یعنی غزوۂ تبوک سے آنحضرت ﷺ کی واپسی کے بعد وہ خلافت ختم بھی ہوگئی تھی، وہ جزوی خلافت آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ان کی کلی خلافت کی دلیل کیسے بن سکتی ہے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد: میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اس بات کی بھی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم جب آسمان سے اتریں گے تو نبی کے طور پر نہیں اتریں گے بلکہ دین محمد ﷺ کا نفاذ کرنے والے اور اسلامی امراء و حکام میں سے ایک امیر و حاکم بن کر اتریں گے اور ان کا کام ہی یہ ہوگا کہ لوگوں کو شریعت محمدی ﷺ کا پابند و متبع بنائیں، لیکن ملا علی قاریؒ کا کہنا ہے کہ حدیث کے الفاظ اس بات کے منافی نہیں ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی کی حیثیت میں اتریں اور ہمارے نبی ﷺ کی شریعت کے متبع کے طور پر دین محمدی کے اجراء و نفاذ اور اسوۂ رسالت محمدی کی ترویج و اشاعت کا فریضہ انجام دیں اور اس میں بھی کوئی استبعاد نہیں کہ اس فریضہ کی ادائیگی میں اللہ کی راہنمائی وحی کے ذریعہ ہو، اس صورت میں "میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا" کی مراد یہ بیان کی جائے گی کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہوگا اور آپ ﷺ "خاتم النبیین" اس اعتبار سے ہیں کہ نئے پیدا ہونے والے نبیوں کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہو گیا ہے، آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی اس دنیا میں نہیں آئے گا۔

اس حدیث میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جس بڑی فضیلت و منقبت کی طرف اشارہ ہے فرمایا گیا کہ اگر آنحضرت ﷺ "خاتم النبیین" نہ ہوتے اور آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند نہ ہو گیا ہوتا تو حضرت علیؓ بھی ایک نبی ہوتے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ پھر یہ حدیث اس حدیث کے منافی ہو جائے گی جو صراحت کے ساتھ حضرت عمرؓ کے حق میں وارد ہوئی ہے کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے" درحقیقت ان دونوں حدیثوں کا مفہوم فرضی اور تقدیری ہے، یعنی آپ ﷺ نے ایک امر محال کو فرض کر کے گویا یوں فرمایا کہ اگر بالفرض میرے بعد اگر نبوت کا دروازہ کھلا رہتا تو میرے صحابہؓ میں سے متعدد لوگ نبی ہوتے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: ایک حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں) کا بڑا چرچا کیا جاتا ہے اور اچھے پڑھے لکھے لوگ بھی اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ یہ واقعی حدیث ہے لیکن جیسا کہ حفاظ حدیث مثلاً زرکشیؒ، عسقلانیؒ، دمیریؒ، سیوطیؒ نے تصریح کی ہے اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔

علیؓ سے محبت ایمان کی علامت ہے

(۲) وَعَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ وَالَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ اِنَّهُ لَعَهْدُ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِلَيَّ اَنْ لَّا يُحِبُّنِي اِلَّا مُؤْمِنٌ وَّلَا يُبْغِضُنِي اِلَّا مُنَافِقٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت زر بن حبیش (تابعی کہتے ہیں کہ سیدنا علیؓ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو پھاڑا (یعنی اگایا) اور ذی روح کو پیدا کیا درحقیقت نبی امی ﷺ نے مجھ کو یقین دلایا تھا کہ جو (کامل) مؤمن ہوگا وہ مجھ سے (یعنی علیؓ سے) محبت رکھے گا اور جو منافق ہوگا وہ مجھ سے عداوت رکھے گا۔" (مسلمؒ)

تشریح: محبت سے مراد وہ محبت ہے جو شرعی تقاضوں کے ہم آہنگ واقع کے مطابق اور نقصان و زیادتی کے بغیر ہو، پس جس طرح وہ لوگ کہ جو حضرت علیؓ کے حقیقی مقام و مرتبہ کو گھٹاتے ہیں جیسے فرقہ خارجیہ کے لوگ حب علی کی محرومی کے سبب اس حدیث میں مذکورہ "مؤمن" کا مصداق نہیں بن سکتے اسی طرح وہ لوگ بھی کہ جو حضرت علیؓ کی محبت میں غیر شرعی اور غیر حقیقی غلو کرتے ہیں اور اس غلو کے نتیجہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بغض و عداوت رکھتے ہیں جیسے شیعوں کے بعض طبقے، اس حدیث میں مذکور "مؤمن" کا مصداق ہرگز نہیں ہوسکتے۔

بہرحال حضرت علیؓ سے محبت رکھنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض و عداوت رکھنا نفاق کی نشانی ہے ایک اور روایت میں جو حضرت علیؓ ہی سے منقول ہے، یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

من احبني واحب هذين واباهما وامهما كان معي في درجتي يوم القيامة۔

"جس شخص نے مجھ سے اور ان دونوں (حسنؓ و حسینؓ) سے اور ان دونوں کے باپ اور ان دونوں کی ماں سے محبت رکھی وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا۔" (احمدؒ و ترمذیؒ)

لیکن آنحضرت ﷺ، حضرت علیؓ اور اہل بیت نبوی سے محبت کا عین تقاضہ یہ ہے کہ ان سب صحابہؓ سے محبت و عقیدت رکھنی چاہئے جن سے آنحضرت ﷺ، حضرت علیؓ، اور اہل بیت نبوی ﷺ محبت و تعلق رکھتے تھے جس طرح حضرت علیؓ کی محبت ایمان کی علامت ہے اسی طرح تمام صحابہ کی محبت ایمان کی علامت ہے اور جس طرح حضرت علیؓ سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے اسی طرح دوسرے کسی بھی صحابیؓ سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے، ابن عساکرؒ نے حضرت جابرؓ سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

حب ابی بکر و عمر من الایمان وبغضهما کفر و حب الانصار من الایمان وبغضهم کفر و حب العرب من الایمان وبغضهم کفر و من سب اصحابی فعلیه لعنة الله ومن حفظنی فیهم انا احفظه یوم القیٰمة۔

"ابوبکرؓ و عمرؓ کی محبت جزو ایمان ہے اور ان سے بغض کفر ہے انصار کی محبت جزو ایمان ہے اور ان سے بغض کفر ہے اہل عرب کی محبت جزو ایمان ہے اور ان سے بغض کفر ہے اور جس شخص نے میرے صحابہؓ کو سب و شتم کیا اس پر اللہ کی لعنت ہو اور جس شخص نے صحابہؓ کو (دوسروں کے سب و شتم سے بچایا اس کو قیامت کے دن (کی ہولناکیوں اور سختیوں سے) میں بچاؤں گا۔"

غزوہ خیبر کے دن سرفرازی

(٣) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ لَاُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلَمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَرْجُوْنَ اَنْ يُّعْطَاهَا فَقَالَ اَيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ فَقَالُوْا هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَشْتَكِيْ عَيْنَيْهِ قَالَ فَاَرْسِلُوْا اِلَيْهِ فَاُتِيَ بِهٖ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عَيْنَيْهِ فَبَرَأَ حَتّٰى كَاَنْ لَّمْ يَكُنْ بِهٖ وَجَعٌ فَاَعْطَاهُ الرَّايَةَ فَقَالَ عَلِيٌّؓ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُقَاتِلُهُمْ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مِثْلَنَا قَالَ انْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ وَاَخْبِرْهُمْ

بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ فِيْهِ فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلاً وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ تَكُوْنَ لَكَ حُمُرُ النَّعَمِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ الْبَرَآءِ لِعَلِيٍّ أَنْتَ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْكَ فِيْ بَابِ بُلُوْغِ الصَّغِيْرِ۔

"اور حضرت سہل بن سعدؓ ساعدی سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے غزوۂ خیبر کے دن فرمایا: "کل میں یہ جھنڈا (کہ جو کمانداری کی علامت ہے) ایک ایسے شخص کو عطا کروں گا کہ جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا اور وہ شخص اللہ اور اللہ کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اس کو دوست رکھتے ہیں" چنانچہ تمام صحابہؓ نے اس انتظار اور شوق میں پوری رات جاگ کر گزاری کہ دیکھئے کل صبح یہ سرفرازی کس کے حصہ میں آتی ہے اور جب) صبح ہوئی تو ہر شخص اس آرزو کے ساتھ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ جھنڈا اسی کو ملے، آنحضرت ﷺ نے (تمام صحابہؓ پر نظر ڈال کر فرمایا کہ "علی ابن ابی طالب کہاں ہیں" دراصل حضرت علیؓ آشوب چشم میں مبتلا ہوگئے تھے اور اس وجہ سے اس وقت وہاں حاضر نہیں تھے) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آنکھوں نے ان کو پریشان کر رکھا ہے (اور اس عذر کی بنا پر وہ یہاں موجود نہیں ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کسی کو بھیج کر ان کو بلوالو، چنانچہ حضرت علیؓ کو بلا کر لایا گیا، رسول کریم ﷺ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈالا اور وہ آنکھیں یکدم اس طرح اچھی ہوگئیں جیسے ان میں کوئی تکلیف اور خرابی تھی ہی نہیں، اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا۔ حضرت علیؓ (اس سرفرازی سے بہت خوش ہوئے اور) بولے: یا رسول اللہ! میں ان لوگوں (دشمنوں سے) اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک وہ ہماری طرح (مسلمان نہ ہو جائیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور نرمی و بردباری کے ساتھ چل کر ان (دشمنوں) کے علاقہ میں پہنچو، پھر (سب سے پہلے) ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان کو اللہ کے وہ حقوق بتاؤ جو اسلام میں ان پر عائد ہوتے ہیں (اور پھر اگر وہ دعوت اسلام کو ٹھکرا دیں تو ان سے جزیہ طلب کرو، اگر وہ جزیہ پر صلح کرنے سے انکار کر دیں تو پھر آخر میں ان کے خلاف اعلان جنگ کرو اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں یا جزیہ دے کر اسلامی نظام کی سیاسی اطاعت قبول کرنے پر تیار نہ ہو جائیں) پس (اے علیؓ) خدا کی قسم، یہ بات کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے، تمہیں ملنے والے سرخ اور چوپائیوں سے کہیں بہتر ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "خیبر" ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے ساٹھ میل دور ملک شام کی سمت واقع ہے، یہ غزوہ ۷ھ میں پیش آیا تھا۔

"پس (اے علیؓ) خدا کی قسم......" آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کی جو راہ نمائی فرمائی تھی کہ کفار کو اپنے اسلام کی دعوت دیں تو اسی کی تاکید کے لئے آپ ﷺ نے آگے کے جملے قسم کھا کر ارشاد فرمائے، اس پر تاکید راہنمائی کی وجہ یہ احساس تھا کہ جنگ و قتال کی صورت میں اگرچہ مال غنیمت مثلاً اعلیٰ و عمدہ اونٹ اور چوپائے وغیرہ حاصل ہوتے ہیں لیکن اگر کفار کو نرمی و بردباری کے ساتھ اسلام کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ دعوت اکثر بارآور ہو جاتی ہے اور مخالفین اسلام کی بڑی تعداد جنگ و جدل کے بغیر مسلمان ہو جاتی ہے جو اسلام کا اصل منشاء و مقصد ہے علامہ ابن ہمام نے اسی بنیاد پر بڑی پیاری بات کہی ہے کہ: ایک مؤمن کا پیدا کرنا ہزار کفار کو معدوم کرنے سے بہتر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

کمال قرب و تعلق کا اظہار

④ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ عَلِيًّا مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ علیؓ مجھ سے اور میں علیؓ سے ہوں نیز وہ علیؓ تمام

اہل ایمان کے دوست و مددگار ہیں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "علیؓ مجھ سے ہیں......" یہ ارشاد گرامی دراصل کمال قرب و تعلق اخلاص و یگانگت اور نسب و نسل میں باہم اشتراک سے کنایہ ہے وہ (علیؓ) تمام اہل ایمان......ان الفاظ میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔

"تمہارے دوست و مددگار تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اہل ایمان ہیں جو اس طرح نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا ہے۔"

⑤ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔ (رواہ احمد والترمذی)

"اور زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں جس کا دوست ہوں علیؓ بھی اس کے دوست ہیں۔" (احمدؒ و ترمذیؒ)

تشریح: اس حدیث کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جس شخص کو میں دوست رکھتا ہوں اس کو علیؓ بھی دوست رکھتے ہیں، اور ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو شخص میرا حامی و مددگار اور دوست ہے اس کے حامی و مددگار اور دوست علی ہوتے ہیں، اس حدیث کی باقی وضاحت آگے تیسری فصل میں آرہی ہے۔

⑥ وَعَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيٌّ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ وَلَا يُؤَدِّيْ عَنِّيْ اِلَّا اَنَا اَوْ عَلِيٌّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ اَبِيْ جُنَادَةَ۔

"اور حضرت حبشی بن جنادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں، میری طرف سے (نبذ عہد کی ذمہ داری) کوئی ادا نہ کرے علاوہ میرے اور علیؓ کے، (ترمذی اور احمدؒ نے اس روایت کو "ابوجنادہ" سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: کسی معاہدہ کو اس طرح توڑنا کہ فریق ثانی کو پہلے سے مطلع کردیا گیا ہو "نبذ عہد" کہلاتا تھا، دراصل اہل عرب میں یہ اصول رائج تھا کہ جب دو فریقوں کے درمیان کسی صلح اور مقفیہ باہمی کا وصل قرار ہوتا یا کسی صلح اور معاہدہ کو توڑنا ہوتا تو اس سلسلہ کی ضروری کاروائی اور بات چیت کی ذمہ داری ہر فریق میں سے صرف وہ شخص انجام دیتا ہے جو اپنی قوم و جماعت کا سردار اور سربراہ ہوتا، یا پھر اس کی عدم موجودگی میں اس کی نیابت صرف وہ شخص کرسکتا تھا جو اس (سردار و سربراہ) کا قریب ترین عزیز و رشتہ دار ہوتا، اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد ۹ھ کے حج کے موقع پر بعض اہم دینی و ملی مصروفیات کے سبب آنحضرت ﷺ حج کے لئے تشریف نہ لے جاسکے تو آپ ﷺ نے اپنی جگہ حضرت ابوبکرؓ کو "امیر الحج" بنا کر مکہ روانہ کیا حضرت ابوبکرؓ کی روانگی کے بعد آنحضرت ﷺ پھر حضرت علیؓ کو مکہ روانہ کیا اور ان کو اپنی طرف سے یہ ذمہ داری سپرد کی کہ وہ حج کے موقعہ پر اس صلح نامہ اور معاہدہ کی منسوخی کے فیصلہ کا اعلان کریں جو تین سال قبل ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر آنحضرت ﷺ اور قریش مکہ کے درمیان عمل میں آیا تھا، سورہ براہ (سورہ توبہ) مشرکوں کو پڑھ کر سنائیں جس میں اس بات سے متعلق آیتیں نازل ہوئی تھیں، اور یہ اعلان کردیں کہ مشرک نجس و ناپاک ہیں اس کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے پاس نہ آئے اور اس ضمن میں جو دوسرے احکام و فرامین نازل ہوئے ہیں ان سے سب کو آگاہ کردیں، اسی موقع پر آنحضرت ﷺ نے مذکورہ بالا حدیث ارشاد فرمائی جس کا مقصد حضرت علیؓ کی عزت افزائی بھی تھا اور حقیقت میں مذکورہ ذمہ داری حضرت ابوبکرؓ کے سپرد نہ کئے جانے کا عذر بیان کرنا بھی تھا کہ "امیر الحج" ہونے کی حیثیت سے اس سفر حج میں دربار رسالت کا نمائندہ اول تو ابوبکرؓ ہیں لیکن عرب میں رائج اصول کی مجبوری کے تحت نقض عہد (معاہدہ کی منسوخی) کے اعلان کی ذمہ داری علیؓ کے سپرد کی گئی ہے، اسی لئے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ سے اسی وقت وضاحت کرالی تھی جب وہ پیچھے سے آکر ان کے قافلہ میں شامل ہوئے کہ تم "امیر" ہو کر آئے ہو یا "مامور" ہو کر حضرت علیؓ نے واضح کیا کہ میں "امیر" ہو کر نہیں آیا ہوں "مامور" ہو کر آیا ہوں۔

اس واقعہ سے محققین یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ اس میں درحقیقت اس طرف اشارہ تھا کہ علیؓ کی خلافت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے بعد قائم ہوگی۔

⑦ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ اٰخَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَصْحَابِهٖ فَجَاءَ عَلِيٌّ تَدْمَعُ عَيْنَاهُ فَقَالَ اٰخَيْتَ بَيْنَ اَصْحَابِكَ وَلَمْ تُوَاخِ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اَحَدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَ اَخِيْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے درمیان بھائی چارہ قائم کرایا۔ تو حضرت علیؓ اس حال میں (آنحضرت ﷺ کے پاس) آئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور عرض کیا کہ آپ (ﷺ) نے اپنے اور صحابہؓ کے درمیان تو بھائی چارہ قائم فرمادیا لیکن کسی سے میرا بھائی چارہ قائم نہیں کیا؟ (یہ سن کر) رسول کریم ﷺ نے (ان سے) فرمایا: تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ نے مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آنے پر سب سے پہلے جس چیز کی طرف خصوصی توجہ دی وہ باشندگان مدینہ یعنی انصار اور مکہ سے آئے ہوئے مہاجرین کے درمیان برادرانہ بنیادوں پر مخلصانہ ومستحکم تعلق قائم کرانا تھا، چنانچہ مدینہ پہنچنے کے پانچویں ہی ماہ آپ ﷺ نے ایک دن تمام انصار اور مہاجرین کو جمع کرکے اخوت اسلامی کا آفاقی فلسفہ پیش کیا اور انفرادی سطح پر عموماً ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا۔

حضرت علیؓ ان چند صحابہؓ میں سے ایک تھے جن کا کسی کے ساتھ بھائی چارہ قائم نہیں ہوا تھا اس پر حضرت علیؓ کو سخت ملال ہوا اور وہ سمجھے کہ شاید مجھے نظر انداز کردیا گیا ہے، لہٰذا وہ روتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور شکوہ کیا کہ آپ (ﷺ) نے دوسرے صحابہؓ جیسے حضرت ابوبکرؓ اور خارجہ ابن زبیر انصاریؓ کے درمیان حضرت عمرفاروقؓ، اور حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ کے درمیان حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت ثابت بن منذر انصاریؓ کے درمیان اور حضرت سلمانؓ و حضرت ابودردا، انصاریؓ وغیرہ وغیرہ کے درمیان تو بھائی چارہ قائم کرکے ان کو ایک دوسرے کا دینی بھائی بنادیا ہے لیکن کسی انصاری صحابی کے ساتھ میرا بھائی چارہ قائم نہیں فرمایا، اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میں تو تمہارا بھائی موجود ہی ہوں، دنیاوی رشتہ وقرابت کے اعتبار سے بھی، تو پھر تمہیں کیا ضرورت ہے کسی کے ساتھ تمہارا بھائی چارہ قائم کراؤں۔

علی خدا کے محبوب ترین بندے

⑧ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَيْرٌ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ ائْتِنِيْ بِاَحَبِّ خَلْقِكَ اِلَيْكَ يَاْكُلُ مَعِيَ هٰذَا الطَّيْرَ فَجَاءَهٗ عَلِيٌّ فَاَكَلَ مَعَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کے سامنے (بھنا یا پکا ہوا) پرندہ رکھا ہوا تھا، آپ ﷺ نے دعا مانگی: "اے اللہ! تیری مخلوق میں جو بہت زیادہ تجھ کو محبوب ہو اس کو میرے پاس بھیج دے تاکہ وہ میرے ساتھ اس پرندہ کا گوشت کھائے" پس حضرت علیؓ آئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھایا، اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث "غریب" ہے۔"

تشریح: ابن جوزیؒ کا کہنا تو یہ ہے کہ یہ حدیث "موضوع" ہے لیکن حاکمؒ نے اس کو "موضوع" قرار دیا ہے نیز "مختصر" میں یہ لکھا ہے کہ یہ روایت گو بہت سے طرق سے منقول ہے مگر وہ سارے طرق ضعیف ہیں، بہرحال یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اللہ کے نزدیک اس کی مخلوق میں محبوب ترین بندے تھے۔ تاہم شارحین نے حدیث کا یہ مطلب بعض تخصیصات وقیود کے

ساتھ بیان کیا ہے مثلاً یہ کہ سیدنا علیؓ اللہ کے محبوب ترین بندے تھے، سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے محبوب ترین بندوں میں سے ایک تھے یا یہ کہ آنحضرت ﷺ کے عم زادوں یا آپ ﷺ کے قریب ترین رشتہ داروں میں اللہ کے محبوب ترین بندے سیدنا علیؓ تھے اور یا یہ مراد ہے کہ: آنحضرت ﷺ کے حسن سلوک اور احسان کا ترجیحی بنیاد پر سب سے زیادہ استحقاق رکھنے والوں میں اللہ کے نزدیک اس کے محبوب ترین بندے سیدنا علیؓ تھے۔ ان تحقیقات اور قیود سے شارحین کا مقصد غالباً یہ ہے کہ الفاظ حدیث سے یہ مطلب اخذ کیا جاسکے کہ سیدنا علیؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ محبوبیت رکھتے تھے، حالانکہ حقیقت میں ان تخصیصات و قیود کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اول تو یہ یقینی بات ہے کہ حدیث میں "مخلوق" سے علی العموم تمام مخلوق مراد نہیں ہے، اگر علی العموم تمام مخلوق مراد لی جائے تو یہ مطلب ہوگا کہ سیدنا علیؓ کا مرتبہ آنحضرت ﷺ سے بھی بڑھا ہوا تھا جو نہ صرف یہ کہ علی الطلاق محبوب ترین بندے ہیں بلکہ سید المحبوبین اور افضل المخلوقین بھی ہیں، اس لئے آنحضرت ﷺ پر سیدنا علیؓ کو کیا کسی کو بھی فضیلت نصیب ہی نہیں ہوسکتی۔ دوسرے یہ کہ اگر کسی خاص نسبت اور کسی مخصوص حیثیت کے اعتبار سے سیدنا علیؓ کا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی محبوب تر بندہ ہونا ثابت ہو تو بجمیع وجوہ مراد نہ ہونے کے سبب اس کو ابوبکرؓ و عمرؓ پر علیؓ کی جزوی فضیلت کہیں گے اور یہ جزوی فضیلت ان دونوں کی اس کلی فضیلت کے منافی ہرگز نہیں ہوگی جو کثرت اجر اور ثواب کی بنا پر اور بجمیع وجوہ ان کو حاصل ہے، لہٰذا روافض اگر اس حدیث سے حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل پر دلیل لیتے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ پر ان کی کلی فضیلت و برتری ثابت کرنا چاہتے ہیں تو یہ ان کی نادانی ہے۔ ان کو دیکھنا چاہئے کہ اس طرح کے الفاظ حضرت عمرؓ کی منقبت میں بھی منقول ہیں، جیسے ایک حدیث میں فرمایا گیا ما طلعت الشمس علی خیر من عمر (عمرؓ سے بہتر کسی انسان پر سورج طلوع نہیں ہوا) یا ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں ارفع درجة فی الجنة عمر (جنت میں عمرؓ کا درجہ بلند تر ہوگا) تو کیا ان حدیث کے الفاظ کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے روافض و شیعہ یہ تسلیم کریں گے کہ علی العموم تمام انسانوں میں سب سے زیادہ افضل و اعلیٰ حضرت عمرؓ ہیں کیونکہ ان حدیث سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ روئے زمین پر عمرؓ سے بہتر کوئی انسان نہیں اور جنت میں کسی کا بھی درجہ عمرؓ سے بلند نہیں ہوگا، ظاہر ہے اہل رفض و تشیع اس بات کو تسلیم نہیں کرسکتے کیونکہ یہ مطلب تو اہل سُنت و الجماعت بھی مراد نہیں لیتے بلکہ چند تخصیصات و قیود کے ساتھ الفاظ حدیث کا مطلب بیان کرتے ہیں تو پھر حضرت علیؓ سے متعلق اس روایت کو مطلق اس کے ظاہری معنی پر محمول کرکے ان کی **علی الاطلاق** افضیلت پر ان روافض اور شیعوں کو اصرار کیوں ہے، ایک بات اہل سُنت سے بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ "افضلیت" کا مسئلہ "ظنی" ہے اس کو ایمان و کفر کا معاملہ نہ بنانا چاہئے، اسی طرح اس روایت کو موضوع قرار دینے پر زور صرف کرنا چاہئے، فنی اور تحقیقی طور پر کتنا ہی درست ہو مگر ظاہری طور پر اس کو شدت و تنگی بلکہ تعصب پر محمول کیا جانا مستبعد نہیں ہے۔

عطاء و بخشش کا خصوصی معاملہ

(۹) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اِذَا كُنْتُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَانِيْ وَاِذَا سَكَتُّ ابْتَدَأَنِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ. وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ سے جب بھی کچھ مانگتا تو آپ ﷺ عطا فرما دیتے اور جب میں خاموش رہتا یعنی مانگنے سے حجاب برتتا تو آپ ﷺ از خود دے دیتے تھے اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

علیؓ علم و حکمت کا دروازہ ہیں

(۱۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَقَالَ رَوٰى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ شَرِيْكٍ وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عَنِ الصُّنَابِحِيِّ وَلَا نَعْرِفُ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ

اَحَدٍ مِنَ الثِّقَاتِ غَيْرَ شَرِيْكٍ۔

"اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "میں حکمت ودانائی کا گھر ہوں اور علیؓ اس گھر کا دروازہ ہیں" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ حدیث غریب ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ: بعض راویوں نے اس حدیث کو شریک تابعیؒ سے نقل کیا ہے لیکن ان کی اس حدیث کی اسناد میں صنابحیؒ کا ذکر نہیں ہے (جیسا کہ ان کی اور روایتوں کے سلسلہ اسناد میں اس نام کا ذکر آتا ہے) نیز اس روایت کو ثقات میں سے شریکؒ کے علاوہ اور کسی سے ہم نہیں جانتے۔"

تشریح: ایک روایت میں یوں آیا ہے انا مدینة العلم وعلی بابها (یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس شہر کا دروازہ ہیں) ایک اور روایت میں آگے یہ الفاظ بھی ہیں فمن اراد العلم فلیاته من بابه (یعنی پس جو شخص حصول علم کا آرزو مند ہو اس کو اس دروازہ کے ذریعہ آنا چاہئے۔

بہر حال "علیؓ دروازہ ہیں" سے یہ مراد نہیں ہے کہ تنہا علیؓ ہی دروازہ ہیں، بلکہ یہ معنی مراد ہیں کہ علیؓ دروازوں میں سے ایک دروازہ ہیں تاہم اس معنی میں بھی صرف حضرت علیؓ کا ذکر ان کی فضیلت اور تکریم کو ظاہر کرتا ہے اور واقع میں حضرت علیؓ ایسا رتبہ رکھتے بھی ہیں، اس میں کوئی شبہ بھی نہیں کہ طبقہ صحابہؓ میں علم وحکمت کا جو خصوصی درجۂ کمال سیدنا علیؓ کو حاصل ہے وہ چند ہی صحابہؓ کو نصیب ہوا اور اس اعتبار سے سیدنا علیؓ کو اگر اکثر صحابہؓ کی بہ نسبت سب سے زیادہ علمی فضیلت وبزرگی رکھنے والا کہا جائے تو غیر موزوں نہیں ہوگا۔ رہی یہ بات کہ اس روایت کے ظاہری معنی کے مطابق تنہا علیؓ کو دروازہ کیوں قرار دیا جائے اور دوسرے صحابہ کو بمنزلہ دردروازہ کیوں مانا جائے، تو اس سلسلہ میں اس حقیقت کو نظر انداز نہ کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ سے اکتساب فیض کرنے والے تمام ہی صحابہؓ اُمت کے لئے مدار علم ہیں، اُمت تک دین کا جو بھی علم پہنچا ہے وہ تمام صحابہؓ نے مشترک طور پر پہنچایا ہے، کسی بھی صحابیؓ کے بارہ میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس اُمت کو علم نبوت تنہا اسی نے منتقل کیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے بعد علوم دین کا واحد مدار اسی کی ذات ہے۔ اس کی دلیل میں بہت کی حدیثیں پیش کی جا سکتی ہیں ان میں سے ایک حدیث تو آنحضرت ﷺ کا یہی ارشاد ہے کہ: اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم میرے تمام صحابہؓ آسمان ہدایت کے ستارے ہیں ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے علاوہ ازیں یہ بات تاریخی اور واقعاتی طور پر ثابت شدہ ہے کہ تابعینؒ نے دین وشریعت کے جو مختلف علوم وفنون اخذ کئے جیسے قرأۃ تجوید، تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ، وہ سب انہوں نے تنہا حضرت علیؓ سے اخذ نہیں کئے بلکہ تمام صحابہؓ سے اخذ کئے ہیں لہٰذا اس کے علاوہ چارہ نہیں کہ "بابیت یعنی علم وحکمت کے شہر کے دروازہ ہونے) کو تنہا حضرت علیؓ کے حق میں منحصر نہ رکھا جائے۔ ہاں اگر قضا (عدالت ومنصفی) کے علم وفن کے ساتھ مخصوص کر کے حضرت علیؓ کے بارے میں یہ کہا جائے کہ ان کی ذات بے مثال تھی اور اس باب میں وہ تمام صحابہؓ پر فضیلت وبرتری رکھتے تھے تو یقیناً بجا ہوگا کیونکہ ان کے حق میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے: اقضاکم علیؓ تم سب سے بڑے قاضی ہیں جیسا کہ حضرت ابی کے حق میں فرمایا اِنَّهٗ اقرءکم (ابی تم میں سب سے بڑے قاری ہیں) اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے حق میں فرمایا اِنَّهٗ اعلمکم بالحلال والحرام تم میں حلال وحرام کا علم سب سے زیادہ رکھنے والے ہیں۔

علامہ طیبیؒ لکھتے ہیں: شیعہ اس حدیث میں مذکور تمثیل سے تمسک کرتے ہیں کہ رسول اللہ سے علم وحکمت پہنچنے کا واحد ذریعہ حضرت علیؓ ہیں ان کے واسطہ کے بغیر کسی کو اس (علم وحکمت) میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ گھر میں داخل ہونے کا اصل ذریعہ دروازہ ہی ہو سکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے واتو البیوت من ابوابها اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے خود کو علم وحکمت کا گھر بتایا ہے اور اس گھر کا دروازہ حضرت علیؓ کو قرار دیا ہے، اس لئے حضرت علیؓ وہ "دروازہ" ہیں جس کے ذریعہ علم وحکمت کے "گھر" میں رسائی ہو سکتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیعہ جو کچھ کہتے ہیں اس کی ذرہ برابر دلیل اس حدیث میں نہیں ہے۔ بلاشبہ حضرت علیؓ کو علم وحکمت کا گھر جنت کے گھر سے زیادہ وسیع وفراخ نہیں ہے؟ جب جنت کے آٹھ دروازے ہیں تو علم وحکمت کے گھر کے دروازے اس

سے زیادہ کیوں نہیں ہو سکتے۔

آخر میں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ اس حدیث کا اصل ناقل ابی الصلت عبد السلام بن صلاح ہروی ہے جو اگرچہ شیعہ ہے، لیکن محدثین کے نزدیک "راست گو" ہے علاوہ ازیں اس حدیث کے بارے میں محدثین کے اختلافی اقوال ہیں بعض محدثین نے اس کو "صحیح" کہا ہے تو بعض نے حسن۔ اسی طرح بعض نے اس کو "ضعیف" قرار دیا ہے تو بعض نے کہا ہے کہ "منکر" ہے یحیی بن معین نے کہا ہے کہ اس حدیث کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور کچھ لوگوں نے اس کو "موضوع" قرار دینے کی بھی کوشش کی ہے تاہم حافظ ابو سعید نے وضاحت کر دی ہے کہ یہ حدیث باعتبار طرق کے "حسن" ہے نہ صحیح ہے نہ ضعیف اور نہ موضوع، نیز محدثین نے اس حدیث کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے: **انا مدینۃ العلم وابو بکر اساسھا وعمر حیطانھا وعثمان سقفھا وعلی بابھا** یعنی: میں علم کا شہر ہوں، ابوبکر اس شہر کی بنیاد ہیں، عمرؓ اس شہر کی فصیل ہیں، عثمانؓ اس شہر کی چھت ہیں اور علیؓ اس شہر کا دروازہ ہیں۔

خاص فضیلت

(۱۱) وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلِیًّا یَوْمَ الطَّائِفِ فَانْتَجَاہُ فَقَالَ النَّاسُ لَقَدْ طَالَ نَجْوَاہُ مَعَ ابْنِ عَمِّہٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا انْتَجَیْتُہٗ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ انْتَجَاہُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ طائف کے دن رسول اللہ ﷺ نے علیؓ کو بلایا اور ان سے سرگوشی کرنے لگے (یعنی ایسا نظر آرہا تھا جیسے کسی خاص مسئلہ پر ان کے ساتھ چپکے چپکے باتیں کر رہے ہیں اور جب ان باتوں کا سلسلہ کچھ دراز ہو گیا) تو (منافقین نے یا صحابہؓ میں سے عام) لوگوں نے کہا: اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ تو رسول اللہ نے بڑی دیر تک کانا پھوسی کی؟ رسول اللہ ﷺ نے (یہ سنا تو) فرمایا: "علی کے ساتھ میں نے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ نے ان سے سرگوشی کی ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "بلکہ اللہ نے سرگوشی کی" یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا تھا کہ بعض باتیں چپکے چپکے علیؓ تک پہنچا دوں، اس لئے حکم الٰہی کی تعمیل میں میں نے ان کے ساتھ چپکے چپکے باتیں کی ہیں نہ کہ میں ان کے ساتھ وہ کانا پھوسی کر رہا تھا جو آداب مجلس کے خلاف ہے اور چونکہ وہ سرگوشی اللہ کے حکم کی تعمیل میں تھی لہٰذا اس صورت میں گویا اللہ نے ان سے سرگوشی کی، مصداق کے اعتبار سے یہ جملہ ایسا ہی ہے جیسا ایک آیت قرآن کا یہ فقرہ:

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔

"اور آپ ﷺ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔"

اس سلسلہ میں یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ حضرت علیؓ سے آنحضرت ﷺ کی اس سرگوشی کا موضوع دراصل اس غزوہ کی بابت کچھ ایسے نقطے اور راز کی باتیں بتانا تھیں جن کا تعلق دین کے ضمن میں آنے والے دنیاوی انتظام و معاملات سے تھا اور جن کا بر سر عام تذکرہ حکمت و پالیسی کے خلاف تھا یہ نہیں کہ آپ ﷺ نے منجانب اللہ نازل شدہ دین کی کوئی بات یا دینی امور سے متعلق کچھ احکام سب لوگوں سے چھپا کر حضرت علیؓ کو دیئے خود حضرت علیؓ نے اس طرح کے خیال کے مبنی بر حقیقت ہونے کی تردید کی ہے، چنانچہ بخاری کی روایت میں ہے کہ: جب کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ کے پاس کوئی ایسی چیز (یعنی کوئی ایسا خدائی حکم و فرمان) ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا اس ذات کی قسم جس نے زمین سے دانہ اگایا اور ذی روح کو پیدا کیا، میرے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں جو قرآن میں موجود ہے، ہاں کتاب اللہ کی وہ سمجھ مجھے حاصل ہے جو (حق تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم کے تحت) کسی کو حاصل ہوتی ہے اور یہ ایک صحیفہ میرے پاس ہے (جس میں وراثت و دیت وغیرہ کے کچھ احکام لکھے ہوئے ہیں)۔

خصوصی فضیلت

⑫ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ یَا عَلِیُّ لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ یُجْنِبُ فِیْ ھٰذَا الْمَسْجِدِ غَیْرِیْ وَغَیْرَكَ قَالَ عَلِیُّ بْنُ الْمُنْذِرِ فَقُلْتُ لِضِرَارِبْنِ صُرَدٍ مَا مَعْنٰی ھٰذَا الْحَدِیْثِ قَالَ لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ یَسْتَطْرِقُہٗ جُنُبًا غَیْرِیْ وَغَیْرَكَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا اے علیؓ! میرے اور تمہارے سوا کسی کو جائز نہیں کہ وہ جنابت یعنی ناپاکی کی حالت میں مسجد میں آئے "علی بن منذر کا بیان ہے کہ میں نے ضرار ابن صردؒ سے پوچھا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے بتایا! (اس کے معنی یہ ہیں کہ) میرے اور تمہارے سوا کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ جنابت یعنی ناپاکی کی حالت میں مسجد کو گزر گاہ بنائے اور اس کے اندر سے آئے جائے، اس کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے (لیکن جزریؒ کا کہنا یہ ہے کہ متفقہ طور پر تمام محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے)۔"

تشریح: اتفاق سے آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ کے گھروں کے دروازے مسجد نبوی کے اندر واقع تھے اور اپنے اپنے گھر میں آنے جانے کے لئے ان کو مسجد میں سے گزرنا پڑتا تھا۔

علی ابن منذر تیسری ہجری کی ایک مشہور ہستی ہیں، اونچا علمی مقام تو رکھتے ہی تھے لیکن عابد و زاہد ہونے کے اعتبار سے بھی امتیازی شخصیت کے مالک تھے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پچپن حج کئے۔ ائمہ حدیث کی ایک جماعت سے حدیث سننے اور روایت کا شرف ان کو حاصل ہے، اگرچہ شیعہ تھے لیکن مستند فقیہ اور محدثین کی اصطلاح میں "صدوق" مانے گئے ہیں اور ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ راویان حدیث میں کیا ہے۔

محبوب رسول خدا

⑬ وَعَنْ اُمِّ عَطِیَّۃَ قَالَتْ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَیْشًا فِیْھِمْ عَلِیٌّ قَالَتْ فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ رَافِعٌ یَدَیْہِ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَا تُمِتْنِیْ حَتّٰی تُرِیَنِیْ عَلِیًّا۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ام عطیہؓ کہتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے کسی جنگی مہم پر) ایک لشکر روانہ فرمایا تو اس میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے، ام عطیہ کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر (جب کہ آپ ﷺ لشکر کو رخصت کر رہے تھے یا لشکر کی واپسی کا دن قریب تھا) میں نے رسول کریم ﷺ کو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگتے سنا! "الٰہی مجھ کو اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ تو علیؓ کو (عافیت و سلامتی کے ساتھ واپس لا کر) مجھ کو نہ دکھا دے"۔ (ترمذیؒ)

تشریح: اس حدیث سے اس چیز کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے کس درجہ تعلق اور کتنی شدید محبت تھی کہ ان کی جدائی سے آپ ﷺ دل گرفتہ ہو جاتے تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

علیؓ سے بغض رکھنے والا منافق ہے

⑭ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ وَلَا یُبْغِضُہٗ مُؤْمِنٌ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔

"حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا علی سے منافق محبت نہیں رکھتا اور (کامل) مومن علیؓ سے بغض اور دشمنی نہیں رکھتا۔ اس روایت کو احمدؒ و ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث باعتبار اسناد کے غریب ہے۔"

علیؓ کو برا کہنا حضور ﷺ کو برا کہنا ہے

(۱۵) وعنھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سب علیا فقد سبنی۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے (نسب ونسل کے اعتبار سے) علیؓ کو برا کہا اس نے درحقیقت مجھ کو برا کہا۔" (احمدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں بدگوئی اور فحش کلامی کرنا گویا آنحضرت ﷺ کی شان میں بدگوئی اور فحش کلامی کرنا ہے پس حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ جو شخص حضرت علیؓ کی شان میں بدگوئی کرے اس کو کافر قرار دیا جانا چاہئے یا یہ کہا جائے کہ یہ حدیث دراصل تہدید و وعید پر محمول ہے یا یہ کہ بدگوئی کرنے والے کو کافر اس صورت میں قرار دیا جائے گا جبکہ وہ ان کی شان میں بدگوئی کو حلال جانے۔

اس روایت کو حاکمؒ نے بھی نقل کیا ہے، نیز طبرانیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ من سب اصحابی فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین جس شخص نے میرے صحابہؓ کی شان میں بدگوئی کی اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت۔

اور طبرانیؒ ہی نے حضرت علیؓ سے یوں نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

من سب الانبیاء قتل ومن سب اصحابی جلد۔

"انبیاء کی شان میں بدگوئی کرنے والے کو قتل کر دیا جائے اور میرے صحابہؓ کی شان میں بدگوئی کرنے والے کو کوڑے لگائے جائیں۔"

ایک مثال ایک پیش گوئی

(۱۶) وعن علیؓ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیک مثل من عیسی ابغضتہ الیھود حتی بھتوا امہ واحبتہ النصاری حتی انزلوہ بالمنزلۃ التی لیست لہ ثم قال یھلک فی رجلان محب مفرط یقرظنی بما لیس فی ومبغض یحملہ شنانی علی ان یبھتنی۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا، "تم میں عیسی علیہ السلام سے ایک طرح کی مشابہت ہے یہودیوں نے ان (عیسیٰ) سے بغض و عناد رکھا تو اتنا زیادہ رکھا کہ ان کی ماں (مریم) پر (زنا کا) بہتان باندھا اور عیسائیوں نے ان سے محبت و وابستگی قائم کی تو اتنی (زیادہ اور غلو کے ساتھ قائم کی) کہ ان کو اس مرتبہ و مقام پر پہنچا دیا جو ان کے لئے ثابت نہیں ہے (یعنی ان کو "اللہ" یا "ابن اللہ" قرار دے ڈالا) یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے کہا (مجھے یقین ہے کہ اس ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق حضرت عیسی علیہ السلام کی طرح میرے بارے میں بھی) دو شخص یعنی دو گروہ اس طرح ہلاک (یعنی گمراہ) ہوں گے کہ ان میں سے ایک تو جو مجھ سے محبت رکھنے والا ہوگا اور اس محبت میں حد سے متجاوز ہوگا، مجھ کو ان خوبیوں اور بڑائیوں کا حامل قرار دے گا جو مجھ میں نہیں ہوں گی، اور ایک جو مجھ سے بغض و عناد رکھنے والا ہوگا، میری دشمنی سے مغلوب ہو کر مجھ پر بہتان باندھے گا۔" (احمدؒ)

تشریح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں جو پیش گوئی فرمائی اور جس کی طرف خود حضرت علیؓ نے واضح طور پر اشارہ کیا وہ پوری ہو کر رہی۔ روافض اور شیعوں نے حب علیؓ میں حد سے اس قدر تجاوز کیا کہ تمام

صحابہؓ پر یہاں تک کہ انبیاء پر ان کی فضیلت کے قائل ہوئے بلکہ بعض طبقوں (جیسے نصیریوں وغیرہ) نے تو حضرت علیؓ کو مقام الوہیت تک پہنچادیا، ان کے مقابلہ پر دوسرا گروہ وہ خارجیوں کا پیدا ہوا، وہ حضرت علیؓ کی دشمنی میں حد تک بڑھ گئے کہ کوئی بڑے سے بڑا بہتان ایسا نہیں چھوڑا جو ان کی پاکیزہ شخصیت پر انہوں نے نہ باندھا ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ محبت و عقیدت وہی مستحسن و مطلوب ہے جو حد سے زیادہ متجاوز نہ ہو اور عقل و شریعت کے مسلمہ اصول کے مطابق ہو، ایسی محبت و عقیدت جو حد سے متجاوز ہو در حقیقت گمراہی کی طرف لے جاتی ہے اور غیر معتدل ہونے کے سبب راہ مستقیم سے باہر کر دیتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس طرح کی محبت و عقیدت رکھنے والے شخص کو جو اگرچہ بظاہر مسلمان و دیندار نظر آتا ہے "گمراہ انسان" کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اہل سُنّت والجماعت کو جس چیز نے راہ مستقیم پر گامزن کر رکھا ہے وہ محبت و عقیدت کے باب میں ان کا اعتدال و توازن ہے کہ وہ افراط اور تفریط دونوں سے محفوظ ہیں، بہرحال اہل ایمان و اسلام کی زندگی کا سرمایہ سعادت دو چیزیں ہیں ایک تو خاندان نبوت کی محبت اور دوسری اصحاب نبی ﷺ کی تعظیم جو شخص اس سرمایہ سعادت کو حاصل کر کے اپنی دنیا اور عقبیٰ بنانا چاہئے اس کو لازم ہے کہ ان دونوں کے درمیان اعتدال و توازن رکھے اور اسی اعتدال و توازن کے ساتھ ان دونوں کی محبت کو اپنے اندر جمع کرے۔

امام احمدؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدنا علیؓ نے فرمایا:

یحبنی اقوام حتی یدخلوا النار فِیْ حبی و یبغضنی اقوام حتی یدخلوا النار فِیْ بغضی۔

"کچھ گروہ مجھ سے محبت رکھیں گے یہاں تک کہ میری محبت (میں غلو) کے سبب ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا اور کچھ گروہ مجھ سے دشمنی رکھیں گے یہاں تک کہ میری دشمنی کے سبب وہ دوزخ میں جائیں گے۔"

امام احمدؒ نے حضرت علیؓ کی یہ دعا نقل کی ہے۔

اللھم العن کل مبغض لنا و کل محب لنا غال۔

"الٰہی! ہم سے دشمنی رکھنے والوں پر لعنت کر اور ہمارے غالی محبین پر بھی لعنت کر۔"

غدیر خم کا واقعہ

⑰ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ وَزَيْدِ بْنِ اَرْقَمَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَزَلَ بِغَدِيْرِ خُمٍّ اَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ فَقَالَ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّيْ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّيْ اَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهٖ قَالُوْا بَلٰى فَقَالَ اللّٰهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ فَلَقِيَهُ عُمَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَقَالَ لَهٗ هَنِيْئًا يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ اَصْبَحْتَ وَاَمْسَيْتَ مَوْلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ۔ (رواہ احمد)

"حضرت براء بن عازبؓ اور زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے جب غدیر خم میں پڑاؤ کیا تو آپ ﷺ نے (صحابہؓ کو جمع کیا اور جیسا کہ ایک روایت میں ہے، اونٹوں کے پالانوں کا منبر بنا کر اس پر کھڑے ہوئے اور پھر) حضرت علیؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا: "(اے میرے اصحاب!) یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ اہل ایمان کے نزدیک میں ان کی جانوں سے زیادہ عزیز ہوں؟ سب نے عرض کیا جی ہاں، اس کے بعد آپ ﷺ نے یوں فرمایا: تم تو جانتے ہی ہو کہ میں ایک ایک مومن کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ عزیز و محبوب ہوں! صحابہؓ نے عرض کیا: جی ہاں تب آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! جس شخص کا میں دوست ہوں علیؓ اس کا دوست ہے۔ الٰہی تو اس شخص کو دوست رکھ جو علیؓ کو دوست رکھے اور تو اس شخص کو اپنا دشمن قرار دے جو علیؓ سے دشمنی رکھے" اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ جب حضرت

علیؓ سے ملے تو ان سے بولے اے ابن ابی طالب مبارک ہو تم تو صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی (یعنی ہر آن و ہر لمحہ) ہر مسلمان مرد و عورت کے دوست و محبوب ہو۔" (احمدؒ)

تشریح: "غدیر خم" ایک مقام کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے مابین حجفہ کے قریب واقع ہے، مکہ سے حجفہ کا فاصلہ تقریباً ۵۰، ۶۰ میل ہے اور حجفہ سے "غدیر خم" تین چار میل کے فاصلے پر ہے۔ ۱۰ھ میں رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے سفر واپسی میں یہاں قیام فرمایا تھا اور اس وقت صحابہؓ کی بہت بڑی تعداد آپ ﷺ کے ہمراہ تھی جن کو آپ ﷺ نے جمع کر کے حضرت علیؓ کے حق میں مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔

یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ اہل ایمان کے نزدیک......... ان الفاظ کے ذریعہ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو قرآن کریم کی اس آیت اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (نبی اہل ایمان کے نزدیک خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ عزیز و محبوب ہیں) کی طرف متوجہ کیا، نیز ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ الفاظ تین بار ارشاد فرمائے تھے۔

"میں ایک ایک مؤمن کے نزدیک........." پہلے آپ ﷺ نے علی العموم "اہل ایمان" کا لفظ ارشاد فرمایا تھا، پھر اسی بات کو دوہرانے کے لئے اور زیادہ وضاحت کی خاطر "ایک ایک مؤمن" کا لفظ استعمال فرمایا۔ بہرحال ان الفاظ کے ذریعہ آپ ﷺ نے اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ ایک ایک مؤمن جو مجھ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے تو اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ میں اہل ایمان کو انہی باتوں کا حکم دیتا ہوں جو ان کی دینی یا دنیاوی بھلائی و بہتری اور فلاح و نجات کی ضامن ہیں جب کہ ان کا اپنا نفس، بتقضائے بشریت ان کو برائی اور بگاڑ کی طرف بھی لے جانا چاہتا ہے، اور یہ انسان کی فطرت سلیمہ کا تقاضا ہے کہ وہ جس ذات کو ہر آن اپنا خیر خواہ پاتا ہو اس کو ذات سے زیادہ عزیز و محبوب رکھے جو ہر آن یا کبھی کبھار ہی سہی بد خواہی پر آمادہ پائی جاتی ہو۔

"الٰہی تو اس شخص کو دوست رکھ......" ایک روایت میں یہاں آپ ﷺ کے الفاظ یوں منقول ہیں:

اللهم احب من حبه و ابغض من ابغضه و انصر من انصره و اخذل من خذله و ادر الحق معه حيث دار۔

"الٰہی! تو اس شخص کو محبوب رکھ جو علیؓ کو محبوب رکھے اور اس شخص سے بغض رکھ جو علیؓ سے بغض رکھے اور اس شخص کی مدد کر جو علیؓ کا مددگار ہو اور اس شخص کی مدد نہ کر جو علی کی مدد نہ کرے، اور حق کو علیؓ کے ساتھ رکھ کہ جدھر علی رہے ادھر ہی حق رہے۔"

شیعوں کا استدلال: شیعہ جماعت جن احادیث اور روایتوں سے حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل اور ان کی اولیت و افضلیت پر استدلال کرتی ہے ان میں سے اس حدیث کو وہ نہایت مضبوط اور قوی تر دلیل دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ "مولا" کے معنی "عزیز و محبوب اور مددگار" کے نہیں ہیں بلکہ دراصل یہ لفظ "اولی بالخلافت" کے معنی میں ہے، وہ اپنی دلیل میں ماقبل عبارت کے الفاظ انی اولی بالمؤمنین پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے بارہ میں جو یہ الفاظ فرمائے تھے ان کے معنی یہ ہیں کہ "میں اہل ایمان پر خود ان کے نفس سے زیادہ تصرف و حکومت کا حق رکھتا ہوں"۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ان الفاظ کے معنی "اہل ایمان کے نزدیک ان کی جانوں سے بھی زیادہ عزیز و محبوب مراد ہوتے تو محض اس بات کو بیان کرنے کے لئے" صحابہؓ کو اس قدر اہتمام سے جمع کرنے ان کو اتنی اہمیت کے ساتھ اور اس پر زور انداز میں مخاطب کرنے اور حضرت علیؓ کے حق

مذکورہ دعا کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ یہ بات اتنی واضح اور عام تھی کہ تمام صحابہ جانتے اور مانتے تھے۔ علاوہ ازیں جو دعا آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے حق میں کی وہ اس ذات کے علاوہ اور کسی کے حق میں ہو ہی نہیں سکتی جو امام معصوم مفروض الطاعۃ ہو۔ اس طرح شیعہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس حدیث سے آنحضرت ﷺ نے پوری اُمت کے حق میں جو "ولا" اپنے لئے بیان کیا وہی "ولا" حضرت علیؓ کے

لئے بھی واضح طور پر ثابت ہوا پس یہ حدیث حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کے حق میں نص قطعی و صریح ہے۔

الزامی جواب: ماننا چاہئے کہ یہ حدیث صحیح ہے، ائمہ حدیث مثلاً امام ترمذیؒ امام نسائیؒ اور امام احمدؒ وغیرہ کی ایک جماعت نے اس کو نقل کیا ہے، اس کے طرق بھی بہت ہیں اور متعدد سلسلۂ اسناد سے منقول ہے اور ان میں سے اکثر سلسلۂ اسناد "صحاح" اور "حسان" ہیں۔ سولہ صحابہؓ اس حدیث کے راوی ہیں بلکہ امام احمدؒ نے ایک روایت میں نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنا زمانۂ خلافت میں ایک موقع پر، جب کہ ان کے مخالفین کا گروہ ان کی خلافت کو نزاعی مسلہ بنائے ہوئے تھا، لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر کے ان سے فرمایا کہ میں تم سے ہر ایک کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم نے غدیر خم کے مقام پر رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا تھا وہ بیان کرو تو اس پر تیس صحابہؓ نے کھڑے ہو کر یہ حدیث بیان کی اور خلافت علیؓ کے حق میں شہادت دی۔ لہٰذا اس بات کی زیادہ اہمیت نہیں ہے کہ بعض حضرات نے اس حدیث کے صحیح ہونے میں کلام کیا ہے یا یہ کہا ہے کہ حدیث کا آخری حصہ اللھم وال من والاہ الخ حقیت میں اس حدیث کا جزء نہیں ہے بلکہ من گھڑت ہے اور بعد میں اس حدیث کا جزء بنایا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حصہ بھی حدیث کا جزء ہے اور اس کو متعدد طرق سے نقل کیا گیا ہے جن میں اکثر کو ذہبیؒ نے "صحیح" قرار دیا ہے، لیکن جہاں تک اس حدیث سے شیعوں کے مذکورہ استدلال کا تعلق ہے تو اس کی یقیناً کوئی بنیاد نہیں ہے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس کو ان کی ناسمجھی یا دانستہ طور پر غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا، لزامی جواب کے طور پر سب سے پہلی بات تو شیعوں سے یہ کہی جاسکتی ہے کہ خود تم اس بات پر متفق ہو کہ "امامت" کے مسئلہ میں دلیل کے نقطۂ نظر سے تواتر کا اعتبار ہے، یعنی امامت و خلافت کا استحقاق ثابت کرنے کے لئے وہی حدیث معتبر قرار پاسکتی ہے جو "متواتر" ہو، جو حدیث متواتر نہیں ہے اس کے ساتھ صحت امامت پر استدلال نہ کرنا چاہئے جب کہ یہ حدیث جس کو تم لوگ نص قطعی و صریح قرار دے کر اپنا مستدل بناتے ہو، یقینی طور پر متواتر نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے تو صحیح ہونے میں بھی اختلاف ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس اختلاف کو قبول نہیں کیا گیا۔ جن حضرات نے اس حدیث کو "مطعون" قرار دیا ہے ان میں ابوداؤد سجستانی اور ابوحاتم رازیؒ جیسے ائمہ حدیث اور ارباب عدل بھی شامل ہیں جن کی طرف علم حدیث میں رجوع کیا جاتا ہے اور جن کی ذات محدثین کے ہاں مرجع مانی جاتی ہے، علاوہ ازیں اہل حفظ و اتقان مثلاً بخاریؒ، ومسلمؒ۔ واقدی اور دوسرے اکابر محدثین میں سے کسی نے بھی اس حدیث کو نقل نہیں کیا ہے جب کہ یہ حضرات حدیث کی طلب و جستجو میں شہر شہر، قریہ قریہ پھرتے تھے اور صحیح احادیث کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کرتے تھے گویا بات نہ فنی طور پر اس حدیث کی صحت رخنہ ڈالتی ہے اور نہ ہم اس حدیث کے صحیح ہونے سے انکار کرتے ہیں لیکن کیا یہ حیرت و استعجاب کی بات نہیں ہے کہ ایسی حدیث کو "حدیث متواتر" قرار دینے کی کوشش کی جائے، جب شیعہ صحت امامت کی دلیل میں حدیث متواتر کا ہونا شرط مانتے ہیں تو اس کا صاف مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہوا کہ وہ اس حدیث کو نص قطعی و صریح مان کر گویا اس حدیث کو متواتر قرار دے رہے ہیں۔

لفظ "مولا" کے معنی: اب آیئے یہ دیکھیں کہ شیعہ جس لفظ "مولا" کی بنیاد پر اس حدیث کو حضرت علیؓ کے استحقاق خلافت بلافصل پر نص صریح قرار دیتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے "مولا" کے ایک دو نہیں کئی معنی ہیں: رب، مالک، آقا، مددگار، دوست تابع، پیروی کرنے والا، پڑوسی چچازاد بھائی، حلیف، داماد، آزاد کردہ غلام اور احسان مند وغیرہ وغیرہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ اگر کسی کلام میں کوئی ایسا لفظ لایا گیا ہو جو مختلف معانی رکھتا ہو اور ان میں سے کچھ معنی ایک دوسرے سے ترادف و اشتراک بھی رکھتے ہوں تو ان میں سے کسی خاص معنی کو متعین اور مراد لینا اس صورت میں معتبر ہوگا جب کہ اس کی کوئی دلیل اور واضح قرینہ موجود ہو، یا اگر وہ لفظ متنازعہ بن گیا ہو تو اس معنی کو مراد لینا زیادہ صحیح مانا جاتا ہے جس میں قدر مشترک پایا جاتا ہو اس اصول کے تحت اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ لفظ "مولا" کے معنی حاکم و والی مراد لینا صحیح نہیں ہے، صحیح تو دوست و مددگار مراد لینا ہیں کیونکہ اول تو سیاق حدیث کا واضح قرینہ اور دلیل اس معنی کے حق میں ہے، دوسری دلیل یہ کہ لفظ "مولا" کا امام یعنی حاکم والی کے معنی میں مستعمل ہونا معہود و معلوم نہیں ہے نہ لغت میں اور نہ شرع میں اور ائمہ لغت میں

سے کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ "مفعل" بمعنیٰ (　　) میں آتا ہے یعنی یہ تو کہا جاتا ہے کہ یہ چیز فلاں چیز سے اولیٰ ہے یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ چیز فلاں چیز سے "مولا" ہے دوسرے یہ کہ خود شیعہ حضرت علیؓ کو پوری اُمت کا دوست و محبوب و مددگار ہیں پس اس قدر مشترک کے اعتبار سے اس لفظ کے یہ معنی مراد لینا زیادہ موزوں ہے۔ رہی یہ بات کہ اگر آنحضرت ﷺ نے یہی مفہوم مراد لیا تھا تو پھر اس کو اتنے اہتمام سے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ یہ بات سب ہی کو معلوم تھی تو اس موالات کے بیان کرنے سے آنحضرت ﷺ کا اصل مقصد لوگوں کو اس بات مُتنبہ کرنا تھا کہ کوئی بھی شخص علیؓ سے بغض و عناد نہ رکھے۔ اس تنبیہ کے اظہار کے لئے ضروری تھا کہ لوگوں کو جمع کیا جاتا اور پھر علیؓ کی عظمت و بزرگی ثابت کرنے کے لئے ان الفاظ میں ان کی منقبت بیان کی جاتی۔ اسی لئے آپ ﷺ نے پہلے یوں فرمایا الستم تعلمون انی والی بالمؤمنین اور پھر بعد میں جو دعا فرمائی وہ بھی انہی الفاظ کی جہت و مناسبت سے رکھی، واضح ہو کہ یہ روایت جن دوسرے طرق سے منقول ہے ان میں سے بعض طرق میں پہلے تو اہل بیت نبوت کا عموماً ذکر ہے اور پھر حضرت علیؓ کا خصوصی ذکر ہے، اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا اصل مقصد تمام اہل بیت خصوصاً حضرت علیؓ کی محبت و توقیر کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا اور اس بارہ میں تاکید کرنا تھا بعض روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ ارشاد نبوت دراصل اس ضرورت کے تحت تھا کہ بعض صحابہؓ کو اس شکوہ پر تنبیہ کی جائے جس کا انہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف اظہار کیا تھا۔ یہ وہ صحابہؓ تھے جو ایک خاص مشن پر حضرت علیؓ کے ساتھ یمن گئے تھے۔ جب یہ صحابہ بشمول حضرت علیؓ حجۃ الوداع کے موقعہ پر یمن سے آکر آنحضرت ﷺ کے شریک حج ہوئے تو انہوں نے حضرت علیؓ کی نسبت بعض معاملات میں آنحضرت ﷺ سے کچھ شکایات بیان کیں جو اہل یمن کی بعض غلط فہمیوں کے سبب پیدا ہوئی تھیں۔ نہ صرف یہ بلکہ بعض صحابہؓ نے حضرت علیؓ کی کسی بات کا انکار بھی کیا تھا۔ ان صحابہؓ میں ایک صحابی بریدہ اسلمیؓ بھی تھے، صحیح بخاری کی روایت میں جس کو ذہبیؒ نے بھی صحیح قرار دیا ہے یوں ہے کہ: جب آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کی شان میں ان صحابہؓ کے شکایتی الفاظ سنے تو (غصہ کے مارے) آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا اور فرمایا: "اے بریدہؓ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اہل ایمان کے نزدیک میں ان کی جانوں سے زیادہ عزیز و محبوب ہوں" اور پھر آپ ﷺ نے وہی الفاظ ارشاد فرمائے جو اوپر حدیث میں ہیں، بات چونکہ بہت اہم تھی اس لئے آپ ﷺ نے تمام صحابہؓ کو جمع کیا اور تاکیداً ان کے سامنے مذکورہ حدیث ارشاد فرمائی۔

دعویٰ پھر بھی ثابت نہیں ہوتا: علماء اہل سُنت والجماعت کہتے ہیں: چلئے ہم نے مانا کہ اس حدیث میں "مولا" کا لفظ "اولیٰ" کے معنی میں ہے، لیکن یہ کہاں لازم آتا ہے کہ "امامت و حکومت خلافت میں اولیٰ" مراد ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "قربت اور اتباع میں اولیٰ" کے معنی مراد ہوں، اس کا قرینہ قرآن کی اس آیت میں بھی موجود ہے۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ۔

"حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سب سے زیادہ خصوصیت اور قرابت وہ لوگ رکھتے تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا۔"

اور شیعوں کے پاس دلیل قاطع تو درکنار کوئی ظاہر تر دلیل بھی ایسی نہیں ہے جو اس احتمال کو نفی کرنے والی ہو، اور پھر چلئے ہم نے یہ بھی مان لیا کہ "امامت و حکومت میں اولیٰ" مراد ہے لیکن یہ تو بتایا جائے کہ اس لفظ (اولیٰ) سے بلا کسی مزید صراحت کے "فی الحال اور بلا فصل) کی قید کا لزوم کس دلیل کے تحت مان لیا گیا ہے۔ ایسی کوئی بھی دلیل اور واضح قرینہ موجود نہیں ہے جو یہ ثابت کرے کہ اگر اس لفظ سے آنحضرت ﷺ نے "اولیٰ بالحکومت" مراد لیا تھا تو آپ ﷺ کی مراد یہ بھی تھی کہ علی اس وقت سے میرے ولی عہد ہیں اور میرے پہلے جانشین مقرر ہو گئے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے مال کے اعتبار سے "اولیٰ بالحکومت" مراد لیا ہو یعنی آپ نے اس لفظ کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا ہو کہ کبھی نہ کبھی ایک وقت ایسا آئے گا جب علیؓ ہی تمام مسلمانوں میں سب سے افضل و برتر ہوں گے اور

امامت وخلافت کی باگ ڈور سنبھالیں گے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس معنی میں تو اہل سُنّت و الجماعت بھی حضرت علیؓ کو اولی بالخلافت تسلیم کرتے ہیں۔ جب ان کا وقت آیا تو مسلمانوں کے ارباب حل و عقد نے ان کو اَولی بالخلافت قرار دے کر منصب خلافت راشدہ پر انہی کو متمکن کیا اور اس وقت اہل اسلام میں سب سے افضل و برتر وہی قرار پائے، مختصر یہ کہ "مولا" کو "اولی" کے معنی میں مان لینے کے بعد بھی شیعوں کا دعوی کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔

خود حضرت علیؓ سے کس کی تائید حاصل ہوتی ہے: شیعوں کی بات تو بعد کی ہے کہ وہ اس حدیث کو حضرت علی کی خلافت بلا فصل پر نص قطعی مانتے ہیں اور لفظ "مولی" کے وہ معنی مراد لیتے ہیں جو لغوی، نقلی اور عقلی طور پر کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتے۔ ان سے پہلے تو حضرت علیؓ کی ذات ہے کہ اس حدیث کا براہ راست تعلق بھی انہی سے ہے اور وہی "صاحب معاملہ بھی ہیں لہذا دیکھنا چاہئے کہ خود حضرت علیؓ نے بھی اس حدیث کا وہی مفہوم مراد لیا ہے جو شیعہ علماء بیان کرتے ہیں یا ان کے نزدیک حدیث کو وہ معنی ہیں جو اہل سُنّت و الجماعت مراد لیتے ہیں، جہاں تحقیق و درایت کا تعلق ہے تو بلاشبہ یہی نتیجہ اخذ کرنا پڑتا ہے کہ حضرت علیؓ کے نزدیک اس حدیث کا وہ مفہوم و مطلب نہیں تھا جو شیعہ علماء بیان کرتے ہیں پہلی دلیل تو یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ علی الترتیب تینوں کی خلافت، جو حضرت علیؓ کی خلافت سے مقدم تھی، اجماع اُمّت کے تحت قائم ہوئی تھی اور حضرت علیؓ اس اجماع میں شامل تھے قطع نظر اس بات کے کہ بعض صریح روایتوں سے آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا خلیفہ اور جانشین رسول ظاہر ہوتا تھا اگر زیر بحث حدیث حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل اور آنحضرت ﷺ کے بعد تمام اُمّت پر ان کی افضلیت و برتری کی طرف کسی بھی صورت میں صراحت یا اشارہ کرتی تو حضرت علیؓ کسی بھی طرح اس اجماع اُمّت میں شامل نہ ہوتے جس نے نہ صرف حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ اول مقرر کیا بلکہ بعد میں حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت قائم کی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر بقول شیعہ علماء یہ حدیث حضرت علیؓ کے لئے خلافت بلا فصل کی نص قطعی ہوتی تو حضرت علیؓ یا حضرت عباسؓ اور یا خاندان نبوت کا کوئی بھی فرد آنحضرت ﷺ کے وصال کے فوراً بعد، جب کہ آنحضرت ﷺ کی خلافت اور جانشینی کا مسئلہ زیر مشورہ آیا، اس حدیث کو پیش کرتے اور اس کی بنیاد پر استحقاق علیؓ کا دعوی کرتے لیکن ہوا یہ کہ حضرت علیؓ نے تقویت و حمایت حاصل کرنے کے لئے اس حدیث کو بطور دلیل پیش بھی کیا تو اس وقت پیش کیا جب وہ مسند خلافت پر فائز ہو چکے تھے اور گروہ ان کی خلافت سے انحراف کر رہا تھا۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضرت علیؓ خوب جانتے تھے کہ یہ حدیث آنحضرت ﷺ کے فوراً وصال کے بعد ان کے استحقاق خلافت پر نص پیش نہیں کرتی۔ تیسری دلیل یہ کہ بعض صحیح روایتوں کے مطابق خود حضرت علیؓ نے وضاحت کی تھی کہ آنحضرت ﷺ سے ایسی کوئی چیز منصوص نہیں ہے جس سے ان کی یا کسی دوسرے کی خلافت ثابت ہوتی ہو، یہاں صرف اس نکتہ پر مرکوز رہنا چاہئے کہ حضرت علیؓ اس حدیث کو اپنی خلافت بلا فصل پر "نص" نہیں مانتے تھے اور چوتھی دلیل وہ روایت ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں آئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آخر مرض الموت میں ایک دن جب حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ آپ ﷺ کے پاس آئے تو حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آنحضرت ﷺ سے اس امر یعنی خلافت کی درخواست کر کے دیکھ لو، اگر یہ اعزاز ہمارے ہی خاندان میں رہنے والا ہے تو اچھا ہے کہ ہمیں اس کا علم خود آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے ذریعہ ہو جائے لیکن حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ کی بات کو نہیں مانا اور صاف انکار کر دیا کہ میں ایسی کوئی درخواست آنحضرت ﷺ سے نہیں کروں گا، اس سے بھی بخوبی ثابت ہوا کہ شیعوں کا دعوی سرے سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اگر یہ حدیث حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل کے حق میں نص ہوتی تو اس بارے میں آنحضرت ﷺ کی طرف رجوع کرنے اور پوچھنے کی ضرورت کاہے کو پیش آتی اور حضرت عباسؓ یہ بات کیوں کہتے کہ اچھا ہے اس کا علم خود آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے ذریعہ ہو جائے، درآنحالیکہ اس حدیث اور غدیر خم کا واقعہ دو ڈھائی ماہ پہلے ہی پیش آیا تھا اور بالکل قریبی عرصہ کی بات ہونے کے سبب ان دونوں حضرات کے ذہن میں پوری طرح مستحضر تھا۔

لفظ "مولی" کے معنی تمام صحابہؓ نے کیا سمجھے: واقعہ غدیر خم کے دن تقریباً سوالاکھ مؤمنین کا جم غفیر اس موقع پر موجود تھا اور اس اجتماع عظیم میں بکثرت وہ صحابہؓ کرام بھی موجود تھے جن کے ایمان وعمل اور صدق و امانت کی شہادت کلام اللہ اور کلام رسول میں کثرت کے ساتھ وارد ہے، اس تمام جماعت مسلمین کی مادری زبان عربی ہی تھی اور اس جماعت میں بڑے بڑے فصحاء و ادبا اور نکتہ دانان الفاظ و معانی بھی موجود تھے، بڑا اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان سب نے یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سنی تو اس کا کیا مطلب انہوں نے سمجھا تھا اور لفظ "مولا" کے کیا معنی انہوں نے مراد لئے تھے، آیا اس مقدس مجمع میں اس کلام رسول کا وہ مطلب اخذ کیا گیا تھا جو اہل سُنّت و الجماعت بیان کرتے ہیں۔ یعنی حضرت علیؓ کی محبت و مودت کی تاکید، یا وہ مطلب سمجھا گیا تھا جو شیعہ بیان کرتے ہیں، یعنی آنحضرت ﷺ کی خلافت بلافصل اور رسول اللہ ﷺ کی جانشینی ولی عہدی کا اعلان! اس سوال کا واضح جواب ناقابل تردید وجوہ کی بناء پر یہ ہے کہ واقعہ غدیر کے دن تمام حاضرین نے اس حدیث کے مطلب اور لفظ "مولا" کے معنی وہی سمجھے تھے جو اہل سُنّت والجماعت بیان کرتے ہیں ان تمام لوگوں نے رسول مقبول ﷺ کی وفات کے بعد جو متفقہ طور سے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کو آنحضرت ﷺ کا جانشین اول تسلیم کیا اور حضرت علیؓ کی بیعت خلافت کا انہوں نے کوئی ذکر ہی نہیں کیا تو یہ اس بات کی مضبوط ترین دلیل ہے کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس حدیث سے حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل مراد نہیں ہے۔ نہ تو بات قرین قیاس ہے کہ واقعہ غدیر کے محض دو ڈھائی ماہ بعد ہی تقریباً سوالاکھ آدمیوں کی پوری جماعت حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت اس حدیث کو سرے سے بھول گئی ہو اور نہ عقل اس کو تسلیم کر سکتی ہے کہ سوالاکھ اہل ایمان اور ارباب دین ودیانت میں سے سب کے سب اس ارشاد رسول ﷺ سے منحرف ہو گئے ہوں، یا انہوں نے دیدہ دانستہ اس حدیث کو پردۂ غفلت میں رہنے دیا ہو۔ علاوہ ازیں یہ حقیقت بھی سامنے رکھنی چاہئے کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ واقعہ غدیر کے بعد ایک دن رسول کریم ﷺ نے صحابہؓ کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی شان وفضیلت اور ان کے استحقاق کو آشکارا کرتے ہوئے ان دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا: میرے بعد تم پر کوئی حاکم حکومت نہ کرے گا، ظاہر ہے کہ اگر مذکورہ حدیث سے آپ ﷺ کی مراد حضرت علیؓ کو اپنا جانشین اور خلیفہ نامزد کرنا ہوتا تو پھر بعد میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے یوں ہرگز نہ فرماتے کہ میرے بعد تم پر کوئی حاکم حکومت نہ کرے گا۔ واضح دلائل اور براہین کے ذریعہ ثابت ہے کہ اس حدیث سے آنحضرت ﷺ کا اصل مقصد حضرت علیؓ کی محبت اور ان سے حسن تعلق قائم رکھنے کی تلقین و تاکید کرنا ہے اور اہل بیت نبوت کے بارے میں اس طرح کی تلقین و تاکید آپ ﷺ نے متعدد مواقع پر ارشاد فرمائی ہے لیکن محبت اور خلافت کے درمیان بہرحال فرق ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔

تمام صحابہؓ پر ارتداد کا الزام: شیعوں کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے موقع پر یہ حدیث تمام صحابہؓ کے ذہن میں تھی کوئی اس کو بھولا نہیں تھا لیکن ان سب نے ظلم و تعدی بغض وعناد اور مکابرہ کے فاسد جذبات سے مغلوب ہو کر اس ارشاد رسول سے صریح انحراف کیا دراصل شیعوں کا ایک مستقل عقیدہ ہے، وہ صحابہؓ کو گمراہ کہتے ہیں بلکہ روافض تو ان کے ارتداد اور کفر کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ رسول ﷺ کی وفات ہوتے ہی تمام مسلمان مرتد ہو گئے تھے اور علیؓ اور ان کے چند رفقاء کے علاوہ باقی سب صحابہؓ اس دنیا سے کفر کی حالت میں رخصت ہوئے۔ (معاذ اللہ)۔

حضرت علیؓ پر تہمت!: شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ "امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے خلفاء ثلاثہ کی بیعت میں جو شرکت کی یا انہوں نے اس موقع پر اپنی خلافت کا جو دعوی نہیں کیا اور یا انہوں نے خلافت بلافصل کا اپنا حق ثابت کرنے کے لئے اس حدیث سے جو استدلال نہیں کیا تو اس کا سبب "تقیہ" تھا یعنی انہوں نے ظلم کے ڈر سے حق پوشی کی مجبوراً اور بکراہت خلفا ثلاثہ کی بیعت میں شامل ہوئے اور عامہ مسلمین کے سماجی و سیاسی دباؤ کے تحت غاصبین کا یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی خلافت سے انحراف نہیں کیا اور اسی طرح معاذ اللہ یہ نادان کذب و افتراء کے ذریعہ سیدنا علیؓ کی ذات پر بزدلی اور کم ہمتی اور نفاق کی تہمت دھرنے کے مرتکب ہوئے کیونکہ سیدنا علیؓ جتنی

زبردست افرادی و ذاتی قوت رکھتے تھے اور جس بے مثال شجاعت و مردانگی کے حامل تھے اس کی بنا پر یہ بات محالات میں سے ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت بلافصل کے لئے یہ نص سنی ہو اور موقع پر اس کو پیش کرنے اور اس پر عمل کرنے سے باز رہے ہوں۔

ان کو یہ احساس نہیں کہ صحابہؓ کی آڑ میں بات ذات رسالت تک پہنچتی ہے: (صحابہؓ کرام اور صدر اول کے اہل ایمان کے بارہ میں اس قدر جارحانہ اور انتہا پسندانہ عقیدہ و نظریہ رکھنے کی صورت میں) روافض نے جو نکتہ نظر اختیار کیا ہے اس کے سبب دین و اسلام کو کلیۃً باطل قرار دینا لازم آتا ہے کیونکہ وہ عظیم ہستیاں جو دین و شریعت کے نقل و روایت کا مدار ہیں، اگر شیعہ اور رافضی جماعت کے بقول محض نفسیاتی جذبات و خواہشات کے تحت نصوص کو چھپا سکتی ہیں ظلم و تعدی کی راہ اختیار کر سکتی ہیں، حق پر کذب و افتراء کا پردہ ڈال سکتی ہیں تو پھر کیا چیز باقی رہ جاتی ہے جو واضح طور پر ثابت کردے کہ ان ہستیوں نے جو اسلام ہم تک پہنچایا ہے اور احادیث و روایات کی صورت میں دین و شریعت کا جو بنیادی سرمایہ ہم تک منتقل کیا ہے وہ سب لغو و باطل اور جھوٹ کا پلندہ نہیں ہے معاذ اللہ بلکہ حقیقت میں تو بات ذات رسالت پناہ تک پہنچتی ہے کہ (معاذ اللہ) غیر معتبر، بددیانت اور ایسے بے کردار لوگوں کا اتنا بڑا گروہ آپ ﷺ کے دامن صحبت میں مدتوں رہا جس کو آپ ﷺ کی ایک ربع صدی کی مسلسل تبلیغی مساعی اور تربیتی جدوجہد بھی دین و مذہب اور اخلاق و کردار کی راہ مستقیم پر گامزن رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکی واللہ ان ہذا الشیء عجاب اور پھر جیسا کہ پہلے ذکر ہوا خود سیدنا علیؓ کی ذات کہاں محفوظ رہی ایک بڑا الزام تو ان پر بھی آتا ہے کہ انہوں نے حق کی تاکید کرنے اور حق مانگنے میں سستی و کمزوری دکھائی اور مداہنت کا راستہ اختیار کیا۔

فاطمہ زہراءؓ کا نکاح

(۱۸) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ خَطَبَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ فَاطِمَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا صَغِيْرَةٌ ثُمَّ خَطَبَهَا عَلِيٌّ فَزَوَّجَهَا مِنْهُ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں: حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے فاطمہؓ سے نکاح کا پیغام دیا تو رسول کریم ﷺ نے کہہ دیا کہ وہ کمسن ہے اور پھر جب حضرت علیؓ نے فاطمہؓ سے اپنے نکاح کا پیغام دیا تو آپ ﷺ نے ان سے فاطمہؓ کا نکاح کردیا۔" (نسائی)

تشریح: "کہہ دیا کہ وہ کمسن ہے" اور ایک روایت میں فَسَكَتَ کے الفاظ ہیں، یعنی آپ ﷺ نے ان دونوں کا پیغام آنے پر سکوت اختیار فرمایا، کوئی جواب نہیں دیا پس ہو سکتا ہے کہ یہ جواب دینے کی صورت دوسری مرتبہ پیغام دینے پر پیش آئی ہو یعنی پہلی مرتبہ کے پیغام پر تو آپ ﷺ نے سکوت اختیار فرما لیا ہو اور جب انہوں نے دوسری مرتبہ پیغام دیا تو آپ ﷺ نے یہ جواب دیا ہو کہ فاطمہؓ کم سن ہے۔

"پھر جب حضرت علیؓ نے ......" بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ام ایمنؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ فاطمہ کے لئے آنحضرت ﷺ سے تم کیوں نہیں درخواست کر کے دیکھتے، تم تو آنحضرت ﷺ کے چچا کے بیٹے ہو، تمہاری درخواست قبول ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ حضرت علیؓ نے یہ سن کر جواب دیا: آنحضرت ﷺ سے یہ بات کہتے ہوئے مجھ کو حجاب آتا ہے پھر کسی ذریعہ سے یہ بات آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے رضامندی کا اظہار فرمایا اور جب حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ کی رضامندی معلوم ہوئی تو انہوں نے اپنی درخواست آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کی اور آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح ان سے کردیا۔

ایک اور روایت میں جو ابوالخیر قزوینی حاکمیؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی ہے۔ حضرت فاطمہؓ کے نکاح کا واقعہ تفصیل کے ساتھ یوں بیان کیا گیا ہے کہ: پہلے حضرت ابوبکرؓ نے فاطمہؓ کے لئے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی تو آپ ﷺ نے ان کو جواب دیا کہ اے ابوبکرؓ! فاطمہ کے بارے میں ابھی تک فیصلۂ خداوندی نازل نہیں ہوا ہے پھر حضرت عمرؓ نے اور بعض دوسرے قریش نے یہی

درخواست اپنی طرف سے پیش کی تو آنحضرت ﷺ نے ان سب کو وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکرؓ کو پہلے دے چکے تھے، پھر بعد میں کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ فاطمہؓ کے لئے اگر تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرو تو امید ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیں گے، حضرت علیؓ نے کہا: جب قریش کے معززین حضرات کی یہ درخواست شرف قبولیت نہیں پا سکی تو بھلا میں اپنی درخواست کے بارہ میں کیسے امید رکھوں۔ آخر کار حضرت علیؓ نے پیغام ڈال دیا اور ان کے پیغام پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میرے بزرگ و برتر پروردگار نے مجھ کو اس کا حکم دے دیا ہے۔ حضرت انسؓ آگے بیان کرتے ہیں کہ: چند دنوں بعد آنحضرت ﷺ نے مجھ کو طلب کیا اور فرمایا کہ جاؤ اور ابوبکر صدیقؓ، عمر بن الخطابؓ عثمان بن عفانؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ طلحہؓ، زبیرؓ اور انصار کے فلاں فلاں کو میرے پاس بلا لاؤ۔ انسؓ کہتے ہیں کہ میں ان سب کو بلا لایا اور یہ حضرات آ آ کر آنحضرت ﷺ کے سامنے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے، اس وقت حضرت علیؓ کے کام سے کہیں گئے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے یہ خطبہ پڑھا: الحمد للّٰہ المحمود بنعمة المعبود بقدرته المطاع بسلطانه المرهوب من عذابه وسطوته النافذ امره فی سمائه وارضه الذی خلق الخلق بقدرته ومیزهم باحکامه واعزهم بدینه واکرمهم بنبیه محمد صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ان اللّٰہ تبارک وتعالٰی اسمه وعظمته جعل المصاهرة سببا لاحقا وامرا مفترضا اوشج به الارحام والزمه للانام فقال عز من قائل وهو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا وصهرا وکان ربک قدیرا وامر اللّٰه تعالٰی یجری الی قضائه وقضاؤه یجری الی قدره ولکل قضاء قدر ولکل قدر اجل ولکل اجل کتاب یمحو اللّٰه مایشاء ویثبت وعنده ام الکتاب پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں اپنی بیٹی فاطمہ بنت خدیجہ کا نکاح علی بن ابی طالب سے کر دوں، پس تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے فاطمہؓ سے علیؓ کا نکاح چار سو مثقال چاندی پر کر دیا اگر علیؓ راضی ہوں، پھر آپ ﷺ نے چھوہاروں کا ایک طباق منگا کر ہمارے سامنے رکھا اور فرمایا کہ لوٹ لو۔ ہم نے وہ چھوہارے لوٹے ابھی ہم ان چھوہاروں کو لوٹ ہی رہے تھے کہ اچانک حضرت علیؓ بھی آ کر آنحضرت ﷺ کے قریب بیٹھ گئے، آپ ﷺ ان کو دیکھ کر مسکرائے اور پھر ان کو دیکھ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ تمہارے ساتھ فاطمہؓ کا نکاح چار سو مثقال چاندی پر کر دوں، اگر تم راضی ہو، حضرت علیؓ نے جواب دیا، یقیناً میں اس پر راضی ہوں یا رسول اللہ! اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی:

جمع اللّٰہ شملکما واسعد جدکما وبارک علیکما واخرج منکما کثیرا طیبا۔

"اللہ تعالیٰ تم دونوں کو دلجمعی اور حسن رفاقت عطا کرے، تم دونوں کو نصیبے ور بنائے، تم دونوں پر برکتیں نازل فرمائے اور تم دونوں کو نہایت پاکیزہ نفس اولاد سے بہرہ ور کرے۔"

حضرت انسؓ کہتے تھے کہ: خدا کی قسم (آنحضرت ﷺ کی اسی دعا کے طفیل) اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو نہایت پاکیزہ نفس اولاد سے سرفراز کیا۔

مسجد میں علیؓ کا دروازہ

(١٩) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِسَدِّ الْاَبْوَابِ اِلَّا بَابَ عَلِيٍّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (مسجد نبوی کے اندر) حضرت علیؓ کے دروازہ کے علاوہ اور سب دروازوں کو بند کرا دیا تھا، اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: بعض صحابہؓ کے گھروں کے دروازے مسجد نبوی کے اندر تھے اس احتیاط کے پیش نظر کہ کوئی حائضہ عورت یا کوئی جنبی مرد ان دروازوں کے ذریعہ اپنے گھروں میں آنے جانے کے لئے مسجد کے اندر نہ آئے۔ آپ ﷺ نے ان سب صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنے

گھروں کے ان دروازوں کو جو مسجد کے اندر واقع ہیں بند کر دیں، ہاں حضرت علیؓ کو آپ ﷺ نے اس حکم سے مستثنیٰ رکھا اور ان کا دروازہ مسجد کے اندر کھلا رہنے دیا۔ اس طرح آنحضرت ﷺ کے حکم کے تحت ان کو یہ خصوصی اجازت حاصل رہی کہ وہ جنابت یعنی ناپاکی کی حالت میں مسجد کے اندر سے گزر سکتے ہیں۔ رہی اس حدیث کی بات جو مناقب ابوبکرؓ کے باب میں پیچھے نقل ہوئی ہے اور جس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کے دریچہ کے علاوہ اور صحابہؓ کے گھروں کے ان دریچوں کو بند کر دینے کا حکم دیا جو مسجد نبوی میں کھلے ہوئے تھے تو اس حدیث اور اس حدیث کے مابین کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوبکرؓ سے متعلق اس بات کی وضاحت ہے کہ آپ ﷺ نے وہ حکم اپنے زمانۂ مرض الموت میں دیا تھا جب کہ حضرت علیؓ سے متعلق اس حدیث میں ایسی کوئی وضاحت نہیں ہے، اس لئے یہی کہا جائے گا کہ یہ حکم آپ ﷺ نے کبھی پہلے دیا تھا اور یہی بات کہ حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت و خصوصیت کو ظاہر کرنے والا حکم زمانہ مرض الموت کا ہے۔ علماء کے اس قول کو مضبوط بناتی ہے کہ اس حکم کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کا اصل مقصد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی طرف اشارہ کرنا تھا، علاوہ ازیں حضرت ابوبکرؓ سے تعلق رکھنے والی حدیث زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے کیونکہ اس کو بخاریؒ و مسلمؒ نے نقل کیا ہے جب کہ حضرت علیؓ سے تعلق رکھنے والی حدیث زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے کیونکہ اس کو بخاریؒ و مسلمؒ نے نقل کیا ہے جب حضرت علیؓ سے تعلق رکھنے والی اس حدیث کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، خواہ متن اسناد کے اعتبار سے اس کو انہوں نے "غریب" قرار دیا ہو یا معنی و مفہوم کے اعتبار سے۔

ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کے تحت جو بحث کی ہے اس سے ترمذیؒ کا اس حدیث کو "غریب کہنا محل نظر معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے امام احمدؒ وغیرہ کے حوالہ سے حضرت زید بن ارقمؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: درحقیقت مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ علیؓ کے دروازہ کے علاوہ اور سب دروازوں کو بند کرا دوں۔ ریاض کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس میں احمدؒ نے حضرت زید بن ارقمؓ سے یوں نقل کیا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہؓ کے دروازے مسجد کو ان کی گزرگاہ بنائے ہوئے تھے، چنانچہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ علیؓ کے سوا اور تمام دروازے بند کر دئے جائیں۔ زیدؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم سن کر چند لوگوں نے کچھ کلام کیا تو آنحضرت ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ مجھ کو (اللہ کی طرف سے) حکم ہوا ہے کہ علیؓ کے دروازہ کے علاوہ اور سب دروازوں کو بند کرا دوں، اب تم میں سے کچھ لوگوں نے اس بارہ میں کلام کیا ہے تو میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ میں نے اس کو بند کرنے کا حکم اپنی طرف سے دیا ہے اور نہ کسی دروازے کو کھلا رکھنے کا استثناء اپنی طرف سے کیا ہے، مجھ کو جو حکم جس طرح دیا گیا ہے اسی طرح میں نے اس کو نافذ کر دیا ہے، نیز ملا علی قاریؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اوپر کی حدیث ابن عباسؓ کے علاوہ حضرت جابرؓ سے بھی منقول ہے۔ تاہم ملا علی قاریؒ نے وضاحت کر دی ہے کہ یہ حدیث "صحیح" نہیں ہے صحیح وہی حدیث ہے جو ابوسعیدؓ سے بخاریؒ و مسلمؒ نے نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ابوبکرؓ کے دروازہ یا دریچہ کے علاوہ اور کوئی دروازہ یا دریچہ مسجد نبوی میں کھلا نہ چھوڑا جائے! اور حضرت علیؓ سے تعلق رکھنے والی حدیث "صحیح" بھی ہو تو ان دونوں حدیثوں کو الگ الگ حالات اور مصالح پر محمول کیا جائے گا تاکہ ان دونوں کے درمیان تضاد اور منافات معلوم نہ ہو۔

قربت اور بے تکلفی کا خصوصی مقام

۲۰ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَتْ لِيْ مَنْزِلَةٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ تَكُنْ لِاَحَدٍ مِنَ الْخَلَائِقِ اٰتِيْهِ بِاَعْلٰى سَحَرٍ فَاَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَاِنْ تَنَحْنَحَ انْصَرَفْتُ اِلٰى اَهْلِيْ وَاِلَّا دَخَلْتُ عَلَيْهِ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا: رسول اللہ ﷺ کی نظر میں مجھ کو ایک ایسی قدر و منزلت حاصل تھی جو خلقت میں کسی کو حاصل نہیں ہوئی، میں آپ ﷺ کے ہاں علی الصبح (بالکل اندھیرے منہ) پہنچ جاتا تھا (پہلے دروازہ پر کھڑے ہو کر طلب اجازت کے

لئے) کہتا: السلام علیک یا نبی اللہ! اگر آنحضرت ﷺ (میرا اسلام سن کر) کھنگار دیتے تو میں (یہ سمجھ کر کہ اس وقت آپ ﷺ کسی مشغولیت میں ہیں اور کوئی شرعی یا عرفی رکاوٹ ایسی ہے جس کے سبب مجھ کو اندر نہیں جانا چاہئے) اپنے گھر واپس چلا آتا اور اگر آپ ﷺ نہ کھنگارتے تو میں (بے تکلف) آنحضرت ﷺ کے پاس چلا جاتا۔" (نسائی)

تشریح: علماء کے اس قول کے مطابق کہ کسی کے گھر میں داخلے کی اجازت چاہنے کے لئے جو سلام کیا جاتا ہے اس کے جواب میں سلام کرنا صاحب خانہ کے لئے ضروری ہے، یہ وضاحت کی جائے گی کہ حضرت علیؓ کا سلام سن کر آنحضرت ﷺ پہلے ان کے سلام پر جوابی سلام کرتے اور پھر کھنکارتے تھے، اور جن علماء کے مطابق صاحب خانہ پر جوابی سلام ضروری نہیں ہے، ان کے نزدیک اس وضاحت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

سیدنا علیؓ نے اس روایت کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنی جس قربت اور بے تکلفی کا ذکر کیا ہے وہ یقیناً انہی کا خصوصی مرتبہ تھا جو ان کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں تھا کیونکہ وہ حضرت فاطمہؓ کی نسبت سے اور آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی ہونے کی حیثیت سے آنحضرت ﷺ کے گھر میں بے تکلفا آمد ورفت اور غیر معمولی مخالطت ومجالست کا حق سب سے زیادہ رکھتے تھے۔

وہ دعا جو مستجاب ہوئی

(۲۱) وَعَنْهُ قَالَ كُنْتُ شَاكِيًا فَمَرَّبِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ اَجَلِيْ قَدْ حَضَرَ فَاَرِحْنِيْ وَاِنْ كَانَ مُتَاَخِّرًا فَاَرْفِغْنِيْ وَاِنْ كَانَ بَلَآءً فَصَبِّرْنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ فَاَعَادَ عَلَيْهِ مَا قَالَ فَضَرَبَهٗ بِرِجْلِهٖ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ عَافِهٖ اَوِاشْفِهٖ شَكَّ الرَّاوِيْ قَالَ فَمَا اشْتَكَيْتُ وَجَعِيْ بَعْدُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں (سخت بیمار ہو گیا اور (حسن اتفاق سے) رسول کریم ﷺ میرے پاس سے گزر رہے تھے جب میں (مرض کی شدت سے بے تاب ہو کر بآواز بلند) یہ دعا مانگ رہا تھا: الٰہی! اگر میری موت کا وقت آپہنچا تو مجھ کو (موت دے کر مرض کی اذیت سے نجات اور ابدی) سکون عطا فرما اور اگر ابھی وقت نہیں آیا ہے تو (صحت بحال کر کے) مجھ کو راحت وکشادگی (یعنی صحت و تندرستی کی خوشی) عطا فرما اور اگر یہ بیماری امتحان وآزمائش ہے تو مجھے صبر وآزمائش ہے تو مجھے صبر وبرداشت کی قوت دے (تاکہ میں بے تابی وبے قراری کا اظہار نہ کروں) رسول کریم ﷺ نے (مجھے یوں دعا مانگتے سنا تو) فرمایا کہ تم کیا دعا مانگ رہے تھے؟ میں نے دعا کے الفاظ آپ ﷺ کے سامنے دوہرا دیئے۔ آپ ﷺ نے (دعا کے الفاظ سننے کے بعد) اپنے پاؤں سے علیؓ کو ٹھوکا دیا اور پھر یوں دعا فرمائی الٰہی! اس (علیؓ) کو عافیت عطا فرما" یا یہ فرمایا کہ اس کو شفا بخش" یہ راوی کا اظہار شک ہے حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اس دعا کے بعد پھر مجھ کو وہ بیماری کبھی لاحق نہیں ہوئی، اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

تشریح: فارفغنی ف کے زبر اور غین کے جزم کے ساتھ منقول ہے جو رفاغۃ سے ہے اور جس کے معنی کشادگی اور فراغت کے ہیں اور ایک صحیح نسخہ میں یہ لفظ عین کے ساتھ فارفعنی منقول ہے۔

"آپ ﷺ نے اپنے پاؤں سے علیؓ کو ٹھوکا دیا" تاکہ وہ اس حالہ میں اپنی غفلت پر متنبہ ہوں، حرف شکایت زبان پر لانے سے باز رہیں، پائے مبارک کی ضرب کی برکت سے بہرہ مند ہوں اور ذات رسالت پناہ کی قدم بقدم کمال متابعت ان کو حاصل ہو۔

"یہ راوی کا اظہار شک ہے" یہ جملہ بعد کے کسی راوی کا ہے جس نے واضح کیا ہے کہ اس موقع پر پہلے راوی نے اپنا شک ظاہر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یا تو اللھم عافہ (الٰہی! اس کو عافیت عطا فرما، کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے یا اللھم اشفہ الٰہی! اس کو شفا بخش) کے الفاظ، بہرحال آنحضرت ﷺ کی اس دعا میں یہ تعلیم اور تلقین پوشیدہ ہے کہ مریض کو بس یہ دعا مانگنی چاہئے کہ اے اللہ! مجھ کو عافیت

عطا فرمایا اے اللہ! مجھ کو شفا بخش دعا میں "تردید" کا پہلو اعتبار کرنا یعنی یوں کہنا کہ یا یہ کر یا وہ کر، جیسا کہ حضرت علیؓ کی دعا تھی غیر مناسب بات ہے کیونکہ تردید کا پہلو ایک طرح سے جبر اور دباؤ کا مفہوم ظاہر کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ پر جبر کرنے اور دباؤ ڈالنے والا کوئی نہیں ہے۔

سوانحی خاکہ: امیر المؤمنین سیدنا علیؓ ابن ابو طالب قریشی ہیں کنیت "ابوالحسن" بھی تھی اور "ابوتراب" بھی کم عمروں میں اسلام لانے والے سب سے پہلے شخص ہیں، قبول اسلام کے وقت ان کی عمر کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ قبول اسلام کے دن آپ کی عمر پندرہ سال تھی، بعض حضرات نے آٹھ سال اور بعض نے دس سال بیان کی ہے سیدنا علیؓ غزوۂ تبوک کے علاوہ اور سب غزووں میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے ہیں، غزوۂ تبوک کے لئے جاتے ہوئے آنحضرت ﷺ ان کو اپنے اہل و عیال پر خلیفہ مقرر کر کے مدینہ چھوڑ گئے تھے اور ان سے فرمایا تھا کہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ میرے نزدیک تمہارا وہی درجہ ہے جو موسیٰ کے نزدیک ہارون کا تھا، حضرت علیؓ گہرے گندمی رنگ کے تھے آنکھیں بڑی بڑی تھیں، قد میانہ مائل بہ پستی تھا، پیٹ بڑا اور سر کے بال کسی قدر اڑے ہوئے تھے، داڑھی گھنی اور لمبی تھی، دہن کشادہ تھا اور سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ جمعہ کے دن جو حضرت عثمانؓ کا یوم شہادت ہے، حضرت علیؓ مسند آرائے خلافت ہوئے اور ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ جمعہ ہی کے دن فجر کی نماز کے وقت مسجد میں ایک شقی، عبدالرحمن ابن ملجم نے تلوار سے قاتلانہ حملہ کیا جس کے صدمہ سے تین راتوں کے بعد واصل بحق ہو گئے اور مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے بعض مؤرخین نے تاریخ وفات ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ لکھی ہے اور قاتلانہ حملہ کا وقوع اس تاریخ سے دو دن پہلے کا بیان کیا ہے غسل دینے والوں میں دونوں صاحبزادوں حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بھی شامل تھے، حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور منہ اندھیرے تدفین عمل میں آئی، حضرت علیؓ کی عمر تریسٹھ سال کی اور بعض حضرات کے مطابق پینسٹھ سال کی اور ایک قول کے مطابق ستر سال کی ہوئی، ان کی خلافت چار سال نو ماہ رہی۔

بَابُ مَنَاقِبِ الْعَشَرَةِ الْمُبَشَّرَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے مناقب کا بیان

"عشرہ مبشرہ" ان دس جلیل القدر صحابہؓ کی جماعت کو کہتے ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ نے خصوصی بشارت عطا فرمائی تھی، اور وہ ہیں، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، اور حضرت سعید بن زیدؓ، یہ سب حضرات قریشی ہیں اور ان کے لئے جو افضلیت، مناقب اور احادیث منقول ہیں وہ اوروں کے حق میں منقول نہیں ہیں یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ جنت کی یہ خصوصی بشارت صرف انہی دس صحابہ کے حق میں منقول نہیں ہے بلکہ اہل بیت نبوت یعنی آنحضرت ﷺ کی اولاد اور ازواج مطہرات کے حق میں بھی اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے صحابہؓ کے حق میں بھی منقول ہے۔

صرف ان دس صحابہؓ کے ذکر کے لئے اس علیحدہ باب کے قائم کرنے کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ کسی ایک حدیث میں یا الگ الگ حدیثوں میں مختلف خصوصی حیثیتوں سے ان کا جو ذکر آیا ہے وہ یکجا ہو جائے، تاہم اس باب میں اس طرف اشارہ ضرور پایا جاتا ہے کہ صحابہؓ کی اس مبارک جماعت (عشرہ مبشرہ) کو اس ترتیب کے ساتھ تمام صحابہؓ پر فضیلت و برتری حاصل ہے کہ پہلے خلفاء اربعہ سب سے افضل ہیں اور پھر باقی حضرات دیگر تمام صحابہؓ سے افضل ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حضرت عمرؓ کے نامزد کردہ مستحقین خلافت

① عَنْ عُمَرَؓ قَالَ مَا اَحَدٌ اَحَقُّ بِهٰذَا الْاَمْرِ مِنْ هٰؤُلَاءِ النَّفَرِ الَّذِيْنَ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ فَسَمّٰى عَلِيًّا وَّعُثْمَانَ وَالزُّبَيْرَ وَطَلْحَةَ وَسَعْدًا وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے (اپنی وفات کے وقت ارباب حل وعقد اور اصحاب شوریٰ کو مستحقین خلافت کے بارہ میں وصیت کرتے ہوئے) فرمایا تھا: اس امر یعنی منصب خلافت کا ان لوگوں سے زیادہ کوئی مستحق نہیں جن سے رسول اللہ ﷺ راضی اور خوش اس دنیا سے تشریف لے گئے اور پھر حضرت عمرؓ نے یہ نام لئے: علیؓ، عثمانؓ، زبیر طلحہ) سعد اور عبدالرحمن۔" (بخاری)

تشریح: ......راضی اور خوش اس دنیا سے تشریف لے گئے۔" یعنی یوں تو آنحضرت ﷺ اپنے تمام ہی صحابہؓ سے راضی اور خوش تھے۔ مگر خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں سے بہت زیادہ راضی اور خوش تھے اور ان سے آپ ﷺ کا راضی اور خوش ہونا یقینی طور پر سب کو معلوم بھی تھا، یا حضرت عمرؓ کی مراد ان لوگوں کے تئیں آنحضرت ﷺ کی کسی ایسی مخصوص رضا اور خوشنودی کی طرف اشارہ کرنا تھا جس کے سبب ان کا مستحقین خلافت ہونا ثابت ہوتا تھا۔ بہر حال ان الفاظ کا اصل مقصد مذکورہ حضرات کی ترجیح حیثیت کو ظاہر کرنا تھا جس کی بنیاد حضرت عمرؓ نے گویا یہ بیان کی کہ ان لوگوں کے عشرہ مبشرہ میں سے ہونے کے سبب آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کی بہ نسبت ان لوگوں سے زیادہ راضی اور خوش تھے۔

حضرت عمرؓ نے اس موقع پر عشرہ مبشرہ میں سے محض چھ حضرات کا ذکر اس لئے کیا کہ حضرت ابوبکرؓ اور خود حضرت عمرؓ کا سب سے زیادہ افضل ہونا تو سب کو معلوم تھا، اس بنا پر ان دونوں ناموں کے ذکر کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ تیسرے صاحب حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراحؓ، جن کو آنحضرت ﷺ نے "امین امت" اور "امین حق الامین" فرمایا تھا حضرت عمرؓ سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے اور چوتھے صحابہ حضرت سعید بن زیدؓ چونکہ حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے اس لئے حضرت عمرؓ نے اس احتیاط کے مد نظر ان کا ذکر نہیں کیا کہ کہیں کوئی یہ تہمت نہ دھر دے کہ مستحقین خلافت کی فہرست میں سعیدؓ کا نام قرابت داری کی جہت سے آیا ہے، ویسے بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سعیدؓ کا نام ان لوگوں کے زمرہ میں تو ذکر کیا تھا جن سے رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے خوش وراضی تشریف لے گئے لیکن ارباب حل وعقد اور اصحاب شوریٰ میں ان کا نام نہیں رکھا تھا۔

قیام خلافت: جاننا چاہئے کہ امامت وخلافت شرعی طور پر جائز اور قانونی (واجب التسلیم) یا تو اس صورت میں ہوئی ہے کہ ارباب حل وعقد اس شخص کو امام وخلیفہ مقرر کردیں جو اس عظیم منصب کا اہل اور مستحق ہو جیسے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت قائم ہوئی یا اس صورت میں ہوتی ہے کہ امام وخلیفہ تعیین وصراحت کے ساتھ کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین نامزد کر جائے جو منصب خلافت کی ذمہ داریاں نبھانے کی اہلیت ولیاقت رکھتا ہو جیسے حضرت ابوبکرؓ کے نامزد کر دینے پر حضرت عمرؓ کی خلافت قائم ہوئی، نیز اگر کوئی ایسا شخص خلیفہ منتخب ومقرر ہو جائے جو اپنی وجاہت وحیثیت کے اعتبار سے منقول ہو اور اس سے افضل شخص موجود ہو تو اس کی خلافت شرعی اور قانونی طور پر جائز مانی جائے گی کیونکہ خلفاء راشدین کے بعد قریش میں سے ایسے بعض لوگوں کی خلافت پر علماء کا اجماع ثابت ہے جو اپنے سے افضل لوگوں کی موجودگی میں خلیفہ مقرر ہوئے تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی ایک غیر افضل شخص ملکی وحکومتی اور سیاسی امور میں افضل شخص سے زیادہ باصلاحیت ثابت ہوتا ہے اور اس خصوصی صلاحیت کی بنا پر ایسا شخص دینی معاملات کی بہتر طور پر نگرانی رکھ سکتا ہے، کاروبار حکومت کو کارگر طریقہ سے انجام دے سکتا ہے، رعایا کی خوب خبر گیری کر سکتا ہے، ملک وملت کو نقصان پہنچانے والے فتنوں اور سازشوں سے مؤثر انداز میں نمٹ سکتا ہے اور یہ کہ ملکی وملی استحکام وسالمیت کو اچھی طرح برقرار رکھ سکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ

"امامت و خلافت کی سزاوار وہی ذات ہو سکتی ہے جو "معصوم" ہو ہاشمی" ہو اور اس کے ہاتھ پر کوئی ایسا معجزہ ظاہر ہو جس سے اس کی راستی اور سچائی جانی جائے"، تو یہ محض شیعوں کا خرافاتی نظریہ ہے اور ان کی جہالت کا آئینہ دار بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہی نظریہ ان کی گمراہیوں کی تمہید اور مقدمہ ہے جن کے ذریعہ انہوں نے ملت اسلامیہ میں افتراق وانتشار اور طبقاتی وگروہی محاذ آرائی کی بنیاد ڈالی۔ ان میں سے ایک بڑی گمراہی تو ان کی یہی ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے علاوہ باقی تمام خلفاء کی امامت و خلافت کو بے اصل اور باطل مانتے ہیں۔

حضرت طلحہؓ کی جانثاری

(۲) وَعَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ رَاَيْتُ يَدَ طَلْحَةَ شَلَّاءَ وَقٰى بِهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت قیس بن ابی حازم (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت طلحہؓ کا وہ ہاتھ دیکھا جو (سالہا سال بعد بھی) بالکل بیکار اور شل تھا، انہوں نے اس ہاتھ سے غزوۂ احد کے دن نبی کریم ﷺ کو (کفار کے حملوں سے) بچایا تھا۔" (بخاری)

تشریح: غزوۂ احد کے دن حضرت طلحہؓ نے کمال جانثاری کا ثبوت دیا تھا اور آنحضرت ﷺ کو کفار کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لئے خود کو سپر بنالیا تھا، وہ تلواروں کو اپنے ہاتھ پر روک روک کر آنحضرت ﷺ کو گزند سے بچاتے تھے۔ چنانچہ نہ صرف یہ کہ ان کا ہاتھ زندگی بھر کے لئے شل اور بے کار ہو کر رہ گیا تھا بلکہ ان کے پورے جسم پر اسی زخم لگے تھے اور عضو مخصوص بھی زخمی ہو گیا تھا صحابہؓ کرام جب بھی غزوۂ احد کے دن کا تذکرہ کرتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ وہ دن تو در حقیقت طلحہؓ کی جانثاری اور فدا کاری سے بھرپور دن تھا۔

حضرت طلحہؓ عبید اللہ کے بیٹے اور قریشی ہیں، کنیت ابو محمد (یا ایک قول کے مطابق ابو عمرو) تھی، قدیم الاسلام ہیں۔ غزوۂ بدر کے علاوہ اور تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک رہے ہیں غزوۂ بدر میں اس وجہ سے شریک نہیں ہو سکے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے کام سے کہیں گئے ہوئے تھے۔ حضرت طلحہؓ کا رنگ گندمی تھا اور بال کثرت سے تھے، بڑے وجیہہ اور خوبصورت آدمی تھے۔ ۶۴ سال کی عمر میں جنگ جمل کے موقع پر ۲۰ جمادی الثانی ۳۶ھ پنجشنبہ کے دن شہید ہوئے اور بصرہ میں دفن کئے گئے۔

حضرت زبیرؓ کی فضیلت

(۳) وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّاْتِيْنِيْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ يَوْمَ الْاَحْزَابِ قَالَ الزُّبَيْرُ اَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ غزوۂ احزاب (یعنی غزوۂ خندق) کے موقع پر ایک دن نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کون شخص ہے جو (دشمن کے) لوگوں کی خبر میرے پاس لائے؟ زبیر بولے: میں لاؤں گا۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ہر نبی کے حواری (یعنی خاص دوست اور مددگار) ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں"۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "حزب کی جمع ہے جس کے معنی "گروہ" کے ہیں۔ اس موقع پر چونکہ مختلف اسلام دشمن گروہ یعنی قریش اور غیر قریش کے قبائل اور مدینہ کے وہ یہودی جن کا تعلق بنو قریظہ اور جلا وطن بنو نضیر سے تھا، متحد اور جمع ہو کر آنحضرت ﷺ سے لڑنے آئے تھے اس لئے اس غزوہ کو "غزوۂ احزاب" کہا جاتا ہے۔ اس غزوہ میں دشمن کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی اور مجاہدین اسلام کل تین ہزار نفر دشمن دراصل مرکز اسلام کو تاخت و تاراج کر دینے کے منصوبے کے تحت حملہ آور ہوا تھا اور اس کا ٹڈی دل لشکر تقریبا ایک مہینہ تک مدینہ کو گھیرے پڑا رہا۔ آنحضرت ﷺ نے تمام مجاہدین اسلام کی مدد سے دفاعی کاروائی کے طور پر مدینہ شہر کے گرد خندق کھودی تھی اور اس مناسبت سے اس غزوہ کو "غزوہ خندق" بھی کہا جاتا ہے۔ وہ بڑے سخت دن تھے اور اہل اسلام نہایت پریشانیوں اور دشواریوں میں گھر کر رہ گئے تھے۔ باقاعدہ صف آرائی اور جنگ کی نوبت نہیں آئی، تاہم سنگ باری اور تیر اندازی کے واقعات پیش آتے رہتے تھے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے

فرشتوں کا لشکر نازل کیا اور ایسی آندھی بھیجی کہ دشمن کے خیمے اکھڑے گئے، چولہوں پر سے دیگچیاں اوندھی ہوگئیں جابجا ڈیروں میں آگ کل ہوگئی اور ہیبت ناک اندھیرا چھا گیا اور دشمن کا لشکر خوف و دہشت کے مارے راتوں رات بھاگ کھڑا ہوا۔ ان دنوں چونکہ یہودیوں اور منافقوں کے سبب مدینہ شہر کے اندر اور دشمن کے محاصرہ کے سبب باہر تک ہر طرف ایسی خطرناک صورت حال تھی کہ جنگی مصالح و ساد سے متعلق معلومات فراہم کرنا اور دشمنوں کے بارہ میں خبریں منگانا سخت دشوار مرحلہ تھا، اس لئے جب حضرت زبیرؓ نے تمام خطرات اور دشواریوں کے باوجود اس خدمت کے لئے خود کو پیش کیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کی زبردست تحسین فرمائی اور ان کو اپنا حواری ہونے کا اعزاز عطا فرمایا۔

حضرت زبیرؓ: حضرت زبیرؓ، عوام کے بیٹے اور ابو عبداللہ قرشی کی کنیت سے مشہور ہیں۔ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کی حقیقی پھوپھی تھیں، زبیر بن العوامؓ قدیم الاسلام ہیں یعنی ابتداء ہی میں اسلام کی دولت سے بہرہ مند ہوگئے تھے اور اس وقت سولہ سال کے تھے۔ اس چھوٹی سی عمر میں جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کے چچا نے ان پر بڑے ظلم ڈھائے یہاں تک کہ ان کو دھوئیں میں بند کر دیا گیا تاکہ اس عذاب سے گھبرا کر اسلام ترک کر دیں لیکن انہوں نے نہایت استقامت کے ساتھ اس سخت عذاب کو برداشت کیا اور اسلام سے پھرے نہیں۔ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور سب سے پہلے اسلام کی راہ میں تلوار کھینچنے والے یہی زبیر بن العوامؓ تھے۔ غزوۂ احد کے دن بڑے استقلال اور ثابت قدمی سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ میدان میں ڈٹے رہے اور شجاعت و جاںنثاری کے جوہر دکھائے۔ حضرت زبیرؓ طویل قامت، قدرے نحیف الجثہ اور گورے رنگ کے تھے۔ ۳۶ھ میں جنگ صفین سے واپسی پر راستہ ہی میں بصرہ کے علاقہ میں سفوان پر عمرو بن جرموز نے ان کو شہید کر دیا، اس وقت ان کی عمر ۶۴ رسال کی تھی وادی اسباع میں دفن کیے گئے پھر نعش مبارک بصرہ منتقل کر دی گئی اور مشہور ہے کہ ان کی قبر وہیں (بصرہ میں) ہے۔

حضرت زبیرؓ کی قدر و منزلت

④ وَعَنِ الزُّبَيْرِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّاْتِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ فَيَاْتِيْنِيْ بِخَبَرِهِمْ فَانْطَلَقْتُ فَلَمَّا رَجَعْتُ جَمَعَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَوَيْهِ فَقَالَ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت زبیرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "کون ہے جو بنی قریظہ (کے یہودیوں) میں جائے اور ان کے بارہ میں ضروری معلومات لا کر مجھے دے۔" چنانچہ (آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) میں روانہ ہو گیا اور جب ان کے بارے میں معلومات حاصل کر کے واپس آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ماں باپ دونوں مجھ پر جمع کر دیئے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے ماں باپ تم پر صدقے۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: بنو قریظہ کے یہودیوں نے غزوۂ احزاب کے موقع پر ایسی عہد شکنی اور بدمعاملگی کا ارتکاب کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کی سرکوبی ضروری سمجھا اور غزوۂ احزاب سے فارغ ہوتے ہی ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے پندرہ روز تک (اور ایک تاریخی روایت کے مطابق پچیس روز تک) ان کا محاصرہ کیے رکھا اور آخر کار ان کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ پس اسی موقع پر آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی کہ کون بہادر ہے جو بنو قریظہ کے بارہ میں جنگی معلومات فراہم کر کے میرے پاس لائے یا یہ کہ غزوۂ احزاب میں بھی بنو قریظہ دشمن کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور مسلمانوں کے خلاف جنگی کاروائیوں میں شامل تھے ہو سکتا ہے کہ اس موقع پر بنو قریظہ کے بارہ میں ضروری معلومات آپ ﷺ کو درکار ہوں اور آپ ﷺ نے یہ بات مائی ہو۔

"میرے ماں باپ تم پر صدقے۔" یہ بارگاہ رسالت کی طرف سے حضرت زبیرؓ کی قدر و منزلت کی توثیق کرنا اور ان کے اس کارنامہ پر ان کو زبردست اعزاز عطا کرنا تھا جو انہوں نے نہایت جرأت و بہادری کے ساتھ انجام دیا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کوئی بھی شخص

یہ الفاظ اسی ہستی کے حق میں استعمال کرتا ہے جس کو وہ نہایت معزز و مکرم سمجھتا ہے اور اس کی تعظیم کرتا ہے اس اعتبار سے حضرت زبیرؓ کی شان میں آنحضرت ﷺ کا یہ جملہ ارشاد فرمانا ان کو تعظیم و تکریم کے مرتبہ سے نوازنا تھا، ایک روایت میں حضرت زبیرؓ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو مرتبہ، اپنے ماں باپ دونوں مجھ پر جمع کیے (یعنی یوں فرمایا کہ: میرے ماں باپ تم پر صدقے) ایک مرتبہ تو جنگ احد کے موقع پر اور دوسری مرتبہ بنو قریظہ کے خلاف کاروائی کے موقع پر ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت زبیرؓ نے اپنے بیٹے حضرت عروہؒ سے کہا: برخوردار! میرے بدن کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں (جنگوں کے دوران) زخمی نہ ہوا ہو۔

حضرت سعدؓ کی فضیلت

⑤ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ اَبَوَيْهِ لِاَحَدٍ اِلَّا لِسَعْدِ بْنِ مَالِكٍ فَاِنِّيْ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ يَوْمَ اُحُدٍ يَا سَعْدُ اِرْمِ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کسی کے لئے اپنے ماں باپ کو جمع کرتے نہیں سنا علاوہ سعد بن مالکؓ کے۔ چنانچہ جنگ احد کے دن (جبکہ سعدؓ دشمن کافروں کو آنحضرت ﷺ تک پہنچنے سے روکنے کے لئے جواں مردی کے ساتھ تیر مار مار کر ان کو پیچھے ہٹا رہے تھے میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: سعد! چلاؤ اور تیر چلاؤ میرے ماں باپ تم پر صدقے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: سعد بن مالک سے مراد سعد بن ابی وقاص ہیں، دراصل ابی وقاص کا نام مالک ابن وہب تھا اور اس اعتبار سے سعد بن ابی وقاص کو سعد بن مالک بھی کہا جاتا تھا۔

اوپر کی حدیث میں آنحضرت ﷺ کا اپنے ماں باپ کو جمع کرنا، حضرت زبیرؓ کے حق میں بھی منقول ہے جبکہ یہاں حضرت علیؓ یہ فرما رہے ہیں کہ سعد بن مالکؓ کے علاوہ اور کسی کے لئے آنحضرت ﷺ نے اپنے ماں باپ کو جمع نہیں کیا۔ لہٰذا اوپر کی حضرت زبیرؓ کی روایت اور حضرت علیؓ کی اس روایت دونوں کے درمیان مطابقت کی خاطر یہ کہا جائے گا کہ دراصل حضرت علیؓ کو معلوم نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ کے حق میں بھی یہ جملہ ارشاد فرمایا یا کہ حضرت علیؓ کی مراد یہ تھی کہ خود میں نے کسی واسطہ کے بغیر آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جملہ سعدؓ کے علاوہ اور کسی کے حق میں نہیں سنا پس ان کا یہ کہنا اس بات کے منافی نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ حضرت زبیرؓ کے حق میں بھی فرمایا ہو اور اس کا علم حضرت علیؓ کو بالواسطہ طور پر ہوا ہو۔

حضرت سعد بن ابی وقاص: حضرت سعدؓ کی کنیت ابو اسحٰق ہے اور زہری و قرشی کر کے مشہور ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں یعنی آغاز دعوت اسلام ہی میں سترہ سال کی عمر میں مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں تیسرا مسلمان ہوں مجھ سے پہلے صرف دو آدمی اسلام لائے تھے، اور اللہ کی راہ میں اسلام کی طرف سے سب سے پہلے تیر چلانے والا میں ہوں۔ حضرت سعدؓ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں اور "مستجاب الدعوات" مانے جاتے تھے۔ ان کی یہ حیثیت عوام و خواص میں اس قدر مشہور تھی کہ لوگ ان کی بددعا سے ڈرتے تھے اور ان کی نیک دعاؤں کے طلب گار رہا کرتے تھے۔ دراصل ان کو یہ مقام اس بنا پر حاصل ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی: اے اللہ! سعدؓ کی دعائیں قبول فرما۔ حضرت زبیرؓ کے علاوہ صرف حضرت سعدؓ ہی وہ خوش نصیب ہستی ہیں جن کے لئے آنحضرت ﷺ نے اپنے ماں باپ کو جمع کیا، یعنی الگ الگ موقعوں پر ان دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: میرے ماں باپ تم پر صدقے، یہ عظیم اعزاز ان دونوں کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ حضرت سعدؓ کا رنگ گندمی تھا اور ان کے بدن پر بہت بال تھے ۵۵ھ میں اس محل میں ان کا انتقال ہوا جو انہوں نے مدینہ شہر کے قریب وادی عقیق میں بنوایا تھا، جنازہ مدینہ منورہ لایا گیا اور اس وقت کے حاکم مدینہ ابن الحکم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں تدفین ہوئی اس وقت حضرت سعدؓ کی عمر کچھ

اوپر ستر سال کی تھی اور عشرہ مبشرہ میں سب کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا حکم مقرر کیا تھا، پھر بعد میں حضرت عثمان نے بھی اس منصب پر ان کو دوبارہ کوفہ بھیجا تھا۔ صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک بڑی جماعت کو ان سے احادیث کی سماعت اور روایت کا شرف حاصل ہے۔

اللہ کی راہ میں سب سے پہلا تیر حضرت سعدؓ نے چلایا

(۶) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍؓ قَالَ اِنِّیْ لَاَوَّلُ الْعَرَبِ رَمٰی بِسَهْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں پہلا عرب مسلمان ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر پھینکا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یعنی میں وہ شخص ہوں جس نے اسلام میں سب سے پہلے اللہ کے دشمنوں پر تیر چلایا مجھ سے پہلے کسی نے اللہ کی راہ میں تیر نہیں چلایا تھا۔ یہ اھ کا واقعہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن الحارث کی سرکردگی میں ساٹھ سواروں کا ایک چھوٹا سا لشکر ابوسفیانؓ بن حرب اور اس کے ساتھی مشرکین کے مقابلہ پر روانہ فرمایا تھا، جنگ کی نوبت نہیں آئی، صرف اتنا ہوا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ان دشمنان اسلام کی طرف ایک تیر پھینکا اور یہ سب سے پہلا تیر تھا جو اہل اسلام کی طرف سے دشمنان اسلام پر چلایا گیا۔

سعدؓ کی کمال وفاداری

(۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَهِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْدِمَهُ الْمَدِيْنَةَ لَيْلَةً فَقَالَ لَيْتَ رَجُلًا صَالِحًا يَحْرُسُنِىْ اِذْ سَمِعْنَا صَوْتَ سِلَاحٍ فَقَالَ مَنْ هٰذَا قَالَ اَنَا سَعْدٌ قَالَ مَا جَاءَ بِكَ قَالَ وَقَعَ فِىْ نَفْسِىْ خَوْفٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجِئْتُ اَحْرُسُهٗ فَدَعَا لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَامَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ (ایک مرتبہ کسی غزوہ سے) مدینہ میں (واپس) آکر (دشمنان دین سے خطرہ کے سبب) رات میں سوئے نہیں اور پھر آپ ﷺ فرمانے لگے کہ کاش کوئی نیک بخت مرد (آج کی رات) میری نگہبانی کرتا آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہی تھا کہ اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی (جیسے کوئی شخص تلوار و کمان سنبھالے باہر چوکی پہرے پر ہو اور اس کے ہتھیار کھڑ کھڑا رہے ہوں) آپ ﷺ نے (یہ آواز سن کر) پوچھا: کون ہے! جواب ملا: میں سعدؓ ہوں! آنحضرت ﷺ نے سوال کیا: (اتنی رات گئے) یہاں تم کیسے آگئے؟ سعدؓ بولے: میرے دل میں رسول اللہ ﷺ کی نسبت خوف پیدا ہوا (کہ کہیں دشمنان دین آپ کو ضرر نہ پہنچائیں) لہٰذا میں یہاں حاضر ہو گیا ہوں کہ آپ ﷺ کی نگہبانی کروں (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے سعدؓ کو دعائیں دیں اور (اطمینان سے) سو گئے۔"
(بخاریؒ و مسلمؒ)

ابوعبیدہ کو "امین الامت" کا خطاب

(۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ وَاَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ۔
(متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "ہر امت کا ایک "امین" ہوتا ہے (کہ وہ اللہ اور اللہ کے بندوں کے حقوق میں اور اپنے نفس کے بارہ میں خیانت نہیں کرتا) اور اس امت کے امین ابوعبیدہ ابن الجراح ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اگرچہ تمام ہی صحابہؓ وصف امانت کے حامل تھے لیکن صرف حضرت ابوعبیدہ کو اس اُمت کا امین اس اعتبار سے فرمایا گیا کہ یا تو ان میں یہ وصف دوسرے صحابہؓ کی بہ نسبت زیادہ غالب تھا یا یہ کہ خود ان کے دوسرے اوصاف کی بہ نسبت یہ وصف ان پر زیادہ غالب

تھا۔ بہر حال حضرت ابوعبیدہؓ اپنے ذاتی محاسن وکمالات کی بنا پر بڑے شان والے صحابیؓ ہیں اور ان کے مناقب وفضائل میں اور بھی بہت سی روایتیں منقول ہیں۔ ان کے جو مختلف پند ونصائح مختلف کتابوں میں مذکور ہیں ان میں سے ایک یہ نصیحت نہایت قیمتی ہے۔

بادروا السیئات القدیمات بالحسنات الحادثات والارب مبیض لثیابه مدلس لدینه والارب مکرم لنفسه وهو لها مهین۔

"پچھلے گناہوں پر (خمیازہ بھگتنے سے پہلے) نئی نیکیاں بڑھالو، اور یاد رکھو ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی پوشاک تو اجلی رکھتے ہیں لیکن اپنا دین میلا رکھتے ہیں اور یہ بھی یاد رکھو کہ بعض لوگ اپنے آپ کو عزت دار محسوس کرتے ہیں حالانکہ انجام کے اعتبار سے وہ خود کو ذلت وخواری میں ڈالنے والے ہیں۔"

حضرت ابوعبیدہؓ: حضرت ابوعبیدہؓ کا اصل نام عامر بن عبداللہ بن جراح ہے فہری قرشی کہلاتے ہیں، آپ حضرت عثمان بن مظعونؓ کے ساتھ دائرہ اسلام وایمان میں داخل ہوئے تھے، پہلے حبشہ کو ہجرت کی پھر دوسری بار ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے، آپ تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ شریک ہوئے ہیں اور غزوۂ احد میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ میدان جنگ میں ثابت قدم رہے۔ جب اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ زخمی ہوئے اور خود کی کڑیاں آپ ﷺ کے چہرہ مبارک میں پیوست ہوگئیں تو حضرت ابوعبیدہؓ ہی نے ان کڑیوں کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر باہر کھینچا اور اس کی وجہ سے ان کے سامنے کے دو دانت گر پڑے تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ دراز قد خوب رو اور ہلکے بدن کے تھے۔ ۱۸ھ میں طاعون اسواس میں مبتلا ہو کر اردن میں واصل بحق ہوئے اور نبیان کے مقام پر دفن کئے گئے اس وقت آپؓ کی عمر اٹھاون سال کی تھی اور نماز جنازہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے پڑھائی۔

حضرت ابوعبیدہؓ کی فضیلت

⑨ وَعَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ وَ سُئِلَتْ مَنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَخْلِفًا لَوِ اسْتَخْلَفَهُ قَالَتْ اَبُوْبَکْرٍ فَقِیْلَ ثُمَّ مَنْ بَعْدَ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ عُمَرُ قِیْلَ مِنْ بَعْدِ عُمَرَ قَالَتْ اَبُوْعُبَیْدَةَ ابْنُ الْجَرَّاحِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن ابی ملیکہؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے اس وقت سنا جب ان سے پوچھا گیا کہ (فرض کیجئے) اگر رسول اللہ ﷺ خلافت کے لئے (صراحۃً) کسی کو نامزد فرماتے تو آپ کی نگاہ انتخاب کس پر جاتی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: حضرت ابوبکرؓ پر! پھر ان سے پوچھا گیا: حضرت ابوبکرؓ کے بعد کس کو نامزد فرماتے؟ حضرت عائشہ نے جواب دیا: عمرؓ کو پھر پوچھا گیا اور حضرت عمرؓ کے بعد کس کا نمبر آتا ہے؟ حضرت عائشہ بولیں: ابوعبیدہ بن الجراحؓ کا۔" (مسلم)

تشریح: ابوعبیدہؓ چونکہ "امین الامت" تھے اور منصب خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی اہلیت ولیاقت رکھتے تھے اس لئے ان کا مستحقین خلافت میں شمار ہونا عین موزوں تھا چنانچہ وصال نبوی کے بعد جب آنحضرت ﷺ کے جانشین اور خلیفہ کے انتخاب کا مرحلہ درپیش تھا حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تھا کہ بار خلافت اٹھانے کے لئے مجھے آگے کیوں کرتے ہو تمہارے درمیان یہ عمرؓ ہیں، علی ہیں یہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ ہیں ان میں سے جس کو چاہو خلیفہ منتخب کر لو لیکن حل وعقد اور عمائدین ملت کا کہنا تھا کہ آپ سے زیادہ اہل ولائق اور کون ہو سکتا ہے، جب آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض الموت میں ہماری دینی قیادت (یعنی نماز کی امامت کے لئے) آپ ﷺ ہی کو آگے کیا تھا تو پھر کس کی مجال ہے کہ ہماری دنیاوی وملی قیادت کے لئے آپ کو ترجیح نہ دے۔ بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ اس نظریہ کی حامل تھیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد باقی اصحاب شوریٰ میں حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراحؓ ہی خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق تھے۔

حرا پہاڑ پر ایک نبی ایک صدیق اور پانچ شہید

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلٰى حِرَآءَ هُوَ وَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَ عُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرِ فَتَحَرَّكَتِ الصَّخْرَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِهْدَءْ فَمَا عَلَيْكَ اِلَّا نَبِيٌّ اَوْصِدِّيْقٌ اَوْشَهِيْدٌ وَزَادَ بَعْضُهُمْ وَسَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَلَمْ يَذْكُرْ عَلِيًّا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ غنی، حضرت علیؓ حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ حراء پہاڑ پر کھڑے تھے کہ (ان کے پیروں کے نیچے کا) پتھر حرکت کرنے لگا۔ رسول کریم ﷺ نے (اس پتھر کو مخاطب کر کے فرمایا: ٹھہر جا، تیرے اوپر کوئی دوسرا نہیں کھڑا ہے۔ یا نبی ہے یا صدیق ہے یا شہداء ہیں، اور بعض راویوں نے "اور سعد بن ابی وقاصؓ" کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے اور علیؓ کا ذکر نہیں کیا ہے۔"

تشریح: "شہداء" سے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ مراد تھے۔ چنانچہ ان سب حضرات کو شہادت ہی کی موت ملی۔ ان میں سے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جنگ جمل کے موقع پر ہلاک کئے گئے اور اگرچہ ان کی موت عین جنگ کے دوران واقعہ نہیں ہوئی تھی بلکہ جنگ سے باہر ظلماً مارے گئے تھے لیکن چونکہ یہ ثابت ہے کہ جس شخص کو ظلماً قتل کر دیا جائے وہ شہید ہوتا ہے اس لئے ان دونوں کو بھی شہادت کا مرتبہ نصیب ہوا۔

اور علیؓ کا ذکر نہیں کیا ہے۔" اس سے پہلے جملہ میں "زاد" کا لفظ کسی ناقل روایت کے تسامح کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ اس راوی کی روایت میں حضرت علیؓ کے بجائے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ذکر "معاوضہ اور مبادلہ" کی صورت ہے نہ کہ "اضافہ" کی۔ بہرحال اس روایت میں، کہ جس میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ذکر ہے۔ یہ اشکال پیش آتا ہے کہ ان کو تو شہادت کی موت نہیں بلکہ وادی عقیق واقع اپنے محل میں فوت ہوئے تھے!؟ اس اشکال کو دور کرنے کے لئے یا تو یہ توجیہ کی جائے گی کہ آپ ﷺ نے ان سب حضرات کو تغلیباً شہید فرمایا تھا، گویا آپ ﷺ کی مراد یہ تھی ایک نبی اور ایک صدیق کے علاوہ باقی وہ لوگ ہیں جن میں سے اکثر و بیشتر شہید ہوں گے یا جیسا کہ سید جمال الدینؒ نے لکھا ہے، یہ کہا جائے گا کہ حضرت سعدؓ کی موت کسی ایسے مرض کے سبب واقع ہوئی تھی جس میں مبتلا ہو کر مرنے والا "شہید" کے حکم میں ہوتا ہے، جیسے پیٹ کی بیماری وغیرہ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عشرۂ مبشرہ

(۱۱) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ فِي الْجَنَّةِ وَاَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ۔

"حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ابوبکرؓ جنت میں ہیں، عمرؓ جنت میں ہیں، عثمانؓ جنت میں ہیں، علیؓ جنت میں ہیں، طلحہؓ جنت میں ہیں، عبدالرحمٰن بن عوفؓ جنت میں ہیں، سعد بن ابی وقاصؓ جنت میں ہیں، سعید ابن زیدؓ جنت میں ہیں اور ابوعبیدہ بن الجراح جنت میں ہیں"۔ (ترمذیؒ) اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کو سعید ابن زیدؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: حضرت سعید بن زیدؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، حضرت عمر فاروقؓ کے بہنوئی تھے۔ حضرت عمرؓ کی بہن حضرت فاطمہؓ ان

سے منسوب تھی اور یہی وہ فاطمہؓ ہیں جو حضرت عمر فاروقؓ کے قبول اسلام کا ذریعہ بنی تھی۔ حضرت سعیدؓ ۵۱ھ میں بعمر ستر سال واصل بحق ہوئے اور بقیع میں دفن کئے گئے۔

حدیث میں مذکورہ یہ دس جلیل القدر صحابہؓ جنّت کی بشارت کے ساتھ جو بہت زیادہ مشہور اور ممتاز ہیں۔ تو اس کی مختلف وجوہات میں سے ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ ان سب حضرات کے حق میں جنّت کی بشارت ایک ساتھ ایک حدیث میں بیان فرمائی گئی ہے، ورنہ یہ بات نہیں ہے کہ جنّت کی اس طرح کی مخصوص بشارت ان کے علاوہ اور کسی کے لئے منقول نہیں ہے، اوروں کو بھی اس بشارت سے نوازا گیا ہے۔

ایک نکتہ جو بہت اہمیت کا حامل ہے: یہاں اس نکتہ کی طرف توجہ مبذول کرانا ضروری ہے کہ احادیث میں جہاں بھی خلفاء اربعہ کا ذکر آیا ہے وہ اسی ترتیب کے ساتھ آیا ہے جو اوپر کی حدیث سے ظاہر ہے یعنی پہلے حضرت ابوبکرؓ کا نام، پھر حضرت عمرؓ کا نام پھر حضرت عثمانؓ کا نام اور پھر حضرت علیؓ کا نام۔ اس سے اہل سُنّت والجماعت کے عقیدہ و مسلک کا درست اور برحق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ گمان کرنا کہ شاید احادیث کے راویوں نے اپنے عقیدہ و مسلک کی رعایت کرتے ہوئے ان احادیث میں خلفاء اربعہ کے ذکر کی ترتیب میں ردوبدل کر دیا ہو، بدترین درجہ کی ناانصافی ہوگی۔ حاشا وکلا کہ اگر راوی کسی موقع پر حدیث کے ترتیب بیان میں تھوڑی تبدیلی اور معمولی تقدیم و تاخیر ضروری سمجھ کر کرتے بھی ہیں تو اسی صورت میں جبکہ حدیث کے مفہوم اور مقصد و منشاء میں ہلکا سا بھی فرق پیدا نہ ہو، ایسی صورت میں تصور بھی، نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اتنے اہم معاملہ میں کسی تبدیلی اور تقدیم و تاخیر کے روادار ہوسکتے ہیں زبان رسالت سے جس ترتیب کے ساتھ خلفاء اربعہ کا ذکر ہوتا ہے۔ بعینہٖ اسی ترتیب کے ساتھ راوی بیان کرتے ہیں۔

چند صحابہ ﷺ کی خصوصی حیثیتوں کا ذکر

⑫ وَعَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْحَمُ اُمَّتِيْ بِاُمَّتِيْ اَبُوْبَكْرٍ وَاَشَدُّ هُمْ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ وَاَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ وَاَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَاَقْرَؤُهُمْ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَاَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ وَاَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَرُوِيَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ مُرْسَلاً وَفِيْهِ وَاَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ۔

"اور حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میری اُمّت میں ابوبکرؓ ہی میری اُمّت کے لوگوں کے حق میں سب سے زیادہ مہربان اور سب سے بڑے دردمند ہیں (کہ وہ نہایت لطف و مہربانی اور دردمندی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور ان کو فلاح و نجات کے راستہ پر لگاتے ہیں) اور میری اُمّت کے لوگوں میں عمرؓ اللہ کے دین کے معاملات میں سب سے زیادہ سخت ہیں (کہ نہایت سختی اور مضبوطی کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں) اور میری اُمّت کے لوگوں میں عثمانؓ سب سے سچے حیادار ہیں، اور میری اُمّت کے لوگوں میں سب سے بڑے فرائض داں زید بن ثابتؓ ہیں، اور میری اُمّت کے لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے اور سب سے بڑے ماہر تجوید قرآن ابی ابن کعب ہیں، اور میری اُمّت میں حلال و حرام کو سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبلؓ ہیں اور ہر اُمّت میں ایک امین ہوتا ہے اور اس اُمّت کے امین ابوعبیدہ بن الجراحؓ ہیں۔ (احمدؒ و ترمذیؒ) اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس حدیث کو معمرؒ نے بھی قتادہؒ سے بطریق ارسال نقل کیا ہے اور (معمرؒ کی) اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ: "میری اُمّت کے لوگوں میں حق کے مطابق سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں۔"

تشریح: ...... عثمانؓ سب سے سچے حیادار ہیں۔" حیا کا وصف، کہ جو ایمان کی ایک بڑی شاخ ہے۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ایک طرح کی خصوصی اور امتیازی نسبت رکھتا تھا اور ان کی حیاداری اور غیرت مندی کو مثالی حیثیت حاصل تھی رہی یہ بات کہ "سچی حیاداری" سے

کیا مراد ہے تو اس میں دراصل اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ بسا اوقات حیا اور غیرت کا اظہار طبعی تقاضہ کے تحت ایسے موقع پر بھی ہوتا ہے جو شرعی نکتہ نظر سے حیا اور غیرتِ تقاضا نہیں کرتا اور نہ اس موقع پر حیا کرنا دین کے اعتبار سے حق بجانب اور درست ہوتا ہے۔ سچی اور معتبر حیا وہی ہے جو دین و شریعت کے تقاضہ کے تحت اور اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق ہو۔ پس حضرت عثمانؓ اسی سچی اور معتبر حیا کے حامل تھے۔

"...... سب سے بڑے فرائض واں زید بن ثابتؓ ہیں۔" یعنی فرائض اور میراث کا علم فنی اور تحقیقی مضبوطی کے ساتھ زید بن ثابتؓ میں بہت زیادہ ہے بلاشبہ حضرت زید بن ثابتؓ بڑے فقہاء صحابہؓ میں سے تھے اور علم فرائض کے ماہر سمجھے جاتے تھے، کاتب وحی ہونے کا شرف بھی ان کو حاصل تھا اور انہوں نے حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں قرآن کو لکھنے اور جمع کرنے کی خدمت بڑی خوبی کے ساتھ انجام دی۔

"...... سب سے بڑے ماہر تجوید قرآن ابی بن کعبؓ ہیں۔" حضرت ابی بن کعبؓ انصاری خزرجی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے ایک کاتب وحی یہ بھی تھے جن چھ صحابہؓ نے حضور ﷺ کے عہد مبارک میں پورا قرآن کریم حفظ کیا تھا ان میں سے ایک یہ بھی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ان کو "سید القراء" کہا جاتا تھا اور خود سرکار ﷺ نے ان کو "سید الانصار کا لقب دیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ "سید المسلمین" کے لقب سے پکارتے تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ جب سورۂ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ابی بن کعبؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ یہ سورۃ تمہارے سامنے پڑھوں اور تمہیں سناؤں۔ ابی نے پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ حضور نے فرمایا: ہاں اللہ نے تمہارا نام لیا ہے۔ یہ سن کر ابیؓ رونے لگے اور ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ بھی رو دیئے۔ ان کی وفات ۱۹ھ میں مدینہ میں ہوئی۔ ایک بہت بڑی جماعت کو ان سے روایت حدیث کا شرف حاصل ہے۔

حلال و حرام کو سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبلؓ انصار میں سے ہیں اور ان ستر خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں جو آنحضرت ﷺ کی ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ آئے تھے۔ اور بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک تھے، مدینہ میں آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان جو عام بھائی چارہ کرایا تھا اس کے تحت حضرت معاذ بن جبلؓ کا بھائی چارہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یا ایک روایت کے مطابق حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے قائم ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے آپ ﷺ کو قاضی اور معلّم بنا کر یمن بھیجا تھا اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی طاعون عمواس میں بعمر اڑتیس سال ۱۸ھ میں آپؓ نے انتقال کیا، انتقال کے وقت آپ بار بار کہتے تھے: الٰہی! یہ (سخت ترین طاعون بعض اعتبار سے) درحقیقت تیرے بندوں پر تیری رحمت ہے الٰہی! معاذ اور معاذ کے اہل و عیال کو اس رحمت سے محروم نہ رکھ۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دم رخصت حضرت معاذؓ کی زبان پر کچھ اس طرح کے الفاظ تھے: الٰہی! موت کی سختی کم کر دے جتنا تو چاہے قسم ہے تیری عزت کی تو خوب جانتا ہے کہ میں تجھ کو دوست رکھتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم معاذ بن جبلؓ کو اس آیت كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا۔ کے مضمون میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ ﷺ کے ساتھ تشبیہ دیا کرتے تھے حضرت معاذ بن جبلؓ کی علمی فضیلت و بزرگی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی فتویٰ دینے کی اہم ذمہ داری آپ کے سپرد تھی اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں بھی۔ جب آپ معلّم و قاضی ہو کر یمن چلے گئے تو حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے: معاذؓ نے یمن جا کر اہل مدینہ میں فقہ کا خلاء پیدا کر دیا ہے حضرت معاذؓ جنگ بدر میں بھی شریک تھے اور دوسری جنگوں میں بھی مجاہدین اسلام کے دوش بدوش رہے۔ منقول ہے کہ رحلت کے وقت آپ کے ساتھی رونے لگے تو ان سے پوچھا: تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟ ان سب نے کہا کہ ہم علم کو رو رہے ہیں جو آپ کی موت کے سبب منقطع ہوا چاہتا ہے، حضرت معاذ نے کہا: علم اور ایمان لازوال ہیں قیامت تک باقی رہنے والے ہیں، حق جس سے بھی ملے حاصل کرو باطل پر جو بھی ہو اس کی تردید و مخالفت کر۔

"اس اُمت کے امین ابو عبیدہ بن الجراحؓ ہیں۔" حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کا سب سے بڑا کامیاب

امتحان اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار کر دیا جو شمنان اسلام کی طرف سے اہل اسلام کے خلاف میدان جنگ میں آیا تھا جنگ احد میں پامردی اور ثابت قدمی کے ساتھ میدان کارزار میں ڈٹے رہے اور ذات رسالتماب کو دشمن کے حملوں سے بچانے میں فداکاری کے جوہر دکھائے۔ خلافت صدیقی میں آپ بیت المال کے مہتمم اور افسر اعلی تھے حضرت عمر فاروق نے آپ کو حضرت خالد بن ولید کی جگہ اسلامی فوج کا سپہ سالار اعظم مقرر کیا اور شام و فلسطین کی اکثر فتوحات آپ ہی کے زیر کمان حاصل ہوئیں۔ حضرت عمر نے اپنی وفات کے دن فرمایا تھا: اگر آج ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو اس معاملہ (یعنی خلافت) کی زمام کار (یا یہ کہ انتخاب خلیفہ کے لئے مشاورت کا انتظام و اختیار) میں انہی کو سونپ جاتا۔ حضرت ابوعبیدہ زہد و قناعت کے جس درجہ کمال کے حامل تھے اس کا اندازہ اس روایت سے کیا جاسکتا ہے جو بعض مستند کتابوں میں عروہ بن زبیر سے منقول ہے کہ جب امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق شام و فلسطین کے دورہ پر آئے تو اس خطہ کے مختلف علاقوں میں تعینات اسلامی افواج کے کمانڈر اور بڑے بڑے عمال و حکام امیر المؤمنین کے استقبال کے لئے موجود تھے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح جو شام و فلسطین میں اسلامی افواج کے سپہ سالار اعظم تھے، اس وقت تک وہاں نہیں پہنچے تھے، حضرت عمر نے استقبال کرنے والے امراء اور عمائدین سے پوچھا کہ میرا بھائی کہاں ہے؟ لوگوں نے پوچھا: کون آپ کا بھائی؟ فاروق اعظم نے فرمایا: ابوعبیدہ بن الجراح! لوگوں نے کہا کہ وہ آتے ہی ہوں گے۔ جب حضرت ابوعبیدہ آگئے تو امیر المؤمنین سواری سے اترے اور ان کو گلے لگایا، پھر ان کے گھر گئے، انہوں نے سپہ سالار اعظم ابوعبیدہ کے گھر میں پہنچ کر دیکھا تو وہاں ان کو ایک چھوٹی سی تلوار، ایک سپر کے علاوہ اور کوئی سامان نظر نہ آیا۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ: امیر المؤمنین نے حضرت ابوعبیدہ سے کہا کہ چلو ہمیں اپنے گھر لے چلو اور پھر امیر المؤمنین حضرت ابوعبیدہ کے گھر آئے اور اندر پہنچ کر دیکھا تو پورا مکان خالی نظر آیا کہیں کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ امیر المؤمنین نے حیرت سے پوچھا: ابوعبیدہ! تمہارا سامان کہاں ہے، یہاں تو ایک نمدہ، ایک رکابی اور ایک تلوار کے علاوہ کچھ بھی مجھے نظر نہیں آرہا ہے حالانکہ تم تو اس علاقہ کے حاکم اعلی اور اسلامی افواج کے سپہ سالار اعظم ہو، کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو بھی ہے یا نہیں؟ حضرت ابوعبیدہ یہ سن کر گھر کے ایک کونے میں گئے اور وہاں سے روٹی کے چند خشک ٹکڑے اٹھا کر لائے، فاروق اعظم نے یہ دیکھا تو بے اختیار رونے لگے اور بولے: ابوعبیدہ! بس تم ہی ایک مرد افگن نکلے، باقی ہم سب کو تو دنیا نے اپنے فریب کا شکار بنالیا۔"

"..... حق کے مطابق سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔" بلاشبہ حضرت علی اس اُمت کے سب سے بڑے قاضی ہیں، قضایا نمٹانے اور حق بجانب فیصلہ کرنے میں کوئی ان کا ثانی نہیں تھا اسی لئے حضرت عمر ان کے مشورہ اور ان کے فتوے کے بغیر کوئی حکم اور فیصلہ صادر نہیں کرتے تھے، اگر حضرت علی موجود نہ ہوتے تو ان کے آنے تک فیصلہ کی کاروائی ملتوی رکھتے تھے۔ بہر حال حدیث کے الفاظ "اقضاهم" کے بظاہر یہی معنی ہیں کہ: "علی فیصلہ طلب مقدموں اور قضیوں کے شرعی اور عدالتی احکام و قوانین سب سے زیادہ جانتے ہیں اور سب سے اچھا فیصلہ دیتے ہیں، تاہم اس سے حضرت عمر اور حضرت عمر پر حضرت علی کی افضلیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ حضرت علی کی جزئی فضیلت ہے اور جزئی فضیلت کلی فضیلت کے منافی نہیں ہوتی، جبکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی شان میں جو نصوص موجود ہیں ان سے علی الترتیب ان دونوں حضرات کا تمام اُمت سے افضل ہونا ثابت ہے۔ حضرت ابوبکر کی افضلیت کی ایک صریح دلیل تو ایک یہی آیت ہے لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ۔ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا۔ یہ آیت خاص حضرت ابوبکر ہی کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ صرف انہوں نے ہی فتح مکہ سے پہلے اپنا مال جہاد میں لگایا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کوئی مسلمان ان کے برابر نہیں ہوسکتا، اس میں بھی کوئی شبہ کہ اس بارہ میں حدیثیں متعارض اور دلیلیں متناقض ہیں اور روایت و دلائل کا یہ تعارض و تناقض اس بات کا مقتضی ہے کہ اسی نکتہ کو تسلیم کیا جائے جس پر جمہور صحابہ نے اتفاق کیا ہو۔ پس جس نکتہ پر جمہور صحابہ نے اتفاق کیا ہے وہ وہی ہے جس پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے یعنی یہ کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اجر و ثواب کی کثرت کے اعتبار سے حضرت ابوبکر افضل ہیں پھر حضرت عمر، پھر عثمان اور پھر حضرت علی۔

سیدنا علیؓ اور امیر معاویہؓ کا معاملہ: یہاں واضح کر دینا ضروری ہے کہ سیدنا علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان جو محاذ آرائی اور جنگ و خصومت واقع ہوئی اس کو "اجتہادی اختلاف" پر محمول کرنے چاہیے۔ حضرت علیؓ نے دینی و شرعی طور پر اپنے کو خلافت کا مستحق سمجھا جبکہ امیر معاویہؓ اپنی خلافت کو برحق جانتے تھے، دونوں نے اپنے اپنے حق میں اجتہاد کیا یہ اور بات ہے کہ سیدنا علیؓ کا اجتہاد درست ظاہر ہوا اور ثابت ہو گیا کہ اس وقت تمام لوگوں میں اُمت اسلامیہ کے سب سے بڑے آدمی اور سب سے افضل وہی تھے، ان کے برخلاف امیر معاویہؓ اپنے اجتہاد میں درست ثابت نہیں ہوئے کیونکہ حضرت علیؓ کی موجودگی میں وہ خلافت کے ہرگز مستحق نہیں تھے، لیکن اس کے باوجود فریقین میں سے کسی نے بھی اپنے مخالف فریق کو کافر نہیں کہا دونوں فریق الگ الگ جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے، دونوں کے درمیان زبردست معرکہ آرائی بھی ہوئی، دونوں فریقوں میں سے کچھ لوگوں نے ایک دوسرے کو برا بھی کہا، ایک دوسرے کے خلاف سب وشتم بھی کیا مگر ان میں سے کسی نے کسی کو دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا، اگرچہ ان میں سے بعض لوگ جہالت و نادانی اور تعصب میں مبتلا ہونے کے سبب ایسے امور کے مرتکب ہوئے جن سے ان کا گناہ گار ہونا یقیناً ثابت ہوتا ہے، پس کسی مؤمن کو ہرگز روا نہیں کہ ان میں سے کسی کی بھی طرف کفر کی نسبت کرے اور ان کے بارے میں ایسا عقیدہ و خیال رکھے جو ایک مؤمن کے حق میں رکھ ہی نہیں سکتا۔

طلحہؓ کے لئے جنّت کی بشارت

(١٣) وَعَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ فَنَهَضَ اِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَقَعَدَ طَلْحَةُ تَحْتَهُ حَتّٰى اسْتَوٰى عَلَى الصَّخْرَةِ فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَوْجَبَ طَلْحَةُ۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت زبیرؓ کہتے ہیں کہ جنگ احد کے دن نبی کریم ﷺ کے جسم پر دو زرہیں تھیں (دوران جنگ ایک موقع پر) آپ ﷺ نے ایک چٹان چڑھنا چاہا (تاکہ دشمن کے لشکر کا جائزہ لیں اور مجاہدین اسلام کو بلندی پر سے دکھائی دیں) لیکن (دونوں زرہوں کے بوجھ کی وجہ سے) اوپر چڑھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ طلحہؓ نے (آپ ﷺ کو چٹان پر چڑھنے کی کوشش کرتے اور پھر کامیاب نہ ہوتے دیکھا تو فوراً) آپ ﷺ کے نیچے بیٹھ گئے تا آنکہ آنحضرت ﷺ ان کے اوپر چڑھ کر چٹان پر پہنچ گئے اور پھر میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا: طلحہؓ نے (جنت کو واجب کر لیا۔" (ترمذی)

تشریح: اللہ تعالیٰ کے ارشاد: خُذُوْا حِذْرَكُمْ (اے ایمان والو! اپنی احتیاط رکھو) کی زیادہ سے زیادہ تعمیل کی خاطر آپ ﷺ نے دو زرہیں اس دن پہن رکھی تھیں کیونکہ زرہ اور سپر جیسی چیزیں سامان جنگ میں سے ہیں اور میدان جنگ میں دشمن کے حملوں سے بچاؤ کے لئے لازمی ذریعہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دشمن کے مقابلہ پر ہتھیاروں کا استعمال اور تحفظ کے مادی ذرائع اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر دو زرہیں پہن کر گویا اُمت کو بتایا کہ دشمن کے مقابلہ پر اپنے بچاؤ کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرنی چاہئے۔

"طلحہؓ نے (جنت کو) واجب کر لیا۔" "جنت" کا لفظ بعض روایتوں میں صریح آیا ہے اس جملہ کا مطلب یہ تھا کہ طلحہؓ نے اپنے اس ایک عمل کے ذریعہ یا اپنے ان مجاہدانہ کارناموں کے ذریعہ جو انہوں نے اس جنگ میں انجام دیئے ہیں، اپنے لئے جنت کا استحقاق اور وجوب پیدا کر لیا ہے۔ بلاشبہ اس جنگ میں حضرت ابو طلحہؓ کی جاں نثاری و فداکاری اسی طرح کی تھی کہ آنحضرت ﷺ ان کو اس بشارت سے نوازتے۔ انہوں نے جان کی بازی لگا کر اپنے جسم کو آنحضرت ﷺ کی ڈھال بنا لیا تھا اور آنحضرت کی طرف آنے والے تمام تیر اپنے بدن پر روک رہے تھے، ان کا پورا جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، ان کا ہاتھ تو زندگی بھر معطل اور شل رہا، اسی ٨٠ سے اوپر زخم ان کے بدن پر شمار کئے گئے تھے یہاں تک کہ ان کا عضو مخصوص بھی زخمی ہونے سے نہیں بچا تھا۔ بعد میں صحابہ کرامؓ جب بھی غزوۂ احد کا

ذکر کرتے تو کہا کرتے تھے کہ جنگ کا وہ پورا دن طلحہؓ کی سرفروشی اور فدا کاری کا دن تھا۔

جنگ احد کے دن آنحضرت ﷺ پر کیا گزری: حضرت ابو سعید خدریؓ نے ایک روایت میں بیان کیا ہے کہ جنگ احد کے دن ایک دشمن دین عتبہ بنؓ وقاص نے آنحضرت ﷺ کو ایک پتھر پھینک کر مارا جس کی چوٹ سے آپ ﷺ کا دائیں طرف کا دندان مبارک شہید ہو گیا اور نیچے کا ہونٹ زخمی ہو گیا ایک اور بد بخت عبداللہ بن شہاب زہری کے حملہ کے نتیجہ میں آپ ﷺ کی مبارک پیشانی پر سخت زخم آیا اور خود کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں پیوست ہو گئیں۔ دشمنوں نے میدان جنگ میں پوشیدہ طور پر کچھ گڑھے کھود کر ان کو اوپر سے اس طرح برابر کر دیا تھا کہ نادانستگی میں جس مسلمان کا پیر اس کے اوپر پڑے وہ گڑھے میں گر جائے چنانچہ ایسے ہی ایک گڑھے میں آنحضرت ﷺ بھی گر پڑے تھے، فوراً حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کا دست مبارک تھاما اور پھر حضرت طلحہؓ بن عبیداللہؓ نے آپ ﷺ کو اٹھایا اور گڑھے سے باہر نکال کر کھڑا کیا چہرہ مبارک کے زخموں سے جو خون نکل رہا تھا اس کو ابو سعید خدریؓ نے اپنے منہ سے چوسا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میرا خون چوس کر صاف کیا ہے۔ اس کو دوزخ کی آگ چھونے بھی، نہیں پائے گی۔

حضرت طلحہؓ کی فضیلت

⑭ وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى رَجُلٍ يَمْشِيْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ وَقَدْ قَضٰى نَحْبَهٗ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى هٰذَا وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى شَهِيْدٍ يَمْشِيْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ۔ (رواه الترمذی)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے طلحہ بن عبیداللہ کی طرف (محبت بھری نظروں سے) دیکھا اور فرمایا: "جس شخص کی خواہش ہو کہ اس انسان کو دیکھے جو زمین پر چلتا پھرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ مردہ ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس انسان (طلحہؓ) کو دیکھے۔" اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص ایسے شہید کا دیدار کرنا چاہے جو زمین پر چلتا پھرتا ہے تو وہ طلحہ بن عبیداللہؓ کو دیکھے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "حقیقت میں وہ مردہ ہے" یہ **قضی نحبه** کا ترجمہ ہے۔ اصل میں تو نحب کے معنی ہیں: منت ماننا، نذر کرنا، عہد کرنا۔ لیکن اس کے ایک معنی موت اور اجل کے بھی آتے ہیں چنانچہ قرآن کریم کی اس آیت! **من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر۔** میں مفسرین نے **قضى نحبه** کی تفسیر میں دونوں معنی مراد لئے ہیں۔ اس لحاظ سے اس حدیث میں بھی **قضى نحبه** کو اگرچہ دونوں معنی پر محمول کیا جاسکتا ہے لیکن دوسرے معنی تو (موت کے مفہوم میں) مراد لینا زیادہ صحیح اور زیادہ موزوں ہے جیسا کہ دوسری روایت **شهيد يمشي على وجه الارض** سے بھی ظاہر ہے۔ بہر صورت اس ارشاد گرامی سے آنحضرت ﷺ کا مقصد لوگوں کو یہ بتانا تھا کہ طلحہؓ وہ شخص ہے جس نے اللہ کی راہ میں اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے سرفروشی اور فدا کاری کا جو عہد کیا تھا اس کو پورا کر دیا اور میدان جنگ میں اس نے جان سپاری کے ذریعہ در حقیقت موت کا مزہ چکھ لیا یہ اور بات ہے کہ وہ ابھی زندہ نظر آتا ہے، یہ معلوم ہی ہے کہ جنگ احد کے دن حضرت طلحہؓ نے خود کو آنحضرت ﷺ کی ڈھال بنالیا تھا اور اس کے نتیجہ میں ان کے جسم کا کوئی حصہ کوئی عضو زخمی ہونے سے نہیں بچا تھا۔

بعض حضرات نے لکھا ہے اس حدیث میں حضرت طلحہؓ کے تعلق سے جو کچھ فرمایا گیا اس میں "در حقیقت اس اختیاری موت" کی طرف اشارہ ہے جو اہل سلوک اور ارباب فناہ کو حاصل ہوتی ہے یا مردہ ہونے" سے ذات باری تعالیٰ کی طرف انجذاب اور ذکر الٰہی اور مشاہدہ ملکوت میں پوری طرح مستغرق ہونے کے سبب عالم شہادت سے غائب ہونا ہے جو در اصل (اختیاری موت) کا نتیجہ ہوتا ہے اور یہ

بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے "مردہ" کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہو کہ مآل کار حضرت طلحہؓ کو شہادت کی موت اور حسن خاتمہ کی سعادت نصیب ہو گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت طلحہؓ جنگ جمل میں شہید ہوئے۔

طلحہؓ اور زبیرؓ کی فضیلت

(۱۵) وَعَنْ عَلِيٍّؓ قَالَ سَمِعتْ اُذُنَيَّ مِنْ فِی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرِ جَارَایَ فِی الْجَنَّةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میرے کانوں نے رسول کریم ﷺ کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے سنے: "طلحہؓ اور زبیرؓ جنت میں میرے پڑوسی ہیں۔" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: ان الفاظ کے ذریعہ کنایۃً اس کمال قرب و تعلق کو ظاہر کیا گیا ہے جو ان دونوں حضرات اور نبی کریم ﷺ کے مابین تھا۔

سعدؓ کے لئے دعا

(۱۶) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَئِذٍ يَعْنِیْ يَوْمَ اُحُدٍ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ رَمْيَتَهٗ وَاَجِبْ دَعْوَتَهٗ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے (ان کے حق میں) اس دن یعنی غزوۂ احد کے دن یوں دعا فرمائی خداوندا! اس (سعدؓ) کی تیر اندازی میں شدت و قوت عطا فرما اور اس کی دعا قبول کر۔" (شرح السنۃ)

تشریح: اس موقع پر تیر اندازی میں شدت و قوت کے ساتھ اجابت دعا کا ذکر اس مناسبت سے تھا کہ عرف عام میں تیر اور دعا کے درمیان گہرا تعلق ہے، تیر کا دعا سے استعارہ کیا جاتا ہے اور "تیر دعا" دعا کا تیر بہدف ہونا" بڑا مشہور محاورہ تو خود اردو زبان میں بھی ہے اس مناسبت سے بطور نکتہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرت سعدؓ کا مستجاب الدعوات بن جانا گویا اس تیر کا اثر تھا جو انہوں نے اللہ کی راہ میں اسلام میں سب سے پہلے تیر چلایا تھا۔

(۱۷) وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ اِذَا دَعَاكَ۔ (رواہ الترمذی۔)

"اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے دعا فرمائی تھی: "خداوندا! سعدؓ جب تم سے دعا مانگے تو اس کو قبول فرما۔" (ترمذیؒ)

سعدؓ کی فضیلت

(۱۸) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَاهُ وَاُمَّهٗ اِلَّا لِسَعْدٍ قَالَ لَهٗ يَوْمَ اُحُدٍ اِرْمِ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ وَقَالَ لَهٗ اِرْمِ اَيُّهَا الْغُلَامُ الْحَزَوَّرُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے ماں باپ کو سعدؓ کے علاوہ کسی کے لئے جمع نہیں کیا چنانچہ غزوۂ احد کے دن ان کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: "تیر چلائے جا، تجھ پر میرے ماں باپ صدقے۔" نیز (اس دن) آپ ﷺ نے سعدؓ کو مخاطب کر کے یوں بھی فرمایا تھا: "تیر پھینکے جا اے جواں مرد۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اور اس "جواں مرد" نے جب ابوبکرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا تو اس وقت اس کی عمر ۱۷سال کی تھی۔ ان کے کچھ حالات پیچھے گزر چکے ہیں، انہوں نے اپنے زمانۂ اسلام کے ہر اہم معاملہ اور واقعہ میں سرگرم حصہ لیا تھا اور دین کی سربلندی کے لئے بڑی بڑی

قربانیاں پیش کیں آخر میں جب ملت انتشار و تنازعہ کی صورت حال سے دوچار تھی اور خلافت واقتدار کے مسئلہ پر مختلف گرہوں کی محاذ آرئیاں ہو رہی تھیں تو انہوں نے تمام معاملات سے کامل یکسوائی اختیار کرلی تھی اور خود کو گھر کے اندر محصور کر کے ایک قبر تک محدود کر لیا تھا اور اپنے گھر کے لوگوں کو ہدایت دیدی تھی کہ باہر کی کوئی خبر مجھ تک نہ پہنچائی جائے تاآنکہ اُمت کسی ایک امام پر متفق و متحد ہو جائے۔

(۱۹) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَقْبَلَ سَعْدٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَالِي فَلْيُرِنِي امْرُأٌ خَالَهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ كَانَ سَعْدٌ مِنْ بَنِي زُهْرَةَ وَكَانَتْ اُمُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِي زُهْرَةَ فَلِذٰلِكَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَالِي وَفِي الْمَصَابِيْحِ فَلْيُكْرِمَنَّ بَدَلَ فَلْيُرِنِي۔

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) سعد بن ابی وقاص (مجلس مبارک میں) آئے تو نبی کریم ﷺ نے (ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "یہ میرے ماموں ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسا ماموں رکھتا ہے تو وہ مجھ کو دکھائے۔" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ سعدؓ (قریش کے ایک قبیلہ) بنی زہرہ سے تھے اور (چونکہ آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ بھی بنی زہرہ ہی سے تھیں) اس اعتبار سے آنحضرت ﷺ نے ان کے بارہ میں فرمایا یہ میرے ماموں ہیں نیز مصابیح میں فلیرنی (تو وہ مجھ کو دکھائے) کے بجائے فلیکرمن (تو وہ اپنے اس ماموں کی تکریم کرے) کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں (لیکن ابن حجرؒ نے اس تبدیلی کو "تصحیف" کہا ہے بلکہ ملا علی قاریؒ نے تو "تحریف" قرار دیا ہے۔"

تشریح: "...... تو وہ مجھ کو دکھائے" یعنی اگر کوئی شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ اس کا ماموں میرے ماموں جیسا ہے نہیں ہو سکتا۔

"زہرہ" عورت کا نام ہے جو کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب کی بیوی تھی، اس کی اولاد کو بنو زہرہ کہا جاتا ہے اور یہ قریش کی ایک مشہور شاخ تھی۔ آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ اور حضرت سعد بن وقاصؓ کا نسبی تعلق اسی شاخ سے تھا اور اس اعتبار سے حضرت آمنہ اور سعد بن وقاصؓ بہن بھائی ہوئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اسلام میں سب سے پہلا تیر سعدؓ نے چلایا

(۲۰) عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِي حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ اَبِي وَقَّاصٍ يَقُوْلُ اِنِّي لَاَوَّلُ رَجُلٍ مِنَ الْعَرَبِ رَمٰى بِسَهْمٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَرَاَيْتُنَا نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا لَنَا طَعَامٌ اِلَّا الْحُبْلَةُ وَوَرَقُ السَّمُرِ وَاِنْ كَانَ اَحَدُنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ مَالَهُ خِلْطٌ ثُمَّ اَصْبَحَتْ بَنُوْ اَسَدٍ تُعَزِّرُنِي عَلَى الْاِسْلَامِ لَقَدْ خِبْتُ اِذًا وَضَلَّ عَمَلِي وَكَانُوْا وَشَوْا بِهٖ اِلٰى عُمَرَ وَقَالُوْا لَا يُحْسِنُ يُصَلِّي۔ (متفق علیہ)

"حضرت قیس بن ابی حازمؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو یہ فرماتے سنا: یقیناً میں عرب میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا اور ہم نے وہ (زمانہ دیکھا ہے جب ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ مصروف جہاد رہا کرتے تھے اور ہمارے پاس خوراک نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی، ہاں کیکر کی پھلیاں (جو لوبیہ کے مشابہ ہوتی ہیں اور کیکر کی پتیاں ضرور مل جاتی تھیں (جنہیں ہم پیٹ میں پہنچا کر بھوک کی آگ کچھ ٹھنڈی کر لیتے تھے) اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ہم لوگ بکری کی مینگنیوں کی مانند خشک پاخانہ پھرتے تھے جس میں رطوبت اور چپچپاہٹ کا نام تک نہ ہوتا تھا پھر (اب وہ زمانہ بھی دیکھنا پڑ رہا ہے کہ بنو اسد مجھ کو اسلام (یعنی نماز) کے بارہ میں نصیحت (یا تنبیہ) کرتے ہیں۔ (بخدا) اگر میں اب بھی بنو اسد کی نصیحت کا محتاج اور دین کے بارہ میں ان سے کمتر ہوں) تو پھر اس میں کیا شبہ کہ

میں حرماں نصیب ہی رہا اور میرا کیا دھرا کارت ہوا۔ (یہ سعدؓ نے اس وجہ سے کہا کہ) بنو اسد نے حضرت عمر فاروقؓ سے سعد کی چغل خوری اور شکایت کی تھی اور کہا تھا کہ وہ نماز اچھی طرح نہیں پڑھتے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "بنو اسد" سے زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد کی اولاد اور اہل خاندان مراد ہیں۔ دراصل اس زمانہ میں جبکہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی طرف سے کوفہ کی گورنری کے منصب پر فائز تھے، بنو اسد لوگوں کی زبانی یا تحریری طور پر حضرت عمرؓ کے پاس یہ شکایت بھیجا کرتے تھے کہ سعدؓ نماز اچھی طرح نہیں پڑھتے یعنی یا تو نماز کی شرائط اور ارکان اور یا سنن کی ادائگی خوب طرح نہیں کرتے اور اس کے آداب و محاسن کی رعایت ملحوظ نہیں رکھتے۔ اس شکایت پر حضرت عمرؓ نے سعدؓ سے جواب طلب کیا اور ان کو تنبیہ و تہدید لکھ بھیجی، حضرت سعدؓ نے صورت حال کی وضاحت کی اور امیر المؤمنین کو بتایا کہ میں آنحضرت ﷺ کی نماز کے مطابق ہی لوگوں کو نماز پڑھاتا ہوں، چنانچہ پہلی دونوں رکعتیں تو طویل رکھتا ہوں اور بعد کی دونوں رکعتوں کو مختصر کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے سعدؓ کی وضاحت کو قبول کیا۔ نماز پڑھانے کے ان کے طریقہ کی تصویب کی اور فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم نے جو بیان کیا ہے وہ صحیح ہے۔ بنو اسد کا حضرت سعدؓ کے خلاف دربار خلافت میں شکایت پہنچانا اور اچھی طرح نماز نہ پڑھنے کا الزام ان پر عائد کرنا یقیناً ایک غیر معمولی واقعہ تھا جس نے حضرت سعدؓ کے جذبات و احساسات کو زبردست ٹھیس پہنچائی اور مجبوراً انہیں اپنے اس افتخار کا اظہار کرنا پڑا کہ انہیں پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ دور اول کی اس انقلابی جدوجہد میں بھرپور شرکت کا اعزاز حاصل ہے جو اسلام کے نام لیواؤں کے لئے سراسر مشقت، جان کاہی اور سخت جسمانی و روحانی آزمائشوں کا موجب تھی۔ حضرت سعدؓ نے گویا اس تاثر کا اظہار کیا کہ جب سخت ترین دور بھی میری دینی زندگی میں کوئی اضمحلال اور تساہلی پیدا نہ کرسکا اور بڑی سے بڑی پریشانی اور سختی برداشت کر کے بھی میں نے اسلام کے فرائض کو کماحقہ، ادا کیا تو اب نماز جیسی سب سے اہم عبادت میں کسی سہل انگاری یا تساہلی کا روادار کیسے ہوسکتا ہوں یہ کتنی ناانصافی کی بات ہے کہ بنو اسد نے قبول اسلام میں میری سبقت اسلام کے لئے میری جدوجہد اور قربانیاں اور دین کے راستہ میں میری ثابت قدمی اور میری تمام طاعات و عبادات کو نظر انداز کر کے مجھ پر ایسا الزام عائد کیا جو میرے لئے عار کا باعث ہے اور مجھے سخت ذہنی و روحانی اذیت میں مبتلا کردینے والا ہے حضرت سعدؓ نے جن الفاظ میں اپنے احساسات کا اظہار کیا اس سے معلوم ہوا کہ دینی مصلحت کے تحت اور معاندانہ عیب جوئی و تنقیص کے ازالہ کی خاطر اپنے علم و فضل اور اوصاف کمالات کا واقعاتی اور حقیقی پیرایہ بیان میں فخریہ اظہار شریعت میں جائز ہے۔ چنانچہ یہ ثابت ہے کہ صحابۂ کرامؓ صالح اور صحت مند اغراض کے تحت اپنے اوصاف و کمالات کا آپس میں فخریہ اظہار کیا کرتے تھے۔

حضرت سعدؓ کا افتخار

(۲۱) وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ رَأَيْتُنِي وَاَنَا ثَالِثُ الْاِسْلَامِ وَمَا اَسْلَمَ اَحَدٌ اِلَّا فِي الْيَوْمِ الَّذِي اَسْلَمْتُ فِيهِ وَلَقَدْ مَكَثْتُ سَبْعَةَ اَيَّامٍ وَاِنِّي لَثُلُثُ الْاِسْلَامِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت سعدؓ نے کہا: میں اپنے بارہ میں (دوسروں سے زیادہ) جانتا ہوں، اسلام کی فہرست میں میرا نمبر تیسرا ہے اور (مجھ سے پہلے مشرف باسلام ہونے والے ان دونوں میں سے بھی) کوئی شخص اس دن سے دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوا تھا جس دن کہ میں نے اسلام قبول کیا تھا اور پھر سات دن تک میں اسلام کا تہائی حصہ بنا رہا۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت سعدؓ کا مطلب یہ تھا سب سے پہلے دن جن تین آدمیوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا ان میں سے دو تو حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوبکرؓ تھے اور تیسرا آدمی میں خود تھا، اس طرح اگرچہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے پہلے اسلام قبول کرلیا تھا، لیکن ہم تینوں کے اسلام قبول کرنے کا دن بہرحال ایک ہی تھا، پھر میرے قبول اسلام کے بعد سات دنوں تک کسی شخص نے

اسلام قبول نہیں کیا۔ میرے بعد جو لوگ مسلمان ہوئے وہ سب ان سات دنوں کے بعد ہی ہوئے یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت سعدؓ کی مراد یہ تھی کہ آزاد اور بالغ لوگوں میں ہم تین آدمیوں کے علاوہ اور کوئی شخص ان سات دنوں میں مسلمان نہیں ہوا۔ یا یہ کہ حضرت سعدؓ کو شاید اور لوگوں کے اسلام کی خبر نہ ہوئی ہوگی۔ اس وضاحت سے نہ تو یہ اشکال پیدا ہوگا کہ جب حضرت علیؓ (جو قبول اسلام کے وقت نابالغ تھے اور حضرت زید بن حارثہؓ (غلام کے بارے میں ثابت ہے کہ ان دونوں نے بھی پہلے ہی دن اسلام قبول کر لیا تھا تو حضرت سعدؓ نے یہ بات کیسے کہی اور نہ حضرت عمارؓ کی اس روایت سے حضرت سعدؓ کی اس روایت کا تناقض لازم آئے گا جس میں انہوں نے (یعنی عمارؓ نے کہا: جب میں نے (پہلی مرتبہ) رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی تو اس وقت پانچ غلاموں، دو عورتوں اور ایک ابوبکرؓ کے علاوہ اور کوئی شخص آپ ﷺ کے ساتھ مسلمان نہیں تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی فضیلت

(۲۲) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ لِنِسَآئِهٖ اِنَّ اَمْرَكُنَّ مِمَّا يُهِمُّنِيْ مِنْ بَعْدِيْ وَلَنْ يَصْبِرَ عَلَيْكُنَّ اِلَّا الصَّابِرُوْنَ الصِّدِّيْقُوْنَ قَالَتْ عَائِشَةُ يَعْنِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ثُمَّ قَالَتْ عَائِشَةُ لِاَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَقَى اللّٰهُ اَبَاكَ مِنْ سَلْسَبِيْلِ الْجَنَّةِ وَكَانَ ابْنُ عَوْفٍ قَدْ تَصَدَّقَ عَلٰى اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِحَدِيْقَةٍ بِيْعَتْ بِاَرْبَعِيْنَ اَلْفًا۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں سے فرمایا: تمہارا معاملہ کچھ اس نوعیت کا ہے کہ مجھ کو میرے بعد کے فکر میں ڈالتا ہے اور تمہارے خرچہ پر وہی جو صبر کریں گے (صابر ہیں اور صدیق ہیں حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (صابر اور صدیق سے) آنحضرت ﷺ کی مراد وہ لوگ ہیں جو صدقہ دینے والے اور کار خیر کرنے والے ہیں پھر حضرت عائشہؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بیٹے حضرت ابوسلمہ تابعیؒ کے سامنے (ان کے والد بزرگوار کے زبردست مالی ایثار پر اظہار تشکر اور جذبۂ منت گزاری کے تحت) کہا: "اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کو جنت کی سلسبیل سے سیراب فرمائے" اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات (کے خرچہ) کے لئے ایک باغ دیا تھا جو چالیس ہزار دینار کو بیچا گیا تھا۔"

تشریح: "جو صابر ہیں"۔ یعنی وہ لوگ کہ جو اللہ کی رضا و خوشنودی کی خاطر اپنا مال اور اپنی دولت خرچ کرتے ہیں، صدقہ و خیرات کے ذریعہ اس دنیا کی پونجی کو تو کم کرتے ہیں مگر آخرت کے سرمایہ میں اضافہ کرتے ہیں اور اس طرح مال و دولت کے خرچ ہونے پر نفس کو جو ناگواری ہوتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں۔

"...... صدیق ہیں یعنی وہ لوگ جو صدقہ معاملہ میں کامل ہیں، ادائے حقوق میں سب سے آگے ہیں اور جود و سخا میں کثیر الصدق ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات سے جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اختیار دیا تھا کہ چاہے تو زوجیت رسول کے شرف کی صورت میں آخرت کو اختیار کر لو، چاہو آسائش و آرام کی زندگی گزارنے کی خاطر اس شرف کو چھوڑ دینا اختیار کر لو، تو اس وقت تم نے اگرچہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دی تھی اور میری رفاقت و زوجیت میں رہنے کے فیصلہ کو اس کامل یقین کے ساتھ برقرار رکھا تھا کہ اس عظیم ترین شرف و اعزاز کی خاطر دنیا کے بڑے مصائب اور بڑی سے بڑی سختی کو بھی خوش دلی سے انگیز کر و گی، تاہم مجھ کو کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ میں تمہارے لئے میراث چھوڑ کر نہیں جا رہا ہوں، نہ معلوم میری وفات کے بعد تمہیں کن حالات سے دوچار ہونا پڑے۔ تمہارے ساتھ لوگ کیا معاملہ اور کیسا سلوک رکھیں گے کون شخص تمہارے گزارے کا متکفل بنے گا اور کس شخص کو تمہاری خبر گیری کی توفیق نصیب ہوگی اور جو تمہارے مصارف کے لئے اپنے مال اور اپنی جائداد کا نذرانہ پیش کریں گے ان کا وہی مقام و مرتبہ ہوگا جو اللہ کے نزدیک "صابر" اور "صدیق" کا ہوتا ہے حضرت عائشہ نے ارشاد نبوت کے سیاق میں، صابر اور صدیق کے معنی بیان

کئے اور پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حق میں، ان کے بیٹے کے سامنے، جو دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے اس سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی وہ فضیلت ظاہر ہوئی جو انہوں نے ازواج مطہرات کے لئے اپنی بڑی ایک جائداد کا نذرانہ پیش کر کے اس حدیث کے مطابق حاصل کی۔

اللہ کی راہ میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی مالی قربانیاں: حدیث بالا میں یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے باغ ازواج مطہرات کے لئے دیا تھا وہ چالیس ہزار دینار کو بیچا گیا، لیکن ترمذیؒ ہی کی ایک اور روایت میں، جس کو ترمذیؒ نے "حسن غریب" کہا ہے، یوں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ازواج مطہرات کے مصارف کے لئے اپنا ایک پورا باغ اللہ کی راہ میں دیدیا تھا جو چار لاکھ درہم یا دینار کو بیچا گیا۔ یہ تو ابن عوفؓ کی مالی قربانیوں کی صرف ایک مثال ہے، وہ بہت بڑے تاجر تھے اور وسیع بنیادوں پر پھیلی ہوئی اپنی تجارت کے ذریعہ جتنا زیادہ مال واسباب پیدا کرتے تھے اتنا ہی اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ان کی زندگی اور ان کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا مطلقاً مبالغہ نہ ہوگا کہ ان کی تمام تر تجارت اور کسب مال کا مقصد ہی اللہ کی راہ میں اور دین کی سربلندی کے لئے خرچ کرنا تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک مرتبہ اپنے آدھے مال واسباب اور چار ہزار دینار یا درہم یا درہم نقد کا نذرانہ پیش کیا، پھر انہوں نے چالیس ہزار دینار تصدق کیے، پھر پانچ سو گھوڑے جہاد کے لئے اللہ کی راہ میں دیئے، اور پھر جہاد ہی کے لئے اللہ کی راہ میں انہوں نے ڈیڑھ ہزار اونٹنیاں پیش کیں اور ان تمام مال واسباب میں سے اکثر حصہ ان کے تجارتی مال و سرمایہ سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق ایک دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ایک سو پچاس ہزار یعنی ڈیڑھ لاکھ دینار اللہ کی خوشنودی کے لئے صحابہ کرام کو دیئے، پھر جب رات آئی تو گھر میں قلم کاغذ لے کر بیٹھے اور اپنا تمام مال مہاجرین وانصار صحابہؓ میں تقسیم کرنے کے لئے ایک فہرست مرتب کی، اس فہرست میں انہوں نے اپنے بدن کے کپڑوں تک کے بارے میں لکھا کہ میرے بدن پر جو قمیص ہے وہ فلاح صاحب کے لئے ہے اور میرا عمامہ فلاں صاحب کے لئے اس طرح انہوں نے اپنے مال واسباب میں سے کچھ باقی نہیں رہنے دیا، ایک ایک چیز حاجتمندوں کے نام لکھ دی، اس کام سے فارغ ہو کر سو گئے۔ صبح ہوئی تو نماز فجر کے لئے مسجد پہنچے اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی اتنے میں حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے کہا کہ اے محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عبدالرحمٰنؓ کو میری طرف سے سلام کہو اور وہ فہرست (جو انہوں نے آج رات میں بنائی ہے) ان سے قبول کر کے پھر ان کو واپس کر دو اور ان سے کہو کہ اللہ نے تمہارا صدقہ قبول کر لیا، اس سارے مال واسباب میں تم اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے وکیل ہو، اپنی مرضی سے اس میں سے لین دین کرو اور اپنے سابقہ حق تصرف کے ساتھ چاہو خرچ کرو، اس کام سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا اس کے ساتھ ہی ان کو جنت کی بشارت عطا کی گئی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے تیس ہزار غلام، آزاد کئے۔ پسماندگان میں انہوں نے چار بیویاں چھوڑی تھیں اور منقول ہے کہ ایک ایک بیوی کے حصہ میں اسی اسی ہزار درہم آئے تھے بلکہ ایک روایت میں یوں ہے کہ عبداللہ بن عوفؓ کا ترکہ سولہ سہام پر تقسیم، ہوا اور ہر بیوی کے حصہ میں دو دو لاکھ درہم آئے۔

خداوندا! عبدالرحمٰن بنؓ عوف کو جنت کی نہر سے سیراب فرما

(۲۳) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِاَزْوَاجِهٖ اِنَّ الَّذِىْ يَحْثُوْ عَلَيْكُنَّ بَعْدِىْ هُوَ الصَّادِقُ الْبَارُّ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ مِنْ سَلْسَبِيْلِ الْجَنَّةِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو اپنی بیویوں سے یوں فرماتے سنا: "حقیقت یہ ہے کہ میری وفات کے بعد جو شخص مٹھیاں بھر بھر کر تم پر خرچ کرے گا یعنی پوری فراخ دلی اور کامل سخاوت کے ساتھ تمہارے مصارف میں اپنا مال خرچ کرے گا وہ

صادق الایمان صحاب احسان ہے خداوندا! عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو جنّت کی نہر سلسبیل سے سیراب کر۔" (احمدؒ)

تشریح: ظاہر تو یہ ہے کہ دعائیہ الفاظ حضرت ام سلمہؓ کے اپنے ہیں جیسا کہ پچھلی روایت میں حضرت عائشہؓ سے نقل ہوا، لیکن بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ دعائیہ الفاظ بھی آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا حصہ ہیں۔ دراصل آنحضرت ﷺ کو پہلے ہی معلوم ہوگیا تھا کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ میری بیویوں کے ساتھ کتنا بڑا احسان کریں گے اور اس لئے آپ ﷺ نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی۔ اس اعتبار سے یہ حدیث آنحضرت ﷺ کے اعجاز کو ظاہر کرتی ہے۔

حضرت ابوعبیدہؓ کی فضیلت

(۲۴) وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ جَآءَ اَهْلُ نَجْرَانَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ابْعَثْ اِلَيْنَا رَجُلًا اَمِيْنًا فَقَالَ لَاَبْعَثَنَّ اِلَيْكُم رَجُلًا اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ فَاسْتَشْرَفَ لَهَا النَّاسُ قَالَ فَبَعَثَ اَبَا عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (جو کبار صحابہؓ میں سے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے محرم راز تھے) کہتے ہیں کہ نجران کے لوگوں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمارے پاس (حاکم وقاضی بناکر) ایسے شخص کو بھیجئے جو امانت دار ہو یعنی ہمارے حقوق میں کوئی خیانت نہ کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً میں ایک ایسے شخص کو (حاکم یا قاضی بناکر تمہارے ہاں بھیجوں گا جو امین ہے اور اس لائق ہے کہ اس کو امانت دار کہا جائے۔ (یہ سن کر) لوگ اس شرف کے حصول کی تمنا اور انتظار کرنے لگے (کہ دیکھیں کون شخص اس منصب کا شرف وامتیاز حاصل کرتا ہے) حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو بھیجا۔"

(بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "نجران" یمن میں ایک جگہ کا نام ہے جس کو ۱۰ھ میں فتح کیا گیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ "نجران" حجاز اور شام کے درمیان واقع ایک جگہ کا نام ہے..... تمنا اور انتظار کرنے لگے "اس تمنا اور اظہار کا تعلق جاہ طلبی کے جذبہ اور حصول منصب کی خواہش سے ہرگز نہیں تھا بلکہ اس تمنا واشتیاق کی بنیاد صفت امانت سے متصف قرار پانے کی طلب وخواہش تھی۔

امارت وخلافت کے بارہ میں آنحضرت سے ایک سوال اور اس کا جواب

(۲۵) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ نُؤَمِّرُ بَعْدَكَ قَالَ اِنْ تُؤَمِّرُوْا اَبَا بَكْرٍ تَجِدُوْهُ اَمِيْنًا زَاهِدًا فِي الدُّنْيَا رَاغِبًا فِي الْاٰخِرَةِ وَاِنْ تُؤَمِّرُوْا عُمَرَ تَجِدُوْهُ قَوِيًّا اَمِيْنًا لَا يَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَاِنْ تُؤَمِّرُوْا عَلِيًّا وَلَا اُرَاكُمْ فَاعِلِيْنَ تَجِدُوْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا يَاْخُذُ بِكُمُ الطَّرِيْقَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ کسی نے سوال کیا: یارسول اللہ! آپ (ﷺ) کے بعد ہم کس کو اپنا امیر وسربراہ بنائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم میرے بعد ابوبکرؓ کو اپنا امیر وسربراہ بناؤ گے تو ان کو امانت دار، دنیا سے بے پرواہ اور آخرت کی طرف راغب پاؤ گے۔ اگر عمرؓ کو اپنا امیر وسربراہ بناؤ گے تو ان کو (بار امانت اٹھانے میں) بہت مضبوط، امین اور ملامت کرنے والے کی ملامت سے بے خوف پاؤ گے، اور اگر علیؓ کو اپنا امیر وسربراہ بناؤ گے، درآنحالیکہ میرے خیال میں تم ان کو (اختلاف ونزاع کے بغیر) اپنا امیر وسربراہ بنانے والے نہیں ہو۔ تاہم جب بناؤ گے تو ان کو راہ راست دکھانے والا (یعنی مکمل مرشد) بھی پاؤ گے اور کامل ہدایت یافتہ بھی) جو تمہیں صراط مستقیم پر چلائیں گے۔"

(احمدؒ)

تشریح: "امانت دار دنیا سے بے پرواہ" یعنی حقوق دین کی ادائیگی میں ان سے کوئی خیانت نہیں ہوگی۔ وہ دین وملت کے معاملہ میں جو بھی حکم وفیصلہ صادر کریں گے، اس کی بنیاد میں عدل اور دیانت ہی کی کارفرما ہوگی۔ اسی طرح ان کو دنیا سے کوئی محبت نہیں ہوگی بلکہ ان کی

تمام تر توجہ اور دلچسپی آخرت کی طرف ہوگی۔ ان الفاظ کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ میرے بعد خلافت و امارت کا استحقاق کے لئے ان اوصاف کو پہلا معیار بنانا چاہئے، کیونکہ جس شخص میں یہ اوصاف ہوں گے وہ دراصل "اخلاص" کے درجۂ کمال پر فائز ہوگا اور "اخلاص" ہی وہ جوہر ہے جو "خلاص یعنی نجات" کو لازم کرتا ہے۔ ایک روایت میں تجدوہ مسلما امینا (تو تم ان کو امانتدار مسلمان پاؤ گے) کے الفاظ ہیں اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں تجد وہ قویا فی امر اللّٰہ ضعیفا فی نفسہ..... (تو تم ان کو ایسا انسان پاؤ گے جو اللہ کے معاملہ میں تو نہایت سخت اور مضبوط ہوگا اور اپنی ذات کے معاملہ میں کمزور و ضعیف ہوگا۔

ملامت کرنے والے کی ملامت سے بے خوف۔" یعنی دین کے معاملہ میں وہ کسی بھی خارجی خوف و مصلحت سے بے نیاز ہوں گے، شریعت کے نفاذ و اشاعت میں کوئی رو رعایت نہیں کریں گے۔ دین و ملت کے مفاد میں جو بھی قدم اٹھائیں گے اور جو بھی کاروائی کریں گے اس میں پوری مضبوطی اور استقلال کا ثبوت دیں گے، نہ کسی مخالف کی مخالفت انہیں خوف زدہ کرے گی، نہ کسی نکتہ چیں کی نکتہ چینی ان کو متاثر کر پائے گی نہ کسی معترض کا اعتراض ان کو ڈگمگائے گا اور نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت ان کے پائے استقلال میں لغزش پیدا کر سکے گی اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں تجدوہ قویا فی امر اللّٰہ قویا فی نفسہ۔ (تم ان کو اللہ کے معاملہ میں بھی مضبوط پاؤ گے اور خود ان کی ذات کے معاملہ میں بھی۔)

اس حدیث میں حضرت عثمانؓ کا ذکر نہیں ہے یا تو آنحضرت ﷺ نے ان کا ذکر ہی نہیں کیا تھا، یا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے تو ذکر کیا تھا لیکن راوی ان کا ذکر کرنا بھول گئے۔ بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ: سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کا ذکر کرنا خلافت کے بارہ میں ان کے تقدم اور ان کی فوقیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ نیز آپ ﷺ نے اگرچہ حضرت عثمانؓ کا ذکر صریحا نہیں کیا لیکن حضرت علیؓ کے ذکر میں لا اراکم فاعلین (میرے خیال میں تم ان کو اپنا امیر و سربراہ بنانے والے نہیں ہو) کے الفاظ میں حضرت علیؓ پر حضرت عثمانؓ کے تقدم کی طرف اشارہ ضرور ملتا ہے۔ ویسے ان الفاظ (لا اراکم فاعلین) کا ایک مطلب تو وہی ہے جس کی طرف ترجمہ میں بین القوسین اشارہ کیا گیا، یعنی یہ کہ: میرا خیال ہے کہ ان کی خلافت پر تمام مسلمانوں کا اجماع نہیں ہوگا بلکہ ان سے اختلاف کرنے والے لوگوں کی بڑی تعداد بھی موجود رہے گی اور ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: میرا خیال ہے کہ تم لوگ میری وفات کے بعد سب سے پہلے علیؓ کو خلیفہ اور اپنا امیر نہیں بناؤ گے کیونکہ قضاء و قدر الٰہی سے مجھ کو معلوم ہو گیا ہے کہ علیؓ کی عمر طویل ہوگی اور وہ مذکورہ دونوں آدمیوں یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ سے زیادہ جئیں گے۔ اگر میرے بعد سب سے پہلے علیؓ ہی خلیفہ و امیر بنائے جائیں تو ان دونوں کی خلافت قائم ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے جو علیؓ سے پہلے فوت، ہونے والے ہیں جبکہ ان لوگوں کا خلیفہ ہونا بھی مقدر ہو چکا ہے۔ یہ مطلب مراد لینے کی صورت میں "خیال میں" (ظن) کو یقین کے معنی میں لیا جائے گا۔ یعنی آپ ﷺ نے گویا یہ فرمایا: مجھے یقین ہے کہ تم میرے بعد سب سے پہلے علیؓ کو خلیفہ اور اپنا امیر نہیں بناؤ گے۔ بہر حال آنحضرت ﷺ نے سائل کے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا حاصل یہ تھا کہ: اے مسلمانو! میرے بعد اہل اسلام کی قیادت اور ملی سربراہی (یعنی خلافت و امارت) کا معاملہ در حقیقت خود تمہارے اوپر موقوف ہے تم دین و ملت کے بارہ میں "امین" بھی ہو اور مجتہد بھی، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنی بصیرت اور حق تک پہنچنے کی ایسی ایمانی قوت عطا فرمائی ہے کہ حالات اور تقاضوں کا جائزہ لے کر صحیح فیصلہ پر پہنچ سکتے ہو۔ پس میرے بعد تم اپنے اجتہاد کے ذریعہ جس شخص کی بھی امارت و خلافت پر متفق اور متحد ہو جاؤ گے وہی تمہارا برحق امیر و خلیفہ ہوگا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کا اجماع و اتحاد حق و سچائی کے علاوہ کسی بات پر نہیں ہو سکتا۔ حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نص صریح کی صورت میں اور تعیین کے ساتھ کسی کو بھی اپنا جانشین نامزد یا مقرر نہیں فرمایا۔

چاروں خلفاء کے فضائل

(۲۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ اَبَا بَكْرٍ زَوَّجَنِیْ اِبْنَتَهٗ وَحَمَلَنِیْ اِلٰى دَارِ الْهِجْرَةِ

وَصَحِبَنِیْ فِی الْغَارِ وَاَعْتَقَ بِلَالًا مِنْ مَالِهٖ رَحِمَ اللّٰهُ عُمَرَ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ مُرًّا تَرَكَهُ الْحَقُّ وَمَالَهٗ مِنْ صَدِيْقٍ رَحِمَ اللّٰهُ عُثْمَانَ تَسْتَحْيِ مِنْهُ الْمَلَآئِكَةُ رَحِمَ اللّٰهُ عَلِيًّا اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَهٗ حَيْثُ دَارَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ انہوں نے اپنی بیٹی (عائشہ) کا نکاح مجھ سے کردیا اپنی اونٹنی پر سوار کر کے مجھ کو دار ہجرت (یعنی مدینہ) لے آئے، (سفر ہجرت کے دوران) غار ثور میں میرے ساتھ رہے اور اپنے مال سے بلالؓ کو (خرید کر) آزاد کیا (اور میری خدمت میں دیدیا) اللہ تعالیٰ عمرؓ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، وہ جو بات کہتے ہیں خواہ کسی کو تلخ ہی کیوں نہ لگے اور حق گوئی نے ان کو اس حال پر پہنچادیا کہ ان کا کوئی دوست نہیں۔ اللہ تعالیٰ عثمانؓ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، ان سے تو فرشتے بھی حیا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ علیؓ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، اے اللہ! حق کو علیؓ کے ساتھ رکھ کہ جدھر علی رہے ادھر ہی حق رہے۔" اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "اپنی اونٹنی پر سوار کر کے" بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے (۲) اونٹنیاں پال کر اور تیار کر کے رکھ چھوڑی تھیں کہ نامعلوم کب ہجرت کا حکم آجائے چنانچہ جب ہجرت کا حکم آگیا تو وہ ایک اونٹنی لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! سفر ہجرت میں سواری کے لئے اس اونٹنی کو قبول فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس اونٹنی کو اپنی سواری کے لئے اس صورت میں لوں گا کہ تم اس کو میرے ہاتھ فروخت کردو۔ آخر کار حضرت ابوبکرؓ نے اس اونٹنی کو آپ کے ہاتھ فروخت کیا اور آپ ﷺ نے آٹھ سو درہم قرض کے عوض اس اونٹنی کو خرید لیا۔

"......ان کا کوئی دوست نہیں یعنی ان کا کوئی ایسا دوست نہیں جو دوستی کے ناتے ان سے رعایتی سلوک اور مداہنت کی توقع رکھے ورنہ جہاں تک مطلق دوستی کا تعلق ہے تو سارے ہی مخلص اور سچے مسلمان ان کے دوست تھے اور سب سے بڑھ کر تو صدیق اکبرؓ ہی ان کے صدیق (دوست) تھے۔

"جدھر علیؓ رہے ادھر ہی حق رہے۔" یہ الفاظ ایسے ہی ہیں جیسے ایک اور روایت میں کہ، جس کو سیوطیؒ نے جمع الجوامع میں نقل کیا ہے۔ فرمایا گیا ہے القران مع علی وعلی مع القران۔ (یعنی قرآن علیؓ کے ساتھ ہے اور علیؓ قرآن کے ساتھ)

بَابُ مَنَاقِبِ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
نبی کریم ﷺ کے گھر والوں کے مناقب کا بیان

اہل بیت رسول ﷺ کا اطلاق کن کن پر ہوتا ہے: اہل بیت "یعنی آنحضرت کے گھر والوں" سے کون کون لوگ مراد ہیں؟ اس بارہ میں مختلف روایتیں ہیں۔ اہل بیت کا اطلاق ان لوگوں پر بھی آیا ہے جن کو زکوٰۃ کا مال لینا حرام ہے یعنی بنو ہاشم اور ان میں آل عباس، آل علی، آل جعفر اور آل عقیل شامل ہیں۔ بعض روایتوں میں آنحضرت ﷺ کے اہل وعیال کو "اہل بیت" کہا گیا ہے جن میں ازواج مطہرات یقینی طور پر شامل ہیں، لہٰذا جو لوگ ازواج مطہرات کو اہل بیت سے خارج قرار دیتے ہیں وہ مکابرہ کا شکار ہیں اور قرآن کریم کی اس آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ سے اپنا اختلاف ظاہر کرتے ہیں، کیونکہ جب اس کے پہلے بھی اور بعد میں بھی ازواج مطہرات ہی کو مخاطب کیا گیا ہے تو پھر ان کو (یعنی ازواج مطہرات کو) درمیان آیت کے مضمون (اهل البيت) اور اس کے مصداق میں شامل نہ کرنا آیت کو اس کے عبارتی تسلسل اور معنوی سیاق وسباق سے الگ کردینا ہے، چنانچہ امام محمد فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے کہ "یہ آیت آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کو شامل ہے کیونکہ آیت کا سیاق وسباق

پوری شدت سے اس کا مقاضی ہے، پس ازواج مطہرات کو اہل بیت کے مصداق سے خارج کرنا اور ان کے علاوہ دوسروں کو اس مصداق کے ساتھ مختص کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ "امام رازیؒ آگے لکھتے ہیں۔ "یہ کہنا زیادہ بہتر اور اولی ہے کہ "اہل بیت" کا مصداق آنحضرت ﷺ کی اولاد اور ازواج مطہرات ہیں، اور ان میں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ بھی شامل ہیں، نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ، بھی آنحضرت ﷺ سے خصوصی نسبت و تعلق اور خانگی قرب رکھنے کے سبب اہل بیت میں سے ہیں، تاہم بعض مواقع پر اہل بیت کا اطلاق اس طرح بھی آیا ہے کہ جس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس کا مصداق صرف فاطمہ زہراؓ، علی مرتضیؓ، حسنؓ اور حسینؓ ہیں، جیسے حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز فجر کے لئے مسجد میں آتے تو راستہ میں حضرت فاطمہؓ کے گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے یوں فرماتے **الصلوة یا اهل البیت، انما یرید اللّٰه لیذهب عنكم الرجس اهل البیت ویطهركم تطهیرا۔** اس روایت، کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے۔ اسی طرح ام المؤمنین حضرت ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ (ایک دن) میں آنحضرت ﷺ کے پاس (گھر میں) بیٹھی ہوئی تھی کہ خادم نے آکر بتایا کہ علیؓ اور فاطمہؓ باہر دروازہ پر کھڑے ہیں۔ آنحضرت ﷺ (یہ سن کر) مجھ سے فرمایا کہ تم ایک کنارے ہو جاؤ چنانچہ میں گھر کے ایک گوشہ میں چلی گئی۔ علیؓ اور فاطمہؓ اندر آگئے اور ان کے ساتھ حسنؓ و حسینؓ بھی تھے جو اس وقت ننھے منے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے حسنؓ اور حسینؓ کو آغوش مبارک میں بٹھالیا اور ایک ہاتھ سے علیؓ کو اور دوسرے ہاتھ سے فاطمہؓ کو پکڑ کر اپنے بدن سے چمٹایا، پھر آپ ﷺ نے اپنی وہ کالی کملی ان سب پر لپیٹی جو اس وقت جسم مبارک پر تھی اور فرمایا: خداوندا! یہ میرے اہل بیت ہیں، مجھ کو اور میرے اہل بیت کو اپنی طرف بلانہ کہ آگ کی طرف" اور حضرت ام سلمہؓ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: میری یہ مسجد ہر حائضہ عورت اور ہر جنبی مرد پر حرام ہے (یعنی جو عورت حیض کی حالت میں ہو یا جو مرد ناپاکی کی حالت میں ہو وہ میری مسجد میں ہرگز داخل نہ ہو) ہاں محمد اور محمد (ﷺ) کے اہل بیت پر کہ وہ علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ ہیں، حرام نہیں ہے" اس روایت کو بیہقیؒ نے نقل کیا ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ بہر حال ایک طرف تو وہ روایتیں ہیں جن سے بنو ہاشم اور آنحضرت ﷺ کے اہل وعیال پر "اہل بیت" کا اطلاق ثابت ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ روایتیں ہیں جن سے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ معلوم ہوتے ہیں بلکہ ان ہی چہار تن پاک پر اہل بیت کا اطلاق شائع اور مشہور بھی ہے لہذا علماء نے ان تمام روایتوں میں تطبیق اور ان کے اطلاقات کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ "بیت" کی تین نوعیتیں ہیں ① بیت نسب ② بیت سکنی ③ بیت ولادت۔ پس بنو ہاشم یعنی عبدالمطلب کی اولاد کو تو نسب اور خاندان کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ کا اہل بیت (اہل خاندان) کہا جائے گا۔ دراصل عرب میں جد قریب کی اولاد کو بیت (یعنی خاندان یا گھرانہ) کہا بھی جاتا تھا اور خود اردو میں بھی جب یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں کا گھرانہ بہت معزز ہے یا فلاں شخص شریف خاندان کا ہے تو گھرانہ) یا خاندان سے اس شخص کے باپ اور دادا کی اولاد مراد ہوتی ہے آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کو اہل بیت سکنی (اہل خانہ) کہا جائے گا چنانچہ عرف عام میں کسی شخص کی بیویوں کو اس کے اہل بیت یا "گھر والی" سے تعبیر کیا جانا مشہور ہی ہے اور آنحضرت ﷺ کی اولاد (ماجد کو اہل بیت ولادت کہا جائے گا اور اگرچہ آپ ﷺ کی تمام ہی اولاد پر اہل بیت ولادت کا اطلاق کیا جانا چاہئے لیکن تمام اولاد میں حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کو جو خاص فضل وشرف اور آنحضرت ﷺ سے جو کمال قرب و تعلق حاصل تھا اور یہ کہ ان کے فضائل ومناقب جس کثرت سے احادیث میں وارد ہیں اس کی بناء پر اہل بیت ولادت کا خصوصی وامتیازی مصداق صرف یہی چار تن مانے جائیں گے۔

واضح ہو کہ اس باب میں مولف مشکوۃ نے جو احادیث اور روایات نقل کی ہیں، اہل بیت کی نسبت سے ان کا تعلق بعض بنو ہاشم سے بھی ہے اور علیؓ وفاطمہؓ اور حسنؓ وحسینؓ سے بھی، اور ابراہیم بن رسول اللہ سے بھی ہے۔ علاوہ ازیں اس ضمن میں حضرت زید بن حارثہؓ اور ان کے بیٹے حضرت اسامہؓ کا ذکر بھی آیا ہے اور ان دونوں کا ذکر یا تو غالبا اس بناء پر ہے کہ ان دونوں پر آنحضرت ﷺ کی بے انتہا

محبت و عنایت تھی یا اس سبب سے ہے کہ شاید ان دونوں کو بھی مؤلف مشکوٰۃ نے اہل بیت میں شمار کیا ہے اسی طرح مولف مشکوٰۃ نے جو اس باب میں ازواج مطہرات کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ان کے لئے علیحدہ سے ایک باب قائم کیا ہے تو اس کی وجہ بھی یا تو یہ ہے کہ ان کے مخصوص مناقب و فضائل کے اعتبار سے ان کا ذکر مستقل طور پر علیحدہ ہی باب میں کیا جانا موزوں جانا گیا یا عرف عام کی رعایت سے ان کا ذکر "اہل بیت" سے الگ کر کے کیا گیا کیونکہ عام طور سے "اہل بیت" کا اطلاق انھی چارتن پر ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

آیت مباہلہ اور اہل بیت

① عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍؓ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَ اَبْنَآءَ كُمْ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا وَّفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَّحُسَيْنًا فَقَالَ اللّٰهُمَّ هٰؤُلَآءِ اَهْلُ بَيْتِیْ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت سعد ابن ابی وقاص ؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت: قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ۔ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے علیؓ، فاطمہ ؓ، حسنؓ اور حسینؓ کو بلوایا اور کہا خداوندا! یہ میرے اہل بیت ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: پوری آیت یوں ہے: فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔ پس جو شخص آپ (ﷺ) نے اس (قرآن یا دین) کے بارہ میں (اب بھی) حجت کرے بعد اس کے کہ آپ ﷺ کے پاس علم قطعی آچکا ہے، تو آپ (ﷺ) اس سے کہے کہ آجاؤ ہم اور تم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور خود اپنے تنوں کو اور تمہارے تنوں کو، پھر ہم (سب مل کر) خوب دل سے دعا کریں بایں صورت کہ اللہ کی لعنت بھیجیں ان پر جو (اس بارہ میں) ناحق پر ہوں اس آیت کو "آیت مباہلہ" کہا جاتا ہے۔ مباہل کا لفظ بَهل یا بَهْلَةٌ سے بنا ہے جس کے معنی لعنت بھیجنے اور لعنت کے ہیں مباہلہ کا مطلب ہوتا ہے: ایک دوسرے پر لعنت بھیجنا اور ملعون ہو جانے کی بد دعا کرنا۔ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ابتہال کا لفظ تھا، لیکن بعد میں اس لفظ (ابتہال) کا اطلاق اس دعا پر کیا جانے لگا۔ جس میں تضرع، خشوع و خضوع اور عاجزی و فروتنی کی صورت بہت زیادہ اختیار کی گئی ہو بہر حال، عربوں کی یہ عادت تھی کہ جب کسی معاملہ میں دو فریق آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت و تکذیب کرتے اور ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کا الزام عائد کرتے تو آخر میں اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل کر کسی خاص جگہ پر جمع ہوتے اور ایک دوسرے کے خلاف بد دعا کرتے ایک دوسرے پر لعنت بھیجتے اور یوں دعا مانگتے: یااللہ! ہم میں سے جو شخص ناحق پر ہو یا ظالم ہو اس پر لعنت بھیج پس جب نصاریٰ (مسیحوں) نے دین اسلام یا قرآن کی حقانیت و صداقت کے بارہ میں آنحضرت ﷺ سے بحث و مباحثہ کا دروازہ کھولا اور پیغمبر اسلام کی مخالفت و تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مذکورہ بالا آیت کے ذریعہ حکم دیا کہ آپ (ﷺ) ان مسیحوں کو مباہلہ کی دعوت دیجئے اور ان سے کہے کہ آؤ بر سر عام اپنا فیصلہ کرالیں کہ ہم میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق پر چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر آنحضرت ﷺ اپنے عزیز ترین اور قریب ترین اہل بیت کو لے کر مباہلہ کے لئے اس طرح نکلے کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو، جو اس وقت بہت چھوٹے چھوٹے تھے آپ نے گود میں اٹھا رکھا، حضرت فاطمہؓ آپ ﷺ کے پیچھے تھیں، اور حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ کے پیچھے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میں جب مباہلہ میں دعا کردوں تو تم سب مل کر آمین کہنا مسیحوں کے پیشوا کی نظر ان نورانی چہروں پر پڑی تو اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے بے اختیار بول اٹھا: تم پر افسوس ہے میں تو ان نورانی چہروں کو ایسا دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ خدا سے یوں درخواست کریں کہ پہاڑ کو اس کی جگہ سے اکھیڑ دے تو بالیقین خدا (ان کی درخواست قبول کر کے) پہاڑ کو اس کی جگہ سے اکھیڑ دے گا پھر اس نے پرزور انداز میں اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ (ان لوگوں کے ساتھ مباہلہ ہرگز نہ کرنا ورنہ جڑ سے اکھاڑ دیئے جاؤ گے۔ آخر کار ان

مسیحوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مباہلہ نہیں کیا اور جزیہ قبول کر کے آنحضرت ﷺ کی سیاسی اطاعت پر مجبور ہوئے، لیکن ان کے اندر چونکہ اسلام اور پیغمبر اسلام سے قلبی وابستگی اور مناسبت نہیں تھی اس لئے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے محروم رہے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ بعد میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ لوگ مباہلہ کرتے تو نتیجہ کے طور پر ان کی صورتیں مسخ ہو کر بندروں اور سوروں کی سی ہو جاتیں، تمام بیابان و جنگل آگ ہی آگ ہو جاتا اور وہ آگ نہ صرف ان کو بسم کر کے سرے سے نیست و نابود کر دیتی بلکہ درختوں پر پرندوں تک کو جلا ڈالتی۔

آیت قرآنی میں مذکور "اہل بیت" کا محمول و مصداق

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةً وَّعَلَيْهِ مِرْطٌ مُّرَحَّلٌ مِّنْ شَعْرٍ اَسْوَدَ فَجَآءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَادْخَلَهٗ ثُمَّ جَآءَ الْحُسَيْنُ فَادْخَلَ مَعَهٗ ثُمَّ جَآءَتْ فَاطِمَةُ فَاَدْخَلَهَا ثُمَّ جَآءَ عَلِيٌّ فَاَدْخَلَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن صبح کو نبی کریم ﷺ برآمد ہوئے، اس وقت آپ ﷺ کے بدن مبارک پر ایک سیاہ بالوں کی کملی تھی جس پر اونٹ کے کجاووں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اتنے میں حسن ابن علی، آگئے اور آپ ﷺ نے ان کو اپنی کملی کے اندر لے لیا پھر حسینؓ آئے اور آپ ﷺ نے ان کو بھی حسنؓ کے ساتھ کملی کے اندر لے لیا، پھر فاطمہؓ آئیں اور آپ ﷺ نے ان کو بھی کملی کے اندر لے لیا اور پھر علیؓ آئے اور آپ ﷺ نے ان کو بھی کملی کے اندر لے لیا اور پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ (یعنی اے اہل بیت) اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم کو (گناہوں اور برائیوں کی) پلیدی (اور غیر اخلاقی و غیر انسانی باتوں کے میل کچیل میں آلودہ ہونے) سے بچائے (جیسا کہ اکثر لوگ آلودہ ہو جاتے ہیں) اور تم کو ایسا پاک صاف رکھے جیسا کہ پاک، صاف رہنا چاہئے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس آیت کا سیاق و سباق پوری وضاحت کے ساتھ اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات بھی اہل بیت میں سے ہیں کیونکہ اس سے پہلی آیت میں بھی يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ کے ذریعہ ازواج مطہرات ہی کو خطاب کیا گیا ہے اور بعد کی آیت میں بھی واذکرن مایتلی فِیْ بیوتکن میں بھی انہی کا ذکر ہے۔ رہی یہ بات کہ پھر عنکم الرجس میں جمع مذکر کی ضمیر کیوں لائی گئی ہے تو اس کی وجہ یا تو اظہار عظمت ہے یا اہل بیت کے مردوں کی فوقیت و برتری کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

ابراہیم بن رسول اللہ

(۳) وَعَنِ الْبَرَآءِ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ اِبْرَاهِيْمُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لَهٗ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت براءؓ بن عازبؓ کہتے ہیں کہ جب (حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے آنحضرت ﷺ کے فرزند) ابراہیم کا (شیر خوارگی کی عمر میں) انتقال ہوا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا (ابراہیم کو جنت میں (پہنچا دیا گیا ہے اور وہاں) اس کے لئے ایک دودھ پلانے والی یعنی دایہ (مقرر رہوئی) ہے (جو اس کے دودھ پلانے کے زمانہ کو پورا کرے گی۔" (بخاریؒ)

تشریح: بعض شارحین نے دودھ پلائے جانے سے یہ مراد لیا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے لئے جنت کی تمام نعمتیں مہیا کر دی ہیں اور وہ بہشت میں مزے لوٹ رہے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جب کسی لفظ کے حقیقی معنی امکان وقوع رکھتے ہوں تو اس کے مجازی معنی مراد لینا جائز بھی نہیں ہے۔

لفظ "مُرْضِعًا" زیادہ تر نسخوں میں مؔ کے پیش اور ضؔ کے زیر کے ساتھ منقول ہے جس کے معنی "دایہ" کے ہیں اور ایک صحیح نسخہ

میں م اور ض دونوں کے زبر کے ساتھ ہے جس کا لفظی ترجمہ دودھ پلانے کی جگہ" ہے اس صورت میں مرضعافي الجنة کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی شیر خوارگی کی مدت پوری ہونے کی جگہ جنت میں ہے ویسے مُرْضِعًا کو مصدر یعنی دودھ پلانا بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

یہ حدیث ظاہرًا اس بات کی دلیل ہے کہ پاک نفس و پاکباز لوگ مرنے کے بعد اسی وقت جنت میں پہنچا دیئے جاتے ہیں اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ موعودہ جنت وجود میں آچکی ہے اور موجود ہے۔

حضرت فاطمہؓ کی فضیلت

④ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّا اَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهُ فَاَقْبَلَتْ فَاطِمَةُ مَا تَخْفٰى مِشْيَتُهَا مِنْ مِشْيَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَاٰهَا قَالَ مَرْحَبًا بِابْنَتِيْ ثُمَّ اَجْلَسَهَا ثُمَّ سَارَّهَا فَبَكَتْ بُكَآءً شَدِيْدًا فَلَمَّا رَاٰى حُزْنَهَا سَارَّهَا الثَّانِيَةَ فَاِذَا هِيَ تَضْحَكُ فَلَمَّا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلْتُهَا عَمَّا سَارَّكِ قَالَتْ مَا كُنْتُ لِاُفْشِيَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِرَّهُ فَلَمَّا تُوُفِّيَ قُلْتُ عَزَمْتُ عَلَيْكِ بِمَالِيْ عَلَيْكِ مِنَ الْحَقِّ لَمَّا اَخْبَرْتِنِيْ قَالَتْ اَمَّا الْاٰنَ فَنَعَمْ اَمَّا حِيْنَ سَارَّنِيْ فِي الْاَمْرِ الْاَوَّلِ فَاِنَّهُ اَخْبَرَنِيْ اَنَّ جِبْرَئِيْلَ كَانَ يُعَارِضُنِي الْقُرْاٰنَ كُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً وَاِنَّهُ عَارَضَنِيْ بِهِ الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَلَآ اُرَى الْاَجَلَ اِلَّا قَدِ اقْتَرَبَ فَاتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِيْ فَاِنِّيْ نِعْمَ السَّلَفُ اَنَا لَكِ فَبَكَيْتُ فَلَمَّا رَاٰى جَزَعِيْ سَارَّنِي الثَّانِيَةَ قَالَ يَا فَاطِمَةُ اَلَا تَرْضَيْنَ اَنْ تَكُوْنِيْ سَيِّدَةَ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَوْ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَسَارَّنِيْ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّهُ يُقْبَضُ فِيْ وَجْعِهِ فَبَكَيْتُ ثُمَّ سَارَّنِيْ فَاَخْبَرَنِيْ اَنِّيْ اَوَّلُ اَهْلِ بَيْتِهِ اَتْبَعُهُ فَضَحِكْتُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی بیویاں (آپ کے مرض الموت سے کچھ ہی پہلے یا ایام مرض الموت کے دوران ایک دن) آپ ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ فاطمہؓ آئیں۔ ان کی چال کی وضع اور ہیئت رسول کریم ﷺ کی چال کی وضع اور ہیئت رسول کریم ﷺ کی چال کی وضع اور ہیئت سے (ذرا بھی) مختلف نہیں تھی (یعنی آنحضرت ﷺ کے چلنے کا انداز اس قدر یکساں تھا کہ کوئی بھی ان دونوں کی چال میں امتیاز نہیں کر سکتا تھا) بہرحال آنحضرت ﷺ نے جب فاطمہؓ کو (آتے) دیکھا تو فرمایا: میری بیٹی مرحبا پھر آپ ﷺ نے ان کو (اپنے پاس) بٹھالیا اور چپکے چپکے ان سے باتیں کیں، اتنے میں فاطمہؓ رونے لگیں اور زور زور روئیں۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ فاطمہؓ بہت رنجیدہ ہوگئی ہیں تو پھر ان سے سرگوشی کرنے لگے اور فاطمہ اکدم کھلکھلا کر ہنس دیں پھر جب رسول اللہ ﷺ (استنجاء وغیرہ کے لئے یا نماز پڑھنے کے لئے وہاں سے) اٹھکر چلے گئے تو میں نے فاطمہؓ سے پوچھا کہ تم سے آنحضرت چپکے چپکے کیا باتیں کر رہے تھے؟ فاطمہؓ نے جواب دیا کہ: رسول اللہ ﷺ کا راز افشاء کرنے والی نہیں ہوں (اس وقت تو میں خاموش ہوگئی لیکن) جب آنحضرت ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا تو (ایک دن) میں نے فاطمہؓ سے کہا کہ (ایک ماں ہونے کی حیثیت سے یا دینی اخوت اور باہمی محبت و تعلق رکھنے کے اعتبار سے) تم پر میرا جو حق ہے اس کا واسطہ اور قسم دے کر کہنا چاہتی ہوں کہ میں تم سے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگتی کہ مجھ کو اس سرگوشی کے بارہ میں بتادو جو (اس دن) آنحضرت ﷺ نے تم سے کی تھی فاطمہؓ بولیں: ہاں اب (جب کہ آنحضرت اس دنیا سے تشریف لے جاچکے ہیں اس راز کو ظاہر کرنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے ہوئے) میں بتاتی ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے جو پہلی بار مجھ سے سرگوشی کی تھی تو اس میں مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام مجھ سے سال بھر میں ایک مرتبہ (یعنی رمضان میں) قرآن کا دور کیا کرتے تھے لیکن اس سال (رمضان میں) انہوں نے مجھ سے دوبار دور کیا اور اس کا مطلب میں نے یہ نکالا ہے کہ میری موت کا وقت قریب آگیا ہے، پس (اے فاطمہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتی رہنا (یعنی تقوی پر قائم رہنا یا یہ کہ جہاں تک ہوسکے زیادہ تقوی اور پرہیزگاری اختیار کرنا) اور (اللہ کی اطاعت وعبادت میں مشغول رہنے اور معصیت سے بچنے کے لئے جو بھی تکلیف اور مشقتیں اٹھانا پڑیں اور جو بھی آفت و حادثہ پیش آئے خصوصًا

میری موت کے سانحہ پر) صبر کرنا، بلاشبہ میں تمہارے لئے بالخصوص) بہترین پیش رو ہوں" (یہ تو وہ بات تھی جس کو سن کر اور آنحضرت ﷺ کی جدائی کا احساس کر کے) میں رونے لگی تھی اور پھر جب آپ ﷺ نے مجھ کو بہت زیادہ مضطرب اور بے صبر پایا تو دُبارہ مجھ سے سرگوشی کی اور اس وقت یوں فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم جنت میں (تمام) عورتوں یا (خاص طور (اس اُمت کی عورتوں کی سردار بنائی جاؤ" (یہ سن کر میں ہنسنے لگی تھی) اور ایک روایت میں حضرت فاطمہؓ کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ جب آپ ﷺ نے (پہلی مرتبہ) مجھ سے سرگوشی کی تو اس میں یہ فرمایا تھا کہ آپ ﷺ اس بیماری میں وفات پا جائیں گے اور (یہ سن کر) میں رونے لگی تھی، پھر (دوسری مرتبہ) آپ ﷺ نے مجھ سے سرگوشی کی اس میں مجھ کو یہ بتایا تھا کہ آپ ﷺ کے اہل بیت میں سب سے پہلے میں ہی آپ ﷺ سے جا کر ملوں گی (یعنی یہ تسلی دی تھی کہ مضطرب نہ ہو، میری وفات کے بعد بہت جلد تم بھی اس دنیا سے رخصت ہو کر میرے پاس آجاؤ گی) چنانچہ (یہ سن کر) میں ہنسنے لگی تھی۔" (بخاری ومسلمؒ)

تشریح: راز میں افشا کرنے والی نہیں ہوں" یعنی: جس بات کو آنحضرت ﷺ نے چھپایا اس کو میں کیسے ظاہر کردوں کیونکہ اگر آپ ﷺ کے نزدیک اس بات کا اظہار مناسب ہوتا تو مجھ سے چپکے چپکے نہ فرماتے بلکہ سب کے سامنے اونچی آواز میں فرماتے اس سے معلوم ہوا کہ اپنے بڑوں، عزیزوں اور دوستوں کا راز دوسروں سے چھپانا مستحب ہے۔

دو بار دور کیا" یعنی: سال بھر میں جتنا قرآن نازل ہوتا تھا اس سب کا دور حضرت جبرئیلؑ رمضان میں آنحضرت ﷺ سے کرتے تھے تاکہ اول تو آپ ﷺ کے ذہن میں قرآن ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کے ساتھ پوری طرح محفوظ رہے اور دوسرے یہ ظاہر ہوجایا کرے کہ کون سی آیت ناسخ ہو کر نازل ہوئی ہے اور کون سی آیت منسوخ ہوگئی ہے حدیث کے اس جزاء سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ قرآن کا دور (یعنی دو حافظوں کا ایک دوسرے کو قرآن حفظ سنانا مستحب ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی عمر کے آخری رمضان کے بعد ارشاد ہوئی تھی۔

"اس کا مطلب میں نے نکالا ہے" یعنی! جبرئیلؑ نے اس سال معمول کے خلاف جو دوبار دور کیا ہے وہ اس بات کی آگاہی ہے کہ قرآن کی صورت میں نزول ہدایت کا سلسلہ پایۂ اتمام کو پہنچ گیا ہے اور تکمیل دین کی سرفرازی و نعمت عطا ہوگئی ہے۔ لہٰذا اب قرآن کو ذہن میں پوری طرح محفوظ کر لینا چاہئے اور اس کے احکام خوب یاد کر لینے چاہئیں۔

"کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو" یعنی: یہ جان کر کہ میں اس دنیا سے جلد ہی رخصت ہونے والا ہوں تمہیں تنگ دل اور مضطرب نہیں رہنا چاہئے، اللہ کے حکم اور فیصلہ پر راضی رہو اور اس بات پر اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اتنا بڑا رتبہ اور اعزاز عطا کیا ہے۔

فاطمہ زہراؓ کی افضلیت: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت فاطمہؓ تمام عورتوں سے افضل ہیں یہاں تک حضرت مریمؑ حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ پر بھی ان کو خاص شخصیت حاصل ہے، چنانچہ سیوطیؒ نے یہی لکھا ہے رہی اس حدیث کی بات جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاطمہؓ زہراؓ حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام کے علاوہ باقی تمام عورتوں پر فضیلت رکھتی ہیں یا ایک وہ حدیث ہے کہ جس میں فرمایا گیا ہے کہ اس اُمت میں فاطمہؓ کا وہی مرتبہ ہے جو مریم بنت عمران کو اپنی قوم میں حاصل ہے یعنی جس طرح حضرت مریمؑ اپنی قوم کی تمام عورتوں سے افضل ہیں اسی طرح اس اُمت کی تمام عورتوں میں سب سے افضل فاطمہؓ ہیں۔ تو روایتوں کا اختلاف شاید اس سبب سے نظر آتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کا رتبہ تدریجی طور پر بڑھتا رہا ہوگا اور اسی تدریج کے ساتھ ان کی افضلیت کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی اور اس کے فرشتہ کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو ملتی رہی ہوگی جس کا اظہار مختلف احادیث کے ذریعہ ہوتا رہا اور پھر جب آخر میں حضرت فاطمہؓ کا رتبہ آخری درجہ تک بڑھ گیا تو بلا استثناء عالم کی تمام عورتوں پر ان کی افضلیت ثابت ہوگئی بعض علماء نے حضرت عائشہؓ کو حضرت فاطمہؓ سے افضل قرار دیا ہے اور دلیل میں یہ بات پیش کی ہے کہ جنت میں حضرت عائشہؓ تو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہوں گی جب کہ حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ کے ساتھ ہوں گی اور یہ ظاہر ہی ہے کہ آنحضرت کا درجہ اور محل حضرت علیؓ کے درجہ

اور محل سے اعلیٰ واشرف ہوگا۔ لیکن یہ دلیل ان حدیثوں کے سامنے بے معنی ہو جاتی ہے جن میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو خطاب کر کے فرمایا: میں، تم علیؓ، حسنؓ اور حسینؓ جنت میں ایک ہی درجہ اور ایک ہی محل میں ہوں گے۔ حضرت عائشہؓ کی افضلیت کے قائلین کی طرف سے ایک دلیل یہ بھی دیجاتی ہے کہ ان کو اجتہاد کا مقام حاصل تھا، مجتہد تسلیم کی جاتی تھیں اور خلفاء اربعہ کے زمانہ میں فتوی دیا کرتی تھیں سیوطیؒ نے فتاوی میں لکھا ہے کہ! اس مسئلہ میں (فاطمہؓ افضل ہیں یا عائشہؓ) تین مسلک ہیں، اور ان تینوں مسلکوں میں سب سے صحیح مسلک یہ ہے کہ فاطمہؓ عائشہؓ سے افضل ہیں۔ بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ فاطمہؓ اور عائشہؓ، دونوں کا رتبہ یکساں ہے جب کہ کچھ حضرات اس بارہ میں خاموش رہنے ہی کو سب سے بہتر سمجھتے ہیں ان میں بعض حنفی اور بعض شافعی علماء خصوصیت سے اس طرف مائل ہیں حضرت امام مالکؒ کے متعلق منقول ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپؒ حضرت فاطمہؓ کو افضل سمجھتے ہیں یا حضرت عائشہؓ کو؟ تو انہوں نے جواب دیا: فاطمہؓ پیغمبرؐ کے گوشت کا ٹکڑا ہیں، اور میں رسول اللہ ﷺ کے گوشت کے ٹکڑے پر کسی کو بھی فضیلت نہیں دیتا امام سبکیؒ نے لکھا ہے کہ! ہمارے نزدیک اور ہمارے مسلک کے اعتبار سے جو بات زیادہ معتبر اور زیادہ صحیح ہے وہ یہ ہے کہ سب سے افضل حضرت فاطمہؓ ہیں، ان کے بعد ان کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہؓ اور ان کے بعد حضرت عائشہؓ صدیقہ ویسے حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کے بارہ میں بھی علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ بعض نے حضرت خدیجہؓ کو افضل کہا ہے اور بعض نے حضرت عائشہؓ کو بہرحال ان مذکورہ جلیل القدر خواتین اسلام کی الگ الگ حیثیتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو اس کی اپنی حیثیت و خصوصیت کے اعتبار سے فضیلت و برتری حاصل ہے، تاہم بعض حضرات نے کثرت ثواب کو افضلیت کی بنیاد بنایا ہے جس کا علماء کے ہاں اعتبار بھی ہے، اور اس حیثیت سے حضرت فاطمہؓ چاہے سب سے افضل نہ ہوں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ شرف ذات پاکیزگی طینت اور تقدس جوہر کے اعتبار سے کوئی بھی حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ سے افضل و برتر نہیں ہوسکتا۔

فاطمہ زہراءؓ: حضرت فاطمہ زہراءؓ، ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے بطن سے رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں تمام عالم کی عورتوں کی سردار ہیں ۲ھ کے رمضان میں حضرت علیؓ سے ان کا نکاح ہوا اور ذی الحجہ میں رخصت ہو کر حضرت علیؓ کے گھر آئیں ان کے بطن سے حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ، زینبؓ، ام کلثومؓ اور رقیہؓ پیدا ہوئیں، آنحضرت ﷺ کے وصال کے چھ ماہ بعد یا ایک قول کے مطابق تین ماہ بعد مدینہ میں حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوا اور اس وقت ان کی عمر اٹھائیس سال کی تھی۔ حضرت علیؓ نے غسل دیا اور نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت فاطمہؓ سے جن حضرات نے احادیث روایت کی ہیں ان میں حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور دوسرے بہت سے لوگ شامل ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں: میں نے فاطمہؓ سے زیادہ صادق القول ان کے باپ (رسول اللہ) کے علاوہ اور کسی کی نہیں دیکھا۔

جس نے فاطمہؓ کو خفا کیا اس نے مجھ کو خفا کیا

⑤ وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّيْ فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ يُرِيْبُنِيْ مَا اَرَابَهَا وَيُؤْذِيْنِيْ مَا اٰذَاهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت مسور ابن مخرمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہؓ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہؓ کو خفا کیا اس نے مجھے خفا کیا اور ایک روایت میں یہ لفظ (بھی) ہیں: "جو چیز فاطمہؓ کو بری معلوم ہوتی ہے وہ مجھ کو بھی بری معلوم ہوتی ہے اور جو چیز فاطمہؓ کو دکھ دیتی ہے وہ مجھ کو بھی دکھ دیتی ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: اس نے مجھ کو خفا کیا" یعنی: فاطمہ چونکہ میرے گوشت پوست کا ایک حصہ ہے اور اس اعتبار سے میرے اور اس کے درمیان جو یگانگت اور یک پن ہے اس کی بناء پر فاطمہؓ کو خفا کرنا، یا فاطمہؓ کو دکھ پہنچانا گویا مجھ کو خفا کرنا اور دکھ پہنچانا ہے۔ پس اس ارشاد گرامی میں

دراصل ایک طرح کی بلیغ تشبیہ ہے اور اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ بعض علماء کا اس حدیث سے یہ استدلال کرنا موزوں ہے کہ جس نے فاطمہؓ کو برا کہا وہ کافر ہوگیا، کیونکہ اس طرح کی احادیث کا اصل محمول کمال اتحاد و اختلاط اور نہایت تعلق کا اظہار ہے چنانچہ اسی قبیل سے وہ روایت بھی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کو دکھ دیا اس نے (گویا) مجھ کو دکھ دیا اور جس نے مجھ کو دکھ دیا اس نے (گویا) اللہ تعالیٰ کو دکھ پہنچایا وہ روایت کہ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے انصار کو عزیز و محبوب رکھا اس نے اللہ تعالیٰ کو عزیز و محبوب رکھا اور جس شخص نے انصار سے دشمنی رکھی اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی رکھی۔ اسی طرح آپ کا یہ ارشاد گرامی کہ: قریش کو دوست رکھنا ایمان ہے اور ان سے دشمنی رکھنا کفر ہے نیز عربوں کو دوست رکھنا ایمان ہے اور ان سے دشمنی رکھنا کفر ہے، جس شخص نے عربوں کو دوست رکھا اس نے مجھ کو دوست رکھا اور جس شخص نے عربوں سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی۔

"وہ مجھ کو دکھ دیتی ہے" بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ابوجہل کے بھائی حارث بن ہشام نے چاہا تھا کہ ابوجہل کی بیٹی غورا کا نکاح حضرت علیؓ سے کردے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ خود حضرت علیؓ کی خواہش تھی کہ غوراء سے نکاح کریں، بہرحال جب اس بارہ میں آنحضرت ﷺ سے طلب اجازت کا مرحلہ آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بات کی اجازت کبھی نہیں دوں گا اور پھر یہ حدیث ارشاد فرمائی، نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار نہیں دیتا لیکن یہ ضرور ہے کہ اللہ کے دوست کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ہرگز یکجا نہیں ہوسکتیں۔ حضرت علیؓ نے۔ آنحضرت ﷺ کے یہ سخت تاثرات سنے تو فوراً خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اظہار معذرت کے بعد عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں وہ کام کبھی نہیں کروں گا جو آپ ﷺ کو پسند نہ ہو۔

واضح ہو کہ حضرت مسورؓ کی یہ حدیث مختلف طرق سے منقول ہے، چنانچہ ایک اور روایت میں اس حدیث کو اس طرح نقل کیا گیا ہے: حضرت مسورؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو منبر پر کھڑے ہوئے یہ فرماتے سنا کہ ہشام ابن مغیرہ کے بیٹے حارث مجھ سے اس بات کی منظوری چاہتے ہیں کہ ابوجہل کی بیٹی کا نکاح علی ابن ابی طالب سے کردیں لیکن میں اس بات کو منظور نہیں کرتا اور مکرر کہتا ہوں کہ میں منظور نہیں کروں گا ہاں اگر ابن ابی طالب نے ارادہ ہی کرلیا ہے تو وہ میری بیٹی کو طلاق دیدیں اور ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرلیں۔ فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہؓ کو خفا کیا اس نے مجھ کو خفا کیا۔

فاطمہؓ کی موجودگی میں علیؓ کو کسی اور عورت سے نکاح کی ممانعت: شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی ایسا کام کرنا جس سے نبی کریم ﷺ کو دکھ پہنچے بہرصورت حرام ہے اگرچہ وہ کام مباح ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کی جو اجازت نہیں دی تو اس کی دو وجہیں تھیں، ایک تو یہ کہ اس نکاح سے حضرت فاطمہؓ کو خفگی ہوتی اور ایک طرح سے ان کو دکھ پہنچتا اور حضرت فاطمہؓ کے دکھی ہونے سے آنحضرت کو دکھ ہوتا اور یہ بات حضرت علیؓ کے لئے تباہی کا باعث بنتی لہٰذا خود حضرت علیؓ کے حق میں خیرخواہی اور آنحضرت ﷺ کی شفقت کا تقاضا یہی تھا کہ ان کو اس نکاح سے باز رکھا جائے دوسری وجہ آنحضرت ﷺ کا یہ خوف تھا کہ اس نکاح سے فاطمہؓ کی غیرت و حمیت کے منافی ہونے کے سبب کہیں وہ سخت آزمائش اور ابتلاء سے دوچار نہ ہوجائیں۔ بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ "میں اس بات کو منظور نہیں کرتا" سے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ نہیں تھی کہ فاطمہؓ کی موجودگی میں کسی اور عورت سے نکاح کرنا علیؓ کے لئے ممنوع ہے بلکہ ان الفاظ کے ذریعہ دراصل آپ ﷺ نے اس بات کا اعلان کیا کہ قضاء وقدر الٰہی یوں ہے کہ علیؓ کے نکاح میں فاطمہؓ اور بنت ابوجہل ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ لیکن دوسری روایتوں اور اقوال سے اس قول کی تائید نہیں ہوتی مثلاً یحییٰ بن سعید بن القطانؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے عبداللہ بن داؤدؒ سے آنحضرت ﷺ کے ان الفاظ "میں اس بات کو منظور نہیں کرتا ہاں اگر ابن ابی طالب نے ارادہ کر ہی لیا ہے تو وہ میری بیٹی کو طلاق دے دیں اور ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرلیں" کا تذکرہ کیا تو

انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علیؓ پر حرام تھا کہ وہ فاطمہؓ کی زندگی میں ان کے ساتھ کسی اور عورت کو اپنے نکاح میں رکھنی اور یہ حرمت قرآن کی آیات: وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا (اے اہل ایمان! رسول جو کچھ تمہیں دیں اس کو قبول کرو اور جس بات سے تم کو منع کریں اس سے باز رہو) سے ثابت ہوتی ہے۔ جب آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ "میں منظور نہیں کرتا: تو علیؓ کے لئے حلال اور جائز نہیں رہا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی اجازت اور منظوری کے علی الرغم فاطمہؓ کی موجودگی میں کسی اور عورت سے نکاح کریں۔ اسی طرح یحییٰ ابن سعیدؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے عمر بن داؤدؒ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ: فاطمہؓ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جو چیز فاطمہؓ کو بری معلوم ہوتی ہے وہ مجھ کو بھی بری معلوم ہوتی ہے اور جو چیز فاطمہؓ کو دکھ دیتی ہے وہ مجھ کو بھی دکھ دیتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت علیؓ پر حرام ہو گیا تھا کہ وہ فاطمہؓ کی موجودگی میں کسی اور عورت سے نکاح کر کے آنحضرت ﷺ کو دکھ پہنچائیں جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے ما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ (تمہارے لئے قطعی روا نہیں کہ رسول خدا کو دکھ پہنچاؤ) یحییٰ بن سعیدؒ کی ان دونوں روایتوں کی حافظ اور ابو القاسم دمشقیؒ نے نقل کیا ہے۔

ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جو چیز فاطمہؓ کو دل گرفتہ بناتی ہے وہ مجھ کو بھی دل گرفتہ کر دیتی ہے اور جو چیز فاطمہؓ کو شگفتہ دل بناتی ہے شگفتہ دل کر دیتی ہے۔ جان لو، قیامت کے دن سب نسبی رشتے کٹ جائیں گے صرف میرا نسبی، اور سسرالی رشتہ باقی رہے گا ایک اور روایت میں، جو حضرت ابوایوبؓ سے منقول ہے، یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن (ایک مرحلہ پر) عرش میں سے ایک آواز آوے گی جیسے منادی کرنے والا منادی کر رہا ہے۔

یا اھل الجمع نکسوا رء وسکم وغضوا ابصارکم حتی مرت فاطمۃ بنت محمد علی الصراط۔

"اے اہل محشر! اپنے سر جھکا لو اور اپنی آنکھیں بند کر لو تا آنکہ محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ پل صراط پر سے گزر جائیں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ فتمر مع سبعین الف جاریۃ من الحور العین کمر البرق۔ پس فاطمہؓ ستر ہزار حور عین باندیوں کے جلو میں پلصراط پر سے اس طرح گزر جائے گی جیسے بجلی گزر جاتی ہے۔

روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ سفر پر روانہ ہوتے تو سب سے رخصت ہونے کے بعد آخر میں حضرت فاطمہؓ سے ملنے کو آتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لاتے۔

ایک وضاحت: یہاں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو حضرت علیؓ کو حضرت فاطمہؓ کی خفگی کے پیش نظر دوسرا نکاح کرنے سے منع کیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر کسی کی بیوی اپنے خاوند کے دوسرا نکاح کرنے سے ناراض اور خفا ہو تو وہ دوسرا نکاح نہ کرے یہ صرف آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے یعنی معاملہ کی اس مخصوص نوعیت کے پیش نظر کہ آنحضرت ﷺ کو دکھ نہ پہنچے حضرت علیؓ کے حق میں یہ ممنوع تھا جیسا کہ بعض دوسری روایتوں سے واضح ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں نہ کوئی عورت حضرت فاطمہؓ کے برابر ہے اور نہ کسی عورت کا باپ حضرت فاطمہؓ کے باپ سرور کائناتؐ کے برابر ہو سکتا ہے کہ جس کی ناراضگی کے سبب دوسرا نکاح کرنا کسی کا جائز نہ ہو۔ پس نکاح ثانی کا جو جواز قرآن کریم کی اس آیت: فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث وربع (عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے) ثابت ہے وہ اپنی جگہ سب سے بڑی دلیل ہے اور یہ عمومی جواز حدیث بالا میں مذکور مخصوص اور منفرد نوعیت سے متاثر نہیں ہوگا۔

اس عذاب سے ڈرو جو اہل بیت کے حقوق کی کوتاہی کے سبب ہوگا

(۶) وَعَنْ زَيْدِبْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فِيْنَا خَطِيْبًا بِمَآءٍ يُدْعٰى خُمًّا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ

فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَوَعَظَ وَذَكَّرَ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ اَلَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ يُوْشِكُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ رَسُوْلُ رَبِّيْ فَاُجِيْبَ وَاَنَا تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ فَحَثَّ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ وَاَهْلُ بَيْتِيْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ مَنِ اتَّبَعَهٗ كَانَ عَلَى الْهُدٰى وَمَنْ تَرَكَهٗ كَانَ عَلَى الضَّلَالَةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت زید ابن ارقمؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ایک دن مکہ ومدینہ کے درمیان پانی والے مقام پر کہ جس کو خم کہا جاتا تھا خطاب عام کے لئے ہمارے سامنے کھڑے ہوئے۔ پہلے اللہ کی حمد وثنا کی، پھر لوگوں کو (اچھی باتوں اور اچھے اعمال کی) نصیحت فرمائی، ان کو اللہ کا ثواب وعذاب یاد دلایا (اور غفلت وکوتاہی کے خلاف خبردار کیا اور پھر فرمایا: بعد ازاں۔ اے لوگو! آگاہ ہو، میں تمہارے ہی مانند ایک انسان ہوں (اس امتیاز کے ساتھ کہ اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے مجھ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر وحی آتی ہے) وہ وقت قریب ہے جب میرے پروردگار کا فرستادہ (یعنی ملک الموت عزرائیل علیہ السلام مجھ کو اس دنیا سے لے جانے کے لئے یا تو تنہا یا جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ) آئے اور میں اپنے پروردگار کا حکم قبول کروں میں تمہارے درمیان دو عظیم بانفیس چیزیں چھوڑ جاؤں گا، جن میں سے ایک کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت (یعنی دین ودنیا کی فلاح وکامیابی تک لیجانے والی راہ راست کا بیان) اور نور ہے پس تم کتاب اللہ کو مضبوط پکڑ لو (یعنی اپنے مسائل کا حل اسی کی روشنی میں ڈھونڈو اسی کو اپنا رہنما اور مستدل بناؤ، اس کو یاد کر کے اپنے سینوں میں محفوظ کرو اور اس کے علوم و معارف کو حاصل کرو) غرض کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو کتاب اللہ کے تئیں خوب جوش دلایا اور اس کی طرف راغب کیا، پھر فرمایا اور (ان دو عظیم چیزوں میں سے دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں میں تمہیں اللہ کا وہ عذاب یاد دلاتا ہوں جو میرے اہل بیت کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی اور تقصیر کے سبب ہوگا" میں (دوبارہ) تمہیں اللہ کا وہ عذاب یاد دلاتا ہوں جو میرے اہل بیت کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کے سبب ہوگا" اور ایک روایت میں (جن میں سے ایک کتاب اللہ ہے" کی جگہ) یہ الفاظ ہیں: کتاب اللہ، اللہ کی رسی ہے، جو شخص کتاب اللہ کی اطاعت کرے گا (یعنی اس پر ایمان لائے گا اس کو، یاد کرے گا، اخلاص کے ساتھ اس کا علم حاصل کرے گا اور اس پر عمل پیرا رہے گا تو وہ راہ راست پر رہے گا اور جو شخص اس کو چھوڑ دے گا (یعنی نہ تو اس پر ایمان لائے گا، نہ اس کو یاد کرے گا، نہ اس کے علم وعمل میں مخلص ہوگا) تو وہ گمراہ رہے گا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "خم" مکہ اور مدینہ کے درمیان حجفہ کے قریب ایک مشہور جگہ کا نام ہے جس کو "غدیر خم" بھی کہا جاتا ہے۔ دراصل "غدیر" پانی کے حوض کو کہتے ہیں اور اس جگہ کسی حوض یا تالاب کی شکل میں پانی موجود رہا ہوگا، اس مناسبت سے اس جگہ کو "غدیر خم" کہا جانے لگا جیسا کہ حضرت علیؓ کے مناقب کے بیان میں گزر چکا ہے، خطاب عام کی یہ صورت اس وقت پیش آئی تھی جب آپ ﷺ حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر مکہ سے مدینہ کو واپس لوٹ رہے تھے اور غدیر خم پر پڑاؤ ڈالا گیا تھا۔

"اور میں اپنے پروردگار کا حکم قبول کروں" یہ اس بات کا واضح اشارہ تھا کہ اس دنیا سے آپ ﷺ کی رخصت کا وقت قریب آچکا ہے، چنانچہ یہ بات آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے سفر واپسی کے دوران آخر ماہ ذی الحجہ ۱۰ھ میں فرمائی تھی اور تقریباً تین ماہ بعد ربیع الاول ۱۱ھ میں آپ ﷺ کا وصال ہوا۔

"دو عظیم یا نفیس چیزیں" یہ "ثقلین" کا ترجمہ ہے۔ ثِقل (ث کے زیر کے ساتھ) کے معنی تو بھاری اور بوجھ کے ہیں اور ثَقَل (ثَ و قَ) کے زبر کے ساتھ) مسافر کے سامان اور حشم وخدم اور کسی بھی اعلی ونفیس چیز کو کہتے ہیں یہاں حدیث میں اس لفظ کے یہی معنی نفیس مراد ہیں۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ "ثقلین" سے "دو عظیم چیزیں" مراد ہیں اور کتاب اللہ اور اہل بیت کو دو عظیم چیزیں یا تو ان کے عظیم المرتبت ہونے کے اعتبار سے فرمایا گیا یا اس سبب سے کہا گیا کہ ان پر عمل کرنا مشکل اور بھاری ہے، ہر شخص ان کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا جن وانس کو بھی ثقلین اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین کے بوجھ میں یعنی جس طرح جانور کی پشت پر بوجھ لادتے ہیں اسی طرح زمین نے ان

دونوں (جن و انس کا بوجھ اپنی پشت پر اٹھا رکھا ہے: بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ دونوں یعنی کتاب اللہ اور اہل بیت دین کی متاع ہیں کہ ان کے ذریعہ دین کی اصلاح، درستی اور آبادی ہوتی ہے جیسے ثقلین یعنی جن و انس زمین کی متاع ہیں کہ انہی سے دنیا کی آبادی ہے۔ "جس میں ہدایت اور نور ہے" یعنی کتاب اللہ میں ان احکام و اعمال کا بیان ہے جن سے راہ حق روشن ہوتی ہے اور جو طالب کو منزل مقصود تک پہنچاتے ہیں، اور اس کے علم و عرفان میں وہ نور حق ہے جو ذہن و فکر کی استقامت و سلامتی کا ذریعہ بنتا ہے اور یہی نور قیامت کے دن رہنما بنے گا واضح رہے کہ "نور" قرآن کا ایک نام بھی ہے۔

"کتاب اللہ کو مضبوط پکڑ لو" یعنی اپنے فکر و نظر، اعتقاد و انقیاد اور عمل و کردار کی بنیاد کتاب اللہ کو قرار دو، اسی میں عقیدہ و یقین رکھو اور اسی پر عمل کرو یہ بات ذہن نشین رہے کہ احادیث رسول اللہ ﷺ پر عمل کرنا بھی منجملہ کتاب اللہ ہے، کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ و ما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ (اے اہل ایمان! رسول جو کچھ تمہیں دیں اس کو قبول کرو اور جس بات سے تمہیں منع کریں اس سے باز رہو) اور فرمایا و من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ (اور جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی) اور فرمایا: قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔ (آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے) ایک روایت میں یہاں حدیث کا یہ فقرہ یوں نقل کیا گیا ہے فتمسکوا بکتاب اللّٰہ و خذوا (پس کتاب اللہ کو مضبوط پکڑ لو اور اس کو اختیار کرو) خوب جوش دلایا" یعنی حاضرین کو اس امر کی جانب بہت تاکید اور شد و مد کے ساتھ متوجہ کیا کہ کتاب اللہ پڑھنے) اس کو حفظ کرنے، اس کے الفاظ و معانی کے آداب و قواعد کی رعایت ملحوظ رکھنے اور جو احکام و مضامین اس میں ہیں ان پر عمل کرنے میں ذرا غفلت و کوتاہی نہ کی جائے۔

"راغب کیا" یعنی آپ ﷺ نے کتاب اللہ کی طرف راغب کرنے والی باتوں کا ذکر کیا جو شخص اللہ کی کتاب کو مضبوط پکڑے رہے گا اور اپنی تمام تر فکری اعتقادی اور عملی زندگی کا محور اسی کو بنائے رہے گا اس کو دین و دنیا کی فلاح و کامرانی حاصل ہوگی اور اس کو بلند تر مراتب و درجات حاصل ہوں گے یہاں اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ آپ ﷺ نے راغب کرنے والی اور بشارت دینے والی باتوں کے ساتھ اس عذاب سے ڈرانے والی باتیں بھی ذکر کی ہوں جو کتاب اللہ کے احکام پر عمل نہ کرنے والوں کو ہوگا تاہم یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے صرف بشارت دینے والی باتوں پر اکتفا کر کے وسعت رحمت باری، اپنی شان رحمۃ للعالمین اور اپنی اُمت کے اُمت مرحومہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہو۔

"میں (دوبارہ) تمہیں اللہ کا وہ عذاب یاد دلاتا ہوں" یہ جملہ آپ ﷺ نے تاکید اور زیادہ سے زیادہ اہمیت ظاہر کرنے کے لئے دو مرتبہ ارشاد فرمایا تاہم یہ بات بھی بعید از امکان نہیں ہے کہ ایک بار کے جملہ میں، اہل بیت، سے مراد "اولاد" ہو اور دوسری بار کے جملہ میں ازواج مطہرات" مراد ہوں، چنانچہ پہلے بیان بھی کیا جا چکا ہے کہ "اہل بیت" کا اطلاق اولاد اور ازواج دونوں پر ہوتا ہے ایک روایت میں یہاں قَالَ ثلاث مرات کے الفاظ ہیں، یعنی آپ ﷺ نے یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا۔

کتاب اللہ اللہ کی رسی ہے "حبل" کے لغوی معنی "رسی" کے ہیں اور اس سے مراد ہے: عہد امان اور وہ چیز جو بندہ کو اس کے رب کی طرف لے جائے اور اس کے قرب و رضا کا وسیلہ ہو مطلب یہ کہ قرآن بندہ کی فلاح و کامیابی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عہد و اقرار ہے، اس کے عذاب سے امان ہے اور اس کے قرب کا وسیلہ ہے اس کو مضبوط پکڑنے والا عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے، قرب خداوندی کی سرفرازی پاتا ہے اور اخروی فلاح اور کامرانیوں کے بلند درجات تک پہنچتا ہے اس کے برخلاف جو شخص اپنی اعتقادی و عملی زندگی کا محور کتاب اللہ کو نہیں بناتا اور قرآن کے احکام و ہدایات پر عمل پیرا نہیں رہتا وہ گمراہی یعنی دین و دنیا کی محرومیوں اور نامرادیوں کے علاوہ کچھ نہیں پاتا۔ پس قرآن کریم دونوں اعتبار سے "رسی" کی مانند ہے، کہ ہدایت چاہنے والے کو ترقی درجات تک پہنچاتا ہے اور سرکشی کرنے والے کو محرومیوں اور نامرادیوں کی نچلی سطح تک گرا دیتا ہے یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا۔ چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ

القران حجة لك او علیک یعنی: قرآن شریف یا تو تیری سند ہے (تجھ کو نجات دلائے گا) یا تیرے مقابلہ میں سند بنے گا (تجھ کو عذاب میں گرفتار کرائے گا۔

اور خود باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

وننزل من القران ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظلمين الا خسارا۔ (اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں تو شفاء و رحمت ہے اور نا انصافوں کو اس سے اور الٹا نقصان بڑھتا ہے۔)

حضرت جعفر کا لقب

(۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا سَلَّمَ عَلَى ابْنِ جَعْفَرٍ قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ ذِي الْجَنَاحَيْنِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ (یعنی ابن عمرؓ) جب حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے صاحبزادے عبداللہ کو سلام کرتے تو یوں کہتے: اے دو بازوؤں والے کے بیٹے تجھ پر سلامتی ہو۔" (بخاریؒ)

تشریح: "دو بازوؤں والے" یہ "ذوالجناحین" کا ترجمہ ہے اور ذوالجناحین" حضرت جعفر طیار کا لقب تھا جو ابوطالب کے بیٹے اور آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں۔ حضرت جعفرؓ جنگ موتہ (۸ ھ) میں نہایت بہادری اور پامردی کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوگئے تھے، یہ جنگ عیسائیوں کے خلاف مسلمانوں کی پہلی جنگ تھی جو شام کے علاقہ (موتہ) میں ہوئی تھی اور قیصر روم کا لشکر جرار مقابلہ پر تھا، اس جنگ کے دوران ایک دن آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں اپنی نگاہ اعجاز سے دیکھا کہ جعفرؓ کو دس بازو عطا کئے گئے ہیں جن کے ذریعہ فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھر رہے میں آنحضرت ﷺ سخت حیران ہوئے کہ اس نظارہ کا کیا مطلب ہے۔ اور پھر جب ان کی شہادت کی خبر مدینہ پہنچی تو عقدہ کھلا، چنانچہ اس دن سے ان کو (جعفر طیار" کہا جانے لگا اور" ذوالجناحین" کا لقب دیا گیا۔ اور ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میں نے جعفرؓ کو جنت کی فضاؤں میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے دیکھا ہے۔" چنانچہ اس دن سے وہ "ذوالجناحین" اور "طیار" کے لقب سے موسوم ہوگئے۔

حضرت جعفر طیارؓ قدیم الاسلام ہیں، ان سے پہلے صرف اکتیس آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت جعفرؓ اپنے بھائی حضرت علی بن ابی طالبؓ سے دس سال بڑے تھے اور خلقا و خلقا آنحضرت ﷺ سے بہت مشابہ تھے ۸ ھ میں جنگ موتہ میں شہید ہوئے، اس وقت ان کی عمر اکتالیس سال کی تھی۔ پورے بدن پر تیر اور تلواروں کے نوے زخم آئے تھے حضرت جعفر طیارؓ سے احادیث روایت کرنے والوں میں دوسرے صحابہ کے علاوہ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ بھی شامل ہیں۔

حسنؓ کے لئے دعا

(۸) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلٰى عَاتِقِهٖ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ میں نے (ایک دن) نبی کریم ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ حسن ابن علیؓ آپ ﷺ کے کاندھے پر سوار تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے، اے اللہ! میں اس سے (بہت) محبت رکھتا ہوں، تو بھی اس سے محبت رکھ۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "تو بھی اس سے محبت رکھ" بلاشبہ آنحضرت ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت حسنؓ کو اپنا پیارا اور چہیتا بنایا بس جب اللہ نے اور اللہ کے رسولؐ نے حضرت حسنؓ کو محبوب رکھا تو ہر مسلمان کو لازم ہے کہ وہ حسنؓ کی محبت سے اپنے دل و دماغ کی دنیا معمور رکھے۔

حسنؓ و حسینؓ: حضرت حسنؓ حضرت فاطمہ زہراءؓ کے بطن سے حضرت علیؓ کے صاحبزادے اور رسول اللہ ﷺ کے نواسے، آپ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، اور آپ ﷺ کے آنگن پھول تھے۔ اور تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں حضرت حسنؓ کی کنیت "ابو محمد" تھی۔ صحیح تر روایت کے مطابق سن تین ہجری کے ماہ رمضان کی پندرہ تاریخ کو پیدا ہوئے اور سن پچپن میں وفات ہوئی۔ بعض حضرات نے سن وفات ۵۸ھ، بعض نے ۴۹ھ اور بعض ۴۴ھ لکھا ہے۔ بقیع میں دفن کئے گئے۔ ان سے ایک بڑی جماعت کو شرف روایت حاصل ہے جس میں ان کے صاحبزادے حضرت حسن ابن حسنؓ اور حضرت ابوہریرہؓ بھی شامل ہیں تاریخی روایت کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی شہادت (رمضان ۴۰ھ) کے بعد کوفہ میں جن لوگوں نے حضرت حسنؓ کو خلیفہ بنایا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی ان کی تعداد چالیس ہزار تھی لیکن وہ اُمت کو افتراق وانتشار سے بچانے کی خاطر چھ ماہ بعد ہی ۱۵ جمادی الاول ۴۱ھ کو حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔

سید الشہداء حضرت حسینؓ کی کنیت ابو عبداللہ ہے، سن چار ہجری کے ماہ شعبان کی پانچ تاریخ کو پیدا ہوئے۔ اپنے بڑے بھائی حضرت حسنؓ سے صرف ۱۰ ماہ ۲۰ دن چھوٹے تھے۔ ۱۰ محرم ۶۱ھ جمعہ کے دن کربلا (عراق) کی سرزمین پر یزید ابن معاویہ کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ سنان ابن انس نخعی نے آپ کو شہید کیا جب کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ شمرذی الجوشن نے شہید کیا اور آپ کی نعش مبارک اور آپ کے اہل بیت کو میدان کربلا سے عبداللہ ابن زیاد کے پاس خولی ابن یزید اصبحی لے کر آیا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ کربلا کے میدان میں حضرت حسینؓ کے ساتھ آپ کی اولاد، آپ کے بھائیوں اور اہل بیت میں سے ۲۳ مردوں کو شہید کیا گیا۔ شہادت کے دن حضرت حسینؓ کی عمر اٹھاون سال کی تھی۔

حسن سے آنحضرت ﷺ کا تعلق خاطر

(۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ طَائِفَةٍ مِّنَ النَّهَارِ حَتّٰی اَتٰی خِبَآءَ فَاطِمَةَ فَقَالَ اَثَمَّ لُکَعُ اَثَمَّ لُکَعُ یَعْنِیْ حَسَنًا فَلَمْ یَلْبَثْ اَنْ جَاءَ یَسْعٰی حَتّٰی اعْتَنَقَ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا صَاحِبَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّهٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دن کے ایک حصہ میں باہر نکلا جب آپ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر میں پہنچے تو پوچھا: کیا یہاں منا ہے کیا یہاں منا ہے آپ ﷺ کی مراد حضرت حسنؓ سے تھی (جن کو ڈھونڈتے ہوئے آپ ﷺ آئے تھے) ابھی آپ نے چند ہی لمحے گزارے تھے کہ حسنؓ دوڑتے ہوئے آئے، پھر حسنؓ آنحضرت کے گلے سے اور آنحضرت ﷺ حسنؓ کے گلے سے لپٹ گئے اور پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "خدایا! میں اس سے محبت رکھتا ہوں، تو بھی اس سے محبت رکھ اور اس شخص سے بھی محبت رکھ جو اس سے محبت رکھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے ایک تو معانقہ کا جائز ہونا ثابت ہوا، دوسرے جیسا کہ نوویؒ نے لکھا ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچوں سے محبت و شفقت اور نرمی و مہربانی کا برتاؤ کرنا یعنی ان کو گلے لگانا، گود میں اٹھالینا اور ان کو پیار کرنا مستحب ہے نیز بچوں اور اپنے چھوٹوں کے سامنے بھی انکساری و فروتنی اختیار کرنا اور ان کی خاطرداری کرنا مستحب ہے۔

امام حسنؓ کی فضیلت

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمِنْبَرِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ اِلٰی جَنْبِهٖ وَهُوَ یُقْبِلُ عَلَی النَّاسِ مَرَّةً وَّعَلَیْهِ اُخْرٰی وَیَقُوْلُ اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوبکرؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں منبر پر (خطبہ دیتے ہوئے) دیکھا کہ حسن ابن علیؓ آپ ﷺ کے (دائیں یا بائیں) پہلو میں تھے کبھی تو آپ ﷺ (وعظ و نصیحت میں تخاطب کے لئے) لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی (پیار و محبت بھری نظروں سے) حسن بن علیؓ کی طرف دیکھنے لگتے اور فرماتے کہ "یہ میرا بیٹا "سید" ہے، امید رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔" (بخاریؒ)

تشریح: "سید" کے معنی اس شخص کے ہیں جو نیکی میں فائق ہو اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ "سید" اس شخص کو کہتے ہیں جو غصہ سے مغلوب نہ ہوتا ہو یعنی حلیم الطبع ہو۔ ویسے "سید" کا اطلاق کئی معنوں پر ہوتا ہے مثلاً مربی، مالک، شریف، فاضل، کریم، حلیم، اپنی قوم کی ایذاء پر تحمل کرنے والا، رئیس، سردار اور پیشواء۔

دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔" یہ ارشاد نبوت دراصل ان واقعات و حالت کی سچی پیش گوئی تھا، جو حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے بعد ظہور پذیر ہوئے۔ اس وقت ملت اسلامیہ کا بڑا حصہ واضح طور پر دو طبقوں میں بٹ گیا تھا، ایک طبقہ حضرت امام حسنؓ کی خلافت و امارت کا قائل تھا اور دوسرے طبقہ نے حضرت امیر معاویہؓ کی امارت و حکمرانی کو تسلیم کیا تھا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس زمانہ میں خلافت و امارت کے سب سے بڑے حقدار حضرت حسنؓ ہی تھے کیونکہ نہ صرف ذاتی، نسبی، اور دینی عظمت و حشمت و بزرگی اور فضیلت و برتری ان کو حاصل تھی، جس کی ایک بڑی دلیل یہی حدیث ہے کہ لسان نبوت نے ان کو "سید" فرمایا بلکہ ملی و سیاسی سطح پر بھی ان کو زبردست حمایت و طاقت حاصل تھی، اور چالیس ہزار جوانمردوں کا لشکر جان کی بازی لگا دینے کا عہد کر کے اور امیر معاویہؓ سے لڑنے مارنے مرنے کا حلف اٹھائے ہوئے ان کی پشت پر تھا، لیکن اس استحقاق اور طاقت کے باوجود انہوں نے محض اس خوف سے کہ نانا جان کی اُمت افتراق و انتشار اور باہمی خونریزی کا شکار ہو جائے گی، حکمرانی اور ملکی و دنیاوی سیادت کو ٹھکرا دیا اور آخرت کی فلاح و کامرانی کو اپنا منتہائے مقصود سمجھا چنانچہ انہوں نے کسی کمزوری کے تحت نہیں، بلکہ اتحاد اُمت کے مقصد کے تحت اپنی مرضی اور خوش دلی کے ساتھ امیر معاویہؓ سے صلح کر لی اور ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے حضرت امام حسنؓ اس زمانہ میں فرمایا کرتے تھے، خدا کی قسم، مجھ کو یہ گوارا نہیں کہ اُمت محمدیہ میں سے کسی کے خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرے۔ اُمت کو خونریزی سے بچانے کے لئے خلافت سے دستبرداری کا فیصلہ حضرت امام حسنؓ کے بہت سے ساتھیوں کے لئے ناقابل قبول تھا، بعض انتہا پسندوں نے سیدنا حسنؓ کو اس حد تک ہدف ملامت بنایا کہ ان کی مجلس میں پہنچ کر ان کو یوں مخاطب کرتے السلام علیک یا عار المؤمنین۔ اور سیدنا حسنؓ نہایت تحمل و بردباری کے ساتھ ان سے فرماتے العار خیر من النار اور سیدنا حسنؓ نہایت تحمل و بردباری کے ساتھ ان سے فرماتے العار خیر من النار (عار، نار سے بہتر ہے)

حضرت حسنؓ کے حق میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی (اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا) اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ دونوں ہی فرقے (یعنی امیر معاویہؓ کے پیرو اور سیدنا علیؓ اور ان کے بعد سیدنا حسنؓ کے پیرو) ملت اسلامیہ کا اجزاء اور مسلمان تھے باوجودیکہ ان میں سے ایک فرقہ مصیب تھا اور ایک مخطی۔ نیز سیدنا حسنؓ کا امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جانا اور ان سے صلح کر لینا اہل سنت و جماعت کے نزدیک اس امر کی دلیل ہے کہ اس صلح کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت و امارت شرعی طور پر قانونی اور جائز تھی یہاں یہ انتباہ ضروری ہے کہ اس زمانہ میں جو کچھ ہوا، یعنی صحابہ کے درمیان اختلاف و نزاع کی جو صورت پید اور بعض مواقع پر ان کے درمیان جنگ و جدل کی جو نوبت آئی اور جس کو "مشاجرات صحابہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے بارے میں تمام سلف اور بزرگان دین نے ہمیشہ اپنی زبان بند رکھی صحابہ کی مقدس ہستیوں کو ہدف بنانا تو کجا، ان سے متعلق ان واقعات و حالات کو تنقید و تبصرہ کا موضوع بنانا بھی اسلاف میں سے کسی عالم اور بزرگ کو گوارہ نہیں تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان کے خون سے رکھا ہے تو پھر ہم اپنی زبانوں کو ان پر تنقید و تبصرہ اور ان کی نکتہ چینی ... ملوث

کریں۔

بہر حال سیدنا حسنؓ کا فضل و شرف اس بات سے عیاں ہے کہ سرکار دو عالمؐ نے ان کو "سید" فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ ایک اور روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھانے میں مشغول ہوتے تھے کہ حسن، جو اس وقت چھوٹے سے تھے، مسجد میں آجاتے اور جب آنحضرت ﷺ سجدہ میں جاتے تو وہ آپ ﷺ کی گردن اور پیٹھ پر چڑھ کر بیٹھ جاتے تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ سجدہ سے اپنا سر اس قدر آہستگی اور احتیاط سے اٹھاتے کہ حسن نیچے اتر جاتے۔ (ایک دن) بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ ﷺ کو اس منے کے ساتھ وہ معاملہ کرتے دیکھتے ہیں جو کسی اور کے ساتھ کرتے نہیں دیکھا!؟ آپ ﷺ نے جواب دیا "یہ منا میری دنیا کا پھول ہے، بلاشبہ میرا یہ بیٹا "سید" ہے۔ امید رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو فرقوں کے درمیان صلح کرائے گا اور امام احمدؒ نے حضرت امیر معاویہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حسن کی زبان یا ان کے ہونٹ چوسا کرتے تھے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس زبان یا ہونٹ کو عذاب سے ہرگز دوچار نہیں کرے گا جس کو رسول ﷺ چوسا ہو۔

حسنؓ و حسینؓ میری دنیا کے دو پھول ہیں

(۱۱) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ نُعْمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ عُمَرَ وَسَاَلَہٗ رَجُلٌ عَنِ الْمُحْرِمِ قَالَ شُعْبَۃُ اَحْسِبُہٗ یَقْتُلُ الذُّبَابَ قَالَ اَھْلُ الْعِرَاقِ یَسْاَلُوْنِیْ عَنِ الذُّبَابِ وَقَدْ قَتَلُوْا ابْنَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ھُمَا رَیْحَانَیَ مِنَ الدُّنْیَا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی نعمؒ کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے سنا جبکہ (اہل کوفہ میں سے) کسی شخص نے ان سے محرم کے بارے میں پوچھا تھا (اس روایت کو حضرت عبدالرحمٰنؒ سے روایت کرنے والے راوی) حضرت شعبہؒ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ پوچھنے والے نے مکھی کو مار ڈالنے کا حکم دریافت کیا تھا۔ اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: "عراق یعنی کوفہ کے لوگ مجھ سے مکھی مار ڈالنے کے بارہ میں شرعی حکم دریافت کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کے بیٹے کو مار ڈالا جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ "یہ دونوں میری دنیا کے دو پھول ہیں۔" (بخاریؒ)

تشریح: کسی کوفی نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا ہوگا کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص محرم ہو یعنی حج کا احرام باندھے ہوئے ہو اور اس حالت میں وہ مکھی مار ڈالے تو اس کا بدلہ کیا ہے، آیا اس پر دم لازم ہوگا یا صدقہ، اور یا کچھ لازم نہیں ہوگا؟ اس پر حضرت ابن عمرؓ نے بڑا گہرا طنز فرمایا کہ یہ کوفہ والے مجھ سے مکھی مار ڈالنے کے بارہ میں شرعی حکم دریافت کر کے گویا یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم کو شرع کا بہت پاس لحاظ ہے اور تقویٰ و احتیاط کا دامن کسی حال میں ہاتھ سے نہیں چھوڑتے حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نہایت بے دردی سے نواسہ رسول (حسینؓ) کو شہید کر ڈالا اور اپنا نام ظالموں کی فہرست میں سب سے اوپر لکھوایا۔

میری دنیا کے دو پھول ہیں۔" لغت میں "ریحان" کے کئی معنی آتے ہیں: رحمت، راحت روزی، رزق، چین اور آسائش۔ اور اسی مناسبت سے بیٹے کو بھی "ریحان" کہتے ہیں کہ اس سے دل کو راحت اور آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے، نیز خوشبودار گھاس اور پھول کو بھی "ریحان" کہا جاتا ہے اور از راہ تشبیہ اس معنی کا بھی اطلاق بیٹے اور اولاد پر ہو سکتا ہے کیونکہ جس طرح خوشبودار چیز یعنی پھول وغیرہ کو سونگھا جاتا ہے اسی طرح لوگ اولاد کو بھی سونگھتے اور چومتے ہیں اور اس طرح اپنا دل خوش کرتے ہیں۔

سرکار رسالتؐ سے حسنینؓ کی جسمانی مشابہت

(۱۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ یَکُنْ اَحَدٌ اَشْبَہَ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ وَقَالَ فِی الْحُسَیْنِ اَیْضًا کَانَ اَشْبَھَھُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والا حسن بن علی کے علاوہ کوئی نہیں تھا نیز حضرت انس ؓ نے حضرت حسین ؓ کے بارہ میں بھی کہا کہ وہ بھی رسول اللہ سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔" (بخاری)

تشریح: آگے دوسری فصل میں حضرت علی ؓ کی روایت آرہی ہے جس میں انہوں نے تفصیل بیان فرمائی ہے کہ سر سے سینہ تک تو حسن ؓ آنحضرت ﷺ سے زیادہ مشابہ تھے اور باقی نیچے کے جسم میں حسین ؓ آنحضرت ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

ابن عباس ؓ کے لئے دعاء علم و حکمت

(۱۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ ضَمَّنِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی صَدْرِهٖ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِکْمَةَ وَفِیْ رِوَایَةٍ عَلِّمْهُ الْکِتَابَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ کو اپنے سینہ مبارک سے لپٹا کر یوں دعا فرمائی تھی: اس کو حکمت عطا فرما" اور ایک روایت میں (دعا کے) یہ الفاظ آئے ہیں کہ خداوندا اس کو کتاب اللہ کا علم عطا فرمایئے۔" (بخاری)

تشریح: سینہ سے لپٹانا دراصل اس طرف اشارہ تھا کہ علم کا منبع و مصدر اور حکمت کا مخزن و معدن یہی سینہ مبارک ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ "حکمت" سے مراد "حکمت فلسفہ نہیں بلکہ اتفاق علم و عمل یعنی علم میں تمام اوصاف و محاسن کے ساتھ تکمیل کرنا اور امور دین میں فہم صحیح" مراد ہے۔ اور انسان کے لئے یہ وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کی طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے: یوتی الحکمة من یشاء و من یوتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مذکورہ دعا میں "حکمت" سے مراد حقائق اشیاء کا پہنچانا اور اس چیز پر عمل کرنے ہے جو سزاوار عمل ہو۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ حکمت سے مراد صحت کردار اور درست گفتار ہے اور بعض نے حکمت کا مصداق سُنّت نبوی (اقوال و افعال اور تقریر) کو قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ۔

الغرض آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے لئے علم و حکمت اور فہم کتاب کی دعا فرمائی ہے اور وہ اس اُمت کے جلیل القدر عالم تھے ان کے علم و فضل اور حکمت و دانشمندی کا بڑے بڑے صحابہ کرام نے اعتراف و اقرار کیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے ان کے لئے علم و حکمت کی دعا فرمائی ہے۔

حضرت ابن عباس ؓ ہجرت سے تین سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئے اور جب رسول کریم ﷺ کا وصال ہوا اس وقت ابن عباس ؓ تیرہ سال کی عمر کو پہنچ چکے

تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اس وقت پندرہ برس کے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے وقت دس سال کے تھے انہوں نے دوبار جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا ہے اور دوبار آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی ہے۔ آخری عمر میں آنکھوں سے نابینا ہو گئے تھے وہ ۶۸ھ میں مقام طائف میں فوت ہوئے ابن زبیر ؓ کا دور حکومت تھا اور انہوں نے اکہتر سال عمر پائی۔

آپ ﷺ کا دعا دینا

(۱۴) وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْخَلَاءَ فَوَضَعْتُ لَهٗ وَضُوْءً فَلَمَّا خَرَجَ قَالَ مَنْ وَضَعَ هٰذَا فَاُخْبِرَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ۔ (متفق علیہ)

"اور ان ہی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ بیت الخلا میں داخل ہوئے تو میں نے آپ ﷺ کے لئے وضو کا پانی رکھا۔ پس جب آپ ﷺ نکلے تو فرمایا یہ (پانی) کس نے رکھا ہے؟ آپ ﷺ کو خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ اس کو دین کی سمجھ عطا کر

دے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: یہ واقعہ اس رات کا ہے جس رات حضرت عبداللہ بن عباسؓ اپنی خالہ میمونہؓ ام المؤمنین کے گھر ٹھہرے تھے تاکہ وہ آنحضرت ﷺ کی نماز تہجد کا طریقہ معلوم کر سکیں چنانچہ یہ پورا واقع باب قیام اللیل (نماز تہجد کے بیان) میں گذر چکا ہے۔

اس دعا کا مطلب یہ ہے اے اللہ ان (ابن عباسؓ) کو ایسا عالم بنا دے جو دین کے اصول وفروع اور اس کے کلیات وضربات اچھی طرح جان وپہچان لیں اور انہیں اعلیٰ درجہ کی علمی مہارت وفقاہت اور دین میں سمجھ بوجھ حاصل ہو۔ اس فقہ سے مراد صرف وہ متعارف فقہ نہیں ہے جس کا تعلق فروعی مسائل ومعاملات، صوری عبادات اور فصل خصومات سے ہے بلکہ اس سے دین کی مکمل سمجھ بوجھ اور کامل مہارت مراد ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں اس حدیث سے فقہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور غائبانہ دعا کا مستحب ہونا واضح ہوتا ہے اور جو شخص کوئی خدمت انجام دے یا کوئی بھلائی کرے اس کے حق میں دعا کرنے کا استحباب مفہوم ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے ابن عباسؓ کو علم میں بلند واعلیٰ رتبہ عطا فرمایا اور یہ آپ کی خدمت کا صلہ تھا ۔

کہ مرداں زخدمت بجائے رسند

اسامہ بن زیدؓ اور امام حسنؓ کے حق میں دعا

⑮ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُهُ وَالْحَسَنَ فَيَقُولُ اَللّٰهُمَّ اَحِبَّهُمَا فَإِنِّي أُحِبُّهُمَا وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُنِي فَيُقْعِدُنِي عَلٰى فَخِذِهٖ وَيُقْعِدُ الْحَسَنَ ابْنَ عَلِيٍّ عَلٰى فَخِذِهِ الْأُخْرٰى ثُمَّ يَضُمُّهُمَا ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُمَا فَإِنِّي اَرْحَمُهُمَا۔ (رواه البخاری)

"اسامہ بن زید سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ اسامہؓ کو اور امام حسنؓ کو پکڑ کر فرماتے اے اللہ ان دونوں سے محبت فرما کہ میں بھی ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ اسامہؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ مجھے پکڑ کر اپنی ران مبارک پر بٹھاتے اور حضرت حسن بن علیؓ کو دوسری ران مبارک پر بٹھا کر پھر ان دونوں کو ملا کر فرمایا کرتے تھے اے اللہ ان دونوں پر رحم فرما کہ میں بھی ان پر مہربان ہوں۔" (بخاری)

تشریح: حضرت اسامہؓ کے والد ماجد حضرت زید بن حارثہؓ آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور آپ ﷺ کے متبنیٰ (منہ بولے بیٹے) تھے آپ ﷺ نے ان کا عقد اپنی خادمہ خاص (برکہ) ام ایمنؓ سے کر دیا تھا۔ یہ خاتون آپ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کی آزاد کردہ تھیں۔ ان کے بطن سے حضرت زید بن حارثہ کے بیٹے اسامہؓ تھے۔ آپ ﷺ کو حضرت زیدؓ اور ان کے بیٹے اسامہؓ سے بے حد محبت تھی۔

حضرت اسامہؓ کو جن کے والدین پر غلامی کا دور گذر چکا تھا انہیں اپنے نواسے کے ساتھ اپنی ران مبارک پر بٹھا کر دعائیں دینا جہاں آپ کی شان رحیمی کو واضح کرتا ہے وہاں ان دو حضرات کی رفعت جلالت شان اور عظمت کی آپ کے اس طرز عمل سے نشان دہی ہوتی ہے

بیت ۔

زانکہ ترابر من مسکیں نظرست   آثارم از آفتاب مشہور ترست

آنحضرت ﷺ کے وصال اور دنیا سے رخصت ہونے کے وقت اسامہؓ کی عمر بیس برس کے قریب تھی وہ وادی القراء میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور وہاں ہی حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد انہوں نے وفات پائی ہے۔ بعض کا قول ہے کہ انہوں نے ۵۴ھ میں

وفات پائی ہے اور علامہ ابن عبد البرؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

اسامہ بن زیدؓ کو آپ ﷺ کا امیر لشکر بنانا

(۱۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا وَّ اَمَّرَ عَلَيْهِمْ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَطَعَنَ بَعْضُ النَّاسِ فِيْ اِمَارَتِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِيْ اِمَارَتِهٖ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِيْ اِمَارَةِ اَبِيْهِ مِنْ قَبْلُ وَاَيْمُ اللّٰهِ اِنْ كَانَ لَخَلِيْقًا لِلْاِمَارَةِ وَاِنْ كَانَ لَمِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَيَّ وَاِنَّ هٰذَا لَمِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَيَّ بَعْدَهٗ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ نَحْوُهٗ وَفِيْ اٰخِرِهٖ اُوْصِيْكُمْ بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنْ صَالِحِيْكُمْ۔

"حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک فوج روانہ کی اور اس پر اسامہؓ بن زیدؓ کو امیر بنا کر بھیجا تو کچھ لوگوں نے اس کی امارت پر طعنہ زنی کی پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم لوگ اس (اسامہؓ) کی امارت پر معترض ہوئے ہو تو اس سے پہلے تم اس کے باپ (زیدؓ) کی امارت پر بھی طعنہ زنی (اور اعتراض) کر چکے ہو اور اللہ کی قسم وہ (زیدؓ) امارت کے قابل بھی تھا اور تمام لوگوں سے مجھے محبوب و عزیز تر بھی تھا اور اس کے بعد یہ (اسامہؓ) بھی مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب و عزیز تر ہے بخاری و مسلم اور مسلم کی ایک روایت میں اسی طرح ہے اور اس کے آخر میں اتنا اضافہ بھی کہ "لوگوں میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ یقیناً یہ تمہارے نیک لوگوں میں سے ہے۔

تشریح: طعنہ دینے اور اعتراض کرنے والے لوگ یا تو منافق تھے جن کا شیوہ ہی یہ تھا کہ وہ کوئی موقع ہاتھ آنے کی انتظار میں رہتے تھے اور جہاں انہیں کوئی موقع ملا زبان کو بے لگام کر دیا اور یا پھر طعنہ دینے والے نو مسلم تھے جو زمانۂ جاہلیت کے طور طریقوں کے عادی چلے آئے تھے اور ان کے نزدیک انسان کی قدر و قیمت ذاتی صلاحیت و علمی و عملی قابلیت کی بجائے خاندانی وجاہت اور مال و دولت کی بنیاد پر تسلیم کی جاتی تھی۔

اسامہؓ کے باپ حضرت زید بن حارثہؓ نہایت جلیل القدر صحابی اور سابق الایمان بزرگ تھے آنحضرت ﷺ کو ان سے بے حد محبت تھی اور ذاتی طور پر بھی وہ نہایت قابل شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی عسکری صلاحیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب بھی کوئی فوج روانہ کی جس میں زید بن حارثہؓ کو روانہ کیا تو آپ ﷺ نے انہیں امیر ہی بنا کر روانہ کیا۔

۸ھ میں شام کی سرحد پر رومی افواج جمع ہو چکی تھیں اس لئے آپ ﷺ نے ایک فوج اس طرف روانہ کی اور اس پر حضرت زیدؓ کو امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ یہ شام گئے نصرانی کفار سے مقابلہ ہوا حضرت زید، حضرت جعفر طیار اور عبد اللہ بن رواحہ شہید ہوئے اس جنگ کو جنگ موتہ کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر لوگوں نے حضرت زید کی امارت پر اعتراض کیا تھا اگلے سال آپ نے حضرت زید شہید کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ کو امیر فوج بنا کر سرحد پر روانہ کیا تو کچھ لوگوں نے پھر اعتراض کیا اور اس بات کو اعتراض کی بنیاد بنایا کہ ایک تو کم سن ہیں اور دوسرا یہ کہ ان کے والدین پر غلامی کی حالت گذر چکی ہے بالخصوص جب منافقین نے یہ دیکھا کہ اسامہؓ کی ماتحتی میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابی موجود ہیں تو انہیں اور بھی اعتراض کا موقع ہاتھ آگیا۔ انہیں کیا معلوم کہ اسلام رنگ و نسل و مال و دولت کے تمام عارضی امتیازات کو مٹا کر شرافت و بزرگی کی بنیاد پر ذاتی قابلیت، علم و عمل اور تقویٰ و پرہیزگاری و اعلیٰ اخلاق کو قرار دیتا ہے "اللہ کی قسم وہ امارت کے قابل تھے" اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی صلاحیت تقویٰ و پرہیزگاری سبقت اسلام اور میری اطاعت و محبت کی بنیاد پر یقیناً امارت کے اہل اور سیادت کے لائق تھے اور ان کے بعد اسامہؓ بھی اس قابل ہیں کہ انہیں ملکی مہمات اور اہم خدمات پر مامور کیا جائے کہ وہ بھی اپنے باپ کے بعد مجھے سب سے زیادہ عزیز اور میرے نزدیک اس عہدہ کے قابل اور زیادہ قابل وثوق ہیں۔

زید بن محمد کہنے کی ممانعت

(۱۷) وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاكُنَّا نَدْعُوْهُ اِلَّا زَيْدَ بْنَ مُحَمَّدٍ حَتّٰى نَزَلَ الْقُرْاٰنُ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ الْبَرَاءِ قَالَ لِعَلِيٍّ اَنْتَ مِنِّيْ فِيْ بَابِ بُلُوْغِ الصَّغِيْرِ وَحِضَانَتِهٖ۔

"اور یہ بھی عبداللہ بن عمرؓ سے ہی مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہم لوگ اس (زیدؓ) کو صرف زید بن محمد ہی کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی تم ان کو ان کے باپ کے ناموں کی نسبت سے پکارا اور بلایا کرو۔" (بخاری و مسلم) اور حضرت براءؓ کی حدیث جس میں آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو فرمایا اَنْتَ مِنِّيْ (تم مجھ سے ہو) بلوغ صغیر اور (اس کی حضانت کے باب میں گذر چکی ہے۔

تشریح: مکمل آیت اس طرح ہے وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ الخ۔

اور اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے بیٹے نہیں قرار دیا یہ تو تمہارے اپنے ہی منہ کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ درست بات کہتا ہے اور صحیح راہ دکھاتا ہے۔ تم ان کو ان کے باپوں کے نام کی نسبت سے پکارو و بلایا کرو اس لئے کہ یہ بات اللہ کے نزدیک زیادہ عدل و انصاف کی مظہر ہے اور اگر ان کے باپ تمہیں معلوم نہ ہوں تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے دوست ہیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد انہیں لوگ زید بن حارثہؓ کہنے لگے۔ اس روائیداد سے بھی بخوبی واضح ہوتا ہے کہ رحمت عالم ﷺ کے ساتھ زید بن حارثہؓ کو کسی قدر رتبۂ محبت و قرب حاصل تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

(۱۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّتِهٖ يَوْمَ عَرَفَةَ وَهُوَ عَلٰى نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ يَخْطُبُ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلَ بَيْتِيْ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کو آپ کے حج کے موقع پر عرفہ کے دن اپنی قصواء نامی اونٹنی پر خطبہ دیتے سنا کہ فرمایا: لوگو! میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری اولاد۔ میرے اہل بیت۔" (ترمذی)

تشریح: قصواء اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس کے کان کا کوئی کونہ کٹا ہوا ہو۔ آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کا کان پیدائشی طور پر ایسا ہی تھا اور کٹا ہوا نہ تھا۔ یہ وجہ تسمیہ بھی ہو سکتی ہے کہ قصواء بمعنی بعید ہو۔ چنانچہ منقول ہے کہ آپ ﷺ کی یہ اونٹنی نہایت تیز رفتار تھی اور دور دور تک تیز رفتار سے چلتی جاتی تھی۔

اَخَذْتُمْ بِهٖ تم مضبوطی سے پکڑے رہو۔ پکڑنے سے مراد اطاعت و انقیاد اور عمل و پیروی ہے ابن مالکؒ نے کہا کہ کتاب کو پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور عترت و اولاد کو پکڑنے کا مفہوم یہ ہے کہ ان سے محبت کی جائے ان کی سیرت اختیار کی جائے اور ان کو قولاً فعلاً کسی طرح بھی ایذا نہ دی جائے۔

عترت سے آپ کی اولاد مراد ہے اور اہل بیت سے مراد آپ کے قرابت دار اور جد قریب کی اولاد بھی ہے اور آپ کی ازواج مطہرات بھی رضوان اللہ علیہم۔

آج عالم اسلام میں جس قدر پریشانیاں موجود ہیں ان کا واحد حل صرف اور صرف یہ ہے کہ اہل اسلام حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کو بالکل بھول چکے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی وصیت

(۱۹) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ اَحَدُهُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْاٰخَرِ۔ كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلُ بَيْتِيْ وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوْا كَيْفَ تَخْلُفُوْنِيْ فِيْهِمَا۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں میرے بعد جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک ان میں دوسری سے عظیم تر ہے۔ وہ ایک تو اللہ کی کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ کی آسمان سے زمین کی طرف پھیلی ہوئی رسی ہے اور دوسری میری اولاد میرے گھر والے ہیں اور وہ الگ الگ نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر وہ میرے پاس آپہنچیں گے پس تم لوگ سوچ لو کہ تم میرے بعد ان سے کیا معاملہ کرتے ہو اور کیسے پیش آتے ہو۔" (ترمذی)

تشریح: اس واقعہ کے بیان کرنے والے زید بن ارقم الانصاری الخزرجی مشہور صحابی ہیں غزوہ احد میں بوجہ کمسنی کے حضور ﷺ نے ان کو شریک نہیں فرمایا۔ غزوہ خندق اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے انہوں نے عبداللہ بن ابی بن سلول کے منافقانہ اقوال (جن کا ذکر قرآن پاک میں آیہ کریمہ لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل میں ہے) کو حضرت سے نقل کیا تھا مگر عبداللہ انکار کر گیا اور زید کو صحابہؓ نے سچا نہ جانا اس کے بعد سورہ منافقین نازل ہوئی جس میں زید کی تصدیق کی گئی تھی۔ زید حضور انورؐ کے ساتھ سترہ غزوات میں شریک ہوئے ۶۶ھ میں وفات پائی۔ تمام کتب صحاح میں آپ کی بکثرت احادیث مروی ہیں مختصر یہ کہ آپ ایک بہت بڑے پائے کے صحابی ہیں۔

اس حدیث میں بھی کتاب اللہ (قرآن مجید) کی طرف اپنی اُمت کو توجہ دلائی ہے اور اپنے اہل کے حقوق بھی یاد دلائے اور اہل بیت کی عظمت بیان فرمادی کہ تم لوگ میری نسبت کے خیال سے انّ کے حقوق کی ادائیگی میں جتنے زیادہ سرگرم رہو گے اور ان کی ہر طرح کی خبر گیری میں جتنا زیادہ حصہ لوگے اتنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ اور تمہیں دنیا و آخرت میں خیر و عافیت نصیب ہوگی آپ ﷺ کا یہ فرمانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص باپ دم رخصت اپنی اولاد کے بارہ میں کسی کو وصیت کرتا ہے کہ میں یہ اپنی اولاد چھوڑ کر جا رہا ہوں تم ان کی خوب دیکھ بھال کرنا اور ان کے حقوق و مفادات کا تحفظ کرنا۔

"اور یہ دونوں الگ الگ نہیں ہوں گی" یعنی قیامت کے تمام مواقف و مراحل پر ان دونوں یعنی کتاب اللہ اور عترت رسول کا ساتھ رہے گا، کہیں بھی یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی۔ یہاں تک کہ یہ دونوں مل کر حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گی اور دنیا میں جس جس نے ان دونوں کے حقوق اچھی طرح ادا کئے ہوں گے اس کا نام لے کر میرے سامنے شکریہ ادا کریں گی اور پھر میں بدلہ میں ان سب کے ساتھ نہایت اچھا سلوک اور احسان کروں گا اور اللہ تعالیٰ بھی ان سب کو کامل جزا اور انعام عطا فرمائیں گے اور ن لوگوں نے دنیا میں ان دونوں کی حق تلفی کی ہوگی اور دونوں کے ساتھ کفران نعمت کیا ہوگا ان کے ساتھ اس کے برعکس معاملہ ہوگا۔

"پس تم دیکھو کہ" یعنی میں نے ان دونوں کی حیثیت و اہمیت تمہارے سامنے واضح کر دی ہے۔ اب تمہیں خود اپنا احتساب کرنا ہے کہ ان دونوں یعنی کتاب اللہ، اور میری عترت کے تئیں تم میرے خلف الصدق ثابت ہوتے ہو یا ناخلف۔ اگر تم نے میرے بعد دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رکھا اور ان کے ساتھ وہ وابستگی رکھی جو ان کا حق تو میرے خلف الصدق قرار پاؤ گے اور اگر ان کے ساتھ اچھی وابستگی نہ رکھی اور ان کے تئیں اچھا رویہ اختیار نہ کیا تو ناخلف سمجھے جاؤ گے۔

چہار تن پاک کا دشمن گویا آنحضرت ﷺ کا دشمن

(۲۰) وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِيٍّ وَّفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ اَنَا حَرْبٌ لِّمَنْ حَارَبَهُمْ

وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَهُمْ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ کے حق میں فرمایا کہ "جو کوئی ان سے لڑے میں اس سے لڑوں گا اور جو کوئی ان سے مصالحت رکھے میں اس سے مصالحت رکھوں گا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جس نے ان چہارتن پاک کو دوست اور محبوب رکھا، اس نے آنحضرت ﷺ کو دوست و محبوب رکھا۔ اور جس نے ان چاروں کو دشمن رکھا اس نے آنحضرت ﷺ کو دشمن رکھا ایک روایت میں حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ کو دوست رکھا، ان دونوں یعنی حسنؓ و حسینؓ کو دوست رکھا اور ان دونوں کے باپ اور ان دونوں کی ماں یعنی علیؓ اور فاطمہؓ کو دوست رکھا تو وہ قیامت کے دن میرے درجہ میں میرے ساتھ ہوگا۔" احمد اور ترمذی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے جس کے آخری الفاظ یوں ہیں۔ "تو وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

علیؓ و فاطمہؓ کی فضیلت

(۲۱) وَعَنْ جُمَيْعِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ عَمَّتِيْ عَلٰى عَآئِشَةَ فَسَأَلْتُ اَيُّ النَّاسِ كَانَ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فَاطِمَةُ فَقِيْلَ مِنَ الرِّجَالِ قَالَتْ زَوْجُهَا۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت جمیع بن عمیر (تابعی) کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں اپنی پھوپی کے ساتھ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے پوچھا، رسول کریم ﷺ کو سب سے زیادہ محبت کس سے تھی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا فاطمہؓ سے پھر میں نے پوچھا، اور مردوں میں سب سے زیادہ محبت کس سے تھی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: فاطمہؓ کے شوہر (علی مرتضیٰؓ) سے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: یہاں حضرت عائشہؓ کی منصف مزاجی اور صدق گوئی نوٹ کرنے کے قابل ہے انہوں نے اخلاص کے ساتھ سچی بات بیان کر دی۔ حالانکہ اگر وہ چاہتیں تو کہہ سکتی تھیں کہ آنحضرت کو سب سے زیادہ محبت مجھ سے اور میرے باپ سے تھی۔ اور اس میں شک نہیں کہ اگر یہی سوال حضرت فاطمہؓ سے کیا جاتا تو ان کا جواب یہ ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کو سب سے زیادہ محبت عائشہؓ اور ان کے باپ سے تھی۔ اب اس حدیث کے آئینہ میں ذرا وہ متعصب اور کجرو اپنا چہرہ دیکھیں جو حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہ کے درمیان اختلاف و عناد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بہرحال یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ سب سے زیادہ محبوب ہونے کا مطلب "سب سے افضل ہونا" ہرگز نہیں ہے اولاد اور نزدیکی اقارب سے زیادہ محبت ہونا ایک طبعی چیز ہے۔ ایک شخص یقینی طور پر جانتا ہے کہ غیر اولاد میں فلاں فلاں آدمی اس کی اولاد سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں مگر اس کے باوجود اپنی ہی اولاد سے زیادہ محبت رکھتا ہے۔ ہاں اپنی اولاد کا غیر اولاد سے افضل ہونا اس بات کو لازم کرتا ہے کہ اس سے محبت بھی زیادہ ہو۔

جس نے میرے چچا کو ستایا اس نے مجھ کو ستایا

(۲۲) وَعَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ اَنَّ الْعَبَّاسَ دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُغْضَبًا وَّاَنَا عِنْدَهٗ فَقَالَ مَآ اَغْضَبَكَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَالَنَا وَلِقُرَيْشٍ اِذَا تَلَاقَوْا بَيْنَهُمْ تَلَاقَوْا بِوُجُوْهٍ مُّبْشَرَةٍ وَاِذَا لَقُوْنَا لَقُوْنَا بِغَيْرِ ذٰلِكَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَحْمَرَّ وَجْهُهٗ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلِ الْاِيْمَانُ حَتّٰى يُحِبَّكُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ مَنْ اٰذٰى عَمِّيْ فَقَدْ اٰذَانِيْ فَاِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنِ الْمُطَّلِبِ۔

"اور حضرت عبدالمطلب بن ربیعہؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت عباسؓ غصہ میں بھرے ہوئے آئے (یعنی کسی نے کوئی ایسی حرکت کردی تھی یا کوئی ایسی بات کہہ دی تھی جس سے حضرت عباسؓ کو سخت غصہ آیا اور اسی غصہ کی حالت میں وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے) آنحضرت نے پوچھا کہ ایسی کیا بات پیش آگئی جس سے تمہیں اتنا غصہ آرہا ہے؟ حضرت عباسؓ بولے اے اللہ کے رسول! ہمارے (یعنی بنی ہاشم) اور (باقی) قریش کے درمیان کیا (بیگانگی) ہے کہ جبوہ (قریش) آپس میں ملتے ہیں تو کشادہ روئی سے ملتے ہیں اور جب ہمارے ساتھ ملتے ہیں تو اس طرح نہیں ملتے رسول کریم ﷺ (نے حضرت عباسؓ سے یہ بات سنی تو ان قریش کے اس برے رویہ پر) سخت غصہ ہوئے یہاں تک کہ غصہ کی شدت سے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا پھر) حضرت عباسؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا اگر وہ تم (اہل بیت) کو اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دوست نہیں رکھے گا۔" اور پھر فرمایا: لوگو: جان لو، جس شخص نے خصوصا) میرے چچا کو ستایا اس نے (گویا) مجھ کو ستایا، کیونکہ کسی کا چچا اس کے باپ کی مانند ہوتا ہے" (ترمذیؒ) اور مصابیح میں (عبدالمطلب بن رَبیعہ" کی جگہ) "مطلب بن ربیعہ" ہے (جبکہ صحیح عبدالمطلب بن ربیعہ" ہی ہے جو ترمذی نے نقل کیا ہے۔"

تشریح: ایمان داخل نہیں ہوگا" یا تو مطلق ایمان مراد ہے اور اس صورت میں ارشاد گرامی کو شدید ترین وعید پر محمول کیا جائے گا یا: کامل ایمان" مراد ہے اس صورت میں کہا جائے گا کہ آنحضرت کے ارشاد کا مقصد سخت تاکید کے ساتھ اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ دل و دماغ کو اہل بیت کی محبت و عقیدت سے معمور کئے بغیر ایمان کامل کی دولت نصیب نہیں ہوسکتی۔

قریش کی جو متعدد شاخیں تھیں ان میں سے "بنوہاشم" (آنحضرت ﷺ کا خاندان) سب سے باعزت شاخ تھی ایسے اکثر مناصب جو سماجی عزت و وجاہت عطا کرتے تھے۔ اسی شاخ کے افراد کے سپرد تھے۔ پھر سب سے بڑا شرف یعنی نبوت ورسالت کا منصب عظمی بھی اسی شاخ کا نصیب بنا۔ ان وجوہ سے قریش کی دوسری شاخیں بنوہاشم سے ایک طرح کی پرخاش رکھتی تھیں اور ان کو اپنا حریف قرار دیتی تھیں۔ چنانچہ ابوجہل آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے یہی کہا کرتا تھا کہ مکہ اور قریش کی سرداری بنوہاشم نے لے رکھی ہے حاجیوں کو زمزم پلانے کے اعزاز پر بنوہاشم نے قبضہ کررکھا ہے۔ اگر بنوہاشم میں نبوت ورسالت بھی آجائے تو پھر باقی قریش کے پاس کیا رہ جائے گا۔

حضرت عباسؓ کی فضیلت

(۲۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَبَّاسُ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عباسؓ مجھ سے ہیں اور میں عباس سے ہوں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "عباس مجھ سے ہیں" یعنی میرے خاص قرابتیوں میں سے ہیں یا یہ کہ میرے اہل بیت میں سے ہیں علماء لکھتے ہیں کہ فضل و شرف اور شرف اور نبوت کے اعتبار سے تو آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی اصل ہے جبکہ نسب اور چچا ہونے کے اعتبار سے حضرت عباسؓ اصل ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ مذکورہ ارشاد گرامی دراصل بکمال محبت و تعلق، یک جہتی و یگانگت اور اخلاص و اختلاط سے کنایہ ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے حق میں بھی فرمایا تھا کہ (اے علیؓ) میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔

حضرت عباسؓ: حضرت عباس ابن عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کے چچا ہیں ان کی ولادت واقعہ فیل سے ایک سال قبل ہوئی ان کی والدہ قبیلہ نمر بن قاسط سے تعلق رکھتی تھیں اور وہ پہلی عرب خاتون ہیں جس نے کعبۂ اقدس پر حریر و دیباج اور نوع بہ نوع قیمتی کپڑوں کا غلاف چڑھایا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عباسؓ بچپن میں کہیں گم ہوگئے تھے اور جب تلاش بسیار کے بعد ہاتھ نہیں لگے تو ان کی والدہ نے منت مانی کہ اگر میرا بیٹا مل جائے گا تو میں بیت الحرام پر غلاف چڑھاؤں گی۔ چنانچہ جب حضرت عباسؓ کا سراغ لگ گیا اور وہ گھر آگئے تو ان کی والدہ نے بڑے اہتمام کے ساتھ منت پوری کی۔ حضرت عباسؓ زمانۂ جاہلیت میں بھی مکہ اور قریش میں زبردست اثر و

رسوخ رکھتے تھے۔ اور ایک بڑے سردار تسلیم کئے جاتے تھے۔ "عمارۃ" اور سقایۃ" کے اہم مناسب ان کے سپرد تھے۔ وہ آنحضرت ﷺ سے دو سال بڑے تھے اور چچا ہونے کے باوجود آنحضرت ﷺ کا غیر معمولی ادب احترام کرتے تھے۔ منقول ہے کہ ایک دن کسی نے ان سے سوال کیا انت اکبر او النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (آپ بڑے ہیں یا آنحضرت ﷺ ؟) تو انہوں نے جواب دیا ھو اکبر وانا اسن (بڑے تو آنحضرت ﷺ ہی ہیں ہاں عمر میری زیادہ ہے) حضرت عباسؓ کا یہ بلیغ جواب ان کی سلامت طبع اور ذہانت وذکاوت کی غمازی کرتا ہے حضرت عباسؓ نے اسلام تو بہت پہلے قبول کر لیا تھا لیکن بعض مصالح کے تحت اپنے اسلام کا اظہار نہیں کرتے تھے چنانچہ جنگ بدر میں وہ بڑی کراہت کے ساتھ اور مجبوری کے تحت مشرکین مکہ کے ساتھ شریک تھے اور آنحضرت ﷺ نے مجاہدین اسلام سے فرمادیا تھا کہ جس شخص کا سامنا عباسؓ سے ہو جائے وہ ان کو قتل نہ کرے کیونکہ وہ مجبورًا اس جنگ میں مشرکین مکہ کی طرف سے شریک ہیں جنگ کے خاتمہ پر حضرت عباسؓ بھی قیدیوں میں شامل ہوئے اور ابوالیسیر بن کعب بن عمر نے ان کو قید کیا۔ پھر انہوں نے فدیہ (مالی معاوضہ) ادا کرکے رہائی حاصل کی اور مکہ واپس آگئے بعد میں وہاں سے باقاعدہ ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئے ۳۶ھ میں ۱۲رجب جمعہ کے دن ان کی وفات ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۸۸ سال کی تھی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت ستر غلام آزاد کئے۔

عباسؓ اور اولاد عباسؓ کے لئے دعا

(۴۴) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ اِذَا كَانَ غَدَاةُ الْاِثْنَيْنِ فَاْتِنِيْ اَنْتَ وَوَلَدُكَ حَتّٰى اَدْعُوَلَكُمْ بِدَعْوَةٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا وَ وَلَدَكَ فَغَدَا وَغَدَوْنَا مَعَهٗ وَاَلْبَسَنَا كِسَاءَهٗ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهٖ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ فِيْ وَلَدِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَزَادَ رَزِيْنٌ وَاجْعَلِ الْخِلَافَةَ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن) رسول کریم ﷺ نے (میرے والد) حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ پیر کے دن صبح کے وقت تم اپنی اولاد کو لے کر میرے پاس آنا تاکہ میں تمہارے لئے دعا کروں جس کے سبب اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری اولاد کو نفع پہنچائے چنانچہ (جب پیر کا دن آیا تو) صبح کے وقت حضرت عباسؓ اور ان کے ساتھ ہم سب (ان کی اولاد) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آنحضرت ﷺ نے اپنی چادر مبارک ہم سب کو اڑھائی اور پھر یوں دعا فرمائی خداوندا! عباسؓ کو اور ان کی اولاد کو بخش دے اور ظاہرو باطن کی ایسی بخشش عطا فرما جو کوئی گناہ باقی نہ چھوڑے۔ الٰہی! عباسؓ کو ان کی اولاد میں قائم و محفوظ رکھو۔" ترمذیؒ اور رزینؒ نے اس دعاء کے آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ امارت وبادشاہی کو ان کی اولاد میں باقی رکھ" !ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: اپنی چادر مبارک ہم سب کو اڑھائی "یہ اس بات سے کنایہ تھا کہ جس طرح میں نے ان سب پر یہ چادر پھیلائی ہے اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا سایہ ان سب پر پھیلائے۔

"عباسؓ کو ان کی اولاد میں قائم و محفوظ رکھ" یعنی اے اللہ! تو عباسؓ کو عزت و شوکت عطا فرما اور ان کو تمام آفات وبلیات سے محفوظ رکھ تاکہ یہ اپنے اولاد کے حقوق ومفاد کا تحفظ کر سکیں۔

"امارت وبادشاہی کو ان کی اولاد میں باقی رکھ یعنی طویل مدت تک اولاد عباسؓ کو تخت حکمرانی اور سیادت وثروت سے نوازے رکھ چنانچہ یہ دعا مقبول ہوئی کہ وہ زمانہ آیا جب کئی صدیوں تک خلافت وحکمرانی کا اعزاز عباسیوں میں رہا یا یہ دعائیہ الفاظ دراصل اُمت کے لئے ایک ہدایت تھی کہ خلافت وامارت کا استحقاق اولاد عباسؓ کو بھی حاصل ہے۔ خلیفہ وامیر منتخب کرتے وقت ان کے ترجیح استحقاق کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

ابن عباسؓ کی فضیلت

(۲۵) وَعَنْهُ اَنَّهٗ رَاٰی جِبْرَئِیْلَ مَرَّتَیْنِ وَدَعَالَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَیْنِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے دوبار حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اور رسول کریم ﷺ نے ان کے حق میں دو مرتبہ دعا فرمائی۔" (ترمذی)

تشریح: "دوبار حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا" اس سلسلہ کی تفصیلی روایت سیوطیؒ نے جمع الجوامع میں اس طرح نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا: ایک دن میں بہت سفید کپڑے پہنے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس سے گزرا تو دیکھا آپ ﷺ دحیہ کلبیؓ سے سرگوشی کررہے ہیں۔ جب کہ حقیقت میں وہ دحیہ کلبیؓ نہیں تھے بلکہ ان کی صورت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے، لیکن اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ جبرئیل ہیں میں وہاں سے گزرتا چلا گیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ سے بولے کہ یا رسول اللہ یہ ابن عباسؓ اگر ہمیں سلام کرتا تو میں اس کے سلام کا جواب دیتا۔ ابن عباسؓ تو بہت سفید کپڑوں میں ہے مگر اس کے بعد اس کی اولاد سیاہ کپڑے پہننے پر مجبور ہوگی۔ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان پر چلے گئے تو آنحضرت ﷺ وہاں سے لوٹ کر آئے اور مجھ فرمایا: ہمارے پاس سے گزرتے وقت تم نے ہمیں سلام کیوں نہیں کیا تھا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ اس وقت دحیہ کلبیؓ سے بات چیت اور سرگوشی میں مصروف تھے۔ میں نے اچھا نہیں سمجھا کہ آپ میرے سلام کا جواب دیں اور اس طرح میں آپ کے سلسلہ گفتگو میں رکاوٹ بنوں تب آنحضرت ﷺ نے مجھے بتایا کہ وہ دحیہ کلبیؓ نہیں تھے بلکہ جبرئیل تھے۔ ابن عباس نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس موقع پر لکھتے ہیں: یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد عام طور دحیہ کلبی کی شکل وصورت میں ہوتی تھی اور دوسرے صحابہؓ بھی ان کو دیکھا کرتے تھے۔ تو پھر خاص طور پر حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں یہ بات خصوصیت کے ساتھ کس وجہ سے بیان کی گئی کہ انہوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دوبار دیکھا پھر اس کا جواب حضرت شیخؒ نے یہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان دونوں مرتبہ دحیہ کلبیؓ ہی کی شکل میں دیکھا تھا لیکن ان کا دیکھنا عالم ملکوت میں تھا جبکہ ان کے علاوہ کسی صحابی نے حضرت جبرئیلؑ کو عالم ملکوت میں نہیں دیکھا۔ دوسرے صحابہ ان کو عالم ناسوت میں دیکھا کرتے تھے ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابن عباسؓ سے فرمایا تھا نبی ورسول کے علاوہ جس انسان نے بھی جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اس کی بینائی جاتی رہی، لہٰذا اے ابن عباس تمہاری بینائی بھی چلی جائے گی۔ لیکن موت کے دن تمہاری بینائی پھر تمہارے پاس آجائے گی۔ چنانچہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نابینا ہوگئے تھے اور منقول ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی اور ان کا جسد خاکی کفن میں لپیٹ دیا گیا تو اچانک ایک سفید پرندہ نمودار ہوا اور ان کی میت کے پاس آکر کفن کے اندر گھسا اور غائب ہوگیا۔ لوگوں نے ہر چند تلاش کی اور ادھر ادھر دیکھا لیکن اس سفید پرندہ کا سراغ نہیں لگا۔ بالآخر حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت عکرمہؓ نے کہا کہ کیا تم لوگ احمق ہوگئے ہو) وہ واقعۃً پرندہ نہیں تھا بلکہ ان کی بینائی تھی جس کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ موت کے دن ان کے پاس واپس آجائے گی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ کو لحد میں رکھ دیا گیا تو غیب سے ایک آواز آئی جس کو سب نے سنا یایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة (اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف واپس جا، تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے۔

اور ان کے حق میں دو مرتبہ دعا فرمائی یعنی ایک بار تو وہ دعا فرمائی جس کا ذکر پیچھے الفصل الاول کی ایک حدیث میں گزرا کہ آنحضرت ﷺ نے ابن عباسؓ کو اپنے سینہ سے لپٹا کر یہ دعا دی اللھم علمہ الحکمة (اے اللہ اس کو حکمت عطا فرما) یا یوں فرمایا تھا

اللھم علمہ الکتاب (اے اللہ اس کو کتاب اللہ کا علم عطا فرما) دوسری مرتبہ کی دعا وہ ہے جس کے بارہ میں بھی حضرت ابن عباسؓ کی روایت پیچھے گزر چکی ہے کہ آنحضرت استنجاء کے لئے تشریف لے گئے تو میں نے وضو کے لئے پانی بھر کر رکھ دیا جب آپ کو بتایا گیا کہ ابن عباسؓ نے رکھا ہے تو اس وقت آپ ﷺ نے یہ دعا دی اللھم فقہ فی الدین (خداوندا! ابن عباسؓ کو دین کا فقیہ بنادے) تاہم یہ احتمال بھی ہے کہ ایک مرتبہ کی دعا تو وہ مراد ہو جو آپ ﷺ نے پانی رکھنے پر خوش ہو کر دی تھی اور دوسری مرتبہ کی دعا سے وہ دعا مراد ہو جو آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے حق میں فرمائی تھی۔

ابن عباس کو عطائے حکمت کی دعا

(۲۶) وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ دَعَالِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّؤْتِیَنِیَ اللّٰهُ الْحِکْمَةَ مَرَّتَیْنِ۔ (رواہ الترمذی۔)

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا رسول کریم ﷺ نے میرے لئے دو مرتبہ یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو حکمت عطا فرمائے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: یعنی اس مفہوم کی دعا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو دین و شریعت کا علم اصول و فروع عطا فرمائے، ایک مرتبہ تو لفظ "حکمت" کے ساتھ کی اور ایک مرتبہ لفظ "فقہ" کے ساتھ اور ظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دونوں دعائیں الگ الگ دو موقعوں پر کیں جیسا کہ پیچھے گزرا۔

حضرت جعفر کی کنیت

(۲۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ جَعْفَرٌ یُحِبُّ الْمَسَاکِیْنَ وَیَجْلِسُ اِلَیْهِمْ وَیُحَدِّثُهُمْ وَیُحَدِّثُوْنَهٗ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُکَنِّیْهِ بِاَبِی الْمَسَاکِیْنِ۔ (رواہ الترمذیؒ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جعفر بن ابی طالبؓ مساکین سے (بہت محبت رکھتے تھے، وہ ان کے پاس اٹھتے بیٹھتے اور ان سے (دلجوئی و غمخواری کی) باتیں کرتے اور مساکین ان سے (اپنے دکھ درد کی) باتیں کیا کرتے تھے۔ اور رسول کریم ﷺ نے (اسی بناء پر) ان کی کنیت "ابوالمساکین" رکھ چھوڑی تھی۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ کہ حضرت جعفرؓ چونکہ بہت زیادہ مساکین نواز تھے اور ان کے ساتھ بہت زیادہ اٹھنا بیٹھنا رکھتے تھے اسی مناسبت سے آنحضرت ﷺ نے ان کی کنیت "ابوالمساکین" رکھ دی تھی جیسا کہ حضرت علیؓ کی کنیت "ابوتراب" اس مناسبت سے رکھ دی تھی کہ وہ بیٹھنے اور لیٹنے کے لئے "فرش خاک" زیادہ پسند کرتے تھے اور مٹی پر بلا تکلف بیٹھ یا لیٹ جایا کرتے تھے یا جیسا کہ مسافر کو "ابن السبیل" اور صوفی کو "ابوالوقت" مخصوص معنوی مناسبت سے کہا جاتا ہے۔

حضرت جعفر کی فضیلت

(۲۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ جَعْفَرًا یَّطِیْرُ فِی الْجَنَّةِ مَعَ الْمَلٰٓئِکَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میں نے جعفرؓ کو جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا ہے اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: حضرت جعفرؓ جنگ موتہ میں اسلامی لشکر کے کمانڈار تھے اور اسلام کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس جنگ میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا تھا۔ اصل میں تو اس جنگ کے اسلامی کمانڈار حضرت زید بن حارثہؓ تھے، لیکن دوران جنگ ان کے شہید ہو جانے کے

بعد اسلامی لشکر کی کمانداری اور اسلام کا جھنڈا حضرت جعفرؓ کے ہاتھ میں آیا چنانچہ حضرت جعفرؓ کمال مردانگی کے ساتھ اللہ کی راہ میں لڑے پہلے ان کا ایک ہاتھ کام آیا، پھر دوسرا ہاتھ بھی گیا اور پھر ٹانگیں بھی قربان ہو گئیں۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے ادھر تو میدان جنگ میں حضرت جعفرؓ شہید ہوئے، ادھر مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کو حالت مکاشفہ میں یا خواب میں دکھایا گیا کہ جعفرؓ کے دو پنکھ ہیں جو خون میں لتھڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے ان پنکھوں کے ذریعہ فرشتوں کے ساتھ جنت میں اڑے اڑے پھر رہے ہیں۔

بہشت کے جوانوں کے سردار

(۲۹) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "حسنؓ اور حسینؓ دونوں بہشت کے جوانوں کے سردار ہیں۔" (ترمذی)

تشریح: طیبیؒ کے مطابق الفاظ حدیث کی مراد یہ ہے کہ حسن اور حسین ان تمام اہل اسلام سے افضل ہیں جو اللہ کی راہ میں جوانی کی حالت میں مرے لیکن یہ بات محل کلام ہے کیونکہ ان دونوں کو صرف ان ہی اہل اسلام سے افضل قرار دینے کی کوئی وجہ تخصیص نہیں ہے جو جوان مرے بلکہ حقیقت تو یہ کہ حسنؓ و حسینؓ ان بہت سے اہل اسلام سے بھی افضل ہیں جو بڑی عمروں میں مرے پس بعض حضرات کا یہ قول زیادہ صحیح ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ حسن اور حسین تمام اہل جنت کے سردار ہیں کیونکہ تمام اہل جنت جوان ہوں گے۔ لیکن انبیاء اور خلفاء راشدین مستثنیٰ ہیں یعنی ان سے یہ دونوں افضل نہیں ہوں گے۔

بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ یہاں شباب یعنی "جوان" کا لفظ "جوان العمر" کے مفہوم میں نہیں ہے بلکہ فتوت یعنی جوانمرد سخی اور کریم کے معنی میں ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ دونوں تمام جوانمردوں کے سردار ہیں علاوہ انبیاء اور خلفاء راشدین کے یا یہ کہ جنت کے "جوانوں" سے مراد تمام اہل جنت ہیں اور ان کو "شباب" کے لفظ سے تعبیر کرنا۔ اظہار محبت و شفقت کے تحت ہے، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ باپ جب اپنے بیٹے کا ذکر کرتا ہے تو اس کو لڑکا، بچہ، وغیرہ کے الفاظ ہی سے تعبیر کرتا ہے خواہ وہ کتنا ہی مسن اور عمر رسیدہ ہو۔

حسن و حسین میری دنیا کے دو پھول ہیں

(۳۰) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ ھُمَا رَیْحَانَایَ مِنَ الدُّنْیَا۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَدْ سَبَقَ فِی الْفَصْلِ الْاَوَّلِ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "حقیقت یہ ہے کہ حسن اور حسین میری دنیا کے دو پھول ہیں" (ترمذی) یہ حدیث فصل اول میں گزر چکی ہے۔"

تشریح: سید جمال الدینؒ نے "یہ حدیث فصل اول میں گزر چکی ہے" کے بارے میں لکھا ہے کہ صاحب مشکوٰۃ کے ان الفاظ میں صاحب مصابیح پر اعتراضات کی طرف اشارہ ہے لیکن ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ اعتراض (کہ مصابیح نے ایک روایت کو مکرر نقل کردیا ہے) اس طرح کالعدم قرار پاجاتا ہے فصل اول کی روایت بخاری کی ہے جو اپنی جگہ پر نقل ہوئی ہے اور یہ روایت ترمذی کی ہے جس کو اس کی جگہ پر نقل کیا گیا ہے جب کہ ان دونوں روایتوں کے الفاظ میں فی الجملہ تغایر بھی ہے۔

حسینؓ سے محبت و تعلق

(۳۱) وَعَنْ اُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ قَالَ طَرَقْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَۃٍ فِیْ بَعْضِ الْحَاجَۃِ فَخَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُشْتَمِلٌ عَلٰى شَيْءٍ لَا اَدْرِيْ مَا هُوَ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْ حَاجَتِيْ قُلْتُ مَا هٰذَا الَّذِيْ اَنْتَ مُشْتَمِلٌ عَلَيْهِ فَكَشَفَهُ فَاِذَا الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلٰى وَرِكَيْهِ فَقَالَ هٰذَانِ ابْنَايَ وَابْنَا بِنْتِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُمَا۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دن رات میں اپنی کسی ضرورت سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ (اپنے گھر کے اندر سے) اس حال میں باہر تشریف لائے کہ کسی چیز کو اپنے ساتھ لپیٹے ہوئے تھے اور میں نہیں جانتا تھا کہ وہ چیز کیا چیز تھی پھر جب میں اپنی ضرورت کو عرض کر چکا تو پوچھا کہ یہ کیا چیز آپ ﷺ نے لپیٹ رکھی ہے آپ ﷺ نے اس چیز کو کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حسنؓ و حسینؓ ہیں جو آپ ﷺ کی دونوں کوکھوں پر تھے (یعنی آپ ﷺ نے ان دونوں کی طرف گود میں لے کر چادر سے لپیٹ رکھا تھا) اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا، دونوں (حکماً) میرے بیٹے ہیں اور (حقیقۃً) میری بیٹی کے بیٹے ہیں خداوند: میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں، تو بھی ان کو محبوب رکھ اور ہر اس شخص کو محبوب رکھ جو ان دونوں کو محبوب رکھے۔" (ترمذی)

تشریح: یہ دونوں (حکماً) میرے بیٹے ہیں" اس سے معلوم ہوا کہ بیٹی کا بیٹا اپنے ہی بیٹے کے حکم میں ہوتا ہے جیسا کہ بیٹے کا بیٹا یعنی پوتا اپنے بیٹے کے حکم میں ہوتا ہے۔ نیز اس حدیث کو اس بات کی بھی دلیل بنایا جاسکتا ہے کہ نسب کا شرف ماں کی طرف سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ حضرت اسامہ کے سامنے آنحضرت ﷺ کا مذکورہ دعا فرمانا شاید ان کو اور دوسروں کو بھی اس طرف متوجہ اور راغب کرنے کے لئے تھا کہ حسنینؓ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ محبت اور قلبی تعلق رکھیں۔

شہادت حسینؓ اور ام سلمہؓ کا خواب

(۳۲) وَعَنْ سَلْمٰى قَالَتْ دَخَلْتُ عَلٰى اُمِّ سَلَمَةَ وَهِيَ تَبْكِيْ فَقُلْتُ مَا يُبْكِيْكِ قَالَتْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْنِيْ فِي الْمَنَامِ وَعَلٰى رَاْسِهٖ وَلِحْيَتِهِ التُّرَابُ فَقُلْتُ مَالَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُّ قَتْلَ الْحُسَيْنِ اٰنِفًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت سلمٰی (جو حضرت ابو رافعؓ کی زوجہ ہیں) بیان کرتی ہیں کہ (ایک دن) میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئی کیا دیکھتی ہوں کہ وہ رو رہی ہیں میں نے پوچھا کیوں رو رہی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا! میں نے رسول کریم ﷺ کو دیکھا یعنی خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ آپ ﷺ کا سر اور ڈاڑھی گرد آلو ہے پھر جب میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ، آپ (ﷺ) گرد آلود کیوں ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں ابھی حسین کے قتل گاہ میں موجود تھا اور وہاں دیکھ رہا تھا کہ میرے جگر کے ٹکڑے کو ظالموں نے کس بے دردی کے ساتھ شہید کیا) اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی ہے اور بعض حضرات نے ان کا سن وفات ۶۲ھ لکھا ہے لیکن زیادہ صحیح قول پہلا ہی ہے۔ ادھر حضرت امام حسین کی شہادت عظمیٰ کا سانحہ ۶۱ھ میں پیش آیا ہے حضرت ام سلمہؓ کے سن وفات کے بارہ میں اگر دوسرے قول کو صحیح مانا جائے تو اس حدیث کے تحت کوئی اشکال لازم نہیں آتا ہاں پہلے قول کو صحیح ماننے کی صورت میں تھوڑا اشکال لازم آتا ہے مگر اس تاویل سے یہ اشکال بھی رفع ہو جاتا ہے کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا سانحہ پیش آنے سے پہلے ہی حضرت ام سلمہؓ کے خواب میں اس کا وقوع دکھا دیا گیا تھا اس سورت میں لفظ انفًا (ابھی) کے استعمال کی توجیہ یہ کی جائے گی کہ اس لفظ کا استعمال اس صورت حال کے تحقیق کے اعتبار سے ہے جو بصورت شہادت حسینؓ آنحضرت ﷺ کے خواب میں اس وقت دکھائی گئی تھی۔

آنحضرت ﷺ کو اپنے اہل بیت میں سب سے زیادہ محبت حسن و حسینؓ سے تھی

(۳۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ اَهْلِ بَيْتِكَ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ

وَكَانَ يَقُوْلُ لِفَاطِمَةَ اُدْعِيْ لِيَ ابْنَيَّ فَيَشُمُّهُمَا وَيَضُمُّهُمَا اِلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے کون شخص آپ کو سب سے زیادہ عزیز و محبوب ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: حسنؓ اور حسینؓ اور (انسؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ) آنحضرت ﷺ (کسی وقت حسن و حسینؓ کو گھر میں نہ دیکھتے تو) حضرت فاطمہؓ سے فرماتے کہ میرے دونوں بیٹوں کو بلاؤ۔ پھر (جب حسن و حسین آجاتے تو) آپ ان دونوں کے جسموں کو سونگھتے (کیونکہ وہ آپ ﷺ کے پھول تھے) اور ان کو اپنے گلے سے لگاتے ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

حسنین سے کمال محبت کا اظہار

㉞ وَعَنْ بُرَيْدَةَؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُنَا اِذَا جَآءَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَعَلَيْهِمَا قَمِيْصَانِ اَحْمَرَانِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمِنْبَرِ فَحَمَلَهُمَا وَوَضَعَهُمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ صَدَقَ اللّٰهُ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ نَظَرْتُ اِلٰى هٰذَيْنِ الصَّبِيَّيْنِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ فَلَمْ اَصْبِرْ حَتّٰى قَطَعْتُ حَدِيْثِيْ وَرَفَعْتُهُمَا۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

"اور حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ ہمارے سامنے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک حسنؓ اور حسینؓ آگئے۔ وہ دونوں سرخ کرتے پہنے ہوئے تھے اور (کم سنی ناطاقتی کے سبب) اس طرح چل کر آرہے تھے کہ گر گر پڑتے تھے چنانچہ رسول کریم ﷺ (ان کو دیکھ کر منبر سے اتر آئے اور ان دونوں کو اپنی گود میں اٹھا لیا اور پھر ان کو اپنے پاس بٹھا کر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے کہ انما اموالکم واولادکم فتنۃ میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا (کہ ان سے چلا نہیں جا رہا ہے اور) گرتے پڑتے چلے آرہے ہیں تو (ان کی محبت میں) مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں نے اپنی بات دینی وعظ نصیحت اور بیان احکام و مسائل کا سلسلہ منقطع کیا اور منبر سے اتر کر) ان کو گود میں اٹھا لیا۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا خطبہ کے درمیان منبر سے اتر کر حسنین کو اٹھانا دراصل ایک ایسا عمل تھا جس کا تحرک شفقت و ترحم اور رقت و محبت کا وہ جذبہ تھا جو ان شاہزادوں کو اس حال میں دیکھ کر قلب نبوت میں امنڈ آیا تھا چونکہ اولاد اور بچوں پر شفقت و مہربانی کرنا ایک مستحسن و مستحب اور پسندیدہ حق چیز ہے اور خطبہ کے دوران خطیب کا کچھ لمحات کے لئے کسی نیک عمل کی طرف متوجہ ہو جانا جائز ہے اس لئے اس خطبہ کے دوران آنحضرت ﷺ کے اس عمل کو تداخل فی العبادات کی ایک قسم کہا جائے گا۔ آپ ﷺ نے اپنے اس عمل کا جو عذر بیان فرمایا، وہ ایک تو کسر نفسی کے تحت تھا۔ دوسرے سامعین و حاضرین کو متنبہ کرنا بھی مقصود تھا کہ میرے اس ل کو مستقل دلیل بنا کر خود کو اس کا عادی نہ بنالیں اور یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ جب میں نے ایسا کیا ہے تو ہر شخص جب چاہے ایسا کر سکتا ہے۔

㉟ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُسَيْنٌ مِّنِّيْ وَاَنَا مِنْ حُسَيْنٍ اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَيْنًا حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِّنَ الْاَسْبَاطِ۔ (رواہ الترمذی۔)

"اور حضرت یعلی ابن مرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں اور جس شخص نے حسینؓ سے محبت رکھی، اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت رکھی۔ حسین اسباط میں سے ایک سبط ہے۔" (ترمذی)

تشریح: ایک شارح نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ جس وقت یہ الفاظ ارشاد فرما رہے تھے اس وقت آپ ﷺ نے گویا نور نبوت سے اس المیہ کے پہلے ہی ادراک کر لیا تھا جو تقریباً نصف صدی بعد یزیدیوں کی طرف سے حضرت حسینؓ کی شہادت کی صورت میں پیش آنے والا تھا۔ لہٰذا آپ نے اس ارشاد گرامی میں خاص طور پر صرف حضرت حسینؓ کا ذکر کیا اور واضح کیا کہ میں اور میرا حسینؓ ایک جان دو قالب

ہیں، ہم دونوں کے درمیان ایسا جسمانی و روحانی قرب و اتصال ہے کہ جس طرح مجھ سے محبت رکھنا واجب ہے۔ اسی طرح حسینؓ سے محبت رکھنا واجب ہے اور جس طرح مجھ سے مخالفت و مخاصمت رکھنا اور مجھ سے لڑنا حرام ہے۔ اسی طرح حسینؓ سے مخالفت و مخاصمت رکھنا اور حسینؓ سے لڑنا حرام ہے۔

"اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت رکھی" کیونکہ حسینؓ سے محبت رکھنا رسولؐ سے محبت رکھنا ہے اور رسولﷺ سے محبت رکھنا اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا ہے واضح ہو کہ احب اللہ میں اگرہ کو زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا ترجمہ وہی ہو گا جو اوپر مذکور ہوا اور اگرہ کو پیش کے ساتھ پڑھا جائے تو ترجمہ یہ ہو گا کہ (جس شخص نے حسینؓ سے محبت رکھی) اس سے اللہ تعالیٰ محبت رکھے گا۔

حسینؓ اسباط میں سے ایک سبط ہے" یعنی حسین امیر بیٹا ہے۔ سبط (س کے زیر کے ساتھ) کا ماخذ اصل میں سبط ہے اور سبط اس درخت کو کہتے ہیں جس کی جڑ تو ایک ہو مگر اس کی شاخیں بہت ہوں۔ پس باپ گویا درخت کی مانند ہو اور اولاد اس کی شاخوں کی مانند۔ بعض حضرات نے سبط من الاسباط کے معنی یہ لکھے ہیں کہ: حسین امتوں میں سے ایک اُمت ہے یعنی خیرو بھلائی اور شرف و سعادت کے اعتبار سے ایک پوری اُمت کے برابر ہے ایک شارح لکھتے ہیں سبط کا لفظ ولد کے معنی میں ہے اس صورت مذکورۂ جملہ کا ترجمہ یہ ہو گا کہ: حسین میری اولاد ہے سبط کے ایک معنی قبیلہ کے بھی آتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں ایک آیت ہے وقطعناهم اثنتي عشرة اسباطا (یعنی! اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں یا قبیلوں میں تقسیم کر دیا) اس معنی کی مناسبت سے کہا جاسکتا ہے کہ اس جملہ سے شاید یہ مراد ہو کہ حسین ایک بڑے قبیلہ اور بڑی نسل کے مورث بنیں گے، اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں بہت برکت دے گا اور ان کی اولاد سلسلہ بسلسلہ نہ صرف یہ کہ بہت پھیلے گی بلکہ قائم و باقی رہے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت حسینؓ کی نسل بہت پھیلی، بہت بڑھی، ان کی اولاد میں بے شمار صحیح النسب سادات موجود ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ سبط س کے زیر اور بے کے جزم کے ساتھ) کے معنی ہیں: اولاد (یعنی بیٹے یا بیٹی) کی اولاد۔ اسباط اسی کی جمع ہے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ساری اولاد کو "اسباط" کہا جاتا ہے۔ دراصل یہودیوں کے لئے "اسباط" کا لفظ معنی مستعمل ہوتا ہے جس معنی میں عرب کے لئے قبیلہ کا لفظ۔ اور سبط اس اور بے کے زبر کے ساتھ) کے معنی اس درخت کے ہیں جس کی ڈالیاں اور شاخیں بہت ہوں اور جڑ ایک ہو۔ پس حضرت حسنؓ کو سبط سے تعبیر کرنا اس طرف اشارہ ہے ان کی نسل سے بے شمار لوگ پیدا ہوں گے۔

حسنین کی حضور ﷺ سے مشابہت

(۳۶) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ الْحَسَنُ اَشْبَهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ الصَّدْرِ اِلَى الرَّأْسِ وَالْحُسَيْنُ اَشْبَهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: "حسنؓ تو رسول کریم ﷺ کے سر سے لے کر سینہ تک کے حصہ میں بہت مشابہ ہیں اور حسینؓ نبی کریم ﷺ کے سینہ کے بعد سے جسم کے باقی حصہ (یعنی پنڈلی اور پاؤں وغیرہ) میں بہت مشابہ ہیں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: گویا دونوں شاہزادے مل کر آنحضرت ﷺ کی پوری شبیہ تھے اور آنحضرت ﷺ کا جسم مبارک ان دونوں کے درمیان منقسم تھا......

فاطمہؓ اور حسنینؓ کی فضیلت

(۳۷) وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِاُمِّيْ دَعِيْنِيْ اٰتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُصَلِّيْ مَعَهُ الْمَغْرِبَ وَاَسْاَلُهُ اَنْ يَّسْتَغْفِرَلِيْ وَلَكِ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الْمَغْرِبَ فَصَلّٰى حَتّٰى صَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ انْفَتَلَ

فَتَبِعْتُهُ فَسَمِعَ صَوْتِي فَقَالَ مَنْ هٰذَا حُذَيْفَةُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مَا حَاجَتُكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَلِاُمِّكَ اِنَّ هٰذَا مَلَكٌ لَمْ يَنْزِلِ الْاَرْضَ قَطُّ قَبْلَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ اسْتَاْذَنَ رَبَّهُ اَنْ يُسَلِّمَ عَلَيَّ وَيُبَشِّرَنِي بِاَنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک روز) میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آج مغرب کی نماز جا کر رسول کریم ﷺ کے ساتھ پڑھوں اور پھر آنحضرت ﷺ سے درخواست کروں کہ وہ میرے اور آپ کے لئے بخشش و مغفرت کی دعا فرمائیں چنانچہ (میری والدہ نے مجھے اجازت دے دی اور) میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی آپ ﷺ (مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد) نوافل پڑھتے رہے یہاں تک کہ پھر عشاء کی نماز پڑھی اور جب آپ ﷺ نے میری آواز (یعنی میرے قدموں یا جوتوں کی آواز) سن لی (یا یہ کہ میں نے کسی سے کوئی بات کی جس کی آواز آپ نے بھی سن لی، چنانچہ آپ ﷺ نے پوچھا کون ہے (جو اس وقت اپنے گھر جانے کے بجائے میرے پیچھے پیچھے آرہے ہو) اللہ تمہیں اور تمہاری ماں کو عفو و بخشش سے نوازے، (دیکھو) یہ ایک فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا، اس (فرشتہ) نے اپنے پروردگار سے اس بات کی اجازت لی ہے کہ (زمین پر) آکر مجھ کو سلام کرے اور مجھ کو یہ خوش خبری سنائے کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے اور حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: مجھے اجازت دیجئے شاید حذیفہؓ کا مکان مسجد نبوی سے خاصے فاصلہ پر رہا ہوگا اور ان کی والدہ یا تو خود اپنی تنہائی کی وجہ سے یا حذیفہؓ کے تئیں احتیاط کے پیش نظر ان کو اس وقت اتنی دور جانے سے منع کر رہی ہوں گی۔

"یہاں تک کہ پھر عشاء کی نماز پڑھی" اس سے مغرب و عشاء کے درمیان نوافل میں مشغول رہنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جس کو مشائخ کے ہاں "احیاء مابین العشائین" کہا جاتا ہے۔

"پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا" اس میں اس مقصد کی اہمیت و عظمت کی طرف اشارہ ہے جس کے لئے وہ فرشتہ زمین پر اترا تھا۔

اچھی سواری، اچھا سوار

(۳۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَامِلًا الْحَسَنَ ابْنَ عَلِيٍّ عَلٰى عَاتِقِهِ فَقَالَ رَجُلٌ نِعْمَ الْمَرْكَبُ رَكِبْتَ يَا غُلَامُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنِعْمَ الرَّاكِبُ هُوَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک روز) رسول کریم ﷺ حسن ابن علیؓ کو اپنے کندھے پر بٹھائے ہوئے تھے کہ ایک شخص بولا اے (خوش نصیب) منے! کیسی اچھی سواری پر تم سوار ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا "اور وہ سوار بھی تو کتنا اچھا ہے۔"

(ترمذیؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ سواری تو اچھی ہے ہی لیکن خود سوار بھی بہت اچھا ہے پس ان الفاظ سے حضرت حسنؓ کی کمال توصیف و منقبت اور نہایت فضیلت کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت اسامہؓ کی فضیلت

(۳۹) وَعَنْ عُمَرَؓ اَنَّهُ فَرَضَ لِاُسَامَةَ فِيْ ثَلٰثَةِ اٰلَافٍ وَخَمْسِ مِائَةٍ وَفَرَضَ لِعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ فِيْ ثَلٰثَةِ اٰلَافٍ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لِاَبِيْهِ لِمَا فَضَّلْتَ اُسَامَةَ عَلَيَّ فَوَاللّٰهِ مَا سَبَقَنِيْ اِلٰى مَشْهَدٍ قَالَ لِاَنَّ زَيْدًا كَانَ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَبِيْكَ وَكَانَ اُسَامَةُ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْكَ فَاٰثَرْتُ حُبَّ رَسُوْلِ

اللّٰهِ ﷺ عَلٰی حِبِّیْ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے (اپنے زمانہ خلافت میں) اسامہؓ بن زیدؓ کی سالانہ تنخواہ تین ہزار پانچ سو درہم مقرر کی اور اپنے فرزند عبداللہ کی تین ہزار درہم۔ اس پر عبداللہ نے اپنے باپ سے عرض کیا کہ آپ نے اسامہ کو مجھ پر کیوں ترجیح دی (کہ میری تنخواہ ان سے پانچ سو درہم کم رکھی) حالانکہ بخدا اسامہؓ نے کسی مشہد میں مجھ پر سبقت و بازی حاصل نہیں کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اسامہؓ کا باپ (زیدؓ) رسول کریم ﷺ کو تمہارے باپ (یعنی مجھ سے) زیادہ عزیز و محبوب تھے لہٰذا میں نے رسول کریم ﷺ کے محبوب (اسامہ) کو اپنے محبوب (یعنی تم) پر ترجیح دی۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "مشہد" کے معنی ہیں: حاضر ہونے کی جگہ جہاں کسی اچھے کام یا اچھی بات میں حصہ لیا جائے لیکن یہاں یہ لفظ شہید ہونے کی جگہ یعنی میدان جنگ اور معرکہ جنگ کے معنے میں استعمال ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا شکوہ اس احساس کی بناء پر تھا کہ جب اسامہؓ کی تنخواہ میری تنخواہ سے زیادہ مقرر کی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسامہؓ کو مجھ پر فضیلت و برتری حاصل ہے، حالانکہ علمی، دینی اور خدماتی لحاظ سے اسامہؓ کا مرتبہ میرے مرتبہ سے یقیناً کم ہے، اس پر حضرت عمرؓ نے ان کو سمجھایا کہ اسامہ کی تنخواہ اس لئے زیادہ نہیں ہے کہ وہ باعتبار علم و عمل اور خدمات کے تم سے افضل ہیں بلکہ اس محبت خاص کی رعایت سے ہے جو ان سے رسول کریم ﷺ کو تھی اور کسی کا دوسروں کے مقابلہ پر زیادہ محبوب ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہوتا کہ وہ ان دوسروں سے افضل بھی ہو، رہی یہ بات کہ حضرت اسامہؓ اور ان کے والد حضرت زیدؓ آنحضرت ﷺ کو زیادہ عزیز و محبوب کیوں تھے تو اس کی ایک ظاہری وجہ تو یہی ہے کہ وہ دونوں اس اعتبار سے آنحضرت ﷺ کے اہل بیت میں سے تھے کہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے اور کسی شخص کا آزاد کردہ غلام اس کے افراد خانہ میں شمار ہوتا ہے۔

حضرت زیدؓ کا آنحضرت کو چھوڑ کر اپنے گھر جانے سے انکار

(۴۰) وَعَنْ جَبَلَةَ بْنِ حَارِثَةَؓ قَالَ قَدِمْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ابْعَثْ مَعِيَ اَخِيْ زَيْدًا قَالَ هُوَ ذَا فَاِنِ انْطَلَقَ مَعَكَ لَمْ اَمْنَعْهُ قَالَ زَيْدٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَا اَخْتَارُ عَلَيْكَ اَحَدًا قَالَ فَرَاَيْتُ رَاْيَ اَخِيْ اَفْضَلَ مِنْ رَاْيِیْ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت جبلہ بن حارثہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے بھائی زیدؓ کو میرے ساتھ بھیج دیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ زید موجود ہے (اور اپنی مرضی کا مختار ہے) اگر یہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں اس کو منع نہیں کرتا، زیدؓ نے یہ سن کر) کہا: یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں آپ ﷺ (کی صحبت و خدمت میں رہنے کی سعادت) پر کسی کو بھی ترجیح نہیں دیتا (خواہ وہ بھائی یا والدین ہی کیوں نہ ہوں) جبلہؓ کہتے ہیں کہ میں نے (زیدؓ کا یہ مضبوط فیصلہ سنا تو) مان لیا کہ میرے بھائی کی عقل میری عقل سے بڑھی ہوئی ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "میں اس کو منع نہیں کرتا" یعنی: جب میں اس کو آزاد کر چکا ہوں تو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق اس کو مل گیا ہے اب نہ تو میں اس کو جانے سے روک سکتا ہوں اور نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ چلے جاؤ، وہ جانا چاہے تو چلا جائے اور نہ جانا چاہے تو شوق سے میرے پاس رہے۔

میری عقل سے بڑھی ہوئی ہے جبلہؓ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ پہلے تو میری رائے یہ تھی کہ زید کو میرے اپنے گھر واپس چلنا چاہئے مگر زیدؓ کا فیصلہ سننے کے بعد ان کی رائے کی اصابت اور برتری کا میں قائل ہو گیا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی صحبت و خدمت میں رہنے والا کوئی بھی صاحب ایمان اس دنیاوی و آخروی سعادت و عظمت اور خیر و بھلائی کو چھوڑنے پر آمادہ ہو ہی نہیں سکتا آنحضرت ﷺ کی خدمت

میں حضرت زیدؓ کے بھائی کی آمد اور ان کو اپنے ساتھ وطن لے جانے کی درخواست پیش کرنے کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت زید غلام نہیں رہ گئے تھے بلکہ آنحضرت ﷺ ان کو خلعت آزادی سے سرفراز فرما چکے تھے اور وہ اپنی مرضی کے پوری طرح مختار تھے، لیکن ظاہر ہے کہ خدمت بابرکت اور صحبت پر سعادت کی لذت ان کو کہاں جانے دیتی تھی۔

حضرت زید بن حارثہؓ کے بارے میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے وہ یمن کے باشندہ تھے بچپن میں جب کہ ان کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ کچھ قریش مکہ ان کو پکڑ کر لائے تھے اور بطور غلام بازار میں فروخت کر ڈالا تھا، حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لئے ان کو خرید لیا تھا۔ جب حضرت خدیجہؓ آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں تو انہوں نے زید کو بطور ہدیہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ اور اپنی آزاد کردہ لونڈی ام ایمن سے ان کا نکاح کر دیا، ام ایمن کے بطن سے حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے، بعد ازاں آنحضرت ﷺ نے زیدؓ کا دوسرا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش سے کیا جن کو کچھ دنوں بعد حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی بعض حضرات کے قول کے مطابق بیس سال چھوٹے تھے۔ بدر اور دوسرے غزووں میں شریک ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں ان کا بھائی چارہ حضرت جعفرؓ بن ابی طالبؓ کے ساتھ قائم کیا تھا۔ غزوۂ موتہ ۸ھ میں بعمر ۵۵ سال شہید ہوئے۔

اسامہؓ کے تئیں شفقت و محبت کا اظہار

(۴۱) وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍؓ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَبَطْتُ وَهَبَطَ النَّاسُ الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ اُصْمِتَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ يَدَيْهِ عَلَيَّ وَيَرْفَعُهُمَا فَاَعْرِفُ اَنَّهٗ يَدْعُوْلِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت اسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ ان دنوں جب کہ رسول کریم ﷺ (مرض وفات میں) بہت زیادہ کمزور اور نحیف ہو چکے تھے، میں اور دوسرے لوگ مدینہ میں اترے، میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ پر خاموشی طاری تھی (یعنی شدت مرض وضعف کے سبب طاقت گویائی بھی باقی نہیں رہ گئی تھی) چنانچہ (مجھ کو دیکھ کر) آپ ﷺ زبان سے کچھ نہیں بولے تاہم رسول کریم ﷺ نے یہ ضرور کیا کہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر مجھ پر رکھتے اور پھر اٹھاتے (نور ولایت اور ظہور فراست کے سبب) میں سمجھ گیا کہ آنحضرت ﷺ میرے حق میں دعا فرما رہے ہیں، اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حضرت اسامہؓ کی ماتحتی میں مہاجرین و انصار کا ایک لشکر تیار کیا تھا جو محاذ جنگ کو روانہ ہونے کے لئے مدینہ سے باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے لیکن آنحضرت ﷺ کی مرض وفات کی خبر سن کر یہ لشکر مدینہ میں واپس آ گیا تھا، اسی موقعہ کا ذکر حضرت اسامہؓ نے کیا ہے۔

مدینہ میں آنے کو حضرت اسامہؓ نے جو "ہبوط" سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی "اوپر سے نیچے اترنے" کے ہیں، تو وہ اس مناسبت سے ہے کہ لشکر نے جس جگہ پڑاؤ ڈال رکھا تھا وہ نواح مدینہ کے بالائی حصہ میں واقع تھی جس کو جوف کہا جاتا تھا جیسا کہ میدان عرفات مکہ کے بالائی نواح میں واقع ہے اہل عرب کا یہ اسلوب ہے کہ وہ ایسے مواقع پر گفتگو و کلام میں بلندی و نشیب کی لفظی رعایت رکھتے، چنانچہ اگر ان کو یہ کہنا ہو کہ "ہم عرفات گئے" (تو یوں کہیں گے هبطنا الى مكة یعنی ہم مکہ سے عرفات کو چڑھے اسی طرح مدینہ سے جوف کو جانا "صعود" (چڑھنے) سے تعبیر کیا جاتا تھا اور جوف سے مدینہ میں آنے کو "ہبوط" سے تعبیر کرتے تھے اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد حرام کے اندر سے باب السلام کی طرف جاتا ہے جو عرفات کی سمت میں ہے تو یوں کہتا ہے۔ صعدنا الى باب السلام۔

ملا علی قاریؒ نے هبطتُ هبط النَّاس المدينة کا ترجمہ یہ بیان کیا ہے کہ میں اپنے مکان سے (جو نواح شہر کے بالائی حصہ میں تھا)

مدینہ میں اترا اور دوسرے لوگ بھی اپنے مکانوں سے مدینہ میں اترے۔

"میرے حق میں دعا فرمار ہے ہیں" یعنی آنحضرت ﷺ کے دل میں اسامہؓ کی جو محبت اور ان کی خدمت اطاعت کی جو قدر تھی اس کی بناء پر آپ ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔ اس سے حضرت اسامہؓ کے تئیں آنحضرت ﷺ کے کمال کرم وعنایت اور شفقت و مہربانی کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایسے سخت ونازک وقت میں بھی ان کو اپنی دعاؤں سے نوازا۔

(۴۲) وَعَنْ عَآئِشَةَؓ قَالَتْ اَرَادَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّنَحِّیَ مُخَاطَ اُسَامَةَ قَالَتْ عَآئِشَةُ دَعْنِیْ حَتّٰی اَنَا الَّذِیْ اَفْعَلُ قَالَ یَا عَائِشَةُ اَحِبِّیْهِ فَاِنِّیْ اُحِبُّهٗ۔ (رواہ الترمذی)

"اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے اسامہؓ (کے بچپن میں ان) کی رینٹ کو صاف کرنا چاہا (جیسا کہ بچوں کی ناک صاف کر دیا کرتے ہیں) تو میں نے (اس بات کو خلاف ادب جان کر کہ میری موجودگی میں اسامہ کی رینٹ کو آنحضرت ﷺ صاف کریں) عرض کیا کہ آپ رہنے دیجئے یہ کام میں کردوں گی آپ ﷺ نے فرمایا "عائشہؓ! تم اسامہؓ سے محبت رکھو کیونکہ میں اس کو عزیز و محبوب رکھتا ہوں۔" (ترمذی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو گویا اس طرف متوجہ فرمایا کہ اگر اسامہؓ سے تم کو طبعًا محبت و انسیت نہ بھی ہو تو بھی اس بناء پر کہ محبوب بھی محبوب ہوتا ہے اسامہ کو عزیز و محبوب رکھو کیونکہ میں اس کو عزیز و محبوب رکھتا ہوں حقیقت میں کمال محبت یہی ہے کہ محبوب سے گزر کر اس کے متعلقین اور اس سے وابستہ چیزوں تک سرایت کر جائے خواہ وہ آدمی ہوں یا دیار وطن وغیرہ۔

(۴۳) وَعَنْ اُسَامَةَؓ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا اِذْ جَآءَ عَلِیٌّ وَالْعَبَّاسُ یَسْتَاْذِنَانِ فَقَالَا لِاُسَامَةَ اسْتَاْذِنْ لَنَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَالْعَبَّاسُ یَسْتَاْذِنَانِ فَقَالَ اَتَدْرِیْ مَا جَآءَ بِهِمَا قُلْتُ لَا قَالَ لٰكِنِّیْ اَدْرِیْ اِئْذَنْ لَهُمَا فَدَخَلَا فَقَالَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ جِئْنَاكَ نَسْاَلُكَ اَیُّ اَهْلِكَ اَحَبُّ اِلَیْكَ قَالَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) قَالَا مَا جِئْنٰكَ نَسْاَلُكَ عَنْ اَهْلِكَ قَالَ اَحَبُّ اَهْلِیْ اِلَیَّ مَنْ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتُ عَلَیْهِ اُسَامَةُ بْنُ زَیْدٍ قَالَا ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالَ الْعَبَّاسُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ جَعَلْتَ عَمَّكَ اٰخِرَهُمْ قَالَ اِنَّ عَلِیًّا سَبَقَكَ بِالْهِجْرَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَذُكِرَ اَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْهِ فِیْ كِتَابِ الزَّكٰوةِ۔

"اور حضرت اسامہؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) میں (آنحضرت ﷺ کے دروازہ پر) بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ آئے جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری کی اجازت کے طلب گار تھے چنانچہ ان دونوں نے اسامہؓ سے (جو ان دنوں چھوٹی عمر کے تھے) کہا کہ تم رسول کریم ﷺ سے ہمارے لئے حاضری کی اجازت طلب کرو میں نے (گھر کے اندر جا کر) عرض کیا کہ یارسول اللہ! حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ حاضری کی اجازت کے طلب گار ہیں آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) مجھ سے پوچھا کہ تم جانتے ہو یہ دونوں کس مقصد سے آئے ہیں؟ میں نے عرض کیا: مجھ کو معلوم نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن میں جانتا ہوں، جاؤ ان دونوں کو اندر بلا لاؤ چنانچہ دونوں حضرات اندر آئے اور بولے کہ یارسول اللہ! ہم آپ کی خدمت میں یہ سوال لے کر آئے ہیں کہ آپ (ﷺ) کے اہل بیت میں سے کون شخص آپ (ﷺ) کے نزدیک زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میری بیٹی فاطمہ بنت محمد (ﷺ) مجھ کو زیادہ محبوب ہے ان دونوں حضرات نے عرض کیا کہ ہمارے سوال کا تعلق آپ کے گھر والوں یعنی آپ کی اولاد و ازواج سے نہیں ہے (بلکہ آپ کے دوسرے اقارب و متعلقین سے ہے) آپ نے فرمایا: میرے گھر والوں میں سے وہ شخص میرے نزدیک زیادہ عزیز و محبوب ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام و فضل کیا اور میں نے بھی اس کو انعام و احسان سے نوازا اور وہ اسامہ بن زید ہے حضرت علی اور حضرت عباس نے پوچھا: پھر اسامہ کے بعد کون شخص (آپ ﷺ کو زیادہ محبوب و عزیز ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: پھر علی بن ابی طالب (یہ سنکر) حضرت عباسؓ بولے یارسول اللہ! آپ نے اپنے چچا (یعنی مجھ کو) اپنے گھر والوں میں آخر میں رکھا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا علیؓ نے ہجرت میں تم پر سبقت کی ہے (ترمذی)

اور روایت ان عم الرجل صنو ابیه (جو حضرت عباسؓ کی منقبت میں ہے) پیچھے کتاب الزکوٰۃ میں نقل کی جا چکی ہے۔"

تشریح: "اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام وفضل کیا ہے اور میں نے بھی" اللہ تعالیٰ کے انعام وفضل سے تو مراد قبول اسلام کی توفیق ملنا ہدایت و راستی کی دولت سے سرفراز ہونا اور عزت و اکرام کا ملنا ہے۔" آنحضرت کے انعام و احسان ہیں" سے مراد خلعت آزادی سے سرفراز ہونا، متبنی رسول کا شرف حاصل ہونا، اور پروردہ تربیت یافتہ رسول کا اعزاز ملنا ہے جاننا چاہئے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے یہ وہ انعام و احسان ہیں جو اصل میں تو حضرت اسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ کی نسبت ہے قرآن کریم میں مذکور ہیں لیکن باپ کو حاصل ہونے والے انعامات چونکہ اس کے بیٹے تک بھی بہرصورت پہنچتے ہیں اس اعتبار سے آنحضرت ﷺ نے اس آیت کریمہ اگرچہ زیدؓ کے حق میں نازل ہوئی ہے مگر اس میں جن انعامات کا ذکر ہے وہ زیدؓ کو تو حاصل تھے ہی لیکن زیدؓ کا بیٹا اور اس کا تابع ہونے کی حیثیت سے وہ انعامات اسامہؓ کو بھی حاصل ہیں اور اسی لئے دونوں ہی باپ بیٹا مجھ کو زیادہ عزیز و محبوب ہیں۔

"پھر علی بن ابی طالب" یعنی آپ ﷺ نے اپنے نزدیک عزیز و محبوب ہونے میں حضرت علیؓ کو حضرت اسامہؓ کے بعد کا درجہ دیا اور یہ اہل سنت و جماعت کے اس مسلک کی واضح دلیل (نص جلی) ہے کہ زیادہ عزیز و محبوب ہونا افضلیت کے مترادف نہیں ہے، یعنی جو شخص سب سے زیادہ محبوب مانا جائے یہ ضروری نہیں کہ وہ سب سے افضل بھی ہو چنانچہ یہ بات بالاجماع مسلم ہے کہ حضرت علیؓ حضرت اسامہؓ سے افضل ہیں، علاوہ ازیں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت اسامہؓ کے زیادہ عزیز اور محبوب ہونے کی جو وجہ بیان فرمائی اس کی بنا پر یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ محبت و تعلق میں آنحضرت ﷺ کے نزدیک حضرت اسامہؓ کو حضرت علیؓ پر علی الاطلاق فوقیت و ترجیح حاصل تھی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں تعدد وجوہ و حیثیات کا اعتبار مد نظر رکھنا ضروری ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت اسامہؓ تو بسبب خدمت گزاری وغیرہ کے زیادہ محبوب تھے اور حضرت علیؓ قرابت اور علم و فضل کے اعتبار سے زیادہ محبوب تھے، پس آنحضرت ﷺ بعض جہات سے حضرت اسامہؓ کو زیادہ محبوب رکھتے تھے اور بعض جہات سے حضرت علیؓ کو آپ ﷺ نے اپنے چچا کو۔ حضرت عباسؓ کا مطلب یہ تھا کہ اب اگر میں آپ سے یہ سوال کروں کہ پھر علیؓ کے بعد اہل بیت میں سے کون شخص آپ کو زیادہ عزیز و محبوب ہے تو یقیناً آپ کا جواب میرے بارہ میں ہوگا جس کے معنی یہ ہیں کہ میرا درجہ علیؓ کے بھی بعد کا ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے واضح کیا کہ تم سے پہلے علیؓ کا میرے نزدیک زیادہ عزیز و محبوب ہونا قرابت و رشتہ داری کے کسی طبعی تقاضہ کی بناء پر نہیں بلکہ ان کی اس فضیلت کی بناء پر ہے کہ انہوں نے جس طرح قبول اسلام میں تم پر سبقت حاصل کی تھی اسی طرح ہجرت میں بھی ان کو تم پر سبقت حاصل ہے۔ اس کی نظیر وہ روایت ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز حضرت عباسؓ، حضرت ابوسفیانؓ، حضرت بلال حبشیؓ، اور حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت عمر فاروقؓ، کے ہاں آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت چاہی، خادم نے اندر جا کر حضرت عمر فاروقؓ، کو ان حضرات کی آمد کی اطلاع دی اور پھر باہر آکر بولا کہ (پہلے) بلالؓ کو اندر جانے کی اجازت ہے۔ حضرت ابوسفیان (کو یہ بات قدرے ناگوار ہوئی کہ میری اور عباسؓ کی موجودگی میں پہلے بلالؓ کو اندر جانے کی اجازت کیسے مل گئی چنانچہ وہ) حضرت عباسؓ سے بولے کہ تم نے دیکھا، عمرؓ آزاد کردہ غلاموں کو ہم پر فوقیت دیتے ہیں، حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ ہم (قبول اسلام اور ہجرت میں) جو پیچھے رہ گئے تھے یہ اسی کا نتیجہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حسنؓ آنحضرت ﷺ سے بہت مشابہ تھے

(۴۴) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِؓ قَالَ صَلَّى اَبُوْبَكْرِ الْعَصْرَ ثُمَّ خَرَجَ يَمْشِيْ وَمَعَهٗ عَلِيٌّ فَرَاَى الْحَسَنَ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ فَحَمَلَهٗ عَلٰى عَاتِقِهٖ وَقَالَ بِاَبِيْ شَبِيْهٌ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ شَبِيْهًا بِعَلِيٍّ وَّعَلِيٌّ يَضْحَكُ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت عقبہ بن حارثؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ (اپنے زمانہ خلافت میں یا اس سے پہلے ایک دن) عصر کی نماز پڑھ کر باہر نکلے اور (کہیں جانے کے لئے) چلنے لگے، اس وقت ان کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے (راستہ میں) حضرت ابوبکرؓ نے جب حسنؓ کو دیکھا جو بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو ان کو اٹھا کر اپنے کندھے پر بٹھالیا (از راہ خوش طبعی) بولے: میرا باپ قربان ہو، یہ (حسنؓ) نبی کریم ﷺ سے بہت مشابہ ہیں، علی کے مشابہ نہیں ہے (یہ سن کر) حضرت علیؓ (اظہار خوشی کے طور پر) ہنسنے لگے۔" (بخاریؒ)

شہید اعظمؓ کے سر مبارک کے ساتھ ابن زیاد کا تمسخر و استہزاء

(۲۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اُتِیَ عُبَیْدُاللّٰہِ بْنُ زِیَادٍ بِرَاْسِ الْحُسَیْنِ فَجُعِلَ فِیْ طَسْتٍ فَجَعَلَ یَنْکُتُ وَقَالَ فِیْ حُسْنِہٖ شَیْئًا قَالَ اَنَسٌ فَقُلْتُ وَاللّٰہِ اِنَّہٗ کَانَ اَشْبَھَھُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَانَ مَخْضُوْبًا بِالْوَسْمَۃِ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَفِیْ رِوَایَۃِ التِّرْمِذِیِّ قَالَ کُنْتُ عِنْدَ ابْنِ زِیَادٍ فَجِیْءَ بِرَاْسِ الْحُسَیْنِ فَجَعَلَ یَضْرِبُ بِقَضِیْبٍ فِیْ اَنْفِہٖ وَیَقُوْلُ مَارَاَیْتُ مِثْلَ ھٰذَا حُسْنًا فَقُلْتُ اَمَا اِنَّہٗ کَانَ مِنْ اَشْبَھِھِمْ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حسینؓ کا سر مبارک (تن پاک سے جدا کر کے) عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لا کر ایک طشت میں رکھا گیا تو وہ بدبخت اپنی چھڑی سے اس سر مبارک کو چھیڑنے لگا (یعنی حضرت حسینؓ کے تئیں اپنی نفرت و حقارت ظاہر کرنے کے لئے چھڑی کا سرا بار بار ناک وغیرہ پر مارتا رہا) پھر اس نے ان کے حسن کے بارے میں کچھ کہا حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے (اس شقی کی یہ حرکت دیکھ کر اور اس کے الفاظ کو سن کر) کہا، خدا کی قسم یہ وہ مقدس انسان ہے جو اہل بیت میں سب سے زیادہ رسول کریم ﷺ سے مشابہ تھا اس وقت حضرت حسینؓ کا سر مبارک وسمہ سے رنگا ہوا تھا (بخاری) اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت انسؓ نے بیان کیا اس وقت میں ابن زیاد کے پاس موجود تھا جب حضرت حسینؓ کا سر مبارک اس کے سامنے لایا گیا، ابن زیاد ان کی ناک پر چھڑی مارتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا ایسا حسن میں نے کبھی نہیں دیکھا میں نے کہا تجھے معلوم بھی ہے، یہ وہ شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ تھا۔ ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح حسن غریب ہے۔"

تشریح: اور طبرانیؒ نے حضرت انسؓ کے الفاظ یوں نقل کئے ہیں کہ جب عبید اللہ ابن زیاد اپنی اس چھڑی سے جو اس کے ہاتھ میں تھی حضرت حسینؓ کی آنکھ اور ناک کو کوچنے لگا تو میں نے کہا (ارے بدبخت) اپنی چھڑی ہٹالے، جن جگہوں کو تو اپنی چھڑی سے کوچ رہا ہے، وہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کا منہ رکھا ہوا دیکھا ہے اور بزارؒ کی روایت میں حضرت انس کے الفاظ یوں ہیں کہ میں نے عبید اللہ ابن زیاد کو مخاطب کر کے کہا، جہاں تو اپنی چھڑی سے کوچ رہا ہے وہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو چومتے دیکھا ہے، میرے یہ کہنے پر ابن زیاد نے اپنی چھڑی ہٹالی۔

بہر حال عبید اللہ ابن زیاد وہ شخص ہے جو کوفہ میں یزید ابن معاویہ کا گورنر تھا اور یزید نے اسی کو اس لشکر کا کمانڈر بنایا تھا جو حضرت حسینؓ کو شہید کرنے کے لئے متعین ہوا تھا، اس شخص نے جس بے دردی سے حضرت حسینؓ اور ان کے رفقاء و اعزاء کو قتل کرایا اور پھر بعد میں حضرت حسینؓ کے سر مبارک کے ساتھ جس تمسخر و استہزا بلکہ حقارت و تنفر کا سلوک کیا وہ اس کی شقاوت قلبی کا ثبوت ہے چنانچہ خود اس کو قدرت کے انتقام کا اس طرح شکار ہونا پڑا کہ ۶۶ھ میں مختار ابن ابی عبید کے زمانہ میں بمقام موصل ابراہیم ابن مالک ابن الاشتر النخعی کے ہاتھوں اپنے بہت سارے لوگوں کے ساتھ موت کے گھاٹ اترا، اور ذخائر میں عمارۃ بن عمیر کی روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا جب میدان جنگ سے ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر تن سے جدا کر کے شہر کی جامع مسجد میں لائے گئے تو اس وقت مسجد کے چبوترہ پر میں بھی موجود تھا، ابن زیاد کا کٹا ہوا سر وہاں رکھا تھا، اچانک لوگوں نے ایک طرف کو دیکھ کر چلانا شروع کیا وہ آیا وہ آیا، میں نے

جو دیکھا تو ایک سانپ تیزی سے ابن زیاد کے سر کی طرف چلا آرہا تھا اور آنا فانا اس کے نتھنے میں گھس گیا، کچھ دیر وہ اندر رہا پھر باہر نکل کر چلا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ آیا وہ آیا کا شور پھر بلند ہوا اور وہ سانپ تیزی سے آکر ابن زیاد کے نتھنے میں گھس گیا اور کچھ دیر رہ کر پھر نکلا اور چلا گیا، یہ عجیب و غریب ماجرا دو یا تین بار پیش آیا۔

"پھر اس نے اس کے حسن کے بارہ میں کچھ کہا" اس جملہ کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کا سر مبارک دیکھ کر ان کے حسن اور ان کی خوبصورتی کے بارہ میں کوئی عیب جویانہ بات کہی، لیکن ایک مطلب جو ترمذیؒ کی روایت سے ظاہر بھی ہوتا ہے یہ ہو سکتا ہے کہ ابن زیاد نے اس وقت حضرت حسینؓ کے حسن و جمال کے بارہ میں تعریف و تحسین کے اس طرح مبالغہ آمیز الفاظ استعمال کئے جیسے کوئی مذاق اڑانے والا کیا کرتا ہے وہ الفاظ ظاہر تو تعریف کے تھے مگر حقیقت میں اس خوشی کے اظہار کے لئے جو اس بد بخت کو حضرت حسینؓ کے قتل سے حاصل ہوئی تھی تمسخر و استہزاء کے طور پر تھے۔

ایک خواب جس میں ولادت حسینؓ کا مژدہ تھا ایک پیشین گوئی جس میں قتل حسینؓ کی پیش خبری تھی

(۴۶) وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ اَنَّهَا دَخَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ رَاَيْتُ حُلْمًا مُنْكَرًا اللَّيْلَةَ قَالَ وَمَا هُوَ قَالَتْ اِنَّهٗ شَدِيْدٌ قَالَ وَمَا هُوَ قَالَتْ رَاَيْتُ كَاَنَّ قِطْعَةً مِنْ جَسَدِكَ قُطِعَتْ وَوُضِعَتْ فِيْ حِجْرِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتِ خَيْرًا تَلِدُ فَاطِمَةُ اِنْشَآءَ اللّٰهُ غُلَامًا يَكُوْنُ فِيْ حِجْرِكِ فَوَلَدَتْ فَاطِمَةُ الْحُسَيْنَ وَكَانَ فِيْ حِجْرِيْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلْتُ يَوْمًا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهٗ فِيْ حِجْرِهٖ ثُمَّ كَانَتْ مِنِّيْ اِلْتِفَاتَةٌ فَاِذَا عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُهْرِيْقَانِ الدُّمُوْعَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ مَالَكَ قَالَ اَتَانِيْ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ اُمَّتِيْ سَتَقْتُلُ ابْنِيْ هٰذَا فَقُلْتُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ وَاَتَانِيْ بِتُرْبَةٍ مِنْ تُرْبَتِهٖ حَمْرَآءَ۔

"اور حضرت ام فضل بنت حارثؓ سے جو حضرت عباس کی زوجہ اور آنحضرت ﷺ کی چچی ہیں روایت ہے کہ وہ (ایک روز) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولیں کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! آج کی رات میں نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا ہے آنحضرت نے پوچھا وہ کیا ہے؟ ام فضل نے عرض کیا، سخت ڈراؤنا ہے (نہ تو میں اس کو بیان کرنا پسند کرتی ہوں اور نہ آپ اس کو سن کر پسند کریں گے) آنحضرت نے فرمایا (مجھ کو سناؤ تو سہی آخر وہ کیا ہے، ام فضل نے کہا میں نے دیکھا کہ گویا آپ کے جسم مبارک سے ایک ٹکڑا کاٹا گیا ہے اور میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ (یہ سن کر) رسول کریم ﷺ نے فرمایا، تم نے تو بہت اچھا اور مبارک خواب دیکھا ہے (اس کی تعبیر یہ ہے) کہ انشاء اللہ فاطمہؓ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا اور اس لڑکے کو تمہاری گود میں دیا جائے گا (کیونکہ خاندان کی عورتوں میں تمہارا ہی رشتہ بڑا ہے اور تم اس لڑکے کی زیادہ بہتر طور پر تربیت کر سکو گی) چنانچہ فاطمہؓ کے ہاں لڑکا (حسینؓ) پیدا ہوا اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اس لڑکے کو میری گود میں دیا گیا۔ پھر ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی اور حسینؓ کو آپ کی گود میں دے کر ذرا دوسری طرف متوجہ ہو گئی اور پھر (مڑ کر میں نے جو آپ کی طرف نظر اٹھائی) تو کیا دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، ام فضل کہتی ہیں میں نے (گھبرا کر) پوچھا: اے اللہ کے نبی، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، آپ ﷺ کو کیا ہوا (جو رو رہے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: (ابھی) میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے مجھے بتایا کہ میری اُمت (یعنی مسلمانوں ہی میں سے بعض لوگوں کی جماعت) میرے اس بیٹے کو (نہایت ظالمانہ طریقے سے) عنقریب قتل کر دے گی، میں نے (بڑی حیرت کے ساتھ) پوچھا: کیا اس بیٹے کو؟ آپ نے فرمایا، ہاں (اسی بیٹے کو) بلکہ جبرئیل تو میرے پاس اس خاک زمین سے کچھ مٹی بھی لے کر آئے تھے (جہاں میرے اس جگر پارے کا خون بہایا جائے گا) اور وہ مٹی سرخ تھی۔"

تشریح: ایک روایت ذخائر میں سلمیٰؓ سے منقول ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک روز میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں میں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ میں نے (خواب میں) رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کے سر اقدس اور ریش مبارک پر خاک اور دھول جمی ہوئی تھی جب میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ اس حالت میں کیوں ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا میں ابھی قتل گاہ حسینؓ سے ہو کر آرہا ہوں اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے نیز بغوی نے بھی یہ روایت حسان میں نقل کی ہے۔

شہادت حسینؓ اور ابن عباسؓ کا خواب

(۴۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّهٗ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرَى النَّائِمُ ذَاتَ يَوْمٍ بِنِصْفِ النَّهَارِ اَشْعَثَ اَغْبَرَ بِيَدِهٖ قَارُوْرَةٌ فِيْهَا دَمٌ فَقُلْتُ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ مَا هٰذَا قَالَ هٰذَا دَمُ الْحُسَيْنِ وَاَصْحَابِهٖ لَمْ اَزَلْ اَلْتَقِطُهٗ مُنْذُ الْيَوْمِ فَاُحْصِيَ ذٰلِكَ الْوَقْتُ فَاُجِدُ قُتِلَ ذٰلِكَ الْوَقْتَ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَآئِلِ النُّبُوَّةِ وَاَحْمَدُ الْاٰخِرَ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا۔ ایک دن دوپہر میں میں نے نبی کریم ﷺ کو اس طرح دیکھا جیسے کوئی سونے والا کسی کو دیکھتا ہے (یعنی خواب میں دیکھا) کہ آپ ﷺ کے بال بکھرے ہوئے اور گرد آلودہ ہیں اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک بوتل ہے جو خون سے بھری ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان یہ کیا ہے (یعنی کیا حادثہ پیش آیا ہے کہ آپ نہایت پریشان حال اور گرد آلود ہیں اور ایک خون بھری بوتل ہے) آپ نے فرمایا: یہ حسینؓ اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے جس کو میں آج قتل گاہ حسین میں صبح سے اب تک اس بوتل میں اکٹھا کرتا رہا ہوں، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (اس خواب کے بعد میری آنکھ کھل گئی) اور پھر میں نے اس وقت کو یاد رکھا (جس وقت یہ خواب دیکھا تھا) چنانچہ (جب قتل حسینؓ کی خبر آئی) تو میں نے پایا کہ شہادت حسینؓ کا المیہ اسی دن اور اسی وقت پیش آیا تھا) جب میں نے مذکورہ خواب دیکھا تھا) ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور اس دوسری روایت کو احمدؒ نے بھی نقل کیا ہے۔"

اہل بیت کو عزیز و محبوب رکھو

(۴۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ مِّنْ نِعْمَةٍ وَاَحِبُّوْنِيْ لِحُبِّ اللّٰهِ وَاَحِبُّوْا اَهْلَ بَيْتِيْ لِحُبِّيْ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم اللہ سے محبت رکھو کیونکہ وہی تمہیں اپنی نعمتوں سے رزق پہنچاتا ہے اور تمہاری پرورش کرتا ہے اور اس بناء پر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو مجھ سے محبت رکھو اور میرے اہل بیت کو میری محبت کی وجہ سے عزیز و محبوب رکھو۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "اپنی نعمتوں سے رزق پہنچاتا ہے" یعنی تمہیں ایسی طرح طرح کی نعمتوں سے نوازتا ہے جن سے تمہاری پرورش بھی ہوتی ہے اور تمہیں نوع بنوع لذتیں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمتوں کے دروازے نہ کھولے اور اپنے خزانۂ قدرت سے تمہارا رزق نہ دیتا رہے تو نہ تم زندہ رہ سکتے ہو اور نہ کھانے پینے کی کوئی لذت حاصل کر سکتے ہو، تم جو کچھ کھاتے پیتے ہو وہ سب اسی کی طرف سے تمہیں پہنچتا ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ہے **فمابکم من نعمۃفمن اللہ** حاصل یہ کہ اگر تم اللہ سے محبت صرف اس بناء پر رکھ سکتے ہو کہ وہ تمہارا پالن ہار ہے اور تمہیں نعمتیں پہنچاتا ہے تو اس کو ضرور دوست رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ سبحانہ عاشقین محبین کے نزدیک محبوب لذاتہ وصفاتہ ہے، اس سے ہر حالت میں محبت رکھنی چاہئے خواہ وہ نعمتیں عطا کرے یا نہ کرے پس یہ حدیث معنوی اسلوب و انداز کے اعتبار

سے ایسی ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد فلیعبدوا رب ھٰذا البیت۔
"اور اس بناء پر کہ تم اللہ سے محبت رکھتے ہو" یعنی جب وہ سبب ثابت و ظاہر ہو گیا جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا لازمی ہو جاتا ہے اور اسی سبب سے تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو پھر مجھ سے بھی محبت رکھو کیونکہ محبوب کا محبوب اپنا محبوب ہوتا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے اپنی شرح میں لحب اللّٰہ کے تحت یوں لکھا ہے کہ تم مجھ سے اس بناء پر محبت رکھو کہ تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، یا یہ کہ تم مجھ سے اس بناء پر محبت رکھو کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت رکھتا ہے۔

"میرے اہل بیت کو میری محبت کی وجہ سے" اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ چونکہ میں اپنے اہل بیت کو عزیز و محبوب رکھتا ہوں لہٰذا تم بھی میرے اہل بیت کو عزیز و محبوب رکھو، اور دوسرا مطلب یہ کہ چونکہ تم مجھ کو عزیز و محبوب رکھتے ہو لہٰذا میرے اہل بیت کو بھی عزیز و محبوب رکھو۔

اہل بیت اور کشتی نوح میں مماثلت

(۴۹) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ قَالَ وَهُوَ اٰخِذٌ بِبَابِ الْكَعْبَةِ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا اِنَّ مَثَلَ اَهْلِ بَيْتِیْ فِيْكُمْ مَثَلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) انہوں نے کعبہ کے دروازہ کو پکڑ کر یوں بیان کیا، میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "یاد رکھو، تمہارے حق میں میرے اہل بیت کی وہی اہمیت ہے جو نوح کی کشتی میں سوار ہو گیا اس نے نجات پالی اور جو شخص اس کشتی میں سوار ہونے سے رہ گیا وہ ہلاک ہوا۔" (احمدؒ)

تشریح: مطلب یہ کہ جس طرح طوفان نوح کے وقت وہی شخص زندہ سلامت بچا اور اس دنیا میں باقی رہا جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہو گیا تھا اور جو شخص کشتی میں سوار نہیں ہوا وہ ہلاک ہونے سے بچ نہیں سکا، طوفان کی بلاخیز موجوں نے اس کا نام و نشان تک مٹا کر رکھ دیا ٹھیک اسی طرح اُمت محمدیہ کے حق میں اہل بیت محمد ﷺ ایک ایسی پناہ گاہ ہیں کہ جو شخص ان کے دامان عاطفت سے وابستہ ہو گیا، جس نے ان کے اکرام و احترام اور ان کی محبت و متابعت کو لازم پکڑ لیا اس نے دارین میں نجات پالی، اور جو شخص ان کے دامن محبت و متابعت سے وابستہ نہیں ہو سکا وہ دونوں جہان میں ہلاک ہونے سے بچ نہیں سکتا خواہ وہ کتنا ہی مال لٹا دے، کیسی ہی عزت و جاہ کا سہارہ لے لے، کتنی بڑی طاقت سے اپنے آپ کو وابستہ کر لے پس آنحضرت ﷺ نے گویا دنیا اور دنیا کی چیزوں یعنی یہاں کی فریب کاریوں، کفر و شرک کی گمراہوں، بدعات و جہالت کے اندھیروں اور فاسد و بیہودہ خواہشات و آرزوؤں کو ایسے گہرے اور بپھرے ہوئے سمندر سے مشابہت دی جس کی سطح پر تہ در تہ موجوں کی بلاخیزی ہو اس کے اوپر فضا میں گھنے اور کالے بادلوں کا جماؤ ہو، چاروں طرف تاریکی ہو اور سمندر نے ساری آبادیوں اور زمینوں کو گھیر رکھا ہو۔ اور پھر آپ ﷺ نے آگاہ کیا کہ اس سمندر کی بلاخیزی اور ہلاکت آمیزی سے وہی شخص زندہ سلامت بچ سکتا ہے، نجات پا سکتا ہے جو میرے اہل بیت کی محبت کی کشتی میں سوار ہو جائے، اس معنوی سیاق میں دیکھا جائے تو اس حدیث کہ جس میں فرمایا گیا ہے اصحابی مثل النجوم من اقتدی بشیء منه اهتدی (او کما قال) اور اس ارشاد گرامی کہ: میرے اہل بیت نوح کی کشتی کی مانند ہیں" کے درمیان گہرا اور لطیف ربط خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے اور اسی ربط کو سامنے رکھ کر امام فخرالدین رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بڑی پیاری بات لکھی ہے کہ "ہم اہل سنت و جماعت الحمد للہ اہل بیت کی محبت کی کشتی میں سوار ہوئے اور راہ ہدایت کے ستاروں یعنی اصحاب محمد ﷺ کے ذریعہ راہ یاب ہوئے چنانچہ ہم قیامت کی ہولناکیوں، تاریکیوں اور دوزخ کی ہلاکت خیزیوں سے نجات کی، اور درجات نجات اور وہاں کی ابدی نعمتوں تک پہنچنے کا راستہ پانے کی امید رکھتے ہیں" اس سے یہ

نتیجہ نکلتا ہے کہ جو شخص اس کشتی میں سرے سے سوار ہی نہیں ہوا جیسے خوارج تو وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ اول دہلہ ہی میں ہلاک ہو گیا، اور جو شخص اس کشتی میں سوار تو ہوا لیکن ہدایت کے ستاروں کے ذریعہ راستہ پانے سے محروم رہا جیسے روافض تو وہ گمراہی اور تاریکیوں میں اس طرح پھنس کر رہ گیا کہ اس کا زندہ سلامت بچ نکلنا ناممکن ہے۔

بَابُ مَنَاقِبِ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُنَّ

نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مناقب کا بیان

نبی کریم ﷺ نے پہلا نکاح مکہ میں حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے کیا، اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۴۰ سال کی تھی حضرت خدیجہ نے ہجرت سے تین سال قبل وفات پائی، اور ان کے بعد مکہ ہی میں آپ ﷺ نے ایک پچاس سالہ خاتون حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر بھی تقریباً ۵۰ سال ہی کی تھی، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا سن وفات ۵۴ھ یا ایک قول کے مطابق ۱۴ھ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا نکاح مکہ میں ۱۰ نبوی میں ہوا جب کہ وہ چھ برس کی تھیں اور جب ۱ھ میں وہ رخصت کرا کر حضور ﷺ کے ہاں آئیں اس وقت ان کی عمر ۹ سال کی تھی ان کا سن وفات ۵۵ھ یا ۵۸ھ ہے حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما سے آپ کا نکاح ۲ھ یا ۳ھ میں ہوا اور انہوں نے ۴۱ھ یا ۴۵ھ میں وفات پائی حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ۳ھ میں آپ کے نکاح میں آئیں اور نکاح سے کچھ ہی ماہ بعد ۴ھ میں (اور ایک روایت کے مطابق ۳ھ ہی میں) انتقال کر گئیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بنت امیہ مخزومی سے آپ نے ۳ھ یا ۴ھ میں نکاح کیا اور ان کا انتقال ۵۹ھ میں ہوا اور ایک قول کے مطابق ۶۲ھ میں ہوا۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ۵ھ میں آپ کی زوجیت میں آئیں اور ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں انتقال کیا، آنحضرت کے وصال کے بعد سب سے پہلے جس زوجہ مطہرہ نے انتقال کیا وہ حضرت زینب ہی ہیں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھی، دونوں میاں بیوی مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، وہاں عبداللہ بن جحش نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور وہیں مر گیا تھا، حضرت ام حبیبہ اپنے مذہب (اسلام) پر قائم رہیں ۶ھ میں نجاشی بادشاہ حبشہ نے ان کا نکاح آنحضور ﷺ سے کیا اور اپنے پاس سے ان کا مہر جو چار ہزار درہم مقرر ہوا تھا ادا کیا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ۴۴ھ میں انتقال کیا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا غزوہ مریسیع میں جس کو غزوہ بنی المصطلق بھی کہتے ہیں اور جو ۶ھ میں ہوا تھا اسیر ہو کر آئیں آنحضرت نے ان کو آزاد کیا اور پھر ان سے نکاح کر لیا ان کا انتقال ۵۶ھ میں ہوا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ ہیں ۷ھ میں آنحضرت کی زوجیت کے شرف سے سرفراز ہوئیں ان کا انتقال ۶۱ھ یا ۵۱ھ میں ہوا، حضرت صفیہ بنت حی ابن اخطب ۷ھ میں جنگ خیبر میں اسیر بنائی گئیں اس وقت ان کی عمر ۱۷ سال کی تھی آنحضرت نے ان کو آزاد فرمایا اور پھر نکاح کر لیا، انہوں نے ۵۰ھ یا ایک روایت کے مطابق ۵۲ھ میں وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ کی گیارہ ازواج مطہرات کی یہ وہ تعداد ہے جس پر روایات کا اتفاق ہے بارہویں زوجہ مطہرہ یعنی حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے ان کو حرم (کنیز) قرار دیا ہے۔ لیکن بعض دوسری روایتوں میں ہے کہ ریحانہ رضی اللہ عنہا جو ایک یہودی خاندان کی خاتون تھیں جنگی اسیر ہو کر آئی تھیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کیا اور ۶ھ میں ان سے نکاح کر لیا بہر حال آنحضرت نے ان تمام خواتین سے، جو اُمت کی مائیں ہیں، نکاح کیا اور سب کے ساتھ دخول بھی فرمایا۔ بیس یا بیس سے زائد ایسی خواتین کا ذکر بھی روایتوں میں آتا ہے جن سے آپ نے نکاح تو کیا لیکن دخول سے پہلے ہی جدائی کی نوبت آ گئی، بعض ایسی خواتین بھی تھیں جن سے نکاح کی بات چیت چلی لیکن ان سے نکاح نہیں کیا، اسی طرح بعض روایتوں میں ایسی عورتوں کا بھی ذکر آتا ہے جو آپ ﷺ کے نکاح میں تھیں اور جب یہ آیت کریمہ یایھا النبی قل لازواجک الخ نازل ہوئی تو انہوں نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی اور آپ سے جدائی اختیار کر لی۔ جہاں تک آنحضرت کی حرموں (کنیزوں) کا تعلق

ہے تو ان کی تعداد چار بیان کی جاتی ہے جن میں سب سے مشہور ماریہ قبطیہؓ ہیں جن کے بطن سے ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تھے ان کا انتقال ۱۶ھ میں ہوا دوسری وہی حضرت ریحانہ بنت سمون یا بنت زید ہیں جن کے بارے میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہ آپ کے نکاح میں نہیں تھیں، بلکہ "حرم" تھیں ان کو آپ نے آزاد نہیں کیا تھا، اور بسبب ملک یمین ان سے مجامعت فرمائی، باقی دو میں سے ایک تو وہ کنیز تھیں جو ام المؤمنین زینب بنت جحش نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کی تھی، اور ایک کنیز وہ تھیں جو کسی غزوہ میں اسیر ہو کر آئی تھیں۔

مذکورہ بالا تفصیل شیخ عبدالحق دہلویؒ کی شرح مشکوٰۃ سے ماخوذ ہے، جو انہوں نے جامع الاصول کے حوالہ سے جمع کی ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعداد، ان کے نکاح کی ترتیب آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد انتقال کرنے والی ازواج مطہرات کے سنین وفات، جن ازواج کے ساتھ دخول نہیں کیا یا جن خواتین کے ہاں پیغام دیا مگر ان کے ساتھ نکاح نہیں ہوا ان سب کی تعداد کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں اور عام روایتوں میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

خدیجۃ الکبریٰؓ کی فضیلت

① عَنْ عَلِيٍّؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خَيْرُ نِسَآءِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَآءِهَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اَبُوْكُرَيْبٍ وَاَشَارَ وَكِيْعٌ اِلَى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔

"حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا مریم بنت عمران اپنی اُمت میں سب سے بہتر عورت ہیں، اور خدیجہؓ بنت خویلد اپنی اُمت میں سب سے بہتر عورت ہیں (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ابوکریب نے یہ بیان کیا کہ حضرت وکیع نے (جو حفاظ حدیث میں سے ہیں اور حضرت امام مالکؒ اور ان کے ہمعصروں کے ہم پلہ ہیں) آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کر کے یہ بتایا کہ اس حدیث کے مطابق یہ دونوں خواتین اپنی امتوں میں دنیا بھر کی عورتوں سے افضل و اشرف ہیں۔"

تشریح: اس حدیث سے یہ تو معلوم ہوا کہ حضرت مریمؑ جو حضرت عیسی علیہ السلام کی والدہ ہیں اپنی اُمت میں اور ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ اپنی اُمت (امت محمدیہ) میں سب عورتوں سے افضل ہیں لیکن اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ خود ان دونوں میں کون کس سے افضل ہے، حضرت خدیجہ سے افضل ہیں یا حضرت خدیجہؓ حضرت مریم سے افضل ہیں تاہم تفسیر نسفی میں لکھا ہے کہ صحیح قول کے مطابق حضرت مریم سے حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ افضل ہیں کیونکہ حضرت مریم پیغمبر تو ہیں نہیں، اور یہ بھی طے ہے کہ یہ اُمت مرحومہ دوسری تمام امتوں سے بہتر و افضل ہے تو اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں اسی طرح حضرت عائشہ پر حضرت فاطمہؓ کی فضیلت بھی مختلف فیہ ہے اور امام مالکؒ کا یہ قول ہے کہ فاطمہؓ پیغمبر کی جگر پارہ ہیں اور میں جگر پارۂ پیغمبر کو کسی خاتون پر فضیلت نہیں دیتا۔

② وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ اَتَى جِبْرَئِيْلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ خَدِيْجَةُ قَدْ اَتَتْ مَعَهَا اِنَآءٌ فِيْهِ اِدَامٌ اَوْطَعَامٌ فَاِذَا اَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنْ رَّبِّهَا وَمِنِّيْ وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ وَّلَا صَخَبَ فِيْهِ وَلَا نَصَبَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور بولے کہ یا رسول اللہ ابھی خدیجہؓ (مکہ سے چل کر غار حرا میں) آرہی ہیں، ان کے ساتھ ایک برتن ہے جس میں سالن (اور روٹی) ہے یا کھانا ہے جب وہ آپ کے پاس پہنچ جائیں تو آپ ﷺ ان کے پروردگار کی طرف سے اور میری طرف سے بھی ان کو سلام کہہ دیجئے اور ان کو جنت میں ایک محل کی خوش خبری سنا

دیجئے جو خولدار موتی ہے اور اس محل میں نہ شور و غل ہے نہ تکلیف و تکان ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب آنحضرت ﷺ خلوت کے لئے غار حرا چلے جاتے تھے اور کئی کئی دن تک وہاں عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ اپنے ساتھ کھانے پینے کی کچھ چیزیں (جیسے ستو) اور پانی وغیرہ لے لیتے تھے تاکہ بھوک اور پیاس کا غلبہ خلوت گزینی میں مخل نہ ہو، ایک دن خدیجۃ الکبریٰؓ آپ کے کھانے پینے کا کچھ سامان خود لے کر غار حرا پہنچیں اور مذکورہ سعادت و بشارت سے سرفراز ہوئیں۔ واضح ہو کہ عام طور پر ثابت تو یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا خلوت گزینی کے لئے غار حرا میں جانا اور وہاں عبادت و ذکر الٰہی میں مشغول رہنا اس زمانہ کا معمول تھا جب کہ آپ خلعت نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے اور آپ کے پاس حضرت جبرائیل کا آنا جانا شروع نہیں ہوا تھا، لیکن اس میں کچھ استبعاد نہیں کہ مرتبہ نبوت پر فائز ہوتے اور حضرت جبرئیل کی آمد شروع ہو جانے کے بعد بھی کچھ دنوں تک آپ نے یہ معمول جاری رکھا ہو اور انہی دنوں حضرت خدیجہؓ کسی دن آپ کا کھانا لے کر غار حرا میں گئی ہوں۔

"ان کو سلام کہہ دیجئے" علماء نے لکھا ہے کہ رب العلمین کا سلام ایسا شرف ہے جو حضرت خدیجہؓ کے سوا دنیا کی کسی عورت کو حاصل نہیں ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ کو بھی سلام کہلایا تھا لیکن صرف اپنی طرف سے ۔ اسی لئے اس حدیث کو حضرت عائشہؓ پر حضرت خدیجہؓ کی فضیلت کی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔

"جو خولدار موتی کا ہے" "قصب" کا اطلاق اس موتی پر ہوتا ہے جو بہت بڑا ہو اور اندر سے خالی ہو، روایتوں میں آتا ہے کہ جنت کے محلات پر جو گنبد ہوں گے وہ دراصل قبہ جیسے بڑے بڑے موتی ہوں گے جن کے اندر سے خلا ہوگا۔ لہٰذا اس جملہ کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس محل کا گنبد ایک پورا موتی ہوگا، یا یہ کہ وہ پورا محل موتی کا ہوگا یعنی ایک اتنا بڑا موتی ہوگا جس کے اندر کا خلاء ایک پورے محل پر محیط ہوگا۔

"اس محل میں نہ شور و غل ہے نہ تکلیف اور تکان ہے" بطور خاص ان دونوں چیزوں کی نفی اس اعتبار سے کی گئی ہے کہ دنیاوی گھروں میں رہنے والوں کو دو ناگوار چیزوں کا زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے ایک تو شور و غل کا اور دوسرے اس محنت و مشقت اور تکلیف و تکان کا جو گھروں کو بنانے، سنوارنے اور سجانے میں ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ جنت کے محلات ان ناگوار اور تکلیف دہ چیزوں سے خالی ہوں گے نیز علماء نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے حق میں یہ بشارت گو اس مقام کا اعلان تھا جو ان کو اس بات کے بدلہ میں عطا ہوا کہ انہوں نے آنحضرت کی دعوت اسلام کو سب سے پہلے بطیب خاطر اور بخوشی قبول کر لیا تھا انہوں نے خدائی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنا آبائی مذہب یک لخت اس طرح ترک کر دیا کہ نہ تو کسی طرح کا شور شرابہ ہونے دیا نہ بحث و تکرار اور لڑنے جھگڑنے کے تعب میں پڑیں۔

حضرت خدیجہؓ کی خصوصی فضیلت

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَاغِرْتُ عَلَى اَحَدٍ مِّنْ نِّسَآءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاغِرْتُ عَلٰى خَدِيْجَةَ وَمَا رَاَيْتُهَا وَلٰكِنْ كَانَ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يُقَطِّعُهَا اَعْضَاءً ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِيْ صَدَائِقِ خَدِيْجَةَ فَرُبَّمَا قُلْتُ لَهٗ كَاَنَّهٗ لَمْ تَكُنْ فِي الدُّنْيَا اِمْرَاَةٌ اِلَّا خَدِيْجَةَ فَيَقُوْلُ اِنَّهَا كَانَتْ وَكَانَتْ وَكَانَ لِيْ مِنْهَا وَلَدٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بیویوں میں جتنی غیرت اور جتنا رشک میں حضرت خدیجہؓ سے کرتی تھی اتنا کسی بیوی سے نہیں، حالانکہ میں نے حضرت خدیجہ کو دیکھا بھی نہیں تھا، البتہ آنحضرت ﷺ ان کو بہت یاد کرتے تھے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ آپ ﷺ بکری ذبح کرتے اور اس کا عضو کاٹ کر بوٹیا بناتے پھر اس گوشت کو ان عورتوں کے ہاں بھجواتے جو حضرت خدیجہ کی سہیلیاں تھیں، اکثر اوقات میں آپ سے کہہ دیا کرتی تھی کہ (آپ ﷺ) تو خدیجہ کے تئیں اس قدر شائستگی اور محبت ظاہر کرتے ہیں) جیسے دنیا میں ایک خدیجہؓ کے علاوہ

اتنی خوبیوں والی اور کوئی عورت ہی نہیں، آپ (میری اس بات کے جواب میں) فرماتے: وہ تو واقعی اس طرح کی تھیں اور ایسی ہی تھیں، اور پھر میری اولاد بھی تو انہی کے بطن سے ہے۔" (بخاری ؒ و مسلم ؒ)

تشریح: "ایسی ہی تھیں" یعنی وہ بڑی عابدہ زاہدہ تھیں روزے رکھا کرتی تھیں، شب بیدار رہتی تھیں، میری خدمت اور میری امداد و راحت رسانی میں بڑی بڑی مشقتیں اٹھاتی تھیں، حسن سلوک اور احسان کیا کرتی تھیں وغیرہ وغیرہ حضرت خدیجہؓ کی ان خوبیوں کو صریحاً ذکر کرنے کے بجائے مبہم فرمانے سے آپ ﷺ کا مقصد ان کی حیثیت و فضیلت کو زیادہ بلیغ انداز میں پیش کرنا اور اس طرف اشارہ کرنا ہوتا تھا کہ ان کے اوصاف اور خوبیاں حد شمار و قیاس سے باہر ہیں۔

میری اولاد بھی تو انہی کے بطن سے ہے اس سے حضرت خدیجہ کی اس خاص فضیلت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا تھا جس کی ہمسری کا دعویٰ آنحضرت کی کوئی بھی زوجہ مطہرہ نہیں کر سکتی تھیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد امجاد حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے ہوئی، سوائے ابراہیم بن محمد ﷺ کے جو ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے اور وہ آپ کی "حرم" تھیں اور اولاد بھی ایسی کہ جس میں حضرت فاطمہ زہراؓ جیسی بیٹی بھی شامل ہیں، جن کے فضائل و مناقب کا کوئی ٹھکانا نہیں باقی ازواج سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، دوسری طرف یہ نکتہ موجود ہے کہ عورتوں سے خاص تر غرض اور ان کا سب سے بڑا فائدہ ان سے اولاد کا ہونا ہے۔

خدیجۃ الکبریٰؓ: ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ خویلد بن اسد کی بیٹی ہیں جو عرب کے مشہور تاجر اور قریش کے معزز و نامور فرد تھے حضرت خدیجہؓ کا پہلا نکاح ابن ہالہ بن زرارہ سے ہوا تھا، اس کے فوت ہو جانے کے بعد دوسرا نکاح عتیق بن عائذ سے ہوا تھا ان کا تیسرا نکاح جب آنحضرت ﷺ سے ہوا تو اس وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی اور نبی کریم ﷺ کا یہ پہلا نکاح تھا آپ نے نہ تو ان سے پہلے کسی عورت سے نکاح کیا تھا اور نہ ان کی موجودگی میں کسی اور سے نکاح کیا۔

حضرت خدیجہؓ کو اول مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہے یعنی تمام مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کا انتقال بعمر ۶۵ سال آنحضرت ﷺ کی ہجرت مدینہ سے پانچ سال قبل مکہ معظمہ میں ہوا۔ بعض حضرات نے ان کا سن وفات ہجرت سے چار سال قبل اور بعض نے تین سال قبل یعنی ۱۰ نبوی لکھا ہے۔ آنحضرت سے ان کی رفاقت کی مدت ۲۴ سال چھ ماہ یا پانچ ماہ ہے۔

حضرت عائشہؓ کی فضیلت

④ وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ ؒ اَنَّ عَآئِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَآئِشُ ھٰذَا جِبْرَئِیْلُ یُقْرِئُکِ السَّلَامَ قَالَتْ وَعَلَیْہِ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ قَالَتْ وَھُوَ یَرٰی مَالَآ اَرٰی۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسلمہؒ (تابعی) سے روایت ہے کہ ام المؤمنین عائشہؓ صدیقہؓ نے (ایک روز مجھ سے) فرمایا: عائشہؓ! یہ جبرئیل (یہاں میرے سامنے) ہیں تم کو سلام کہتے ہیں۔ عائشہؓ نے (اس سلام کے جواب میں) کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ (اور جبرئیل پھر بھی اللہ کی سلامتی اور راحت نازل ہو) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ان (جبرئیل) کو دیکھ رہے تھے اور میں ان کو نہیں دیکھ رہی تھی۔" (بخاری و مسلم)

عائشہؓ کے بارہ میں آنحضرت کا خواب

⑤ وَعَنْ عَآئِشَۃَ ؓ قَالَتْ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُرِیْتُکِ فِی الْمَنَامِ ثَلٰثَ لَیَالٍ یَجِیْءُ بِکِ الْمَلَکُ فِیْ سَرَقَۃٍ مِّنْ حَرِیْرٍ فَقَالَ لِیْ ھٰذِہٖ اِمْرَاَتُکَ فَکَشَفْتُ عَنْ وَجْھِکِ الثَّوْبَ فَاِذَا اَنْتِ ھِیَ فَقُلْتُ اِنْ یَّکُنْ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ یُمْضِہٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک روز) مجھ سے فرمایا کہ تین رات مسلسل تمہیں میرے خواب میں لایا گیا جس کی صورت یہ تھی کہ ایک فرشتہ نہایت شاندار ریشمی کپڑے پر تمہاری تصویر کو میرے سامنے لاتا اور مجھ سے کہتا کہ یہ (تصویر) تمہاری (ہونے والی) بیوی کی ہے، اور جب میں (تصویر کا) پردہ اٹھا کر تمہارا چہرہ دیکھتا تو ہو بہو تمہارا ہی چہرہ ہوتا تھا، پھر میں (فرشتہ کے جواب میں) کہہ دیا کرتا تھا کہ اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ خود ہی اس کو پورا کرے گا یعنی اس معاملہ کو تکمیل تک وہی پہنچائے گا اور اس عورت سے میرے نکاح کے اسباب پیدا فرمادے گا۔"

تشریح: "ریشمی کپڑے پر تمہاری تصویر کو" ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ مجھ (عائشہؓ) سے نکاح کریں تو حضرت جبرئیل اپنی ہتھیلی پر میری تصویر (آنحضرت کے خواب میں) لے کر آئے۔ پس ان دونوں روایتوں میں وجہ تطبیق یہ ہے کہ تصویر ریشمی کپڑے پر تھی اور وہ ریشمی کپڑا حضرت جبرئیل کی ہتھیلی پر تھا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت جبرئیل نے حضرت عائشہؓ کی تصویر دو بار لاکر دکھائی ہو، ایک بار تو ریشمی کپڑے پر اور ایک بار ہتھیلی پر اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت جبرئیل تو اپنی ہتھیلی پر تصویر لائے تھے اور کوئی دوسرا فرشتہ ریشمی کپڑے پر اور ایک بار اپنی ہتھیلی پر اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت جبرئیل تو اپنی ہتھیلی پر تصویر لائے تھے اور کوئی دوسرا فرشتہ ریشمی کپڑے پر لے کر آیا تھا۔ فاذا انت ھی الخ کا ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر لکھا گیا، اس کا دوسرا ترجمہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ (نکاح و شادی کے بعد) جب میں نے تمہارے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ یہ تو تمہارا ہی چہرہ ہے جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔

"اگر یہ خواب اللہ کی طرف ہے" یہاں اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ اس خواب کے بارے میں شک کا اظہار کیا معنی رکھتا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً آنحضرت ﷺ کا خواب تو وحی کی ایک صورت ہے جس کے تحقق میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں تو اس کا جواب علماء نے یہ لکھا ہے کہ اگر خواب کے اس واقعہ کو آنحضرت کے مرتبہ نبوت پر فائز ہونے سے پہلے کا مانا جائے تو پھر یہ اشکال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں اس صورت میں یہ سوال اٹھے گا کہ فرشتہ کا آنا اس بات کے منافی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خواب نبوت سے پہلے دیکھا تھا لیکن اگر ذہن میں یہ بات ہو کہ فرشتہ کو دیکھنا خصوصاً خواب میں دیکھنا ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، نبی کے ساتھ جو چیز مخصوص ہے۔ وہ فرشتہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لانا ہے تو یہ سوال بھی کوئی معنی رکھے گا۔ اور اگر یہ واقعہ خواب مرتبہ نبوت پر فائز ہونے کے بعد کا ہے تو کہا جائے گا کہ آپ نے یہ الفاظ اظہار شک کے لئے نہیں بلکہ اس کے وقوع کے یقینی ہونے اور اس کو ثابت کرنے کے لئے فرمائے تھے دراصل اس طرح کا جملہ استعمال ہی ایسے موقع پر ہوتا ہے جب کوئی بات متحقق اور ثابت شدہ ہوتی ہے جیسے کوئی حاکم یوں کہے اگر میں حاکم ہوں تو دیکھنا میں کیا کچھ نہیں کروں گا اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ اس جملہ میں جو شک ہے وہ اصل خواب سے متعلق نہیں ہے بلکہ تعبیر سے متعلق ہے کہ نہ معلوم ظاہر کے مطابق مراد سامنے آئے یا ظاہر کے خلاف کچھ اور یا یہ کہ نہ معلوم "بیوی" سے مراد دنیا کی بیوی ہے یا آخرت کی بیوی۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ: عائشہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے پیغام ڈالا اور ہجرت سے تین سال قبل شوال ۱۰ نبوی میں مکہ میں ان سے نکاح کیا، حضرت عائشہؓ جب شوال ۲ھ میں رخصت کرا کر مدینہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں تو اس وقت ان کی عمر ۹ سال تھی بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ آنے کے سات مہینے بعد حضرت عائشہؓ رخصت کرا کر مدینہ منورہ آپ ﷺ کے گھر آئیں، سرکار دو عالم ﷺ کی رفاقت ان کو ۹ سال حاصل رہی، آنحضرت ﷺ کے وصال کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی امہات المؤمنین میں یہی وہ طیبہ ہیں جن کا پہلا نکاح آنحضرت ﷺ سے ہوا آنحضرت ﷺ نے ان کے علاوہ اور کسی باکرہ (کنواری) سے نکاح نہیں کیا۔

حضرت عائشہؓ علم و دانائی اور ذاتی محاسن و کمالات کے اعتبار سے منفرد مقام رکھتی تھیں، زبردست عالمہ فاضلہ فصیحہ اور فقیہہ تھیں

آنحضرت ﷺ کی بے شمار احادیث ان کو یاد تھیں، بہت زیادہ حدیثیں روایت کرتی ہیں، شعرو ادب کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتی تھیں نامور شعراء عرب کے کلام پر ان کی پوری نظر تھی اور اشعار ادبیات کی ایک بڑی تعداد ان کے حافظہ میں تھی، ان سے احادیث روایت کرنے والوں کی تعداد صحابہؓ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت پر مشتمل ہے ۱۷ رمضان ۵۷ھ یا ۵۸ھ اور ایک روایت کے مطابق ۷ ۲ رمضان ۵۷ھ منگل کی شب میں بعمر ۶۳ سال مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی انہوں نے رات میں دفن کئے جانے کی وصیت کی تھی چنانچہ رات ہی میں جنت البقیع میں ان کو دفن کیا گیا اور حضرت ابوہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اس وقت امیر معاویہ کی جانب سے مروان مدینہ کا گورنر تھا۔

عائشہؓ کی امتیازی فضیلت

(۶) وَعَنْهَا قَالَتْ اِنَّ النَّاسَ كَانُوْا يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَآئِشَةَ يَبْتَغُوْنَ بِذٰلِكَ مَرْضَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَتْ اِنَّ نِسَآءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ حِزْبَيْنِ فَحِزْبٌ فِيْهِ عَآئِشَةُ وَحَفْصَةُ وَصَفِيَّةُ وَسَوْدَةُ وَالْحِزْبُ الْاٰخَرُ اُمُّ سَلَمَةَ وَسَائِرُ نِسَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَ حِزْبُ اُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْنَ لَهَا كَلِّمِىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيُهْدِهِ اِلَيْهِ حَيْثُ كَانَ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ لَهَا تُؤْذِيْنِىْ فِىْ عَآئِشَةَ فَاِنَّ الْوَحْىَ لَمْ يَاْتِنِىْ وَاَنَا فِىْ ثَوْبِ امْرَاَةٍ اِلَّا عَآئِشَةَ قَالَتْ اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اَذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثُمَّ اِنَّهُنَّ دَعَوْنَ فَاطِمَةَ فَاَرْسَلْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ يٰبُنَيَّةُ اَلَا تُحِبِّيْنَ مَا اُحِبُّ قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَاَحِبِّىْ هٰذِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَنَسٍ فَضْلُ عَآئِشَةَ عَلَى النِّسَآءِ فِىْ بَابِ بَدْءِ الْخَلْقِ بِرِوَايَةِ اَبِىْ مُوْسٰى۔

"اور حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ لوگ اس بات کو ترجیح دیتے تھے کہ وہ اپنے ہدیے اور تحائف اس دن پیش کریں جو عائشہؓ کی باری کا دن ہو یعنی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیے اور تحائف لانے والے اس دن کا انتظار کرتے تھے جس روز کہ آپ میرے ہاں تشریف فرما ہوتے تھے اور اس سے ان کا مقصد صرف رسول اللہ ﷺ کی (زیادہ سے زیادہ) رضا و خوشنودی حاصل کرنا ہوتا تھا حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی بیویاں دو ٹولیوں میں منقسم تھیں اور ان میں سے ہر ٹولی یکساں مزاج، یکساں رائے، اور یکساں طرز معاشرت و اختلاط رکھنے والی بیویوں پر مشتمل تھی) ایک ٹولی تو وہ تھی جس میں عائشہؓ حفصہؓ، صفیہؓ اور سودہؓ تھیں اور دوسری ٹولی وہ تھی جس میں اُمّ سلمہؓ اور رسول اللہ ﷺ کی باقی تمام بیویاں تھیں پس (ایک روز) اُمّ سلمہؓ سے بات چیت کی اور ان سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے عرض کرو کہ آپ لوگوں سے یہ فرمادیں کہ کوئی ہدیہ و تحفہ پیش کرنا چاہئے وہ (عائشہؓ کی باری کے دن کی تخصیص نہ کرے بلکہ) پیش کر دے چاہے آپ کسی جگہ ہوں (خواہ وہ عائشہؓ کے گھر میں ہوں خواہ کسی اور بیوی کے گھر میں تاکہ عائشہؓ اور دوسری بیویوں کے درمیان سے وہ امتیاز اٹھ جائے جس سے ان بیویوں کو غیرت محسوس ہوتی ہے) چنانچہ ام سلمہؓ نے اس بارہ میں آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی اور آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم مجھ کو عائشہؓ کے معاملہ میں تکلیف نہ پہنچاؤ (تم شاید نہیں جانتیں کہ) اس وقت میرے پاس وحی نہیں آتی جب میں کسی بیوی کے لحاف یا چادر میں ہوتا ہوں سوائے عائشہؓ کے ام سلمہؓ (یہ سن کر) بولیں یا رسول اللہ، میں اللہ کے حضور اس بات سے توبہ کرتی ہوں کہ آپ (ﷺ) کو تکلیف پہنچاؤں (یا کسی ایسے کام کا ارادہ بھی کروں جو آپ کو تکلیف پہنچانے کا باعث ہو) پھر ام سلمہؓ کی ٹولی کی عورتوں نے فاطمہؓ کو بلوایا اور ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا (تاکہ اس بارہ میں اب وہ آنحضرت ﷺ سے بات کریں) چنانچہ فاطمہؓ نے اس بارہ میں آپ سے گفتگو کی اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس بات سے لاعلم ہی ہوں کہ اس سے پہلے ام سلمہؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا چکی ہیں اور آنحضرت ان کو کن الفاظ میں جواب دے چکے ہیں، بہرحال آنحضرت ﷺ نے فاطمہ کی گفتگو سن کر ان سے فرمایا میری بیٹی! کیا تو اس سے محبت نہیں رکھتی جس سے میں محبت رکھتا ہوں فاطمہؓ بولیں کیوں نہیں (یقیناً میں ہر اس ذات سے محبت رکھتی ہوں اور محبت رکھوں گی

جس سے آپ محبت رکھتے ہیں) آپ نے فرمایا: تو پھر تم عائشہؓ سے محبت رکھو اور کسی ایسی بات کا ذکر نہ کرو جس سے عائشہؓ کو ناگواری ہو)
بخاری و مسلم اور حضرت انس کی روایت کردہ حدیث **فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الاطعمة باب بدا الخلق** میں ابو موسیٰ کی روایت سے نقل کی جا چکی ہے۔"

تشریح: حضرت عائشہؓ کی ٹولی میں جو ازواج مطہرات تھیں ان کی سردار حضرت عائشہؓ تھیں کیونکہ تمام ازواج مطہرات میں آنحضرت کی سب سے چہیتی حضرت عائشہؓ ہی تھیں یہ نکتہ نوٹ کرنے کا ہے کہ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ بن عمرؓ بھی نہ صرف یہ کہ حضرت عائشہؓ کی ٹولی میں تھی بلکہ اس کے اور عائشہؓ کے درمیان وہی کامل رفاقت و دوستی اور اتفاق و اتحاد تھا جو ان دونوں کے باپوں یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے درمیان تھا، حضرت ام سلمہؓ کی ٹولی میں جو امہات المؤمنین تھیں ان کی سردار حضرت ام سلمہؓ ہی تھیں یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ لوگوں نے آنحضرت کی خدمت میں ہدیے اور تحائف پیش کرنے کے لئے حضرت عائشہؓ کی باری کے دن کی جو تخصیص کر رکھی تھی وہ آنحضرت ﷺ کے کسی حکم اور ایماء کے تحت نہیں تھی اور چونکہ یہ معاملہ ازواج مطہرات کے حقوق سے متعلق نہیں تھا اس لئے آنحضرت ﷺ لوگوں کو اس سے منع بھی نہیں کرتے تھے۔

"سوائے عائشہؓ کے" یعنی صرف عائشہؓ ہی میری ایک ایسی بیوی ہے کہ اگر میں ان کے لحاف اور بستر میں ہوتا ہوں تو اس وقت بھی مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ ایک روایت میں فرماتی ہیں کہ آیت کریمہ انک لا تھدی من احببت الخ نازل ہوئی تو اس وقت میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنے لحاف میں تھی۔

"اور حضرت انس کی روایت کردہ حدیث" یعنی صاحب مصابیح نے اس حدیث کو حضرت انسؓ کی روایت سے یہاں اس باب میں نقل کرا تھا جب کہ صاحب مشکوٰۃ نے اس کو حضرت ابو موسیٰ کی روایت سے باب بدا الخلق میں شامل کیا ہے واضح ہو کہ اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "عائشہؓ کی فضیلت دوسری **عورتوں** پر" تو پیچھے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں کہ "عورتوں" سے کیا مراد ہے؟ ایک قول تو یہ ہے کہ عورتوں کی جنس یعنی کل عورتیں مراد ہیں ایک قول یہ ہے کہ "ازواج مطہرات" مراد ہیں، اور اس میں بھی اختلافی اقوال ہیں کہ آیا تمام ازواج مطہرات مراد ہیں یا حضرت خدیجہؓ کے علاوہ باقی ازواج مطہرات تاہم زیادہ صحیح یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عائشہؓ تمام عورتوں سے افضل ہیں اور حضرت عائشہؓ کے علمی و عملی کمالات کا جامع ہونے کے سبب کہ جس کو آپ نے ثرید کی مشابہت کے ذریعہ واضح فرمایا ہے ظاہر اطلاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

ابتداء باب میں ازواج مطہرات کے متعلق کچھ باتیں ذکر کی جا چکی ہیں پھر حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں قدرے تفصیل بھی گذر چکی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ باقی ازواج مطہرات کے بھی کچھ احوال ذکر کر دیئے جائیں۔

حضرت سودہؓ: بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سکران بن عمرو بن عبدود کے نکاح میں تھیں جو ان کے عم زاد تھے انہوں نے پہلے اسلام قبول کیا پھر ان کی ترغیب پر سکران بھی مسلمان ہو گئے اور دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے حبشہ میں سکران کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت نے ان کی دلداری کے لئے حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ۱۰ نبوی میں ان سے نکاح کر لیا اسوقت تک آپ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح نہیں کیا تھا اور حضرت سودہ کی عمر پچاس سال تھی ایک زمانہ میں آنحضرت نے بعض حالات کے تحت ان کو طلاق دینی چاہی مگر پھر ان کی درخواست پر آپ ﷺ نے اپنا ارادہ منسوخ کر دیا تھا اور اسی وقت سے انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی ان کا انتقال ۱۹ھ کے ماہ شوال میں مدینہ میں ہوا جب کہ ایک راویت میں ان کا سن وفات ۵۴ اور ایک روایت میں ۴۱ منقول ہے۔

حضرت حفصہؓ: حضرت حفصہؓ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق کی بیٹی ہیں ان کی ماں کا نام زینب بنت مظعون تھا یہ پہلے خنیس بن حذافہ سہمی کے نکاح میں تھیں، اپنے خاوند حضرت خنیسؓ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کی اور مدینہ آ گئی تھیں غزوہ بدر میں حضرت خنیسؓ شہید ہو گئے۔ تو حضرت عمرؓ نے ان کا نکاح حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عثمانؓ سے کرنا چاہا لیکن ان دونوں نے انکار کر دیا تب رسول اللہ ﷺ نے اپنا پیغام

ڈالا اور شعبان ۳ھ میں ان سے نکاح کیا ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک طلاق دیدی تھیں لیکن جب آپ کے پاس وحی آئی کہ حفصہؓ سے رجوع کر لیجئے کیونکہ وہ بہت عبادت گزار بہت روزہ دار عورت ہے اور وہ جنت میں آپ کی زوجہ ہے تو آنحضرت نے رجوع کر لیا صحابہ تابعینؒ کی ایک جماعت ان سے آنحضرت ﷺ کی احادیث نقل کرتی ہے انھون نے بعمر ۶۰ سال شعبان ۴۵ھ میں وفات پائی۔

حضرت زینب بنت خزیمہؓ: یہ زمانہ جاہلیت ہی سے ام المساکین کے لقب سے یاد کی جاتی تھیں ان کا پہلا نکاح عقیل سے اور دوسرا عبیدہ سے ہوا ان دونوں کے بعد تیسرا نکاح حضرت عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا عبداللہ بن جحشؓ جنگ احد میں شہید ہوگئے تو ۳ھ میں آنحضرت ﷺ نے زینب سے نکاح کر لیا لیکن نکاح کے چند ہی ماہ بعد انتقال کر گئیں۔

حضرت ام سلمہؓ: ان کا اصل نام ہند تھا نبی کریم ﷺ سے پیشتر حضرت ابو سلمہؓ عبداللہ بن عبدالاسد کے نکاح میں تھیں ابو سلمہ کی وفات کے بعد جو جنگ احد کے زخموں کی تاب نہ لا کر موت شہادت سے ہمکنار ہوئے تھے۔ اسی سال یا ۴ھ میں آنحضرت ﷺ نے ام سلمہؓ سے نکاح کیا ان کا انتقال بعمر ۸۴ سال مدینہ منورہ میں ۵۹ یا ایک روایت کے مطابق ۶۲ھ اور ایک روایت کے مطابق ۶۰ھ میں ہوا اور بقیع میں دفن کی گئیں۔

حضرت زینب بنت جحشؓ: ان کی والدہ امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں یہ پہلے حضرت زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں جو آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کیا ان کا اصل نام برہ تھا جس کو بدل کر آنحضرت ﷺ نے زینب نام رکھا تھا ان کا انتقال ۵۲ سال یا ایک روایت کے مطابق ۵۷ سال کی عمر میں مدینہ میں ہوا ان کے بارہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا کہنا تھا میں نے کوئی عورت نہیں دیکھی جو دین میں زینب سے بہتر اور اللہ کا خوف ان سے زیادہ رکھنے والی ہو ان سے زیادہ سچ بولنے والی ہو ناتے داروں سے ان سے زیادہ حسن سلوک کرنے والی ہو، اللہ کی راہ میں اور اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنا مال اور اپنا نفس ان سے زیادہ لگانے والی ہو۔

حضرت ام حبیبہؓ: ان کا اصل نام رملہ تھا ابو سفیان بن صخر کی بیٹی ہیں ان کی ماں کا نام صفیہ بنت ابوالعاص تھا جو حضرت عثمان بن عفانؓ کی پھوپھی ہیں ان کے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش کے انتقال کے بعد جو حبشہ میں جا کر عیسائی ہوگیا تھا اور بحالت ارتداد وہیں فوت ہوا حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ۶ھ میں ان کا نکاح آنحضرت ﷺ سے کیا ان کا انتقال ۴۴ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا۔

حضرت جویریہؓ: حضرت جویریہ بنت الحارث جب غزوہ مریسیع میں اسیر ہو کر آئیں تو حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی تھیں کیونکہ انہوں ہی نے ان کو اسیر کیا تھا پھر حضرت ثابت بن قیس نے ان کو مکاتب کر دیا تھا، آنحضرت ﷺ نے ان کا زر کتابت ادا کر کے ان کو آزاد کر دیا اور پھر ان سے نکاح کر لیا، ان کا اصل نام برہ تھا جس کو آنحضرت ﷺ نے تبدیل کر کے جویریہ کر دیا تھا ۵۶ھ میں بعمر ۶۵ سال ان کی وفات ہوئی۔

حضرت صفیہؓ: حضرت صفیہؓ بنت حیی بن اخطب بن شعبہ سبط ہارون علیہ السلام سے ہیں، ان کا پہلا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق یہودی سے ہوا تھا جنگ خیبر (محرم ۷ھ) میں کنانہ مارا گیا اور صفیہؓ اسیر ہو کر آئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے لئے مخصوص کر لیا لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ حضرت دحیہ کلبیؓ کے حصے میں آئی تھیں بعد میں آنحضرت ﷺ نے ان کو دحیہ کلبیؓ سے خرید لیا پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت نے ان سے نکاح کر لیا ان کی آزادی کو آنحضرت ﷺ نے ان کا مہر قرار دیا تھا ۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوا اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔

حضرت میمونہؓ: ان کا اصل نام بھی برہ تھا جس کو آنحضرت ﷺ نے بدل دیا اور میمونہ نام رکھا یہ پہلے مسعود بن عمرو ثقفی کے نکاح میں

تھیں، کچھ دونوں بعد مسعود بن عمرو نے ان کو چھوڑ دیا تو پھر ابودرہم کے مرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان سے مکہ سے دس کو اس کے فاصلہ پر مقام سرف میں نکاح کیا جب کہ آپ عمرۃ القضا کے سفر میں تھے اور اتفاق کی بات ہے کہ ۶۱ھ یا ایک روایت کے مطابق ۵۱ھ میں ان کا انتقال بھی اس مقام سرف میں ہوا ام المؤمنین حضرت میمونہ آنحضرت ﷺ کی آخری زوجہ مطہرہ ہیں ان کی ایک بہن تو ام الفضل ہیں جو حضرت عباسؓ کی بیوی اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی والدہ ہیں ایک اور بہن حضرت اسماء بنت عمیسؓ ہیں جو حضرت جعفر طیار کے گھر میں تھیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

خواتین عالم میں سے چار افضل ترین خواتین

⑦ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ حَسْبُکَ مِنْ نِّسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ مَرْیَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَدِیْجَۃُ بِنْتُ خُوَیْلِدٍ وَفَاطِمَۃُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَاٰسِیَۃُ امْرَأَۃُ فِرْعَوْنَ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمام جہان کی عورتوں میں سے چار عورتوں کے مناقب و فضائل کا جان لینا تمہارے لئے کافی ہے اور وہ ہیں مریم بنت عمران یعنی حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی والدہ ماجدہ خدیجہؓ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد ﷺ فرعون کی بیوی آسیہ۔" (ترمذیؒ)

تشریح: ظاہر یہ ہے کہ تمام جہان کی عورتوں میں سے افضل ترین چار خواتین کا ذکر اس حدیث میں جس ترتیب سے ہوا ہے وہی ترتیب ان چاروں کے درمیان فرق مراتب کی بھی ہے رہی یہ بات کہ اس موقع پر حضرت عائشہؓ کا ذکر کیوں نہیں ہوا تو اس کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ان کا بھی افضل ترین خواتین میں سے ہونا چونکہ بعض دوسری حدیثوں میں مذکور ہے اس لئے یہاں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ نے یہ حدیث شاید اس وقت ارشاد فرمائی ہوگی کہ جب تک حضرت عائشہؓ کو وہ مقام کمال اور آنحضرت ﷺ کے وصال کا شرف حاصل نہیں ہوا ہوگا جس سے ان کی افضلیت کا تعین ہوتا ہے تاہم یہاں وہ حدیث بھی سامنے رہنی چاہئے جس کو احمدؒ بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؒ سے بطریق مرفوع نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مردوں میں تو بہت سے لوگ درجہ کمال کو پہنچے لیکن عورتوں میں سے فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنت عمران کے علاوہ کوئی کامل نہیں ہوئی اور اسمیں تو کچھ شبہ نہیں کہ تمام عورتوں میں عائشہؓ کی افضیلت اور عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے ثرید کی فضیلت دوسرے کھانوں پر۔

سیوطیؒ نے نقایہ میں لکھا ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام جہاں کی عورتوں میں سب سے افضل مریم علیہا السلام اور فاطمہ ہیں اور آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں سب سے افضل خدیجہؓ اور عائشہؓ میں سے کون زیادہ افضل ہے اس بارہ میں ایک قول تو حضرت خدیجہؓ کی افضیلت کا ہے اور دوسرا قول حضرت عائشہؓ کی افضیلت کا ہے اور تیسرا قول توقف کا ہے ملا علی قاریؒ نے سیوطیؒ کے ان الفاظ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے اور میرا کہنا ہے کہ صرف حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ ہی کے بارہ میں نہیں بلکہ ان سب مذکورہ خواتین کے بارہ میں توقف یعنی سکوت کرنا اولیٰ ہے کیونکہ اس مسئلہ میں کوئی قطعی دلیل وارد نہیں ہے جس کی بنیاد پر حتمی طور سے کہا جاسکے کہ ان میں سے فلاں خاتون زیادہ افضل ہے اور جو ظنی دلیلیں موجود بھی ہیں وہ باہم متعارض ہیں اور ان کا عقائد کے باب میں کہ جو یقینیات پر مبنی ہیں کوئی فائدہ نہیں۔

حضرت عائشہؓ کی فضیلت

⑧ وَعَنْ عَائِشَۃَؓ اِنَّ جِبْرَئِیْلَ جَآءَ بِصُوْرَتِھَا فِیْ خِرْقَۃٍ مِّنْ حَرِیْرٍ خَضْرَآءَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

فَقَالَ هٰذِهٖ زَوْجَتُكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ حضرت جبرائیل سبز ریشمی کپڑے پر ان کی یعنی عائشہؓ کی تصویر رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دکھانے لائے اور کہا کہ یہ تمہاری بیوی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔" (الترمذیؒ)

تشریح: سبز ریشمی کپڑے پر اس سے معلوم ہوا کہ پیچھے کی حدیث میں خرقة من حرير کے جو الفاظ گزرے اس کی واحد مراد سفید ریشمی کپڑا لینا ٹھیک نہیں ہے جیسا کہ بعض حضرات نے بیان کیا ہے ہاں اگر یہ کہا جائے کہ اس طرح کا خواب آپؐ نے متعدد بار دیکھا تو پھر اس مراد میں کوئی اشکال وارد نہیں ہوگا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک روایت سرقة من حرير کے الفاظ اور ایک روایت میں سوقة من حرير کے الفاظ نقل ہونا راوی کا اشتباہ ہے۔

حضرت صفیہؓ کی دلداری

(۹) وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ بَلَغَ صَفِيَّةَ اَنَّ حَفْصَةَ قَالَتْ لَهَا بِنْتُ يَهُوْدِيٍّ فَبَكَتْ فَدَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ تَبْكِيْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكِ فَقَالَتْ قَالَتْ لِيْ حَفْصَةُ اِنِّيْ ابْنَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكِ لَابْنَةُ نَبِيٍّ وَاِنَّ عَمَّكِ لَنَبِيٌّ وَاِنَّكِ تَحْتَ نَبِيٍّ فَفِيْمَ تَفْتَخِرُ عَلَيْكِ ثُمَّ قَالَ اتَّقِي اللّٰهَ يَا حَفْصَةُ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

"اور حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کو معلوم ہوا کہ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے ان کو یہودی کی بیٹی کہا ہے تو وہ رونے لگیں اور جب رسول کریم ﷺ ان کے ہاں تشریف لے آئے تو وہ اس وقت بھی رو رہی تھیں، آپؐ نے ان سے پوچھا کیوں رو رہی ہو انہوں نے کہا میرے بارہ میں حفصہؓ نے کہا ہے کہ میں یہودی کی بیٹی ہوں یہ سنکر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم ان کے کہنے کا غم نہ کرو حقیقت تو یہ ہے کہ تم پیغمبر کی بیٹی ہو تمہارا چچا بھی پیغمبر تھا اور اب تم ایک پیغمبر کی یعنی میری بیوی ہو پھر آپ نے حفصہ کو متنبہ کیا کہ اے حفصہ، تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے۔" (ترمذیؒ، نسائیؒ)

تشریح: حضرت حفصہؓ کا باپ حیی بن اخطب دراصل حضرت ہارون پیغمبر علیہ السلام کی اولاد سے تھا اور حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بھائی تھے اس اعتبار سے حضرت صفیہؓ کے باپ یعنی جد اعلی بھی پیغمبر ہوئے اور ان کے چچا بھی پیغمبر ہوئے یا یہ بات اپنے جد اکبر یعنی حضرت اسحٰق کے اعتبار سے فرمائی کہ گویا حضرت صفیہؓ کو حضرت اسحٰق کی بیٹی کہا اور حضرت اسمٰعیل کو ان کا چچا کہا اور اب تم ایک پیغمبر کی بیوی ہو یعنی حفصہؓ کو سوچنا چاہئے کہ تمہاری اس نسب اعلی و اشرف نسبتوں کے مقابلہ پر خود ان کو اور کون سی اس سے بھی بڑی نسبت حاصل ہے اور ایسی کون سی بڑی فضیلت ان میں ہے کہ وہ تم پر فخر کرتی ہیں۔ اور نسب و نسل میں تمہیں اپنے سے کمتر سمجھتی ہیں واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد حضرت صفیہؓ کی دلداری اور اس تنقیص و تحقیر کا ازالہ کرنا تھا جو حضرت حفصہؓ کے الفاظ سے حضرت صفیہؓ نے محسوس کی تھی جب کہ وہ صفیہؓ نہ صرف اپنی ذات کے اعتبار سے ایک سردار خاندان کی معزز خاتون تھیں بلکہ اپنے دینی محاسن اور اوصاف کے اعتبار سے بھی ایک جامع شخصیت تھیں یہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ کے حق میں یہ باتیں دوسری ازواج مطہرات پر ان کی کسی فضیلت و بڑائی کو ظاہر کرنے کے لئے فرمائی تھیں کیونکہ نسبتوں کا یہ شرف تنہا حضرت صفیہؓ کا حصہ نہیں تھا۔ اس شرف میں تو دوسری ازواج مطہرات بھی اس اعتبار سے شریک ہیں کہ وہ بھی تو ایک پیغمبر حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے ہیں جو حضرت اسحٰق کے بھائی تھے اور وہ سب بھی آنحضرت ﷺ کی بیویاں ہیں۔

تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے یعنی صفیہ کی مخالفت یا عداوت کے جذبہ سے تمہیں ایسی باتیں زبان سے نہیں نکالنی چاہئیں جو زمانہ جاہلیت کی یادگار ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ کسی حالت میں پسند نہیں کرتا۔

حضرت مریم علیہا السلام بنت عمران کا ذکر

⑩ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا فَاطِمَةَ عَامَ الْفَتْحِ فَنَاجَاهَا فَبَكَتْ ثُمَّ حَدَّثَهَا فَضَحِكَتْ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلْتُهَا عَنْ بُكَائِهَا وَضَحْكِهَا فَقَالَتْ اَخْبَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ يَمُوْتُ فَبَكَيْتُ ثُمَّ اَخْبَرَنِيْ اَنِّيْ سَيِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ فَضَحِكْتُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے سال ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فاطمہؓ کو اپنے قریب بلایا اور ان سے چپکے چپکے کچھ باتیں سنکر رونے لگیں پھر آنحضرت ﷺ نے دوبارہ ان سے اسی سرگوشی کے سے انداز میں باتیں کیں تو اب وہ ہنسنے لگیں اور پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمالیا تو ایک روز میں نے ان کے اس دن کے رونے اور پھر ہنسنے کا سبب دریافت کیا انہوں نے بتایا کہ پہلے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی موت کے بارہ میں مجھ کو آگاہ کیا تھا جس کو سنکر میں رونے لگی تھیں پھر آپ نے جب مجھ کو بتایا کہ میں مریم بنت عمران کے سوا جنت کی ساری عورتوں کی سردار ہوں تو ہنسنے لگی تھی۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اسی طرح کی روایت پیچھے گزر چکی ہے جس میں حضرت عائشہؓ کا ذکر ہے کہ انہوں نے جب حضرت فاطمہؓ سے رونے اور ہنسنے کا ماجرا پوچھا تو انہوں نے بتانے سے انکار کر دیا تھا لیکن حضور ﷺ کے بعد حضرت فاطمہؓ نے بتایا تھا اور یہاں بھی حضرت ام سلمہؓ نے بھی ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد فاطمہؓ نے بتایا، تاہم اس حدیث میں حضرت ام سلمہؓ کا اس واقعہ کو فتح مکہ کے سال کا ذکر کرنا ایک بڑا سہو ہے کیونکہ تحقیقی اور تاریخی طور پر اس قصہ کا وقوع فتح مکہ کے سال میں ثابت نہیں ہے بلکہ یہ واقعہ یا تو آنحضرت ﷺ کے حجۃ الوداع کے زمانہ کا ہے یا مرض الموت کے دوران کا دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت فاطمہؓ کے یہ الفاظ کہ آپ نے مجھ کو جب یہ بتایا کہ میں مریم بنت عمران کے سوا جنت کی ساری عورتوں کی سردار ہوں تو ہنسنے لگی مذکورہ سابق روایت کے منافی نہیں ہیں جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے یہ بھی کہا تھا کہ میرے اہل بیت میں سے تم ہی سب سے پہلے مجھ سے آکر ملوگی۔

اس روایت کے تحت ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث کو اس باب سے کیا مناسبت ہے اس میں چونکہ حضرت فاطمہؓ کی منقبت و فضیلت کا ذکر ہے، لہٰذا یہ حدیث مناقب اہل بیت کے باب میں نقل کی جانی چاہئے تھی نہ کہ اس باب میں جو ازواج مطہرات کے مناقب کے ساتھ مخصوص ہے تو واقعہ یہ ہے کہ ظاہری طور پر کوئی مناسبت سمجھ میں نہیں آتی بس یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ روایت ضمنا اس روایت سے متعلق ہے جو اس فصل دوم کی پہلی روایت ہے اور جس میں حضرت خدیجہؓ اور حضرت مریمؑ کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کا بھی ذکر ہے اس کو یوں کہہ لیجئے کہ اس فصل کے شروع میں جو روایت نقل کی گئی اس کے بعض حصہ کے بارہ میں چونکہ کچھ مزید باتیں اس حدیث سے معلوم ہوتی تھیں اس لئے اس کو یہاں نقل کر دیا گیا اگرچہ حدیث اصلا اس سے تعلق نہیں رکھتی اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس حدیث کو اس باب میں نقل کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہو جو حضرت مریمؑ کے بارہ میں نقل ہوئی ہے کہ وہ جنت میں آنحضرت ﷺ کی بیوی ہوں گی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حضرت عائشہؓ کی علمی عظمت

⑪ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ مَا اَشْكَلَ عَلَيْنَا اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ

اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَھَا مِنْهُ عِلْمًا رَوَاہُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ۔

"حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول اللہ ﷺ کو جب بھی کسی حدیث یا دینی مسائل سے متعلق کسی بات میں کوئی اشکال پیش آتا تو ہم حضرت عائشہؓ سے رجوع کرتے اور ہمیں اس حدیث یا مسئلہ سے متعلق کافی علم حضرت عائشہؓ کے مل جاتا اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔"

تشریح: مطلب یہ کہ حضرت عائشہؓ نے جو بے پناہ علم آنحضرت ﷺ سے سن کر اپنی قوت اجتہاد سے حاصل کیا تھا اس کے ذریعہ وہ صحابہؓ کے مشکل علمی سوال حل کر دیتی تھیں اور حدیث وغیرہ کے بارے میں جو بھی اشکال ان کو پیش آتا تھا اس کو دور کر دیتی تھیں۔

عائشہؓ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں پایا

⑫ وَعَنْ مُوْسَى بْنِ طَلْحَةَ قَالَ مَا رَاَيْتُ اَحَدًا اَفْصَحَ مِنْ عَآئِشَةَ رَوَاہُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت موسیٰ بن طلحہؒ تابعی کہتے ہیں کہ میں نے عائشہؓ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں پایا اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔"

تشریح: ابن طلحہؒ نے یہ بات یا تو حضرت عائشہؓ کی انتہائی تعریف میں کہی ہے یا واقعۃً انہوں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ فصیح کوئی شخص نہ دیکھا اور نہ پایا ہو۔

باب جامع المناقب

مناقب کا جامع بیان

اس باب میں مؤلف نے کسی خاص جماعت وزمرہ کی تخصیص کے بغیر اور الگ الگ باب قائم کرنے کے بجائے مجموعی طور پر کچھ مشاہیر صحابہ کے فضائل و مناقب پر مشتمل احادیث نقل کی ہیں ان مشاہیر میں خلفائے راشدین بھی ہیں اور اہل بیت بھی، عشرہ مبشرہ بھی ہیں اور ازواج مطہرات بھی مہاجرین بھی ہیں اور انصار بھی اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ بھی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

① عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَاَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَاَنَّ فِيْ يَدِيْ سَرَقَةً مِنْ حَرِيْرٍ لَا اَھْوِيْ بِھَا اِلٰى مَكَانٍ فِي الْجَنَّةِ اِلَّا طَارَتْ بِهٖ اِلَيْهِ فَقَصَصْتُھَا عَلٰى حَفْصَةَ فَقَصَّتْھَا حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَخَاكِ رَجُلٌ صَالِحٌ اَوْ اِنَّ عَبْدَاللّٰهِ رَجُلٌ صَالِحٌ۔ (متفق علیہ)

"حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں میں نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ گویا میرے ہاتھ میں ریشم کے کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے اور میں ریشمی ٹکڑے کے ذریعہ جنت کے جس محل کی طرف بھی جانا چاہتا ہوں وہ ٹکڑا مجھ کو اڑا کر وہاں تک پہنچا دیتا ہے یعنی مجھ کو ایسا لگا جیسے وہ ٹکڑا میرے لئے پنکھ بن گیا ہے اور میں جنت کے جس بلند درجہ و محل تک جانا چاہتا ہوں اس پنکھ کے ذریعہ اڑ کر پہنچ جاتا ہوں پھر میں نے یہ خواب اپنی بہن ام المؤمنین حفصہؓ سے بیان کیا اور انہوں نے اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ

تمہارا بھائی مرد صالح ہے۔ یا یہ الفاظ فرمائے حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ مرد صالح ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: گویا آپ ﷺ نے یہ تعبیر دی کہ وہ ریشمی ٹکڑا دراصل عبداللہ کے نیک اعمال اور اس کی پاکیزہ زندگی کے اوراق ہیں جو ان کو جنت کے بلند مراتب و مدارج تک پہنچائیں گے۔

عبداللہ ابن عمرؓ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے بیٹے ہیں جس سال آنحضرت ﷺ نبوت سے سرفراز ہوئے اس سے ایک سال قبل ان کی ولادت ہوئی، چھوٹی ہی عمر میں انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت عمرؓ کے ساتھ مکہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ غزوہ خندق کے بعد کے تمام غزوؤں میں شریک رہے ہیں علم و دانائی زہد و ورع اور تقویٰ میں کامل جانے جاتے ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرمایا کرتے تھے۔ مامنا احد الا مالت بہ الدنیا و مال الیہا ما خلا عمر و ابنہ عبد اللہ حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر نے مرتے دم تک جن انسانوں غلاموں کو آزاد کیا ان کی تعداد ایک ہزار بلکہ اس سے بھی متجاوز ہے۔ اتباع نبوی اور حب رسول میں ابن عمرؓ کا امتیازی مقام ہے۔

وہ جب بھی حج کو جاتے تو ان مقامات پر، کہ جہاں آنحضرت ﷺ حج میں ٹھہرا کرتے تھے جیسے عرفات وغیرہ تمام حاجیوں سے پہلے پہنچ جایا کرتے تھے۔ منقول ہے کہ ایک دن حجاج بن یوسف نے فجر یا عصر کی نماز میں تاخیر کی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس سے کہا کہ نماز پڑھ لو، ورنہ سورج تمہارا انتظار نہیں کرے گا حجاج کو ان کا یہ کہنا بہت ناگوار گذرا، چنانچہ وہ بولا جی چاہتا ہے کہ تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں یا یوں کہا کہ جی چاہتا ہے کہ تمہارا سر قلم کر دوں حضرت عبداللہؓ نے یہ سن کر فرمایا اگر تم ایسا کر گذرو تو کیا بعید کیونکہ تم تو ایک نادان حاکم کی صورت میں ہم پر مسلط ہو۔ اور بعض حضرات نے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے یہ بات آہستہ سے کہی تھی اور حجاج نے نہیں سنا تھا بہرحال حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی اس حق گوئی و صاف بیانی کے سبب یا کسی اور وجہ سے حجاج ان سے سخت ناراض ہو گیا اور اس نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ابن عمر کا نیزہ قبضہ میں لے کر ان کو نہتا کر دو اور پھر اس نے نہ صرف یہ کہ راستہ میں ان پر پتھراؤ کرایا بلکہ زہر میں بجھے ہوئے حربہ سے ان کے پاؤں کی پشت میں کاری زخم لگوایا۔ اسی کے سبب حضرت ابن عمرؓ چند روز سخت بیمار رہ کر انتقال فرما گئے۔ یہ واقعہ حضرت ابن زبیرؓ کے حادثہ شہادت کے تین ماہ بعد ۷۳ھ میں پیش آیا۔ اس وقت حضرت ابن عمرؓ ۸۴ سال کی تھے ان کا جسد خاکی ذی طوی میں سپرد خاک کیا گیا۔

عبداللہ ابن مسعود کی فضیلت

(۲) وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ اِنَّ اَشْبَهَ النَّاسِ دَلًّا وَسَمْتًا وَهَدْيًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَابْنُ اُمِّ عَبْدٍ مِنْ حِيْنَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهٖ اِلٰى اَنْ يَّرْجِعَ اِلَيْهِ لَا نَدْرِیْ مَا يَصْنَعُ فِیْ اَهْلِهٖ اِذَا خَلَا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ وقار، میانہ روی اور راست روی میں رسول کریم ﷺ سے سب سے زیادہ وہ مشابہت رکھنے والا آدمی ام عبد کا بیٹا ہے، اس وقت سے کہ اپنے گھر سے باہر آتے ہیں اور اس وقت تک کہ جب وہ گھر میں جاتے ہیں۔ گھر والوں کے درمیان یعنی گھر میں اہل و عیال کے ساتھ یا تنہا وہ کس حال میں رہتے ہیں یہ ہم کو معلوم نہیں۔" (بخاریؒ)

تشریح: "ام عبد کے بیٹے" سے مراد حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہیں۔ ان کی والدہ کی کنیت ام عبد تھی۔

دَلّ کے معنی سیرت، حالت، ہیبت کے بھی آتے ہیں اور بعض حضرات نے اس کے معنی خوش کلامی، خوش گوئی بھی بیان کئے ہیں کہ یہ لفظ گویا "دلالت" سے ماخوذ ہے اور جس کے ذریعہ کسی انسان کی اس ظاہری حالت و خوبی کو تعبیر کیا جاتا ہے جو اس کے حسن سیرت اور اس کی نیک خصلتی پر دلالت کرے قاموس میں لکھا ہے کہ دل کے قریب قریب وہی معنی ہیں جو ھدی کے ہیں لیکن یہاں حدیث میں اس لفظ سے سکینت یعنی متانت و سنجیدگی وقار اور خوبصورتی کے معنی مراد ہیں۔ اور مجمع البحار میں لکھا ہے دل کا لفظ شکل و شمائل کے معنی رکھتا ہے۔

"سمت" کے معنی ہیں راستہ، میانہ روی اور اس لفظ کا استعمال اہل خیر و صلاح کے طور طریق اور اس کی ہیئت و حالت کے لئے بھی کیا جاتا ہے چنانچہ قاموس میں "سمت" کے معنی طریق یعنی راستہ اور اہل خیر کی ہیئت کے لکھے ہیں۔ اور صراح میں لکھا ہے "سمت" کے معنی ہیں نیک راہ و روش۔

ھدی کے معنی طریقہ سیرت، اہل خیر کی ہیئت و حالت کے ہیں۔ حاصل یہ کہ یہ تینوں لفظ یعنی دل سمت ھدی معنی و مفہوم میں قریب قریب ہیں اور عام طور پر یہ تینوں ایک دوسرے کے ساتھ ہی استعمال ہوتے ہیں۔

اس وقت سے کہ یعنی عبداللہ ابن مسعودؓ کی جو ظاہری زندگی ہمارے سامنے ہے اور ان کے جو احوال ہم پر عیاں ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہایت پاکیزہ نفس اور راست رو ہیں اور ہم ظاہری احوال ہی کے بارے میں گواہی دے سکتے ہیں باطن کا حال ہمیں معلوم نہیں، کہ اندر کا حال اللہ ہی جانتا ہے۔

(۳) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَدِمْتُ اَنَا وَاَخِیْ مِنَ الْیَمَنِ فَمَکَثْنَا حِیْنًا مَانُرٰی اِلَّا اَنَّ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رَجُلٌ مِنْ اَھْلِ بَیْتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِمَا نَرٰی مِنْ دُخُوْلِہٖ وَدُخُوْلِ اُمِّہٖ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی یمن سے مدینہ منورہ آئے تو یہاں در نبوت پر ایک عرصہ تک مقیم رہے، اس دوران ہم نے ہمیشہ یہی خیال کیا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ نبی کریم ﷺ کے گھر والوں میں سے ایک آدمی ہیں، کیونکہ ہم ان کو اور ان کی والدہ کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں وقت بے وقت آتے جاتے دیکھا کرتے تھے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: ایک روایت میں آیا ہے آنحضرت ﷺ نے عبداللہ ابن مسعودؓ کو کہہ رکھا تھا کہ اگر ایک آدمی میرے پاس دیکھو تو اجازت طلب کئے بغیر آجایا کرو، اور ایک روایت میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے یوں بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرما رکھا تھا کہ جب پردہ نہ پڑا ہوا ہو اور تم میری آواز سنو تو بس یہی تمہارے لئے اجازت ہے، جب تک کہ میں تمہیں منع نہ کروں اجازت طلب کئے بغیر آیا جایا کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ: ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی، ہذلی ہیں۔ صاحب السواد والسواک کے لقب سے مشہور تھے ان کو ابتدائے دعوت ہی میں قبول اسلام کی توفیق نصیب ہوگئی تھی چنانچہ آنحضرت ﷺ کے دار ارقم میں منتقل ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہوگئے تھے۔ اس وقت تک حضرت عمرؓ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ چھٹے مسلمان ہیں، ان سے پہلے صرف پانچ آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے پاس رکھ لیا تھا اور اپنی متعدد خدمتیں ان کے سپرد کردی تھیں، چنانچہ آپ ﷺ کی مسواک انہی کے پاس رہا کرتی تھی، آپ ﷺ کو جوتی پہنایا کرتے تھے۔ سفر میں آپ ﷺ کے لئے طہارت و وضو وغیرہ کا پانی رکھتے تھے اور جب آنحضرت ﷺ غسل فرماتے تو یہ پردہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے حبشہ کو بھی ہجرت کی تھی اور پھر مدینہ کو بھی ہجرت کی بدر اور دوسرے غزوات و مشاہد میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی جنت کی بشارت دی تھی۔ نیز فرمایا تھا میں اپنی امت کے لئے وہ چیز پسند کرتا ہوں جو ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعودؓ) کو پسند ہے۔ اور میں اپنی امت کے حق میں اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں جو ابن ام عبد کو ناپسند ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ گندم گوں تھے۔ اور ان کا جسم اس قدر دبلا و نحیف اور قد اتنا چھوٹا تھا کہ بیٹھا ہوا لانبا آدمی ان کے برابر نظر آتا تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو کوفہ کا قاضی اور وہاں کے بیت المال کا نگراں مقرر کیا تھا۔ اور خلافت عثمانی کے ابتدائی عہد تک اسی منصب پر فائز رہے۔ پھر مدینہ آگئے تھے۔ اور مدینہ ہی میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر کچھ اوپر ساٹھ سال تھی۔ ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت

عثمانؓ بھی شامل ہیں۔ ہمارے ائمہ کا کہنا ہے کہ خلفائے اربعہ کے استثناء کے بعد تمام صحابہ میں سب سے بڑے فقیہہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہی تھے۔

وہ چار صحابہؓ جن سے قرآن سیکھنے کا حکم آنحضرت ﷺ نے دیا

④ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْتَقْرِءُوْا الْقُرْاٰنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ مِّنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَالِمٍ مَوْلَى اَبِیْ حُذَيْفَةَ وَاُبَیِّ ابْنِ كَعْبٍ وَمُعَاذِبْنِ جَبَلٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن ان چار آدمیوں سے حاصل کرو اور ان سے پڑھو عبداللہ ابن مسعودؓ سے ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالمؓ سے ابی بن کعبؓ سے اور معاذ بن جبلؓ سے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: ان چاروں حضرات صحابہؓ نے قرآن کریم براہ راست سرکار دوعالم ﷺ سے حاصل کیا اور سیکھا تھا جب کہ اوروں نے دوسرے حضرات سے قرآن سیکھا اور حاصل کیا تھا۔ یہ چاروں حافظ قرآن بھی تھے اور صحابہؓ میں بڑے قاری بھی تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان چاروں کی خصوصی فضیلت سے لوگوں کو آگاہ فرمایا۔

حضرت سالمؓ: ان کا نام سالم بن معقلؓ ہے حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کے آزاد کردہ غلام ہیں فارس ایران کے شہر اصطرخ یا اصطحرخ کے رہنے والے تھے ارباب فضل وکمال جلیل القدر اور بزرگ صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے غزوہ بدر میں شریک تھے مدینہ میں ان مہاجرین کی امامت نماز کا شرف انہی کو حاصل ہوتا تھا جو آنحضرت ﷺ سے پہلے ہجرت کرکے آگئے تھے باوجودیکہ ان میں عمرؓ اور حضرت ابوسلمہ بھی موجود ہوتے تھے۔ حضرت ابوحذیفہؓ کا اصل نام ہشام تھا۔ فضلائے صحابہ اور مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے دار ارقم میں آنے سے پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہوگئے تھے۔

حضرت ابی بن کعبؓ: حضرت ابی بن کعبؓ انصار صحابہؓ میں سے ہیں بڑے قاری ہیں، ان کو سید القراء کہا جاتا تھا حضرت عمرؓ ان کو سید المسلمین کے لقب سے یاد کرتے تھے آنحضرت ﷺ کے کاتب وحی ہیں۔

حضرت معاذ بن جبلؓ: حضرت معاذؓ بھی انصار سے ہیں۔ ان کے فضائل ومناقب بھی بے شمار ہیں آنحضرت ﷺ نے ان کے اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے درمیان بھائی چارہ کرایا تھا۔

ابن مسعودؓ، عمارؓ اور حذیفہؓ کی فضیلت

⑤ وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَدِمْتُ الشَّامَ فَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْلِیْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَاَتَيْتُ قَوْمًا فَجَلَسْتُ اِلَيْهِمْ فَاِذَا شَيْخٌ قَدْجَاءَ حَتّٰى جَلَسَ اِلٰى جَنْبِیْ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا اَبُوْالدَّرْدَاءِ قُلْتُ اِنِّیْ دَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّيَسِّرَلِیْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَيَسَّرَكَ لِیْ فَقَالَ مَنْ اَنْتَ قُلْتُ مِنْ اَهْلِ الْكُوْفَةِ قَالَ اَوَلَيْسَ عِنْدَكُمْ ابْنُ اُمِّ عَبْدٍ صَاحِبَ النَّعْلَيْنِ وَالْوِسَادَةِ وَ الْمِطْهَرَةِ وَفِيْكُمُ الَّذِیْ اَجَارَهُ اللّٰهُ مِنَ الشَّيْطٰنِ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ يَعْنِیْ عَمَّارًا اَوَلَيْسَ فِيْكُمْ صَاحِبُ السِّرِّ الَّذِیْ لَايَعْلَمُهٗ غَيْرُهٗ يَعْنِیْ حُذَيْفَةَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت علقمہؒ (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ جب میں ملک شام پہنچا اور دمشق کی جامع مسجد میں حاضر ہوا تو وہاں دو رکعت نماز پڑھی اور پھر میں نے دعا مانگی کہ اے اللہ! مجھ کو نیک ہمنشیں میسر فرما! پھر میں ایک جماعت میں جاکر بیٹھا ہی تھا کہ اچانک ایک بزرگ آئے اور میرے پہلو میں بیٹھ گئے۔ میں نے (لوگوں سے) پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ مشہور صحابی حضرت ابودرداءؓ ہیں میں یہ سن کر خوشی سے کھل اٹھا اور حضرت ابودرداءؓ سے بولا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ مجھ کو نیک ہمنشین میسر فرما اور اللہ تعالیٰ نے آپ

جیسا نیک ہمنشین مجھ کو میسر فرمادیا یہ سن کر حضرت ابودرداءؓ نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں کوفہ کا رہنے والا ہوں اور وہیں سے آیا ہوں حضرت ابودرداءؓ بولے کیا تمہارے یہاں (کوفہ میں) ابن ام عبد یعنی عبداللہ ابن مسعودؓ نہیں ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی جوتیاں تکیہ اور چھاگل رکھنے کا شرف حاصل تھا کیا تمہارے یہاں وہ صاحب نہیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی لسان مبارک کے ذریعہ شیطان سے پناہ وامان عطا کی ہے۔ یعنی عمارؓ اور کیا تمہارے یہاں وہ صاحب نہیں ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کے اس راز کا محرم ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جس کو ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا ہے یعنی حذیفہؓ ۔" (بخاری)

تشریح: نیک ہمنشیں میں نیک سے مراد یا تو عالم باعمل ہے یا وہ شخص کہ جو اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے بھی آئے اور میرے پہلو میں بیٹھ گئے" یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی دعا کا جواب تھا کہ انہوں نے نیک ہمنشیں کی مخلصانہ درخواست کی اور حق تعالیٰ نے صحابی رسول جیسی جلیل القدر ہستی ان کے پاس بھیج دی یہاں وہ روایت مدنظر رہنی چاہئے کہ جس میں فرمایا گیا ہے۔ ان للہ ملائکۃ تجر الاھل الی الاھل۔

اور چھاگل رکھنے کا شرف حاصل تھا حضرت ابودرداءؓ کی مراد حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ وہ سرکار دوعالم ﷺ کے ذاتی خادم ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ آپ ﷺ کی خدمت میں موجود رہتے تھے سفر و حضر میں آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے، جب آنحضرت ﷺ سونے کا ارادہ فرماتے تو وہ آپ کا بستر ٹھیک کرتے اور آپ ﷺ کا تکیہ لاکر رکھتے جب آپ ﷺ وضو کے لئے اٹھتے تو وہ وضو کا پانی تیار رکھتے اور سفر وغیرہ میں آپ کے پانی کی چھاگل اپنے ساتھ رکھتے اور ضرورت کے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیتے۔ پس حضرت ابودرداءؓ نے حضرت علقمہ کو گویا توجہ دلائی کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو آنحضرت ﷺ کی صحبت و خدمت میں جس زبردست قربت ووابستگی اور لزوم و تسلسل کے ساتھ رہنے کا موقع ملا ہے اس نے ان کو دین و شریعت کے علم میں یقیناً اتنا لائق فائق اور اتنا کامل بنادیا ہے کہ کوئی طالب علم ان کو چھوڑ کر کسی دوسرے صاحب علم کے پاس جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرسکتا۔ اس سے ایک تو اس بات کی تائید ہوتی ہے جو علماء نے طلب علم اور طالبان علم کے آداب میں بیان کی ہے کہ طالب علم کو پہلے اپنے شہر اور اپنے علاقہ کے علماء سے علم حاصل کرنا اور ان سے خوب استفادہ کرنا چاہئے اگر مزید علم حاصل کرنے کا ارادہ ہو تب دوسرے شہروں کو جائے اور سفر و مسافرت کے تعب و پریشانی میں مبتلا ہو۔ دوسرے یہ بات معلوم ہوئی کہ عالم کو چاہئے کہ اگر دوسرے عالم کو اپنے سے افضل جانتا ہے تو طالب علم کو اس کا حوالہ دیدے۔

"یعنی عمارؓ" حضرت عمارؓ کو آنحضرت ﷺ نے "طیب" اور "مطیب" (پاک اور پاکیزہ) سے تعبیر فرمایا تھا، ان کو جنت کی بشارت عطا فرمائی تھی، اور جب دشمنان دین ان کو سخت اذیتیں پہنچایا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک مرتبہ ان کو آگ میں ڈال دیا گیا تو اس وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا، اے آگ! عمار کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا ذریعہ بن جا جیسا کہ تو ابراہیم خلیل اللہ کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا ذریعہ بن گئی تھی، نیز ایک موقع پر آپ ﷺ نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا تھا! تم کو باغیوں کا گروہ قتل کرے گا۔ تم ان کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ تم کو آگ کی طرف لے جانا چاہیں گے۔ پس حضرت عمارؓ کے حق میں آنحضرت ﷺ کے ان ارشادات اور بشارتوں کا مطلب یہ تھا کہ وہ راہ حق پر ثابت قدم رہیں اور شیطانی وسوسے ان کو بھٹکائیں نہیں۔ اور اسی کو حضرت ابودرداءؓ نے اس بات سے تعبیر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے عمار کو اپنے پیغمبر کی لسان مبارک کے ذریعہ شیطان سے پناہ و امان عطا کی ہے۔

حضرت عمارؓ کے والد کا نام "یاسرؓ" اور والدہ کا نام سمیہ ہے، یاسر کا وطن یمن تھا لیکن مکہ میں آکر رہ پڑے تھے اور یہاں انہوں نے ابوحذیفہ بن مغیرہ سے، جو بنو مخزوم میں سے تھے، حلف کی دوستی کرلی تھی اور انہی کی لونڈی "سمیہؓ" سے نکاح کرلیا تھا حضرت عمارؓ انہی "سمیہؓ" سے پیدا ہوئے ان کے پیدا ہونے کے بعد ابوحذیفہ نے ان کو آزاد کردیا تھا۔ اور اسی اعتبار سے حضرت عمارؓ بنو مخزوم کے آزاد کردہ غلام کہے جاتے ہیں۔ حضرت عمار بن یاسرؓ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کی طرف سبقت کی تھی، ابتدائے

اسلام میں کفار مکہ جن کمزور ولاچار مسلمانوں کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بناتے تھے اور ان کو اسلام سے منحرف کرنے کے لئے نہایت سخت اور وحشیانہ اذیتیں پہنچاتے تھے، اور ان میں حضرت عمارؓ سر فہرست تھے۔ شقی القلب مشرک ان کو آگ کے عذاب میں مبتلا کیا کرتے تھے۔ اور آنحضرت ﷺ ان کے پاس پہنچتے تو ان کے سر اور جسم پر اپنا دست مبارک پھیرتے جاتے اور فرماتے جاتے۔ یانار کونی بردا وسلاما علی عمار کما کنت علی ابراھیم (اے آگ! عمار پر ٹھنڈی ہو جیسا کہ تو ابراہیم خلیل اللہ پر ٹھنڈی ہو گئی تھی) حضرت عمارؓ اولین مہاجرین میں ہیں، غزوۂ بدر اور دوسرے تمام جہادوں میں شریک ہوئے اور ۳۷ھ میں جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا اور اس وقت ان کی عمر ۹۳ سال تھی۔

"یعنی حذیفہؓ" حضرت حذیفہؓ کو "صاحب سرر سول اللہ ﷺ" کہا جاتا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ان پر وہ مختلف راز اور بھید منکشف فرما رکھے تھے جن کا عام انکشاف دینی وملی مصالح کے تحت مناسب نہیں تھا ان بھیدوں میں ایک بھید تو یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو منافقین اسلام کے نام، ان کے نسب، اور نفاق کی علامتیں بتادی تھیں، اس بناء پر ان کو پوری طرح معلوم تھا کہ کون شخص مخلص مسلمان نہیں ہے بلکہ منافق ہے، منقول ہے کہ ایک روز امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق نے پوچھا کہ اے حذیفہ، کیا تم میرے اندر نفاق کی کوئی علامت دیکھتے ہو؟ حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا: نہیں، خدا کی قسم آپ میں مجھ کو نفاق کی کوئی علامت نظر نہیں آتی۔ ہاں کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کے دسترخوان پر رنگ برنگ کے کھانے موجود ہوتے ہیں لیکن جب اس کی تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ دسترخوان پر کچھ انڈے رکھے ہوتے تھے جو توڑے جانے کے بعد زرد وسفید رنگ کی صورت میں الگ الگ چیز معلوم ہوتے تھے۔ حضرت حذیفہؓ نے ۳۵ھ میں بمقام مدائن، وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت انس کی والدہ ام سلیم اور حضرت بلال کی فضیلت

(٦) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُرِيْتُ الْجَنَّةَ فَرَاَيْتُ امْرَاَةَ اَبِىْ طَلْحَةَ وَسَمِعْتُ خَشْخَشَةً اَمَامِىْ فَاِذَا بِلَالٌ۔ (رواه مسلم)

"اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مجھ کو جنت دکھائی گئی تو میں نے اس میں ابوطلحہؓ کی بیوی کو دیکھا، پھر میں نے اپنے آگے قدموں کی چاپ سنی تو کیا دیکھتا ہوں کہ بلالؓ ہیں (جو آگے آگے جنت میں چلے جارہے ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: "ابوطلحہ کی بیوی" سے مراد حضرت ام سلیمؓ ہیں جو حضرت انسؓ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ ان کے نام کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ان کا پہلا نکاح مالک بن نضر سے ہوا تھا اور اسی سے حضرت انس پیدا ہوئے، مالک بن نضر مشرک تھا اور شرک ہی کی حالت میں مارا گیا، اس کے بعد ام سلیمؓ مسلمان ہو گئیں اور ابوطلحہؓ نے ان سے نکاح کا پیغام دیا اس وقت تک ابوطلحہؓ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا چنانچہ حضرت ام سلیم نے ان کا پیغام رد کر دیا اور ان کو اسلام کی دعوت دی ابوطلحہؓ نے اسلام قبول کیا تو حضرت ام سلمہؓ نے ان سے نکاح کر لیا اور کہا کہ میں خود کو تمہارے اسلام کے عوض تمہاری زوجیت میں دیتی ہوں، تمہارا یہ اسلام قبول کرنا ہی میرا مہر ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حضرت بلالؓ، ابورباح کے بیٹے تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں، نہایت قدیم الاسلام ہیں، مکہ میں اپنے اسلام کا سب سے پہلے اعلان و اظہار کرنے والے یہی ہیں، آنحضرت ﷺ کے مؤذن خاص تھے انہوں نے غزوۂ بدر اور اس کے بعد جہادوں میں شرکت کی، آخر میں شام چلے گئے اور وہیں کے سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ۲۰ھ میں بمقام دمشق فوت ہوئے، اور باب الصغیر میں دفن کئے گئے اس وقت ان کی عمر ۶۳ سال تھی انہوں نے اپنا کوئی وارث نہیں چھوڑا، صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کو ان سے روایت حدیث کا شرف حاصل ہے۔ حضرت بلالؓ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو قبول اسلام کی "پاداش" میں کفار مکہ کے سخت ظلم وستم کا نشانہ

بنے تھے۔ امیہ بن خلف ان کو نہایت سخت اذیتیں پہنچایا کرتا تھا اور تقدیر الٰہی سے ایسا ہوا کہ غزوۂ بدر میں وہ موذی حضرت بلالؓ ہی کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔ ایک روایت میں حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے۔ ابو بکر سیدنا و اعتق سیدنا یعنی ابوبکرؓ ہمارے آقا ہیں اور انہوں نے ہمارے آقا (بلال) کو آزاد کیا۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جن لوگوں نے اسلام کا انکشاف و اظہار کیا وہ سات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمارؓ، حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت مقدادؓ، پس اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو دشمنان دین کی اذیتوں سے آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے ذریعہ محفوظ رکھا، اور حضرت ابوبکرؓ کو ان کے قبیلہ و خاندان کے سبب تحفظ حاصل رہا، باقی پانچوں کو مشرکوں نے کمزور ولاچار جان کر اپنا ہدف بنالیا۔ وہ ظالم ان کو وحشیانہ سزائیں دیتے تھے، یہاں تک کہ ان کو لوہے کی زرہیں پہنا کر تپتی ہوئی دھوپ میں ڈال دیا کرتے تھے۔ پھر ان پانچوں میں سے سوائے بلالؓ کے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے پنجے سے نجات دلائی اور ان کو ذی عزت بنا دیا۔ مگر بلالؓ کمزور ولاچار ہی رہے، اللہ کی راہ میں مصائب و شدائد سے بچانے والی کوئی خاندانی و قبائلی طاقت ان کو حاصل نہیں ہوئی۔ مشرکین مکہ کی ظالمانہ گرفت ان پر سخت سے سخت ہو گئی، انہوں نے ان کو مکہ کے اوباش لونڈوں کے سپرد کر دیا، وہ لونڈے ان کو (رسیوں میں جکڑ کر) مکہ کے گلی کوچوں میں گھسیٹتے پھرتے تھے اور ان کی زبان پر احد احد (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے) کا نعرہ ہوتا تھا۔

جن صحابہ کو قریش نے حقیر جانا ان کو اللہ تعالیٰ نے عزت عطا کی

(۷) وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ نَفَرٍ فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُطْرُدْ هٰؤُلَآءِ لَا يَجْتَرِءُ وْنَ عَلَيْنَا قَالَ وَكُنْتُ اَنَا وَابْنُ مَسْعُوْدٍ وَرَجُلٌ مِّنْ هُذَيْلٍ وَّبِلَالٌ وَرَجُلَانِ لَسْتُ اُسَمِّيْهِمَا فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاشَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقَعَ فَحَدَّثَ نَفْسَهٗ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہم چھ آدمی تھے (مکہ کے) مشرکین (میں سے بعض سرداروں نے) نبی کریم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ تم (اگر چاہتے ہو کہ ہم لوگ تمہارے پاس آئیں جائیں، تمہاری دعوتی باتیں سنیں اور قبول اسلام کے بارے میں سوچیں تو اپنے ساتھیوں میں سے) ان لوگوں کو (جو آزاد کردہ غلام ہیں اور ہماری سماجی زندگی میں بے وقعت و بے حیثیت مانے جاتے ہیں اپنی مجلس سے) دور رکھو تاکہ یہ لوگ (ہمارے برابر میں بیٹھنے اور ہمارے ساتھ بات چیت میں شریک ہونے کا فائدہ اٹھا کر) ہم پر جری اور دلیر نہ ہو جائیں۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ ان چھ آدمیوں میں ایک تو میں تھا، ایک عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ ایک شخص قبیلہ ہذیل کا تھا اور دو آدمی اور تھے جن کے نام میں نہیں بتاتا۔ بہر حال (ان سرداروں کا مطالبہ سن کر) رسول کریم ﷺ کے خیال میں وہ بات آئی جو اللہ نے چاہا کہ آئے پھر آپ ﷺ نے (اس بارے میں سوچا ہی تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ یعنی ان لوگوں کو نہ ہٹایئے جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے اور پکارتے ہیں اور اس (عبادت و ذکر) سے ان کا مقصد اپنے رب کی خوشنودی چاہنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "دو آدمی اور تھے" کے تحت شارحین نے لکھا ہے کہ وہ دونوں آدمی حضرت خباب بن ارتؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ تھے۔ اور بیان کرنے والے نے جو یہ کہا کہ "جن کے نام میں نہیں بتاتا" تو یہ بات انہوں نے اس بناء پر کہی کہ اپنی کس مصلحت کے تحت وہ ان دونوں ناموں کا ذکر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یا جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے، انہوں نے یہ دونوں نام اس لئے نہیں بتائے کہ روایت حدیث کے وقت ان کو یاد نہیں رہا تھا کہ وہ دو آدمی کون تھے، تاہم روایت کے الفاظ سے پہلا ہی قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

"رسول کریم ﷺ کے خیال میں وہ بات آئی" یعنی، وہ سرداران قریش چونکہ اپنی سماجی برتری و وجاہت کے زعم میں یہ بات گوارا نہیں کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھیں تو اس مجلس میں وہ مسلمان بھی موجود ہوں اور برابری کی سطح پر شریک گفتگو رہیں جو کبھی غلام ہوا کرتے تھے، اور اس اعتبار سے قریش مکہ کی سماجی زندگی میں ان کو حقیر و کمتر مانا جاتا تھا لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اس لالچ میں کہ شائد ان سرداران قریش کو اسلام کی توفیق نصیب ہو جائے، ان کی بات رکھنے کا ارادہ فرمایا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسئلہ بہت اہم تھا۔ ایک طرف تو آپ ﷺ کی یہ شدید خواہش کہ اتنے بڑے بڑے سرداران قریش اسلام قبول کر لیں، دوسری طرف ان کا ایسا مطالبہ تھا جس سے بعض مخلص اور جاں نثار مسلمانوں کی تحقیر ہوتی تھی، چنانچہ آپ ﷺ کچھ اس طرح کی تدبیر سوچ رہے تھے جس سے ان سرداروں کی تالیف قلب بھی ہو جائے جو آخر کو ان کے قبول اسلام کا باعث بن سکے، اور اسلام کی نظر میں ان مخلص مسلمانوں کو جو عزت و توقیر ہے اس کو بھی تحفظ حاصل رہے۔ اس کی صورت آپ ﷺ کے ذہن میں یہ آئی ہوگی کہ جب وہ سرداران قریش مجلس نبوی میں بیٹھے ہوئے ہوں تو وہ مسلمان از خود مجلس میں نہ آئیں یا اگر وہ مجلس نبوی میں پہلے سے موجود ہوں اور سرداران قریش آجائیں تو از خود اٹھ کر چلے جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان مخلص اور سچے مسلمانوں کی عزت و توقیر قائم کرنے کے لئے اس صورت کو بھی ناپسند فرمایا اور مذکورہ آیت کریمہ کے ذریعہ گویا واضح فرمایا کہ ان سرداران قریش کے مطالبہ کو کسی صورت میں قبول نہیں کرنا چاہئے۔

ابوموسیٰ اشعریؓ کی فضیلت

⑧ وَعَنْ اَبِی مُوْسٰیؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ یَا اَبَا مُوْسٰی لَقَدْ اُعْطِیْتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِیْرِ آلِ دَاوٗدَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: اے ابوموسیٰ! تمہیں ایسی خوش آوازی عطا کی گئی ہے جو داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کا ایک حصہ ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "مزمار" اصل میں تو ساز یعنی بانسری، دف اور طنبور وغیرہ کے ساتھ گانے کو کہتے ہیں نہ کہ محض آواز کے ساتھ گانے کو۔ لیکن یہاں حدیث میں اس لفظ سے صرف "خوش آوازی و خوش الحانی" مراد ہے۔ نیز "آل داؤد" سے مراد خود حضرت داؤدؑ کی ذات ہے، اور "آل" کا لفظ زائد ہے کیونکہ خوش آوازی و خوش الحانی کی صفت حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ مشہور ہے نہ کہ آل داؤد کے ساتھ۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہاں "آل" کا لفظ شخص واحد کے معنی میں ہے۔ اور وہ خود حضرت داؤد کی ذات ہے۔ بہرحال مشہور پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام نہایت خوش آواز اور خوش الحان تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بھی خوش آوازی اور خوش الحانی کی بڑی صفت عطا فرمائی تھی، جب وہ اپنی پرسوز اور خوش الحان آواز میں کلام اللہ کی تلاوت کرتے تو آنحضرت ﷺ بھی نہایت شوق سے ان کی تلاوت سنتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ: ان کا اصل نام عبداللہ بن قیس اشعری ہے، ابوموسیٰ کی کنیت سے مشہور ہیں۔ انہوں نے مکہ ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور حبشہ کو ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے بعد میں حبشہ سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس وقت آئے جب آپ ﷺ خیبر میں تھے۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے ۲۰ھ میں ان کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا تھا اور حضرت عثمان غنیؓ کے شروع عہد خلافت تک بصرہ ہی میں مقیم رہے، پھر معزول ہو کر بصرہ کی سکونت ترک کی اور کوفہ آگئے۔ جب اہل کوفہ نے سعید بن عاص (حاکم کوفہ) کو وہاں سے نکال دیا اور حضرت عثمانؓ سے درخواست کی ابوموسیٰ کو ہمارا حاکم بنا دیجئے تو حضرت عثمانؓ نے ان کو دوبارہ کوفہ کا حاکم بنا دیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ نے ان کو معزول کر دیا اور پھر واقعہ تحکیم کے بعد حضرت ابوموسیٰ مکہ مکرمہ میں منتقل ہو گئے اور وہیں

۵۲ھ میں فوت ہوئے۔

چار حافظ قرآن صحابہؓ کا ذکر

⑨ وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَةٌ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَاَبُوْزَيْدٍ قِيْلَ لِاَنَسٍ مَنْ اَبُوْزَيْدٍ قَالَ اَحَدُ عُمُوْمَتِيْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں جن چار صحابہ نے قرآن کو جمع کیا یعنی پورا قرآن حفظ یاد کیا وہ ہیں، ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ، اور ابوزیدؓ، حضرت انس سے پوچھا گیا کہ ابوزیدؓ کون ہیں تو انہوں نے کہا، میرے ایک چچا ہیں۔"
(بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت ابوزیدؓ کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے سعید بن عمیر لکھا ہے اور بعض نے قیس بن سکن۔

یہ چاروں صحابہ انصار مدینہ کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں جو حضرت انسؓ کا قبیلہ ہے، اس اعتبار سے کہنا چاہئے کہ حضرت انسؓ نے جو بات کہی ہے وہ انہوں نے اظہار فخر کے طور پر کہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہمارے قبیلہ کے چار آدمیوں کو پورے کلام اللہ کا حافظ ہونے کا فخر حاصل تھا، اور اگر ان کے الفاظ کو (اظہار فخر کے طور پر نہیں بلکہ) عام بیان پر بھی محمول کیا جائے تو بھی ان الفاظ میں ایسی کوئی تصریح نہیں ہے جس کی بنا پر کہا جا سکے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مذکورہ چار صحابہؓ کے علاوہ اور کوئی صحابی پورے کلام اللہ کا حافظ نہیں تھا۔ ایک بات تو یہ ہے کہ ایسے مواقع پر عدد کا مفہوم کوئی خاص اعتبار نہیں رکھتا دوسرے یہ کہ صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت کا پورے کلام اللہ کا حافظ ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، ان میں سے ایک صحیح حدیث تو وہی ہے جس میں مذکور ہے کہ یمامہ میں جن ستر صحابہ کو شہید کیا گیا تھا وہ ان صحابہ میں سے تھے جنہوں نے پورا قرآن مجید حفظ یاد کر رکھا تھا، نیز خود خلفائے اربعہ بھی حفاظ قرآن صحابہ میں شامل ہیں۔

مصعب بن عمیرؓ کی فضیلت

⑩ وَعَنْ خَبَّابِ بْنِ الْاَرَتِّؓ قَالَ هَاجَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبْتَغِيْ وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَوَقَعَ اَجْرُنَا عَلَى اللّٰهِ فَمِنَّا مَنْ مَضٰى لَمْ يَاْكُلْ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْئًا مِنْهُمْ مُصْعَبُ ابْنُ عُمَيْرٍ قُتِلَ يَوْمَ اُحُدٍ فَلَمْ يُوْجَدْ لَهٗ مَا يُكَفَّنُ فِيْهِ اِلَّا نَمِرَةٌ فَكُنَّا اِذَا غَطَّيْنَا رَاْسَهٗ خَرَجَتْ رِجْلَاهُ وَاِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ خَرَجَ رَاْسُهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَطُّوْا بِهَا رَاْسَهٗ وَاجْعَلُوْا عَلٰى رِجْلَيْهِ مِنَ الْاِذْخِرِ وَمِنَّا مَنْ اَيْنَعَتْ لَهٗ ثَمَرَتُهٗ فَهُوَ يَهْدِبُهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت خباب بن ارتؓ کہتے ہیں کہ: رسول کریم ﷺ کے ساتھ ہمارا ہجرت کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے جذبہ کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں رکھتا تھا، چنانچہ ہمارے اس عمل کا اجر و ثواب اللہ کے نزدیک (محض اس کے فضل و کرم سے دنیا و آخرت میں) ثابت و قائم ہو گیا۔ پھر ہم میں سے بعض لوگ تو وہ ہیں جو (دنیا کا) کوئی بھی اجر و انعام پائے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو گئے، جن میں سے ایک مصعب بن عمیرؓ ہیں وہ احد کے دن شہید ہوئے، اور ان کے لئے کوئی ایسا کپڑا بھی میسر نہ ہوا جس میں ان کو (پوری طرح) کفنایا جاتا۔ (ان کے جسم پر) چیتے کی کھال جیسی سپید و سیاہ دھاریوں والی صرف ایک کملی تھی (اور وہ بھی اتنی مختصر کہ) جب ہم (اس کملی سے کفناتے وقت) مصعبؓ کے سر کو ڈھانکتے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور ان کے پاؤں کو ڈھانکتے تو ان کا سر کھل جاتا تھا۔ چنانچہ (ان کے کفن کے سلسلہ میں ہماری اس پریشانی کو دیکھ کر) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کملی سے سر کی طرف کو ڈھانک دو اور پاؤں پر اذخر (گھاس) ڈال دو اور ہم میں سے بعض لوگ وہ ہیں جن کا پھل پختہ ہو گیا اور وہ اس پھل کو چن رہے ہیں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "کوئی بھی اجر و انعام پائے بغیر" یعنی وہ لوگ دین کی راہ میں سخت جدوجہد اور قربانیوں کے بعد اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوگئے کہ ابھی اسلام کی فتوحات اور مسلمانوں کی کشور کشائیوں کا دور شروع نہیں ہوا تھا اور اس کے نتیجہ حاصل ہونے والے اس مال غنیمت سے ان کو کوئی حصہ نصیب نہیں ہوا جو اس زمانہ کے لوگوں کو مل رہا ہے۔ پس ان کا پورا اجر ان کو آخرت میں ملے گا۔

"اور وہ اس پھل کو چن رہے ہیں" یہ مال غنیمت سے کنایہ ہے، یعنی یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے فتوحات اور کشور کشائیوں کا زمانہ پایا اور اس کے نتیجہ میں جو مال غنیمت ملا اس میں سے اپنا حصہ حاصل کر رہے ہیں۔ حضرت خبابؓ کے کہنے کا مطلب گویا یہ تھا کہ ہم میں سے بعض لوگ تو وہ ہیں کہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، قربانیاں دیں اور پھر اسلام کی عظیم اور وسیع فتوحات کے بعد مال و زر کی فراوانی ہوئی تو اس سے ان کو مستفید ہونے کا بھی موقع ملا اور اس طرح انہوں نے اپنے اجر و ثواب کا کچھ حصہ اسی دنیا میں حاصل کر لیا۔ اور ان کے مقابلہ میں بعض لوگ وہ ہیں کہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں جو بڑی سے بڑی قربانیاں دیں اور جو سخت سے سخت مصائب جھیلے ان کا کوئی ثمرہ اس دنیا میں حاصل کرنے سے پہلے ہی وہ اس دنیا سے چلے گئے اور اس طرح ان کا پورا ثواب باقی رہا جو ان کو آخرت میں ملے گا، اور انہیں لوگوں میں مصعب بن عمیرؓ بھی ہیں پس اس حدیث میں دراصل حضرت مصعب بن عمیرؓ کی فضیلت کا بیان ہے۔ کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کا اخروی اجر و ثواب جوں کا توں قائم ہے۔ اس میں سے کچھ کم نہیں ہوا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مجاہدین کی جو بھی جماعت اللہ کی راہ میں جہاد کرتی ہے اور اس جہاد میں مال غنیمت پاتی ہے تو گویا دو تہائی ثواب اس دنیا ہی میں مل جاتا ہے اور ایک تہائی ثواب باقی رہ جاتا ہے جو اس کو آخرت میں ملے گا۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ: حضرت مصعب بن عمیرؓ، قرشی عبدری ہیں، اجلہ اور فضلاء صحابہ میں سے ہیں انہوں نے آنحضرت ﷺ کے دار ارقم میں آنے سے پہلے مکہ میں اسلام قبول کیا تھا اور اول ہجرت حبشہ کرنے والوں کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی۔ پھر جنگ بدر میں شریک ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان کو عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ بھیجا تھا اور وہاں اہل مدینہ کو قرآن کی تعلیم دینے اور دین سکھانے کی خدمت ان کے سپرد فرمائی تھی، ہجرت نبوی سے قبل مدینہ میں جس نے سب سے پہلے جمعہ پڑھا وہ مصعب بن عمیرؓ ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں حضرت مصعب بن عمیرؓ بڑے عیش و آرام کی زندگی گزارتے تھے، اعلیٰ سے اعلیٰ لباس زیب تن کرتے تھے۔ مگر جب مسلمان ہوگئے تو زہد اختیار کیا اور دنیا کے ہر عیش و آرام اور ہر راحت سے دست کش ہوگئے حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن مصعب بن عمیرؓ اس حال میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ (جسم پر ایک کملی تھی اور) کمر پر بکرے کے چمڑے کا تسمہ بندھا ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھ کر حاضرین مجلس سے فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو جس کا قلب اللہ تعالیٰ نے نور ایمان سے جگمگا رکھا ہے۔ میں نے اس شخص کو مکہ میں اس حال میں دیکھا کہ اس کے ماں باپ اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ چیزیں کھلاتے پلاتے تھے اور میں نے اس کے جسم پر ایسا جوڑا دیکھا ہے جو دو سو درہم میں خریدا گیا تھا۔ مگر اب اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت نے اس کو اس حالت میں پہنچا دیا ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو عقبہ اولیٰ کے بعد مدینہ بھیجا تھا، وہاں یہ اسلام کی دعوت لے کر انصار کے گھر گھر جاتے، ان کو تبلیغ کرتے اور ان کو مسلمان بنانے کی پوری پوری جدوجہد کرتے، چنانچہ ان کی اسی جدوجہد کے نتیجہ میں ایک ایک اور دو دو کر کے لوگ مسلمان ہوتے رہے، یہاں تک کہ مدینہ میں اسلام کا نور پھیل گیا اور اہل مدینہ کی بڑی تعداد دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی، تب انہوں نے مدینہ میں جمعہ قائم کرنے اور مسلمانان مدینہ کو نماز جمعہ پڑھانے کی اجازت آنحضرت ﷺ سے منگوائی، اس کے بعد حضرت مصعبؓ ستر آدمیوں کی وہ جماعت لے کر مکہ آئے جو عقبہ ثانیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی قرآن کریم کی یہ آیت: من المومنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ انہی حضرت مصعبؓ کی شان میں نازل ہوئی۔

سعد بن معاذ کی فضیلت

(۱۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِهْتَزَّ الْعَرْشُ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِهْتَزَّ

الرَّحْمٰنُ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، سعد بن معاذؓ کے مرنے پر عرش ہل گیا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ "سعد بن معاذؓ کے مرنے پر رحمٰن ہل گیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس بارے میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں کہ عرش کے ہلنے کے کیا معنی ہیں اور اس کے ہلنے کا سبب کیا تھا؟ ایک قول میں یہ معنی بیان کئے گئے ہیں کہ جب حضرت سعدؓ کا انتقال ہوا تو عرش الٰہی اس خوشی میں کہ پاک روح آئی ہے واقعۃً جھوم اٹھا۔ اور ایک قول میں یہ کہا گیا کہ "عرش ہل گیا" کے الفاظ دراصل حضرت سعدؓ کی پاک روح آنے کے سبب عرش الٰہی کے حقیقی یا مجازی فرح و نشاط سے کنایہ ہیں لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ "ہلنے" کے لفظ کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے جیسا کہ پہلے قول سے ثابت ہوتا ہے اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جمادات میں بھی علم و تمیز کا مادہ رکھا ہے، جس کا ثبوت قرآن کریم کے ان الفاظ: وان منها لما يهبط من خشية الله سے بھی ملتا ہے اور آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے بھی جو آپ ﷺ نے احد پہاڑ کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم کو محبوب رکھتا ہے۔ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ "عرش ہلنے" سے مراد اہل عرش یعنی فرشتوں کا خوش ہونا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت سعدؓ کے سانحہ موت کو عرش کے ہلنے سے تعبیر فرمایا۔ اور بعض حضرات نے لکھا ہے۔ یہ الفاظ حضرت سعدؓ کی وفات کے عظیم شان سے کنایہ ہیں۔ جیسا کہ جب کسی بہت ہی اہم اور بڑی شخصیت کا انتقال ہو جاتا ہے، تو کہہ دیتے ہیں کہ اس کی وفات سے دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔ یا یوں کہتے ہیں کہ فلاں کے مرنے پر قیامت آگئی۔

حضرت سعد بن معاذؓ: حضرت سعد بن معاذ بن نعمانؓ مدینہ کے انصار میں سے ہیں اور اشہلی اوسی ہیں، ان کا شمار اجلہ اور اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے مدینہ میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنی ہجرت سے پہلے دین کی تبلیغ و تعلیم کے لئے مدینہ بھیجا تھا۔ حضرت سعدؓ کے اسلام لانے کے سبب بنی عبد الاشہل کا پورا خاندان دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو "سید الانصار" کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ جنگ بدر اور جنگ احد میں شریک ہوئے ہیں جنگ احد کے دن پوری جاں نثاری کے ساتھ ثابت قدم رہے اور آنحضرت ﷺ کے پاس سے ہرگز نہیں ہٹے غزوہ خندق کے موقع پر ان کی رگ ہفت اندام میں ایک تیر آکر لگا جس سے خون جاری ہو گیا اور کسی طرح رک کر نہ دیا یہاں تک کہ اسی کے سبب تقریبًا ایک ماہ بعد ذیقعدہ ۵ھ میں انتقال کر گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۷ سال کی تھی بقیع میں مدفون ہوئے، اسی موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: سعدؓ کی موت پر ستر ہزار فرشتے اترے اور عرش الٰہی ہل گیا۔

(۱۲) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ أُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُلَّةُ حَرِيْرٍ فَجَعَلَ أَصْحَابُهُ يَمَسُّوْنَهَا وَيَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ لِيْنِهَا فَقَالَ أَتَعْجَبُوْنَ مِنْ لِيْنِ هٰذِهٖ لَمَنَادِيْلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنْهَا وَأَلْيَنُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت براء بن عازبؓ (جو مشاہیر صحابہ میں سے ہیں) بیان کرتے ہیں کہ (ایک عجمی ملک کے بادشاہ کی طرف سے) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ریشمی کپڑے کا جوڑا بطور ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ کے صحابہ اس جوڑے پر ہاتھ پھیر پھیر کر اس کی نرمی اور ملائمت پر تعجب اور حیرانی کا اظہار کرنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم اس کپڑے کی نرمی اور ملائمت پر کیا تعجب کرتے ہو جنت میں سعد بن معاذؓ کو جو رومال ملے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ نرم اور ملائم ہیں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "تعجب اور حیرانی کا اظہار کرنے لگے" ایک روایت میں آیا ہے کہ صحابہؓ نے چونکہ اتنا بیش قیمت اور ایسا نفیس جوڑا پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس لئے اس جوڑے کو دیکھ کر نہایت تعجب اور حیرانی کے ساتھ وہ یوں کہتے تھے کہ یہ جوڑا آنحضرت ﷺ پر آسمان سے نازل ہوا ہے۔

"مناديل" اصل میں "منديل" کی جمع ہے اور منديل اس رومال کو کہتے ہیں جس سے ہاتھ وغیرہ پونچھنے کا کام لیا جاتا ہے پس اس موقع پر آپ ﷺ نے مبالغۃً منديل کا ذکر کر کے گویا واضح فرمایا کہ جب جنت کے کپڑوں کی ایسی چھوٹی موٹی چیزیں اس دنیا کے بیش قیمت اور نفیس ترین کپڑوں سے بھی اعلی و افضل ہوں گی تو وہاں کے اصل کپڑوں اور لباسوں کا کیا پوچھنا ہے۔

حضرت انسؓ کے حق میں مستجاب دعا

(۱۴) وَعَنْ اُمِّ سُلَيْمٍ اَنَّهَا قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَسٌ خَادِمُكَ اُدْعُ اللّٰهَ لَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَبَارِكْ لَهٗ فِيْمَا اَعْطَيْتَهٗ قَالَ اَنَسٌ فَوَاللّٰهِ اِنَّ مَالِيْ لَكَثِيْرٌ وَاِنَّ وَلَدِيْ وَوَلَدَ وَلَدِيْ لَيَتَعَادُّوْنَ عَلٰى نَحْوِ الْمِائَةِ الْيَوْمَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ام سلیمؓ سے (جو حضرت انسؓ کی والدہ ہیں) روایت ہے کہ انہوں نے (جب اپنے بیٹے انسؓ کو ان کی چھوٹی سی عمر میں آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں پیش کیا تو اس وقت) عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ انس ہے جس کو آپ ﷺ کا خادم بنا کر آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر رہی ہوں۔ (اس کو حصول ایمان اور آپ کی بابرکت صحبت و خدمت کے سبب آخرت کا اجر و انعام تو ملے ہی گا، رہی دنیاوی خوشحالی و برکت کی بات، تو اس بارے میں) اس کے لئے دعا فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی "خدایا! اس (انس) کے مال کو زیادہ کر، اس کی اولاد کو بڑھا اور (اپنی طرف سے) جو نعمتیں تو نے اس کو عطا کی ہیں ان میں برکت دے۔ حضرت انسؓ کہتے تھے کہ خدا کی قسم (آنحضرت ﷺ کی اسی دعا کے سبب) میرا مال نہایت بہتات اور نہایت برکت کے ساتھ ہے۔ اور میری (بلاواسطہ) اولاد اور میری اولاد کی اولاد آج شمار میں سو کے قریب ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "آج شمار میں سو کے قریب ہیں" حضرت انسؓ نے اپنی بلاواسطہ اور بالواسطہ اولاد کی یہ تعداد تو اس وقت بیان کی تھی جب انہوں نے اس بات کا ذکر کیا تھا، اس کے بعد ان کی اولاد میں اور بھی اضافہ ہوا، چنانچہ ابن حجر نے حضرت انسؓ کی وہ روایت نقل کی ہے جو انہوں نے اس دن کے کافی عرصہ بعد بیان کی تھی اور جس میں انہوں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری اولاد کی اولاد کے علاوہ جو اولاد بلا واسطہ میری صلب سے مجھ کو عطا کی ہے۔ وہ تعداد میں ایک سو پچیس ہیں، جن میں دو لڑکیوں کے علاوہ باقی سب لڑکے ہیں اور (میرے مال میں بہتات و برکت کا یہ عالم ہے کہ) میرے باغات سال میں دو مرتبہ پھل دیتے ہیں۔ نیز حضرت انسؓ کے ایک صاحبزادے نے بیان کیا کہ والد محترم حضرت انسؓ کی صلبی اولاد میں سے جن کو میں نے دفنایا ہے۔ ان کی ہی تعداد سو کے قریب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال و منال اور اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں بشرطیکہ وہ یاد الٰہی سے غفلت کا موجب اور گناہ و معصیت کا باعث نہ ہوں۔ اور امام نوویؒ لکھتے ہیں: یہ (حضرت انسؓ کا اس قدر کثیر الاولاد ہونا اور کثیر المال ہونا) دراصل آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ایک اعجاز ہے۔ نیز یہ حدیث ان حضرات کے حق میں جاتی ہے جو فقیر و مفلس پر غنی و مالدار کی فضیلت کے قائل ہیں۔ لیکن دوسرے حضرات کی طرف سے اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس معاملہ کی خصوصی نوعیت ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت انسؓ کے حق میں دعا فرمائی اور اس دعا کی وجہ سے ان کے مال میں برکت ہوئی، اور جب برکت (الٰہی کا دخل ہوا تو اس مال کا وہ پہلو جاتا رہا جس کو شریعت کی نظر میں "فتنہ" کہا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ مال حضرت انسؓ کے حق میں نہ تو تقصیر اور برائی کا باعث بنا اور نہ ادائے حقوق اللہ میں کوتاہی کا موجب اسی بناء پر علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے اس بات کا استحباب ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص دنیا سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کی دعا مانگے تو اس دعا میں طلب برکت کو بھی شامل کرے یعنی اللہ سے اس چیز کو مانگنے کے ساتھ یہ بھی دعا مانگے کہ اللہ، اس چیز میں برکت عطا فرما اور مجھ کو اس کے فتنہ و آفات سے محفوظ رکھ۔

حضرت انسؓ: حضرت انسؓ بن مالک بن نضر، مدینہ کے باشندہ اور خزرجی ہیں، ابوحمزہ ان کی کنیت ہے، ان کو ان کی والدہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ میں اس وقت پیش کیا تھا جب وہ بارہ سال کے تھے انہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں

بصرہ کی سکونت اس مقصد سے اختیار کرلی تھی کہ وہاں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دیں گے اور بصرہ ہی میں ۹۱ھ میں انتقال کیا، اس وقت ان کی عمر ۱۰۳ سال تھی بصرہ میں فوت ہونے والے صحابہ میں حضرت انسؓ آخری صحابی ہیں۔ ابن عبدالبر ؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت انسؓ کے بیٹوں کی تعداد سو تھی، اور یہی قول زیادہ صحیح ہے بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان کی اولاد کی تعداد اسی تھی جن میں اٹھتر بیٹے تھے اور دو بیٹیاں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن حجر نے جو روایت نقل کی ہے (اور جس میں حضرت انس کی اولاد کی تعداد ۱۲۵ بیان ہوئی ہے) وہ نہ صرف ان روایتوں کے خلاف پڑتی ہے (کہ جن میں ان کی اولاد کی تعداد ایک سو یا اسی بیان کی گئی ہے) بلکہ مذکورہ بالا حدیث کے بھی مخالف نظر آتی ہے، کیونکہ اس حدیث کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی بلاواسطہ اور بالواسطہ اولاد کی مجموعی تعداد سو یا سو سے کچھ متجاوز تھی نہ کہ یہ تعداد صرف ان کی بلاواسطہ اولاد کی ہے۔ واللہ اعلم۔

عبداللہ بن سلام کی فضیلت

(۱۴) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ مَا سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لِاَحَدٍ یَمْشِیْ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَنَّہٗ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا لِعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن سلامؓ کے علاوہ کسی اور شخص کے بارے میں کہ جو زمین پر چلتا ہو، نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ وہ جنتی ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: حضرت عبداللہ بن سلامؓ نہایت جلیل القدر صحابی ہیں ان کا سلسلۂ نبوت حضرت یوسف علیہ السلام سے ملتا ہے۔ چنانچہ یہ پہلے ایک یہودی تھے اور نہایت ممتاز درجہ کے علماء یہود میں شمار ہوتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت فرمائی اور انہوں نے دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اسلام اور مسلمانوں کی نمایاں خدمات انجام دیں، انہی حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے بارے میں حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ میں نے صرف ان کی نسبت آنحضرت ﷺ کی لسان مقدس سے یہ بشارت سنی ہے کہ عبداللہ بن سلام جنتی ہیں۔

"جو زمین پر چلتا ہو" یہ صفت احترازیہ ہے، یعنی حضرت سعدؓ نے یہ الفاظ اس لئے کہے تا کہ عشرۂ مبشرہ میں سے ان حضرات کا استثناء ہو جائے جو حضرت عبداللہ بن سلام سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔ گویا ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت روئے زمین پر جو لوگ زندہ ہیں ان میں صرف عبداللہ بن سلامؓ وہ واحد شخص ہیں جن کی نسبت میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے اپنے کان سے سنا ہے کہ وہ جنتی ہیں۔

نوویؒ لکھتے ہیں: یہ حدیث اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ دس صحابہ کی نسبت جنتی ہونے کی بشارت مذکور ہے کیونکہ حضرت سعدؓ نے محض اپنے سننے کی نفی کی ہے، یعنی انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی زبان سے یہ بشارت صرف عبداللہ بن سلام کے بارے میں سنی ہے اور کسی کے بارے میں نہیں سنی ہے۔ لہٰذا کسی اور کے بارے میں ان کا سننا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ جنتی ہونے کی بشارت عبداللہ بن سلامؓ کے علاوہ اور شخص کو عطا نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ کسی واقعہ کے بارے میں نفی اور اثبات دونوں پہلوؤں کو ظاہر کرنے والی روایات موجود ہوں تو ترجیح اسی روایت کو ہوتی ہے جس سے اثبات ظاہر ہوتا ہے۔

بہرحال حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کو جنتی ہونے کی بشارت عطا فرمائی ہے۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور تو وہی دس صحابہ ہیں جن کو اسی بشارت کی بناء پر "عشرہ مبشرہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور خود حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی ان میں شامل ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کے تحت جو اشکال واقع ہوتا ہے اس کا کچھ ازالہ تو مذکورہ بالا وضاحتوں سے ہو جاتا ہے، باقی کے لئے شارحین نے کچھ اور باتیں لکھی ہیں مثلاً یہ کہ ہو سکتا ہے کہ جب حضرت سعدؓ نے عبداللہ بن

سلام کے علاوہ کسی اور کے حق میں مذکورہ بشارت سننے کی یہ نفی کی تھی اس وقت تک یہ بشارت آنحضرت ﷺ نے دوسروں کو عطا نہیں فرمائی تھی، یا یہ کہ حضرت سعدؓ نے یہ نفی اس وقت کی ہوگی جب کہ باقی صحابہ مبشرین اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ چنانچہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ ان صحابہ مبشرین کے بعد تک بقید حیات رہے اور جب ان کا انتقال ہوا تو عشرہ مبشرہ میں سے حضرت سعدؓ اور حضرت سعیدؓ کے علاوہ کوئی زندہ نہیں تھا اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو دار قطنی نے نقل کی ہے اور جس میں حضرت سعدؓ کے الفاظ یوں ہیں کہ: میں نے عبداللہ بن سلامؓ کے علاوہ کسی اور شخص کے بارے میں کہ جو اس وقت زندہ ہے اور چلتا پھرتا ہے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ وہ جنتی ہے، اب رہا یہ سوال کہ حضرت سعدؓ نے یہ بات کہتے ہوئے خود اپنی ذات کو اور حضرت سعیدؓ کو ملحوظ کیوں نہیں رکھا تو کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے خود اپنا ذکر تو اس وجہ سے نہیں کیا کہ ان کو اپنے حق میں اس بشارت کا علم کسی دوسرے ذریعہ سے ہوا ہوگا، خود انہوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ بشارت نہیں سنی ہوگی، یا یہ کہ انہوں نے کسر نفی کے تحت اپنا ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا ہو۔ اور جہاں تک حضرت سعیدؓ کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں اشکال اس وضاحت سے صاف ہو جاتا ہے کہ حضرت سعدؓ نے یمشی علی وجہ الارض (جو زمین پر چلتا ہو) کے جو الفاظ کہے ہیں ان سے مراد یہ ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے حق میں یہ بشارت ارشاد فرمائی تھی اس وقت وہ زمین پر چل رہے تھے جب کہ دوسروں کے حق میں یہ بشارت دوسری حالتوں میں ارشاد فرمائی گئی۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا خواب اور ان کو جنت کی بشارت

⑮ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍؓ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا فِيْ مَسْجِدِ الْمَدِيْنَةِ فَدَخَلَ رَجُلٌ عَلٰى وَجْهِهٖ اَثَرُ الْخُشُوْعِ فَقَالُوْا هٰذَا رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ تَجَوَّزَ فِيْهِمَا ثُمَّ خَرَجَ وَتَبِعْتُهٗ فَقُلْتُ اِنَّكَ حِيْنَ دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ قَالُوْا هٰذَا رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ وَاللّٰهِ مَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يَّقُوْلَ مَا لَا يَعْلَمُ فَسَاُحَدِّثُكَ لِمَ ذَاكَ رَاَيْتُ رُؤْيَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَصَصْتُهَا عَلَيْهِ وَرَاَيْتُ كَاَنِّيْ فِيْ رَوْضَةٍ ذَكَرَ مِنْ سَعَتِهَا وَخُضْرَتِهَا وَسَطَهَا عَمُوْدٌ مِّنْ حَدِيْدٍ اَسْفَلُهٗ فِي الْاَرْضِ وَاَعْلَاهُ فِي السَّمَآءِ فِيْ اَعْلَاهُ عُرْوَةٌ فَقِيْلَ لِيَ ارْقَهْ فَقُلْتُ لَا اَسْتَطِيْعُ فَاَتَانِيْ مِنْصَفٌ فَرَفَعَ ثِيَابِيْ مِنْ خَلْفِيْ فَرَقِيْتُ حَتّٰى كُنْتُ فِيْ اَعْلَاهُ فَاَخَذْتُ بِالْعُرْوَةِ فَقِيْلَ اسْتَمْسِكْ فَاسْتَيْقَظْتُ وَاِنَّهَا لَفِيْ يَدِيْ فَقَصَصْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تِلْكَ الرَّوْضَةُ الْاِسْلَامُ وَذٰلِكَ الْعَمُوْدُ عَمُوْدُ الْاِسْلَامِ وَتِلْكَ الْعُرْوَةُ الْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى فَاَنْتَ عَلَى الْاِسْلَامِ حَتّٰى تَمُوْتَ وَذٰلِكَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت قیس بن عبادؓ (جو ایک ثقہ تابعی ہیں) بیان کرتے ہیں میں (ایک روز) مدینہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک صاحب (مسجد میں) آئے جن کے چہرہ سے خشوع (یعنی وقار و سکون اور قربت الٰہی کا نور) ظاہر تھا (مسجد میں جو صاحبان موجود تھے ان میں سے) بعض نے کہا یہ صاحب جنتی ہیں، پھر ان صاحب نے (تحیۃ المسجد کی یا کوئی اور) دو رکعت نماز پڑھی اور دونوں رکعتیں ہلکی و مختصر پڑھیں اور پھر مسجد سے چلے گئے میں بھی (مسجد سے نکل کر) ان کے پیچھے پیچھے ہولیا اور (ایک جگہ پہنچ کر) ان سے بولا کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تھے تو بعض لوگوں نے کہا تھا کہ "یہ صاحب جنتی ہیں" (اس بارے میں آپ مجھ کو کچھ بتانے کی زحمت گوارا فرمایئے) ان صاحب نے کہا بخدا، (میں اس کی تصدیق نہیں کر سکتا کیونکہ) کسی شخص کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اس بات کو کہے جس کو نہیں جانتا، اور میں تم کو اس (عدم تصدیق) کی وجہ بتاتا ہوں۔ (بات یہ ہوئی تھی کہ) رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں (ایک روز) میں نے ایک خواب دیکھا تھا اور وہ خواب میں نے آنحضرت ﷺ سے بیان کر دیا تھا میں نے (خواب میں) دیکھا تھا کہ گویا میں ایک باغ میں ہوں۔ پھر ان صاحب نے اس باغ کی وسعت و کشادگی اور تر و تازگی و شادابی کا ذکر کیا اور (کہا کہ پھر میں نے دیکھا کہ) اس باغ کے بیچوں بیچ لوہے کا ایک ستون ہے کہ جس کا نیچے کا سرا

زمین کے اندر ہے اور اس کے اوپر کا سرا آسمان میں ہے اور اس ستون کے اوپر ایک حلقہ ہے، پھر مجھ سے کہا گیا کہ اوپر چڑھو! میں نے کہا: میں چڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا، تب ایک خادم میرے پاس آیا جس نے پیچھے سے میرے کپڑے اٹھائے اور میں اوپر چڑھنے لگا، یہاں تک کہ میں اس ستون کی آخری بلندی تک پہنچ گیا اور اس حلقہ کو پکڑ لیا۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ اس حلقہ کو مضبوط پکڑے رہنا۔ اور پھر میری آنکھ کھل گئی اس حال میں کہ وہ حلقہ میرے ہاتھ میں تھا جب نبی کریم ﷺ کے سامنے میں نے یہ خواب بیان کیا تو آپ ﷺ نے (اس خواب کی تعبیر میں) فرمایا "وہ باغ (جو تم نے نہایت وسعت وکشادگی اور تروتازگی کے ساتھ دیکھا) دین اسلام ہے، اور وہ ستون اسلام کا ستون ہے (یعنی اسلام کے احکام و ارکان سے عبارت ہے جن پر بنائے مسلمانی ہے) اور وہ حلقہ (کہ جس کو تم نے دیکھا اور پکڑا) عروۃ وثقی ہے۔ پس (اس خواب میں اس طرف اشارہ ہے کہ) تم اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اسلام پر ثابت قدم رہو گے" اور (قیس بن عباد کہتے ہیں کہ) وہ صاحب حضرت عبداللہ بن سلام تھے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "کسی شخص کے لئے مناسب نہیں ہے کہ" ان الفاظ کے ذریعہ ان صاحب یعنی حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے گویا ان لوگوں کی تصدیق کرنے سے انکار کیا جنہوں نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ یہ صاحب جنتی ہیں اور نوویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے ان کی تصدیق سے یہ انکار اس جہت سے کیا کہ ان لوگوں نے قطعی ویقینی انداز میں ان کے جنتی ہونے کی بات کہی تھی۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں نے تو یہ بات اس بناء پر کہی تھی کہ ان کے علم میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی وہ حدیث تھی جس میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے عبداللہ بن سلامؓ کو جنتی ہونے کی بشارت عطا کئے جانے کا ذکر ہے اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے ان کی اس بات کی تصدیق اس لئے نہیں کہ انہوں نے اپنے بارے میں یہ بشارت نہیں سنی ہوگی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی مذکورہ روایت ان تک نہیں پہنچی ہوگی۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو بھی اپنے بارے میں مذکورہ بشارت کا علم تو تھا، لیکن انہوں نے کسر نفسی کے تحت اس وقت یہ پسند نہیں کیا کہ ان لوگوں کی تصدیق کر کے اپنی عظمت وبڑائی کے اظہار کا سبب بنیں اور اس بشارت کی بنیاد پر لوگوں میں شہرت حاصل کریں۔ گویا ان کے اس انکار کا مطلب یہ تھا کہ بلاشبہ آنحضرت ﷺ کی عطا کردہ بشارت کے تحت میں جنتی ہونے کی توقع رکھتا ہوں لیکن اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس بشارت کی بنا پر میری عظمت وبڑائی بیان کی جائے، اور میری ذات کو شہرت دی جائے کیونکہ اس طرح کی بشارت میرے علاوہ اور لوگوں کو بھی عطا ہوئی، پھر مجھ میں ہی کیا خصوصیت ہے کہ میں اس بشارت کے ذریعہ مشہور ونمایاں کیا جاؤں، اور جیسا کہ طیبیؒ نے لکھا ہے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن سلامؓ اپنے ان الفاظ "اور میں تم کو اس کی وجہ بتاتا ہوں" کے ذریعہ دراصل ان لوگوں کی تصدیق سے انکار کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی انہوں نے گویا یہ کہا کہ میں ان لوگوں کی تصدیق نہیں کر سکتا اور تصدیق نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے یہ خواب دیکھا، اس خواب کو آنحضرت ﷺ سے بیان کیا اور آنحضرت ﷺ نے اس کی تعبیر میں یہ فرمایا، میرے علم کی حد تک تو ساری بات بس اتنی ہی ہے اور یہ بات اس امر میں کہ میں یقینی طور پر جنتی ہوں میرے نزدیک آنحضرت ﷺ کی طرف سے نص قطعی کا درجہ ہرگز نہیں رکھتی جیسا کہ دوسروں کے حق میں اس طرح کی بشارت نص قطعی کی صورت میں مذکور ہے۔ اور بعض شارحین نے یہ بھی لکھا ہے کہ مذکورہ الفاظ کے ذریعہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے ان لوگوں کی بات کی تصدیق سے انکار نہیں کیا بلکہ دراصل انہوں نے ان کی بات کی تصدیق کی۔ یعنی انہوں نے گویا یہ کہا کہ جو بھی شخص آنحضرت ﷺ کی صحبت سے فیضیاب ہو چکا ہے یا جو شخص آنحضرت ﷺ کی احادیث اور آپ ﷺ کے ارشادات سے باخبر ہے وہ ایسی کوئی بات کہہ ہی نہیں سکتا جو اس کے علم سے باہر کی ہو، پس وہ لوگ اس بات کو جانتے ہی ہوں گے جو انہوں نے میرے متعلق کہا کہ میں جنتی ہوں، اور خود میں بھی اس بارے میں تھوڑا بہت جو جانتا ہوں اس کو بیان کئے دیتا ہوں اور وہ یہ خواب ہے۔

"اس حال میں کہ وہ حلقہ میرے ہاتھ میں تھا" یعنی خواب میں اس حلقہ کو میں پکڑے ہی ہوئے تھا کہ اسی لمحہ میری آنکھ کھل گئی۔ پس اس جملہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ آنکھ کھلنے کے بعد بھی وہ حلقہ ان کے ہاتھ میں تھا، ویسے اگر روایت کے الفاظ کو ان کے ظاہری معنی پر

محمول کیا جائے کہ بیدار ہونے کے بعد بھی وہ حلقہ ان کے ہاتھ میں تھا تو اس میں کچھ استبعاد بھی نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کی قدرت میں ایسا ہونا ناممکن نہیں ہے بلکہ عام طور پر ایسا ہوتا نہیں ہے، اور نہ ان الفاظ سے حضرت عبداللہ بن سلام کی یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ اس خواب کا اثر جاگنے کے بعد بھی میرے ہاتھ میں باقی تھا، یعنی جب صبح ہوئی اور میری آنکھ کھلی تو میری مٹھی اسی حالت میں بند تھی۔ جیسا کہ میں نے خواب میں اس حلقہ کو پکڑ رکھا تھا۔

"اور وہ حلقہ عروہ وثقی ہے" انہوں نے دراصل اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ویومن باللّٰہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی (اور جس شخص نے اللہ پر ایمان رکھا تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا) کی طرف اشارہ فرمایا کہ خواب میں تمہارا ستون کے اوپر چڑھنا اور اس کے حلقہ کو پکڑنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ تمہارا ایمان و اخلاص کامل ہے اور تم نے دین اسلام کو اس مضبوطی سے تھام رکھا ہے کہ درجات و مراتب کی اپنی آخری بلندیوں تک پہنچ گئے ہو۔

"وہ صاحب عبداللہ بن سلامؓ تھے" ظاہر تو یہی ہے کہ یہ الفاظ حضرت قیس بن عبادؓ کے ہیں، لیکن یہ بھی بعید نہیں کہ یہ خود حضرت عبداللہ بن سلامؓ ہی کے الفاظ ہوں جن کے ذریعہ انہوں نے اپنے بارے میں وضاحت کی اور اپنے کو غائب سے تعبیر کیا۔

حضرت ثابت بن قیس کو جنّت کی بشارت

(۱۶) وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كَانَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ خَطِيْبَ الْاَنْصَارِ فَلَمَّا نَزَلَتْ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ جَلَسَ ثَابِتٌ فِيْ بَيْتِهٖ وَاحْتَبَسَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فَقَالَ مَاشَانُ ثَابِتٍ اَيَشْتَكِيْ فَاَتَاهُ سَعْدٌ فَذَكَرَ لَهٗ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ثَابِتٌ اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّيْ مِنْ اَرْفَعِكُمْ صَوْتًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ سَعْدٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ هُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس بن شماسؓ انصار کے خطیب تھے (یعنی انصار میں یہ وہ شخص تھے جن کی بات چیت فصاحت و بلاغت سے پر ہوتی تھی اور جو نثر کے مانے ہوئے ادیب و خطیب تھے) جب یہ آیت نازل ہوئی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ الآية (یعنی اے ایمان والو، اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو الخ) تو ثابتؓ اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آنا جانا بند کر دیا، پس نبی کریم ﷺ نے (ایک دن) سعد بن معاذؓ سے (جو انصار کے سردار تھے) پوچھا کہ ثابت کو کیا ہوا (کہ انہوں نے آنا جانا بند کر رکھا ہے اور کہیں دکھائی نہیں دیتے) کیا وہ بیمار ہیں؟ سعدؓ (چپ رہے انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ خود ان کو ثابتؓ کے بارے میں معلوم نہیں تھا اور تحقیق کئے بغیر کوئی جواب دینے سے قاصر تھے، چنانچہ وہ تحقیق حال کے لئے) ثابتؓ کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے رسول کریم ﷺ کے الفاظ نقل کئے (کہ آنحضرت ﷺ تمہیں پوچھ رہے تھے اور فرمایا کہ کیا ثابت بیمار ہیں جو ہمارے پاس نہیں آتے) ثابتؓ نے (یہ سن کر) کہا کہ: یہ آیت یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی الخ نازل ہوئی (جو آنحضرت ﷺ کے سامنے بلند آواز میں بات چیت کرنے سے منع کرتی ہے) اور تم جانتے ہی ہو کہ تم میں سب سے زیادہ میری ہی آواز رسول کریم ﷺ کی آواز سے بلند ہے، لہٰذا میں تو دوزخی ہوں، سعدؓ نے آکر نبی کریم ﷺ سے ثابتؓ کے الفاظ نقل کئے اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ ثابت تو جنتی ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "کیا وہ بیمار ہیں؟" ظاہر یہ ہے کہ حضرت ثابتؓ کے صدق حال نے تاثیر کی اور آنحضرت ﷺ کے دریافت کرنے کا باعث ہوا،

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں پوچھا اور تشویش ظاہر فرمائی کہ وہ کہیں بیمار تو نہیں ہیں جو ہماری مجلس میں ان کا آنا جانا بند ہے۔

حالت خویش چہ حاجت کہ بوئے شرح دہم　　　گر مرا سوز دلی ہست اثر خواہد کرد

"میں تو دوزخی ہوں" دراصل حضرت ثابتؓ طبعی و جبلی طور پر بلند آواز تھے اور خطابت کے وصف نے ان کی آواز اور ان کے لب و لہجہ کو اور زیادہ جاندار اور بلند کر دیا تھا چنانچہ بات چیت میں ان کی آواز بلا قصد بھی بلند ہو جایا کرتی تھی۔ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو وہ یہ سمجھے کہ میں اپنی آواز کو پست رکھنے پر چونکہ قادر ہی نہیں ہوں اور آنحضرت ﷺ کے سامنے بھی میری آواز لامحالہ بلند رہتی ہے اس لئے میں اس آیت کی عدم تعمیل کا مرتکب ہوں، اور اسی کے سبب میرے سارے اعمال برباد ہو گئے، میں دوزخی ہو گیا، انہوں نے یہ نہیں جانا کہ اس آیت کی مراد آنحضرت ﷺ کے سامنے اس اونچی آواز میں گفتگو کرنے سے منع کرنا ہے جو قصد و اختیار کے تحت ہو اور جس سے بے ادبی ظاہر ہوتی ہو۔

"ثابت تو جنتی ہے" یعنی ثابت نے میرے ادب و احترام میں جس شدت سے احتیاط کا پہلو اختیار کیا کہ طبعی و جبلی بلند آوازی کو بھی ناجائز رکھا اس کی بناء پر اس نے جنت کا استحقاق پیدا کر لیا ہے اور وہ جنت میں جائے گا، چنانچہ حضرت ثابت بن قیسؓ کا جنتی ہونا واقعاتی طور پر بھی اس طرح ثابت ہوا کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ جنگ یمامہ میں شرکت کی اور جام شہادت نوش کیا۔ منقول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب مسیلمہ کذاب کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور مجاہدین اسلام کو تیاری کا حکم دیا تو حضرت ثابت بن قیسؓ نے اپنا کفن تیار کرایا اور اسی کفن کو پہن کر جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑے، یہاں تک کہ وہی کفن پہنے ہوئے شہید ہوئے۔

اس حدیث کے تحت ایک اشکال بھی واقع ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مذکورہ آیت کا ۹ھ میں نازل ہونا بیان کیا جاتا ہے جب کہ حضرت سعد بن معاذؓ اس سے پہلے ۵ھ ہی میں وفات پا چکے تھے؟ اس کا جواب شارحین نے یہ لکھا ہے کہ اس حدیث میں حضرت ثابتؓ کے تعلق سے جس آیت کا ذکر ہے وہ بس وہی ہے جس میں فقط آواز بلند نہ کرنے کا حکم مذکور ہے یعنی یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم الخ نہ کہ سورت کی پہلی آیت یعنی یا ایھا الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ الخ کا پس سورت کی یہ پہلی آیت تو ۹ھ میں نازل ہوئی ہوگی اور حدیث میں مذکورہ آیت حضرت سعد بن معاذؓ کے انتقال سے پہلے نازل ہو چکی ہوگی۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی فضیلت

⑰ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ نَزَلَتْ سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ فَلَمَّا نَزَلَتْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ قَالُوْا مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَفِيْنَا سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ قَالَ فَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ عَلٰى سَلْمَانَ ثُمَّ قَالَ لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رِجَالٌ مِّنْ هٰؤُلَاءِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک سورۂ جمعہ نازل ہوئی اور جب یہ آیت آئی: وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (اور ان میں کچھ دوسرے لوگ وہ ہیں جو ابھی ان سے آکر نہیں ملے ہیں) تو صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں (جو ابھی آکر نہیں ملے ہیں؟) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ: اس وقت ہمارے درمیان سلمان فارسیؓ بھی تھے۔ نبی کریم ﷺ نے (صحابہؓ کا یہ سوال سن کر) اپنا ہاتھ سلمانؓ پر رکھا اور فرمایا: اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی ہوتا تو بلاشبہ ان لوگوں میں کتنے ہی اس کو پا لیتے اور حاصل کرتے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: پوری آیت اپنے سیاق کے ساتھ یوں ہے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ الاية۔

"(اللہ) وہی تو ہے جس نے (عرب کے) امی لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر (ﷺ) بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (برے عقائد اور بری عادتوں سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب و دانائی (کی باتیں) سکھاتے ہیں۔ اور یہ لوگ (ان پیغمبر ﷺ کی بعثت سے) پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور ان میں سے (کہ جن میں اللہ نے پیغمبر بھیجا ہے) دوسرے لوگ وہ ہیں جو ابھی ان میں آکر شامل نہیں ہوئے ہیں اور وہ (اللہ) زبردست حکمت والا ہے۔"

اس آیت میں (امی یعنی ناخواندہ لوگوں) سے مراد اہل عرب ہیں اور اشارہ صحابہ کرام کی طرف ہے جنہوں نے گمراہی و جہالت کا راستہ چھوڑ کر نبی آخر الزمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ "آخرین" (دوسرے لوگوں) سے مراد وہ لوگ ہیں جو نزول قرآن کے وقت موجود نہیں تھے بلکہ بعد کے زمانہ میں یعنی صحابہ کے وقت، اسلام لانے والوں میں شامل ہوئے، گویا تابعین کی طرف اشارہ ہے اور تابعین بھی خاص طور پر وہ جن کا تعلق غیر عرب یعنی عجم سے ہے، چنانچہ تابعین کی اکثر تعداد عجمیوں ہی پر مشتمل ہے جیسا کہ چند کو چھوڑ کر باقی سب صحابہ عرب سے ہیں، بہر حال آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں گویا حضرت سلمانؓ کی تعریف کی جو غیر عرب یعنی عجمی ہیں اور ان کی نسبت سے واضح فرمایا کہ آیت میں "آخرین" سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت تو دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہیں یا تو اس وجہ سے کہ وہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں اور یا اس وجہ سے کہ ان تک ابھی دعوت اسلام نہیں پہنچی ہے، لیکن بعد میں وہ تمہارے پاس آئیں گے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوں گے اور ان میں سے اکثر عجمی ہوں گے۔ وہ لوگ دین اور علم کے ایسا جویا ہوں گے کہ اگر دین و ایمان اور علم کا سرمایہ ثریا کی بلندی پر پہنچ جائے تو وہ اس کو وہاں سے بھی حاصل کریں گے چنانچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان تابعین نے جس جستجو و محنت سے دین و ایمان حاصل کیا اور علم و اجتہاد کے میدان میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ صحابہ کے بعد صرف انہی کا وصف ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ: نام "سلمان" اور کنیت "ابو عبداللہ" ہے ان کا وطنی تعلق فارس (ایران) سے تھا اس لئے "فارسی" کی نسبت سے مشہور ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ان کو ایک یہودی سے خرید کر آزاد کیا تھا۔ حضرت سلمانؓ کا شمار نہایت جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ فارس کی مشہور نسل "رام ہرمز" سے ہیں جو مذہبًا مجوسی تھی اور ابلق گھوڑوں کی پجاری سمجھی جاتی تھی، حضرت سلمانؓ شروع ہی سے "دین حق" کی جستجو میں لگ گئے تھے اسی سلسلہ میں انہوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے عیسائیت کو اختیار کر لیا تھا۔ اور اس کی مذہبی کتابوں کا علم حاصل کیا، ان کے والد اور اعزا و اقربا کو ان کا عیسائی بن جانا پسند نہیں آیا، چنانچہ ان سب نے ان کو سخت سزائیں اور اذیتیں دیں مگر انہوں نے ہر سختی و رہر اذیت کو برداشت کیا اور عیسائیت کو ترک نہیں کیا۔ پھر یہ اپنا ملک و وطن چھوڑ کر شام آگئے اور یہاں عرب سے آئے ہوئے بعض لوگوں کے ہتھے چڑھ گئے۔ جنہوں نے ان کو مدینہ لا کر ایک یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں حضرت سلمانؓ یکے بعد دیگرے دس آدمیوں کے ہاتھوں بیچے گئے۔ اور ان سب کی غلامی میں رہے۔ تاآنکہ نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو یہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا: سلمان جنتیوں میں سے ہے اور ان میں سے ایک ہیں جن کا جنت کو اشتیاق و انتظار ہے۔ حضرت سلمانؓ کی عمر بہت طویل ہوئی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ وفات کے وقت ان کی عمر ساڑھے تین سو سال کی تھی، اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے ڈھائی سو سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور زیادہ صحیح یہی قول ہے۔ انہوں نے یہ طویل عمر "دین حق" کی جستجو میں کھپائی یہاں تک کہ آخر میں نبی آخر الزمان ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر گوہر مقصود کو پہنچ گئے۔ حضرت سلمانؓ محنت و مشقت کر کے اپنی روزی کماتے تھے اور اپنی کمائی کا زیادہ سے زیادہ حصہ راہ خدا میں خرچ کر دینا ان کا معمول تھا۔ ان کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں، سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی بہت زیادہ مدح و تعریف فرمائی ہے۔ ۳۵ھ میں بمقام مدائن ان کا

انتقال ہوا۔

حضرت ابوہریرہ کے حق میں دعائے محبوبیت

⑱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ عُبَيْدَكَ هٰذَا يَعْنِيْ اَبَاهُرَيْرَةَ وَاُمَّهُ اِلٰى عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَحَبِّبْ اِلَيْهِمَا الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ! اپنے اس چھوٹے سے بندے یعنی ابوہریرہ کو اور اس کی ماں کو اپنے مؤمن بندوں کا محبوب بنا اور اہل ایمان کو ان کا محبوب بنادے۔" (رواہ مسلم)

تشریح: یعنی: اے اللہ! ایسا کر کہ یہ دونوں، جو نہایت غریب و نادار، اور لاچار و بیکس ہیں، تیرے مؤمن بندوں کی نظر میں محبت و توجہ کا مرکز بن جائیں اور خود یہ بھی تیرے مسلمان بندوں کو اپنا محبوب، دوست اور غم خوار سمجھتے رہیں۔

کمزوروں اور لاچاروں کی عزت افزائی

⑲ وَعَنْ عَائِذِبْنِ عَمْروٍؓ اَنَّ اَبَا سُفْيَانَ اَتٰى عَلٰى سَلْمَانَ وَصُهَيْبٍ وَبِلَالٍ فِيْ نَفَرٍ فَقَالُوْا مَا اَخَذَتْ سُيُوْفُ اللّٰهِ مِنْ عُنُقِ عَدُوِّ اللّٰهِ مَاْخَذَهَا فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَتَقُوْلُوْنَ لِهٰذَا الشَّيْخِ قُرَيْشٍ وَسَيِّدِهِمْ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ يَا اَبَابَكْرٍ لَعَلَّكَ اَغْضَبْتَهُمْ لَئِنْ كُنْتَ اَغْضَبْتَهُمْ لَقَدْ اَغْضَبْتَ رَبَّكَ فَاَتَاهُمْ فَقَالَ يَا اِخْوَتَاهُ اَغْضَبْتُكُمْ قَالُوْا لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ يَا اَخِيْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائذ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ (امیر معاویہؓ کے والد) ابوسفیان (جب مدینہ آئے اور ایک موقع پر) صحابہ کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے سلمان فارسیؓ صہیب رومیؓ اور بلال حبشیؓ کے سامنے سے گزرے تو ان تینوں نے (ابوسفیان کو دیکھ کر) کہا: کیا اللہ (کے ان بندوں) کی تلواروں نے (کہ جو اللہ کے حکم کی تعمیل میں سرگرم رہتے ہیں) ادائے حق میں اس دشمن خدا کی گردن ابھی نہیں اڑائی؟ حضرت ابوبکرؓ (نے یہ سنا تو ان تینوں حضرات کو مخاطب کر کے) بولے تم قریش کے اس بڑے آدمی کے بارے میں ایسی بات کہہ رہے ہو جو اپنی قوم کا سردار بھی ہے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آنحضرت ﷺ نے (ساری تفصیل سن کر) فرمایا: ابوبکر! تم نے شاید ان تینوں کو ناراض کر دیا ہے، اور اگر تم نے ان کو ناراض کیا ہے تو خدا کی قسم تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ (یہ سنتے ہی کانپ اٹھے اور فوراً بھاگے ہوئے) ان تینوں کے پاس آئے اور بولے: اے میرے بھائیو! کیا تم مجھ سے غصہ اور ناراض ہو گئے ہو؟ ان تینوں نے جواب دیا: نہیں، اے میرے بھائی۔ اللہ آپ کو معاف کرے (ہم آپ سے ناراض نہیں ہوئے ہیں)۔" (مسلم)

تشریح: مدینہ میں ابوسفیانؓ کی آمد کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور صلح نامہ حدیبیہ کی تجدید کے مشن پر قریش مکہ کے نمائندہ کے طور پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے تھے۔ قریش مکہ دعوت اسلام کی راہ میں جس جارحانہ مزاحمت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اہل اسلام کو جس بے دردی کے ساتھ اور جس ظالمانہ طریقہ سے ستاتے اور تکلیف پہنچاتے تھے۔ اور خود صلح نامہ حدیبیہ کی پامالی اور عہد شکنیوں کے جس طرح مرتکب تھے اس کی بناء پر دین کے ان تینوں پر جوش اور مخلص خادموں یعنی سلمانؓ۔ صہیبؓ اور بلالؓ کا ابوسفیان کو مدینہ میں دیکھ کر اس تاسف کا اظہار کرنا کہ اتنا بڑا مشرک ابھی تک ہمارے ہاتھ سے نہیں مارا گیا۔ بالکل فطری امر تھا۔ تاہم ان تینوں کے اس طرح کے جذبات کے برملا اظہار پر حضرت ابوبکرؓ نے جس ناگواری کا اظہار فرمایا وہ بھی تدبر اور مصلحت وقت کا تقاضا تھا کیونکہ اول تو ابوسفیان اس وقت ایک سفارتی مشن پر مدینہ آئے ہوئے تھے اور ان کو جان و مال اور عزت کے تحفظ کی ضمانت

حاصل تھی اور اس ضمانت (امان) کالحاظ کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری تھا۔ دوسرے دین کی طرف مائل کرنے کے لئے اور مصالح کے تحت ابوسفیان کی دلجوئی کا مقصد بھی حضرت ابوبکرؓ کے سامنے تھا جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ بھی ایسے مواقع پر بعض مشرک سرداروں کے ساتھ خیر سگالی اور دلجوئی کا سلوک فرماتے تھے۔

"تم نے شائد ان تینوں کو ناراض کر دیا ہے" یعنی: تم نے ان تینوں کی بات پر جو مخالفانہ ردعمل ظاہر کیا ہے وہ چاہے تدبر اور مصلحت کے تحت تھا لیکن یہ بات نہ بھولو کہ وہ تینوں دین کے مخلص خادم ہر حالت میں اللہ کے محب اور محبوب ہیں اور انہوں نے ابوسفیان کے تئیں جو کچھ کہا وہ صرف اللہ اور اللہ کے دین کی محبت میں اور ایک دشمن دین وخدا کی نفرت میں کہا، لہٰذا اس جہت سے تم نے ان تینوں کی مخالفت کر کے اگر ان کو ناراض کر دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اللہ کے محبوب بندوں کے مقابلہ پر ایک دشمن دین کے پہلو کی رعایت کرنے کا مرتکب ہوگئے جس کے سبب گویا تم نے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لے لی ہے۔ لہٰذا تم فوراً ان تینوں کے پاس جاؤ، ان سے معذرت کرو، اگر وہ ناراض ہوگئے ہیں تو ان کی ناراضگی کو دور کرو۔

"نہیں، اے میرے بھائی" ظاہری اسلوب کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہاں یَا اَخَانَا (اے ہمارے بھائی) کہا جاتا، تاہم ہو سکتا ہے کہ یا اخی (اے میرے بھائی) کا لفظ ان تینوں کی طرف سے نہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک کی طرف سے نقل کیا گیا ہے، یعنی ان تینوں میں سے ہر ایک نے الگ الگ یوں کہا کہ "نہیں اے میرے بھائی (میں آپ سے ناراض نہیں ہوں) واضح ہو کہ مشکوٰۃ کے بہت سے نسخوں میں یہ لفظ ہمزہ کے پیش کے ساتھ بصیغہ تصغیر یعنی "اُخَی" نقل ہوا ہے اور ایک نسخہ میں ہمزہ کے زیر اور یٰ کے جزم کے ساتھ بھی مذکور ہے ویسے ہمزہ کے زبر کے ساتھ بھی یہ لفظ کوئی قباحت نہیں رکھتا۔

مذکورۃ الصدر تینوں حضرات یعنی سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ، اور بلال حبشیؓ صحابہ کے اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو "غلامی" کی نسبت سے غیر مسلم سماج میں کمتر و پست سمجھے جاتے تھے اور معاشی و اقتصادی طور پر بھی نہایت غریب اور مفلوک الحال تھے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ ان حضرات کی دلداری و دلجوئی کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ اور ایسی کوئی بات نہیں ہونے دیتے تھے۔ جس سے ان مخلصوں کو اپنی کمزوری و لاچاری کا احساس ہو اور ان کی عزت و نفس کو دھکا لگے ـــــ جس کی ایک مثال یہی حدیث ہے۔ چنانچہ اس حدیث سے نہ صرف یہ کہ سماجی و معاشی طور پر مفلس و کمزور صحابہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے بلکہ آنحضرت ﷺ نے گویا اس طرف توجہ دلائی کہ ان کی تعظیم و تکریم اور ان کی رعایت خاطر کو ہر حالت میں ملحوظ رکھا جائے۔

حضرت صہیب رومیؓ: صہیب بن سنانؓ عبداللہ بن جدعان تیمی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ابویحییٰ کنیت ہے۔ یہ اصل میں دجلہ و فرات کے درمیان "موصل" کے رہنے والے تھے۔ جب رومی فوجوں نے اس علاقہ پر دھاوا بولا اور لوٹ مار کی تو صہیبؓ بھی ان لوگوں میں تھے جن کو رومی فوج قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ اس وقت یہ چھوٹی عمر کے تھے۔ جب بڑے ہوئے تو شکل و شباہت سے بالکل رومی لگنے لگے۔ بعد میں قبیلہ کلب کے کچھ لوگوں نے ان کو رومیوں سے خرید لیا اور ان کو مکہ لے آئے۔ پھر عبداللہ بن جدعان نے ان کو خریدا اور آزاد کر دیا۔ عبداللہ بن جدعان کی موت تک حضرت صہیبؓ اسی کے ساتھ رہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ صہیبؓ جب روم میں رہتے ہوئے بڑے ہوگئے اور عقل و سمجھ آگئی تو وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور مکہ آگئے۔ مکہ میں عبداللہ بن جدعان کے پاس پہنچے اور اس کے حلیف بن کر اسی کے ساتھ رہنے لگے۔ حضرت صہیبؓ قدیم الاسلام ہیں۔ انہوں نے دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ ہی میں مکہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت صہیبؓ اور عمار بن یاسرؓ نے ایک ہی دن اسلام قبول کیا تھا جب کہ رسول اللہ ﷺ دار ارقم میں مقیم تھے۔ اور اس وقت تک کچھ اوپر تیس آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت صہیبؓ بھی ان کمزور و لاچار مسلمانوں میں ہیں جن کو اللہ کی راہ میں سخت ترین آزمائشوں سے گزرنا پڑا، اور جو قریش مکہ کے بہت زیادہ ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ بعد میں انہوں نے مکہ چھوڑ دیا اور ہجرت کر کے مدینہ آگئے۔ ۸۰ھ میں بعمر ۷۰ سال مدینہ میں ان کا انتقال ہوا اور بقیع میں مدفون ہوئے۔

قرآن کی آیت و من النّاس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللہ انہی کی شان میں نازل ہوئی تھی۔

انصار کی فضیلت

(۲۰) وَعَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اٰیَةُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ وَاٰیَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (یعنی کمال ایمان) کی نشانی (تمام) انصار سے محبت رکھنا۔ اور نفاق کی نشانی انصار سے بغض و دشمنی رکھنا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "انصار" کا لفظ لغوی طور پر "ناصر" یا "نصر" کی جمع ہے اور اصطلاحاً اس لفظ کا اطلاق مدینہ کے ان لوگوں پر ہوتا ہے جو آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور جان و مال سے آپ ﷺ کی مدد کی دراصل مدینہ میں دو قبیلے آباد تھے۔ ایک کے مورث اعلی کا نام "اوس" اور دوسرے کے مورث اعلی کا نام "خزرج" تھا اوس و خزرج دونوں بھائی تھے اور آگے چل کر ان دونوں کی نسلوں نے دو زبردست قبیلوں کی صورت اختیار کرلی۔ مدینہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی آمد سے پہلے یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے خلاف بھیانک مخاصمت و دشمنی رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ہجرت نبوی کے وقت تک مسلسل ایک سو بیس سال سے ان دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ و عداوت چلی آرہی تھی، لیکن جوں ہی انہوں نے اسلام و توحید اور پیغمبر اسلام ﷺ سے تعلق قائم کیا ان کی باہمی عداوت و مخاصمت باہمی محبت و موانست میں بدل گئی۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں قبیلوں کو "انصار" کا لقب عطا فرمایا اور اسی لقب کے ذریعہ ان قبیلوں کے لوگ مشہور و ممتاز ہوئے۔ ان کے بعد ان کی اولاد، ان کی نسلوں، اور ان کے آزاد کردہ غلاموں کے لئے بھی یہ لقب باقی رہا۔ انصار کے فضائل و مناقب کا کوئی ٹھکانا نہیں، اسلام میں بلندتر، شرف و اعزاز ان کو حاصل ہے قرآن کریم میں ان کی تعریف مذکور ہے اور یہ عظیم تر تبہ ان کو اس بناء پر حاصل ہوا کہ انہوں نے نہایت مخلصانہ طور پر پیغمبر اسلام ﷺ کو ٹھکانا دیا۔ جان و مال سے آپ ﷺ کی مدد کی اور آپ ﷺ کے دعوتی مشن کے نہایت زبردست اور موثر معاون بنے۔ اور چونکہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی معاونت کر کے تمام عرب و عجم کے دشمنان دین کی عداوت مول لی۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ان کی محبت کو ایمان کی علامت اور ان کی عداوت کو کفر و نفاق کی علامت، اسی طرح ان کے تئیں کمال محبت کو کمال ایمان کا موجب اور ان کے تئیں نقصان محبت کو نقصان ایمان کا موجب قرار دیا جائے۔ بلکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر کوئی شخص اس بناء پر ان سے عداوت رکھے کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے معاون و مددگار بنے تو وہ شخص یقینی طور پر حقیقی کافر ہے۔

انصار کو محبوب رکھنے والا اللہ کا محبوب

(۲۱) وَعَنِ الْبَرَاءِؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْاَنْصَارُ لَا یُحِبُّهُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَّلَا یُبْغِضُهُمْ اِلَّا مُنَافِقٌ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ اَحَبَّہُ اللّٰہُ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ اَبْغَضَہُ اللّٰہُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت براء بن عازب انصاریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا "انصار سے وہی محبت رکھتا ہے جو (کامل) مؤمن ہے اور انصار سے وہی شخص عداوت و دشمنی رکھتا ہے جو (حقیقی) منافق یا مجازی منافق یعنی فاسق ہے۔ بس جو شخص انصار کو محبوب رکھے گا اللہ اس کو محبوب رکھے گا۔ اور جو شخص انصار سے دشمنی رکھے گا اللہ اس سے دشمنی رکھے گا۔" (بخاری و مسلم)

بعض انصار کے شکوہ پر آنحضرت کا پر اثر جواب

(۲۲) وَعَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ نَاسًا مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالُوْا حِیْنَ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَمْوَالِ هَوَازِنَ مَا اَفَآءَ فَطَفِقَ یُعْطِیْ رِجَالًا مِّنْ قُرَیْشٍ الْمِائَةَ مِنَ الْاِبِلِ فَقَالُوْا یَغْفِرُ اللّٰہُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعْطِیْ قُرَیْشًا وَیَدَعُنَا وَسُیُوْفُنَا تَقْطُرُ

مِنْ دِمَآئِهِمْ فَحُدِّثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَقَالَتِهِمْ فَاَرْسَلَ اِلَى الْاَنْصَارِ فَجَمَعَهُمْ فِىْ قُبَّةٍ مِّنْ اَدَمٍ وَلَمْ يَدْعُ مَعَهُمْ اَحَدًا غَيْرَهُمْ فَلَمَّا اجْتَمَعُوْا جَآءَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا حَدِيْثٌ بَلَغَنِىْ عَنْكُمْ فَقَالَ فُقَهَاءُ هُمْ اَمَّا ذَوُوْرَاْيِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَلَمْ يَقُوْلُوْا شَيْئًا وَاَمَّا اُنَاسًا مِّنَّا حَدِيْثَةً اَسْنَانُهُمْ قَالُوْا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِىْ قُرَيْشًا وَيَدَعُ الْاَنْصَارَ وَسُيُوْفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَآئِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّىْ اُعْطِىْ رِجَالًا حَدِيْثِىْ عَهْدٍ بِكُفْرٍ اَتَاَلَّفُهُمْ اَمَا تَرْضَوْنَ اَنْ يَّذْهَبَ النَّاسُ بِالْاَمْوَالِ وَتَرْجِعُوْنَ اِلٰى رِحَالِكُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ رَضِيْنَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں انصار کے بعض لوگوں نے اس وقت شکوہ کا اظہار کیا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو قبیلہ ہوازن کا وہ مال غنیمت عطا کیا جو عطا کرنا تھا اور آنحضرت ﷺ نے قریش میں کے کئی لوگوں کو سو سو اونٹ دینا شروع کئے۔ چنانچہ انصار میں سے ان بعض لوگوں نے کہا: اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو بخشے، آپ ﷺ قریش کو تو (اتنا زیادہ) عطا کر رہے ہیں اور ہم کو (زیادہ) نہیں دے رہے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے قریش کا خون ٹپک رہا ہے. چنانچہ رسول کریم ﷺ کے علم میں جب ان لوگوں کا یہ شکوہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے ان تمام انصار کو بلا بھیجا اور ان کو اپنے اس خیمہ میں جمع کیا جو چمڑے کا بنا ہوا تھا۔ ان کے ساتھ کسی دوسرے کو نہیں بلایا گیا تھا۔ (یعنی صرف انصار ہی کو جمع کیا گیا، ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہیں بلایا گیا تھا) جب سب انصار جمع ہوئے تو رسول کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: وہ کیا بات ہے جو تمہاری طرف سے مجھ کو پہنچائی گئی ہے؟ ان (انصار) میں جو عقل مند و دانا لوگ تھے وہ بولے: یا رسول اللہ! ہم میں سے عقلمند اور ذی رائے لوگوں نے کچھ نہیں کہا ہاں ہم میں سے کچھ نو عمر اور نوجوان لوگوں نے (ناسمجھی سے) یہ بات ضرور کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو بخشے۔ آپ ﷺ قریش کو تو (اتنا زیادہ) عطا کر رہے ہیں اور ہم انصار کو (زیادہ) نہیں دے رہے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے قریش کا خون ٹپک رہا ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ابھی ابھی (چند ہی روز پہلے) کافر تھے انہی کو میں (اس مال میں سے) دے رہا ہوں (اور اس طرح) ان کا دل ملاتا ہوں (یعنی ان کو زیادہ دینے کا واحد مقصد تالیف قلوب ہے۔ تاکہ وہ اسلام پر قائم رہیں) اس کے علاوہ اور کوئی مقصد یا جذبہ کار فرما نہیں ہے۔ اور اے انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ (تمہارے علاوہ وہ) لوگ (کہ جو مولفۃ القلوب ہیں) مال و اسباب لے کر یہاں سے لوٹیں اور تم لوگ رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے مکانوں کو واپس جاؤ۔ انصار (آپ ﷺ کا یہ پر اثر ارشاد سن کر) بول اٹھے، ہاں یا رسول اللہ! ہم اس پر راضی ہیں۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "وہ مال غنیمت عطا کیا جو عطا کرنا تھا" اس جملہ میں کثرت اموال کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس موقع پر بنو ہوازن سے جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا وہ بہت زیادہ تھا۔ چنانچہ روایتوں میں اس مال غنیمت کی جو تفصیل آئی ہے اس کے مطابق چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چار ہزار اوقیہ چاندی (ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے) اور چالیس ہزار سے زائد بکریاں ہاتھ آئی تھیں اور ایک روایت میں تو یہ ہے کہ بکریوں کی تعداد شمار سے باہر تھی۔

"سو سو اونٹ دینا شروع کئے" جن لوگوں کو آپ ﷺ نے زیادہ تعداد میں اونٹ وغیرہ دیئے وہ دراصل مکہ کے لوگ تھے جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور دائرہ اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے ان لوگوں کے اندر ایمان نے ابھی پوری طرح جگہ نہیں پکڑی تھی اور "مولفۃ القلوب" کا مصداق تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تالیف قلوب کے تحت ان کو سو سو اونٹ دینا شروع کئے تھے۔ تاکہ اسلام کی طرف ان کا میلان اور اہل اسلام کے ساتھ ان کی وابستگی مضبوط ہو جائے۔ امیر معاویہؓ کے والد ابو سفیانؓ بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔ مہاجرین و انصار میں سے جو باقی مخلص و صادق مسلمان تھے ان کو آپ ﷺ سو سو سے کم اونٹ عطا فرما رہے تھے۔ مال غنیمت کی تقسیم کا یہ واقعہ مقام جعرانہ کا ہے جہاں آپ ﷺ نے (۸ھ) فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین نامی جنگ میں بنو ہوازن وغیرہ کو پسپا کر

کے ان سے حاصل شدہ تمام مال و اسباب جمع کرا دیا تھا اور پھر طائف سے واپس آکر اس مال غنیمت کو مجاہدین اسلام کے درمیان تقسیم فرمایا۔

"ہماری تلواروں سے قریش کا خون ٹپک رہا ہے" ان لوگوں کا اشارہ ان غزوات اور معرکہ آرائیوں کی طرف تھا جن میں انصار نے پوری پامردی و جاشاری کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے دوش بدوش مشرکین قریش کے خلاف نبرد آزمائی کی۔ اللہ کی راہ میں ان کا خون بہایا۔ ان لوگوں نے دراصل اس خیال کے تحت یہ بات کہی کہ آنحضرت ﷺ قومی تعلق اور قرابت داری کے تقاضہ سے قریش کے لوگوں کو زیادہ عطا کر رہے ہیں اور ان کے ساتھ رعایت کر رہے ہیں۔

"اور تم لوگ رسول اللہ ﷺ کو لے کر" یعنی اگر ان کو مکہ والوں کو زیادہ مال و اسباب مل گیا تو کیا ہوا یہ لوگ تو دنیاوی مال و متاع لے کر اپنے گھروں کو لوٹیں گے جب کہ تم لوگ رسول خدا ﷺ کی بابرکت ذات کو لے کر اپنے گھروں کو واپس جاؤ گے۔ اب تم خود ہی سوچ لو کہ دنیاوی مال و متاع تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے یا اس مال و متاع کے مقابلہ میں رسول خدا ﷺ کی ذات زیادہ بہتر اور زیادہ قیمتی ہے۔

"ہم اس پر راضی ہیں" بلاشبہ ان سعید روحوں کو یہی جواب دینا تھا، رسول خدا کی ذات کے مقابلہ پر دنیاوی مال و متاع کی بڑی سے بڑی تعداد بھی ان کی نظروں میں ہیچ تھی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔

رضینا قسمۃ الجبار فینا لنا علم وللاعداء مال
فان المال یفنی عن قریب وان العلم باق لا یزال

انصار کی فضیلت

(۲۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِّنَ الْاَنْصَارِ وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِیًا وَسَلَكَتِ الْاَنْصَارُ وَادِیًا اَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِیَ الْاَنْصَارِ وَشِعْبَهَا الْاَنْصَارُ شِعَارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِیْ اَثَرَةً فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِیْ عَلَى الْحَوْضِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں کا ایک آدمی ہوتا۔ اگر لوگ ایک وادی میں (یعنی حسی یا معنوی راستہ پر) چلیں اور انصار کسی دوسرے راستہ پر چلیں۔ یا یہ فرمایا کہ (اور انصار) کسی دوسرے پہاڑی درہ میں چلیں تو میں اسی راستہ پر یا اسی پہاڑی درہ میں چلوں جو جماعت انصار کا راستہ ہے۔ انصار تو شعار کے مانند ہیں اور دوسرے لوگ دثار کے مانند۔ (اے انصار) تم میرے بعد دیکھو گے کہ دوسرے لوگوں کو تم پر بلا استحقاق فضیلت دی جائے گی تو تم صبر کئے رہنا یہاں تک کہ مجھ سے حوض کوثر پر آکر ملو۔" (بخاریؒ)

تشریح: "تو میں بھی انصار میں کا ایک آدمی ہوتا" اس سے نسب ولادی (پیدائشی نسب و نسل) میں تبدیلی کی خواہش یا تمنا کا اظہار مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو نسب ولادی میں تبدیلی حرام ہے دوسرے یہ کہ خود آنحضرت ﷺ کا نسب چونکہ دنیا کے تمام نسبوں اور نسلوں سے اعلی و اشرف ہے اس لئے اس نسب و نسل کی نسبت کو چھوڑ کر کسی دوسرے نسب و نسل کی طرف نسبت کی خواہش یا تمنا کے اظہار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں یہاں نسب بلادی یعنی وطنیت و شہریت کی نسبت ضرور مراد ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہجرت کا تعلق اگر دین سے نہ ہوتا اور اس کی طرف منسوب ہونا ضروری نہ ہوتا تو میں اس بات کو پسند کرتا کہ اپنی اصل وطنی و شہری نسبت کو ترک کر کے انصار کے شہر کی طرف اپنے کو منسوب کرتا اور "مہاجر" کہلانے کے بجائے "انصار" کہلاتا۔ لیکن "ہجرت" چونکہ بجائے خود ایک بہت بڑا دینی شرف ہے اور اس کی طرف منسوب ہونا بڑی فضیلت کی بات ہے اس لئے میں اپنی اس خواہش یا تمنا کی تکمیل نہیں کر سکتا پس اس ارشاد

گرامی میں اگرچہ "انصار" کا اکرام اور ان کی زبردست عزت افزائی نیز "نصرت" کی طرف منسوب ہونے کی بڑی فضیلت ہے۔ لیکن اس میں "ہجرت" کی افضیلت اور رتبۂ مہاجرین کی برتری کی طرف بھی ارشاد ہے کیونکہ مہاجرین تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت میں اپنا محبوب وطن و دیار، اپنا گھربار اپنے اہل و عیال اور اپنے قرابتداروں کو چھوڑ دینے کی بے مثال قربانی دی۔ جب کہ انصار نے گو اللہ کے دین اور اللہ کے رسول کی مدد و نصرت اور اس راہ میں بے پناہ ایثار کی فضیلت کاملہ حاصل کی لیکن وہ بہرحال ترک وطن، ترک قبیلہ اور ترک اہل و عیال جیسی عقوبت سے دوچار نہیں ہوئے۔ لہٰذا نصرت کی فضیلت ہجرت کے بعد کی اور انصار کی فضیلت مہاجرین کے بعد کی ہے اور بعض حضرات نے اس ارشاد گرامی کی مراد یہ بیان کی ہے کہ جو چیز مجھ کو انصار سے ممتاز کرتی ہے وہ ہجرت کی فضیلت ہے۔ اگر ہجرت کا شرف اور اس کی فضیلت میرے ساتھ نہ ہوتی۔ تو پھر میں بھی انصار کے ایک فرد کی طرح ہوتا اور رتبہ میں ان کے برابر اور ان کے مثل ہوتا، اس صورت میں کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے لئے تو تواضع اور کسر نفی کا پہلو اختیار فرمایا اور انصار کا دل ملانے کے لئے ان کی رفعت و منزلت ظاہر فرمائی۔

"یا یہ فرمایا کہ" یہاں روای کو شک ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں یا تو "وادیًا" کا لفظ فرمایا تھا یا "شعبا" "وادی" کا اصل میں "وادی" تو اس قطعہ زمین یا اس راستہ کو کہتے ہیں جو دو پہاڑوں یا دو ٹیلوں کے درمیان ہو جس کو عربی میں فرجہ بھی کہتے ہیں اور فارسی میں "کاواک" اور شعب اس راستہ کو کہتے ہیں جو کسی پہاڑ کے اندر ہو کر گزرتا ہے۔ حجاز میں چونکہ پہاڑ اور پہاڑیاں بہت ہیں اس لئے وادیاں اور شعب یعنی درے اور گھاٹیاں بھی کثرت سے ہیں۔ اس زمانہ میں ہوتا یہ تھا کہ کسی قافلہ یا قبیلہ کا سردار جس درے یا گھاٹی میں کو ہو کر گزرنا چاہتا سارا قافلہ اور سارا قبیلہ اس کے پیچھے پیچھے اسی درے یا گھاٹی میں داخل ہوتا اور پھر وہاں سے گزر کر سب اپنی منزل یا کھلے راستہ پر پہنچ جاتے۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کبھی ایسا ہو کہ تمام لوگ دو گروہوں میں بٹ کر کسی منزل کی طرف چلیں، ان میں سے ایک گروہ انصار پر مشتمل ہو اور دوسرا گروہ باقی لوگوں پر، اور ان دونوں گروہوں کے راستے الگ الگ ہوں تو میں دوسرے گروہ کا راستہ چھوڑ کر اس راستہ پر چلوں گا جو انصار نے اختیار کیا ہوگا، اس صورت میں کہا جائے گا کہ اس ارشاد گرامی ﷺ کا مقصد انصار کے تئیں آنحضرت ﷺ کے کمال تعلق وارتباط اور ان پر آپ کے کمال عنایت و شفقت کا اظہار ہے اس میں دوسرا قول یہ ہے کہ وادی اور شعب کے جو معنی یہاں مراد ہیں وہ "مسلک" اور "رائے" کے ہیں مطلب یہ کہ کسی معاملہ میں لوگوں کے درمیان رائے اور مسلک کے اختلاف کا اظہار ہو تو میں اسی رائے اور مسلک کو اختیار کروں گا، جو انصار کا اختیار کردہ ہوگا اور انہی کی موافقت کروں گا۔ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ اس ارشاد گرامی سے آپ ﷺ کا مقصد انصار کے ساتھ حسن موافقت و مرافقت کا اظہار کرنا ہے۔ کیونکہ انصار نے بھی آپ ﷺ کے تئیں حسن وفا اور اچھی خدمت گزاری کا ثبوت دیا ہے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے انصار کی اتباع اور ان کی طرف احتیاج کا اظہار کیا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی ذات تو متبوع مطلق ہے اور سب آپ کے تابع ہیں۔

"شعار" اور "دثار" "شعار" اس کپڑے کو کہتے ہیں جو پہننے میں جسم اور شعر یعنی جسم کے بالوں سے لگا ہو جیسے کرتا وغیرہ اور "دثار" اس کپڑے کو کہتے ہیں جو پہنے ہوئے کپڑوں کے اوپر رہتا ہے جیسے چادر وغیرہ۔ پس آپ ﷺ نے انصار کو شعار کے ساتھ اس اعتبار سے تشبیہ دی کہ صدق ایمان اور خلوص محب کا جوہر ان میں پیوست ہے گویا آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ انصار میرے خاص اعتباری اور راز دار لوگ ہیں سب لوگوں میں باعتبار قدر و منزلت کے مجھ سے بہت قریب یہی لوگ ہیں۔

"دوسرے لوگوں کو تم پر بلا استحقاق فضیلت دی جائے گی" اَثَرَۃً یا اُثْرَۃً یا اِثْرَۃً کے معنی ہیں، حق تلفی اور بلا استحقاق دوسرے کسی شخص کو عہدہ یا منصب یا عطا میں فضیلت دینا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انصار سے فرمایا کہ میرے بعد وہ زمانہ آئے گا جب لوگ عہدہ و منصب کی تقسیم میں اپنی ذات کو مقدم رکھیں گے اور تم پر ترجیح دیں گے، امارت و حکومت پر خود کو فائز کریں گے اور ایسے ایسے لوگ کہ جو حقیقی مرتبہ و منزلت کے اعتبار سے کم رتبہ ہوں گے اعلی عہدہ و مناصب حاصل کر لینے کے سبب تم سے بالاتر و افضل بن جائیں گے۔ چنانچہ مخبر

صادق ﷺ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ پورا ہو کر رہا، خصوصاً حضرت امیر المؤمنین عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں بعض عمّال خلافت کی طرف سے اور اموی دور حکومت میں عام طور پر انصار کی بڑی حق تلفیاں کی گئیں۔ ان کے فضل و شرف کو نظر انداز کیا گیا اور حکومت و امارت کے مناصب سے ان کو محروم رکھنے کی کوشش کی گئی۔ یا اس ارشاد گرامی سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ فتوحات میں حاصل ہونے والا مال غنیمت امراء و حکام خود بانٹ لیا کریں گے اور عطا کے مال میں تمہارے حق کو نظر انداز کر کے اپنی ذات کو یا تم سے کم تر لوگوں کو تم پر فضیلت و ترجیح دیں گے۔

"یہاں تک کہ مجھ سے حوض کوثر پر آکر ملو" یعنی: حق تلفی کی صورت میں تمہیں جس دل شکستگی اور مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا اگر تم نے اس پر صبر کیا اور تمامتر شکایات کے باوجود نہ تو حاکم وقت سے بغاوت کے مرتکب ہوئے اور نہ ملی شیرازہ بکھرنے کا سبب بنے تو اس کا اجر تم کو اس وقت ملے گا جب حشر کے دن تم حوض کوثر پر آکر مجھ سے ملو گے، کہ میری زیارت اور وہاں کی لازوال نعمتیں تمہیں باغ باغ کر دیں گی، پس یہ ارشاد گرامی دراصل انصار کے اس صبر کے عوض ان کے لئے سرفرازیٔ جنت کی بشارت ہے منقول ہے کہ امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں ایک دن بعض انصار ان کے پاس بعض مہاجرین کی شکایت لے کر آئے، حضرت امیر معاویہؓ ان کی شکایت کا ازالہ نہ کر سکے۔ اس پر انصار نے امیر معاویہؓ کو مخاطب کر کے کہا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے سچ ہی فرمایا تھا کہ (اے انصار) تم میرے بعد دیکھو گے کہ دوسرے لوگوں کو تم پر بلا استحقاق ترجیح دی جائے گی (یہ سن کر) امیر معاویہؓ نے پوچھا پھر اس وقت کے لئے آنحضرت ﷺ نے تمہیں کیا حکم دیا تھا، انصار نے کہا صبر کرنے کا، حضرت امیر معاویہؓ بولے: تو پھر (شکوہ شکایت کے بجائے) تمہیں صبر ہی کرنا چاہئے۔ کیونکہ رسول خدا ﷺ نے تمہیں اسی بات کا حکم دیا ہے۔

انصار سے کمال قرب و تعلق کا اظہار

(۴۴) وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَقَالَ مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِيْ سُفْيَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ وَمَنْ اَلْقَى السِّلَاحَ فَهُوَ اٰمِنٌ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ اَمَّا الرَّجُلُ فَقَدْ اَخَذَتْهُ رَأْفَةٌ بِعَشِيْرَتِهٖ وَرَغْبَةٌ فِيْ قَرْيَتِهٖ وَنَزَلَ الْوَحْيُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُمْ اَمَّا الرَّجُلُ اَخَذَتْهُ رَأْفَةٌ بِعَشِيْرَتِهٖ وَرَغْبَةٌ فِيْ قَرْيَتِهٖ كَلَّا اِنِّيْ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ هَاجَرْتُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلَيْكُمْ اَلْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ قَالُوْا وَاللّٰهِ مَا قُلْنَا اِلَّا ضِنًّا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُصَدِّقَانِكُمْ وَيَعْذِرَانِكُمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں فتح مکہ کے دن ہم لوگ رسول کریم ﷺ کی معیت میں تھے (اس دن) آپ ﷺ نے اعلان فرمایا تھا کہ مشرکین میں سے جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے اور (مشرکین میں سے) جو شخص ہتھیار ڈال دے وہ امن میں ہے (بعض) انصار (یہ اعلان سن کر آپس میں) کہنے لگے کہ اس شخص (یعنی آنحضرت ﷺ) پر اپنی قوم کے تئیں مروت و مہربانی اور اپنی بستی والوں (یعنی اہل مکہ) کے تئیں رغبت و چاہت کا جذبہ (طبعی طور پر) غالب آگیا چنانچہ رسول کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی (جس کے ذریعہ آپ کو مطلع کیا گیا کہ انصار اس اس طرح کہہ رہے ہیں اس پر آپ نے انصار کو بلایا) اور (ان سے) فرمایا: تم نے یہ کہا ہے کہ اس شخص پر اپنی قوم کے تئیں مروت و مہربانی اور اپنی بستی والوں کے تئیں رغبت و چاہت کا جذبہ غالب آگیا ہے۔ نہیں، ایسا نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول ہوں میں نے اللہ کی طرف (یعنی اللہ کے حکم سے اور اللہ کا اجر و انعام حاصل کرنے کے لئے) اور تمہاری طرف (یعنی تمہارے دیار کی طرف) ہجرت کی ہے اب تو زندگی بھی تمہاری زندگی کے ساتھ ہے اور مرنا بھی تمہارے ساتھ ہے (یہ سن کر) ان انصار نے (معذرت کا اظہار کرتے ہوئے) عرض کیا: بخدا ہم نے یہ بات صرف اس لئے کہی کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ ہم کو بخل تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تمہیں راست گو مانتے ہیں اور تمہاری یہ معذرت قبول

کرتے ہیں۔" (مسلم)

تشریح: "وہ امن میں ہے" یعنی: جو مشرک ابوسفیان کے گھر میں پہنچ جائے اور جو مشرک ہتھیار ڈال دے اس کو جان کی امان دی جاتی ہے، کوئی مسلمان اس پر تلوار نہ اٹھائے، اس کو مارے نہیں۔ ابو سفیان بن صخر بن حرب، امیر معاویہؓ کے والد ہیں۔ قریش کے بڑے سرداروں اور زعماء میں سے تھے۔ فتح مکہ کے دن انہوں نے اسلام قبول کیا اور جنگ حنین میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔ چونکہ یہ "مولفة القلوب" تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس جنگ کے مال غنیمت میں سے ان کو حصہ سے زائد عطا کیا جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی ان کو دی گئی۔ محاصرۂ طائف کے دوران ان کی ایک آنکھ بے کار ہوگئی تھی، اور ہمیشہ کے لئے کانے ہوگئے تھے، پھر جنگ یرموک میں ان کی دوسری آنکھ بھی پتھر کی چوٹ سے پھوٹ گئی تھی۔ ۳۴ھ میں مدینہ میں ان کا انتقال ہوا اور بقیع میں مدفون ہوئے۔ روایتوں میں آیا ہے کہ فتح مکہ کے دن جب ابوسفیانؓ نے اسلام قبول کر لیا تو حضرت عباسؓ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا یارسول اللہ یہ شخص عزت اور بڑائی کی چاہ رکھتا تھا، اس لئے اس کو کوئی ایسی عزت بخش دیجئے جس کو یہ اپنے لئے باعث فخر سمجھے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ کے اسی مشورہ پر آنحضرت ﷺ نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے۔ اور بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی میں جب کہ قریش آپ ﷺ کی ایذا رسانی کے درپے رہتے تھے، ایک دن ابوسفیانؓ نے آپ ﷺ کو امن (تحفظ) دیا تھا۔ اور اپنے گھر لے آئے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے دن ان کے گھر کو جو "دارالامن" قرار دیا وہ ان کے اسی دن کے عمل کا بدلہ تھا۔

"رغبت و چاہت کا جذبہ غالب آگیا ہے" دراصل انصار نے جب یہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے اس ابوسفیان کو اتنی بڑی عنایت و عزت اور رعایت سے نوازا ہے جو اتنے طویل عرصہ تک آنحضرت ﷺ مسلمانوں اور اسلام کا سخت ترین معاند و دشمن رہا ہے تو ان کو سخت حیرت ہوئی۔ اور یہ بات ان کو اپنی غیرت و حمیت کے منافی محسوس ہوئی چنانچہ اسی حمیت و غیرت کے تحت سادگی اور ناسمجھی میں ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے۔

"نہیں، ایسا نہیں ہے" یعنی: حقیقت میں وہ بات نہیں ہے جو تمہارے خیال میں آئی ہے کہ میں نے ابوسفیان کو اس طرح کی عزت عطا کر کے گویا اس امر کا اظہار کیا ہے کہ میں اب مکہ ہی میں رہ پڑوں گا اور مدینہ واپس نہیں جاؤں گا، بلکہ میری ہجرت آخری اور حتمی ہے اور وہ ہجرت چونکہ اللہ کے حکم سے اور خالص اللہ کے لئے ہوئی ہے، لہٰذا اس سے پھرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

"میں اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول ہوں" یعنی میری اس حیثیت اور میرے اس منصب کا تقاضا ہی یہ ہے کہ اب میں اس شہر کا تصور ہی نہ لاؤں جس کو میں نے اللہ کی خاطر چھوڑ دیا تھا اور اپنے اس سابقہ وطن میں ذرا بھی رغبت اور دلچسپی ظاہر نہ کروں جہاں سے میں اللہ کے لئے ہجرت کر چکا ہوں۔

"اور میں تمہاری طرف" یعنی اصل میں تو میری ہجرت اللہ کی طرف تھی اور یہ اسی کے حکم پر منحصر تھا کہ کون سا دیار میرا دار الہجرت بنتا ہے پس چونکہ تم لوگ میرے اور مہاجرین کے تئیں قلبی تعلق و میلان رکھتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: والذین تبوء الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم لہٰذا اللہ نے تمہارے دیار کو میرا دار الہجرت قرار دیا اور میں اپنے قبیلہ اور اپنی قوم کا دیار چھوڑ کر تمہارے دیار وطن میں آگیا۔

"اور مرنا بھی تمہارے مرنے کے ساتھ ہے" یعنی زندگی اور موت کسی حال میں تم سے جدا نہیں ہوں گا، تم میرے ساتھ ہو اور میں تمہارے ساتھ رہوں گا، جب تک زندہ ہوں تمہارے ہی شہر میں رہوں گا اور مروں گا بھی تو تمہارے شہر میں، اس بارے میں خاطر جمع رکھو۔

"اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ ہم کو بخل تھا" یعنی یہ بات ہم نے محض اس وجہ سے کہی ہے کہ آپ ﷺ کی میزبانی اور آپ کی

ہمسائگی و قرب کا جو عظیم تر اعزاز اور فضل و شرف ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول نے عطا کیا ہے اس میں کسی اور کی شرکت ہمیں گوارا نہیں ہے یہ بات ہماری غیرت کو ابھارنے والی ہے۔ کہ آپ ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کا میلان دوسروں کی طرف ظاہر ہو، جو ہمیں آپ ﷺ کی عنایت و شفقت آپ ﷺ کی محبت و قربت اور آپ ﷺ کی ہمسائگی و صحبت سے محروم کردے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی غیرت و حمیت محبت کو مستلزم ہے اور محبت کو ہرگز گوارا نہیں ہوتا کہ محبوب غیروں کی طرف توجہ و التفات کی نظر سے دیکھے ۔

غیر تم باتو چنا نست کہ گر دست دہد نہ گزارم کہ در آئے بہ خیال دیگراں

انصار کی اس مراد کو دوسرے لفظوں میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ جیسی نعمت ہمیں عطا کی ہے۔ چونکہ آدمی اپنے اقارب اور اپنے وطن کی محبت پر مجبور ہے اس لئے ہمیں خدشہ ہوا کہ شائد آپ ﷺ اپنی صحبت و قربت سے ہمیں محروم کرکے اہل مکہ کو نوازنا چاہتے ہیں اور اس خوف نے ہمیں اتنا مضطر کردیا کہ ایسے الفاظ اپنی زبان سے نکال بیٹھے اس صورت میں ان انصار پر اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم: لا تجعلو ادعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا کے باوجود ایسا معمولی جملہ زبان سے کیوں ادا کیا۔

انصار کی فضیلت

(۲۵) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى صِبْيَانًا وَّنِسَاءً مُقْبِلِيْنَ مِنْ عُرْسٍ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتُمْ مِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَيَّ اَللّٰهُمَّ اَنْتُمْ مِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَيَّ يَعْنِي الْاَنْصَارَ۔ متفق علیہ

"اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے (انصار کے) بچوں اور عورتوں کو کسی شادی وغیرہ کی دعوت طعام سے واپس آتے دیکھا تو نبی کریم ﷺ (ان کے راستہ میں، یا ان سے ملنے کے لئے ایک جگہ پر) کھڑے ہوگئے اور (ان کو مخاطب کرکے) فرمایا: خداوند: (میں تجھ کو گواہ کرکے انصار کی ان عورتوں اور بچوں سے کہتا ہوں کہ اے انصار) تمام لوگوں میں تم میرے نزدیک محبوب ترین ہو، خداوندا! (میں تجھ کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ اے انصار) تمام لوگوں میں تم میرے نزدیک محبوب ترین ہو، آنحضرت ﷺ کی مراد تمام انصار سے تھی۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "تمام لوگوں میں تم میرے نزدیک محبوب ترین ہو" یہ بات دوبار آپ ﷺ نے تاکیداً فرمائی اور صحیح بخاری کی روایت میں ان الفاظ کا تین بار فرمانا نقل ہوا ہے۔ نیز بعض نسخوں میں اِلَيَّ (میرے نزدیک) کے بجائے اِلَى اللّٰهِ (اللہ کے نزدیک) کے الفاظ مذکور ہیں۔ لیکن بخاری کی روایت میں اس ارشاد گرامی کا تین بار مذکور ہونا اِلَيَّ ہی کے لفظ کو زیادہ صحیح ظاہر کرتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ (خداوند) کا لفظ یا تو قسم کے معنی میں استعمال ہوا ہے یا اس معنی میں کہ اے خدا: تو خوب جانتا ہے کہ میں یہ بات صدق دل سے کہہ رہا ہوں۔ گویا آنحضرت ﷺ نے جب ان عورتوں اور بچوں کو خوش خوش آتے دیکھا تو ان پر نظر پڑتے ہی آپ ﷺ باغ باغ ہوگئے اور ان کے تئیں آپ ﷺ کے جذبات محبت امڈ پڑے جن کا اظہار آپ ﷺ نے مذکورہ الفاظ میں کیا اور کمال عنایت و مکرمت کے سبب ان جذبات و احساسات پر حق سبحانہ تعالیٰ کو گواہ کیا۔

انصار کی فضیلت

(۲۶) وَعَنْهُ قَالَ مَرَّ اَبُوْبَكْرٍ وَالْعَبَّاسُ بِمَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ الْاَنْصَارِ وَهُمْ يَبْكُوْنَ فَقَالَا مَا يُبْكِيْكُمْ قَالُوْا ذَكَرْنَا مَجْلِسَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَّا فَدَخَلَ اَحَدُهُمَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ بِذٰلِكَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ عَصَبَ عَلٰى رَاْسِهٖ حَاشِيَةَ بُرْدٍ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ وَلَمْ يَصْعَدْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ فَحَمِدَ اللّٰهَ

وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اُوْصِيْكُمْ بِالْاَنْصَارِ فَاِنَّهُمْ كَرِشِيْ وَعَيْبَتِيْ وَقَدْ قَضَوُا الَّذِيْ عَلَيْهِمْ وَبَقِيَ الَّذِيْ لَهُمْ فَاقْبَلُوْا مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَتَجَاوَزُوْا عَنْ مُسِيْئِهِمْ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کے مرض وفات کے دوران ایک دن) حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عباسؓ انصار کی ایک مجلس کے پاس سے گزرے تو (دیکھا کہ) وہ اہل مجلس بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ ان دونوں حضرات نے ان سے پوچھا: کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہمارے درمیان نبی کریم ﷺ کی مجلس ہمیں یاد آگئی تھی۔ (یہ سن کر) ان دونوں میں ایک صاحب (یعنی یا تو حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عباسؓ) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو اس بات سے آگاہ کیا۔ (کہ انصار کی جماعت آپ ﷺ کی مجلس مبارک کو یاد کر کے رو رہی ہے) چنانچہ نبی کریم ﷺ اس حالت میں حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے کہ (درد سر کو کم کرنے کے لئے) چادر کا ایک کونہ بطور پٹی سر مبارک پر باندھ رکھا تھا، پھر آپ ﷺ (خطبہ دینے کے لئے) منبر پر چڑھے اور اس دن کے بعد پھر آپ ﷺ کو منبر پر چڑھنا نصیب نہیں ہوا۔ پہلے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی کامل ثنا بیان کی اور پھر فرمایا: (اے مہاجرو) میں تم کو انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں (کہ ان کے ساتھ رعایت وحمایت اور حسن سلوک کا رویہ اختیار کئے رہنا) کیونکہ انصار میرا معدہ اور میری گٹھری ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان پر جو حق تھا اس کو انہوں نے ادا کر دیا اور جو کچھ ان کا ہے (یعنی اجر وثواب اور سرفرازی جنت) وہ اللہ کے ہاں باقی ہے پس ان کے نیک لوگوں کا عذر (کہ جو وہ اپنی لغزش اور کوتاہی کے سلسلہ میں بیان کریں) قبول کرو اور ان کے برے لوگوں برے کاموں سے (کہ جن کا عذر پیش کرنے سے وہ عاجز ہوں) درگزر کرو" (بخاری)

تشریح: کرش (اور ایک نسخہ کے مطابق کرش) اصل میں چوپایوں (یعنی بیل اور گائے وغیرہ) کے کوٹھے یا اوجھ کو کہتے ہیں جو آدمیوں کے لئے معدہ کہلاتا ہے۔ اور "عیبہ" جامہ دانی یعنی بقچی یا گٹھری کو کہتے ہیں۔ پس "انصار میرا معدہ اور میری گٹھری ہیں" سے مراد یہ ہے کہ انصار میرے رازدار، دلی دوست اور تمام امور میں میرے محرم اسرار اور معتمد علیہ ہیں۔ گویا آپ ﷺ نے انصار کو ان چیزوں سے مشابہت اس بناء پر دی کہ جیسے اوجھ یا معدہ میں چارہ اور کھانا جا کر جمع ہو جاتا ہے، اور جامہ دانی میں کپڑے محفوظ رکھے جاتے ہیں، اسی طرح آنحضرت ﷺ کی راز کی باتیں اور امانتیں انصار کے پاس رہتی ہیں۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ لغت میں "کرش" کے ایک معنی عیال، چھوٹے بچوں اور جماعت کے بھی آتے ہیں لہٰذا حدیث میں مذکورہ "کرش" کا لفظ اس معنی پر بھی معمول کیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ انصار میری جماعت میرے اصحاب و رفیق اور میرے لئے میرے عیال اور میرے چھوٹے بچوں کی مانند ہیں۔ جن پر میری شفقت و مہربانی ہے۔ اور جن کا میں غمخوار ہوں۔

"ان پر جو حق تھا" میں "حق" سے مراد جان و مال سے امداد و معاونت اور خیر خواہی ہے۔ اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ انصار کے نمائندوں نے مدینہ سے مکہ پہنچ کر لیلۃ العقبہ میں میرے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرتے ہوئے جو وعدہ اور جو عہد کیا تھا کہ اللہ کی راہ میں جان مال سے ہر طرح میری مدد کریں گے۔ اور اس کے عوض میں اللہ تعالیٰ نے ان سے جنت کا وعدہ کیا تھا۔ جیسا کہ اس موقع پر نازل ہونے والی اس آیت ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ سے واضح ہے۔ تو اپنے اس عہد و وعدہ کو انصار نے کماحقہ پورا کر دیا ہے۔

انصار کی فضیلت

(۲۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ حَتّٰى جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ النَّاسَ يَكْثُرُوْنَ وَيَقِلُّ الْاَنْصَارُ حَتّٰى يَكُوْنُوْا فِي النَّاسِ بِمَنْزِلَةِ الْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ فَمَنْ وَلِيَ مِنْكُمْ شَيْئًا يَضُرُّ فِيْهِ قَوْمًا وَيَنْفَعُ فِيْهِ اٰخَرِيْنَ فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَلْيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيْئِهِمْ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی اس بیماری کے دوران کہ جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی، (ایک دن) حجرۂ مبارک سے باہر آئے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اول آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی ثنا بیان کی، پھر فرمایا، بعد ازاں۔ جان لو، لوگو یعنی مسلمانوں کی تعداد (روز بروز) بڑھے گی (جن میں کا معتد بہ حصہ اپنے اپنے وطن چھوڑ کر بہ نیت ہجرت مدینہ میں آئے گا) اور انصار کی تعداد کم ہو جائے گی یہاں تک دوسرے لوگوں میں ان (انصار) کا تناسب کھانے میں نمک کے برابر رہ جائے گا، پس (اے مہاجرین) تم میں سے جو شخص کسی بھی طرح کے اقتدار کا مالک بنے اور اس کے سبب وہ کچھ لوگوں یعنی نیکو کاروں کو فائدہ پہنچانے اور کچھ لوگوں یعنی بدکاروں کو نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہو اس شخص کو چاہئے کہ انصار کے نیکو کاروں (کی نیکی) کو قبول کرے اور ان کے بدکاروں (کی برائی) سے درگزر کرے۔" (بخاری)

تشریح: "اور انصار کی تعداد کم ہو جائے گی" یعنی "انصار" چونکہ صحابہ کی اس جماعت سے عبارت ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو اپنے یہاں ٹھکانہ دیا اور جان و مال سے آپ ﷺ کی اور مسلمانوں کی مدد کی اس لئے "انصار ہونا" ایک ایسا وصف ہے جو ایک خاص زمانہ میں جن لوگوں کا نصیب بنا تھا بن گیا، اب آگے یہ وصف کسی کو حاصل نہیں ہوگا اور اس اعتبار سے انصار کی جماعت میں اضافہ کا کوئی سوال نہیں، جب کہ "ہجرت" کا وصف باقی ہے۔ اور باقی رہے گا جوں جوں لوگ اللہ کی راہ میں اپنا گھربار چھوڑ کر اور ہجرت کر کے مدینہ آتے رہیں گے ویسے مہاجرین کی جماعت مدینہ میں بڑھتی رہے گی۔ پس ظاہر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ کے ذریعہ گویا یہ پیشین گوئی فرمائی کہ مہاجرین تو بڑھتے رہیں گے، ان کی اولاد کا سلسلہ بھی بہت پھیلے گا اور وہ نہ صرف یہ کہ مختلف شہروں، اور علاقوں میں وسیع بنیادوں پر سکونت اختیار کریں گے۔ بلکہ ملکوں کی حکمرانی و جہانبانی بھی انہی کے حصہ میں آئے گی۔ ان کے برخلاف "انصار" کا طبقہ روز بروز محدود ہوتا جائے گا اور پوری ملت میں ان کا وجود نہایت محدود تعداد میں رہ جائے گا۔ چنانچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ واقع میں وہی ہوا جو مخبر صادق ﷺ نے خبر دی تھی۔

"کھانے میں نمک کے برابر" اس تشبیہ میں بھی انصار کے کم ہو جانے کی خبر ہے۔ اور ان کی تعریف کی طرف اشارہ بھی ہے۔ یعنی جس طرح نمک کھانے کا ذائقہ سنوارتا، بناتا ہے۔ اسی طرح انصار کا وجود اہل اسلام کے سنوار اور بناؤ کا باعث ہوگا۔

انصار اور ان کی اولاد در اولاد کے حق میں دعا

(۲۸) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَلِاَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَاءِ اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ! انصار کو، انصار کے بیٹوں کو، اور انصار کے پوتوں کو بخش دے۔" (مسلم)

تشریح: پہلے درجہ والے تو صحابہ ہوئے، دوسرے درجہ والے تابعین اور تیسرے درجہ والے تبع تابعین ہوئے، پس آنحضرت ﷺ نے انصار کے تینوں قرنوں کے حق میں دعا فرمائی جو "خیر القرون" کا مصداق ہیں اور یہ بھی بعید نہیں کہ "بیٹوں" اور "پوتوں" سے ان کی قیامت تک کی نسلیں مراد ہوں جن میں "بیٹوں" کے ساتھ "بیٹیاں" بھی شامل ہوں کیونکہ "ابناء" کا لفظ "اولاد" کے معنی پر بھی محمول ہو سکتا ہے۔

انصار کے بہترین قبائل

(۲۹) وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ دُوْرِ الْاَنْصَارِ بَنُوْ النَّجَّارِ ثُمَّ بَنُوْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ ثُمَّ

بَنُو الْحَارِثِ ابْنِ الْخَزْرَجِ ثُمَّ بَنُو سَاعِدَةَ وَفِي كُلِّ دُوْرِ الْاَنْصَارِ خَيْرٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابی اسیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا؟ انصار کے بہترین گھر یعنی ان کے افضل قبائل "بنو نجار" پھر "بنو عبدالاشہل" پھر "بنو حارث بن خزرج" اور پھر "بنو ساعدہ" ہیں اور انصار کے تمام ہی قبیلوں میں بھلائی اور نیکی ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "اور انصار کے تمام ہی قبیلوں میں" میں تعمیم بعد تخصیص ہے۔ یعنی پہلے تو آپ ﷺ نے بعض خاص خاص قبیلوں کی فضیلت کا ذکر فرمایا اور پھر مجموعی طور پر تمام ہی قبیلوں کے بارے میں فرمایا کہ انصار کے سارے ہی قبائل خیرو بھلائی کی فضیلت رکھتے ہیں۔ اور ان کے سب قبیلے دوسرے تمام اہل مدینہ سے افضل ہیں۔ عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ پہلے جو "خیر" کا لفظ ہے وہ تو "افضل" کے معنی میں ہے اور دوسرا "خیر" فضل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ یوں تو انصار کے تمام ہی قبائل کو خیرو بھلائی حاصل ہے۔ لیکن مراتب کے اعتبار سے ان میں تفاوت ہے۔ اور علماء لکھتے ہیں کہ یہ تفاوت قبول اسلام میں سبقت کے اعتبار سے یعنی جس قبیلے نے قبول اسلام میں جس قدر سبقت کی تھی اسی قدر اس کی فضیلت بڑھی ہوئی ہے واضح ہو "دار" (یعنی گھر) سے مراد قبیلہ ہے۔ انصار کے تمام قبائل مدینہ کے اپنے الگ الگ محلوں میں رہتے تھے۔ اور جس محلّہ میں جو قبیلہ رہتا تھا۔ وہ اسی قبیلہ کی نسبت سے "دار بنو فلاں" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ چنانچہ اس اعتبار سے کہ "قبیلہ" کا اصل نام "بنو فلاں" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا تھا، بہت سی روایتوں میں "بنو فلاں" کا لفظ "دار" کے بغیر ہی نقل ہوا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقوام وقبائل اور اشخاص میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دینا اور اس کی افضلیت بیان کرنا جائز ہے، اس کا شمار غیبت میں نہیں ہوگا۔ بشرطیکہ اس کی بنیاد کسی کی عداوت یا تنقیص اور یا خواہش نفس نہ ہو۔

حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ

(۳۰) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَالزُّبَيْرُ وَالْمِقْدَادُ وَفِي رِوَايَةٍ وَاَبَا مَرْثَدٍ بَدَلَ الْمِقْدَادِ فَقَالَ انْطَلِقُوْا حَتّٰى تَأْتُوْا رَوْضَةَ خَاخٍ فَاِنَّ بِهَا ظَعِيْنَةً مَعَهَا كِتَابٌ فَخُذُوْهُ مِنْهَا فَانْطَلَقْنَا تَتَعَادٰى بِنَا خَيْلُنَا حَتّٰى اَتَيْنَا اِلَى الرَّوْضَةِ فَاِذَا نَحْنُ بِالظَّعِيْنَةِ فَقُلْنَا اَخْرِجِي الْكِتَابَ قَالَتْ مَا مَعِيَ مِنْ كِتَابٍ فَقُلْنَا لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ اَوْ لَنُلْقِيَنَّ الثِّيَابَ فَاَخْرَجَتْهُ مِنْ عِقَاصِهَا فَاَتَيْنَا بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا فِيْهِ مِنْ حَاطِبِ بْنِ اَبِيْ بَلْتَعَةَ اِلٰى نَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ يُخْبِرُهُمْ بِبَعْضِ اَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا حَاطِبُ مَا هٰذَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ اِنِّيْ كُنْتُ امْرَأً مُلْصَقًا فِيْ قُرَيْشٍ وَلَمْ اَكُنْ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَكَانَ مَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ لَهُمْ قَرَابَةٌ يَحْمُوْنَ بِهَا اَمْوَالَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ بِمَكَّةَ فَاَحْبَبْتُ اِذْ فَاتَنِيْ ذٰلِكَ مِنَ النَّسَبِ فِيْهِمْ اَنْ اَتَّخِذَ فِيْهِمْ يَدًا يَحْمُوْنَ بِهَا قَرَابَتِيْ وَمَا فَعَلْتُ كُفْرًا وَلَا ارْتِدَادًا عَنْ دِيْنِيْ وَلَا رِضًى بِالْكُفْرِ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَدْ صَدَقَكُمْ فَقَالَ عُمَرُ دَعْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَضْرِبُ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰى اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے مجھ کو، زبیرؓ کو اور مقدادؓ کو اور ایک روایت میں مقدادؓ کے بجائے ابو مرثدؓ کا ذکر کیا۔ روانگی کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم لوگ (تیز رفتاری سے) سفر کر کے روضہ خاخ پہنچو، وہاں ایک عورت ملے گی جو اونٹ کی سواری پر کجاوہ میں بیٹھی ہوگی، اس کے پاس ایک خط ہوگا، تم لوگ وہ خط اس سے حاصل کر کے لے آؤ۔ چنانچہ ہم (فوراً) روانہ

ہوگئے۔ اور اپنے گھوڑوں کو تیزی سے دوڑاتے ہوئے روضہ خاخ پہنچے اور اس عورت کو جالیا۔ ہم نے (اس عورت سے) کہا لاؤ، خط نکال کر ہمارے حوالہ کرو! وہ عورت بولی: میرے پاس کوئی خط وط نہیں ہے۔ ہم نے (ذرا تیز ہو کر) کہا: تو خط نکالتی ہے یا ہم تیرے کپڑے اتروائیں (یعنی اگر تو نے خط نکال کر نہیں دیا تو مجبوراً تجھ کو ننگی کرنا پڑے گا تاکہ وہ خط برآمد ہو جائے) تب اس عورت نے وہ خط اپنی چوٹی سے نکال کر ہمارے حوالہ کر دیا اور ہم اس خط کو لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، (جب وہ خط کھول کر دیکھا گیا تو) اس میں لکھا تھا: حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف اہل مکہ میں سے مشرکین کے نام، اور پھر آگے حاطب نے مشرکین مکہ کو رسول خدا ﷺ کے بعض اہم اقدامات اور منصوبوں کے بارے میں معلومات فراہم کی تھیں۔ چنانچہ رسول خدا ﷺ نے (حاطب کو طلب کیا اور اس سے) فرمایا: ارے حاطب! یہ کیا ہے؟ (مجھے بتا تو نے یہ کیا حرکت کی ہے اور کیوں کی ہے) حاطب بولا، یارسول اللہ! میرے بارے میں عجلت نہ کیجئے (یعنی میری پوری بات سنے بغیر اس حرکت کی پاداش میں میرے متعلق کفر اور سزا کا فیصلہ نہ کیجئے) دراصل میں ایک ایسا شخص ہوں جو قریش کے لوگوں میں باہر سے آکر مل گیا ہے (یعنی قریش سے میرا کوئی نسبی اور قرابتی تعلق نہیں ہے، بلکہ باہر سے آکر ان میں شریک ہو گیا ہوں اور محض ان کا حلیف ہوں، جب کہ آپ ﷺ کے ساتھ جو (دوسرے) مہاجرین ہیں وہ مکہ والوں سے قرابت رکھتے ہیں اور مشرکین مکہ اس قرابت کا لحاظ کر کے مکہ میں ان مہاجرین کے مال و جائیداد اور ان کے اہل و عیال کی دیکھ بھال رکھتے ہیں، پس اس بناء پر کہ میرے اور مشرکین مکہ کے درمیان نسبی و قرابتی تعلق معدوم ہے میں نے چاہا کہ ان کے لئے کوئی ایسا کارنامہ انجام دوں جس کے بدلے میں وہ مکہ میں میرے قرابتداروں کی حفاظت کریں (آپ کو صدق دل سے یقین دلاتا ہوں کہ) میں نے یہ حرکت اس وجہ سے نہیں کہ میں (سرے سے دائرہ ایمان و اسلام میں داخل ہی نہیں ہوا تھا اور) کافر ہوں، نہ اس وجہ سے کہ میں (پہلے مسلمان تو ہو گیا تھا لیکن اب دائرہ اسلام سے نکل گیا ہوں اور) مرتد ہو گیا ہوں اور نہ اس وجہ سے کہ اسلام کے بعد اب کفر مجھ کو اچھا لگتا ہے (اور نور ایمان سے تعلق توڑ کر کفر کے اندھیرے میں جانا چاہتا ہوں) (حاطب کا یہ پورا بیان سن کر) رسول خدا ﷺ نے (صحابہؓ سے) فرمایا: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حاطب نے تمہارے سامنے بالکل سچا بیان دیا ہے (حقیقت حال یہی ہے جو اس نے بتائی ہے) لیکن عمر فاروقؓ نے کہا: یارسول اللہ! مجھ کو اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑادوں۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: (اس طرح مت سوچو اور) اس حقیقت پر نظر رکھو کہ حاطب غزوہ بدر میں شریک ہوا ہے (اس پر حضرت عمرؓ بولے ہوں گے کہ یہ اگر غزوۂ بدر میں شریک ہوا ہے تو ہوا کرے۔ اب تو اس نے جاسوسی کر کے گویا غداری کا ارتکاب کیا ہے اور اس پر قرار واقعی سزا کا مستوجب ہو گیا ہے۔ تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو گا:) اور تمہیں حقیقت حال کا کیا علم ہے (یعنی تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو کہ حاطب مستوجب قتل ہو گیا ہے) ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو اپنی خصوصی نظر کرم و مغفرت سے نواز رکھا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرما ہے کہ "تم جو چاہو کرو، حقیقت تو یہ ہے کہ جنت تمہارے لئے واجب ہو گئی ہے" اور ایک روایت میں (تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے کے بجائے) یہ ہے کہ "میں تم کو بخش چکا ہوں" اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے (حاطب اور اس جیسے لوگوں کو اس طرح کی مذموم حرکت کے خلاف متنبہ کرنے کے لئے) یہ آیت نازل فرمائی (جس کا ترجمہ ہے:) اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو (یعنی وہ لوگ کہ جن کو میں دشمن رکھتا ہوں یا جن سے تم دشمنی رکھتے ہو، ان کو) اپنا دوست نہ سمجھو الخ۔" (بخاری، مسلم)

تشریح: "مقداد کے بجائے ابو مرثدؓ کا ذکر ہے" یعنی اس روایت میں تو یہ ہے کہ اس مہم پر بھیجے جانے والوں میں حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ تھے، جب کہ دوسری روایت میں حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت زبیرؓ اور حضرت ابو مرثدؓ کا بھیجا جانا مذکور ہے۔ بہر حال حضرت مقدادؓ عمرو کندی کے بیٹے ہیں۔ نہایت قدیم الاسلام ہیں، ایک روایت کے مطابق یہ چھٹے مسلمان ہیں۔ ان سے پہلے صرف پانچ آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا ان کا انتقال ۳۵ھ میں مدینہ سے تین کوس کے فاصلہ پر مقام جوف میں ہوا اور ان کا جسد خاکی وہاں سے مدینہ منورہ لا کر بقیع میں دفن کیا گیا اس وقت ان کی عمر ۷۰ سال تھی۔ اور حضرت ابو مرثدؓ بھی جو حصین غنوی کے بیٹے ہیں، کبار صحابہ میں سے ہیں غزوۂ بدر، میں انہوں نے بھی شرکت کی تھی اور ان کے بیٹے حضرت مرثدؓ بھی شریک تھے، ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

حضرت ابو مرثدؓ غزوۂ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق اور دوسرے تمام غزوات میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے، ان کا انتقال مدینہ میں بعہد خلافت ابوبکرؓ ۱۲ھ میں انتقال کے وقت چھیاسٹھ برس کے تھے۔

"روضہ خاخ پہنچو" "روضہ خاخ" ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے مکہ کے راستہ پر مدینہ کے قریب ہی واقع ہے دراصل "روضہ" تو باغ اور سبزہ زار کو کہتے ہیں اور "خاخ" ایک پھل "شفتالو" کو کہا جاتا ہے۔ اس مقام پر شفتالو کے درخت بہت تھے اس مناسبت سے وہ جگہ "روضہ خاخ" کے نام سے جانی جاتی ہے۔

"وہاں ایک عورت ملے گی" اس عورت کا نام "سارہ" تھا، اور بعض حضرات نے ام سارہ لکھا ہے۔ وہ قریش میں کی ایک آزاد کردہ باندی تھی اور مشرکین مکہ کے نام ایک خط لے کر مدینہ سے مکہ کو جارہی تھی، یہاں آنحضرت ﷺ کا یہ معجزہ ثابت ہوا کہ جاسوسی کی اتنی بڑی کاروائی آپ ﷺ پر بغیر کسی مادی وسیلہ وذریعہ کے منکشف ہوگئی۔

"وہ خط اپنی چوٹی سے نکال کر" اور ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ اس نے وہ خط اپنی کمر سے نکال کر دیا تھا پس ان دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ اس کی چوٹی خاص دراز ہوگی جو کمر تک پہنچتی ہوگی اور اس خط کو اس نے چوٹی کے نچلے حصہ میں باندھ کر کمر میں اڑس رکھا ہوگا۔

"بعض اہم اقدامات اور منصوبوں کے بارے میں" وہ اقدامات اور منصوبے فتح مکہ کے لئے لشکر کشی سے متعلق جن کو آنحضرت ﷺ نے جنگی مصالح کے تحت پوشیدہ رکھا تھا۔ اس قصہ کی اصل یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے قصد سے مسلمانوں کو سفر اور لڑائی کی تیاری کا حکم دیا تو ساتھ ہی آپ ﷺ نے جنگ کی اس تیاری اور اصل منصوبہ کو پوشیدہ رکھنے کی تاکید بھی مجاہدین اسلام کو فرمائی تھی۔ بلکہ ایک روایت کے مطابق، آپ ﷺ نے قصد تو مکہ کا کیا تھا اور روانگی خیبر کے لئے ظاہر فرمائی تھی یہ احتیاط خالص جنگی مصالح کے تحت تھی اور اس وقت کے حالات میں اس جنگی منصوبہ کا پوشیدہ رکھا جانا نہایت ضروری تھا۔ حاطب بن ابی بلتعہؓ ایک صحابی تھے، وہ اس منصوبہ کو جانتے تھے۔ انہوں نے اپنے مفاد کی خاطر آنحضرت ﷺ کے اصل منصوبہ کی اطلاع قریش مکہ کو دینی چاہی اور نہایت خفیہ طور پر ایک خط مذکورہ عورت کے ہاتھ مکہ روانہ کر دیا، اس خط میں انہوں نے اہل مکہ کو مطلع کیا تھا کہ پیغمبر اسلام اپنے لشکر کے ساتھ تم پر چڑھائی کے لئے آرہے، ہوشیار رہنا۔ لیکن اس عورت کے روانہ ہوتے ہی حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کو آگاہ کیا کہ ایک عورت ایسا ایسا خط لے کر مکہ جارہی ہے اور روضہ خاخ تک پہنچ چکی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ وغیرہ کو اسی وقت روانہ فرمایا اور خط منگوا کر ملاحظہ کیا، یہاں یہ معلوم ہوا کہ جاسوسوں کی پردہ دری اور ان کے خطوط پڑھنا جائز ہے، اسی طرح کسی بھی مفسد کی پردہ دری جائز ہے جب کہ مصلحت اس کی متقاضی ہو یا پردہ پوشی کسی مفسدہ کو جنم دینے کا باعث بنتی ہو۔

"ان کے لئے کوئی ایسا کارنامہ انجام دوں، الخ" اپنے آخر تک یہ جملہ اس عبارت کا ترجمہ ہے: ان اتخذ فیھم یدا یحمون بھا قرابتی اور طیبیؒ نے لکھا ہے کہ "یحمون" صفت ہے "یداً" کی اور ید (ہاتھ) سے مراد یا تو انعام عطا کرنے والا ہاتھ ہے یا مدد پہنچانے والی طاقت وقدرت، اس طرح اس عبارت کا لفظی ترجمہ یوں ہوگا: (میں نے چاہا کہ) ان سے یہ انعام یا ایسی طاقت وقدرت حاصل کروں کہ وہ لوگ میری قرابت یا قرابتداروں کی مدد وحمایت کریں۔ حاطبؓ کا مطلب یہ تھا کہ اس حرکت بیجا سے میری اصل غرض وغایت اپنے قرابتداروں کا تحفظ حاصل کرنا تھی۔ میں اتنی مفید معلومات فراہم کر کے قریش مکہ کو خوش کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ میری اس خوشامد کے سبب مکہ میں میرے قرابتداروں کی دیکھ بھال رکھ سکیں، واضح رہے کہ حاطبؓ نے اہل مکہ کو جو خط بھیجنا چاہا تھا اس سے ان کا مقصد آنحضرت ﷺ کو زک اور ایذا پہنچانا ہرگز نہیں تھا، اگر ان کا مقصد یہ ہوتا تو پھر ان کے کافر ہو جانے میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا، حقیقت یہی ہے کہ وہ اپنے طور پر یہ خیال کر کے کہ میرے اس خط لکھنے سے آنحضرت ﷺ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، اس حرکت کے ارتکاب

کی نادانی کر بیٹھے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنا اصل مقصد بیان کیا جو ان کے خط لکھنے کا محرک بنا تھا، تو آنحضرت ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ اگر ان کی نیت اور ان کے مقصد میں آنحضرت ﷺ کو تکلیف یا نقصان پہنچانے کا ارادہ شامل ہوتا تو لسان نبوت ان کے بیان کی تصدیق ہرگز نہ کرتی۔ ہاں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک بڑے اجتہادی قصور میں مبتلا ہوئے بایں طور کہ انہوں نے اپنے اس معاملہ کو چھپایا اور آنحضرت ﷺ سے اجازت لئے بغیر ایسا کام کیا۔

"اس منافق کی گردن اڑا دوں" اس عبارت کے تحت ملا علی قاریؒ نے تو یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے حاطبؓ کے بیان عذر کی تصدیق فرمائی لیکن اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے جو یہ بات کہی تو اس کا محرک دین کے تئیں وہ شدت اور سخت گیری تھی جو حضرت عمرؓ کی ذات کا خاصہ تھا۔ وہ دین و مذہب کے معاملات میں ذرا بھی نرمی اور رعایت کے قائل نہیں تھے اور پھر حاطبؓ کا معاملہ تو ویسے بھی بڑی سنگین نوعیت کا تھا۔ دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں بعض لوگ تھے بھی اس طرح کہ ان کی طرف نفاق کی نسبت کی جاتی تھی، چنانچہ انہوں نے یہی سوچا کہ جس شخص نے نبی کریم ﷺ کی مخالفت کی ہے وہ قتل کا مستوجب ہو گیا لیکن اس سوچ میں چونکہ خود ان کے نزدیک بھی یقین کا پہلو غالب نہیں تھا اس لئے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے حاطبؓ کے قتل کی اجازت مانگی۔ رہی یہ بات کہ انہوں نے حاطبؓ پر "منافق" کا اطلاق کس وجہ سے کیا تو ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس بارہ میں بھی یہ سوچا ہو کہ حاطبؓ نے شاید صحیح بات نہیں بتائی ہے، ان کے دل میں کچھ اور ہے اور بیان انہوں نے کچھ اور دیا ہے، ان کا مذکورہ عذر محض بات بنانے کے لئے ہے اور حضرت شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ اس واقعہ کو بیان کرنے میں کچھ تقدیم و تاخیر ہو گئی ہو۔ ورنہ آنحضرت ﷺ کی تصدیق کے بعد حضرت عمرؓ کا یہ بات کہنا مستبعد معلوم ہوتا ہے، گویا حضرت شیخؒ کے نزدیک اس بات کا قوی احتمال ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ بات پہلے ہی کہی ہو اور آنحضرت ﷺ کی تصدیق کا جزء بعد کا ہو۔

"تم جو چاہو کرو" یہ اہل بدر ہی کو خطاب ہے اور اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ عملی زندگی میں تمہیں پوری طرح آزادی دے دی گئی ہے کہ اچھا برا جو بھی عمل چاہو کرو اور فرائض و ارکان دین کی بجا آوری میں بھی ہر تقصیر و کوتاہی تمہارے لئے معاف ہے بلکہ اس ارشاد قدسی کی اصل مراد اہل بدر کے تئیں حق تعالیٰ کے خصوصی کرم اور اس کی خصوصی عنایت کو ظاہر کرنا اور ان کے اس خصوصی مرتبہ کی نشاندہی کرنا ہے کہ غزوۂ بدر میں شرکت کے عوض تمہیں آخرت کے تمام بلند مراتب و درجات حاصل ہو گئے ہیں وہاں کی تمہاری اعلیٰ حیثیت متعین ہو گئی ہے۔ اب تمہیں اجازت ہے کہ اعمال صالحہ اور افعال نافلہ میں سے چاہے تھوڑا کرو چاہے بہت کرو، جو بھی کر لو گے کافی ہو جائے گا۔

"جنت تمہارے لئے واجب ہو گئی ہے" یعنی یہ ثابت ہو گیا کہ تم جنت میں جاؤ گے یا یہ کہ حق تعالیٰ کے وعدے کے بموجب تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے۔ نیز طیبیؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے لعل (ممکن ہے) کا جو لفظ استعمال فرمایا وہ اپنے اعتبار سے نہیں فرمایا بلکہ اس میں ترجی اور امید رکھنے کے معنی حضرت عمرؓ کی طرف راجع ہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک تو یہ بات محقق اور یقینی تھی۔ اور زیادہ قرین یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اہل بدر کے جنتی اور مغفور ہونے کے پہلو کو لفظ لعل کے ساتھ اس لئے بیان فرمایا تاکہ اہل بدر اس پر اس طرح اعتماد اور بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں کہ فرائض و واجبات تک سے غفلت اختیار کر لیں اور اعملوا ما شئتم (تم جو چاہو کرو) سے یہ نتیجہ اخذ کر لیں کہ ہر فعل و عمل کی آزادی ہمیں مل گئی ہے۔ اب ہم جو چاہے کرتے پھریں۔

"میں تم کو بخش چکا ہوں" یعنی، میں نے تم لوگوں کو اپنی نظر رحمت و مغفرت سے نواز دیا ہے۔ اہل بدر کے حق میں یہ جملہ (جنت تمہارے لئے واجب ہو گئی ہے) سے زیادہ وزن دار اور زیادہ موثر ہے اور یہاں نوویؒ نے لکھا ہے کہ اہل بدر کے حق میں اس عفو و مغفرت کا تعلق صرف آخرت سے ہے نہ کہ اس دنیا سے بھی، مطلب یہ کہ ان میں سے اگر کوئی شخص کسی ایسے فعل کا مرتکب ہو جائے جس پر حد وغیرہ جاری ہوتی ہے تو وہ مستوجب مواخذہ ہوگا، چنانچہ ایک صحابی مسطح بن اثاثہ حالانکہ اہل بدر میں سے تھے۔ لیکن جب انہوں نے

حضرت عائشہؓ پر افترا باندھا اور قرآن کریم نے ان کے افترا کا پردہ چاک کر کے عائشہ صدیقہؓ کی پاکدامنی کی تصدیق کی۔ تو آنحضرت ﷺ نے مسطح کو مستوجب مواخذہ گردانا اور ان پر حد افترا قائم فرمائی۔

"یہ آیت نازل فرمائی" اس سے سورۂ ممتحنہ کی وہ ابتدائی آیتیں مراد ہیں جن کا شان نزول حاطبؓ کا یہی قصہ ہے یہ آیتیں یوں ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ. اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۔

"اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں، رسول کو اور تم کو اس بناء پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے شہربدر کر چکے ہیں، اگر تم میرے رستہ پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈنے کی غرض سے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو، تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا خوب علم ہے تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو (یاد رکھو) جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا تو راہ راست سے بھٹکے گا اگر ان کو تم پر دسترس ہو جائے تو (فوراً) اظہار عداوت کرنے لگیں (بایں طور کہ) تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں، وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن تمہارے کام نہ آویں گے خدا تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے، تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام میں اور ان لوگوں میں جو کہ ان کے ساتھ تھے ایک عمدہ نمونہ ہے۔ جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں، ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ. لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے (استغفار سے زیادہ) مجھ کو خدا سے آگے کسی بات کا اختیار نہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر توکل کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔"

یہ آیات کریمہ اگرچہ حاطبؓ کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی لیکن خطاب عمومی طور پر ہے تاکہ حاطبؓ جیسے لوگ بھی اس کے تحت آجائیں، اسی لئے کہا گیا ہے العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب یعنی یہ اصولی قاعدہ ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔ مطلب یہ کہ کوئی آیت مثلاً کسی خاص واقعہ کے سلسلہ میں یا کسی خاص شخص کے متعلق نازل ہوئی تو یہ نہیں کہ وہ آیت بس اسی واقعہ یا اسی شخص کے ساتھ مخصوص سمجھی جائے گی بلکہ اس کا مصداق و محمول عمومی نوعیت کا ہوگا کہ جو بھی شخص اس آیت کے مفہوم و مضمون سے مطابقت رکھے گا وہ اس آیت کے تحت آئے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ گویا یہ آیت اسی شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اصحاب بدر کا مرتبہ

(۳۱) وَعَنْ رِفَاعَةَ ابْنِ رَافِعٍ قَالَ جَآءَ جِبْرَئِيْلُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا تَعُدُّوْنَ اَهْلَ بَدْرٍ فِيْكُمْ قَالَ مِنْ

اَفضَلِ الْمُسْلِمِيْنَ اَوْ كَلِمَةٌ نَحْوَهَا قَالَ وَكَذَالِكَ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْمَلٰئِكَةِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت رفاعہ بن رافعؓ بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا کہ غزوہ بدر میں شریک ہونے والوں کو آپ اپنوں میں سے کس طبقہ کے لوگوں میں شمار کرتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ہم ان کو سب سے اعلیٰ و سب سے بہتر مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں، یا آپ ﷺ نے اسی طرح کے کچھ اور الفاظ میں جواب دیا (اور ظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا ہوگا هم افضل المسلمين یعنی وہ اصحاب بدر سب سے اعلیٰ و سب سے بہتر مسلمان ہیں) حضرت جبرئیل علیہ السلام (یہ سن کر) بولے: ایسا ہی ان فرشتوں کے بارے میں (ہم سمجھتے ہیں) جو غزوہ بدر میں (اہل اسلام کی مدد کے لئے) شریک ہوئے تھے۔" (بخاری)

تشریح: حضرت جبرئیل کا مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ اصحاب بدر کو دوسرے تمام مسلمانوں سے افضل جانتے ہیں۔ اسی طرح ہمارا خیال بھی یہی ہے کہ ہم فرشتوں میں سے جو فرشتے غزوہ بدر میں شریک ہوئے وہ ان تمام فرشتوں سے افضل ہیں جن کو اس غزوہ میں شرکت کا موقع نصیب نہیں ہوا۔

اصحاب بدر و حدیبیہ کی فضیلت

(۳۲) وَعَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ لَّا يَدْخُلَ النَّارَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اَحَدٌ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَيْبِيَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَيْسَ قَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا قَالَ فَلَمْ تَسْمَعِيْهِ يَقُوْلُ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَدْخُلُ النَّارَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ اَصْحَابِ الشَّجَرَةِ اَحَدٌ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا تَحْتَهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور ام المؤمنین حضرت حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میں امید رکھتا ہوں کہ جو شخص بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا ہے وہ انشاء اللہ دوزخ کی آگ میں داخل نہ ہوگا، میں نے (یہ سن کر) عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو دوزخ پر وارد نہ ہو! آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تم نے یہ نہیں سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (اس کے بعد) یہ بھی فرمایا ہے کہ پھر ہم ان لوگوں کو "دوزخ میں جانے سے" بچائیں گے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اصحاب شجرہ میں سے کوئی بھی شخص ان شاء اللہ دوزخ کی آگ میں داخل نہ ہوگا، اور "اصحاب شجرہ" سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے (حدیبیہ کے مقام پر) درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: ان منکم الا واردها یہ قرآن کی آیت کے الفاظ ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کو پل صراط سے گزرنا ہوگا اور پل صراط چونکہ دوزخ کے اوپر قائم کیا جائے گا اس لئے دوزخ کا سامنا لا محالہ ہر شخص کو کرنا پڑے گا اور نوویؒ نے لکھا ہے کہ "دوزخ پر وارد ہونے" سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے، بہر حال جب پل صراط پر سے لوگ گزریں گے تو ان میں سے جو دوزخی ہوں گے وہ پل صراط پر سے گر کر نیچے دوزخ میں جا پڑیں گے اور جو جنتی ہوں گے وہ پل پر سے گزرنے کا مرحلہ سلامتی کے ساتھ طے کر لیں گے۔ اور جنت میں چلے جائیں گے۔ لیکن حضرت حفصہؓ کے خیال میں یہ بات تھی کہ قرآن کے ان الفاظ میں واردها کے معنی داخلها (اور دوزخ میں داخل ہونے) کے ہیں، چنانچہ انہوں نے سوچا کہ جب قرآن کے ان الفاظ کے مطابق دوزخ میں داخل ہونے سے کوئی بھی شخص مستثنیٰ نہیں ہوگا تو اہل بدر و حدیبیہ کے حق میں دخول دوزخ کی نفی کا مصداق و محمول کیا ہو سکتا ہے اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو سمجھایا کہ خود اسی آیت میں ان الفاظ کے بعد ثُمَّ ننجي الذين اتقوا کے جو الفاظ ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا بلکہ وہی لوگ دوزخ میں جائیں گے جو نجات کے مستحق نہیں ہوں گے بلکہ مستوجب عذاب قرار دیئے جا چکے ہوں گے اور یہ کہ واردها کے معنی دوزخ میں داخل ہونے کے نہیں بلکہ دوزخ کے اوپر سے گزرنے کے ہیں واضح رہے کہ حضرت حفصہؓ نے آنحضرت ﷺ کا ارشاد سن کر جو کچھ کہا وہ مناظرہ بازی کے انداز میں اور اعتراض کے طور پر نہیں تھا بلکہ اصل میں جب حضرت حفصہؓ نے آنحضرت ﷺ کے

ارشاد کو اپنے خیال کے مطابق بظاہر آیت قرآنی کے موافق نہیں پایا تو ان کو حدیث کا مفہوم سمجھنے میں دقت ہوئی اور تب انہوں نے بغرض استفادہ مذکورہ الفاظ میں آنحضرت ﷺ سے سوال کیا۔ گویا حضرت حفصہؓ کا یہ سوال اس حکم کی تعمیل میں تھا کہ اگر کسی آیت یا کسی حدیث کے معنی سمجھ میں نہ آئیں، یا کسی آیت اور حدیث کے درمیان تطبیق سمجھ میں نہ آئے اور یا کوئی بھی دینی بات سمجھ میں نہ آتی ہو تو اس کو کسی عالم سے پوچھ لینا چاہئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون (پس تم اہل ذکر یعنی اہل علم سے دریافت کر لو اگر تم ناواقف اور لاعلم ہو)۔

اہل حدیبیہ کی فضیلت

(۳۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ اَلْفًا وَاَرْبَعَ مِائَةٍ قَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْاَرْضِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے موقع پر ہماری تعداد ایک ہزار اور چار سو تھی (اور) ہمارے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا، آج کے دن تم زمین والوں میں سب سے بہتر لوگ ہو۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "ایک ہزار چار سو" حدیبیہ کے موقع پر موجود صحابہ کی تعداد کے بارے میں جو اختلافی روایتیں ہیں اور ان مختلف روایتوں کے درمیان جو وجہ تطبیق بیان کی جاتی ہے اس کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔

اسی حدیث کے مطابق بعض حضرات نے جن میں سیوطیؒ بھی ہیں لکھا ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل خلفائے اربعہ ہیں۔ پھر عشرہ مبشرہ، پھر اہل بدر، پھر اہل احد اور پھر اہل حدیبیہ۔

اصحاب بدر کا مرتبہ

(۳۴) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّصْعَدُ الثَّنِيَّةَ ثَنِيَّةَ الْمُرَارِ فَاِنَّهٗ يُحَطُّ عَنْهُ مَا حُطَّ عَنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ فَكَانَ اَوَّلَ مَنْ صَعِدَهَا خَيْلُنَا خَيْلُ بَنِي الْخَزْرَجِ ثُمَّ تَتَامَّ النَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُمْ مَغْفُوْرٌ لَّهٗ اِلَّا صَاحِبَ الْجَمَلِ الْاَحْمَرِ فَاَتَيْنَاهُ فَقُلْنَا تَعَالَ يَسْتَغْفِرْ لَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاَنْ اَجِدَ ضَالَّتِيْ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ يَّسْتَغْفِرَ لِيْ صَاحِبُكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَاَ عَلَيْكَ فِيْ بَابٍ بَعْدَ فَضَائِلِ الْقُرْاٰنِ۔

"اور حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ (حدیبیہ کے سفر کے دوران) رسول کریم ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ ثنیۃ المرار پر جو چڑھے گا اس کے گناہ اسی طرح معاف کر دیئے جائیں گے جیسے بنی اسرائیل کے گناہ معاف کر دیئے گئے تھے "تو سب سے پہلے جو لوگ اس (ثنیۃ المرار) پر چڑھے وہ ہمارے گھوڑے یعنی قبیلہ خزرج کے (گھوڑ سوار) تھے۔ اس کے بعد آگے پیچھے سب لوگ چڑھے، پس رسول کریم ﷺ نے فرمایا: سب کو بخش دیا گیا علاوہ اس شخص کے جو سرخ اونٹ والا ہے (یعنی منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی) (آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) ہم اس (سرخ اونٹ والے شخص یعنی عبداللہ بن ابی) کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ آؤ ہمارے ساتھ چلو تاکہ ہم رسول کریم ﷺ سے تمہارے حق میں بھی بخشش و مغفرت کی درخواست کریں، مگر وہ (بدبخت) بولا: حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی گم شدہ چیز پا جاؤں، یہ میرے نزدیک اس بات سے زیادہ پسندیدہ اور عزیز ہے کہ تمہارے صاحب میرے لئے بخشش و مغفرت چاہیں۔" (مسلم) اور حضرت انسؓ کی حدیث قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَاَ عَلَيْكَ "فضائل قرآن" کے بعد والے باب میں نقل کی جا چکی ہے (یعنی صاحب مصابیح نے اس حدیث کو یہاں اس باب میں نقل کیا تھا لیکن اس حدیث میں چونکہ قرآن کا ذکر تھا اس

لئے مؤلف مشکوۃ نے اس کو وہاں نقل کیا)۔"

تشریح: "ثنیۃ المرار" میں "ثنیۃ" سے مراد پہاڑ کے درمیان (گھاٹی) کا راستہ ہے۔ اور "مرار" ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان اس راستہ پر واقع ہے جو حدیبیہ کو ہو کر گزرتا ہے۔ یہ ارشاد گرامی اس وقت کا ہے جب آپ ﷺ ۶ ھ میں عمرہ کی نیت سے مکہ کو روانہ ہوئے تھے لیکن حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر رک گئے تھے اور "صلح حدیبیہ" کا مشہور واقعہ پیش آیا تھا، اسی سفر کے دوران جب آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ رات میں "ثنیۃ المرار" (مرار کی گھاٹی) پر پہنچے، تو لوگوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ اور حوصلہ بڑھانے کی ضرورت یا تو اس لئے پیش آئی تھی کہ وہ گھاٹی نہایت دشوار گزار تھی اور اوپر چڑھنا کوئی آسان کام نہیں تھا، یا یہ کہ آپ ﷺ کو چونکہ یہ اندیشہ تھا کہ اس گھاٹی کے پیچھے شاید اہل مکہ گھات لگائے بیٹھے ہوں اور منصوبہ بند طریقہ سے رات کی تاریکی میں اچانک حملہ آور ہو جائیں اس لئے صورت حال کی ٹوہ لینا ضروری تھا اور اس مقصد کے لئے اوپر چڑھنا ظاہر ہے جان جوکھوں کا کام تھا۔

"جیسے بنی اسرائیل کے گناہ معاف کر دیئے گئے تھے" ان الفاظ کے ذریعہ بنی اسرائیل سے متعلق قرآن کریم کے ان الفاظ: وقولوا حطۃ نغفر لکم خطایاکم کی طرف اشارہ ہے۔ اصل قصہ یوں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جب بنی اسرائیل میدان تیہ میں چالیس سال تک پریشان و سرگرداں پھرتے رہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے ازراہ کرم و عنایت ان کو بادل کا سایہ مہیا کیا اور ان کے کھانے کو من و سلوی نازل فرمایا اور پھر ان کو ملک شام کے ایک شہر "اریحا" جانے کا حکم دیا گیا۔ اس وقت ان کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ اس شہر میں داخل ہوتے وقت عجز و انکساری اور فروتنی اختیار کرنا اور حطۃ (توبہ ہے، توبہ ہے) کہتے ہوئے داخل ہونا، اگر تم نے ہماری اس ہدایت پر عمل کیا اور توبہ و انابت اور استغفار کرتے ہوئے اس شہر میں داخل ہوئے تو ہم تمہارے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیں گے اور تمہیں مغفرت و بخشش سے نوازیں گے۔ لیکن بنی اسرائیل نے نہ صرف یہ کہ اس خدائی حکم و ہدایت پر عمل نہیں کیا بلکہ یہ شرارت بھی کی کہ شہر میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اس لفظ کو جو طلب توبہ و استغفار کے معنی رکھتا تھا، بدل کر ایک ایسا لفظ بولنے لگے جو ان کی دنیاوی طلب و خواہش کے معنی رکھتا تھا، اس کی پاداش میں ان پر طاعون کا سخت عذاب نازل کیا گیا جس نے ان کے ستر ہزار آدمیوں کو ہلاک کر ڈالا پس آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ "جیسے بنی اسرائیل کے گناہ معاف کر دیئے گئے تھے" تو گناہ معاف کئے جانے سے مراد "گناہ معاف کرنے کا وعدہ ہے" گویا آنحضرت ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح بنی اسرائیل سے مغفرت کا وعدہ کیا گیا تھا اور اگر وہ اس وقت خدائی حکم و ہدایت پر عمل کر لیتے تو ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

"وہ ہمارے گھوڑے یعنی قبیلہ خزرج" "خزرج" انصار مدینہ کا ایک قبیلہ تھا اور حضرت جابرؓ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ "اوس" اور "خزرج" دو بھائی تھے اور آگے چل کر ان دونوں کی اولاد اور نسلیں دو الگ الگ قبیلوں میں تبدیل ہو گئیں اور یہ دونوں قبیلے اپنے اپنے مورث اعلیٰ کے نام سے موسوم ہوئے۔ چنانچہ انصار مدینہ میں سے کچھ لوگ تو قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے اور کچھ لوگ قبیلہ خزرج سے۔

"میں اپنی گم شدہ چیز پا جاؤں" بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عبداللہ بن ابی کا وہی سرخ اونٹ ادھر ادھر ہو گیا ہو گا، یا اس کی کوئی اور چیز گم ہو گئی ہو گی۔ چنانچہ صحابہؓ نے اس سے کہا کہ چلو، ہم رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرتے ہیں کہ تمہارے حق میں بھی استغفار کریں اور تمہاری بخشش کی دعا کریں تو اس نے نہایت بے اعتنائی سے کہا کہ اس وقت تمہارے صاحب (رسول اللہ) کے پاس مجھے جانے کی فرصت کہاں ہے، اپنی گم شدہ چیز کو تلاش کرنا اور پا لینا میرے نزدیک اس بات سے زیادہ اہم اور زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں طلب مغفرت کے لئے تمہارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤں، عبداللہ ابن ابی کے یہ الفاظ یقینی طور پر اس کے صریح کفر کے غماز تھے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ وہ اپنے خبث باطن کے سبب راندۂ درگاہ تھا۔ اور راندۂ درگاہ ہی رہا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُوْنَ ۞ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔ (الآیة)

"اور جب ان (منافقوں) سے کہا جاتا ہے کہ آؤ (رسول اللہ کے پاس چلو) تاکہ رسول اللہ ﷺ تمہارے لئے استغفار کردیں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ ﷺ ان کو دیکھیں گے کہ وہ (اس ناصح سے اور تحصیل استغفار سے) تکبر کرتے ہوئے بے رخی کرتے ہیں۔ (جب ان کے کفر کی یہ حالت ہے تو) ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ ان کے لئے آپ استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں۔ (اور) اللہ تعالیٰ ہرگز ان کی مغفرت نہیں فرمائیں گے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

شیخین اور ابن مسعودؓ کی فضیلت

(۳۵) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْتَدُوْا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ اَصْحَابِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَاهْتَدُوْا بِهَدْيِ عَمَّارٍ وَتَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ وَفِيْ رِوَايَةِ حُذَيْفَةَ مَا حَدَّثَكُمُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَصَدِّقُوْهُ بَدَلَ وَتَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "تم ان دونوں کی پیروی جو میرے صحابہؓ میں سے ہیں اور میرے بعد خلیفہ ہوں گے، وہ ابوبکر اور عمر ہیں، عمار بن یاسر کی سیرت اور ان کی راہ وروش اختیار کر کے سیدھی سچی راہ پر چلو اور ام عبد کے بیٹے (عبداللہ ابن مسعود) کے عہد کو مضبوط پکڑو اور ایک دوسری روایت میں، جو حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے "ام عبداللہ کے بیٹے کے عہد کو پکڑو" کے بجائے یہ الفاظ ہیں کہ: ابن مسعود تم سے جو حدیث بیان کریں (اور دین کے احکام ومسائل سے متعلق جوبات بتائیں) اس میں ان کو راست گو جانو۔" (ترمذی)

تشریح: "اور میرے بعد خلیفہ ہوں گے" یہ ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق کے ترجمہ کے مطابق ہے۔ جب کہ ملا علی قاریؒ کے مطابق ترجمہ یوں ہونا چاہئے کہ: تم میری وفات کے بعد یا میری پیروی کے بعد ان دونوں کی پیروی کرو جو میرے صحابہ میں سے ہیں اور وہ ابوبکر و عمر ہیں پس نحوی اعتبار سے ابوبکر و عمر بدل یا بیان ہے الذین کا۔

"سیدھی سچی راہ پر چلو" واضح ہو کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے تعلق سے تو "اقتداء" کا لفظ لایا گیا ہے جب کہ حضرت عمار بن یاسر کے تعلق سے "اہتداء" کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے اقتداء میں اہتداء سے زیادہ عمومیت ہے بایں جہت کہ "اقتداء" میں قول اور فعل، دونوں کا لحاظ ہوتا ہے جب کہ "اہتداء" کا تعلق صرف فعل سے ہوتا ہے گویا اقتداء تو مطلق پیروی کرنے کو کہتے ہیں خواہ فعل میں ہو یا قول میں اور اہتداء فقط فعل کی پیروی کو کہتے ہیں۔

حدیث کے ان الفاظ میں نہ صرف یہ کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کی فضیلت و کمال کا ذکر ہے کہ ان کا کوئی بھی فعل و عمل جادۂ حق سے ہٹا ہوا نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ اس سے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا برحق اور مبنی برصداقت ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، کیونکہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جو معرکہ آرائی پیش آئی تھی اس میں حضرت عمارؓ سیدنا حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔

"ام عبد کے بیٹے کے عہد" میں "عہد" سے مراد قول اور وصیت ہے، یعنی عبداللہ ابن مسعودؓ دینی احکام ومسائل میں جوبات کہیں

اور جو تلقین و وصیت کریں اس کو پلے باندھ لو اور اس پر پوری طرح عمل کرو، چنانچہ یہی وہ حکم رسول ہے جس کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے اپنے فقہ کی ایک مضبوط بنیاد بتایا ہے۔ استنباط مسائل میں حضرت امام اعظم، خلفائے اربعہ کے بعد تمام صحابہ میں سے سب سے زیادہ جس صحابی کی روایت اور قول کو اختیار کرتے ہیں وہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہی ہیں جس کے کمال فقاہت اور اخلاص و صیت میں کسی کو شبہ نہیں تورپشتیؒ نے بھی عہد کے تقریباً یہی معنی بیان کئے ہیں لیکن انہوں نے اپنے نزدیک اس بات کو اولیٰ قرار دیا ہے کہ "ام عبد کے عہد" سے مراد "خلافت کے بارے میں عبداللہ ابن مسعود کی رائے اور ان کا فیصلہ" ہے گویا اس ارشاد رسالت کے ذریعہ اُمت کو ہدایت کی گئی کہ وصال نبوی کے بعد خلافت کے بارے میں عبداللہ ابن مسعود اپنی جس رائے اور جس فیصلہ کا اظہار کریں اسی سے تم سب لوگ رہنمائی حاصل کرو، چنانچہ آنحضرت کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی حقانیت و صحت کی گواہی سب سے پہلے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہی نے دی اور تمام اکابر صحابہ کی رائے اور مشورہ خلافت صدیق کے قیام میں شامل رہا۔ ان کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ استحقاق خلافت میں ہم اس ہستی کو پیچھے کیسے رکھ سکتے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے (اپنے مرض وفات میں، ہماری نماز کی امامت کے لئے) آگے کیا تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ جس شخص کو آنحضرت ﷺ نے (امامت نماز کی صورت میں) ہمارے دینی پیشوائی کے لئے منتخب کیا تھا اس کو ہم (بصورت خلافت) اپنی دنیاوی قیادت کے لئے منتخب نہ کریں۔ اسی طرح کا مضمون سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے بھی منقول ہے، بہرحال حدیث کے اول جز اقتدوا بالذین من بعدای ابوبکر و عمر اور آخری جز تمسکو ابعهد ابن ام عبد کے درمیان جو مناسبت ہے اس سے تو تورپشتیؒ کے اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن دوسری روایت میں حضرت حذیفہؓ نے جو الفاظ نقل کئے ہیں ان سے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ "عہد" سے مراد "قول اور وصیت" ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کی فضیلت

(۳۶) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْكُنْتُ مُؤَمِّرًا اَحَدًا مِنْ غَيْرِ مَشْوَرَةٍ لَاَمَّرْتُ عَلَيْهِمُ ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک موقعہ پر) رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا: اگر میں مشورہ کے بغیر کسی کو امیر و حاکم بناتا تو لوگوں کا امیر و حاکم ام عبد کے بیٹے یعنی عبداللہ ابن مسعود کو بناتا۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: یعنی عبداللہ ابن مسعودؓ ایسی صلاحیت و کمال رکھتے ہیں کہ ان کو امیر و حاکم بنانے میں کسی مشورہ اور غور و فکر کی حاجت نہیں ہے، علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات کسی خاص لشکر کا امیر و سردار بنانے کے سلسلہ میں کہی تھی یا اپنی حیات ہی میں کسی خاص معاملہ کی ذمہ داری سونپنے کے سلسلہ میں کہی تھی، بہرصورت آپ کے ارشاد کا مطلب اس خلافت عامہ سے ہرگز نہیں تھا۔ جو وصال نبوی کے بعد قائم ہوئی۔ خلافت کی ایک بڑی شرط قریشی النسل ہونا تو آپ ﷺ خود بیان فرما چکے تھے اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ قریش میں سے تھے نہیں۔

چند مخصوص صحابہؓ کے فضائل

(۳۷) وَعَنْ خَيْثَمَةَ ابْنِ اَبِيْ سَبْرَةَ قَالَ اَتَيْتُ الْمَدِيْنَةَ فَسَاَلْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّيَسِّرَلِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَيَسَّرَلِيْ اَبَا هُرَيْرَةَ فَجَلَسْتُ اِلَيْهِ فَقُلْتُ اِنِّيْ سَاَلْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّيَسِّرَلِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَوُفِّقْتَ لِيْ فَقَالَ مِنْ اَيْنَ اَنْتَ قُلْتُ مِنْ اَهْلِ الْكُوْفَةِ جِئْتُ اَلْتَمِسُ الْخَيْرَ وَاَطْلُبُهٗ فَقَالَ اَلَيْسَ فِيْكُمْ سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ مُجَابُ الدَّعْوَةِ وَابْنُ مَسْعُوْدٍ صَاحِبُ طَهُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعْلَيْهِ وَحُذَيْفَةُ صَاحِبُ سِرِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَمَّارُ الَّذِيْ اَجَارَهُ اللّٰهُ مِنَ الشَّيْطٰنِ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلْمَانُ صَاحِبُ الْكِتَابَيْنِ يَعْنِى الْاِنْجِيْلَ وَالْقُرْاٰنَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت خیثمہ بن ابی سبرۃؒ (جو کبار تابعین اور ثقات میں سے ہیں) بیان کرتے ہیں کہ میں جب مدینہ آیا تو میں نے اللہ سے دعا مانگی کہ مجھ کو نیک ہمنشین میسر ہو (یعنی مجھ کو کوئی ایسا نیک بخت مل جائے جو ہمنشین بننے کی کامل استعداد و صلاحیت رکھتا ہو اور اس کی ہمنشینی سے استفادہ کیا جا سکتا ہو) چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہؓ جیسی ہستی مجھ کو میسر فرمائی جن کی صحبت و ہم نشینی میں نے اختیار کی اور (بغرض استفادہ ان کی خدمت میں حاضری دینے لگا) میں نے (ایک دن ان سے) عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ مجھ کو نیک ہمنشین میسر ہو اور اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر کے آپ جیسا ہمنشین مجھ کو میسر فرمایا، حضرت ابوہریرہؓ نے پوچھا، تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے عرض کیا: میں کوفہ کا رہنے والا ہوں اور (کوفہ سے چل کر) یہاں اس لئے آیا ہوں کہ (نیک و بابرکت ہمنشینی کے ذریعہ) خیر کا جویا اور (اپنے نفس کے لئے) خیر کا طلب گار ہوں۔ (یہ سن کر) حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: کیا تمہارے درمیان (یعنی تمہارے شہر میں) سعد بن مالکؓ نہیں ہیں جو مستجاب الدعوات ہیں کیا تمہارے یہاں عبداللہ ابن مسعودؓ نہیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ (کے خادم خاص ہونے کی حیثیت سے سفر و حضر میں آپ ﷺ کے ساتھی ہیں کہ مسواک و نعلین مبارک (اور تکیہ و چھاگل وغیرہ) اپنے پاس رکھا کرتے تھے، کیا تمہارے یہاں حذیفہؓ نہیں ہیں (جو منافقین وغیرہ سے متعلق) رسول اللہ ﷺ کے محرم اسرار تھے، کیا تمہارے یہاں عمارؓ جیسی ہستی نہیں ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان مبارک کے ذریعہ شیطان سے امن و تحفظ عطا کیا۔ اور کیا تمہارے یہاں سلمانؓ نہیں ہیں جو دو کتابوں یعنی انجیل اور قرآن کے ماننے والے ہیں؟ (جب خیر و برکت اور علم و فضل رکھنے والی اتنی بڑی بڑی ہستیاں خود تمہارے شہر میں موجود ہیں تو محض صحبت و ہمنشینی کے ذریعہ طلب خیر اور استفادہ علم کی خاطر تمہیں اپنا شہر چھوڑ کر یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی)۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "اور اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر کے" یہ فَوُفِّقْتَ لِیْ کا توضیحی ترجمہ ہے۔ وُفِّقَتْ اصل میں وَفَّقَ سے صیغہ مجہول ہے جس کے معنی ہیں: موافق ہونا سازوار پڑنا، واضح ہو کہ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں فوفقت لی سے پہلے فَیَسَّرَلِیْ کے الفاظ منقول ہیں۔

"خیر کا جویا اور" میں "خیر" سے مراد علم و عمل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں "حکمت" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے و من یوتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا۔

"سعد بن مالکؓ" یہ وہی سعد بن ابی وقاصؓ ہیں جن کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے اور جن کا مستجاب الدعوات ہونا بھی بیان ہوا ہے، ابی وقاص کا اصل نام مالک تھا اور اسی وجہ سے حضرت سعدؓ کو "سعد بن ابی وقاص" بھی کہا جاتا ہے اور "سعد بن مالک" بھی۔

"حضرت عمارؓ" کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے چونکہ یہ دعا جاری ہوئی تھی کہ "اللہ تعالیٰ عمار کو شیطان اور شیطان کی پیروی سے محفوظ رکھے" اور یہ دعا قبول ہوئی اس لئے حضرت عمارؓ گویا آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک کے طفیل میں شیطان اور شیطان کی ذریات سے امن و پناہ میں ہیں:

"جو دو کتابوں یعنی انجیل اور قرآن کے ماننے والے ہیں" یعنی حضرت سلمانؓ چونکہ اسلام کی روشنی تک پہنچنے سے پہلے عیسائیت کے پیرو تھے۔ انہوں نے انجیل پڑھی اور اس پر ایمان لائے اور پھر دعوت اسلام پاتے ہی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اسلام لائے، قرآن پڑھا، اور قرآن پر عمل پیرا ہوئے، اس اعتبار سے وہ دونوں کتابوں کے ماننے والے ہوئے، حضرت سلمانؓ کا ذکر خیر پہلے گزر چکا ہے۔ انہوں نے ڈھائی سو سال کی طویل عمر پائی ان کا لقب سلمان الخیر تھا۔ ان کے باپ کا نام کوئی نہیں جانتا تھا اگر کوئی شخص ان سے ان کا نسب اور ان کے باپ کا نام پوچھتا تو وہ جواب دیتے: انا ابن الاسلام یعنی میں اسلام کا بیٹا ہوں۔

چند صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت

(۳۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الرَّجُلُ اَبُوْبَكْرٍ نِعْمَ الرَّجُلُ عُمَرُ نِعْمَ الرَّجُلُ

اَبُوْعُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ نِعْمَ الرَّجُلُ اُسَیْدُ بْنُ حُضَیْرٍ نِعْمَ الرَّجُلُ ثَابِتُ بْنُ قَیْسِ ابْنِ شَمَّاسٍ نِعْمَ الرَّجُلُ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ نِعْمَ الرَّجُلُ مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ابوبکر بھی کیا اچھا آدمی ہے، عمر بھی کیا اچھا آدمی ہے، ابوعبیدہ بن الجراح بھی کیا اچھا آدمی ہے اسید بن حضیر بھی کیا اچھا آدمی ہے، ثابت بن قیس بن شماس بھی کیا اچھا آدمی ہے، معاذ بن جبل بھی کیا اچھا آدمی ہے۔ عمرو بن الجموح بھی کیا اچھا آدمی ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا ابوعبیدہؓ، سیدنا ثابت بن قیسؓ اور سیدنا معاذ بن جبلؓ کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔ سیدنا اسید بن حضیرؓ انصار مدینہ میں سے ہیں اور قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے ہیں۔ بیعت عقبہ میں حاضر ہونے والوں اور غزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں میں شامل ہیں بعد کے غزوات میں بھی شریک ہوئے صحابہ کی ایک جماعت نے ان سے احادیث کی روایت کی ہے۔ مدینہ میں ۲۰ھ میں ان کا انتقال ہوا اور بقیع میں مدفون ہوئے۔

سیدنا عمرو بن الجموحؓ بھی انصار مدینہ میں سے ہیں لیکن ان کا تعلق قبیلہ خزرج سے ہے، یہ بھی بیعت عقبہ میں حاضر تھے اور بدری ہیں۔ ان کا انتقال حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں ہوا۔ بہر حال حدیث میں مذکورہ تمام صحابہ کبار مہاجرین و انصار میں سے ہیں، غالباً یہ سب حضرات کسی موقع پر آنحضرت ﷺ کی مجلس مبارک میں یکجا رہے ہوں گے۔ کہ آپ ﷺ نے ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ مدح و ثنا سے مشرف فرمایا، یا مذکورہ تعریفی الفاظ میں ان سب کے الگ الگ ذکر کا کوئی خاص سبب پیش آیا ہوگا۔

وہ تین صحابہ، جنت جن کی مشتاق ہے

(۳۹) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْجَنَّةَ تَشْتَاقُ اِلٰی ثَلٰثَةٍ عَلِیٍّ وَعَمَّارٍ وَسَلْمَانَ۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ جنت تین آدمیوں کی (بہت) مشتاق ہے اور وہ علیؓ، عمارؓ، اور سلمانؓ ہیں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا اصل مقصد ان تینوں حضرات کے جنتی ہونے کو زیادہ سے زیادہ بلیغ اور زوردار انداز میں بیان کرنا ہے۔ گویا آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ یہ تینوں شخص ایسے جنتی ہیں کہ خود جنت بھی ان کی بہت مشتاق ہے اور تیار ہو کر ان کے انتظار میں ہے۔ کہ کب یہ لوگ میرے اندر آتے ہیں اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ جنت کے مشتاق ہونے سے مراد اہل جنت یعنی ملائکہ اور حور و غلمان وغیرہ کا مشتاق ہونا ہے۔ نیز طیبی نے لکھا ہے کہ ان تینوں کے تئیں جنت کا مشتاق ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ پیچھے ایک حدیث میں حضرت سعد بن معاذؓ کے انتقال پر عرش کے ہلنے کا ذکر آیا ہے۔

حضرت عمارؓ کی فضیلت

(۴۰) وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ اسْتَاذَنَ عَمَّارٌ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ائْذَنُوْا لَهٗ مَرْحَبًا بِالطَّیِّبِ الْمُطَیَّبِ۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) عمارؓ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اندر آنے دو، پاک و پاکیزہ شخص کو خوش آمدید۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "طیب" سے تو حضرت عمارؓ کے جوہر ذات کی پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے۔ اور مطیب سے ان کی اس پاکیزگی و بزرگی کی طرف

اشارہ ہے۔ جو تہذیب اخلاق و صفات کے ذریعہ ان کو حاصل ہوئی۔ اور ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمارؓ کے نفس کی پاکی اور ان کے اخلاق و کردار کی پاکیزگی کو تعریف و تحسین کے نہایت بلیغ انداز میں بیان کرنے کے لئے طیب مطیب کے الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں جیسا کہ کسی سایہ کو مبالغۃً بیان کرنے کے لئے ظل ظلیل کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

حضرت عمارؓ کی فضیلت

(۴۱) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا خُيِّرَ عَمَّارٌ بَيْنَ الْاَمْرَيْنِ اِلَّا اخْتَارَ اَشَدَّهُمَا۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: عمار کو جب کبھی دو کاموں میں سے کسی ایک کام کا اختیار دیا گیا تو اس نے ہمیشہ سخت ترین اور مشکل کام کو اختیار کیا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ کہ ان دونوں کاموں میں سے جو کام طبیعت پر بہت بھاری اور نفس کے لئے دشوار ہوتا تھا اور اسی اعتبار سے زیادہ فضیلت بھی اسی کام کی ہوتی تھی تو عمارؓ اسی کو اختیار کرتے جیسا کہ سالکان راہ قرب و ولایت کا طریقہ ہے۔ رہا آنحضرت ﷺ کا معاملہ کہ آپ ﷺ دو اختیاری کاموں میں سے اسی کام کو اختیار کرتے تھے جو سب سے آسان اور ہلکا ہوتا تھا تو اس کا مقصد امت کے لئے آسانی اور سہولت پیدا کرنا ہوتا تھا۔

ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ "عمار کو جب کبھی دو کاموں میں سے کسی ایک کام کا اختیار دیا گیا تو انہوں نے اسی کام کو اختیار کیا، جو زیادہ آسان ہوتا تھا، چونکہ ان دونوں روایتوں میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے، اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ اوپر والی روایت کا معنی تو یہ ہے کہ خود حضرت عمارؓ کس کام کو سخت ترین اور دشوار سمجھتے تھے، چنانچہ وہ جس کام کو دوسرے کام کی بہ نسبت زیادہ سخت اور دشوار سمجھتے تھے اسی کو اختیار کرتے تھے، اور اس دوسری روایت کا معنی یہ ہے کہ ان کے علاوہ دوسرا آدمی کس کام کو زیادہ سخت اور دشوار سمجھتا تھا، یعنی دوسرا آدمی تو یہ سمجھتا تھا کہ عمارؓ نے جس کام کو اختیار کیا ہے وہ آسان اور سہل ہے لیکن حقیقت میں حضرت عمارؓ کے نزدیک وہی کام زیادہ سخت اور دشوار ہوتا تھا۔

حضرت سعد بن معاذؓ کی فضیلت

(۴۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا حُمِلَتْ جَنَازَةُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ قَالَ الْمُنَافِقُوْنَ مَا اَخَفَّ جَنَازَتَهُ ذٰلِكَ لِحُكْمِهِ فِي بَنِيْ قُرَيْظَةَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ الْمَلٰئِكَةَ كَانَتْ تَحْمِلُهُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب سعد بن معاذؓ کا جنازہ اٹھا کر لوگ چلے (اور ان کو وہ جنازہ ہلکا لگا) تو منافقوں نے کہا کہ اس کا جنازہ کتنا ہلکا اس فیصلہ کی وجہ سے ہے جو اس نے بنو قریظہ کے بارے میں دیا تھا۔ منافقوں کی یہ بات نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے جنازے کو فرشتے اٹھائے لئے جا رہے تھے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "اس فیصلہ کی وجہ سے ہے" قصہ یہ ہوا تھا کہ مدینہ کے یہودیوں کے قبیلہ "بنو قریظہ" نے جب غزوہ خندق (ذیقعدہ ۵ھ) کے موقع پر آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ بد عہدی اور اعتماد شکنی کا بدترین مظاہرہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے اس غزوہ سے فارغ ہوتے ہی بنو قریظہ کا رخ کیا اور ان کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا تاکہ ان کی مسلسل ریشہ دوانیوں، سازشوں اور بد عہدیوں کا ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر دیا جائے: بنو قریظہ کے یہودی نہ تو اپنے قلعہ سے باہر آکر مجاہدین اسلام کے مقابلہ کی ہمت پاتے تھے اور نہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت قبول کرنے پر آمادہ تھے۔ آخر کار جب یہ محاصرہ پچیس روز تک جاری رہا اور قلعہ کے اندر محصور یہودیوں کو کوئی راہ نجات نظر نہیں آئی تو

انہوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم اپنے آپ کو اس شرط پر آپ ﷺ کے سپرد کرتے ہیں کہ سعاد بن معاذؓ ہمارے لئے جو سزا تجویز کریں وہی سزا ہم کو دی جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کو قبول فرمالیا اور حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم دیا کہ ان کے حکم میں ازراہ عدل و انصاف جو سزا مناسب سمجھو تجویز کرو۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد فیصلہ سنایا کہ: بنو قریظہ کے تمام مرد قتل کر دیئے جائیں ان کی عورتوں اور ان کے بچوں کے ساتھ اسیران جنگ کا سلوک کیا جائے اور ان کے اموال و املاک کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے، آنحضرت ﷺ نے اس فیصلہ پر عمل کیا اور حضرت سعد بن معاذؓ سے فرمایا کہ تمہارا یہ فیصلہ حق تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق ہے جو اس نے ساتوں آسمانوں کے اوپر صادر کیا۔ پس جب حضرت سعد بن معاذؓ کا انتقال ہوا اور ان کا جنازہ لے جایا جانے لگا تو ان منافقین نے کہ جو ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام سے پوشیدہ دشمنی اور دشمنان دین سے خفیہ ساز باز اور ہمدردی رکھتے تھے، حضرت سعد بن معاذؓ کے متعلق زبان اعتراض کھولنے کا موقع پایا اور ان پر طعن کیا کہ سعد کا یہ جنازہ اس سبب سے ہلکا پڑ گیا ہے کہ انہوں نے بنو قریظہ کے بارے میں غیر منصفانہ فیصلہ دیا تھا۔ گویا ان منافقین نے حضرت سعدؓ کی طرف ظلم کی نسبت کی اور ان کے فیصلہ کو ایک ظالمانہ فیصلہ قرار دیا، حالانکہ یہ ان منافقوں کا خبث باطن تھا جو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں سے عناد کے تحت حضرت سعدؓ کے نہایت موزوں اور مبنی بر حقیقت فیصلہ کو ظالمانہ فیصلہ سمجھا اور ان کے جنازہ کے سبک ہونے کو مذکورہ فیصلہ سے جوڑ کر نہایت بیہودہ اور لغوبات کہی۔

"ان کے جنازہ کو فرشتے اٹھائے لئے جا رہے تھے" یعنی سعدؓ کے جنازہ کا سبک و ہلکا ہونا اس بات سے کوئی مناسبت ہی نہیں رکھتا جو ان جاہل منافقوں کے ذہن میں ہے اور جس کا اظہار بھی انہوں نے کیا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ سعدؓ کے جنازہ کو اٹھا کر چلنے والوں میں فرشتے بھی شامل تھے اور چونکہ وہ جنازہ فرشتوں نے اٹھا رکھا تھا اس لئے لوگوں کو ہلکا اور سبک لگ رہا تھا۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ میت (نعش کا ہلکا و سبک ہونا بذات خود اچھی علامت ہے جب کہ اس کا بھاری لگنا کچھ اچھی علامت نہیں سمجھا جاتا۔ عارفین کا کہنا ہے کہ میت کا بھاری ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ شخص دنیا میں زیادہ رغبت و تعلق رکھتا تھا جب کہ میت کا ہلکا اور سبک ہونا دنیا سے اس کی بے رغبتی، آخرت اور مولی کے تئیں اس کے کمال اشتیاق اور مقصد اعلیٰ کی طرف اس کی روح کے جلد پرواز کرنے کو ظاہر کرتا ہے۔ بہر حال منافقوں نے مذکورہ بات چونکہ حضرت سعدؓ کی حقارت و سبکی کا پہلو ملحوظ رکھ کر کہی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس طرح جواب دیا کہ جنازہ کے ہلکا و سبک ہونے سے حضرت سعدؓ کی شان و حیثیت کا بڑھنا اور ان کی عظمت کا ظاہر ہونا لازم آجائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **للّٰہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لا یعلمون** (عزت تو اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مؤمن بندوں کے لئے لیکن منافق نہیں جانتے)۔

حضرت ابوذرؓ کی فضیلت

(۴۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَآءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَآءُ اَصْدَقَ مِنْ اَبِیْ ذَرٍّ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے سنا: ابوذرؓ سے بڑھ کر سچی زبان کے آدمی پر نہ نیلگوں آسمان نے سایہ کیا اور نہ غبار آلود زمین نے ان سے بڑھ کر سچے آدمی کو اٹھایا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: حضرت ابوذر غفاریؓ ان بزرگان صحابہ میں سے ہیں جو زہد و قناعت، فقر و استغناء اور تجرد کی زندگی گزارنے کے سبب دنیا کی ہر لذت و نعمت سے اپنے آپ کو دور رکھتے تھے۔ ان کا ذکر پیچھے اپنے موقع پر ہو چکا ہے۔

یہاں حضرت ابوذرؓ کے ذکر میں جو حصر ہے اس سے تاکید اور مبالغہ مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ علی الاطلاق سب سے

بڑھ کر سچی زبان والے تھے، اور کوئی بھی شخص ان سے زیادہ سچا نہیں تھا۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس امت کے صدیق ہیں اور نبی کریم ﷺ کے بعد اس اُمت کے سب سے افضل و اعلیٰ شخص ہیں لہٰذا یہ کہنا موزوں نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابوذرؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی بڑھ کر سچی زبان والے تھے، اور پھر خود رسول کریم ﷺ اور انبیاء علیہم السلام یقینی طور پر حضرت ابوذرؓ سے کہیں زیادہ سچے اور ان سے کہیں بڑھ کر سچی زبان والے تھے۔

(۴۴) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَآءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَآءُ مِنْ ذِیْ لَھْجَۃٍ اَصْدَقُ وَلَا اَوْفٰی مِنْ اَبِیْ ذَرٍّ شِبْہِ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ یَعْنِیْ فِی الزُّھْدِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کسی ایسے بولنے والے پر نہ تو نیلگوں آسمان نے سایہ کیا اور نہ زمین نے اس کو اٹھایا جو ابوذرؓ سے زیادہ راست گو ہو اور اللہ اور اللہ کے رسول کا حق ابوذرؓ سے زیادہ ادا کرنے والا ہو۔ وہ ابوذرؓ جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے مشابہ ہیں یعنی زہد میں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اوفی کا ترجمہ بعض شارحین نے یہ کیا ہے کہ: جو کلام و گفتگو کا حق ابوذرؓ سے زیادہ ادا کرنے والا ہو، اور کلام کا ایک حق تو یہ ہے کہ صحیح، سچی اور نیک بات کے علاوہ اور کچھ زبان پر نہ لایا جائے اور ایک حق یہ ہے کہ تلفظ کی ادائیگی، جملوں کی ساخت الفاظ کے استعمال اور مفہوم و معنی کے اظہار میں کوئی فروگزاشت نہ ہو پس حدیث کا حصل یہ ہے کہ ابوذرؓ اظہار حق میں ذرا بھی چشم پوشی و مداہنت نہیں کرتے ہمیشہ راست گفتاری و صاف گوئی سے کام لیتے ہیں جس بات کو حق اور سچ سمجھتے ہیں برملا کہہ دیتے ہیں چاہے وہ کیسی ہی تلخ ہو اور کسی کے لئے کتنی ہی ناگوار ہو نیز وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے پکے مطیع و فرمانبردار ہیں، یا یہ کہ وعدہ اور عہد کو پورا کرتے ہیں اور یا یہ کہ اپنی بات کو بڑی وضاحت اور فصاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ غرضیکہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کوئی شخص ابوذرؓ کے برابر راست گو اور اپنی بات کا پورا، یا اللہ اور اللہ کے رسول کا حق ادا کرنے والا یا فصیح اللسان نہیں ہے۔

"جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے مشابہ ہیں" ان الفاظ میں حضرت ابوذرؓ کے کمال زہد و ورع اور ان کے تجرد کی طرف اشارہ ہے چنانچہ ان کے زہد اور دنیا سے ان کی بے تعلقی و بے رغبتی کا عالم یہ تھا کہ دنیا کی ناجائز و مباح لذتوں سے بھی اپنے آپ کو محروم رکھتے تھے، تجرد کی بے کیف زندگی پر پوری طرح قانع و صابر تھے، مال جمع کرنا ان کے نزدیک حرام تھا، چاہے وہ کتنے ہی جائز ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو۔ اور زکوٰۃ وغیرہ کتنی ہی پابندی و احتیاط سے ادا کی گئی ہو۔ منقول ہے کہ ایک دن حضرت ابوذرؓ ہاتھ میں عصا لئے ہوئے سیدنا عثمان غنیؓ کی مجلس میں آئے تو وہاں حضرت کعبؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ سیدنا عثمان غنیؓ نے حضرت کعبؓ سے پوچھا، کعبؓ (تمہیں معلوم ہی ہے) عبدالرحمٰن بن عوفؓ اس حال میں اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں کہ ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی تھی۔ ان کا ترکہ نہایت کثیر مقدار سونے چاندی اور دوسرے مال و اسباب پر مشتمل ہے اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے (مال و دولت کی اس قدر کثرت و فراوانی عبدالرحمٰنؓ کے درجۂ کمال کی راہ میں کسی نقصان کا باعث تھی یا نہیں) حضرت کعبؓ بولے: اگر عبدالرحمٰنؓ اس مال و دولت میں اللہ کا حق یعنی زکوٰۃ وغیرہ ادا کرتے تھے تو پھر اس مال و دولت میں ان کے لئے کوئی نقصان اور خدشہ کی کوئی بات نہیں، حضرت ابوذرؓ نے حضرت کعبؓ کی جو یہ بات سنی تو اپنا عصا اٹھا کر ان کو مارا اور بولے: میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اگر میرے پاس اس پہاڑ (یعنی احد پہاڑ) کے برابر سونا ہو اور میں اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کروں تو اس کے باوجود کہ میرا وہ خرچ کرنا قبول کر لیا جائے میں بالکل پسند نہیں کروں گا کہ میں اس میں سے چھ اوقیہ (دو سو چالیس درہم کے برابر) بھی سونا چھوڑ جاؤں، پھر حضرت ابوذرؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کو مخاطب کر کے کہا کہ میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ بتاؤ تم نے بھی آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ ارشاد سنا ہے؟ ابوذرؓ نے یہ بات تین مرتبہ کہی، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔ ہاں: آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے میں نے بھی یہ ارشاد سنا ہے۔ بہرحال حضرت ابوذرؓ چونکہ کامل درویش اور تارک الدنیا تھے اور زہد و فقر پر سختی سے کاربند تھے اس لئے ان کا مسلک یہ تھا دیہ

پیسہ اور مال وزر جمع کرنا، بچا کر رکھنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ دے سب اسی کی راہ میں خرچ کر دینا چاہئے۔ اس سلسلہ میں ان کے مزاج میں اتنی شدت تھی کہ دولت کے جواز میں کوئی بات سننا پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ جب حضرت کعبؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کی دولت کے جواز میں بات کہی تو حضرت ابوذرؓ پر ان کا یہی سخت جذبہ غالب آگیا اور انہوں نے حضرت کعبؓ پر اپنا عصا کھینچ مارا۔ لیکن جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے تو جمہور کا مسلک یہی ہے کہ اگر زکوٰۃ وغیرہ ادا کی جاتی رہے تو مال و دولت جمع کرنے اور بچا کر رکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے خواہ وہ کتنی ہی زیادہ ہو۔ رہی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی بات جو حضرت ابوذرؓ نے بیان کیا تو اس سے مال و دولت کی برائی یا مال و دولت جمع کرنے کے عدم جواز کا کوئی پہلو نہیں نکلتا جیسا کہ شائد حضرت ابوذرؓ سمجھتے تھے آنحضرت ﷺ نے تو محض اپنے جذبہ انفاق فی سبیل اللہ اور دنیاوی مال و دولت سے اپنی بے رغبتی کا اظہار فرمایا تھا نہ کہ اس دولت کے جمع کرنے اور رکھنے کے عمومی عدم جواز کا اظہار مقصود تھا جو جائز وسائل و ذرائع سے آئی ہو۔ اور جس کے حق (یعنی زکوٰۃ وغیرہ) کی ادائیگی کا اہتمام رکھا جاتا ہو۔

"یعنی زہد میں" یہ الفاظ کسی راوی کے ہیں، اصل روایت کا جزء نہیں ہیں۔ واضح رہے کہ صاحب استیعاب نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں رسول کریم ﷺ کے یہ الفاظ بیان کئے گئے ہیں: "جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تواضع و انکسار کے دیکھنے کی خوشی و سعادت حاصل کرنا چاہتا ہو وہ ابوذرؓ کو دیکھ لے" اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث بالا میں آنحضرت ﷺ نے ابوذرؓ کی جس صفت میں حضرت عیسیٰ کے مشابہ فرمایا ہے وہ تواضع اور انکسار ہے۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ جس راوی نے یعنی فی الزھد کے الفاظ میں "مشابہت" کی توضیح کرنی چاہی ہے اس کے علم میں وہ حدیث نہیں تھی، جس کو صاحب استیعاب نے نقل کیا ہے اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ زہد اور تواضع کے درمیان کوئی منافات نہیں یہ دونوں صفتیں ایک ساتھ ہو سکتی ہیں بلکہ جو شخص "زاہد" ہو گا وہ متواضع و منکسر المزاج بھی یقیناً ہو گا۔ علاوہ ازیں "یعنی فی الزہد" کے الفاظ اصل کتاب یعنی مصابیح میں موجود نہیں ہیں بلکہ صاحب مشکوٰۃ کے بڑھائے ہوئے ہیں۔

علمی بزرگی رکھنے والے چار صحابہؓ

(۴۵) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ لَمَّا حَضَرَتِ الْمَوْتُ قَالَ الْتَمِسُوا الْعِلْمَ عِنْدَ اَرْبَعَةٍ عِنْدَ عُوَيْمِرٍ اَبِي الدَّرْدَآءِ وَعِنْدَ سَلْمَانَ وَعِنْدَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَعِنْدَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ الَّذِيْ كَانَ يَهُوْدِيًّا فَاَسْلَمَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهٗ عَاشِرُ عَشَرَةٍ فِي الْجَنَّةِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ علم چار آدمیوں سے حاصل کرو، عویمرؓ سے جن کی کنیت ابودرداءؓ ہے سلمان فارسیؓ سے، عبداللہ بن مسعودؓ سے اور عبداللہ بن سلامؓ سے جو یہودی تھے۔ اور پھر انہوں نے اسلام قبول کیا میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ وہ (عبداللہ بن سلام) جنت کے دس شخصوں میں سے دسواں شخص ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "علم چار آدمیوں سے حاصل کرو" میں "علم" سے مراد یا تو عمومی طور پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا علم ہے یا اس علم کمال کا وہ خاص فن کہ جس سے حلال و حرام امور کی معرفت و پہچان حاصل ہوتی ہے اور یہ دوسرا احتمال زیادہ قوی اور زیادہ واضح ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد: اعلمکم بالحلال والحرام معاذ بن جبل (حلال و حرام امور کا علم تم میں سے سب سے زیادہ معاذ بن جبل کو حاصل ہے) کے بموجب اسی خاص علم و فن سے حضرت معاذ بن جبلؓ کو مناسبت تامہ بھی حاصل ہے اور اسی سے ان کی وجہ خصوصیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

"جن کی کنیت ابودرداء ہے" ان کا اصل نام "عویمر" ہی تھا لیکن مشہور اپنی کنیت "ابودرداء" کے ساتھ تھے "درداء" ان کی بیٹی کا

نام تھا۔ حضرت عویمرؓ یعنی حضرت ابودرداءؓ انصاری خزرجی ہیں، زبردست فقیہہ، بلند پایہ عالم، بزرگ مرتبہ زاہد، اور نہایت اونچے درجہ کے حکیم ودانا تھے۔ اصحاب صفہ میں سے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کے اور حضرت سلمان فارسیؓ کے درمیان بھائی چارہ کرایا تھا۔ بعد میں انہوں نے ملک شام میں سکونت اختیار کرلی تھی اور ۳۲ھ میں بمقام دمشق ان کا انتقال ہوا۔

"اور پھر انہوں نے اسلام قبول کیا" حضرت عبداللہ بن سلامؓ پہلے یہودی تھے اور دین موسوی کے زبردست عالم مانے جاتے تھے، تورات کے علوم پر پورا عبور رکھتے تھے۔ اور اس کے رموز و اشارات سے پوری طرح واقف تھے اس آسمانی کتاب میں آنحضرت ﷺ سے متعلق جتنی پیشینگوئیاں اور ہدایات تھیں ان کو پوری طرح سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کو ابتداہی سے آنحضرت ﷺ کی بعثت کا انتظار اور آپ ﷺ کے دیدار کا اشتیاق پوری شدت کے ساتھ تھا، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو پہلے ہی دن انہوں نے خدمت اقدس میں حاضری دی اور اسی وقت مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

"دس شخصوں میں سے دسواں شخص ہے" ان الفاظ سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سلامؓ "عشرہ مبشرہ" میں شامل ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اس لئے ان الفاظ کے معنی یوں بیان کئے جائیں گے کہ عبداللہ بن سلامؓ گویا ان دس شخصوں میں کے دسویں شخص کی مانند ہیں جن کو جنت کی بشارت ہوئی، اور ایک شارح نے اس جملہ کے یہ معنی لکھے ہیں کہ: عبداللہ بن سلامؓ صحابہ میں کے نو شخصوں کے بعد بہشت میں داخل ہوں گے۔ یعنی صحابہ جس ترتیب کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے اس میں دسواں نمبر عبداللہ بن سلامؓ کا ہوگا۔ لیکن اس معنی میں یہ خرابی ہے کہ اس سے عبداللہ بن سلامؓ کا بعض عشرہ مبشرہ سے بھی پہلے جنت میں داخل ہونا لازم آتا ہے، بہرحال اس جملہ کے ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ عبداللہ بن سلامؓ ان دس یہودیوں میں کے دسویں شخص ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ یا یہ معنی مراد ہیں کہ عشرہ مبشرہ کے بعد جو پہلے دس شخص جنت میں داخل ہوں گے ان میں کے دسویں شخص عبدللہ بن سلامؓ ہیں۔ اس طرح صحابہؓ جس ترتیب کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے ان میں عبداللہ بن سلام کا نمبر انیسواں ہوگا۔

حذیفہ اور ابن مسعود کی فضیلت

(۳۶) وَعَنْ حُذَيْفَةَؓ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اسْتَخْلَفْتَ قَالَ اِنِ اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْكُمْ فَعَصَيْتُمُوْهُ عُذِّبْتُمْ وَلٰكِنْ مَا حَدَّثَكُمْ حُذَيْفَةُ فَصَدِّقُوْهُ وَمَا اَقْرَاَكُمْ عَبْدُاللّٰهِ فَاقْرَءُوْهُ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) چند صحابہ بولے کہ یارسول اللہ: اگر آپ (ﷺ) (اپنے سامنے ہی صحابہ میں سے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر فرمادیتے تو اچھا ہوتا (یا یہ معنی ہیں کہ یارسول اللہ! اگر آپ ﷺ خود کسی کو اپنا خلیفہ مقرر فرماتے تو وہ کون ہوتا!) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اگر میں کسی کو تمہارے اوپر خلیفہ مقرر کردوں اور پھر تم اس کی نافرمانی کرو تو تم عذاب میں پکڑے جاؤ گے، تاہم (میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ) حذیفہؓ تم سے جو کچھ کہیں یا جو حدیث بیان کریں اس کو سچ جانو اور عبداللہ بن مسعودؓ تم کو جو کچھ پڑھائیں اس کو پڑھو۔" (ترمذی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے جس انداز میں جواب دیا، اس کا تعلق حکیمانہ اسلوب سے ہے۔ آپ ﷺ نے گویا یوں فرمایا کہ یہ بات تمہارے لئے اتنی اہم اور ضروری نہیں ہے کہ ابھی سے خلافت کی فکر میں لگ جاؤ اور منصب خلافت کے لئے کسی کو نامزد یا مقرر کرنے درخواست مجھ سے کرو۔ کیونکہ یہ تو وہ معاملہ ہے جو اللہ کے حکم سے اپنے وقت پر تمہارے سامنے بہر صورت ظاہر ہو جائے گا، بایں طور کہ تم جس اہل و موزوں شخص پر اتفاق و اجماع کرلو گے وہی خلیفہ بن جائے گا۔ علاوہ ازیں، میری طرف سے منصب خلافت کے لئے کسی شخص کی نامزدگی یا تقرری میں ایک مانع یہ بھی ہے کہ فرض کرو کہ میں نے تمہاری درخواست پر کسی کو ابھی سے خلیفہ متعین یا نامزد کر اور پھر میرے بعد تم نے اس خلیفہ کی نافرمانی کی یا اس کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تو بالیقین اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب میں پکڑے جاؤ گے۔

لہٰذا تم خلافت کی فکر چھوڑو اور کتاب وسنت پر عمل پیرا اور ان کے راستہ پر مضبوطی سے گامزن رہنے کی دھن باندھو کہ یہی بات تمہارے لئے سب سے اہم اور سب سے ضروری ہے۔

"حذیفہ تم سے جو کچھ کہیں" یہاں خاص طور پر انہی دونوں صحابہ یعنی حضرت حذیفہؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ذکر اس سبب سے ہوا کہ اول تو علم ویقین میں ان کی ممتاز حیثیت اور ان کی بڑھی ہوئی فضیلت کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا، دوسرے یہ کہ کسی صاحب ایمان کو جس چیز سے اجتناب وپرہیز سب سے زیادہ کرنا چاہئے وہ "نفاق" ہے اور جس چیز کو سب سے زیادہ ماننا اور بجالانا چاہئے، وہ "احکام شریعت" ہیں چنانچہ پہلی چیز یعنی "نفاق" کا علم وادراک رکھنے والے سب سے اہم صحابی حضرت حذیفہؓ تھے کہ ان کو "صاحب سر رسول اللہ ﷺ" کا خصوصی درجہ حاصل تھا اور منافقوں کے بارے میں جتنا کچھ وہ جانتے تھے اتنا کوئی صحابی نہیں جانتا تھا۔ دوسری چیز یعنی احکام شریعت کا بہت زیادہ علم رکھنے والے صحابی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ تھے جن کے بارے میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے رضیت لامتی مارضی بہ ابن ام عبد (میری اُمت کے لئے ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعودؓ کی پسند میری پسند ہے) نیز آپ ﷺ نے فرمایا: تمسکوا بعهد ابن ام عبد (اے مسلمانو! ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعودؓ کی تلقین ونصیحت اور ان کی رائے پر پوری طرح عمل کرو) یہاں علماء نے بطور نکتہ لکھا ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں اور اسی طرح اس فصل کی پہلی حدیث میں ایک طرح سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا بیان بھی ہے چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد جب خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ درپیش تھا۔ تو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنانے کی رائے دیتے ہوئے کہا تھا: ابوبکر وہ شخص ہیں جن کو آنحضرت نے ہماری پیشوائی (یعنی امامت نماز کے لئے) آگے کیا تھا اس لئے ہمیں اپنی دنیاوی قیادت کے لئے بھی انہی کو آگے رکھنا چاہئے۔

حضرت محمد بن مسلمہؓ کی فضیلت

(۲۷) وَعَنْهُ قَالَ مَا اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ تُدْرِكُهُ الْفِتْنَةُ اِلَّا اَنَا اَخَافُهَا عَلَيْهِ اِلَّا مُحَمَّدَ بْنَ مُسْلِمَةَ فَاِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَضُرُّكَ الْفِتْنَةُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ سَكَتَ عَنْهُ وَاَقَرَّهُ عَبْدُ الْعَظِيْمِ۔

"اور حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ: جب (دنیاوی بدامنی وانتشار اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف وافتراق کا) فتنہ لوگوں کو گھیرے گا تو مجھ کو خوف ہے کہ کوئی شخص اس کے اثر سے محفوظ نہ رہے گا علاوہ محمد بن مسلمہؓ کے چنانچہ میں نے رسول کریم ﷺ کو (محمد بن سلمہؓ سے) یہ فرماتے سنا ہے کہ فتنہ تم کو ضرر نہ پہنچائے گا اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے تاہم (نامور محدث) عبدالعظیم منذریؒ نے اس حدیث کو ثابت کیا ہے۔"

تشریح: حضرت محمد بن مسلمہؓ انصاری خزرجی اشہلی، بلند پایہ صحابی ہیں انہوں نے مدینہ میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقع پر انہی کو مدینہ میں اپنا خلیفہ چھوڑا تھا، آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق انہوں نے باہمی اختلاف وانتشار کے ہر فتنہ سے اپنا دامن بچائے رکھا، جب بھی اس طرح کا کوئی ناگوار موقع آتا تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ گوشہ نشین ہوجاتے تھے اور اس طرح فتنہ وفساد کے شر وضرر سے محفوظ رہتے تھے۔ باختلاف روایات ۴۳ھ یا ۴۶ھ میں واصل بحق ہوئے۔

"اور اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے" یعنی امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو نہ مطعون کیا ہے اور نہ اس کی تصحیح وتحسین کی ہے واضح ہو کہ جس حدیث کے بارے میں امام ابوداؤدؒ نے سکوت اختیار کیا ہو اس کے متعلق محدثین کے اختلافی اقوال ہیں۔ بعض حضرات ایسی حدیث کو "صحیح" کا درجہ دیتے ہیں، بعض حضرات "حسن" کہتے ہیں اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ حدیث "ضعیف" ہے مگر لائق

استناد ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مشکوۃ کے اصل نسخہ میں رواہ کے بعد جگہ خالی چھوٹی ہوئی ہے۔ اور حاشیہ پر مذکورہ بالا عبارت جزری ؒ کے حوالہ سے لکھی ہوئی ہے۔

عبداللہ بن زبیرؓ

(۴۸) وَعَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى فِيْ بَيْتِ الزُّبَيْرِ مِصْبَاحًا فَقَالَ يَا عَائِشَةُ مَا اُرٰى اَسْمَاءَ اِلَّا قَدْ نُفِسَتْ وَلَا تُسَمُّوْهُ حَتّٰى اُسَمِّيَهٗ فَسَمَّاهُ عَبْدَاللّٰهِ وَحَنَّكَهٗ بِتَمْرَةٍ بِيَدِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ (ایک رات کو خلاف معمول) نبی کریم ﷺ نے زبیرؓ کے گھر میں چراغ جلتے دیکھا تو فرمایا کہ عائشہ! میرے خیال میں اسماءؓ کے بچہ پیدا ہوا ہے (کیونکہ ان کے ہاں ولادت قریب تھی اور اس وقت خلاف معمول چراغ کا جلنا اس بات کی علامت ہے) تم لوگ اس بچہ کا نام نہ رکھنا جب تک کہ میں نام نہ رکھوں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس بچہ کا نام "عبداللہ" رکھا اور کھجور کے ذریعہ اپنے دست مبارک سے اس بچہ کو تحنیک کیا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: تحنیک کے معنی ہیں: کچا چبا کر بچہ کے منہ میں دینا، چنانچہ کھجور یا کوئی میٹھی چیز چبا کر نومولود بچہ کے منہ میں دینا یا اس کے تالوں کو لگانا مستحب ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کے یہاں بچہ پیدا ہو تو اس کو چاہئے کہ کسی نیک و صالح شخص سے اس بچہ کا نام رکھوائے اور کھجور یا شہد اور یا کسی بھی میٹھی چیز کے ساتھ اس کی تحنیک کرائے جس سے اس کو برکت حاصل ہو۔

حضرت زبیر بن العوام، آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ کے بیٹے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے داماد ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی بہن حضرت اسماءؓ ان کے نکاح میں تھیں۔ بڑی قدر منزلت رکھنے والے صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

حضرت عبداللہؓ، حضرت زبیرؓ، و حضرت اسماءؓ کے بیٹے ہیں، سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی کنیت ان کے نانا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کنیت پر رکھی تھی اور ان کا نام بھی نانا ہی کے نام پر رکھا تھا، ہجرت کے بعد مدینہ میں مہاجرین کے یہاں جو لڑکے پیدا ہوئے ان میں سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہی ۱ھ میں پیدا ہوئے تھے جب یہ پیدا ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے کان میں اذان دی، حضرت اسماءؓ ان کو آنحضرت ﷺ کے پاس لائیں اور آپ ﷺ کی بابرکت گود میں دیا، آنحضرت ﷺ نے کھجور منگائی اور اس کو اپنے منہ میں ڈال کر چبایا پھر اپنا مبارک لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا اور ان کو تحنیک کیا، اس طرح حضرت عبداللہ کے پیٹ میں جو چیز سب سے پہلے داخل ہوئی وہ آنحضرت ﷺ کا مبارک لعاب دہن تھا، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نہایت پاکباز اور پاک نفس انسان تھے، روزے بہت رکھتے تھے اور نمازیں بھی بہت پڑھتے تھے۔ صلہ رحمی کا بہت خیال رکھتے تھے اور ناتے داروں سے حسن سلوک میں مشہور تھے۔ نہایت بہادر اور زبردست سپہ سالار تھے، میدان جنگ میں ان کی شجاعت اور شہ سواری تمام قریش میں ضرب المثل اور وجہ افتخار تھی حق گوئی ان کا طرہ امتیاز تھا، نہایت خوش تقریر اور جہرالصوت تھے، جب بولتے تھے تو آواز پہاڑوں سے جا کر ٹکرایا کرتی تھی، ایک بہت بڑی جماعت کو ان سے روایت حدیث کا شرف حاصل ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید بن معاویہ کی امارت و حکمرانی کو تسلیم نہیں کیا تھا اور امارت معاویہؓ کے مقرر کردہ حاکم مدینہ کے تسلط سے نکل کر مکہ مکرمہ آگئے تھے، یہاں مکہ کے شرفاء اور عمائدین کی اکثریت پہلے ہی سے یزید کے خلاف تھی، ان سب نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے مکہ پر ان کی حکومت قائم کرا دی اور یزید اپنی سخت ترین کوششوں کے باوجود اپنی پوری مدت حکومت میں مکہ پر کبھی بھی اپنا تسلط قائم نہ کر پایا، یزید کی موت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ۶۴ھ میں باقاعدہ اپنی خلافت کا اعلان کیا اور عام لوگوں سے بیعت لی، جس کے بعد بہت جلد شام کے بعض مقامات کے سوا تمام

عالم اسلام نے ان کی خلافت کو تسلیم کرلیا اور تقریباً نو سال تک حجاز عراق، یمن اور خراسان وغیرہ ممالک ان کی خلافت کے تحت رہے۔ جمادی الاول ۷۲ھ میں دمشق (شام) کے اموی حکمران عبدالملک نے مشہور ظالم حجاج بن یوسف ثقفی کی کمانداری میں ایک زبردست لشکر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف مکہ پر چڑھائی کے لئے روانہ کیا۔ اس لشکر نے پہلے طائف پر قبضہ کیا اور یہاں سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف جنگی کاروائیاں جاری کیں، جن کا سلسلہ کئی ماہ تک چلتا رہا پھر حجاج نے عبدالملک سے مزید کمک منگوائی اور زبردست جنگی تیاریوں کے ساتھ رمضان المبارک ۷۲ھ میں بہت بڑا حملہ کرکے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کرلیا، یہ محاصرہ بھی کئی ماہ تک جاری رہا، جس کے دوران حجاج کی فوجیں شہر مکہ اور کعبۃ اللہ پر منجنیق سے سنگ باری کرکے تباہی پھیلاتی رہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنی محدود فوجی طاقت کے ساتھ حجاج کا مقابلہ بڑی بہادری اور جانبازی سے کرتے رہے، ایک ایک کرکے ان کے تمام سپاہی کام آگئے، یہاں تک کہ دنیا کا عظیم الشان بہادر و متقی انسان تن تنہا داد شجاعت دیتا ہوا اس ظالم فوج کے ہاتھوں شہید ہوا۔ حجاج نے اس مردہ شیر کا سر تن سے جدا کر کے لاش کو ایک دار پر لٹکوایا اور پھر کافی دنوں بعد اس نے لاش کو دفن کرنے کی اجازت دی۔

حضرت معاویہؓ

(۴۹) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عُمَیْرَۃَؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ لِمُعَاوِیَۃَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَّھْدِیًّا وَاھْدِبِہٖ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عبدالرحمٰن بن عمیرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت معاویہؓ کے حق میں یوں دعا فرمائی: اے اللہ! اس کو راہ راست دکھانے والا اور راہ راست پایا ہوا بنا اور اس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت عطا فرما۔" (ترمذی)

تشریح: اس میں شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی دعا مستجاب ہے پس جس شخص کے حق میں آپ ﷺ نے یہ مستجاب دعا فرمائی ہو اس کے بارے میں کسی طرح کا شک وشبہ ظاہر کرنا اور کوئی برا خیال قائم کرنا ہرگز روا نہیں ہے۔

حضرت معاویہؓ اموی قریشی ہیں ان کی ماں کا نام ہندہ ہے جو قریش کے ایک بڑے سردار عقبہ کی بیٹی تھیں اور ان کے والد ابوسفیان ہیں جو خود قریش کے ایک بڑے سردار تھے جن لوگوں نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا ابوسفیان ان میں سے ایک ہیں۔ مسلمان ہو جانے کے بعد یہ ابوسفیان کچھ دنوں تک "مؤلفۃ القلوب" میں شمار ہوئے پھر اسلام اور مسلمانوں کے جاں نثار اور وفا شعار خادم بنے حضرت معاویہؓ ان صحابہؓ میں سے ایک ہیں جو آنحضرت ﷺ کے کاتب تھے، لیکن بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وحی کی کتابت انہوں نے مطلق نہیں کی البتہ خطوط نویسی کا کام ان کے سپرد تھا گویا آنحضرت ﷺ کے منشی تھے حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں شام کے حاکم مقرر ہوئے اور تقریباً بیس سال یعنی حضرت عثمان غنیؓ کے آخر عہد خلافت تک اسی عہدہ پر رہے۔ پھر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت اور معاویہؓ کی حکومت شام کے درمیان ٹکراؤ رہا اور باقاعدہ جنگوں تک کی نوبت آئی۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد جب سیدنا امام حسنؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان مصالحت ہوگئی تو تمام عالم اسلام نے امیر معاویہؓ کو خلیفہ وقت تسلیم کیا اور تقریباً بیس سال تک تمام اسلامی دنیا کے خلیفہ و امیر رہے ماہ رجب ۶۰ھ میں بعمر اٹھتر سال دمشق میں ان کا انتقال ہوا آخر عمر میں ان کو لقوہ ہو گیا تھا، اپنے آخر زمانہ میں بڑی حسرت سے فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں قریش کے معمولی فرد کی طرح (مکہ کے ایک مقام) ذی طویٰ میں پڑا رہتا اور اس حکومت و خلافت کی کوئی چیز نہ دیکھتا، منقول ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آنحضرت ﷺ کے کچھ تبرکات محفوظ تھے جن میں آپ ﷺ کی ایک چادر، ایک تہبند اور ایک کرتا تھا، ان مبارک کپڑوں کے علاوہ آپ ﷺ کے کچھ موئے مبارک اور ناخن بھی تھے مرتے وقت حضرت امیر معاویہ نے وصیت کی کہ آنحضرت ﷺ کے کرتے میں مجھ کو کفنایا جائے، آپ ﷺ کی چادر میں مجھ کو لپیٹا جائے آپ ﷺ کے تہبند کو میرا ازار بنایا جائے۔ اور آپ ﷺ کے جو موئے مبارک اور ناخن ہیں ان میں سے کچھ کو میرے حلق کے

گڑھے میں بھر دیا جائے اور کچھ کو میرے سجدے کی جگہوں پر باندھ دیا جائے اور پھر میرے اور ارحم الراحمین کے درمیان تخلیہ کر دیا جائے، یعنی دفنا کر کے مجھ کو میرے خدا کے سپرد کر دیا جائے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ

(۵۰) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْلَمَ النَّاسُ وَآمَنَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ۔

"اور حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: لوگوں نے تو اسلام قبول کیا اور عمرو بن العاصؓ ایمان لائے، اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث "غریب" ہے اور اس کی اسناد قوی نہیں۔"

تشریح: "لوگوں نے اسلام قبول کیا" میں "لوگوں" سے مکہ اور قریش کے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے دن اس حالت میں اسلام قبول کیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا جب اسلام ایک فاتح طاقت کی حیثیت سے ان پر غالب آگیا تھا اور پیغمبر اسلام کے دامن عاطفت میں پناہ لینے کے علاوہ اور کوئی راستہ ان کے سامنے نہیں رہ گیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو پھر ان کا ایمان مضبوط اور کامل ہوا اور وہ سب مخلص مؤمن و مسلمان بن گئے ان لوگوں کے برخلاف حضرت عمرو بن العاصؓ فتح مکہ سے ایک سال پہلے برضا و رغبت ایمان لے آئے تھے، اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت میں اپنا پیارا وطن مکہ چھوڑ کر ہجرت کی اور مدینہ منورہ آگئے تھے پس آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان گویا یہ جتلانا ہے کہ اہل قریش میں سے جو لوگ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے، انہوں نے تو ڈر کی وجہ سے اسلام قبول کیا تھا۔ جب کہ عمرو بن العاص برضا و رغبت اور اخلاص و یقین کے ساتھ ایمان لائے تھے۔

ایک شارح نے یہ لکھا ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر خاص طور سے عمرو بن العاصؓ کے برضا و رغبت ایمان لانے کا ذکر اس پس منظر کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے کیا جو ان کے قبول اسلام کا محرک و سبب بنا۔ ہوا یہ تھا کہ حضرت عمرو بن العاص کو مکہ اور قریش کے سرداروں نے اپنا خصوصی نمائندہ بنا کر حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس اس مشن پر بھیجا تھا کہ وہ ان مسلمانوں کو حبش سے مکہ واپس لائیں جو مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے اور نجاشی کی پناہ میں تھے، عمرو بن العاص نے اپنے اس مشن کے تحت جب نجاشی سے ان مسلمانوں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو نجاشی نے ان کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا، اور ان سے کہا: عمرو! مجھے بڑی حیرت ہے کہ محمد (ﷺ) تمہارے چچا کے بیٹے ہیں اور تم ان کی حقیقت سے اتنے بے خبر ہو! خدا کی قسم، وہ اللہ کے سچے رسول ہیں عمرو (یہ سن کر) بولے: آپ ایسا کہتے ہیں؟ نجاشی نے کہا: ہاں خدا کی قسم یہ میں کہہ رہا ہوں تم میری بات کو سچ مانو، بس اسی وقت ان کے دل و دماغ میں نور ایمان کی کرن پھوٹی اور وہ اپنے مشن سے دست بردار ہو کر بارادۂ ایمان وہاں سے لوٹ پڑے کسی نے ان کو ایمان کی دعوت نہیں دی کسی نے ان کو اسلام کی طرف نہیں بلایا، از خود ان کی فطرت سلیم بیدار ہو گئی اپنے آپ قبول ایمان کا جذبہ ان میں امڈ پڑا اور وہ دوڑتے بھاگتے سوئے مدینہ چلے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بایمان ہوئے اور مخلص و صادق مسلمان بن گئے، آنحضرت ﷺ نے ان کی بڑی پذیرائی کی، یہاں تک کہ مسلمان ہوتے ہی ان کو ایسے لشکر کا سردار بنا دیا جس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ اعزاز اور یہ فضیلت اس بنا پر عطا فرمائی کہ وہ چونکہ قبول اسلام سے پہلے آنحضرت ﷺ سے سخت عداوت رکھتے تھے اور آنحضرت اور مسلمانوں کے آزار و ہلاکت کے بہت درپے رہتے تھے، اس لئے قبول اسلام کے بعد وہ اپنے ماضی کے تئیں نہ صرف بہت دہشت زدہ بھی تھے بلکہ مسلمانوں کے درمیان خود کو اپنی نظر میں اجنبی اجنبی سا بھی محسوس کر رہے تھے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک دم اتنا بڑا اعزاز عطا فرمایا تاکہ ان کے دل و دماغ سے اس اجنبیت و وحشت کا اثر بھی زائل ہو جائے اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے اپنے کو مطمئن و مامون سمجھیں، نیز اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں، ایک روایت

میں آیا ہے کہ عمرو بن العاص جب قبول اسلام کے ارادہ سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خود ان کی درخواست پر آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ وہ دست مبارک پر بیعت کر کے ایمان لائیں تو معًا انہوں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا، عمرو! تم نے اپنا ہاتھ کیوں کھینچ لیا، عمرو بولے: میں کچھ شرط کرنا چاہتا ہوں۔ آنحضور ﷺ نے پوچھا: کیا شرط ہے؟ انہوں نے کہا: میں اس شرط پر ایمان لاتا ہوں کہ میں نے پہلے جو گناہ کئے ہیں ان کو معاف کر دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام ان تمام گناہوں کو ڈھانپ لیتا ہے جو قبول اسلام سے پہلے کئے گئے ہوں اور ہجرت ان تمام گناہوں کو ڈھانپ لیتی ہے جو اس ہجرت سے پہلے کئے گئے ہوں او کما قال، ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "عمرو بن العاص اور ان کے بھائی ہشام بن العاص دونوں (مخلص وصادق) مؤمن ہیں، ایک حدیث میں فرمایا گیا: عمرو بن العاص، قریش میں سے ہیں ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمرو بن العاص کو مخاطب کر کے فرمایا: انک الرشید (بلاشبہ تم ہدایت یافتہ ہو) اور یہ بھی آنحضرت ہی کا ارشاد ہے کہ عمرو بن العاص اوروں سے بہتر صدقہ لے کر آئے ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص نہایت ذکی اور ذہین اور عقلمند انسان تھے۔ تمام عرب میں ان کی دانائی اور ان کے تدبر کا لوہا مانا جاتا تھا، حضرت عمر فاروقؓ جب کسی احمق مالدار کو دیکھتے تو کہتے: سبحان اللہ جس ذات نے اس شخص کو پیدا کیا ہے اسی نے عمرو بن العاص کو بھی پیدا کیا منقول ہے کہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں حضرت عمرو بن العاصؓ پر خوف، بے تابی، اور بے قراری کا زبردست غلبہ ہو گیا تھا، خشیت الٰہی کا غیر معمولی اثر ان پر نمایاں رہتا تھا، ان کی یہ حالت دیکھ کر ایک دن ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرو بولے ابا جان، آپ کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے نگاہ رسالت میں آپ کو اعتبار و اعتماد کا بلند مقام حاصل تھا، جہادوں میں آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے پھر آپ پر آخر اتنی گھبراہٹ اور اتنا خوف کیوں طاری ہے؟ حضرت عمرو بن العاص نے (یہ سن کر) کہا: جان پدر! تم جانتے ہو میری پوری زندگی تین مختلف مرحلوں پر گزری ہے۔ پہلے میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کا سخت معاند اور دشمن رہا۔ پھر اللہ نے مجھے ہدایت عطا فرمائی اور میں مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کے فیض سے بہرہ ور ہوتا رہا۔ اور پھر میری امارت و حکمرانی کا دور آیا کہ اسلامی حکومت کی طرف سے مختلف علاقوں میں عامل و حاکم کی حیثیت سے سرفراز رہا اور اس کے سبب دنیا سے جو کچھ حصہ مجھے ملنا تھا ملا، اب میں نہیں جانتا کہ ان تینوں مرحلوں میں کس مرحلہ کے مطابق میرے ساتھ سلوک ہونا ہے اور کس طرح کا انجام میرے سامنے آنے والا ہے (اسی فکر میں ہر وقت لرزاں و ترساں رہتا ہوں)۔

حضرت جابرؓ کے والد کی فضیلت

(۵۱) وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ لَقِيَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا جَابِرُ مَالِيْ اَرَاكَ مُنْكَسِرًا قُلْتُ اسْتُشْهِدَ اَبِيْ وَتَرَكَ عِيَالاً وَدَيْنًا قَالَ اَفَلاَ اُبَشِّرُكَ بِمَا لَقِيَ اللّٰهُ بِهٖ اَبَاكَ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا كَلَّمَ اللّٰهُ اَحَدًا قَطُّ اِلاَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ وَاَحْيَا اَبَاكَ فَكَلَّمَهٗ كِفَاحًا قَالَ يَا عَبْدِيْ تَمَنَّ عَلَيَّ اُعْطِكَ قَالَ يَا رَبِّ تُحْيِيْنِيْ فَاُقْتَلُ فِيْكَ ثَانِيَةً قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِنَّهٗ قَدْ سَبَقَ مِنِّيْ اَنَّهُمْ لاَ يَرْجِعُوْنَ فَنَزَلَتْ فَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا الاية۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ سے میری ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: جابرؓ! کیا بات ہے کہ میں تم کو افسردہ و غمگین دیکھ رہا ہوں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: میرے والد (حضرت عبداللہ) کو غزوۂ احد میں شہید کر دیا گیا اور وہ (ایک بڑا) کنبہ اور قرضہ چھوڑ گئے ہیں، گویا میری پریشانی اور افسردگی کے کئی سبب پیدا ہو گئے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کیا میں اس معاملہ کی خبر دے کر تمہیں خوش نہ کر دوں جو اللہ نے تمہارے والد کے ساتھ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ! (مجھ کو خوش خبری سے ضرور

نوازیئے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی سے کلام کیا ہے۔ حجاب کے پیچھے سے کیا ہے، مگر تمہارے والد کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اور پھر ان سے رو در رو کلام فرمایا (یعنی اللہ تعالیٰ اور تمہارے والد کے درمیان نہ کوئی حجاب حائل تھا اور نہ کوئی دوسرا واسطہ) اور فرمایا: اے میرے (خاص) بندے میرے فضل و کرم کے سہارے آرزو کر (یعنی جس چیز کی خواہش ہو مجھ سے مانگ) میں تجھ کو عطا کروں گا۔ (یہ سن کر) تمہارے والد گویا ہوئے، میرے پروردگار! (میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ) مجھ کو زندہ کر کے دنیا میں پھر بھیج دے تاکہ تیری راہ میں لڑتا ہوا ایک مرتبہ پھر مارا جاؤں (اور تیری رضا و خوشنودی مزید حاصل کرنے کا ایک اور وسیلہ مجھ کو مل جائے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اس بارہ میں یہ حقیقت ملحوظ رہنی چاہئے کہ میرا یہ حکم پہلے سے نافذ ہے کہ جو مر چکے ہیں دنیا میں لوٹ کر نہیں آئیں گے" اور پھر (انہی تمہارے والد اور دوسرے شہداء احد کے حق میں) یہ آیت نازل ہوئی: (جس کا ترجمہ ہے) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ مت خیال کرو الخ۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "اور تمہیں خوش نہ کردوں" آنحضرت ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ دنیا کی جو بھی پریشانی آتی ہے اور جو بھی غم پڑتا ہے وہ دیر سویر زائل ہو جاتا ہے اور آسانی کی راہ نکل ہی آتی ہے۔ تمہارے والد نے جو بڑا کنبہ چھوڑا ہے اللہ اس کے تکفل کا انتظام کرا دے گا، اور جو قرضہ وہ چھوڑ گئے ہیں اللہ کے فضل سے اس کی ادائیگی بھی ہو جائے گی۔ لہٰذا اس وقت جس دنیاوی غم و اندوہ کا تمہیں سامنا ہے اس کو صبرو شکر کے ساتھ انگیز کرنا چاہئے اور محض اس کی وجہ سے اپنے آپ کو غمگین و دلگیر نہ رکھنا چاہئے، بلکہ تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کو شہادت کا مرتبہ عظمیٰ عطا فرمایا اور اس سعادت سے مشرف فرمایا جو مولیٰ کی رضا و قرب اور مولیٰ کے کرم کو ظاہر کرتی ہے۔ پس اس ارشاد گرامی میں ایک تو اس طرف اشارہ ہے کہ اگر اولاد سیدھی راہ پر ہو تو باپ کی فضیلت و بزرگی اس میں بھی سرایت کرتی ہے، اور دوسرے اس طرف اشارہ ہے کہ باپ کو حاصل ہونے والی خوشی و سعادت پر اولاد کو بھی خوش ہونا چاہئے۔

"اللہ نے جب بھی کسی سے کلام کیا" یعنی تمہارے والد سے پہلے جس کسی سے بھی اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تو رو در رو کلام نہیں کیا بلکہ پردہ کے پیچھے سے کیا۔ ان الفاظ میں گویا اسطرف اشارہ ہے کہ وہ (یعنی جابرؓ کے والد) بالخصوص ان تمام شہیدوں سے افضل ہیں جو ان سے پہلے شہید ہوئے کیونکہ ان میں سے جس کسی سے بھی اللہ تعالیٰ نے کلام کیا ہوگا پردہ کے پیچھے سے کیا ہوگا۔ واضح ہو کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ الآیۃ یہ تو اس کا تعلق صرف اس دنیا سے ہے نہ کہ آخرت سے "تمہارے والد کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا" یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہیدوں کے بارے میں جب یہ فرمایا کہ بل احیاء عند ربھم (بلکہ وہ شہداء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں) تو پھر حضرت جابرؓ کے شہید والد کے متعلق آنحضرت کا یہ فرمانا کہ "ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا" کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کا جواب ایک شارح نے یوں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو سبز جانور کے قلب میں منتقل کیا اور پھر اس جانور کو اس روح کے ذریعہ حیات عطا کی جیسا کہ ہر شہید کے ساتھ ہوتا ہے، پس آنحضرت ﷺ نے ان کو اسی طرح کی حیات عطا کئے جانے کو "زندہ کیا" سے تعبیر فرمایا، اور ایک جواب یہ لکھا ہے کہ یہاں "زندہ کرنے" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو اتنی قوت عطا فرمائی جس سے ان کو رو در رو کلام میں دیدار الٰہی کا تحمل حاصل ہوا۔

"دنیا میں لوٹ کر نہیں آئیں گے" یعنی یہ تو اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ جو مر چکے ہیں ان کو اس دنیا میں اس طرح دوبارہ زندگی نہیں ملے گی کہ پھر وہ مدت دراز تک جیتے رہیں اور اس مدت میں نیکیاں کرتے رہیں۔ اس وضاحت کی روشنی میں یہ ارشاد گرامی اس بات کے منافی نہیں ہوگا کہ بعض مردوں کا دوبارہ اسی دنیا میں جی اٹھنا ثابت ہے جیسا کہ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ اعجاز منقول ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے کچھ عرصہ کے لئے مردوں کو دوبارہ زندہ کر دیتے تھے۔ اور اس سے بھی زیادہ وضاحت یہ ہے کہ: یہ حق تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ جو لوگ ایک مرتبہ مر چکے ہیں وہ درخواست یا آرزو کر کے اس دنیا میں دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے اس صورت میں شہید دجال والی روایت کے تحت بھی اس ارشاد گرامی پر کوئی اشکال لازم نہیں آئے گا، نیز سید جمال الدینؒ نے یوں لکھا ہے کہ: انہم لا یرجعون (وہ

دنیا میں لوٹ کر نہیں آئیں گے) میں انہم کی ضمیر کا مرجع صرف شہداء میں اور "شہداء" سے بھی چاہے جنگ احد کے شہداء مراد لئے جائیں یا مطلق شہداء اور یہ خاص مرجع متعین کرنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ کی بنا پر اس ارشاد گرامی میں اشکال واقع نہ ہو۔

"پھر یہ آیت نازل ہوئی" اور پوری آیت یوں ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۔

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ لوگ اپنے رب کے پاس (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں، ان کو رزق بھی ملتا ہے (اور) وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔"

حضرت جابرؓ

۵۲ وَعَنْهُ قَالَ اسْتَغْفَرَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ مَرَّةً۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے میرے لئے پچیس مرتبہ مغفرت کی دعا مانگی ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: ایک احتمال تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جابرؓ کے حق میں مغفرت کی دعا پچیس بار ایک ہی وقت میں مانگی، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ مختلف اوقات اور مختلف مواقع پر مجموعی طور سے پچیس بار مغفرت کی دعا مانگی۔ لیکن حضرت جابرؓ ہی کی ایک اور روایت سے پہلے احتمال کی تائید ہوتی ہے، اس روایت کے الفاظ یہ ہیں استغفر لی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ليلة البعير خمسا و عشرين (رسول کریم ﷺ نے جس رات کو میرا اونٹ خریدا میرے لئے پچیس بار مغفرت کی دعا مانگی)۔

حضرت جابر بن عبداللہ مشہور صحابی ہیں انصار مدینہ میں سے ہیں اور سلمی ہیں، ان سے بہت زیادہ روایتیں نقل کی جاتی ہیں، غزوہ بدر میں شریک تھے اور اس کے بعد تقریباً اٹھارہ غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے، شام و مصر کی مہمات میں بھی شامل تھے۔ ان سے روایت حدیث کرنے والوں کی تعداد کثیر ہے۔ اخیر عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے، ان کا انتقال مدینہ میں ۷۴ھ میں ہوا اس وقت ان کی عمر چورانوے سال تھی۔ ایک قول کے مطابق مدینہ میں وفات پانے والے آخری صحابی یہی جابر بن عبداللہؓ ہیں۔

حضرت براء بن مالکؓ

۵۳ وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ مِنْ اَشْعَثَ اَغْبَرَ ذِيْ طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهٗ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ مِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتنے ہی لوگ ہیں جو (بظاہر تو) پراگندہ حال، خاک آلودہ بال اور دو پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہوتے ہیں (اور اپنی اس ظاہری حالت کے سبب اس طرح حقیر سمجھے جاتے ہیں کہ) کوئی نہ ان کی پرواہ کرتا ہے اور نہ ان کی طرف ملتفت ہوتا ہے لیکن (ان کے باطن کا یہ حال ہوتا ہے کہ) اگر وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اس قسم میں سچا کرتا ہے (یعنی اگر وہ قسم کھا کر کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کی لاج رکھتا ہے اور ویسا ہی کرتا ہے۔ یا یہ کہ اگر وہ اپنے کسی کام کے بارہ میں قسم کھا کر کہہ دیتے ہیں کہ ہم فلاں کام کر کے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کام کے ذرائع و اسباب مہیا فرما دیتا ہے اور ان کو اس

کام کے کرنے کی توفیق وطاقت عطا فرما دیتا ہے) اور ایسے ہی لوگوں میں سے ایک براء بن مالک بھی ہیں اس روایت کو ترمذی نے اور دلائل النبوۃ میں بیہقی نے نقل کیا ہے۔"

تشریح: حضرت براء بن مالکؓ، حضرت انس بن مالکؓ، کے حقیقی بھائی ہیں، فضلاء صحابہ میں سے ہیں عرب کے نامور دلیروں اور پہلوانوں میں شمار ہوتے ہیں احد اور اس کے بعد غزوات میں شریک ہوئے، اللہ نے اتنی شجاعت اور طاقت عطا فرمائی تھی کہ باقاعدہ مقابلہ کی صورت میں انہوں نے ایک سو دشمنوں کو تنہا موت کے گھاٹ اتارا، دوسروں کے ساتھ مل کر جن دشمنوں کو انہوں نے جہنم رسید کیا ان کی تعداد اس کے علاوہ ہے، جنگ یمامہ میں (بعہد خلافت صدیقؓ) انہوں نے بے پناہ شجاعت وبہادری کا مظاہرہ کیا تھا۔ اور ۲۰ھ میں شہید ہوئے۔

اہل بیت اور انصار

۵۴ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنَّ عَیْبَتِیَ الَّتِیْ اٰوِیْ اِلَیْهَا اَهْلُ بَیْتِیْ وَاِنَّ کَرِشِیَ الْاَنْصَارُ فَاعْفُوْا عَنْ مُسِیْئِهِمْ وَاقْبَلُوْا عَنْ مُحْسِنِهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جان لو، میرے خاص لوگ اور میرے محرم اسرار و امین، کہ جن کے درمیان میں ٹھکانا حاصل کرتا ہوں میرے اہل بیت ہیں اور میرے ولی و دوست انصار ہیں۔ پس تم ان (انصار) کے خطا کاروں کی خطاؤں سے چشم پوشی کرو اور ان کے نیکوکاروں کے عذر کو قبول کرو۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔"

تشریح: لفظ "عیبہ" کی تفصیلی وضاحت اول میں حضرت انسؓ کی روایت کے تحت ہو چکی ہے اس روایت میں لفظ انصار کی تعریف میں نقل ہوا ہے۔ لیکن یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ ان کے علاوہ بھی کسی کی تعریف میں یہ لفظ منقول ہو خصوصاً اہل بیت کی تعریف میں کہ جو اس لفظ سے بہت ہی خاص مناسبت رکھتے ہیں۔

انصار کی فضیلت

۵۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یُبْغِضُ الْاَنْصَارَ اَحَدٌ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ انصار سے بغض وعداوت نہیں رکھتا، اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

ابوطلحہؓ کی قوم کی فضیلت

۵۶ وَعَنْ اَنَسٍؓ عَنْ اَبِیْ طَلْحَةَؓ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقْرِأْ قَوْمَكَ السَّلَامَ فَاِنَّهُمْ مَا عَلِمْتُ اَعِفَّةٌ صُبُرٌ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت انسؓ (اپنے سوتیلے باپ) حضرت ابوطلحہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا: رسول کریم ﷺ نے مجھ کو فرمایا تھا کہ تم اپنی قوم کو میرا اسلام پہنچا دو، کیونکہ جہاں تک مجھ کو علم ہے کہ وہ پاکباز اور صابر لوگ ہیں۔" (ترمذیؒ)

اہل بدر کی فضیلت

۵۷ وَعَنْ جَابِرٍؓ اَنَّ عَبْدًا لِحَاطِبٍؓ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَشْکُوْا حَاطِبًا اِلَیْهِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَیَدْخُلَنَّ

لَيَدْخُلَنَّ حَاطِبٌ النَّارَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبْتَ لَا يَدْخُلُهَا فَاِنَّهٗ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَيْبِيَّةَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) حاطب بن ابی بلتعہؓ کا غلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ ﷺ سے حاطبؓ کی سخت شکایت کی اور بولا کہ: یا رسول اللہ! حاطب (چونکہ مجھ پر بڑی سختیاں کرتے ہیں اس لئے وہ) ضرور دوزخ میں جائیں گے، رسول اللہ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا: تو اپنی اس بات میں کہ (حاطبؓ ضرور دوزخ میں جائیں گے) جھوٹا ہے، حاطب دوزخ میں نہیں جائیں گے کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک رہے ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ کہ جو لوگ جنگ بدر میں شریک ہوئے ہیں یا حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر اللہ کی راہ میں جاں نثاری کی بیعت کرنے والوں میں شامل تھے ان کے بارہ میں یہ یقین ہے یا قوی امید ہے کہ وہ دوزخ کی آگ سے محفوظ و مامون رہیں گے۔ اور حاطبؓ بھی چونکہ بدر و حدیبیہ میں شریک تھے اس لئے ان کے بارہ میں جزم و یقین کے ساتھ یہ کہنا کہ وہ دوزخ میں جائیں گے، کذب گوئی ہے، علاوہ ازیں حاطبؓ کا صاحب ایمان ہونا خود قرآن کی اس آیت یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء الایۃ سے ثابت ہوتا ہے جس کے پہلے مخاطب حاطبؓ ہی ہیں اور جو ان کی بڑی غلطی پر سرزنش کے نازل ہوئی تھی، لہٰذا کسی صاحب ایمان کو یقینی طور پر دوزخی کہنا صریحاً کذب گوئی اور لغویات ہے۔

سلمان فارسیؓ اور اہل فارس

(۵۸) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ هٰؤُلَآءِ الَّذِيْنَ ذَكَرَ اللّٰهُ اِنْ تَوَلَّيْنَا اسْتُبْدِلُوْا بِنَا ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَنَا فَضَرَبَ عَلٰى فَخِذِ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّؓ ثُمَّ قَالَ هٰذَا وَقَوْمُهٗ وَلَوْ كَانَ الدِّيْنُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهٗ رِجَالٌ مِّنَ الْفُرْسِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے یہ آیت وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ تلاوت فرمائی تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم روگردانی کریں تو ان کو ہماری جگہ کھڑا کر دیا جائے اور وہ ہماری طرح نہ ہوں؟ (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے سلمان فارسیؓ کی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا: وہ لوگ، یہ سلمان اور اس کی قوم والے (یعنی اہل عجم اور اہل فارس) ہیں اگر دین ثریا (کی بلندی) پر بھی ہو تو ان (اہل فارس میں سے) کتنے لوگ اس کو وہاں سے بھی حاصل کرنے سے باز نہ رہتے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "فرس" سے یا تو مطلق اہل عجم یعنی غیر عرب مراد تھے یا وہ لوگ مراد تھے جن کی زبان فارسی تھی اور یا یہ کہ صرف وہ لوگ مراد تھے جن کا نسلی و وطنی تعلق فارس (ایران) سے تھا، اور زیادہ صحیح پہلا احتمال ہے کیونکہ اس کی تائید اگلی حدیث سے ہوتی ہے۔

اہل عجم پر اعتماد

(۵۹) وَعَنْهُ قَالَ ذُكِرَتِ الْاَعَاجِمُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنَا بِهِمْ اَوْ بِبَعْضِهِمْ اَوْثَقُ مِنِّيْ بِكُمْ اَوْ بِبَعْضِكُمْ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک موقع پر) رسول کریم ﷺ کے سامنے عجمی لوگوں کا ذکر ہوا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ: میں (دین کی مخالفت اور دیانتداری کے معاملہ میں) ان عجمی لوگوں یا ان میں سے بعض لوگوں پر تم (اہل عرب) سے یا تمہارے بعض لوگوں سے زیادہ اعتماد و بھروسہ رکھتا ہوں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: طیبیؒ کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے مخاطب عرب کے ایک خاص قبیلہ کے لوگ تھے جن کو

آنحضرت ﷺ نے جہاد میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے اس حکم کی تعمیل میں کچھ سستی و کاہلی دکھائی تھی۔ بہر حال اس حدیث میں اہل عجم کی تعریف اور ان کے تئیں آنحضرت ﷺ کی شفقت و عنایت اور توجہ التفات کا اظہار ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت کے نجباء و رقباء

(۶۰) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ سَبْعَةَ نَجَبَاءَ وَرُقَبَاءَ وَاُعْطِيْتُ اَنَا اَرْبَعَةَ عَشَرَ قُلْنَا مَنْ هُمْ قَالَ اَنَا وَابْنَايَ وَجَعْفَرٌ وَحَمْزَةُ وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ وَمُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَبِلَالٌ وَسَلْمَانُ وَعَمَّارٌ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَاَبُوْذَرٍّ وَالْمِقْدَادُ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کو سات نہایت مخصوص و برگزیدہ ترین لوگ اور اس کی ہر حالت میں نگہبانی و حفاظت کرنے والے عطا کئے جاتے تھے لیکن مجھ کو ایسے لوگ چودہ (یعنی دو چند) عطا کئے گئے ہیں (راوی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ہمارے سامنے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا تو) ہم نے ان سے پوچھا کہ وہ چودہ کون کون ہیں؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا: ایک تو میں ہوں، اور میرے دونوں بیٹے (حسنؓ و حسینؓ) ہیں۔ جعفر بن ابی طالب ہیں، حمزہؓ بن عبدالمطلب ہیں، ابوبکرؓ ہیں، عمرؓ ہیں، مصعبؓ بن عمیر ہیں، بلالؓ ہیں، سلمانؓ ہیں، عمارؓ ہیں، عبداللہؓ ابن مسعود ہیں، ابوذرؓ ہیں، اور مقدادؓ ہیں۔" (ترمذی)

تشریح: حضرت حمزہؓ کے علاوہ باقی حضرات کے اجمالی احوال پیچھے بیان ہو چکے ہیں حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کے چچا ہیں، ان کی کنیت ابوعمارہ تھی۔ ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے آنحضرت ﷺ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ اور حضرت حمزہؓ کو بھی اس لئے آنحضرت ﷺ اور حمزہؓ دودھ شریک بھائی بھی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حمزہؓ عمر میں آنحضرت ﷺ سے چار سال بڑے تھے، لیکن ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جب ثویبہ نے دونوں کو دودھ پلایا ہے تو عمروں کا یہ تفاوت کیسے ہوسکتا ہے ہاں اگر یہ مانا جائے کہ ثویبہ نے دونوں کو الگ الگ زمانوں میں دودھ پلایا ہے تو عمروں کا تفاوت ممکن ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے حضرت حمزہ دو سال بڑے تھے۔ سیدنا حمزہؓ نہایت بہادر اور جری انسان تھے ان کا لقب اسد اللہ ہے۔ قدیم الاسلام ہیں ایک قول کے مطابق انہوں نے نبوت کے دوسرے سال اسلام قبول کیا تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت حمزہؓ نے ۶ نبوی میں اسلام قبول کیا جب کہ آنحضرت ﷺ دارارقم میں قیام پذیر تھے ان کے مسلمان ہونے سے اسلام کو زبردست طاقت و شوکت حاصل ہوئی اور اللہ نے ان کے ذریعہ اپنے دین کو بہت سربلند کیا، جنگ بدر میں شریک تھے اور جنگ احد میں وحشی بن حرب کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

حضرت عمارؓ بن یاسرؓ

(۶۱) وَعَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ قَالَ كَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ كَلَامٌ فَاَغْلَظْتُ لَهٗ فِي الْقَوْلِ فَانْطَلَقَ عَمَّارٌ يَّشْكُوْنِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ خَالِدٌ وَهُوَ يَشْكُوْهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَعَلَ يُغْلِظُ لَهٗ وَلَا يَزِيْدُهٗ اِلَّا غِلْظَةً وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاكِتٌ لَا يَتَكَلَّمُ فَبَكٰى عَمَّارٌ وَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا تَرَاهُ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاْسَهٗ وَقَالَ مَنْ عَادٰى عَمَّارًا عَادَاهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَبْغَضَ عَمَّارًا اَبْغَضَهُ اللّٰهُ قَالَ خَالِدٌ فَخَرَجْتُ فَمَا كَانَ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ رِضٰى عَمَّارٍ فَلَقِيْتُهٗ بِمَا رَضِيَ فَرَضِيَ۔

"اور حضرت خالد بن ولیدؓ کہتے ہیں کہ (ایک موقع پر کسی معاملہ میں) میرے اور عمار بن یاسرؓ کے درمیان گفتگو چل رہی تھی کہ میں نے ان

کے خلاف ایک سخت بات کہہ دی۔ چنانچہ عمار میری شکایت لے کے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے، اور وہ نبی کریم ﷺ سے شکایت کر رہے تھے کہ ادھر سے خالد بھی آگئے۔ راوی کا بیان ہے کہ (دربار رسالت میں اپنی شکایت سن کر) خالد (کو غصہ آگیا اور وہ) عمار کو سخت سُست کہنے لگے اور ان کی سخت کلامی و درشت گوئی میں اضافہ ہوتا رہا، اس وقت نبی کریم ﷺ چپ چاپ بیٹھے سن رہے تھے، ایک حرف زبان سے نہ فرماتے تھے (یہ صورت حال دیکھ کر کہ خالد کی سخت گوئی بڑھتی جا رہی ہے اور آنحضرت ﷺ خاموش بیٹھے ہیں) عمار (مارے غصہ کے صبر کا دامن چھوڑ بیٹھے اور بے اختیار) رونے لگے اور (بلکتے ہوئے) بولے: یا رسول اللہ کیا آپ (ﷺ) دیکھ نہیں رہے کہ خالد کیا کر رہے ہیں اور آپ کے سامنے مجھ کو کیا کیا کہہ رہے ہیں؟) نبی کریم ﷺ نے (یہ سن کر) اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: "جو شخص عمارؓ سے (زبان کی) دشمنی رکھے گا، اس کو اللہ دشمن رکھے گا اور جو شخص عمارؓ سے (دل کا) بغض رکھے گا اللہ اس سے بغض رکھے گا" حضرت خالدؓ کہتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی سنتے ہی ہوش ٹھکانے آگئے اور میں یہ طے کرکے آپ کی مجلس سے) باہر آیا (کہ جس طرح بھی ہوگا عمارؓ کو خوش اور راضی کروں گا) اور اس وقت کوئی چیز میری نظر میں عمارؓ کے راضی و خوش ہو جانے سے زیادہ پسندیدہ اور بہتر نہیں تھی پھر یہ ہوا کہ میں نے عمارؓ کو راضی و خوش کرنے کے لئے ان کے ساتھ ایسا سلوک اور ایسا رویہ اختیار کیا کہ وہ مجھ سے راضی وخوش ہوگئے (یعنی میں نے ان سے معافی کی تلافی کی، ان کے گلے لگا، ان کے ساتھ تواضع و انکساری سے پیش آنے لگا، اور ان کو تحفے تحائف بھیجے اور ان سب باتوں نے ان کی ناراضگی اور ان کے غصہ کو زائل کر دیا اور وہ مجھ سے بالکل خوش ہو گئے)۔"

تشریح: "خالد بھی آگئے" یہ الفاظ اس راوی کے ہیں جس نے حضرت خالدؓ سے اس روایت کو نقل کیا ہے اور فجاء خالد سے پہلے قَالَ کا لفظ محذوف ہے، اس کی تائید آگے عبارت میں قَالَ خالد فخرجت کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔ تاہم ایک شارح کے مطابق یہ احتمال بھی ہے کہ یہ الفاظ خود حضرت خالدؓ کے ہوں اور بیان حال میں یہاں انہوں نے اسلوب بدل دیا ہو۔

حضرت خالد "سیف اللہؓ"

(۶۲) وَعَنْ اَبِی عُبَیْدَۃَ ؓ اَنَّہٗ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ خَالِدٌ سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَنِعْمَ فَتَی الْعَشِیْرَۃِ رَوَاھُمَا اَحْمَدُ۔

"اور حضرت ابوعبیدہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: خالد، اللہ بزرگ و برتر کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، وہ اپنے قبیلہ (بنی مخزوم) کا (جو قریش کی ایک شاخ ہے) بہترین جوان ہے، ان دونوں روایتوں کو احمدؒ نے نقل کیا ہے۔"

تشریح: "اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار" یعنی خالد ایک ایسی تلوار کی طرح ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے خلاف نیام سے باہر نکالا ہو، اور کفار کے سروں پر مسلّط کیا ہو یا یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خالد کو "صاحب شمشیر" بنایا ہے۔ بہر صورت ان الفاظ کے ذریعہ حضرت خالد کی شجاعت و بہادری کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں دشمنان دین سے خوب لڑے ہیں۔

علیؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، سلمانؓ

(۶۳) وَعَنْ بُرَیْدَۃَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اَمَرَنِیْ بِحُبِّ اَرْبَعَۃٍ وَاَخْبَرَنِیْ اَنَّہٗ یُحِبُّھُمْ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ سَمِّھِمْ لَنَا قَالَ عَلِیٌّ مِنْھُمْ یَقُوْلُ ذٰلِکَ ثَلٰثًا وَاَبُوْذَرٍ وَالْمِقْدَادُ وَسَلْمَانُ اَمَرَنِیْ بِحُبِّھِمْ وَاَخْبَرَنِیْ اَنَّہٗ یُحِبُّھُمْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھ کو چار آدمیوں سے (علی الخصوص) محبت رکھنے کا حکم

دیا اور یہ بتایا کہ وہ (اللہ سبحانہ، وتعالیٰ) بھی ان چاروں سے محبت رکھتا ہے (یہ ارشاد سن کر) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمیں بھی ان چاروں کے نام بتا دیجئے (تاکہ ہم بھی ان سے اس بناء پر محبت رکھیں کہ اللہ اور اللہ کا رسول ان سے محبت رکھتا ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ان میں سے ایک تو علیؓ ہیں، یہ الفاظ آپ نے تین مرتبہ فرمائے (تاکہ لوگ جان لیں کہ ان چاروں میں سب سے افضل علیؓ ہیں یا اس طرف اشارہ کرنے کے لئے یہ الفاظ تین بار فرمائے کہ جتنی محبت مجموعی طور پر باقی تینوں سے رکھی جائے اتنی تنہا علیؓ سے رکھنی چاہئے) ایک ابوذرؓ ہیں ایک مقدادؓ ہیں اور ایک سلمانؓ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں ان چاروں سے محبت رکھوں اور یہ بتایا کہ وہ بھی ان چاروں سے محبت رکھتا ہے اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب حسن ہے۔"

ابوبکرؓ بزبان عمرؓ

(۶۴) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ يَقُوْلُ اَبُوْبَكْرٍ سَيِّدُنَا وَاَعْتَقَ سَيِّدَنَا يَعْنِيْ بِلَالًا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے، ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار کو آزاد کیا ہے یعنی بلالؓ کو۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت عمر فاروقؓ کا حضرت بلالؓ کو "سردار" کہنا ان کی کسر نفسی تھا، ورنہ حقیقت میں حضرت عمرؓ ان سے افضل ہیں اور اس پر تمام اُمت کا اجماع ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان الفاظ سے حضرت عمرؓ کی مراد اس طرف اشارہ کرنا تھا کہ بلالؓ بھی اہل اسلام کے سرداروں میں سے ایک سردار ہیں اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سیادت (سرداری) افضلیت کو مستلزم نہیں، اس لئے حضرت عمرؓ کے ان الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت بلالؓ حضرت عمرؓ سے افضل ہوں۔ اور ایک شارح نے یوں لکھا ہے کہ: ایک تو یہ کہ ضمیر متکلم مع الغیر، ضروری نہیں کہ ہر حال میں "سب" کو شامل ہو بلکہ "اکثر" کے اعتبار سے بھی اس کا مدعا و مرجع پورا ہو جاتا ہے، دوسرے یہ کہ سیدنا میں "نا" کی ضمیر سے صحابہؓ کی طرف اشارہ ہے پس پہلے "سیدنا" میں تو "نا" کی ضمیر مع الغیر سب صحابہ کو شامل ہے اور دوسرے سیدنا میں "نا" کی ضمیر اکثر صحابہ کو شامل ہے نیز اس "سیدنا" میں جو اضافت ہے وہ تخصیص کے لئے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے گویا فرمایا، اور انہوں نے یعنی ہم سب کے سردار ابوبکرؓ نے اس شخص یعنی بلال کو آزاد کیا جو ہم میں سے اکثر صحابہ کا سردار ہے۔

حضرت بلالؓ

(۶۵) وَعَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ اَنَّ بِلَالًا قَالَ لِاَبِيْ بَكْرٍ اِنْ كُنْتَ اِنَّمَا اشْتَرَيْتَنِيْ لِنَفْسِكَ فَاَمْسِكْنِيْ وَاِنْ كُنْتَ اِنَّمَا اشْتَرَيْتَنِيْ لِلّٰهِ فَدَعْنِيْ وَعَمَلَ اللّٰهِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت قیس بن ابی حازمؒ (تابعی) سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا تھا کہ: اگر آپ نے اپنی ذاتی خوشی کے لئے مجھ کو خریدا تھا تو مجھ کو اپنے پاس رکھ لیجئے (اور جس خدمت پر چاہیں مامور کر دیجئے) لیکن اگر آپ نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے مجھ کو خریدا تھا تو پھر مجھ کو اللہ کے کام کے لئے آزاد چھوڑ دیجئے۔" (بخاری)

تشریح: حضرت ابوبکرؓ سے حضرت بلالؓ کی اس گفتگو کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت بلالؓ پہلے ایک غلام تھے اور دشمنان دین کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک بڑی رقم خرچ کر کے ان کو خریدا اور آزاد کر دیا، اس کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کے خصوصی خادموں میں شامل ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو اذان دینے کی خدمت پر مامور کر دیا اور وصال نبی تک حضرت بلالؓ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ جب آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا تو عشق نبوی سے سرشار حضرت بلالؓ کے لئے مدینہ کا قیام ایک بڑی آزمائش بن

گیا۔ اس تصور ہی سے ان کا پیمانۂ صبر چھلک جاتا تھا کہ آنحضرت موجود نہ ہوں اور وہ مسجد نبوی کی طرف دیکھیں اور اس میں جا کر اذان دیں، چنانچہ انہوں نے ملک شام چلے جانے کا ارادہ کر لیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت بلالؓ کو روکنا چاہا اور ان سے درخواست کی کہ آپ یہیں میرے پاس رہیں اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ کی طرح مسجد نبوی میں اذان دیتے رہیں، اس وقت حضرت بلالؓ نے یہ بات کہی کہ اگر آپ نے مجھ کو اس لئے خریدا تھا کہ میں آپ کی خوشی اور آپ کی خواہش کی تکمیل کرتا رہوں تو میں آپ کی بات ماننے پر مجبور ہوں، جو بھی خدمت آپ میرے سپرد کریں گے اس کو انجام دینا اپنا فرض سمجھوں گا، لیکن اگر آپ نے مجھ کو اس مقصد کے لئے نہیں خریدا تھا بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کی خاطر خریدا اور آزاد کیا تو پھر میں چاہوں گا کہ آپ مجھ کو اپنا پابند نہ بنائیں، مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے کہ میں جہاں چاہوں چلا جاؤں اور مخلوق سے کوئی سروکار نہ رکھتے ہوئے اپنے خالق کے کاموں میں ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف رہوں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت بلالؓ نے یہ بھی کہا تھا کہ مجھ کو گوارا نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بغیر اس طرف نظر اٹھاؤں جہاں آنحضرت ﷺ رہا کرتے تھے آپ ﷺ کے بغیر اب یہاں رہنا میرے لئے ناممکن ہے ۔

چہ مشکل ترا زیں بر عاشق زار   کہ بے دلدار بیند جائے دلدار

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلال کو مدینہ میں روکنے کی کوشش نہیں کی اور وہ اس لشکر میں شامل ہو کر سوئے دمشق روانہ ہو گئے جو شام جا رہا تھا، پھر آخر عمر تک وہیں قیام پذیر رہے یہاں تک کہ ۱۸ھ یا ایک روایت کے مطابق ۲۰ھ میں واصل بحق ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ روایت کے بالکل بے بنیاد ہے جس میں حضرت بلالؓ کے شام جانے اور پھر وہاں خواب میں آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر مدینہ لوٹ آنے اور مسجد نبوی میں اذان دینے اور اتنے دنوں بعد ان کی آذان سن کر مدینہ اور اہل مدینہ کے لرز جانے کا ذکر ہے۔

حضرت ابوطلحہؓ

(۶۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ مَجْهُوْدٌ فَاَرْسَلَ اِلٰى بَعْضِ نِسَائِهٖ فَقَالَتْ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِیْ اِلَّا مَاءٌ ثُمَّ اَرْسَلَ اِلٰى اُخْرٰى فَقَالَتْ مِثْلَ ذٰلِكَ وَقُلْنَ كُلُّهُنَّ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّضَيِّفُهٗ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ يُقَالُ لَهٗ اَبُوْطَلْحَةَ فَقَالَ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَانْطَلَقَ بِهٖ اِلٰى رَحْلِهٖ فَقَالَ لِامْرَاَتِهٖ هَلْ عِنْدَكِ شَیْءٌ قَالَتْ لَا اِلَّا قُوْتُ صِبْيَانِیْ قَالَ فَعَلِّلِيْهِمْ بِشَیْءٍ وَنَوِّمِيْهِمْ فَاِذَا دَخَلَ ضَيْفُنَا فَاَرِيْهِ اَنَّا نَاْكُلُ فَاِذَا اَهْوٰى بِيَدِهٖ لِيَاْكُلَ فَقُوْمِیْ اِلَى السِّرَاجِ كَیْ تُصْلِحِيْهِ فَاَطْفِئِيْهِ فَفَعَلَتْ فَقَعَدُوْا وَاَكَلَ الضَّيْفُ وَبَاتَا طَاوِيَيْنِ فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ اَوْضَحِكَ اللّٰهُ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةَ وَفِیْ رِوَايَةٍ مِثْلُهٗ وَلَمْ يُسَمِّ اَبَا طَلْحَةَ وَفِیْ اٰخِرِهَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں (ایک دن) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور بولا کہ میں نہایت پریشان حال اور تکلیف و مشقت میں گرفتار ہوں (یعنی فقر و افلاس نے مجھ کو گھیر رکھا ہے اور بھوک سے پریشان حال ہو کر اس امید پر یہاں آیاں ہوں کہ آپ ﷺ کھانے کو کچھ عطا فرمائیں گے۔ (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے کسی آدمی کو اپنی بیوی کے پاس بھیجا (اور کہلایا کہ اگر گھر میں کچھ موجود ہو تو اس مصیبت زدہ شخص کے لئے بھیج دیں) انہوں نے جواب میں بھیجا کہ: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میرے پاس ایک پانی کے سوا (کھانے پینے کی) اور کوئی چیز موجود نہیں ہے پھر آپ ﷺ نے ایک دوسری بیوی کے پاس آدمی بھیجا اور انہوں نے بھی وہی جواب بھجوایا جو پہلی بیوی نے بھیجا تھا اور اس طرح (آپ ﷺ نے ایک ایک کر کے اپنی تمام

بیویوں کے پاس آدمی بھیجے اور) سب بیویوں کے ہاں ایسا ہی جواب آیا، تب رسول کریم ﷺ نے (حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ: جو شخص اس آدمی کو مہمان بنائے گا اس پر اللہ تعالیٰ اپنی (خاص) رحمت نازل فرمائے گا۔ (یہ سنتے ہی) انصار میں کے ایک شخص کہ جن کو..... ابوطلحہؓ کہا جاتا تھا، کھڑے ہوئے اور بولے کہ یا رسول اللہ! اس آدمی کو میں اپنا مہمان بناؤں گا، اور پھر ابوطلحہؓ اس شخص کو ساتھ لے کر اپنے گھر چلے گئے۔ (گھر پہنچ کر) انہوں نے اپنی بیوی (ام سلمہؓ) سے دریافت کیا: تمہارے پاس کچھ کھانا ہے؟ ان کی بیوی بولیں: بس اتنا ہے کہ جو بچوں کی ضرورت کو ایک حد تک پورا کر دے۔ ابوطلحہؓ نے کہا بچوں کو کسی طرح بہلا پھسلا کر سلائے رکھنا۔ اور جب ہمارا مہمان کھانے کے لئے گھر میں آئے (اور دسترخوان پر بیٹھے) تو ایسا ظاہر کرنا کہ گویا ہم بھی اس کے ساتھ (اسی کھانے میں) کھا رہے ہیں اور جوں ہی ہمارا مہمان لقمہ اٹھانے کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھائے تو تم یہ ظاہر کر کے کہ جیسے چراغ کی بتی کو ٹھیک کرنے اور اس کی روشنی بڑھانے کا ارادہ ہے، چراغ کی طرف جانا (اور آہستہ سے پھونک مار کر یا کسی اور طرح سے) چراغ گل کر دینا۔ (تاکہ اندھیرا ہو جائے، اور مہمان پر یہ ظاہر نہ ہو کہ ہم کھانا نہیں کھا رہے ہیں) چنانچہ ان کی بیوی نے ایسا ہی کیا اور یہ ہوا (کہ دسترخوان پر) بیٹھے تو وہ تینوں (یعنی ابوطلحہؓ ان کی بیوی اور مہمان) لیکن کھانا صرف مہمان نے کھایا، ان دونوں میاں بیوی نے بھوکے رات گزاری، پھر جب صبح ہوئی اور ابوطلحہؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ (کو چونکہ بذریعہ کشف یا بذریعہ وحی یہ سارا قصہ معلوم ہو چکا تھا اس لئے آپ ﷺ) نے فرمایا! فلاں مرد (یعنی ابوطلحہؓ) اور فلاں عورت (یعنی ابوطلحہؓ کی بیوی ام سلیم) کا یہ کام اللہ تعالیٰ کو بہت پسند لگا، یا یہ فرمایا کہ (ان دونوں کے) اس کام پر اللہ تعالیٰ کو ہنسی آگئی، (مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ اس عمل پر ان دونوں سے بہت خوش ہوا) ابوہریرہؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں (جو لفظاً و معناً اسی روایت کی طرح ہے) ابوطلحہؓ کے نام کا ذکر نہیں ہے (یعنی اس میں یُقَالُ لَهٗ ابو طلحہ کے الفاظ نہیں ہے) نیز اس روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ: اسی واقعہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی **ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة** یعنی اور وہ لوگ جو اپنے آپ پر دوسروں کو (یعنی اپنے مہمانوں کو یا کسی بھی حاجت مند کو) ترجیح دیتے ہیں اگر وہ خود حاجت مند اور بھوکے ہوں الخ۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "سب بیویوں کے ہاں سے ایسا ہی جواب آیا" بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ فتح خیبر اور غنائم و اموال کی آمد شروع ہو جانے سے پہلے کا ہے، جب کہ آنحضرت اور تمام ازواج مطہرات کا بہت ہی تنگی ترشی کے ساتھ گزارا ہوتا تھا اور زیادہ تر بے سرو سامانی کی حالت رہا کرتی تھی۔

"جو بچوں کی ضرورت کو ایک حد پورا کر دے" مطلب یہ کہ اس وقت گھر میں کھانے کی قسم سے جو کچھ ہے وہ بس اس قلیل مقدار کی صورت میں ہے جو چھوٹے بچوں کے لئے اس ضرورت سے اٹھا کر رکھ دیا گیا ہے کہ رات یا دن میں ان کو بار بار بھوک لگتی ہے اور وہ کسی وقت بھی کھانا مانگنے لگتے ہیں یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ اگر وہ کھانا بچوں کو اسی وقت کے کھانے کے لئے ہوتا تو پھر مہمان کو نہیں کھلا سکتے تھے، کیونکہ بچوں کو بھوکا رکھ کر مہمان کو کھلانا جائز نہیں ہے۔

"کسی طرح بہلا پھسلا کر سلائے رکھنا" یعنی بچے اگر جاگ رہے ہوں تو ان کو بہلا پھسلا کر جلدی سے سلا دو، یا یہ کہ بچے اگر سو رہے ہوں تو کوشش کرنا کہ وہ جاگنے نہ پائیں تاکہ مہمان کو کھاتے دیکھ کر اس کھانے میں سے کچھ مانگنے نہ لگیں جیسا کہ چھوٹے بچوں کی عادت ہوتی ہے۔

"گویا ہم بھی اس کے ساتھ کھا رہے ہیں" حضرت ابوطلحہؓ نے یہ بات اس لئے کہی کہ کھانا اتنی مقدار میں تو تھا نہیں کہ مہمان کے ساتھ وہ دونوں بھی کھا سکتے، ادھر اگر وہ دونوں مہمان کے ساتھ کھانے پر بیٹھتے تو مہمان کو کھانے میں تکلف ہوتا، کیونکہ مہمان اگر دیکھتا ہے کہ صاحب خانہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہے، تو وہ کھاتے ہوئے جھجک محسوس کرتا اور اس کو خلجان ہوتا ہے کہ کہیں کھانے کی کمی کی وجہ سے تو صاحب خانہ میرے ساتھ کھانا نہیں کھا رہا ہے، واضح رہے کہ یہ واقعہ غالباً پردہ کا حکم نافذ ہونے سے پہلے کا ہے اسی لئے

حضرت ابوطلحہؓ کو اپنے اس مہمان کو گھر میں لانے اور بیوی کے سامنے کرنے میں کوئی تکلف نہیں ہوا۔

خالدؓ بن ولید

(٦٧) وَعَنْهُ قَالَ نَزَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْزِلاً فَجَعَلَ النَّاسُ يَمُرُّوْنَ فَيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هٰذَا يَا اَبَا هُرَيْرَةَ؟ فَاَقُوْلُ فُلاَنٌ فَيَقُوْلُ نِعْمَ عَبْدُاللّٰهِ هٰذَا وَيَقُوْلُ مَنْ هٰذَا فَاَقُوْلُ فُلاَنٌ فَيَقُوْلُ بِئْسَ عَبْدُاللّٰهِ هٰذَا حَتّٰی مَرَّ خَالِدُبْنُ الْوَلِيْدِ فَقَالَ مَنْ هٰذَا فَقُلْتُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ فَقَالَ نِعْمَ عَبْدُاللّٰهِ خَالِدُبْنُ الْوَلِيْدِ سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک سفر کے دوران) ہم لوگوں نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک مقام پر پڑاؤ کیا تو اس وقت (جب کہ رسول کریم ﷺ اپنے خیمہ کے اندر آرام فرمارہے تھے اور میں خیمہ کے باہر تھا) لوگ (آنحضرت ﷺ کے خیمہ کے سامنے سے) ادھر ادھر آنے جانے لگے، چنانچہ رسول کریم ﷺ (جب خیمہ کے باہر کسی شخص کے گزرنے کی آہٹ پاتے تو) پوچھتے، ابوہریرہؓ! گزرنے والا کون شخص ہے، اور میں آپ ﷺ کو بتاتا کہ فلاں شخص ہے، پھر آپ ﷺ (اس شخص کا نام سن کر) فرماتے کہ یہ اللہ کا اچھا بندہ ہے۔ یا (کسی شخص کے بارہ میں) آپ ﷺ پوچھتے کہ یہ کون شخص ہے؟ اور میں آپ ﷺ کو بتاتا کہ فلاں شخص ہے تو آپ ﷺ (اس شخص کا نام سن کر) فرماتے: یہ اللہ کا برا بندہ ہے۔ (یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا) یہاں تک کہ جب خالد بن ولید گزرے اور آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے تو میں نے بتایا کہ خالد بن ولید ہیں۔ آپ ﷺ نے (ان کا نام سن کر) فرمایا: خالد بن ولید اللہ کا اچھا بندہ ہے، اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔" (ترمذی)

تشریح: "یہ اللہ کا برا بندہ ہے" یہ بات آپ ﷺ کسی ایسے شخص کے بارے میں فرماتے ہوں گے جس کا "منافق" ہونا آپ ﷺ کے علم میں ہوگا، ورنہ کسی مؤمن کے بارے میں تو اس طرح فرمانا آپ ﷺ کی شان سے بعید معلوم ہوتا ہے اور نہ کہیں یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے کسی بھی مؤمن کے بارے میں اس طرح کے الفاظ فرمائے ہوں خواہ کوئی برے ہی راستہ پر آپ ﷺ کو کیوں نہ نظر آیا ہو۔ علاوہ ازیں اس وقت کے اہل ایمان میں اس طرح کے برے لوگ تھے بھی نہیں کہ آپ ﷺ کسی کے حق میں ایسی بات فرماتے اور اگر کوئی ایسا رہا بھی ہوتا تو شاذونادر رہا ہوگا۔

انصار کے ساتھ شفقت وعنایت

(٦٨) وَعَنْ زَيْدِبْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَتِ الْاَنْصَارُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ لِكُلِّ نَبِيٍّ اَتْبَاعٌ وَاِنَّا قَدِ اتَّبَعْنَاكَ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَجْعَلَ اَتْبَاعَنَا مِنَّا فَدَعَابِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

"اور زید ابن ارقمؓ کہتے ہیں کہ (ایک موقع پر) انصار نے عرض کیا یارسول اللہ! جس طرح ہر نبی کے کچھ تابعدار تھے اسی طرح آپ ﷺ کے (سچے و پکے) تابعدار ہم لوگ ہیں، آپ ﷺ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تابعداروں کو بھی ہم میں سے کر دے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے دعا کر دی۔" (بخاری)

تشریح: یعنی ہمارے اخلاف و موالی کا بھی ہمارے ہی زمرہ میں شمار ہو بایں طور کہ ان کو بھی "انصار" کہا جائے تاکہ آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ احسان اور اچھے سلوک کی جو تلقین و وصیت عام مسلمانوں کو کی ہے اس میں ہمارے وہ اخلاف و موالی بھی شامل رہیں جیسے آپ ﷺ نے عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ: اوصیکم بالانصار یعنی (اے مسلمانو) میں تم کو انصار کے تئیں اچھے سلوک اور احسان و اکرام کا برتاؤ کرنے کی تلقین و وصیت کرتا ہوں یا آپ نے فرمایا: ان (انصار) کے نیکوکاروں کی معذرت قبول کرو اور ان کے

بدکاروں سے چشم پوشی کرو۔ غرض کہ جو بھی مناقب و فضائل آپ ﷺ نے ہمارے حق میں ارشاد فرمائے ہیں اور اپنی جن خصوصی عنایتوں مہربانیوں اور عزت افزائیوں سے ہمیں نوازا ہے ان کے فضل و شرف اور ان کی برکات کے تحت ہمارے اخلاف و موالی بھی آجائیں یا انصار کا یہ مطلب تھا کہ آپ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تابعداروں یعنی ہمارے اخلاف و موالی اور ہماری اولاد کو ہمارا واقعی تابعدار اور سچا پیروکار بنادے بایں طور کہ جس نیک اور سیدھے راستہ پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں گامزن کیا ہے اسی پر وہ چلیں اور ہماری روش و سیرت اور ہمارے طور طریقوں کی پیروی کریں۔

انصار کی فضیلت

(۶۹) وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ مَانَعْلَمُ حَيًّا مِّنْ اَحْيَاءِ الْعَرَبِ اَكْثَرَ شَهِيْدًا اَعَزَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ وَقَالَ اَنَسٌ قُتِلَ مِنْهُمْ يَوْمَ اُحُدٍ سَبْعُوْنَ وَيَوْمَ بِئْرِ مَعُوْنَةَ سَبْعُوْنَ وَيَوْمَ الْيَمَامَةِ عَلٰى عَهْدِ اَبِىْ بَكْرٍ سَبْعُوْنَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت قتادہؒ (تابعی) سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ یا قوم کے بارہ میں ہمیں یہ علم نہیں کہ اس کے شہیدوں کی تعداد انصار کے شہیدوں سے زیادہ ہو اور قیامت کے دن انصار سے زیادہ باعزت مانے جائیں حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ احد کی جنگ میں ستر انصار شہید ہوئے، بیر معونہ میں ستر انصار (جو قراء تھے) شہید ہوئے اور یمامہ کی جنگ میں جو حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں (مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی) ستر انصار شہید ہوئے۔" (بخاریؒ)

تشریح: "انصار سے زیادہ وہ باعزت مانے جائیں" مطلب یہ کہ جس قبیلہ کے شہیدوں کی تعداد زیادہ ہوگی قیامت کے دن اسی کو زیادہ عزت ملے گی لہٰذا ہمارے علم کے مطابق انصار ہی چونکہ ایک ایسا قبیلہ اور ایسی قوم ہے جس کے افراد نے اللہ کی راہ میں سب سے زیادہ اپنی جانیں قربان کی ہیں اور اس اعتبار سے، ان کے شہیدوں کی تعداد الگ الگ سب قبیلوں اور قوموں کے شہیدوں سے زیادہ ہے اس لئے قیامت کے دن وہ عزت کہ جو اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کے لئے اللہ کے ہاں مقرر ہے سب سے زیادہ انصار ہی کو ملے گا۔

"احد کی جنگ میں ستر انصار شہید ہوئے" یہاں مراد یہ ہے کہ جنگ احد میں جو ستر اہل ایمان شہید ہوئے تھے ان میں چند کو چھوڑ کر سب ہی انصار تھے، یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ حدیث و تاریخ اور سیر کی مستند روایتوں کے مطابق جنگ احد میں کل ستر مسلمان شہید ہوئے تھے جن میں سے چونسٹھ انصار میں سے تھے اور چھ مہاجرین میں سے۔

اصحاب بدر

(۷۰) وَعَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِىْ حَازِمٍ قَالَ كَانَ عَطَآءُ الْبَدْرِيِّيْنَ خَمْسَةَ الْاٰفٍ وَقَالَ عُمَرُ لَاُفَضِّلَنَّهُمْ عَلٰى مَنْ بَعْدَهُمْ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت قیس بن ابی حازمؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ جو لوگ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے ان میں سے ہر ہر شخص کا وظیفہ پانچ پانچ ہزار درہم تھا جو بیت المال سے ادا کیا جاتا تھا اور حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: میں جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کو (مرتبہ میں) دوسرے تمام لوگوں پر ترجیح دیتا ہوں۔" (بخاریؒ)

تشریح: جنگ بدر میں شریک ہونے والے ہر صحابی کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں بیت المال سے پانچ ہزار درہم سالانہ کا وظیفہ مقرر تھا جو مقدار میں دوسرے تمام لوگوں کے وظائف سے زیادہ تھا، حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں وظائف کے جو منضبط درجات قائم کئے اس میں بھی چند مخصوص لوگوں (جیسے حضرت عباسؓ اور ازواج مطہرات) کو چھوڑ کر تمام درجات کے وظائف کی تعداد اصحاب بدر کے وظائف کی تعداد سے کم ہی رکھی، اور اس طرح حضرت عمر فاروقؓ نے بھی نہ صرف یہ کہ عملی طور پر اصحاب بدر ہی کا

درجہ و رتبہ دوسرے تمام لوگوں سے بلند و برتر رکھا بلکہ مذکورہ بالا الفاظ کے ذریعہ گویا وضاحت بھی کر دی کہ اگرچہ آنحضرت کی مخصوص نسبت کا لحاظ کر کے میں نے بعض وظائف اصحاب بدر کے وظائف سے زائد مقرر کئے ہیں لیکن جہاں تک درجاتی رتبہ کا تعلق ہے تو میرے نزدیک بھی اصحاب بدر ہی کا درجہ دوسرے تمام لوگوں کے درجات سے بلند ہے اور ان کے وظائف دوسرے تمام درجات کے وظائف سے زیادہ ہونے چاہئیں۔

تَسْمِيَةُ مَنْ سُمِّيَ مِنْ اَهْلِ بَدْرٍ فِى الْجَامِعِ لِلْبُخَارِيِّ

اہل بدر میں سے ان صحابہؓ کے ناموں کا ذکر جو جامع بخاری میں مذکور ہیں

واضح ہو کہ امام بخاریؒ نے جنگ بدر میں شریک ہونے والے صحابہؓ میں سے کچھ مخصوص صحابہؓ کے اسماء اپنی کتاب "بخاری شریف" کے ایک الگ باب میں بطریق اجمال مفصل ذکر کئے ہیں، یہ بدری صحابہؓ وہ ہیں جن کے بدری ہونے کا ذکر بخاری میں آیا ہے اور جن کی روایتیں اس کتاب (بخاری) میں نقل ہوئی ہے، اور ایک الگ باب میں ان مخصوص بدری صحابہؓ کے اسماء کے ذکر سے امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ دوسرے تمام بدری صحابہؓ پر ان مخصوص صحابہؓ کی فضیلت سبقت اور برتری کا اظہار ہو اور ان کے حق میں الگ سے بطور خاص دعاء رحمت و رضوان کی جائے، یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے، جو علماء نے لکھی ہے کہ بخاریؒ شریف کے اس باب میں اصحاب بدر کے جو اسماء مذکور ہیں ان کے ذکر و بیان کے وقت جو بھی دعا مانگی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرماتا ہے۔ امام بخاریؒ اس باب میں سب سے پہلے سرکار دو عالم ﷺ کا اسم مبارک، پھر خلفاء اربعہ کے اسماء گرامی لائے ہیں اور پھر باقی صحابہؓ کے نام حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کئے گئے ہیں۔ امام بخاریؒ کے مقصد اور ان کی اتباع کی برکت حاصل کرنے کے لئے مشکوۃ المصابیح کے مؤلف نے بھی ان اسماء مبارک کو جوں کا توں یہاں نقل کیا ہے۔

اور ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے اس باب میں ان اصحابؓ بدر کے ناموں کا ذکر ہے جن کے حقیقۃً یا حکماً بدری ہونے کا ذکر صحیح بخاریؒ میں آیا ہے اور یہ (حقیقۃً یا حکماً کی قید) اس لئے ہے تاکہ اس زمرہ میں حضرت عثمان غنیؓ کا نام شامل کرنا درست مانا جائے (جو آنحضرت ﷺ کے حکم سے حقیقۃً تو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے لیکن حکماً ان کو بھی بدری مانا جاتا ہے) پس اس باب میں ان بدری صحابہؓ کے نام نہیں ہیں جو نہ تو بخاریؒ نے اپنے اس باب میں بیان کئے ہیں اور نہ سرے سے ان کا ذکر بخاری میں آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام بخاریؒ نے اصحابؓ بدر کی فہرست پر مشتمل اپنے اس باب میں صرف ان بدری صحابہؓ کے نام ذکر کئے ہیں جن کے متعلق صحیح بخاریؒ شریف میں صراحت کے ساتھ ذکر ہوا ہے کہ انہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی ہے خواہ خود ان صحابہؓ نے اپنے بارہ میں صراحۃً ایسا بیان کیا ہو یا دوسروں نے جنگ بدر میں ان کے شریک ہونے کو صراحت کے ساتھ روایت کیا ہو۔ اسی طرح ان بدری صحابہؓ نے اپنے بارہ میں صراحۃً ایسا بیان کیا ہو یا دوسروں نے جنگ بدر میں ان کے شریک ہونے کو صراحت کے ساتھ روایت کیا ہو۔ اس طرح ان بدری صحابہؓ کے نام اس باب میں ذکر نہیں ہوئے ہیں جن کا ذکر گو صحیح بخاریؒ شریف میں آیا ہے، مگر اس صراحت کے ساتھ نہیں آیا ہے کہ وہ جنگ بدر میں شریک تھے۔ اس وضاحت کی روشنی میں اس بات پر حیرت و اشکال کا موقع نہیں رہ جاتا کہ مخصوص بدری صحابہؓ کی فہرست پر مشتمل اس باب میں ایک جلیل القدر بدری صحابی حضرت عبیدۃ الجراحؓ کا اسم گرامی ذکر نہیں ہوا ہے۔ حضرت عبیدہؓ بلا شبہ جنگ بدر میں شریک تھے اور اس پر تمام ہی محدثین اور اصحاب سیر کا اتفاق ہے، علاوہ ازیں بخاریؒ شریف میں متعدد مواقع پر ان کا ذکر بھی آیا ہے مگر بخاریؒ کی کسی روایت میں صراحت کے ساتھ بیان نہیں ہوا ہے کہ وہ جنگ بدر میں شریک تھے۔

مخصوص اہل بدر کے اسماء گرامی

① اَلنَّبِيُّ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْهَاشِمِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ اَبُوْبَكْرِنِ الصِّدِّيْقُ الْقُرَشِيُّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْعَدَوِيُّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانِ الْقُرَشِيُّ خَلَّفَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ابْنَتِهٖ رُقَيَّةَ وَضَرَبَ لَهٗ بِسَهْمِهٖ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبِ الْهَاشِمِيُّ اِيَاسُ بْنُ بُكَيْرِ بِلَالُ بْنُ رَبَاحٍ مَوْلٰى اَبِيْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ الْهَاشِمِيُّ حَاطِبُ بْنُ اَبِيْ بَلْتَعَةَ حَلِيْفٌ لِقُرَيْشٍ اَبُوْحُذَيْفَةَ بْنُ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ الْقُرَشِيُّ حَارِثَةُ ابْنُ رُبَيِّعِ نِ الْاَنْصَارِيُّ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ وَهُوَ حَارِثَةُ ابْنُ سُرَاقَةَ كَانَ فِي النَّظَّارَةِ خُبَيْبُ بْنُ عَدِيِّ الْاَنْصَارِيُّ خُنَيْسُ ابْنُ حُذَافَةَ السَّهْمِيُّ رِفَاعَةُ ابْنُ رَافِعِ الْاَنْصَارِيُّ رِفَاعَةُ ابْنُ عَبْدِالْمُنْذِرِ اَبُوْلُبَابَةَ الْاَنْصَارِيُّ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ الْقُرَشِيُّ زَيْدُ بْنُ سَهْلٍ اَبُوْطَلْحَةَ الْاَنْصَارِيُّ اَبُوْزَيْدِنِ الْاَنْصَارِيُّ سَعْدُ بْنُ مَالِكِ نِ الزُّهْرِيُّ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ الْقُرَشِيُّ سَعِيْدُ بْنُ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلِ نِ الْقُرَشِيُّ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفِ نِ الْاَنْصَارِيُّ ظُهَيْرُ بْنُ رَافِعِ نِ الْاَنْصَارِيُّ وَاَخُوْهُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدِنِ الْهُذَلِيُّ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفِ نِ الزُّهْرِيُّ عُبَيْدَةُ ابْنُ الْحَارِثِ الْقُرَشِيُّ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ الْاَنْصَارِيُّ عَمْرُو بْنُ عَوْفٍ حَلِيْفُ بَنِيْ عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ عُقْبَةُ بْنُ عَمْرِو نِ الْاَنْصَارِيُّ عَامِرُ بْنُ رَبِيْعَةَ الْعَنَزِيُّ عَاصِمُ بْنُ ثَابِتِ نِ الْاَنْصَارِيُّ عُوَيْمُ بْنُ سَاعِدَةَ الْاَنْصَارِيُّ عِتْبَانُ بْنُ مَالِكِ نِ الْاَنْصَارِيُّ قُدَامَةُ بْنُ مَظْعُوْنٍ قَتَادَةُ بْنُ النُّعْمَانِ الْاَنْصَارِيُّ مُعَاذُ ابْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ مُعَوَّذُ بْنُ عَفْرَاءَ وَاَخُوْهُ مَالِكُ بْنُ رَبِيْعَةَ اَبُوْاُسَيْدِ الْاَنْصَارِيُّ مِسْطَحُ بْنُ اُثَاثَةَ بْنِ عَبَّادِ بْنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ مُنَافٍ مُرَارَةُ بْنُ رَبِيْعِ نِ الْاَنْصَارِيُّ مَعْنُ بْنُ عَدِيِّ نِ الْاَنْصَارِيُّ مِقْدَادُ بْنُ عَمْرِو نِ الْكِنْدِيُّ حَلِيْفُ بَنِيْ زُهْرَةَ هِلَالُ ابْنُ اُمَيَّةَ الْاَنْصَارِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔

"نبی کریم محمد بن عبداللہ ہاشمی ﷺ، عبداللہ بن عثمان جو ابوبکر صدیقؓ کی کنیت سے مشہور ہیں اور قریشی ہیں، عمر بن الخطاب عدوی، عثمان بن عفان قریشی جن کو نبی کریم ﷺ نے اپنی بیمار بیٹی رقیہؓ کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا اور پھر جنگ بدر کے مال غنیمت میں ان کا حصہ لگایا تھا، علی ابن ابی طالب ہاشمی، ایاس بن بکیر، بلال بن رباح جو ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام ہیں، حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی، حاطب بن ابی بلتعہ، قریش کے حلیف، ابوحذیفہ ابن عقبہ بن ربیع قریشی، حارثہ بن ربیع انصاری جو جنگ بدر میں شہید ہوئے اور اس کا اصل نام حارثہ بن سراقہ ہے، نیز یہ صاحب جنگ میں شریک نہیں تھے بلکہ دشمنوں پر نظر رکھنے اور ان کو خبر دینے پر مامور تھے، خبیب بن عدی انصاری، خنیس بن خدافہ سہمی، رفاعہ بن رافع انصاری، رفاعہ بن عبدالمنذر، ابولبابہ انصاری، زبیر بن عوام قریشی، زید بن سہل، ابوطلحہ انصاری، ابوزید انصاری، سعد بن مالک زہری، سعد بن خولہ قریشی، سعید بن عمرو بن نفیل قریشی، سہل بن حنیف انصاری، ظہیر بن رافع انصاری، ظہیر بن رافع کے بھائی، عبداللہ بن مسعود ہذلی، عبدالرحمٰن بن عوف زہری، عبیدہ بن حارث قریشی، عبادہ بن صامت انصاری، عمرو بن عوف، بنو عامر لوی کے حلیف، عقبہ بن عمرو انصاری، عامر بن ربیعہ عنزی، عاصم بن ثابت انصاری، عویم بن ساعدہ انصاری، عتبان ابن مالک انصاری، قدامہ بن مظعون، قتادہ بن نعمان انصاری، معاذ بن عمرو بن الجموع، معوذ بن عفراء، معوذ بن عفراء کے بھائی مالک بن ربیعہ ابواسید انصاری، مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب بن عبدمناف، مرارہ بن ربیع انصاری، معن بن عدی انصاری، مقداد بن عمرو کندی، جو بنو زہرہ کے حلیف، حلال بن امیہ انصاری، اللہ ان سب سے راضی اور خوش ہوا۔"

تشریح: ان مبارک ناموں کے ذکر کی ابتداء آنحضرت ﷺ کے اسم پاک سے یا تو خیر و برکت حاصل کرنے کے لئے کی گئی ہے یا آپ ﷺ کا نام ذکر کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ اس مخصوص فہرست میں آپ ﷺ کا اسم مبارک نہ پا کر کوئی یہ خیال نہ کر بیٹھے کہ آنحضرت ﷺ جنگ بدر میں بنفس نفیس شریک نہیں تھے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد خلفاء اربعہ کے اسماء ہیں اور پھر باقی حضرات کے نام

حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کئے گئے ہیں۔ اس باب میں مذکورہ بدری حضرات کے سوانحی خاکہ بطریق اختصار و اجمال پیش کئے جاتے ہیں۔

النبی محمد بن عبد اللہ الہاشمی ﷺ: آنحضرت ﷺ کی ولادت پاک مکہ میں واقعہ فیل کے سال ہوئی اور عمر مبارک کو جب چالیسواں سال لگا تو بعثت ہوئی، یعنی اللہ تعالیٰ نے مرتبۂ نبوت و رسالت سے سرفراز کیا۔ آپ ﷺ کی نبوت کا زمانہ ۲۳ سال اور کل عمر مبارک ۶۳ سال کی ہوئی۔ آپ ﷺ تمام رسولوں کے سردار اور خاتم النبیین ﷺ ہیں وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ واحزابہ اجمعین۔

ابوبکر صدیق ؓ: اسلامی نام "عبد اللہ" ہے باپ کا نام عثمان تھا۔ "ابوبکر" کنیت ہے اور "صدیق" لقب ہے، قریشی ہیں اور تیم بن مرہ کے سلسلہ سے ہیں، مرہ پر حضرت ابوبکر ؓ آنحضرت ﷺ سے نسب میں مل جاتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں ان کا نام "عبد رب الکعبہ" تھا جن کو بدل کر آنحضرت ﷺ نے "عبد اللہ نام رکھا تھا اور ایک نام عتیق" بھی عطا فرمایا تھا، اسی طرح ان کی کنیت "ابوبکر" بھی آنحضرت ﷺ ہی نے رکھی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ "عتیق" حضرت ابوبکر ؓ کا قدیمی نام ہے اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر چونکہ بہت حسین و خوب رو اور نہایت شریف النسل تھے اس لئے ان کو عتیق کہا جاتا تھا۔ کیونکہ "عتیق" کے ایک معنی کرم و جمال اور نجابت کے بھی آتے ہیں، اور روایتوں میں آتا ہے کہ ان کی ماں کے ہاں بچہ جیتا نہیں تھا، اور جب حضرت ابوبکر ؓ پیدا ہوئے تو ان کی ماں ان کو لے کر کعبہ اقدس کے سامنے پہنچیں اور دعا کی کہ خدایا! اس بچہ کو موت سے آزاد رکھ اور مجھ کو مرحمت فرما تمام اُمت محمدی کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ کا لقب "صدیق ہے" کیونکہ انہوں نے بے خوف ہو کر آنحضرت ﷺ کی بلا تامل تصدیق فرمائی اور ہر حالت میں صدق کو اپنے لئے لازم رکھا، معراج کے متعلق بھی انہوں نے کفار کے مقابلہ میں ثابت قدمی دکھائی اور آنحضرت ﷺ کے قول کی فوراً تصدیق فرمائی، ان کے والد عثمان ؓ اپنی کنیت "ابوقحافہ" کے ساتھ مشہور ہیں، ابوقحافہ ؓ نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا اور شروع ۱۴ھ میں حضرت ابوبکر ؓ کی وفات کے چھ ماہ اور چند روز کے بعد ۹۷ سال کی عمر میں فوت ہوئے آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد ربیع الاول ۱۱ھ میں تمام اُمت نے بالاتفاق حضرت ابوبکر ؓ کو خلیفۂ اول مقرر کیا اور ۲۲ اور ۲۳ جمادی الثانی ۱۳ھ کی درمیانی شب میں انہوں نے بعمر ۶۳ سال داعی اجل کو لبیک کہا، اس طرح دو سال اور تین ماہ سے کچھ اوپر ان کی خلافت رہی۔ حضرت ابوبکر صدیق متوسط القامت، خوش رو، آئینہ جمال، نحیف البدن، اور ہلکے رخساروں والے تھے، ان کے رخساروں پر نیل گوں رگیں نمایاں تھیں۔ رضی اللہ عنہ۔

عمر فاروق ؓ: حضرت عمر بن الخطاب ؓ عدی بن کعب کی اولاد سے ہیں اور قریشی ہیں "ابوحفصہ" کنیت ہے، پانچویں پشت پر ان کا اور آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب ایک ہو جاتا ہے، زمانہ اسلام سے پہلے بھی حضرت عمر ؓ کا شمار نہایت اہم عمائدین قریش میں ہوتا تھا، اور اس زمانہ میں اہل مکہ کی طرف سے سفارت و نمائندگی کی ذمہ داری انہی کے سپرد تھی، یعنی جب بھی کسی موقع پر اہل مکہ اور قریش دوسرے قبائل کے سرداروں یا دوسری جگہ کے چودھریوں کے پاس کوئی اہم پیغام یا مشن بھیجتے تو اس کے لئے حضرت عمر ؓ ہی کا انتخاب کیا جاتا تھا، حضرت عمر ؓ بہت گورے چٹے تھے، چہرہ نہایت سفید و چمکدار آنکھیں سرخ اور قد اتنا بلند اور پر شکوہ تھا کہ جب لوگوں کے درمیان کھڑے ہوتے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ اونٹ پر سوار ہیں اور دوسرے لوگ اپنے پیروں پر کھڑے ہیں، وہب بن منبہ کی روایت ہے کہ توریت میں حضرت عمر ؓ کی تعریف ان الفاظ میں ہوئی ہے قرن حدید شدید امین یعنی وہ پہاڑ کی چوٹی کی طرح بلند پر شکوہ ہے، تیز ہے، سخت ہے اور امانت دار ہے، اسلام میں حضرت عمر ؓ کا لقب "فاروق" ہے کیونکہ ان کی ذات حق و باطل اور کفر و اسلام کے درمیان فرق کر دینے والی تھی، اللہ نے ان کے ایمان کے ذریعہ اپنے دین اسلام کو زبردست عزت و شوکت عطا فرمائی ان کی بے پناہ شخصیت شجاعت و بہادری کا معیار تھی، ان کی ہیبت اتنی زبردست تھی کہ ان کی بڑی سے بڑی مخالف طاقت بھی ان سے لرزاں رہتی تھی، انہوں نے آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے ہی آنحضرت ﷺ کے حکم پر راہ ہجرت اختیار کی تھی۔ منقول ہے کہ جب فاروق اعظم ؓ نے ہجرت کے ارادہ سے مکہ کو

چھوڑنا چاہا تو تلوار گلے میں ڈالی، کمان کا چلہ چڑھایا اور تیر ہاتھ میں لئے ہوئے خانہ کعبہ میں آئے جہاں قریش کے تمام سردار اور کفار مکہ عمائدین پہلے سے موجود تھے، فاروق اعظمؓ نے ان سب کے سامنے کعبہ اقدس کا طواف کیا دو رکعت نماز پڑھی اور پھر قریش و کفار مکہ کے سرداروں کی ایک ٹولی کے پاس الگ الگ آئے اور ان کو مخاطب کر کے بولے، تمہارے چہروں پر پھٹکار برسے، تم میں سے جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ اس کی ماں زندگی بھر اس کو روتی رہے اس کا بیٹا یتیم ہو جائے اور اس کی بیوی اپنا سہاگ گنوا بیٹھے تو وہ میرے تعاقب میں نکلے اور اس وادی یعنی مکہ شہر سے باہر مجھ سے ملے لیکن ان میں سے کسی کو فاروق اعظمؓ کے تعاقب کی ہمت نہیں ہوئی۔

حضرت عمر فاروقؓ اسلام کے دوسرے خلیفہ ارشد ہیں، ان کی خلافت کی مدت ساڑھے دس سال ہے، اور مشہور قول کے مطابق ان کی عمر تریسٹھ سال کی ہوئی، رضی اللہ عنہ۔

عثمان غنیؓ : حضرت عثمانؓ بن عفان قریشی ہیں، ان کی ولادت واقعہ فیل کے چھٹے سال ہوئی اور انہوں نے اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا جب آنحضرت ﷺ دار ارقم میں قیام پذیر نہیں ہوئے تھے، ان سے پہلے حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ اور حضرت زید ابن حارثہ مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، انہوں نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کی دعوت و ترغیب پر اسلام قبول کیا تھا اور منقول ہے کہ جب انہوں نے اسلام قبول کیا اور ان کے چچا حکم بن العاص بن امیہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے ان کو باندھ کر قید میں ڈال دیا اور بولا کہ تو نے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر نیا دین اختیار کر لیا ہے خدا کی قسم تجھے اس وقت تک اس قید سے رہا نہیں کروں گا جب تک کہ تو اس نئے دین کو چھوڑ نہیں دیتا، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا تو پھر چچا جان آپ بھی سن لیجئے کہ میں اس دین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا جو آپ کے جی میں آئے کیجئے، حکم بن ابوالعاص نے جب حضرت عثمانؓ کی اس سختی اور مضبوطی کو دیکھا تو ان کو رہا کر دیا۔

آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھیں، جنگ بدر کے دنوں میں وہ سخت بیمار تھیں، جب آنحضرت ﷺ بدر کو روانہ ہونے لگے تو حضرت عثمانؓ کو حکم دیا کہ تم ہمارے ساتھ مت چلو، مدینہ میں رہ کر رقیہؓ کی تیمارداری کرو اور اس کی دیکھ بھال رکھو۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے، لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ کے حکم پر ان کو مدینہ میں رہ جانا پڑا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے جنگ بدر میں حاصل ہونے والے مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا اور اس اعتبار سے ان کو اصحاب بدر میں شمار کیا۔ اسی بیماری میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: اگر میرے پاس تیسری بیٹی ہوتی تو میں اس کو بھی حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دے دیتا، حضرت عثمانؓ کے علاوہ اور کوئی ایسا نہیں گزرا جس کے نکاح میں کسی پیغمبر کی دو بیٹیاں آئی ہوں اور اس اعتبار سے "ذوالنورین" حضرت عثمانؓ کا لقب قرار پایا۔

حضرت عثمانؓ میانہ قد، خوش رو، بزرگ ریش اور سرخ سفید رنگت کے تھے۔ ان کے منہ پر چیچک کے نشان تھے ان کا سراپا نہایت دلکش، جاذب نظر اور پر جمال تھا، منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی بیٹی ام کلثومؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: میں نے اس شخص کے ساتھ تمہارا نکاح کیا جو تمہارے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے باپ محمد ﷺ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ حضرت عثمانؓ شرم و حیا کے مثالی پیکر تھے، روایتوں میں آتا ہے کہ گھر کے اندر دروازہ بند کر کے غسل کرتے تھے کیا مجال جو کوئی پیٹ اور پیٹھ بھی عریاں دیکھ لے، یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عثمانؓ حیا کے مارے اپنی پیٹھ سیدھی نہیں کر سکتے تھے۔

عثمانؓ غنی اسلام کے تیسرے خلیفہ ارشد ہیں، ۳۵ھ میں ایام تشریق کے دوران شہید ہوئے اور ان کی خلافت تیرہ سال رہی، عمر مبارک ۸۲ سال کی ہوئی، بعض حضرات نے ۸۳ سال اور بعض نے ۸۶ سال کی عمر لکھی ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

علی کرم اللہ وجہہ : حضرت علیؓ بن ابی طالب آنحضرت ﷺ کے چچازاد ہیں، اور نہ صرف اس اعتبار سے آنحضرت ﷺ کے بھائی ہیں، بلکہ آنحضرت ﷺ کا ان کے ساتھ بھائی چارہ بھی ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی لاڈلی فاطمہ زہراؓ کے خاوند ہیں، حسنؓ اور حسینؓ کے باپ ہیں اور پہلے شخص ہیں جو باپ کی طرف سے بھی ہاشمی ہیں اور ماں کی طرف سے بھی، حضرت علیؓ کو قدیم الاسلام ہونے کا بھی شرف

حاصل ہے اور ایک بڑی جماعت کے بقول صحابہؓ میں سب سے پہلے جس نے اسلام قبول کیا وہ حضرت علیؓ ہیں علماء نے لکھا ہے کہ پیر (دوشنبہ) کے دن آنحضرت ﷺ منصب نبوت سے سرفراز ہوئے اور اگلے ہی دن یعنی منگل کو حضرت علیؓ نے اسلام قبول کرلیا اس وقت ان کی عمر تین سال تھی اور بعض روایتوں کے مطابق سات سال کی تھی۔ اسلام میں حضرت علیؓ کے جو بہت سارے لقب ہیں ان میں سے ہیں، امین شریف، ہادی، مہدی یعسوب المسلمین، ابوالریحانین، اور ابوتراب۔ حضرت علیؓ میانہ قد تھے، رنگ گندم گوں مائل بسرخی تھا، کشادہ دہن چہرہ ایسا روشن و تاباں جیسے چودھویں کا چاند آنکھیں بڑی بڑی اور نہایت سیاہ ڈاڑھی، بہت زیادہ گھنی، پیٹ نکلا ہوا جسم بھاری بھرکم، یہ ہے سراپا حضرت علیؓ کا سیدنا علیؓ علم و معرفت اور عقل و دانائی میں اپنی صف کے یکتا، زہد و تقوی کے پیکر، سخی النفس، قوی دل اور نہایت بہادر و شجاع تھے، ''منصور'' بھی تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد ان کو حاصل ہوتی تھی اور ہر مہم میں فتح یاب ہوتے تھے ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ غزوۂ بدر کے دن علیؓ نے رسول خدا ﷺ کا نیزہ لیا تھا، اور ایک روایت میں آیا ہے کہ علیؓ نے غزوۂ بدر میں اور دوسرے غزوات میں بھی آنحضرت ﷺ کا نیزہ لیا تھا۔

سیدنا علیؓ اسلام کے چوتھے خلیفہ ارشد ہیں، ان کی خلافت کا زمانہ پانچ سال رہا اور ۴۱ھ میں سترہویں رمضان کو شب جمعہ میں بوقت سحر شہید ہوئے، صحیح و مختار قول کے مطابق ان کی عمر ۶۳ سال کی ہوئی۔ رضی اللہ عنہ۔

ایاس بن بکیرؓ: ان کا نام ''ایاس'' ہے اور بکیر کے بیٹے ہیں، بعض نسخوں میں بکیر (بکر کی تصغیر) کا لفظ لام کے ساتھ، البکیر بھی مذکور ہوا ہے، اور بعض حضرات نے بخاریؒ کی روایت کے حوالہ سے اس لفظ کو بکیر بھی نقل کیا ہے، بہرحال ایاسؓ کا شمار مہاجرین اولین میں ہوتا ہے، غزوۂ بدر میں بھی شریک تھے اور پھر بعد کے دوسرے جہادوں میں بھی شریک ہوئے، انہوں نے اور ان کے بھائی عامر بن بکیرؓ نے مکہ میں اس زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا جب آنحضرت ﷺ دار ارقم میں قیام پذیر تھے۔ ان کی وفات ۳۴ھ میں ہوئی۔ رضی اللہ عنہ۔

بلال بن رباحؓ: یہ مشہور صحابی حضرت بلالؓ ہیں جو آنحضرت کے مؤذن تھے، ان کے باپ کا نام رباح اور ماں کا نام طمامہ تھا، حضرت ابوبکرؓ صدیق کے آزاد کردہ غلام ہیں، ان کی کنیت ''ابوعبدالرحمٰن'' ہے بعض حضرات نے ''ابوعبداللہ'' بعض نے ''ابوعبدالکریم'' اور بعض نے ابوعامر بھی کنیت لکھی ہے۔ حضرت بلالؓ قدیم الاسلام ہیں سب سے پہلے انہوں نے ہی مکہ میں اسلام کا اظہار کیا تھا جس کے سبب خدا کے دین کی راہ میں ان کو نہایت سخت عذاب جھیلنا پڑے، اس زمانہ میں حضرت بلالؓ ایک دشمن دین امیہ بن خلف جمحی کے غلام تھے۔ امیہ ان کو نہایت ہولناک اذیتیں پہنچایا کرتا تھا، وہ ان کو لوہے کی زرہ میں کس کر جلتی دھوپ میں ڈال دیتا تھا، لکڑی کے موصل سے ان کی پٹائی کرتا تھا، آخر کار حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو اس کے ظالم مالک سے بھاری قیمت کے عوض خرید کر آزاد کیا اور پھر جنگ بدر میں وہی امیہ انہی حضرت بلال کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا تھا کہ خانہ کعبہ میں اذان دیں، حضرت بلالؓ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں ان کی فضیلت و بزرگی کے اظہار کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: سابقین چار ہیں، میں سابق عرب ہوں، بلالؓ سابق حبشہ ہیں، صہیبؓ سابق روم ہیں، اور سلیمانؓ سابق فارس ہیں، حضرت بلالؓ کا رنگ گندم گوں تھا، دراز قد تھے، جسم پر بال بہت زیادہ تھے، انہوں نے دمشق میں ۲۰ھ میں وفات پائی اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی وفات ۱۸ھ میں ہوئی۔ وفات کے وقت کچھ اوپر ساٹھ سال کے تھے، بعض حضرات نے ان کی عمر ۷۰ سال لکھی ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

حمزہؓ بن عبدالمطلب: حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب ہاشمی آنحضرت ﷺ کے چچا ہیں ان کو سید الشہداء کا لقب عطا ہوا تھا بعض حضرات نے ''اسداللہ'' کا لقب بھی لکھا ہے، ان کی ماں کا نام ہالہ بنت وہب ہے جو آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی بہن ہیں، اور اس اعتبار سے حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ کے خالہ زاد بھائی ہیں۔

سید الشہداء حضرت حمزہؓ شجاع قوی اور دلاور انسان تھے، ان کی شجاعت و بہادری کے واقعات سے اسلامی تاریخ و سیر کی کتابیں

بھری ہیں، ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ فرشتے حمزہؓ بن عبدالمطلب اور حنظلہؓ بن راہب کو غسل دے رہے ہیں، اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ حمزہؓ اللہ کے نزدیک ساتویں آسمان پر یوں لکھے ہوئے ہیں حمزۃ بن عبدالمطلب اسد اللہ واسد رسولہ (حمزہؓ بن عبدالمطلب، جو اللہ کا اور اللہ کے رسول کا شیر ہے)۔ رضی اللہ عنہ۔

حاطب بن ابی بلتعہ: ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ غزوۂ بدر میں بھی شریک تھے اور غزوۂ خندق میں بھی اور اس کے بعد کے چاروں میں بھی شریک ہوئے۔ ان سے جو ایک لغزش ہوئی تھی کہ انہوں نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر مدینہ منورہ سے ایک خفیہ خط اہل مکہ کے نام روانہ کیا تھا جس میں آنحضرت ﷺ کے ایک جنگی منصوبہ کا انکشاف تھا اور پھر وہ خط راستہ ہی میں پکڑ کر آنحضرت ﷺ کے پاس واپس لایا گیا تھا، اس کا تفصیلی ذکر پیچھے آچکا ہے، انہوں نے ۳۰ھ میں مدینہ میں بعمر ۶۵ سال وفات پائی۔

ابوحذیفہ بن عتبہ: حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ قریشی کے اصل نام میں اختلاف ہے مشہور قول کے مطابق ان کا نام "ہشام" ہے باپ کا نام عتبہ ہے جو ربیعہ بن عبدالشمس کا بیٹا تھا، حضرت ابوحذیفہؓ اجلہ اور فضلاء صحابہؓ میں سے ہیں۔ ان کا شمار مہاجرین اول میں ہوتا ہے یہ ان اہل اسلام میں سے ہیں جنہیں دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا اتفاق حاصل ہوا۔ حضرت ابوحذیفہؓ کی ہجرتیں بھی دو ہوئیں۔ یعنی حبشہ ہجرت کرنے والوں میں بھی شامل تھے اور پھر مدینہ کو ہجرت کی۔ انہوں نے مکہ میں اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا جب آنحضرت ﷺ دار ارقم میں قیام پذیر نہیں ہوئے تھے، ان کو غزوۂ بدر میں بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی اور اس کے بعد جہادوں میں بھی جنگ یمامہ میں جام شہادت سے سرفراز ہوئے اس وقت ان کی عمر ۵۳ سال یا ۵۴ سال کی تھی۔ رضی اللہ عنہ۔

حارثہؓ بن ربیع انصاری: رُبَیّع (یا ایک روایت کے مطابق ربیع) اصل میں حضرت حارثہؓ کی ماں کا نام ہے ان کے باپ کا نام سراقہ تھا۔ حضرت حارثہؓ جنگ بدر میں شہید ہوگئے تھے۔ اگرچہ یہ میدان جنگ میں نہیں تھے بلکہ اس دستہ میں شامل تھے جو دشمنوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے میدان جنگ سے الگ ایک جگہ پر مامور تھا تاکہ وہ دشمنوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھیں اور جو کچھ دیکھیں آکر خبر دیں، انہی صحابہؓ میں حضرت حارثہؓ بھی تھے جو جوان العمر اور بڑے چاق و چوبند تھے، یہ جنگ کے وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس جگہ کھڑے تھے کہ اچانک کسی کا ایک تیر آکر ان کے حلق میں لگا اور حضرت حارثہؓ اس کاری زخم کی تاب نہ لاکر شہید ہوگئے۔ بعد میں ان کی ماں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بولیں کہ یارسول اللہ! آپ (ﷺ) جانتے ہی ہیں میری نظر میں حارثہ کی کیا حیثیت تھی مجھ کو اس سے کتنا لگاؤ تھا، کتنا پیار تھا مجھ کو بتائیے کہ وہ جنت میں گیا ہے یا دوزخ میں، اگر جنت میں گیا ہے تو صبر کروں، اور اگر دوزخ میں گیا ہے تو پھر جتنا رو سکتی ہوں روؤں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: حارثہ کی ماں! وہاں ایک جنت نہیں ہے اوپر تلے کئی جنتیں ہیں اور تمہارا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔ حارثہ کی ماں نے یہ سن کر کہا! میں اس پر صبر کروں گی۔

خبیبؓ بن عدی انصاری: حضرت خبیبؓ جنگ بدر میں شریک تھے پھر ۳ھ میں جب غزوۂ رجیع میں گئے تو وہاں مشرکوں نے ان کو قیدی بنالیا اور مکہ لے کر آئے یہاں مکہ میں ان کو حارث بن عامر کے بیٹوں نے خرید لیا، حارث بن عامر مکہ کا وہ مشرک تھا جس کو حضرت خبیبؓ نے جنگ بدر میں جہنم رسید کیا تھا اور اس کا بدلہ چکانے کے لئے حارث کے بیٹوں نے ان کو خریدا، چنانچہ انہوں نے پہلے تو حضرت خبیبؓ کو قید میں ڈالے رکھا اور پھر مقام تنعیم میں ان کو سولی پر لٹکا کر شہید کر دیا، حضرت خبیبؓ پہلے مسلمان ہیں جن کو سولی پر کھینچا گیا۔ اور انہوں ہی نے مقتل میں قتل کے وقت دو رکعت نماز پڑھنے کا طریقہ جاری کیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب ان کو سولی پر کھینچا جانے لگا تو یہ الفاظ ان کی زبان پر تھے کہ خدایا! یہاں میں کسی ایسے شخص کو نہیں پارہا ہوں جو پیغمبر خدا ﷺ کو میرا اسلام پہنچا دے، خدایا تو ہی میرا اسلام پیغمبر خدا ﷺ کو پہنچا۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور خبیب کا سلام پہنچایا۔ رضی اللہ عنہ۔

خنیس بن خدافہ سہمی: حضرت خنیس بن خدافہ سہمی قریشی ہیں اور مہاجرین میں سے ہیں۔ انہوں نے حبشہ کو ہجرت کی تھی اور وہیں سے آکر جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے، پھر جنگ احد میں بھی شریک ہونے کے لئے وہاں سے آئے اور اس کے بعد حبشہ جانے کے بجائے مدینہ منورہ آگئے، اس جنگ میں یہ زخمی ہوگئے تھے اور آخر کار اس زخم سے جان بر نہ ہوسکے اور انتقال کر گئے۔ حضرت عمر فاروق ؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہ ؓ پہلے انہیں خنیس ؓ کے نکاح میں تھیں اور ان کے انتقال کے بعد آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں آئیں۔

رفاعہ بن رافع انصاری: حضرت رفاعہ ؓ بھی اصحاب بدر میں سے ایک ہیں ان کا تعلق انصار مدینہ سے ہے ان کے باپ قبیلہ وقوم کے سردار تھے۔ حضرت رفاعہ ؓ نے بدر کے بعد اور تمام جہادوں میں بھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ شرکت کی۔ انہوں نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں بھی حضرت علی ؓ کی طرف سے شرکت کی تھی ان کا انتقال امارت معاویہ ؓ کے ابتدائی دنوں میں ہوا۔ رضی اللہ عنہ۔

رفاعہ بن عبدالمنذر ابولبابہ انصاری: حضرت رفاعہ ؓ بن عبدالمنذر ابولبابہ بھی انصار مدینہ میں سے ہیں، اور قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے ہیں، سرداروں میں سے تھے، ایک قول یہ ہے کہ یہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے، بلکہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے پیچھے امیر ووالی بنا کر مدینہ میں چھوڑ گئے تھے اور پھر بدر کے مال غنیمت میں ان کا بھی حصہ لگایا تھا جیسا کہ حضرت عثمان ؓ کا حصہ لگایا تھا۔ ان کی وفات حضرت علی ؓ کی خلافت کے زمانہ میں ہوئی۔

حضرت رفاعہ ؓ بن عبدالمنذر کے اس قصہ کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے جو مدینہ کے یہودیوں "بنو نضیر" کے خلاف آنحضرت ﷺ کی فوجی کارروائی کے موقعہ پر حضرت رفاعہ ؓ کی تقصیر سے توبہ کی قبولیت تک انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھے رکھا تھا، بعد میں مسجد نبوی کے اس ستون کو حضرت رفاعہ ؓ کی کنیت کی نسبت سے "ابولبابہ" کہا جانے لگا۔

زبیر بن عوام: حضرت زبیر بن عوام ؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، چوتھی پشت "قصی" پر پہنچ کر ان کا اور آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب ایک ہوجاتا ہے، ان کی والدہ ماجدہ حضرت صفیہ ؓ عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی صاحبزادی حضرت اسماء ان کی زوجیت میں تھیں، انہوں نے اور ان کی والدہ حضرت صفیہ ؓ نے ایک ساتھ حضرت ابوبکر ؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۶ سال اور ایک روایت کے مطابق ۲۵ سال تھی، جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کے چچا نے ان کو سخت اذیتیں پہنچائیں، یہاں تک کہ وہ ان کو دھوئیں میں بند کر کے ستاتا تھا اور کہتا تھا کہ جب تک تم اسلام ترک نہیں کروگے اسی طرح تم پر ظلم ڈھاتا رہوں گا، مگر ان کے پائے استقامت میں ذرا لغزش نہیں آئی اور ہر سختی ان کے قدم کو راہ اسلام پر اور زیادہ مضبوطی سے جماتی رہی، ان کی پہلی ہجرت حبشہ کو ہوئی تھی، انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر اور دوسرے غزوات میں شرکت کی، غزوۂ احد میں جب کہ دشمن نے چاروں طرف سے یلغار کر رکھی تھی اور اسلامی لشکر افراتفری کے عالم میں تھا، حضرت زبیر ؓ نہایت بہادری اور پامردی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس ڈٹے رہے، منقول ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس شخص نے اللہ کی راہ میں تلوار سونتی حضرت زبیر ابن عوام ؓ ہیں۔

حضرت زبیر کا رنگ گورا، چہرہ پر جمال و روشن تھا، دراز قد تھے جسم پر گوشت ہلکا تھا، بال بہت تھے اور رخسار ہلکے تھے۔ حضرت زبیر ؓ ۳۶ھ میں جنگ جمل کے دوران شہید ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال تھی۔ پہلے جسد خاکی کو دارالسباع میں دفن کیا گیا پھر بصرہ لایا گیا اور وہیں ان کی آخری آرام گاہ بنی منقول ہے کہ حضرت زبیر ؓ نماز کی حالت میں تھے کہ حضرت علی ؓ کے لشکر کے ایک شخص ابن جرموز نے ان پر حملہ کیا اور شہید کر ڈالا، بعد میں ابن جرموز حضرت علی ؓ کے پاس آیا اور بولا کہ: آپ ؓ کو خوش خبری ہو میں نے زبیر ؓ کو قتل کر ڈالا ہے۔ سیدنا علی ؓ نے جواب دیا اور تو بھی خوش خبری سن لے کہ دوزخ تیرا انتظار کر رہی ہے۔

زید بن سہل: حضرت زیدؓ بن سہل انصاری ہیں، ابوطلحہؓ کی کنیت سے مشہور ہیں یہ ان ستر آدمیوں میں شامل تھے جو ہجرت نبوی سے پہلے مدینہ سے چل کر مکہ آئے تھے اور عقبہ میں آنحضرت ﷺ کی زیارت اور بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔

انہوں نے غزوۂ بدر میں بھی شرکت کی تھی اور اس کے بعد کے جہادوں میں بھی، حضرت طلحہ زید بن سہلؓ حضرت ام سلیمؓ کے خاوند ہیں جو حضرت انسؓ بن مالک کی والدہ ماجدہ ہیں۔ ان کا شمار انصار کے عمائدین اور روساء میں ہوتا ہے تیراندازی میں بہت مشہور تھے آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ تنہا ابوطلحہؓ کی آواز لشکر میں ایک جماعت کی آواز سے بہتر ہے۔ ایک روایت میں "سو مردوں کی آواز سے بہتر ہے" کے الفاظ ہیں اور ایک اور روایت میں یہ ہے کہ ہزار مردوں کی آواز سے بہتر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا بھائی چارہ حضرت ابوعبیدہؓ سے کرایا تھا۔ ان کی وفات ۳۱ھ میں بعمر ۷۰ سال ہوئی۔ رضی اللہ عنہ۔

ابوزید انصاریؓ: حضرت ابوزید انصاریؓ ان صحابہؓ میں سے ایک ہیں جنہوں نے رسول اللہ کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا۔ یہ حضرت انسؓ کے ایک چچا ہیں، جنگ بدر میں شریک تھے سعد قاری کے نام سے زیادہ مشہور تھے ان کے اصل نام میں اختلافی اقوال ہیں، بعض نے سعد بن عمیر لکھا ہے اور بعض نے قیس بن سکن۔ رضی اللہ عنہ۔

سعد بن مالک زہریؓ: یہ مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اصل میں ابی وقاصؓ کا نام مالک تھا اس لئے ان کو سعد بن مالک بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت سعد زہریؓ قریشی ہیں، انہوں نے ابتداء اسلام ہی میں حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۷ سال یا ایک روایت کے مطابق ۱۹ سال تھی۔ خود حضرت سعدؓ کا بیان ہے کہ میں تیسرا مسلمان ہوں، یعنی مجھ سے پہلے صرف دو آدمی مسلمان ہوئے تھے، اور میں وہ شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیراندازی کی۔ یہ غزوۂ بدر اور تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک تھے، غزوۂ احد کے دن آنحضرت ﷺ نے ان پر اپنے ماں باپ کو جمع کر کے فرمایا تھا: تیر پہ تیر چلائے جاؤ، تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں، گندم گوں رنگت، چھوٹا قد، فربہ بدن، بڑا سر، سخت انگلیاں ہلکی ناک اور جسم پر بال کی کثرت، یہ حضرت سعدؓ کا سراپا ہے۔ ان کا انتقال بعہد امارت معاویہؓ ۵۵ھ یا ۵۸ھ میں اس محل میں ہوا جو انہوں نے مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر وادی عقیق میں بنایا تھا، وہاں سے ان کا جسد خاکی مدینہ لایا گیا اور بقیع میں دفن کیا گیا انہوں نے کچھ اوپر ستر سال اور ایک روایت کے مطابق ۸۲ سال کی عمر پائی، عشرہ مبشرہ میں سب سے پیچھے انہیں کی وفات ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ فتوحات اسلام میں حضرت سعدؓ کی جنگی مہارت اور بے پناہ شجاعت و بہادری کا بڑا حصہ ہے، عجم کے نامعلوم کتنے شہر اور کتنے بڑے بڑے علاقے ان کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔ ایران کو اسلام کے زیر نگیں کرنے والے اور کسریٰ کی عظیم تر طاقت کو پاش پاش کرنے والے سب سے بڑے سپہ سالار یہی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ہیں اس کے علاوہ بھی ان کے فضائل اور مناقب کچھ کم نہیں ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

سعد بن خولہؓ: حضرت سعد بن خولہؓ کا تعلق قریش مکہ سے ہے، بنو عامر لوی میں سے ہیں لیکن ایک قول یہ ہے کہ بنو عامر بن لوی سے ان کا نسبی تعلق نہیں ہے بلکہ ان کے حلیف تھے۔ یہ ان مسلمانوں میں شامل تھے جنہوں نے دوسری بار مکہ سے حبشہ ہجرت کی تھی۔ جنگ بدر میں شریک تھے اور حجۃ الوداع کے زمانہ میں مکہ میں ان کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہ۔

سعید بن زیدؓ: حضرت سعید بن زیدؓ بن نفیل قریشی عدوی ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت عمر فاروقؓ کے بہنوئی تھے، قدیم الاسلام ہیں یعنی انہوں نے مکہ میں اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا، جب آنحضرت دار ارقم میں قیام پذیر نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شرکت کی ہے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر یہ طلحہ بن زبیرؓ کے ساتھ قریش کے قافلہ کی خبر لانے کی مہم پر گئے تھے۔ حضرت سعید بن زیدؓ گندم گوں اور دراز قد تھے، گیارہویں پشت میں کعب بن لوی پر ان کا اور آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب

ایک ہو جاتا ہے۔ انہوں نے جب اسلام قبول کیا تھا تو اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی۔ خود ان کا بیان ہے کہ جب عمرؓ کو میرے قبول اسلام کی خبر ہوئی تو انہوں نے مجھ کو باندھ کر ڈال دیا تھا، ان کی بیوی حضرت فاطمہؓ بنت خطاب بھی اپنے بھائی حضرت عمرؓ سے پہلے مشرف باسلام ہو چکی تھیں۔ حضرت سعیدؓ کا انتقال ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں مدینہ کے قریب وادی عقیق میں ہوا۔ ان کی عمر کچھ اوپر ۷۰ برس کی ہوئی۔ ان کے باپ زید بن نفیل نے زمانہ جاہلیت میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا دین اختیار کر لیا تھا اور مشرکوں کے ذبیحہ سے پرہیز کیا کرتے تھے، انہوں نے قبل بعثت آنحضرت ﷺ سے بھی ملاقات کی تھی، ان کو "موحد الجاہلیة" کہا جاتا ہے۔

سہل بن حنیفؓ: حضرت سہل بن حنیفؓ انصاری ہیں، بدر اور احد اور دوسرے جہادوں میں شریک ہوئے اور غزوۂ احد کے دن آنحضرت ﷺ کے ساتھ میدان کارزار میں ڈٹے رہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد سیدنا علیؓ کے خاص مصاحبین میں شامل ہو گئے تھے، سیدنا علیؓ نے ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا، پھر "فارس" ایران کی گورنری پر ان کو فائز کیا۔ ان کا انتقال کوفہ میں ۳۸ھ میں ہوا اور سیدنا علیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ظہیر بن رافع اور ان کے بھائی: ظہیر بن رافعؓ (یا ملا علی قاری کے بموجب ظہیر) کے باپ کا نام رافع تھا، انصار مدینہ میں سے ہیں، ان کے بھائی کا نام خدیج بن رافع ہے۔ جب کہ ملا علی قاریؒ نے ظہیر نام لکھا ہے یہ دونوں بھائی بدری ہیں، ان دونوں نے جنگ بدر اور اس کے بعد کے دوسرے جہادوں میں شرکت کی تھی۔

عبداللہ بن مسعودؓ ہزلی: ہزلی ایک قبیلہ ہزیل کی طرف نسبت ہے، جو غیر قریش قبائل میں سے ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی، صاحب السواد والسواک کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کا انتقال مدینہ میں ۳۲ھ میں ہوا کچھ اوپر ساٹھ سال عمر پائی۔

عبدالرحمٰن بن عوفؓ زہری: حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف زہری، زہرہ بن کلاب کی اولاد سے ہیں، کلاب بن مرہ پر ان کا اور آنحضرت ﷺ کا سلسلۂ نسب ایک ہو جاتا ہے۔ دور جاہلیت میں ان کا نام عبدالکعبہ تھا، ان کی ولادت واقعۂ فیل کے دس سال بعد ہوئی، ابتداء اسلام ہی میں انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا، ان کی والدہ بھی مسلمان ہو گئی تھیں، حبشہ کی طرف انہوں نے دو ہجرتیں کیں، جنگ بدر میں شریک ہوئے اور دوسرے تمام غزوات میں بھی آنحضرت ﷺ کے دوش بدوش رہے، جنگ احد کے دن میدان کارزار میں پوری ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹے رہنے والوں میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی تھے، اس دن انہوں نے بیس سے زیادہ زخم کھائے تھے۔ ایک سفر میں آنحضرت ﷺ نے ان کے پیچھے نماز ادا کی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ غزوۂ تبوک میں نہیں جا سکتے تھے اور اس کی تلافی انہوں نے اس طرح کی تھی کہ چار ہزار دینار اللہ کی راہ میں صدقہ کئے، پھر چالیس ہزار دینار اور خدا کی راہ میں خرچ کئے، پانچ سو گھوڑے مجاہدین اسلام کے لئے پیش کئے اور اسی طرح پانچ سو اونٹ دیئے، آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد ازواج مطہرات کی خبر گیری اور ان کے اخراجات زندگی کا تکفل حضرت عبدالرحمٰن نے اپنے ذمہ لیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مال و دولت سے نوازا تھا، اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حوصلہ بھی اتنا ہی زیادہ ان کو عطا کیا تھا، تجارت ان کا پیشہ تھا اور ان کا بیشتر مال و زر تجارت ہی سے ان کو حاصل ہوا تھا۔ منقول ہے کہ یہ جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے تو بالکل مفلس و قلاش تھے اور پھر اس پاک شہر میں ان کو خیر و برکت حاصل ہونی شروع ہوئی تو اللہ نے وہم و گمان سے زیادہ ان کو نوازا بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے چار بیویاں تھیں اور ان کو ترکہ کے آٹھویں حصہ کے چوتھائی پر مصالحت کرنی پڑی اور اس صورت میں بھی ان کے حصہ میں اسی ہزار درہم یا دینار آئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی میراث ایک ہزار ساٹھ آدمیوں کے درمیان تقسیم ہوئی اور ہر ایک کو اسی اسی ہزار درہم ملے۔ یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے اپنی میراث میں سے ہر بدری صحابیؓ کو چار چار سو دینار دینے کی

وصیت کی تھی جو پوری کی گئی۔ روایت ہے کہ ایک دن ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے حضرت عبد الرحمٰنؓ سے بیان کیا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا: میں نے عبد الرحمٰنؓ کو بہشت میں جاتے ہوئے دیکھا اور وہ بہشت میں اسی طرح گھس رہے تھے جیسے کوئی بچہ سرین یا ہاتھ پاؤں کے بل چلتا ہے، جس دن حضرت عائشہؓ نے عبد الرحمٰنؓ کو یہ حدیث سنائی اسی دن ان کا ایک تجارتی قافلہ سات سو اونٹوں پر مال لادے ہوئے ملک شام سے چل کر مدینہ پہنچا تھا، انہوں نے اپنے بارے میں دخول جنت کی یہ بشارت سن کر شکرانہ میں وہ تمام لدے پھندے اونٹ مع ان کے پالانوں اور جھولوں کے اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیئے، روایت ہے کہ وفات کے وقت حضرت عبد الرحمٰنؓ بے ہوش ہو گئے تھے جب کچھ دیر کے لئے ہوش میں آئے تو بولے ابھی میرے پاس دو فرشتے آئے تھے جو بڑے سخت اور درشت خو معلوم ہوتے تھے انہوں نے میری طرف اشارہ کر کے آپس میں کہا کہ ہم اس شخص کو حاکم امین عزیز کے حضور لے جا رہے ہیں، اتنے میں دو فرشتے آگئے اور ان دونوں نے پہلے فرشتوں سے پوچھا کہ اس شخص کو کہاں لے جا رہے ہو؟ وہ دونوں بولے! حاکم امین عزیز کے حضور۔ نووارد فرشتوں نے کہا یہ تو وہ شخص ہے جس میں سعادت و نیک بختی نے اسی وقت گھر کر لیا تھا جب یہ ماں کے پیٹ میں تھا، حضرت عبد الرحمٰن کی علمی حیثیت بھی بہت بلند تھی، فقہی تبحر اور دینی احکام و مسائل پر عبور رکھنے کے سبب صحابہؓ میں نہایت ممتاز درجہ رکھتے تھے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تینوں کے عہد خلافت میں فتویٰ دینے کی بڑی ذمہ داری انہی کے سپرد تھی۔

حضرت عبد الرحمٰن کی رنگت سرخ سفید تھی، قد دراز تھا، چہرہ چھوٹا تھا اور پاؤں کو تیر لگنے سے جو نقصان پہنچا تھا اس کے سبب لنگڑے ہو گئے تھے ان کی وفات حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ہوئی۔

عبیدہ بن حارثؓ: حضرت عبیدہ بن حارثؓ قریشی ہیں ان کے باپ حارث، مطلب بن عبد مناف کے بیٹے تھے۔ حضرت عبیدہؓ کی کنیت ابوالحارث تھی، اور بعض حضرات نے "ابو معاویہ" کنیت لکھی ہے، یہ آنحضرت ﷺ سے دس سال بڑے تھے، انہوں نے آنحضرت ﷺ کے دار ارقم میں آنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ اور ان کے دو بھائی، جن کے نام طفیلؓ اور حصینؓ تھے، ایک ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تھے، جنگ بدر میں ان کا مقابلہ ولید بن عتبہ سے ہوا تھا اور دونوں کے درمیان دو دو چوٹیں ہوئیں، اس مقابلہ میں حضرت عبیدہؓ شہید ہو گئے لیکن ولید بھی اسی دن مارا گیا۔

عبادہ بن صامتؓ: حضرت عبادہؓ بن صامت انصار مدینہ میں سے ہیں اور ان کا شمار سرداروں میں ہوتا تھا۔ عقبہ اولیٰ، عقبہ ثانیہ اور عقبہ ثالثہ تینوں میں یہ موجود تھے، انہوں نے جنگ بدر اور دوسرے جہادوں میں شرکت کی یہ ان صحابہؓ میں سے ایک ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا۔ حضرت عبادہؓ دراز قد اور خوبصورت جسم کے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو شام کا قاضی و معلم بنا کر بھیجا تھا، چنانچہ انہوں نے حمص میں اقامت اختیار کر کے اپنے فرائض انجام دیئے، پھر بعد میں فلسطین چلے گئے تھے، اور وہیں رملہ میں وفات پائی۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان کی وفات بیت المقدس میں ۳۴ھ میں ہوئی تھی، اس وقت ان کی عمر ۷۲ سال کی تھی، ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عبادہؓ، حضرت معاویہؓ کے زمانہ تک زندہ رہے۔

عمرو بن عوفؓ: حضرت عمرو بن عوف انصاری ہیں، یہ بنو عامرؓ لوی کے حلیف تھے اور مدینہ کی سکونت اختیار کر رکھی تھی، انہوں نے بدر میں شرکت کی ان کا انتقال امیر معاویہؓ کے آخر عہد امارت میں مدینہ میں ہوا اور لاولد اس دنیا سے رخصت ہو گئے، انہوں نے بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا، اس لئے ان کو بھی قدیم الاسلام کہا جاتا ہے، یہ ان مقدس ہستیوں میں سے ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا: تَرٰۤی اَعۡیُنَهُمۡ تَفِیۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے وہ حدیث روایت کی ہے جس میں آپ ﷺ نے (اہل اسلام کو مخاطب کر کے فرمایا: مجھ کو تمہارے فقر و افلاس سے کوئی خوف نہیں ہے میں تو اس وقت سے ڈرتا ہوں جب دنیا (اپنے مال و زر کے ساتھ) تم پر کشادہ و فراخ ہو جائے گی۔

عقبہ بن عمرو انصاری: حضرت عقبہ بن عمرو انصاری مشاہیر صحابہؓ میں سے ہیں بدری ہیں، عقبہ ثانیہ میں یہ بھی موجود تھے، جمہور علماء کا کہنا ہے کہ ان کو "بدری" اس نسبت سے کہا جاتا ہے کہ یہ بدر میں رہا کرتے تھے نہ کہ اس اعتبار سے کہ انہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی ان کی وفات حضرت علیؓ کی عہد خلافت میں ہوئی، لیکن بعض حضرات کا کہنا ہے کہ انہوں نے ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں وفات پائی۔

عامر بن ربیعہؓ عنزی: "عنزی" اصل میں ایک شخص "عنزہ" کی طرف نسبت ہے جو حضرت عامرؓ بن ربیعہ کے اجداد میں سے تھا، جامع الاصول میں یہ لفظ غنوی لکھا ہوا ہے، حضرت عامرؓ چونکہ بنوعدد کے حلیف تھے اس لئے ان کو عدوی بھی کہا جاتا ہے، اور کاشف میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عامرؓ آل خطاب کے حلیف تھے۔ حضرت عامرؓ نے دو ہجرتیں کیں، جنگ بدر میں بھی شریک تھے اور دوسرے جہادوں میں بھی۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے پہلے اسلام قبول کیا تھا، ان کی وفات ۳۲ھ یا ۳۳ھ یا ۳۵ھ میں ہوئی۔

عاصم بن ثابت انصاریؓ: حضرت عاصم بن ثابت انصاریؓ نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی، یہ حضرت عاصم بن عمر فاروقؓ کے جد مادری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک موقع پر ان کی جان کو مشرکوں سے جس طرح بچایا تھا وہ ایک بہت ہی غیر معمولی واقعہ ہے، ہوا یہ تھا کہ غزوۂ ذات الرجیع میں انہوں نے ایک بڑے مشرک سردار کو قتل کر دیا تھا سارے مشرک اپنے سردار کا بدلہ لینے کے لئے حضرت عاصم بن ثابتؓ کی تاک میں لگ گئے اور موقع پا کر ان کو گھیر لیا اور قریب تھا کہ ان کا سر کاٹ لیں مگر اسی وقت اللہ کی مدد حاصل ہوئی۔ دراصل حضرت عاصمؓ نے خدائے عزوجل سے دعا مانگی تھی کہ کسی مشرک کا ہاتھ مجھ تک نہ پہنچے اور ان کی یہ دعا مقبول تھی، چنانچہ جب مشرک حضرت عاصمؓ کا سر کاٹنے کے لئے بڑھے تو اچانک ایسا لگا کہ بھڑوں کا ایک بہت بڑا چھتہ ٹوٹ کر ان مشرکوں پر گرا ہو، اور پھر ان بھڑوں نے حضرت عاصمؓ کو ان کے ہاتھوں سے بچا لیا۔

عویم بن ساعدہ انصاریؓ: حضرت عویم بن ساعدہ انصاریؓ عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ میں مدینہ سے مکہ آکر آنحضرت کی زیارت و بیعت کرنے والوں میں شریک تھے۔ انہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی ہے اور دوسرے جہادوں میں بھی ان کا انتقال آنحضرت ﷺ کی حیات میں ہو گیا تھا انہوں نے ۶۵ یا ۶۶ سال کی عمر پائی۔

عتبان بن مالک انصاریؓ: حضرت عتبان بن مالک انصاری خزرجی ہیں جنگ بدر میں شریک تھے، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے احادیث روایت کی ہیں، اور ان سے جن لوگوں نے احادیث نقل کی ہیں ان میں حضرت انس بن مالکؓ اور محمود بن ربیعؓ شامل ہیں، حضرت عتبانؓ نابینے تھے، صحیح بخاریؒ کی ایک روایت میں ان کے متعلق یہ مذکور ہے کہ انہوں نے نماز کے لئے مسجد میں آنے سے اپنا عذر بیان کیا تو آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں ایک جگہ نماز پڑھی تاکہ عتبان اسی جگہ کو اپنی نماز پڑھنے کے لئے مختص کر لیں۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں وفات پائی۔

قتادہ بن نعمان انصاریؓ: یہ وہ قتادہ نہیں ہیں جو اہل علم اور محدثین میں بہت مشہور ہیں، وہ تابعی تھے، بصرہ کے تھے، بینائی سے اللہ تعالیٰ نے محروم کر رکھا تھا۔ لیکن علم و معرفت کی دولت وافر ان کو عطا فرمائی تھی۔ وہ حافظ تھے، مفسر تھے، محدث تھے اور ان کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ جو کچھ ایک بار سن لیتے تھے اس کو کبھی نہیں بھولتے تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت کرتے تھے اور یہ قتادہ بن نعمان جن کا یہاں ذکر ہے، صحابیؓ ہیں، انصاری ہیں، عقبہ میں موجود تھے جنگ بدر میں شریک تھے اس کے بعد دوسرے جہادوں میں شریک ہوئے، ان کا شمار فضلاء صحابہؓ میں ہوتا ہے ان کا انتقال ہوا اور حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

معاذ بن عمرو بن الجموح: حضرت معاذؓ، عمرو بن الجموح کے بیٹے ہیں، عقبہ میں موجود تھے، جنگ بدر میں یہ بھی شریک تھے، اور ان کے باپ عمرو بن الجموح بھی، یہ وہی نوعمر معاذ بن عمرو ہیں جنہوں نے جنگ بدر میں ابوجہل پر پہلے حملہ کیا اور اس کا ایک پاؤں کاٹ ڈالا

تھا اور پھر بعد میں معاذو معوذ بن عفراء نے اس کا کام تمام کیا تھا۔

معوذ بن عفراءؓ اور ان کے بھائی: حضرت معوذ بن عفراءؓ اور ان کے بھائی حضرت معاذ بن عفراءؓ دونوں جنگ بدر میں شریک تھے، ''عفراء'' ان دونوں کی ماں کا نام ہے، ان کے باپ حارثہ بن رفاعہ انصاری ہیں، یہ معوذ ہی تھے جنہوں نے جنگ بدر میں اپنے بھائی معاذ بن عفراء کی مدد سے ابوجہل کو قتل کیا تھا۔ معوذؓ اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے، لیکن معاذؓ باقی رہے اور انہوں نے دوسرے جہادوں میں بھی شرکت کی معوذؓ اور معاذؓ کے ایک اور بھائی عوفؓ بن عفراء بھی جنگ بدر میں شریک تھے اور ان کو بھی اس جنگ میں شہادت نصیب ہوئی تھی۔

مالک بن ربیعہ ابواسید انصاریؓ: اصل نام مالک بن ربیعہ ہے اور ''ابواسید'' کنیت ہے۔ نام کے بجائے کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، جنگ بدر میں اور دوسرے تمام غزوات میں شریک ہوئے، قبیلہ سے ''مساعدی'' ہیں۔ ۶۰ھ میں ان کی وفات ہوئی اس وقت ان کی عمر ۷۷ سال یا ۷۸ سال کی تھی اور نابیناء ہو چکے تھے، اصحاب بدر میں سب کے بعد انہیں کا انتقال ہوا۔

مسطحؓ بن اثاثہ: حضرت مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب بن عبد المناف، جنگ بدر اور جنگ احد میں شریک تھے اور بعد کی جنگوں میں بھی شریک ہوئے۔ یہ وہی مسطحؓ ہیں جنہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ذات پر بہتان باندھا تھا اور ان پر حد قذف (زنا کا جھوٹا الزام لگانے کی سزا) نافذ ہوئی تھی اور ان کو درے لگائے گئے تھے۔ یہ واقعہ افک کے نام سے مشہور ہے، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ''مسطح'' ان کا لقب ہے، اصل نام ''عوف'' ہے، ان کا انتقال ۳۴ھ میں بعمر ۵۶ سال ہوا۔

مرارہ بن ربیع انصاریؓ: حضرت مرارہؓ بن ربیع انصاری، بنو عمرو بن عوف میں سے ہیں، جنگ بدر میں شریک تھے، یہ ان تین صحابہؓ میں سے ہیں جو غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے۔ ان میں سے زیادہ مشہور حضرت کعبؓ بن مالک ہیں دوسرے حضرت ہلالؓ بن امیہ اور تیسرے یہ حضرت مرارہؓ۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی توبہ قبول فرمائی تھی اور ان کے حق میں قرآن کی آیتیں نازل فرمائیں اور اسی مناسبت سے اس سورۂ کا نام ''توبہ'' رکھا گیا جس میں یہ آیتیں شامل ہیں۔

معن بن عدی انصاریؓ: حضرت معن بن عدی انصاریؓ بنو عمرو بن عوف کے حلیف ہیں اور اسی سبب سے ان کا شمار انصار میں ہوتا ہے۔ یہ عقبہ میں موجود تھے، جنگ بدر میں بھی شریک تھے اور اس کے بعد کے دوسرے جہادوں میں بھی شریک ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان کا بھائی چارہ حضرت زید بن خطابؓ سے کر دیا تھا جو حضرت عمرؓ کے بھائی ہیں اور ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں یہ دونوں ایک ساتھ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

مقداد بن عمرو کندیؓ: حضرت مقداد بن عمرو کندیؓ کو مقداد بن اسود بھی کہا جاتا تھا، کندی تو ان کو اس نسبت سے کہتے تھے کہ ان کے باپ عمرو، کندہ کے حلیف تھے اور خود مقدادؓ چونکہ بنو زہرہ میں کے ایک شخص اسود بن یغوث زہری کے حلیف بن گئے تھے، اس لئے ان کو ''زہری'' کہا جاتا تھا اور اسی نسبت سے مقداد بن اسودؓ ان کا دوسرا نام پڑ گیا تھا۔ حضرت مقدادؓ قدیم الاسلام ہیں اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہ چھٹے مسلمان ہیں یعنی ان سے پہلے پانچ آدمی مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا شمار آنحضرت ﷺ کے نہایت نیک و بزرگ صحابہؓ میں ہوتا تھا۔ ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں حضرت علی بن ابی طالبؓ اور طارق بن شہاب شامل ہیں، ۳۳ھ میں ان کا انتقال مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں ہوا تھا وہاں سے ان کی میت مدینہ لائی گئی اور پھر بقیع میں ان کو دفن کر دیا گیا۔ نماز جنازہ حضرت عثمانؓ بن عفانؓ نے پڑھائی، ان کی عمر ۷۰ سال کی ہوئی۔

ہلال بن امیہ انصاریؓ: حضرت ہلال بن امیہ انصاری ان تین صحابہؓ میں سے ہیں جو غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تھی۔ انہوں نے اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگایا تھا اور لعان کیا تھا، یہ جنگ بدر میں شریک تھے۔ ان سے جو حضرات

حدیث روایت کرتے ہیں ان میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ شامل ہیں۔

اہل بدر کی تعداد: اس بارہ میں اختلافی اقوال ہیں کہ جنگ بدر کے اسلامی لشکر میں کتنے مجاہد تھے، بعض حضرات نے اصحاب بدر کی مقدار تین سو پندرہ لکھی ہے، اور بعض نے تین سو تیرہ۔ ابتداء باب میں ایک روایت تین سو پندرہ کی نقل کی جاچکی ہے، اور ایک روایت میں تین سو سترہ کا ذکر ہے۔ صاحب استیعاب نے اپنی کتاب میں تین سو تیرہ کی تعداد بیان کی ہے، جن میں سے پینتالیس تو وہی ہیں جن کا اس باب میں ذکر ہوا ہے اور باقی دوسرے ہیں، جعفر بن حسن بن عبدالکریم برزنجیؒ نے اصحاب بدر کے اسماء مبارک اور ان کے فضائل و فوائد پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام بجالیۃ الکرب باصحاب سید العجم و العرب ہے اس کتاب میں برزنجیؒ نے متعدد کتابوں کے حوالہ سے اصحاب بدر کو ۳۶۵ کی تعداد میں ذکر کیا ہے، لیکن انہوں نے وضاحت کردی ہے کہ اس سلسلہ میں راجح قول یہی ہے کہ اصحاب بدر ۳۱۳ ہیں جیسا کہ صاحب استیعاب نے لکھا ہے۔

اہل بدر کے فضائل: اصحاب بدر کے فضائل میں سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی ﷺ کی لسان مبارک کے ذریعہ جنت کی بشارت دی ہے چنانچہ فرمایا کہ وجبت لکم الجنة (اے اصحاب بدر تمہارے لئے جنت واجب ہوگئی)۔

ان حضرات کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے ہیں یہاں تک کہ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ان میں سے کوئی کسی گناہ کا مرتکب ہوا ہوگا تو اس کو توبہ کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ تو پہلے بخشا جاچکا ہے، اور اس کا جنت میں جانا طے ہوچکا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ اس کا وہ گناہ اس دنیا میں شرعی سزا کا متقاضی پاگیا ہو اور اس پر اس دنیا میں اس شرعی سزا کا نفاذ بھی کیا گیا ہو۔

یہ بھی انہی کے فضائل میں سے ہے کہ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نازل کیا اور ان فرشتوں نے اصحاب بدر کے ساتھ مل کر دشمنان دین سے جنگ کی۔ اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، تمام ہی علماء اس پر متفق ہیں جب کہ دوسرے غزوات مثلاً احد اور حنین کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔

اہل بدر کے اسماء کے خواص و برکات: اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر کے اسماء اور ان کے ذکر میں عجیب خواص اور برکتیں رکھی ہیں ان اسماء کے ذکر کے ساتھ مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے، چنانچہ برہان حلبیؒ نے سیرت کی اپنی کتاب میں لکھا ہے اور دوانیؒ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے مشائخ حدیث سے سنا: اہل بدر کے اسماء کے ذکر کے ساتھ جو دعا مانگی جاتی ہے، مقبول ہوتی ہے اور یہ تجربہ سے ثابت ہے۔ شیخ عبداللطیفؒ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے۔ بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ کتنے ہی اولیاء اللہ کو اہل بدر کے اسماء کی برکت سے ولایت کا مرتبہ ملا، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جن مریضوں نے اہل بدر کے وسیلہ سے اپنے لئے شفا کی دعا مانگی، اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا عطا فرمائی، ایک عارف باللہ کا بیان ہے کہ میں نے جب بھی کسی بیمار کے سر پر ہاتھ رکھ کر اخلاص کے ساتھ اہل بدر کے نام پڑھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا عطا فرمادی، بلکہ اگر اس کی موت کا وقت آگیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس میں بھی نرمی اور رعایت کا معاملہ فرماتا۔ ایک اور عارف کا بیان ہے، میں نے امور مہم میں اہل بدر کے اسماء کے ذکر کا تجربہ زبان سے پڑھ کر اور لکھ کر کیا، تو حقیقت یہ ہے کہ میں نے کوئی دعا اس سے جلد قبول ہونے والی نہیں پائی۔ حضرت جعفر بن عبداللہؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: میرے والد نے مجھ کو وصیت کی تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ سے محبت رکھوں اور یہ کہ اپنی تمام مہمات میں اہل بدر کے وسیلہ سے دعا مانگوں، چنانچہ والد ماجد نے فرمایا تھا کہ بیٹے! اہل بدر کے اسماءؓ مبارک کے ذکر کے ساتھ جو دعا مانگی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جب کوئی بندہ اہل بدر کے اسماء کا ذکر کرتا ہے، یا یہ فرمایا تھا کہ جب کوئی بندہ اہل بدر کے اسماء کے ساتھ دعا مانگتا ہے تو اس وقت مغفرت، رحمت، برکت رضا اور رضوان اس بندہ کو گھیر لیتی ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص روزانہ ان اسماء کا ذکر کرے اور ان اسماء کے وسیلہ سے اپنی حاجت براری کی دعا کے وقت ان اسماء کا وسیلہ پکڑنے والے کے لئے بہتر ہے کہ ہر نام کے بعد "رضی اللہ عنہ" ضرور کہے مثلاً یوں کہے: محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، اس طرح آخر تک ہر نام کے بعد رضی اللہ عنہ کہے۔

مؤلف کتاب رحمۃ اللہ نے اس موقع پر تمام اہل بدر کے اسماء مبارک کتاب استیعاب سے نقل کر کے لکھے ہیں اور ان کے امور کا ذکر جن الفاظ، جس ترتیب اور دعاء توسل کے جن الفاظ کے ساتھ صاحب استیعاب نے کیا ہے اسی کو مؤلف نے اختیار کیا ہے۔ البتہ صاحب استیعاب نے ان اسماء کے بعد جو دعا لکھی تھی وہ چونکہ طویل اور مشکل المعانی تھی اس لئے مؤلف نے اس دعا کے بجائے ایک ایسی مختصر جامع دعا لکھی ہے جو احادیث میں آئی ہے، دعاء توسل کے الفاظ کے ساتھ اصحاب بدر کے نام یوں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَللّٰهُمَّ اَسْأَلُكَ بِسَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الْمُهَاجِرِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُثْمَانَ اَبِيْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقِ الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ الْعَدَوِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ الْقُرَشِيِّ خَلَّفَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ابْنَتِهٖ وَضَرَبَ لَهٗ بِسَهْمِهٖ وَبِسَيِّدِنَا عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبِ نِ الْهَاشِمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اِيَاسِ بْنِ الْبُكَيْرِ بِسَيِّدِنَا بِلَالِ بْنِ رِبَاحٍ مَوْلٰى اَبِيْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقِ الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ الْهَاشِمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا حَاطِبِ بْنِ اَبِيْ بَلْتَعَةَ حَلِيْفِ لِقُرَيْشٍ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ حُذَيْفَةَ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خُبَيْبِ بْنِ عَدِيِّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خُنَيْسِ بْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رِفَاعَةَ بْنِ عَبْدِالْمُنْذِرِ اَبِيْ لُبَابَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زَيْدِ بْنِ سَهْلٍ اَبِيْ طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ زَيْدِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَعْدِ بْنِ مَالِكِ نِ الزُّهْرِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَعْدِ ابْنِ خَوْلَةَ الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ظُهَيْرِ بْنِ رَافِعِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَاَخِيْهِ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدِ نِ الْهُذَلِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدِ نِ الْهُذَلِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفِ نِ الزُّهْرِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُبَيْدَةَ بْنِ الْحَارِثِ الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ حَلِيْفِ بَنِيْ عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ وَبِسَيِّدِنَا عُقْبَةَ بْنِ عَمْرِو نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ الْعَنْزِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَاصِمِ بْنِ ثَابِتِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُوَيْمِ بْنِ سَاعِدَةَ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عِتْبَانَ بْنِ مَالِكِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا قُدَامَةَ بْنِ مَظْعُوْنٍ وَبِسَيِّدِنَا قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مُعَاذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ وَبِسَيِّدِنَا مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَآءَ وَاَخِيْهِ مَالِكِ بْنِ رَبِيْعَةَ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ اُسَيْدِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مِسْطَحِ بْنِ اُثَاثَةَ بْنِ عَبَّادِ بْنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ وَبِسَيِّدِنَا مُرَارَةَ بْنِ الرَّبِيْعِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَعْنِ بْنِ عَدِيِّ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مِقْدَادِ بْنِ عَمْرِو نِ الْكِنْدِيِّ حَلِيْفِ بَنِيْ زُهْرَةَ وَبِسَيِّدِنَا هِلَالِ بْنِ اُمَيَّةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ عَمْرِو بْنِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذِ نِ الْاَشْهَلِيِّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ الْاَشْهَلِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اُسَيْدِ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اُنَيْسِ بْنِ قَتَادَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَنَسِ بْنِ مُعَاذِ نِ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَنَسِ بْنِ اَوْسِ نِ الْاَنْصَارِيِّ الْاَشْهَلِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَوْسِ بْنِ ثَابِتِ نِ النَّجَّارِيِّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَوْسِ بْنِ خَوْلِيِّ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَوْسِ بْنِ الصَّامِتِ الْخَزْرَجِيِّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَسْعَدَ ابْنِ زُرَارَةَ النَّجَّارِيِّ الْاَنْصَارِيِّ الْخَزْرَجِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْاَسْوَدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ غَنْمِ نِ الْاَنْصَارِيِّ

وَبِسَيِّدِنَا اِيَاسِ بْنِ وُدَفَةَ الْاَنْصَارِيِّ مِنْ بَنِيْ سَالِمِ بْنِ عَوْفِ نِ الْخَزْرَجِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْاَرْقَمِ بْنِ اَبِي الْاَرْقَمِ الْهَاشِمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا بَرَآءِ بْنِ عَازِبِ نِ الْخَزْرَجِيِّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا بِشْرِ بْنِ الْبَرَآءِ بْنِ مَعْرُوْرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ الْخَزْرَجِيِّ وَبِسَيِّدِنَا بَشِيْرِ بْنِ سَعْدِ نِ الْخَزْرَجِيِّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا بَشِيْرِ بْنِ اَبِيْ زَيْدِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا بُحَيْرِ ابْنِ اَبِيْ بُحَيْرِ الْجُهَنِيِّ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا بِشْعَسِ ابْنِ عَمْرِو نِ الْخَزْرَجِيِّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا بَحْ ـ سِ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْاَنْصَارِيِّ الْخَزْرَجِيِّ وَبِسَيِّدِنَا تَمِيْمِ بْنِ يَعَارِ الْاَنْصَارِيِّ الْخَزْرَجِيِّ وَبِسَيِّدِنَا تَمِيْمِ نِ الْاَنْصَارِيِّ مَوْلٰى بَنِيْ

غَنمٍ وَبِسَيِّدِنَا تَمِيمٍ مَوْلٰى خِرَاشِ بْنِ الصِّمَّةِ وَبِسَيِّدِنَا ثَابِتِ بْنِ الْجَذْعِ الْأَنْصَارِيِّ الْأَشْهَلِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ثَابِتِ بْنِ هَزَّالِ بْنِ عَمْرِو نِ الْأَنْصَارِيِّ الْعَوْفِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ثَابِتِ بْنِ عَمْرِو بْنِ زَيْدِ نِ النَّجَّارِيِّ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ثَابِتِ بْنِ خَالِدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ النُّعْمَانِ النَّجَّارِيِّ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ثَابِتِ بْنِ الْخَنْسَآءِ النَّجَّارِيِّ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ثَابِتِ بْنِ أَقْرَمَ الْأَنْصَارِيِّ حَلِيفِ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ وَبِسَيِّدِنَا ثَابِتِ بْنِ زَيْدِ نِ الْأَشْهَلِيِّ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ثَابِتِ بْنِ رَبِيعَةِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ثَعْلَبَةَ بْنِ عَنَمَةَ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ثَعْلَبَةَ بْنِ سَاعِدَةِ السَّاعِدِيِّ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ثَعْلَبَةَ بْنِ عَمْرِو نِ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ثَعْلَبَةَ بْنِ حَاطِبِ نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ثَقْفِ بْنِ عَمْرِو نِ الْأَسْلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا جَابِرِ بْنِ خَالِدِ بْنِ مَسْعُوْدِ نِ الْأَنْصَارِيِّ النَّجَّارِيِّ الْأَشْهَلِيِّ وَبِسَيِّدِنَا جَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْحَرَامِيِّ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا جَبَّارِ بْنِ صَخْرِ نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا جُبَيْرِ بْنِ إِيَاسِ الْأَنْصَارِيِّ الزُّرَقِيِّ وَبِسَيِّدِنَا حَارِثَةَ بْنِ النُّعْمَانِ النَّجَّارِيِّ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا حَارِثَةَ بْنِ مَالِكِ نِ الْأَنْصَارِيِّ الزُّرَقِيِّ وَبِسَيِّدِنَا حَارِثِ بْنِ حُمَيِّرِ نِ الْأَشْجَعِيِّ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا حَارِثَةَ بْنِ حُمَيِّرِ نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا حَارِثِ بْنِ هِشَامِ الْمَخْزُوْمِيِّ الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْحَارِثِ بْنِ عَتِيكِ نِ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْحَارِثِ بْنِ قَيْسِ نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْحَارِثِ بْنِ أَوْسِ نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْحَارِثِ بْنِ أَنَسِ نِ الْأَشْهَلِيِّ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْحَارِثِ بْنِ النُّعْمَانِ الْقَيْسِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْحَارِثِ بْنِ النُّعْمَانِ ابْنِ خَزْمَةَ الْخَزْرَجِيِّ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا حُرَيْثِ بْنِ زَيْدِ نِ الْخَزْرَجِيِّ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْحَكَمِ بْنِ عَمْرِو نِ الثُّمَالِيِّ وَبِسَيِّدِنَا حَبِيبٍ مَوْلَى الْأَنْصَارِ وَبِسَيِّدِنَا الْحُصَيْنِ ابْنِ الْحَارِثِ الْمُطَّلِبِيِّ وَبِسَيِّدِنَا حَاطِبِ بْنِ عَمْرِو نِ الْأَوْسِيِّ وَبِسَيِّدِنَا حَرَامِ بْنِ مِلْحَانَ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْحُبَابِ بْنِ الْمُنْذِرِ الْأَنْصَارِيِّ السُّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خَالِدِ بْنِ الْبُكَيْرِ وَبِسَيِّدِنَا خَالِدِ بْنِ الْعَاصِيِّ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ وَبِسَيِّدِنَا خَالِدِ بْنِ قَيْسِ نِ الْأَزْدِيِّ الْعَجْلَانِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خَلَّادِ بْنِ رَافِعِ نِ الْعَجْلَانِيِّ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خَلَّادِ بْنِ سُوَيْدِ نِ الْأَنْصَارِيِّ الْخَزْرَجِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خَلَّادِ بْنِ عَمْرِو نِ الْأَنْصَارِيِّ السُّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتِ نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ نِ الْأَنْصَارِيِّ الْخَزْرَجِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خَارِجَةَ بْنِ حُمَيِّرِ نِ الْأَشْجَعِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ الْخُزَاعِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خَبَّابٍ مَوْلٰى عُقْبَةَ بْنِ غَزْوَانَ وَبِسَيِّدِنَا خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكِ نِ الْأَسَدِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خِرَاشِ بْنِ الصِّمَّةِ الْأَنْصَارِيِّ السُّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خَوْلِيِّ بْنِ خَوْلِيِّ الْعَجَلِيِّ الْجُعْفِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خُبَيْبِ بْنِ إِسَافِ نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خَوَّاتِ بْنِ جُبَيْرِ نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خَيْثَمَةَ بْنِ الْحَارِثِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خَلِيفَةَ بْنِ عَدِيِّ نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا خُلَيْدَةَ بْنِ قَيْسِ نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ذَكْوَانَ بْنِ عَبْدِ قَيْسِ نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ذِي مِخْبَرِ نِ الْحَبَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا ذِي الشِّمَالَيْنِ الْخُزَاعِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رَافِعِ بْنِ مَالِكِ نِ الْأَنْصَارِيِّ الْخَزْرَجِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رَافِعِ بْنِ الْحَارِثِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رَافِعِ بْنِ الْمُعَلّٰى الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رَافِعِ بْنِ عَنْجَدَةَ الْأَنْصَارِيِّ الْعَوَامِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رَافِعِ بْنِ سَهْلِ نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رَافِعِ بْنِ زَيْدِ نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رِفَاعَةَ بْنِ عَمْرِو نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رِفَاعَةَ بْنِ الْحَارِثِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رِفَاعَةَ عَمْرِو الْجُهَنِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رَبِيعَةَ بْنِ أَكْثَمَ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا رَبِيعِ بْنِ إِيَاسِ نِ الْأَنْصَارِيِّ وَأَخِيهِ وَبِسَيِّدِنَا رُجَيْلَةَ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْأَنْصَارِيِّ الْبَيَاضِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زَيْدِ ابْنِ الْخَطَّابِ الْعَدَوِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ الْكَلْبِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ الْعَجْلَانِيِّ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زَيْدِ بْنِ الدَّثِنَةِ الْأَنْصَارِيِّ الْبَيَاضِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زَيْدِ بْنِ عَاصِمِ نِ الْمَازِنِيِّ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زَيْدِ بْنِ لَبِيدِ نِ الْأَنْصَارِيِّ الْبَيَاضِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زِيَادِ بْنِ عَمْرِو نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زِيَادِ بْنِ كَعْبِ نِ الْأَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا زَاهِرِ بْنِ حَرَامِ نِ الْأَشْجَعِيِّ وَبِسَيِّدِنَا طُلَيْبِ بْنِ عَمْرِو الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الطُّفَيْلِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُطَّلِبِيِّ وَأَخِيهِ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ

وَبِسَيِّدِنَا الطُّفَيْلِ بْنِ مَالِكِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا كَعْبِ ابْنِ عَمْرِو نِ الْاَنْصَارِيِّ السَّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا كَعْبِ بْنِ زَيْدِ نِ النَّجَّارِيِّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا كَعْبِ بْنِ حَمَّارِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا كَفَّارِبْنِ حِصْنِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مُعَاذِ بْنِ عَفْرَاءَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَوْفِ بْنِ الْعَفْرَاءَ وَقُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ وَبِسَيِّدِنَا مُعَوِّذٍ وَبِسَيِّدِنَا مُعَاذِ بْنِ مَاعِصِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَالِكِ بْنِ عُمَيْلَةَ الْعَبْدَرِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَالِكِ بْنِ قُدَامَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَالِكِ بْنِ رَافِعِ الْعُجْلَانِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَالِكِ بْنِ عَمْرِو نِ السَّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَالِكِ بْنِ اُمَيَّةَ بْنِ عَمْرِو نِ السَّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَالِكِ ابْنِ اَبِيْ خَوْلِي الْعِجْلَانِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَالِكِ بْنِ نُمَيْلَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَعْمَرِ بْنِ الْحَارِثِ الْجُمَحِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مُحْرِزِبْنِ نَضْلَةَ الْاَسَدِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مُحْرِزِبْنِ عَامِرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَعْنِ بْنِ يَزِيْدَ السَّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مَعْبَدِ ابْنِ قَيْسِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْمُنْذِرِبْنِ عَمْرِو نِ الْاَنْصَارِيِّ الْخَزْرَجِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْمُنْذِرِ بْنِ الْاَوْسِيِّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْمُنْذِرِبْنِ قُدَامَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مُعَتَّبِ بْنِ حَمْرَآءِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مُعَتَّبِ بْنِ بَشِيْرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مُصْعَبِ ابْنِ عُمَيْرِ نِ الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مُبَشِّرِبْنِ عَبْدِالْمُنْذِرِ الْاَوْسِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مُلَيْلِ بْنِ وَبْدَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا مِهْجَعِ بْنِ صَالِحٍ مَوْلٰى عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ وَبِسَيِّدِنَا مِدْرَاجِ بْنِ عَمْرِو نِ السَّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا نَوْفَلِ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا النُّعْمَانَ بْنِ عَبْدِ نِ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا النُّعْمَانِ بْنِ اَبِيْ خَزْمَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا النُّعْمَانِ بْنِ عَمْرِو نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا النُّعْمَانِ ابْنِ اَبِيْ خَزْمَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا النُّعْمَانِ بْنِ سِنَانِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا نَضْرِبْنِ الْحَارِثِ الْاَنْصَارِيِّ الظَّفَرِيِّ وَبِسَيِّدِنَا نَحَاتِ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا نُعَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا صُهَيْبِ بْنِ سِنَانِ الرُّوْمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا صَفْوَانَ ابْنِ اُمَيَّةَ بْنِ عَمْرِو نِ السَّلَمِيِّ وَاَخِيْهِ مَالِكِ بْنِ اُمَيَّةَ وَبِسَيِّدِنَا الضَّحَّاكِ بْنِ حَارِثَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الضَّحَّاكِ بْنِ عَبْدِالْاَنْصَارِيِّ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جُبَيْرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحُمَيْرِ الْاَسْبَعِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ رَافِعِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ رَبِيْعِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ طَارِقِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ كَعْبِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَظْعُوْنِ الْجُمَحِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ النُّعْمَانِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلُوْلَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَرَامِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَامِرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَيْرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَسَ الْخَزْرَجِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَعْدِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَمَةَ الْعَجْلَانِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ نِ الْمَازِنِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَهْلِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُبَيْدِبْنِ اَوْسٍ وَبِسَيِّدِنَا عُبَيْدِبْنِ زَيْدِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِرَبِّهِ ابْنِ حَقِّ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبَّادِبْنِ عُبَيْدِ نِ التَّيْهَانِ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِ يَالَيْلِ بْنِ نَاشِبِ نِ اللَّيْثِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبَّادِ بْنِ قَيْسِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا حُمَيْرِبْنِ حَرَامِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَمْرِو ابْنِ قَيْسِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَمْرِو بْنِ ثَعْلَبَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُفْيَانَ بْنِ بِشْرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَالِمِ بْنِ عُمَيْرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سِنَانِ بْنِ سِنَانِ نِ الْاَسَدِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سِمَاكِ بْنِ خَرْشَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَهْلِ بْنِ عَتِيْكِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُهَيْلِ ابْنِ رَافِعِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا السَّآئِبِ بْنِ مَظْعُوْنِ الْجُمَحِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اُبَيِّ بْنِ الْكَعْبِ الْاَنْصَارِيِّ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ مُعَاذِ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اُسَيْرَةَ بْنِ عَمْرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَامِرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عُكَاشَةَ بْنِ مِحْصَنِ نِ الْاَسَدِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَتِيْكِ بْنِ التَّيْهَانِ الْاَنْصَارِيِّ

وَبِسَيِّدِنَا عَنْتَرَةَ السَّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَاقِلِ بْنِ الْبُكَيْرِ وَبِسَيِّدِنَا فَرْوَةَ بْنِ عَمْرِو نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا غَنَّامِ بْنِ اَوْسِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا الْفَاكِهِ بْنِ بِشْرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا قَيْسِ بْنِ مَخْلَدِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا قَيْسِ بْنِ مِحْصَنِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا قَيْسِ بْنِ اَبِيْ صَعْصَعَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا قُطْبَةَ بْنِ عَامِرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَعْدِبْنِ خَيْثَمَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَعْدِبْنِ عُثْمَانَ الْاَنْصَارِيِّ الزُّرَقِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَعْدِبْنِ زَيْدِ نِ الْاَنْصَارِيِّ الْاَشْهَلِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُفْيَانَ بْنِ بِشْرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَالِمِ بْنِ عُمَيْرِ نِ الْعَوْفِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُلَيْمِ بْنِ عَمْرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُلَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُلَيْمِ ابْنِ قَيْسِ بْنِ فَهْدِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُلَيْمِ بْنِ مِلْحَانَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَلَمَةَ ابْنِ سَلَامَةَ الْاَنْصَارِيِّ الْاَشْهَلِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُهَيْلِ بْنِ عَمْرِو نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَلَمَةَ بْنِ ثَابِتِ نِ الْاَنْصَارِيِّ الْاَشْهَلِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُهَيْلِ بْنِ بَيْضَآءَ الْقُرَشِيِّ الْفِهْرِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُوَيْدِبْنِ مَخْشِيِّ الطَّآئِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُلَيْطِ بْنِ عَمْرِو نِ الْعَامِرِ الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُلَيْطِ بْنِ قَيْسِ نِ الْاَنْصَارِيِّ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُرَاقَةَ بْنِ كَعْبِ الْاَنْصَارِيِّ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُرَاقَةَ بْنِ عَمْرِو نِ الْاَنْصَارِيِّ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَوَّادِ بْنِ غَزِيَّةَ الْاَنْصَارِيِّ السَّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَعِيْدِبْنِ سُهَيْلِ نِ الْاَنْصَارِيِّ الْاَشْهَلِيِّ وَبِسَيِّدِنَا شَمَّاسِ بْنِ عُثْمَانَ الْمَخْزُوْمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا شُجَاعِ بْنِ اَبِيْ وَهْبِ نِ الْاَسَدِيِّ حَلِيْفِ عَبْدِ شَمْسٍ وَبِسَيِّدِنَا هَانِيءِ بْنِ نِيَارِ نِ الْاَسَدِيِّ وَبِسَيِّدِنَا هِلَالِ بْنِ الْمُعَلَّى الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا هِلَالِ بْنِ خَوْلِيِّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا هُمَامِ بْنِ الْحَارِثِ وَبِسَيِّدِنَا وَهْبِ بْنِ اَبِيْ شَرْحِ نِ الْفِهْرِ نِ الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا وَدِيْعَةَ بْنِ عَمْرِو نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا يَزِيْدِبْنِ الْحَارِثِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا يَزِيْدِبْنِ ثَابِتِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِي الْحَمْرَآءِ مَوْلٰى آلِ عَفْرَاءَ وَبِسَيِّدِنَا اَبِي الْخَالِدِ الْحَارِثِ بْنِ قَيْسِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ خُذَيْمَةَ بْنِ اَوْسِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سُلَيْمِ اَبِيْ كَبْشَةَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَوْسِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ مُلَيْلِ نِ الضَّبْعِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِي الْمُنْذِرِ ابْنِ يَزِيْدَبْنِ عَامِرِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ نَمْلَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ الْفِهْرِيِّ الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ عَيْشِ نِ الْحَارِثِيِّ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا يَزِيْدِ بْنِ الْاَخْنَسِ السَّلَمِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ اُسَيْدِ نِ السَّاعِدِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ اِسْرَآئِيْلَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِي الْاَعْوَرِ بْنِ الْحَارِثِ الْاَنْصَارِيِّ النَّجَّارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَعْدِ بْنِ سُهَيْلِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سَعْدِ بْنِ خَوْلَةَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ وَبِسَيِّدِنَا سَعْدِبْنِ خَوْلِيِّ مَوْلٰى حَاطِبِ بْنِ اَبِيْ بَلْتَعَةَ وَبِسَيِّدِنَا سَالِمٍ مَوْلٰى اَبِيْ حُذَيْفَةَ وَبِسَيِّدِنَا سَلَمَةَ بْنِ حَاطِبِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ مُرْثَدِ نِ الْغَنَوِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ مَسْعُوْدِ نِ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ فُضَالَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَمَّارِ بْنِ يَاسِرِ نِ الْمُهَاجِرِيِّ بِسَيِّدِنَا طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا اَبِيْ فُضَالَةَ الْاَنْصَارِيِّ وَبِسَيِّدِنَا عَمَّارِ بْنِ يَاسِرِ نِ الْمُهَاجِرِيِّ وَبِسَيِّدِنَا طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ الْقُرَشِيِّ وَبِسَيِّدِنَا سِمَاكِ بْنِ سَعْدِ نِ الْخَزْرَجِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَدَعْ لَنَا ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا دَيْنًا اِلَّا قَضَيْتَهٗ وَلَا حَاجَةً مِنْ حَوَآئِجِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

بَابُ ذِكْرِ الْيَمَنِ وَالشَّامِ وَذِكْرِ اُوَيْسِ الْقَرَنِيِّ

یمن اور شام اور اویس قرنی کے ذکر کا باب

"یمن" ان شہروں اور بستیوں کو کہتے تھے جن کا محل وقوع خانہ کعبہ کے دائیں سمت پڑتا تھا، اب یہ ایک مشہور تاریخی ملک کی حیثیت

سے جانا جاتا ہے جو جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مغربی گوشہ پر واقع ہے۔ گو موجود عہد میں یمن ان تمام خطوں پر مشتمل نہیں ہے، جن پر عہد سابق میں مشتمل تھا، تاہم اس وقت کے مرکزی اور بڑے حصے اب بھی یمن ہی میں شامل ہیں۔ جو چیز یا جو شخص یمن کی طرف منسوب ہو اس کو "یمنی" بھی کہتے ہیں، "یمان" بھی کہتے ہیں اور "یمانی" بھی، بعض حضرات اس لفظ (یمانی) کو ی کی تشدید کے ساتھ "یمانّی" بھی بیان کرتے ہیں۔

"شام" ان شہروں اور بستیوں کو کہا جاتا تھا جن کا محل وقوع خانہ کعبہ کے بائیں سمت پڑتا تھا کیونکہ عربی میں شام بائیں جانب کو کہتے ہیں جیسا کہ دائیں طرف کو یمین یا ایمن کہا جاتا ہے، شام اور مشام کا لفظ ہمزہ کے ساتھ بھی آتا ہے اور ہمزہ کے بغیر بھی، شام اب بھی ایک مشہور ملک کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔

"قرن" (ق اور ر کے زبر کے ساتھ) ایک بستی کا نام ہے جو یمن میں واقع ہے، یہ بستی ایک شخص قرن بن رومان بن نامیہ بن مراد کے نام منسوب تھی، جو حضرت اویس قرنی کے اجداد میں سے تھا۔ ایک قرن اور ہے (جس کو اب قرن المنازل کہا جاتا ہے) لیکن یہ "قرن" ر کے جزم کے ساتھ "قرن" ہے، یہ دراصل ایک پہاڑی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے تقریباً بیس تیس میل کے فاصلے پر مشرقی جانب نجد جانے والے راستہ پر واقع ہے۔ اہل نجد کی میقات یہی قرن ہے، جوہری نے جو اس "قرن" کو ر کے زبر کے ساتھ لکھا ہے اور حضرت اویس قرنیؒ کو اسی قرن کی طرف منسوب کیا ہے وہ ان کی غلط فہمی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حضرت اویس قرنیؒ کی فضیلت

① عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَجُلاً یَّاْتِیْکُمْ مِنَ الْیَمَنِ یُقَالُ لَہٗ اُوَیْسٌ لَا یَدَعُ بِالْیَمَنِ غَیْرَ اُمٍّ لَہٗ قَدْ کَانَ بِہٖ بَیَاضٌ فَدَعَا اللّٰہَ فَاَذْھَبَہٗ اِلَّا مَوْضِعَ الدِّیْنَارِ اَوِ الدِّرْھَمِ فَمَنْ لَقِیَہٗ مِنْکُمْ فَلْیَسْتَغْفِرْ لَکُمْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ خَیْرَ التَّابِعِیْنَ رَجُلٌ یُّقَالُ لَہٗ اُوَیْسٌ وَّلَہٗ وَالِدَۃٌ وَّکَانَ بِہٖ بَیَاضٌ فَمُرُوْہُ فَلْیَسْتَغْفِرْ لَکُمْ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ایک شخص یمن سے تمہارے پاس آئے گا جس کا نام اویس ہوگا، وہ یمن میں اپنی ماں کے سوا کسی کو نہیں چھوڑے گا، اس کے بدن میں سفیدی (یعنی برص کی بیماری) تھی۔ اس نے اللہ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بدن سے سفیدی کو ختم کر دیا ہاں صرف ایک درہم یا ایک دینار کے بقدر سفیدی باقی رہ گئی ہے۔ پس تم میں سے جو شخص اس (اویس) سے ملے اس کو چاہئے کہ اس سے اپنے لئے مغفرت کی دعا کرائے، ایک اور روایت میں یوں ہے کہ (حضرت عمرؓ نے بیان کیا کہ) میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، تابعین میں بہتر شخص وہ ہے جس کا نام اویسؒ ہے اس کی ایک ماں ہوگی اور اس کے بدن پر برص کا نشان ہے، پس تم اس سے اپنے لئے دعائے مغفرت کرانا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "وہ یمن میں اپنی ماں کے سوا" ان الفاظ سے آنحضرت ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ اہل و عیال میں سے صرف ایک ماں کے علاوہ اور کوئی یمن میں اس کا نہیں ہے اور اسی ماں کی خدمت و خبر گیری نے اس کو یمن سے چل کر یہاں میری زیارت و ملاقات کے لئے آنے سے باز رکھا ہے۔ اگر اس کو اپنی ماں کی تنہائی اور بے کسی کا فکر نہ ہوتا تو وہ ضرور میری خدمت میں حاضر ہوتا اور میری زیارت و صحبت کا شرف حاصل کرتا۔

"ایک درہم یا ایک دینار کے بقدر" یہاں راوی کو شک ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک درہم کے بقدر فرمایا تھا یا ایک دینار کے بقدر کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے، بہر حال دعا کے نتیجہ میں برص کا ختم ہو جانا اور ایک درہم یا ایک دینار کے بقدر معمولی سا نشان باقی رہ

جانا شاید قدرت کی اس مصلحت کے تحت ہو گا کہ اس مرض کی کچھ نہ کچھ علامت باقی رہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا بہشتی لباس سفیدی اور چمک میں ناخون کی طرح تھا جو کبھی میلا نہیں ہوتا تھا پھر دنیا میں آنے کے بعد ان میں بھی اور نسل میں بھی اسی لباس کا ذرا سا نشان ناخون کی صورت میں باقی رہ گیا، اور یا اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم پر برص کا وہ تھوڑا سا نشان اس مصلحت سے باقی رہنے دیا ہو کہ وہ شرم کے مارے لوگوں میں خلط ملط رکھنے سے باز رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اویس قرنیؒ گوشہ نشینی اور گمنامی کو اختیار کئے ہوئے تھے، لوگوں کے درمیان خلط ملط رکھنے اور شہرت کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ خود انہوں نے دعا کی تھی کہ پروردگارا میرے جسم پر اس مرض کا تھوڑا سا نشان باقی رکھئے تاکہ اس کو دیکھ کر میں تیری اس نعمت کو یاد رکھوں اور اس کا شکر ادا کرتا رہوں کہ تو نے مجھے اس برے مرض سے نجات عطا فرمائی "تابعین میں سے بہترین شخص" حضرت اویسؒ کو آنحضرت ﷺ نے بہترین تابعی اس اعتبار سے فرمایا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے اور عذر شرعی نے ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے باز رکھا تھا ظاہر ہے کہ ان الفاظ میں حضرت اویسؒ کی مدح و تعریف ہے نیز اس ارشاد رسالت سے معلوم ہوا کہ اہل خیر و صلاح سے دعائے مغفرت کی درخواست کرنی چاہئے اگرچہ درخواست کرنے والا ان اہل خیر و صلاح سے افضل ہو۔

اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ تعریفی الفاظ حضرت اویس قرنیؒ کا دل خوش کرنے کے لئے ارشاد فرمائے تھے اور اس کا مقصد ان لوگوں کے واہمہ کا دفیعہ تھا جو شاید یہ سمجھ بیٹھے کہ اویسؒ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے اور شرف زیارت و صحبت حاصل کرنے سے قصداً اعراض کر رہا ہے۔ حالانکہ خدمت رسالت میں ان کے حاضر نہ ہونے کی وجہ ماں کی دل داری اور ماں کی خدمت و خبرگیری کا عذر شرعی تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تابعین میں سب سے بہتر حضرت اویس قرنیؒ ہیں جب کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے کہ تابعین میں سب سے بہتر اور افضل سعید بن مسیبؒ ہیں، لیکن ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ حضرت سعید بن مسیبؒ تو علوم دین اور احکام شرائع کی معرفت سب سے زیادہ رکھنے کے سبب تابعین میں افضل ہیں اور اللہ کے نزدیک ثواب کی کثرت کے اعتبار سے حضرت اویس قرنیؒ تابعین میں افضل ہیں اور قاموس میں جو یہ لکھا ہے کہ اویس بن عامر قرنیؒ سادات تابعین میں سے ہیں، تو ہو سکتا ہے کہ حدیث کے الفاظ بھی اسی معنی پر محمول ہیں۔

حضرت اویس قرنیؒ کی شان میں جو اور آثار و اخبار منقول ہیں اور جن کو سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع الجوامع میں ذکر کیا ہے، ان کا ترجمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

سیوطیؒ کہتے ہیں کہ اسیر بن جابرؒ نے بیان کیا، جب تک حضرت اویسؒ قرنی، حضرت عمر فاروقؓ کے پاس نہیں پہنچے تھے، وہ (عمر فاروقؓ) یمن سے آنے والے ہر اسلامی لشکر اور قافلے سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا تمہارے ہاں کوئی شخص اویس بن عامر ہے، اور جب حضرت اویسؒ دربار فاروقی میں پہنچے تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا! کیا تم اویس بن عامر ہو؟ وہ بولے: ہاں میں اویس بن عامر ہوں! پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا تم قبیلہ مراد سے تعلق رکھتے ہو اور قرنی ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا تم کو برص کا مرض لاحق تھا اور پھر تم اچھے ہو گئے سوائے ایک درہم کے بقدر نشان کے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا تمہاری ایک ماں ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! تب حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا! میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمہارے پاس ایک شخص اویس بن عامرؒ اہل یمن کے اسلامی لشکر اور قافلے کے ساتھ آئے گا جو قبیلہ مراد سے تعلق رکھتا ہو گا اور قرن کا ہو گا، اس کو برص کا مرض لاحق تھا جو اب جاتا رہا ہے مگر ایک درہم کے بقدر نشان باقی رہ گیا ہے، اس کی ایک ماں ہے جن کی خدمت و خبر گیری میں مصروف ہے۔ (ان کی شان یہ ہے کہ) اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر کسی بات پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم سچی کرتا ہے، اگر تم

سے ہوسکے اس سے دعاء مغفرت کی درخواست کرنا۔ پس اے اویسؒ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے لئے دعاء مغفرت کرو۔ (یہ سن کر) حضرت اویسؒ بولے: امیرالمؤمنین! یہ آپ کیا فرمارہے ہیں مجھ جیسا آدمی آپ کے لئے دعاء مغفرت کرے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: یقیناً تمہیں میرے لئے دعا مغفرت کرنی ہے۔ تب حضرت اویس قرنیؒ نے فاروق اعظم کے لئے دعاء مغفرت کی۔ پھر فاروق اعظمؓ نے پوچھا کہ: اویس! اب بتاؤ کہاں جانا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں کوفہ جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا تمہارے بارہ میں کوفہ کے حاکم کو کچھ لکھ دوں؟ حضرت اویسؒ بولے بس مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیجئے، میں لوگوں سے دور اور درماندہ بنا ہی اپنے لئے زیادہ اچھا سمجھتا ہوں اور یہ کہہ کر وہاں سے چل دیئے۔ اگلے سال (کوفہ سے) ایک یمنی معزز شخص حج کے لئے آیا اور حضرت عمرؓ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو حضرت عمرؓ نے اس سے حضرت اویسؒ کے بارے میں پوچھا کہ کس حال میں ہیں؟ اس شخص نے بتایا کہ میں نے ان کو بہت پھٹے پرانے کپڑوں اور بے سروسامانی کی حالت میں چھوڑا ہے، حضرت عمرؓ نے اس کے سامنے آنحضرت ﷺ کی مذکورہ حدیث پڑھی۔ چنانچہ وہ شخص جب واپس حضرت اویسؒ کے پاس پہنچا تو ان سے دعائے مغفرت کی درخواست کی حضرت اویسؒ نے اس سے کہا کہ تم بھی میرے لئے دعاء مغفرت کرو کیونکہ تم نیک سفر سے واپس آئے ہو، اس شخص نے پھر کہا کہ آپ میرے لئے دعاء مغفرت کیجئے اور اس کے ساتھ اس نے حضرت عمرؓ کی روایت کردہ حدیث ان کے سامنے پڑھی، تب حضرت اویسؒ نے اس کے لئے دعائے مغفرت کی، اس کے بعد جب لوگوں کو حضرت اویسؒ کا مقام معلوم ہوا اور ان کی حقیقت حال کا چرچا ہوا تو وہاں سے چلے گئے۔

ایک اور روایت میں یوں ہے: اسیر بن جابرؓ نے بیان کیا کہ کوفہ میں ایک محدث تھے جو ہمارے سامنے احادیث بیان کرتے تھے، جب وہ حدیثیں بیان کرکے فارغ ہوتے تو لوگ منتشر ہوجاتے تھے مگر چند آدمی اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے تھے اور ان میں ایک ایسا شخص بھی تھا جو بڑی عجیب وغریب باتیں کرتا تھا ویسی باتیں مجھ کو کسی کی زبان سے سننے کا موقع نہیں ملا تھا، چنانچہ میں اس کے پاس بھی جاکر بیٹھ جایا کرتا تھا، ایک دن میں نے اس شخص کو اس کی جگہ پر نہیں پایا تو اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص اس آدمی کو بھی جانتا ہے جو یہاں ہمارے ساتھ بیٹھا کرتا تھا اور بڑی عجیب وغریب باتیں کیا کرتا تھا، ایک شخص بولا کہ ہاں میں اس آدمی کو جانتا ہوں، وہ اویس قرنیؒ ہیں، میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم ان کی قیام گاہ جانتے ہو؟ وہ بولا کہ ہاں جانتا ہوں چنانچہ میں اس شخص کے ساتھ ہولیا اور اویس قرنیؒ کے حجرہ پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ باہر نکلے تو میں نے پوچھا کہ میرے بھائی! ہمارے درمیان موجود رہنے سے کس چیز نے تمہیں باز رکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا عریانیت نے، یعنی میرے پاس اتنے کپڑے نہیں ہیں جس سے اپنے جسم اور ستر کو پوری طرح چھپائے رکھوں اور اسی وجہ سے تم لوگوں کے درمیان آنے سے بچ رہا ہوں، یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے ہموطن اور ان کے اردگرد کے لوگ ان کی خستہ حالی کو دیکھ کر ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور ان کو ستانے سے بھی باز نہیں رہتے تھے۔ بہرحال میں نے اپنی ایک چادر ان کو پیش کی اور کہا کہ لیجئے یہ چادر اوڑھ لیجئے، انہوں نے کہا کہ نہیں تم یہ چادر مجھ کو مت دو اور جب لوگ میرے جسم پر اس چادر کو دیکھیں گے تو میرا مذاق اڑائیں گے اور مجھ کو ستائیں گے، تاہم میں نے جب بہت اصرار کیا تو انہوں نے وہ چادر لے کر اوڑھ لی اور پھر اپنے حجرہ سے نکل کر لوگوں کے درمیان باہر آئے، لوگوں نے ان کو چادر میں دیکھا تو کہنا شروع کیا کہ میاں کس کو دھوکہ دے دیا، کس سے یہ چادر ہتھیالی ہے۔ حضرت اویسؒ نے یہ سن کر مجھ سے کہا کہ تم دیکھ رہے ہو، لوگ کیا کہہ رہے ہیں اسی خوف سے میں یہ چادر نہیں لے رہا تھا، میں نے ان لوگوں کو ڈانٹا کہ آخر تم اس درویش سے کیا چاہتے ہو کاہے کو اس کو ستا رہے ہو یہ بھی ایک انسان ہے جو کبھی بے لباس رہنے پر مجبور ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ دیتا ہے تو لباس میں نظر آنے لگتا ہے، غرضیکہ میں نے ان لوگوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر ہٹا دیا، پھر ایسا اتفاق ہوا کہ کچھ دنوں بعد کوفہ سے چند لوگ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں ایک وہ شخص بھی تھا جو حضرت اویسؒ قرنی کا مذاق اڑایا کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے دوران گفتگو ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کا تعلق قرن سے ہو، ان لوگوں نے اس شخص

کو آگے کر دیا جو حضرت اویسؒ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے پہلے تو اس کے سامنے وہ حدیث پڑھی جو آنحضرت ﷺ نے حضرت اویسؒ کی شان میں فرمائی تھی اور پھر اس شخص سے بولے کہ میں نے سنا ہے کہ وہ یمنی شخص (یعنی اویسؒ) کوفہ میں تم لوگوں کے ہاں پہنچا ہوا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ ہمارے تو ایسا شخص کوئی نہیں ہے اور نہ ہم کسی ایسے شخص کو پہچانتے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں ہو گا لیکن وہ شخص تمہارے ہی ہاں ہے اور پھر اس کی علامت بتلائی کہ وہ اس طرح خراب وخستہ حال ہے تب اس شخص نے کہا کہ ہاں ایک شخص ہمارے ہاں ہے، اس کا نام اویسؒ ہے اور ہم اس کا مذاق بھی اڑایا کرتے ہیں حضرت عمرؓ نے اس شخص سے فرمایا: اب تم کوفہ جاؤ تو اس شخص سے ضرور ملنا (اور اپنی گستاخیوں وبے ادبیوں کی معافی چاہ کر اس سے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا) اگرچہ مجھ کو شبہ ہے کہ اب تم اس کو پاؤ گے بھی یا نہیں، بہرحال وہ شخص کوفہ روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر اپنے گھر والوں کے پاس بعد میں گیا، پہلے حضرت اویس قرنیؒ کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت اویسؒ نے اس شخص کو دیکھا تو بولے میرے تئیں تمہارے رویہ میں یہ تبدیلی کیسی؟ اس شخص نے کہا میں نے آپ کی تعریف امیر المؤمنین سے سنی ہے، آپ کے بارہ میں انہوں نے مجھ کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ للہ! آپ مجھ کو معاف فرما دیجئے، مذاق اڑانے گستاخی کرنے والے اور بے ادبی کے ساتھ پیش آنے کی صورت میں میں نے آپ کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے اس سے درگزر فرمایئے، اور میرے لئے دعائے مغفرت کیجئے۔ حضرت اویسؒ نے اس سے کہا کہ میں تمہارے لئے دعائے مغفرت کئے دیتا ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ تم نے میرے بارہ میں امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے جو کچھ سنا ہے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گے، اس کے بعد انہوں نے دعائے مغفرت کی۔

اسیر ابن جابرؓ جو اس کے راوی ہیں بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت اویسؒ کا مقام کوفہ والوں کو معلوم ہوا۔

ایک اور روایت میں حضرت یحیٰی بن سعید المسیبؒ سے اور وہ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بیان کیا: ایک دن رسول کریم ﷺ نے مجھ کو آواز دی کہ اے عمرؓ! میں بولا، یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں، جو حکم ہو بجالانے کو تیار ہوں، حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جب مجھ کو آواز دی تو میں نے گمان کیا کہ آپ ﷺ کسی کام سے مجھ کو کہیں بھیجیں گے، لیکن پھر آپ ﷺ نے مجھ سے یوں فرمایا: اے عمرؓ! میرے اُمت میں ایک شخص ہو گا جس کو اویس کہا جائے گا، اس کے بدن کو ایک بلا یعنی برص کی بیماری لاحق ہو گی، وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی اس بیماری کو دور کر دے گا مگر اس کا کچھ داغ اس کے پہلو پر باقی رہ جائے گا تم اس کو دیکھو گے تو تمہیں عزوجل یاد آجائے گا۔ جب تم اس سے ملنا تو اس کو میرا سلام پہنچانا اور اس سے اپنے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا کیونکہ وہ اپنے پروردگار کے ہاں ایسا معزز اور ایسا بزرگ ہے کہ اگر اللہ کے بھروسہ پر کسی بات پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم سچی کرے وہ اللہ تعالیٰ سے اتنے زیادہ لوگوں کی شفاعت کرے گا جتنے ربیعہ اور مضر جیسے کثیر القوم قبیلوں میں بھی افراد نہیں ہیں حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ یہ ارشاد رسالت سننے کے بعد میں نے اس شخص کی تلاش آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی کی مگر اس شخص کو نہیں پا سکا، پھر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں بھی اس شخص کی ٹوہ میں رہا، مگر اس تک نہیں پہنچ سکا اور پھر جب میرا عہد امارت وخلافت آیا تو میں اور زیادہ تلاش وجستجو میں لگ گیا یہاں تک کہ مختلف شہروں اور علاقوں سے جو بھی قافلے آتے تو میں ہر ایک سے یہی سوال کرتا کہ کیا تم میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جس کا نام اویسؒ ہو، قبیلہ مراد سے تعلق رکھتا ہو اور قرن کا ہو، اسی تلاش وجستجو کے دوران قرن سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ امیر المؤمنین آپ جس شخص کو پوچھتے ہیں وہ میرے چچا کا بیٹا ہے لیکن وہ تو نہایت خستہ حال کم رتبہ اور بے حیثیت شخص ہے، بھلا وہ اس درجہ کا کب ہے کہ آپ جیسی ہستی عظیم اس کا حال دریافت کرے۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ مجھ کو ایسا لگ رہا ہے کہ تو اس آدمی کی شان میں ایسے حقارت آمیز الفاظ استعمال کر کے ان لوگوں میں سے ہے جو اس کے تئیں گستاخانہ رویہ اختیار کرنے کے سبب ہلاکت میں پڑنے والے ہیں۔ میں اس شخص سے یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک اونٹ آتا دکھائی دیا جس پر ایک بوسیدہ پالان بندھا ہوا تھا اور اس پالان میں ایک ایسا شخص بیٹھا ہوا تھا جس نے پھٹے

پرانے کپڑوں سے اپنے جسم کا کچھ حصہ ڈھک رکھا تھا، اس کو دیکھتے ہی میرے دل میں آیا کہ یہی شخص اویس ؒ ہے، پھر میں اس کی طرف لپکا اور اس سے پوچھا بندۂ خدا! کیا تم وہی اویس قرنی ہو؟ اس شخص نے جواب دیا، ہاں! میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے تمہیں سلام کہا تھا: وہ شخص بولا: علی رسول اللہ السلام وعلیک یا امیر المؤمنین، اس کے بعد میں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم ہے کہ تم میرے لئے دعائے مغفرت کرو۔ اس کے بعد میرا معمول ہو گیا کہ ہر سال حج کے موقع پر اویس ؒ سے ملاقات کرتا، اپنے احوال و اسرار ان سے بیان کرتا اور وہ اپنے حال و اسرار مجھ سے بیان کرتے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت حسن بصری ؒ نے بیان کیا: جب حج کے دنوں میں قرن کے لوگ آئے تو امیر المؤمنین عمرؓ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے ہاں کوئی شخص اویس ؒ نامی ہے، ان میں سے ایک شخص بولا کہ امیر المؤمنین، بھلا اس شخص سے آپ کا کیا واسطہ؟ وہ تو ایک ایسا شخص ہے جو کھنڈرات میں پڑا رہتا ہے اور لوگوں کے درمیان آنے جانے سے اجتناب کرتا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: جب تم واپس جاؤ تو اس کو میرا سلام پہنچانا اور اس سے کہنا کہ مجھ سے ملاقات کرے۔ اس شخص نے واپس جا کر حضرت عمرؓ کا پیغام پہنچا دیا اور حضرت اویس ؒ امیر المؤمنین! حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا اویس تم ہی ہو؟ وہ بولے: ہاں: اے امیر المؤمنین! حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا تمہارے بدن پر سفیدی تھی اور تم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس سفیدی کو تمہارے بدن سے دور کر دیا تھا اور پھر تم نے یہ دعا کی تھی کہ اس سفیدی کا کچھ نشان باقی رہے؟ اویس ؒ بولے ہاں: لیکن اے امیر المؤمنین یہ سب کچھ آپ کو کس نے بتایا؟ حضرت عمرؓ نے کہا: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا تھا اور مجھ کو حکم دیا تھا کہ میں تم سے اپنے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کروں، چنانچہ حضرت اویس ؒ نے حضرت عمرؓ کے لئے مغفرت کی دعا کی اور پھر بولے کہ اے امیر المؤمنین! آپ سے بس اتنا چاہتا ہوں کہ آپ میری شخصیت اور میرے احوال کو پوشیدہ رکھیں، اور مجھ کو یہاں سے واپس جانے کی اجازت عطا فرمائیں، چنانچہ حضرت اویس ؒ نے ہمیشہ اپنے آپ کو چھپائے رکھا تا آنکہ جنگ نہاوند میں شہید ہوئے۔

ایک روایت میں سعید بن مسیب ؒ نے اس طرح بیان کیا کہ (ایک سال حج کے موقعہ پر) امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے منیٰ میں منبر پر کھڑے ہوئے آواز دی: اے اہل قرن! معمر قرنی لوگ اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے: ہم حاضر ہیں اے امیر المؤمنین! کیا حکم ہے امیر المؤمنین عمرؓ نے پوچھا: کیا قرن میں کوئی ایسا شخص ہے جس کا نام اویس ہے؟ ان میں سے ایک معمر شخص نے جواب دیا، ہم لوگوں کے درمیان رہنے والا کوئی شخص اس نام کا نہیں ہے، ہاں ایک دیوانہ صفت شخص کا نام اویس ضرور ہے جو جنگلوں میں رہتا ہے نہ کوئی اس کے ساتھ الفت و موانست رکھتا ہے اور نہ خود وہ کسی کے ساتھ صحبت و اختلاط کا روادار ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا، بس وہی شخص میرا مطلوب ہے، جب تم قرن واپس جاؤ تو اس شخص کو تلاش کر کے میرا سلام اس کو پہنچا دینا اور کہنا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو تمہارے تئیں خوشخبری دی ہے اور مجھ کو حکم دیا تھا کہ میں تم تک رسول اللہ ﷺ کا سلام پہنچاؤں، چنانچہ جب وہ لوگ قرن پہنچے تو اویس ؒ کو تلاش کیا، وہ ریگستانوں میں پڑے ہوئے پائے گئے، ان لوگوں نے ان کو حضرت عمرؓ کا سلام اور ان کے واسطہ سے رسول اللہ ﷺ کا سلام پہنچا دیا، حضرت اویس ؒ بولے: امیر المؤمنین نے تو میرا چرچا کر دیا اور میرے نام کو شہرت دے دی۔ السلام علی رسول اللہ ﷺ وعلی آلہ اور یہ کہہ کر لق و دق جنگل میں جا گھسے اور مدتوں کسی نے ان کا نام و نشان نہیں پایا یہاں تک کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں پھر نمودار ہوئے اور ان کی طرف سے لڑتے ہوئے جنگ صفین میں شہید ہو گئے۔

صعصہ بن معویہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرح ہے کہ انہوں نے بیان کیا اہل کوفہ کا کوئی بھی قافلہ جب حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آتا تو وہ اس سے پوچھتے کہ کیا تم لوگ اویس بن عامر قرنی ؒ کو جانتے ہو، اہل قافلہ جواب دیتے! ہم میں سے کوئی اس نام کے شخص کو نہیں جانتا اور حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ میں حضرت اویس ؒ کوفہ کی ایک مسجد میں پڑے رہتے تھے وہاں سے نہ باہر نکلتے تھے اور نہ کسی سے کچھ تعارف رکھتے تھے، ان کا ایک چچا زاد بھائی تھا جو ان کو ستایا کرتا تھا۔ اتفاق کی بات کہ کوفہ کے ایک قافلہ میں وہ بھی شریک ہو کر

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کے ہاں پہنچا تو حضرت عمر فاروقؓ نے حسب معمول اہل قافلہ سے سوال کیا! کیا تم لوگ حضرت اویس بن عامر قرنیؒ کو جانتے ہو؟ یہ سوال سن کر حضرت اویسؒ کا وہی چچازاد بھائی اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا۔ یا امیرالمؤمنین! اویسؒ اس درجہ کا آدمی نہیں ہے کہ آپ اس کے بارہ میں پوچھیں اور اس کا تعارف حاصل کریں، وہ تو نہایت کمتر اور بے حیثیت انسان ہے اگرچہ وہ میرا چچازاد بھائی ہے حضرت عمرؓ نے اس شخص کی زبان سے یہ تحقیری کلمات سنے تو فرمایا: تجھ پر افسوس۔ تو نے اویسؒ کے بارہ میں ایسے الفاظ استعمال کر کے اپنی ہلاکت مول لے لی ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے وہ حدیث پڑھی جو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے حضرت اویسؒ کی شان میں سنی تھی، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس شخص سے فرمایا کہ جب تم واپس پہنچو تو اویسؒ کو میرا سلام کہنا، اس واقعہ کے بعد حضرت اویسؒ کی شخصیت مشہور ہو گئی لیکن وہ عام نظروں سے پوشیدہ ہو گئے۔

اس سلسلہ میں ایک روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے، انہوں نے بیان کیا کہ پہلے تو دس سال تک حضرت عمر فاروقؓ نے اویس قرنیؒ کے بارہ میں کوئی تلاش و جستجو نہیں کی، پھر انہوں نے ایک سال حج کے دوران اہل یمن کو آواز دے کر کہا کہ تم میں جو لوگ قبیلہ مراد سے تعلق رکھتے ہوں وہ کھڑے ہو جائیں چنانچہ قبیلہ مراد کے لوگ کھڑے ہو گئے اور باقی لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے، حضرت عمرؓ نے ان (قبیلہ مراد کے لوگوں) سے پوچھا! کیا تم میں کوئی شخص اویسؒ نام کا ہے؟ یہ سن کر ایک شخص بولا کہ اے امیرالمؤمنین! ہمیں نہیں معلوم آپ کس اویس کو پوچھ رہے ہیں، ہاں میرا ایک بھتیجا ہے جس کو لوگ اویس اویس کہہ کر پکارتے ہیں اور وہ اس درجہ کا پست و بے حیثیت انسان ہے کہ آپ جیسی ہستی کو اس سے کیا سروکار ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا وہ حدود حرم میں موجود ہے؟ اس نے کہا ہاں، میدان عرفات سے متصل اراک کی جھاڑیوں میں لوگوں کے اونٹ چرا رہا ہے (گویا حضرت اویسؒ اپنی شخصیت چھپانے کے لئے لوگوں کے اونٹ چرا رہے تھے تاکہ ایک چرواہے سے زیادہ کوئی اہمیت ان کو نہ دی جائے) حضرت عمرؓ نے یہ سنا تو حضرت علیؓ کو اپنے ساتھ لیا اور دونوں ایک گدھے پر سوار ہو کر اراک کی طرف روانہ ہو گئے، وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اویسؒ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اور اپنی نظریں سجدہ گاہ پر گاڑے ہوئے ہیں ان کو اس حالت میں دیکھ کر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے آپس میں کہا کہ جس شخص کی تلاش میں ہم لوگ ہیں ہو نہ ہو یہ وہی شخص ہے، حضرت اویسؒ کے کانوں میں جب ان دونوں کی آہٹ پڑی تو انہوں نے نماز کو مختصر کر دیا اور فارغ ہو کر ان کی طرف متوجہ ہوئے ان دونوں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے دونوں کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا: علیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ پھر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے پوچھا: برادرم! تمہارا نام کیا ہے اللہ کی رحمت و سلامتی نازل ہو تم پر! اویسؒ بولے میں عبداللہ ہوں۔ سیدنا علی مرتضیٰؓ نے کہا، ہمیں معلوم ہے، آسمانوں میں اور زمین پر جو بھی متنفس ہے، وہ عبداللہ ہے۔ میں تم کو پروردگار کعبہ اور پروردگار حرم کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، تمہارا وہ نام کیا ہے جو تمہاری ماں نے رکھا ہے۔ حضرت اویسؒ نے کہا: تم لوگ مجھ سے آخر چاہتے کیا ہو، میرا نام اویسؒ بن مراد ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے کہا: ذرا اپنا بایاں پہلو کھول کر دکھاؤ، حضرت اویسؒ نے اپنا بایاں پہلو کھول دیا۔ ان دونوں نے دیکھا کہ اس جگہ ایک درہم کے بقدر سفیدی کا نشان موجود ہے۔ دونوں تیزی کے ساتھ اویسؒ کی طرف لپکے تاکہ اس شان کو بوسہ دیں، اور بولے کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم آپ ﷺ کا سلام تمہیں پہنچائیں اور یہ کہ تم سے اپنے لئے دعاء مغفرت کی درخواست کریں۔ حضرت اویسؒ نے کہا: میں تو مشرق و مغرب کے ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے دعاگو ہوں۔ ان دونوں حضرات نے فرمایا: ہم خاص طور پر اپنے لئے دعائے مغفرت کے طلب گار ہیں۔ چنانچہ حضرت اویسؒ نے بالخصوص ان دونوں کے لئے اور بالعموم تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعائے مغفرت کی، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا، میں اپنی جیب خاص سے یا (بیت المال کے) اپنے عطیہ سے تمہیں کچھ پیش کرنا چاہتا ہوں حضرت اویسؒ بولے: یہ پھٹے پرانے کپڑے میرے پاس ہیں میری دونوں پاپوشیں گانٹھ دی گئی ہیں، چار درہم بھی میرے پاس ہیں جب یہ اثاثہ ختم ہو جائے گا تو آپ کا عطیہ قبول کر لوں گا اور انسان کی بات تو یہ ہے کہ جو کوئی ہفتہ بھر کے لئے آرزو کرتا ہے اس کی آرزو مہینہ بھر تک کے لئے

دراز ہوجاتی ہے اور جو کوئی مہینہ بھر کے لئے آرزو کرتا ہے اس کی آرزو سال سال بھر تک کے لئے دراز ہوجاتی ہے (یعنی انسان اگر قناعت کا دامن چھوڑ دے تو پھر اس کی آرزوئیں اور حرصیں بڑھتی چلی جاتی ہیں) اس کے بعد حضرت اویسؒ نے اونٹوں کو ان کے مالکوں کے حوالے کیا اور خود وہاں سے ایسے روپوش ہوئے کہ پھر کبھی نہیں دیکھے گئے۔

اہل یمن کی فضیلت

② وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَاكُمْ اَهْلُ الْيَمَنِ هُوَ اَرَقُّ اَفْئِدَةً وَّاَلْيَنُ قُلُوْبًا اَلْاِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِيْ اَصْحَابِ الْاِبِلِ وَالسَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ فِيْ اَهْلِ الْغَنَمِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ (جب یمن سے ابوموسیٰ اشعریؓ اور ان کی قوم کے لوگ خدمت رسالت پناہ میں حاضر ہوئے تو) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس یمن کے لوگ آئے ہیں جو (تمہارے پاس آنے والے اور لوگوں کی بہ نسبت) زیادہ رقیق القلب اور زیادہ نرم دل ہیں ایمان یمن کا ہے اور حکمت بھی یمنی ہے اور فخر (یعنی اپنے مال و منصب وغیرہ کے ذریعہ اپنی بڑائی مارنا) اور تکبر کرنا اونٹ والوں میں ہے، جب کہ اطمینان وتحمل اور وقار بکری والوں میں ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: ارق افئدۃ میں ارق کا لفظ رقۃ سے ہے جس کے معنی نرمی اور رحم و شفقت کے ہیں اور جو قساوت یعنی سنگ دلی و بے رحمی اور غلظت یعنی سختی وکثافت کی ضد ہے۔ افئدۃ جمع ہے فؤاد کی جس کے معنی "دل" کے ہیں۔ بعض حضرات کا تو یہ کہنا ہے کہ فؤاد دل کے باطن کو کہتے ہیں جب کہ بعض حضرات کے نزدیک اس لفظ کا اطلاق ظاہر دل پر ہوتا ہے۔ بہرحال ارق افئدۃ کا مطلب یہ ہے کہ اہل یمن باطن کی حیثیت سے نرمی و شفقت اور رحم و مروت کا مادہ، بہت زیادہ رکھتے ہیں اور الین قلوبا (نرم دل ہیں) کا مطلب یہ ہے کہ وہ اہل یمن بحسب ظاہر کے نصیحت و موعظت کا اثر اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ جلد قبول کر لیتے ہیں، قبول حق کی استعداد اور لوگوں کی بہ نسبت ان کے دل میں زیادہ ہے۔

اور حضرت شیخ عبدالحق دہلوی نے لکھا ہے کہ افئدۃ جمع ہے فؤاد کی جس کے معنی "دل" کے ہیں اور قلوب جمع قلب کی، جو تقلب سے ہے اور جس کے معنی ہیں، پلٹنا یعنی ایک حالت چھوڑ کر دوسری حالت کی طرف آنا، چونکہ اکثر اہل لغت نے فواد اور قلب کا ذکر ایک ہی معنی میں کیا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ حدیث میں ان دونوں کا ذکر تاکید کے لئے ہے۔ واضح ہو کہ یہ حدیث باب وفاۃ النبی کی تیسری فصل میں بھی نقل ہوئی ہے، لیکن وہاں صرف ارق افئدۃ کے الفاظ ہیں الین قلوبا کے الفاظ نہیں ہیں اور اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ معنی کے اعتبار سے یہ دونوں جملے یکساں ہیں، بعض حضرات نے کہا ہے کہ فواد اصل میں دل کے پردہ کو کہتے ہیں، جب یہ پردہ باریک ہوتا ہے تو حق بات اس میں داخل ہوتی ہے اور دل تک پہنچ جاتی ہے اور پھر جب دل نرم ہوتا ہے تو وہ حق بات اس کے اندر بھی داخل ہوجاتی ہے، پس رقت ضد غلظت کی ہے اور "لین" ضد صلابت کی۔ اور یہ دونوں اسلامی دل کی ایک خاص کیفیت و حالت کا نام ہیں، جب انسان کا دل اللہ کی اتاری ہوئی آیتوں اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کے پند و نصائح سے متاثر نہیں ہوتا تو اس کو غلظت و صلابت کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے، اور جب انسان کا دل ان سے متاثر ہوتا ہے تو اس کو رقت اور لین کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے یہاں طیبیؒ کا کہنا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حدیث میں "رقت" سے مراد جودت فہم ہو اور لین سے مراد حق بات کا قبول کرنا ہو۔

"ایمان یمن کا ہے اور ...." یہاں یمانیۃ کا لفظ بعض روایتوں میں یٰ کی تشدید کے ساتھ یمانیّۃ بھی منقول ہے، بہرحال آنحضرت ﷺ نے ایمان و حکمت کو یمن کے ساتھ اس اعتبار سے منسوب فرمایا کہ اس وقت کے دوسرے اہل مشرق کے مقابلے میں یمن کے لوگ سب سے زیادہ کمال ایمان کے ساتھ متصف تھے اور جیسا کہ باب بدء الخلق کی روایت میں گزرا، یہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ہی تھے، جنہوں نے قبول اسلام کے لئے یمنی لوگوں کی سربراہی کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری کے موقع پر

آنحضرت ﷺ سے آفرینش عالم، ابتدائے کائنات اور اس سلسلے کے حکم و اسرار کے بارہ میں سوال کر کے حکمت و دانائی سے یمنی لوگوں کی فطری وابستگی کا اظہار فرمایا اور یہ پھر حکمت و دانائی کا کمال انہی کا طفیل اور انہی کی وراثت تھی جس کا ظہور حضرت ابوالحسن اشعریؒ کی ذات میں ہوا جو اہل سُنّت و الجماعت کے آئمہ میں سے ہیں اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی اولاد میں سے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہاں "حکمت" سے مراد وہ علم ہے جس میں ہر موجود کے احوال و خصائص اور حقیقت و ماہیت سے بحث کی جاتی ہے، تاہم بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہاں "حکمت" سے مراد "رفقہ فی الدین" ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ "حکمت" سے مراد منہ سے صرف ایسی نیک بات نکالنا ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں مفید ہو اور ہلاکت و تباہی سے بچانے والی ہو۔

"اور فخر اور تکبر کرنا اونٹ والوں میں ہے........" اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ حیوانات اور جانوروں کی مخالطت انسان کی طبیعت و سرشت پر اثر انداز ہوتی ہے جو انسان جس جانور کے ساتھ اپنا وقت زیادہ گزارتا ہے اس کے اندر وہ خصلت خود سرایت کر جاتی ہے جو اس جانور کی طبیعت و طینت کا خاصہ ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص اونٹوں کے درمیان رہتا ہے اور اونٹ چرانے کا کام کرتا ہے تو اونٹ کی سرشت میں قساوت و غلظت ہے اس لئے اس شخص کی خو بلاوہ اس کے عادات و اطوار میں بھی قساوت اور غلظت آجاتی ہے، اسی طرح بکری ایسا جانور ہے جس کی طبیعت میں تحمل نرمی اور مسکینی ہوتی ہے، پس جو شخص بکریاں پالتا ہے، بکریوں کے درمیان رہتا ہے اور بکریاں چراتا ہے تو اس کی خو اور اس کے عادات و اطوار میں تحمل نرمی اور مسکینی آجاتی ہے، اسی پر دوسرے جانوروں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے اور بعض حضرات نے یوں لکھا ہے کہ بکریاں پالنے والے اور بکریاں چرانے والے آبادی کے قریب رہتے ہیں اور بستی والوں سے خلط ملط رکھتے ہیں کیونکہ بکریاں پانی کے بغیر صبر نہیں کر سکتیں اور جاڑے وغیرہ کے سخت موسم کو برداشت کرنے کی تاب ان میں نہیں ہوتی۔ اور اس بناء پر وہ آبادی سے دور ویرانوں اور بے آب و گیاہ میدانوں میں نہیں جاتیں جو اس بات کی علامت ہے کہ ان کی سرشت میں نرمی اور مسکینی اور کمزوری شامل ہوتی ہے اور یہ بعض آبادیوں میں اور لوگوں کے درمیان رہنا ایسی چیز ہے جو طبیعت میں نرمی و مروت پیدا کرتی ہے اور اطاعت و فرمانبرداری کی طرف لے جاتی ہے اور اپنے حاکم کی سرکشی سے باز رکھتی ہے، اس کے برخلاف اونٹ ایک ایسا سخت طبیعت جانور ہوتا ہے جو آبادیوں اور بستیوں سے دور میدانوں اور صحراؤں میں زیادہ رہتا ہے اور اسی سبب سے اونٹ والوں کو بھی آبادی سے دور رہنا پڑتا ہے اور لوگوں سے ان کا ملنا جلنا کم ہی ہوتا ہے اور یہ چیز ایسی ہے جو طبیعت میں سختی و درشتی، طغیانی و سرکشی اور حاکم کی اطاعت و فرمانبرداری سے انحراف کا مادہ پیدا کر دیتی ہے۔ اس جملہ کی وضاحت میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اونٹ مالیت کے اعتبار سے بڑا اور قیمتی اثاثہ ہوتا ہے اس کے برخلاف بکری کم قیمت اثاثہ ہوتی ہے: ظاہر ہے جس شخص کے پاس اونٹ ہوں گے وہ اپنے کو زیادہ مالدار سمجھے گا اور یہ چیز اس میں غرور و تکبر پیدا کرنے والی ہوگی اور جس شخص کے پاس بکریاں ہوں گی وہ اپنے کو زیادہ مالدار نہیں سمجھے گا اور یہ چیز اس کے اندر نرمی و قناعت اور مسکینی پیدا ہونے کا باعث بنے گی۔

کفر کی چوٹی مشرق کی طرف ہے

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسُ الْكُفْرِ نَحْوَا الْمَشْرِقِ وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِيْ اَهْلِ الْخَيْلِ وَالْاِبِلِ وَالْفَدَّادِيْنَ اَهْلِ الْوَبَرِ وَالسَّكِيْنَةُ فِيْ اَهْلِ الْغَنَمِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کفر کا سر مشرق کی طرف ہے۔ فخر و تکبر گھوڑے والوں، اور اونٹ والوں اور چلانے والوں میں ہے جو اونٹ کے بالوں کے خیموں میں رہتے ہیں (یعنی وہ لوگ جو آبادیوں میں سے دور جنگلات اور صحراؤں میں رہتے ہیں اور اس طرح کے لوگ اس زمانہ میں زیادہ تر اونٹ کے بالوں سے بنے ہوئے خیموں میں رہتے تھے) اور نرمی و مسکینی بکری والوں میں ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "کفر کی چوٹی" سے مراد "بڑا کفر" ہے جیسا کہ سیوطیؒ نے لکھا ہے۔ اور یہ مفہوم مراد لینا زیادہ صحیح ہے کہ: کفر پیدا ہونے اور ظاہر ہونے کی جگہ مشرق ہے، چنانچہ طیبیؒ نے کہا ہے کہ یہ جملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے رَأْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ (دین کی چوٹی اسلام ہے) گویا "کفر کی چوٹی مشرق کی طرف ہے" کا مطلب یہ ہوا کہ کفر کا زیادہ ظہور مشرق کی سمت ہے اور ابن ملکؒ نے یہی معنے لکھے ہیں کہ کفر اور دجال اور یاجوج و ماجوج جیسے بڑے بڑے فتنے مشرق کی طرف ظاہر ہوں گے اور نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: کفر کو مشرق کے ساتھ مختص کرنے کا مطلب اہل مشرق پر شیطان کے زیادہ تسلط کو ظاہر کرنا ہے اور یہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے اعتبار سے ہے (یعنی آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مشرقی اقوام کفر و شرک میں بہت زیادہ مبتلا تھیں جیسا کہ تاتار، ہندوستان، چین اور جاپان وغیرہ کے لوگ اور یہ ممالک عرب سے مشرق کی جانب واقع ہیں) نیز اس کا اطلاق بایں اعتبار زمانہ آئندہ پر بھی ہو سکتا ہے کہ دجال کا خروج ظہور اس علاقہ سے ہوگا جو عرب کے مشرق میں ہے پس آخر زمانہ میں بھی عرب کا مشرق سب سے بڑے فتنہ کے ظاہر ہونے کی جگہ ہوگا، اور سیوطیؒ نے باجی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ یہاں "مشرق" سے مراد فارس (ایران) ہے یا نجد، اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس میں ابلیس کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے کہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے (یعنی جب مشرق میں سورج طلوع ہوتا ہے تو اس وقت شیطان اپنا سر سورج کے قریب کر دیتا ہے تاکہ سورج پرستوں کا سجدہ اسی کے لئے ہو جائے۔

فتنوں کی جگہ مشرق ہے

④ وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ هٰهُنَا جَآءَتِ الْفِتَنُ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَالْجَفَآءُ وَغِلَظُ الْقُلُوْبِ فِی الْفَدَّادِیْنَ اَهْلِ الْوَبَرِ عِنْدَ اُصُوْلِ اَذْنَابِ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ فِیْ رَبِیْعَةَ وَمُضَرَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابو مسعودؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے کہ (ایک دن) آپ ﷺ نے مشرق کی سمت ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ فتنے اس جگہ سے آئے ہیں اور بدزبانی و سنگدلی چلانے والوں اور خیمہ نشینوں میں ہے جو (اپنے مویشیوں کو چرانے کے لئے) اونٹوں اور گایوں کی دموں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، یہ لوگ ربیعہ اور مضر قبائل میں ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "فتنے اس جگہ سے آئے ہیں" یعنی وہ فتنہ جو دین کے استحکام و ترقی میں خلل ڈالے گا اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائے گا اور لوگوں کو دینی زندگی کے لئے امتحان و آزمائش کا موجب بنے گا، ان علاقوں اور ملکوں سے اٹھے گا جو عرب کی مشرقی سمت میں واقع ہیں۔

"چلانے والوں اور خیمہ نشینوں" سے مراد یا تو اعراب ہیں یا دوسرے غیر مہذب قبائلی اور جنگلی لوگ، ان کی مذمت اس اعتبار سے فرمائی گئی کہ اس طرح کے لوگ مہذب و متمدن دنیا سے دور، شہروں اور آبادیوں سے بیگانہ پہاڑوں اور جنگلوں میں پڑے رہتے ہیں جس کے سبب نہ ان کو علم کی روشنی میسر آتی ہے اور نہ تہذیب و تمدن کی خوشبو ان میں ہوتی ہے جب کہ شہروں اور آبادیوں میں رہنے سے اہل علم اور نیک بندوں کی صحبت نصیب ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ دین و شریعت کے علوم و احکام حاصل ہوتے ہیں بلکہ اخلاق و کردار اور مہذب اور نیک پاکیزہ بنتے ہیں، ایسے ہی غیر مہذب قبائلی اور جنگلی لوگوں کے بارہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا:

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ۔

"جو اعراب (یعنی غیر مہذب دیہاتی اور جنگلی لوگ) ہیں وہ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں ان کا حال ایسا ہونا ہی چاہئے کہ ان کو ان احکام کا علم نہیں ہے جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں۔"

سنگدلی و بدزبانی مشرق والوں میں ہے

⑤ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غِلَظُ الْقُلُوْبِ وَالْجَفَآءُ فِی الْمَشْرِقِ وَالْاِیْمَانُ فِیْ اَهْلِ

اَلْحِجَازِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا سنگدلی اور سخت گوئی مشرق میں ہے (کیونکہ کفر اور فتنوں کا مصدر و مرکز اسی طرف کے علاقے ہیں) اور ایمان حجاز والوں میں ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "حجاز" سے مراد مکہ مدینہ، طائف اور ان سے متعلق شہر و آبادیاں ہیں جب کہ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہاں حجاز والوں سے مراد انصار ہیں۔ حجاز ملک عرب (جزیرۃ العرب) کے اس خطہ کو کہتے ہیں جو نجد اور تہامہ کے درمیان ہے اور اس خطہ کا نام حجاز اس اعتبار سے پڑا کہ یہ خطہ نجد اور تہامہ کے درمیان حاجز یعنی حائل ہے، نجد جزیرۃ العرب کے شمالی اور جنوبی ریگستانوں یعنی النفوذ اور الرابع الخالی کے درمیان تقریباً آٹھ سو میل طویل اور سوا دو سو میل عریض اس خطہ کو کہتے ہیں جو سطح مرتفع پر مشتمل ہے۔ نجد کے معنی بلند زمین کے ہیں اس کے مقابلہ پر اس ملک کا جو حصہ نشیب میں ہے اس کو "تہامہ" کہا جاتا ہے تہامہ کے معنی پست زمین کے ہیں۔

شام اور یمن کی فضیلت

(٦) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَفِيْ نَجْدِنَا قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ يَمَنِنَا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَفِيْ نَجْدِنَا فَاَظُنُّهُ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے یوں دعا فرمائی: خدایا! ہمیں ہمارے (ملک) شام میں برکت عطا فرما اور خدایا! ہمیں ہمارے (ملک) یمن میں برکت عطا فرما۔ یہ سن کر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہمارے نجد کے بارہ میں بھی (دعا فرمایئے تاکہ ہمیں اس علاقہ کی طرف سے بھی برکت حاصل ہو) لیکن آنحضرت ﷺ نے پھر یہی دعا فرمائی: خدایا! ہمیں ہمارے شام میں برکت عطا فرما اور خدایا! ہمیں ہمارے یمن میں برکت عطا فرما، صحابہؓ نے (دوبارہ) عرض کیا: یارسول اللہ! اور ہمارے نجد کے بارہ میں بھی (یہی دعا فرمایئے) راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ تیسری بار آنحضرت ﷺ نے (پھر انہی الفاظ میں دعا کی اور نجد کے بارہ میں) فرمایا وہاں زلزلے ہوں گے فتنے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ ظاہر ہوتا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: دعا میں شام کے ذکر کو یمن کے ذکر پر مقدم رکھنا شاید اس بنا پر تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَلَّذِيْ بَارَكْنَا حَوْلَهٗ کے بموجب شام کی سرزمین جہاں فلسطین واقع ہے اپنی اصل کے اعتبار سے بابرکت ہے اور چونکہ یہی سرزمین بہت زیادہ انبیاء کرام کی آخری آرام گاہ ہے اس نسبت سے اس کا ذکر پہلے ہونا ضروری تھا، واضح ہو کہ "شام میں برکت" سے مراد یا تو وہاں کی برکتوں میں اضافہ ہے یا ایسی برکت کہ جو اہل مدینہ اور تمام مؤمنین کو بالخصوص حاصل ہو۔ اسی طرح "یمن میں برکت" سے ظاہری اور معنوی دونوں طرح کی برکتیں مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ملک کو ظاہر میں بھی خوشحال، پرامن اور فائدہ مند بنایئے اور دینی و روحانی طور پر بھی وہاں کے لوگ دیندار اور صالح رہیں، چنانچہ یمن کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ مادی طور پر خوشحال اور زرخیز ملک بنایا بلکہ وہاں کی سرزمین نے بہت زیادہ اولیاء اور علماء بھی پیدا کئے۔

ایک قول کے مطابق ان دونوں ملکوں کے لئے برکت کی دعا کا ظاہری داعیہ یہ بھی تھا کہ اہل مدینہ کے لئے غلہ اور دوسری غذائی اشیاء انہی دونوں ملکوں سے آتی تھیں اور ایک شارح نے یوں لکھا ہے: آنحضرت ﷺ نے یمن اور شام کے لئے برکت کی دعا اس بنا پر فرمائی کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت اور ظہور رسالت کی جگہ مکہ مکرمہ ہے اور مکہ مکرمہ یمن سے قربت رکھتا ہے جب کہ آنحضرت ﷺ کا مسکن اور مدفن مدینہ منورہ ہے اور مدینہ منورہ شام سے قربت رکھتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہی چیز یعنی یمن کی قربت مکہ سے اور شام کی قربت مدینہ سے ان دونوں کی فضیلت کے لئے کافی ہے، اور اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ان دونوں ملکوں کی اضافت اپنی طرف

کر کے "ہمارا شام" اور "ہمارا یمن" فرمایا اور ان کی شان بڑھانے کے لئے ضمیر جمع استعمال فرمائی، نیز ان کے حق میں آپ ﷺ نے تین بار برکت کی دعا فرمائی۔

"وہاں زلزلے ہوں گے......" میں وہاں کا مطلب نجد کی سمت ہے اور نجد کی سمت سے مراد وہی حجاز کی مشرقی سمت ہے جس کا ذکر پیچھے حدیث میں نحو المشرق کے الفاظ میں آیا ہے "زلزلے" سے مراد ظاہری زلزلہ بھی ہے اور معنوی زلزلہ بھی، معنوی زلزلہ کا مطلب ہے وہاں کے لوگوں کے دلوں کا اتھل پتھل ہونا، بے قرار ہونا اور روحانی چین و سکون کا ختم ہو جانا "فتنوں" سے مراد وہ آفات اور مصائب ہیں جن سے دین میں ضعف و کمزوری اور نیکی و دیانت میں کمی ہو جائے۔

"اور وہیں سے شیطان کا سینگ ظاہر ہوتا ہے" کا مطلب یہ تھا کہ نجد ہماری اس سمت میں واقع ہے جدھر کفر اور فتنوں کا زور ہے اور گویا نجد اس علاقہ میں ہے جہاں شیطان کی جماعت اور اس کے مددگاروں کا ظہور زیادہ ہے، لہٰذا ایسے علاقہ کے بارے میں برکت کی دعا کرنا موزوں نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

اہل یمن کے بارہ میں دعا

⑦ عَنْ اَنَسٍ عَنْ زَيْدِبْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرَ قِبَلَ الْيَمَنِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَقْبِلْ بِقُلُوْبِهِمْ وَبَارِكْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَ مُدِّنَا۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت انسؓ حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے یمن کی سمت نظر اٹھائی اور پھر یوں دعا فرمائی: خدایا! اہل یمن کے دلوں کو متوجہ فرما اور ہمارے صاع اور ہمارے مد میں ہمارے لئے برکت عطا فرما۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "اہل یمن کے دلوں کو متوجہ فرما" یعنی ان کے دلوں میں ہماری محبت اور ہمارے پاس آنے کا خیال ڈال دے تاکہ وہ یہاں مدینہ آنے پر آمادہ و تیار ہو جائیں۔ واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دعا اس پس منظر میں فرمائی کہ اس وقت مدینہ والوں کی غذائی ضروریات کے لئے غلہ یمن ہی سے آیا کرتا تھا، اسی لئے آپ ﷺ نے بعد میں غلہ کے لئے صاع اور مد میں برکت کی دعا فرمائی، تاکہ زیادہ سے زیادہ غلہ یمن سے آئے۔

"صاع" اور "مد" اس وقت کے دو پیمانوں کے نام ہیں جن کے ذریعہ غلہ کا لین دین ہوتا تھا۔ صاع میں تقریباً ساڑھے تین سیر غلہ آتا تھا اور مد میں اس کا چوتھائی، اور یہاں "صاع اور مد میں برکت" سے مراد غلہ میں برکت ہے گویا ظرف بول کر مظروف مراد لیا گیا ہے۔

تورپشتیؒ نے اس دعا کی وضاحت میں یہ لکھا ہے کہ دعا کے دونوں حصوں ہی سے تنگ حال اور تنگ معاش چلے آرہے تھے، اب جب آنحضرت ﷺ نے اہل یمن کے حق میں دعا فرمائی کہ وہ اپنا وطن چھوڑ کر دار الہجرت مدینہ چلے آئیں تو چونکہ ان کی تعداد زیادہ تھی اور آپ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اتنے زیادہ لوگوں کے آجانے سے مدینہ کی معاشی حالت اور زیادہ تنگ و خستہ ہو سکتی ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اہل مدینہ کی غذائی ضرورت یعنی غلہ میں برکت کی دعا فرمائی تاکہ اہل مدینہ کو بھی معاش کی فراخی حاصل ہو اور ان لوگوں کو بھی جو اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والے ہوں، اور اس طرح نہ تو مدینہ میں رہنے والے نئے آنے والوں کی وجہ سے تنگ و پریشان ہوں اور نہ ان لوگوں کے لئے مدینہ کا قیام دشواری و پریشانی کا سبب بنے جو ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔

اہل شام کی خوش بختی

⑧ وَعَنْ زَيْدِبْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوْبٰى لِلشَّامِ قُلْنَا لِاَیِّ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لِاَنَّ

مَلٰٓئِكَةَ الرَّحْمٰنِ بَاسِطَةٌ اَجْنِحَتَهَا عَلَيْهَا۔ (رواہ احمد والترمذی)

"اور حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ خوش بختی ہو اہل شام کو ہم نے پوچھا کہ وہ کس وجہ سے یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا اس وجہ سے کہ رحمٰن کے فرشتے شام کی سرزمین اور اس کے رہنے والوں پر بازو پھیلائے ہوئے ہیں (تاکہ وہ سرزمین اور اس کے لوگ کفر سے محفوظ رہیں۔" (احمدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: "رحمٰن کے فرشتے" کی لفظی ترکیب اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہاں "فرشتوں" سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں اور حضرت شیخ عبدالحقؒ نے یہ لکھا ہے کہ یہ جملہ "فرشتے اپنے بازو پھیلائے ہوئے ہیں" اس بات سے کنایہ ہے کہ مخصوص اہل شام یعنی اس ملک میں رہنے والے ابدال پر یا تمام اہل شام پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و راحت چھائی ہوئی ہے۔

واضح رہے کہ "فرشتوں کے بازو" سے مراد صفات و قوائے ملکیہ ہیں۔ ان کے بازوؤں کو اس دنیا کے پرندوں کے بازوؤں پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ کسی پرندے کے تین چار سے زائد بازو نہیں ہوتے چہ جائیکہ چھ سو بازو جو آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں حضرت جبرئیل کے دیکھے تھے حاصل یہ ہے کہ یہ تو ماننا اور ثابت کرنا چاہئے کہ فرشتوں کے بازو ہوتے ہیں لیکن ان بازوؤں کی ماہیت و حقیقت اور کیفیت کی بحث اور بیان میں نہ پڑنا چاہئے۔

حضر موت کا ذکر

⑨ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَخْرُجُ نَارٌ مِّنْ نَحْوِ حَضْرَ مَوْتَ اَوْ مِنْ حَضْرَ مَوْتِ تَحْشُرُ النَّاسَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: عنقریب حضر موت کی سمت سے یا یہ فرمایا کہ حضر موت سے ایک آگ نمودار ہوگی اور وہ آگ لوگوں کو جمع کرے گی اور ہانک کرلے جائے گی۔ (یہ سن کر) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! پھر ہمارے بارہ میں کیا حکم ہے یعنی اس وقت ہمیں کیا کرنا چاہئے اور کہاں چلے جانا چاہئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں شام میں چلے جانا چاہئے۔"
(ترمذیؒ)

تشریح: "یا یہ فرمایا" یہ راوی کا شک ہے کہ آنحضرت ﷺ نے "من نحو حضر موت" کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے یا "من حضر موت" فرمایا تھا، تاہم اگر آپ ﷺ نے نحو کا لفظ ظاہر میں استعمال نہیں بھی فرمایا تھا تو بھی من نحوھا یا من جانبھا کا ہی مفہوم مراد تھا، "آگ" سے یا تو حقیقت میں یہی ظاہر آگ مراد ہے، یا اس سے فتنے اور شرور مراد ہیں۔ حَضْرَ مَوْتَ اس وقت ایک شہر کا نام تھا جو یمن میں شامل تھا لیکن اب یہ ایک پورے علاقے کا نام ہے جس کی سرحدیں یمن کے قریب سے شروع ہو کر عمان کے قریب تک چلی گئی ہیں۔

"تمہیں شام میں چلے جانا چاہئے" کیونکہ شام کی سرزمین کو رحمت کے ملائکہ گھیرے ہوئے ہیں اس لئے وہاں کے رہنے والوں کو اس آگ سے خواہ وہ حسی یعنی ظاہری آگ ہو یا معنوی و حکمی آگ یعنی فتنے اور شرور، کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ واضح ہو کہ پیچھے قیامت سے متعلق ایک باب کی حدیث میں آگ کا ذکر آیا تھا جو لوگوں کو جمع کر کے محشر کی طرف لے جائے گی۔ اس میں "محشر" سے مراد شام کی سرزمین ہے اور اس حدیث سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت لوگ براہ راست اس آگ کے اثر کے تحت ہوں گے شام کی طرف جانے میں ان کے اپنے اختیار کو کوئی دخل نہیں ہوگا، جب کہ یہاں تمہیں شام چلے جانا چاہئے کے الفاظ سے یہ مفہوم واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ شام کی طرف جانے میں ان کے اپنے اختیار کو دخل ہوگا۔ لہٰذا یہ کہنا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حدیث میں حضر موت کی طرف سے نمودار ہونے والی آگ کا ذکر ہے اس سے حقیقت میں آگ مراد نہیں ہے بلکہ وہ فتنے اور شرور مراد ہیں جو آخر زمانہ میں رونما ہوں گے جن کو "آگ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شام کی فضیلت

⑩ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهَا سَتَكُوْنُ هِجْرَةٌ بَعْدَ هِجْرَةٍ فَخِيَارُ النَّاسِ اِلٰى مُهَاجَرِ اِبْرَاهِيْمَ : وَفِيْ رِوَايَةٍ فَخِيَارُ اَهْلِ الْاَرْضِ اَلْزَمُهُمْ مُهَاجَرَ اِبْرَاهِيْمَ وَيَبْقٰى فِي الْاَرْضِ شِرَارُ اَهْلِهَا تَلْفِظُهُمْ اَرْضُوْهُمْ تَقْذَرُهُمْ نَفْسُ اللّٰهِ تَحْشُرُهُمُ النَّارُ مَعَ الْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ تَبِيْتُ مَعَهُمْ اِذَا بَاتُوْا وَتَقِيْلُ مَعَهُمْ اِذَا قَالُوْا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی، پس بہترین شخص وہ ہوگا جو اس جگہ ہجرت کرکے جائے گا جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کرکے گئے تھے۔ (یعنی ملک شام میں اور یہاں وہ اس وقت ہجرت کرکے آئے تھے، جب انہوں نے اپنے آبائی ملک عراق سے ترک وطن کیا تھا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: روئے زمین کے بہترین لوگ وہ ہوں گے جو اس جگہ ہجرت کرکے جانے کو خوب لازم پکڑیں گے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے گئے تھے (یعنی ملک شام) اور (اس وقت) روئے زمین پر اس کے بدترین لوگ یعنی کفار و فجار رہ جائیں گے جن کو ان کے ملک سے نکال پھینکیں گے، اللہ کی ذات ان کو پلید سمجھے گی اور آگ ان کو سوروں اور بندروں کے ساتھ اکٹھا کرکے ہانک لے جائے گی اور وہ آگ انہیں کے ساتھ رات گزارے گی جہاں ان کی رات آئے گی اور ان کے ساتھ قیلولہ کرے گی جہاں وہ قیلولہ کریں گے۔" (ابوداؤد)

تشریح: "ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی" یعنی ایک ہجرت تو یہ ہے کہ لوگ اپنے اپنے وطن کو چھوڑ کر مدینہ آگئے ہیں اور پھر آخر زمانہ میں ایک ہجرت اس وقت ہوگی جب لوگ اپنے اپنے دین کی حفاظت اور اللہ کی رحمت حاصل کرنے کے لئے ملک شام کو ہجرت کریں گے اور بعض حضرات نے یہ مطلب لکھا ہے کہ مدینہ کی یہ ہجرت کوئی آخری ہجرت نہیں ہے، ہجرتیں بار بار ہوں گی اور بہت ہوں گی، حدیث کے الفاظ و سیاق کی روشنی میں یہ مطلب زیادہ موزوں اور نہایت صحیح معلوم ہوتا ہے، گویا اس زمانہ کی طرف اشارہ مقصود ہے جب قیامت بالکل قریب ہوگی، ہر سو فتنوں اور شرور کا دور دورہ ہوگا، شہروں اور آبادیوں میں اہل کفر و فسق کا غلبہ ہو جائے گا، اسلامی ممالک میں بھی دین کے حامی نیکی کے حامل اور خدائی احکام و ہدایات پر قائم رہنے والے بہت کم رہ جائیں گے، یہاں تک کہ شام کے شہر و قریہ ایک محفوظ و مامون قلعہ کی مانند باقی بچیں گے جن کی حفاظت پر اسلام کے وہ لشکر مامون ہوں گے۔ جن کے ذریعہ اللہ حق کو غالب کرے گا اور حق کو مدد پہنچائے گا اور آخر کار اسی لشکر کے لوگ دجال کا مقابلہ کرکے اس کو نیست و نابود کردیں گے۔ پس اس زمانہ میں جو شخص اپنے دین و ایمان کو محفوظ رکھنا چاہے گا وہ ملک شام کو ہجرت کرکے اس کے کسی شہر یا قریہ میں جا بسے گا۔

"پس بہترین شخص وہ ہوگا......." یہ گویا ماسبق جملہ میں جو اجمال تھا اس کی تفصیل ہے۔ مطلب یہ کہ دین و ایمان کی حفاظت کے لئے ملک شام کو ہجرت کا سلسلہ شروع ہوگا تو جن علاقوں اور شہروں میں اہل کفر و فسق کا غلبہ و تسلط ہو چکا ہوگا، وہاں کے خداترس دین پسند اور اپنے ایمان کو ہر حالت میں محفوظ رکھنے والے بہترین لوگ اپنا اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کر جائیں گے، ہاں جن لوگوں کے ایمان میں ضعف ہوگا اور جو دین کے اعتبار سے ناکارہ و کمزور ہوں گے وہ اپنے گھربار اپنی جائداد و دولت وغیرہ کی محبت و طمع میں اور اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف لڑائی سے اپنی جان بچانے کے لئے اپنے وطن ہی میں پڑے رہیں گے اور ہجرت کرکے چلے جانے والوں کے وارث و جانشین بن جائیں گے، پس وہ اپنی طبیعتوں اور نفسوں کی خست اور اپنے دین کی کمزوری کے سبب نہ صرف پاکیزہ نفسوں کے نزدیک ایک گھناؤنی و ذلیل چیز کی مانند ہوں گے بلکہ ان کی زمینیں ان کا ملک اور ان کا وطن تک ان سے بیزار ہو جائے گا کہ انہیں کسی جگہ سکون و قرار نہیں ملے گا ادھر سے ادھر، اور ادھر سے ادھر مارے مارے پھریں گے، ان کی سب سے بڑی بدبختی یہ ہوگی کہ خود حق تعالیٰ تو ان کو نہایت ناپسند رکھے گا ان کو اپنی رحمت سے دور کردے گا، اپنے محل کرامت سے ان کا تعلق منقطع کردے گا اور ان کے ساتھ وہی سلوک کرے

گا جو کوئی شخص کسی ایسی چیز کے ساتھ کرتا ہے جس سے وہ گھن کھاتا ہو اور جس سے اس کی طبیعت نفرت کرتی ہو اور یہ اسی کا نتیجہ ہوگا کہ ان لوگوں کو ہجرت کی توفیق نصیب نہیں ہوگی اور خدا ان کو انہی کے ملکوں اور شہروں میں دشمنان دین (کفار) کے ساتھ پڑا رہنے دے گا گویا حق تعالیٰ کی طرف سے ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوگا جو قرآن کریم کی اس آیت میں فرمایا گیا ہے:

وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ۔

"لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے جانے کو پسند نہیں کیا اس لئے ان کو توفیق نہیں دی اور (بحکم تکوینی) یوں کہہ دیا گیا کہ اپاہج لوگوں کے ساتھ تم بھی یہاں ہی دھرے رہو۔"

"اللہ کی ذات ان کو پلید سمجھے گی اور آگ ...." ان کے معنی ملا علی قاریؒ نے تو یہ لکھے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کی ذات ان کو سخت ناپسند رکھے گی اور آگ کو ان پر مسلط کر دے گی جو دن رات ان کے ساتھ رہے گی اور ان کو کافروں کے ساتھ کہ جو اپنے چھتاپے اور بڑھاپے کے اعتبار سے سوروں اور بندروں کی مانند ہوں گے، جمع کرے گی اور ہانک کر چلے گی اور حضرت شیخ نے یہ لکھا ہے: ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ سخت ناپسند رکھے گا اور فتنے کی آگ کہ جو ان کے اعمال بد کا نتیجہ ہوگی، یا آگ کہ جو اس وقت بندروں اور سوروں کے ساتھ پیدا ہوگی ان سب کو جمع کرے گی اور ہانک کر لے چلے گی، نیز "سوروں اور بندروں" سے یا تو ان کی حقیقت اور صورت مراد ہے یا ان کی سیرت و خصلت اور ان کے عادات و اطوار کا اختیار کرنا مراد ہے اور زیادہ بدخو بدکردار اور کفار مراد ہیں جو بندر اور سور کی مانند ہیں۔

"اور ان کے ساتھ قیلولہ کرے گی....." "قیلولہ" دوپہر کے سونے کو کہتے ہیں، حاصل یہ ہے کہ وہ آگ شب و روز ان کے ساتھ رہے گی اور کسی بھی وقت ان سے جدا نہیں ہوگی خواہ وہ کسی حالت میں ہوں۔

شام، یمن اور عراق کا ذکر

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ حَوَالَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَصِيْرُ الْاَمْرُ اَنْ تَكُوْنُوْا جُنُوْدًا مُجَنَّدَةً جُنْدٌ بِالشَّامِ وَجُنْدٌ بِالْيَمَنِ وَجُنْدٌ بِالْعِرَاقِ فَقَالَ ابْنُ حَوَالَةَ خِرْلِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ اَدْرَكْتُ ذٰلِكَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِالشَّامِ فَاِنَّهَا خِيَرَةُ اللّٰهِ مِنْ اَرْضِهٖ يَجْتَبِيْ اِلَيْهَا خِيَرَتَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ فَاَمَّا اِنْ اَبَيْتُمْ فَعَلَيْكُمْ بِيَمَنِكُمْ وَاسْقُوْا مِنْ غُدُرِكُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ تَوَكَّلَ لِيْ بِالشَّامِ وَاَهْلِهٖ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

"اور حضرت ابن حوالہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: وہ زمانہ قریب ہے جب دین اور ملت کا یہ نظام ہوگا کہ تم مسلمانوں کے جدا جدا کئی لشکر ہو جائیں گے ایک لشکر شام میں ہوگا، ایک یمن میں اور ایک لشکر عراق میں، (یہ سن کر) ابن حوالہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (اگر اس زمانہ میں میں ہوا تو) فرمایئے کہ میں کون سا لشکر اختیار کروں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم شام کو اختیار کرنا کیونکہ شام کی سرزمین خدا کی زمینوں میں سے برگزیدہ سرزمین ہے (یعنی خدا نے آخر زمانہ میں دینداروں کے رہنے کے لئے شام کی سرزمین ہی کو پسند فرمایا ہے، پھر اگر تم شام کو اختیار کرنا قبول نہ کرو تو اپنے یمن کو اختیار کرنا اور دیکھنا تم (جب شام میں جاؤ تو اپنے آپ کو بھی اور اپنے جانوروں کو بھی، اپنے ہی حوضوں سے پانی پلانا، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض میری وجہ سے میری اُمت کے حق میں یہ ذمہ لیا ہے کہ وہ (کفار کے فتنہ و فساد اور ان کے غلبہ سے) شام اور اہل شام کو مامون و محفوظ رکھے گا۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: جُنُوْدًا مُجَنَّدَةً (جدا جدا کئی لشکر) کے الفاظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کے وہ تمام لشکر کلمۂ اسلام کی بنیاد پر تو باہم متحد و متفق ہوں گے لیکن دینی اور ملی احکام و مسائل کی ترجمانی اور ان کے اختیار کرنے میں جدا جدا نقطہ نظر کے حامل ہوں گے۔

"عراق" سے مراد یا تو اس کا وہ عرب علاقہ ہے جس میں بصرہ اور کوفہ وغیرہ شامل ہیں یا اس کا وہ غیر عرب علاقہ مراد ہے جس میں خراسان اور ماوراء النہر کو چھوڑ کر باقی دوسرے عجمی حصے شامل تھے۔

"تو اپنے یمن کو اختیار کرنا" اس میں یمن کی اضافت ان (حضرت ابن حوالہؓ کے واسطہ سے عرب سامعین کی طرف اس بنا پر کی کہ اس وقت اس ارشاد رسالت کے براہ راست مخاطب عرب تھے اور یمن کا جغرافیائی اور علاقائی تعلق ملک عرب ہی سے تھا، واضح ہو کہ فاما ان ابیتم (پھر اگر تم شام کو اختیار کرنا قبول نہ کرو تو اپنے یمن کو اختیار کرنا) کے الفاظ جملہ معترضہ کے طور پر ہیں جو اس ارشاد رسالت کے ایک ہی سلسلہ کے دو حکم یعنی علیک بالشام تو (شام کو اختیار کرنا) اور واسقوا من غدر کم (اپنے ہی حوضوں سے پانی پلانا) کے درمیان واقع ہوا ہے، گویا اصل عبارتی تسلسل یوں تھا کہ: تم شام کو اختیار کرنا کیونکہ شام کی سرزمین خدا کی زمینوں میں سے برگزیدہ سرزمین ہے اور دیکھنا تم (جب شام میں جاؤ تو) اپنے ہی حوضوں سے پانی پلانا، اس عبارت کے درمیان آپ نے جملہ معترضہ کے طور پر یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی وجہ سے شام کو اختیار کرنا قبول نہ کرو تو پھر اپنے یمن کو اختیار کرنا۔

"اپنے ہی حوضوں سے پانی پلانا" غدر (اصل میں غدیر کی جمع ہے جس کے معنی حوض کے ہیں اس حکم کا مطلب یہ تھا کہ شام میں پہنچ کر اس بات کا دھیان رکھنا کہ وہاں کے ملکی وملی امن و انتظام میں تمہاری وجہ سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو، لڑائی جھگڑے اور فتنہ و فساد سے اجتناب کرنا، مثلاً پانی کی فراہمی کے سلسلہ میں جو ذریعہ تمہارے لئے مخصوص ہو اسی سے اپنے لئے پانی حاصل کرنا کسی دوسرے کے حصہ میں سے پانی لے کر دوسروں سے مزاحمت اور معارضہ کی صورت ہرگز پیدا نہ کرنا خصوصاً، ان لوگوں سے جو دشمنان دین سے اسلامی مملکت کو محفوظ رکھنے کے لئے اسلامی سرحد پر مامور و متعین ہوں تاکہ تم آپس میں نزع و اختلاف اور فتنہ انگیزی کا سبب نہ بن جاؤ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اہل شام پر لعنت کرنے سے حضرت علیؓ کا انکار

(۱۲) عَنْ شُرَيْحِ بْنِ عُبَيْدٍؒ قَالَ ذُكِرَ اَهْلُ الشَّامِ عِنْدَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقِيْلَ الْعَنْهُمْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ لَا اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْاَبْدَالُ يَكُوْنُوْنَ بِالشَّامِ وَهُمْ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهُ رَجُلًا يُسْقٰى بِهِمُ الْغَيْثُ وَيُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَى الْاَعْدَآءِ وَيُصْرَفُ عَنْ اَهْلِ الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ۔

"حضرت شریح بن عبید تابعیؒ روایت کرتے ہیں کہ (ایک موقعہ پر) سیدنا علیؓ کے سامنے اہل شام کا ذکر کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ اے امیرالمؤمنین! شام والوں پر لعنت کیجئے۔ حضرت علیؓ نے کہا: نہیں (میں اہل شام پر لعنت نہیں کر سکتا) حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے ابدال شام میں ہوتے ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں، جب ان میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دوسرے شخص کو مقرر کر دیتا ہے۔ ان (ابدال) کے وجود و برکت سے بارش ہوتی ہے، ان کی مدد سے دشمنان دین سے بدلہ لیا جاتا ہے، اور انہیں کی برکت سے اہل شام سے (سخت) عذاب کو دفع کیا جاتا ہے۔"

تشریح: اہل شام کا ذکر کیا گیا، میں "اہل شام" سے مراد حضرت علیؓ کے مخالفین یعنی حضرت معاویہؓ اور شام والوں میں سے حضرت معاویہؓ کے حامی و مددگار ہیں، حضرت معاویہؓ امیرالمؤمنین عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ملک شام کے حاکم (گورنر) مقرر ہوئے تھے، اور آخر تک وہ شام پر حکومت کرتے رہے، انہوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تھا اور شام میں خود مختار حکومت کے مالک ہو گئے تھے، انہی حضرت معاویہؓ اور ان کے شامی حامیوں کا ذکر برائی کے ساتھ حضرت علیؓ کے سامنے کیا ہوگا اور کہا کہ آپ اپنے ان مخالفین اہل شام پر لعنت کیجئے۔

"ابدال شام میں ہوتے ہیں" حضرت علیؓ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ بھلا میں اہل شام پر لعنت کیسے کر سکتا ہوں، شام تو وہ سرزمین ہے جہاں ابدال ہوتے ہیں، اگر میں نے اہل شام پر لعنت کی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان اہل شام کے ضمن میں ابدال بھی آجائیں علماء اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا یہ کہنا درحقیقت محاذ آرائی سے بچنے کے لئے اس وقت اہل شام پر لعنت کرنے سے گریز کرنا تھا تاہم اس

سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابدال کو مستثنیٰ کر کے باقی اہل شام پر لعنت کرنے کو حضرت علیؓ جائز سمجھتے تھے جیسا کہ ان کے مذکورہ الفاظ سے ابتداءً مفہوم ہوتا ہے اور حضرت علیؓ کے بارہ میں تو ایسا تصور بھی نہیں ہونا چاہئے کیونکہ خود انہی حضرت امیرالمؤمنین علیؓ کا ارشاد ہے کہ: یہ (اہل شام) تو ہمارے بھائی ہیں جو ہم سے منحرف ہو گئے ہیں، اسی طرح ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے لشکر والے اپنے مخالفین یعنی حضرت معاویہؓ کے لشکر والوں میں سے ایک شخص کو پکڑ کر حضرت علیؓ کی خدمت میں لائے تو اس کو دیکھ کر وہاں موجود ایک شخص بولا کتنی عجیب بات ہے (کہ یہ شخص مخالفین علیؓ کے لشکر میں شامل ہے) میں تو اس آدمی کو ایک اچھا مسلمان سمجھتا تھا، حضرت علیؓ نے اس کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو فرمایا: یہ تم کیا کہہ رہے ہو، اب بھی تو یہ شخص مسلمان ہی ہے، ان کے علاوہ اور بھی ایسے آثار و اخبار منقول ہیں جن سے سیدنا علیؓ کی نظر میں حضرت معاویہؓ اور ان کے حامی اہل شام کا مسلمان ہونا ثابت ہے۔

"اور انہی کی برکت سے اہل شام سے عذاب کو دفع کیا جاتا ہے" یہاں اہل شام کی تخصیص اس بناء پر ہے کہ ان ابدال کا جسمانی وجود اہل شام کے درمیان ہوتا ہے اور اس سبب سے اہل شام ان کی قربت اور ان کے ارتباط میں سب سے زیادہ رہتے ہیں ورنہ عمومی طور پر تو ان ابدال کی برکت و نصرت تمام عالم کو ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ ابدال کے وجود کا ذکر اس حدیث میں بھی حضرت علیؓ کے حوالہ سے مذکور ہے، شیخ ابن حجرؒ نے ان حدیثوں کو نقل کیا ہے اور پھر ایک حدیث حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے نقل کی ہے جس میں حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: خیار اُمت یعنی اُمت کے نیک ترین لوگ جو اس اُمت میں ہمیشہ موجود رہتے ہیں ان کی تعداد پانچ سو ہے اور ابدال چالیس کی تعداد میں رہتے ہیں، نہ پانچ سو کی تعداد کم ہوتی ہے اور نہ چالیس کی، جب کوئی ابدال مرجاتا ہے تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ ان پانچ سو خیار اُمت میں سے کسی ایک کو مقرر کر دیتا ہے (یہ سن کر) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمیں ان کے اعمال کے بارہ میں بھی بتا دیجئے (کہ آخر وہ کیا عمل کرتے ہیں جس کے سبب ان کو یہ مرتبہ و مقام ملتا ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: وہ اس شخص کو معاف کر دیتے ہیں جو ان پر ظلم کرتا ہے، اس شخص کے ساتھ بھی نیک سلوک کرتے ہیں جو ان کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو جو کچھ بھی دیتا ہے اس کے ذریعہ وہ فقراء و مساکین کی خبر گیری کرتے ہیں اور اس کی تصدیق قرآن کریم کی اس آیت سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔

"(اعلیٰ درجہ کے اہل ایمان لوگ تو وہ ہیں) جو غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں (کی تقصیرات) سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔"

ایک روایت ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے اس میں عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ کی طرف سے چالیس ایسے آدمی مقرر ہوتے ہیں جن کے قلوب حضرت آدم علیہ السلام کے قلب پر ہیں اور اس کی طرف سے سات ایسے آدمی مقرر ہوتے ہیں جن کے قلوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہیں، اور اس کی طرف سے پانچ ایسے آدمی مقرر ہوتے ہیں جن کے قلوب حضرت جبرئیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں، اور اس کی طرف سے تین ایسے لوگ مقرر ہوتے ہیں جن کے قلب میکائیل کے قلب پر ہیں، اور اس کی طرف سے ایک ایسا آدمی مقرر ہوتا ہے جس کا قلب اسرافیل کے قلب پر ہے۔ پس جب وہ ایک آدمی مرجاتا ہے تو اس کی جگہ پر اللہ تعالیٰ ان تینوں آدمیوں میں سے کسی ایک کو مقرر کر دیتا ہے اور جب ان تینوں آدمیوں میں سے کوئی ایک مرجاتا ہے تو اس کی جگہ پر اللہ تعالیٰ ان پانچ آدمیوں میں سے کسی کو مقرر کر دیتا ہے، اور جب ان پانچ آدمیوں میں سے کوئی مرجاتا ہے تو اس کی جگہ پر اللہ تعالیٰ ان سات آدمیوں سے کسی ایک کو مقرر کر دیتا ہے، اور جب ان سات آدمیوں میں سے کوئی مرجاتا ہے تو اس کی جگہ پر اللہ تعالیٰ ان چالیس آدمیوں سے کسی ایک کو مقرر کر دیتا ہے اور جب ان چالیس آدمیوں سے کوئی مرجاتا ہے تو اس جگہ پر اللہ تعالیٰ ان تین سو آدمیوں میں سے کسی ایک کو مقرر کر دیتا ہے، اور جب ان تین سو آدمیوں میں سے کوئی مرجاتا ہے تو اس کی

جگہ پر اللہ تعالیٰ عوام میں سے کسی ایک آدمی کو مقرر کر دیتا ہے اور ان سب آدمیوں کے وجود کے سبب اس اُمّت سے ہر بلا و آفت دفع کی جاتی ہے۔ اس حدیث کے ضمن میں بعض عارفین نے لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا آدمی بھی مقرر ہوتا ہے جس کا قلب آنحضرت ﷺ کے قلب پر ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام کائنات اور اپنے تمام عالم خلق و امر میں کوئی ایسی ہستی پیدا نہیں فرمائی جو آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک سے زیادہ عزیز، زیادہ باشرف اور زیادہ لطیف و پاکیزہ ہو، لہٰذا اللہ کے برگزیدہ ترین بندوں میں سے بھی کسی کا قلب آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک کے برابر و مقابل نہیں ہے، خواہ وہ ابدال ہوں یا اقطاب۔

دمشق کا ذکر

⑬ وَعَنْ رَجُلٍ مِنَ الصَّحَابَةِؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَتُفْتَحُ الشَّامُ فَاِذَا خُيِّرْ تُمُ الْمَنَازِلَ فِيْهَا فَعَلَيْكُمْ بِمَدِيْنَةٍ يُقَالُ لَهَا دِمَشْقُ فَاِنَّهَا مَعْقِلُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الْمَلَاحِمِ وَفُسْطَاطُهَا مِنْهَا اَرْضٌ يُقَالُ لَهَا الْغُوْطَةُ رواهما احمد۔

"صحابہؓ میں سے ایک شخص سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: وہ زمانہ قریب ہے جب ملک شام کے شہر اور علاقے (اسلامی لشکر کے ذریعہ) فتح کئے جائیں گے پس جب تمہیں ان شہروں اور علاقوں میں مکانات بنانے اور رہائش پزیر ہونے کا اختیار دیا جائے تو تم اس شہر کو اختیار کرنا لازم جاننا جس کو "دمشق" کہا جاتا ہے کیونکہ وہ (دمشق شہر) مسلمانوں کے لئے لڑائیوں سے پناہ کی جگہ ہے اور دمشق ایک جامع شہر ہے اور دمشق کی زمینوں (یعنی علاقوں) میں سے ایک زمین (یا علاقہ) ہے جس کو "غوطہ" کہا جاتا ہے (ان دونوں روایتوں کو امام احمدؒ نے نقل کیا ہے)۔"

تشریح: "صحابہؓ میں سے ایک شخص" اس حدیث کو جن صحابیؓ نے روایت کیا ہے ان کا نام معلوم نہیں ہو سکا لیکن اس سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ تمام ہی صحابہؓ عدول ہیں اور کسی صحابیؓ راوی کے نام کا معلوم نہ ہونا مطلق نقصان دہ نہیں ہے۔

"دمشق" اکثر قول کے مطابق دؔ کے زیر اور میم کے زبر کے ساتھ ہی فصیح تر ہے۔ یہ شام کا مرکزی شہر اور پایہ تخت ہے۔

"لڑائیوں سے پناہ کی جگہ" لفظ "معقل" کے معنی پناہ گاہ اور قلعہ کے ہیں، یہ لفظ عقل سے بنا ہے جس کے معنی ہیں، روک رکھنا، باندھنا، اور ملاحم جمع ہے ملحمة کی، جس کے معنی جنگ و جدل اور قتل و قتال کے ہیں، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ دمشق کے مسلمانوں کے لئے ایک مضبوط قلعہ اور پناہ گاہ کی مانند ہے، جو مسلمان اس شہر میں داخل ہو جاتے ہیں وہ دشمنان دین کے غلبہ و تسلط اور ان کے قتل و قتال سے اپنے آپ کو مامون بنا لیتے ہیں، جس طرح کوئی بکری خود کو اپنے دشمن سے محفوظ رکھنے کے لئے پہاڑوں پر چڑھ جاتی ہے اور کسی پہاڑی چوٹی کو اپنی پناہ گاہ بنا لیتی ہے۔

"دمشق ایک جامع شہر ہے" فسطاط (بعض روایتوں کے مطابق فسطاط) جامع شہر کو کہتے ہیں یعنی ایسا شہر جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنے اندر جمع کرے، اسی لئے مصر کو بھی فسطاط کہتے ہیں ویسے فسطاط خیمہ اور ڈیرے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

"جس کو غوطہ کہا جاتا ہے" غُوطَۃ ان باغات اور پانی کے چشموں کا نام ہے جو شہر دمشق کے گردا گرد ہیں اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ دمشق شہر کے قریب ایک بستی کا نام "غوطہ" ہے۔

خلافت مدینہ میں اور ملوکیت شام میں

⑭ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخِلَافَةُ بِالْمَدِيْنَةِ وَالْمُلْكُ بِالشَّامِ۔

"اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "خلافت مدینہ میں ہے اور ملوکیت یعنی بادشاہت شام میں"۔

تشریح: "خلافت مدینہ میں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ خلافت کا پایۂ تخت غالب عرصہ تک مدینہ میں رہے گا "غالب عرصہ" کی قید اس لئے ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اپنا پایۂ تخت کوفہ کو بنا رکھا تھا، یا پھر اس جملہ کی مراد یہ ہے کہ خلافت مستقرہ مدینہ میں ہے۔

"ملوکیت یعنی بادشاہت شام میں ہے" اس جملہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام حسن ؓ نے جب خلافت سے دست کشی اختیار کر لی اور امور مملکت امیر معاویہؓ کے سپرد کر آئے تو بھی امیر معاویہؓ خلیفہ نہیں ہوئے۔ اس کی تائید میں اس روایت کو پیش کیا جاسکتا ہے جو احمدؒ، ترمذیؒ، ابویعلیؒ اور ابن حبانؒ نے نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: میرے بعد میری امت میں خلافت کا زمانہ بس تیس سال تک رہے گا اس کے بعد پھر ملوکیت و بادشاہت آجائے گی۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں حضرت علیؓ کی خلافت اور حضرت امیر معاویہؓ کی ملوکیت و بادشاہت کی طرف اشارہ ہے واضح ہو کہ ایک اور حدیث میں "ملک" یعنی ملوکیت و بادشاہت کا ذکر آنحضرت ﷺ کے خصائص و اوصاف میں ہوا ہے اس میں یوں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا مولد یعنی جائے پیدائش تو مکہ ہے، آپ ﷺ کا مہاجر یعنی جائے ہجرت مدینہ ہے اور آپ ﷺ کا ملک یعنی آپ ﷺ کی بادشاہت شام میں ہے۔ تو اس حدیث میں "ملک" سے مراد نبوت و دین ہے، مطلب یہ کہ یوں تو آپ ﷺ کی نبوت اور آپ کا دین تمام عالم پر ظاہر ہوگا، لیکن آپ کی نبوت کا فیضان اور آپ کا دین آخر میں جس جگہ سب سے زیادہ اور سب سے غالب صورت میں ظاہر ہوگا وہ ملک شام ہے، اور بعض حضرات نے "آپ ﷺ کا ملک یعنی بادشاہت شام میں ہے" کی مراد یہ بیان کی ہے کہ آپ ﷺ کے دین کی سربلندی کے لئے جہاد و قتال کی سب سے بڑی جگہ ملک شام ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل شام دشمنان دین کے خلاف برسرپیکار اور مصروف جہاد ہوں گے اور اس طرح اس جملہ میں مسلمانوں کے لئے ترغیب ہے کہ وہ آخر زمانہ میں جہاد اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنے کی فضیلت و سعادت کے جویا ہوں تو شام کی راہ پکڑیں۔

شام کی فضیلت

(۱۵) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ عَمُوْدًا مِّنْ نُّوْرٍ خَرَجَ مِنْ تَحْتِ رَاْسِيْ سَاطِعًا حَتّٰى اِسْتَقَرَّ بِالشَّامِ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَآئِلِ النُّبُوَّةِ۔

"اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میں نے (خواب میں) دیکھا کہ نور کا ایک ستون میرے سر کے نیچے سے برآمد ہوا، اوپر کو بلند ہوا اور پھر ملک شام میں جاکر نصب ہوگیا" ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ ﷺ کا دین بہت تیزی کے ساتھ ملک شام میں پہنچے گا، اس کے برکات و اثرات بہت مضبوطی کے ساتھ اس سرزمین پر قائم رہیں گے اور اس ملک میں اس کو سربلندی و شوکت اور غلبہ حاصل ہوگا۔ اسی مفہوم میں اس روایت کو لینا چاہئے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ کے پیٹ سے ایک نور نکلا جس کی روشنی سے شام کے محلات و مکانات منور ہوگئے۔

دمشق کا ذکر

(۱۶) وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَآءِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ فُسْطَاطَ الْمُسْلِمِيْنَ يَوْمَ الْمَلْحَمَةِ بِالْغُوْطَةِ اِلٰى جَانِبِ مَدِيْنَةٍ يُقَالُ لَهَا دِمَشْقُ مِنْ خَيْرِ مَدَآئِنِ الشَّامِ۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت ابودرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: (دجال کے خلاف) فوجی کارروائی اور جنگ وجدال کے دنوں میں مسلمانوں کے جمع ہونے کی جگہ "غوطہ" ہے جو شام کے اس شہر کا نواحی علاقہ ہے جس کو دمشق کہا جاتا ہے اور دمشق شام کے شہروں میں سے بہترین شہر ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: من خیر مدائن الشام کے الفاظ "دمشق" کی صفت ہے جس کو ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے اور جیسا کہ پچھلی حدیث میں گزرا "غوطہ" بھی دمشق کے قریب واقع ہے ان دونوں حدیثوں میں بظاہر ایک فرق نظر آتا ہے کہ وہاں تو دمشق کو فسطاط کہا گیا تھا اور یہاں غوطہ کو فسطاط کہا گیا ہے، لیکن "غوطہ" چونکہ دمشق کے قریب اور اسی کا نواحی علاقہ ہے، اس لئے حقیقت میں ان دونوں کے درمیان کوئی تضاد اور فرق نہیں ہے۔

وہ عجمی حکمران جو دمشق پر تسلط نہیں پائے گا

⑰ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سُلَيْمَانَ قَالَ سَيَأْتِيْ مَلِكٌ مِّنْ مُلُوْكِ الْعَجَمِ فَيَظْهَرُ عَلَى الْمَدَائِنِ كُلِّهَا اِلَّا دِمَشْقَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبدالرحمٰن بن سلیمان تابعیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: وہ زمانہ آنے والا ہے، جب عجم کے حکمرانوں میں سے ایک حکمران چڑھائی کرے گا، وہ تمام شہروں پر غلبہ حاصل کرلے گا سوائے (شام کے شہر) دمشق کے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: شارحین حدیث نے اس روایت کا مصداق متعین نہیں کیا ہے کہ عجم کا وہ کون سا حکمران ہو سکتا ہے جو دمشق کے علاوہ تمام شہروں پر غلبہ و تسلط حاصل کرنے والا ہوگا، بہرحال یہ واضح کر دینا نہایت ضرور ہے کہ شام و فلسطین بیت المقدس، صخرہ، عسقلان، قزوین، اندلس، دمشق اور ان کے علاوہ کچھ اور شہروں کی فضیلت میں متعدد حدیثیں منقول ہیں لیکن آئمہ حدیث نے ان میں سے اکثر کو ضعیف قرار دیا ہے۔

بَابُ ثَوَابِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ
اس اُمت کے ثواب کا بیان

اس اُمت سے مراد اُمت محمدیہ ﷺ ہے، یعنی وہ جماعت یا وہ گروہ جو اجابت اور متابعت دونوں کا جامع ہے۔ جس نے حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا نبی و رسول بھی مانا اور آپ ﷺ کی اتباع و پیروی بھی کی چنانچہ اس جماعت کو "فرقہ ناجیہ" (نجات یافتہ گروہ سے تعبیر کیا جاتا ہے) پس "تصحیح" میں لکھا ہے کہ مبتدع (یعنی وہ شخص کہ جو بدعت نکالے اور بدعت اختیار کرے) علی الاطلاق اُمت میں سے نہیں ہے اور جیسا کہ "توضیح" میں ہے، علی الاطلاق امت میں سے اہل سنت والجماعت ہیں اور وہ لوگ ہیں جن کے دین پر چلنے کا راستہ رسول اللہ ﷺ اور رسول خدا کے صحابہؓ کا راستہ کے مطابق ہے اور صاحب تلویح نے لکھا ہے کہ مبتدع کو علی الاطلاق اُمت میں سے خارج اس لئے کہا جاتا ہے کہ اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہوں مگر وہ "امت دعوت" ہی کے حکم میں ہوں گے جیسا کہ کفار "امت دعوت" ہیں ان کا شمار "امت اجابت" میں نہیں ہوگا۔

امت محمدیہ ﷺ: دوسری تمام امتوں اور ملتوں کے مقابلہ میں اس اُمت مرحومہ کے فضائل و مناقب اور اس کے اجر و ثواب کی کثرت حد حصر سے خارج اور حیطۂ بیان سے باہر ہے، بلاشبہ یہ اُمت رسول ﷺ تمام دوسری امتوں سے افضل اور برتر ہے، اس امت کی افضلیت و برتری کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم میں خالق کائنات عزوجل کا یہ ارشاد کافی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔

"(اے اُمت محمدیہ) تم لوگ سب سے اچھی اُمت ہو جس کو لوگوں کی (ہدایت اور راہنمائی) کے لئے ظاہر کیا گیا ہے۔"

اور یہ ارشاد کہ:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔

"اور اسی لئے ہم نے تم کو (اے اُمت محمدیہ) ایسی امت بنایا ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) مقابلے میں گواہ ہو۔"

اور اس اُمت کی تعریف میں خود یہی ایک بات سب سے بھاری ہے کہ وہ محمد ﷺ کی اُمت ہے جو خاتم النبیین، سید المرسلین اور افضل الخلائق ہیں اور یہ کہ تمام انبیاء اور رسولوں نے آرزو کی کہ کاش وہ محمد ﷺ کا زمانہ پاتے اور آپ ﷺ کی اُمت کا ایک فرد ہونے کا شرف حاصل کرتے، اس کے علاوہ اس کے خصائص و کمالات اور کرامات و فضائل میں ایسی چیزیں ثابت ہیں جو پچھلی امتوں میں سے کسی بھی اُمت کے لئے ثابت نہیں ہیں اللھم اجعلنا من امته وارزقنا محبته وتوفنا علی دینه وملته برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

اس اُمت پر خصوصی فضل خداوندی

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَجَلُكُمْ فِيْ اَجَلِ مَنْ خَلَا مِنَ الْاُمَمِ مَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ وَاِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى كَرَجُلٍ اِسْتَعْمَلَ عُمَّالًا فَقَالَ مَنْ يَّعْمَلُ لِيْ اِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ فَعَمِلَتِ الْيَهُوْدُ اِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَّعْمَلُ لِيْ مِنْ نِّصْفِ النَّهَارِ اِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ فَعَمِلَتِ النَّصَارٰى مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ اِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَّعْمَلُ لِيْ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلٰى قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ اَلَا فَاَنْتُمُ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ اَلَا لَكُمُ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ فَغَضِبَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى فَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ عَمَلًا وَّاَقَلُّ عَطَآءً قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَهَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِّنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا قَالُوْا لَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَاِنَّهٗ فَضْلِيْ اُعْطِيْهِ مَنْ شِئْتُ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت ابن عمرؓ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (ہم مسلمانوں کو مخاطب کر کے) فرمایا: دوسری امتوں کے لوگوں کے مقابلہ میں تمہارا عرصۂ حیات اتنا ہے جتنا کہ (سارے دن کے مقابلہ میں) نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کا درمیانی وقت، علاوہ ازیں (اللہ رب العزت کے ساتھ) تمہارا معاملہ اور یہود و نصاریٰ کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی شخص اجرت پر کام کرنے کے لئے کچھ مزدوروں کو طلب کرے اور ان سے کہے کہ کوئی ہے جو دوپہر تک میرا کام کرے اور میں (اتنے عرصہ کام کرنے کی اجرت کے طور پر) ہر شخص کو ایک ایک قیراط دوں گا۔ چنانچہ اس اجرت کو منظور کر کے) یہود نے دوپہر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا، پھر اس شخص نے کہا کوئی ہے جو دوپہر سے عصر تک میرا کام کرے اور میں ہر شخص کو ایک ایک قیراط دوں گا۔ چنانچہ یہود کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے لوگوں نے یعنی) نصاریٰ نے دوپہر سے عصر کے وقت ایک ایک قیراط پر کام کیا، اور پھر اس شخص نے کہا کوئی ہے جو نماز عصر سے غروب آفتاب تک میرا کام کرے اور میں ہر شخص کو دو دو قیراط دوں گا (اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ہم مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا) جان لو (اس مثال میں) تم ہی وہ لوگ ہو جو عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کام کرنے والے ہیں، یاد رکھو تمہارا اجر دوگنا ہے اور اسی وجہ سے (کہ تمہارے کام کی مدت تو کم ہے لیکن مستحق دوگنے اجر کے قرار پائے ہو) یہود و نصاریٰ بھڑک اٹھے اور بولے کہ عمل کے اعتبار سے تو ہم

بہت بڑھے ہوئے ہیں لیکن اجر و ثواب میں ہمارا حصہ بہت کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا! کیا میں نے تمہارے ساتھ کچھ ظلم کیا ہے یعنی میں نے تمہاری جو اجرت مقرر کی تھی اور تمہیں جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا کیا اس میں کچھ کمی کی ہے، یہود و نصاریٰ نے کہا! نہیں (ہمارے حق میں تو نے کچھ کم نہیں کیا ہے لیکن تیری طرف سے یہ تفاوت اور تفریق کیسی ہے؟) پروردگار نے فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ یہ زیادہ اجر دینا میرا فضل و احسان ہے میں جس کو چاہوں زیادہ دوں (میں فاعل مختار ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں)۔" (بخاریؒ)

تشریح: اَجَلٌ کسی چیز کی مدت متعینہ کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى اور کبھی اس لفظ (اجل کا اطلاق انسان کی موت پر کیا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے دنا اجلہ اس شخص کی موت قریب آگئی۔ یہ ملا علی قاریؒ نے طیبیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے اور اس کے بعد کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ "اجل" کے لفظ سے کبھی تو اس پوری مدت کو تعبیر کیا جاتا ہے جو عمر کے لئے متعین ہوتی ہے خواہ وہ معلق ہو یا مبرم) جیسا کہ اللہ کے اس ارشاد ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، اور کبھی اس لفظ کا اطلاق مدت عمر کے خاتمہ اور زندگی کے آخری لمحہ پر ہوتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کے ارشاد اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ میں اس لفظ کے یہی معنی مراد ہیں پس یہاں حدیث کے الفاظ انما اجلکم فی اجل من خلا من الامم الخ میں لفظ "اجل" کے پہلے معنی مراد ہیں یعنی پورا عرصہ حیات پوری مدت عمر اس روشنی میں حدیث گرامی کے ان الفاظ کی وضاحت یہ ہوگی کہ! اے مسلمانو! پچھلی امتوں کے لوگوں کی لمبی عمروں کے مقابلہ میں تمہاری کم عمروں کا تناسب وہی ہے جو دن کے آغاز سے نماز عصر تک کے وقت کے مقابلہ میں عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کے وقت کا ہے، لیکن اس کے باوجود تمہارے اجر و ثواب کی مقدار زیادہ متعین ہے جب کہ ان لمبی لمبی عمروں والوں کے لئے اجر و ثواب کی مقدار کم رکھی گئی، یہ تمہارا شرف و اعزاز ہے کہ تمہارے عمل کا عرصہ کم ہے مگر اجر و ثواب کہیں زیادہ۔

"قیراط" ایک وزن کو کہتے ہیں جو درہم کے بارہویں حصہ یا دینار کے بیسویں یا چوبیسویں حصہ کے برابر ہوتا ہے۔

"یہود نے دوپہر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا" یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے اور ان کی اتباع کرنے والوں نے اپنی اپنی لمبی لمبی عمروں میں کم ثواب پر زیادہ عمل کیا، اور اس طرح وہ ان مزدوروں کے مشابہ ہوئے جنہوں نے صبح سے دوپہر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا ہو۔ اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں اور ان کی اتباع کرنے والوں کا زمانہ آیا تو انہوں نے بھی اپنے عرصہ حیات میں کم ثواب پر زیادہ عمل کیا اور وہ ان مزدوروں کے مشابہ ہوئے جنہوں نے دوپہر کے بعد سے عصر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا ہو۔

"یاد رکھو تمہارا اجر دوگنا ہے" یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ تو یہ معاملہ تھا کہ وہ جتنا کرتے تھے اسی کے برابر اجر و ثواب کے مستحق ہوتے تھے۔ لیکن تمہارا اعزاز یہ ہے کہ ان کی بہ نسبت تم کو دوگنا اجر و ثواب ملتا ہے گویا حدیث کا یہ مضمون اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ۔

"اے (عیسیٰ علیہ السلام پر) ایمان رکھنے والو! تم اللہ سے ڈرو اور اس اور اس کے رسول (محمد ﷺ) پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تمہیں دگنا ثواب دے گا۔"

پس اس امت کے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے نبی کو مانا اور اس کی تصدیق کی بلکہ پچھلے نبیوں اور رسولوں پر بھی ایمان لائے اور ان کی تصدیق کی لہٰذا دوگنے اجر اور دوہرے ثواب کے مستحق ہوئے۔

"لیکن اجر و ثواب میں ہمارا حصہ بہت کم ہے" یہود و نصاریٰ کی اس بات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ یوں ادا کیا جاسکتا ہے کہ:

پروردگار! یہ کیا ہے کہ محمد ﷺ کی اُمت کا کام کم اس کے اعمال قلیل، لیکن اس کا اجر بہت اس کا ثواب زیادہ، اس اُمت کے مقابلہ میں ہمارا کام کہیں زیادہ ہمارے اعمال بہت کثیر، مگر ہمارا اجر کہیں کم اور ہمارا ثواب بہت قلیل؟ یہاں دونوں احتمال ہیں، یہ بات یہود و نصاری یا تو قیامت کے دن کہیں گے جب وہ اُمت محمدیہ کو اجر و ثواب کے اعتبار سے اپنے مقابلہ میں کہیں زیادہ آگے پائیں گے. یا اس طرح کی بات انہوں نے اس وقت کہی ہوگی جب ان کو اپنے اپنے زمانہ میں اپنی آسمانی کتابوں کے ذریعہ اور اپنے رسولوں کی زبانی اس امت محمدیہ کے ایسے فضائل و خصائص معلوم ہوئے ہوں گے۔ بہر صورت اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی ثواب ملتا ہے وہ نہ تو عبادات و اعمال میں رنج و تعب اٹھانے کے اعتبار سے ملتا ہے اور نہ استحقاق کی جہت سے، کیونکہ بندہ اپنے مولی کے نزدیک اس وجہ سے ثواب کا مستحق نہیں ہوتا کہ اس نے کوئی عبادت کی ہے، کوئی کارگزاری دکھائی ہے، بلکہ مولی اپنے محض فضل و احسان کی جہت سے بندہ کو ثواب سے نوازتا ہے اور مولی کو اس کا پورا اختیار ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ سے زیادہ ثواب عطا فرمائے فَاِنَّهٗ يَفْعَلُ مَايَشَآءُ وَيَحْكُمُ مَايُرِيْدُ۔

واضح ہو کہ حدیث میں مذکور "یہود و نصاری" سے مراد وہ یہود و نصاری ہیں جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں (رسول کو مانا) اس پر ایمان لائے، اس کی لائی ہوئی کتاب اور شریعت کی پیروی کی اور آخر دم تک اپنے اپنے دین حق پر قائم رہے، رہی ان یہود و نصاری کی بات جنہوں نے اپنے دین حق سے انحراف کیا، اپنے رسول اور اپنی کتاب کا انکار کیا، ان کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے کیونکہ وہ تو سرے سے ثواب ہی سے محروم ہے علاوہ ازیں یہ نکتہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ نصاری جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل مقدس پر ایمان رکھتے ہیں، باوجودیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت پر بھی ایمان لائے تھے لیکن ان کو یہود کی بہ نسبت زیادہ ثواب نہیں ملا، جو صرف اپنے ہی رسول اور اپنی ہی کتاب یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت پر ایمان لائے تھے۔

ایک اور بات اس حدیث سے حنفی علماء نے عصر کے وقت کے بارہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اور مضبوط بنانے کے لئے استدلال کیا ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ عصر کا وقت جب شروع ہوتا ہے کہ ہر شے کا سایہ اس کے دو مثل یعنی دوگنا ہو جائے۔ چنانچہ ان حنفی علماء کا کہنا ہے کہ نصاری کے عرصہ عمل کا اس اُمت کے عرصہ عمل سے زیادہ ہونا اسی صورت میں سمجھا جاسکتا ہے جب کہ حدیث میں مذکور مثال کے مطابق ان کے کام (عمل) کی مدت دوپہر کے بعد سے ہر شے کا سایہ دو مثل یعنی دوگنا ہو جانے تک رہے۔

بعد کے زمانہ کے اہل ایمان کی فضیلت

(۲) وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِىْ لِىْ حُبًّا نَاسٌ يَكُوْنُوْنَ بَعْدِىْ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْرَاٰنِىْ بِاَهْلِهٖ وَمَالِهٖ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: حقیقت تو یہ ہے کہ میری اُمت میں مجھ سے نہایت شدید اور نہایت اچھی محبت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو میری وفات کے بعد پیدا ہوں گے ان میں کا کوئی کوئی تو یہ آرزو کرے گا کہ کاش وہ مجھ کو دیکھ لے، اپنے اہل و عیال اور اپنا مال و اثاثہ سب کچھ مجھ پر قربان کردے۔" (مسلمؒ)

تشریح: یعنی میرے تئیں شدت محبت اس کو اس آرزو میں مبتلا رکھے گی کہ اگر میری زیارت اور میرے دیدار کا موقع اس کو نصیب ہو جائے تو وہ مجھ تک پہنچے اور اپنے اہل و عیال، اپنا گھربار اپنا مال و اثاثہ سب کچھ مجھ پر فدا کردے، واضح ہو کہ اس حدیث سے اور اس جیسی دوسری حدیثوں سے بظاہر یہ مفہوم نکلتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد ہو سکتا ہے کہ بعضے لوگ ایسے اس اُمت میں پیدا ہوں جو فضیلت میں صحابہ کرام کے برابر ہوں یا ان سے بھی افضل ہوں چنانچہ محدثین میں کی ایک مشہور شخصیت علامہ ابن

عبدالبرؒ کا رجحان اسی طرف ہے اور انہوں نے اسی طرح کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اس کا ذکر شیخ ابن حجر مکی کی صواعق محرقہ میں موجود ہے، لیکن جمہور علماء کا اجماع و اتفاق اسی پر ہے کہ اُمت کے افضل ترین افراد صحابہؓ کرام ہی ہیں کوئی بھی غیر صحابی خواہ دین و شریعت علم و معرفت، ولایت و بزرگی اور تقوی و تقدس میں کتنا ہی اونچا مقام رکھتا ہو، صحابی کی منزل اور اس کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا، ان جمہور علماء نے ان احادیث کے بارہ میں کہ جن سے ابن عبدالبرؒ نے استدلال کیا ہے کہا ہے کہ ان حدیث کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت کی جاسکتی ہے وہ کسی غیر صحابی کی کسی ایک گوشہ سے جزوی فضیلت ہے لیکن جہاں تک کلی افضلیت کا تعلق ہے، کہ جو کثرت ثواب سے عبارت ہے تو وہ صرف صحابہ کے لئے ہے۔ ان علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس گفتگو میں صحابہؓ سے مراد وہ خاص الخاص صحابہ ہیں جن کو آنحضرت ﷺ کی صحبت و معیت میں طویل عرصہ تک رہنے کا شرف نصیب ہوا ہو، جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے بہت زیادہ اکتساب علم و فیض کیا ہو، اور جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے ہوں، رہے وہ عام العوام صحابہؓ جن کو ایک آدھ ہی مرتبہ زیارت نبوی ﷺ کا موقع ملا ہو اور بعض تو ایسے بھی ہیں جن کو پوری عمر میں بس ایک ہی مرتبہ چہرۂ اقدس کا دیدار نصیب ہوا تو ان کا مسئلہ محل توقف و تردد اور محل نظر ہے، لیکن حق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی صحابیت کا وہ شرف و فضل جو کسی بھی صحابی کو کسی بھی غیر صحابی سے افضل و برتر مقام عطا کرتا ہے، ہر صحابی کو حاصل ہے، اگرچہ کسی صحابی کو صرف ایک ہی بار آنحضرت ﷺ کے چہرۂ اقدس کے دیدار کا موقع ملا ہو اور اس فضل و شرف میں تو کوئی بھی کسی صحابی کا ہمسر و شریک نہیں ہو سکتا، ہاں علمی و عملی فضیلت میں گفتگو کا دائرہ وسیع ہو سکتا ہے لیکن اس جہت سے بھی زیادہ بحث کی بجائے یہی کہنا اولی ہے کہ صحابہؓ پوری اُمت میں علی الاطلاق افضل و اشرف ہیں۔

یہ اُمت اللہ کے سچے دین پر قائم رہنے والوں سے کبھی خالی نہیں رہے گی

(۴) وَعَنْ مُعَاوِيَةَؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَزَالُ مِنْ اُمَّتِيْ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَنَسٍ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ فِيْ كِتَابِ الْقِصَاصِ۔

"اور حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری اُمت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا رہے گا جو اللہ کے حکم پر قائم ہو گا، اس گروہ (کے دینی و جماعتی نظم اور معاملات کو) نہ وہ شخص نقصان پہنچا سکے گا جو اس کی تائید و اعانت ترک کر چکا ہو، اور نہ وہ شخص ضرر پہنچائے گا جو (موافقت کی بجائے) اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا ہو یہاں تک کہ اللہ کا حکم آن پہنچے گا اور وہ اپنے اسی راستہ پر یعنی احکام خداوندی اطاعت اور دین کی خدمت و اعانت پر قائم ہوں گے۔ (بخاریؒ، و مسلمؒ) اور حضرت انسؓ کی روایت کردہ حدیث ان من عباد اللہ لو اقسم علی اللہ لابرہ کتاب القصاص میں نقل کی جا چکی ہے۔"

تشریح: "اللہ کے حکم پر قائم ہو گا......" یعنی اس گروہ کی اعتقادی اور عملی زندگی پوری عمارت دینی فرائض اور شرعی احکام پر استوار ہو گی جو کتاب اللہ کو یاد کرنے حدیث کا علم حاصل کرنے کتاب سُنت سے استنباط کرنے، فی سبیل اللہ جہاد کرنے مخلوق خدا کی خیر خواہی میں لگے رہنے اور جتنے فرض کفایہ ہیں سب کے تئیں اپنی ذمہ داری نبھانے سے عبارت ہے اور جس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد و اشارہ کرتا ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

"اور تم میں (ہمیشہ) ایک جماعت ایسی ہونا ضرور ہے جو (دوسروں کو بھی) خیر کی طرف بلایا کریں، اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں۔"

بہر حال اس حدیث سے واضح ہوا کہ روئے زمین ایسے صلحا اور پاکیزہ نفس لوگوں سے کبھی خالی نہیں رہے گی جو احکام خداوندی کی پیروی میں ثابت قدم رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے دور رہتے ہیں، دین و شریعت پر ہر حالت میں عمل کرتے

ہیں اور بہر صورت اسلام کی بقاء و سربلندی کے لئے سرگرم رہتے ہیں، خواہ مدد و اعانت کرنے والے ان کی مدد و اعانت کریں یا مخالفت پر کمر بستہ لوگ ان کی مخالفت و برائی کریں۔

حَتّٰی یاتی امر اللّٰہ (یہاں تک کہ اللہ کا حکم آن پہنچے گا) میں (امر اللّٰہ) (اللہ کے حکم) سے موت اور انقضائے عہد مراد ہے تاہم ایک شارح نے اس سے "قیامت" مراد لی ہے لیکن اس قول پر اس حدیث کی روشنی میں یہ اشکال واقع ہوتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے لا تقوم الساعۃ حَتّٰی لایکون فِیْ الارض من یَقُوْلُ اللّٰہ (روئے زمین پر جب تک ایک بھی اللہ کا نام لیوا موجود رہے گا قیامت نہیں آئے گی) اسی طرح قائمۃ بامر اللّٰہ (اللہ کے حکم پر قائم ہوگا) کے معنی ایک شارح نے اللہ کے دین پر سختی سے عمل کرنا لکھے ہیں، نیز بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حدیث میں مذکورہ "گروہ" سے مراد اہل علم کی وہ جماعت ہے جو ہر زمانہ میں حدیث کی تعلیم اور دینی علوم کی تدریس و اشاعت کے ذریعہ سُنّت کی ترویج اور دین کی تجدید و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتی رہے گی اور ایک شارح کہتے ہیں "گروہ" سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ اور ہر حالت میں اسلام پر قائم رہیں گے۔ ایک اور شارح لکھتے ہیں، ہوسکتا ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہو کہ روئے زمین سے اہل اسلام کی شوکت و عظمت کبھی فناہ نہیں ہوگی۔ اگر روئے زمین کے کسی علاقہ اور کسی خطہ میں اسلام اور مسلمانوں کو ضعف و اضمحلال لاحق ہوگا تو کسی دوسرے علاقہ اور خطہ میں اسلام کا بول بالا اور مسلمانوں کو شوکت و عظمت حاصل رہے گی جو اعلاء کلمۃ اللہ اور اسلام کا پرچم سر بلند کرنے میں مستعدی سے لگے ہوں گے اور اکثر اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ گروہ سے مراد غازیان اسلام کی جماعت ہے جس کا کام دشمنان دین اسلام سے جہاد کرکے دین کو مضبوط و سربلند کرنا ہے اور پھر یہی جماعت آخر زمانہ میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت و نگہبانی کرے گی، بعض روایتوں میں وھم بالشام کے الفاظ بھی آئے ہیں یعنی اس گروہ کا مستقر ملک شام ہوگا اور بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی ہیں حَتّٰی یقاتل اخرھم مسیح الدجال (یہاں تک کہ اس گروہ کے آخری افراد دجال کو قتل کریں گے) گویا یہ روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ "گروہ" سے مراد غازیان اسلام ہی کی جماعت ہے لیکن حدیث کے ظاہری مفہوم سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ عمومی طور پر ہر وہ جماعت اور ہر وہ طبقہ مراد ہے جو اللہ کے سچے دین پر قائم ہو اور اللہ کے دین کی خدمت و اشاعت میں اور اسلام کی سربلندی کے لئے کسی بھی صورت سے مصروف عمل ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

اُمّت محمدی ﷺ کی مثال

④ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ الْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُہٗ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُہٗ۔

(رواہ الترمذی)

"حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میری اُمّت کا حال بارش کے حال کی طرح ہے جس کے بارہ میں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا اول بہتر ہے یا اس کا آخر بہتر ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: بارش کی مثال کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمّت کا ذکر جس انداز میں کیا اس سے بظاہر تو شک و تردد اور عدم یقین اس میں سمجھا جاتا ہے کہ معلوم نہیں کہ اس اُمّت کے پہلے لوگ بہتر تھے یا بعد کے لوگ بہتر ہیں، لیکن حقیقت میں حدیث سے یہ مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ بارش کی مثال کے ذریعہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ پوری اُمّت اچھی ہے جیسا کہ سوکھے اور خشک موسم میں جب باران رحمت نازل ہوتی ہے تو وہ پوری بارش ہی اچھی اور نافع مانی جاتی ہے، اس طرح اُمّت محمدی ﷺ میں پہلے زمانہ سے تعلق رکھنے والے اور بعد کے زمانوں کے سچے اور نیک مسلمان بھی خیر یعنی اچھا ہونے اور فائدہ پہنچانے کے اعتبار سے برابر ہیں، پس لفظ "خیر" دین کے اعتبار سے افضلیت ظاہر کرنے والے اسم تفضیل کے طور پر استعمال نہیں ہوا ہے۔ رہا یہ سوال کہ اُمّت کے اول اور آخر دنوں سے تعلق رکھنے

والے اچھا اور نافع ہونے میں برابر کیسے ہیں؟ تو وہ یوں کہ دور اول کے لوگوں نے رسول خدا ﷺ کی صحبت و رفاقت کا شرف پایا، آنحضرت ﷺ کی ہر حالت میں اتباع کی، آپ ﷺ کی دعوت اسلام دوسروں تک پہنچائی، آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ ﷺ کے پیش کئے ہوئے دین کے فوائد و ہدایات کی بنیاد رکھی۔ آپ ﷺ کے دین متین کو اعانت و تقویت پہنچائی اور آنحضرت ﷺ کی ہر طرح سے مدد و حمایت کی تو بعد کے امتیوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور رسالت اور آپ ﷺ کی شریعت کو جوں کا توں تسلیم کیا، رسالت و شریعت کے ہر جز پر مضبوط عقیدے کے ساتھ جمے رہے، آپ ﷺ کے دین کی حفاظت اور دین کو استحکام و رواج دیا دینی قواعد و ہدایات کی بنیاد کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، یا دین و شریعت کے ارکان کو مضبوط و مستحکم کیا، اسلام کے جھنڈے کو سربلند کیا، اسلام کی روشنی کو چار دانگ عالم میں پھیلایا اور اس کے برکات و اثرات تمام عالم پر ظاہر کئے اور اگر لفظ "خیر" کو اسم تفضیل کے معنی پر محمول کیا جائے تو بھی اس اعتبار سے درست ہو سکتا ہے کہ "خیر" (بہتر ہونے) کے وجوہ اور اسباب متعدد ہوتے ہیں جن اسباب و وجوہ کے اعتبار سے دور اول کے امتی بہتر تھے، ان کے علاوہ بعض اور اسباب و وجوہ سے بعد کے زمانہ کے امتی بہتر ہیں گویا حاصل یہ نکلا کہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نافع اور اچھا ہونے کے اعتبار سے پوری اُمت یکساں اور برابر ہے اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے، کہ وجوہ و اسباب کے تعدد و اختلاف کے مد نظر دور اول کے امتی اپنے اعتبار سے بہتر ہیں اور بعد کے زمانہ کے امتی اپنی نوعیت سے بہتر ہیں، لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ جہاں تک کلی افضلیت کا تعلق ہے وہ صرف دور اول کے امتیوں یعنی صحابہؓ کے لئے مخصوص ہے۔ اگرچہ یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ کسی خاص درجہ و نوعیت کے تحت بعد کے امتیوں میں سے کسی کے لئے جزوی افضلیت ثابت کی جائے اور یہ بات ذہن میں رہے کہ کلی افضلیت سے مراد "اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ثواب پانا" ہے۔

اور تورپشتیؒ نے لکھا ہے: یہ حدیث بعد کے امتیوں پر دور اول کے امتیوں کی فضیلت و برتری میں شک و تردد پر ہرگز محمول نہیں ہے کیونکہ قرن اول (صحابہؓ کا زمانہ) تمام قرنوں سے بلاشک و شبہ افضل ہے پھر اس کے بعد کے قرن کے امتی اپنے بعد والے تمام قرنوں سے افضل ہیں، اور پھر اس کے بعد کے قرن کے امتی اپنے بعد والے تمام قرنوں سے افضل ہیں، پس اس حدیث کی مراد بس یہ بیان کرنا ہے کہ دین و شریعت پھیلانے کے اعتبار سے پوری اُمت نافع ہے۔ اسی طرح کی بات قاضیؒ نے بھی ایک طویل عبارت میں لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح بارش کے بارہ میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا کون سا حصہ زیادہ مفید اور نفع بخش ہے اور کس وجوہ سے "خیر" کا وجود ہے اور کن افراد میں "خیر" کا وجود نہیں ہے، کیونکہ وجود خیر کی مختلف جہتیں اور مختلف نوعیتیں ہوتی ہیں اور اس اعتبار سے اُمت کا ہر دور اپنی اپنی حیثیت اور جہت سے "وجود خیر" کا حامل ہوگا، تاہم الفضل للمتقدم کے اصول کے تحت افضلیت انہی امتیوں کے لئے ہے جو دور اول میں تھے، یعنی صحابہؓ اور یہ حدیث بعد کے زمانے والے امتیوں کے لئے تسلی کا مصدر ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ رب العلمین کی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور اس کی بارگاہ سے حصول فیض کی توقع ہر حال میں باقی ہے۔

اس حدیث کی شرح میں طیبیؒ لکھتے ہیں، اُمت کو بارش کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے وہ محض ہدایت اور علم کو سامنے رکھ کر دی گئی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں بارش کو ہدایت اور علم کے مشابہت دی ہے پس حدیث میں مذکورہ "امت" جس کو بارش کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے اس سے مراد علماء کاملین ہیں کہ جو خود بھی کامل ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی درجہ کمال تک پہنچاتے ہیں، یہ وضاحت بھی گویا اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ "خیر" سے "نفع" کے معنی مراد لئے جائیں جس سے "افضلیت" میں پوری اُمت کا یکساں ہونا لازم نہیں آتا۔ خلاصہ کلام یہ کہ اُمت محمدی اپنے کسی دور میں "خیر" سے خالی نہیں رہے گی، جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے پوری اُمت کو "امت مرحومہ" فرمایا ہے اور یہ ثمرہ ہے اس بات کا کہ اس اُمت کا نبی "نبی رحمت" ہے بخلاف دوسری امتوں کے کہ ان کے ہاں "خیر" کا وجود صرف ابتدائی دور میں رہا اور پھر بعد والوں میں "شر" آگیا اور اس طرح آیا کہ انہوں نے اپنی مقدس آسمانی کتابوں تک کو بدل ڈالا اور تحریفیں کر کر کے اپنے دین کا حلیہ ہی بگاڑ دیا جس پر ان کے دور اول کے لوگ تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اُمّت محمدی ﷺ کا حال

⑤ عَنْ جَعْفَرٍؒ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَبْشِرُوْا وَاَبْشِرُوْا اِنَّمَا مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ الْغَیْثِ لَا یُدْرٰی اٰخِرُهٗ خَیْرٌ اَمْ اَوَّلُهٗ اَوْ کَحَدِیْقَةٍ اُطْعِمَ مِنْهَا فَوْجٌ عَامًا ثُمَّ اُطْعِمَ مِنْهَا فَوْجٌ عَامًا لَعَلَّ اٰخِرَهَا فَوْجًا اَنْ یَّکُوْنَ اَعْرَضَهَا عَرْضًا وَاَعْمَقَهَا عُمْقًا وَاَحْسَنَهَا حُسْنًا کَیْفَ تَهْلِكُ اُمَّةٌ اَنَا اَوَّلُهَا وَالْمَهْدِیُّ وَسْطُهَا وَالْمَسِیْحُ اٰخِرُهَا وَلٰکِنْ بَیْنَ ذٰلِكَ فَیْجٌ اَعْوَجُ لَیْسُوْا مِنِّیْ وَلَا اَنَا مِنْهُمْ۔ (رواہ رزین)

"حضرت امام جعفر صادقؒ اپنے والد (حضرت امام محمد باقرؒ) سے اور وہ امام جعفرؒ کے دادا (یعنی اپنے والد حضرت امام زین العابدین علی بن حسین بن علیؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: خوش ہو جاؤ، اور خوش ہو جاؤ، بات یہ ہے کہ میری اُمت اجابت کے (افراد کا حال (حصول منفعت کے اعتبار سے) بارش کے حال کی مانند ہے جس کے بارہ میں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا اخیر بہتر ہے یا اس کا اول بہتر ہے، یا میری اُمت کی مثال ایک باغ کی مانند ہے جس (کے کچھ حصوں سے) ایک سال ایک جماعت نے کھایا یعنی نفع اٹھایا اور اس (کے کچھ حصوں سے) دوسرے سال ایک اور جماعت نے کھایا، ممکن ہے وہ جماعت جس نے آخر میں باغ سے کھایا ہے (پہلی جماعت کے مقابلہ میں) چوڑائی اور گہرائی میں زیادہ ہو اور خوبیوں میں بھی اس سے بہتر ہو، بھلا وہ اُمت کیونکر ہلاک (یعنی نیست و نابود) ہو جس کا اول میں ہوں جس کے وسط میں مہدی ہوں گے اور جس کے آخر میں مسیح ہوں گے، ہاں ان زمانوں کے درمیان ایک کج رو (یعنی گمراہ) جماعت پیدا ہوگی، اس جماعت کے لوگ میرے راستہ و طریقہ پر چلنے والے اور میرے متبعین میں سے نہیں ہوں گے اور نہ میں ان سے ہوں یعنی میں ان سے راضی اور ان کا حامی و مددگار نہیں بلکہ ان کی سرکشی اور ان کے فسق کے سبب ان سے اپنی ناراضگی اور بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔" (رزین)

تشریح: "خوش ہو اور خوش ہو......." یہ الفاظ آپ ﷺ نے دوبار یا تو تاکید کے لئے فرمائے یا اس تکرار میں یہ نقطہ ملحوظ تھا کہ ایک بشارت تو دنیا کے اعتبار سے ہے اور ایک بشارت آخرت کے اعتبار سے۔

"یا میری اُمت کی مثال......" اس جملہ میں اَوْ (یا) کا لفظ تنویع کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور تخییر کے لئے بھی، بہر صورت "باغ" سے مراد وہ باغ ہے جس کے درخت ہرے بھرے ہوں اور اس میں انواع و اقسام کے پھل میوے کثرت سے ہوں اور "امت" کو باغ کے ساتھ مشابہت دینا در اصل "دین" کو اس کے شرائع ارکان اور شعبوں کی جہت سے مشابہت دینا ہے۔

چوڑائی اور گہرائی میں...... یہاں "چوڑائی اور گہرائی" سے جماعت کی کثرت اور لوگوں کی بڑی تعداد کے معنی مراد ہیں، اس جملہ میں طول، (لمبائی) کا ذکر اس لئے نہیں ہے کہ عرض اور عمق طول کے بعد ہوتا ہے، جب عرض اور عمق کا ذکر آ گیا تو گویا طول کا بھی ذکر ہو گیا۔

ایمان بالغیب کے اعتبار سے تابعینؒ کی فضیلت

⑥ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍؓ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْخَلْقِ اَعْجَبُ اِلَیْکُمْ اِیْمَانًا قَالُوا الْمَلٰٓئِکَةُ قَالَ وَمَالَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالُوْا فَالنَّبِیُّوْنَ قَالَ وَمَالَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَالْوَحْیُ یَنْزِلُ عَلَیْهِمْ قَالُوْا فَنَحْنُ قَالَ وَمَالَکُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَاَنَا بَیْنَ اَظْهُرِکُمْ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَیَّ اِیْمَانًا لَقَوْمٌ یَکُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ یَجِدُوْنَ صُحُفًا فِیْهَا کِتَابٌ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِیْهَا۔

"اور حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن صحابہؓ سے) پوچھا! بتاؤ، ایمان کے اعتبار سے تم مخلوق میں کس کو زیادہ پسند کرتے ہو، یعنی خدا کی مخلوقات میں سے کس مخلوق کے ایمان کو تم بہت قوی اور بہت

اچھا سمجھتے ہو؟ بعض صحابہؓ نے جواب دیا، ہم تو فرشتوں کے ایمان کو بہت اچھا اور قوی سمجھتے ہیں! آنحضرت ﷺ نے فرمایا: فرشتوں کے ایمان میں کیا عجوبہ پن ہے۔ وہ تو اپنے پروردگار کے پاس ہی رہتے ہیں یعنی فرشتے مقرب بارگاہ خداوندی ہیں اور عالم جبروت کے عجائب و غرائب کا ہمہ وقت مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اگر ان کا ایمان قوی ہے تو اس میں کیا عجیب و غریب بات ہے۔ انہی صحابہؓ نے یا دوسرے بعض صحابہؓ نے عرض کیا! تو پھر وہ پیغمبر ہیں کہ ہمارے نزدیک ان کا ایمان بہت اچھا ہے اور قوی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بھلا وہ شک و شبہ سے دور اور قوی ایمان کے حامل کیوں نہیں ہوں گے، آسمان سے وحی اترتی ہی ان کے اوپر ہے، اب صحابہؓ نے کہا! تو پھر ہم لوگ ہیں (جو آپ ﷺ کے صحابہؓ ہیں، لہٰذا کہنا چاہئے کہ ہمارا ایمان اچھا اور قوی ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تمہارے ہی ایمان میں کیا عجوبہ پن ہے جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے فرمایا! حقیقت یہ ہے کہ میرے نزدیک ایمان کے اعتبار سے تمام مخلوق میں بڑے اچھے لوگ وہ ہیں جو میرے (زمانہ حیات) کے بعد پیدا ہوں گے (یعنی تابعین اور ان کی اتباع کرنے والے کہ جو نسل در نسل قیامت تک اس دنیا میں آتے رہیں گے) وہ لوگ احکام دین کے مجموعہ مصحف یعنی قرآن پاک پائیں گے اور اس میں جو کچھ مذکور ہے سب پر ایمان لائیں گے۔"

تشریح: جواب دینے والے صحابہؓ نے بہت اچھے اور بہت قوی ایمان کے اعتبار سے جو پہلے فرشتے کا ذکر کیا اور پھر انبیاء کا تو اس سے انبیاء پر فرشتوں کی فضیلت لازم نہیں آتی۔ اللہ کے ہاں کثرت ثواب کے اعتبار سے جو افضلیت انبیاء کو حاصل ہے وہ اپنی جگہ مسلم ہے۔ اس میں شک و شبہ نہیں۔

آسمان سے وحی اترتی ہی ان کے اوپر ہے...... یعنی انبیاء کو تو ایمان کا اور سب سے اچھا اور سب سے قوی ایمان کا حامل ہونا ہی چاہئے۔ کیونکہ اس دنیا میں ایمان اور دین و شریعت کے اترنے کا اصل ذریعہ "وحی" ہے اور وحی انہی پر اترتی ہے فرشتہ روح الامین (جبرئیل) آسمان سے آتا ہے اور حق تعالیٰ کا پیغام براہ راست ان کو پہنچاتا ہے۔ وہ فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور ان کے انوار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ لغت میں "وحی" کے معنی ہیں، پیغام، دل میں پوشیدہ بات ڈالنا ہر وہ چیز جو دوسرے کو معلوم ہونے کے لئے تم پیش کرو اور آواز، اور اصطلاح شرع میں "وحی" اللہ کے اس پیغام کو کہتے ہیں جو جبرئیل امین علیہ السلام پیغمبروں کے پاس لائیں۔

"جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں......" اور تم وحی اور ایمان کے آثار و انوار کا مشاہدہ کرتے ہو، نبوت کی نشانیاں اور معجزے دیکھتے ہو، میرے جمال باکمال سے انوار حق کا دیدار کرتے ہو، میری صحبت و ہم نشینی کے ذریعہ تم میں اسرار حقیقت سرایت کرتے ہیں اور میرے باطنی تصرف اور میرے ارشاد و اقوال سے تمہارے ظاہر و باطن میں کمالات و کرامات پیدا ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں خدا پر ایمان لانے، خدا کے اتارے ہوئے دین و شریعت کے احکام میں یقین رکھنے اور خدا کے بتائے ہوئے اوامر و نواہی کو ماننے میں تمہارے لئے شک و تردد کا کوئی موقع ہی نہیں ہے۔

"سب پر ایمان لائیں گے......" یعنی ان کا ایمان بالغیب ہوگا، نہ انہوں نے اپنے نبی کو دیکھا ہوگا، نہ نبی کی صحبت کے ذریعہ انوار حق کا مشاہدہ کیا ہوگا، اور نہ نبوت کے آثار و معجزات کو اپنی نظروں کے سامنے پایا ہوگا۔ وہ اپنے بڑوں (صحابہؓ) سے اخبار و آثار کی صورت میں جو کچھ سنیں گے اسی پر اعتماد و یقین کرکے خدا پر، خدا کے رسول پر، خدا کی کتاب پر اور خدا کے اتارے ہوئے دین پر ایمان لائیں گے اور اس ایمان پر مضبوطی سے قائم رہیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو یہ فرمایا ہے کہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ تو اس کی مراد بھی بعض تفسیری جہات سے یہی ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھیوں نے ان کے سامنے محمد ﷺ کے صحابہؓ اور ان کے ایمان کا ذکر کیا تو حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: حق تو یہ ہے کہ محمد ﷺ کی حقیقت و حیثیت، ان کی دعوت اسلامی اور ان کا سارا معاملہ ہر اس شخص پر پوری طرح روشن اور واضح تھا جس نے آپ ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ کی صحبت و ہم نشینی کا شرف پایا، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کسی ایمان والے کا ایمان ایمان بالغیب سے

افضل نہیں اور پھر حضرت ابن مسعودؓ نے یہی آیت یعنی یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ پڑھی۔

بہرحال آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک سے متصل ہونے کے سبب اور آنحضرت ﷺ کے بابرکت صحابہؓ کی رفاقت وصحبت پانے کی وجہ سے اگرچہ تابعینؒ پر بھی آثار و انوار حقانیت ہویدا، اور آنحضرت ﷺ کا صدق واضح تھا لیکن اس کے باوجود یہی کہا جائے گا کہ ع ، از دیدہ بسے فرق بود تا بشنیدہ۔ اور حاصل یہ کہ اگرچہ صحابہؓ کا ایمان بھی بالغیب تھا لیکن ان کا ایمان بالغیب انہی چیزوں میں تھا جن پر ایمان لازم فرض ہے، جیسے اللہ کی ذات، ملائکہ اور امور آخرت وغیرہ جب کہ اور بہت سی چیزیں ان کی آنکھوں دیکھی ہوئی تھیں ان کے مشاہدہ میں آئیں۔ ان کے برخلاف تابعینؒ اور ان کے بعد اہل ایمان کا معاملہ یہ ہے کہ ان کا سارا ایمان بالغیب ہے کوئی چیز ان کی آنکھوں دیکھی ہوئی نہیں ہے، کوئی چیز ان کے مشاہدہ میں نہیں آئی پس اس اعتبار سے ان کے ایمان کو افضل اور پسندیدہ تر فرمایا گیا۔

ایک جماعت کے بارے میں پیشین گوئی

⑦ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْعَلَاءِ الْحَضْرَمِیِّ قَالَ حَدَّثَنِیْ مَنْ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّہٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ قَوْمٌ لَھُمْ مِثْلُ اَجْرِ اَوَّلِھِمْ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُقَاتِلُوْنَ اَھْلَ الْفِتَنِ۔ رَوَاھُمَا الْبَیْھَقِیُّ فِیْ دَلَآئِلِ النُّبُوَّۃِ۔

"اور حضرت عبدالرحمٰن بن علاء حضرمی کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے یہ حدیث بیان کی جس نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ وہ (زمانہ آنے والا ہے جب اس اُمت کے آخری دور میں ایک جماعت ہوگی جس کا ثواب اس اُمت کے ابتدائی دور کے لوگوں (یعنی صحابہ) کے ثواب کی مانند ہوگا، اس جماعت کے لوگ مخلوق خدا کو (ان) شرعی امور کی تلقین و تبلیغ کریں گے (جن کا وجود دین میں پایا جاتا ہے) اور ان باتوں سے باز رکھنے کی کوشش کریں گے جو خلاف شرع ہیں (اور جن کا دین سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں) نیز وہ لوگ فتنہ پردازوں (یعنی اسلام اور مسلمانوں سے منحرف ہوجانے والوں، خارجیوں، رافضیوں اور تمام بدعیتوں) سے لڑیں گے (خواہ اسلحہ وطاقت کے ذریعہ لڑیں خواہ زبان وقلم کے ذریعہ) ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔"

آنحضرت ﷺ کو بغیر ایمان لانے والے امتیوں کی فضیلت

⑧ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ طُوْبٰی لِمَنْ رَاٰنِیْ وَطُوْبٰی سَبْعَ مَرَّاتٍ لِمَنْ لَّمْ یَرَنِیْ وَاٰمَنَ بِیْ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مبارک بادی ہے اس شخص کو جس نے مجھ کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور سات بار مبارک بادی ہے اس شخص کو جس نے مجھ کو نہیں دیکھا اور پھر مجھ پر ایمان لایا، میری نبوت کی تصدیق کی۔" (احمدؒ)

تشریح: "اور سات بار مبارک بادی ہے......" اس سے ان امتیوں کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، جو آنحضرت ﷺ کی ذات پر اور آپ ﷺ کی نبوت ورسالت پر غائبانہ ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن یہاں سات کے عدد کا تعین کس معنی میں ہے اس کا علم خدا اور خدا کے رسول ہی کے سپرد کرنا پڑتا ہے ایسے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی بات کو زیادہ سے زیادہ بلیغ انداز بیان کرنے کے لئے اور اس کی تکثیر کی خاطر چونکہ یہی سات کا عدد بابرکت مشہور ومتعارف ہے اس لئے آپ ﷺ نے ذات رسالت پناہ پر ایمان بالغیب رکھنے والوں کو سات بار مبارک بادی ہے، پس اس عدد سے تکثیر مراد لینی چاہئے نہ کہ تحدید۔

زمانہ رسالت کے بعد کے امتیوں کی فضیلت

⑨ وَعَنِ ابْنِ مُحَیْرِیْزٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ جُمُعَۃَؓ رَجُلٍ مِّنَ الصَّحَابَۃِ حَدِّثْنَا حَدِیْثًا سَمِعْتَہٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ اُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا جَيِّدًا تَغَدَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَدٌ خَيْرٌ مِّنَّا؟ اَسْلَمْنَا وَجَاهَدْنَا مَعَكَ قَالَ نَعَمْ قَوْمٌ يَّكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِكُمْ يُؤْمِنُوْنَ بِيْ وَلَمْ يَرَوْنِيْ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوٰى رَزِيْنٌ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدَةَ مِنْ قَوْلِهٖ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَدٌ خَيْرٌ مِّنَّا اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

"اور حضرت ابن محیریزؒ (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوجمعہؓ سے جو صحابہ میں سے ایک شخص ہیں، درخواست کی کہ آپ ہمارے سامنے کوئی ایسی حدیث بیان کیجئے جو آپ نے خود رسول کریم ﷺ کی لسان مبارک سے سنی ہو، حضرت ابوجمعہؓ نے کہا: ہاں میں تمہارے سامنے ایک بڑی عمدہ حدیث بیان کروں گا (جو بہت فائدہ پہنچائے گی اور تمہیں خیر و فضیلت کی بشارت بھی عطا کرے گی، تو سنو) ایک دن ہم صبح کے کھانے پر رسول کریم ﷺ کے ساتھ تھے ہمارے درمیان (مشہور صحابی) حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ بھی تھے (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) ابوعبیدہؓ نے (نعمت الٰہی کے شکر اور ذات رسالت پناہ کے انعام و احسان کے ذکر کے طور پر) کہا کہ یا (رسول اللہ!) کیا کوئی شخص ہم سے بھی بہتر ہو سکتا ہے ہم تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے (آپ ﷺ کے ہاتھ پر) ایمان و اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ کے شانہ بشانہ دشمنان دین کے خلاف جہاد کیا، آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا: ہاں تم سے بھی بہتر لوگ ہیں اور وہ لوگ وہ ہیں جو تمہارے بعد پیدا ہوں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے جب کہ انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہیں ہوگا اس روایت کو احمدؒ اور دارمیؒ نے نقل کیا ہے، نیز رزینؒ نے اس روایت کو حضرت ابوعبیدہؓ سے ان کے اپنے الفاظ سے آخر تک نقل کیا ہے (یعنی رزینؒ کی نقل کردہ حدیث میں ابن محیریزؒ اور ابوجمعہؓ کے مکالمہ کا ذکر نہیں ہے۔"

تشریح: "ہاں تم سے بھی بہتر لوگ ہیں" یعنی وہ لوگ اس جہت سے تم سے بہتر ہیں کہ وہ مجھے بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے، اگرچہ اس حیثیت سے کہ تمہیں سبقت اسلام میری صحبت و زیارت اور میرے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کی سعادت عظمیٰ حاصل ہے ان لوگوں پر تمہاری فضیلت و برتری مسلم ہے۔

ارباب حدیث کی فضیلت

(۱۰) وَعَنْ مُعٰوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَسَدَ اَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيْكُمْ وَلَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ مَنْصُوْرِيْنَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ قَالَ ابْنُ الْمَدِيْنِيِّ هُمْ اَصْحَابُ الْحَدِيْثِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"حضرت معاویہ بن قرہؓ سے روایت ہے جو اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جب اہل شام تباہ ہو جائیں تو پھر تم میں بھلائی نہ ہوگی اور میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت ایسی رہے گی جس کو (دشمنان دین کے مقابلہ پر غالب رہنے کے لئے اللہ کی نصرت و تائید حاصل ہوگی، اس جماعت کو وہ شخص کچھ نقصان و ضرر نہ پہنچا سکے گا جو اس کی تائید و اعانت ترک کر دے (کیونکہ اس جماعت پر اللہ تعالیٰ کی عنایت بے شمار ہوگی) تاآنکہ قیامت قائم ہو اور ابن مدینیؒ (جو اکابر محدثین میں سے ہیں) کہتے ہیں کہ اس جماعت سے مراد ارباب حدیث ہیں اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

تشریح: حضرت معاویہ بن قرہؒ کے والد کا نام قرہ بن ایاسؓ ہے جو صحابی ہیں۔ خود حضرت معاویہ بن قرہ ایک تابعیؒ ہیں، ان کا شمار اہل علم و عمل میں ہوتا ہے۔ بلند پایہ فقیہہ کی حیثیت سے بھی مشہور ہیں، جنگ جمل کے دن ان کی ولادت ہوئی تھی اور ۱۱۳ھ میں واصل بحق ہوئے۔

"تو پھر تم میں بھلائی نہ ہوگی...." یعنی جب اہل شام میں بھی فساد و تباہی پھیل جائے گی تو اس وقت شام میں سکونت اختیار کرنا یا اپنے وطن سے ہجرت کر کے ملک شام میں جانے میں کوئی بھلائی نہیں رہے گی۔

اور حضرت شیخ عبدالحقؒ نے یوں وضاحت کی ہے کہ ان الفاظ کی بظاہر مراد یہ ہے کہ آخر زمانہ میں اہل شام خدا کے سچے دین پر قائم ہوں گے اور خیر امت ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیں گے اور پھر آخر کار ان میں بھی تباہی آجائے گی اور یہ اس وقت ہوگا جب قیامت آئے گی تو اس دنیا میں صرف بدکار لوگ موجود ہوں گے چنانچہ اہل شام کے تباہ ہونے کے ساتھ ہی اس روئے زمین سے خیر کا وجود اٹھ جائے گا جو اس بات کا نتیجہ ہوگا کہ اس وقت اہل خیر میں سے کوئی بھی اس دنیا میں باقی نہیں ہوگا۔

تاآنکہ قیامت قائم ہو...... میں قیامت قائم ہونے سے مراد قائم ہونے کا وقت بالکل قریب آجانا ہے کیونکہ یہ تو اوپر ہی بتایا جاچکا ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو اس وقت روئے زمین پر کوئی کلمہ گو باقی نہیں ہوگا۔

"اس جماعت سے مراد ارباب حدیث ہیں......" یعنی وہ محدثین اور اہل علم کہ جو حدیث کے حفاظ ہیں، حدیثوں کے راوی ہیں، سُنّت نبوی ﷺ پر کہ جو کتاب اللہ کی ترجمان اور شارح ہے عمل کرنے اور جو درس و تدریس، تصنیف و تالیف، تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ احادیث نبوی ﷺ اور علوم نبوی ﷺ کی خدمت اور اس کے سیکھنے سکھانے میں لگے ہوئے ہیں اور گویا وہ گروہ جن کو "اہل سُنّت و الجماعت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس اُمّت سے خطاونسیان معاف ہے

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ۔ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی)

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری اُمّت سے خطاء و نسیان کو معاف کر دیا ہے اور اس گناہ سے بھی معافی عطا فرما دی ہے جس میں زبردستی مبتلا کیا گیا ہو۔" (ابن ماجہ، بیہقیؒ)

تشریح: خطا (جو مقصو اور ممدود دونوں طرح یعنی مد کے بغیر بھی اور مد کے ساتھ بھی آتا ہے) اپنے مفہوم میں صواب کی ضد ہے اس کے معنی میں "چوک جانا" چنانچہ صراح میں لکھا ہے! خطاء بمعنی ناراست جو "صواب" (درست و راست) کا برعکس مفہوم ہے۔ اسی مصدر سے نکلا ہوا لفظ "خطیئہ" ہے جس کے معنی "گناہ" کے ہیں، یا ایک قول کے مطابق وہ گناہ جو غیر ارادی طور پر سرزد ہو گیا ہو اور اگر خطا کا لفظ خ کے زیر اور ط کے جزم کے ساتھ خطا ہو تو اس کے معنی بھی گناہ کے ہوتے ہیں، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ خطاءً کا لفظ اس گناہ کے لئے استعمال ہوتا ہے جو ارادی طور پر یعنی قصدًا کیا گیا ہو اور جو گناہ غیر ارادی طور پر یعنی بلا قصد سرزد ہوا ہو اس کے لئے اخطاط کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح "مخطي" اس شخص کو کہتے ہیں جو ارادہ تو صواب یعنی راست و درست عمل کا کرے مگر مبتلا غیر صواب یعنی ناراست و غیر درست عمل میں ہو جائے۔ اس شخص نے خطا کی، یا اس شخص سے خطا ہو گئی، یہ بات ایسے آدمی کے بارہ میں کہی جاتی ہے جس نے قصد و ارادہ تو کسی درست عمل کا کیا تھا لیکن اچانک اس سے وہ عمل واقع ہو گیا ہو جو غیر درست تھا، مثلاً اس نے شکار کو نشانہ بنا کر بندوق چلائی تھی مگر بندوق کی گولی اچانک کسی انسان کو لگ گئی اور اس طرح وہ اس انسان کے قتل خطا کا مرتکب ہو گیا، یا یہ کہ مثلاً وہ آدمی روزہ سے تھا، کلی کرنے کے قصد سے اس نے منہ میں پانی لیا اور وہ پانی اچانک حلق میں اتر گیا، پس اس حدیث میں "خطاء" کے یہی معنی مراد ہیں۔

"نسیان" اپنے مفہوم میں "حفظ" کی ضد ہے اس کے معنی ہیں بھولنا "سہو" کا لفظ "نسیان" کے معنی میں آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے، اس شخص نے فلاں کام میں سہو کیا۔ یعنی وہ اس کام کو بھول گیا اس سے غافل رہا اس کا دھیان کسی اور کام میں الجھ گیا تھا، ان لفظی وضاحتوں کے بعد اب سمجھئے کہ حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت سے خطاء و نسیان کو معاف کر دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خطاء و نسیان کے تحت کوئی غیر درست ناروا فعل سرزد ہو جائے تو اس پر گناہ نہیں ہوتا، اس فعل کا مرتکب گناہ گار نہیں ہوگا، یہ مطلب

نہیں کہ خطاء و نسیان کے تحت سرزد ہونے والا ہر فعل دنیاوی طور پر بھی کسی شرعی قاعدے قانون کی گرفت میں نہیں آتا، چنانچہ خود قتل خطاء پر دیت اور کفارہ کا واجب ہونا ثابت ہے، اسی طرح کسی ایسی چیز کا خطاءً ارتکاب ہو جائے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس روزہ کی قضا واجب ہوتی ہے۔ ہاں نسیان کی صورت میں روزے کی قضاء واجب نہیں ہوتی کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اس میں رعایت دی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ روزہ میں اگر بھول سے کوئی چیز کھالی یا کوئی چیز پی لی تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ تم اپنے اس روزہ کو پورا کرو کیونکہ تمہارا وہ کھانا پینا اللہ ہی کی طرف سے ہے، نیز نماز میں اگر نسیان اور سہو واقع ہو جائے تو اس پر سجدہ واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص اگر کسی کا مال سہواً تلف کر دے تو اس پر ضمان (معاوضہ) واجب ہوتا ہے۔

"اور اس گناہ سے بھی معافی عطا فرما دی ......" اس جملہ میں وما استکر ھوا علیہ کا لفظ صیغہ مجہول کے ساتھ ہے، یعنی وہ گناہ جو زور و زبردستی سے کرائے گئے ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر کسی شخص کو کسی ایسے فعل کے ارتکاب پر مجبور کیا گیا ہو جس کو وہ گناہ ہونے کی وجہ سے قطعی ناپسند کرتا ہو اور اس کے ارتکاب میں اس کے اپنے قصد و ارادہ کو ذرا دخل نہ ہو تو وہ شخص گناہ گار نہیں ہوگا اگرچہ اس کو مجبور کرنے کے لئے قتل یا ضرب شدید جیسی کسی سخت دھمکی کا استعمال نہ کیا گیا ہو، تاہم اس (زور و زبردستی سے کرائے گئے گناہوں اور جرائم کے) سلسلہ میں حق اللہ اور حق العباد کے تعلق سے شرعی احکام و قوانین کی الگ الگ نوعیتیں اور شقیں ہیں جن کی تفصیل اصول کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اس اُمت کی انتہائی فضیلت

(۱۲) وَعَنْ بَهْزِبْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ قَالَ اَنْتُمْ تَتِمُّوْنَ سَبْعِيْنَ اُمَّةً اَنْتُمْ خَيْرُهَا وَاَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

"اور حضرت بہز بن حکیم بن معاویہ بن حیدہ قشیری بصریؒ اپنے والد (حضرت حکیم بن معاویہ) سے اور وہ بہز کے دادا (اور اپنے والد حضرت معاویہ ابن حیدہؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کی تفسیر میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: (اے اہل اسلام) تم ستر امتیوں کو تمام کرتے ہو اور اللہ کے نزدیک تم ان امتوں میں سب سے بہتر اور گرامی قدر ہو۔ اس روایت کو ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، اور دارمیؒ نے نقل کیا ہے اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث "حسن" ہے۔"

تشریح: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کا ترجمہ ہے: امتوں میں سب سے بہتر اُمت تم تھے جسے لوگوں (کی ہدایت و بھلائی) کے لئے پیدا کیا گیا۔ پس کنتم (تم تھے) سے مراد یہ ہے کہ اپنی اس خصوصیت اور وصف کے ساتھ تم روز اول سے اللہ کے علم و ارادہ میں تھے جس کا ظہور اس دنیا میں اب میرے آنے کے بعد ہوا ہے۔ یا یہ کہ لوح محفوظ میں اس وصف و خصوصیت کے ساتھ تمہارا ذکر روز اول ہی آگیا۔ اور یا یہ کہ گزشتہ امتوں کے درمیان تمہارا ذکر اسی وصف و خصوصیت کے ساتھ یعنی "خیر امت" کی حیثیت سے ہوتا تھا۔

بہر حال "خیر امت" میں اس اُمت سے مراد اس اُمت کے تمام ہی اہل ایمان مراد ہیں خواہ وہ عام امتیوں میں سے ہوں یا خواص میں سے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسن اعتقاد، ایمان کی راہ میں ثابت قدم رہنے، آنحضرت ﷺ کے تئیں بہت زیادہ محبت و تعلق رکھنے، ایمان سے نہ پھرنے، اسلام کی غلامی کے دائرہ سے اپنے کو باہر نہ رکھنے اور ان جیسی دوسری خصوصیات و صفات رکھنے کے سبب ہر امتی اس فضیلت میں شامل ہے جو پچھلی تمام امتوں کے مقابلہ میں اس امت مرحومہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہے، تاہم بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ "خیر امت" کا مصداق مخصوص طور پر اس اُمت کی وہ جماعت ہے جو "خواص" سے تعبیر کی جاتی ہے یعنی علماء صادقین، شہداء اسلام اور صالحین امت ان حضرات کے نزدیک "خیر" سے مراد خیر تامہ کاملہ مخصوصہ ہے اسی طرح بعض حضرات نے اس کا

مصداق "مہاجرین کی جماعت" کو قرار دیا ہے، لیکن یہ حضرات "خیر امت" کے مفہوم کو ایک محدود دائرہ تک کیوں رکھتے ہیں اور اس کے مصداق کو کسی خاص طبقہ میں منحصر کیوں کرتے ہیں اس کی وجہ ظاہر نہیں ہے۔ لہٰذا حق یہ ہے کہ "خیر امت" کے مفہوم کو مخصوص کرنے کے بجائے عام رکھا جائے۔

"ستر امتوں" میں ستر کا عدد تحدید کے لئے نہیں، بلکہ تکثیر کے لئے ہے، کیونکہ اس عدد کا ذکر اظہار تکثیر کے موقعوں پر زیادہ آتا ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ "ستر امتوں" سے مراد وہ گزشتہ امتیں ہیں جو بڑی بڑی تھیں اور جن کا عدد ستر تک پہنچتا ہے اور انہیں کے ضمن میں تمام چھوٹی چھوٹی امتیں بھی آجاتی ہیں۔

"تم ستر امتوں کو تمام کرتے ہو......" میں "اتمام" دراصل "ختم" کے معنی میں ہے مطلب یہ کہ جس طرح تمہارے پیغمبر ﷺ خاتم النبیین اور تمام رسولوں کے سردار ہیں اسی طرح تم بھی تمام امتیوں کے خاتم، تمام امتوں سے زیادہ گرامی قدر اور اتم ہو، پچھلی تمام امتوں پر اُمت محمدی کی فضیلت و برتری کے اظہار کے لئے بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور روایت اپنی سند کے ساتھ بطریق مرفوع نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں۔

قَالَ اِنَّ الْجَنَّةَ حَرُمَتْ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ كُلِّهِمْ حَتّٰى اَدْخُلَهَا وَحَرُمَتْ عَلَى الْاُمَمِ حَتّٰى تَدْخُلَهَا۔

"آنحضرت ﷺ نے فرمایا: حقیقت یہ کہ جنت تمام انبیاء پر حرام ہے جب تک کہ میں اس میں نہ پہنچ جاؤں اور جنت تمام امتوں پر حرام ہے جب تک کہ میری اُمت اس میں داخل نہ ہو جائے۔"

اور یہ چیز اس اُمت کے حسن خاتمہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جو اس کے حسن بدأت پر مبنی ہے اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان الذین سبقت لھم منا الحسنی بھی اشارہ کرتی ہے پس یہ اُمت محمدی اس دنیا میں آنے کے اعتبار سے اگرچہ سب کے بعد ہے لیکن فضل و شرف اور مقام و مرتبہ میں سب سے اعلیٰ ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ وَعَلٰى دِيْنِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَبِشُكْرِهٖ تَزِيْدُ الْبَرَكَاتُ وَالْخَيْرَاتُ۔

خاتمہ کتاب

یہ حدیث مشکوٰۃ المصابیح کی آخری حدیث ہے، مؤلف مشکوٰۃ کا اپنی اس عظیم کتاب کو اس حدیث پر ختم کرنا گویا اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ کتاب کا تمام ہونا، ختم ہونا اور پایہ تکمیل کو پہنچنا در حقیقت ختم کرنے والے یعنی، اللہ رب العزت کے کرم، اس کی عنایت، اس کی مدد اور توفیق کا ثمرہ ہے، نیز اس سے پہلے کی حدیث ان اللّٰہ تجاوز عن امتی الخطاء والنسیان بھی کتاب کی تالیف و تحریر میں واقع ہونے والے کسی بھی سہو و نسیان سے معذرت کے ساتھ بڑی مناسبت رکھتی ہے خَتَمَ اللّٰهُ لَنَا بِالْحُسْنٰى وَتَجَاوَزَ عَنَّا مَا وَقَعَ مِنَ السَّهْوِ وَالنِّسْيَانِ بِحُرْمَةِ نَبِيِّ اٰخِرِ الزَّمَانِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِی الْفَضْلِ وَالْاِحْسَانِ۔

واضح رہے کہ مشکوٰۃ کی شرحوں میں تو اسی حدیث پر مشکوٰۃ تمام ہوئی ہے، لیکن مشکوٰۃ المصابیح کے نسخوں میں اس حدیث کے بعد یہ عبارت بھی ہے۔

ثُمَّ قَالَ مُؤَلِّفُ الْكِتَابِ شَكَرَ اللّٰهُ سَعْيَهٗ وَاَتَمَّ عَلَيْهِ نِعْمَتَهٗ وَوَقَعَ الْفَرَاغُ مِنْ جَمْعِ الْاَحَادِيْثِ النَّبَوِيَّةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰخِرَ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مِنْ رَمَضَانَ عِنْدَ رُؤْيَةِ هِلَالِ شَوَّالَ سَنَةَ سَبْعٍ وَثَلَاثِيْنَ وَسَبْعِ مِائَةٍ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَحُسْنِ تَوْفِيْقِهٖ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ.......

آخر میں کتاب مشکوٰۃ المصابیح کا مؤلف

اور اللہ اس کی سعی کی قدر دانی کرے اور اس پر اپنی تمام نعمتوں کو کامل فرمائے کہتا ہے کہ ان احادیث نبوی ﷺ کی جمع و ترتیب سے

٣٥ ٧ھ کے رمضان کے آخری جمعہ کی آخری ساعتوں میں شوال کا چاند دکھائی دینے سے کچھ ہی پہلے اللہ کی حمد و ثنا اور اس کی نیک توفیق کے ساتھ فراغت ہوئی۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو عالموں کا پروردگار ہے اور درود و سلام محمد ﷺ پر آپ ﷺ کی اولاد پر، آپ ﷺ کے اصحاب پر سب پر الحمدللہ حمداً کثیراً مبارکاً فیہ۔

مظاہر حق کے مؤلف نواب قطب الدین دہلوی کہتے ہیں:

تمام ہوا یہ ترجمہ بکرم و عنایت پروردگار متعال کے اے مولی میرے کیا بعید ہے تیری رحمت واسعہ سے کہ اس میری سعی کو قبول فرما دے اور اس عاجز و ضعیف و نحیف کی تقصیرات اور بھول چوک سے درگزر فرمادے اور مجھ کو اور میرے استاد اور ماں باپ کو روز قیامت کے بخش دے، اور نہ ذلیل فرماوے یارب العلمین مکرر یہی عرض ہے کہ مجھ شرم سار کو اور میرے استاد مولانا اسحٰق صاحب مہاجر فی سبیل اللہ رحمہ اللہ کو اور میرے ماں باپ اور سب مسلمانوں کو مغفور و مرحوم کر اور تیری شان ستاری کا ظہور ہمارے حال پریشان بال پر ہو۔

اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اَللّٰهُمَّ لَا تَدَعْ لَنَا ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا دَيْنًا اِلَّا قَضَيْتَهٗ وَلَا حَاجَةً مِّنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا قَضَيْتَهَا يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

بیت ۔

از گدا یان توام شاہ بفرما مدوے　　　که چون مرغان حرم درحرمت جاگیرم

اِلٰهِيْ نَجِّنِيْ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ　　　بِجَاهِ الْمُصْطَفٰى مَوْلَى الْجَمِيْعِ

وَهَبْ لِيْ فِيْ مَدِيْنَتِهٖ قَرَارًا　　　بِاِيْمَانٍ وَّ دَفْنٍ بِالْبَقِيْعِ

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

مظاہر حق جدید کا مرتب عبداللہ جاوید بن مولانا محمد عبدالحق غازی پوری، اللہ اس پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے اس کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے، کہتا ہے کہ رب کریم کی عنایت اور اس کی مدد توفیق سے کتاب مظاہر حق جدید پایۂ تکمیل کو پہنچی اور رمضان المبارک ١٤٠٠ھ کے اٹھارہویں روزے جمعہ کی شب میں اس کی تسوید سے فراغت ہوئی۔ پاک پروردگار اپنے محبوب ﷺ کے طفیل میں کہ جس کی طرف اس کتاب کے الفاظ و معانی کی نسبت ہے، مجھ ناچیز کی اس سعی کو قبول فرمائے، مجھ کو میرے اساتذہ و شیوخ کو میرے ماں باپ کو، میرے اہل و عیال کو، میرے تمام اعزاو احباب کو، اس کتاب کی ترتیب و تسوید اور طباعت و اشاعت میں میرے معاونوں اور رفیقوں کو اور اس کتاب کے قارئین کو روز حشر اپنے محبوب ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے اور اپنے فضل و احسان سے نوازے۔

(آمین)

تمت بالخیر

پہلا باب

صحابہؓ اور تابعینؒ کے بارہ میں

(الف)

صحابہ

(۱) **انس بن مالکؓ** :- یہ انس بن مالکؓ بن نضر ہیں ان کی کنیت ابوحمزہ ہے۔ قبیلہ خزرج میں سے ہیں۔ جناب نبی کریم ﷺ کے خادم خاص ہیں۔ ان کی والدہ کا نام ام سلیم بنت ملحان ہے۔ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ان کی عمر دس سال تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں بصرہ میں قیام کیا تاکہ وہاں لوگوں کو دین سکھائیں۔ اور صحابہ میں سے بصرہ میں سب سے آخر میں ۹۱ھ میں ان کا انتقال ہوا اور ان کی عمر ایک سو تین سال ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ننانوے سال ہوئی ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ یہ قول زیادہ صحیح ہے، کہا جاتا ہے کہ ان کی اولاد کا شمار ایک سو ہے اور ایک قول کے مطابق اسی۔ جن میں اٹھتر مرد اور دو عورتیں ہیں۔ ان سے بہت لوگوں نے روایت کی ہے۔

(۲) **انسؓ بن مالک الکعبی** :- یہ انس بن مالک کعبی ہیں، ان کی کنیت ابوامامہ ہے۔ ان کا نام اس ایک حدیث کی سند میں مذکور ہے جو مسافر اور حاملہ اور مرضعہ کے روزے کے بارے میں مروی ہے آپ نے بصرہ میں سکونت اختیار کی تھی ان سے ابن قلابہؓ نے روایت کیا ہے۔

(۳) **انسؓ بن النضر** :- یہ انس بن نضر انصار سے ہیں، یہ انس بن مالک کے چچا ہیں "احد" کے روز جب یہ شہید ہوئے ہیں تو اس وقت ان کے جسم پر تلوار اور نیزے اور برچھے کے ۳۰ سے زیادہ نشان دیکھے گئے تھے انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی من المؤمنین رجال صدقوا ماعاھدو اللّٰہ علیہ الخ

(۴) **انس بن مرثدؓ** :- یہ انس مرثد بن ابی مرثد کے بیٹے ہیں۔ ابی مرثد کا نام کناز بن الحصین ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام انیس تھا ابن عبدالبرؒ نے فرمایا کہ یہ قول زیادہ مشہور ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ انیس ہیں جو فتح مکہ اور حنین میں حاضر تھے یہ بھی فرمایا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ انیس یہی ہیں جن سے حضور ﷺ نے فرمایا تھا اغدیا انیس الی امرأۃ ھذہ الخ (یعنی صبح کو اے انیس اس عورت سے مل کر پوچھو اگر اس نے زنا کا اقرار کیا تو اس کو سنگسار کر دینا) اور ایک قول یہ ہے کہ یہ دوسرے انیس تھے واللہ اعلم۔ آپ کی وفات ۲۰ھ میں ہوئی اور ان کو اور ان کے والد اور دادا اور بھائی کو حضور انور ﷺ کی صحبت حاصل ہوئی ہے، ان سے سہل بن حنظلہ اور حکم بن مسعود نے روایت کی ہے کناز میں کاف مفتوح ہے اور نون مشدد اور زائے معجمہ ہے۔

(۵) **اسیدؓ بن حضیر** :- یہ اسید بن حضیر انصاری ہیں قبیلۂ اوس میں سے یہ ان اصحاب میں سے ہیں جو عقبہ ثانیہ کے موقع پر حاضر

تھے اور عقبہ والی رات میں یہ حضور ﷺ کے احکام لوگوں تک پہنچانے پر مامور و محافظ تھے اور دونوں عقبہ کا درمیانی فاصلہ ایک سال تھا، بدر میں اور اس کے بعد دیگر غزوات میں بھی حاضر رہے ان سے صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ مدینہ میں ۲۰ھ میں انتقال ہوا اور بقیع میں دفن ہوئے۔

(۶) ابواسیدؓ: — یہ ابواسید مالک بن ربیعہ انصاری ساعدی کے بیٹے ہیں تمام غزوات میں حاضر ہوئے ہیں یہ اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، ان سے ایک کثیر مخلوق نے روایت کی ہے ان کی وفات ۲۰ھ میں ہوئی جب کہ اس کی عمر اٹھتر سال کی تھی اور بینائی زائل ہوچکی تھی، اور بدر میں صحابہ میں ان کی وفات سب سے آخر میں ہوئی، اسید میں ہمزہ مضموم اور سین مہملہ مفتوح اور یا ساکن ہے۔

(۷) اسلم: — یہ اسلم ہیں ان کی کنیت ابورافع ہے، حضور ﷺ کے آزاد کردہ تھے، ان کا ذکر حرف راء میں آئے گا۔

(۸) اشعث ابن قیس: — یہ اشعث قیس بن معدی کرب کے بیٹے ہیں۔ ان کی کنیت ابو محمد کندی ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں قبیلہ کندہ کا وفد آیا ہے تو اس کے ساتھ رئیس وفد ہو کر آئے تھے، یہ واقعہ ۱۰ھ کا ہے۔ اسلام میں بھی بہت وجیہہ شخص تھے، جب حضور انور ﷺ کی وفات ہوئی تو یہ اسلام سے پھر گئے تھے، پھر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے زمانے میں مشرف باسلام ہوئے۔ اور کوفہ میں رہ کر ۴۰ھ میں ان کی وفات ہوئی، حضرت حسن بن علیؓ نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے۔

(۹) اشج: — ان کا نام منذر ہے العائذ العصری العبدی کے بیٹے ہیں، اپنی قوم کے سردار اور ان کے اسلام کی طرف لانے والے تھے وفد عبدالقیس میں شامل ہو کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کا شمار اعراب اہل مدینہ میں ہے ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے، ان کا ذکر باب الحذر والتانی میں ہے العصری میں عین مفتوح اور صاد مہملہ مفتوح اور راء مہملہ ہے۔

(۱۰) اشیم الضبابی: — اشیم الضبابی کا ذکر باب الفرائض حدیث ضحاک میں ہے۔

(۱۱) الاسود بن کعب العنسی: — یہ اسود بن کعب ہے اس کا نام عبہلہ عنسی ہے اور یہ وہ شخص ہے جس نے حضور ﷺ کے آخری زمانہ میں یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آپ ﷺ کی حیات میں ہی قتل کردیا گیا، اس کو فیروز دیلمی اور قیس بن عبدیغوث نے مل کر قتل کیا فیروز تو اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے تاکہ جنبش نہ کرسکے اور قیس نے قتل کیا اور سر تن سے جدا کردیا۔ اس کا ذکر باب الرؤیا میں ہے، عنسی میں عین مہملہ مفتوح اور نون ساکن اور سین مہملہ ہے اور عبہلہ میں عین مہملہ مفتوح ہے اور باء موحدہ ساکن اور ہا مفتوح اور لام ہے۔

(۱۲) ابراہیم بن النبی ﷺ: — یہ ابراہیم ہیں جو نبی کریم ﷺ کے فرزند تھے، ماریہ قبطیہ کے بطن سے جو آپ کی مملوکہ تھیں۔ مدینہ میں ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے اور سولہ ماہ کی عمر میں وفات ہوگئی اور ایک قول کے مطابق اٹھارہ ماہ زندہ رہے بقیع میں مدفون ہوئے۔

(۱۳) الاغر المازنی: — یہ اغر ہیں مزنی کے بیٹے۔ صحابی ہیں ان کا شمار اہل کوفہ میں ہے۔ ابن عمر اور معاویہ بن قرہ نے ان سے روایت کی ہے اغر میں ہمزہ مفتوح اور غین معجمہ مفتوح اور راء مشدد ہے۔

(۱۴) ابیض: — حمال کے بیٹے ہیں قوم سبا کے شہر مارب میں سے۔ حضرت ﷺ کی خدمت میں ایک وفد کے ساتھ حاضر ہوئے اور صحبت سے مشرف ہوئے یمن میں رہتے تھے، ان سے کم حدیثیں مروی ہیں حمال میں حاء مفتوح اور میم مشدد ہے مارب کے میم پر فتح ہے اور ہمزہ ساکن اور راء مکسور ہے آخر حرف باء ہے۔ ایک شہر ہے یمن میں صنعا کے قریب السبائی میں سین مہملہ مفتوح اور با موحدہ پر فتح اور

ہمزہ۔

(۱۵) الاقرع بن حابس: — یہ اقرع بن حابس تمیمی ہیں۔ وفد بنی تمیم کے ساتھ فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مولفۃ القلوب میں سے ہیں اور یہ قبل از اسلام دونوں زمانوں میں معزز رہے ان کو عبداللہ بن عامر نے اس لشکر پر حاکم بنایا تھا جس کو خراسان کی طرف بھیجا تھا اور یہ مع لشکر جوزجان (غالباً گورگان کا معرب ہے) میں مصائب میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ان سے جابر اور ابوہریرہ نے روایت کیا ہے۔

(۱٦) ابوالازہر: — یہ ابوالازہر انماری ہیں حضور ﷺ کی صحبت سے مشرف ہوئے۔ ان سے خالد بن معدان نے اور ربیعہ بن زید نے روایت کی ہے، ان کا شمار شام والوں میں ہے۔

(۱۷) اکیدر ومۃ: — یہ اکیدر عبدالملک کے بیٹے ہیں اور صاحب دومۃ الجندل کے خطاب سے مشہور ہیں ان کے پاس نبی ﷺ نے نامہ مبارک ارسال فرمایا تھا۔ اور انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا۔ ان کا ذکر باب الجزیہ میں ہے اکیدر اکدر کی تصغیر ہے اور دومۃ میں دال مہملہ پر ضمہ وفتحہ دونوں درست ہیں، دومہ شام اور حجاز کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔

(۱۸) اوس بن اوس: — اوس بن اوس ثقفی ہیں اور ایک قول ہے اوس بن ابی اوس اور یہ عمرو بن اوس کے والد ہیں ان سے ابوالاشعث سمعانی اور ان کے بیٹے عمرو غیرہما نے روایت کیا ہے۔

(۱۹) ایاس بن بکیر: — یہ ایاس بن بکیر لیثی ہیں غزوۂ بدر میں اور اس کے بعد دوسرے غزوات میں حاضر رہے۔ اور یہ دار الارقم میں اسلام لائے تھے ۳۴ھ میں وفات پائی۔

(۲۰) ایاس بن عبداللہ: — یہ ایاس بن عبداللہ دوسی مدنی ہیں، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، امام بخاریؒ کہتے ہیں ان کا مشرف صحبت ہونا ثابت نہیں ہو سکا ان سے عورتوں کے مارنے کے بارے میں صرف ایک حدیث روایت کی گئی ہے ان سے عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں۔

(۲۱) اسامہ بن زید: — یہ اسامہ ہیں زید بن حارثہ قضاعی کے بیٹے اور ان کی والدہ ام ایمن ہیں ان کا نام برکۃ تھا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کو گود میں پالا تھا اور یہ آپ ﷺ کے والد ماجد جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کی کنیز تھیں اور اسامہ حضور ﷺ کے غلام اور آپ ﷺ کے غلام (حضرت زید) کے بیٹے تھے۔) اور آپ ﷺ کے محبوب اور محبوب کے بیٹے تھے جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو اسامہ کی عمر بیس سال کی تھی اور بعض اقوال اس کے خلاف بھی ہیں۔ اور یہ وادی القری میں رہنے لگے تھے اور وہیں بعد شہادت حضرت عثمان وفات ہوئی اور ایک قول یہ ہے کہ ۵۴ھ میں وفات ہوئی، اور ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہی صحیح ہے ان سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

(۲۲) اسامہ بن شریک: — یہ اسامہ بن شریک ذبیانی ثعلبی ہیں اہل کوفہ میں ان کی احادیث زیادہ پھیلیں اور ان کا شمار کوفیین میں ہی ہوتا ہے ان سے زیاد بن علاقہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(۲۳) ابی بن کعب: — یہ ابی، کعب اکبر انصار خزرجی کے بیٹے ہیں، یہ حضور ﷺ کے کاتب وحی تھے اور چھ اصحاب میں سے ہیں جنہوں نے نبی ﷺ کے زمانہ میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا اور ان فقہا میں سے ہیں جو حضور ﷺ کے زمانہ میں فتوی دیتے تھے۔ اور صحابہ میں کتاب اللہ کے بڑے قاری تسلیم کئے جاتے تھے، ان کو حضور ﷺ نے ابومنذر کی کنیت سے اور حضرت عمرؓ نے ابوالطفیل سے

خطاب فرمایا اور حضور ﷺ نے آپ کو سید الانصار کا خطاب دیا۔ حضرت عمرؓ نے سید المسلمین کا۔ آپ کی وفات مدینہ طیبہ میں ۱۹ھ میں ہوئی۔ آپ سے کثیر مخلوق نے روایت کی ہیں۔

(۲۴) افلح :- یہ افلح رسول اللہ ﷺ کے غلام ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ام سلمہ کے غلام ہیں۔ ان سے حبیب مکی نے روایت کی ہے۔

(۲۵) ایفع بن ناکور :- یہ ایفع بن ناکور یمن کے رہنے والے تھے۔ ذی الکلاع (بکاف مفتوح) کے نام سے مشہور ہیں، اپنی قوم کے رئیس تھے جن کی اطاعت اور اتباع کیا جاتا تھا، یہ اسلام قبول کر چکے تھے ان کو نبی کریم ﷺ نے اسود عنسی کے مقابلہ اور اس کے قتل کے لئے اہل اسلام کی امداد کے بارے میں تحریر فرمایا تھا محاربہ صفین میں ۳۷ھ حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ اشتر نحعی کے ہاتھ سے قتل ہوگئے۔

(۲۶) انجشہ :- یہ انجشہ ایک سیاہ رنگ غلام تھے حدی خواں، حضور ﷺ کے اونٹوں کو بذریعہ نظم ہنکاتے تھے اور عمدہ لے ادا کرتے تھے ان سے ابوطلحہ اور انس بن مالک نے روایت کیا ہے اور یہ وہی ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا رویدک یا انجشۃ رفقا بالقواریر (آہستہ آہستہ چلاؤ اے انجشہ ان نازک شیشوں (یعنی عورتوں) کی رعایت کرو ایسا نہ ہو کہ ٹوٹ جائیں۔ انجشہ میں ہمزہ مفتوح ہے اور نون ساکن اور جیم مفتوح اور شین معجمہ۔

(۲۷) ابوامامہ الباہلی :- یہ ابوامامہ ہیں جن کا نام صدی ہے، عجلان باہلی کے بیٹے مصر میں رہتے تھے پھر حمص منتقل ہوگئے تھے اور وہیں انتقال کیا، یہ ان اصحاب میں سے ہیں جن سے بکثرت روایات کی جاتی ہیں اہل شام کے یہاں ان کی مرویات زیادہ ہیں ان سے بہت لوگوں نے روایات کی ہیں ۸۶ھ میں انتقال ہوا، جب کہ آپ کی عمر اکیانوے سال تھی، اور یہ سب سے آخری صحابی تھے جن کا شام میں انتقال ہوا اور ایک قول یہ ہے کہ شام میں سب سے بعد میں عبداللہ بن بشر فوت ہوئے، صاد پر ضمہ اور دال مہملہ مفتوح اور یا مشدد ہے۔

(۲۸) ابوامامہ انصاری :- یہ ابوامامہ سعد ہیں۔ سہل بن حنیف انصاری اوسی کے بیٹے۔ یہ اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، حضور ﷺ کی وفات سے دو سال قبل پیدا ہوئے کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہی ان کا نام ان کے نانا سعد بن زرارہ کے نام پر اور ان کی کنیت ان کی کنیت پر تجویز فرمائی تھی یہ بوجہ کم عمری آنحضرت ﷺ سے کچھ نہیں سن سکے اسی لئے بعضوں نے ان کا ذکر صحابہ کے بعد کے لوگوں میں کیا ہے۔ اور ابن عبدالبر نے ان کو منجملہ صحابہ ثابت کر کے فرمایا ہے کہ وہ مدینہ میں بڑے تابعین میں کے بڑے علماء میں سے تھے۔ اپنے والد اور ابوسعید وغیرہما سے انہوں نے احادیث سنیں اور ان سے بہت لوگوں نے روایات کی ہیں ۱۰۰ھ میں وفات ہوئی۔ اور آپ کی عمر بانوے سال ہوئی۔

(۲۹) ابوایوب الانصاری :- یہ ابوایوب ہیں خالد بن زید انصاری خزرجی اور یہ حضرت علی بن ابی طالبؓ کے ساتھ تمام محاربات میں شریک رہے اور افواج کی محافظت کرتے ہوئے قسطنطنیہ میں ۵۱ھ میں وفات ہوئی اور یہ اس وقت یزید بن معاویہ کے ساتھ تھے، جب کہ ان کے والد (حضرت معاویہؓ) قسطنطنیہ میں جہاد کر رہے تھے تو ان کے ساتھ (شریک جہاد ہونے کے لئے) نکلے اور بیمار ہوگئے پھر جب بیماری کا ثقل بڑھ گیا تو اپنے اصحاب کو وصیت فرمائی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو میرے جنازے کو اٹھا لینا، پھر جب تم دشمن کے سامنے صف بستہ ہو جاؤ تو مجھے اپنے قدموں کے نیچے دفن کر دینا۔ تو لوگوں نے ایسا ہی کیا آپ کی قبر قسطنطنیہ کی چار دیواری کے قریب ہے جو آج تک مشہور ہے۔ جس کی تعظیم کی جاتی ہے اور اس کے وسیلے سے بیمار لوگ خدا سے شفا چاہتے ہیں تو شفا پاتے ہیں۔ ان سے ایک

جماعت نے روایات کی ہیں قسطنطینیہ میں قاف مضموم اور سین ساکن اور پہلی طامضموم اور اور دوسری طامکسور ہے اور اس کے بعد یاء ساکنہ ہے، نووی فرماتے ہیں کہ ان حروف کو ہم نے اسی طرح منضبط کیا اور یہی مشہور ہے اور قاضی عیاض مغربی نے مشارق میں بہت لوگوں سے نقل کیا ہے کہ اس میں سے بعد نون کے یاء مشددہ بھی ہے۔

(۳۰) ابوامتیہ المخزومی: — یہ ابوامیہ مخزومی صحابی ہیں۔ ان کا شمار اہل حجاز میں ہے۔ ان سے ابومنذر روایت کرتے ہیں۔

(۳۱) امیہ بن مخشی: — یہ امیہ بن مخشی خزاعی ازدی ہیں ان کا شمار اہل بصرہ میں ہے۔ طعام کے بارے میں ان سے حدیث مروی ہے۔ ان کے بھتیجے مثنی بن عبدالرحمٰن ان سے روایت کرتے ہیں، مخشی میں میم مفتوح اور خاء ساکن اور شین مکسور اور یامشدد ہے۔

(۳۲) امیہ بن صفوان: — یہ امیہ بن صفوان ہیں جو امیہ بن خلف جمحی کے بیٹے تھے، یہ اپنے والد صفوان سے روایت کرتے ہیں اور اپنے بھتیجے عمرو وغیرہ سے دربارۂ عاریت روایت کی ہے۔

(۳۳) ابواسرائیل : — یہ ابواسرائیل صحابہ میں سے ایک شخص تھے، جنہوں نے یہ نذر کی تھی کہ کسی سے کلام نہیں کریں گے اور روزے سے دھوپ میں کھڑے رہیں گے اپنے اوپر سایہ نہیں کریں گے تو ان کو نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ بیٹھیں بھی سایہ میں بھی رہیں اور گفتگو کریں، ان کی حدیث ابن عباس اور جابرؓ عبداللہ کے پاس ہے۔

(۳۴) ابی اللحم خلف بن عبدالملک: — یہ خلف بن عبدالملک الغفاری ہیں۔ آبی اللحم کے نام سے مشہور ہیں کہا گیا ہے کہ ان کا نام عبداللہ ہے اور ایک قول میں حویرث ہے (آبی اللحم کے معنی ہیں گوشت سے انکار کرنے والا) اور آبی اللحم کے لقب سے اس لئے مشہور ہوئے کہ گوشت مطلقاً نہیں کھاتے تھے جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو (یعنی اسلام لانے سے پہلے بھی اس سے پرہیز کرتے تھے) یوم حنین میں شہید ہوئے۔ ان کے آزاد کردہ عمیر ان سے روایت کرتے ہیں آبی میں ہمزہ پر زبر اور مد ہے اور باء موحدہ مکسور اور یاء ساکن ہے۔

تابعین

(۳۶) اویس القرنی: — یہ اویس بن عامر ہیں۔ ان کی کنیت ابوعمرو ہے۔ قرن کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا مگر آپ کو نہیں دیکھ سکے ان کے مقبول ہونے کی بشارت دی گئی انہوں نے حضرت عمر بن خطاب کو اور آپ کے بعد دوسروں کو بھی دیکھا یہ زہد اور خلق سے کنارہ کشی میں مشہور تھے۔ محاربۂ صفین کے موقعہ پر ۳۷ھ میں گم (یا شہید) ہوگئے۔

(۳۷) ابان: — ابان بن عثمان بن عفان قرشی محدثین اہل مدینہ میں سے ہیں، تابعی ہیں اپنے والد عثمان اور دیگر اصحاب سے روایات کرتے تھے اور ان کی روایات بکثرت ہیں ان سے زہری نے روایت کی ہے۔ یزید بن عبدالملک کے زمانہ میں مدینہ میں وفات ہوئی۔ ابان میں ہمزہ مفتوح ہے اور باء پر تشدید نہیں ہے۔

(۳۸) ایوب بن موسیٰ: — یہ ایوب بن موسیٰ ہیں جو عمرو بن سعید بن العاص اموی کے بیٹے تھے۔ انہوں نے عطاء اور مکحول اور ان کے ہم مرتبہ محدثین سے روایت کی ہے اور ان سے شعبہ وغیرہ نے روایت کی ہے یہ بڑے فقہاء میں سے تھے ۱۳۳ھ میں وفات ہوئی۔

(۳۹) امیہ بن عبداللہ: — یہ امیہ ہیں عبداللہ بن خالد بن اسید مکی کے بیٹے انہوں نے ابن عمرو سے روایت کی ہے اور ان سے زہری وغیرہ نے۔ ثقہ تھے۔ والی خراسان تھے اور ۸۰ھ میں انتقال کیا۔

(۴۰) اسلم: - یہ اسلم حضرت عمر بن خطاب کے آزاد کردہ تھے ان کی کنیت ابو خالد تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حبشی تھے۔ ان کو حضرت عمرؓ نے ۱۱ھ میں مکہ میں خریدا تھا حضرت عمرؓ سے احادیث سنیں، ان سے زید بن اسلم وغیرہ نے روایات کی ہیں۔ مروان کی خلافت کے زمانہ میں ایک سو چودہ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

(۴۱) ارزق بن قیس: - یہ ارزق ہیں قیس حارثی کے بیٹے تابعی ہیں اپنے باپ برزہ سے اور ابن عمر سے اور انس بن مالک سے احادیث سنیں ان سے بہت لوگوں نے روایت کی ہیں۔

(۴۲) الاعمش: - یہ اعمش ہیں ان کا نام سلیمان بن مہران کاہلی اسدی ہے۔ بنی کاہل کے آزاد کردہ تھے، بنی کاہل ایک شعبہ بنی اسد خزیمہ کا ہے یہ ۶۰ھ میں رے میں پیدا ہوئے وہاں سے اٹھا کر کوفہ میں لائے گئے تو بنی کاہل کے ایک شخص نے خرید کر آزاد کر دیا۔ یہ اجلہ علماء علم حدیث وقراۃ کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں۔ ان پر اکثر کوفیین کی روایات کا مدار ہے۔ ان سے بہت لوگوں نے روایت کی ہے ۱۴۸ھ میں وفات ہوئی۔

(۴۳) الاعرج: - یہ اعراج ہیں ان کا نام عبدالرحمٰن ابن ہرمز مدنی ہے۔ آزاد کردہ نبی ہاشم تھے تابعین میں کے مشہور اور ثقہ بزرگوں میں سے ہیں، ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں اور اس میں مشہور تھے اور ان سے زہری نے روایت کی ہے ھ میں اسکندریہ میں وفات ہوئی۔

(۴۴) الاسود: - یہ اسود بن ہلال محاربی ہیں، عمرو بن معاذ اور ابن مسعود سے روایت کرتے تھے اور ان سے بہت لوگوں نے روایت کی ہے ۸۴ھ میں وفات ہوئی۔

(۴۵) ابراہیم بن میسرہ: - یہ ابراہیم بن میسرہ طائفی ہیں تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں ان کی احادیث اہل مکہ میں مشہور ہیں ثقہ تھے اور صحیح احادیث روایت کرتے تھے۔

(۴۶) ابراہیم بن عبدالرحمٰن: - یہ ابراہیم ہیں عبدالرحمٰن بن عوف کے بیٹے۔ ان کی کنیت ابواسحاق زہری قرشی ہے۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں بچپن میں لائے گئے۔ اپنے والد اور سعد بن ابی وقاص سے احادیث سنیں، ان سے ان کے بیٹے سعد اور زہری روایت کرتے ہیں ۹۶ھ میں وفات ہوئی آپ کی عمر ۷۵ھ سال ہوئی۔

(۴۷) ابراہیم بن اسمٰعیل: - یہ ابراہیم ہیں اسمٰعیل اشہلی کے بیٹے۔ انہوں نے موسیٰ بن عقبہ اور بہت لوگوں سے روایت کی ہے اور ان سے قعنبی اور بہت لوگ روایت کرتے ہیں۔ اور یہ بہت روزے رکھنے والے اور بکثرت نوافل پڑھنے والے تھے۔ ان کو دار قطنی وغیرہ نے متروک کہا ہے ۱۶۵ھ میں وفات ہوئی۔

(۴۸) ابراہیم بن الفضل: - یہ ابراہیم ہیں فضل مخزومی کے بیٹے۔ انہوں نے مقبری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے وکیع اور ابن نمیر نے اور کچھ لوگوں نے روایت کی ہے محدثین نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۴۹) اسحاق بن عبداللہ: - یہ اسحاق بن عبداللہ انصاری ہیں تابعین مدینہ میں کے ثقہ بزرگوں میں سے ہیں۔ واقدی کہتے ہیں کہ امام مالک حدیث میں ان سے بڑا درجہ کسی کو نہیں دیتے تھے۔ انہوں نے انس بن مالک اور ابو مرشد وغیرہما سے احادیث سنیں اور ان سے یحییٰ بن ابی کثیر اور مالک اور ہمام نے اور ان کا ذکر باب الانفاق میں ہے ۱۳۲ھ میں وفات ہوئی۔

(۵۰) **اسحاق بن راہویہ:** — یہ ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم التیمی ہیں، ابن راہویہ سے شہرت رکھتے تھے۔ بڑے درجے کے اہل علم اور ارکان مسلمین میں شمار کئے جاتے تھے اور آپ کی ذات حدیث وفقہ اور اتقان اور صدق اور پرہیزگاری کی جامع تھی، آپ علم کی طلب میں خراسان اور عراق اور حجاز اور یمن اور شام کے شہروں میں پھرے ۲۳۸ھ میں بعمر ۷۷ سال انتقال کیا ان کے فضائل کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے سفیان بن عیینہ اور وکیع بڑے بڑے آئمہ سے احادیث سنیں۔ ان سے بخاری اور مسلم اور ترمذی اور ائمہ اعلام کی بڑی جماعت نے روایات کی ہیں۔

(۵۱) **ابواسحاق السبیعی:** — یہ ابواسحاق عمرو بن عبداللہ سبیعی ہمدانی کوفی ہیں۔ انہوں نے حضرت علی اور ابن عباس اور دیگر اصحاب کی زیارت کی ہے اور براء بن عازب اور زید بن ارقم سے روایات سنیں اور ان سے اعمش اور شعبہ اور ثوری نے روایات کی ہیں، یہ ایک مشہور کثیر الروایت تابعی تھے ان کی ولادت خلافت عثمانی کے دو سال گزرنے پر ہوئی اور ۱۲۹ھ میں وفات ہوئی۔ سبیعی میں سین مہملہ مفتوح اور باء موحدہ مکسور اور عین مہملہ ہے۔

(۵۲) **ابواسحاق بن موسیٰ:** — یہ ابواسحاق ہیں موسیٰ انصاری کے بیٹے۔ مدینہ کے رہنے والے تھے مگر کوفہ میں مقیم ہوگئے تھے، بغداد تشریف لائے اور وہاں سفیان بن عیینہ وغیرہ کی احادیث بیان کیں۔ اپنے والد موسیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اور ان سے مسلم اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ وغیرہم نے روایات کی ہیں بڑے معتبر مانے جاتے تھے ۲۴۴ھ میں وفات پائی۔

(۵۳) **ابوابراہیم الاشہلی:** — یہ ابوابراہیم اشہلی انصاری ہیں۔ ان کا اسی قدر حال معلوم ہوسکا ہے کہ اپنے والد سے احادیث سنیں۔ ان سے یحییٰ بن ابی کثیر نے روایت کی یہ بیان کتاب الکنی میں امام مسلم نے کیا ہے۔ ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل سے ان ابراہیم کے والد کے بارہ میں دریافت کیا جو صحابی تھے تو معلوم ہوا کہ وہ نہیں جانتے۔

(۵۴) **ابواسرائیل:** — یہ ابواسرائیل اسماعیل ہیں۔ خلیفہ الملائی کے بیٹے۔ حکم وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابونعیم اور اسید بن حمال وغیرہ نے روایت کی ہے ضعیف راوی ہیں ۱۶۹ھ میں انتقال ہوا۔

(۵۵) **ابوایوب المراغی:** — یہ ابوایوب مراغی عتکی ہیں جویریہ اور ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے قتادہ نے روایت کی ہے اور یہ معتبر اور ثقہ راوی تھے۔

(۵۶) **ابوالاحوص:** — یہ ابوالاحوص ہیں ان کا نام عوف ہے۔ مالک بن فضلہ کے بیٹے تھے۔ انہوں نے اپنے والد سے اور ابن مسعود اور ابوموسیٰ سے احادیث سنیں اور ان سے حسن بصری اور ابواسحاق اور عطاء بن السامی نے روایات کی ہیں۔

(۵۷) **احوص:** — یہ احوص بن جواب ہیں اور ان کی کنیت ابوجواب ضبی ہے اہل کوفہ میں سے تھے، ان سے علی بن مدینی نے روایت کی ہے۔ ۲۳۱ھ میں انتقال ہوا۔ اور جواب میں جیم مفتوح اور واؤ مشدد اور با موحدہ ہے۔

(۵۸) **ابوالاحوص:** — یہ ابوالاحوص سلام ہیں۔ سلیم کے بیٹے، حافظ احادیث تھے آدم بن علی اور زیاد بن علاقہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے مسدد اور ہناد نے روایات کی ہیں اور ان سے تقریباً چار ہزار احادیث مروی ہیں۔ ان کو ابن معین نے پختہ ا[illegible] ۱۷۹ھ میں وفات ہوئی۔

(۵۹) **ابی بن خلف:** — ابی بن خلف اور اس کا بھائی امیہ یہ ابی خلف کا بیٹا تھا اور خلف وہب کا بیٹا تھا اور امیہ ابی کا بھائی تھا، ابی بڑا خبیث مشرک تھا۔ جس کو غزوۂ احد کے دن آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور امیہ بحالت شرک بدر کے دن مارا گیا۔

صحابی عورتیں

(٦٠) اسماء بنت ابی بکر: — یہ اسماء ہیں حضرت ابوبکر صدیق کی بٹی۔ اور ان کو ذات النطاقین کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے جس رات میں حضور ﷺ نے ہجرت کی تھی اپنے پٹکے کو پھاڑ کر دو حصے کئے تھے، اس کے ایک حصہ میں توشہ دان کو باندھا اور دوسرے کو مشکیزہ پر باندھا یا اس کا اپنا پٹکا بنالیا تھا۔ اور یہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی والدہ ہیں مکہ میں اسلام لائی تھیں، کہا جاتا ہے کہ اس وقت تک صرف سترہ آدمیوں نے اسلام قبول تھا۔ یہ اپنی بہن عائشہ سے دس برس بڑی تھیں، جب آپ کے بیٹے عبداللہ بن زبیر کی نعش کو (جو بعد قتل ایک لکڑی پر لٹکادی گئی تھی) لکڑی پر سے اتار کر دفن کر دیا گیا تو اس سے دس دن بعد یا بیس دن بعد بعمر ایک سو برس مکہ میں انتقال کیا اس وقت ۷۳ ھ تھا ان سے بہت لوگوں نے احادیث کی روایت کی ہے۔

(٦١) اسماء بنت عمیس: — یہ اسماء بنت عمیس ہیں انہوں نے اپنے شوہر حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ حبشہ ہجرت کی تھی وہیں آپ سے محمد یا عبداللہ اور عون پیدا ہوئے پھر مدینہ کو ہجرت کی۔ جب حضرت جعفر شہید ہوگئے تو ان سے حضرت ابوبکر صدیق نے نکاح کیا اور آپ سے محمد پیدا ہوئے، پھر حضرت ابوبکر کی وفات ہوگئی تو آپ سے حضرت علی بن ابی طالب نے نکاح کر لیا اور آپ سے یحییٰ پیدا ہوئے۔ ان سے بہت سے جلیل القدر صحابہ نے روایات کی ہیں۔ عُمیس میں عین مضموم اور میم مفتوح ہے اور یاء ساکن ہے اور سین مہملہ ہے۔

(٦٢) انیسہ بنت خبیب: — یہ انیسہ انصاریہ صحابیہ ہیں۔ ان کا شمار اہل بصرہ میں ہے ان سے ان کے بھانجے خبیب بن عبدالرحمٰن نے روایت کی ہے انیسہ تصغیر کے صیغہ سے ہے اسی طرح خبیب۔

(٦٣) امیمہ بنت رقیقہ: — یہ امیمہ ہیں رقیقہ کی بٹی ان کے والد کا نام عبداللہ ہے اور رقیقہ خویلد کی بیٹی اور حضرت خدیجہ زوجہ نبی کریم ﷺ کی بہن ہیں۔ ان کا شمار اہل مدینہ میں ہے رقیقہ میں راء مضموم ہے اور دونوں قاف پر زبر ہے اور درمیان میں دو نقطوں والی یاء ساکن ہے۔

(٦٤) امامہ بنت ابی العاص: — یہ امامہ ہیں ابوالعاص بن ربیع کی بیٹی۔ ان کی والدہ زینب ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی بیٹی تھیں۔ بعد حضرت فاطمہ کی وفات کے حضرت علی نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ یہ حضرت فاطمہ کی بھانجی تھیں حضرت علی کو انہوں نے اس کی وصیت کی تھی۔ امامہ کا نکاح حضرت علی سے زبیر بن العوام نے کیا کیونکہ ان کے یعنی امامہ کے والد نے ان کو اس کی وصیت کی تھی باب مالا یجوز من العمل فی الصلوۃ میں ان کا ذکر آیا ہے۔

(ب)

صحابہ

(٦٥) ابوبکر الصدیق: — یہ ابوبکر صدیق ہیں۔ ان کا نام عبداللہ ہے۔ یہ عثمان ابوقحافہ کے بیٹے ہیں۔ قحافہ کے قاف پر پیش ہے۔ ابوقحافہ عامر کے بیٹے تھے اور وہ عمرو کے اور وہ کعب کے اور وہ سعد کے اور وہ تیم کے اور وہ مرہ کے اس طرح ساتویں پشت پر ان کا نسب حضور ﷺ سے مل گیا آپ کو عتیق سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا من اراد ان ینظر الی عتیق من النار

فلینظر الی ابی ابکر (جو شخص کسی ایسے شخص کو دیکھنا چاہے جو نار جہنم سے آزاد اور بے کھٹکے ہو چکا ہے وہ ابوبکر کو دیکھ لے) حضور ﷺ کے ساتھ ہر غزوہ میں شریک رہے اور آپ ﷺ سے کبھی جدا نہیں ہوئے نہ قبل از اسلام اور نہ بعد از اسلام (بلکہ بعد وفات بھی مجسمہ المبارک آپ کے ساتھ ہی رہے) اور یہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے تھے ان کا رنگ سفید تھا لاغر اندام تھے رخسار پہلے تھے چہرے پر گوشت بہت کم تھا۔ آنکھیں اندر کو تھیں۔ پیشانی ابھرواں تھی انگلیوں کی جڑیں گوشت سے خالی تھیں، آپ مہندی اور وسمہ سے خضاب کرتے تھے، ان کو اور ان کے والدین کو اور ان کی اولاد کو اور پوتے کو حضور ﷺ سے شرف صحبت حاصل ہوا۔ اتنی بڑی نعمت تمام اصحاب میں سے کسی کو حاصل نہیں۔ واقعہ فیل کو دو سال چار مہینے سے چند دن کم گذرے تھے جب کہ مکہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ میں منگل کی رات میں عشاء اور مغرب کے درمیان جب کہ جمادی الاخری ۱۳ھ کے آٹھ دن باقی تھے آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کی عمر ۶۳ سال ہوئی، آپ نے یہ وصیت کی تھی کہ آپ کو آپ کی زوجہ اسماء بنت عمیس غسل دیں اس لئے انہوں نے آپ کو غسل دیا اور عمر بن خطاب نے نماز جنازہ پڑھائی آپ کی خلافت کا زمانہ دو سال چار ماہ ہے آپ سے صحابہ اور تابعین کی ایک کثیر جماعت نے روایت کی ہے، آپ سے بہت کم حدیثوں کی روایت ہوئی کیونکہ آپ حضور ﷺ کے بعد تھوڑی مدت حیات رہے (اور انصرام امور خلافت کی بنا پر اس کی فرصت بھی نہ مل سکی)

(۶۶) ابوبکرہ: — یہ ابوبکرہ نفیع بن حارث ہیں اور یہ غلام تھے حارث بن کلدہ ثقفی کے پھر انہوں نے ان کو اپنے اہل بیت میں شامل کر لیا تھا یعنی بیٹا بنا لیا تھا۔ ان کے نام (نفیع) سے ان کی کنیت ابوبکرہ زیادہ مشہور ہوئی۔ ان کی اس کنیت کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یوم طائف میں (جب حضور اکرم ﷺ نے طائف کا محاصرہ کر رکھا تھا) یہ ایک گھڑی کے سہارے لٹک کر کود پڑے تھے۔ اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا (بکرہ کے معنی لکڑی کے گھیڑی کے ہیں جس پر ڈول کی رسی چلتی ہے) تو آپ ﷺ کو حضرت ﷺ نے ابوبکرہ کی کنیت سے مخاطب فرمایا اور ان کو آزاد کر دیا، اس لئے یہ حضور ﷺ کے موالی میں سے ہیں۔ یعنی آزاد کردہ غلام بصرہ کے باشندہ ہو کر وہیں پر ۴۹ھ میں انتقال ہوا۔ ان سے کثیر مخلوق نے روایت کی ہے۔ نفیع میں نون مضموم اور فاء مفتوح اور یاء ساکن ہے۔

(۶۷) ابوبرزہ: — یہ ابوبرزہ فضلہ بن عبید اسلمی ہیں شروع زمانہ میں اسلام قبول کیا اور یہ وہی ہیں جنہوں نے عبداللہ بن خطل کو قتل کیا تھا۔ اور حضور ﷺ کی وفات تک کے تمام غزوات میں آپ کے ساتھ رہے پھر بصرہ آکر اقامت گزیں ہوئے پھر خراساں کا غزوہ کیا اور مرو میں ۶۰ھ میں وفات ہوئی۔

(۶۸) ابوبردہ: — یہ ابوبردہ ہانی بن نیار ہیں ستر اصحاب کے ساتھ عقبہ ثانیہ میں حاضر تھے اور اس کے بعد کے محاربات میں بھی شریک رہے اور یہ براء بن عازب کے ماموں ہیں، ان کے اولاد نہیں ہوئی، معاویہؓ کے شروع زمانہ میں تمام محاربات میں حضرت علیؓ کا ساتھ دے کر وفات پائی ان نے براء اور جابر سے روایت کی ہے ہانی میں نون مکسور ہے اس کے بعد ہمزہ ہے اور نیار میں نون مکسور اور یا بغیر تشدید کے ہے اور آخر میں راء مہملہ (بے نقطہ والی) ہے۔

(۶۹) ابوبصیر: — یہ ابوبصیر عتبہ بن اسید ثقفی ہیں ابتدائی زمانہ میں اسلام لانے والے صحابہ میں سے ہیں، ان کا ذکر غزوہ حدیبیہ میں آتا ہے، آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی میں انتقال ہو گیا، اسید میں ہمزہ مفتوح اور سین مہملہ مکسور ہے ان کا ذکر حرف عین میں بھی آنے والا ہے۔

(۷۰) ابوبصرہ: — اس میں باء پر زیر ہے اور صاد مہملہ ساکن ہے یہ حمیل بن بصرہ غفاری ہیں۔ حمیل حمل کی تصغیر ہے۔

(۷۱) ابوبشیر: — یہ ابوبشیر قیس ہیں عبید انصاری مازنی کے بیٹے۔ ابن عبدالبر صاحب استیعاب کہتے ہیں کہ ان کے صحیح نام پر واقفیت نہیں ہوسکی اور کسی ایسے شخص نے جو قابل وثوق واعتماد ہو ان کا نام نہیں بتایا اور ابن مندہ نے کتاب الکنی میں ان کا ذکر کیا ہے مگر نام نہیں لکھا ان سے بہت لوگوں نے روایت کی ہے یوم حرہ کے بعد انتقال ہوا، انہوں نے طویل عمر پائی۔

(۷۲) ابوالبداح: — یہ ابوالبداح ہیں جن کے نام میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ ان کا نام عاصم بن عدی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ عاصم بن عدی کے بیٹے ہیں۔ یہ ایک لقب ہے جس سے مشہور ہوگئے اور ان کی کنیت ابوعمر ہے، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے تو بعض نے کہا کہ ان کو صحبت نبوی حاصل ہوئی اور بعض نے کہا کہ حاصل نہیں ہوئی، البتہ ان کے والد کو حاصل ہوئی ابن عبدالبر کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ صحابی تھے۔ بداح میں باء موحدہ مفتوح ہے اور دال مہملہ مشدد اور مہملہ ہے ۱۱۷ھ میں انتقال ہوا۔ ان کی عمر ۸۴ سال ہوئی انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے اور ان سے ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے۔

(۷۳) البراؑبن عازب: — یہ براء بن عازب ابوعمارہ انصاری حارثی ہیں۔ کوفہ میں آئے اور ۲۴ھ میں رے فتح کیا اور جنگ جمل و صفین و نہروان میں حضرت علیؓ کے ساتھ رہے اور مصعب بن زبیر کے زمانہ میں کوفہ میں انتقال کیا، ان سے کثیر مخلوق نے روایت کی ہے۔ عمارہ میں عین مہملہ مضموم ہے اور میم پر تشدید نہیں ہے۔

(۷۴) بلال بن رباح: — یہ بلال بن رباح حضرت ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ ہیں۔ شروع زمانہ میں اسلام لے آئے یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مکہ میں اپنے اسلام کو ظاہر کیا غزوہ بدر میں اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے اور آخر وقت میں شام میں رہنے لگے تھے اور ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان سے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے روایت کی ہے جب کہ آپ کی عمر تریسٹھ برس کی تھی۔ ۲۰ھ میں دمشق میں انتقال کیا اور باب الصغیر میں دفن ہوئے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حلب میں انتقال ہوا اور باب الاربعین میں دفن ہوئے۔ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ پہلا قول صحیح ہے اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو اہل مکہ نے اسلام قبول کرنے کی بنا پر سخت اذیتیں پہنچائی تھیں اور بلالؓ کو شدید تکالیف میں مبتلا کرنے میں امیہ بن خلف جمحی بذات خود حصہ لیتا تھا۔ یہ خدا کی تقدیر تھی کہ یہ ملعون حضرت بلال ہی کے ہاتھ سے بدر کے دن قتل ہوا۔ جابر کہتے ہیں کہ حضرت عمر کہا کرتے تھے ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار بلال کے آزاد کرنے والے ہیں۔

(۷۵) بلال بن حارث: — یہ بلال بن حارث ابوعبدالرحمٰن مزنی ہیں اشعر میں رہتے اور مدینہ کو دیکھا تھا، ان سے ان کے بیٹے حارث نے اور علقمہ بن وقاص نے روایت کی ۶۰ھ میں بعمر اسی سال وفات پائی۔

(۷۶) بریدہ بن الحصیب: — یہ بریدہ بن الحصیب اسلمی ہیں۔ بدر سے پہلے اسلام لے آئے تھے۔ مگر اس میں حاضر نہ ہوسکے اور بیعت رضوان میں شریک تھے۔ یہ مدینہ کے رہنے والوں میں سے تھے پھر بصرہ چلے گئے پھر وہاں سے خراسان جہاد کرتے ہوئے پہنچے اور مرو میں بزمانہ یزید بن معاویہؓ ۶۲ھ میں انتقال ہوا۔ ان سے بہت لوگوں نے روایت کی ہے اور حصیب حصب کی تصغیر ہے۔

(۷۷) بشر بن معبد: — یہ بشر بن معبد ہیں "ابن الخصاصیہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ خصاصیہ ان کی والدہ تھی اور ان کا نام کبشہ تھا لوگوں نے ان کو والدہ کے نام کی طرف منسوب کیا اور حضور ﷺ کے آزاد کردہ تھے اور ان کا شمار بصرہ والوں میں ہے۔

(۷۸) بسر بن ابی ارطاۃ: — یہ بسر بن ابی ارطاہ ابوعبدالرحمٰن ہیں اور ابوارطاۃ کا نام عمیر عامری قرشی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ کم عمری کی وجہ سے یہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ نہیں سن سکے۔ اور اہل شام ان کا سننا ثابت کرتے ہیں واقدی کا قول ہے کہ یہ حضور ﷺ کی وفات سے دو سال قبل پیدا ہوئے تھے، کہا جاتا ہے کہ آخر عمر میں ان کا دماغ صحیح نہیں رہا تھا، حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں انتقال ہوا اور

ایک قول یہ ہے کہ عبدالملک کے زمانے میں۔

(۷۹) بدیل بن ورقاء: — یہ بدیل بن ورقاء خزاعی ہیں قدیم الاسلام ہیں ان سے ان کے دونوں بیٹوں عبداللہ اور سلمہ وغیرہما نے روایت کی ہے، حضور ﷺ کے زمانہ میں شہید ہوگئے اور ایک قول یہ ہے کہ یوم صفین میں شہید ہوئے اور ایک قول یہ ہے کہ یوم صفین میں جس نے ان کو قتل کیا وہ ان کے بیٹے عبداللہ تھے۔ بدیل بدل کا مصغر ہے۔

(۸۰) ابنا بسر: — یعنی بسر کے دونوں بیٹے اس سے مراد عطیہ اور عبداللہ ہیں ان کا ذکر حرف عین میں آئے گا۔ ان دونوں کی ایک حدیث ہے۔ کھجور اور مکھن کھانے کے بارے میں جس میں دونوں ناموں کو ملا کر "ابنا بسر" یعنی بسر کے دونوں بیٹے کہا گیا ہے۔ اور ان کے نام نہیں ذکر کئے گئے۔

(۸۱) البیاضی: — منسوب ہے بیاضہ بن عامر کی طرف اور ان کا نام عبداللہ بن جابر الانصاری ہے۔ صحابی تھے۔

تابعین

(۸۲) بلال بن یسار: — یہ بلال ہیں یسار کے بیٹے، جو زید کے بیٹے تھے جو کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ تھے اور یہ زید زید بن حارثہ نہیں ہیں انہوں نے اپنے باپ سے اور دادا سے روایت کی ہے ان سے عمرو بن مرہ نے روایت کی ہے ان کی حدیثیں بصرہ والوں میں رائج ہیں۔

(۸۳) بلال بن عبداللہ: — یہ بلال ہیں حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب قرشی عدوی کے بیٹے۔ حدیث میں بڑے سنجیدہ تھے۔

(۸۴) بسر بن محجن: — یہ بسر بن محجن دیلی حجازی ہیں اپنے والد سے روایت کرتے تھے اور ابن منذر نے ان کا نام صحابہ کے ذیل میں درج کیا اور کہا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث روایت کی ہے اور بخاری وغیرہ نے ان کو تابعی کہا ہے۔ اور یہی ٹھیک ہے۔ ان سے زید بن اسلم نے روایت کی ہے۔ محجن میں میم مکسور اور حاء مہملہ ساکن اور جیم مفتوح اور آخر میں نون ہے اور دیلی میں دال مکسور ہے اور دو نقطوں والی یا ساکن ہے۔

(۸۵) بہز بن حکیم: — یہ بہز ہیں حکیم بن معاویہ بن حیدۃ القشیری بصری کے بیٹے ان میں علماء کا اختلاف ہے۔ وہ اپنے باپ وہ ان کے دادا سے روایت کی ہے اور ان سے بہت لوگوں نے بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں ان کی کوئی روایت داخل نہیں کی ابن عدی نے کہا ہے کہ میں نے ان کی ایسی کوئی حدیث نہیں دیکھی جو قابل انکار ہو۔ حیدہ میں حاء مہملہ مفتوح اور دو نقطوں والی یاء ساکن اور دال مفتوح ہے۔

(۸۶) بشر بن مروان: — یہ بشر ہیں مروان بن حکم اموی قرشی کے بیٹے عبدالملک کے بھائی۔ یہ اپنے بھائی کی طرف سے والی عراق تھے، یوم جمعہ کے خطبہ کے باب میں ان کا ذکر آیا ہے۔ بشر میں باء مکسور اور شین معجمہ ساکن ہے۔

(۸۷) بشر بن رافع: — یہ بشر بن رافع ہیں یحیٰی بن ابی کثیر اور بہت لوگوں سے روایت کرتے ہیں اور ان سے عبدالرزاق اور بہت لوگوں نے روایت کی ہے، ان کی روایت کو احمد بن حنبل نے ضعیف اور ابن معین نے قوی کہا ہے۔

(۸۸) بشر بن ابی مسعود: — یہ بشر ہیں ابو مسعود بدری کے بیٹے۔ انہوں نے اپنے باپ سے ان سے عروہ اور یونس بن میسرہ اور

بہت لوگوں نے روایت کیا ہے۔

(۸۹) **بشیر بن میمون:** — یہ بشیر بن میمون ہیں اپنے چچا اسامہ بن اخدری سے روایت کرتے ہیں اور ان سے بشیر بن مفضل وغیرہ نے روایات کی ہیں، سچے مانے جاتے ہیں۔

(۹۰) **بجالہ بن عبدہ:** — یہ بجالہ بن عبدہ تمیمی ہیں جزء بن معاویہ کے کاتب احنف بن قیس کے چچا ہیں مکی اور ثقہ ہیں اہل بصرہ میں شمار کئے جاتے ہیں انہوں نے عمران بن حصین سے احادیث سنیں اور ان سے عمرو بن دینار نے۔ ۹۰ھ میں مکہ میں زندہ تھے بجالہ میں باموحدہ مفتوح اور جیم مخفف یعنی تشدید کے بغیر ہے اور جزء میں جیم مفتوح اور زاء ساکن ہے جس کے بعد ہمزہ ہے۔

(۹۱) **ابوبردہ:** — یہ ابوبردہ عامر ہیں، عبداللہ بن قیس کے بیٹے۔ عبداللہ بن قیس نام ہے ابوموسیٰ اشعریؓ کا ابوبردہ ایک مشہور کثیر الروایت تابعی ہیں اپنے والد اور حضرت علیؓ وغیرہما سے روایت کرتے تھے۔ اور قاضی شریح کے بعد ان کی جگہ عہدۂ قضاء پر کوفہ میں مامور کئے گئے تھے پھر ان کو حجاج بن یوسف نے معزول کر دیا تھا۔

(۹۲) **ابوبکر بن عیاش:** — یہ ابوبکر بن عیاش اسدی بڑے علماء میں سے تھے ابواسحاق وغیرہ سے روایت کرتے تھے۔ اور ان سے احمد اور ابن معین نے روایت کی ہے امام احمد کا قول ہے کہ یہ صدوق اور ثقہ ہیں مگر غلطی کبھی کر جاتے ہیں ۱۵۳ھ میں بعمر ۹۶ سال وفات ہوئی۔ عیاش میں دو نقطوں والی یاء مشدد ہے اور شین معجمہ ہے۔

(۹۳) **ابوبکر بن عبدالرحمٰن:** — یہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن مخزومی ہیں، ابوبکر ان کا نام بھی ہے اور کنیت بھی تابعی ہیں۔ انہوں نے عائشہ اور ابوہریرہ سے احادیث سنیں اور ان سے شعبی اور زہری نے روایات کی ہیں۔

(۹۴) **ابوبکر بن عبداللہ بن زبیر:** — یہ ابوبکر بن عبداللہ بن زبیر حمیدی ہیں امام بخاری کے شیخ ہیں ان کا ذکر حرف عین میں آئے گا۔

(۹۵) **ابوالبختری:** — ان کا نام سعید بن فیروز ہے ان کی حدیث رویت ہلال کے بارے میں ہے۔

صحابی عورتیں

(۹۶) **بریرۃ:** — بریرہ میں باء مفتوح ہے اور پہلی راء مکسور اور دو نقطوں والی یاء ساکن ہے۔ یہ ام المومنین عائشہؓ کی آزاد کردہ ہیں۔ عائشہ اور ابن عباس اور عروہ ابن زبیر سے روایت کرتی ہیں۔

(۹۷) **بسرۃ:** — یہ بسرہ صفوان بن نوفل کی بیٹی تھیں نسلاً قریشیہ اسدیہ تھیں۔ اور یہ ورقہ بن نوفل کی بھتیجی تھیں۔

(۹۸) **بہیسہ:** — یہ بہیسہ فزاریہ ہیں۔ صحابیہ ہیں۔ یہ اپنے والد سے روایت کرتی ہیں اور وہ نبی کریم ﷺ سے اور ان کی حدیث بیع کے بارے میں ہے۔ بہیسہ میں باضموم اور ہامفتوح اور یا ساکن اور سین مہملہ ہے۔

(۹۹) **ام بجید:** — یہ ام بجید حوا ہیں۔ یزید بن سکن کی بیٹی انصاریہ ہیں اسماء بنت یزید کی بہن، ان کی شہرت کنیت سے زیادہ ہوئی۔ ان عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے حضور ﷺ سے بیعت کی تھی۔ ان سے عبدالرحمٰن بن بجید نے روایت کی ہے بجید بجد کی تصغیر ہے۔

تابعی عورتیں

(۱۰۰) بناتہ: — یہ بناتہ باء کے پیش اور نون کی تخفیف کے ساتھ عبدالرحمٰن بن حیان کی آزاد کردہ انصاریہ ہیں یہ عائشہ سے روایت کرتی ہیں اور ان سے ابن جریج نے روایت کی ہے ان کی حدیث جلاجل والی ہے، حیان میں حاء مہملہ مفتوح ہے اور دو نقطوں والی یا مشدد ہے۔

(ت)

صحابہ

(۱۰۱) تمیم داری: — یہ تمیم بن اوس داری ہیں، پہلے نصرانی تھے پھر ۹ھ میں اسلام قبول کیا۔ یہ ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔ اور کبھی ایک ہی آیت کو تمام رات بار بار پڑھتے صبح کر دیتے تھے۔ محمد بن منکدر نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ ساری رات کو صبح تک سوتے رہے اور تہجد کے لئے نہیں اٹھ سکے تو اپنے نفس کو اس غفلت کی سزا دینے کے لئے ایک سال تک تمام رات نوافل پڑھتے رہے اور بالکل نہیں سوئے مدینہ میں رہتے تھے۔ پھر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد شام میں اقامت گزیں ہوگئے اور وقت وفات تک وہیں رہے اور سب سے پہلے مسجد میں انہوں نے چراغ جلایا نبی ﷺ سے انہوں نے قصہ دجال اور جساسہ کا بیان کیا ہے۔ اور ان سے بہت لوگوں نے اس کی روایت کی۔

تابعین

(۱۰۲) ابو تمیمہ: — یہ ابو تمیمہ طریف بن خالد ہجیمی بصری ہیں۔ ان کی اصل یمن کے عربی لوگوں سے تھی ان کے چچا نے ان کو بیچ دیا تھا۔ اور یہ تابعی ہیں۔ متعدد صحابہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے قتادہ وغیرہ نے روایت کی ہے ۹۵ھ میں انتقال ہوا۔

(ث)

صحابہ

(۱۰۳) ثابت بن قیس بن شماس: — یہ ثابت بن قیس بن شماس انصاری خزرجی ہیں۔ غزوۂ احد اور اس کے بعد جس قدر غزوات ہوئے سب میں حاضر ہوئے۔ اور یہ اکابر صحابہ میں سے اور انصار کے بڑے علماء میں سے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے جنت کی شہادت دی اور یہ رسول اللہ ﷺ کے خطیب تھے اور یوم الیمامہ یعنی جس دن مسیلمہ کذاب سے جنگ ہوئی اس میں ۱۲ھ میں شہید ہوگئے۔ ان سے انس بن مالک وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(۱۰۴) ثابت بن ضحاک: — یہ ثابت بن ضحاک ابوزید انصاری خزرجی ہیں۔ یہ ان اصحاب میں سے ہیں جنہوں نے (حدیبیہ میں) بیعۃ الرضوان کے موقع پر درخت کے نیچے رسول کریم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی اور یہ اس وقت کم عمر تھے۔ حضرت

عبداللہ بن زبیر کے ساتھ جو فتنہ ہوا اس میں شہید ہوئے۔

(۱۰۵) ثابت بن دحداح: — یہ ثابت بن دحداح اور ایک قول کے مطابق ابن دحداحہ انصاری ہیں، غزوہ احد میں شریک ہوئے اور خالد بن ولید کے نیزہ سے جو جسم کے پار ہو گیا تھا شہید ہوئے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بستر پر ہی انتقال ہوا جب حضور ﷺ حدیبیہ سے واپس ہوئے تھے "تشییع الجنازہ" کے باب میں ان کا ذکر آیا ہے۔

(۱۰۶) ثوبان: — یہ ثوبان بن بجدد ہیں ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے ان کو رسول اللہ ﷺ نے خرید کر آزاد کیا تھا یہ حضور ﷺ کی وفات تک سفر اور حضر میں ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ رہے، پھر شام آ گئے تھے پھر رملہ میں آئے، اس کے بعد حمص میں مقیم ہوئے اور وہیں ۸۴ھ میں وفات ہوئی ان سے بہت لوگوں نے روایت کی ہے بجدد میں ایک نقطہ والی باء مضموم اور جیم ساکن اور پہلی دال مہملہ مضموم ہے۔

(۱۰۷) ثمامہ بن اثال — یہ ثمامہ بن اثال حنفی ہیں اہل یمامہ کے سردار تھے یہ قید ہو گئے تھے۔ ان کو حضور ﷺ نے رہائی بخشی، اس کے بعد یہ گئے اور اپنے کپڑے دھوئے اور غسل کر کے پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، اور ان کا اسلام بہت اچھا رہا ان سے ابوہریرہ اور ابن عباس نے روایت کی ہے ثمامہ میں ثاء مضموم اور دونوں میم غیر مشدد ہیں اور اثال میں ہمزہ مضموم اور تین نقطوں والی ثاء غیر مشدد اور آخر میں لام ہے۔

(۱۰۸) ابو ثعلبہ: — یہ ابو ثعلبہ جرہم بن ناشب خشنی ہیں اور یہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں، انہوں نے بیعۃ الرضوان والی بیعت آنحضرت ﷺ سے کی آپ نے ان کو قوم کے لوگوں کے پاس (تبلیغ اسلام کے لئے) بھیجا جو اسلام لے آئے، ابو ثعلبہ شام میں آ گئے تھے اور وہیں ۷۵ھ میں انتقال ہوا۔ جرہم میں جیم اور ہا دونوں مضموم ہیں۔

تابعین

(۱۰۹) ثابت بن ابی صفیہ: — یہ ثابت ابو صفیہ کے بیٹے ہیں۔ ان کی کنیت ابو حمزہ ہے اور کوفہ کے رہنے والے ہیں انہوں نے محمد بن علی الباقر سے حدیث کو سنا ہے اور وکیع اور ابن عیینہ نے ان سے روایت حدیث کی ہے ان کی وفات ۱۴۸ھ میں واقع ہوئی۔

(۱۱۰) ثابت بن اسلم بنانی: — ان کا نام ثابت ہے اور یہ اسلم بنانی کے بیٹے ہیں۔ کنیت ابو محمد ہے۔ تابعی ہیں بصرہ کے مشہور علماء میں سے ہیں اور ثقات میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ انس بن مالکؓ سے روایت حدیث کرتے ہیں (مشہور ہوئے۔ اور ان کی شاگردی میں چالیس سال گزارے ہیں۔ انہوں نے بہت سے علماء سے روایت حدیث کی ہے اور بڑی جماعت نے ان سے۔ ان کی وفات ۱۲۳ھ میں واقع ہوئی اور انہوں نے ۸۶ سال کی عمر پائی۔

(۱۱۱) ثمامہ بن حزن: — یہ ثمامہ حزن قشری کے بیٹے ہیں۔ ان کا شمار تابعین کے طبقۂ ثانیہ میں کیا جاتا ہے اور ان کی حدیث بصریین روایت کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ کو اور حضرت ابوالدرداء کو انہوں نے دیکھا ہے اور حضرت عائشہؓ سے احادیث کو سنا۔ اسود بن شیبان بصری نے ان سے روایت حدیث کی ہے۔ حزن کی حا (مہملہ پر زبر ہے زاء اور نون پر جزم ہے۔

(۱۱۲) ثور بن یزید: — یہ ثور یزید کلاعی شامی کے بیٹے ہیں اور حمص کے رہنے والے ہیں انہوں نے خالد بن معدان سے حدیث کو سنا

اور ان سے سفیان ثوری اور یحیٰی بن سعید نے حدیث کو نقل کیا ہے۔ ان کی وفات ۱۵۵ھ میں ہوئی ان کا تذکرہ باب الملاحم میں آتا ہے۔

(ج)

صحابہ

(۱۱۳) **جابر بن عبداللہ:** — ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ یہ انصار میں سے ہیں۔ قبیلہ سلیم کے رہنے والے ہیں، مشہور صحابہ میں سے ہیں، ان کا شمار ان حضرات صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے حدیث کی روایت کثرت سے کی ہے۔ غزوۂ بدر اور اس کے بعد پیش آنے والے تمام غزوات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ حاضر ہوئے۔ ایسے تمام غزوات اٹھارہ ہیں۔ وہ شام اور مصر میں تشریف لائے آخر عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی ان سے بڑی جماعت نے حدیث کو نقل کیا ہے ۷۴ھ میں مدینہ منورہ میں انہوں نے وفات پائی۔ ان کی عمر ۹۴ سال بتلائی جاتی ہے۔ یہ ایک قول میں صحابہ میں سب سے آخر میں مدینہ میں وفات پانے والے ہیں (ان کی وفات عبدالملک بن مروان کی خلافت میں ہوئی۔)

(۱۱۴) **جابر بن سمرہ:** — ان کی کنیت ابوعبداللہ عامری ہے، یہ سعد بن ابی وقاص کے بھانجے ہیں کوفہ میں تشریف لائے اور وہاں ہی ۷۴ھ میں وفات پائی۔ ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے۔

(۱۱۵) **جابر بن عتیک:** — ان کی کنیت ابوعبداللہ انصاری ہے بدر اور بدر کے بعد تمام غزوات میں حاضر ہوئے ان سے ان کے دو بیٹوں نے یعنی عبداللہ اور ابوسفیان اور ان کے بھتیجے عتیک بن حارث نے روایت حدیث کی ہے ۶۱ھ میں ان کی وفات ہوئی ان کی عمر ۹۱ سال کی ہے۔

(۱۱۶) **جبار بن صخر:** — یہ جبار صخر انصاری سلمی کے بیٹے ہیں، بیعت عقبہ غزوہ بدر اور اس کے بعد تمام غزوات میں حاضر ہوئے لیلۃ العقبہ میں جو ستر صحابہ شریک تھے ان میں سے یہ بھی ایک ہیں۔ شرحبیل بن سعد نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ جبار کی جیم پر زبر ہے۔ اور باء مشدد ہے۔

(۱۱۷) **جریر بن عبداللہ:** — ان کی کنیت ابوعمرو ہے۔ جس سال میں حضور ﷺ کی وفات ہوئی اسی سال یہ اسلام لائے جریر نے کہا ہے کہ میں آنحضور کی وفات سے چالیس دن پہلے ایمان لایا۔ کوفہ میں تشریف لائے اور ایک زمانہ تک وہاں رہے پھر وہاں سے قرقیسا کی طرف منتقل ہوئے۔ اور وہاں ہی ۵۱ھ میں وفات پائی ان سے ایک بڑی جماعت نے روایت کی ہے۔

(۱۱۸) **جندب بن عبداللہ:** — یہ جندب عبداللہ کے بیٹے سفیان بجلی علقی کے پوتے ہیں علقہ قبیلہ بجلہ کی ایک شاخ ہے اور بجیلہ میں کچھ لوگ ہیں جن کو قسر کہا جاتا ہے قاف کے زبر، سین کے جزم کے ساتھ۔ یہ لوگ خالد بن قسری کا خاندان ہیں۔ فتنہ عبداللہ بن زبیر میں اس سے چار سال کے بعد وفات پائی، ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ جندب جیم کے ضمہ اور نون کے جزم کے ساتھ ہے۔ دال کا پیش اور زبر دونوں صحیح ہیں۔

(۱۱۹) **جبیر بن مطعم:** — ان کی کنیت ابومحمد قرشی نوفلی ہے فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے مدینہ میں تشریف لے گئے اور وہیں ۵۴ھ میں انتقال کیا۔ ان سے ایک جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے۔ وہ نسب کے اعتبار سے قریشی ہیں۔

(۱۲۰) جرہد بن خویلد: — یہ جرہد بن خویلد مدنی اسلمی ہیں، اہل صفہ میں ان کا شمار ہوتا ہے ۶۱ھ میں ان کی وفات ہوئی، ان کے بیٹوں عبداللہ، عبدالرحمٰن سلیمان اور مسلم نے ان سے روایت کی ہے جرہد میں جیم اور ہاء دونوں پر زبر ہے۔

(۱۲۱) جعفر بن ابی طالب: — یہ جعفر بن ابی طالب ہاشمی حضرت علی ابن ابی طالب کے بھائی ہیں ان کا خطاب ذو الجناحین ہے یہ شروع ہی میں اکتیس آدمیوں کے بعد اسلام لائے تھے۔ یہ اپنے بھائی حضرت علی سے دس سال بڑے ہیں اور آنحضرت کے ساتھ صورت اور سیرت میں سب سے زیادہ مشابہ ہیں ان کے بھائی حضرت علی نے فرمایا کہ ہم جب کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ابوطالب کے اونٹوں میں نماز ادا کر رہے تھے کہ اچانک ابوطالب نے ہم کو اوپر سے جھانکا آنحضور ﷺ نے ان کو دیکھ لیا اور فرمایا کہ اے محترم چچا نیچے تشریف لے آیئے اور ہمارے ساتھ نماز پڑھئے۔ ابوطالب نے کہا اے میرے پیارے بھتیجے میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ حق پر ہیں لیکن میں یہ بات بری سمجھتا ہوں کہ میں سجدہ کروں۔ اور سرین اوپر کو بلند ہو جائے۔ لیکن اے جعفر تم اترو اور اپنے چچا کے بیٹے کے بازو میں نماز پڑھو حضرت جعفر اترے اور آنحضور ﷺ کے بائیں جانب نماز پڑھنے لگے۔ جب آنحضور نے اپنی نماز پوری کی تو حضرت جعفر کو مڑ کر دیکھا اور فرمایا یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے جسم سے دو بازو ملائے گا۔ جن کے ذریعہ سے جنت میں اڑتے پھرو گے جیسے کہ تم ملے ہو اپنے چچا کے بیٹوں کے بازوؤں سے ان سے ان کے بیٹے عبداللہ اور بہت سے صحابہ نے روایت حدیث کی ہے، ۸ھ میں جنگ موتہ میں جام شہادت نوش کیا اور ۴۱ برس کی عمر پائی، ان کے بدن کے سامنے حصہ میں تلوار اور نیزے کے نوے زخم پائے گئے۔

(۱۲۲) جارود: — یہ جارود معلی عبدی ہیں ان کا نام بشر ہے۔ عمر کے بیٹے ہیں اور جارود ایک قول کے اعتبار سے ان کا لقب ہے۔ اور اس بارہ میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ ۹ھ میں آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وفد عبدالقیس کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے، اس کے بعد وہ بصرہ میں قیام پذیر رہے اور حضرت عمر رضیؓ کی خلافت میں ملک فارس میں ۲۱ھ میں ان کو شہید کر دیا گیا۔ ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے۔

(۱۲۳) جبلہ بن حارثہ: — یہ جبلہ بن حارث کلبی ہیں جو آنحضور ﷺ کے آزاد کردہ زید بن حارثہ کے بھائی ہیں یہ جبلہ زید بن حارثہ سے عمر میں بڑے ہیں، ان سے ابواسحاق سبیعی اور دوسرے محدثین نے احادیث کی روایت کی ہے۔

(۱۲۴) ابوجہیم: — یہ ابوجہیم جیم کے پیش، ہا کے زبر اور یاء کے سکون کے ساتھ حضرت وکیعؒ کے تذکرہ کے مطابق تو یہ عبداللہ بن جہیم ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ عبداللہ بن حارث بن صمہ انصاری ہیں صمہ صاد کے زیر اور میم کے تشدید کے ساتھ ہے۔

(۱۲۵) ابو جحیفہ: — ان کا نام وہب بن عبداللہ عامری ہے یہ کوفہ میں فروکش ہوئے یہ کم سن صحابہ میں سے ہیں جب کہ آنحضور ﷺ کی وفات ہوئی یہ ابھی سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے۔ لیکن آنحضور ﷺ سے انہوں نے حدیث کو سنا ہے اور آپ ﷺ سے روایت حدیث بھی کی ہے کوفہ میں ۷۴ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ ان کے بیٹے عون اور تابعین کی ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے، جحیفہ جیم کے پیش اور حاء مہملہ وفاء کے زبر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

(۱۲۶) ابوجمعہ: — یہ ابوجمعہ ہیں ایک قول کے مطابق انصاری اور دوسرے قول کے مطابق کنانی ہیں، ان کے نام کے بارہ میں اختلاف ہے۔ بعض نے ان کا نام خبیب سباع کا بیٹا بتلایا اور دوسرے لوگوں نے اس کے علاوہ اور نام بھی ذکر کئے ہیں۔ ان کو حضور ﷺ سے شرف صحبت حاصل ہے ان کا شمار شامیوں میں کیا جاتا ہے۔

(۱۲۷) ابوالجعد: — یہ ابوجعد ضمیری ہیں، یہی ان کا نام ہے۔ اور یہی ان کی کنیت ہے اور بعض نے کہا کہ ان کا نام وہب ہے ان سے روایت حدیث عبیدہ بن سفیان نے کی ہے۔ عبیدہ عین کے زبر اور باء کے زیر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

(۱۲۸) ابوجندل: — یہ ابوجندل سہیل بن عمرو قریشی عامری کے صاحبزادہ ہیں، مکہ معظمہ میں اسلام لائے۔ واقعہ حدیبیہ میں آنحضور ﷺ کی خدمت میں بیڑیاں پہنے ہوئے بیڑیوں میں چل کر حاضر ہوئے۔ یہ بیڑیاں ان کے باپ نے اسلام لانے کی وجہ سے ان کو پہنادیں تھی، ان کا تذکرہ غزوہ حدیبیہ کے سلسلہ میں آتا ہے حضرت عمر بن خطابؓ کے دور خلافت میں وفات پائی۔

(۱۲۹) ابوجہم: — ان کا نام عامر ہے۔ یہ حذیفہ عدوی قریشی کے بیٹے ہیں۔ یہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ یہ وہ صحابی ہیں۔ جن کی انبجانیہ (چادر) کو آنحضور ﷺ نے نماز کے لئے طلب فرمایا تھا۔

(۱۳۰) ابوجری: — یہ ابوجری جابر سلیم کے بیٹے ہیں یہ نبو تمیم میں سے ہیں بصرہ میں تشریف لائے اور ان کی حدیث بھی بصریوں میں منقول ہے۔ یہ بہت کم حدیث نقل کرنے والوں میں سے ہیں۔ ان سے زیادہ روایات مروی نہیں ہیں، یہ جری جیم کے پیش راء کے زیر اور یاء کے تشدید کے ساتھ ہے۔

(۱۳۱) ابوجمیل: — ان کا ذکر کتاب الزکوۃ میں آیا ہے۔ ان کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

تابعین

(۱۳۲) جعفر صادق: — یہ جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب ہیں صادق ان کا لقب ہے گویا حضرت علیؓ کے پوتے کے پوتے ہیں، ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ یہ اہلبیت کے بڑے لوگوں میں سے ہیں انہوں نے اپنے والد سے اور دوسروں سے بھی روایات کی ہیں، ان سے ائمہ حدیث اور بڑے بڑے علماء نے حدیث نقل کی ہے، جیسے یحیٰی بن سعید اور ابن جریج اور مالک بن انس اور سفیان ثوری اور ابن عیینہ اور ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۸ھ میں وفات پائی ان کی عمر اڑسٹھ سال کی ہوئی مقام بقیع میں ایک ایسی قبر میں دفن ہوئے جس میں ان کے باپ محمد باقر اور ان کے دادا علی زین العابدین تھے۔

(۱۳۳) جعفر بن محمد: — یہ جعفر محمد بن ابوعثمان طیالسی کے بیٹے ہیں۔ ان کی کنیت ابوالفضل ہے۔ انہوں نے حدیث کو ایک جماعت سے نقل کیا ہے اور ان سے محدثین کے ایک گروہ نے حدیث نقل کی ہے۔ یہ قابل اعتمال وبڑے علماء میں سے ہوئے ہیں ان کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ ۲۸۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۱۳۴) ابوجعفر قاری: — یہ ابوجعفر یزید بن القعقاع قاری مدنی ہیں، مشہور تابعی ہیں۔ عبداللہ بن ایاش کے آزاد کردہ ہیں۔ حضرت ابن عمر اور حضرت عبداللہ ابن عباس سے احادیث کو سنا اور ان سے امام مالک بن انسؓ وغیرہ نے روایت حدیث کی ہے القاری ہمزہ کے ساتھ قراۃ سے ماخوذ ہے، مہموز ہے۔

(۱۳۵) ابوجعفر عمیر بن یزید: — یہ ابوجعفر عمیر ابن یزید خطمی ہیں ایک جماعت محدثین سے انہوں نے احادیث کو سنا ہے اور حضرت شعبہ اور حماد اور یحیٰی بن سعید نے ان سے حدیث کو نقل کیا ہے۔

(۱۳۶) ابوالجویریۃ: — یہ ابوالجویریہ حطان بن حفاف جری ہیں، تابعی ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور معن ابن یزید کے حدیث میں شاگرد ہیں۔ ان سے ایک جماعت نے روایت کی، جویریہ جاریہ کی تصغیر ہے، حطان میں حاء مہملہ مکسور ہے اور طاء مہملہ مشدد ہے آخر میں نون ہے، خفاف میں خاء معجمہ مضموم اور پہلی فاء غیر مشدد ہے اور جرم میں جیم پر زبر اور راء مہملہ ساکن ہے۔

(۱۳۷) **ابوالجوزاء**: — ان کا نام اوس بن عبداللہ ازدی ہے بصرہ کے رہنے والوں میں سے ہیں تابعی ہیں۔ ان کی احادیث مشہور ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ اور عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابن عمر سے انہوں نے احادیث کو سنا ہے اور انسے عمرو بن مالک اور دوسرے حضرات نے روایت کی ہے۔ ۸۳ھ میں یہ شہید کردیئے گئے۔

(۱۳۸) **جزء بن معاویہ**: — یہ جزء معاویہ تمیمی کے بیٹے ہیں ان سے بجالۃ نے روایت حدیث کی ہے۔ ان کا تذکرہ مجوس سے دیت لینے کے بارہ میں آتا ہے۔ جزء جیم کے زبر اور زاء کے سکون کے ساتھ ہے آخر میں ہمزہ ہے اور یہی صحیح ہے۔ اہل لغت بھی اسی طرح روایت کرتے ہیں اور اہل حدیث جیم کے کسرہ زاء کے سکون اور آخر میں یاء جس کے نیچے دو نقطے ہوتے ہیں اس طرح سے ضبط کرتے ہیں دار قطنی کی بھی یہی رائے ہے اور عبدالغنی نے جیم کے فتح اور زاء کے کسرہ اور آخر میں یائے تحتانی کے ساتھ ضبط کیا ہے۔

(۱۳۹) **جمیع بن عمیر**: — یہ جمیع بن عمیر تیمی ہیں۔ کوفہ کے رہنے والوں میں سے ہیں بخاری نے اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے حدیث کو سنا ہے اور علاء ابن صالح اور صدقہ بن مثنی نے ان سے احادیث کو روایت کیا ہے۔

(۱۴۰) **ابن جریج**: — ان کا نام عبدالملک ہے یہ عبدالعزیز بن جریج کے بیٹے ہیں۔ مکہ کے رہنے والے ہیں۔ مشہور فقیہ ہیں۔ پایہ کے علماء میں سے ہیں۔ انہوں نے حضرت مجاہد و ابن ابی ملیکہ اور عطاء سے حدیث کو سنا ہے اور ان سے ایک جماعت نے روایت حدیث کی ہے۔ ابن عیینہ نے کہا کہ میں نے ابن جریج سے سنا وہ فرماتے تھے کہ علم حدیث کو جس طرح اور جس مشقت سے میں نے جمع کیا ہے کسی دوسرے نے نہیں جمع کیا ۱۵۰ھ میں وفات پائی

(۱۴۱) **جبیر بن نفیر**: — یہ جبیر بن نفیر حضرمی ہیں انہوں نے زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں کو پایا ہے۔ یہ شامی علماء میں سے پایۂ اعتبار کے عالم ہیں اور اس کی حدیث شامیوں میں مشہور ہے ۸۰ھ میں شام میں وفات پائی۔ حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے بھی ایک جماعت نے روایت حدیث کی ہے۔ نفیر نون کے پیش اور فا کے فتح اور یائے تحتانی کے سکون کے ساتھ ہے آخر میں اس کے راء ہے۔

(۱۴۲) **ابوجہل**: — اس کا نام عمرو بن ہشام ہے۔ جو مغیرہ مخزومی کے بیٹے ہیں، مشہور کافر ہے۔ اس کی کنیت ابوالحکم تھی۔ آنحضور ﷺ نے اس کی کنیت ابوجہل رکھی اب اس کی یہی کنیت غالب اور مشہور ہوگئی۔

صحابی عورتیں

(۱۴۳) **جویریہ ام المؤمنین**: — یہ جویریہ حارث کی بیٹی ہیں۔ ازواج مطہرات میں ہیں ان کو آنحضور ﷺ نے غزوہ مریسیع میں قید کیا تھا اسی غزوہ کو غزوہ نبی المصطلق کہتے ہیں جو ۵ھ میں ہوا یہ ثابت بن قیس کو ملیں تو ان کو مکاتب بنا دیا تھا، آنحضور ﷺ نے بدل کتابت کو ادا فرمایا اور اس کے بعد ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت کے شرف سے ان کو نوازا۔ ان کا نام برہ تھا آنحضور ﷺ نے اس کے بجائے جویریہ نام رکھ دیا۔ ربیع الاول ۸۶ھ میں وفات پائی اور ان کی عمر پینسٹھ سال ہوئی حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت جابرؓ) ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

(۱۴۴) **جدامہ**: — یہ جدامہ اسدیہ وہب کی بیٹی ہیں مکہ میں اسلام لائیں اور آنحضور ﷺ سے بیعت کی اور اپنی قوم کے پاس سے ہجرت کر گئیں۔ حضرت عائشہ نے ان سے روایت حدیث کی ہے جدامہ جیم کے پیش اور دال مہملہ کے ساتھ ہے اور بعض نے ذال

منقوطہ کے ساتھ کہا ہے، حافظ دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ تصحیف ہے (یعنی اصل حرف دال ہے جس کو ذال سے بدل دیا گیا۔)

(ح)

صحابہ

(۱۴۵) **حمزہ بن عبدالمطلب:** — یہ حضرت حمزہؓ عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ ان کی کنیت ابوعمارہ ہے۔ یہ آنحضور ﷺ کے محترم چچا ہیں اور آپ کے رضاعی بھائی بھی ہیں۔ آنحضور کو اور حضرت حمزہ کو ثویبہ نے جو ابولہب کی لونڈی تھیں دودھ پلایا تھا، یہ اللہ کے شیر تھے۔ شروع زمانہ میں نبی بعثت کے دوسرے سال مسلمان ہوئے اور کہا گیا ہے کہ جب نبی ﷺ دار ارقم میں گئے چھٹی سال میں آپ کے اسلام لانے سے اسلام کو بڑی عزت اور عظمت حاصل ہوئی وہ غزوہ بدر میں حاضر ہوئے تھے اور غزوہ احد میں شہید کئے گئے! وحشی بن حرب نے آپ کو قتل کیا تھا، حضرت حمزہ آنحضور ﷺ سے عمر میں چار سال بڑے ہیں، حافظ ابن عبدالبرؒ نے فرمایا یہ قول میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت حمزہؓ آنحضور ﷺ کے دودھ شریک ہیں مگر یہ ثویبہ نے آنحضور ﷺ اور حضرت حمزہ کو دو وقتوں میں آگے پیچھے دودھ پلایا ہو اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت حمزہ آپ سے دو سال بڑے تھے ان سے حدیث کی روایت حضرت علیؓ عباس رید بن حارثہؓ نے کی ہے، عمارہ عین کے پیش کے ساتھ ہے اور ثویبہ ثاء مثلثہ کی پیش اور واؤ کے زبر اور یائے تحتانی کے سکون اور بائے موحدہ کے ساتھ ہے۔

(۱۴۶) **حمزہ بن عمرو اسلمی:** — یہ قبیلہ اسلم کے رہنے والے ہیں اہل حجاز میں ان کا شمار ہوتا ہے، ان سے ایک جماعت نے حدیث کو نقل کیا ہے۔ ان کا ۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ ان کی عمر اسی سال کی ہوئی۔

(۱۴۷) **حذیفۃ بن یمان:** — یہ حذیفہ بن یمان ہیں اور یمان کا نام حسیل تصغیر کے ساتھ ہے اور یمان ان کا لقب ہے۔ حضرت حذیفہ کی کنیت ابوعبداللہ عیسی ہے عین کے فتح اور یاء کے سکون کے ساتھ وہ آنحضور ﷺ کے رازدار ہیں۔ ان سے حضرت علی۔ جعفر بن خطاب حضرت ابودر داء وغیرہ صحابہ اور تابعین نے حدیث کو روایت کیا ہے، شہر مدائن میں ان کی وفات کا واقعہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے چالیس روز بعد ۳۵ھ میں پیش آیا۔

(۱۴۸) **حسن بن علی:** — یہ حضرت حسن علی بن ابی طالب کے صاحبزادہ ہیں ان کی کنیت ابومحمد ہے آنحضور ﷺ کے نواسے ہیں اور آپ ﷺ کے روحانی پھول ہیں، جنت کے تمام جوانوں کے سردار ہیں۔ رمضان المبارک پندرھویں تاریخ کو ۳ھ میں پیدا ہوئے یہ قول ان تمام اقوال میں جو حضرت حسن کی ولادت کے بارے میں لکھے گئے ہیں زیادہ صحیح ہے ان کی وفات ۵۰ھ میں واقع ہوئی، بعض نے ۵۸ھ اور بعض نے ۴۹ھ کہا ہے اور بعض نے ۴۴ھ بھی کہا ہے۔ جنت البقیع میں دفن کئے گئے ان سے انکے بیٹے حسن بن حسن اور حضرت ابوہریرہ اور بڑی جماعت نے روایت کیا ہے اور جب کہ ان کے والد بزرگوار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ میں شہید کردیئے گئے تو لوگوں نے حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت علی الموت کی یہ بیعت کرنے والے لوگ چالیس ہزار سے زیادہ تھے اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے سپرد خلافت کا کام پندرھویں جمادی الاولی ۴۱ھ میں کیا گیا۔

(۱۴۹) **حسین بن علی:** — یہ حسین حضرت علی کے صاحبزادہ ہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے آنحضور ﷺ کے نواسے اور شجر نبوت کے پھول ہیں، جنّت کے تمام جوانوں کے سردار ہیں۔ ماہ شعبان کی پانچ تاریخ ۴ھ میں پیدا ہوئے ان کا علوق بطن فاطمہؓ ہیں حضرت

حسن ؓ کی ولادت کے پچاس رات بعد ہوگیا تھا۔ جمعہ کے دن دسویں محرم ۶۱ھ کربلا میں جلہ اور کوفہ عراق کے درمیان شہید کر دیئے گئے، سنان بن انس نخعی نے آپ کو شہید کیا تھا اس کو سنان بن ابی سنان بھی کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ان کو شمر بن ذی الجوش نے شہید کیا تھا اور خولی بن یزید اصبحی نے جو قبیلہ حمیر کا ہے حضرت حسین ؓ کا سر کاٹا اور اس کو لے کر عبداللہ بن زیاد کے پاس لایا اور یہ شعر پڑھے ۔

اوقر رکابی فضۃً وذھبا　　　انی قتلت الملک المحجبا

قتلت خیر الناس امًا وابًا　　　وخیر ھم اذینسبون نسبا

میری اونٹنی کو چاندی اور سونے سے بھر دے اس لئے کہ میں نے ایک ایسے بادشاہ کو قتل کیا ہے جو کسی سے ملنے والا نہیں تھا۔ میں نے ایسے شخص کو قتل کیا ہے جو ماں باپ دونوں کی طرف سے تمام لوگوں میں بہتر ہے اور جب جب لوگ نسب بیان کریں تو وہ تمام لوگوں میں بہتر ہے۔

بعض نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسین کے ساتھ شمر نے ان کی اولاد اور بھائی اور اہل بیت میں سے تئیس آدمیوں کو قتل کیا ان سے ابوہریرہ ان کے بیٹے علی زین العابدین اور فاطمہ اور سکینہ آپ کی دونوں صاحبزادیاں روایت کرتی ہیں اور حضرت حسین ؓ کی عمر قتل کے دن اٹھاون برس کی تھی اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ملاحظہ فرمائے کہ عبداللہ بن زیاد بھی عاشورہ کے دن ۶۷ھ میں قتل کیا گیا اس کو ابراہیم بن مالک اشتر نخعی نے میدان جنگ میں قتل کیا اور اس کے سر کو مختار کے پاس بھیجا اور مختار نے عبداللہ بن زبیر کے پاس روانہ کیا اور عبداللہ بن زبیر نے حضرت حسین ؓ کے صاحبزادے علی بن حسین کی خدمت میں پیش کیا۔ خولی خاء معجمہ کے فتح ہ واؤ کے جزم لام کے زیر اور یائے تحتانی کے تشدید کے ساتھ ہے اور سکینہ سین کے پیش کاف کے زیر یائے تحتانی کے سکون اور نون کے ساتھ ہے۔

(۱۵۰) حسان بن ثابت: — ان کی کنیت ابوالولید انصاری خزرجی ہے رسول اللہ ﷺ کے دربار کے شاعر ہیں اور یہ بہادر اور جواں مرد شعراء میں سے ہیں۔ ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ تمام عرب کا اتفاق ہے کہ حسان بن ثابت ؓ تمام گاؤں کے بہترین شعراء میں سے ہیں ان سے حضرت عمر ؓ بن خطاب اور ابوہریرہ ؓ اور حضرت عائشہ ؓ نے روایت حدیث کی ہے۔ حضرت علی ؓ کے خلافت کے زمانہ میں ۴۰ھ سے پہلے وفات پائی اور بعض نے بتلایا ہے کہ ۵۰ھ میں اور ان کی عمر ایک سو بیس سال کی ہوئی ساٹھ سال جاہلیت کے دور میں زندہ رہے اور ساٹھ ہی سال اسلام کے اندر۔

(۱۵۱) حکم بن سفیان: — یہ حکم بن سفیان ثقفی ہیں اور ان کو سفیان بن حکم بھی کہا جاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے آنحضور ﷺ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ حافظ ابن عبدالبر ؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ان کا سماع ثابت ہے۔

(۱۵۲) حکم بن عمرو غفاری: — یہ قبیلہ غفارہ کے رہنے والے نہیں بلکہ وہ نعلیہ کی اولاد میں سے ہیں جو غفار بن ملیل کے بھائی ہیں ملیل میم کے ضمہ اور لام اول فتح کے ساتھ ہے ان کا شمار علمائے بصرہ میں کیا جاتا ہے۔ ان کی وفات مقام مرو میں واقع ہوئی اور بعض نے کہا ہے کہ بصرہ میں ۵۰ھ میں ہوئی بریدہ اسلمی اور حکم بن عمرو غفاری دنوں مقام مرو میں ایک ہی جگہ دفن کئے گئے ان سے ایک جماعت محدثین نے روایت حدیث کی ہے۔

(۱۵۳) حنظلہ بن ربیع: — یہ حنظلہ بن ربیع بنو تمیم میں سے ہیں ان کو کاتب کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے آنحضور ﷺ کے لئے وحی کی کتابت کی پھر وہ مکہ تشریف لے گئے اور وہاں سے قرضیا پہنچ کر اقامت گزیں ہوگئے اور حضرت معاویہ ؓ کے دور خلافت میں انتقال کیا ان سے ابوعثمان نہدی اور یزید بن الشخیر روایت کرتے ہیں۔

(۱۵۴) **حاطب بن ابی بلتعہ:** - یہ حاطب بن ابی بلتعہ ہیں ان کے والد ابوبلتعہ کا نام عمرو ہے۔ اور بعض نے راشد لخمی کہا ہے۔ غزوہ بدر اور غزوہ خندق اور ان دونوں کے درمیان جس قدر غزوات واقع ہوئے ان سب میں شریک ہوئے۔ ۳۰ھ میں مدینہ کے اندر وفات پائی۔ ان کی عمر پینسٹھ سال کی ہوئی۔ ان سے ایک جماعت نے روایت حدیث کی ہے۔

(۱۵۵) **حویصہ:** - یہ حویصہ مسعود بن کعب انصاری کے بیٹے ہیں اور محیصہ کے بھائی ہیں۔ حویصہ اپنے بھائی محیصہ سے عمر میں بڑے ہیں لیکن اسلام محیصہ کے بعد لائے ہیں، غزوۂ احد، غزوۂ خندق اور ان کے بعد کے غزوات میں شریک رہے ہیں۔ محمد بن سہل وغیرہ محدثین نے ان سے روایت حدیث کی ہے۔ حویصہ حا کے پیش واؤ کے زبر یائے تحتانی مشدد مکسور اور صاد مہملہ کے ساتھ ہے۔

(۱۵۶) **حبیش بن خالد:** - یہ حبیش بن خالد خزاعی ہیں فتح مکہ کے دن شہید ہوگئے۔ حضرت خالد بن ولید کے ساتھ تھے ان سے ان کے بیٹے ہشام نے روایت حدیث کی ہے۔ حبیش حا کے پیش۔ باموحدہ کے زبر یائے تحتانی کے سکون اور شین معجمہ کے ساتھ ہے۔

(۱۵۷) **حبیب بن مسلمہ:** - یہ حبیب مسلمہ قریشی فہری کے بیٹے ہیں۔ فہری فاء کے کسرہ کے ساتھ ہے ان کو حبیب الروم کہا جاتا تھا، اس لئے انہوں نے رومیوں کے ساتھ بہت زیادہ قتل و قتال کیا ہے۔ یہ فاضل مستجاب الدعوات ہوئے ہیں شام میں ۴۲ھ میں وفات پائی ان سے ابن ملیکہ اور دوسرے حضرات محدثین نے روایت کی ہے۔

(۱۵۸) **حکیم بن حزام:** - یہ حکیم بن حزام ہیں ان کی کنیت ابوخالد قریشی اسدی ہے۔ یہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے ہیں واقعہ فیل سے ۱۳ سال قبل کعبہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ جاہلیت اور اسلام دونوں دور میں اس کی عزت کی گئی ہے، ان کا اسلام لانا فتح مکہ تک مؤخر ہوا، ۵۴ھ میں اپنے مکان کے اندر مدینہ میں وفات پائی ان کی عمر ایک سوبیس سال کی ہوئی ساٹھ سال جاہلیت میں گزرے اور ساٹھ سال زمانہ اسلام میں زندگی پائی یہ بڑے زیرک سمجھدار فاضل متقی صحابہ میں سے تھے۔ ان کا اسلام بہت اچھا (مخلصانہ) تھا حالانکہ یہ ابتدا میں مولفہ القلوب میں سے تھے، زمانہ جاہلیت میں سو غلاموں کو آزاد کیا اور سو اونٹ سواری کے لئے بخشے۔ ان سے ایک جماعت نے روایت حدیث کی ہے۔

(۱۵۹) **حکیم بن معاویہ:** - یہ قبیلہ نمیر کے رہنے والے ہیں امام بخاری نے فرمایا کہ ان کے صحابی ہونے میں کلام ہے ان سے ان کے بھتیجے معاویہ بن حکم اور قتادہ نے روایت حدیث کی ہے۔

(۱۶۰) **حصین بن وحوح:** - یہ حصین بن وحوح انصاری ہیں ان کی حدیث مدینہ والوں میں مشہور ہے کہا جاتا ہے کہ ان کو بہت تکلیفیں پہنچا کر قتل کیا گیا۔

(۱۶۱) **حبشی بن جنادہ:** - یہ حبشی بن جنادہ ہیں جنہوں نے آنحضور کو حجۃ الوداع میں دیکھا اور ان کو شرف صحبت حاصل ہوا، ان کا شمار کوفہ والوں میں کیا جاتا ہے ان سے ایک جماعت نے حدیث کو نقل کیا ہے۔

(۱۶۲) **حجاج بن عمرو:** - یہ حجاج بن عمرو انصاری مازنی ہیں، ان کا شمار مدینہ والوں میں کیا جاتا ہے، ان کی حدیث حجازیوں کے یہاں مسروج ہے، ان سے بہت لوگوں نے روایت کی ہے۔

(۱۶۳) **حارثہ بن سراقہ:** - یہ حارثہ سراقہ انصاری کے بیٹے ہیں اور ربیع ان کی والدہ ہیں اور وہ حضرت انس بن مالکؓ کی پھوپھی ہیں۔ غزوہ بدر میں حاضر ہوئے اور اسی میں شہید ہوئے اور یہ پہلے شخص ہیں جو انصار میں سے اس دن شہید ہوئے اور صحیح بخاری میں ہے کہ ان کی والدہ کا نام ربیع ہے اور وہ نام جو اسماء صحابہ میں ذکر کیا جاتا ہے وہ ربیع را کی پیش اور بائے موحدہ کے فتحہ اور یائے تحتانی کے

کسرہ اور تشدید کے ساتھ مستعمل ہے۔

(۱۶۴) حارثہ بن وہب: — یہ حارثہ بن وہب خزاعی عبید اللہ بن عمر بن خطاب کے ماں شریک بھائی ہیں ان کا شمار کوفیین میں کیا جاتا ہے۔ ان سے ابو اسحاق سبیعی (سین کے زبر اور بائے موحدہ کے کسرہ کے ساتھ) نے روایت حدیث کی ہے۔

(۱۶۵) حارثہ بن نعمان: — یہ حارثہ بن نعمان غزوہ بدر میں حاضر ہوئے ہیں بلکہ تمام غزوات میں یہ شریک ہوئے ہیں۔ فضلائے صحابہ میں ان کا شمار کیا جاتا ہے باب البر والصلہ میں ان کا تذکرہ آتا ہے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں ایک دفعہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ تشریف فرما تھے اور ان کے پاس جبرئیل علیہ السلام موجود تھے۔ میں سلام کر کے آگے نکل گیا جب میں واپس ہوا اور آنحضور ﷺ بھی وہاں سے لوٹے تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کیا تم نے ان کو دیکھا تھا۔ جو میرے پاس بیٹھے تھے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ جبرئیل علیہ السلام اور تمہارے سلام کا انہوں نے جواب دیا تھا، ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔

(۱۶۶) حارث ابن حارث: — یہ حارث حارث اشعری ہیں۔ یہ علماء شام میں شمار کئے جاتے ہیں ان سے احادیث کو ابو سلام حبشی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

(۱۶۷) حارث بن ہشام: — یہ حارث بن ہشام مخزومی ہیں ابو جہل بن ہشام کے بھائی ہیں یہ اہل حجاز میں شمار کئے جاتے ہیں، اشراف قریش میں سے مانے جاتے ہیں۔ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ ان کے لئے ام ہانی بنت ابی طالب نے امن چاہا تو آنحضور ﷺ نے ان کو امن دے دیا تھا، پھر یہ شام کی طرف چلے گئے اور ۱۵ھ میں جنگ یرموک میں شہید ہوئے اور آنحضور ﷺ نے ان کو سو اونٹ عطا فرمائے جس طرح کہ دوسرے مؤلفۃ القلوب صحابہ کو دیئے گئے، یہ بھی مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔ پھر ان کا اسلام وایمان کامل ہو گیا۔ یہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جہاد کے لئے ملک شام کو روانہ ہوئے اس وقت مکہ والے ان کے فراق میں رو رہے تھے اس پر انہوں نے فرمایا کہ یہ میرا سفر اللہ کے لئے ہے جہاں تک قیام کا تعلق ہے میں تم پر کسی دوسرے لوگوں کو ترجیح نہیں دیتا۔ پھر برابر شام میں مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ وفات پائی۔

(۱۶۸) حارث بن کلدۃ: — یہ حارث بن کلدۃ ثقفی طبیب ہیں حضرت ابو بکرؓ کے آزاد کردہ ہیں ان کا ذکر کتاب الاطعمہ میں آتا ہے، ان کے تذکرہ کو ابن مندہ اور ابن الاثیر اور ان دونوں کے علاوہ محدثین اسمائے صحابہ میں لاتے ہیں اور حافظ ابن عبد البر نے حارث بن کلدہ کے بیٹے صحابی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کا باپ حارث بن کلدہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں فوت ہو گیا اس کا اسلام لانا ثابت نہیں ہے کلدہ میں کاف پر زبر لام پر جزم اور دال مہملہ ہے۔

(۱۶۹) ابو حبہ: — یہ ابو حبہ ثابت بن نعمان انصاری بدری ہیں، ان کی کنیت اور نام میں بہت زیادہ اختلاف ہوا ہے۔ ابن اسحاق نے ان کا تذکرہ ان حضرات میں کیا ہے جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ہیں اور ان کو کنیت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ان کا نام انہوں نے نہیں ذکر کیا۔ حبہ ہائے حطی کے زبر اور بائے موحد کی تشدید کے ساتھ ہے اور بعض نے بجائے باء کے نون بیان کیا ہے اور بعض نے یاء تحتانی کے ساتھ بتلایا ہے لیکن اول صورت زیادہ مستعمل ہے جنگ احد میں یہ شہید ہوئے ہیں۔

(۱۷۰) ابو حمید: — یہ ابو حمید عبد الرحمٰن سعد انصاری خزرجی ساعدی کے بیٹے ہیں ان کی کنیت زیادہ مشہور ہے ان سے ایک جماعت نے روایت حدیث کی ہے۔ حضرت معاویہؓ کے آخر دور خلافت میں انہوں نے انتقال فرمایا۔

(۱۷۱) ابوحذیفہ :- یہ ابوحذیفہ عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا نام مہشم ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ہشیم ہے اور بعض نے ہاشم بتلایا ہے ان کا شمار فضلائے صحابہ میں ہے یہ غزوۂ احد اور غزوۂ بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں اور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اس وقت ان کی عمر ترپن برس کی تھی۔

(۱۷۲) ابوحنظلیہ :- ان کا نام سہل ہے یہ عبداللہ حنظلیہ کے بیٹے ہیں یہ حنظلیہ ان کی پردادی ہیں اور یہ پردادی کے نام سے منسوب ہو کر مشہور ہوئے۔

تابعین

(۱۷۳) حارث بن سوید :- یہ حارث ہیں سوید تیمی کے بیٹے کبار تابعین اور محدثین کے نزدیک قابل اعتماد ہیں انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت حدیث کی اور ان سے ابراہیم تیمی نے۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے آخر دور میں انہوں نے وفات پائی۔

(۱۷۴) حارث بن مسلم :- یہ حارث بن مسلم بنو تمیم میں سے ہیں ان کی حدیث شامیوں میں مشہور ہے ان سے عبدالرحمٰن بن حسان نے روایت حدیث کی ہے۔

(۱۷۵) حارث بن اعور :- یہ حارث عبداللہ اعور حارثی ہمدانی کے بیٹے ہیں حضرت علی بن ابی طالب کے مشہور اصحاب میں سے ہیں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ان سے چار حدیثیں بھی سنی ہیں اور حضرت ابن مسعود سے بھی انہوں نے روایت حدیث کی ہے اور ان سے عمرو بن مرہ اور امام شعبی نے روایت کی ہے۔ امام نسائی وغیرہ نے ان کے بارہ میں کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہیں اور ابن ابی داؤد نے کہا ہے کہ لوگوں میں سے بڑے فقیہہ اور علم فرائض کے بڑے ماہر اور سب سے بڑے مقبولیت عامہ رکھنے والے تھے۔ کوفہ میں ۶۵ ھ میں انتقال فرمایا۔

(۱۷۶) حارث بن شہاب :- یہ حارث شہاب حرمی کے بیٹے ہیں ابواسحٰق اور عاصم بن بہدلہ سے انہوں نے روایت حدیث کی ہے اور ان سے طالوت اور عیشی نے اور بہت لوگوں نے ان کو ضعیف کہا ہے۔

(۱۷۷) حارث بن وجیہ :- یہ حارث وجیہ راسی کے بیٹے ہیں انہوں نے حدیث مالک بن دینار سے روایت کی ہے اور ان سے مقدمی اور نصر بن علی نے اور کچھ لوگوں نے ان کو ضعیف کہا ہے۔

(۱۷۸) حارثہ بن مضرب :- یہ حارثہ مضرب عبدی کوفی کے بیٹے ہیں مشہور تابعی ہیں حضرت علی اور حضرت ابن مسعود وغیرہما سے سماعت حدیث کی ہے ان کی حدیث اہل کوفہ کے یہاں ہے۔

(۱۷۹) حارثہ بن ابی الرجال :- یہ حارثہ بن ابی رجال ہیں جنہوں نے اپنے والد ابوالرجال سے اور اپنی دادی عمرہ سے روایت حدیث کی ہے اور ان سے ابن نمیر اور یعلیٰ نے روایت کی۔ کچھ لوگوں نے ان کو ضعیف کہا ہے۔

(۱۸۰) حفص بن عاصم :- یہ حفص بن عاصم بن عمر بن خطاب قرشی عدوی ہیں محدثین کے یہاں ثقہ ہیں اجماعاً۔ اجلہ تابعین میں سے ہیں بہت زیادہ احادیث کو نقل کرنے والے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر سے احادیث کو سنا ہے۔

(۱۸۱) حفص بن سلیمان :- یہ حفص سلیمان کے بیٹے ہیں ان کی کنیت ابوعمرو اسدی ہے۔ بنو اسد کے آزاد کردہ ہیں علقمہ بن مرثد

اور قیس بن مسلم سے انہوں نے احادیث نقل کی ہیں اور ان سے ایک جماعت نے، یہ قرأۃ میں قابل اعتماد ہیں حدیث میں نہیں امام بخاری نے فرمایا کہ محدثین کے یہاں یہ متروک الحدیث ہیں، ۱۰۸ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ ان کی عمر نوے برس کی ہوئی۔

(۱۸۲) حنش بن عبداللہ: — یہ حنش عبداللہ سبائی کے بیٹے ہیں بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ کوفہ میں حضرت علی کے ساتھ تھے اور حضرت علی کی شہادت کے بعد مصر میں چلے آئے ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۸۳) حکیم بن معاویہ: — یہ حکیم معاویہ قشیری کے بیٹے اور اعرابی ہیں نقل حدیث میں اچھے سمجھے جاتے ہیں انہوں نے اپنے باپ سے حدیث کو روایت کیا ہے اور ان سے ان کے بیٹے بہز جریری نے حدیث کو سنا ہے۔

(۱۸۴) حکیم بن اثرم: — یہ حکیم بن اثرم ہیں ابوتمیم سے اور حسن سے روایت کی ہے اور ان سے عوف اور حماد ابن سلمۃ نے یہ حدیث میں بہت سچے مانے جاتے ہیں۔

(۱۸۵) حکیم بن ظہیر: — یہ حکیم فزاری کے بیٹے ہیں انہوں نے حضرت علقمہ بن مرثد اور زید بن رفیع سے روایت کی ہے اور ان سے محمد بن صباح دولابی نے۔ بخاری نے فرمایا کہ محدثین کے یہاں متروک ہیں۔

(۱۸۶) حرام بن سعید: — یہ سعید بن محیصہ کے بیٹے ہیں۔ ان کی کنیت ابونعیم انصاری حارثی ہے۔ تابعی ہیں انہوں نے اپنے باپ اور براء بن عازب سے روایت حدیث کی ہے اور ان سے ابن شہاب زہری نے۔ ان کی وفات ۱۱۳ھ میں ہوئی۔ ان کی عمر ۷۰ سال کی ہوئی۔ حرام ضد حلال کی ہے۔

(۱۸۷) حماد بن سلمۃ: — یہ حماد سلمہ بن دینار کے بیٹے ہیں ان کی کنیت ابوسلمۃ الربعی ہے یہ ربیعہ بن مالک کے آزاد کردہ ہیں اور حمید طویل کے بھانجے ہیں۔ بصرہ کے مشہور علماء میں سے ہیں اور وہاں کے آئمہ میں ان کا شمار ہوتا ہے ان سے بہت زیادہ احادیث مروی ہیں، انہوں نے بہت لوگوں سے روایت کی ہیں اور یہ سُنت اور عبادت میں مشہور ہیں۔ ۱۶۷ھ میں وفات پائی۔ حضرت ثابت اور حمید طویل اور قتادہ سے انہوں نے حدیث سنی اور ان سے یحییٰ بن سعید اور ابن مبارک اور وکیع نے روایت کی ہے۔

(۱۸۸) حماد بن زید: — یہ حماد بن زید ازدی ہیں۔ یہ محدثین کے نزدیک قابل اعتماد علماء میں سے ہیں۔ ثابت بنانی اور دوسرے حضرات سے انہوں نے روایت حدیث کی ہے اور ان سے عبداللہ بن مبارک اور یحییٰ بن سعید نے روایت کی ہے یہ سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں پیدا ہوئے اور ۱۹۹ھ میں وفات پائی اور یہ نابینا تھے۔

(۱۸۹) حماد بن ابی سلیمان: — یہ حماد ابوسلیمان کے بیٹے ہیں ابوسلیمان ان کا نام مسلم اشعری ہے ابراہیم بن ابی موسیٰ اشعری کے آزاد کردہ ہیں۔ یہ کوفی ہیں ان کا شمار تابعین میں کیا جاتا ہے ایک جماعت سے انہوں نے حدیث کو سنا ہے اور ان سے شعبہ اور سفیان ثوری وغیرہما نے روایت کی ہے اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم ہوئے ہیں ابراہیم نخعی سے ان کی ملاقات ہوئی ہے کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی۔

(۱۹۰) حماد بن ابی حمید: — یہ حماد بن ابوحمید مدنی ہیں۔ زید بن اسلم وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے قعنبی نے روایت کی ہے اور کچھ لوگوں نے ان کی روایت کو ضعیف کہا ہے۔

(۱۹۱) حمید بن عبدالرحمٰن: — یہ حمید عبدالرحمٰن کے بیٹے عوف زہری قریشی مدنی کے پوتے ہیں یہ کبار تابعین سے ہیں ۱۰۵ھ میں

وفات پائی ان کی عمر تہتر سال کی ہوئی۔

(۱۹۲) حمید بن عبدالرحمٰن: - یہ حمید بن عبدالرحمٰن حمیری بصری ہیں۔ بصرہ کے آئمہ اور ثقات علماء میں سے ہیں۔ جلیل القدر قدمائے تابعین میں سے ہیں حضرت ابوہریرہ اور ابن عباسؓ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

(۱۹۳) حسن بصری: - یہ حسن بصری ابوالحسن کے بیٹے ہیں، ان کی کنیت ابوسعید ہے زید بن ثابت کے آزاد کردہ ہیں باپ کا نام یسار ہے یہ یسان کے قیدیوں کی نسل سے ہیں یسار کو ربیع بنت نصر نے آزاد کیا تھا، یہ حسن جب کہ خلافت عمر بن خطاب کے دو سال باقی تھے مدینہ میں پیدا ہوئے، حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے ان کی تحنیک کی (کھجور منہ میں چبا کر بچہ کے تالو سے لگانا) ان کی والدہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت کرتی تھیں بسا اوقات ان کی والدہ کہیں چلی جاتی تھیں تو ان حسن بصری کو بہلانے کے لئے ام المؤمنین ام سلمہ اپنی چھاتی ان کو دے دیتی تھیں، یہاں تک کہ ان کی والدہ لوٹ آتیں تو پستان میں دودھ بھر آتا تھا اور یہ حسن بصری اس کو پی لیا کرتے تھے لوگ کہتے ہیں کہ جس علم و حکمت پر حضرت حسن بصری پہنچے یہ اسی کا طفیل ہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعدہ بصرہ چلے آئے انہوں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا اور کہا گیا ہے کہ یہ حضرت علی سے بھی مدینہ میں ملے ہیں لیکن بصرہ میں حضرت علیؓ سے ملاقات کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حضرت حسن بصری جس وقت بصرہ کو جا رہے تھے تو وادی قریٰ ہی میں تھے اور حضرت علیؓ اس وقت بصرہ میں تشریف لا چکے تھے۔ انہوں نے ابوموسیٰ اشعری انس بن مالک، ابن عباس اور ان کے علاوہ بھی دوسرے حضرات صحابہ سے روایت کی ہے اور ان سے یعنی ایک بڑی جماعت تابعین اور تبع تابعین نے روایات کی ہیں وہ اپنے زمانے میں علم و فن زہد و تقویٰ عبادت و ورع کے امام تھے، رجب ۱۱۰ھ ایک سو دس میں وفات پائی۔

(۱۹۴) حسن بن علی بن راشد: - یہ حسن علی بن راشد واسطی کے بیٹے ہیں انہوں نے ابوالاحوص اور ہشیم سے روایت کی ہے اور ان سے امام ابوداؤد امام نسائی رحمہما اللہ نے روایات کی ہیں، یہ ائمہ حدیث کے یہاں بڑے صادق ہیں ۲۲۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۹۵) حسن بن علی ہاشمی: - یہ حسن علی ہاشمی کے بیٹے ہیں۔ انہوں نے اعرج سے روایت کی ہے اور ان حسن سے مسلم قتیبہ نے امام بخاریؒ نے فرمایا یہ منکر الحدیث ہیں۔

(۱۹۶) حسن بن جعفر: - یہ حسن ابوجعفر جعفری کے بیٹے ہیں۔ حضرت نافع اور ابن زبیر سے حدیث نقل کرتے ہیں اور ان سے ابن مہدی وغیرہ نے حدیث کو روایت کیا ہے۔ لوگوں نے ان کی حدیث کو ضعیف کہا ہے اور یہ بڑے صالح علماء میں سے تھے ۱۶۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۹۷) حنظلہ بن قیس زرقی: - یہ حنظلہ قیس زرقی انصاری کے بیٹے ہیں۔ ثقات اہل مدینہ اور وہاں کے تابعین میں سے ہیں انہوں نے نافع بن خدیج وغیرہ سے حدیث کو سنا ہے اور ان سے یحییٰ بن سعید وغیرہ نے روایات کی ہیں۔

(۱۹۸) حبیب بن سالم: - یہ حبیب سالم مولیٰ نعمان بن بشیر کے بیٹے ہیں۔ ان کو نعمان نے مکاتب بنا دیا تھا محمد بن منتشر وغیرہ ان سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

(۱۹۹) حرب بن عبیداللہ: - یہ حرب عبیداللہ ثقفی کے بیٹے ہیں ان کے نام اور ان کی حدیث میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ ان کی حدیث کو عطاء بن سائب نے نقل کیا ہے اور سند میں ان حرب سے اختلاف پڑ گیا ہے، پس ایک حدیث کو سفیان بن عیینہ عطاء سے اور عطاء حرب سے اور حرب اپنے ماموں سے اور ان کے ماموں آنحضور ﷺ سے اور دوسری سند اس طرح ہے کہ ابوالاحوص عطاء سے

اور عطاء حرب سے اور حرب اپنے نانا سے اور ان کے نانا اپنے باپ سے تیسری سند میں حرب نقل کرتے ہیں عطاء سے اور عطاء نقل کرتے ہیں حرب بن ہلال ثقفی سے اور وہ اپنے نانا سے اور امام ابوداؤد کی روایت میں سند اس طرح ہے کہ ابوداؤد حرب ابن عبید اللہ سے اور حرب اپنے نانا سے اور نانا اپنے والد سے اور یہی روایت زیادہ مشہور ہے اور ان کی روایت یہود اور نصاریٰ سے عشر لینے کے بارے میں مروی ہے۔

(۲۰۰) حجاج بن حسان: - یہ حجاج بن حسان حنفی ہیں بصریوں میں شمار ہوتے ہیں تابعی ہیں انس بن مالک وغیرہ صحابہ سے احادیث کو سنا ہے اور ان سے یحییٰ بن سعید اور یزید بن ہارون روایت کرتے ہیں۔

(۲۰۱) حجاج بن حجاج: - یہ حجاج حجاج احول اسلمی کے بیٹے ہیں اور کہا گیا کہ باہلی بصری ہیں انہوں نے فرزدق اور قتادہ اور ایک جماعت محدثین سے روایت کی ہے اور ان سے ابراہیم بن طہمان اور یزید بن زریع نے۔ محدثین نے ان کی توثیق کی ہے ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

(۲۰۲) حجاج بن یوسف: - یہ حجاج بن یوسف ثقفی ہے، عبدالملک بن مروان کی طرف سے عراق اور خراسان کا گورنر تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا ولید گورنر ہوا، مقام واسط میں شوال ۹۵ھ میں وفات پائی۔ اس کی عمر چون سال کی ہوئی ان کا ذکر مناقب قریش کے باب اور قبائل کے ذکر میں آتا ہے اور اس کی موت کا قصہ عنقریب حرف سین کے ماتحت سعید بن جبیر کے تذکرہ میں آئے گا۔

(۲۰۳) ابوحیہ: - ان کا نام عمرو بن نصر خارقی ہمدانی ہے حدیث کی روایت حضرت علی ابن ابی طالب سے کرتے ہیں۔

(۲۰۴) ابوحرہ: - یہ ابوحرہ حاء کے ضمہ اور راء کے تشدید کے ساتھ ہے ان کا نام حنیفہ رقاشی ہے۔ انہوں نے اپنے چچا سے ایک حدیث باب الغصب میں الالا تظلموا الالا یحل مال امرء الابطیب نفس منہ موجود ہے۔

(۲۰۵) ابن حزم: - کنیت ابوبکر ہے۔ یہ محمد بن عمرو بن حزم کے بیٹے ہیں۔ ابوحیہ اور ابن عباس سے حدیث کی روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن شہاب زہری روایت کرتے ہیں۔

صحابی عورتیں

(۲۰۶) حفصہ بنت عمر: - یہ ام المؤمنین حضرت حفصہ عمر بن خطابؓ کی صاحبزادی ہیں اور ان کی والدہ زینب ہیں جو مظعون کی بیٹی ہیں آنحضور ﷺ سے پہلے یہ حفصہ خنیس بن حذافہ سہمی کی بیوی تھیں اور خنیس کے ہمراہ ہجرت کر گئیں تھیں لیکن خنیس کا انتقال غزوہ بدر کے بعد ہوگیا، جب ان کے زوج خنیس وفات پاگئے۔ تو حضرت عمرؓ نے ان کے رشتہ کا تذکرہ حضرت ابوبکر اور حضرت عثمانؓ سے کیا لیکن ان دونوں میں سے کسی نے قبول کرنے کی جرأت نہ کی، پھر آنحضور ﷺ نے یہ رشتہ منظور فرمالیا اور نکاح میں لے آئے، یہ واقعہ ۳ھ کا ہے۔ آنحضور ﷺ نے ان کو ایک طلاق دے دی تھی لیکن جب آپ ﷺ پر یہ وحی نازل ہوئی کہ حفصہ سے رجوع کرلو کیونکہ وہ روزہ بہت رکھتی ہیں، رات کو عبادت کرنے والی ہیں اور وہ جنّت میں بھی آپ (ﷺ) کی زوجہ رہیں گی تو آپ ﷺ نے حضرت حفصہ سے رجوع کرلیا۔ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے ان سے روایت حدیث کی ہے، ان کی وفات شعبان ۴۵ھ میں ہوئی، جب کہ ان کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔

(۲۰۷) حلیمہ: - یہ حلیمہ ابوذویب کی بیٹی ہیں، انہوں نے آنحضور ﷺ کو ثوبیہ کے بعد جو ابولہب کی لونڈی ہیں دودھ پلایا ہے،

حلیمہ کا وہ بچہ جس کے دودھ سے آنحضور ﷺ کی پرورش کی گئی ہے وہ عبداللہ بن حارث ہے اور عبداللہ کی بہن جو آنحضور ﷺ کو گود میں کھلایا کرتی تھیں ان کا نام شیما ہے، حلیمہ نے آنحضور کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس دو سال دو ماہ کے بعد لوٹا دیا تھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ پانچ سال کے بعد۔ ان سے عبداللہ بن جعفر روایت کرتے ہیں اور حلیمہ کا ذکر باب البر والصلۃ میں آتا ہے۔

(۲۰۸) اُمّ حبیبہ: — یہ اُمّ حبیبہ امہات مؤمنین میں سے ہیں ان کا نام رملہ ہے ابوسفیان بن صخر بن حرب کی بیٹی ہیں اور ان کی والدہ صفیہ ہیں جو حضرت ابوالعاص کی بیٹی ہیں اور حضرت عثمان بن عفان کی پھوپھی۔ ان کے نکاح کے وقت میں آنحضور ﷺ سے اور مقام نکاح میں اختلاف واقع ہوا ہے بعض نے کہا ہے کہ ان کا عقد مقام حبشہ میں ۶ ھ میں ہوا اور نجاشی نے نکاح کرایا اور چار سو دینار مہر بھی نجاشی ملک حبشہ نے دیئے اور بعض نے کہا کہ اس نے چار لاکھ درہم مہر میں اپنے پاس سے ادا کئے آنحضرت ﷺ نے شرجبیل بن حسنہ کو لینے کے لئے بھیجا اور یہ ان کو لے کر مدینہ آئے اور آپ ﷺ نے قربت مدینہ ہی میں فرمائی۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ ﷺ کا نکاح ام حبیبہ سے حضرت عثمانؓ عفانؓ نے کرایا ان کی وفات مدینہ میں ۴۴ ھ میں ہوئی ان سے ایک بڑی جماعت نے روایت حدیث کی ہے۔

(۲۰۹) ام حصین: — یہ ام حصین اسحاق کی بیٹی ہیں اور قبیلہ احمس کی ہیں ان سے ان کے بیٹے یحیٰی بن حصین وغیرہ نے روایت حدیث کی ہے یہ حجۃ الوداع میں حاضر ہوئی تھیں۔

(۲۱۰) ام حرام: — یہ ام حرام ملحان بن خالد کی بیٹی ہیں قبیلہ بنی نجار کی رہنے والی ہیں یہ ام سلیم کی بہن ہیں۔ یہ مشرف اسلام ہوئیں۔ اور آنحضور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی اور آنحضور ﷺ دوپہر میں ان کے یہاں قیولہ فرمایا کرتے تھے اور یہ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی بیوی ہیں۔ سرزمین روم میں اپنے شوہر کے ہمراہ جہاد کرتے ہوئے شہادت کا جام نوش کیا ان کی قبر مقام قرنس (باقرس) میں ہے، ان سے روایت حدیث ان کے بھانجے انس بن مالکؓ اور ان کے شوہر عبادہ بن صامتؓ نے کی ہے۔ حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ میں ان کے صحیح نام پر سوائے کنیت کے مطلع نہ ہو سکا ان کی وفات حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ہوئی ملحان میم کی کسرہ لام کے سکون اور حاء مہملہ ونون کے ساتھ ہے۔

(۲۱۱) حمنہ: — یہ حمنہ جحش کی بیٹی ہیں اور حضرت زینب جو ازواج مطہرات میں سے ہیں ان کی بہن ہیں۔ قبیلہ اسد کی رہنے والی ہیں مصعب بن عمیرؓ کی زوجیت میں تھیں پھر یہ مصعب بن عمیرؓ جنگ احد میں شہید ہو گئے اس کے بعد طلحہ بن عبید اللہ نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔

تابعی عورتیں

(۲۱۲) حسناء: —

یہ حسناء صرمیہ معاویہ کی بیٹی ہیں، یہ اپنے چچا سے اور ان کے چچا آنحضور ﷺ سے حدیث نقل کرتے ہیں ان سے عوف اعرابی نے روایت حدیث کی ہے۔ ان کی حدیث بصریوں میں مروج ہے ابن ماکولا نے حسناء کے بارہ میں ایسے ہی لکھا ہے۔ حازمی نے اس کا ذکر کرتے ہوئے خنساء بنت معاویہ لکھا ہے اور بعض حسناء صرمیہ کہتے ہیں۔ اور ان کے دو چچا حارث اور اسلم کو بتلاتے ہیں، صرمیہ صاد مہملہ کے زبر اور راء کے زیر کے ساتھ ہے۔ حسناء فعلاء کے وزن پر حسن سے ماخوذ ہے اور خنساء میں خائے معجمہ ہے اور نون سین مہملہ سے پہلے ہے۔

(۲۱۳) حفصہ بنت عبدالرحمٰن: — یہ حفصہ عبدالرحمٰن کی صاحبزادی ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق کے صاحب زادے ہیں منذر بن

زبیر بن عوام کے نکاح میں تھیں۔

(۲۱۴) ام حریر: — یہ ام حریر حاء مہملہ کے زبر اور پہلی راء کے زیر کے ساتھ۔ طلحہ بن مالک کی آزاد کردہ ہیں یہ اپنے آقا سے روایت حدیث کرتی ہیں ان کی حدیث محمد بن ابی رزین اپنی والدہ سے اور ان کی والدہ ان ام حریر سے نقل کرتی ہیں۔ ان کی حدیث اشراط الساعۃ میں آتی ہے۔

(خ)

صحابہ

(۲۱۵) خالد بن ولید: — یہ خالد ولید قرشی کے بیٹے ہیں جو مخزومی ہیں ان کی والدہ لبابہ صغری ہیں جو ام المؤمنین حضرت میمونہ کی بہن ہیں زمانہ اسلام سے پہلے خالد کا شمار اشراف قریش میں کیا جاتا تھا، آنحضور ﷺ نے سیف اللہ خطاب عطا فرمایا ۲۱ھ میں وفات پائی اور حضرت عمر بن خطاب ؓ کو کچھ وصیت کی ان سے ان کے خالہ زاد بھائی عبداللہ بن عباس اور علقمہ اور جبیر بن نفیر روایت حدیث کرتے ہیں۔

(۲۱۶) خالد بن ہوزہ: — یہ ہوزہ عامری کے بیٹے ہیں یہ خود اور ان کے بھائی حرملہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ خزاعہ کے پاس لوٹے اور اپنے اسلام کی بشارت ان کو دی یہ مولفۃ القلوب میں سے تھے یہ خالد بن ہوزہ وہی ہیں جن سے آنحضور ﷺ نے غلام اور باندی خرید فرمائی تھی اور ان کے لئے عہد نامہ لکھدیا تھا۔

(۲۱۷) خلاد بن سائب: — یہ خلاد سائب بن الخلاد کے بیٹے ہیں، خزرجی ہیں۔ یہ اپنے والد اور زید بن خالد سے روایت کرتے ہیں اور ان سے حبان بن واسع۔

(۲۱۸) خباب بن ارت ؓ: — ان کی کنیت ابو عبید اللہ تمیمی ہے ان کو زمانہ جاہلیت میں قید کر لیا گیا تھا، اس کے بعد ایک خزاعیہ عورت نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا، آنحضور ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے یہ اسلام لائے تھے۔ اور یہ خباب ان حضرات صحابہ میں سے ہیں جن کو اسلام لانے کی وجہ سے اللہ کے لئے بہت تکالیف پہنچائی گئی ہیں لیکن انہوں نے ان پر صبر فرمایا۔ کوفہ میں اقامت گزیں ہو گئے تھے اور وہیں ۳۷ھ میں وفات پائی ان کی عمر تہتر سال کی ہوئی، ان سے ایک بڑی جماعت روایت حدیث کرتی ہے۔

(۲۱۹) خارجہ بن حذافہ ؓ: — یہ حذافہ قریشی عدوی کے بیٹے ہیں، یہ قریش کے ماہر سواروں میں سے ایک سوار ہیں ان کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ ایک ہزار سواروں کے برابر ہیں ان کا شمار مصریوں میں کیا جاتا ہے۔ یہی وہ شخص ہیں جن کو مصر والوں میں شمار کر کے قتل کیا گیا اور ان کو ایک خارجی شخص نے عمرو بن عاص سمجھ کر قتل کر دیا تھا اور یہ خارجی ان تین شخص میں کا ایک شخص ہے جنہوں نے حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ اور حضرت عمرو بن عاص ؓ کے قتل پر اتفاق کیا تھا اور ان میں سے ہر ایک ان تین اصحاب میں سے ہر ایک کے قتل کی کوشش میں تھا۔ پس اللہ کا فیصلہ حضرت علی کے بارہ میں پورا ہوا اور دونوں اصحاب بچ گئے اور خارجہ کا قتل ۴۰ھ میں واقع ہوا۔

(۲۲۰) خزیمہ بن ثابت ؓ: — یہ خذیمہ بن ثابت ہیں، ان کی کنیت ابو عمارۃ ہے یہ انصاری اوسی ہیں ذوالشہادتین کے لقب سے معروف ہیں، جنگ بدر اور مابعد کے غزوات میں حاضر ہوئے جنگ صفین میں حضرت علی کے ہمراہ تھے۔ جب کہ عمار بن یاسر شہید ہو گئے تو انہوں نے اپنی تلوار سونت لی اور مقابلہ کیا یہاں تک کہ آپ شہید ہو گئے۔ آپ سے ان کے بیٹے عبداللہ اور عمارہ اور جابر بن عبداللہ

نے روایات کی ہیں، خزیمہ خائے معجمہ کے ضمہ اور زاء معجمہ کے فتحہ کے ساتھ ہے اور عمارہ عین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

(۲۲۱) خزیمہ بن جزء: — یہ خزیمہ جزء کے بیٹے ہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ سلمی ہے ان سے ان کے بھائی حبان بن جزء روایت کرتے ہیں ان کا شمار عرب کے یکتا لوگوں میں کیا جاتا ہے، جزء جیم کے زبر زائے معجمہ کے سکون اور اس کے بعد ہمزہ کے ساتھ ہے، اصحاب حدیث جزی جیم کے زیر اور زائے معجمہ کے کسرہ اور آخر میں یائے تحتانی کے ساتھ پڑھتے ہیں یہ عبدالغنی نے بیان کیا ہے اور حافظ دار قطنی نے جیم کے کسرہ اور یائے معجمہ کے سکون کے ساتھ ضبط کیا ہے اور حبان حاء مہملہ کے کسرہ اور بائے موحدہ کے تشدید کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

(۲۲۲) خزیم بن اخرم: — یہ خزیم اخرم کے بیٹے شداد بن عمرو بن فاتک اسدی کے پوتے ہیں لیکن یہ اپنے دادا کی طرف نسبت کر دیئے جاتے ہیں اور ان کو خزیم بن فاتک کہہ دیا جاتا ہے، ان کا شمار شامیوں میں ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک کوفیوں میں ان سے ایک بڑی جماعت نے روایت کی ہے۔

(۲۲۳) خبیب بن عدی: — یہ عدی انصاری اوسی کے بیٹے ہیں۔ یہ غزوہ بدر میں حاضر ہوئے اور غزوۂ رجیع میں ۳ھ میں قید کر لئے گئے، پھر ان کو مکہ لے جایا گیا اور حارث ابن عامر کی اولاد نے ان کو خرید لیا اور انہیں خبیب نے بدر کے دن حارث کو کفر کی حالت میں قتل کر دیا تھا۔ اب حارث کے بیٹوں نے ان کو اس لئے خریدا تھا تاکہ وہ اپنے باپ کے بدلہ میں قتل کر دیں۔ یہ قیدی بن کر ان کے پاس رہے پھر ان لوگوں نے مقام تنعیم میں ان کو سولی پر چڑھادیا، اور یہ اسلام میں پہلے شخص ہیں جن کو اللہ کے راہ میں سولی دی گئی ہے ان سے حدیث کی روایت حارث بن برصاء نے کی ہے۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت خبیبؓ نے حارث کی کسی بیٹی سے استرہ مانگ لیا۔ تاکہ وہ موئے زہار صاف کریں پھر حضرت خبیب نے اس کے چھوٹے بیٹے کو اٹھا کر اپنی ران پر بٹھالیا جب کہ استرہ ان کے ہاتھ میں تھا، بچے کی ماں اس کاروائی سے بالکل بے خبر تھی جب ماں نے یہ دیکھا تو بہت گھبرائی اس گھبراہٹ کو خبیب نے اس کے چہرے سے محسوس کر لیا اور کہا تو اس سے ڈرتی ہے کہ میں اس معصوم بچے کو قتل کر دوں گا ہرگز ہرگز میں ایسا نہیں کر سکتا۔ بچے کی ماں کہنے لگی میں نے اپنی زندگی میں خبیب سے بہتر قیدی کوئی نہیں دیکھا بخدا میں نے خبیب کو زمانہ اسارت میں ایک دن دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں تازہ انگور کا خوشہ تھا جس میں سے کھا رہے تھے جب کہ وہ لوہے کی زنجیروں میں جکڑے تھے اور مکہ میں کوئی پھل بھی نہ تھا اور یہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کا عطا کیا ہوا رزق ہے جو مجھے دیا گیا ہے پھر جب خبیب کو حرم سے حل کی طرف قتل کرنے کے لئے لے چلے تو حضرت خبیب نے فرمایا کہ مجھے اتنی مہلت دے دو کہ میں دو رکعت نماز ادا کر لوں۔ پس لوگوں نے ان کو موقع دیا اور خبیب نے دو رکعت نماز ادا کی اور فرمایا کہ قسم خدا کی اگر کفار یہ نہ خیال کرتے کہ یہ گھبراہٹ کی وجہ سے جان بچانے کی وجہ سے نماز پڑھ رہا ہے تو میں اور بھی نماز پڑھتا، پھر حضرت خبیب نے یہ دعا مانگی۔ اے اللہ! ان کو ایک ایک شمار کر کے قتل کر دے اور ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ بچے ؎

فلست ابالی حین اقتل مسلما   علی ای شق کان فی اللہ مضجعی
وذلک فی ذات الالہ وان یشاء   یبارک علی اوصال شلو ممزع

جب بحالت اسلام سولی دیا جا رہا ہوں تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ مجھے اللہ کے راستے میں قتل کرنے کے لئے کس کروٹ پر پچھاڑا جائے گا اور یہ سب مصائب اللہ کے راستہ میں ہیں اگر وہ چاہیں تو میرے اعضاء کے جوڑ جوڑ کو برکت سے بھر دیں۔

خبیب ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے اللہ کے راستے میں جکڑے ہوں جان دیتے وقت دو رکعت نماز پڑھنے کا طریقہ قائم کر دیا۔

(۲۲۴) خنیس بن حذافہ: — یہ خنیس بن حذافہ سہمی قریشی ہیں جو حضور ﷺ سے پہلے حضرت حفصہ بنت عمر کے شوہر تھے، یہ غزوۂ

بدر میں پھر احد میں حاضر ہوئے جس میں ان کو ایک زخم لگا اور اسی کی وجہ سے مدینہ پہنچ کر جان دے دی ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ خنیس تصغیر کے ساتھ ہے۔

(۲۲۵) ابو خراش: — یہ ابو خراش اسلمی ہیں صحابی ہیں خراش خائے معجمہ کے زیر اور رائے مہملہ غیر مشدد اور شین معجمہ کے ساتھ ہے اور حدرد حائے مہملہ کے زیر اور پہلی دال مہملہ کے سکون اور رائے مہملہ کے ساتھ ہے۔

(۲۲۶) ابو خلاد: — یہ ابو خلاد ایک شخص صحابی ہیں حافظ ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ میں ان کے نام اور نسب سے واقف نہیں ہوں۔ ان کی حدیث یحییٰ بن سعید کے نزدیک معتبر ہے جو ابو فروہ سے اور ابو فروہ ابو خلاد سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب تم دیکھو کسی مؤمن کو کہ اس کو دنیا کے بارہ میں زہد عطا کر دیا گیا ہے اور کم گوئی عطا کی گئی ہے تو اس کی صحبت اختیار کرو اس لئے کہ وہ حکمت سکھلائے گا۔ اور دوسری روایت بھی اسی طرح ہے لیکن ابو فروہ اور ابو خلاد کے درمیان اس دوسری حدیث میں ابو مریم کا واسطہ ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

تابعین

(۲۲۷) خیثمہ بن عبدالرحمٰن: — یہ خیثمہ عبدالرحمٰن کے بیٹے اور ابو سبرہ جعفی کے پوتے ہیں۔ ابو سبرہ جعفی کا نام یزید بن مالک ہے اور یہ خیثمہ کبار تابعین میں سے ہیں۔ ابو واصل (یا ابو وائل) سے پہلے ان کی وفات ہوگئی ہے۔ حضرت علی عبداللہ بن عمرو غیرہما سے حدیث کو سنا ہے اور ان سے اعمش اور منصور اور عروہ بن مرہ روایت حدیث کرتے ہیں دو لاکھ ان کو وراثت میں ملا، جس کو انہوں نے علماء پر صرف کر دیا خیثمہ خائے معجمہ کے فتحہ یائے تحتانی کے سکون اور ثائے مثلثہ کے فتحہ کے ساتھ ہے سبرہ سین کے زبر اور بائے موحدہ کے سکون کے ساتھ ہے۔

(۲۲۸) خالد بن معدان: — ان کی کنیت ابو عبداللہ شامی کلاعی ہے، یہ حمص کے رہنے والوں میں سے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں ستر صحابہ سے ملا ہوں اور یہ علماء شام کے ثقہ راویوں میں سے ہیں ۱۰۴ھ میں مقام طرسوس میں وفات پائی معدان میم کے فتح عین کے سکون کے ساتھ ہے دال مہملہ پر تشدید نہیں ہے۔

(۲۲۹) خالد بن عبداللہ: — یہ خالد بن عبداللہ واسطی طحان ہیں حصین وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ اللہ کے نیک بندوں میں سے گزرے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اللہ سے اپنے آپ کو تین مرتبہ خریدا اور اپنے وزن پر چاندی خیرات کی ہے۔ ۱۹۹ھ میں وفات پائی اور بعض نے ۱۸۲ھ بتایا ہے اور ان کی ولادت ۱۱۰ھ میں ہوئی۔

(۲۳۰) خارجہ بن زید: — یہ خارجہ زید بن ثابت انصاری مدنی کے بیٹے ہیں جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے کو انہوں نے پایا ہے، اپنے والد اور دوسرے حضرات صحابہ سے ان کا سماع حدیث ثابت ہے یہ مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں پختہ کار اور ثقہ ہیں ان سے زہری نے روایت کی ہے ان کی وفات ۹۹ھ میں ہوئی۔

(۲۳۱) خارجہ بن الصلت: — یہ خارجہ بن الصلت برجمی ہیں۔ براجم میں سے یہ بنو تمیم کی ایک شاخ ہے تابعی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام شعبی روایت کرتے ہیں اور ان کی حدیث اہل کوفہ کے یہاں ہے۔

(۲۳۲) خشف بن مالک: — یہ خشف بن مالک قبیلہ طے کے رہنے والے ہیں اپنے والد اور چچا اور عمرو بن مسعود سے روایت کی

ہے اور ان سے زید بن جبیر نے روایت کی ہے خشف خاء معجم کے کسرہ اور شین معجم کے سکون اور فاء کے ساتھ ہے۔

(۲۲۳۳) ابوخزامہ: — یہ ابوخزامہ بن یعمر ہیں یہ بنی الحارث بن سعد میں کے ایک شخص ہیں۔ یہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور ان سے زہری یہ مشہور تابعی ہیں۔ خزامہ خائے معجمہ کے کسرہ کے ساتھ اور زائے معجمہ پر تشدید نہیں ہے۔

(۲۲۳۴) ابوخلدہ: — یہ ابوخلدہ خالد بن دینار تیمی سعدی بصری ہیں جو درزی کا کام کرتے تھے۔ ثقات تابعین میں سے ہیں حضرت انس سے روایت کرتے ہیں اور ان سے وکیع وغیرہ خلدہ خائے معجمہ کے فتحہ اور لام کے سکون کے ساتھ ہے۔

(۲۲۳۵) ابن خطل: — یہ عبداللہ بن خطل تیمی مشرک ہے آنحضور ﷺ نے اس کے قتل کا حکم فتح مکہ کے دن دیا تھا چنانچہ یہ قتل کر دیا گیا، خطل خائے معجمہ اور طائے مہملہ دونوں کے فتح کے ساتھ ہے۔

صحابی عورتیں

(۲۲۳۶) خدیجہ بنت خویلد: — یہ خدیجہ خویلد بن اسد کی بیٹی ہیں۔ قریشیہ ہیں، امہات المؤمنین میں سے ہیں پہلے یہ ابوہالہ بن زرارہ کی بیوی تھیں، پھر ان سے عتیق بن عائذ نے نکاح کیا، اس کے بعد آنحضور ﷺ سے ان کا نکاح ہوا اس وقت ان کی عمر کچھ اوپر چالیس سال کی تھی اور آنحضور ﷺ کی عمر پچیس سال کی تھی اس سے پہلے آنحضور ﷺ نے کسی عورت سے نکاح نہیں کیا تھا اور نہ حضرت خدیجہ پر جب تک وہ زندہ رہیں کسی سے نکاح نہ کیا، یہاں تک کہ خدیجہؓ کی وفات ہوگئی۔ یہ خدیجہ وہ بی بی ہیں جو آپ ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لائیں، اس وقت نہ مردوں میں کوئی ایمان لایا تھا اور نہ عورتوں میں آنحضور ﷺ کی تمام اولاد سوائے ابراہیم کے کہ وہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہیں، انہیں حضرت خدیجہ سے ہوئی ہیں، ان کی وفات ہجرت سے پانچ سال قبل مکہ میں ہوگئی تھی، بعض نے کہا چار سال قبل اور بعض نے کہا تین سال قبل اس وقت نبوت کے دس سال گزر چکے تھے ان کی عمر پینسٹھ سال کی ہوئی اور آنحضور ﷺ کے پاس رہنے کا زمانہ پچیس سال ہے یہ مقام جیجون میں دفن کی گئیں ہیں۔

(۲۲۳۷) خولہ بنت حکیم: — یہ خولہ بنت حکیم ہیں عثمان بن مظعون کی بیوی ہیں بڑی صالح اور فاضل بی بی تھیں ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے۔

(۲۲۳۸) خولہ بنت ثامر: — یہ خولہ بنت ثامر قبیلہ انصار کی ہیں۔ ان کی حدیث اہل مدینہ میں زیادہ ہے ان سے نعمان ابن ابی العیاش زرقی نے روایت کی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ خولہ قیس بن بنی مالک بن النجار کی بیٹی ہیں اور ثامر قیس کا لقب ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ دونوں علیحدہ علیحدہ عورتیں ہیں۔

(۲۲۳۹) خولہ بنت قیس: — یہ خولہ قیس کی بیٹی ہیں۔ قبیلہ جہینہ کی رہنے والی ہیں، ان کی حدیث اہل مدینہ کے یہاں مروج ہے ان سے نعمان بن خربوذ نے روایت حدیث کی ہے خربوذ خائے معجمہ کے پیش راء مہملہ اور ذال معجمہ کے ساتھ ہے۔

(۲۲۴۰) خنساء بنت خذام: — یہ خنساء خذام بن خالد کی بیٹی ہیں۔ انصاریہ اسدیہ ہیں، ان کی حدیث مدینہ والوں میں مشہور ہے ان سے ابوہریرہ اور حضرت عائشہ اور دوسرے صحابہ نے روایت کی ہے۔ خنساء میں خاء پر فتحہ نون ساکن سین مہملہ اور مد ہے۔ خذام میں خائے معجمہ مکسور اور ذال معجمہ بغیر تشدید ہے۔

(۲۲۴۱) ام خالد بن سعید بن العاص الامویہ: — یہ ام خالد امویہ ہیں، خالد سعید بن عاص کے بیٹے تھے یہ اپنی کنیت کے ساتھ

مشہور ہیں ملک حبشہ میں پیدا ہوئیں جب یہ مدینہ میں لائی گئیں تو کم عمر تھیں۔ پھر ان سے زبیر بن العوام نے نکاح کیا۔ ان سے چند لوگوں نے روایت کی ہے۔

(د)

صحابہ

(۲۴۲) دحیہ الکلبی: — یہ دحیہ خلیفہ کلبی کے بیٹے، بلند مرتبہ صحابہ میں سے ہیں۔ ان کو آنحضور ﷺ نے ۶ھ قیصر بادشاہ روم کے پاس مدت صلح کے زمانہ میں بھیجا۔ قیصر نے آپ ﷺ پر ایمان لانا چاہا مگر اس کے پادری ایمان نہیں لائے تو وہ بھی مسلمان نہیں ہوسکا، یہ دحیہ وہی صحابی ہیں کہ حضرت جبرئیل امین ان کی صورت میں آنحضور ﷺ کے پاس وحی لاتے تھے یہ ملک شام میں چلے گئے تھے اور امیر معاویہ کے زمانہ تک وہاں رہے۔ متعدد تابعین نے ان سے روایت کی دحیہ دال کے کسرہ اور حاء مہملہ کے سکون اور دو نقطوں والی یاء کے ساتھ ہے اسی طرح بعض نے کہا ہے کہ دحیہ دال کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

(۲۴۳) ابو درداء: — ان کا نام عویمر ہے۔ یہ عامر انصاری خزرجی کے بیٹے ہیں یہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں اور درداء ان کی بیٹی ہیں۔ یہ کچھ تاخیر سے اسلام لائے اپنے خاندان میں سب سے آخر میں اسلام لانے والے ہیں۔ بڑے صالح مسلمان تھے اور بڑے سمجھدار عالم اور صاحب حکمت ہوئے ہیں شام میں قیام کیا اور ۳۲ھ میں دمشق میں وفات ہوئی۔

تابعین

(۲۴۴) داؤد بن صالح: — یہ داؤد بن صالح بن دینار کے بیٹے ہیں جو کھجوروں کے تاجر تھے اور انصار کے آزاد کردہ ہیں، مدینہ کے رہنے والے ہیں سالم بن عبداللہ اور اپنے والد اور اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۲۴۵) داؤد بن الحصین: — یہ داؤد بن حصین آزاد کردہ عمرو بن عثمان بن عفانؓ کے ہیں۔ یہ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے مالک وغیرہ ۱۳۵ھ میں وفات پائی اور ان کی عمر بہتر سال کی ہوئی۔

(۲۴۶) ابن الدیلمی: — ان کا نام ضحاک ہے، یہ فیروز کے بیٹے ہیں۔ تابعی ہیں ان کی حدیث مصریوں میں مروج ہے اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، دیلمی دال کے فتحہ سے منسوب ہے دیلم کی جانب یہ ایک پہاڑ ہے جو لوگوں میں مشہور ہے اور فیروز فاء کے فتحہ اور یاء تحتانی دو نقطوں والی کے سکون اور راء کے پیش کے ساتھ ہے اور آخر میں زاء ہے۔

(۲۴۷) ابو داؤد الکوفی: — یہ ابو داؤد نفیع ہیں حارث نابینا کے بیٹے کوفی ہیں۔ عمران بن حصین اور ابو برزہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے روایت کرنے والے سفیان ثوری اور شریک ہیں، محدثین کے نزدیک متروک ہیں، رفض کی طرف مائل تھے ان کا ذکر کتاب العلم میں آیا ہے۔

صحابی عورتیں

(۲۴۸) ام الدرداء: — ام الدرداء کا نام خیرہ ہے یہ ابو حدرد کی بیٹی ہیں قبیلہ اسلم کی رہنے والی ہیں، یہ حضرت ابو الدرداء کی بیوی ہیں،

یہ بڑی فاضل اور عقلمند صحابیات میں سے اور عورتوں میں بڑی صاحب رائے تھیں۔ نہایت عابدہ متبع سُنت تھیں ان سے ایک جماعت نے روایت کی، ان کا انتقال حضرت ابو درداء سے دو سال پہلے ہو گیا تھا۔ ان کی وفات ملک شام میں حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دور میں ہوئی۔

(ذ)

صحابہ

(۲۴۹) ابوذر الغفاری: — یہ ابوذر ان کا نام جندب ہے ان کے والد جنادہ ہیں، یہ بلند مرتبہ مشہور تارک الدنیا اور مہاجرین صحابہ میں سے ہیں مکہ میں شروع کے اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ایمان لانے والوں میں سے پانچویں صحابی ہیں پھر یہ اپنی قوم میں لوٹ گئے تھے ایک مدت تک ان کے پاس رہے یہاں تک کہ غزوہ خندق کے بعد آنحضور ﷺ کے پاس مدینہ منورہ میں حاضر ہو گئے۔ پھر مقام ربذہ میں قیام کیا اور ربذہ ہی میں ۳۲ھ میں خلافت عثمانؓ کے زمانہ میں وفات ہوئی آنحضور ﷺ کی بعثت سے قبل ہی عبادت کیا کرتے تھے، ان سے بہت سے صحابہ اور تابعین نے روایت کی ہیں۔

(۲۵۰) ذومخبر: — میم کے کسرہ خاء معجمہ کے سکون، بائے موحدہ کے فتحہ کے ساتھ۔ نجاشی کے بھتیجے ہیں، نبی کریم ﷺ کے خادم ہیں۔ جبیر بن نفیر وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔ ان کا شمار شامیوں میں کیا جاتا ہے اور ان کی حدیثیں ان ہی میں ملتی ہیں۔

(۲۵۱) ذوالیدین: — یہ بنی سلیم کے ایک شخص ہیں ان کو خرباق بھی کہا جاتا ہے صحابی ہیں حجاز کے رہنے والے ہیں جس نماز میں آنحضور ﷺ کو سہو ہو گیا تھا اس میں یہ موجود تھے، خرباق خائے معجمہ کے کسرہ رائے مہملہ کے سکون اور بائے موحدہ کے ساتھ ہے۔

(۲۵۲) ذوالسویقتین: — یہ حبشہ کا رہنے والا شخص ہو گا جس کے متعلق آنحضور ﷺ نے بتلایا کہ وہ خانہ کعبہ کو منہدم کر دے گا۔

(ر)

صحابہ

(۲۵۳) رافع بن خدیج: — یہ رافع بن خدیج ہیں۔ ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ حارثی انصاری ہیں۔ جنگ احد میں ان کو تیر آ کر لگا جس پر آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن تمہارے اس تیر کا گواہ ہوں، ان کا یہ زخم عبد الملک بن مروان کے زمانے تک چلا اور ۷۳ھ میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی ان کی عمر چھیاسی سال کی ہوئی ایک بڑی جماعت نے ان سے روایت کی ہے خدیج خائے معجمہ کے فتحہ دال کے کسرہ اور آخر میں جیم معجمہ کے ساتھ ہے۔

(۲۵۴) رافع بن عمرو: — یہ رافع بن عمرو غفاری ہیں۔ ان کا شمار بصریوں میں کیا جاتا ہے ان سے عبد اللہ بن الصامت نے روایت کی ہے۔ اکل تمر کے بارے میں ان کی حدیث ہے۔

(۲۵۵) رافع بن مکیث: — یہ رافع بن مکیث قبیلہ جہینہ کے رہنے والے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حاضر تھے ان سے ان کے دو بیٹے بلال اور حارث روایت کرتے ہیں، مکیث میں میم کا فتحہ کاف کا کسرہ اور دو نقطوں والی یا کا سکون آخر میں ثائے مثلثہ ہے۔

(۲۵۶) **رفاعۃ بن رافع:** — ان کی کنیت ابو معاذ ہے یہ زرقی انصاری ہیں یہ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، بلکہ تمام غزوات میں آنحضور ﷺ کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں اور حضرت علیؓ کے ہمراہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں بھی موجود رہے ہیں۔ حضرت معاویہ کے شروع امارۃ میں ان کی وفات ہوئی ان کے دونوں بیٹے عبید اور معاذ اور ان کے بھتیجے یحیٰی بن خلاد ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۲۵۷) **رفاعہ بن سموال:** — یہ رفاعہ سموال قرظی کے بیٹے ہیں، یہ وہی ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں پھر عبد الرحمٰن بن زبیر نے ان سے نکاح کر لیا تھا، ان سے حضرت عائشہؓ وغیرہانے روایت کی ہے، سموال میں سین کا کسرہ ہے اور ایک قول میں فتحہ ہے میم ساکن ہے اور واؤ غیر مشدد اور لام ہے الزبیر زاء کا ضمہ اور باء کا فتحہ پڑھا ہے اور رفاعہ یہ حضرت صفیہ کے جو آنحضور کی ازواج مطہرات میں سے ہیں ماموں ہیں۔

(۲۵۸) **رفاعۃ بن عبد المنذر:** — یہ رفاعہ بن عبد المنذر انصار میں سے ہیں ان کی کنیت ابو لبابہ ہے اور ان کا ذکر حرف لام میں آوے گا۔

(۲۵۹) **رویفع بن ثابت:** — یہ رویفع۔ ثابت بن سکن کے بیٹے ہیں، انصاری ہیں۔ ان کا شمار مصریوں میں کیا جاتا ہے۔ امیر معاویہؓ نے ان کو ۴۶ھ میں طرابلس مغربی پر امیر مقرر کر دیا تھا ان کی وفات برقہ میں ہوئی اور بعض نے کہا ہے کہ شام میں ہوئی۔ ان سے حنش بن عبد اللہ اور دوسرے حضرات روایت کرتے ہیں۔ رویفع رافع کی تصغیر ہے اور حنش حاء مہملہ اور نون کے فتحہ اور شین معجمہ کے ساتھ ہے۔

(۲۶۰) **رکانۃ بن عبد یزید:** — یہ رکانہ عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب قرشی کے بیٹے ہیں۔ یہ بڑے طاقتور تھے ان کی حدیث حجازیین میں ہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک زندہ رہے اور بعض نے کہا ہے کہ ۴۲ھ میں وفات پائی، ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ رکانہ راء مہملہ پہ ضمہ کے ساتھ اور کاف غیر مشدد اور نون ہے۔

(۲۶۱) **رباح بن الربیع:** — یہ رباح بن الربیع اسیدی کاتب ہیں، ان کی حدیث بصریوں میں مروج ہے قیس بن زہیر ان سے روایت کرتے ہیں الاسیدی ہمزہ کے ضمہ سین کے فتحہ پہلی اور آخر کی دونوں یاء مشدد ہیں۔

(۲۶۲) **ربیعہ بن کعب:** — یہ ربیعہ کعب کے بیٹے ہیں ان کی کنیت ابو فراس اسلمی ہے ان کا شمار اہل مدینہ میں ہے اور یہ اہل صفہ میں سے تھے، اور کہا جاتا ہے کہ یہ آنحضور ﷺ کے خادم رہے ہیں اور قدیم اصحاب میں سے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ سفر و حضر میں رہتے تھے، ۶۳ھ میں وفات پائی۔ ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے۔

(۲۶۳) **ربیعہ بن الحارث:** — یہ ربیعہ حارث بن عبد المطلب بن ہاشم کے بیٹے ہیں جو آنحضور ﷺ کے چچا ہیں ان کو شرف صحبت دولت حاصل ہے حضرت عمرؓ کی خلافت میں ۲۲ھ میں وفات پائی یہ وہ ہیں جن کے بارہ میں آنحضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا کہ پہلا خون جس کو میں معاف کرتا ہوں خون ربیعہ ابن الحارث کا ہے۔ اور اس لئے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں ربیعہ کے ایک بیٹے کو جس کا نام آدم تھا قتل کر دیا گیا، پس آنحضور ﷺ نے اسلام میں اس کے مطالبہ کو رد کر دیا۔

(۲۶۴) **ربیعہ بن عمرو:** — یہ ربیعہ عمرو جرشی کے بیٹے ہیں۔ واقدی نے بیان کیا ہے کہ ربیعہ راہط کے خروج کے دن قتل کر دیئے گئے تھے۔

(۲۶۵) ابورافع اسلم: — یہ ابورافع اسلم نبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ان کے نام سے ان کی کنیت زیادہ مشہور ہے۔ یہ قبطی تھے، پہلے عباس کے غلام تھے انہوں نے ان کو آنحضور ﷺ کو بطور ہدیہ دیا تھا۔ جب آنحضور ﷺ کو عباس کے اسلام کی بشارت دی گئی تو آپ ﷺ نے خوشی میں آزاد کر دیا ان کا اسلام غزوۂ بدر سے پہلے تھا، ان سے ایک بڑی جماعت نے روایت کی ہے، ان کی وفات حضرت عثمانؓ سے کچھ دن قبل ہوئی۔

(۲۶۶) ابورمثہ: — یہ ابورمثہ رفاعۃ بن یثربی کے بیٹے ہیں تیمی ہیں امراء القیس کی اولاد میں سے جوزید بن مناۃ بن تمیم کا بیٹا تھا اور ان کے نام میں بہت اختلاف ہے، بعض نے وہ نام بیان کیا ہے جو ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور بعض نے عمارہ بن یثربی کہا ہے۔ اور بعض نے دوسرے نام ذکر کئے ہیں۔ آنحضور ﷺ کی خدمت میں اپنے والد صاحب کے ساتھ حاضر ہوئے۔ ان کا شمار کوفیین میں کیا جاتا ہے، ایاد بن لقیط نے ان سے روایت کی ہے۔ رمثہ راء کے کسرہ اور میم کے سکون اور ثائے مثلثہ کے ساتھ ہے۔

(۲۶۷) ابورزین: — یہ ابورزین ہیں ان کا نام لقیط ہے۔ یہ عامر بن صبرہ کے بیٹے ہیں، ان کا ذکر حرف لام میں آئے گا۔

(۲۶۸) ابوریحانہ: — یہ ابوریحانہ شمعون بن زید کے بیٹے تھے بنو قریظہ میں سے انصار ہیں، یعنی انصار کے حلیف ان کو آنحضرت ﷺ کا آزاد کردہ کہا جاتا ہے، ان کی صاحبزادی ریحانہ ہیں اور بڑی فاضلہ عابدہ اور دنیا سے کنارہ کش تھیں۔ یہ شام میں مقیم ہو گئے تھے، ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے۔

تابعین

(۲۶۹) ابورجاء: — یہ ابورجاء عمران بن تیم عطاردی ہیں آنحضور ﷺ کی زندگی میں اسلام لائے تھے حضرت عمر بن خطاب اور حضرت علیؓ وغیرہما سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ایک جماعت کثیر نے روایت کی یہ بڑے عالم باعمل اور سن رسیدہ ماہرین قرأت میں سے تھے ۱۰۷ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۲۷۰) ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰن: — یہ ربیعہ ابوعبدالرحمٰن کے بیٹے ہیں جلیل القدر تابعی ہیں۔ مدینہ کے مانے ہوئے فقہا میں سے ہیں۔ حضرت انس بن مالک اور حضرت سائب بن یزید سے احادیث سنے ہوئے ہیں، اور سفیان ثوری اور مالک بن انس ان سے روایت کرتے ہیں ۱۳۶ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔

(۲۷۱) ابورافع: — یہ ابورافع حقیق کا بیٹا اس کا نام عبداللہ تھا اور یہ یہودی تھا حجاز کے تاجروں میں سے ہے۔ معجزات میں اس کا ذکر حدیث براء میں آتا ہے۔ الحقیق حائے مہملہ کے ضمہ پہلے قاف کے فتحہ اور یائے تحتانی کے سکون کے ساتھ ہے۔

(۲۷۲) رعل بن مالک: — یہ رعل مالک بن عوف کا بیٹا ہے اور ان لوگوں میں سے ہے جن پر آنحضور ﷺ نے قنوت میں لعنت اور بددعا کی ہے۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے قراء کو قتل کیا تھا۔ رعل راء کے کسرہ اور عین مہملہ کے سکون کے ساتھ ہے۔

صحابی عورتیں

(۲۷۳) الربیع بنت معوذ: — یہ ربیع معوذ کی بیٹی ہیں صحابیہ ہیں انصار میں سے ہیں بڑی قدر و عظمت والی ہیں۔ ان کی حدیث مدینہ اور بصرہ والوں کے یہاں رائج ہے۔ الربیع را کے پیش یائے موحدہ کے فتحہ اور دو نقطوں والی یاء مکسور کی تشدید کے ساتھ ہے۔

(۲۷۴) الربیع بنت النضر: — یہ ربیع بنت نضر حضرت انس بن مالک انصاری کی پھوپھی ہیں اور حارثہ بن سراقہ کی والدہ ہیں اور صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس بن مالک کی پھوپھی ربیع بنت نضر کی والدہ ہیں اور جن کا ذکر صحابی عورتوں کے ذیل میں آتا ہے وہ ربیع ہی ہیں اور یہی صحیح ہے۔

(۲۷۵) الرمیصاء: — یہ رمیصاء ام سلیم ملحان کی بیٹی حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ ہیں اور ان کا ذکر حرف سین کے تحت میں عنقریب آئے گا۔

(ز)

صحابہ

(۲۷۶) زید بن ثابت: — یہ زید بن ثابت انصاری آنحضور ﷺ کے کاتب ہیں، جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تھے تو ان کی عمر گیارہ سال کی تھی ان کا شمار ایسے جلیل القدر فقہائے صحابہ میں سے ہوتا ہے جن پر فرائض کا مدار ہے نیز یہ ان صحابہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے تدوین قرآن میں بڑا حصہ لیا ہے اور انہوں نے خلافت ابوبکرؓ میں قرآن عظیم کی کتابت بھی کی ہے اور قرآن پاک کو مصحف سے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں نقل کیا ہے ان سے ایک بڑی جماعت نے روایت کی ہے۔ مدینہ طیبہ میں ۴۵ھ میں وفات پائی اور ان کی چھپن برس کی عمر ہوئی۔

(۲۷۷) زید بن ارقم: — یہ زید بن ارقم ہیں ان کی کنیت ابو عمرو ہے۔ یہ انصاری خزرجی ہیں، ان کا شمار کوفیین میں کیا جاتا ہے کوفہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۶۶ھ میں وفات پائی ان سے بہت سے حضرات نے روایت کی ہے۔

(۲۷۸) زید بن خالد: — یہ زید بن خالد قبیلہ جہینہ کے ہیں یہ کوفہ میں آگئے تھے اور وہیں ۷۸ھ میں وفات پائی ان کی عمر پچاسی سال کی ہوئی، انس وعطاء بن یسار وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(۲۷۹) زید بن حارثہ: — یہ زید بن حارثہ ہیں، ان کی کنیت ابواسامہ ہے، ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ ہیں جو بنی معن میں سے ہیں۔ زید بن حارثہ کو ان کی والدہ اپنی قوم کے پاس ملانے کے لئے لائیں تو بنی معن بن جریر کے ایک لشکر نے زمانہ جاہلیت میں ان پر لوٹ مار کی۔ پھر اس لشکر کا گزر بنی معن کے ان گھروں پر ہوا جو زید بن حارثہ کی والدہ کا خاندان تھا زید بن حارثہ کو یہ لٹیرے اٹھا کر لے بھاگے ان کی عمر اس وقت آٹھ سال بتلائی جاتی ہے، یہ نو عمر لڑکے تھے۔ ان کو بازار عکاظ میں لے گئے اور فروخت کرنے کے لئے ان کو پیش کر دیا، چنانچہ ان کو حکیم بن حزام بن خویلد نے اپنی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کے لئے چار سو درہم کے بدلہ میں خرید لیا، جب آنحضور ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا تو حضرت خدیجہ نے ان کو آنحضور ﷺ کے لئے ہبہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان پر قبضہ کر لیا۔ پھر ان تمام واقعات کا پتہ زید بن حارثہ کے خاندان والوں کو چلا تو ان کے باپ حارثہ اور ان کے چچا کعب آپ ﷺ کے پاس آئے اور فدیہ دے کر ان کو لے جانا چاہا۔ آنحضور ﷺ نے زید بن حارثہ کو کلی اختیار دے دیا۔ کہ اگر وہ گھر جانا چاہیں تو خوشی سے اپنے والد کے ہمراہ چلے جائیں اور اگر چاہیں تو میرے پاس رہیں زید بن حارثہ نے اپنے گھر والوں پر آنحضور ﷺ کو ترجیح دی اور والد اور چچا کے ہمراہ نہیں گئے اس لئے کہ آنحضور ﷺ کے احسانات اور اخلاق کریمانہ ان کے دل میں گھر کر چکے تھے، اس واقعہ کے بعد آنحضور ﷺ ان کو مقام حجر میں لے گئے، اور حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگو! گواہ رہو میں نے زید کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے وہ میرے وارث ہیں اور میں

ان کا وارث ہوں، اس کے بعد وہ زید بن محمد ﷺ پکارے جانے لگے، یہاں تک کہ اللہ شریعت کو لایا اور یہ آیت نازل ہوئی کہ لے پالک لڑکوں کو ان کے والدین کی طرف منسوب کر کے پکارو۔ یہ بات اللہ کے نزدیک بڑے انصاف اور راستی کی ہے۔ تو پھر ان کو زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ یہ زید بن حارثہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں ایک قول کے اعتبار سے آنحضور ﷺ ان سے دس سال بڑے ہیں۔ اور دوسرے قول کے اعتبار سے بیس سال آنحضور ﷺ نے ان کا نکاح ام ایمن اپنی آزاد کردہ سے کرادیا، ان سے اسامہ لڑکا پیدا ہوا اس کے بعد زینب بنت جحش سے ان کا نکاح ہوا۔ اور ان زید بن حارثہ کو محبوب رسول خدا کہا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے کسی صحابی کا نام قرآن پاک میں ان کے سوا نہیں لیا۔ یہ وہ آیت ہے۔ فلما قضی زید منها وطرا زوجنكها ان سے ان کے بیٹے اسامہ اور دوسرے لوگوں نے روایت کی ہے، غزوہ موتہ میں جب کہ یہ لشکر کے امیر تھے جمادی الاول ۸ھ میں شہید کر دیئے گئے جب کہ ان کی عمر پچپن سال کی تھی۔

(۲۸۰) زید بن الخطاب: — یہ زید بن خطاب عدوی قریشی حضرت عمر بن خطاب کے بھائی ہیں۔ یہ حضرت عمرؓ سے عمر میں بڑے تھے، یہ مہاجرین اولین میں سے ہیں اور حضرت عمرؓ سے پہلے یہ ایمان لائے ہیں اور یہ جنگ بدر اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں بھی شریک رہے ہیں جنگ یمامہ میں وہ شہید ہوئے جو خلافت حضرت ابوبکرؓ میں پیش آئی تھی، ان سے روایت عبداللہ بن عمر کرتے ہیں۔

(۲۸۱) زید بن سہل: — یہ زید سہل کے بیٹے ہیں وہ اپنی کنیت ابوطلحہ کے ساتھ مشہور ہیں، ان کا ذکر حرف طا میں آئے گا۔

(۲۸۲) الزبیر بن العوام: — زبیر بن العوام کی کنیت ابو عبداللہ قریشی ہے ان کی والدہ صفیہ عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضور ﷺ کی پھوپھی ہیں، یہ اور ان کی والدہ شروع ہی میں اسلام لے آئے تھے جب کہ ان کی عمر سولہ سال کی تھی اس پر ان کے چچا نے دھوئیں سے ان کا دم گھونٹ کر تکلیف پہنچائی تاکہ یہ اسلام کو چھوڑ دیں۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور تمام غزوات میں آنحضور ﷺ کے ساتھ موجود رہے، یہ وہ ہیں کہ سب سے اول تلوار اللہ کے راستہ میں سونتی اور آنحضور ﷺ کے ساتھ جنگ احد میں ڈٹے رہے اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک یہ بھی ہیں لانبے قد گورے رنگ کے تھے بدن پر گوشت کم تھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ گندم گوں تھے اور بدن پر ان کے بال بہت تھے ہلکے رخساروں والے تھے ان کو مقام سفوان میں (جو سین اور فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے) اور بصرہ کی سرزمین میں واقع ہے) عمرو بن جرموز نے ۳۶ھ میں قتل کر دیا تھا، ان کی عمر چونسٹھ سال کی ہوئی۔ اول وادی سباع میں وہ دفن کئے گئے، پھر بصرہ کی طرف منتقل کئے گئے اور وہاں پر ان کی قبر کا ہونا مشہور ہے ان سے ان کے دو بیٹوں عبداللہ اور عروہ وغیرہما نے روایت کی ہے۔

(۲۸۳) زیاد بن لبید: — یہ زیاد لبید کے بیٹے ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے انصاری زرقی ہیں تمام غزوات میں آنحضور ﷺ کے ہمراہ رہے اور ان کو حضر موت کا گورنر بھی بنادیا گیا تھا۔ ان سے عوف بن مالک اور ابودرداء نے روایت حدیث کی ہے۔ حضرت معاویہ کے شروع دور امارت میں وفات پائی۔

(۲۸۴) زیاد بن الحارث: — یہ زیاد حارث صدائی کے بیٹے ہیں، آنحضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ ﷺ کے یہاں موذن بھی رہے ان کا شمار بصریوں میں ہے اور صدائی میں صاد مہملہ پر پیش ہے اور دال مہملہ پر تشدید نہیں ہے اور الف کے بعد ہمزہ ہے۔

(۲۸۵) زاہر بن الاسود: — یہ زاہر بن اسود اسلمی میں یہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی اور یہ کوفہ میں مقیم رہے اور کوفہ والوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

(۲۸۶) زراع بن عامر: — یہ زراع ہیں عامر بن عبدالقیس کے بیٹے وفد عبدالقیس میں شامل ہو کر آنحضور ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوئے ہیں، یہ بصریوں میں شمار ہوتے ہیں ان کی حدیث اہل بصرہ کے یہاں رائج ہے۔

(۲۸۷) زرارة بن ابي اوفی: — یہ زرارہ ابی اوفی کے بیٹے ہیں یہ صحابہ میں سے ہیں، ان کی وفات حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہوئی۔

(۲۸۸) ابوزید الانصاری: — یہ ابوزید انصاری وہ ہیں جنہوں نے قرآن پاک کو اپنے حافظہ سے آنحضورؐ کے عہد مبارک میں جمع کیا، ان کے نام میں اختلاف ہے بعض نے سعید بن عمیر کہا ہے اور بعض نے قیس بن سکن۔

(۲۸۹) ابوزہیر نمیری: — یہ ابوزہیر نمیری ہیں شامیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

(۲۹۰) الزبیدی: — یہ زبیدی ہیں زائے معجمہ کے پیش اور بائے موحدہ کے زبر کے ساتھ، ان کی نسبت زبید کی طرف کی جاتی ہے ان کا نام مُنَبِّہ بن سعد بتلایا جاتا ہے اور ان کا صحابی ہونا محقق نہیں ہے۔

تابعین

(۲۹۱) الزبیر بن عدی: — یہ عدی کے بیٹے ہیں ہمدانی کوفی ہیں، مقام رے کے قاضی تھے۔ تابعی ہیں۔ انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے سفیان ثوری وغیرہ نے روایت حدیث کی ہے ۱۳۱ھ میں ان کی وفات ہوئی ہمدانی کا میم ساکن ہے۔

(۲۹۲) الزبیر العربی: — یہ زبیر عربی نمیری اور بصری ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے معمر اور حماد بن زید ثقہ راوی ہیں۔

(۲۹۳) زیاد بن کسیب: — یہ زیاد کسیب کے بیٹے ہیں۔ عدوی ہیں یہ بصریوں میں شمار کئے جاتے ہیں تابعی ہیں ابوبکرہ سے روایت کرتے ہیں۔ کسیب تصغیر کے ساتھ ہے۔

(۲۹۴) زہرۃ بن معبد: — یہ زہرہ ہیں معبد کے بیٹے ان کی کنیت ابوعقیل عین کے زبر کے ساتھ ہے، یہ قرشی ہیں اور مصری ہیں۔ انہوں نے اپنے دادا عبداللہ بن ہشام وغیرہ سے حدیث سنی، ان سے روایت کرنے والی بھی ایک بڑی جماعت ہے اور ان کی حدیث کا بڑا حصہ اہل مصر کے یہاں ہے۔

(۲۹۵) زہیر بن معاویہ: — یہ زہیر بن معاویہ ہیں ان کی کنیت ابوخیثمہ جعفی ہے یہ کوفی ہیں۔ ان کا قیام جزیرہ میں رہا یہ حافظ حدیث اور ثقہ ہیں اور ابواسحاق ہمدانی اور ابوالزبیر سے حدیث کو سنا، ان سے ابن مبارک اور یحییٰ بن یحییٰ وغیرہما روایت کرتے ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الزکوٰۃ میں آیا ۱۷۴ھ میں وفات پائی۔

(۲۹۶) زمیل بن عباس: — یہ اپنے مولی عروہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے یزید بن الہاد۔ ان میں کچھ ضعف ہے

(۲۹۷) الزہری: — یہ زہری زہرۃ بن کلاب کی طرف منسوب ہیں جو ان کے جد اعلیٰ ہیں اسی وجہ سے زہری کہلاتے ہیں۔ ان کی کنیت ابوبکر ہے۔ ان کا نام محمد ہے عبداللہ بن شہاب کے بیٹے، یہ بڑے فقیہہ اور محدث ہوئے ہیں اور تابعین میں سے جلیل القدر تابعی ہیں مدینہ کے زبردست فقیہہ اور عالم ہیں۔ علوم شریعت کے مختلف فنون میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ بہت سے صحابہ سے حدیثیں سنیں ہیں ان سے جمع عظیم روایت کرتی ہیں جن میں قتادہ اور مالک بن انس بھی ہیں عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں میں ان سے بڑا عالم نہیں

پاتا مکحول سے دریافت کیا گیا کہ ان علماء میں سے جن کو آپ نے دیکھا ہے۔ کون زیادہ عالم ہے فرمایا کہ ابن شہاب ہیں پھر دریافت کیا گیا کہ ان کے بعد کون ہیں فرمایا کہ ابن شہاب ہیں پھر کہا گیا کہ ابن شہاب کے بعد فرمایا کہ ابن شہاب ہی ہیں۔ رمضان کے مہینہ ۱۲۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۲۹۸) زر بن حبیش: — یہ زر بن حبیش اسدی کوفی ہیں، ان کی کنیت ابو حریم ہے، انہوں نے زمانہ جاہلیت میں ساٹھ سال گزارے ہیں اور اتنے ہی زمانہ اسلام میں، یہ عراق کے ان بڑے قاریوں میں سے ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد ہیں، حضرت عمرؓ سے حدیث کو سنا۔ ان سے ایک جماعت تابعین اور غیر تابعین کی روایت کرتی ہے، زرین زائے معجمہ کے کسرہ اور راء مہملہ کے تشدید کے ساتھ ہے حبیش میں حاء مہملہ پر ضمہ اور بائے موحدہ کے زبر اور دو نقطوں والی یاء ساکن ہے اور آخر میں شین ہے۔

(۲۹۹) زرارہ بن ابی اوفی: — یہ زرارہ بن ابی اوفی ابو حاجب جرشی بصرہ کے قاضی ہیں، صحابہ کی جماعت سے حدیث نقل کرتے ہیں جن میں سے حضرت عبداللہ بن عباس بھی ہیں جن سے یہ روایت کی کہ عبداللہ بن عباس نے کہا کہ دریافت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اور کہا کہ کون کون سا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے، پس فرمایا الحال المرتحل اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ الحال المرتحل کیا ہے فرمایا کہ صاحب قرآن ہے کہ جو شروع قرآن سے پڑھے اور آخر تک پڑھتا چلا جائے اور آخر سے شروع کرے تو اول تک پہنچا دے ان سے قتادہ اور عوف نے روایت حدیث کی، انہوں نے ایک دن امامت کی اور نماز میں فاذا نقر فی الناقور پڑھا اور چیخ ماری ۹۳ھ میں وفات پائی۔

(۳۰۰) زیاد بن حدیر: — یہ زیاد بن حدیر ہیں ان کی کنیت ابو مغیرہ ہے۔ یہ بنو اسد میں سے ہیں کوفی ہیں تابعی ہیں، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے حدیث کو سنا ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے جن میں سے شعبی بھی ہیں حدیر حاء مہملہ کے پیش اور دال مہملہ کے زبر، یائے تحتانی کے سکون اور راء مہملہ کے ساتھ ہے۔

(۳۰۱) زید بن اسلم: — یہ زید بن اسلم ہیں ان کی کنیت ابو اسامہ ہے، یہ حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ ہیں، مدنی ہیں اور جلیل القدر تابعی ہیں۔ صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں اور ان سے سفیان ثوری اور ایوب سختیانی اور مالک اور ابن عیینہ احادیث نقل کرتے ہیں، ۱۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۳۰۲) زید بن طلحہ: — یہ زید بن طلحہ ہیں ان سے سلمہ بن صفوان زرقی روایت کرتے ہیں۔ امام مالک نے ان کی حدیث حیا کے بارہ میں اخذ کی ہے۔

(۳۰۳) زید بن یحیٰی: — یہ زید بن یحیٰی دمشقی ہیں یہ امام اوزاعی سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام احمد اور دارمی ثقہ ہیں۔

(۳۰۴) ابو الزبیر: — یہ ابو الزبیر ہیں نام محمد بن اسلم ہے مکہ کے رہنے والے ہیں، آزاد کردہ ہیں حکیم بن حزام کے طبقہ ثانیہ میں سے ہیں مکہ کے تابعین میں سے ہیں۔ جابر بن عبداللہ سے انہوں نے حدیث کو سنا ہے اور ان سے بہت لوگوں نے ۱۲۵ھ میں وفات پائی۔

(۳۰۵) ابو زرعہ: — ان کا نام عبید اللہ ہے عبد الکریم کے بیٹے رے کے رہنے والے ہیں ایک بڑی جماعت سے انہوں نے حدیث کو سنا ہے اور ان سے عبداللہ بن احمد بن حنبل وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ یہ امام اور حافظ حدیث ہیں پختہ اور قابل اعتماد ہیں حدیث کے عالم مشائخ یعنی رواۃ حدیث کو پہچاننے والے ہیں۔ جرح اور تعدیل کے جاننے والے ہیں ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور مقام رے میں ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

صحابی عورتیں

(۳۰۶) زینب بنت جحش: — یہ زینب جحش کی بیٹی امہات المؤمنین میں سے ہیں اور ان کی والدہ کا نام امیہ ہے جو عبد المطلب کی بیٹی ہیں اور آنحضور ﷺ کی پھوپھی۔ یہ زید بن حارثہ جو حضور کے آزاد کردہ غلام تھے ان کی بیوی تھیں۔ پھر حضرت زید نے ان کو طلاق دے دی تھی، اس کے بعد آنحضور ﷺ نے ۵ھ میں ان سے نکاح کیا تھا، یہ زینب تمام ازواج مطہرات میں سے آپ ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلے انتقال کرنے والی ہیں، ان کا پہلا نام "برہ" تھا آنحضرت ﷺ نے ان کا نام زینب رکھا تھا، حضرت عائشہ ان کی شان میں فرماتی ہیں" کوئی عورت اس زینب سے بہتر دین میں نہیں ہے، یہ سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی ہیں اور سب سے زیادہ سچ بولنے والی ہیں سب سے زیادہ قرابت رکھنے والی ہیں، سب سے زیادہ صدقات دینے والی ہیں اور ان تمام کاموں میں جن میں اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے جان کام آسکتی ہے سب سے زیادہ جان لڑانے والی ہیں ۲۰ھ میں مدینہ میں وفات پائی اور بعض نے کہا ہے کہ ۲۱ھ میں۔ عمر ترپین سال کی پائی، حضرت عائشہ اور ام حبیبہؓ وغیرہما ان سے روایت حدیث کرتی ہیں۔

(۳۰۷) زینب بنت عبداللہ: — یہ زینب عبداللہ بن معاویہ کی بیٹی بنو ثقیف کی رہنے والی ہیں، عبداللہ بن مسعود کی بیوی ہیں ان سے ان کے شوہر اور ابوسعید و ابوہریرہ اور حضرت عائشہؓ روایت حدیث کرتے ہیں۔

(۳۰۸) زینب بنت ابی سلمہ: — یہ حضور ﷺ کی بیوی حضرت ام سلمہ کی بیٹی ہیں ان کا نام بھی زینب تھا، آنحضور نے بدل کر برہ رکھ دیا ملک "حبشہ" میں پیدا ہوئیں، عبداللہ بن زمعہ کی زوجیت میں رہیں، اپنے زمانے کی عورتوں میں سب سے زیادہ فقیہہ ہیں، ان سے ایک جماعت نے حدیث کی روایت کی واقعہ "حرہ" کے بعد ان کی وفات ہوئی۔

تابعی عورتیں

(۳۰۹) زینب بنت کعب: — یہ زینب کعب ابن عجرۃ کی صاحبزادی ہیں، انصار میں سے ہیں۔ سالم بن عوف کے خاندان سے ہیں رابعیہ ہیں۔

(س)

صحابہ

(۳۱۰) سعد بن ابی وقاصؓ: — یہ سعد بن ابی وقاص ہیں ان کی کنیت ابواسحاق ہے اور ان کے والد ابووقاص کا نام مالک بن وہیب ہے۔ زہری ہیں، قبیلہ قریش میں سے یہ ان دس میں سے ایک ہیں جن کو حضور ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی، یہ شروع اسلام ہی میں ایمان لے آئے۔ جب کہ ان کی عمر سترہ سال کی تھی، ان کا بیان ہے کہ میں اسلام لانے والوں میں سے تیسرا شخص ہوں اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کے راستہ میں تیر اندازی کی تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ برابر شریک رہے۔ بڑے مستجاب الدعوات تھے، اس بات کی لوگوں میں بڑی شہرت تھی ان کی بددعا سے لوگ ڈرتے تھے اور ان سے دعاء خیر کی تمنا رکھتے تھے اور یہ بات اس لئے تھی کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے حق میں یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ ان کے تیر کو سیدھا پہنچادے اور ان کی دعا کو قبول فرمالے" ان کے لئے اور زبیر کے لئے آنحضرت ﷺ نے اپنے ماں اور باپ دونوں کو جمع کرکے اس طرح فرمایا" ارم فداک ابی وامی" ایسے الفاظ ان دونوں کے علاوہ کسی اور سے نہیں فرمائے، یہ کوتاہ قامت اور گھٹے ہوئے بدن والے تھے، گندمی رنگ تھا اور جسم پر بال

زیادہ تھے۔ مقام عقیق میں جو مدینہ سے قریب ہے اپنے محل میں وفات پائی اور لوگوں کے کندھوں پر مدینہ لے جائے گئے، مروان بن الحکم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی مروان اس زمانہ میں مدینہ کا گورنر تھا مقام بقیع میں دفن کئے گئے یہ واقعہ ۵۵ھ میں پیش آیا ان کی عمر کچھ اوپر ستر سال کی ہوئی، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ان کی موت سب سے آخر میں واقع ہوئی حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر بنایا تھا۔ ان سے ایک بڑی جماعت صحابہ اور تابعین کی روایت کرتی ہے۔

(۳۱۱) سعد بن معاذ: — یہ سعد معاذ کے بیٹے ہیں انصاری اشہلی اوسی ہیں مدینہ میں عقبہ اولی اور ثانیہ کے درمیان اسلام لائے ان کے اسلام کو دیکھ کر عبد الاشہل کے بیٹے اور ان کے تمام خاندان والے اسلام لے آئے، انصار کے تمام خاندانوں میں سے یہ پہلا خاندان تھا جو کہ اسلام لایا۔ آنحضور ﷺ نے ان کو "سید الانصار" کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ یہ اپنی قوم میں بڑے بزرگ اور سردار تسلیم کئے جاتے تھے جلیل القدر اور اکابر اور اخیار صحابہ میں سے ہیں، آنحضور ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر اور احد میں شریک ہوئے اور مقابلہ پر بہادرانہ ڈٹے رہے جنگ خندق میں ان کو شہ رگ پر تیر لگا اور خون بند نہیں ہوا یہاں تک کہ ایک مہینہ کے بعد ان کی وفات ہو گی یہ واقعہ ذی قعدہ ۵ھ کا ہے اس وقت ان کی عمر ۳۷ برس کی تھی جنت البقیع میں سپرد خاک کئے گئے۔ صحابہ کی ایک جماعت ان سے روایت کرتی ہے۔

(۳۱۲) سعد بن خولہ: — ان سعد بن خولہ نے غزوہ بدر میں شرکت فرمائی اور حجۃ الوداع والے سال میں مکہ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۳۱۳) سعد بن عبادہ: — یہ سعد بن عبادہ ہیں اور ان کی کنیت ابو ثابت انصاری ہے۔ ساعدی خزرجی ہیں، یہ بارہ نقباء میں سے ایک ہیں انصار کے سرداروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ اور شان و شوکت میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھے، ریاست و سرداری ایسی پائی تھی کہ جس کا اعتراف ان کی قوم تک کرتی تھی ایک جماعت ان سے روایت حدیث کرتی ہے ۱۵ھ میں جب کہ عمرؓ کی خلافت کو ڈھائی سال گزر چکے تھے "حوران" میں جو کہ سرزمین شام میں واقع ہے وفات پائی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۱۱ھ میں جب کہ ابوبکر کی خلافت کا زمانہ تھا ان کی وفات ہوئی، اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ یہ اپنے غسل خانے میں مردہ پائے گئے۔ دیکھا گیا تو ان کا تمام جسم سبز ہو چکا تھا۔ تمام لوگ ان کی موت کی وجہ معلوم نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ ایک کہنے والی آواز لوگوں کے کان میں آئی جو یہ کہہ رہا تھا اور کسی کو دکھائی نہیں دیتا تھا۔

نحن قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادۃ ورمینا بسھمین فلم نخط فؤادہ

(یعنی ہم نے خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا اور ہم نے دو تیر ان کے قلب پر چلائے کہ نشانہ خطا نہ گیا۔)

اس وجہ سے مشہور ہو گیا کہ کسی جن نے ان کو قتل کیا۔

(۳۱۴) سعید بن الربیع: — یہ سعید بن الربیع انصار کے قبیلۂ خزرج میں سے ہیں، جنگ احد میں شہید ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان میں اور عبد الرحمٰن بن عوف میں بھائی چارہ کا تعلق قائم کرایا تھا، یہ اور خارجہ بن زید ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے۔

(۳۱۵) سعید بن الاطول: — یہ سعید ہیں اطول کے بیٹے قبیلۂ جہینہ سے ہیں، ان کو آنحضور کی صحبت حاصل ہوئی۔ ان سے ان کے بیٹے عبد اللہ اور ابو نضرہ روایت کرتے ہیں۔

(۳۱۶) سعید بن زید: — یہ سعید زید کے بیٹے ہیں، ان کی کنیت ابو اعور ہے، عدوی قریشی ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں شروع ہی میں شرف اسلام حاصل کیا اور تمام غزوات میں سوائے غزوۂ بدر کے آنحضور کے ساتھ شرکت کی کیونکہ یہ سعید بن زید طلحہ بن عبد اللہ کے ساتھ تھے جو قریش کے غلہ والے قافلہ کی کھوج لگانے کے لئے مقرر کئے گئے تھے، آنحضرت ﷺ نے غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا تھا

اور حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ ان کے نکاح میں تھیں، اور یہی وہ فاطمہ ہیں جن کی وجہ سے عمرؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان کا رنگ گندمی اور قد لمبا تھا ان کے بدن پر بال زیادہ تھے ۵۱ھ میں مقام عتیق میں وفات پائی اور وہاں سے مدینہ لائے گئے، اور جنت البقیع میں دفن ہوئے، کچھ اوپر ستر سال کی عمر پائی۔ ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

(۳۱۷) سعید بن حریث: — یہ سعید بن حریث قریشی مخزومی ہیں۔ فتح مکہ میں آنحضور کے ساتھ شریک تھے۔ اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی پھر کوفہ میں اقامت گزیں ہوئے اور وہیں انتقال ہوا اور وہیں ان کی قبر ہے، حافظ ابن عبد البر نے کہا کہ ان کی قبر جزیرہ میں ہے اور انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ ان سے ان کے بھائی عمرو روایت کرتے ہیں۔

(۳۱۸) سعید بن العاص: — یہ سعید بن العاص قریشی ہیں ہجرت والے سال میں ان کی پیدائش ہوئی۔ قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ جن صحابہ کرام نے حضرت عثمان کے حکم سے قرآن کی کتابت کی ان میں سے ایک یہ بھی ہیں حضرت عثمان نے ان کو کوفہ کا گورنر بنایا تھا اور انہوں نے اہل طبرستان سے جنگ کی اور اس میں فتحیاب ہوئے ۹ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۳۱۹) سعید بن زید: — یہ سعید سعد بن عبادہ کے بیٹے ہیں۔ انصاری ہیں کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ کی صحبت سے مشرف ہوئے اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور ان کے بیٹے شرجیل اور ابوامامہ بن سہل ان سے روایت کرتے ہیں۔ واقدی وغیرہ نے کہا ہے کہ ان کا صحابی ہونا صحیح ہے حضرت علیؓ کی جانب سے یمن کے گورنر تھے۔

(۳۲۰) سبرہ بن معبد: — یہ سبرہ بن معبد جہنی ہیں اور مدینہ کے رہنے والے ہیں، ان سے ان کے بیٹے "ربیع" روایت کرتے ہیں، ان کا شمار مصر کے محدثین میں ہوتا ہے، سبرہ میں سین مفتوح اور باء ساکن ہے۔

(۳۲۱) سہل بن سعد: — یہ سہل بن سعد ساعدی انصاری ہیں اور ابوعباس ان کی کنیت ہے، ان کا نام "حزن" تھا۔ لیکن پھر رسول اللہ نے سہل رکھ دیا جب حضور نے وفات پائی تو ان کی عمر پندرہ سال کی تھی سہل نے مدینہ میں ۹۱ھ میں انتقال فرمایا اور بعضوں نے ۸۸ھ بیان کیا، یہ سب سے آخری صحابی ہیں جن کا انتقال مدینہ میں ہوا۔ ان سے ان کے بیٹے عباس اور زہری اور ابوحازم روایت کرتے ہیں۔

(۳۲۲) سہل بن ابی حثمہ: — یہ سہل بن ابی حثمہ ہیں اور ابومحمد ان کی کنیت ہے اور انہی کو ابوعمارہ انصاری اوسی کہا جاتا ہے ۳ھ میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں اقامت گزیں ہوئے اور مدینہ والوں میں ان کا شمار ہوتا ہے اور مدینہ ہی میں مصعب بن زبیر کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوا۔ ایک بڑا گروہ ان سے روایت حدیث کرتا ہے۔

(۳۲۳) سہیل بن حنیف انصاری: — یہ سہل بن حنیف انصاری اوسی ہیں یہ جنگ "بدر" "احد" اور تمام غزوات میں شریک ہوئے جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے اور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت علی کے ساتھی اور ہمنشین رہے، ان کو حضرت علیؓ نے مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور اس کے بعد حاکم فارس بنا دیا ان سے ان کے بیٹے ابوامامہ وغیرہ روایت حدیث کرتے ہیں، ۳۸ھ میں کوفہ میں انتقال ہوا۔

(۳۲۴) سہل بن بیضاء: — یہ سہل بن بیضاء ہیں اور ان ہی کے بھائی سہیل تھے، بیضاء ان دونوں کی ماں تھی کہ جس کا نام "دعد" تھا۔ اور ان کے باپ "وہب بن ربیعہ" تھے اور سہل ان مسلمانوں میں سے ہیں کہ جن کا اسلام مکہ میں ظاہر ہوا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مکہ میں اپنے اسلام کو چھپاتے تھے مشرکین کے ساتھ بدر میں پہنچے، اسی زمانہ میں ایک دن گرفتار کر لئے گئے تو عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کے متعلق گواہی دی کہ میں نے ان کو مکہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے تو یہ چھوڑ دیئے گئے پھر مدینہ ہی میں ان کی وفات ہوئی اور آنحضرت

نے ان کی اور ان کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھائی، دونوں بھائیوں کا ذکر نماز جنازہ کے بیان میں آیا ہے۔

(۳۲۵) **سہل بن الحنظلیہ:** - یہ سہل بن حنظلیہ ہیں ان کے دادا کی والدہ کا نام تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی والدہ کا نام ان ہی کی جانب یہ منسوب ہوتے ہیں اور اسی نام سے متعارف ہیں، ان کے باپ کا نام ربیع بن عمرو تھا اور سہل ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی، بڑے فاضل تھے اور نہایت خلوت پسند ذکر و نماز میں بے حد مشغول و منہمک ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی اور ملک شام میں سکونت تھی اور انتقال امیر معاویہ کے شروع خلافت کے زمانہ میں دمشق میں ہوا۔

(۳۲۶) **سہیل بن عمرو:** - یہ سہیل بن عمرو قرشی عامری ابوجندل کے والد تھے۔ قریش کے معزز لوگوں میں سے تھے جنگ بدر میں بحالت کفر گرفتار ہوئے، قبیلہ قریش کے خطیب بھی تھے اس لئے حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ان کے دانت نکلوا ڈالئے کہ آئندہ کبھی آپ (ﷺ) کے خلاف خطبہ نہ دے سکیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چھوڑو جی شاید یہ کبھی ایسے مرتبہ پر پہنچیں کہ جس کی تم بھی تعریف کرو، اور یہی "صلح حدیبیہ" میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب لوگوں نے مکہ میں اختلاف کیا اور جس نے مرتد ہونا تھا وہ مرتد ہوا تو اس وقت یہی سہیل خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور لوگوں کو تسلی و تشفی دی اور اس ارتداد و اختلاف سے لوگوں کو روکا ۱۸ھ میں طاعون عمو اس میں ان کا انتقال ہوا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "یرموک" میں قتل کئے گئے، ایک دوسرے نسخہ میں انہی سہیل بن عمرو کے بارہ میں حافظ ابن عبدالبر سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت عمر کے دروازہ کو گھیر لیا جن میں سہیل بن عمرو ابوسفیان بن حرب بھی تھے اور یہ لوگ قریش کے معززین میں سے تھے۔ حضرت عمرؓ کی طرف سے اجازت دینے کے لئے ایک جوان نکلا جو سب سے پہلے بدریوں کو اجازت داخلہ کی دے رہا تھا جیسے صہیب رومی حضرت بلال حبشی اس پر ابوسفیان نے کہا کہ میں نے آج کے دن جیسا معاملہ کبھی نہیں دیکھا کہ غلاموں کو تو اجازت دی جا رہی ہے اور ہم شرفاء بیٹھے ہیں، ہماری طرف توجہ بھی نہیں کی جاتی اس پر یہ سہیل بولے "اے لوگ! بخدا میں اس کراہت کو جو تمہارے چہروں میں سے محسوس کر رہا ہوں اگر تم غضب ناک ہو تو اپنے نفس پر غصہ کرو کیونکہ سب لوگوں کو دعوت اسلام دی گئی تھی ان کے ساتھ تم کو بھی دی گئی تھی لیکن دوسرے لوگ اسلام میں جلدی آپہنچے، تم نے آنے میں دیر کی کان کھول کر سن لو یقیناً وہ شرف اور فضیلت کہ جس میں یہ غلام تم سے سبقت لے گئے (فضیلت اسلام) زیادہ بھاری ہے قوت کے لحاظ سے تمہارے اس دروازے سے جس کے بارہ میں تم آپس میں جھگڑ رہے ہو" اس کے بعد فرمایا "اے لوگو) یہ غلام تم سے اس فضیلت اسلام میں آگے نکل گئے، اب تمہارے لئے کوئی راستہ اس فضیلت کی طرف نہیں ہے جس میں وہ تم سے آگے نکل گئے ہیں۔ اب اس جہاد کا خیال رکھو اور اس کو اپنے لئے ضروری خیال کرو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو شہادت کا درجہ نصیب فرمائے اور تم سرخ روئی کے ساتھ خدا سے جلد جا ملو پھر کپڑے جھاڑ کر کھڑے ہوگئے اور ملک شام تک چلے گئے حسن نے فرمایا اس مرد پر تعجب ہے کہ وہ کس قدر عقل مند ہے اور اپنے قول میں سچا ہے، قسم ہے خدا کی ہرگز اللہ تعالیٰ اس بندہ کو جو اس کی طرف جلد پہنچا ہے اس بندہ کی طرح نہیں بنائے گا، جو اس کے پاس دیر میں پہنچا ہے۔

(۳۲۷) **سہیل بن بیضاء:** - یہ سہیل بن بیضاء قرشی ہیں، ان کے نسب کا پورا ذکر ان کے بھائی سہل کے ذکر میں گزر گیا ابتدا ہی میں مسلمان ہوئے حبشہ کی دوبارہ ہجرت کی بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے ان سے عبداللہ بن انیس اور انس بن مالک روایت کرتے ہیں۔ ان کا انتقال ۹ھ میں جب کہ حضور ﷺ زندہ تھے اور تبوک سے واپس تشریف لائے تب ہوا، اپنے پیچھے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

(۳۲۸) **سمرہ بن جندب:** - یہ سمرہ بن جندب الفزاری ہیں یہ قبیلہ انصار کے حلیف تھے، حافظ تھے اور رسول اللہ سے بہت روایت کرتے تھے اور ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے بصرہ میں ۵۹ھ کے آخیر میں انتقال ہوا۔

(۳۲۹) **سلیمان بن صرد:** — یہ سلیمان بن صرد ہیں ان کی کنیت ابوالمطرف ہے، خزاعی تھے بہت ہی اچھے فاضل اور عابد آدمی تھے جب سے مسلمان کوفہ میں داخل ہوئے، یہ اسی وقت سے کوفہ میں رہنے لگے تھے ان کی عمر ۹۳ سال کی ہوئی صرد صاد مہملہ کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

(۳۳۰) **سلیمان بن بریدہ:** — یہ سلیمان بن بریدہ اسلمی ہیں یہ اپنے باپ اور عمران بن حصین سے روایت کرتے ہیں اور ان سے علقمہ وغیرہ ۱۰۵ھ میں وفات ہوئی۔

(۳۳۱) **سلمہ بن اکوع:** — یہ سلمہ بن اکوع ہیں ان کی کنیت ابومسلم ہے، اسلمی مدنی ہیں اور درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے ہیں۔ پیدل جنگ کرنے والوں میں سب سے زیادہ بہادر اور قوی تھے ۷۴ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا اس وقت اسی سال کی عمر تھی۔ ان سے بہت لوگ روایت کرتے ہیں۔

(۳۳۲) **سلمہ بن ہشام:** — یہ قرشی مخزومی مہاجرین حبشہ میں سے ہیں، اچھے اور صاحب فضل صحابی ہیں اور یہ ابوجہل کے بھائی تھے شروع زمانہ میں اسلام لے آئے تھے اور اللہ کی راہ میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں اور مکہ میں نظر بند کئے گئے، رسول اللہ ﷺ جن کمزور اور ضعیفوں کے لئے قنوت میں دعا فرماتے تھے اس میں ان کو بھی شریک فرماتے تھے، یہ مکہ میں قید ہونے کی وجہ سے جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے ۱۴ھ میں جب کہ حضرت عمرؓ کی خلافت تھی "جنگ مرج الصفر" میں قتل ہوئے۔

(۳۳۳) **سلمۃ بن صخر:** — یہ سلمہ ہیں صخر انصاری بیاضی ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان کا نام سلیمان تھا، یہی وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے بعد جماع کر لیا تھا۔ رونے اور گریہ کرنے والوں میں سے یہ بھی تھے، ان سے سلمان بن یسار اور ابن مسیب روایت کرتے ہیں، بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ ان کی روایت معتبر نہیں ہے۔

(۳۳۴) **سلمۃ بن المحبق:** — یہ سلمہ بن محبق ہیں ابوسنان ان کی کنیت ہے محبق کا نام صخر بن عتبہ الہذلی تھا بصریوں میں سے سمجھے جاتے ہیں محبق میں میم کا پیش حاء مہملہ کا فتحہ بائے موحدہ کا کسرہ ہے اور مشدد ہے آخر میں قاف ہے اصحاب حدیث باء پر فتحہ دیتے ہیں۔

(۳۳۵) **سلمۃ بن قیس:** — یہ سلمہ بن قیس اشجعی ہیں۔ ابوعاصم ان کو شامی کہتے ہیں اور کوفہ کے رہنے والوں میں ان کا شمار ہوتا ہے بلال بن یساف وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۳۳۶) **سلمان فارسی:** — یہ سلمان فارسی ہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے رسول اللہ کے آزاد کردہ ہیں، فارسی الاصل رامہرمز کے رہنے والوں میں سے ہیں، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اصفہان کے مضافات میں ایک گاؤں "جی" نامی ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔ دین کی طلب میں سفر کیا۔ اور سب سے پہلے نصرانی مذہب اختیار کیا اور ان کی کتابیں دیکھیں اور اسی دین پر پے در پے مشقتیں برداشت کرتے ہوئے رکے رہے، پھر قوم عرب نے ان کو گرفتار کر لیا اور یہودیوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا، پھر انہوں نے یہودیوں سے مکاتبت کر لی تو رسول اللہ ﷺ نے بدل کتابت میں ان کی مدد فرمائی کہا جاتا ہے کہ یہ سلمان فارسی آنحضور کے پاس جب آپ ﷺ مدینہ آئے کچھ اوپر دس آقاؤں کے غلام رہ کر پہنچے تب مسلمان ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا، سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں، اور یہ بھی انہی میں سے ہیں کہ جن کے قدوم کی جنت الفردوس متمنی ہے، ان کی عمر بہت زیادہ ہوئی کہا جاتا کہ اڑھائی سو سال اور بعض روایتوں میں ہے، ساڑھے تین سو سال کی عمر ہوئی لیکن پہلا قول صحیح ہے، اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے اور وظیفہ کو صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ ان کی بہت سی تعریفیں اور فضائل کا ذخیرہ ہے آنحضرت ﷺ سے ان کی تعریف میں متعدد احادیث منقول ہیں ۳۵ھ میں شہر مدائن میں انتقال ہوا۔

ابو ہریرہ اور انس وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۳۳۷) **سلمان بن عامر:** — یہ سلیمان بن عامر ضبی ہیں ان کو بصریوں میں شمار کیا جاتا ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ صحابہ میں سے روایت کرنے والوں میں ان کے علاوہ کوئی ضبی نہیں ہے۔

(۳۳۸) **سفینہ:** — یہ سفینہ ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ام سلمہ زوجہ محترمہ نبی کریم ﷺ نے ان کو آزاد کیا تھا اور تاحیات ان سے نبی کریم ﷺ کی خدمت کا عہد لیا تھا، کہتے ہیں کہ سفینہ ان کا لقب تھا اور ان کے نام کے بارہ میں اختلاف ہے بعض نے ریاح کہا ہے اور بعض نے مہران اور بعض نے رومان، عربی النسل تھے بعض نے فارسی الاصل کہا ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلعم ایک سفر میں تھے پس جب کوئی تھک جاتا تو وہ اپنی تلوار ڈھال نیزہ ان پر ڈال دیتا یہاں تک کہ ان پر بہت سی چیزیں لادی گئیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ باربرداری کے حق میں تو سفینہ (یعنی کشتی) ہے۔ ان سے ان کے بیٹے عبدالرحمن، محمد زیادہ اور کثیر روایت کرتے ہیں۔

(۳۳۹) **سالم بن معقل:** — یہ سالم بن معقل ہیں جو آزاد کردہ ہیں ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ کے فارس اصطرخ کے رہنے والوں میں سے تھے، آزاد کردہ لوگوں میں بڑے فاضل و افضل واکرم صحابہ میں سے تھے، ان کا شمار خاص قراء میں کیا جاتا تھا۔ اس لئے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ چار آدمیوں سے قرآن سیکھو، ابن ام عبد سے، ابی بن کعب سے سالم بن معقل یعنی مولی ابی حذیفہ سے اور معاذ بن جبل سے یہ بدر میں شریک ہوئے ہیں، ان سے ثابت بن قیس اور ابن عمرو غیرہ روایت کرتے ہیں۔

(۳۴۰) **سالم بن عبید:** — یہ سالم بن عبید اشجعی ہیں اہل صفہ میں سے تھے ان کو اہل کوفہ میں سمجھا جاتا ہے ان سے بلال بن یساف روایت کرتے ہیں۔ یساف دو نقطوں والی یاء کے فتحہ کے ساتھ ہیں "س" مہملہ پر تشدید نہیں ہے آخر میں فاء ہے۔

(۳۴۱) **سراقہ بن مالک:** — یہ سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کنانی ہیں "قدید" میں آتے جاتے تھے اور اہل مدینہ میں شمار کئے جاتے تھے، ایک بڑی جماعت ان سے روایت کرتی ہے۔ بڑے اونچے درجہ کے شاعروں میں سے تھے ۲۴ھ میں وفات ہوئی۔

(۳۴۲) **سفیان بن اسید:** — یہ سفیان بن اسید الحضرمی الشامی ہیں، جبیر بن نفیر نے ان سے حمص والوں کے بارہ میں روایت کی ہے۔ اسید اکثر کے نزدیک فتح ہمزہ اور کسرہ سین کے ساتھ ہے اور روایت کے مطابق ہمزہ اور فتح سین کے ساتھ اور تیسرے قول کے مطابق فتح ہمزہ اور فتح سین کے ساتھ بغیر یاء کے یعنی اسدہ

(۳۴۳) **سفیان بن عبداللہ:** — یہ سفیان بن عبداللہ بن زمعہ ہیں۔ ان کی کنیت ابو عمرو ثقفی ہے۔ اہل طائف میں ان کا شمار ہے، صحابی تھے اور طائف میں حضرت عمر کی جانب سے حاکم تھے۔

(۳۴۴) **سفیان بن ابی زہیر:** — یہ سفیان ہیں ابی زہیر کے بیٹے ازدی ہیں، قبیلۂ شنوئی کے رہنے والے حجازیوں میں ان کی حدیث مروج ہے۔ ابن الزبیر وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۳۴۵) **سخبرۃ:** — یہ سخبرہ ہیں اور ان کی کنیت ابوعبداللہ ازدی ہے ان سے ان کے بیٹے عبداللہ روایت کرتے ہیں، ان کی ایک روایت کتاب العلم میں ہے، سخبرہ میں سین پر فتحہ اور خاء معجمہ ساکن اور باء موحدہ مفتوح ہے۔

(۳۴۶) **السائب بن یزید:** — یہ سائب بن یزید ہیں اور ان کی کنیت ابویزید کندی ہے ۲ھ میں پیدا ہوئے اور جب کہ ان کی عمر

سات سال کی تھی اپنے والد ماجد کے ہمراہ حجۃ الوداع میں حاضر ہوئے ان سے زہری اور محمد بن یوسف روایت کرتے ہیں۔ ۸۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۳۴۷) السائب بن خلاد: — یہ سائب بن خالد ہیں اور ان کی کنیت ابو سہلہ ہے، انصاری خزرجی تھے۔ ۹۱ھ میں وفات ہوئی۔ ان سے ابن خلاد اور عطاء بن یسار روایت کرتے ہیں۔

(۳۴۸) سوید بن قیس: — یہ سوید بن قیس ہیں اور ان کی کنیت ابو صفوان ہے ان سے سماک بن حرب روایت کرتے ہیں اور ان کو کوفیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

(۳۴۹) ابو سیف القین: — یہ ابو سیف القین ہیں آنحضورؐ کے صاحبزادہ ابراہیم کے رضاعی باپ تھے۔ اور ان کا نام براء بن اوس انصاری ہے، یہ اپنی کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں اور ان کی بیوی ام بردہ ہیں جنہوں نے ابراہیمؑ کو دودھ پلایا تھا۔

(۳۵۰) ابو سعید سعد بن مالک: — یہ ابو سعید سعد بن مالک انصاری خدری ہیں، اپنی کنیت کے ساتھ ہی مشہور ہوگئے حافظ حدیث اور صاحب فضل و عقل علماء میں سے تھے۔ احادیث کی بہت روایت کرتے ہیں، صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت ان سے روایت حدیث کرتی ہے ۷۴ھ میں انتقال کیا اور جنت البقیع میں سپرد خاک کئے گئے۔ ۸۴ برس کی عمر پائی۔ خدرہ خاء معجمہ کے ضمہ اور دال مہملہ کے سکون کے ساتھ ہے۔

(۳۵۱) ابو سعید بن المعلی: — یہ ابو سعید حارث بن معلی انصاری زرقی ہیں۔ جب کہ ان کی چونسٹھ برس کی عمر تھی تو انہوں نے ۷۴ھ میں وفات پائی۔

(۳۵۲) ابو سعید بن ابی فضالہ: — یہ ابو سعید بن ابی فضالہ حارثی انصاری ہیں ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے اہل مدینہ میں شمار کئے جاتے ہیں ان کی حدیث حمید بن جعفر سے مروی ہے جو اپنے باپ سے اور وہ زیاد بن مینا سے روایت کرتے ہیں "مینا" میم کے کسرہ اور دو نقطوں والی یاء کے سکون کے ساتھ ہے۔ پھر نون ہے مد کے ساتھ بھی ہے اور بلامد کے بھی۔

(۳۵۳) ابو سلمہ: — یہ ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد کے بیٹے مخزومی قرشی آنحضرت ﷺ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں۔ ان کی والدہ "برہ" عبدالمطلب کی بیٹی تھیں اور حضور سے پہلے یہ ام سلمہ کے شوہر تھے دس آدمیوں کے بعد یہ اسلام لائے۔ تمام غزوات میں شریک رہے یہاں تک کہ ۴ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا اور ان کی کنیت بھی نام سے زیادہ مشہور ہے۔

(۳۵۴) ابو سفیان بن حرب: — یہ ابو سفیان بن صخر بن حرب بنو امیہ میں سے قرشی ہیں۔ حضرت معاویہؓ کے والد ہیں، عام فیل سے دس برس پہلے پیدا ہوئے، اسلام سے پہلے قریش کے معزز سرداروں میں سمجھے جاتے تھے اور قریش کے سرداروں کا جھنڈا انہیں کے پاس رہتا تھا فتح مکہ کے دن اسلام لائے یہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کے دل میں اسلام کی محبت قائم کرنے کے لئے ان کے ساتھ خاص سلوک کیا جاتا تھا، اسلام میں تالیف قلب کی گئی، غزوہ حنین میں انہوں نے شرکت کی اور آنحضور نے وہاں کے مال غنیمت میں سے ان کو بھی مؤلفۃ القلوب میں داخل رکھتے ہوئے سو اونٹ اور چالیس اوقیہ عطا فرمائے، غزوہ طائف میں ان کی ایک آنکھ پھوٹ گئی پھر یہ جنگ یرموک تک یک چشم ہی رہے یرموک میں ان کی دوسری آنکھ پر پتھر کی ضرب آئی اور بالکل نابینا ہو گئے ان سے عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں ۳۴ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

(۳۵۵) ابو سفیان بن حارث: — یہ ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے اور دودھ شریک

بھائی ہیں وہ اس لئے کہ حلیمہ سعدیہ نے ان کو بھی دودھ پلایا تھا، ایک جماعت کہتی ہے کہ ان کا نام مغیرہ تھا اور دوسری جماعت کا خیال تھا کہ نہیں بلکہ نام ان کی کنیت ہی تھی۔ اور مغیرہ تو ان کے بھائی تھے ان شعراء میں سے ہیں جن کے نقش قدم پر دوسرے چلتے تھے اور انہوں نے پہلے رسول اللہ ﷺ کی ہجو کی تھی کہ جس کا جواب حسان بن ثابت نے دیا تھا پھر اسلام لائے اور اس شان سے کہ رسول اللہ کے سامنے حیاو شرم کی وجہ سے کبھی سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی، یہ فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، ان کے اسلام لانے کا واقعہ عجیب وغریب ہے، حضرت علی نے ان سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر ہو اور ان سے وہ کہو کہ جو یوسف علیہ السلام کے مجرم بھائیوں نے یوسف علیہ السلام سے کہا تھا۔ تاللّٰہ لقد اثرک اللّٰہ علینا یعنی خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہم پر ترجیح دی اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہم مجرم اور گنہ گار ہیں تو ابوسفیان نے ایسا ہی کیا رسول اللہ صلعم نے یہ سن کر فرمایا لا تثریب علیکم الیوم الخ یعنی آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم والے ہیں آنحضور نے ان کی یہ توبہ قبول فرمائی اور یہ اسلام لائے، ان کی موت کا یہ سبب ہوا کہ انہوں نے حج کیا اور جب نائی نے ان کا سر مونڈا تو ایک مساجو ان کے سر میں تھا کاٹ دیا اسی وجہ سے یہ تکلیف میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ حج سے واپسی کے بعد ۲۰ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا اور عقیل بن ابی طالبؓ کے مکان میں دفن ہوئے حضرت عمرؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(۳۵۶) ابوالسمح: — یہ ابوالسمح ہیں اور ان کا نام ایاد تھا آنحضور کے خادم تھے اور بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں "ایاد" کسرہ ہمزہ اور تخفیف یاء کے ساتھ ہے ان کے انتقال کا مقام معلوم نہیں۔

(۳۵۷) ابوسہلہ: — یہ ابوسہلہ سائب ہیں جو خلاد کے بیٹے ہیں ان کا تذکرہ اس سے پہلے اسی حرف میں آچکا ہے۔

تابعین

(۳۵۸) سعید بن المسیب: — یہ سعید بن مسیب ہیں اور ان کی کنیت ابومحمد ہے قریشی مخزومی مدنی ہیں، جب حضرت عمرؓ کی خلافت کو دو سال گزر گئے تھے تو یہ پیدا ہوئے اور ان تابعین سرداروں میں سے تھے کہ جو نقش اول (یعنی صحابہ کی طرز زندگی) پر گامزن تھے۔ وہ فقہ وحدیث زہد وعبادت اور تقویٰ وطہارت کے جامع تھے ان چیزوں کو دیکھنے کے لئے ان ہی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور ان ہی کو مخصوص کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی احادیث اور عمرؓ کے فیصلوں کے سبب سے بڑے عالم تھے، صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے انہوں نے ملاقات کی اور ان سب سے انہوں نے روایت کی ہیں اور ان سے زہری اور بہت سے تابعین نے، مکحول کا بیان ہے کہ میں نے طلب علم میں تمام روئے زمین کو چھان مارا لیکن ابن مسیب سے بڑا عالم اور فقیہ کوئی دکھائی نہیں دیا اور خود ابن مسیب کہتے تھے کہ میں نے چالیس حج کئے ہیں ۹۳ھ میں انتقال ہوا۔

(۳۵۹) سعید بن عبدالعزیز: — یہ سعید بن عبدالعزیز تنوخی دمشقی ہیں۔ اوزاعی کے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی اہل شام کے فقیہوں میں ان کا شمار تھا۔ احمد کا بیان ہے کہ ملک شام میں سعید بن عبدالعزیز اور اوزاعی سے زیادہ کسی کی حدیثیں صحیح نہیں اور کہتے تھے کہ ان میں اور اوزاعی میں میرے نزدیک کوئی فرق نہیں اور سعید بہت زیادہ رویا کرتے تھے ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ جب بھی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو ہمیشہ دوزخ متشکل ہو کر میرے سامنے لائی جاتی ہے، نسائی کا کہنا ہے کہ یہ ثقہ اور جماد والے ہیں یہ مکحول اور زہری سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ثوری ۱۶۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اور ان کی عمر اوپر ستر سال کی ہوئی۔

(۳۶۰) سعید بن ابی الحسن: — یہ سعید بن ابی الحسن ہیں اور ان کا نام یسار ہے بصرہ کے رہنے والے اور تابعی ہیں، یہ ابن عباس اور

ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے قتادہ و عون ۱۰۹ھ میں اپنے بھائی سے ایک سال پہلے ان کا انتقال ہوا۔

(۳۶۶۱) سعید بن حارث: — یہ سعید بن حارث بن معلی انصاری حجازی ہیں مدینہ کے قاضی اور بڑے مشہور تابعین میں سے ہیں انہوں نے ابن عمر، ابو سعید و جابر سے۔ اور ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے۔

(۳۶۶۲) سعید بن ابی ہند: — یہ سعید بن ابی ہند سمرہ کے آزاد کردہ ہیں اور ابوموسیٰؓ اشعری اور ابوہریرہؓ و ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ اور نافع بن عرم الحجمی مشہور ثقہ ہیں۔

(۳۶۶۳) سعید بن جبیر: — یہ سعید بن جبیر اسدی کوفی ہیں جلیل القدر تابعین میں سے ایک یہ بھی ہیں۔ انہوں نے ابو مسعود ابن عباس اور ابن عمر اور ابن زبیر و انسؓ سے علم حاصل کیا اور ان سے بہت لوگوں نے، ماہ شعبان ۹۵ھ میں جب کہ ان کی عمر انچاس سال کی تھی، حجاج بن یوسف نے ان کو قتل کرایا اور خود حجاج رمضان میں مرا اور بعض کے نزدیک اسی سال شوال میں اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ان کے شہادت کے چھ ماہ بعد مرا ان کے بعد حجاج کسی کے قتل پر قادر نہیں ہوا، کیونکہ سعید نے حجاج پر بددعا کی تھی جب کہ حجاج ان سے مخاطب ہو کر بولا کہ بتاؤ کہ تم کو کس طرح قتل کیا جائے، میں تم کو اسی طرح قتل کرونگا سعید بولے کہ اے حجاج تو اپنا قتل ہونا جس طرح چاہے وہ بتلا اس لئے کہ خدا کی قسم جس طرح تو مجھ کو قتل کرے گا اسی طرح آخرت میں میں تجھ کو قتل کرونگا، حجاج بولا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو معاف کردوں بولے کہ اگر عفو واقع ہوا تو وہ اللہ کی طرف سے ہوگا، اور رہا تو تو اس میں تیرے لئے کوئی برائت و عذر نہیں۔ حجاج یہ سن کر بولا کہ ان کو لے جاؤ اور قتل کرڈالو، پس جب ان کو دروازہ سے باہر نکالا تو یہ ہنس پڑے، ان کی اطلاع حجاج کو پہنچائی گئی تو حکم دیا کہ ان کو واپس لاؤ لہٰذا واپس لایا گیا تو اس نے پوچھا کہ اب ہنسنے کا کیا سبب تھا بولے کہ مجھ کو اللہ کے مقابلے میں تیری بیباکی اور اللہ تعالیٰ کی تیرے مقابل میں حلم و بردباری پر تعجب ہوتا ہے حجاج نے یہ سن کر حکم دیا کہ کھال بچھائی جائے۔ تو بچھائی گئی۔ پھر حکم دیا کہ ان کو قتل کردیا جائے، اس کے بعد سعید نے فرمایا کہ وجهت وجهي للذي فطر السموت والارض حنيفا وما انا من المشركين۔ یعنی میں نے اپنا رخ سب سے موڑ کر اس خدا کی طرف کرلیا ہے جو خالق آسمان و زمین ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، حجاج نے یہ سن کر حکم دیا کہ ان کو قبلہ کی مخالف سمت کر کے مضبوط باندھ دیا جائے، سعید نے فرمایا فاينما تولوا فثم وجه الله جس طرف کو بھی تم رخ کرو گے اسی طرف اللہ ہے، اب حجاج نے حکم دیا سر کے بل اوندھا کردیا جائے سعید نے فرمایا منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى حجاج نے یہ سن کر حکم دیا اس کو ذبح کردو، سعید نے فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں اور حجت پیش کرتا ہوں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کی کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں یہ (حجت ایمان) میری طرف سے سنبھال یہاں تک کہ تو مجھ سے قیامت کے دن ملے پھر سعید نے دعا کی کہ اے اللہ حجاج کو میرے بعد کسی کے قتل پر قادر نہ کر، اس کے بعد کھال پر ان کو ذبح کردیا گیا، کہتے ہیں کہ حجاج ان کے قتل کے بعد پندرہ راتیں اور جیا اس کے بعد حجاج کے پیٹ میں کیڑوں کی بیماری پیدا ہوگئی، حجاج نے حکیم کو بلوایا تاکہ معاینہ کرے۔ حکیم نے گوشت کا ایک سڑا ہوا ٹکڑا منگوایا اور اس کو دھاگے میں پرو کر اس کے گلے سے اتارا اور کچھ دیر تک چھوڑے رکھا، اس کے بعد حکیم نے اس کو نکالا تو دیکھا کہ خون سے بھرا ہوا ہے، حکیم یہ سمجھ گیا کہ اب یہ بچنے والا نہیں، حجاج اپنی بقیہ زندگی میں چیختا رہتا تھا کہ مجھے اور سعید کو کیا ہوگیا کہ جب میں سوتا ہوں تو میرا پاؤں پکڑ کر ہلا دیتا ہے، سعید بن جبیر عراق کی کھلی آبادی میں دفن کئے گئے۔ اور ان کی قبر وہاں زیارت گاہ ہے۔

(۳۶۶۴) سعید بن ابراہیم: — یہ سعید بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف زہری قرشی قاضی مدینہ اور مدینہ کے فضلاء اور اکابر تابعین میں سے ہیں انہوں نے اپنے والد اور ان کے علاوہ لوگوں سے سماعت حدیث کی ہے ۱۳۵ھ میں ان کا انتقال ہوا جب کہ ان کی عمر بہتر سال کی تھی۔

(۳۶۵) سعید بن ہشام: — یہ سعید بن ہشام انصاری ہیں اونچے درجہ کے تابعین میں سے ہیں انہوں نے حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سے سنا اور ان سے حسن روایت کرتے ہیں اور ان کی حدیث اہل بصرہ میں پائی جاتی ہے۔

(۳۶۶) سفیان بن دینار: — یہ سفیان بن دینار خرمافروش کوفی ہیں، سعید بن جبیر اور مصعب بن سعد سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن مبارک وغیرہ حضرت معاویہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور آنحضرت کے مزار مبارک کی زیارت ان کو نصیب ہوئی۔

(۳۶۷) سفیان ثوری: — یہ سفیان بن سعید ثوری کوفی امام المسلمین ہیں اور مخلوق پر اللہ کی حجت کاملہ ہیں اپنے زمانہ میں فقہ اور اجتہاد کے جامع تھے حدیث کے بڑے عالم اور زاہد وعابد اور متقی اور ثقہ تھے اور خصوصاً علم حدیث وغیرہ علوم کے مرجع تھے تمام لوگ ان کی دین داری، زہد پرہیزگاری اور ثقہ ہونے پر متفق ہیں اور کوئی بھی ایسا نہیں کہ جو اس میں اختلاف کرتا ہو ائمہ مجتہدین میں سے ایک یہ بھی ہیں، قطب اسلام نیز ارکان دین میں ان کا بھی شمار ہے ۹۹ھ میں سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں ان کی پیدائش ہوئی، انہوں نے ایک بڑی جماعت محدثین سے روایات حاصل کیں، ان ان سے معمر، اوزاعی، ابن جریج، مالک، شعبہ، ابن عیینہ، فضیل بن عیاض اور ان کے علاوہ بہت سے آدمی روایت کرتے ہیں، ۱۶۱ھ میں بصرہ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۳۶۸) سفیان بن عیینہ: — یہ سفیان بن عیینہ ہلالی ہیں ان کے آزاد کردہ ہیں ۱۰۷ھ میں جب کہ نصف شعبان گزر چکا تھا کوفہ میں ان کی ولادت ہوئی یہ امام تھے اور عالم تھے۔ محدثین کے نزدیک قابل اعتماد ہیں۔ حجۃ فی الحدیث زہد ومتورع تھے ان کی صحت حدیث پر سب کا اتفاق ہے، انہوں نے زہری اور اس کے علاوہ بہت سے لوگوں سے سنا اور ان سے اعمش، ثوری، شعبہ، شافعی، احمد اور ان کے علاوہ بہت سے محدثین نے روایت کی ہے، سب کا کہنا ہے کہ اگر مالک اور سفیان نہ ہوتے تو حجاز کا علم جاتا رہتا ۱۹۸ھ میں رجب کی پہلی کو مکہ میں ان کا انتقال ہوا اور حجون میں دفن کئے گئے۔ انہوں نے ستر حج کئے تھے۔

(۳۶۹) سلیمان بن حرب: — یہ سلیمان بن حرب بصری مکہ کے قاضی ہیں بصریوں کے جلیل القدر اور صاحب علم لوگوں میں سے ایک یہ بھی ہیں، ابوحاتم نے ان کے بارے میں کہا کہ یہ آئمہ میں سے تھے، تقریباً دس ہزار حدیثیں ان سے مروی ہیں، حالانکہ میں نے ان کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ اور بغداد میں میں ان کی مجلس میں حاضر ہوا تو تخمینہ کیا گیا کہ شرکاء کی تعداد چالیس ہزار تھی ۱۴۰ھ ماہ صفر میں پیدا ہوئے اور ۱۵۸ھ تک طلب حدیث میں سرگرداں رہے اور انیس سال تک حماد بن زید کی خدمت میں لگے رہے ان سے احمد وغیرہ روایت کرتے ہیں ۲۲۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۳۷۰) سلیمان بن ابی مسلم: — یہ سلیمان بن ابی مسلم احول مکی ہیں اور ابن نجیح کے ماموں ہیں، حجاز کے تابعین اور علماء میں بڑے ثقہ سمجھے جاتے ہیں، انہوں نے طاؤس اور ابوسلمہ سے سماع حدیث کیا، اور ان سے ابن عیینہ ابن جریج وشعبہ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

(۳۷۱) سلیمان بن ابی حثمہ: — یہ سلیمان بن ابی حثمہ قریشی وعدوی ہیں، مسلمانوں میں بڑے ہی فاضل اور صالح لوگوں میں ان کا شمار تھا، بڑے درجہ کے تابعین میں سمجھے جاتے تھے، ان سے ان کے بیٹے ابوبکر روایت کرتے ہیں۔

(۳۷۲) سلیمان بن مولی میمونہ: — یہ سلیمان بن مولی میمونہ ہیں اور یہ مشہور ابن یسار نہیں ہیں، تابعی ہیں۔

(۳۷۳) سلیمان بن عامر: — یہ سلیمان بن عامر کندی ہیں۔ اور یہ ربیع بن انس سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن راہویہ اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ نقل کرتے ہیں۔

(۳۷۴) **سلیمان بن ابی عبداللہ**: — یہ سلیمان بن ابی عبداللہ تابعی ہیں اور انہوں نے صحابہ مہاجرین کا زمانہ پایا ہے۔ یہ سعد بن ابی وقاص اور ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں، امام ابوداؤد نے ان کی حدیث فضائل مدینہ میں ذکر کی ہے۔

(۳۷۵) **سلیمان بن یسار**: — یہ سلیمان بن یسار ہیں ان کی کنیت ابوایوب ہے، یہ میمونہ زوجہ نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ ہیں ان کے بھائی عطاء بن یسار ہیں، اہل مدینہ سے ہیں بڑے درجہ کے تابعین میں سے ہیں، یہ فقیہہ فاضل قابل اعتماد، عابد، پرہیزگار اور حجت تھے (یعنی ان کی طرف کسی قول کا منسوب ہونا مستقل دلیل تھی) اور سات فقیہوں میں سے ایک یہ بھی ہیں ۱۰۷ھ میں ان کا انتقال ہوا، جب کہ ان کی عمر ۷۳ سال کی تھی۔

(۳۷۶) **سالم بن عبداللہ**: — یہ سالم حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب کے بیٹے ہیں، مدینہ کے فقہاء میں سے یہ بھی ہیں اور تابعین کے سرخیل اور علماء و معتمدین میں سے ہیں ۱۰۶ھ میں مدینہ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۳۷۷) **سالم بن ابی الجعد**: — یہ سالم بن ابی الجعد ہیں اور ان کا نام رافع کوفی ہے مشہور اور معتبر تابعین میں سے ہیں، ابن عمرو اور جابر و انس ؓ سے حدیث کو سنا اور ان سے منصور و اعمش روایت کرتے ہیں۔ ۹۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۳۷۸) **سیار بن سلامہ**: — یہ سیار بن سلا ہیں اور ان کی کنیت ابوالمنہال بصری تمیمی ہے۔ مشہور تابعین میں سے ہیں۔

(۳۷۹) **سماک بن حرب**: — یہ سماک بن حرب ذہلی ہیں اور ان کی کنیت ابومغیرہ ہے، جابر بن سمرۃ اور نعمان بن بشیر سے روایت کرتے ہیں اور ان سے شعبہ و زائدہ، ان سے تقریباً دو سو حدیثیں مروی ہیں اور یہ ثقہ تھے لیکن حافظہ کمزور ہو گیا تھا ان کو ابن مبارک و شعبہ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے ۱۳۲ھ میں انتقال ہوا۔

(۳۸۰) **سوید بن وہب**: — یہ سوید بن وہب ہیں اور ابن عجلان کے اساتذہ میں سے ہیں۔

(۳۸۱) **ابوالسائب**: — یہ ابوالسائب ہشام بن زہرہ کے آزاد کردہ ہیں، تابعی ہیں اور ابوہریرہ ابوسعید و مغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے علاء بن عبدالرحمن۔

(۳۸۲) **ابوسلمہ**: — یہ ابوسلمہ ہیں اپنے چچا عبداللہ بن عبدالرحمن بن عوف سے روایت کرتے ہیں۔ زہری قریشی ہیں ایک قول کے اعتبار سے مدینہ کے مشہور سات فقہاء میں سے ہیں۔ اور مشہور و صاحب علم تابعین میں سے ہیں کہا جاتا ہے کہ ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے اور ان سے زیادہ حدیثیں مروی ہیں۔ ابن عباس ابوہریرہ اور ابن عمر وغیرہ سے انہوں نے حدیث کو سنا اور ان سے زہری، یحییٰ بن کثیر، شعبی وغیرہ روایت کرتے ہیں ۹۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ جب کہ ان کی عمر بہتر سال کی تھی۔

(۳۸۳) **ابوسورہ**: — یہ ابوسورہ ہیں یہ اپنے چچا ابوایوب اور عدی بن حاتم سے روایت کرتے ہیں اور ان سے واصل بن سائب اور یحییٰ بن جابر طائی ابن معین وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے اور امام ترمذی فرماتے تھے کہ میں نے محمد بن اسماعیل کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ ابوسورہ کی احادیث غیر معروف و نامشہور ہیں۔

صحابی عورتیں

(۳۸۴) **سودۃ**: — یہ سودۃ بنت زمعہ ام المؤمنین ہیں شروع زمانہ میں اسلام لے آئیں تھیں اور وہ اپنے چچا کے بیٹے سکران بن عمرو کے

نکاح میں تھیں جب ان کے شوہر کا انتقال ہوا تو ان سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کر لیا اور ان کے ساتھ مکہ میں خلوت ہوئی یہ نکاح حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد اور حضرت عائشہ کے نکاح سے پہلے ہوا۔ انہوں نے مدینہ ہجرت فرمائی۔ جب بوڑھی ہو گئیں تو آپ ﷺ نے چاہا کہ ان کو طلاق دے دیں تو آنحضرت ﷺ سے انہوں نے درخواست کی کہ آپ ﷺ ان کو طلاق نہ دیں اور سودہ نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ کو دے دیا۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے نکاح میں رکھا۔ ماہ شوال ۵۴ھ میں مدینہ میں انتقال کیا۔

(۳۸۵) ام سلمہ: - یہ ام سلمہ ام المؤمنین ہند بنت ابی امیہ ہیں جناب رسول کریم ﷺ سے پہلے ابو سلمہ کے نکاح میں تھیں۔ جب ابو سلمہ ۴ھ یا ۳ھ میں انتقال کر گئے تو انہوں نے آنحضور سے اسی سال کہ جس میں ابو سلمہ کا انتقال ہوا تھا جب کہ ماہ شوال کی کچھ راتیں باقی رہ گئیں تھیں نکاح کر لیا۔ پھر ۵۹ھ میں ان کا انتقال ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں، اس کی عمر چوراسی برس کی تھی، ان سے ابن عباس، حضرت عائشہ اور زینب ان کی بیٹی اور ان کے بیٹے، اور ابن المسیب اور صحابہ وتابعین کی ایک بڑی جماعت روایت کرتی ہے۔

(۳۸۶) ام سلیم: - یہ ام سلیم ملحان کی بیٹی ہیں۔ اور ان کے نام میں اختلاف ہے، باقوال مختلفہ سہلہ اور رُملہ اور ملیکہ و غمیصہ اور رمیصا بیان کیا گیا ہے، مالک بن نضر انس بن مالک کے والد نے ان سے نکاح کیا، انہی کے بطن سے انس پیدا ہوئے پھر یہ مالک بن نضر بحالت کفر قتل کر دیئے گئے۔ اس کے بعد یہ اسلام لے آئیں، ابو طلحہ نے جب یہ مشرک تھے ان سے پیغام ڈالا تو انہوں نے انکار کر دیا اور ان کو اسلام کی دعوت دی، ابو طلحہ اسلام لے آئے تو انہوں نے کہا کہ میں اب تم سے شادی کرتی ہوں۔ اور تم سے مہر سوائے تمہارے کچھ نہیں لوں گی طلحہ نے ان سے شادی کر لی، ان سے بڑی جماعت روایت کرتی ہے، ملحان کسرہ میم اور سکون لام اور حائے مہملہ کے ساتھ ہے۔

(۳۸۷) سبیعہ: - سبیعہ حارث کی بیٹی ہیں، قبیلہ اسلم کی ہیں اسعد بن خولہ کے نکاح میں تھیں پھر حجۃ الوداع والے سال میں اسعد کا انتقال ہوا ان کی حدیث کوفہ میں زیادہ ہے اور ایک جماعت ان سے روایت کرتی ہے۔

(۳۸۸) سہیمہ بنت عمر: - یہ سہیمہ عمر کی بیٹی قبیلہ مزینہ کی ہیں، رکانہ بن عبد زید کے نکاح میں تھیں، ان کا ذکر طلاق کے بارے میں آتا ہے، سہیمہ سین کے پیش اور ہاء کے زبر کے ساتھ ہے۔

(۳۸۹) سلامہ بنت حر: - یہ سلامہ بنت حر ازدیہ ہیں اور فزاریہ بھی کہا جاتا ہے ان کی حدیث کوفہ والوں میں مروی ہے۔ یہ وہ لفظ حر ہے جو عبد کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔

(۳۹۰) سلمی: - یہ سلمی رافع کی ماں اور ابو رافع کی زوجہ صحابیہ ہیں، ان سے ان کے بیٹے عبد اللہ بن علی روایت کرتے ہیں، ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ کی دایہ تھیں اور حضرت فاطمہ کو بنت عمیس کے ہمراہ انہوں نے غسل دیا۔

(ش)

صحابہ

(۳۹۱) شداد بن اوس: - یہ شداد بن اوس ہیں، ان کی کنیت ابو یعلی انصاری ہے اور حسان بن ثابت کے بھتیجے ہیں بیت المقدس میں قیام تھا، اہل شام میں شمار ہوتے تھے ۸۵ھ میں جب کہ ان کی عمر پچھتر سال کی تھی، ملک شام میں انتقال ہوا۔ عبادہ بن صامت اور ابو درداء کہا کرتے تھے کہ شداد ان لوگوں میں سے تھے کہ جن کو علم و حلم کی دولت سے نوازا گیا تھا۔

(۳۹۲) **شریح بن ہانی:** — یہ شریح بن ہانی ابوالمقدام حارثی ہیں انہوں نے آنحضور کا عہد مبارک پایا۔ اور ان شریح کے نام کے ساتھ ہی آنحضور نے ان کے باپ ہانی بن زید کی کنیت رکھی تھی اور فرمایا تھا کہ تم ابوشریح ہو شریح حضرت علی کے ساتھیوں میں سے تھے، ان کے بیٹے مقدام ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۳۹۳) **شرید بن سوید:** — یہ شرید بن سوید ثقفی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ حضر موت کے تھے لیکن ان کو قبیلہ ثقیف سے شمار کیا گیا ہے اور بعضے ان کو اہل طائف سے بتلاتے ہیں اور ان کی حدیث حجازیوں میں پائی جاتی ہے، ان سے بہت سے آدمی روایت کرتے ہیں۔

(۳۹۴) **شکل بن حمید:** — یہ شکل بن حمید عبسی ہیں ان سے ان کے بیٹے شتیر کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں کرتا اور ان کا شمار کوفیوں میں ہے، شکل، شین اور کاف کے زبر اور لام کے ساتھ ہے اور شتیر، شتر کی تصغیر ہے۔

(۳۹۵) **شریک بن سحماء:** — یہ شریک بن سحماء ہیں اور سحماء ان کی ماں ہے کہ جن کی نسبت سے یہ مشہور ہوئے اور ان کے باپ عبدۃ بن مغیث ہیں جن کا ذکر لعان کے مسائل میں آتا ہے اور یہ وہ ہیں جن پر ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کے بارے میں تہمت لگائی تھی، اور اس کے بعد لعان کرنا پڑا تھا یہ اپنے باپ کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوئے تھے۔ عبدہ عین اور باء کے زبر کے ساتھ ہے۔ اور بعض نے بائے موحدہ پر جزم پڑھا ہے۔

(۳۹۶) **ابوشبرمۃ:** — یہ ابوشبرمہ ہیں اور لفظ شبرمہ میں شین پر پیش اور باء ساکن اور را پر پیش ہے، صحابی ہیں ان کی نسبت معلوم نہیں۔ حضرت عباس کی حدیث میں حج کی نیابت کے سلسلہ میں ان کا ذکر آتا ہے۔ آنحضور کے زمانہ حیات ہی میں ان کا انتقال ہوا۔

(۳۹۷) **ابوشریح:** — یہ ابوشریح خویلد بن عمرو کعبی عدوی، خزاعی ہیں، فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے ۶۸ھ میں مدینہ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔ اور یہ اپنی کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں۔ اہل حجاز میں ان کا شمار ہے۔

تابعین

(۳۹۸) **شقیق بن ابی سلمۃ:** — یہ شقیق بن ابی سلمۃ ہیں ابووائل اسدی ان کی کنیت ہے، انہوں نے اگرچہ آنحضور کا زمانہ پایا لیکن آپ سے کچھ سنا نہیں ہے۔ کہا کرتے تھے کہ میری عمر بعثت نبوی سے پہلے دس سال کی تھی اس وقت میں اپنے بھیڑ بکریاں جنگل میں چرا رہا تھا۔ صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے روایت کرتے ہیں ان میں عمر بن خطاب، ابن مسعود ہیں، ابن مسعود کے خاص لوگوں میں سے اور ان کے بڑے درجہ کے اصحاب میں سے تھے ان سے بہت حدیثیں مروی ہیں معتمد و حجت تھے حجاج کے زمانہ میں انتقال ہوا۔ اور ایک قول ہے کہ ۹۹ھ میں ہوا۔

(۳۹۹) **شریق الہوزنی:** — یہ شریق ہوزنی تابعی ہیں حضرت عائشہؓ سے روایت فرماتے ہیں اور ان سے ازہر حرازی۔

(۴۰۰) **شریک بن شہاب:** — یہ شریک بن شہاب حارثی بصری ہیں اور ان کو تابعین سے شمار کیا گیا ہے۔ ابی برزہ اسلمی سے روایت کرتے ہیں اور ارزق بن قیس ان سے روایت کرتے ہیں لیکن اس بارہ میں مشہور نہیں۔

(۴۰۱) **شریح بن عبید:** — یہ شریح بن عبید حضرمی ہیں ابوامامہ و جبیر بن نفیر سے روایت کرتے ہیں اور ان سے صفوان بن عمرو اور معاویہ بن صالح۔

(۴۰۲) ابوالشعثاء: - یہ ابوالشعثا سلیم بن اسود محاربی کوفی ہیں مشہور اور معتبر تابعیوں میں سے ہیں۔ حجاج کے عہد میں ان کا انتقال ہوا۔

(۴۰۳) شعبی: - عامر بن شراحیل کوفی ہیں اور مشہور ذی علم لوگوں میں سے ایک یہ بھی ہیں۔ حضرت عمر کے دور خلافت میں پیدا ہوئے بہت سے صحابہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ایک بڑا گروہ روایت کرتا ہے۔ فرماتے تھے کہ میں نے پانچ سو صحابہ کو دیکھا اور کبھی کوئی حرف کسی کاغذ پر نہیں لکھا اور مجھ سے جو حدیث بھی بیان کی گئی میں نے اس کو حافظہ میں محفوظ کر لیا۔ ابن عیینہ کا قول ہے کہ ابن عباس اپنے زمانہ کے اور شعبی اپنے دور کے امام تھے، اور زہری نے کہا کہ علماء تو چار ہی گذرے ہیں یعنی ابن المسیب مدینہ میں اور شعبی کوفہ میں، حسن بصرہ میں اور مکحول شام میں ۱۰۴ھ میں جب کہ ان کی عمر ۸۲ برس کی تھی انتقال ہوا۔

(۴۰۴) ابن شہاب: - یہ زہری ہیں ان کا ذکر حرف زاء کے ماتحت گذر چکا ہے۔

(۴۰۵) شیبہ بن ربیعۃ: - یہ شیبہ بن ربیعہ بن عبد الشمس بن عبد مناف جاہلی ہے، جنگ بدر میں حضرت علیؓ نے اس کو قتل کیا، یہ مشرک تھا۔

صحابی عورتیں

(۴۰۶) الشفاء بنت عبداللہ: - یہ شفا بنت عبداللہ قریشی عدوی ہیں، احمد بن صالح مصری کہتے ہیں کہ ان کا نام لیلی ہے اور شفا لقب ہے جو نام پر غالب آگیا، ہجرت سے پہلے اسلام لائیں بڑی عاقلہ اور فاضلہ عورتوں میں سے تھیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ ان کے یہاں تشریف لاتے تھے اور دوپہر کو وہیں آرام فرماتے اور انہوں نے آنحضور کے لئے بستر اور لنگی کا انتظام کر رکھا تھا، آپ اسی بستر میں آرام فرماتے تھے شفا شین کے کسرہ اور فاء اور مد کے ساتھ آتا ہے۔

(۴۰۷) ام شریک غزنۃ: - یہ ام شریک غزنۃ بنت دودان قریشیہ عامریہ، صحابیہ ہیں۔ دودان دال مہملہ کے پیش کے ساتھ ہے۔

(۴۰۸) ام شریک انصاریہ: - یہ ام شریک انصاریہ ہیں کہ جن کا ذکر کتاب العدہ میں فاطمہ بنت قیس کی حدیث میں آیا ہے جب کہ رسول اللہ صلعم نے فاطمہ سے فرمایا تھا کہ جاؤ ام شریک کے گھر میں عدت پوری کرو اور بعضوں نے کہا ہے کہ جس کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم آنحضور نے دیا تھا وہ ام شریک اولی ہیں لیکن ان کا یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ ام شریک اولی قریشی لوی بن غالب کی اولاد میں سے تھیں اور یہ انصاریہ ہیں کیونکہ فاطمہ بنت قیس کی بعض روایات میں آیا ہے کہ ام شریک ایک مالدار عورت ہیں انصار میں سے۔

(ص)

صحابہ

(۴۰۹) صفوان بن عسال: - یہ صفوان بن عسال مرادی ہیں کوفہ کے رہنے والے تھے ان کی حدیث اہل کوفہ میں شائع تھی۔ عسال میں عین پر زبر اور سین مہملہ پر تشدید اور لام ہے۔

(۴۱۰) صفوان بن معطل: - ان کی کنیت ابو عمرو سلمی ہے انہوں نے غزوہ خندق اور اس کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت کی اور

انہیں کے بارہ میں وہ سب کچھ کہا گیا ہے۔ بڑے نیک صاحب فضل بہادر انسان تھے، غزوۂ رمینیہ میں ۱۰ھ میں شہید ہوئے جب کہ ان کی عمر ساٹھ سے کچھ اوپر تھی۔

(۴۱۱) **صفوان بن امیۃ:** — یہ صفوان بن امیہ بن خلف جمحی قریشی ہیں فتح مکہ کے دن مسلمانوں سے بھاگے۔ پھر عمیر بن وہب اور ان کے بیٹے وہب بن عمیر نے رسول اللہ صلعم سے ان کے لئے پناہ طلب کی تھی ان پر آپ ﷺ نے امان دے دی تھی اور ان دونوں کو امن کی علامت کے طور پر اپنی چادر عطا فرمائی، پھر وہب نے صفوان بن امیہ کو پالیا اور آنحضور کے پاس لے آئے تو صفوان نے آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یہ وہب بن عمیر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھ کو امن دیا ہے کہ میں دو ماہ تک آزادانہ چلوں پھروں اس پر آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ابو وہب (سواری سے) نیچے اترو، تو صفوان نے کہا کہ میں اس وقت تک نہیں اتروں گا جب تک کہ آپ ﷺ صاف صاف نہ بتاویں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی سواری سے نیچے اترو اور تمہارے لئے ۴ ماہ تک آزادانہ چلنے پھرنے کی اجازت ہے پس صفوان اتر آئے اور آنحضور ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین اور طائف میں بحالت کفر شریک ہوئے آنحضور نے مال غنیمت میں سے اس کو بہت کچھ دیا۔ اس پر صفوان نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اس کثیر غنیمت کو دے کر نبی کے پاکیزہ نفس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص خوش نہیں ہوسکتا اور اسی دن اسلام لے آئے اور مکہ میں قیام کیا، پھر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور حضرت عباس کے پاس قیام کیا اور اپنی ہجرت کا واقعہ آنحضور کے سامنے پیش کیا آنحضور نے فرمایا کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی (کیونکہ اب مکہ بھی دارالاسلام بن چکا ہے) صفوان زمانہ جاہلیت میں قریش کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے، ان کی بیوی ان سے ایک ماہ پہلے اسلام لے آئی تھیں جب صفوان بھی مسلمان ہوگیا تو دونوں کا نکاح برقرار رکھا گیا ۴۲ھ میں مکہ میں صفوان کا انتقال ہوا۔ ان سے متعدد آدمی روایت کرتے ہیں اور یہ ان میں سے ہیں کہ جن کے ساتھ اسلام پر راسخ کرنے کے لئے تالیف قلب کا معاملہ کیا جاتا تھا۔ یہ مکہ میں ہی مخلص مسلمان بن چکے تھے اور یہ قریش کے فصیح زبان لوگوں میں سے تھے۔

(۴۱۲) **صخر بن وداعہ:** — یہ صخر بن وداعہ غامدی ہیں اور یہی ابن عمرو ابن عبداللہ بن کعب ہیں جو قبیلہ ازد کے ہیں اگرچہ طائف میں قیام تھا مگر اہل حجاز میں شمار ہوتے تھے۔

(۴۱۳) **صخر بن حرب:** — یہ صخر بن حرب ہیں جن کی کنیت ابوسفیان قریشی ہے۔ امیر معاویہ کے والد ہیں ان کا ذکر حرف السین کے تحت گزر چکا ہے۔

(۴۱۴) **صہیب بن سنان:** — یہ صہیب بن سنان عبداللہ بن جدعان تیمی کے آزاد کردہ ہیں، ان کی کنیت ابویحییٰ ہے، دجلہ اور فرات کے درمیان شہر موصل میں ان کے مکانات تھے رومیوں نے ان اطراف میں یورش کی اور ان کو قید کرلیا ابھی یہ چھوٹے سے بچہ ہی تھے، لہٰذا نشوونما "روم" ہی میں ہوئی رومیوں سے ان کو قبیلہ کلب نے خرید لیا اور ان کو مکہ لے آئے۔ کلب سے عبداللہ بن جدعان نے خرید لیا اور آزاد کردیا، یہ بھی مرتے دم تک عبداللہ ہی کے ساتھ رہے کہا جاتا ہے کہ یہ روم میں جب بڑے ہو کر کچھ سوجھ بوجھ ہوئی بھاگ کر مکہ آگئے اور عبداللہ بن جدعان کے حلیف بنے پہلے ہی مکہ میں مسلمان ہوئے اور یوں بھی کہا جاتا کہ آنحضور جب دار ارقم میں کچھ اوپر تیس آدمیوں کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے تو انہوں نے اور عمار بن یاسر نے ایک ہی دن آکر اسلام قبول کیا یہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کو کمزور سمجھا گیا اور مکہ میں تکالیف پہنچائی گئیں۔ اس لئے یہ مدینہ کو ہجرت کر گئے اور انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ ومن الناس من یشتری نفسہ الخ۔ ان سے ایک بڑی جماعت روایت کرتی ہے ۸۰ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں سپرد خاک کئے گئے۔ اس وقت ان کی عمر نوے سال کی تھی۔ "جدعان" جیم کے پیش اور دال کے جزم کے ساتھ ہے اس کے بعد عین مہملہ ہے۔

(۴۱۵) **الصعب بن جثامہ:** — یہ صعب بن جثامہ لیثی ہیں ودان ابواء میں جو کہ سرزمین حجاز میں واقع ہے ان کا قیام تھا ان کی حدیث بھی اہل حجاز ہی میں پائی جاتی ہے، عبداللہ بن عباس وغیرہ سے روایت کرتے ہیں حضرت ابوبکر کے زمانہ خلافت میں انتقال ہوا جثامہ جیم کے زبر اور ثائے مثلثہ کی تشدید کے ساتھ ہے۔

(۴۱۶) **الصنابحی:** — یہ صنابحی ہیں اس لفظ میں ص پر پیش ہے اور نون غیر مشدد ہے اور ایک لفظ ب اور حاء مہملہ ہے، یہ صنابحی اس لئے مشہور ہے کہ صنابح بن زاہر بن عامر کی طرف منسوب ہوئے یہ قبیلہ مراد کی ایک شاخ ہے ان کا ذکر ان کے نام عبداللہ کے ماتحت حرف عین میں آئے گا۔

(۴۱۷) **ابوصرمۃ:** — یہ ابوصرمۃ مالک بن قیس مازنی ہیں اور بعضوں نے قیس بن مالک بتایا ہے اور بعض نے قیس بن صرمہ بھی کہا ہے، اور یہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں انہوں نے بدر اور بقیہ غزوات میں شرکت کی، ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے "صرمہ" صاد کے زیر اور راء ساکن کے ساتھ ہے۔

تابعین

(۴۱۸) **صالح بن خوات:** — یہ صالح بن خوات انصاری مدنی مشہور تابعی ہیں ان کی حدیث عزیز کے درجہ کی ہے انہوں نے حدیث کو اپنے باپ اور سہل بن ابی حثمہ سے سنا اور ان سے یزید بن رومان وغیرہ روایت کرتے ہیں، ان کی حدیث مدینہ والوں میں پائی جاتی ہے۔ خوات خائے معجمہ کے زبر واؤ کے تشدید اور تائے فوقانی دو نقطے والی ت کے ساتھ ہے۔

(۴۱۹) **صالح بن درہم:** — صالح بن درہم باہلی ہیں یہ ابوہریرہ اور سمرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے شعبہ اور قطان ثقہ ہیں۔

(۴۲۰) **صالح بن حسان:** — یہ صالح بن حسان مدنی ہیں بصرہ میں قیام تھا ابن المسیب اور عروہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابوعاصم اور حضرمی، ایک جماعت ان کی مرویات کو ضعیف کہتی ہے اور امام بخاری ان کی حدیث کو منکر قرار دیتے ہیں۔

(۴۲۱) **صخر بن عبداللہ:** — یہ صخر بن عبداللہ بن بریدہ ہیں یہ اپنے باپ اپنے دادا اور عکرمہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے حجاج بن حسان اور عبداللہ بن ثابت۔

(۴۲۲) **صفوان بن سلیم:** — یہ صفوان بن سلیم زہری ہیں حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف کے آزاد کردہ ہیں۔ مدینہ کے مشہور اور جلیل القدر تابعین میں سے ہیں انس بن مالک اور کچھ تابعین سے روایت کرتے ہیں اللہ کے صالح اور برگزیدہ بندوں میں سے تھے کہا جاتا ہے کہ چالیس سال تک پہلو زمین کو چھوایا تک نہیں، لوگ کہتے تھے کہ ان کی پیشانی کثرت سجود کی وجہ سے زخمی ہوگئی تھی اور شاہی عطیات کو قبول نہیں کرتے تھے اور ان کے مناقب بہت زیادہ ہیں ۱۳۲ھ میں انتقال ہوا ان سے ابن عیینہ روایت کرتے ہیں۔

(۴۲۳) **ابوصالح:** — یہ ابوصالح ذکوان ہیں جو گھی اور روغن زیتون کے تاجر اور مدنی تھے گھی اور زیتون کا تیل کوفہ لے جایا کرتے تھے۔ جویریہ بنت حارث زوجہ محترمہ نبی ﷺ کے آزاد کردہ تھے، بڑے جلیل القدر بہت مشہور اور بہت روایت کرنے والے تھے۔ ابوہریرہ اور ابوسعید سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن سہیل اور اعمش۔

صحابی عورتیں

(۴۲۴) **صفیہ:** — یہ صفیہ حُیَی بن اخطب کی بیٹی ہیں جو بنی اسرائیل میں سے تھے اور ہارون بن عمران علی نبینا علیہ السلام کے نواسہ تھے۔ یہ صفیہ کنانۃ بن ابی الحقیق بیوی تھیں جو جنگ خیبر میں ماہ محرم ۷ھ میں قتل کردیا گیا اور یہ قید ہو گئیں تو ان کو آنحضور ﷺ نے اپنے لئے پسند فرمالیا۔ بعض نے روایت کی ہے کہ یہ صفیہ دحیہ بن خلیفہ کلبی کے حصہ غنیمت میں لگادی گئی تھیں پھر ان سے آنحضور ﷺ نے سات غلاموں کے بدلہ میں خرید لیا اس کے بعد یہ اسلام لے آئیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو آزاد کردیا اور نکاح کرلیا اور ان کا مہر ان کے عتق کو قرار دے دیا ۵۰ھ میں وفات اور جنت البقیع میں سپرد خاک کی گئیں ان سے حضرت انس اور ابن عمرو غیرہ روایت کرتے ہیں حُیَی میں حائے مہملہ کا پیش اور نیچے دو نقطہ والی یاء کا زبر اور دوسری یاء پر تشدید ہے۔ اخطب میں ہمزہ کا زبر خائے معجمہ کا جزم طائے مہملہ پر زبر آخر میں بائے موحدہ ہے۔

(۴۲۵) **صفیہ بنت عبد المطلب:** — یہ صفیہ عبد المطلب کی بیٹی آنحضور ﷺ کی پھوپی ہیں، اسلام سے پہلے حارث بن حرب کی زوجیت میں تھیں پھر وہ ہلاک ہوگیا، اس کے بعد عوام بن خویلد نے ان سے نکاح کرلیا تو ان سے زبیر پیدا ہوئے یہ طویل مدت تک زندہ رہیں اور حضرت عمر بن الخطاب ؓ کے دور خلافت میں ۲۰ھ میں وفات پائی ان کی عمر ۷۳ سال کی ہوئی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

(۴۲۶) **صفیہ بنت ابی عبید:** — یہ صفیہ ابو عبید کی بیٹی ہیں، بنو ثقیف میں سے ہیں، مختار ابن ابی عبید کی بہن ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر کی بیوی ہیں آنحضور ﷺ کو انہوں نے پایا اور آپ ﷺ کے ارشادات کو سنا مگر ان سے روایت نہیں کی، حضرت عائشہ اور حفصہ سے روایت کرتی ہیں اور ان سے حضرت نافع ابن عمر کے آزاد کردہ روایت کرتے ہیں۔

(۴۲۷) **صفیہ بنت شیبۃ:** — یہ صفیہ شیبہ حجبی کی بیٹی ہیں ان سے میمون بن مہران وغیرہ روایت کرتے ہیں، آنحضور کے دیکھنے کے بارے میں ان کے متعلق اختلاف ہوا ہے بعض نے کہا کہ انہوں نے حضورؐ کی زیارت نہیں کی۔

(۴۲۸) **الصماء بنت بسر:** — یہ صماء بسر کی بیٹی ہیں۔ مازنی ہیں کہا گیا ہے کہ صماء ان کا لقب ہے اور ان کا نام بہیہ ہے ان سے ان کے بھائی عبداللہ روایت کرتے ہیں۔

(ض)

صحابہ

(۴۲۹) **ضماد بن ثعلبہ:** — یہ ضماد بن ثعلبہ ازدی دشنوۃ میں سے ہیں آنحضور ﷺ کے زمانہ جاہلیت میں دوست تھے، علاج و معالجہ، جھاڑ پھونک کا کام کرتے تھے علم کے ہمیشہ جو یاں رہتے تھے شروع زمانہ میں اسلام لے آئے، یہی وہ ہیں جس وقت کچھ قرآن انہوں نے آنحضور سے سنا تو کہا کہ آپ ﷺ کے یہ کلمات سمندر سے زیادہ گہرائی رکھنے والے ہیں۔ ان کا ذکر باب علامات النبوۃ میں آتا ہے، حضرت ابن عباس ان سے روایت کرتے ہیں، ضماد کے ضاد کا کسرہ، میم غیر مشدد ہے شنوۃ کے شین کا زبر، نون کا پیش۔ واؤ ساکن ہمزہ کا زبر ہے۔

(۴۳۰) **الضحاک بن سفیان:** — یہ الضحاک بن سفیان کلابی عامری ہیں یہ اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں، نجد میں قیام تھا

آنحضور ﷺ نے ان کو ان کی قوم کے ان لوگوں پر حاکم بنادیا تھا جو اسلام لے آئے تھے، ابن مسیب اور حسن بصری ان سے روایت کرتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی شجاعت کی وجہ سے سو سواروں کے برابر سمجھے جاتے تھے، آنحضور ﷺ کے سر پر (حفاظت کے لئے) تلوار لے کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔

تابعین

(۴۳۱) **ضحاک بن فیروز:** — ضحاک بن فیروز دیلمی تابعی ہیں ان کی حدیث بصریوں میں شائع ہے اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، ان کا ذکر حرف دال میں آچکا ہے۔

(۴۳۲) **ضرار بن صرد:** — یہ ضرار بن صرد ہیں ان کی کنیت ابو نعیم ہے کوفہ کے رہنے والے ہیں چکی والے مشہور ہیں معتمر بن سلیمان وغیرہ سے حدیث کو سنا اور ان سے علی بن منذر روایت کرتے ہیں، نعیم میں نون کا ضمہ عین مہملہ مفتوح ہے۔ ضرار میں ضاد کا کسرہ پہلی راء غیر مشدد ہے صرد میں صاد مہملہ کا ضمہ اور رائے مہملہ کا زیر ہے۔

(ط)

صحابہ

(۴۳۳) **طلحہ بن عبید اللہ:** — یہ طلحہ بن عبید اللہ ہیں جن کی کنیت ابو محمد قریشی ہے یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، شروع ہی میں اسلام لے آئے تھے، تمام غزوات میں سوائے غزوۂ بدر کے شریک رہے ہیں، عدم شرکت کی وجہ یہ تھی کہ آنحضور ﷺ نے ان کو سعید بن زید کے ہمراہ اس غلہ کے قافلہ کا پتہ چلانے کے لئے روانہ کیا تھا جو قریش کا ابو سفیان بن حرب کے ساتھ آرہا تھا پس یہ دونوں بدر کی مڈبھیڑ کے دن واپس ہوئے انہوں نے آنحضور ﷺ کی حفاظت کے لئے انہوں نے بدر کے دن اپنے ہاتھ سے حفاظت کی تو حملہ کی کثرت سے ان کے ہاتھ کی انگلیاں سن ہوگئی تھیں انہوں نے اس دن چوبیس زخم کھائے اور بعض نے کہا ہے کہ ان کے ۷۵ زخم لگے کچھ نیزے کے کچھ تلوار کے کچھ تیر کے، یہ طلحہ گندم گوں بہت بال والے تھے نہ بال ان کے بالکل گھنگھر والے ہی تھے اور نہ بالکل سیدھے ہی تھے، حسین چہرے والے تھے، جنگ جمل میں شہادت پائی جمعرات کے دن تیس جمادی الثانیہ ۳۲ھ میں۔ اور بصرہ میں دفن کئے گئے۔ ان کی چونسٹھ سال کی عمر ہوئی ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے۔

(۴۳۴) **طلحہ بن البراء:** — یہ طلحہ بن البراء انصاری ہیں جن کے بارہ میں جس وقت ان کا انتقال ہوا تھا اور آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی تھی تو آنحضور ﷺ نے دعا کی تھی کہ اے اللہ ان سے ہنستے ہوئے ملاقات فرما، اور یہ بھی ہنستے ہوئے تیری خدمت میں حاضر ہوں، ان کا شمار حجاز کے علماء میں ہوتا ہے، ان سے حصین وحوع نے روایت کی ہے۔

(۴۳۵) **طلق بن علی:** — یہ طلق بن علی ہیں جن کی کنیت ابو علی حنفی یمامی ہے۔ ان کو طلق بن ثمامہ بھی کہا جاتا ہے، ان سے ان کے بیٹے قیس روایت کرتے ہیں۔

(۴۳۶) **طارق بن شہاب:** — یہ طارق بن شہاب ہیں جن کی کنیت ابو عبد اللہ ہے بجلی کوفی ہیں۔ زمانہ جاہلیت (یعنی اسلام سے پہلے کا زمانہ) میں موجود تھے۔ اور آنحضور ﷺ کو بھی دیکھا ہے۔ آپ ﷺ سے سماع حدیث ثابت نہیں مگر بہت کم۔ حضرت ابوبکرؓ اور

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ۳۳ غزوات میں شریک ہوئے ۸۲ ھ میں وفات پائی۔

(۴۳۷) طارق بن سوید: — یہ طارق بن سوید ہیں ان کو آنحضور کا شرف صحبت حاصل ہے ان کی حدیث بیان خمر کے بارے میں موجود ہے۔ ان سے علقمہ بن وائل روایت کرتے ہیں۔

(۴۳۸) الطفیل بن عمرو: — یہ طفیل بن عمرو دوسی ہیں مکہ میں اسلام لائے اور حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی پھر اپنی قوم کے شہروں کی طرف لوٹ گئے اور آنحضور ﷺ کے ہجرت کرنے تک وہیں رہے پھر بخریت مع اپنی قوم کے ان لوگوں کے جنہوں نے آپ کے ساتھ رہنا چاہا آنحضور کی طرف ہجرت کی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خدمت مبارک میں آخر تک موجود رہے یہ جنگ یمامہ میں شہید کردیئے گئے اور بعض نے کہا ہے کہ جنگ یرموک میں دور خلافت عمرؓ شہید ہوئے ان سے جابرؓ اور ابوہریرہ روایت کرتے ہیں، ان کا شمار حجاز کے علماء میں ہوتا ہے۔

(۴۳۹) ابوالطفیل: — یہ ابوطفیل ہیں ان کا نام عامر ہے واثلہ کے بیٹے ہیں لیثی اور کنانی ہیں نام کی بہ نسبت کنیت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ آنحضور ﷺ کی پاک زندگی سے ان کو آٹھ سال نصیب ہوئے مکہ میں ۱۰۲ھ میں وفات پائی روئے زمین پر تمام صحابہ میں یہ آخری صحابی تھے، ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

(۴۴۰) ابوطیبہ: — یہ ابوطیبہ ہیں ان کا نام نافع ہے۔ پچھنے لگانے کا کام کیا کرتے تھے۔ محیصہ بن مسعود انصاری کے آزاد کردہ ہیں، مشہور صحابی ہیں۔ محیصہ کی میم مضموم ہے حائے مہملہ پر فتحہ ہے اور یائے تحتانی پر تشدید اور زیر ہے آخر میں صاد مہملہ ہے۔

(۴۴۱) ابوطلحہ: — یہ ابوطلحہ ہیں ان کا نام زید ہے۔ سہل انصاری بخاری کے بیٹے ہیں یہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں، یہ انس بن مالک کی والدہ کے شوہر ہیں، یہ مشہور تیر اندازوں میں سے ہیں آنحضور نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ابوطلحہ کی آواز لشکر میں ایک جماعت کی آواز سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ ۳۱ھ میں وفات پائی جب کہ ان کی عمر ۷۰ سال کی تھی اور اہل بصرہ کا خیال ہے کہ وہ سمندر میں سفر کررہے تھے کہ انتقال ہوگیا اور کسی جزیرہ میں سات دن کے بعد دفن کئے گئے۔ بیعت عقبہ میں ستر صحابہ کے ساتھ یہ بھی شریک تھے پھر بدر اور اس کے بعد کے غزوات میں بھی شریک ہوئے ایک جماعت صحابہ کی ان سے روایت کرتی ہے۔

تابعین

(۴۴۲) طلحہ بن عبداللہ: — یہ طلحہ بن عبداللہ بن کریز خزاعی ہیں تابعی ہیں، اہل مدینہ میں سے ہیں، یہ ایک جماعت صحابہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے بھی ایک جماعت تابعین کی روایت کرتی ہے۔

(۴۴۳) طلحہ بن عبداللہ: — یہ طلحہ بن عبداللہ عوف زہری قریشی کے پوتے ہیں۔ مشہور تابعین میں سے ہیں ان کا شمار اہل مدینہ میں ہے۔ سخاوت کی صفت میں مشہور تھے۔ یہ اپنے چچا عبدالرحمٰن وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ ۹۹ھ میں وفات پائی۔

(۴۴۴) طلق بن حبیب: — یہ طلق بن حبیب عنزی بصری ہیں۔ یہ بڑے عابد اور کثرت عبادت میں مشہور تھے، عبداللہ بن جبیر اور جابر اور ابن عباس سے روایت کرتے، عبداللہ بن جبیر اور جابر اور ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے مصعب اور عمرو بن دینار و ایوب عنزی میں عین مہملہ اور نون دونوں پر زبر ہیں۔

(۴۴۵) الطفیل بن ابی: — یہ طفیل بن ابی بن کعب انصاری کے بیٹے ہیں۔ تابعی ہیں۔ عزیز الحدیث ہیں، ان کی حدیث اہل حجاز

میں شائع ہے۔ اپنے باپ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابوالطفیل۔

(۴۴۶) طاوس بن کیسان: - یہ طاؤس بن کیسان خولانی ہمدانی یمانی ہیں۔ فارسی الاصل ہیں ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں اور انس سے زہری اور بڑی مخلوق روایت کرتی ہے۔ عمرو بن دینار کا مقولہ ہے کہ میں نے کوئی عالم طاوس جیسا نہیں دیکھا۔ وہ علم و عمل میں بہت اونچے تھے۔ مکہ میں ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔

(۴۴۷) ابوطالب: - یہ ابوطالب حضور کے محترم چچا ہیں حضرت علیؓ کے والد ہیں ان کا نام عبد مناف بن عبد المطلب بن ہشام قرشی ہے۔ جاہلی ہیں۔ یعنی اسلام نصیب نہیں ہوا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو قریش نے آنحضور ﷺ سے بہت لے دے کی ہے، جس کی وجہ سے آنحضور طائف کی طرف تشریف لے گئے، ان کی اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے درمیان ایک ماہ پانچ دن کا فاصلہ ہے۔

(۴۴۸) ابن طاب: - مدینہ کی کھجور کے اعتبار سے ان کو رطب بن طاب اور تمر بن طاب کہا جاتا ہے۔

(ظ)

صحابہ

(۴۴۹) ظہیر بن رافع: - یہ ظہیر بن رافع حارثی ہیں انصار میں سے ہیں، قبیلہ اوس کے تھے عقبہ ثانیہ کی بیعت اور غزوہ بدر اور اس کے مابعد کے غزوات میں شریک رہے یہ رافع رافع بن خدیج کے علاوہ ہیں یہ رافع ان ظہیر سے روایت کرتے ہیں، ظہیر کی ظائے معجمہ پر پیش ہے اور ہائے مہملہ مفتوح اور دو نقطوں والی یائے ساکن ہے۔

(ع)

صحابہ

(۴۵۰) عمر بن الخطاب: - یہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب فاروق ہیں۔ ان کی کنیت ابو حفص ہے۔ عدوی قریشی ہیں نبوت کے چھٹے سال میں اسلام لائے اور بعض نے کہا کہ پانچویں میں۔ ان سے پہلے چالیس مرد اور گیارہ عورتیں اسلام لا چکی تھیں اور کہا جاتا ہے کہ چالیسویں مرد حضرت عمر ہی تھے، ان کے اسلام قبول کرنے کے دن سے ہی اسلام نمایاں ہونا شروع ہوا، اسی وجہ سے ان کا لقب فاروق ہو گیا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا تھا کہ تمہارا لقب فاروق کیوں رکھا گیا۔ فرمایا کہ حضرت حمزہ میرے اسلام سے تین دن قبل اسلام لا چکے تھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیا تو میں نے کہا۔ اللہ لا الہ الا ھو لہ الاسماء الحسنی (اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اسی کے لئے سب اچھے نام ہیں) اس کے بعد کوئی جان مجھ کو رسول اللہ ﷺ کی جان سے زیادہ پیاری نہ تھی اس کے بعد میں نے دریافت کیا کہ رسول اللہ کہاں تشریف فرما ہیں تو میری ہمشیرہ نے مجھ کو بتایا کہ وہ دار ارقم بن ابی ارقم میں جو کوہ صفا کے پاس ہے تشریف رکھتے ہیں ابو ارقم کے مکان پر حاضر ہوا۔ جب کہ حضرت حمزہ بھی آپ ﷺ کے اصحاب کے ساتھ مکان میں موجود تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی گھر میں تشریف فرما تھے میں نے دروازہ کو پیٹا تو لوگوں نے نکلنا چاہا حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ تم کو کیا ہو گیا۔ سب نے کہا عمر بن خطاب ہے حضرت عمر کہتے ہیں آنحضور ﷺ باہر تشریف لائے اور مجھے

کپڑوں سے پکڑلیا۔ پھر خوب زور سے مجھ کو اپنی طرف کھینچا۔ کہ میں رک نہ سکا اور گھٹنوں کے بل گرگیا اس کے بعد آنحضور نے ارشاد فرمایا کہ عمر اس کفر سے کب تک باز نہیں آوگے تو بے ساختہ میری زبان سے نکلا۔ اشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ اس پر تمام دار ارقم کے لوگوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا جس کی آواز مسجد والوں نے بھی سنی حضرت عمر کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم اپنی موت وحیات میں دین حق پر نہیں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میری جان ہے تم سب حق پر ہو اپنی موت میں بھی اور حیات میں بھی اس پر میں نے عرض کیا تو پھر اس حق کو چھپانے کا کیا مطلب۔ قسم اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے، ہم ضرور حق کو لے کر نکلیں گے چنانچہ ہم آنحضور ﷺ کو دو صفوں کے درمیان میں نکالا ایک صف میں حضرت حمزہ تھے اور دوسری صف میں میں۔ (یعنی حضرت عمر) اور میرے اندر جوش کی وجہ سے چکی کا سا گھڑگھڑاہٹ تھی، یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں پہنچ گئے تو مجھ کو اور حضرت حمزہ کو قریش نے دیکھا یہ دیکھ کر ان کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ ایسا صدمہ انہیں اس سے پہلے کبھی نہیں پہنچا تھا، اس دن آنحضور ﷺ نے میرا نام فاروق رکھا کہ میری وجہ سے اللہ نے حق اور باطل میں فرق کر دیا، داؤد ابن حصین اور زہری نے روایت کیا کہ جب عمر اسلام لے آئے تو حضرت جبرئیل امین تشریف لائے اور فرمایا کہ اے محمد (ﷺ) تمام آسمان والے عمر کے اسلام سے بہت خوش ہوئے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ قسم خدا کی میں یقین رکھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ کے علم کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور تمام روئے زمین کے زندہ انسانوں کا علم دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو حضرت عمرؓ کا علم والا پلہ جھک جائے گا۔ اور فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عمر دس میں سے نو حصے علم اپنے ساتھ لے گئے۔ اور ایک حصہ باقی رہ گیا۔ وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور یہ پہلے خلیفہ ہیں جو امیر المؤمنین کے لقب کے ساتھ پکارے گئے حضرت عمر گورے رنگ کے تھے جس میں سرخی غالب تھی اور بعض نے گندم گوں کہا ہے۔ لانبے قد کے تھے۔ سر کے بال اکثر گر گئے تھے آنکھیں خاصی سرخ رہتی تھیں حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد تمام امور انتظامیہ حضرت ابوبکرؓ کی وصیت اور ان کے متعین فرمانے کی وجہ سے کامل طور سے انجام دیا اور مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابولولوہ نے مدینہ میں بدھ کے دن ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ میں آپ کو خنجر سے زخمی کیا اور دسویں تاریخ محرام الحرام کو اتوار کے دن ۲۴ھ میں (چودہ دن بیمار رہ کر) دفن کئے گئے ان کی عمر تریسٹھ سال کی ہوئی اور یہ ان کی عمر کے بارے میں سب سے صحیح قول ہے ان کی مدت خلافت دس سال ۶ ماہ ہے حضرت عمر کے جنازہ کی نماز حضرت صہیب رومی نے پڑھائی ان سے حضرت ابوبکرؓ اور باقی تمام عشرہ مبشرہ اور ایک بڑی جماعت صحابہ اور تابعین کی روایت کرتی ہے۔

(۴۵۱) عمر بن ابی سلمۃ: — یہ عمر بن ابی سلمہ ہیں ان کا نام عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی قریشی ہے اور یہ عمر آنحضور کے لے پالک تھے ان کی والدہ ام سلمہ ہیں جو ازواج مطہرات میں سے ہیں، ۲ھ میں حبشہ میں پیدا ہوئے اور جس وقت آنحضور کی وفات ہوئی تو ان کی عمر نو سال کی تھی۔ ۸۳ھ میں بزمانہ عبدالملک بن مروان مدینہ میں وفات پائی، آنحضور ﷺ سے احادیث کو سن کر یاد کیا، آنحضور سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ایک جماعت۔

(۴۵۲) عثمان بن عفان: — یہ امیر المؤمنین عثمان بن عفان ہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ الاموی قریشی ہے ان کا اسلام لانا اول دور اسلام میں حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے ہاتھوں پر آنحضرت ﷺ کے دار ارقم میں تشریف لے جانے سے پہلے ہی ہوا۔ انہوں نے حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت فرمائی، اور غزوہ بدر میں یہ شریک نہ ہو سکے کیوں کہ حضرت رقیہؓ آنحضور ﷺ کی صاحبزادی ان دنوں بیمار تھیں اور آنحضور ﷺ نے اس معذوری کی بنا پر ان کا حصہ مال غنیمت میں مقرر فرمایا تھا اور مقام حدیبیہ میں جو تحت شجرہ بیعت رضوان واقع ہوئی اس میں حضرت عثمان شرکت نہ فرما سکے کیونکہ آنحضور نے ان کو صلح کے معاملات طے کرنے کے لئے مکہ بھیج دیا تھا۔ جب

بیعت رضوان واقع ہوئی تو آنحضور نے اپنے دست مبارک کو دوسرے دست مبارک پر مار کر فرمایا کہ یہ بیعت عثمانؓ کے لئے ہے۔ اور ان کو ذوالنورین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے عقد میں آنحضورﷺ کی دو نور نظر یعنی صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم یکے بعد دیگرے آئیں تھی، یہ گورے رنگ کے میانہ قد تھے اور بعض نے کہا کہ گندم گوں تھے پتلی اور خوبصورت چہرے والے۔ آپ کا سینہ چوڑا تھا سر پر بال بہت زیادہ تھے بڑی داڑھی والے تھے داڑھی کو زرد رنگار کرتے تھے ۲۴ھ میں محرم الحرام کی پہلی تاریخ کو ان کو خلیفہ بنایا گیا تھا۔ اسود تجیبی نے جو مصر کا رہنے والا تھا ان کو قتل کیا تھا بعض نے کسی اور کو بتایا ہے۔ شنبہ کے روز جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ عمر شریف ۸۲ سال کی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ ۸۸ سال کی تھی ان کا دور خلافت بارہ سال سے کچھ دن کم تک رہا ان سے بہت لوگوں نے روایت کیا ہے۔

(۴۵۳) **عثمان بن عامر**: - یہ عثمان بن عامر حضرت ابوبکر صدیق کے والد بزرگوار ہیں، قریشی بنو تیم میں سے ہیں ان کی کنیت ابو قحافہ ہے قاف کے پیش کے ساتھ حائے مہملہ پر تشدید نہیں ہے فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور حضرت عمرؓ کے دور خلافت تک زندہ رہے۔ ۱۴ھ میں وفات پائی۔ اور ان کی ستانوے سال عمر تھی۔ ان سے صدیق اکبر نے اور اسماء بنت ابی بکر نے روایت کی ہے۔

(۴۵۴) **عثمان بن مظعون**: - یہ عثمان بن مظعون ہیں جن کی کنیت ابو سائب ہے۔ جمحی قرشی ہیں تیرہ آدمیوں کے بعد یہ اسلام لائے تھے ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں انہوں نے کی ہیں غزوہ بدر میں شریک ہوئے، زمانہ جاہلیت میں بھی شراب سے رکنے والے تھے، یہ مہاجرین میں سب سے پہلے شخص ہیں جن کی وفات مدینہ طیبہ میں شعبان کے مہینے میں ہجرت کے پورے تیس ماہ گزرنے پر واقع ہوئی، آنحضور ﷺ نے مرنے کے بعد ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور جب یہ دفن کئے گئے تو فرمایا یہ شخص گذرنے والوں میں سے ہمارے لئے بہترین شخص تھے، جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ بڑے عابد مرتاض صاحب فضل صحابہ میں سے تھے ان کے بیٹے سائب اور ان کے بھائی قدامہ بن مظعون ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۴۵۵) **عثمان بن طلحہ**: - یہ عثمان بن طلحہ عبدری قریشی جمحی مشرف بہ صحبت نبی کریم ﷺ ہیں ان کا ذکر باب المساجد میں آتا ہے۔ ان سے ان کے چچا کے بیٹے شیبہ اور ابن عمر روایت کرتے ہیں مکہ میں ۴۲ھ میں وفات پائی۔

(۴۵۶) **عثمان بن حنیف**: - یہ عثمان بن حنیف انصار میں سے ہیں سہل کے بھائی ہیں ان کو حضرت عمرؓ نے آبادی عراق کی پیمائش اور اس پر ٹیکس مقرر کرنے کا حاکم بنایا تھا اور وہاں کے رہنے والوں پر انہوں نے خراج اور جزیہ مقرر فرمایا تھا۔ اور ان کو حضرت علی نے بصرہ کا حاکم بنایا تھا پھر ان کو حضرت طلحہ اور زبیر نے نکال دیا جب کہ یہ دونوں بصرہ آئے۔ واقعہ جنگ جمل کی وجہ سے ایسا ہوا اس کے بعد یہ کوفہ میں مقیم رہے اور حضرت معاویہؓ کے زمانہ تک زندہ رہے۔ ان سے ایک گروہ روایت کرتا ہے۔

(۴۵۷) **عثمان بن ابی العاص**: - یہ عثمان بن ابی العاص بنو ثقیف میں سے ہیں، آنحضور ﷺ نے ان کو طائف کا حاکم بنا دیا تھا، پس یہ آنحضورﷺ کی زندگی بھر اور حضرت ابوبکر کے دور خلافت میں اسی طرح حضرت عمرؓ کی دور خلافت کے اول دو سال میں طائف کے ہی حاکم رہے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کو طائف سے ہٹا کر عمان اور بحرین کا عامل بنا دیا۔ یہ عثمان بن ابی العاص وفد ثقیف میں شامل ہو کر آنحضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تھے۔ یہ جماعت وفد میں سب سے زیادہ کم عمر تھے اس وقت ان کی عمر ۲۹ سال تھی اور یہ وفد ۱۰ھ میں حاضر ہوا ہے اور یہ بصرہ میں رہے اور وہاں ہی ۵۱ھ میں وفات پائی، جب آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد قبیلہ ثقیف نے مرتد ہونے کا ارادہ کیا تو ان سے عثمان بن ابی العاص نے فرمایا کہ اے ثقیف والو تم تمام لوگوں میں اسلام لانے کے اعتبار سے سب سے آخر تھے تو مرتد ہونے میں تو سب سے پہل مت کرو تو یہ لوگ مرتد ہونے سے رک گئے۔ ان سے ایک گروہ تابعین کا روایت کرتا ہے۔

(۴۵۸) **علی بن ابی طالب:** — یہ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب ہیں ان کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے قریشی ہیں اکثر اقوال کے اعتبار سے مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں اس وقت ان کی عمر کے بارے میں اختلاف ہوا ہے۔ کہا گیا ہے کہ ان کی عمر ۱۵ سال تھی، بعض نے کہا ۱۶ سال اور بعض نے آٹھ سال اور بعض نے دس سال بیان کی ہے، آنحضور ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں سوائے غزوہ تبوک کے کہ وہ اپنے گھر والوں میں ضرورۃ رکھے گئے تھے، اسی واقعہ کے سلسلہ میں آنحضور ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ تمہیں میری جانب سے وہ حیثیت حاصل ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تھی۔ یہ گندم گوں تھے اور گیہوں رنگ کھلا ہوا تھا بڑی بڑی آنکھوں والے تھے لمبائی کے اعتبار سے کوتہ قامتی کی طرف زیادہ مائل تھے (یعنی زیادہ طویل القامت نہ تھے) پیٹ بڑا تھا، زیادہ بال والے، چوڑی داڑھی والے تھے، سر کے بال وسط میں سے اڑے ہوئے تھے، سر اور داڑھی دونوں سفید تھے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن جمعہ کا روز تھا ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو خلیفہ بنائے گئے تھے اور عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی نے کوفہ میں ۱۸ رمضان المبارک کو جمعہ کی صبح کو آپؓ تلوار سے حملہ کیا تھا زخمی ہونے کے تین رات بعد انتقال فرما گئے، آپ کے دونوں صاحبزادے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن جعفر نے آپ کو غسل دیا نماز جنازہ حضرت حسنؓ نے پڑھائی، تڑکے وقت آپ کو دفن کیا گیا آپ کی عمر ۶۳ سال کی تھی، بعض نے کہا ہے ۶۵ سال اور بعض نے ستر سال اور بعض نے اٹھاون سال بتائی ہے، آپ کی مدت خلافت چار سال نوماہ کچھ دن ہے، آپ سے آپ کے صاحبزادے حسنؓ و حسینؓ اور محمدؒ اور بہت سے صحابہ اور تابعین روایت کرتے ہیں۔

(۴۵۹) **علی بن شیبان:** — یہ علی بن شیبان حنفی یمامی ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں۔

(۴۶۰) **علی بن طلق:** — یہ علی بن طلق حنفی یمامی ہیں ان سے سلم بن سلام روایت کرتے ہیں یہ اہل یمامہ میں سے ہیں اور ان کی حدیث اہل یمامہ میں پائی جاتی ہے۔

(۴۶۱) **عبدالرحمٰن بن عوف:** — یہ عبدالرحمٰن بن عوف ہیں ان کی کنیت ابو محمد ہے، یہ زہری قرشی ہیں، یہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ شروع دور میں ہی حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر اسلام لے آئے تھے، حبشہ کی طرف انہوں نے دونوں بار ہجرت فرمائی ہے، تمام غزوات میں آنحضور ﷺ کے ساتھ موجود رہے ہیں اور غزوہ احد میں ثابت قدم رہے اور آنحضور ﷺ نے ان کے پیچھے غزوہ تبوک میں نماز پڑھی ہے اور جو حصہ نماز کا آنحضورؐ سے فوت ہو گیا تھا اس کو پورا فرمایا ہے۔ یہ طویل قامت باریک جلد والے گورے رنگ کے تھے جس میں سرخی جھلکتی تھی، گداز ہتھیلیوں والے، اونچی ناک والے تھے۔ غزوہ احد میں ان کے پاؤں میں لنگ واقع ہو گئی تھے اور ان کے بدن پر بیس یا کچھ زائد زخم لگے تھے، جن میں سے بعض زخم ان کے پیر اور ٹانگ پر لگے جس کی وجہ سے ان کے پیروں میں لنگ پیدا ہو گئی۔ عام فیل کے دس سال بعد یہ پیدا ہوئے اور ۳۲ھ میں ان کی وفات ہوئی، جنت البقیع میں دفن کئے گئے ان کی عمر ۷۲ سال کی ہوئی۔ ان سے عبداللہ بن عباس وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

(۴۶۲) **عبدالرحمٰن بن ابزی:** — یہ عبدالرحمٰن بن ابزی خزاعی نافع بن عبدالحارث کے آزاد کردہ ہیں۔ انہوں نے کوفہ میں قیام کیا، حضرت علیؓ نے ان کو خراسان کا گورنر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے آنحضورؐ کی زیارت کی اور آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی ہے حضرت عمرؓ بن خطاب اور ابی بن کعبؓ سے زیادہ روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کے دو بیٹے سعید اور عبداللہ وغیرہ روایت کرتے ہیں کوفہ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۴۶۳) **عبدالرحمٰن بن ازہر:** — یہ عبدالرحمٰن بن ازہر قریشی عبدالرحمٰن بن عوف کے بھتیجے ہیں۔ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے ان

سے ان کے بیٹے عبدالحمید وغیرہ روایت کرتے ہیں واقعہ حرہ سے قبل ان کی وفات ہوئی ہے۔

(۴۶۴) عبدالرحمٰن بن ابی بکر: — یہ عبدالرحمٰن ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے ہیں ان کی والدہ ام رومان ہیں۔ جو حضرت عائشہؓ کی بھی والدہ ہیں، صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے اور بہترین مسلمان ثابت ہوئے، یہ حضرت ابوبکرؓ کی تمام اولاد میں بڑے تھے، ان سے حضرت عائشہؓ حضرت حفصہؓ وغیرہ روایت کرتی ہیں ۵۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۴۶۵) عبدالرحمٰن بن حسنہ: — یہ عبدالرحمٰن حسنہ ہیں، حسنہ ان کی والدہ ہیں، یہ اپنی والدہ کی طرف نسبت سے زیادہ مشہور ہیں، ان کے والد عبداللہ بن مطاع ہیں ان سے یزید بن وہب روایت کرتے ہیں۔

(۴۶۶) عبدالرحمٰن بن شرحبیل: — یہ عبدالرحمٰن بن شرحبیل بن حسنہ ہیں عبدالرحمٰن بن حسنہ کے بھتیجے آنحضور ﷺ کو انہوں نے دیکھا ہے۔ ان سے ان کے بیٹے عمران روایت کرتے ہیں فتح مصر میں یہ اور ان کے بھائی ربیعہ موجود تھے۔

(۴۶۷) عبدالرحمٰن بن یزید: — یہ عبدالرحمٰن بن یزید بن الخطاب ہیں اور یہ حضرت عمر بن خطاب کے بھتیجے ہیں عدوی قریشی ہیں ان کو جب یہ چھوٹے سے تھے ان کے دادا ابولبابہ آنحضور کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور تحنیک کرائی آنحضور ﷺ نے ان کے سر پر دست مبارک پھیرا اور ترقی وبرکت کی دعا دی، محمد بن سعد نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کی جب وفات ہوئی ہے تو ان کی عمر چھ سال کی تھی۔ انہوں نے اپنے چچا عمر بن الخطاب سے حدیث کو سنا ہے اور عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانہ میں عبدالرحمٰن بن عمر کی وفات سے پہلے ان کی وفات واقع ہوئی۔

(۴۶۸) عبدالرحمٰن بن سمرۃ: — یہ عبدالرحمٰن بن سمرہ قریشی ہیں فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور آنحضور ﷺ سے شرف صحبت حاصل کیا اور آنحضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ ان کا شمار اہل بصرہ میں ہوتا ہے اور ۵۱ھ میں بصرہ میں انتقال ہوا۔ ان سے ابن عباس اور حسن اور بہت لوگ ان کے ماسوا روایت کرتے ہیں۔

(۴۶۹) عبدالرحمٰن بن سہل: — یہ عبدالرحمٰن بن سہل انصاری ہیں۔ جو غزوہ خیبر میں شہید کئے گئے۔ ان کا ذکر کتاب القسامۃ میں آتا ہے کہا جاتا ہے کہ غزوہ بدر میں بھی حاضر ہوئے تھے یہ بڑے ذی علم اور صاحب فہم تھے۔ ان سے سہل بن ابی حثمہ روایت کرتے ہیں۔

(۴۷۰) عبدالرحمٰن بن شبل: — یہ عبدالرحمٰن ابن شبل انصاری ہیں ان کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا ہے ان سے تمیم بن محمد اور ابوراشد روایت کرتے ہیں۔

(۴۷۱) عبدالرحمٰن بن عثمان: — یہ عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی قریشی ہیں جو طلحہ بن عبیداللہ صحابی کے بھتیجے ہیں، ان کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے آنحضور کی زیارت کی یہ حضور سے روایت نہیں کرتے اور دوسرے ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۴۷۲) عبدالرحمٰن بن ابی قراد: — یہ عبدالرحمٰن بن ابیقراد اسلمی ہیں۔ اہل میں شمار کئے جاتے ہیں اور اہل حجاز سے اور ابو جعفر خطمی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، قراد میں قاف پر پیش ہے اور راء مہملہ بے تشدید کے ہے اور آخر میں دال مہملہ ہے۔

(۴۷۳) عبدالرحمٰن بن کعب: — یہ عبدالرحمٰن بن کعب ہیں، ان کی کنیت ابولیلی ہے، مازنی ہیں، انصار میں سے غزوہ بدر میں شریک ہوئے ہیں ۲۴ھ میں وفات پائی یہ بھی ان صحابہ میں سے ہیں جن کے بارے میں یہ آیت اتری تھی۔ تولوا واعینھم تفیض من الدمع حزنا ان لا یجدوا ماینفقون

(۴۷۴) **عبدالرحمان بن یعمر:** — یہ عبدالرحمان بن یعمر دیلمی ہیں ان کو شرف صحبت و روایت آنحضور ﷺ سے حاصل ہے، کوفہ میں آئے، خراساں پہنچے، ان سے بکیر بن عطا روایت کرتے ہیں۔ ان کے سوا اور کوئی روایت نہیں کرتا۔

(۴۷۵) **عبدالرحمان بن عائش:** — یہ عبدالرحمٰن بن عائش حضرمی ہیں۔ ان کا شمار اہل شام میں ہوتا ہے، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، ان سے روایت باری کے بارے میں حدیث منقول ہے۔ ان سے ابوسلام حبطور اور خالد بن اللجاج روایت کرتے ہیں اور ان کی حدیث عن مالک بن یخٰمِر عن معاذ بن جبل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور بعض نے کہا کہ بلا واسطہ کسی دوسرے صحابی کے آنحضور ﷺ سے نقل حدیث کرتے ہیں، لیکن صحیح پہلی ہی سند ہے اسی کی تصدیق امام بخاری وغیرہ نے کی ہے، عائش یائے تحتانی دو نقطوں والی زیر اور شین معجمہ کے ساتھ ہے اور یخامر میں دو نقطوں والی یا کا ضمہ ہے اور خائے معجمہ غیر مشدد ہے اور میم مکسور ہے، آخر میں رائے مہملہ ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مالک بن یخامر کی یہ روایت مرسل ہے، اس لئے کہ ان کو آنحضور سے سماع ثابت نہیں ہے۔

(۴۷۶) **عبدالرحمان بن ابی عمیرہ:** — یہ عبدالرحمان بن ابی عمیرہ مدنی ہیں اور بعض نے کہا قرشی ہیں، ان کی حدیث میں اضطراب بتلایا جاتا ہے، صحابہ میں یہ قوی الحافظہ نہیں ہیں یہ حافظ عبدالبر نے کہا ہے۔ اور یہ شامی ہیں ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔ عمیرہ عین مہملہ کے زبر اور میم کے زیر کے ساتھ ہے، آخر میں رائے مہملہ ہے۔

(۴۷۷) **عبداللہ بن ارقم:** — یہ عبداللہ بن ارقم زہری قریشی ہیں۔ فتح مکہ کے سال اسلام لائے آنحضور ﷺ کے کاتب تھے اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے کاتب رہے۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال پر حاکم بنادیا تھا۔ اور حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ نے بھی، پھر عبداللہ بن ارقم نے اس خدمت سے استعفا چاہا تو حضرت عثمانؓ نے استعفا منظور فرمالیا۔ ان سے عروہ اور اسلم حضرت عمر کے آزاد کردہ روایت کرتے ہیں، حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں انتقال فرمایا۔

(۴۷۸) **عبداللہ بن ابی اوفی:** — یہ عبداللہ بن ابی اوفی ہیں اور ابواوفی کا نام علقمہ بن قیس اسلمی ہے حدیبیہ اور خیبر اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے ہیں اور ہمیشہ مدینہ میں قیام فرمایا یہاں تک کہ آنحضور ﷺ کی وفات پیش آگئی اس کے بعد کوفہ تشریف لے گئے، کوفہ میں انتقال کرنے والے حضرات صحابہ میں سب سے آخر ۸۷ھ میں انتقال فرمایا، ان سے امام شعبی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(۴۷۹) **عبداللہ بن انیس:** — یہ عبداللہ بن انیس جہنی انصار میں سے ہیں غزوہ احد اور اس کے مابعد غزوات میں شریک ہوئے ہیں ابوامامہ اور جابر وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں ۵۴ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا۔

(۴۸۰) **عبداللہ بن بسر:** — یہ عبداللہ بن بسر سلمی مازنی ہیں ان کو اور ان کے والد بسر کو ان کی والدہ کو اور ان کے بھائی عطیہ کو اور ان کی بہن صماء کو صحبت نبوی کا شرف حاصل ہے، شام میں قیام فرمایا اور مقام حمص میں ۸۸ھ میں اچانک موت پیش آئی جب کہ وہ وضو کررہے تھے، شام کے صحابہ میں سب سے بعد میں انتقال کرنے والے حضرت ابوامامہ ہیں ان سے ایک گروہ نے روایت کی ہے۔

(۴۸۱) **عبداللہ بن عدی:** — یہ عبداللہ بن عدی قریشی زہری ہیں، یہ اہل حجاز میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ قدید اور عسفان کے درمیان رہتے تھے، ان سے ابوسلمہ بن عبدالرحمان اور محمد بن جبیر روایت کرتے ہیں۔

(۴۸۲) **عبداللہ بن ابی بکر:** — یہ عبداللہ ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے ہیں، طائف میں آنحضور کے ساتھ یہ بھی تھے، ان کے

ایک تیر آلگا جس کو ابومحجن ثقفی نے پھینکا تھا، اسی سے حضرت ابوبکرؓ کے اول دور خلافت میں ۱۱ھ شوال کے مہینہ میں ان کی وفات ہوئی۔ یہ قدیم الاسلام صحابہ میں سے تھے۔

(۴۸۳) **عبداللہ بن ثعلبہ:** ۔ یہ عبداللہ بن ثعلبہ مازنی عذری ہیں ہجرت سے چار سال پیشتر ان کی ولادت ہوئی اور ۸۹ھ میں وفات پائی، ان کو فتح کے سال آنحضور ﷺ کی زیارت ہوئی آپ ﷺ نے ان کے چہرہ پر دست مبارک پھیرا ان سے ان کے بیٹے عبداللہ اور زہری روایت کرتے ہیں۔

(۴۸۴) **عبداللہ بن جحش:** ۔ یہ عبداللہ بن جحش اسدی حضرت زینب ام المؤمنین کے بھائی ہیں، آپ ﷺ کے دار ارقم میں تشریف لے جانے سے پہلے ہی اسلام لے آئے تھے اور یہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں کی ہیں۔ یہ بڑے مقبول الدعوات تھے، غزوہ بدر میں حاضر ہوئے ہیں اور احد میں شہید کر دیئے گئے۔ یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کرایا اس کے بعد قرآن نازل ہو کر ان کی رائے کی تصویب فرمائی جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ واعلموا انما غنیمتم من شیئٍ فان للّٰہ خمسہ الخ اور صورت یہ ہوئی تھی کہ جب یہ ایک چھوٹے لشکر میں واپس ہوئے تو انہوں نے غنیمت کا پانچواں حصہ لے لیا۔ اور اس کو آنحضور ﷺ کے لئے علیحدہ رکھ دیا اور زمانہ جاہلیت کا دستور تھا کہ سردار کو غنیمت میں سے ربع یعنی چوتھائی دیا جاتا تھا، ان سے سعد بن ابی وقاص وغیرہ روایت کرتے ہیں ان کو ابوالحکم بن اخنس نے جب ان کی عمر چالیس سال کچھ اوپر تھی قتل کر دیا تھا، اور یہ اور حضرت حمزہؓ ایک قبر میں دفن کئے گئے۔

(۴۸۵) **عبداللہ بن ابی الحمساء:** ۔ یہ عبداللہ بن ابی الحمساء عامری ہیں۔ ان کا شمار بصریوں میں ہے ان کی حدیث عبداللہ بن شقیق کے پاس ہے جو اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں اور وہ عبداللہ بن ابی الحمساء سے۔

(۴۸۶) **عبداللہ بن ابی الجدعاءؓ:** ۔ یہ عبداللہ ابن ابی الجدعاء تمیمی ہیں ان کا تذکرہ وحدان میں آتا ہے۔ وحدان یہ لفظ ان رواۃ کے حق میں بھی استعمال کیا گیا ہے جو شیخین امام مسلم و امام بخاری میں سے کسی ایک سے صرف روایت کرتے ہیں ان کا شمار بصریوں میں کیا جاتا ہے۔

(۴۸۷) **عبداللہ بن جعفر:** ۔ یہ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب قریشی ہیں ان کی والدہ اسماء عمیس کی بیٹی ہیں۔ یہ زمین حبشہ میں پیدا ہوئے اور یہ سرزمین حبشہ میں پہلے بچہ تھے جو مسلمانان حبشہ میں پیدا ہوئے ۸۰ھ میں مدینہ میں وفات پائی جب کہ ان کی عمر نوے سال کی تھی یہ بڑے سخی ظریف الطبع بردبار پاکباز تھے، ان کو سخاوت کا دریا کہا جاتا ہے، مشہور تھا۔ کہ اسلام میں ان سے زیادہ سخی کوئی نہیں ہے، ان سے بہت لوگ روایت کرتے ہیں۔

(۴۸۸) **عبداللہ بن جہم:** ۔ یہ عبداللہ بن جہم ہیں جو انصار میں سے ہیں ان کی حدیث نمازی کے سامنے گذرنے والے کے بارے میں آئی ہے ان سے بسر بن سعید وغیرہ روایت کرتے ہیں ان کی سند حدیث مالک عن ابی جہم ہے جس میں نام کا ذکر نہیں ہے اور ان کی حدیث کو ابن عیینہ اور وکیع نے بھی روایت کیا ہے۔ ان دونوں نے ان کا نام عبداللہ بن جہم لیا ہے۔ اور یہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں اور ہم نے ان کا تذکرہ حرف الجیم میں کیا ہے۔

(۴۸۹) **عبداللہ بن جزء:** ۔ یہ عبداللہ بن جز ہیں جن کی کنیت ابوالحارث سھمی ہے مصر میں قیام تھا بدر میں شریک ہوئے ان سے ایک جماعت مصریوں کی روایت کرتی ہے ۸۵ھ میں مصر میں وفات پائی جزء میں جیم مفتوح زاء معجم ساکن آخر میں ہمزہ ہے۔

(۴۹۰) **عبداللہ بن جشی:** — یہ عبداللہ بن جشی خثعمی ہیں۔ ان کو شرف روایت حاصل ہوا۔ ان کا شمار اہل حجاز میں ہے۔ مکہ میں قیام کیا ان سے عبید بن عمیر وغیرہ روایت کرتے ہیں عبید اور عمیر دونوں مصغر ہیں۔

(۴۹۱) **عبداللہ بن ابی حدرد:** — یہ عبداللہ بن ابی حدرد ہیں ابوحدرد کا نام سلام بن عمر اسلمی ہیں غزوات میں پہلا غزوہ جس میں وہ شریک ہوئے حدیبیہ ہے اس کے بعد خیبر اور اس کے بعد کے غزوات میں بھی شریک ہوئے اے ھ میں انتقال فرمایا ان کی عمر ۸۱ سال کی ہوئی، اہل مدینہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ابن القعقاع وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۴۹۲) **عبداللہ بن حنظلہ:** — یہ عبداللہ بن حنظلہ انصاری ہیں۔ اور حنظلہ یہ وہی ہیں جن کو فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں یہ عبداللہ پیدا ہوئے اور آنحضور ﷺ کی جب وفات ہوئی تو ان کی عمر سات سال کی تھی، عبداللہ نے آنحضور کو دیکھا تھا۔ اور ان سے روایت بھی کی ہے یہ بڑے نیک نہاد صاحب فضل انصار میں سردار تھے یہی وہ شخص ہیں جن کے ہاتھ پر اہل مدینہ نے اس بات کے لئے بیعت کی تھی کہ یزید بن معاویہ کو خلافت سے علیحدہ کیا جائے اسی وجہ سے ۶۳ ھ میں واقعہ حرہ میں یہ قتل کئے گئے۔ ان سے ابن ابی ملیکہ اور عبداللہ بن یزید اور اسماء بنت زید بن الخطاب وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

(۴۹۳) **عبداللہ بن حولہ:** — یہ عبداللہ بن حولہ ازدی ہیں ملک شام میں ٹھہرے ان سے جبیر بن نفیر وغیرہ روایت کرتے ہیں ۸۰ ھ میں شام میں انتقال ہوا۔

(۴۹۴) **عبداللہ بن خبیب:** — یہ عبداللہ بن خبیب قبیلہ جہنیہ کے ہیں جو انصار کا حلیف تھا مدنی ہیں صحابی ہیں ان کی حدیث اہل حجاز میں پائی جاتی ہے۔ ان سے ابن معاذ روایت کرتے ہیں۔

(۴۹۵) **عبداللہ بن رواحہ:** — یہ عبداللہ بن رواحہ خزرجی انصاری ہیں نقباء میں سے یہ بھی ایک ہیں بیعت عقبہ میں موجود تھے، بدر، احد، خندق اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے مگر غزوہ فتح اور بعد کے غزوے کیونکہ جنگ موتہ میں ۸ ھ میں شہید کر دیئے گئے۔ یہ اس جنگ میں امیر فوج تھے۔ یہ بہترین کلام کہنے والے شعراء میں سے ہیں۔ ان سے ابن عباس وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

(۴۹۶) **عبداللہ بن الزبیر:** — یہ عبداللہ بن زبیر ہیں ان کی کنیت ابوبکر ہے۔ یہ اسدی قریشی ہیں ان کی یہ کنیت ان کے نانا جان ابوبکر صدیق کی کنیت پر اور ان کے نام پر نام آنحضور ﷺ نے رکھا تھا، مدینہ میں مہاجرین میں یہ سب سے پہلے اسلامی بچے تھے جو اھ میں پیدا ہونے حضرت ابوبکرؓ نے ان کے کان میں اذان کہی ان کی والدہ اسماء نے مقام قباء میں ان کو جنا اور ان کو آنحضور ﷺ کی گود میں رکھ دیا آپ ﷺ نے چھوارہ منگایا اور اس کو چبایا اور کچھ لعاب آپ ﷺ نے ان کے منہ میں ڈالا اور چھوارا چبا کر ان کے تالو سے لگایا تو سب سے پہلی چیز جو ان کے پیٹ میں داخل ہوئی وہ حضور ﷺ کے لعاب مبارک تھا، پھر آپ ﷺ نے ان کے لئے برکت کی دعا کی اور یہ بالکل صاف چہرے والے تھے، ایک بال بھی ان کے چہرے پر نہ تھا نہ داڑھی تھی۔ یہ بڑے روزے رکھنے والے اور بہت نوافل پڑھنے والے تھے موٹے تازے تھے، بڑے قوی بارعب تھے، حق بات ماننے والے تھے، تعلقات اور رشتہ کے قائم رکھنے والے تھے ان میں وہ باتیں جمع تھیں جو دوسروں میں نہ تھیں چنانچہ ان کے باپ آنحضور ﷺ کے مصاحبین میں سے تھے ان کی والدہ اسماء ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی تھیں ان کے نانا حضرت ابوبکرؓ تھے، ان کی دادی صفیہ آنحضور ﷺ کی پھوپھی تھیں، ان کی خالہ حضرت عائشہؓ تھیں جو ازواج مطہرات میں سے ہیں، آنحضور ﷺ سے بیعت کی جب کہ ان کی عمر آٹھ سال کی تھی، حجاج بن یوسف نے مکہ میں ان کو قتل کیا اور منگل کے دن ۱۷ جمادی الثانیہ ۷۳ ھ کو انہیں سولی پر لٹکا دیا۔ ان کے لئے ۶۴ ھ میں خلافت کے لئے بیعت لی گئی اس سے پہلے ان کی خلافت کی کوئی بات چیت نہ تھی، ان کی خلافت ماننے پر اہل حجاز یمن، عراق خراسان، وغیرہ سوائے شام کے یا کچھ حصہ شام کے سب تیار تھے اور

لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر آٹھ حج کئے، ان سے ایک بڑی جماعت روایت کرتی ہے۔

(۴۹۷) عبداللہ بن زمعہ: — یہ عبداللہ بن زمعہ قریشی اسدی ہیں ان کا شمار مدینہ والوں میں ہوتا ہے ان سے عروہ بن زبیر وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

(۴۹۸) عبداللہ بن زید: — یہ عبداللہ بن زید بن عبدربہ ہیں۔ انصاری خزرجی ہیں، بیعت عقبہ، بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے، ہیں، یہی وہ ہیں جن کو خواب میں ۱ھ میں کلمات آذان بتلائے گئے تھے، اہل مدینہ میں سے تھے ۳۲ھ مدینہ میں وفات پائی اور ان کی عمر ۶۴ سال کی ہوئی یہ خود اور ان کے والدین صحابی ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے محمد اور سعید بن مسیب اور ابن ابی لیلی روایت کرتے ہیں۔

(۴۹۹) عبداللہ بن زید: — یہ عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری ہیں بنو مازن میں سے ہیں، غزوہ احد میں شریک ہوئے مگر غزوہ بدر میں شرکت نہیں کر سکے۔ یہی وہ صحابی ہیں جنہوں نے مسیلمہ کذاب کو وحشی بن حرب کے ساتھ شریک ہو کر قتل کیا اور یہ عبداللہ واقعہ حرہ ۶۳ھ میں قتل کر دیئے گئے ان سے عباد بن تمیم جو ان کے بھتیجے ہیں اور ابن مسیب روایت کرتے ہیں۔ عباد بائے موحدہ کے تشدید کے ساتھ ہے۔

(۵۰۰) عبداللہ بن السائب: — یہ عبداللہ بن سائب مخزومی قریشی ہیں۔ ان سے مکہ والوں نے قرأت سیکھی ہے مکہ والوں میں ان کو شمار کیا جاتا ہے، ابن الزبیر کے قتل سے پہلے مکہ میں وفات ہوئی، ان سے ایک گروہ روایت کرتا ہے۔

(۵۰۱) عبداللہ بن سرجس: — یہ عبداللہ بن سرجس مزنی ہیں اور ان کو مخزومی بھی کہا جاتا ہے، میرا خیال یہ ہے کہ یہ مخزومیوں کے حلیف ہیں۔ مخزومی نہیں ہیں۔ یہ بصری ہیں ان کی حدیث بصرہ والوں میں پائی جاتی ہے ان سے عاصم احول وغیرہ روایت کرتے ہیں، سرجس میں دو سین ہیں جن کے درمیان جیم ہے۔ نرجس کے وزن پر ہے۔

(۵۰۲) عبداللہ بن سلام: — یہ عبداللہ بن سلام ہیں ان کی کنیت ابو یوسف ہے۔ اسرائیلی تھے۔ یوسف بن یعقوب علی نبینا و علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور یہ بنی عوف بن خزرج کے حلیف تھے، علمائے یہود میں سے تھے اور ان لوگوں میں سے جن کے لئے آنحضور ﷺ نے جنت کے داخلہ کی بشارت دی ہے، ان سے ان کے دو بیٹے یوسف و محمد وغیرہ روایت کرتے ہیں مدینہ میں ۴۳ھ میں انتقال ہوا، سلام میں لام پر تشدید نہیں ہے۔

(۵۰۳) عبداللہ بن سہل: — یہ عبداللہ بن سہل انصاری حارثی ہیں عبدالرحمان کے بھائی اور محیصہ کے بھتیجے یہ خیبر میں قتل کر دیئے گئے تھے انہیں کا ذکر باب القسامہ میں ہے۔

(۵۰۴) عبداللہ بن الشخیر: — یہ عبداللہ بن شخیر عامری ہیں۔ بصریوں میں شمار ہوتے ہیں آنحضور ﷺ کی خدمت میں بنی عامر کے وفد میں شامل ہو کر حاضر ہوئے ان سے ان کے دو بیٹے مطرف اور یزید روایت کرتے ہیں، شخیر میں شین معجمہ اور خاء معجمہ دونوں زیر سے ہیں خاء پر تشدید اور یائے تحتانی ساکن ہے۔

(۵۰۵) عبداللہ بن الصنابحی: — یہ عبداللہ صنابحی کے بیٹے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ ابو عبداللہ ہیں اور حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ میرے نزدیک درست یہ ہے کہ صنابحی ابو عبداللہ تابعی ہیں نہ عبداللہ صحابی اور کہا کہ عبداللہ صنابحی صحابہ میں مشہور نہیں ہیں اور صنابحی صحابی کی حدیث کو موطا امام مالکؒ نے اور امام نسائی نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے۔

(۵۰۶) عبداللہ بن عامر: - یہ عبداللہ بن عامر بن کریز قرشی ہیں، یہ حضرت عثمانؓ کے ماموں کے بیٹے ہیں، آنحضور ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے، آپ کے پاس لائے گئے، آپ نے ان پر دم کیا تھتکارا اور اعوذ پڑھی، جب آنحضور ﷺ کی وفات ہوئی تو ان کی عمر ۱۳ سال تھی، بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کچھ روایت نہیں کیا نہ آپ ﷺ سے سن کر یاد رکھا ۵۹ ھ میں وفات پائی، حضرت عثمانؓ نے ان کو خراسان اور بصرہ کا حاکم بنا دیا تھا۔ اور یہ وہاں برابر حاکم رہے یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے، پھر امارت کے اختیارات جب حضرت معاویہؓ کی طرف منتقل ہوئے تو ولایت خراسان و بصرہ ان کو دوبارہ دیدی گئی، یہ بڑے سخی کریم کثیر المناقب ہیں، انہوں نے ہی خراسان کو فتح کیا اور کسری شاہ فارس انہیں کی گورنری کے زمانہ میں قتل کر دیا گیا، اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ انہوں نے فارس کے تمام اطراف کو اور اس طرح عامہ خراسان و اصفہان کرمان اور حلوان کو فتح کیا، انہوں نے ہی بصرہ کی نہر کھدوائی ہے۔

(۵۰۷) عبداللہ بن عباس: - یہ عبداللہ بن عباسؓ آنحضور ﷺ کے محترم چچا کے بیٹے ہیں ان کی ماں لبابہ حارث کی بیٹی اور حضرت میمونہ ام المؤمنین کی بہن ہیں، ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے اور جب آنحضور کی وفات ہوئی ہے ان کی عمر ۱۳ سال کی یا ۱۵ سال کی تھی بعض نے کہا ہے کہ دس سال کی عمر تھی اُمت محمدیہ کے بڑے عالم اور بہترین اشخاص میں سے تھے، آنحضور ﷺ دینی فہم وہنر و تفسیر قرآن کی ان کو دعا دی، انہوں نے جبرئیل آمین کو دو مرتبہ دیکھا تھا، مسروق کا قول ہے کہ میں جب عبداللہ بن عباس کو دیکھتا تھا تو کہتا تھا کہ یہ سب سے زیادہ حسین وجمیل ہیں اور جب وہ بات چیت کرتے تھے تو میں کہتا کہ یہ سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہیں جب حدیث بیان کرتے تو کہا کرتا تھا۔ کہ یہ سب سے زیادہ عالم ہیں حضرت عمرؓ کے یہاں یہ بہت مقرب تھے اور اپنے نزدیک جگہ دیتے تھے اور جلیل القدر صحابہ کے ساتھ مشورہ کرنے میں ان کو بھی شریک فرمایا کرتے تھے، آخر عمر میں ان کی بینائی جاتی ہیں رہی تھی، بمقام طائف ۶۸ ھ میں بزمانہ ابن زبیر جب کہ یہ اکہتر سال کے تھے وفات پائی ان سے بڑی جماعت صحابہ اور تابعین کی روایت کرتی ہے اور یہ گورے رنگ والے لابنے قد والے تھے ان کے رنگ میں زردی کی امیزش تھی، موٹے تازے حسین خوش رو تھے ان کے سر پر کافی بال تھے جن میں مہندی لگاتے تھے۔

(۵۰۸) عبداللہ بن عمر: - یہ عبداللہ عمر بن خطاب کے صاحبزادے ہیں قرشی عدوی ہیں اپنے والد صاحب کے ساتھ مکہ میں بچپن ہی میں ایمان لے آئے تھے۔ یہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے اور ان کے غزوہ احد کے شریک ہونے میں اختلاف ہے صحیح بات یہ ہے کہ سب سے پہلا غزوہ جس میں یہ شریک ہوئے ہیں خندق ہے، بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ بدر کے دن بچہ ہونے کی وجہ سے بھرتی نہیں کئے گئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو احد کے دن شریک ہونے کی اجازت دے دی تھی۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ یوم احد میں آپ کو واپس کر دیا اس لئے کہ اس وقت ان کی عمر ۱۴ سال کی تھی، اس کے بعد غزوۂ خندق میں اور دوسرے غزوات میں شریک ہوئے ہیں یہ بڑے علم، زہد، تقوی پرہیزگاری والے تھے، معاملات میں بڑی دیکھ بھال اور احتیاط کرتے تھے، جابر بن عبداللہ نے فرمایا کہ ہم میں کوئی نہیں بچا کہ دنیا اس پر مائل ہوگئی اور وہ دنیا کی طرف جھک گیا سوائے حضرت عمرؓ کے اور ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر کے، حضرت میمون بن مہران کا قول ہے۔ میں نے حضرت ابن عمر سے زیادہ محتاط اور پرہیزگار کسی کو نہیں دیکھا اور حضرت عبداللہ ابن عباس سے زیادہ کسی کو عالم نہیں پایا، اور حضرت نافع نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی حیات میں ایک ہزار بلکہ اس سے زیادہ انسانوں کو غلامی کی قید سے آزاد کیا تھا نزول وحی سے ایک سال قبل ان کی ولادت ہوئی اور ۷۳ ھ میں ابن زبیر کے قتل کے تین ماہ بعد اور بقول بعض چھ ماہ بعد وفات پائی انہوں نے وصیت کی تھی کہ مجھ کو حل میں دفن کیا جائے، لیکن حجاج کی وجہ سے یہ وصیت پوری نہ ہوسکی اور مقام ذی طوی میں مہاجرین کے قبرستان میں دفن کئے گئے، اور حجاج نے ایک شخص کو حکم دیا تھا جس کے مطابق اس نے اپنے نیزے کے نیچے کی

بوری کو زہر میں بجھالیا اور راستہ میں اس نے آپ سے مزاحمت کی اور اپنے نیزہ کی بوری کو آپ کے قدم کے پشت میں چبھو دیا اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ حجاج نے ایک دن خطبہ دیا اور نماز میں بہت تاخیر کردی اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ سورج تمہارے لئے ٹھہرا نہیں رہے گا، اس پر حجاج نے کہا کہ میں نے ٹھان لیا تھا کہ میں تمہاری بینائی کو نقصان پہنچاوں، حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا اگر تو ایسا کرے گا تو تعجب کیا ہے کیونکہ تو بڑا بے وقوف ہے، اور ہم پر زبردستی کا حاکم ہے بعض نے کہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی اس بات کو آہستہ کہا اور حجاج کو نہیں سنایا اور آپ حجاج بن یوسف سے تمام مواقف اور مقامات میں جہاں آنحضور ﷺ ٹھہرے یا اترے تھے پیش پیش رہتے رہے یہ بات حجاج کو بڑی ناگوار تھی، عبداللہ بن عمرؓ کی عمر ۸۴ سال کی ہوئی اور بعض نے کہا ہے کہ ۸۶ سال کی، ان سے بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں۔

(۵۰۹) عبداللہ بن عمرو بن العاص: — یہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سہمی قریشی ہیں، اپنے باپ سے پہلے اسلام لے آئے ان کے باپ ان سے تیرہ سال بڑے تھے۔ بعض نے بارہ سال کہا ہے بڑے عابد، عالم حافظ کتابوں کے پڑھنے والے تھے۔ آنحضور ﷺ سے آپ ﷺ کی احادیث کے بارے میں لکھنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی، ان کی وفات کے بارے میں اختلاف ہوا ہے بعضوں نے کہا ہے کہ واقعہ حرہ کی راتوں میں ذی الحجہ ۶۴ھ میں وفات ہوئی۔ بعض نے ۷۳ھ میں کہا ہے اور بعض نے مکہ میں ۶۷ھ میں وفات بتلائی ہے بعض　طائف میں ۵۵ھ میں ان کی موت بتلاتے ہیں، ان سے بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں۔ یعلی بن عطاء اپنی والدہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن عمرو بن العاص کے لئے سرمہ بنایا کرتی تھیں کیونکہ یہ رات بھر عبادت کیا کرتے تھے، چراغ بجھا کر بہت رویا کرتے تھے، حتی کہ ان کی آنکھوں کی پلکیں گرگئی تھیں، بعض نسخوں میں رنج کے معنی پپوٹوں میں فساد پیدا ہونا لکھا ہے۔

(۵۱۰) عبداللہ بن مسعود: — یہ عبداللہ بن مسعود ہیں ان کی کنیت ابو عبدالرحمان ہے، ہذلی ہیں آنحضور ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے حضرت عمر کے اسلام لانے سے کچھ زمانہ قبل شروع میں اسلام لے آئے تھے، اور کہا گیا ہے کہ اسلام لانے والوں میں یہ چھٹے شخص ہیں۔ آنحضور ﷺ نے ان کو اپنے پاس ہی رکھ لیا تھا، یہ آپ ﷺ کے خاص خدام میں داخل ہوگئے تھے۔ آنحضور ﷺ کے گہرے رازداں تھے، آپ ﷺ کی مسواک اور نعلین مبارک اور وضو کا پانی سفر میں لئے رکھتے تھے، حبشہ کی طرف ہجرت کی غزوۂ بدر اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک تھے، آنحضور ﷺ نے ان کے لئے جنت کی بشارت دی اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو ام عبد کا بیٹا میری اُمت کے لئے پسند کرے میں بھی اسی کو پسند کرتا ہوں اور جس چیز کو امت کے لئے وہ ناپسند جانے اس کو میں بھی برا سمجھتا ہوں، آنحضور ﷺ کی مراد ابن ام عبد سے حضرت ابن مسعود ہیں، یہ آنحضور کے ساتھ آپ ﷺ کی ظاہری صورت اور حلم و وقار اور سیرت میں مشابہ تھے، یہ ہلکے بدن والے، چھوٹے قد والے، گہرا گندمی رنگ والے تھے۔ کیف الجثہ تھے۔ لابنے قد کے لوگ بیٹھنے کی حالت میں ان کے پورے قد کے برابر معلوم ہوتے تھے، کوفہ میں مسند قضا کے مالک بنائے اور وہاں کے بیت المال کی ذمہ داری بھی حضرت عمر کی خلافت میں اور ابتدائی دور خلافت عثمانی میں ان کے سپرد کی گئی، پھر یہ مدینہ کی طرف لوٹ گئے اور وہاں پر ۳۲ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے، ان کی عمر کچھ اوپر ساٹھ سال ہوئی۔ ان سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ اور تابعین روایت کرتے ہیں۔

(۵۱۱) عبداللہ بن قرط: — یہ عبداللہ بن قرط ازدی ثمالی ہیں، ان کا نام پہلے شیطان تھا، آنحضور ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ یہ شامیوں میں شمار ہوتے ہیں اور ان کی حدیث اہل شام میں پائی جاتی ہے، یہ عبیدہ بن جراح کی طرف سے حمص کے حاکم تھے، ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے ملک روم میں ۸۶ھ کے اندر قتل کئے گئے۔ قرط قاف کے پیش اور رائے مہملہ کے ساتھ ہے۔

(۵۱۲) عبداللہ بن غنام: — یہ عبداللہ بن غنام بیاضی ہیں، ان کا شمار اہل حجاز میں ہوتا ہے، ان کی حدیث دعا کے بارے میں ربیعۃ بن ابی عبدالرحمٰن عن عبدالله بن عنبسة عن عبدالله بن غنام۔ کی سند کے ساتھ ربیعہ کے پاس ہے۔

(۵۱۳) عبداللہ بن مغفل: — یہ عبداللہ بن مغفل مزنی ہیں یہ اصحاب شجرہ میں سے ہیں (یعنی بیعت تحت الشجرہ کرنے والوں میں داخل ہیں۔ مدینہ میں قیام فرمایا پھر وہاں سے بصرہ چلے گئے اور یہ ان دس میں سے ایک شخص ہیں، جن کو حضرت عمرؓ نے بصرہ کی طرف بھیجا تھا جو لوگوں کو دین سکھلاتے تھے۔ بصرہ میں ۶۰ھ کو انتقال فرمایا۔ ان سے ایک جماعت تابعین کی جنمیں حسن بصری بھی ہیں روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ بصرہ میں ان سے زیادہ بزرگ کوئی نہیں آیا۔

(۵۱۴) عبداللہ بن ہشام: — یہ عبداللہ بن ہشام قرشی تیمی ہیں۔ اہل حجاز میں مانے جاتے ہیں، ان کی ماں زینب بنت حمید ان کو لے کر آنحضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں جب کہ یہ بچے تھے تو آپ ﷺ نے ان کے سر پر دست مبارک پھیرا اور ان کے لئے دعا فرمائی مگر صغیر السن ہونے کی وجہ سے بیعت نہ فرمائی ان سے ان کے پوتے زہرہ روایت کرتے ہیں۔

(۵۱۵) عبداللہ بن یزید: — یہ عبداللہ بن یزید خطمی انصار میں سے ہیں جب کہ یہ سترہ سال کے تھے تو غزوہ حدیبیہ میں حاضر ہوئے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے دور خلافت میں کوفہ کے گورنر تھے اور ان کی خلافت میں ہی ان کا انتقال کوفہ میں ہوا، شعبی ان کے کاتب تھے ان سے ان کے بیٹے موسیٰ اور ابوبردہ بن ابوموسیٰ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

(۵۱۶) عاصم بن ثابت: — یہ عاصم بن ثابت ہیں جن کی کنیت ابوسلیمان ہے یہ انصار میں سے ہیں جنگ بدر میں شریک ہوئے، یہی وہ عاصم ہیں جن کو شہد کی مکھیوں کے چھتے نے مشرکوں سے محفوظ رکھا تھا کیونکہ مشرکین مکہ غزوہ رجیع میں ان کا سر کاٹ کر لے جانا چاہتے تھے جب کہ ان کو بنولحیان نے قتل کر دیا تھا، اسی وجہ سے ان کا نام حمی الدبر من المشرکین رکھا گیا، یہ عاصم بن ثابت نانا ہیں عاصم بن عمر بن الخطاب کے، ایک دوسرے نسخہ میں اس طرح ہے کہ آنحضور ﷺ نے دس آدمیوں کا چھوٹا سا لشکر بنا کر بھیجا جس کے امیر یہ عاصم بن ثابت بنائے گئے یہ لشکر چلتا رہا یہاں تک کہ جب وہ مکہ اور عسفان کے درمیان پہنچا تو قبیلہ بنی لحیان کے تقریباً دو سو آدمی ان کے پیچھے لگ گئے جو سب کے سب تیر انداز تھے اور ان لوگوں نے اس اسلامی لشکر کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ ان کو پتہ چل گیا کہ ان کا زاد راہ مدینہ کی کھجوریں ہیں (گٹھلیاں ایک جگہ پڑی ہوئی دیکھ کر انہوں نے یہ سراغ لگالیا۔" اور کہا کہ یہ یثرب یعنی مدینہ کی کھجوریں ہیں (اس لئے یہ جماعت مدینہ سے آئی ہے لہٰذا تعاقب شروع کر دیا۔) جب عاصم اور ان کے ساتھیوں نے ان کو دیکھا تو ایک اونچی جگہ پر چڑھ کر پناہ لی مگر کفار نے ان کو آگھیرا۔ اور کہنے لگے کہ تم لوگ نیچے آجاؤ اور اپنے کو ہمارے حوالے کر دو۔ اور تم کو ہماری طرف سے امان حاصل ہے۔ پس عاصم نے کہا کہ (میرے ساتھیو کو اختیار ہے) رہا میں پس قسم اللہ کی میں تو کسی کافر کی ذمہ داری قبول کر کے نہیں اتروں گا، اے اللہ ہمارے حال کی خبر اپنے نبی برحق کو پہنچا دے، یہ سن کر کفار نے ان کی طرف تیر چلائے اور عاصم کو ان سات میں قتل کر دیا اللہ تعالیٰ نے عاصم کی دعا جس دن ان کے تیر لگے قبول فرمائی اور آنحضور ﷺ کو ان کی شہادت کی اطلاع دے دی چنانچہ ان کے قتل کی خبر آنحضور ﷺ نے صحابہ کو پہنچائی کفار قریش نے جب کہ ان کو عاصم کے قتل کی خبر ملی تو ایک قاصد کو بھیجا تاکہ وہ ان کے پاس عاصم کے کسی عضو کو کاٹ کر لائے جس سے یہ پتہ چل جائے کہ عاصم ہی قتل ہوئے ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے عاصم کے بدن کی حفاظت کے لئے شہد کی مکھیوں کو بھیج دیا، جو ان کے اوپر شامیانہ کی طرح چھاگئیں اور ان کے جسم کی حفاظت کرتی رہیں۔ لہٰذا یہ قاصد ان کے جسم کا کوئی حصہ لے جانے پر قادر نہ ہو سکا۔ یہ اس بیان کا اختصار ہے جو بخاری نے روایت کیا ہے، یہ عاصم بن ثابت، عاصم بن عمر بن خطاب کے نانا ہیں۔

(۵۱۷) عامر الرام: — یہ عامر الرام ہیں ان کو آنحضورؐ کی زیارت اور روایت کا شرف حاصل ہوا ہے، ان سے ابو منظور روایت کرتے

ہیں۔ الرام رائے مہملہ کے زبر کے ساتھ ہے، یہ دراصل رامی ہے (جس میں سے یاء حذف کردی گئی۔)

(۵۱۸) عامر بن ربیعہ: — یہ عامر بن ربیعہ ہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ الغزی ہے ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں کے مہاجر ہیں غزوۂ بدر اور دوسرے تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں قدیم الاسلام ہیں ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے ۳۲ھ میں وفات پائی۔

(۵۱۹) عامر بن مسعود: — یہ عامر بن مسعود بن امیہ بن خلف جمحی ہیں۔ صفوان بن امیہ کے بھتیجے ہیں ان سے نمیر بن عریب روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذی نے ان کی حدیث صوم کے بارے میں نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اس لئے کہ عامر بن مسعود نے آنحضور ﷺ کو نہیں پایا اور ابن مندہ اور ابن عبدالبر نے ان کا اسمائے صحابہ میں ذکر کیا ہے اور ابن معین نے کہا کہ ان کو صحبت نبوی نصیب نہیں عریب عین مہملہ کا زبر رائے مہملہ کا زیر دو نقطوں والی یا ساکن ہے اور آخر میں بائے موحدہ ہے۔

(۵۲۰) عائذ بن عمرو: — یہ عائذ بن عمرو مدنی ہیں۔ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے ہیں۔ بصرہ میں رہے اور ان کی حدیث بصریوں میں پائی جاتی ہے۔ ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

(۵۲۱) عباد بن بشر: — یہ عباس بن بشر انصاری ہیں سعد بن معاذ کے اسلام لانے سے قبل یہ مدینہ میں اسلام لائے ہیں غزوۂ بدر، احد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں جن لوگوں نے کعب بن اشرف یہودی کو قتل کیا تھا یہ بھی ان میں داخل ہیں فضلائے صحابہ میں سے ہیں ان سے انس بن مالک اور عبدالرحمان بن ثابت روایت کرتے ہیں، جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ ان کی عمر ۴۵ سال کی ہوئی، عباد میں عین کے زبر اور باء موحدہ کے تشدید کے ساتھ ہے۔

(۵۲۲) عباد بن عبدالمطلب: — یہ عباد بن عبدالمطلب ہیں، ان کا تذکرہ ان حضرات میں آتا ہے جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ان سے کوئی روایت نہیں پائی جاتی، عباد بائے موحدہ کے تشدید کے ساتھ ہے اور مطلب طاء کے تشدید اور لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

(۵۲۳) عبادہ بن صامت: — یہ عبادہ بن صامت ہیں ان کی کنیت ابوالولید ہے انصاری سالمی ہیں۔ یہ نقیبوں میں سے تھے عقبہ اولی عقبہ ثانیہ عقبہ ثالثہ میں شریک ہوئے بدر اور تمام غزوات میں بھی شریک رہے ہیں، پھر ان کو حضرت عمرؓ نے شام میں قاضی اور معلم بنا کر بھیجا، اور ان کا مستقر حمص کو بنایا تھا، اس کے بعد یہ فلسطین تشریف لے گئے اور وہیں مقام رملہ میں اور بقول بعض بیت المقدس میں ۳۴ھ میں جب کہ ان کی عمر ۷۲ سال کی تھی وفات پائی ان سے ایک جماعت صحابہ اور تابعین کی روایت کرتی ہے عبادہ عین کے پیش اور باء غیر مشدد کے ساتھ ہے۔

(۵۲۴) عباس بن عبدالمطلب: — یہ عباس بن عبدالمطلب حضور ﷺ کے محترم چچا ہیں، آپ ﷺ سے دو سال بڑے تھے ان کی ماں نمر بن قاسط کی ایک عورت ہیں یہ پہلی عربی عورت ہیں جنہوں نے خانہ کعبہ کو ریشم اور دیبا اور طرح طرح کا غلاف پہنایا صورت یہ ہوئی تھی کہ حضرت عباسؓ بچپن میں گم ہوگئے تھے تو انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر وہ مجھے مل گئے تو میں بیت اللہ پر غلاف چڑھاؤنگی جب ان کی ماں نے ان کو پالیا تو ایسا کیا۔ حضرت عباسؓ دور جاہلیت میں بڑے سردار تھے مسجد حرام کی عمارت یعنی آبادی واحترام اور سقایہ کے یہی ذمہ دار تھے، سقایہ (جس کا مطلب آب زمزم پلانے کی خدمت ہے) یہ تو ایک مشہور بات ہے۔ رہا عمارت پس اس کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت عباسؓ قریش کو اس بات پر آمادہ کیا کرتے تھے کہ وہ خانہ کعبہ میں گالی گلوچ اور گناہوں کو چھوڑ کر بھلائی اور نیکی کے ساتھ اس کو آباد کریں۔ اور مجاہد کا بیان ہے کہ حضرت عباس نے اپنی موت کے وقت ستر غلام آزاد کئے تھے یہ واقعہ فیل سے ایک سال قبل پیدا ہوئے اور جمعہ کے دن ۱۲ رجب ۳۲ھ میں جب کہ ان کی عمر ۸۸ سال کی تھی وفات پائی جنت البقیع میں دفن ہوئے ابتداء ہی میں اسلام لے آئے تھے، مگر اپنے اسلام کو چھپائے رہے چنانچہ بدر کے معرکہ میں مشرکین کے مجبور کرنے سے نکلے تو

آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جو عباس سے ملے تو ان کو قتل نہ کرے کیونکہ وہ زبردستی جنگ میں شریک کئے گئے ہیں، پس ان کو ابوالیسر کعب بن عمر نے قید کرلیا تو حضرت عباسؓ نے اپنے نفس کا فدیہ دیا اور مکہ واپس ہوگئے پھر اس کے بعد مدینہ ہجرت کر کے تشریف لائے ہیں۔ ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

(۵۲۵) عباس بن مرداس: — یہ عباس بن مرداس ہیں ان کی کنیت ابوالہیثم ہے سلمی ہیں شاعر ہیں، ان کا شمار مؤلفۃ القلوب میں ہے فتح مکہ سے کچھ پہلے اسلام لائے اور فتح مکہ کے بعد اسلام میں پختگی پیدا ہوگئی یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو جاہلیت کے دور میں بھی شراب نوشی کو حرام سمجھتے تھے ان سے ان کے بیٹے کنانہ روایت کرتے ہیں، کنانہ کاف کے کسر اور دو نون کے ساتھ ہے جس کے درمیان میں الف ہے۔

(۵۲۶) عبدالمطلب بن ربیعہ: — یہ عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب بن ہاشم ہیں۔ قرشی ہیں۔ مدینہ میں رہے پھر وہاں سے دمشق چلے گئے اور وہیں ۶۲ھ میں وفات پائی ان سے عبداللہ بن حارث روایت کرتے ہیں۔

(۵۲۷) عبداللہ بن محصن: — یہ عبداللہ بن محصن انصاری خطمی ہیں اہل مدینہ میں ان کا شمار ہوتا ہے اور ان کی حدیث ان میں پائی جاتی ہے ان سے ان کے بیٹے سلمہ روایت کرتے ہیں حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ کچھ لوگ ان کی حدیث کو مرسل کہتے ہیں۔

(۵۲۸) عبید بن خالد: — یہ عبید بن خالد سلمی بہزی مہاجری ہیں کوفہ میں رہے ان سے کوفیوں کی ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

(۵۲۹) عتاب بن اسید: — یہ عتاب بن اسید قرشی اموی ہیں فتح مکہ کے دن اسلام لائے آنحضور ﷺ نے ان کو فتح مکہ کے دن جب کہ آپ ﷺ غزوۂ حنین کے لئے تشریف لے جا رہے تھے مکہ کا حاکم بنا دیا تھا آنحضور ﷺ کی جب وفات ہوئی ہے تو یہی مکہ کے حاکم تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو مکہ کا حاکم برقرار رکھا یہاں تک کہ ان کی وفات مکہ ہی میں ۱۳ھ کے اندر جس دن کہ حضرت ابوبکر کی وفات ہوئی ہے واقع ہوئی یہ قریش کے سرداروں میں سے تھے نہایت نیک صالح تھے ان سے عمرو بن ابی عقرب روایت کرتے ہیں عتاب عین کے زبر تاء کے تشدید کے ساتھ ہے اور اسید ہمزہ کے زبر اور سین کے زیر کے ساتھ ہے۔

(۵۳۰) عتبہ بن اسید: — یہ عتبہ بن اسید ہیں ان کی کنیت ابوبصیر ہے ثقفی ہیں بنی زہرہ کے حلیف ہیں پرانے اسلام لانے والوں میں سے ہیں ابتداء سے صحبت نبوی حاصل رہی ان کا ذکر غزوۂ حدیبیہ کے سلسلہ میں آتا ہے، یہی وہ ہیں جن کے بارے میں آنحضور ﷺ نے فرمایا اس شخص کی بہادری پر تعجب ہے اگر اس کے پاس کچھ بہادر ہوتے تو یہ لڑائی کی آگ کے خوب بھڑکانے والوں میں سے ہیں حضور ﷺ کے زمانہ ہی میں انتقال فرمایا۔ اسید ہمزہ کے فتحہ اور سین مہملہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

(۵۳۱) عتبہ بن عبدالسلمی: — یہ عتبہ بن عبد سلمی ہیں۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ عتبہ نذر کے بیٹے ہیں اور یہ کہ بعض کی رائے ہے کہ دونوں عتبہ دو علیحدہ شخص ہیں اور اسی قول کی طرف ان کا میلان ہے۔ لیکن بخاری نے ان دونوں کو دو علیحدہ شخص مانا ہے یہی رائے ابوحاتم رازی کی ہے اور یہ عتبہ ان کا نام عقلہ تھا۔ آنحضورؐ نے ان کا نام عتبہ رکھا تھا۔ یہ غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے ہیں ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔ واقدی کے قول کے مطابق شام میں مرنے والے صحابہ میں سے یہ آخری صحابی ہیں۔

(۵۳۲) عتبہ بن غزوان: — یہ عتبہ بن غزوان مازنی ہیں قدیم الاسلام ہیں پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ کی طرف اور جنگ بدر میں شریک ہوئے، ایک قول یہ ہے کہ یہ چھ مردوں کے بعد ساتویں اسلام لانے والے شخص ہیں حضرت عمرؓ نے ان کو بصرہ کا حاکم

بنادیا تھا پھر یہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے ان کو وہیں کا والی بنا کر پھر واپس کر دیا تو ۵۱ھ میں جب کہ ان کی عمر ستاون سال کی تھی راستہ میں وفات پائی ان سے خالد بن عمیر روایت کرتے ہیں۔

(۵۳۳) **عدا ابن خالد:** — یہ عداء بن خالد بن ہوذہ عامری ہیں، فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور صحرا نشین تھے۔ ان کی حدیث بصرہ والوں کے نزدیک پائی جاتی ہے ان سے ابورجاء وغیرہ روایت کرتے ہیں عداء عین کے فتحہ دال کے تشدید کے ساتھ ہے۔

(۵۳۴) **عدی بن حاتم:** — یہ عدی بن حاتم طائی ہیں شعبان ۷ھ میں آنحضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کوفہ میں آئے اور وہاں ہی رہنے لگے جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حمایت میں ان کی آنکھ پھوٹ گئی تھی، جنگ صفین اور نہروان میں بھی شریک ہوئے ہیں ۶۷ھ میں کوفہ کے اندر انتقال کیا جب کہ ان کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی، بعضوں نے کہا کہ قرقیسا میں انتقال کیا، ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہیں۔

(۵۳۵) **عدی بن عمیرہ:** — یہ عدی بن عمیرہ کندی حضرمی ہیں، کوفہ میں سکونت رکھتے تھے پھر جزیرہ کی طرف منتقل ہو گئے اور وہیں رہے اور انتقال کیا، قیس بن ابی حازم وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں عمیرہ عین کے فتحہ میم کے کسرہ اور راء کے ساتھ ہے۔

(۵۳۶) **عرباض بن ساریہ:** — یہ عرباض بن ساریہ ہیں ان کی کنیت ابونجیح سلمی ہے اہل صفہ میں سے تھے، شام میں قیام کیا اور وہیں ۷۵ھ میں انتقال فرمایا۔ ان سے ابوامامہ اور ایک جماعت تابعین کی روایت کرتی ہے، نجیح نون کے زبر جیم کے زیر اور حاء مہملہ کے ساتھ ہے۔

(۵۳۷) **عرفجہ بن اسعد:** — یہ عرفجہ بن اسعد ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے طرفہ روایت کرتے ہیں، یہی وہ ہیں جن کو آنحضور صلعم نے حکم دیا تھا کہ یہ اپنی ناک چاندی کی بنوالیں پھر اس کے بعد سونے کی بنوانے کا حکم دے دیا تھا، یوم کلاب میں ان کی ناک کٹ گئی تھی کلاب کاف کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

(۵۳۸) **عروہ بن ابی الجعد:** — یہ عروہ بن الجعد بارقی ہیں، حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا قاضی بنادیا تھا، یہ کوفیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی حدیث کوفیوں میں پائی جاتی ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ یہ عروہ بن ابی الجعد ہیں ابن مدینی نے کہا ہے کہ جو ان کو ابن الجعد کہتا ہے وہ غلطی کرتا ہے، عروہ تو ابوالجعد ہی کے بیٹے ہیں، ان سے شعبی وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

(۵۳۹) **عروہ بن مسعود:** — یہ عروہ بن مسعود ہیں صلح حدیبیہ میں بحالت کفر شریک تھے، ۹ھ میں طائف سے واپسی کے بعد آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے ان کی زوجیت میں متعدد عورتیں تھیں آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ان میں سے چار بیویوں کو اپنے لئے اختیار کر لیں، اس کے بعد انہوں نے واپس ہونے کی اجازت چاہی، یہ واپس ہوئے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی لیکن قوم نے ان کی بات نہ مانی جب نماز فجر کا وقت ہوا تو اپنے مکان کے بالا خانے پر چڑھے اور آذان دی، جب اشھد ان لا الہ اللہ کہا تو قبیلہ ثقیف کے ایک شخص نے ان کے تیر مارا اور ان کو قتل کر دیا، جب آنحضور ﷺ کو ان کے قتل کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عروہ بن مسعود کا حال اس شخص کی طرح ہے جس کا ذکر سورہ یٰسین میں ہے۔ جس نے اپنی قوم کو خدا کی طرف دعوت دی اور قوم نے اس کو قتل کر دیا۔

(۵۴۰) **عطیہ بن قیس:** — یہ عطیہ بن قیس سعدی ہیں ان کو آنحضور ﷺ سے روایت اور رؤیت حاصل ہے، اہل یمن اور اہل شام ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۵۴۱) **عطیہ بن بسر:** - یہ عطیہ بن بسر مازنی ہیں اور عبد اللہ بن بسر کے بھائی ہیں۔ امام ابوداؤد نے ان کی حدیث کو ان کے بھائی عبد اللہ کے ساتھ اس طرح ذکر کیا ہے عن ابنی بسر یعنی بسر کے دونوں بیٹوں سے روایت ہے اور ان دونوں کا نام نہیں ذکر کیا اور ان کی یہ روایت کتاب الطعام میں منقول ہے کہ جو مکھن اور چھوارہ کے بارہ میں ہے ان سے مکحول روایت کرتے ہیں۔

(۵۴۲) **عطیہ القرظی:** - یہ عطیہ قرظی ہیں جو بنو قریضہ کے قیدیوں میں سے ہیں، یوں ہی کہا جاتا ہے، حافظ ابن عبد البر نے فرمایا کہ میں ان کے باپ کے نام سے واقف نہیں ہوں انہوں نے آنحضور ﷺ کو دیکھا ہے اور آپ ﷺ کے ارشادات بھی سنے۔ ان سے مجاہد وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

(۵۴۳) **عقبہ بن رافع:** - یہ عقبہ بن رافع قرشی ہیں افریقہ میں شہید کر دیئے گئے ان کو قتل کرنے والا حریر ہے ۶۳ھ میں یہ واقعہ پیش آیا، ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔ ان کا ذکر تعبیر رویا میں آیا ہے۔

(۵۴۴) **عقبہ بن عامر:** - یہ عقبہ بن عامر جہنی ہیں، حضرت معاویہؓ کی طرف سے عتبہ بن ابی سفیان کے بعد مصر کے حاکم تھے، پھر حضرت معاویہؓ نے ان کو معزول کر دیا تھا ۸۵ھ میں مصر کے اندر وفات پائی، ان سے ایک جماعت صحابہ کی اور بہت سے حضرات تابعین میں سے نقل کرتے ہیں۔

(۵۴۵) **عقبہ بن الحارث:** - یہ عقبہ بن حارث قریشی ہیں فتح مکہ کے دن ایمان لائے ان کا شمار مکہ والوں میں ہوتا ہے ان سے عبد اللہ ابی ملیکہ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

(۵۴۶) **عقبہ بن عمرو:** - یہ عقبہ بن عمرو ہیں ان کی کنیت ابو مسعود ہے ان کا ذکر ہم حرف میم میں کریں گے۔

(۵۴۷) **عکاشہ بن محصن:** - یہ عکاشہ بن محصن اسدی ہیں جو بنی امیہ کے حلیف تھے۔ جنگ بدر جس میں انہوں نے عجیب کارنامہ کیا تھا اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ ان کی تلوار غزوۂ بدر میں ٹوٹ گئی تو آنحضور ﷺ کی برکت سے وہ لکڑی تلوار بن گئی تھی یہ بڑے فضل والے صحابہ میں سے ہیں، حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں جب کہ ان کی عمر ۴۵ھ سال تھی انتقال ہوا۔ ان سے حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس اور ان کی بہن ام قیس روایت کرتی ہیں۔ عکاشہ میں عین کا پیش اور کاف پر تشدید ہے اور کاف غیر مشدد بھی مستعمل ہے لیکن تشدید کا استعمال زیادہ ہے آخر میں شین معجمہ ہے۔ محصن میں میم کا زیر حاء کا زبر آخر میں نون ہے۔

(۵۴۸) **عکرمہ بن ابی جہل:** - یہ عکرمہ بن ابی جہل ہیں ان کے والد ابو جہل کا نام عروہ بن ہشام مخزومی قریشی ہے یہ اور ان کے باپ آنحضور ﷺ سے بڑی سخت عداوت رکھتے تھے۔ اور یہ مشہور شہسوار تھے فتح مکہ کے دن بھاگ کر یمن چلے گئے تھے، اس کے بعد ان کی بیوی ام حکیم بنت الحارث ان کے پاس پہنچ گئیں اور ان کو لے کر آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ جب آنحضور ﷺ نے ان کو دیکھا تو "مہاجر سوار" کہہ کر خوش آمدید فرمایا ۸ھ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور صحیح معنی میں اسلام لائے جنگ یرموک میں ۱۳ھ میں جب کہ ان کی عمر ۶۲ سال تھی قتل کئے گئے، حضرت ام سلمہ آنحضور سے روایت کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں ابو جہل کے لئے جنت میں کھجور کے درخت دیکھے تھے، جب عکرمہ اسلام لائے تو حضور نے فرمایا کہ تمہارے خواب کی یہ تعبیر ہے اور عکرمہ نے آنحضور سے یہ شکایت کی کہ جب میں مدینہ میں چلتا پھرتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے دشمن ابو جہل کا بیٹا ہے۔ اس پر آپ ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوگئے اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا کہ لوگ سونے اور چاندی کے کانوں کی طرح ہیں جو جاہلیت کے دور میں اچھے تھے وہ اسلام لانے کے بعد بھی جب کہ ان کو دین کی سمجھ آجائے اچھے اور بہترین ہیں۔ اس لئے کسی برے عنوان سے ان کا چرچا نہ کرو۔

(۵۴۹) **العلاء بن الحضرمی:** - یہ علاء بن حضرمی ہیں حضرمی کا نام عبداللہ ہے حضر موت کے باشندوں میں سے ہیں آپ ﷺ کی طرف سے بحرین پر حاکم تھے حضرت عمرؓ نے ان کو اپنے زمانہ میں بھی بحرین کا حاکم رکھا، یہاں تک کہ یہ علاء ۱۴ھ میں انتقال فرما گئے ان سے سائب بن یزید وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

(۵۵۰) **علقمہ بن وقاص:** - یہ علقمہ بن وقاص لیثی ہیں آنحضور ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں مدینہ کے اندر وفات پائی ان سے ان کے پوتے عمرو اور محمد ابراہیم تیمی روایت کرتے ہیں۔

(۵۵۱) **عمار بن یاسر:** - یہ عمار بن یاسر عنسی ہیں، بنی مخزوم کے آزاد کردہ اور حلیف ہیں، اس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت عمار کے والد یاسر مکہ میں اپنے دو بھائیوں کے ساتھ جن کے نام حارث اور مالک تھا اپنے چوتھے بھائی کی تلاش میں تشریف لائے پھر حارث اور مالک تو یمن کی طرف واپس ہو گئے مگر یاسر مکہ میں مقیم ہو گئے اور ابوحذیفہ بن مغیرہ کے حلیف بن گئے، ابوحذیفہ نے ان کا نکاح اپنی باندی سے جس کو سمیہ کہا جاتا تھا کر دیا، ان کے بطن سے حضرت عمار پیدا ہوئے ابوحذیفہ نے حضرت عمار کو آزاد کر دیا، پس عمار ابوحذیفہ کے آزاد کردہ ہیں اور ان کے باپ ان کے حلیف ہوئے حضرت عمار ابتداء ہی میں اسلام لے آئے تھے اور یہ ان کمزور مسلمانوں میں سے ہیں جن کو اللہ کے راستہ میں بہت تکالیف مکہ میں پہنچائی گئیں تاکہ یہ اسلام سے باز آجائیں اور مشرکین مکہ نے ان کو آگ میں بھی جلایا، آنحضور ﷺ اس طرف سے گزرتے تو ان پر دست مبارک پھرتے تھے اور فرماتے تھے اے آگ تو عمار پر ٹھنڈک اور سلامتی وعافیت پہنچا جس طرح کہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بن گئی تھی، یہ عمار مہاجرین اولین میں سے ہیں اور غزوۂ بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں اور ان غزوات میں بڑی تکالیف برداشت فرمائیں ان کا نام حضور ﷺ نے الطیب المطیب رکھا، یہ جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے اور وہاں ہی ۳۷ھ میں جب کہ ان کی عمر ۹۳ سال کی تھی شہید ہوئے ان سے ایک جماعت جس میں سے حضرت علی اور حضرت ابن عباس بھی ہیں روایت کرتے ہیں۔

(۵۵۲) **عمرو بن الاحوص:** - یہ عمرو بن احوص کلابی ہیں ان سے ان کے بیٹے سلیمان روایت کرتے ہیں۔

(۵۵۳) **عمرو بن الاخطب:** - یہ عمرو بن اخطب انصاری ہیں یہ اپنی کنیت ابوزید کے ساتھ مشہور ہیں، آنحضور کے ساتھ متعدد غزوات میں شریک ہوئے، آپ ﷺ نے ان کے سر پر دست مبارک پھیرا ہے اور حسن وجمال کے لئے دعا بھی دی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ کچھ اوپر سو سال کو پہنچے لیکن ان کے سر اور داڑھی میں چند بال سے زیادہ سفید نہ تھے۔ ان کا شمار بصرہ والوں میں ہوتا ہے ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

(۵۵۴) **عمرو بن امیہ:** - یہ عمرو بن امیہ ضمری ضاد کے فتح اور میم کے جزم کے ساتھ ہے۔ بدر اور احد میں مشرکین کے ہمراہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے آئے، جب مسلمان غزوۂ احد سے واپس ہوئے تو یہ اسلام لائے، یہ عرب کے خاص لوگوں میں سے ہیں اور پہلا وہ میدان جس میں لڑنے کے لئے مسلمانوں کے ہمراہ نکلے ہیں وہ بیر معونہ کی جنگ ہے ان کو عامر بن طفیل نے اس جنگ میں قید کر لیا تھا، پھر ان کی پیشانی کے بال کاٹ کر ان کو چھوڑ دیا تھا۔ ان کو آنحضور ﷺ نے ۶ھ میں حبشہ میں نجاشی کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ یہ نجاشی کے پاس آنحضور کا نامۂ مبارک لے کر پہنچے ہیں، جس میں آپ ﷺ نے نجاشی کو اسلام کی دعوت دی تھی چنانچہ آپ ﷺ کی دعوت پر نجاشی مشرف باسلام ہوئے ان کا شمار اہل حجاز میں ہوتا ہے ان سے ان کے دو بیٹے جعفر اور عبداللہ اور ان کے بھتیجے زبرقان بن عبداللہ روایت کرتے ہیں امارت امیر معاویہ کے زمانہ میں مدینہ کے اندر وفات پائی اور بعض نے کہا ہے کہ ۶۰ھ میں۔ زبرقان زائے معجمہ کے کسرہ بائے موحدہ کے جزم اور رائے مہملہ کے کسرہ اور قاف کے ساتھ ہے۔

(۵۵۵) **عمرو بن الحارث**: — یہ عمرو بن حارث خزاعی ہیں آنحضور ﷺ کے زوجہ محترمہ جویریہ کے بھائی ہیں کوفہ والوں میں ان کا شمار ہوتا ہے ان سے ابووائل شقیق بن سلمہ اور ابواسحاق سبیعی روایت کرتے ہیں۔

(۵۵۶) **عمرو بن حریث**: — یہ عمرو بن حریث قریشی مخزومی ہیں آنحضور ﷺ کا ان کو دیدار نصیب ہوا اور آپ ﷺ سے حدیث کو سنا ہے آپ ﷺ نے ان کے سر پر دست مبارک پھیرا اور برکت کی دعا دی ہے، بعض نے کہا ہے کہ جب آنحضور ﷺ کی وفات ہوئی تو ان کی عمر ۱۲ سال کی تھی، کوفہ میں آئے اور وہیں قیام پذیر ہوئے اور کوفہ کے امیر بنائے گئے اور وہیں ۸۵ھ میں وفات پائی ان سے ان کے بیٹے جعفر وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

(۵۵۷) **عمرو بن حزم**: — یہ عمرو بن حزم ہیں ان کی کنیت ابوالضحاک ہے انصاری ہیں، جب ان کی عمر ۱۵ سال کی تھی تو سب سے پہلے یہ غزوۂ خندق میں حاضر ہوئے ہیں آنحضور ﷺ نے ان کو نجران پر ۱۰ھ میں حاکم بنادیا تھا ۵۳ھ میں مدینہ میں ان کی وفات ہوئی ان سے ان کے بیٹے محمد وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

(۵۵۸) **عمرو بن سعید**: — یہ عمرو بن سعید قریشی ہیں انہوں نے دونوں ہجرت کی ہیں حبشہ میں دوسری مرتبہ کی ہجرت میں شریک تھے اس کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور جعفر بن ابی طالب کے ہمراہ خیبر کے سال آئے ہیں ۱۳ھ میں شام میں شہید کئے گئے۔

(۵۵۹) **عمرو بن سلمہ**: — یہ عمرو بن سلمہ مخزومی ہیں۔ آنحضور ﷺ کا زمانہ پایا، یہ حضور کے زمانہ میں اپنی قوم کے امام تھے کیونکہ یہ ان میں سب سے بڑے قاری تھے، بعض نے کہا ہے کہ یہ اپنے باپ کے ہمراہ آنحضور ﷺ کے پاس آئے ہیں، ان کے والد کے حاضر ہونے میں آپ ﷺ کی خدمت میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ عمرو بن سلمہ بصرہ میں آکر رہے ہیں ان سے ایک جماعت تابعین کی روایت کرتی ہے۔

(۵۶۰) **عمرو بن العاص**: — یہ عمرو بن عاص سہمی قریشی ہیں۔ ۵ھ میں اسلام لائے اور بعض نے کہا ہے ۸ھ میں حضرت خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ کے ہمراہ آنحضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور یہ سب ساتھ اسلام لائے ہیں ان کو آنحضرت ﷺ نے عمان کا حاکم بنادیا تھا یہ برابر وہاں حاکم رہے یہاں تک کہ آنحضور کی وفات ہوگئی۔ انہوں نے حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے بھی بڑے بڑے کام انجام دیئے ہیں۔ انہی کے ہاتھ پر حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں مصر فتح ہوا اور برابر حضرت عمرؓ کی زندگی میں یہ مصر کے حاکم رہے ہیں۔ پھر حضرت عثمان غنی نے بھی ان کو وہاں کا حاکم تقریباً چار سال تک برقرار رکھا، اس کے بعد معزول فرمایا، پھر حضرت معاویہ نے جب وہ امیر ہوگئے تو ان کو پھر مقرر کیا، مصر میں ہی ۴۳ھ میں جب کہ ان کی عمر نوے سال کی تھی وفات پائی اور ان کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ کو مصر کا حاکم بنادیا۔ پھر حضرت معاویہ نے ان کو معزول کردیا، ان سے ان کے بیٹے عبداللہ اور عبداللہ بن عمر اور قیس بن ابی حازم روایت کرتے ہیں۔

(۵۶۱) **عمرو بن عبسہ**: — یہ عمرو بن عبسہ ہیں ان کی کنیت ابونجیح ہے۔ سلمی ہیں۔ ابتداء میں ہی اسلام لے آئے ہیں، کہا جاتا ہے کہ اسلام لانے والوں میں یہ چوتھے شخص ہیں، پھر یہ اپنی قوم بنی سلیم کی طرف واپس ہوگئے تھے، آنحضور نے ان سے فرمایا تھا کہ جب تم میرے متعلق یہ سنو کہ میں اعداء اسلام کے لئے نکلا ہوں تو میری اتباع کرنا۔ یہ برابر اپنی قوم میں مقیم رہے۔ یہاں تک کہ غزوۂ خیبر ختم ہوا اس کے بعد یہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مدینہ طیبہ میں قیام اختیار فرمایا، ان کا شمار شامیوں میں ہوتا ہے، ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے عبسہ میں عین اور بائے موحدہ اور سین مہملہ کے زبر کے ساتھ ہے اور نجیح نون کے زبر جیم کے زیر اور حاء مہملہ کے ساتھ ہے۔

(۵۶۲) **عمرو بن عوف:** — یہ عمرو بن عوف انصاری ہیں غزوہ بدر میں شریک ہوئے ہیں، ابن اسحاق نے کہا ہے کہ یہ سہیل بن عمرو عامری کے آزاد کردہ ہیں، مدینہ طیبہ میں رہے ان کی کوئی اولاد نہیں ہے ان سے مسور بن مخرمہ روایت کرتے ہیں۔

(۵۶۳) **عمرو بن عوف المزنی:** — یہ عمرو بن عوف مزنی قدیم الاسلام ہیں اور یہ ان صحابہ میں سے ہیں جن کی شان میں آیت تولوا و اعینھم تفیض من الدمع نازل ہوئی تھی مدینہ میں قیام فرمایا اور مدینہ ہی میں امیر معاویہؓ کے آخر دور امارت میں وفات پائی ان سے ان کے بیٹے عبداللہ روایت کرتے ہیں۔

(۵۶۴) **عمرو بن الحمق:** — یہ عمرو بن الحمق خزاعی ہیں، یہ صحابی ہیں ان سے جبیر بن نفیر اور رفاعہ ابن شداد وغیرہ روایت کرتے ہیں، موصل میں ۵۱ ھ میں قتل کردیئے گئے۔

(۵۶۵) **عمرو بن مرہ:** — یہ عمرو بن مرہ ہیں، ان کی کنیت ابومریم ہے جہنی ہیں، بعض نے کہا ہے کہ ازدی ہیں، یہ اکثر غزوات میں شریک ہوئے ہیں شام میں قیام فرمایا اور امیر معاویہؓ کے دور میں وفات پائی ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

(۵۶۶) **عمرو بن قیس:** — یہ عمرو بن قیس ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ان کا نام عبداللہ بن عمرو قرشی عامری ہے جو نابینا تھے اور وہ ام مکتوم کے بیٹے تھے۔ ام مکتوم کا نام عاتکہ ہے یہ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے ماموں کے بیٹے ہیں۔ مکہ میں ابتداء میں ہی اسلام لے آئے تھے یہ مہاجرین اولین میں سے ہیں حضرت مصعب بن عمیر کے ساتھ ہجرت کی ہے، بہت سی مرتبہ آنحضور ﷺ نے ان کو مدینہ پر اپنا خلیفہ بنا کر رکھا ہے، آخری بار وہ ہے جب کہ آپ ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے ہیں مدینہ میں انتقال فرمایا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے۔

(۵۶۷) **عمرو بن تغلب:** — یہ عمرو بن تغلب عبدی ہیں، قبیلہ عبدالقیس میں سے تھے ان سے حسن بصری وغیرہ روایت کرتے ہیں تغلب اوپر دو نقطوں والی تا اور غین معجمہ کے ساتھ ہے۔

(۵۶۸) **عکراش بن ذویب:** — یہ عکراش بن ذویب تمیمی ہیں۔ ان کا شمار بصریوں میں ہے ان سے ان کے بیٹے عبیداللہ روایت کرتے ہیں یہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں اپنی قوم کے صدقات لے کر حاضر ہوئے تھے عکراش میں عین کا زیر کاف ساکن رائے مہملہ اور شین معجمہ ہے۔

(۵۶۹) **عمران بن حصین:** — یہ عمران بن حصین ہیں ان کی کنیت ابونجید ہے خزاعی اور کعبی ہیں خیبر کے سال اسلام لائے بصرہ میں قیام فرمایا اور وہیں ان کی وفات ۵۳ ھ میں ہوئی بڑے فاضل اور فقیہ صحابہ میں سے تھے۔ یہ اور ان کے والد دونوں مشرف باسلام ہوئے ان سے ابورجاء اور مطرف اور زرارہ بن ابی اوفی روایت کرتے ہیں نجید جیم کے پیش جیم کے زیر یاء کے سکون اور دال مہملہ کے ساتھ ہے۔

(۵۷۰) **عمیر مولی ابی اللحم:** — یہ عمیر آبی اللحم غفاری حجازی کے آزاد کردہ ہیں یہ اپنے آقا آبی اللحم کے ہمراہ فتح خیبر میں شریک ہوئے ہیں، ان سے ایک گروہ روایت کرتے ہے انہوں نے آنحضور ﷺ کے ارشادات کو سنا اور یاد بھی رکھا، آبی اللحم ہمزہ کا زبر اس کے بعد الف ساکن اور باء موحدہ مکسور ہے۔

(۵۷۱) **عمیر بن الحمام:** — یہ عمیر بن حمام انصاری ہیں غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور اسی میں شہید ہوگئے خالد بن اعلم نے ان کو قتل کیا تھا، ان کا تذکرہ "کتاب الجہاد" میں ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ عمیر انصار میں سے سب سے پہلے اسلام کے لئے شہید کئے

گئے۔

(۵۷۲) عوف بن مالک: — یہ عوف بن مالک اشجعی ہیں وہ غزوہ جس میں سب سے پہلے شریک ہوئے خیبر ہے ان کے ساتھ اسلامی جھنڈا تھا، فتح خیبر کے دن یعنی ان کی قوم اشجع کا جھنڈا ملک شام میں رہتے تھے اور وہیں پر ان کا انتقال ۷۳ ھ میں ہوا۔ ان سے صحابہ وتابعین کی جماعت روایت کرتی ہے۔

(۵۷۳) عویم بن ساعدہ: — یہ عویم بن ساعدہ انصاری اوسی ہیں بیعت عقبہ اور بیعت ثانیہ۔ غزوۂ بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں انتقال فرمایا۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ کے خلافت کے دور میں مدینہ میں انتقال فرمایا جب کہ ان کی عمر ۶۵ سال یا ۶۶ کی تھی ان سے حضرت عمرؓ بن الخطاب روایت کرتے ہیں۔

(۵۷۴) عویمر بن عامر: — یہ عویمر بن عامر ابودرداء ہیں، یہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں، ان کا ذکر حرف دال میں گزر چکا ہے۔

(۵۷۵) عویمر بن ابیض: — یہ عویمر بن ابیض عجلانی اور انصاری ہیں، انصار کے حلیف ہیں۔ لعان کا واقعہ انہیں سے تعلق رکھتا ہے اور طبری نے کہا ہے کہ جو عویمر لعان والے ہیں وہ عویمر بن حارث بن زید بن حارثہ بن جد عجلان ہیں۔

(۵۷۶) عیاض بن حمار: — یہ عیاض بن حمار تمیمی مجاشعی ہیں، ان کا شمار بصریوں میں ہے، یہ آنحضرت ﷺ کے پرانے سچے محب ہیں۔ ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

(۵۷۷) عصام مزنی: — یہ عصام مزنی ہیں ان کو آنحضور کی صحبت اور روایت دونوں میسر ہیں۔ یہ بہت کم حدیث بیان کرتے ہیں ان کی حدیث "باب الجہاد" میں ہے جس کی تخریج امام ترمذی اور ابوداؤد نے کی ہے، لیکن ان دونوں نے حدیث کو ان کی طرف منسوب نہیں کیا۔

(۵۷۸) عتبان بن مالک: — یہ عتبان بن مالک خزرجی سالمی ہیں اور بدر کے شریک ہونے والوں میں سے ہیں ان سے حضرت انس اور محمود بن ربیع روایت کرتے ہیں، امیر معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔

(۵۷۹) عمارہ بن خزیمہ: — یہ عمارۃ بن خزیمہ بن ثابت انصاری ہیں یہ اپنے باپ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے بھی ایک جماعت روایت کرتی ہے عمارہ عین کے ضمہ میم غیر مشدد کے ساتھ ہے۔ ان کے صحابی ہونے میں تردد کیا گیا ہے۔

(۵۸۰) عمارہ بن رویبہ: — یہ عمارہ بن رویبہ ثقفی ہیں۔ ان کا شمار کوفیوں میں ہے، ابوبکرؓ وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔ عمارہ عین کے پیش اور میم غیر مشدد کے ساتھ ہے۔

(۵۸۱) عرس بن عمیرہ: — یہ عرس بن عمیرہ کندی ہیں ان سے ان کے بھتیجے عدی وغیرہ روایت کرتے ہیں، عرس عین کے ضمہ راء کے سکون اور سین مہملہ کے ساتھ ہے۔

(۵۸۲) عیاش بن ابی ربیعہ: — یہ عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی قریشی ہیں، یہ ابوجہل کے ماں شریک بھائی ہیں آنحضور ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے ہی شروع میں اسلام لے آئے، ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر انہوں نے اور حضرت عمر نے مدینہ کی طرف ہجرت کی ان کے پاس ہشام کے دونوں بیٹے ابوجہل اور حارث آئے اور کہا کہ تمہاری ماں نے قسم کھائی ہے کہ میں جب تک نہ تم کو دیکھ لوں گی اس وقت تک نہ سر میں تیل ڈالوں گی اور نہ سائے میں آرام کروں گی، اس لئے یہ ان کے ساتھ اپنی ماں کی خدمت میں

حاضر ہوئے پس ان دونوں نے ان کو ایک رسی سے باندھ دیا اور مکہ میں ان کو قید رکھا اس پر آنحضرت ﷺ قنوت میں ان کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ کہ اے اللہ عیاش بن ابی ربیعہ کو کافروں کی قید سے خلاصی دے جنگ یرموک میں شام کے اندر شہید ہوئے ان سے عمر بن الخطاب وغیرہ روایت کرتے ہیں، عیاش دو نقطوں والی یاء کی تشدید اور شین معجمہ کے ساتھ ہے۔

(۵۸۳) عابس بن ربیعہ: — یہ عابس بن ربیعہ غطیفی ہیں۔ فتح مصر میں شریک ہوئے ان سے ان کے بیٹے عبدالرحمن روایت کرتے ہیں۔

(۵۸۴) ابوعبیدہ بن الجراح: — یہ ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح فہری قریشی ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور اس امت کے امین کہلاتے ہیں، حضرت عثمان بن مظعون کے ساتھ اسلام لائے حبشہ کی طرف دوسری مرتبہ ہجرت کی تمام غزوات میں آنحضور ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔ اور آنحضور ﷺ کے ساتھ غزوۂ احد میں ثابت قدم رہے انہوں نے ہی خود کی ان دو کڑیوں کو جو آنحضور کے چہرہ انور میں گھس گئی تھیں کھینچا تھا جن کی وجہ سے آپ کے آگے کے دو دانت شہید ہو گئے تھے۔ یہ لابنے قد کے تھے خوبصورت چہرے والے، اور ہلکی داڑھی والے تھے، طاعون عمواس ۱۸ھ میں ان کا انتقال مقام اردن میں ہوا اور بیسان میں دفن ہوئے ان کی نماز جنازہ معاذ بن جبلؓ نے پڑھائی، ان کی عمر اٹھاون سال ہوئی، ان کا نسب باپ کی طرف سے حضور ﷺ کے ساتھ فہر بن مالک پر مل جاتا ہے ان سے ایک جماعت صحابہ کی روایت کرتی ہے۔

(۵۸۵) ابوالعاص بن الربیع: — یہ ابوالعاص مقسم بن ربیع ہیں اور کہا گیا ہے کہ ان کا نام لقیط ہے اور یہ آنحضور ﷺ کے داماد تھے، یعنی آپ ﷺ کی صاحبزادی زینب ان کے نکاح میں تھیں انہوں نے بعد یوم بدر کے قیدی ہونے کے بعد جب کہ کفر کی حالت میں تھے (اور آزاد کئے گئے تھے اسلام قبول کر کے) حضور ﷺ کی طرف ہجرت کی، یہ آنحضور سے بھائی چارہ اور سچی محبت رکھتے تھے، جنگ یمامہ میں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے دور میں قتل کر دیئے گئے، ان سے ابن عباس اور ابن عمر اور ابن العاص روایت کرتے ہیں، مقسم میم کے زیر قاف کے سکون اور سین کے زبر کے ساتھ ہے۔

(۵۸۶) ابوعیاش: — یہ ابوعیاش زید بن الصامت انصاری ہیں زرقی ہیں، ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے ہجرت کے چالیس سال بعد وفات پائی۔

(۵۸۷) ابوعمرو بن حفص: — یہ ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ مخزومی ہیں ان کا نام عبدالحمید ہے اور احمد بھی کہا جاتا ہے اور بعضوں نے ان کی کنیت ہی کو ان کا نام کہا ہے، بعض روایت میں ابوحفص بن مغیرہ آیا ہے۔

(۵۸۸) ابوعبس عبدالرحمن بن جبیر: — یہ ابوعبس عبدالرحمن بن جبیر انصاری حارثی ہیں، ان کے نام کی بہ نسبت ان کی کنیت زیادہ مشہور ہے۔ جنگ بدر میں شریک ہوئے اور مدینہ میں ۳۴ھ میں وفات پائی جنت البقیع میں دفن ہوئے اور ستر سال کی عمر ہوئی ان سے عبایۃ بن رافع بن خدیج روایت کرتے ہیں۔ عبس عین مہملہ کے زبر بائے موحدہ غیر مشدد اور سین مہملہ کے ساتھ ہے اور عبایہ میں عین کا زبر اور بائے موحدہ غیر مشدد اور آخر میں دو نقطوں والی یاء ہے۔

(۵۸۹) ابوعسیب: — یہ ابوعسیب آنحضور ﷺ کے آزاد کردہ ہیں، ان کا نام احمر ہے ان سے مسلم بن عبید روایت کرتے ہیں، عسیب عین کے زبر اور سین مہملہ کے زیر کے ساتھ ہے۔

تابعین

(۵۹۰) **عبداللہ بن بریدہ:** — یہ عبداللہ بن بریدہ اسلمی ہیں۔ مرو کے قاضی ہیں۔ مشہور تابعین میں سے ایک قابل اعتماد تابعی ہیں، اپنے والد وغیرہ صحابہ سے روایت کرتے ہیں، ان سے ابن سہل وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ مرو ہی میں وفات پائی۔ ان کی بہت سی احادیث ہیں۔

(۵۹۱) **عبداللہ بن ابی بکر:** — یہ عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری مدنی ہیں مدینہ کے اونچے لوگوں میں سے ہیں تابعی ہیں انس بن مالک اور عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں اور ان سے زہری اور مالک بن انس ثوری ابن عیینہ ان سے بہت سی احادیث مروی ہیں، ایسے راوی ہیں جن کا صدق مسلّم ہے۔ امام احمد نے فرمایا ان کی حدیث شفاء ہے ۱۳۵ھ میں وفات ہوئی ان کی ستر برس کی عمر ہوئی۔

(۵۹۲) **عبداللہ بن زبیر:** — یہ عبداللہ بن زبیر وہ ہیں جن کی کنیت ابوبکر ہے۔ یہ حمیدی قریشی اسدی ہیں۔ رواۃ میں بڑے پختہ کار ہیں مسلم بن خالد وکیع اور امام شافعی سے روایت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ مصر گئے تھے وہاں جب امام شافعی کی وفات ہوگئی تو یہ مکہ واپس ہوگئے۔ ان سے محمد ابن اسمٰعیل بخاری اپنی صحیح بخاری میں بہت زیادہ روایت کرتے ہیں۔ مکہ ۲۱۹ھ میں وفات پائی، یعقوب بن سفیان نے کہا کہ میں نے حمیدی سے زیادہ کسی کو اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں پایا۔

(۵۹۳) **عبداللہ بن مطیع:** — یہ عبداللہ بن مطیع قرشی عدوی ہیں اور مدینہ کے رہنے والوں میں سے ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور ان کو ان کے باپ آنحضور ﷺ کی خدمت میں لے گئے ان کے باپ کا نام العاص تھا۔ آنحضور ﷺ نے ان کا نام مطیع رکھا تھا اور یہ عبداللہ قریش کے سرداروں میں سے ہیں یہی وہ شخص ہیں جن کو مدینہ والوں نے اپنا امیر یزید بن معاویہ سے فسخ بیعت کے بعد متعین کیا تھا۔ واقدی نے یہ بیان کیا کہ وہ تو صرف قریش پر حکومت کرنے والے تھے نہ اوروں پر اور وہ عبداللہ بن حنظلہ الغسیل ہی ہے کہ جو قریش اور غیر قریش دونوں پر حکمرانی کرتا تھا۔ انہوں نے اپنے والد سے حدیث کو سنا اور ان سے شعبی وغیرہ نے روایت کی۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر نے ان کو کوفہ کا حاکم بنادیا تھا۔ اور پھر ان کو کوفہ سے مختار بن ابی عبید نے نکال دیا تھا۔

(۵۹۴) **عبداللہ بن مسلمہ:** — یہ عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب تمیمی مدنی ہیں "قعنبی" نام سے مشہور ہیں۔ بصرہ میں رہتے تھے یہ قوی الحفظ قابل اعتماد اور غلطی و خطاء سے محفوظ رواۃ میں سے ہیں یہ حضرت مالک بن انس کے شاگردوں میں سے ہیں ان سے ان کی مصاحبت مشہور تھی، ہشام بن سعد وغیرہ ائمہ سے حدیث کو سنا، ان سے بخاری، مسلم، ابوداؤد و ترمذی نسائی روایت کرتے ہیں، محرم ۲۲۱ھ میں مکہ کے اندر وفات پائی۔

(۵۹۵) **عبداللہ بن موہب:** — یہ عبداللہ بن موہب فلسطینی شامی ہیں، فلسطین کے قاضی تھے، تمیم داری سے روایت کی ہے اور قبیصہ بن ذویب سے حدیث کو سنا ہے بعض کا قول ہے کہ انہوں نے تمیم سے نہیں بلکہ قبیصہ بن تمیم سے ہی سماعت کی ہے اور ان سے عمر بن عبدالعزیز روایت کرتے ہیں۔

(۵۹۶) **عبداللہ بن مبارک:** — یہ عبداللہ بن مبارک مروزی ہیں بنی حنظلہ کے آزاد کردہ ہیں، ہشام بن عروہ، امام مالک، اور ثوری اور شعبہ اور اوزاعی اور بہت لوگوں سے حدیث کو سنا اور ان سے سفیان بن عیینہ اور یحیٰی بن سعید اور ان سے سفیان بن

عیینہ اور یحییٰ بن معین وغیرہ روایت کرتے ہیں علمائے ربانیین میں سے تھے، امام فقیہہ، حافظ حدیث زاہد اور پرہیزگار، بحی قابل اعتماد پختہ کار تھے۔ اسمٰعیل بن عیاش نے کہا کہ روے زمین پر عبداللہ بن مبارک جیسا کوئی نہ تھا، نہ ان سے علم میں کوئی بڑھا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے خیر کی خصلتوں میں ایسی کوئی خصلت نہیں پیدا کی جو عبداللہ بن مبارک کو عطا نہ فرمائی ہو، بغداد میں بارہا تشریف لائے اور وہاں درس حدیث دیا ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ میں وفات پائی۔

(۵۹۷) **عبداللہ بن عکیم:** — یہ عبداللہ بن عکیم جہنی ہیں۔ انہوں نے آنحضور ﷺ کا زمانہ پایا مگر ان کے لئے آنحضور ﷺ کی روایت کا پایا جانا مشہور نہیں۔ لیکن بہت سے علماء معرفت رجال نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور صحیح یہی کہ وہ تابعی ہیں، عمر بن مسعود اور حذیفہ سے انہوں نے حدیث کو سنا اور ان سے ایک گروہ روایت کرتا ہے ان کی حدیث کوفہ والوں میں پائی جاتی ہے۔

(۵۹۸) **عبداللہ بن ابی قیس:** — یہ عبداللہ بن ابی قیس ہیں ان کی کنیت ابوالاسود ہے، شام کے رہنے والے ہیں عطیہ بن عازب کے آزاد کردہ ہیں، شامیوں میں ان کا شمار کیا جاتا ہے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی اور ان سے ایک جماعت نے۔

(۵۹۹) **عبداللہ بن عصم:** — ان کو عبداللہ بن عصمہ بھی کہا جاتا ہے۔ کوفی وحنفی ہیں یہ ابوسعید اور ابن عمر سے اور ان سے اسرائیل اور شریک روایت کرتے ہیں ان کی حدیث یہ ہے "ثقیف میں ایک کذاب اور مفسد اعظم ہوگا۔"

(۶۰۰) **عبداللہ بن محیریز:** — ان کا پورا نام عبداللہ بن محریز جمحی قرشی ہے اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندوں میں ہیں۔ مشہور تابعین میں سے ہیں، ابومحذورہ اور عبادہ بن صامت وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے مکحول اور زہری جیسے بڑے بڑے محدثین روایت کرتے ہیں۔ رجاء بن حیوۃ فرماتے تھے کہ اگر اہل مدینہ کو ابن عمرؓ جیسے عبادت گذار پر فخر ہے تو ہمیں بھی اپنے عابد وزاہد ابن محریز پر فخر ہے۔ ۱۰۰ھ سے پہلے انتقال کیا۔

(۶۰۱) **عبداللہ بن المثنی:** — نام عبداللہ ہے۔ مثنی بن عبداللہ بن انس بن مالک کے بیٹے ہیں۔ اپنے چچوں اور حسن سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹے محمد اور مسدد وغیرہ نے روایت کی ہے ابوحاتم نے ان کو صالح قرار دیا اور ابوداؤد نے فرمایا کہ میں ان کی حدیث کی تخریج نہیں کرتا۔

(۶۰۲) **عبداللہ بن عمرو بن حفص:** — نام عبداللہ عمرو بن حفص بن عاصم کے بیٹے ہیں اور عمری ہیں اپنے بھائی عبیداللہ اور نافع اور مقری سے روایت کرتے ہیں قعنبی وغیرہ ان کی روایات کے راوی ہیں، ابن معین نے ان کو صویلح (کچھ باصلاحیت) قرار دیا، ابن عدی نے فرمایا لاباس بہ صدوق ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے سچے آدمی ہیں۔ ۱۷۱ھ میں انتقال ہوا۔

(۶۰۳) **عبداللہ بن عتبہ:** — یہ عبداللہ بن عتبہ بن مسعود ہذلی ہیں۔ عبداللہ بن مسعود کے بھتیجے۔ مدنی ہیں پھر کوفہ کے باشندے ہوگئے، عہد نبوت کو پایا، کوفہ کے بڑے تابعین میں سے ہیں اور دوسرے صحابہ سے حدیث کی سماعت کی ہے۔ ان کے صاحب زادے عبداللہ اور محمد بن سرین وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے بشیر بن مروان کے دور حکومت میں ان کا انتقال کوفہ میں ہوا۔

(۶۰۴) **عبداللہ بن مالک بن بحینہ:** — پورا نام عبداللہ بن مالک بن القشب الازدی ہے۔ ان کی والدہ بحینہ ہیں ان کے نانا کا نام حارث بن عبدالمطلب ہے حضرت معاویہؓ کے زمانہ حکومت میں ۵۴ھ یا ۵۸ھ میں انتقال کیا قشب میں قاف مکسور شین منقوطہ ساکن اور باء موحدہ ہے۔

(۶۰۵) **عبداللہ بن مالک:** — ان کا نام عبداللہ ابن مالک اور کنیت ابوتمیم جیشانی ہے حضرت عمر بن خطاب اور ابوذر اور دوسرے صحابہ سے روایت کرتے ہیں مصر کے تابعین میں ان کا شمار ہے، ان کی حدیثیں اہل مصر کے پاس ملتی ہیں۔

(۶۰۶) **عبداللہ بن مالک:** — اسم گرامی عبداللہ بن مالک ہے، ہمدان کے باشندہ ہیں۔ صحابہ میں علی وعائشہ وابن عمر سے روایت کرتے ہیں ابواسحاق اور ابوورق نے ان سے روایت کی ان کی حدیث جمع بین الصلوتین کے باب میں ہے۔

(۶۰۷) **عبداللہ بن عبدالرحمٰن:** — نام نامی عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی حسن ہے مکہ کے رہنے والے اور قریش خاندان سے ہیں اور تابعی ہیں، ابوطفیلؓ سے روایت کرتے ہیں تابعین کی ایک جماعت سے حدیث کی سماعت کی مالک اور ثوری اور ابن عیینہ نے ان سے روایت کی۔

(۶۰۸) **عبداللہ بن عبیداللہ:** — نام گرامی عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ ہے ابوملیکہ کا نام زہیر بن عبداللہ التیمی ہے قریش میں سے ہیں۔ یہ احول (بھینگے) ہیں۔ مشہور اہل علم تابعین میں سے ہیں، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے دور حکومت میں قاضی رہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن الزبیر، حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں ابن جریج اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں نے ان سے روایت کی ۱۱۷ھ میں انتقال فرمایا ملیکہ میں میم پر پیش اور لام پر زبر ہے۔

(۶۰۹) **عبداللہ بن شقیق:** — عبداللہ بن شقیق نام ابوعبدالرحمٰن کنیت ہے بنوعقیل میں سے ہیں، آپ کا وطن بصرہ ہے مشہور قابل اعتماد (ثقہ) تابعین میں سے ہیں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ سے حدیث کی سماعت کی اور جریری نے ان سے روایت کی۔

(۶۱۰) **عبداللہ بن شہاب:** — آپ کا نام عبداللہ شہاب کے بیٹے ابوالحرب کنیت ہے اور خولانی ہیں تابعین کے دوسرے طبقے میں ان کا شمار ہے۔ اہل کوفہ کے یہاں ان کی حدیث پائی جاتی ہے یہ نایاب حدیث والے ہیں ابن عمر اور عائشہؓ سے انہوں نے اور ایک جماعت نے ان سے روایت کی۔

(۶۱۱) **عبیداللہ بن رفاعہ:** — یہ عبیداللہ رفاعہ بن رافع کے بیٹے انصاری اور زرقی ہیں، مشہور تابعی ہیں اپنے والد رفاعہ اور فاطمہ بنت عمیس سے روایت کرتے ہیں، اور ایک جماعت ان سے روایت کرتی ہے۔

(۶۱۲) **عبیداللہ بن عبداللہ:** — ان کا نام نامی عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر اور کنیت ابوبکر ہے۔ اہل مدینہ سے حدیث کی سماعت کی، تابعی ہیں امام زہری اور بڑے بڑے تابعین نے ان سے روایت کی اپنے بھائی سالم سے پہلے وفات پائی یہ محدثین کے نزدیک ثبت اور ثقہ ہیں ان کی حدیث اہل حجاز کے یہاں ہے۔

(۶۱۳) **عبیداللہ بن عدی:** — پورا نام عبیداللہ بن عدی بن خیار قرشی ہے، کہا جاتا ہے کہ ان کی پیدائش آنحضور ﷺ کے زمانہ میں ہوئی، ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ اور دوسرے حضرات صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔ ولید بن عبدالملک کے عہد میں وفات پائی۔

(۶۱۴) **عبید بن عمیر:** — عبید بن عمر نام اور کنیت ابوعاصم ہے یہ بنو اللیث میں سے ہیں حجاز کے باشندہ، اہل مکہ کے قاضی ہیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی زیارت کی ہے۔ کبار تابعین میں ان کا بھی شمار ہوتا ہے، حضرت عمرؓ و حضرت ابوذرؓ و حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عائشہ سے حدیث کی سماعت کی، ان سے کچھ تابعین نے بھی روایت کی ہے حضرت ابن عمرؓ سے پہلے ان کا انتقال ہوا۔

(۶۱۵) **عبدالرحمٰن بن کعب**: - پورا نام عبدالرحمٰن ابن کعب بن مالک الانصاری ہے مدینہ کے تابعین میں سے مشہور تابعی ہیں ثقات تابعین میں سے ہیں، کثیر الروایت ہیں صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں، سلیمان بن یسار وغیرہ نے ان سے روایت کی۔

(۶۱۶) **عبدالرحمٰن بن الاسود**: - عبدالرحمٰن بن اسود قرشی زہری ہیں۔

(۶۱۷) **عبدالرحمٰن بن یزید**: - پورا نام عبدالرحمٰن بن یزید بن حارثہ الانصاری ہے۔ مدینہ کے رہنے والوں میں سے ہیں، کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے ان کی حدیث اہل مدینہ کے یہاں پائی جاتی ہے ۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۶۱۸) **عبدالرحمٰن بن ابی لیلی**: - نام عبدالرحمٰن ابن ابی لیلی ہے انصار میں سے ہیں حضرت عمرؓ کی خلافت کے چھ سال باقی تھے اس وقت ان کی پیدائش ہوئی۔ دجیل میں شہید کئے گئے، بعض کہتے ہیں کہ نہر بصرہ میں ڈوب گئے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دیر جماجم میں ۸۳ھ میں ابن الاشعث کے حملہ کے وقت گم ہوگئے، ان کی حدیثیں اہل کوفہ میں پائی جاتی ہیں اپنے والد اور بہت سے صحابہ سے انہوں نے حدیث سنی اور ان سے شعبی مجاہد، ابن سیرین اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں نے حدیث کو سنا کوفہ میں رہنے والے تابعین کے پہلے طبقہ میں سے ہیں۔

(۶۱۹) **عبدالرحمٰن بن غنم**: - پورا نام عبدالرحمٰن ابن غنم الاشعری ہے شام کے رہنے والے ہیں، زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں کو دیکھا، آپ ﷺ کی حیات میں مسلمان ہو چکے تھے لیکن آپ ﷺ کو نہیں دیکھا۔ جب سے حضرت معاذؓ کو آنحضرت ﷺ نے یمن بھیجا تھا برابر ان کے ساتھ رہے تا آنکہ حضرت معاذ کا انتقال ہوگیا۔ فقہا اہل شام میں سب سے زیادہ فقیہ تھے۔ عمر بن الخطاب و معاذ بن جبل جیسے متقدمین صحابہ سے روایت کرتے ہیں، غنم میں غین منقوطہ مفتوح اور نون ساکن ہے۔ ۷۸ھ میں انتقال ہوا۔

(۶۲۰) **عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ**: - نام عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ ہے اور ابو عمرہ کا نام عمرو بن محصن ہے، یہ انصاری اور بخاری ہیں مدینہ کے قاضی ہیں، ثقہ تابعین میں سے ہیں ان میں ان کی حدیثیں مشہور ہیں، انہوں نے اپنے والد عمرو بن محصن عثمان اور ابوہریرہ سے روایت کی اور ان سے ایک جماعت نے روایت کی۔

(۶۲۱) **عبدالرحمٰن بن عبداللہ**: - ان کا نام عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی صعصہ المازنی انصاری ہے اپنے والد عبداللہ اور عطاء بن یسار سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ایک جماعت مالک بن انس وغیرہ روایت کرتی ہے، ان کی حدیثیں اہل مدینہ کے یہاں پائی جاتی ہیں ۱۲۹ھ میں انتقال ہوا۔

(۶۲۳) **عبدالرحمٰن بن عبدالقاری**: - ان کا نام عبدالرحمٰن بن عبدالقاری ہے، کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے، لیکن نہ آپ ﷺ سے حدیث کی سماعت کی نہ روایت بیان کی، مورخ واقدی نے ان صحابہ کے ذکر میں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے ان کا بھی شمار کیا ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ تابعی ہیں، مدینہ کے تابعین اور وہاں کے علماء میں سے ہیں، حضرت عمر بن الخطاب سے حدیث سنی ہے ۸۱ھ بعمر ۷۸ سال وفات پائی، القاری میں قاف اور راء مہملہ مکسور اور یاء مشدد ہے بے ہمزہ اور قارہ کی طرف نسبت ہے (قارہ والے)

(۶۲۴) **عبدالرحمٰن بن عبداللہ**: - نام عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہے ان کی والدہ ام الحکم ہیں جو ابوسفیان بن حرب کی بیٹی ہیں حضرت معاویہؓ نے ان کو کوفہ کا امیر مقرر فرمایا باب خطبۃ یوم الجمعہ میں ان کا نام آتا ہے۔

(۶۲۵) **عبدالرحمٰن بن ابی بکر:** — عبدالرحمٰن نام ابوبکر کے بیٹے ہیں ان کے صاحبزادے محمد ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۶۲۶) **عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ:** — عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ نام ہے انصار بنو ثقیف میں سے ہیں بصرہ وطن ہے بصرہ ہی میں ۱۴ھ میں مسلمانوں کے وہاں پہنچنے پر پیدا ہوئے۔ بصرہ میں مسلمانوں کے یہاں سب سے پہلے ان کی پیدائش ہوئی، تابعی ہیں کثرت سے روایت نقل کرتے ہیں اپنے والد اور حضرت علیؓ سے روایت سنی ہے اور ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

(۶۲۷) **عبدالرحمٰن بن عبداللہ:** — پورا نام عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی عمار ہے مکہ کے رہنے والے ہیں۔ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں اور حضرت معاذ سے حدیث کی سماعت کی اور ایک جماعت ان سے روایت کرتی ہے۔

(۶۲۸) **عبدالرحمٰن بن زید:** — نام عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم مدنی ہے اپنے والد اور ابن المنکدر سے روایت کرتے ہیں اور قتیبہ ہشام وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔ محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے، ۱۸۲ھ میں وفات پائی۔

(۶۲۹) **عبدالعزیز بن رفیع:** — یہ عبدالعزیز ابن رفیع اسدی مکی ہیں کوفہ میں رہے مشہور ثقہ تابعین میں سے ہیں ابن عباس اور ابن مالک سے حدیث سنی حالانکہ نوے سال سے کچھ زیادہ عمر ہو چکی تھی، رفیع رفع سے تصغیر ہے (یعنی راء مضموم اور فاء مفتوح ہے۔

(۶۳۰) **عبدالعزیز بن جریج:** — یہ عبدالعزیز بن جریج مکی ہیں۔ حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں فقیہہ عبدالملک ان کے بیٹے اور خصیف ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۶۳۱) **عبدالعزیز بن عبداللہ:** — نام عبدالعزیز بن عبداللہ مدینہ کے اکابر فقہاء میں سے ہیں، امام زہری محمد بن المنکدر اور حمید الطویل وغیرہ سے اور بہت سے لوگوں سے حدیث سنی بہت سے لوگ ان سے روایت کرتے ہیں بغداد میں تشریف لائے، حدیث بیان کی، بمقام بغداد ۱۶۴ھ میں انتقال فرمایا، قریش کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

(۶۳۲) **عبدالملک بن عمیر:** — عبدالملک بن عمیر قرشی کوفی ہیں قرشی میں قرشہ کی طرف نسبت ہے جو نہیں جانتے وہ کہتے ہیں کہ قریش کی طرف منسوب ہے حالانکہ ایسا نہیں وہ قرشہ کی طرف منسوب ہے، امام شعبی کے بعد کوفہ کے قاضی رہے، تابعین میں سے مشہور اور ثقہ حضرات میں سے ہیں کوفہ کے اکابر میں شمار ہوتے ہیں جندب بن عبداللہ اور جابر بن سمرہ سے روایت کرتے ہیں ثوری اور شعبہ ان سے روایت کرتے ہیں تقریباً ۱۳۶ھ میں وفات پائی ان کی عمر ۱۰۳ سال ہوئی۔

(۶۳۳) **عبدالواحد بن ایمن:** — نام عبدالواحد بن ایمن مخزومی ہے یہ قسم بن عبدالواحد کے باپ ہیں انہوں نے روایت حدیث کو اپنے والد اور دوسرے تابعین سے سنا اور ان سے ایک بڑی جماعت نے حدیث کی سماعت کی۔

(۶۳۴) **عبدالرزاق بن ہمام:** — عبدالرزاق بن ہمام نام اور ابوبکر کنیت ہے ابن جریج اور معمر وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے احمد اور اسحاق اور ذہلی نے روایت کی بہت سی کتابیں تصنیف کیں ۲۱۱ھ میں وفات پائی، ان کی عمر پچاسی سال ہوئی۔

(۶۳۵) **عبدالحمید بن جبیر:** — یہ عبدالحمید بن جبیر حجبی ہیں اپنی پھوپھی صفیہ اور ابن المسیب سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن جریج اور ابن عیینہ سے روایت کی۔

(۶۳۶) **عبدالمہیمن بن عباس:** — پورا نام عبدالمہیمن بن عباس بن سہل ہے، بنو ساعدہ میں سے ہیں اپنے والد اور ابوحزم سے روایت کرتے ہیں اور ان سے مصعب اور یعقوب بن حمید بن کاسب نے روایت کی ان کا ذکر باب الحذر والتأنی میں ہے۔

(۶۳۷) **عبد الاعلیٰ:** - نام عبد الاعلیٰ بن مسہر ہے ابو مسہر کنیت ہے غسان میں سے ہیں شام کے بزرگ ہیں سعید بن عبد العزیز اور مالک سے روایت کی اور ان سے ابن معین ابو حاتم اور ابن رو اس نے روایت کی لوگوں میں سب سے زیادہ حافظ جلالت اور فصاحت کے مالک ہیں، ان کو قتل کرنے کے لئے ننگا کیا گیا، تاکہ مسئلہ خلق قرآن کا اقرار کریں اس وقت بھی اقرار نہ کیا اور انکار کرتے رہے پھر جیل میں ڈال دیئے گئے رجب ۲۱۸ھ میں انتقال فرمایا۔

(۶۳۸) **عبد المنعم:** - یہ عبد المنعم نعیم کے بیٹے اسواری ہیں حریری اور ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں اور یونس المورب اور محمد بن ابی بکر مقدمی نے ان سے روایتیں کی ہیں۔

(۶۳۹) **عبد خیر بن یزید:** - یہ عبد خیر ہیں یزید کے بیٹے کنیت ابو عمارہ ہے ہمدان کے باشندے ہیں، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ تو پایا لیکن ملاقات نہیں ہوئی۔ حضرت علیؓ کے ساتھ رہے۔ حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے ہیں، محدثین کے نزدیک وثوق اور اعتماد کے شخص ہیں کوفہ میں قیام پذیر ہوگئے، ایک سو بیس سال کی عمر ہوئی، خیر شر کی ضد ہے۔ یعنی عبد خیر میں لفظ خیر ضد شر ہے۔

(۶۴۰) **عمران بن حطان:** - یہ عمران حطان کے بیٹے دوسی اور خزرجی ہیں حضرت عائشہ ابن عمر ابن عباس اور ابوذرؓ سے حدیث سنی اور ان سے محمد ابن سیرین و یحیٰ بن ابی کثیر وغیرہ نے روایت کی، حطان میں حاء مہملہ پر کسرہ طاء مہملہ پر تشدید اور آخر میں نون ہے۔

(۶۴۱) **عمرو بن شعیب:** - یہ عمرو، شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص کے بیٹے اور سہمی ہیں اپنے والد اور ابن المسیب اور طاؤس سے حدیث سنی اور ان سے زہری ابن جریج عطاء اور بہت سے لوگوں نے روایت کی، بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں ان کی کوئی حدیث نہیں لی اس لئے کہ وہ اپنی روایت اس طرح نقل کرتے ہیے عن ابیہ عن جدہ اور کبھی اس سند میں اختصار کرتے ہیں، تو اب اگر مراد عن ابیہ عن جدہ سے خود اپنے باپ اور اپنے دادا ہیں تو معنی یہ ہوئے کہ اپنے باپ شعیب اور اپنے دادا ہیں تو معنی یہ ہوئے کہ اپنے باپ اور اپنے دادا محمد سے روایت کر رہے ہیں کہ ان کے دادا محمد سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایسا فرمایا اس صورت میں روایت مرسل ہوگئی کیونکہ محمد جو ان کے دادا ہیں حضور ﷺ کی ملاقات سے مشرف نہیں تھے، نہ انہوں نے زمانہ پایا اور اگر اس سند کا مطلب یہ ہے کہ عمرو اپنے باپ شعیب سے اور شعیب اپنے دادا عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں تو اس صورت میں سند متصل نہیں رہتی، کیونکہ شعیب نے اپنے دادا عبد اللہ کا زمانہ نہیں پایا اسی عیب کی وجہ سے امام بخاری اور امام مسلم نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ان کی روایت کو نہیں لیا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ شعیب اپنے دادا سے مل چکے ہیں۔

(۶۴۲) **عمرو بن سعید:** - عمرو بن سعید نام ہے بنو ثقیف کے آزاد کردہ اور بصرہ کے رہنے والے ہیں، حضرت انس وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابن عون اور جریر بن حازم نے روایت کی۔

(۶۴۳) **عمرو بن عثمان:** - یہ عمرو عثمان بن عفان کے بیٹے، ہیں، اسامہ بن زید اور اپنے والد عثمان بن عفان سے حدیث سنی حدیث البکاء علی المیت میں ان کا ذکر ہے ان سے مالک بن انسؒ نے روایت کی۔

(۶۴۴) **عمرو بن الشرید:** - نام عمرو ہے شرید کے بیٹے۔ ثقفی اور تابعی ہیں ان کا شمار اہل طائف میں ہے، ابن عباس اور ان کے والد اور رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ ابو رافعؓ سے حدیث سنی اس سے صالح بن دینار اور ابراہیم بن میسرہ نے روایت کی۔

(۶۴۵) **عمرو بن میمون:** - یہ عمرو ہیں میمون کے بیٹے اور ازدی ہیں زمانۂ جاہلیت اور اسلام دونوں دیکھے، آنحضرت ﷺ کی

حیات ہی میں مسلمان ہوگئے تھے لیکن آپ ﷺ سے ملاقات نہیں ہوئی، کوفہ کے بڑے تابعین میں ان کا شمار ہے عمر بن خطاب معاذ بن جبل اور ابن مسعود سے روایت کی اور ان سے اسحاق نے حدیث سنی ۷۴ھ میں وفات پائی۔

(۶۴۶) **عمرو بن عبداللہ:** — نام عمرو، عبداللہ کے بیٹے اور سبیعی ہیں ان کا ذکر حرف ہمزہ میں گزر چکا ہے۔

(۶۴۷) **عمرو بن عبداللہ:** — نام عمرو ہے عبداللہ بن صفوان کے بیٹے اور جمحی ہیں قریش میں سے ہیں یزید بن شیبان سے روایت کی اور ان سے عمرو بن دینار وغیرہ نے۔

(۶۴۸) **عمرو بن دینار:** — یہ عمرو دینار کے بیٹے ہیں کنیت ابو یحییٰ ہے، سالم بن عبداللہ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے دونوں حماد اور معتمر نے، کئی محدث ان کو روایت میں ضعیف کہتے ہیں۔

(۶۴۹) **عمرو بن واقد:** — یہ عمرو واقد کے بیٹے دمشق کے رہنے والے ہیں یونس بن میسرہ اور کئی حضرات سے روایت کی اور ان سے نفیلی اور ہشام بن عمار نے، محدثین کے یہاں روایت حدیث کے معاملہ میں متروک ہیں۔

(۶۵۰) **عمرو بن مالک:** — عمرو بن مالک نام ابو ثمامہ کنیت ہے زمانہ جاہلیت (قبل از اسلام) کا آدمی ہے حدیث کسوف اور باب الغضب میں جابر کی روایت سے مسلم میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے اور بیان کیا کہ یہی وہ شخص ہے کہ جس کو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی اوجھ گھسیٹتا ہوا جا رہا ہے، روایت میں تو اسی طرح مذکور اور مشہور یہ ہے کہ یہ شخص جس کو آپ ﷺ نے دیکھا تھا عمرو بن لحی ہے، لحی ربیعہ بن حارثہ ہے اور عمرو خزاعہ کا باپ ہے۔

(۶۵۱) **عمرو بن عبدالعزیز:** — یہ عمر ہیں عبدالعزیز بن مروان بن حکم کے بیٹے ہیں، ابو حفص کنیت ہے، قریش میں سے بنو امیہ کے گھرانے سے ہیں ان کی والدہ ام عاصم حضرت عمر بن خطاب کی پوتی اور عاصم کی بیٹی ہیں ام عاصم کا نام لیلی ہے۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے اور ان سے زہری و ابوبکر بن حزم نے روایت کی ۹۹ھ میں سلیمان بن عبدالملک کے بعد سریر آرائے خلافت ہوئے، جب ۱۰۱ھ میں دیر سمعان میں وفات پائی دیر سمعان حمص کے علاقہ میں ہے، مدت خلافت دو سال پانچ ماہ اور کچھ روز ہے، اس وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی، کہتے ہیں کہ چالیس سال پورے بھی نہیں ہوئے تھے کہ وفات پائی، یہ عبادت، زہد، اتقاء کبازی حسن اخلاقی کا ایک خاص مقام رکھتے تھے، خصوصاً زمانہ خلافت میں۔ کہتے ہیں کہ جب ان کو خلافت سپرد کی گئی تو ان کے مکان میں سے رونے کی آواز سنائی دی دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنی لونڈیوں کو اختیار دے دیا ہے کہ تم میں سے جس کو آزاد ہونے کی خواہش ہو اس کو میں آزاد کردوں، اور میرا اس سے کچھ علاقہ نہ رہے اور جس کے میرے ساتھ رہنے کی خواہش ہو اس کو اپنے پاس رکھ لوں کیونکہ مجھے ایسی چیز پیش آگئی ہے جس کے باعث میں تمہاری طرف متوجہ نہیں رہ سکتا یہ سن کر سب لونڈیاں رونے لگیں، عقبہ بن نافع نے ان کی زوجہ فاطمہ بنت عبدالملک سے پوچھا کہ تم مجھے عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ جب سے ان کو خدا نے خلافت عطاء کی میں نہیں کہہ سکتی کہ انہوں نے کبھی جنابت اور احتلام کے باعث غسل کیا ہو یہاں تک کہ انہوں نے وفات پائی انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی عمر بن عبدالعزیز سے روزے اور نماز میں بڑھا ہوا ہو، لیکن میں نے کسی ایسے شخص کو بالکل نہیں دیکھا جو عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ اپنے پروردگار کا خوف کرتا ہو، گھر میں داخل ہوتے ہی اپنے آپ کو مسجد خانہ میں گرا دیتے اور برابر گریہ وزاری و دعا میں مصروف رہتے یہاں تک کہ آنکھوں پر نیند غالب آجاتی۔ پھر بیدار ہوجاتا اور دعا و گریہ میں مصروف ہوجاتے ساری رات یہی شغل رہتا، وہب بن منبہ نے فرمایا کہ اگر اس اُمت میں کوئی مہدی ہے تو وہ عمر بن عبدالعزیز ہیں۔ ان کے مناقب بہت اور ظاہر ہیں۔

(۶۵۲) **عمر بن عطاء:** — یہ عمر عطاو کے بیٹے وخواری کے پوتے مکی وتابعین میں شمار ہیں، ان کی حدیثیں اہل مکہ میں پائی جاتی ہیں۔ ابن عباسؓ سے ان کا روایت کرنا مشہور ہے لیکن سائب بن یزید اور نافع بن جبیر سے بھی روایت کرتے ہیں ابن جریج وغیرہ نے حدیث سنی بکثرت روایت کرتے ہیں۔ خوار میں خاء معجمہ پر پیش اور واؤ پر زبر اور آخر میں راء مہملہ ہے۔

(۶۵۳) **عمر بن عبداللہ:** — نام عمر عبداللہ بن ابی خثعم کے بیٹے یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کی اور ان سے زید بن خباب اور ایک جماعت نے، بخاری نے فرمایا کہ ان کی حدیث بے کار ہے۔

(۶۵۴) **عثمان بن عبداللہ:** — نام عثمان، عبداللہ بن اوس کے بیٹے بنو ثقیف میں سے ہیں اپنے دادا اور چچا عمرو سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابراہیم بن میسرہ اور محمد بن سعید اور ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

(۶۵۵) **عثمان بن عبداللہ:** — نام عثمان، عبداللہ بن موہب کے بیٹے تمیم کے خاندان سے ہیں ابوہریرہؓ اور ابن عمرؓ وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے شعبہ اور ابوعوانہ نے۔

(۶۵۶) **علی بن عبداللہ:** — نام علی عبداللہ بن جعفر کے بیٹے، ابن مدینی کے نام سے مشہور ہیں، مدینی میں میم پر زبر اور دال کے نیچے زیر ہے حافظ حدیث ہیں اپنے والد اور حماد اور دوسرے حضرات سے روایت کی اور ان سے بخاری اور ابویعلی اور ابوداؤد نے خود ان کے استاد ابن مہدی نے فرمایا کہ ابن مدنی رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو سب سے زیادہ جانتے ہیں امام نسائی نے فرمایا کہ ان کی پیدائش ہی اس کام کے لئے ہوئی تھی۔ ذی قعدہ ۲۳۴ھ میں بعمر ۷۳ سال انتقال فرمایا۔

(۶۵۷) **علی بن حسین:** — علی نام، حضرت حسین کے صاحبزادے اور علی بن ابی طالبؓ کے پوتے ہیں کنیت ابوالحسن ہے اور زین العابدین کے نام سے معروف ہیں اہل بیت میں سے اکابر سادات میں سے تھے تابعین میں جلیل القدر اور شہرت یافتہ حضرات میں سے تھے، امام زہری نے فرمایا کہ قریش میں سے میں نے کسی کو ان سے زیادہ افضل نہیں پایا ۹۴ھ میں بعمر ۵۸ سال وفات پائی اور بقیع میں اسی قبر میں مدفون ہوئے جس میں ان کے عم محترم حضرت حسن بن علیؓ مدفون تھے۔

(۶۵۸) **علی بن منذر:** — یہ علی ہیں منذر کے بیٹے اور کوفی ہیں طریقی کے نام سے مشہور ہوئے قابل ذکر عبادت گذار لوگوں میں سے تھے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۵۵ حج کئے، ابن عیینہ اور ولید بن مسلم سے روایت کی اور ان سے ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کی ابن حاتم نے کہا کہ ان کی حدیث میں نے اپنے والد کی معیت میں سنی ثقہ اور بہت سچے راوی ہیں، امام نسائی نے کہا خالص شیعی ہیں اور ثقہ ہیں، ۲۵۶ھ میں وفات پائی طریقی میں طاء مہملہ پر زبر اور راء مہملہ کے نیچے زیر اور یاء سے پہلے قاف ہے۔

(۶۵۹) **علی بن زید:** — نام علی بن زید ہے، نسباً قریشی ہیں بصرہ کے رہنے والے ہیں، بصرہ کے تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے یہ مکہ کے باشندہ تھے۔ بصرہ میں آکر رہ گئے تھے، انس بن مالک، ابوعثمان نہدی اور ابن مسیب سے حدیث سنی اور ان سے ثوری وغیرہ نے روایت کی ۱۳۰ھ میں وفات پائی۔

(۶۶۰) **علی بن یزید:** — نام علی بن یزید الہانی ہے قاسم بن عبدالرحمٰن سے روایت کی اور ان سے کچھ لوگوں نے روایت کی ہے ایک جماعت ان کو روایت میں ضعیف کہتی ہے۔

(۶۶۱) **علی بن عاصم:** — علی بن عاصم نام واسط کے رہنے والے ہیں یحییٰ البکاء (بہت گریہ وزاری کرنے والے) اور عطاء بن سائب اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں سے روایت کی اور ان سے احمد اور دوسرے لوگوں نے بہت سے لوگ ان کو ضعیف کہتے ہیں، ان کے پاس

ایک الله حدیثیں ہیں ۹۰ سال سے زیادہ عمر پائی۔

(۶۶۲) **العلاء بن زیاد:** — نام علاء زیاد بن مطر کے بیٹے بنو عدی میں سے ہیں بصرہ کے رہنے والے ہیں۔ دوسرے طبقہ کے تابعی ہیں، یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو شام آگئے اور ان سے قتادہ نے ۹۴ھ میں انتقال فرمایا۔

(۶۶۳) **عطاء بن یسار:** — یہ عطاء ہیں یسار کے بیٹے ان کی کنیت ابو محمد ہے ام المؤمنین حضرت میمونہ کے آزاد کردہ ہیں، مدینہ کے مشہور تابعین میں سے تھے ابن عباسؓ سے بکثرت روایت کرتے ہیں ۹۷ھ میں بعمر ۸۴ سال وفات پائی۔

(۶۶۴) **عطاء بن عبداللہ:** — نام عطاء عبداللہ کے بیٹے ہیں اصل میں خراسان کے باشندہ تھے، شام میں سکونت اختیار کرلی تھی ۵۰ھ میں انتقال ہوا۔ ان سے مالک بن انس اور معمر بن راشد نے روایت کی۔

(۶۶۵) **عطاء بن ابی رباح:** — اسم گرامی عطاء ابو رباح کے صاحبزادے ہیں کنیت ابو محمد ہے ان کے بال سخت گھنگھریالے تھے، سیاہ فام تھے، بیٹھی ہوئی ناک ہاتھ سے لنجے اور ایک چشم تھے بعد میں نابینا بھی ہوگئے تھے جلیل القدر فقیہہ اور مکہ کے تابعین میں سے تھے امام اوزاعی کا قول ہے کہ ان کی وفات جس روز ہوئی انہوں نے اس شان کے ساتھ وفات پائی کہ اس روز لوگ دنیا کے ہر شخص سے زیادہ ان سے خوش تھے امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ علم کے خزانے خدا جس کو چاہے تقسیم فرمائے اگر علم کے ساتھ کسی کی خصوصیت ہوسکتی تو اس کا حق سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی کو ہوتا عطاء بن رباح حبشی تھے، سلمہ بن کہیل نے فرمایا میں نے ایک شخص بھی ایسا نہیں دیکھا جس کے علم کی غرض صرف خدا کی ذات ہو۔ ہاں تین شخص ایسے ضرور تھے، عطاء طاؤس مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ ۱۱۵ھ میں بعمر ۸۸ سال انتقال فرمایا، ابن عباس، ابوہریرہ ابوسعید اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے حضرات صحابہ سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے ایک جماعت نے روایت کی۔

(۶۶۶) **عطاء بن عجلان:** — نام عطاء عجلان کے بیٹے ہیں بصرہ وطن ہے انس ابو عثمان نہدی اور کچھ اور حضرات سے روایت کی اور ان سے ابن نمیر اور ایک بڑی جماعت نے بعض نے ان کو روایت میں متہم بھی کیا ہے۔

(۶۶۷) **عطاء بن السائب:** — نام عطاء سائب بن یزید کے بیٹے ہیں خاندان کے اعتبار سے ثقفی ہیں ۱۳۶ھ یا تقریباً اسی زمانہ میں وفات پائی۔

(۶۶۸) **عدی بن عدی:** — نام عدی، عدی کے بیٹے ہیں۔ بنو کندہ میں سے ہیں اپنے والد عدی اور رجاء بن حیوۃ سے روایت کی اور ان سے عیسیٰ بن عاصم وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

(۶۶۹) **عدی بن ثابت:** — نام عدی ثابت کے بیٹے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کی، ترمذی نے ان کی روایت باب العطاس میں ذکر کی ہے، عدی بن ثابت سے ابوالیقظان نے روایت کی، ترمذی نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن اسمٰعیل یعنی بخاریؒ سے دریافت کیا عدی بن ثابت کے دادا کون ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ میں تو ان کا نام نہیں جانتا لیکن یحییٰ بن معین ذکر کرتے ہیں کہ ان کا نام دینار ہے۔

(۶۷۰) **عیسیٰ بن یونس:** — نام عیسیٰ یونس بن اسحاق کے بیٹے ہیں حفظ اور عبادت گزاری میں شہرت یافتہ لوگوں میں سے ایک ہیں، اپنے والد اور اعمش اور بہت سے دوسرے لوگوں سے روایت کی اور حماد بن سلمہ جیسے جلیل القدر محدث اور بہت سے لوگ ان سے روایت کرتے ہے ایک سال حج بیت اللہ کو جاتے اور ایک سال جہاد میں شریک ہوتے ۱۸۷ھ میں انتقال فرمایا۔

(۶۷۱) عامر بن مسعود: — نام عامر ہے مسعود کے بیٹے ہیں، نسباً قریشی ہیں تابعی ہیں ابراہیم بن عامر کے والد ہی ہیں ان سے شعبہ اور ثوری نے روایت کی۔

(۶۷۲) عامر بن سعد: — نام عامر سعد بن ابی وقاص کے بیٹے ہیں، زہری و قرشی ہیں اپنے والد سعد اور حضرت عثمان سے حدیث سنی اور ان سے زہری اور دوسرے لوگوں نے ۱۰۴ھ میں وفات ہوئی۔

(۶۷۳) عامر بن اسامہ: — عامر نام ہے اسامہ کے بیٹے ہیں، ان کی کنیت ابوالملیح ہے، بنو ہذیل میں سے ہیں اور بصرہ کے باشندہ ہیں اپنے والد اسامہ اور بریدہ اور جابر و انس اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں سے حدیث سنی اور ان سے ان کے دو بیٹے زیاد اور میسر اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے روایت کی، ملیح میں میم پر زبر اور لام کے نیچے زیر حاء مہملہ (غیر منقوط) ہے۔

(۶۷۴) عاصم بن سلیمان: — نام عاصم ہے سلیمان کے بیٹے ہیں اور بھینگے ہیں بصرہ کے باشندہ اور تابعی ہیں، انس حفصہ اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات سے روایت کی ثوری اور شعبہ نے ان سے حدیث کی سماعت کی ۱۴۲ھ میں وفات ہوئی ہے۔

(۶۷۵) عاصم بن کلیب: — ان کا نام عاصم اور والد کا نام کلیب ہے۔ جرم کے قبیلہ سے ہیں اور کوفہ کے باشندہ ہیں اپنے والد وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے ثوری و شعبہ نے، ان کی حدیثیں نماز و حج وجہاد کے بارے میں ہیں۔

(۶۷۶) عروہ بن زبیر: — نام نامی عروہ زبیر بن العوام کے صاحبزادے ہیں کنیت ابوعبداللہ ہے قریش کی شاخ بنو اسد میں سے ہیں اپنے والد حضرت زبیرؓ اور والدہ حضرت اسماءؓ سے حدیث کی سماعت کی اس کے علاوہ اپنی خالہ عائشہ صدیقہؓ اور دوسرے کبار صحابہ سے بھی حدیث کی سماعت کی ان سے ان کے بیٹے ہشام اور زہری وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ۲۲ھ میں تولد ہوئے تابعین میں بڑے طبقہ کے تابعین میں سے ہیں، مدینہ میں سات مشہور فقیہ تھے ان میں سے ایک یہ بھی ہیں ابوالزناد کا قول ہے کہ مدینہ میں ہمارے ان فقہا میں سے جن کے قول پر معاملہ ختم ہو جاتا ہے ان میں سے سعید بن مسیب اور عروہ بن زبیر ہیں اور کچھ اور حضرات کا بھی انہوں نے نام لیا، ابن شہاب نے فرمایا عروہ ایسا سمندر ہیں جو کبھی پایاب نہیں ہوتا۔

(۶۷۷) عروہ بن عامر: — نام عروہ ہے عامر کے بیٹے ہیں قریشی اور تابعی ہیں ابن عباس اور دوسرے حضرات سے حدیث کی سماعت کی ان سے عمرو بن دینار اور حبیب بن ثابت نے روایت کی ابوداؤد نے ان کی حدیث باب الطیرہ میں ذکر کی ہے یہ روایت مرسل ہے۔

(۶۷۸) عبید بن عمیر: — عبید نام۔ عمر کے بیٹے کنیت ابوعاصم ہے، لیث گھرانے کے حجاز کے باشندہ اور اہل مکہ کے قاضی ہیں، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی زیارت بھی کی ان کا شمار کبار تابعین میں ہے صحابہ کی ایک جماعت سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے کچھ تابعین نے روایت کی، ابن عمرؓ سے پہلے وفات پائی۔

(۶۷۹) عبید بن السباق: — نام عبید ہے، سباق کے بیٹے حجاز کے باشندہ ہیں، ان کا شمار تابعین میں ہے، ان سے حدیث کم نقل کی گئی۔ اہل حجاز کے یہاں ان کی حدیثیں ملتی ہیں زید بن ثابتؓ سہل بن حنیفؓ اور جویریہ سے روایت کی اور ان سے ان کے صاحبزادے سعید وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(۶۸۰) عبید بن زیاد: — نام عبید زیاد کا بیٹا ہے۔ کلب اس کا دوسرا نام ہے یہی وہ شخص ہے جو حسین بن علیؓ کے قتل کے لئے لشکر لے کر گیا تھا ان ایام میں یہ یزید کی جانب سے کوفہ کا امیر تھا ابراہیم بن مالک اشتری نخعی کے ہاتھ سے ۶۱ھ میں مختار بن عبید کے دور میں

موصل میں قتل ہوا۔

(۶۸۱) عکرمہ: — عکرمہ نام حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ ہیں، ابو عبداللہ کنیت ہے اصل میں بربری ہیں مکہ کے فقہاء اور تابعین میں سے بھی ہیں ابن عباس اور دوسرے صحابہ سے حدیث کی سماعت کی ایک بڑی جماعت نے ان سے روایت کی ۱۰۷ھ میں بعمر اسی سال انتقال فرمایا، سعید ابن جبیر سے لوگوں نے پوچھا تم سے بڑا عالم بھی کوئی اور ہے تو انہوں نے فرمایا عکرمہ۔

(۶۸۲) علقمہ بن ابی علقمہ: — نام علقمہ ابو علقمہ کے بیٹے ہیں، ابو علقمہ کا نام بلال ہے، ام المؤمنین حضرت عائشہ کے آزاد کردہ ہیں انس بن مالک اور اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے مالک بن انس اور سلیمان بن بلال نے روایت کی۔

(۶۸۳) عوف بن وہب: — نام عوف۔ وہب کے بیٹے ہیں۔ تابعی ہیں۔ وہب کی کنیت ابو جحفہ ہے۔

(۶۸۴) ابو عثمان بن عبدالرحمٰن بن مل: — نام ابو عثمان عبدالرحمٰن بن مل کے بیٹے ہیں، خاندانی اعتبار سے نہدی اور وطینت کے لحاظ سے بصری ہیں زمانہ جاہلیت وزمانہ اسلام دونوں پائے، آنحضرت ﷺ کی حیات میں ہی اسلام لاچکے ہیں، مگر ملاقات نہیں ہوئی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں ستر سال سے زیادہ گزارے اور تقریبا اتنی ہی مدت زمانہ اسلام میں بسر کی ۹۵ھ میں وفات پائی، عمر ایک سو تیس سال ہوئی۔ حضرت عمر اور ابن مسعود اور ابو موسیٰ سے حدیث کی سماعت کی ان سے قتادہ وغیرہ نے روایت کی مل میں میم پر ضمہ اور کسرہ دونوں ہیں اور لام پر تشدید ہے۔

(۶۸۵) ابو عاصم: — نام ابو عاصم، شیبان کے قبیلہ سے ہیں، امام بخاریؒ کے استاد ہیں۔

(۶۸۶) ابو عبیدہ: — نام ابو عبیدہ ہے محمد بن عمار بن یاسر کے بیٹے ہیں خاندان عنس سے ہیں اور تابعی ہیں جابرؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے عبدالرحمٰن بن اسحاق نے روایت کی عنس میں عین اور نون پر زبر اور سین غیر منقوط ہے۔

(۶۸۷) ابو عمیر بن انس: — نام ابو عمیر انس بن مالک کے بیٹے ہیں اور انصاری ہیں کہتے ہیں کہ ان کا نام عبداللہ ہے اپنے چچوں سے جو انصاری ہی ہیں روایت کرتے ہیں، کم عمر تابعین میں ان کا شمار ہے اپنے والد انسؓ کی وفات کے بعد زمانہ دراز تک زندہ رہے۔

(۶۸۸) ابو العشراء: — کنیت ابو العشراء نام اسامہ ہے مالک کے بیٹے اور بنو دارم میں سے ہیں تابعی ہیں اپنے والد سے روایت کی اور ان سے حماد بن سلمہ نے، اہل بصرہ میں شمار کیے جاتے ہیں، ان کے نام میں بہت اختلاف ہے اور کچھ ذکر ہوا اور وہ سب سے زیادہ مشہور قول ہے۔ العشراء میں عین پر پیش شین منقوط پر زبر اور آخر میں الف ممدودہ ہے۔

(۶۸۹) ابو العالیہ رفیع: — ابو العالیہ کنیت رفیع نام مہران کے بیٹے ہیں۔ جو ریاح میں سے ہیں یہ نسبت ان کے آزاد کردہ ہونے کے باعث ہے، بصرہ کے باشندہ ہیں، حضرت صدیق اکبر کی زیارت سے مشرف ہوئے اور حضرت عمر اور ابی بن کعب سے روایت کی اور ان سے عاصم الاحول وغیرہ نے حفصہ جو سیرین کی بیٹی ہیں کہتی ہیں کہ میں نے ابو العالیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو تین بار قرآن سنایا ۹۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۶۹۰) ابو العلاء: — ابو العلاء نام یزید بن عبداللہ بن الشخیر کے بیٹے ہیں۔ اپنے والد اور اپنے بھائی مطرف اور حضرت عائشہؓ سے روایت کی اور ان سے قتادہ اور ایک جماعت نے ۱۱۱ھ میں وفات ہوئی۔

(۶۹۱) ابو عبدالرحمٰن: — یہ ابو عبدالرحمٰن حبلی ہیں نام عبداللہ یزید کے بیٹے ہیں مصر کے باشندہ اور قبیلۂ عامر سے ہیں نیز تابعی ہیں.

الحبلی میں حاء مہملہ پر ضمہ اور بائے موحدہ پر بھی ضمہ ہے۔

(۶۹۲) ابو عطیہ: — ابو عطیہ نام بنو عقیل کے آزاد کردہ ہونے کے باعث عقیلی کہلاتے ہیں، مالک بن حویرث سے روایت کرتے ہیں۔

(۶۹۳) ابو عاتکہ: — یہ ابو عاتکہ ہیں، حضرت انس سے روایت کرتے ہیں اور ان سے حسن بن عطیہ وغیرہ نے روایت کی، ان کو روایت میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

(۶۹۴) عتبہ بن ربیعہ: — نام عتبہ ربیعہ کا بیٹا ہے۔ مسلمان نہیں ہوا اس کو حضرت حمزہ بن عبد المطلب نے جنگ بدر میں قتل کیا جب کہ یہ مشرک تھا۔

(۶۹۵) عبد اللہ بن ابی: — نام عبد اللہ، ابی بن سلول کا بیٹا ہے، سلول خزاعہ میں سے ایک عورت کا نام ہے یہ ابی کی بیوی ہے یہ عبد اللہ منافقین کا سردار ہے۔ اس کے بیٹے کا نام بھی عبد اللہ ہے، بہترین صحابی اور زبردست صاحب فضیلت میں سے ہیں یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور اس کے بعد دوسرے غزوات میں بھی شامل ہوئے۔

(۶۹۶) العاص بن وائل: — عاص نام وائل کا بیٹا ہے، بنو سہم میں سے ہے حضرت عمرو بن العاص اس کے فرزند اور صحابی ہیں عاص کو زمانہ اسلام پانے کے باوجود اسلام کی توفیق نہیں ہوئی اس نے وصیت کی تھی کہ اس کی جانب سے سو غلام آزاد کئے جائیں، باب الوصایا میں اس کا ذکر آتا ہے۔

صحابی عورتیں

(۶۹۷) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: — یہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ ہیں، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں، ان کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی ام رومان بنت عامر بن عویمر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے اپنا پیام دیا اور ہجرت سے پہلے ہی شوال ۱۰ نبوی میں بمقام مکہ ان سے عقد کیا ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نکاح ہجرت سے تین سال قبل ہوا۔ اور بھی کچھ اقوال نقل کئے گئے ہیں، شوال ۲ھ میں ہجرت سے ۱۸ ماہ بعد حضرت عائشہ کی رخصتی مدینہ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر ۹ سال تھی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی مدینہ میں آمد کے سات ماہ بعد مدینہ میں یہ رخصتی عمل میں آئی آنحضرت صلعم کے ساتھ ۹ سال رہیں جس وقت آپ ﷺ کا وصال ہوا اس وقت حضرت عائشہ ۱۸ سال کی تھیں آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ کے علاوہ کسی اور ناکتخدا سے شادی نہیں کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فقیہ عالمہ، فصیحہ، فاضلہ تھیں، حضور ﷺ سے بکثرت روایات کی ناقل ہیں، وقائع عرب و محاربات اور اشعار کی زبردست ماہر و واقف کار تھیں صحابہ کرام اور تابعین عظام کے بڑے طبقہ نے ان سے روایات نقل کیں، مدینہ طیبہ ۵۷ھ میں یا ۵۸ھ میں ۱۷ رمضان شب شنبہ میں وفات پائی آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ شب میں آپ رضی اللہ عنہا کو دفن کر دیا جائے بقیع میں مدفون ہوئیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اس وقت وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مروان کے ماتحت تھے۔

(۶۹۸) عمرہ بنت رواحہ: — نام عمرہ رواحہ کی بیٹی انصار میں سے ہیں اور صحابیہ ہیں، یہی نعمان بن بشیر کی والدہ ہیں ان سے ان کے شوہر بشیر رضی اللہ عنہ اور صاحبزادہ نعمان بن بشیر نے روایت کی۔

(۶۹۹) ام عمارہ: — یہ ام عمارہ ہیں نسیبہ نام کعب کی صاحبزادی انصار میں سے ہیں بیعت عقبہ میں حاضر اور شریک ہوئیں، غزوۂ احد میں اپنے شوہر زید بن عاصم کی ہمراہی میں شریک تھیں پھر بیعۃ الرضوان میں بھی شامل ہوئیں پھر جنگ یمامہ میں حاضر ہوئیں اور دست بدست

جنگ کی اسی لڑائی میں ایک ہاتھ ضائع ہوگیا اور تلوار و نیزہ کے بارہ زخم لگے۔ ایک جماعت نے ان سے حدیث کی روایت کی عمارہ میں عین پر ضمہ اور میم غیر مشدد ہے، نسیبہ میں نون پر زبر اور سین مکسور ہے۔

(۷۰۰) **ام العلاء:** - یہ ام العلاء انصاریہ تابعیہ ہیں اہل مدینہ کے یہاں ان کی حدیثیں ملتی ہیں ان سے خارجہ بن زید بن ثابت نے روایت کی ہے، ام العلاء ان کی والدہ ہیں رسول اللہ ﷺ ان کی بیماری میں ان کی عیادت فرمایا کرتے تھے۔

(۷۰۱) **ام عطیہ:** - ان کا نام نسیبہ کعب کی بیٹی ہیں بعض کے نزدیک حارث کی صاحبزادی ہیں، انصار میں سے ہیں آنحضرت ﷺ سے بیعت ہوئیں بڑی صحابیات میں سے ہیں ایک جماعت ان سے روایت کرتی ہے حضور ﷺ کے ساتھ اکثر و بیشتر غزوات میں شریک رہیں اور مریضوں کا علاج و معالجہ اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں نسیبہ میں نون پر ضمہ اور سین مہملہ پر زبر یاء تحتیہ ساکن اور باء موحدہ پر زبر ہے۔

تابعی عورتیں

(۷۰۲) **عمرہ بنت عبدالرحمٰن:** - عمرہ بنت عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ کی بیٹی اور عائشہ ام المؤمنین کی گود میں تھیں اور ان کو پالا تھا عمرہ نے عائشہ کی بہت سی حدیثیں روایت کیں اور دوسروں سے بھی اور ان سے ایک جماعت نے روایت کی ۱۰۳ھ میں وفات ہوئی اور وہ مشہور تابعیات میں سے ہیں۔

(غ)

صحابہ

(۷۰۳) **غضیف بن الحارث:** - نام غضیف حارث کے بیٹے ہیں اور ثمالی، ابو اسماء کنیت اور شام وطن ہے۔ آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ لیکن خود ان کا بیان ہے کہ میری پیدائش آپ ﷺ کے زمانہ میں ہوئی میں نے آپ ﷺ سے بیعت کی اور آپ ﷺ نے مجھ سے مصافحہ فرمایا حضرت عمرؓ و ابوذرؓ و عائشہؓ سے حدیث کی سماعت فرمائی اور ان سے مکحول اور سلیم بن عامر نے روایت کی، غضیف میں غین معجمہ پر ضمہ ضاد پر فتحہ اور یا ساکن اور آخر میں فاء ہے ثمالی میں ثاء (تین نقطوں والی) مضموم اور میم بغیر تشدید ہے۔

(۷۰۴) **غیلان بن سلمہ:** - نام غیلان سلمہ کے بیٹے بنو ثقیف سے ہیں فتح طائف کے بعد اسلام لائے اور ہجرت نہیں کی بنو ثقیف کے مشہور اور نمایاں افراد میں سے ہیں، بہت اچھے شاعر تھے حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری دور میں انتقال فرمایا حضرت عبداللہ بن عمر اور عروہ بن غیلان وغیرہ نے ان سے روایت کی۔

تابعین

(۷۰۵) **غالب بن ابی غیلان:** - نام غالب ابو غیلان کے بیٹے ہیں۔ یہ خطاف القطان کے بیٹے بھی کہلاتے ہیں۔ بصرہ وطن

مالوف ہے بکر بن عبداللہ سے روایت کی اور ان سے ضمرہ بن ربیعہ نے۔

(٧٠٦) **غریف بن عیاش**: - یہ غریف ہیں عیاش بن الدیلمی کے بیٹے واثلہ بن الاسقع سے روایت کرتے ہیں ان کا شمار اہل شام میں کیا جاتا ہے غریف میں غین معجمہ پر زبر اور راء مہملہ (غیر منقوط) کو زیر اور آخر میں فاء ہے۔

(٧٠٧) **ابوغالب**: - ابوغالب حزور نام بنوباہلہ کے فرد ہیں اور بصرہ کے رہنے والے ہیں، حضرت عبدالرحمٰن ابن الحضرمی نے ان کو آزد کیا۔ ابوامامہ سے روایت کی اور ان سے شام میں ملاقات کی خود ان سے ابن عیینہ اور حماد بن زید نے روایت کی حزور میں حاء مہملہ پر زبر اور زاء معجمہ پر زبر اور واؤ مشدد اور آخر میں راء ہے۔

(ف)

صحابہ

(٧٠٨) **الفضل بن عباس**: - نام فضل، آنحضرت ﷺ کے چچا عباس کے صاحب زادہ ہیں آپ ﷺ کے ساتھ غزوہ حنین میں شامل ہوئے، آپ کے ہمراہ جو لوگ اس موقع سے ثابت قدم رہے ان میں یہ بھی تھے، حجۃ الوداع میں بھی شریک رہے، آپ کے غسل کے موقع پر بھی دوسروں کے ساتھ موجود تھے پھر شام کی طرف بغرض جہاد تشریف لے گئے۔ صرف ٢١ سال کی عمر میں اطراف اردن میں طاعون عمواس میں ١٨ھ میں انتقال فرمایا، کہا گیا ہے کہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے اور بھی بعض اقوال ذکر کئے جاتے ہیں ان سے ان کے بھائی عبداللہ بن عباسؓ اور ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں۔

(٧٠٩) **فضالہ بن عبید**: - فضالہ نام عبید کے بیٹے قبیلہ اوس میں سے اور انصاری ہیں غزوات میں پہلے پہل یہ احد میں شریک ہوئے ان کے بعد دوسرے غزوات میں شرکت کی بیعت تحت الشجرہ میں آپ صلعم کے ہاتھ پر بیعت کی پھر شام کی طرف منتقل ہوگئے اور دمشق میں قیام پذیر ہوگئے اور حضرت معاویہ کی جانب سے دمشق میں فصل خصومات کا کام کرتے رہے یہ وہ زمانہ ہے جب کہ حضرت معاویہؓ جنگ صفین کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ہی وفات پائی کہا گیا کہ ٥٣ھ میں انتقال ہوا ان سے ان کے آزاد کردہ میسرہ اور دوسرے لوگ روایت کرتے ہیں۔ فضالہ میں فاء اور ضاد معجمہ پر زبر اور عبید میں عین مہملہ پر ضمہ ہے۔

(٧١٠) **الفجیع بن عبداللہ**: - نام فجیع، عبداللہ کے بیٹے بنوعامر میں سے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنی قوم کے ساتھ حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی حدیثیں سنیں، وہب ابن عقبہ نے ان سے روایت کی، الفجیع میں فاء پر ضمہ اور جیم پر فتحہ یاء ساکن اس کے نیچے دو نقطے اور آخر میں عین مہملہ ہے۔

(٧١١) **فروہ بن مسیک**: - یہ فروہ ہیں مسیک کے بیٹے مرادی وغلیفی اور اہل یمن میں سے ہیں، حضور ﷺ کی خدمت میں ٩ھ میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہوگئے اور کوفہ کی جانب منتقل ہوگئے۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں، اور کوفہ ہی میں رہے۔ ان سے شعبی وغیرہ نے روایت کی وہ اپنی قوم کے اشراف اور نمایاں لوگوں میں سے ہیں بہترین شاعر تھے، مسیک میں میم پر ضمہ و سین مہملہ پر فتحہ اور تحتیہ ساکن اور آخر میں کاف ہے۔

(٧١٢) **فروہ بن عمرو**: - یہ فروہ عمرو کے بیٹے بیاضی اور انصاری ہیں بدر میں شریک تھے اس کے بعد کے غزوات میں بھی شریک ہوئے ان سے ابوحازم تمار نے روایت کی۔

(۱۷۱۳) فیروز الدیلمی: — یہ فیروز دیلمی ہیں، ان کو حمیری کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے قبیلہ حمیر میں قیام کر لیا تھا، اصل میں فارسی الاصل ہیں اور صنعاء کے رہنے والے ہیں یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بصورت وفد حاضر ہوئے، اسود عنسی کذاب (جس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا) کے قاتل یہی ہیں، آپ ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں اس کو قتل کیا گیا اور اس کی اطلاع آپ ﷺ کو مرض الوفات میں مل گئی تھی فیروز کے دو بیٹے ضحاک اور عبداللہ وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال فرمایا۔ العنسی میں عین پر زبر اور نون ساکن اور سین مہملہ ہے۔

تابعین

(۱۷۱۴) الفرافصہ بن عمیر: — نام فرافصہ عمیر کے بیٹے ہیں اور بنو حنیفہ میں سے ہیں حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت کی اور ان سے قاسم بن محمد وغیرہ نے، الفرافصہ میں دو فاء اور راء غیر مشدد اور صاد غیر منقوط ہے، محدثین کے یہاں تو یہ فاء اول کی فتحہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے لیکن ابن حبیب کہتے ہیں کہ عرب میں فرافصہ جب بھی نام ہوگا تو فاء اول مضموم ہوگی، صرف فرافصہ بن الاحوص اس سے مستثنیٰ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ فرافصہ بن عمیر، ابن حبیب کی تحقیق کے مطابق فاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے گا، اہل لغت کے یہاں یہ لفظ کسی بھی جگہ فتحہ فاء کے ساتھ نہیں ہے۔

(۱۷۱۵) فروہ بن نوفل: — یہ فروہ ہیں نوفل کے بیٹے بنو اشجع میں سے ہیں اہل کوفہ میں ان کا شمار ہے اپنے والد اور عائشہ سے حدیث سنی اور ان سے ابو اسحاق ہمدانی اور ہلال بن یساف نے روایت کی۔

(۱۷۱۶) ابن الفرک: — کنیت ابن الفرک اور نام احمد بن زکریا بن فارس ہے ماہر لغت ہیں ہمدان میں قیام پذیر تھے اہل علم کے سردار اور یکتائے روزگار تھے، بلاد الجبل میں قیام کے دوران میں اتقان العلم اور ظرف الکتاب والشعراء کے مضامین کو جمع کیا ان کے والد کو فراس اور فرس کہا جاتا ہے ان کا آنحضرت ﷺ سے ملنا ثابت ہے الفراس میں فاء پر کسرہ اور راء بلا تشدید اور سین غیر منقوط ہے۔

صحابی عورتیں

(۱۷۱۷) فاطمہؓ الکبریٰ: — یہ فاطمۃ الکبریٰؓ ہیں آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی ہیں ان کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہؓ ہیں ایک روایت کے مطابق یہ آنحضرت ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں، دنیا و آخرت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں رمضان ۱ھ میں ان کا نکاح حضرت علی ابن ابی طالب سے ہوا اور ذی الحجہ میں رخصتی عمل میں آئی ان کے بطن سے حضرت علی کے تین صاحبزادے حضرت حسن اور حضرت حسین اور حضرت محسنؓ اور زینب و ام کلثوم اور رقیہ تین صاحبزادیاں تولد ہوئیں مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی وفات سے چھ ماہ بعد انتقال فرمایا اور ایک روایت کے مطابق تین ماہ بعد اس وقت ان کی عمر صرف ۲۸ سال تھی، حضرت علیؓ نے غسل دیا اور حضرت عباسؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی شب میں دفن کی گئیں ان سے حضرت علی بن ابی طالب اور ان کے دونوں صاحبزادے حضرت حسن اور حضرت حسینؓ اور ان کے علاوہ صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے علاوہ میں نے کسی کو ان سے زیادہ سچا نہیں پایا انہوں نے فرمایا کہ جب کہ ان دونوں کے درمیان کسی بات میں کبیدگی تھی کہ یا رسول اللہ ان ہی سے دریافت فرمالیجئے کیونکہ یہ جھوٹ نہیں بولتی ہیں۔

(۷۱۸) **فاطمہ بنت ابی حبیش:** — ان کا نام فاطمہ ابو حبیش کی بیٹی ہیں جو استحاضہ میں مبتلا ہوئیں ان سے عروہ بن زبیر اور ام سلمہؓ نے روایت کی یہ فاطمہ عبداللہ بن جحش کی بیوی ہیں حبیش حبش کی تصغیر ہے۔

(۷۱۹) **فاطمہ بنت قیس:** — ان کا نام فاطمہ ہے قیس کی بیٹی ضحاک کی بہن ہیں قریش میں سے ہیں مہاجرین اول میں سے ہیں متعدد لوگوں نے ان سے روایت کی، نیک سیرت اور سمجھدار و باکمال عورت ہیں پہلے ابو عمرو بن حفص کے نکاح میں تھیں بعد میں انہوں نے طلاق دیدی تو آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح حضرت اسامہ بن زید سے کردیا زید آپ ﷺ کے آزاد کردہ تھے۔

(۷۲۰) **الفریعۃ بنت مالک:** — ان کا نام فریعہ ہے مالک بن سنان کی بیٹی اور ابو سعید خدری کی بہن ہیں بیعۃ الرضوان میں حاضر تھیں اس بیعۃ الرضوان کے واقعہ کی روایت انہوں نے کی ان کی حدیثیں اہل مدینہ کے یہاں ہیں حضرت زینب بنت کعب بن حجرہ نے ان سے روایت کی الفریعہ میں فاء پر ضمہ راء پر فتحہ یاء ساکن اور عین مہملہ ہے۔

(۷۲۱) **ام الفضل:** — یہ ام الفضل لبابہ ہیں حارث کی بیٹی اور بنو عامر سے ہیں حضرت عباس بن عبدالمطلب کی بیوی اور ان کی اکثر اولاد کی ماں ام المؤمنین حضرت میمونہ کی بہن یہی ہیں کہا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہ کے بعد سب عورتوں سے پہلے یہی اسلام لائیں آنحضرت ﷺ سے بہت سی حدیثیں روایت کرتی ہیں۔

(۷۲۲) **ام فروہ:** — یہ ام فروہ انصاریہ ہیں بیعت کرنے والیوں میں سے ہیں قاسم بن غنام نے ان سے روایت کی۔

تابعی عورتیں

(۷۲۳) **فاطمہ الصغری:** — یہ فاطمہ الصغری ہیں حضرت حسین بن علی بن ابی طالب کی بیٹی قرشیہ ہاشمیہ ہیں ان کا نکاح حضرت حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب سے ہوا ان کا انتقال ہوگیا تو عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان نے ان سے نکاح کرلیا۔

(ق)

صحابہ

(۷۲۴) **قبیصہ بن ذُوَیب:** — یہ قبیصہ ہیں ذویب کے بیٹے اور بنو خزاعہ میں سے ہیں ہجرت کے پہلے سال میں پیدا ہوئے کہا جاتا ہے کہ ان قبیصہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور آپ ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی اسی لئے یہ بڑے رفیع المرتبت عالم اور فقیہ تھے ابو الزناد کہتے ہیں کہ چار شخص مدینہ میں فقیہہ مشہور تھے ابن مسیب، عروہ بن زبیر، عبدالملک بن مروان و قبیصہ بن ذویب انہوں نے ابوہریرہؓ و ابو درداء و زید بن ثابتؓ سے روایت کی اور ان سے امام زہری اور دوسرے حضرت نے۔ ۸۶ھ میں وفات پائی، یہ ابن عبدالبر کی رائے ہے جو انہوں نے اپنی کتاب میں درج فرمائی ہے اور ان کو صحابہ میں شامل کیا ہے دوسرے حضرات نے ان کو صحابہ میں نہیں رکھا بلکہ ان کو شام کے تابعین کے دوسرے طبقہ میں رکھا ہے۔ قبیصہ میں قاف پر زبر اور باء موحدہ کے نیچے زیر اور ذویب ذئب کی تصغیر ہے۔

(۷۲۵) **قبیصہ بن مخارق:** — یہ قبیصہ ہیں مخارق کے بیٹے۔ بنو ہلال میں سے ہیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کا

شمار اہل بصرہ میں ہوتا ہے ان سے ان کے بیٹے قطن اور ابو عثمان نہدی وغیرہ نے روایت کی مخارق میں میم پر ضمہ خائے معجمہ اور راء اور قاف ہے۔

(۷۲۶) قبیصہ بن وقاص: — یہ قبیصہ ہیں وقاص سلمی کے بیٹے۔ بصرہ میں سکونت پذیر ہو گئے اہل بصرہ ہی میں ان کا شمار ہے ان سے صالح بن عبید نے روایت کی۔

(۷۲۷) قتادہ بن النعمان: — یہ قتادہ ہیں نعمان کے بیٹے انصار میں سے ہیں بیعت عقبہ اور غزوہ بدر میں شرکت کے باعث عقبی اور بدری کہے جاتے ہیں اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے ان سے ان کے (اخیافی) ماں شریک بھائی ابو سعید خدری اور ان کے بیٹے وغیرہ نے روایت کی ۲۳ھ میں بعمر ۵۶ سال انتقال فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی صاحب فضل صحابہ میں سے ہیں۔

(۷۲۸) قدامہ بن عبداللہ: — اسم گرامی قدامہ عبداللہ کے بیٹے بنو کلاب میں سے ہیں پرانے مسلمان ہیں مکہ میں ہی سکونت پذیر ہو گئے اور ہجرت نہیں کی۔ حجۃ الوداع میں حاضر تھے اور اپنے قافلہ سمیت بدر میں ٹھہر گئے ان سے ایمن بن نائل وغیرہ نے روایت کی قدامہ میں قاف پر ضمہ اور دال مہملہ بلا تشدید ہے۔

(۷۲۹) قدامہ بن مظعون: — نام قدامہ، مظعون کے بیٹے قرشی وجمحی ہیں یہ عبداللہ بن عمر کے ماموں ہیں مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی بدر اور باقی تمام غزوات میں حاضر ہوئے عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عامر نے ان سے روایت کی۔ ۳۲ھ میں بعمر ۶۸ سال وفات پائی۔

(۷۳۰) قطبہ بن مالک: — یہ قطبہ مالک کے بیٹے بنو ثعلب میں سے ہیں اور کوفہ کے رہنے والے ہیں، یہ صحابی ہیں ان سے ان کے برادر زادہ زیاد بن علاقہ نے روایت کی۔

(۷۳۱) قیس بن ابی غرزہ: — نام قیس۔ ابو غرزہ کے بیٹے غفاری ہیں اہل کوفہ میں ان کا شمار ہے ان سے ابو وائل شقیق بن سلمہ نے روایت کی ان سے صرف ایک ہی روایت تجارت کے بیان میں ہوئی ہے غرزہ میں غین معجمہ پر فتحہ اور رائے مہملہ پر فتحہ اور اس کے بعد زاء معجمہ پر فتحہ ہے۔

(۷۳۲) قیس بن سعد: — یہ قیس ہیں۔ سعد بن عبادہ کے بیٹے کنیت ابو عبداللہ خزرجی و انصاری ہیں حضور کے معزز اصحابہ میں سے تھے اور اجلیل القدر فضلاء اور صاحب رائے اور جنگی معاملات میں صاحب تدبیر لوگوں میں شمار ہوتے ہیں اپنی قوم میں شریف تھے آنحضرت ﷺ جب مکہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کے یہاں ان کا وہی درجہ تھا جو کسی امیر کے یہاں پولیس افسر کا، حضرت علی ابن ابی طالبؓ کی جانب سے مصر کے گورنر تھے حضرت علیؓ کی شہادت تک یہ آپ کے ساتھی رہے مدینہ میں ۶۰ھ میں انتقال فرمایا ایک جماعت نے ان سے روایت کی قیس بن سعد اور عبداللہ بن زبیر قاضی شریح اور احنف ان سب کا چہرہ بالوں سے خالی تھا اور نہ کسی کے داڑھی تھی۔ لیکن قیس پھر بھی خوبصورت تھے۔

(۷۳۳) قیس بن عاصم: — قیس نام، عاصم کے بیٹے ابو قبیصہ کنیت تھی، ابن عبد البر کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ کنیت ابو علی تمیمی تھی وفد تمیم کے ہمراہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ۹ھ میں اسلام قبول کیا جب آپ کی نظر ان پر پڑی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اہل وبر کے سردار ہیں عقل مند اور بردبار تھے اور بردباری میں مشہور تھے اہل بصرہ میں شمار ہوتے ہیں ان سے ان کے بیٹے حکیم اور دوسرے لوگ روایت کرتے ہیں۔

(۷۳۴) **قرظہ بن کعب:** — یہ قرظہ انصاری خزرجی ہیں کعب کے بیٹے ہیں غزوہ احد اور اس کے بعد دوسرے محاربات میں شریک ہوئے بڑے فاضل تھے۔ حضرت علیؓ نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر فرمادیا تھا حضرت علیؓ کے ہمراہ تمام محاربات میں شامل ہوئے بمقام کوفہ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں انتقال فرمایا شعبی وغیرہ نے ان سے روایت کی قرظہ میں قاف راء مہملہ اور ظاء معجمہ سب پر زبر ہے۔

(۷۳۵) **قرہ بن ایاس:** — نام قرہ ایاس کے بیٹے اور مزنی ہیں۔ بصرہ میں سکونت اختیار کرلی تھی ان سے ان کے بیٹے معاویہ کے علاوہ اور کسی نے روایت نہیں کی ان کو خارجیوں نے قتل کردیا تھا۔ ایاس میں ہمزہ مکسور ہے۔

(۷۳۶) **ابوقتادہ:** — یہ ابوقتادہ ہیں نام حارث، ربعی کے بیٹے انصار میں سے ہیں رسول اللہ ﷺ کے مخصوص شہ سوار ہیں ۵۴ھ میں بمقام مدینہ انتقال فرمایا کہا جاتا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ حضرت علیؓ کی خلافت میں بمقام کوفہ انتقال ہوا حضرت علیؓ کے ساتھ تمام محاربات میں شریک رہے حالانکہ ان کی عمر ۷۰ سال تھی، یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی کنیت نام پر غالب ہے ربعی میں راء مکسور باء موحدہ ساکن اور عین مہملہ پر کسرہ ہے۔

(۷۳۷) **ابوقحافہ:** — یہ ابوقحافہ ہیں نام عثمان ہے عامر کے بیٹے اور ابوبکر صدیقؓ کے والد ہیں ان کا ذکر حرف عین مہملہ میں پہلے آچکا ہے۔

تابعین

(۷۳۸) **القاسم بن محمد:** — یہ ہیں قاسم، محمد بن ابی بکر الصدیق کے صاحب زادے مدینہ کے سات مشہور فقہا میں سے ایک اور اکابر تابعین میں سے ہیں اور اپنے اہل زمانہ میں نہایت صاحب فضل و کمال تھے، یحییٰ بن سعید کا قول ہے کہ ہم نے کسی کو مدینہ میں نہیں پایا جس کو ہم قاسم بن محمد کے مقابلے میں فضیلت دیں انہوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے جن میں حضرت عائشہؓ و معاویہؓ شامل ہیں روایت بیان کیں اور ان سے ایک گروہ روایت کرتا ہے ۱۰۱ھ میں بعمر ۷۰ سال انتقال فرمایا۔

(۷۳۹) **القاسم بن عبدالرحمٰن:** — یہ ہیں قاسم عبدالرحمٰن کے بیٹے۔ شام کے باشندہ اور عبدالرحمٰن بن خالد کے آزاد کردہ ہیں انہوں نے ابوامامہ سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے علاء بن حارث وغیرہ نے روایت کی عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے قاسم مولی عبدالرحمٰن سے افضل کسی کو نہیں پایا۔

(۷۴۰) **قبیصہ:** — ان کا نام قبیصہ۔ ہلب کے بیٹے بنو طے میں سے ہیں اپنے والد سے روایت کی اور ان کے والد صحابی ہیں ان سے سماک نے روایت کی، ہلب میں ہاء پر ضمہ اور لام ساکن اور آخر میں باء موحدہ ہے لوگ کہتے ہیں کہ ہلب کو ہاء کے فتحہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ تلفظ کرنا صحیح ہے۔

(۷۴۱) **القعقاع بن حکیم:** — ان کا نام قعقاع ہے حکیم کے بیٹے مدینہ کے رہنے والے ہیں اور تابعی ہیں جابر بن عبداللہ اور ابویونس سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے سعید مقبری اور محمد بن عجلان نے روایت کی۔

(۷۴۲) **قطن بن قبیصہ:** — ان کا نام قطن ہے قبیصہ کے بیٹے بنو ہلال میں سے ہیں ان کا شمار اہل بصرہ میں ہے اپنے والد سے روایت کی اور ان سے حیان بن علاء نے، قطن شریف آدمی تھے سجستان کے حاکم مقرر ہوئے، قطن میں قاف اور طاء دونوں پر فتحہ اور آخر میں نون ہے۔

(۷۴۳) **قتادہ بن دعامہ**:- یہ قتادہ ہیں دعامہ کے بیٹے، ان کی کنیت ابوالخطاب سدوسی ہے، نابینا اور قوی الحفظ ہیں بکر بن عبداللہ مزنی کا ارشاد ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ قوی الحافظ شخص کی زیارت کرے تو وہ قتادہ کو دیکھے ہمیں آج تک کوئی شخص ان سے زیادہ قوت حفظ کا مالک نہیں ملا خود قتادہ کہتے ہیں کہ جو بات بھی میرے کان میں پڑتی ہے اس کو میرا قلب محفوظ کر لیتا ہے انہوں نے فرمایا کہ کوئی قول بغیر اس کے مطابق عمل کے مقبول نہیں اس لئے جس کا عمل اچھا ہو گا اسی کا قول خدا کے یہاں مقبول ہو گا عبداللہ بن سرجس اور انس اور بہت سے دیگر حضرات سے روایت کی اور ان سے ایوب اور شعبہ اور ابو عوانہ وغیرہ نے انتقال ۱۰۷ھ میں ہوا۔

(۷۴۴) **قیس بن عباد**:- یہ ہیں قیس عباد کے بیٹے بصرہ کے رہنے والے بصرہ کے تابعین میں پہلے طبقہ کے تابعی ہیں صحابہؓ کی ایک جماعت سے روایت کی عباد میں عین مہملہ پر پیش اور باء موحدہ بلا تشدد ہے۔

(۷۴۵) **قیس بن ابی حازم**:- نام قیس ہے ابو حازم کے بیٹے احمس و بجلہ میں سے ہیں زمانہ جاہلیت واسلام دونوں دیکھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیعت ہونے کی غرض سے آئے، اس وقت آپ ﷺ وفات پا چکے تھے، کوفہ کے تابعین میں شمار ہوتے ہیں ان کا نام صحابہ کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے حالانکہ سب کو اعتراف ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی زیارت نہیں کی حضرت عبدالرحمن بن عوف کے علاوہ باقی عشرہ مبشرہ سے روایت کی ان کے علاوہ اور بہت سے صحابہ سے روایت کرتے ہیں ایک بہت بڑی جماعت تابعین کی ان سے روایت کرتی ہے ان کے سوا اور کوئی تابعی ایسا نہیں جس نے عشرہ مبشرہ میں سے نو سے روایت کی ہو نہروان کے واقعہ میں حضرت علی بن ابی طالب کے ہمراہ شریک ہوئے بڑی عمر پائی اور سو سال سے زیادہ زندہ رہے ۹۸ھ میں انتقال فرمایا۔

(۷۴۶) **قیس بن مسلم**:- نام قیس ہے مسلم کے بیٹے بنو جدیلہ میں سے ہیں اور کوفہ کے باشندہ ہیں۔ سعید بن جبیر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ثوری اور شعبہ نے ۱۲۰ھ میں وفات پائی جدیلہ میں جیم پر زبر اور دال مہملہ پر زبر ہے۔

(۷۴۷) **قیس بن کثیر**:- یہ قیس ہیں کثیر کے بیٹے ابوالدرداءؓ سے حدیث کی سماعت کی ان سے داؤد بن جمیل نے روایت کی امام ترمذی نے اسی طرح ان کی حدیث کی اپنی کتاب میں قیس بن کثیر کے حوالہ سے تخریج کی اور فرمایا کہ اس طرح ہم سے محمود بن خداش نے حدیث بیان کی حالانکہ یہ قیس کے حوالہ سے ہے نہ کہ قیس بن کثیر کے ذریعہ سے اور اسی طرح ابوداؤد نے ان کا نام کثیر بن قیس بیان کیا اور بخاری نے بھی ان کا ذکر کثیر کے باب میں کیا ہے قیس کے باب میں نہیں (مراد یہ ہے کہ یہ نام قیس بن کثیر نہیں بلکہ کثیر بن قیس ہے۔

(۷۴۸) **ابوقلابہ**:- یہ ابوقلابہ ہیں، قلابہ میں قاف مکسور اور لام غیر مشدد اور باء موحدہ ہے۔ ان کا نام عبداللہ ہے زید کے بیٹے، یہ بنو جرم کے مشہور تابعی ہیں۔ حضرت انسؓ اور دوسرے صحابہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے بہت سے لوگ، سختیانی فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ابوقلابہ نہایت عاقل فقیہہ ہیں شام میں ۱۰۲ھ میں انتقال ہوا۔ جرم میں جیم مفتوح اور راء مہملہ ہے۔

(۷۴۹) **ابن قطن**:- نام عبدالعزیز ہے قطن کا بیٹا ہے قطن میں قاف مفتوح اور طاء مہملہ مفتوح ہے زمانہ جاہلیت کا آدمی ہے، اس کا ذکر دجال کے قصہ میں ہے۔

(۷۵۰) **قزمان**:- یہ وہی قزمان ہے جس نے منافقت کے ساتھ اسلام کا اظہار کیا اس کا ذکر باب معجزات میں ہے یہ غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی طرف سے شریک ہوا اور بڑی قوت و شدت سے جنگؓ کی لوگوں نے اس کا ذکر آنحضرت ﷺ سے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا (یہ کوئی بات نہیں) خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید فاجر وفاسق کے ذریعہ بھی فرماتا ہے خوب سمجھ لو یہ شخص بالیقین جہنمی ہے۔

صحابی عورتیں

(۷۵۱) **قیلہ بنت مخرمہ:** — یہ قیلہ ہیں۔ مخرمہ کی بیٹی بنو تمیم میں سے ان سے علیبہ کی دونوں بیٹیاں صفیہ اور دحیبہ روایت کرتی ہیں یہ دنوں ان کی ربیبہ (پروردہ) ہیں وہ ان دونوں کے والد کی دادی ہیں یہ صحابیہ ہیں۔ دحیبہ اور علیبہ دونوں مصغر ہیں۔

(۷۵۲) **ام قیس بنت محصن:** — یہ ام قیس ہیں محصن کی بیٹی محصن میں میم مکسور حاء ساکن اور نون ہے۔ بنو اسد میں سے ہیں۔ عکاشہ کی بہن ہیں پہلے مکہ میں مسلمان ہو چکی تھی آنحضرت ﷺ سے بیعت کی پھر مدینہ کی جانب ہجرت کی۔

(ک)

صحابہ

(۷۵۳) **کعب بن مالک:** — یہ کعب ہیں مالک کے بیٹے انصاری اور خزرجی ہیں۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں حاضر تھے، اس میں اختلاف ہے کہ بدر میں شرکت فرمائی یا نہیں تبوک کے علاوہ دیگر غزوات میں بھی شریک ہوئے آنحضرت ﷺ کے شعراء میں سے ہیں یہ ان تین صحابہ میں سے ہیں جو غزوہ تبوک میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے ان تینوں کے نام یہ ہے کعب بن مالک ہلال بن امیہ مرارہ بن ربیعہ، ان سے ایک جماعت نے روایت کی ۵۰ ھ میں بعمر ۷۷ سال نابینا ہونے کے بعد انتقال فرمایا۔

(۷۵۴) **کعب بن عجرۃ:** — یہ کعب ہیں عجرہ کے بیٹے اور بلوی ہیں کوفہ میں قیام کر لیا تھا ۵۱ ھ میں بعمر ۷۵ سال بمقام مدینہ انتقال فرمایا ان سے کچھ لوگوں نے روایت کی۔

(۷۵۵) **کعب بن مرۃ:** — یہ کعب ہیں مرہ کے بیٹے اور بہزی بنو سلیم میں سے ہیں ملک شام میں اردن میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور وہاں ۵۹ ھ میں انتقال فرمایا ان سے کچھ لوگوں نے روایت کی۔

(۷۵۶) **کعب بن عیاض:** — یہ ہیں کعب عیاض کے بیٹے اشعری ہیں اور اہل شام میں شمار ہوتے ہیں ان سے جابر بن عبداللہ اور جبیر بن نفیر نے روایت کی عیاض میں عین مہملہ پر کسرہ اور یائے مخففہ کے نیچے دو نقطے اور ضاد معجمہ ہے۔

(۷۵۷) **کعب بن عمرو:** — یہ کعب ہیں عمرو کے بیٹے انصاری اور بنو سلیم میں سے ہیں بیعت عقبہ اور غزوہ بدر میں موجود تھے انہوں نے جنگ بدر میں عباس بن عبدالمطلب کو گرفتار کر لیا تھا ۵۵ ھ میں بمقام مدینہ طیبہ انتقال فرمایا ان سے ان کے بیٹے عمار اور حنظلہ بن قیس نے روایت کی۔

(۷۵۸) **کثیر بن صلت:** — یہ کثیر ہیں صلت کے بیٹے اور معدی کرب کے پوتے، خاندان کندہ کے ایک فرد ہیں آنحضرت ﷺ کی حیات میں ان کی پیدائش ہوئی خود آپ ﷺ نے ان کا نام تجویز فرمایا ان کا سابقہ نام قلیل تھا، انہوں نے ابوبکرؓ عمرؓ عثمان اور زید بن ثابتؓ سے روایت کی۔

(۷۵۹) **کرکرہ:** — یہ کرکرہ ہیں دونوں کاف مفتوح یا دونوں مکسور ہیں۔ بعض غزوات میں آنحضرت ﷺ کے سامان کے نگران تھے، ان کا ذکر باب غلول میں آتا ہے۔

(۷۶۰) کلدہ بن حنبل: - ان کا نام کلدہ ہے، حنبل کے بیٹے اور خاندان اسلم میں سے ہیں صفوان بن امیہ جمحی کے اخیافی (ماں شریک) بھائی ہیں اور معمر بن حبیب کے غلام تھے انہوں نے ان کو سوق عکاظ میں یمن والوں سے خرید لیا تھا پھر ان کو حلیف بنالیا اور ان کا نکاح کردیا وفات تک مکہ ہی میں رہے ان سے عمرو بن عبداللہ بن صفوان نے روایت کی کلدہ میں کاف ولام پر زبر اور دال پر نقطہ نہیں۔

(۷۶۱) ابوکبشہ: - یہ ابوکبشہ ہیں نام عمرو۔ اور سعد کے بیٹے بنو انمار میں سے ہیں شام میں آبسے تھے ان سے سالم بن ابی الجعد اور نعیم بن زیاد نے روایت کی۔

تابعین

(۷۶۲) کعب الاحبار: - یہ کعب الاحبار ہیں مانع کے بیٹے ہیں کنیت ابواسحاق ہے کعب الاحبار کے نام سے مشہور ہیں اصل میں حمیر کے خاندان سے ہیں۔ آنحضرت کا زمانہ پایا لیکن زیارت سے مشرف نہیں ہوئے عمر بن الخطاب کے دور خلافت میں مسلمان ہوئے، عمرؓ صہیبؓ اور عائشہؓ سے روایت کی حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں بمقام حمص ۳۲ھ میں انتقال فرمایا۔

(۷۶۳) کثیر بن عبداللہ: - یہ کثیر ہیں عبداللہ بن عمرو بن عوف کے بیٹے قبیلہ مزنیہ کے شخص ہیں مدین کے رہنے والے ہیں اپنے والد سے حدیث کی سماعت کی، مروان بن معاویہ وغیرہ نے ان سے روایت کی۔

(۷۶۴) کثیر بن قیس: - یہ کثیر ہیں، قیس کے بیٹے یا قیس بن کثیر ان کا ذکر حرف قاف میں آچکا ہے۔

(۷۶۵) کریب بن ابی مسلم: - یہ کریب ہیں ابومسلم کے بیٹے عبداللہ بن عباسؓ اور معاویہؓ کے آزاد کردہ ہیں ان سے ایک جماعت نے روایت کی۔

(۷۶۶) ابوکریب بن محمد: - یہ ابوکریب ہیں محمد بن علاء کے بیٹے ہمدانی وکوفی ہیں ابوبکر بن عباس وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی ان سے بخاری ومسلم اور دوسرے محدثین نے روایت کی ۲۴۸ھ میں وفات پائی۔

تابعی عورتیں

(۷۶۷) کبشہ بنت کعب: - یہ کبشہ ہیں کعب بن مالک کی بیٹی عبداللہ بن ابی قتادہ کی بیوی ہیں ان کی حدیث سور ہرہ کے بیان میں ہے۔ انہوں نے ابوقتادہ سے اور ان سے حمیدہ بنت عبید بن رفاعہ نے روایت کی۔

(۷۶۸) کریمہ بنت ہمام: - یہ کریمہ ہیں ہمام کی بیٹی ہمام میں ہاء پر ضمہ اور میم غیر مشدد ہے انہوں نے ام المؤمنین عائشہؓ سے روایت کی ان کی حدیث خضاب کے متعلق ہے۔

(۷۶۹) ام کرز: - یہ ام کرز ہیں خاندان بنو کعب اور قبیلۂ خزاعہ میں سے ہیں۔ مکہ کی باشندہ ہیں آنحضرت ﷺ سے بہت کی حدیثوں کی روایت کرتی ہیں، ان سے عطاء مجاہد وغیرہ نے روایت کی ان کی روایت عقیقہ کے بارہ میں ہے کرز میں کاف پر پیش اور راء ساکن اور آخر میں زائے معجمہ ہے۔

(۷۷۰) ام کلثوم بنت عقبہ: ۔ یہ ام کلثوم ہیں عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی ہیں مکہ ہی میں اسلام لاچکی تھیں اور پیادہ ہجرت کی اور بیعت کی، مکہ میں ان کے شوہر نہ تھے۔ جب یہ مدینہ پہنچیں تو حضرت زید بن حارثہ نے ان سے نکاح کرلیا اور غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے اس کے بعد ان سے حضرت زبیر بن عوام نے نکاح کرلیا کچھ عرصہ بعد انہوں نے ان کو طلاق دے دی اب عبدالرحمٰن بن عوف نے ان سے نکاح کیا، ان سے ان کے یہاں دو لڑکے ابراہیم اور حمید تولد ہوئے ان کا بھی انتقال ہوگیا تو ان سے عمرو بن عاص نے نکاح کرلیا ان کے نکاح میں ایک ماہ رہی ہوں گی کہ خود ان کا انتقال ہوگیا، یہ حضرت عثمان بن عفان کی اخیافی (ماں شریک) بہن ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے حمید وغیرہم نے روایت کی۔

(ل)

صحابہ

(۷۷۱) لقیط بن عامر: ۔ یہ لقیط ہیں عامر بن صبرہ کے بیٹے ہیں ان کی کنیت ابورزین ہے خاندان بنوعقیل سے ہیں اور مشہور صحابی ہیں ان کا شمار اہل طائف میں ہے ان سے ان کے لڑکے عاصم اور ابن عمرو غیرہ نے روایت کی لقیط میں لام پر فتحہ اور قاف پر کسرہ اور صبرہ میں صاد پر فتحہ اور اور باموحدہ پر کسرہ ہے۔

(۷۷۲) لقمان بن باعورا: ۔ یہ لقمان ہیں باعورا کے بیٹے اور حضرت ایوب ؑ کے بھانجے یا ان کے خالہ زاد بھائی ہیں لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضرت داؤد ؑ کے زمانہ میں موجود تھے ان سے انہوں نے علم حاصل کیا اور بنی اسرائیل میں قاضی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک حبشی غلام مصری سود ان میں مقام نوب کے رہنے والے تھے زیادہ تر یہی کہا جاتا ہے کہ نبی نہیں تھے وہ تو بس ایک حکیم تھے ان کا ذکر کتاب الرقاق میں ہے۔

(۷۷۳) لبید بن ربیعہ: ۔ نام لبید، ربیعہ کے بیٹے بنو عامر میں سے تھے شاعر تھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس سال حاضر ہوئے جس سال ان کی قوم بنو جعفر بن کلاب آپ ﷺ کی خدمت میں آئی زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں صاحب شرف وعزت رہے کوفہ میں رہ گئے تھے۔ ۴۱ھ میں بعمر ۱۴۰ سال اور ایک قول کے مطابق بعمر ۱۵۷ سال انتقال فرمایا ان کی عمر کے بارے میں اور بھی کئی اقوال ہیں یہ طویل العمر لوگوں میں سے تھے۔

(۷۷۴) ابولبابہ: ۔ یہ ابولبابہ ہیں رفاعہ نام، عبدالمنذر کے بیٹے انصار واوس میں سے ہیں، ان کی کنیت نام پر غالب ہے نقیب رسول اللہ ﷺ تھے۔ بیعت عقبہ اور غزوہ بدر اور اس کے بعد دوسرے غزوات میں حاضر تھے بیان کیا گیا ہے کہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے بلکہ آپ نے ان کو مدینہ کا حاکم بنادیا تھا اور غازیان بدر کی طرح ان کا بھی حصہ مال غنیمت میں مقرر فرمایا حضرت علیؓ کے دور میں انتقال فرمایا، ان سے ابن عمر اور نافع وغیرہ نے روایت کی۔

(۷۷۵) ابن اللتبیہ: ۔ یہ ابن اللتبیہ ہیں۔ یہ کنیت ہے اور نام عبداللہ ہے صحابی ہیں ان کا ذکر صدقات کی وصولی کے بیان میں ہے، اللتبیہ میں لام پر ضمہ اور تاء جس پر دو نقطے ہیں مفتوح اور باء جس کے نیچے ایک نقطہ ہے مکسور اور یاء جس کے نیچے دو نقطے ہیں مشدد ہے۔

تابعین

(۷۷۶) لیث بن سعد: – نام لیث، سعد کے بیٹے ہیں۔ کنیت ابوالحارث ہے مصر والوں کے فقیہہ ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ خالد بن ثابت فہمی کے آزاد کردہ ہیں مصر کے نشیبی حصہ کے گاؤں میں پیدا ہوئے انہوں نے ابن ابی ملیکہ عطاء زہری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے بہت سے لوگوں نے حدیث بیان کی ان میں ابن مبارک بھی ہیں ۱۶۱ھ میں بغداد آئے خلیفہ منصور نے مصر کی ولایت ان کے سپرد کرنا چاہی تو انہوں نے انکار کردیا اور معافی کے خواستگار ہوئے یحییٰ بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے لیث بن سعد سے زیادہ کامل کسی کو نہیں پایا قتیبہ بن سعید کہتے ہیں کہ لیث ہر سال بیس ہزار دینار کا غلہ حاصل کرتے تھے اور ان پر کبھی زکوۃ فرض نہیں ہوئی شعبان ۱۷۵ھ میں انتقال فرمایا۔

(۷۷۷) ابن ابی لیلی: – یہ ابن ابی لیلی ہیں نام عبدالرحمٰن ہے اور یسار ابولیلی ان کے والد ہیں انصار میں سے ہیں انکی پیدائش اس وقت ہوئی جب کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے چھ سال باقی تھے اور کہا جاتا ہے کہ دجیل میں پیدا ہوئے ۸۳ھ میں نہر بصرہ میں ڈوب گئے ان کی حدیثیں اہل کوفہ کے یہاں ہیں صحابہ میں سے بہت سے حضرات سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے بہت بڑی جماعت نے حدیث سنی کوفہ کے تابعین میں یہ پہلے طبقہ کے تابعی ہیں، ابن ابی لیلی بعض اوقات ان کے بیٹے محمد کو بھی کہا جاتا ہے یہ کوفہ کے قاضی اور فقہ کے مشہور امام اور صاحب مذہب ورائے ہیں جب محدثین ابن ابی لیلی بلا تصریح بولتے ہیں تو عبدالرحمٰن مراد ہوتے ہیں اور جب فقہا بولتے ہیں تو محمد ہی مراد ہوتے ہیں محمد کی پیدائش ۷۴ھ میں اور وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی۔

(۷۷۸) ابن لہیعہ: – یہ ابن لہیعہ حضرمی ہیں فقیہہ ہیں، ان کا نام عبداللہ اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے مصر کے قاضی ہیں عطاء و ابن لیلی۔ ابن ابی ملیکہ، اعرج، عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں اور ان سے یحییٰ بن بکیر اور قتیبہ مقری روایت کرتے ہیں، حدیث کے باب میں ضعیف ہیں ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ مصر میں کوئی شخص کثرت حدیث اور اس کی یاد داشت اور پختگی میں ابن لہیعہ جیسا نہ تھا۔ ۱۷۴ھ میں انتقال ہوا۔

(۷۷۹) لبید بن الاعصم: – یہ لبید ہے اعصم کا بیٹا یہودی ہے بنوزریق کا آدمی ہے کہا گیا ہے کہ یہ یہودیوں کا حلیف تھا اس کا ذکر سحر کے سلسلہ میں باب المعجزات میں ہے۔

(۷۸۰) ابولہب: – یہ ابولہب ہے، عبدالعزی نام عبدالمطلب بن ہاشم کا بیٹا آنحضرت ﷺ کا چچا ہے۔ جاہلی (کافر) ہے اس کا ذکر کتاب الفتن میں ہے۔

صحابی عورتیں

(۷۸۱) لبابہ بنت حارث: – یہ لبابہ ہیں حارث کی بیٹی ان کی کنیت ام الفضل ہے پہلے ان کا ذکر حرف الفاء میں آچکا ہے۔

(م)

صحابہ

(۷۸۲) مالک بن اوس: – یہ مالک ہیں اوس بن حدثان کے بیٹے۔ بصرہ کے رہنے والے، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے،

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ اکثر کے نزدیک ان کا صحابی ہونا ثابت ہے، ابن مندہ کہتے ہیں کہ ثابت نہیں ان کی آنحضرت ﷺ سے روایت کم ہے اور صحابہ سے جو روایات یہ نقل کرتے ہیں کافی زیادہ ہیں، عشرہ مبشرہ سے انہوں نے روایت کی ہیں حضرت عمرؓ سے ان کی روایات بکثرت منقول ہیں، ایک جماعت رواۃ کی ان سے روایت کرتی ہیں ان میں زہری و عکرمہ بھی شامل ہیں، بمقام مدینہ ۵۹۲ھ میں انتقال فرمایا حدثان میں حاء اور دال دونوں پر فتحہ اور ثاء مثلثہ (تین نقطوں والی) مفتوح ہے۔

(۷۸۳) **مالک بن حویرث:** — نام مالک۔ حویرث کے بیٹے اور لیث گھرانے کے شخص ہیں، آپ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی خدمت میں بیس روز قیام پذیر رہے اور پھر بصرہ میں سکونت پذیر رہے ان سے ان کے صاحبزادے عبداللہ اور ابوقلابہ وغیرہ نے روایت کی ۹۴ھ میں بمقام بصرہ انتقال فرمایا۔

(۷۸۴) **مالک بن صعصعة:** — یہ مالک ہیں صعصعة کے بیٹے انصار میں سے ہیں بنو مازن ان کا خاندان اور مدینہ وطن مالوف ہے پھر بصرہ میں سکونت اختیار کرلی ان سے حدیث کی روایت کم ہے۔

(۷۸۵) **مالک بن ہبیرہ:** — یہ مالک ہبیرہ کے بیٹے سکونی اور بنو کندہ میں سے ہیں ان کا شمار اہل شام میں ہوتا ہے بعض ان کو اہل مصر میں شمار کرتے ہیں ان سے مرثد بن عبداللہ نے روایت کی حضرت معاویہ کی جانب سے فوج کے امیر تھے اور روم کی جنگ میں بھی یہی امیر تھے مرثد میں میم پر زبر راء ساکن اور ثاء مثلثہ (تین نقطوں والی) دوبارہ ہے۔

(۷۸۶) **مالک بن یسار:** — یہ مالک یسار کے بیٹے سکونی اور عوفی ہیں ان کا شمار اہل شام میں ہے ابو نجدہ نے ان سے روایت کی ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، سکونی میں سین پر فتحہ اور کاف اور نون ہے۔

(۷۸۷) **مالک بن تیہان:** — یہ مالک تیہان کے بیٹے ہیں ابوالہیثم کنیت اور انصار میں سے ہیں، بیعت عقبہ میں حاضر تھے، یہ بارہ نقیبوں (نمائندوں) میں سے ایک ہیں۔ غزوہ بدر و غزوۂ احد اور تمام غزوات میں شریک رہے ان سے ابوہریرہؓ نے روایت کی حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں بمقام مدینہ طیبہ ۲۰ھ میں انتقال ہوا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۳۹ھ میں جنگ صفین میں شہید ہوئے ان کے علاوہ دوسرے اقوال بھی ہیں الہیثم میں ہاء پر فتحہ یاء ساکن اور ثاء مثلثہ (تین نقطوں والی) ہے اور التیہان میں تاء پر فتحہ (اس پر دو نقطے ہیں) اور یاء پر تشدید (اس کے نیچے دو نقطے ہیں) اور آخر میں نون ہے۔

(۷۸۸) **مالک بن قیس:** — یہ مالک ہیں قیس کے بیٹے ان کی کنیت ابوصرمہ ہے کنیت ہی مشہور ہے ان کا ذکر حرف صاد میں آچکا ہے۔

(۷۸۹) **مالک بن ربیعہ:** — یہ مالک ہیں قیس کے بیٹے ابواسید کنیت ہے کنیت ہی مشہور ہے ان کا ذکر حرف ہمزہ میں آچکا ہے۔

(۷۹۰) **ماعز بن مالک:** — یہ ماعز ہیں مالک کے بیٹے اور اسلمی ہیں اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں یہ وہ صحابی ہیں جن کو حضور ﷺ نے حد زنا میں سنگسار کرایا تھا ان سے ان کے صاحبزادے عبداللہ نے صرف ایک روایت کی ہے۔

(۷۹۱) **مطر بن عکامس:** — یہ مطر ہیں عکامس کے بیٹے اور سلمی ہیں ان کا شمار اہل کوفہ میں ہے ان سے ایک روایت منقول ہے ابواسحٰق سبیعی کے علاوہ اور کسی نے ان سے روایت نہیں کی عکامس میں عین مہملہ پر پیش اور کاف غیر مشدد ہے میم پر کسرہ اور آخر میں سین غیر منقوطہ ہے۔

(۷۹۲) **معاذ بن انس:** — یہ معاذ ہیں انس کے بیٹے جہینہ خاندان سے ہیں اہل مصر میں شمار ہوتے ہیں وہاں ہی ان کی حدیثیں پائی جاتی ہیں ان کے بیٹے سہل ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۷۹۳) **معاذ بن جبل:** — یہ معاذ ہیں جبل کے بیٹے ابو عبداللہ کنیت انصاری خزرجی ہیں یہ انصار کے ان ستر اشخاص میں سے ہیں جو بیعت عقبہ ثانیہ میں حاضر ہوئے تھے بدر اور دوسرے غزوات میں حاضر ہوئے آنحضرت ﷺ نے ان کو بحیثیت قاضی و معلم یمن روانہ فرمایا تھا ان سے عمرو ابن عباس اور بہت سے لوگوں نے روایت کی اٹھارہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے یہ بعض کا قول ہے، ان کو حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہ بن جراح کے بعد شام کا حاکم مقرر فرمایا اور اسی سال ۱۸ھ میں بعمر ۳۸ سال طاعون عمواس میں ان کی وفات ہوئی اور بھی کچھ اقوال اس بارے میں نقل کئے گئے ہیں۔

(۷۹۴) **معاذ بن عمرو بن جموح:** — یہ معاذ ہیں عمرو بن جموح کے بیٹے انصاری و خزرجی ہیں بیعت عقبہ اور بدر میں یہ خود اور ان کے والد عمرو شریک ہوئے یہی وہ صحابی ہیں جنہوں نے معاذ بن عفراء کی معیت میں ابوجہل کو قتل کیا تھا ان کا ذکر باب قسمۃ الغنائم میں ہے ابن عبدالرحمٰن اور ابن اسحاق کی روایت ہے کہ معاذ بن عمرو نے ابوجہل کی ٹانگ کاٹ دی تھی اور اس کو زمین پر گرا دیا تھا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عکرمہ نے جو ابوجہل کے بیٹے ہیں (یہ بعد میں مسلمان ہوگئے) معاذ بن عمر کے ہاتھ پر تلوار ماری اور اس کو الگ کر دیا تھا اس کے بعد معاذ بن عفراء نے ابوجہل پر تلوار سے حملہ کیا تا آنکہ اس کو بے دم کر دیا کچھ سانس باقی تھے کہ وہ اسی کو چھوڑ گئے جب آنحضرت ﷺ نے مقتولین میں ابوجہل کو تلاش کرنے کے لئے ابن مسعودؓ کو حکم فرمایا تو یہ ابوجہل کے پاس آئے اور اس کا سر جسم سے جدا کر دیا ان سے عبداللہ بن عباس نے روایت کی حضرت عثمان کے زمانہ میں وفات پائی۔

(۷۹۵) **معاذ بن حارث:** — یہ معاذ ہیں حارث بن رفاعہ کے بیٹے انصاری و زرقی ہیں، عفراء ان کی والدہ ہیں اور وہ عبید بن ثعلبہ کی بیٹی ہیں یہ اور رافع بن مالک قبیلۂ خزرج کے انصار میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے غزوۂ بدر میں اپنے دونوں بھائیوں عوف اور معوذ کی معیت میں شریک ہوئے ان کے یہ دونوں بھائی بدر میں شہید ہوئے بعض کے قول کے مطابق یہ بدر کے علاوہ دوسرے غزوات میں شریک ہوئے بعض کہتے ہیں کہ بدر میں ان کو زخم آئے اور مدینہ میں انہی زخموں کے باعث انتقال فرمایا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک زندہ رہے ان سے ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ نے روایت کی عفراء میں عین مہملہ مفتوح اور فاء ساکن اور الف ممدودہ ہے۔

(۷۹۶) **معوذ بن حارث:** — یہ معوذ ہیں حارث کے بیٹے اور عفراء ان کی والدہ ہیں بدر میں شریک ہوئے، یہی ہیں جنہوں نے اپنے بھائی معوذ کی معیت میں ابوجہل کو قتل کیا، یہ دونوں کاشتکار اور باغات کا کام کرنے والے ہیں بدر میں قتل کیا اور وہیں شہادت پائی معوذ میں میم مضموم اور عین پر فتحہ اور واؤ مشدد پر کسرہ اور ذال معجمہ ہے۔

(۷۹۷) **مسطح بن اثاثہ:** — یہ اثاثہ بن عباد بن عبدالمطلب بن عبد مناف کے بیٹے قریشی و بنو عبدالمطلب میں سے ہیں غزوۂ بدر اور اور غزوۂ احد اور دوسرے غزوات میں شریک ہوئے یہی وہ صحابی ہیں جو واقعہ افک میں عائشہؓ کے متعلق بدگوئی میں شریک ہوگئے تھے آنحضرت ﷺ نے جن آدمیوں کو اتہام تراشی میں کوڑوں کی سزا دی ان میں یہ بھی شامل ہیں کہا جاتا ہے کہ مسطح ان کا لقب ہے اور نام عوف ہے ابن عبدالبر نے کہا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے ۳۴ھ میں بعمر ۵۶ سال وفات پائی مسطح میں میم مکسور سین ساکن طاء مہملہ پر فتحہ اور حاء مہملہ ہے، اثاثہ میں ہمزہ پر ضمہ تین نقطوں والی پہلی ثاء غیر مشدد ہے عباد میں باء جس کے نیچے ایک نقطہ ہے مشدد ہے۔

(۷۹۸) **مسور بن مخرمہ:** — یہ مسور ہیں مخرمہ کے بیٹے کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے زہری و قرشی ہیں، یہ عبدالرحمٰن بن عوف کے

بھانجے ہیں ہجرت نبوی کے دو سال بعد مکہ میں ان کی پیدائش ہوئی ذی الحجہ ۸ھ میں مدینہ منورہ پہنچے آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۸ سال تھی انہوں نے آنحضرت ﷺ سے حدیث کی سماعت کی اور اس کو یاد رکھا بڑے فقیہہ اور صاحب فضل اور دیدار تھے حضرت عثمان کی شہادت تک مدینہ ہی میں قیام پذیر رہے بعد شہادت مکہ میں منتقل ہو گئے اور حضرت معاویہؓ کی وفات تک وہاں مقیم رہے انہوں نے یزید کی بیعت کو پسند نہیں کیا لیکن پھر بھی مکہ ہی میں رہے جب تک کہ یزید نے لشکر بھیجا اور مکہ کا محاصرہ کر لیا اس وقت یہاں ابن زبیرؓ مکہ میں موجود تھے چنانچہ اس محاصرہ میں مسور بن مخرمہ کو منجنیق سے پھینکا ہوا ایک پتھر لگا یہ اس وقت حجرۂ مبارک میں نماز پڑھ رہے تھے اسی پتھر نے ان کی جان لی یہ واقعہ ربیع الاول ۶۴ھ کی چاندرات کو ہوا ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی مسور میں میم مکسور سین مہملہ ساکن اور واؤ مفتوح ہے مخرمہ میں میم مفتوح خاء معجمہ ساکن اور راء مفتوح ہے۔

(۷۹۹) مسیب بن حزن: — یہ مسیب، حزن کے بیٹے کنیت ابو سعید قرشی و مخزومی ہیں اپنے والد حزن کے ہمراہ ہجرت کی مسیب ان لوگوں میں سے ہیں جو بیعت الرضوان میں شریک ہوئے اپنے والد حزن سے روایت کی اہل حجاز میں ان کی حدیث ملتی ہے ان سے ان کے بیٹے سعید بن مسیب نے روایت کی مسیب میں میم مضموم سین مفتوح اور دو نقطوں والی یاء مشدد مفتوح ہے حزن میں حاء مہملہ پر زبر زاء ساکن اور آخر میں نون ہے۔

(۸۰۰) مستورد بن شداد: — یہ مستورد ہیں شداد کے بیٹے فہری و قرشی ہیں ان کا شمار اہل کوفہ میں ہے بعد میں مصر کو سکونت گاہ بنا لیا اور ان میں شمار ہوتے ہیں کہا جاتا ہے کہ جس روز آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت یہ بچے تھے لیکن انہوں نے آنحضرت ﷺ سے حدیث کی سماعت کی اور اس کو یاد رکھا ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

(۸۰۱) مغیرہ بن شعبہ: — یہ مغیرہ ہیں شعبہ کے بیٹے اور ثقفی ہیں غزوۂ خندق کے سال مسلمان ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ پہنچے کوفہ میں پڑے رہے اور وہیں ۵۰ھ میں بعمر ستر سال وفات پائی اس وقت یہ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کی جانب سے امیر تھے چند لوگ ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۸۰۲) مقدام بن معدیکرب: — یہ مقدام ہیں معدی کرب کے بیٹے کنیت ابو کریمہ ہے اور کندی ہیں اہل شام میں ان کا شمار ہے وہاں ہی ان کی حدیث پائی جاتی ہے ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی شام میں بعمر ۹۱ سال ۸۷ھ میں انتقال ہوا۔

(۸۰۳) مقداد بن اسود: — یہ مقداد ہیں اسود کے بیٹے اور کندی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کے والد نے بنو کندہ سے عہد و پیمان کر لیا تھا، اسی لئے کندہ کی طرف منسوب ہوئے، ابن اسود کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اسود کے حلیف یا ان کے پروردہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بات نہ تھی بلکہ یہ اسود کے غلام تھے انہوں نے ان کو متبنی بنا لیا تھا یہ اسلام لانے والوں میں چھٹے آدمی ہیں ان سے علیؓ اور طارق بن شہاب وغیرہ نے روایت کی، جرف جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے وفات پائی لوگ ان کو وہاں سے اپنے کندھوں پر اٹھا کر لائے اور بقیع میں ۳۳ھ میں دفن کیا، اس وقت ان کی عمر ۷۰ سال تھی۔

(۸۰۴) مہاجر بن خالد: — یہ مہاجر ہیں خالد بن ولید بن مغیرہ کے بیٹے مخزومی و قریشی ہیں یہ اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن دونوں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بچے تھے، ان دونوں میں اختلاف تھا، یہ خود حضرت علیؓ کے طرفدار تھے اور عبدالرحمٰن حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھا مہاجر نے حضرت علیؓ کے ہمراہ جنگ جمل و صفین میں شرکت کی ابو عمر کہتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ جنگ جمل میں ان کی آنکھ پھوٹ گئی تھی جنگ صفین میں شہید ہوئے اور شہادت تک حضرت علیؓ کے طرفدار رہے۔

(۸۰۵) مہاجر بن قنفذ: — یہ مہاجر ہیں قنفذ کے بیٹے قرشی و تیمی ہیں کہا جاتا ہے کہ مہاجر و قنفذ دونوں لقب ہیں اصل نام عمرو بن

خلف ہے۔ مسلمان ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہجرت کر کے پہنچے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حقیقی مہاجر ہیں کہا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور بصرہ میں رہ پڑے اور وہاں وفات پائی ان سے ابو ساسان حضین بن منذر نے روایت کی قنفذ میں قاف پر ضمہ اور نون ساکن اور فاء اور ذال معجمہ ہے اور ساسان میں ہر دو سین پر نقطے نہیں اور حضین میں حاء مہملہ مضموم اور ضاد معجمہ مفتوح اور یاء کے بعد نون ہے۔

(۸۰۶) **معیقیب بن ابی فاطمہ:** ۔ یہ معیقیب ہیں ابو فاطمہ کے بیٹے اور دوسی ہیں سعید بن ابی عاص کے آزاد کردہ ہیں، غزوہ بدر میں شریک ہوئے بہت پہلے مکہ میں مسلمان ہو چکے تھے، دوسری ہجرت حبشہ میں انہوں نے بھی ہجرت کی اور آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لے جانے تک حبشہ میں مقیم رہے آنحضرت ﷺ کی مہر کی حفاظت پر مقرر تھے۔ ان کو ابوبکرؓ و عمرؓ نے بیت المال (خزانہ مُسلمین) کا افسر اعلی بنادیا تھا ان سے ان کے بیٹے محمد اور پوتے ایاس بن حارث وغیرہ نے روایت کی، ۴۰ھ میں انتقال فرمایا۔

(۸۰۷) **معقل بن یسار:** ۔ یہ معقل ہیں یسار کے بیٹے اور مزنی ہیں بیعت الرضوان میں انہوں نے بھی بیعت کی۔ بصرہ میں سکونت پذیر تھے۔ بصرہ کی نہر معقل انہی کی طرف منسوب ہے، ان سے حسن اور ایک جماعت نے روایت کی عبید اللہ بن زیاد کی امارت میں ۶۰ھ کے بعد وفات پائی کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ہوئی۔

(۸۰۸) **معقل بن سنان:** ۔ یہ معقل ہیں سنان کے بیٹے اور اشجعی ہیں فتح مکہ میں شریک و حاضر ہوئے اور کوفہ میں رہ پڑے اہل کوفہ کے یہاں ان کی روایت پائی جاتی ہے جنگ حرہ میں باندھ کر قتل کئے گئے ان سے ابن مسعود، علقمہ، حسن شعبی اور دوسرے حضرات نے روایت کی، معقل میں میم پر زبر عین ساکن اور قاف مکسور ہے۔

(۸۰۹) **معن بن عدی:** ۔ یہ معن ہیں عدی کے بیٹے اور بلوی ہیں، عاصم کے بھائی یہی ہیں غزوہ بدر اور اس کے بعد دوسرے غزوات میں شریک و حاضر تھے جنگ یمامہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں شہید ہوئے آنحضرت ﷺ نے ان کے اور زید بن خطاب کے درمیان مواخاۃ (برادرانہ تعلقات) قائم کردی تھی جنگ یمامہ میں دونوں ساتھ ہی قتل ہوئے۔

(۸۱۰) **معن بن یزید:** ۔ یہ معن ہیں یزید بن اخنس کے بیٹے اور سلمی ہیں، یہ خود صحابی ہیں اور ان کے والد اور دادا بھی صحابی ہیں ان باتوں میں سے جو کہی گئی ہیں یہ بھی ہے کہ یہ بدر میں شریک ہوئے اہل کوفہ میں شمار ہوتے ہیں ان سے وائل بن کلاب وغیرہ نے روایت کی۔

(۸۱۱) **مجمع بن جاریہ:** ۔ یہ مجمع جاریہ کے بیٹے اور انصاری و مدنی ہیں مسجد ضرار والے منافقین میں ان کے والد بھی داخل تھے لیکن مجمع ٹھیک رہے۔ وہ قاری تھے کہا جاتا ہے کہ ابن مسعودؓ نے ان سے نصف قرآن حاصل کیا تھا ان سے ان کے بھتیجے عبد الرحمن بن یزید وغیرہ نے روایت کی۔ حضرت معاویہؓ کے آخری دور میں انتقال فرمایا۔ مجمع میں میم پر پیش اور جیم پر زبر اور دوسرا میم مشدد اور اس کے نیچے کسرہ اور آخر میں عین مہملہ ہے۔

(۸۱۲) **محجن بن ادرع:** ۔ یہ محجن ہیں ادرع کے بیٹے اور اسلمی ہیں ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو چکے ہیں، اہل بصرہ میں ان کا شمار ہے ان سے حنظلہ بن علی اور رجاء و سعید بن ابی سعید نے روایت کی، طویل عمر پائی کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے آخر ایام خلافت میں وفات پائی، محجن میں میم کے نیچے زیر حاء مہملہ ساکن اور جیم پر زبر اور آخر میں نون ہے۔

(۸۱۳) **مخنف بن سلیم:** ۔ یہ مخنف ہیں سلیم کے بیٹے اور غامدی ہیں اور ان کو حضرت علی بن ابی طالبؓ نے اصفہان کا حاکم مقرر فرمایا

تھا ان سے ان کے بیٹے اور ابورملہ نے روایت کی۔ ان کا شمار اہل بصرہ میں ہے مخنف میں میم کے نیچے زیر خاء معجمہ ساکن نون پر زبر اور آخر میں فاء ہے۔

(۸۱۴) **مدعم:** — یہ مدعم ہیں، آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ ہیں، حبشی غلام تھے پہلے یہ رفاعہ بن زید کے غلام تھے انہوں نے ان کو بطور ہدیہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا ان کا ذکر غلول میں ہے مدعم میم کے زیر اور دال کے سکون اور عین مہملہ کے زبر کے ساتھ ہے۔

(۸۱۵) **مرداس بن مالک:** — یہ مرداس ہیں مالک کے بیٹے اور اسلمی ہیں یہ اصحاب شجرہ (جنہوں نے درخت کے نیچے آپ ﷺ سے بیعت کی) میں سے تھے، اہل کوفہ میں ان کا شمار ہے، ان سے قیس بن ابی حازم نے صرف ایک حدیث روایت کی، اس حدیث کے علاوہ ان کی کوئی حدیث نہیں ہے۔

(۸۱٦) **محیصہ بن مسعود:** — یہ محیصہ ہیں مسعود کے بیٹے اور انصاری وحارثی ہیں، اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں اور ان میں ہی ان کی حدیثیں ملتی ہیں، غزوۂ احد وخندق اور اس کے ماسوا دیگر غزوات میں حاضر ہوئے ان سے ان کے بیٹے سعید نے روایت کی محیصہ میں میم پر پیش اور حاء غیر منقوطہ پر زبر اور یا مشدد کے نیچے زیر او صاد غیر منقوط پر زبر ہے۔

(۸۱۷) **مخارق بن عبداللہ:** — یہ مخارق ہیں عبداللہ کے بیٹے اہل کوفہ میں شمار ہوتے ہیں، ان کی حدیث میں اختلاف ہے ان سے ان کے بیٹے قابوس کے سوا کسی نے روایت نہیں کی۔

(۸۱۸) **مخرفہ عبدی** — یہ مخرفہ عبدی ہیں ان کے نام میں اختلاف ہے بعض نے کہا مخرفہ ہے اور بعض نے کہا مخرمہ ہے پہلا قول اکثر کا ہے ان سے سوید بن قیس نے روایت کی اور ان کا ذکر سوید کی حدیث میں ہے۔

(۸۱۹) **مجاشع بن مسعود:** — یہ مجاشع ہیں مسعود کے بیٹے اور سلمی ہیں، ان سے ابوعثمان نہدی نے روایت کی۔ صفر ۳٦ھ میں جنگ جمل میں شہید ہوئے، ان کی حدیث اہل بصرہ کے یہاں ہے۔

(۸۲۰) **مرارہ بن ربیع:** — یہ مرارہ ہیں ربیع کے بیٹے عامری انصاری ہیں، غزوۂ بدر میں شریک وحاضر تھے، غزوہ تبوک سے رہ جانے والے تین اصحاب میں سے یہ بھی ہیں ان کی توبہ مقبول ہوئی، ان کے متعلق آیات قرآن کا نزول ہوا، مرارہ میں میم پر پیش ہے۔

(۸۲۱) **مصعب بن عمیر:** — یہ مصعب ہیں عمیر کے بیٹے اور قرشی عبدری ہیں بزرگ اور اہل فضل صحابہ میں سے ہیں پہلے ہجرت حبشہ میں پہلے قافلہ کے ساتھ ہجرت فرمائی پھر بدر میں شریک وحاضر ہوئے آنحضرت ﷺ نے ان کو بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ بھیجدیا تاکہ اہل مدینہ کو قرآن وفہم دین سکھائیں سب سے پہلے انہوں نے ہی ہجرت سے پہلے مدینہ میں جمعہ قائم کیا، زمانہ جاہلیت میں نہایت آرام کی زندگی گذراتے تھے اور بہت ناز کے لباس استعمال کرتے تھے۔ جب مسلمان ہوگئے تو دنیا سے بے نیاز ہوگئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری کھال سانپ کی طرح کھردری ہوگئی، کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیعت عقبہ اولی کے بعد ہی مدینہ بھیج دیا تھا یہ انصار کے مکانوں پر جاتے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے کبھی ایک کبھی دو آدمی مسلمان بھی ہوتے جب اسلام کی اشاعت ہوگئی تو آنحضرت سے بذریعہ خط وکتابت جمعہ قائم کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی پھر ستر آدمیوں کی معیت میں بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر حاضر ہوئے اور مکہ مین تھوڑا سا قیام فرمایا اور پھر آپ کی ہجرت سے قبل ہی مدینہ لوٹ گئے مدینہ میں سب سے پہلے پہنچے اور جنگ احد میں شہادت پائی اس وقت آپ کی عمر چالیس سال یا کچھ زیادہ تھی رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ (ترجمہ یہ وہ لوگ ہیں

جنہوں نے خدا کے معاہدہ کو سچائی کے ساتھ پورا کر دکھایا) ان کے بارے میں نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے کے بعد یہ مسلمان ہو گئے تھے۔

(۸۲۲) معاویہ بن ابی سفیان: — یہ معاویہ ہیں ابی سفیان کے بیٹے قرشی اور اموی ہیں، ان کی والدہ کا نام ہند بنت عتبہ ہے۔ یہ خود اور ان کے والد فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والوں میں سے ہیں اور مولفۃ القلوب میں داخل تھے، آنحضرت ﷺ کی وحی کی کتابت کرنے والوں میں حضرت معاویہ بھی شامل ہیں کہا گیا ہے کہ انہوں نے وحی بالکل نہیں لکھی، البتہ آپ ﷺ کے مراسلات یہی لکھتے تھے، ابن عباس اور ابو سعید نے ان سے روایت کی، اپنے بھائی یزید کے بعد شام کے حاکم مقرر ہوئے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ سے وفات تک حاکم ہی رہے یہ کل مدت چالیس سال ہے حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں تقریباً چار سال اور حضرت عثمانؓ کی پوری مدت خلافت اور حضرت علیؓ کی پوری مدت خلافت اور ان کے بیٹے حضرت حسن کی مدت خلافت یہ کل بیس سال ہوئے اس کے بعد حضرت حسن بن علیؓ نے ۴۱ھ میں خلافت ان کو سپرد کر دی تو حکومت مکمل طور پر ان کو حاصل ہو گئی اور مسلسل بیس سال تک زمام سلطنت ان کے ہاتھ میں رہی، بمقام دمشق رجب ۶۰ھ میں ۷۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آخر عمر میں ان کو لقوہ کی بیماری لاحق ہو گئی تھی اپنی زندگی کے آخری ایام میں کہا کرتے تھے۔ کاش کہ میں وادی ذی طوی میں قریش کا ایک آدمی ہوتا اور یہ حکومت وغیرہ کچھ نہ جانتا، ان کے پاس آنحضرت ﷺ کی چادر قمیص اور ازار اور کچھ موئے مبارک اور ناخن موجود تھے انہوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے آپ ﷺ کی قمیص چادر اور ازار میں کفن دیا جائے اور میری ناک اور منہ اور ان اعضاء میں جن سے سجدہ کیا جاتا ہے آنحضرت ﷺ کے بال مبارک اور ناخن بھر دیئے جائیں اور مجھے میرے ارحم الراحمین کے سامنے تنہا چھوڑ دیا جائے (وہ میرے ساتھ جو معاملہ مناسب جانیں گے کریں گے۔)

(۸۲۳) معاویہ بن حکم: — یہ معاویہ ہیں حکم کے بیٹے اور سلمی ہیں یہ مدینہ میں ٹھہرے ہوئے تھے ان کا شمار اہل حجاز میں ہے ان سے ان کے بیٹے کثیر اور عطاء بن یسار وغیرہ نے روایت کی ۱۱۷ھ میں انتقال فرمایا۔

(۸۲۴) معاویہ بن جاہمہ: — یہ معاویہ ہیں جاہمہ کے بیٹے اور اسلمی ہیں ان کا شمار اہل حجاز میں ہے انہوں نے اپنے والد سے اور ان سے طلحہ بن عبید اللہ نے روایت کی۔

(۸۲۵) مروان بن الحکم: — یہ مروان ہیں حکم کے بیٹے کنیت ابو عبد الملک ہے قرشی اموی اور عمر بن عبد العزیز کے دادا ہیں مروان آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے، کہا جاتا ہے کہ ۲ھ میں پیدا ہوئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ غزوۂ خندق کے سال میں یا کسی اور سال پیدا ہوئے انہوں نے آنحضرت کی زیارت نہیں کی کیونکہ آپ نے ان کو (مروان کے والد کو) طائف کی جانب جلاوطن کر دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت تک یہ وہیں مقیم رہے حضرت عثمانؓ نے ان کو مدینہ واپس بلالیا۔ یہ اپنے بیٹے کے ساتھ مدینہ لوٹ آئے دمشق کے مقام پر ۶۵ھ میں وفات پائی کچھ صحابہ سے روایت کرتے ہیں ان میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بھی ہیں اور ان سے کچھ تابعین نے روایت کی جیسے عروہ بن زبیر۔ اور علی بن حسین۔

(۸۲۶) مرہ بن کعب: — یہ مرہ ہیں کعب کے بیٹے اور بہزی ہیں ان کا شمار اہل شام میں ہے ان سے کچھ تابعین نے روایت کی ۵۵ھ میں بمقام اردن وفات پائی۔

(۸۲۷) مزیدہ بن جابر: — یہ مزیدہ ہیں جابر کے بیٹے اور بصرہ کے رہنے والے اہل بصرہ میں شمار کئے جاتے ہیں ان کی حدیثیں اہل بصرہ کے یہاں ملتی ہیں ان سے ان کے اخیافی بھائی عوذ بن عبد اللہ بن سعد نے روایت کی۔ مزیدہ میں میم پر زبر، زاء ساکن اور یاء (جس کے نیچے دو نقطے ہیں) پر زبر ہے۔

(۸۲۸) **مسلم قرشی بن عبداللہ:** ۔ یہ مسلم قرشی ہیں ان کا نام مسلم ہے عبداللہ کے بیٹے ہیں کہا جاتا ہے کہ ان کا نام عبید اللہ بن مسلم ہے۔

(۸۲۹) **مطلب بن ابی وداعہ:** ۔ یہ مطلب ہیں ابو وداعہ کے بیٹے کا نام حارث ہے، سہمی اور قرشی ہیں، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے پھر کوفہ میں جا ٹھہرے پھر مدینہ میں، ان کے باپ جنگ بدر میں قید ہو گئے تھے تو مطلب نے ان کو چھڑایا ان سے عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے دونوں بیٹوں کثیر و جعفر اور مطلب بن سائب نے جو ان کے بھتیجے ہیں روایت کی۔

(۸۳۰) **مطلب بن ربیعہ:** ۔ یہ مطلب ہیں ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم کے بیٹے اور قرشی و ہاشمی ہیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کم عمر تھے ان کا شمار اہل حجاز میں ہے۔

(۸۳۱) **محمد بن ابی بکر صدیقؓ:** ۔ یہ محمد ہیں ابوبکر صدیقؓ کے بیٹے ہیں، ابوالقاسم کنیت ہے، ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے سال بمقام ذوالحلیفہ پیدا ہوئے، ان کی والدہ اسماء بنت عمیس ہیں، حضرت عائشہ سے بکثرت روایت کی اور دوسرے صحابہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے قاسم نے بکثرت روایت کی اور دوسرے تابعین بھی روایت کرتے ہیں حضرت معاویہؓ کے طرفداروں نے ان کو مصر میں ۳۸ھ میں قتل کر دیا اور ان کو مردہ گدھے پر رکھ کر جلا دیا۔

(۸۳۲) **محمد بن حاطب:** ۔ یہ محمد ہیں حاطب کے بیٹے قرشی اور جمحی ہیں وہ اور ان کے والد، والدہ بھائی حارث اور چچا خطاب۔ سب صحابی ہیں اور ملک حبشہ میں پیدا ہوئے ۷۴ھ میں بمقام مکہ یا کوفہ وفات پائی ان کا شمار اہل کوفہ میں ہے ان سے ان کے بیٹے ابراہیم اور سماک بن حرب نے روایت کی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جن کا نام آنحضرت ﷺ کے نام پر رکھا گیا۔

(۸۳۳) **محمد بن عبداللہ:** ۔ یہ محمد ہیں عبداللہ بن جحش کے بیٹے، قرشی و اسدی ہیں ہجرت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئے اور اپنے والد کے ساتھ ملک حبشہ کو ہجرت کی پھر مکہ لوٹ آئے پھر مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی ان سے ان کے آزاد کردہ ابو کثیر وغیرہ نے روایت کی۔

(۸۳۴) **محمد بن عمروؓ:** ۔ یہ محمد ہیں عمرو بن حزم کے بیٹے اور انصاری ہیں ۱۰ھ میں بمقام نجران آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں تولد ہوئے ان کے والد عمروؓ آنحضرت ﷺ کی جانب سے نجران کے عامل (گورنر) تھے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے والد سے فرمایا تھا کہ وہ ان کی کنیت ابو عبدالملک رکھیں، محمد فقیہ تھے اپنے والد اور عمرو بن العاص سے انہوں نے اور ان سے اہل مدینہ کی ایک جماعت نے روایت کی ۶۳ھ میں حرہ کی جنگ میں بعمر ۵۳ سال قتل کیے گئے۔

(۸۳۵) **محمد بن ابی عمیرہ:** ۔ یہ محمد ہیں، ابو عمیرہ کے بیٹے اور مزنی ہیں اہل شام میں شمار ہوتے ہیں ان سے جبیر بن نفیر نے روایت کی ہے۔ عمیرہ میں عین غیر منقوطہ پر فتحہ اور میم پر کسرہ اور آخر میں راء ہے۔

(۸۳۶) **محمد بن مسلمہ:** ۔ یہ محمد ہیں مسلمہ کے بیٹے انصاری اور حارثی ہیں غزوہ تبوک کے علاوہ باقی تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حضرت عمر بن خطاب اور دوسرے صحابہ سے روایت کی اہل فضل صحابہ میں سے تھے یہ ان صحابہ میں سے ہیں جو حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ پر مدینہ میں مشرف باسلام ہوئے مدینہ ہی میں ۴۲ھ میں بعمر ۷۷ سال وفات پائی۔

(۸۳۷) **محمود بن لبید:** ۔ یہ محمود ہیں لبید کے بیٹے انصاری و اشہلی ہیں، آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں تولد ہوئے آنحضرت ﷺ سے بہت سی حدیثوں کے راوی ہیں، بخاری فرماتے ہیں کہ یہ صحابی ہیں ابو حاتم کہتے ہیں کہ ان کے صحابی ہونے کا حال

معلوم نہیں ہوا۔ امام مسلم نے ان کو تابعین کے دوسرے طبقہ میں ذکر کیا ہے ابن عبید اللہ نے فرمایا کہ بخاری کا قول درست ہے اس لئے ان کا صحابہ ہونا درست ہے محمود علماء میں سے ہیں، ابن عباس اور عتبان بن مالک سے روایت کی ۹۶ھ میں وفات پائی۔

(۸۳۸) **معمر بن عبداللہ**:- یہ معمر ہیں عبداللہ کے بیٹے قرشی وعدوی ہیں زمانہ قدیم ہی میں مشرف باسلام ہوئے اہل مدینہ میں شمار ہیں اور مدینہ والوں کے یہاں ان کی حدیثیں ملتی ہیں۔ سعید بن مسیب نے ان سے روایت کی۔

(۸۳۹) **مغیث**:- مغیث میں میم مضموم غین معجمہ اور یاء جس کے نیچے دو نقطے ہیں ساکن، اور تین نقطوں والی ثاء ہے۔ بریرہ (حضرت عائشہ کی آزاد کردہ) کے شوہر ہیں یہ خود آل ابی احمد جحش کے آزاد کردہ ہیں ان سے ابن عباسؓ اور عائشہؓ نے روایت کی۔

(۸۴۰) **منذر بن ابی اسید**:- یہ منذر ہیں ابواسید کے بیٹے اور ساعدی ہیں جب پیدا ہوئے تو آنحضرت کی خدمت میں لائے گئے آپ ﷺ نے ان کو اپنی ران پر رکھ لیا اور ان کا نام منذر رکھا، اسید اسد کی تصغیر ہے۔

(۸۴۱) **ابوموسیٰؓ**:- یہ ابوموسیٰ ہیں نام عبداللہ، قیس کے بیٹے اور اشعری ہیں مکہ میں مسلمان ہوئے اور سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی پھر اہل سفینہ کے ساتھ آئے اس وقت آنحضرت ﷺ خیبر میں تھے ۲۰ میں حضرت عمر بن خطابؓ نے ان کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا ابوموسیٰ نے اہواز کو فتح کرلیا، ابتدائے خلافت عثمان تک بصرہ ہی کے حاکم رہے پھر وہاں سے معزول ہو کر کوفہ کی طرف منتقل ہوگئے اور وہاں قیام پذیر ہوگئے حضرت عثمانؓ کی شہادت تک کوفہ کے والی رہے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے حکم بنائے گئے اس کے بعد اپنے سال وفات ۵۲ھ تک مکہ ہی میں رہے۔

(۸۴۲) **ابومرثد بن حصین**:- یہ ابومرثد ہیں نام کناز حصین کے بیٹے ہیں ان کو ابن حصین غنوی کہا جاتا ہے اپنی کنیت سے مشہور ہیں یہ اور ان کے بیٹے مرثد غزوہ بدر میں شریک ہوئے بڑے صحابہ میں سے ہیں انہوں نے حضرت حمزہؓ سے اور ان سے واثلہ بن اسقع اور عبداللہ بن عمرؓ و نے روایت کی ۱۲ھ میں وفات پائی، کناز میں کاف پر زبر اور نون مشدد اور آخر میں زاء ہے۔

(۸۴۳) **ابومسعود بن عمرو**:- یہ ابومسعود ہیں نام عقبہ عمرو کے بیٹے اور انصاری وبدری ہیں بیعت عقبہ ثانیہ میں حاضر تھے اور اکثر واقف کاران سیر و تاریخ کے نزدیک یہ بدر میں شریک نہیں ہوئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بدر میں شرکت کی۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے اس کی بدری کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ چاہ بدر پر ٹھہرے تھے اس لئے بدر کی طرف منسوب ہو کر بدری کہلانے لگے اور یہ کوفہ میں سکونت پذیر ہوگئے تھے حضرت علی کی خلافت میں وفات پائی اور کہا گیا کہ ۴۱یا ۴۲ھ میں ان سے ان کے بیٹے بشیر اور دوسروں نے روایت کی۔

(۸۴۴) **ابومالک بن عاصم**:- یہ ابومالک ہیں نام کعب ہے عاصم کے بیٹے اور اشعری ہیں، امام بخاری نے تاریخ میں اور دوسرے حضرات نے ایسا ہی بیان کیا ہے ان سے عبدالرحمن بن غنم کی روایت میں امام بخاری نے بطور اظہار شک فرمایا کہ ہم سے ابومالک یا ابوعامر نے حدیث بیان کی ابن المدینی نے کہا کہ یہاں ابومالک ہی زیادہ صحیح ہے ان سے ایک جماعت نے روایت کی حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں وفات پائی۔

(۸۴۵) **ابومحذورہ**:- یہ ابومحذورہ ہیں ان کا نام سمرہ ہے معیر کے بیٹے ہیں معیر میں میم مکسور ہے کہا جاتا ہے کہ ان کا نام اوس بن معیر ہے۔ یہ آنحضرت کی طرف سے مکہ میں موذن تھے، ۵۹ھ میں انتقال فرمایا، انہوں نے ہجرت نہیں کی اور وفات تک مکہ میں مقیم رہے۔

(۸۴۶) **ابن مربع**:- یہ زید ہیں مربع کے بیٹے اور انصاری ہیں کہا جاتا ہے کہ ان کا نام یزید ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عبداللہ ہے۔

پہلا قول زیادہ لوگوں کا ہے ان سے یزید بن شیبان نے روایت کی ان کا شمار اہل حجاز میں ہے اور ان کی حدیث وقوف عرفات کے بارے میں ہے مربع میم مکسور را ساکن باء موحدہ مفتوح اور عین مہملہ ہے۔

تابعین

(۸۴۷) محمد بن حنفیہ: — یہ محمد ہیں علی ابن ابی طالب کے بیٹے ان کی کنیت ابوالقاسم اور ان کی والدہ خولہ حنفیہ جعفر کی بیٹی ہیں کہا جاتا ہے کہ ان کی والدہ یمامہ کی جنگ میں گرفتار کر کے لائی گئی تھیں، اور حضرت علی بن ابی طالب کے حصہ میں آئیں اسماء بنت ابی بکر نے فرمایا کہ میں نے محمد بن الحنفیہ کی والدہ کو دیکھا ہے کہ وہ سند کی باشندہ اور سیاہ فام تھیں۔ اور وہ بنو حنفیہ کی باندی تھیں انہوں نے اپنے والد سے اور ان سے ان کے بیٹے ابراہیم نے روایت کی ہے۔ مدینہ میں بعمر ۶۵ سال ۸۱ھ میں انتقال ہوا۔ اور بقیع میں مدفون ہوئے۔

(۸۴۸) محمد بن علی: — یہ محمد ہیں علی کے بیٹے ہیں، حسین بن علی بن ابی طالب کے پوتے کنیت ابو جعفر اور باقر کے نام سے مشہور ہیں اپنے والد حضرت زین العابدین اور جابر بن عبداللہ سے حدیث کی سماعت فرمائی ان سے ان کے صاحبزادے جعفر صادق وغیرہ نے روایت کی ۵۶ھ میں تولد ہوئے اور مدینہ میں ۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ میں بعمر ۶۳ سال وفات پائی ان کی عمر کے بارے میں اور بھی اقوال ہیں بقیع میں مدفون ہوئے ان کا نام باقر اس لئے ہوا کہ ان کا علم نہایت وسیع تھا جس کے لئے "تبقر فی العلم" کا محاورہ عربی میں مستعمل ہے۔

(۸۴۹) محمد بن یحیٰی: — یہ محمد ہیں یحیٰی بن حبان کے بیٹے کنیت ابوعبداللہ ہے انصار میں سے ہیں ان سے ایک جماعت نے روایت کی، امام مالک کے اساتذہ میں سے ہیں خود امام مالک ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے ان کے زہد، عبادت فقہ و علم کے متعلق ہر قسم کے بہت سے فضائل کا ذکر کرتے تھے مدینہ میں بعمر ۷۴ سال ۱۲۱ھ میں انتقال فرمایا، حبان میں حاء مہملہ مفتوح اور باء (ایک نقطہ والی) مشدد ہے۔

(۸۵۰) محمد بن سیرین: — یہ محمد ہیں سیرین کے بیٹے کنیت ابوبکر ہے۔ انس بن مالک کے آزاد کردہ ہیں انہوں نے انسؓ بن مالک، ابن عمرؓ ابوہریرہؓ سے اور ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی، یہ فقیہ عالم عابد، متقی اور پرہیز گار اور محدث تھے اور مشہور جلیل القدر تابعین میں سے تھے، علوم شریعت کے فنون میں شہرت پائی مورق العلم عجلی کا بیان ہے کہ میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا جو پرہیز گاری کے معاملات میں ان سے زیادہ صاحب فقہ اور مسائل فقہیہ میں ان سے زیادہ پرہیز گار ہو، خلف بن ہشام نے کہا کہ ابن سیرین کو ایک خاص علامات اور خاص مقام خشوع عطا کیا گیا تھا۔ لوگ ان کو دیکھتے تو خدا یاد آجاتا، اشعث کہتے ہیں کہ جب ابن سیرین سے حلال و حرام کے متعلق فقہ کا سوال کیا جاتا تو ان کا رنگ اڑ جاتا اور اس طرح بدل جاتا کہ وہ پہلے ابن سیرین نہیں معلوم ہوتے تھے، مہدی نے کہا کہ ہم محمد بن سیرین کے پاس نشست و برخاست رکھتے ہیں وہ ہم سے باتیں کرتے ہیں اور وہ ہمارے پاس بکثرت آتے ہیں اور ہم ان کے پاس بکثرت جاتے ہیں لیکن جب موت کا ذکر ہوتا ہے تو ان کا رنگ بدل جاتا ہے اور زرد ہو جاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص نہیں جو پہلے تھا۔ ۱۱۰ھ میں بعمر ۷۷ سال وفات پائی۔

(۸۵۱) محمد بن سوقہ: — یہ محمد ہیں سوقہ کے بیٹے ابوبکر کنیت اور غنوی و کوفی ہیں عبادت گذار شخص ہیں حضرت انس و نخعی اور ایک گروہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن مبارک، ابن عیینہ وغیرہ۔ کہا جاتا ہے کہ وہ خدا کی نافرمانی پر بخوبی قادر نہ تھے، اپنے دوستوں پر ایک لاکھ درہم صرف کر دیئے۔

(۸۵۲) محمد بن عمرو: — یہ محمد ہیں عمرو بن حسن بن ابی طالب کے بیٹے ہیں انہوں نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی۔

(۸۵۳) **محمد بن سلیمان:** — یہ محمد ہیں سلیمان کے بیٹے اور باغندی ہیں، کنیت ابوبکر اور واسط کے رہنے والے ہیں باغندی کے نام سے مشہور ہیں بغداد میں قیام کرلیا تھا اور وہاں ایک جماعت سے حدیث بیان کی ان سے بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں ان میں ابوداؤد سجستانی بھی ہیں ۲۸۳ھ میں وفات پائی۔

(۸۵۴) **محمد بن ابی بکر:** — یہ محمد ہیں ابوبکر بن عمرو بن حزم کے بیٹے انصاری و مدنی ہیں اپنے والد سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے سفیان بن عیینہ اور مالک بن انس نے روایت کی، اپنے والد کے بعد مدینہ کے قاضی تھے یہ اپنے بھائی عبداللہ سے بڑے تھے، ۱۳۲ھ میں بعمر ۷۲ سال انتقال فرمایا، ان کے والد کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا۔

(۸۵۵) **محمد بن منکدر:** — یہ محمد ہیں منکدر کے بیٹے اور تیمی ہیں، جابر بن عبداللہ انس بن مالک، ابن الزبیرؓ اور اپنے چچا ربیعہ سے حدیث کی سماعت کی ان سے ایک جماعت نے جن میں ثوری اور مالک بھی شامل ہیں روایت کی ان کی وفات ۱۳۰ھ میں ہوئی اور ان کی عمر کچھ اوپر ستر سال ہوئی، جلیل القدر تابعین میں سے ہیں اور علم و زہد و عبادت و دین میں پختگی اور پاک دامنی کے جامع ہیں۔

(۸۵۶) **محمد بن صباح:** — یہ محمد ہیں صباح کے بیٹے ابوجعفر دولابی بزار کہلاتے ہیں، سنن بزار کے مصنف یہی ہیں شریک وہشیم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے بخاری و مسلم، ابوداؤد، احمد اور بہت سے لوگوں نے روایت کی انہوں نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، یہ حافظ حدیث بھی تھے ۲۲۷ھ میں وفات پائی۔

(۸۵۷) **محمد بن منتشر:** — یہ محمد ہیں منتشر کے بیٹے ہمدان کے رہنے والے ہیں، مسروق کے بھتیجے ہیں، ابن عمرؓ و عائشہ وغیرہ صحابہ سے روایت کی اور ان سے ایک جماعت نے۔

(۸۵۸) **محمد بن خالد:** — یہ محمد ہیں خالد کے بیٹے اور سلمی ہیں انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے ان کے دادا سے روایت کی ان کے دادا صحابی ہیں۔

(۸۵۹) **محمد بن زید:** — یہ محمد ہیں۔ زید بن عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے انہوں نے اپنے دادا اور ابن عباسؓ سے اور ان سے ان کے بیٹوں اور اعمش وغیرہ نے روایت کی یہ ثقہ ہیں۔

(۸۶۰) **محمد بن کعب:** — یہ محمد ہیں کعب کے بیٹے قرظی و مدنی ہیں چند صحابہ سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے محمد بن منکدر وغیرہ نے ان کے والد جنگ قریظہ میں بے داڑھی مونچھ کے تھے اس لئے جنگ میں نہ لئے گئے ۱۰۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۸۶۱) **محمد بن ابی مجالد:** — یہ محمد ہیں ابومجالد کے بیٹے کوفہ کے رہنے والے، کوفہ کے تابعین میں سے ہیں ان کی حدیث اہل کوفہ کے یہاں ہے انہوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے ابواسحاق اور شعبہ وغیرہ نے۔

(۸۶۲) **محمد بن قیس:** — یہ محمد ہیں ابراہیم کے بیٹے قرشی و تیمی ہی علقمہ بن وقاص اور ابوسلمہ سے حدیث کی سماعت کی امام ترمذی نے صبح کی دو رکعت کے بارے میں ان کی ایک حدیث بیان کی ہے اس کی سند یہ ہے کہ روایت ہے قیس سے جو سعد بن سعید کے دادا ہیں اور یہ قیس یحییٰ ابن سعید کے اور ان کے بھائی سعد بن سعید کے دادا ہیں ترمذی نے کہا کہ یہ قیس عمرو بن قیس بن قعد کے بیٹے ہیں پھر کہا کہ اس حدیث کی سند متصل نہیں اس لئے کہ ابراہیم تیمی نے قیس سے نہیں سنا، قعد میں قاف مفتوح ہے یا فاء مفتوح ہے۔

(۸۶۳) **محمد بن ابی بکر:** — یہ محمد ہیں ثقفی حجازی اور ابوبکر عوف کے بیٹے انہوں نے انس بن مالکؓ سے اور ان سے ایک جماعت

نے روایت کی۔

(۸۶۴) **محمد بن مسلم**: ــ یہ محمد ہیں مسلم کے بیٹے ابوزہر کنیت ہے ان کا ذکر حرف زاء میں پہلے آچکا ہے۔

(۸۶۵) **محمد بن قاسم**: ــ یہ محمد ہیں قاسم کے بیٹے ابوخلاد کنیت ہے یہ نابینا تھے ابوالعباس کے نام سے مشہور ہیں، ابوجعفر منصور کے آزاد کردہ ہیں اصل میں یمامہ کے ہیں اور ۱۹۱ھ میں اہواز میں پیدا ہوئے۔ بصرہ میں پرورش ہوئی، نہایت قوی الحفظ اور زبردست فصیح اور حاضر جواب تھے ۲۸۳ھ میں وفات ہوئی ان سے ایک جماعت نے روایت کی۔

(۸۶۶) **محمد بن فضل**: ــ یہ محمد ہیں فضل بن عطیہ کے بیٹے، اپنے والد اور زیاد بن علاقہ اور منصور سے روایت کرتے ہیں اور ان سے داؤد بن رشید اور محمد بن عیسی مدائنی نے روایت کی، محدثین نے ان کو قابل ترک قرار دیا ۱۸۰ھ میں انتقال فرمایا۔

(۸۶۷) **محمد بن اسحاق**: ــ یہ محمد ہیں اسحاق کے بیٹے مدینہ کے رہنے والے قیس بن مخرمہ کے آزاد کردہ اور تابعی ہیں حضرت انس اور سعید بن مسیب کی زیارت کی اور تابعین کی جماعت میں بہت سے حضرات سے حدیث کی سماعت کی ان کی حدیث کی روایت ائمہ اور علماء کرتے ہیں مثلاً یحییٰ ابن سعید، ثوری نخعی اور ابن عیینہ، ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی روایت کرتے ہیں، سیر اور مغازی اور لوگوں کے مخصوص حالات افرینش عالم کے واقعات، انبیاء کے قصص، علم حدیث و قرآن اور فقہ کے زبردست عالم تھے، بغداد تشریف لائے وہاں حدیث کی روایت کی ۱۵۰ھ میں بغداد ہی میں انتقال فرمایا مقبرہ خیزران میں بجانب مشرق مدفون ہوئے۔

(۸۶۸) **مسدد بن مسرہد**: ــ یہ مسدد ہیں مسرہد کے بیٹے بصرہ کے باشندہ ہیں، حماد بن زید، ابوعوانہ وغیرہ سے حدیث سماعت کی ان سے بخاری، ابوداؤد اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں نے روایت کی ۲۲۸ھ میں انتقال ہوا، مسدد میں میم مضموم سین مہملہ مفتوح، پہلی دال پر تشدید ہے اور مسرہد میں بھی میم پر ضمہ سین مہملہ پر فتحہ اور راء مہملہ ساکن اس کے بعد ہا مہملہ (ہوز والی مفتوح ہے) آخر میں دال مہملہ ہے۔

(۸۶۹) **مجاہد بن جبر**: ــ یہ مجاہد ہیں جبر کے بیٹے ابوالحجاج کنیت، عبداللہ بن سائب کے آزاد کردہ، بنو مخزوم میں سے ہیں اور مکہ کے تابعین میں دوسرے درجہ کے تابعی اور مکہ کے قراء اور فقہاء میں سے ہیں اور مکہ کے اہل شہرت لوگوں میں سے ہیں اور معروف سرکردہ شخص ہیں قرات اور تفسیر کے امام ہیں ان سے ایک جماعت نے روایت کی ۱۰۰ھ میں انتقال فرمایا جبر میں جیم پر زبر اور باء موحدہ ساکن ہے۔

(۸۷۰) **مہاجر بن مسمار**: ــ یہ مہاجر ہیں مسمار کے بیٹے اور زہری ہیں، یعنی ان (بنو زہرہ) کے آزاد کردہ ہیں انہوں نے عامر بن سعد بن ابی وقاص سے اور ان سے ابوذویب وغیرہ نے روایت کی۔ یہ روایت میں ثقہ ہیں۔

(۸۷۱) **مکحول بن عبداللہ**: ــ یہ مکحول ہیں، عبداللہ کے بیٹے، کنیت ابوعبداللہ، شام کے باشندہ ہیں کابل سے قید کر کے لائے گئے قیس قبیلہ کی ایک عورت یا بنی لیث کے غلام تھے امام اوزاعی کے استاد تھے، امام زہری کہتے ہیں کہ علماء چار ہیں، مدینہ میں ابن مسیب، کوفہ میں شعبی، بصرہ میں حسن بصری، شام میں مکحول، فتوے میں مکحول سے زیادہ کوئی صاحب بصیرت نہ تھا جب فتوی دیتے تو کہتے لاحول ولا وقوۃ الا باللہ یہ میری رائے ہے، رائے کبھی غلط ہوتی ہے کبھی درست ایک جماعت سے انہوں نے اور ان سے بہت لوگوں نے روایت کی ۱۱۸ھ میں انتقال فرمایا۔

(۸۷۲) **مسروق بن اجدع**: ــ یہ مسروق ہیں، اجدع کے بیٹے، ہمدانی اور کوفی ہیں آنحضرت ﷺ کی وفات سے قبل مشرف باسلام ہوئے صحابہ کے صدر اول جیسے ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا زمانہ پایا سرکردہ اور فقہاء میں سے تھے، مرہ بن

شرجیل نے فرمایا کہ کسی ہمدانی عورت نے مسروق جیسا سپوت نہیں جنا شعبی نے فرمایا اگر کسی گھرانے کے لوگ جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں تو وہ یہ اسود، علقمہ اور مسروق محمد بن منتشر نے فرمایا کہ خالد بن عبداللہ بصرہ کے عامل (گورنر) تھے انہوں نے بطور ہدیہ تیس ہزار کی رقم مسروق کی خدمت میں پیش کی، یہ ان کے فقر کا زمانہ تھا، مسروق نے اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا کہا جاتا ہے کہ بچپن میں ان کو چرالیا گیا تھا پھر مل گئے تو ان کا نام مسروق ہوگیا ان سے، بہت سے لوگوں نے روایت کی، بمقام کوفہ ۶۲ ھ میں وفات پائی۔

(۸۷۳) **مرثد بن عبداللہ:** — یہ مرثد ہیں عبداللہ کے بیٹے الوالخیر کنیت یزنی اور مصری ہیں، عقبہ بن عامر، ابوایوب، عبداللہ بن عمر اور عمرو بن عاص سے حدیث کی سماعت کی ان سے یزید بن ابوحبیب نے روایت کی۔

(۸۷۴) **مالک بن مرثد:** — یہ مالک ہیں مرثد کے بیٹے اپنے والد سے روایت کی اور ان سے سماک بن الولید نے۔

(۸۷۵) **مسلم بن ابی بکرہ:** — یہ مسلم ہیں ابوبکرہ کے بیٹے ثقفی اور تابعی ہیں انہوں نے اپنے والد سے اور ان سے عثمان شحام نے روایت کی۔

(۸۷۶) **مسلم بن یسار:** — یہ مسلم ہیں یسار کے بیٹے اور جہنی ہیں، سورہ اعراف کی تفسیر میں امام ترمذی نے ان کی روایت حضرت عمر بن خطاب سے نقل کی اور کہا کہ ان کی حدیث حسن ہے، لیکن انہوں نے عمرؓ سے نہیں سنا، امام بخاری نے فرمایا کہ مسلم بن یسار نے نعیم سے اور انہوں نے عمرؓ سے روایت کی۔

(۸۷۷) **مصعب بن سعد:** — یہ مصعب ہیں سعد بن ابی وقاص کے بیٹے ہیں اور قرشی ہیں اپنے والد اور حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ابن عمرؓ سے حدیث کی سماعت کی ان سے سماک بن حرب وغیرہ نے روایت کی۔

(۸۷۸) **معن بن عبدالرحمٰن:** — یہ معن ہیں عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود کے بیٹے اور ہذلی ہیں انہوں نے اپنے والد سے روایت کی۔

(۸۷۹) **معدان بن طلحہ:** — یہ معدان ہیں طلحہ کے بیٹے اور یعمری ہیں انہوں نے عمر اور ابوالدرداء اور ثوبان سے حدیث کی سماعت کی۔

(۸۸۰) **معمر بن راشد:** — یہ معمر ابوعروہ ازدی (ازد کے آزاد کردہ) ہیں راشد کے بیٹے یمن کے عالم، زہری اور ہمام سے روایت کی، اور ان سے ثوری اور ابن عیینہ وغیرہ نے روایت کی عبدالرزاق نے فرمایا کہ میں نے ان سے دس ہزار حدیثیں سنیں ۱۵۳ھ میں بعمر ۵۸ سال وفات پائی۔

(۸۸۱) **مہلب بن ابی صفرہ:** — یہ مہلب ہیں ابوصفرہ کے بیٹے، ازدی ہیں خوارج کے ساتھ ان کے مخصوص مقامات اور مشہور لڑائیاں منقول ہیں، انہوں نے سمرہ اور ابن عمرؓ سے حدیث کی سماعت کی ان سے ایک جماعت نے روایت کی عبدالملک بن مروان کے عہد میں ملک خراسان کے مقام مرورو میں ۸۳ھ میں وفات پائی بصرہ کے تابعین میں پہلے طبقہ کے تابعی ہیں۔

(۸۸۲) **مورق بن مشمرج:** — یہ مورق ہیں مشمرج کے بیٹے، کنیت ابومعتمر، عجلی وبصری ہیں حضرت ابوذرؓ اور انس بن مالکؓ اور ابن عمرؓ سے حدیث نقل کرتے ہیں اور ان سے مجاہد قتادہ وغیرہ روایت کرتے ہیں، مورق میں میم مضموم، واؤ مفتوح، را مشدد اور قاف ہے مشمرج میں میم مضموم شین معجمہ مفتوح، میم ساکن راء مکسور اور جیم ہے۔

(۸۸۳) **موسیٰ بن طلحہ:** ۔ یہ موسیٰ ہیں طلحہ کے بیٹے کنیت ابوعیسیٰ تیمی اور قرشی ہیں صحابہ کی ایک جماعت سے حدیث کی سماعت کی ۱۰۴ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

(۸۸۴) **موسیٰ بن عبداللہ:** ۔ یہ موسیٰ ہیں عبداللہ کے بیٹے، جہنی و کوفی ہیں حضرت مجاہد اور مصعب بن سعد سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے شعبہ اور یحییٰ بن سعید اور یعلیٰ نے روایت کی۔

(۸۸۵) **موسیٰ بن عبیدہ:** ۔ یہ موسیٰ ہیں عبیدہ کے بیٹے اور زیدی ہیں انہوں نے محمود بن کعب اور محمد بن ابراہیم تیمی سے اور ان سے شعبہ و عبداللہ بن موسیٰ اور علی نے روایت کی، محدثین ان کو ضعیف کہتے ہیں ۱۵۳ھ میں وفات پائی۔

(۸۸۶) **مطرف بن عبداللہ:** ۔ یہ مطرف ہیں، عبداللہ بن شخیر کے بیٹے، عامری اور بصری ہیں اور حضرت ابوذرؓ و عثمان بن ابی عاصؓ سے روایت کی ۸۷ھ کے بعد انتقال فرمایا، مطرف میں میم مضموم، طاء مہملہ مفتوح، راء مشدد مکسور اور فاء ہے شخیر میں شین معجمہ پر کسرہ اور خاء معجمہ پر تشدید اور کسرہ ہے۔

(۸۸۷) **معاذ بن زہرہ:** ۔ یہ معاذ بن زہرہ سلمی کوفی تابعی ہیں مرسلا روایت کی ہے حصین بن عبدالرحمٰن نے روایت کی ان سے۔

(۸۸۸) **معاذ بن عبداللہ:** ۔ یہ معاذ ہیں، عبداللہ بن حبیب کے بیٹے۔ جہنی اور مدنی ہیں اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

(۸۸۹) **مخلد بن خفاف:** ۔ یہ مخلد ہیں خفاف کے بیٹے، انہوں نے عروہ سے اور ان سے ابن ذئب نے روایت کی ان کی حدیث الخراج بالضمان ہے۔

(۸۹۰) **مختار بن فلفل:** ۔ یہ مختار ہیں فلفل کے بیٹے مخزومی و کوفی ہیں، انس بن مالک سے حدیث کی سماعت کی ان سے ثوری وغیرہ نے روایت کی فلفل میں دونوں فاء مضموم ہیں۔

(۸۹۱) **مختار بن ابی عبید:** ۔ یہ مختار ہے ابوعبید بن مسعود کا بیٹا، بنو ثقیف سے ہے اس کے والد جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں مختار کی پیدائش ہجرت کے سال ہوئی، یہ نہ صحابی ہے نہ حدیث رسول کا راوی، یہ ہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں عبداللہ بن عصمہ نے کہا یہ وہی کذاب ہے جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد کہ ثقیف میں ایک کذاب ہوگا "ابتداءً" یہ فضل و علم و خیر میں مشہور تھا یہ اس کے دلی جذبات کے بالکل برعکس تھا یہاں تک کہ اس نے عبداللہ بن زبیرؓ سے علیحدگی اختیار کر لی اور خود حکومت کا خواہشمند بن گیا، اب اس کی غلط رائی وعقیدہ اور نفسانیت کا اظہار ہوا، اس سے ایسی بہت سی باتیں ظہور میں آئیں جو دین کے سراسر خلاف تھیں، یہ شخص حضرت حسین کے قصاص کا مطالبہ کرتا تھا تاکہ حصول حکومت و طلب و دنیا کی اس کی اسکیم آگے بڑھے جو اس کا خاص مقصد تھا اسی حالت میں بعہد مصعب بن زبیرؓ ۶۷ھ میں قتل کیا گیا۔

(۸۹۲) **مغیرہ بن زیاد:** ۔ یہ مغیرہ ہیں زیاد کے بیٹے بجلی اور موصلی ہیں انہوں نے عکرمہ اور مکحول سے اور ان سے وکیع اور ابوعاصم اور ایک جماعت نے روایت کی، امام احمد بن حنبل نے ان کو منکر الحدیث فرمایا اور یہ کہ میں نے مغیرہ بن زیاد کو صحابہ میں نہیں پایا۔

(۸۹۳) **مغیرہ بن مقسم:** ۔ یہ مغیرہ ہیں مقسم کے بیٹے کوفہ کے رہنے والے صاحب تفقہ اور نابینا تھے ابووائل اور شعبی سے انہوں نے اور شعبہ زائدہ اور ابن فضیل نے ان سے روایت کی، جریر نے ان سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ جو بات میرے کان میں پڑی اس کو نہیں بھولا، ۱۳۳ھ میں وفات پائی۔

(۸۹۴) **مثنی بن صباح**: — یہ مثنی ہیں صباح کے بیٹے اولاً یمانی پھر مکی ہیں انہوں نے عطاء، مجاہد اور عمرو بن شعیب سے اور ان سے عبدالرزاق وغیرہ نے روایت کی ابوحازم اور دوسرے حضرات نے کہا کہ یہ نقل حدیث کے معاملہ میں نرم ہیں ۱۴۹ھ میں انتقال فرمایا۔

(۸۹۵) **معاویہ بن قرہ**: — یہ معاویہ ہیں قرہ کے بیٹے ابوایاس کنیت بصرہ کے باشندہ ہیں اپنے والد اور انس بن مالک وعبدالرحمٰن بن معقل سے حدیث کی سماعت کی اس سے قتادہ، شعبہ اور اعمش نے روایت کی، ایاس میں ہمزہ مکسور دو نقطوں والی یا غیر مشدد ہے۔

(۸۹۶) **معاویہ بن مسلم**: — یہ معاویہ ہیں مسلم کے بیٹے کنیت ابونوفل ہے، ابن عباسؓ ابن عمرؓ سے حدیث کی سماعت کی ان سے شعبہ اور ابن جریج نے روایت کی۔

(۸۹۷) **میناء**: — یہ میناء ہیں اپنے مولا عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور عثمانؓ اور ابوہریرہؓ سے روایت کی اور ان سے عبدالرزاق کے والد نے، ان کو نقل حدیث میں ضعیف کہا گیا ہے۔

(۸۹۸) **ابوالملیح بن اسامہ**: — یہ ابوالملیح ہیں، نام عامر، اسامہ کے بیٹے اور ہذلی وبصری ہیں صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کی ہے ملیح میں میم پر زبر لام مکسور اور حاء مہملہ ہے۔

(۸۹۹) **ابومودود بن ابی سلیمان**: — یہ ابومودود ہیں عبدالعزیز نام، ابوسلیمان کے بیٹے مدینہ کے باشندہ ہیں ابوسعید خدریؓ کو دیکھا ہے سائب بن یزید اور عثمان بن ضحاک سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے ابن مہدی اور عتبی اور کامل بن طلحہ نے محدثین نے حدیث کے بارے میں ان کو ثقہ کہا ہے مہدی کی امارت کے زمانہ میں وفات پائی، باب فضائل سید المرسلین ﷺ میں ان کا ذکر ہے۔

(۹۰۰) **ابوماجد**: — یہ ابوماجد ہیں۔ حنفی (بنو حنیفہ کی طرف منسوب) ابن مسعود اور یحییٰ اور جابر سے روایت کی ابن مسعود کی حدیث میں باب المشی بالجنازہ میں ان کا ذکر ہے۔ ترمذی نے ان کا نام ماجد ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے محمد بن اسمٰعیل بخاری سے سنا کہ وہ ان کی حدیث کو ضعیف کہتے ہیں۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ وہ اس پرندے کی طرح ہیں جو اڑ گیا ہو۔

(۹۰۱) **ابومسلم**: — یہ ابومسلم ہیں خولانی اور زاہد ہیں عبداللہ بن ثوب نام ہے زیادہ صحیح یہی ہے۔ ابوبکرؓ عمرؓ اور معاذؓ سے ملاقات کی، ان سے جبیر بن نفیر اور عروہ اور قلابہ نے روایت کی ان کے مناقب بہت ہیں ۶۲ھ میں انتقال فرمایا۔

(۹۰۲) **ابوالمطوس**: — انہوں نے اپنے والد سے اور ان سے خبیب بن ابی ثابت نے روایت کی، کہا گیا کہ ان کے اور خبیب کے درمیان عمارۃ (نام کے ایک راوی) ہیں، ان کو ثقہ قرار دیا گیا ہے۔

(۹۰۳) **ابن مدینی**: — یہ علی ہیں عبداللہ کے بیٹے ان کا ذکر حرف عین میں پہلے گزر چکا ہے۔

(۹۰۴) **ابن مثنی**: — اس کا نام عمر ہے عبداللہ بن مثنی بن انس بن مالک کے بیٹے ہیں انصاری وبصری ہیں اپنے والد اور سلیمان تیمی، حمید طویل وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی ان سے قتیبہ، احمد بن حنبل اور محمد بن اسمٰعیل بخاری جیسے مشہور ائمہ وغیرہ نے روایت کی، رشید کے عہد میں عہدۂ قضاء پر بصرہ میں مامور ہوئے، بغداد تشریف لائے تو وہاں بھی محکمہ قضا سپرد ہوا یہاں انہوں نے اپنی روایات بیان کیں، پھر بصرہ لوٹ آئے ان کا سن پیدائش ۱۱۸ھ اور سن وفات ۲۱۵ھ ہے۔

(۹۰۵) **ابن ابی ملیکہ**: — ان کا نام عبداللہ ہے۔ ابوعبداللہ کے بیٹے، ان کا ذکر حرف عین میں آچکا ہے۔

(۹۰۶) **محاربی**: — یہ محاربی ہیں اس میں میم مضموم حاء مہملہ راء مہملہ اور باء موحدہ (ایک نقطہ والی) ہے یہ نسبت قریش کے ایک بطن

محارب کی طرف ہے۔ ان کا نام عبدالرحمٰن ہے محمد کے بیٹے ہیں انہوں نے اعمش اور یحییٰ بن سعید سے اور ان سے احمد اور علی بن حرب نے روایت کی، یہ حافظ حدیث ہیں ۱۹۵ھ میں انتقال ہوا۔

صحابی عورتیں

(۹۰۷) میمونہ: — یہ ام المؤمنین میمونہ ہیں، حارث کی بیٹی ہلالیہ عامریہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا نام برہ تھا حضور ﷺ نے ان کا نام میمونہ رکھا، پہلے جاہلیت میں مسعود بن عمرو ثقفی کے نکاح میں تھیں انہوں نے ان کو چھوڑ دیا تو ان سے ابورہم نے نکاح کر لیا۔ ابورہم کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا، یہ نکاح ذی قعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ سے دس میل دور صرف نام کے ایک مقام پر ہوا قدرت کی کرشمہ سازی دیکھئے کہ ۶۱ھ میں اسی مقام پر جہاں آپ کا نکاح ہوا تھا ان کا انتقال بھی ہوا، سن وفات کے بارے میں اور بھی اقوال ہیں، نماز جنازہ حضرت ابن عباس ؓ نے پڑھائی، یہ حضرت عباس کی زوجہ ام الفضل اور اسماء بنت عمیس کی بہن ہیں یہ آپ ﷺ کی بیویوں میں آخری ہیں کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے بعد اور نکاح نہیں کیا۔ ان سے ایک جماعت نے روایت کی ان میں عبداللہ ابن عباس بھی ہیں۔

(۹۰۸) ام منذر: — یہ ام منذر ہیں قیس کی بیٹی انصار میں سے ہیں کہا جاتا ہے کہ بنو عدی میں سے ہیں (عدویہ) یہ صحابی عورت ہیں ان سے ایک حدیث یعقوب بن ابی یعقوب نے روایت کی۔

(۹۰۹) ام معبد بنت خالد: — یہ ام معبد ہیں خزاعہ کی ایک عورت ہیں ان کا نام عاتکہ ہے خالد کی بیٹی ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ اس وقت مسلمان ہوئیں جب کہ سفر ہجرت کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے ان کے یہاں راستہ میں قیام فرمایا، یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ آکر مسلمان ہوئیں ان کی مشہور حدیث حدیث ام معبد کے نام سے متعارف ہے۔

(۹۱۰) ام معبد بنت کعب: — یہ ام معبد ہیں، کعب بن مالک کی بیٹی اور انصار میں سے ہیں انہوں نے دونوں قبلہ (بیت المقدس وکعبۃ اللہ) کی طرف نماز پڑھی ہے) ان سے ان کے بیٹے معبد نے روایت کی یہ ابن مندہ کا قول ہے، ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ ام معبد کعب بن مالک انصاری سلمی کی بیوی ہیں اور کعب بن مالک انصاری کی بیٹی ہیں ان سے ان کے بیٹے معبد نے روایت کی جو کچھ بخاری کی تاریخ میں باب معبد میں مذکور ہوا یہ ہے کہ معبد کعب بن مالک انصاری کے بیٹے ہیں یہ ابن عبدالبر کے قول کی تائید کرتا ہے۔

(۹۱۱) ام مالک البہزیہ: — یہ ام مالک بہزیہ ہیں اور صحابی عورت ہیں ان سے روایت بھی نقل کی گئی ہے، یہ حجازی ہیں ان سے طاؤس اور مکحول نے روایت کی۔

تابعی عورتیں

(۹۱۲) معاذہ بنت عبداللہ: — یہ معاذہ ہیں عبداللہ کی بیٹی اور عدویہ ہیں حضرت علی ؓ اور حضرت عائشہ ؓ سے انہوں نے اور ان سے قتادہ وغیرہ نے روایت کی ۸۳ھ میں انتقال فرمایا۔

(۹۱۳) مغیرہ: — یہ مغیرہ ہیں حجاج بن حسان کی بہن ہیں۔ انس بن مالک کو انہوں نے دیکھا ہے اور ان سے روایت بھی کی، مغیرہ سے ان کے بھائی حجاج نے ان کی حدیث باب الترجل میں روایت کی۔

(ن)

صحابہ

(۹۱۴) نعمان بن بشیر: — یہ نعمان ہیں بشیر کے بیٹے کنیت ابو عبداللہ اور انصار میں سے ہیں مسلمانان انصار میں ہجرت کے بعد سب سے پہلے یہی پیدا ہوئے، آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۸ سال ۷ ماہ تھی، یہ خود اور ان کے والدین صحابی ہیں کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور حضرت معاویہ کے عہد میں کوفہ کے والی (حاکم) تھے، پھر حمص کے حاکم بنادیئے گئے انہوں نے عبداللہ بن زبیر کی خلافت کے لئے لوگوں کو مائل کرنا شروع کیا، اہل حمص نے ان کو تلاش کر کے ۶۴ھ میں قتل کر دیا ان سے ایک جماعت نے جن میں ان کے بیٹے محمد اور شعبی شامل ہیں روایت کی۔

(۹۱۵) نعمان بن عمرو بن مقرن: — یہ نعمان عمرو بن مقرن کے بیٹے مزنی ہیں، لوگ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ وہ مزنیہ کے چار سو آدمیوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، اولاً بصرہ میں رہے پھر کوفہ منتقل ہو گئے پھر حضرت عمرؓ کی جانب سے جیش نہاوند کے حاکم تھے ۲۱ھ میں نہاوند کو فتح کر کے اسی دن شہید ہوئے، ان سے معقل بن یسار، محمد بن سیرین وغیرہ نے روایت کی۔ مقرن میں میم پر پیش قاف پر زبر، راء پر تشدید وکسرہ اور آخر میں نون ہے۔

(۹۱۶) نعیم بن مسعود: — یہ نعیم مسعود کے بیٹے اور اشجعی ہیں، ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور غزوۂ خندق کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے انہوں نے ہی بنو قریظہ اور ابوسفیان (احزاب مشرکین کے سردار تھے) کے درمیان سعی کی، انہوں نے ہی مشرکین کو آنحضرت ﷺ سے ناکام واپس کیا تھا ان کا یہ واقعہ مشہور ہے مدینہ طیبہ میں رہتے تھے ان کے بیٹے سلمہ نے ان سے روایت کی حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا، کہا جاتا ہے نہیں، بلکہ جنگ جمل میں حضرت علیؓ کے پہنچنے سے قبل قتل کئے گئے۔

(۹۱۷) نعیم بن ہمار: — یہ نعیم ہمار کے بیٹے ہیں ہمار میں ہاء مفتوح میم مشدد اور راء ہے کہا جاتا ہے کہ ہمام ہے آخر میں میم ہے قبیلہ غطفان کے آدمی ہیں ابوادریس خولانی وغیرہ نے ان سے روایت کی۔

(۹۱۸) نعیم بن عبداللہ: — یہ نعیم عبداللہ کے بیٹے قرشی وعدوی ہیں نحام کے نام سے مشہور ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ نعیم نحام بن عبداللہ کے بیٹے ہیں مکہ میں بہت پہلے مشرف باسلام ہو چکے تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام سے قبل ہی مسلمان ہو گئے تھے اور اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے چونکہ اپنی قوم میں نہایت شریف النفس تھے اس لئے ان کی قوم نے ان کو ہجرت سے منع کر دیا تھا، یہ اپنی قوم کی بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کا خرچ اٹھاتے تھے انہوں نے ان سے کہہ دیا کہ تم کسی دین پر رہو لیکن ہمارے پاس رہو صلح حدیبیہ ۷ھ میں ہجرت کی اور جنگ اجنادین میں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے آخری دنوں میں شہادت پائی ان سے نافع ومحمد بن ابراہیم تیمی نے روایت کی نحام میں نون پر زبر حاء مہملہ پر تشدید ہے اجنادین میں ہمزہ پر زبر، جیم ساکن اور نون اور دال پر زبر اور یاء ساکن (اس کے نیچے دو نقطے ہیں)

(۹۱۹) ناجیہ بن جندب: — یہ ناجیہ جندب کے بیٹے اور اسلمی ہیں یہ حضور ﷺ کے اونٹوں کے نگران تھے کہا جاتا ہے کہ یہ عمرؓ کے بیٹے ہیں، اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں ان کا نام زکوان تھا، آپ ﷺ نے ناجیہ نام رکھا کیونکہ ان کو قریش سے نجات حاصل ہوئی تھی یہی وہ صحابی ہیں جو حدیبیہ کے موقع پر قلیب میں آپ کا تیر لے کر اترتے تھے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے، ان سے عروہ بن زبیرؓ وغیرہ نے

روایت کی، حضرت معاویہؓ کے عہد میں بمقام مدینہ وفات پائی۔

(۹۲۰) نبیشۃ الخیر: — ان کا نام نبیشۃ الخیر ہے بنوہذیل میں سے ہیں ابوالملیح اور ابوقلابہ نے ان سے روایت کی، اہل بصرہ میں شمار کئے جاتے ہیں ان ہی کے یہاں ان کی حدیث پائی جاتی ہے۔

(۹۲۱) نوفل بن معاویہ: — یہ نوفل ہیں معاویہ کے بیٹے اور دیلی ہیں کہا جاتا ہے کہ زمانہ اسلام سے پہلے ان کی عمر کے ساٹھ سال گزرے اور اسلام میں ساٹھ سال، کہا گیا ہے کہ ایسا نہیں بلکہ سو سال زندہ رہے سب سے پہلے غزوہ فتح مکہ میں شریک ہوئے، مشرف باسلام پہلے ہی ہو چکے تھے اہل حجاز میں ان کا شمار ہے یزید بن معاویہ کے عہد میں مدینہ میں وفات پائی کچھ لوگ ان سے روایت کرتے ہیں، دیلی میں دال مکسور اور یاء ساکن ہے۔

(۹۲۲) نواس بن سمعان: — یہ نواس سمعان کے بیٹے، بنوکلاب میں سے ہیں شام میں سکونت پذیر ہو گئے اور اہل شام میں شمار ہوتے ہیں، جبیر بن نفیر اور ابوادریس خولانی نے ان سے روایت کی سمعان میں سین مہملہ پر کسرہ اور کہا گیا کہ اس پر زبر ہے اور میم ساکن اور عین مہملہ ہے۔

(۹۲۳) نفیع بن حارث: — یہ نفیع حارث کے بیٹے ثقفی ہیں کنیت ابوبکرہ ہے ان کا ذکر حرف باء میں ہو چکا ہے۔

(۹۲۴) نافع بن عتبہ: — یہ نافع عتبہ بن ابی وقاص کے بیٹے بنوزہرہ میں سے ہیں یہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے بھتیجے ہیں ان سے جابر بن سمیرہ نے روایت کی فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے۔ ان کا شمار اہل کوفہ میں ہے۔

(۹۲۵) ابونجیح: — یہ ابونجیح ہیں ان کا نام عمرو بن عتبہ ہے حرف عین میں اس کا ذکر گذر چکا ہے۔

تابعین

(۹۲۶) نافع بن سرجس: — یہ نافع، سرجس کے بیٹے، عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ ہیں، یہ دیلمی تھے اور اکابر تابعین میں سے ہیں ابن عمرؓ اور ابوسعیدؓ سے حدیث کی سماعت کی ان سے بہت سے لوگوں نے جن میں زہری مالک بن انس شامل ہیں روایت کی حدیث کے بارے میں شہرت یافتہ لوگوں میں سے ہیں نیز ان ثقہ راویوں میں سے ہیں جن سے روایت حدیث کی جاتی ہے اور جمع کی جاتی ہیں اور ان کی احادیث پر عمل کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کا بڑا حصہ ان پر موقوف ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ میں نافع کے واسطے سے ابن عمرؓ کی حدیث سن لیتا ہوں تو کسی اور راوی سے سننے سے بے فکر ہو جاتا ہوں ۱۱۷ھ میں وفات پائی، سرجس میں سین مہملہ اول مفتوح راء ساکن اور جیم مکسور ہے۔

(۹۲۷) نافع بن جبیر: — یہ نافع جبیر کے بیٹے مطعم کے پوتے قریش میں سے ہیں اور حجاز کے رہنے والے ہیں اپنے والد سے اور ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے زہری وغیرہ نے روایت کی۔

(۹۲۸) نافع بن غالب: — یہ نافع غالب کے بیٹے کنیت ابوغالب ہے، یہ خیاط اور باہلی ہیں، بصرہ کے تابعین میں شمار ہوتے ہیں، انس بن مالک سے روایت کی اور ان سے عبدالوارث نے روایت کی۔

(۹۲۹) نبیہ بن وہب: — یہ نبیہ واہب کے بیٹے کعبی اور حجازی ہیں ابان بن عثمان اور کعب سے جو سعید بن عاص کے آزاد کردہ ہیں

انہوں نے اور ان سے نافع نے روایت کی نبیہ میں نون پر ضمہ باموحدہ پر فتحہ اور یاء ساکن ہے اس کے نیچے دو نقطے ہیں۔

(۹۳۰) نضر بن شمیل: — یہ نضر ہیں شمیل کے بیٹے کنیت ابوالحسن، بنو مازن میں سے ہیں مرو میں سکونت اختیار کی اور وہاں تقریباً ۲۰۳ھ میں وفات ہوئی ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی، لغت، نحو اور تمام فنون ادبیہ کے ماہر تھے شمیل میں شین معجمہ پر پیش ہے۔

(۹۳۱) ناصح بن عبداللہ: — یہ ناصح ہیں، عبداللہ کے بیٹے اور محلمی ہیں ان کا ذکر باب الشفقہ والرحمۃ میں ہے انہوں نے سماک اور یحییٰ بن کثیر سے اور ان سے یحییٰ بن یعلی اور اسحاق المسلم السلولی نے روایت کی نیک طینت ہیں، محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے۔

(۹۳۲) النفیلی: — ان کا نام عبداللہ، محمد بن علی بن نفیل کے بیٹے حافظ حدیث ہیں انہوں نے مالک سے اور ان سے ابوداؤد نے روایت کی ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ صاحب حفظ نہیں دیکھا امام احمد ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے یہ دین کے ایک رکن ہیں ۲۳۴ھ میں انتقال فرمایا۔

(۹۳۳) النجاشی: — یہ نجاشی بادشاہ حبشہ ہیں، یہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور اسلام قبول کیا ان کا نام اصحمہ ہے فتح مکہ سے قبل وفات پائی، آنحضرت کے پاس جب ان کے وفات کی اطلاع آئی تو ان کی نماز جنازہ پڑھی، حضور کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے ابن مندہ نے ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہے حالانکہ یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہیں رہے اور نہ آپ ﷺ کا دیدار کیا۔ مناسب یہی ہے کہ ان کو صحابہ میں شمار نہ کیا جائے کیونکہ "صحابیت" ان پر کسی صورت سے صادق نہیں، ان کا ذکر صلاۃ الجنازہ وغیرہ میں ہے۔

(۹۳۴) ابونضر: — یہ ابونضر ہیں ان کا نام سالم، ابوامیہ کے بیٹے عمر بن عبید بن معمر کے آزاد کردہ قرشی تیمی اور مدنی ہیں تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں ان سے مالک ثوری اور ابن عیینہ نے روایت کی، النضر میں نون مفتوح ضاد معجمہ ساکن ہے۔

(۹۳۵) ابونضرہ منذر: — یہ ابونضرہ ہیں، نام منذر مالک کے بیٹے اور عبدی ہیں ابن عمرو ابوسعید اور ابن عباس سے حدیث کی سماعت کی، ان سے ابراہیم تیمی اور قتادہ اور سعید بن یزید نے روایت کی، ان کا شمار بصرہ کے تابعین میں کیا جاتا ہے حسن سے کچھ پہلے انتقال کیا۔

(۹۳۶) ابن نواحہ: — اس کا نام عبداللہ ہے یہ وہی ہے جو اپنے دوست ابن اثال کے ساتھ مسیلمہ کذاب کے پاس سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، دونوں کا ذکر کتاب الامان میں ہے۔ ابن نواحہ مسیلمہ کذاب کے قتل کے بعد مسلمانوں میں اس طرح روپوش ہو گیا کہ لوگ اسے مسلمان سمجھتے رہے یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطابؓ کے عہد خلافت میں یمن کی امداد میں کوفہ بھیج دیا گیا۔ یہ شخص اپنی قوم بنی حنیفہ کا امام تھا۔ چنانچہ اس کے اور اس کے ساتھیوں کے خلاف حارثہ بن مضرس نے شہادت دی کہ یہ لوگ گاؤں کی مسجد میں وہ چیزیں ایک دوسرے کو پڑھا رہے تھے جس کو مسیلمہ نے جھوٹ موٹ بنالیا تھا اور اس کا دعویٰ کیا تھا کہ یہ خدا کی طرف سے وحی کیا گیا ہے اس زمانہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ میں معلم اور حضرت ابوموسیٰ کے دست راست تھے، یہ سرکش جماعت ان کے سامنے حاضر کی گئی انہوں نے ان کی سرکشی کو صاف طور پر پہچان لیا اور ان سے توبہ کرائی گئی، انہوں نے توبہ کی تو ان کی توبہ قبول کر لی گئی لیکن ابن نواحہ کی معذرت قبول نہیں ہوئی کیونکہ ابن مسعودؓ نے ان لوگوں کو شام کے علاقہ میں جلاوطن کر دیا اور ان کے اندرونی احوال کو خدا کے سپرد کر دیا گیا۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر ان کا عقیدہ وہی ہے جو پہلے تھا تو شام کا طاعون ان کو ہلاک کر دے گا ورنہ اب توبہ کرنے کے بعد ہمیں ان کو سزا دینے کا کوئی حق نہیں رہا، لیکن اب نواحہ کے بارے میں ابن مسعودؓ قتل کرنے پر مصر رہے۔ کیونکہ یہ زندیق اور زندقہ کا مبلغ تھا۔ چنانچہ ان کے حکم سے قرظہ بن کعب نے اس کو سربازار قتل کر دیا۔

(و)

صحابہ

(۹۳۷) واثلہ بن الاسقع: — یہ واثلہ ہیں اسقع کے بیٹے اور لیثی ہیں یہ اس وقت مسلمان ہوئے جب کہ آنحضرت ﷺ غزوۂ تبوک کے لئے سامان جمع کر رہے تھے، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تین سال آنحضرت ﷺ کی خدمت کی اور یہ اہل صفہ میں سے تھے پہلے بصرہ میں پھر شام میں ٹھہرے اور ان کا مکان دمشق سے نو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں بلاط میں تھا پھر بیت المقدس منتقل ہو گئے اور وہیں وفات پائی اس وقت ان کی عمر سو سال تھی، ان سے ایک گروہ نے حدیث نقل کی اسقع میں قاف پر زبر آخر میں عین ہے۔

(۹۳۸) وہب بن عمیر: — یہ وہب ہیں عمیر بن وہب کے بیٹے اور جمحی ہیں یہ جنگ بدر میں بحالت کفر قید کر کے لائے گئے تھے ان کے والد مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے آنحضرت ﷺ نے ان کی وجہ سے ان کے بیٹے کو آزاد کر دیا تو وہ بھی مسلمان ہو گئے ان کی ایک خاص حیثیت اور مرتبہ تھا، آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر ان کو صفوان بن امیہ کے پاس بھیجا تھا تا کہ یہ ان کو اسلام کی دعوت دیں۔ شام میں جہاد کرتے ہوئے وفات پائی۔

(۹۳۹) وابصہ بن معبد: — یہ وابصہ ہیں معبد کے بیٹے ہیں، کنیت ابوشداد اوسی ہے پہلے کوفہ میں قیام کیا پھر جزیرہ کی طرف منتقل ہو گئے رقہ میں وفات پائی ان سے زیاد بن ابی الجعد نے روایت کی۔

(۹۴۰) وائل بن حجر: — یہ وائل ہیں حجر کے بیٹے اور حضرمی ہیں، حضر موت کے سرداروں میں سے تھے اور ان کے والد وہاں کے بادشاہ تھے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بصورت وفد حاضر ہوئے کہا جاتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو ان کے آنے سے پہلے یہ خوشخبری سنادی تھی اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ تمہارے پاس بہت دور (حضر موت) سے وائل بن حجر آرہے ہیں ان کا آنا اطاعت گذاری اور خدا اور اس کے رسول کے شوق و رغبت کے لئے ہے یہ شاہی خاندان میں افضل ہیں۔ جب یہ حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو مرحبا کہا اور اپنے قریب جگہ دی۔ اپنی ردائے مبارک ان کے لئے بچھادی اور اس پر ان کو بٹھایا اور فرمایا اے اللہ وائل اور ان کی اولاد اور ان کی اولاد کی اولاد میں برکت عطا فرما، آنحضرت ﷺ نے ان کو حضر موت کے سرداروں پر افسر اعلیٰ مقرر فرما دیا ان سے ان کے دونوں بیٹے علقمہ اور عبدالجبار وغیرہ نے روایت کی، حجر میں حاء مہملہ مضموم جیم ساکن اور آخر میں راء ہے۔

(۹۴۱) وحشی بن حرب: — یہ وحشی ہیں حرب کے بیٹے حبشی اور مکہ کے حبشیوں میں سے ہیں جبیر بن مطعم کے آزاد کردہ یہی ہیں جنہوں نے بحالت کفر جنگ احد میں آنحضرت ﷺ کے عم محترم حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا، غزوہ طائف کے بعد مسلمان ہوئے اور جنگ یمامہ میں مسلمانوں کی طرف سے شریک ہوئے، ان کا دعوی تھا کہ انہوں نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا وہ کہتے تھے کہ میں نے اپنی چھری سے دو آدمیوں کو قتل کیا، ایک خیر الناس (حمزہ) دوسرے شر الناس (مسیلمہ کذاب) شام میں جا ٹھہرے تھے حمص میں وفات پائی ان سے ان کے بیٹے اسحاق اور حرب وغیرہ نے روایت کی۔

(۹۴۲) ولید بن عقبہ: — یہ ولید ہیں عقبہ کے بیٹے۔ کنیت ابووہب ہے، قرشی اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی ہیں فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اس وقت جوان ہونے کے قریب تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا والی مقرر فرمایا یہ قریش کے جوانمردوں اور شاعروں سے ہیں ان سے ابوموسی ہمدانی وغیرہ نے روایت کی رقہ میں وفات پائی۔

(۹۴۳) **ولید بن ولید:** — یہ ولید ہیں، ولید کے بیٹے قرشی اور مخزومی ہیں خالد بن ولید کے بھائی ہیں جنگ بدر میں بحالت کفر قید کر کے لائے گئے ان کا فدیہ ان کے بھائی خالد و ہشام نے ادا کیا جب زر فدیہ ادا ہوگیا تو مسلمان ہوگئے لوگوں نے کہا کہ تم نے فدیہ کی ادائیگی سے قبل اسلام کا اظہار کیوں نہیں کیا؟ تو جواب دیا کہ میں نے اس لئے ایسا نہیں کیا کہ کہیں تم کو یہ بدگمانی نہ ہو کہ میں نے اسارت سے گھبرا کر اسلام قبول کرلیا ہے۔ اظہار اسلام کے بعد ان کو مشرکین مکہ نے محبوس کر دیا مکہ میں، آنحضرت ﷺ ان کے اور دوسرے ضعفائے اسلام کے لئے قنوت میں دعا فرماتے تھے، کچھ عرصہ کے بعد یہ تو ان کی قید سے نکل آئے اور آنحضرت ﷺ کے پاس جا پہنچے اور عمرۃ القضاء میں شریک ہوئے ان سے عبداللہ بن عمرؓ اور ابوہریرہؓ نے روایت کی۔

(۹۴۴) **ورقہ بن نوفل:** — یہ ورقہ ہیں۔ نوفل بن اسد کے بیٹے، قریش میں سے تھے زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہوگئے تھے، انجیل پڑھے ہوئے تھے بہت بوڑھے اور نابینا ہوگئے تھے ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی تھے۔

(۹۴۵) **ابوواقد:** — یہ ابوواقد ہیں، ان کا نام حارث ہے عوف کے بیٹے لیثی ہیں، پرانے مسلمان تھے ان کا شمار اہل مدینہ میں ہے۔ ایک سال مکہ کے قرب و جوار میں رہے اور مکہ ہی میں ۶۸ھ میں بعمر ۷۵ سال انتقال فرمایا اور مقام فخ میں مدفون ہوئے۔

(۹۴۶) **ابووہب:** — یہ ابووہب جشمی ہیں ان کا نام اور کنیت ایک ہے انہیں حضور کی صحبت اور آپ سے روایت کرنا دونوں نصیب ہوئیں، جشمی میں جیم پر ضمہ اور شین معجمہ پر فتحہ اور میم کے نیچے کسرہ (اور یاء تحتیہ مشدد ہے جو نسبت کی ہے۔

تابعین

(۹۴۷) **وہب بن منبہ:** — یہ وہب ہیں منبہ کے بیٹے کنیت ابوعبداللہ، صنعاء کے رہنے والے ایرانی النسل ہیں، جابر بن عبداللہ اور ابن عباس سے حدیث کی سماعت کی ۱۱۴ھ میں انتقال فرمایا، منبہ میں میم پر پیش نون پر زبر باء (ایک نقطہ والی) کے نیچے زیر اور اس پر تشدید ہے۔

(۹۴۸) **وبرہ بن عبدالرحمٰن:** — یہ وبرہ ہیں عبدالرحمٰن کے بیٹے، کنیت ابوخزیمہ بنو حارث میں سے ہیں انہوں نے ابن عمر اور سعید بن جبیر سے اور ان سے ایک جماعت نے روایت کی وبرہ میں واؤ مفتوح باء (ایک نقطہ والی) ساکن ہے۔

(۹۴۹) **وکیع بن جراح:** — یہ وکیع ہیں جراح کے بیٹے کوفہ کے باشندہ، قیس غیلان سے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس کی اصل نیشاپور کے کسی قریہ سے ہے انہوں نے ہشام بن عروہ اور اوزاعی اور ثوری وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی ان سے عبداللہ ابن مبارک احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں نے روایت کی بغداد میں آئے اور وہاں حدیث بیان کی یہ قابل اعتماد مشائخ میں سے ہیں جن کی حدیث پر اعتماد ہے اور جن کے قول کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، یہ ابوحنیفہؒ کے قول پر فتوی دیتے تھے، انہوں نے امام ابوحنیفہ سے بہت سی چیزیں سن رکھی تھیں ۹۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۷ھ میں دس محرم کو جب کہ وہ مکہ سے لوٹ رہے تھے انتقال فرمایا اور مقام فید میں دفن کئے گئے۔

(۹۵۰) **وحشی بن حرب:** — یہ وحشی ہیں حرب کے بیٹے انہوں نے اپنے باپ کے واسطہ سے اپنے دادا سے روایت کی اور ان سے صدقہ بن خالد وغیرہم نے، اہل شام میں شمار ہوتے ہیں۔

(۹۵۱) **ابووائل:** — یہ ابووائل ہیں ان کا نام شقیق ہے سلمہ کے بیٹے اسدی و کوفی ہیں زمانہ جاہلیت و اسلام دونوں پائے

آنحضرت ﷺ کو پایا لیکن آپ ﷺ کو دیکھا نہیں نہ آپ سے کوئی حدیث سنی، ان کا اپنا بیان ہے کہ آنحضرت کی بعثت سے قبل میری عمر دس سال تھی میں اپنے گھر کی بکریاں جنگل میں چرایا کرتا تھا، صحابہ میں سے بہت سے حضرات ہے جن میں عمر بن خطابؓ ابن مسعودؓ شامل ہیں روایت کرتے ہیں ابن مسعودؓ کے بڑے شاگردوں میں ان کے ساتھ مخصوص تھے۔ حدیث بکثرت نقل کرتے ہیں، یہ ثقہ (قابل اعتماد) ثبت (اپنی روایت پر قائم رہنے والے) حجۃ ہیں حجاج بن یوسف کے زمانے میں وفات پائی۔

(۹۵۲) ولید بن عقبہ: — یہ ولید ہے عقبہ بن ربیعہ کا بیٹا جاہلی (کافر) ہے اس کا ذکر غزوہ بدر میں ہے، اور اسی غزوہ میں مقتول ہوا۔

(ہ)

صحابہ

(۹۵۳) ہشام بن حکیم: — یہ ہشام ہیں حکیم بن حزم کے بیٹے۔ قرشی واسدی ہیں فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے صحابہ میں سے صاحب خیر وفضل حضرات میں سے تھے، یہ ان صحابہ میں سے تھے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے۔ ان سے ایک گروہ نے جن میں عمر بن خطابؓ بھی ہیں روایت کی اپنے والد کی وفات سے قبل ہی انتقال فرمایا ان کے والد کا انتقال ۵۴ھ میں ہوا۔

(۹۵۴) ہشام بن عاص: — یہ ہشام ہیں عاص کے بیٹے عمرو بن عاص کے بھائی پرانے مسلمان ہیں مکہ میں ہی مشرف باسلام ہو چکے ہیں حبشہ کو ہجرت کی جب حضور ﷺ کی ہجرت کی اطلاع ہوئی تو غزوۂ خندق کے بعد جو مدینہ میں ہوا مکہ واپس ہو گئے بہترین صاحب فضل صحابی ہیں ان سے ان کے بھتیجے عبداللہ نے روایت کی ۱۲ھ میں جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

(۹۵۵) ہشام بن عامر: — یہ ہشام ہیں عامر کے بیٹے انصاری ہیں بصرہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور وہاں ہی وفات ہوئی اہل بصرہ میں ان کا شمار ہے اور انہیں کے پاس ان کی حدیثیں پائی جاتی ہیں ان سے ان کے بیٹے سعد اور حسن بصری وغیرہ نے روایت کی۔

(۹۵۶) ہلال بن امیہ: — یہ ہلال ہیں امیہ کے بیٹے واقفی وانصاری ہیں غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ میں سے ایک یہ بھی ہیں خدا نے ان سب کی توبہ قبول فرمائی غزوۂ بدر میں شریک رہے یہی وہ صحابی ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کو "شریک" کے ساتھ متہم کیا ان کا ذکر لعان میں ہے ان سے جابرؓ اور ابن عباسؓ نے روایت کی۔

(۹۵۷) ہزال بن ذباب: — ہزال ہیں ذباب کے بیٹے کنیت ابو نعیم ہے اسلمی ہیں ان سے ان کے بیٹے نعیم اور محمد بن منکدر نے روایت کی ان کا ذکر ماعز کی حدیث اور ان کے رجم کے سلسلے میں ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ابن منکدر نے خود ان سے روایت کی۔

(۹۵۸) ابو ہریرہ: — یہ ابو ہریرہ ہیں ان کے نام ونسب میں زبردست اختلاف ہے زیادہ مشہور یہ ہے کہ قبل از اسلام ان کا نام عبد الشمس یا عبد عمرو تھا اور اسلام لانے کے بعد عبدالرحمٰن نام رکھا گیا۔ اور یہ کہ یہ قبیلہ دوس کے فرد ہیں۔ حاکم ابو احمد نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک ابو ہریرہ کے نام کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ان کا نام عبدالرحمٰن بن صخر ہے ان کی کنیت ان کے نام پر اس طرح غالب آگئی گویا ان کا نام ہی نہیں رکھا گیا غزوہ خیبر کے سال اسلام لائے اور آنحضرت ﷺ کے ہمراہ شریک ہوئے پھر آنحضرت کے ساتھ لگ گئے اور علم کے شوق میں پابندی کے ساتھ حاضر رہنے لگے، صرف پیٹ بھرنے پر اکتفا کرتے، آپ جہاں تشریف لے جاتے یہ بھی ساتھ رہتے بہت قوی الحفظ صحابہ میں سے تھے آپ کے ساتھ لگے رہنے کی برکت سے ان کو وہ چیزیں مستحضر رہتی تھیں جو

دوسروں کو یاد نہ ہوتیں۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میں آپ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں وہ مجھے یاد نہیں رہتیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی چادر بچادو میں نے اپنی چادر بچھادی پھر آپ نے بہت سی حدیثیں بیان فرمائیں، اب وہ تمام یاد تھا جو آپ نے بیان فرمایا، امام بخاریؒ نے فرمایا کہ وہ آٹھ سو سے زیادہ آدمیوں سے روایت نقل کرتے ہیں اس میں صحابہ جیسے ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ اور جابرؓ اور انسؓ اور تابعین سب شامل ہیں مدینہ میں ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں بعمر ۷۵ سال وفات پائی، ان کے پاس ہر وقت چھوٹی سی بلی (ہریرہ) رہتی تھی، یہ اس کو اٹھائے رکھتے تھے اس لئے ان کا نام ابوہریرہ ہو گیا۔

(۹۵۹) ابوالہیثم: — یہ ابوالہیثم ہیں، ان کا نام مالک بن تیہان ہے، حرف میم میں ان کا ذکر آچکا ہے۔

(۹۶۰) ابوہاشم: — یہ ابوہاشم شیبہ بن عتبہ بن ربیعہ قرشی ہیں کہا جاتا ہے کہ ان کا نام ہشام ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا نام ان کی کنیت ہی ہے اور یہی مشہور تر ہے، معاویہ بن ابوسفیان کے ماموں ہیں فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور شام میں سکونت پذیر ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں وفات پائی نیک نہاد صاحب فضل صحابی ہیں ان سے ابوہریرہ نے روایت کی۔

تابعین

(۹۶۱) ابوہند: — یہ ابوہند ہیں نام یسار ہے پچھنے لگانے کا کام کرتے تھے انہوں نے ہی آنحضرت ﷺ کو پچھنے لگائے تھے بنو بیاضہ کے آزاد کردہ ہیں ابن عباس اور ابوہریرہؓ اور جابرؓ سے انہوں نے روایت کی۔

(۹۶۲) ہشام بن عروہ: — یہ ہشام ہیں عروہ بن زبیر کے بیٹے کنیت ابومنذر قریشی اور مدنی ہیں مدینہ کے مشہور تابعین اور بکثرت روایت کرنے والوں میں سے ہیں ان کا شمار اکابر علماء و جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے عبداللہ بن زبیرؓ اور ابن عمرؓ سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ان میں ثوری مالک بن انس اور ابن عیینہ جیسے حضرات بھی ہیں، خلیفہ منصور کے یہاں بغداد آئے، ۶۱ھ میں پیدا ہوئے ۱۴۶ھ میں بمقام بغداد انتقال فرمایا۔

(۹۶۳) ہشام بن زید: — یہ ہشام ہیں زید بن انس بن مالک کے بیٹے اور انصاری ہیں انہوں نے اپنے دادا انسؓ سے روایت کی، ان سے ایک جماعت نے حدیث کی سماعت کی اہل بصرہ میں شمار ہوتے ہیں۔

(۹۶۴) ہشام بن حسان: — یہ ہشام ہیں حسان کے بیٹے اور قردوسی یعنی اس قبیلہ کے آزاد کردہ ہیں کہا جاتا ہے کہ ان کے یہاں قیام پذیر تھے اس لئے قردوسی کہے جاتے ہیں یہی ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ جن کو حجاج نے ہاتھ پیر باندھ کر قتل کیا ان کی تعداد کا شمار کرو، شمار کیا تو ایک لاکھ بیس ہزار ہوئے، حسن، عطا اور عکرمہ سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے حماد بن زید اور فضل بن عیاض وغیرہ نے روایت کی ۱۴۷ھ میں انتقال ہوا، قردوسی میں قاف پر ضمہ اور دال مہملہ پر ضمہ اور سین مہملہ ہے۔

(۹۶۵) ہشام بن عمار: — یہ ہشام ہیں عمار کے بیٹے کنیت ابوالولید سُلمی و دمشقی ہیں تجوید کے ماہر حافظ حدیث، دمشق کے خطیب ہیں انہوں نے مالک یحییٰ ابن حمزہ سے اور ان سے بخاری نسائی ابوداؤد، ابن ماجہ، محمد بن خزیم اور باغندی نے روایت کی ۹۲ سال تک زندہ رہے۔ ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔

(۹۶۶) ہشام بن زیاد: — یہ ہشام ہیں زیاد کے بیٹے ابولمقدام کنیت ہے قرظی اور حسن سے روایت کی اور ان سے شیبان بن فروخ اور قواریری نے روایت کی، محدثین نے ان کو روایت میں ضعیف کہا ہے۔

(۹۶۷) ہشیم بن بشیر:- یہ ہشیم بن بشیر سلمی واسطی ہیں مشہور آئمہ حدیث عمرو بن دینار اور زہری اور یونس بن عبید اور ایوب سختیانی وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے مالک، ثوری، شعبہ اور ابن مبارک اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں نے روایت کی، ۱۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔

(۹۶۸) ہلال بن علی:- یہ ہلال ہیں علی بن اسامہ کے بیٹے اپنے دادا ہلال بن ابی میمونہ فہری کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت انسؓ عطاء بن یسار سے انہوں نے اور مالک بن انس وغیرہ نے ان سے روایت کی۔

(۹۶۹) ہلال بن عامر:- یہ ہلال عامر کے بیٹے مزنی ہیں اہل کوفہ میں شمار کئے جاتے ہیں انہوں نے اپنے والد سے روایت کی اور رافع مزنی سے حدیث کی سماعت کی، ان سے یعلی وغیرہ نے روایت کی۔

(۹۷۰) ہلال بن یساف:- یہ ہلال یساف کے بیٹے ہیں، اشجع کے آزاد کردہ ہیں ان کی ملاقات حضرت علیؓ بن ابی طالب سے ثابت ہے سلمہ بن قیس سے روایت کی ابو مسعود انصاری سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے ایک جماعت نے سماعت کی۔

(۹۷۱) ہلال بن عبداللہ:- یہ ہلال عبداللہ کے بیٹے ابوہاشم کنیت اور بنو باہلہ سے ہیں انہوں نے ابو اسحاق سے روایت کی اور عفان اور مسلم نے ان سے روایت کی، بخاریؒ نے فرمایا، کہ ان کی حدیث منکر ہوتی ہیں۔

(۹۷۲) ہمام بن حارث:- یہ ہمام ہیں حارث کے بیٹے نخعی اور تابعی ہیں ابن مسعود اور عائشہ اور دوسرے صحابہ سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے ابراہیم نخعی نے روایت کی۔

(۹۷۳) ہود بن عبداللہ:- یہ ہود ہیں، عبداللہ بن سعد ان کے بیٹے اور عصری ہیں، اپنے دادا مزیدہ اور سعید بن وہب سے روایت کی یہ دونوں صحابی ہیں اور ان سے طالب بن حجر نے روایت کی۔

(۹۷۴) ہبیرہ بن مریم:- یہ ہبیرہ مریم کے بیٹے، علیؓ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابواسحٰق اور ابوفاختہ نے روایت کی یہ ثقہ ہیں، امام نسائی فرماتے ہیں کہ روایت میں کچھ قوت نہیں ۶۶ھ میں انتقال ہوا۔

(۹۷۵) ہزیل بن شرجیل:- یہ ہزیل ہیں شرجیل کے بیٹے ازدی کوفی، اور نابینا ہیں، عبداللہ بن مسعود سے حدیث کی سماعت کی ان سے ایک جماعت نے روایت کی۔

(۹۷۶) ابوالہیاج:- یہ ابوالہیاج حیان ہیں حصین کے بیٹے اور اسدی ہیں حضرت عمار بن یاسرؓ کے کاتب ہیں، امام احمد نے فرمایا کہ یہ منصور بن حیان کے والد ہیں۔ جلیل القدر تابعی ہیں، ان کی حدیث صحیح ہوتی ہے حضرت علیؓ اور عمارؓ سے انہوں نے اور ان سے شعبی اور ابووائل نے روایت کی۔ ہیاج میں یا (دو نقطے والی) مشدد اور جیم ہے۔

صحابی عورتیں

(۹۷۷) ہند بنت عتبہ:- یہ ہند ہیں عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی ابوسفیان کی بیوی اور معاویہؓ کی والدہ ہیں فتح مکہ کے موقع پر اپنے شوہر کے اسلام لانے کے بعد مسلمان ہوئیں آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کے نکاح کو باقی رکھا یہ نہایت فصیح اور عاقلہ تھیں، جب آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر دوسری عورتوں کی معیت میں بیعت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ

گی اور نہ چوری کروگی، تو ہندہ نے عرض کیا کہ ابوسفیان ہاتھ روک کر خرچ کرتے ہیں، جس کی تنگی ہوتی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس قدر لے لو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لئے حسب دستور کافی ہو، آپ ﷺ نے فرمایا اور نہ زنا کروگی تو ہندہ نے عرض کیا کہ آیا کوئی شریف عورت زنا کار ہوسکتی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اور نہ اپنے بچوں کو قتل کروگی، تو ہندہ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے تو ہمارے سب بچوں کو قتل کردیا، ہم نے تو چھوٹے چھوٹے بچوں کو پرورش کیا اور بڑے ہونے پر آپ ﷺ نے بدر میں قتل کرادیا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں وفات پائی، اسی روز حضرت ابوقحافہ (حضرت ابوبکرؓ کے والد) کا انتقال ہوا ان سے حضرت عائشہ نے روایت کی ہے۔

(۹۷۸) ام ہانی: — یہ ام ہانی ہیں ان کا نام فاختہ ابوطالب کی بیٹی اور حضرت علیؓ کی ہمشیرہ ہیں آنحضرت ﷺ نے نبوت سے قبل ان سے پیغام نکاح دیا تھا اور ہبیرہ بن ابووہب نے بھی پیغام دیا تھا لیکن ابوطالب نے ابوہبیرہ سے ان کا نکاح کردیا تھا۔ لیکن بعد میں یہ مسلمان ہوگئیں اور اسلام کی وجہ سے ان میں نکاح باقی نہ رہا اب دوبارہ آپ ﷺ نے پیام دیا تو انہوں نے کہا خدا کی قسم میں تو آپ ﷺ کو پہلے سے پسند کرتی ہوں، اب مسلمان ہونے کے بعد کیا پسند نہ کروں گی مگر میں بچوں والی عورت ہوں تو آپ ﷺ نے سکوت فرمایا، ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ان میں علیؓ اور ابن عباسؓ بھی ہیں۔

(۹۷۹) ام ہشام: — یہ ام ہشام حارثہ بن نعمان کی بیٹی اور صحابیہ ہیں، ان سے ایک جماعت نے روایت کی۔

(ی)

صحابہ

(۹۸۰) یزید بن اسود: — یہ یزید اسود کے بیٹے اور سوائی ہیں ان سے ان کے بیٹے جابر نے روایت کی، ان کا شمار اہل طائف میں ہوتا ہے ان کی حدیث اہل کوفہ کے یہاں پائی جاتی ہے سوائی میں سین مہملہ مضموم واؤ بلا تشدید اور الف ممدودہ ہے۔

(۹۸۱) یزید بن عامر: — یہ یزید ہیں عامر کے بیٹے اور سوائی اور حجازی ہیں غزوۂ حنین میں مشرکین کی جانب سے شریک تھے اس کے بعد مسلمان ہوئے ان سے سائب بن یزید وغیرہ نے روایت کی۔

(۹۸۲) یزید بن شیبان: — یہ یزید بن شیبان کے بیٹے ازدی اور صحابی ہیں ان سے روایت بھی نقل کی گئی ہے ان کا ذکر وحدان میں کیا جاتا ہے انہوں نے ابن مربع سے روایت کی (مربع میں میم مکسور ہے) اور ان سے عمر بن عبداللہ بن صفوانؓ نے روایت کی ان کی حدیث حج کے بارہ میں ہے۔

(۹۸۳) یزید بن نعامہ: — یہ یزید نعامہ کے بیٹے اور ضبی ہیں ان سے سعید بن سلمان نے روایت کی بحالت شرک حنین میں شریک ہوئے اور اس کے بعد مسلمان ہوئے۔ ترمذی کا ارشاد ہے کہ ان کی آنحضرت ﷺ سے حدیث کی سماعت معروف نہیں ہے نعامہ میں نون اور عین مہملہ دونوں پر فتحہ ہے۔

(۹۸۴) یحییٰ بن اسید بن حضیر: — یہ یحییٰ، اسید بن حضیر کے بیٹے انصار میں سے ہیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے ان کے والد کی کنیت ابو یحییٰ ہی کے نام پر ہے ان کا ذکر فضل القراۃ والقاری میں ہے ابن عبدالبر نے کہا کہ ان کی عمر تو حدیث کی سماعت کے لائق

تھی لیکن میں ان کی کوئی روایت نہیں جانتا۔

(۹۸۵) یوسف بن عبداللہ: — یہ یوسف ہیں عبداللہ بن سلام کے بیٹے کنیت ابویعقوب ہے حضرت یوسف علیہ السلام بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد بنی اسرائیل میں سے تھے حضور کی حیات میں ہی پیدا ہو چکے تھے آپ کی خدمت میں لائے گئے آپ نے ان کو اپنی گود میں لیا ان کا نام یوسف تجویز فرمایا ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لئے دعا حفاظت فرمائی، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان کو حضور ﷺ کا دیدار نصیب ہوا ان کی کوئی روایت نہیں اہل مدینہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

(۹۸۶) یعلی بن امیہ: — یہ یعلی امیہ کے بیٹے تمیمی اور حنظلی ہیں، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے ان کا شمار اہل حجاز میں ہے، ان سے صفوانؓ عطاء مجاہد وغیرہ نے روایت کی حضرت علیؓ بن ابی طالب کے ساتھ جنگ جمل میں شریک ہوئے اور اسی میں قتل کئے گئے۔

(۹۸۷) ابوالیسر: — یہ ابوالیسر (یاء پر فتحہ اور نیچے دو نقطے اور سین مہملہ پر فتحہ ہے) ان کا نام کعب اور یہ عمرو کے بیٹے ہیں، ان کا ذکر حرف کاف میں آچکا ہے۔

تابعین

(۹۸۸) یزید بن ہارون: — یہ یزید ہارون کے بیٹے اور اسلمی یعنی ان کے آزاد کردہ ہیں واسط کے رہنے والے، ایک جماعت سے انہوں نے روایت کی اور ان سے احمد بن حنبل علی بن مدینی وغیرہ نے روایت کی بغداد میں وارد ہوئے اور وہاں حدیث بیان کی پھر واسط لوٹ آئے اور وہیں وفات پائی، ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے ابن مدینی کہتے ہیں کہ میں نے ابن ہارون سے زیادہ قوی الحفظ نہیں دیکھا، حدیث کے زبردست عالم اور حافظ، ثقہ زاہد و عابد تھے ۲۱۷ھ میں انتقال فرمایا۔

(۹۸۹) یزید بن زریع: — یہ یزید ہیں، زریع کے بیٹے ان کی کنیت ابو معاویہ ہے حافظ حدیث ہیں ایوب و یونس سے انہوں نے اور ان سے ابن مدینی اور مسدد نے روایت کی ان کا ذکر باب الشفقہ والرحمۃ میں آتا ہے امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ بصرہ میں دینی و علمی پختگی ان پر ختم ہے، شوال ۱۸۳ھ میں بعمر ۸۱ سال وفات پائی۔

(۹۹۰) یزید بن ہرمز: — یہ یزید ہیں ہرمز کے بیٹے ہمدانی مدنی اور بنولیث کے آزاد کردہ ہیں، انہوں نے ابوہریرہؓ سے اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ اور عمرو بن دینار اور زہری نے روایت کی۔

(۹۹۱) یزید بن ابی عبید: — یہ یزید ہیں ابوعبید کے بیٹے، سلمہ بن اکوع کے آزاد کردہ ہیں انہوں نے سلمہؓ سے اور ان سے یحیی بن سعید وغیرہ نے روایت کی۔

(۹۹۲) یزید بن رومان: — یہ یزید ہیں رومان کے بیٹے ان کی کنیت ابوروح ہے اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں ابن زبیر اور صالح بن خوات سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے امام زہری وغیرہ نے روایت کی۔

(۹۹۳) یزید بن اصم: — یہ یزید ہیں، اصم کے بیٹے حضرت ام المؤمنین میمونہ کے ہمشیر زادہ ہیں، حضرت میمونہ اور ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔

(۹۹۴) یزید بن نعیم: — یہ یزید ہیں نعیم بن ہزال کے بیٹے اور اسلمی ہیں انہوں نے اپنے والد اور جابرؓ سے اور ان سے ایک جماعت

نے روایت کی نعیم میں نون پر فتحہ ہے اور عین مہملہ ہے اور ہزال ہیں، ہاء مفتوح اور زاء مشدد ہے۔

(۹۹۵) **یزید بن زیاد:** — یہ یزید ہیں زیاد کے بیٹے اور دمشق کے باشندہ ہیں انہوں نے زہری اور سلیمان بن حبیب سے اور ان سے وکیع اور ابونعیم نے روایت کی۔

(۹۹۶) **یعلی بن مملک:** — یہ یعلی ہیں مملک کے بیٹے (مملک میں پہلا میم مفتوح دوسرا ساکن لام مفتوح اور آخر میں کاف ہے) اور تابعی ہیں انہوں نے ام سلمہ سے اور ان سے ابن ابی ملیکہ نے روایت کی

(۹۹۷) **یعیش بن طخفہ:** — یہ یعیش ہیں، طخفہ بن قیس کے بیٹے اور غفاری ہیں انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ان کے والد اصحاب صفہ میں سے تھے اور ان سے ابوسلمہ نے روایت کی طخفہ میں طاء پر کسرہ خاء معجمہ ساکن ہے۔

(۹۹۸) **یعقوب بن عاصم:** — یہ یعقوب ہیں عاصم بن عروہ بن مسعود کے بیٹے اور ثقفی و حجازی ہیں انہوں نے ابن عمرؓ سے روایت کی۔

(۹۹۹) **یحییٰ بن خلف:** — یہ یحییٰ خلف کے بیٹے، باہلی ہیں معتمرو غیرہ سے انہوں نے اور ان سے مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی ۲۴۲ھ میں وفات پائی۔ باب اعداد آلۃ الجہاد میں ان کا ذکر ہے۔

(۱۰۰۰) **یحییٰ بن سعید:** — یہ یحییٰ ہیں سعید کے بیٹے اور انصاری و مدنی ہیں، انس بن مالک، سائب بن یزید اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے ہشام بن عروہ، مالک بن انس، شعبہ، ثوری، ابن عیینہ ابن مبارک وغیرہ نے روایت کی مدینۃ الرسول میں بنو امیہ کے دور میں فصل خصومات کے ذمہ دار تھے خلیفہ منصور نے ان کو عراق بلالیا اور ہاشمیہ میں قاضی مقرر کردیا اسی مقام پر ۱۴۳ھ میں انتقال فرمایا حدیث و فقہ کے ائمہ میں سے ایک امام عالم دین پرہیزگار، زاہد، نیک نہاد اور فقہی بصیرت میں مشہور تھے۔

(۱۰۰۱) **یحییٰ بن حصین:** — یہ یحییٰ ہیں حصین کے بیٹے، اپنی دادی ام حصین اور طارق سے روایت کرتے ہیں ان سے ابواسحٰق اور شعبہ نے روایت کی ثقہ ہیں۔

(۱۰۰۲) **یحییٰ بن عبدالرحمٰن:** — یہ یحییٰ ہیں عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ کے بیٹے اور مدنی ہیں انہوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کی۔

(۱۰۰۳) **یحییٰ بن عبداللہ:** — یہ یحییٰ ہیں عبداللہ بن بحیر کے بیٹے اور صنعانی ہیں انہوں نے ان لوگوں سے روایت کی جن سے فرسودہ بن مسک نے سنا اور ان سے معمر نے روایت کی بحیر میں باء (ایک نقطہ والی) مفتوح اور حاء مہملہ مکسور اور راء مہملہ ہے۔

(۱۰۰۴) **یحییٰ بن ابی کثیر:** — یہ یحییٰ ہیں ابوکثیر کے بیٹے ان کی کنیت ابونضر ہے یمامی اور بنو طے کے آزاد کردہ ہیں دراصل بصرہ کے ہیں پھر یمامہ منتقل ہوگئے انہوں نے حضرت انس بن مالک کی زیارت کی اور عبداللہ بن ابی قتادہ وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی ان سے عکرمہ اور اوزاعی وغیرہ نے روایت کی۔

(۱۰۰۵) **یونس بن یزید:** — یہ یونس ہیں یزید کے بیٹے اور ایلی ہیں قاسم عکرمہ اور امام زہری سے انہوں نے اور ان سے ابن مبارک اور ابن وہب نے روایت کی ثقہ اور امام ہیں۔ ۱۵۹ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۰۰۶) **یونس بن عبید:** — یہ یونس ہیں عبید کے بیٹے بصرہ کے رہنے والے ہیں حسن اور ابن سیرین سے حدیث کی سماعت کی ان سے

ثوری اور شعبہ نے روایت کی ۱۳۹ھ میں وفات پائی۔

صحابی عورتیں

(۱۰۰۷) یسیرہ: - یہ یسیرہ۔ یاسر انصاری کی والدہ ہیں یہ مہاجر عورتوں میں سے ہیں ان سے ان کی پوتی حمیضہ بنت یاسر نے روایت کی یسیرہ میں یاء پر ضمہ سین پر فتحہ یاء ساکن اور راء ہے۔

اصحاب اصول ائمہ کے بیان میں

(۱۰۰۸) مالک بن انس: - یہ امام مالک ہیں، انس بن مالک بن ابی عامر کے بیٹے اور اصبحی ہیں ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے ہم نے ان کے ذکر سے اس لئے ابتدا کی کہ یہ اپنی واقفیت مرتبہ اور زمانے کے لحاظ سے مقدم ہیں یہ علماء کے شیخ اور ائمہ کے استاد ہیں حالانکہ میں نے مقدمۃ الکتاب میں بخاری و مسلم کا ذکر ان سے پہلے کیا ہے اس کی وجہ وہ شرط ہے جس کی رعایت ان دونوں نے اپنی کتاب میں رکھی اس لئے ہم یہاں ان کو ذکر نہ کریں گے کیونکہ یہ دونوں سے مقدم ہونے کے زیادہ حقدار اور لائق ہیں اور ان دونوں کی کتابیں بے شک ان کی کتاب سے تقدیم کا حق رکھتی ہیں ۹۵ھ میں تولد ہوئے اور مدینہ منورہ میں ۱۷۹ھ میں وفات پائی اس وقت آپ کی عمر ۸۴ سال تھی، واقدی نے کہا کہ آپ کی عمر نوے سال ہوئی آپ نہ صرف حجاز کے امام تھے بلکہ حدیث وفقہ میں تمام انسانوں کے مقتدا تھے آپ کے فخر کے لئے اتنی قدر کافی ہے کہ امام شافعی آپ کے شاگردوں میں سے ہیں آپ نے زہری، یحیٰی بن سعید، نافع، محمد بن منکدر، ہشام بن عروہ، زید بن اسلم ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات سے علم حدیث حاصل کیا اور آپ سے اس قدر مخلوق نے حدیث کی روایت کی جن کا شمار نہیں ہوسکتا آپ کے شاگرد پورے پورے ملک کے امام بنے ان میں امام شافعی، محمد بن ابراہیم بن دینار، ابوہاشم، عبدالعزیز بن ابی حازم شامل ہیں، یہ آپ کے شاگردوں میں علم کے اعتبار سے ان کی نظیر ہیں علاوہ ازیں معن بن عیسیٰ، یحیٰی بن یحیٰی، عبداللہ بن مسلمہ قعنبی، عبداللہ بن وہب وغیرہ جیسے لوگوں کا شمار نہیں، یہی بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی احمد بن حنبل اور یحیٰی ابن معین جیسے ائمہ اور محدثین کے استاد ہیں بکر بن عبداللہ صنعانی نے فرمایا کہ ہم مالک بن انس کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے ہمیں ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے احادیث سنائیں ہم اور سننا چاہتے رہے تو ایک روز فرمایا تم ربیعہ کا کیا کروگے وہ وہاں محراب میں سورہے ہیں ہم نے جا کر ربیعہ کو جگایا اور ان سے کہا آپ ہی ربیعہ ہو کہا ہاں ہم نے کہا وہی ربیعہ جن سے مالک بن انسؓ روایت کرتے ہیں کہا ہاں ہم نے کہا کیا بات ہے امام مالک تو آپ سے اس قدر مستفیض ہوئے اور آپ اپنے علم سے اس درجہ (اجتہاد) پر نہ پہنچے انہوں نے جواب دیا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ دولت یعنی لطف ربانی کا ایک مثقال علم کے ایک گٹھڑے سے بہتر ہے، عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ سفیان ثوری حدیث میں تو امام ہیں لیکن سنت میں امام نہیں اور اوزاعی سنت میں امام ہیں تو حدیث میں امام نہیں اور مالک بن انس دونوں میں امام ہیں، یہ امام مالکؒ علم اور دین کی تعظیم میں بہت بڑھے ہوئے تھے چنانچہ جب حدیث بیان کرنے کا ارادہ ہوتا تو وضو فرماتے اور مسند پر تشریف رکھتے داڑھی میں کنگھا کرتے خوشبو استعمال فرماتے اور نہایت باوقار اور پر ہیبت ہو کر بیٹھتے پھر حدیث بیان فرماتے اس کے متعلق ان سے عرض کیا گیا تو کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی عظمت قائم کروں۔ ایک بار ابو حزم حدیث بیان فرمارہے تھے امام مالک گذرے اور آگے بڑھ گئے، بیٹھے نہیں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ تھی حدیث رسول کو کھڑے ہو کر حاصل کرنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوا اس لئے نہیں ٹھہرا یحیٰی بن سعید نے فرمایا کہ کسی کی حدیث امام مالک کی حدیث سے زیادہ صحیح نہیں ہوتی۔ امام شافعی نے فرمایا کہ جب اہل حدیث کا تذکرہ ہو تو امام مالک نجوم کی طرح ہیں اور مجھے تو امام مالک سے زیادہ کوئی قابل اطمینان معلوم نہیں ہوتا اور یہ

بھی فرمایا کہ جب کوئی اہل باطل آپ کے پاس آتا تو آپ اس سے فرماتے کہ تم دیکھ لو میرے دین کی گواہی میرے پاس موجود ہے اور تم تو شکی ہو جاؤ اور کسی اپنے جیسے شکی کے پاس جا کر اس سے مناظرہ کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جب کوئی روایت امام مالک سے ملے تو دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ لو امام مالک" کا قول ہے کہ جب کسی انسان کے نفس میں خیر موجود نہ ہو تو لوگوں کو اس سے خیر حاصل نہ ہوگی، آپ کا ارشاد ہے کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں بلکہ وہ تو ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ دل میں رکھ دیتا ہے، ابو عبداللہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں لوگ ارد گرد ہیں امام مالک آپ کے بالکل سامنے کھڑے ہیں آپ کے سامنے مشک رکھی ہوئی ہے آنحضرت ﷺ اس میں سے مٹھیاں بھر بھر کر امام مالک کو دے رہے ہیں اور مالک لوگوں پر چھڑک رہے ہیں، مطرف نے کہا کہ میں نے اس کی تعبیر علم اور اتباع سُنت سمجھی، امام شافعی نے فرمایا کہ مجھ سے میری پھوپھی نے فرمایا اس وقت ہم مکہ میں تھے کہ میں نے آج رات عجیب چیز دیکھی، میں نے کہا کیا دیکھا؟ تو انہوں نے کہا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے آج رات زمین والوں میں سب سے بڑے عالم کی وفات ہوگئی، امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کا حساب رکھا معلوم ہوا کہ یہ وہی وقت تھا جس وقت امام مالک کی وفات ہوئی امام مالک سے روایت ہے کہ میں خلیفہ ہارون رشید کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اچھا ہوتا کہ آپ ہمارے یہاں آیا کرتے تاکہ ہمارے بچے آپ سے آپ کی کتاب موطا سن لیتے تو میں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کی عزت برقرار رکھے یہ علم آپ ہی کے یہاں سے نکلا ہے اگر آپ اس کی عزت رکھیں گے تو باعزت رہے گا اور اگر آپ ہی اسے ذلیل کر دیں گے تو ذلیل ہو جائے گا علم تو ایسی چیز ہے کہ اس کے پاس پہنچا جائے نہ کہ اس کو اپنے پاس بلایا جائے ہارون نے کہا آپ نے سچ فرمایا اور بچوں سے کہا جاؤ مسجد میں لوگوں کے ساتھ حدیث کی سماعت کرو، رشید سے روایت ہے کہ انہوں نے امام مالک سے دریافت کیا کہ آپ کا کوئی مکان ہے انہوں نے جواب دیا کہ نہیں رشید نے ان کو تین ہزار دینار دیئے اور کہا کہ اس سے مکان خرید لیں امام نے دینار لے لئے اور خرچ نہیں کئے، جب رشید نے روانگی کا ارادہ کیا تو امام مالک" سے کہا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں کیونکہ میں نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ لوگوں کو موطا پر اس طرح پابند کروں، جس طرح عثمان" نے ایک قرآن پر لوگوں کو پابند کر دیا تھا تو امام مالک نے جواب دیا کہ لوگوں کو مؤطا پر مجبور کرنا ایسا امر ہے کہ آپ کو اس پر قدرت نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب آپ ﷺ کی وفات کے بعد شہروں میں منتشر ہو گئے ہیں اور انہوں نے حدیثیں بیان کی ہیں اس لئے ہر شہر والوں کے پاس حدیث کا علم ہے اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے اور آپ کے ساتھ چلنا تو ایسا معاملہ ہے کہ مجھے اس کی قدرت نہیں، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ مدینہ اس کے لئے بہتر ہے کاش کہ انہیں اس کا علم ہوتا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ اس کے کھوٹ کو نکال دیتا ہے اور آپ کے دیئے ہوئے یہ دینار موجود ہیں اگر آپ کا جی چاہے واپس لے لیں یا پھر رہنے دیں مقصد یہ تھا کہ تم مجھے مدینہ چھوڑنے کے لئے اس لئے مجبور کرنا چاہتے ہو کہ تم نے میرے ساتھ احسان کیا ہے میں رسول اللہ ﷺ کے شہر کے مقابلہ میں ان دنانیر کو ترجیح نہیں دے سکتا، امام شافعی" نے فرمایا کہ میں نے امام مالک کے دروازے پر کچھ خراسان کے گھوڑوں کی جماعت اور مصر کے خچروں کے غول دیکھے میں نے اس سے بہتر کبھی نہ دیکھے تھے میں نے امام مالک سے عرض کیا یہ کیسے اچھے ہیں تو فرمایا اے عبداللہ یہ میری جانب سے آپ کے لئے ہدیہ ہے میں نے عرض کیا کہ آپ بھی اپنے لئے اس میں سے کوئی سواری رکھ لیجئے تو فرمایا مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ میں نے اس زمین کو جس میں حضور ﷺ موجود ہیں کسی جانور کے کھر سے روند ڈالوں۔ اس جیسے نامعلوم کتنے فضائل اس کوہ بلند اور بحر امواج کے لئے مذکور ہیں۔

(۱۰۰۹) **نعمان بن ثابت:** ۔ یہ امام ابو حنیفہ" ہیں آپ کا نام نعمان تھا ثابت بن زوطاء کے بیٹے کوفہ کے رہنے والے ہیں حمزہ زیات کے گھرانے سے ہیں، آپ بزاز تھے اور ریشمی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ آپ کے دادا زوطا کابل کے تھے اور بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کے غلام تھے بعد میں آزاد کر دیئے گئے اور ان کے والد ثابت مسلمان ہوئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ بھی آزاد تھے اور کبھی ان پر غلامی کا دور نہیں آیا ثابت اپنے بچپن میں حضرت علی بن ابی طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت علی" نے ان کے حق میں اور ان کی اولاد کے

حق میں برکت کی دعا فرمائی ۸۰ ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ ھ میں بمقام بغداد وفات پائی مقبرہ خیرزان میں دفن کئے گئے بغداد میں آپ کی قبر مشہور ہے آپ کے زمانہ میں چار صحابی بقید حیات تھے، بصرہ میں انس بن مالک کوفہ میں عبداللہ بن ابی اوفی مدینہ میں سہل بن سعد ساعدی مکہ میں ابو الطفیل عامر بن واصلہ، امام ابوحنیفہ کی ملاقات ان میں کسی سے نہیں ہوئی اور نہ ان سے کچھ حاصل کیا، فقہ تو حماد بن ابی سلیمان سے حاصل کیا اور حدیث کی سماعت عطاء بن ابی رباح ابو اسحق سبیعی محمد بن منکدر، نافع، ہشام بن عروہ، سماک بن حرب وغیرہ سے کی ان سے عبداللہ بن مبارک وکیع بن جراح یزید بن ہارون قاضی محمد یوسف، محمد بن حسن شیبانی وغیرہ نے روایت کی خلیفہ منصور نے ان کو کوفہ سے بغداد منتقل کر لیا تھا آپ نے وفات تک وہیں قیام کیا، مروان بن محمد اموی کے دور میں ابن ہبیرہ نے کوفہ کے محکمہ قضا کی ذمہ داری لینے پر مجبور کرنا چاہا مگر ابوحنیفہ نے سختی سے انکار کر دیا۔ اس نے آپ کے دس دن تک روزانہ دس کوڑے لگوائے لیکن جب دیکھا کہ یہ کسی طرح راضی نہیں تو ان کو چھوڑ دیا جب خلیفہ منصور نے ابوحنیفہ کو عراق بلوا لیا تو محکمہ قضا سپرد کرنا چاہا انہوں نے انکار کر دیا۔ خلیفہ نے قسم کھائی کہ تم کو ایسا کرنا ہوگا ابوحنیفہ نے بھی قسم کھائی کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا دونوں طرف سے بار بار قسم کھائی گئی۔ آخر میں خلیفہ نے آپ کو قید کر ڈالا۔ قید ہی میں آپ کی وفات ہوئی حکیم بن ہشام نے کہا شام میں مجھ سے ابوحنیفہؒ کے متعلق بیان کیا گیا کہ ابوحنیفہ امانت داری میں سب سے بڑے آدمی ہیں بادشاہ نے چاہا کہ آپ اس کے خزانوں کی کنجیوں کے ذمہ دار ہو جائیں ورنہ آپ کو کوڑوں کی سزا دی جائے گی انہوں نے دنیا والوں کے عذاب کو خدا کے عذاب کے مقابلہ میں برداشت کر لیا روایت ہے کہ ابن مبارک کے یہاں ابوحنیفہؒ کا ذکر ہوا تو وہ کہنے لگے تم اس شخص کا ذکر کرتے ہو جس کے سامنے پوری دنیا رکھ دی گئی ہے اور وہ اس دنیا کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ابوحنیفہ مردوں میں متوسط قامت تھے بعض کہتے ہیں کہ کشیدہ قامت تھے، گندمی رنگ غالب تھا، چہرہ خوبصورت گفتگو میں سب سے اچھے نہایت آواز، شائستہ مجلس، نہایت سخی اپنے دوستوں اور ساتھیوں کی بہت خبر گیری کرنے والے تھے، امام شافعیؒ نے فرمایا۔ کہ امام مالک سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ نے ابوحنیفہ کو دیکھا ہے، آپ نے فرمایا ہاں میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ اگر وہ تم سے اس ستون کے متعلق گفتگو کریں کہ یہ سونے کا ہے تو یقیناً ایک مضبوط دلیل سے ثابت کر دکھائیں گے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جس شخص کو فقہ میں تبحر حاصل کرنا ہو وہ ابوحنیفہ کی امداد کے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے گا، امام ابوحامد غزالی نے فرمایا کہ بیان کیا گیا کہ ابوحنیفہ نصف شب تہجد پڑھتے تھے ایک روز راستہ سے گذر رہے تھے ایک شخص نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوسرے سے کہا یہ وہ شخص ہے جو خدا کی عبادت میں رات بھر جاگتا ہے اس روز کے بعد یہ تمام رات جاگنے لگے اور فرمایا کہ مجھے اس بات میں شرم محسوس ہوتی ہے کہ لوگ میری عبادت کے متعلق وہ بات کریں جو مجھ میں نہیں ہے شریک نخعی نے کہا ابوحنیفہ نہایت خاموش اور ہمیشہ گہری فکر میں رہنے والے اور نہایت کم گو تھے یہ علم باطنی اور اہم دینی معاملات میں مشغولیت کی واضح ترین علامت ہے اس لئے کہ جس شخص کو دو نعمتیں خاموشی اور دنیا سے بے رغبتی حاصل ہو جائیں اس کو پورا علم حاصل ہو جاتا ہے۔

اس قدر کافی ہے اور اگر ہم ان کے مناقب و فضائل کی تشریح کرنے لگیں تو بات لمبی ہو جائے گی اور مقصد ہاتھ سے جاتا رہے گا خلاصہ یہ کہ آپ عالم متقی، زاہد، عابد اور علوم شریعت میں امام تھے اس کتاب میں ہم نے ان کا تذکرہ کیا ہے حالانکہ ان کے واسطہ سے کوئی روایت اس کتاب مشکوۃ میں نہیں ہے، اس کی غرض صرف آپ کی جلالت شان اور کثرت علوم کے باعث آپ کے نام و ذکر سے تبرک کا حصول ہے۔

(۱۰۱۰) محمد بن ادریس شافعی: — یہ امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید ہاشم بن عبدالمطلب بن عبد مناف ہیں قرشی و مطلبی ہیں، شافع نے بحالت جوانی آنحضرت ﷺ سے ملاقات کی ہے ان کے والد سائب جنگ بدر کے موقع پر مسلمان ہوئے ہیں یہ بنی ہاشم کے علم بردار تھے قید ہو گئے تو فدیہ دے کر رہائی حاصل کی اور اس کے بعد مشرف باسلام ہوئے، امام شافعی بمقام غزہ ۱۵۰ ھ میں تولد ہوئے دو سال کی عمر میں مکہ لائے گئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی پیدائش عسقلان میں

ہوئی اور بعض نے یمن مقام پیدائش کہا ہے یہ وہی سال ہے جس میں ابوحنیفہؒ کی پیدائش ہوئی کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسی روز پیدا ہوئے جس روز امام ابوحنیفہؒ کا انتقال ہو، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یوم پیدائش کی یہ خصوصیت صرف بعض روایات میں مذکور ہے ورنہ اہل تاریخ میں مشہور یہی ہے کہ اسی سال پیدا ہوئے محمد بن حکیم نے کہا کہ امام شافعیؒ جب مادر شکم میں ودیعت کئے گئے تو آپ کی والدہ ماجدہ نے خواب میں دیکھا کہ ستارہ مشتری ان کے شکم سے نکلا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا پھر اس کے اجزاء ہر ہر شہر میں جاگرے کسی معبر نے تعبیر دی اور کہا کہ تم سے ایک زبردست عالم کی پیدائش واقع ہوگی، امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی، مجھ سے آپ نے ارشاد فرمایا میاں لڑکے تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا آپ کے خاندان سے ہوں آپ نے فرمایا نزدیک آؤ میں قریب ہوگیا، آپ ﷺ نے اپنا لعاب دہن لیا میں نے اپنا منہ کھول دیا، آپ نے اپنا لعاب دہن میرے ہونٹ، زبان اور مونہہ پر پھیر دیا اور فرمایا جاؤ اللہ تمہاری ذات میں برکت عطا فرمائے انہوں نے ہی فرمایا کہ میں نے بچپن میں آنحضرت کو (خواب میں) مکہ میں ایک نہایت وجیہ انسان کی شکل میں لوگوں کو مسجد حرام میں نماز پڑھاتے ہوئے دیکھا جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو لوگوں کی طرف رخ کرکے بیٹھ گئے اور ان کو تعلیم دینے لگے قریب ہو کر میں نے کہا آپ مجھے بھی نماز پڑھایئے آپ نے اپنی آستین سے ایک ترازو نکالی اور مجھے مرحمت فرمائی اور فرمایا یہ تمہاری ہے امام شافعی فرماتے ہیں وہاں کوئی معبر تھا میں نے اپنا خواب ان کو سنایا تو انہوں نے کہا کہ تم علم کے امام ہوگے اور تم سُنّت پر قائم رہوگے کیونکہ مسجد حرام کا امام تمام ائمہ سے افضل ہوتا ہے اور میزان کی تعبیر یہ ہے کہ تم اشیاء کی حقیقت واقعی تک رسائی پاؤ گے لوگ بیان کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ ابتداء میں نادار تھے اور جب ان کو مدرس کے سپرد کیا گیا تو ان کے رشتہ داروں کے پاس معلّم کی تنخواہ دینے کے لئے کچھ نہ تھا معلّم ان کی تعلیم میں بے توجہی کرتا تھا لیکن معلّم جب کسی بچے کو تعلیم دیتا امام شافعی اس کو اس کی زبان سے نکلتے ہی محفوظ کر لیتے، جب مدرس اپنی جگہ سے اٹھ جاتا تو امام شافعیؒ بچوں کو وہی چیزیں یاد کراتے رہتے، معلّم نے غور کیا تو اس کو محسوس ہوا کہ امام شافعی ان کے بچوں کی تعلیم کے بارے میں مدرسہ کو اس سے زیادہ فائدہ پہنچا دیتے میں جیسا کہ تنخواہ کی صورت میں وہ امام شافعی سے خواہاں ہیں۔ اب تو معلّم نے تنخواہ کا مطالبہ چھوڑ دیا، یہ سلسلہ تعلیم اسی طرح جاری رہا اور نو سال کی عمر میں انہوں نے علم قرآن حاصل کیا۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں ختم قرآن کے بعد مسجد میں داخل ہوگیا اور علماء کی مجلس میں بیٹھنے لگا حدیثیں اور مسائل یاد کرتا، ہمارا مکان شعب خیف مکہ میں تھا میں اس قدر غریب تھا کہ کاغذ نہیں خرید سکتا تھا تو میں ہڈی اٹھا لیتا اور اس پر لکھ لیتا شروع میں انہوں فقہ کی تعلیم مسلم بن خالد سے حاصل کی اسی دوران میں انہیں معلوم ہوا کہ مالک بن انس اس وقت مسلمانوں کے امام اور آقا ہیں امام شافعی فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ مجھے ان کے پاس جانا چاہئے چنانچہ میں نے ایک شخص سے موطا عاریۃً لی اس کو زبانی یاد کر لیا پھر میں مکہ کے والی کے پاس پہنچا اور اس سے ایک والی مدینہ کے نام خط اور دوسرا امام مالک کے نام حاصل کیا اور مدینہ آگیا اور وہ خط دے دیا حاکم مدینہ نے کہا صاحبزادے، اگر تم مجھے وسط مدینہ سے وسط مکہ تک پیادہ پا چلنے کے لئے مجبور کرو تو یہ میرے لئے بہ نسبت اس کے بہت ہلکی بات ہوگی کہ میں امام مالک کے دروازے تک جاؤں، میں نے کہا کہ اگر امیر کی رائے ہو تو ان کو ہی بلالیں تو امیر نے کہا یہ تو بہت مشکل ہے کاش کہ تم ان کے دروازے پر پہنچو اور ان کے پاس ٹھہرو اس وقت ممکن ہے کہ ہمارے لئے بھی ان کا دروازہ کھل جائے، پھر وہ اپنی سواری پر سوار ہوگئے اور ہم بھی ان کے ساتھ گئے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا ایک سیاہ فام لونڈی نکلی امیر نے اس سے کہا اپنے آقا سے عرض کرو کہ میں دروازے پر ہوں وہ اندر چلی گئی اور بہت دیر بعد آئی اور اس نے کہا کہ آقا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسئلہ ہے تو لکھ کر دے دیجئے آپ کو جواب مل جائے گا اور اگر کوئی اہم معاملہ ہے تو تمہیں معلوم ہے کہ پنجشنبہ اس قسم کی ضرورت کے لئے متعین ہے، اس لئے تشریف لے جایئے انہوں نے کہا کہ میرے پاس ایک معاملہ میں والی مکہ کا خط ہے وہ اندر گئی اور ہاتھ میں کرسی لئے ہوئے نکلی اور اس کو رکھ دیا میں نے دیکھا کہ امام مالک ایک کشیدہ قامت بزرگ تشریف لا رہے ہیں، آپ نہایت پر ہیبت تھے اور طیلسان

پہنے ہوئے تھے والی نے وہ خط امام کی خدمت میں پیش کر دیا جب امام مالک اس جملہ پر پہنچے کہ محمد بن ادریس ایک شریف شخص ہیں اور ان کا حال ایسا ہے تو انہوں نے خط کو گرا دیا اور فرمایا سبحان اللہ رسول اللہ ﷺ کا علم اس درجہ میں آگیا کہ لوگ سفارشی خطوط سے اس کو حاصل کرنے لگے، امام شافعی کہتے ہیں کہ میں ان کی طرف بڑھا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نیکی عطا فرمائیں میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں میری حالت اور قصہ ایسا ایسا ہے جب انہوں نے میری بات سن لی تو کچھ عرصہ میری طرف دیکھتے رہے امام مالک صاحب فراست بزرگ تھے پھر مجھ سے فرمایا تمہارا نام کیا ہے میں نے عرض کیا محمد، مجھ سے فرمایا محمد، خدا سے ڈرو گناہوں سے پرہیز کرو اس لئے کہ عنقریب تمہاری ایک شان کا ظہور ہوگا میں نے عرض کیا کہ بہت بہتر بسر و چشم پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلب پر ایک نقد ودیعت فرمایا ہے اس کو معصیت سے گل نہ کر دینا پھر ارشاد فرمایا کہ تم جب آؤ تو اپنے ساتھ کسی ایسے شخص کو لانا جو موطا کی قرأت کرے میں نے عرض کیا میں اس قرأت کو زبانی پڑھوں گا پھر ان کی خدمت میں دوسرے دن حاضر ہوا اور میں نے قرأ شروع کی جب ان کے ملول کے خیال سے ختم کرنے کا ارادہ کرتا تو ان کو میری قرأت پسند آتی اور وہ مجھ سے فرماتے کہ میاں صاحبزادے اور پڑھو یہاں تک کہ چند ہی روز میں میں نے موطا کی قرأت مکمل کر لی اس کے بعد امام مالکؒ کی وفات تک مدینہ میں مقیم رہا امام شافعی جب کوئی رائے امام مالک سے نقل کرتے تو فرماتے کہ یہ ہمارے استاذ امام مالک کی رائے ہے عبداللہ بن امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ یہ شافعی کون شخص ہیں کیونکہ میں اکثر آپ کو ان کے حق میں دعا کرتا ہوا پاتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا کہ پیارے بیٹے! امام شافعی دن کے آفتاب کے مانند تھے اور لوگوں کے حق میں وہ امن و عافیت کی طرح تھے اب غور کرو ان دونوں کا قائم مقام یا کوئی بدل ہو سکتا ہے انھی عبداللہ کے بھائی صالح بن احمد نے کہا کہ امام شافعیؒ ایک روز میرے والد کی عیادت کے لئے تشریف لائے والد اس وقت بیمار تھے صالح کہتے ہیں کہ والد صاحب اٹھے آنکھیں چوم کر امام شافعی کو اپنی جگہ بٹھلایا اور خود سامنے بیٹھ گئے پھر کچھ دیر تک سوال کرتے رہے جب امام شافعی اٹھ کر سوار ہو گئے تو میرے والد نے ان کی رکاب تھام لی اور ان کے ہمراہ پیدا چلتے رہے یحییٰ بن معین کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا کہ سبحان اللہ تم بیماری کی حالت میں ان کے ہمراہ کیوں گئے تو والد صاحب نے کہا کہ ابوزکریا! اگر تم دوسری جانب سے ان کی رکاب تھام لیتے تو تمہیں بھی کچھ فوائد حاصل ہوتے جس شخص کو فقہ کی خواہش ہوا سے اس خچر کی دم کو ضرور سونگھنا ہوگا امام احمد بن حنبل نے کہا کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس کی نسبت اسلام کے ساتھ اس قدر زبردست ہو جس قدر کہ امام شافعیؒ کے زمانہ میں امام شافعیؒ کی تھی میں اپنی تمام نمازوں کے بعد ان کے حق میں دعا خیر کرتا ہوں کہ اے اللہ میرے اور میرے والدین اور امام محمد بن ادریس شافعیؒ کی مغفرت فرما حسین بن محمد زعفرانی نے کہا کہ میں نے جو کتاب بھی امام شافعیؒ کے سامنے پڑھی اس میں امام احمد بن حنبل ضرور موجود ہوتے، امام شافعی کا قول ہے کہ جس نے عزت نفس زیادہ کشائش کے ساتھ علم حاصل کیا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوا لیکن جس نے تنگ دستی اور ذلت نفس اور علماء کی خدمت سے حاصل کیا وہ کامیاب رہا۔ انہی کا قول ہے کہ میں نے جب کبھی کسی سے مناظرہ کیا تو اس وقت یہی خواہش ہوئی کہ خدا اس کو توفیق مرحمت فرمائے اور وہ ٹھیک ہو جائے اور اس کی مدد ہو اور اس کی طرف اللہ کی رعایت اور حفاظت ہو اور میں نے کسی سے کبھی مناظرہ نہیں کیا مگر یہ کہ اس امر کی دلی خواہش نہ کی ہو کہ اللہ تعالیٰ حق کو خواہ میری زبان سے واضح کر دے خواہ اس کی زبان سے، یونس بن عبدالاعلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کسی شخص کا شرک کے علاوہ وہ بڑے بڑے گناہ میں مبتلا ہو جانا میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ وہ علم کلام کے مسائل میں غور کرے اور مجھے تو خدا کی قسم اہل کلام کی ایسی باتوں کی اطلاع ہو گئی ہے جن کا میں گمان بھی نہیں کر سکتا اور فرمایا کہ جس شخص نے کلام کو اپنا لباس بنا لیا وہ ہرگز کامیاب نہیں ہوا۔ ابو محمدؒ جو امام شافعیؒ کی بہن کے لڑکے ہیں اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ بسا اوقات ہم ایک رات میں تیس بار یا اس سے کم زیادہ آتے تو چراغ امام شافعیؒ کے سامنے ہوتا شافعی لیٹے ہوئے کچھ سوچتے رہتے پھر لونڈی کو آواز دیتے کہ چراغ لاؤ وہ چراغ لے کر آتی اور جو کچھ لکھنا ہوتا وہ لکھتے پھر فرماتے لے جاؤ! ابو محمد سے دریافت کیا گیا کہ چراغ واپس کرنے سے کیا مقصد تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ تاریکی میں قلب زیادہ

روشن ہوجاتا ہے، امام شافعیؒ نے فرمایا گفتگو میں قوت پیدا کرنے کے لئے خاموشی کو مددگار بناؤ اور استنباط کی قوت حاصل کرنے کے لئے فکر کو کام میں لاؤ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے بھائی کو چپکے سے نصیحت کی اس نے اس کے ساتھ اخلاص کا معاملہ کیا اور اس کو آراستہ کردیا لیکن جو شخص کھلم کھلا نصیحت کرتا ہے اس نے اس کو بدنام کیا اور اس کے ساتھ خیانت کی۔ حمیدی نے کہا امام شافعی صنعاء سے دس ہزار کی رقم ایک رومال میں لے کر مکہ تشریف لائے آپ نے اپنا خیمہ مکہ سے باہر قائم کردیا اور لوگ آپ کے پاس آتے تھے میں وہیں موجود تھا تھوڑی دیر میں ہی تمام رقم خرچ ہوگئی اب امام شافعی مکہ میں داخل ہوئے مزنی نے کہا میں نے امام شافعیؒ سے زیادہ سخی کسی کو نہیں پایا ایک دفعہ میں شب عید میں ان کے ساتھ چلا میں ان سے کسی مسئلہ میں گفتگو کرتے کرتے ان کے مکان کے دروازہ تک چلا آیا اس وقت ایک غلام ان کے پاس ایک تھیلی لایا اور امام سے عرض کیا کہ آقا نے آپ کو سلام عرض کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ تھیلی آپ قبول فرمالیں، امامؒ نے وہ تھیلی ان سے لے لی اسی وقت ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا کہ اے ابوعبداللہ میرے یہاں ابھی ولادت ہوئی ہے اور پاس کچھ بھی نہیں ہے امام نے وہ تھیلی ان کو دے دی اور خالی ہاتھ مکان میں داخل ہوئے آپ کے فضائل بے شمار ہیں آپ دنیا بھر کے امام اور مشرق و مغرب کے تمام لوگوں میں سب سے بڑے عالم دین تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں علوم و فضائل کی وہ مقدار ایک جا کردی تھی جو آپ سے پہلے نہ کسی امام کو حاصل ہوئی اور نہ آپ کے بعد اور آپ کی شہرت اور ذکر خیر اس قدر پھیلے کہ کسی اور کو یہ بات نصیب نہ ہوئی، آپ نے مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، مسلم بن خالد اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں سے روایت کی سماعت فرمائی، آپ سے امام احمد بن حنبل ابوثور، ابراہیم بن خالد، ابوابراہیم مزنی ربیع بن سلیم مرادی اور دوسرے بہت سے لوگوں نے روایت کی ۱۹۵ھ میں بغداد تشریف لائے اور وہاں دو سال مقیم رہے پھر مکہ چلے گئے اور چند ماہ قیام کیا پھر مصر گئے اور وہاں بوقت عشاء شب جمعہ میں انتقال فرمایا جمعہ کو عصر کے بعد دفن کئے گئے۔ رجب کی آخری تاریخ ۲۰۴ھ میں بعمر ۵۴ سال انتقال فرمایا، ربیع کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کی وفات سے چند روز پہلے خواب میں دیکھا کہ آدم علیہ السلام کی وفات ہوگئی اور لوگ آپ کا جنازہ اٹھانے والے ہیں، صبح کو میں نے بعض علماء سے اس کی تعبیر دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ یہ دنیا میں سب سے بڑے عالم کی موت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو علم اسماء مرحمت فرمایا تھا کچھ دن نہ گذرے تھے کہ امام شافعیؒ کا انتقال ہوگیا مزنی کہتے ہیں کہ امام شافعی کے پاس آپ کی اس بیماری کے زمانہ میں حاضر ہوا جس میں آپ کی وفات ہوئی، میں نے دریافت کیا آج صبح کیسی رہی؟ تو فرمایا کہ میں دنیا سے کوچ کرنے والا ہوں دوستوں سے جدا ہونے والا ہوں موت کا جام پینے والا اور اپنی بداعمالی سے ملنے والا اور اپنے خدا کے پاس پہنچنے والا ہوں، اب مجھے معلوم نہیں کہ میری روح جنت کی جانب منتقل ہوتی ہے کہ میں اس کو مبارک باد دوں۔ یا دوزخ کی جانب کہ میں اس کی تعزیت کروں، پھر ان پر گریہ طاری ہوگیا اور انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔

شعر

۱ جب میرا دل قساوت میں مبتلا ہوگیا اور میرے راستے تنگ ہوگئے تو میں نے تیری امید کو عفو کی طرف پہنچانے والا زینہ بنالیا۔

۲ میرے گناہ مجھے بڑے معلوم ہوئے، لیکن جب میں نے ان کو تیرے عفو کے مقابل دیکھا تو تیرا عفو ہی بڑا ثابت ہوا۔

۳ آپ برابر گناہوں کو معاف کرتے رہے اور اپنے عفو و مغفرت کی سخاوت سے میرے اوپر احسان فرماتے رہے اور میری عزت بڑھاتے رہے

۴ اگر آپ کی مدد نہ ہوتی تو کوئی عابد شیطان سے کبھی محفوظ نہ رہتا اور یہ ممکن ہی نہ تھا کیونکہ اس نے آپ کے صفی آدم کو بھی راستہ سے ہٹادیا۔

احمد بن حنبل نے فرمایا کہ میں نے امام شافعیؒ کو خواب میں دیکھا میں نے عرض کیا بھائی صاحب آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ

کیا؟ فرمایا کہ میری مغفرت فرمادی اور ایک تاج میرے سر پر رکھا (میری تاج پوشی کی) اور مجھے بیوی عنایت فرمائی اور مجھ سے فرمایا کہ یہ اس بات کا بدلہ ہے کہ تم ان چیزوں پر نہیں اترائے جن سے ہم نے تمہیں سرفراز کیا اور تم نے ہماری دی ہوئی نعمتوں پر تکبر نہیں کیا، تمام علمائے فقہ واصول وحدیث ولغت ونحو اس پر متفق ہیں کہ امام شافعی ثقہ، امین، عادل زاہد، متورع، سخی، خوب سیرت اور عالی مرتبت ہیں اب ان کے اوصاف جس قدر طول کے ساتھ ذکر کئے جائیں گے وہ کوتاہی پر محمول ہوں گے اور جس قدر گفتگو دراز ہوگی مختصر تصور کی جائے گی اور بیان کرنے والا کوتاہی کا مرتکب ہوگا۔

(۱۰۱۱) **احمد بن حنبل:** — یہ امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل مروزی ہیں اور بنو شیبان میں سے ہیں ۱۶۴ھ میں بمقام بغداد تولد ہوئے اور ۲۲۳ھ میں بعمر ۷۷ سال بغداد ہی میں انتقال فرمایا۔ یہ فقہ حدیث زہد وعبادت میں مقتدی ہیں، یہ صحیح وسقیم، مجروح ومعدل کا معیار ہیں بغداد میں ان کا اٹھان ہوا اور وہیں علم حاصل کیا اور مشائخ حدیث سے حدیث کی سماعت کی پھر کوفہ، بصرہ، مکہ مدینہ، یمن وشام اور جزیرہ کا سفر کیا اور اس زمانہ کے علماء سے حدیث کو جمع کیا۔ آپ نے یزید بن ہارون، یحییٰ بن سعید قطان، سفیان بن عیینہ، محمد بن ادریس شافعی اور عبدالرزاق بن ہمام اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات سے حدیث کی سماعت کی ان کے دونوں صاحبزادے صالح اور عبداللہ اور آپ کے چچازاد بھائی حنبل بن اسحٰق اور محمد بن اسمٰعیل بخاری ومسلم بن حجاج نیشاپوری، ابوزرعہ، ابوداؤد سجستانی اور ان کے سوا بہت سے لوگوں نے ان سے روایت کی یہ ضرور ہے کہ کتاب الصدقات کے آخر میں ایک بلاذکر سند حدیث کے سوا امام بخاریؒ نے ان سے کوئی روایت اپنی کتاب صحیح بخاری میں نقل نہیں کی اور احمد بن حسین ترمذی نے بھی ان سے ایک اور حدیث روایت کی آپ کے فضائل بہت زیادہ اور آپ کے مناقب بہت وافر ہیں، نیز اسلام میں ان کے اثرات مشہور ہیں، دین میں ان کے مقامات عالیہ کا تذکرہ ہے، ان کے ذکر کا آفاق میں شہرہ ہے ان کی تعریف تمام ممالک میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ ان مجتہدین میں سے ہیں جن کے قول رائے اور مذہب پر بہت سے ملکوں میں عمل ہوتا ہے، اسحٰق بن راہویہ کا قول ہے کہ امام احمد بن حنبل خدا اور اس کے بندوں کے درمیان زمین پر خدا کی حجت ہیں امام شافعی نے فرمایا کہ میں بغداد سے روانہ ہوا تو میں نے اپنے پیچھے کسی شخص کو امام احمد بن حنبل سے بڑھ کر متقی متورع اور عالم وفقیہ نہیں چھوڑا احمد بن سعید دارمی نے کہا کہ میں نے کسی کالے سر والے (نوجوان) کو امام احمد ابن حنبل سے زیاد حدیث رسول کا حافظ اور اس کے معانی وفقہ کا واقف کار نہیں دیکھا، ابوزرعہ کہتے ہیں کہ احمد بن حنبل کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں کسی نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے کس طرح معلوم کیا؟ تو فرمایا کہ میں نے ان سے حدیث کا تذکرہ کیا اور بہت سے ابواب حدیث ان سے حاصل کئے ابراہیم حربی نے کہا کہ میں نے احمد بن حنبل کو دیکھا خدا نے ان کی ذات میں ہر قسم کا اولین وآخرین کا علم جمع کر دیا تھا اور ان کو اس قدر قابو تھا کہ جس حصہ کو بیان کرنا چاہتے اسی کو بیان کرتے اور جس کو روکنا چاہتے روک لیتے، ابوداؤد سجستانی کہتے ہیں کہ ان کی مجلس مجلس آخرت ہوتی تھی اس میں دنیا کی کسی چیز کا ذکر نہیں ہوتا تھا، محمد بن مسلمہ نے کہا کہ حسن بن عبدالعزیز کی میراث ان کے پاس مصر سے لائی گئی یہ ایک لاکھ اشرفی تھی۔ انہوں نے امام احمد بن حنبل کے لئے تین تھیلیاں جن میں ایک ایک ہزار دینار تھے بھیجی اور کہلا بھیجا کہ حضرت یہ میراث حلال میں سے پیش کرتا ہوں آپ اسے قبول فرمالیں اور اپنے اہل وعیال پر صرف فرمالیں آپ نے فرمایا مجھے ان کی ضرورت نہیں میرے پاس بقدر ضرورت موجود ہے چنانچہ اس کو واپس کر دیا اور اس میں سے کچھ بھی قبول نہیں کیا، ان کے بیٹے عبدالرحمن کہتے ہیں کہ نمازوں کے بعد میں اپنے والد کو اکثر یہ کہتے ہوئے سنتا تھا۔ اے اللہ جس طرح تو نے میرے چہرہ کو دوسروں کے سامنے سجدہ ریزی سے بچایا ہے اسی طرح میرے چہرہ کو دوسروں سے سوال کرنے سے محفوظ رکھ میمون ابن اصبع نے کہا کہ میں بغداد میں تھا میں نے ایک آواز سنی، میں نے پوچھا یہ کیسی آواز ہے؟ تو لوگوں نے بیان کیا کہ احمد بن حنبل کا امتحان کیا جارہا ہے میں وہاں گیا جب ان کو ایک کوڑا مارا گیا تو آپ نے فرمایا بسم اللہ جب دوسرا کوڑا مارا گیا تو آپ نے کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ جب تیسرا کوڑا لگایا گیا تو فرمایا قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں جب چوتھا مارا گیا تو آیت لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا پڑھی (ترجمہ ہم پر ہرگز کوئی مصیبت نہ آئے گی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے

لئے مقرر کردی ہے) اسی طرح انتیس کوڑے لگائے گئے اس وقت امام احمد کا ازار بند ایک کپڑے کی کنی تھا وہ کوڑے کی ضرب سے کٹ گیا تو ان کا پجامہ زیر ناف ہو گیا تو امام احمد نے آسمان کی طرف دیکھا اور اپنے ہونٹوں کو کچھ حرکت دی نہ معلوم کیا بات ہوئی ان کا پجامہ اوپر کو ہو گیا اور نیچے نہیں گرا ایک ہفتہ بعد میں ان کے پاس حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو دیکھا آپ اپنے ہونٹوں کو کچھ حرکت دے رہے تھے آپ نے کیا چیز پڑھی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے کہا تھا کہ اے اللہ میں آپ سے آپ کے اس نام کے وسیلہ سے درخواست کرتا ہوں جس سے آپ نے عرش کو پر کر دیا ہے کہ اگر آپ کو علم ہے کہ میں صحیح راستہ پر ہوں تو آپ میرا پردہ فاش نہ کریں احمد بن محمد کندی نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو خواب میں دیکھا میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا کہ میری مغفرت فرمادی اور یہ فرمایا کہ اے احمد تم کو ہمارے معاملہ میں مارا گیا ہے میں نے کہا ہاں پروردگار۔ فرمایا دیکھو یہ ہمارا چہرہ ہے اس کا دیدار کرو ہم نے تمہیں دیدار کی اجازت دے دی ہے۔

(۱۰۱۲) محمد بن اسماعیل: ۔ یہ ابو عبداللہ محمد ہیں اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ کے بیٹے جعفی و بخاری ہیں ان کو جعفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے دادا کے والد مغیرہ پہلے آتش پرست تھے یمان بخاری کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے اور چونکہ وہ جعفی اور بخارا کے حاکم تھے اس لئے ان کو جعفی و بخاری کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ان کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے، جعفی یمن کے ایک قبیلہ کے جد اعلیٰ ہیں جعفی سعد کے بیٹے ہیں جعفی کی طرف نسبت کی جائے تو یہی لفظ نسبت کے لئے بھی بولا جائے گا امام بخاری کی پیدائش بروز جمعہ ۱۳ شوال ۱۹۴ھ میں ہوئی اور شوال کی پہلی شب میں ۲۵۶ھ میں انتقال فرمایا آپ کی عمر ۱۳ دن کم ۶۲ سال ہوئی اولاد ذکور میں ان کے بعد کوئی نہ تھا امام بخاری نے علم حدیث کی طلب میں دور و دراز کا سفر کیا اور تمام ممالک کے محدثین سے ملاقات کی اور خراسان، جبال و عراق، حجاز، شام اور مصر میں حدیثیں جمع کیں اور حدیث بڑے بڑے حفاظ حدیث سے حاصل کی ان میں مکی بن ابراہیم بلخی، عبداللہ بن موسیٰ، عیسیٰ، ابو عاصم شیبانی، علی بن مدینی احمد بن حنبل یحییٰ بن معین، عبداللہ بن زبیر حمیدی اور ان کے علاوہ دوسرے ائمہ شامل ہیں ہر شہر میں جہاں امام بخاریؒ نے حدیث بیان کی ان سے بہت سے لوگوں نے حدیث حاصل کی، فربری کہتے ہیں کہ امام بخاری کی کتاب بخاری کو خود مصنف سے نوے ہزار آدمیوں نے سنا، اب امام بخاری سے نقل کرنے والا میرے سوا کوئی باقی نہیں جب امام بخاریؒ مشائخ حدیث کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت ان کی عمر صرف گیارہ سال تھی اور علم کی طلب دس سال کی عمر میں کی بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب بخاری چھ لاکھ سے زیادہ احادیث سے انتخاب کر کے مرتب کی، اس میں جو حدیث درج کی اس سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی، اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں، ان کی کتاب صحیح بخاری میں بشمول احادیث مکررہ سات ہزار دو سو پچھتر حدیثیں ہیں، کہا جاتا ہے کہ مکرر حدیثوں کو حذف کرنے کے بعد اس میں چار ہزار حدیثیں ہیں امام بخاری نے اپنی اس کتاب کو سولہ سال میں مرتب فرمایا جس وقت امام بخاری بغداد پہنچے اور وہاں کے محدثین کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے سو حدیثیں اس طرح انتخاب کیں کہ ان کے متون و اسانید کو الٹ پلٹ کر دیا اور ایک متن حدیث کے ساتھ دوسرے متن کی سند لگا دی اور اس کی سند دوسری حدیث کے ساتھ شامل کر دی۔ دس آدمیوں کو ایسی دس دس حدیثیں دیں اور ان کو کہا گیا کہ جب وہ امام بخاری کی مجلس میں حاضر ہوں تو ان احادیث کو امام بخاری کے سامنے پڑھیں (تاکہ ان کے حفظ حدیث و حفظ اسناد کا امتحان ہو سکے) چنانچہ امام کی مجلس میں محدثین کی ایک جماعت حاضر ہوئی جب باطمینان بیٹھ گئے تو ان دس آدمیوں میں سے ایک شخص امام کے سامنے حاضر ہوا اور ان حدیثوں میں سے ایک حدیث کے بارے میں امام سے دریافت کیا، امام بخاری نے جواب دیا کہ میں اس کو نہیں جانتا یہاں تک کہ وہ دس حدیثیں پڑھ چکا اور امام بخاری برابر یہی کہتے رہے کہ میں اس کو نہیں جانتا، اہل علم تو ان کے انکار ہی سے سمجھ گئے کہ امام بخاری ماہر حدیث ہیں لیکن غیر علماء کو ابھی تک امام کی واقفیت کا علم نہیں ہو سکا پھر دوسرا آدمی حاضر ہوا اور اسی طرح واقعہ پیش آیا جیسے پہلے کے ساتھ پیش آیا تھا یہاں تک کہ دس آدمیوں نے ایسا ہی کیا اور امام بخاریؒ صرف اس قدر فرماتے کہ میں اس کو نہیں جانتا، جب سب آدمی اپنی اپنی حدیثیں پیش کر کے فارغ

ہوگئے تو امام بخاری پہلے شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے فرمایا کہ تمہاری پہلی حدیث اس طرح ہے اور دوسری اس طرح اور تیسری اس طرح اور پوری دس حدیثیں اس ترتیب سے پڑھ ڈالیں اور اس کے بعد ہر متن کے ساتھ اس کی اصلی سند کو ملا کر پڑھا اور پھر باقی نو آدمیوں کی حدیثوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا اس وقت تمام آدمیوں کو ان کے حفظ کا اعتراف کرنا پڑا اور سب نے ان کے فضل کے سامنے گردن جھکا دی۔ ابو مصعب احمد بن ابی بکر مدنی نے فرمایا کہ امام بخاری ہمارے خیال میں امام احمد بن حنبل سے زیادہ فقیہہ اور ان سے زیادہ صاحب بصیرت ہیں ان کے شرکائے مجلس میں سے کسی نے کہا کہ آپ حد سے زیادہ آگے بڑھ گئے تو ابو مصعب نے کہا کہ اگر تم امام مالک سے ملے ہوتے اور ان کے اور امام بخاری کے چہروں کو دیکھتے تو خود پکار اٹھتے کہ دونوں فقہ اور حدیث میں یکساں ہیں امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ خراسان نے محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ جیسی شخصیت پیدا نہیں کی انہی کا قول یہ ہے کہ خراسان کے چار آدمیوں پر حفظ ختم ہے ان میں انہوں نے بخاری کو بھی شمار کیا ہے، رجاء بن مرجی نے کہا کہ امام بخاری علماء کے مقابلہ میں وہی فضیلت رکھتے ہیں جو مردوں کو عورتوں کے مقابلہ میں ہے ان سے ایک شخص نے کہا اے ابو محمد! سب کچھ یہی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ خدا کی نشانیوں میں سے سطح زمین پر چلتی پھرتی نشانی ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے فضائے آسمانی کے نیچے کسی شخص کو محمد بن اسمٰعیل بخاری سے زیادہ حدیث کا عالم نہیں دیکھا۔ ابوسعید بن مشیر کا قول ہے کہ امیر خالد ابن احمد ذہلی حاکم بخارا نے امام بخاری کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے پاس کتاب جامع اور تاریخ لے آیئے تاکہ میں ان کو آپ سے سن لوں امام بخاریؒ نے فرمایا کہ میں علم کو ذلیل نہیں کرتا اور نہ اس کو لوگوں کے دروازوں پر لئے پھرتا ہوں اگر آپ کو کوئی ضرورت ہے تو میری مسجد یا مکان میں تشریف لایئے اور اگر آپ کو یہ سب ناپسند ہو تو آپ بادشاہ ہیں مجھے اجتماع سے منع کر دیجئے تاکہ خدا کے سامنے قیامت میں میرا عذر واضح ہو جائے، اس لئے کہ میں تو علم کو نہ چھپاؤں گا کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص سے علمی بات دریافت کی جائے اور وہ اس کو نہ بتائے تو اس کو آگ کی لگام دی جائے گی، دوسرے لوگ بیان کرتے ہیں کہ بخاری کے بخارا سے چلے جانے کا سبب یہ ہوا کہ خالد نے ان سے درخواست کی تھی کہ امام ان کے مکان پر حاضر ہوں اور تاریخ ان کے بچوں کو پڑھائیں تو وہ اس کے پاس جانے سے باز رہے انہوں نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ اتنا کریں کہ بچوں کے لئے ایک خاص نشست مقرر کر دیں جس میں ان کے علاوہ دوسرے حاضر نہ ہوں انہوں نے یہ بھی نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی نشست کو ایک جماعت کے ساتھ اس طرح خاص کر دوں کہ دوسرے لوگوں کہ یہ خصوصیت نہ ہو اس پر خالد نے ان کے خلاف علمائے بخارا سے استمداد کی تو ان علماء نے ان کے مذہب پر اعتراض کئے اور خالد نے ان کو بخارا سے جلاوطن کر دیا، امام بخاریؒ نے ان سب کے خلاف دعا کی اور وہ بد دعا مقبول ہوئی اور تھوڑی ہی مدت میں وہ سب مصائب میں گرفتار ہوئے۔

محمد بن احمد مروزی نے کہا کہ میں رکن و مقام کے درمیان سو رہا تھا میں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوزید! تم کب تک امام شافعی کی کتاب پڑھاتے رہو گے اور ہماری کتاب نہ پڑھاؤ گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی کتاب کونسی ہے؟ فرمایا محمد بن اسمٰعیل بخاری کی جامع نجم بن فضل نے کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا اور محمد بن اسمٰعیل آپ کے پیچھے ہیں جب آپ ایک قدم اٹھاتے ہیں تو امام بخاریؒ بھی ایک قدم بڑھاتے ہیں اور ٹھیک آنحضرت ﷺ کے نشان قدم پر اپنا پاؤں رکھتے ہیں اور آپ کے نقش قدم کا اتباع کرتے ہیں عبدالواحد بن آدم طواویسی نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپ کے ساتھ ایک جماعت ہے، آپ ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں (عبدالواحد نے اس مقام کا ذکر کیا تھا) میں نے سلام عرض کیا، آپ نے جواب دیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ یہاں کیسے قیام فرما ہیں فرمایا محمد بن اسمٰعیل بخاری کا انتظار ہے۔ چند روز گذرنے کے بعد ہم نے امام بخاری کی وفات کی خبر سن لی، معلوم ہوا کہ آپ نے ٹھیک اسی وقت وفات پائی جس وقت میں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا تھا۔

(۱۰۱۴۳) **مسلم بن حجاج**: — یہ ابوالحسین امام مسلم ہیں حجاج بن مسلم کے بیٹے قشیری و نیشاپوری ہیں حدیث کے حفاظ اور آئمہ میں سے

ایک ہیں ۲۰۴ھ میں تولد ہوئے اور یکشنبہ کی شام کے وقت ماہ رجب میں ختم ماہ سے چھ روز قبل ۲۶۱ھ میں وفات پائی عراق، حجاز، شام اور مصر کا سفر کیا اور یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری قتیبہ بن سعید، اسحاق بن راہویہ، احمد بن حنبل، عبداللہ بن مسلمہ قعنبی اور ان کے علاوہ ائمہ و علمائے حدیث سے حدیث حاصل کی، بغداد کئی بار آئے اور وہاں حدیث بیان کی ان سے بہت لوگ جن میں ابراہیم بن محمد بن سفیان، امام ترمذی اور ابن خزیمہ شامل ہیں روایت کرتے ہیں آخری بار ۲۵۷ھ میں بغداد آئے۔ امام مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے مسند صحیح کو تین لاکھ اپنی سنی ہوئی احادیث سے انتخاب کر کے لکھا ہے۔ محمد بن اسحٰق بن مندہ نے کہا کہ میں نے ابوعلی نیشاپوری سے سنا وہ کہتے تھے کہ علم حدیث میں اس سقف آسمانی کے نیچے کوئی کتاب کتاب مسلم سے زیادہ صحیح نہیں ہے۔ خطیب ابوبکر بغدادی نے فرمایا امام مسلم نے تو صرف بخاری کی پیروی کی اور انہی کے علوم پر نظر رکھی اور ٹھیک انہیں کے نقش قدم پر چلے ہیں جب امام بخاریؒ آخری مرتبہ نیشاپور آئے ہیں تو امام مسلم ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اور ان کے پاس برابر آتے جاتے تھے، امام دارقطنی کہتے ہیں کہ اگر وہاں بخاریؒ نہ ہوتے تو امام مسلم کو (وہاں) آنے جانے کی ضرورت نہ تھی۔

(۱۰۱۴) سلیمان بن اشعث: — یہ ابوداؤد سلیمان اشعث کے بیٹے سجستانی ہیں ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے سفر کئے مارے مارے پھرے اور احادیث جمع کر کے کتاب تصنیف کی اہل عراق، خراسان وشام و مصر وجزیرہ سے روایات سن کر لکھیں ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴ شوال ۲۷۵ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی، بغداد کئی مرتبہ آئے اور پھر آخری بار ۲۷۱ھ میں وہاں سے نکل گئے، مسلم بن ابراہیم سلیمان بن حرب، عبداللہ بن مسلمہ قعنبی، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل اور ان کے علاوہ ان ائمہ حدیث سے حدیث حاصل کی جو بوجہ کثرت شمار نہیں ہوتے ان سے ان کے صاحبزادے عبداللہ نے اور عبدالرحمٰن نیشاپوری نے اور احمد بن محمد خلال وغیرہ نے حدیث حاصل کی، ابوداؤد بصرہ میں سکونت پذیر رہے اور بغداد آئے اور وہاں اپنی تصنیف سنن ابی داؤد کی روایت کی وہاں کے رہنے والوں نے اس کتاب کو آپ سے نقل کیا اور اس کو امام احمد بن حنبل کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کے حسن وخوبی پر تحسین کا اظہار فرمایا، ابوداؤد نے کہا میں نے آنحضرت ﷺ سے نقل کردہ پانچ لاکھ حدیثیں جمع کی ان میں سے میں نے ان احادیث کا انتخاب کیا جن کو میں نے اس کتاب میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں جمع کیں، میں نے صحیح وصحیح کے مشابہ اور صحیح کے قریب قریب تینوں قسم کی حدیثیں بیان کی ہیں ان میں سے آدمی کو اپنے دین کے لئے صرف چار حدیثیں کافی ہیں ① حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ اعمال صرف نیتوں سے وابستہ ہیں ② حضور کا ارشاد ہے کہ آدمی کی اسلام کی خوبی سے ہے اس کا ترک کرنا (لایعنی و مہمل بات کو ③ آنحضرت ﷺ کا قول ہے کہ آدمی اس وقت تک (پورا) مؤمن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے ④ آنحضرت ﷺ کا فرمان کہ حلال ظاہر ہے اور حرام بھی واضح ہے لیکن ان دونوں کے بیچ میں کچھ مشتبہ چیزیں ہیں الخ۔ ابوبکر حلال نے کہا کہ ابوداؤد ہی اپنے زمانہ میں امام اور پیش رو تھے۔ یہ وہ شخص ہیں کہ ان کے زمانہ میں کوئی شخص تخریج علوم کی معرفت واستخراج کے مواقع کی بصیرت میں ان سے آگے نہیں بڑھا، صاحب ورع اور پیش رو ہیں۔ احمد بن محمد ہروی نے کہا کہ ابوداؤد زمانہ اسلام میں حدیث رسول حفظ کرنے والوں اور ان کے نقائص اور ان کی سند کے یاد رکھنے والوں میں سے ایک ہیں وہ اعلیٰ درجہ کے عبادت گزار عفیف نیک صاحب ورع اور شہسوار ان حدیث میں سے ہیں۔ ابوداؤد کی ایک آستین کشادہ اور دوسری تنگ تھی آپ سے دریافت کیا گیا، اللہ آپ پر رحم فرمائے یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کشادہ آستین کتابوں کے لئے ہے اور دوسری کے کشادہ رکھنے کی ضرورت نہیں خطابی نے کہا کتاب سنن ابوداؤد ایک شریف کتاب ہے علم دین میں اس جیسی کتاب تصنیف نہیں ہوئی، ابوداؤد نے فرمایا میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث درج نہیں کی جس کے ترک پر تمام لوگوں کا اتفاق ہو، ابراہیم حربی نے کہا جب ابوداؤد نے اس کتاب کی تصنیف کی تو آپ کے لئے حدیث ایسی نرم (آسان) کردی گئی جیسے داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا نرم کردیا گیا تھا، ابن عربی نے کتاب ابوداؤد کے متعلق فرمایا کہ اگر کسی شخص کے پاس علوم میں سے سوائے مصحف کے جس میں کتاب اللہ ہے اور پھر کتاب ابوداؤد کے علاوہ اور کچھ بھی نہ ہو تو ان دونوں کی موجودگی میں اس

کو قطعاً کسی علم کی ضرورت نہیں ہوگی۔

(۱۰۱۵) **محمد بن عیسیٰ ترمذی:** — یہ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ہیں۔ ترمذ میں دو شنبہ کی رات کو بتاریخ ۱۳ رجب ۲۷۹ھ میں وفات ہوئی ایک شہرت یافتہ حافظ حدیث عالم ہیں ان کو فقہ میں اچھی دسترس ہے ائمہ حدیث کی ایک جماعت سے حدیث حاصل کی، مشائخ کے صدر اول سے ان کی ملاقات ہوئی جیسے قتیبہ بن سعید، محمد بن غیلان، محمد بن بشر احمد بن منیع، محمد بن مثنی سفیان بن وکیع، محمد اسمٰعیل بخاری وغیرہ لاتعداد خلق کثیر سے علم حدیث حاصل کیا اور ان سے خلق کثیر نے حدیث حاصل کی ان میں محمد بن احمد محبوبی مروزی شامل ہیں ان کی علم حدیث میں بہت تصنیفات ہیں اور ان کی کتاب صحیح ترمذی سب کتابوں سے اچھی کتاب ہے، ان کی کتابوں میں ان کی ترتیب سب سے بہتر ہے اور ان کے فوائد سب سے زیادہ اور تکرار سب کتابوں سے کم ہے اس کتاب میں دو چیزیں ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں مثلاً ذکر مذاہب، استدلال کے طرق، انواع حدیث یعنی حسن وصحیح وغریب کا بیان، اس میں جرح وتعدیل بھی ہے آخر کتاب میں کتاب العلل کے نام سے ایک حصہ ہے اس میں انہوں نے اچھے فوائد جمع کر دیئے ہیں ان کا مرتبہ اس شخص پر مخفی نہیں جو ان سے واقف ہو چکا ہو ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کو مرتب کیا اور علمائے حجاز کے سامنے پیش کیا انہوں نے اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا پھر علمائے خراسان کے سامنے رکھا انہوں نے بھی پسند کیا پھر علمائے عراق کے سامنے رکھا انہوں نے پسند کیا جس شخص کے مکان میں یہ کتاب موجود ہو پس یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے یہاں ایک نبی موجود ہیں جو گفتگو فرما رہے ہیں ترمذی میں تاء مکسور اور ذال معجمہ ہے۔ یہ ترمذ کی طرف نسبت ہے اور وہ دریائے جیحون کے اس پار اس کے مشرق ساحل پر ایک مشہور شہر ہے۔

(۱۰۱۶) **احمد بن شعیب نسائی:** — یہ ابو عبدالرحمٰن احمد شعیب کے بیٹے اور نسائی ہیں، بمقام مکہ ۳۰۳ھ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں اہل حفظ وصاحب علم وفقہ حضرات میں سے ایک یہ بھی ہیں بڑے بڑے مشائخ سے ان کی ملاقات ہوئی انہوں نے قتیبہ بن سعید، ہناد بن سری، محمد بن بشار، محمود بن غیلان، ابوداؤد سلیمان بن اشعث اور دوسرے اہل حفظ مشائخ سے حدیث حاصل کی ان سے بھی بہت سے لوگوں نے جن میں ابوالقاسم طبرانی ابو جعفر طحاوی اور حافظ ابوبکر احمد بن اسحٰق سنی داخل ہیں حدیث حاصل کی حدیث اور علل وغیرہ میں ان کی بہت کتابیں ہیں حافظ مامون مصری نے کہا ہم ابو عبدالرحمٰن کے ساتھ طرطوس کی طرف گئے بہت سے بزرگان دین جمع ہو گئے اور حفاظ حدیث میں سے عبداللہ بن احمد بن حنبل اور محمد بن ابراہیم وغیرہ بھی تشریف لائے اور آپس میں مشورہ کیا کہ شیوخ کے مقابلہ میں ان کے لئے کوئی شخص سب سے زیادہ مناسب ہے، سب کا اتفاق ابو عبدالرحمٰن نسائی پر ہو گیا اور سب نے انہیں کا انتخاب تحریر کر دیا حاکم نیشاپوری نے کہا ابو عبدالرحمٰن کی فقہ وحدیث کے بارے میں گفتگو تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے کہ اس کا بیان کیا جائے (حدیث کے تفقہ میں مسلم ہیں) لیکن جو شخص بھی ان کی کتاب سنن میں غور کرے گا وہ ان کے حسن کلام میں حیران رہ جائے گا، انہوں نے کہا کہ میں نے حافظ علی بن عمر سے کئی بار سنا وہ کہتے تھے کہ ابو عبدالرحمٰن اپنے زمانہ میں ان تمام لوگوں سے مقدم ہیں جو اس علم میں شہرت یافتہ ہیں، امام نسائی مذہباً شافعی تھے بہت متقی اور سُنّت کا اتباع کرنے والے شخص تھے نسائی میں نون پر فتحہ اور سین بلا تشدید اور الف ممدودہ وہمزہ ہے یہ لفظ خراسان کی ایک آبادی نساء کی جانب منسوب ہے۔

(۱۰۱۷) **ابن ماجہ:** — یہ ابو عبداللہ محمد ہیں، یزید بن ماجہ کے بیٹے قزوین کے باشندہ، حافظ حدیث اور کتاب سنن ابن ماجہ کے مصنف ہیں امام مالک کے شاگردوں اور لیث سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے ابوالحسن قطان اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے حدیث کی سماعت کی ۲۰۹ھ میں تولد ہوئے اور ۲۷۳ھ میں بعمر ۶۴ سال وفات پائی۔

(۱۰۱۸) **عبداللہ دارمی:** — یہ ابو محمد عبداللہ ہیں عبدالرحمٰن کے بیٹے دارمی حافظ حدیث اور سمرقند کے عالم ہیں انہوں نے یزید بن ہارون نضر بن شمیل سے اور ان سے مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ نے روایت کی، ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ اپنے اہل زمانہ کے امام ہیں ۱۸۱ھ

میں تولد ہوئے اور ۲۵۵ھ میں عمر ۷۴ سال انتقال فرمایا۔

(۱۰۱۹) **دار قطنی**: — یہ ابوالحسن علی ہیں عمر کے بیٹے دار قطنی حافظ حدیث، امام اور زبردست مشہور عالم ہیں، یہ یکتائے روزگار، سردار زمانہ اور امام وقت ہیں ان پر علم حدیث ونقائص حدیث کی واقفیت و اسمائے رجال کا علم راویوں کی معرفت ختم ہے اس کے ساتھ ساتھ علوم حدیث کے علاوہ صدق امانت اعتماد وعدالت عقیدہ کی صحت اور مذہب کی سلامتی اور دوسرے علوم کی ذمہ داری سے آراستہ ہیں۔ مثلاً علم قرآن فقہاء کے مذاہب کی واقفیت وغیرہ، ابوسعید اصطخری سے فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی اور ان سے حدیث بھی جمع کی ان علوم میں سے علم ادب اور شعر بھی ہے۔ ابوطیب نے کہا کہ دار قطنی حدیث میں امیر المؤمنین ہیں انہوں نے بہت سے لوگوں سے حدیث کی سماعت اور ان سے حافظ حدیث ابونعیم، ابوبکر برقانی، جوہری قاضی ابوطیب طبری وغیرہ نے روایت کی ۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۸ ذی قعدہ ۳۸۵ھ بدھ کو وفات پائی۔ دار قطنی میں قاف اور نون ہے یہ بغداد کے ایک قدیم محلّہ دار قطن کی طرف منسوب ہے۔

(۱۰۲۰) **ابونعیم**: — یہ ابونعیم احمد ہیں عبداللہ کے بیٹے، اصفہان کے باشندہ ہیں، حلیہ کے مصنف ہیں یہ حدیث کے ثقہ مشائخ میں سے ہیں جن کی حدیث پر عمل ہوتا ہے اور جن کے قول کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، نہایت بڑے رتبہ کے شخص ہیں ۳۳۴ھ میں پیدا ہوئے اور صفر ۴۳۰ھ میں اصفہان میں بعمر ۹۶ سال وفات پائی۔

(۱۰۲۱) **الاسماعیلی**: — یہ ابوبکر ہیں نام احمد ابراہیم کے بیٹے اور اسماعیلی جرجانی ہیں یہ امام حدیث کے حافظ ہیں ان میں حدیث فقہ اصول دین و دنیا کی سرداری یکجا ہے، انہوں نے اپنی کتاب صحیح کو امام بخاری کی مقررہ شرط کے مطابق تصنیف کیا ان سے ان کے بیٹے ابوسعید اور جرجان کے اہل فقہ نے حدیث حاصل کی، ۳۷۷ھ میں پیدا ہوئے ان کی عمر ۹۴ سال ہوئی۔

(۱۰۲۲) **البرقانی**: — یہ ابوبکر احمد بن محمد خوارزمی برقانی ہیں اپنے شہر میں ابوعباس بن احمد نیشاپوری وغیرہ سے حدیث سنی بھر جرجان جاکر اسماعیلی سے حدیث سن کر بغداد جاکر اسے وطن بنالیا وہیں حدیث بیان کی اور ثقہ متورع متقن فہم ثبت تھے۔ خطیب ابوبکر بغدادی نے کہا، میں نے اپنے شیوخ میں کسی کو ان سے زیادہ ثبت نہیں پایا وہ حافظ قرآن، فقہ کے ماہر، علوم عربیہ میں دخیل تھے۔ علم حدیث میں ان کی کئی تصانیف ہیں ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور رجب ۴۲۵ھ میں بعمر ۸۹ سال انتقال فرمایا اور مقبرہ جامع منصور میں مدفون ہوئے، برقانی میں ایک نقطہ والی باء مکسور یاء مفتوح اور قاف اور نون ہے۔

(۱۰۲۳) **احمد سنی**: — یہ ابوبکر احمد ہیں، محمد کے بیٹے سنی اور حافظ حدیث اور دنیوری امام احمد بن شعیب نسائی وغیرہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں اور ان سے بہت سے لوگ ۳۶۴ھ میں وفات پائی، سنی میں سین مہملہ پر ضمہ اور نون مشددہ مکسور (اور یاء تحتیہ مشدد) ہے۔

(۱۰۲۴) **بیہقی**: — یہ ابوبکر احمد ہیں، حسین کے بیٹے اور بیہقی ہیں۔ حدیث اور تصنیف کتب اور فقہ کی واقفیت میں اپنے زمانہ کے یکتا شخص ہیں، حاکم ابوعبداللہ کے بڑے شاگردوں میں ہیں لوگ کہتے ہیں کہ حفاظ حدیث میں سات شخص ایسے گزرے ہیں جن کی تصانیف نہایت عمدہ ہیں اور ان سے لوگوں نے زبردست فائدہ حاصل کیا ① امام ابوالحسن علی بن عمر دار قطنی ② پھر حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری ③ پھر حافظ مصر ابومحمد عبدالغنی ازدی ④ پھر ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی ⑤ پھر حافظ مغرب ابوعمر بن عبدالبری ⑥ پھر ابوبکر احمد بن حسین بیہقی ⑦ پھر ابوبکر احمد بن خطیب بغدادی بیہقی ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے اور بمقام نیشاپور ۴۵۸ھ میں ماہ جمادی الاولی میں انتقال فرمایا اور ان کی عمر چوہتر سال کی ہوئی۔

(۱۰۲۵) **محمد بن ابی نصر حمیدی**: — یہ ابوعبداللہ محمد ہیں ابونصر فتوح بن عبداللہ کے بیٹے اندلس کے باشندہ اور حمیدی ہیں۔ کتاب

الجمع بین صحیح البخاری و مسلم کے مصنف یہ امام، زبردست اور مشہور عالم ہیں اپنے وطن میں حدیث کی سماعت کی اور مصر میں مہندس کے شاگردوں سے مکہ میں ابن فراس کے شاگردوں وغیرہ سے اور شام میں ابن جمیع کے شاگردوں سے اور دوسرے لوگوں سے حدیث کی سماعت کی، بغداد آئے تو دار قطنی کے شاگردوں سے اور دوسرے حضرات سے حدیث سنی، تاریخ اہل اندلس بھی انہیں کی تصنیف ہے۔ امیر بن ماکولا کہتے ہیں میں نے ان جیسا بے عیب عفیف اور متورع شخص نہیں دیکھا بغداد میں ذی الحجہ ۴۸۸ھ میں انتقال فرمایا ان کی پیدائش ۴۲۰ھ سے پہلے ہوئی۔

(۱۰۲۶) خطابی: — یہ امام ابو سلیمان احمد ہیں، محمد کے بیٹے خطابی اور بستی ہیں۔ اپنے زمانہ میں نمایاں جن کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے، زبردست عالم، فقہ، حدیث، ادب اور غریب احادیث کی معرفت میں یکتائے روزگار ہیں ان کی مشہور تصنیفات اور عجیب مولفات ہیں جیسے معالم السنن غریب الحدیث وغیرہ۔

(۱۰۲۷) ابو محمد حسین بغوی: — یہ فقیہ ابو محمد حسین ہیں مسعود کے بیٹے اور بغوی و شافعی ہیں کتاب مصابیح اور شرح السنہ اور فقہ کی کتاب التہذیب اور تفسیر کی کتاب معالم التنزیل کے مصنف ہیں ان کی اور بھی اچھی تصنیفات ہیں فقہ و حدیث میں امام تھے بہت متورع، معتمد علیہ، حجۃ اور دین میں صحیح عقیدہ رکھنے والے شخص تھے، پانچویں صدی ہجری کے بعد ۵۱۶ھ میں انتقال فرمایا۔ بغوی میں باء (ایک نقطہ والی) مفتوح، غین معجمہ مفتوح ہے خراسان کے شہر بغشور کی طرف نسبت ہے، یہ نسبت قاعدہ کے خلاف ہے کہا جاتا ہے کہ اس شہر کا نام بلغ ہے۔

(۱۰۲۸) رزین بن معاویہ: — یہ ابو الحسین رزین معاویہ کے بیٹے عبدی حافظ حدیث، التجرید فی الجمع بین الصحاح کے مصنف ہیں ۵۲۰ھ کے بعد انتقال فرمایا۔

(۱۰۲۹) مبارک بن محمد جزری: — یہ ابو السادات مبارک محمد کے بیٹے جزری، ابن اثیر کے نام سے مشہور ہیں جامع الاصول مناقب الاخیار اور نہایہ کے مصنف ہیں۔ محدث، عالم اور لغت کے ماہر تھے بڑے بڑے ائمہ میں سے بہت سے لوگوں سے روایت کی۔ پہلے جزیرہ میں تھے پھر ۵۱۵ھ میں موصل منتقل ہو گئے اور وہاں مقیم رہے اور حج کے ارادہ سے بغداد آئے اور پھر موصل واپس ہو گئے۔ وہیں یوم پنجشنبہ آخری ذالحجہ ۶۰۶ھ کو انتقال فرمایا۔

(۱۰۳۰) ابن جوزی: — یہ ابو الفرج عبدالرحمٰن ہیں علی بن جوزی کے بیٹے، حنبلی المسلک اور بغداد میں واعظ تھے، ان کی کئی مشہور تصنیفات ہیں، ۵۱۰ھ میں تولد ہوئے اور ۵۹۷ھ میں انتقال فرمایا۔

(۱۰۳۱) امام نووی: — یہ ابو زکریا محی الدین یحییٰ ہیں شرف کے بیٹے۔ نووی اور اپنے زمانہ کے امام اور عالم و فاضل و صاحب ورع، فقیہ و محدث، ثبت اور حجۃ ہیں۔ ان کی بہت سی مشہور تصنیفات اور عجیب و مفید تالیف ہیں، فقہ میں الروضہ حدیث میں الریاض اور الاذکار، شرح حدیث میں شرح مسلم اور اس کے علاوہ معرفۃ علوم الحدیث واللغۃ جیسی کتابیں ان کی تصنیفات میں سے ہیں انہوں نے بڑے مشائخ سے اور ان سے بہت سے لوگوں نے حدیث کی سماعت کی، انہوں نے شرح مسلم اور الاذکار کی روایت کی تمام مسلمانوں کو اجازت دی۔ یہ دمشق کے زیر انتظام ایک گاؤں "نوی" کے باشندہ تھے۔ وہیں بڑے ہوئے اور پورا قرآن حفظ کیا۔ ۶۵۰ھ میں دمشق آئے اس وقت آپ کی عمر ۱۹ سال تھی یہاں فقیہ بنے اور ترقی کر گئے ان کی زندگی نہایت غریبانہ تھی صرف قوت لایموت پر قناعت کرتے تھے، جذبات و خواہشات سے الگ رہتے۔ خوف خدا اور عبادت میں لگے رہتے حق بات کو خوب بیان کرتے پگڑی چھوٹی استعمال فرماتے تھے راتوں میں اکثر بیدار رہتے اور علمی و عملی کاموں پر جھکے رہتے۔ رجب ۶۷۶ھ میں وفات پائی۔ نوی میں آپ کی قبر زیارت گاہ ہے کل ۴۵

سال زندہ رہے مولف کہتے ہیں کہ ان کا ذکر آخر کتاب میں آیا ہے جیسا کہ ان کا نام آخر حروف میں ہے۔

ایک بات اور عرض کرنا ہے کہ میں نے جو کچھ پیش کیا ہے اس میں صرف قابل اعتماد ائمہ کی کتب پر اعتماد کیا ہے جیسے ابن عبدالبر کی کتاب استیعاب، ابونعیم اصفہانی کی حلیۃ الاولیاء ابوالسعادات جزری کی جامع الاصول اور مناقب الاخیار ابوعبداللہ ذہبی ودمشقی کی کتاب کاشف ہیں یوم جمعہ ۲۰ رجب ۷۴۰ھ کو اس کتاب کی تصنیف و مضامین کے جمع کرنے ان کو درست کرنے اور آراستہ کرنے سے فارغ ہوا۔

میں اللہ تعالیٰ کا سب سے کمزور عفو خدا اور اس کی مغفرت کا امیدوار بندہ، خطیب محمد بن عبداللہ بن محمد ہوں۔ یہ سب کچھ میرے شیخ اور آقا مفسرین کے سرتاج محققین کے امام دین وملت کی عزت مسلمانوں پر خدا کی قائم کردہ حجت حسین بن عبداللہ بن محمد طیبی (اللہ تعالیٰ دیر تک مسلمانوں کو ان کی درازی عمر سے نفع بخشیں) کی اعانت اور امداد سے سرانجام ہوا۔ میں نے مشکوۃ کی طرح اس کو بھی ان کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے مشکوۃ کی طرح اس کی بھی تحسین فرمائی اور بہت پسند فرمایا۔

تمت بالخير